WAR
And
PEACE
LEO TOLSTOY
A NEW TRANSLATION BY
RICHARD PEVEAR
LARISSA VOLOKHONSKY

جنگ اور امن

(ناول)

لیو ٹالسٹائی

مترجم: فیصل اعوان

فکشن ہاؤس

لاہور • حیدرآباد • کراچی •

(ناول)

جنگ اور امن

ناول کے اہم کردار

ناول میں بیان کردہ اہم خاندان اور ان کے ارکان کے نام ذیل میں دیے گئے ہیں۔ مختلف کرداروں کے معروف و مستعمل ناموں کو بڑے حروف میں ظاہر کیا گیا ہے۔

بیزوخوف

نواب کیرل بیزوخوف

پیری (کیرل کا بیٹا) باپ کی وفات کے بعد نواب پیٹر **بیزوخوف** کہلانے لگتا ہے

شہزادی **کیتش** (پیری کی چچازاد بہن)

رستوف

نواب ایلیا آندرچ رستوف

بیگم نتالی **رستوف** (ایلیا آندرچ کی بیوی)

نواب **نکولائی** رستوف (**نکولس**) بڑا بیٹا

پیٹر رستوف (**پیٹیا**) دوسرا بیٹا

ویرا رستوف (بڑی بیٹی)

نتالی رستوف (**نتاشا**) چھوٹی بیٹی

سونیا (رستوف خاندان کی ایک غریب فرد)

الفانسو کارل **برگ** (جرمن نژاد فوجی افسر جو ویرا سے شادی کرتا ہے)

بلکونسکی

شہزادہ نکولائی **بلکونسکی** (ریٹائرڈ جنرل انچیف)

شہزادہ آندرے بلکونسکی (نکولائی کا بیٹا)

شہزادی ماریا بلکونسکی (بیٹی)

شہزادی الزبتھ بلکونسکی (**لیزا**) آندرے کی بیوی

تیخن (نکولائی کا ملازم)

الفاچ (شہزادہ نکولائی کی جائیداد کا منتظم)

کوراگن

شہزادہ ویسلے کوراگن

شہزادہ **اپولت کوراگن** (ویسلے کا بڑا بیٹا)

شہزادہ **اناطول** کوراگن (چھوٹا بیٹا)

شہزادی **ایلین** کوراگن (بیٹی) جس کی شادی پیری سے ہوتی ہے

دیگر

شہزادی **اینا میخائلونا** دروبتسکی

بورس دروبتسکی (بیٹا)

جولی **کاراگن** (دولتمند لڑکی جو بورس سے شادی کرتی ہے)

اینا پاؤلونا شیرر (ملکہ ماریا فیودورونا کی مصاحب)

دولوخوف (**فیدیا**) فوجی اور غنڈہ

ماریا متریونا آخروسیموف (خوفناک خاتون)

دینی سوف (گھڑسوار فوجی دستے کا افسر)

پلاتون **کاراتایف** (کسان)

☆☆☆

پہلا حصہ

(1)

''اچھا، تو شہزادے گویا جینوا اور لوکا کی حیثیت اب بوناپارٹ خاندان کی ذاتی جاگیروں سے زیادہ نہیں رہی۔ نہیں، میں تمہیں خبردار کرتی ہوں کہ اگر تم نے اسے جنگ نہ سمجھا اور اس دجال کی بدنامی اور سفاکی سے نظریں چرائیں تو میں تم سے کوئی واسطہ رکھوں گی نہ تمہیں اپنا دوست اور وفادار غلام سمجھوں گی جس کا تم ڈھنڈورا پیٹتے رہتے ہو۔ خیر، یہ بتاؤ تم کیسے ہو، میرا خیال ہے کہ میں تمہیں ڈرا رہی ہوں، بیٹھ جاؤ اور مجھ سے گفتگو کرو''

یہ جولائی 1805ء کا واقعہ ہے اور بولنے والی خاتون شاہی دربار کی نمایاں ہستی نیز ملکہ ماریافیودورونا کی قابل اعتماد مصاحب اینا پاؤلونا شیئرر تھی۔ وہ اپنی رہائش گاہ پر منعقد ہونے والی رات کی محفل کے پہلے مہمان شہزادہ ویسلے کا استقبال کر رہی تھی جو اعلیٰ حکومتی عہدیدار بھی تھا۔ اینا پاؤلونا چند روز سے کھانسی میں مبتلا تھی۔ اس کے بقول یہ کھانسی فلو کے باعث تھی، ان دنوں لفظ فلو سے زیادہ لوگ آشنا نہ تھے۔ اس صبح اس نے سرخ وردی میں ملبوس اپنے خادم کے ذریعے تمام مہمانوں کو جو دعوتی رقعے بھیجے ان پر بلا امتیاز ایک ہی زبان میں لکھا تھا کہ:

> ''محترم نواب (یا بیگم) اگر آج کوئی اہم مصروفیت نہ ہو اور ایک لاچار مریضہ کے ساتھ کچھ وقت گزارنا طبیعت پر گراں نہ گزرے تو مجھے آپ کو شام سات سے دس بجے کے درمیان اپنے ہاں دیکھ کر دلی خوشی ہوگی۔۔۔ شیئرر''

''خدا کی پناہ، کیسا شدید حملہ ہے'' شہزادے نے جواب دیا، تاہم وہ اینا پاؤلونا کی باتیں سن کر قطعاً پریشان نہیں ہوا تھا۔ اس نے کڑھائی والا درباری لباس پہن رکھا تھا جبکہ سینے پر تمغے اور سپاٹ چہرے پر مسکراہٹ نمایاں تھی۔ وہ شستہ فرانسیسی زبان میں محو گفتگو تھا، ہمارے آباؤ اجداد اسی زبان میں بولتے اور سوچتے تھے۔ اس کے لہجے میں وہ مخصوص آہستگی اور مربیانہ انداز موجود تھا جو شاہی دربار میں اٹھنے بیٹھنے والے کا خاصہ ہوتا ہے۔ وہ اینا پاؤلونا کے قریب گیا اور اس کے ہاتھ کا بوسہ لینے اور پھر خوشبو سے معطر اپنا چمکتا گنجا سر اس کے سامنے جھکانے کے بعد اطمینان سے صوفے پر بیٹھ گیا۔

اینا پاؤلونا نے پوچھا'' پیارے دوست، سب سے پہلے تو مجھے یہ بتاؤ کہ تم کیسے ہو اور میری تشویش دور کرو''

شہزادے نے اپنی آواز اور لہجے میں کسی قسم کی تبدیلی لائے بغیر جواب دیا'' اخلاقی کشمکش سے دوچار کوئی شخص کیسے خوش رہ سکتا ہے؟ اگر کسی میں احساس ہو تو اس کے لیے موجودہ حالات میں پرسکون رہنا کیونکر ممکن ہے؟'' اس کی بات سن کر اینا پاؤلونا بولی'' کیا میں امید رکھ سکتی ہوں کہ تم آج پوری شام یہیں گزارو گے؟''

شہزادہ کہنے لگا'' انگلستان کے سفیر کی ضیافت کا کیا ہوگا؟ آج بدھ ہے اور مجھے وہاں ہر صورت شریک ہونا ہے۔ میری بیٹی مجھے وہاں لے جانے کیلئے آرہی ہے''

اینا نے جواب دیا'' میرا خیال تھا کہ آج کی ضیافت ملتوی ہو چکی ہوگی۔ میں یہ کہنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتی کہ یہ ضیافتیں اور جشن اب دلچسپی کھونے لگے ہیں''

شہزادے نے جواباً کہا'' اگر انہیں علم ہوتا کہ آپ کی یہ خواہش ہے تو وہ آج کی ضیافت بہرصورت ملتوی کر دیتے'' وہ ایسے کلاک کی طرح بول رہا تھا جسے چابی دی جا چکی ہو اور ایسی باتیں کرتا تھا جن پر یقین کیے جانے کی اسے بھی خواہش نہ ہوتی تھی۔

اینا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے بولی'' مجھے تنگ کرنے کی کوشش مت کرو اور یہ بتاؤ کہ نووسلت زوف کے مراسلے بارے کیا فیصلہ ہوا ہے۔ تم اس سلسلے میں سب کچھ جانتے ہو''

شہزادے نے تھکے لہجے میں جواب دیا'' اس حوالے سے بتانے کیلئے بھلا ہے ہی کیا؟ فیصلہ یہ ہوا ہے کہ بوناپارٹ اپنی کشتیاں جلا چکا ہے اور میرا خیال ہے کہ ہم بھی اپنی کشتیاں جلانے والے ہیں''

شہزادہ ویسلے ہمیشہ اکتائے لہجے میں بات کرتا تھا جیسے کوئی اداکار کسی پرانے ڈرامے میں اپنا کردار دوہرا رہا ہو۔ اس کے برعکس اینا پاؤلونا شیئرر اگرچہ چالیس سال کی عمر کو پہنچ چکی تھی تاہم اس کے لہجے میں ابھی تک جوش اور ترنگ جھلکتا تھا۔ جوش اور ولولے سے گفتگو کرنا اس کا طرۂ امتیاز بن چکا تھا اور بعض اوقات جب طبیعت میں یہ کیفیت نہ بھی ہوتی تو وہ اپنے جاننے والوں کی توقعات کو دیکھتے ہوئے یہی لہجہ اپنائے رکھتی۔ اس کے چہرے پر مصنوعی تبسم ہر لحظہ موجود رہتا، اگرچہ یہ مسکراہٹ اس کے تھکے تھکے چہرے سے مطابقت نہیں رکھتی تھی تاہم اس سے یہ احساس ضرور ہوتا کہ اسے اپنی اس خامی کا احساس ہے البتہ کسی بگڑے بچے کی مانند وہ اپنی اس خامی کی اصلاح کرنا چاہتی تھی نہ کر سکتی تھی اور نہ ہی ایسا کرنا ضروری سمجھتی تھی۔

سیاست سے متعلق گفتگو کے دوران اینا یکلخت جذباتی ہوگئی اور کہنے لگی۔۔۔'' مجھ سے آسٹریا کے بارے میں بات مت کرو۔ ممکن ہے میں اس حوالے سے کچھ نہ جانتی ہوں مگر آسٹریا نے کبھی جنگ کی خواہش کی ہے نہ کرے گا۔ وہ ہمیں دھوکہ دے رہا ہے۔ روس کو تن تنہا یورپ کا نجات دہندہ بننا پڑے گا۔ ہمارا محسن اپنے عظیم مقدر سے آگاہ ہے اور اس سے مخلص رہے گا۔ یہی ایک بات ہے جس کا مجھے پوری طرح یقین ہے۔ ہمارے اچھے اور پرجلال شہنشاہ نے دنیا میں عظیم ترین کردار ادا کرنا ہے اور وہ اس قدر نیک سیرت، عالی ظرف اور عالیشان ہیں کہ خدا بھی ان کا ساتھ نہیں چھوڑے گا، اور وہ انقلاب کے عفریت کا گلا گھونٹنے کا اپنا فرض پورا کریں گے جو اب اس قاتل اور خبیث شخص کی صورت میں پہلے سے زیادہ بھیانک ہو چکا ہے۔۔۔ میں تم سے پوچھتی ہوں کہ ہم کس پر اعتبار کر سکتے ہیں؟۔۔۔ انگلستان جسے اپنے تجارتی مفادات عزیز ہیں ہمارے شہنشاہ الیگزنڈر کے اعلیٰ باطن کو سمجھتا ہے نہ سمجھے گا۔ وہ مالٹا خالی کرنے سے انکار کر چکا ہے۔ وہ کھوج لگانے کی کوشش کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ ہمارے درپردہ مقاصد کچھ اور ہیں۔ انہوں نے نووسلت زوف سے کیا کہا؟ کچھ بھی نہیں۔ وہ نہیں سمجھے اور وہ ہمارے شہنشاہ کے ایثار کو سمجھنے کے قابل بھی نہیں جسے انسانیت کی بھلائی سے زیادہ کوئی شے عزیز نہیں۔ انگلستان والوں نے کیا معاہدہ کیا ہے؟ کچھ بھی تو نہیں۔ وہ جو وعدہ کر چکے ہیں اس پر پورا اترنے کا بھی یقین نہیں۔ پرشیا کہہ چکا ہے کہ بوناپارٹ ناقابل تسخیر ہے اور یہ کہ تمام یورپ مل کر بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔۔۔ مجھے ہارڈنبرگ یا ہیوگوونز کے ایک لفظ پر بھی یقین نہیں۔ پرشیا کی مشہور زمانہ غیر جانبداری محض دھوکہ ہے۔ مجھے خدا اور اپنے قابل احترام شہنشاہ کے علاوہ کسی پر بھروسہ نہیں۔ وہی یورپ کو بچائیں گے''۔۔۔ اتنا کہہ کر وہ اچانک رک گئی اور اپنے لہجے میں موجود جوش کا احساس کر کے اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

شہزادہ مسکراتے ہوئے بولا "میرا خیال ہے کہ اگر پرشیا میں ونسنگیروڈ کی بجائے تمہیں سفیر بنا کر بھیجا جاتا تو اپنی گفتگو سے تم پرشیا کے بادشاہ کو باآسانی مسخر کر لیتیں۔ تمہاری زبان بیحد فصیح ہے۔ کیا مجھے چائے کا بھی نہیں پوچھو گی؟"

"بس ایک منٹ میں آتی ہے" اینا نے پرسکون لہجے میں جواب دیا اور کہنے لگی "آج رات یہاں دو دلچسپ شخصیات آ رہی ہیں جن میں سے ایک نواب مارٹی مارٹ ہے جس کا روحاں خاندان کی وساطت سے فرانس کے سربرآوردہ خاندان مونٹ مورینسی سے تعلق ہے۔ فرانس سے ہجرت کر کے یہاں آنے والوں میں وہ واقعی اچھا اور سچا شخص ہے۔ دوسرا شخص ایبے موریو ہے، کیا تم اس ذہین شخص کو جانتے ہو۔ شہنشاہ بھی اسے اپنے ہاں مدعو کر چکا ہے، کیا تمہیں علم ہے؟"

شہزادے نے جواب دیا "ہاں، مجھے ان سے مل کر خوشی ہوگی اور کیا یہ سچ ہے کہ مادر ملکہ بیرن فنک کو ویانا میں سفیر مقرر کرنا چاہتی ہیں" یہ بات کہتے ہوئے اس کے لہجے میں خصوصی بے پروائی تھی گویا وہ جو بات پوچھنا چاہتا ہے وہ اچانک اس کے ذہن میں آئی ہے حالانکہ اس کی آمد کا بڑا مقصد ہی اس امر کی ٹوہ لگانا تھا۔ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے وہ بولا "بیرن میں کوئی خاص خوبی بھی نہیں" دراصل شہزادہ ویسلے اپنے بیٹے کیلئے یہ عہدہ حاصل کرنا چاہتا تھا جبکہ دیگر لوگ ملکہ ماریا فیوڈورونا کے ذریعے بیرن فنک کو سفیر بنوانا چاہتے تھے۔

شہزادہ ویسلے کی بات سن کر اینا پاؤلونا نے آنکھیں تقریباً میچ لیں۔ یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ وہ خود یا کوئی اور شخص ملکہ کے انتخاب پر رائے زنی نہیں کر سکتا۔ پھر وہ خشک اور اداس لہجے میں بولی "ملکہ سے بیرن فنک کی سفارش ان کی ہمشیرہ نے کی تھی" اینا پاؤلونا نے جب ملکہ کا ذکر کیا تو اس کے چہرے پر وفاداری، عقیدت واحترام کا حقیقی تاثر پیدا ہو گیا۔ جب بھی وہ اپنی اس مربی کا ذکر کرتی اس کے چہرے پر یہی کیفیت طاری ہو جاتی۔ اس نے مزید کہا "ملکہ نے بیرن فنک پر خصوصی شفقت فرمائی تھی" اور یہ کہہ کر اس کے چہرے پر وہی حزنیہ تاثر پھیل گیا۔ شہزادے نے اپنا غیر جانبدارانہ رویہ برقرار رکھا اور خاموش رہا۔ ملکہ کے انتخاب بارے بیباکی سے رائے زنی کرنے پر اینا پاؤلونا نے اشاروں کنائیوں میں اس کی سرزنش کر دی تھی، تاہم وہ درباری خاتون ہونے کے ناطے موقع محل کی مناسبت سے بات کرنے پر قادر تھی سو اس نے شہزادے کی دلجوئی کیلئے کہا "ذرا تمہارے گھرانے کا ذکر ہی ہو جائے، کیا تمہیں اپنی بیٹی کے بارے میں علم ہے کہ جب سے اس نے ادھر ادھر آنا جانا شروع کیا ہے اس نے لوگوں کے دل موہ لیے ہیں۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ تابناک حسن کی مالک ہے"

اینا کی بات سن کر شہزادے نے احترام اور شکریے کے طور پر سر جھکا لیا۔

ذرا وقفے کے بعد وہ مسکراتے ہوئے شہزادے کے قریب آ گئی جو اس بات کا اشارہ تھا کہ اب سیاست اور سماجی موضوع پر بات ختم ہو چکی ہے اور بے تکلفانہ گفتگو شروع کر دینی چاہیے۔ پھر وہ بولی "میں اکثر سوچتی ہوں کہ بعض اوقات زندگی کی نعمتیں کس قدر غیر منصفانہ انداز میں تقسیم ہو جاتی ہیں۔ تمہیں قدرت نے دو کس قدر شاندار بچوں سے نوازا ہے۔۔۔ میں تمہارے چھوٹے بیٹے اناطول کا ذکر نہیں کر رہی۔۔۔ مجھے وہ بالکل پسند نہیں (اس نے یہ الفاظ بھویں سکیڑتے ہوئے کچھ اس انداز میں کہے کہ گویا اس کی بات سے انکار کی گنجائش ہی نہیں) کس قدر پیارے بچے ہیں تمہارے، یوں لگتا ہے کہ تمہیں ان کی قدر ہی نہیں اور اس صورت میں تم ان کے باپ کہلانے کے حقدار بھی نہیں ہو"

یہ کہہ کر اس کے چہرے پر پھر پرکیف مسکراہٹ طاری ہو گئی۔

شہزادے نے کہا "آخر تم کیا چاہتی ہو، شاید مجھے بچوں سے پیار کرنا نہیں آتا"

جواباً اینا بولی "مذاق چھوڑو، میں تم سے سنجیدہ بات کرنا چاہتی ہوں۔ کیا تم جانتے ہو کہ میں تمہارے چھوٹے بیٹے سے خوش نہیں ہوں۔ راز کی بات ہے (یہ کہتے ہوئے اینا کے چہرے پر وہی ملال چھا گیا) لوگ ملکہ محترمہ کو بھی اس کے بارے میں آگاہ کر چکے ہیں اور ہر شخص تم سے ہمدردی کا اظہار کر رہا تھا۔۔۔"

شہزادے نے کوئی جواب نہ دیا تاہم معنی خیز انداز میں اسے دیکھتا رہا۔ اینا اس کا جواب سننے کیلئے خاموش ہوئی تو شہزادے کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ آخر کار وہ بولا "مجھے کیا کرنا چاہیے؟ تم جانتی ہو کہ میں نے باپ کی حیثیت سے انہیں تعلیم دلانے کیلئے جو کچھ بن پڑا کیا مگر دونوں ہی احمق نکلے۔ اپولٹ کو کم از کم خاموش بیوقوف کہا جا سکتا ہے مگر اناطول ایسا بیوقوف ہے جو خاموش بھی نہیں رہ سکتا۔ دونوں میں یہی ایک فرق ہے" یہ بات کہہ کر وہ مسکرانے لگا مگر اب اس کی مسکراہٹ مزید غیر فطری اور معمول سے کہیں زیادہ مصنوعی تھی جس کی بدولت اس کے ہونٹوں کے گرد لکیریں بھی زیادہ بدنما دکھائی دینے لگیں۔

اینا غور و فکر میں ڈوبی آواز میں بولی "آخر تم جیسے مردوں کے ہاں بچے پیدا ہی کیوں ہوتے ہیں۔ اگر تم باپ نہ ہوتے تو تم میں کوئی خرابی نہ تھی"

شہزادے نے جواب دیا "میں تمہارا وفادار غلام ہوں اور صرف تمہارے سامنے اعتراف کرتا ہوں کہ میرے بچے میری تباہی کا باعث بن رہے ہیں۔ یہ ایک ایسی صلیب ہے جسے اٹھانا میری مجبوری بن چکی ہے۔ یہ بات میں اسی طرح بیان کر سکتا ہوں۔ خیر تم کیا چاہتی ہو" اتنا کہہ کر وہ اس انداز سے خاموش ہو گیا جیسے بری تقدیر کے ہاتھوں پٹ چکا ہو۔ اینا پاؤلونا ایک لمحے کو رکی اور پھر کہنے لگی "کیا تم نے اپنے فضول خرچ بیٹے اناطول کی شادی کے بارے میں کبھی نہیں سوچا؟ لوگ کہتے ہیں کہ بن بیاہی بڑی بوڑھیوں کو رشتے کروانے کا خبط ہوتا ہے، مجھ میں یہ خامی ہے یا نہیں البتہ میرے ذہن میں شہزادی بلکونسکی نامی اپنی ایک رشتہ دار لڑکی کا خیال آیا ہے جو اپنے باپ سے ناخوش ہے"

شہزادہ ویسلے نے کوئی جواب نہ دیا تاہم تجربہ کار لوگوں کی طرح پرانی باتیں ذہن میں تازہ کرتے ہوئے سر کو اس انداز میں جنبش دی جیسے بات سمجھ اور اس پر غور کر رہا ہو۔ پھر وہ بولا "کیا تم جانتی ہو کہ اس صاحبزادے پر میرے سالانہ چالیس ہزار روبل خرچ ہو رہے ہیں" کچھ دیر ٹھہرنے کے بعد وہ دوبارہ کہنے لگا "اگر یہی صورت رہی تو پانچ سال میں یہ خرچ کہاں تک جا پہنچے گا؟ یہ ہیں باپ ہونے کے فوائد۔۔۔ کیا تمہاری وہ رشتہ دار امیر ہے؟"

اینا نے جواب دیا "اس کا باپ بیحد امیر اور اسی قدر کنجوس بھی ہے۔ وہ شہر سے دور مضافات میں رہتا ہے۔ تم جانتے ہو گے، وہی بدنام شہزادہ بلکونسکی جو مرحوم شہنشاہ کے دور میں ریٹائر ہوا تھا، لوگ اسے "پرشیا کا بادشاہ" کہتے ہیں۔ بہت ہوشیار آدمی ہے مگر سنکی بھی ہے۔ بیچاری چھوٹی شہزادی اس قدر ناخوش ہے جتنا کہ کوئی ہو سکتا ہے۔ اس کا بھائی کوتوزوف کا معاون ہے اور اس نے حال ہی میں لیز امینن سے شادی کی ہے۔ آج شام وہ بھی یہاں ہو گا"

شہزادے نے اچانک اینا کا ہاتھ تھام لیا اور کسی وجہ سے اسے نیچے جھکاتے ہوئے کہنے لگا

"پیاری اینا، میری خاطر یہ معاملہ طے کرا دو، میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے تمہارا وفادار غلام رہوں گا۔ وہ لڑکی اچھے اور امیر خاندان سے تعلق رکھتی ہے اور یہی کچھ میں چاہتا ہوں" بات مکمل کرنے کے بعد شہزادے نے آزادی، بے تکلفی اور اعتماد کے ساتھ اس کا ہاتھ تھام لیا اور اس کا بوسہ لینے کے بعد آہستہ آہستہ اسے ہلانا شروع کر دیا۔ بعد ازاں وہ دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا اور کہیں دور خلا میں دیکھنے لگا۔

اینا پاؤلونا بولی" ذرا صبر کرو، میں اسی شام بلکونسکی کی بہو لیزا سے بات کروں گی، ہوسکتا ہے کام بن جائے۔ شاید تمہارے خاندان سے ہی میرے کنواری بڑھیا کے طور طریقے سیکھنے کی ابتداء ہوگی"

(2)

اینا پاؤلونا کا ڈرائنگ روم آہستہ آہستہ مہمانوں سے بھرنے لگا۔ ان لوگوں کا تعلق پیٹرز برگ کے اعلیٰ ترین طبقے سے تھا جن کی عمریں اور کردار جدا جدا جبکہ سماجی حلقہ مشترک تھا۔ شہزادہ ویسلے کی خوبصورت بیٹی ایلین اسے انگلستان کے سفیر کی ضیافت میں لے جانے کیلئے آئی ہوئی تھی۔ اس نے رقص کا لباس زیب تن کر رکھا تھا جس پر شاہی نشان ثبت تھا۔ بلکونسکی خاندان کی چھوٹی شہزادی بھی وہاں موجود تھی جسے پیٹرز برگ کی دلفریب ترین خاتون کہا جاتا تھا۔ اس کا گزشتہ سرما میں بیاہ ہوا تھا اور پاؤں بھاری ہونے کے سبب بڑی محافل میں شرکت سے گریز کرتی البتہ چھوٹی پارٹیوں میں اب بھی دیکھی جاتی تھی۔ شہزادہ ویسلے کا بیٹا ایولٹ مارٹی مارٹ کے ساتھ آیا جس کا تعارف بھی اس نے خود کرایا۔ ایبے موریو اور دیگر متعدد افراد بھی وہاں موجود تھے۔

مہمان پہنچ گئے تو اینا پاؤلونا نے ان سے پوچھا" کیا تم میری خالہ سے نہیں ملے؟" بعدازاں وہ ہر فرد کو ایک پستہ قامت معمر خاتون کے پاس لے گئی جس نے سر پر اونچی کلغیوں والی ٹوپی اوڑھ رکھی تھی اور جونہی مہمان پہنچنا شروع ہوئے وہ برابر والے کمرے سے نکل کر ہال میں آ گئی تھی۔ اینا پاؤلونا ہر مہمان کو اپنی خالہ کے پاس لے گئی اور اپنی نگاہیں مہمان کے جسم سے خالہ کے چہرے پر منتقل کر کے اس کا نام بتایا اور تعارف کرایا۔ تمام مہمانوں کیلئے یہ خالہ غیر معروف، غیر دلچسپ اور غیر ضروری شے تھی تاہم ہر ایک نے اس سے سلام دعا کی رسم پوری کی۔ خالہ ہر شخص سے اس کی، اپنی اور ملکہ کی صحت کے بارے میں ایک سے الفاظ کہتی البتہ ملکہ کے ذکر میں یہ اضافہ ہوتا" خدا کا شکر ہے کہ وہ پہلے سے بہتر ہیں" اینا پاؤلونا سنجیدگی اور توجہ بھری خاموشی سے یہ کارروائی دیکھتی اور سر ہلاتی رہتی۔ علیک سلیک کے دوران ہر شخص خالہ سے جلد از جلد دور ہونے کی کوشش کرتا اور پھر تمام شام اس کے قریب نہ پھٹکتا تاہم ہر شخص محفل کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے وہ اس خواہش کا اظہار نہ ہونے دیتا۔ نوعمر شہزادی بلکونسکی سونے کی کڑھائی والے مخملیں بیگ میں اپنا کشیدہ کاری کا سامان ساتھ لائی تھی۔ اس کا دلکش بالائی ہونٹ جو نچلے کی نسبت گہری رنگت کا حامل تھا اس قدر چھوٹا تھا کہ دانت نہیں چھپتے تھے مگر جب وہ اسے اوپر اٹھاتی تو بیحد بھلا معلوم ہوتا اور جب یہ نچلے ہونٹ سے ملتا تو اس کی دلکشی میں اور بھی اضافہ ہو جاتا۔ چھوٹا ہونٹ اور ادھ کھلا منہ دلکش خواتین کی خامی سمجھی جاتی ہے مگر یہی شے شہزادی بلکونسکی کی خوبی معلوم ہوتی تھی۔ ہر شخص زندگی اور خوشی سے بھرپور اس دلکش شہزادی کو دیکھ کر خوش ہوتا جو ماں بننے والی تھی مگر اس کے چال ڈھال سے کسی مشکل میں مبتلا ہونے کا تاثر نہ ملتا۔ بوڑھوں اور اکتائے ہوئے افسردہ نوجوانوں کو اسے دیکھنے، اس کے قریب رہنے اور اس سے گفتگو کرنے سے خاص سرخوشی حاصل ہوتی تھی۔ ہر وہ شخص جسے اس سے بات چیت کا موقع ملتا جب ہر لفظ پر اس کی درخشاں مسکراہٹ اور سفید دانتوں کی چمک دیکھتا تو اسے یوں محسوس ہوتا گویا اس شام اسے خصوصی کامیابی مل گئی ہو اور ایسا ہر شخص کیلئے تھا۔

شہزادی بلکونسکی کا بیگ اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے چھوٹے چھوٹے قدموں سے میز کے گرد چکر لگایا اور اپنے لباس کی شکنیں درست کرتے ہوئے چاندی سے بنے سماوار کے قریب صوفے پر بیٹھ گئی۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کا ہر کام اس کے اور دیگر لوگوں کیلئے مسرت کا باعث ہو۔

اس نے اپنا بیگ کھولا اور حاضرین سے عمومی طور پر مخاطب ہوتے ہوئے بولی" میں اپنا کام ساتھ لیتی آئی ہوں" پھر اس نے اینا پاؤلونا کی جانب رخ کیا اور کہنے لگی" آپ نے لکھا تھا کہ یہ چھوٹی سی محفل ہوگی۔ دیکھو میں کچھ زیادہ بن سنور کر نہیں آئی" یہ کہہ کر اس نے بازو ہلائے اور اپنے شاندار سرمئی لباس کی نمائش کی جس پر جھالر اور خوبصورت پٹی بندھی تھی۔

اینا نے جواب دیا" لیزا گھبراؤ نہیں، تم ہمیشہ ہر ایک سے زیادہ خوبصورت رہو گی"

شہزادی بولی" آپ کو علم ہے کہ میرا شوہر مجھ سے پیچھا چھڑا رہا ہے" پھر اسی لہجے میں ایک جرنیل سے مخاطب ہو کر بولی" وہ مرنے جا رہا ہے" اور پھر شہزادہ ویسلے سے کہنے لگی مجھے بتائیں کہ یہ غلیظ جنگ کیوں لڑی جا رہی ہے" بعدازاں وہ جواب کا انتظار کئے بغیر ویسلے کی خوبصورت بیٹی ایلین کی جانب متوجہ ہوگئی۔ شہزادہ ویسلے نے اینا پاؤلونا سے زیر لب کہا" یہ چھوٹی شہزادی کس قدر خوبصورت ہے"

اس کے فوری بعد قوی جسامت کا مالک ایک نوجوان اندر داخل ہوا جس کے سر کے بال باریکی سے کٹے ہوئے تھے، آنکھوں پر چشمہ اور جسم پر موسم کی مناسبت سے ہلکی برجس تھی جس پر اس نے جھالروں والا کوٹ پہن رکھا تھا۔ یہ جسیم نوجوان ملکہ کیتھرین کے نامی گرامی مصاحب نواب بیز دخوف کا غیر صحیح النسب بیٹا تھا جو ان دنوں ماسکو میں بستر مرگ پر دراز تھا۔ اس کا نام پیری تھا اور وہ حال ہی میں بیرون ملک سے تعلیم حاصل کر کے واپس آیا تھا، ابھی تک اس نے کسی شعبے میں ملازمت اختیار نہ کی تھی اور سماجی محفلوں میں بھی یہ اس کی پہلی شرکت تھی۔ اینا پاؤلونا نے اسے سر کی جنبش سے خوش آمدید کہا۔ یہ انداز کم رتبے کے حامل افراد کیلئے مخصوص تھا۔ اس انداز کے باوجود اینا کے چہرے پر گھبراہٹ نمایاں ہوگئی جیسے کوئی بہت بڑی اور نامناسب شے ہال میں گھس آئی ہو۔ اگرچہ پیری جسامت کے اعتبار سے کمرے میں موجود تمام افراد سے نمایاں تھا تاہم اینا پاؤلونا کے ان تاثرات کا مطلب یہی ہوسکتا تھا کہ شرمیلا اور فطری وضع قطع کے باوجود وہ ذہین شخص ہے اور یہی بات اسے ڈرائنگ روم میں موجود دیگر لوگوں سے ممتاز کرتی تھی۔ اینا پاؤلونا۔ نے اسے اپنی خالہ کی جانب لے جاتے ہوئے کہا" موسیو پیری، آپ کی نوازش ہے کہ آپ ایک کمزور اور لاچار مریضہ سے ملنے تشریف لائے"

جواباً پیری منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑایا تاہم کسی کے پلے کچھ نہ پڑا، اس کی نگاہیں کمرے میں ادھر ادھر گردش کر رہی تھیں۔ اینا کی خالہ کی جانب بڑھتے ہوئے وہ چھوٹی شہزادی بلکونسکی کو دیکھ کر یوں مسکرایا اور جھکا جیسے وہ اس کی بے تکلف دوست ہو۔ اینا پاؤلونا کے خدشات بے جا نہ تھے۔ پیری بوڑھی خالہ کے ملکہ بارے فقرات مکمل ہونے سے پہلے ہی وہاں سے پلٹ آیا۔ یہ دیکھ کر اینا کے چھکے چھوٹ گئے اور اس نے پیری کو راستے ہی میں روک کر پوچھا" کیا تم ایبے موریو سے ملے ہو؟ وہ بیحد دلچسپ شخص ہے"

پیری بولا" ہاں، میں نے ان کے مستقل امن کے منصوبے سے متعلق سن رکھا ہے، یہ بہت دلچسپ مگر ناقابل عمل ہے۔۔۔"

اینا بولی" تو تمہارا یہ خیال ہے؟" اس نے ایسا صرف اس لیے کہا کہ وہ میزبان کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریاں دوبارہ سنبھالنا چاہتی تھی مگر پیری سے ایک اور بدتمیزی سرزد ہوگئی۔ پہلے تو وہ خالہ کی بات مکمل ہونے سے پہلے وہاں سے چل دیا تھا مگر اب جبکہ پاؤلونا اس سے جان چھڑانا چاہتی تھی تو اس نے اسے روک لیا۔ وہ ٹانگیں کھول کر کھڑا ہوگیا اور اینا کو سمجھانے کی کوشش کرنے لگا کہ وہ ایبے موریو کے منصوبے کو ناقابل عمل کیوں سمجھتا ہے۔

اینا مسکراتے ہوئے کہنے لگی" ہم اس موضوع پر بعد میں گفتگو کریں گے" اور پھر آداب محفل سے ناآشنا اس

نوجوان سے پیچھا چھڑانے کے بعد میزبان کی حیثیت سے اپنی ذمہ داری دوبارہ سنبھال لی۔ وہ اپنی آنکھیں اور کان کھلے رکھتی اور ہر اس جگہ پہنچ جاتی جہاں بحث میں خلل پیدا ہوتا۔ اس کی حالت دھاگہ کاتنے کی مل کے فورمین کی سی تھی جو کارکنوں کو مشینوں پر لگانے کے بعد ادھر ادھر گھومتا پھرتا ہے اور اگر کہیں کسی تکلے میں خرابی پیدا ہو یا وہ معمول سے زیادہ شور کرنے لگے تو فوراً وہاں پہنچ کر نقص دور کر دیتا ہے۔ اینا پاؤلونا بھی اسی طرح اپنے ڈرائنگ روم میں دائیں بائیں گھوم پھر رہی تھی، اگر مہمانوں کا کوئی حلقہ باتیں کرتے کرتے خاموش ہو جاتا یا کہیں سے اونچی آواز میں بحث شروع ہو جاتی تو وہ فوری طور پر وہاں پہنچ کر ایک آدھ لفظ کہنے یا پوزیشن کی تبدیلی سے گفت و شنید کو دوبارہ درست سمت میں ڈال دیتی۔ ان تفکرات کے درمیان پیری کے حوالے سے اس کی پریشانی خاص طور پر نمایاں تھی۔ جب وہ مارٹی مارٹ کے حلقے میں ہونے والی گفتگو سننے کیلئے اٹھا اور پھر ایک اور گروہ کی جانب گیا جہاں ایبے موریو کو گفتگو تھا تو اینا اسے تشویشناک نگاہوں سے دیکھتی رہی۔ پیری نے بیرون ملک تعلیم حاصل کی تھی اور اینا پاؤلونا کے ہاں یہ محفل روس میں اس کی پہلی پارٹی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ پیٹرزبرگ کے تمام دانشور یہاں جمع ہیں اور اس کی حالت اس بچے جیسی تھی جس کی آنکھیں کھلونوں سے بھری دکان میں کسی ایک جگہ نہیں ٹکتیں۔ اسے ہر لحظہ یہ خوف دامن گیر تھا کہ کہیں کوئی اہم بات اس کے کانوں تک پہنچنے سے رہ نہ جائے۔ مختلف افراد کے پراعتماد چہروں اور شائستہ تاثرات کی بدولت وہ ہر دم یہ توقع کرتا کہ یہاں دانشمندانہ بات ہی سننے کو ملے گی۔ آخرکار وہ ایبے موریو کے پاس پہنچ گیا۔ یہاں جاری بحث اسے دلچسپ معلوم ہوئی اور وہ یہیں ٹھہر گیا تاکہ اپنے خیالات کا بھی اظہار کر سکے جیسا کہ نوجوانوں کا وطیرہ ہوتا ہے۔

(3)

اینا پاؤلونا کی محفل عروج پر تھی۔ دھاگہ فیکٹری کے تکلوں کی مانند چاروں طرف موجود مہمانوں کے حلقے عمدگی سے گفتگو میں مصروف تھے۔ اینا کی خالہ اور اس کے قریب بیٹھی غمناک چہرے کی مالک واحد معمر خاتون جو اپنے آپ کو اس چمکدار طبقے کا حصہ محسوس نہیں کر رہی تھی کے علاوہ تمام حاضرین تین گروہوں میں تقسیم ہو چکے تھے۔ ایک گروہ جس میں مرد حضرات کی اکثریت تھی ایبے موریو کے گرد جمع تھا، دوسری ٹولی کم و بیش نوجوانوں پر مشتمل تھی اور ان کی توجہ کا مرکز شہزادہ ویسلے کی خوبصورت بیٹی ایلین اور شہزادی بلکونسکی تھیں جبکہ تیسرا گروہ مارٹی مارٹ اور اینا پاؤلونا کے گرد جمع تھا۔

مارٹی مارٹ دلکش شخصیت کا حامل نوجوان تھا جس کے چہرے مہرے اور عادات و اطوار سے شائستگی ٹپکتی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ خود کو اعلیٰ ہستی سمجھتا ہے تاہم شرافت کے تقاضوں کی وجہ سے ان لوگوں کے بیچ میں بیٹھا ہے۔ اینا پاؤلونا واضح طور پر اسے اپنے مہمانوں کے سامنے بڑی شے کے طور پر پیش کر رہی تھی، بالکل اسی ہوشیار بیرے کی طرح جو گوشت کے پارچے کو خصوصی شکل میں تیار کر کے پیش کرتا ہے حالانکہ اگر کوئی شخص اس گوشت کو باورچی خانے میں دیکھ لے تو کبھی اسے کھانے پر آمادہ نہ ہو۔ اسی طرح اینا پاؤلونا مارٹی مارٹ اور پھر ایبے موریو کو مہمانوں کے سامنے خاص الخاص شخصیات کے طور پر متعارف کرا رہی تھی۔ مارٹی مارٹ کے حلقے میں گفتگو کا رخ اچانک ڈیوک آف این غیاں کی سزائے موت کی جانب مڑ گیا۔ مارٹی مارٹ بولا "ڈیوک نے اپنی فراخ دلی کے سبب جان گنوائی اور اس کے حوالے سے بوناپارٹ کے غصے اور دشمنی کی خاص وجوہات تھیں"

اینا پاؤلونا خوشی کے عالم میں بولی "اوہ مارٹی، ہمیں اس بارے میں ضرور بتائیں" اسے یوں محسوس ہو رہا تھا

جیسے اس نے بیحد اہم بات کہہ دی ہو۔

اس کی بات سن کر مارٹی مارٹ جھکا اور خوشدلی سے مسکرایا کہ وہ اس کی بات پر عمل کرے گا۔ اینا نے اس کے گرد ایک چکر لگایا اور ہر شخص کو اس کی داستان سننے کی دعوت دی۔ پھر وہ ایک شخص کے کان میں کہنے لگی "نواب مارٹی مارٹ کے ڈیوک سے ذاتی تعلقات تھے" بعد ازاں ایک اور شخص سے بولی "نواب کو داستان گوئی میں ملکہ حاصل ہے" اسی طرح تیسرے سے کہا "یہ بہت سی خوبیوں کے مالک ہیں" یوں مارٹی مارٹ کو نہایت شائستہ اور مناسب انداز میں مہمانوں کے سامنے پیش کیا گیا جیسا کہ بھنے ہوئے گوشت کو سبز سلاد کے درمیان میں رکھ کر کھانے والے کے سامنے لایا جاتا ہے۔

مارٹی مارٹ آہستگی سے مسکرانے لگا گویا وہ اپنی بات کہنے کیلئے تیار تھا۔ اینا پاؤلونا نے ایلین کو کچھ دور ایک گروہ کے درمیان بیٹھے دیکھا تو بولی "ادھر آ جاؤ" ایلین مسکرائی اور اٹھ کر اینا کی جانب چل پڑی۔ اس کے چہرے پر وہی مسکراہٹ سجی تھی جو ڈرائنگ روم میں داخلے کے وقت اس کے چہرے پر دکھائی دی تھی۔ اس کا رقص والا سفید لباس جھالروں سے مزین تھا ـ وہ سفید شانوں، چمکتے بالوں اور ہیرے جواہرات کے ساتھ لدی پھندی مردوں کے درمیان سے گزرتی تو وہ اسے راستہ دینے کیلئے خودبخود دائیں بائیں ہٹ جاتے۔ کسی کی طرف دیکھے بغیر اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی گویا ہر ایک کو اپنے جسم، شانوں، سینے اور کمر کی تعریف کی اجازت دے رہی ہو جو موقع محل کی مناسبت سے پہنے لباس میں خاصے آشکار ہو رہے تھے۔ وہ اینا کی طرف گئی تو یوں لگا جیسے ہال کی تمام چمک اس کی ذات میں سمٹ آئی ہو۔ ایلین اس قدر خوبصورت تھی کہ اس میں ناز نخرہ نام کو بھی نہیں تھا اس کے برعکس وہ اپنے اس حسن بلاخیز پر نادم سی محسوس ہوتی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ اپنے حسن کی شدت کم کرنا چاہتی ہے مگر اس پر قدرت نہیں رکھتی۔

اسے دیکھنے والا ہر شخص بولا "کیا خوبصورت خاتون ہے" جب وہ نواب مارٹی مارٹ کے قریب آ کر بیٹھی اور اس کی جانب اپنی دائمی مسکراہٹ سے دیکھنے لگی تو اس نے کندھے اچکائے اور نگاہیں جھکا لیں گویا وہ اس نظارے کی تاب نہیں لا سکتا تھا۔ پھر وہ اپنی گردن کو خم دے کر مسکرایا اور کہنے لگا "مادام مجھے ایسے سامعین کے سامنے اپنی قابلیت پر بھروسہ نہیں رہا"

شہزادی نے اپنا گول مٹول برہنہ بازو میز پر ٹکایا اور کچھ کہنا ضروری نہ سمجھا البتہ مسکرائی اور انتظار کیا۔ نواب کی داستان کے دوران وہ سیدھی ہو کر بیٹھی رہی البتہ کبھی کبھار نظر اٹھا کر اپنے خوبصورت گول مٹول بازو کو دیکھ لیتی جو خوبصورتی سے میز پر ٹکا ہوا تھا اور کبھی اس کی نظریں اپنے دلکش سینے کی جانب اٹھ جاتیں جس پر ہیروں سے مرصع ہار سجا تھا۔ اس دوران متعدد مرتبہ اس نے اپنے لباس کی شکنیں درست کیں اور جب کبھی داستان میں سنسنی پیدا ہوتی تو وہ اینا کی جانب نگاہ دوڑاتی اور اس کے چہرے پر دکھائی دینے والا تاثر خود پر بھی طاری کر لیتی، بعد ازاں اس کی غیر متغیر مسکراہٹ دوبارہ لوٹ آتی۔ ایلین کے بعد شہزادی بلکونسکی بھی چائے کی میز سے اٹھ کھڑی ہوئی اور کہنے لگی "ذرا ٹھہریں، میں اپنا سامان بھی لے آؤں" پھر فوراً ہی شہزادہ اپولٹ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی "ارے تم کیا سوچ رہے ہو، ادھر آؤ اور میرا بیگ بھی اٹھا لاؤ"

چھوٹی شہزادی مسکراتی اور ہر ایک سے باتیں کرتی آگے بڑھی تو ہلچل سی پیدا ہو گئی، بعد ازاں وہ اسی خوشدلی سے دوسری نشست پر جا بیٹھی اور کہنے لگی "اب ٹھیک ہے" ساتھ ہی اس نے اپنا سلائی کڑھائی کا سامان سنبھالتے ہوئے نواب سے داستان دوبارہ شروع کرنے کی درخواست کی۔ شہزادہ اپولٹ نے اسے بیگ تھمایا اور کرسی کھسکا کر اس کے

قریب بیٹھ گیا۔

شہزادہ ایولت کو دیکھ کر جس بات کا شدت سے احساس ہوتا تھا وہ یہ تھی کہ اپنی بہن سے مشابہت کے باوجود اس کے خدوخال میں حیران کن حد تک بدصورتی پائی جاتی تھی۔ اس کے خدوخال اپنی بہن سے ملتے جلتے تھے مگر بہن کا چہرہ زندگی کی خوشی سے مسرور، مطمئن میز جوانی وزندگی کی مسکراہٹ سے ہروقت تاباں رہتا اور اس کا جسم غیر معمولی طور پر منفرد وخوبصورت تھا۔ اس کے برعکس بھائی کے چہرے پر حماقت برستی اور وہ خاصا احمق دکھائی دیتا۔ اس کا جسم بھی کمزور وناتواں تھا۔ اس کی آنکھیں، ناک اور منہ کچھ اس طرح سکڑے رہتے کہ شکل افسردہ اور روتی سی دکھائی دیتی جبکہ بازو اور ٹانگیں بھی اکثر غیر فطری پوزیشن اختیار کئے رہتیں۔ وہ شہزادی بلکونسکی کے قریب جا بیٹھا اور اپنی عینک درست کرتے ہوئے کہنے لگا "یہ بھوتوں کی کہانی تو نہیں" یوں لگتا تھا جیسے عینک کو چھیڑے بغیر اس کے منہ سے بات نہیں نکل سکتی تھی۔

نواب مارتی مارٹ نے کندھے اچکا کر جواب دیا "نہیں، میرے پیارے"

ایولت بولا "مجھے بھوتوں کی کہانیوں سے شدید نفرت ہے" اس نے یہ بات کچھ اس انداز سے کہی گویا وہ اپنے الفاظ کے مفہوم پر غور کئے بغیر انہیں ادا کر دیتا ہے۔

اس کی خود اعتمادی کو دیکھتے ہوئے کوئی شخص یہ اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ اس نے بیحد ہوشمندانہ بات کی ہے یا احمقانہ۔ وہ گہرے سبز رنگ کے فراک کوٹ اور برجس میں ملبوس تھا جسے وہ لمبی جرابیں اور سلیپر کہا کرتا تھا۔ نواب مارتی نے نہایت اچھے انداز سے نواب این غیاں کا قصہ سنایا کہ اس نے اداکارہ ملی جارجس سے بات چیت کیلئے پیرس کا خفیہ دورہ کیا جہاں اس کا نپولین سے سامنا ہو گیا جو خود بھی اس معروف اداکارہ کی زلفوں کا اسیر تھا۔ نپولین نے جب نواب این غیاں کو دیکھا تو اس پر بیہوشی کا دورہ پڑ گیا جو اس پر اکثر پڑتا تھا اور اس طرح وہ نواب کے قبضے میں آ گیا تاہم نواب این غیاں نے اس موقع سے فائدہ نہ اٹھایا اور نپولین نے نواب کی فراخدلی کا صلہ اس کی موت کی صورت میں دیا۔

کہانی بیحد دلچسپ اور مزیدار تھی خاص طور پر اس وقت سننے والی خواتین نے بیحد لطف اٹھایا جب نپولین اور این غیاں اچانک ایک دوسرے کو پہچان لیتے ہیں۔

اینا پاؤلینا نے داد دیتے ہوئے کہا "زبردست، بہت خوب" اور تحسین آمیز انداز سے شہزادی بلکونسکی کو دیکھنے لگی۔ شہزادی بھی زیرلب بولی "بہت خوب" اور ہاتھ میں موجود سوئی کڑھائی میں یوں ٹانک دی جیسے کہانی کی دلچسپی کے باعث اس کیلئے کام جاری رکھنا ممکن نہیں رہا۔ نواب مارتی مارٹ نے محفل میں چھائی خاموشی کو اپنے لیے داد وتحسین سمجھا اور مسکرانے لگا۔ اسی اثناء میں اینا پاؤلینا نے پیری کو ایبے موریو سے باآواز بلند اور گرمجوشی سے بات چیت کرتے دیکھا اور فوراً ان کے پاس پہنچ گئی۔ اس نے پیری کو نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیا تھا۔ درحقیقت پیری نے ایبے موریو کو طاقت کے توازن سے متعلق سیاسی گفتگو میں الجھانے میں کامیابی حاصل کر لی تھی اور ایبے موریو بھی اس نوجوان کے خلوص اور جذبے سے متاثر ہو کر اپنا نظریہ تفصیل سے بیان کر رہا تھا۔ دونوں جس شوق اور فطری انداز سے محو گفتگو تھے وہ اینا پاؤلونا کو پسند نہیں تھا۔

ایبے کہہ رہا تھا "اس کا مطلب ہے، یورپ میں طاقت کا توازن اور لوگوں کے حقوق، روس جیسی ایک طاقت کو خواہ وہ بربریت کے حوالے سے بدنام ہی کیوں نہ ہو ایک ایسے اتحاد کی بے غرضی سے قیادت کی ضرورت ہے جس کا مقصد یورپ میں طاقت کا توازن برقرار رکھنا ہو اور اس سے دنیا کو محفوظ بنانے میں مدد ملے گی۔"

پیری نے سوال کیا "مگر آپ اس قسم کا توازن کیسے قائم کریں گے؟" اسی دوران اینا پاؤلونا وہاں پہنچ گئی اور پیری کو تیز نظروں سے گھورتے ہوئے اطالوی ایبے موریو سے پوچھنے لگی کہ "آپ یہاں کے موسم میں کیسا محسوس کر رہے ہیں" یہ بات سن کر اطالوی کے چہرے کا رنگ تبدیل ہو گیا اور اس پر منافقت اور منافقانہ شیرینی دکھائی دینے لگی جو خواتین سے گفتگو کے دوران عادتاً اس کے چہرے پر آ جایا کرتی تھی۔ اینا کے جواب میں اس نے کہا "مجھے خوشی ہے کہ آپ لوگوں نے مجھے اپنے ہاں مدعو کیا۔ یہاں کے معاشرے کی بذلہ سنجی اور ثقافت خصوصاً خواتین نے مجھ پر اسقدر جادو کر دیا ہے کہ مجھے موسم پر غور کرنے کا موقع ہی نہیں مل سکا"

اینا پاؤلونا انہیں نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دینا چاہتی تھی سو دونوں پر نگاہ رکھنے کیلئے وہ انہیں بڑے حلقے میں لے آئی۔ اسی دوران ایک اور مہمان ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔ یہ شہزادی شہزادی بلکونسکی کا شوہر چھوٹا شہزادہ اینڈریو بلکونسکی تھا۔ وہ درمیانے قد کا خوبصورت نوجوان تھا۔ اس کے تیکھے چہرے سے لے کر آہستہ رفتار تک ہر شے اس کے اپنی شوخ بیوی سے تضاد کی گواہی دے رہی تھی۔ یہ بات ظاہر تھی کہ وہ کمرے میں موجود تمام لوگوں سے اچھی طرح واقف ہے بلکہ ان سے اس قدر اکتا چکا ہے کہ اس کے لیے ان کی طرف دیکھنا اور ان کی باتیں سننا بھی مشکل ہے۔ ان تمام بیزار چہروں میں سب سے زیادہ بیزار کن چہرہ اس کی اپنی پیاری سی بیوی کا تھا۔ جونہی اینڈریو نے اس کی جانب دیکھا اس کے چہرے پر ناگوار تاثرات پھیل گئے اور اس نے اپنا منہ پھیر لیا۔ بعدازاں وہ آگے آیا اور اینا پاؤلونا کے ہاتھ کا بوسہ لینے کے بعد نیم وا آنکھوں سے تمام افراد کا جائزہ لینے لگا۔

اینا نے اس سے پوچھا "کیا جنگ کیلئے جانے والوں میں تمہارا نام بھی شامل ہے؟"

اینڈریو نے جواب دیا "جنرل کوتوزوف نے خصوصی شفقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے مجھے اپنا معاون خصوصی مقرر کیا ہے"

اینا نے سوال کیا "اور لیزا، تمہاری بیوی؟

اینڈریو نے جواب دیا "وہ گاؤں جا رہی ہے"

اینا نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا "کیا یہ افسوسناک بات نہیں کہ تم اپنی پرکشش بیوی کے ساتھ سے محروم ہو رہے ہو"

اسی دوران اس کی بیوی کہنے لگی "آندرے، نواب ہمیں ملی جارجس اور بوناپارٹ کا قصہ سنا رہے ہیں" اس نے یہ بات اسی انداز میں کہی جو وہ دوسروں سے گفتگو میں اختیار کرتی تھی۔ آندرے نے بھنویں سکیڑیں اور وہاں سے ہٹ گیا۔ پیری جو شروع سے ہی شہزادہ آندرے کو خوشی اور محبت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا اس کے قریب پہنچا اور اس کا بازو ہاتھ میں تھام لیا۔ آندرے کی بھنویں تن گئیں مگر جب اس نے مڑ کر پیری کے مسکراتے چہرے کو دیکھا تو غیر متوقع طور پر اس کے چہرے پر خوشگوار تاثرات پھیل گئے۔ وہ پیری سے کہنے لگا "ارے تم۔۔۔ اور وہ بھی ان لوگوں میں"

پیری نے جواب دیا "میں جانتا تھا کہ تم یہاں موجود ہو گے، میں رات کا کھانا تمہارے ساتھ کھاؤں گا، ٹھیک ہے ناں" اس نے یہ بات دھیمی آواز میں کہی تا کہ نواب کی بات میں خلل نہ پڑے جو ابھی تک محو گفتگو تھا۔

شہزادے آندرے نے ہنستے ہوئے کہا "اوہ نہیں، ناممکن ہے" یہ بات کہتے ہوئے اس نے پیری کا ہاتھ اس انداز میں دبایا گویا کہہ رہا ہو، بھلا یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ ابھی وہ کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ شہزادہ ویسلے اور اس کی بیٹی اٹھ کھڑے ہوئے اور یہ دونوں بھی انہیں راستہ دینے کیلئے کھڑے ہو گئے۔ شہزادہ ویسلے نے فرانسیسی زبان میں کہا

''پیارے نواب، معذرت چاہتا ہوں'' یہ کہتے ہوئے اس نے نواب مارٹی مارٹ کا بازو تھام لیا تاکہ وہ اس کے احترام میں اٹھنے کی زحمت سے بچ سکے اور بات جاری رکھتے ہوئے بولا ''بدقسمتی سے مجھے سفیر کی ضیافت میں جانا ہے جس کی بنا پر میں نے آپ کو پریشان کیا اور آپ کی موجودگی میں حاصل ہونیوالی خوشی سے محروم رہا'' پھر وہ اینا پاؤلونا کی جانب مڑا اور کہنے لگا ''آپ کی اس شاندار محفل سے یوں اٹھ کر جانے پر مجھے بیحد افسوس ہے''

ویسلے کی بیٹی شہزادی ایلین اپنا تہ دار لباس آہستگی سے سنبھالتے ہوئے کرسیوں کے درمیان سے گزرتی ہوئی آئی، اس کے خوبصورت چہرے پر مسکراہٹ مزید درخشاں ہوگئی تھی۔ جب وہ قریب سے گزری تو پیری نے اسے خوبصورت شے کو وجدانی اور ہیبت ناک انداز سے دیکھا۔

شہزادہ آندرے نے کہا ''زبردست، بہت پیاری ہے''

پیری نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی ''واقعی''

شہزادہ ویسلے ان کے قریب آیا تو اس نے پیری کا بازو تھام لیا اور اینا پاؤلونا سے مخاطب ہو کر کہنے لگا ''اس ریچھ کو میری خاطر تہذیب سکھلا دو، یہ ایک ماہ سے میرے گھر میں قیام پزیر ہے اور یہ پہلا موقع ہے کہ میں اسے معاشرے میں دیکھ رہا ہوں۔ کسی نوجوان کیلئے ہوشیار خواتین کے ساتھ سے زیادہ کوئی شے اہم نہیں ہوتی''

(4)

اینا پاؤلونا مسکرائی اور پیری کی دیکھ بھال کا وعدہ کیا، وہ جانتی تھی کہ پیری شہزادہ ویسلے کے والد کے رشتہ داروں میں سے ہے۔ معمر خاتون جو اینا کی خالہ کے ساتھ بیٹھی تھی تیزی سے اٹھی اور ویسلے کو ہال میں روک لیا۔ اس نے چہرے پر دلچسپی کا جو مصنوعی تاثر قائم کر رکھا تھا وہ یکلخت ہوا ہو گیا، اب وہاں وسوسے اور پریشانی کے سوا کچھ نہ تھا۔ وہ ویسلے سے مخاطب ہو کر بولی ''شہزادے، آپ میرے بورس کے بارے میں کیا خبر لائے ہیں؟'' میں پیٹرز برگ میں مزید قیام نہیں کر سکتی، مجھے بتائیں کہ میں اپنے بیچارے بیٹے کو کیا خبر سناؤں؟''

اگرچہ شہزادہ ویسلے نے اس معمر خاتون کی بات بے دلی بلکہ تقریباً بدتمیزی سے سنی حتی کہ بے رخی کا مظاہرہ بھی کیا مگر خاتون نے لجاجت سے بھرپور انداز میں مسکراتے ہوئے اس کا بازو تھام لیا تاکہ اسے جانے سے روک سکے۔ ساتھ ہی وہ التجائیہ انداز میں ویسلے سے کہنے لگی ''شہنشاہ سے کچھ کہنا آپ کیلئے قطعاً مشکل نہیں اور آپ کے کہنے کی دیر ہے اس کا گارڈز میں تبادلہ ہو جائے گا''

شہزادہ ویسلے نے جواب دیا ''یقین کرو مجھ سے جو کچھ ہو سکا کروں گا، مگر میرے لیے شہنشاہ سے سفارش کرنا آسان کام نہیں۔ میرا مشورہ ہے کہ تم شہزادہ گالتسن کے توسط سے رومانٹ سوف سے رابطہ کرو اور ایسا کرنا ہی بہتر ہوگا''

یہ معمر خاتون شہزادی دروبتسکی تھی جس کا تعلق روس کے چند بہترین خاندانوں میں سے تھا تاہم غریب ہونے کے ناطے وہ طویل عرصہ سے معاشرے کے اس اعلیٰ طبقے سے دور تھی اور سابقہ بااثر لوگوں سے اس کا رابطہ منقطع ہو چکا تھا۔ یہاں وہ اپنے اکلوتے بیٹے کا گارڈز میں تبادلہ کرانے کی خاطر آئی تھی۔ اینا پاؤلونا کی ضیافت میں آنے کا اس کا مقصد شہزادہ ویسلے سے ملنا تھا اور اسی لیے وہ نواب مارٹی مارٹ کی کہانی سنتی رہی تھی۔ شہزادہ ویسلے کے الفاظ سن کر اس کے چہرے پر پریشانی کا تاثر پیدا ہوا تاہم یہ ایک لمحے کیلئے تھا۔ اس نے مسکرا کر ویسلے کا بازو مزید مضبوطی سے تھام

لیا اور کہنے لگی ''شہزادہ سنیں، میں نے کبھی آپ سے کچھ مانگا ہے نہ آئندہ مانگوں گی، میں نے آپ کو میرے والد سے آپ کی دوستی بھی یاد نہیں دلائی مگر اب میں آپ سے خدا کے واسطے التجا کرتی ہوں کہ میرے بیٹے کا کام کرا دیں، میں آپ کی ہمیشہ احسان مند رہوں گی'' فوراً ہی اس نے مزید کہا ''نہیں، غصہ مت کریں بلکہ مجھ سے وعدہ کریں، میں گالتسن سے بھی کہا تھا مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ براہ کرم ویسی ہی مہربانی کا مظاہرہ کریں جیسی پہلے کرتے تھے'' یہ کہہ کر وہ مسکرانے لگی اگرچہ اس کی آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے۔

شہزادی ایلین جو دروازے میں کھڑی تھی اپنے مجسمہ آسا شانوں کے اوپر سے گردن موڑ کر کہنے لگی ''پاپا ہمیں دیر ہو رہی ہے''

مگر دنیا میں اثر و رسوخ ایک ایسا سرمایہ ہے جسے احتیاط سے سنبھالنا پڑتا ہے کہ کہیں وہ غائب نہ ہو جائے۔ شہزادہ ویسلے یہ بات جانتا تھا اور جب اسے یہ علم ہو گیا کہ وہ شہنشاہ کے سامنے ہر ایک کی سفارش کرنے لگا تو وہ، وہ نہیں جب اپنے لیے کچھ طلب نہ کر سکے گا، اس لیے وہ اپنا اثر و رسوخ کم کم ہی استعمال کرتا تھا۔ تاہم دروبتسکی کے معاملے میں اسے ضمیر جیسی کسی شے نے بلا یا جلایا۔ وہ اسے جو کچھ کہہ رہی تھی وہ درست تھا۔ ملازمت کے ابتدائی عرصہ میں اس کی ترقی دروبتسکی کے والد کی مرہون منت تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اس کے اطوار دیکھ کر جان گیا تھا کہ اس کا شمار ان خواتین میں ہوتا ہے۔۔ خاص طور پر اگر وہ مائیں بھی ہوں۔۔ جن کے سر میں کوئی سودا سما جائے تو وہ اپنے مقصد کی تکمیل سے پہلے پیچھے نہیں ہٹتیں اور اس وقت تک روزانہ اور ہر لمحے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتی رہتی ہیں۔ اس آخری سوچ نے اسے ڈگمگا دیا۔

وہ کہنے لگا ''پیاری اینا میخائلونا، آپ کی خواہش کی تکمیل میرے لیے تقریباً ناممکن ہے مگر آپ اور آپ کے والد کی یادوں سے اپنی وابستگی کا ثبوت مہیا کرنے کیلئے میں ناممکن کو ممکن کر دکھاؤں گا اور آپ کے بیٹے کا گارڈز میں تبادلہ ہو جائے گا، یہ میرا وعدہ ہے، کیا اب آپ مطمئن ہیں؟'' یہ بات کہتے ہوئے اس کے لہجے میں حسب معمول بے تکلفی اور بیزاری تھی۔

میخائلونا دروبتسکی نے جواباً کہا ''عزیز شہزادے آپ ہمارے محسن ہیں، مجھے آپ سے یہی توقع تھی، میں جانتی ہوں آپ کس قدر اچھے ہیں''

شہزادہ ویسلے جانے کیلئے مڑا تو وہ بولی ''ذرا ٹھہریے، جب اس کا گارڈز میں تبادلہ ہو جائے تو۔۔۔ یہاں وہ ذرا ہچکچائی اور کہنے لگی، آپ کی میخائل کوتوزوف سے دوستی ہے، بورس کو اس کا معاون مقرر کرا دیجئے، تب میں بالکل مطمئن ہو جاؤں گی اور پھر۔۔۔''

ویسلے مسکرایا اور کہنے لگا ''اس کا میں وعدہ نہیں کر سکتا، آپ نہیں جانتیں کہ کوتوزوف کمانڈر انچیف مقرر ہونے کے بعد کس قدر مشکل میں ہے۔ اس نے مجھے خود بتایا ہے کہ ماسکو کی تمام خواتین نے اپنے بچوں کو معاون مقرر کرانے کی سازش کر لی ہے۔

دروبتسکی کہنے لگی ''نہیں، مجھ سے وعدہ کریں، میں آپ کو جانے نہیں دوں گی، مہربان، اچھے دوست، محسن۔۔۔''

ایلین نے اسی لہجے میں دوبارہ کہا ''پاپا ہمیں دیر ہو رہی ہے''

ویسلے بولا ''اچھا خدا حافظ، آپ دیکھ رہی ہیں کہ معاملہ خراب ہو جائے گا''

دروبتسکی نے کہا "تو کل آپ شہنشاہ سے بات کریں گے؟"

ویسلے نے جواب دیا "یقیناً مگر کوتوزوف کے بارے میں کوئی وعدہ نہیں کر سکتا"

جواباً اس نے ایک مرتبہ پھر اصرار کرتے ہوئے کہا "ہاں، وعدہ کرو، وعدہ" یہ کہتے ہوئے اس کا انداز نوجوان اور عشوہ طراز لڑکی جیسا تھا جو کبھی اس پر بھلا معلوم ہوتا مگر اب اسکے جھریاں زدہ چہرے پہ بالکل زیب نہیں دیتا تھا۔ یوں دکھائی دیتا تھا جیسے اسے اپنی عمر کا احساس نہیں اور محض عادتاً ایسا انداز اختیار کر رہی ہے جو خواتین کا خاصہ ہوتے ہیں۔ البتہ جونہی شہزادہ ویسلے نظروں سے اوجھل ہوا اس کے چہرے پر وہی مصنوعی سرد مہری لوٹ آئی جو تمام شام اس پر جاری رہی تھی۔ وہ مہمانوں کے حلقے میں واپس آگئی جہاں نواب مارٹی مارٹ ابھی تک محو گفتگو تھا اور ایسے ظاہر کرنے لگی جیسے داستان دلچسپی سے سن رہی ہو جبکہ حقیقت میں مقصد پورا ہونے کے بعد وہ یہاں سے کھسکنے کے لیے مناسب موقع کی تلاش میں تھی۔

اینا پاؤلونا نے کہا "آپ میلان میں رچائے جانے والے تاج پوشی کے تازہ ترین ڈھونگ کے بارے میں کیا کہیں گے؟ غور کیجئے کہ موسیو بونا پارٹ تخت پر بیٹھا ہے اور جینوا و لوکا کے لوگ اس کی بارگاہ میں درخواستیں پیش کر رہے ہیں۔ قابل احترام، یہ ہر ایک کو پاگل کر دینے کیلئے کافی ہے۔ یوں لگتا ہے کہ دنیا اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھی ہے"

شہزادہ آندرے اینا پاؤلونا کے چہرے پر نظریں گاڑے طنزیہ انداز سے مسکرانے لگا اور نپولین کے وہ الفاظ دہرائے جو اس نے تاج پوشی کے وقت کہے تھے "خدا نے یہ تاج میرے حوالے کیا ہے، اسے چھونے سے باز رہو" آندرے نے بات جاری رکھی اور کہنے لگا "سنا ہے یہ الفاظ کہتے ہوئے وہ بے حد پروقار دکھائی دے رہا تھا" اس نے نپولین کا مندرجہ بالا جملہ اطالوی زبان میں دہرایا۔

اینا پاؤلونا نے کہا "مجھے امید ہے کہ یہ گلاس کو بھرنے والا آخری قطرہ ثابت ہوگا، خود مختار حکمران اس شخص کو مزید برداشت نہیں کریں گے جو ہر ایک کیلئے خطرہ بن چکا ہے"

نواب مارٹی مارٹ شائستہ مگر مایوسانہ لہجے میں بولا "خود مختار! میں روس کی بات نہیں کر رہا، خود مختار حکمران!۔۔۔ مادام ان لوگوں نے لوئی شانز دہم، ملکہ اور مادام الزبتھ کیلئے کیا کیا؟ کچھ بھی تو نہیں" پھر وہ پر جوش آواز میں کہنے لگا "یقین کریں یہ اس غداری کی سزا بھگت رہے ہیں جو انہوں نے بوربون خاندان سے کی تھی۔ خود مختار حکمران!۔۔۔ یہ غاصب کو مبارکباد دینے کیلئے اپنے سفیر بھیج رہے ہیں"

نواب نے حقارت سے آہ بھری اور پہلو بدل لیا۔ شہزادہ اپولٹ جو عینک لگائے کچھ دیر سے نواب کو دیکھے جا رہا تھا ان الفاظ پر تیزی سے مڑا اور شہزادی بلکونسکی کے سامنے جھکتے ہوئے اس سے ایک سوئی طلب کی اور اس کی مدد سے اسے میز پر کاندے خاندان کا نشان نقش کرنے لگا۔ اس نے شہزادی کو نشان کے بارے میں یوں سمجھانا شروع کیا گویا اسی نے اس کی درخواست کی تھی۔ وہ بولا "یہ سرخ عصا ہے جس پر دندانے کھدے ہیں۔۔۔ کاندے کا گھر۔۔۔" شہزادی اس کی بات سن کر مسکراتی رہی۔

نواب مارٹی نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "اگر بونا پارٹ مزید ایک برس فرانس کے تخت پر بیٹھا رہا تو معاملات حد سے بڑھ جائیں گے۔ سازشوں، جبر، پھانسیوں اور جلاوطنیوں سے فرانسیسی طبقے، میرا مطلب ہے اعلیٰ طبقے کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ ہو جائے گا اور پھر۔۔۔" اس انداز کچھ یوں تھا گویا اسے زیر بحث موضوع پر دوسروں سے زیادہ علم ہے اور اس لیے وہ معاملے پر دوسروں کی بات سنے بغیر اپنی کہے چلا جاتا ہے۔ بات مکمل کرنے کے بعد اس نے کندھے

اُچکائے اور مایوسی سے ہاتھ پھیلا لیے۔ یہ بحث پیری کیلئے دلچسپی کی حامل تھی اور وہ کچھ کہنا چاہتا تھا مگر اینا پاؤلونا جو اس پر نظریں جمائے ہوئے تھی درمیان میں بول اٹھی "شہنشاہ الیگزنڈر اعلان کر چکے ہیں کہ فرانسیسی اپنی مرضی کی حکومت منتخب کر سکتے ہیں، اور میں سمجھتی ہوں اس میں کوئی شک نہیں کہ جونہی غاصب سے نجات ملی پوری قوم جائز بادشاہ کی آغوش میں چلی جائے گی۔ اس نے یہ بات اسی پر ملال لہجے میں کہی جو وہ شاہی خاندان کا ذکر آتے ہی اختیار کر لیتی تھی۔ یہ بات کہتے ہوئے وہ شاہ پسند فرانسیسی نواب کی دلجوئی کر رہی تھی۔

شہزادہ آندرے بولا "یہ بات یقین سے نہیں کہی جا سکتی، نواب صاحب کی یہ بات بالکل درست ہے کہ معاملات بہت آگے جا چکے ہیں، میرا خیال ہے کہ سابق حکومت کی بحالی آسان نہیں ہوگی"

پیری نے شرماتے ہوئے گفتگو میں دوبارہ دخل اندازی کی اور کہنے لگا "تقریباً امراء نپولین کی حمایت کرنے لگے ہیں"

نواب مارٹی مارٹ نے پیری کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا "یہ بونا پارٹ کے حامیوں کا دعویٰ ہے، فی الحال فرانس کے عوام کی رائے معلوم کرنا مشکل ہے"

شہزادہ آندرے نے مسکراتے ہوئے کہا "بونا پارٹ نے بھی یہ بات کہی ہے" یہ عیاں تھا کہ آندرے نے نواب کو پسند نہیں کیا تھا اور اسی لیے اس کی جانب دیکھے بغیر اسے اپنے حملوں کا نشانہ بنا رہا تھا۔ پھر فوراً ہی اس نے نپولین کے الفاظ دہراتے ہوئے کہا "میں نے انہیں عظمت کا راستہ دکھایا مگر وہ اس پر چلنے کو تیار نہ ہوئے" کچھ دیر توقف کے بعد اس نے نپولین ہی کا ایک اور فقرہ دہرایا "میں نے اپنے دالان کے دروازے کھول دیے اور لوگ جوق در جوق اندر چلے آئے"۔۔۔ آخر میں اس نے کہا "میں نہیں جانتا کہ وہ اپنے دعوے میں کس حد تک حق بجانب ہے"

آندرے کی بات سن کر نواب نے فوراً جواب دیا "نہیں، اگر کچھ لوگوں نے اسے ہیرو بنا بھی دیا تھا تو نواب این غیاں کے قتل کے بعد اس کے کٹر حامیوں نے بھی اسے ہیرو سمجھنا ترک کر دیا ہے" پھر وہ اینا پاؤلونا سے مخاطب ہو کر کہنے لگا "نواب کی موت کے بعد جنت میں ایک اور شہید کا اضافہ ہو گیا ہے اور زمین پر ایک ہیرو کی کمی واقع ہو گئی ہے"

اینا پاؤلونا اور دیگر لوگ نواب کے ان الفاظ کی داد دینے کیلئے مسکرائے ہی تھے کہ پیری دوبارہ بحث میں کود پڑا، اگرچہ اینا کو توقع تھی کہ وہ کوئی احمقانہ بات ہی کرے گا تاہم وہ اسے خاموش رہنے سے باز نہ رکھ سکی۔

پیری نے کہا "نواب این غیاں کی موت ایک سیاسی ضرورت تھی، اور میرا خیال ہے کہ نپولین نے اس واقعے کی تمام ذمہ داری اپنے سر لے کر عظمت کا ثبوت دیا ہے"

اینا پاؤلونا دہشت زدہ لہجے میں زیر لب بولی "خدا، او میرے خدا"

شہزادی لیزا بلکونسکی مسکراتے ہوئے اس کے قریب ہوئی اور کہنے لگی "مسٹر پیری، گویا آپ کا خیال ہے کہ کسی کو قتل کرنا عظمت کا ثبوت ہے"

متعدد جانب سے آواز آئی "او، نہیں"

شہزادہ اپولٹ نے انگریزی میں کہا "بہت خوب" اور اپنے گھٹنے پر ہاتھ مارنے لگا جبکہ نواب کندھے اچکا کر رہ گیا۔

پیری نے نہایت سنجیدگی سے اپنی عینک کے اوپر سے سامعین کو دیکھا اور جلدی سے بولا "میں نے

جوکہااس کی وجہ یہ ہے کہ جب انقلاب آیا تو بوربون عوام کو انارکی کے حوالے کر کے بھاگ نکلے۔ نپولین انقلاب کو سمجھنے اور اس پر قابو پانے والا واحد شخص تھا اور اسی لیے اس نے عوامی بھلائی کیلئے ایک شخص کو قتل کرنے میں ذرا بھی ہچکچاہٹ محسوس نہ کی۔

اینا پاؤلونا نے پیری سے کہا" کیا تم اس میز پر آنا پسند کرو گے؟ مگر پیری نے اس کی بات سنی ان سنی کر دی اور مزید سرگرمی سے بولا" ہاں، نپولین عظیم ہے کیونکہ وہ انقلاب سے بہت بلند ہو گیا ہے۔ اس نے انقلاب کے منفی رجحان ختم کر دیے اور مثبت رخ یعنی شہری مساوات، اخبارات اور اظہار کی آزادی کو برقرار رکھا۔ اسی بات نے اسے بااقتدار بنایا"

نواب کہنے لگا" ہاں، آپ کی بات بالکل ٹھیک تھی جبکہ وہ اقتدار حاصل کرنے کے بعد اس کے بل بوتے پر قتل کا ارتکاب کرنے کی بجائے اسے جائز بادشاہ کے حوالے کر دیتا۔ تب مجھے اسے عظیم شخص کہنے میں تامل نہ ہوتا"

پیری نے جواب دیا" وہ ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ عوام نے اقتدار اس کے حوالے اسی لیے کیا تھا کہ وہ انہیں بوربونوں کے تسلط سے نجات دلائے۔ بس یہی وجہ تھی کہ لوگ اسے عظیم شخص تصور کرتے تھے۔ انقلاب ایک عظیم حقیقت تھا" پیری اپنے اس غیر متعلقہ اشتعال انگیز بیان سے یہ ظاہر کر رہا تھا گویا نوعمر ہونے کے ناطے ہر ایک کے سامنے اپنا مافی الضمیر بیان کر دینا چاہتا ہے۔

اینا پاؤلونا نے اپنی بات دہرائی" انقلاب اور شاہی خاندان کے افراد کا قتل عظیم کام ہے؟ اس کے بعد کیا رہ جاتا ہے؟۔۔۔ خیر کیا تم اس میز پر آنا پسند کرو گے؟"

پیری نے جواباً کہا" میں شاہی خاندان کے افراد کے قتل کی بات نہیں کر رہا بلکہ تصور کی بات کر رہا ہوں"

ایک طنزیہ آواز ابھری" لوٹ مار اور شاہی خاندان کے افراد کے قتل کا تصور"

پیری نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا" یقیناً ایسے انتہا پسندانہ واقعات ہوئے مگر انقلاب میں جن باتوں کو اہمیت حاصل ہے وہ انسانی حقوق، تعصبات سے چھٹکارے اور مساوات ہیں اور نپولین نے انہیں مدنظر رکھا ہے"

نواب نے ناک بھوں چڑھاتے ہوئے کہا" آزادی اور مساوات، یہ تمام الفاظ بیحد اونچے دکھائی دیتے ہیں مگر اپنی قدر و قیمت کھو چکے ہیں۔ آزادی اور مساوات کو کون پسند نہیں کرتا؟ ہمارے نجات دہندہ (مسیح) بھی ان کی تعلیم دے چکے ہیں۔ کیا انقلاب آنے کے بعد لوگ زیادہ خوش و خرم زندگی بسر کر رہے ہیں؟ ایسا نہیں ہے۔ ہمیں آزادی درکار ہے مگر بونا پارٹ نے اسے ختم کر دیا"

شہزادہ آندرے نے مسکراتے ہوئے پہلے پیری، پھر نواب اور اس کے بعد اپنی میزبان پر نگاہ ڈالی۔ تمام تر مجلسی تجربے کے باوجود پیری کی اچانک گفتگو سن کر اینا پاؤلونا کے چھکے چھوٹ گئے۔ مگر جب اس نے دیکھا کہ پیری کی بے ادبی پر مبنی باتیں بھی نواب کو طیش نہیں دلا سکیں تو اسے یقین ہو گیا کہ اسے یوں دبانا ممکن نہیں رہا سو اس نے اپنی قوتیں مجتمع کیں اور نواب کے ساتھ مل کر پیری پر پل پڑی۔

اینا پاؤلونا بولی" پیارے موسیو پیری، تم اس عظیم آدمی کے بارے میں کیا کہو گے جو نواب یا عام آدمی کو بلا جواز موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے"

نواب نے کہا" میں یہ پوچھتا ہوں، موسیو پیری آپ 18 تاریخ کو پیش آنے والے واقعہ کو کیا کہیں گے؟ کیا یہ دھوکہ نہیں تھا؟ یا ایسا قانونی بہانہ تھا جو کسی لحاظ سے بھی ایک عظیم انسانی کے طرز عمل سے میل نہیں کھاتا"

شہزادی لیزا کہنے لگی" اور اس نے افریقہ میں جو قتل عام کیا، وہ بیحد بھیانک حرکت تھی" یہ کہتے ہوئے اس کے کندھے کپکپانے لگے۔

شہزادہ اپولٹ بولا" آپ مانیں یا نہ مانیں، اس کا شرفاء سے کوئی تعلق نہیں"

پیری کو سمجھ نہ آیا کہ کس کی بات کا جواب دے۔ وہ ان تمام کی جانب دیکھ کر مسکرانے لگا۔ اس کی مسکراہٹ دیگر لوگوں کی نیم دلانہ مسکراہٹ سے قطعی طور پر مختلف تھی۔ جب وہ مسکرایا تو اس کا سنجیدہ بلکہ کسی قدر روکھا چہرہ اچانک غائب ہو گیا اور اس کی جگہ ایک نئے چہرے نے لے لی جس پر بچگانہ اور مزاحیہ بلکہ کسی حد تک حتیٰ کہ تاثرات پر اور معذرت کا اظہار کرتا دکھائی دے رہا تھا۔ نواب جو اسے پہلی مرتبہ دیکھ رہا تھا اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ شخص اپنے الفاظ جتنا ڈراؤنا نہیں ہے۔

ہر شخص خاموش تھا۔

شہزادہ آندرے نے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا" وہ بیک وقت تمام سوالوں کے جواب کیسے دے سکتا ہے۔ اس کے علاوہ کسی سیاستدان کے افعال کا جائزہ لیتے ہوئے اس کے نجی، عمومی اور بحیثیت جرنیل یا شہنشاہ کے سرزد ہونے والے اعمال کے مابین حد بندی کرنا ہو گی، میرے خیال میں یہی بہتر ہو گا"

پیری فوراً بولا" ہاں، ہاں یقیناً" اپنی تائید پر اسے بیحد خوشی ہوئی تھی۔

شہزادہ آندرے نے بات بڑھاتے ہوئے کہا" یہ بات تسلیم کرنا ہو گی کہ آرکول کے پل پر نپولین کا بحیثیت انسان رویہ عظیم تھا، یا جافہ کے ہسپتال میں جب اس نے طاعون کے مریضوں سے ہاتھ ملایا وہ بھی قابل تعریف عمل ہے مگر اس کے کچھ ایسے افعال بھی ہیں جن کا جواز تلاش کرنا مشکل ہے"

شہزادہ آندرے جو پیری کے بیہودہ رویے سے پیدا ہونے والی صورتحال میں کمی لانا چاہتا تھا جانے کیلئے اچانک اٹھا اور اپنی بیوی کو ہاتھ سے اشارہ کیا۔ اچانک شہزادہ اپولٹ اٹھ کھڑا ہوا اور دونوں ہاتھ لہرا کر لوگوں کو جانے سے روک کر انہیں بیٹھنے کو کہا، ساتھ ہی وہ کہنے لگا" ہاں، آج میں نے ماسکو کی ایک کہانی سنی ہے اور آپ کو بھی اس سے لطف اندوز کرنا چاہتا ہوں۔ نواب صاحب مجھے معاف کیجئے گا میں یہ واقعہ روسی زبان میں سناؤں گا ورنہ یہ لطف کھو دے گا۔ وہ کچھ ایسی روسی زبان بول رہا تھا جو روس میں ایک برس گزارنے والا کوئی بھی فرانسیسی با آسانی بول سکتا ہے۔ چونکہ اپولٹ نے کہانی سننے پر کچھ اس طرح اصرار کیا تھا کہ ہر ایک ہمہ تن گوش ہو کر اس کی جانب متوجہ ہو گیا۔

آخرکار اپولٹ نے کہنا شروع کیا" ماسکو میں ایک خاتون رہتی ہے اور وہ بیحد کنجوس ہے۔ وہ دو ایسے لمبے تڑنگے ملازم رکھنا چاہتی تھی جو اس کی گاڑی کے پیچھے کھڑے رہیں۔ یہ اس کا ذوق تھا۔ اس کی ایک خادمہ تھی اور وہ بھی لمبے قد کی مالک تھی۔ خاتون نے کہا۔۔۔" یہاں شہزادہ اپولٹ رک گیا اور کچھ سوچنے لگا، یوں لگتا تھا اسے اپنے خیالات کو اکٹھا کرنے میں مشکل پیش آ رہی ہے۔ پھر وہ بولا" اس نے کہا۔۔۔ ہاں، اس نے خادمہ سے کہا" اے لڑکی وردی پہن لو اور گاڑی کے پیچھے چلو، مجھے کچھ لوگوں سے ملنا ہے"۔۔۔ یہاں شہزادہ اپولٹ پر ہنسی کا دورہ پڑ گیا اور سامعین میں سے کسی کے ہنسنے سے پہلے خود ہی زور زور سے ہنسنے لگا البتہ سامعین پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا تاہم اینا پاؤلونا اور معمر خاتون سمیت کچھ لوگ مسکرا دیے۔ شہزادہ اپولٹ نے مزید کہا" وہ گاڑی میں روانہ ہو گئی، اچانک تیز ہوا چلی اور خادمہ کا ہیٹ ہوا میں اڑ گیا اور اس کے لمبے بال ہوا میں لہرانے لگے۔۔۔"

اس موقع پر وہ خود پر قابو نہ رکھ سکا اور بری طرح ہنسنے لگا، ہنسی کے درمیان ہی اس نے کہا" اور ہر ایک کو اس

بات کا پتا چل گیا۔۔۔''

اس کے ساتھ ہی کہانی ختم ہوگئی اگرچہ کسی کی سمجھ میں نہ آیا کہ اس نے یہ کہانی کیوں سنائی اور روسی میں ہی سنانے پر کیوں اصرار کیا۔ اینا پاؤلونا اور دیگر لوگوں نے شہزادہ اپولت کی معاملہ فہمی کی داد دی کہ اس نے کس مہارت سے پیری کی گفتگو کے اثرات زائل کر دیے تھے۔ کہانی ختم ہوگئی تو گفتگو کا رخ تبدیل ہوگیا اور گزشتہ و آئندہ بال نیز تھیٹر پر گفتگو ہونے لگی، اس دوران تمام لوگ ایک دوسرے سے یہ طے کرنے لگے کہ کون کس سے کہاں ملے گا۔

(5)

مہمان اینا پاؤلونا کی شاندار ضیافت پر اس کا شکریہ ادا کر کے رخصت ہونے لگے۔

پیری بے ڈول، مضبوط اور دوسروں سے کہیں زیادہ لمبا تھا جبکہ اس کے ہاتھوں کی رنگت سرخ تھی۔ لوگوں کا کہنا تھا کہ اسے ڈرائنگ روم میں داخلے کے سلیقے کا علم ہے نہ نکلنے کا۔ اسے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ جانے سے قبل میزبان کے ساتھ خوشگوار کلمات کا تبادلہ کیسے کیا جاتا ہے۔ مزید براں وہ غائب دماغ بھی تھا۔ وہ جانے کیلئے اٹھا اور اپنی ٹوپی اٹھانے کی بجائے کسی جرنیل کا تین کونوں والا ہیٹ اٹھالیا اور اس کے پھندنے مروڑنے لگا یہاں تک کہ جرنیل نے اس سے یہ واپس نہ مانگ لیا۔ مگر اس کی غائب دماغی اور ڈرائنگ روم میں داخلے اور وہاں سے نکلنے کے طریقوں سے ناآشنائی اور آداب گفتگو سے بے خبری کی تلافی اس کی عمدہ فطرت، سادگی اور منکسر المزاجی سے ہو جاتی تھی۔

اینا پاؤلونا اس کی جانب متوجہ ہوئی اور مسیحی عاجزی سے گردن کو خم دیا گویا اس کی بدتمیزی معاف کر دی ہو اور کہنے لگی ''موسیو پیری امید ہے آپ سے دوبارہ ملاقات ہوگی مگر اس کے ساتھ ساتھ میں یہ بھی امید رکھتی ہوں کہ آپ اپنے خیالات تبدیل کر لیں گے''

پیری نے کوئی جواب نہ دیا مگر جھک کر آداب بجالایا اور ہر ایک کی جانب دیکھ کر مسکرایا جیسے کہہ رہا ہو ''میرے خیالات سے قطع نظر یہ دیکھیں کہ میں کس قدر بھلا مانس اور خوشدل ہوں'' اینا پاؤلونا اور ہر شخص نے یہ بات محسوس کی۔ شہزادہ آندرے ہال میں جا چکا تھا اور اپنے ملازم کے سامنے کندھے جھکا رہا تھا تاکہ وہ اسے کوٹ پہنا دے۔ اس نے اپنی بیوی لیزا اور شہزادہ اپولت کی بے معنی گفتگو لاتعلقی سے سنی جو اس کے پیچھے پیچھے وہاں آ گیا تھا۔ شہزادہ اپولت خوبصورت شہزادی لیزا کے بالکل قریب کھڑا اپنی عینک میں سے اسے دیکھے جا رہا تھا جو جلد ماں بننے والی تھی۔

لیزا اینا پاؤلونا کو خدا حافظ کہتے ہوئے بولی ''اب آپ اندر چلی جائیں ورنہ زکام ہو جائے گا'' بعد ازاں وہ آہستگی سے اینا سے کہنے لگی ''معاملہ طے پا گیا ہے''

اینا پاؤلونا لیزا سے اس کی نند اور اناطول کے رشتے کے حوالے سے پہلے ہی بات کر چکی تھی۔ چنانچہ لیزا کے جواب میں آہستگی سے کہنے لگی ''میں تمہی پر انحصار کر رہی ہوں، تم اسے ایک خط لکھنا اور پھر اس کے والد کے ردعمل سے مجھے آگاہ کرنا، خدا حافظ'' یہ کہہ کر وہ ہال میں واپس چلی گئی۔

شہزادہ اپولت لیزا کے قریب ہوگیا اور اپنا سر اس کے چہرے کے قریب جھکا کر سرگوشی میں کچھ کہنے لگا۔ شال اور مردانہ کوٹ اٹھائے اپولت اور لیزا کے دو خدمت گار دونوں کی بات چیت ختم ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ فرانسیسی میں ہونے والی گفتگو ان کی سمجھ سے بالاتر تھی مگر دونوں کے تاثرات کچھ یوں تھے گویا سب کچھ سمجھ رہے ہوں مگر اسے ظاہر نہیں کرنا چاہتے۔ شہزادی لیزا ہمیشہ کی طرح مسکراتے ہوئے بولتی اور سنتے ہوئے ہنس دیتی تھی۔

شہزادہ اپولت کہہ رہا تھا ''میں بیحد خوش ہوں کہ سفیر کی دعوت میں نہیں گیا، کس قدر بور دعوت ہونا تھی اور یہ کتنی پرلطف شام تھی، ایسی ہی تھی ناں؟

لیزا نے اپنا نچلا ہونٹ سکیڑتے ہوئے جواب دیا ''لوگ کہتے ہیں کہ وہاں بال بہت اچھا ہوگا تمام خوبصورت خواتین وہاں موجود ہوں گی''

شہزادہ اپولت باچھیں کھلا کر ہنسا اور کہنے لگا ''تمام نہیں، تم وہاں نہیں ہوگی تو تمام کیسے ہوئیں'' یہ کہہ کر اس نے خدمتگار سے شال چھین لی اور اسے ایک جانب دھکیل دیا تاکہ شہزادی کو خود شال اوڑھا سکے۔ جب وہ شال اوڑھا چکا تو اس نے اپنے بازو شہزادی لیزا کے جسم کے گرد لپٹے رہنے دیے جیسے وہ اسے بانہوں میں لینا چاہتا ہو۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس نے یہ حرکت دانستہ کی یا اس کی وجہ اناڑی پن تھا۔ شہزادی مسکراتے ہوئے مگر شائستگی سے پیچھے ہٹ گئی۔ بعد ازاں وہ مڑی اور اپنے شوہر پر ایک نظر ڈالی۔ شہزادہ آندرے کی آنکھیں بند تھیں، وہ تھکا ہوا اور بوجھل دکھائی دیتا تھا۔ اس نے آنکھیں کھولے بغیر اپنی بیوی سے پوچھا ''کیا تم تیار ہو''

شہزادہ اپولت نے جلدی سے اپنا اوورکوٹ پہنا جو اس زمانے کے فیشن کے مطابق اس کی ایڑھیوں کو چھوتا تھا اور اس میں ٹھوکریں کھاتا شہزادی کی جانب بھاگا جسے اس کا خدمتگار گاڑی میں بیٹھنے میں مدد دے رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی وہ اپنے پاؤں کی طرح لڑکھڑاتی زبان میں بولا ''شہزادی۔۔۔''

شہزادی اپنا گاؤن سنبھالتی ہوئی تاریک گاڑی میں بیٹھنے لگی، اس کا خاوند اپنی تلوار درست کر رہا تھا جبکہ شہزادہ اپولت مدد کے بہانے دونوں کیلئے رکاوٹ بنا ہوا تھا۔

آندرے نے اپولت کو جس نے اسے جانے سے روک رکھا تھا روسی زبان میں رکھائی سے ڈانٹتے ہوئے کہا ''جناب مجھے اجازت دیں'' اور پھر پیری سے گرمجوشی اور دوستانہ لہجے میں مخاطب ہوتے ہوئے بولا ''میں تمہارا انتظار کروں گا''

کوچوان نے گھوڑوں کو چابک دکھایا اور گاڑی کھڑکھڑاتے ہوئے چلنے لگی۔ شہزادہ اپولت سیڑھیوں میں کھڑا وقفے وقفے سے ہنس رہا تھا۔ اسے نواب مارٹی مارٹ کا انتظار تھا جسے اس نے گھر پہنچانے کا وعدہ کیا تھا۔

☆☆☆

نواب مارٹی اپولت کے ساتھ گاڑی میں سوار ہوتے ہوئے بولا ''میرے پیارے دوست، تمہاری چھوٹی شہزادی بیحد خوبصورت ہے، بیحد'' اس نے اپنی انگلیوں کی پوروں کو چومتے ہوئے کہا ''واقعی بیحد خوبصورت، اور بالکل فرانسیسی ہے''

اپولت کھلکھلا کر ہنسنے لگا۔

نواب نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا ''تمہیں علم ہے کہ تم بظاہر بھولے دکھائی دیتے ہو مگر حقیقت میں بہت خوفناک ہو۔ مجھے اس کے بیچارے شوہر پر ترس آتا ہے، وہ چھوٹا سا افسر ہے مگر یوں ظاہر کرتا ہے جیسے ولی عہد ہو۔

اپولت ایک بار پھر ہنسنے لگا اور ہنسی کے درمیان ہی میں بولا ''آپ کہتے تھے کہ روسی خواتین فرانسیسیوں کی برابری نہیں کر سکتیں۔ بات یہ ہے کہ آپ کو بس ان سے نمٹنا آنا چاہیے''

☆☆☆

پیری سب سے پہلے پہنچا اور گھر کے فرد کی سی بے تکلفی سے آندرے کے مطالعے کے کمرے میں جا کر حسب

بات کا پتا چل گیا۔۔۔"

اس کے ساتھ ہی کہانی ختم ہوگئی اگرچہ کسی کی سمجھ میں نہ آیا کہ اس نے یہ کہانی کیوں سنائی اور روسی میں ہی سنانے پر کیوں اصرار کیا۔ اینا پاؤلونا اور ... نے شہزادہ اپولت کی معاملہ فہمی کی داد دی کہ اس نے کس عمدگی سے پیری کی گفتگو کے اثرات زائل کر دیے تھے۔ کہانی ختم ہوئی تو گفتگو کا رخ تبدیل ہو گیا اور گزشتہ و آئندہ بال نیز تھیٹر پر گفتگو ہونے لگی، اس دوران تمام لوگ ایک دوسرے سے یہ طے کرنے لگے کہ کون کس سے کہاں ملے گا۔

(5)

مہمان اینا پاؤلونا کی شاندار ضیافت پر اس کا شکریہ ادا کر کے رخصت ہونے لگے۔

پیری بے ڈول، مضبوط اور دوسروں سے کہیں زیادہ لمبا تھا جبکہ اس کے ہاتھوں کی رنگت سرخ تھی۔ لوگوں کا کہنا تھا کہ اسے ڈرائنگ روم میں داخلے کے سلیقے کا علم ہے نہ نکلنے کا۔ اسے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ جانے سے قبل میزبان کے ساتھ خوشگوار کلمات کا تبادلہ کیسے کیا جاتا ہے۔ مزید براں وہ غائب دماغ بھی تھا۔ وہ جانے کیلئے اٹھا اور اپنی ٹوپی اٹھانے کی بجائے کسی جرنیل کا تین کونوں والا ہیٹ اٹھا لیا اور اس کے پھندنے مروڑنے لگا یہاں تک کہ جرنیل نے اس سے یہ واپس نہ مانگ لیا۔ مگر اس کی غائب دماغی اور ڈرائنگ روم میں داخلے اور وہاں سے نکلنے کے طریقوں سے ناآشنائی اور آداب گفتگو سے بے خبری کی تلافی اس کی عمدہ فطرت، سادگی اور منکسر المزاجی سے ہو جاتی تھی۔

اینا پاؤلونا اس کی جانب متوجہ ہوئی اور مسیحی عاجزی سے گردن کو خم دیا گویا اس کی بدتمیزی معاف کر دی ہو اور کہنے لگی "موسیو پیری امید ہے آپ سے دوبارہ ملاقات ہوگی مگر اس کے ساتھ ساتھ میں یہ بھی امید رکھتی ہوں کہ آپ اپنے خیالات تبدیل کر لیں گے"

پیری نے کوئی جواب نہ دیا مگر جھک کر آداب بجا لایا اور ہر ایک کی جانب دیکھ کر مسکرایا جیسے کہہ رہا ہو "میرے خیالات سے قطع نظر یہ دیکھیں کہ میں کس قدر بھلا مانس اور خوشدل ہوں" اینا پاؤلونا اور ہر شخص نے یہ بات محسوس کی۔ شہزادہ آندرے ہال میں جا چکا تھا اور اپنے ملازم کے سامنے کندھے جھکا رہا تھا تاکہ وہ اسے کوٹ پہنا دے۔ اس نے اپنی بیوی لیزا اور شہزادہ اپولت کی بے معنی گفتگو لاتعلقی سے سنی جو اس کے پیچھے پیچھے وہاں آ گیا تھا۔ شہزادہ اپولت خوبصورت شہزادی لیزا کے بالکل قریب کھڑا اپنی عینک میں سے اسے دیکھے جا رہا تھا جو جلد ماں بننے والی تھی۔

لیزا اینا پاؤلونا کو خدا حافظ کہتے ہوئے بولی "اب آپ اندر چلی جائیں ورنہ زکام ہو جائے گا" بعد ازاں وہ آہستگی سے اینا سے کہنے لگی "معاملہ طے پا گیا ہے"

اینا پاؤلونا لیزا سے اس کی نند اور اناطول کے رشتے کے حوالے سے پہلے ہی بات کر چکی تھی۔ چنانچہ لیزا کے جواب میں آہستگی سے کہنے لگی "میں تمہی پر انحصار کر رہی ہوں، تم اسے ایک خط لکھنا اور پھر اس کے والد کے ردعمل سے مجھے آگاہ کرنا، خدا حافظ" یہ کہہ کر وہ ہال میں واپس چلی گئی۔

شہزادہ اپولت لیزا کے قریب ہو گیا اور اپنا سر اس کے چہرے کے قریب جھکا کر سرگوشی میں کچھ کہنے لگا۔ شال اور مردانہ کوٹ اٹھائے اپولت اور لیزا کے دو خدمت گار دونوں کی بات چیت ختم ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ فرانسیسی میں ہونے والی گفتگو ان کی سمجھ سے بالاتر تھی مگر دونوں کے تاثرات کچھ یوں تھے گویا سب کچھ سمجھ رہے ہوں مگر اسے ظاہر نہیں کرنا چاہتے۔ شہزادی لیزا ہمیشہ کی طرح مسکراتے ہوئے بولتی اور ہنستے ہوئے سن رہی تھی۔

شہزادہ اپولت کہہ رہا تھا "میں بیحد خوش ہوں کہ سفیر کی دعوت میں نہیں گیا، کس قدر بور دعوت ہوتی تھی اور یہ کتنی پرلطف شام تھی، ایسی ہی تھی ناں؟"

لیزا نے اپنا نچلا ہونٹ سکیڑتے ہوئے جواب دیا "لوگ کہتے ہیں کہ وہاں بال بہت اچھا ہوگا تمام خوبصورت خواتین وہاں موجود ہوں گی"

شہزادہ اپولت باچھیں کھلا کر ہنسا اور کہنے لگا "تمام نہیں، تم وہاں نہیں ہوگی تو تمام کیسے ہوئیں" یہ کہہ کر اس نے خدمتگار سے شال چھین لی اور اسے ایک جانب دھکیل دیا تاکہ شہزادی کو خود شال اوڑھا سکے۔ جب وہ شال اوڑھا چکا تو اس نے اپنے بازو شہزادی لیزا کے جسم کے گرد لپٹے رہنے دیے جیسے وہ اسے بانہوں میں لینا چاہتا ہو۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس نے یہ حرکت دانستہ کی یا اس کی وجہ اناڑی پن تھا۔ شہزادی مسکراتے ہوئے مگر شائستگی سے پیچھے ہٹ گئی۔ بعد ازاں وہ مڑی اور اپنے شوہر پر ایک نظر ڈالی۔ شہزادہ آندرے کی آنکھیں بند تھیں، وہ تھکا ہوا اور بوجھل دکھائی دیتا تھا۔ اس نے آنکھیں کھولے بغیر اپنی بیوی سے پوچھا "کیا تم تیار ہو"

شہزادہ اپولت نے جلدی سے اپنا اوورکوٹ پہنا جو اس زمانے کے فیشن کے مطابق اس کی ایڑھیوں کو چھوتا تھا اور اس میں ٹھوکریں کھاتا شہزادی کی جانب بھاگا جسے اس کا خدمتگار گاڑی میں بیٹھنے میں مدد دے رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی وہ اپنے پاؤں کی طرح لڑکھڑاتی زبان میں بولا "شہزادی۔۔۔"

شہزادی اپنا گاؤن سنبھالتی ہوئی تاریک گاڑی میں بیٹھنے لگی، اس کا خاوند اپنی تلوار درست کر رہا تھا جبکہ شہزادہ اپولت مدد کے بہانے دونوں کیلئے رکاوٹ بنا ہوا تھا۔

آندرے نے اپولت کو جس نے اسے جانے سے روک رکھا تھا روسی زبان میں رکھائی سے ڈانٹتے ہوئے کہا "جناب مجھے اجازت دیں" اور پھر پیری سے گرمجوشی اور دوستانہ لہجے میں مخاطب ہوتے ہوئے بولا "میں تمہارا انتظار کروں گا"

کوچوان نے گھوڑوں کو چابک دکھایا اور گاڑی کھڑکھڑاتے ہوئے چلنے لگی۔ شہزادہ اپولت سیڑھیوں میں کھڑا وقفے وقفے سے ہنس رہا تھا۔ اسے نواب مارٹی مارٹ کا انتظار تھا جسے اس نے گھر پہنچانے کا وعدہ کیا تھا۔

☆☆☆

نواب مارٹی اپولت کے ساتھ گاڑی میں سوار ہوتے ہوئے بولا "میرے پیارے دوست، تمہاری چھوٹی شہزادی بیحد خوبصورت ہے، بیحد" اس نے اپنی انگلیوں کی پوروں کو چومتے ہوئے کہا "واقعی بیحد خوبصورت، اور بالکل فرانسیسی ہے"

اپولت کھلکھلا کر ہنسنے لگا۔

نواب نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا "تمہیں علم ہے کہ تم بظاہر بھولے دکھائی دیتے ہو مگر حقیقت میں بہت خوفناک ہو۔ مجھے اس کے بیچارے شوہر پر ترس آتا ہے، وہ چھوٹا سا افسر ہے مگر یوں ظاہر کرتا ہے جیسے ولی عہد ہو۔"

اپولت ایک بار پھر ہنسنے لگا اور ہنسی کے درمیان ہی میں بولا "آپ کہتے تھے کہ روسی خواتین فرانسیسیوں کی برابری نہیں کر سکتیں۔ بات یہ ہے کہ آپ کو بس ان سے نمٹنا آنا چاہیے"

☆☆☆

پیری سب سے پہلے پہنچا اور گھر کے فرد کی سی بے تکلفی سے آندرے کے مطالعے کے کمرے میں جا کر حسب

عادت صوفے پر لیٹ گیا اور شیلف میں جو کتاب (یہ جولیس سیزر کی یادداشتوں پر مشتمل تھی) سب سے پہلے اس کے ہاتھ میں آئی اٹھائی اور کہنی پر سر ٹکا کر اسے درمیان سے پڑھنا شروع کر دیا۔

کچھ دیر بعد شہزادہ آندرے اپنے چھوٹے سے سفید ہاتھ مسلتا ہوا اندر داخل ہوا اور کہنے لگا "پیری یہ تم نے اینا پاؤلونا کو کیا صدمہ پہنچا دیا۔ اب وہ واقعی بیمار ہو جائے گی"

پیری نے کچھ اس طرح کروٹ بدلی کہ صوفہ اس کے بوجھ تلے چرچرانے لگا، اس نے اپنا پُر اشتیاق چہرہ آندرے کی جانب کیا اور مسکرا کر اس کی بات ٹال دی۔ بعد ازاں اس نے کہا "اوہ وہ ایبے موریو بیحد دلچسپ شخص ہے البتہ اس کے خیالات درست نہیں۔۔۔ میرے خیال میں مستقل امن ممکن ہے مگر۔۔۔ مجھے سمجھ نہیں آتا کہ اسے کیسے بیان کروں۔۔۔ مگر طاقت کے توازن کے ذریعے نہیں۔۔۔"

شہزادہ آندرے کو اس قسم کی تجریدی بحث سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ کچھ توقف کے بعد وہ کہنے لگا "انسان جو کچھ سوچتا ہے اس کا بر وقت اظہار ممکن نہیں ہوتا، اچھا چھوڑو اور مجھے یہ بتاؤ کہ تم کس نتیجے پر پہنچے ہو؟ کیا تم گھڑ سوار فوج بھرتی ہو گے یا سفارتی نوکری کرنا چاہتے ہو؟"

پیری صوفے پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا "کیا تم یقین کرو گے کہ ابھی تک میں کچھ نہیں جانتا، مجھے یہ دونوں پسند نہیں"

آندرے کہنے لگا "مگر تمہیں کچھ نہ کچھ فیصلہ تو کرنا ہی ہوگا۔ تم جانتے ہو کہ تمہارے والد اس کا انتظار کر رہے ہیں"

پیری کو دس برس کی عمر میں ایک راہب کے ساتھ حصول تعلیم کی غرض سے بیرون ملک بھیج دیا گیا تھا اور وہ وہاں بیس برس کی عمر تک مقیم رہا۔ جب وہ ماسکو واپس آیا تو اس کے والد نے راہب کو جو اس کا استاد تھا فارغ کر دیا اور پیری سے کہا "اب تم پیٹرز برگ جاؤ، اپنا جائزہ لو اور کوئی ملازمت منتخب کرو۔ مجھے تمہارے ہر فیصلے سے اتفاق ہوگا۔ یہ شہزادہ ویسلے کے نام خط ہے اور یہ رقم۔ مجھے باقاعدگی سے خط لکھتے اور مطلع کرتے رہنا۔ میں تمہاری ہر طرح مدد کروں گا" پیری تین ماہ سے ملازمت منتخب کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور ابھی تک کسی نتیجے پر نہیں پہنچا تھا۔ شہزادہ آندرے اس سے اسی انتخاب کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ پیری اپنی پیشانی مسلتے ہوئے بولا "مگر وہ فری میسن ہے" اس کا اشارہ راہب کی طرف تھا جس سے وہ اسی شام ملا تھا۔

آندرے نے جواب دیا "بیہودہ بات، ہمیں سنجیدہ امور پر بات چیت کرنا ہے، کیا تم ہارس گارڈز کے دفتر گئے تھے"

پیری بولا "نہیں، میں وہاں نہیں گیا مگر مجھے ایک بات سوجھی ہے اور میں تم سے اس کے بارے میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ یہ جنگ نپولین کیخلاف ہے۔ اگر یہ جنگ آزادی کیلئے لڑی جاتی تو میری سمجھ میں آتی اور میں سب سے پہلے فوج میں بھرتی ہوتا مگر دنیا کے عظیم ترین شخص کیخلاف انگلستان اور آسٹریلیا کی مدد کیلئے جنگ۔۔۔ یہ ٹھیک نہیں ہے"

شہزادہ آندرے پیری کے بچگانہ الفاظ پر کندھے اچکا کر رہ گیا۔ یوں لگتا تھا جیسے ایسی احمقانہ بات کا جواب دینا ممکن نہیں۔ تاہم اس نے کہا "اگر ہر شخص محض اپنے عقیدے کی خاطر جنگ کرے تو پھر کوئی جنگ نہیں ہوگی" سچ تو یہ ہے کہ پیری کی نا سمجھی پر مبنی بات کا اس سے بہتر جواب ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

پیری نے جواباً کہا "یہ تو بہت اچھی بات ہوگی"

شہزادہ آندرے طنزیہ انداز میں ہنسا اور کہنے لگا "یہ بہت اچھی بات ہو سکتی ہے مگر ایسا کبھی نہیں ہوگا۔۔۔"

پیری نے اس سے سوال کیا "تم کیوں جنگ پر جا رہے ہو؟"

آندرے نے جواب دیا "کیوں؟ میں نہیں جانتا مگر مجھے جانا ہے۔ علاوہ ازیں میں اس لیے جا رہا ہوں۔۔۔" یہاں وہ تھوڑی دیر کیلئے رکا اور پھر کہنے لگا "میں اس لیے جا رہا ہوں کہ یہاں کی زندگی مجھے پسند نہیں"

(6)

ملحقہ کمرے میں کسی خاتون کے لباس کی سرسراہٹ سنائی دی۔ شہزادہ آندرے اچھلا اور اس کے چہرے پر وہی تاثرات پھیل گئے جو اینا پاؤلونا کے ڈرائنگ روم میں دکھائی دیے تھے۔ پیری نے اپنی ٹانگیں صوفے سے نیچے کر لیں۔ شہزادی لیزا اندر آئی۔ وہ اپنا لباس تبدیل کر چکی تھی اور گھر میں پہنے جانے والے سادہ لباس میں ملبوس مگر تازگی اور نفاست میں پہلے جیسی دکھائی دے رہی تھی۔ شہزادہ آندرے اٹھا اور اس کے لیے کرسی بچھا دی۔

وہ تیزی اور خواہ مخواہ کی احتیاط سے بچی کرسی پر بیٹھتے ہوئے حسب معمول فرانسیسی میں بولی "میں اکثر سوچتی ہوں کہ اینا پاؤلونا نے آج تک شادی کیوں نہیں کی" "آپ مرد حضرات بھی کس قدر احمق ہیں کہ کسی نے بھی اس سے شادی نہیں کی۔ معاف کیجئے گا مگر حقیقت یہی ہے کہ آپ کو خواتین کا بالکل بھی احساس نہیں۔ موسیو پیری آپ بیحد جھگڑالو ہیں"

پیری لیزا سے مخاطب ہو کر بولا "میں ابھی تک آپ کے شوہر سے بحث کر رہا ہوں۔ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ یہ جنگ میں کیوں شریک ہونا چاہتے ہیں" اس کے انداز میں وہ جھجک موجود نہ تھی جو عموماً نوجوان خاتون سے بات کرتے وقت نوجوان مردوں کے لہجے میں دیکھی جا سکتی ہے۔

لیزا کو جھٹکا سا لگا، یقیناً پیری نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

وہ سرد آہ بھر کر بولی "میں بھی یہی بات کرتی ہوں، مجھے سمجھ نہیں آتی آخر کار مرد جنگ کے بغیر کیوں نہیں رہ سکتے۔ ہم خواتین کو اس کی خواہش کیوں نہیں ہوتی؟ تم ہی انصاف کرو۔ میں انہیں اکثر کہتی ہوں 'یہ انکل کے معاون خصوصی ہیں جو کہ بہت زبردست عہدہ ہے۔ ہر کوئی انہیں جانتا اور عزت کرتا ہے' گزشتہ دنوں کی بات ہے اپراکسن خاندان کے ہاں میں نے ایک خاتون کو کہتے سنا "اچھا تو یہ ہیں معروف شہزادہ آندرے" "میری بات پر یقین کریں" یہ کہہ کر وہ ہنس دی اور بات جاری رکھتے ہوئے بولی "یہ جہاں کہیں جاتے ہیں ان کی اسی طرح آؤ بھگت ہوتی ہے، یہ نہایت آسانی سے شہنشاہ کے بھی معاون مقرر ہو سکتے ہیں۔ تمہیں علم ہے کہ شہنشاہ نے ان کے ساتھ نہایت خوشدلی سے بات کی تھی۔ اینا اور میرا دونوں کا خیال ہے کہ ایسا ہونا بیحد آسان ہے۔ کیا خیال ہے تمہارا"

پیری نے شہزادہ آندرے کو اچٹتی نگاہ سے دیکھا اور اسے اندازہ ہو گیا کہ اس کے دوست کو اس موضوع سے کوئی دلچسپی نہیں لہٰذا اس نے لیزا کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ کچھ توقف کے بعد اس نے آندرے سے پوچھا "کب جا رہے ہو"

لیزا بولی "ان کی روانگی سے متعلق کوئی بات نہ کریں، بالکل مت کریں، مجھے اس بارے میں کچھ بھی سننا گوارا نہیں" اس کا لہجہ اسی طرح من موجی اور کھلنڈرا تھا جیسا اس نے اینا کی ضیافت میں اپولٹ کے ساتھ اپنایا تھا تاہم یہ لہجہ اس کے خاندانی دائرے سے قطعاً میل نہیں کھاتا تھا جس کا پیری بھی رکن بن چکا تھا۔ اس نے بات

عادت صوفے پر لیٹ گیا اور شیلف میں جو کتاب (یہ جولیس سیزر کی یادداشتوں پر مشتمل تھی) سب سے پہلے اس کے ہاتھ میں آئی اٹھائی اور کہنی پر سر ٹکا کر اسے درمیان سے پڑھنا شروع کر دیا۔

کچھ دیر بعد شہزادہ آندرے اپنے چھوٹے سے سفید ہاتھ مسلتا ہوا اندر داخل ہوا اور کہنے لگا "پیری یہ تم نے اپنا پاؤلونا کو کیا صدمہ پہنچا دیا۔ اب وہ واقعی بیمار ہو جائے گی"

پیری نے کچھ اس طرح کروٹ بدلی کہ صوفہ اس کے بوجھ تلے چرچرانے لگا، اس نے اپنا پر اشتیاق چہرہ آندرے کی جانب کیا اور مسکرا کر اس کی بات ٹال دی۔ بعد ازاں اس نے کہا "اوہ، وہ ایبے موریو بیحد دلچسپ شخص ہے البتہ اس کے خیالات درست نہیں۔۔۔ میرے خیال میں مستقل امن ممکن ہے مگر۔۔۔ مجھے سمجھ نہیں آتا کہ اسے کیسے بیان کروں۔۔۔ مگر طاقت کے توازن کے ذریعے نہیں۔۔۔"

شہزادہ آندرے کو اس قسم کی تجریدی بحث سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ کچھ توقف کے بعد وہ کہنے لگا "انسان جو کچھ سوچتا ہے اس کا ہر وقت اظہار ممکن نہیں ہوتا، اچھا چھوڑو اور مجھے یہ بتاؤ کہ تم کس نتیجے پر پہنچے ہو؟ کیا تم گھڑ سوار فوج بھرتی ہو گے یا سفارتی نوکری کرنا چاہتے ہو؟"

پیری صوفے پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا "کیا تم یقین کرو گے کہ ابھی تک میں کچھ نہیں جانتا، مجھے یہ دونوں پسند نہیں"

آندرے کہنے لگا "مگر تمہیں کچھ نہ کچھ فیصلہ تو کرنا ہی ہوگا۔ تم جانتے ہو کہ تمہارے والد اس کا انتظار کر رہے ہیں"

پیری کو دس برس کی عمر میں ایک راہب کے ساتھ حصول تعلیم کی غرض سے بیرون ملک بھیج دیا گیا تھا اور وہ وہاں بیس برس کی عمر تک مقیم رہا۔ جب وہ ماسکو واپس آیا تو اس کے والد نے راہب کو جو اس کا استاد تھا فارغ کر دیا اور پیری سے کہا "اب تم پیٹرز برگ جاؤ، اپنا جائزہ لو اور کوئی ملازمت منتخب کرو۔ مجھے تمہارے ہر فیصلے سے اتفاق ہوگا۔ یہ شہزادہ ویسلے کے نام خط ہے اور یہ رقم۔ مجھے باقاعدگی سے خط لکھتے اور مطلع کرتے رہنا۔ میں تمہاری ہر طرح مدد کروں گا" پیری تین ماہ سے ملازمت منتخب کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور ابھی تک کسی نتیجے پر نہیں پہنچا تھا۔ شہزادہ آندرے اس سے اسی انتخاب کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ پیری اپنی پیشانی مسلتے ہوئے بولا "مگر وہ فری میسن ہے" اس کا اشارہ راہب کی طرف تھا جس سے وہ اسی شام ملا تھا۔

آندرے نے جواب دیا "بیہودہ بات، ہمیں سنجیدہ امور پر بات چیت کرنا ہے، کیا تم ہارس گارڈز کے دفتر گئے تھے"

پیری بولا "نہیں، میں وہاں نہیں گیا مگر مجھے ایک بات سوجھی ہے اور میں تم سے اس کے بارے میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ یہ جنگ نپولین کیخلاف ہے۔ اگر یہ جنگ آزادی کیلئے لڑی جاتی تو میری سمجھ میں آتی اور میں سب سے پہلے فوج میں بھرتی ہوتا مگر دنیا کے عظیم ترین شخص کیخلاف انگلستان اور آسٹریلیا کی مدد کیلئے جنگ۔۔۔ یہ ٹھیک نہیں ہے"

شہزادہ آندرے پیری کے بچگانہ الفاظ پر کندھے اچکا کر رہ گیا۔ یوں لگتا تھا جیسے ایسی احمقانہ بات کا جواب دینا ممکن نہیں۔ تاہم اس نے کہا "اگر ہر شخص محض اپنے عقیدے کی خاطر جنگ کرے تو پھر کوئی جنگ نہیں ہوگی" سچ تو یہ ہے کہ پیری کی نا سمجھی پر مبنی بات کا اس سے بہتر جواب ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

پیری نے جواباً کہا "یہ تو بہت اچھی بات ہوگی"

شہزادہ آندرے طنزیہ انداز میں ہنسا اور کہنے لگا "یہ بہت اچھی بات ہو سکتی ہے مگر ایسا کبھی نہیں ہوگا۔۔۔"

پیری نے اس سے سوال کیا "تم کیوں جنگ پر جا رہے ہو؟"

آندرے نے جواب دیا "کیوں؟ میں نہیں جانتا۔ مگر مجھے جانا ہے۔ علاوہ ازیں میں اس لیے جا رہا ہوں۔۔۔" یہاں وہ تھوڑی دیر کیلئے رکا اور پھر کہنے لگا "میں اس لیے جا رہا ہوں کہ یہاں کی زندگی مجھے پسند نہیں"

(6)

ملحقہ کمرے میں کسی خاتون کے لباس کی سرسراہٹ سنائی دی۔ شہزادہ آندرے اچھلا اور اس کے چہرے پر وہی تاثرات پھیل گئے جو اینا پاؤلونا کے ڈرائنگ روم میں دکھائی دیے تھے۔ پیری نے اپنی ٹانگیں صوفے سے نیچے کر لیں۔ شہزادی لیزا اندر آئی۔ وہ اپنا لباس تبدیل کر چکی تھی اور گھر میں پہنے جانے والے سادہ لباس میں ملبوس مگر تازگی اور نفاست میں پہلے جیسی دکھائی دے رہی تھی۔ شہزادہ آندرے اٹھا اور اس کے لیے کرسی بچھا دی۔

وہ تیزی اور خواہ مخواہ کی احتیاط سے نیچی کرسی پر بیٹھتے ہوئے حسب معمول فرانسیسی میں بولی "میں اکثر سوچتی ہوں کہ اینا پاؤلونا نے آج تک شادی کیوں نہیں کی" آپ مرد حضرات بھی کس قدر احمق ہیں کہ کسی نے بھی اس سے شادی نہیں کی۔ معاف کیجئے گا مگر حقیقت یہی ہے کہ آپ کو خواتین کا بالکل بھی احساس نہیں۔ موسیو پیری آپ بیحد جھگڑالو ہیں"

پیری لیزا سے مخاطب ہو کر بولا "میں ابھی تک آپ کے شوہر سے بحث کر رہا ہوں۔ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ یہ جنگ میں کیوں شریک ہونا چاہتے ہیں" اس کے انداز میں وہ جھجک موجود نہ تھی جو عموماً نوجوان خاتون سے بات کرتے وقت نوجوان مردوں کے لہجے میں دیکھی جا سکتی ہے۔

لیزا کو جھٹکا سا لگا، یقیناً پیری نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

وہ سرد آہ بھر کر بولی "میں بھی یہی بات کرتی ہوں، مجھے سمجھ نہیں آتی آخر کار مرد جنگ کے بغیر کیوں نہیں رہ سکتے۔ ہم خواتین کو اس کی خواہش کیوں نہیں ہوتی؟ تمہی انصاف کرو۔ میں انہیں اکثر کہتی ہوں 'یہ انکل کے معاون خصوصی ہیں جو کہ بہت زبردست عہدہ ہے۔ ہر کوئی انہیں جانتا اور عزت کرتا ہے' گزشتہ دنوں کی بات ہے اپراکسن خاندان کے ہاں میں نے ایک خاتون کو کہتے سنا 'اچھا تو یہ ہیں معروف شہزادہ آندرے' میری بات پر یقین کریں" یہ کہہ کر وہ ہنس دی اور بات جاری رکھتے ہوئے بولی "یہ جہاں کہیں جاتے ہیں ان کی اسی طرح آؤ بھگت ہوتی ہے، یہ نہایت آسانی سے شہنشاہ کے بھی معاون مقرر ہو سکتے ہیں۔ تمہیں علم ہے کہ شہنشاہ نے ان کے ساتھ نہایت خوشدلی سے بات کی تھی۔ اینا اور میرا دونوں کا خیال ہے کہ ایسا ہونا بیحد آسان ہے۔ کیا خیال ہے تمہارا"

پیری نے شہزادہ آندرے کو اچٹتی نگاہ سے دیکھا اور اسے اندازہ ہو گیا کہ اس کے دوست کو اس موضوع سے کوئی دلچسپی نہیں لہٰذا اس نے لیزا کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ کچھ توقف کے بعد اس نے آندرے سے پوچھا "کب جا رہے ہو"

لیزا بولی "ان کی روانگی سے متعلق کوئی بات نہ کریں، بالکل مت کریں، مجھے اس بارے میں کچھ بھی سننا گوارا نہیں" اس کا لہجہ اسی طرح من موجی اور کھلنڈرا تھا جیسا اس نے اینا کی ضیافت میں اپولٹ کے ساتھ اپنایا تھا تاہم یہ لہجہ اس کے خاندانی دائرے سے قطعاً میل نہیں کھاتا تھا جس کا پیری بھی رکن بن چکا تھا۔ اس نے بات

جاری رکھتے ہوئے کہا'' آج شام جب میں نے یہ سوچا کہ ان کے جانے کے بعد وہ تمام خوشگوار تعلقات ختم ہو جائیں گے۔۔۔اور پھر تمہیں علم ہے آندرے۔؟'' اس نے اپنے شوہر کی جانب معنی خیز نظروں سے دیکھا اور کہنے لگی'' مجھے خوف ہے، اندیشہ ہے!'' یہ کہہ کر اس کا جسم کانپنے لگا۔ اس کے شوہر نے اسے یوں دیکھا جیسے حیران ہو کہ اس کے اور پیری کے علاوہ تیسرا کون کمرے میں آ گیا ہے، اور سرد لہجے میں اپنی بیوی سے پوچھا'' تم کس بات سے خوفزدہ ہو لیزا!؟ مجھے سمجھ نہیں آئی۔

وہ بولی'' دیکھو تمام مرد کس قدر مغرور ہوتے ہیں۔ سب خود پسندی کے مارے ہوتے ہیں، نہ جانے کیوں، یہ مجھے چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ مجھے گاؤں میں اکیلا چھوڑ رہے ہیں۔

شہزادہ آندرے نے ملائمت سے جواب دیا'' مت بھولو کہ میرے والد اور بہن بھی وہیں موجود ہیں''

لیزا نے جواب دیا'' یہ اکیلا رہنے ہی کے مترادف ہے، دوستوں کے بغیر۔۔۔اور یہ چاہتے ہیں کہ میں خوفزدہ بھی نہ ہوں'' اب اس کا لہجہ چڑچڑا ہو گیا تھا اور اوپر والا ہونٹ چہرے پر خوشی کا تاثر بکھیرنے کی بجائے جنگلی گلہری کی طرح دکھائی دیتا تھا۔ وہ خاموش ہو گئی جیسے پیری کے سامنے اپنی تمام باتوں کا بیان نازیبا عمل ہو۔

آندرے ہموار لہجے میں اور اپنی بیوی سے نظر ملائے بغیر بولا'' میں ابھی تک نہیں سمجھ سکا کہ تم کس سے خوفزدہ ہو'' شہزادی کا چہرہ سرخ ہو گیا اور وہ مایوسی کے عالم میں بازو لہراتے ہوئے بولی'' نہیں آندرے، تم کس قدر بدل گئے ہو، بالکل ہی بدل گئے ہو۔۔۔''

شہزادہ آندرے نے کہا'' ڈاکٹر نے تمہیں جلد سونے کی ہدایت کی تھی، اب جاؤ اور سو رہو''

شہزادی خاموش رہی مگر اس کا باریک نچلا ہونٹ تھرتھرانے لگا۔ آندرے اٹھ کھڑا ہوا اور کندھے اچکا کر کمرے کے چکر لگانا شروع کر دیے۔

پیری نے اپنی عینک کے اوپر سے حیرانی کے عالم میں آندرے اور پھر شہزادی کو دیکھا۔ اس نے بے چینی محسوس کی اور اٹھنے کا ارادہ کیا مگر ارادہ بدل لیا۔

لیزا اچانک پھٹ پڑی اور کہنے لگی'' موسیو پیری اگر یہاں موجود ہیں تو کیا ہوا، آندرے میں کئی روز سے تم سے پوچھنا چاہ رہی تھی کہ میرے ساتھ تمہارا رویہ اسقدر تبدیل کیوں ہو گیا ہے؟ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟ تم جنگ پر جا رہے ہو اور تمہیں میرا ذرا بھی خیال نہیں۔۔۔ آخر یہ سب کیا ہے؟'' یہ بات کرتے ہوئے اس کا خوبصورت چہرہ بدصورت دکھائی دینے لگا۔

''لیزا'' پرنس نے صرف اتنا کہا مگر اس ایک لفظ میں منت وسماجت بھی اور دھمکی بھی البتہ سب سے بڑھ کر یہ خود اعتمادی کہ تمہیں اپنے الفاظ پر پچھتانا پڑے گا۔ تاہم لیزا تیز لہجے میں کہنے لگی'' تم مجھ سے ایسا سلوک کرتے ہو گویا میں بیمار یا کوئی بچی ہوں۔ میں دیکھ رہی ہوں، چھ ماہ پہلے تم ایسے نہیں تھے''

آندرے مزید واضح انداز میں بولا'' لیزا، خاموش ہو جاؤ، میں تمہارے سامنے ہاتھ جوڑتا ہوں''۔۔۔ پیری جو اس بحث کے دوران ہر لحظہ مزید بے چین ہو گیا تھا، اٹھ کھڑا ہوا اور شہزادی کے قریب چلا گیا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ اس کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا اور خود رو دے گا۔ وہ لیزا سے کہنے لگا۔

''شہزادی، خود کو یوں پریشان مت کریں۔ آپ کو وہم ہو گیا ہے کیونکہ۔۔۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں، میں خود محسوس کر چکا ہوں۔۔۔ کیونکہ۔۔۔ اس کی وجہ یہ ہے۔۔۔ اوہ، معافی چاہتا ہوں، باہر کے آدمی کا معاملے سے

کیا واسطہ۔۔۔ اوہ، پریشان مت ہوں۔۔۔ خدا حافظ''

آندرے نے اس کا ہاتھ پکڑ کر روک لیا اور کہنے لگا'' نہیں پیری ٹھہرو، شہزادی بہت اچھی ہے اور وہ کبھی مجھے تمہارے ساتھ شام گزارنے کی خوشی سے محروم نہیں رکھنا چاہے گی''

غصے کی شدت کے باعث لیزا کے آنسو نکل آئے اور وہ چلا کر بولی'' نہیں، یہ اپنے علاوہ کسی کے بارے میں نہیں سوچتے''

''لیزا'' آندرے نے باآواز بلند پکارا، یوں لگتا تھا جیسے اس کا پیمانہ صبر لبریز ہو چکا ہو۔ اس کی آواز سن کر لیزا کے چہرے پر غصیلی گلہری کے تاثرات نے خوف اور وحشت کے پرکشش تاثر کی جگہ لے لی۔ وہ اپنے ابروؤں تلے خوشنما آنکھوں سے اپنے شوہر کو دیکھ رہی تھی جبکہ اس کے چہرے پر وہی خوف وندامت چھا گئی جس کا مظاہرہ وہ کتا کرتا ہے جو اپنی دم ناتوانی مگر تیزی سے گھمانے لگتا ہے۔

شہزادی بڑبڑاتے ہوئے اپنا لباس سنبھال کر اٹھی، اپنے خاوند کی جانب گئی اور اس کی پیشانی چوم لی۔

آندرے نے اس کے ہاتھ کا پچھا اس طرح بوسہ لیا جیسے وہ اجنبی ہو اور بولا'' شب بخیر لیزا''

☆☆☆

دونوں دوست خاموش تھے اور کوئی بھی خاموشی نہیں توڑنا چاہتا تھا۔ پیری نے شہزادہ آندرے کی جانب دیکھا جس نے اپنے چھوٹے سے ہاتھ سے پیشانی سہلائی اور آہ بھرتے ہوئے اٹھ کر کہا'' آؤ کھانا کھائیں''

وہ کھانے کے شاندار کمرے میں داخل ہوئے جسے حال ہی میں اور بھاری خرچ سے سجایا گیا تھا۔ رومالوں سے لے کر چاندی، چینی اور شیشے کے برتنوں تک ہر شے اس طرح نئی تھی جس طرح نو بیاہتا جوڑوں کے ہاں دیکھنے میں آتی ہے۔ کھانے کے دوران شہزادہ آندرے نے کہنی میز پر ٹکائی اور اس شخص کی طرح بولنے لگا جو طویل عرصے سے بھرا بیٹھا ہو اور اچانک سب کچھ کہہ دینے پر تل گیا ہو۔ اس کے لہجے میں اعصابی اشتعال تھا جو پیری نے پہلے نہیں دیکھا تھا۔

آندرے کہنے لگا'' پیارے دوست، میرا تمہیں مشورہ ہے کہ کبھی شادی مت کرنا۔ اس وقت تک یہ قدم نہ اٹھانا جب تک اس نتیجے پر نہ پہنچ جاؤ کہ تم زندگی میں جو کچھ کر سکتے تھے وہ کر چکے ہو۔ اور جب تک تمہاری ہونے والی بیوی کا ظاہر و باطن تم پر اچھی طرح عیاں نہ ہو جائے اور اس کے لیے تمہارے دل میں پیار باقی نہ رہے اس وقت تک انتظار کرنا، ورنہ تم ایسی غلطی کر بیٹھو گے جس کی تلافی ممکن نہ ہو گی۔ اس وقت شادی کرنا جب تم بوڑھے ہو جاؤ اور کام کاج کے نہ رہو ورنہ تم میں جو بھی خوبیاں موجود ہیں ضائع ہو جائیں گی۔ چھوٹی چھوٹی باتیں انہیں نگل دیں گی۔ ہاں، ہاں، ہاں! یہ مجھے حیرانی سے کیوں دیکھ رہے ہو۔ اگر تم مستقبل میں کوئی کارنامہ انجام دے سکتے ہو تو تمہیں احساس ہو گا کہ سب کچھ ختم ہو گیا ہے اور ڈرائنگ روم کے علاوہ تمام دروازے بند ہو گئے ہیں جہاں تم درباری خوشامدیوں یا احمقوں کی طرح کھڑے ہو گے۔۔۔ خیر۔۔۔'' اس نے اپنا بازو لہرایا جیسے کہہ رہا ہو'' چھوڑو اس مسئلے کو''

پیری نے اپنی عینک اتار دی اور اس کا چہرہ پہلے سے زیادہ نرم رو اور اچھا دکھائی دینے لگا۔ اس نے اپنے دوست کی جانب حیرانی سے دیکھا۔

آندرے نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا'' میری بیوی شاندار خاتون ہے۔ وہ ان چند خواتین میں سے ایک ہے جن کے ہوتے ہوئے انسان کی عزت محفوظ ہوتی ہے مگر خدا کی قسم میری سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ کاش میں

شادی شدہ نہ ہوتا! تم پہلے اور واحد شخص ہو جس سے میں نے یہ بات کی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں تمہیں پسند کرتا ہوں۔"

جب وہ یہ گفتگو کر رہا تھا تو اس کے اور اینا پاؤلونا کے ڈرائنگ روم میں بیٹھے نیم وا آنکھوں والے آندرے کے مابین مشابہت کم ہوتی جا رہی تھی جو ادھ کھلے ہونٹوں سے فرانسیسی کلمات چبا رہا تھا۔ اب اس کا خشک چہرہ اعصابی شدت سے تھرتھرا رہا تھا اور اس کی آنکھیں جو پہلے زندگی کی حرارت سے خالی نظر آتی تھیں اب پوری طرح روشن تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے عام حالات میں وہ بے جان دکھائی دیتا ہے مگر اشتعال کے لمحات میں بیحد توانا ہو جاتا ہے۔

آندرے نے بات آگے بڑھائی اور کہنے لگا "تم نہیں سمجھ سکتے کہ میں ایسی گفتگو کیوں کر رہا ہوں اور زندگی کی تمام کہانی اسی میں کیوں موجود ہے۔ تم بونا پارٹ اور اس کے عروج کی بات کرتے ہو (اگرچہ پیری نے بونا پارٹ کا تذکرہ نہیں کیا تھا) تم بونا پارٹ کا حوالہ دیتے ہو مگر جب وہ اپنے مقصد کے حصول کی کوششیں کر رہا تھا اور اس کی جانب قدم بقدم گامزن تھا تو وہ آزاد تھا، اس کے پاس اپنے مقصد کے سوا کچھ نہ تھا اور اس نے وہ حاصل کر لیا۔ مگر جب آپ خود کو عورت کے ساتھ نتھی کر لیتے ہیں تو یوں سمجھیں کہ آپ کے ہاتھ پاؤں زنجیروں میں جکڑ دیئے گئے، آپ تمام آزادی کھو دیتے ہیں۔ پھر آپ میں موجود تمام امیدیں اور قوت آپ کیلئے بھاری بوجھ بن جاتی ہے اور پچھتانے کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا۔ ڈرائنگ روم، گپ بازیاں، بال، غرور اور ہرزہ سرائی۔۔۔ یہ ہے وہ حلقہ جو میرے گرد قائم ہو چکا ہے اور میں اس سے باہر نہیں نکل سکتا۔ اب جبکہ میں جنگ کیلئے تیار ہو رہا ہوں ایسی بڑی جنگ کیلئے جو پہلے کبھی نہیں ہوئی، اور میں کچھ نہیں جانتا اور خود کو کسی کام کیلئے موزوں نہیں سمجھتا" اس نے اپنی بات جاری رکھی اور کہا "میں بیحد خوش اطوار اور بذلہ سنج ہوں اور اینا پاؤلونا کے ڈرائنگ روم میں ہر شخص میری بات توجہ سے سنتا ہے۔ اور یہ عقل سے عاری طبقہ جس کے بغیر میری بیوی نہیں رہ سکتی، اور یہ خواتین۔۔۔ اگر تم صرف یہ معلوم ہو جائے کہ اس طبقے کی عورتیں کیا ہیں، درحقیقت تمام عورتیں! میرے والد بالکل درست کہتے ہیں کہ عورتیں خود غرض، مغرور، بیوقوف اور گھٹیا ذہنیت کی حامل ہوتی ہیں۔۔۔ جب ان کی شخصیت سے پردہ اٹھتا ہے تو ان کا یہی روپ دکھائی دیتا ہے۔ تقریبات میں انہیں دیکھو تو یوں لگتا ہے جیسے ان میں کچھ نہ کچھ ضرور ہے مگر حقیقت میں کچھ بھی نہیں ہوتا، کچھ نہیں ہوتا، بالکل کچھ نہیں ہوتا۔ نہیں، شادی مت کرنا میرے دوست، کبھی مت کرنا" آندرے نے بات ختم کرتے ہوئے کہا۔

پیری بولا "مجھے یہ بات بیحد عجیب معلوم ہوتی ہے کہ تم خود کو ناکام محسوس کرتے ہو اور یہ سوچتے ہو کہ تمہاری زندگی تباہ ہو چکی ہے۔ تمہارے پاس سب کچھ ہے تمہارے سامنے تمام راستے موجود ہیں، اور تم۔۔۔"

پیری نے بات نامکمل چھوڑ دی تاہم اس کا لہجہ بتا رہا تھا کہ اس کے دل میں اپنے دوست کی کس قدر عزت ہے اور اسے مستقبل میں اس سے کس قدر امیدیں ہیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ "آندرے ایسی گفتگو کیوں کر رہا ہے" پیری شہزادہ آندرے کو کامل نمونہ سمجھتا تھا کیونکہ اسے اس کی ذات میں وہ تمام خوبیاں یکجا نظر آتی تھیں جن سے وہ محروم تھا اور انہیں ایک لفظ میں قوت ارادی کہنا مناسب ہوگا۔ پیری کو اس کے ہر قسم کے لوگوں سے بلا جھجک گھل مل جانے، غیر معمولی یادداشت، وسیع علم (وہ سب کچھ پڑھ چکا تھا، سب کچھ جانتا تھا اور ہر شے کے بارے میں اپنی رائے رکھتا تھا) اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کی کام کرنے اور سیکھنے کی صلاحیت پر حیرت ہوتی تھی۔ اگر کبھی وہ آندرے کی طبیعت میں تصوراتی پن اور فلسفہ آرائی نہ ہونے کا سوچتا تو وہ اسے خامی سمجھنے کی بجائے طاقت کی علامت تصور کرتا تھا۔ کسی شخص کے ساتھ آپ کے تعلقات کس قدر بھی گرمجوشی، دوستی اور بے تکلفی پر مشتمل کیوں نہ ہوں خوشامد اور تعریف کے بغیر کام نہیں

چلتا بالکل اسی طرح جیسے پہیوں کو چلانے کیلئے گریس کی ضرورت ہوتی ہے۔

شہزادہ آندرے نے کہا "میں وہ شخص ہوں جس کا بیڑہ غرق ہو چکا ہے، تو پھر میرے متعلق ہی گفتگو کیوں ہوں؟" کچھ دیر وقفے کے بعد وہ بولا "آؤ تمہارے بارے میں بات کرتے ہیں" وہ اپنے اطمینان بخش خیالات پر مسکرا رہا تھا۔ اچانک اس کی مسکراہٹ پیری کے چہرے پر منعکس ہو گئی۔

پیری نے اطمینان اور مسرت بھری مسکراہٹ سے جواب دیا "کیوں، میرے بارے میں کہنے کیلئے ہے ہی کیا، میں کون ہوں؟ ناجائز اولاد جس کے پاس نام ہے نہ دولت۔۔۔" یقیناً اسے یہ بات کہنے کیلئے خاصی ہمت سے کام لینا پڑا تھا۔ وہ بات جاری رکھتے ہوئے بولا "اور سچی بات یہ ہے کہ۔۔۔" اس نے بات مکمل نہ کی اور کچھ توقف کے بعد کہا "فی الحال میں آزاد اور مطمئن ہوں۔ صرف یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ مجھے کیا۔۔۔ یہ ہے۔ اس بارے میں مجھے تمہارا مشورہ درکار ہے"

شہزادہ آندرے نے اسے مہربان نظروں سے دیکھا۔ اگرچہ اس کی آنکھیں پیار اور مروت سے معمور تھیں تاہم ان میں اس کی برتری کا احساس بھی دکھائی دیتا تھا۔

آندرے بولا "تم مجھے صرف اس لیے پسند ہو کہ ہمارے تمام طبقے میں تم واحد جیتے جاگتے شخص ہو۔ تم خوش قسمت ہو اور جو جی چاہے (پیشہ) منتخب کر لو، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، مگر ایک بات ہے، ان کوراگنوں سے ملنا جلنا اور ان کا طرز زندگی چھوڑ دو۔ یہ بے اعتدالی اور عیاشیاں یہ سب تمہیں زیب نہیں دیتیں"

پیری نے کندھے اچکا کر کہا "میرے پیارے دوست، کیا یہ میرے بس کی بات ہے، عورتیں میرے عزیز عورتیں"

آندرے نے جواب دیا "میں تمہاری بات نہیں سمجھا، خواتین کی بات اور ہے مگر جن عورتوں سے کوراگن کا تعلق ہے، عورتیں اور شراب، میری سمجھ سے بالاتر ہے"

پیری شہزادہ ویسلے کوراگن کے ہاں رہائش پذیر تھا اور اس کے بیٹے اناطول کی عیاشیوں میں برابر شرکت کرتا تھا۔ یہ ویسلے کا وہ بیٹا تھا جسے سدھارنے کیلئے وہ اس کی شادی شہزادہ آندرے کی بہن سے کرنے کا منصوبہ بنا رہے تھے۔

پیری بولا "کیا تم جانتے ہو" اس کا لہجہ ایسا تھا جیسے اسے اچانک کوئی عمدہ خیال سوجھ گیا ہو، پھر وہ کہنے لگا "میں سنجیدگی ہوں اور اس پر طویل عرصہ سے غور کر رہا ہوں کہ اس قسم کی زندگی میں میرے لیے کوئی فیصلہ یا کسی بات پر مناسب انداز سے غور کرنا ممکن نہیں ہے۔ میرا سر درد کرنے لگا ہے اور تمام رقم خرچ ہو گئی ہے۔ اس نے مجھے آج رات بھی بلایا تھا مگر میں نہیں جاؤں گا"

آندرے کہنے لگا "کیا تم اپنی عزت کی قسم کھا کر وعدہ کرتے ہو کہ وہاں نہیں جاؤ گے؟"

پیری بولا "میری عزت کی قسم"

☆☆☆

جب پیری اپنے دوست کے گھر سے نکلا تو رات ایک بجے سے زائد وقت ہو چکا تھا۔ یہ پیٹرز برگ میں موسم گرما کی مخصوص رات تھی اور آسمان بادلوں سے خالی تھا۔ پیری نے گھر جانے کے ارادے سے گھوڑا گاڑی پکڑی مگر جوں جوں وہ گھر سے قریب ہوتا گیا اسے ایسی رات میں سونا ناممکن محسوس ہونے لگا۔ رات شام یا صبح کے آغاز جیسی معلوم ہوتی

تھی۔ روشنی اتنی تھی کہ سنسان گلیوں میں دور تک دیکھا جا سکتا تھا۔ راستے میں پیری کو یاد آیا کہ آج رات اناطول نے دوستوں کو تاش کی بازی پر مدعو کر رکھا ہے جس کے بعد شراب کا دور چلے گا جو پیری کے پسندیدہ مشاغل میں سے ایک تھا۔

اس نے سوچا اناطول کے ہاں جانا پرلطف رہے گا۔ تاہم فوراً ہی اسے یاد آیا کہ وہ آندرے سے وعدہ کر چکا ہے کہ وہاں نہیں جائے گا۔ مگر جیسا کہ کمزور کردار کے مالک لوگوں کے ساتھ اکثر ہوتا ہے اسے بھی شدید خواہش ہوئی کہ چلو آج آخری بار عیاشی کر لیتے ہیں جبکہ وہ اس بری عادت میں گرفتار ہو چکا تھا، چنانچہ اس نے وہاں جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اچانک اس کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ اس کے آندرے کے ساتھ کئے گئے وعدے کی کوئی اہمیت نہیں کیونکہ اس سے پہلے وہ اناطول کو قول دے چکا ہے کہ آج رات ہرصورت اس کے ہاں آئے گا۔ آخرکار اس نے خود کو مطمئن کرنے کیلئے سوچا ایسے وعدوں کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی اور یہ محض رسمی باتیں ہوتی ہیں خاص طور پر جب کوئی شخص یہ سوچے کہ ہوسکتا ہے کل وہ مر جائے یا کوئی ایسا غیر معمولی واقعہ پیش آ جائے کہ عزت یا بے عزتی دھری کی دھری رہ جائے۔

تمام عزائم اور فیصلوں پر پانی پھیر دینے والی ایسی دلیلیں پیری کو اکثر سوجھتی رہتی تھیں۔ وہ کوراگن کے ہاں چلا گیا۔

ہارس گارڈز کی بیرکوں میں ایک بڑے مکان میں جہاں اناطول رہتا تھا وہ سیڑھیاں پھلانگتا کھلے دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔ استقبالیہ کمرے میں کوئی نہ تھا، خالی بوتلیں، اوورکوٹ اور بالائی جوتے ادھر ادھر بکھرے تھے، کمرے میں شراب کی تیز بو پھیلی تھی، اسے کچھ دور سے باتیں کرنے اور چیخنے چلانے کی آوازیں سنائی دیں۔

تاش کی بازی ختم ہو چکی تھی اور رات کا کھانا بھی کھایا جا چکا تھا مگر پروگرام ہنوز جاری تھا۔ پیری نے اپنا اوورکوٹ ایک جانب پھینکا اور پہلے کمرے میں داخل ہو گیا جہاں بچا کھچا کھانا دھرا تھا اور ایک ملازم جس کا خیال تھا کہ اسے کوئی نہیں دیکھ رہا گلاسوں میں بچ رہنے والی شراب چوری چھپے پینے میں مصروف تھا۔ تیسرے کمرے سے باآواز بلند قہقہے، جانی پہچانی آوازوں کے چیخنے چلانے اور ایک ریچھ کے غرانے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ یہاں آٹھ پرجوش نوجوان ایک کھڑکی کے قریب جمع تھے جبکہ دیگر ایک ریچھ سے کھیل رہے تھے جن میں سے ایک اس کی زنجیر کھینچ کر دوسروں کو ڈرا رہا تھا۔

کھڑکی کے قریب کسی نے چلا کر کہا "میں سٹیونز پر سو روبل کی شرط لگاتا ہوں"

دوسرے نے گلا پھاڑ کر کہا "یاد رکھو کہ کسی چیز کا سہارا نہیں لیا جائے گا"

تیسرا چلایا "میں دولوخوف پر رقم لگاؤں گا، کوراگن تم گواہ ہو"

"مشکا کو چھوڑ دو، شرط بندھ گئی"

چوتھا بولا "ایک ہی سانس میں بوتل چڑھانا ہوگی ورنہ شرط ہار جائے گا"

اناطول نے چلا کر کسی سے کہا "یاکوف، بوتل لاؤ" وہ طویل القامت خوش شکل نوجوان تھا اور کمرے کے وسط میں باریک کپڑے کی قمیص پہنے کھڑا تھا جس کے اوپری بٹن کھلے تھے۔ پیری کو دیکھتے ہی وہ دوستوں سے بولا "رک جاؤ، وہ آ گیا ہے، پیری، میرا پیارا دوست"

درمیانے قد اور چمکدار نیلی آنکھوں والا ایک شخص کھڑکی میں سے پکارا "ادھر آؤ، میں تمہیں شرط کی تفصیلات بتلاتا ہوں" شرابیوں کے ہنگامے میں وہ دوسروں سے سنجیدہ دکھائی دیتا تھا۔ یہ دولوخوف تھا۔ وہ سیمی نوف رجمنٹ میں

افسر تھا جو اپنے تیز ڈوئل لڑنے کے حوالے سے بدنام تھا اور اناطول کے ساتھ رہتا تھا۔ پیری مسکرایا اور خوشی سے چاروں طرف دیکھتے ہوئے بولا "میں سمجھا نہیں، یہاں کیا ہو رہا ہے"

اناطول بولا "ذرا ٹھہرو، اس نے نہیں پی، ایک بوتل لاؤ" وہ میز سے ایک گلاس اٹھا کر پیری کی طرف بڑھا اور کہنے لگا "سب سے پہلے تمہیں پینا ہوگی"

پیری نے ایک کے بعد دوسرا گلاس چڑھانا شروع کر دیا، پینے کے ساتھ ساتھ وہ ابروؤں کے نیچے سے کھڑکی کے قریب کھڑے نشے میں دھت افراد کو دیکھنے اور ان کی گفتگو سننے میں بھی مصروف تھا۔ اناطول نے اس کا گلاس بھرتے ہوئے بتایا کہ دولوخوف نے بحریہ کے انگریز افسر سٹیونز کے ساتھ شرط لگائی ہے کہ وہ تیسری منزل کی اس کھڑکی میں ٹانگیں باہر کی طرف لٹکا کے رم کی پوری بوتل پیئے گا۔

اناطول پیری کو آخری گلاس دیتے ہوئے بولا "بوتل خالی کرو ورنہ میں تمہیں یہاں سے ہلنے نہیں دوں گا"

پیری نے اناطول کو پرے دھکیلتے ہوئے جواب دیا "نہیں، میں مزید نہیں پی سکتا" اور کھڑکی کی جانب بڑھ گیا۔

دولوخوف درمیانے قد، گھنگھریالے بالوں اور نیلی آنکھوں والا شخص تھا۔ اس کی عمر پچیس برس تھی۔ پیادہ فوج کے دیگر افسروں کی طرح اس نے بھی مونچھیں صاف کرا رکھی تھیں جس سے اس کا منہ جو اس کے چہرے کا نمایاں ترین حصہ تھا واضح دکھائی دیتا تھا۔ اس کے منہ کے خطوط نفاست سے ترشے ہوئے تھے۔ اوپر والے ہونٹ کے نوکدار درمیانے حصے نے مضبوط نچلے ہونٹ کو سختی سے دبا رکھا تھا اور ہونٹوں کے کونوں میں ہمیشہ مسکراہٹ سی بکھری رہتی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کی آنکھوں میں بہادری، جسارت اور ذہانت چمکتی تھی اور ان تاثرات نے مل کر اس کے چہرے کو کچھ ایسا بنا دیا تھا کہ اس سے نظریں ہٹانا ممکن نہ تھا۔ دولوخوف کے پاس مال و دولت اور اثر و رسوخ نہ تھا تاہم اس کے باوجود اس نے اناطول کے ساتھ رہنے کی کچھ ایسی راہ ڈھونڈ لی تھی کہ ان کے جاننے والے لوگ اس کی زیادہ عزت کرتے حالانکہ اناطول دوستوں پر روزانہ ہزاروں روبل خرچ کر دیتا تھا۔ دولوخوف کو ہر کھیل کھیلنا آتا تھا اور اکثر اسی کی جیت ہوتی تھی۔ وہ خواہ کس قدر ہی شراب کیوں نہ پی لیتا ہوش نہیں کھوتا تھا۔ ان دنوں پیٹرز برگ کی تیز اور عیاش دنیا میں اناطول کوراگن اور دولوخوف نمایاں تھے۔

رم کی بوتل لائی گئی۔ دو خدمتگار کھڑکی کی چوکھٹ اکھاڑ رہے تھے کیونکہ اس کی موجودگی میں وہاں بیٹھنا ممکن نہ تھا۔ خدمتگاروں کے گرد جمع نوجوان غل غپاڑہ کرتے ہوئے انہیں ہدایات دینے میں مصروف تھے جس کی وجہ سے ان کیلئے چوکھٹ اکھاڑنا مشکل ثابت ہو رہا تھا۔

اناطول نے گردن اکڑائی اور کھڑکی کی جانب چل دیا۔ وہ کوئی شے توڑنا چاہتا تھا چنانچہ اس نے خدمتگاروں کو پرے دھکیلا اور ایک پٹ اپنی جانب کھینچا مگر وہ نہ اکھڑا۔ اس نے کھڑکی پر ایک بھرپور وار کیا اور پیری کی جانب رخ کرتے ہوئے کہنے لگا "اب تمہاری باری ہے، تم طاقتور آدمی ہو" پیری نے کھڑکی کو درمیان سے پکڑا اور زوردار جھٹکا دیا جس سے بلوط کا چوکھٹا نیچے آ گرا۔

دولوخوف بولا "اسے باہر پھینک دو ورنہ لوگ کہیں گے کہ میں نے اس کا سہارا لیا تھا"

پیری کی نگاہیں دولوخوف پر جمی تھیں جو ہاتھ میں بوتل اٹھائے کھڑکی کی جانب جا رہا تھا جس میں سے آسمان کی روشنی جو شام اور صبح کا آمیزہ معلوم ہوتی تھی، دکھائی دے رہی تھی۔ دولوخوف ہاتھ میں رم کی بوتل تھامے چھلانگ لگا کر کھڑکی پر

چڑھ گیا۔ وہ چوکھٹ پر کھڑے ہو کر کمرے کی جانب رخ کرتے ہوئے چلایا "سنو" سب لوگ خاموش ہو گئے۔

وہ کہنے لگا " میں شرط لگاتا ہوں (وہ فرانسیسی میں گفتگو کر رہا تھا تاکہ انگریز بھی اسے سمجھ سکے، تاہم اس کی فرانسیسی واجبی سی تھی)۔۔۔ میں شرط لگاتا ہوں پچاس شاہی۔۔۔" بات درمیان میں چھوڑ کر وہ انگریز کی جانب منہ کرتے ہوئے بولا "ٹھیک ہے یا تم اسے سو کرنا چاہو گے؟"

انگریز نے جواب دیا "نہیں پچاس ہی ٹھیک ہیں"

دولوخوف کہنے لگا "ٹھیک ہے، پچاس شاہی ہی سہی، میں پوری بوتل ہونٹوں سے لگائے بغیر پیوں گا۔ میں اسے کھڑکی میں بیٹھ کر ٹانگیں باہر کی جانب لٹکا کر پیوں گا، یہاں اس جگہ (وہ جھکا اور کھڑکی سے باہر ڈھلوان چوکھٹ کی جانب اشارہ کیا)۔۔۔ اور کسی شے کا سہارا نہیں لوں گا۔۔۔ ٹھیک ہے؟

انگریز بولا "بالکل درست"

اناطول انگریز کی جانب مڑا اور اس کے کوٹ کو بٹن سے پکڑ کر نیچے اس کے چہرے کی جانب دیکھ کر (انگریز پست قامت تھا) شرط کے قواعد وضوابط انگریزی میں سمجھانے لگا۔

دولوخوف دوسروں کو متوجہ کرنے کیلئے بوتل کھڑکی سے ٹکرا کر چلایا "ایک منٹ ٹھہرو کوراگن، سنو، اگر کوئی ایسا کر دکھائے تو میں اسے ایک سو دوں گا۔ سمجھ گئے؟"

انگریز نے سر کو جنبش دی تاہم اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ اسے یہ شرط منظور ہے یا نہیں" اناطول ابھی تک اس کا کوٹ پکڑے ہوئے تھا، اگرچہ انگریز سر ہلا کر یہ واضح کر رہا تھا کہ وہ بات سمجھ چکا ہے تاہم اس نے دولوخوف کے الفاظ کا انگریزی ترجمہ کر کے اسے سنایا۔ ہلکے رسالے کا ایک دبلا پتلا نوجوان افسر جو اس شام تاش کی بازی ہار تا رہا تھا کھڑکی پر چڑھا اور سر جھکا کر نیچے جھانکنے لگا۔ جب اس نے نیچے نگاہ ڈالی تو ہکا بکا رہ گیا اور اس کے منہ سے خوف کے مارے طویل آہ برآمد ہوئی۔

دولوخوف اسے دیکھ کر چلایا "بکواس بند کرو" اور اسے زور سے پرے دھکا دیا جس کے نتیجے میں اس کے پاؤں اپنے جوتے کے تسموں میں پھنس گئے اور اس نے بے ہنگم انداز میں کمرے میں چھلانگ لگا دی۔

دولوخوف نے بوتل کھڑکی کی چوکھٹ پر رکھ دی تاکہ اسے اٹھانے میں آسانی رہے اور آہستگی و احتیاط سے کھڑکی پر چڑھ گیا۔ پھر اس نے اپنی ٹانگیں نیچے لٹکا ئیں اور ہاتھ پھیلا کر کھڑکی کے دونوں پہلو تھام لیے۔ بعد ازاں اس نے اپنی پوزیشن درست کی، ہاتھ چھوڑے، تھوڑا سا دائیں اور پھر بائیں کھسکا اور پھر بوتل اٹھائی۔ اناطول دو موم بتیاں لے آیا اور انہیں کھڑکی کی چوکھٹ پر جما دیا جہاں پہلے ہی کافی روشنی تھی۔ سفید شرٹ میں ملبوس دولوخوف کی کمر اور سر کے گھنگھریالے بال دونوں جانب سے روشن ہو گئے۔ تمام افراد کھڑکی کے گرد جمع تھے جبکہ انگریز سامنے کھڑا ہو گیا۔ پیری مسکرایا مگر منہ سے کچھ نہ بولا۔ غصیلے اور خوفزدہ چہرے کا مالک ایک شخص جو دوسروں کی نسبت عمر رسیدہ تھا آگے بڑھا اور دولوخوف کی قمیص پکڑ کر کھینچنے کی کوشش کی اور بولا " یہ پاگل ہے اور خود کو ہلاک کر دے گا" وہ دوسروں کی نسبت زیادہ سمجھ دار دکھائی دیتا تھا۔

اناطول نے اسے روک لیا اور بولا "اسے مت چھوؤ۔ تم اسے ڈرا دو گے اور وہ نیچے گر کر ہلاک ہو جائے گا، پھر کیا ہو گا؟"

دولوخوف اپنے جسم کو متوازن کرتے ہوئے مڑا اور ایک مرتبہ پھر اپنے ہاتھ پھیلاتے ہوئے بولا "اگر پھر کسی

نے مداخلت کی تو میں اسے اٹھا کر نیچے پھینک دوں گا" وہ اپنے پتلے اور بھینچے ہوئے ہونٹوں سے الفاظ چبا چبا کر اور آہستگی سے ادا کر رہا تھا۔

کچھ کہے بغیر وہ دوبارہ مڑا، اپنے ہاتھ چھوڑے، بوتل اٹھائی اور اسے ہونٹوں تک لے گیا، اس نے اپنا سر پیچھے کی جانب جھکا دیا اور توازن برقرار رکھنے کی خاطر خالی ہاتھ اوپر اٹھایا۔ ایک خدمتگار جو ٹوٹے ہوئے شیشے کے ٹکڑے اٹھا رہا تھا اسے دیکھتے ہی بت بنا رہ گیا، اس کی آنکھیں دولوخوف کی پشت اور کھڑکی پر جمی تھیں۔ اناطول آنکھیں کھول کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ انگریز ہونٹ بھینچے ایک جانب کھڑا یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ جس شخص نے دولوخوف کو روکنے کی کوشش کی تھی کمرے کے ایک کونے کی جانب بھاگ گیا اور صوفے پر لیٹ کر منہ دیوار کی جانب کر لیا۔ پیری نے ہاتھوں سے چہرہ چھپا لیا جس پر خوف اور وحشت کی پرچھائیں کے باوجود ہلکی سی مسکراہٹ بھی دیکھی جا سکتی تھی۔ تمام لوگ خاموش تھے۔ پیری نے اپنی آنکھوں سے ہاتھ ہٹائے، دولوخوف ابھی تک اسی پوزیشن میں بیٹھا تھا، صرف اس کا سر اسقدر پیچھے ڈھلک گیا تھا کہ گھنگھریالے بال قمیص کے کالر کو چھونے لگے تھے جبکہ بوتل والا ہاتھ کانپتے ہوئے بتدریج اوپر اٹھ رہا تھا۔ بوتل خالی ہوتی نظر آ رہی تھی اور جوں جوں یہ اوپر اٹھتی گئی توں توں اس کا سر مزید پیچھے ڈھلکتا گیا۔ پیری نے سوچا اس قدر دیر کیوں ہو رہی ہے۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے آدھا گھنٹہ بیت چکا ہو۔ دولوخوف کی پشت اچانک ہلی اور اس کا بازو کانپنے لگا وہ جس ڈھلوان جگہ پر بیٹھا تھا اس پر تمام جسم کو پیچھے کھسکانے کیلئے اتنا ہی کافی تھا۔ وہ کھسکنے لگا اور اس کا سر اور بازو اعصابی تناؤ کے باعث مزید تیزی سے کانپنے لگے۔ اس کا ایک ہاتھ کھڑکی کی چوکھٹ پکڑنے کیلئے اوپر اٹھا مگر پیچھے ہٹ گیا۔ پیری نے ایک مرتبہ پھر اپنی آنکھیں بند کر لیں اور تہیہ کیا کہ انہیں دوبارہ نہیں کھولے گا۔ اچانک اسے اپنے ارد گرد ہلچل کا احساس ہوا اس نے نگاہیں اوپر اٹھائیں، دولوخوف کھڑکی کی چوکھٹ میں کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ زرد ہو چکا تھا مگر اس پر مسرت رقصاں تھی۔ وہ چلا کر بولا "خالی" اور بوتل انگریز کی طرف اچھال دی جس نے اسے صفائی سے پکڑ لیا۔ دولوخوف چھلانگ لگا کر کھڑکی سے نیچے اتر آیا۔ اس کے منہ سے رم کی شدید بو آ رہی تھی۔ چاروں جانب سے مختلف آوازیں ابھریں "واہ واہ! زبردست! یہ ہوئی ناں شرط۔۔۔"

انگریز نے اپنا بٹوہ نکالا اور رقم گننا شروع کر دی۔ دولوخوف کی بھنویں تن گئیں تاہم وہ خاموش کھڑا رہا۔ پیری دوڑ کر کھڑکی پر چڑھ گیا اور اچانک چلا کر کہنے لگا "حضرات، کون میرے ساتھ شرط لگائے گا؟ میں بھی ایسا کر دکھاؤں گا! مجھے شرط کی پروا نہیں، ادھر دیکھو، انہیں کہو کہ مجھے ایک بوتل پکڑا ئیں۔ میں بھی ایسا کر گزروں گا، لائیں بوتل دیں۔

دولوخوف مسکراتے ہوئے بولا "کرنے دو، اسے کرنے دو!"

متعدد افراد بولے "کیا تم پاگل ہو گئے ہو؟ تمہیں کوئی ایسا نہیں کرنے دے گا۔ تم سے سیڑھیوں پر تو کھڑا نہیں ہوا جاتا"

پیری شرابیوں کی طرح میز پیٹتے ہوئے چلایا "میں اسے پی جاؤں گا، لاؤ مجھے رم کی ایک بوتل دو" یہ کہہ کر وہ کھڑکی پر جا چڑھا۔ دوسروں نے اسے پکڑنا چاہا مگر وہ اس قدر مضبوط تھا کہ جو بھی قریب آیا اس نے اسے اٹھا کر دور پھینک دیا۔

اناطول کہنے لگا "نہیں، تم اسے یوں نہیں روک سکتے۔ ذرا ٹھہرو، اسے میں سنبھالتا ہوں" پھر وہ پیری سے مخاطب ہو کر بولا "سنو تم سے میں شرط لگاؤں گا، مگر کل، اب ہم سب۔۔۔ کے گھر جا رہے ہیں"۔۔۔ پیری چلایا "ہاں، آؤ، آؤ چلیں۔۔۔ اور مشکا کو بھی ساتھ لے چلیں" اس نے ریچھ کو اپنی بانہوں میں لیا اور اسے اوپر اٹھا کر کمرے میں ناچنے لگا۔

(7)

شہزادہ وسیلے نے اینا پاؤلونا کی ضیافت میں شہزادی دروبتسکی سے کیا وعدہ پورا کر دیا جس نے اس سے اپنے اکلوتے بیٹے بورس کے حوالے سے درخواست کی تھی۔ اس کا معاملہ شہنشاہ کے سامنے پیش کیا گیا اور خلاف معمول اسے سیمی نووسکی رجمنٹ کے گارڈز میں سب لیفٹیننٹ کا عہدہ مل گیا۔ تاہم اسے کوتوزوف کا معاون خصوصی مقرر کرانے کی اینا میخائلوونا کی تمام تر کوششیں رائیگاں گئیں۔ اینا پاؤلونا کے ہاں ضیافت کے چند روز بعد ہی وہ ماسکو میں رستوف خاندان سے تعلق رکھنے والے اپنے امیر رشتہ داروں کے ہاں واپس چلی گئی۔ ماسکو میں وہ انہی کے ہاں رہتی تھی۔ اس کا بیٹا بورینکا (بورس) جو حال ہی میں فوج میں بھرتی ہونے کے بعد ایک دم سے سب لیفٹیننٹ کے طور پر گارڈز میں تبدیل ہو گیا تھا بچپن سے اسی رستوف خاندان کے ہاں پل بڑھ کر جوان ہوا تھا اور یہ سب اینا میخائلوونا کے تعلقات کی بدولت تھا۔ گارڈز 10 اگست کو ہی پیٹرز برگ سے جا چکے تھے تاہم بورس اپنا سامان لینے کیلئے ماسکو میں ٹھہرا ہوا تھا، بعدازاں اس نے بھی گارڈز دستوں کے ساتھ مل کر راڈزیویلوف کی جانب کوچ کر جانا تھا۔

رستوف ماں اور اس کی چھوٹی بیٹی دونوں کا نام نتالیا تھا اور ان کے اتفاقاً دونوں کے نام کا دن منا رہے تھے۔ پوورسکی نامی علاقے میں واقع بیگم رستوف کے بڑے گھر پر جس سے ماسکو میں ہر ایک واقف تھا صبح ہی سے بگھی گھوڑوں والی بگھیوں کا تانتا بندھا تھا۔ بیگم رستوف اور اس کی خوش شکل بڑی بیٹی ڈرائنگ روم میں مہمانوں کے ساتھ بیٹھے تھے جو انہیں مبارکباد دینے مسلسل آ رہے تھے۔

بیگم رستوف کی عمر پینتالیس برس تھی اور اس کا دبلا پتلا چہرہ مشرقی نقوش کا حامل تھا، یوں لگتا تھا جیسے وہ بچے پیدا کر کر کے تھک چکی ہے۔ اس کے بارہ بچے تھے۔ کمزور صحت کے باعث اس کی حرکات اور گفتگو میں ٹھہراؤ سا پیدا ہو گیا تھا جس سے اس کی شخصیت میں کچھ ایسا وقار پیدا ہو گیا تھا کہ دوسرے اس کے احترام پر مجبور ہو جاتے۔ شہزادی اینا میخائلوونا دروبتسکی اس خاندان کی گہری دوست ہونے کے ناطے دونوں کے قریب بیٹھی مہمانوں کے استقبال اور ان کی خاطر مدارت میں ہاتھ بٹا رہی تھی۔ خاندان کے کم عمر ارکان عقبی کمروں میں تھے اور مہمانوں کے استقبال میں شرکت ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ نواب رستوف رخصت ہونے والے مہمانوں سے ہاتھ ملاتا اور ان کے ساتھ دروازے تک آتا، اس دوران وہ انہیں شام کے کھانے میں شرکت کی دعوت بھی دیتا تھا۔

اس بات سے قطع نظر کہ مخاطب مرتبے میں اس سے بڑا ہے یا چھوٹا، وہ بلا تفریق ہر ایک سے مخاطب ہو کر کہتا "میں تشریف آوری پر اپنے اور اپنی دو عزیز ہستیوں کی جانب سے آپ کا شکر گزار ہوں جن کے نام کا آج دن منایا جا رہا ہے، شام کے کھانے پر ضرور تشریف لائیے گا، اگر آپ نہ آئے تو میں آپ سے ناراض ہو جاؤں گا، میرے عزیز یہ تمام خاندان کی جانب سے میری آپ سے درخواست ہے" یہ الفاظ دہراتے ہوئے اس کے پورے، بھرے اور صفاچٹ چہرے پر کسی قسم کی تبدیلی نہ آتی، اور وہ ہر ایک سے یکساں گرمجوشی کے ساتھ ہاتھ ملاتا نیز بار بار ایک ہی انداز میں سر جھکانے لگتا تھا۔ جب وہ ایک مہمان کو رخصت کر کے واپس آتا تو ڈرائنگ روم میں موجود کسی دوسرے مہمان کے قریب چلا آتا۔ یہاں وہ کرسی کھینچ کر ایسے شخص کے انداز میں بیٹھ جاتا جو زندگی کا بھرپور لطف اٹھانا جانتا ہو، بیٹھنے کے بعد وہ اپنی ٹانگیں پھیلا لیتا، ہاتھ گھٹنوں پر رکھتا اور سنجیدگی سے سر آگے پیچھے ہلا کر روسی اور کبھی واجبی مگر خود اعتمادی سے بھرپور فرانسیسی میں موسم پر تبصرہ کرتا یا مہمان کو صحت پر مشورے دینے لگتا۔ تب وہ دوبارہ کسی مہمان کو رخصت کرنے اٹھ

کھڑا ہوتا۔ اس کی کیفیت اس شخص جیسی ہوتی جو اپنا فرض ادا کرتے کرتے تھک چکا ہو مگر اسے مسلسل نبھائے جا رہا ہو، اس دوران وہ اپنے گنجے سر کو آہستگی سے سہلاتا جس پر کہیں کہیں سرمئی رنگت کے بال رہ گئے تھے اور مہمانوں سے کھانے پر آنے کیلئے اصرار کرتا۔ کبھی کبھار وہ ہال سے واپس آتے ہوئے پودگھر اور خانساماں کے کمرے سے گزرتا ہوا ماربل کے فرش والے وسیع و عریض ڈائننگ روم میں پہنچ جاتا جہاں اسی مہمانوں کیلئے کھانے کی میز لگائی جا رہی تھی۔ یہاں وہ بیروں کو چاندی اور چینی کے برتن لاتے، میزیں ترتیب دیتے اور ریشمی چادریں بچھاتے دیکھتا اور پھر نوجوان دمتری واسلی وچ کو بلا بھیجتا جو خود بھی اعلیٰ طبقے سے تعلق رکھتا تھا اور اس کے گھریلو امور کا نگران تھا۔ اس دوران وہ دمتری کو ہدایات دیتے ہوئے کہتا "متنکا، دھیان رکھنا ہر شے ٹھیک ہونی چاہیے" پھر وہ میز کی طرف دیکھتا جو پوری کھولی جا رہی تھی اور کہتا "ہاں ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، اہم بات مہمانوں کی خدمت کا معیار ہے، خیر تمہیں علم ہی ہے" یہ کہہ کر وہ اطمینان بھری مسکراہٹ کے ساتھ ڈرائنگ روم میں واپس چلا آتا۔

ڈرائنگ روم کے دروازے پر بیگم رستوف کا عظیم الجثہ خدمتگار نمودار ہوا اور دھیمی آواز سے اطلاع دی کہ ماریا لوونا کاراگن اور ان کی بیٹی تشریف لائی ہیں۔ بیگم نے ایک لمحے سوچا اور طلائی ڈبیہ جس پر اس کے خاوند کی تصویر بنی تھی، چٹکی بھر نسوار نکالی۔ پھر وہ کہنے لگی "ان مہمانوں نے تو میرا کچومری نکال دیا ہے ٹھیک ہے یہ آخری مہمان ہوگی جس سے میں ملوں گی۔ وہ بلا کی منافق ہے" بعدازاں وہ پژمردہ لہجے میں خدمتگار سے بولی "اسے اندر بھیج دو" یوں لگتا تھا جیسے کہہ رہی ہو اس سے بہتر تھا کہ مجھے ختم کر دیتے۔

ایک بلند قامت اور قوی الجثہ خاتون جس کے چہرے پر رعونت ٹپکتی تھی اور اس کی بیضوی چہرے کی مالک بیٹی مسکراتے اور سکرٹ سرسراتے ہوئے اندر داخل ہوئیں۔

نو وارد خاتون کہنے لگی "آپ سے ملے طویل عرصہ ہو گیا۔۔۔ ادھر یہ بھی بیمار ہو گئی، بیچاری بچی، رازوموسکی خاندان کے بال اور بیگم اپراکسن کے ہاں۔۔۔ میں بہت خوش تھی" ریشمی لباسوں کی سرسراہٹ اور کرسیوں کے ہلنے کی آوازوں میں گھلی ملی جوشیلی نسوانی آوازیں سنائی دینے لگیں جو ایک دوسرے کو کاٹ رہی تھیں۔ پھر کچھ اس قسم کی گفتگو شروع ہو گئی جو ایک ہی ڈگر پر چلتی رہتی ہے یہاں تک کہ پہلے وقفے پر مہمان خواتین اٹھ کھڑی ہوتی ہیں اور سکرٹ سرسراتے ہوئے کہتی ہیں "بے حد لطف آیا، امی کی طبیعت۔۔۔ اور بیگم اپراکسن" بعدازاں وہ اسی سرسراہٹ کے ساتھ استقبالیہ کمرے میں چلی جاتی ہیں اور اپنے اوور کوٹ پہن کر رخصت ہو جاتی ہیں۔ ان کی گفتگو ان دنوں کے اہم ترین موضوع یعنی امیر کبیر نواب بیزوخوف جسے ملکہ کیتھرین کے دور کا خوش شکل ترین شخص کہا جاتا تھا کی بیماری اور اس کے ناجائز بیٹے پیری کے گرد گھومتی رہی جس نے اینا پاؤلونا کی محفل میں بیحد ناشائستگی کا مظاہرہ کیا تھا۔ مہمان خاتون بولی "مجھے بیچارے نواب پر بیحد ترس آ رہا ہے، ان کی صحت پہلے ہی خراب تھی اور اوپر سے بیٹے کی حرکتیں، یہ تو ان کیلئے جان لیوا ثابت ہو گا!"

بیگم رستوف نے انجان بن کر پوچھا "کیوں، کیا ہوا؟" اس کا لہجہ ایسا جیسے کچھ نہ جانتی ہو حالانکہ وہ نواب بیزوخوف کو پہنچنے والے صدمے سے متعلق وہ پندرہ مرتبہ سن چکی تھی۔

مہمان خاتون نے جواب دیا "جدید تعلیم کا یہی نتیجہ نکلتا ہے! جب وہ باہر تھا تو اسے کھلی چھوٹ دے دی گئی اور اب سنا ہے کہ اس نے پیٹرز برگ میں ایسی حیا سوز حرکات کی ہیں کہ اسے پولیس کی نگرانی میں شہر سے نکال دیا گیا ہے۔"

بیگم رستوف مصنوعی حیرانی سے بولی "واقعی!"

اینا میخائلونا نے گفتگو میں شریک ہوتے ہوئے کہا" وہ بری صحبت میں پھنس گیا ہے۔ سنا ہے شہزادہ ویسلے کا بیٹا، وہ اور دولوخوف نامی نوجوان خدا جانے کیا خوفناک حرکت کرنے والے تھے۔ دونوں کو ان کے کئے کی سزا مل گئی ہے۔ دولوخوف کی تنزلی ہو گئی ہے اور اسے افسر سے عام سپاہی بنا دیا گیا ہے جبکہ بیزوکوف کے بیٹے کو ماسکو بھیج دیا گیا ہے، جہاں تک اناطول کوراگن کا تعلق ہے۔۔۔اس کے باپ نے معاملہ دبا دیا ہے تاہم اسے بھی پیٹرز برگ سے باہر بھیجنا پڑا"

مہمان خاتون بولی" وہ پورے غنڈے ہیں، خاص طور پر دولوخوف تم جانتی ہو کہ وہ ماریا ایوانووا دولوخووا جیسی معزز خاتون کا بیٹا ہے۔ ذرا تصور کرو، یہ تینوں کہیں سے ایک ریچھ پکڑ لائے، اسے ایک گاڑی میں سوار کیا اور اداکاراؤں سے ملنے چل دیے۔ راستے میں پولیس نے انہیں روکا تو انہوں نے ایک اہلکار کو ریچھ کی پشت پر باندھ کر موئیکا نہر میں دھکا دے دیا۔ ریچھ پولیس اہلکار کو لے کر پانی میں تیرنے لگا"

یہ سن کر نواب رستوف کی ہنسی چھوٹ گئی جس پر بمشکل قابو پاتے ہوئے وہ بولا" کیا زبردست منظر ہو گا"

مہمان خاتون کہنے لگی" اوہو، بیچارے کی بری حالت تھی! نواب، بھلا اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟" تاہم یہ بات سن کر خواتین بھی ہنسی ضبط نہ کر سکیں۔

وہ سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے بولی" لوگوں نے پولیس اہلکار کی بمشکل جان چھڑائی" اپنی بات میں اضافہ کرتے ہوئے اس نے کہا" کیرل ولادی میرووچ بیزوخوف کے صاحبزادے نے دل بہلانے کا کیا خوب طریقہ ڈھونڈا، لوگ کہتے ہیں کہ وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور ذہین ہے۔ بیرون ملک تعلیم دلانے کا یہی انجام ہوتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ اس کی بے پناہ دولت کے باوجود یہاں اسے کوئی منہ نہیں لگائے گا۔ بعض لوگوں نے مجھ سے اس کا تعارف کرانے کی کوشش کی مگر میں نے معذرت کر لی، میں تو بیٹیوں والی ہوں"

بیگم رستوف نے پوچھا" آپ نے یہ کیوں کہا کہ وہ بے پناہ دولت کا مالک ہے؟ اس کے تو تمام بچے ناجائز ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ پیری بھی ناجائز ہوگا" یہ کہتے ہوئے اس نے لڑکیوں کو پرے ہٹایا جو اچانک یوں بن گئیں جیسے انہوں نے کچھ سنا ہی نہیں۔

مہمان خاتون نے ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا" میرا خیال ہے کہ اس کے خاصے بچے ہیں"

اینا میخائلونا معنی خیز سرگوشی کے انداز میں بولی" درحقیقت اسے اپنے بچوں کی تعداد معلوم نہیں مگر یہ پیری اس کا چہیتا ہے" یوں دکھائی دیتا تھا جیسے وہ اپنے روابط اور اعلیٰ طبقے سے متعلق باخبری جتانا چاہتی ہو۔

بیگم رستوف نے کہا" صرف ایک برس پہلے بڑے میاں کس قدر خوش شکل تھے! ان جیسا وجیہہ شخص میں نے کبھی نہیں دیکھا"

اینا میخائلونا نے جواب دیا" مگر اب وہ بہت بدل گیا ہے، جیسا کہ میں کہہ رہی تھی بیوی کے حوالے سے شہزادہ ویسلے تمام جائیداد کا براہ راست وارث ہے مگر باپ کو پیری سے بیحد پیار ہے، اس نے اسے تعلیم دلانے کیلئے بیحد مشکلات اٹھائیں اور شہنشاہ کو بھی اس بارے میں درخواست دی۔۔۔ چنانچہ کوئی نہیں جانتا کہ اگر اس کا انتقال ہو گیا (وہ اسقدر بیمار ہے کہ کسی بھی وقت مر سکتا ہے اور پیٹرز برگ سے ڈاکٹر لورین بھی آ چکا ہے) تو اس کی بے پناہ جائیداد کا مالک کون ہوگا، پیری یا شہزادہ ویسلے۔ چالیس ہزار زرعی غلام اور لاکھوں روبل، میں اس بارے میں اچھی طرح جانتی ہوں کیونکہ یہ بات شہزادہ ویسلے نے مجھے خود بتلائی تھی۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ کیرل ولادی میرووچ میری والدہ کے چچازاد

بھائی کا بیٹا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ میرے بیٹے بورس کا منہ بولا باپ بھی ہے" اس نے آخری بات یوں کہی جیسے اس کے نزدیک اس کی ذرہ برابر بھی اہمیت نہ ہو۔

مہمان خاتون بولی" شہزادہ ویسلے کل ماسکو آئے تھے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ کسی معائنے کے سلسلے میں آئے ہیں"

اینا میخائلونا نے جواباً کہا" بات آپس میں رہنی چاہیے، معائنے کا تو بہانہ ہے۔ جب اسے معلوم ہوا کہ نواب بیزوخوف کی حالت خراب ہے تو اسے دیکھنے چلا آیا"

نواب رستوف بولا" آپ جو چاہیں کہیں مگر اس مزاح کا جواب نہیں" اور جب اس نے یہ دیکھا کہ معمر مہمان خاتون نے اس کی بات پر توجہ نہیں دی تو نوجوان لڑکیوں کی طرف رخ کر کے کہنے لگا" میں تصور کر سکتا ہوں کہ پولیس اہلکار کا کیا حشر ہوا ہو گا" پھر وہ بازو لہرا کر دکھانے لگا کہ پولیس اہلکار کی کیا حالت ہوگی، اس کے ساتھ ہی وہ دوبارہ زور زور سے ہنسنا شروع ہو گیا۔ اس کا فربہ جسم ان لوگوں کی طرح لرزنے لگا جو خوب کھاتے اور ڈٹ کر پیتے ہیں۔ بعد ازاں وہ مہمان خواتین سے بولا" براہ مہربانی شام کے کھانے پر ضرور تشریف لائیے گا"

(8)

ڈرائنگ روم میں خاموشی چھا گئی۔

بیگم رستوف مہمانوں پر نگاہ دوڑاتے ہوئے خوش اخلاقی سے مسکرائی مگر اس نے یہ حقیقت چھپانے کی بالکل کوشش نہ کی کہ اگر اس کی مہمان اٹھ کھڑی ہوں اور چلی جائیں تو اسے کوئی افسوس نہ ہوگا۔

مہمان خاتون کی بیٹی پہلے ہی اپنے لباس کی شکنیں درست کرتے ہوئے اپنی والدہ کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی کہ اچانک انہوں نے ملحقہ کمرے سے متعدد لڑکیوں اور لڑکوں کے بھاگ کر دروازے کی جانب آتے اور ایک کرسی گرنے کی آواز سنی۔ اسی اثناء میں ایک تیرہ سالہ لڑکی اپنے چھوٹے سے ململ کے فراک میں کوئی شے چھپائے ہوئے اندر داخل ہوئی اور کمرے کے وسط میں آ کر رک گئی۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ وہ غلطی سے اسقدر دور نکل آئی ہے اور خود کو روکنے میں ناکام رہی ہے۔ اسی لمحے ایک طالب علم جس کے کوٹ کے کالر پر قرمزی پٹی موجود تھی، گارڈز کی وردی میں ملبوس ایک نوجوان افسر، پندرہ سالہ لڑکی اور سرخ گالوں والا ایک موٹا بچہ دروازے پر نمودار ہوئے۔

نواب رستوف اچھلا اور اپنے بازو پھیلا کر لہراتا ہوا چھوٹی لڑکی کی جانب بڑھا اور ہنستے ہوئے کہنے لگا" یہ رہی ہماری پیاری چھوٹی بیٹی جس کا ہم نام دن منا رہے ہیں"

بیگم رستوف مصنوعی رعب سے بولی" پیاری بیٹی ہر کام کا ایک وقت ہوتا ہے" پھر وہ اپنے خاوند سے مخاطب ہو کر کہنے لگی" الیا، آپ ہمیشہ اسے بگاڑتے رہتے ہیں"

سیاہ رنگت کی آنکھوں والی یہ چھوٹی لڑکی سادہ نقوش کی حامل مگر زندگی کی حرارت سے بھرپور تھی۔ اس کا منہ فراخ تھا اور اندھا دھند بھاگنے کی وجہ سے کپڑا اس کے بچگانہ شانوں سے ڈھلک گیا تھا۔ بھاگ دوڑ کی وجہ سے اس کے بال بکھرے تھے جبکہ بازو برہنہ اور پتلی ٹانگیں لیس سے آراستہ پاجامے میں لپٹی تھیں۔ اس نے پاؤں میں کھلی جوتی پہن رکھی تھی۔ وہ عمر کے اس حصے میں تھی لڑکی بچی نہیں رہتی اور بچی لڑکی میں بھی تبدیل نہیں ہوئی ہوتی۔ اپنے والد کی گرفت سے آزاد ہو کر وہ والدہ کے پاس چلی گئی اور ڈانٹ کی پروا کئے بغیر اس نے اپنا تمتماتا چہرہ والدہ کے لیس والے کالر میں چھپا لیا اور کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔ ہنسی ہی میں اس نے اپنی گڑیا کے بارے میں کچھ بتانا چاہا جو اس نے اپنے

لباس سے برآمد کی تھی۔

وہ بولی" کیا آپ نے دیکھا؟۔۔۔میری گڑیا۔۔۔میمی۔۔۔آپ نے دیکھا"

نتاشا مزید کچھ نہ کہہ سکی۔ اسے ہر بات بہت پرمزاح لگ رہی تھی۔ وہ اپنی والدہ کی گود میں گرگئی اور پھر اس طرح کھلکھلا کر قہقہے لگانے لگی کہ مہذب مہمان خاتون سمیت کوئی اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکا۔

والدہ اسے جھوٹ موٹ سرزنش کرتے ہوئے بولی" اٹھو اور بھاگ جاؤ، یہ اپنی چڑیل گڑیا بھی ساتھ لیتی جاؤ!" پھر وہ مہمان خاتون کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے کہنے لگی" یہ میری چھوٹی بیٹی ہے" نتاشا نے اپنی والدہ کے کالر سے سر باہر نکالا، ہنسی کے آنسوؤں میں اسے دیکھا اور دوبارہ اپنا چہرہ چھپا لیا۔

مہمان خاتون نے جو اس گھریلو منظر کی تحسین پر مجبور تھی یہی مناسب سمجھا کہ وہ خود بھی اس میں شریک ہو جائے۔ چنانچہ وہ نتاشا سے کہنے لگی" پیاری، یہ تو بتاؤ کہ میمی تمہاری کیا لگتی ہے؟ میرا خیال ہے، بیٹی؟"

نتاشا کو بچگانہ چیزوں کے بارے میں خاتون کا سرپرستانہ لہجہ پسند نہ آیا۔ اس نے خاتون کی بات کا جواب نہ دیا تاہم اسے ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگی۔

اسی اثناء میں نوجوان نسل کے تمام افراد، اینا میخائلونا کا بیٹا بورس، نواب رستوف کا بڑا بیٹا اور طالبعلم نکولائی، نواب کی پندرہ سالہ بھانجی سونیا اور چھوٹا بیٹا پیٹیا ڈرائنگ روم میں نشستوں پر بیٹھ چکے تھے اور خود کو تہذیب کے دائرے میں رکھنے کی کوشش کر رہے تھے جو ان کے چہروں پر صاف عیاں تھی۔ عقبی کمروں میں جہاں سے وہ بھاگتے چلے آئے تھے ان کی گفتگو یہاں ہونے والی بات چیت سے کہیں زیادہ پرلطف تھی جہاں انہیں شہر کی افواہیں، موسم اور بیگم اپراکسن کے بارے میں سننا پڑ رہا تھا۔ جب بھی وہ ایک دوسرے کی جانب دیکھتے ان کیلئے ہنسی ضبط کرنا مشکل ہو جاتا۔

دونوں نوجوان یعنی طالبعلم اور افسر بورس ہم عمر اور بچپن کے دوست تھے۔ دونوں خوش شکل تھے مگر ان میں کوئی مماثلت نہ تھی۔ بورس دراز قامت اور صاف بالوں والا نوجوان تھا جس کے خوبصورت چہرے کے خدوخال متناسب اور ملائم تھے۔ نکولائی گھنگھریالے بالوں والا پستہ قد اور واضح تاثرات کا مالک تھا۔ اس کے بالائی ہونٹ سے اوپر ہلکی ہلکی مونچھیں نمودار ہو رہی تھیں اور اس کا چہرہ جوش اور ولولے سے بھرپور دکھائی دیتا تھا۔ نکولائی کمرے میں داخل ہوا تو اس کا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ کچھ کہنا چاہتا تھا مگر اس میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ اس کے برعکس بورس کو کسی قسم کی دشواری پیش نہ آئی اور وہ پرسکون انداز میں مزے لے لے کر گڑیا میمی کے بارے میں بتانے لگا کہ وہ اسے اس وقت سے جانتا ہے جب وہ نوعمر تھی اور اس کی ناک نہیں ٹوٹی تھی، ان پانچ سال میں جوں جوں وہ بڑی ہوئی اور جب اس کی کھوپڑی میں دراڑ پڑی وہ بھی اسے اچھی طرح یاد ہے۔ یہ باتیں کرتے ہوئے اس نے نتاشا کی جانب دیکھا۔ نتاشا نے اپنا رخ پھیر لیا اور اپنے چھوٹے بھائی پر نگاہ دوڑائی جو آنکھیں بھینچ کر خاموش ہنسی کے باعث کانپ رہا تھا۔ نتاشا خود پر قابو نہ پا سکی اور جس قدر تیز دوڑ سکتی تھی دوڑتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔ بورس خاموشی سے بیٹھا رہا۔ بعدازاں وہ اپنی والدہ سے مسکراتے ہوئے مخاطب ہوا اور کہنے لگا" امی آپ کہیں باہر جانا چاہتی تھیں؟ کیا میں گاڑی لے آؤں؟"

اینا میخائلونا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا" ہاں جاؤ اور انہیں کہو کہ تیار رہیں"

بورس آہستگی سے کمرے سے نکل گیا اور نتاشا کو ڈھونڈنے لگا۔ گداز جسم والا چھوٹا لڑکا بھی غصے کے عالم میں ان کے پیچھے بھاگا جیسے اس کا سارا پروگرام غارت ہو گیا ہو۔

(9)

مہمان خاتون کی نوجوان بیٹی اور بیگم رستوف کی بڑی صاحبزادی (جو اپنی بہن سے چار سال بڑی تھی اور بالغوں جیسے طور طریقے اپنانے لگی تھی) کے علاوہ کمرے میں جو نوجوان رہ گئے اور نکولائی اور سونیا تھے۔ سونیا چھوٹے قد، صاف رنگت اور بھورے بالوں والی دبلی پتلی نازک اندام لڑکی تھی۔ اس کی گداز آنکھوں پر گھنی پلکیں سایہ فگن تھیں جبکہ سیاہ بالوں کی ایک دہری پٹی اس کے سر کے گرد بندھی تھی۔ اس کے جسم، خاص طور پر گردن اور دبلے پتلے مگر خوبصورت اور مضبوط بازوؤں پر زرد رنگت کی جھلک نمایاں تھی۔ اس کی دلربا حرکات، دبلے پتلے اعضاء کی لچک اور ملائمت اور انداز و اطوار میں رکھ رکھاؤ اور کم گوئی دیکھ کر یوں لگتا تھا گویا وہ کوئی نوخیز بلی ہو جس کا حسن ایک دن طلسماتی دلکشی اختیار کرے گا۔ وہ جس انداز سے مسکرا رہی تھی اس سے ظاہر ہوتا تھا جیسے اسے یہاں ہونے والی عمومی بات چیت سے بیحد دلچسپی ہے۔ تاہم اپنی خواہش کے برعکس اس کی لمبی اور سیاہ پلکوں کے نیچے سے اس کی آنکھیں اپنے خالہ زاد کی جانب اٹھ جاتیں جو عنقریب فوج میں شمولیت کیلئے روانہ ہونے والا تھا، اور وہ اسے کچھ ایسی بچگانہ پرستش کے انداز میں دیکھنے لگتی کہ اس کی مسکراہٹ کسی کو فریب نہ دے سکتی تھی اور صاف ظاہر ہوتا تھا کہ بلی نما یہ لڑکی اس انتظار میں ہے کہ موقع ملے تو ڈرائنگ روم سے بھاگ جائے اور بورس اور نتاشا کی طرح اپنے کزن سے کھیل سکے۔

معمر نواب رستوف نے اپنی مہمان کو مخاطب کرتے اور نکولائی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا" ہاں میری محترمہ اب اس کا دوست بورس افسر بن چکا ہے اور چونکہ دونوں میں گہری دوستی ہے اس لیے یہ بھی پیچھے نہیں رہنا چاہتا اور یونیورسٹی نیز اپنے بیچارے بوڑھے باپ کو چھوڑ کر جا رہا ہے، حالانکہ محکمہ دستاویزات میں پہلے ہی اس کیلئے اچھا عہدہ موجود ہے۔ کیا یہ دوستی نہیں؟" نواب سوالیہ انداز میں بولا۔

مہمان خاتون کہنے لگی" لیکن سنا ہے جنگ کا اعلان ہو چکا ہے، آپ جانتے ہوں گے"

نواب نے جواب دیا" ایسا تو مدت سے کہا جا رہا ہے اور کہا جاتا رہے گا۔ محترمہ آپ اسے دوستی کہیں تو، یہ بلکہ رسالے میں شامل ہو رہا ہے"

مہمان خاتون کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا جواب دے سو وہ سر ہلا کر رہ گئی۔

نکولائی نے غصیلے لہجے میں اپنا دفاع کرتے ہوئے کہا" اس میں دوستی کا کوئی عمل دخل نہیں" اس کا انداز ایسا تھا گویا کسی نے اس پر شرمناک الزام عائد کر دیا ہو۔ پھر وہ کہنے لگا" یہ دوستی نہیں بلکہ سادہ سی بات ہے کہ میں خود کو فوجی ملازمت کیلئے موزوں خیال کرتا ہوں"

اس نے سونیا اور مہمان خاتون کی بیٹی پر نظر ڈالی، دونوں اسے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھ رہی تھیں۔ نواب رستوف کہنے لگا" رسالے کی پاؤلوگراڈ کی رجمنٹ کا کرنل شوبرٹ آج رات ہمارے ہاں کھانے پر آ رہا ہے۔ وہ ان دنوں یہاں چھٹیوں پر آیا ہوا ہے اور واپسی پر نکولائی کو ساتھ لے جائے گا۔ میں کیا کر سکتا ہوں" یہ کہہ کر نواب نے یوں کندھے اچکائے جیسے اسے اس معاملے کی کوئی پرواہ نہ ہو۔

اس کا بیٹا کہنے لگا" پاپا، میں آپ کو پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ اگر آپ کو میرا جانا پسند نہیں تو میں نہیں جاؤں گا۔ مگر میں جانتا ہوں ناں کہ میں فوج کے علاوہ کسی شعبے کیلئے موزوں نہیں میں سفارت کاری یا کلرکی نہیں کر سکتا۔ مجھے اپنے جذبات و خیالات چھپانا نہیں آتے" وہ یہ باتیں کرتے ہوئے سونیا اور مہمان لڑکی کی جانب یوں

دیکھے جاتا تھا جیسے ان سے پیار کی چنگیں بڑھا رہا ہو۔

بلی نما سونیا اس پر نظریں گاڑے ہوئے تھی اور یوں لگتا تھا جیسے ابھی اچھل کود کر بلی جیسی فطرت کا اظہار شروع کر دے گی۔

معمر نواب بولا "ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، یہ ہمیشہ اسی طرح بھڑک اٹھتا ہے۔ بونا پارٹ نے ان سب کے دماغ گھما دیے ہیں، یہ ہر وقت اسی سوچ میں رہتے ہیں کہ وہ لیفٹیننٹ سے ترقی کر کے شہنشاہ کیسے بن گیا۔ خیر کیوں نہ سوچیں، شاید کسی دن پھر ایسا ہی ہو جائے" نواب اپنی مہمان کے لبوں پر پھیلی تمسخرانہ مسکراہٹ کی پروا کیے بغیر بولتا چلا گیا۔

جب بڑے بونا پارٹ کے بارے میں باتیں کرنے لگے تو مادام کاراگن کی بیٹی جولی نوجوان نکولائی رستوف کی جانب متوجہ ہو گئی اور ملائمت سے مسکراتے ہوئے اس سے کہنے لگی "بڑے افسوس کی بات ہے کہ اس دن آپ آرخاروف خاندان کے ہاں نہ آئے۔ میں نے آپ کو بےحد یاد کیا۔"

اس کی بات پر نوجوان خوشی سے پھولا نہ سمایا اور مزید قریب کھسک کر مسکراتی جولی کے ساتھ رازدارانہ انداز میں گفتگو کرنے لگا۔ اس موقع پر اسے یہ احساس بھی نہ ہوا کہ اس کی غیر شعوری مسکراہٹ نے سونیا کے دل میں حسد کا خنجر پیوست کر دیا ہے۔ جس کا چہرہ تمتما رہا تھا اور وہ زبردستی مسکرانے کی کوشش کر رہی تھی۔ جولی کے ساتھ گفتگو کے دوران نکولائی نے اچانک اس کی جانب دیکھا۔ سونیا نے اس پر ایسی نگاہ ڈالی گویا اسے کچا ہی چبا جائے گی۔ اگرچہ اس کے چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ موجود تھی تاہم اس کیلئے اپنے آنسوؤں پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا، سو وہ اٹھی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ نکولائی کا تمام تر جوش و خروش ختم ہو گیا۔ جونہی گفتگو میں ذرا وقفہ آیا وہ سونیا کی تلاش میں کمرے سے باہر نکل گیا، اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

اینا میخائلونا بولی "آج کل کے نوجوان بھی کیسے ہیں، کھلے عام اظہار محبت کرتے پھرتے ہیں" اس نے مزید کہا "خالہ زادوں کا یوں ایک دوسرے کے قریب رہنا خطرناک ہو سکتا ہے۔"

نوجوان اپنے ساتھ لائی روشنی سمیت کمرے سے نکل گئے تو بیگم رستوف کہنے لگی "ہم کس قدر مصائب جھیل کر خوشی دیکھتے ہیں! اور سچی بات یہ ہے کہ اب بھی خوشی کے مقابلے میں پریشانی کا پلڑا بھاری رہتا ہے۔ ہمیشہ دھڑکا سا لگا رہتا ہے۔ لڑکے ہوں یا لڑکیاں، عمر کا یہ دور دونوں کیلئے خطرناک ہوتا ہے۔" بیگم رستوف کا انداز ایسا تھا جیسے کسی کے سوال کا جواب دے رہی ہو۔

مہمان خاتون نے کہا "سب کچھ بچوں کی تربیت پر منحصر ہوتا ہے۔"

بیگم رستوف بولی "ہاں، آپ ٹھیک کہتی ہیں، خدا کا شکر ہے کہ بچوں سے میرا رویہ دوستوں کا سا رہا ہے اور مجھے ان کا مکمل اعتماد حاصل ہے۔" وہ بھی ان والدین کی طرح اس غلط فہمی کا شکار تھی جو سمجھتے ہیں کہ بچے ان سے اپنا کوئی راز نہیں چھپاتے۔ وہ بات جاری رکھتے ہوئے بولی "میں جانتی ہوں کہ میرے بچے اپنا کوئی راز مجھ سے کبھی نہیں چھپائیں گے اور نکولائی اپنی اضطراری طبیعت کی بنا پر کوئی غلط حرکت کر بھی بیٹھا (لڑکے لڑکے ہی ہوتے ہیں اور غلطی کر سکتے ہیں) تو وہ اس جیسی نہیں ہو گی جیسی پیٹرزبرگ کے نوجوانوں نے کی تھی۔"

نواب نے اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا "ہاں، یہ قابل تعریف بچے ہیں، قابل تعریف" اس نے الجھے ہوئے تمام سوالات کا جواب اس بات میں ڈھونڈ لیا تھا کہ ہر شے عمدہ اور قابل تعریف ہے۔ وہ بات آگے بڑھاتے ہوئے بولا "اب کیا ہو سکتا ہے، اس کے سر میں رسالے کا افسر بننے کا سودا سما ہی گیا ہے تو کوئی کیا کر سکتا ہے!"

مہمان خاتون بات بدلتے ہوئے کہنے لگی "آپ کی چھوٹی بیٹی کس قدر پیاری ہے، شوخی اور شرارت سے بھرپور"

نواب نے جواب دیا "ہاں بالکل ایسی ہی ہے، مجھ پر گئی ہے! اس کی آواز کتنی دلکش ہے۔ اگرچہ وہ میری بیٹی ہے تاہم میں آپ کو بتاؤں کہ وہ گلوکارہ بنے گی اور دوسری سالومنی ثابت ہو گی۔ ہم نے اس کی تربیت کیلئے ایک اطالوی کی خدمات حاصل کی ہیں"

مہمان بولی "کیا آپ جلدی نہیں کر رہے؟ سنا ہے اوائل عمری میں گانے سے آواز خراب ہو جاتی ہے"

نواب نے کہا "نہیں نہیں، وہ چھوٹی تو نہیں ہے، کیا ہمارے دور کی ماؤں کی شادی بارہ تیرہ سال کی عمر میں نہیں ہو جاتی تھی؟"

بیگم رستوف دھیمی مسکراہٹ سے اینا میخائلونا کی جانب دیکھتے ہوئے بولی "وہ ابھی سے بورس کی محبت میں گرفتار ہو چکی ہے، اس بارے میں آپ کیا کہیں گی؟" پھر وہ ایک ایسے سوال جو ہمیشہ اس کے ذہن پر سوار رہتا تھا کا تعاقب کرتے ہوئے کہنے لگی "دیکھیں ناں اگر میں اس کے ساتھ سختی کروں اور اسے ایسا کرنے سے منع کروں۔۔۔ خدا جانتا ہے وہ تنہائی میں کیا کرتے ہوں گے (بیگم یہ کہنا چاہتی تھی شاید وہ بوس و کنار کرتے ہوں) مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ جو بھی بات کرتی ہے اس کا مجھے علم ہوتا ہے۔ اس کا معمول ہے کہ وہ شام کو ہر بات مجھے بتا دیتی ہے۔ شاید میں اسے بگاڑ رہی ہوں مگر میرا واقعی یقین ہے کہ یہی بہتر راستہ ہے۔ میں نے اپنی بڑی بیٹی کی تربیت میں سختی برتی تھی۔"

بیگم رستوف کی خوبرو بڑی بیٹی ویرا مسکراتے ہوئے بولی "ہاں، میری تربیت مختلف انداز میں ہوئی ہے" ویرا کے چہرے پر ہنسی نہیں جچتی تھی، جب وہ ہنستی تو اس کا چہرہ غیر فطری اور بدصورت دکھائی دینے لگتا۔ ویرا خوبصورت اور خوش اطوار تھی، وہ اچھی طالبہ تھی اور احمق تو بالکل بھی نہ تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے عمدہ آواز بھی پائی تھی اور وہ جو کچھ کہہ رہی تھی وہ کچھ ایسا غلط اور بے محل بھی نہ تھا۔ لیکن عجیب بات یہ تھی کہ اس بات پر مہمان خواتین اور بیگم رستوف نے اس کی جانب یوں دیکھا جیسے پوچھنا چاہتی ہوں کہ آخر اسے یہ بات کہنے کی ضرورت ہی کیوں پیش آئی۔

مہمان خاتون نے کہا "لوگ اپنی تمام تر توجہ بڑے بچوں کی تربیت پر صرف کر دیتے ہیں۔ وہ انہیں غیر معمولی شے بنا دینا چاہتے ہیں"

نواب نے ویرا کی جانب پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے جواب دیا "محترمہ، ہمیں آپ کی بات سے انکار نہیں، ہماری پیاری بیگم نے ویرا پر کچھ زیادہ ہی محنت کی۔ مگر اس سے کیا بگڑا؟ وہ قابل تعریف ہی نکلی ہے"

مہمان خواتین اٹھ کھڑی ہوئیں اور شام کے کھانے میں شرکت کا وعدہ کر کے چلی گئیں۔

بیگم رستوف انہیں رخصت کرنے کے بعد بولی "کیا آداب ہیں! جانے کا نام ہی نہیں لے رہی تھیں"

(10)

جب نتاشا بھاگتی ہوئی ڈرائنگ روم سے باہر گئی تو وہ پودگھر تک پہنچ کر ہی رک گئی اور ڈرائنگ روم میں ہونے والی گفتگو سننے اور بورس کا انتظار کرنے لگی۔ جلد وہ بیتاب ہو گئی اور پاؤں زمین پر پٹخنے لگی، اسے یہ بات پسند نہیں آئی تھی کہ بورس فوراً اس کے پیچھے نہیں آیا۔ قبل ازیں کہ اس کے آنسو نکلتے، اس نے نوجوان کے قدموں کی آہٹ سنی جو آہستہ

روی سے چلتا آ رہا تھا۔ نتاشا نے فوراً چھلانگ لگائی اور پھولوں کے درمیان چھپ گئی۔

بورس کمرے کے وسط میں کھڑا ہو کر ارد گرد دیکھتا رہا۔ پھر اس نے اپنی وردی سے گرد جھاڑی اور آئینے کے سامنے کھڑا ہو کر اپنے خوش شکل چہرے کا جائزہ لینے لگا۔ نتاشا اپنی جگہ خاموشی سے بیٹھی رہی اور دیکھنے لگی کہ وہ کیا کرتا ہے۔ وہ کچھ دیر آئینے کے سامنے کھڑا ہو کر اپنا عکس دیکھ کر مسکراتا رہا اور پھر دوسرے دروازے کی جانب چل دیا۔

نتاشا اسے آواز دینا چاہتی تھی مگر اس نے ارادہ بدل لیا۔ اس نے خود کلامی کے انداز میں کہا "وہ خود مجھے تلاش کرے گا"

بورس باہر نکلا ہی تھا کہ دوسرے دروازے سے سونیا اندر آ گئی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور وہ غصے کے عالم میں کچھ بڑبڑائے جا رہی تھی۔ پہلے تو نتاشا نے یہ سوچا کہ اچانک بھاگ کر اس کے پاس پہنچ جائے تاہم پھر اس نے اپنی اس اضطراری کیفیت کو روکا اور اسی جگہ چھپی رہی۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس نے جادوئی ٹوپی پہن رکھی ہے جس کی بدولت وہ خود تو کسی کو دکھائی نہیں دے رہی مگر خود دنیا کی ہر بات پر نظر رکھے ہوئے ہے۔ اسے یوں چھپنے میں بالکل نئی اور انوکھی خوشی محسوس ہو رہی تھی۔ سونیا ڈرائنگ روم کے دروازے کی جانب دیکھ کر بڑبڑا رہی تھی۔ دروازہ کھلا اور نکولائی اندر آیا۔

وہ بھاگتے ہوئے اس کے قریب آیا اور بولا "سونیا! کیا بات ہے؟ تمہیں کیا ہوا؟

سونیا نے ہچکیاں لیتے ہوئے جواب دیا" کچھ نہیں، کچھ نہیں، مجھے اکیلا چھوڑ دو!"

نکولائی نے کہا" مجھے معلوم ہے تم کیوں رو رہی ہو"

سونیا بولی" ٹھیک ہے، اگر معلوم ہے تو اچھی بات ہے، تم واپس اسی کے پاس چلے جاؤ!"

نکولائی نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا" سو۔۔نی۔۔آ، میری بات سنو، تم ایسی بات کیلئے خود کو اور مجھے کیوں اذیت دے رہی ہو جو ہوئی ہی نہیں" سونیا نے اپنا ہاتھ تو نہ چھڑایا البتہ رونا بند کر دیا۔

نتاشا اپنی جگہ سے نہ ہلی اور سانس روکے انہیں دیکھتی رہی۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ اس نے سوچا" دیکھیں اب کیا ہوتا ہے"

نکولائی نے کہا" مجھے دنیا میں کسی اور کی پروا نہیں، میرے لیے تمہی سب کچھ ہو۔ میں یہ بات تم پر ثابت کر دوں گا"

سونیا نے جواب دیا" مجھے تمہاری ایسی باتیں بالکل اچھی نہیں لگتیں"

نکولائی بولا" ٹھیک ہے، میں دوبارہ ایسی بات نہیں کروں گا، ادھر آؤ، مجھے معاف کر دو" یہ کہہ کر اس نے سونیا کو اپنی جانب کھینچا اور اسے چوم لیا۔

یہ منظر دیکھ کر نتاشا دل ہی دل میں بولی" زبردست" اور جب سونیا اور نکولائی کمرے سے باہر نکل گئے تو وہ بھی ان کے پیچھے پیچھے چل دی اور بورس کو آواز دینے لگی۔

اس نے بورس کو بلاتے ہوئے کہا" بورس ادھر آؤ، میں تمہیں کچھ بتانا چاہتی ہوں۔ ادھر، ادھر" اس نے اشارہ کیا اور اسے پودگھر میں اس جگہ لے آئی جہاں وہ گملوں کے درمیان چھپی رہی تھی۔ اس کے چہرے پر مکاری اور شرارت رقصاں تھی۔

بورس نے پوچھا" ہاں بتاؤ کیا بات ہے؟" نتاشا کچھ بڑبڑائی اور ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اچانک اس کی نظر اپنی گڑیا پر پڑی جو اس نے کسی گملے میں پھینک دی تھی۔ اس نے بڑھ کر گڑیا کو اٹھا لیا اور بورس سے کہنے لگی" اس گڑیا کو چوم لو"

بورس نے اس کے پراشتیاق چہرے کو توجہ اور پیار سے دیکھا مگر کوئی جواب نہ دیا۔

نتاشا بولی" تم ایسا نہیں کرنا چاہتے؟ ٹھیک ہے تو پھر ادھر آؤ" اس نے اپنی گڑیا پھینک دی اور بورس کو لے کر پودوں میں خاصا دور اندر تک چلی گئی۔ پھر وہ آہستگی سے بولی" قریب آؤ، قریب" اس نے نوجوان افسر کے بازو کہنی کے اوپر سے پکڑ لیے اور اس کے تمتماتے چہرے پر خوف اور مسرت کے جذبات امڈ آئے۔

نتاشا بولی" تم میرا بوسہ لینا چاہو گے؟" یہ بات اس نے بالکل آہستہ آواز میں کہی۔ وہ اسے دزدیدہ نگاہوں سے دیکھ کر مسکرا رہی تھی تاہم جذبات کی شدت سے تقریباً رو دینے والی ہو چکی تھی۔

بورس شرما گیا اور بولا" تم کس قدر احمق ہو" پھر وہ اس کے قریب دوزانو ہو کر بیٹھ گیا مگر کچھ کہے بغیر دیکھنے لگا کہ اب کیا ہوتا ہے۔ اچانک وہ چھلانگ لگا کر ایک گملے پر چڑھ گئی تاکہ اس سے اونچی ہو سکے اور دونوں بازو پھیلا بورس سے یوں بغلگیر ہو گئی کہ اس کے دبلے پتلے برہنہ بازو اس کی گردن کے گرد حائل ہو گئے۔ اس نے اپنے بالوں کو پیچھے جھٹکا اور بورس کے لبوں کو چوم لیا۔ پھر وہ نیچے اتری اور دوسری جانب گملوں کے درمیان سر جھکا کر کھڑی ہو گئی۔

بورس کہنے لگا" نتاشا تم جانتی ہو کہ مجھے تم سے محبت ہے، مگر۔۔۔"

نتاشا اس کی بات کاٹ کر کہنے لگی" کیا تم واقعی مجھ سے محبت کرتے ہو؟"

بورس نے جواب دیا" ہاں، مگر خدارا ہمیں آئندہ ایسی حرکت نہیں کرنی چاہیے۔۔۔ مزید چار برس بعد۔۔۔ میں تم سے شادی کی تجویز پیش کروں گا"

نتاشا گہری سوچ میں گم ہو گئی اور پھر اپنی پتلی پتلی انگلیوں پر گننے لگی" تیرہ، چودہ، پندرہ، سولہ۔۔۔ ٹھیک ہے، پھر طے ہو گیا؟" یہ بات کہتے ہوئے اس کے جذباتی چہرے پر خوشی اور اطمینان کی کیفیت چھا گئی۔

بورس نے کہا" ہاں طے ہو گیا"

چھوٹی لڑکی نے پوچھا" ہمیشہ کیلئے، موت تک" اور پھر خوشی سے اس کا ہاتھ تھام کر آہستہ آہستہ چلتی اگلے کمرے میں داخل ہو گئی۔

(11)

بیگم رستوف مہمانوں کا استقبال کرتے کرتے اس قدر تنگ آ گئی کہ اس نے حکم دیا کہ اب کسی کو اندر نہ آنے دیا جائے، تاہم دربان کو ہدایت کر دی گئی کہ جو مہمان بھی مبارکباد دینے آئے اسے شام کے کھانے کی دعوت ضرور دی جائے۔ بیگم اپنے بچپن کی سہیلی اینا میخائلونا کے ساتھ بالمشافہ گفتگو کی شدت سے خواہشمند تھی کیونکہ جب سے وہ پیٹرزبرگ چھوڑ کر ماسکو آئی تھی اس وقت سے اس نے اینا کے ساتھ باقاعدہ بات چیت نہیں کی تھی۔ اینا میخائلونا جس کا چہرہ غم آلود مگر دل آویز تھا کرسی گھسیٹ کر بیگم کے قریب بیٹھ گئی اور کہنے لگی" تم سے میں کچھ نہیں چھپاؤں گی۔ ہماری پرانی دوست رہ ہی کتنی گئی ہیں، یہی وجہ ہے کہ میں تمہاری دوستی کی قدر کرتی ہوں۔

اینا میخائلونا نے ویرا کی جانب دیکھا اور رک گئی۔ بیگم نے اپنی دوست کا ہاتھ دبایا اور پھر اپنی بڑی بیٹی سے مخاطب ہو کر بولی" ویرا! صاف ظاہر تھا کہ وہ اس کی چہیتی نہیں ہے، تمہیں کسی بات کی تمیز نہیں؟ تمہاری سمجھ میں آخر کیوں نہیں آتا کہ یہاں تمہاری ضرورت نہیں؟ جاؤ اپنی بہن یا دوسروں کے پاس جاؤ"

خوبرو ویرا حقارت آمیز انداز سے مسکرائی تاہم اس کے تاثرات سے قطعاً یہ ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ اس کے

جذبات کو ٹھیس پہنچی ہے۔ پھر وہ بولی "امی! اگر آپ نے مجھے پہلے ہی بتایا ہوتا تو میں اس وقت ہی چلی جاتی" یہ کہہ کر وہ اپنے کمرے میں جانے کیلئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ مگر نشستی کمرے سے گزرتے ہوئے اس نے دو کھڑکیوں میں دو جوڑوں کو بیٹھے دیکھا۔ وہ رک گئی اور انہیں دیکھ کر حقارت سے مسکرانے لگی۔ سونیا نکولائی کے ساتھ بیٹھی تھی جو اس کیلئے چند اشعار نقل کر رہا تھا جو اس نے پہلی مرتبہ لکھے تھے۔ بورس اور نتاشا دوسرے کھڑکی میں بیٹھے تھے اور ویرا کو دیکھ کر خاموش ہو گئے۔ سونیا اور نتاشا نے ویرا کو مجرمانہ مگر پرمسرت چہروں سے دیکھا۔

ان چھوٹی لڑکیوں کو محبت کی سرشاری میں دیکھنا خاصا خوش کن اور متاثر کن تھا مگر جب ویرا نے انہیں دیکھا تو اس کے دل و دماغ میں اس قسم کے خوشگوار احساسات بیدار نہ ہوئے۔ اس نے نکولائی کے ہاتھ سے دوات چھینتے ہوئے کہا "میں تمہیں کتنی مرتبہ کہہ چکی ہوں کہ میری چیزیں نہ لیا کرو؟ تمہارا اپنا کمرہ ہے۔

نکولائی جو دوات میں قلم ڈبو رہا تھا فوراً بولا "ایک منٹ، بس ایک منٹ"

ویرا نے کہا "تم لوگ ہمیشہ غلط وقت پر کام کرنے کے انداز ڈھونڈ لیتے ہو۔ پہلے تم لوگ جس طرح ڈرائنگ روم میں دندناتے آئے اسے دیکھ کر ہر شخص کو شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا"

اس حقیقت کے باوجود کہ اس نے جو کچھ کہا وہ درست تھا یا پھر اس لیے کہ ویرا نے یہ بات کہہ دی تھی، جواباً کوئی نہ بولا اور چاروں ایک دوسرے کو ہی دیکھتے رہے۔ وہ دوات ہاتھ میں پکڑے کمرے میں کھڑی رہی اور پھر کہنے لگی "نتاشا اور بورس، اس عمر میں تم دونوں کے مابین کیا راز ہو سکتے ہیں، اور تم دونوں کے مابین بھی!۔۔۔ یہ محض حماقت ہے"

نتاشا اپنے دفاع میں بولی "ٹھیک ہے، مگر ویرا تمہارا اس سے کیا واسطہ" اس کا لہجہ خاصا نرم تھا اور یوں لگتا تھا جیسے وہ اس روز دوسروں سے خلاف معمول شفقت برت رہی ہے۔

ویرا نے جواب دیا "راز۔۔۔ ہونہہ، تمہاری حرکتیں بیحد احمقانہ ہیں۔ مجھے تو تم لوگوں کو دیکھ کر شرم محسوس ہو رہی ہے"

نتاشا نسبتاً غصے میں بولی "ہر شخص کے راز ہوتے ہیں۔ ہم نے بھی کبھی تمہارے اور برگ کے معاملات میں دخل نہیں دیا"

ویرا نے کہا "میرا خیال ہے تمہیں دخل دینا بھی نہیں چاہیے کیونکہ میرا کوئی کام معیوب نہیں ہوتا۔ البتہ میں بورس کے ساتھ تمہارے رویے کے بارے میں امی کو ضرور بتاؤں گی"

بورس بولا "نتالیا میرے ساتھ بہت اچھا برتاؤ کرتی ہے، مجھے اس سے کوئی شکایت نہیں"

نتاشا ذہنی اذیت کے عالم میں کانپتے ہوئے بولی "چھوڑو بورس، تم بڑے سفارتکار ہو (لفظ سفارتکار اپنے مخصوص معانی میں بچوں میں بیحد مقبول تھا) مجھے بیحد کوفت ہو رہی ہے۔ آخر یہ میرے پیچھے ہی کیوں پڑی رہتی ہے۔ پھر وہ ویرا سے مخاطب ہو کر کہنے لگی "تم یہ بات کبھی نہیں سمجھ سکو گی کیونکہ تمہیں کبھی کسی سے محبت ہوئی ہی نہیں، تمہارے سینے میں دل ہی نہیں، تم محض مادام دی گا نلی ہو (ویرا کو یہ لقب نکولائی نے دیا تھا اور بہت ناپسندیدہ سمجھا جاتا تھا) تمہاری سب سے بڑی خوشی یہ ہے کہ دوسروں کو مشکلات میں مبتلا کیا جائے۔ جاؤ اور جس قدر جی چاہے برگ کے ساتھ پیار کی جھوٹی پینگیں بڑھاؤ"

ویرا نے جواباً کہا "خیر، میں مہمانوں کی موجودگی میں لڑکوں کے پیچھے نہیں بھاگتی۔۔۔"

نکولائی بولا "چھوڑو، اس نے اپنا مقصد حاصل کر لیا ہے۔ یہ ہر ایک کو جلی کٹی سنا چکی اور پریشان کر چکی ہے۔ آؤ نرسری میں جاتے ہیں"

چاروں خوفزدہ پرندوں کے جھنڈ کی مانند اٹھے اور کمرے سے نکل گئے۔

ویرا نے کہا "جلی کٹی باتیں تو مجھے کہی گئی ہیں اور میں نے کسی سے کچھ نہیں کہا"

دروازے سے قہقہہ آمیز آوازیں سنائی دیں "مادام دی گا نلی! مادام دی گا نلی!"

خوبرو ویرا جس نے ہر شخص کو پریشان کیا تھا مسکرانے لگی اور اسے جو کچھ کہا گیا تھا بظاہر اس کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ آئینے کے سامنے گئی اور اپنے بال اور سکارف درست کرنے لگی۔ اپنے خوبرو چہرے کو دیکھتے ہوئے وہ پہلے سے زیادہ سرد مہر اور پرسکون نظر آ رہی تھی۔

☆☆☆

ڈرائنگ روم میں گفتگو ابھی تک جاری تھی۔

بیگم رستوف کہنے لگی "پیاری اینا، میری زندگی میں بھی ہر شے پھولوں کی سیج نہیں ہے۔ آپ کے خیال میں کیا مجھے نظر نہیں آ رہا کہ اگر ہمارے طور طریقے یہی رہے تو بہت جلد ہماری جمع پونجی تمام ہو جائے گی۔ اور اس کا باعث کلب اور ان کی نرم طبیعت ہے۔ جب ہم گاؤں میں ہوتے ہیں تو تب بھی سکون نہیں ملتا، تھیٹر، شکار پارٹیاں اور خدا جانے کیا کیا۔ مگر میرا ذکر تو چھوڑ ہی دو، یہ بتاؤ کہ تم تمام معاملات سے کیسے نپٹ لیتی ہو۔ اینا بعض اوقات تمہیں دیکھ کر مجھے حیرت ہوتی ہے۔ اس عمر میں تم اکیلی گھوڑا گاڑی میں کبھی ماسکو اور پیٹرز برگ آ جا رہی ہو۔ اتنے وزیروں اور بڑے لوگوں سے ملتی ہو اور تمہیں انہیں ہاتھ میں رکھنے کا ہنر بھی آتا ہے۔ میں واقعی تمہاری معترف ہوں، یہ بتاؤ کہ تم یہ سب کیسے کر لیتی ہو؟ میں تو شاید کبھی نہ کر سکوں"

اینا میخائلو نا آہ بھرتے ہوئے بولی "پیاری نیلی، خدا نہ کرے کہ تمہیں کبھی بیوہ ہونا پڑے اور تمہیں معلوم ہو کہ پاس کچھ نہیں رہا اور تمہارا ایک بیٹا بھی ہو جسے تم بیحد چاہتی ہو۔ ایسے حالات سے دوچار ہونے والا سب کچھ سیکھ جاتا ہے" یہ بات کہتے ہوئے اس کے لہجے میں فخر کی جھلک تھی۔ بہرحال اس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا "مقدمہ بازی نے مجھے سب کچھ سکھا دیا۔ اگر مجھے ان بڑے لوگوں میں سے کسی کو ملنا ہو تو میں ایک رقعہ لکھتی ہوں کہ "شہزادی فلاں فلاں مسز فلاں فلاں سے ملاقات کرنا چاہتی ہے" اور پھر میں گاڑی پکڑ کر اس کے ہاں دو، تین، چار یا ضرورت کے مطابق اس سے بھی زیادہ چکر لگانا شروع کر دیتی ہوں یہاں تک کہ میرا مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔ میں اس بات کی بالکل پروا نہیں کرتی کہ وہ میرے بارے میں کیا سوچتے ہوں گے"

بیگم نے پوچھا "خیر، مجھے یہ بتاؤ کہ بورس کیلئے تم نے کس سے بات کی تھی۔ تمہارا بیٹا گارڈز میں افسر بن چکا ہے جبکہ میرا نکولائی کیڈٹ کی حیثیت سے بھرتی ہو رہا ہے۔ کوئی نہیں جو اس کے لیے کچھ کر سکے۔ تم نے کس سے مدد لی تھی؟

اینا میخائلو نا نے جواب دیا "شہزادہ ویسلے سے۔ انہوں نے کمال مہربانی کا مظاہرہ کیا اور فوراً سب کچھ کرنے پر تیار ہو گئے۔ انہوں نے تمام معاملہ شہنشاہ کے حضور پیش کیا" یہ بات کہتے ہوئے اینا میخائلو نا کا جوش و خروش دیدنی تھا اور وہ یہ بھی بھول گئی تھی کہ اپنا کام نکلوانے کیلئے اسے کس قدر تذلیل کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

بیگم نے پھر پوچھا "شہزادہ ویسلے کیسے ہیں؟ کیا وہ عمر رسیدہ ہو گئے ہیں؟ میں نے رومیانتسوف خاندان کے ہاں ڈرامے کے بعد انہیں نہیں دیکھا۔ میرا خیال ہے کہ وہ مجھے بھول گئے ہوں گے" پھر وہ مسکراتے ہوئے کہنے لگی "اس

زمانے میں تو وہ میرے آگے پیچھے پھرتے تھے"

اینا میخائلونا نے جواب دیا" وہ بالکل ویسے ہی ہیں" ہمیشہ کی طرح شفیق۔اعلیٰ عہدے نے ان کے رویے پر کوئی اثر نہیں ڈالا۔جب میں نے ان سے اپنا مسئلہ بیان کیا تو وہ کہنے لگے' شہزادی میں معذرت خواہ ہوں کہ آپ کی معمولی سی خدمت کر سکا، مجھے اپنا خادم سمجھیں یقیناً وہ نہایت عمدہ اور قابل اعتبار قرابت دار ہیں۔مگر نتالیا تم اچھی طرح جانتی ہو کہ مجھے اپنے بیٹے سے کس قدر محبت ہے۔اس کی خوشی کیلئے میں سب کچھ کرنے کو تیار ہوں مگر میرے حالات اس قدر خراب ہو چکے ہیں کہ (اینا میخائلونا نے اپنی آواز دھیمی کر لی مگر بات جاری رکھی) میری حالت بیحد ابتر ہو گئی ہے۔یہ ملعون مقدمہ میرا سب کچھ کھا گیا ہے اور ستم یہ کہ اس معاملے میں کوئی پیش رفت بھی نہیں ہوئی۔کیا تم یقین کرو گی کہ میرے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں رہی اور مجھے تو یہ بھی علم نہیں کہ بورس کے سامان کیلئے رقم کہاں سے آئے گی" بات مکمل کر کے اس نے رومال نکالا اور آنسو پونچھنے لگی۔پھر وہ مزید بولی" اس کیلئے مجھے پانچ سو روبل درکار ہیں اور میرے پاس صرف پچیس روبل کا نوٹ موجود ہے۔میں اس حالت کو پہنچ چکی ہوں۔۔۔اب میری واحد امید شہزادہ کیرل ولادی میرووچ بیزوخوف ہیں۔اگر انہوں نے اپنے منہ بولے بیٹے کی مدد نہ کی۔۔۔تم جانتی ہو کہ انہوں نے بورس کو منہ بولا بیٹا بنایا ہے۔۔۔اور اس کی ضروریات پوری نہ کیں تو میری تمام کوششیں اکارت جائیں گی۔میرے پاس اس کی وردی اور دیگر سامان خریدنے کیلئے کچھ بھی تو نہیں"

بیگم رستوف کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور وہ خاموش ہو گئی۔

اینا میخائلونا نے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا" میں اکثر یہ سوچتی ہوں۔۔شاید یہ کچھ ایسا اچھا خیال نہ ہو مگر میرے دل میں خیال آتا ہے کہ ایک نواب بیزوخوف ہیں جو تن تنہا زندگی گزار رہے ہیں۔۔۔اس قدر دھن دولت کے مالک ہیں۔۔۔اور آخر وہ کس کی خاطر زندہ ہیں۔زندگی ان کیلئے بوجھ بن چکی ہے جبکہ بورس ابھی زندگی کی ابتدائی ہی کر رہا ہے"

بیگم نے کہا" وہ ترکے میں بورس کیلئے یقیناً کچھ نہ کچھ چھوڑ جائیں گے"

اینا میخائلونا کہنے لگی" خدا جانے ، پیاری یہ امیر کبیر بڑے لوگ بہت خود غرض ہوتے ہیں۔بہرحال میں ابھی بورس کے ساتھ انہیں ملنے جا رہی ہوں اور کوئی بات چھپائے بغیر انہیں معاملے سے صاف صاف آگاہ کر دوں گی۔اب جبکہ میرے بیٹے کی قسمت داؤ پر لگی ہے مجھے اس بات کی پروا نہیں کہ لوگ میرے بارے میں کیا سوچتے ہیں" یہ کہہ کر شہزادی میخائلونا اٹھ کھڑی ہوئی اور بیگم رستوف سے بولی" ابھی دو بجے ہیں اور تمہارا کھانا چار بجے ہوگا۔میں وقت پر واپس آ جاؤں گی"

اینا میخائلونا نے پیٹرز برگ کی عملی خاتون کی طرح یہ جانتے ہوئے کہ ہر لمحے سے فائدہ کیسے اٹھایا جاتا ہے بورس کو بلایا اور اس کے ساتھ استقبالیہ کمرے میں چلی گئی۔بیگم رستوف اسے چھوڑنے دروازے تک آئی۔اینا میخائلونا نے اسے خدا حافظ کہا اور سرگوشی کے انداز میں تاکہ اس کا بیٹا نہ سن سکے بولی" میری کامیابی کی دعا کرنا"

نواب جو ڈائننگ روم سے ہال میں آ رہا تھا اینا میخائلونا کو دیکھ کر کہنے لگا" تم کیرل ولادی میرووچ کے ہاں جا رہی ہو؟ اگر اس کی حالت بہتر ہو تو پیری کو ہماری جانب سے کھانے کی دعوت دے دینا۔وہ یہاں آ چکا ہے اور بچوں کے ساتھ رقص کیا کرتا تھا۔میری پیاری اسے یہ کہنا نہ بھولنا کہ کھانے کیلئے ہم نے طارس کی خدمات حاصل کی ہیں اور اسے کہنا کہ رستوف کہتا ہے نواب اورلوف نے بھی کبھی ایسی دعوت نہ کی ہوگی جو ہم آج کر رہے ہیں"

(12)

اینا میخائلونا اور بورس بیگم رستوف کی گاڑی میں بیٹھے نواب کیرل بیزوخوف کے مکان کے وسیع و عریض صحن میں داخل ہو گئے۔گاڑی بھوسے سے ڈھکی سڑک پر سے ہوتی ہوئی اندر جا رہی تھی۔اینا میخائلونا نے ہاتھ اپنے بوسیدہ کوٹ سے باہر نکالا اور اسے جھجکتے ہوئے پیار سے اپنے بیٹے کے بازو پر رکھتے ہوئے کہنے لگی" میرے پیارے ان کے ساتھ ادب سے پیش آنا اور ان کی باتیں توجہ سے سننا،نواب بیزوخوف بہرحال تمہارے منہ بولے باپ ہیں اور تمہارے مستقبل کا انحصار انہی پر ہے۔یاد رکھو میرے پیارے ان کا دل موہنے کی کوشش کرنا جیسا کہ تم جانتے ہو۔۔۔"

اس کے بیٹے نے سرد مہری سے جواب دیا" اگر نتیجہ ہماری تذلیل کی بجائے کسی اور صورت میں برآمد ہوا۔بہرحال میں آپ سے وعدہ کر چکا ہوں اور آپ کی خاطر سب کچھ کروں گا"

اگرچہ گاڑی استقبالیہ ہال کے دروازے پر کھڑی تھی مگر وہاں تعینات دربان نے ماں بیٹے کا بغور جائزہ لیتے ہوئے (دونوں نے کسی کو اپنی آمد بارے اطلاع دینے کو نہیں کہا تھا بلکہ خود ہی بلوریں غلام گردش جس کی دونوں طرف الماریوں میں مجسمے سجے تھے سے گزرتے ہوئے استقبالیہ ہال میں داخل ہو گئے تھے) خاتون کو گھور کر دیکھا اور پوچھا " آپ نواب صاحب سے ملنا چاہتے ہیں یا شہزادی سے؟" اور یہ سن کر کہ وہ نواب سے ملنا چاہتے ہیں وہ کہنے لگا " ہز ایکسیلینسی کی طبیعت آج بیحد خراب ہے اور وہ کسی سے نہیں مل سکتے"

بورس نے فرانسیسی میں کہا" بہتر ہوگا کہ ہم واپس چلے جائیں"

والدہ دوبارہ بیٹے کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے ملتجیانہ آواز میں بولی" میرے پیارے" گویا یہ جادو کی چھڑی تھی جس کے چھوتے ہی اس کا موڈ بہتر ہو جائے گا اور اس کے دل میں نیا ولولہ بیدار ہو جائے گا۔بورس کچھ نہ بولا مگر اپنا اوورکوٹ اتار کر اپنی والدہ کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

اینا میخائلونا نے استقبالیہ ہال کے دربان کو خوشامدانہ لہجے میں مخاطب کرتے ہوئے کہا" اے اچھے شخص، میں جانتی ہوں کہ نواب بیزوخوف بیحد علیل ہیں۔۔۔یہی وجہ ہے کہ میں یہاں آئی ہوں۔۔۔میں ان کی رشتہ دار ہوں۔۔۔میں انہیں پریشان نہیں کروں گی، میرے محترم۔۔۔میں صرف شہزادہ وسیلے سرگیوچ سے ملنا چاہتی ہوں۔مجھے علم ہوا ہے کہ وہ یہیں مقیم ہیں، براہ مہربانی انہیں ہماری آمد کی اطلاع دے دو"

دربان نے بیزاری سے گھنٹی کی رسی کھینچی جو اوپر کی منزل پر بجی اور اپنا رخ پھیر لیا۔

گھنٹی بجنے پر برجس، نیچی ایڑھی کے جوتے اور کوٹ میں ملبوس ایک خدمتگار جو بھاگ کر سیڑھیوں کے اوپر والے سرے پر پہنچا تھا نیچے جھانکنے لگا۔دربان نے اسے کہا" شہزادی دروبتسکی شہزادہ وسیلے سے ملنے آئی ہیں"

ماں نے اپنے نئے رنگے جانے والے ریشمی لباس کی شکنیں درست کیں اور دیوار پر لگے وینس کے بنے آئینے میں اپنے سراپے پر نگاہ ڈالی اور بوسیدہ جوتوں میں تیز تیز قدم اٹھاتی قالین سے ڈھکی سیڑھیوں پر چڑھنے لگی۔اوپر جاتے ہوئے اس نے اپنے بیٹے کے بازوؤں پر دوبارہ تھپکی دیتے ہوئے کہا" میرے پیارے اپنا وعدہ یاد رکھنا" بیٹا فرش پر نظریں گاڑے اس کے پیچھے پیچھے چل دیا"

وہ ایک بڑے کمرے میں داخل ہوئے جس سے ایک دروازہ اس اپارٹمنٹ میں کھلتا تھا جس پر شہزادہ وسیلے نے قبضہ جما رکھا تھا۔ماں بیٹا کمرے کے وسط میں پہنچے تو ایک خدمتگار انہیں دیکھ کر اچھل پڑا، وہ اس سے راستہ دریافت

کرنے کا ارادہ کر رہے تھے کہ ایک دروازے کی کانسی کی ہتھی گھومی اور شہزادہ ویسلے باہر آ گیا۔ اس نے مخملیں کوٹ زیب تن کر رکھا تھا جس پر ایک ستارہ آویزاں تھا۔ سیاہ بالوں والا ایک خوش شکل شخص بھی اس کے ساتھ باہر آیا۔ یہ پیٹرز برگ کا معروف ڈاکٹر لورین تھا۔

شہزادہ اسے کہنے لگا ''تو پھر بات یقینی ہے؟''

ڈاکٹر نے تتلاتی زبان میں لاطینی الفاظ فرانسیسی لہجے میں ادا کرتے ہوئے جواب دیا ''انسان سے غلطی بھی ہو سکتی ہے''

ویسلے بولا ''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔۔۔''

اس نے اینا میخائلونا اور اس کے بیٹے کو دیکھ کر ڈاکٹر کو جھک کر رخصت کر دیا اور سوالیہ انداز میں خاموشی سے ان کی جانب بڑھا۔ بیٹے نے محسوس کیا کہ اس کی والدہ کی آنکھوں میں اچانک حزن و ملال کی کیفیت طاری ہو گئی ہے۔ یہ دیکھ کر وہ آہستگی سے مسکرا دیا۔

اینا میخائلونا بولی ''شہزادہ ہم کس قدر افسوسناک حالات میں دوبارہ مل رہے ہیں۔۔۔ مجھے بتایئے کہ ہمارے پیارے مریض کا اب کیا حال ہے؟'' یہ بات کرتے ہوئے اس نے یوں ظاہر کیا جیسے خود پر گڑی توہین آمیز اور سرد نگاہوں سے بے خبر ہو۔ شہزادہ ویسلے نے پہلے اسے اور پھر بورس کی جانب استفہامیہ نگاہوں سے دیکھا جیسے سمجھ نہ آ رہی ہو کہ یہ کون ہے اور یہاں کیوں آیا۔ پھر وہ اینا میخائلونا کی جانب متوجہ ہوا اور اس کے سوال کے جواب میں سر اور ہونٹوں کی جنبش سے یوں اشارہ کیا جیسے مریض کے بچنے کی بہت کم امید رہ گئی ہے۔

اینا میخائلونا تقریباً چلاتے ہوئے بولی ''کیا واقعی؟'' اور پھر کہنے لگی ''اوہ، یہ بےحد بھیانک ہے! ایسا سوچ کر بھی دل دہل جاتا ہے۔۔۔ یہ میرا بیٹا ہے'' بورس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے مزید کہا کہ ''یہ ذاتی طور پر آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتا تھا''

بورس ایک مرتبہ پھر ویسلے کے سامنے شائستگی سے احتراماً جھکا''

اینا میخائلونا کہنے لگی ''یقین کیجئے آپ نے ہماری خاطر جو کچھ کیا، ایک ماں کا دل اسے کبھی فراموش نہیں کرے گا''

ویسلے نے اپنی قمیص کی جھالر درست کرتے ہوئے جواب دیا ''پیاری اینا، مجھے خوشی ہے کہ میں آپ کی کوئی خدمت کر سکا'' اس کی آواز اور انداز سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اینا میخائلونا جو اس کی احسان مند تھی کے سامنے خود کو پیٹرز برگ کی محفل کی نسبت زیادہ اہم بنا کر پیش کر رہا ہے۔

وہ بورس سے مخاطب ہو کر درشت لہجے میں بولا ''دوران ملازمت اپنے فرائض بطریق احسن ادا کرنے کی کوشش کرو اور خود کو اس عہدے کا اہل ثابت کرو، مجھے خوشی ہے۔۔۔ یہاں چھٹی پر آئے ہو؟'' اس کا لہجہ تاثرات سے عاری تھا۔

بورس نے جواب دیا ''جناب میں اپنی نئی رجمنٹ میں تعیناتی کے احکامات کا انتظار کر رہا ہوں'' اس کے لہجے سے نہ تو یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے پرنس کے ترش انداز گفتگو سے کوئی دکھ پہنچا ہے اور نہ یہ کہ وہ مزید گفتگو کا خواہشمند ہے بلکہ اس نے کچھ ایسے تحمل اور احترام کا مظاہرہ کیا کہ شہزادہ اسے توجہ سے دیکھنے لگا۔

ویسلے نے پوچھا ''کیا تم اپنی والدہ کے ساتھ رہتے ہو؟''

بورس نے جواب دیا ''میں بیگم رستوف کے ہاں قیام پذیر ہوں''

اینا میخائلونا بولی ''الیا رستوف، جنہوں نے نتالیا شن سے شادی کی تھی''

ویسلے اپنے یکساں لہجے میں بولا ''میں جانتا ہوں، میں جانتا ہوں، مجھے آج تک یہ سمجھ نہیں آیا کہ نتالیا شن نے اس ناتراشیدہ ریچھ سے شادی کا فیصلہ کیسے کر لیا۔ وہ تو انتہائی احمق اور اور فضول انسان ہے اور جہاں تک میں جانتا ہوں جواری بھی ہے''

اینا میخائلونا نے رقت آمیز مسکراہٹ سے کہا ''مگر شہزادے وہ بےحد بااخلاق ہیں'' اگرچہ اس کا انداز بتلا رہا تھا کہ وہ بھی نواب کو اس تنقید کا مستحق سمجھتی ہے مگر اس کی التجا ہے کہ اس بیچارے پرانے ساتھی کے حوالے سے زیادہ سخت رویہ اختیار نہ کیا جائے۔ کچھ دیر توقف کے بعد اس نے پوچھا ''ڈاکٹر کیا کہتے ہیں؟'' یہ بات کہتے ہوئے اس کے غمگین چہرے پر دوبارہ گہرے رنج کے بادل چھا گئے''

شہزادے نے جواب دیا ''بہت کم امید باقی ہے''

اینا نے کہا ''انکل نے مجھ پر اور بورس پر جو مہربانیاں کی ہیں انہیں دیکھتے ہوئے میں ایک مرتبہ پھر ان کا شکریہ ادا کرنا چاہتی تھی۔ بورس ان کا منہ بولا بیٹا ہے'' اس نے آخری جملہ کچھ اس انداز میں کہا جیسے اسے سن کر شہزادہ ویسلے کو بے انتہا خوشی ہو گی۔

ویسلے نے بھنویں سکیڑ لیں اور سوچ و بچار میں کھو گیا۔ اینا میخائلونا نے اندازہ کر لیا کہ وہ اس کی صورت میں نواب بیزوخوف کی وراثت میں اپنا حریف دیکھ کر فکر مند ہو گیا ہے۔ سو اس نے فوری طور پر ویسلے کو اطمینان دلانے کی کوشش شروع کر دی اور کہنے لگی ''اگر انکل سے مجھے سچا پیار اور لگاؤ نہ ہوتا تو (اس نے لفظ انکل بےحد یقین اور بے اعتنائی سے ادا کیا) میں ان کے کردار سے اچھی طرح واقف ہوں۔۔۔ وہ شریف النفس اور راست گو ہیں مگر ان کے پاس شہزادیوں کے علاوہ کوئی نہیں۔۔۔ اور وہ ابھی نوجوان اور ناتجربہ کار ہیں۔۔۔'' یہ کہہ کر اس نے اپنا سر جھکا لیا اور دھیمے لہجے میں بولی ''محترم شہزادے، کیا انہوں نے اپنے آخری فرائض ادا کر دیے ہیں؟ یہ آخری لمحات کس قدر قیمتی ہیں! یوں دکھائی دیتا ہے وہ اتنے بیمار ہیں جتنا کہ کوئی ہو سکتا ہے اور اگر واقعی ایسا ہے تو انہیں آنے والے وقت کیلئے تیار کرنا انتہائی ضروری ہے''

پھر وہ میٹھے انداز میں مسکراتے ہوئے کہنے لگی ''محترم شہزادے، ہم خواتین بخوبی جانتی ہیں کہ ایسی باتیں کیسے کہلوائی ہیں۔ مجھے ہر صورت ان کے پاس جانا ہو گا۔ ایسا کرنا میرے لیے بےحد مشکل ہو گا مگر میں دکھ جھیلنے کی عادی ہو چکی ہوں''

یوں ظاہر ہوتا تھا کہ شہزادہ ویسلے اچھی طرح جان گیا ہے اور یہ بات بھی جان گیا ہے جو اسے اینا پاؤلونا کے ہاں معلوم ہوئی تھی کہ اینا میخائلونا سے پیچھا چھڑانا آسان نہیں۔

وہ کہنے لگا ''پیاری اینا میخائلونا! کیا یہ ملاقات ان پر بوجھ کا باعث نہیں بنے گی؟ ہمیں شام تک انتظار کرنا چاہیے، ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ ان کی حالت خراب تر ہوتی چلی جا رہی ہے''

اینا نے جواباً کہا ''مگر شہزادے اس لمحے پر دیر کرنا مناسب نہیں ہو گا۔ ذرا غور کریں کہ ان کی روح کی نجات سوالیہ نشان بنی ہوئی ہے۔ آہ! کس قدر بھیانک صورتحال ہے! عیسائیت کے پیروکار کے فرائض۔۔۔''

اسی دوران اندرونی کمروں کا دروازہ کھلا اور کاؤنٹ کی بھانجیوں میں سے ایک ہال میں داخل ہوئی۔ اس کی کمر لمبی اور ٹانگیں چھوٹی تھیں جبکہ چہرے پر سرد مہری اور بے مروتی کے تاثرات نمایاں تھے۔ شہزادہ ویسلے اس کی جانب

مڑا اور پوچھا "اب وہ کیسے ہیں"

شہزادی نے اینا میخائلوونا کی جانب یوں دیکھا جیسے وہ کوئی اجنبی ہو اور جواب دیا "ان کی حالت جوں کی توں ہے، اس شور میں آپ کیا توقع کر سکتے ہیں"

اینا میخائلوونا خوشی سے مسکرائی اور نواب کی بھانجی کی طرف تیزی سے بڑھتے ہوئے کہنے لگی

"اوہ، شہزادی، میں نے تمہیں پہچانا ہی نہیں۔ میں بالکل ابھی آئی ہوں اور اپنے انکل کی تیمارداری میں آپ کا ہاتھ بٹاؤں گی۔ میں تصور کر سکتی ہوں کہ آپ کو کس قدر مشکلات کا سامنا ہے" اس نے آنکھوں کی پتلیاں گھماتے ہوئے اپنی بات مکمل کی۔

شہزادی نے کوئی جواب دیا نہ مسکرائی بلکہ تیزی سے آگے چلی گئی۔ اینا میخائلوونا نے اپنے دستانے اتارے اور آرام کرسی میں دھنس کر بیٹھ گئی اور پھر شہزادہ وسیلے کو بھی اپنے ساتھ بیٹھنے کو کہا۔ بعد ازاں وہ اپنے بیٹے سے مسکرا کر کہنے لگی "بورس! میں بیچارے انکل کے پاس جا رہی ہوں اور میری جان تم پیری کی طرف چلے جاؤ، اور ہاں اسے رستوفوں کی جانب سے دعوت دینا نہ بھولنا، انہوں نے اسے کھانے پر بلایا ہے" پھر وہ شہزادے کی جانب رخ کر کے کہنے لگی "میرا خیال ہے شاید اس کا جانا ممکن نہ ہو"

وسیلے نے جھلا کر جواب دیا "اس کے برعکس اگر تم اس نوجوان سے میرا پیچھا چھڑا سکو تو مجھے بیحد خوشی ہو گی۔ وہ یہیں جم کر رہ گیا ہے جبکہ نواب نے ایک مرتبہ بھی اسے نہیں بلایا" بات مکمل کر کے شہزادہ وسیلے نے کندھے اچکائے۔ ایک خدمتگار بورس کو سیڑھیوں کے ذریعے نیچے اور پھر اوپر پیری کے اپارٹمنٹ میں لے گیا۔

(13)

پیری پیٹرز برگ میں اپنے لیے ملازمت تلاش کرنے ہی میں ناکام نہیں رہا تھا بلکہ اسے ہنگامہ آرائی کے الزام میں واقعی شہر بدر کر دیا گیا تھا۔ نواب رستوف کے ہاں اس کے بارے میں بیان کی جانے والی داستان درست تھی۔ پیری پولیس اہلکار کو ریچھ کے ساتھ باندھنے کی حرکت میں برابر کا شریک تھا۔ وہ چند روز قبل ماسکو پہنچا تھا اور حسب معمول اپنے والد کے گھر میں مقیم تھا۔ اگرچہ اس نے فرض کر لیا تھا کہ اس کی داستان پہلے ہی ماسکو میں ہر شخص کی زبان پر آ گئی ہو گی اور یہ خواتین جنہوں نے اس کے والد کو نرغے میں لے رکھا تھا اور جنہوں نے کبھی اس کی حمایت نہیں کی تھی، اس موقع سے فائدہ اٹھا کر نواب کو اس کے خلاف بھڑکائیں گی، پھر بھی وہ ماسکو پہنچ کر وہ مکان کے اس حصے میں چلا گیا جہاں اس کا والد مقیم تھا۔

وہ ڈرائنگ روم میں گیا جہاں یہ شہزادیاں عموماً رہتی تھیں اور انہیں آداب کہا۔ ان میں سے دو کشیدہ کاری کے فریم لیے بیٹھی تھیں اور تیسری باآواز بلند پڑھنے میں مصروف تھی۔ پڑھنے والی تینوں میں سب سے بڑی تھی جس کی کمر لمبی جبکہ چہرے پر درشتی جھلکتی تھی۔ یہ وہی خاتون تھی جو اینا میخائلوونا سے ملی تھی۔ اس کے برعکس دونوں چھوٹی دوشیزائیں سرخ وسفید رنگت کی حامل اور قبول صورت تھیں اور ان میں سے ایک کے ہونٹ پر تل تھا جو دونوں میں واحد فرق تھا اور اس سے اس کی خوبصورتی کو چار چاند لگ گئے تھے۔ وہ دونوں اپنے کشیدہ کاری کے فریموں پر کڑھائی میں مصروف تھیں۔ پیری کا یوں استقبال ہوا جیسے وہ کوئی بدروح یا کوڑھی ہو۔ بڑی شہزادی نے پڑھنا بند کر دیا اور اسے گھور کر دیکھنے لگی۔ دوسری بہن کا رویہ بھی اسی جیسا تھا البتہ تیسری جس کے ہونٹ پر تل تھا ہنسی چھپانے کیلئے اپنے فریم پر جھک گئی۔ اس کا مزاج

دیگر بہنوں کی نسبت خوش باش اور ہنس مزاج کا دلدادہ تھا۔ اس نے اندازہ کر لیا تھا کہ اب پرتفنن صورتحال دیکھنے کو ملے گی۔ وہ اپنے فریم پر جھکی اور اون نکالی، پھر وہ ذرا جھک کر اسے یوں دیکھنے لگی جیسے نمونے کا معائنہ کر رہی ہو۔ وہ اپنی ہنسی چھپانے میں بمشکل کامیاب ہو رہی تھی۔

پیری نے انہیں دیکھ کر کہا "صبح بخیر، آپ نے مجھے پہچانا نہیں؟"

جواب ملا "میں تمہیں خوب اچھی طرح بلکہ اس سے بھی اچھی طرح پہچانتی ہوں"

پیری نے حسب معمول بھونڈے انداز میں شرمائے بغیر پوچھا "نواب کی طبیعت کیسی ہے؟ کیا میں انہیں دیکھ سکتا ہوں؟

بڑی شہزادی کیتش بولی "نواب ذہنی وجسمانی ہر دو امراض میں مبتلا ہیں اور یوں لگتا ہے کہ تم نے ان کے عوارض بڑھانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی"

پیری نے اپنا سوال دہرایا "کیا میں نواب کو دیکھ سکتا ہوں؟"

کیتش بولی "ہونہہ۔۔۔ اگر تم انہیں ہلاک کرنا اور سیدھا موت کے گھاٹ اتارنا چاہتے ہو تو ان سے مل سکتے ہو۔ اولگا، جاؤ اور دیکھو کہ انکل کا شوربہ تیار ہوا یا نہیں۔۔۔ اس کا وقت ہوا چاہتا ہے" اس نے یہ بات کر کے پیری پر یوں ظاہر کیا جیسے وہ بیحد مصروف ہیں اور مصروفیت بھی اس کے باپ کیلئے ہے جبکہ ایک وہ ہے کہ اسے پریشان کرنے پر تلا ہے۔

اولگا باہر چلی گئی۔ پیری کچھ دیر کھڑا اپنی بہنوں کو دیکھتا رہا اور پھر جھک کر بولا "تو پھر میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں، مجھے بتا دینا کہ میں ان سے کب مل سکتا ہوں" وہ باہر نکل گیا اور اپنے پیچھے اپنی تل والی بہن کی دبی دبی مگر کھنکناتی ہنسی کی آواز سنی۔

اگلے دن شہزادہ وسیلے بھی آ گیا اور نواب کے گھر ڈیرہ جما لیا۔ اس نے پیری کو بلا بھیجا اور کہنے لگا "میرے عزیز، اگر تمہارا یہاں بھی وہی رویہ رہا جو پیٹرز برگ میں تھا تو تمہارا انجام اچھا نہ ہو گا۔ میں تم سے یہی کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ نواب بیحد بیمار ہیں، بیحد، اور تم ان سے نہیں مل سکتے"

اس وقت سے پیری کو کسی نے کچھ نہیں کہا تھا اور اس نے اپنا تمام دن اوپر اپنے کمرے میں گزارا۔ جب بورس اس کی جانب آیا تو وہ اپنے کمرے میں چکر لگا رہا تھا۔ وہ کبھی کمرے کے اس اور کبھی اس کونے میں رک جاتا اور دھمکی آمیز انداز میں دیواروں کی جانب اشارے کرتا جیسے کسی نادیدہ دشمن کے جسم میں نیزہ گھونپ رہا ہو، کبھی وہ اپنی عینک کے اوپر سے غصیلے انداز میں گھورنے لگتا اور دوبارہ چکر لگانے میں مصروف ہو جاتا۔ اس دوران وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتا، کندھے اچکاتا اور بازو لہرانے لگتا۔

اس نے غرا کر اپنی انگلی کسی نادیدہ شے کی جانب گھمائی اور بولا "انگلستان کا بیڑہ غرق ہو گیا! پٹ کو قوم سے غداری کی سزا مل کر رہے گی۔۔۔" قبل ازیں کہ پیری جو اس وقت خود کو نپولین تصور کر رہا تھا اور جس نے ابھی تصور میں رودبار انگلستان عبور کرنے کا خطرناک مرحلہ ہی طے نہیں کیا تھا بلکہ لندن کو بھی فتح کر لیا تھا، پٹ کو اس کے کیے کی سزا سناتا، اس نے ایک خوش شکل اور شاندار جسامت کے حامل نوجوان کو اندر داخل ہوتے دیکھا۔ اسے دیکھ کر وہ رک گیا۔ پیری نے بورس کو قبل ازیں اسوقت دیکھا تھا جب اس کی عمر چودہ برس تھی اور اب وہ اسے پہچان نہیں پا رہا تھا، تاہم اس نے اپنی عادت کے مطابق نووارد کا ہاتھ مسکراتے ہوئے تھام لیا اور دوستانہ انداز سے اس کا خیر مقدم کیا۔

بورس خوشگوار مسکراہٹ کے ساتھ پرسکون لہجے میں بولا" آپ نے مجھے پہچانا؟ میں اپنی والدہ کے ساتھ نواب سے ملنے آیا ہوں مگر معلوم ہوتا ہے کہ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے"

پیری نے جواب دیا" ہاں یہی لگتا ہے کہ وہ بیمار ہیں۔ لوگ ان کے آرام میں خلل ڈالتے ہیں" بات کرتے ہوئے پیری نے اس نوجوان کو پہچاننے کی کوشش کی۔

بورس کو اندازہ ہو گیا کہ پیری اسے نہیں پہچان سکا تاہم اس نے اپنا تعارف کرانا ضروری نہ سمجھا اور قطعاً شرمائے بغیر اسے انہماک سے تکتا رہا۔ پھر وہ طویل وقفے کے بعد جس میں پیری بے چینی محسوس کرنے لگا تھا، بولا" نواب رستوف نے آج آپ کو شام کے کھانے پر مدعو کیا ہے۔

پیری خوشی کے عالم میں بولا" اوہو۔ نواب رستوف، پھر تم ان کے بیٹے الیا ہو گے؟ کیا تم یقین کرو گے کہ پہلے لمحے میں تمہیں پہچان ہی نہیں سکا۔ کیا تمہیں یاد ہے کہ ہم مادام یاکو کے ساتھ چڑیوں کی پہاڑی پر جاتے تھے۔۔۔ بہت پرانی بات ہے؟

بورس نے قدرے پر تحقیر انداز میں مسکراتے ہوئے جواب دیا" آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں شہزادی اینا میخائلونا دروبتسکی کا بیٹا بورس ہوں۔ الیا رستوف خاندان کے والد کا نام ہے، ان کا بیٹا نکولائی ہے اور میں کسی مادام یاکو کو نہیں جانتا"

پیری نے سر اور بازو ہلائے جیسے اس پر شہد کی مکھیوں نے ہلہ بول دیا ہو۔ پھر کہنے لگا" اوہو یہ کیا! میں نے تو ہر شے گڈ مڈ کر دی۔ ماسکو میں اس قدر عزیز و اقارب ہیں! تم بورس ہو۔۔۔ ٹھیک۔ اچھا اب صورتحال واضح ہوئی۔ مجھے یہ بتاؤ کہ بولون کی مہم کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ تم جانتے ہو کہ نپولین نے رود بار عبور کر لیا تو انگلستان کیلئے مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ مجھے یقین ہے کہ مہم بیحد قابل عمل ہے بشرطیکہ ویلینیو سے کوئی حماقت سرزد نہ ہو جائے!"

بورس کو بولون مہم کے بارے میں کچھ بھی علم نہ تھا اور ویلینیو کا نام تو وہ پہلی مرتبہ سن رہا تھا۔ پیری کی بات کے جواب میں وہ اپنے خود ساختہ استہزائی انداز میں بولا" یہاں ماسکو میں ہم سیاست کی نسبت ڈنر پارٹیوں اور افواہوں میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں۔ مجھے اس بارے میں کچھ معلوم ہے نہ میں نے کبھی اس پر سوچا ہے۔ ماسکو کے باشندے کسی اور بات سے زیادہ افواہوں پر توجہ دیتے ہیں" وہ بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا" ان دنوں ان کی گفتگو کا موضوع آپ اور نواب صاحب ہیں"

پیری مہربان انداز میں مسکرایا جیسے اسے یہ خدشہ ہو کہ کہیں اس کے ساتھی کے منہ سے ایسی بات نہ نکل جائے جس پر اسے بعد میں پشیمانی کا سامنا ہو۔ مگر بورس پیری کے چہرے پر نظریں گاڑے ہر بات ڈنکے کی چوٹ پر، واضح اور خشک لہجے میں کر رہا تھا۔ اس نے کہا" ماسکو میں لوگوں کو گپ بازی کے سوا کوئی کام نہیں۔ ہر شخص یہ سوچ رہا ہے کہ نواب صاحب اپنی دولت کا وارث کسے بنائیں گے، حالانکہ شاید وہ ہم سب سے زیادہ دیر زندہ رہیں جیسا کہ مجھے خلوص سے امید ہے کہ وہ زندہ رہیں گے"

پیری نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا" ہاں، یہ سب کچھ قابل افسوس ہے، بیحد قابل افسوس" پیری کو ابھی تک یہ اندیشہ لاحق تھا کہ اس افسر نے جو گفتگو شروع کر دی ہے وہ بعد میں کہیں اس کیلئے خجالت کا باعث نہ بن جائے۔

بورس نے قدرے تمتماتے ہوئے مگر آواز میں تبدیلی لائے بغیر کہا" اور یہ بات آپ کو بھی معلوم ہو گئی ہو گی اور آپ نے بھی محسوس کر لیا ہو گا کہ ہر شخص اس سے کچھ نہ کچھ تھیانے کی فکر میں ہے"

پیری نے سوچا" کچھ ایسا ہی دکھائی دیتا ہے"

بورس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا" میں آپ کو یہی بتانا چاہتا تھا تاکہ غلط فہمی پیدا نہ ہو کہ اگر آپ نے مجھے اور میری والدہ کو بھی انہی لوگوں میں شمار کیا تو یہ آپ کی غلطی ہو گی۔ ہم بیحد مفلس ضرور ہیں مگر میں۔۔۔ کم از کم جہاں تک میرا تعلق ہے۔۔۔ محض اس لیے کہ آپ کے والد بے حد امیر ہیں میں خود کو ان کا رشتہ دار نہیں گردانتا، اور یہ کہ نہ میں اور نہ میری ماں کبھی ان سے کچھ لیں گے نہ اس کی درخواست کریں گے"

پیری کو اس کی بات سمجھنے میں خاصی دیر لگی مگر جب وہ سمجھ گیا تو صوفے سے چھلانگ لگائی اور بھونڈے انداز میں تیزی سے بورس کی کلائی پکڑ لی۔ پھر وہ بورس سے زیادہ شرماتے ہوئے خفت اور شرم کے ملے جلے جذبات میں بولا" اوہو، کیسی عجیب بات کر رہے ہو! تمہارا یہ خیال ہے کہ میں۔۔۔ تم نے یہ کیسے سوچ لیا۔۔۔ مجھے علم ہے۔۔۔"

مگر بورس نے اس کی بات دوبارہ کاٹی اور کہا" مجھے خوشی ہے کہ میں نے تمہیں سب کچھ صاف صاف بیان کر دیا ہے۔ اگر تمہیں میری باتیں پسند نہیں آئیں تو میں معذرت خواہ ہوں" اس نے پیری کی جانب سے اپنا اطمینان دور کئے جانے کی بجائے الٹا اسے مطمئن کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا" مگر مجھے امید ہے کہ میری باتوں سے آپ کے جذبات مجروح نہیں ہوئے ہوں گے۔ میرا اصول ہے کہ میں ہر بات سیدھے سادے انداز میں کہتا ہوں۔۔۔ خیر مجھے یہ بتائیں کہ میں انہیں کیا جواب دوں؟ کیا آپ رستوف خاندان کے ڈنر میں شرکت کریں گے؟"

بورس بھاری اور ناخوشگوار فرض بجالانے اور خود کو بھونڈی صورتحال سے نکال کر دوسرے کو اس میں پھنسانے کے بعد خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔

پیری دوبارہ پرسکون ہونے کے بعد بولا" سنو، تم حیران کن شخص ہو۔ تم نے جو بات کی وہ بہت اچھی بلکہ بہت ہی اچھی تھی۔ یقیناً تم مجھے نہیں جانتے، طویل عرصہ سے ہماری ملاقات نہیں ہوئی۔۔۔ اس وقت سے جب ہم بچے تھے۔۔۔ تم شاید سوچ رہے ہو کہ میں۔۔۔ میں سمجھ گیا، بالکل اچھی طرح سمجھ گیا۔ میں خود بھی یہ کبھی نہ کر سکتا، مجھ میں اسقدر حوصلہ نہیں لیکن یہ بیحد شاندار ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ تم سے جان پہچان ہو گئی۔ کس قدر عجیب بات ہے۔" کچھ توقف کے بعد وہ مسکراتے ہوئے کہنے لگا" تم میرے بارے میں اس طرح سوچتے ہو" وہ ہنسا اور پھر بورس کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا" خیر چھوڑو اس سے کیا ہوتا ہے، مجھے امید ہے کہ ہم ایک دوسرے کو بہتر طور سے سمجھنے لگیں گے۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں نواب سے ایک مرتبہ بھی نہیں مل سکا۔ انہوں نے مجھے بلایا بھی نہیں۔ بحیثیت انسان مجھے ان پر ترس آتا ہے۔۔۔ مگر کوئی کیا کر سکتا ہے؟"

بورس نے مسکراتے ہوئے پوچھا" تو آپ کا خیال ہے کہ نپولین اپنی فوجیں رود بار کے پار لے جانے میں کامیاب ہو جائے گا"

پیری کو احساس ہو گیا کہ بورس گفتگو کا موضوع بدلنا چاہتا ہے چنانچہ اس نے بولون مہم کے فوائد اور مشکلات کی وضاحت شروع کر دی۔ کچھ دیر بعد ایک خدمت گار بورس کیلئے اینا میخائلونا کا بلاوا لے کر آ گیا۔ وہ واپس جا رہی تھی۔ پیری نے ڈنر میں شرکت کا وعدہ کیا کہ اس طرح وہ بورس کو زیادہ اچھی طرح جان سکے گا اور بوقت رخصت اپنی عینک کے اوپر سے جھانکتے ہوئے دوستانہ انداز میں مسکرا کر اس کا ہاتھ دبایا۔ جب وہ چلا گیا تو پیری کچھ دیر اپنے کمرے میں ادھر ادھر ٹہلتا رہا۔ اس مرتبہ وہ اپنے کسی خیالی دشمن پر حملہ آور ہونے کی بجائے دلکش، ذہین اور پرعزم نوجوان کو یاد کر کے مسکرا رہا تھا۔ جیسا کہ نوعمر افراد کے ساتھ ہوتا ہے خاص طور پر جبکہ وہ تنہائی کا شکار ہوں، پیری کے دل میں بھی اس نوجوان

کے بارے میں نا قابل توجیح شفقت کے جذبات ابھر آئے اور اس نے بورس سے دوستی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

ادھر شہزادہ ویسلے شہزادی اینا میخائلوونا کو استقبالیہ کمرے تک چھوڑنے آیا۔ اینا نے آنکھوں پر رومال رکھا ہوا تھا اور اس کی حالت تقریباً رو دینے والی ہو چکی تھی۔ وہ کہنے لگی" ان کی حالت تشویشناک حد تک خراب ہے، تاہم کچھ بھی ہو جائے میں اپنا فرض ضرور نبھاؤں گی۔ میں یہاں رات رہنے کیلئے دوبارہ آؤں گی۔ ہر لمحہ قیمتی ہے، میں نہیں سمجھتی کہ ان کی بھانجیوں نے اس کام کو ابھی تک التواء میں کیوں ڈال رکھا ہے۔ بہر حال خدا کی مدد سے میں انہیں تیار کرنے کا کوئی طریقہ ڈھونڈ نکالوں گی۔ اچھا شہزادے، خدا حافظ۔۔۔"

شہزادہ ویسلے نے مڑتے ہوئے جواب دیا" خدا حافظ میری مہربان"

گاڑی میں بیٹھتے ہوئے ماں اپنے بیٹے سے بولی" ان کی حالت بے حد تشویشناک ہے، وہ کسی کو نہیں پہچانتے"

بورس بولا" امی مجھے سمجھ نہیں آتا، پیری کے بارے میں ان کا کیا رویہ ہے؟"

اینا نے جواب دیا" میرے پیارے، وصیت سے سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ ہمارے مقدر کا انحصار بھی اسی پر ہے۔۔۔"

بورس نے پوچھا" مگر آپ نے یہ کیسے سوچ لیا کہ وہ ہمارے لیے کچھ چھوڑ جائیں گے؟"

ماں بولی" اوہ میرے بیٹے وہ بیحد امیر ہیں اور ہم اسی قدر غریب"

بیٹے نے جواباً کہا" امی! یہ تو کوئی خاص وجہ نہ ہوئی"

ماں چلائی" اوہ میرے خدایا، وہ کس قدر بیمار ہیں، وہ کس قدر بیمار ہیں"

(14)

جب اینا میخائلوونا اپنے بیٹے کے ہمراہ نواب کیرل ولادی میرووچ بیزوخوف سے ملنے چلی گئی تو بیگم رستوف کافی دیر تک اکیلی بیٹھی رہی، وہ بار بار رومال سے اپنی آنکھیں پونچھ رہی تھی۔ آخر کار اس نے گھنٹی بجائی۔

خادمہ آئی تو بیگم رستوف نے اسے غصہ سے کہا" بھئی کیا بات ہے؟ اگر تمہیں میری خدمت کرنا پسند نہیں تو تمہیں کوئی اور کام سونپ دیتی ہوں" وہ اس کے دیر سے آنے پر برہم تھی۔ اپنی سہیلی کی بدنصیبی اور شرمناک غربت نے بیگم رستوف کی طبیعت خراب کر دی تھی اور جب بھی اس کی یہ کیفیت ہوتی وہ اپنے ملازمین کو اسی انداز میں مخاطب کرتی تھی۔

خادمہ نے جواب دیا" میں بیحد شرمندہ ہوں"

بیگم نے اسے حکم دیا" جاؤ اور نواب کو بلا لاؤ"

نواب جھومتا جھامتا چلا آیا اور حسب معمول ایسا دکھائی دے رہا تھا جیسے کسی جرم پر نادم ہو۔ بیگم کو دیکھ کر وہ کہنے لگا" ننھی بیگم! کیا غضب کی مرغی بھنی ہے۔ میں نے طارس باورچی کو ایک ہزار روبل دے کر غلط نہیں کیا۔ وہ اس کا مستحق ہے!"

بات مکمل کرنے کے بعد وہ اپنی بیوی کے قریب بیٹھ گیا، دونوں کہنیاں گھٹنوں پر ٹکا لیں اور اپنے سرمئی بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا۔ اس نے پوچھا" ننھی بیگم، کیا حکم ہے؟"

بیگم بولی" بات یہ ہے پیارے۔۔۔ ارے، یہ داغ کہاں سے آ گیا؟" اس نے نواب کی واسکٹ کی جانب اشارہ کیا اور پھر کہنے لگی" بات یہ ہے کہ مجھے کچھ رقم درکار ہے" یہ بات کہتے ہوئے اس کے چہرے پر اداسی کے بادل چھا گئے۔

نواب کے منہ سے نکلا" اوہ ننھی بیگم۔۔۔" اور پھر وہ اپنا بٹوہ ٹٹولنے لگا۔

بیگم نے اسے کہا" نواب مجھے خاصی رقم چاہیے۔ مجھے پانچ سو روبل درکار ہیں" اور اپنا سوتی رومال نکال کر خاوند کی واسکٹ سے داغ صاف کرنے لگی۔

کاؤنٹ اچانک بلند آواز سے بولا" ایک منٹ، بس ایک منٹ، ارے، یہاں کون ہے؟ متنکا کو میری جانب بھیجو!" اس کا لہجہ اس شخص کی طرح تھا جسے یقین ہو کہ وہ جس شخص کو بھی بلائے گا وہ دوڑا دوڑا اس کے پاس حاضر ہو جائے گا۔ متنکا اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتا تھا، اس کی پرورش نواب کے گھر ہی میں ہوئی تھی اور اب وہ اس کے تمام مالی معاملات کا نگران تھا۔ وہ آہستگی سے چلتا ہوا کمرے میں داخل ہوا تو نواب نے اسے کہا" ادھر آؤ عزیز نوجوان! میرے لیے۔۔۔" اس نے کچھ دیر سوچا اور پھر کہنے لگا" ہاں، سات سو روبل لے آؤ، ہاں، اور یاد رکھنا پچھلی مرتبہ کی طرح نوٹ پھٹے اور میلے نہ ہوں بلکہ عمدہ ہوں، بیگم کو پیش کرنا ہیں"

بیگم نے اداس آہ بھرتے ہوئے کہا" ہاں متنکا، براہ مہربانی صاف نوٹ لانا"

متنکا نے پوچھا" عالی جاہ! آپ کو یہ نوٹ کب چاہئیں؟ حضور جانتے ہیں کہ۔۔۔ مگر کوئی مسئلہ نہیں" اس نے نواب کے چہرے پر غصے کے تاثرات نمودار ہوتے دیکھ کر فوراً بات بدل دی اور جلدی سے بولا" میں بھول رہا تھا۔۔۔ کیا میں یہ نوٹ ابھی لے آؤں"

نواب نے جواب دیا" ہاں، ہاں بالکل ابھی لاؤ اور انہیں بیگم صاحبہ کی خدمت میں پیش کرو" جب متنکا چلا گیا تو وہ مسکراتے ہوئے کہنے لگا" یہ متنکا بھی کس قدر قابل شخص ہے، ناممکن کا لفظ تو جانتا ہی نہیں، یہی بات مجھ سے برداشت نہیں ہوتی، سب کچھ ممکن ہے"

بیگم نے کہا" آہ، روپیہ، نواب، روپیہ دنیا میں کس قدر دکھوں کا باعث بنتا ہے، مجھے اس رقم کی شدید ضرورت ہے"

نواب نے جواباً کہا" ننھی بیگم، آپ کی فضول خرچیوں سے بھی واقف ہیں" یہ کہہ کر اس نے بیگم کے ہاتھ پر بوسہ ثبت کیا اور دوبارہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔

جب اینا میخائلوونا بیزوخوف کے ہاں سے واپس آئی تو نئے نوٹوں پر مشتمل رقم پہلے ہی بیگم رستوف کی چھوٹی میز پر رومال تلے دھری تھی۔ اینا میخائلوونا کو احساس ہو گیا کہ بیگم کسی بات سے مضطرب ہے۔ بیگم نے اس سے پوچھا" پیاری، کیا خبر ہے؟"

اینا نے جواب دیا" اف، ان کی حالت بے حد تشویشناک ہے! وہ اس قدر بیمار ہیں، اس قدر کہ ان کی شکل پہچانی نہیں جاتی۔ میں صرف ایک منٹ وہاں رکی اور دو لفظ بھی نہ کہہ سکی"

بیگم رستوف اچانک بولی" آنیت، خدا کیلئے مجھے انکار مت کرنا" یہ بات کہتے ہوئے اس کے گالوں پر سرخی نمودار ہو گئی جو اس کے بزرگانہ، ڈھلے پتلے اور باوقار چہرے پر عجیب معلوم ہوتی تھی۔ یہ کہتے ہوئے اس نے رومال کے نیچے سے رقم نکال لی۔ اینا میخائلوونا فوراً صورتحال جان گئی اور نیچے جھک گئی تا کہ مناسب وقت پر اس سے بغلگیر ہو سکے۔

بیگم نے رقم اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا" یہ میری طرف سے بورس کیلئے ہے، تاکہ وہ ساز وسامان۔۔۔"

اینا میخائلونا پہلے ہی اس سے بغلگیر ہو چکی تھی اور رو رہی تھی۔ بیگم رستوف بھی رونے لگی۔ ان کے رونے کا سبب ان کی دوستی و نرم دلی تھا اور یہ کہ دونوں بچپن کی دوست تھیں تو پھر کیا انہیں روپے پیسے جیسی گھٹیا شے کیلئے تشویش ہونا چاہیے تھی، ان کی جوانی بیت چکی تھی۔۔۔ لیکن ان کے آنسو دونوں کو راحت پہنچا رہے تھے۔

(15)

بیگم رستوف اپنی بیٹیوں اور مہمانوں کی کثیر تعداد کے ساتھ ڈرائنگ روم میں بیٹھی تھی۔ نواب تقریب میں شریک مہمانوں کو اپنے کمرے میں لے گیا جہاں انہیں ترکی تمباکو کے خاص پائپ پیش کیے گئے۔ نواب وقتاً فوقتاً کمرے سے باہر جاتا اور دریافت کرتا" کیا وہ آ گئی ہیں؟" انہیں ماریا متریونا آخروسیموو کا انتظار تھا جو اعلیٰ طبقے میں "خوفناک اژدھن" کہلاتی تھی، وہ ایسی خاتون تھی جس کی شہرت کا سبب دولت یا عہدے کی بجائے اس کی راست گوئی اور کھرا و غیر رسمی رویہ تھا۔ ماریا متریونا کی شاہی خاندان سے بھی راہ و رسم تھی۔ اسے ماسکو اور پیٹرزبرگ میں تمام لوگ جانتے تھے اور دونوں شہروں کے لوگ اس کے بارے میں تعجب کا اظہار کرتے، دل ہی دل میں اس کی بدتمیزیوں پر ہنستے اور ایک دوسرے کو اس سے متعلق مزاحیہ قصے سناتے تاہم اس کے باوجود سب لوگ بلاتفریق اس سے ڈرتے اور اس کا احترام کرتے تھے۔

نواب رستوف کا کمرہ دھوئیں سے بھرا تھا جہاں جنگ اور فوجیوں کی بھرتی پر گفتگو ہو رہی تھی جس کا اعلان نامہ جاری ہو چکا تھا۔ یہ اعلان نامہ ابھی تک کسی کی نظر سے نہیں گزرا تھا مگر ہر شخص اس کی اہمیت سے آگاہ تھا۔ نواب دو مہمانوں کے درمیان گدے دار چوکی پر بیٹھا تھا جو کش لگا رہے اور آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ نواب خود پائپ پی رہا تھا نہ باتیں کر رہا تھا البتہ اس کا سر کبھی دائیں اور کبھی بائیں گھومتا، وہ دونوں کو ایسی مسرت سے دیکھ رہا تھا جو چھپائے نہیں چھپتی تھی اور انہیں بحث کرتے غور سے دیکھ رہا تھا جو اس نے خود شروع کرائی تھی۔

ان دونوں میں سے ایک دبلے پتلے، جھریوں والے، چڑچڑے اور صفاچٹ چہرے کا مالک عام شہری تھا۔ اگرچہ وہ ادھیڑ عمری میں داخل ہو چکا تھا تاہم اس کا لباس انتہائی فیشن زدہ نوجوانوں سے کم نہیں تھا۔ وہ گدی دار صوفے پر پاؤں یوں رکھے ہوئے تھا جیسے اپنے گھر میں بیٹھا ہو۔ اس نے پائپ کا دہانہ منہ کے ایک کونے میں دبا رکھا تھا اور بار بار کش لیتے ہوئے اپنا چہرہ سکیڑ لیتا۔ یہ بیگم رستوف کا غیر شادی شدہ چچازاد بھائی شن شن تھا جو ماسکو کے حلقوں میں اپنی زہریلی زبان کے حوالے سے مشہور تھا۔ اپنے طور طریقوں سے وہ اپنے ساتھی سے برتر دکھائی دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کا یہ ساتھی تر و تازہ اور گلابی گالوں والا گارڈ افسر تھا جس نے اچھی طرح نہا دھو کر صاف ستھرا لباس زیب تن کر رکھا تھا۔ اس نے پائپ اپنے منہ کے درمیان میں دبا رکھا تھا، وہ نہایت نفاست سے دھواں اندر کھینچتا اور مرغولوں کی صورت میں اسے اپنے سرخ ہونٹوں کے ذریعے باہر نکال دیتا۔ یہ سیمی نووسکی رجمنٹ کا افسر لیفٹیننٹ برگ تھا جس کے ساتھ بورس نے روانہ ہونا تھا اور یہی وہ شخص تھا جس کے بارے میں نتاشا نے ویرا کو طعنہ دیا تھا کہ وہ اس کا منگیتر ہے۔ نواب دونوں کے درمیان بیٹھا ان کی باتیں غور سے سن رہا تھا۔ اس کے پسندیدہ ترین مشاغل تاش کا کھیل بوسٹن جس کا وہ بیحد شوقین تھا اور دوسروں کی بحث سننا تھے، خصوصاً اس وقت جب وہ دو باتونی دوستوں کا ایک دوسرے

سے ٹاکرا کرانے میں کامیاب ہو جاتا تھا۔

شن شن طنزیہ انداز میں ہنستے ہوئے بولا" اچھا، تو عزت مآب الفانسے کارلچ، آپ نے حساب لگایا ہے کہ حکومت سے آمدنی کے ساتھ ساتھ آپ اپنی کمپنی سے بھی تھوڑا بہت وصول کر لیں گے" اس نے یہ بات روزمرہ روسی زبان میں اعلیٰ فرانسیسی کی آمیزش کرتے ہوئے کہی جو اس کی گفتگو کی خاصیت تھی۔

برگ نے جواب دیا" نہیں پیٹر نکولیچ، میں صرف یہ بتانا چاہتا تھا کہ پیادہ کے مقابلے میں گھڑسوار فوج میں فوائد کم ہیں۔ مثال کے طور پر ذرا میری صورتحال پر غور کریں" برگ کا لہجہ دھیما اور شائستہ ہوتا تھا اور وہ ہمیشہ اپنے بارے میں ہی بات کرتا تھا۔ جب کسی ایسے موضوع پر گفتگو ہوتی جس کا اس سے تعلق نہ ہو تو وہ خاموش ہو جاتا اور وہ ایک وقت میں کئی کئی گھنٹے خاموش بیٹھ سکتا تھا، اس دوران وہ خود شرمندہ ہوتا نہ کسی اور کو شرمسار ہونے دیتا۔ مگر جونہی بات چیت کا رخ اس کی جانب ہوتا تو وہ بلا تکان بولنا شروع کر دیتا اور دیکھنے والوں کو نظر آتا کہ وہ اپنی گفتگو سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔

برگ نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا" پیٹر نکولیچ، میری صورتحال پر غور کریں، اگر میں گھڑسوار فوج میں رہتا تو لیفٹیننٹ کی حیثیت سے بھی ہر چار ماہ بعد دو سو روبل سے زائد حاصل نہ کر پاتا جبکہ ادھر مجھے دو سو تیس روبل ملتے ہیں" اس نے یہ بات کہتے ہوئے شن شن اور نواب کو مسکرا کر دیکھا جیسے اسے اس بارے قطعاً شبہ نہ ہو کہ اس جیسی کامیابی ہر شخص کا مطمع نظر ہوتی ہے۔ اس نے کش لے کر دھواں اڑایا اور کہنے لگا" اس کے علاوہ پیٹر نکولیچ صاحب گارڈز میں تبادلے سے ایک فائدہ یہ ہو گا کہ میں نظروں کے سامنے رہوں گا اور پیادہ فوج میں اسامیاں تیزی سے خالی ہوتی رہتی ہیں۔ علاوہ ازیں آپ یہ سوچیں کہ میں دو سو تیس روبل سے کیا کچھ نہیں کر سکتا۔ میں کچھ رقم بچا لیتا ہوں اور کچھ اپنے والد کو بھی بھیج دیتا ہوں۔

شن شن نے پائپ منہ کے دوسرے کونے میں منتقل کرتے ہوئے نواب کو آنکھ ماری اور کہنے لگا" ایک کہاوت ہے کہ جرمن کلہاڑے میں سے بھی گندم نکال لیتا ہے"

نواب کھلکھلا کر ہنس دیا۔ شن شن کو بولتا دیکھ دیگر مہمان بھی ان کے قریب آ گئے۔ برگ لوگوں کی طنزیہ ہنسی اور بے اعتنائی کی پروا نہ کرتے ہوئے یہ بتانے میں مشغول ہو گیا کہ گارڈز میں تبدیل ہونے کے نتیجے میں وہ اپنے پرانے ساتھیوں سے کیسے آگے نکل گیا ہے اور جنگ کے دوران کمپنی کا کمانڈر ہلاک بھی ہو سکتا ہے اور اس کے نائب کی حیثیت سے وہ باآسانی اس کی جگہ لے سکتا ہے، اور یہ کہ رجمنٹ میں ہر شخص اسے پسند کرتا ہے اور اس کا والد اس سے بیحد خوش ہے۔ یہ بات ظاہر تھی کہ برگ اپنی باتوں سے لطف اندوز ہو رہا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے اسے اس بات کا اندازہ نہیں کہ لوگوں کو دیگر چیزوں میں بھی دلچسپی ہو سکتی ہے۔ البتہ اس کا انداز گفتگو اس قدر عمدہ اور سادہ تھا اور اس کی بچگانہ انا پرستی اس قدر واضح تھی کہ اس نے سننے والوں سے ہتھیار ڈلوا لیے۔

شن شن نے گدے دار چوکی سے پاؤں ہٹائے اور اس کے کندھے پر تھپکی دیتے ہوئے بولا" خیر، میرے اچھے دوست تم پیادہ فوج میں رہو یا گھڑسوار میں، میری پیشگوئی ہے کہ تم ترقی کرو گے" برگ خوش دلی سے مسکرایا۔ نواب اپنے مہمانوں کو دوبارہ ڈرائنگ روم میں لے گیا۔

☆☆☆

یہ کھانے سے قبل وہ وقفہ تھا جب مہمان اس توقع پر کہ ڈائننگ روم میں جانے کا بلاوا آیا ہی چاہتا ہے طویل

گفتگو سے اجتناب کرتے ہیں تاہم اس کے ساتھ ساتھ وہ ادھر ادھر گھومنا اور کچھ نہ کچھ بولنا بھی ضروری خیال کرتے ہیں تاکہ یہ ظاہر کیا جائے کہ وہ دسترخوان تک پہنچنے کیلئے قطعاً بے چین نہیں ہیں۔ میزبان میاں بیوی مسلسل دروازے کی جانب دیکھتے رہتے ہیں اور کبھی کبھار ایک دوسرے پر بھی نظر ڈال لیتے ہیں۔ ان اشاروں سے مہمان یہ اندازہ لگانے کی کوشش کرتے ہیں کہ کس بات کا انتظار ہے، کسی اہم مہمان نے آنا ہے یا کوئی ڈش ابھی تیار نہیں ہوئی۔

پیری عین کھانے کے وقت پہنچا اور ڈرائنگ روم کے وسط میں جو پہلی کرسی نظر آئی اسی پر بھونڈے انداز سے بیٹھ گیا، یوں اس نے دوسروں کے گزرنے کا راستہ روک دیا تھا۔ بیگم رستوف نے اس سے گفتگو کی کوشش کی مگر وہ اپنی عینک کے اوپر سے ادھر ادھر دیکھتا رہا جیسے کسی کا انتظار کر رہا ہو اور بیگم کی باتوں کے جواب میں ہوں ہاں پر ہی اکتفا کیا۔ وہ راستے میں بیٹھا تھا اور کمرے میں موجود واحد شخص تھا جسے اس بات کا احساس نہ تھا۔ مہمانوں کی اکثریت ریچھ والے واقعہ سے آگاہ تھی اور اس قوی الجثہ، بٹے کٹے اور بے ضرر دکھائی دینے والے شخص کو تجسس سے دیکھ رہی تھی۔ انہیں تعجب تھا کہ اس جیسا خاموش طبع اور آرام طلب شخص ایسی شرارت کیسے کر سکتا ہے۔

بیگم رستوف نے اس سے پوچھا "تم حال ہی میں پہنچے ہو گے؟"

پیری نے جواب دیا "جی ہاں مادام"

بیگم نے دوسرا سوال داغا "تم میرے خاوند سے نہیں ملے؟"

پیری بے تکے انداز میں مسکراتے ہوئے بولا "جی نہیں مادام"

بیگم نے پوچھا "میرا خیال ہے کہ کچھ عرصہ قبل تم پیرس میں تھے؟ دلچسپ جگہ ہو گی؟"

پیری نے مختصر جواب دیا "بیحد دلچسپ"

بیگم نے اینا میخائلونا سے نگاہوں کا تبادلہ کیا۔ اینا کو احساس ہوا جیسے اسے نوجوان سے بات چیت کو کہا گیا ہے چنانچہ وہ اس کے قریب بیٹھ گئی اور اس کے والد کے بارے میں گفتگو کرنے لگی مگر پیری نے بیگم رستوف کی طرح اسے بھی ہوں ہاں میں جوابات دیے۔ دیگر تمام مہمان آپس میں بات چیت میں مصروف تھے "رازوموسکی۔۔۔۔ بے حد دلکش تھا۔۔۔ آپ کی بڑی عنایت ہے۔۔۔ بیگم اپراکسن۔۔۔"

جیسے الفاظ تمام اطراف سے سنائی دے رہے تھے۔ بیگم اٹھی اور استقبالیہ ہال کی جانب چلی گئی۔

اس کی آواز سنائی دی "ماریا متریونا"

جواباً ایک کرخت آواز ابھری "جی ہاں، میں ہی ہوں" اور فوری بعد ماریا متریونا کمرے میں داخل ہوئی۔ معمر خواتین کے علاوہ تمام لڑکیاں اور خواتین اٹھ کھڑی ہوئیں۔ قوی جسامت کی حامل پچاس سالہ ماریا متریونا دروازے میں کھڑی تھی۔ اس کے بال گھنگھریالے تھے اور وہ سیدھی کھڑی ہو کر بظاہر اپنے لباس کی فراخ آستینیں درست کرتے ہوئے حقیقتاً اپنے مہمانوں کا غور سے جائزہ لے رہی تھی۔ وہ ہمیشہ روسی زبان میں گفتگو کرتی تھی۔

اس نے کہا "میں اس خاتون اور اس کے بچوں کیلئے جس کا نام دن منایا جا رہا ہے صحت اور خوشی کی دعا کرتی ہوں" ماریا متریونا نے یہ بات اپنی بلند اور گھمبیر آواز میں کہی جس کے شور میں باقی تمام آوازیں دب گئیں۔ پھر وہ نواب جو اس کے ہاتھ کا بوسہ لے رہا تھا سے کہا "اچھا تو پرانے پاپی تمہارا کیا حال ہے؟ میرا خیال ہے کہ تم ماسکو سے بور ہو گئے ہو گے؟ کتوں کے ساتھ شکار پر جانے کا موقع نہیں ملتا ہو گا؟ لیکن اے اچھے شخص، کیا ہو سکتا ہے؟" پھر وہ لڑکیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی "یہ نوخیز بڑی ہو رہی ہیں، چاہو یا نہ چاہو بہرحال تمہیں ان کیلئے رشتے تلاش کرنا ہی ہوں گے۔

پھر وہ نتاشا، جو خوش خوش اور بلاجھجک اس کے ہاتھ پر بوسہ دینے آ رہی تھی، کے بازو پر تھپکی دیتے ہوئے بولی "خیر، میری قازق کیسی ہے؟ (ماریا متریونا نتاشا کو قازق کہہ کر پکارتی تھی) میں جانتی ہوں کہ تم چڑیل ہو مگر میں تمہیں پسند کرتی ہوں"

اس نے اپنے بھاری بھرکم بیگ میں سے جواہر جڑے دو آویزے نکالے اور انہیں نتاشا کو پہنا دیا جس کا چہرہ سالگرہ کی خوشی سے دمک رہا تھا، اور پھر یکلخت پیری کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے کہنے لگی "او، جناب ادھر آیئے!" اس کی آواز میں مصنوعی ملائمت اور دھیما پن تھا" وہ پھر بولی "ادھر آیئے، جناب۔۔۔" اور دھمکی آمیز انداز میں اپنی آستینیں چڑھالیں۔

پیری آگے بڑھ آیا اور عینک کے اوپر سے اسے معصومیت سے دیکھنے لگا۔

ماریا نے کہا "آگے آؤ، آگے آؤ، جناب! جب تمہارا باپ دربار میں اثر و رسوخ کا مالک تھا تو میں واحد ہستی تھی جو کچی بات اس کے منہ پر کہہ دیا کرتی تھی اور تمہارے معاملے میں بھی یہ میرا فرض بنتا ہے" اس نے کچھ توقف کیا۔ تمام لوگ دم سادھے ہوئے تھے اور محسوس کر رہے تھے کہ ابھی تو آغاز ہے اور آگے نجانے کیا ہو گا۔ ماریا بات آگے بڑھاتے ہوئے بولی "مزے کے آدمی ہو، اس میں کوئی شک نہیں کہ تم بڑے مزے کے آدمی ہو!۔۔۔ باپ بستر مرگ پر پڑا ہے اور یہ پولیس اہلکار کو ریچھ پر بٹھا کر جی بہلاتا ہے! شرم آنی چاہیے جناب، شرم! اس سے تو بہتر تھا کہ تم جنگ پر چلے جاتے"

یہ کہہ کر وہ ایک جانب ہٹی اور اپنا ہاتھ نواب کے ہاتھ میں دے دیا جو بمشکل اپنی ہنسی ضبط کر رہا تھا۔ اس نے نواب سے کہا "خیر چھوڑو، میرا خیال ہے کہ کھانا تیار ہو گا، کیا کہتے ہو" نواب اس کے ساتھ آگے آگے چل دیا۔ ان کے پیچھے پیچھے بیگم گھڑ سوار فوج کے کرنل کا بازو تھامے چلی آ رہی تھی، یہ نہایت اہم شخص تھا کیونکہ نکولائی نے اسی کی کمپنی کے ساتھ جا کر اپنی رجمنٹ میں شامل ہونا تھا۔ ان کے بعد اینا میخائلونا اور شن شن تھے۔ برگ نے اپنا ہاتھ ویرا کو تھما رکھا تھا جبکہ جولی کاراگن نکولائی کے ساتھ آ رہی تھی۔

ان کے پیچھے پیچھے دیگر جوڑے چلے آ رہے تھے جن کی طویل قطار ہال کے ایک سرے سے دوسرے تک پھیل چکی تھی۔ سب سے آخر میں بچے تھے جو اپنے اتالیقوں اور گورنسوں کے ساتھ آ رہے تھے۔ ملازمین کا جم غفیر ادھر ادھر بھاگ رہا تھا اور کرسیاں ایک دوسرے سے رگڑ کھا رہی تھیں۔ جب مہمان اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے تو آرکسٹرا بجنے لگا۔ کچھ ہی دیر میں نواب کے نجی بینڈ کی تانیں چھری کانٹوں کی کھنکناہٹ، مہمانوں کی گفتگو اور بیروں کے قدموں کی دبی آہٹوں میں دب گئیں۔ بیگم رستوف میز کے ایک سرے پر بیٹھی تھی۔ اس کی دائیں جانب ماریا متریونا جبکہ بائیں طرف اینا میخائلونا اور تقریب کی دیگر خواتین موجود تھیں۔ میز کے دوسرے سرے پر نواب فروکش تھا جس کی بائیں جانب گھڑ سوار فوج کا کرنل اور بائیں طرف شن شن و دیگر مرد مہمان براجمان تھے۔ بڑی میز کی ایک جانب نوجوان زیادہ تر نوجوان بیٹھے تھے جن میں ویرا برگ اور پیری بورس کے ساتھ موجود تھا۔ دوسری طرف بچے اپنے اتالیقوں اور گورنسوں کے ساتھ بیٹھے تھے۔ نواب صراحیوں اور پھلوں کی ڈشوں کے عقب سے اپنی بیوی دیکھتا جاتا جس نے نیلے ربن والی اونچی ٹوپی پہن رکھی تھی اور اپنے دائیں بائیں بیٹھے افراد کے گلاس بھرتا جاتا تاہم اپنا گلاس بھرنا نہ بھولتا تھا۔ بیگم رستوف بھی میزبان کی حیثیت سے اپنے فرائض سے صرف نظر کیے بغیر اناسوں کے عقب سے اپنے خاوند کو بار بار معنی خیز نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اسے اپنے خاوند کا چہرہ اور گنجا سر اس کے سرمئی بالوں کے مقابلے میں زیادہ کھل رہا تھا۔ میز کی اس

جانب جہاں خواتین بیٹھی تھیں آوازوں کی بھنبھناہٹ مسلسل سنائی دے رہی تھی مگر مردوں کی طرف آوازیں بلند سے بلند تر ہوتی چلی جارہی تھیں، خاص طور پر گھڑسوار فوج کے کرنل کی آواز سب سے اونچی تھی۔ وہ کچھ زیادہ ہی تحتمار ہا تھا اور اس قدر زیادہ مقدار میں کھاپی رہا تھا کہ نواب کو اسے دوسروں کے سامنے نمونے کے طور پر پیش کرنا پڑا۔ برگ دھیمی مسکراہٹ سے ویرا کو یہ بتانے میں مصروف تھا کہ محبت زمینی نہیں بلکہ آسمانی جذبہ ہے، بورس سامنے بیٹھی نتاشا سے نگاہوں کا تبادلہ کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے نئے دوست پیری کو مہمانوں کے نام بتانے میں مصروف تھا۔ پیری بہت کم بول رہا تھا اور اس کی تمام تر توجہ نئے چہروں اور کھانے پر تھی۔ کھانے کے آغاز میں جو دو سوپ پیش کئے گئے ان میں سے اس نے جنگلی فاختہ کے سوپ کو ترجیح دی۔ اس کے بعد مچھلی کی پائیوں سے مرغی کے گوشت کی کوئی ڈش اس نے نہ چھوڑی اور ہر اس شراب سے استفادہ کیا جو بٹلر اس کے پاس لایا۔ بٹلر رومال میں لپٹی انواع واقسام کی شراب کی بوتلیں پراسرار انداز میں اس کے ہمسائے کے کندھے کے اوپر سے دھکیل کر اس کے سامنے کر دیتا اور اسے زیر لب بتاتا جاتا کہ یہ خشک مدیرا ہے، ہنگری کی شراب ہے یا رائن کی وائن۔ ہر مہمان کے سامنے شیشے کے چار گلاس دھرے تھے جن پر نواب کا نشان کندہ تھا۔ پیری ان میں سے ایک گلاس اٹلے سیدھے انداز میں اٹھاتا مہمانوں کو پر لطف انداز میں دیکھ مزے سے پینے لگتا جن میں ہر آن اضافہ ہو رہا تھا۔ نتاشا جو اس کے سامنے بیٹھی تھی بورس کو یوں دیکھ رہی تھی جیسے تیرہ سالہ لڑکی اس لڑکے کو دیکھتی ہے جس کا وہ اولین بوسہ لے چکی ہو اور جس کی محبت میں گرفتار ہو چکی ہو۔ کبھی کبھار اس کی نگاہ پیری پر جا ٹکتی۔ وہ جب یہ دیکھتا کہ دلچسپ اور ننھی منی کھلنڈری لڑکی اسے دیکھ رہی ہے تو اس کا جی چاہتا کہ قہقہے لگاتا چلا جائے، تاہم اس کی وجہ وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔

نکولائی سونیا سے کچھ دور جولی کاراگن کے ساتھ بیٹھا تھا اور پھر وہی لاشعوری مسکراہٹ چہرے پر سجائے اس سے باتیں کر رہا تھا۔ سونیا کے چہرے پر بھی مسکراہٹ تھی مگر صاف ظاہر ہوتا تھا کہ حسد کے مارے اس کی حالت غیر ہو رہی ہے۔ کبھی اس کا چہرہ پیلا پڑ جاتا اور کبھی قرمزی اور اس کی تمام تر توجہ نکولائی اور جولی کی گفتگو سننے پر مرکوز تھی۔ ایک گورنس مضطربانہ انداز میں ادھر ادھر دیکھ رہی تھی جیسے کسی نے بچوں کو گھور کر دیکھا تو اس پر پل پڑے گی۔ جرمن اتالیق تمام اقسام کی ڈشوں، مٹھائیوں اور شرابوں کے نام یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا تاکہ یہ تمام تفصیلات لکھ کر جرمنی بھیج سکے، اسے اس وقت بیحد غصہ آیا جب رومال میں لپٹی بوتل پکڑے ایک خانساماں اس کی طرف دیکھے بغیر آگے نکل گیا۔ جرمن کے ماتھے پر بل پڑ گئے اور وہ یہ ظاہر کرنے لگا جیسے اسے اس شراب کی طلب نہیں ہے لیکن اس کے جذبات کو ٹھیس اس بات سے پہنچی ہے کہ کوئی نہیں جو یہ سمجھ سکے کہ وہ لالچی یا پیاسا ہونے کی بنا پر اس شراب کا طلب گار نہیں ہے بلکہ اپنے علم میں اضافے کی خاطر اسے حاصل کرنے کا خواہش مند ہے۔

(16)

میز کے جس کنارے پر مرد حضرات بیٹھے تھے وہاں گفتگو میں اور تیزی آنے لگی۔ کرنل انہیں بتا رہا تھا کہ پیٹرزبرگ میں جنگ کا اعلان نامہ پہلے ہی منظر عام پر آچکا ہے اور یہ کہ اس کی جو نقل اس نے دیکھی تھی وہ خاص ایلچی کے ذریعے کمانڈر انچیف تک پہنچائی گئی تھی۔

شن شن نے کہا "ہمیں کیا پڑی ہے کہ ہم بوناپارٹ کیخلاف جنگ کرنے جا رہے ہیں؟ وہ پہلے ہی آسٹریا کا گلا دبا چکا ہے۔ مجھے خدشہ ہے کہ اب ہماری باری ہے"

کرنل لمبا چوڑا اور پر اعتماد جرمن تھا، وہ تجربہ کار افسر اور سچا محب وطن دکھائی دیتا تھا۔ شن شن کی بات سن کر وہ غصہ سے کھولنے لگا اور جرمن لہجے میں بات کرتے ہوئے کہا "اس کی وجہ وہی ہے میرے محترم جو شہنشاہ بیان کر چکے ہیں۔ اپنے اعلان نامے میں انہوں نے کہا ہے کہ روس کے سر پر جو خطرہ منڈلا رہا ہے، سلطنت کی حفاظت، وقار اور معاہدوں کو جو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے اس سے وہ اغماض نہیں برت سکتے" اس نے لفظ "معاہدوں" پر خاص طور پر زور دیا گویا معاملے کی تمام روح اسی ایک لفظ میں مخفی ہوئی ہے۔ سرکاری امور میں اس کا حافظہ غضب کا تھا جو اس کا خاص وصف تھا۔ اس نے معاہدے کے تعارفی الفاظ دہرائے۔۔۔ "اور شہنشاہ کی خواہش ہے کہ مستحکم بنیادوں پر امن قائم کیا جائے جو ان کا واحد اور ناقابل تنسیخ مقصد ہے، چنانچہ وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ فوجوں کا کچھ حصہ سرحد پار پہنچا دیا جائے تاکہ اس نئے منصوبے کیلئے کوششیں روبہ عمل لائی جاسکیں یہ وجہ ہے میرے دوست" کرنل نے شراب کا ایک گلاس پورا چڑھاتے ہوئے نواب کی طرف حوصلہ طلب نظروں سے دیکھا۔

شن شن نے بھنویں سکیڑتے ہوئے مسکرا کر کہا "کیا آپ نے وہ کہاوت سنی ہے "موچی رے موچی، باہر کیوں دھکے کھا رہے ہو، گھر ہی میں رہو اور اپنے بازوؤں کی مرمت کرو۔ یہ کہاوت ہم پر پوری طرح صادق آتی ہے۔ خود سواروف کو بری طرح شکست ہوئی تھی اور آج ہمارا سواروف کہاں ہے؟ مجھے آپ سے بس یہی کہنا ہے" یہ بات کرتے ہوئے وہ مسلسل روسی سے فرانسیسی اور فرانسیسی سے روسی زبان کی طرف پلٹتا رہا۔

کرنل میز پر مکہ مارتے ہوئے بولا "ہمیں اپنے خون کے آخری قطرے تک لڑنا ہوگا اور اپنے شہنشاہ کیلئے جان کا نذرانہ پیش کرنا ہوگا، تب صورتحال بہتر ہوگی، اس سلسلے میں ہمیں جس حد تک ممکن ہو سکے کم سے کم بحث کرنی چاہئے" اس نے لفظ "ممکن" ٹھہر ٹھہر کر ادا کیا۔ پھر وہ نواب کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا "ہم بوڑھے گھڑ سوار فوجی اسی انداز سے سوچتے ہیں، ہمارے لیے کہنے کو یہی کچھ ہے" پھر وہ نکولائی سے مخاطب ہو کر بولا "اور نوجوان گھڑ سوار تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے؟" نکولائی نے جب یہ دیکھا کہ گفتگو کا رخ جنگ کی طرف پلٹ گیا ہے تو اس نے اپنی توجہ جولی سے ہٹالی تھی اور بڑے دھیان سے کرنل کی باتیں سن رہا تھا۔

کرنل کے سوال پر نکولائی کا چہرہ تمتما گیا، وہ اپنی پلیٹ کو یوں توڑ مروڑ رہا تھا اور گلاس کو کچھ اس طرح آگے پیچھے دھکیل رہا تھا جیسے اسے اندیشہ ہو کہ اس لمحے وہ عظیم خطرے کا شکار ہو گیا ہے۔ کرنل کی بات کے جواب میں اس نے کہا "میں آپ سے مکمل طور پر اتفاق کرتا ہوں، مجھے یقین ہے کہ روسیوں کو فتحیاب ہونا چاہئے یا موت کو گلے لگا لینا چاہئے" جب اس نے یہ الفاظ ادا کر دیے تو تقریب میں شریک دیگر لوگوں کی طرح اسے بھی احساس ہو گیا کہ جوش میں وہ کچھ زیادہ ہی کہہ گیا ہے جو بے محل تھا اور یہ سوچ کر اسے پریشانی لاحق ہو گئی۔

جولی جو اس کے ساتھ بیٹھی تھی سانس روک کر بولی "آپ نے جو کچھ کہا وہ بہت عمدہ تھا" جب نکولائی بول رہا تھا تو سونیا کانپے جارہی تھی اور شرم سے اس کے کانوں کی لویں اور ان سے نیچے گردن اور کندھے بھی سرخ ہو گئے۔

پیری نے کرنل کی بات سنی اور اظہار پسندیدگی کے طور پر اپنی گردن ہلاتے ہوئے بولا "بہت اعلیٰ"

کرنل نے ایک مرتبہ پھر میز پر مکہ مارا اور چلا کر بولا "نوجوان، تم سچے گھڑ سوار ہو"

اچانک میز کے دوسرے سرے سے ماریا متریونا کی گھمبیر آواز سنائی دی "آپ لوگ اس قدر شور وغل کیوں کر رہے ہیں؟" پھر وہ کرنل کی جانب رخ کر کے بولی "یہ تم میز پر مکے کیوں مار رہے ہو؟ اسقدر جذباتی ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ تمہارا خیال ہے یہاں تم فرانسیسیوں سے نبرد آزما ہو؟"

کرنل مسکراتے ہوئے بولا "میں سچی بات کہہ رہا ہوں"

نواب نے چلا کر کہا "ہم جنگ کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں، میرا بیٹا جنگ پر جا رہا ہے، آپ جانتی ہیں ماریا متریونا، میرا بیٹا جا رہا ہے"

ماریا متریونا بولی "میرے چار بیٹے فوج میں ہیں مگر میں تو کوئی واویلا نہیں کر رہی، سب کچھ خدا کے ہاتھ میں ہے، موت بستر پر بھی آسکتی ہے اور خدا چاہے تو میدان جنگ میں بھی کسی کو نقصان نہیں پہنچ سکتا" اس کی کھنکتی آواز بے ساختہ میز کے ایک سے دوسرے کنارے تک پہنچ رہی تھی۔

ایک آواز ابھری "بجا فرمایا"

اور بحث ایک مرتبہ پھر دو گروہوں میں مرکوز ہوگئی، ایک سرے پر خواتین اور دوسرے پر مرد حضرات محو گفتگو تھے۔

نتاشا کے چھوٹے بھائی نے اسے کہا "تم نہیں پوچھ سکتیں اور نہیں پوچھ سکو گی"

نتاشا نے جواب دیا "میں پوچھوں گی" مسرت بخش اور ناعاقبت اندیشن عزم سے اس کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ وہ اپنی نشست سے اٹھی، اس کی آنکھیں پیری کو سننے کا کہہ رہی تھیں، اور اپنی والدہ سے مخاطب ہو کر بولی "امی!" اس کی گونج دار بچگانہ آواز میز کے ایک سرے سے دوسرے تک سنائی دی۔

بیگم رستوف نے گھبرا کر پوچھا "کیا بات ہے" مگر جب اس نے اپنی بیٹی کو دیکھا تو یہ احساس ہوا جیسے وہ کوئی شرارت کرنا چاہتی ہے، اس نے نتاشا کی جانب درشت انداز میں ہاتھ اٹھایا اور سر کو یوں جنبش دی جیسے ناپسندیدگی کا اظہار اور سرزنش کر رہی ہو۔

کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

نتاشا کی نوخیز آواز اور بھی واضح انداز میں گونجی "امی! آج میٹھی ڈش کیا ہے؟"

بیگم نے غصہ دکھانے کی کوشش کی مگر ناکام رہی۔ ماریا متریونا نے اپنی موٹی انگلی اس کی جانب لہرائی اور دھمکی آمیز لہجے میں بولی "قازق!"

اکثر مہمانوں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس مزاحیہ صورتحال پر کیسا ردعمل ظاہر کریں سو وہ نتاشا کے والدین کی جانب دیکھنے لگے۔

بیگم بولی "میں تمہیں یہ دوں گی"

نتاشا منہ پھٹ انداز میں زندہ دلی سے چلائی "امی! میٹھی ڈش کیا ہوگی؟" اسے یقین تھا کہ اس کی شوخی کا برا نہیں منایا جائے گا۔ سونیا اور موٹے جسم والا چھوٹا پیٹیا ہنسی چھپانے کی ناکام کوشش کر رہے تھے۔

نتاشا پیری پر اچٹتی نگاہ ڈالتے ہوئے اپنے چھوٹے بھائی کے کان میں بولی "دیکھا میں نے پوچھ لیا"

ماریا متریونا نے کہا "آئس کریم مگر تمہیں کچھ نہیں ملے گا"

نتاشا جان گئی کہ ڈرنے کی کوئی بات نہیں سو وہ ماریا متریونا سے بھی خوفزدہ نہ ہوئی اور کہنے لگی "ماریا متریونا کون سی آئس کریم؟ مجھے آئس کریم پسند نہیں"

ماریا نے کہا "گاجر کی آئس کریم"

نتاشا نے چلا کر کہا "نہیں، کون سی آئس کریم، ماریا کون سی؟ میں جاننا چاہتی ہوں"

اس کی بات سن کر ماریا متریانو اور بیگم رستوف نے ہنسنا شروع کر دیا اور دیگر حاضرین محفل نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ وہ تمام ماریا متریونا کے جواب پر نہیں ہنسے تھے بلکہ انہیں ننھی لڑکی کی ناقابل یقین دلیری اور بانکپن نے ہنسایا تھا جس نے ماریا متریونا کے ساتھ اس انداز میں پیش آنے کی جرات کی تھی۔

نتاشا اس وقت خاموش ہوئی جب اسے یہ بتایا گیا کہ آئس کریم اناناس کی ہوگی۔ آئس کریم سے پہلے شمپئن کا دور چلا۔ بینڈ دوبارہ بجنے لگا۔ نواب نے بیگم کا بوسہ لیا اور مہمان بیگم کو مبارکباد پیش کرنے کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے اور میز پر موجود ہر شخص اپنا گلاس، نواب، بچوں اور ایک دوسرے کے ساتھ ٹکرانے لگا۔ بیرے ایک مرتبہ پھر ادھر ادھر بھاگنے لگے، فرش پر کرسیوں کے گھسیٹے جانے کی آوازیں سنائی دینے لگیں اور مہمان پہلے والی ترتیب سے ڈرائنگ روم اور نواب کے کمرے میں جانے لگے مگر اس مرتبہ ان کے چہرے سرخ تھے۔

(17)

میزوں پر تاش بچھا دی گئی اور بوسٹن کھیل کیلئے ٹولیاں ترتیب دے دی گئیں، نواب کے مہمان دونوں ڈرائنگ رومز، مطالعے کے کمرے اور لائبریری میں براجمان ہوگئے۔ نواب اپنے پتے تھامے ہر بات پر ہنس رہا تھا۔ بیگم کی تجویز پر تمام نوجوان آلات موسیقی کلاوی کارڈ اور ہارپ پر اکٹھے ہوگئے۔ تمام حاضرین کی درخواست پر سب سے پہلے جولی نے ہارپ پر مختلف انداز کی دھن بجائی۔ تب وہ اس نے دیگر لڑکیوں سے مل کر نتاشا اور نکولائی سے گانا سنانے کی فرمائش کی جو دونوں اچھا گاتے تھے۔ نتاشا اپنے ساتھ بالغ لڑکی جیسا برتاؤ کئے جانے پر خاصی نازاں دکھائی دے رہی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ شرمائے بھی جا رہی تھی۔

اس نے لڑکیوں سے پوچھا "ہم کون سا گانا سنائیں"

نکولائی نے جواب دیا "چشمے والا"

نتاشا نے کہا "اچھا، تو پھر جلدی کرو، بورس ادھر آؤ، مگر یہ سونیا کہاں ہے؟" اس نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی مگر اپنی دوست کو وہاں نہ پا کر اسے ڈھونڈنے باہر بھاگ گئی۔

نتاشا تیزی سے سونیا کے کمرے میں گئی مگر اسے وہاں نہ پا کر نرسری کا رخ کیا۔ سونیا وہاں بھی موجود نہ تھی۔ نتاشا کو علم تھا کہ وہ راہداری میں پڑے صندوق پر بیٹھی ہوگی۔ راہداری میں پڑا یہ صندوق رستوف خاندان کی لڑکیوں کی آنسو بہانے کی جگہ تھی۔ سونیا واقعی وہاں موجود تھی اور نرس کے غلیظ دھاری دار بستر پر جس میں پر بھرے تھے سر نہوڑائے لیٹی تھی، اس کا باریک جامنی لباس شکن آلود ہو چکا تھا۔ وہ اپنا چہرہ انگلیوں میں چھپائے کچھ اس طرح رو رہی تھی کہ اس کے ننھے منے برہنہ کندھے کانپ رہے تھے۔ نتاشا کا چہرہ جو اپنی سالگرہ کی خوشی کے باعث تمام دن چمکتا دمکتا رہا تھا، ایک دم تبدیل ہوگیا۔ اس کی آنکھیں ایک جگہ ٹھہر گئیں، گردن اکڑ گئی اور ہونٹوں کے کنارے لٹک گئے۔

اس نے پوچھا "سونیا! کیا ہوا؟۔۔۔ کیا بات ہے؟ اوہو۔۔۔۔۔!" نتاشا کا بڑا سا منہ کھل گیا اور خاصا بدصورت دکھائی دینے لگا، سونیا کو روتا دیکھ کر وہ بھی بلا سبب بچوں کی طرح رونے لگی۔ سونیا نے اپنا سر اٹھانے اور جواب دینے کی کوشش کی مگر ناکام رہی اور اپنا سر بستر میں مزید اندر کر لیا۔ نتاشا روتے ہوئے نیلی دھاریوں والے بستر پر بیٹھ گئی اور اپنی دوست کو گلے لگا لیا۔ سونیا نے ہمت کر کے اپنے آپ کو سنبھالا اور آنسو پونچھ کر کہنے لگی "نکولنکا (نکولائی) ہفتے تک جا رہا ہے، اس کے۔۔۔ کاغذات۔۔۔ پہنچ چکے ہیں۔۔۔ اس نے مجھے خود بتلایا ہے۔۔۔ مگر مجھے

رونا نہیں چاہیے تھا۔۔۔(اس نے کاغذ کا ایک ٹکڑا دکھایا جس پر نکولائی نے اشعار لکھے تھے) مجھے رونا نہیں چاہیے تھا مگر تم کیا۔۔۔کوئی بھی نہیں سمجھ سکتا۔۔۔کہ وہ کس قدر اچھے ہیں"

جب اسے یہ خیال آیا کہ وہ کس قدر اچھا ہے تو وہ دوبارہ آنسو بہانے لگی۔

پھر وہ خود پر قدرے قابو پا کر بولی" تمہارے لیے سب کچھ ٹھیک ہے۔۔۔میں حسد نہیں کرتی۔۔۔میں تم سے اور بورس سے بھی محبت کرتی ہوں، وہ بہت اچھا ہے۔۔۔تمہارے راستے میں کوئی رکاوٹیں نہیں ہیں۔مگر نکولائی میرا کزن ہے۔۔۔شہر کے بڑے پادری کی اجازت درکار ہے۔۔۔ورنہ ہماری شادی ممکن نہیں۔اور اگر اس نے امی (سونیا بیگم رستوف کو امی کہا کرتی تھی) کو بتا دیا کہ میں نکولائی کا کیریئر برباد کر رہی ہوں، کہ میں سنگ دل اور ناشکری ہوں، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ۔۔۔خدا جانتا ہے کہ (اس نے صلیب کا نشان بنایا) مجھے ان سے اور ویرا کے سوا تم سب سے محبت ہے۔۔۔وہ ایسی کیوں ہے؟ میں نے اس کا کیا بگاڑا ہے؟ میں تمہاری اس قدر احسان مند ہوں کہ تمہارے لیے اپنا سب کچھ قربان کر کے مجھے دلی خوشی ہوگی، مگر میرے پاس تو کچھ بھی نہیں۔۔۔"

سونیا مزید کچھ نہ بولی اور اپنے ہاتھ اور سر پروں والے بستر میں چھپا لیے۔نتاشا نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی مگر اس کے چہرے سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اپنی سہیلی کی مشکلات کی شدت کو اچھی طرح سمجھتی ہے۔

نتاشا نے کہا" سونیا! یقیناً کھانے کے بعد ویرا نے تمہیں کچھ کہا ہوگا؟ ایسا ہی ہے ناں؟" اس نے یہ بات کچھ یوں اچانک کہی جیسے اسے اپنی کزن کو درپیش مصیبت کی وجہ بات کا علم ہو گیا ہو۔

سونیا نے جواب دیا" ہاں، یہ اشعار نکولائی نے لکھے اور کچھ میں نے نقل کیا کیے تھے جو اسے میری میز پر پڑے مل گئے۔اس نے مجھ سے کہا کہ وہ انہیں امی کو دکھائے گی اور یہ کہ میں ناشکری ہوں اور امی نکولائی کو کبھی مجھ سے شادی کی اجازت نہیں دیں گی، اس کی بجائے وہ جولی سے شادی کرے گا۔تم نے دیکھا کہ کیسے وہ سارا دن اس کے ساتھ رہا۔۔۔نتاشا! ایسا کیوں ہے؟" بات مکمل کرنے کے بعد وہ اور بھی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔نتاشا نے اسے اٹھا کر گلے لگایا اور اپنے آنسوؤں کے بیچ میں سے مسکراتے ہوئے اسے تسلی دینے لگی۔

وہ بولی" سونیا، اس کی باتوں پر مت جاؤ، ڈارلنگ اس پر دھیان مت دو۔کیا تمہیں یاد ہے کہ ہم نے نکولائی سے کیا بات کی تھی، کیا تمہیں یاد ہے جب ہم تینوں رات کے کھانے کے بعد نشست گاہ میں اکٹھے ہوئے تھے؟ ہم نے طے کیا تھا کہ اس مسئلے سے کیسے نمٹا جائے گا۔مجھے بالکل صحیح تو یاد نہیں مگر تمہیں اتنا تو یاد ہوگا کہ ہمیں سب کچھ درست اور ممکن دکھائی دیا تھا۔ذرا دیکھو تو انکل شن شن کے بھائی کی شادی ان کی پہلی کزن سے ہوئی ہے اور تم جانتی ہو کہ ہم تو دوسرے ہیں۔بورس کا کہنا ہے کہ یہ سب کچھ نہایت آسانی سے ہو جائے گا۔تمہیں معلوم ہے کہ میں نے انہیں سب کچھ بتا دیا ہے۔وہ بیحد سمجھدار اور اچھے ہیں۔۔۔مت روؤ، سونیا، میری پیاری" یہ کہہ کر نتاشا نے سونیا کا بوسہ لیا اور پھر ہنستے ہوئے بولی" ویرا کینہ پرور ہے، اس کی پرواہ مت کرو! سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا اور وہ امی سے بھی کچھ نہیں کہہ سکے گی۔نکولائی امی کو خود بتا دے گا اور اس نے جولی سے شادی کا تو کبھی سوچا بھی نہیں"

نتاشا نے اس کی پیشانی چوم لی اور سونیا اٹھ کر بیٹھ گئی۔یوں لگتا تھا جیسے ننھی منی بلی کے تن مردہ میں دوبارہ جان پڑ گئی ہو۔اس کی آنکھیں چمکنے لگیں اور ایسا معلوم ہونے لگا جیسے وہ اپنی فطرت کے مطابق ابھی دم لہرا کر اپنے نرم پنجوں پر اچھلے گی اور گیند سے کھیلنا شروع کر دے گی۔

سونیا نے تیزی سے اپنے فراک اور بالوں کو درست کرتے ہوئے کہا" کیا تمہارے خیال میں ایسا ہی ہوگا؟

واقعی؟ سچ مچ؟"

نتاشا نے بالوں کی ایک لٹ جو علیحدہ ہو گئی تھی دوبارہ سونیا کے سر پر سنوارتے ہوئے جواب دیا" ہاں واقعی، بالکل سچی بات ہے" پھر دونوں ہنس دیں۔نتاشا اسے کہنے لگی" آؤ چلتے ہیں اور چشمے والا گیت گاتے ہیں"

سونیا بولی" تو پھر چلو"

نتاشا نے اچانک رکتے ہوئے کہا" کیا تم جانتی ہو وہ موٹا پیری جو میرے سامنے بیٹھا تھا بیحد دلچسپ ہے! آج بہت مزہ آ رہا ہے" پھر اس نے راہداری میں دوڑ لگا دی۔

سونیا اپنے فراک سے روئیں دار پر جھاڑتے اور اشعار پر مشتمل کاغذ کا ٹکڑا گلے اور سینے کے نیچے اپنی چولی میں چھپاتے ہوئے تمتماتے چہرے اور ہلکی پھلکی پر مسرت چال کے ساتھ نتاشا کے پیچھے بھاگتی ہوئی نشست گاہ میں داخل ہو گئی۔مہمانوں کی درخواست پر نوجوان "چشمے" والا گیت گانے لگے۔اس گیت نے جسے چار افراد مل کر گاتے تھے سامعین کے دل موہ لیے۔پھر نکولائی نے ایک اور نغمہ چھیڑ دیا جو اس نے حال ہی میں سیکھا تھا۔

اک حسین رات چاند کی مدھم روشنی تلے
یہ جان کر وجد طاری ہونے لگتا ہے
کہ اس زمین پر کوئی تو ہے
جس کے خواب و خیال تمہارے لیے ہیں
کہ جس کی نازک انگلیاں جو کبھی نہیں تھکتیں
سنہری بربط پر آہستگی سے پھر رہی ہیں
اور بے خود کر دینے والا نغمہ الاپ رہی ہیں
یہ نغمہ صرف تمہیں پکار رہا ہے
کل جب ٹھنڈی ہوا چلے گی
افسوس! سب کچھ قصہ ماضی بن جائیگا، وہ یہاں نہیں ہوگی

اس نے اپنا نغمہ بمشکل مکمل کیا تھا کہ نوجوان لڑکے لڑکیاں بڑے ہال میں رقص کیلئے تیار ہونے لگے۔ سازندوں کے کھنکارنے اور انکے قدموں کی کھنکھناہٹ سنائی دینے لگی تھی۔

☆☆☆

پیری ڈرائنگ روم میں بیٹھا تھا جہاں شن شن نے اسے سیاسی موضوع پر بحث میں الجھا لیا۔چونکہ وہ حال ہی میں بیرون ملک سے واپس آیا تھا اس لیے ہر شخص کو اس سے دلچسپی تھی مگر پیری کو اس سے اکتاہٹ ہونے لگی۔متعدد دیگر افراد بھی بحث میں شریک ہو گئے۔ساز بجنا شروع ہوا تو نتاشا ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی اور سیدھی پیری کے پاس جا کر ہنستے اور شرماتے ہوئے بولی" امی نے مجھے ہدایت کی ہے کہ آپ کو رقص میں شرکت کی دعوت دوں"

پیری نے جواب دیا" مجھے اندیشہ ہے کہ شاید ٹھیک طور سے رقص نہ کر سکوں، تاہم تم میری رہنمائی کرو تو۔۔۔"

یہ کہہ کر وہ نیچے جھکا اور اپنا موٹا ہاتھ دبلی پتلی لڑکی کو تھما دیا۔

جب دیگر جوڑے اپنی صفیں درست کر رہے تھے اور سازندے دھنیں ترتیب دینے میں مصروف تھے تو پیری اپنی ننھی منی ساتھی کے ساتھ بیٹھ گیا۔نتاشا بے حد خوش تھی۔اسے ایک ایسے بالغ مرد کے ساتھ رقص کرنا تھا جو حال ہی میں

بیرون ملک سے آیا تھا۔ وہ ہر ایک کی نظروں کے سامنے تھی اور اس سے بالغوں کے سے انداز میں گفتگو کر رہی تھی۔ اس نے ہاتھ میں ایک خاتون کی جانب سے دیا گیا پنکھا تھام رکھا تھا اور تجربہ کار خاتون جیسے اطوار اپناتے ہوئے (خدا جانے اس نے یہ کہاں سے سیکھا) خود کو پنکھا جھل رہی تھی۔ اس دوران وہ چہرے پر مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے اپنے ساتھی سے باتیں کرتی جاتی تھی۔

معمر بیگم نے ہال میں سے گزرتے ہوئے نتاشا کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا "ارے کیا لڑکی ہے! ذرا اس کی طرف دیکھو!"

نتاشا کا چہرہ سرخ ہو گیا اور وہ ہنستے ہوئے بولی "کیوں، امی آپ کا کیا مطلب ہے؟ آپ مجھے دیکھ کر کیوں ہنسیں؟ کیا کوئی خاص بات ہے؟"

☆☆☆

رقص کے تیسرے دور میں ڈرائنگ روم میں جہاں نواب اور ماریا متریونا معمر اور نامور مہمانوں کے ساتھ تاش کھیلنے میں مصروف تھے کرسیوں کے گھسٹنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ تمام لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور جسم سیدھے کرنے لگے جو طویل وقت تک بیٹھے بیٹھے اکڑ چکے تھے۔ پھر انہوں نے اپنی پاکٹ بکیں اور پرس ایک جانب رکھے اور بڑے ہال کا رخ کیا۔ سب سے پہلے ماریا متریونا اور نواب اندر داخل ہوئے، دونوں کے چہرے تاباں تھے۔ نواب نے بیلے ڈانسر کے انداز میں اپنا بازو خم کیا اور اسے یوں ماریا کے ہاتھ میں دے دیا جیسے رسم نبھا رہا ہو۔ وہ سیدھا تن کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا چہرہ بانکے بہادروں کی طرح خوشی سے چمک رہا تھا اور جونہی رقص ختم ہوا اس نے تالی بجا کر سازندوں کو اشارہ کیا اور پہلے وائلن نواز سے چلا کر پوچھا "سیمیون! کیا تمہیں 'ڈینئل کوپر' کی دھن آتی ہے؟"

یہ نواب کا پسندیدہ رقص تھا جو وہ ایام جوانی میں کیا کرتا تھا (ڈینئل کوپر معروف رقص "اینگلائس" کا ایک حصہ ہے)

نتاشا بھرے کمرے میں چلائی "پاپا کو دیکھیں" (اسے یاد نہ رہا کہ وہ خود بھی بالغ مرد کے ساتھ رقص کرتی رہی ہے) وہ ہنستے ہنستے دہری ہو گئی اور اس کا گھنگھریالے بالوں والا سر گھٹنوں کو چھونے لگا۔ پورا کمرہ اس کی ہنسی سے گونج رہا تھا۔ درحقیقت ہال میں موجود ہر شخص خوش طبع معمر نواب کو مسکراتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ اپنی پرشکوہ ساتھی ماریا متریونا جو اس سے زیادہ قد آور تھی کے ساتھ کھڑے ہو کر اس نے موسیقی کے ساتھ ساتھ اپنے بازو خمیدہ کیے، کندھوں کو حرکت دی اور پاؤں سے ہلکی ہلکی تھاپ دیتے ہوئے چہرے پر تبسم کی کرنیں بکھیر کر ناظرین کو بتا دیا کہ اب انہیں کس شے کیلئے تیار رہنا چاہئے۔ جونہی آرکسٹرا نے ڈینئل کوپر کی دھن تیز کی (یہ دھن دیہاتی رقص کی دھنوں سے مشابہ تھی) تو بڑے ہال کے تمام دروازوں پر گھریلو ملازمین کی بھیڑ جمع ہو گئی۔ مرد ایک جانب اور عورتیں دوسری طرف کھڑے تھے۔ وہ اپنے مالک کو خوشی مناتے ہوئے مسکراتے چہروں سے دیکھ رہے تھے۔

ایک دروازے پر بوڑھی آیا کی بلند آواز سنائی دی "ہمارے آقا کو دیکھو! بالکل عقاب معلوم ہو رہے ہیں"

نواب خوبصورت انداز میں رقص کر رہا تھا اور اسے اس کا احساس تھا مگر اس کی ساتھی رقص کر سکتی تھی نہ اسے اس کی پروا تھی۔ اس کا بھاری بھرکم جسم سیدھا کھڑا تھا اور طاقتور بازو پہلوؤں پر لٹکے ہوئے تھے (اس نے اپنی عینک بیگم رستوف کے حوالے کر دی تھی) صرف اس کا درشت اور خوبرو چہرہ رقص کر رہا تھا۔ جو اظہار نواب کے پورے جسم سے ہوتا تھا وہی ماریا متریونا اپنی ہر لحظہ پھیلتی مسکراہٹ اور پھڑپھڑاتی ناک سے کر رہی تھی۔ نواب نے اپنے تیز رفتار پاؤں کی

پھرتی غیر متوقع دلربا کلیلوں سے ناظرین کے دل جیت لیے تو دوسری جانب ماریا نے صرف کندھے ہلا کر یا موڑ کاٹتے ہوئے اور پاؤں کو حرکت دے کر لوگوں کے دلوں پر وہی نقوش ثبت کر دیے، بجیم شحیم اور درشت مزاج ہونے کے ناطے اس کی ان چھوٹی چھوٹی حرکات پر ہی لوگوں نے دل کھول کر داد دی۔ رقص تیز سے تیز تر ہوتا چلا گیا۔ دیگر جوڑے بھی رقص میں مصروف تھے مگر کسی نے ان کی جانب توجہ دی نہ انہوں نے اپنی طرف توجہ مبذول کرانے کی کوشش کی۔

تمام لوگوں کی نظریں نواب اور ماریا متریونا پر مرکوز تھیں۔ نتاشا ہر شخص کی آستین اور لباس کھینچتی اور زور دے کر انہیں کہتی کہ "دیکھو، پاپا کیا کر رہے ہیں" مگر تمام لوگوں کی نظریں پہلے ہی نواب پر گڑی تھیں۔ رقص کے دوران وقفوں میں نواب زور سے سانس لیتا اور سازندوں کو دھن مزید تیز کرنے کو کہتا۔ وہ تیز اور تیز تر پھرکی کی مانند ایڑیوں اور پنجوں پر ماریا متریونا کے گرد گھوم رہا تھا۔ آخر کار اس نے خاتون کو اٹھا کر گھمایا اور رقص کا آخری حصہ مکمل کیا۔ پھر اس نے اپنی ٹانگوں کو ذرا پیچھے کی جانب جھٹکا دیا، پسینے سے شرابور سر کو جھکا کر دایاں بازو دور تک لہرایا اور داد و تحسین نیز قہقہوں کے شور میں مسکرانے لگا جس میں نتاشا کی آواز نمایاں تھی۔ دونوں ساتھی بے حس و حرکت اور خاموش کھڑے ہانپ رہے تھے اور سوتی رومالوں کے ذریعے اپنے چہروں سے پسینہ پونچھ رہے تھے۔

نواب نے کہا "یہ وہ رقص ہے جو ہمارے دور میں ہوتا تھا"

ماریا متریونا نے آستین چڑھاتے اور گہری سانس لیتے ہوئے جواب دیا "زبردست! تو یہ تھا ڈینئل کوپر"

(18)

جس دوران رستوف خاندان کے ہال میں چھٹا اینگلائس رقص ہو رہا تھا، تھکے ہارے سازندے بے سرے انداز میں ساز بجا رہے تھے اور درماندہ ملازمین و باورچی رات کے کھانے کی تیاری کر رہے تھے، عین اسی وقت نواب بیزوخوف پر چھٹا دورہ پڑا۔ ڈاکٹروں نے اعلان کر دیا کہ بچنے کی کوئی امید باقی نہیں رہی۔ بیمار آدمی بولنے سے معذور تھا اس لیے اس کی جانب سے کسی دوسرے شخص نے گناہوں کا اعتراف نامہ پڑھا۔ گھر میں ہلچل اور امید و بیم کی وہ کیفیت تھی جو عام طور پر ایسے مواقع پر دیکھنے میں آتی ہے۔ گھر کے دروازے پر تجہیز و تکفین کرنے والوں کا ہجوم جمع ہو گیا تھا تاہم نواب کے گھر گاڑیوں پر آنیوالے لوگوں کی نظروں سے بچنے کیلئے وہ تیزی سے ان کی اوٹ میں ہو جاتے۔ انہیں توقع تھی کہ نواب کا جنازہ دھوم سے اٹھے گا اور ان کے وارے نیارے ہو جائیں گے۔ ماسکو کا گورنر جو نواب کی صحت سے متعلق معلومات حاصل کرنے کیلئے مسلسل اپنے نمائندے بھیجتا رہا تھا ملکہ کیتھرین کے اس نامی گرامی درباری نواب بیزوخوف کو الوداع کہنے اس شام خود آ پہنچا تھا۔

شاندار استقبالیہ کمرہ لوگوں سے بھر چکا تھا۔ گورنر بیمار کے پاس نصف گھنٹہ تنہا بیٹھنے کے بعد باہر نکلا تو ہر شخص احتراماً اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے جھک کر تسلیمات بجالانے والوں پر دھیان نہ دیا اور ڈاکٹروں، پادریوں اور رشتہ داروں کی نگاہوں سے بچنے کی کوشش کی۔ شہزادہ ویسلے جو گزشتہ چند روز میں خاصا دبلا پتلا اور زرد ہو گیا تھا اسے دروازے تک چھوڑنے گیا، وہ آہستہ آواز میں کوئی بات بار بار اس کے سامنے دہرا رہا تھا۔

گورنر کو رخصت کرنے کے بعد شہزادہ ویسلے استقبالیہ کمرے میں ایک کرسی پر دوسروں سے الگ تھلگ بیٹھ گیا۔ اس نے ٹانگ پر ٹانگ رکھی، کہنی گھٹنے پر ٹکائی اور دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ لیے۔ کچھ دیر اسی طرح بیٹھے رہنے کے بعد وہ اٹھا اور اپنی عادت کے برعکس تیز تیز قدم اٹھاتا اور خوفزدہ نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھتا ہوا طویل راہداری عبور کرنے

لگا جو مکان کے عقبی حصوں میں بڑی شہزادی کی رہائشگاہ تک جاتی تھی۔

نیم روشن استقبالیہ کمرے میں بیٹھے لوگ وقفوں وقفوں سے آپس میں سرگوشیاں کرنے لگتے اور عالم نزع میں موجود نواب بیز دخوف کے اپارٹمنٹ میں کسی کے آنے جانے پر دروازہ چرچراتا تو وہ پرتجسس نگاہوں سے دیکھنے لگتے۔

ایک پادری نما شخص نے اپنے ساتھ بیٹھی خاتون سے، جو اس کی باتیں معصومانہ انداز میں سن رہی تھی، کہا ''انسان کا وقت مقرر ہے، سب کچھ مقرر ہے، اس سے کوئی بھی مستثنیٰ نہیں''

خاتون نے پادری کو اس کے عہدے سے مخاطب کرتے ہوئے پوچھا ''آخری رسومات میں تاخیر نہیں ہوگئی؟'' اس کا انداز ایسا تھا جیسے اس معاملے میں اس کی اپنی کوئی رائے نہ ہو۔

پادری نے اپنے گنجے سر پر جہاں کنگھی سے چپلے چند گنے چنے بال رہ گئے تھے ہاتھ پھیرتے ہوئے جواب دیا ''مادام، یہ نہایت پرجلال رسم ہے''

کمرے کے ایک کونے سے آواز آئی ''وہ کون تھا؟ خود گورنر؟ نوجوان دکھائی پڑتا تھا''

کچھ اور آوازیں ابھریں ''ان کی عمر ساٹھ سال سے زائد ہے!۔۔۔سنا ہے نواب اب کسی کو نہیں پہچانتے؟ کیا آخری رسم کی تیاری کی جارہی ہے؟

کوئی کہنے لگا ''میں ایک شخص کو جانتا ہوں جس کا آخری مسح سات بار کیا گیا''

منجھلی شہزادی جس کی آنکھوں میں آنسو تھے مریض کے کمرے سے باہر آئی اور ڈاکٹر لورین کے ساتھ بیٹھ گئی جو کہنی میز پر ٹکائے شاندار انداز میں ملکہ کیتھرین کی تصویر تلے بیٹھا تھا۔

موسم سے متعلق ایک سوال کے جواب میں ڈاکٹر بولا ''موسم بیحد سہانا ہے اور ویسے بھی ماسکو پہنچ کر یوں محسوس ہوتا ہے گویا آپ دیہات میں آگئے ہیں۔

شہزادی لمبی سانس لے کر بولی ''کیوں نہیں؟'' پھر اس نے پوچھا ''انہیں پینے کو کچھ دیا جاسکتا ہے؟'' لورین نے ایک لمحہ سوچا اور پھر پوچھا ''کیا انہوں نے دوا لے لی ہے؟''

شہزادی نے جواب دیا ''جی ہاں''

ڈاکٹر نے اپنی گھڑی پر نگاہ ڈالی اور کہنے لگا ''ابلے پانی کے ایک گلاس میں چٹکی بھر (اس نے اپنی نرم و نازک انگلیوں سے اشارہ کیا کہ چٹکی سے کیا مراد ہے) اور کریم آف ٹارٹر ڈال دو''

ایک جرمن ڈاکٹر کسی ایجوٹنٹ سے ٹوٹی پھوٹی روسی زبان میں کہہ رہا تھا ''ایسا مریض کبھی دیکھنے میں نہیں آیا جو فالج کے تیسرے حملے کے بعد جانبر ہوگیا ہو''

ایجوٹنٹ بولا ''کس قدر صحت مند تھا یہ شخص!'' پھر اس نے زیرلب کہا ''اس کی ڈھیروں دولت کس کے حصے میں آئے گی؟''

جرمن نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ''کوئی نہ کوئی امیدوار مل ہی جائے گا'' دروازہ چرچرایا اور ہر شخص دوبارہ اس کی جانب دیکھنے لگا۔ منجھلی شہزادی ڈاکٹر لورین کی ہدایت کے مطابق تیار کردہ مشروب مریض کے کمرے میں لے جارہی تھی۔ جرمن ڈاکٹر لورین کے پاس گیا اور ناقص فرانسیسی زبان میں پوچھا ''کیا وہ آج رات گزار جائیں گے؟''

لورین نے ہونٹ بھینچ لیے اور نفی کے اظہار کیلئے اپنی انگلی اس کی ناک کے سامنے لہرائی۔ پھر اس نے زیرلب کہا ''زیادہ سے زیادہ آج رات'' اور باسلیقہ انداز میں مسکراتے ہوئے وہاں سے ہٹ گیا کیونکہ اسے اطمینان تھا کہ اس

نے نہ صرف مریض کی حالت کا درست ادراک کرلیا تھا بلکہ اسے اس کے اظہار پر بھی قدرت حاصل تھی۔

☆☆☆

دریں اثناء شہزادہ ویسلے بڑی شہزادی کے کمرے کا دروازہ کھول چکا تھا۔ نیم تاریک کمرے میں مقدس تصاویر کے سامنے دو قمقمے روشن تھے اور لوبان و پھولوں کی خوشگوار مہک پھیلی ہوئی تھی۔ تمام کمرہ منقش فرنیچر، چھوٹی تپائیوں، کتابوں کی چھوٹی الماریوں اور میزوں سے بھرا تھا۔ سکرین کے عقب میں اونچے پلنگ پر پروں سے بھرے بستر کی سفید چادریں نظر آرہی تھیں۔ ایک چھوٹا کتا بھونکنے لگا۔

شہزادی نے ویسلے کو دیکھا تو بولی ''اوہ، بھائی جان، آپ''

وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنے بال سنوارنے لگی جو ہمیشہ کی طرح اب بھی اس طرح ہموار تھے کہ وہ اور اس کا سر ایک ہی شے معلوم ہوتے جیسے ان پر کسی نے رنگ پھیر دیا ہو۔

شہزادی نے اس سے پوچھا ''کچھ ہوا تو نہیں گیا؟ میں ہر وقت خوفزدہ رہتی ہوں''

ویسلے نے جواب دیا ''نہیں کچھ نہیں ہوا، پہلے جیسی صورتحال ہے۔ کیٹش، میں تم سے کچھ بات کرنے آیا ہوں، کاروباری بات'' وہ شہزادی کی خالی کردہ کرسی پر یوں بیٹھ گیا جیسے اس کا تھکن سے برا حال ہو۔ پھر وہ کہنے لگا ''یہ جگہ کس قدر گرم ہے، ادھر آؤ، بیٹھو کچھ بات کریں''

شہزادی بولی ''میں سمجھی تھی کہ شاید کچھ ہوگیا ہے'' وہ اپنے پتھریلے اور درشت تاثرات کے حامل غیر متغیر چہرے کے ساتھ شہزادے کے بالمقابل بیٹھ گئی اور اس کی بات سننے کیلئے تیار ہوگئی۔ ساتھ ہی ساتھ وہ بولی ''بھائی جان، میں کچھ دیر سونے کی کوشش کررہی تھی مگر نیند نہیں آتی''

ویسلے اس کا ہاتھ تھام کر اپنی عادت کے مطابق اسے نیچے جھکاتے ہوئے کہنے لگا ''عزیزہ، کیا حال ہے'' یہ واضح تھا کہ اس ''حال'' سے مراد وہ باتیں تھیں جنہیں دونوں سمجھتے تھے مگر الفاظ میں بیان کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے۔

شہزادی جس کی کمر اس کی ٹانگوں کے مقابلے میں غیر متناسب طور پر لمبی تھی تن کر بیٹھی تھی اور اس کی نمایاں سرمئی آنکھیں غیر جذباتی انداز میں ویسلے کے چہرے پر گڑی تھیں۔ اس نے اپنے سر کو جھٹکا دیا اور آہ بھر کر مقدس تصاویر کو دیکھنے لگی۔ اس کی اس حرکت کی دو انداز میں توجیہہ ہوسکتی تھی کہ یا تو وہ اس انداز سے اپنے افسوس اور لگن کا اظہار کررہی ہے اور یا پھر یہ ظاہر کرنا چاہتی ہے کہ وہ بہت تھک گئی ہے اور اسے امید ہے کہ جلد جان چھوٹ جائے گی۔

شہزادہ ویسلے نے کہا ''تمہارے خیال میں یہ کوئی آسان کام ہے؟ میں ڈاک گاڑی کے گھوڑے کی طرح تھک چکا ہوں۔ کیٹش، مجھے تم سے تھوڑی سی مگر بیحد اہم گفتگو کرنا ہے''

ویسلے کچھ دیر رکا اور اضطراب کے مارے پہلے اس کا ایک اور پھر دوسرا گال لرزنے لگا جس سے اس کے چہرے پر بدنما تاثر ابھر آیا۔ اس کی یہ کیفیت ڈرائنگ روموں میں کبھی نہیں دیکھی گئی تھی۔ اس کی آنکھیں بھی معمول سے مختلف نظر آرہی تھیں، ایک لمحے یہ ڈھیٹ انداز میں مزاحیہ معلوم ہوتیں اور دوسرے لمحے گھبراہٹ سے ادھر ادھر تکنے لگتیں۔

شہزادی اپنے دبلے پتلے اور خشک ہاتھوں سے ایک چھوٹا سا کتا تھامے انہماک سے ویسلے کی آنکھوں میں جھانک رہی تھی لیکن یہ بات واضح تھی کہ اگر اسے صبح تک بھی اسی حالت میں بیٹھنا پڑے وہ اپنی خاموشی نہیں توڑے گی۔

شہزادہ ویسلے نے بات شروع کرتے ہوئے کہا "میری پیاری شہزادی اور بہن کیتش سیمیونووناتمہیں علم ہے کہ ایسے مواقع پر جن کا آج ہمیں سامنا ہے،ہمیں ہر بات پر سوچنا چاہیے۔ہمیں مستقبل اور تم سب کے بارے میں غور وفکر کرنا ہوگا۔تم جانتی ہو کہ میں تم سب کا اسی طرح خیال رکھتا ہوں جیسے تم میرے اپنے بچے ہو"صاف دکھائی دیتا تھا کہ کوئی شے اسے اپنا مافی الضمیر زبان پر لانے سے روک رہی ہے۔

شہزادی اسے پہلے کی طرح جذبات سے عاری انداز میں دیکھتی رہی۔

ویسلے نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا" آخر میں مجھے اپنے خاندان کے بارے میں بھی سوچنا ہوگا" اس نے غصے سے ایک چھوٹی میز پرے دھکیلی اور شہزادی کی جانب دیکھے بغیر بولا" کیتش تم جانتی ہو کہ تم تین مامو نتوف بہنیں اور میری اہلیہ نواب کے براہ راست وارث ہیں۔میں جانتا ہوں، مجھے علم ہے کہ ایسی باتوں کے بارے میں سوچنا تمہارے لیے کس قدر تکلیف دہ ہوگا اور میرے لیے بھی یہ آسان نہیں ہے،مگر عزیزہ،میری عمر پچاس برس سے تجاوز کر چکی ہے اور مجھے ہر قسم کی صورتحال کا سامنا کرنے کیلئے تیار رہنا چاہیے۔کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں نے پیری کو بلا بھیجا ہے اور نواب نے سیدھا اس کی تصویر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے اس سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی تھی۔

ویسلے نے استفہامیہ نظروں سے شہزادی کی جانب دیکھا مگر وہ اس نتیجے پر نہ پہنچ سکا کہ وہ اس کے حالیہ الفاظ پر غور کر رہی ہے یا محض اسے گھور گھور کر دیکھنے میں مصروف ہے۔

شہزادی بولی" میرے بھائی میں ایک دعا مسلسل کرتی رہتی ہوں اور وہ یہ کہ" خداوند ان پر اپنی رحمت نازل فرمائیں اور ان کی قابل احترام روح کو سکون سے اس دنیا سے رخصت۔۔۔"

ویسلے نے بے صبری سے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا" ہاں بالکل" اور پھر اپنے گنجے سر کو سہلانے اور اس میز کو دوبارہ اپنی جانب کھینچنے لگا جسے اس نے کچھ دیر پہلے پرے دھکیلا تھا۔اس نے کیتش کی جانب دیکھا اور بولا" مگر درحقیقت۔۔۔اصل میں،جیسا کہ تم جانتی ہو بات یہ ہے کہ گزشتہ موسم سرما میں نواب نے ایک وصیت تیار کرائی تھی جس میں اس نے ہمیں یعنی اپنے براہ راست وارثوں کو نظر انداز کر کے اپنی تمام جائیداد پیری کے نام کر دی تھی۔

شہزادی نے تحمل مزاجی سے جواب دیا" جتنی مرضی وصیتیں تیار کرائی جائیں مگر پیری جائیداد کا وارث نہیں بن سکتا۔وہ ان کی ناجائز اولاد ہے۔

شہزادہ ویسلے میز اس کے سامنے دھکیلتے ہوئے اچانک غضبناک اور تیز لہجے میں کہنے لگا" میری عزیزہ !اگر نواب نے شہنشاہ کے نام درخواست لکھ دی ہو کہ پیری کو اس کی جائز اولاد تسلیم کیا جائے تو پھر کیا ہوگا؟تم جانتی ہو کہ نواب کی جو خدمات ہیں ان کے صلے میں اس کی درخواست قبول ہو سکتی ہے"

شہزادی جواباً مسکرائی۔اس کا انداز ایسے لوگوں جیسا تھا جو یہ سمجھتے ہیں کہ زیر بحث موضوع پر ان کی معلومات دوسرے سے زیادہ ہیں۔

ویسلے نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے بات جاری رکھی اور کہا" میں کچھ اور بھی کہنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ درخواست لکھی جا چکی تھی تاہم وہ ارسال نہیں کی گئی تھی البتہ شہنشاہ کو اس کا علم ہے۔سوال صرف یہ ہے کہ آیا یہ ضائع کر دی گئی تھی یا نہیں؟اگر نہیں تو پھر فوری ایسا کیا جائے ورنہ سب کچھ ختم ہو جائے گا" اس نے بات مکمل کر کے لمبی سانس لی اور آہ بھری،یوں وہ شہزادی کو یہ بات سمجھانا چاہتا تھا کہ" نواب کے کاغذات کھولے جائیں گے،وصیت نامہ اور اس سے منسلک درخواست شہنشاہ کی خدمت میں پیش کر دی جائے گی جو یقینی طور پر منظور کر لی جائے گی اور پیری جائز بیٹے کی

حیثیت سے ہر شے کا مالک بن جائے گا۔

شہزادی نے پوچھا" اور ہمارا حصہ؟" اس کے چہرے پر کچھ ایسی طنزیہ مسکراہٹ موجود تھی جیسے دنیا میں ہر شے ممکن ہے مگر انہیں ان کے حصے سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔

ویسلے نے جواب دیا" میری بیچاری کیتش، یہ بات تو روز روشن کی طرح عیاں ہے۔پھر وہ تمام جائیداد کا واحد وارث ہوگا اور تمہیں کچھ بھی نہیں مل سکے گا۔میری عزیزہ،تمہیں ہر صورت معلوم ہونا چاہیے کہ وصیت نامہ اور درخواست لکھی گئی تھی یا نہیں؟اور اگر یہ لکھے گئے تھے تو پھر انہیں تلف کیا گیا یا نہیں؟اگر وہ کہیں ادھر ادھر ہو گئے ہوں تو پھر تمہیں یہ معلوم کرنا ہوگا کہ وہ کہاں ہیں،کیونکہ۔۔۔"

شہزادی اپنی آنکھوں کے تاثرات میں تبدیلی لائے بغیر مسکراتے ہوئے بولی" یہ تو حدود سے تجاوز کے مترادف ہوگا،میں عورت ہوں اور آپ سمجھتے ہوں گے کہ ہم بیوقوف ہوتی ہیں مگر میں یہ بات اچھی طرح جانتی ہوں کہ ناجائز بیٹا جائیداد کا وارث نہیں بن سکتا۔۔۔وہ ناجائز ہی رہتا ہے" اس نے آخری فقرہ فرانسیسی زبان میں کہا جیسے اس ترجمے سے شہزادے کی دلیل غلط قرار پائے گی۔

ویسلے نے کہا" کیتش آخر تم سمجھتی کیوں نہیں؟تم اتنی ذہین ہو پھر تم یہ کیوں نہیں سمجھتیں کہ اگر نواب شہنشاہ کے نام اپنے بیٹے کو جائز تسلیم کیے جانے کی درخواست تحریر کر چکا ہے تو پیری پھر پیری نہیں رہے گا بلکہ نواب بیز وخوف بن جائیگا اور وصیت کی رو سے وہ ہر شے کا مالک ہوگا؟اور اگر وصیت اور وہ درخواست تلف نہیں ہوتے تو تمہارے ہاتھ سوائے اس بات کے کچھ نہیں آئے گا کہ تم نے اپنا فرض ایمانداری سے نبھایا اور اس میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔بس یہی کچھ ہوگا۔

شہزادی نے جواب دیا" میں جانتی ہوں کہ وصیت نامہ تیار کیا گیا تھا مگر مجھے یہ بھی علم ہے کہ یہ قانونی اعتبار سے بے ضابطہ ہے اور یوں لگتا ہے جیسے آپ مجھے بالکل ہی بیوقوف سمجھتے ہیں" اس کے چہرے پر کچھ ایسے تاثرات پیدا ہو گئے جو خواتین کے چہروں پر عموماً اس وقت پیدا ہوتے ہیں جب وہ یہ سمجھتی ہیں کہ انہوں نے کوئی بیحد مزاحیہ یا کاٹ دار بات کہہ دی ہے۔

ویسلے قدرے جھلا کر کہنے لگا" میری پیاری شہزادی کاتریناسیمیونووا!میں یہاں آپ سے تلخ کلامی کیلئے نہیں آیا بلکہ ایک عزیز کی حیثیت سے تمہارے ساتھ بات چیت کرنا تھا جیسے ایک اچھا اور مہربان عزیز دوسرے سے کرتا ہے۔میں تمہیں دسویں مرتبہ بتا رہا ہوں کہ اگر نواب کے کاغذات میں شہنشاہ کے نام درخواست اور پیری کے حق میں وصیت پائی گئی تو میری پیاری بچی نہ تم اور نہ تمہاری بہنیں وراثت میں حصہ دار بن سکیں گی۔اگر تمہیں میری بات پر اعتبار نہیں تو ایسے لوگوں کی بات پر یقین کر لو جو سب کچھ جانتے ہیں۔میری حال ہی میں دمتری اونوفریچ (یہ خاندان کا قانونی مشیر تھا) سے بات ہوئی ہے اور اس نے بھی مجھ سے اتفاق کیا ہے"

شہزادی کے خیالات میں اچانک تبدیلی رونما ہوئی۔اس کے باریک ہونٹ سفید پڑ گئے (آنکھیں جوں کی توں رہیں) اور جب وہ بولی تو اپنی آواز سن کر خود بھی حیرت زدہ رہ گئی۔

وہ کہنے لگی" اچھی بات ہے،میں نے پہلے کسی شے کی خواہش کی ہے نہ اب کرتی ہوں" اس نے گود میں بیٹھا کتا پرے دھکیل دیا اور اپنے لباس کی شکنیں درست کرتے ہوئے کہنے لگی" تو یہ ہے احسان مندی،جن لوگوں نے ان کی خاطر ہر شے قربان کر دی انہیں یہ صلہ ملا۔بہت خوب!بہت اعلیٰ!شہزادے مجھے کسی شے کی خواہش نہیں۔

ویسلے نے جواب دیا "ٹھیک ہے مگر تم اکیلی نہیں ہو، تمہاری بہنیں بھی ہیں" تاہم شہزادی اس کی بات نہیں سن رہی تھی۔

شہزادی نے کہا "ہاں، مجھے کافی عرصہ پہلے معلوم ہو گیا تھا مگر میں بھول گئی تھی کہ مجھے اس گھر میں کمینگی، فریب، حسد، سازشوں اور بدترین احسان ناشناسی کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔۔۔"

شہزادہ ویسلے نے رخساروں کو پہلے سے زیادہ پھڑپھڑاتے ہوئے پوچھا "تمہیں معلوم ہے کہ وصیت نامہ کہاں ہے؟ یا نہیں معلوم؟"

شہزادی نے کہا "ہاں، میں بیوقوف تھی جو لوگوں کی باتوں میں آ گئی۔ ان سے محبت کرتی رہی اور ان کیلئے قربانیاں دیتی رہی۔ مگر کامیابیاں صرف کمینوں اور رذیلوں کے حصے میں آئیں۔ میں جانتی ہوں یہ سب کس کا کیا دھرا ہے"

کیتش نے اٹھنا چاہا مگر ویسلے نے اسے بازو سے پکڑ کر روک لیا۔ وہ ایسی ہستی دکھائی دے رہی تھی جس کا تمام نوع انسانی پر اعتماد اچانک اٹھ گیا ہو۔ اس نے ویسلے کو یوں دیکھا جیسے اسے کچا ہی چبا جائے گی۔ ویسلے کہنے لگا "میری پیاری، ابھی وقت ہے۔ یاد رکھو کیتش یہ سب کچھ بلا ارادہ اور غصے و بیماری کے عالم میں ہوا اور پھر بھول گیا۔ میری پیاری بچی، ہمارا فرض ہے کہ اس غلطی کی تلافی کریں اور ان کے آخری لمحات کو آسان بنائیں تاکہ وہ اپنے ساتھ یہ احساس لے کر نہ جائیں کہ انہوں نے ان لوگوں کی زندگی مشکل بنادی ہے جنہوں نے۔۔۔"

شہزادی نے اس کا جملہ مکمل کرتے ہوئے کہا "جنہوں نے ان کیلئے اپنا سب کچھ قربان کر دیا"

وہ دوبارہ اٹھ کھڑی ہوئی مگر ویسلے نے اسے بٹھا لیا۔ شہزادی نے کہا "لیکن انہوں نے ان قربانیوں کی ذرا قدر نہ کی" پھر وہ سرد آہ بھر کر بولی "نہیں بھائی جان، مجھے ہمیشہ یاد رہے گا کہ اس دنیا میں انسان کو کبھی کسی صلے کی توقع نہیں رکھنی چاہئے۔ اس دنیا میں عزت اور انصاف نام کی کوئی شے موجود نہیں۔ یہاں صرف مکاری اور بدی درکار ہے۔"

شہزادہ بولا "چھوڑو، جانے دو، میں جانتا ہوں تم کس قدر اچھے دل کی مالک ہو"

کیتش نے جواب دیا "نہیں میں بدخصلت ہوں"

ویسلے نے اپنی بات دہراتے ہوئے کہا "میں تمہاری خصلت سے واقف ہوں۔ میں تمہاری رفاقت کی قدر کرتا ہوں اور میری خواہش ہے کہ تمہاری میرے بارے میں بھی یہی رائے ہو۔ اپنے آپ کو سنبھالو، ہمیں عقل سے کام لینا ہوگا، ابھی ہمارے پاس وقت ہے۔۔۔ چوبیس گھنٹے یا شاید ایک گھنٹہ۔ مجھے بتاؤ کہ وصیت کے بارے میں تم کس قدر جانتی ہو اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ یہ کہاں ہے، تمہیں یہ بات ہر صورت جاننا ہوگی۔ ہم اسے اسی وقت نواب کے پاس لے چلیں گے۔ یقیناً وہ اسے بھول چکے ہوں گے اور اسے تلف کرنا چاہیں گے۔ تمہیں سمجھ لینا چاہئے کہ میری واحد آرزو ان کی خواہشات پر بعینہ عمل کرنا ہے۔ صرف اسی وجہ سے میں یہاں آیا ہوں۔ میں یہاں صرف تمہاری اور ان کی مدد کیلئے موجود ہوں۔

شہزادی کہنے لگی "اب میں سب کچھ سمجھ گئی۔ مجھے معلوم ہے کہ یہ سب کچھ کون کر رہا ہے، میں جانتی ہوں"

ویسلے نے کہا "میری جان، اس وقت مسئلہ یہ نہیں"

شہزادی بولی "یہ آپ کی قابل قدر اینا میخائلونا ہے جس کے آپ مربی بنے ہوئے ہیں، میں اسے نوکرانی بھی نہ رکھوں، بدذات، کمینی"

ویسلے نے کہا "ہم وقت ضائع کر رہے ہیں"

شہزادی نے جواب دیا "اوہ، مجھ سے بات مت کریں! گزشتہ سرما میں اس نے یہاں کا رخ کر لیا اور نواب کو ہم سب خصوصاً صوفی کے بارے میں وہ جھوٹی اور شرمناک کہانیاں سنائیں کہ میں بیان نہیں کر سکتی، انہیں سن کر نواب کی طبیعت واقعی خراب ہو گئی اور وہ دو ہفتے ہم سب سے ناراض رہے۔ میں جانتی ہوں کہ نواب نے انہی دنوں میں وہ قابل نفرت اور رسوا کن دستاویز لکھی، مگر میں سمجھتی رہی کہ اس کی کوئی اہمیت نہیں۔

ویسلے نے کہا "ہم بھی یہاں موجود تھے۔ تم نے ہمیں پہلے اس بارے میں کیوں نہ بتایا؟

شہزادی نے اس کے سوال کو نظر انداز کر دیا اور کہنے لگی "یہ اس چرمی تھیلے میں بند ہے جسے وہ اپنے سرہانے تلے رکھتے ہیں۔ اب میں سمجھ گئی ہوں۔ ہاں، اگر مجھ سے کوئی گناہ سرزد ہوا ہے جس کا مجھے حساب دینا ہوگا، عظیم گناہ، تو وہ یہ ہے کہ مجھے اس رسوا عورت سے سخت نفرت ہے" شہزادی تقریباً چلا رہی تھی اور اس قدر تبدیل ہو چکی تھی کہ بالکل مختلف عورت دکھائی دے رہی تھی۔ پھر وہ کہنے لگی "وہ ہر وقت یہاں کیوں گھسی چلی آتی ہے؟ مگر میں اس کی پوری خبر لوں گی۔ وقت آنے والا ہے!"

(19)

جس وقت استقبالیہ ہال اور شہزادی کیتش کے کمرے میں یہ گفت و شنید ہو رہی تھی اسی وقت ایک گاڑی نواب بیزوخوف کے محل نما مکان کے صحن میں داخل ہو رہی تھی جس میں پیری (جسے بلایا گیا تھا) اور اینا میخائلونا (جس نے پیری کے ساتھ آنا ضروری سمجھا تھا) سوار تھے۔ جب گاڑی کے پہیوں کی چرچراہٹ گلی میں بچھائے گئے بھوسے تلے دب گئی تو اینا میخائلونا جس نے اپنے ساتھی کو ہمدردی کے چند الفاظ کہنے کیلئے اپنا رخ اس کی طرف کر لیا تھا، احساس ہوا کہ وہ گاڑی کے ایک کونے میں سویا ہوا ہے۔ اینا نے اسے جگا دیا۔ پیری نے آنکھیں کھولیں اور اینا میخائلونا کے پیچھے پیچھے گاڑی سے اترنے لگا۔ تب اسے اچانک خیال آیا کہ اسے بستر مرگ پر پڑے اپنے والد سے ملاقات کرنا ہے۔ اس نے دیکھا کہ ان کی گاڑی سامنے کی بجائے عقبی دروازے سے اندر آئی ہے۔ جونہی اس نے گاڑی سے پاؤں باہر نکالا، دو افراد جو لباس سے دکاندار معلوم ہوتے تھے دروازے سے بھاگ کر دیوار کی اوٹ میں دبک گئے۔ پیری نے دیکھا کہ ان جیسے دیگر متعدد افراد بھی مکان کی دونوں جانب دیواروں کے سائے میں کھڑے ہیں۔ تاہم نہ تو اینا میخائلونا اور نہ ہی ملازمین اور کوچوان نے جو انہیں دیکھ چکے تھے، ان کی جانب کوئی دھیان دیا۔ پیری نے سوچا اگر یہ لوگ ان پر دھیان نہیں دے رہے تو پھر ٹھیک ہی ہوگا، یہ سوچ کر وہ اینا میخائلونا کے پیچھے چل دیا۔ اینا میخائلونا تیز تیز قدموں سے تنگ اور نیم تاریک سیڑھیاں چڑھتے ہوئے بار بار پیچھے مڑ کر پیری کو تیز قدم اٹھانے کی ہدایت کر رہی تھی جو اس کے پیچھے پیچھے چلا آ رہا تھا۔ اگرچہ پیری کو بالکل اندازہ نہ تھا کہ اسے نواب کے پاس کیوں بلایا گیا ہے اور یہ تو بالکل ہی سمجھ نہ آیا کہ عقبی سیڑھیوں سے اندر جانا کیوں ضروری ہے تاہم اینا میخائلونا جس عجلت اور اعتماد کا مظاہرہ کر رہی تھی اس سے وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ ایسا کرنا اس کیلئے ضروری ہوگا۔ سیڑھیوں کے درمیان میں بالٹیاں اٹھائے اور بوٹ کھڑکھڑاتے ہوئے نیچے آنے والے چند افراد سے تقریباً ٹکرا ہی گئے۔ یہ لوگ پیری اور اینا میخائلونا کو راستہ دینے کیلئے سمٹ کر دیوار کے ساتھ ہو گئے، ان لوگوں نے دونوں کو وہاں دیکھ کر کسی قسم کی حیرت کا اظہار نہ کیا۔

اینا میخائلونا نے ان میں سے ایک شخص سے پوچھا "کیا شہزادیوں کے اپارٹمنٹ کو یہی راستہ جاتا

ہے۔۔۔؟''

ایک ملازم نے بے دھڑک انداز میں باآواز بلند جواب دیا''جی ہاں، یہی ہے مادام، بائیں جانب والا دروازہ''اس کے لہجے سے یوں ظاہر ہوتا تھا ایسے وقت میں ہر بات کی کھلی چھٹی مل گئی ہو۔

پیری نے اوپر پہنچ کر کہا''شاید نواب نے مجھے بلایا ہی نہیں، بہتر ہے میں اپنے کمرے میں چلا جاؤں''

اینا میخائلونا جو اس کا انتظار کرنے کیلئے رک گئی تھی، کہنے لگی''آہ، میرے عزیز''اس نے بالکل اسی انداز میں پیری کے بازو پر ہاتھ رکھا جس طرح صبح اپنے بیٹے کے بازو پر رکھا تھا۔ پھر اس نے کہا''یقین کرو مجھے بھی اتنا ہی دکھ پہنچا ہے جتنا تمہیں پہنچ رہا ہے مگر تمہیں مرد بننا چاہیے''

پیری نے اپنی عینک کے اوپر سے اسے شفقت آمیز انداز میں دیکھتے ہوئے پوچھا''کیا یہ واقعی بہتر نہیں ہوگا کہ میں واپس چلا جاؤں؟''

اینا میخائلونا بولی''آہ میرے عزیز، اپنے ساتھ ہونے والی زیادتیاں بھلا دو اور یہ یاد رکھو کہ وہ تمہارے والد ہیں۔۔۔اور شاید وہ موت کی اذیت سے دوچار ہیں''اس نے سرد آہ بھری اور پھر کہنے لگی''میں بچپن سے ہی تمہیں اپنے بیٹے کی طرح چاہتی ہوں۔ مجھ پر اعتماد کرو پیری۔ میں تمہارے مفادات نہیں بھلاؤں گی''

پیری کو اس کا ایک لفظ بھی سمجھ نہ آیا۔ ایک مرتبہ پھر اس نے شدت سے محسوس کیا کہ یہ سب کچھ ہونا ہی تھا اور فرمانبرداری سے اینا میخائلونا کے پیچھے چل دیا جو پہلے ہی دروازہ کھولنے میں مصروف تھی۔ یہ دروازہ عقبی سیڑھیوں کے ایک دالان میں کھلتا تھا۔ کونے میں شہزادیوں کا بوڑھا خدمتگار بیٹھا جرابیں بن رہا تھا۔ پیری مکان کے اس حصے میں کبھی نہیں آیا تھا اور اسے توقع ہی نہیں تھی کہ ادھر بھی کوئی عمارت موجود ہوگی۔ ایک ملازمہ ٹرے پر پانی کا گلاس سجائے ان کے قریب سے گزری، اینا میخائلونا نے اس سے شہزادیوں کی صحت کے بارے میں دریافت کیا (اس نے نوکرانی کی خوشامد کیلئے اسے پیاری اور اچھی لڑکی کہہ کر پکارا تھا) اور پتھریلی راہداری میں پیری کو اپنے ساتھ آگے گھسیٹ لیا۔ بائیں جانب پہلا دروازہ شہزادیوں کے رہائشی کمروں کی جانب کھلتا تھا۔ پانی کا گلاس لے جانے والی ملازمہ جلدی میں تھی (اس وقت محل میں تمام کام جلد بازی سے ہو رہے تھے) اور اسے اپنے پیچھے دروازہ بند کرنا یاد نہ رہا۔ جب پیری اور اینا میخائلونا ادھر سے گزرے تو انہوں نے بے اختیار کمرے میں جھانک کر دیکھا جہاں شہزادہ ویسلے اور بڑی شہزادی ایک دوسرے کے قریب بیٹھے محو گفتگو تھے۔ انہیں دیکھ کر شہزادی ویسلے گڑبڑا گیا اور اونچی کرسی میں پیچھے کی جانب جھنس گیا۔ شہزادی نے جست لگائی اور بازو لہرا کر پوری قوت سے دروازہ بند کر دیا۔ شہزادی کا یہ عمل اس کے عمومی پرسکون رویے کے اسقدر برعکس اور ویسلے کے چہرے پر برستی وحشت اس کے وقار سے اتنی مختلف تھی کہ پیری کچھ دیر کیلئے رک گیا اور عینک کے اوپر سے اپنی رہنما کو سوالیہ انداز سے دیکھنے لگا۔ اینا میخائلونا نے کسی تعجب کا اظہار نہ کیا بلکہ اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اس نے یوں آہ بھری جیسے ظاہر کر رہی ہو کہ اسے اسی بات کی توقع تھی۔

وہ پیری کی استفہامیہ نظروں کے جواب میں بولی''مرد بنو میرے عزیز، تمہارے مفادات کی نگہبانی میں کروں گی''یہ کہہ کر وہ راہداری میں اور بھی تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

پیری کو سمجھ نہ آئی کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے اور یہ بات تو بالکل ہی اس کے پلے نہ پڑی کہ اس کے مفادات کی نگہبانی کا کیا مطلب ہے۔ تاہم اس نے یہ محسوس کیا کہ ایسا ہونا ہی تھا۔ راہداری سے ہوتے ہوئے وہ نواب کے استقبالیہ کمرے سے ملحقہ نیم روشن ہال میں چلے گئے۔ یہ ان سرد اور پرشکوہ انداز سے سجے کمروں میں سے ایک تھا جس میں پیری ہمیشہ سامنے کے دروازے سے اندر آیا کرتا تھا۔ مگر اس کمرے میں بھی فرش کے درمیان ایک خالی ٹب پڑا تھا اور قالین پر پانی پھیلا تھا۔ یہاں ایک ملازم اور گرجے کا خدمتگار عود دان اٹھائے دبے پاؤں ان کے قریب سے گزر گئے اور ان کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ پیری اور اینا استقبالیہ کمرے میں داخل ہو گئے جس کا ایک دروازہ سرمائی باغ میں کھلتا تھا، پیری اس کمرے سے بخوبی واقف تھا۔ اس میں دو اطالوی کھڑکیاں تھیں اور دیوار پر ملکہ کیتھرین کی قد آدم تصویر آویزاں تھی۔ استقبالیہ کمرے میں وہی اشخاص اسی ترتیب سے بیٹھے سرگوشیاں کر رہے تھے۔ جب ان کی نظریں اندر آتی اینا میخائلونا کے زرد اور پرملال چہرے پر پڑیں اور انہوں نے بھاری بھرکم اور دراز قد پیری کو اس کے پیچھے پیچھے اندر جاتے دیکھا تو سب خاموش ہو گئے۔

اینا میخائلونا کے چہرے سے ظاہر ہوتا تھا کہ نازک لمحہ آن پہنچا ہے۔ پیٹرز برگ کی تجربہ کار خاتون کا انداز اپنائے اور پیری کو اپنے ساتھ لیے وہ صبح کی نسبت کہیں زیادہ دلیری سے کمرے میں داخل ہو گئی۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ چونکہ وہ ایسے شخص کو ساتھ لائی ہے جس سے بستر مرگ پر پڑا شخص ملنے کا خواہشمند ہے اس لیے اسے کوئی روک ٹوک نہیں ہوگی۔ اس نے تیزی سے کمرے کی چاروں اطراف نگاہیں گھمائیں اور فوراً اندازہ لگا لیا کہ نواب کا روحانی مشیر وہیں موجود ہے، وہ جلدی سے اس کی جانب بڑھی اور اس کے سامنے جھک گئی تاہم بظاہر جھکنے سے زیادہ اس کا جسم رعب کے زیر اثر سکڑ گیا۔ اس نے مودبانہ انداز میں پہلے ایک اور پھر دوسرے پادری کی دعائیں لیں۔

وہ ایک پادری سے مخاطب ہو کر بولی''خدا کا شکر ہے کہ ہم وقت پر پہنچ گئے۔ ہم تمام گھر والوں پر شدید خوف طاری تھا، یہ نوجوان محترم نواب کا بیٹا ہے''پھر اس نے کہا''کس قدر اذیت ناک لمحہ ہے''بات مکمل کرنے کے بعد اس نے ایک ڈاکٹر کی جانب رخ کیا اور اس سے پوچھا''محترم ڈاکٹر، یہ نوجوان نواب کا فرزند ہے، کیا کوئی امید باقی ہے؟''

ڈاکٹر منہ سے کچھ نہ بولا مگر تیزی سے نگاہیں اٹھائیں اور کندھے اچکا دیے۔ اینا میخائلونا نے بھی تقریباً اسے انداز سے نگاہوں اور کندھوں کو حرکت دی اور اپنی آنکھیں تقریباً بند کر لیں، پھر اس نے لمبی سانس بھری اور ڈاکٹر سے پیری کی جانب متوجہ ہو گئی۔ اس نے پیری سے نرم اور اداس لہجے میں مخاطب ہوتے ہوئے کہا''خداوند سے رحم کی امید رکھو''اور ایک صوفے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے اسے وہاں بیٹھنے اور انتظار کرنے کی تاکید کر کے دبے پاؤں اس دروازے کی جانب بڑھی جس پر سب کی نظریں گڑی تھیں۔ اس نے آہستگی سے دروازہ کھولا اور اس کے پیچھے غائب ہو گئی۔

پیری ہر معاملے میں اپنی رہنما کی ہدایات پر عمل کا فیصلہ کر چکا تھا چنانچہ وہ اس صوفے کی جانب چل دیا جس پر بیٹھنے کا اسے اشارہ کیا گیا تھا۔ اس نے دیکھا کہ اینا میخائلونا کے غائب ہوتے ہی کمرے میں موجود ہر شخص کی نگاہیں پرتجسس انداز میں اس پر مرکوز ہو گئی ہیں۔ اس نے اندازہ لگایا کہ تمام افراد ایک دوسرے سے سرگوشیاں کرتے ہوئے اس کی جانب ہیبت زدہ بلکہ خوشامدانہ نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ وہ اس سے کچھ ایسی عزت وتکریم دے رہے تھے جو اسے پہلے کبھی نہ ملی تھی۔ ایک اجنبی خاتون جو پادری سے بات چیت کر رہی تھی اٹھ کھڑی ہوئی اور اسے اپنی کرسی پیش کی۔ پیری کا ایک دستانہ نیچے گر پڑا تو ایک ایجوٹنٹ نے فوراً اٹھا کر اسے پیش کر دیا۔ جب وہ ڈاکٹروں کے قریب سے گزرا تو وہ نہ صرف احتراماً خاموش ہو گئے بلکہ اسے راستہ دینے کیلئے ایک جانب ہٹ گئے۔ ابتداء میں پیری خاتون کو تکلیف دینے کی بجائے کسی دوسری کرسی پر بیٹھنا، اپنا دستانہ خود اٹھانا اور ڈاکٹروں کے گرد چکر لگا کر گزرنا چاہتا تھا جو دراصل اس کی راہ میں بھی نہیں کھڑے تھے مگر اچانک اسے محسوس ہوا کہ ایسا کرنا نامناسب ہوگا۔ اسے محسوس ہوا کہ آج رات وہ ایسا شخص ہے

جسے خوفناک رسم نبھانا ہے جس کی ہر شخص توقع کر رہا ہے، سواس کیلئے ہر شخص کی خدمات سے استفادہ کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ اس نے خاموشی سے ایجوٹنٹ کے ہاتھ سے دستانہ لے لیا اور خاتون کی پیش کردہ کرسی پر مصری مجسمے کے انداز میں اپنے بھاری بھرکم ہاتھ گھٹنوں پر رکھ کر بیٹھ گیا، وہ ذہن میں فیصلہ کر چکا تھا کہ جو کچھ ہو رہا ہے بالکل ویسے ہی ہے جیسے اسے ہونا چاہیے اور ذہنی گڑبڑاہٹ نیز حماقت سے بچنے کیلئے آج رات اپنے خیالات پر عمل کی بجائے ان لوگوں کی ہدایت پر پورا عمل کرنا چاہیے جو اس کی رہنمائی کر رہے ہیں۔

دو منٹ بھی نہ گزرے تھے کہ شہزادہ ویسلے شاہانہ انداز سے کمرے میں داخل ہوا، اس نے اپنے کوٹ پر تین ستارے آویزاں کر رکھے تھے اور گردن اکڑائے ہوئے چل رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ صبح کی نسبت زیادہ دبلا ہو گیا ہے۔ اس نے اپنی آنکھیں جو معمول سے زیادہ بڑی دکھائی دے رہی تھیں، گھما پھرا کر کمرے کا جائزہ لیا یہاں تک کہ اسے پیری نظر آ گیا۔ وہ اس کے پاس گیا اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام کر (ویسلے نے پہلے کبھی ایسا نہیں کیا تھا) اسے نیچے کی جانب کھینچا جیسے اس کی قوت کا اندازہ لگانا چاہتا ہو۔ پھر اس نے پیری سے کہا "حوصلہ، حوصلہ کرو میرے عزیز، انہوں نے تمہیں ملاقات کیلئے بلایا ہے، اور یہ اچھا ہوا کہ۔۔۔۔" اتنا کہہ کر وہ جانے کیلئے مڑا تاہم پیری نے اس سے پوچھا "ان کی طبیعت کیسی ہے؟" وہ ہنچکچا رہا تھا کہ قریب المرگ شخص کو نواب کہنا مناسب ہوگا یا نہیں، اور باپ کہتے ہوئے اسے شرم آتی تھی۔

ویسلے نے جواب دیا "نصف گھنٹہ قبل ان پر ایک اور حملہ ہوا تھا۔ حوصلہ، میرے عزیز"

پیری ذہنی طور پر کچھ اس طرح گڑبڑا چکا تھا کہ لفظ "حملہ" سن کر وہ یہ سمجھا جیسے نواب کو کسی شے سے ضرب لگائی گئی ہے۔ اس نے بوکھلا کر ویسلے کی جانب دیکھا اور بعد میں اسے یہ احساس ہوا کہ حملے سے مراد بیماری کا حملہ تھا۔ شہزادہ ویسلے نے چلتے چلتے ڈاکٹر لورین سے چند الفاظ کہے اور پنجوں کے بل دروازے میں داخل ہو گیا۔ پنجوں کے بل چلنا اس کیلئے ممکن نہ تھا اور ہر قدم پر اس کا جسم بے ڈھنگے انداز میں ڈولنے لگتا تھا۔ بڑی شہزادی، اس کے بعد پادری، نائب پادری اور چند نوکر اس کے پیچھے پیچھے دروازے کی جانب چل دیے۔ کمرے سے مختلف اشیاء کو ادھر ادھر حرکت دینے کی آوازیں آ رہی تھیں، آخرکار اینا میخائلوونا بھاگتی ہوئی باہر آئی، اس کا چہرہ ابھی تک زرد تھا تاہم اپنے فرائض کی ادائیگی کیلئے وہ بیحد اولوالعزم دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے اپنا ہاتھ پیری کے بازو پر رکھا اور کہنے لگی "خداوند کی رحمت بے پایاں ہے، مسح کی رسم شروع ہوا چاہتی ہے، چلو"

پیری نرم و گداز قالین میں قدم دھنساتا کمرے میں چلا گیا، اس نے دیکھا کہ ایجوٹنٹ، اجنبی خاتون اور چند نوکر بھی اس کے پیچھے چلے آ رہے ہیں جیسے اب کمرے میں داخل ہونے کیلئے کسی اجازت کی ضرورت نہیں رہی۔

(20)

پیری ستونوں اور ایک محراب میں منقسم اور ایرانی قالینوں سے مزین اس بڑے کمرے سے اچھی طرح واقف تھا۔ ستونوں کے پیچھے کمرے کا ایک حصہ اس طرح روشن تھا جیسے شام کی عبادت کے وقت گرجا گھر منور ہوتا ہے۔ یہاں ایک طرف مہاگنی لکڑی کا خاصا اونچا پلنگ موجود تھا جس پر ریشمی پردے تنے تھے جبکہ دوسری جانب مقدس تصاویر کا بھاری صندوق دھرا تھا۔ تصاویر والے صندوق کے چمکتے دمکتے غلافوں کے نیچے بیماروں والی لمبی کرسی موجود تھی

جس پر دھرے دودھیا سفید ہموار تکیوں پر پیری کو اپنی باپ کی شاندار جھلک دکھائی دی جس کا جسم کمر سے پاؤں تک چمکدار سبز لحاف سے ڈھکا ہوا تھا۔ اس کی پیشانی پر شیر کے ایال جیسے سفید گھنے بال پھیلے تھے جبکہ اس کے وجیہہ اور سرخ و زرد چہرے پر روساء کی مخصوص جھریاں پڑی ہوئی تھیں۔ وہ مقدس تصاویر کے نیچے سیدھا لیٹا تھا اور اس کے ضخیم ہاتھ لحاف پر پڑے تھے۔ اس کے دائیں ہاتھ میں جس کی ہتھیلی الٹی کر دی گئی تھی، انگوٹھے اور انگشت شہادت کے درمیان ایک موم بتی پھنسا دی گئی تھی، ایک معمر ملازم کرسی پر جھکا اسے اٹھائے ہوئے تھا۔ صوفے کے اردگرد پادری کھڑے تھے جن کے لمبے بال ان کے بھڑکیلے چغوں پر لٹک رہے تھے۔ انہوں نے اپنے ہاتھوں میں جلتی موم بتیاں تھام رکھی تھیں اور نہایت سنجیدگی و متانت سے مذہبی رسومات ادا کر رہے تھے۔ ان سے کچھ پیچھے دونوں چھوٹی شہزادیاں آنکھوں پر رومال رکھے کھڑی تھیں اور ان کے سامنے بڑی شہزادی کیتش تھی جس کے چہرے پر عزم اور انتقامی سوچ ہویدا تھی۔ اس نے ایک لمحے کیلئے بھی اپنی آنکھیں مقدس تصاویر سے نہ ہٹائیں جیسے یہ ظاہر کرنا چاہتی ہو کہ اگر اس کی توجہ ہٹ گئی اور نظریں ادھر ادھر بھٹک گئیں تو اس کی ذمہ داری اس پر عائد نہیں کی جا سکے گی۔ اینا میخائلوونا غمزدہ چہرے پر درگزر کا تاثر لئے دروازے کے قریب اجنبی خاتون کے ساتھ کھڑی تھی۔ شہزادہ ویسلے دروازے کی دوسری جانب مریض کی کرسی کے بالکل ساتھ جڑا کھڑا تھا۔ اس نے کرسی کو سہولت کے پیش نظر آگے گھسیٹ لیا تھا اور اپنا بازو مخمل کے غلاف میں لپٹی صوفے کی منقش پشت پر ٹکا رکھا تھا۔ اس کے دائیں ہاتھ میں موم بتی تھی جبکہ بائیں سے وہ اپنے سینے پر صلیب کا نشان بنا رہا تھا۔ اس دوران اس کی انگلیاں پیشانی کو چھوتیں تو وہ اپنی نظریں اوپر اٹھا لیتا۔ وہ اپنے چہرے پر پارسائی کا نقاب اوڑھے ہوئے تھا اور یہ تاثر دے رہا تھا جیسے خدا کی مرضی کے سامنے دم مارنے کی مجال نہ ہو اور چہرے پر کچھ ایسا تاثر تھا جیسے دوسروں کو یہ بتانا چاہ رہا ہو کہ "اگر تم میرے محسوسات کا ادراک نہیں کر سکتے تو تم پر خدا کی لعنت ہو"

اس کے پیچھے ایجوٹنٹ، ڈاکٹر اور مرد ملازمین کھڑے تھے۔ مرد اور خواتین اس طرح علیحدہ علیحدہ کھڑی تھیں جیسے گرجا گھر میں موجود ہوں۔ تمام افراد خاموشی سے اپنے سینوں پر صلیب کا نشان بنا رہے تھے۔ کمرے میں خاموشی طاری تھی اور صرف پادریوں کی دھیمے انداز میں دعائیں پڑھنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اس دوران کبھی وقفہ آتا تو صرف آہیں بھرنے اور پاؤں گھسیٹنے کی آوازیں ہی سنائی دیتیں۔ اینا میخائلوونا کچھ اس انداز سے آگے بڑھی جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ بہت اہم ہستی ہے اور جانتی ہے کہ کیا کرنا ہے، وہ کمرے کی دوسری جانب پیری کے پاس گئی اور اسے ایک موم بتی تھما دی۔ پیری نے موم بتی جلا لی، وہ اپنے اردگرد کھڑے لوگوں کو دیکھنے میں محو تھا اور ذہن حاضر نہ ہونے کے سبب جس ہاتھ میں موم بتی تھی اسی سے سینے پر صلیب کا نشان بنانے لگا۔ گلابی رخساروں اور ہونٹ پر تل کے نشان والی سب سے چھوٹی شہزادی صوفی اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ مسکرائی، اپنا چہرہ رومال میں چھپایا اور کافی دیر تک اسی طرح کھڑی رہی۔ مگر جب اس نے پیری کو دوبارہ دیکھا تو ہنسی نہ روک سکی۔ اس کیلئے پیری کو ہنسے بغیر دیکھنا ممکن نہ تھا اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اسے دیکھے بغیر بھی نہیں رہ سکتی تھی چنانچہ اس صورتحال سے بچنے کیلئے وہ ایک ستون کی اوٹ میں ہو گئی۔ مذہبی رسومات کے دوران پادریوں کی آوازیں اچانک خاموش ہو گئیں اور وہ آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے۔ معمر ملازم جو نواب کا بازو تھامے بیٹھا تھا، اٹھ کھڑا ہوا اور خواتین کی طرف متوجہ ہوا۔ اینا میخائلوونا آگے بڑھی، مریض کے سامنے جھکی اور اپنے عقب میں ہاتھ کے اشارے سے لورین کو بلایا۔ فرانسیسی ڈاکٹر ایک ستون کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا تھا، اس کے ہاتھ میں موم بتی تو نہیں تھی البتہ تکریمی انداز سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ غیر ملکی اور مختلف مذہب

کا پیروکار ہونے کے باوجود وہ نہ صرف ان رسومات کی اہمیت سے آگاہ ہے بلکہ انہیں تحسین کی نظر سے بھی دیکھتا ہے۔ اینا کے اشارے پر وہ دھیمی چال سے آگے بڑھا، اس کی چال ایسے شخص کی تھی جس کا شباب عروج پر ہوتا ہے۔ اس نے اپنی نرم ونازک انگلیوں سے مریض کا وہ ہاتھ اٹھایا جو لحاف پر پڑا تھا اور اسے الٹا کر کے نبض جانچنے کے بعد کچھ دیر سوچتا رہا۔ مریض کو کوئی مشروب پلایا گیا اور اس کے گرد لوگوں کا چھوٹا سا جمگھٹا بن گیا، بعدازاں تمام لوگ اپنی اپنی جگہ پر چلے گئے اور دعا کا ورد دوبارہ شروع ہو گیا۔ اس وقفے کے دوران پیری نے دیکھا کہ شہزادہ ویسلے صوفے سے پرے ہٹا اور اسی انداز سے آگے بڑھا جیسے کہنا چاہتا ہو کہ مجھے معلوم ہے میں کیا کرنے والا ہوں اور جو نہیں سمجھتا اس پر خدا کی لعنت ہو، تاہم اس مرتبہ وہ بیمار کی طرف جانے کی بجائے اس کے قریب سے گزرتا ہوا بڑی شہزادی کے پاس پہنچ گیا۔ وہاں سے وہ دونوں کمرے کے دوسرے سرے کی جانب چل دیے جہاں ریشمی پردوں والا پلنگ پڑا تھا۔ دونوں وہاں سے عقبی دروازے کے ذریعے باہر نکل گئے تاہم دعا ختم ہونے سے قبل وہ الگ الگ واپس آگئے۔ پیری نے وہاں پیش آنے والے دیگر واقعات کی طرح اس پر بھی توجہ نہ دی، وہ یہ بات سوچ چکا تھا کہ اس شام جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب وہی کچھ ہے جو ہونا چاہیے۔

دعائیں ختم ہو گئیں اور بڑے پادری کی آواز سنائی دی جو مریض کو احتراماً اصطباغ ملنے کی مبارک دے رہا تھا۔ نواب پہلے کی طرح بے حس وحرکت پڑا رہا۔ ہر شخص ادھر ادھر جا رہا تھا اور قدموں کی چاپ کے ساتھ ساتھ سرگوشیاں سنائی دے رہی تھیں جن میں سب سے بلند آواز اینا میخائلونا کی تھی، پیری نے اسے یہ کہتے سنا ”انہیں ہر صورت یہاں سے اٹھا کر بستر پر لٹانا ہوگا، ایسے ناممکن ہے۔۔۔“

بیمار کے گرد ڈاکٹروں، شہزادیوں اور نوکروں کا اسقدر ہجوم تھا کہ پیری کیلئے اس کا سرخ وزرد چہرہ اور اس کے اوپر گھنے بال دیکھنا ممکن نہ رہا، دعا کے دوران وہ دوسروں پر بھی نظریں دوڑاتا رہا تھا مگر یہ چہرہ ایک لمحے کیلئے بھی اس کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوا تھا۔ نواب کے کرسی کے گرد جمع لوگوں کی محتاط حرکات وسکنات سے اس نے یہ اندازہ لگایا کہ وہ قریب المرگ شخص کو اٹھا کر دوسری جگہ منتقل کر رہے ہیں۔

ایک ملازم نے خوفزدہ انداز میں سرگوشی کی ”میرا بازو پکڑ لو، ورنہ تم انہیں گرا دو گے“ دوسری آوازیں سنائی دیں ”ذرا نیچے۔۔۔ ایک اور یہاں آجائے“ مریض کو اٹھانے والے لوگوں کے ہانپنے اور گھسٹنے سے اندازہ ہوتا تھا کہ انہوں نے خاصا وزن اٹھا رکھا ہے۔

مریض کو اٹھانے والوں میں اینا میخائلونا بھی شامل تھی۔ جب وہ پیری کے قریب سے گزرے تو اس نے ان کی پشت اور گردنوں کے اوپر سے بیمار کے چوڑے چکلے عریاں سینے، سرمئی گھنگھریالے اور شیر جیسے بال نیز مضبوط کندھوں کی جھلک دیکھی جو بغلوں سے اٹھائے جانے کے باعث اوپر کی جانب اٹھے ہوئے تھے۔ موت کی آمد بھی اس کے سر، غیر معمولی اونچی پیشانی، رخساروں کی ہڈیوں، خوبصورت دہانے اور سرد وشاہانہ وقار کی حامل آنکھوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکی تھی۔ نواب اب بھی بالکل ویسا ہی تھا جیسے اسے پیری نے تین ماہ قبل اس وقت دیکھا تھا جب اس نے اسے پیٹرزبرگ روانہ کیا تھا۔ تاہم جب اسے اٹھانے والوں کے ناہموار قدم فرش پر پڑتے تو اس کا سر بیچارگی کے عالم میں ہلنے لگتا اور اس کی سرد وبے حس آنکھیں کسی ایک شے پر مرکوز ہونے سے قاصر تھیں۔

اونچے پلنگ کے ارد گرد کئی منٹ تک ہلچل مچی رہی اور پھر نواب کو اٹھا کر لانے والے لوگ ادھر ادھر ہو گئے۔
اینا میخائلونا نے پیری کے بازو پر ہاتھ رکھا اور اپنے ساتھ آنے کو کہا۔ پیری اس کے ساتھ بستر تک پہنچا جہاں بیمار آدمی

کو ان رسومات کی مناسبت سے جو کچھ دیر پہلے انجام دی گئی تھیں شاندار انداز میں لٹایا گیا تھا۔ اس کا سر تکیوں کے سہارے اونچا کر دیا گیا تھا۔ اس کے ہاتھ جن کی ہتھیلیاں الٹی تھیں موزوں انداز میں سبز لحاف پر رکھے تھے۔ جب پیری اس کے قریب آیا تو نواب نے سیدھا اس کی جانب دیکھا مگر کوئی بھی اس کی نگاہوں کا مفہوم نہ سمجھ سکا۔ یا تو یہ آنکھیں بلا مقصد دیکھ رہی تھیں کیونکہ آنکھوں کا کام ہی دیکھنا ہے یا پھر یہ بہت کچھ کہنا چاہتی تھیں۔ پیری رک گیا، اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے، سو اس نے سوالیہ نظروں سے اپنی رہنما کی جانب دیکھا۔ اینا میخائلونا نے آنکھوں ہی آنکھوں میں تیزی سے بیمار آدمی کے ہاتھ کی جانب اشارہ کیا اور پھر ہونٹ یوں پچکائے جیسے بوسہ لیا جاتا ہے۔ پیری نے ایسا ہی کیا اور احتیاط سے گردن آگے بڑھائی تاکہ لحاف آگے پیچھے نہ ہو جائے، اس نے بیمار آدمی کا بڑی بڑی ہڈیوں والا لحیم شحیم ہاتھ چوم لیا۔ نواب کے ہاتھ نے حرکت کی نہ ہی چہرے پر کوئی تاثر پیدا ہوا۔ پیری نے دوبارہ اینا میخائلونا کی جانب سوالیہ نگاہوں سے دیکھا کہ ”اب کیا کرنا چاہیے“ اینا نے بستر کے قریب پڑی کرسی کی جانب اشارہ کیا۔ پیری اس کا حکم بجا لاتے ہوئے کرسی پر بیٹھ گیا، اس کی آنکھیں ابھی تک یہ دریافت کر رہی تھیں کہ آیا اس نے سب کچھ درست انداز میں کیا ہے۔ پیری نے دوبارہ مصری مجسمے کا انداز اختیار کر لیا، اسے اس بات سے کوفت ہو رہی تھی کہ اس کے بھدے جسم نے اسقدر جگہ گھیر رکھی ہے، چنانچہ وہ سکڑ سمٹ کر چھوٹا دکھائی دینے کی کوشش کرنے لگا۔ اس نے نواب کی جانب دیکھا۔ اس کی آنکھیں ابھی تک وہیں جمی تھیں جہاں کچھ دیر پہلے کھڑے پیری کا چہرہ تھا۔ اینا میخائلونا کے تیور بتا رہے تھے کہ باپ بیٹے کے مابین ان آخری لمحات کے رقت آمیز گھمبیر پن سے وہ پوری طرح آگاہ ہے۔ یہ کیفیت دو منٹ رہی مگر پیری کو یہ دو منٹ ایک گھنٹہ محسوس ہوئے۔ اچانک نواب کے چہرے کے توانا عضلات اور لکیروں پر لرزہ طاری ہو گیا۔ لرزے میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا، اس کا خوبرو دہانہ مسخ ہونے لگا (اب پیری کو احساس ہوا کہ اس کا والد قریب المرگ ہے) اور اس سے خشک اور ناقابل فہم آواز برآمد ہوئی۔ اینا میخائلونا نے غور سے بیمار کے منہ کی جانب دیکھا اور یہ اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ وہ کیا چاہتا ہے، پہلے اس نے پیری کی طرف اشارہ کیا، پھر مشروب کی طرف اور اس کے بعد سوالیہ سرگوشی میں شہزادہ ویسلے کا نام لیا، بعدازاں اس نے لحاف کی جانب انگلی اٹھائی۔ مریض کی آنکھوں سے بے تابی جھلک رہی تھی۔ اس نے اپنے سرہانے مسلسل کھڑے نوکر کی جانب دیکھنے کی کوشش کی۔

ملازم سرگوشی کے انداز میں بولا ”وہ دوسری جانب کروٹ بدلنا چاہتے ہیں“ اور نواب کا بھاری جسم موڑنے کیلئے تیار ہو گیا۔

پیری بھی اس کی مدد کیلئے اٹھ کھڑا ہوا۔

جب نواب کا رخ موڑا جا رہا تھا تو اس کا ایک بازو بے جان انداز میں پیچھے کو گر گیا، اس نے اسے کھینچنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ یا تو نواب نے اس بے جان بازو کو دیکھ کر پیری کے چہرے پر طاری ہونے والی دہشت پڑھ لی یا پھر اس کے قریب المرگ دماغ میں کوئی خیال آیا جس کے باعث اس نے اپنے سرکش بازو پھر پیری کے خوفزدہ چہرے اور ایک بار پھر اپنے بازو کو دیکھا، اس کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی جو اس کے خدوخال سے بالکل مناسبت نہ رکھتی تھی، اس کمزور اور دلدوز مسکراہٹ کو دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے یہ اس کی بیچارگی کا مذاق اڑا رہی ہے۔ یہ مسکراہٹ دیکھ کر پیری کو اچانک اپنے گلے میں گومڑ اور ناک میں گدگدی کا سا احساس ہوا اور اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ بیمار کو دیوار کی جانب کروٹ دلا دی گئی۔ اس کے منہ سے آہ نکلی۔ اینا میخائلونا نے ایک شہزادی کو جو اپنی باری پر پلنگ کی جانب آرہی تھی دیکھ کر پیری سے کہا ”ان پر غنودگی طاری ہو گئی ہے، آؤ چلیں“

(21)

استقبالیہ کمرے میں اب شہزادہ ویسلے اور بڑی شہزادی کے سوا کوئی نہ تھا جو ملکہ کیتھرین کی تصویر تلے بیٹھے پراشتیاق لہجے میں بات چیت کر رہے تھے۔ جونہی ان کی نظریں پیری اور اس کی ساتھی پر پڑیں وہ خاموش ہو گئے۔ کیتش نے زیرلب کہا "یہ عورت میری برداشت سے باہر ہے" پیری کو محسوس ہوا جیسے اسے دیکھ کر شہزادی نے کچھ چھپانے کی کوشش کی ہے۔

شہزادہ ویسلے اینا میخائلونا سے مخاطب ہو کر بولا "کیتش نے چھوٹے ڈرائنگ روم میں چائے کا انتظام کر دیا ہے، جاؤ میری بچاری اینا، کچھ کھا پی لو ورنہ تمہاری ہمت جواب دے جائے گی"

اس نے پیری سے کچھ نہ کہا البتہ از راہ ہمدردی اس کا بازو دبایا۔ پیری اور اینا چھوٹے ڈرائنگ روم میں چلے گئے۔

ڈرائنگ روم میں ڈاکٹر لورین دبے دبے جوش وخروش سے کہہ رہا تھا "اگر آپ رات بھر سو نہ سکے ہوں تو تازہ دم ہونے کیلئے اس شاندار روسی چائے کی ایک پیالی ہی کافی ہے" وہ چھوٹے گول ڈرائنگ روم میں چائے کے سامان اور رات کے کھانے کی سرد اشیاء کی میز کے قریب کھڑا چینی ساختہ بغیر دستے کی نفیس پیالی کے ذریعے چائے کی چسکیاں لے رہا تھا۔ اس رات نواب بیزوخوف کے گھر میں موجود تمام افراد میز کے گرد جمع تھے تاکہ کچھ کھا پی کر طاقت بحال کر سکیں۔ پیری اس چھوٹے گول ڈرائنگ روم کو جس میں آئینے اور چھوٹی چھوٹی میزیں تھیں، اچھی طرح جانتا تھا۔ جب بھی نواب کے گھر میں رقص کا پروگرام ہوتا تو پیری جسے ناچنا نہیں آتا تھا آئینوں سے مزین اسی چھوٹے کمرے میں بیٹھنا پسند کرتا اور رقص کے جواہر جڑے لباس میں ملبوس برہنہ کندھوں والی خواتین کو دیکھا کرتا جو کمرے سے گزرتیں اور اپنے عکس کو آئینوں میں متعدد مرتبہ منعکس ہوتے دیکھتی رہتیں۔ اب آدھی رات کو وہی کمرہ نیم روشن تھا اور یہاں دو موم بتیاں جل رہی تھیں۔ چائے اور رات کے کھانے کا سامان بے ترتیب انداز میں چھوٹی میزوں پر پڑا تھا اور سادہ لباس میں ملبوس بھانت بھانت کے افراد آپس میں سرگوشیاں کر رہے تھے، ان کے ایک ایک لفظ سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ بیڈ روم میں جو کچھ ہو چکا تھا اور جو ہونا تھا اس سے وہ قطعاً غافل نہیں ہیں۔ اگرچہ پیری کا جی للچا رہا تھا مگر اس نے کچھ نہ کھایا۔ اس نے اپنی رہنماء کی جانب سوالیہ نظروں دوڑائیں اور دیکھا کہ وہ پنجوں کے بل کمرے سے باہر نکل رہی ہے اور استقبالیہ کمرے کی جانب جا رہی ہے جہاں شہزادہ ویسلے اور بڑی شہزادی بیٹھے تھے۔ اینا کو جاتا دیکھ کر وہ کچھ ہچکچایا مگر یہ سوچ کر اس کے پیچھے چل دیا کہ "ایسا ہونا ہی تھا" اینا میخائلونا بڑی شہزادی کے قریب کھڑی تھی اور دونوں مشتعل لہجے میں ایک دوسرے سے بات چیت کر رہی تھیں۔

شہزادی نے کہا "مادام، یہ فیصلہ مجھے کرنے دیں کہ کیا کرنا ہے اور کیا نہیں" بظاہر وہ اسی طرح غصے میں دکھائی دے رہی تھی جس طرح کچھ دیر قبل اس نے کمرے کا دروازہ زور سے بند کیا تھا۔

اینا میخائلونا شیریں اور دل میں گھر کر جانیوالے لہجے میں بولی "مگر، پیاری شہزادی" وہ بیڈ روم کی طرف جانے والے راستے میں کھڑی ہو گئی اور شہزادی کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ پھر وہ کہنے لگی "ایسے وقت میں بیچارے انکل کو پریشان کرنا غلط نہیں ہو گا جبکہ انہیں آرام کی ضرورت ہے؟ ان سے دنیاوی امور پر گفتگو کرنا درست نہیں جبکہ ان کی روح سفر آخرت کیلئے۔۔۔"

شہزادی ویسلے نیچی کرسی پر حسب عادت ٹانگ پر ٹانگ رکھے بیٹھا تھا۔ اس کے گال شدت سے پھڑک رہے تھے اور جب ان کی حرکات میں ٹھہراؤ آتا تو وہ بھاری دکھائی دینے لگتے، تاہم اس کا انداز کچھ ایسا تھا جیسے اسے دونوں خواتین کی گفتگو سے زیادہ دلچسپی نہ ہو۔

وہ اینا میخائلونا سے بولا "میری عزیز اینا، چھوڑو، کیتش جو کرتی ہے اسے کرنے دو، تم جانتی ہی ہو کہ نواب اس سے کس قدر پیار کرتے ہیں"

شہزادی کیتش نے اپنے ہاتھ میں موجود منقش تھیلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ویسلے سے مخاطب ہو کر کہا "مجھے تو یہ بھی علم نہیں کہ اس دستاویز میں کیا لکھا ہے" پھر اپنی بات آگے بڑھاتے ہوئے وہ بولی "جہاں تک مجھے علم ہے اصل وصیت ان کی میز پر موجود ہے اور یہ وہ کاغذ ہے جو کہیں ادھر ادھر رہ گیا تھا۔۔۔"

شہزادی نے اینا میخائلونا سے آگے نکلنے کی کوشش کی مگر وہ چھوٹی سی جست لگا کر اس کے راستے میں آ گئی اور کہنے لگی "میری پیاری شہزادی، میں جانتی ہوں۔۔۔" اور پھر جھپٹ کر تھیلا پکڑ لیا اور اسے اسقدر مضبوطی سے تھام لیا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اسے آسانی سے نہیں چھوڑے گی۔ ساتھ ہی اس نے کہا "پیاری شہزادی، میں آپ سے التجا کرتی ہوں اور ہاتھ جوڑتی ہوں کہ ان پر رحم کریں، میں آپ کی منت کرتی ہوں"

شہزادی کچھ نہ بولی۔ صرف تھیلے پر قبضے کی کوششوں سے پیدا ہونے والی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اس امر میں کوئی شبہ نہ تھا کہ اگر وہ بولتی تو وہ اینا میخائلونا کی تحسین میں نہ ہوتا۔ اگرچہ تھیلے پر موخرالذکر کی گرفت مضبوط تھی مگر اس کے لہجے میں کوئی تبدیلی نہ آئی اور اس نے پہلے جیسے شیریں اور نرم لہجے میں کہا "پیری، میرے عزیز بچے، ادھر آؤ۔ میرا خیال ہے کہ خاندانی اجلاس میں اس کی موجودگی بے موقع نہیں، کیوں شہزادے، میں نے ٹھیک کہا؟"

شہزادی اچانک چیختے ہوئے بولی "بھائی جان، آپ کیوں نہیں بولتے" اس کی آواز اتنی اونچی تھی کہ ڈرائنگ روم میں موجود لوگوں نے بھی سن لی اور وہ گھبرا گئے۔ پھر اس نے کہا "آپ کیوں چپ ہیں جبکہ ایک غیر عورت ہمارے معاملات میں مداخلت کر رہی ہے اور قریب المرگ شخص کی چوکھٹ پر اودھم مچا رہی ہے، سازشی" وہ سفاکانہ انداز میں بولی اور پورا زور لگا کر تھیلا کھینچنے لگی تاہم اینا میخائلونا چند قدم مزید آگے بڑھ گئی اور تھیلے پر اپنی گرفت کمزور نہ پڑنے دی۔

شہزادہ ویسلے اٹھ کھڑا ہوا اور علامت انگیز تعجب سے بولا "اوہو، کیا بیہودگی ہے، چھوڑ دو، میں کہتا ہوں اسے چھوڑ دو" اس کی بات سن کر شہزادی نے تھیلا چھوڑ دیا۔

ویسلے نے اینا سے کہا "اور تم بھی"

اینا میخائلونا نے تھیلا نہ چھوڑا۔

ویسلے بولا "میں کہتا ہوں، اسے چھوڑ دو۔ میں یہ ذمہ داری اپنے سر لیتا ہوں۔ میں خود جا کر ان سے پوچھ لوں گا۔ میں۔۔۔ ٹھیک ہے"

اینا میخائلونا نے جواب دیا "مگر شہزادے، متبرک اصطباغ کے بعد انہیں کچھ دیر سکون ملنا چاہئے" پھر وہ پیری کی جانب متوجہ ہوئی جو ان کے قریب آ چکا تھا اور حیرانگی سے شہزادی جس نے آن بان کا لبادہ اتار پھینکا تھا کے غضبناک چہرے اور ویسلے کے پھڑکتے رخساروں کو دیکھ رہا تھا۔ اینا نے اسے کہا "ادھر آؤ پیری تمہارا کیا خیال ہے؟"

شہزادہ ویسلے نے درشت لہجے میں اینا میخائلونا سے کہا "یاد رکھو تمہیں اس کے نتائج بھگتنا پڑیں گے، تمہیں علم ہی نہیں کہ تم کیا کر رہی ہو"

شہزادی چیختے ہوئے بولی "رذیل عورت" اور جھپٹ کر تھیلا اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔ ویسلے نے سر جھکایا اور ہاتھ آگے پھیلا دیے۔

اسی دوران وہی ہیبت ناک دروازہ جسے پیری مدت سے دیکھتا آیا تھا اور جسے ہمیشہ نہایت آہستگی اور خاموشی سے کھولا جاتا تھا، اچانک زبردست دھماکے سے کھلا اور دیوار سے جا ٹکرایا۔ اس کے ساتھ ہی منجھلی شہزادی ہاتھ ملتے ہوئے بھاگتی ہوئی باہر آئی اور مایوسانہ انداز میں بولی "آپ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ وہ آخری سانسیں لے رہے ہیں اور آپ نے مجھے ان کے پاس اکیلا چھوڑ دیا ہے"

بڑی شہزادی نے تھیلا نیچے گرا دیا۔ اینا میخائلوونا تیزی سے جھکی اور فساد کی جڑ اس تھیلے کو اٹھا کر بیڈ روم میں بھاگ گئی۔ بڑی شہزادی اور ویسلے بھی اپنے حواس درست کر کے اس کے پیچھے ہو لیے۔ چند منٹ بعد کیتش باہر آئی، اس کا رنگ زرد اور چہرہ خشک ہو چکا تھا، وہ اپنا نچلا ہونٹ چبا رہی تھی۔ پیری کو دیکھ کر اس کے چہرے پر ایسی شدید نفرت کے تاثرات ابھرے جن پر قابو پانا اس کے بس کی بات نہ تھی۔ وہ اس سے کہنے لگی "ہاں، اب تم جشن منا سکتے ہو، تمہیں اسی کا انتظار تھا" پھر وہ سسکیاں لے کر رونے لگی اور اپنا چہرہ رومال میں چھپا کر کمرے سے باہر بھاگ گئی۔

اس کے بعد کمرے سے باہر آنے والا شخص شہزادہ ویسلے تھا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا اس صوفے کی طرف بڑھا جس پر پیری بیٹھا تھا اور اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر بے اختیار اس پر گر گیا۔ پیری نے دیکھا کہ اس کا رنگ زرد پڑ چکا تھا اور جبڑا یوں کانپ رہا تھا جیسے اسے جاڑے کا بخار ہو گیا ہو۔

وہ پیری کی کہنی تھامتے ہوئے زیرِ لب بولا "آہ میرے پیارے بچے، ہم کیسے کیسے خوفناک گناہوں اور مکر و فریب کا ارتکاب کرتے ہیں، اور یہ سب کچھ کس لیے کرتے ہیں؟ میری عمر پچاس سال سے تجاوز کر چکی ہے، میرے بچے۔۔۔ میں بھی۔۔۔ ہر ایک کا انجام موت ہے، موت بے حد وحشتناک چیز ہے" یہ کہہ کر وہ رونے لگا۔

اینا میخائلوونا سب سے آخر میں باہر آئی۔ وہ آہستگی سے دبے پاؤں چلتی پیری کے قریب آئی اور کہا "پیری"

پیری نے اس کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ اس نے نوجوان کی پیشانی چوم لی اور اسے اپنے آنسوؤں میں بھگو دیا۔ وہ کچھ دیر خاموش رہی اور پھر کہا "وہ زندہ نہیں رہے۔۔۔"

پیری عینک میں سے اسے دیکھنے لگا۔

اینا میخائلوونا نے اسے کہا "آؤ، میں تمہیں واپس لے چلتی ہوں، رونے کی کوشش کرو، آنسوؤں سے زیادہ کوئی شے سکون نہیں پہنچاتی" وہ اسے دوبارہ تاریک ڈرائنگ روم میں لے گئی۔ پیری خوش تھا کہ یہاں کوئی شخص اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکے گا۔ اینا میخائلوونا نے اسے وہیں چھوڑ دیا اور جب وہ واپس آئی تو وہ اپنا سر بازو پر رکھے گہری نیند سو رہا تھا۔

اگلی صبح اینا میخائلوونا نے پیری سے کہا "ہاں، تو میرے بچے یہ صرف تمہارا ہی نہیں بلکہ ہم سب کیلئے بہت بڑا نقصان ہے۔ مگر خدا تمہاری مدد کرے گا۔ تم نوجوان ہو اور مجھے یقین ہے کہ اب تم بے پناہ دولت کے مالک ہو۔ وصیت نامہ ابھی نہیں کھولا گیا۔ میں تمہیں اچھی طرح جانتی ہوں اور یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ اس سے تمہارا دماغ نہیں پھرے گا مگر ذمہ داریاں بڑھ جائیں گی اور تمہیں مرد بننا ہوگا۔

پیری کچھ نہ بولا۔

اینا نے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا "میرے پیارے بچے، شاید میں بعد میں تمہیں بتا سکوں کہ اگر میں یہاں نہ ہوتی تو خدا جانے کیا ہو جاتا۔ تم علم ہوگا کہ انکل نے پرسوں ہی مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ بورس کو نہیں بھولیں گے، تاہم انہیں وقت ہی نہ ملا۔ پیارے بچے، مجھے امید ہے کہ تم ان کی خواہش پایۂ تکمیل تک پہنچاؤ گے۔

پیری کچھ نہ سمجھ سکا اور شرمیلے انداز میں چپ چاپ اس کی جانب دیکھتا رہا۔ اس سے گفتگو کے بعد اینا میخائلوونا رستوف خاندان کے ہاں جا کر سو گئی۔ صبح جاگنے کے بعد اس نے رستوفوں اور اپنے تمام جاننے والوں کو نواب بیزوخوف کے انتقال کی تفصیلات سے آگاہ کیا۔ اس نے کہا کہ نواب جیسی موت مرنا وہ اپنے لیے بھی پسند کرے گی اور یہ کہ اس کا آخری وقت نہ صرف رقت انگیز بلکہ ایسا تھا کہ اسے دیکھ کر انسان کا ایمان تازہ ہو جائے، اور مزید یہ کہ باپ اور بیٹے کے مابین آخری ملاقات اس قدر رقت انگیز تھی کہ اسے بیان کرتے ہوئے اس کیلئے اپنے آنسوؤں پر قابو پانا ممکن نہیں اور وہ یہ بیان کرنے سے قاصر ہے کہ ان مہیب لمحات میں باپ کا رویہ زیادہ قابلِ تعریف تھا یا بیٹے کا۔ باپ کو آخری وقت تک ایک ایک شخص اور ایک ایک شے یاد تھی اور پیری جس نے اپنے قریب المرگ باپ کو تکلیف سے بچانے کیلئے اپنے غم پر قابو پانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی، کی حالت اس قدر غیر تھی کہ اس کی جانب دیکھا بھی نہیں جاتا تھا۔ یہ سب کچھ تکلیف دہ تھا مگر اچھی بات یہ تھی کہ معمر نواب اور ان کے قابل بیٹے کو دیکھ کر روح بلندی پر پرواز کرنے لگتی ہے" اینا میخائلوونا نے ان لوگوں کو شہزادی کیتش اور شہزادہ ویسلے کے افعال سے متعلق بھی بتایا مگر اس حوالے سے اس کی گفتگو میں ناپسندیدگی جھلکتی تھی اور اس نے یہ باتیں سرگوشیوں میں اور رازدارانہ انداز میں بیان کیں۔

(22)

شہزادہ نکولائی آندریوچ بلکونسکی کی جاگیر بلیک ہلز پر نوجوان شہزادہ آندرے اور اس کی بیوی کا روزانہ انتظار کیا جاتا۔ مگر اس انتظار سے معمر شہزادے بلکونسکی کے روزمرہ کے معمولات میں کوئی خلل نہیں پڑتا تھا۔ نکولائی بلکونسکی کو جو کبھی جنرل انچیف کے عہدے پر فائز تھا، سابق زار پاول کے عہد میں شہر بدر کر کے اس کی جاگیر پر بھیج دیا گیا تھا اور وہ اس وقت سے اپنی بیٹی شہزادی ماریا اور اس کی ساتھی مادموزیل بورین کے ساتھ بلیک ہلز میں مقیم تھا، اسے اعلیٰ طبقے میں "شاہِ پرشیا" کے نام سے جانا جاتا تھا۔ اگرچہ نئی حکومت نے اسے دارالحکومت آنے کی اجازت دیدی تھی تاہم وہ دیہہ ہی میں مقیم رہا۔ اس کا کہنا تھا کہ اگر کوئی شخص اس سے ملنا چاہتا ہے تو وہ ماسکو سے سو میل کا فاصلہ طے کر کے بلیک ہلز آ سکتا ہے اور جہاں تک اس کا تعلق ہے تو اسے کسی شخص اور کسی شے کی ضرورت نہیں۔ وہ کہا کرتا تھا کہ انسانی خباثتوں کے دو سرچشمے ہیں۔۔۔ کاہلی اور وہم، نیز انسان میں دو خوبیاں پائی جاتی ہیں۔۔۔ توانائی اور ذہانت۔ اپنی بیٹی کو وہ خود تعلیم دیتا تھا اور اس میں یہ دونوں خوبیاں پیدا کرنے کیلئے وہ اسے الجبرا اور جیومیٹری سکھاتا رہتا تھا اور اس نے بیٹی کی زندگی کے معمولات کچھ اس طرح ترتیب دیے تھے کہ وہ ہر وقت مصروف رہتی تھی۔ وہ خود بھی ہر وقت اپنی یادداشتیں تحریر کرنے، اعلیٰ ریاضی کے مسائل حل کرنے، خراد پر نسوار کی ڈبیاں بنانے، باغبانی اور تعمیرات کی نگرانی میں مصروف رہتا جو اس کی جاگیر پر ہر وقت جاری رہتی تھی۔ چونکہ کام کی بنیادی شرط باقاعدگی ہے اور اس کے طرزِ زندگی میں اس شرط پر انتہائی حد تک عمل کیا جاتا تھا۔ اس کا کھانا مقررہ وقت پر مقررہ انداز میں لگایا جاتا اور اس سلسلے میں گھنٹوں ہی نہیں بلکہ منٹوں کا حساب بھی رکھا جاتا۔ بیٹی سے لے کر ملازمین تک جتنے بھی لوگوں سے اس کا واسطہ پڑتا ان سب کے ساتھ اس کا رویہ درشت ہوتا اور سفاکی مظاہرہ کئے بغیر اس نے ان کے دلوں پر ایسا رعب طاری کر دیا تھا کہ سفاک سے سفاک شخص بھی اس کے سامنے چوں و چرا نہیں کر سکتا تھا۔ اگرچہ وہ ریٹائر ہو چکا تھا اور سیاسی حلقوں میں اس کا کوئی اثر و رسوخ باقی نہ رہا تھا، اس کی جاگیر والے صوبے کے تمام حکام اس کی خدمت میں حاضری کو اپنا فرضِ منصبی تصور کرتے

شہزادی چیختے ہوئے بولی" رذیل عورت" اور جھپٹ کر تھیلا اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔ ویسلے نے سر جھکایا اور ہاتھ آگے پھیلا دیے۔

اسی دوران وہی ہیبت ناک دروازہ جسے پیری مدت سے دیکھتا آیا تھا اور جسے ہمیشہ نہایت آہستگی اور خاموشی سے کھولا جاتا تھا، اچانک زبردست دھماکے سے کھلا اور دیوار سے جا ٹکرایا۔ اس کے ساتھ ہی منجھلی شہزادی ہاتھ ملتے ہوئے بھاگتی ہوئی باہر آئی اور مایوسانہ انداز میں بولی" آپ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ وہ آخری سانسیں لے رہے ہیں اور آپ نے مجھے ان کے پاس اکیلا چھوڑ دیا ہے"

بڑی شہزادی نے تھیلا نیچے گرا دیا۔ اینا میخائلوونا تیزی سے جھکی اور فساد کی جڑ اس تھیلے کو اٹھا کر بیڈ روم میں بھاگ گئی۔ بڑی شہزادی اور ویسلے بھی اپنے حواس درست کر کے اس کے پیچھے ہو لیے۔ چند منٹ بعد کیتش باہر آئی، اس کا رنگ زرد اور چہرہ خشک ہو چکا تھا، وہ اپنا نچلا ہونٹ چبا رہی تھی۔ پیری کو دیکھ کر اس کے چہرے پر ایسی شدید نفرت کے تاثرات ابھرے جن پر قابو پانا اس کے بس کی بات نہ تھی۔ وہ اس سے کہنے لگی" ہاں، اب تم جشن منا سکتے ہو، تمہیں اسی کا انتظار تھا" پھر وہ سسکیاں لے کر رونے لگی اور اپنا چہرہ رومال میں چھپا کر کمرے سے باہر بھاگ گئی۔

اس کے بعد کمرے سے باہر آنے والا شخص شہزادہ ویسلے تھا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا اس صوفے کی طرف بڑھا جس پر پیری بیٹھا تھا اور اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر بے اختیار اس پر گر گیا۔ پیری نے دیکھا کہ اس کا رنگ زرد پڑ چکا تھا اور جبڑا یوں کانپ رہا تھا جیسے اسے جاڑے کا بخار ہو گیا ہو۔

وہ پیری کی کہنی تھامتے ہوئے زیر لب بولا" آہ میرے پیارے بچے، ہم کیسے کیسے خوفناک گناہوں اور مکروفریب کا ارتکاب کرتے ہیں، اور یہ سب کچھ کس لیے کرتے ہیں؟ میری عمر پچاس سال سے تجاوز کر چکی ہے، میرے بچے۔۔۔ میں بھی۔۔۔ ہر ایک کا انجام موت ہے، موت بیحد دہشتناک چیز ہے" یہ کہہ کر وہ رونے لگا۔

اینا میخائلوونا سب سے آخر میں باہر آئی۔ وہ آہستگی سے دبے پاؤں چلتی پیری کے قریب آئی اور کہا" پیری"

پیری نے اس کی جانب سوالیہ نظروں دیکھا۔ اس نے نوجوان کی پیشانی چوم لی اور اسے اپنے آنسوؤں میں بھگو دیا۔ وہ کچھ دیر خاموش رہی اور پھر کہا" وہ زندہ نہیں رہے۔۔۔"

پیری عینک میں اسے دیکھنے لگا۔

اینا میخائلوونا نے اسے کہا" آؤ، میں تمہیں واپس لے چلتی ہوں، رونے کی کوشش کرو، آنسوؤں سے زیادہ کوئی شے سکون نہیں پہنچاتی" وہ اسے دوبارہ تاریک ڈرائنگ روم میں لے گئی۔ پیری خوش تھا کہ یہاں کوئی شخص اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکے گا۔ اینا میخائلوونا نے اسے وہیں چھوڑ دیا اور جب وہ واپس آئی تو وہ اپنا سر بازو پر رکھے گہری نیند سو رہا تھا۔

اگلی صبح اینا میخائلوونا نے پیری سے کہا" ہاں، تو میرے بچے یہ صرف تمہارا ہی نہیں بلکہ ہم سب کیلئے بہت بڑا نقصان ہے۔ مگر خدا تمہاری مدد کرے گا۔ تم نوجوان ہو اور مجھے یقین ہے کہ اب تم بے پناہ دولت کے مالک ہو۔ وصیت نامہ ابھی نہیں کھولا گیا۔ میں تمہیں اچھی طرح جانتی ہوں اور یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ اس سے تمہارا دماغ نہیں پھرے گا مگر ذمہ داریاں بڑھ جائیں گی اور تمہیں مرد بننا ہوگا۔

پیری کچھ نہ بولا۔

اینا نے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا" میرے پیارے بچے، شاید میں بعد میں تمہیں بتا سکوں کہ اگر میں یہاں نہ ہوتی تو خدا جانے کیا ہو جاتا۔ تم علم ہوگا کہ انکل نے پرسوں ہی مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ بورس کو نہیں بھولیں گے،

تاہم انہیں وقت ہی نہ ملا۔ پیارے بچے، مجھے امید ہے کہ تم ان کی خواہش پایہ تکمیل تک پہنچاؤ گے۔

پیری کچھ نہ سمجھ سکا اور شرمیلے انداز میں چپ چاپ اس کی جانب دیکھتا رہا۔ اس سے گفتگو کے بعد اینا میخائلوونا رستوف خاندان کے ہاں جا کر سو گئی۔ صبح جاگنے کے بعد اس نے رستوفوں اور اپنے تمام جاننے والوں کو نواب بیزوخوف کے انتقال کی تفصیلات سے آگاہ کیا۔ اس نے کہا کہ نواب جیسی موت مرنا وہ اپنے لیے بھی پسند کرے گی اور یہ کہ اس کا آخری وقت نہ صرف رقت انگیز بلکہ ایسا تھا کہ اسے دیکھ کر انسان کا ایمان تازہ ہو جائے، اور مزید یہ کہ باپ اور بیٹے کے مابین آخری ملاقات اس قدر رقت انگیز تھی کہ اسے بیان کرتے ہوئے اس کیلئے اپنے آنسوؤں پر قابو پانا ممکن نہیں اور وہ یہ بیان کرنے سے قاصر ہے کہ ان مہیب لمحات میں باپ کا رویہ زیادہ قابل تعریف تھا یا بیٹے کا۔ باپ کو آخری وقت تک ایک ایک شخص اور ایک ایک شے یاد تھی اور پیری جس نے اپنے قریب المرگ باپ کو تکلیف سے بچانے کیلئے اپنے غم پر قابو پانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی، کی حالت اس قدر غیر تھی کہ اس کی جانب دیکھا بھی نہیں جاتا تھا۔ یہ سب کچھ تکلیف دہ تھا مگر اچھی بات یہ تھی کہ معمر نواب اور ان کے قابل بیٹے کو دیکھ کر روح بلندی پر پرواز کرنے لگتی ہے" اینا میخائلوونا نے ان لوگوں کو شہزادی کیتش اور شہزادہ ویسلے کے افعال سے متعلق بھی بتایا مگر اس حوالے سے اس کی گفتگو میں ناپسندیدگی جھلکتی تھی اور اس نے یہ باتیں سرگوشیوں میں اور رازدارانہ انداز میں بیان کیں۔

(22)

شہزادہ نکولائی آندریوچ بلکونسکی کی جاگیر بلیک ہلز پر نوجوان شہزادہ آندرے اور اس کی بیوی کا روزانہ انتظار کیا جاتا۔ مگر اس انتظار سے معمر شہزادے بلکونسکی کے روزمرہ کے معمولات میں کوئی خلل نہیں پڑتا تھا۔ نکولائی بلکونسکی کو جو کبھی جنرل انچیف کے عہدے پر فائز تھا، سابق زار پاول کے عہد میں شہر بدر کرکے اس کی جاگیر پر بھیج دیا گیا تھا اور وہ اس وقت سے اپنی بیٹی شہزادی ماریا اور اس کی ساتھی مادموزیل بورین کے ساتھ بلیک ہلز میں مقیم تھا، اسے اعلیٰ طبقے میں" شاہ پرشیا" کے نام سے جانا جاتا تھا۔ اگرچہ نئی حکومت نے اسے دارالحکومت آنے کی اجازت دیدی تھی تاہم وہ دیہہ ہی میں مقیم رہا۔ اس کا کہنا تھا کہ اگر کوئی شخص اس سے ملنا چاہتا ہے تو وہ ماسکو سے سو میل کا فاصلہ طے کرکے بلیک ہلز آ سکتا ہے اور جہاں تک اس کا تعلق ہے تو اسے کسی شخص اور کسی شے کی ضرورت نہیں۔ وہ کہا کرتا تھا کہ انسانی خباثتوں کے دو سرچشمے ہیں۔۔۔ کاہلی اور وہم، نیز انسان میں دو خوبیاں پائی جاتی ہیں۔۔۔ توانائی اور ذہانت۔ اپنی بیٹی کو وہ خود تعلیم دیتا تھا اور اس میں یہ دونوں خوبیاں پیدا کرنے کیلئے وہ اسے الجبرا اور جیومیٹری سکھاتا رہتا تھا اور اس نے بیٹی کی زندگی کے معمولات کچھ اس طرح ترتیب دیے تھے کہ وہ ہر وقت مصروف رہتی تھی۔ وہ خود بھی ہر وقت اپنی یادداشتیں تحریر کرنے، اعلیٰ ریاضی کے مسائل حل کرنے، خراد پر نسوار کی ڈبیاں بنانے، باغبانی اور تعمیرات کی نگرانی میں مصروف رہتا جو اس کی جاگیر پر ہر وقت جاری رہتی تھی۔ چونکہ کام کی بنیادی شرط باقاعدگی ہے اور اس کے طرز زندگی میں اس شرط پر انتہائی حد تک عمل کیا جاتا تھا۔ اس کا کھانا مقررہ وقت پر مقررہ انداز میں لگایا جاتا اور اس سلسلے میں گھنٹوں ہی نہیں بلکہ منٹوں کا حساب بھی رکھا جاتا۔ بیٹی سے لے کر ملازمین تک جتنے بھی لوگوں سے اس کا واسطہ پڑتا ان سب کے ساتھ اس کا رویہ درشت ہوتا اور سفاکی مظاہرہ کئے بغیر اس نے ان کے دلوں پر ایسا رعب طاری کر دیا تھا کہ سفاک سے سفاک شخص بھی اس کے سامنے چوں وچرا نہیں کر سکتا تھا۔ اگرچہ وہ ریٹائر ہو چکا تھا اور سیاسی حلقوں میں اس کا کوئی اثر ورسوخ باقی نہ رہا تھا، اس کی جاگیر والے صوبے کے تمام حکام اس کی خدمت میں حاضری کو اپنا فرض منصبی تصور کرتے

تاہم انہیں وقت ہی نہ ملا۔ پیارے بچے، مجھے امید ہے کہ تم ان کی خواہش پایہ تکمیل تک پہنچاؤ گے۔

پیری کچھ نہ سمجھ سکا اور شرمیلے انداز میں چپ چاپ اس کی جانب دیکھتا رہا۔ اس سے گفتگو کے بعد اینا میخائلو نا رستوف خاندان کے ہاں جا کر سو گئی۔ صبح جاگنے کے بعد اس نے رستوفوں اور اپنے تمام جاننے والوں کو نواب بیزوخوف کے انتقال کی تفصیلات سے آگاہ کیا۔ اس نے کہا کہ نواب جیسی موت مرنا وہ اپنے لیے بھی پسند کرے گی اور یہ کہ اس کا آخری وقت نہ صرف رقت انگیز بلکہ ایسا تھا کہ اسے دیکھ کر انسان کا ایمان تازہ ہو جائے، اور مزید یہ کہ باپ اور بیٹے کے مابین آخری ملاقات اس قدر رقت انگیز تھی کہ اسے بیان کرتے ہوئے اس کیلئے اپنے آنسوؤں پر قابو پانا ممکن نہیں اور وہ یہ بیان کرنے سے قاصر ہے کہ ان مہیب لحات میں باپ کا رویہ زیادہ قابل تعریف تھا یا بیٹے کا۔ باپ کو آخری وقت تک ایک ایک شخص اور ایک ایک شے یاد تھی اور پیری جس نے اپنے قریب المرگ باپ کو تکلیف سے بچانے کیلئے اپنے غم پر قابو پانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی، کی حالت اس قدر غیر تھی کہ اس کی جانب دیکھا بھی نہیں جاتا تھا۔ یہ سب کچھ تکلیف دہ تھا مگر اچھی بات یہ تھی کہ معمر نواب اور ان کے قابل بیٹے کو دیکھ کر روح بلندی پر پرواز کرنے لگتی ہے۔“ اینا میخائلو نا نے ان لوگوں کو شہزادی کیتش اور شہزادہ ویسلے کے افعال سے متعلق بھی بتایا مگر اس حوالے سے اس کی گفتگو میں ناپسندیدگی جھلکتی تھی اور اس نے یہ باتیں سرگوشیوں میں اور رازدارانہ انداز میں بیان کیں۔

(22)

شہزادہ نکولائی آندریوچ بلکونسکی کی جاگیر بلیک ہلز پر نوجوان شہزادہ آندرے اور اس کی بیوی کا روزانہ انتظار کیا جاتا۔ مگر اس انتظار سے معمر شہزادے بلکونسکی کے روزمرہ کے معمولات میں کوئی خلل نہیں پڑتا تھا۔ نکولائی بلکونسکی کو جو کبھی جنرل انچیف کے عہدے پر فائز تھا، سابق زار پاول کے عہد میں شہر بدر کر کے اس کی جاگیر پر بھیج دیا گیا تھا اور وہ اس وقت سے اپنی بیٹی شہزادی ماریا اور اس کی ساتھی مادموزیل بورین کے ساتھ بلیک ہلز میں مقیم تھا، اسے اعلیٰ طبقے میں ”شاہِ پرشیا“ کے نام سے جانا جاتا تھا۔ اگرچہ نئی حکومت نے اسے دارالحکومت آنے کی اجازت دیدی تھی تاہم وہ وہیں ہی میں مقیم رہا۔ اس کا کہنا تھا کہ اگر کوئی شخص اس سے ملنا چاہتا ہے تو وہ ماسکو سے سو میل کا فاصلہ طے کر کے بلیک ہلز آ سکتا ہے اور جہاں تک اس کا تعلق ہے تو اسے کسی شخص اور کسی شے کی ضرورت نہیں۔ وہ کہا کرتا تھا کہ انسانی خباثتوں کے دو سرچشمے ہیں۔۔ کاہلی اور وہم، نیز انسان میں دو خوبیاں پائی جاتی ہیں۔۔ توانائی اور ذہانت۔ اپنی بیٹی کو وہ خود تعلیم دیتا تھا اور اس میں یہ دونوں خوبیاں پیدا کرنے کیلئے وہ اسے الجبرا اور جیومیٹری سکھاتا رہتا تھا اور اس نے بیٹی کی زندگی کے زندگی کے معمولات کچھ اس طرح ترتیب دیے تھے کہ وہ ہر وقت مصروف رہتی تھی۔ وہ خود بھی ہر وقت اپنی یادداشتیں تحریر کرنے، اعلیٰ ریاضی کے مسائل حل کرنے، خراد پر نسوار کی ڈبیاں بنانے، باغبانی اور تعمیرات کی نگرانی میں مصروف رہتا جو اس کی جاگیر پر ہر وقت جاری رہتی تھی۔ چونکہ کام کی بنیادی شرط باقاعدگی ہے اور اس کے طرز زندگی میں اس شرط پر انتہائی حد تک عمل کیا جاتا تھا۔ اس کا کھانا مقررہ وقت پر مقررہ انداز میں لگایا جاتا اور اس سلسلے میں گھنٹوں ہی نہیں بلکہ منٹوں کا حساب بھی رکھا جاتا۔ بیٹی سے لے کر ملازمین تک جتنے بھی لوگوں سے اس کا واسطہ پڑتا ان سب کے ساتھ اس کا رویہ درشت ہوتا اور سفاکی مظاہرہ کئے بغیر اس نے ان کے دلوں پر ایسا رعب طاری کر دیا تھا کہ سفاک سے سفاک شخص بھی اس کے سامنے چوں و چرا نہیں کر سکتا تھا۔ اگرچہ وہ ریٹائر ہو چکا تھا اور سیاسی حلقوں میں اس کا کوئی اثر و رسوخ باقی نہ رہا تھا، اس کی جاگیر والے صوبے کے تمام حکام اس کی خدمت میں حاضری کو اپنا فرض منصبی تصور کرتے

اور اس سے ملاقات کیلئے ماہر تعمیرات، باغبان اور شہزادی ماریا کی طرح استقبالیہ کمرے میں اس کا انتظار کرتے یہاں تک کہ وہ مقررہ وقت تک وہاں پہنچ جاتا۔ جب مطالعہ کے کمرے کا بلند و بالا دروازہ کھلتا تو پست قامت معمر شخص اپنے چھوٹے چھوٹے پژمردہ ہاتھوں، پاؤڈر چھڑکی وگ اور سرمئی گھنے ابروؤں (جب کبھی غصہ کے عالم میں اس کی پیشانی پر بل پڑتے تو اس کے یہ گھنے ابرو اس کی جوانوں جیسی خیرہ کن آنکھوں کی چمک دمک چھپا لیتے) کے ساتھ استقبالیہ کمرے میں داخل ہوتا۔ اسے دیکھ کر سرکاری حکام پر بھی وہی رعب بلکہ خوف طاری ہو جاتا جو دوسروں پر ہوتا تھا۔

جس روز نوجوانوں کی آمد متوقع تھی اس روز شہزادی ماریا معمول کے مطابق صبح مقررہ وقت پر اسے سلام کرنے استقبالیہ کمرے میں داخل ہوئی۔ خوف کے مارے وہ سینے پر صلیب کا نشان بنا رہی تھی اور دل ہی دل میں دعا بھی مانگتی جاتی تھی۔ وہ ہر روز اسی طرح اپنے والد سے ملنے جاتی اور ہر روز دعا مانگتی کہ والد سے اس کی ملاقات بخیر و خوبی انجام پائے۔ ایک خدمتگار جس نے بالوں پر پاؤڈر چھڑکا ہوا تھا، آہستگی سے اٹھا اور سرگوشی کے انداز میں بولا ”اندر تشریف لے جائیں“

دروازے سے خراد کی آواز مسلسل سنائی دے رہی تھی۔ شہزادی نے ڈرتے جھجکتے دروازہ کھولا جو آہستگی اور آسانی سے کھل گیا اور وہ دروازے ہی میں کھڑی ہو گئی۔ خراد پر کام میں مصروف شہزادہ نکولائی نے نگاہ اٹھائی اور پھر کام میں مشغول ہو گیا۔

وسیع و عریض کمرہ مسلسل زیر استعمال رہنے والی اشیاء سے بھرا ہوا تھا۔ ایک بڑی میز پر کتابیں اور نقشے پڑے تھے، کتابوں کی بلند و بالا الماریوں کے شیشوں والے دروازوں میں چابیاں لٹک رہی تھیں، ایک اور میز بھی موجود تھی جو اس قدر اونچی تھی کہ کھڑے ہو کر اس پر لکھنے کا کام کیا جا سکتا تھا، اس پر ایک کھلی کتاب دھری تھی، ایک خراد تھا جس کے قریب مختلف اوزار ترتیب سے رکھے تھے جبکہ شیو کا سامان بھی ادھر ادھر بکھرا تھا۔ ان تمام اشیاء کو دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے یہاں مختلف اقسام کی سرگرمیاں مسلسل اور منظم انداز سے جاری رہتی ہیں۔ شہزادہ نکولائی چاندی کے نقش و نگار والے تاتاری بوٹ میں اپنے پاؤں کو جس انداز سے حرکت دے رہا تھا اور دبلے پتلے مگر طاقتور ہاتھوں سے جس طرح دباؤ ڈال رہا تھا اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس میں جفاکش بڑھاپے کی توانائی بدرجہ اتم موجود ہے۔ چند مزید چکر دینے کے بعد اس نے خراد کے پیڈل سے پاؤں ہٹایا، چھینی کو صاف کیا اور اسے خراد کے ساتھ لٹکی تھیلی میں ڈال کر میز کی طرف بڑھا اور بیٹی کو بلایا۔ وہ اپنے بچوں کو مروجہ انداز کے مطابق دعائیں نہیں دیتا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنا رخسار جس پر شیو نہ بنانے کی وجہ سے بال اگے تھے اپنی بیٹی کے سامنے کر دیا تاکہ وہ اس کا بوسہ لے سکے اور سخت لہجے میں بولا ”ٹھیک ہو؟ بہت اچھا، بیٹھ جاؤ“ اس نے اپنے ہاتھ سے لکھی ایک کتاب اٹھائی جس پر جیومیٹری کی مشقیں تحریر کی گئی تھیں اور پاؤں سے اپنی کرسی آگے گھسیٹ لی۔

وہ تیزی سے صفحے پلٹتے اپنے بوسیدہ ناخنوں سے پیرے پر نشان بناتے ہوئے بولا ”یہ کل کیلئے ہے“ شہزادی کتاب پر جھک گئی۔ بوڑھا اچانک بولا ”ٹھہرو، تمہارے لیے ایک خط ہے“ اور میز کے ساتھ لٹکی ایک تھیلی سے خط نکال کر میز پر ڈال دیا جس پر نسوانی ہاتھوں سے پتا لکھا ہوا تھا۔

شہزادی نے خط پر نظر ڈالی تو اس کے چہرے پر سرخ دھبے نمودار ہو گئے۔ اس نے جلدی سے خط اٹھا لیا اور اس پر جھک گئی۔

بلکونسکی نے سرد مہر انداز میں مسکراتے ہوئے پوچھا ”ایلوائز کا ہے؟“ مسکرانے کے نتیجے میں اس کے مضبوط

پیلے دانت نمایاں ہو گئے۔

شہزادی نے ڈرتے جھجکتے ہوئے اس کی جانب دیکھا اور اسی انداز میں مسکراتے ہوئے جواب دیا "ہاں، جولی نے بھیجا ہے"

نکولائی نے سختی سے کہا "میں دو مزید خطوط اسی طرح تمہارے حوالے کروں گا مگر تیسرا ہر صورت پڑھوں گا، مجھے خدشہ ہے کہ تم ڈھیروں بیوقوفانہ باتیں لکھتی رہتی ہو۔ تیسرا خط میں ہر حال میں پڑھوں گا"

شہزادی کا چہرہ مزید سرخ ہو گیا اور وہ خط آگے بڑھاتے ہوئے بولی "ابا جان آپ بے شک یہ بھی پڑھ لیں"

بلکونسکی نے چلا کر کہا "تیسرا، میں نے کہا صرف تیسرا پڑھوں گا" اس نے خط پرے دھکیل دیا اور اپنی کہنیاں میز پر ٹکا دیں، پھر اس نے وہ کتاب اپنی طرف گھسیٹ لی جس پر جیومیٹری کی اشکال بنی تھیں۔ کتاب اٹھانے کے بعد وہ اپنی بیٹی کے بالکل قریب کتاب پر جھکتے ہوئے اور اپنا بازو اس کی کرسی کی پشت پر رکھ کر بولا "دیکھو، مادام، یہ مثلثیں برابر ہیں، ذرا زاویہ اے بی سی کو دیکھو۔۔۔" ماریا کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ تمباکو اور بڑھاپے کی تلخ و ناگوار بو میں گھر گئی ہے جسے اس نے مدتوں سے اپنے باپ کے ساتھ وابستہ کر رکھا تھا۔

شہزادی نے اپنے والد کی چمکتی آنکھوں کی سمت ڈرتے ہوئے دیکھا جو اس کے بالکل قریب تھیں۔ سرخ دھبے اس کے چہرے پر ابھرنے اور مٹنے لگے، یہ بات واضح تھی کہ وہ ایک لفظ بھی نہیں سمجھ سکی اور وہ اس قدر خوفزدہ تھی کہ اس کا باپ خواہ کتنی مرتبہ اور کتنی ہی وضاحت سے اسے سمجھانے کی کوشش کرے اس کا ڈر اسے کچھ سمجھنے نہیں دے گا۔ یہ استاد کی غلطی تھی یا شاگرد کا قصور، بہر حال ہر روز ایسا ہی ہوتا تھا۔ شہزادی کی آنکھیں ڈبڈبانے لگتیں، اسے اپنے باپ کے درشت اور خشک چہرے کی قربت، سانس اور اس کی تلخ و ناگوار بو کے علاوہ کچھ دکھائی دیتا نہ سنائی۔ اس کے ذہن میں صرف ایک بات ہوتی کہ کسی طرح یہاں سے فرار ہو جائے اور اپنے کمرے میں آزادی سے مسئلہ حل کرنے کی کوشش کرے۔ بوڑھے کا پارہ چڑھ جاتا اور وہ بلند آواز سے اپنی کرسی پیچھے دھکیلتا اور پھر اسے کھینچ کر دوبارہ میز کے قریب کر لیتا۔ وہ اپنے آپ پر قابو پانے کی سعی کرتا اور اس کی کوشش ہوتی کہ ضبط سے کام لے اور غیظ و غضب کو خود پر سوار نہ ہونے دے مگر تقریباً ہر بار وہ غصے میں آ جاتا، بیٹی کو سخت سست کہتا اور بعض اوقات کتاب اٹھا کر پرے پھینک دیتا۔

شہزادی نے جواب غلط دیا۔

بلکونسکی دھاڑتے ہوئے بولا "تم بیحد احمق ہو" اور کتاب پرے دھکیل کر منہ پھیر لیا۔ مگر پھر وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا، کچھ دیر ادھر ادھر چکر لگایا اور شہزادی کے سر پر اپنا ہاتھ رکھ کر دوبارہ بیٹھ گیا۔ اس نے کرسی میز کے قریب گھسیٹی اور دوبارہ وضاحت کرنے لگا۔ اس نے شہزادی سے جو کتاب اٹھا کر واپس جانے کیلئے تیار ہو چکی تھی مخاطب ہوتے ہوئے کہا "یوں بات نہیں بنے گی، یوں بات نہیں بنے گی، مادام ریاضی بہت بڑا مضمون ہے، میں نہیں چاہتا کہ تم بھی دیگر ناقص العقل عورتوں کی طرح دکھائی دو۔ مستقل مزاجی سے کام لو تو تم بہت جلد اسے پسند کرنے لگو گی" اس نے ماریا کے گال پر تھپکی دی اور کہا "یہ تمہارے دماغ سے ہر قسم کی واہیات باتوں کا خاتمہ کر دے گی" شہزادی نے جانے کی کوشش کی مگر باپ نے اسے اشارے سے روک دیا اور اونچی میز کی دراز سے ایک نئی کتاب نکالی جس کے ورق ابھی نہیں کاٹے گئے تھے۔ اس نے کتاب ماریا کے حوالے کرتے ہوئے کہا "یہ لو، یہ ایک اور کتاب ہے، تمہاری ایلواز نے "اسرار کی کنجی" جیسی کوئی کتاب بھیجی ہے۔ مذہبی کتاب ہے، مگر میں کسی کے عقیدے میں دخل نہیں دیتا۔۔۔ میں نے اسے سرسری طور پر دیکھا ہے۔ اسے رکھ لو اور بھاگ جاؤ، بھاگ جاؤ"

بوڑھے بیٹی کے کندھے پر تھپکی دی اور اسے دروازے تک چھوڑنے آیا۔

شہزادی ماریا واپس اپنے کمرے میں چلی آئی۔ اس کے چہرے پر اداسی اور خوف کے تاثرات شاید ہی کبھی اس کا پیچھا چھوڑتے ہوں۔ انہوں نے اس کے معمولی اور بیمار چہرے کو اور بھی معمولی بنا دیا تھا۔ وہ اپنی لکھنے کی میز کے سامنے بیٹھ گئی جس پر بے شمار تصویریں، کتابیں اور کاغذات بکھرے ہوئے تھے۔ شہزادی کا باپ جس قدر منظم اور باترتیب زندگی گزارنے کا قائل تھا وہ اسی قدر غیر منظم اور بے ترتیبی کی شوقین تھی۔ اس نے جیومیٹری کی کتاب نیچے رکھ دی اور بے صبری سے خط کھولنے لگی۔ خط شہزادی کی عزیز ترین اور بچپن کی دوست نے بھیجا تھا۔ یہ دوست جولی کاراگن تھی جو رستوف خاندان کی نام دن کی تقریب میں بھی شریک تھی۔

جولی نے فرانسیسی زبان میں لکھا تھا:

"میری عزیز اور قابل قدر دوست،۔۔۔ مفارقت کس قدر بھیانک اور اذیت ناک شے ہے! میں اپنے آپ سے کہتی رہتی ہوں کہ میری نصف زندگی اور خوشیاں تمہارے ساتھ جڑی ہیں اور یہ کہ ہمارے مابین دوریاں پیدا کرنیوالے فاصلوں کے باوجود ہمارے دل ایک دوسرے کے ساتھ دکھائی نہ دینے والے رشتوں کی صورت میں پیوست ہیں، تاہم اس کے باوجود میرا دل تقدیر کیخلاف بغاوت پر مائل رہتا ہے اور ان خوشیوں اور تفریحات کی وجہ سے جنہوں نے مجھے گھیر رکھا ہے، میں خاص قسم کی پوشیدہ اداسی پر قابو نہیں پا سکتی جو میں تم سے جدائی کے بعد سے اپنے دل کی گہرائیوں میں محسوس کر رہی ہوں۔ گزشتہ موسم گرما کی طرح اس مرتبہ بھی ہم تمہارے مطالعہ کے وسیع و عریض کمرے میں نیلے صوفے پر اکٹھی کیوں نہیں بیٹھ سکتیں جو ہمارا رازدار صوفہ تھا؟ تین ماہ پہلے کی طرح میں تمہاری دھیمی، پرسکون اور دل آویز نگاہوں سے نئی اخلاقی قوت کیوں نہیں حاصل کر سکتی۔ مجھے تمہاری نگاہوں سے کس قدر پیار تھا اور اب جبکہ میں تمہیں خط لکھ رہی ہوں تو مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے تمہاری نگاہیں اب بھی میرے سامنے موجود ہیں"

یہاں تک پڑھنے کے بعد شہزادی ماریا نے ٹھنڈی سانس لی اور اپنی دائیں جانب دیواری آئینے میں دیکھنے لگی۔ آئینے میں ناتواں، بدہیت اور دبلا پتلا چہرہ دکھائی دیا۔ اس کی آنکھیں جو ہمیشہ اداس رہا کرتی تھیں، آئینے میں اپنے عکس کو خاص مایوسی سے دیکھنے لگیں۔ اس نے سوچا "وہ میری خوشامد کر رہی ہے" اور دوبارہ پڑھنے میں مصروف ہو گئی۔ مگر جولی نے اپنی دوست کی خوشامد نہیں کی تھی۔ شہزادی کی بڑی بڑی، گہری اور تابناک آنکھیں (بعض اوقات یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ان سے گرم روشنی کی شعاعیں پھوٹ رہی ہوں) واقعی اس قدر خوبصورت تھیں کہ انہوں نے اس کی معمولی صورت کے باوجود چہرے پر حسن و جمال سے کہیں زیادہ خوبصورتی پیدا کر دی تھی۔ تاہم شہزادی کو اپنی آنکھوں کے اس خوبصورت تاثر کا کبھی اندازہ نہیں ہوا تھا۔ یہ خوبصورتی اس وقت نمایاں ہو جاتی جب وہ اپنے بارے میں نہیں سوچ رہی ہوتی تھی۔ جیسا کہ عموماً ہر ایک کے ساتھ ہوتا ہے، جونہی وہ آئینے میں اپنی شکل دیکھتی، اس کے چہرے پر غیر فطری اور بھدا تاثر پیدا ہو جاتا۔

اس نے دوبارہ خط پڑھنا شروع کر دیا۔

"ماسکو میں جنگ کے علاوہ کسی موضوع پر گفتگو نہیں ہوتی۔ میرا ایک بھائی پہلے ہی ملک سے باہر ہے اور دوسرا گارڈز میں بھرتی ہو گیا ہے جو سرحد کی طرف کوچ کرنے والے ہیں۔ ہمارے محبوب شہنشاہ پیٹرزبرگ سے روانہ ہو چکے ہیں اور سننے میں آیا ہے کہ وہ اپنی قیمتی زندگی کو جنگ کے خطرات کی نذر کرنے کا عزم کر چکے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ ہمارے فرشتہ خصلت شہنشاہ جنہیں خدا نے خصوصی کرم کرتے ہوئے ہمارا حکمران بنایا ہے، کارسیکا کے اس عفریت

کو ختم کر سکیں جو یورپ کا امن برباد کر رہا ہے۔

بھائیوں کے علاوہ اس جنگ نے مجھے ایک عزیز از جان ہستی سے بھی محروم کر دیا ہے۔ میرا اشارہ نوجوان نکولائی رستوف کی جانب ہے۔ وہ اپنے ولولے اور جوش و خروش کے باعث آرام سے نہیں بیٹھ سکتا اور اس نے فوج میں بھرتی ہونے کیلئے یونیورسٹی کو خیر باد کہہ دیا ہے۔ اور ہاں، میری پیاری ماریا، میں تمہارے سامنے اعتراف کرتی ہوں کہ اس کی بھرپور جوانی کے باوجود فوج میں بھرتی ہونے کیلئے ان کی روانگی میرے لیے ناقابل برداشت غم کا باعث بنی ہے۔ یہ نوجوان جس کا میں نے گزشتہ گرمیوں میں تم سے ذکر کیا تھا اس قدر شریف اور صحیح معنوں میں نوخیز ہے کہ ہماری عمر کے نوجوان لڑکے لڑکیوں میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ ان تمام باتوں کے علاوہ وہ بیحد راست گو اور فراخ دل ہے۔ وہ اس قدر پاک دامن اور شاعر مزاج ہے کہ مجھے اس کے ساتھ جو راہ و رسم خواہ وہ کتنے ہی مختصر کیوں نہ ہوں، بڑھانے کا موقع ملا اس نے میرے دل کو حقیقی خوشی سے سرشار کر دیا جو پہلے ہی بے شمار چوٹیں کھا چکا ہے۔ کسی روز میں تمہیں اپنی الوداعی ملاقات اور جدائی کے موقع پر ایک دوسرے سے کی جانے والی باتوں سے آگاہ کروں گی۔ ابھی تو یہ زخم بالکل تازہ ہے۔ آہ، میری پیاری دوست، تم خوش قسمت ہو کہ تمہارا ان خوشیوں اور ایسے دلدوز درد سے واسطہ نہیں پڑا۔ تم خوش قسمت ہو کیونکہ موخر الذکر کی کسک کہیں زیادہ ہوتی ہے! میں جانتی ہوں کہ نواب نکولائی ابھی نو عمر ہے اور وہ میرے لیے دوست سے زیادہ کچھ نہیں ہو سکتا لیکن اس شیریں دوستی، اس شاعرانہ اور پاکیزہ بے تکلفی نے میرے دل کی تمام حسرتیں پوری کر دی ہیں۔ بس اتنا کہنا ہی کافی ہے۔

آج کی سب سے بڑی خبر جو تمام ماسکو میں پھیل چکی ہے، معمر نواب بیزوخوف کے انتقال اور ان کی وراثت سے متعلق ہے۔ حیران کن بات یہ ہے کہ تینوں شہزادیوں کو ترکے میں نہایت قلیل حصہ ملا ہے، شہزادہ ویسلے کے ہاتھ کچھ نہیں آیا اور سب کچھ موسیو پیری کو مل گیا ہے جنہیں صحیح النسب بھی تسلیم کر لیا گیا ہے۔ جس کے نتیجے میں اب وہ نواب بیزوخوف بن گئے ہیں اور روس کی وسیع جائیداد اور دولت ان کے ہاتھ آ گئی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ شہزادہ ویسلے نے ان تمام معاملات میں نہایت گھٹیا کردار ادا کیا اور اب وہ سر جھکائے واپس پیٹرزبرگ چلے گئے ہیں۔"

"میں تسلیم کرتی ہوں کہ وراثت اور وصیتوں کے بارے میں میرا علم انتہائی ناقص ہے۔ میں صرف یہ جانتی ہوں کہ وہ نوجوان جسے ہم موسیو پیری کے نام سے پکارتے تھے اب نواب بیزوخوف اور روس کی وسیع ترین جائیداد کا مالک بن گیا ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر بہت حیرانی ہوتی ہے کہ وہ مائیں جن کی بیٹیاں شادی کی عمر کو پہنچ چکی ہیں اور خود یہ نوخیز لڑکیاں بھی اس فرد واحد کے بارے میں اپنے رویوں میں تبدیلی لے آئی ہیں۔۔۔ یہ شخص مجھے ہمیشہ گھٹیا نمونہ دکھائی دیا جو میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں۔ جس طرح لوگ گزشتہ دو برسوں میں مجھے ایسے اشخاص سے منسوب کر کے لطف اندوز ہوتے رہے ہیں جنہیں میں جانتی ہی نہیں، اسی طرح ماسکو کی شادی سے متعلق گپ بازیوں نے مجھے بیگم بیزوخوف بنا دیا ہے۔ مگر مجھے یقین ہے کہ تم جانتی ہو مجھے اس کی بالکل خواہش نہیں۔ شادی کا ذکر چل نکلا ہے تو پھر میں تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ جگت خالہ اینا میخائلوونا نے مجھے سخت رازداری کی تلقین کر کے تمہاری شادی کے بارے میں ایک منصوبے سے آگاہ کیا تھا۔ تم سے شادی کا متوقع امیدوار شہزادہ ویسلے کے بیٹے اناطول کے سوا اور کون ہو سکتا ہے، ان لوگوں کا منصوبہ یہ ہے کہ اناطول کو سدھارنے کیلئے اس کی شادی کسی امیر اور صاحب حیثیت لڑکی سے کر دی جائے، اور رشتہ داروں کی نظر انتخاب تم پر پڑی ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ تم اس معاملے کو کس انداز سے دیکھتی ہو مگر میں سمجھتی ہوں کہ تمہیں اس بارے میں قبل از وقت آگاہ کرنا میرا فرض ہے۔ سنا ہے کہ وہ بیحد خوش شکل اور بے لگام ہے۔ میں اس

کے بارے میں بس یہی کچھ معلوم کر سکی ہوں"

"خیر کافی گپ شپ ہو چکی ہے۔ میں دوسرا ورق ختم کر رہی ہوں اور امی مجھے اپراکسن خاندان کی ضیافت میں بھیج رہی ہیں۔ میں نے تمہیں اسرار کی جو کتاب بھیجی ہے اسے ضرور پڑھنا، یہاں آج کل ہر شخص اس کا شیدائی ہے۔ اگرچہ اس میں بعض ایسی باتیں بھی ہیں جنہیں ہمارا ذہن نہیں سمجھ سکتا مگر پھر بھی یہ نہایت عمدہ اور قابل ستائش کتاب ہے اور اسے پڑھنے سے روح کو سکون ملتا ہے۔ خدا حافظ۔ ابا جان کو میرا اسلام اور مادام بورین کو میری جانب سے نیک خواہشات کا پیغام دینا۔ میں دل کی گہرائیوں سے تمہارے ساتھ معانقہ کرتی ہوں"

جولی

پس تحریر۔۔۔ اپنے بھائی اور ان کی ننھی منی دلکش بیوی کے بارے میں مجھے ضرور بتانا۔

شہزادی ماریا کچھ دیر سوچ و بچار کرتی رہی اور پھر خوابناک انداز میں مسکرائی (تابدار آنکھوں کی بدولت اس کا منور چہرہ یکسر تبدیل ہو گیا) وہ اچانک اٹھی اور بھاری قدموں سے میز کی دوسری جانب پہنچ گئی۔ اس نے کاغذ کا ورق اٹھایا اور پھر اس کا ہاتھ اس پر تیزی سے چلنے لگا۔ اس نے جولی کو درج ذیل جواب لکھا:

"میری عزیز اور قابل قدر دوست۔۔۔ تمہارے 13 تاریخ کے خط نے مجھے بے حد خوشی عطا کی۔ میری شاعر صفت جولی اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہیں ابھی تک مجھ سے پیار ہے۔ جس جدائی کو تم نے جی بھر کر برا بھلا کہا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ اس نے تم پر اپنا عمومی اثر نہیں ڈالا۔ تم عدم موجودگی کی شکایت کرتی ہو۔۔۔ اگر میں شکوے کا حوصلہ کروں جس کے تمام عزیز اس سے چھن گئے تو مجھے کیا انداز اختیار کرنا ہوگا؟ آہ، اگر تسکین قلب کیلئے ہمارے پاس مذہب کا سہارا نہ ہو تو زندگی بیحد اداس ہو جائے۔ تم نے یہ کیسے فرض کر لیا کہ تم مجھے اس نوجوان سے اپنی وابستگی سے آگاہ کرو گی تو میں سخت گیر رویہ اختیار کروں گی؟ میں ایسے معاملات میں اپنے علاوہ کسی کیلئے سخت نہیں ہوں۔ اگرچہ مجھے ایسا تجربہ نہیں ہوا تاہم میں دوسرے لوگوں کے ایسے احساسات سمجھ سکتی ہوں، میں انہیں پسند تو نہیں کرتی البتہ ان کی مذمت بھی نہیں کرتی۔ میرے لیے عیسائی ہونے کے ناطے عام انسانوں، اپنے ہمسایوں اور دشمنوں سے محبت تم جیسی شاعر مزاج اور محبت شناس لڑکی کے دل میں کسی نوجوان کی خوبصورت آنکھیں دیکھ کر ابھرنے والی محبت سے کہیں زیادہ شیریں اور نفیس ہے"

"نواب بیزوخوف کی وفات کی خبر ہم تک تمہارے خط سے پہلے پہنچ گئی تھی اور اس نے میرے والد پر بیحد اثر ڈالا۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ اور نواب بیزوخوف عظیم صدی کے آخری نمائندے تھے، نواب چل بسے اور اب ان کی باری ہے، البتہ وہ ہر ممکن کوشش کریں گے کہ یہ باری جس قدر ہو سکے دیر سے آئے۔ خداوند سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس ہولناک سانحے سے محفوظ فرمائے۔ میں پیری کو بچپن سے جانتی ہوں اور اس کے بارے میں تمہارے خیالات سے متفق نہیں ہوں۔ وہ مجھے ہمیشہ نیک دل دکھائی دیے اور یہ انسانوں کی وہ خوبی ہے جو مجھے سب سے زیادہ پسند ہے۔ جہاں تک ان کے ترکے اور شہزادہ ویسلے رویے کا تعلق ہے یہ دونوں کیلئے افسوسناک ہے۔ آہ، میری پیاری دوست، ہمارے پاک نجات دہندہ نے فرمایا ہے کہ اونٹ سوئی کے ناکے سے با آسانی گزر سکتا ہے مگر امیر آدمی کیلئے جنت میں داخل ہونا مشکل ہے۔ مجھے شہزادہ ویسلے پر ترس آ رہا ہے اور مجھے پیری سے تو اور بھی زیادہ ہمدردی ہے۔ بیچارہ جوانی میں ہی اس قدر بھاری دولت کے بوجھ تلے دب گیا، کیسی کیسی ترغیبات اس کا راستہ روکیں گی۔ اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ اس دنیا میں میری سب سے بڑی خواہش کیا ہے تو میرا جواب ہوگا کہ" کاش میں غریب ترین بھکارن سے بھی زیادہ غریب ہو جاؤں"

پیاری دوست وہ کتاب بھیجنے پر تمہارا ہزار بار شکریہ ادا کرتی ہوں جس کے تمہارے ہاں بھی دیوانے ہو چکے ہیں۔ جیسا کہ تم نے مجھے خود بتایا ہے کہ اس میں بعض بہت اچھی باتوں کے ساتھ ساتھ ایسی چیزیں بھی ہیں جو کمزور اذہان کی سمجھ میں نہیں آسکتیں، تو پھر میرے خیال میں ایسی کتاب پر وقت ضائع کرنا فضول ہے جو نا قابل فہم ہو اور اس سے حاصل بھی کچھ نہ ہو سکے۔ میں یہ بات بھی نہیں سمجھ سکی کہ آخر بعض لوگوں کو اسرار کے موضوع پر کتابیں پڑھنے کا اسقدر جنون کیوں ہوتا ہے جبکہ یہ ان کے دماغوں میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ تخیل کو بھڑکاتی اور ان میں مقابلہ بازی کے رجحان کو فروغ دے کر پراگندہ خیالی کا شکار بناتی ہیں جو مسیحی مذہب کی سادگی کے خلاف ہے۔ اس سے تو بہتر ہے کہ ہم انجیل اور مکتوبات کا مطالعہ کرتے رہیں۔ ہمیں ان میں پوشیدہ اسرار ورموز کھنگالنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ آخر ہماری حیثیت ہی کیا ہے؟ یہی کہ ہم بدبخت اور گنہگار ہیں اور پھر جب تک ہم اس فانی جسم کی صورت میں موجود ہیں جس نے ہمارے اور خداوند کے مابین پردہ حائل کر رکھا ہے، ہم کیسے یہ توقع کر سکتے ہیں کہ ہمیں خدا کے گھمبیر اور مقدس اسرار کا محرم بنالیا جائے گا؟ ہمیں اپنے آپ کو ان اعلیٰ اصولوں کے مطالعے تک محدود کر دینا چاہیے جو ہمارے پاک نجات دہندہ نے اس دنیا میں ہماری رہنمائی کیلئے چھوڑے ہیں۔ ہمیں ان پر عمل کرنا اور خود کو ان کے مطابق بنانا چاہیے۔ آئیں، ہم یہ تسلیم کریں کہ ہم اپنی کمزور انسانی سمجھ بوجھ کو جس قدر ڈھیلا چھوڑیں گے اس قدر خداوند کی رضا حاصل کر سکیں گے جو اس تمام علم کو مسترد کرتا ہے جس کا ماخذ اس کی ذات نہیں ہوتی، اور یہ کہ اس نے اپنی رحمت کے پیش نظر جس علم کو ہماری نگاہوں سے چھپا کر رکھا ہے اس تک پہنچنے کیلئے ہم جس قدر کم کوشش کریں گے، وہ اپنی الوہی روح کی وساطت سے اسے اسی قدر جلد ہم پر ظاہر کر دے گا۔''

''میرے والد نے مجھ سے شادی کے کسی امیدوار کا ذکر نہیں کیا البتہ انہوں نے مجھے صرف اتنا بتایا ہے کہ انہیں ایک خط موصول ہوا ہے اور توقع ہے کہ شہزادہ ویسلی ان سے ملنے آئے گا۔ جہاں تک میرے متعلق شادی کے اس منصوبے کا تعلق ہے تو میری عزیز اور قابل قدر دوست، میرے خیال میں شادی حکم خداوندی ہے اور ہم سب کو اس حکم کی پابندی کرنی چاہیے۔ اگر خدا نے کبھی مجھ پر بیوی اور ماں کی حیثیت سے فرائض کا بوجھ ڈالا تو مشکلات کے باوجود میری یہی کوشش ہوگی کہ جس قدر ہو سکے ایمانداری سے یہ فرائض نبھاؤں اور مجھے جو شوہر عطا کیا جائے گا اس کے بارے میں اپنے جذبات کی نوعیت کی چھان پھٹک کر کے اپنے آپ کو پریشانیوں میں مبتلا نہیں کروں گی۔''

''مجھے اپنے بھائی کا خط موصول ہوا ہے جس میں اس نے اپنی بیوی کے ہمراہ بلیک ہلز آمد کی اطلاع دی ہے۔ ان کی آمد سے حاصل ہونے والی خوشی عارضی نوعیت کی ہوگی کیونکہ وہ اس ناپسندیدہ جنگ میں حصہ لینے کیلئے چلے جائیں گے جس نے خدا جانے کیوں اور کیسے ہم سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔

صرف تمہارے ہاں یعنی اعلیٰ طبقے اور دنیاوی امور کے مرکز ہی میں جنگ کی باتیں نہیں ہوتیں بلکہ یہاں محنت مشقت، دیہاتی اور پرسکون فضا میں بھی جیسا کہ شہروں کے باسی دیہاتی زندگی کا نقشہ کھینچتے ہیں، جنگ کی افواہیں پھیلی ہوئی ہیں اور نہایت کرب کا احساس دلاتی ہیں۔ میرے والد فوج کشی اور جوابی فوج کشی کے علاوہ کوئی بات نہیں کرتے، یہ ایسی باتیں ہیں جو میری سمجھ میں نہیں آتیں، اور پرسوں گاؤں میں معمول کی چہل قدمی کے دوران میں نے ایک دلخراش منظر دیکھا۔۔۔ یہ رنگروٹوں کا قافلہ تھا جنہیں ہمارے علاقے سے بھرتی کر کے جنگ کیلئے روانہ کیا جا رہا تھا۔ جانے والوں کی ماؤں، بیویوں اور بچوں کا رونا دھونا دیکھا نہیں جاتا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے انسان اپنے پاک نجات دہندہ کے فرمودات بھلا چکے ہیں اور ایک دوسرے سے محبت کرنے اور خطائیں معاف کرنے کی بجائے ایک

دوسرے کو ہلاک کرنے کا فن سب سے بڑی خوبی بن چکا ہے۔''

پیاری اور اچھی دوست: ہمارے پاک نجات دہندہ اور ان کی پاکیزہ ترین ماں تمہیں اپنی پاک اور قوی حفاظت میں رکھیں۔

ماریا

اسی دوران مادموزیل بورین بھی وہاں آگئی اور شہزادی ماریا سے مخاطب ہو کر بولی ''ارے شہزادی آپ خط لکھ رہی ہیں؟ میں پہلے ہی اپنی بیچاری والدہ کے نام عریضہ لکھ چکی ہوں'' اس کا لہجہ خوبصورت اور رسیلا تھا جس کے ساتھ ساتھ وہ لفظ 'ر' زور دے کر ادا کرتی تھی۔ وہ شہزادی ماریا کے گھٹے گھٹے، افسردہ اور بوجھل ماحول میں شوخ وچنچل، زندہ دلی اور اطمینان بھرا بالکل نیا ذہنی رویہ لے کر آئی تھی۔

وہ دھیمی آواز میں بولی ''شہزادی، میں یہ بتانا اپنا فرض سمجھتی ہوں کہ شہزادہ بلکونسکی کی میخائل ایوانوف سے تکرار ہوگئی ہے (اس نے لفظ 'تکرار' یوں کھنکتے لہجے میں ادا کیا جیسے اسے اپنی ہی آواز سن کر مسرت ہو رہی ہو) وہ شدید برہمی کا اظہار کر رہے ہیں اور بے حد چڑچڑے ہو گئے ہیں۔ ذرا دھیان رکھنا، تم تو جانتی ہی ہو''

شہزادی ماریا نے جواب دیا ''آہ، میری پیاری دوست میں تم سے درخواست کر چکی ہوں کہ مجھے کبھی پیشگی نہ بتایا کریں کہ میرے والد کے مزاج کیسے ہیں۔ میں نے خود کو کبھی انہیں پرکھنے کی اجازت نہیں دی اور دوسروں کو بھی ایسا نہیں کرنے دوں گی''

شہزادی نے اپنی گھڑی پر نظر ڈالی اور یہ دیکھ کر کہ کلاوی کارڈ پر مشق کے وقت میں پہلے ہی پانچ منٹ تاخیر ہو چکی ہے وہ فوراً نشست گاہ کی طرف بھاگی، اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ روزمرہ کے نظام الاوقات کے مطابق بلکونسکی دوپہر بارہ سے دو بجے کے درمیان قیلولہ کرتا تھا جبکہ اس دوران شہزادی ماریا کلاوی کارڈ پر مشق کیا کرتی تھی۔

(23)

سرمئی بالوں والا خدمتگار استقبالیہ کمرے میں غنودگی کے عالم میں بیٹھا تھا تاہم اسے مطالعہ کے وسیع وعریض کمرے میں بلکونسکی کے خراٹوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ مکان کے دوسرے حصے سے بند دروازوں میں سے ڈوسک کے راگ سوناتا کے مشکل حصوں کو بیس بیس مرتبہ دہرائے جانے کی آواز بھی آ رہی تھی۔

اسی دوران ایک گاڑی اور چھوٹا چھکڑا دروازے پر آ کر رکے اور شہزادہ آندرے گاڑی سے باہر آیا، اس نے اپنی بیوی کا ہاتھ پکڑ کر اسے نیچے اتارا اور گھر میں پہلے جانے دیا۔ سرمئی وگ والے معمر خدمتگار تیخن نے استقبالیہ کمرے کے دروازے سے گردن باہر نکالی اور دبے لفظوں میں اسے بتایا کہ شہزادہ نکولائی بلکونسکی آرام کر رہے ہیں اور تیزی سے دروازہ بند کر دیا۔ تیخن جانتا تھا کہ کوئی غیر معمولی واقعہ حتیٰ کہ بلکونسکی کے بیٹے کی آمد پر بھی اس کے روزمرہ کے معمولات میں دخل اندازی کی اجازت نہیں۔ تیخن کی طرح بظاہر شہزادہ آندرے بھی اس حقیقت سے آگاہ تھا۔ اس نے اپنی گھڑی پر نگاہ دوڑائی جیسے یہ اندازہ کرنا چاہتا ہو کہ اس کی عدم موجودگی میں اس کے باپ کی عادات میں کوئی تبدیلی تو نہیں آئی اور یہ دیکھ کر اسے اطمینان ہوا کہ ایسی کوئی بات نہیں اور پھر وہ اپنی بیوی کی طرف متوجہ ہو کر بولا ''وہ بیس منٹ میں بیدار ہو جائیں گے، آؤ ماریا کی طرف چلتے ہیں''

اس عرصے کے دوران شہزادی لیزا قدرے فربہ ہوگئی تھی مگر جب وہ بات کرتی تھی تو اس کا چھوٹا سا روئیں دار بالائی ہونٹ جو مسکرانے کے نتیجے میں اوپر اٹھ جاتا تھا اب بھی ہمیشہ کی طرح ہشاش بشاش اور دلکش دکھائی دیتا تھا۔

اس نے ادھر ادھر نگاہیں دوڑاتے ہوئے اپنے خاوند سے کہا"ارے، یہ تو محل معلوم ہوتا ہے"

اس کے چہرے پر ویسے ہی تاثرات نمودار ہورہے تھے جو رقص کی محفل کے اختتام پر اپنے میزبان کو داد و تحسین پیش کرنیوالوں کے ہوتے ہیں۔ اس نے پیچھے مڑ کر اپنے خاوند، تخن اور ایک خدمتگار کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھا اور بولی "آئیں، ذرا تیز چلیں، ماریا موسیقی کی مشق کررہی ہے؟ آئیں خاموشی سے اس کے قریب پہنچ جاتے ہیں، وہ حیران رہ جائے گی"

شہزادہ آندرے شائستہ انداز میں اس کے پیچھے چل دیا، اس کے چہرے پر اداسی ٹپک رہی تھی۔ اس نے چلتے چلتے معمر ملازم سے جو اس کا ہاتھ چوم رہا تھا، کہا"تخن تم بوڑھے لگ رہے ہو"

قبل ازیں کہ وہ اس کمرے تک پہنچتے جس سے کلاوی کارڈ بجانے کی آوازیں آرہی تھیں، ایک بغلی دروازے سے سنہرے بالوں والی فرانسیسی خاتون برآمد ہوئی۔ یہ مادموزیل بورین تھی جو خوشی سے نہال دکھائی دیتی تھی۔ انہیں دیکھ کر اس نے کہا"آہا، شہزادی کس قدر خوش ہوگی، بالآخر مجھے اسے اطلاع کردینی چاہئے"

شہزادی لیزا اس کا بوسہ لیتے ہوئے بولی"نہیں نہیں، براہ مہربانی اسے اطلاع مت کریں، آپ مادموزیل بورین ہیں؟ میں اپنی نند کی دوستی کے حوالے سے پہلے ہی آپ کو جانتی ہوں۔ اسے آج ہماری آمد کی توقع نہیں!"

وہ نشست گاہ کے دروازے کی جانب چل دیے جہاں سے موسیقی کا ایک ہی قطعہ بار بار دہرائے جانے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ شہزادہ آندرے وہیں رک گیا، اس کی بھنویں تن گئیں اور یوں لگتا تھا جیسے وہ کوئی ناگوار صورتحال پیدا ہونے کے حوالے سے فکرمند ہو۔

شہزادی لیزا اندر چلی گئی۔ موسیقی کا قطعہ درمیان ہی میں رک گیا، پہلے چیخ و پکار، پھر شہزادی ماریا کے بھاری قدموں اور اس کے بعد ایک دوسرے کو چومنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ جب آندرے اندر گیا تو دونوں خواتین جنہوں نے پہلی مرتبہ ایک دوسرے کو تھوڑی دیر کیلئے آندرے کی شادی کے موقع پر دیکھا تھا ایک دوسرے کے بازوؤں میں لپٹی ہوئی تھیں اور گرمجوشی سے ایک دوسرے کی بلائیں لے رہی تھیں۔ موزیل بورین ان کے قریب سینے پر ہاتھ باندھے کھڑی تھی اور خوش ہورہی تھی۔ اسے دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے اس کی سمجھ میں نہیں آرہا کہ وہ قہقہے لگائے یا رونا شروع کردے۔ شہزادہ آندرے نے کندھے اچکائے اور کچھ اس طرح ناک بھوں چڑھانے لگا جیسے موسیقی کا شیدائی کوئی غلط سرُن کر چڑ جاتا ہے۔ دونوں خواتین نے ایک دوسرے کو چھوڑ دیا، اور ایک مرتبہ پھر جیسے انہیں اندیشہ ہو کہ کہیں کوئی کوتاہی تو نہیں ہوگئی، ایک دوسرے کے گلے لگ گئیں اور ہاتھ چومنے لگیں، پھر وہ دوبارہ الگ ہوئیں اور ایک مرتبہ پھر ایک دوسرے کے رخساروں کے بوسے لینا شروع کردیے۔ پھر دونوں نے رونا شروع کردیا اور ان کا ایک دوسرے کو چومنے کا عمل دوبارہ شروع ہوگیا جسے دیکھ کر آندرے شپٹا گیا۔ موزیل بورین کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہوگئے۔ شہزادہ آندرے کا اضطراب واضح تھا، مگر دونوں خواتین کو گلے لگ کر رونا بالکل فطری معلوم ہورہا تھا، یہ بات تو ان کے ذہن میں بالکل نہیں آسکتی تھی کہ وہ آنسوؤں کے بغیر بھی مل سکتی ہیں۔

دونوں نے بیک وقت ایک دوسرے کو کہا"میری پیاری۔۔۔"اور پھر ہنس دیں۔

ماریا بولی"کل رات میں نے خواب دیکھا تھا"

لیزا نے کہا"تو تمہیں ہمارے آنے کی امید تھی؟ ارے ماریا تم تو بالکل دبلی ہوگئی ہو۔

ماریا نے جواباً کہا"اور تمہاری صحت بہتر دکھائی دے رہی ہے۔۔۔"

موزیل بورین نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا"میں نے شہزادی لیزا کو فوراً پہچان لیا تھا"

شہزادی ماریا چلا کر بولی"اور میں نے تو سوچا بھی نہ تھا، ارے آندرے، میں نے تمہیں تو دیکھا ہی نہیں"

شہزادہ آندرے اور اس کی بہن نے ایک دوسرے کے ہاتھ چومے اور آندرے نے اسے کہا"تم ہمیشہ کی طرح اب بھی بچوں کی طرح روتی ہو"ماریا اپنے بھائی کی طرف متوجہ ہوئی اور اس کی جانب اپنی بڑی بڑی، اشکبار اور تابناک آنکھوں سے دیکھنے لگی۔ اس کی گرمجوش، محبت بھری اور حلیم نظریں شہزادہ آندرے کے چہرے پر ٹھہر گئیں۔

چھوٹی شہزادی لیزا مسلسل بول رہی تھی۔ اس کا چھوٹا سا بالائی ہونٹ مسلسل نچلے ہونٹ سے مل رہا تھا اور جہاں ضروری ہوتا یہ علیحدہ ہوجاتا اور اس کی مسکراتی آنکھیں اور دانت جگمگا اٹھتے۔ لیزا راستے میں سپاسکی پہاڑی پر پیش آنے والے ایک حادثے کے بارے میں بتلا رہی تھی جو اس کی موجودہ حالت کے پیش نظر سنگین صورت بھی اختیار کرسکتا تھا۔ اس کے فوراً بعد اس نے انکشاف کیا کہ وہ اپنے تمام لباس پیٹرز برگ میں بھول آئی ہے اور اب خدا جانے وہ یہاں کیا پہنے گی اور یہ کہ آندرے مکمل طور پر بدل گیا ہے، کٹی اودنٹسوف نے ایک بوڑھے سے شادی کرلی ہے اور یہ کہ ماریا کیلئے شادی کا ایک موزوں امیدوار مل گیا ہے، مگر اس کے بارے میں وہ بعد میں باتیں کریں گی۔ شہزادی ماریا خاموش بیٹھی اپنے بھائی کو دیکھے جارہی تھی اور اس کی خوبصورت آنکھیں پیار اور اداسی سے لبریز تھیں۔ یہ بات بالکل واضح تھی کہ اس کے ذہن میں اپنے ہی خیالات کی رو بہہ رہی ہے جس کا اس کی بھاوج کی باتوں سے کوئی تعلق نہیں۔ لیزا جب پیٹرز برگ کی تازہ ترین ضیافت کا ذکر کررہی تھی تو ماریا بیچ میں ہی اپنے بھائی سے مخاطب ہو کر کہنے لگی"آندرے، کیا تم واقعی جنگ پر جارہے ہو؟"یہ بات کہہ کر اس نے سرد آہ بھری اور لیزا نے بھی ایسا ہی کیا۔

بھائی نے جواب دیا"ہاں اور کل ہی"

"لیزا نے کہا"یہ مجھے یہاں چھوڑے جارہے ہیں، اور خدا جانے کیوں جبکہ انہیں یہاں ترقی بھی۔۔۔"

شہزادی ماریا نے اس کی بات مکمل نہ ہونے دی اور اپنے خیالات کی رو کا تعاقب کرتے ہوئے اس کے سراپے پر پیار بھری نگاہ ڈالتے ہوئے کہنے لگی"کیا واقعی ایسا ہی ہے؟"

لیزا کے چہرے کا رنگ تبدیل ہوگیا اور اس نے سرد آہ بھری۔

اس نے ماریا کو جواب دیتے ہوئے کہا"ہاں، یہ سچ ہے۔ اوہ! یہ کس قدر بھیانک ہے۔۔۔"

یہ کہنے کے بعد لیزا کا ہونٹ لٹک گیا۔ اس نے اپنا چہرہ نند کے قریب کیا اور دوبارہ غیر متوقع طور پر رونا شروع کردیا۔

شہزادہ آندرے نے تیوری چڑھاتے ہوئے کہا"اسے آرام کی ضرورت ہے۔ کیوں لیزا؟ اسے اپنے کمرے میں لے جاؤ جبکہ میں ابا جان سے ملتا ہوں۔ وہ کیسے ہیں؟۔۔۔ بالکل اسی طرح؟"

شہزادی ماریا نے خوش ہو کر جواب دیا"ویسے ہی، بالکل ویسے، میں نہیں جانتی کہ آپ کو وہ کیسے لگتے ہیں"

شہزادہ آندرے نے ہلکا سا مسکراتے ہوئے پوچھا"وہی معمول، خیابانوں کی سیر اور خراد؟ اس کی مسکراہٹ ظاہر کررہی تھی کہ اپنے باپ سے تمام تر محبت اور اس کے احترام کے باوجود وہ اس کی کمزوریوں سے آشنا ہے۔

شہزادی ماریا نے خوشی سے جواب دیا"وہی معمول اور خراد، اسکے ساتھ ساتھ ریاضی اور میرے جیومیٹری کے

اسباق' اس نے یہ بات کچھ اس انداز سے کہی گویا جیومیٹری کے اسباق اس کی زندگی کے دلچسپ ترین واقعات میں سے ایک ہوں۔

جب بیس منٹ گزر گئے اور معمر شہزادے کے بیدار ہونے کا وقت ہوا تو تیخن نوجوان شہزادے کو بلانے آیا تا کہ وہ اپنے باپ سے مل سکے۔ بوڑھے نے اپنے بیٹے کی آمد کے احترام میں اپنے معمول میں تبدیلی کی اور حکم دیا کہ شام کے کھانے سے قبل میرے لباس تبدیل کرنے کے دوران وہ مجھے اپارٹمنٹ میں آکر مل سکتا ہے۔ معمر شہزادہ بلکونسکی پرانی وضع کے لباس پہنتا اور بالوں پر پاؤڈر چھڑکتا تھا۔ جب شہزادہ آندرے اپنے باپ کے کمرے میں پہنچا (اب اس کا چہرہ جھلایا ہوا تھا نہ اس کا رویہ وہ تھا جو وہ ڈرائنگ روم میں اختیار کر لیتا تھا بلکہ اب اس کے چہرے سے پرشوق تاثر مترشح تھا) تو بوڑھا ڈریسنگ گاؤن پہن کر قیمتی مراکشی چمڑے والی کرسی پر بیٹھا تھا اور تیخون اس کے بال سنوار رہا تھا۔

وہ اپنے بیٹے کو دیکھ کر بولا" آہا، سورما، تو پھر تم بوناپارٹ سے لڑنا چاہتے ہو" پھر اس نے اپنا سر جس پر پاؤڈر چھڑکا ہوا تھا حتی المقدور گھماتے ہوئے (اس کے پاؤڈر لگے بالوں کا ایک سرا تیخن کے ہاتھ میں تھا اور وہ سر اپنی مرضی سے نہیں گھما سکتا تھا) کہنے لگا" یاد رکھو، اس سے ہوشیار رہنا، ورنہ وہ جلد ہمیں بھی اپنے محکوموں کی فہرست میں شامل کرلے گا۔ تمہارا کیا حال ہے؟"

اس نے بوسہ دینے کیلئے اپنا گال بیٹے کی جانب بڑھا دیا۔

بوڑھا بلکونسکی کھانے سے قبل نیند لے کر ترنگ میں آچکا تھا (اس کا کہنا تھا کہ کھانے نیند لینا چاندی اور اس سے قبل سونا ہے) اس نے اپنے گھنے اور لٹکتے ابروؤں کے نیچے سے بیٹے کو پرمسرت اور تیکھی نگاہوں سے دیکھا۔ شہزادہ آندرے آگے بڑھا اور اپنے باپ کو اس مقام پر بوسہ دیا جس کی طرف اس نے اشارہ کیا تھا۔ اس نے اپنے باپ کے محبوب موضوع گفتگو یعنی عہد حاضر کے فوجیوں خصوصاً بوناپارٹ کا مذاق اڑانے، کے بارے میں کچھ کہنے سے پرہیز کیا۔

وہ اپنے باپ کے چہرے کی ہر حرکت کو پرشوق اور مودبانہ انداز میں دیکھتے ہوئے بولا" ہاں، میں اپنی اہلیہ کے ساتھ آپ سے ملنے آیا ہوں جو امید سے ہے۔ آپ کی صحت کیسی ہے؟"

باپ نے جواب دیا" میرے بیٹے طبیعت صرف احمقوں اور اوباشوں کی خراب ہوتی ہے، اور تم مجھے جانتے ہو، میں صبح سے شام تک مصروف رہتا ہوں اور اعتدال سے کام لیتا ہوں، تو پھر یقیناً میں ٹھیک ہوں"

بیٹے نے مسکراتے ہوئے کہا" خدا کا شکر ہے"

بلکونسکی نے جواباً کہا" خدا کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں، ادھر آؤ اور مجھے بتاؤ کہ جرمنوں نے نپولین سے لڑنے کیلئے اپنے نئے سائنسی طریقے' حکمت عملی' کے ذریعے تمہیں کیسی تربیت دی ہے؟" بوڑھا اپنے پسندیدہ موضوع کی طرف آ گیا تھا۔

شہزادہ آندرے مسکرایا اور کہنے لگا" ابا جان، مجھے حواس بحال کرنے کا موقع عنایت کریں کیونکہ میں حال ہی میں یہاں پہنچا ہوں" اس کی مسکراہٹ یہ ظاہر کرتی تھی کہ اپنے باپ کی کمزوریوں کی باوجود وہ اس سے محبت اور عزت سے پیش آتا رہے گا۔

بوڑھے نے اپنے گندھے ہوئے بالوں کی سختی جانچنے کیلئے انہیں جھٹکا دیا اور پھر بیٹے کا ہاتھ تھام کر کہنے لگا "فضول، بالکل فضول، تمہاری بیوی کیلئے گھر تیار ہے۔۔ ماریا اس کا خیال رکھے گی اور اسے ہر شے دکھا دے گی، علاوہ ازیں وہ اس کے ساتھ چوبیس گھنٹے باتیں بھی کرے گی۔ یہ ان کا نسوانی انداز ہے۔ بہرحال میں خوش ہوں کہ وہ یہاں آ گئی ہے۔ بیٹھ جاؤ اور مجھ سے بات چیت کرو۔ میکلسن کی فوج کو تو میں سمجھتا ہوں اور تالستائی کو بھی۔۔۔ دونوں کی مہم مشترکہ ہوگی۔۔۔ مگر جنوبی فوج کیا کر رہی ہے؟ پرشیا غیر جانبدار ہے۔۔۔ یہ میں جانتا ہوں۔ آسٹریا کے عزائم کیا ہیں؟" وہ اپنی کرسی سے اٹھا اور کمرے میں چکر لگانے لگا۔ تیخن اس کے پیچھے بھاگ بھاگ کر اسے مختلف لباس تھما رہا تھا۔ بوڑھے نے مزید کہا" سویڈن کے بارے میں کیا خیال ہے؟ کیا وہ دریائے پومیرانیا پار کرلے گا؟"

شہزادہ آندرے نے جب یہ دیکھا کہ اس کا باپ اپنے سوالات کے فوری جواب حاصل کرنے پر مصر ہے تو اس نے مجوزہ مہم کے منصوبوں کی وضاحت شروع کر دی، ابتداء میں اس نے کچھ تامل کیا مگر جوں جوں وہ آگے بڑھتا گیا اس کے جوش وخروش میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا اور اپنی عادت کے باعث غیر شعوری طور پر روسی سے فرانسیسی زبان بولنا شروع کر دی۔ اس نے بتایا کہ کیسے نوے ہزار فوج پرشیا کو ڈرانے کیلئے تیار کھڑی ہے تا کہ اسے غیر جانبداری ترک کرنے پر مجبور کر کے جنگ میں گھسیٹ لیا جائے، اور کیسے اس فوج کا ایک حصہ سٹرالس لنڈ کے مقام پر سویڈن کے دستوں سے جا ملے گا اور دو لاکھ بیس ہزار کا آسٹروی لشکر کیسے ایک لاکھ بیس ہزار روسی فوجیوں کے ساتھ اٹلی میں اور دریائے رہائن پر ملے گا، اور کیسے پچاس ہزار روسی اور پچاس ہزار برطانوی نیپلز میں باہم ملیں گے اور کس طرح پانچ لاکھ افراد پر مشتمل یہ فوج فرانسیسیوں پر مختلف اطراف سے حملہ آور ہوگی۔ بوڑھے بلکونسکی نے اس منصوبے میں ذرا بھی دلچسپی کا اظہار نہ کیا۔ وہ لباس تبدیل کرنے اور کمرے میں ادھر ادھر گھومنے میں مصروف رہا، ایسا لگتا تھا جیسے اس نے اپنے کان بند کر رکھے ہیں، تین مرتبہ اس نے آندرے کی بات میں غیر متوقع مداخلت کی۔ ایک مرتبہ اس نے اسے روکا اور چلا کر کہا "سفید! سفید!"

اس کا مطلب تھا کہ تیخن نے اسے مطلوبہ واسکٹ نہیں دی تھی۔ دوسری مرتبہ جب اس نے ٹوکا تو پوچھا" کیا زچگی عنقریب ہوگی؟" پھر پرملامت انداز میں اپنا سر جھٹکتے ہوئے کہا" بہت برا ہوا، بہرحال تم بات جاری رکھو"

تیسری مرتبہ اس نے بیٹے کو اس وقت ٹوکا جب وہ اپنی گفتگو ختم کر رہا تھا۔ اس موقع پر بوڑھا فرانسیسی زبان میں گنگنانے لگا" مال بروک جنگ پر جا رہا ہے، خدا جانے وہ کب واپس آئے گا"

اس کا بیٹا مسکرا دیا اور کہنے لگا" میں نے یہ نہیں کہا کہ میں اس منصوبے کے حق میں ہوں، میں تو صرف یہ بتا رہا تھا کہ منصوبہ کیا ہے۔ نپولین بھی اس وقت تک اس جیسا بہتر منصوبہ وضع کر چکا ہوگا"

بوڑھے نے جواب دیا" خیر تم نے مجھے کوئی نئی بات نہیں بتائی" اور جلدی سے گنگنانے لگا" خدا جانے وہ کب واپس آئے گا" پھر اس نے آندرے سے کہا" ڈائننگ روم میں پہنچ جاؤ"

(24)

شہزادہ نکولائی بلکونسکی شیو کرنے اور سر پر پاؤڈر لگانے کے بعد مقررہ وقت پر ڈائننگ روم میں داخل ہوا جہاں اس کی بہو شہزادی ماریا اور مادموزیل بورین کے علاوہ نکولائی کا ماہر تعمیرات بھی موجود تھا۔ بوڑھے کے دل میں نجانے کیا آئی کہ اسے بھی دسترخوان پر بلایا جانے لگا تھا حالانکہ اپنے کمتر سماجی مرتبے کی وجہ سے اسے یہ توقع نہیں تھی کہ اس کی یوں بھی عزت افزائی کی جائے گی۔ نکولائی سماجی حفظ مراتب پر سختی سے عمل کرنے کا قائل تھا اور اعلیٰ صوبائی حکام کو بھی کبھار ہی اپنے دسترخوان پر مدعو کرتا مگر ایکا ایکی یہ جتانے کیلئے کہ اس کی نظروں میں تمام انسان برابر ہیں، اس نے میخائل ایوانوچ کو اپنے ساتھ کھانے پر بلانا شروع کر دیا۔ وہ ایک سے زائد مرتبہ اپنی بیٹی کو سمجھا چکا تھا کہ ایوانوچ مجھ سے یا تم سے

رتی برابر بھی کمتر نہیں ہے۔ کھانے کی میز پر وہ دوسروں کی نسبت کم کو ایوانوچ کو زیادہ مخاطب کرتا تھا۔

ڈائننگ روم میں جس کی چھت مکان کے دیگر کمروں کی طرح بیحد بلند تھی، گھر کے تمام افراد اور ہر کرسی کے پیچھے کھڑے ملازمین نکولائی کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔ خانساماں بازو پر نیپکن لٹکائے میز کی سجاوٹ کا جائزہ لے رہا تھا اور اشاروں ہی اشاروں میں ملازمین کو ہدایات دیتے ہوئے بے چینی کے عالم میں کبھی دیوار پر لگی گھڑی اور کبھی اس دروازے کو دیکھنے لگتا جس سے شہزادہ نکولائی نے اندر آنا تھا۔ شہزادہ آندرے ایک بڑے سنہری فریم پر نظریں جمائے کھڑا تھا، یہ فریم اس کیلئے نیا تھا۔ اس فریم میں بلکونسکی خاندان کا شجرہ نسب آویزاں تھا اور اس کے بالمقابل دوسری دیوار پر اسی سائز کے فریم میں تاج پہنے ایک والی ریاست کی تصویر تھی اور دعوے کے مطابق وہ رورک کے آباؤاجداد میں سے تھا اور بلکونسکی خاندان کا جد اعلیٰ تھا۔ شہزادہ آندرے اس شجرہ نسب کو دیکھ کر سر ہلاتا رہا اور پھر اس طرح ہنسنے لگا جیسے کوئی اصل صورت سے مشابہ تصویر کو دیکھ کر ہنستا ہے۔

وہ شہزادی ماریا سے جو اس کے قریب آکھڑی ہوئی تھی، کہنے لگا "بالکل ان جیسی تصویر ہے"

ماریا نے اپنے بھائی کو حیرانی سے دیکھا۔ اسے سمجھ نہ آئی کہ وہ کس بات پر ہنس رہا ہے۔ اس کا باپ اپنے ہر عمل سے اس کے اندر احترام کا وہ جذبہ پیدا کر دیتا تھا جو اسے اس پر کسی قسم کی تنقید کیے جانے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔

شہزادہ آندرے نے کہا "خامیاں ہر شخص میں ہوتی ہیں، مگر اسقدر ذہانت کے باوجود ان خرافات کا کیا مطلب ہے؟"

شہزادی ماریا اپنے بھائی کی دلیری کو نہ سمجھ سکی اور اس کی بات پر احتجاج کرنا چاہتی تھی کہ انہیں مطالعہ کے کمرے سے قدموں کی چاپ سنائی دی جس کے وہ منتظر تھے۔ شہزادہ نکولائی پھرتیلی اور البیلی چال چلتا یوں اندر داخل ہوا جیسے وہ عمداً اپنے سیمابی انداز کا گھر کے جامد معمول سے موازنہ کر رہا ہو۔ اسی دوران بڑے کلاک نے دو بجائے اور ڈرائنگ روم میں موجود ایک اور گھڑیال نے باریک آواز سے اس کا ساتھ دیا۔ نکولائی ساکت کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنے گھنے اور لٹکتے ابروؤں تلے تیز نظروں سے کمرے میں موجود تمام لوگوں کا جائزہ لیا اور اس کی نگاہیں لیزا پر ٹھہر گئیں۔ اس موقع پر اسے وہی محسوس ہوا جو زار کی آمد پر اس کے درباریوں کو ہوتا ہے لیزا سے بھی خوف اور احترام کے انہی جذبات کا تجربہ ہوا جو بوڑھے نے اپنی گردوپیش کے لوگوں کے دلوں میں ابھار دیے تھے۔ اس نے لیزا کے سر پر ہاتھ پھیرا اور پھر بھدے سے انداز سے اس کی گردن سہلائی۔

وہ لیزا سے مخاطب ہو کر بولا "مجھے تمہیں دیکھ کر خوشی ہوئی" وہ کچھ دیر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتا رہا اور پھر اپنی نشست پر بیٹھ گیا۔ اس دوران ایوانوچ جو تنقیا کھڑا ہوا تھا، اسے مخاطب ہو کر وہ کہنے لگا "بیٹھ جاؤ، بیٹھ جاؤ، میخائل ایوانوچ بیٹھ جاؤ"

اس نے اپنی بہو کو اپنے قریب ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ ایک ملازم نے فوری طور پر اس کیلئے کرسی دھکیل دی۔ لیزا کا گول مٹول چہرہ دیکھ کر وہ حسب معمول خشک، سردمہر اور ناخوشگوار انداز میں ہنسا اور کہا "اوہو تم نے بیحد جلد بازی سے کام لیا، یہ اچھی بات نہیں" اگرچہ وہ ہنس رہا تھا مگر اس کی آنکھیں اس ہنسی میں شامل نہیں تھیں۔ اس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا "تمہیں ورزش لازمی کرنی چاہیے، جس قدر ہو سکے ورزش کرو"

لیزا کو اس کی بات سنائی نہ دی یا پھر وہ سننا ہی نہیں چاہتی تھی۔ وہ خاموش بیٹھی رہی اور بظاہر مضطرب دکھائی دیتی تھی۔ نکولائی نے اس کے باپ کا حال احوال پوچھا تو وہ مسکرا کر بولنا شروع ہو گئی۔ جب اس کے سسر نے دوست احباب کے بارے میں سوالات کیے تو اس کے جوش و خروش میں اضافہ ہو گیا، وہ تیزی سے بولنے لگی اور نکولائی کو مختلف لوگوں کے سلام پہنچانے اور شہر کے بارے میں گپ شپ سنانے لگی۔ اس نے کہا "بیچاری بیگم اپراکسن کا شوہر انتقال کر گیا ہے، اس کا تو رو رو کر برا حال ہو چکا ہے، ہائے بیچاری" لیزا کی شگفتگی میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

جوں جوں اس کی چلبلاہٹ بڑھنے لگی توں توں نکولائی کا اس کے ساتھ رویہ بھی سخت ہوتا گیا اور پھر اچانک جیسے اس نے بخوبی جائزہ لے کر اس کے بارے میں اپنے ذہن میں واضح رائے قائم کر لی ہو، وہ میخائل ایوانوچ کی جانب متوجہ ہو گیا اور کہا "خیر ایوانوچ، ہمارے دوست بوناپارٹ پر برا وقت آ گیا ہے۔ شہزادہ آندرے (وہ اپنے بیٹے کو اسی انداز میں مخاطب کرتا تھا) مجھے ان فوجوں کے بارے میں بتا رہا تھا جو اس کے خلاف اکٹھی کی گئی ہیں! جبکہ تم اور میں ہمیشہ اسے غیر اہم شخص سمجھتے رہے"

میخائل ایوانوچ کو سمجھ نہ آئی کہ "تم اور میں" نے بوناپارٹ کے بارے میں ایسی گفتگو کب کی تھی، مگر یہ اندازہ لگا کر کہ وہ اس کے ذریعے اپنے پسندیدہ موضوع کو زیر بحث لانا چاہتا ہے، اس کا دماغ چکرا گیا اور وہ گھبرا کر آندرے کی جانب دیکھنے لگا، اسے قطعی اندازہ نہ تھا کہ آگے کیا ہونے والا ہے۔

نکولائی نے ماہر تعمیرات کی جانب اشارہ کرتے ہوئے اپنے بیٹے سے کہا "یہ بہت بڑا چالباز ہے!" گفتگو کا رخ ایک مرتبہ پھر جنگ، بوناپارٹ، جرنیلوں اور اس دور کے سیاستدانوں کی طرف مڑ گیا۔

یوں لگتا تھا جیسے نکولائی کو قوی یقین ہے کہ وقت کی تمام بڑی شخصیات فوجی و سیاسی معاملات کی الف ب سے بھی واقف نہیں اور اس کے خیال میں بوناپارٹ غیر اہم فرانسیسی ہے اور اسے محض اس لیے کامیابیاں مل گئی ہیں کہ اس کے مقابل پوٹمکین اور سواروف جیسے جرنیل موجود نہیں ہیں۔ علاوہ ازیں وہ وثوق سے دعویٰ کر سکتا ہے کہ یورپ کو کسی قسم کی سیاسی مشکلات درپیش نہیں ہیں اور یہ کہ درحقیقت جنگ نہیں بلکہ پتلیوں کا تماشا ہو رہا ہے جس میں اس دور کے لوگ یہ ظاہر کرتے ہوئے حصہ لے رہے ہیں جیسے وہ حقیقی کھیل کھیل رہے ہوں۔ شہزادہ آندرے موجودہ لوگوں پر اپنے والد کی طعن و تشنیع کے وار ہنس کر سہہ رہا تھا اور بظاہر اس کی گفتگو سے لطف اندوز بھی ہو رہا تھا۔

آندرے نے کہا "کیا ماضی کی ہر بات اچھی ہو جاتی ہے؟ یہی سواروف موریو کیلئے تیار کردہ پھندے میں خود پھنس نہیں گیا تھا اور پھر اسے اس میں سے نکلنے کی کوئی سبیل نظر نہ آئی تھی؟

بوڑھا نکولائی چراغ پا ہو کر بولا "تمہیں یہ کس نے کہا ہے؟ کس نے کہا ہے؟ سواروف!" اس نے اپنی پلیٹ اٹھا کر ایک جانب پھینک دی جسے تخن نے صفائی سے پکڑ لیا۔ باپ نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا "سواروف!۔۔۔ شہزادہ آندرے، دوبارہ غور کرو۔ دو اشخاص تھے۔۔۔ فریڈرک اور سواروف۔۔۔ موریو! اگر سواروف کے ہاتھ بندھے نہ ہوتے تو یہ موریو قیدی بنایا جا چکا ہوتا، مگر اس کے ہاتھ تو جنگی کونسلوں نے باندھ رکھے تھے۔ اس صورت حال میں شیطان بھی خود کو بے بس پاتا۔ آہ تم جان جاؤ گے کہ یہ جنگی کونسلیں کیا شے ہیں، اگر سواروف ان سے نہ نپٹ سکا تو یہ میخائل کوتوزوف کیا کر لے گا؟ نہیں میرے پیارے، تم اور تمہارے جرنیل بوناپارٹ کو شکست نہیں دے سکتے، تمہیں فرانسیسیوں کو بلانا پڑے گا۔۔۔ چور کو پکڑنا ہو تو اس کے پیچھے دوسرا چور لگا دو! فرانسیسی موریو کو واپس لانے کیلئے جرمن پاہلن کو نیویارک روانہ کیا گیا (اس کا اشارہ اس تجویز کی جانب تھا جس کے مطابق موریو کو روسی فوج میں شمولیت کی پیشکش کی گئی تھی) خوب معاملہ ہے!۔۔۔ کیا پوٹمکین، سواروف اور ارلوف وغیرہ جرمن تھے؟ نہیں میرے بالکے، یا تو تم عقل سے پیدل ہو گئے ہو یا پھر میں ہی سٹھیا گیا ہوں۔ بہرحال خدا تمہاری مدد کرے اور ہم دیکھیں۔ بوناپارٹ عظیم جرنیل بن

گیا ہے، ہونہہ!۔۔۔''

شہزادہ آندرے نے کہا''میں یہ نہیں کہتا کہ یہ تمام منصوبے اچھے ہیں، البتہ یہ بات میں نہیں سمجھ سکا کہ آپ نے بونا پارٹ کے بارے میں ایسی رائے کیسے قائم کر لی۔ بے شک آپ اس کا مذاق اڑائیں مگر بونا پارٹ بہر حال ایک عظیم جرنیل ہے۔''

بوڑھے شہزادے نے چلا کر ماہر تعمیرات سے کہا''میخائل ایوانوچ!'' وہ بھنا گوشت کھانے میں مصروف تھا اور یہ سمجھ بیٹھا تھا کہ اسے بھلا دیا گیا ہے۔ نکولائی کہنے لگا''کیا میں نے تمہیں نہیں بتایا تھا کہ نپولین بہت بڑا چالباز ہے؟ یہ بھی یہی کہتا ہے''

ایوانوچ نے جواب دیا''یقیناً حضور'' نکولائی دوبارہ سرد مہر انداز میں ہنس دیا۔

باپ نے بیٹے سے کہا''بونا پارٹ منہ میں چاندی کا چمچ لے کر پیدا ہوا تھا۔ اس کی فوج اول درجہ کی ہے اور اس نے سب سے پہلے جرمنوں پر حملے کئے جنہیں کوئی بیوقوف بھی شکست دے سکتا ہے۔ دنیا کی ابتداء ہی سے جرمن ہر ایک سے پٹتے چلے آ رہے ہیں اور انہوں نے کبھی کسی کو نہیں پچھاڑا، وہ صرف ایک دوسرے کو فتح کرتے رہتے ہیں۔ اس نے جرمنوں کیخلاف لڑ کر شہرت حاصل کی''

نکولائی نے ان تمام غلطیوں کا تجزیہ شروع کر دیا جو اس کے خیال میں نپولین سے جنگوں اور سیاست میں سرزد ہوئی تھیں۔ بیٹے نے اس کی تردید نہ کی مگر صاف ظاہر تھا کہ جس طرح اس کی کوئی دلیل باپ کو قائل نہیں کر سکی تھی اسی طرح وہ بھی باپ کی دلیلوں سے متفق نہیں ہے۔ شہزادہ آندرے سنتا رہا مگر جواب دینے سے احتراز برتا۔ البتہ اسے اس بات پر حیرت تھی کہ یہ بوڑھا شخص جو کئی برسوں سے تن تنہا رہ رہا ہے اور کبھی دیہات سے باہر نہیں گیا، کیسے یورپ میں گزشتہ چند برسوں میں ہونے والی تمام فوجی اور سیاسی سرگرمیوں کی تمام درست تفصیلات سے آگاہ ہے اور ان پر اپنی رائے بھی دے سکتا ہے۔

اس نے بات سمیٹتے ہوئے آندرے سے کہا''تم سمجھتے ہو کہ میں بوڑھا آدمی ہوں اور معاملات کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہوں، مگر میں تمہیں بتا دوں کہ یہ باتیں ہر دم میرے سر پر سوار رہتی ہیں اور مجھے راتوں کو نیند نہیں آتی۔ یہ بتاؤ کہ تمہارے اس عظیم جرنیل نے خود کو کہاں منوایا ہے؟

بیٹے نے جواب دیا''یہ لمبی کہانی ہے''

بوڑھا خالص فرانسیسی زبان میں چلا کر بولا''تو پھر تم بونا پارٹ کے پاس چلے جاؤ۔ مادموزیل بورین، تمہارے شہنشاہ کا ایک اور مداح!''

بورین نے جواب دیا''محترم، آپ جانتے ہیں کہ میں بونا پارٹ کی طرفدار نہیں ہوں''

نکولائی بے سرے انداز میں گانے لگا''خدا جانے وہ کب واپس آئے گا۔۔۔'' اور بھدے انداز میں ہنستے ہوئے میز سے اٹھ گیا۔

چھوٹی شہزادی لیزا اس تمام بحث اور بقیہ کھانے کے دوران خاموش بیٹھی رہی اور خوفزدہ نگاہوں سے شہزادی ماریا اور پھر اپنے خسر کو دیکھنے لگی۔ کھانے کے بعد اس نے اپنی نند کا ہاتھ تھاما اور اس کے ساتھ دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

لیزا نے ماریا سے کہا''تمہارے والد کس قدر عقلمند ہیں، شاید یہی وجہ ہے کہ مجھے ان سے خوف آتا ہے''

شہزادی ماریا نے جواب دیا''ارے وہ بیحد مہربان بھی ہیں''

(25)

شہزادہ آندرے نے اگلی شام روانہ ہونا تھا۔ معمر شہزادے نکولائی بلکونسکی نے اپنے معمولات میں فرق نہ آنے دیا اور شام کا کھانا کھا کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ لیزا اپنی نند کے ساتھ تھی۔ آندرے سفری کوٹ پہنے ہوئے تھا جس پر عہدے کے نشانات آویزاں نہیں تھے، وہ اپنے لیے مخصوص کمروں میں سامان بندھوانے میں مصروف تھا۔ گاڑی کا خود معائنہ کرنے اور اس میں صندوق رکھوانے کے بعد اس نے گھوڑے جوتنے کا حکم دیا۔ اب کمرے میں اس کی ذاتی اشیاء کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ ان اشیاء میں ایک سفری صندوق، بوتلیں رکھنے کیلئے چاندی سے بنا صندوقچہ، دو ترکی پستول اور باپ سے تحفے میں ملنے والی ایک تلوار تھی جسے وہ اوچاکوف کی مہم سے لایا تھا۔ سفر کیلئے آندرے کا تمام تر سامان اچھی حالت میں تھا اور ہر شے صاف ستھرے غلافوں میں بندھی تھی جن کے اوپر احتیاط سے پٹیاں باندھی گئی تھیں۔

سوچ بچار کے اہل افراد سفر پر روانہ ہوتے وقت یا اپنی زندگی میں کوئی تبدیلی لاتے ہوئے سنجیدہ رویہ اختیار کر لیتے ہیں۔ اس موقع پر وہ ماضی کا جائزہ لیتے اور مستقبل کی منصوبہ بندی کرتے ہیں۔ شہزادہ آندرے کا چہرہ بیحد خوابناک اور فکر مند ہو رہا تھا۔ وہ کمر پر ہاتھ باندھے کمرے کے تیز تیز چکر کاٹ رہا تھا اور سامنے دیکھتے ہوئے اپنا سوچ بچار میں ڈوبا سر بار بار جھٹکتا تھا۔ آیا اسے جنگ پر جانے کا خوف لاحق تھا یا بیوی سے بچھڑنے کا دکھ لاحق تھا؟ یا پھر ممکن ہے دونوں باتیں ہی ہوں، تاہم وہ بالکل نہیں چاہتا تھا کہ کوئی اسے اس حالت میں دیکھے، چنانچہ جونہی اس نے بیرونی کمرے میں قدموں کی آہٹ سنی تو اپنے ہاتھ تیزی سے کھول لیے اور میز کے قریب یوں کھڑا ہو گیا جیسے سفری صندوق کا ڈھکن بند کر رہا ہو۔ اس کا چہرہ حسب معمول پر سکون تھا اور اس کے جذبات کا اندازہ کرنا ممکن نہ تھا۔ یہ بھاری چاپ شہزادی ماریا کے قدموں کی تھی۔

ماریا کمرے میں آ گئی اور بھائی سے کہنے لگی''مجھے علم ہوا ہے کہ آپ نے گھوڑے جوتنے کا حکم دے دیا ہے (وہ ہانپ رہی تھی اور بظاہر یوں لگتا تھا جیسے دوڑ کر آئی ہو) میری کس قدر خواہش تھی کہ آپ سے تنہائی میں کچھ مزید گفتگو کا موقع مل جاتا۔ خدا جانتا ہے ہم دوبارہ کتنی دیر ایک دوسرے سے بچھڑے رہیں گے۔ میرے آنے سے تم ناراض تو نہیں ہوئے؟ اندروشا، آپ بالکل بدل گئے ہیں'' اس کا لہجہ ایسے تھا جیسے اپنے سوال کی وضاحت کر رہی ہو۔

اندروشا کہتے ہوئے وہ مسکرا دی۔ اس کیلئے یہ سوچنا بیحد عجیب تھا کہ یہ سخت گیر اور خوش شکل شخص وہی اندروشا ہے جو کبھی دبلا پتلا شرارتی لڑکا ہوا کرتا تھا جس کے ساتھ وہ کھیلتی تھی۔

آندرے اس کے سوال پر محض مسکرا دیا اور پوچھا''لیزا کہاں ہے؟''

ماریا نے بھائی کی جانب منہ کر کے صوفے پر بیٹھتے ہوئے جواب دیا''وہ اس قدر تھکی ہوئی تھی کہ میرے کمرے میں صوفے پر ہی سو گئی۔ ارے آندرے، تمہیں کس قدر شاندار بیوی ملی ہے، بالکل بچی ہے، شگفتہ مزاج۔ مجھے وہ بیحد اچھی لگتی ہے'' شہزادہ آندرے نے کوئی جواب نہ دیا مگر ماریا نے اس کے چہرے پر طنز و تحقیر کا تاثر بھانپ لیا اور کہنے لگی''ہمیں معمولی خامیوں سے درگزر کرنا چاہیے، آندرے، کمزوریاں کس میں نہیں پائی جاتیں؟ تمہیں یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ وہ اعلیٰ طبقے میں پلی بڑھی ہے، اور اس کی موجودہ صورتحال بھی زیادہ خوش کن نہیں۔ ہمیں خود کو دوسرے کی جگہ رکھ کر دیکھنا چاہیے۔ سب کچھ جاننے کا مطلب سب کچھ معاف کرنا ہے۔ ذرا غور کریں کہ وہ جس قسم کی زندگی بسر کرنے کی عادی تھی وہ چھوٹ گئی، وہ خاوند سے بھی بچھڑ رہی ہے، دیہاتی فضا میں اسے تنہا رہنا ہوگا اور وہ بھی اس مخدوش حالت

میں، یہ اس بیچاری لڑکی کیلئے بیحد مشکل ہوگا۔

شہزادہ آندرے نے اپنی بہن کی طرف دیکھ کر اس طرح مسکرایا جس طرح ہم ایسے لوگوں کو دیکھ کر مسکراتے ہیں جنہیں ہم بچے کا گمان رکھتے ہیں۔

وہ بولا ''تم گاؤں میں رہتی ہو اور اس زندگی کو بھیانک سمجھتی ہو؟''

ماریا نے جواب دیا ''میرا معاملہ مختلف ہے۔ آپ میری بات کیوں کرتے ہیں؟ مجھے کسی اور طرز زندگی کی کوئی خواہش نہیں بلکہ میں خواہش کر ہی نہیں سکتی کیونکہ مجھے کسی اور طرز زندگی کا علم ہی نہیں۔ مگر آندرے، ذرا غور کریں، اگر اعلیٰ شہری طبقے کی کسی نوجوان لڑکی کو اس کی زندگی کے بہترین برسوں میں گاؤں میں اکیلا رہنے پر مجبور کر دیا جائے، اکیلا اس لیے کہ آپ جانتے ہیں ابا جان ہروقت مصروف رہتے ہیں اور میں۔۔۔ تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو۔۔۔ میں اعلیٰ سوسائٹی میں اٹھنے بیٹھنے والی خاتون کی اچھی ساتھی ثابت نہیں ہو سکتی۔ مادموزیل بورین واحد ہستی ہے۔۔۔''

شہزادہ آندرے نے کہا ''مجھے تمہاری یہ بورین بالکل اچھی نہیں لگتی''

ماریا نے جواباً کہا ''اوہ نہیں، وہ بہت اچھی اور پیاری لڑکی ہے، اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اس کی حالت قابل رحم ہے۔ اس کا یہاں کوئی بھی نہیں، کوئی نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مجھے اس کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں بلکہ الٹا وہ میرے لیے رکاوٹ ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ میں تنہائی پسند ہوں اور دن بدن میری یہ عادت پختہ ہو رہی ہے۔ میں تنہا رہنا پسند کرتی ہوں۔۔۔ وہ ابا جان کو بہت پسند ہے۔ وہ اور میخائل ایوانووچ دو ایسے افراد ہیں جن کے ساتھ ان کا رویہ ہمیشہ دوستانہ اور مشفقانہ ہوتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ابا جان ان کے محسن ہیں۔ جیسا کہ سٹرن کہتا ہے ''ہم لوگوں سے اس لیے محبت نہیں کرتے کہ انہوں نے ہمارے ساتھ بھلائی کی ہوتی ہے بلکہ وہ ہمیں اس لیے پیارے لگتے ہیں کہ ہم نے ان سے بھلائی کی ہوتی ہے'' ابا جان نے بے یار و مددگار بورین کو پالا ہے اور وہ بیحد اچھی فطرت کی مالک ہے۔ ابا جان کو ان کا پڑھنے کا انداز پسند ہے اور وہ انہیں شام کو باآواز بلند کتابیں پڑھ کر سناتی ہے۔ وہ بہت اچھا پڑھتی ہے''

آندرے نے اچانک پوچھا ''ماریا، سچ سچ بتانا، میرا خیال ہے ابا جان کے مزاج کی بدولت تمہیں خاصی پریشانی اٹھانا پڑتی ہوگی''

شہزادی ماریا پہلے تو حیران ہوئی، پھر اس سوال پر ششدر رہ گئی۔ وہ ہکلاتے ہوئے بولی ''میں؟۔۔۔ میں؟۔۔۔ مجھے پریشانی!

آندرے نے کہا ''کرخت تو وہ پہلے ہی تھے لیکن اب مجھے یوں لگتا ہے جیسے ان کا رویہ بھی پریشان کن ہوتا جا رہا ہے'' باپ کا ذکر اکھڑ انداز میں کر کے وہ یا تو اپنی بہن کو الجھن میں ڈالنا چاہتا تھا یا پھر اس کا امتحان لینا چاہتا تھا۔

ماریا نے جواب دیا ''آندرے، آپ بہت اچھے ہیں مگر آپ کو اپنی عقل پر ایک طرح کا غرور ہے، اور یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ کیا تمہارے خیال میں اپنے والد پر رائے زنی کرنا ٹھیک ہے؟ اگر ہم ایسا کریں بھی تو جس طرح کے ہمارے والد ہیں وہ ہمارے دل میں عزت و احترام کے جذبات ہی ابھاریں گے۔ میں ان کے ساتھ بیحد مطمئن اور خوش ہوں۔ میری خواہش ہے کہ کاش آپ تمام لوگ بھی میری طرح خوش ہوں'' ماریا نے یہ نہ دیکھا کہ گفتگو کس رخ پر جا رہی ہے بلکہ وہ اپنے ہی خیالات کی رو میں بہہ گئی۔ اس کے بھائی نے یقین نہ کرنے کے انداز میں سر ہلایا۔

ماریا نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا ''جو واحد شے مجھے پریشان کرتی ہے۔۔۔ آندرے، میں آپ کو سچ سچ بتاؤں گی۔۔۔ وہ مذہبی معاملات کے بارے میں ہمارے والد کا رویہ ہے۔ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ اس قدر زبردست فراست

کا مالک شخص روز روشن کی طرح عیاں چیزوں کو دیکھنے میں کیوں ناکام رہتا ہے اور کیسے راہ راست سے بھٹک جاتا ہے۔ یہ واحد بات ہے جس سے میں ناخوش ہوں۔ مگر اس کے باوجود مجھے پہلے کے مقابلے میں اب صورتحال بہتر نظر آتی ہے۔ ان کی تمسخرانہ باتوں میں اب پہلے جیسی کاٹ نہیں رہی انہوں نے ایک راہب سے طویل ملاقات کی ہے''

شہزادہ آندرے نے اسے چھیڑتے ہوئے مگر میٹھے لہجے میں کہا ''خیر، میری پیاری، میرا خیال ہے کہ تم اور تمہارا راہب اپنا بارود اور گولیاں ضائع کر رہے ہیں''

ماریا بولی ''اف میرے بھائی، میں صرف خدا سے دعا ہی کر سکتی ہوں کہ وہ میری عرض سن لے'' پھر اس نے کچھ دیر توقف کے بعد ہچکچاتے ہوئے کہا ''مجھے آپ سے ایک اہم درخواست کرنا ہے''

آندرے بولا ''وہ کیا میری پیاری''

ماریا نے جواب دیا ''نہیں، پہلے وعدہ کرو کہ تم انکار نہیں کرو گے۔ میں جو کچھ کرنا چاہتی ہوں اس سے آپ کو کوئی تکلیف پہنچے گی نہ وہ آپ کی شان کے خلاف ہوگا۔ اس سے صرف مجھے تسلی رہے گی'' اس نے اپنا ہاتھ بیگ میں ڈالا اور اس میں سے کوئی شے نکالتے ہوئے بولی ''وعدہ کرو، اندروشا'' اس نے وہ چیز باہر نہ نکالی، یوں لگتا تھا جیسے یہ اسی صورت دکھائی جا سکتی تھی جب اس کی درخواست پیشگی قبول کی جائے گی۔ وہ اپنے بھائی کو التجائیہ نظروں سے جھجکتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

آندرے بولا ''خواہ یہ میرے لیے کسی بڑی مصیبت کا باعث بن جائے۔۔۔'' وہ یوں ظاہر کر رہا تھا جیسے اسے اندازہ ہو گیا ہو کہ اس کی بہن کے ہاتھ میں کیا ہے۔

ماریا نے کہا ''آپ جو دل چاہے سوچیں، میرے لیے آپ باپ کی مانند ہیں۔ خواہ آپ کو یہ کیسا ہی کیوں نہ لگے، میری خاطر یہ کر دیں۔ ہمارے دادا اور پردادا تمام جنگوں میں اسے پہن کر شریک ہوئے۔۔۔'' اس نے ابھی تک بیگ میں سے وہ شے نہ نکالی تھی۔ اس نے دوبارہ کہا ''تو پھر، آپ وعدہ کرتے ہیں؟''

آندرے نے جواب دیا ''ہاں بالکل، مگر یہ ہے کیا؟''

ماریا بولی ''آندرے، میں آپ کو مقدس تصویر کے ساتھ دعا دے رہی ہوں اور تمہیں مجھ سے ہر صورت وعدہ کرنا ہوگا کہ اسے اپنے سے علیحدہ نہیں کرو گے۔۔۔ وعدہ؟''

آندرے نے جواباً کہا ''اگر اس کا وزن ایک من نہ ہوا اور میری گردن ٹوٹنے سے بچ گئی۔۔۔ چونکہ تمہاری خوشی ہے۔۔۔'' اگلے لمحے اسے اپنے مذاق کے نتیجے میں بہن کے چہرے پر تکلیف دہ تاثر نظر آیا جسے دیکھ کر اسے ندامت محسوس ہوئی اور وہ فوراً بولا ''میری پیاری بہن، مجھے اس سے بیحد خوشی ہوگی، واقعی خوشی ہوگی''

شہزادی ماریا نے جذباتی آواز میں کہا ''آپ چاہیں یا نہ چاہیں، وہ آپ کی حفاظت فرمائیں گے۔ آپ پر اپنی رحمت نازل کریں گے کیونکہ سچائی اور امن صرف انہی کی ذات میں ہے'' یہ بات کہہ کر اس نے نہایت عقیدت کے ساتھ اپنے دونوں ہاتھوں سے بھائی کو پرانی وضع کی چھوٹی سی بیضوی تصویر پیش کی۔ اس تصویر میں مسیح کے چہرے کا رنگ سانولا تھا اور یہ چاندی کے فریم میں جڑی تھی جس کے ساتھ چاندی ہی کی خوبصورت منقش زنجیر بھی موجود تھی۔

ماریا نے اپنے سینے پر صلیب کا نشانہ بنایا، تصویر کو چوما اور اسے آندرے کے حوالے کرتے ہوئے بولی ''یہ لو آندرے، میرے لیے، نوازش۔۔۔''

اس کی بڑی بڑی آنکھیں ملائمت بھری روشنی سے چمک رہی تھیں۔ ان آنکھوں نے اس کے دبلے پتلے

میں۔ یہ اس بچاری لڑکی کیلئے بےحد مشکل ہوگا۔

شہزادہ آندرے اپنی بہن کی طرف دیکھ کر اس طرح مسکرایا جس طرح ہم ایسے لوگوں کو دیکھ کر مسکراتے ہیں جنہیں ہم سمجھنے کا گمان رکھتے ہیں۔

وہ بولا "تم گاؤں میں رہتی ہو اور اس زندگی کو بھیانک سمجھتی ہو؟"

ماریا نے جواب دیا "میرا معاملہ مختلف ہے۔ آپ میری بات کیوں کرتے ہیں؟ مجھے کسی اور طرز زندگی کی کوئی خواہش نہیں بلکہ میں خواہش کر ہی نہیں سکتی کیونکہ مجھے کسی اور طرز زندگی کا علم ہی نہیں۔ مگر آندرے، ذرا غور کریں، اگر اعلیٰ شہری طبقے کی کسی نوجوان لڑکی کو اس کی زندگی کے بہترین برسوں میں گاؤں میں اکیلا رہنے پر مجبور کر دیا جائے، اکیلا اس لیے کہ آپ جانتے ہیں اباجان ہروقت مصروف رہتے ہیں اور میں۔۔۔ تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو۔۔۔ میں اعلیٰ سوسائٹی میں اٹھنے بیٹھنے والی خاتون کی اچھی ساتھی ثابت نہیں ہو سکتی۔ مادموزیل بورین واحد ہستی ہے۔۔۔"

شہزادہ آندرے نے کہا "مجھے تمہاری یہ بورین بالکل اچھی نہیں لگتی"

ماریا نے جواباً کہا "اوہ نہیں، وہ بہت اچھی اور پیاری لڑکی ہے۔ اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اس کی حالت قابل رحم ہے۔ اس کا یہاں کوئی بھی نہیں، کوئی نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مجھے اس کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں بلکہ الٹا وہ میرے لیے رکاوٹ ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ میں تنہائی پسند ہوں اور دن بدن میری یہ عادت پختہ ہو رہی ہے۔ میں تنہا رہنا پسند کرتی ہوں۔۔۔ وہ اباجان کو بہت پسند ہے۔ وہ اور میخائل ایوانوچ دو ایسے افراد ہیں جن کے ساتھ ان کا رویہ ہمیشہ دوستانہ اور مشفقانہ ہوتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اباجان ان کے محسن ہیں۔ جیسا کہ سٹرن کہتا ہے "ہم لوگوں سے اس لیے محبت نہیں کرتے کہ انہوں نے ہمارے ساتھ بھلائی کی ہوتی ہے بلکہ وہ ہمیں اس لیے پیارے لگتے ہیں کہ ہم نے ان سے بھلائی کی ہوتی ہے" اباجان نے بے یارومددگار بورین کو پالا ہے اور وہ بےحد اچھی فطرت کی مالک ہے۔ اباجان کو ان کا پڑھنے کا انداز پسند ہے اور وہ انہیں شام کو باآواز بلند کتابیں پڑھ کر سناتی ہے۔ وہ بہت اچھا پڑھتی ہے"

آندرے نے اچانک پوچھا "ماریا، سچ سچ بتانا، میرا خیال ہے اباجان کے مزاج کی بدولت تمہیں خاصی پریشانی اٹھانا پڑتی ہوگی"

شہزادی ماریا پہلے تو حیران ہوئی، پھر اس سوال پر ششدر رہ گئی۔ وہ ہکلاتے ہوئے بولی "میں؟۔۔۔ میں؟۔۔۔ مجھے پریشانی!

آندرے نے کہا "کرخت تو وہ پہلے ہی تھے لیکن اب مجھے یوں لگتا ہے جیسے ان کا رویہ بھی پریشان کن ہوتا جا رہا ہے" باپ کا ذکر اکھڑ انداز میں کر کے وہ یا تو اپنی بہن کو الجھن میں ڈالنا چاہتا تھا یا پھر اس کا امتحان لینا چاہتا تھا۔

ماریا نے جواب دیا "آندرے، آپ بہت اچھے ہیں مگر آپ کو اپنی عقل پر ایک طرح کا غرور ہے، اور یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ کیا تمہارے خیال میں اپنے والد پر رائے زنی کرنا ٹھیک ہے؟ اگر ہم ایسا کریں بھی تو جس طرح کے ہمارے والد ہیں وہ ہمارے دل میں عزت واحترام کے جذبات ہی ابھاریں گے۔ میں ان کے ساتھ بےحد مطمئن اور خوش ہوں۔ میری خواہش ہے کہ کاش آپ تمام لوگ بھی میری طرح خوش ہوں" ماریا نے یہ نہ دیکھا کہ گفتگو کس رخ پر جا رہی ہے بلکہ وہ اپنے ہی خیالات کی رو میں بہہ گئی۔ اس کے بھائی نے یقین نہ کرنے کے انداز میں سر ہلایا۔

ماریا نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا "جو واحد شے مجھے پریشان کرتی ہے۔۔۔ آندرے، میں آپ کو سچ سچ بتاؤں گی۔۔۔ وہ مذہبی معاملات کے بارے میں ہمارے والد کا رویہ ہے۔ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ اس قدر زبردست فراست

کا مالک شخص روز روشن کی طرح عیاں چیزوں کو دیکھنے میں کیوں ناکام رہتا ہے اور کیسے راہ راست سے بھٹک جاتا ہے۔ یہ واحد بات ہے جس سے میں ناخوش ہوں۔ مگر اس کے باوجود مجھے پہلے کے مقابلے میں اب صورتحال بہتر نظر آتی ہے۔ ان کی تمسخرانہ باتوں میں اب پہلے جیسی کاٹ نہیں رہی انہوں نے ایک راہب سے طویل ملاقات کی ہے"

شہزادہ آندرے نے اسے چھیڑتے ہوئے مگر میٹھے لہجے میں کہا "خیر، میری پیاری، میرا خیال ہے کہ تم اور تمہارا راہب اپنا بارود اور گولیاں ضائع کر رہے ہیں"

ماریا بولی "اف، میرے بھائی، میں صرف خدا سے دعا ہی کر سکتی ہوں کہ وہ میری عرض سن لے" پھر اس نے کچھ دیر توقف کے بعد ہچکچاتے ہوئے کہا "مجھے آپ سے ایک اہم درخواست کرنا ہے"

آندرے بولا "وہ کیا، میری پیاری"

ماریا نے جواب دیا "نہیں، پہلے وعدہ کرو کہ تم انکار نہیں کرو گے۔ میں جو کچھ کرنا چاہتی ہوں اس سے آپ کو کوئی تکلیف پہنچے گی نہ وہ آپ کی شان کے خلاف ہوگا۔ اس سے صرف مجھے تسلی رہے گی" اس نے اپنا ہاتھ بیگ میں ڈالا اور اس میں سے کوئی شے نکالتے ہوئے بولی "وعدہ کرو، اندروشا" اس نے وہ چیز باہر نہ نکالی، یوں لگتا تھا جیسے یہ اسی صورت دکھائی جا سکتی تھی جب اس کی درخواست پیشگی قبول کی جائے گی۔ وہ اپنے بھائی کو التجائیہ نظروں سے جھجکتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

آندرے بولا "خواہ یہ میرے لیے کسی بڑی مصیبت کا باعث بن جائے۔۔۔" وہ یوں ظاہر کر رہا تھا جیسے اسے اندازہ ہو گیا ہو کہ اس کی بہن کے ہاتھ میں کیا ہے۔

ماریا نے کہا "آپ جو دل چاہے سوچیں، میرے لیے آپ باپ کی مانند ہیں۔ خواہ آپ کو یہ کیسا ہی کیوں نہ لگے، میری خاطر یہ کر دیں۔ ہمارے دادا اور پردادا تمام جنگوں میں اسے پہن کر شریک ہوئے۔۔۔" اس نے ابھی تک بیگ میں سے وہ شے نہ نکالی تھی۔ اس نے دوبارہ کہا "تو پھر، آپ وعدہ کرتے ہیں؟"

آندرے نے جواب دیا "ہاں بالکل، مگر یہ ہے کیا؟"

ماریا بولی "آندرے، میں آپ کو مقدس تصویر کے ساتھ دعا دے رہی ہوں اور تمہیں مجھ سے ہر صورت وعدہ کرنا ہوگا کہ اسے اپنے سے علیحدہ نہیں کرو گے۔۔۔ وعدہ؟"

آندرے نے جواباً کہا "اگر اس کا وزن ایک ٹن نہ ہوا اور میری گردن ٹوٹنے سے بچ گئی۔۔۔ چونکہ تمہاری خوشی ہے۔۔۔" اگلے لمحے اسے اپنے مذاق کے نتیجے میں بہن کے چہرے پر تکلیف وہ تاثر نظر آیا جسے دیکھ کر اسے ندامت محسوس ہوئی اور وہ فوراً بولا "میری پیاری بہن، مجھے اس سے بےحد خوشی ہوگی، واقعی خوشی ہوگی"

شہزادی ماریا نے جذباتی آواز میں کہا "آپ چاہیں یا نہ چاہیں، وہ آپ کی حفاظت فر[illegible] آپ پر اپنی رحمت نازل کریں گے کیونکہ سچائی اور امن صرف انہی کی ذات میں ہے" یہ بات کہہ کر اس نے نہایت عقیدت کے ساتھ اپنے دونوں ہاتھوں سے بھائی کو پرانی وضع کی چھوٹی سی بیضوی تصویر پیش کی۔ اس تصویر میں مسیح کے چہرے کا رنگ سانولا تھا اور یہ چاندی کے فریم میں جڑی تھی جس کے ساتھ چاندی ہی کی خوبصورت منقش زنجیر بھی موجود تھی۔

ماریا نے اپنے سینے پر صلیب کا نشانہ بنایا، تصویر کو چوما اور اسے آندرے کے حوالے کرتے ہوئے بولی "یہ لو آندرے، میرے لیے، نوازش۔۔۔"

اس کی بڑی بڑی آنکھیں ملائمت بھری روشنی سے چمک رہی تھیں۔ ان آنکھوں نے اس کے دبلے پتلے

چہرے کو بھی روشنی بخش دی اور اسے خوبصورت بنا دیا تھا۔ اس کے بھائی نے تصویر لینے کیلئے ہاتھ آگے بڑھایا مگر اس نے اسے روک دیا۔ آندرے سمجھ گیا اور اس نے سینے پر صلیب کا نشان بنا کر تصویر کو بوسہ دیا۔ اس کا چہرہ اچانک محبت آمیز اور طنزیہ دکھائی دینے لگا۔

ماریا نے اس کی پیشانی کا بوسہ لیا اور دوبارہ صوفے پر بیٹھ گئی۔ دونوں خاموش تھے۔

کچھ دیر بعد اس نے کہا "تو آندرے جیسا کہ میں آپ کو بتا رہی تھی کہ آپ کو ہمیشہ پہلے کی طرح مہربان اور دریا دل ہونا چاہیے۔ لیزا کے ساتھ سختی سے پیش نہ آئیں، وہ بیحد پیاری اور عمدہ فطرت کی مالک ہے، اس کے ساتھ ساتھ فی الحال اس کی صورتحال انتہائی نازک ہے۔"

آندرے بولا "ماشا، میرا خیال ہے کہ میں نے تم سے اپنی بیوی کے بارے میں نکتہ چینی یا عدم اطمینان کی کوئی بات نہیں کی۔ پھر تم مجھے یہ سب کچھ کیوں کہہ رہی ہو؟"

شہزادی ماریا کے چہرے پر سرخ دھبے نمودار ہو گئے اور وہ اس طرح خاموش ہو گئی جیسے خود کو قصوروار سمجھ رہی ہو۔

آندرے نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا "میں نے تو تم سے کچھ نہیں کہا لیکن یوں لگتا ہے کوئی تمہارے کان بھرتا رہا ہے۔ اس سے مجھے رنج پہنچا ہے۔"

شہزادی ماریا کی پیشانی، گردن اور گالوں پر سرخ دھبے مزید گہرے ہو گئے۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر اس کے منہ سے الفاظ باہر نہ نکل سکے۔ اس کے بھائی نے درست اندازہ لگایا تھا، اس کی بیوی ڈنر کے بعد روتی رہی تھی، اس نے ماریا سے زچگی کے حوالے سے اندیشوں اور خوف کا تذکرہ کیا تھا جس سے اس کی جان ہی نکلی جا رہی تھی۔ اس نے اپنے خسر اور خاوند کے بارے میں بھی بہت کچھ کہا تھا۔ رونے کے بعد وہ سو گئی تھی۔ شہزادہ آندرے کو اپنی بہن سے ہمدردی ہونے لگی۔

اس نے ماریا سے کہا "ماشا، میں تمہیں ایک ہی بات کہوں گا، میرے سامنے اپنی بیوی کی ایسی کوئی حرکت نہیں جس پر میں اسے ملامت کروں، میں نے اسے کبھی ملامت کی ہے نہ کروں گا، اور نہ میں نے کبھی اس سے ایسا سلوک کیا ہے جس پر میں اپنے آپ کو ملامت کر سکوں۔ خواہ کیسے ہی حالات پیدا کیوں نہ ہو جائیں، میرے رویے میں تبدیلی نہیں آئے گی۔ تاہم اگر تم سچائی جاننا چاہتی ہو۔۔۔ اگر تم یہ جاننا چاہتی ہو کہ کیا میں خوش ہوں؟۔۔۔ نہیں۔ کیا وہ خوش ہے؟۔۔۔ نہیں۔ ایسا کیوں ہے؟ یہ میں نہیں جانتا" یہ کہہ کر وہ اٹھا اور اپنی بہن کے پاس جا کر اس کی پیشانی چوم لی۔ اس کی عمدہ آنکھیں ذہانت اور شفقت سے منور ہو گئیں، مگر وہ اپنی بہن کی بجائے اس کے سر کے اوپر سے کھلے دروازے کی تاریکی کو دیکھ رہا تھا۔

آندرے نے ماریا سے کہا "آؤ اس کے پاس چلیں، مجھے اسے خدا حافظ کہنا چاہیے، یا تم اکیلی جاؤ اور اسے جگا دو، میں چند لمحوں میں پہنچتا ہوں" پھر اس نے اپنے ذاتی خدمتگار کو آواز دے کر کہا "پتروشکا! ادھر آؤ اور یہ سامان لے چلو، یہ نشست پر رکھ دینا اور یہ دائیں جانب"

شہزادی ماریا اٹھی اور دروازے کی جانب چل دی، چلتے چلتے وہ رکی اور کہنے لگی "آندرے، اگر آپ یقین کی دولت سے مالا مال ہوتے تو خداوند سے دعا کرتے کہ جو محبت آپ کو محسوس نہیں ہوتی وہ اسے آپ کی جھولی میں ڈال دیں اور آپ کی دعا قبول ہو جاتی"

آندرے نے کہا "ہاں، شاید ایسا ہی ہوتا، جاؤ ماشا، میں بھی آ رہا ہوں"

بہن کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے اس غلام گردش میں جو گھر کے دو حصوں کو باہم ملاتی تھی، آندرے کا مادموزیل بورین سے سامنا ہو گیا جو اسے دیکھ کر شیریں انداز سے مسکرائی۔ الگ تھلگ راستوں میں اس دن وہ اسے تیسری مرتبہ ملی تھی اور ہر مرتبہ اس کے چہرے پر معصوم اور وجد آفریں مسکراہٹ نظر آئی۔

آندرے کو دیکھ کر وہ بولی "اوہ، میرا خیال تھا کہ آپ اپنے کمرے میں ہوں گے۔ کسی وجہ سے اس کے رخسار سرخ ہو گئے اور اس نے اپنی نگاہیں جھکا لیں۔ شہزادہ آندرے نے اسے سختی سے گھور کر دیکھا۔ اچانک اس کے چہرے پر جھلاہٹ طاری ہو گئی۔ اس نے بورین کو کچھ نہ کہا مگر اس کی آنکھوں میں دیکھے بغیر اس کی پیشانی اور بالوں پر کچھ اس حقارت سے نظریں گاڑ دیں کہ فرانسیسی خاتون کے گال تمتمانے لگے اور وہ ایک لفظ کہے بغیر وہاں سے کھسک گئی۔ جب وہ اپنی بہن کے کمرے تک پہنچا تو لیزا جاگ چکی تھی اور اس کی ہشاش بشاش ننھی منی آواز کھلے دروازے سے باہر سنائی دے رہی تھی۔ وہ ہمیشہ کی طرح فرانسیسی میں بول رہی تھی اور یوں دکھائی دیتا تھا جیسے طویل زبان بندی کے بعد وہ بولنے کی تمام کسر پوری کرنا چاہتی ہو۔

وہ کہہ رہی تھی "نہیں، ذرا بوڑھی بیگم زوبوف کا تصور کرو۔ سر پر مصنوعی زلفوں اور منہ میں مصنوعی دانتوں کو دیکھ کر یوں معلوم ہوتا ہے جیسے وقت کو شکست دینے کی کوشش کر رہی ہے، ہا، ہا، ماریا!"

شہزادہ آندرے اپنی بیوی کے منہ سے لوگوں کے سامنے بیگم زوکوف کے بارے میں بالکل یہی بات اور یہی قہقہہ پہلے بھی پانچ مرتبہ سن چکا تھا۔ وہ آہستگی سے چلتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ گلابی مائل رنگت کی حامل فربہ اندام لیزا کشیدہ کاری کا سامان لیے آرام کرسی پر بیٹھی تھی اور رکے بغیر باتیں کئے جا رہی تھی۔ وہ گھسی پٹی یادداشتیں دہرا رہی تھی جن کے جملے تک وہی تھے جو وہ پہلے بیان کرتی رہی تھی۔ شہزادہ آندرے اس کے پاس پہنچا، اس کے سر کو سہلایا اور پوچھا کہ "سفر کی تھکاوٹ دور ہوئی؟" لیزا نے اس کی بات کا جواب دیا اور دوبارہ باتوں میں مشغول ہو گئی۔

گھر کے داخلی دروازے پر چھ گھوڑوں والی بگھی کھڑی تھی۔ یہ خزاں کی تاریک رات تھی اور کوچوان کو گاڑی کے بم بھی دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ ہاتھوں میں لالٹینیں پکڑے نوکر ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ وسیع و عریض مکان کی بڑی بڑی کھڑکیوں میں روشنیاں جھلملا رہی تھیں۔ گھریلو ملازمین نوجوان شہزادے کو الوداع کہنے کیلئے بیرونی ہال میں جمع ہو گئے تھے۔ بڑے ہال میں گھر کے تمام افراد، میخائل ایوانوچ، مادموزیل بورین، شہزادی ماریا اور شہزادی لیزا کھڑے تھے۔ شہزادہ آندرے کو اپنے والد کے مطالعہ کے کمرے میں بلا بھیجا گیا جو اسے اکیلے رخصت کرنا چاہتا تھا۔ تمام لوگ اس کے باہر آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ جب آندرے مطالعہ کے کمرے میں داخل ہوا تو اس کے والد نے پرانی وضع کی عینک لگا رکھی تھی اور سفید ڈریسنگ گاؤن میں ملبوس تھا جسے پہنے ہوئے وہ اپنے بیٹے کے علاوہ کسی سے نہیں ملتا تھا۔ وہ میز کے سامنے بیٹھا کچھ لکھ رہا تھا۔ آندرے کو دیکھ کر اس نے نظریں اٹھائیں اور لکھتے ہوئے پوچھا "جا رہے ہو؟"

آندرے نے کہا "میں آپ کو الوداع کہنے آیا ہوں"

باپ نے اپنے گال کو چھوتے ہوئے کہا "یہاں میرا بوسہ لو، شکریہ، شکریہ!"

آندرے بولا "آپ میرا شکریہ کیوں ادا کر رہے ہیں؟"

نکولائی نے جواب دیا "اس لیے کہ تم نے جانے میں دیر نہیں لگائی، عورت کے ساتھ بندھے نہیں رہے، فرض کو ہر شے پر ترجیح دی ہے۔ شکریہ، شکریہ!" یہ کہہ کر اس نے دوبارہ لکھنا شروع کر دیا یہاں

تک کہ اس کے قلم سے سیاہی کے چھینٹے اڑنے لگے۔

نکولائی نے بیٹے سے کہا "اگر کچھ کہنا چاہتے ہو تو کہہ ڈالو، میں دو کام بیک وقت کر سکتا ہوں"

آندرے نے جواب دیا "اپنی بیوی کے بارے میں۔۔۔ مجھے شرمندگی ہے کہ میں اسے آپ کے ہاتھوں میں چھوڑے جا رہا ہوں۔۔۔"

نکولائی نے کہا "کیا فضول باتیں کر رہے ہو؟ کہو کیا چاہتے ہو؟"

آندرے بولا "جب میری بیوی کی زچگی کا وقت قریب آئے تو ماسکو سے کسی کو بلالیں۔۔۔ اسے یہیں ٹھہرائیں"

بوڑھا لکھتے لکھتے رک گیا اور درشت نظریں بیٹے پر گاڑ دیں جیسے اس کی بات نہ سمجھ سکا ہو۔

شہزادہ آندرے نے گڑبڑاتے ہوئے کہا "میں جانتا ہوں کہ قدرت ساتھ نہ دے تو کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ دس لاکھ میں سے ایک کیس ہی خراب ہوتا ہے مگر اسے اور مجھے وہم ہو گیا ہے۔ لوگ اسے طرح طرح کی کہانیاں سناتے رہتے ہیں۔ اس نے خواب بھی دیکھ لیا ہے اور وہ خوفزدہ ہو چکی ہے"

بوڑھا منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے ہوئے بولا "ہوں ں ں" اور لکھنا بند کرتے ہوئے کہنے لگا "میں انتظام کر دوں گا" اس نے کاغذ پر دستخط کئے اور پھر اچانک اپنے بیٹے کی طرف متوجہ ہو کر ہنسنا شروع کر دیا۔

اس نے کہا "یہ بہت بری شے ہے، ہونہہ!"

آندرے نے پوچھا "ابا جان، کیا بری شے؟"

بوڑھے نکولائی نے منہ پھٹ مگر پرمعنی انداز میں جواب دیا "بیوی!"

شہزادہ آندرے نے کہا "میں نہیں سمجھا"

نکولائی بولا "مگر، اب کچھ نہیں ہو سکتا، میرے پیارے بیٹے، یہ سب ایک جیسی ہوتی ہیں اور اب تم غیر شادی شدہ بننے سے تو رہے۔ ڈرو مت، میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گا، لیکن تمہیں خود اس کا علم ہے" اس نے اپنے بیٹے کا ہاتھ اپنی چھوٹی چھوٹی استخوانی انگلیوں میں جکڑ لیا اور اسے زور سے جھٹکا دے کر اپنی نگاہیں سیدھی اس کے چہرے پر گاڑ دیں۔ اس کی نظریں کچھ ایسی تھیں جیسے وہ دوسرے کے اندر تک دیکھ سکتا ہو اور پھر اس نے سرد مہر انداز میں ہنسنا شروع کر دیا۔

بیٹے نے سرد آہ بھری جو اس امر کا اقرار تھی کہ اس کے باپ نے اسے سمجھ لیا ہے۔ بوڑھے نے جو ابھی تک خط تہہ کرنے اور انہیں لفافوں میں بند کرنے میں مصروف تھا، اپنی عادت کے مطابق تیزی سے موم اٹھائی اور لفافے کو اس کے ذریعے بند کر دیا۔

وہ خط پر مہر لگاتے ہوئے واضح اور پرزور انداز میں بولا "تم کر بھی کیا سکتے ہو۔ وہ بےحد خوبصورت ہے۔ میں ہر شے کا خیال رکھوں گا۔ اپنے ذہن پر بوجھ مت ڈالو"

آندرے نے کوئی جواب نہ دیا، یہ امر ... بیک وقت خوشگوار اور تکلیف دہ تھا کہ اس کا باپ اسے سمجھتا ہے۔ بوڑھا اٹھ کھڑا ہوا اور خط اپنے بیٹے کے حوالے کرتے ہوئے بولا "سنو، اپنی بیوی سے متعلق فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں، جو کچھ ہو سکا وہ کیا جائے گا۔ اب سنو، یہ خط میخائل الاریونووچ کو دے دینا۔ میں نے اسے لکھا ہے کہ تمہیں صحیح جگہوں پر استعمال کرے اور زیادہ دیر ایجوٹنٹ بنا کر نہ رکھے۔ یہ گھٹیا کام ہے! اسے بتانا کہ وہ مجھے یاد ہے اور میں اسے پسند کرتا ہوں۔ اپنے ساتھ اس کے برتاؤ بارے مجھے ضرور لکھنا۔ اگر اس کا رویہ اچھا ہوا تو اس کے ساتھ کام کرتے

رہنا۔ نکولائی آندریچ بلکونسکی کے بیٹے کو محض کرمفرمائی کی خاطر دوسروں کی ماتحتی میں کام نہیں کرنا چاہیے"

وہ اس قدر تیزی سے بولتا تھا کہ آدھے الفاظ بیچ ہی میں رہ جاتے تھے مگر اس کا بیٹا اس کا عادی تھا اور بات سمجھ لیتا تھا۔ وہ اپنے بیٹے کو میز کے قریب لے گیا اور اس کی دراز کھول کر ایک کتاب نکالی جو اس کے ہاتھ سے لکھے موٹے اور بڑے بڑے الفاظ سے بھری ہوئی تھی جنہیں سطریں جوڑ جوڑ کر لکھا گیا تھا۔ وہ اسے کتاب دکھاتے ہوئے بولا "مجھے یقین ہے کہ میں تم سے پہلے مروں گا۔ دیکھو یہ میری یادداشتیں ہیں جو میرے انتقال کے بعد شہنشاہ کو پیش کی جائیں گی۔ اب ادھر دیکھو، یہ بنک کی دستاویز اور ایک خط ہے، یہ دونوں اس شخص کو بطور انعام دیے جائیں گے جو سواروف کی کمان میں لڑی جانے والی جنگوں کی تاریخ مرتب کرے گا۔ اسے اکیڈمی بھیج دینا۔ یہ چند تحریریں میں نے تمہارے لیے لکھی ہیں، انہیں میرے انتقال کے بعد پڑھ لینا، یہ تمہارے لیے فائدہ مند ثابت ہوں گی"

آندرے نے اسے یہ نہ کہا کہ وہ لمبی عمر پائیں گے۔ وہ جانتا تھا کہ ایسا کہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس کی بجائے وہ بولا "ابا جان میں ایسا ہی کروں گا"

بلکونسکی نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تاکہ وہ اسے چوم سکے اور پھر اس کے ساتھ بغلگیر ہوتے ہوئے بولا "بہت اچھے! الوداع، ایک بات یاد رکھنا پرنس آندرے، اگر تم مارے گئے تو یہ بڑھاپے میں میرے لیے بڑا دھچکا ہو گا۔۔۔" وہ کچھ دیر رکا اور پھر اچانک چڑچڑے انداز میں تقریباً چلاتے ہوئے کہنے لگا "اگر میں نے یہ سنا کہ تمہارا رویہ نکولائی بلکونسکی کے بیٹے کے شایان شان نہیں ہے تو مجھے۔۔۔ شرمندگی ہو گی"

بیٹے نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "ابا جان، آپ کو مجھ سے یہ کہنے کی ضرورت نہیں تھی"

بوڑھا خاموش رہا۔

آندرے نے کہا "میں آپ سے ایک اور بات کہنا چاہتا ہوں، اگر میں مارا گیا اور میرا بیٹا ہوا تو اسے اپنے پاس سے علیحدہ نہ ہونے دیں، جیسا کہ میں نے کل بھی آپ سے کہا تھا، اس کی خود پرورش کریں۔۔۔ براہ مہربانی"

بوڑھے نے کہا "تمہاری بیوی کو اسے ساتھ نہ لے جانے دوں" یہ کہہ کر وہ کھلکھلا کر ہنس دیا۔

وہ دونوں ایک دوسرے کے سامنے خاموش کھڑے تھے۔ بوڑھے کی تیز نظریں اپنے بیٹے پر لگی تھیں اور اس کے چہرے کے زیریں حصے پر کپکپی طاری تھی۔

وہ اچانک بولا "ہم ایک دوسرے کو الوداع کہہ چکے ہیں۔۔۔ جاؤ! جاؤ!" اس نے یہ بات کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے چلا کر کہی۔

باہر کھڑی دونوں شہزادیوں نے آندرے کو دیکھ کر بیک آواز پوچھا "کیا ہوا، کیا ہوا؟" انہیں وگ کے بغیر، سفید گاؤن میں ملبوس، عینک لگائے بوڑھے نکولائی بلکونسکی کی عارضی جھلک دکھائی دی تھی اور وہ غصیلے انداز میں چلا رہا تھا۔

شہزادہ آندرے نے لمبی آہ بھری اور خاموش رہا۔

اس نے اپنی اہلیہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا "خیر" لیکن اس کا یہ لفظ اس قدر سرد تھا جیسے کہہ رہا ہو "خیر تم نے جو اداکاری کرنا ہو کر لو"

لیزا، جس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا، اپنے خاوند کی جانب بےبسی سے دیکھتے ہوئے بولی "آندرے، ابھی سے" آندرے نے اسے بانہوں میں لے لیا۔ لیزا نے چیخ ماری اور بیہوش ہو کر اس کے کندھے پر گر پڑی۔

آندرے نے احتیاط سے اپنا کندھا اس سے چھڑایا، چہرے پر نگاہ دوڑائی اور اسے آرام کرسی پر لٹا دیا۔ پھر وہ ملائمت بھری آواز میں اپنی بہن سے مخاطب ہو کر بولا "الوداع، ماشا" اور پھر اس کا ہاتھ چومنے کے بعد تیز تیز قدم اٹھاتا کمرے سے باہر نکل گیا۔

لیزا آرام کرسی پر لیٹی تھی اور مادموزیل بورین اس کی کنپٹیاں سہلا رہی تھی۔ شہزادی ماریا نے اپنی بھاوج کو سہارا دے رکھا تھا اور اس کی آنسوؤں سے لبریز خوبصورت آنکھیں اسی دروازے پر مرکوز تھیں جس سے اس کا بھائی رخصت ہوا تھا۔ ماریا نے دروازے کی جانب انگلی کر کے صلیب کا نشان بنایا۔ مطالعے کے کمرے سے بوڑھے کے غیظ وغضب سے بار بار ناک سڑکنے کی مسلسل ایسی آوازیں آ رہی تھیں جیسے پستول کی گولیاں چل رہی ہوں۔ شہزادہ آندرے کے جاتے ہی کمرے کا دروازہ کھلا اور سفید ڈریسنگ گاؤن میں ملبوس بوڑھے کی گھمبیر صورت دکھائی دی۔

اس نے کہا "چلا گیا؟ بہت خوب" بعد ازاں اس نے بیہوش شہزادی لیزا پر غصیلی نگاہ ڈالی اور ناپسندیدگی سے گردن جھٹک کر دروازہ زور سے بند کر دیا۔

☆☆☆☆☆

دوسرا حصہ

(1)

اکتوبر 1805ء میں روسی فوجیں آسٹریا کی آرچ ڈچی کے قصبوں اور دیہات میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھیں اور روس سے مسلسل آنیوالے تازہ دم دستے قلعہ براؤناؤ کے قرب وجوار میں ڈیرے ڈال کر مقامی لوگوں پر بوجھ بن رہے تھے۔ براؤناؤ کمانڈر انچیف کوتوزوف کا ہیڈ کوارٹر تھا۔

11 اکتوبر 1805ء کو ایک پیادہ رجمنٹ جو حال ہی میں براؤناؤ پہنچی تھی، قصبے سے نصف میل ادھر رک گئی جہاں اسے معائنے کیلئے آنے والے کمانڈر انچیف کا انتظار کرنا تھا۔ اس علاقے کی غیر روسی فضا اور ماحول (پھلوں کے باغات، پتھریلی دیواریں، ٹائلوں والی چھتیں، دور فاصلے پر پہاڑیاں اور غیر روسی باشندے جو فوجیوں کو تجسس سے دیکھتے تھے) کے باوجود یہ رجمنٹ کسی بھی ایسی رجمنٹ سے مشابہت رکھتی تھی جو روس کے وسط میں کسی جگہ پڑاؤ ڈالے معائنے کا انتظار کر رہی ہو۔ شام کے وقت کوچ کے آخری مرحلے پر حکم موصول ہوا کہ کمانڈر انچیف رجمنٹ کا کوچ کی حالت میں معائنہ کریں گے۔ اگرچہ حکم کی عبارت رجمنٹ کی کمان کرنے والے جنرل کی سمجھ میں پوری طرح نہیں آئی تھی اور یہ سوال پیدا ہوا تھا کہ اس کا مطلب پوری وردیاں پہننا ہے یا ان کے بغیر ہی معائنہ کروانا ہوگا، تاہم مختلف میجر حضرات کے باہمی مشورے سے طے پایا کہ رجمنٹ کو پوری وردیاں پہن کر پریڈ کے انداز میں معائنہ کرانا ہوگا، جیسا کہ کسی نے کہا تھا "کم جھکنے کی نسبت زیادہ جھکنا بہتر ہے" چنانچہ بیس میل کی مسافت طے کرنے کے بعد سپاہیوں کو اونگھنے کا موقع بھی نہ مل سکا اور ان کی تمام رات صفائی ستھرائی اور مرمت کرتے گزر گئی جبکہ ایجوٹنٹ اور افسر مختلف طریقوں سے جمع تفریق کرتے رہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ صبح تک دو ہزار افراد پر مشتمل رجمنٹ جو کوچ کے آخری دن گھسٹتے اور گرتے پڑتے بے ترتیب ہجوم کی شکل اختیار کر چکی تھی، کا ہر رکن ترتیب سے اپنے اپنے مقام پر فرائض سنبھالے کھڑا تھا۔ ایک ایک بٹن اور ایک ایک پٹی وہیں تھی جہاں اسے ہونا چاہیے تھا اور صفائی کے باعث یہ اشیاء جگمگا رہی تھیں۔ یہ صفائی اور ترتیب محض ظاہری نہ تھی بلکہ اگر کمانڈر انچیف وردیوں کے نیچے بھی جھانکنا چاہتا تو اسے ہر ایک کی قمیصیں صاف ستھری دکھائی دیتیں اور ان کے تھیلوں میں تمام ضروری سامان مکمل ملتا۔ صرف ایک بات ایسی تھی جس سے کوئی مطمئن نہ تھا اور یہ ان کے جوتوں کی حالت زار تھی۔ کم وبیش نصف سپاہیوں کے جوتوں میں سوراخ ہو چکے تھے، تاہم اس میں رجمنٹ کے کمانڈر کا کوئی قصور نہ تھا کیونکہ متعدد مطالبات کے باوجود آسٹروی حکام نے بوٹ فراہم نہیں کیے تھے اور رجمنٹ کم وبیش ہزار میل کا سفر کر چکی تھی۔

رجمنٹ کا کمانڈر پر اعتماد چہرے کا مالک ادھیڑ عمر شخص تھا جس کے ابروؤں اور مونچھوں میں سفید بال بھی دکھائی دیتے تھے۔ اس کا جسم شانوں کے آرپار اس قدر چوڑا نہیں تھا جس قدر سینے اور کمر کے مابین تھا۔ اس نے بالکل نئی

وردی پہن رکھی تھی اور اسے جہاں جہاں سے تہہ کیا گیا تھا وہاں اب بھی شکنیں نمایاں تھیں۔ اس کے بھاری شانوں پر عہدے کے سنہری نشانات وردی کے ساتھ جڑے ہونے کی بجائے کھڑے دکھائی دیتے تھے۔ اس کا انداز کچھ ایسا تھا جیسے وہ زندگی کے مقدس ترین فرائض کامیابی سے انجام دے رہا ہو۔ وہ فوجیوں کی صف کے سامنے سے گزرتا تو اس کی کمر کمان بن جاتی اور ہر قدم پر جسم کپکپانے لگتا۔ یہ بات واضح تھی کہ جنرل کو اپنی رجمنٹ پر فخر تھا، وہ اس کے ساتھ خوش تھا اور اس کے دماغ میں رجمنٹ ہی چھائی ہوئی تھی۔ مگر ان تمام باتوں کے باوجود اس کی پرشکوہ چال اس امر کی غمازی کرتی تھی کہ فوجی زندگی کی دلچسپیوں کے باوجود اس کے دل میں سماجی زندگی اور صنف نازک کیلئے بھی بے پناہ کشش موجود ہے۔

وہ ایک میجر سے جو مسکراتا ہوا صف سے آگے نکل آیا تھا، مخاطب ہو کر بولا "اچھا تو جناب میخائل متریخ، اگرچہ تمام رات بیحد مصروفیت میں گزری۔۔۔ مگر صورتحال بہتر ہوگئی، میرا خیال ہے کہ رجمنٹ کی حالت اس قدر بھی بری نہیں کہ۔۔۔"

میجر اس کی پرمزاح طنزیہ بات سمجھ گیا اور ہنس کر بولا "جی ہاں، اگر ہم ماسکو کی زارتسن گراؤنڈ میں بھی کھڑے ہوں تو کوئی ہمیں وہاں سے نہیں نکال سکے گا"

کمانڈر نے جواباً قہقہہ لگایا۔

اسی دوران قصبے کی جانب سے آنیوالی سڑک پر جہاں سگنل دینے کیلئے سنتری متعین کئے گئے تھے، دو گھڑسوار دکھائی دیے۔ آگے آگے ایک ایجوٹنٹ اور پیچھے اس کا قازق تھا۔

اس ایجوٹنٹ کو کمانڈرانچیف کی جانب سے رجمنٹ کے کمانڈر کی جانب گزشتہ حکم کی توثیق کیلئے بھیجا گیا تھا، یہ حکم پہلے واضح الفاظ میں نہیں لکھا گیا تھا اور اس میں کہا گیا تھا کہ کمانڈرانچیف رجمنٹ کا اسی حالت میں معائنہ کریں گے جیسی وہ کوچ (اوورکوٹ پہنے، سامان اٹھائے اور ہر قسم کی تیاریوں کے بغیر) کے دوران تھی۔

ویانا سے جنگی کونسل کا ایک رکن گزشتہ روز یہ تجاویز اور مطالبات لے کر کوتوزوف کے پاس پہنچا تھا کہ وہ اپنی فوج لے کر جس قدر جلد ممکن ہو سکے آرچ ڈیوک فرڈیننڈ اور جنرل میک کی فوج سے جا ملے، کوتوزوف کے خیال میں فوجوں کا یوں باہم مل جانا درست نہ تھا اور اپنا نقطہ نظر منوانے کیلئے دیگر دلائل کے علاوہ وہ آسٹروی جرنیل کو یہ بھی دکھانا چاہتا تھا کہ اس کی فوج کس قدر خستہ حالت میں روس سے یہاں پہنچی ہے۔ درحقیقت وہ اسی مقصد کے تحت رجمنٹ کا معائنہ کرنا چاہتا تھا اور رجمنٹ کی حالت جس قدر خراب ہوتی، کمانڈرانچیف اسی قدر خوش ہوتا۔ اگرچہ ایجوٹنٹ کو ان تفصیلات کا علم نہ تھا تاہم اس نے رجمنٹ کے کمانڈنگ جنرل کو یہ پیغام پہنچا دیا کہ فوجیوں کے جسم پر اوورکوٹ اور کمروں پر سامان کے تھیلے ہونے چاہئیں ورنہ کمانڈرانچیف ناراض ہوں گے۔

یہ سن کر جنرل کا سر جھک گیا، اس نے کندھے اچکائے اور بے بسی سے اپنے بازو ہوا میں لہرانے لگا۔

وہ ملامت آمیز انداز میں میجر سے بولا "ستیاناس ہوگیا، میخائل متریخ، میں نے تمہیں بتایا نہیں تھا کہ مارچ میں معائنے کا مطلب ہے کہ اوورکوٹ پہنے جائیں گے۔ اوہ میرے خدا!" یہ کہہ کر وہ پرعزم انداز میں آگے بڑھا اور تحکمانہ آواز میں چلایا "کمپنی کمانڈرز!۔۔۔ سارجنٹس!" پھر ایجوٹنٹ کی جانب رخ کرتے ہوئے مؤدبانہ انداز میں پوچھا "کیا وہ فوری تشریف لا رہے ہیں؟" اس کی گفتگو کا انداز ایجوٹنٹ کی شخصیت کے مطابق تھا۔

ایجوٹنٹ نے جواب دیا "میرا خیال ہے، ایک گھنٹہ میں"

جنرل نے پوچھا "کیا ہمیں وردیاں بدلنے کیلئے وقت مل جائے گا؟"

ایجوٹنٹ بولا "جنرل، میں کچھ نہیں کہہ سکتا"

جنرل خود صفوں میں گھس گیا اور حکم دیا کہ اوورکوٹ پہن لیے جائیں۔ کپتان کمپنیوں میں چلے گئے اور سارجنٹ ادھر ادھر بھاگنے لگے (اوورکوٹوں کی حالت اچھی نہ تھی) اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ منظم اور خاموش کھڑے دستوں میں کھلبلی مچ گئی، دائیں بائیں، آگے پیچھے دھکم پیل ہونے لگی اور بھانت بھانت کی بولیاں سنائی دینے لگیں۔ سپاہی تمام سمتوں میں بھاگ رہے تھے، وہ کندھوں کو جھٹکتے، سروں سے تھیلے اوپر اچھالتے، جلد بازی سے اوورکوٹ نکالتے اور انہیں الٹا سیدھا پہننے کی کوشش کر رہے تھے۔ کسی کے بازو اوپر اٹھ رہے تھے اور کوئی انہیں آستینوں میں گھسیڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔

نصف گھنٹہ بعد ہر شے پہلے کی طرح منظم ہوگئی البتہ رجمنٹ اب سیاہ کی بجائے سرمئی منظر پیش کر رہی تھی۔ جنرل کمرا کڑا کر دوبارہ رجمنٹ کے سامنے آگیا اور دور سے اس کا معائنہ کرنے لگا۔

اس نے رکتے ہوئے چلا کر کہا "یہ کیا ہے! تیسری کمپنی کا کمانڈر!"

"تیسری کمپنی کا کمانڈر جنرل کے پاس پہنچ جائے! تیسری کمپنی کا کمانڈر جنرل کے پاس! تیسری کمپنی کا کمانڈر۔۔۔" پیغام تمام صفوں میں گردش کرنے لگا اور ایجوٹنٹ سست افسر کو تلاش کرنے لگے۔ آخری صفوں تک پہنچتے پہنچتے پیغام کی نوعیت بدل گئی اور یہ سمجھا گیا کہ "جنرل تیسری کمپنی کے کمانڈر کے پاس آرہا ہے" اسی دوران مطلوبہ افسر اپنی کمپنی کے عقب سے نمودار ہوگیا، اگرچہ وہ معمر شخص تھا اور اسے دوڑنے کی عادت نہیں رہی تھی، تاہم پھر بھی اس نے جنرل کی طرف بے ڈھنگے انداز میں دوڑ لگا دی۔ اس کا چہرہ اس بچے کی طرح پریشان تھا جسے یاد نہ کیا جانیوالا سبق سنانے کا حکم دے دیا گیا ہو۔ اس کی سرخ ناک (شاید ایسا کثرت شراب نوشی کے سبب تھا) پر دھبے نمودار ہوگئے اور گھبراہٹ کے باعث اس کیلئے اپنے چہرے کو پرسکون رکھنا دشوار ہوگیا۔ کپتان جوں جوں قریب آرہا تھا اس کی سانس پھول جبکہ رفتار سست ہوتی جارہی تھی۔ جنرل نے اس کا سرتاپا جائزہ لیا۔

کپتان قریب آیا تو جنرل اس سے مخاطب ہو کر بولا "اب تم اپنے جوانوں کو پیٹی کوٹ پہنانے لگو گے!" پھر وہ تیسری کمپنی کی صفوں میں ایک سپاہی کی طرف جس کے اوورکوٹ کا رنگ دوسروں سے مختلف تھا، اشارہ کرتے ہوئے چلا کر بولا "یہ کیا ہے" جنرل زیریں جبڑا غصے کے نتیجے میں لٹک گیا۔ اس نے بات جاری رکھتے ہوئے پوچھا "تم خود کہاں تھے؟ کمانڈرانچیف آنے والے ہیں اور تم اپنی جگہ پر موجود نہیں ہو؟ ہوں؟۔۔۔"

کپتان نے اپنی آنکھیں اپنے افسراعلیٰ کے چہرے پر گاڑے رکھیں، ٹوپی پر اس کی دو انگلیوں کی گرفت کچھ اس طرح سخت ہوتی جارہی تھی جیسے اس کے بچاؤ کی یہی امید رہ گئی ہو۔

جنرل نے اسے تیکھے طنز کا نشانہ بناتے ہوئے کہا "تم بولتے کیوں نہیں؟ یہ کسے ہنگری والوں کی طرح بنا کر کھڑا کیا ہوا ہے؟"

کپتان کے منہ سے صرف اتنا نکلا "جناب عالی۔۔۔"

جنرل جھلا کر بولا "یہ کیا جناب عالی، جناب عالی کی رٹ لگا رکھی ہے، جناب عالی تمہارا کیا مطلب ہے"

کپتان نے آہستگی سے جواب دیا "جناب عالی، وہ دولوخوف ہے جسے تنزلی کر کے افسر سے سپاہی بنا دیا گیا تھا"

جنرل نے کہا ''اچھا، تو اسے تنزلی کر کے فیلڈ مارشل بنایا گیا ہے یا عام سپاہی؟ اگر وہ سپاہی ہے تو اسے قوانین کے مطابق دیگر سپاہیوں جیسی وردی پہننی چاہیے''

کپتان نے جواب دیا ''جناب عالی، کوچ کے دوران آپ نے ہی اسے یہ پہننے کی اجازت دی تھی''

جنرل بولا ''میں نے اجازت دی تھی؟ یہ تم نوجوان ہمیشہ ایسی ہی باتیں کرتے ہو'' پھر قدرے نرم لہجے میں کہا ''میں نے اجازت دی تھی؟ اگر کوئی تم سے کچھ کہہ دے، تم جاؤ اور۔۔۔'' جنرل کچھ دیر رکا اور پھر کہا ''کوئی تم سے کچھ کہہ دے اور۔۔۔ ہونہہ، اب جاؤ اور اپنے جوانوں کو صحیح وردی پہناؤ۔۔۔''

بات مکمل کرنے کے بعد جنرل نے ایجوٹنٹ کی طرف دیکھا اور اکڑتا ہوا رجمنٹ کی جانب چل دیا۔ صاف ظاہر تھا کہ اسے غصہ کے اپنے اس مظاہرے پر خوشی ہے اور اب وہ رجمنٹ میں سے گزر کر اپنے غصے کے اظہار کیلئے مزید بہانے تلاش کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ ایک افسر کو عہدے کا نشان نہ چمکانے اور دوسرے کو بے ترتیب صف بندی پر ڈانٹتے ہوئے تیسری کمپنی کے قریب پہنچ گیا۔

کمپنی کی صفوں میں پہنچ کر اس نے جوانوں کو ڈانٹنا شروع کر دیا اور غصیلی آواز میں دولوخوف سے کہنے لگا ''یہ تم کیسے کھڑے ہو؟ تمہاری ٹانگ کدھر کو جا رہی ہے؟ تمہاری ٹانگ کدھر ہے؟'' اس کے اور دولوخوف جس نے نیلا اوورکوٹ پہن رکھا تھا، کے درمیان پانچ افراد کھڑے تھے۔ دولوخوف نے اپنی خمیدہ ٹانگ آہستگی سے سیدھی کر لی اور اپنی شفاف آنکھیں گستاخانہ انداز میں جنرل کے چہرے پر گاڑ دیں۔ جنرل نے اس سے مخاطب ہو کر پوچھا ''تم نے نیلا کوٹ کیوں پہن رکھا ہے؟ اتروا سے!۔۔۔ سارجنٹ! اس کا کوٹ تبدیل کراؤ۔۔۔ یہ۔۔۔''

جنرل کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی دولوخوف بولا ''جنرل صاحب، حکم کی تعمیل میرا فرض ہے مگر میں۔۔۔''

جنرل نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا ''صفوں میں کوئی گفتگو نہیں ہوگی!۔۔۔ خاموش!''

دولوخوف نے با آواز بلند اور واضح انداز میں اپنا جملہ مکمل کرتے ہوئے کہا ''مگر کوئی میری توہین کر کے مجھے اس پر مجبور نہیں کر سکتا''

جنرل اور دولوخوف کی آنکھیں چار ہوئیں۔ جنرل کچھ دیر رکا اور پھر غصے کے عالم میں اپنا سکارف نیچے کھینچتے ہوئے بولا ''اپنا کوٹ تبدیل کر لیں، مہربانی ہوگی'' یہ کہہ کر وہ وہاں سے چل دیا۔

(2)

اسی دوران ایک سنتری نے چلا کر کہا ''وہ آ رہے ہیں'' جنرل کا چہرہ سرخ ہو گیا، وہ اپنے گھوڑے کی طرف بھاگا، کانپتے ہاتھوں سے رکاب پکڑی اور چھلانگ لگا کر اس پر سوار ہو گیا۔ فوراً ہی اس نے سیدھا ہو کر تلوار نکالی اور چہرے پر عزم و مسرت کے تاثرات پیدا کر کے حکم دینے کیلئے تیار ہو گیا۔ رجمنٹ یوں پھڑپھڑا رہی تھی جیسے پرندہ اپنے پر پھڑپھڑاتا ہے اور پھر خاموشی طاری ہو گئی۔

جنرل روح لرزا دینے والی آواز میں دھاڑا ''خاموش!'' اس کے انداز سے یہ بات ظاہر ہوتی تھی کہ وہ بیحد خوش ہے، اسے رجمنٹ کے نظم و ضبط پر فخر ہے اور وہ آنے والے کمانڈر انچیف کو خوش آمدید کہہ رہا ہے۔

درختوں سے ڈھکی کشادہ سڑک پر نیلے رنگ کی ایک اونچی گاڑی سپرنگ چرچراتے خراماں خراماں چلی آ رہی تھی جسے متعدد گھوڑے کھینچ رہے تھے۔ گاڑی کے پیچھے کمانڈر انچیف کا عملہ اور کروشیائی حفاظتی دستے کے ارکان بھاگے چلے آ رہے تھے۔ کوتوزوف کے ساتھ سفید وردی میں ملبوس ایک آسٹروی جنرل بیٹھا تھا جو سیاہ وردیوں میں ملبوس روسیوں کے درمیان عجیب معلوم ہوتا تھا۔ گاڑی رجمنٹ کے قریب پہنچ کر رک گئی۔ کوتوزوف اور آسٹروی جرنیل آواز میں گفتگو کر رہے تھے۔ کوتوزوف مسکرا رہا تھا۔ اس نے اپنا پاؤں گاڑی کے پائیدان پر رکھا اور یوں بھاری بھرکم انداز میں نیچے اترا جیسے ان دو ہزار اشخاص اور ان کے کمانڈر کا جو اسے سانس روکے بغور دیکھ رہے ہیں، وجود ہی نہ ہو۔

حکم کے الفاظ گونجے اور جوانوں نے ہتھیار کھنکھنا کر سلامی پیش کی جس سے رجمنٹ میں ایک مرتبہ پھر ہلچل مچ گئی۔ موت کی سی خاموشی میں کمانڈر انچیف کی کمزور آواز با آسانی سنائی دے رہی تھی۔ رجمنٹ نے دھاڑ کر کہا ''ہز ایکسی۔۔۔ لین۔۔۔ سی۔۔۔ زندہ باد!'' اور ایک مرتبہ پھر خاموشی چھا گئی۔ ابتداء میں جب رجمنٹ سلامی پیش کر رہی تھی تو کوتوزوف ایک جگہ کھڑا رہا۔ بعدازاں وہ سفید وردی میں ملبوس آسٹروی جرنیل اور اپنے عملے کے ارکان کے ساتھ صفوں میں ٹہلنے لگا۔

رجمنٹ کے کمانڈر نے جس انداز سے تن کر اور نظریں کمانڈر انچیف کے چہرے پر مرکوز کر کے اسے سلیوٹ کیا تھا اور جس طرح جسم آگے جھکا کر جرنیلوں کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا تاکہ کمانڈر انچیف کا ایک ایک لفظ سن سکے، اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ کمانڈنگ افسر کی بجائے اسے ماتحت افسر کی حیثیت سے ذمہ داری انجام دے کر اسے زیادہ خوشی حاصل ہو رہی ہے۔ کمانڈنگ افسر کی محنت اور سخت نظم و ضبط کی بدولت یہ رجمنٹ اپنے ساتھ براؤناؤ آنے والی دیگر رجمنٹوں کی نسبت بہتر حالت میں تھی۔ بیماری یا سست رفتاری کے باعث پیچھے رہ جانے والوں کی تعداد صرف دو سو ستر تھی اور سپاہیوں کے بوٹوں کے علاوہ ہر شے درست حالت میں تھی۔

کوتوزوف صفوں کے درمیان گھومتے پھرتے ہوئے کبھی کبھار رک جاتا اور ان افسروں سے اور بعض اوقات جوانوں سے چند دوستانہ کلمات کہتا جنہیں وہ ترکوں کیخلاف جنگ کے وقت سے جانتا تھا۔ اس نے سپاہیوں کے خستہ حال بوٹوں کی جانب دیکھ کر متعدد بار افسوس کے انداز میں گردن جھٹکی اور آسٹروی جنرل کی توجہ اس جانب مبذول کراتے ہوئے کچھ ایسا تاثر دیا جیسے وہ کسی کو مورد الزام نہیں ٹھہراتا مگر اس سے سپاہیوں کی یہ حالت بھی نہیں دیکھی جاتی۔ ایسے ہر موقع پر رجمنٹ کا کمانڈر بھاگ کر آگے آ جاتا تاکہ کمانڈر انچیف کے منہ سے نکلا کوئی بھی لفظ سننے سے محروم نہ رہ جائے۔ کوتوزوف کے پیچھے بیس کے لگ بھگ افراد پر مشتمل اس کا عملہ چلا آ رہا تھا۔ عملے کے ارکان کوتوزوف سے اتنے فاصلے پر تھے کہ دھیمے لہجے میں ہونے والی بات بھی انہیں سنائی دے سکتی تھی۔ یہ افسر آپس میں باتیں اور ہنسی مزاح کر رہے تھے۔ کمانڈر انچیف کے انتہائی قریب ایک خوش شکل ایجوٹنٹ چل رہا تھا۔ یہ شہزادہ آندرے بلکونسکی تھا۔ اس کے ساتھ اس کا دراز قد، گٹھے ہوئے جسم، خوش وضع، مسکراتے اور خوبصورت چہرے نیز مسکراتی آنکھوں کا مالک ساتھی سٹاف افسر نیسوتسکی تھا۔ اپنے قریب موجود ایک سانولے ہوزار افسر کو دیکھ کر نیسوتسکی کیلئے ہنسی پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا۔ یہ افسر مسکرائے بغیر سنجیدہ انداز میں اپنی نظریں رجمنٹ کمانڈر کی پشت پر جمائے اس کی حرکات و سکنات کی نقل اتارنے میں مصروف تھا۔ ہر مرتبہ جب جنرل چلتا اور آگے جھکتا تو یہ ہوزار افسر بھی بالکل اسی انداز میں چل کر آگے کو جھک جاتا۔ نیسوتسکی ہنسے جا رہا تھا اور ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی ٹہوکے دے رہا تھا کہ وہ بھی اس مسخرے کو دیکھیں۔

کوتوزوف آہستہ آہستہ اور سست روی سے آگے بڑھتا چلا گیا، ہزاروں افراد اسے دیکھنے کیلئے دیدے پھاڑے کھڑے تھے۔ تیسری کمپنی کے قریب پہنچ کر وہ اچانک رک گیا۔ عملے کے ارکان جنہیں اس کے یوں اچانک رکنے کا اندازہ نہ تھا، اس سے ٹکراتے ٹکراتے بچے۔

کمانڈر انچیف نے اس افسر کو جسے دولوخوف کے کوٹ کی وجہ سے رجمنٹ کمانڈر کی ڈانٹ سننا پڑی تھی، پہچانتے ہوئے بولا "ارے تموخن!"

جب رجمنٹ کمانڈر تموخن کو جھاڑ پلا رہا تھا تو کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ جھاڑ سننے کے دوران کوئی اس کی طرح بھی تن کر کھڑا ہو سکتا ہے، مگر جب کمانڈر انچیف اس سے مخاطب ہوا تو بظاہر وہ تن کر کھڑا تھا مگر جلد نظر آنے لگا کہ کمانڈر انچیف مزید کچھ دیر اس کے سامنے کھڑا رہا تو وہ نا قابل برداشت ذہنی دباؤ کا شکار ہو جائے گا۔ کوتوزوف اس کی کیفیت کا اندازہ کر کے نیک تمناؤں کا اظہار کرتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔ اس کے پھولے ہوئے چہرے پر جہاں ایک زخم کا نشان تھا، ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہو گئی۔

کوتوزوف نے رجمنٹ کمانڈر سے مخاطب ہو کر کہا "پرانا ساتھی ہے اور دلیر بھی ہے، کیا تم اس سے مطمئن ہو؟"

جنرل جو اپنی نقل اتارنے والے ہوزار افسر سے بالکل بے خبر تھا (اگر وہ آئینے میں اپنا سراپا دیکھتا تو اسے اپنے اور ہوزار کے مابین کوئی فرق نظر نہ آتا) تیزی سے آگے بڑھا اور جواب دیا "بالکل، جناب عالی"

کوتوزوف آگے بڑھتے ہوئے مسکرا کر بولا "ہم سب میں کچھ نہ کچھ خامیاں ہوتی ہیں، یہ ذرا شراب و کباب کا رسیا ہے"

جنرل کو خدشہ محسوس ہوا کہ تموخن کی خامی کا الزام اس پر نہ دھر دیا جائے چنانچہ اس نے خاموش رہنے میں ہی عافیت جانی۔ اسی دوران ہوزار افسر کی نگاہ تموخن پر پڑی جس نے اپنا پیٹ اندر کی جانب کھینچ رکھا تھا، افسر نے اس کی کچھ ایسی کامیاب نقل اتاری کہ نیس وتسکی اپنی ہنسی پر قابو نہ پا سکا۔ کوتوزوف نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ ہوزار افسر نے کسی نہ کسی طرح خود پر قابو پا لیا اور جب کوتوزوف نے اسے دیکھا تو وہ یوں نظر آنے لگا جیسے اس سے زیادہ سنجیدہ، مودب اور معصوم کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔

تیسری کمپنی سب سے آخر میں تھی اور کوتوزوف وہیں رک گیا، یوں لگتا تھا جیسے وہ کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ شہزادہ آندرے آگے بڑھا اور آہستگی سے فرانسیسی زبان میں اسے کہا "آپ نے مجھے افسر سے تنزلی کر کے سپاہی بنا دیے جانے والے دولوخوف کے بارے میں یاد دہانی کرانے کی ہدایت کی تھی جو اسی رجمنٹ میں خدمات انجام دے رہا ہے"

کوتوزوف بولا "کہاں ہے دولوخوف"

دولوخوف جو اب عام سپاہی کا سرمئی اوورکوٹ پہن چکا تھا، انتظار کئے بغیر آگے بڑھ آیا۔ متناسب جسامت، شفاف بالوں اور نیلی آنکھوں کا مالک نوجوان صف سے باہر کھڑا تھا، وہ کمانڈر انچیف کی جانب بڑھا اور بندوق کے ذریعے اسے سلامی پیش کی۔

کوتوزوف نے بھنویں سکیڑتے ہوئے پوچھا "کوئی شکایت ہے؟"

شہزادہ آندرے نے کہا "یہی دولوخوف ہے"

کوتوزوف بولا "مجھے امید ہے تم نے سبق سیکھ لیا ہو گا، اپنے فرائض نبھاتے رہو۔ شہنشاہ رحم دل ہیں اور اگر تم نے اپنا استحقاق ثابت کیا تو میں تمہیں نہیں بھولوں گا"

چمکدار نیلی آنکھیں اسی دلیری سے کمانڈر انچیف کو دیکھنے لگیں جس سے انہوں نے رجمنٹ کمانڈر کو دیکھا تھا۔ یوں دکھائی دیتا تھا جیسے یہ نگاہیں روایت کے اس پردے کو چاک کر دیں گی جس نے کمانڈر انچیف اور عام

سپاہی کے مابین اسقدر فاصلہ پیدا کر دیا تھا۔

دولوخوف سوچی سمجھی، محکم اور کھنکتی آواز میں بولا "جناب عالی، میں آپ سے صرف یہ گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ مجھے اپنے قصور کی تلافی کرنے اور شہنشاہ وروس کے ساتھ اپنی وفاشعاری جتانے کا موقع فراہم کیا جائے"

کوتوزوف نے اپنا منہ دوسری جانب پھیر لیا۔ اس کی آنکھوں میں اسی مسکراہٹ کی چمک نمودار ہو گئی جو تموخن سے رخصت ہوتے وقت اس کی آنکھوں میں پیدا ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر غصے کے تاثرات نمودار ہوئے جیسے کہہ رہا ہو کہ دولوخوف نے جو کچھ کہا ہے یا وہ جو کچھ کہہ سکتا ہے اس کا اسے مدتوں سے علم ہے اور وہ ایسی باتوں سے تنگ آ چکا ہے اور یہ وہ نہیں ہیں جن کی ضرورت ہے۔ وہ واپس مڑا اور گاڑی کی طرف چل دیا۔

رجمنٹ کمپنیوں میں منقسم ہو کر ان رہائشگاہوں کی طرف روانہ ہو گئی جو براؤناؤ کے قریب ہی انہیں دی گئی تھیں اور انہیں امید تھی کہ وہاں بوٹ اور کپڑے ملنے کے ساتھ ساتھ جان لیوا سفر کے بعد آرام کا موقع بھی مل سکے گا۔

رجمنٹ کمانڈر تیسری کمپنی کے قریب سے گزر کر اس کے آگے آگے چلنے والے کپتان تموخن کے پاس آیا اور کہنے لگا "پراخور اگناتچ، تمہارے دل میں میرے خلاف بغض تو نہیں؟" کامیاب معائنے کے بعد جنرل کا چہرہ دمک رہا تھا اور اس کی خوشی چھپائے نہیں چھپتی تھی۔ وہ کپتان سے کہنے لگا "زار کی ملازمت میں۔۔۔ پتہ نہیں کیا جا سکتا۔۔۔ بعض اوقات معائنے کے دوران تھوڑی بہت سختی کرنا پڑتی ہے۔ میں معذرت چاہتا ہوں، تم جانتے ہو کہ میں۔۔۔ وہ بیحد خوش تھے" یہ کہہ کر اس نے اپنا ہاتھ کپتان کی طرف بڑھا دیا۔

کپتان کی ناک مزید سرخ ہو گئی اور وہ مسکراتے ہوئے بولا "جنرل صاحب، بھلا میں ایسی گستاخی کر سکتا ہوں؟" مسکراتے ہوئے اس کا دھانہ نمایاں ہو گیا جہاں سامنے والے دو دانت غائب تھے جو اسماعیل نامی مقام پر ہونیوالی لڑائی میں بندوق کا بٹ لگنے سے ضائع ہوئے۔

رجمنٹ کمانڈر نے جواباً کہا "اور دولوخوف کو بھی بتا دو کہ میں اسے نہیں بھولوں گا، وہ مطمئن رہے۔ اور براہ مہربانی مجھے یہ بتاؤ کہ وہ کیسا ہے، اس کا رویہ کیسا ہے۔۔۔ میں جاننا چاہتا ہوں۔۔۔"

تموخن نے جواب دیا "جناب عالی، وہ اپنے فرائض دلجمعی سے ادا کرتا ہے۔۔۔ مگر اس کا رویہ۔۔۔"

جنرل نے پوچھا "کیوں، اس کے رویے کو کیا ہوا"

تموخن نے کہا "جناب عالی، اس کا رویہ ہر گھڑی بدلتا رہتا ہے۔ ایک موقع پر وہ معاملہ فہم، تعلیم یافتہ اور خوش وضع دکھائی دیتا ہے اور اگلے لمحے اس کا رویہ وحشی جانور کا سا ہوتا ہے۔ پولینڈ میں اس نے ایک یہودی کو تقریباً ہلاک ہی کر دیا تھا، اگر آپ۔۔۔"

جنرل بولا "ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، مصیبت میں پھنسے نوجوان کا خیال رکھا جانا چاہئے۔ اس کے اعلیٰ حلقوں میں تعلقات ہیں۔۔۔ چنانچہ تم۔۔۔"

تموخن نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "او، ہاں، جناب عالی" اس کے لہجے سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اس معاملے میں اپنے افسر اعلیٰ کی خواہش سمجھ گیا ہے۔

جنرل بولا "بہت اچھے، بہت اچھے"

پھر اس نے صفوں میں سے دولوخوف کو ڈھونڈ نکالا اور اس کے گھوڑے کو اپنی جانب کھینچتے ہوئے بولا "پہلی لڑائی ہی میں تم اپنا عہدہ واپس لے سکتے ہو"

دولوخوف نے اس کی جانب دیکھا مگر خاموش رہا۔ اس کے منہ پر بکھری طنزیہ مسکراہٹ میں کوئی تبدیلی نہ آئی تھی۔

رجمنٹ کمانڈر نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا" ٹھیک ہو گیا۔ میری جانب سے ہر شخص کیلئے شراب کا ایک گلاس" اس نے یہ بات باآواز بلند کہی تاکہ تمام سپاہی سن سکیں۔ پھر وہ بولا" آپ سب کا شکریہ، ہم خداوند کے شکرگزار ہیں" یہ کہہ کر وہ گھوڑے پر سوار ہوا اور اگلی کمپنی کی جانب بڑھ گیا۔

تموخن اپنے ساتھ چلتے ایک ماتحت افسر سے بولا" بیحد بھلا مانس ہے، اس کی سرکردگی میں کام کرنا بالکل مشکل نہیں"

ماتحت نے ہنستے ہوئے جواب دیا" دوسرے الفاظ میں پان کا بادشاہ" (جنرل کو عرف عام میں" پان کا بادشاہ" کہا جاتا تھا"

معائنے کے بعد افسروں کی خوشگوار ذہنی کیفیت کا اثر جوانوں میں شامل ہو گیا۔ کمپنیاں خوشی کے عالم میں چلی جا رہی تھیں اور سپاہیوں کی باہمی گفتگو صاف سنائی دے رہی تھی۔

"کچھ سنا کہ کوتوزوف کانا ہے"

"ہاں، بالکل ایسا ہی ہے، اسے ایک آنکھ سے کچھ دکھائی نہیں دیتا"

"نہیں۔۔۔ نوجوانو، اس کی نظر تم سے زیادہ تیز ہے۔ دیکھا نہیں کہ کیسے وہ تمہارے بوٹوں اور دوسری چیزوں کو نظر میں رکھے ہوئے تھا"

"دوست، جب اس نے میری ٹانگوں کی طرف دیکھا تو میرے جی میں آیا کہ۔۔۔"

"اور اس کے ساتھ جو آسٹروی تھا، یوں لگتا تھا جیسے کسی نے اس پر چاک پھیر دیا ہو۔ آٹے کی طرح سفید تھا۔ میں شرط لگاتا ہوں کہ وہ اپنے جسم کو اسی طرح رگڑ رگڑ کر صاف کرتا ہوگا جس طرح ہم اپنی بندوقوں کی صفائی کرتے ہیں"

"میں کہتا ہوں، فیدیشو، کیا اس نے کچھ بتایا ہے کہ جنگ کب شروع ہوگی؟ تم تو قریب ہی کھڑے تھے۔ سنا ہے بوناپارٹ خود براؤناؤ پہنچ گیا ہے"

"بوناپارٹ! ارے کیسی احمقانہ بات کی ہے! تمہیں کچھ علم ہی نہیں! پرشیا نے ہتھیار اٹھالیے ہیں اور آسٹروی، تم جانتے ہو کہ وہ اس کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ جب وہ پرشیا سے نمٹ لیں گے تو بوناپارٹ سے جنگ شروع ہو جائے گی۔ اور یہ کہتا ہے کہ بوناپارٹ براؤناؤ میں بیٹھا ہے! اسی بات سے اس کا احمق ہونا ثابت ہوتا ہے۔ تمہارا بھلا اسی میں ہے کہ کان کھول کر رکھو"

"یہ کوارٹر ماسٹر بھی کس قدر سست ہیں!۔۔۔ پانچویں کمپنی گاؤں میں پہنچ بھی گئی ہے اور وہ اپنا اور جب تک ہم وہاں پہنچیں گے وہ اپنا کھانا بھی تیار کر لیں گے"

"ارے بوڑھے، ہمیں ایک بسکٹ ہی کھلا دو"

"تم نے کل مجھے تمباکو دیا تھا؟ ٹھیک ہے میرے لونڈے، ٹھیک ہے، خدا تمہارا بھلا کرے"

"یہ ہمیں یہیں کیوں نہیں روک لیتے، کیا خالی پیٹ مزید چار چلنا ہوگا"

"میں کہتا ہوں، جرمنوں نے ہماری کیا عمدہ خاطر مدارت کی کہ ہمیں گاڑیاں دے دیں۔ کس قدر آرام سے سفر کٹا، مزہ آ گیا"

"مگر یہاں، یہاں کے لوگوں میں تو عقل ہی نہیں۔ ادھر پیچھے تمام پولستانی معلوم ہوتے تھے مگر تھے تو روسی تاج کے ماتحت، مگر اب تو یہاں مستقل جرمن ہی دکھائی دیتے ہیں، میرے بچے"

کپتان نے حکم دیا" گانے والے سامنے کی صف میں آ جائیں" اور مختلف صفوں سے کم و بیش بیس افراد سامنے آ گئے۔ نقارہ بجانے والے نے جوان کا رہنما تھا، اپنا بازو لہرایا اور ایک فوجی گیت شروع ہو گیا جس کا ابتدائی بول تھا" سورج نکل رہا تھا" جبکہ اختتامی بول کے الفاظ تھے" تو پھر نوجوانو، ہم فادر کامینسکی کے ہمراہ شان و شوکت کی طرف بڑھیں گے"۔۔۔ یہ گانا ترکی کے خلاف جنگ کے دوران ترتیب دیا گیا تھا اور اب جبکہ یہ آسٹریا میں گایا جا رہا تھا تو اس میں ایک تبدیلی کی گئی جو یہ تھی کہ" فادر کامینسکی" کی بجائے گانے میں" فادر کوتوزوف" شامل کر دیا گیا تھا۔

چھریرے بدن کے مالک خوش شکل چالیس سالہ نقارچی نے آخری الفاظ فوجی انداز میں گونجدار آواز میں ادا کرتے ہوئے اپنا بازو یوں لہرایا جیسے کوئی شے زور سے نیچے پھینک رہا ہو اور بھنویں سکیڑ کر اپنے ساتھیوں کا جائزہ لیا۔ تب اس اطمینان کے بعد کہ تمام نگاہیں اس پر جمی ہیں، اس نے اپنے بازو یوں بلند کئے جیسے کسی نادیدہ مگر قیمتی چیز کو دونوں ہاتھوں سے اوپر اٹھا رہا ہو، چند سیکنڈ تک اپنا ہاتھ فضا میں رکھنے کے بعد اس نے اسے اچانک نیچے گرا دیا اور نیا گانا شروع کیا جس کے بول تھے:

"آہ، میرے گھر کی دہلیز،
میرا نیا گھر"

بیس آوازیں ٹیپ کا بند دہرانے لگیں اور وہ شخص جو آلات موسیقی بجا رہا تھا ان کے بوجھ کی وجہ سے کمپنی کے سامنے کندھے جھٹکاتا اور تیزی سے کلیلیں بھرتا کبھی آگے بڑھ جاتا اور کبھی اچانک پیچھے ہٹ آتا، وہ آلات یوں بجا رہا تھا جیسے کسی کو دھمکا رہا ہو۔ سپاہی موسیقی کی لے کے ساتھ اپنے بازو لہراتے آگے بڑھنے لگے۔ ان کے قدم تان کے ساتھ خود بخود تھرک رہے تھے۔ کمپنی کے عقب میں پہیوں کی گڑگڑاہٹ، سپرنگوں کی چرچراہٹ اور گھوڑوں کے سموں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ کوتوزوف اور اس کا عملہ قصبے کی جانب واپس جا رہا تھا۔ کمانڈر انچیف نے ہاتھ کے اشارے سے سپاہیوں کو تسلی اور اطمینان سے سفر جاری رکھنے کی ہدایت کی، اسے اور اس کے عملے کو دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے وہ سپاہیوں کو گاتے، رقص کرتے اور سرخوشی کے عالم میں چلتے دیکھ کر بیحد خوش ہیں۔ دائیں پہلو کی دوسری صف میں جدھر سے کوتوزوف کی گاڑی گزر رہی تھی، نیلی آنکھوں والا سپاہی دولوخوف نمایاں تھا۔ وہ نہایت نفاست اور سلیقے سے اپنا جسم لہرا رہا تھا اور کوتوزوف تیز اس کے عملے کو یوں دیکھ رہا تھا جیسے ان پر ترس کھا رہا ہو کہ وہ ایسے وقت کمپنی کے ساتھ سفر سے محروم رہے ہیں۔

کوتوزوف کے عملے میں شامل وہ ہوزار افسر جس نے رجمنٹ کمانڈر کی نقل اتاری تھی، پیچھے رہ گیا اور اپنا گھوڑا دوڑاتا دولوخوف کے پاس پہنچ گیا۔

یہ ہوزار افسر زرکوف کسی وقت پیٹرز برگ کے ان شوریدہ سروں میں شامل تھا جن کا سرغنہ دولوخوف تھا۔ زرکوف نے دولوخوف کو ملک سے باہر عام سپاہی کی حیثیت سے دیکھا تو اس سے ملنا مناسب نہ سمجھا۔ مگر اب جبکہ تنزلی کے شکار اس افسر سے کوتوزوف بھی بات چیت کر چکا تھا تو اس نے اپنا گھوڑا کمپنی کے برابر لا کر گانے بجانے کے شور میں پرانے دوست سے بے تکلفانہ انداز میں پوچھا" میرے یار، کیسے ہو؟"

دولوخوف نے سرد مہری سے کہا" میں کیسا ہوں؟۔۔۔ جیسا تمہیں نظر آ رہا ہوں" زرکوف نے بے تکلف انداز

میں سوال کیا تھا اور دولوخوف نے جان بوجھ کر سرد مہری سے جواب دیا لیکن موسیقی کی جوشیلی لے نے اس مکالے کو پر لطف بنا دیا۔

زرکوف نے پوچھا "تمہارے اپنے افسروں سے کیسے تعلقات ہیں؟"

دولوخوف نے جواب دیا "سب ٹھیک ہے، وہ اچھے لوگ ہیں۔ تم نے کمانڈر انچیف کے عملے میں شامل ہونے کیلئے کیا طریقہ اختیار کیا؟"

زرکوف بولا "مجھے عملے میں شامل کیا گیا تھا، میں ڈیوٹی پر ہوں"

دونوں خاموش ہو گئے۔

نیا گیت گایا جا رہا تھا جس کے بول کچھ یوں تھے:

"اس نے اپنی دائیں کلائی اوپر اٹھائی

اور باز فضا میں اچھال دیا"

اس گیت نے جوانوں کی روح کو گرما کر اس میں نیا ولولہ پیدا کر دیا۔ اگر یہ گانا اس قدر اثر انگیز نہ ہوتا تو ان دونوں کی گفتگو شاید مختلف ہوتی۔

دولوخوف نے پوچھا "کیا یہ سچ ہے کہ آسٹروی شکست کھا گئے ہیں"

زرکوف نے جواب دیا "سننے میں تو یہی آیا ہے، آگے خدا جانے"

گیت کے تقاضے کے مطابق دولوخوف نے واضح اور پھر تیلے انداز میں کہا "میں خوش ہوں"

زرکوف بولا "میں کہتا ہوں، کسی شام ہمارے ہاں آؤ، تاش کھیلیں گے"

دولوخوف نے کہا "کیوں، کیا فالتو رقم آ گئی ہے"

زرکوف بولا "ضرور آنا"

دولوخوف نے جواباً کہا "میں نہیں آ سکتا، میں قسم کھا چکا ہوں کہ ترقی ملنے تک شراب اور جوئے کے قریب بھی نہیں جاؤں گا۔

زرکوف بولا "ٹھیک ہے، مگر یہ اولین لڑائی سے پہلے نہیں ہو گی"

دولوخوف نے جواب دیا "دیکھا جائے گا"

دونوں ایک مرتبہ پھر خاموش ہو گئے۔

زرکوف کہنے لگا "اگر تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو چلے آنا، آدمی اگر عملے میں شامل ہو تو کسی کام آ ہی جاتا ہے"

دولوخوف ہنس دیا اور بولا "تم اپنے آپ کو تکلیف نہ دو۔ مجھے جس چیز کی ضرورت ہو گی تو کسی سے مانگنے کی بجائے خود اٹھا لاؤں گا"

زرکوف نے کہا "اوہ، میں صرف بھی۔۔۔"

دولوخوف بولا "میں صرف بھی۔۔۔"

دونوں ایک دوسرے کو الوداع کہہ کر الگ ہو گئے۔

گیت جاری تھا:

"بہت دور، اوپر فضا میں

اس کے وطن کی جانب"

زرکوف نے گھوڑے کو بھگایا، گھوڑا جوش میں آ گیا اور جوشیلے انداز میں تین مرتبہ ٹانگیں اوپر اٹھائیں، اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کون سا قدم پہلے بڑھائے۔ پھر وہ سرپٹ بھاگتا کمپنی سے آگے نکل گیا اور موسیقی کی لے پر تھرکتے قدموں کے ساتھ گاڑی کو جا لیا۔

(3)

معائنے سے واپسی کے بعد کوتوزوف آسٹروی جرنیل کو اپنے نجی کمرے میں لے گیا اور ایجوٹنٹ کو بلا کر اسے حکم دیا کہ وہ کاغذات جن پر حال ہی میں آنے والے دستوں کی صورتحال درج ہے اور آرچ ڈیوک فرڈیننڈ کے خطوط لے آئے۔ شہزادہ آندرے بلکونسکی مطلوبہ کاغذات لے کر کمانڈر انچیف کے کمرے میں حاضر ہو گیا۔ کوتوزوف اور جنگی کونسل کا آسٹروی رکن میز پر بچھے ایک جنگی منصوبے پر جھکے ہوئے تھے۔

کوتوزوف نے نظریں اٹھا کر بلکونسکی کی طرف دیکھا اور کچھ کہنے کی کوشش کی، یوں لگتا تھا جیسے وہ اسے وہیں ٹھہرنے کی دعوت دے رہا ہو اور پھر فرانسیسی زبان میں بولا "جنرل، مجھے صرف ایک بات کہنا ہے" اس کا لہجہ کچھ ایسا پر لطف شستہ اور نفیس تھا کہ سننے والا اس کے منہ سے سوچ سمجھ کر نکلنے والے ہر لفظ کو دھیان سے سننے پر مجبور ہو جاتا تھا۔ بظاہر وہ خود بھی اپنی آواز سن کر خوش ہوتا تھا۔ اس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا "مجھے صرف ایک بات کہنا ہے، اگر معاملہ میری ذاتی خواہشات پر منحصر ہوتا تو عالی مرتبت شہنشاہ فرانسس کی آرزو بہت پہلے پوری ہو چکی ہوتی اور میں کبھی کا آرچ ڈیوک کے ساتھ جا ملا ہوتا۔ آپ یقین کریں میں اپنی عزت کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ فوج کی اعلیٰ کمان زیادہ تجربہ کار اور قابل جرنیلوں کے حوالے کر کے مجھے ذاتی طور پر بیحد خوشی ہوتی۔۔۔ اور آسٹریا میں ایسے جرنیلوں کی کوئی کمی نہیں، اس طرح میں ان بھاری ذمہ داریوں کے بوجھ سے آزاد ہو جاتا۔ مگر جنرل، ہمارے لیے حالات بیحد گھمبیر ہو چکے ہیں" بات مکمل کرنے کے بعد کوتوزوف مسکرایا جیسے کہہ رہا ہو "آپ کو مجھ پر یقین نہ کرنے کا اختیار ہے اور آپ مجھ پر اعتبار کرتے ہیں یا نہیں، مجھے اس کی بالکل پروا نہیں، مگر آپ کے پاس مجھے بتانے کی معمولی وجہ بھی نہیں اور یہی اصل نکتہ ہے" آسٹروی جنرل غیر مطمئن دکھائی دیتا تھا مگر اس کے پاس کوتوزوف کو اسی انداز میں جواب دینے کے سوا کوئی چارہ بھی نہ تھا۔

اس نے کوتوزوف کے جواب میں چڑچڑے لہجے میں کہا "اس کے برعکس، بشتر کہ کارروائی میں جناب عالی نے جو حصہ لیا ہے، عالی مرتبت شہنشاہ اس کی بے پناہ قدر کرتے ہیں۔ مگر ہمارا خیال ہے کہ روسی فوجیں اور ان کے کمانڈر انچیف جنگوں میں جس قسم کی کامیابیوں کا سہرا اپنے سر باندھنے کے عادی ہو چکے ہیں، موجودہ تاخیر انہیں اس سے محروم کر رہی ہے" آسٹروی جرنیل کا یہ لہجہ اس کے الفاظ میں موجود چاپلوسی کی تردید کر رہا تھا۔ بظاہر یوں لگتا تھا جیسے اس نے اپنا آخری جملہ پہلے سے سوچ رکھا ہے۔

کوتوزوف نے سر خم کر دیا تاہم اس کی مسکراہٹ برقرار رہی۔

اس نے کہا "مگر مجھے قوی یقین ہے، اور عالی مرتبت آرچ ڈیوک فرڈیننڈ نے جس تازہ ترین خط کے ذریعے میری عزت افزائی کی ہے اسے دیکھتے ہوئے مجھے یہ فرض کرنا ہی پڑتا ہے کہ آسٹروی فوجوں نے جنرل میک جیسے قابل لیڈر کی سرکردگی میں فیصلہ کن فتح حاصل کر لی ہو گی اور انہیں ہماری مدد کی کوئی ضرورت نہیں ہو گی"

آسٹروی جرنیل کی تیوریاں چڑھ گئیں۔ اگرچہ آسٹروی فوجوں کی شکست کے بارے میں کوئی واضح خبر نہیں آئی تھی مگر ناموافق افواہوں کی تصدیق کیلئے بے شمار شہادتیں موجود تھیں، چنانچہ کوتوزوف نے آسٹروی فتح کا جو مفروضہ قائم کیا تھا اس کی حیثیت طنز سے زیادہ نہیں تھی۔ لیکن کوتوزوف پرسکون انداز میں مسکراتا رہا۔ اس کے تاثرات سے یہ ظاہر ہو رہا تھا جیسے اسے یہ مفروضہ تشکیل دینے کا حق حاصل ہے۔ اور درحقیقت اسے جنرل میک کی فوج سے جو خط موصول ہوا تھا اس میں فتح کی خبر کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا گیا تھا کہ آسٹروی فوج جنگی اعتبار سے بہت بہتر پوزیشن میں ہے۔

کوتوزوف نے شہزادہ آندرے سے کہا "مجھے خط دکھاؤ" پھر اس نے جرنیل سے مخاطب ہو کر کہا "براہ مہربانی، ذرا غور سے سنیں" اور پھر طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ آرچ ڈیوک فرڈیننڈ کے خط سے جرمن زبان میں درج ذیل عبارت پڑھنے لگا:

"ہم نے ستر ہزار افراد پر مشتمل فوج جمع کر لی ہے تاکہ دشمن دریائے لیچ عبور کرنے کی کوشش کرے تو اس پر حملہ کر کے اسے شکست دی جا سکے۔ چونکہ ہم الم پر پہلے ہی قبضہ کر چکے ہیں، اس لیے دریائے ڈینیوب کے دونوں کناروں پر کنٹرول حاصل ہونے کی وجہ سے ہمیں جو فائدہ ہوا تھا اسے برقرار رکھنے میں ناکامی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ چنانچہ اگر دشمن نے دریائے لیچ عبور نہ کیا تو اس کی رسد اور ساز و سامان ہمارے حملوں کی زد میں ہوگا، اس طرح ہم دریائے ڈینیوب کو زیریں جانب دوبارہ عبور کریں گے اور دشمن نے ہمارے وفادار اتحادی کیخلاف اپنی پوری فوج استعمال کرنے کا فیصلہ کیا تو اس کے عزائم خاک میں ملا دیں گے۔ اس طرح ہم حوصلہ مندی کے ساتھ اس وقت کا انتظار کریں گے جب روس کی شاہی فوج پوری طرح تیار ہو جائے گی، پھر ہمیں مشترکہ طور پر ایسا پھندا تیار کرنے میں کوئی مشکل پیش نہ آئے گی جس میں دشمن کو دھکیلا جا سکے کیونکہ وہ اسی قابل ہے۔"

کوتوزوف نے عبارت پڑھنے کے بعد گہری سانس لی اور جنگی کونسل کے رکن کو توجہ اور لطف بھری نگاہ سے دیکھنے لگا۔

آسٹروی جرنیل بولا "مگر جناب عالی، آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہمیں بدترین صورتحال کیلئے بھی تیار رہنا چاہیے" بظاہر یہی دکھائی پڑتا تھا کہ وہ مزاح سے احتراز اور سنجیدہ باتوں کا خواہشمند ہے۔ وہ ایجوٹنٹ کی طرف برہمی سے دیکھنے لگا۔

کوتوزوف نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا "جنرل، معذرت چاہتا ہوں" اور پھر آندرے کی جانب رخ کر کے بولا "پیارے نوجوان، کوزلووسکی سے ہمارے مخبروں کی حاصل کردہ تمام اطلاعات لے آؤ" اس نے آندرے کو چند کاغذات تھماتے ہوئے کہا "یہ نواب نوسٹس کے دو خطوط ہیں اور یہ خط آرچ ڈیوک فرڈیننڈ کا ہے، اور یہ بھی، ان تمام کی مدد سے فرانسیسی زبان میں آسٹروی فوج کی نقل و حرکت کے بارے میں جامع رپورٹ تیار کر دو۔ رپورٹ تیار ہو جائے تو اسے محترم جنرل کے حوالے کر دینا"

آندرے کچھ اس انداز میں جھکا جیسے کہہ رہا ہو کہ وہ نہ صرف شروع سے آخر تک تمام بات سمجھ چکا ہے بلکہ یہ بھی جان گیا ہے کہ کوتوزوف اسے کیا کہنا چاہتا ہے۔ اس نے کاغذات سمیٹے اور ایک ہی مرتبہ جھک کر دونوں جرنیلوں کو سلام کرنے کے بعد آہستگی سے قالین پر چلتا ہوا استقبالیہ کمرے میں چلا گیا۔

اگرچہ شہزادہ آندرے کو روس چھوڑے زیادہ دیر نہیں گزری تھی تاہم اس مختصر عرصہ میں ہی اس میں نمایاں

تبدیلیاں رونما ہو چکی تھیں۔ اس کے چہرے، حرکات و سکنات اور چال ڈھال میں کوئی ایسی بات نہ تھی جس میں اس کے سابقہ دکھاوے، سستی یا آرام طلبی کا شائبہ تک نظر آتا ہو۔ اب وہ ایسا شخص دکھائی دیتا تھا جس کے پاس یہ سوچنے کا وقت نہیں تھا کہ وہ دوسروں کو کیسے متاثر کر رہا ہے۔ وہ ہر وقت اپنے کام سے کام رکھتا تھا جو اسے دلچسپ اور خوشگوار معلوم ہوتا تھا۔ اس کے چہرے سے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے حوالے سے اطمینان کی کیفیت مترشح تھی اور اس کی مسکراہٹ اور نگاہ مزید روشن اور پرکشش ہوتی جا رہی تھی۔

کوتوزوف نے، جس سے وہ پولینڈ میں آ کر ملا تھا، اس کا گرمجوشی سے استقبال کیا تھا اور اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اسے بیکار حیثیت میں نہیں رکھے گا۔ وہ اسے اپنے دوسرے ایجوٹنٹوں پر ترجیح دیتے ہوئے اپنے ساتھ ویانا لے گیا اور اپنے انتہائی اہم امور اسی کے سپرد کرتا تھا۔ کوتوزوف نے ویانا سے اپنے پرانے ساتھی اور شہزادہ آندرے کے والد کے نام خط میں لکھا تھا:

"آپ کے بیٹے نے اپنی قابلیت، محنت اور مضبوط کردار کی بدولت ثابت کر دکھایا ہے کہ اس کا کیریئر شاندار ہوگا۔ میں ایسا ماتحت ملنے پر خود کو خوش قسمت تصور کرتا ہوں"

عموماً کوتوزوف کے عملے اور فوج میں شہزادہ آندرے کو پیٹرزبرگ کے اعلیٰ حلقوں کی طرح وہ بالکل متضاد شہرتیں حاصل ہوئی تھیں۔ چند افسر جن کی تعداد کم تھی، اسے اپنے آپ اور دوسروں سے مختلف سمجھتے اور توقع رکھتے تھے کہ وہ نمایاں کارنامے انجام دے گا۔ وہ اس کی بات توجہ سے سنتے، اس کی تحسین کرتے اور اس کے نقش قدم پر چلتے تھے اور ان کے ساتھ آندرے کا رویہ دوستانہ اور خوشگوار ہوتا تھا۔ دوسری جانب افسروں کی اکثریت شہزادہ آندرے کو پسند نہیں کرتی تھی اور اسے سرد مہر، مغرور اور بدمزاج تصور کرتی تھی۔ مگر اسے علم تھا کہ ایسے لوگوں سے کیسے پیش آنا چاہیے چنانچہ یہ لوگ اس کی عزت کرتے اور اس سے خوف کھاتے تھے۔

کوتوزوف کے کمرے سے استقبالیے میں آنے کے بعد شہزادہ آندرے کاغذات لے کر اپنے ساتھی ایجوٹنٹ کوزلووسکی کے پاس پہنچا جو کھڑکی کے قریب بیٹھا کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا۔

کوزلووسکی نے اسے دیکھ کر پوچھا "شہزادے، کیا بات ہے؟"

آندرے نے جواب دیا "مجھے ایسی رپورٹ تیار کرنے کو کہا گیا ہے جس میں ہمارے پیش قدمی نہ کرنے کے اقدام کی وجوہات بیان کی گئی ہوں"

کوزلووسکی بولا "کیوں، پیش قدمی کیوں نہیں کی جا رہی"

آندرے نے کندھے اچکا دیے۔

کوزلووسکی نے پوچھا "میک کی کوئی خبر آئی"

آندرے نے نفی میں جواب دیا۔

کوزلووسکی کہنے لگا "اگر یہ سچ ہے کہ اسے شکست ہو چکی ہے تو خبر آ جانا چاہیے تھی"

شہزادے آندرے نے کہا "غالباً ایسا ہی ہوا ہے" اور باہر جانے کیلئے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ راستے میں اس کا سامنا ایک طویل القامت شخص سے ہوا جو تیزی سے استقبالیہ کمرے میں داخل ہوا اور زور سے دروازہ بند کر دیا۔ تو وارد اجنبی آسٹروی جرنیل تھا جس نے اوورکوٹ پہن رکھا تھا اور سر کے گرد سیاہ پٹی باندھ رکھی تھی، اس کے گلے میں آرڈر آف ماریا تھریسا (تمغہ) آویزاں تھا۔ شہزادہ آندرے اسے دیکھ کر رک گیا۔

جرنیل نے درشت جرمن لہجے میں پوچھا" کمانڈر انچیف کوتوزوف موجود ہیں؟" پھر اس نے ادھر اُدھر نظر دوڑائی اور رکے بغیر کوتوزوف کے نجی کمرے کے دروازے کی جانب بڑھنے لگا۔

کوزلووسکی تیزی سے نامعلوم جرنیل کی طرف لپکا اور اس کا راستہ روکتے ہوئے بولا" کمانڈر انچیف مصروف ہیں، انہیں کیا بتایا جائے کہ کون تشریف لائے ہیں؟"

جرنیل کا چہرہ مکدر ہو گیا اور اس کے ہونٹ پھڑکنے اور کانپنے لگے۔ اس نے ایک نوٹ بک نکالی، اس پر تیزی سے کچھ لکھا اور ورق پھاڑ کر کوزلووسکی کے حوالے کرنے کے بعد تیز تیز قدموں سے کھڑکی کی طرف بڑھ گیا جہاں ایک کرسی پر گرنے کے بعد کمرے میں موجود دونوں افسروں کو یوں دیکھنے لگا جیسے کہہ رہا ہو" تم مجھے یوں گھور گھور کر کیوں دیکھ رہے ہو؟" پھر اس نے اپنا سر اٹھایا اور گردن یوں آگے بڑھائی جیسے کچھ کہنا چاہتا ہو اور فوراً ہی مصنوعی بے نیازی سے زیر لب کچھ گنگنانے لگا، اس کے منہ سے عجیب و غریب آواز برآمد ہوئی جو فوراً ہی بند ہو گئی۔ نجی کمرے کا دروازہ کھلا اور کوتوزوف باہر آ گیا۔

سر پر پٹی باندھے جرنیل یوں کوتوزوف کی جانب لپکا جیسے کسی خطرے سے ڈر کر بھاگ رہا ہو۔ اس کا جسم آگے کو جھکا ہوا تھا اور دبلی پتلی ٹانگیں تیزی سے حرکت کر رہی تھیں۔

جرنیل نے فرانسیسی میں کہا" آپ کے سامنے بدقسمت میک کھڑا ہے" اس کی آواز رندھی ہوئی تھی۔

دروازے میں کھڑا کوتوزوف بت بنا رہ گیا۔ اس کے سپاٹ چہرے پر لہروں کی طرح بل پڑنے لگے مگر اس کی پیشانی صاف اور ہموار تھی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور احتراماً سر جھکا کر پہلے میک کو اندر جانے دیا اور پھر دروازہ بند کر دیا۔

الم میں آسٹرویوں کے شکست کھانے اور ان کی تمام فوج کے ہتھیار ڈالنے کے بارے میں زیر گردش افواہ درست ثابت ہوئی۔ نصف گھنٹے میں ایجنٹوں کو احکامات دے کر مختلف سمتوں میں روانہ کر دیا گیا۔ صاف ظاہر تھا کہ روسی فوجوں کو جو اب تک فارغ بیٹھی تھیں جلد دشمن کا سامنا ہو گا۔

شہزادہ آندرے ان چند سٹاف افسروں میں سے ایک تھا جن کی دلچسپی کا مرکز جنگ کی عمومی رفتار تھی۔ جب اس نے میک کو دیکھا اور شکست کی تفصیلات معلوم ہوئیں تو اسے احساس ہوا کہ وہ آدھی جنگ ہار چکے ہیں۔ اسے روسی فوج کی مشکلات کا اچھی طرح اندازہ تھا۔ اس فوج کا جن مصائب سے پالا پڑتا تھا اور خود اسے اس سلسلے میں جو کردار ادا کرنا تھا اس کا پورا نقشہ اس کے ذہن میں گھوم گیا۔ مغرور آسٹرویوں کی ہزیمت پر اسے دلی خوشی محسوس ہو رہی تھی، اس کے ساتھ ساتھ وہ فرانسیسیوں کیخلاف معرکہ آرائی میں شرکت کے حوالے سے بھی خاصا پرجوش تھا جو سواروف کے زمانے کے بعد پہلی مرتبہ ہو رہی تھی۔ مگر اسے اندیشہ تھا کہ کہیں بوناپارٹ کی ذہانت روسیوں کی شجاعت پر بھاری نہ پڑ جائے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے پسندیدہ ہیرو کو بھی رسوائی کا شکار نہ دیکھنا چاہتا تھا۔

ولولے اور پریشانی سے دوچار کر دینے والے انہی خیالات میں غلطاں وہ اپنے باپ کو خط لکھنے کیلئے اپنے کمرے کی جانب چل دیا۔ وہ روزانہ ایسا کرتا تھا۔ راہداری میں اس کا سامنا نیسوتسکی سے ہو گیا جس کے ساتھ وہ ایک ہی کمرے میں رہائش پذیر تھا، اس کے ساتھ مسخرہ ژرکوف بھی تھا۔ وہ حسب معمول کسی مزاحیہ بات پر قہقہے لگا رہے تھے۔

نیسوتسکی نے شہزادہ آندرے کے زرد چہرے اور جگمگاتی آنکھوں کو دیکھ کر پوچھا" یہ تم نے منہ کیوں بنا رکھا ہے؟"

آندرے نے جواب دیا" قہقہے لگانے کی بھی کوئی وجہ نہیں"

جونہی آندرے کا نیسوتسکی اور ژرکوف سے سامنا ہوا اسی دوران راہداری کی دوسری سمت سے آسٹروی فوج کا جرنیل سٹراچ جو روسی فوجوں کو رسد پہنچانے کیلئے کوتوزوف کے سٹاف میں شامل ہوا تھا اور جنگی کونسل کا رکن جو کل شام یہاں پہنچا تھا نمودار ہوئے۔ اگرچہ راہداری میں اتنی جگہ موجود تھی کہ آسٹروی جرنیل تینوں افسروں کے قریب سے باآسانی گزر جاتے لیکن ژرکوف نے بازو کی مدد سے نیسوتسکی کو ایک جانب دھکیلتے ہوئے چلا کر کہا:

"وہ آ رہے ہیں!۔۔۔ وہ آ رہے ہیں!۔۔۔ ہٹ جاؤ، راستہ دو، راستہ خالی کر دو"

جرنیلوں نے اس تکلیف دہ احترام سے بچ کر گزرنے کی کوشش کی۔ ژرکوف کے چہرے پر احمقانہ مسکراہٹ طاری ہو گئی، یوں لگتا تھا جیسے اس کیلئے اسے چھپانا ممکن نہیں۔

وہ آگے بڑھا اور جرمن زبان میں آسٹروی جرنیل سے مخاطب ہو کر بولا" جناب عالی، میں بصد احترام آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں" یہ کہہ کر وہ تعظیماً جھک گیا اور سکول کے بچے کی طرح بھونڈے انداز سے پہلے ایک اور پھر دوسری ٹانگ گھسیٹ لی۔ جنگی کونسل کے رکن نے اسے گھور کر دیکھا مگر اس کی احمقانہ مسکراہٹ میں سنجیدگی دیکھ کر اسے توجہ دینے پر مجبور ہو گیا۔ اس نے اپنی آنکھیں اس پر مرکوز کر کے یہ ظاہر کیا کہ وہ اس کی بات سن رہا ہے۔

ژرکوف کہنے لگا" جناب عالی میں آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ جنرل میک تشریف لا چکے ہیں اور بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں، انہیں صرف یہاں تھوڑی سی چوٹ آئی ہے" یہ کہہ کر اس نے اپنے سر کی طرف اشارہ کیا۔

جنرل نے تیوری چڑھائی اور مڑ کر آگے چل دیا۔

نیسوتسکی کھلکھلا کر ہنس دیا اور اپنے بازو آندرے کے گلے میں ڈال دیے مگر آندرے نے اسے دھکیل کر ایک طرف کر دیا، اس کا چہرہ مزید زرد ہو چکا تھا۔ میک کی آمد، شکست کی خبر اور روسی فوجوں کو درپیش مسائل و مشکلات سے متعلق خیالات نے اس کے ذہن میں جو جھنجھلاہٹ پیدا کر دی تھی اسی کے زیر اثر وہ غصے سے پھنکارتے ہوئے ژرکوف سے بولا" جناب، اگر آپ کو مسخرہ بننے کا اتنا ہی شوق ہے تو میں آپ کو نہیں روک سکتا مگر میں خبردار کر دوں کہ اگر آپ نے آئندہ میری موجودگی میں ایسی کوئی حرکت فرمائی تو میں آپ کو سبق سکھا دوں گا" شہزادہ آندرے کا جبڑا غصے کے مارے کپکپا رہا تھا۔

شہزادہ آندرے کے یوں پھٹ پڑنے پر نیسوتسکی اور ژرکوف بھونچکے رہ گئے اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھنے لگے۔

ژرکوف نے کہا" میں تو اسے صرف مبارکباد دے رہا تھا"

آندرے بولا" میں تم سے مزاح نہیں کر رہا، برائے مہربانی خاموش رہو!" پھر اس نے نیسوتسکی کا بازو پکڑا اور اسے لے کر وہاں سے چل دیا۔ ژرکوف سے کوئی جواب بن نہ پڑا۔

نیسوتسکی نے اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا" پیارے دوست، یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟"

آندرے جذباتی ہو کر وہیں رک گیا اور باآواز بلند کہنے لگا" کیا ہو گیا ہے؟ تم سمجھتے کیوں نہیں؟ ہم زار اور ملک کی خدمت کرنے والے افسر ہیں جو اپنے دوستوں کی کامیابی پر خوش ہوتے اور ان کی ناکامیوں پر آنسو بہاتے ہیں یا پھر کرائے کے سپاہی ہیں جنہیں اپنے آقا کے کام سے کوئی دلچسپی نہیں۔ چالیس ہزار افراد موت کے گھاٹ اتر گئے، ہماری اتحادی فوج تباہ ہو گئی اور تمہیں دل لگی سوجھی ہے" آندرے نے یہ بات فرانسیسی زبان میں کہی جیسے اس طرح اس

میں زور پیدا ہو جائے گا۔ پھر اس نے روسی زبان فرانسیسی لہجے میں بولتے ہوئے مزید کہا "ایسی حرکتیں اس جیسے بے وقعت شخص کو تو زیب دیتی ہیں جسے تم نے دوست بنا رکھا ہے، تمہیں نہیں، تمہیں زیب نہیں دیتیں۔ ایسے مذاق سے صرف سکول کے لڑکے ہی لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ آندرے نے دیکھ لیا تھا کہ زرکوف کو بھی اس کی باتیں سنائی دے رہی ہیں، اس نے کچھ دیر انتظار کیا کہ شاید وہ جواباً کچھ کہے گا لیکن زرکوف دوسری جانب مڑ کر راہداری سے باہر نکل گیا۔

(4)

ہوزاروں کی پاؤلوگراڈسکی رجمنٹ براؤناؤ سے دو میل دور ٹھہری ہوئی تھی۔ جس سکواڈرن میں نکولائی رستوف بطور کیڈٹ خدمات انجام دے رہا تھا، وہ ایک جرمن گاؤں سالز نیک میں مقیم تھا۔ سکواڈرن کے کمانڈنگ افسر کپتان دینی سوف کو تمام گھڑ سوار ڈویژن میں واسکا دینی سوف کے نام سے پکارا جاتا تھا اور گاؤں کا سب سے بہترین مکان اسی کی تحویل میں دیا گیا تھا۔ پولینڈ میں رستوف اس رجمنٹ میں شمولیت سے لے کر اب تک دینی سوف کے ساتھ رہتا چلا آیا تھا۔

8 اکتوبر کو یعنی جس دن میک کی شکست کی خبر نے فوجی ہیڈ کوارٹر میں ہلچل مچا دی تھی، اس سکواڈرن کے افسر پڑاؤ میں حسب معمول پرسکون انداز میں رہ رہے تھے۔

جب رستوف علی الصبح گھوڑوں کیلئے چارہ لے کر واپس آیا تو دینی سوف جو تمام رات تاش کی بازی ہارتا رہا تھا، ابھی تک گھر نہیں پہنچا تھا۔ کیڈٹ کی وردی میں ملبوس اور گھوڑے پر سوار رستوف مکان کی ڈیوڑھی میں داخل ہوا۔ اس نے گھوڑے کو لگام دی اور نوجوانوں کی لچکدار پھرتی کے ساتھ اپنی ٹانگ زین کے اوپر سے گھمائی اور رکاب میں پاؤں رکھ کر کچھ دیر سوچا جیسے گھوڑے سے اترتے ہوئے دکھ ہو رہا ہو اور پھر نیچے جست لگا کر اردلی کو آواز دی۔

آواز سن کر ایک ہوزار بھاگتا ہوا گھوڑے کی جانب آیا۔ رستوف اس سے مخاطب ہو کر بولا "بندار ینکو، میرے عزیز دوست، اسے ذرا ٹہلاؤ" اس کے لہجے میں وہی برادرانہ گرمجوشی تھی جو عمدہ طبیعت کے مالک نوجوان سرخوشی کے عالم میں ہر ایک کیلئے اختیار کر لیتے ہیں۔

پستہ قامت روسی ہوزار نے خوشدلی سے سر کو جنبش دیتے ہوئے کہا "بہت اچھا جناب"

رستوف بولا "دیکھنا، اسے اچھی طرح ٹہلانا"

ایک اور ہوزار بھی گھوڑے کی جانب بھاگا تھا مگر بندار ینکو پہلے ہی لگام تھام چکا تھا۔

یہ بات عیاں تھی کہ نوجوان کیڈٹ بخشش کے معاملے میں فراخ دل واقع ہوا تھا اور اس کی خدمت کرنا یقیناً نفع بخش عمل تھا۔ رستوف کچھ دیر ڈیوڑھی کی سیڑھیوں پر کھڑا گھوڑے کی گردن اور پہلو تھپکا تا رہا۔ اس نے خود کلامی کے انداز میں کہا "شاندار! بہت اعلیٰ گھوڑا ثابت ہوگا" اور مسکراتے ہوئے اپنی تلوار سنبھال کر مہمیز کھنکھناتا سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ تنگ واسکٹ پہنے اور نوکیلی ٹوپی اوڑھے جرمن مالک مکان نے گائیوں کے باڑے کے پیچھے سے جھانک کر دیکھا۔ اس نے ہاتھ میں بیلچہ پکڑ رکھا تھا جس کے ذریعے وہ باڑے سے گوبر کی صفائی میں مصروف تھا۔ جرمن نے رستوف کو دیکھا تو اس کے چہرے پر رونق آ گئی۔ وہ خوشدلی سے مسکرایا اور اسے آنکھ مار کر بولا "صبح بخیر، صبح بخیر" صاف ظاہر تھا کہ اسے نوجوان سے حال احوال پوچھ کر دلی مسرت حاصل ہو رہی ہے۔

رستوف نے پوچھا "ابھی سے مصروف ہو گئے" اس کے پر اشتیاق چہرے پر دائمی مسکراہٹ اور خوشی رقصاں

تھی۔ پھر اس نے نعرہ لگاتے ہوئے کہا "آسٹروی زندہ باد! روسی زندہ باد! شہنشاہ الیگزنڈر زندہ باد!" ایسے نعرے یہ جرمن لگایا کرتا تھا اور رستوف اسی کے انداز میں جرمن زبان میں یہ نعرے دہرا رہا تھا۔ جرمن ہنسا اور گائیوں کے چھپر سے باہر آ کر اپنی ٹوپی اتار کر اسے سر سے اوپر بلند کرتے ہوئے با آواز بلند چلایا "کل عالم زندہ باد"

رستوف نے بھی جرمن کی طرح اپنی ٹوپی فضا میں بلند کی اور ہنستے ہوئے چلایا "کل عالم زندہ باد" اگرچہ اپنے باڑے کی صفائی کرتے جرمن اور چارہ لے کر آنے والے رستوف کیلئے یوں خوش ہونے کی کوئی خاص وجہ نہ تھی، تاہم انہوں نے ایک دوسرے کی جانب برادرانہ اخوت اور خوشی سے دیکھا، باہمی پیار و محبت کی علامت کے طور پر سر گھمائے اور مسکرا دیے، جرمن اپنے چھپر میں چلا گیا اور رستوف نے اس مکان کا رخ کیا جہاں وہ دینی سوف کے ساتھ رہائش پذیر تھا۔

اس نے دینی سوف کے ملازم لاورشکا سے پوچھا "تمہارے آقا کہاں ہیں؟" لاورشکا جو رجمنٹ میں بدمعاش کے طور پر مشہور تھا، بولا "وہ شام سے واپس نہیں آئے۔ یقیناً وہ ہار رہے ہوں گے۔ اب میں سمجھ گیا ہوں، اگر وہ جیت جائیں تو شیخیاں بگھارنے کیلئے جلدی واپس آ جاتے ہیں، تاہم اگر وہ صبح تک نہ آئیں تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ وہ ہار چکے ہیں۔۔۔ واپسی پر وہ شدید غصے میں ہوں گے۔ میں کافی لے آؤں؟"

رستوف نے جواب دیا "ہاں لاؤ"

دس منٹ بعد لاورشکا کافی لے آیا اور کہنے لگا "وہ آ رہے ہیں، شامت آ گئی"

رستوف نے کھڑکی سے باہر جھانکا جہاں اسے دینی سوف گھر واپس آتا دکھائی دیا۔ دینی سوف سرخ چہرے والا پستہ قامت شخص تھا جس کی آنکھیں اور بال سیاہ و چمکدار تھے۔ اس نے ہوزاروں کا چغہ پہن رکھا تھا جس کے بٹن کھلے تھے جبکہ سر پر پیچھے کو ڈھلکی ٹوپی پہن رکھی تھی۔ وہ سر جھکائے اور منہ لٹکائے ڈیوڑھی میں داخل ہوا۔

اندر داخل ہوتے ہی وہ چلا کر بولا "لاورشکا، اسے اتارو"

لاورشکا کی آواز سنائی دی "جی اچھا، اتار رہا ہوں"

دینی سوف کمرے میں داخل ہوا اور رستوف کو دیکھ کر بولا "ارے، تم اٹھ گئے؟"

رستوف نے جواب دیا "بہت پہلے، میں تو گھوڑے کیلئے چارہ لانے گیا تھا، مالنڈا سے بھی مل چکا ہوں"

دینی سوف نے کہا "واقعی؟ اور میرے دوست، میں تمام رات ہارتا رہا، کتے کے پلے کی طرح" وہ چلا کر بول رہا تھا۔ اس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا "قسمت ہی خراب ہے! قسمت ہی خراب ہے!۔۔۔ جونہی تم رخصت ہوئے، میری قسمت بھی روٹھ گئی۔ ارے، چائے کہاں ہے؟"

دینی سوف نے اپنا منہ سکیڑا اور مضبوط دانت یوں نکوسے جیسے کھسیانی ہنسی ہنس رہا ہو اور پھر ہاتھوں کی چھوٹی چھوٹی انگلیاں اپنے گھنے سیاہ بالوں میں پھیرنے لگا جو جنگل کی طرح الجھے ہوئے تھے۔ پھر وہ دونوں ہاتھوں سے پیشانی اور رخساروں کو رگڑتے ہوئے بولا "مجھے کس شیطان نے بہکایا کہ میں اس چوہے (چوہا ایک افسر کا عرف تھا) کے پاس چلا گیا۔ کیا تم سوچ سکتے ہو کہ اس نے مجھے ایک پتا، ہاں ایک پتا بھی نہیں دیا!" اس نے سلگتا ہوا پائپ جو اس کی جانب بڑھایا گیا تھا مضبوطی سے پکڑا اور اسے اس زور سے فرش پر دے مارا کہ اس میں سے شرارے نکلنے لگے اور وہ خود چلا چلا کر کہنے لگا "وہ سنگل تو دوسروں کو جیتنے دیتا ہے لیکن شرط دگنی کر دی جائے تو پھر خود جیت لیتا ہے۔ وہ سنگل مجھے دیتا رہا اور ڈبل خود جیتتا رہا"

دینی سوف نے شرارے ادھر ادھر بکھیر دیے اور پائپ کرچی کرچی کر کے پرے پھینک دیا۔ وہ کچھ دیر خاموش رہا، پھر اچانک رستوف پر نگاہ دوڑائی، اس کی سیاہ آنکھیں چمک رہی تھیں۔ پھر وہ بولا "کیا ہی اچھا ہوتا اگر یہاں چند خواتین بھی ہوتیں، مگر یہاں پینے پلانے کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ اس سے تو بہتر ہے کہ جنگ ہی شروع ہو جائے۔۔۔" دروازے پر بھاری بوٹوں اور مہمیز کھنکھنانے کی آواز سن کر وہ چلایا "ارے کون ہے؟" آواز بند ہو گئی اور کوئی شخص مودبانہ انداز میں کھنکارا۔

لاورشکا نے کہا "سارجنٹ ہے!" دینی سوف کے چہرے پر لکیریں مزید گہری ہو گئیں۔

وہ بولا "کیا مصیبت ہے" پھر اس نے اپنا بٹوہ جس میں چند طلائی سکے تھے نیچے پھینکا اور رستوف سے کہا "نواب، ذرا گننا کہ کتنی رقم بچی ہے، اور بٹوہ تکیے کے نیچے دھکیل دینا" یہ کہہ کر وہ سارجنٹ سے ملنے باہر چلا گیا۔ رستوف نے رقم اٹھائی اور مشینی انداز میں نئے اور پرانے سکوں کی الگ الگ ڈھیریاں بنا کر انہیں گننے لگا۔ اسے دوسرے کمرے میں دینی سوف کی آواز سنائی دی جو آنے والے کو کہہ رہا تھا "ارے تکیان! صبح بخیر! گزشتہ رات تو میں سب کچھ ہار بیٹھا"

جواباً کوئی باریک سی آواز میں بولا "کہاں؟ بائیکوف کے ہاں؟ وہ چوہا؟۔۔۔ مجھے معلوم تھا" اس کے ساتھ ہی پستہ قد لیفٹیننٹ تکیان جو اسی سکواڈرن سے تعلق رکھتا تھا کمرے میں داخل ہوا۔

رستوف نے بٹوہ تکیے تلے ڈال دیا اور اپنی طرف بڑھے تکیان کے چھوٹے سے مرطوب ہاتھ سے مصافحہ کیا۔ رجمنٹ کی مہم پر روانگی سے قبل کسی وجہ سے تکیان کا گارڈز سے یہاں تبادلہ کر دیا گیا تھا۔ رجمنٹ میں اس کا رویہ ٹھیک تھا مگر اسے پسند نہیں کیا جاتا تھا، خاص طور پر رستوف کو تو وہ بالکل پسند نہ تھا اور وہ اس افسر سے اپنی بلاوجہ نفرت پر قابو بھی نہیں پا سکا تھا۔

تکیان رستوف سے مخاطب ہو کر کہنے لگا "ہاں نوجوان گھڑسوار، میرا روک کیسا جا رہا ہے؟" (روک اس گھوڑے کا نام تھا جو تکیان نے رستوف کو بیچا تھا) لیفٹیننٹ جب بھی کسی سے مخاطب ہوتا تو اس کے چہرے کی طرف نہیں دیکھتا تھا۔ اس کی نگاہیں مسلسل ایک سے دوسری شے کی جانب منتقل ہوتی رہتی تھیں۔ اس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا "میں نے آج تمہیں اس پر سواری کرتے دیکھا تھا۔۔۔"

رستوف نے جواباً کہا "اوہ، ہاں ٹھیک ہے، اچھا گھوڑا ہے، اس کی اگلی بائیں ٹانگ کچھ لنگڑانے لگی ہے" حقیقت یہ تھی کہ اس نے جس گھوڑے کے عوض تکیان کو سات سو روبل ادا کیے تھے اس کی قیمت اس رقم کا نصف بھی نہیں تھی۔

تکیان نے کہا "سم ترخ گیا ہے! میں تمہیں بتاؤں گا کہ کیا کرنا ہے، میں تمہیں ایک چیز دکھاؤں گا جو تم اس پر لگا دینا"

رستوف نے جواب دیا "ہاں، براہ مہربانی"

تکیان نے کہا "میں تمہیں بتاؤں گا، بتاؤں گا، اس میں راز کی کیا بات ہے۔ تم میرے شکر گزار ہو گے کہ میں نے یہ گھوڑا تمہیں دے دیا۔

رستوف نے کہا "تو پھر میں گھوڑا منگوا لوں" وہ تکیان سے چھٹکارا پانے کا خواہشمند تھا چنانچہ گھوڑا لانے کا حکم دینے کیلئے باہر نکل گیا۔

بیرونی کمرے میں دینی سوف دروازے کی چوکھٹ پر پائپ لے کر بیٹھا تھا جبکہ اس کے سامنے موجود کوارٹر ماسٹر اسے کوئی رپورٹ دے رہا تھا۔ رستوف کو دیکھ کر دینی سوف نے آنکھیں سکیڑیں اور اپنے کندھے کے اوپر انگوٹھے سے اس کمرے کی طرف اشارہ کیا جہاں تکیان بیٹھا تھا، ساتھ ہی دینی سوف کے ماتھے پر بل پڑ گئے اور اس نے کراہت سے سر ہلایا۔

اس نے کوارٹر ماسٹر کی پروا نہ کرتے ہوئے کہا "اوغ! میں اسے بالکل پسند نہیں کرتا"

رستوف نے کندھے اچکائے جیسے کہہ رہا ہو "مجھے بھی پسند نہیں مگر کوئی کیا کر سکتا ہے؟" پھر وہ اپنا حکم دے کر کمرے میں تکیان کے پاس واپس چلا گیا۔

تکیان اسی آرام طلب انداز میں بیٹھا اپنے چھوٹے چھوٹے سفید ہاتھ مسل رہا تھا جس میں رستوف اسے چھوڑ کر گیا تھا۔ رستوف نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے سوچا "دنیا میں کس قدر ناگوار چہرے ہیں"

تکیان نے اٹھتے ہوئے اور بے دھیانی سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا "اچھا، تو کیا تم نے گھوڑا لانے کا حکم دے دیا؟"

رستوف نے اثبات میں جواب دیا۔

تکیان کہنے لگا "تو پھر چلیں۔ میں دینی سوف سے صرف کل دیے جانے والے حکم کی بابت دریافت کرنے آیا تھا۔ دینی سوف، کیا تمہیں یہ احکامات مل گئے ہیں؟"

دینی سوف نے جواباً کہا "ابھی نہیں۔ مگر تم کہاں جا رہے ہو؟"

تکیان بولا "میں اس نوجوان کو یہ دکھانے جا رہا ہوں کہ نعل کیسے لگایا جاتا ہے"

وہ سیڑھیوں سے اتر کر اصطبل میں پہنچ گئے۔ لیفٹیننٹ نے اسے سمجھایا کہ گھوڑے کو نعل کیسے لگایا جاتا ہے اور اپنی رہائشگاہ کو چل دیا۔

جب رستوف واپس آیا تو میز پر واڈکا کی بوتل اور تلا ہوا گوشت پڑا تھا۔ دینی سوف میز کے قریب بیٹھا کاغذ پر کچھ لکھ رہا تھا۔ اس نے اداس نگاہوں سے رستوف کو دیکھا اور کہنے لگا "میں اس لڑکی کو خط لکھ رہا ہوں" کہنی میز پر جھکائے اور ہاتھ میں قلم تھامے وہ بظاہر بہت خوش تھا کیونکہ وہ جو کچھ خط میں لکھنا چاہتا تھا، اب اسے زبانی بیان کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ اس نے خط کے مندرجات رستوف کو سنائے اور کہا "پیارے نوجوان، تم نے دیکھا کہ ہم نیند میں کھوئے رہتے ہیں، ہم مٹی سے بنے ہیں، مگر جب ہم محبت کرتے ہیں تو دیوتا بن جاتے ہیں اور اس طرح پاک ہو جاتے ہیں جیسے پیدائش کے وقت تھے۔۔۔ اب کون آ گیا؟ اسے جہنم میں بھیجو! میرے پاس وقت نہیں!" اس نے آخری جملہ زوردار آواز میں چلا کر لاورشکا سے کہا۔ لاورشکا اس کے پاس آ گیا، وہ بالکل خوفزدہ نہیں ہوا تھا۔

اس نے دینی سوف سے کہا "کون ہو سکتا ہے؟ آپ نے خود ہی تو انہیں بلایا تھا۔ سارجنٹ رقم لینے آیا ہے"

دینی سوف نے تیوریاں چڑھائیں، یوں لگتا تھا جیسے وہ چلا کر کچھ کہنے والا ہے تاہم منہ سے کچھ نہ بولا۔ کچھ توقف کے بعد وہ خود کلامی کے انداز میں بولا "کیا مصیبت ہے" پھر وہ رستوف سے مخاطب ہو کر کہنے لگا "بٹوے میں کتنی رقم بچی ہے؟"

رستوف نے جواب دیا "سونے کے سات نئے اور تین پرانے سکے"

دینی سوف بولا "اوہ، مصیبت" پھر اس نے چلاتے ہوئے لاورشکا سے کہا "تم یہاں کیوں بت بنے کھڑے

ہو؟ جاؤ اور سارجنٹ کو بلا لاؤ!''

رستوف نے شرماتے ہوئے کہا''دینی سوف، براہ مہربانی رقم مجھ سے لے لیں، میرے پاس کافی پیسے ہیں''

دینی سوف نے کہا''مجھے اپنے دوستوں سے ادھار لینا پسند نہیں۔ میں اسے ناپسند کرتا ہوں''

رستوف نے جواباً کہا''اگر آپ نے ایک ساتھی کی طرح مجھ سے رقم نہ لی تو میں ناراض ہو جاؤں گا''

دینی سوف بولا''ارے نہیں'' اور تکیے کے نیچے سے رقم نکالنے کیلئے بستر کی جانب بڑھ گیا۔

اس نے رستوف سے پوچھا''تم نے رقم کہاں رکھی تھی؟''

رستوف بولا''زیریں تکیے کے نیچے''

دینی سوف نے کہا''مگر یہاں تو نہیں ہے''اس نے دونوں تکیے فرش پر پھینک دیے۔ پرس وہاں نہیں تھا۔ اس نے کہا''بڑی عجیب بات ہے''

رستوف نے تکیے اٹھائے اور نہیں جھاڑتے ہوئے کہنے لگا''ٹھہریں، آپ نے اسے نیچے تو نہیں گرا دیا؟''

اس نے لحاف اٹھا کر اسے جھاڑا۔ پرس اب بھی نہ ملا۔

رستوف نے کہا''کیا میں ہی کہیں بھول گیا ہوں؟ نہیں، جہاں تک میرا خیال ہے آپ اسے اپنے سرہانے تلے خفیہ خزانے کی طرح رکھتے تھے۔ میں نے اسے یہیں رکھا تھا۔ یہ کہاں جا سکتا ہے؟''اس نے لاورشکا کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

لاورشکا بولا''میں تو کمرے میں آیا ہی نہیں۔ آپ نے اسے جہاں رکھا تھا یہ وہیں ہوگا''

رستوف نے کہا''مگر یہ وہاں نہیں ہے''

دینی سوف بولا''تم ہمیشہ ایسے ہی کرتے ہو۔ چیزیں ادھر ادھر پھینک دیتے ہو اور پھر بھول جاتے ہو۔ اپنی جیبوں میں دیکھو''

رستوف کہنے لگا''نہیں، اگر خفیہ خزانے کا تصور میرے ذہن میں نہ آتا۔۔۔ لیکن مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے اسے وہیں رکھا تھا''

لاورشکا نے پلنگ کھنگال ڈالا، نیچے بھی جھانک کر دیکھا اور میز تلے بھی نظریں دوڑائیں، پھر اس نے پورا کمرہ چھان مارا اور ہر شے کی تلاشی لینے کے بعد کمرے کے درمیان میں ساکت کھڑا ہو گیا۔ دینی سوف خاموشی سے لاورشکا کی حرکات کا جائزہ لیتا رہا اور جب اس نے جھنجھلا کر ہاتھ اوپر اٹھائے تو دینی سوف نے رستوف کی جانب رخ کر کے کہا''رستوف، کہیں تم نے سکول کے بچوں کی طرح کوئی شرارت تو نہیں کی؟''

رستوف نے دینی سوف کی نگاہیں خود پر گڑی دیکھ کر نظریں اٹھائیں اور پھر جھکا لیں۔ وہ سارا خون جو اسے اپنے گلے میں جمع ہوتا محسوس ہوا تھا، اس کے چہرے اور آنکھوں میں جمع ہو گیا۔ اس کا سانس رکنے لگا۔

لاورشکا نے کہا''کمرے میں آپ اور لیفٹیننٹ کے علاوہ کوئی نہیں آیا۔ بٹوہ یہیں کہیں ہوگا''

دینی سوف اچانک چلاتے ہوئے بولا''شیطان کی اولاد اسے فوری تلاش کرو''اس کا رنگ سرخ ہو گیا اور وہ مکا لہراتا لاورشکا کی جانب بڑھا۔ اس نے کہا''بٹوہ ملنا چاہیئے، ورنہ میں تمہیں پیٹوں گا! میں تم سب کو پیٹوں گا!''

رستوف دینی سوف کی نظروں سے بچ کر اپنے کوٹ کے بٹن بند کرنے لگا۔ پھر اس نے تلوار نیام میں ڈالی اور ٹوپی سر پر رکھ لی۔

دینی سوف نے اردلی کو کندھوں سے پکڑ کر جھنجھوڑا اور اسے دیوار کی جانب دھکیلتے ہوئے کہا''میں تمہیں کہہ رہا ہوں بٹوہ ملنا چاہیئے''

رستوف نگاہیں اٹھائے بغیر دروازے کی جانب بڑھتے ہوئے بولا''دینی سوف، اسے چھوڑ دیں، میں جانتا ہوں یہ کون لے گیا ہے''

دینی سوف رک گیا اور کچھ دیر سوچا، جب اسے رستوف کی بات کے مطلب کا اندازہ ہو گیا تو اس نے اسے بازو سے پکڑ لیا اور کہا''فضول بات''وہ اس قدر زور سے غرایا کہ اس کی گردن اور پیشانی کی رگیں رسیوں کی طرح نمایاں ہو گئیں۔ اس نے کہا''میرا خیال ہے تمہارا دماغ پھر گیا ہے، میں اس کی اجازت نہیں دوں گا۔ بٹوہ یہیں ہے۔ میں اس لفنگے کی کھال اتار دوں گا، پھر یہ خود بخود مل جائے گا۔

رستوف نے دروازے کی جانب بڑھتے ہوئے لڑکھڑاتی زبان سے اپنی بات دہراتے ہوئے کہا''میں جانتا ہوں یہ کون لے گیا ہے''

دینی سوف کیڈٹ کو روکنے کیلئے اس کی طرف بھاگتے ہوئے چلایا''اور میں تمہیں کہتا ہوں ایسی حرکت نہ کرنا''مگر رستوف نے جھٹکے سے بازو چھڑا لیا اور دین سوف کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر یوں دیکھنے لگا جیسے وہ اس کا سب سے بڑا دشمن ہو۔

رستوف نے کانپتی آواز میں کہا''آپ کو اندازہ ہے کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ میرے سوا یہاں کوئی نہیں آیا، اور اگر میں نہیں تو پھر۔۔۔''

وہ اپنی بات مکمل نہ کر سکا اور بھاگ کر کمرے سے نکل گیا۔ اسے دینی سوف کے آخری الفاظ سنائی دیے جو کہہ رہا تھا''ارے تم سب کا بیڑہ غرق''

رستوف تلیانن کی رہائشگاہ پر چلا گیا۔

تلیانن کے اردلی نے اسے بتایا''آقا گھر پر نہیں، وہ دفتر گئے ہیں''رستوف کا پریشان چہرہ دیکھ کر اس نے پوچھا''کچھ ہو گیا ہے؟''

رستوف نے جواب دیا''نہیں، کچھ نہیں''

اردلی نے کہا''آپ کو تھوڑی سی دیر ہو گئی اور وہ نکل گئے''

سٹاف کے کوارٹر سالزے نیک سے ڈھائی میل دور تھے۔ اسے گھر پر نہ پا کر رستوف نے گھوڑا پکڑا اور سٹاف کوارٹرز کی جانب چل دیا۔ گاؤں میں جہاں سٹاف قیام پذیر تھا، ایک ریستوران بنا تھا جہاں افسر اکثر و بیشتر آتے تھے۔ رستوف ریستوران کے قریب پہنچا تو اسے تلیانن کا گھوڑا نظر آ گیا۔ دوسرے کمرے میں لیفٹیننٹ شراب کی بوتل اور تلا ہوا گوشت لے کر بیٹھا تھا۔ رستوف کو دیکھ کر وہ مسکرایا اور بھنویں اٹھا کر بولا''ارے نوجوان، تم یہاں بھی پہنچ گئے''

رستوف نے جواباً کہا''ہاں''اس کے لہجے سے ظاہر ہوتا تھا جیسے اس نے بمشکل یہ لفظ ادا کیا ہو اور قریبی میز پر بیٹھ گیا۔

دونوں خاموش تھے۔ کمرے میں ان کے علاوہ دو جرمن اور ایک روسی افسر بھی موجود تھا۔ ہر شخص خاموش بیٹھا تھا اور کمرے میں صرف چھری کانٹوں کے کھنکنانے اور لیفٹیننٹ کے چبانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ تلیانن نے کھانا ختم کرنے کے بعد جیب سے ڈبل بٹوہ نکالا، اپنی چھوٹی اور ٹیڑھی میڑھی انگلیوں سے ایک طلائی سکہ نکال کر بھنویں

اوپر اٹھائیں اور اسے بیرے کے حوالے کر دیا۔

اس نے بیرے سے کہا "ذرا جلدی کرنا"

سکہ نیا تھا۔ رستوف اٹھ کھڑا ہوا اور تلیانن کے پاس پہنچ گیا۔

اس نے مدھم آواز میں جو بمشکل سنائی دیتی تھی، تلیانن سے کہا "ذرا مجھے بٹوہ دکھانا"

تلیانن کے ابرو ابھی تک اوپر اٹھے ہوئے تھے، اس نے رستوف کی طرف دیکھا اور پرس اسے تھماتے ہوئے بولا "عمدہ بٹوہ ہے ناں۔۔۔ ہاں۔۔۔" اچانک اس کا رنگ فق ہو گیا اور وہ کہنے لگا "نوجوان تم اسے دیکھ سکتے ہو"

رستوف نے بٹوہ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور پہلے اسے، پھر اس میں موجود رقم اور پھر تلیانن کی جانب دیکھنے لگا۔ لیفٹیننٹ کی نظریں حسب معمول ادھر ادھر بھٹک رہی تھیں اور پھر اس کا لہجہ اچانک خوشگوار ہو گیا۔ وہ رستوف سے کہنے لگا "اگر ہم ویانا گئے تو میں وہاں سب کچھ خرچ کر دوں گا مگر ان چھوٹی جگہوں میں ایک بھی شے ایسی نہیں جس پر رقم خرچ کی جا سکے، لاؤ نوجوان، میں واپس جا رہا ہوں"

رستوف کچھ نہ بولا۔

تلیانن کہنے لگا "اور تمہارا کیا ارادہ ہے؟ کھانا کھاؤ گے؟ یہاں کا کھانا بہت اچھا ہوتا ہے، لاؤ یہ مجھے دو"

پھر اس نے ہاتھ بڑھایا اور بٹوہ پکڑ لیا۔ رستوف نے بٹوہ چھوڑ دیا۔ تلیانن نے پرس لے لیا اور اسے لاپروائی سے اپنی جیب میں ڈالنے لگا، اس کے ابرو اوپر اٹھے تھے اور منہ اس طرح کھلا تھا جیسے کہہ رہا ہو "ہاں ہاں، میں اپنا بٹوہ اپنی جیب میں ڈال رہا ہوں، یہ سادہ سا معاملہ ہے اور کسی کو اس سے سروکار نہیں ہونا چاہیے۔

پھر اس نے آہ بھری اپنے ابروؤں کے نیچے سے رستوف کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا "اچھا نوجوان" اس کی آنکھوں سے برقی شعلے جیسی چنگاری نکل کر رستوف کی آنکھوں کی جانب لپکی، واپس آئی اور پھر لپکی، ایک ثانیے میں ایسا کئی مرتبہ ہوا۔

رستوف نے تلیانن کو بازو سے پکڑا اور بولا "ادھر آؤ" پھر وہ اسے تقریباً گھسیٹتا ہوا کھڑکی کے پاس لے گیا اور سرگوشی کے انداز میں اس کے کان میں کہا "یہ دینی سوف کی رقم ہے جو تم اڑا لائے ہو۔۔۔"

تلیانن بولا "کیا؟۔۔۔ کیا؟۔۔۔ تمہیں یہ جرات کیسے ہوئی؟ کیا؟" تاہم اس کے الفاظ دردناک، مایوسانہ اور معافی کی بھیک مانگتے معلوم ہوتے تھے۔ جونہی رستوف نے اس کی آواز سنی، اس کے سینے سے بھاری بوجھ ہٹ گیا۔ اس نے دل میں خوشی محسوس کی اور ساتھ ساتھ اسے اپنے سامنے کھڑے اس بدقسمت شخص پر ترس بھی آنے لگا، تاہم وہ معاملے کو انجام تک پہنچانا چاہتا تھا۔

تلیانن نے جلدی سے ٹوپی اٹھائی اور ایک چھوٹے سے خالی کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے بڑبڑایا "خدا جانے، لوگ یہاں کیا سوچیں گے، تمہیں اس حرکات کی وضاحت کرنا ہوگی۔۔۔"

رستوف نے کہا "میں جانتا ہوں اور ثابت کروں گا"

تلیانن نے کچھ کہنا چاہا مگر اس کے منہ سے صرف لفظ "میں" برآمد ہوا۔ اس کے خوفزدہ سفید چہرے کی ہر رگ کانپنے لگی، اس کی نگاہیں رستوف کے چہرے پر مرکوز ہونے کی بجائے نیچے جھکی ادھر ادھر بھٹک رہی تھیں اور اشکبار سسکی بھی سنی جا سکتی تھی۔

وہ بولا "نواب!۔۔۔ ایک نوجوان کو تباہ مت کرو۔۔۔ یہ لو گھٹیا رقم، اٹھا لو۔۔۔" اس نے رقم میز پر پھینکتے

ہوئے کہا "میرے بوڑھے ماں باپ ہیں!۔۔۔"

رستوف نے رقم اٹھالی اور تلیانن کی جانب دیکھے بغیر کمرے سے باہر چل دیا۔ دروازے میں پہنچ کر وہ رکا اور پیچھے مڑ کر بولا "میرے خدا! تم نے یہ کیسے کیا؟" اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

تلیانن اس کے قریب آیا اور کہا "نواب۔۔۔"

رستوف نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا "مجھے مت چھوؤ، اگر تمہیں رقم کی ضرورت ہے تو یہ لو"

اس نے بٹوہ اس کی جانب پھینکا اور ریستوران سے باہر بھاگ گیا۔

(5)

اسی شام دینی سوف کے مکان پر سکواڈرن کے کچھ افسروں کے مابین گرما گرم بحث ہو رہی تھی۔ سٹاف سے تعلق رکھنے والا ایک دراز قد کپتان رستوف سے جو کہ جوش و خروش سے سرخ ہو رہا تھا، مخاطب ہو کر کہہ رہا تھا "مگر رستوف، میں یہ واضح کر دوں کہ تمہیں کرنل سے ہر صورت معذرت کرنا ہوگی۔ کھچڑی بالوں، بھاری مونچھوں، موٹے نقوش اور جھریاں زدہ چہرے کے مالک کرسٹن کو اپنی انا کے باعث دو مرتبہ تنزلی کا سامنا کرنا پڑا اور دونوں مرتبہ اسے بحال کر دیا گیا تھا۔

رستوف نے چلا کر جواب دیا "میں کسی کو یہ اجازت نہیں دے سکتا کہ وہ مجھے جھوٹا کہے! انہوں نے مجھے کہا کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں اور میں نے ان سے کہا کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ معاملہ یہاں ختم ہو گیا۔ وہ ہر روز میری ڈیوٹی لگا سکتے ہیں اور گرفتار بھی کر سکتے ہیں مگر کوئی مجھے معافی مانگنے پر مجبور نہیں کر سکتا، کیونکہ اگر وہ رجمنٹ کمانڈر کی حیثیت سے مجھے مطمئن کرنا کسر شان سمجھتے ہیں تو پھر۔۔۔"

کپتان کرسٹن نے پرسکون انداز میں اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے مدھم لہجے میں اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا "ذرا ٹھہرو، میرے اچھے دوست، میری بات سنو تم نے دوسرے افسروں کی موجودگی میں کرنل کو بتایا کہ ایک افسر نے چوری کی ہے۔۔۔"

رستوف بولا "گفتگو دوسرے افسروں کی موجودگی میں شروع ہوئی اور اس میں میرا قصور نہیں۔ شاید مجھے ان کے سامنے بات نہیں کرنا چاہیے تھی مگر میں کوئی سفارتکار نہیں ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میں ہوزاروں میں بھرتی ہوا۔ میرا خیال تھا کہ یہاں موشگافیوں کی ضرورت پیش نہیں آئے گی اور وہ کہتے ہیں کہ میں جھوٹا ہوں۔۔۔ انہیں میری تشفی کرنی چاہیے"

کرسٹن کہنے لگا "سب ٹھیک ہے، کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ تم بزدل ہو مگر مسئلہ یہ نہیں ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ رجمنٹ کمانڈر ایک کیڈٹ سے معذرت کرے، بے شک دینی سوف سے پوچھ لو"

دینی سوف جو اپنی مونچھ چبا رہا تھا، اس بحث میں حصہ نہیں لینا چاہتا تھا، کرسٹن کے سوال پر اس نے سر کو نفی میں جنبش دی۔

کرسٹن نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا "تم نے دوسرے افسروں کی موجودگی میں اسے ناگوار واقعے کا ذکر کیا اور باگدانچ (رجمنٹ کمانڈر کا نام) نے تمہیں چپ کرا دیا۔۔۔"

رستوف نے جواب دیا "نہیں انہوں نے مجھے چپ نہیں کرایا بلکہ یہ کہا میں سچ نہیں بول رہا"

کرسٹ نے کہا "ٹھیک ہے، تم ان سے فضول باتیں کرتے رہے، تمہیں ہر صورت معذرت کرنا ہوگی"

رستوف چلایا" ہرگز نہیں"

کرسٹن سنجیدہ اور سخت الفاظ میں بولا" مجھے تم سے قطعاً یہ امید نہ تھی۔ تم معذرت نہیں کر رہے مگر میرے اچھے دوست تم صرف ان کے سامنے نہیں بلکہ تمام رجمنٹ اور ہم سب کے سامنے قصوروار ہو۔ ادھر دیکھو، تمہیں چاہئیے تھا کہ غور کرتے اور معاملے سے نپٹنے کیلئے کسی سے صلاح مشورہ کرتے مگر تم سیدھا افسروں کے پاس چلے گئے اور انہیں سب کچھ بتا دیا۔ پھر کرنل کیا کرتے؟ کیا وہ افسر کیخلاف کارروائی کرتے اور پوری رجمنٹ کی عزت خاک میں ملا دیتے؟ ایک لفنگے کی وجہ سے پوری رجمنٹ کو بدنامی کی نذر کر دیتے؟ اگر تمہاری یہی سوچ ہے تو ہوگی۔ ہم اس طرح نہیں سوچتے اور باگدانچ نے یہ کہہ کر بالکل ٹھیک کیا کہ تم سچ نہیں بول رہے۔ اگرچہ یہ خوشگوار امر نہیں مگر اس کے سوا چارہ بھی کیا تھا؟ تم نے خود مصیبت کو دعوت دی، اور اب جبکہ وہ معاملہ دبانے کی کوشش کر رہے ہیں تو تم جھکنے کو تیار نہیں اور کہتے ہو کہ میں معذرت نہیں کروں گا اور داستان ہر ایک کو سناؤں گا۔ تم ڈیوٹی ملنے پر توہین محسوس کر رہے ہو مگر ایک بزرگ اور قابل احترام افسر سے معذرت کر لو تو تمہارا کیا بگڑ جائے گا۔ باگدانچ میں خواہ کتنی ہی خامیاں ہوں، بہر حال وہ قابل احترام اور دلیر کمانڈر ہے۔ تم اس پر ناراض ہو مگر پوری رجمنٹ کی توہین تمہارے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتی" اتنا کہہ کر کپتان کرسٹن کی آواز کانپنے لگی، تاہم وہ بات جاری رکھتے ہوئے بولا" تمہیں رجمنٹ میں آئے زیادہ وقت نہیں ہوا، آج تم یہاں ہو کل ایجوٹنٹ بن کر کہیں اور چلے جاؤ گے، کل کلاں لوگوں نے یہ کہا کہ پاؤلوگراد رجمنٹ کے افسروں میں چور بھی موجود ہیں تو تمہیں کوئی فرق نہیں پڑے گا مگر ہمیں یہ بات بیحد محسوس ہوگی، کیوں دینی سوف؟ ہوگی کہ نہیں؟

دینی سوف خاموش رہا اور اپنی جگہ سے نہ ہلا، وقتاً فوقتاً اس کی چمکدار آنکھیں رستوف کا جائزہ لیتی رہیں۔

کرسٹن نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا" تمہیں اپنی انا عزیز ہے اور تم معذرت نہیں کرنا چاہتے مگر ہم بوڑھوں کو جو اسی رجمنٹ میں پلے بڑھے ہیں اور خدا نے چاہا تو اسی میں رہتے ہوئے جان دیں گے، اس کا وقار عزیز ہے۔ باگدانچ یہ بات جانتا ہے۔ آہ، یہ ہمیں کس قدر عزیز ہے اگر تم غلطی پر ہو، تم غلطی پر ہو! تم برا مناؤ یا نہیں تاہم میں سچی بات کہوں گا کہ تم غلطی پر ہو!"

بات مکمل کر کے کرسٹن اٹھ کھڑا ہوا اور منہ دوسری جانب پھیر لیا۔

دینی سوف اچھل کھڑا ہوا اور چلا کر بولا" وہ ٹھیک کہہ رہا ہے، لعنت بھیجو! جانے دو رستوف، چھوڑو، جانے دو"

رستوف کے چہرے کی رنگت سرخ اور زرد ہو رہی تھی، اس نے پہلے ایک اور پھر دوسرے افسر کی جانب دیکھا اور کہنے لگا" نہیں دوستو، نہیں۔۔۔ آپ ایسا مت سوچیں۔۔۔ میں اچھی طرح سمجھ گیا ہوں، آپ نے میرے بارے میں غلط اندازہ لگایا۔۔۔ میں۔۔۔ میرے لیے۔۔۔ رجمنٹ کا وقار۔۔۔ مگر باتیں بنانے سے کیا فائدہ؟ میں اپنے عمل سے ثابت کروں گا اور میرے لیے رجمنٹ کی عزت اور وقار۔۔۔ ٹھیک ہے، کوئی بات نہیں، یہ سچ ہے، میں ہی قصوروار ہوں!" یہ بات کہتے ہوئے رستوف کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور وہ بولا" میں غلطی پر ہوں، سراسر میرا قصور ہے، ٹھیک ہے، اور آپ کیا چاہتے ہیں؟۔۔۔"

کرسٹن رستوف کی جانب مڑا اور اس کے کندھے پر اپنے بھاری ہاتھ سے تھپکی دیتے ہوئے باآواز بلند کہا" ہاں نواب، یہ ہوئی ناں بات"

دینی سوف چلا کر بولا" میں بتاتا ہوں، یہ بہت اچھا شخص ہے"

کرسٹن نے ایک مرتبہ پھر اسے نواب کہہ کر مخاطب کرتے ہوئے کہا" یہ اور بھی اچھا ہوا، جاؤ اور معذرت

کر لو" یوں لگتا تھا جیسے وہ رستوف کے اعتراف پر صاد کر رہا ہو"

رستوف نے ملتجیانہ لہجے میں احتجاج کرتے ہوئے کہا" دوستو میں سب کچھ کروں گا، کوئی میری زبان سے ایک لفظ بھی نہیں سنے گا، مگر میں معافی نہیں مانگ سکتا، خدا کی قسم نہیں مانگ سکتا، آپ جو چاہیں کہیں! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں چھوٹے لڑکے کی طرح جا کر معافی مانگ لوں!"

دینی سوف ہنس دیا۔

کرسٹن بولا" اگر تم نے ایسا نہ کیا تو یہ تمہارے لیے اور بھی برا ہوگا۔ باگدانچ یہ کبھی نہیں بھولے گا اور تمہیں اس ہٹ دھرمی کی سزا دے گا"

رستوف نے جواب دیا" خدا کی قسم یہ ہٹ دھرمی نہیں! میں نے جو کچھ محسوس کیا اسے بیان کرنے سے قاصر ہوں، میں اسے بیان نہیں کر سکتا"

کرسٹن نے کہا" ٹھیک ہے، جیسے تمہاری مرضی" پھر وہ دینی سوف سے مخاطب ہو کر بولا" اور وہ بدذات کہاں گیا؟"

دینی سوف نے جواباً کہا" اس نے بیماری کے باعث رخصت مانگی ہے اور کل اس کی ڈیوٹی بھی نہیں"

کرسٹن نے کہا" بیماری کے علاوہ کوئی اور بہانہ ہو بھی نہیں سکتا"

دینی سوف خونخوار انداز میں چلا کر بولا" وہ بیمار ہے یا نہیں، اس کیلئے یہی بہتر ہوگا کہ میرے سامنے نہ آئے۔۔۔ میں اسے ہلاک کر دوں گا"

اسی دوران زرکوف کمرے میں داخل ہوا۔ تمام افسر بیک زبان بولے" آپ یہاں کیسے؟"

زرکوف نے جواب دیا" ہم محاذ پر جا رہے ہیں دوستو، میک اپنی پوری فوج سمیت ہتھیار ڈال چکا ہے"

"جھوٹ" بیک وقت کئی آوازیں ابھریں۔

زرکوف نے کہا" میں نے اسے خود دیکھا ہے"

کسی نے پوچھا" کیا؟ آپ نے زندہ میک کو دیکھا ہے، ٹانگوں اور بازوؤں سمیت؟"

دوسرے نے چلا کر کہا" محاذ کی طرف! محاذ کی طرف! اس خبر پر تو انہیں پوری بوتل پلانی چاہیے۔ مگر آپ یہاں کیسے آئے؟"

زرکوف نے جواب دیا" اس شیطان میک کی وجہ سے مجھے دوبارہ رجمنٹ میں بھیج دیا گیا ہے۔ آسٹروی جرنیل نے میری شکایت کر دی تھی۔ میں نے میک کی آمد پر اسے مبارکباد دی۔۔۔ یہ کیا رستوف، یوں لگتا ہے تم ابھی ابھی کھولتے پانی سے نہا کر آئے ہو"

ایک شخص نے جواباً کہا" دوست ہم گزشتہ دو روز سے عجیب مصیبت میں پھنسے ہوئے ہیں"

رجمنٹ کا ایجوٹنٹ اندر آیا اور زرکوف کی خبر کی تصدیق کر دی۔ انہیں اگلے دن کوچ کا حکم ملا تھا۔ حکم سن کر افسر خوشی سے بولے" دوستو، ہم محاذ پر جا رہے ہیں، خدا کا شکر ہے"

(6)

کوتوزوف ویانا کو واپس چل پڑا اور اس نے اپنے پیچھے دریائے ان پر براؤناؤ اور دریائے تراؤن پر لنز کے

مقامات پر پل تباہ کر دیے۔ 23 اکتوبر کو روسی فوجیں دریائے انِس عبور کر رہی تھیں۔ دوپہر کے وقت روسیوں کی مال بردار گاڑیاں، توپخانہ اور فوجی دستے پل کی دونوں جانب انِس کے قصبے میں پھیلے ہوئے تھے۔ یہ خزاں کا گرم دن تھا اور بارش ہو رہی تھی۔ پہاڑیوں سے اردگرد کا منظر صاف دکھائی دے رہا تھا جہاں پل کی حفاظت کیلئے روسی توپخانہ متعین کر دیا گیا تھا۔ کبھی کبھار آڑی ترچھی بارش کے باعث ماحول پر ململ کے پردے کی طرح باریک چادر سی تن جاتی اور پھر اچانک مطلع صاف ہو جاتا تو دور کی اشیاء یوں واضح دکھائی دینے لگتیں جیسے ان پر تازہ تازہ رنگ کیا گیا ہو۔ نیچے چھوٹا سا قصبہ اپنے سرخ چھتوں والے سفید مکانات، گرجے اور پل سمیت دکھائی دے رہا تھا جس کی دونوں اطراف روسی فوجوں کے جتھے موجود تھے۔ دریائے ڈینیوب کے موڑ پر بحری جہاز، ایک جزیرہ اور قلعہ دیکھے جا سکتے تھے۔ اس قلعے میں ایک سبزہ زار بھی تھا جو دریائے ڈینیوب اور انِس کے پانیوں میں گھرا ہوا تھا۔ ڈینیوب کا بایاں ڈھلانی کنارہ صنوبر کے جنگلات سے ڈھکا تھا جس سے آگے سبز پہاڑی چوٹیوں اور نیلگوں وادیوں کا پراسرار پس منظر تھا۔ صنوبر کے جنگلات کے عقب میں انسانی دست برد سے محفوظ ایک خود رو جنگل تھا جس میں راہبوں کی کسی خانقاہ کے بلند و بالا مینار ابھرے ہوئے تھے اور دریائے انِس کی دوسری جانب پہاڑی پر دشمن کے گشتی سپاہی دیکھے جا سکتے تھے۔

عقبی دستوں کی کمان کرنے والا جرنیل پہاڑی پر نصب توپوں کے درمیان ایک سٹاف افسر کے ساتھ کھڑا دوربین کی مدد سے علاقے کا جائزہ لے رہا تھا۔ ان سے کچھ پیچھے ایک توپ کے پچھلے حصے پر نیسوتسکی بیٹھا تھا جسے کمانڈر انچیف نے عقبی دستوں میں بھیج دیا تھا۔ نیسوتسکی کے ساتھ آنے والے قازق ملازم نے اسے تھیلا اور صراحی پیش کی اور وہ پیسٹریوں اور اصلی شراب سے ان کی خاطر مدارت کرنے لگا۔ افسر اس کے گرد اکٹھے ہو گئے۔ ان میں سے کچھ گھٹنوں کے بل بیٹھے تھے اور بعض نے گیلی گھاس پر ترکوں کے انداز میں آلتی پالتی مار رکھی تھی۔

نیسوتسکی بولا "ہونہہ، آسٹروی شہزادے میں کچھ عقل تھی تو اس نے یہاں قلعہ تعمیر کرایا۔ یہ بیحد شاندار جگہ ہے۔ دوستو، آپ کھا کیوں نہیں رہے؟"

ایک افسر بولا "شہزادے، آپ کا بیحد شکریہ، یہ خوبصورت جگہ ہے۔ ہم پارک کے بالکل قریب سے گزرے تھے اور ہمیں وہاں دو ہرن بھی نظر آئے، یہ کس قدر شاندار قلعہ ہے" یہ افسر اسی پر خوش تھا کہ اسے ایک اہم سٹاف افسر سے بات چیت کا موقع مل رہا ہے۔

ایک اور افسر نے کہا "دیکھیں شہزادے، ہماری پیادہ فوج وہاں پہنچ چکی ہے۔ وہ ادھر، گاؤں کے پیچھے چراگاہ کے قریب ہمارے تین فوجی کوئی چیز گھسیٹ رہے ہیں۔ وہ عمدگی سے یہ جگہ صاف کر دیں گے" اس افسر کا دل تو بہت چاہتا تھا کہ ایک اور پیسٹری کھائے مگر اسے ایسا کرتے ہوئے شرم محسوس ہو رہی تھی چنانچہ وہ یوں ظاہر کر رہا تھا جیسے اردگرد کا غور سے جائزہ لے رہا ہو۔

نیسوتسکی نے جواب دیا "بے شک، بے شک" پھر وہ اپنے گیلے اور خوش نما ہونٹوں میں پیسٹری چباتے ہوئے خانقاہ کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا "میں چاہتا ہوں کہ کسی نہ کسی طرح وہاں پہنچ جاؤں" وہ مسکرایا، اس کی آنکھیں سکڑ گئیں اور جھلملانے لگیں۔ اس نے کہا "ہاں دوستو واقعی بہت مزا آئے گا" تمام افسر ہنس دیے۔ نیسوتسکی نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا "کم از کم ان راہباؤں کو تو ڈرایا جا سکتا ہے، سنا ہے ان میں چند اطالوی لڑکیاں بھی ہیں۔ یقین مانیں میں اپنی زندگی کے پانچ برس ان کی نذر کر دوں گا"

ایک افسر جو دوسروں کی نسبت زیادہ جرات مند تھا، کہنے لگا "وہ خود بھی بیحد بور ہو رہی ہوں گی" اسی دوران

سامنے کھڑے سٹاف افسر نے اشارے سے جرنیل کی توجہ کسی شے کی جانب دلائی، جرنیل نے دوربین کی مدد سے اس جانب دیکھا اور کندھے اچکا کر بولا "ہاں ایسا ہی ہے، ایسا ہی ہے" اس نے دوربین آنکھوں سے ہٹائی اور بات جاری رکھتے ہوئے کہا "وہ انہیں دریا کے پل پر فائرنگ کی زد میں لینا چاہتے ہیں۔ لیکن وہ وہاں وقت کیوں ضائع کر رہے ہیں؟"

اس جانب ننگی آنکھ سے بھی دشمن اور اس کی توپیں دیکھی جا سکتی تھیں جہاں سفید دودھیا دھواں بلند ہو رہا تھا۔ دھوئیں کے ساتھ ہی گولی چلنے کی آواز سنائی دی اور ہمارے فوجی پل کی جانب بھاگتے دکھائی دیے۔ نیسوتسکی ہانپتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا اور مسکراتا ہوا جرنیل کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے جرنیل سے پوچھا "جناب عالی! کیا کچھ کھانا پسند کریں گے؟"

جرنیل اس کی بات کا جواب دینے کی بجائے بولا "یہ بہت برا ہوا، ہمارے جوان کچھ زیادہ ہی سست ہیں"

نیسوتسکی نے کہا "جناب، کیا میں وہاں جا سکتا ہوں؟"

جرنیل نے جواب دیا "ہاں جاؤ، مہربانی ہوگی" پھر اس نے پہلے ہی سے تفصیلاً جاری کردہ حکم دہراتے ہوئے کہا "ہوزاروں سے کہنا کہ وہ سب سے آخر میں دریا عبور کریں گے اور جیسا کہ میں حکم دے چکا ہوں پل کو آگ بھی لگانی ہے اور پل پر آتشگیر مادے کا بھی دوبارہ معائنہ کرنا ہے"

نیسوتسکی نے جواب دیا "بہت اچھا" پھر اس نے قازق کو اپنا گھوڑا لانے کا حکم دیا اور ساتھ ہی اسے صراحی اور تھیلا اٹھانے کی بھی ہدایت کی، اگرچہ اس کا جسم خاصا بھاری تھا تاہم وہ پھرتی سے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

اس نے مسکراتے افسروں کو دیکھ کر کہا "یقین کریں میں راہباؤں سے ملنے جا رہا ہوں" یہ کہہ کر وہ ٹیڑھے میڑھے پہاڑی راستے پر چل دیا۔

جرنیل نے توپخانے کے افسر سے مخاطب ہو کر کہا "کپتان، آؤ ذرا ان توپوں کو آزما ہی لیں کہ یہ کہاں تک مار کرتی ہیں، وقت گزاری کیلئے کچھ تفریح بھی ہو جائے گی"

افسر نے حکم دیا "تمام لوگ توپوں پر پہنچ جائیں" ایک لمحے میں توپچی سرخوشی کے عالم میں پڑاؤ کے الاؤوں سے توپوں کے پاس پہنچ گئے اور بھاری توپوں میں گولے بھرنے لگے۔

"نمبر ایک!" حکم سنائی دیا۔ نمبر ایک نے تیزی سے ایک جانب چھلانگ لگا دی۔ توپ چلی تو کان پھاڑ دینے والی آواز سنائی دی اور ایک گولہ پہاڑی کے نیچے موجود ہمارے جوانوں کے سروں کے اوپر سے ہوتا ہوا دشمن کی صفوں سے خاصا پہلے ہی گر گیا۔ دھوئیں کا مرغولہ بلند ہوا جس سے نشاندہی ہو گئی کہ گولہ کہاں گرا اور پھٹا تھا۔

توپ کی آواز سن کر سپاہیوں اور افسروں کے چہرے کھل اٹھے۔ ہر شخص اٹھ کھڑا ہوا اور نیچے اپنے فوجیوں جو صاف دکھائی دے رہے تھے اور آگے بڑھتے دشمن کی حرکات و سکنات کا جائزہ لینے لگا۔ اسی دوران بادلوں کی اوٹ سے سورج پوری آب و تاب سے نکل آیا اور توپ کی واحد پرشکوہ آواز درخشندہ دھوپ سے یوں ملی کہ تمام فضا پر شگفتگی طاری ہو گئی۔

(7)

دشمن کی توپوں کے دو گولے پل پر فوجیوں کے جم غفیر کے اوپر سے گزرتے ہوئے دوسری جانب

گزر گئے۔ نیسوتسکی پل کے وسط میں کھڑا تھا۔ وہ گھوڑے سے اتر چکا تھا اور اس کا بھاری بھرکم جسم بھیڑ اور پل کے جنگلے کے درمیان پھنسا ہوا تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے پیچھے مڑ کر اپنے قازق کی جانب دیکھا جو دو گھوڑوں کی لگامیں تھامے اس سے کئی قدم دور کھڑا تھا۔ جونہی نیسوتسکی آگے بڑھنے کی کوشش کرتا، آگے بڑھتے سپاہیوں اور گاڑیوں کا ریلا اسے پیچھے دھکیل دیتا اور وہ دوبارہ جنگلے کے ساتھ جا لگتا۔ اس صورتحال میں وہ مسکرانے کے سوا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

''بیٹا ذرا دھیان سے۔۔۔'' قازق نے چلا کر ایک گاڑی بان سپاہی سے کہا جو اپنی گاڑی کے پہیوں اور گھوڑوں سے ٹکرانے والے سپاہیوں کے بیچوں بیچ گزرنے کی تگ و دو کر رہا تھا۔ قازق اسے کہنے لگا ''کیسے آدمی ہو؟ ذرا صبر نہیں کر سکتے، دیکھتے نہیں کہ جرنیل گزرنا چاہتے ہیں''

مگر اس سپاہی پر ''جرنیل'' کا کوئی اثر نہ ہوا اور وہ اپنے راستے میں حائل فوجیوں کو بدستور چلا چلا کر کہہ رہا تھا ''ہٹو، دوستو ذرا بائیں ہو جاؤ، ذرا ٹھہرو'' لیکن یہ ''دوست'' کندھوں سے کندھے ٹکراتے، اور سنگینوں میں سنگینیں پھنسائے جتھوں کی صورت میں پل پر آگے بڑھے چلے جا رہے تھے۔ شہزادہ نیسوتسکی جنگلے پر جھکا دریائے انس کی پرشور اور تیز رفتار مگر پایاب موجوں کو پل کے ستونوں سے ٹکراتے اور بھنور بناتے دیکھ رہا تھا۔ اس نے پل پر دیکھا تو اسے سپاہیوں کی جیتی جاگتی موجیں دکھائی دیں جو فوجیوں، جھالردار رسیوں، تھیلوں، سنگینوں، لمبی بندوقوں اور مخروطی ٹوپیوں کے نیچے چوڑے جبڑوں، پچکے گالوں، بے رونق چہروں اور کیچڑ میں لتھڑی ٹانگوں پر مشتمل تھیں جنہوں نے پل کے تختوں کو چھپا رکھا تھا۔

بعض اوقات دریا کی لہروں پر سفید جھاگ کے گالے نمودار ہو جاتے اور اسی طرح پل پر سپاہیوں کی بے کیف لہروں کے درمیان فوجی کوٹ میں ملبوس کوئی افسر راستہ بناتا آ نکلتا جس کا چہرہ عام سپاہیوں سے مختلف ہوتا تھا۔ بعض اوقات دریا کی سطح پر تیرتے لکڑی کے کسی ٹکڑے کی طرح پل پر کوئی پیدل ہوزار، کوئی اردلی یا شہر کا کوئی باشندہ پیادہ سپاہ کی لہروں کے ساتھ بہتا گزر جاتا۔ پھر جیسے کوئی چوبی شہتیر دریا کی سطح پر تیرتا گزر جاتا ہے اسی طرح پل پر سامان سے لدی اور چمڑے سے ڈھکی کوئی گاڑی چاروں اطراف سے ہجوم میں گھری نمودار ہوتی اور پل پر کھسکتی چلی جاتی۔

قازق جو ناامیدی کے عالم میں کھڑا تھا، کہنے لگا ''یوں لگتا ہے جیسے دریا کا بند ٹوٹ گیا ہو، ابھی اور کتنے آئیں گے؟''

پھٹا پرانا کوٹ پہنے ایک خوش مزاج سپاہی اس کے قریب سے گزرا اور آنکھ مار کر بولا ''ایک کم دس لاکھ'' اور نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اس کے پیچھے پیچھے ایک اور سپاہی آ رہا تھا جو نسبتاً عمر رسیدہ تھا۔ اس نے افسردہ لہجے میں اپنے ساتھی سے کہا ''اگر اس (اس سے مراد دشمن تھا) نے پل پر بمباری شروع کر دی تو تمہیں جسم کھجانے کا بھی وقت نہ ملے گا'' اس کے عقب میں گاڑی پر سوار ایک اور سپاہی چلا آ رہا تھا۔ اس کے عقب میں بھاگتے ایک اردلی نے گاڑی کے پچھلے حصے میں سامان کو الٹتے پلٹتے ہوئے چلا کر پوچھا ''ارے شیطان یہ ٹانگوں کی پٹیاں کہاں گھسیڑ رکھی ہیں؟'' گاڑی کے ساتھ یہ دونوں بھی گزر گئے۔

اس کے بعد سپاہیوں کا ایک گروہ گزرا۔ یہ سب ترنگ میں تھے اور صاف دکھائی دیتا تھا کہ انہوں نے ڈٹ کر شراب پی رکھی ہے۔ ان میں سے ایک بازو لہرا کر مسرت کے عالم میں کہہ رہا تھا'' پھر اس نے کیا کیا کہ اپنی بندوق اٹھا کر بٹ اس کے دانتوں میں گھسیڑ دیا''

دوسرے نے قہقہہ لگا کر جواب دیا ''ران کا گوشت کس قدر مزیدار تھا''۔۔۔ یہ بھی گزر گئے اور نیسوتسکی کو یہ

معلوم نہ ہو سکا کہ بندوق کا بٹ کس کے دانتوں میں گھسیڑا گیا تھا اور اس کے ساتھ ران کے گوشت کا کیا تعلق تھا۔

نچلے درجے کا ایک افسر غصیلے اور ملامت آمیز انداز میں بولا ''کتنی جلدی ہے انہیں، اگر اس نے ایک گولی بھی چلا دی تو یہی خیال آئے گا کہ سب ہلاک ہو گئے ہیں''

بڑے منہ والا ایک نوجوان سپاہی کہہ رہا تھا ''چچا، جب گولی میرے قریب سے سنسناتی گزری تو میں گویا سن ہو کر رہ گیا۔ واقعی میرے ساتھ ایسا ہی ہوا، روح فنا ہو گئی'' اس کیلئے اپنی ہنسی پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے اپنی خوف پر شیخی بگھار رہا ہو۔

وہ بھی گزر گیا۔ اس کے پیچھے ایک گھوڑا گاڑی آ رہی تھی جو پہلے گزرنے والی گاڑیوں سے مختلف تھی۔ یہ جرمن چھکڑا تھا جسے دو گھوڑے کھینچ رہے تھے۔ اس پر سامان لدا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے گھر کا تمام سازوسامان اس پر رکھ دیا گیا ہو۔ گھوڑوں کو ایک جرمن ہانک رہا تھا اور عقب میں بھاری تھنوں والی ایک خوبصورت چتکبری گائے بندھی چلی آ رہی تھی۔ سامان کے اوپر پروں والے بستر پر ایک عورت جس کی گود میں بچہ تھا، ایک بڑھیا اور گلابی گالوں والی خوبصورت جرمن لڑکی بیٹھی تھیں۔ یقیناً یہ نقل مکانی کرنے والے کسان تھے جنہیں یہاں سے گزرنے کیلئے خاص اجازت نامہ دیا گیا تھا۔ تمام سپاہیوں کی نگاہیں عورتوں پر جمی تھیں۔ چھکڑا آہستگی سے چل رہا تھا اور تمام سپاہیوں کا موضوع گفتگو اس پر بیٹھی نوجوان عورتیں تھیں۔ ہر چہرے پر ایک جیسی مسکراہٹ تھی جس سے سپاہیوں کے دلوں میں ان سے متعلق بیہودہ خیالات کا اظہار ہوتا تھا۔

ایک سپاہی کہنے لگا ''یوں لگتا ہے بھاگ رہے ہیں!''

''اپنی خواتین ہمیں بیچ دو'' ایک اور سپاہی جرمن سے مخاطب ہو کر بولا جو غصے اور تشویش کے عالم میں سر نیہوڑائے آگے چلتا جا رہا تھا۔

ایک اور آواز ابھری ''دیکھو کیسے بن سنور کر بیٹھی ہے، آہ، شیطان کی بچیو!''

کسی نے کہا ''میں کہتا ہوں فیدوتوف، تمہیں ان کے پاس نہ ٹھہرا دیا جائے''

جواب آیا ''ہماری ایسی قسمت کہاں!''

پیادہ فوج کا ایک افسر جو سیب کھا رہا تھا، جرمن سے پوچھنے لگا ''تم کہاں جا رہے ہو؟'' وہ مسکراتے ہوئے خوبرو لڑکی پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ جرمن نے آنکھیں بند کر لیں اور یوں ظاہر کیا جیسے سوال اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔

افسر نے لڑکی کو سیب دیتے ہوئے کہا ''پسند ہے تو لے لو'' لڑکی نے مسکرا کر سیب لے لیا۔ پل پر موجود دیگر لوگوں کی طرح نیسوتسکی بھی اس وقت تک عورتوں سے نظریں نہ ہٹا سکا جب تک وہ لوگ نظروں سے اوجھل نہ ہو گئے۔ ان کے جانے کے بعد وہی سپاہی اور وہی گفتگو باقی رہ گئی، آخرکار تمام لوگ چلتے چلتے اچانک رک گئے۔ جیسا کہ اکثر ہوتا ہے، گاڑیوں والے ایک قافلے کے گھوڑے پل کے اختتام پر اچانک رک گئے اور یوں تمام ہجوم کو انتظار کرنا پڑا۔

سپاہی کہنے لگے ''یہ کیوں رک گئے ہیں؟ کوئی نظم و ضبط نہیں ہے! ارے دھکے کیوں دے رہے ہو؟ بھاڑ میں جاؤ، تم سے ذرا صبر نہیں ہوتا؟ اگر اس نے پل کو آگ لگا دی تو صورتحال بدتر ہو جائے گی، دیکھو یہاں ایک افسر بھی پھنسے ہوئے ہیں'' رکے ہوئے ہجوم سے طرح طرح کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں، تمام لوگ آپس میں دھکم پیل کرتے ہوئے ایک دوسرے کو پل کے اختتامی سرے کی جانب دھکیلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ پل کے نیچے دریائے انس کے پانیوں کو

دیکھتے ہوئے نیسوتسکی کو اچانک کچھ عجیب سی آواز سنائی دی۔ یوں لگتا تھا جیسے پانی میں کوئی خاصی بڑی شے ہچکولے کھاتی تیزی سے آگے بڑھتی چلی آ رہی ہو۔

قریب کھڑے ایک سپاہی نے گھمبیر آواز میں کہا ''دیکھنا کتنی دور جاتی ہے!''

ایک اور سپاہی بے چینی کے عالم میں بولا ''یہ ہمیں تیز چلنے کیلئے ہمت دلا رہی ہے'' ہجوم دوبارہ چل پڑا۔ نیسوتسکی کو احساس ہوا کہ یہ توپ کا گولہ ہے۔

اس نے باآواز بلند کہا ''ارے قازق، میرا گھوڑا لاؤ! ایک طرف ہٹ جاؤ، ہٹ جاؤ، راستہ دو!'' نیسوتسکی بصد مشکل اپنے گھوڑے تک پہنچ گیا۔ وہ مسلسل چلاتا ہوا آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ سپاہی اسے راستہ دینے کیلئے ایک دوسرے پر ادھر ادھر گرنے لگے مگر دھکم پیل کے باعث دوبارہ راستے میں آ گئے اور اس کی ٹانگیں ان کے بیچ میں پھنس گئیں، اس کے قریب موجود لوگوں کو الزام نہیں دیا جا سکتا تھا کیونکہ انہیں پیچھے سے زبردست دھکے پڑ رہے تھے۔

اسی دوران اسے عقب سے کرخت آواز سنائی دی، کوئی چلا چلا کر کہہ رہا تھا ''نیسوتسکی! ارے نیسوتسکی!''

نیسوتسکی نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو اسے تقریباً پندرہ قدم دور واسکا دینی سوف کا سرخ و سیاہ چہرہ دکھائی دیا۔ اس کے سر کے عقبی حصے پر ٹوپی ڈھلکی ہوئی تھی اور اس نے اپنا کوٹ زندہ دلانہ انداز میں کندھے پر ڈال رکھا تھا۔ دونوں کے درمیان پیادہ فوج کا آگے بڑھتا ہجوم حائل تھا۔

دینی سوف نے چلا کر کہا ''ان شیطانوں سے کہو کہ راستہ دیں!'' غصے کے عالم میں اس کی آواز کانپ رہی تھی۔ اس نے اپنی کوئلے جیسی سیاہ اور چمکتی آنکھیں خونخوار پتلیوں سمیت گھمائیں اور نیام میں بند تلوار کو اپنے چہرے جیسے سرخ ہاتھ میں پکڑ کر لہرانے لگا۔

نیسوتسکی خوشدلی سے بولا ''ارے واسکا! تم کہاں؟''

واسکا دینی سوف نے غصے میں لال پیلا ہوتے اور اپنے خوبصورت بدوی گھوڑے کو مہمیز لگاتے ہوئے غرا کر جواب دیا ''میرے دستے کیلئے آگے بڑھنا ناممکن ہو گیا ہے۔ گھوڑے کو سنگینیں چبھ رہی تھیں اور وہ کان پھڑ پھڑا کر نتھنے پھلاتے ہوئے منہ سے جھاگ اڑا رہا تھا۔ جب وہ اپنا سم پل پر پٹختا تو گونج دار آواز پیدا ہوتی۔ بظاہر یوں لگتا تھا جیسے اس کے سوار نے اجازت دے دی تو وہ پل کے جنگلے سے نیچے چھلانگ لگا دے گا۔

دینی سوف ایک مرتبہ پھر چلا کر کہنے لگا ''اب کیا ہے! آدمی نہیں بھیڑوں کا ہجوم ہے! پیچھے ہٹو۔۔۔۔راستہ دو!۔۔۔ چھکڑے والے رک جاؤ اور اس سمیت جہنم میں جاؤ! میں تلوار سے تمہارے ٹکڑے کر دوں گا!'' اس نے واقعی اپنی تلوار نیام سے نکال لی اور اسے لہرانا شروع کر دیا۔

سپاہی خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹ گئے اور دینی سوف نیسوتسکی سے جا ملا۔

دینی سوف قریب آیا تو نیسوتسکی نے اس سے پوچھا ''کیا آج تم نے پی نہیں؟''

دینی سوف نے جواب دیا ''ہمیں تو پینے پلانے کا وقت بھی نہیں ملتا! یہ تمام دن رجمنٹ کو ادھر سے ادھر گھسیٹے پھرتے ہیں۔ جنگ بھی ہو تو ٹھیک ہے مگر سمجھ نہیں آتی یہ سب کیا ہو رہا ہے!''

نیسوتسکی نے اس کے نئے کوٹ اور گھوڑے کی زین کے نئے غلاف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ''آج تو تم زبردست دکھائی دے رہے ہو''

دینی سوف مسکرایا اور اپنے تھیلے سے خوشبو میں معطر رومال نکال کر اسے نیسوتسکی کی ناک سے لگا دیا۔ پھر وہ

کہنے لگا ''یقین کرو میں لڑنے جا رہا ہوں! میں نے شیو بنائی ہے، دانت صاف کر لیے ہیں اور خوشبو لگا چکا ہوں''

نیسوتسکی کی بارعب شخصیت، اس کے قازق اور دینی سوف جو تلوار لہراتے ہوئے پوری قوت سے چلا رہا تھا، کی آہنی عزم کی بدولت انہوں نے پیادہ فوج کو روک لیا اور پل کے دوسرے کنارے پر پہنچ گئے۔ وہیں نیسوتسکی کو وہ کرنل بھی مل گیا جسے اس نے پیغام پہنچانا تھا اور اپنا فرض مکمل کر کے وہ واپس روانہ ہو گیا۔ راستہ صاف کرنے کے بعد دینی سوف پل کے کنارے پر ہی کھڑا ہو گیا۔ وہ اپنے گھوڑے کی لگام ڈھیلے ڈھالے انداز میں تھام کر سکواڈرن کو اپنی جانب آتے دیکھ رہا تھا۔ اس کا گھوڑا زمین پر پاؤں پٹخ رہا تھا اور رسہ تڑا کر اپنے ساتھیوں سے جا ملنا چاہتا تھا۔ پل کے تختوں پر سم ٹکرانے کی ایسی آواز پیدا ہو رہی تھی جیسے بہت سے گھوڑے سرپٹ بھاگے چلے آ رہے ہوں۔ افسر آگے آگے تھے اور ان کے پیچھے پیچھے چار چار کی ٹولیوں میں سپاہی ایک دوسرے کے برابر چلے آ رہے تھے۔ سکواڈرن تمام پل پر پھیل چکا تھا اور اس کا اگلا حصہ پل کے اختتامی سرے کو چھونے لگا تھا۔

پیادہ سپاہی جنہیں آگے بڑھنے سے روک دیا گیا تھا، پل پر پھیلی کیچڑ میں کھڑے اپنے سامنے سے گزرتے صاف ستھرے اور بانکے ہوزاروں کو بے تعلقی اور طنز کے احساس سے دیکھ رہے تھے جیسا کہ فوج کی مختلف یونٹیں جب آپس میں ملتی ہیں تو ایک دوسرے کے خلاف عموماً ایسے ہی جذبات کا اظہار کرتی ہیں۔

ایک پیادہ سپاہی کہنے لگا ''کیسے زبردست ہیں، یوں لگتا ہے جیسے میلے پر جا رہے ہوں''

دوسرے نے کہا ''ان کا یہی کام ہے، انہیں نمائش کیلئے رکھا جاتا ہے''

ایک ہوزار قریب کھڑے سپاہی سے ازراہ مذاق بولا ''پیادو، دھول مت اڑاؤ'' اس کے اچھلتے گھوڑے نے اس سپاہی پر کیچڑ کے چھینٹے برسا دیے تھے۔

پیادہ سپاہی نے اپنی آستین سے کیچڑ آلود چہرہ پونچھتے ہوئے جواب دیا ''میرے بس میں ہوتا تو تمہارے کندھوں پر فوجی تھیلا لاد کر تمہیں دو لمبی مہموں پر بھیج دیتا۔ اس طرح تمہارے یہ فیتے کچھ تو گھستے، وہاں بیٹھے ہوئے تم آدمی کی بجائے پرندہ معلوم ہوتے ہو!''

ایک کارپورل تھیلے کے بوجھ تلے دبے سپاہی سے مذاق کرتے ہوئے کہنے لگا ''ذکن، کیا خیال ہے تمہیں بھی گھوڑے پر نہ بٹھا دیا جائے۔ بہت اچھے دکھائی دو گے''

ایک ہوزار نے فقرہ کسا ''اپنی ٹانگوں میں لاٹھی پھنسا لو اور سمجھو کہ گھوڑے پر بیٹھ گئے۔

(8)

بقیہ پیادہ فوج نے اپنی ترتیب درست کر لی اور یوں وہ باآسانی پل پار کر گئی۔ بالآخر تمام سامان بردار گاڑیاں گزر گئیں، بھیڑ کم ہو گئی اور آخری بٹالین پل پار کرنے لگی۔ اب دریا کی دوسری جانب دشمن کا سامنا کرنے کیلئے صرف دینی سوف کے ہوزار ہی موجود تھے۔ اگرچہ مخالف سمت کی پہاڑیوں پر دشمن کو دور سے دیکھا جا سکتا تھا لیکن نیچے پل سے وہ ابھی تک نظر نہیں آ رہا تھا کیونکہ جس وادی میں دریا بہہ رہا تھا اس میں نصف میل دور گھاٹی کی وجہ سے افق محدود ہو گیا تھا۔ سامنے ویرانہ تھا جہاں ہمارے گشتی قازق گھومتے پھرتے دیکھے جا سکتے تھے۔ اچانک مخالف ڈھلان پر بنی سڑک پر نیلی وردیوں میں ملبوس فوجی دکھائی دیے جن کے ساتھ توپخانہ بھی تھا۔ یہ فرانسیسی تھے۔ گشتی قازق بھاگ کر پہاڑی سے نیچے اتر آئے۔ اگرچہ دینی سوف کے سکواڈرن کے افسروں اور سپاہیوں نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی تھی

کہ وہ ادھر ادھر کی باتیں کر رہے ہیں اور ان کا دھیان کہیں اور ہے لیکن درحقیقت ان کی توجہ تمام وقت پہاڑی کی چوٹی پر مرکوز تھی اور وہ یہ سوچ رہے تھے کہ وہاں کیا ہو رہا ہوگا۔ انہیں پہاڑی افق پر جب ابھرتے دکھائی دیے اور انہوں نے پہچان لیا کہ یہ دشمن کے سپاہی ہیں۔ سہ پہر کے وقت موسم صاف ہو گیا اور دریائے ڈینیوب و ملحقہ پہاڑیوں پر سورج جو آہستہ آہستہ غروب ہو رہا تھا، پوری آب و تاب سے چمکنے لگا۔ ہوا بند تھی اور پہاڑی کی چوٹی سے وقفے وقفے سے دشمن کے بگل بجانے اور زور و شور سے گفتگو کرنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ اب سکواڈرن اور دشمن کے مابین چند گشتی دستوں کے سوا کوئی نہ تھا۔ ان دونوں کے مابین تقریباً چھ سو گز کھلا علاقہ حائل تھا۔ دشمن فائرنگ بند کر چکا تھا جس سے دونوں فوجوں کے مابین سنگین، خوفناک اور دکھائی نہ دینے والی حد فاصل اور بھی واضح انداز میں محسوس ہونے لگی تھی۔

''زندگی اور موت کے درمیان حد فاصل سے ایک قدم بھی آگے بڑھ گیا تو یوں سمجھیں کہ آپ کا بے یقینی اور موت سے سامنا ہو گیا ہے، اور وہاں کیا ہے؟ کون ہے؟ وہاں، کھیتوں کے پار، درخت اور سورج کی روشنی میں چمکتے درختوں کے پیچھے؟ لیکن کوئی نہیں جانتا کہ وہاں کون ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ کون ہے جو اس بارے میں نہیں جاننا چاہتا؟ اس حد فاصل کو پار کرنے کا تصور ہی دل پر خوف و ہراس طاری کر دیتا ہے مگر اسے پار کرنے کو دل بھی للچاتا ہے۔ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ آپ کو اس کے پار جانا ہوگا اور یہ معلوم کرنا ہوگا کہ دوسری جانب کیا ہے، یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسا کہ کسی دن آپ کو ہر صورت یہ دریافت کرنا ہوگا کہ موت سے آگے کیا ہے۔ لیکن آپ طاقتور، صحت مند اور جوش و جذبے سے بھرپور ہیں اور آپ کے اردگرد موجود لوگ بھی ایسے ہی ہیں'' ہر شخص اگر دشمن کو سامنے دیکھ کر ایسا سوچتا نہیں تو محسوس ضرور کرتا ہے اور یہ احساسات ایسے موقع پر وقوع پذیر ہونے والی بات کے بارے میں اس کے تاثرات کو خصوصی روشنی اور خوشی عطا کر دیتے ہیں۔

دشمن کے زیر قبضہ گھاٹی سے دھوئیں کا مرغولہ بلند ہوا اور توپ کا ایک گولہ ہوزار سکواڈرن کے سروں کے اوپر سے سنسناتا گزر گیا۔ افسر جو اکٹھے کھڑے تھے، مختلف سمتوں میں بکھر گئے۔ ہوزاروں نے احتیاط سے گھوڑوں کی صف بندی شروع کر دی۔ تمام سکواڈرن پر خاموشی طاری تھی۔ تمام لوگ سامنے موجود دشمن اور حکم کے انتظار میں اپنے کمانڈر کی جانب دیکھ رہے تھے۔ توپ کا دوسرا اور پھر تیسرا گولہ آیا اور سروں کے اوپر سے گزر گیا۔ اس میں کوئی شک نہ تھا کہ دشمن ہوزاروں کو نشانہ بنا رہا تھا۔ مگر گولے مسلسل سنسناتے ہوئے ان کے سروں کے اوپر سے ہو کر پیچھے کہیں جا گرتے تھے۔ ہوزاروں نے پیچھے مڑ کر نہ دیکھا لیکن گولہ داغے جانے کی آواز کے ساتھ ہی سکواڈرن کے تمام افراد جن کے چہرے ایک دوسرے سے مختلف ہونے کی بجائے ایک جیسے دکھائی دیتے تھے، سانس روک کر اپنی رکابوں میں اچھل پڑتے اور پھر دوبارہ نیچے ہو جاتے جیسے انہیں ایسا کرنے کا حکم دیا گیا ہو۔ سپاہی ایک دوسرے کی جانب دیکھے بغیر کنکھیوں سے یہ جائزہ لینے کی کوشش کرتے کہ گولہ باری کا ان پر کیا اثر ہوا ہے۔ دینی سوف سے بگلچی تک ہر چہرے پر ٹھوڑی اور ہونٹوں کے گرد گھبراہٹ، کشمکش اور بے چینی کی ایک جیسی لکیریں نمودار ہو چکی تھیں۔ سارجنٹ سپاہیوں کو یوں غصے سے دیکھ رہا تھا جیسے انہیں سزا کی دھمکی دے رہا ہو۔ جونہی گولہ داغا جاتا تو کیڈٹ میرانوف تیزی سے سر جھکا لیتا۔ سکواڈرن کے بائیں حصے میں رستوف اپنے گھوڑے ''رخ'' پر سوار تھا جو لنگڑی ٹانگ کے باوجود خوبصورت دکھائی دیتا تھا۔ رستوف کے چہرے پر سکول کے اس طالب علم جیسا تاثر جھلک رہا تھا جسے مجمع عام کے سامنے کسی امتحان کیلئے بلایا گیا ہو اور اسے اعتماد ہو کہ وہ اس میں کامیاب رہے گا۔ اس کا چہرہ روشن تھا اور وہ ہر ایک کو پرسکون انداز سے دیکھ رہا تھا جیسے انہیں کہہ رہا ہو کہ دیکھو میں گولہ باری میں بھی کس قدر اطمینان سے کھڑا ہوں۔ لیکن اس کے چہرے پر بھی

دہانے کے قریب غیر ارادی طور پر تشویش کی نئی اور درشت لکیر ابھر آئی تھی۔

دینی سوف جو ایک جگہ کھڑا نہیں رہ سکتا تھا اور سکواڈرن کے سامنے ادھر ادھر گھوڑا دوڑاتا پھر رہا تھا دھاڑ کر کہنے لگا'' یہ اوپر نیچے کون اچھل رہا ہے؟ کیڈٹ میرانوف! یہ ٹھیک نہیں! میری جانب دیکھو!''

واسکا دینی سوف کا چپٹی ناک والا، سانولا روئیں دار چہرہ اور کوتاہ مگر گٹھا ہوا جسم چھوٹی چھوٹی انگلیوں والے اپنے نمی آلود ہاتھوں میں جن میں اس نے ننگی تلوار کا دستہ تھام رکھا تھا، بالکل ایسے دکھائی دیتا تھا جیسا وہ شام کو شراب کی دو بوتلیں پینے کے بعد نظر آتا تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ اب اس کا چہرہ معمول سے زیادہ سرخ دکھائی دے رہا تھا۔ وہ اپنے لمبے بالوں والے سر کو یوں پیچھے جھٹک کر جیسے پرندے پانی پیتے وقت جھٹکتے ہیں، اپنے عمدہ بدوی گھوڑے کو مہمیز لگا کر اسے سکواڈرن کے دوسرے حصے کی جانب سرپٹ دوڑانے لگا۔ وہ کرخت آواز میں جوانوں کو حکم دے رہا تھا کہ اپنے پستولوں کا خیال رکھیں۔ اس بھاگ دوڑ میں یوں لگتا تھا جیسے وہ زین سے پیچھے کی جانب گر پڑے گا۔ گھوڑے پر سوار وہ کرسٹن کے پاس پہنچا۔ لمبی مونچھوں والا سٹاف کپتان دھیمی چال چلتا دینی سوف کی جانب بڑھا۔ اس کا چہرہ سنجیدہ تھا مگر آنکھیں معمول سے زیادہ چمک رہی تھیں۔

وہ دینی سوف سے کہنے لگا'' ہونہہ، لڑائی کی نوبت نہیں آئے گی۔ آپ خود دیکھ لیں گے کہ ہم پیچھے ہٹ جائیں گے۔

دینی سوف غرا کر بولا'' نجانے کیا ہو رہا ہے!'' پھر وہ کیڈٹ کے پرمسرت چہرے کو دیکھ کر کہنے لگا'' رستوف، تمہیں زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑے گا'' وہ کیڈٹ کو دیکھ کر پسندیدگی کے انداز میں مسکرانے لگا۔ بلاشبہ وہ اسے دیکھ کر خوش ہوا تھا۔ رستوف خوشی سے نہال ہو گیا۔ اسی لمحے پل پر کرنل نمودار ہوا۔ دینی سوف گھوڑا بھگا کر اس کی جانب لے گیا۔

کرنل کے قریب پہنچ کر وہ بولا'' جناب عالی! حملہ کر دینا چاہیے! ہم انہیں بھگا دیں گے۔''

کرنل نے اپنا چہرہ یوں سکیڑا جیسے کسی مکھی نے اسے پریشان کر رکھا ہو، اور پھر اکتائے ہوئے لہجے میں جواب دیا'' حملے کا حکم نہیں ملا۔ اور تم یہاں رک کر کیا کر رہے ہو؟ دیکھتے نہیں کہ فوج کے دونوں پہلو پیچھے جا رہے ہیں۔ سکواڈرن کو پیچھے لے جاؤ۔

سکواڈرن نے پل پار کیا اور ایک آدمی بھی گنوائے بغیر دشمن کی توپوں کی زد سے دور چلا آیا۔ دوسرا سکواڈرن بھی اس کے پیچھے پیچھے چل دیا اور آخر میں قازق بھی پل عبور کر کے دوسرے کنارے پر آ گئے۔ پل عبور کرنے کے بعد پاؤلوگراڈ رجمنٹ کے دونوں سکواڈرن ایک ایک کر کے پہاڑی پر چڑھ گئے۔ ان کا کرنل کارل باگدانچ شوبرٹ دینی سوف کے سکواڈرن کے ساتھ آ ملا اور آہستہ آہستہ چڑھائی چڑھنے لگا۔ وہ رستوف سے زیادہ دور نہیں تھا۔ اگرچہ تلیان والے واقعہ کے بعد دونوں پہلی بار یوں قریب آئے تھے مگر کرنل نے اس پر توجہ نہ دی۔ رستوف کو محسوس ہوا کہ وہ میدان کارزار میں اور اس شخص کے رحم و کرم پر ہے۔ اب وہ تسلیم کر رہا تھا کہ اس شخص کے ساتھ تنازع میں قصور اسی کا تھا، چنانچہ وہ اپنے قریب سے گزرتے کرنل کی کسرتی کمر اور لہلہاتے بالوں والے سر اور سرخ گردن سے نظریں نہ ہٹا سکا۔ ایک لمحے اسے خیال آیا کہ باگدانچ جو یہ ظاہر کر رہا ہے جیسے مجھے دیکھا تک نہیں، دراصل میری جرات اور بہادری کا امتحان لینا چاہتا ہے۔ یہ سوچ کر وہ گھوڑے پر تن کر بیٹھ گیا اور اردگرد یوں دیکھنے لگا جیسے بہت خوش ہو۔ پھر اس کے ذہن میں یہ خیال ابھرا کہ باگدانچ دراصل اپنی بہادری کی نمائش کرنے اس کے قریب سے گزر رہا ہے۔ پھر اچانک ایک اور خیال آیا کہ

اس کا یہ دشمن سکواڈرن کو عمداً کسی لا حاصل مہم پر بھیج رہا ہے۔ جس کا اصل مقصد مجھے سزا دینا ہے۔ تب تصور میں اس نے دیکھا کہ حملے کے بعد وہ زخمی حالت میں پڑا ہے اور کرنل دریا دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے میری جانب صلح کا ہاتھ بڑھا رہا ہے۔ اونچے شانوں والا زرکوف جسے پاؤلوگرانت رجمنٹ کے ہوزار اچھی طرح جانتے تھے کیونکہ اسے رجمنٹ چھوڑے زیادہ عرصہ نہیں بیتا تھا گھوڑے پر سوار کرنل کی طرف آیا۔ کمانڈر انچیف کے عملے سے نکالے جانے کے بعد وہ رجمنٹ میں واپس نہیں آیا تھا، اس کا موقف تھا کہ جب وہ عملے میں شامل رہ کر کچھ کئے بغیر اس قدر فوائد حاصل کر سکتا ہے تو پھر رجمنٹ میں مشقت کیوں کرے اور وہ کسی طرح شہزادہ باگراتیاں کے عملے میں جگہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ وہ اپنے پرانے کرنل کے پاس عقبی دستوں کے کمانڈر کا حکم لے کر آیا تھا۔

اس نے گمبھیر سنجیدگی سے رستوف کے دشمن کو مخاطب کرتے اور اس کے ساتھیوں کو دیکھتے ہوئے کہا "کرنل، حکم ملا ہے کہ واپس جا کر پل کو آگ لگا دی جائے"

کرنل نے منہ بنا کر پوچھا "حکم کسے دیا گیا ہے؟"

زرکوف نے سنجیدگی سے جواب دیا "کرنل، یہ تو میں نہیں جانتا کہ حکم کسے دیا گیا ہے، شہزادہ باگراتیاں نے مجھے صرف اتنا کہا کہ "جاؤ اور کرنل کو بتا دو کہ ہوزار فوراً واپس جائیں اور پل کو آگ لگا دیں"

زرکوف کے پیچھے پیچھے عملے کا ایک اور افسر بھی یہی حکم لے کر آ گیا۔ اس افسر کے بعد قوی الجثہ نیسوتسکی قازق کے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا آ پہنچا جسے اس کا بھاری جسم اٹھاتے ہوئے بیحد مشکل پیش آ رہی تھی۔

وہ گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے چلا کر بولا "کرنل، یہ کیا؟ میں نے آپ سے کہا تھا کہ پل نذر آتش کر دیا جائے۔ اب کسی شخص نے کام خراب کر دیا ہے۔ وہاں سب کے دماغ ماؤف ہو چکے ہیں۔ کچھ نہیں آتا کیا ہو رہا ہے"

کرنل نے رجمنٹ کو ارادتاً روک لیا اور نیسوتسکی کی طرف رخ کر کے کہنے لگا "آپ نے مجھ سے آتشگیر مادے کے بارے میں بات کی تھی مگر اسے جلانے سے متعلق ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا"

نیسوتسکی نے گھوڑا روک لیا اور ٹوپی اتار کر اپنا بھاری بھرکم ہاتھ بالوں پر پھیرنے لگا جو پسینے سے تربتر ہو رہے تھے۔ پھر اس نے کہا "لیکن میرے اچھے دوست، جب آپ نے آتشگیر مادہ پل پر رکھ دیا تو پھر یہ بتانے کی بھلا کیا ضرورت تھی کہ اسے آگ لگا دی جائے"

کرنل نے جواباً کہا "مسٹر سٹاف آفیسر، میں تمہارا اچھا دوست نہیں ہوں، اور تم نے مجھے یہ نہیں کہا تھا کہ پل کو آگ لگا دوں! مجھے اپنے فرائض کا علم ہے اور میری عادت ہے کہ میں احکامات پر حرف بحرف عمل کرتا ہوں۔ تم نے کہا تھا کہ پل جلا دیا جائے گا، مگر کون جلائے گا، اس بارے میں مجھے کچھ معلوم نہیں"

نیسوتسکی ہاتھ لہرا کر بولا "ٹھیک ہے، مگر ہوتا تو ایسے ہی ہے" پھر اس نے زرکوف سے پوچھا "تم یہاں کیسے آئے"

زرکوف نے جواب دیا "میں بھی یہی پیغام لایا ہوں۔ تمہارا جسم تو گیلا ہو رہا ہے، نچوڑ دوں"

کرنل نے مظلومیت بھرے لہجے میں بولا "مسٹر سٹاف آفیسر، تم کہہ رہے تھے۔۔۔"

سٹاف افسر نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا "کرنل، جلدی کریں ورنہ دشمن گریپ شاٹ سے گولے برسانا شروع کر دے گا"

کرنل نے خاموشی سے سٹاف افسر، تنومند نیسوتسکی اور زرکوف کی جانب دیکھا اور بھنویں سکیڑ لیں۔ پھر وہ سنجیدگی سے بولا "ٹھیک ہے، میں پل نذر آتش کر دوں گا" اس کا لہجہ کچھ ایسا تھا جیسے یہ ظاہر کرنا چاہتا ہو کہ اپنے ساتھ رکھے گئے ناروا سلوک کے باوجود وہ صحیح طرز عمل کا مظاہرہ کرے گا۔

اس نے اپنی لمبی اور کسرتی ٹانگوں کے ساتھ گھوڑے کو یوں مہمیز لگائی جیسے اس تمام قضیے کا ذمہ دار وہی ہو اور آگے بڑھ کر دوسرے سکواڈرن کو جس میں دینی سوف کے زیر قیادت رستوف خدمات انجام دے رہا تھا، پل کی طرف واپس مڑنے کا حکم دیا۔

رستوف نے دل میں کہا "وہی ہوا جو میں نے سوچا تھا، وہ میرا امتحان لینا چاہتا ہے" اس کا دل دھڑکنا شروع ہو گیا اور تمام خون چہرے میں سمٹ آیا۔ اس نے اپنے آپ سے کہا "آج وہ دیکھ لے گا کہ میں ڈرپوک نہیں ہوں"

سکواڈرن کے تمام افراد کے بے فکر چہروں پر ایک مرتبہ پھر وہی سنجیدگی طاری ہو گئی جو گولہ باری کے دوران ان کے چہروں پر در آئی تھی۔ رستوف اپنے "دشمن" کرنل کی جانب ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگا۔ وہ اس کے چہرے پر اپنے خدشات کی تصدیق تلاش کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر کرنل نے رستوف کی طرف بالکل نہ دیکھا اور ہمیشہ کی طرح پرسکون اور متین صورت بنائے رکھی جیسا کہ محاذ جنگ پر اس کا وطیرہ ہوتا تھا۔ حکم دیا جا چکا تھا۔

"جلدی کرو! جلدی کرو!" رستوف کو اپنے اردگرد متعدد آوازیں سنائی دیں۔

ہوزار جلدی سے گھوڑوں سے نیچے اترنے لگے جس سے ان کی تلواریں لگاموں میں الجھ گئیں اور مہمیز جھنجھنانے لگے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کیا جائے۔ سپاہیوں نے اپنے سینوں پر صلیب کے نشان بنائے۔ اب رستوف کرنل کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا، اس کے پاس وقت ہی نہیں تھا۔ وہ خوفزدہ ہو گیا، اسے یہ خوف لاحق تھا کہ وہ دیگر ہوزاروں جیسی کارکردگی نہیں دکھا پائے گا، اس کا دل ڈوبنے لگا۔ اس نے اپنا گھوڑا ایک اردلی کے حوالے کیا تو اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے اور اس نے محسوس کیا کہ اس کا تمام خون دل میں جمع ہو رہا ہے۔ گھوڑے پر سوار دینی سوف باآواز بلند کچھ کہتا ہوا اس کے قریب سے گزر گیا۔ وہ حسب معمول پیچھے کی جانب جھک کر بیٹھا تھا۔ رستوف کو اپنے اردگرد بھاگتے ہوزاروں کے سوا کچھ دکھائی نہ دیا۔ ان کے مہمیز الجھ رہے تھے اور تلواریں آپس میں ٹکرا رہی تھیں۔

اس کے عقب میں کسی نے چلا کر کہا "سٹریچر!" رستوف کی سمجھ میں نہ آیا کہ سٹریچر کیوں منگوائے جا رہے ہیں۔ وہ اکیلا بھاگتا رہا، اس کی کوشش تھی کہ دوسروں سے آگے نکل جائے۔ لیکن پل کے قریب پہنچ کر وہ توازن قائم نہ رکھ سکا اور پھسلواں کیچڑ میں جا گرا۔ دوسرے اس سے آگے نکل گئے۔

اس نے کرنل کی چلاتی ہوئی آواز سنی جو کہہ رہا تھا "کپتان، دونوں اطراف میں" وہ گھوڑے پر سوار آگے نکل گیا تھا اور پل کے قریب کھڑا تھا جبکہ اس کے چہرے پر مسرت اور کامرانی کا احساس ٹپک رہا تھا۔

رستوف نے اپنے کیچڑ بھرے ہاتھ برجس سے رگڑ کر صاف کئے اور اپنے دشمن پر نگاہ ڈالی۔ اس نے سوچا کہ وہ جس قدر آگے جائے گا اسی قدر بہتر ہوگا اور پھر بھاگنے کی کوشش کی۔ مگر باگدانچ نے اسے دیکھے یا پہچانے بغیر چلا کر کہا "یہ پل کے درمیان میں کون بھاگا جا رہا ہے؟ دائیں جانب؟ کیڈٹ واپس آ جاؤ!" وہ غصے سے چلایا اور دینی سوف کی طرف متوجہ ہوا جو اپنی ظاہری دلیری کی نمائش کرتا پل کے تختوں پر پہنچ گیا تھا۔

کرنل نے کہا "کپتان، خطرہ مول لینے کی کیا ضرورت ہے؟ تمہیں نیچے اتر آنا چاہئے"

واسکا دینی سوف نے گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے مڑ کر جواب دیا "آہ، ہر گولی اپنا نشانہ ڈھونڈ لیتی ہے"

دریں اثناء نیسوتسکی، زرکوف اور سٹاف افسر دشمن کی توپوں کی زد سے دور اکٹھے کھڑے پیلی شاکو، طلائی

جھالروں والے گہرے سبز کوٹ اور نیلی برجس پہنے سپاہیوں کے چھوٹے سے گروہ کو دیکھ رہے تھے جو پل کے قریب کھڑا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ دریا کی دوسری جانب نیلے اوورکوٹ اور آگے بڑھتے توپخانے کے گھڑسوار جتھے بھی ان کی نظروں کے سامنے تھے۔

کیا یہ پل کو آگ لگا سکیں گے یا نہیں؟ وہاں کون پہلے پہنچے گا؟ کیا وہ بھاگ کر وہاں پہنچ جائیں گے اور پل کو آگ لگا دیں گے یا فرانسیسی انہیں گریپ شاٹ کا نشانہ بنا کر ہلاک کر دیں گے؟ یہ وہ سوالات تھے جو پل سے اوپر پہاڑی پر کھڑے فوجیوں میں سے ہر ایک کے ڈوبتے دل میں ابھر رہے تھے۔ ان کی نگاہیں شام کی تیز روشنی میں پل، ہوزاروں اور نیلے اوورکوٹ میں ملبوس سپاہیوں پر گڑی تھیں جو سنگینیں اور بندوقیں تھامے مخالف سمت سے بڑھتے چلے آ رہے تھے۔

نیسوتسکی بولا "اف! ہوزار مارے جائیں گے، اب وہ گریپ شاٹ کی زد میں ہیں"

سٹاف افسر نے کہا "اس نے اتنے سارے آدمی ساتھ لے جا کر غلطی کی"

نیسوتسکی کہنے لگا "ہاں، یقیناً، اگر وہ دو دلیر جوان ہی بھیج دیتا تو کافی تھے"

زرکوف نے ہوزاروں نظریں جمائے رکھیں اور سادگی سے بولا "واہ! جناب عالی۔ کیا بات کہی۔ صرف دو آدمی بھیج دیے جائیں تو پھر ہمیں ولادی میر تمغہ اور فیتہ کون دے گا؟ لیکن اگر اب وہ تمام مارے بھی جائیں تو سکواڈرن انعام و کرام کا مستحق ٹھہرے گا۔ ہمارے اچھے دوست باگدانچ خوب جانتے ہیں کہ ایسے کام کیسے کئے جاتے ہیں" اس کے لہجے سے یہ اندازہ لگانا ممکن نہیں تھا کہ وہ مذاق کر رہا ہے یا اپنی بات میں سنجیدہ ہے۔

سٹاف افسر بولا "وہ۔۔۔ گریپ شاٹ"

اس نے فرانسیسی توپوں کی جانب اشارہ کیا جو گاڑیوں سے علیحدہ کی جا رہی تھیں اور انہیں تیزی سے پرے ہٹایا جا رہا تھا۔

فرانسیسیوں کی سمت میں توپوں والے گروہ کے درمیان سے دھوئیں کا مرغولہ بلند ہوا۔ اس کے بعد تقریباً بیک وقت دوسرا اور تیسرا مرغولہ دکھائی دیا۔ جب انہوں نے پہلے گولے کی آواز سنی تو چوتھا مرغولہ فضا میں بلند ہوا۔ پھر یکے بعد دیگرے دو اور پھر تیسری آواز سنائی دی۔

نیسوتسکی نے کراہتے ہوئے کہا "اوہ، اوہ!" یوں لگ رہا تھا جیسے وہ سخت تکلیف میں مبتلا ہو۔ پھر وہ سٹاف افسر کا بازو تھامتے ہوئے بولا "دیکھو، ایک جوان گر گیا ہے، گر گیا ہے!"

سٹاف افسر بولا "میرا خیال ہے، دو گر گئے ہیں"

نیسوتسکی منہ پھیر کر بولا "اگر میں زار ہوتا تو کبھی جنگ نہ کرتا"

فرانسیسیوں نے تیزی سے توپوں میں دوبارہ گولے بھر لیے۔ نیلے کوٹوں میں ملبوس پیادہ فوج پل کی جانب بڑھنے لگی۔ دھوئیں کے مرغولے بے قاعدہ وقفوں سے دوبارہ بلند ہونے لگے۔ گریپ شاٹ کھڑکھڑاتے اور پل پر آ کر پھٹ جاتے۔ مگر اس مرتبہ نیسوتسکی کو نظر نہ آ سکا کہ پل پر کیا ہو رہا ہے۔ وہاں سے دھوئیں کا دبیز بادل بلند ہو رہا تھا۔ ہوزار اسے آگ لگانے میں کامیاب ہو چکے تھے اور فرانسیسی توپیں ان پر گولہ باری میں مصروف تھیں البتہ اب اس گولہ باری کا مقصد انہیں اپنے کام سے روکنا نہیں تھا بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ توپوں میں گولے بھرے جا چکے تھے اور نشانہ بنانے کیلئے دشمن سامنے موجود تھا۔

جب تک ہوزار اپنے گھوڑوں تک پہنچے، فرانسیسیوں کو گریپ شاٹ کے تین راؤنڈ برسانے کا موقع مل گیا۔ دو مرتبہ نشانہ خطا گیا اور گولے ہوزاروں کے اوپر سے نکل گئے لیکن تیسرا راؤنڈ ہوزاروں کے ایک گروپ کے درمیان میں گرا اور تین جوان نیچے گر پڑے۔

رستوف باگدانچ کے ساتھ اپنے تعلقات کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ وہ پل پر کھڑا تھا اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ وہاں کوئی ایسا شخص نہیں تھا جس سے وہ شمشیرزنی کرتا (اس کے ذہن میں جنگ کا یہی تصور تھا) اور پل جلانے میں وہ کوئی مدد نہیں دے سکتا تھا کیونکہ دیگر سپاہیوں کی طرح وہ گھاس پھونس کا گٹھا ساتھ نہیں لایا تھا۔ وہ وہیں کھڑا ادھر ادھر دیکھ رہا تھا کہ اسے اچانک دھڑ دھڑاہٹ سنائی دی جیسے کوئی کوئی اخروٹ توڑ رہا ہو اور اس کے قریب کھڑا ایک ہوزار چیختا چلاتا جنگلے سے ٹکرا کر نیچے گر گیا۔ دوسروں کے ساتھ رستوف بھی اس کی طرف بھاگا۔ ایک مرتبہ پھر کسی نے چلا کر کہا "سٹریچر!" چار آدمیوں نے ہوزار کو پکڑا اور اسے اوپر اٹھانے لگے۔ زخمی چیختے ہوئے بولا "اوہ۔۔۔ مسیح کا واسطہ مجھے چھوڑ دو" تاہم انہوں نے اسے اٹھا کر سٹریچر پر ڈال دیا۔ نکولائی رستوف پرے ہٹ گیا اور دور فاصلے پر دریائے ڈینیوب کے پانیوں، آسمان اور سورج کو دیکھنے لگا جیسے کوئی شے تلاش کر رہا ہو۔ آسمان کتنا صاف، نیلا، پرسکون اور عمیق دکھائی دے رہا تھا۔ غروب ہوتا سورج کس قدر چمکدار اور عظیم تھا۔ دور دریائے ڈینیوب کی آب و تاب کتنی شفاف تھی۔ اور ڈینیوب کے عقب میں دکھائی دینے والے پہاڑوں، خانقاہ، پراسرار وادیوں اور صنوبر کے جنگلات کا، جن کی چوٹیاں برف سے ڈھکی تھیں، منظر اور بھی دلکش تھا۔۔۔ وہاں امن، سلامتی اور خوشی تھی۔۔۔ رستوف نے سوچا "اگر میں وہاں ہوتا تو مجھے کسی چیز کی خواہش نہ ہوتی، صرف مجھ میں اور دھوپ میں کتنی مسرت ہے، اور یہاں۔۔۔ آہیں، مصیبتیں، غیر یقینی اور جلد بازی ہے۔۔۔ یہاں وہ بار بار کچھ چلا رہے ہیں، ہر کوئی کہیں پیچھے بھاگ رہا ہے اور میں بھی ان کے ساتھ بھاگ رہا ہوں، اور یہاں میرے اوپر اور اردگرد موت منڈلا رہی ہے۔۔۔ ایک لمحے کی بات ہے، اور پھر میں یہ دھوپ، پانی، پہاڑ اور وادی کبھی نہیں دیکھ سکوں گا۔۔۔" اسی لمحے سورج بادلوں میں روپوش ہو گیا اور رستوف کو مزید سٹریچر لائے جاتے دکھائی دیے۔ موت اور سٹریچروں کا خوف نیز سورج اور زندگی سے محبت تمام آپس میں گھل مل گئے اور اسے خوف نے آن گھیرا۔

رستوف نے اپنے آپ سے سرگوشی کرتے ہوئے کہا "اچھے خدا، تم آسمانوں پر موجود ہو، مجھے محفوظ رکھنا، معاف کر دینا اور مصیبتوں سے بچانا"

ہوزار اپنے گھوڑوں کی طرف واپس بھاگ لیے، وہ با آواز بلند گفتگو کر رہے تھے اور پہلے کی نسبت پرسکون دکھائی دیتے تھے۔ جلد سٹریچر نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

واسکا دینی سوف نے اس کے کان کے قریب چلا کر کہا "ہاں لڑکے، تو پھر تم نے بارود کی بو سونگھ لی!"

رستوف نے سوچا "قصہ ختم ہو گیا مگر میں ڈرپوک ہوں، ہاں میں بالکل ڈرپوک ہوں، پھر اس نے گہری سانس لی اور اردلی کی طرف چل دیا۔ اس نے اپنے گھوڑے رخ کی لگام پکڑی جو ایک ٹانگ پر کھڑا تھا اور اس پر سوار ہونے لگا۔

اس نے دینی سوف سے پوچھا "وہ کیا تھا۔ گریپ شاٹ؟"

دینی سوف نے با آواز بلند جواب دیا "ہاں، اسی جیسی شے تھی، انہوں نے زبردست انداز میں توپیں چلائیں۔ مگر یہ بہت گھناؤنا کام ہے۔ گھڑسوار فوج کا حملہ اس سے کہیں زیادہ زبردست ہوتا ہے۔۔۔ کشتوں کے پشتے

جھالروں والے گہرے سبز کوٹ اور نیلی برجس پہنے سپاہیوں کے چھوٹے سے گروہ کو دیکھ رہے تھے جو پل کے قریب کھڑا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ دریا کی دوسری جانب نیلے اوورکوٹ اور آگے بڑھتے توپخانے کے گھڑ سوار جتھے بھی ان کی نظروں کے سامنے تھے۔

کیا یہ پل کو آگ لگا سکیں گے یا نہیں؟ وہاں کون پہلے پہنچے گا؟ کیا وہ بھاگ کر وہاں پہنچ جائیں گے اور پل کو آگ لگا دیں گے یا فرانسیسی انہیں گریپ شاٹ کا نشانہ بنا کر ہلاک کر دیں گے؟ یہ وہ سوالات تھے جو پل سے اوپر پہاڑی پر کھڑے فوجیوں میں سے ہر ایک کے ڈوبتے دل میں ابھر رہے تھے۔ ان کی نگاہیں شام کی تیز روشنی میں پل، ہوزاروں اور نیلے اوورکوٹ میں ملبوس سپاہیوں پر گڑی تھیں جو سنگینیں اور بندوقیں تھامے مخالف سمت سے بڑھتے چلے آ رہے تھے۔

نیسوتسکی بولا "اف! ہوزار مارے جائیں گے، اب وہ گریپ شاٹ کی زد میں ہیں"

سٹاف افسر نے کہا "اس نے اتنے سارے آدمی ساتھ لے جا کر غلطی کی"

نیسوتسکی کہنے لگا "ہاں، یقیناً، اگر وہ دو دلیر جوان ہی بھیج دیتا تو کافی تھے"

زرکوف نے ہوزاروں نظریں جمائے رکھیں اور سادگی سے بولا "واہ! جناب عالی۔ کیا بات کہی۔ صرف دو آدمی بھیج دیے جائیں تو پھر ہمیں ولادی میر تمغہ اور فیتہ کون دے گا؟ لیکن اگر اب وہ تمام مارے بھی جائیں تو سکواڈرن انعام و کرام کا مستحق ٹھہرے گا۔ ہمارے اچھے دوست باگدانچ خوب جانتے ہیں کہ ایسے کام کیسے کئے جاتے ہیں" اس کے لہجے سے یہ اندازہ لگانا ممکن نہیں تھا کہ وہ مذاق کر رہا ہے یا اپنی بات میں سنجیدہ ہے۔

سٹاف افسر بولا "وہ۔۔۔ گریپ شاٹ"

اس نے فرانسیسی توپوں کی جانب اشارہ کیا جو گاڑیوں سے علیحدہ کی جا رہی تھیں اور انہیں تیزی سے پرے ہٹایا جا رہا تھا۔

فرانسیسیوں کی سمت میں توپوں والے گروہ کے درمیان سے دھوئیں کا مرغولہ بلند ہوا۔ اس کے بعد تقریباً بیک وقت دوسرا اور تیسرا مرغولہ دکھائی دیا۔ جب انہوں نے پہلے گولے کی آواز سنی تو چوتھا مرغولہ فضا میں بلند ہوا۔ پھر یکے بعد دیگرے دو اور پھر تیسری آواز سنائی دی۔

نیسوتسکی نے کراہتے ہوئے کہا "اوہ، اوہ!" یوں لگ رہا تھا جیسے وہ سخت تکلیف میں مبتلا ہو۔ پھر وہ سٹاف افسر کا بازو تھامتے ہوئے بولا "دیکھو، ایک جوان گر گیا ہے، گر گیا ہے!"

سٹاف افسر بولا "میرا خیال ہے، دو گر گئے ہیں"

نیسوتسکی منہ پھیر کر بولا "اگر میں زار ہوتا تو کبھی جنگ نہ کرتا"

فرانسیسیوں نے تیزی سے توپوں میں دوبارہ گولے بھر لیے۔ نیلے کوٹوں میں ملبوس پیادہ فوج پل کی جانب بڑھنے لگی۔ دھوئیں کے مرغولے بے قاعدہ وقفوں سے دوبارہ بلند ہونے لگے، گریپ شاٹ کھڑکھڑاتے اور پل پر آ کر پھٹ جاتے۔ مگر اس مرتبہ نیسوتسکی کو نظر نہ آ سکا کہ پل پر کیا ہو رہا ہے۔ وہاں سے دھوئیں کا دبیز بادل بلند ہو رہا تھا۔ ہوزار اسے آگ لگانے میں کامیاب ہو چکے تھے اور فرانسیسی توپیں ان پر گولہ باری میں مصروف تھیں البتہ اب اس گولہ باری کا مقصد انہیں اپنے کام سے روکنا نہیں تھا بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ توپوں میں گولے بھرے جا چکے تھے اور نشانہ بنانے کیلئے دشمن سامنے موجود تھا۔

جب تک ہوزار اپنے گھوڑوں تک پہنچتے، فرانسیسیوں کو گریپ شاٹ کے تین راؤنڈ برسانے کا موقع مل گیا۔ دو مرتبہ نشانہ خطا گیا اور گولے ہوزاروں کے اوپر سے نکل گئے لیکن تیسرا راؤنڈ ہوزاروں کے ایک گروپ کے درمیان میں گرا اور تین جوان نیچے گر پڑے۔

رستوف باگدانچ کے ساتھ اپنے تعلقات کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ وہ پل پر کھڑا تھا اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ وہاں کوئی ایسا شخص نہیں تھا جس سے وہ شمشیر زنی کرتا (اس کے ذہن میں جنگ کا یہی تصور تھا) اور پل جلانے میں وہ کوئی مدد نہیں دے سکتا تھا کیونکہ دیگر سپاہیوں کی طرح وہ گھاس پھونس کا گٹھا ساتھ نہیں لایا تھا۔ وہ وہیں کھڑا ادھر ادھر دیکھ رہا تھا کہ اسے اچانک دھڑ دھڑاہٹ سنائی دی جیسے کوئی کوئی اخروٹ توڑ رہا ہو اور اس کے قریب کھڑا ایک ہوزار چیختا چلاتا جنگلے سے ٹکرا کر نیچے گر گیا۔ دوسروں کے ساتھ رستوف بھی اس کی طرف بھاگا۔ ایک مرتبہ پھر کسی نے چلا کر کہا "سٹریچر!" چار آدمیوں نے ہوزار کو پکڑا اور اسے اوپر اٹھانے لگے۔ زخمی چیختے ہوئے بولا "اووو۔۔۔ مسیح کا واسطہ مجھے چھوڑ دو" تاہم انہوں نے اسے اٹھا کر سٹریچر پر ڈال دیا۔ کھولائی رستوف پرے ہٹ گیا اور دور فاصلے پر دریائے ڈینیوب کے پانیوں، آسمان اور سورج کو دیکھنے لگا جیسے کوئی شے تلاش کر رہا ہو۔ آسمان کتنا صاف، نیلا، پرسکون اور عمیق دکھائی دے رہا تھا۔ غروب ہوتا سورج کس قدر چمکدار اور عظیم تھا۔ دور دریائے ڈینیوب کی آب و تاب کتنی شفاف تھی۔ اور ڈینیوب کے عقب میں دکھائی دینے والے پہاڑوں، خانقاہ، پراسرار وادیوں اور صنوبر کے جنگلات کا، جن کی چوٹیاں برف سے ڈھکی تھیں، منظر اور بھی دلکش تھا۔۔۔ وہاں امن، سلامتی اور خوشی تھی۔۔۔ رستوف نے سوچا "اگر میں وہاں ہوتا تو مجھے کسی چیز کی خواہش نہ ہوتی، صرف مجھ میں اور دھوپ میں کتنی مسرت ہے، اور یہاں۔۔۔ آہیں، مصیبتیں، غیر یقینی اور جلد بازی ہے۔۔۔ یہاں وہ بار بار کچھ چلا رہے ہیں، ہر کوئی کہیں پیچھے بھاگ رہا ہے اور میں بھی ان کے ساتھ بھاگ رہا ہوں، اور یہاں میرے اوپر اور ارد گرد موت منڈلا رہی ہے۔۔۔ ایک لمحے کی بات ہے، اور پھر میں یہ دھوپ، پانی، پہاڑ اور وادی کبھی نہیں دیکھ سکوں گا۔۔۔" اسی لمحے سورج بادلوں میں روپوش ہو گیا اور رستوف کو مزید سٹریچر لائے جاتے دکھائی دیے۔ موت اور سٹریچروں کا خوف تیز سورج اور زندگی سے محبت تمام آپس میں گھل مل گئے اور اسے خوف نے آن گھیرا۔

رستوف نے اپنے آپ سے سرگوشی کرتے ہوئے کہا "اچھے خدا، تم آسمانوں پر موجود ہو، مجھے محفوظ رکھنا، معاف کر دینا اور مصیبتوں سے بچانا"

ہوزار اپنے گھوڑوں کی طرف واپس بھاگ لیے، وہ با آواز بلند گفتگو کر رہے تھے اور پہلے کی نسبت پرسکون دکھائی دیتے تھے۔ جلد سٹریچر نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

واسکا دینی سوف نے اس کے کان کے قریب چلا کر کہا "ہاں لڑکے، تو پھر تم نے بارود کی بو سونگھ لی!"

رستوف نے سوچا "قصہ ختم ہو گیا مگر میں ڈرپوک ہوں، ہاں میں بالکل ڈرپوک ہوں، پھر اس نے گہری سانس لی اور اردلی کی طرف چل دیا۔ اس نے اپنے گھوڑے رخ کی لگام پکڑی جو ایک ٹانگ پر کھڑا تھا اور اس پر سوار ہونے لگا۔

اس نے دینی سوف سے پوچھا "وہ کیا تھا۔ گریپ شاٹ؟"

دینی سوف نے با آواز بلند جواب دیا "ہاں، اسی جیسی شے تھی، انہوں نے زبردست انداز میں توپیں چلائیں۔ مگر یہ بہت گھناؤنا کام ہے۔ گھڑ سوار فوج کا حملہ اس سے کہیں زیادہ زبردست ہوتا ہے۔۔۔ کشتوں کے پشتے

لگائے جا سکتے ہیں، مگر یہ تو ایسے تھا جیسے وہ نشانہ بازی کی مشق کر رہے ہوں"

بات مکمل کرنے کے بعد دینی سوف گھوڑے پر سوار ہو کر کرنل، نیسوتسکی، سٹاف افسر اور زرکوف پر مشتمل گروپ کی جانب چل دیا جو رستوف سے زیادہ دور نہیں تھے۔

رستوف نے سوچا "یوں لگتا ہے جیسے کسی نے بھی نہیں دیکھا" یہ حقیقت تھی کہ کسی نے کچھ نہیں دیکھا تھا کیونکہ جس ہیجانی کیفیت کا کیڈٹ کو پہلی مرتبہ تجربہ ہوا تھا اس سے ہر شخص آگاہ تھا۔

زرکوف کہنے لگا "اب آپ کے کہنے کیلئے بہت کچھ ہے، مجھے بھولیے گا نہیں اور کم از کم سب لیفٹیننٹ ہی بنوا دیجئے"

کرنل نے خوشی اور کامرانی کے جذبات میں جھومتے ہوئے کہا "شہزادے کو مطلع کر دو کہ میں نے پل جلا دیا ہے"

زرکوف بولا "اور اگر انہوں نے نقصان کی تفصیلات پوچھ لیں تو۔۔۔؟"

کرنل نے فوراً جواب دیا "وہ قابل ذکر نہیں ہیں، دو ہوزار زخمی ہوئے اور ایک موقع پر مارا گیا" یہ کہتے ہوئے اس کی مسرت چھپائے نہیں چھپتی تھی۔

☆☆☆

(9)

کوتوزوف کے زیر قیادت پینتیس ہزار افراد پر مشتمل فوج دریائے ڈینیوب کے کنارے کے ساتھ ساتھ پسپا ہو رہی تھی۔ بونا پارٹ کی قیادت میں ایک لاکھ فوج اس کا تعاقب کر رہی تھی جسے مقامی لوگوں کا تعاون بھی حاصل تھا۔ روسی فوج کا اپنے اتحادیوں پر اعتماد اٹھ چکا تھا۔ اس کی رسد دن بدن کم ہوتی جا رہی تھی اور ایسے حالات کا سامنا تھا جن کا پہلے کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا۔ دشمن اس کے قریب پہنچتا تو یہ رک جاتی اور اس کے عقبی دستے حریف کے ہراول سے چھوٹی چھوٹی جھڑپیں کر کے اسے پیچھے ہٹنے پر مجبور کرتے۔ اس دوران روسی فوج کی یہی کوشش ہوتی کہ اپنے زیادہ سے زیادہ اسلحہ اور ساز و سامان کو محفوظ رکھا جائے۔ ایسی جھڑپیں لمباخ، ایمسٹیٹن اور میلک کے مقامات پر ہوئیں مگر روسیوں کے حوصلے اور مستقل مزاجی (جس کا اعتراف دشمن نے بھی کیا) کے باوجود ان کا نتیجہ مزید تیز پسپائی کی صورت میں نکلا۔ وہ آسٹروی فوج جو الم میں دشمن کے ہاتھوں بچ نکلی تھی اور براؤناؤ میں کوتوزوف کی فوج میں شامل ہو گئی تھی، اب روسیوں سے علیحدہ ہو چکی تھی اور کوتوزوف کے پاس صرف اس کی اپنی کمزور اور تھکی ماندہ فوج رہ گئی تھی۔ ویانا کے دفاع کے بارے میں تو سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ حملے کیلئے آسٹروی جنگی کونسل نے حکمت عملی کی جدید سائنس کے اصولوں پر جو منصوبہ کوتوزوف کو ویانا میں پیش کیا تھا اس پر عمل کا وقت نہیں رہا تھا اور وہ اپنی فوج کا حشر بھی میک جیسا نہیں کرانا چاہتا تھا لہٰذا اب اس کے سامنے ایک ہی مقصد تھا کہ کسی نہ کسی طرح روس سے آنے والی تازہ دم سپاہ سے جا ملے تاہم اس مقصد کا حصول بھی تقریباً ناممکن دکھائی دے رہا تھا۔

28 اکتوبر کو کوتوزوف نے فوج کے ہمراہ دریائے ڈینیوب عبور کیا اور اس کے بائیں کنارے پر ہو لیا۔ اب جبکہ اس کے اور بونا پارٹ کی فوج کے بڑے حصے کے مابین دریا حائل ہو چکا تھا لہٰذا اس نے پہلی مرتبہ دشمن کے سامنے ڈٹ جانے کا فیصلہ کیا۔ 30 اکتوبر کو اس نے ڈینیوب کے بائیں کنارے پر موجود مورتائر کے ڈویژن پر حملہ کیا اور اسے

شکست دینے میں کامیاب رہا۔ اس لڑائی میں پہلی مرتبہ کچھ مال غنیمت ان کے ہاتھ لگا جس میں ایک جھنڈا، توپیں اور دشمن کے دو جرنیل شامل تھے۔ دو ہفتوں کی پسپائی کے بعد روسی فوج کو پہلی مرتبہ قیام کا موقع ملا۔ اس نے نہ صرف میدان جنگ میں کامیابی حاصل کی تھی بلکہ فرانسیسی فوج کو پسپائی پر بھی مجبور کر دیا تھا۔ اگرچہ سپاہی تھکاوٹ سے بے حال تھے اور ان کی وردیاں پھٹ چکی تھیں نیز زخمیوں، ہلاک شدگان اور لاپتہ ہونے والوں کی بدولت فوج کی ایک تہائی قوت کم ہو چکی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ اگرچہ بیمار اور زخمیوں کو ڈینیوب کے دوسرے کنارے پر ایک خط دے کر چھوڑ دیا گیا تھا جس میں کوتوزوف کی جانب سے دشمن سے ان کے ساتھ انسانیت برتنے کی اپیل کی گئی تھی نیز کریمس کے تمام بڑے ہسپتالوں اور مکانات میں زخمیوں اور بیماروں کو ٹھہرانے کی گنجائش نہ رہی تھی، تاہم ان تمام باتوں کے باوجود کریمس کی جھڑپ اور مورتائر کیخلاف فتح نے فوج کے حوصلے بلند کر دیے۔ ہیڈ کوارٹر سمیت پوری فوج میں ایسی خوش کن مگر بے بنیاد افواہیں زیر گردش تھیں کہ روس سے تازہ دم فوج آیا چاہتی ہے، آسٹروی فوج نے دشمن کیخلاف کامیابی حاصل کر لی ہے اور بونا پارٹ بدحواسی کے عالم میں پسپا ہو رہا ہے۔

شہزادہ آندرے لڑائی کے دوران آسٹروی جنرل شمٹ کے ساتھ رہا تھا جو جنگ میں ہلاک ہو گیا تھا۔ جنگ میں آندرے کا گھوڑا زخمی ہو گیا تھا اور گولی لگنے سے اس کے اپنے بازو پر بھی چھوٹا سا زخم آیا تھا۔ کمانڈر انچیف کی جانب سے خصوصی مہربانی کے اظہار کے طور پر اسے فتح کی خوشخبری سنانے آسٹروی دربار روانہ کیا گیا جو فرانسیسی خطرے کے پیش نظر اب ویانا سے برن منتقل ہو چکا تھا۔ جنگ والی رات وہ کوتوزوف کے نام دختوروف کا پیغام لے کر کریمس پہنچا تھا، اگرچہ اس پر ہیجانی کیفیت طاری تھی مگر اسے تھکاوٹ بالکل بھی محسوس نہیں ہو رہی تھی (اگرچہ وہ بہت زیادہ ہٹا کٹا نہیں تھا مگر کسی بھی طاقتور آدمی کی نسبت زیادہ مشقت برداشت کر سکتا تھا) اسی رات اسے خصوصی پیغام دے کر برن روانہ کر دیا گیا۔ ایسا پیغام لے جانے والے کو نہ صرف انعام و کرام ملتا تھا بلکہ اس کی ترقی بھی یقینی ہو جاتی تھی۔

رات اندھیری تھی اور آسمان ستاروں سے جگمگا رہا تھا۔ ایک روز قبل یعنی جنگ والے دن برفباری ہوئی تھی اور سفید برف میں سڑک سیاہ لکیر جیسی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ چھوٹی ڈاک گاڑی میں سفر کر رہا تھا اور اس کا ذہن جنگ کے اثرات، فتح کی خوشخبری اور ایسے دیگر خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ اسے وہ منظر یاد آ رہا تھا جب اس نے کمانڈر انچیف اور ساتھیوں کو الوداع کہا تھا۔ اس کی حالت ایسے شخص کی سی تھی جس طویل انتظار کے بعد کوئی خوشی نصیب ہوتی ہے۔ جونہی وہ آنکھیں بند کرتا، اس کے کانوں میں گولہ باری اور توپوں کی آوازیں گونجنے لگتیں اور ان آوازوں میں گاڑی کے پہیوں کی کھڑکھڑاہٹ اور فتح کا احساس بھی شامل ہو جاتا۔ ایک لمحے اس نے یہ خواب دیکھنا شروع کر دیا کہ روسی پسپا ہو رہے ہیں اور وہ خود ہلاک ہو چکا ہے، مگر وہ فوراً اس خیال سے باہر آ گیا اور اس پر کچھ ایسی خوشی طاری ہو گئی گویا اس پر ابھی یہ حقیقت منکشف ہوئی ہو کہ پسپا ہونے والے روسی نہیں بلکہ فرانسیسی تھے۔ اسے ایک مرتبہ پھر فتح کی تفصیلات اور میدان جنگ میں اپنی پر سکون دلیری یاد آ گئی جس سے اسے ایک گونہ اطمینان ہوا اور وہ اونگھنے لگا۔۔۔ ستاروں بھری تاریک رات کے بعد چمکدار اور سہانی صبح طلوع ہوئی۔ دھوپ میں برف پگھل رہی تھی۔ گھوڑے سرپٹ بھاگ رہے تھے اور سڑک کے دونوں کناروں پر مختلف اقسام کے جنگلات، کھیت اور درخت نظروں کے سامنے ابھرتے رہے۔

ایک پڑاؤ پر اسے زخمی روسیوں کا قافلہ ملا۔ سب سے اگلی گاڑی میں باربرداری کا روسی انچارج افسر پاؤں پسارے بیٹھا تھا اور ایک سپاہی کو مسلسل گالیاں بکے جا رہا تھا۔ تمام زخمی جرمن چھکڑوں پر سوار تھے اور ہر چھکڑے میں چھ یا اس سے بھی زیادہ بیمار، پٹیوں میں لپٹے اور غلیظ اشخاص پڑے تھے جنہیں پتھریلی سڑک پر مسلسل ہچکولے لگ

شکست دینے میں کامیاب رہا۔اس لڑائی میں پہلی مرتبہ کچھ مال غنیمت ان کے ہاتھ لگا جس میں ایک جھنڈا، توپیں اور دشمن کے دو جرنیل شامل تھے۔ دو ہفتوں کی پسپائی کے بعد روسی فوج کو پہلی مرتبہ قیام کا موقع ملا۔اس نے نہ صرف میدان جنگ میں کامیابی حاصل کی تھی بلکہ فرانسیسی فوج کو پسپائی پر بھی مجبور کر دیا تھا۔ اگرچہ سپاہی تھکاوٹ سے بے حال تھے اور ان کی وردیاں پھٹ چکی تھیں نیز زخمیوں، ہلاک شدگان اور لاپتہ ہونے والوں کی بدولت فوج کی ایک تہائی قوت کم ہو چکی تھی ۔اس کے ساتھ ساتھ اگرچہ بیمار اور زخمیوں کو ڈینیوب کے دوسرے کنارے پر ایک خط دے کر چھوڑ دیا گیا تھا جس میں کوتوزوف کی جانب سے دشمن سے ان کے ساتھ انسانیت برتنے کی اپیل کی گئی تھی نیز کریمس کے تمام بڑے ہسپتالوں اور مکانات میں زخمیوں اور بیماروں کو ٹھہرانے کی گنجائش نہ رہی تھی ،تاہم ان تمام باتوں کے باوجود کریمس کی جھڑپ اور مورتائر کیخلاف فتح نے فوج کے حوصلے بلند کر دیے۔ ہیڈکوارٹر سمیت پوری فوج میں ایسی خوش کن مگر بے بنیاد افواہیں زیر گردش تھیں کہ روس سے تازہ دم فوج آیا چاہتی ہے، آسٹروی فوج نے دشمن کیخلاف کامیابی حاصل کر لی ہے اور بوناپارٹ بدحواسی کے عالم میں پسپا ہو رہا ہے۔

شہزادہ آندرے لڑائی کے دوران آسٹروی جنرل شمٹ کے ساتھ رہا تھا جو جنگ میں ہلاک ہو گیا تھا۔ جنگ میں آندرے کا گھوڑا زخمی ہو گیا تھا اور گولی لگنے سے اس کے اپنے بازو پر بھی چھوٹا سا زخم آیا تھا۔کمانڈر انچیف کی جانب سے خصوصی مہربانی کے اظہار کے طور پر اسے فتح کی خوشخبری سنانے آسٹروی دربار روانہ کیا گیا جو فرانسیسی خطرے کے پیش نظر اب ویانا سے برن منتقل ہو چکا تھا۔ جنگ والی رات وہ کوتوزوف کے نام دختوروف کا پیغام لے کر کریمس پہنچا تھا، اگرچہ اس پر ہیجانی کیفیت طاری تھی مگر اسے تھکاوٹ بالکل بھی محسوس نہیں ہو رہی تھی (اگرچہ وہ بہت زیادہ ہٹا کٹا نہیں تھا مگر کسی بھی طاقتور آدمی کی نسبت زیادہ مشقت برداشت کر سکتا تھا) اسی رات اسے خصوصی پیغام دے کر برن روانہ کر دیا گیا۔ایسا پیغام لے جانے والے کو نہ صرف انعام و اکرام ملتا تھا بلکہ اس کی ترقی بھی یقینی ہو جاتی تھی۔

رات اندھیری تھی اور آسمان ستاروں سے جگمگا رہا تھا۔ایک روز قبل یعنی جنگ والے دن برفباری ہوئی تھی اور سفید برف میں سڑک سیاہ لکیر جیسی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ چھوٹی ڈاک گاڑی میں سفر کر رہا تھا اور اس کا ذہن جنگ کے اثرات، فتح کی خوشخبری اور ایسے دیگر خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ اسے وہ منظر یاد آ رہا تھا جب اس نے کمانڈر انچیف اور ساتھیوں کو الوداع کہا تھا۔اس کی حالت ایسے شخص کی سی تھی جس طویل انتظار کے بعد کوئی خوشی نصیب ہوتی ہے۔ جونہی وہ آنکھیں بند کرتا، اس کے کانوں میں گولہ باری اور توپوں کی آوازیں گونجنے لگتیں اور ان آوازوں میں گاڑی کے پہیوں کی کھڑکھڑاہٹ اور فتح کا احساس بھی شامل ہو جاتا۔ ایک لمحے اس نے یہ خواب دیکھنا شروع کر دیا کہ روسی پسپا ہو رہے ہیں اور وہ خود ہلاک ہو چکا ہے، مگر وہ فوراً اس خیال سے باہر آ گیا اور اس پر کچھ ایسی خوشی طاری ہو گئی گویا اس پر ابھی یہ حقیقت منکشف ہوئی ہو کہ پسپا ہونے والے روسی نہیں بلکہ فرانسیسی تھے۔ اسے ایک مرتبہ پھر فتح کی تفصیلات اور میدان جنگ میں اپنی پرسکون دلیری یاد آ گئی جس سے اسے ایک گونہ اطمینان ہوا اور وہ اونگھنے لگا۔۔۔۔ ستاروں بھری تاریک رات کے بعد چمکدار اور سہانی صبح طلوع ہوئی۔ دھوپ میں برف پگھل رہی تھی۔ گھوڑے سرپٹ بھاگ رہے تھے اور سڑک کے دونوں کناروں پر مختلف اقسام کے جنگلات، کھیت اور درخت نظروں کے سامنے ابھرتے رہے۔

ایک پڑاؤ پر اسے زخمی روسیوں کا قافلہ ملا۔سب سے اگلی گاڑی میں باربرداری کا روسی انچارج افسر پاؤں پسارے بیٹھا تھا اور ایک سپاہی کو مسلسل گالیاں بکے جا رہا تھا۔تمام زخمی جرمن چھکڑوں پر سوار تھے اور ہر چھکڑے میں چھ یا اس سے بھی زیادہ بیمار، پٹیوں میں لپٹے اور غلیظ اشخاص پڑے تھے جنہیں پتھریلی سڑک پر مسلسل ہچکولے لگ

رہے تھے۔ان میں سے کچھ باہم گفتگو کر رہے تھے (آندرے کو روسی الفاظ سنائی دیے) اور بعض روٹی چبا رہے تھے۔ زیادہ زخمی سپاہی اپنے برابر سے گزرتی ڈاک گاڑی کو بیمار بچوں کی سی نڈھال دلچسپی سے ٹکٹکی باندھ کر دیکھے جا رہے تھے۔

شہزادہ آندرے نے ڈرائیور کو ٹھہرنے کا حکم دیا اور ایک سپاہی سے پوچھا کہ "وہ کس لڑائی میں زخمی ہوئے ہیں؟"

ایک سپاہی نے جواب دیا "پرسوں ڈینیوب پر۔۔۔" شہزادہ آندرے نے اپنا بٹوہ نکالا اور سپاہی کو تین طلائی اشرفیاں دیں۔اسی دوران ایک افسر بھی اس کے قریب آ گیا جس کی طرف مڑتے ہوئے وہ بولا "یہ ان سب کیلئے ہیں" پھر وہ سپاہیوں سے کہنے لگا "خدا تمہیں صحت یاب کرے، ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے"

افسر نے پوچھا "کوئی خبر؟" اسے توقع تھی کہ وہ آندرے کو باتوں میں لگا لے گا۔

آندرے نے جواب دیا "اچھی خبر ہے" پھر اس نے ڈرائیور کو آگے بڑھنے کا حکم دیا اور گھوڑے سرپٹ بھاگنے لگے۔

جب پرنس آندرے برن پہنچا تو اندھیرا چھا چکا تھا۔اسے اپنے اردگرد اونچے مکانات، گھروں کی روشن کھڑکیاں اور دکانیں دکھائی دیں۔ سڑکیں روشن تھیں جن پر خوبصورت گاڑیاں کھڑکھڑاتی ہوئی گزر رہی تھیں۔ غرضیکہ زندگی سے بھرپور بڑے شہر کی وہ تمام فضا موجود تھی جو کیمپ سے آنے والے فوجی کیلئے انتہائی کشش کا باعث ہوتی ہے۔ تیز رفتار سفر اور رات بھر کی بے خوابی کے باوجود شہزادہ آندرے محل کی جانب جاتے ہوئے خود کو گزشتہ شام کی نسبت کہیں زیادہ چست و چالاک محسوس کر رہا تھا۔ صرف اس کی آنکھیں کسی قدر بے چینی کے باعث چمک رہی تھیں اور ذہن میں ایک کے بعد ایک خیال تیزی اور واضح طور سے ابھر رہا تھا۔اس نے جنگ کی تفصیلات دوبارہ یاد کیں جو منتشر ہونے کی بجائے بالکل اسی طرح واضح تھیں جیسے وہ انہیں شہنشاہ فرانسس کے سامنے پیش کرنا چاہتا تھا۔اس نے وہ تمام متوقع سوال اور ان کے جوابات بھی سوچ لیے جو اس سے پوچھے جا سکتے تھے۔ آندرے کو توقع تھی کہ اسے فوراً شہنشاہ کی خدمت میں پیش کر دیا جائے گا مگر محل کی صدر دروازے پر ایک افسر بھاگتا ہوا اس کی جانب آیا اور یہ جان کر کہ وہ خصوصی ایلچی ہے، اسے ایک اور دروازے کی جانب لے گیا۔

راستے میں اس نے آندرے سے کہا "جناب عالی! راہداری کے اختتام پر دائیں جانب مڑ جائیں وہاں آپ ڈیوٹی پر موجود ایجوٹنٹ سے ملیں گے جو آپ کو وزیر جنگ کے پاس لے جائے گا"

آندرے ایجوٹنٹ کے پاس پہنچ گیا جو اسے انتظار کرنے کا کہہ کر وزیر جنگ کے کمرے میں چلا گیا۔ پانچ منٹ بعد وہ واپس آیا اور احتراماً جھک کر آندرے کو اپنے آگے چلنے کی درخواست کی۔ وہ اسے ایک راہداری سے گزار کر وزیر جنگ کے نجی کمرے میں لے گیا۔ ایجوٹنٹ ضرورت سے زیادہ شائستگی اور انکساری کا مظاہرہ کر رہا تھا جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا جیسے وہ روسی ایجوٹنٹ کو بے تکلفی برتنے کا موقع نہیں دینا چاہتا۔ شہزادہ آندرے وزیر جنگ کے کمرے کے دروازے تک پہنچا تو اس کے پرمسرت جذبات بڑی حد تک دم توڑ چکے تھے۔ وہ اہانت محسوس کر رہا تھا اور اسے احساس ہی نہ ہو سکا کہ اس کے فخر و مباہات کے احساسات کب اہانت میں تبدیل ہو گئے، حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں ہوئی تھی جو احساسات میں ایسی تبدیلی کا موجب بنتی۔اس کے ذہن رسا نے اسی لمحے اسے ایک نکتہ سجھایا جس سے وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ وہ ایجوٹنٹ اور وزیر جنگ سے نفرت کرنے میں حق بجانب ہے۔اس نے سوچا کہ "ان لوگوں نے کبھی بارود کی بو تک نہیں سونگھی اسی

لیے یہ سمجھتے ہیں کہ شاید فتوحات حاصل کرنا بہت آسان ہے" اس کی آنکھیں حقارت سے سکڑ گئیں اور وہ وزیر کے کمرے میں جان بوجھ کر آہستہ آہستہ داخل ہوا۔ جب اس نے وزیر جنگ کو ایک بڑی میز کے پیچھے بیٹھے اور دومنٹ تک اپنی جانب کوئی توجہ نہ دیتے دیکھا تو اس کی نفرت اور بھی شدید ہوگئی۔ وزیر جنگ اپنا گنجا سر جس کی کنپٹیوں پر سرمئی گھنگھریالے بال تھے، دوموم بتیوں کے درمیان جھکائے چند کاغذات کا مطالعہ کرتے ہوئے ان پر پنسل سے نشانات لگا رہا تھا۔ اس نے دروازہ کھلنے اور قدموں کی چاپ پر توجہ دیے بغیر اپنا کام جاری رکھا اور نظریں نہ اٹھائیں۔

کچھ دیر بعد اس نے کاغذات ایجوٹنٹ کو تھماتے ہوئے کہا "انہیں لے جاؤ اور اس کے حوالے کردو" اس نے روسی ایلچی پر اب بھی توجہ نہ دی تھی۔

شہزادہ آندرے نے محسوس کیا کہ یا تو وزیر جنگ کو اپنے متعلقہ امور میں کوتوزوف کی فوج کی کارروائی سے دلچسپی نہیں اور یا پھر وہ محض روسی ایلچی کو ایسا باور کرانا چاہتا ہے۔ پھر اس نے سوچا کہ "کچھ بھی ہو، مجھے اس کی قطعاً کوئی پروا نہیں" وزیر جنگ نے باقی ماندہ کاغذات سمیٹے اور انہیں ترتیب سے رکھنے کے بعد اپنا سر اٹھایا۔ اس کا سر امتیازی اور دانشمندانہ تھا۔ مگر جب وہ شہزادہ آندرے کی طرف متوجہ ہوا تو اس کے چہرے سے سمجھداری اور عزم صمیم کا تاثر اس طرح غائب ہوگیا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ یہ تبدیلی عادتاً اور شعوری طور پر لاتا ہے۔ اس کے چہرے پر احمقانہ اور منافقانہ مسکراہٹ باقی رہ گئی۔ یہ مسکراہٹ ایسے لوگوں کا خاصہ ہوتی ہے جن کے پاس درخواست گزاروں کا تانتا بندھا رہتا ہے اور یہ کھلم کھلا منافقت کی پیداوار ہوتی ہے۔

وہ بولا "جنرل۔۔ فیلڈ مارشل کوتوزوف کی جانب سے؟ مجھے امید ہے کہ اچھی خبر ہوگی؟ مورتائر کے ساتھ جھڑپ ہوئی؟ فتح؟ ضروری تھی!"

اس نے مراسلہ لیا جو اسی کے نام تھا اور غمگین تاثرات کے ساتھ اسے پڑھنا شروع کردیا۔ خط پڑھتے ہوئے اس نے جرمن زبان میں کہا "اوہ! میرے خدا! میرے خدا! شمٹ! اتنا بڑا حادثہ!" اس نے مراسلے پر سرسری نگاہ دوڑائی اور اسے میز پر رکھ کر آندرے کی جانب دیکھنے لگا، معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کچھ سوچ رہا ہے۔

کچھ دیر بعد وہ کہنے لگا "اوہ، کتنا بڑا نقصان ہوا ہے! تم کہتے ہو کہ لڑائی فیصلہ کن رہی؟ تاہم مورتائر تو نہیں پکڑا گیا۔ اگرچہ شمٹ کی موت اس فتح کی بہت بھاری قیمت ہے تاہم مجھے خوشی ہے کہ تم اچھی خبر لائے ہو۔ یقیناً شہنشاہ معظم تم سے ملنا چاہیں گے مگر آج نہیں۔ تمہارا بیحد شکریہ، اب آرام کرو۔ کل سلامی کے بعد دربار میں پہنچ جانا۔ میں انہیں مطلع کردوں گا۔

وزیر جنگ کے چہرے پر جو احمقانہ مسکراہٹ دوران گفتگو غائب ہوگئی تھی دوبارہ واپس آ گئی۔ پھر اس نے دوبارہ کہا "تمہارا بیحد شکریہ۔ شہنشاہ معظم شاید تم سے ملنا پسند فرمائیں" یہ کہہ کر اس نے سر کو احتراماً جھکایا۔

شہزادہ آندرے محل سے نکلا تو اسے محسوس ہوا کہ فتح سے حاصل ہونے والی خوشی اور ولولہ اب وزیر جنگ اور اس کے شائستہ ایجوٹنٹ کے رحم و کرم پر ہے۔ اس کے خیالات اچانک تبدیل ہوگئے۔ اب اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے جنگ ہوئے طویل عرصہ بیت چکا ہے اور اس کے ذہن میں اس کی مدھم سی یاد ہی باقی رہ گئی ہے۔

(10)

برن میں شہزادہ آندرے نے اپنے دوست اور روسی سفارتکار بلیبن کے ہاں قیام کیا۔ بلیبن نے آندرے

کا استقبال کرتے ہوئے کہا "میرے پیارے شہزادے، مجھے تم سے زیادہ اور کسے دیکھ کر خوشی ہوسکتی ہے" پھر وہ ملازم سے جو بلکونسکی کو اپنے ساتھ لے آ رہا تھا، مخاطب ہو کر کہنے لگا "فرانس، شہزادہ آندرے کا سامان میری خوابگاہ میں پہنچا دو" پھر وہ بولا "تو تم فتح کی خبر لائے ہو؟ زبردست۔ ادھر میرا حال یہ ہے کہ طبیعت ہی ٹھیک نہیں ہوتی جیسا کہ تم دیکھ ہی رہے ہو"

نہانے اور کپڑے تبدیل کرنے کے بعد شہزادہ آندرے سفارتکار کے شاندار کمرے میں داخل ہوا اور کھانا کھانے بیٹھ گیا جو خصوصی طور پر اسی کے لیے تیار کیا گیا تھا۔ بلیبن خاموشی سے آتشدان کے قریب بیٹھ گیا۔

نہ صرف سفر بلکہ فوجی مہم کے دوران تمام عرصہ وہ صفائی اور زندگی کی اعلیٰ آسائشوں سے محروم رہا تھا اور اب جب وہ اس شاندار اور پرتکلف ماحول میں جس کا وہ بچپن سے عادی تھا، داخل ہوا تو اسے راحت کا خوشگوار احساس ہوا۔ مزید براں آسٹریا والوں نے اس کا جس طرح استقبال کیا تھا اس کے بعد وہ روسی زبان میں نہیں تو کم از کم ایک روسی سے ضرور بات کر رہا تھا (دونوں فرانسیسی زبان میں محو گفتگو تھے) اس کے خیال میں دیگر روسیوں کی طرح وہ بھی آسٹرویوں سے نفرت کرتا تھا۔

بلیبن پینتیس سالہ کنوارا شخص تھا اور اس کا تعلق بھی شہزادہ آندرے کے طبقے سے تھا۔ وہ پیٹرز برگ میں بھی ایک دوسرے سے شناسا تھا مگر دونوں کے تعلقات میں گرمجوشی اس وقت پیدا ہوئی جب آندرے آخری مرتبہ کوتوزوف کے ساتھ ویانا میں ٹھہرا تھا۔ جس طرح شہزادہ آندرے جیسے نوجوان کے بارے میں پیش گوئی کی جاسکتی تھی کہ وہ فوجی زندگی میں نمایاں مقام حاصل کرے گا، بالکل اسی طرح بلیبن سے متعلق یہ کہا جاسکتا تھا کہ وہ سفارتکاری کے میدان میں اس سے بھی زیادہ نام کمائے گا۔ وہ ابھی نوجوان تھا مگر سفارتکاری کے میدان میں نوآموز نہیں تھا اور سولہ سال کی عمر سے اس شعبے میں کام کر رہا تھا۔ وہ پیرس اور کوپن ہیگن میں خدمات انجام دے چکا تھا اور اب ویانا میں اہم عہدے پر فائز تھا۔ وزیر خارجہ اور ویانا میں ہمارے سفیر اسے جانتے اور اس کی قدر کرتے تھے۔ وہ ان بے شمار سفارتکاروں جیسا نہیں تھا جو محدود اور منفی قابلیت کے مالک ہوتے ہیں اور فرانسیسی بولنے اور بعض باتوں سے احتراز کرنے کو ہی اعلیٰ سفارتکاری گردانتے ہیں۔ وہ ان سفارتکاروں میں سے ایک تھا جو کام کرنا پسند کرتے ہیں اور اسے سمجھتے بھی ہیں نیز اپنی فطری سستی کے باوجود بعض اوقات وہ تمام رات میز پر ہی گزار دیتا تھا۔ وہ تمام نوعیت کے کام یکساں سلیقے سے انجام دیتا اور اسے "کیوں؟" سے زیادہ "کیسے؟" سے دلچسپی تھی۔ اسے اس بات سے غرض نہ تھی کہ سفارتی معاملے کی نوعیت کیا ہے، مراسلہ ہو، یادداشت یا رپورٹ، اسے انہیں مہارت، حکمت اور خوش اسلوبی سے تیار کرنے میں بیحد لطف آتا تھا۔ ان تمام باتوں سے قطع نظر ان کی خدمات اس لیے بھی گرانقدر تصور کی جاتی تھیں کہ وہ اعلیٰ حکام سے گفتگو کے فن سے بخوبی آشنا تھا۔

بلیبن اپنے کام کی طرح بحث و مباحثے سے بھی لطف اندوز ہوتا تھا بشرطیکہ یہ شستہ اور بذلہ سنجی سے معمور ہو۔ اعلیٰ طبقے میں اسے ہمیشہ ایسے موقع کی تلاش رہتی کہ وہ کوئی انوکھی بات کہہ سکے اور صرف اسی وقت گفتگو میں شریک ہوتا جب ایسے مواقع موجود ہوتے تھے۔ بلیبن کی گفتگو ہمیشہ عمومی دلچسپی کے طبع زاد، نکتہ رس اور نستعلیق جملوں سے سجی ہوتی تھی۔ وہ ایسے جملے اپنے ذہن کی تجربہ گاہ میں پہلے ہی سے تیار کرلیتا تاکہ کند ذہن افراد بھی انہیں باآسانی یاد رکھ سکیں اور ایک سے دوسرے ڈرائنگ روم میں دہراتے پھریں۔ بلیبن کی ایسی باتیں ویانا کے ڈرائنگ روموں میں بھی دہرائی جاتی تھیں اور نام نہاد اہم واقعات پر اثر انداز ہوتی تھیں۔

اس کا دبلا پتلا، تھکا تھکا اور زرد چہرہ گہری شکنوں سے بھرا رہتا اور یہ ہمیشہ اسقدر صاف ستھری اور دھلی دھلائی دکھائی دیتی تھیں جتنی کسی شخص کی انگلیاں نہانے کے بعد نظر آتی ہیں۔ اس کے چہرے پر تاثرات انہی شکنوں کی حرکات کی بدولت پیدا ہوتے۔ ایک لمحے اس کی پیشانی شکن آلود ہو جاتی اور بھنویں تن جاتیں جبکہ دوسرے ہی لمحے بھنویں نیچے گر جاتیں اور رخساروں پر گہری شکنیں نمودار ہو جاتیں۔ اس کی آنکھیں اندر کو دھنسی تھیں جو ہر وقت مسکراتی نظر آتیں اور ان سے مخلصانہ پن ٹپکتا تھا۔

پھر وہ بولا "خیر، اب مجھے اپنی فتوحات کے بارے میں بتلاؤ" بلکونسکی نے واضح انداز میں معرکے کی تفصیلات بتائیں، اس دوران اس نے ایک مرتبہ بھی اپناذکر نہ کیا اور اس کے بعد وزیر جنگ کی جانب سے اپنے استقبال کی روداد بلاکم وکاست بیان کر دی۔ اس نے بلیبن کو بتایا "انہوں نے میرا اور میری خبر کا استقبال یوں کیا جیسے اس کی کوئی اہمیت ہی نہ ہو۔

بلیبن طنزیہ انداز سے مسکرایا اور اس کے چہرے کی شکنیں غائب ہو گئیں۔

بعدازاں اس نے اپنے ہاتھ پرے کر کے ان کا جائزہ لیا اور اپنی بائیں آنکھ کے اوپر جلد کو سکیڑتے ہوئے کہنے لگا "میرے عزیز دوست، اگرچہ میں مقدس روسی فوج کا بیحد احترام کرتا ہوں تاہم مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ تمہاری یہ فتح کوئی ایسا غیر معمولی کارنامہ نہیں ہے"

اس نے فرانسیسی زبان میں گفتگو جاری رکھی اور روسی الفاظ تبھی استعمال کرتا تھا جب ان پر حقارت آمیز انداز میں زور دینے کی ضرورت پیش آتی تھی۔

بلیبن نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا "کیوں؟ تم اپنی پوری فوج کے ساتھ بدقسمت مورتارز کے ایک ڈویژن پر پل پڑے، اس کے باوجود مورتارز تمہارے ہاتھ نہ آ سکا؟ یہ کیسی فتح ہے؟

شہزادہ آندرے نے جواب دیا "اگر سنجیدگی سے غور کیا جائے تو ہم شیخی بگھارے بغیر کہہ سکتے ہیں کہ الم کی نسبت یہاں ہماری کارکردگی بہتر رہی۔۔۔"

بلیبن بولا "آخر آپ لوگوں نے ہمارے لیے ایک، صرف ایک مارشل کیوں نہ پکڑا؟

آندرے نے جواباً کہا "کیونکہ میدان جنگ میں ہر بات توقع کے مطابق نہیں ہوتی اور تمام امور پریڈ جیسے باترتیب انداز میں انجام نہیں پاتے۔ جیسا کہ میں تمہیں بتا چکا ہوں ہمیں توقع تھی کہ ہم صبح سات بجے دشمن کے عقب میں حملہ کر دیں گے، مگر ہم شام پانچ بجے سے پہلے اس تک نہ پہنچ سکے"

بلیبن نے مسکراتے ہوئے کہا "تم لوگ سات بجے تک وہاں کیوں نہ پہنچ سکے؟ تمہیں وہاں مقررہ وقت پر پہنچنا چاہیے تھا"

شہزادہ آندرے نے بھی اسی لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا "تم لوگ بوناپارٹ کو سفارتکاری کے ذریعے اس بات پر کیوں قائل نہ کر سکے کہ جینوا کو چھوڑ دینا ہی اس کے حق میں بہتر تھا" ۔

بلیبن نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا "میں جانتا ہوں تم سوچ رہے ہو گے کہ آگ کے قریب صوفے پر بیٹھ کر مارشلوں کو پکڑنا نہایت آسان کام ہے۔ یقیناً ایسا سوچنا آسان ہے تاہم میرا سوال اب بھی اپنی جگہ قائم ہے کہ آپ لوگوں نے اسے کیوں نہ پکڑا؟ اور اگر وزیر جنگ کی طرح شہنشاہ روس اور شاہ فرانس بھی تمہاری فتح پر خوشی کا اظہار نہ کریں تو تمہیں تعجب نہیں ہونا چاہیے۔ اور تو اور روسی سفارتخانے کے مجھ جیسے معمولی سیکرٹری کو بھی زیادہ خوشی نہیں

ہوئی" یہ کہہ کر وہ آندرے کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگا اور اس کی پیشانی سے شکنیں غائب ہو گئیں۔

بلکونسکی بولا "میرے عزیز دوست، اب کیوں کہنے کی باری میری ہے، مجھے اعتراف ہے کہ میں یہ نہیں سمجھ سکا، شاید اس کا باعث سفارتی باریکیاں ہوں جو میری ناقص عقل کی رسائی سے باہر ہیں، تاہم یہ بات میری سمجھ سے بالاتر ہے۔ میک پوری فوج سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے، آرچ ڈیوک فرڈیننڈ اور آرچ ڈیوک کارل زندگی کی کسی علامت کا اظہار نہیں کرتے اور ایک کے بعد دوسری غلطی کرتے جاتے ہیں، صرف ایک کوتوزوف کو فتح حاصل ہوتی ہے اور وزیر جنگ اتنی دلچسپی کا اظہار بھی نہیں کرتے کہ معرکے کی تفصیلات ہی دریافت کر لیں!"

بلیبن نے جواباً کہا "میرے عزیز، اس کی وجہ صاف ظاہر ہے، تم دیکھتے نہیں کہ واہ واہ زار، روس اور تمہارے مسلک کی ہوئی! بہت خوب، مگر ہمیں اس سے کیا، میرا مطلب ہے آسٹروی دربار کو تمہاری فتوحات سے کیا غرض؟ تم ہمارے لیے آرچ ڈیوک کارل یا فرڈیننڈ (جیسا کہ تم جانتے ہو کبھی آرچ ڈیوک ایک جیسے ہیں) کی فتح کی خوشخبری لاؤ خواہ یہ بوناپارٹ کے فائر بریگیڈ کے خلاف ہی کیوں نہ حاصل کی گئی ہو، یہ اصل خوشخبری ہو گی اور اس کا توپوں کی گھن گرج میں خیر مقدم کیا جائے گا۔ اس کے برعکس تمہارا حالیہ کارنامہ ہمیں چڑانے کے مترادف ہے۔ آرچ ڈیوک کارل نے کچھ نہیں کیا، آرچ ڈیوک فرڈیننڈ کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا، تم نے ویانا کو اس کے حال پر چھوڑ دیا اور اس کے دفاع سے ہاتھ کھینچ لیا جیسے کہہ رہے ہو خدا ہمارے ساتھ ہے جبکہ تم اور تمہارا دارالحکومت شیطان کے حوالے۔ شمٹ ہمارا واحد جرنیل تھا جس پر ہم بھی فخر کرتے تھے، اسے تم نے گولی کی نذر کر دیا اور ہمیں اپنی فتح کی مبارکباد پیش کر رہے ہو!۔۔۔ تمہیں اعتراف کرنا چاہیے کہ تم جو خبر لائے ہو اس سے زیادہ جھنجھلا دینے والی کسی اور شے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے جان بوجھ کر کیا جائے۔ چلو چھوڑو، فرض کرو تمہیں واقعی کوئی بڑی فتح حاصل ہوتی ہے یا آرچ ڈیوک کارل ہی کہیں بڑی کامیابی حاصل کر لیتا ہے تو یہ جاری حالات پر کس حد تک اثر انداز ہو سکے گی؟ ویانا پر فرانسیسی فوجوں کے قبضے کے بعد ایسی فتوحات بے وقت کی راگنی ہیں"

"قبضہ؟ ویانا پر قبضہ ہو گیا" آندرے نے حیرانی سے پوچھا۔

بلیبن نے جواب دیا "نہ صرف ویانا پر قبضہ ہو گیا ہے بلکہ بوناپارٹ شون برن پہنچ گیا ہے اور نواب، ہمارے پیارے نواب اربنا اس سے احکامات وصول کرنے جاتے ہیں"

سفر کی تھکاوٹ اور خیالات نیز برن میں اپنے استقبال اور پھر اس کھانے کے بعد اسے محسوس ہوا کہ وہ جو کچھ سن رہا ہے اس کی اہمیت کا درست ادراک کرنے سے قاصر ہے"

بلیبن نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا "نواب للکشن فیلڈ آج صبح یہاں آیا تھا اور اس نے مجھے ایک خط دکھایا جس میں فرانسیسیوں کے ویانا پر قبضے کے بعد جشن کی تمام تفصیلات مندرج تھیں۔۔۔ اب تم دیکھ لو کہ تمہاری فتح ایسی شے نہیں جس پر شادیانے بجائے جائیں اور تمہارا ہمارے نجات دہندہ کے طور پر استقبال کیا جائے۔۔۔"

شہزادہ آندرے نے جواب دیا "مجھے اس کی واقعی کوئی پروا نہیں، ذرا بھی پروا نہیں" اب وہ سمجھنے لگا تھا کہ آسٹروی دارالحکومت کے سقوط جیسے واقعات کے تناظر میں کریمس کی فتح کسی خاص اہمیت کی حامل نہیں تھی۔ اس نے بلیبن سے پوچھا "ویانا پر کیسے قبضہ ہوا؟ وہاں کے پل اور مشہور مورچے نیز شہزادہ اورسپرگ کا کیا ہوا؟ ہم نے سنا ہے کہ اورسپرگ ویانا کا دفاع کر رہا تھا۔

بلیبن نے کہا "شہزادہ اورسپرگ اس طرف ہماری سمت میں مقیم ہے اور ہمارا دفاع کر رہا ہے، اگرچہ میرے

خیال میں اس کی کارکردگی اچھی نہیں تاہم وہ ہمارا دفاع کر رہا ہے۔ مگر ویانا دریا کے دوسرے کنارے پر ہے۔ نہیں، پل پر ابھی قبضہ نہیں ہوا اور مجھے امید ہے کہ قبضہ ہوگا بھی نہیں کیونکہ اس کے نیچے بارودی سرنگیں بچھادی گئی ہیں اور اسے اڑانے کا حکم جاری ہو چکا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہم بہت پہلے بوہیمیا کے پہاڑوں پر پہنچ چکے ہوتے اور تم اور تمہاری فوج دونوں اطراف سے گولہ باری کے درمیان پھنس جاتی۔''

آندرے نے کہا ''لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ مہم کا خاتمہ ہو گیا''

بلیبن نے جواب دیا ''مگر میرا خیال ہے کہ کھیل ختم ہو چکا ہے۔ یہاں کے سرکردہ لوگوں کا بھی یہی خیال ہے اگرچہ وہ اس کے کھلے بندوں اظہار کی ہمت نہیں رکھتے۔ ہوگا وہی جس کا اظہار میں نے مہم کے آغاز میں کیا تھا کہ یہ معاملہ تمہاری ڈورنستائن جیسی لڑائیوں سے طے نہیں ہوگا'' پھر اس نے اپنا ہی مقولہ دہراتے ہوئے کہا ''معاملات کا تصفیہ بارود سے نہیں ہوتا بلکہ انہیں وہی حل کر سکتے ہیں جو ان کا سبب بنتے ہیں۔ اب مسئلہ صرف یہ ہے کہ شہنشاہ الیگزنڈر اور شاہ پرشیا کے مابین ملاقات کا کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ اگر پرشیا اتحاد میں شامل ہو گیا تو وہ آسٹریا کو بھی اپنے پتے دکھانے پر مجبور کر دے گا اور جنگ یقینی ہو جائے گی۔ اگر ایسا نہیں ہوتا تو پھر معاملہ صرف اتنا رہ جائے گا کہ نئے کیمپو فورمیو معاہدے کی دفعات کہاں مرتب ہوتی ہیں''

شہزادہ آندرے نے اپنی مٹھی اچانک میز پر ماری اور با آواز بلند بولا ''کیسا غیر معمولی نابغہ روزگار شخص ہے، کیا قسمت پائی ہے اس نے!''

بلیبن نے سوالیہ انداز میں کہا ''بونا پارٹ؟'' پھر اس نے اپنی بھنویں یوں سکیڑلیں جیسے کوئی مزاحیہ بات کہنا چاہتا ہو۔ کچھ دیر توقف کے بعد وہ بولا ''بونا پارٹ (اس نے لفظ و پر خاص زور دیا) میرا خیال ہے اب جبکہ وہ شون برن سے آسٹریا کیلئے احکامات جاری کر رہا ہے، ہمیں چاہیے کہ اسے 'و' سے نجات حاصل کر لینے دیں۔ میں یقیناً یہ جدت کو اختیار کروں گا اور اسے صرف بونا پارٹ کہہ کر پکاروں گا''

آندرے کہنے لگا ''مذاق مت کرو، کیا تمہیں واقعی یقین ہے کہ مہم ختم ہو چکی ہے؟''

بلیبن نے جواباً کہا ''میرا جو خیال تھا وہ میں نے تمہیں بتا دیا۔ آسٹریا کو بیوقوف بنایا گیا ہے اور وہ اس کا عادی نہیں ہے۔ اور وہ یقیناً اس کا جواب دے گا۔ اسے بیوقوف بنایا گیا ہے، پہلے اس کے صوبوں کو برباد کیا گیا (وہ کہتے ہیں کہ مقدس روسی افواج ظالمانہ انداز سے لوٹ مار کر رہی ہیں) اس کی فوج تباہ ہو گئی، دارالحکومت پر قبضہ ہو گیا اور یہ سب عزت مآب سارڈینیا کی خوشی کیلئے کیا گیا۔ میرے پیارے دوست یہ بات ہمارے درمیان ہی رہنی چاہیے کہ میری چھٹی حس کہتی ہے ہمارے ساتھ دھوکہ کیا جا رہا ہے اور یہ مجھے بتاتی ہے کہ درون خانہ فرانس کے ساتھ صلح کی بات چیت جاری ہے تاکہ امن کا معاہدہ، خفیہ معاہدہ طے کیا جا سکے''

شہزادہ آندرے نے کہا ''ناممکن! یہ تو انتہائی گھٹیا حرکت ہوگی''

بلیبن بولا ''یہ وقت بتائے گا'' اس کی پیشانی کی شکنیں غائب ہونے لگیں جو اس امر کی علامت تھی کہ گفتگو ختم ہو چکی ہے۔

جب شہزادہ آندرے اپنے لیے تیار کئے گئے کمرے میں گیا اور پروں سے بنے گرم و معطر بستر پر لیٹا تو اسے محسوس ہوا جیسے وہ جس لڑائی کی خبر لایا تھا وہ اس سے دور، کہیں بہت دور تھی۔ اس کا دماغ پرشیا کے اتحاد، آسٹریا کی غداری، بونا پارٹ کی نئی فتوحات، اگلے روز کی سلامی، پریڈ، دربار اور شہنشاہ فرانس سے اس کی ملاقات کے موضوعات

میں الجھا ہوا تھا۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور اچانک اس کے کانوں میں توپوں کے دھاڑنے، بندوقوں کی فائرنگ، پہیوں کے چرچرانے کی آوازیں گونجنے لگیں۔ اسے ایک مرتبہ پھر بندوقچی پہاڑی کے دامن میں بھاگتے دکھائی دیے، فرانسیسی فائرنگ کر رہے تھے۔ اسے اپنے دل کی دھڑکن سنائی دی اور وہ خود کو ایک مرتبہ پھر شٹ کے ساتھ محاذ پر دیکھنے لگا۔ گولیاں اس کے دائیں بائیں سے سنسناتی گزر رہی تھیں اور بچپن کے بعد پہلی مرتبہ اسے اپنی زندگی پیاری محسوس ہونے لگی۔ وہ جاگ گیا۔

''ہاں، یہ سب کچھ ہوا تھا!۔۔۔'' اس نے بچوں کی مانند مسکرا کر خود کلامی کی اور جوانوں کی طرح گھوڑے بیچ کر سو گیا۔

(11)

اگلے روز وہ دیر سے جاگا۔ گزشتہ تاثرات کا جائزہ لینے کے بعد اس کے ذہن میں جو پہلا خیال آیا وہ یہ تھا کہ آج اسے شہنشاہ فرانسس کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ اس نے وزیر جنگ، شائستہ ایجوٹنٹ، بلیبن اور گزشتہ شام ہونے والی گفتگو کو یاد کیا۔ دربار میں حاضری دینے کیلئے اس نے اپنی پوری وردی زیب تن کی جو اس نے طویل عرصے سے نہ پہنی تھی اور بلیبن کے مطالعے کے کمرے میں چلا گیا۔ اس کے ہاتھ پر پٹی بندھی تھی تاہم وہ تازہ دم اور جوش و ولولے سے بھرپور تھا۔ سفارتی عملے کے چار ارکان وہاں پہلے سے موجود تھے۔ ان میں موجود شہزادہ اپولٹ کوراگن سے، جو سفارتخانے میں سیکرٹری تھا شہزادہ آندرے پہلے ہی آشنا تھا۔ دیگر اشخاص کا تعارف بلیبن نے کرایا۔

بلیبن سے ملنے کیلئے آنے والے یہ اصحاب اعلیٰ طبقے سے تعلق رکھنے والے، دولت مند اور خوش طبع نوجوان تھے جنہوں نے ویانا کی طرح یہاں بھی ایک خاص حلقہ بنا لیا تھا جس کی قیادت بلیبن کے ہاتھوں میں تھی۔ اس حلقے میں سفارتکار ہی شامل ہو سکتے تھے اور ان لوگوں کی دلچسپیوں کا بظاہر سیاست اور جنگ سے کوئی تعلق نہ تھا، یہ دلچسپیاں اعلیٰ طبقے، خاص خواتین اور ملازمت کے رسمی پہلو کے گرد گھومتی تھیں۔ ان لوگوں نے شہزادہ آندرے کو فوری طور پر اپنے حلقے کا فرد تسلیم کر لیا اور یہ وہ عزت افزائی تھی جو ہر شخص کے حصے میں نہیں آتی تھی۔ شائستگی اور آغاز گفتگو کے مدنظر انہوں نے اس سے فوج اور جنگ کے حوالے سے چند سوالات کئے جس کے بعد وہ دوبارہ بے تکی گفتگو اور ہنسی مزاح میں مشغول ہو گئے۔

ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی کے ساتھ پیش آنے والے سانحے کا ذکر کرتے ہوئے کہا ''لیکن اس تمام قصے کا مزیدار پہلو یہ ہے کہ وزیر نے اسے واضح طور پر بتا دیا ہے کہ لندن میں اس کی تعیناتی ترقی تھی اور وہ بھی اسے ترقی ہی سمجھے۔ یہ سن کر اس کی جو شکل بنی، کیا تم اس کا تصور کر سکتے ہو؟''

دوسرا بولا ''لیکن دوستو، اس معاملے کا بدترین پہلو یہ ہے۔۔۔ میں یہاں کوراگن کے راز سے پردہ اٹھا رہا ہوں۔۔۔ اس کی بدقسمتی کا سراسر فائدہ اس ڈان جان کو ہوا ہے''

شہزادہ اپولٹ آرام کرسی پر بیٹھا تھا اور اس نے اپنی ٹانگیں کرسی کے بازو پر رکھی تھیں، ساتھی کی بات سن کر وہ ہنس دیا جبکہ دیگر چلا کر بولے ''اوہ ڈان جان، ارے تم مار آستین!''

بلیبن نے آندرے کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا ''بلکونسکی تم شاید نہیں جانتے کہ فرانسیسی فوج کے مظالم

(میں فرانسیسی کی بجائے ''روسی فوج'' کہنے والا تھا) ان تباہ کاریوں کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے جو ہمارا یہ ساتھی خواتین کی صفوں میں برپا کرتا رہتا ہے۔

شہزادہ اپولت نے فرانسیسی میں کہا ''عورت تو مرد کی رفیق ہے'' یہ کہہ کر وہ اپنی ٹانگوں کی جانب دیکھنے لگا جو اس نے کرسی کے بازو پر ٹکا رکھی تھیں۔

بلیبن اور دیگر اصحاب نے اپنی نگاہیں اس کے چہرے پر گاڑ دیں اور کھلکھلا کر ہنسنے لگے۔ شہزادہ آندرے کو یاد آیا کہ یہ تو وہی اپولت ہے جس کا (اسے اعتراف کرنا پڑا کہ وہ اپنی بیوی کی وجہ سے اس سے حسد کرنے لگا تھا) اس کے اپنے حلقے میں ہر ایک مذاق اڑایا کرتا تھا۔

بلیبن نے آندرے کے کان میں کہا ''جب یہ سیاست پر بحث کرتا ہے تو بہت لطف آتا ہے، میں تمہیں بھی لطف اندوز کراتا ہوں'' وہ اپولت کے قریب بیٹھ گیا اور پیشانی سکیڑ کر اس سے سیاست کے موضوع پر بات چیت کرنے لگا۔ شہزادہ آندرے اور دیگر ان دونوں کے گرد کھڑے ہو گئے۔

اپولت نے معنی خیز نظروں سے ان کی جانب دیکھتے ہوئے کہا ''برلن کی کابینہ اتحاد کے بارے میں اپنی رائے نہیں دے سکتی، اظہار کے بغیر۔۔۔ جیسا کہ ان کے تازہ ترین مراسلے سے۔۔۔ تم سمجھتے ہو۔۔۔ تم سمجھتے ہو۔۔۔ اور اس کے ساتھ، اگر عزت مآب شہنشاہ ہمارے معاہدے کے اصول سے نہیں پھرتے''۔۔۔ وہ شہزادہ آندرے کا بازو پکڑتے ہوئے بولا ''ٹھہرو، میری بات ختم نہیں ہوئی، میرا خیال ہے کہ یہ مداخلت، عدم مداخلت سے بہتر ثابت ہو گی۔۔۔ اور۔۔۔'' اس نے کچھ دیر توقف کیا اور پھر کہنے لگا ''اگر ہمارا 28 نومبر کا مراسلہ انہیں نہیں ملا تو اسے فیصلہ کن امر نہیں کہا جا سکتا۔ تو معاملہ یوں ختم ہوگا'' یہ کہہ کر اس نے شہزادہ آندرے کا بازو چھوڑ دیا جو اس امر کی علامت تھی کہ وہ اپنی بات ختم کر چکا ہے۔

بلیبن بولا ''ڈیموستھینیز میں نے تمہیں اس سنہری کنکری سے پہچانا ہے جو تم منہ میں چھپائے پھرتے ہو'' اس نے یہ بات ایسے کہی جیسے وہ بالکل مطمئن ہو اور اس کا اظہار اس کے سر پر موجود چند ایک بالوں کی حرکت سے ہو رہا تھا۔

ہر شخص ہنسنے لگا۔ اپولت کی ہنسی دوسروں سے کہیں زیادہ بلند تھی۔ بظاہر وہ اذیت میں مبتلا تھا اور اسے سانس لینے میں دشواری پیش آ رہی تھی لیکن وہ اپنی اس مجنونانہ ہنسی پر قابو نہیں پا سکتا تھا جس نے اس کے غیر جذباتی چہرے پر تشنج کی سی کیفیت پیدا کر دی تھی۔

بلیبن نے کہا ''دوستو، ذرا سنئے، بلکونسکی یہاں برن میں میرا مہمان ہے اور میں اسے جس قدر ہو سکے یہاں زندگی کی تمام نعمتیں فراہم کرنا چاہتا ہوں۔ اگر ہم ویانا میں ہوتے تو یہ بیحد آسان تھا مگر یہاں اس بل میں یہ کسی قدر مشکل ہوگا اور میں اس سلسلے میں تم سب سے مدد کی درخواست کرتا ہوں۔ برن میں ہمیں اس کی بھرپور مہمان نوازی کرنا ہے۔ تم اسے تھیٹر لے جاؤ گے اور میں اعلیٰ طبقات میں، اپولت، یقیناً خواتین کی ذمہ داری تمہارے سر ہے''

ایک شخص نے اپنی انگلیوں کی پوریں چومتے ہوئے کہا ''ہمیں انہیں ایمیلی سے ضرور ملوانا چاہیے، وہ بیحد پرکشش خاتون ہے''

بلیبن بولا ''ہم سب کو مل جل کر اس خونخوار فوجی کا دل انسانی دلچسپی کی زیادہ سے زیادہ چیزوں سے بہلانا چاہیے''

بلکونسکی نے اپنی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا ''مجھے خدشہ ہے کہ میں آپ حضرات کی مہمان نوازی سے شاید

ہی مستفید ہو سکوں۔ میرے جانے کا وقت ہو گیا ہے''

کسی نے پوچھا ''کہاں؟''

آندرے نے جواب دیا ''شہنشاہ کے حضور''

مخاطب بولا ''اوہ! اوہ! اوہ!''

مختلف افراد بیک وقت بولے ''اچھا، خدا حافظ بلکونسکی! شام کے کھانے پر جلد آیئے گا، ہم آپ کا خیال رکھیں گے''

بلیبن اسے دروازے تک چھوڑنے آیا اور کہنے لگا ''جب تمہاری شہنشاہ سے ملاقات ہو تو ان کے سامنے اپنے فوجوں کو فراہم کی جانے والی رسد اور راستوں کی نشاندہی کے حوالے سے تعریف کرنا مت بھولنا''

بلکونسکی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ''مجھے ایسا کر کے خوشی ہوتی تاہم جو کچھ میں نے دیکھا ہے اس کے بعد ایسا کرنا ممکن نہیں''

بلیبن بولا ''بہرحال، جس قدر ہو سکے ان سے باتیں کرتے رہنا۔ وہ لوگوں سے ملنے کے شوقین ہیں مگر خود گفتگو کرنا پسند نہیں کرتے۔ اور ایسا کر ہی نہیں سکتے۔ تم خود دیکھ لو گے''

(12)

شاہی دربار میں شہنشاہ فرانسس نے شہزادہ آندرے کے جو آسٹروی افسروں کے مابین اپنی جائے مقررہ پر کھڑا تھا، چہرے کی جانب محض غور سے دیکھا اور اپنی لمبی گردن ہلا دی۔ مگر دربار کے اختتام پر اسی ایجوٹنٹ نے جس سے گزشتہ روز اس کی رسمی ملاقات ہوئی تھی، اسے بتایا کہ شہنشاہ اس سے ملاقات کے خواہش مند ہیں۔ شہنشاہ نے کمرے کے درمیان میں کھڑے ہو کر اس کا استقبال کیا۔ گفتگو سے قبل شہزادہ آندرے کو شدت سے احساس ہوا کہ شہنشاہ کا لہجہ اکھڑا ہوا ہے اور وہ سمجھ نہیں پا رہا کہ کیا کہے۔ اس کا چہرہ بھی سرخ ہو رہا تھا۔

شہنشاہ نے تیزی سے سوال کیا ''مجھے بتاؤ کہ لڑائی کب شروع ہوئی؟''

شہزادہ آندرے نے جواب دیا۔ اس کے بعد چند مزید سیدھے سادھے سوالات پوچھے گئے جیسے کوتوزوف خیریت سے تھا؟ تمہیں کریمس سے روانہ ہوئے کتنے دن ہو چکے ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ شہنشاہ یوں بول رہا تھا جیسے اس کا واحد مقصد محض مخصوص تعداد میں سوالات پوچھنا ہو چونکہ ان سوالوں کے جواب بالکل عیاں تھے اس لیے اسے ان میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔

شہنشاہ نے پوچھا ''لڑائی کس وقت شروع ہوئی؟''

آندرے نے جواب دیا ''حضور عالی! مجھے یہ تو اندازہ نہیں کہ محاذ میں اگلی صفوں پر لڑائی کب شروع ہوئی تاہم ڈورنسٹائن میں جہاں میں تعینات تھا، ہمارے دستوں نے شام چھ بجے حملہ کیا'' یہ بات کہتے ہوئے بلکونسکی کا لہجہ پرجوش ہو گیا اور اسے امید ہونے لگی کہ جو کچھ اس نے دیکھا اور جو کچھ وہ جانتا تھا اور اس نے ان باتوں کا ذہن میں جو نقشہ ترتیب دے رکھا تھا اب اسے تفصیل سے بیان کرنے کا موقع آ گیا ہے۔ مگر شہنشاہ نے مسکرا کر اس کی بات کاٹ دی اور پوچھا ''کتنے میل؟''

آندرے نے کہا ''جناب عالی! کہاں سے کہاں تک؟''

شہنشاہ بولا ''ڈورنستائن سے کریمس تک''

آندرے نے جواب دیا ''حضور! ساڑھے تین میل''

شہنشاہ نے پوچھا ''فرانسیسی بایاں کنارہ خالی کر چکے ہیں؟''

شہزادہ آندرے بولا ''ہمارے جاسوسوں کی اطلاع کے مطابق ان کے آخری آدمی کی کشتی رات کے وقت دریا پار کر چکی تھی''

سوال کیا گیا ''کریمس میں تمہارے پاس رسد کافی ہے؟''

آندرے بولا ''رسد اتنی فراہم نہیں کی گئی کہ۔۔۔''

شہنشاہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا ''جنرل شمٹ کس وقت ہلاک ہوئے؟''

آندرے نے جواب دیا ''جہاں تک میرا خیال ہے، سات بجے''

شہنشاہ نے کہا ''سات بجے؟ بیحد افسوسناک! بیحد افسوسناک!''

شہنشاہ نے اس کا شکریہ ادا کیا اور گردن جھکا دی۔ شہزادہ آندرے پیچھے ہٹ گیا اور ایک دم اسے درباریوں نے گھیرے میں لے لیا۔ اسے ہر طرف دوستانہ چہرے اور دوستانہ نگاہیں دکھائی دیں۔ اسی شائستہ ایجوٹنٹ نے اسے ڈانٹا کہ وہ اس کے مکان میں کیوں نہ ٹھہرا اور اسے اپنے گھر قیام کی پیشکش کر دی۔ وزیر جنگ اس کے پاس آیا اور مبارکباد دی کہ شہنشاہ اسے ''آرڈر آف ماریا ٹریسا'' کا تیسرے درجے کا تمغہ عطا کر رہے ہیں۔ ملکہ کے معتمد نے اسے مطلع کیا کہ وہ بھی آپ سے ملاقات کی متمنی ہیں۔ آندرے کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کس کس کی بات کا جواب دے اور اسے حواس بحال کرنے میں کچھ دیر لگ گئی۔ روسی سفیر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور کھڑکی کے پاس لے جا کر اس سے گفتگو شروع کر دی۔

بلبین کی پیش گوئی کے برعکس اس کی لائی ہوئی خبر کا پرجوش خیر مقدم ہوا۔ خدا کا شکر ادا کرنے کیلئے خصوصی تقریبات کا انعقاد کیا گیا۔ کوتوزوف کو ماریا ٹریسا کے بڑے تمغے سے نوازا گیا اور تمام فوج کیلئے انعام و اکرام جاری کئے گئے۔ بلکونسکی کو ہر جانب سے دعوت نامے موصول ہوئے اور اس کی تمام شام آسٹروی حکومت کے سرکردہ حکام سے ملنے ملانے میں صرف ہو گئی۔ شام پانچ بجے وہ ملاقاتوں سے فارغ ہو کر بلبین کی جانب روانہ ہوا۔ اس دوران وہ جنگ اور برن میں اپنے استقبال کے حوالے سے اپنے والد کو لکھے جانے والے خط کے مندرجات ترتیب دے رہا تھا۔ بلبین کے دروازے پر ایک گاڑی سامان سے نصف بھری کھڑی تھی۔ اس کا ملازم فرانز دروازے سے برآمد ہوا اور ایک سفری صندوق باہر گھسیٹنے کی کوشش کرنے لگا۔

بلکونسکی نے پوچھا ''کیا ہوا؟''

فرانز بصد مشکل صندوق کو گاڑی پر رکھتے ہوئے بولا ''اوہ، حضور آپ! ہم مزید آگے جا رہے ہیں۔ وہ بدذات یہاں بھی پہنچنے والا ہے!''

آندرے بولا ''اوہ، کیا کہہ رہے ہو؟''

بلبین اسے ملنے باہر آ گیا۔ اس کے عموماً پرسکون رہنے والے چہرے پر اضطراب کی پرچھائیاں نمایاں تھیں۔

آندرے کو دیکھتے ہی اس نے کہا ''نہیں، نہیں، اب تمہیں اعتراف کرنا ہی ہوگا کہ تابور کے اس پل کا قصہ بھی خاصا دلچسپ ہے۔ انہوں نے ایک گولی چلائے بغیر دریا پار کر لیا''

شہزادہ آندرے کچھ نہ سمجھ سکا۔

بلبین کہنے لگا ''کیوں، تم کہاں تھے؟ وہ بات جو اب شہر کے ہر کوچوان کو معلوم ہے تمہیں کیوں معلوم نہ ہو سکی؟''

آندرے نے جواب دیا ''میں ملکہ کے ہاں سے آ رہا ہوں۔ وہاں تو میں نے ایسی کوئی بات نہیں سنی''

بلبین نے کہا ''اور تم نے جا بجا لوگوں کو سامان باندھتے بھی نہیں دیکھا؟''

شہزادہ آندرے نے بعجلت پوچھا ''نہیں، میں نے کچھ نہیں دیکھا۔۔۔ مگر معاملہ کیا ہے؟''

بلبین کہنے لگا ''معاملہ کیا ہے، معاملہ یہ ہے کہ فرانسیسیوں نے وہ پل عبور کر لیا جس کا دفاع اور سپرگ کر رہا تھا۔ چونکہ انہوں نے پل نہیں اڑایا تھا اس لیے مورات سڑک کے ساتھ ساتھ تیزی سے برن کی جانب آ رہا ہے اور آج یا کل وہ یہاں ہوں گے''

آندرے نے کہا ''یہاں؟ مگر جب پل کے نیچے بارودی سرنگیں بچھا دی گئی تھیں تو اسے اڑایا کیوں نہ گیا؟''

بلبین کہنے لگا ''یہی سوال میں تم سے پوچھ رہا ہوں۔ کوئی نہیں حتیٰ کہ بوناپارٹ بھی اس کیوں کا جواب نہیں جانتا''

آندرے بولا ''اگر انہوں نے پل عبور کر لیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ فوج بیکار ہو گئی۔ اس کا رابطہ منقطع ہو جائے گا''

بلبین نے جواب دیا ''یہی اصل نکتہ ہے۔ سنو، جیسا کہ میں نے تمہیں بتایا تھا فرانسیسی ویانا میں داخل ہو گئے تھے۔ ٹھیک۔ اگلے روز مورات، لان اور بیلیارڈ گھوڑوں پر سوار ہو کر پل پر پہنچ گئے (یہ تینوں گاسکن سے تعلق رکھتے ہیں) ان میں سے ایک کہتا ہے ''حضرات، آپ جانتے ہیں کہ تابور پل کے نیچے بارودی سرنگیں ہیں اور ان کا توڑ کرنے کیلئے جوابی سرنگیں بچھائی جا چکی ہیں۔ پل کے پار پندرہ ہزار فوج موجود ہے جسے حکم دیا گیا ہے کہ پل اڑا دیا جائے اور ہمیں اسے عبور کرنے کا موقع نہ دیا جائے۔ تاہم اگر ہم پل پر قبضہ کر لیتے ہیں تو ہمارے عالی مقام شہنشاہ نپولین بیحد خوش ہوں گے۔ تو پھر آؤ وہاں چلتے ہیں اور پل پر قبضہ کرتے ہیں'' دیگر اس کی بات کے جواب میں کہتے ہیں ''ٹھیک ہے، آؤ چلیں'' پھر وہ چل پڑتے ہیں اور پل پر قابض ہو جاتے ہیں۔ اب وہ ڈینیوب کی اس سمت اپنی تمام فوج کے ساتھ ہماری، تمہاری اور تمہارے ذرائع رسد کی طرف بڑھ رہے ہیں''

شہزادہ آندرے نے غمناک سنجیدگی سے کہا ''مذاق مت کرو''

اس خبر سے آندرے کو دکھ بھی ہوا اور خوشی بھی۔ جونہی اس نے سنا کہ روسی فوج ایسی خراب صورتحال کا شکار ہو چکی ہے تو اس کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوا کہ میں ہی وہ شخص ہوں جس کے مقدر میں روسی فوج کی رہنمائی کرنا اور اسے اس صورتحال سے باہر نکالنا ہے۔ یہ اس کا ''تولون'' ہوگا جو اسے غیر معروف افسروں کی صف سے باہر نکال کر شہرت کی راہ پر ڈال دے گا! بلبین کی باتیں سننے کے دوران وہ سوچ رہا تھا کہ فوج میں واپس جا کر میں جنگی کونسل میں ایسا منصوبہ پیش کروں گا اور صرف وہی منصوبہ فوج کو بچا سکے گا اور پھر مجھے ہی اس منصوبے پر عمل کیلئے کہا جائے گا''

آندرے نے دوبارہ کہا ''مذاق چھوڑو یار''

بلبین نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا ''میں مذاق نہیں کر رہا۔ اس سے زیادہ درست اور افسوسناک بات اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ یہ تینوں حضرات تن تنہا پل پر آتے ہیں اور سفید رومال لہراتے ہیں۔ وہ ڈیوٹی پر موجود افسر کو قائل

کر لیتے ہیں کہ وہ مارشل ہیں اور شہزادہ اور سپرگ سے صلح کی بات چیت کیلئے آئے ہیں۔ افسر انہیں مور چے میں لے آتا ہے۔ تینوں گاسکن اسے بے تکی سناتے ہیں کہ جنگ ختم ہو چکی ہے۔ شہنشاہ فرانسس نے بونا پارٹ کے ساتھ ملاقات کا اہتمام کیا ہے اور یہ کہ وہ شہزادہ اور سپرگ سے ملنا چاہتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ افسر اور سپرگ کو بلانے کیلئے پیغام بھیجتا ہے۔ یہ گاسکن حضرات افسروں سے معانقے کرتے، انہیں لطیفے سناتے اور توپ پر بیٹھ جاتے ہیں جبکہ اسی دوران ایک فرانسیسی بٹالین چپکے سے پل پر پہنچ کر بارود سے بھری بوریاں دریا میں پھینک دیتی ہے اور مورچے کی جانب بڑھنے لگتی ہے۔ آخر کار لیفٹیننٹ جنرل بذات خود نمودار ہوتے ہیں' ہمارے پیارے شہزادہ اور سپرگ وان موٹرن، ہمارے پیارے دشمن! آسٹروی گھڑ سوار فوج کے مایہ ناز کمانڈر، ترکی جنگوں کے ہیرو، جنگ و جدل ختم، اب ہم مصافحہ کر سکتے ہیں۔۔۔ شہنشاہ نپولین شہزادہ اور سپرگ سے ملاقات کیلئے بے تاب ہیں' مختصر یہ کہ یہ حضرات جو یونہی گاسکن نہیں ہیں، اسے خوبصورت الفاظ سے اس قدر متاثر کرتے ہیں کہ اس کیلئے جواب دینا ممکن نہیں رہتا۔ وہ فرانسیسی مارشلوں کی برق رفتار بے تکلفی سے اتنا متاثر ہوا، ان کے اوور کوٹوں اور مورات کے سر پر شتر مرغ کے پروں نے اس کی آنکھیں اس قدر چندھیا دیں کہ جس آگ کا رخ اسے ان کی طرف کرنا چاہیے تھا وہ اس کی اپنی آنکھوں میں جلنے لگی' بلبین جس جوش وولولے سے گفتگو کر رہا تھا اس کے باوجود اس نے درمیان میں وقفہ دیا تاکہ بلکونسکی کو اس کی تحسین کا موقع مل سکے۔ پھر اس نے بات آگے بڑھائی اور بولا" ایک فرانسیسی بٹالین مورچے کی جانب بڑھتی ہے اور پل پر قبضہ ہو جاتا ہے" بلبین پر اپنی ہی کہانی کا کچھ ایسا اثر ہوا کہ وہ اپنی پریشانی بھی بھول گیا، اس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا" سب سے پر لطف بات یہ ہے کہ اس سارجنٹ نے جس کے ذمے توپوں سے فائر کر کے بارودی سرنگوں کو آگ لگانے کی ڈیوٹی تھی، فرانسیسی دستوں کو پل پر بھاگتے دیکھ لیا اور فائر کرنے کی کوشش کی مگر لان نے اس کا ہاتھ روک لیا۔ یہ سارجنٹ جو اپنے جرنیل سے زیادہ سمجھدار معلوم ہوتا تھا اور سپرگ کے پاس گیا اور کہنے لگا" شہزادے، وہ آپ سے دھوکہ کر رہے ہیں، فرانسیسی تو یہاں آپہنچے ہیں۔ مورات نے دیکھ لیا کہ اگر سارجنٹ کو مزید بات کا موقع ملا تو کھیل بگڑ جائے گا۔ چنانچہ وہ بناوٹی حیرت (سچے گاسکن کی طرح) کا اظہار کرتے ہوئے اور سپرگ سے کہنے لگا" یہ ہے آسٹریا کا نظم وضبط جس کے کل عالم میں چرچے تھے، نچلے درجے کا سارجنٹ آپ سے یوں بھی مخاطب ہو سکتا ہے؟" یہ نابغہ روزگار شخص کا وار تھا۔ شہزادہ اور سپرگ نے اپنا وقار مٹی میں ملتا محسوس کیا اور سارجنٹ کی گرفتاری کا حکم دے دیا۔ ہاں، اعتراف کرو کہ نا بورپل کی داستان بیحد پر لطف ہے۔ یہ حماقت ہے نہ بزدلی۔۔۔"

شہزادہ آندرے نے کہا" غالباً یہ غداری ہے" وہ تصورات میں سرمئی اوور کوٹ، زخم، دھواں اور فائرنگ دیکھ رہا تھا، اس کے ساتھ ساتھ عظمت بھی اس کی منتظر تھی۔

بلبین بولا"نہیں، یہ بھی نہیں۔ اس سے تو دربار کو کچھ عزت حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ غداری ہے، بزدلی نہ حماقت، یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا الم میں ہوا۔۔۔" معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کوئی مناسب ترکیب ڈھونڈ رہا ہو۔ پھر اس نے کہا" یہ وہی حرکت تھی جو میک نے کی۔ یوں سمجھو ہمیں میک کر دیا گیا ہے" وہ یوں محسوس کر رہا تھا جیسے اس نے کوئی نیا لفظ تخلیق کر دیا ہو اور اب ہر ایک کے سامنے اسے دہراتا پھرے گا۔ اس کے ماتھے کی شکنیں ایک مرتبہ پھر غائب ہو گئیں۔ یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ وہ مطمئن ہے۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی اور وہ اپنے ناخنوں کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔

وہ اچانک آندرے کی جانب مڑا جو اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔ بلبین نے اس سے

پوچھا" کہاں جا رہے ہو؟"

آندرے نے جواب دیا" مجھے ہر صورت جانا ہوگا"

بلبین نے پوچھا" کہاں؟"

شہزادہ آندرے بولا" فوج میں"

بلبین کہنے لگا" مگر تم نے تو مزید دو دن قیام کرنا تھا؟"

آندرے نے کہا" ہاں، مگر اب مجھے فوری روانہ ہونا ہے" اپنے سفر کے بارے میں چند ہدایات دینے کے بعد وہ اپنے کمرے کی جانب چل دیا۔

بلبین اس کے کمرے میں آ گیا اور بولا" میرے پیارے دوست، کیا تمہیں علم ہے کہ میں تمہارے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ تم کیوں جا رہے ہو؟" اس بات کے ثبوت میں کہ وہ جو دلائل دینے والا تھا ان کی تردید ممکن نہیں، اس کے چہرے سے شکنیں غائب ہو گئیں۔

شہزادہ آندرے نے اس کی جانب سوالیہ نگاہوں سے دیکھا تاہم خاموش رہا۔

بلبین کہنے لگا" تم کیوں جا رہے ہو؟ میں جانتا ہوں، تمہارا خیال ہے کہ اب جبکہ فوج خطرے میں ہے تو تمہارا فرض بنتا ہے کہ تم جلد از جلد اس تک پہنچ جاؤ۔ میں سمجھتا ہوں میرے دوست، اسے ہی ہیروازم کہتے ہیں"

آندرے نے کہا" نہیں، یہ بات نہیں"

بلبین کہنے لگا" لیکن تم تو فلسفی ہو، پھر مکمل فلسفی کیوں نہیں بنتے، معاملات کا دوسرا رخ بھی دیکھو، پھر تم اس نتیجے پر پہنچو گے کہ ان معاملات کے ساتھ ساتھ اپنا خیال رکھنا بھی تمہارا فرض ہے۔ یہ باتیں ان پر چھوڑ دو جو کسی اور کام کے اہل نہیں۔۔۔ تمہیں واپس پہنچنے کا کوئی حکم نہیں دیا گیا اور تم یہاں سے سبکدوش بھی نہیں ہوئے۔ لہٰذا تم یہیں ٹھہر سکتے ہو اور ہمارے ساتھ چلو۔ سنا ہے ہم اول موتس جا رہے ہیں۔ اول موتس بیحد خوبصورت قصبہ ہے۔ تم میرے ساتھ میری گاڑی میں باآسانی وہاں جا سکتے ہو"

بلکونسکی بولا" بلبین بس کرو، بہت مذاق ہو گیا"

بلبین نے کہا" میں دوست کی حیثیت سے سنجیدگی سے بات کر رہا تھا۔ ذرا غور کرو کہ جب تم یہاں قیام کر سکتے ہو تو پھر کہاں اور کس مقصد کے تحت جا رہے ہو۔ تمہارے سامنے دو راستے ہیں" یہ کہتے ہوئے بلبین کی بائیں کنپٹی کے قریب جلد پر شکنیں پڑ گئیں۔ اس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا" یا تو تمہارے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی معاہدہ امن طے پا جائے گا یا پھر کوتوزوف کی تمام فوج کو ہونے والی شکست اور رسوائی میں تم بھی شریک ہو جاؤ گے" یہ کہہ کر بلبین کے چہرے کی شکنیں درست ہو گئیں جیسے یہ مسئلہ لاینحل ہو۔

شہزادہ آندرے نے سرد مہری سے کہا" میں اس بارے میں بحث نہیں کر سکتا" مگر اس نے سوچا" میں فوج کو بچانے جا رہا ہوں"

بلبین نے کہا" میرے پیارے ساتھی، تم ہیرو ہو"

(13)

بلکونسکی نے اسی رات وزیر جنگ سے اجازت لی اور فوج کی جانب روانہ ہو گیا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ فوج

کہاں ہوگی اور اس کے ساتھ ساتھ یہ دھڑکا بھی لگا تھا کہ کریمس کے راستے پر وہ کہیں فرانسیسیوں کے ہتھے نہ چڑھ جائے۔

برن میں دربار سے وابستہ تمام لوگ اپنا سامان باندھ رہے تھے اور بھاری سامان پہلے ہی اول موٹس بھیجا جا چکا تھا۔ ایسلس ڈاروف کے قریب آندرے اس سڑک پر پہنچ گیا جس کے ساتھ ساتھ روسی فوج انتہائی بدنظمی کے عالم میں تیزی سے بھاگی جا رہی تھی۔ سڑک سامان بردار چھکڑوں سے اس طرح اٹی ہوئی تھی کہ اس پر گاڑی کا گزرنا محال تھا۔ آندرے نے قازقوں کے کمانڈر سے ایک گھوڑا اور قازق اردلی لیا۔ بھوک پیاس اور شدید تھکن کے باوجود وہ کمانڈر انچیف اور اپنے سامان کی تلاش میں گاڑیوں کے بیچوں بیچ آگے بڑھنے لگا۔ دوران سفر اسے فوج کی حالت کے بارے میں انتہائی مایوس کن افواہیں سننے کو ملیں اور جس بدنظمی سے فوج بھاگی چلی جا رہی تھی اس سے ان افواہوں کی تصدیق ہوتی تھی۔

اس نے مہم کے آغاز پر بوناپارٹ کے اپنی فوج سے خطاب کے دوران کہے الفاظ یاد کئے "جس روسی فوج کو برطانوی سونے کی کشش دنیا کے اس کونے سے یہاں کھینچ لائی ہے اس کا ہم وہی حشر کریں گے (جو عالم میں لڑنے کیلئے آنے والی فوج کا ہوا تھا) ان الفاظ نے اسے اپنے ہیرو کی ذہانت پر حیرت میں مبتلا کر دیا۔ ایک جانب اسے ناامیدی کا احساس ہوا تو دوسری طرف عظمت کے حصول کی امید بھی پیدا ہونے لگی۔ اس نے سوچا "اگر موت کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا تو میں کسی اور کی نسبت برے انداز سے نہیں مروں گا"

شہزادہ آندرے نے پریشان حال فوجیوں، سامان بردار چھکڑوں، توپخانے کی یونٹوں اور ہمہ اقسام کی گاڑیوں کے جتھوں کو حقارت آمیز انداز سے دیکھا جو کیچڑ سے بھری سڑک پر ایک دوسرے کیلئے رکاوٹ بن رہے تھے اور بعض اوقات تو تین چار گاڑیاں ایک دوسرے کے برابر ہو جاتی تھیں۔ آگے پیچھے، دائیں بائیں ہر طرف تاحد سماعت پہیوں کی کھڑکھڑاہٹ، گاڑیوں، چھکڑوں اور توپ گاڑیوں کی گڑگڑاہٹ، گھوڑوں کے سموں کی ٹپ ٹپ، چابکوں کی آواز، کوچوانوں کی چیخ و پکار، سپاہیوں، اردلیوں اور افسروں کی گالم گلوچ سنائی دے رہی تھی۔ سڑکوں کے کناروں پر جابجا گھوڑے گرے دکھائی دیے، مار پیٹ کے نتیجے میں ان میں سے بعض کی چمڑی تک ادھڑ گئی تھی۔ شکستہ گاڑیاں بھی ادھر ادھر بکھری تھیں جن پر اکا دکا سپاہی بیٹھے کسی کا انتظار کر رہے تھے۔ اپنی کمپنیوں سے بچھڑ جانے والے سپاہیوں کے گروہ قریبی دیہاتوں میں لوٹ مار کر رہے تھے اور اپنے ساتھ بھیڑیں، مرغیاں، گھاس اور چارے سے بھری بوریاں لا رہے تھے۔ سڑک کی چڑھائی اور اترائی پر ہجوم بیحد بڑھ جاتا اور شور اتنا تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ سپاہی گھٹنوں تک کیچڑ میں دھنسے ہوئے تھے اور توپوں و چھکڑوں کے سہارے آگے بڑھ رہے تھے۔ چابک سنسناتے، گھوڑوں کے سم پھسلتے، قدموں کے نشان تیزی سے مٹتے جاتے اور مسلسل چلانے سے گلے پھٹ رہے تھے۔ پسپائی کی نگرانی پر مامور افسر گھوڑوں پر گاڑیوں کے آگے پیچھے بھاگے پھرتے تھے۔ عمومی ہاؤ ہو میں ان کی آوازیں بمشکل سنائی دے رہی تھیں اور ان کے چہروں سے عیاں تھا کہ وہ اس بدنظمی پر قابو پانے کی امید کھو چکے ہیں۔

بلکونسکی کو بلخین کے الفاظ یاد آئے "یہ ہماری مذہبی روایات کی حامل پیاری فوج ہے"

وہ کمانڈر انچیف کا اتا پتا معلوم کرنے کیلئے گھوڑے پر سوار ہو کر ایک قافلے کے پاس پہنچا۔ اس کے بالمقابل ایک عجیب و غریب گاڑی چل رہی تھی جسے صرف ایک گھوڑا کھینچ رہا تھا۔ یہ واضح تھا کہ فوجیوں کے ہاتھ جو شے لگی اس سے انہوں نے یہ گاڑی تیار کر لی۔ یہ چھکڑا، ٹم ٹم اور سفری گاڑی کے بین بین کوئی شے معلوم ہوتی تھی۔ اسے ایک سپاہی ہانک

رہا تھا اور اس کے عقبی حصے میں ایک عورت شال لپیٹے بیٹھی تھی۔ شہزادہ آندرے گاڑی کے قریب پہنچا، وہ ایک سپاہی سے کچھ پوچھنا ہی چاہتا تھا کہ اس کی توجہ اس عورت کی چیخ و پکار کی جانب مبذول ہو گئی۔ نقل و حرکت کی نگرانی پر مامور افسر نے اس گاڑی کو ہانکنے والے سپاہی کو چابک مارنے کی کوشش کی تھی کیونکہ وہ دوسروں سے آگے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا مگر سپاہی کی بجائے یہ عورت چابک کی زد میں آ گئی اور اس نے واویلا شروع کر دیا۔ اس نے شہزادہ آندرے کو دیکھا تو گاڑی سے باہر جھک کر اپنے دبلے پتلے بازو لہرا کر چلانے لگی "ایجوٹنٹ صاحب!۔۔۔ خدا کیلئے!۔۔۔ مجھے بچا لیں۔۔۔ ہمارا کیا بنے گا؟۔۔۔ میں ساتویں شاسر رجمنٹ کے ڈاکٹر کی بیوی ہوں۔۔۔ یہ ہمیں گزرنے نہیں دیتے، ہم پیچھے رہ گئے ہیں اور اپنے ساتھیوں سے بچھڑ چکے ہیں۔۔۔"

غصہ سے آگ بگولہ ہوتے افسر نے کوچوان سے کہا "میں تمہارا کچومر نکال دوں گا! پیچھے ہٹو! اس بیہودہ عورت کو لے کر پیچھے ہٹ جاؤ!"

ڈاکٹر کی بیوی پھر چلائی "جناب! ہمیں بچا لیں۔ ہمارا کیا بنے گا؟"

شہزادہ آندرے افسر کے پاس گیا اور اسے کہنے لگا "براہ مہربانی اس گاڑی کو گزرنے دیں۔ دیکھتے نہیں کہ اس میں عورت سوار ہے؟"

افسر نے اس پر ایک نگاہ ڈالی اور جواب دیے بغیر کوچوان کی جانب متوجہ ہو کر کہا "میں تمہارا بھرکس نکال دوں گا۔۔۔ پیچھے ہٹو!۔۔۔"

آندرے نے ہونٹ بھینچتے ہوئے دوبارہ کہا "میں تمہیں کہتا ہوں اسے گزرنے دو"

افسر شرابیوں کی طرح چلا کر بولا "تم کون ہو؟ تم سمجھتے ہو کہ یہاں تمہارا حکم چلتا ہے؟ یہاں کمان میرے ہاتھ میں ہے، تمہارے پاس نہیں۔ واپس چلے جاؤ ورنہ میں تمہارا کچومر نکال دوں گا" یوں لگتا تھا جیسے افسر کو یہ جملہ بیحد پسند ہو۔

عقب سے ایک آواز سنائی دی "اس نے ننھے ایجوٹنٹ کی خوب خبر لی ہے"

شہزادہ آندرے سمجھ گیا کہ نشے میں دھت افسر کی حالت ایسی ہے کہ اسے خود بھی معلوم نہیں کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ اس نے دیکھا کہ ڈاکٹر کی بیوی کی حمایت کے باعث دوسروں کو اس کا مذاق اڑانے کا موقع مل گیا ہے اور یہی وہ بات تھی جس سے وہ دنیا میں دیگر باتوں سے کہیں زیادہ خائف تھا مگر اس لمحے وہ اپنی جبلت کے سہارے چل رہا تھا۔ اس افسر نے بمشکل اپنا جملہ ختم کیا ہو گا کہ آندرے غصے کے عالم میں اس کی جانب لپکا۔ غیظ و غضب نے اس کی شکل بگاڑ دی تھی۔ اس نے اپنا چابک لہرایا اور بولا "انہیں۔۔۔ گزر۔۔۔ جانے۔۔۔ دو!"

افسر نے اپنا بازو لہرایا اور تیزی سے گھوڑا پرے بھگا لے گیا۔ ساتھ ہی وہ دل کا غبار نکالتے ہوئے بولا "یہ سب بدنظمی ان سٹاف افسروں کی بدولت ہے، جو جی میں آئے کرو"

شہزادہ آندرے نگاہیں اٹھائے بغیر بعجلت وہاں سے دور ہٹ گیا جہاں ڈاکٹر کی بیوی اسے اپنا نجات دہندہ قرار دے رہی تھی۔ جب وہ اس گاؤں کی طرف جہاں اسے بتایا گیا تھا کہ کمانڈر انچیف مل جائے گا، گھوڑا بھگائے جا رہا تھا تو اسے اس واقعہ کی تفصیلات یاد آنے لگیں اور اس کا جی متلانے لگا۔

گاؤں میں پہنچ کر وہ گھوڑے سے اترا اور کچھ کھانے پینے نیز آرام کی غرض سے پہلے مکان میں داخل ہو گیا۔ وہ ان سوچوں سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تھا جنہوں نے اسے شرمندگی میں مبتلا کر دیا تھا اور اس کے ذہن پر سوار ہو گئی

تھیں۔ اس نے پہلے مکان کی کھڑکی کی جانب جاتے ہوئے سوچا" یہ فوج نہیں بلکہ بھیڑ ہے" اسی دوران ایک جانی پہچانی آواز نے اس کا نام لے کر پکارا۔

اس نے چاروں طرف دیکھا۔ ایک چھوٹی کھڑکی سے نیسوتسکی کا جانا پہچانا چہرہ نظر آیا۔ اس کا مرطوب منہ متحرک تھا اور وہ کچھ چباتے ہوئے بلکونسکی کو ہاتھ کے اشارے سے بلا رہا تھا۔

وہ بولا" بلکونسکی! بلکونسکی! تم نے سنا نہیں، ارے؟ جلدی کرو"

شہزادہ آندرے مکان میں داخل ہوا تو اسے نیسوتسکی اور ایک ایجوٹنٹ کھانا کھاتے نظر آئے۔ انہوں نے فوراً اسے پوچھا" کوئی نئی خبر ہے؟" شہزادہ آندرے کو ان جانے پہچانے چہروں پر خدشات کے سائے لہراتے دکھائی دیے۔ نیسوتسکی کا چہرہ عموماً ہنستا مسکراتا دکھائی دیتا تھا مگر اس وقت وہ بطور خاص پریشان لگ رہا تھا۔

بلکونسکی نے پوچھا" کمانڈر انچیف کہاں ہیں؟"

ایجوٹنٹ نے جواب دیا" یہیں، اسی مکان میں ہیں"

نیسوتسکی نے آندرے سے پوچھا" یہ امن اور اطاعت کی باتیں درست ہیں؟"

بلکونسکی بولا" یہی میں تم سے پوچھنا چاہتا ہوں۔ مجھے تو صرف اتنا معلوم ہے کہ میں بمشکل تم تک پہنچا ہوں"

نیسوتسکی نے کہا" میرے بھائی! مت پوچھو کہ ہمارے ساتھ کیا بیت رہی ہے۔ میں نے میک کا مذاق اڑا کر غلطی کی، ہماری حالت تو اس سے بھی بدتر ہو چکی ہے۔ خیر، بیٹھ جاؤ اور کچھ کھا پی لو"

دوسرے ایجوٹنٹ نے کہا" شہزادے، اب آپ کو اپنا سامان نہیں ملے گا اور خدا جانے آپ کے اردلی پیوٹر کا کیا بنا"

آندرے نے پوچھا" ہیڈ کوارٹرز کہاں ہے؟"

جواب ملا" ہمیں رات زنائم میں گزارنا ہوگی"

نیسوتسکی کہنے لگا" مجھے جو کچھ چاہیے وہ میں نے دو گھوڑوں پر لاد لیا ہے۔ انہوں نے میرا سامان لاجواب انداز میں باندھا ہے! یہاں تک کہ اسے اٹھا کر بوہیمیا کے پہاڑ بھی عبور کیے جا سکتے ہیں۔ میرے دوست! حالات بےحد خراب ہیں۔ مگر تم کیوں کانپ رہے ہو، یقیناً تم بیمار ہو گے" نیسوتسکی نے آندرے کو کانپتے دیکھ لیا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے اسے بجلی کا جھٹکا لگا ہو۔

آندرے نے جواب دیا" نہیں، میں ٹھیک ہوں" اسے ڈاکٹر کی بیوی اور نقل و حرکت کے نگران افسر والا واقعہ یاد آ گیا تھا۔

اس نے پوچھا" کمانڈر انچیف یہاں کیا کر رہے ہیں؟"

نیسوتسکی نے جواب دیا" میں نہیں جانتا"

شہزادہ آندرے بولا" میں ایک بات جانتا ہوں، یہ تمام بےحد شرمناک ہے، شرمناک" یہ کہہ کر وہ مکان کے اندرونی حصے کی جانب چل دیا جہاں کمانڈر انچیف ٹھہرا ہوا تھا۔

کوتوزوف کی گاڑی، سٹاف کے گھوڑوں اور باآواز بلند گفتگو کرتے قازقوں کے پاس سے ہوتا ہوا وہ بیرونی کمرے میں داخل ہو گیا۔ اسے بتایا گیا کہ کوتوزوف اندر ہے اور شہزادہ باگراتیاں اور وے روتھر بھی اس کے ساتھ ہیں۔

موخر الذکر آسٹروی جرنیل تھا جس نے شمٹ کی جگہ لی تھی۔ بیرونی کمرے میں پستہ قد کوزلووسکی ایڑھیوں کے بل ایک کلرک کے سامنے بیٹھا تھا۔ اس کلرک نے قمیص کی کفیں چڑھا رکھی تھیں اور الٹے ٹب پر بیٹھ کر تیزی سے کچھ لکھنے میں مصروف تھا۔ کوزلووسکی کا چہرہ تھکن زدہ تھا اور یوں لگتا تھا جیسے وہ تمام رات نہیں سویا۔ اس نے شہزادہ آندرے پر نگاہ ڈالی اور سر کی جنبش سے بھی سلام نہ کیا۔

وہ کلرک سے کہہ رہا تھا" دوسری لائن۔۔۔ تیار ہو؟۔۔۔ کیف گرینڈ یئرز، پوڈولسکی۔۔۔"

کلرک نے بدتمیزی اور غصہ سے کوزلووسکی کو دیکھتے ہوئے کہا" جناب والا! اتنی جلدی نہ کریں" اندرونی کمرے کے دروازے سے اسے کوتوزوف کی پرجوش اور غیر مطمئن آواز سنائی دی، ایک اور نامانوس آواز اسے ٹوک رہی تھی۔ یہ تمام آوازیں، کوزلووسکی کی بے اعتنائی، ہراساں کلرک کا گستاخانہ رویہ، کوزلووسکی اور کلرک کا کمانڈر انچیف کے اس قدر قریب ٹب کے قریب فرش پر بیٹھنا اور کھڑکی کے قریب کھڑے قازقوں کی باآواز بلند گفتگو سے آندرے کو یوں لگا جیسے ان کے سر پر کوئی ناگہانی بلا نازل ہونے والی ہے۔

شہزادہ آندرے کوزلووسکی کی جانب متوجہ ہوا اور اس سے چند فوری نوعیت کے سوالات کیے۔

کوزلووسکی کہنے لگا" آندرے، ایک منٹ۔۔۔ باگراتیاں کے دستوں کی ترتیب و تقسیم۔۔۔"

آندرے نے پوچھا" ہتھیار ڈالنے کا کیا معاملہ ہے؟"

کوزلووسکی نے جواب دیا" ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔ لڑائی کے انتظامات ہو چکے ہیں"

شہزادہ آندرے اس دروازے کی جانب بڑھ گیا جہاں سے آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ مگر اسی لمحے جب وہ دروازہ کھولنے والا تھا تو آوازیں بند ہو گئیں، دروازہ خود بخود کھل گیا اور کوتوزوف اپنی باز جیسی ناک اور پھولے چہرے کے ساتھ دروازے سے برآمد ہوا۔ شہزادہ آندرے کوتوزوف کے بالکل سامنے کھڑا تھا تاہم اس نے کمانڈر انچیف کی اکلوتی آنکھ کے تاثر سے اندازہ لگایا کہ وہ اپنے خیالات میں اس قدر کھویا ہوا ہے کہ اسے اردگرد کا کوئی ہوش نہیں۔ اس نے اپنے ایجوٹنٹ کے چہرے کی جانب دیکھا لیکن پہچان نہ سکا کہ یہ کون ہے۔

کوتوزوف نے کوزلووسکی سے پوچھا" ہاں، ختم کر لیا؟"

کوزلووسکی بولا" صرف ایک منٹ، جناب عالی!"

دبلا پتلا، کوتاہ قامت اور ادھیڑ عمر باگراتیاں جس کا چہرہ جذبات سے عاری مگر اس پر مشرقی انداز کا سا عزم جھلک رہا تھا، کمانڈر انچیف کے پیچھے پیچھے باہر آ گیا۔

شہزادہ آندرے نے کوتوزوف کو ایک لفافہ تھماتے ہوئے نسبتاً بلند آواز سے دوبارہ کہا" جناب عالی! مجھے آپ کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل ہو رہا ہے"

کوتوزوف باگراتیاں کے ساتھ باہر جاتے ہوئے بولا" اوہو، ویانا سے؟ بہت اچھے! بعد میں، بعد میں"

پھر وہ باگراتیاں سے بولا" اچھا شہزادے، خدا حافظ، یسوع تمہارا حامی و ناصر ہو! میری دعا ہے کہ تمہیں عظیم فتح حاصل ہو!" یہ کہتے ہوئے کوتوزوف کا چہرہ اچانک ملائم ہو گیا اور اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ اپنے بائیں ہاتھ سے اس نے باگراتیاں کو اپنی جانب کھینچا جبکہ دائیں ہاتھ سے جس میں اس نے ایک انگوٹھی پہن رکھی تھی، اس کے جسم پر ایسے انداز سے صلیب کا نشان بنایا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ ایسا عادتاً کرتا ہے۔ اس نے اپنے پھولا ہوا رخسار آگے کر دیا مگر باگراتیاں نے اس کی گردن پر بوسہ دیا۔ کوتوزوف نے دوبارہ کہا" یسوع تمہارے ساتھ ہو" اور اپنی گاڑی کی

طرف بڑھ گیا۔اس نے بلکونسکی سے کہا"میرے ساتھ اندر آجاؤ"

بلکونسکی کہنے لگا"جناب عالی!میں یہاں کسی کام آنا چاہتا ہوں۔مجھے باگراتیاں کی فوج کے ساتھ رہنے کی اجازت دے دیں"

کوتوزوف بولا"اندر آجاؤ"بلکونسکی کو ہچکچاتے دیکھ کر اس نے مزید کہا"مجھے خود اچھے افسروں کی ضرورت ہے،مجھے خود"

دونوں نے گاڑی میں اپنی نشستیں سنبھال لیں اور چند منٹ خاموشی سے سفر کرتے رہے۔

کچھ دیر بعد کوتوزوف نے کہا"ابھی ہمیں بہت کچھ کرنا ہے،ابھی ہمارے سامنے بہت کچھ باقی ہے"اس کا لہجہ یوں تھا جیسے وہ عمر رسیدہ شخص کی دور بینی کی بدولت بلکونسکی کے دل کی کیفیت کو خوب سمجھتا ہے۔پھر وہ خود کلامی کے انداز میں بولا"اگر اس کی فوج کا دسواں حصہ بھی واپس آگیا تو میں خدا کا شکر ادا کروں گا"

شہزادہ آندرے نے کوتوزوف کے چہرے پر نگاہ دوڑائی اور غیر ارادی طور پر اس کی کنپٹی پر زخم کے دھلے ہوئے نشانات جہاں اسماعیل کے معرکے میں گولی اس کے سر کو چیرتی ہوئی نکل گئی تھی،نیز خالی آنکھ کا خلا دیکھ لیا۔اس نے سوچا"ہاں،اس شخص کو فوج کی اتلاف سے متعلق یوں پر سکون انداز میں بات کرنے کا حق حاصل ہے"

اس نے کہا"اسی لیے میں نے آپ سے گزارش کی تھی کہ مجھے فوج میں بھیج دیا جائے"

کوتوزوف نے کوئی جواب نہ دیا۔یوں لگتا تھا جیسے وہ اپنی کہی بات بھول چکا ہے اور اپنے خیالات میں کھویا ہوا ہے۔پانچ منٹ بعد گاڑی کے لچکدار سپرنگوں پر آرام سے جھولتے ہوئے اس نے آندرے کی جانب دیکھا۔ اب اس کے چہرے پر پریشانی کے کوئی آثار نہ تھا۔وہ مزیدار لہجے میں اس سے شہنشاہ فرانس کی گفتگو،کریمس کی جنگ کے بارے میں درباریوں کے تاثرات اور اپنی واقف کار خواتین کے بارے میں سوالات پوچھنے لگا۔

(14)

یکم نومبر کو کوتوزوف اپنے ایک مخبر کے ذریعے یہ جان چکا تھا کہ اس کے زیر کمان فوج کی حالت نہایت خراب ہے۔مخبر نے اطلاع دی تھی کہ فرانسیسی ویانا کا پل پار کرنے کے بعد ایک عظیم جیش کی صورت میں کوتوزوف کی سپلائی لائن کی جانب بڑھ رہے ہیں جہاں روس سے آنے والی فوج بھی سفر کر رہی ہے۔اگر کوتوزوف نے کریمس میں قیام کا فیصلہ کر لیا تو نپولین کی ڈیڑھ لاکھ فوج اس کا روس سے آنے والی تازہ دم فوج سے رابطہ بالکل منقطع کر دے گی اور یوں اس کی تھکی ماندہ چالیس ہزار فوج گھیرے میں آجائے گی اور اس کا بھی وہی حشر ہوگا جو الم میں میک کا ہوا تھا۔اگر اس نے وہ سڑک چھوڑ دی جس کے ذریعے روس سے آنے والی فوج نے اس سے رابطہ کرنا تھا تو پھر اسے بوہیمیا کے پہاڑوں کے درمیان اجنبی علاقوں میں جہاں سڑکوں کا کوئی وجود نہیں،دشمن کی برتر فوج کے خلاف اپنے دفاع اور بکس ہیوڈن کی فوج سے رابطے کی امیدوں سے ہاتھ دھونا ہوگا۔دوسری جانب اگر کوتوزوف نے روس سے آنے والی فوج سے رابطے کیلئے کریمس سے اول موٹس جانے والی سڑک کے ساتھ ساتھ سفر اختیار کیا تو خدشہ ہے کہ فرانسیسی جو ویانا کا پل پار کر چکے ہیں اس کا راستہ روک لیں گے اور پھر اسے بھاری سامان اور گاڑیوں کے ساتھ سفر کے دوران اپنے سے تین گنا بڑے دشمن کا مقابلہ کرنا ہوگا جو اسے دو اطراف سے گھیر لے گا۔کوتوزوف نے آخری راستہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔

جاسوس نے اطلاع دی کہ فرانسیسی دریا عبور کرنے کے بعد تیزی سے زنائم کی جانب بڑھ رہے ہیں جو کوتوزوف کے راستے میں آتا ہے۔فرانسیسیوں سے پہلے زنائم پہنچنے کی صورت میں اس کی فوج محفوظ ہو جاتی جبکہ فرانسیسیوں کے وہاں پہلے پہنچنے کا مطلب روسی فوج کا الم میں آسٹروی سپاہ جیسی مکمل تباہی کے مترادف تھا۔مگر پوری فوج کے ساتھ فرانسیسیوں سے پہلے زنائم پہنچنا ممکن نہ تھا۔فرانسیسی فوج ویانا سے جس سڑک کے ذریعے زنائم جا رہی تھی وہ روسی فوج کے کریمس سے زنائم کے راستے کی نسبت کہیں زیادہ چھوٹی اور بہتر حالت میں تھی۔

جس رات کوتوزوف کو یہ خبر موصول ہوئی اسی رات اس نے چار ہزار افراد پر مشتمل باگراتیاں کے ہراول دستے کو کریمس زنائم روڈ سے دائیں جانب پہاڑوں سے پار ویانا زنائم روڈ کی جانب روانہ کر دیا۔باگراتیاں کو تیزی سے کوچ کرتے ہوئے اپنا رخ ویانا کی جانب رکھ کر اس سڑک پر جانا اور فرانسیسیوں سے پہلے وہاں پہنچنے کی صورت میں جہاں تک ممکن ہو سکے انہیں وہیں روکے رکھنا تھا۔کوتوزوف اپنی تمام سامان بردار گاڑیوں سمیت سیدھا زنائم جا رہا تھا۔

باگراتیاں طوفانی موسم میں راتوں رات پہاڑوں میں بھوکے پیاسے اور پھٹے جوتوں والے فوجیوں کے ساتھ طویل فاصلہ طے کر کے ویانا زنائم روڈ پر فرانسیسیوں سے چند گھنٹے پہلے ہی ہولابرن پہنچ گیا۔اس کی ایک تہائی فوج پیچھے رہ گئی تھی۔فرانسیسی بھی تیزی سے ہولابرن آ رہے تھے۔کوتوزوف کو بار برداری کی اپنی تمام گاڑیوں سمیت زنائم پہنچنے میں مزید چوبیس گھنٹے درکار تھے اور باگراتیاں کو اپنی چار ہزار بھوکی پیاسی اور تھکی ماندہ فوج کے ساتھ دشمن کو چوبیس گھنٹے ہولابرن روکے رکھنا اور اس کا مقابلہ کرنا تھا جو قطعی ناممکن دکھائی دیتا تھا۔مگر ایک عجوبے نے ناممکن کو ممکن کر دکھایا۔ویانا کے پل پر کامیاب قبضے نے مورات کو کوتوزوف کے ساتھ بھی یہی کھیل کھیلنے پر اکسایا۔زنائم روڈ پر وہ باگراتیاں کی مختصر اور کمزور فوج کو دیکھ کر اسے کوتوزوف کی کل سپاہ سمجھ بیٹھا۔اس فوج کو حتمی اور عبرتناک شکست دینے کیلئے وہ ویانا سے آنے والے مزید فوجی دستوں کا انتظار کرنے لگا۔دوسری جانب اس نے اس شرط پر تین یوم کیلئے صلح کی پیشکش کی کہ کوئی فریق اپنی پوزیشن سے نہیں ہٹے گا اور جہاں ہے وہیں رہے گا۔مورات نے دعویٰ کیا کہ چونکہ امن کیلئے مذاکرات پہلے ہی شروع ہو چکے ہیں اس لیے جنگ بندی کی اس پیشکش کا مقصد غیر ضروری خونریزی سے بچنا ہے۔باگراتیاں کی ہراول چوکیوں کا انچارج آسٹروی جرنیل نوسٹیز دھوکے میں آگیا اور اس نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔یوں باگراتیاں کی فوج غیر محفوظ ہوگئی۔مورات کے پیغام رساں روسی فوج میں بھی آئے اور امن کی بات چیت کا اعلان کرتے ہوئے تین یوم کی عارضی جنگ بندی کی پیش کش کی۔باگراتیاں نے جواب دیا کہ اسے جنگ بندی کی پیشکش قبول یا مسترد کرنے کا کوئی اختیار حاصل نہیں،اس نے اس تجویز کے حوالے سے ایک رپورٹ تیار کر کے اپنے ایجوٹنٹ کے ہاتھ کوتوزوف کو بھیج دی۔

عارضی جنگ بندی کوتوزوف کیلئے وقت کے حصول اور باگراتیاں کی تھکی ماندہ فوج کو آرام کا موقع دینے کا واحد ذریعہ تھی۔اس کی بدولت بار برداری کی گاڑیوں اور بھاری توپوں کو (جن کی نقل و حرکت خفیہ رکھی گئی تھی) زنائم سے مزید ایک منزل قریب ہونے کا موقع مل جاتا۔صلح کی پیشکش نے فوج کو بچانے کا واحد اور بالکل غیر متوقع موقع فراہم کر دیا۔کوتوزوف نے یہ اطلاع ملتے ہی اپنے سٹاف میں شامل ایجوٹنٹ جنرل ونزنگروڈے کو دشمن کے کیمپ میں بھیج دیا۔اسے نہ صرف عارضی صلح کی پیشکش قبول کرنے بلکہ ہتھیار ڈالنے کی تجاویز طے کرنے کی ہدایات دی گئی تھیں۔ادھر کوتوزوف نے کریمس زنائم روڈ پر فوج کے سامان سے بھری گاڑیوں کی رفتار تیز کرنے کیلئے اپنے تمام

ایجوٹنٹ پیچھے بھیج دیے۔ باگراتیاں کی بھوکی پیاسی اور تھکی ماندہ فوج جس نے تمام سپاہ اور باربرداری کی گاڑیوں کو تحفظ مہیا کرنا تھا اپنے سے آٹھ گنا بڑے دشمن کے سامنے اکیلی تھی۔

کوتوزوف کی دونوں توقعات کہ ہتھیار ڈالنے کی تجاویز جو اسے کسی امر کا پابند تو نہیں بناتی تھیں البتہ ان سے اس کی فوج کے بڑے حصے کو نکل جانے کا موقع فراہم کرتی تھیں اور یہ کہ موراٹ کی یہ سنگین غلطی بہت جلد سامنے آجائے گی، درست ثابت ہوئیں۔ جونہی بوناپارٹ کو جو ہولابرن سے کچھ میل پیچھے شون برن میں قیام پذیر تھا موراٹ کا مراسلہ اور عارضی جنگ بندی نیز ہتھیار ڈالنے کی تجاویز موصول ہوئیں، وہ چال سمجھ گیا اور موراٹ کے نام درج ذیل خط تحریر کیا:

شہزادہ موراٹ کے نام۔

شون برن، 25 بر نومبر، 1805

8 بجے، صبح۔

میرے پاس تمہارے حوالے سے اپنی ناپسندیدگی کے اظہار کیلئے الفاظ نہیں ہیں۔ تم میرے صرف ہراول دستے کے کمانڈر ہو اور تمہیں میرے حکم کے بغیر جنگ بندی کا کوئی اختیار نہیں۔ تم میری پوری مہم کے فوائد ضائع کرنے کا موجب بن رہے ہو۔ جنگ بندی فوری طور پر ختم کرو اور دشمن پر چڑھائی کر دو۔ تمہیں انہیں کہنا چاہیے کہ جس جرنیل نے ہتھیار ڈالنے کی شرائط پر دستخط کیے تھے اسے ایسا کرنے کا اختیار نہیں اور یہ اختیار صرف شہنشاہ روس کو حاصل ہے۔

تاہم اگر شہنشاہ روس نے بھی اس معاہدے کی توثیق کر دی تو میں بھی کر دوں گا مگر یہ صرف ایک چال ہے۔ آگے بڑھو اور روسی فوج کو تباہ کر دو۔۔۔ تم اس کے سامان اور توپخانے پر قبضے کی پوزیشن میں ہو۔

روسی شہنشاہ کا ایڈی کانگ۔۔۔ ہے۔ اختیارات کے بغیر افسروں کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ اس شخص کے پاس کوئی اختیار نہیں تھا۔۔۔ ویانا کے پل پر آسٹروی دھوکے میں آ گئے اور اب شہنشاہ کے ایڈی کانگ کے ہاتھوں تم بیوقوف بن رہے ہو۔

نپولین

- بوناپارٹ کا ایجوٹنٹ یہ دھمکی آمیز خط لیے تیزی سے گھوڑا بھگاتا موراٹ کے پاس پہنچ گیا۔ بوناپارٹ جسے اپنے جرنیلوں پر اعتماد نہیں تھا اپنے تمام گارڈز کے ہمراہ بذات خود میدان جنگ کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے خدشہ تھا کہ کہیں اس کا شکار اس کے ہاتھوں سے نکل نہ جائے۔ دریں اثنا باگراتیاں کے چار ہزار لشکری تین روز میں پہلی مرتبہ اپنے کیمپ میں خوشی خوشی آگ جلانے، اپنے آپ کو خشک کرنے اور کھانا پکانے میں مصروف ہو گئے۔ ان میں سے کسی کو بھی علم نہ تھا کہ ان پر کیا افتاد نازل ہونے والی ہے۔

(15)

شہزادہ آندرے جو جنگ میں حصہ لینے کیلئے کوتوزوف سے مسلسل درخواست کرتا رہا تھا، شام چار بجے سے پہلے گرنت پہنچ گیا اور باگراتیاں سے جا ملا۔ بوناپارٹ کا ایجوٹنٹ ابھی تک موراٹ کے ڈویژن میں نہیں پہنچا تھا اور لڑائی بھی شروع نہیں ہوئی تھی۔ باگراتیاں کی فوج میں کسی کو حالات کی رفتار کا علم نہ تھا۔ وہ امن کی باتیں کرتے تھے مگر انہیں اس پر یقین نہ تھا۔ وہ جنگ کی گفتگو بھی کرتے لیکن انہیں اس بات کا یقین نہیں آتا تھا کہ لڑائی ان کے سر پر منڈلا رہی ہے۔

باگراتیاں جانتا تھا کہ بلکونسکی کوتوزوف کا پسندیدہ اور با اعتماد ایجوٹنٹ ہے لہٰذا اس نے نمایاں احترام سے اس کا استقبال کیا۔ باگراتیاں نے اسے بتایا کہ لڑائی آج یا کل ہوگی اور اسے مکمل پیشکش کی کہ چاہو تو میرے ساتھ رہو اور پسند کرو تو عقبی دستوں میں جا کر پسپائی کے عمل کی نگرانی کرو، یہ بھی انتہائی اہم معاملہ تھا۔

باگراتیاں نے آندرے کو حوصلہ دینے کے سے انداز میں کہا "میرے خیال میں شاید آج لڑائی نہ ہو"

اس نے سوچا "اگر یہ بھی چھوٹے موٹے سٹاف افسروں میں سے ایک ہے اور اسے تمغہ وغیرہ دلوانے کیلئے یہاں بھیجا گیا ہے تو اس کیلئے عقبی دستوں میں جانا مناسب ہوگا۔ تاہم اگر یہ میرے ساتھ رہنے کا خواہشمند ہے تو اس کی مرضی۔۔۔ اگر یہ بہادر افسر ہوا تو کارآمد ثابت ہوگا" شہزادہ آندرے نے اس کی بات کا جواب دینے کی بجائے فوج کی ترتیب و تقسیم کا جائزہ لینے کی اجازت چاہی تاکہ جب اسے کوئی حکم دے کر بھیجا جائے تو اسے معلوم ہو کہ کہاں جانا ہے۔

ایک خوش شکل اور خوش لباس ڈیوٹی افسر کو جو شہادت کی انگلی میں انگوٹھی پہنے رہتا اور ناقص فرانسیسی زبان میں گفتگو کرتا تھا شہزادہ آندرے کی رہنمائی کیلئے بلا لیا گیا۔

تمام اطراف میں ان کا سامنا بارش میں تر اور افسردہ افسروں سے ہوا، ان کے چہروں پر مردنی طاری تھی اور وہ کسی شے کی تلاش میں دکھائی دیتے تھے جبکہ سپاہی گاؤں سے دروازے، بنچ اور باڑیں گھسیٹ کر لا رہے تھے۔

سٹاف افسر نے ان کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا "ادھر دیکھیں، ہم انہیں روک نہیں سکتے۔ افسروں نے کینٹینوں کو کھلی چھوٹ دے دی ہے" پھر وہ ایک کینٹین کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولا "اور ادھر دیکھیں، یہ یہاں اکٹھے ہو جاتے ہیں اور یہیں بیٹھے رہتے ہیں۔ آج صبح میں نے ان تمام کو یہاں سے بھگا دیا تھا، اور دیکھیں یہاں پھر بھیڑ لگ گئی ہے۔ ایک منٹ، میں انہیں بھگاتا ہوں"

شہزادہ آندرے بولا "آؤ اکٹھے چلتے ہیں، میں وہاں سے کچھ پنیر اور روٹی لے لوں گا" اس نے ابھی تک کچھ نہیں کھایا تھا۔

افسر نے کہا "شہزادے، آپ نے مجھے پہلے کیوں نہ بتایا، میں آپ کی خدمت میں کچھ نہ کچھ پیش کر سکتا تھا"

وہ اپنے گھوڑوں سے اترے اور کینٹین کے اندر چلے گئے۔ وہاں تھکاوٹ سے نڈھال اور تمتماتے چہروں والے متعدد افسر میزوں کے سامنے بیٹھے کھانے پینے میں مصروف تھے۔

سٹاف افسر ان افراد کی جانب دیکھتے ہوئے بولا "حضرات، یہ کیا ہے؟" وہ ایسے شخص کے تاثرات لیے ہوئے بول رہا تھا جو اپنی بات کئی مرتبہ دہرا چکا ہو۔ اس نے کہا "آپ لوگوں کو ایسا نہیں کرنا چاہیے، حکم ہے کہ کوئی شخص اپنی پوزیشن نہ چھوڑے، اور جناب کپتان صاحب۔۔۔" وہ توپخانے کے دبلے پتلے پستہ قد افسر کی جانب متوجہ ہوا جو محض جرابیں پہنے ان کے راستے میں کھڑا (اس نے اپنے بوٹ کینٹین کے مالک کو سکھانے کیلئے دے دیے تھے) اور غیر فطری انداز سے مسکرا رہا تھا۔

سٹاف افسر نے کہا "کپتان توشن، آپ کو شرم آنی چاہیے۔ میرا خیال تھا کہ توپخانے کے افسر کی حیثیت سے آپ دوسروں کیلئے مثال قائم کریں گے اور آپ ہیں کہ بوٹوں کے بغیر ہی کھڑے ہیں۔ ابھی الارم بجے گا اور بوٹوں کے بغیر آپ خوب دکھائی دیں گے (سٹاف افسر مسکرایا) برائے مہربانی تمام حضرات اپنی پوزیشنوں پر واپس چلے جائیں، تمام" اس کا لہجہ تحکمانہ تھا۔

شہزادہ آندرے نے کپتان توشن کو دیکھا تو مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ توشن خاموشی سے مسکراتے ہوئے کبھی

ایک اور کبھی دوسرے ننگے پاؤں پر وزن ڈالتا اور اپنی موٹی، ذہین اور شفیق آنکھوں سے کبھی آندرے اور کبھی سٹاف افسر کو سوالیہ انداز سے دیکھنے لگتا۔

توشن نے شرماتے ہوئے کہا "سپاہی کہتے ہیں کہ اس حالت میں انسان زیادہ پھرتیلا ہو جاتا ہے" صاف نظر آتا تھا کہ وہ مذاق کے ذریعے اس ناگوار صورتحال سے نکلنا چاہتا ہے۔ تاہم جونہی الفاظ اس کے منہ سے نکلے، اسے محسوس ہو گیا کہ مذاق درست نشانے پر نہیں بیٹھا اور وہ پریشان نظر آنے لگا۔

سٹاف افسر نے اپنی متانت برقرار رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "براہ مہربانی اپنی اپنی جگہوں پر چلے جائیں"

شہزادہ آندرے نے توپخانے کے اس ناٹے افسر کو ایک مرتبہ پھر دیکھا۔ اس میں اسے کوئی انوکھی شے نظر آئی جو قطعی غیر فوجی اور کسی قدر مضحکہ خیز ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی دلکش تھی۔

سٹاف افسر اور آندرے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر وہاں سے چل دیے۔

وہ مسلسل مختلف یونٹوں کے افسروں اور سپاہیوں سے ملتے اور انہیں پیچھے چھوڑتے ہوئے گاؤں سے آگے نکل گئے۔ یہاں انہیں اپنی بائیں جانب مورچے کھودے جاتے دکھائی دیے۔ تازہ سرخ مٹی کھودی جا رہی تھی۔ سپاہیوں کی متعدد ٹولیاں سرد ہوا میں صرف بنیانیں پہنے سفید چیونٹیوں کی طرح ان خندقوں پر کام کر رہی تھیں۔ خندق کے عقب سے ان دیکھے ہاتھ بیلچوں کی مدد سے سرخ مٹی مسلسل باہر پھینک رہے تھے۔ وہ دونوں خندق کے پاس گئے، اس کا معائنہ کیا اور آگے چل دیے۔ خندق کے بالکل پیچھے انہیں درجنوں سپاہی بھاگتے دکھائی دیے، وہ نظروں سے ہٹتے تو ان کی جگہ دوسرے آ جاتے۔ فضا میں ناگوار بدبو پھیلی تھی جس سے بچنے کیلئے انہوں نے ناک پر رومال رکھ لیے اور گھوڑوں کو تیزی سے آگے بھگا لے گئے۔

سٹاف افسر نے فرانسیسی میں کہا "شہزادے، یہ ہیں کیمپ کی زندگی کی دلکشیاں" وہ مخالف سمت میں واقع پہاڑی پر چڑھ گئے۔ پہاڑی سے وہ فرانسیسیوں کو دیکھ سکتے تھے۔ شہزادہ آندرے رک گیا اور جگہ کا معائنہ کرنے لگا۔

سٹاف افسر نے بلندترین مقام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "دیکھیں وہاں ہم نے توپیں رکھی ہوئی ہیں۔ ان کی کمان اس عجیب وغریب شخص کے ہاتھوں میں ہے جو بوٹوں کے بغیر بیٹھا تھا۔ وہاں سے آپ سب کچھ دیکھ سکتے ہیں، آیئے وہیں چلتے ہیں"

آندرے نے جواب دیا "تمہارا بیحد شکریہ، میں اب اکیلا ہی وہاں چلا جاؤں گا۔ تم مزید تکلیف نہ اٹھاؤ" وہ سٹاف افسر سے جان چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔

سٹاف افسر اسے چھوڑ کر چلا گیا اور شہزادہ آندرے نے اکیلے اوپر چڑھنا شروع کر دیا۔

وہ جوں جوں آگے بڑھتا اور دشمن سے قریب تر ہوتا چلا گیا، اسے سپاہی زیادہ منظم اور خوش باش نظر آنے لگے۔ اسے سب سے زیادہ بدنظمی اور افسردگی زنائم کی جانب جانے والی بار برداری کے دستوں میں نظر آئی تھی جنہیں اس نے صبح دیکھا تھا اور وہ فرانسیسیوں سے کئی میل دور تھے۔ گرنٹ میں بھی کسی حد تک خوف اور پریشانی کے سائے لہرا رہے تھے تاہم شہزادہ آندرے جوں جوں فرانسیسیوں سے قریب ہوتا گیا توں توں اسے اپنے سپاہی زیادہ پراعتماد اور باحوصلہ دکھائی دینے لگے۔ اوورکوٹوں میں ملبوس سپاہیوں نے اپنے سارجنٹوں کے ساتھ صفیں بنا رکھی تھیں اور کپتان ان کی حاضری لگانے میں مصروف تھے۔ وہ ہر صف کے آخر میں کھڑے سپاہی کو پسلیوں میں ٹہوکا دیتے اور اسے حوصلہ قائم رکھنے

کی ہدایت کرتے۔ سپاہی تمام علاقے میں پھیلے ہوئے تھے، وہ لکڑیاں گھسیٹ کر لا رہے تھے، پناہ گاہیں تعمیر کر رہے تھے، ہنس رہے تھے اور ایک دوسرے سے کھل مل کر باتیں کرنے میں مصروف تھے۔ وہ آگ کے الاؤ روشن کیے بیٹھے تھے اور کپڑے سکھانے میں مصروف تھے۔ یا پھر بعض سپاہی کھانے کی دیگوں کے گرد جمگھٹا لگائے کھڑے تھے۔ ایک کمپنی میں کھانا تیار ہو چکا تھا اور سپاہی لالچی نگاہوں کے ساتھ بھاپ اڑاتے دیگچوں کی جانب دیکھتے ہوئے کھانا چکھے جانے کا انتظار کر رہے تھے۔ چکھے جانے والا کھانا لکڑی کے پیالے میں بھرا جا چکا تھا اور ایک افسر اسے خندق کے سامنے شہتیر پر بیٹھے افسر کے پاس لے جا رہا تھا۔

ایک اور کمپنی میں۔۔۔ یہ کمپنی خوش قسمت تھی کیونکہ ہر ایک کے پاس واڈ کا شراب نہیں تھی۔۔۔ چوڑے چکلے شانوں اور چیچک کے داغ والے چہرے کے مالک سارجنٹ کے گرد سپاہیوں کی جمگھٹا تھا جو پیپے کو زور زور سے ہلاتے ہوئے ان کے پیالے بھرتا جاتا تھا۔ سپاہی مودب انداز میں پیالوں کو اپنے منہ تک لے جاتے، واڈ کا حلق میں انڈیلتے، اپنے ہونٹ چاٹتے اور انہیں اپنے کوٹوں کی آستین کے ساتھ صاف کرتے پہلے کی نسبت کہیں زیادہ ہشاش بشاش انداز میں واپس چلے جاتے۔ ہر چہرہ اس طرح پرسکون تھا جیسے یہ سب کچھ دشمن کی آنکھوں کے سامنے اور ایک ایسی لڑائی سے، جس میں ان میں سے کم وبیش نصف نے ہلاک ہو جانا ہے، قبل نہیں بلکہ روس میں پرامن دنوں میں ہو رہا ہو۔ شاسر رجمنٹ کے قریب سے گزرنے کے بعد شہزادہ آندرے کیف گرینڈ یئرز کی صفوں میں داخل ہو گیا۔ رجمنٹ کے لمبے تڑنگے اور بنے کٹے جوان بھی ایسی سرگرمیوں میں مشغول تھے۔ ان کے کمانڈر کی جائے قیام قریب ہی ذرا اونچائی پر واقع تھی۔ یہاں وہ گرینڈ یئرز کی ایک ایسی رجمنٹ کے قریب سے گزرا جس کا ایک سپاہی دوسروں کے سامنے برہنہ حالت میں زمین پر پڑا تھا۔ دو سپاہیوں نے اسے مضبوطی سے جکڑ رکھا تھا جبکہ دو دیگر جوان برابر وقفوں سے اس کی برہنہ پشت پر چھڑیاں برسانے میں مصروف تھے۔ برہنہ سپاہی غیر انسانی انداز میں چلا رہا تھا۔ ایک تنومند میجر پلاٹون کے سامنے چکر لگاتے ہوئے سپاہی کی چیخ وپکار پر کان نہ دھرتے ہوئے کہہ رہا تھا "چوری کرنا سپاہی کی بے عزتی ہے۔ سپاہی کو ہر صورت ایماندار، باوقار اور بہادر ہونا چاہیے۔ اگر وہ اپنے کسی ساتھی کی اشیاء چراتا ہے تو وہ بے غیرت ہے۔ اسے مزید مارو!"

چھڑیوں کی آواز اور غیر انسانی چیخوں کا سلسلہ جاری رہا۔

میجر کہے جا رہا تھا "اور مارو، اور!"

ایک نوجوان افسر جس کے چہرے پر اذیت اور پریشانی نمایاں تھی، یہ منظر برداشت نہ کر سکا اور وہاں سے پرے ہٹ کر ایجوٹنٹ کو سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

شہزادہ آندرے سب سے اگلی صف کے قریب پہنچنے کے بعد اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ دائیں اور بائیں پہلو پر ہماری اور دشمن کی صفیں ایک دوسرے سے خاصی دور تھیں مگر درمیان میں جہاں صبح عارضی جنگ بندی کا معاہدہ کرنے والے افراد گزرے تھے، فریقین ایک دوسرے سے اس قدر قریب تھے کہ سپاہی ایک دوسرے کے چہروں کو دیکھ سکتے اور باہم گفتگو بھی کر سکتے تھے۔ یہاں ان فوجیوں کے علاوہ دیگر لوگ بھی جمع ہو گئے تھے جو ہنستے مسکراتے ان اجنبی غیر ملکی دشمنوں کو تجسس سے دیکھتے تھے۔

اگرچہ صبح سویرے ہی یہ حکم دیا جا چکا تھا کہ کوئی سپاہی صفوں سے آگے نہ جائے مگر کمانڈنگ افسر مجسس سپاہیوں کو پیچھے رکھنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اگلی صفوں میں تعینات سپاہی تماشائیوں کی طرح اپنے تجسس کا اظہار کرنے

ایک اور کبھی دوسرے ننگے پاؤں پر وزن ڈالتا اور اپنی موٹی، ذہین اور شفیق آنکھوں سے کبھی آندرے اور کبھی سٹاف افسر کو سوالیہ انداز سے دیکھنے لگتا۔

توشن نے شرماتے ہوئے کہا "سپاہی کہتے ہیں کہ اس حالت میں انسان زیادہ پھرتیلا ہو جاتا ہے" صاف نظر آتا تھا کہ وہ مذاق کے ذریعے اس ناگوار صورتحال سے نکلنا چاہتا ہے۔ تاہم جونہی الفاظ اس کے منہ سے نکلے، اسے محسوس ہو گیا کہ مذاق درست نشانے پر نہیں بیٹھا اور وہ پریشان نظر آنے لگا۔

سٹاف افسر نے اپنی متانت برقرار رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "براہ مہربانی اپنی اپنی جگہوں پر چلے جائیں"

شہزادہ آندرے نے توپخانے کے اس ناٹے افسر کو ایک مرتبہ پھر دیکھا۔ اس میں اسے کوئی انوکھی شے نظر آئی جو قطعی غیر فوجی اور کسی قدر مضحکہ خیز ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی دلکش تھی۔

سٹاف افسر اور آندرے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر وہاں سے چل دیے۔

وہ مسلسل مختلف یونٹوں کے افسروں اور سپاہیوں سے ملتے اور انہیں پیچھے چھوڑتے ہوئے گاؤں سے آگے نکل گئے۔ یہاں انہیں اپنی بائیں جانب مورچے کھودے جاتے دکھائی دیے۔ تازہ سرخ مٹی کھودی جا رہی تھی۔ سپاہیوں کی متعدد ٹولیاں سرد ہوا میں صرف بنیانیں پہنے سفید چیونٹیوں کی طرح ان خندقوں پر کام کر رہی تھیں۔ خندق کے عقب سے ان دیکھے ہاتھ بیلچوں کی مدد سے سرخ مٹی مسلسل باہر پھینک رہے تھے۔ وہ دونوں خندق کے پاس گئے، اس کا معائنہ کیا اور آگے چل دیے۔ خندق کے بالکل پیچھے انہیں درجنوں سپاہی بھاگتے دکھائی دیے، وہ نظروں سے ہٹتے تو ان کی جگہ دوسرے آ جاتے۔ فضا میں ناگوار بدبو پھیلی تھی جس سے بچنے کیلئے انہوں نے ناک پر رومال رکھ لیے اور گھوڑوں کو تیزی سے آگے بھگا لے گئے۔

سٹاف افسر نے فرانسیسی میں کہا "شہزادے، یہ ہیں کیمپ کی زندگی کی دلکشیاں" وہ مخالف سمت میں واقع پہاڑی پر چڑھ گئے۔ پہاڑی سے وہ فرانسیسیوں کو دیکھ سکتے تھے۔ شہزادہ آندرے رک گیا اور جگہ کا معائنہ کرنے لگا۔

سٹاف افسر نے بلندترین مقام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "دیکھیں، وہاں ہم نے توپیں رکھی ہوئی ہیں۔ ان کی کمان اس عجیب وغریب شخص کے ہاتھوں میں ہے جو بوٹوں کے بغیر بیٹھا تھا۔ وہاں سے آپ سب کچھ دیکھ سکتے ہیں، آیئے وہیں چلتے ہیں"

آندرے نے جواب دیا "تمہارا بیحد شکریہ، میں اب اکیلا ہی وہاں چلا جاؤں گا۔ تم مزید تکلیف نہ اٹھاؤ" وہ سٹاف افسر سے جان چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔

سٹاف افسر اسے چھوڑ کر چلا گیا اور شہزادہ آندرے نے اکیلے اوپر چڑھنا شروع کر دیا۔

وہ جوں جوں آگے بڑھتا اور دشمن سے قریب تر ہوتا چلا گیا، اسے سپاہی زیادہ منظم اور خوش باش نظر آنے لگے۔ اسے سب سے زیادہ بدنظمی اور افسردگی زنائم کی جانب جانے والی باربرداری کے دستوں میں نظر آئی تھی جنہیں اس نے صبح دیکھا تھا اور وہ فرانسیسیوں سے کئی میل دور تھے۔ گرنٹ میں بھی کسی حد تک خوف اور پریشانی کے سائے لہرا رہے تھے تاہم شہزادہ آندرے جوں جوں فرانسیسیوں سے قریب ہوتا گیا توں توں اسے اپنے سپاہی زیادہ پراعتماد اور باحوصلہ دکھائی دینے لگے۔ اوورکوٹوں میں ملبوس سپاہیوں نے اپنے سارجنٹوں کے ساتھ صفیں بنا رکھی تھیں اور کپتان ان کی حاضری لگانے میں مصروف تھے۔ وہ ہر صف کے آخر میں کھڑے سپاہی کو پسلیوں میں ٹہوکا دیتے اور اسے حوصلہ قائم رکھنے

کی ہدایت کرتے۔ سپاہی تمام علاقے میں پھیلے ہوئے تھے، وہ لکڑیاں گھسیٹ کر لا رہے تھے، پناہ گاہیں تعمیر کر رہے تھے، ہنس رہے تھے اور ایک دوسرے سے گھل مل کر باتیں کرنے میں مصروف تھے۔ وہ آگ کے الاؤ روشن کیے بیٹھے تھے اور کپڑے سکھانے میں مصروف تھے۔ یا پھر بعض سپاہی کھانے کی دیگوں کے گرد جمگھٹا لگائے کھڑے تھے۔ ایک کمپنی میں کھانا تیار ہو چکا تھا اور سپاہی لالچی نگاہوں کے ساتھ بھاپ اڑاتے دیگچوں کی جانب دیکھتے ہوئے کھانا چکھے جانے کا انتظار کر رہے تھے۔ چکھے جانے والا کھانا لکڑی کے پیالے میں بھرا جا چکا تھا اور ایک افسر اسے خندق کے سامنے شہتیر پر بیٹھے افسر کے پاس لے جا رہا تھا۔

ایک اور کمپنی میں۔۔۔ یہ کمپنی خوش قسمت تھی کیونکہ ہر ایک کے پاس واڈکا شراب نہیں تھی۔۔۔ چوڑے چکلے شانوں اور چیچک کے داغ والے چہرے کے مالک سارجنٹ کے گرد سپاہیوں کی جمگھٹا تھا جو پیپے کو زور زور سے ہلاتے ہوئے ان کے پیالے بھرتا جا تا تھا۔ سپاہی مودب انداز میں پیالوں کو اپنے منہ تک لے جاتے، واڈکا حلق میں انڈیلتے، اپنے ہونٹ چاٹتے اور انہیں اپنے کوٹوں کی آستین کے ساتھ صاف کرتے پہلے کی نسبت کہیں زیادہ ہشاش بشاش انداز میں واپس چلے جاتے۔ ہر چہرہ اس طرح پرسکون تھا جیسے یہ سب کچھ دشمن کی آنکھوں کے سامنے اور ایک ایسی لڑائی سے، جس میں ان میں سے کم وبیش نصف نے ہلاک ہو جانا ہے، قبل نہیں بلکہ روس میں پرامن دنوں میں ہو رہا ہو۔ شاسر رجمنٹ کے قریب سے گزرنے کے بعد شہزادہ آندرے کیف گرینڈ یئرز کی صفوں میں داخل ہو گیا در جمنٹ کے لمبے تڑنگے اور ہٹے کٹے جوان بھی انہی سرگرمیوں میں مشغول تھے۔ ان کے کمانڈر کی جائے قیام قریب ہی ذرا اونچائی پر واقع تھی۔ یہاں وہ گرینڈ یئرز کی ایک ایسی رجمنٹ کے قریب سے گزرا جس کا ایک سپاہی دوسروں کے سامنے برہنہ حالت میں زمین پر پڑا تھا۔ دو سپاہیوں نے اسے اسے مضبوطی سے جکڑ رکھا تھا جبکہ دو دیگر جوان برابر وقفوں سے اس کی برہنہ پشت پر چھڑیاں برسانے میں مصروف تھے۔ برہنہ سپاہی غیر انسانی انداز میں چلا رہا تھا۔ ایک تنومند میجر پلاٹون کے سامنے چکر لگاتے ہوئے سپاہی کی چیخ وپکار پر کان نہ دھرتے ہوئے کہہ رہا تھا "چوری کرنا سپاہی کی بے عزتی ہے۔ سپاہی کو ہر صورت ایماندار، باوقار اور بہادر ہونا چاہیے۔ اگر وہ اپنے کسی ساتھی کی اشیاء چراتا ہے تو وہ بے غیرت ہے۔ اسے مزید مارو!"

چھڑیوں کی آواز اور غیر انسانی چیخوں کا سلسلہ جاری رہا۔

میجر کہے جا رہا تھا "اور مارو، اور!"

ایک نوجوان افسر جس کے چہرے پر اذیت اور پریشانی نمایاں تھی، یہ منظر برداشت نہ کر سکا اور وہاں سے پرے ہٹ کر ایجوٹنٹ کو سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

شہزادہ آندرے سب سے اگلی صف کے قریب پہنچنے کے بعد اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ دائیں اور بائیں پہلو پر ہماری اور دشمن کی صفیں ایک دوسرے سے خاصی دور تھیں مگر درمیان میں جہاں صبح عارضی جنگ بندی کا معاہدہ کرنے والے افراد گزرے تھے، فریقین ایک دوسرے سے اس قدر قریب تھے کہ سپاہی ایک دوسرے کے چہروں کو دیکھ سکتے اور باہم گفتگو بھی کر سکتے تھے۔ یہاں ان فوجیوں کے علاوہ دیگر لوگ بھی جمع ہو گئے تھے جو ہنستے مسکراتے ان اجنبی غیر ملکی دشمنوں کو تجسس سے دیکھتے تھے۔

اگرچہ صبح سویرے ہی یہ حکم دیا جا چکا تھا کہ کوئی سپاہی صفوں سے آگے نہ جائے مگر کمانڈنگ افسر متجسس سپاہیوں کو پیچھے رکھنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اگلی صفوں میں تعینات سپاہی تماشائیوں کی طرح اپنے تجسس کا اظہار کرنے

لگے تھے۔ اب ان کا دھیان فرانسیسیوں کی طرف نہیں تھا بلکہ ان کی توجہ ان مقامی باشندوں کی طرف منتقل ہو چکی تھی کیونکہ اپنی جگہ لینے والے سپاہیوں کا انتظار کرتے کرتے وہ خاصے بور ہونے لگے تھے۔ شہزادہ آندرے نے اپنا گھوڑا روک لیا اور فرانسیسیوں کا جائزہ لینے لگا۔

ایک سپاہی روسی بندوقچی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا "ادھر دیکھو، ادھر دیکھو!" وہ بندوقچی ایک افسر کے ساتھ صفوں سے آگے نکل گیا تھا اور فرانسیسی گرینڈیرز سے جوشیلے اور تیز لہجے میں باتیں کر رہا تھا" سپاہی اپنے ساتھی سے کہنے لگا" میں کہتا ہوں، کیسے بڑھ چڑھ کر بول رہا ہے۔ میں شرط لگاتا ہوں فرانسیسی اس کے ساتھ بات کر ہی نہیں سکتا۔ ہاں کیا خیال ہے تمہارا، سداروف!"

سداروف بولا" ایک منٹ ٹھہرو، ذرا سنو، واہ کیا بات ہے" اسے فرانسیسی زبان کا ماہر سمجھا جاتا تھا۔ یہ لوگ جس سپاہی کی جانب اشارہ کر رہے تھے وہ دولوخوف تھا۔ شہزادہ آندرے نے اسے پہچان لیا اور وہ جو کچھ کہہ رہا تھا اسے سننے کی کوشش کی۔ دولوخوف اپنے کپتان کے ساتھ بائیں پہلو سے آیا تھا جہاں ان کی کمپنی تعینات تھی۔

کپتان اسے اصرار سے کہہ رہا تھا "بولو، بولو، بولتے جاؤ!" وہ آگے کی جانب جھکا ہوا تھا تاکہ ہر بات سن سکے، حالانکہ گفتگو اس کی سمجھ سے بالاتر تھی۔ کپتان کہنے لگا" براہ مہربانی، بولو، ہاں ہاں، وہ کیا کہہ رہا ہے؟"

دولوخوف نے کپتان کی بات پر کوئی توجہ نہ دی۔ وہ فرانسیسی گرینڈیرز کے ساتھ تلخ کلامی میں مصروف ہو گیا۔ حسب توقع وہ لڑائی کے موضوع پر گفتگو کر رہے تھے۔ فرانسیسی روسیوں اور آسٹریوں کو ایک دوسرے سے خلط ملط کر رہا تھا اور اس کا اصرار تھا کہ الم کے میدان میں روسی شکست کھا کر بھاگے تھے جبکہ دولوخوف کا کہنا تھا کہ روسیوں کو کبھی شکست نہیں ہوئی اور فرانسیسی روسیوں سے پٹتے رہے ہیں۔

دولوخوف نے کہا" ہمیں حکم ملا ہے کہ تمہیں یہاں سے مار بھگائیں اور ہم ایسا ہی کریں گے"

فرانسیسی گرینڈیرز نے جواب دیا" اپنی حفاظت کرنا کہیں ایسا نہ ہو کہ اپنے قازقوں سمیت پکڑے جاؤ"

یہ بات سن کر تماشائی اور فرانسیسی ہنس دیے۔

دولوخوف بولا" ہم تمہیں ایسا گتی کا ناچ نچائیں گے جیسا سواروف نے نچایا تھا"

فرانسیسی کہنے لگا" یہ کیا کہتا ہے؟"

دوسرا بولا" پرانے زمانوں کی باتیں کر رہا ہے" اس کا اندازہ تھا کہ دولوخوف کسی پرانی جنگ کی بات کر رہا ہے۔ اس نے جواب دیتے ہوئے کہا" ہمارے شہنشاہ دوسروں کی طرح تمہارے سواروف کو بھی سبق سکھا دیں گے"

دولوخوف نے کہا" بونا پارٹ۔۔۔" تاہم فرانسیسی نے اس کی بات کاٹ دی اور غصہ سے کہا" بونا پارٹ نہیں، وہ شہنشاہ ہیں"

دولوخوف نے جواب دیا" جہنم میں جاؤ تم اور تمہارا شہنشاہ!"

یہ کہہ کر دولوخوف نے اسے روسی زبان میں گالی دی اور اپنی بندوق کندھے پر رکھ کر وہاں سے چل دیا۔ اس نے اپنے کپتان کو بھی ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور کہا" ایوان لوکچ، آؤ چلیں"

اگلی صف کے سپاہیوں نے کہا" یہ ہے فرانسیسی میں گفتگو کا انداز، سداروف! اب تمہاری باری ہے"

سداروف نے آنکھیں جھپکاتے ہوئے فرانسیسی فوجیوں کی طرف رخ کیا اور تیزی سے بے معنی آوازیں

نکالنے لگا" کاری۔ ما۔ لا۔ تا۔ فا۔ سا۔ فی۔ مو۔ تر۔ کس۔ کا" اس کی کوشش تھی کہ سننے والوں کو یہ الفاظ بامعنی معلوم ہوں۔

"ہو، ہو، ہو! ہا ہا! اوہ! او" سپاہیوں نے خوشی سے جھومتے ہوئے با آواز بلند قہقہے لگانا شروع کر دیے اور فرانسیسی بھی ان کا ساتھ دیے بغیر نہ رہ سکے۔ یوں لگتا تھا جیسے سپاہی اپنی بندوقیں پھینک کر گولہ بارود کو نذر آتش کر دیں گے اور گھروں کو واپس چلے جائیں گے۔ لیکن بندوقیں بھری رہیں، مکانوں اور مورچوں کے سوراخ اسی طرح دھمکی آمیز انداز میں کھلے رہے اور گاڑیوں سے الگ کر لی جانے والی توپیں بھی اسی طرح ایک دوسرے کے سامنے کھڑی رہیں۔

(16)

فوج کے دائیں اور بائیں پہلو تک تمام صف کا چکر لگانے کے بعد شہزادہ آندرے نے توپوں کا رخ کیا۔ سٹاف افسر کا کہنا تھا کہ یہاں سے سارا میدان جنگ دکھائی دے سکتا تھا۔ وہ گھوڑے سے نیچے اتر آیا اور گاڑیوں سے الگ کی جانے والی چار توپوں میں سے آخری کے قریب کافی دیر تک کھڑا رہا۔ توپخانے کے یک محافظ نے جو ادھر ادھر چکر لگا رہا تھا، افسر کو دیکھ کر مودبانہ انداز میں کھڑے ہونے کی کوشش کی تاہم اشارہ پا کر دوبارہ نپے تلے قدموں کے ساتھ بے کیف چکر کاٹنے لگا۔ توپوں کے پیچھے توپ گاڑیاں کھڑی تھیں اور ان سے بھی کافی پیچھے گھوڑوں کو باندھنے کے رسے، ڈنڈے اور توپخانے کے سپاہیوں کا پڑاؤ تھا جہاں جا بجا آگ روشن تھی۔ آخری توپ سے کچھ دور بائیں طرف ایک نئی جھونپڑی دکھائی دے رہی تھی جسے درختوں کی شاخیں باہم ملا کر تیار کیا گیا تھا۔ اس جھونپڑی سے افسروں کی زوردار گفتگو سنائی دے رہی تھی۔ اس جگہ سے واقعی روسی فوج کی تمام ترتیب و تقسیم اور دشمن کی فوج کا زیادہ تر حصہ واضح طور پر دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے بالکل سامنے پہاڑی چوٹی پر شون گرابرن گاؤں دیکھا جا سکتا تھا۔ دائیں اور بائیں تین جگہوں سے آگ کے الاؤوں کے دھوؤں کے درمیان فرانسیسی فوجوں کے گروہوں کو دیکھنا ممکن تھا حالانکہ اس فوج کا بیشتر حصہ گاؤں کے اندر اور پہاڑی کے پیچھے پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ گاؤں کی بائیں جانب دھوئیں میں توپوں کی پوزیشن جیسی کوئی شے دکھائی دے رہی تھی مگر ننگی آنکھ سے واضح نظر نہ آتی تھی۔ ہماری فوج کا دایاں پہلو فرانسیسیوں کے سروں کے اوپر اٹھی سیدھی ڈھلان پر ادھر ادھر بکھرا تھا۔ وہاں ہماری پیادہ فوج اور انتہائی آخری سرے پر ڈریگون متعین تھے۔ شون گرابرن گاؤں اور ہمارے مابین حائل ندی تک پہنچے کا عمودی ڈھلان سے گزرنے والا سیدھا راستہ فوج کے درمیانی حصے میں واقع توشن کی توپ پوزیشن سے شروع ہوتا تھا جہاں شہزادہ آندرے کھڑا پوزیشنوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ بائیں جانب ہماری فوج درختوں کے ذخیرے کے قریب متعین تھی جہاں پیادہ فوج کے جوانوں کے الاؤوں سے دھواں اٹھتا دیکھا جا سکتا تھا جو جلانے کیلئے لکڑیاں کاٹ رہے تھے۔ فرانسیسی فوج کی ترتیب ہماری نسبت کہیں زیادہ لمبی اور چوڑی تھی جسے دیکھ کر واضح ہو جاتا تھا کہ وہ ہمیں دونوں بازوؤں سے باآسانی گھیرے میں لے سکتے ہیں۔ ہماری پوزیشن کے پیچھے گہری کھائی تھی جس کے کنارے عمودی اور دشوار گزار تھے جس کے نتیجے میں یہاں سے توپخانے اور گھڑ سوار دستوں کیلئے پسپائی اختیار کرنا خاصا مشکل تھا۔ شہزادہ آندرے نے ایک کاپی نکالی اور توپ پر کہنی ٹکا کر فوجوں کی ترتیب و تقسیم کا نقشہ تیار کرنے لگا۔ اس نے دو مقامات پر نشان لگا دیے، وہ ان کے بارے میں باگراتیاں سے بات کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ پہلی بات یہ تھی کہ اس

نے باگراتیاں سے تمام توپخانہ فوج کے درمیانی حصے میں جمع کرنے کی تجویز دینا تھی اور دوسری بات یہ تھی کہ گھڑ سوار فوج کو پیچھے ہٹا کر گھاٹی کی دوسری جانب تعینات کر دیا جائے۔ کمانڈر انچیف کی خدمت میں مسلسل حاضری، بھاری افواج کی نقل و حرکت اور عمومی ترتیب و تنظیم کے مطالعے اور مختلف جنگوں کے تاریخی واقعات اور کوائف کا بار بار جائزہ لینے کے بعد آندرے کیلئے مستقبل قریب میں ہونے والی فوجی کارروائیوں کا عمومی نقشہ اپنے ذہن میں مرتب کرنا بالکل فطری تھا۔ اس کے دماغ میں جو دو اہم ترین امکانات ابھرے وہ یہ تھے کہ ''اگر دشمن نے دائیں پہلو پر حملہ کیا تو'' اس نے خود کلامی کرتے ہوئے کہا ''تو کیف گرینڈیئرز اور پودولسکی شاسر رجمنٹوں کو اس وقت تک اپنی پوزیشنوں پر ڈٹے رہنا ہوگا جب تک فوج کے درمیانی حصہ سے محفوظ دستے ان کی مدد کو نہ پہنچ جائیں۔ اس صورتحال میں ڈریگون ان کے پہلو پر حملہ کر کے انہیں پیچھے دھکیل سکتے ہیں۔ اگر انہوں نے ہماری فوج کے درمیانی حصہ پر حملہ کیا تو ہم اپنی توپوں کی مرکزی پوزیشن اس پہاڑی پر بنا دیں گے اور اس کی آڑ لے کر اپنا بایاں پہلو پیچھے ہٹا کر مختلف پلاٹونوں کو ایک ایک کر کے کھائی میں لے جائیں گے''۔۔۔ جتنی دیر وہ توپ کے پاس کھڑا رہا اسے جھونپڑی سے افسروں کی گفتگو مسلسل اور واضح طور پر سنائی دیتی رہی تاہم جیسا عموماً ہوتا ہے ان کی گفتگو کا ایک لفظ بھی اسے سمجھ نہ آیا۔ اچانک ایک آواز نے کر اس پر اتنا اثر ہوا کہ وہ بے اختیار ان کی باتیں سننے لگا۔

ایک آواز جو کانوں کو بھلی معلوم ہوئی اور آندرے کو جانی پہچانی محسوس ہوئی، کہہ رہی تھی ''نہیں میرے عزیز دوست، اگر یہ معلوم ہو جائے کہ موت کے بعد کیا ہوگا تو پھر ہم میں سے کسی کو بھی موت سے خوف نہیں آئے گا۔ میرے دوست میں سچ کہہ رہا ہوں''

ایک دوسری اور نسبتاً نوجوان آواز نے اس کی بات کاٹی ''خوف آئے نہ آئے، اس سے کوئی نہیں بچ سکتا''

تیسری اور بلند آواز نے پچھلی دونوں کو ٹوکتے ہوئے کہا ''خوف تو آتا ہی ہے اے باعلم لوگو تم توپخانے والے بڑے تیز ہو کیونکہ تم کھانے پینے کی ہر شے ساتھ لے جا سکتے ہو''

یہ کہہ کر اس بلند آواز کا مالک جو بظاہر پیادہ فوج سے تعلق رکھتا تھا ہنس دیا۔

پہلا شخص جس کی آواز شہزادہ آندرے کو شناسا معلوم ہوتی تھی، بات جاری رکھتے ہوئے بولا ''خوف ان باتوں سے آتا ہے جنہیں ہم نہیں جانتے۔ آپ خواہ کتنی مرتبہ یہ کہیں کہ جسم سے نکلنے کے بعد روح جنت میں چلی جاتی ہے۔۔۔ ہم جانتے ہیں کہ جنت کا کوئی وجود نہیں، اوپر صرف فضا ہے''

بلند آواز نے دوبارہ مداخلت کی ''توشن، ہمیں اپنی نباتاتی برانڈی کا ایک گھونٹ ہی پلا دو''

آندرے نے سوچا ''ارے، یہ تو وہی کپتان ہے جو کینٹین میں بوٹوں کے بغیر کھڑا تھا۔ وہ فلسفہ بگھارنے والی اس خوشگوار آواز کو پہچان گیا تھا اور خوش ہوا۔

توشن بولا ''نباتاتی برانڈی، ہاں، کیوں نہیں؟ مگر مستقبل کی زندگی کا تصور کرنا۔۔۔'' وہ اپنا جملہ مکمل نہ کر سکا۔

اسی لمحے فضا میں سنسناہٹ سنائی دی۔ قریب سے قریب تر، تیز اور بلند تر، گویا اس کی سنسناہٹ جو کچھ کہنا چاہتی تھی وہ ابھی تک ختم نہیں ہوا تھا، توپ کا گولہ جھونپڑی کے قریب گر کر دھماکے سے پھٹ گیا اور اس نے ماورائے انسانی قوت کے ساتھ مٹی کے بوچھاڑ کر دی۔ اسی لمحے پستہ قد توشن منہ کے کونے میں چھوٹا سا پائپ دبائے تیزی سے بھاگ کر جھونپڑی سے نکلا، اس کے ذہین اور شفیق چہرے پر زردی برس رہی تھی۔ اس کے پیچھے پیچھے بلند آواز والا افسر اور پیادہ فوج کا تیز طرار افسر بھی تھا جو کوٹ کے بٹن بند کرتے ہوئے تیزی سے اپنی کمپنی کی جانب

بھاگ رہا تھا۔

(17)

شہزادہ آندرے گھوڑے پر سوار ہو گیا مگر توپوں کی پوزیشن کے قریب کھڑا داغی جانے والی توپ کا دھواں دیکھتا رہا۔ وہ اپنے سامنے وسیع منظر کو دیکھ رہا تھا۔ اسے صرف یہی دکھائی دیا کہ فرانسیسیوں کے گروہ جو اب تک فارغ تھے متحرک ہو گئے ہیں اور ان کی بائیں طرف واقعی توپیں نصب تھیں۔ اس جگہ ابھی تک دھواں چھایا ہوا تھا۔ دو فرانسیسی جو یقیناً ایجوٹنٹ تھے پہاڑی پر گھوڑے بھگائے چلے جا رہے تھے۔ دشمن کا ایک چھوٹا سا دستہ غالباً اگلی صف کے سپاہیوں کو کمک پہنچانے کیلئے پہاڑی سے اترتا صاف دکھائی دیتا تھا۔ ابھی پہلے گولے کا دھواں ختم نہیں ہوا تھا کہ مزید دھواں دکھائی دیا اور ایک گونجدار آواز سنائی دی۔ جنگ شروع ہو چکی تھی۔ شہزادہ آندرے نے گھوڑا موڑا اور باگراتیاں سے ملنے گرنٹ کی جانب ہو لیا۔ اپنے پیچھے اسے گولہ باری کی آوازیں سنائی دیں جو بلند سے بلند تر ہوتی چلی جا رہی تھیں۔ یوں لگتا تھا کہ ہمارے فوجیوں نے جوابی کارروائی شروع کر دی تھی۔ نیچے جہاں فریقین ایک دوسرے سے قریب تھے بندوقیں چلنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ لی میروئس ابھی نپولین کا تنبیہی خط لے کر پہنچا ہی تھا کہ مورات کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ وہ اپنی اس حماقت کے ازالے کیلئے بے چین تھا، چنانچہ اس نے روسی فوج کے دونوں پہلوؤں کو بلا تاخیر زد میں لینے اور اس کے درمیانی حصے پر حملے کیلئے اپنی فوج کو آگے بڑھایا۔ اسے امید تھی کہ وہ شام سے قبل نپولین کی آمد سے پہلے ہی اپنے سامنے کھڑی اس کمزور فوج کو تباہ کر دے گا۔

شہزادہ آندرے نے سوچا ''جنگ شروع ہو گئی! یہاں، سامنے! مگر میں تولون کہاں اور کیسے شروع ہوگا'' اسے یوں محسوس ہوا جیسے تمام خون اس کے دل میں جمع ہو رہا ہو۔

ان کمپنیوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے جو پندرہ منٹ قبل کھانا کھانے اور شراب پینے میں مشغول تھیں، اسے ہر طرف سپاہی اور افسر اسی تیزی سے صفیں ترتیب دیتے اور ہتھیاروں کا جائزہ لیتے دکھائی دیے۔ اسے ہر چہرے پر وہی اشتیاق نظر آیا جو وہ اپنے دل میں محسوس کر رہا تھا۔ ہر چہرہ یہ کہتا محسوس ہوتا تھا ''شروع ہو گئی! یہاں! خوفناک اور دلچسپ!'' ابھی وہ زیر تعمیر خندقوں تک نہیں پہنچا تھا کہ اسے خزاں کی بے کیف اور ملگجی شام میں چند گھڑ سوار اپنی جانب آتے دکھائی دیے۔ سب سے آگے والے نے چغہ اور استرخانی ٹوپی اوڑھ رکھی تھی اور وہ سفید گھوڑے پر سوار تھا۔ یہ شہزادہ باگراتیاں تھا۔ آندرے رک گیا اور اس کا انتظار کرنے لگا۔ باگراتیاں نے گھوڑا روک لیا اور شہزادہ آندرے کو پہچانتے ہوئے سر کو خم دیا۔ وہ ابھی تک سامنے دیکھ رہا تھا جبکہ آندرے نے جو کچھ دیکھا تھا وہ اسے بتانے لگا۔

یہ احساس کہ ''شروع ہو گئی! یہاں سامنے!'' شہزادہ باگراتیاں کے مضبوط گندمی چہرے، نیم وا اور نادرخشاں آنکھوں میں بھی دیکھا جا سکتا تھا۔ آندرے نے اس غیر جذباتی چہرے کو پر اضطراب تجسس سے دیکھا۔ شہزادہ آندرے اسے دیکھ کر حیران ہوا اور سوچنے لگا کہ آیا یہ شخص سوچتا اور محسوس بھی کرتا ہے اور اس لمحے یہ کیا سوچ اور محسوس کر رہا ہے؟ اس غیر جذباتی چہرے کے پیچھے بھی کچھ ہے یا نہیں؟ شہزادہ آندرے کی باتوں کے جواب میں اس نے صرف ''خوب'' کہا۔ یوں لگتا تھا جیسے اسے جو کچھ بتایا گیا تھا وہ اس کی توقعات کے عین مطابق تھا۔ شہزادہ آندرے گھوڑا تیز دوڑانے کے باعث خود بھی ہانپ رہا تھا اور تیزی سے گفتگو کر رہا تھا۔ شہزادہ باگراتیاں مشرقی لہجے میں آہستگی سے باتیں کر رہا تھا جیسے کہنا چاہتا ہو کہ ''آخر اتنی بھی کیا جلدی ہے'' پھر وہ گھوڑے

کو آہستہ آہستہ دوڑاتے ہوئے توشن کی توپوں کی جانب ہولیا۔ شہزادہ آندرے بھی عملے کے ساتھ اس کے پیچھے چل دیا۔ یہ عملہ ایک سٹاف افسر، باگراتیاں کے ذاتی ایجوٹنٹ زرکوف، ایک اردلی افسر، ڈیوٹی پر متعین ایک سٹاف افسر جو انگریزی نسل کے خوبصورت گھوڑے پر سوار تھا اور ایک غیر فوجی افسر پر مشتمل تھی جو دراصل آڈیٹر تھا اور محض جنگ دیکھنے کیلئے ان کے ساتھ ہولیا تھا۔ یہ آڈیٹر بھاری جسامت اور بھاری چہرے کا مالک تھا۔ وہ دائیں بائیں دیکھتے ہوئے مسکراتا جاتا تھا اور ہوزاروں، قازقوں اور ایجوٹنٹوں کے مابین فوجی کوٹ پہنے تیز زین والے گھوڑے پر بیٹھا کچھ عجیب سا دکھائی دیتا تھا۔

زرکوف نے آڈیٹر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بلکونسکی سے کہا "یہ حضرت جنگ دیکھنے کے شوقین ہیں، لیکن ابھی سے خوفزدہ ہو گئے ہیں۔"

آڈیٹر مسکراتے ہوئے بولا "چھوڑیں جی، آپ پہلے ہی بہت کچھ کہہ چکے ہیں۔" بظاہر وہ معصومانہ انداز سے مسکرا رہا تھا لیکن اس میں بھی مکاری جھلکتی تھی۔ وہ یوں ظاہر کر رہا تھا جیسے زرکوف اس کا مذاق اڑانے کی بجائے خوشامد کر رہا ہو اور اب وہ جان بوجھ کر اتنا احمق دکھائی دینے کی کوشش کر رہا تھا جتنا حقیقت میں نہیں تھا۔

ڈیوٹی پر متعین سٹاف افسر بولا "موسیو شہزادے، یہ تو نرا مذاق ہے" (اسے یاد آیا کہ فرانسیسی میں "شہزادہ" کہنے کا انوکھا انداز ہے تاہم وہ ایسا انداز اختیار نہ کر سکا۔ اس وقت وہ توشن کی توپوں کے قریب پہنچ رہے تھے کہ ایک گولہ آیا اور ان کے سامنے زمین پر گر گیا۔

آڈیٹر نے معصومانہ انداز سے مسکراتے ہوئے پوچھا "یہ کیا شے تھی؟"

زرکوف نے جواب دیا "فرانسیسی کیک"

آڈیٹر نے پوچھا "یہی وہ چیز ہے جس سے وہ آپ کو نشانہ بناتے ہیں۔ کس قدر بری بات ہے" یوں لگتا تھا جیسے وہ خوشی سے پھول جائے گا۔ اس نے بمشکل اپنی بات مکمل کی ہوگی کہ اچانک ایک خوفناک آواز سنائی دی اور کوئی نرم سی شے اچانک نیچے گری اور سنسناتی آواز بند ہوگئی۔ ایک قازق جوان سے کچھ دائیں جانب آڈیٹر کے پیچھے چلا آ رہا تھا، گھوڑے سے نیچے گر گیا۔ زرکوف اور سٹاف افسر اپنی اپنی زین پر آگے کو جھک گئے اور گھوڑے وہاں سے پرے ہٹا لیے۔ آڈیٹر رک گیا اور قازق کے سامنے کھڑا ہو کر اس کا بغور جائزہ لینے لگا۔ قازق ہلاک ہو چکا تھا جبکہ اس کا گھوڑا ابھی تک ہل جل رہا تھا۔

شہزادہ باگراتیاں نے آنکھیں سکیڑیں اور مڑ کر اپنے عملے کے پیچھے رہ جانے کی وجہ جاننے کی کوشش کی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ کہہ رہا ہو "بھلا ان معمولی باتوں پر پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے؟" اس نے ماہر گھڑ سوار کی طرح اپنے گھوڑے کی باگیں کھینچیں اور آگے جھک کر اپنے چغے میں الجھی تلوار علیحدہ کی۔ یہ قدیم وضع کی تلوار تھی اور اب عموماً استعمال نہیں ہوتی تھی۔ شہزادہ آندرے کو وہ قصہ یاد آیا کہ سواروف نے اٹلی میں اپنی تلوار باگراتیاں کو دے دی تھی۔ اس موقع پر اسے یہ یاد خاصی خوشگوار محسوس ہوئی۔ وہ توپخانے کی پوزیشن پر اس جگہ پہنچ گئے جہاں سے آندرے نے میدان جنگ کا جائزہ لیا تھا۔

شہزادہ باگراتیاں نے گولہ بارود کے صندوقوں کے قریب کھڑے توپچی سے پوچھا "یہ کس کی کمپنی ہے؟"

اگرچہ اس کے الفاظ "یہ کس کی کمپنی ہے؟" تھے مگر حقیقت میں وہ یہ کہنا چاہتا تھا "تمہیں یہاں ڈر نہیں لگتا؟" اور توپچی اس کی بات سمجھ گیا تھا۔

سرخ بالوں اور داغدار چہرے والے توپچی نے خوشدلی سے جواب دیا "جناب عالی! کپتان توشن کی" باگراتیاں بولا "واقعی، واقعی" یوں لگتا تھا جیسے وہ کسی سوچ میں مستغرق ہو۔ اس کے ساتھ ہی وہ سب سے آخر میں نصب توپ کی جانب بڑھ گیا۔ جونہی وہ توپ کے قریب پہنچا اسے داغ دیا گیا اور دھماکے سے اس کے اور ساتھیوں کے کان وقتی طور پر بند ہو گئے۔ توپ کو لپیٹ میں لینے والے دھوئیں میں سے انہیں توپچی نظر آئے جو اسے کھینچ کھانچ کر فوری طور پر پہلے والی پوزیشن پر لانے کی کوشش کر رہے تھے۔ پہلا توپچی چوڑے چکلے سینے اور بھاری جسامت کا مالک تھا جو توپ کی صفائی کرنے والی سلاخ لے کر پہیے پر چڑھ گیا جبکہ دوسرے توپچی نے کانپتے ہاتھوں سے گولہ توپ کے منہ میں ڈال دیا۔ جھکے کندھوں والا پستہ قد افسر توشن توپ کے عقبی حصے سے ٹکراتا آگے بھاگا اور جرنیل کی موجودگی سے بےخبر آنکھوں پر اپنے چھوٹے ہاتھوں کا سایہ کر کے سامنے دیکھنے لگا۔

اسی دوران توشن نے باریک آواز میں چلا کر توپچیوں کو حکم دیا "اسے دو پوائنٹ اور اوپر اٹھا دو، تب گولہ ٹھیک جگہ پر گرے گا" اس نے اپنی باریک آواز میں رعب و دبدبہ پیدا کرنے کی کوشش کی جو اس کی جسامت سے میل نہیں کھاتا تھا۔ پھر وہ بولا "نمبر دو! میدوی دیف، انہیں اڑا دو"

باگراتیاں نے اسے بلایا اور وہ اس کی جانب چلا آیا۔ اس نے شرمیلے اور بے ڈھنگے انداز میں اپنی تین انگلیاں ٹوپی کی طرف اٹھائی ہوئی تھیں اور کسی فوجی کے سلیوٹ کی بجائے یوں لگتا تھا جیسے کوئی پادری دعا دے رہا ہو۔ اگرچہ توشن کی توپیں وادی پر گولہ باری کیلئے نصب کی گئی تھیں مگر وہ ان کے ذریعے شون گرابرن گاؤں پر گولے برسانے میں مصروف تھا جہاں فرانسیسی فوج جمع تھی۔

توشن کو کسی نے حکم نہیں دیا تھا کہ کہاں اور کس پر گولہ باری کرنا ہے، اور اپنے سارجنٹ زخارچنکوف سے، جس کی وہ بےحد عزت کرتا تھا، صلاح مشورے کے بعد اس نے فیصلہ کیا کہ گاؤں کو آگ لگانا مفید رہے گا۔ افسر کی رپورٹ کے جواب میں باگراتیاں نے کہا "بہت خوب!" اور اپنے سامنے پھیلے میدان جنگ کا جائزہ لینے لگا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ کچھ سوچ رہا ہو۔ فرانسیسی دائیں جانب سے آگے بڑھتے قریب آ چکے تھے۔ نیچے گھاٹی میں جہاں ندی بہہ رہی تھی اور کیف رجمنٹ متعین تھی توپوں کی گھن گرج سنائی دے رہی تھی۔ سٹاف افسر نے باگراتیاں کی توجہ دائیں جانب ڈریگونوں سے بھی آگے فرانسیسی فوج کے ایک حصے کی طرف دلائی جو ہمارے دائیں پہلو کو گھیرے میں لینے کیلئے بڑھ رہا تھا۔ بائیں جانب تاافق گھنا جنگل پھیلا ہوا تھا۔ شہزادہ باگراتیاں نے حکم دیا کہ درمیان سے دو بٹالین ہٹا کر دائیں پہلو کو بطور کمک بھیج دی جائیں۔ سٹاف افسر نے باگراتیاں سے گزارش کی کہ اگر یہ بٹالینیں یہاں سے ہٹالی گئیں تو توپیں غیر محفوظ ہو جائیں گی۔ باگراتیاں سٹاف افسر کی جانب مڑا اور اسے اپنی نادرخشاں آنکھوں سے گھورنے لگا۔ شہزادہ آندرے نے غور کیا کہ سٹاف افسر کا مشاہدہ درست تھا اور اسے جھٹلانا ممکن نہ تھا۔ مگر اسی لمحے ایک ایجوٹنٹ گھوڑا دوڑاتا وہاں پہنچا اور گھاٹی میں موجود رجمنٹ کے کرنل کا پیغام دیا کہ فرانسیسی فوج کا جم غفیر نیچے اتر کر ان کی جانب بڑھ رہا ہے اور اس کے جوان بے ترتیب حالت میں کیف گرینیڈیئرز کی جانب پسپا ہو رہے ہیں۔ شہزادہ باگراتیاں نے منظوری اور پسندیدگی کے طور پر سر جھکا دیا۔ پھر وہ گھوڑے پر آہستگی سے دائیں جانب چلا گیا اور ایک ایجوٹنٹ کو فرانسیسیوں پر حملے کا حکم دے کر ڈریگونوں کی جانب روانہ کر دیا۔ مگر ایجوٹنٹ نصف گھنٹہ بعد ہی یہ خبر لے کر واپس آ گیا کہ ڈریگونوں کا کرنل پہلے ہی پسپائی اختیار کر چکا ہے، وہ توپوں کی گولہ باری کی زد میں آ گیا تھا اور بے فائدہ اتلاف سے بچنے کیلئے بلا تاخیر جنگل میں جانے ہی میں عافیت سمجھی۔

باگراتیاں نے کہا "بہت خوب!"

جب وہ توپوں کی پوزیشن سے واپس جا رہا تھا تو بائیں جانب کے جنگل سے بھی فائرنگ کی آوازیں سنائی دیں۔ چونکہ فوج کا دایاں پہلو اس قدر دور تھا کہ اس کے لیے خود وہاں جانا ممکن نہ تھا چنانچہ اس نے زرکوف کو سینئر جرنیل (وہی جرنیل جس کی رجمنٹ کا کوتوزوف نے براؤناؤ میں معائنہ کیا تھا) کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ وہ جس قدر جلد ہو سکے پسپائی اختیار کر کے گھاٹی کے پار چلا جائے کیونکہ بظاہر یہی لگتا ہے کہ دایاں پہلو زیادہ دیر دشمن کا مقابلہ نہیں کر پائے گا۔ توشن اور اس بٹالین کو جو اسے آڑ فراہم کر رہی تھی بھلا دیا گیا۔ شہزادہ آندرے نے باگراتیاں اور کمانڈنگ افسروں کی گفتگو اور انہیں جو احکامات دیے گئے تھے بغور سنے اور یہ سن کر حیران ہوا کہ درحقیقت کوئی احکامات دیے ہی نہیں گئے تھے بلکہ باگراتیاں نے محض یہ جتانے کی کوشش کی تھی کہ جو کچھ ضرورت کے تحت، اتفاقاً یا افسروں کی انفرادی کوشش کے تحت ہوا وہ سب کچھ اس کے حکم پر نہیں تو کم از کم اس کے ارادوں کے مطابق ضرور ہوا تھا۔ آندرے نے اندازہ لگایا کہ جو کچھ ہوا وہ بڑی حد تک اتفاقیہ تھا اور اس میں کمانڈر کی مرضی شامل نہ تھی مگر باگراتیاں نے جس موقع شناسی کا مظاہرہ کیا اس کی بدولت اس کی وہاں موجودگی بیحد اہمیت اختیار کر گئی تھی۔ کمانڈنگ افسر جو رنجیدہ چہرے لے کر وہاں آئے تھے دوبارہ پرسکون ہو گئے۔ سپاہیوں اور افسروں نے اس کا خوشدلی سے خیر مقدم کیا۔ اس کی موجودگی میں ان کے کھوئے ہوئے حوصلے واپس آ گئے اور وہ اس کے سامنے اپنی جرات و دلیری کا مظاہرہ کرنے کیلئے بے تاب دکھائی دینے لگے۔

(18)

ہمارے دائیں پہلو پر بلند ترین مقام تک پہنچنے کے بعد باگراتیاں پہاڑی سے نیچے اترنے لگا جہاں توپیں چلنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں مگر دھوئیں کی وجہ سے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ گھاٹی سے جس قدر قریب ہوتے گئے انہیں انتہائی کم دکھائی دینے لگا مگر وہ خود کو حقیقی میدان جنگ سے قریب تر محسوس کرنے لگے۔ انہوں نے زخمیوں سے ملاقاتیں شروع کر دیں۔ ایک سپاہی کے سر سے خون بہہ رہا تھا اور اس کی ٹوپی غائب تھی۔ دو فوجی اسے بغلوں سے پکڑ کر گھسیٹے لیے جا رہے تھے۔ وہ بار بار چھینکتے ہوئے خون کی قے کر رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کے منہ یا حلق میں گولی لگی ہے۔ ایک اور سپاہی جو اپنی بندوق کھو چکا تھا، باحوصلہ انداز میں اکیلا چلا جا رہا تھا۔ وہ بار بار کراہتا اور اپنے زخمی بازو کو فضا میں لہراتا تھا جس سے خون یوں ابل ابل کر نکل رہا تھا جیسے بوتل سے برآمد ہو رہا ہو۔ اس کے چہرے پر درد سے زیادہ خوف کا اظہار ہوتا تھا۔ وہ چند لمحے پہلے زخمی ہوا تھا۔ سڑک پار کرنے کے بعد وہ ایک عمودی ڈھلان سے نیچے اترنے لگے۔ یہاں انہیں متعدد سپاہی زمین پر لیٹے دکھائی دیے۔ راستے میں فوجیوں کا ایک ہجوم بھی دکھائی دیا جن میں سے بعض زخمی نہیں تھے۔ یہ سپاہی پھولی سانسوں کے ساتھ پہاڑی پر چڑھ رہے تھے اور جرنیل کو دیکھنے کے باوجود زور و شور سے گفتگو کرنے اور اپنی بات سمجھانے کیلئے پوری قوت سے بازو لہرانے میں مصروف تھے۔ اب دھوئیں میں سے سرمئی اوورکوٹوں کی صفیں دکھائی دے رہی تھیں۔ جب ایک افسر نے باگراتیاں کو دیکھا تو وہ پسپا ہونے والے فوجیوں کی جانب لپکا اور چلا چلا کر انہیں واپسی کا حکم دینے لگا۔ باگراتیاں سپاہیوں کی صفوں میں چلا گیا جہاں سپاہیوں کی تیز گفتگو اور افسروں کی آوازیں دھماکوں کے شور میں دب گئی تھیں۔ تمام فضا دھوئیں سے معمور تھی اور سپاہیوں کے چہرے جوش اور کالک سے بھرے تھے۔ کچھ بندوقوں کی صفائی کرنے والی سلاخیں چلا رہے تھے، بعض پیالوں میں بارود ڈالنے اور

تھیلیوں سے کارتوس نکالنے میں مصروف تھے اور کچھ فائرنگ کر رہے تھے۔ مگر دھوئیں کی دبیز تہہ کے باعث یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ وہ کس پر فائرنگ کر رہے تھے۔ یہ دھواں اتنا گاڑھا تھا کہ ہوا بھی اسے صاف نہیں کر پا رہی تھی۔ گولیوں کی خوشگوار، بھنبھناتی اور سنسناتی آوازیں بھی وقفے وقفے سے سنائی دے رہی تھی۔ شہزادہ آندرے نے حیران ہو کر سوچا "یہاں کیا ہو رہا ہے؟" اور پھر سپاہیوں کے ہجوم کی جانب بڑھنے لگا۔ اس نے سوچا "یہ جنگی صف نہیں ہو سکتی کیونکہ سب ہجوم کی صورت میں ایک دوسرے میں گھسے ہوئے ہیں۔ اسے حملہ آور دستہ بھی نہیں کہا جا سکتا کیونکہ یہ اپنی اپنی جگہوں پر کھڑے ہیں۔ ان کی ترتیب مربع جیسی بھی نہیں کیونکہ یہ اس طرح بھی نہیں کھڑے۔"

رجمنٹ کے دبلے پتلے، کمزور اور معمر کمانڈر کے چہرے پر خوشگوار مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے جھکے پپوٹوں نے اس کی بوڑھی آنکھیں نصف سے زائد ڈھک رکھی تھیں جس سے چہرے پر شفقت کا تاثر پھیل گیا تھا۔ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر باگراتیاں کے پاس آیا اور اس کا یوں استقبال کیا جیسے اپنے گھر میں کسی مہمان کو خوش آمدید کہہ رہا ہو۔ اس نے باگراتیاں کو بتایا کہ اس کی رجمنٹ پر فرانسیسی گھڑ سواروں نے حملہ کیا تھا، اگرچہ حملہ پسپا کر دیا گیا ہے لیکن اس کے نصف سے زائد سپاہی ہلاک ہو چکے ہیں۔ کرنل نے حملہ پسپا کیے جانے کا کہہ کر بظاہر وقوعہ کے بارے میں مناسب فوجی اصطلاح استعمال کی تھی۔ مگر حقیقت میں اسے خود بھی معلوم نہ تھا کہ نصف گھنٹے میں اس کے زیر کمان فوجیوں پر کیا گزری اور یہ کہ آیا حملہ واقعی پسپا کر دیا گیا یا اس کی اپنی رجمنٹ کا ستیاناس ہو گیا ہے۔ اسے صرف اسقدر معلوم تھا کہ لڑائی کے آغاز میں اس کی رجمنٹ پر توپوں کے گولے اور بم دھڑا دھڑ گر کر اس کے سپاہیوں کو اپنی لپیٹ میں لے رہے تھے، اسی دوران کسی نے چلا کر کہا "گھڑ سوار" اور ہمارے سپاہی فائرنگ کرنے لگے۔ تاہم ان کا نشانہ گھڑ سوار فوج نہیں تھی کیونکہ وہ منظر سے ہٹ گئی تھی اور اس کی جگہ فرانسیسی پیادہ فوج گھاٹی میں داخل ہو کر ہمارے سپاہیوں پر فائرنگ کر رہی تھی۔ شہزادہ باگراتیاں نے اپنا سر جھکایا جیسے کہہ رہا ہو کہ سب کچھ اس کی توقع کے مطابق ہوا۔ اس نے اپنے ایک ایجوٹنٹ کو بلا کر حکم دیا کہ چھٹے شاسروں کی دو بٹالینوں کو جن کے قریب سے وہ ابھی گزر کر آئے تھے، یہاں لے آئے۔ اسی لمحے شہزادہ آندرے باگراتیاں کے چہرے میں رونما ہونے والی تبدیلی کو دیکھ کر چونک گیا۔ اس کے چہرے پر ایسے شخص جیسی پرعزم خوشی مرتکز دکھائی دی جو سخت گرم دن میں پانی میں چھلانگ لگانے سے قبل دوڑتا چلا آ رہا ہوتا ہے۔ اب اس کی آنکھوں میں نیم غنودگی تھی نہ نادرخشندگی اور نہ ہی وہ مصنوعی سوچ بچار کرتا دکھائی دے رہا تھا۔ اس کی باز جیسی جھکی ہوئی اور ظالم آنکھوں میں خوشی تھی اور وہ نسبتاً حقارت آمیز انداز میں سامنے دیکھ رہی تھیں تاہم کسی شے پر نہیں ٹکی تھیں۔ البتہ اس کی حرکات و سکنات اب بھی پہلے جیسی نپی تلی تھیں اور ان میں کوئی تیزی نہیں آئی تھی۔

کرنل باگراتیاں سے التجا کرنے لگا کہ وہ واپس چلا جائے کیونکہ یہاں بیحد خطرہ تھا۔ وہ کہنے لگا "جناب عالی! میں آپ سے مودبانہ التجا کرتا ہوں کہ واپس چلے جائیں" اس نے سٹاف افسر کی جانب ایسی نظروں سے دیکھا جیسے اس سے تائید چاہ رہا ہو۔ وہ ایسے لہجے میں بات کر رہا تھا جیسے کوئی بڑھئی کسی شہری بابو کو کلہاڑا اٹھاتے دیکھ کر کہتا ہے "ہم تو اس کے عادی ہیں مگر آپ کے ہاتھوں پر چھالے پڑ جائیں گے" وہ یوں محو گفتگو تھا جیسے گولیاں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں اور اس کی نیم وا آنکھوں نے اس کے الفاظ کو اور بھی اہمیت بخش دی تھی۔ سٹاف افسر نے کرنل کی تائید کرتے ہوئے واپس جانے پر اصرار کیا مگر شہزادہ باگراتیاں نے جواب دینے کی بجائے محض اس حکم پر اکتفا کیا کہ فائرنگ بند کر کے از سر نو صف بندی کی جائے تاکہ نئی آنے والی بٹالینوں کیلئے جگہ پیدا کی جا سکے۔ جب وہ یہ حکم دے رہا تھا تو عین اسی وقت ہلکی ہلکی ہوا چلنے لگی اس نے گھاٹی پر دائیں سے بائیں پھیلی دھوئیں کی دبیز چادر کو یوں ہٹا دیا جیسے کوئی غیر مرئی ہاتھ ہو اور اس کے

نتیجے میں سامنے والی پہاڑی واضح دکھائی دینے لگی جسے فرانسیسی عبور کر رہے تھے۔

تمام لوگوں کی نگاہیں غیر ارادی طور پر فرانسیسی فوجی دستے پر ٹک گئیں جو ناہموار سطح پر دائیں بائیں گھومتا ان کی سمت بڑھ رہا تھا۔ انہیں فرانسیسی سپاہیوں کی سموری ٹوپیاں دکھائی دینے لگیں اور وہ افسروں اور عام سپاہیوں کو پہچان سکتے تھے اور ان کے جھنڈوں کو بانس سے لپٹتا بھی دیکھ سکتے تھے۔

باگراتیاں کے عملے میں سے کسی شخص نے کہا "کس قدر عمدگی سے آگے بڑھ رہے ہیں"

فرانسیسی دستے کا اگلا حصہ پہلے ہی گھاٹی میں داخل ہو چکا تھا۔ کسی نے کہا "ٹکراؤ گھاٹی کی اس جانب ہوگا"

ہماری رجمنٹ جو پہلے ہی ایک لڑائی میں حصہ لے چکی تھی، کے باقیماندہ سپاہیوں نے تیزی سے دوبارہ صف بندی کی اور دائیں جانب ہٹ گئے۔ ان کے عقب میں چھٹے شاسروں کی دو بٹالینیں اپنی رجمنٹوں سے بچھڑ جانے والے سپاہیوں کو ادھر ادھر ہٹاتی، خوبصورت ترتیب بنائے چلی آ رہی تھیں۔ ابھی وہ باگراتیاں کے قریب نہیں پہنچی تھیں تاہم انسانی ہجوم کے قدم سے قدم ملا کر چلنے کے باعث دھمک سنائی دینے لگی تھی۔ ان بٹالینوں کا بایاں پہلو باگراتیاں کے قریب تھا جس کا کپتان بارعب شخصیت کا مالک تھا۔ اس کے گول مٹول چہرے پر حماقت ٹپکتی تھی لیکن وہ بیحد خوش دکھائی دے رہا تھا۔ یہ پیادہ فوج کا وہی سپاہی تھا جو تیزی سے سرپٹ بھاگا تھا۔ اس وقت اس کے ذہن میں یہی بات سمائی ہوئی تھی کہ جیسے بھی ہو وہ اپنے اعلیٰ افسروں کے سامنے خوبصورت انداز میں پریڈ کرتا گزرے۔ دوران پریڈ سب سے اگلی صف کے اشخاص کو اپنی ذات پر جو اعتماد ہوتا ہے، اسی اعتماد اور اطمینان سے وہ اپنی مضبوط ٹانگوں پر آگے گھسٹتا اور پھسلتا چلا آ رہا تھا۔ وہ بالکل سیدھا تن کر چل رہا تھا اور جس آسانی سے آگے بڑھ رہا تھا وہ قدم سے قدم ملائے اس کے ساتھ آنے والے سپاہیوں کے مقابلے میں قطعی بے ڈھب دکھائی دیتا تھا۔ اس نے اپنی ٹانگ کے ساتھ باریک اور نازک سی تلوار لگا رکھی تھی (جو اتنی چھوٹی تھی کہ ہتھیار کی بجائے کھلونا معلوم ہوتی تھی) کبھی وہ اپنے اعلیٰ افسروں پر سرسری نگاہ ڈالتا اور کبھی اپنے پیچھے آنے والے سپاہیوں کو دیکھنے لگتا۔ اس کے مضبوط جسم میں اس قدر لچک تھی کہ آگے پیچھے دیکھنے کے باوجود اس کے قدم درست طور سے زمین پر پڑ رہے تھے۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے اس کی تمام قوتیں جمع ہو چکی ہیں اور اس امر کا تہیہ کر چکی ہیں کہ وہ اسے افسران اعلیٰ کے سامنے ہر ممکن حد تک بہترین انداز سے گزاریں گی۔ خوشی اس کے چہرے سے عیاں تھی اور اسے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ اپنے مقصد کے حصول میں کامیاب رہا ہے۔ بائیں۔۔۔ بائیں۔۔۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ دوسرے قدم پر یہی دہرا رہا ہے۔ سپاہیوں کی متحرک دیوار اس کے ساتھ قدم سے قدم ملائے چل رہی تھی۔ یہ سپاہی تھیلوں اور ہتھیاروں کے بوجھ تلے دبے ہوئے تھے اور ہر چہرے پر الگ انداز کا سنجیدہ پن اور درشتی چھائی تھی مگر وہ تمام یکساں آہنگ کے ساتھ چل رہے تھے انہیں دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے یہ سینکڑوں سپاہی اپنے اپنے ذہنوں میں بائیں۔۔۔ بائیں۔۔۔ بائیں۔۔۔ کی گردان کر رہے ہوں۔ ایک موٹا تازہ میجر ہانپتا ہوا توازن کھو بیٹھا اور سڑک کنارے جھاڑی کے گرد گھوم گیا۔ دوسروں سے پیچھے رہ جانے والا ایک سپاہی اس بات پر غمزدہ دکھائی دیتا تھا کہ وہ پیچھے کیوں رہ گیا ہے۔ اس نے اپنی کمپنی سے ملنے کیلئے دوڑ لگا دی اور اس کوشش میں ہانپنے لگا۔ اسی اثنا میں توپ کا ایک گولہ ہوا کو چیرتا آیا اور باگراتیاں اور اس کے ساتھیوں کے اوپر سے ہوتا ہوا اسی لیفٹ۔۔۔ لیفٹ۔۔۔ کے ردھم کے ساتھ دستے کے درمیان میں آ گرا۔

کپتان کی روح پرور آواز گونجی "صفیں ایک دوسرے کے قریب ہو جائیں" سپاہی نیم دائرے کی شکل میں گولے کے گرنے کی جگہ کے برابر سے گزرنے لگے۔ ایک بوڑھا گھڑسوار جو ہلاک و زخمی ہونے والوں کے قریب رکنے

کے باعث پیچھے رہ گیا، تیزی سے آگے کو بھاگا چلا آ رہا تھا۔ اس نے چھلانگ لگائی اور پریڈ میں شامل ہو گیا، ساتھ ہی ساتھ وہ غضبناک نگاہوں سے پیچھے بھی دیکھتا جاتا تھا۔ منحوس خاموشی میں بائیں۔۔۔ بائیں۔۔۔ بائیں۔۔۔ کی آوازیں گونج رہی تھیں اور بے شمار پاؤں ایک ساتھ زمین سے ٹکرانے سے فضا میں یک رنگی سوت بکھر رہی تھی۔

شہزادہ باگراتیاں بولا "شاباش، جوانو!"

صفوں سے ملی جلی آوازیں آئیں "جناب۔۔۔ عالی۔۔۔ کی۔۔۔ خاطر!" ایک بدمزاج سپاہی نے مارچ کے دوران نعرہ لگاتے ہوئے یوں مڑ کر باگراتیاں کی جانب دیکھا جیسے کہہ رہا ہو "ہم جانتے ہی ہیں" ایک اور سپاہی گلا پھاڑ کر چلا رہا تھا۔ اس نے بالکل بھی ادھر ادھر نہ دیکھا جیسے خدشہ ہو کہ اس طرح اس کی توجہ بٹ جائے گی۔ اسی دوران ٹھہرنے اور تھیلے اتارنے کا حکم دیدیا گیا۔

باگراتیاں آگے نکل جانے والی صفوں کے پاس پہنچا اور گھوڑے پر ان کے گرد چکر لگانے کے بعد نیچے اتر آیا۔ اس نے گھوڑے کی باگیں ایک قازق کے سپرد کیں اور چغہ بھی اتار کر اسے تھما دیا۔ پھر اس نے اپنی ٹانگیں سیدھی کیں اور ٹوپی درست کر کے سر پر رکھی۔ فرانسیسی پیادہ فوج کا اگلا حصہ جس کے افسر آگے آگے آ رہے تھے، پہاڑی کے دامن سے سامنے نکل آیا۔

باگراتیاں اپنی کڑکدار اور گونجتی آواز میں بولا "خدا کی مدد سے آگے بڑھو!" ایک لمحے کیلئے وہ اگلی صف کی طرف متوجہ ہوا اور بازوؤں کو کسی قدر لہرا کر گھڑسواروں کے سے بے ڈھنگے انداز میں غیر ہموار زمین پر یوں چلنے لگا جیسے ابھی نیچے گر جائے گا۔ شہزادہ آندرے کو محسوس ہوا جیسے کوئی ان دیکھی قوت اسے آگے لیے جا رہی ہے اور اسے زبردست خوشی کا احساس ہوا۔[1]

فرانسیسی قریب پہنچ گئے تھے۔ شہزادہ آندرے جو پہلے ہی باگراتیاں کے ساتھ تھا، ان کی کارتوسوں کی پیٹیاں، سرخ فیتے حتیٰ کہ چہرے بھی واضح طور پر دیکھ سکتا تھا (اس نے ایک بوڑھے فرانسیسی افسر کو واضح طور پر دیکھا جس نے لمبے بوٹ پہن رکھے تھے اور اپنے ٹیڑھے میڑھے پاؤں کے ساتھ بمشکل جھاڑیوں کا سہارا لیتے ہوئے پہاڑی پر چڑھ رہا تھا۔ باگراتیاں نے مزید کوئی حکم نہ دیا اور خاموشی سے صفوں کے آگے چلتا رہا۔ اچانک فرانسیسیوں کے درمیان ایک گولی چلی، اس کے بعد دوسری اور پھر تیسری گولی چلنے کی آواز سنائی دی اور دشمن کی بے ترتیب ہوتی صفوں سے دھواں اٹھنے لگا۔ ہمارے متعدد سپاہی نیچے گر پڑے ان میں وہ گول مٹول چہرے والا افسر بھی تھا جو اسقدر احتیاط اور شان سے مارچ کرتا آیا تھا۔ جونہی پہلا گولہ چلنے کی آواز سنائی دی، باگراتیاں نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور چلا کر کہا "ہرا!"

"ہرا۔۔ا۔۔ا۔۔ا!" آواز صف بہ صف رجمنٹ کے آخری سرے تک گونجنے لگی۔ ہمارے سپاہیوں کا جوش و خروش دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ باگراتیاں سے ہی نہیں بلکہ ایک دوسرے سے بھی آگے نکلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اگرچہ ان کی اپنی صفیں کسی قدر بے ترتیب ہو رہی تھیں لیکن ان کا جوش و جذبہ مہمیز کا کام دے رہا تھا اور وہ بے ترتیب دشمن پر پل پڑنے کیلئے تیزی سے نیچے اترنے لگے۔

---

[1] یہ وہ حملہ تھا جس کے بارے میں تھیئرز لکھتا ہے "روسیوں نے دلیری اور شجاعت کا مظاہرہ کیا اور جنگ میں یہ کم کم ہی ہوتا ہے کہ دو پیادہ فوجیں عزم کے ساتھ ایک دوسرے کی جانب بڑھ رہی تھیں اور تصادم سے قبل ان میں سے کوئی ہار ماننے کو تیار نہ تھا۔ سینٹ ہیلینا میں نپولین کہا تھا "بعض روسی بٹالینیں ناقابل شکست رہی ہیں"

(19)

پچھلے شاسروں کے حملے نے ہماری فوج کے دائیں پہلو کی پسپائی محفوظ بنا دی۔ درمیانی حصے میں تو شن کی نظر انداز شدہ توپوں نے شون گرابرن کو آگ لگا دی تھی اور یوں فرانسیسی پیش قدمی میں رکاوٹ پیدا ہو گئی۔

فرانسیسی ہوا سے پھیلنے والی آگ بجھانے کیلئے رک گئے اور ہمیں پسپائی کیلئے وقت مل گیا۔ فوج کے درمیانی حصے کو کھائی کے دوسری جانب ہٹا لیا گیا۔ اس کام میں عجلت سے کام لیا گیا اور کچھ افراتفری بھی دیکھنے میں آئی تاہم مختلف یونٹیں آپس میں نہ الجھیں۔ البتہ پیادہ فوج کی ایزووسکی و پودولوسکی رجمنٹوں اور پاؤلوگراڈ ہوزاروں پر مشتمل بائیں پہلو پر اچانک حملہ ہو گیا۔ فرانسیسی مارشل لان کے زیر قیادت برتر فوج نے اسے گھیرے میں لے لیا اور افراتفری پھیلا دی۔ باگراتیاں نے زرکوف کو یہ حکم دے کر کمانڈنگ جرنیل کے پاس بھیجا کہ بایاں پہلو فوری طور پر پیچھے ہٹ جائے۔

زرکوف نے اپنی ٹوپی سے ہاتھ ہٹائے بغیر گھوڑے کو فوری طور پر موڑا اور تیزی سے مطلوبہ مقام کی جانب چل دیا۔ لیکن باگراتیاں کی نظروں سے کچھ دور جاتے ہی اس نے ہمت ہار دی اور اس پر خوف غالب آ گیا۔ اس نے سوچا کہ خطرے کی طرف جانا ٹھیک نہیں۔

بائیں پہلو کے قریب پہنچ کر وہ آگے فائرنگ کے مقام کی جانب جانے کی بجائے جرنیل اور اس کے عملے کو ایسی جگہ تلاش کرنے لگا جہاں ان کی موجودگی کا کوئی امکان نہ تھا۔ نتیجتاً وہ پیغام نہ پہنچا سکا۔

سینیارٹی کے اعتبار سے بائیں بازو کی کمان کا حق اس اس جرنیل کو حاصل تھا جس کی رجمنٹ کا کوتوزوف نے براؤناؤ میں معائنہ کیا تھا اور جس میں دولوخوف خدمات انجام دے رہا تھا۔ لیکن انتہائی بائیں پہلو کی کمان پاؤلوگراڈ رجمنٹ کے کمانڈر کو سونپ دی گئی جس میں رستوف بھی شامل تھا۔ اس صورتحال میں غلط فہمی پیدا ہو گئی۔ دونوں کمانڈر ایک دوسرے سے نالاں تھے اور ایسے وقت میں جبکہ فوج کا دایاں بازو پہلے ہی سے لڑائی میں الجھا ہوا تھا اور فرانسیسی حملہ کر چکے تھے وہ دونوں بحث میں مصروف تھے جس کا واحد مقصد ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنا تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ پیادہ اور گھڑ سوار دونوں رجمنٹیں سروں پر منڈلانے والی لڑائی کیلئے کسی طور بھی تیار نہ تھیں۔ عام سپاہی سے جرنیل تک کسی کو بھی لڑائی چھڑنے کی توقع نہ تھی اور سبھی دلجمعی سے پرامن کاموں میں مصروف تھے۔ سوار اپنے گھوڑوں کو چارہ دے رہے تھے اور پیادہ سپاہی اپنا ایندھن اکٹھا کرنے میں مصروف تھے۔

ہوزاروں کا جرمن کرنل تمتماتے چہرے کے ساتھ جرمن لہجے میں اپنے ایجوٹنٹ سے جو اس کے پاس پہنچا تھا، کہنے لگا "اگرچہ وہ مجھ سے سینئر ہے، تاہم جو اس کا جی چاہے کرے، میں اپنے ہوزاروں کی قربانی نہیں دوں گا۔ بگل! پسپائی کا بگل بجا دو"

مگر معاملات بگڑ رہے تھے اور انہیں سدھارنے کیلئے فوری توجہ کی ضرورت تھی۔ دائیں پہلو اور درمیان سے توپیں اور بندوقیں داغے جانے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ لان کے ماہر نشانہ بازوں کے کوٹ پہلے ہی نظر آنے لگے تھے۔ انہوں نے بند چکی عبور کر لی تھی اور بالکل قریب صف بندی کر رہے تھے۔ پیادہ فوج کا کمانڈر جرنیل لڑکھڑاتا اور ڈگمگاتا ہوا گھوڑے تک پہنچا اور اس پر سوار ہو کر پاؤلوگراڈ رجمنٹ کے کمانڈر کی جانب چل پڑا۔ دونوں کمانڈروں نے اپنی گردنوں کو خم دے کر ایک دوسرے کو سلام کیا مگر ان کے دلوں میں کینہ اور بغض تھا۔

جرنیل نے کہا "کرنل، میں ایک مرتبہ پھر کہتا ہوں کہ میں اپنے آدھے سپاہی جنگل میں نہیں چھوڑ سکتا۔ میری درخواست ہے کہ آپ اس جگہ قبضہ کر کے حملے کی تیاری شروع کر دیں۔"

کرنل نے سختی سے جواب دیا "اور میری آپ سے درخواست ہے کہ دوسروں کے معاملے میں نہ الجھیں۔ اگر آپ گھڑ سوار افسر ہوتے۔۔۔"

جرنیل بولا "کرنل، میں گھڑ سوار فوج کا افسر تو نہیں البتہ روسی فوج کا جرنیل ضرور ہوں۔ اگر آپ حقیقت سے ناواقف ہوں تو۔۔۔"

کرنل نے غصہ چلا کر کہا "جناب عالی! میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ ذرا میرے ساتھ اگلی صف تک چلیں۔ آپ خود جان جائیں گے کہ اس جگہ کی حفاظت کرنا ممکن نہیں۔ میں آپ کی خوشی کیلئے اپنے سپاہیوں کو موت کے منہ میں نہیں دھکیل سکتا" غصے سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور وہ اپنے گھوڑے کو مہمیز لگانا چاہتا تھا۔

جرنیل کہنے لگا "کرنل، آپ اپنی حیثیت بھول رہے ہیں۔ میں اپنا دل خوش نہیں کر رہا اور ایسی باتیں کہنے کی اجازت نہیں دیتا"

جرنیل نے کرنل کی بات کو اپنی جرات کیلئے چیلنج سمجھا اور سینہ پھلا کر ناگواری کے عالم میں اس کے ساتھ اگلی صفوں کی جانب چل دیا جیسے وہاں گولیوں کی بارش میں ان کے اختلافات کا فیصلہ ہو جانا تھا۔ وہ اگلی صف میں پہنچ گئے۔ متعدد گولیاں ان کے قریب سے سنسناتی ہوئی گزر گئیں اور وہ خاموشی سے رک گئے۔ اگلی صف سے کوئی نئی چیز دیکھنے کو نہ ملی بلکہ وہ جہاں پہلے کھڑے تھے وہیں سے صاف دکھائی دیتا تھا کہ جھاڑیوں اور کھائی میں گھڑ سوار فوج کیلئے کارروائی کرنا ممکن نہیں اور یہ کہ فرانسیسی فوجی ہمارے بائیں پہلو کو نرغے میں لینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جرنیل اور کرنل نے ایک دوسرے کی طرف غصیلی اور معنی خیز نگاہوں سے دیکھا جیسے دو مرغے لڑنے کی تیاری کر رہے ہوں اور ایک دوسرے میں بزدلی کی علامت تلاش کرنا چاہتے ہوں۔ دونوں امتحان میں کامیاب ٹھہرے۔ چونکہ کہنے کیلئے کچھ باقی نہ رہا تھا اور دونوں میں سے کوئی دوسرے کو یہ جتانے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا کہ گولیوں کی بارش میں پہلے وہ میدان سے پیچھے ہٹا ہے اس لیے اگر انہیں اپنے عقبی جنگل میں فائرنگ کی آوازیں اور شور و غل سنائی نہ دیتا تو شاید وہ غیر معینہ مدت تک یونہی کھڑے ہو کر ایک دوسرے کی ہمت کا امتحان لیتے رہتے۔ فرانسیسیوں نے سوکھی لکڑیاں چننے والے سپاہیوں پر حملہ کر دیا تھا۔ اب ہوزاروں کیلئے پیادہ فوج کے ساتھ پیچھے کی جانب ہٹنا ممکن نہ رہا اور بائیں جانب فرانسیسی فوج نے ان کی پسپائی کا راستہ بند کر دیا تھا۔ ان حالات میں خواہ لڑائی کا میدان کتنا ہی ناموزوں کیوں نہ ہوتا، ان کیلئے دشمن پر حملہ کرنا لازم ہو گیا تا کہ گزرنے کا راستہ بنایا جا سکے۔

رستوف کے سکواڈرن کو اچھی طرح گھوڑوں پر سوار ہونے کا موقع بھی نہ ملا۔ انہیں وہیں رک کر دشمن کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کے اور دشمن کے مابین کوئی شے حائل نہ تھی۔ صرف غیر یقینی اور خوف کی بھیانک لکیر دونوں کے درمیان اس طرح کھنچی تھی جیسے زندگی اور موت کے مابین باریک سی لکیر ہوتی ہے۔ اس لکیر سے سبھی آگاہ تھے اور ہر ایک کو اس سوال نے پریشانی میں ڈال دیا تھا کہ "آیا وہ اس لکیر کو عبور کریں گے یا نہیں اور اگر کریں گے تو کیسے"

کرنل گھوڑے پر سوار ہو کر اگلی صف تک آیا۔ اس نے غصے کے عالم میں افسروں کے سوالات کے جواب دیے اور ایک ایسے شخص کی طرح کوئی حکم جاری کیا جو جان پر بنی ہونے کے باعث اپنی مرضی کرنے پر تلا ہو۔ کسی نے واضح انداز میں تو کچھ نہ کہا البتہ تمام سکواڈرن میں حملے کی افواہ پھیل گئی۔ صف بندی کا حکم دیا جانے لگا اور میانوں سے شمشیریں

(19)

پچھلے شاسروں کے حملے نے ہماری فوج کے دائیں پہلو کی پسپائی محفوظ بنادی۔ درمیانی حصے میں تو شن کی نظر انداز شدہ توپوں نے شون گرابرن کو آگ لگادی تھی اور یوں فرانسیسی پیش قدمی میں رکاوٹ پیدا ہوگئی۔

فرانسیسی ہوا سے پھیلنے والی آگ بجھانے کیلئے رک گئے اور ہمیں پسپائی کیلئے وقت مل گیا۔ فوج کے درمیانی حصے کو گھاٹی کے دوسری جانب ہٹالیا گیا۔ اس کام میں عجلت سے کام لیا گیا اور کچھ افراتفری بھی دیکھنے میں آئی تاہم مختلف یونٹیں آپس میں نہ الجھیں۔ البتہ پیادہ فوج کی ایزووسکی و پودولوسکی رجمنٹوں اور پاؤلوگراڈ ہوزاروں پر مشتمل بائیں پہلو پر اچانک حملہ ہوگیا۔ فرانسیسی مارشل لان کے زیر قیادت برتر فوج نے اسے گھیرے میں لے لیا اور افراتفری پھیلادی۔ باگراتیاں نے زرکوف کو یہ حکم دے کر کمانڈنگ جرنیل کے پاس بھیجا کہ بایاں پہلو فوری طور پر پیچھے ہٹ جائے۔

زرکوف نے اپنی ٹوپی سے ہاتھ ہٹائے بغیر گھوڑے کو فوری طور پر موڑا اور تیزی سے مطلوبہ مقام کی جانب چل دیا۔ لیکن باگراتیاں کی نظروں سے کچھ دور جاتے ہی اس نے ہمت ہار دی اور اس پر خوف غالب آ گیا۔ اس نے سوچا کہ خطرے کی طرف جانا ٹھیک نہیں۔

بائیں پہلو کے قریب پہنچ کر وہ آگے فائرنگ کے مقام کی جانب جانے کی بجائے جرنیل اور اس کے عملے کو ایسی جگہ تلاش کرنے لگا جہاں ان کی موجودگی کا کوئی امکان نہ تھا۔ نتیجتاً وہ پیغام نہ پہنچا سکا۔

سینیارٹی کے اعتبار سے بائیں بازو کی کمان کا حق اس اس جرنیل کو حاصل تھا جس کی رجمنٹ کا کوتوزوف نے براؤناؤ میں معائنہ کیا تھا اور جس میں دولوخوف خدمات انجام دے رہا تھا۔ لیکن انتہائی بائیں پہلو کی کمان پاؤلوگراڈ رجمنٹ کے کمانڈر کو سونپ دی گئی جس میں رستوف بھی شامل تھا۔ اس صورتحال میں غلط فہمی پیدا ہوگئی۔ دونوں کمانڈر ایک دوسرے سے نالاں تھے اور ایسے وقت میں جبکہ فوج کا دایاں بازو پہلے ہی سے لڑائی میں الجھا ہوا تھا اور فرانسیسی حملہ کر چکے تھے وہ دونوں بحث میں مصروف تھے جس کا واحد مقصد ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنا تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ پیادہ اور گھڑ سوار دونوں رجمنٹیں سروں پر منڈلانے والی لڑائی کیلئے کسی طور بھی تیار نہ تھیں۔ عام سپاہی سے جرنیل تک کسی کو بھی لڑائی چھڑنے کی توقع نہ تھی اور سبھی دلجمعی سے پرامن کاموں میں مصروف تھے۔ سوار اپنے گھوڑوں کو چارہ دے رہے تھے اور پیادہ سپاہی اپنا ایندھن اکٹھا کرنے میں مصروف تھے۔

ہوزاروں کا جرمن کرنل تمتماتے چہرے کے ساتھ جرمن لہجے میں اپنے ایجوٹنٹ سے جو اس کے پاس پہنچا تھا، کہنے لگا "اگرچہ وہ مجھ سے سینئر ہے، تاہم جو اس کا جی چاہے کرے، میں اپنے ہوزاروں کی قربانی نہیں دوں گا۔ بگل! پسپائی کا بگل بجادو"

مگر معاملات بگڑ رہے تھے اور انہیں سدھارنے کیلئے فوری توجہ کی ضرورت تھی۔ دائیں پہلو اور درمیان سے توپیں اور بندوقیں داغے جانے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ لان کے ماہر نشانہ بازوں کے کوٹ پہلے ہی نظر آنے لگے تھے۔ انہوں نے بند چکی عبور کرلی تھی اور بالکل قریب صف بندی کر رہے تھے۔ پیادہ فوج کا کمانڈر جرنیل لڑکھڑاتا اور ڈگمگاتا ہوا گھوڑے تک پہنچا اور اس پر سوار ہوکر پاؤلوگراڈ رجمنٹ کے کمانڈر کی جانب چل پڑا۔ دونوں کمانڈروں نے اپنی گردنوں کو خم دے کر ایک دوسرے کو سلام کیا مگر ان کے دلوں میں کینہ اور بغض تھا۔

جرنیل نے کہا "کرنل، میں ایک مرتبہ پھر کہتا ہوں کہ میں اپنے آدھے سپاہی جنگل میں نہیں چھوڑ سکتا۔ میری درخواست ہے کہ آپ اس جگہ قبضہ کر کے حملے کی تیاری شروع کریں۔

کرنل نے سختی سے جواب دیا "اور میری آپ سے درخواست ہے کہ دوسروں کے معاملے میں نہ الجھیں۔ اگر آپ گھڑ سوار افسر ہوتے۔۔۔"

جرنیل بولا "کرنل، میں گھڑ سوار فوج کا افسر تو نہیں البتہ روسی فوج کا جرنیل ضرور ہوں۔ اگر آپ حقیقت سے ناواقف ہوں تو۔۔۔"

کرنل نے غصہ چلا کر کہا "جناب عالی! میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ ذرا میرے ساتھ اگلی صف تک چلیں۔ آپ خود جان جائیں گے کہ اس جگہ کی حفاظت کرنا ممکن نہیں۔ میں آپ کی خوشی کیلئے اپنے سپاہیوں کو موت کے منہ میں نہیں دھکیل سکتا" غصے سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور وہ اپنے گھوڑے کو مہمیز لگانا چاہتا تھا۔

جرنیل کہنے لگا "کرنل، آپ اپنی حیثیت بھول رہے ہیں۔ میں اپنا دل خوش نہیں کر رہا اور ایسی باتیں کہنے کی اجازت نہیں دیتا"

جرنیل نے کرنل کی بات کو اپنی جرات کیلئے چیلنج سمجھا اور سینہ پھلا کر ناگواری کے عالم میں اس کے ساتھ اگلی صفوں کی جانب چل دیا جیسے وہاں گولیوں کی بارش میں ان کے اختلافات کا فیصلہ ہو جانا تھا۔ وہ اگلی صف میں پہنچ گئے۔ متعدد گولیاں ان کے قریب سے سنسناتی ہوئی گزر گئیں اور وہ خاموشی سے رک گئے۔ اگلی صف سے کوئی نئی چیز دیکھنے کو نہ ملی بلکہ وہ جہاں پہلے کھڑے تھے وہیں سے صاف دکھائی دیتا تھا کہ جھاڑیوں اور گھاٹی میں گھڑ سوار فوج کیلئے کارروائی کرنا ممکن نہیں اور یہ کہ فرانسیسی فوجی ہمارے بائیں پہلو کو نرغے میں لینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جرنیل اور کرنل نے ایک دوسرے کی طرف غصیلی اور معنی خیز نگاہوں سے دیکھا جیسے دو مرغے لڑنے کی تیاری کر رہے ہوں اور ایک دوسرے میں بزدلی کی علامت تلاش کرنا چاہتے ہوں۔ دونوں امتحان میں کامیاب ٹھہرے۔ چونکہ کہنے کیلئے کچھ باقی نہ رہا تھا اور دونوں میں سے کوئی دوسرے کو یہ جتانے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا کہ گولیوں کی بارش میں پہلے وہ میدان سے پیچھے ہٹا ہے اس لیے اگر انہیں اپنے عقبی جنگل میں فائرنگ کی آوازیں اور شور وغل سنائی نہ دیتا تو شاید وہ غیر معینہ مدت تک یونہی کھڑے ہو کر ایک دوسرے کی ہمت کا امتحان لیتے رہتے۔ فرانسیسیوں نے سوکھی لکڑیاں چننے والے سپاہیوں پر حملہ کر دیا تھا۔ اب ہوزاروں کیلئے پیادہ فوج کے ساتھ پیچھے کی جانب ہٹنا ممکن نہ رہا اور بائیں جانب فرانسیسی فوج نے ان کی پسپائی کا راستہ بند کر دیا تھا۔ ان حالات میں خواہ لڑائی کا میدان کتنا ہی ناموزوں کیوں نہ ہوتا، ان کیلئے دشمن پر حملہ کرنا لازم ہو گیا تاکہ گزرنے کا راستہ بنایا جا سکے۔

رستوف کے سکواڈرن کو اچھی طرح گھوڑوں پر سوار ہونے کا موقع بھی نہ ملا۔ انہیں وہیں رک کر دشمن کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کے اور دشمن کے مابین کوئی شے حائل نہ تھی۔ صرف غیر یقینی اور خوف کی بھیانک لکیر دونوں کے درمیان اس طرح کھنچی تھی جیسے زندگی اور موت کے مابین باریک سی لکیر ہوتی ہے۔ اس لکیر سے سبھی آگاہ تھے اور ہر ایک کو اس سوال نے پریشانی میں ڈال دیا تھا کہ "آیا وہ اس لکیر کو عبور کریں گے یا نہیں اور اگر کریں گے تو کیسے"

کرنل گھوڑے پر سوار ہو کر اگلی صف تک آیا۔ اس نے غصے کے عالم میں افسروں کے سوالات کے جواب دیے اور ایک ایسے شخص کی طرح کوئی حکم جاری کیا جو جان پر بنی ہونے کے باعث اپنی مرضی کرنے پر تلا ہو۔ کسی نے واضح انداز میں تو کچھ نہ کہا البتہ تمام سکواڈرن میں حملے کی افواہ پھیل گئی۔ صف بندی کا حکم دیا جانے لگا اور میانوں سے شمشیریں

کھینچنے کی آواز گونجنے لگی۔ کوئی شخص اپنی جگہ سے نہیں ہلا تھا۔ بائیں بازو کے پیادوں اور ہوزاروں دونوں کو محسوس ہوا کہ کمانڈر خود نہیں جانتے کہ کیا کرنا ہے اور ان کی یہ ہچکچاہٹ سپاہیوں میں بھی پھیلنے لگی۔

رستوف نے سوچا "اگر یہ ذرا جلدی کریں تو!" اس نے محسوس کیا کہ حملے کی خوشی محسوس کرنے کا لمحہ آن پہنچا ہے جس کے بارے میں اس نے ساتھیوں سے بہت کچھ سن رکھا تھا۔

دینی سوف کی کڑکدار آواز سنائی دی "جوانو! خدا کی مدد سے آگے بڑھو! آگے! جلدی کرو، بھاگو!"

اگلی صف کے گھوڑوں کے پٹھے جھولنا شروع ہو گئے اور رستوف کا گھوڑا "روک" لگام کھینچ کر خود بخود آگے چلنے لگا۔

رستوف کو دائیں جانب اپنے ہوزاروں کی سب سے اگلی صفیں دکھائی دیں اور ان سے بھی کہیں آگے ایک دھندلی سی لکیر تھی۔ وہ پہچان نہ سکا کہ یہ کیا شے اور اسے دشمن سمجھا۔ کہیں دور سے گولیوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

حکم ملا "تیز تر" گھوڑا سرپٹ بھاگا تو رستوف کو محسوس ہوا کہ روک کے پہلو نیچے ڈھلک رہے ہیں۔ اس نے اپنے گھوڑے کی نقل و حرکت کا پہلے ہی سے اندازہ لگا لیا تھا اور خوشی سے نہال ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے سامنے ایک الگ تھلگ درخت دیکھا۔ شروع میں یہ درخت اس جگہ تھا جہاں اس کے خیال ڈراؤنی لکیر تھی تاہم اب جبکہ وہ لکیر پار کر چکا تھا اس کا کسی ڈراؤنی شے سے سامنا نہیں ہوا تھا اور ہر لمحہ پہلے سے زیادہ دلچسپ اور مسرت بخش ہوتا چلا جا رہا تھا۔

رستوف نے اپنی شمشیر پر گرفت مضبوط کرتے ہوئے سوچا "آہا، اب میں انہیں کاٹ کر رکھ دوں گا!" مختلف آوازیں سنائی دیں "ہرا۔۔۔ا۔۔۔ا"

اس نے سوچا "اسے آگے آنے دو" اور روک کو مہمیز لگاتے ہوئے سرپٹ دوڑانے لگا۔ دشمن اب سامنے دکھائی دے رہا تھا۔ اچانک خاصے چوڑے جھاڑو جیسی کوئی خوفناک شے سنسناتی ہوئی سکواڈرن کے درمیان سے گزر گئی۔ رستوف نے اسے مارنے کیلئے تلوار اٹھائی مگر اسی لمحے اس سے آگے آگے بھاگتے سپاہی نکیتنکو نے اپنا رخ بدل دیا اور رستوف کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ خواب دیکھ رہا ہو۔ وہ غیر فطری رفتاری سے بھاگ رہا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ اپنی جگہ سے بھی نہیں ہل رہا تھا۔ بنداریتک نامی ایک ہوزار پیچھے سے بھاگتا ہوا اس کے قریب آئے اور غصے سے اسے دیکھنے لگا۔ بنداریتک کا گھوڑا ابدکا اور تیزی سے آگے بھاگنا شروع کر دیا۔

رستوف نے سوچا "کیا ہوا؟ میں حرکت نہیں کر رہا؟ میں گر گیا ہوں؟ میں ہلاک ہو گیا ہوں۔۔۔" اس نے خودکلامی کے انداز میں یہ سوالات پوچھے اور خود ہی ان کے جواب دیے۔ وہ کھیت کے درمیان میں اکیلا پڑا تھا۔ اسے اپنے اردگرد گھوڑے اور سوار تو دکھائی نہ دیے البتہ غیر متحرک زمین اور پودوں کے ٹھنٹھ نظر آئے۔ اس کے نیچے گرم گرم خون تھا۔

اس نے سوچا "نہیں، میں زخمی ہوں اور میرا گھوڑا ہلاک ہو گیا ہے" روک نے اپنی اگلی ٹانگوں پر کھڑا ہونے کی کوشش کی لیکن اس سے اٹھا نہ گیا اور وہ ایک مرتبہ پھر نیچے گر پڑا۔ اس نے اپنے سوار کی ٹانگ بھی اپنے بوجھ تلے دبالی تھی۔ گھوڑے کے سر سے خون بہہ رہا تھا۔ وہ زور لگاتا مگر اٹھنے میں ناکام رہتا۔ رستوف نے بھی اٹھنے کی کوشش کی مگر نہ اٹھ سکا۔ اس کی نیام زین میں پھنس گئی تھی۔ اسے کچھ معلوم نہ تھا کہ ہمارے آدمی کہاں ہیں اور فرانسیسی کس طرف ہیں۔ اس کے اردگرد کوئی نہ تھا۔

اپنی ٹانگ چھڑا کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے اپنے آپ سے پوچھا "دونوں فوجوں کے مابین حد فاصل قائم

کرنیوالی لکیر کہاں ہے اور کس کے قبضے میں ہے؟" تاہم اس کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔ اس نے اٹھتے ہوئے خودکلامی کی "کیا میرے ساتھ کوئی مسئلہ پیش آ گیا ہے؟ کیا یہاں ایسا ہی ہوتا ہے؟ ایسے حالات میں انسان کو کیا کرنا چاہیے؟" اسی لمحے اسے محسوس ہوا کہ اس کے بازو کے ساتھ کوئی فالتو شے لٹک رہی ہے جو سن ہو چکا تھا۔ معلوم ہوتا تھا یہ اس کا اپنا ہاتھ نہیں ہے۔ اس نے خون دیکھنے کیلئے اپنے ہاتھ کا بغور معائنہ کیا۔ اس نے کچھ افراد کو اپنی جانب بھاگتے دیکھ کر خوشی سے سوچا "یہاں تو کچھ اور لوگ بھی ہیں، یہ میری مدد کریں گے" سب سے آگے آگے بھاگنے والا شخص گندمی رنگت، جھلسے چہرے اور خمدار ناک کا مالک تھا۔ اس نے نیلا کوٹ پہن رکھا تھا اور سر پر نامانوس شاکو ٹوپی تھی۔ اس کے پیچھے دو اور اشخاص جبکہ ان کے پیچھے مزید لوگ بھاگے چلے آ رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے عجیب سے الفاظ کہے جو روسی زبان میں نہ تھے۔ عقب میں آنیوالے ایک جیسے لوگوں میں ایک روسی ہوزار تھا جسے انہوں نے بازوؤں سے پکڑ رکھا تھا اور اس کے پیچھے کوئی اس کا گھوڑا اٹھائے چلا آ رہا تھا۔

رستوف نے حیرانی سے سوچا "یہ ضرور ہمارا ہی کوئی سپاہی ہو گا جسے انہوں نے قیدی بنا لیا ہے۔۔۔ ہاں۔ یقیناً یہ مجھے بھی پکڑیں گے؟ یہ کس قسم کے لوگ ہیں؟" اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس نے سوچا "کیا یہ فرانسیسی ہیں؟" وہ ٹکٹکی باندھ کر اپنے قریب آتے فرانسیسیوں کو دیکھنے لگا۔ اگرچہ چند لمحے قبل ہی وہ ان لوگوں تک پہنچنے اور انہیں کاٹ کر رکھ دینے کیلئے گھوڑے پر بیٹھا تیزی سے دوڑ رہا تھا جبکہ اب اسے ان کی قربت اس قدر خوفناک محسوس ہو رہی تھی کہ اس کے لیے اپنی آنکھوں پر یقین کرنا دشوار تھا۔ اس نے سوچا "یہ کون ہیں؟ یہ کیوں بھاگے چلے آ رہے ہیں؟ کیا یہ میری جانب آ رہے ہیں؟ کیا یہ میری طرف بھاگ رہے ہیں؟ کس لیے؟ مجھے ہلاک کرنے کیلئے؟ مجھے، جسے ہر کوئی چاہتا ہے؟" اس نے اپنی ماں کے پیار، اپنے خاندان اور دوستوں کی محبت کو یاد کیا اور دشمن کا اسے ہلاک کرنے کا ارادہ اسے ناممکن دکھائی دیا۔ پھر اس کے ذہن میں یہ خیال ابھرا "شاید وہ مجھے ہلاک کر دیں گے" وہ دس سیکنڈ سے بھی زائد دیر تک بت بنا کھڑا رہا۔ اسے اپنی صورتحال کی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ خمدار ناک کا مالک سب سے آگے آنے والا فرانسیسی اب اتنا قریب پہنچ چکا تھا کہ اس کے ارادے اس کے چہرے سے واضح ہو رہے تھے۔ سنگین نیچے جھکائے اور سانس روکے تیز تیز قدموں سے آگے آنے والے اس جوشیلے اور اجنبی شخص نے رستوف کو دہشت میں مبتلا کر دیا۔ اس نے اپنا پستول پکڑا مگر گولی چلانے کی بجائے اسے فرانسیسی کی جانب پھینک کر پوری قوت سے جھاڑیوں کی طرف بھاگنے لگا۔ انیس کے پل کی جانب پیش قدمی کے دوران اس کے ذہن میں ابھرنے والے شکوک اور کشمکش اب رفع ہو چکی تھی۔ اب اس کے ذہن میں ابھرنے والے احساسات وہی تھے جو شکاری کتوں سے جان چھڑانے کیلئے تیزی سے بھاگنے والے خرگوش کے ہوتے ہیں۔ اس کا تمام وجود اس واحد جذبے کی گرفت میں آ گیا تھا کہ اس کی پرشباب اور مسرت بھری زندگی خطرے سے دوچار ہو گئی ہے۔ وہ بازوؤں کو اندھا دھند چھلانگتا اور سوچے سمجھے بغیر اسی تیز رفتاری سے کھیت پار کرنے لگا جس طرح وہ کھیلوں کے دوران کیا کرتا تھا۔ کبھی کبھار وہ اپنا زرد، نیک طینت اور نوعمر چہرہ گھما کر پیچھے دیکھتا اور اسے اپنے تمام وجود میں خوف کی لہر دوڑتی محسوس ہوتی۔ اس نے سوچا "میرا پیچھے نہ دیکھنا ہی بہتر ہو گا" مگر جھاڑیوں کے قریب پہنچ کر اس نے ایک مرتبہ پھر سرسری نگاہوں سے پیچھے دیکھا۔ فرانسیسی پیچھے رہ گئے تھے اور ان میں سے جو سب سے آگے تھا اس کی رفتار بھی سست ہو گئی تھی اور وہ پیچھے مڑ کر اپنے ساتھی سے چلا چلا کر کچھ کہہ رہا تھا جو اس سے خاصا دور تھا۔ رستوف رک گیا اور سوچنے لگا کہ "کہیں کوئی غلطی ہوئی ہے، یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ مجھے ہلاک کرنا چاہتے ہوں" اسی دوران اسے اپنا بایاں بازو اس قدر بھاری محسوس ہونے لگا جیسے اس کے ساتھ سو پاؤنڈ وزن لٹکا ہو۔ وہ مزید

نہیں بھاگ سکتا تھا۔ فرانسیسی بھی رک گئے اور نشانہ لے لیا۔ رستوف نے تیوری چڑھائی اور نیچے غوطہ لگایا۔ ایک گولی چلی اور پھر دوسری اس کے قریب سے سنسناتی گزر گئی۔ اس نے اپنا بایاں ہاتھ دائیں میں تھاما اور آخری کوشش کے طور پر پوری قوت کے ساتھ جھاڑیوں میں بھاگنے لگا۔ جھاڑیوں میں روس کے ماہر نشانہ باز موجود تھے۔

(20)

جس پیادہ فوج پر بے خبری میں حملہ ہوا تھا اس نے بھاگنا شروع کر دیا جس کے نتیجے میں مختلف کمپنیاں آپس میں گڈمڈ ہو گئیں اور منتشر ہجوموں کی شکل میں پسپا ہونے لگیں۔ ایک سپاہی نے خوف و ہراس کے عالم میں بے معنی نعرہ لگایا ''کٹ گئے!'' جو جنگ میں خاصا خوفناک سمجھا جاتا ہے اور اس نے تمام ہجوم کو دہشت میں مبتلا کر دیا۔

سپاہی بھاگتے ہوئے چلانے لگے ''گھیرے گئے، کٹ گئے، ختم ہو گئے''

ان کے جرنیل کو اپنے پیچھے فائرنگ اور چیخنے چلانے کی آوازیں سنائی دیں تو اسے احساس ہوا کہ رجمنٹ کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے۔ وہ سالہا سال سے فوج میں خدمات انجام دے رہا تھا اور اسے مثالی افسر تصور کیا جاتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ اسے کبھی لعنت و ملامت کا نشانہ بھی نہیں بننا پڑا تھا، چنانچہ غفلت اور نااہلی کا مرتکب قرار دیے جانے کا سوچ کر وہ پریشان ہو گیا۔ اب اسے نافرمان گھڑ سوار کرنل یاد آ رہا تھا نہ اپنے وقار کا خیال تھا۔ اس سے بھی زیادہ یہ کہ اسے خطرہ محسوس ہوا نہ یہ یاد رہا کہ اپنا بچاؤ کیسے کرتا ہے اور وہ زین کو پکڑ کر گھوڑے کو سرپٹ دوڑانے لگا۔ گولیاں اس کے دائیں بائیں سے گزر رہی تھیں مگر خوش قسمتی سے وہ ان سے بچتا رہا۔ اسے صرف ایک ہی خواہش تھی اور وہ یہ کہ ''معلوم کیا جائے کیا ہوا ہے اور اگر ایسا اس کی کسی غلطی کے باعث ہوا تو اس کا ازالہ کیسے ممکن ہے تاکہ بائیس سالہ مثالی نوکری کے بعد، جس میں اسے کبھی ملامت کا سامنا نہیں ہوا تھا، اس کے دامن پر کوئی داغ نہ ہو۔

فرانسیسیوں کے درمیان گھوڑا دوڑاتے وہ بحفاظت جنگل سے پار اس میدان میں پہنچ گیا جہاں ہمارے سپاہی حکم کی پروا کئے بغیر پہاڑی سے نیچے بھاگ رہے تھے۔ اخلاقی پس و پیش کی گھڑی آن پہنچی تھی جو جنگوں کا پانسہ پلٹ دیتی ہے۔ کیا سپاہیوں کا یہ بے ترتیب ہجوم اپنے کمانڈر کی بات سنے گا یا محض اسے سرسری انداز میں دیکھ کر بھاگنا جاری رکھے گا؟ وہ اپنی بلند گونجدار آواز میں چلا رہا تھا جو کبھی سپاہیوں کے دلوں پر خوف طاری کر دیتی تھی، غصے سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور وہ پہچانا نہیں جا رہا تھا۔ وہ اپنی تلوار فضا میں لہرا رہا تھا مگر اس کے باوجود سپاہی شور مچاتے اور ہوائی فائرنگ کرتے اندھا دھند بھاگ رہے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ اخلاقی توازن جو جنگوں کا فیصلہ کرتا ہے اپنا وزن خوف و دہشت کے پلڑے میں ڈال رہا ہے۔

بارود کے دھوئیں اور چیخ و پکار کے باعث جرنیل کھانسنے لگا اور مایوسی کے عالم میں ایک جگہ کھڑا ہو گیا۔ اسی دوران جبکہ کھیل ختم ہونے کو تھا حملہ آور فرانسیسی اچانک پیچھے کو بھاگ اٹھے اور جنگل سے پار غائب ہو گئے۔ بظاہر اس کی کوئی وجہ نظر نہ آتی تھی۔ فرانسیسی بھاگے تو جنگل سے روس کے ماہر نشانہ باز نمودار ہوئے۔ یہ تموخن کا ڈویژن تھا اور صرف اسی نے جنگل میں اپنی پوزیشنیں برقرار رکھی تھیں۔ انہوں نے ایک کھائی میں گھات لگائے رکھی اور فرانسیسیوں پر اچانک حملہ کر دیا۔ تموخن صرف اپنی تلوار کے بل بوتے پر گلے پھاڑ کر نعرے لگاتا، پاگلوں کی طرح دشمن کی طرف بھاگا کہ انہیں سنبھلنے کا موقع ہی نہ ملا اور وہ ہتھیار پھینک کر بھاگ نکلے۔ تموخن کے ساتھ ساتھ بھاگتے دولوخوف نے قریب سے نشانہ لے کر ایک فرانسیسی کو ہلاک کر دیا اور وہ پہلا شخص تھا جس نے ہتھیار ڈالنے والے ایک فرانسیسی کو گریبان سے پکڑ لیا۔

بھاگنے والے روسی واپس آنے لگے۔ بٹالینوں کو دوبارہ اکٹھا کیا گیا اور فرانسیسیوں کو کچھ دیر کیلئے پیچھے دھکیل دیا گیا جنہوں نے ہمارے بائیں پہلو کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ محفوظ دستوں کو مرکزی فوج سے جا ملنے کا وقت مل گیا اور بھگوڑوں نے قدم روک لیے۔ جرنیل میجر اکانوموف کے ساتھ پل پر کھڑا پسپائی اختیار کرنے والی کمپنیوں کو دیکھ رہا تھا کہ ایک سپاہی آیا اور اس کی رکاب تھام کر تقریباً اس کے جسم کا سہارا لے کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے نفیس کپڑے سے بنا نیلا کوٹ پہن رکھا تھا مگر اس کے پاس فوجی تھیلا تھا نہ شاکو ٹوپی۔ اس کے سر پر پٹی بندھی تھی اور کاندھے پر فرانسیسی کارتوسوں کا پٹہ لٹک رہا تھا۔ اس نے ہاتھ میں افسروں کی تلوار پکڑ رکھی تھی اور نیلی آنکھوں والے زرد چہرے سے جرنیل کو مسکراتے ہوئے گھور رہا تھا۔ اگرچہ جرنیل میجر اکانوموف کو احکامات دینے میں مصروف تھا تاہم وہ سپاہی کی جانب توجہ دیے بغیر نہ رہ سکا۔

دولوخوف نے فرانسیسی تلوار اور کارتوسوں کے پٹے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا ''جناب عالی! یہ مال غنیمت کی دو نشانیاں ہیں'' اس نے مزید کہا ''میں نے ایک فرانسیسی افسر کو قیدی بنایا۔ میں نے دشمن کی پوری کمپنی کو آگے بڑھنے سے روک دیا'' تھکن کے مارے اس کا سانس پھول رہا تھا، وہ رک رک کر کہنے لگا ''تمام کمپنی میری گواہی دے سکتی ہے۔ جناب عالی! میری درخواست ہے کہ آپ یہ سب کچھ یاد رکھیں''

جرنیل بولا ''بہت خوب، بہت خوب'' مگر دولوخوف نے اس کی جان نہ چھوڑی اور پٹی کھول کر سر سے بہتا خون دکھاتے ہوئے بولا ''سنگین کا زخم ہے۔ میں نے اگلی صفوں میں اپنی جگہ نہیں چھوڑی۔ جناب عالی! مجھے یاد رکھیے گا''

☆☆☆

توشن کی توپیں کسی کو یاد نہ رہیں۔ جنگ کے تقریباً خاتمے پر شہزادہ باگراتیان کو فوج کی درمیانی پوزیشنوں سے گولہ باری کی آوازیں سنائی دیں تو اس نے ڈیوٹی افسر اور شہزادہ آندرے کو یہ حکم دے کر بھیجا کہ توپیں جس قدر ہو سکے پیچھے ہٹالی جائیں۔ توشن کی توپوں کو آڑ مہیا کرنے کیلئے ان کے قریب جو فوج متعین کی گئی تھی وہ لڑائی کے درمیان میں ہی کسی کے حکم پر واپس آ گئی تھی مگر توپوں کی گولہ باری جاری رہی اور فرانسیسیوں نے اس پر قبضہ نہ کیا کیونکہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مناسب حفاظتی انتظامات کے بغیر بھی کوئی توپوں سے گولہ باری جاری رکھنے کا حوصلہ کر سکتا ہے۔ اس کے برعکس توپخانے کی جوشیلی کارروائی سے فرانسیسیوں نے یہ سمجھا کہ روسی فوج کا زیادہ تر حصہ درمیان میں ہے۔ اسی وجہ سے انہوں نے دو مرتبہ اس جگہ حملہ کرنے کی کوشش کی مگر دونوں مرتبہ اونچائی پر نصب اکیلی توپوں نے انہیں پیچھے دھکیل دیا۔ شہزادہ باگراتیان کے جاتے ہی توشن شون گرابرن گاؤں کو آگ لگانے میں کامیاب ہو گیا۔

توپچی جوش سے چلا رہے تھے ''دیکھو، کیسے چیخ چلا رہے ہیں! ارے کیا آگ ہے! دھواں! زبردست، وہ دیکھو! دھواں! دھواں!''

تمام توپیں احکامات کا انتظار کئے بغیر آگ کی جانب گولہ باری کر رہی تھیں جس نے وسیع علاقے کو لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ ہر گولہ داغے جانے پر سپاہی ایک دوسرے سے کہتے ''شاباش! بہت خوب! یہ!۔۔۔ وہ دیکھو!'' ہوا نے آگ مزید بھڑکا دی جو بہت جلد ارد گرد پھیلنے لگی۔ گاؤں سے آگے بڑھ آنے والے فرانسیسی دستے واپس چلے گئے مگر انہیں یہاں جو ہزیمت اٹھانا پڑی تھی اس کا بدلہ لینے کیلئے دشمن نے گاؤں کی مشرقی سمت میں دس توپیں نصب کر کے توشن کی پوزیشن پر گولہ باری شروع کرا دی۔

گاؤں کو نذر آتش کرنے اور فرانسیسیوں پر گولہ باری پر ہمارے توپچیوں نے بچگانہ انداز سے خوشی مناتے ہوئے دشمن کی ان توپوں کی طرف دھیان ہی نہ دیا اور انہیں اس وقت ان کی موجودگی کا علم ہوا جب دوا دوران کے بعد مزید چار گولے ہماری توپوں کے درمیان آگرے۔ ایک گولہ لگنے سے دو گھوڑے ہلاک ہو گئے اور دوسرے سے ایک توپچی کی ٹانگ اڑ گئی۔ توپچیوں کا بیدار جذبہ سرد نہ ہوا البتہ اس کی نوعیت بدل گئی۔ ہلاک شدہ گھوڑوں کی جگہ محفوظ توپ گاڑی کے گھوڑے لگا دیے گئے اور زخمیوں کو پیچھے ہٹا لیا گیا۔ دس کے مقابلے میں چار توپیں ڈٹ گئی تھیں۔ توشن کا ایک ساتھی لڑائی کے آغاز میں ہی ہلاک ہو گیا تھا اور ایک گھنٹے کے دوران عملے کے چالیس میں سے سترہ ارکان زخمی ہو چکے تھے مگر جوش وجذبے میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی تھی۔ دو مرتبہ انہیں فرانسیسی اپنے بالکل نیچے دکھائی دیے جن پر انہوں نے گریپ شاٹ برسا دیے۔

پستہ قد توشن اپنی کمزور اور بے ڈھنگی حرکات کے ساتھ اپنے اردلی کو مسلسل کہتا "یہ لگائی نہ چوٹ۔ اس خوشی میں ایک اور پائپ دو" پھر وہ پائپ کی چنگاریاں بکھیرتا آگے بھاگ جاتا اور چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے اپنی آنکھوں پر سایہ کر کے نیچے فرانسیسیوں کو دیکھنے لگتا۔

وہ توپوں کے پہیوں پر آ جاتا اور خود ان کی پوزیشنیں درست کرتے ہوئے کہنے لگتا "لڑکو! ان کا کچومر نکال دو" جب کسی توپ سے گولہ داغا جاتا تو وہ بے اختیار اچھل پڑتا، تاہم اسے کسی پل چین نہ تھا اور منہ میں پائپ دبا کر دوڑتا ہوا کبھی ایک اور کبھی دوسری توپ کے پاس پہنچتا، کبھی نشانہ درست کراتا، گولے گنتا اور کبھی مردہ یا زخمی گھوڑا ہٹا کر اس کی جگہ نیا گھوڑا لاتا۔ اس دوران وہ اپنی کمزور، باریک اور متذبذب آواز میں چلاتا رہتا۔ اس کا چہرہ پہلے سے زیادہ جوشیلا ہوتا جا رہا تھا۔ جب کوئی ہلاک یا زخمی ہو کر گرتا تو اس وقت وہ اپنی نگاہیں دوسری جانب پھیر لیتا۔ اس کی بھنویں تن جاتیں اور وہ ہلاک وزخمیوں کو اٹھانے میں متامل (جیسا کہ عموماً ہوتا ہے) سپاہیوں پر برسنے لگتا۔ ان سپاہیوں کی اکثریت خوش شکل اور عمدہ طبیعت کے مالک جوانوں پر مشتمل تھی (یہ اپنے افسر سے دو چار انچ لمبے اور اس کی نسبت کہیں زیادہ فراخ سینے کے مالک تھے، جیسا کہ عموماً توپخانے میں ہوتا ہے) یہ تمام اپنے کمانڈر کی جانب یوں دیکھتے جیسے بچے مشکل حالات میں اپنے بڑوں کی جانب دیکھتے ہیں اور اس کے چہرے پر جو تاثرات پیدا ہوتے وہی ان کے چہروں پر بھی دیکھے جا سکتے تھے۔

بے تحاشا شوروغل نیز توجہ اور سرگرمی کے متقاضی حالات کے باعث توشن کو خوف یا ہلاک وزخمی ہونے کا احساس تک نہ ہوا۔ اس کے برعکس اس کی خوشی بڑھتی جا رہی تھی۔ اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے پہلی مرتبہ دشمن کو دیکھے اور اس پر پہلا گولہ داغے طویل عرصہ بیت چکا ہے اور شاید یہ کل کی بات ہے، نیز جس زمین پر وہ کھڑا ہے اس سے مدتوں سے آشنا ہے جیسے یہ اس کا اپنا ہی گھر ہو۔ اگرچہ اسے تمام باتیں یاد تھیں اور اس نے ہر شے پر غور کرنے کے ساتھ ساتھ ہر وہ کام کیا جس کی اس صورتحال میں بہترین افسر سے توقع رکھی جاتی تھی، تاہم اس کے باوجود اس کی ذہنی کیفیت شرابی یا شدید بخار میں مبتلا ہو کر پاگلوں جیسی حرکتیں کرنے والے شخص جیسی تھی۔

توپوں کا کان پھاڑ دینے والا شور، دشمن کی سنسناتے اور پھٹتے گولے، توپوں پر متعین سپاہیوں کے تمتماتے چہرے، اجسام سے بہتا خون پسینہ اور دشمن کی سمت سے فضا میں بلند ہونے والے دھوئیں کے مرغولے (جن کے بعد گولہ بھی اوپر اٹھتا اور زمین، انسان، گھوڑے یا توپ سے ٹکرا جاتا)۔۔۔ ان تمام مناظر نے اس کے ذہن میں اپنی ہی ایک عجیب وغریب دنیا تشکیل دے دی تھی جو اس دوران اسے لطف بہم پہنچا رہی تھی۔ اسے دشمن کی توپیں ایسے پائپ دکھائی

دے رہی تھیں جن سے کوئی نادیدہ تمباکو نوش وقفے وقفے سے دھوئیں کے مرغولے اڑا رہا تھا۔

سامنے دھوئیں کا مرغولہ لہراتا ہوا پہاڑی پر بلند ہوا، ہوا اسے بائیں جانب اڑائے لیے جا رہی تھی۔ توشن خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا "وہ پھر کش لے رہا ہے، تو یہ ہے ان کا گولہ، اسے واپس بھیج دو"

اس کے قریب کھڑے ایک توپچی نے اسے بڑبڑاتے دیکھ کر پوچھا "جناب! کیا فرمایا؟"

توشن نے خود کلامی کی "کچھ نہیں، ایک گولہ۔۔۔ ماتوینا! اب تمہاری باری ہے" اس نے سب سے آخر میں نصب بھاری اور قدیم وضع کی توپ کا نام خیالوں ہی خیالوں میں ماتوینا رکھ دیا تھا۔ دور اپنی توپوں کے گرد جمع فرانسیسیوں کے ہجوم اسے چیونٹیاں معلوم ہو رہے تھے۔ اس نے تصور میں دوسری توپ کے پہلے توپچی کا، جو خوش شکل ہونے کے ساتھ ساتھ کثرت سے شراب بھی پیتا تھا، نام "انکل" رکھ دیا تھا۔ وہ دوسروں کی نسبت اسے زیادہ دیکھتا اور اس کی ایک ایک حرکت سے لطف اندوز ہوتا تھا۔ پہاڑی کے دامن میں بندوقوں کی آوازیں کبھی بلند ہو جاتیں اور کبھی آہستہ۔ یہ آوازیں سن کر اسے یوں محسوس ہوتا جیسے کوئی سانس لے رہا ہو۔ وہ ان آوازوں کے زیر وبم کو بغور سننے لگتا تھا۔

وہ اپنے آپ سے بولا "آہا، وہ پھر سانس لے رہی ہے" وہ خیالوں ہی خیالوں میں خود کو عظیم قوت کا مالک قوی الجثہ انسان سمجھنے لگا جو اپنے دونوں ہاتھوں سے فرانسیسیوں پر گولے پھینک رہا تھا۔

اس نے توپ سے پیچھے ہٹتے ہوئے پھر خود کلامی کی "ماتوینا! ہمارے ساتھ رہنا" اسی دوران اسے اپنے سر سے اوپر ایک نامانوس اجنبی آواز سنائی دی "کپتان توشن! کپتان!"

اس نے دہشت زدہ انداز میں پیچھے مڑ کر دیکھا۔ یہ وہی سٹاف افسر تھا جس نے اسے گرنٹ میں کینٹین سے نکالا تھا۔ وہ اسے پھولی سانس کے ساتھ چلا چلا کر کچھ کہہ رہا تھا۔

سٹاف افسر کی آواز سنائی دی "میں کہتا ہوں تم پاگل ہو گئے ہو؟ تمہیں دو مرتبہ پیچھے ہٹنے کا حکم ملا اور تم۔۔۔"

توشن نے اعلیٰ افسر کی جانب خوفزدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے سوچا "یہ مجھ پر کیوں پل پڑے ہیں" اس نے دو انگلیوں سے ٹوپی کا کنارہ چھوتے ہوئے کہا "میں۔۔۔ نہیں۔۔۔"

سٹاف افسر اپنی بات مکمل نہ کر سکا اور توپ کا ایک گولہ اس کے سر کے عین اوپر سے گزرا جس سے بچنے کیلئے وہ نیچے جھک گیا۔ کچھ دیر توقف کے بعد اس نے کچھ کہنا چاہا تو ایک اور گولہ اس کے قریب سے گزر گیا۔ اس نے گھوڑا موڑا اور واپس بھاگ لیا۔ کچھ دور جا کر وہ چلا چلا کر کہنے لگا "واپس! تمام لوگ واپس آ جائیں!"

سپاہی ہنسنے لگے۔ ایک منٹ بعد دوسرا ایجوٹنٹ یہی پیغام لے کر آ پہنچا۔ یہ شہزادہ آندرے تھا۔ توشن کے توپوں کے پاس پہنچ کر اسے جو سب سے پہلی شے دکھائی دی وہ ایک گھوڑا تھا جس کی ٹانگ ٹوٹ چکی تھی اور وہ جتے ہوئے گھوڑوں کے قریب دردناک انداز سے بلبلا رہا تھا اور اس کی ٹانگ سے خون ابل رہا تھا۔ چبوترے پر متعدد ہلاک شدگان پڑے تھے۔ قریب پہنچتے پہنچتے متعدد گولے اس کے سر سے گزر گئے اور اسے ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی محسوس ہوئی۔ تاہم خوف کے تصور ہی نے اسے حوصلہ عطا کر دیا اور اس نے سوچا "میں خوفزدہ نہیں ہو سکتا" پھر وہ توپوں کے درمیان گھوڑے سے نیچے اتر آیا۔ اس نے پیغام دیا مگر پوزیشن سے نہ ہٹا۔ اس نے وہیں ٹھہرنے اور توپوں کو پوزیشن سے ہٹا کر دور لے جانے میں مدد دینے کا فیصلہ کیا۔ اس نے توشن کے ساتھ مل کر فرانسیسی گولہ باری میں لاشوں کو پھلانگتے ہوئے توپیں ہٹوانا شروع کر دیں۔

ایک توپچی نے شہزادہ آندرے سے کہا "ایک افسر ابھی آیا اور اتنی ہی جلدی بھاگ گیا۔ وہ آپ جیسا نہیں تھا، جناب عالی!"

آندرے نے توشن سے کوئی بات نہ کی۔ وہ اس قدر مصروف تھے کہ انہیں ایک دوسرے کو دیکھنے کا موقع بھی بمشکل مل سکا۔ چار میں سے صحیح سلامت بچ جانے والی دو توپوں کو پیچھے لے جانے (ایک تباہ شدہ توپ اور ایک ہووٹزر پیچھے چھوڑ دی گئی) کے بعد شہزادہ آندرے توشن کے پاس گیا۔

اس نے توشن کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا "اچھا خدا حافظ، پھر ملیں گے"

توشن بولا "خدا حافظ، میرے اچھے ساتھی! خدا حافظ!" اس کی آنکھوں میں نہ جانے کیوں اچانک آنسو تیرنے لگے۔

(21)

ہوا تھم چکی تھی۔ میدان جنگ پر سیاہ طوفانی بادل چھا گئے جو دور افق پر توپوں کے دھوئیں میں تحلیل ہو رہے تھے۔ ہر طرف اندھیرا چھا گیا اور دو مقامات پر گاؤں کی آگ مزید واضح دکھائی دینے لگی۔ توپوں کی گولہ باری کی آوازیں مدھم ہونے لگیں مگر پیچھے اور دائیں جانب بندوقوں کی آوازیں پہلے سے زیادہ اور قریب تر سنائی دینے لگیں۔ جونہی توشن راستے میں مسلسل ملنے والے زخمیوں سے بچتا بچاتا گھاٹی میں داخل ہوا، اسے متعدد سٹاف افسروں نے گھیر لیا اور ایک دوسرے کی بات کاٹتے ہوئے اسے احکامات دینا اور بتانا شروع کر دیا کہ اسے کہاں اور کیسے پہنچنا ہے۔ ان میں زرکوف بھی شامل تھا جسے دو مرتبہ توشن کی توپوں کی جانب بھیجا گیا تھا مگر وہ ایک بار بھی وہاں نہ پہنچ سکا۔ وہ اسے تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے ڈانٹ ڈپٹ کر رہے تھے اور وہ خاموش تھا کیونکہ ہر لفظ اسے روہانسا کر رہا تھا اور وہ توپخانے کے گھوڑے پر سوار خاموشی سے ان کے پیچھے چلتا رہا۔ اگرچہ حکم دیا گیا تھا کہ زخمیوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے تاہم ان میں سے متعدد گھسٹتے ہوئے سپاہیوں کے پیچھے آ رہے تھے اور رو رو کر التجائیں کر رہے تھے کہ انہیں توپ گاڑیوں میں بٹھا لیا جائے۔ لڑائی کے آغاز سے قبل توشن کے ساتھ جھونپڑی سے بھاگ کر نکلنے والے خوشدل اور بنس مکھ افسر کو ماتویننا توپ کی گاڑی میں لٹا دیا گیا۔ اس کے پیٹ میں گولی لگی تھی۔ پہاڑی کے دامن سے زرد چہرے والا ایک ہوزار کیڈٹ توشن کے پاس پہنچا اور اس سے توپ گاڑی پر بیٹھنے کی درخواست کرنے لگا۔ اس نے ایک ہاتھ سے دوسرے کو سہارا دے رکھا تھا۔

وہ ڈرتے ڈرتے بولا "کپتان! خدا کیلئے، میرا بازو زخمی ہے، خدا کیلئے! مجھ سے چلا نہیں جاتا، خدا کیلئے!" یوں لگتا تھا جیسے یہ کیڈٹ جگہ جگہ لفٹ مانگتا رہا تھا لیکن کسی نے اس کی آواز پر کان نہیں دھرے تھے۔ وہ ہچکچاہٹ زدہ اور دلدوز آواز میں درخواست کر رہا تھا "انہیں کہیں کہ مجھے بھی بٹھا لیں، خدا کیلئے!"

توشن نے کہا "اسے بیٹھنے دو، اسے بیٹھنے دو" پھر وہ اپنے پسندیدہ سپاہی سے بولا "انکل اس کے نیچے کوٹ رکھ دو، مگر وہ زخمی افسر کہاں ہے؟"

کسی نے جواب دیا "وہ جاں بحق ہو گیا تھا، ہم نے اسے اتار دیا"

توشن نے کہا "اسے سہارا دے کر اوپر چڑھاؤ، بیٹھ جاؤ، عزیز، بیٹھ جاؤ۔ انتونوف، کوٹ بچھا دو"

یہ کیڈٹ رستوف تھا۔ اس کا رنگ زرد تھا، ہونٹ کانپ رہے تھے اور وہ شدید بخار میں مبتلا تھا۔ اس نے ایک

ہاتھ سے دوسرے کو سہارا دے رکھا تھا۔ انہوں نے اسے ماتویننا توپ پر بٹھا دیا جس سے ابھی ابھی مرنے والے افسر کی لاش اتاری گئی تھی۔ اس کے نیچے جو کوٹ بچھایا گیا وہ خون آلود تھا جس سے اس کی برجس اور بازو داغدار ہو گیا۔

توشن نے رستوف والی توپ کی طرف بڑھتے ہوئے استفسار کیا "میرے عزیز، تم زخمی ہو؟"

رستوف نے جواب دیا "نہیں، بس ذرا موچ آئی ہے"

توشن کہنے لگا "تو پھر گاڑی پر خون کیسا ہے؟"

ایک توپچی بولا "جناب یہ اسی افسر کا ہے جو کچھ دیر پہلے یہاں موجود تھا" یہ کہہ کر وہ اپنے کوٹ کی آستین سے یوں خون پونچھنے لگا جیسے توپ کی خراب حالت پر معذرت طلب کر رہا ہو۔

پیادہ سپاہیوں کی مدد سے وہ بصد مشکل توپیں ٹیلے پر پہنچانے میں کامیاب ہو گئے۔ انہوں نے گنٹرزڈارووف گاؤں میں قیام کیا۔ تاریکی اسقدر زیادہ تھی کہ دس قدم کے فاصلے پر کھڑے سپاہیوں کی وردی پہچاننا بھی ممکن نہ رہا تھا۔ فائرنگ کم ہونے لگی۔ اسی دوران اچانک قریب ہی دائیں جانب گولیوں کی بوچھاڑ اور چیخنے چلانے کی آوازیں سنائی دیں۔ گولی چلتی تو شعلہ بلند ہوتا اور ایک لمحے کیلئے روشنی ہو جاتی۔ یہ فرانسیسیوں کا آخری حملہ تھا اور گاؤں کے مکانوں میں گھات لگائے سپاہی اس کا جواب دے رہے تھے۔ گاؤں میں ایک مرتبہ پھر بھگدڑ مچ گئی اور توشن کی توپوں کیلئے آگے بڑھنے کا راستہ مسدود ہو گیا۔ وہ، اس کے توپچی اور ہوزار کیڈٹ خاموشی سے ایک دوسرے کی جانب دیکھتے ہوئے اپنی قسمت تقدیر کا انتظار کرنے لگے۔ دو طرفہ فائرنگ کی آواز تھمی تو ایک گلی سے چند سپاہی برآمد ہوئے۔ وہ چلا چلا کر آپس میں بات چیت کر رہے تھے۔

ایک بولا "پیٹروف، تم زخمی تو نہیں ہوئے؟"

دوسری آواز سنائی دی "دوستو، ہم نے بھی بھرپور جواب دیا۔ اب انہیں ہمیں چھیڑنے کی جرات نہیں ہوگی" "کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا تھا۔ وہ اپنے ہی آدمیوں کو نشانہ بناتے رہے۔ اندھیرے میں کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ پینے کیلئے کچھ ہے؟"

فرانسیسیوں کا آخری حملہ بھی ناکام ہو گیا۔ توشن کی توپیں ایک مرتبہ پھر آگے چل دیں جن کے گرد مسلسل بولتے سپاہی جمع تھے۔

تاریکی میں یوں لگتا تھا جیسے کوئی نادیدہ اور غمگین دریا بہا جا رہا ہو جس کا رخ ہمیشہ ایک ہی طرف رہتا ہے۔ سرگوشیوں، زیر لب گفتگو، گھوڑوں کے سموں کی آواز اور پہیوں کی چرچراہٹ کے درمیان سب سے بلند آوازیں زخمیوں کی کراہوں کی تھیں جو تاریکی میں دیگر آوازوں کی نسبت زیادہ واضح طور پر سنائی دے رہی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ فوج کو گھیرے میں لینے والی تاریکی کو بھی لپیٹ میں لے رہی ہیں۔ آہ و بکا اور تاریکی آپس میں گھل مل گئیں۔ کچھ دیر بعد چلتے ہجوم میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ سٹاف افسروں کے ہمراہ سفید گھوڑے پر سوار کوئی شخص ان کے قریب سے کچھ کہتے ہوئے گزر گیا۔

ہر طرف سے ایک دوسرے پر پراشتیاق سوالات کی بوچھاڑ ہو گئی "اس نے کیا کہا؟ اب ہم کہاں جا رہے ہیں؟ مخبر نے کو کہا گیا ہے؟ اس نے ہمارا شکریہ ادا کیا، کیا؟" تمام ہجوم ایک دوسرے میں الجھ گیا (یوں لگتا تھا جیسے سب سے آگے چلنے والے رک گئے ہیں) اور خبر پھیل گئی کہ پڑاؤ کا حکم دیا گیا ہے۔ کیچڑ زدہ سڑک پر ہر شخص جہاں تھا وہیں ٹھہر گیا۔

آگ کے الاؤ روشن ہو گئے اور گفتگو کی آوازیں اونچی ہونے لگیں۔ کپتان توشن نے اپنی کمپنی کو احکامات جاری کرنے کے بعد کیڈٹ کیلئے ڈاکٹر یا سفری شفاخانے کی تلاش میں ایک سپاہی بھیج دیا اور خود اس الاؤ کے قریب بیٹھ گیا جو اس کے سپاہیوں نے سڑک کنارے روشن کیا تھا۔ رستوف بھی گھسٹتا ہوا آگ کے قریب پہنچ گیا۔ درد اور سردی کے باعث اس کا برا حال تھا اور شدید بخار کے باعث اس کا تمام جسم کانپ رہا تھا۔ اس پر نیند طاری ہو رہی تھی مگر بازو میں ہونے والا شدید درد سونے نہیں دیتا تھا۔ اس نے ہر طرح سے بیٹھ کر دیکھا مگر درد کم نہ ہوا۔ وہ کبھی اپنی آنکھیں بند کرتا، پھر کھول لیتا، کبھی آگ کے سرخ شعلوں اور کبھی توشن کے دبلے پتلے اور خمدار جسم کو دیکھنے لگتا جو اس کے قریب زمین پر آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا۔ توشن کی موٹی، ذہین اور پرشفقت آنکھیں اس پر جمی تھیں جن سے ہمدردی اور رحم کی کیفیت جھلک رہی تھی۔ رستوف جانتا تھا کہ وہ اس کی بھرپور مدد کرنا چاہتا ہے مگر کچھ کرنے سے معذور ہے۔

انہیں ہر طرف سے پیادہ فوجیوں کے قدموں کی چاپ اور ان کے گفتگو کرنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ کوئی پیدل تھا اور کوئی سوار۔ ہر شخص اپنے قیام کی جگہ بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ گفتگو، قدموں کی آواز، کیچڑ میں گھوڑوں کے سموں کی آواز اور آگ میں لکڑیوں کے چٹخنے سمیت دور اور قریب کی تمام آوازوں نے باہم مل کر تھرتھراتی جھنجھناہٹ کا روپ دھار لیا تھا۔

اب اندھیرے میں غمگین اور دکھائی نہ دینے والا دریا نہیں چل رہا تھا بلکہ اس نے تاریک سمندر کی شکل اختیار کر لی تھی جو طوفان کے بعد اچھلتا، بل کھاتا اور پھر آہستہ پڑ جاتا ہے۔ رستوف خالی نگاہوں سے خلا میں گھورتے ہوئے گردوپیش میں وقوع پذیر ہونے والی سرگرمیوں پر کان لگائے بیٹھا تھا۔ ایک پیادہ سپاہی آگ کے قریب آیا اور ایڑیوں کے بل زمین پر بیٹھ کر اپنے ہاتھ آگ کی جانب پھیلا لیے۔ وہ منہ پھیر کر دوسری جانب دیکھنے لگا اور پھر بولا "جناب! اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو، میں اپنی کمپنی سے بچھڑ گیا ہوں اور کچھ علم نہیں کہ کہاں ہوں، اف کس قدر خوفناک صورتحال ہے"

اسی وقت پیادہ فوج کا ایک افسر بھی آگ کے قریب آ گیا۔ اس کے گال پر پٹی بندھی تھی۔ اس نے توشن سے کہا "توپیں ذرا پرے ہٹالی جائیں تاکہ سامان بردار گاڑیاں گزر سکیں" وہ ہٹا ہی تھا کہ دو سپاہی آگ کی طرف لپکے۔ وہ آپس میں گتھم گتھا تھے اور گالیاں بک رہے تھے۔ جھگڑے کا باعث ایک بوٹ تھا جسے دونوں ایک دوسرے سے چھیننے کی کوشش کر رہے تھے۔

ایک غصے سے چلا کر کہنے لگا "اچھا! تو تمہیں یہ پڑا ہوا ملا تھا! بہت خوب"

ان کے بعد زرد چہرے کا مالک ایک کمزور سپاہی آیا، اس نے گردن کے گرد خون آلود کپڑا لپیٹ رکھا تھا۔ اس نے تلخ آواز میں توپچی سے پانی مانگا اور کہنے لگا "آدمی کتے کی موت کیوں مرے؟"

توشن نے اپنے آدمیوں سے کہا اسے پانی دے دیں۔ اس کے بعد ایک خوشدل شخص دوڑتا ہوا آیا اور پیادہ سپاہیوں کیلئے جلتی ہوئی لکڑی طلب کرتے ہوئے کہا "پیادہ فوج کیلئے تھوڑی سے آگ دے دیں! خدا آپ کا بھلا کرے۔ آگ کے قرض کا شکریہ، ہم اسے سود سمیت واپس کریں گے" یہ کہہ کر وہ چند جلتی لکڑیاں لے کر اندھیرے میں غائب ہو گیا۔

اب کے چار سپاہی ایک اوورکوٹ میں کوئی بھاری شے لپیٹے گزرے۔ ایک کا پاؤں کسی شے سے ٹکرا گیا، وہ غرا کر بولا "خانہ خراب، یہ سڑک پر آگ کس نے جلائی ہے"

ان میں سے ایک کہنے لگا "یہ مر چکا ہے۔ اسے ہم کیوں اٹھائے ہوئے ہیں؟"

کسی نے کہا "چلو چلو!" اور وہ اپنے بوجھ کے ساتھ تاریکی میں غائب ہو گئے۔

توشن نے آہستگی سے رستوف سے پوچھا "درد ہو رہا ہے؟"

رستوف نے جواب دیا "جی ہاں"

اسی دوران ایک توپچی توشن کے قریب آیا اور کہنے لگا "جناب عالی! آپ کو جرنیل صاحب نے بلایا ہے۔ وہ ادھر جھونپڑے میں ہیں"

توشن اٹھا، اوورکوٹ کے بٹن بند کئے اور اسے درست کر کے چل پڑا۔

توپچیوں نے الاؤ سے کچھ دور شہزادہ باگراتیاں کیلئے لکڑیوں سے ایک جھونپڑا تیار کر لیا تھا جہاں وہ کھانے کے دوران مختلف کمانڈروں سے بات چیت کر رہا تھا جو اس کے گرد اکٹھے ہو گئے تھے۔ وہاں نیم وا آنکھوں والا کوتاہ قامت بوڑھا بھی تھا۔ وہ بھوکوں کی طرح بکرے کی ہڈی چبا رہا تھا۔ بائیس سالہ بے مثال ملازمت کرنے والا جرنیل بھی کھانا کھانے اور واڈکا کا گلاس پینے کے بعد تمتماتے چہرے کے ساتھ وہاں موجود تھا۔ انگلی پر مہر والی انگوٹھی پہنے سٹاف افسر اور زرکوف بھی موجود تھا جو گھبراہٹ کے عالم میں کبھی ایک اور کبھی دوسرے شخص کی جانب دیکھ رہا تھا۔ شہزادہ آندرے بھی وہاں موجود تھا جس کا چہرہ زرد، ہونٹ بھینچے مگر آنکھیں بدستور روشن اور بے قرار تھیں۔

جھونپڑے کے ایک کونے میں فرانسیسیوں سے چھینا گیا ایک جھنڈا رکھا اور معصوم چہرے والا آڈیٹر یہ معلوم کرنے کیلئے اس پر ہاتھ پھیرے جا رہا تھا کہ یہ کس کپڑے سے بنا ہے۔ وہ الجھن میں بار بار اپنا سر جھٹک رہا تھا۔ شاید اسے جھنڈے میں دلچسپی تھی یا پھر وہ کھانے کی میز کی جانب نہیں دیکھ سکتا تھا جہاں اس کیلئے کوئی نشست نہیں رکھی گئی تھی۔ ڈریگونوں کے ہاتھوں پکڑے جانے والے فرانسیسی کرنل کو ساتھ والی جھونپڑی میں رکھا گیا تھا اور ہمارے افسر و جوان ٹولیوں کی صورت میں اسے دیکھنے جا رہے تھے۔ شہزادہ باگراتیاں ہر ایک کمانڈر کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اسے سے لڑائی اور اپنے نقصان کی بابت پوچھ رہا تھا۔ جس جرنیل کی رجمنٹ کا براؤناؤ میں معائنہ ہوا تھا اس نے باگراتیاں کو بتایا کہ "جونہی لڑائی چھڑی میں جنگل سے نکل آیا اور ایندھن کیلئے لکڑیاں کاٹتے سپاہیوں کو جمع کر کے فرانسیسیوں کو پہلے قریب آنے دیا اور پھر دو بٹالینوں کے ساتھ ان پر سنگینوں سے حملہ کر کے ان کا بھرکس نکال دیا۔

اس نے مزید کہا "جناب عالی! میں نے جب یہ دیکھا کہ ان کے پہلی بٹالین کی صفیں بے ترتیب ہو گئی ہیں تو سڑک کے درمیان کھڑا ہو گیا اور سوچا کہ پہلے انہیں گزرنے دوں گا پھر پوری بٹالین کے ساتھ ان پر گولیوں کی بارش کر دوں گا، اور میں نے ایسا ہی کیا"

جرنیل کی شدید خواہش تھی کہ وہ ایسا ہی کرتا اور جب وہ اسطرح نہ کر سکا تو اسے اسقدر افسوس ہوا اور یوں محسوس ہونے لگا کہ بالکل ایسے ہی ہوا تھا اور شاید ایسا ہی ہوا ہو۔ اس افراتفری میں کچھ ہونے اور نہ ہونے کے بارے میں یقین سے کیا کہا جا سکتا تھا؟"

اس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا "جناب عالی! مجھے یہ بات بھی آپ کے علم میں لانی چاہیے کہ تنزلی کا شکار ہونے والے سپاہی دولوخوف نے میرے سامنے ایک فرانسیسی افسر کو قیدی بنایا اور لڑائی کے دوران نہایت جرات اور بہادری کا مظاہرہ کیا" اسے کوتوزوف کے ساتھ دولوخوف کی بات چیت اور اپنے ساتھ اس کی آخری ملاقات یاد آ گئی تھی۔

زرکوف نے پریشان نظروں سے چاروں جانب دیکھتے ہوئے کہا" جناب عالی! جب پاؤلوگراڈ ہوزاروں نے حملہ کیا تو میں بھی وہیں تھا، انہوں نے دشمن کے دو مربع شکل دستے تباہ کر دیے" حقیقت یہ تھی کہ اس نے تمام دن ایک ہوزار کو بھی نہیں دیکھا تھا اور صرف ایک پیادہ افسر سے ان کے بارے میں کچھ سنا تھا۔ زرکوف کی بات سن کر متعدد افسر مسکرانے دیے۔ انہوں نے سمجھا کہ شاید وہ حسب معمول دل لگی کر رہا ہے تاہم جب انہیں احساس ہوا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے اس سے ہماری فوج کے وقار میں اضافہ ہوتا ہے تو ان کے چہرے سنجیدہ ہو گئے حالانکہ ان میں سے اکثر جانتے تھے کہ وہ اس کی باتیں قطعی جھوٹ تھیں اور ان کا حقائق سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ شہزادہ باگراتیاں معمر کرنل کی جانب متوجہ ہوا۔

اس نے کہا" میں تمام حضرات کا شکر گزار ہوں۔ ہماری پیادوں، گھڑ سوار اور توپخانہ بھی نے نے بہادری کا مظاہرہ کیا مگر مجھے سمجھ نہیں آئی کہ درمیان میں نصب دو توپیں وہیں کیوں چھوڑ دی گئیں؟" اس نے تجسس آمیز انداز میں کمرے میں نظریں دوڑائیں (باگراتیاں نے بائیں پہلو میں نصب توپوں کے بارے میں کچھ نہ پوچھا کیونکہ وہ جان چکا تھا کہ وہ تمام لڑائی کی ابتداء ہی میں دشمن کے قبضے میں چلی گئی تھیں) اس نے ڈیوٹی افسر سے مخاطب ہو کر کہا" میرا خیال ہے کہ میں نے تمہیں ہی ادھر بھیجا تھا"

ڈیوٹی افسر نے انکسارانہ لہجے میں جواب دیا" ایک تو بیکار ہو گئی تھی مگر یہ میں بھی نہیں جانتا کہ دوسری کا کیا ہوا۔ میں تمام وقت وہیں موجود رہا اور ہدایات دیتا رہا۔ کچھ دیر قبل ہی میں وہاں سے لوٹا تھا۔ یہ ٹھیک ہے کہ وہاں حالات نسبتاً خراب تھے"

کسی نے بتایا کہ توشن قریب ہی گاؤں میں ٹھہرا ہوا ہے اور اسے پہلے ہی یہاں بلایا جا چکا ہے۔ شہزادہ باگراتیاں نے آندرے سے مخاطب ہو کر کہا" ارے، آپ بھی تو وہیں تھے"

ڈیوٹی افسر نے آندرے کی طرف دیکھ کر خوش اخلاقی سے مسکراتے ہوئے کہا" جہاں تک میرا خیال ہے، ہماری ملاقات ہوتے ہوتے رہ گئی ہو گی۔ میں وہاں سے چلا ہوں گا کہ آپ پہنچ گئے ہوں گے"

شہزادہ آندرے نے سرد لہجے میں کہا" مجھے آپ کی شکل دیکھنے کی سعادت حاصل نہیں ہو سکی"

تمام لوگ خاموش ہو گئے۔ دروازے سے توشن اندر داخل ہوا۔ جھونپڑے میں جرنیلوں کا جمگھٹا لگا تھا۔ وہ ان کے عقب سے بچتا اور ڈرتا ہوا گزرنے لگا۔ ہمیشہ کی طرح وہ اب بھی افسران بالا کی موجودگی میں گھبرا رہا تھا۔ پریشانی کے عالم میں اسے جھنڈے کا بانس بھی دکھائی نہ دیا اور وہ اس سے ٹھوکر کھا کر گرتے گرتے بچا۔ یہ دیکھ کر کئی افسر ہنس دیے۔

شہزادہ باگراتیاں نے غصے سے پوچھا" ایک توپ وہیں کیوں چھوڑ دی گئی" اسے کپتان سے زیادہ ہنسنے والے افسروں پر غصہ آ رہا تھا جن میں زرکوف کی آواز نمایاں تھی۔

اپنے افسران اعلیٰ کے سامنے توشن کو اپنے جرم اور بے عزتی کا احساس ہوا کہ وہ دونوں توپوں سے ہاتھ دھو کر خود ابھی تک زندہ ہے۔ وہ اس قدر ہیجانی صورتحال سے گزر رہا تھا کہ اسے ابھی تک اس معاملے پر سوچنے کا موقع بھی نہیں ملا تھا۔ افسروں کے قہقہے سن کر وہ مزید پریشان ہو گیا۔ وہ باگراتیاں کے سامنے کھڑا تھا، اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے اور کچھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ وہ ڈرتے جھجکتے ہوئے صرف اتنا کہہ سکا" میں نہیں جانتا۔۔۔ جناب عالی!۔۔۔ میرے پاس نفری نہیں تھی۔۔۔ جناب عالی!"

باگراتیاں بولا" تمہیں آڑ پہنچانے والے دستے سے کچھ آدمی لے لینا چاہیے تھے"

توشن نے یہ نہ کہا کہ وہاں اسے آڑ پہنچانے والا کوئی دستہ موجود نہ تھا۔ حالانکہ یہ بات بالکل درست تھی۔ اسے خدشہ تھا کہ کہیں اس کی وجہ سے کوئی اور افسر مشکل میں نہ پھنس جائے۔ وہ یوں خاموشی سے باگراتیاں کے چہرے کی جانب دیکھنے لگا جیسے کوئی گھبرایا ہوا طالبعلم ممتحن کی جانب دیکھتا ہے۔

کچھ دیر خاموشی رہی۔ یوں لگتا تھا جیسے باگراتیاں سختی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہتا اور اسے محسوس ہوا کہ مزید کہنے سننے کو کچھ نہیں۔ دوسرے لوگوں کو معاملے میں دخل اندازی کی ہمت نہ ہوئی۔ شہزادہ آندرے نے انکھیوں سے توشن کی جانب دیکھا۔ بے چینی کے مارے اس کی انگلیاں کانپ رہی تھیں۔

شہزادہ آندرے نے اپنی باریک اور تیز آواز سے مہر سکوت توڑتے ہوئے کہ" جناب عالی! آپ نے مجھے توشن کی توپوں کی جانب روانہ کیا تھا۔ میں وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ اس کے دو تہائی سپاہی اور گھوڑے ہلاک جبکہ دو توپیں ناکارہ ہو چکی ہیں اور وہاں کوئی ایسا دستہ نہ تھا جو اسے آڑ فراہم کرتا۔

شہزادہ باگراتیاں اور توشن دونوں اسے ٹکٹکی باندھے دیکھ رہے تھے۔ بلکونسکی نے غیر جذباتی انداز میں اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا" اور جناب عالی! اگر مجھے رائے کے اظہار کی اجازت دی جائے تو میں کہوں گا کہ آج ہمیں جو کامیابی حاصل ہوئی ہے اس کا زیادہ تر سہرا ان توپوں کی کارروائی اور کپتان توشن اور اس کی کمپنی کی بہادرانہ قوت برداشت کے سر ہے" یہ کہہ کر وہ جواب کا انتظار کیے بغیر دسترخوان سے اٹھا اور ایک جانب کھڑا ہو گیا۔

شہزادہ باگراتیاں نے توشن پر نگاہیں دوڑائیں۔ یہ واضح تھا کہ آندرے نے جو بات کہی تھی وہ اس پر شبہ نہیں کر سکتا تھا مگر اسے پوری طرح تسلیم کرنے کو بھی اس کا دل نہ چاہتا تھا۔ اس نے سر جھکایا اور توشن کو جانے کی اجازت دے دی۔ آندرے بھی اس کے ساتھ باہر نکل گیا۔

باہر آ کر توشن اس سے کہنے لگا" عزیز دوست! شکریہ تم نے مجھے مصیبت سے بچا لیا"

شہزادہ آندرے نے اس کی جانب دیکھا اور کچھ کہے بغیر چل دیا۔ یہ سب کچھ اس کی توقعات سے کس قدر عجیب اور مختلف تھا۔

☆☆☆

رستوف کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کون ہیں؟ یہاں کیوں ہیں؟ یہ کیا چاہتے ہیں؟ اور یہ سب کچھ کب ختم ہو گا؟ اس کے سامنے ہر لمحے سائے تبدیل ہو رہے تھے اور وہ انہیں دیکھنے میں مصروف تھا۔ اس کے بازو کا درد اور بھی بڑھ گیا تھا۔ اس پر ہر لحمہ نیند کا غلبہ ہو رہا تھا جس پر قابو پانا بیحد مشکل تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ارغوانی دائرے گھوم رہے تھے۔ اپنے اردگرد سنائی دینے والی آوازوں اور چہروں کے بارے میں تاثرات اور اکیلے پن کا احساس اس کے درد میں گھل مل گیا تھا۔ اسے یوں لگا جیسے یہی زخمی اور غیر زخمی فوجی ہی اسے اپنے بوجھ تلے دبا کر اس کا کچومر نکال رہے ہیں۔ ان سے پیچھا چھڑانے کیلئے اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

ایک لمحے کیلئے اس کی آنکھ لگ گئی۔ اس دوران اسے خواب میں لاتعداد چیزیں دکھائی دیں۔ اس کی والدہ اور اس کے بھاری بھاری سفید ہاتھ۔ سونیا کے دبلے پتلے اور ننھے منے کندھے، نتاشا کا ہنستا مسکراتا چہرہ اور آنکھیں، دینی سوف کی مونچھیں اور آواز، تلیانن اور باگدانچ کے ساتھ معاملہ۔ وہ تمام معاملہ اس کرخت آواز والے سپاہی کے ساتھ یوں گھل مل گیا تھا کہ انہیں ایک دوسرے سے علیحدہ کرنا ممکن نہیں تھا اور یہی وہ معاملہ اور سپاہی تھے جو اس کے بازو کو اسقدر بے رحمی اور ظالمانہ انداز سے کھینچ رہے تھے اور گھسیٹے جا رہے تھے اور درد کے مارے اس کی چیخیں نکل رہی تھیں۔ اس نے

تیسرا حصہ

(1)

شہزادہ ویسیلے ان لوگوں میں سے نہیں تھا جو اپنے منصوبے سوچ سمجھ کر بناتے ہیں اور اپنا مطلب نکالنے کیلئے دوسروں کو نقصان پہنچانا تو اسے کم ہی آتا تھا۔ وہ سیدھا سادا دنیادار آدمی تھا اور جس کام میں ہاتھ ڈالتا کامیابی اس کے قدم چومتی تھی۔ کامیاب ہونا اس کی عادت بن چکا تھا۔ اس کے ذہن میں مختلف تجاویز اور منصوبے ضرور بنتے رہتے جن سے اس کی زندگی کی تمام تر دلچسپیاں وابستہ ہوتی تھیں تاہم ان کیلئے وہ حالات اور افراد کا تابع تھا اور اس نے خود کبھی ان کا گہرائی سے جائزہ نہیں لیا تھا۔ اس کے ذہن میں بیک وقت درجنوں منصوبے ہوتے تھے جن میں سے بعض ابتدائی اور کچھ تکمیل کے مراحل میں ہوتے جبکہ بعض ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوتے تھے۔ مثال کے طور پر اس نے کبھی اپنے آپ سے یہ نہیں کہا تھا کہ ''فلاں شخص اثر ورسوخ کا حامل ہے اور مجھے اس سے دوستی اور اس کا اعتماد حاصل کر کے اپنے لیے کوئی خاص رعایت حاصل کرنی چاہیے'' اور نہ اس نے یہ سوچا کہ ''پیری مالدار شخص ہے اور مجھے اسے بہلا پھسلا کر اپنی بیٹی سے شادی کرنے اور چالیس روبل ادھار لینے پر رضامند کرنا چاہیے جنکی مجھے شدید ضرورت ہے'' مگر جب بھی اس کا اثر ورسوخ کے حامل کسی شخص سے سامنا ہوتا تو اس کی چھٹی حس بتا دیتی کہ یہ شخص کارآمد ثابت ہو سکتا ہے چنانچہ وہ اس کے ساتھ واقفیت پیدا کرتا اور منصوبہ بندی کے بغیر موقع ملتے ہی اس کا اعتماد حاصل کر کے اس کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملانا شروع کر دیتا اور ماحول سازگار دیکھ کر دل کی بات بیان کر دیتا۔

ماسکو میں وہ پیری کے ساتھ ساتھ ہی رہا اور اس کیلئے جنٹلمین آف بیڈ چیمبر کا عہدہ بھی حاصل کر لیا جو اس دور میں کونسلر آف سٹیٹ کے مرتبے کے برابر ہوتا تھا۔ اس نے نوعمر پیری سے اصرار کیا کہ وہ اس کے ساتھ پیٹرز برگ چلے اور اس کے گھر قیام کرے۔ وہ یوں ظاہر کر رہا تھا کہ اس نے اپنے افعال کے بارے میں پہلے سے کچھ نہیں سوچ رکھا لیکن اس نے اپنی بیٹی کی پیری کے ساتھ شادی کیلئے ہر حربہ آزما ڈالا۔ اگر وہ اپنے منصوبے پیشگی تشکیل دینے کا عادی ہوتا تو اس کا رویہ اسقدر فطری ہوتا نہ وہ سماجی اعتبار سے خود سے اعلیٰ یا کمتر شخص کے ساتھ تعلقات میں اتنے بھولپن اور بیساختگی کا مظاہرہ کر پاتا۔

پیری جو ہر قسم کے تفکرات سے آزاد زندگی گزار رہا تھا، اچانک نواب بیزوخوف بننے کے بعد اس قدر مصروف اور لوگوں میں گھر گیا کہ اسے صرف بستر پر ہی سکون کا لمحہ میسر آتا تھا۔ اسے کاغذات پر دستخط کرنا پڑتے، دفاتر میں حاضری دینا پڑتی اور کیوں؟ یہ بات اسے کبھی سمجھ نہیں آئی تھی، اپنے نگران اعلیٰ سے پوچھ گچھ کرنا ہوتی، ماسکو کے قریب اپنی جاگیر پر جانا پڑتا اور بے شمار افراد سے ملنا پڑتا جو پہلے اس کی کوئی پروا نہیں کرتے تھے اور اب ان سے نہ ملا جاتا تو وہ ناراض ہو جاتے۔ مختلف اقسام کے یہ تمام لوگ، کاروباری حضرات، تعلق دار اور واقف کار سبھی نوعمر امیرزادے سے محبت

اور دوستی کا دم بھرتے تھے۔ وہ پختہ یقین کے ساتھ اور ہچکچاہٹ کے بغیر اس کی اعلیٰ خوبیوں کا اعتراف کرتے۔ اسے مسلسل یہ باتیں سننے کو ملتیں'' آپ کی غیر معمولی شفقت کے باعث'' یا'' سخاوت کا شکریہ نواب آپ اس قدر عمدہ ذہن کے مالک ہیں۔۔۔، یا پھر'' اگر اس کی بجائے کوئی آپ جیسا عقلمند ہوتا تو۔۔۔'' وغیرہ وغیرہ۔ یہ باتیں سن کر اسے خود بھی اپنی غیر معمولی ذہانت اور خوبیوں کا یقین ہونے لگتا اور وہ دل کی گہرائیوں سے اپنے آپ کو ذہین و شفیق شخص سمجھنے لگتا تھا۔ حتیٰ کہ وہ لوگ بھی جو اس سے بغض رکھتے اور کھلم کھلا اس کی مخالفت کرتے اب اس سے محبت سے پیش آتے تھے۔ لمبی کمر اور گڑیوں کی طرح ملائم بالوں والی غصیلی بڑی شہزادی آخری رسومات کے بعد پیری کے کمرے میں آئی اور نگاہیں جھکا کر شرمندہ لہجے میں اسے کہنے لگی کہ ''ماضی میں پیدا ہونے والی غلط فہمیوں پر میں تہہ دل سے معذرت خواہ ہوں اور محسوس کرتی ہوں کہ مجھے آپ سے کچھ مانگنے کا قطعی کوئی حق نہیں تاہم میں اتنی گزارش کروں گی کہ مجھے جو صدمہ پہنچا ہے اس کے بعد مجھے اس گھر میں مزید چند ہفتے رہنے کی اجازت دی جائے جو مجھے بیحد عزیز ہے اور جس کیلئے میں نے اسقدر قربانیاں دیں'' وہ اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکی اور یہ الفاظ کہتے ہوئے رونے لگی۔ مجسمہ نما شہزادی میں یہ تبدیلی پیدا ہوتی دیکھ کر پیری کے دل پر بیحد اثر ہوا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اس سے معافی مانگی، اگرچہ وہ خود بھی نہیں جانتا تھا کہ وہ ایسا کیوں کر رہا ہے۔ اسی دن سے شہزادی نے اس کیلئے دھاریوں والا رومال بننا شروع کر دیا اور پیری کے بارے میں اس کا رویہ بالکل تبدیل ہو گیا۔

شہزادہ ویسیلے نے شہزادی کیلئے ایک مالی دستاویز پیری کو دیتے ہوئے کہا'' پیارے بیٹے، میری خاطر اس پر دستخط کر دو، اس بیچاری کو بیمار کے ہاتھوں بہت کچھ سہنا پڑا تھا'' شہزادہ ویسیلے نے سوچا کہ شہزادی کو تیس ہزار کی یہ رقم دلوانا ضروری ہے تاکہ چڑے کے اس تھیلے کے سلسلے میں اس نے جو کردار ادا کیا تھا وہ سامنے نہ آ جائے۔ پیری نے دستاویز پر دستخط کر دیے اور اس کے بعد شہزادی کا رویہ اور بھی اچھا ہو گیا۔ چھوٹی بہنیں بھی اس سے پیار و محبت کا مظاہرہ کرنے لگیں خصوصاً سب سے چھوٹی جس کے اوپر والے ہونٹ پر تل تھا اور جو اپنی بوکھلاہٹ اور مسکراہٹ سے پیری کو اکثر حیرت زدہ کر دیتی تھی۔

پیری کو ہر شخص کا اس سے پیار بالکل فطری معلوم ہوتا تھا اور کوئی شخص اسے پسند نہ کرتا تو یہ بات اسے بالکل غیر فطری دکھائی دیتی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے اردگرد موجود لوگوں کے خلوص پر یقین کرنے لگا۔ علاوہ ازیں اس کے پاس ان کا خلوص پرکھنے کیلئے وقت بھی نہ تھا۔ وہ کبھی فارغ نہ رہتا اور اس پر ہمیشہ ہلکی ہلکی اور خوشگوار نشیلی کیفیت سی طاری رہنے لگی۔ اسے محسوس ہوتا جیسے وہ کسی اہم عوامی تحریک کا مرکز ہے، اور یہ کہ اگر اس نے خود سے وابستہ توقعات پوری نہ کیں تو لوگوں کو مایوسی ہو گی اور یہ کہ اس نے ایسا کر دیا تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ وہ خود سے وابستہ توقعات پوری کرتا مگر اس کا اچھا نتیجہ نہیں نکلتا تھا چنانچہ وہ مستقبل سے یہ توقعات وابستہ کر لیتا۔

ان ابتدائی دنوں میں شہزادہ ویسیلے نے پیری اور اس کے تمام معاملات اپنے ہاتھ میں لے لیے۔ نواب بیزوخوف کی وفات کے بعد اس نے پیری کو اپنے ہاتھ سے نہ نکلنے دیا۔ اس کے رویے سے یوں ظاہر ہوتا تھا جیسے اسے بالکل فرصت نہیں اور مصروفیات کے بوجھ تلے دب کر اس کا کباڑا ہو چکا ہے مگر اس کا دل اس قدر شفیق ہے کہ وہ اس بے یار و مددگار نوجوان کو قسمت اور خراب لوگوں کے ہاتھوں میں اکیلا نہیں چھوڑے گا کیونکہ آخر کار وہ اس کے دوست کا بیٹا اور بے پناہ دولت کا مالک ہے۔ نواب بیزوخوف کی وفات کے بعد اس نے جو چند دن ماسکو میں گزارے ان میں وہ پیری کو اپنے پاس بلا لیتا یا خود اس کے پاس چلا جاتا اور ہمہ وقت اسے مشورے دیتا رہتا۔ دوران گفتگو اس کا لہجہ تھکا تھکا

اور پراعتماد ہوتا جیسے کہہ رہا ہو" بیٹے تم اچھی طرح جانتے ہو کہ مختلف معاملات نے مجھے اپنے بوجھ تلے دبا رکھا ہے اور محض انسانی ہمدردی کے جذبے کے تحت میں تمہارے معاملات میں دلچسپی لینے پر مجبور ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ تم یہ بھی جانتے ہو کہ تمہیں جو تجاویز میں دیتا ہوں صرف وہی قابل عمل ہوتی ہیں۔

ایک روز اس نے کہا" میرے عزیز، آخر کار ہم کل روانہ ہوہی جائیں گے" اس نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں اور پیری کی کہنی پر یوں انگلیاں پھیر رہا تھا جیسے یہ معاملہ بہت پہلے طے ہو چکا ہو اور اس کے علاوہ کچھ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

اس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا" ہم کل روانہ ہوں گے، میں تمہیں اپنی گاڑی میں نشست دے دوں گا۔ میں بیحد خوش ہوں۔ یہاں ہمارے تمام معاملات طے پا گئے ہیں۔ مجھے بہت پہلے یہاں سے رخصت ہو جانا چاہیے تھا۔ مجھے چانسلر کا خط ملا ہے۔ میں نے اسے تمہارے بارے میں درخواست دی تھی، تمہیں سفارتی نوکری میں لے کر جنٹلمین آف بیڈ چیمبر بنا دیا گیا ہے اور سفارتکاری کے دروازے تم پر کھل گئے ہیں"

پیری نے جو طویل عرصہ سے ملازمت کے بارے میں سوچ بچار کرتا رہا تھا، ویسلے کے تھکے تھکے مگر طاقتور اور پراعتماد لہجے کے باوجود احتجاج کی کوشش کی۔ مگر شہزادہ ویسلے نے مدھر لہجے میں، جو وہ اسی وقت اختیار کرتا تھا جب کا مقصد اپنی بات میں مداخلت برداشت نہ کرتا ہوتا اور وہ سمجھتا کہ اس موقع پر اپنی بات منوانے کیلئے انتہائی اقدامات کرنا ہوں گے، پیری کو ٹوکتے ہوئے کہا" مگر میرے عزیز بچے، میں نے ایسا صرف اپنی اور اپنے باطنی اطمینان کی خاطر کیا ہے اور اس پر میرا شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔ کسی نے زیادہ چاہے جانے پر کبھی شکایت نہیں کی۔ تم آزاد ہو اور جب چاہو اسے چھوڑ دو۔ پیٹرزبرگ میں تم سب کچھ خود دیکھ لو گے۔ خوفناک یادوں سے پیچھا چھڑانے کا یہی مناسب وقت ہے" یہ کہہ کر شہزادہ ویسلے نے سرد آہ بھری اور کہا" تو پھر میرے عزیز، سب کچھ طے پا گیا۔ تمہاری گاڑی میں میرا ملازم سفر کرے گا۔ ارے ہاں، یہ تو میں بھول ہی گیا تھا تمہارے والد کے ذمے میرا کچھ حساب باقی تھا، چنانچہ ریازان کی جاگیر سے مجھے کچھ رقم مل گئی ہے جو میں اپنے پاس ہی رکھ لوں گا، تمہیں اس کی ضرورت نہیں۔ بعد میں ہم حساب کتاب کر لیں گے"

شہزادہ ویسلے کو ریازان کی جاگیر سے جو" کچھ" رقم ملی تھی وہ ہزاروں روبل پر مشتمل تھی اور آزاد کسانوں سے لگان کے طور پر موصول ہوئی جو اس نے اپنے پاس رکھ لی۔

پیٹرزبرگ میں بھی پیری ماسکو جیسے محبت اور شفقت کے حصار میں جکڑا گیا۔ ویسلے نے اس کیلئے جو عہدہ حاصل کیا تھا وہ اسے قبول کرنے سے انکار نہیں کر سکتا تھا (حقیقت میں یہ برائے نام عہدہ تھا اور اگرچہ اس سے بیحد عزت وابستہ تھی مگر اسے کچھ کرنا نہیں پڑتا تھا) علاوہ ازیں یہاں دعوتوں اور سماجی کاموں کا سلسلہ اس قدر طویل تھا کہ وہ ماسکو سے زیادہ یہاں بوکھلا گیا۔ وہ ہر وقت دوڑ دھوپ کرتا رہتا اور مستقبل کی سہانی امیدوں سے وابستہ رہتا جو کبھی پوری نہ ہوتیں۔

اس کے پرانے اور کنوارے شناساؤں میں سے اکثر اب پیٹرزبرگ میں موجود نہ تھے۔ گارڈز جنگ میں مصروف تھے۔ دولوخوف کی تنزلی ہو گئی تھی اور اب وہ عام سپاہی کے طور پر کام کر رہا تھا۔ اناطول کہیں دور مضافات میں فوجی خدمات میں مصروف جبکہ شہزادہ آندرے ملک سے باہر تھا۔ نتیجتاً پیری کو اب اپنی راتیں اس انداز میں گزارنے کے مواقع میسر نہ تھے جن کا وہ عادی تھا اور نہ اب اسے کسی ایسے دوست کا ساتھ میسر تھا جو عمر میں اس سے بڑا ہوتا اور جس کی رائے کا وہ احترام کرتا اور اس سے بے تکلف گفتگو کر کے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر سکتا۔ اس کا تمام تر وقت دعوتوں، ناچ

پارٹیوں یا شہزادہ ویسلے کے طبقے میں اس کی بھاری بھر کم بیگم اور اس کی بیٹی ایلن کے ساتھ بسر ہو رہا تھا۔

دوسروں کی طرح اینا پاؤلونا شیرر نے بھی اعلیٰ طبقے میں اس کے بارے میں تبدیل شدہ رویے سے اسے آگاہ کر دیا تھا۔

ماضی میں پیری کو اینا پاؤلونا کی موجودگی میں ہمیشہ یہی محسوس ہوتا جیسے وہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ غیر مناسب، بے تکا اور بے موقع ہے۔ یہ باتیں جب تک اس کے ذہن میں ہوتیں اس وقت تک اسے بیحد دانائی پر مبنی معلوم ہوتیں مگر جب یہ اس کے منہ سے نکلتیں تو احمقانہ لگتیں۔ اس کے برعکس اپولٹ کے انتہائی بے معنی کلمات دانائی سے معمور اور پرلطف سمجھے جاتے۔ اب وہ جو کچھ کہتا وہ" زبردست اور نہایت عمدہ" ہوتی۔ اگر اینا پاؤلونا منہ سے کچھ بھی نہ کہتی تو بھی یوں لگتا جیسے اس کا دل تو مچل رہا ہے مگر وہ کچھ کہہ کر اس کے انکسارانہ جذبے کو ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتی۔

1805 میں موسم سرما کے آغاز میں پیری کو اینا پاؤلونا کا روایت گلابی دعوت نامہ ملا۔ اس کے آخر میں لکھا تھا" میرے ہاں آپ کو خوبرو ایلن بھی دکھائی دے گی جسے دیکھنے والے کی طبیعت کبھی سیر نہیں ہوتی"

یہ عبارت پڑھ کر پیری کو پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ ایلن اور اس کے مابین کوئی تعلق قائم ہو چکا ہے، حالانکہ دیگر لوگوں کو پہلے ہی سے اس کا احساس ہو گیا تھا۔ اس خیال نے اسے ایک دم یوں چونکا دیا جیسے اس پر کوئی ایسا بھاری بوجھ ڈالا جا رہا ہو جسے اٹھانے کی وہ سکت نہیں رکھتا۔ تاہم اس کے ساتھ ساتھ اسے خوشی بھی ہوئی۔

اینا پاؤلونا کی محفل اس کی گزشتہ محفل جیسی تھی۔ اس مرتبہ اس نے مہمانوں کے سامنے جو نئی شے پیش کی وہ مارٹی مارٹ نہیں بلکہ ایک سفارتکار تھا جو برلن سے شہنشاہ الیگزنڈر کے پوٹسڈم میں قیام کی تازہ ترین خبریں لایا تھا۔ اس نے بتایا کہ ان دو عظیم اور باہم دوستی کے رشتے میں بندھے شہنشاہوں نے بنی نوع انسان کے دشمن کے خلاف مشترکہ اقدامات کا عہد کیا ہے۔ اینا پاؤلونا نے نسبتاً غمگین انداز میں پیری کا استقبال کیا۔ یہ اس صدمے کی طرف اشارہ تھا جو حال ہی میں نواب بیزوخوف کے انتقال کے باعث اس نوجوان کو برداشت کرنا پڑا تھا (ہر شخص یہ جتلانا چاہتا تھا جیسے اسے اس کے باپ کے انتقال سے گہرا دکھ پہنچا ہے حالانکہ خود پیری کو اپنے والد سے کوئی خاص محبت نہ تھی) اینا پاؤلونا کا یہ رنجیدہ انداز بالکل اس اس رنج سے مشابہ تھا جس کا اظہار وہ انتہائی قابل احترام ملکہ ماریا فیودورونا کے ذکر پر کرتی تھی۔ پیری اس خوشامد پر خوش ہوا۔ اینا پاؤلونا نے ڈرائنگ روم میں اپنی مہارت سے مختلف گروہ ترتیب دیے تھے۔ سب سے بڑے گروپ میں شہزادہ ویسلے اور کئی جرنیل نمایاں تھے۔ سفارتکار بھی اسی گروہ میں بیٹھا تھا۔ ایک اور گروہ چائے کی میز کے گرد جمع تھا۔ پیری پہلے گروہ کے ساتھ بیٹھنا چاہتا تھا مگر اینا پاؤلونا نے اسے دیکھتے ہی اپنی شہادت کی انگلی اس کے کوٹ کی آستین پر رکھی اور کہنے لگی" ٹھہرو، اس شام میں نے تمہارے لیے خاص اہتمام کیا ہے" اینا پر اس جرنیل کی سی گھبراہٹ طاری تھی جس کے پاس بے شمار اچھے منصوبے ہوں مگر ان میں سے ایک پر بھی عملدرآمد کا وقت نہ ہو۔ اس نے ایلن کی جانب دیکھا اور مسکرا کر بولی" پیاری ایلن، میری خالہ تمہاری پرستش کرتی ہے، جاؤ اور دس منٹ اس کے قریب بیٹھو۔ میں یہ بھی نہیں چاہتی کہ تم وہاں بوریت محسوس کرو۔ ہمارے پیارے نواب تشریف لا چکے ہیں، یہ تمہارے ساتھ بیٹھنے میں بالکل ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہیں کریں گے۔

خوبصورت ایلن خالہ کی جانب چل دی مگر اینا پاؤلونا نے پیری کو اس طرح روک لیا جیسے وہ اسے چند آخری اور ضروری ہدایات دینا چاہتی ہو۔

اس نے جادوئی حسینہ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے پیری سے کہا" کیا وہ آتشیں حسن کی مالک نہیں؟ اور دیکھو

اس نے خود کو کیسے سنبھال رکھا ہے، اتنی کم عمری اور اتنا سلیقہ، یہ سب پر خلوص دل کی علامات ہیں۔ اس کا دل جیتنے والا کوئی خوش قسمت ہی ہوگا۔ قطعی غیر دنیادار شخص بھی اس کا شوہر ہونے کی حیثیت سے اعلیٰ طبقے میں نمایاں مقام حاصل کرنے میں ناکام نہیں ہوسکتا۔ تم اس بارے میں کیا کہتے ہو، میں صرف تمہارے خیالات جاننے کی خواہشمند تھی" یہ کہتے ہوئے اینا پاؤلونا نے پیری کے بازو سے ہاتھ ہٹالیا۔

پیری ایلین کے مکمل سلیقے کے حوالے سے اینا پاؤلونا کے خیال سے متفق تھا۔ اگر کبھی اس کے ذہن میں ایلین کا خیال آیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ غیر معمولی حسن کی مالک اور اعلیٰ طبقے کی محفلوں میں باوقار رویہ اختیار کرنے اور خود پر متانت طاری کرنے کے فن سے آشنا تھی۔

معمر خالہ نے اپنے گوشہ تنہائی میں دونوں نوجوانوں کا استقبال کیا مگر یوں لگتا تھا جیسے اپنے دل میں ایلین کی قدر و منزلت کے اظہار سے زیادہ وہ اینا پاؤلونا سے اپنے خوف کی نمائش کرنا ضروری سمجھتی ہے۔ اس نے اپنی بھانجی کی جانب یوں دیکھا جیسے پوچھ رہی ہو کہ "ان کا کیا کروں؟" اینا پاؤلونا نے اپنی انگلی ایک مرتبہ پھر پیری کی آستین پر رکھی اور کہنے لگی "مجھے یقین ہے کہ آئندہ تمہیں یہ شکایت نہ ہوگی کہ میرے گھر میں کوئی بور بھی ہوسکتا ہے" یہ کہہ کر اس نے ایلین پر نگاہیں دوڑائیں۔ ایلین یوں مسکرائی جیسے کہہ رہی ہو "میں کیسے مانوں کہ کوئی میری جانب دیکھے اور اور متاثر نہ ہو" خالہ کھانسی اور تھوک نگل کر گلا صاف کرتے ہوئے فرانسیسی زبان میں کہا کہ اسے ایلین سے مل کر بیحد خوشی ہوئی۔ پھر وہ پیری کی جانب متوجہ ہوئی اور اور کھانس کر اس کا بھی یونہی استقبال کیا۔ بے کیف اور ٹھہر ٹھہر کر ہونے والے گفتگو کے درمیان ایلین نے پیری کی جانب دیکھا اور بالکل اسی طرح مسکرائی جیسے وہ ہر شخص کو دیکھ کر مسکراتی تھی۔ پیری اس مسکراہٹ کا اتنا عادی ہوچکا تھا اور اس کیلئے یہ اسقدر بے معنی تھی کہ اس نے اس کی جانب مطلق دھیان نہ دیا۔ اس موقع پر خالہ پیری کے والد نواب بیزوخوف کی جمع کردہ نسواری ڈبیوں کا تذکرہ کرنے میں مصروف تھی، اس نے انہیں اپنی نسواری ڈبیا دکھائی۔ شہزادہ ایلین نے درخواست کی "خالہ کیا آپ ہمیں ڈبیا کے ڈھکن پر منقش اپنے شوہر کی تصویر دکھائیں گی۔

پیری نے ایک نامور مصور کا نام لیتے ہوئے کہا "غالباً یہ وانس نے بنائی ہے" یہ کہتے ہوئے وہ ڈبیا اٹھانے کیلئے میز پر جھک گیا تاہم اس دوران دوسری میز پر ہونے والی گفتگو سننے کی کوشش بھی کرتا رہا۔ وہ اپنی جگہ سے تھوڑا سا اٹھا، وہ میز کا چکر لگا کر خالہ کے پاس پہنچنا چاہتا تھا مگر خالہ نے ڈبیا اٹھائی اور ایلین کے عقب سے گھما کر پیری کی جانب بڑھادی۔ ایلین آگے جھک گئی تاکہ خالہ کو ڈبیا تھمانے کیلئے جگہ مل سکے اور مسکرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ جیسا کہ اس کی عادت تھی وہ شام کی محفلوں میں ہمیشہ ایسا لباس پہنتی تھی جس کا اگلا اور پچھلا حصہ مروجہ فیشن کے مطابق خاصا نیچے تک ڈھلکا ہوتا تھا۔ اس کے جسم کا بالائی حصہ جو پیری کو ہمیشہ سنگ مرمر سے بنا محسوس ہوتا تھا اس کے اتنا قریب تھا کہ وہ اس کی خوبصورت گردن اور دلکش کندھوں سے نظریں نہ ہٹا سکا۔ اس کے ہونٹ اتنے قریب تھے کہ اگر وہ اپنا سر تھوڑا سا نیچے جھکاتا تو وہ انہیں چھوسکتا تھا۔ اس کے جسم کی حرارت اور پرفیوم کی خوشبو اس کے ناک میں گھس رہی تھی۔ جب وہ اپنی جگہ سے حرکت کرتی تو اس کے انگیے کے ہلنے کی آواز بھی سنائی دیتی۔ وہ اس کی خوبصورتی کی بجائے اس کے خوبصورت جسم پر نظریں جمائے ہوئے تھا جسے وہ لباس میں چھپائے ہوئے تھی۔ اسے یوں دیکھنے کے بعد وہ کسی اور طرح سے دیکھنے کے قابل نہ رہا بالکل ایسے ہی جیسے ہم کسی شعبدے کو جاننے کے بعد دوبارہ اسے نہیں دیکھنا چاہتے۔

ایلین کو دیکھ کر یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کہہ رہی ہو "تو تم نے اب تک یہ اندازہ نہیں لگایا تھا کہ میں کس قدر خوبصورت ہوں، تم نے غور نہیں کیا تھا کہ میں خاتون ہوں؟" اس کی آنکھیں کہہ رہی تھیں ہاں میں خاتون ہوں جو کسی کی بھی ہوسکتی ہے۔۔ تمہاری بھی" اس لمحے پیری کو محسوس ہوا کہ ایلین اس کی بیوی بن ہی نہیں سکتی بلکہ اسے بننا ہوگا۔

اس لمحے پیری کو یوں محسوس ہوا جیسے دونوں کی شادی کی رسومات ادا ہورہی ہوں۔ یہ کیسے ہوگا؟ کب ہوگا؟ اس بارے وہ کچھ نہیں جانتا تھا۔ وہ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ اس کا انجام بھی بہتر ہوگا یا نہیں (درحقیقت اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ اس کام کا انجام اچھا نہیں ہوگا) تاہم وہ یہ ضرور جانتا تھا کہ ایسا ضرور ہوگا۔

پیری نے اپنی نظریں نیچے جھکا کر دوبارہ اوپر اٹھائیں اور یہ تصور کیا کہ وہ ایک ایسی خوبصورت لڑکی ہے جس سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اب تک وہ اسے یہی سمجھتا رہا تھا لیکن اب اس کے لیے ایسا کرنا ممکن نہ تھا۔ اس کی حالت ایسے شخص کی تھی جو دھند میں سٹیپ گھاس کو درخت سمجھنے لگتا ہے مگر جب وہ اسے گھاس کے طور پر دیکھ لیتا ہے تو پھر دوبارہ کبھی درخت نہیں سمجھتا۔ بالکل اسی طرح اب وہ اسے اجنبی حسینہ سمجھنے سے معذور تھا۔ وہ اس کے انتہائی قریب تھی اور اس کے حواس پر چھا چکی تھی اور اب دونوں کے مابین پیری کی قوت ارادی کے علاوہ کوئی رکاوٹ باقی نہ تھی۔

اسے اینا پاؤلونا کی آواز سنائی دی جو کہہ رہی تھی "بہت اچھے، میں تمہیں اس گوشہ تنہائی میں چھوڑے جارہی ہوں، لگتا ہے تم یہاں اچھا محسوس کر رہے ہو۔ دوسری جانب پیری یہ سوچ کر فکرمند ہوگیا کہ کہیں اس سے کوئی نامناسب حرکت تو سرزد نہیں ہوگئی۔ وہ سرخ چہرے کے ساتھ ادھر ادھر دیکھنے میں مصروف ہوگیا۔ اسے یوں لگا جیسے دیگر لوگ بھی اس کی حرکات و سکنات سے آگاہ ہیں۔ کچھ دیر بعد جب وہ بڑے گروہ میں شامل ہوگیا تو اینا پاؤلونا نے اس سے پوچھا "میں نے سنا ہے کہ تم پیٹرزبرگ میں اپنے مکان کی تعمیر و مرمت کرا رہے ہو (یہ بات درست تھی کیونکہ ماہر تعمیرات نے اسے بتایا تھا کہ ایسا کرنا ضروری ہے اور پیری نے یہ جانے بغیر کہ ایسا کیوں ضروری ہے پیٹرزبرگ میں اپنے وسیع و عریض گھر کی ازسرنو تزئین و آرائش شروع کرادی تھی) اینا پاؤلونا نے شہزادہ ویسلے کی طرف مسکرا کر دیکھا اور پیری سے بولی "بہت اچھا کر رہے ہو مگر شہزادہ ویسلے کا گھر مت چھوڑنا۔ جس شخص کو ان جیسا دوست میسر ہو اسے اور کیا چاہیے، میں ایسے معاملات کے بارے میں تھوڑا بہت جانتی ہوں، کیا میں ٹھیک نہیں کہہ رہی؟ اور تم ابھی نوجوان ہو۔ تمہیں مشورے کی ضرورت ہے۔ تمہیں ایک بوڑھی عورت کی باتوں کا برا نہیں منانا چاہیے" اس نے کچھ دیر توقف کیا جیسا کہ خواتین اپنی عمر کا تذکرہ کرنے کے بعد کچھ دیر ٹھہرتی ہیں۔ پھر وہ بولی "اگر تم شادی کرلیتے ہو تو پھر دوسرا معاملہ ہے" اس نے پیری اور ایلین کو بیک وقت ایک ہی نگاہ سے دیکھا۔ پیری ایلین کی جانب دیکھ رہا تھا نہ ایلین پیری کی طرف مگر وہ اب بھی اس سے بیحد قریب تھی۔

اس نے بڑبڑا کر کچھ کہا اور شرمانے لگا۔

گھر پہنچ کر پیری کو نیند نہ آئی، وہ یہی سوچتا رہا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا۔ کیا ہوا؟ کچھ بھی نہیں۔ بس اسے اسقدر محسوس ہوا تھا کہ وہ خاتون جسے وہ بچپن سے جانتا تھا اور وہ خاتون جس کے حسن کا جب بھی تذکرہ ہوتا وہ لاپروائی سے جواب دیتا "ہاں خوبصورت ہے" اس کی ہوسکتی ہے۔ پھر اس نے سوچا "مگر وہ تو بیوقوف ہے۔ میں خود متعدد بار کہہ چکا ہوں کہ وہ احمق ہے۔ اسے دیکھ کر میرے دل میں غیر پاکیزہ جذبات ابھرتے ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ اس کا بھائی اناطول اس سے محبت کرتا تھا اور وہ اس سے، اور یہ کہ اچھا خاصا سکینڈل بنا تھا اور یہی وجہ تھی کہ اناطول کو کہیں دور بھیج دیا گیا۔ اس کا بھائی اپولٹ ہے۔۔۔ اس کا والد شہزادہ ویسلے۔۔۔ یہ تو ٹھیک نہیں" اور اسی لمحے جبکہ وہ غور و فکر کر رہا تھا کہ (اس کی سوچ و بچار ختم نہیں ہوئی تھی) وہ مسکرانے لگا اور اسے محسوس ہوا کہ پہلے خیالات سے سوچوں کا ایک نیا سلسلہ برآمد ہو رہا ہے۔ بالکل اسی وقت جبکہ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ عورت فضول شے ہے، اس کی آنکھوں میں ایک اور خواب بھی

تھا اور وہ یہ کہ کیسے ایک روز وہ اس کی بیوی بنے گی اور اس پر فدا ہو جائے گی، ہو سکتا ہے وہ پہلے کی نسبت تبدیل ہو جائے اور اس کے بارے میں سنی ہوئی باتیں جھوٹی ثابت ہوں۔ اس نے ایک مرتبہ پھر اسے شہزادہ ویسلے کی بیٹی کی بجائے سرمئی لباس میں ملبوس جسم کے حوالے سے یاد کیا اور سوچنے لگا "مگر مجھے یہ بات پہلے یاد کیوں نہ آئی" ایک بار پھر اس نے خودکلامی کی کہ "یہ ناممکن ہے، اور اس میں ضرور کوئی غیر پاکیزہ بات ہے جو غیر فطری اور بدنامی کا موجب معلوم ہوتی ہے" اس نے حال ہی میں ہونے والی باتوں اور نظروں نیز ان لوگوں کی گفتگو اور نگاہیں یاد کیں جنہوں نے انہیں اکٹھے دیکھا تھا۔ اس نے ایناپاؤلونا کی گفتگو، مکان کے متعلق باتیں اور اس نے اسے جس انداز سے دیکھا تھا، وہ بھی یاد کیا۔ اس نے ان اشاروں پر بھی غور کیا جو شہزادہ ویسلے اور دیگر لوگوں نے کئے تھے اور یہ سوچ کر وہ پریشان ہو گیا کہ کہیں اس نے پہلے ہی خود کو کسی ایسے کام کا پابند تو نہیں کر لیا جو اسے نہیں کرنا چاہئے تھا۔ مگر جس لمحے وہ یہ بات سوچ رہا تھا بالکل اسی وقت اس کے دماغ کے دوسرے حصے میں ایلین کی شکل اپنے تمام تر نسوانی حسن کے ساتھ نمودار ہونے لگی۔

(2)

نومبر 1805 میں شہزادہ ویسلے کو چار صوبوں کے معائنے پر جانا پڑا۔ اس نے دورے کی اجازت دو مقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے حاصل کی تھی، ایک تو وہ اپنی جاگیروں پر جانا چاہتا تھا جنہیں اس نے طویل عرصہ سے نہیں دیکھا تھا اور دوسری بات یہ تھی کہ اپنے بیٹے اناطول (جس کی رجمنٹ وہیں مقیم تھی) کو شہزادہ نکولائی آندریوچ بلکونسکی کے ہاں لے جانا چاہتا تھا تاکہ اس امیر بوڑھے کی بیٹی کے ساتھ اس کی شادی ممکن بنائی جا سکے۔ تاہم دور جانے اور نئے معاملات میں الجھنے سے پیشتر وہ پیری کا معاملہ طے کرنا چاہتا تھا۔ اگرچہ پیری نے ان دنوں تمام وقت شہزادہ ویسلے کے گھر میں جہاں وہ قیام پذیر تھا، بسر کرنا شروع کر دیا تھا اور ایلین کے سامنے خاصی جوشیلی، بیوقوفانہ اور خلاف عقل حرکات کرتا رہتا تھا (جیسا کہ نوجوان عاشق کو کرنا چاہئے) تاہم اس نے ابھی تک شادی کی پیشکش نہیں کی تھی۔

ایک صبح شہزادہ ویسلے نے سرد آہ بھر کر سوچا "اگرچہ سب کچھ ٹھیک ہے مگر اس معاملے کو کسی انجام تک پہنچنا چاہئے" اسے محسوس ہوا کہ اگرچہ پیری اس کے احسانات کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے (خیر چھوڑو، خدا اس کی حفاظت کرے) تاہم اس کے باوجود وہ اس معاملے میں مناسب رویے کا مظاہرہ نہیں کر رہا، جوانی۔۔۔ غیر سنجیدگی۔۔۔ خدا اس کی حفاظت کرے۔ یہ سوچتے ہوئے وہ دل میں اپنی فیاضی پر خوش ہو رہا تھا۔ اس نے سوچا "یہ معاملہ ہر صورت میں انجام تک پہنچنا چاہئے۔ پرسوں ایلین کا نام دن ہے، میں کچھ لوگوں کو دعوت پر بلاؤں گا، اگر وہ پھر بھی نہ سمجھا کہ اسے کیا کرنا ہے تو پھر اس معاملے کو میں خود انجام تک پہنچاؤں گا، ہاں، یہ میرا معاملہ ہے۔ میں اس کا باپ ہوں"

ایناپاؤلونا کی محفل کے بعد پیری کی تمام رات پریشانی کے عالم میں جاگتے ہوئے گزری۔ البتہ اس نے یہ فیصلہ کر لیا کہ ایلین کے ساتھ شادی المیے پر منتج ہو گی سوائے اس کی صحبت سے دور رہتے ہوئے یہاں سے چلے جانا چاہئے، تاہم وہ چھ ہفتے تک شہزادہ ویسلے کے ہاں ہی مقیم رہا۔ یہ سوچ کر وہ پریشان ہوتا رہتا تھا کہ ہر گزرتے دن لوگوں کی نگاہوں میں ان کا باہمی رشتہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا جا رہا ہے اور مزید یہ کہ اس نے ماضی میں اپنے ذہن میں اس کے حوالے سے جو باتیں سوچ رکھی تھیں اب ان کی جانب واپسی ناممکن ہے، اور یہ کہ وہ اس سے علیحدگی کا سوچ بھی نہیں سکتا اور اسے اپنی قسمت اس کے ساتھ وابستہ کرنا ہی ہو گی، حالانکہ اس کی چھٹی حس اسے خبردار کر رہی تھی کہ ایسا کرنا نہایت خطرناک ہو گا۔ مسئلہ یہ ہوا کہ شہزادہ ویسلے کے گھر میں (جہاں گزشتہ عرصہ میں شاید ہی کوئی دعوت ہوئی تھی) آئے دن محافل منعقد

ہوتیں اور اسے بامر مجبوری ان میں شرکت کرنا پڑتی، بصورت دیگر اس پر یہ الزام لگایا جاتا کہ وہ دوسروں کی خوشیاں غارت کرنے کا سبب بن رہا ہے۔ اگرچہ شہزادہ ویسلے عموماً گھر میں نہیں ہوتا تھا مگر جب بھی وہ ہوتا تو پیری کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اپنی جانب کھینچتا اور بے دھیانی کے عالم میں اپنا شیو شدہ جھریوں دار گال اس کی جانب بوسے کیلئے بڑھاتے ہوئے کہتا "اچھا، اب کل ملیں گے" یا "شام کو کھانے پر گھر پہنچ جانا ورنہ میں تمہیں نہیں دیکھوں گا" یا "تمہارے لیے آج میں کہیں نہیں جاؤں گا" وغیرہ وغیرہ۔ اور جب بھی وہ (ویسلے کے بقول) پیری کی خاطر گھر میں ٹھہرتا تو اس سے بمشکل چند الفاظ ہی کہتا۔ دوسری جانب پیری کو اسے مایوس کرنا بہت مشکل معلوم ہوتا تھا۔ وہ ہر روز اپنے آپ سے کہتا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ میں ایلین کو اچھی طرح جان جاؤں اور اس کی حقیقت سمجھنے کی کوشش کروں اور یہ دیکھوں کہ آیا میں پہلے غلطی پر تھا یا اب ہوں؟ نہیں، وہ بیوقوف نہیں، سلجھی ہوئی خاتون ہے" بعض اوقات وہ اپنے آپ سے کہتا "وہ کبھی غلط قدم اٹھاتی ہے نہ عاقبت نااندیشانہ بات کہتی ہے۔ وہ کم گو ہے مگر جو کچھ کہتی ہے واضح انداز میں کہتی ہے، اس کے علاوہ وہ ہمیشہ کھری بات کرتی ہے، پھر اسے بیوقوف تو نہیں کہا جا سکتا۔ نہیں، وہ سلجھی ہوئی عورت ہے، بدحواسی اور الجھن کا مظاہرہ نہیں کرتی، پھر وہ خراب عورت کیسے ہو سکتی ہے؟" اکثر اوقات ایسا ہوتا کہ وہ اس کی موجودگی میں باآواز بلند اپنے تاثرات کا اظہار شروع کر دیتا اور وہ ہمیشہ اس کے جواب میں مختصر مگر برموقع بات کر کے اپنے ردعمل کا اظہار کرتی اور ایسا تاثر دیتی کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے اس میں خود اسے کوئی دلچسپی نہیں یا پھر وہ اسے خاموشی سے دیکھتے ہوئے مسکراتی رہتی۔ اس سے پیری کو یوں لگتا جیسے اس نے اپنے اس انداز سے کسی اور شے کی نسبت واضح انداز میں اپنی اہمیت جتلا دی ہے، لہٰذا اگر وہ اپنی مسکراہٹ کے مقابلے میں دیگر تمام باتوں کو فضول سمجھتی ہے تو اس کی یہ سوچ درست ہے۔

وہ ہمیشہ اپنی روشن مسکراہٹ کے ساتھ اس کی جانب متوجہ ہوتی جیسے یہ مسکراہٹ صرف اسی کیلئے ہو اور وہ اسے اپنا راز دان بنا رہی ہو۔ یہ مسکراہٹ دیگر لوگوں کیلئے اس کے چہرے پر بجے تبسم سے زیادہ پرمعنی شے تھی۔ پیری اچھی طرح جانتا تھا کہ ہر شخص اس کی زبان سے ایک لفظ سننے اور اس کی طرف سے ایک حد عبور کئے جانے کا منتظر ہے اور اسے علم تھا کہ جلد وہ یہ حد عبور کر لے گا تاہم اس خوفناک اقدام کے تصور سے ہی اس پر کپکپی طاری ہو جاتی۔ ان چھ ہفتوں میں اسے ہزار مرتبہ یوں محسوس ہوا جیسے وہ تیزی سے اس پاتال کی جانب کھنچا چلا جا رہا ہو۔ اس نے متعدد بار اپنے آپ سے پوچھا کہ "یہ میں کیا کرنے جا رہا ہوں؟ مجھے صرف ایک شے کی ضرورت ہے اور وہ ہے، عزم! یہ مجھ میں ہے یا نہیں؟" اس نے کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش شروع کر دی۔ اسے علم تھا کہ وہ قوت ارادی کا مالک ہے اور اس میں یہ موجود بھی تھی تاہم اسے یوں لگتا تھا جیسے اس معاملے میں وہ قوت ارادی سے محروم ہو گیا ہے اور اس پر اسے بیحد افسوس ہوا۔ پیری کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو خود کو صرف اس وقت طاقتور محسوس کرتے ہیں جب ان کا ضمیر مکمل طور پر پاکیزہ ہو مگر اس دن جب ایناپاؤلونا کی محفل میں وہ نسوار کی ڈبیا پر جھکا تھا اور گناہ کی خواہش نے اس پر غلبہ پا لیا تھا، اس وقت سے اسے غیر شعوری طور پر یہ احساس تنگ کر رہا تھا کہ وہ اپنی اس نفسانی خواہش کے ذریعے گناہ کا مرتکب ہوا ہے اور اسی سوچ نے اس کی قوت ارادی مفلوج کر دی تھی۔

ایلین کے نام دن کے موقع پر شہزادہ ویسلے کے ہاں رات کی محفل کا اہتمام کیا گیا جس میں گنے چنے مہمان بلائے گئے تھے اور اس کی اہلیہ کا کہنا تھا کہ صرف قریبی دوست اور رشتہ دار اس میں شریک ہوں گے۔ ان تمام دوستوں اور رشتہ داروں کو اشاروں میں یہ بات سمجھا دی گئی تھی کہ شہزادی کی قسمت کا فیصلہ اسی شام ہو جائے گا۔ مہمان کھانے کی میز پر بٹھا دیے گئے۔ بھاری بھرکم اور بارعب شخصیت کی مالک شہزادی کوراگن جو کسی دور میں خوبصورت بھی تھی

میزبان کی نشست پر متمکن تھی اور اس کی دائیں بائیں انتہائی معزز مہمان براجمان تھے جن میں ایک معمر جرنیل اور اس کی اہلیہ اور اینا پاؤلونا شامل تھی۔ میز کی دوسری جانب نسبتاً نوجوان اور کم اہم مہمانوں کو جگہ دی گئی تھی اور پیری والین خاندان کے ارکان کی حیثیت سے وہیں ساتھ ساتھ بیٹھے تھے۔ شہزادہ ویسلے نے کھانا نہیں کھایا تھا۔ وہ میز کے ارد گرد چکر لگاتا اور خوشدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کبھی ایک اور کبھی دوسرے مہمان کے پاس بیٹھ جاتا۔ وہ پیری اور ایلین کی موجودگی سے بے خبری کا تاثر دیتے ہوئے دیگر تمام افراد کے ساتھ ہنسی مزاح میں مصروف تھا۔ وہ تقریب کا مرکزی کردار تھا۔ موم بتیاں روشنی بکھیر رہی تھیں اور میز پر چمکدار برتن جگمگا رہے تھے۔ خواتین کے لباس اور مردوں کے سونے اور چاندی کے تمغوں کی چمک بھی نمایاں تھی۔ سرخ لباس میں مصروف نوکر چاکر دبے پاؤں میز کے گرد گھوم رہے تھے۔ چاقوؤں اور برتنوں کے کھنک مختلف لوگوں کی گفتگو میں گھلی ملی جا رہی تھی۔ میز کی ایک جانب ایک معمر مہمان کو اپنے جیسی ایک بوڑھی خاتون سے محبت کا دم بھرتے سنا گیا جو ہنس رہی تھی۔ دوسری جانب ایک شخص کسی ماریا وکتوروونا کی مصیبتوں کی کہانی سنانے میں مصروف تھا۔ درمیان میں شہزادہ ویسلے ہر ایک کی نگاہوں کا مرکز بنا بیٹھا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور عورتوں کو گزشتہ بدھ کو شاہی کونسل کے اجلاس کے بارے میں بتا رہا تھا جس میں پیٹرز برگ کے نئے فوجی گورنر جنرل سرگئی کزمچ ویزمیتنوف نے شہنشاہ الیگزنڈر پاؤلووچ کی جانب سے موصول ہونیوالا شاہی فرمان پڑھا تھا۔ اس فرمان میں کہا گیا تھا کہ شہنشاہ کو سلطنت کے ہر کونے سے وفاداری کے پیغامات موصول ہو رہے ہیں مگر پیٹرز برگ کے شہریوں نے اسے جو صداقت نامہ بھیجا ہے اسے دیکھ کر اسے بطور خاص خوشی ہوئی ہے۔ اسے اس قوم کی سربراہی پر فخر ہے اور اس کی پوری کوشش ہوگی کہ وہ خود کو اس عہدے کا اہل ثابت کرے۔ اس فرمان کی ابتداء ان الفاظ سے ہوتی تھی "سرگئی کزمچ، مجھے ہر جانب سے اطلاعات ملی ہیں۔۔۔ وغیرہ وغیرہ"

ایک خاتون نے پوچھا "تو پھر وہ سرگئی کزمچ سے آگے نہیں بڑھا ہوگا؟"

شہزادہ ویسلے نے ہنستے ہوئے جواب دیا "نہیں نہیں، بالکل نہیں" سرگئی کزمچ۔۔۔ ہر جانب سے" "ہر جانب سے۔۔۔ سرگئی کزمچ۔۔۔" بیچارا ویزمیتنوف آگے نہ بڑھ سکا۔ اس نے متعدد مرتبہ دوبارہ پڑھنے کی کوشش کی مگر جب بھی وہ "سرگئی" کہتا تو ناک سڑکنے لگتا" کز۔۔۔ مچ۔۔۔ آنسو۔۔۔ اور "تمام جانب سے" اس کی سسکیاں شروع ہو جاتیں اور وہ آگے نہ بڑھ پاتا۔ پھر وہ دوبارہ رومال نکال لیتا اور کہتا "سرگئی کزمچ، ہر جانب سے" اور پھر اس کے آنسو بہنا شروع ہو جاتے۔۔۔ پھر کسی اور شخص سے پیغام پڑھ کر سنانے کی درخواست کی گئی"

کسی نے ہنستے ہوئے دہرایا "کزمچ۔۔۔ تمام جانب سے۔۔۔ اور آنسو۔۔۔"

میز کے دوسرے سرے سے اینا پاؤلونا دھمکی آمیز انداز میں انگلی لہراتے ہوئے بولی "شرارتیں مت کرو، ویزمیتنوف بیحد قابل قدر، اچھے اور شاندار انسان ہیں"

ہر شخص ہنس دیا۔ یوں لگتا تھا جیسے میزبان کی کرسی کے قریب بیٹھے مہمان نہایت خوش ہیں اور ہر ایک دل لگی کرنا چاہتا ہے۔ صرف پیری اور ایلین میز کے آخری سرے پر ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ خاموش بیٹھے تھے۔ دونوں کے چہرے دبی دبی مسکراہٹ سے روشن تھے۔ اس تبسم کا سرگئی کزمچ سے کوئی واسطہ نہ تھا بلکہ یہ اس امر کا اظہار تھی کہ دونوں شرمیلے ہونے کے باعث اپنے جذبات کا کھل کر اظہار نہیں کر پاتے۔ دیگر لوگ خواہ کتنی ہی گفتگو کریں، ہنسیں، ایک دوسرے سے ہنسی مزاح کریں، اعلیٰ قسم کی رہائن شراب پیتے، بھنا گوشت کھاتے اور انواع و اقسام کی آئسکریم سے لطف اندوز ہوتے رہیں اور نوجوان جوڑے سے نظریں چرا کر یوں ظاہر کریں جیسے انہیں دیکھا ہی نہیں مگر

کبھی کبھار نگاہیں گھوم کر ان پر پڑتیں تو صاف ظاہر ہوتا تھا کہ سرگئی کزمچ کی کہانی، ہنسی مزاح اور یہ کھانا پینا سب بہانہ ہے اور دراصل تقریب میں موجود ہر شخص کا مرکز نگاہ یہی جوڑا یعنی ایلین اور پیری ہیں۔ شہزادہ ویسلے سرگئی کزمچ کے رونے کی نقل اتارتا رہا مگر اس کی نگاہیں بار بار اپنی بیٹی پر جا پڑتیں اور جب وہ ہنستا تو اس کے چہرے سے یوں ظاہر ہوتا تھا جیسے کہہ رہا ہو "فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں، تمام معاملہ ٹھیک ٹھاک ہے اور آج رات حتمی فیصلہ ہو جائے گا" اینا پاؤلونا نے ملامت آمیز انداز میں اس کی جانب انگلی لہرائی تھی کہ اس نے عمدہ اور اچھے انسان ویزمیتنوف کا مذاق اڑایا تھا مگر یہ صرف ظاہری اشارہ تھا۔ شہزادہ ویسلے نے پیری پر بھی اس کی نظروں میں اپنے ہونے والے داماد پیری اور اپنی بیٹی کی خوشیوں پر مبارکباد کا پیغام پڑھ لیا تھا۔ بڑی شہزادی کوراگن نے اپنے ساتھ والی کرسی پر براجمان خاتون کو شراب پیش کرتے ہوئے آہ بھری اور غصیلی نگاہ سے اپنی بیٹی کی جانب دیکھا۔ اس کی آہ یہ کہتی محسوس ہوتی تھی "میری پیاری، اب میرے اور تمہارے لیے کچھ باقی نہیں رہا۔ بس شراب سے لطف اندوز ہوتے رہیں۔ اب ان نوجوانوں کی باری ہے کہ وہ سرعام اور اشتعال انگیز انداز میں اپنی خوشیوں کا اظہار کریں!" ایک سفارتکار نے پیار کرنے والوں کے خوشیوں بھرے چہروں کی جانب سرسری انداز میں دیکھتے ہوئے سوچا" اور میں یہ فضول باتیں کیوں کر رہا ہوں، جیسے مجھے اس میں بیحد دلچسپی ہو، خوشی تو وہ ہے!"

جن چھوٹی چھوٹی، بے معنی اور مصنوعی دلچسپیوں نے محفل کو یکجا کر دیا تھا ان کے درمیان کشش کے سادہ جذبے نے راستہ بنا لیا تھا جو دو خوبصورت اور صحتمند نوجوان ایک دوسرے کیلئے محسوس کر رہے تھے۔ یہ انسانی جذبہ ہر دوسرے شے پر بھاری تھا اور ان کی تمام مصنوعی گفتگو کو شکست دے چکا تھا۔ چٹ پٹی باتیں اور لطائف کھوکھلے ہو گئے اور نت نئی خبریں بے مزہ ہو گئیں۔ مہمانوں کے ساتھ ساتھ نوکروں چاکروں کو بھی یہی محسوس ہو رہا تھا۔ بیرے جب خوبصورت ایلین اور اس کے روشن چہرے کو دیکھتے یا ان کی نگاہیں پیری کے چوڑے چکلے، سرخ، خوبصورت اور نسبتاً بے چین خدوخال پر پڑتیں تو وہ اپنے فرائض بھول جاتے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے روشنیاں ان کے مطمئن اور خوشی سے بھرپور چہروں پر مرکوز ہو گئی ہیں۔

پیری کو علم تھا کہ ان تمام معاملات کا مرکز اسی کی ذات ہے اور اسے اپنے اس مقام پر خوشی کے ساتھ ساتھ شرمندگی بھی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کا حال کچھ ایسا تھا جیسے کوئی شخص کسی کام میں حد درجہ مصروف ہو۔ اسے کوئی بات واضح سنائی دیتی تھی نہ کوئی شے دکھائی دے رہی تھی۔ محض کبھی کبھار حقیقی دنیا سے کچھ الجھے ہوئے خیالات اچانک اور غیر متوقع طور پر اس کے ذہن میں گھس آتے۔

اس نے سوچا "تو پھر معاملہ ختم ہو گیا! مگر یہ کیسے ہوا! اور وہ بھی اتنا جلد، اب میں جان گیا ہوں کہ اس کے لیے نہ میرے لیے بلکہ ہر شخص کی خاطر ایسا ہر صورت ہو جانا چاہیے۔ یہ تمام لوگ اسی کی امید لگائے بیٹھے ہیں۔ یہ تمام لوگ ایسا ہونے کے بارے میں اس قدر پر اعتماد ہیں کہ میں انہیں مایوس نہیں کر سکتا" پیری نے اپنی نگاہوں کے سامنے جگمگاتے شانوں کو دیکھتے ہوئے سوچا "مگر یہ کیسے ہوگا؟ میں نہیں جانتا مگر ایسا ضرور ہوگا"

تب اچانک اسے شرمندگی ہونے لگی۔ اسے یہ سوچ کر عجیب سا محسوس ہوا کہ سب اس کی جانب دیکھ رہے ہیں اور اسے خوش قسمت تصور کرتے ہیں حالانکہ وہ معمولی شکل وصورت کا مالک ہے جبکہ وہ اسے پیرس سمجھ رہے ہیں جو ہیلن کے قبضے میں ہے" پھر اس نے سوچا "شاید ہمیشہ ایسا ہی ہوتا آیا ہے اور ایسا ہی ہونا چاہیے" پھر اس نے اپنے آپ کو تسلی دینے کی کوشش کرتے ہوئے سوچا "مگر میں نے کیا کیا تھا کہ ایسا ہو گیا؟ اس کا آغاز کب ہوا؟ میں ماسکو سے یہاں شہزادہ ویسلے کے

ساتھ آیا تھا اس وقت تک تو ایسی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ اس کے بعد میں نے اس کے گھر میں رہنا شروع کر دیا۔ بظاہر کوئی وجہ نہ تھی کہ میں اس کے گھر میں نہ ٹھہرتا۔ پھر میں ایلین کے ساتھ تاش کھیلتا رہا اس کا پرس تھامے اس کے ساتھ گاڑی میں باہر جاتا رہا اس کا آغاز کب ہوا؟ یہ کیسے ہو گیا؟ اور یہاں میں اس کے منگیتر کی حیثیت سے اس کے ساتھ بیٹھا ہوں اور اس کی قربت، اس کی سانسیں، حرکات وسکنات نیز حسن کو دیکھ اور محسوس کر رہا ہوں" پھر اچانک اسے یوں لگا جیسے غیر معمولی حسین ایلین نہیں بلکہ وہ خود ہے اور اسی وجہ سے ہر ایک کی نگاہیں اس پر جمی ہیں، اس ہمہ گیر تعریف نے اس کا دل خوش کر دیا اور سیدھا تن کر بیٹھ گیا، اس نے اپنی گردن اوپر اٹھائی اور اپنی خوش قسمتی بارے سوچ کر اس کے دل میں پھلجھڑیاں سی چھوٹنے لگیں۔ اسی دوران اسے اچانک ایک جانی پہچانی آواز سنائی دی جو اسے دوسری مرتبہ مخاطب کر رہی تھی۔

مگر پیری اپنی سوچوں میں اس قدر کھویا ہوا تھا کہ اسے کچھ معلوم نہ ہو سکا کہ اس سے کیا کہا جا رہا ہے۔

شہزادہ ویسلے نے اپنا سوال تیسری مرتبہ دہراتے ہوئے کہا" میں تم سے پوچھ رہا ہوں کہ تمہیں بلکونسکی کا آخری خط کب ملا تھا؟ میرے عزیز، تم کس قدر غائب دماغ ہو" یہ کہہ کر شہزادہ ویسلے مسکرانے لگا اور پیری نے دیکھا کہ ہر شخص اس کی اور ایلین کی جانب دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

پیری نے خود کلامی کرتے ہوئے کہا" ٹھیک ہے، اس سے کیا ہوتا ہے، آپ پہلے ہی سب کچھ جانتے ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے" ویسلے کی بات سن کر وہ شریفانہ اور بچگانہ انداز سے مسکرا دیا اور ایلین بھی کے چہرے پر بھی مسکراہٹ در آئی۔

شہزادہ ویسلے نے ایک مرتبہ پھر پوچھا" تمہیں یہ خط کب موصول ہوا تھا؟ کیا یہ اول موٹس سے آیا تھا؟" اس کا انداز ایسا تھا جیسے کوئی جھگڑا چکانا چاہتا ہو۔

پیری نے بے یقینی کے عالم میں سوچا" لوگ اس قسم کی معمولی باتیں کیوں سوچتے اور کرتے ہیں" اور پھر آہ بھر کر جواب دیا" جی ہاں، اول موٹس سے"

کھانے کے بعد پیری اور اس کی ساتھی دوسروں کے پیچھے پیچھے ڈرائنگ روم میں چلے گئے۔ مہمان رخصت ہونے لگے۔ بعض نے جاتے وقت ایلین کو خدا حافظ بھی نہ کہا۔ کچھ لوگ اس کے پاس تو ضرور آئے مگر انہیں یہ فکر لاحق تھی کہ کہیں ان کی بدولت اس کی توجہ سنجیدہ امور سے ہٹ نہ جائے اور یہ سوچ کر وہ اس کے پاس صرف چند لمحات ٹھہرے۔ پھر انہوں نے اجازت چاہی اور اسے خود کو رخصت کرنے کا موقع بھی نہ دیا اور تیزی سے گھروں کو روانہ ہو گئے۔ سفارتکار خاموشی سے غمزدہ انداز میں باہر نکل گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ پیری کی خوشی کے مقابلے میں اس کی ملازمت فضول شے ہے۔ معمر جرنیل کی بیوی نے جب اس سے پوچھا کہ" اب آپ کی ٹانگ کا کیا حال ہے؟" تو وہ غصے میں آ گیا اور بڑبڑاتے ہوئے سوچنے لگا" یہ بوڑھی بھی کس قدر بیوقوف ہے" پھر اس نے سوچا" ایلینا وسلویا کو دیکھو، پچاس برس کی عمر میں بھی خوبصورت ہو گی"

اینا پاؤلوتا نے گرمجوشی سے شہزادی کورا گن کا منہ چومتے ہوئے سرگوشی کے سے انداز میں کہا" میں سمجھتی ہوں کہ مجھے تمہیں مبارکباد دے ہی دینی چاہئے، اگر میرے سر میں درد نہ ہوتا تو میں مزید کچھ دیر رک جاتی" شہزادی نے کوئی جواب نہ دیا" اپنی بیٹی کو یوں خوش دیکھ کر اسے بیحد اذیت پہنچ رہی تھی"

مہمان رخصت ہو رہے تھے تو پیری ایلین کے ساتھ کافی دیر تک چھوٹے ڈرائنگ روم میں تنہا بیٹھا رہا۔ گزشتہ چھ ہفتوں میں وہ اکثر تنہا ہوتے تھے مگر اس نے کبھی ایلین سے محبت کا اظہار نہیں کیا تھا۔ اب اسے محسوس ہوا کہ ایسا کرنا اس

کا فرض ہے تاہم وہ یہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ یہ آخری قدم کیسے اٹھایا جائے۔ اسے شرمندگی ہونے لگی کہ وہ ایلین کے ساتھ لگ کر کیوں بیٹھا ہے۔ اس کے دل سے آواز آئی" اس کے پہلو میں بیٹھنے کے حقدار تم نہیں کوئی اور ہے۔ یہ خوشی تمہارے لیے نہیں بلکہ ان لوگوں کیلئے ہے جن کے دلوں میں وہ نہیں جو تمہارے دل میں ہے" تاہم اسے کچھ نہ کچھ کہنا ہی تھا سو اس نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا" آج کی شام کیسی رہی؟ مزہ آیا؟" اس نے حسب عادت سادگی سے جواب دیا" یہ تمام دن میری زندگی کے خوشگوار ترین دنوں میں سے ایک ہے"

بعض انتہائی قریبی رشتہ دار ابھی رخصت نہیں ہوئے تھے۔ وہ بڑے ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے۔ شہزادہ ویسلے مردہ چال سے پیری کے پاس پہنچا۔ پیری اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا" کافی دیر ہو گئی ہے" شہزادہ ویسلے نے اسے درشتی سے گھورا اور یوں سوالیہ نظروں سے دیکھا جیسے کہہ رہا ہو" میں نے ابھی جو کچھ سنا تھا اس پر یقین نہیں آ رہا" پھر اس کا رویہ تبدیل ہو گیا اور اس نے پیری کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر محبت آمیز انداز میں مسکراتے ہوئے اسے اپنے ساتھ بٹھا لیا۔

وہ اچانک اپنی بیٹی سے مخاطب ہو کر کہنے لگا" ٹھیک، ایلینا" اس کے لہجے میں وہ لا پرواہ اور فطری ملامت تھی جو بچوں کی کم عمری سے ناز برداری کرتے چلے آنے والے والدین کے لہجے میں فطری طور پر موجود ہوتی ہے۔ تاہم شہزادہ ویسلے نے یہ لہجہ محض دوسرے والدین کی نقل کرتے ہوئے اپنایا تھا۔

پھر وہ دوبارہ پیری کی جانب متوجہ ہوا اور اپنی واسکٹ کے اوپر والے بٹن کھولتے ہوئے بولا" سرگئی کزیچ، تمام اطراف سے" پیری مسکرا دیا مگر اس کے تبسم سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ جانتا ہے شہزادہ ویسلے کو فی الوقت سرگئی کزیچ کے واقعے میں کوئی دلچسپی نہیں اور ویسلے کو اندازہ ہو گیا کہ پیری بات کی تہہ تک پہنچ گیا ہے۔ اچانک وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑایا اور وہاں سے چل دیا۔ پیری کو اندازہ ہوا کہ شہزادہ ویسلے بھی حواس باختہ ہے۔ پیری نے اس بوڑھے دنیادار کو یوں پریشان ہوتے دیکھا تو اس کا دل بھر آیا۔ اس نے ایلین کی طرف دیکھا۔۔۔ وہ بھی حواس باختہ دکھائی دی اور اس کی شکل سے یہ ظاہر ہو رہا تھا جیسے کہہ رہی ہو" ہاں، سارا قصور تمہارا ہی ہے"

پیری نے سوچا" اب یہ حد عبور کرنا ضروری ہو گیا ہے مگر کیسے عبور کروں؟ مجھ میں تو اس کا حوصلہ ہی نہیں" اس نے دوبارہ غیر متعلقہ موضوعات پر گفتگو شروع کر دی اور پوچھنے لگا" یہ سرگئی کزیچ کا کیا واقعہ ہے، میں اچھی طرح سن نہیں پایا تھا" ایلین نے مسکرا کر جواب دیا" میں نے بھی ٹھیک طرح نہیں سنا"

جب شہزادہ ویسلے دوبارہ ڈرائنگ روم میں آیا تو اس کی اہلیہ ایک بوڑھی خاتون کیساتھ پیری کے بارے میں زیر لب گفتگو کر رہی تھی۔

وہ اپنی ساتھی خاتون سے کہہ رہی تھی" میری جان، رشتہ تو بہت اچھا مگر جہاں تک خوشی کا تعلق ہے۔۔۔"

بوڑھی خاتون نے جواب دیا" رشتے تو آسمانوں پر بنتے ہیں"

شہزادہ ویسلے کمرے میں آیا اور دور ایک کونے میں صوفے پر بیٹھ گیا۔ وہ یوں ظاہر کر رہا تھا جیسے اسے عورتوں کی باتیں سنائی ہی نہ دی ہوں۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور یوں لگتا تھا جیسے اسے نیند آ گئی ہو۔ اس کا سر ڈھلکانے ہی لگا تھا کہ اس نے آنکھیں کھول دیں اور اپنی بیوی سے کہا" آلائن! جاؤ اور دیکھو کہ وہ کیا کر رہے ہیں"

شہزادی دروازے کے قریب گئی۔ اس کی چال میں لاپرواہی مگر وقار تھا۔ اس نے چھوٹے ڈرائنگ روم میں جھانک کر دیکھا۔ پیری اور ایلین پہلے کی طرح بیٹھے محو گفتگو تھے۔

اس نے اپنے شوہر کو جواب دیا" وہی جو پہلے کر رہے تھے"

شہزادہ ویسلے کی بھنویں تن گئیں۔اس کا منہ ایک جانب جھکا ہوا تھا اور گال پھڑک رہے تھے۔اسی دوران اس کے چہرے پر وہی بدنما تاثر ابھر آیا جو اسی کا خاصہ تھا۔اس نے اپنے جسم کو ہلایا جلایا اور پرعزم چال چلتا خواتین سے آگے نکل کر چھوٹے ڈرائنگ روم میں داخل ہو گیا۔وہ خوشی کے عالم میں تیزی سے پیری کے پاس پہنچا۔پیری نے اس کے چہرے پر غیر معمولی خوشی دیکھی تو اس کا دل ڈوبنے لگا اور وہ خوفزدہ ہو کر کھڑا ہو گیا۔

ویسلے نے کہا" خدا کا شکر ہے،بیگم نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنا ایک بازو پیری اور دوسرا اپنی بیٹی کی کمر کے گرد حمائل کر دیا اور بات جاری رکھتے ہوئے کہا" میرے عزیز! ایلن! میں بہت،بہت خوش ہوں" اس کی آواز بھرا گئی،وہ کہنے لگا" مجھے تمہارے والد سے بیحد محبت تھی۔۔۔اور یہ تمہارے لیے بہت اچھی بیوی ثابت ہوگی۔۔۔خدا تم پر برکتیں نچھاور کرے" بات مکمل کرنے کے بعد اس نے اپنی بیٹی کو گلے لگا لیا اور پھر پیری سے بغلگیر ہونے کے بعد اپنے بوڑھے ہونٹوں سے اس کے رخسار چوم لیے۔ویسلے کے گال سچ مچ کے آنسوؤں سے بھیگ گئے۔اس نے اپنی اہلیہ کو آواز دی" شہزادی،یہاں آؤ"

شہزادی بھی اندر آگئی اور اس کی آنکھوں سے بھی آنسو رواں ہو گئے۔بوڑھی خاتون نے آنکھوں پر رومال رکھ لیا۔انہوں نے پیری کے بوسے لیے اور پیری بار بار ایلن کے ہاتھ چومنے لگا۔کچھ دیر بعد انہیں دوبارہ اکیلا چھوڑ دیا گیا۔

پیری نے سوچا" یہ سب کچھ ہونا ہی تھا،اس کے علاوہ کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔لہٰذا یہ سوچنا بیکار ہوگا کہ اچھا ہوا یا برا؟ اہم بات یہ ہے کہ معاملہ واضح ہو گیا اور مجھے پریشان کرنے والے خیالات رفع ہو گئے ہیں" پھر وہ ایلن کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر خاموشی سے اس کے خوشنما سینے کو دیکھنے لگا جو سانس لینے سے اوپر نیچے ہو رہا تھا"

اس نے با آواز بلند کہا" ایلن!" اور ٹھہر گیا۔اس نے سوچا" ایسے مواقع پر ہمیشہ کوئی خاص بات کہی جاتی ہے" مگر کوشش کے باوجود اسے یاد نہ آیا کہ کیا بات کہنی چاہیے۔اس نے ایلن کی جانب دیکھا اور وہ جھک کر اس کے اور قریب ہو گئی۔اس کا چہرہ گلاب کی طرح سرخ ہو رہا تھا۔

وہ اس کی عینک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی" اسے اتار دو۔۔۔اسے۔۔۔"

پیری نے عینک اتار دی۔لوگ عینک اتاریں تو ان کی آنکھیں عجیب سی نظر آتی ہیں۔پیری نے عینک اتاری تو اس کی آنکھیں عجیب کے ساتھ ساتھ خوفزدہ اور کچھ پوچھتی بھی دکھائی دے رہی تھیں۔وہ نیچے جھک کر اس کے ہاتھ کا بوسہ لینا چاہتا تھا مگر اس نے تیزی سے سر کو حرکت دی اور اس کے ہونٹوں پر اپنے ہونٹ ثبت کر دیے۔اس موقع پر اس کے چہرے کی بدہیئتی دیکھ کر پیری کو جھٹکا سا لگا۔

پیری نے سوچا" اب بہت دیر ہو چکی ہے،کچھ نہیں ہو سکتا،اس کے ساتھ ساتھ مجھے اس سے محبت بھی تو ہے"

وہ بولا" میں تم سے محبت کرتا ہوں" اسے اچانک یاد آ گیا تھا کہ ایسے مواقع پر کیا کہا جاتا ہے۔مگر اسے یہ الفاظ اس قدر نامکمل محسوس ہوئے کہ وہ شرمندہ سا ہو گیا۔

چھ ماہ بعد اس کی شادی ہو گئی اور وہ پیٹرز برگ میں نواب بیزوخوف کے نئے تزئین شدہ محل میں منتقل ہو گیا۔لوگوں کا کہنا تھا کہ وہ بیحد خوش قسمت ہے کہ خوبصورت بیوی اور بے حساب مال و دولت کا مالک ہے۔

(3)

دسمبر 1805 میں معمر شہزادے نکولائی آندریچ بلکونسکی کو شہزادہ ویسلے کا خط ملا جس میں اس نے اطلاع دی تھی

کہ وہ اپنے بیٹے کے ساتھ اس سے ملنے آ رہا ہے۔شہزادہ ویسلے نے خط میں لکھا تھا" میرے قابل احترام محسن! میں معائنے کے سلسلے میں دورے پر روانہ ہو رہا ہوں۔مجھے خاصا دور تو جانا پڑے گا مگر خوشی ہے کہ آپ سے ملاقات ہو جائے گی۔میرا بیٹا اناطول میرے ساتھ ہوگا جو فوج میں واپس جا رہا ہے۔اس کے دل میں آپ کی ذات کے حوالے سے جو ادب و احترام ہے وہ کسی طرح اپنے والد سے کم نہیں۔مجھے امید ہے کہ آپ اسے اس کا اظہار کرنے کی اجازت عنایت کریں گے"

خبر سن کر شہزادی لیزا سوچے سمجھے بغیر بولی" میرا خیال ہے کہ میری کو مخلوط محافل میں لے جانے کی ضرورت نہیں،رشتے خود بخود آ رہے ہیں" یہ بات سن کر نکولائی آندریچ کے چہرے پر غصہ طاری ہو گیا مگر اس نے منہ سے کچھ نہ کہا۔

خط ملنے کے دو ہفتے بعد شہزادہ ویسلے کے ملازمین اس سے ایک روز پہلے ہی پہنچ گئے اور اس سے اگلے روز وہ خود بھی اپنے بیٹے کے ساتھ آ گیا۔

معمر بلکونسکی شہزادہ ویسلے کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتا تھا۔اور خصوصاً ماضی قریب میں زار پاول اور الیگزینڈر کے دور میں ویسلے کو بلند مرتبے اور اعزاز حاصل ہوئے ان کی بدولت اس کی بدگمانی مزید بڑھ گئی تھی۔خط میں ڈھکے چھپے الفاظ میں جو اشارے تھے اور جن کا لیزا نے برملا اظہار کیا تھا انہیں پڑھ کر وہ چوکنا ہو گیا اور اس کی آمد کا مقصد سمجھ گیا۔ویسلے کے بارے میں اس کی رائے پہلے بھی اچھی نہ تھی اور اب وہ مخالفت پر مبنی نفرت میں بدل گئی۔لہٰذا جب بھی وہ اس کا ذکر کرتا تو اس کی ناک پھڑکنے لگتی اور وہ غصے کے مارے اس کے منہ سے عجیب و غریب آوازیں برآمد ہونے لگتیں۔جس روز ویسلے کی آمد کا امکان تھا،اس دن معمر شہزادے کا مزاج خاص طور پر برہم تھا اور وہ غصے میں غرا رہا تھا۔وہ شہزادہ ویسلے کی آمد پر جھلایا ہوا تھا یا کسی اور بات نے اس کا مزاج بگاڑا تاہم وہ غصے میں ضرور تھا اور اس صبح تخمن نے ماہر تعمیرات کو مشورہ دیا تھا کہ وہ شہزادے کی خدمت میں رپورٹ پیش کرنے کی غلطی نہ کرے۔

تخمن نے ماہر تعمیرات کی توجہ شہزادے کے پاؤں کی چاپ کی جانب دلاتے ہوئے کہا" سن رہے ہیں ناں وہ کیسے چل رہے ہیں؟ ان کی ایڑھی کیسے نیچے پڑ رہی ہے۔۔۔ہم جانتے ہیں ایسا کیوں ہوتا ہے۔۔۔"

تاہم معمر شہزادے نے نو بجے اپنی ٹوپی اور سموری استر والا سیاہ کوٹ پہنا اور سیر کیلئے نکل گیا۔گزشتہ روز برفباری ہوئی تھی اور جس پگڈنڈی کے ساتھ ساتھ شہزادہ نکولائی آندریچ بلکونسکی پودگھر کی جانب جاتا تھا اس کی صفائی کر دی گئی تھی اور برف میں کہیں کہیں جھاڑو پھرنے کے نشان دکھائی دے رہے تھے۔ایک جگہ جہاں برف کا کنارہ نیچے ڈھلک گیا تھا بیلچہ جوں کا توں پھنسا ہوا تھا۔ان کناروں نے پگڈنڈی کی دونوں جانب حد بندی کر رکھی تھی۔شہزادہ پودگھروں،نوکروں کے مکانات،اور بیرونی عمارات کے درمیان چلتا رہا۔وہ خاموش تھا اور اس کی پیشانی پر شکنیں پڑی ہوئی تھیں۔

اس نے اپنے نگران سے جو گھر کو واپسی کے دوران اس کے ساتھ تھا،پوچھا" کیا یہاں سے برف گاڑی گزر سکتی ہے؟" یہ نگران اس سے مشابہت رکھتا تھا اور شکل و صورت سے معزز دکھائی دیتا تھا۔

اس نے جواب دیا" جناب عالی! برف کافی گہری ہے اور میں نے سایہ دار سڑک کی صفائی کرانے کا حکم دے دیا ہے"

نکولائی نے اپنا سر ہلایا اور آگے بڑھ گیا۔نگران نے سوچا" خدا کا شکر ہے کہ طوفان گزر گیا"

اس نے مزید کہا" جناب عالی! گاڑی پر گزرنا مشکل ہوگا، جناب عالی! سنا ہے کوئی وزیر آپ سے ملاقات کیلئے آرہے ہیں۔ شہزادہ نگران کی جانب مڑا اور اس کی جانب غصیلی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا" کیا؟ وزیر؟ کون وزیر؟ تمہیں یہ حکم کس نے دیا تھا؟" وہ دھاڑتے ہوئے بولا" تم میری بیٹی شہزادی کیلئے تو سڑکیں صاف نہیں کراتے مگر وزیر کیلئے کراتے ہو۔ میں کسی وزیر کو نہیں جانتا!

سٹیوارڈ بولا" جناب عالی! میں سمجھا۔۔۔"

نکولائی چلایا" تم سمجھے، تم سمجھے۔۔۔ چور اچکو!۔۔۔ میں تمہیں سمجھادوں گا" یہ کہ کر اس نے اپنی چھڑی گھمائی اور اگر نگران الفاج جلدی سے ایک طرف نہ ہو جاتا تو یہ اس کے سر پر جا لگتی۔

الفاج نے چھڑی سے بچنے کیلئے جو بیباکی دکھائی تھی اس پر وہ نہایت شرمندہ تھا، چنانچہ وہ نکولائی کے قریب آیا اور اپنا گنجا سر اس کے سامنے جھکا دیا۔ نکولائی کو شاید اس کی یہی بات پسند آگئی۔ وہ منہ سے تو "چور اچکو! سڑک پر دوبارہ برف بچھادو" کہتا رہا مگر اس نے اپنی چھڑی دوبارہ اوپر نہ اٹھائی اور تیزی سے مکان میں داخل ہو گیا۔

شہزادی ماریا اور مادموزیل بوریں کو علم تھا کہ آج نکولائی کا مزاج بہت برہم ہے تاہم اس کے باوجود انہوں نے شام کے کھانے سے پہلے اس کا انتظار کرنا مناسب خیال کیا۔ مادموزیل کے چہرے پر بے نیازی اور شگفتگی کا تاثر تھا جیسے کہہ رہی ہو" میں کچھ نہیں جانتی اور ویسی ہی ہوں جیسی پہلے ہوتی ہوں" شہزادی ماریا کا رنگ فق تھا اور اس کے دل پر خوف طاری ہو رہا تھا۔ اس نے اپنی نظریں نیچے جھکا رکھی تھیں۔ شہزادی ماریا جانتی تھی کہ ایسے موقع پر اسے مادموزیل کا سا رویہ اختیار کرنا چاہئے مگر وہ ایسا نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے سوچا" اگر میں جھوٹ موٹ یہ ظاہر کروں کہ مجھے ان کے موڈ کی خرابی کا علم نہیں تو وہ سمجھیں گے کہ میں ان سے ہمدردی نہیں رکھتی۔ پھر اس کے ذہن میں خیال آیا" اگر میں خود پر ایسا رویہ طاری کرلوں جیسے خود میرا مزاج درست نہیں تو وہ کہیں گے (جیسا کہ وہ اکثر کہتے ہیں) کہ میں بلاوجہ منہ بنائے پھر رہی ہوں۔

نکولائی نے اپنی بیٹی کے گھبرائے ہوئے چہرے پر نگاہ ڈالی اور غصہ سے اس کی ناک پھڑکنے لگی" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑایا" بیوقوف" اس نے سوچا" اور وہ دوسری کدھر ہے؟ یہاں پہلے ہی سرگوشیاں ہو رہی ہیں" اسے کمرے میں شہزادی لیزا دکھائی نہ دی تو اس نے پوچھا" شہزادی لیزا کہاں ہے؟ کہیں چھپ گئی ہے؟"

مادموزیل نے بھرپور انداز میں مسکراتے ہوئے کہا" ان کی طبیعت خراب ہے۔ وہ آج نہیں آپائیں گی، ان کی حالت کو دیکھتے ہوئے ایسی ہی توقع تھی"

نکولائی بڑبڑایا" ہونہہ! نہہ!" اور کرسی پر بیٹھ گیا۔ اسے یوں لگا جیسے اس کی پلیٹ صاف نہیں ہے۔ اس نے ایک دھبے کی طرف اشارہ کیا اور پلیٹ اٹھا کر پرے پھینک دی۔ تاہم تخن نے اسے راستے ہی میں پکڑ لیا اور خانساماں کے حوالے کر دی۔ لیزا کی طبیعت خراب نہیں تھی مگر اسے نکولائی سے بیحد ڈر لگتا تھا۔ جب اس نے سنا کہ ان کا موڈ ٹھیک نہیں تو اس نے کھانے پر نہ آنے کا فیصلہ کیا۔

اس نے مادموزیل بوریں سے کہا" مجھے اپنے بچے کی بیحد فکر ہے، نہ جانے اس خوف کا یہ نتیجہ سامنے آئے"

درحقیقت بلیک ہلز میں چھوٹی شہزادی لیزا اپنے سسر سے مسلسل خوفزدہ رہتی۔ وہ اس سے ڈرنے کے ساتھ ساتھ نفرت بھی کرتی تھی مگر ڈر اس کے حواس پر کچھ اس طرح چھایا ہوا تھا کہ اسے خود بھی احساس نہ ہو سکا کہ وہ اسے پسند نہیں کرتی۔ نکولائی اس ناپسندیدگی کے ردعمل میں بھی ناپسندیدگی کا اظہار کرتا تھا مگر یہ نفرت تلے چھپی رہتی تھی۔ لیزا جوں

جوں بلیک ہلز کی زندگی سے مانوس ہوتی گئی توں توں وہ مادموزیل بوریں کی شخصیت کو پسند کرنے لگی۔ وہ تمام دن اس کے ساتھ بسر کرتی اور رات کو اسے اپنے کمرے میں سونے کی درخواست کرتی اور اکثر اس سے اپنے سسر کی باتیں کرتی اور اسے تنقید کا نشانہ بناتی۔

مادموزیل نے اپنی گلابی انگلیوں سے نیپکن کھولتے ہوئے کہا" محترم! آج ہمارے ہاں مہمان آرہے ہیں" پھر وہ سوالیہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہنے لگی" جناب کوراگن اور ان کا بیٹا؟"

نکولائی نے غصہ سے جواب دیا" ہونہہ!۔۔۔ یہ جناب کتے کا بچہ ہے۔ اسے پہلی ملازمت میں نے ہی دلوائی تھی" پھر وہ بولا" اور اس کا بیٹا یہاں کیوں آرہا ہے، مجھے تو اس کی کوئی وجہ سمجھ نہیں آتی۔ شہزادی لیزا کارلوونا اور ماریا کو اس بارے میں کوئی خبر ہو تو ہو، میں نہیں جانتا کہ وہ اپنے بیٹے کو یہاں کیوں لا رہا ہے، میں نہیں چاہتا کہ وہ یہاں آئے" پھر اس نے اپنی بیٹی کی جانب دیکھا جس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور اسے کہا" تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟ کہیں تم نے خود پر اس وزیر کا رعب تو طاری نہیں کر لیا جسے آج صبح اس کوڑھ مغز الفاج نے اسی نام سے پکارا تھا"

ماریا بولی" نہیں اباجان"

مادموزیل بوریں نے جو موضوع گفتگو چنا تھا اس پر بات چیت میں ناکامی کے باوجود اس نے حوصلہ نہ ہارا اور پودگھروں اور ایک نئے کھلنے والے پھول کی خوبصورتی کے بارے میں بیباکانہ انداز سے باتیں کرتی رہی اور جب نکولائی نے اپنا شوربہ ختم کیا تو اس کا غصہ کافی حد تک کافور ہو چکا تھا۔

کھانے کے بعد وہ اپنی بہو سے ملنے چلا گیا۔ چھوٹی شہزادی ایک تپائی کے سامنے بیٹھی اپنی خادمہ ماشا سے باتیں کر رہی تھی۔ سسر کو دیکھ کر اس کا رنگ اڑ گیا۔

وہ پہلے کی نسبت کافی تبدیل ہو چکی تھی۔ اب وہ خوبصورت نہیں بلکہ بدصورت دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے گال پچک چکے تھے، ہونٹ اکڑ گئے اور آنکھیں اندر دھنس گئی تھیں۔

نکولائی کے استفسار پر اس نے جواب دیا" جی ہاں، طبیعت بوجھل ہے؟"

بوڑھے نے پوچھا" کسی شے کی ضرورت تو نہیں؟"

وہ بولی" نہیں اباجان، شکریہ"

نکولائی نے کہا" ٹھیک ہے، ٹھیک ہے"

وہ باہر نکلا اور استقبالیہ کمرے میں چلا گیا جہاں الفاج سر جھکائے کھڑا تھا۔

اس نے پوچھا" کیا سڑک پر دوبارہ برف ڈال دی ہے؟"

الفاج نے جواباً کہا" جی ہاں، جناب عالی! خدا کیلئے مجھے معاف کر دیں، یہ میری غلطی تھی"

نکولائی نے غیر فطری انداز میں قہقہہ لگاتے ہوئے اس کی بات کاٹی اور کہنے لگا" ٹھیک ہے، ٹھیک ہے" پھر اس نے بوسے کیلئے اپنا ہاتھ الفاج کی جانب بڑھایا اور اپنے کمرے میں چلا گیا۔

شام کے وقت شہزادہ ویسلے پہنچ گیا۔ سایہ دار سڑک پر کوچوانوں اور نوکروں نے اس کا استقبال کیا اور اس کی برف گاڑیاں اس سڑک پر دھکیلتے ہوئے جہاں جان بوجھ کر برف بچھائی گئی تھی، مکان کے ایک پہلو کی جانب لے گئے۔ شہزادہ ویسلے اور اناطول کو علیحدہ علیحدہ رہائشگاہوں میں پہنچا دیا گیا۔

اناطول نے اپنا اوور کوٹ اتارا، دونوں ہاتھ کمر پر رکھے اور بے دھیانی سے مسکراتے ہوئے اپنی خوبصورت آنکھیں میز کے ایک کونے پر جما دیں، جس کے سامنے وہ بیٹھا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ اس کی تمام تر زندگی عیش وعشرت کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے جو کوئی نہ کوئی شخص کسی نہ کسی وجہ سے اسے بہم پہنچانے پر مجبور ہے۔ سو وہ ایک بدمزاج بوڑھے اور بدصورت لڑکی کو جسے وراثت میں ڈھیروں دولت ملنا تھی، سے ملاقات کو بھی اسی طرح دیکھتا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا "ہوسکتا ہے سب کچھ بیحد اچھا اور دلچسپ بھی ثابت ہو، اگر اس کے پاس واقعی دولت کے ڈھیر ہیں تو پھر اس سے شادی میں کیا حرج ہے، دولت گھاٹے کا سودا تو نہیں"

اس نے عمدگی اور توجہ سے شیو کی جو اس کی عادت بن چکی تھی، اپنے جسم پر خوشبو چھڑکی اور چہرے پر مخصوص شگفتگی اور زندہ دلی سجا کر اپنے والد کے کمرے کی جانب چل دیا جو ہر شخص کا دل موہ لیتی تھی۔ دو وردی پوش ملازم شہزادہ ویسلے کو لباس پہننے میں مدد دے رہے تھے جو اپنے اردگرد مختلف اشیاء کو دلچسپی اور اشتیاق سے دیکھ رہا تھا۔ جب اس کا بیٹا کمرے میں داخل ہوا تو اس نے اپنی گردن یوں ہلائی جیسے کہہ رہا ہو "زبردست، میں تمہیں ایسا ہی دیکھنا چاہتا تھا"

اناطول فرانسیسی میں کہنے لگا "ابا جان، مذاق چھوڑیں اور مجھے یہ بتائیں کہ آیا وہ واقعی بیحد بدصورت ہے"

یوں لگتا تھا کہ دوران سفر انہوں نے جس موضوع پر ایک سے زائد مرتبہ گفتگو کی تھی وہی دوبارہ شروع ہو گیا ہے" ویسلے نے بیٹے سے کہا "بیوقوف! اہم بات یہ ہے کہ معمر شہزادے کے ساتھ تم نے احتیاط اور احترام سے گفتگو کرنا ہے"

اناطول بولا "اگر اس نے ناگوار لہجہ اپنایا تو میں چلا جاؤں گا۔ میں ان بوڑھوں سے نہیں نمٹ سکتا، ہونہہ"

ویسلے نے کہا "یاد رکھو تمہارا انحصار اسی پر ہے"

اسی دوران گھر کے زنان خانے میں نہ صرف وزیر اور اس کے بیٹے کی آمد کی اطلاع پہنچ چکی تھی بلکہ دونوں کا حلیہ بھی زیر بحث آچکا تھا۔ شہزادی ماریا اپنے کمرے میں اکیلی بیٹھی گھبراہٹ پر قابو پانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

اس نے شیشے میں اپنی شکل دیکھتے ہوئے خود کلامی کی "انہوں نے خط کیوں لکھا لیزا نے مجھے اس بارے میں کیوں بتایا تھا؟ یہ نہیں ہوسکتا۔ میں ڈرائنگ روم میں کیسے جاؤں گی؟ اگر وہ مجھے پسند بھی آجائے تو پھر بھی میں اس کے ساتھ فطری رویہ اختیار نہیں کر پاؤں گی" والد کی نظروں کا تصور کر کے اس کے دل پر دہشت طاری ہو گئی۔ چھوٹی شہزادی اور مادموزیل بورین کو ملازمہ ماشا کے ذریعے وزیر کے بیٹے کے بارے میں اہم معلومات پہلے ہی حاصل ہو چکی تھیں کہ وہ بیحد خوبصورت ہے، گال گلابی اور بھنویں سیاہ ہیں، باپ بمشکل پاؤں گھسیٹ کر سیڑھیاں چڑھتا ہے جبکہ بیٹا نوجوان باز کی طرح تیز طرار ہے اور تین تین سیڑھیاں ایک وقت میں پھلانگتا چلا جاتا ہے۔ یہ معلومات حاصل ہونے کے بعد چھوٹی شہزادی اور مادموزیل شہزادی ماریا کے کمرے کی جانب چل دیں جسے رہداری سے دونوں کی پر جوش گفتگو پہلے ہی سنائی دے رہی تھی۔

چھوٹی شہزادی بھدے انداز میں چلتی ہوئی اندر آئی اور دھم سے صوفے پر گرتے ہوئے بولی "میری، وہ آگئے ہیں" وہ اب معمول کے ڈھیلے ڈھالے لباس کی بجائے بہترین ملبوس زیب تن کئے ہوئے تھی اور اس نے اپنے بال سنوارنے میں بھی خاصا وقت صرف کیا تھا۔ اس کے چہرے پر زندہ دلی اور شگفتگی عیاں تھی مگر وہ اپنے ڈھیلے ڈھالے اور زرد خد وخال نہیں چھپا پائی تھی۔ اگرچہ اس نے اپنے آپ کو اسی انداز سے سنوارا تھا جو اس کا پیٹرزبرگ کے اونچے طبقے میں وطیرہ تھا مگر اس کی شکل وصورت میں پہلے جیسی کشش باقی نہ رہی تھی۔ دوسری جانب بورین نے اپنے لباس

اور حلیے میں کچھ معمولی تبدیلیاں کیں اور یوں اس کا تروتازہ اور خوبصورت چہرہ مزید دلکش دکھائی دینے لگا۔

شہزادی لیزا کہنے لگی "پیاری، تم ابھی تک ویسے ہی بیٹھی ہو، کچھ ہی دیر میں نوکر اطلاع دینے آجائیں گے کہ مہمان ڈرائنگ روم میں چلے گئے ہیں اور ہمیں بھی کچھ دیر بعد وہیں جانا ہوگا، ادھر تم ہو کہ ابھی لباس بھی نہیں بدلا"

لیزا کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنی ملازمہ کو بلانے کیلئے گھنٹی بجانے کے بعد خوشی کے عالم میں سوچنے لگی کہ شہزادی ماریا کیلئے کون سا لباس مناسب رہے گا اور یہ وہ کیسے پہنے گی۔ شہزادی ماریا کی انا کو اس بات سے ٹھیس پہنچی تھی کہ اپنے رشتے کے امیدوار کی آمد پر وہ بوکھلا چکی ہے اور اس سے بھی زیادہ افسوسناک بات یہ تھی کہ اس کی سہیلیاں سمجھتی ہیں کہ ایسی کیفیت طاری ہونا لازمی ہے۔ اگر وہ انہیں بتاتی کہ اسے اپنے پر اور ان دونوں پر کتنی شرم آرہی ہے تو اس کا مطلب ہوتا کہ وہ اپنی بے چینی کا سرعام اقرار کر رہی ہے۔ اگر اس نے لباس کے معاملے میں ان کی تجاویز رد کیں تو پھر وہ دیر تک اس سے لباس کے معاملے پر اصرار جاری رکھیں گی۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور خوبصورت آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اس کے گالوں پر سرخ نشانات نمودار ہو گئے اور اس نے بورین اور لیزا کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ اس دوران اس کے چہرے پر وہی بدنما تاثر پیدا ہو گیا تھا جو وہ اکثر اپنے اوپر طاری کر لیتی تھی جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا جیسے اس کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا جا رہا۔ دونوں خواتین چاہتی تھیں کہ اس کو کچھ اس طرح بنا سنوار دیا جائے کہ وہ خوبصورت دکھائی دے اور اس معاملے میں وہ قطعی مخلص تھیں۔ وہ اس قدر معمولی شکل وصورت کی مالک تھی کہ انہوں نے یہ سوچا تک نہ تھا کہ وہ ان کی رقیب بھی بن سکتی ہے۔ سو وہ اسے لباس پہنانے میں مصروف ہو گئیں۔ عام خواتین کی طرح ان کا بھی یہی خیال تھا کہ شاید اچھا لباس چہرے کو بھی پرکشش اور خوبصورت بنا سکتا ہے۔

لیزا پیچھے ہٹی اور شہزادی ماریا کا ایک جانب سے جائزہ لیتے ہوئے کہنے لگی "پیاری، یہ لباس تم پر اچھا نہیں لگتا۔ تمہارے پاس عنابی رنگ کا لباس بھی ہے، وہ منگواؤ، میں ٹھیک کہتی ہوں، ہوسکتا ہے آج کا دن تمہاری زندگی میں نہایت اہمیت کا حامل ہو، جہاں تک اس لباس کا تعلق ہے، اس کا رنگ بہت ہلکا ہے، یہ تمہارے جسم پر بالکل اچھا نہیں لگتا، بالکل ناموزوں ہے"

لباس برا نہیں تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ شہزادی ماریا کا چہرہ خوبصورت تھا نہ جسم مگر مادموزیل بورین اور چھوٹی شہزادی کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی۔ وہ یہی سمجھ رہی تھیں کہ اس کے بالوں میں کنگھی کر کے انہیں کچھ اوپر اٹھا دیا جائے اور ان میں نیلا ربن باندھا جائے تیز عنابی لباس پر کچھ نچلی جانب نیلے رنگ کی پٹی آویزاں کر دی جائے تو اچھا لگے گا۔ وہ بھول گئیں کہ ڈرے سہمے چہروں اور شکل وصورت میں تبدیلی لانا ممکن نہیں ہوتا۔ بننے سنورنے میں خواہ کس قدر محنت ہی کیوں نہ کی جائے، چہرے میں بڑی تبدیلی نہیں لائی جا سکتی اور وہ اسی طرح رہے گا۔ دونوں خواتین جو تبدیلی کرتیں، ماریا خاموشی سے سر تسلیم خم کر دیتی۔ چند تبدیلیوں کے بعد اس کے بال اوپر اٹھا دیے گئے (اس انداز نے نہ صرف اس کی شکل وصورت بدل دی بلکہ وہ پہلے سے بھی بدصورت دکھائی دینے لگی) عنابی لباس پہنایا گیا اور کمر کے گرد پٹی لگانے کے بعد چھوٹی شہزادی نے اس کے گرد گھوم پھر کر دیکھا، لباس کی چند شکنیں درست کیں، اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے اس کی پٹی ادھر ادھر کھینچی اور پھر سر جھکا کر ایک سے دوسرے پہلو کا تنقیدی جائزہ لیا۔

ماریا کا بھرپور جائزہ لینے کے بعد وہ پریقین انداز میں کہنے لگی "نہیں، یہ بھی ٹھیک نہیں" اس نے ہاتھ اوپر اٹھائے اور بولی "نہیں میری، نہیں" یہ لباس تو تمہیں بالکل نہیں جچتا، اس کی بجائے تو تم مجھے اپنے روزمرہ کے سرمئی کپڑوں میں زیادہ اچھی لگتی ہو" پھر اس نے ملازمہ سے کہا "کاتیا، جاؤ اور شہزادی کا سرمئی لباس لے آؤ، مادموزیل تم

دیکھنا میں اس کے ذریعے کیا کرتی ہوں'' جب کاتیا مطلوبہ کپڑے لے آئی تو ماریا آئینے کے سامنے چپ چاپ ساکت بیٹھی تھی۔ وہ ٹکٹکی باندھے اپنے چہرے کو دیکھے جا رہی تھی اور یوں لگتا تھا جیسے ابھی رونا شروع کر دے گی۔

مادموزیل بورین نے کہا'' پیاری شہزادی، بس ایک اور کوشش''

چھوٹی شہزادی نے ملازمہ سے لباس لیا اور شہزادی ماریا کے پاس آ گئی اور کہنے لگی'' اب ہم ایک سادہ مگر دلکش چیز آزمائیں گے'' چھوٹی شہزادی، مادموزیل اور کاتیا جو کسی بات پر یونہی ہنسے جا رہی تھیں جیسے پرندے خوشی میں چہچہاتے ہیں۔

شہزادی ماریا بولی'' نہیں، مجھے اکیلا چھوڑ دیں'' اس کی آواز اس قدر سنجیدہ اور کربناک تھی کہ چہچہاہٹ اچانک بند ہو گئی۔ وہ ان موٹی، خوبصورت اور فکرمند آنکھوں کو دیکھیں جن سے آنسو رواں تھے اور جو التجائیہ انداز میں انہیں دیکھ رہی تھیں۔ تینوں کو احساس ہو گیا کہ مزید لباس آزمانے پر اصرار نہ صرف فضول بلکہ ظالمانہ ہو گا۔

چھوٹی شہزادی کہنے لگی'' ٹھیک ہے، کم از کم بالوں کا انداز ہی تبدیل کرا لو'' پھر وہ ملامت آمیز انداز میں مادموزیل بورین سے کہنے لگی'' میں نے تمہیں بتایا ہی تھا کہ ماریا جیسے چہروں پر یہ انداز اچھا نہیں لگتا۔ اب براہ مہربانی اسے بدل ڈالو''

روتی چلاتی آواز نے جواب دیا'' مجھے اکیلا چھوڑ دو، اکیلا چھوڑ دو، میرے لیے یہ بے معنی ہے''

مادموزیل بورین اور چھوٹی شہزادی کو اعتراف کرنا پڑا کہ اس انداز میں شہزادی ماریا کی شکل وصورت پہلے سے بھی خراب دکھائی دیتی ہے۔ مگر اب وقت گزر چکا تھا اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ انہیں ایسی نظروں سے دیکھ رہی تھی جنہیں یہ اچھی طرح جانتی تھیں۔ یہ انتہائی فکرمند اور اداس نظریں تھیں تاہم وہ ان نظروں سے خوفزدہ نہ ہوئیں (خوف ایک ایسا احساس تھا جو وہ کبھی کسی کے دل میں پیدا نہیں کر سکی تھی) تاہم وہ یہ جانتی تھیں کہ جب وہ ان نگاہوں سے دیکھتی ہے تو اس کی زبان بند اور رویہ غیر لچکدار ہو جاتا ہے۔ لیزا کہنے لگی'' تم اسے بدل دو گی، بدل دو گی ناں'' شہزادی ماریا نے کوئی جواب نہ دیا تو وہ کمرے سے باہر چلی گئی۔

شہزادی ماریا کو اکیلا چھوڑ دیا گیا۔ اس نے لیزا کی بات پر عمل نہ کیا اور نہ صرف بال ویسے ہی رہنے دیے بلکہ آئینے میں اپنی شکل بھی نہ دیکھی۔ وہ بیچارگی کے عالم میں اپنے بازو پہلوؤں پر گرا کر نگاہیں جھکائے سوچنے لگی۔ اس کے دماغ میں ایسے شوہر کا خاکہ ابھرنے لگا جو بیحد طاقتور، عزم صمیم کا مالک اور خوبرو تھا۔ وہ اچانک آیا اور اسے اٹھا کر اپنی دنیا میں لے گیا جو اس کی دنیا سے بالکل مختلف اور خوشیوں کا مرکز تھی۔ اس کے ذہن میں ایک بچے کی تصویر بھی ابھر آئی۔ یہ اس کا اپنا بچہ تھا اور اس بچے جیسا تھا جسے اس نے ایک روز قبل اپنی نرس کے بازوؤں میں دیکھا تھا۔ اسے خیالوں ہی خیالوں میں یہ بچہ اپنے سینے سے چمٹا دکھائی دیا۔ شوہر قریب کھڑا تھا اور پیار سے اسے اور بچے کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے سوچا'' ایسا نہیں ہو سکتا، میں تو بیحد بدصورت ہوں'' اسی اثناء میں دروازے پر ایک ملازمہ کی آواز سنائی دی'' چائے کیلئے تشریف لے جائیں، محترم شہزادہ نکولائی وہیں آ رہے ہیں'' آواز سن کر وہ بڑبڑاتے ہوئے حقیقت کی دنیا میں واپس آ گئی، اس نے اپنے حالیہ خیالات کا جائزہ لیا تو دل ودماغ پر گھبراہٹ طاری ہو گئی۔ نیچے جانے سے قبل وہ کمرے کے ایک کونے میں گئی اور نجات دہندہ کی تصویر کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ اس کی نگاہیں تصویر کے سانولے چہرے پر جمی تھیں جو لیمپ کی روشنی میں چمک رہا تھا۔ وہ کافی دیر تک اسی حالت میں کھڑی رہی۔ اس کی روح میں شکوک وشبہات سر ابھار رہے تھے۔ اس نے سوچا'' کیا مرد کیلئے دنیاوی محبت کی خوشی اسے حاصل ہو سکتی ہے؟''

ماریا کے ذہن میں شادی کے حوالے سے جو خیالات تھے ان میں وہ ایسی محبت کی خواہش کر رہی تھی جو اپنے گھر اور بچوں کو حاصل کر کے ہوتی ہے مگر اس کی مضبوط ترین اور خفیہ خواہش دنیاوی محبت کا حصول تھی۔ وہ اپنی اس خواہش کو اپنے آپ اور دوسروں سے چھپانے کی جس قدر کوشش کرتی یہ اتنی ہی طاقتور ہو جاتی۔ وہ کہنے لگی'' اف میرے خدا! میں ان شیطانی خیالات کا خاتمہ کیسے کروں؟ ان شرمناک خیالوں سے کیسے چھٹکارا پاؤں تاکہ یکسوئی سے تیری رضا پر پوری اتر سکوں؟'' اس نے یہ سوال کیا ہی تھا کہ خدا کا جواب خود بخود اس کے دل میں ظاہر ہو گیا کہ'' اپنے لیے کسی شے کی خواہش مت کر، کوشش نہ کر، بے قراری اور حسد کا مظاہرہ نہ کر۔ انسان کا مستقبل اور تیری قسمت تجھ سے چھپی ہی رہنی چاہیے، مگر زندگی اس طرح گزار کہ خواہ کیسے ہی حالات کا سامنا کیوں نہ ہو، تجھے ان کیلئے تیار رہنا چاہیے۔ اگر خدا نے ازدواجی فرائض کے حوالے سے تیری آزمائش چاہی تو تجھے اس کی رضا کیلئے بھی تیار رہنا چاہیے'' اس تسکین آور خیال پر (اگرچہ اسے اب بھی یہی امید تھی کہ دنیاوی محبت کا اس کا خواب کسی روز تعبیر پا لے گا) شہزادی ماریا نے آہ بھری اور سینے پر صلیب کا نشان بنا کر نیچے جانے لگی۔ اسے اپنے لباس کا خیال تھا نہ بالوں کے انداز کا، اس نے یہ بھی نہ سوچا کہ کمرے میں داخل کیسے ہونا ہے اور گفتگو کیسے کرنا ہو گی۔ خدا کی رضا کے بغیر ان باتوں کی کیا اہمیت تھی جس کی مرضی کے بغیر انسان کے سر کا ایک بال بھی نہیں جھڑ سکتا۔

(4)

شہزادی ماریا نیچے آئی تو شہزادہ ویسلے اور اس کا بیٹا جو اس سے پہلے ہی ڈرائنگ روم میں پہنچ چکے تھے، چھوٹی شہزادی اور مادموزیل بورین سے گفتگو میں مصروف تھے۔ جونہی وہ بوجھل قدموں سے ایڑھیوں کے بل کمرے میں داخل ہوئی تو دونوں مرد اور مادموزیل اٹھ کھڑے ہوئے۔ چھوٹی شہزادی نے ماریا کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا'' یہ ہے میری'' شہزادی ماریا نے ان تمام کو بھرپور نگاہوں سے دیکھا۔ اس نے محسوس کیا کہ اسے دیکھتے ہی شہزادہ ویسلے کے چہرے پر سنجیدگی طاری ہو گئی مگر اس نے اسے اچانک جھٹک دیا اور مسکرانے لگا۔ اس نے دیکھا کہ لیزا تجسس بھری نگاہوں سے مہمانوں کا جائزہ لے رہی ہے تاکہ یہ جان سکے کہ ماریا نے ان پر کیا اثرات مرتب کیے ہیں۔ اس نے مادموزیل کے بالوں میں بندھے ربن اور خوبصورت چہرے پر نگاہ دوڑائی۔ اسے یہ چہرہ معمول سے زیادہ شگفتہ دکھائی دیا، اس کی نگاہیں اناطول پر جمی تھیں۔ مگر جہاں تک اس کا اپنا تعلق تھا وہ اسے نہ دیکھ سکی۔ وہ جب کمرے میں داخل ہوئی تو کوئی قوی الجثہ، چمکدار اور خوبصورت شے اپنی جانب حرکت کرتی دکھائی دی۔ سب سے پہلے شہزادہ ویسلے اس کی جانب بڑھا۔ ماریا نے اس کے گنجے سر پر بوسہ دیا اور کہا'' آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس کے برعکس مجھے آپ بہت اچھی طرح یاد ہیں'' پھر اناطول اس کے قریب آیا، وہ اب بھی اسے نہ دیکھ سکی اور صرف اتنا محسوس کیا کہ ایک نرم ونازک ہاتھ نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا ہے اور وہ پر اس کے اپنے ہونٹ ایک سفید پیشانی سے مس ہوئے ہیں جس پر ہلکے سنہری بال تھے۔ ان بالوں سے پومادی کی خوشبو آ رہی تھی۔ جب اس نے اسے ایک نظر دیکھا تو اس کی وجاہت سے مسحور ہو کر رہ گئی۔ اناطول ایک ٹانگ پر وزن ڈالے کھڑا تھا جبکہ اس کی دوسری ٹانگ آہستگی سے جھول رہی تھی۔ اس نے اپنا سینہ پھیلا رکھا تھا اور کمر کمان کی طرح تنی تھی۔ وہ دائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے اپنی وردی کے ایک بٹن سے کھیل رہا تھا اور سر نسبتاً ایک جانب جھکا رکھا تھا۔ شہزادی ماریا کو دیکھ کر اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ پیدا ہوئی تاہم وہ کچھ نہ بولا۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کا دھیان کسی اور جانب ہے اور وہ اس کے بارے میں بالکل نہیں سوچ رہا۔ اناطول حاضر جواب

تھا نہ بڑھ چڑھ کر گفتگو کے فن سے آشنا، تاہم اس میں ایک خوبی تھی کہ وہ مشکل حالات میں بھی پرسکون اور پراعتماد رہتا اور یہ وہ خوبی ہے جو اعلیٰ طبقات میں بہت کام آتی ہے۔ اگر کوئی شخص کسی دوسرے سے تعارف کے دوران خود اعتمادی کی کمی کے باعث خاموش ہو جائے اور اس کی حرکات سے یہ ظاہر ہو کہ وہ خود بھی جانتا ہے کہ یہ خاموشی آداب کے خلاف ہے تو اس سے دوسرے پر اچھا تاثر مرتب نہیں ہوتا۔ مگر اناطول چپ رہ سکتا تھا، ٹانگیں جھلا سکتا تھا اور مزے سے شہزادی ماریا کے بالوں کا جائزہ بھی لے سکتا تھا۔ یہ صاف ظاہر تھا کہ وہ اس انداز سے جتنی دیر چاہے خاموش رہ سکتا ہے اور بالکل نہیں گھبرائے گا۔ اس کے سراپے سے یوں ظاہر ہوتا تھا جیسے کہہ رہا ہو "اگر کسی شخص کو میری خاموشی پسند نہیں تو وہ خود بات کر سکتا ہے مگر جہاں تک میرا تعلق ہے مجھے اس کی بالکل پروا نہیں" اس کے ساتھ ساتھ جہاں تک خواتین سے اس کے رویے کا تعلق تھا وہ کچھ ایسے پرغرور انداز میں انہیں احساس دلاتا کہ وہ ان سے بہتر ہے اور کسی اور شے کی نسبت اس کا یہی انداز ان کے دلوں میں تجسس، خوف بلکہ محبت کے جذبات بھی ابھار دیتا۔ اس کے رویے سے یہ ظاہر ہوتا تھا جیسے کہہ رہا ہو "میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں مگر تمہاری فکر کیوں کروں؟ اگر میں ایسا کروں تو تمہیں یقیناً خوشی ہوگی" کسی خاتون سے ملاقات کے دوران وہ ایسے نہیں سوچتا تھا (ایسا امکان کم ہی ہوتا تھا کیونکہ وہ شاید ہی کبھی سوچتا تھا) مگر اس کی شکل وصورت سے ایسا ہی ظاہر ہوتا تھا۔ شہزادی ماریا کو ایسے ہی محسوس ہوا اور یوں ظاہر کرنے کیلئے کہ وہ اسے اپنی طرف راغب کرنے کی کوئی خواہش نہیں رکھتی وہ اس کے والد کی جانب متوجہ ہوگئی۔ گفتگو عمومی اور بیحد پرجوش تھی جس کا باعث چھوٹی شہزادی کو قرار دیا جا سکتا تھا۔ وہ اپنا روئیں دار ہونٹ دلکش انداز سے اوپر نیچے کرتے ہوئے چہک چہک کر بول رہی تھی۔ شہزادی ویسلے کے ساتھ اس کا رویہ شوخ اور چنچل تھا اور ایسا انداز ان لوگوں کا ہوتا ہے جو بہت زیادہ گفتگو کے عادی ہوں۔ وہ ایک دوسرے کو مزاح کا نشانہ بنا سکتے ہیں اور ایسی پرانی باتیں یاد کر سکتے ہیں جن سے دوسرے باخبر نہیں ہوتے۔ حقیقت میں ان کے مابین کوئی بے تکلفی ہوتی ہے نہ مشترکہ یادیں۔ چھوٹی شہزادی اور شہزادہ ویسلے کے مابین تعلقات بھی ایسے ہی تھے۔ تاہم شہزادہ ویسلے نے فوراً ایسا لہجہ اختیار کر لیا اور لیزا نے اناطول کو بھی ان دلچسپ واقعات جو کبھی وقوع پذیر ہی نہیں ہوئے تھے کی یادیں تازہ کرنے کیلئے ساتھ ملا لیا جسے ان سے خاص واقفیت بھی نہ تھی۔ مادموزیل بھی گفتگو کرنے لگی حتیٰ کہ شہزادی ماریا کو بھی اس میں اتنا مزہ آیا کہ وہ بھی ان کے ساتھ شامل ہوگئی۔

چھوٹی شہزادی نے ویسلے سے فرانسیسی زبان میں کہا "محترم شہزادے، ہم یہاں بہرحال آپ کی صحبت سے بھرپور لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ یہ اینا پاؤلونا کی محفل نہیں کہ آپ باآسانی نکل جائیں گے۔ آپ کو وہ پیاری آنیت یاد ہے ناں"

ویسلے نے جواب دیا "ہاں کیوں نہیں، مگر تم اس کی طرح مجھ سے سیاسی باتیں نہیں کرو گی"

لیزا بولی "اور وہ ہماری چھوٹی سی چائے کی میز؟"

ویسلے نے کہا "ہاں، ہاں"

وہ اناطول سے پوچھنے لگی "تم کبھی آنیت کے ہاں کیوں نہیں آئے؟" پھر وہ اسے آنکھ مار کر کہنے لگی "ہاں، میں جانتی ہوں، جانتی ہوں۔ تمہارے بھائی اپولت نے مجھے تمہارے کارناموں کی دلچسپ روداد سنائی تھی، اوہ!" وہ اس کی جانب انگلی لہراتے ہوئے بولی "پیرس میں تم جو کچھ کرتے رہے میں وہ بھی جانتی ہوں"

شہزادہ ویسلے اپنے بیٹے کی جانب متوجہ ہو کر کہنے لگا "مگر، اپولت نے تمہیں یہ نہیں بتایا تھا" اس نے لیزا کا بازو یوں تھام لیا جیسے وہ اچانک بھاگ نکلے گی اور اس نے اسے مشکل سے روک رکھا ہو۔ وہ بولا "کیا اس نے تمہیں یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ خود ہماری اس پیاری شہزادی کو دل دیے بیٹھا ہے اور انہوں نے کس طرح اسے دھتکار دیا"

اس نے شہزادی ماریا کو مخاطب کرتے ہوئے لیزا کے حوالے سے کہا "ارے، شہزادی، یہ تو خواتین میں ہیرا ہیں"

پیرس کا ذکر چھڑا تو مادموزیل بورین کو بھی گفتگو کا موقع مل گیا اور وہ بھی یادیں تازہ کرنے کیلئے اس عمومی گفتگو میں شامل ہوگئی۔ اس نے ہمت کر کے اناطول سے پوچھا "آپ کو پیرس سے آئے زیادہ دیر تو نہیں گزری ہوگی؟ آپ کو یہ شہر کیسا لگا؟" اناطول فرانسیسی خاتون کی بات کا جواب دینے کیلئے فوراً آمادہ ہوگیا۔ وہ اسے دیکھتے ہوئے مسکراتا جاتا تھا اور اس کے آبائی وطن کے بارے میں بات چیت بھی کر رہا تھا۔ جب سے اس نے خوبصورت بورین کو دیکھا تھا، وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ بلیک ہلز کا ماحول اتنا غیر دلچسپ بھی نہیں جتنا وہ سمجھا تھا۔ اس نے مادموزیل کا باریک بینی سے جائزہ لیتے ہوئے سوچا "بری نہیں، امید ہے جب ہماری شادی ہو جائے گی تو وہ اسے بھی اپنے ساتھ لے آئے گی، خاصی پیاری شے ہے" معمر نکولائی اپنے کمرے میں لباس بدل رہا تھا۔ اسے کوئی جلدی نہ تھی۔ اس کا چہرہ شکن آلود تھا اور وہ سوچ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا ہوگا۔ ان مہمانوں کی آمد نے اس کا پارہ چڑھا دیا۔ وہ بڑبڑاتے ہوئے کہنے لگا "شہزادہ ویسلے اور اس کے بیٹے کا مجھ سے کیا تعلق؟ ویسلے معمولی ذہانت کا شیخی باز شخص ہے اور اس کا بیٹا بھی اسی جیسا ہوگا" جو بات اس کے غصے کا سبب بنی وہ یہ تھی کہ ان مہمانوں کی آمد نے اس کے ذہن میں وہ غیر حل شدہ مسئلہ دوبارہ تازہ کر دیا جسے وہ مسلسل نظر انداز کرنے کی کوشش کرتا اور اپنے آپ کو ہر وقت فریب دیتا رہتا تھا۔ وہ مسئلہ یہ تھا کہ "کیا وہ کبھی اپنی بیٹی کو خود سے علیحدہ کر پائے گا اور اسے اس کے شوہر کے حوالے کر سکے گا؟" شہزادہ نکولائی ہمیشہ اس مسئلے سے کنی کترا تا رہا کیونکہ اسے علم تھا کہ اگر اس نے اس مسئلے پر ٹھیک طرح سے غور کیا تو بہرصورت اس کا منصفانہ جواب دے گا اور نہ صرف انصاف اس کے جذبات سے الجھے گا بلکہ اس کی زندگی بھی اس کی نذر ہو سکتی ہے۔ بظاہر یہی لگتا تھا کہ اس کے نزدیک شہزادی ماریا کی کوئی اہمیت نہیں مگر وہ اس کے بغیر زندگی گزارنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے سوچا "آخر اسے شادی کی کیا ضرورت ہے؟ ناخوش رہنے کیلئے؟ لیزا کو دیکھو، آندرے سے شادی کے بعد کیا وہ خوش ہے؟ حالانکہ آج کل اس سے بہتر شوہر ملنا ممکن ہی نہیں۔ اور ماریا سے محبت کی شادی کون کرے گا؟ معمولی شکل وصورت، بھدا جسم، اس سے شادی صرف اس کا مال دولت دیکھ کر ہی کی جائے گی یا پھر اس لیے کہ اس کا تعلق اعلیٰ طبقے سے ہے۔ ایسی عورتوں کی بھی کوئی کمی نہیں کہ بوڑھی ہو گئیں مگر ابھی تک کنواری ہیں۔ ان کی حالت اتنی خراب بھی نہیں، خاصی خوش ہیں!" شہزادی نکولائی لباس تبدیل کرتے ہوئے سوچ رہا تھا مگر جس سوال کو وہ ملتوی کرتا رہا تھا وہ فوری جواب کا متقاضی تھا۔ شہزادہ ویسلے اپنے بیٹے کو ساتھ لایا تھا اور اس کے ارادے واضح تھے۔ اس نے رشتے کی تجویز پیش کرنا تھی اور آج نہیں تو کل واضح جواب کا طلبگار ہوتا تھا۔ معاشرے میں اس کا نام اور مرتبہ بھی ٹھیک ہے۔ نکولائی نے سوچا "ٹھیک ہے، میں اس رشتے کے خلاف نہیں مگر شرط یہ ہے کہ اس کا بیٹا بھی ماریا کے لائق ہونا چاہیے اور یہی میں دیکھوں گا" اس نے بلند آواز سے دہرایا "یہی میں دیکھوں گا، یہی میں دیکھوں گا" یہ کہہ کر وہ حسب معمول تیزی سے ڈرائنگ روم میں داخل ہو گیا۔ اس نے ایک ہی نظر میں تیزی سے تمام لوگوں کا جائزہ لیا۔ چھوٹی شہزادی کا تبدیل شدہ لباس، مادموزیل کے بالوں میں بندھا ربن، شہزادی ماریا کے بالوں کا بدنما انداز، اناطول اور مادموزیل کی مسکراہٹیں اور عمومی گفتگو کے دوران اپنی بیٹی کا اکیلا پن خاص طور پر محسوس ہوا۔ اس نے اپنی بیٹی کی جانب غصیلی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے سوچا "اسے شرم نہیں آتی، جبکہ وہ اس سے بات کرنا بھی پسند نہیں کر رہا"

وہ شہزادہ ویسلے کی جانب متوجہ ہوا اور بولا "آپ سے مل کر بیحد خوشی ہوئی"

ویسلے حسب عادت تیز، پر اعتماد اور بے تکلف لہجے میں ایک روسی محاورہ دہراتے ہوئے کہنے لگا "دوستی کے سامنے فاصلے کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ یہ میرا دوسرا بیٹا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ آپ اس کے سر پر شفقت بھرا ہاتھ رکھیں"

شہزادہ نکولائی نے اناطول کا باریک بینی سے جائزہ لیا اور کہنے لگا "اچھا ہے، اچھا ہے" اور اپنا رخسار اس کی جانب بڑھا کر اسے بوسہ لینے کو کہا۔ اناطول نے اس کا بوسہ لیا اور پر تجسس نظروں سے اس کی جانب تکنے لگا۔

شہزادہ نکولائی صوفے کے کونے پر اپنی جگہ بیٹھ گیا اور شہزادہ ویسلے کیلئے آرام کرسی کھینچ کر اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے سیاسی امور اور دیگر موضوعات پر گفتگو شروع کر دی۔ بظاہر وہ شہزادہ ویسلے کی باتیں غور سے سن رہا تھا مگر اس کی نظریں مسلسل شہزادی ماریا پر مرکوز تھیں۔

اس نے شہزادہ ویسلے کے آخری الفاظ دہراتے ہوئے کہا "تو گویا انہوں نے پہلے ہی پوٹسڈم سے خط وکتابت کا آغاز کر دیا ہے؟" پھر وہ اچانک اٹھا اور اپنی بیٹی کی جانب بڑھتے ہوئے اسے کہنے لگا "تم نے یہ انداز ان مہمانوں کیلئے اختیار کیا ہے۔ ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، تم نے بالوں کا یہ انداز مہمانوں کی خاطر بنایا ہے تو میں ان کی موجودگی میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ آئندہ میری اجازت کے بغیر اپنے لباس کے انداز میں کوئی تبدیلی نہ کرنا"

اس موقع پر چھوٹی شہزادی نے شرماتے ہوئے مداخلت کی اور کہنے لگی "یہ میری غلطی تھی۔۔"

معمر شہزادہ اپنی بہو کے سامنے جھکتے ہوئے کہنے لگا "تم جو چاہے کر سکتی ہو مگر اسے اپنی شکل بگاڑنے کی ضرورت نہیں وہ پہلے ہی کافی بدصورت ہے" یہ کہہ کر وہ اپنی جگہ پر بیٹھ گیا اور اپنی بیٹی کی جانب کوئی توجہ نہ دی جسے اس نے تقریباً رلا ہی دیا تھا۔

شہزادہ ویسلے نے دخل اندازی کرتے ہوئے کہا "آپ کی بات کے برعکس یہ انداز شہزادی کو بہت اچھا لگتا ہے"

معمر شہزادے نے اپنی توجہ اناطول کی جانب مبذول کی اور بولا "ہاں، چھوٹے شہزادے، تمہارا کیا نام ہے، یہاں آؤ اور مجھ سے گفتگو کرو تاکہ ہم باہم واقفیت پیدا کر سکیں"

اناطول نے سوچا "اب لطف آئے گا" اور مسکراتا ہوا بوڑھے کے قریب آ بیٹھا۔

اس نے اناطول کا بغور جائزہ لیتے ہوئے کہا "ٹھیک ہے، سنا ہے تم نے بیرون ملک تعلیم حاصل کی ہے اور میری یا اپنے والد کی طرح کسی چھوٹے موٹے پادری سے پڑھنا لکھنا نہیں سیکھا۔ مجھے یہ بتاؤ کہ تم ہارس گارڈز میں تعینات ہو؟"

اناطول نے بمشکل اپنی ہنسی ضبط کرتے ہوئے جواب دیا "نہیں، مجھے عام فوج میں بھیج دیا گیا ہے" نکولائی کہنے لگا "ارے، یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ یعنی تم اپنے وطن اور زار کی خدمت کرنا چاہتے ہو؟ جنگ کا دور ہے؟ تم جیسے عمدہ نوجوان کو فوجی خدمات انجام دینی ہی چاہئیں۔ محاذ پر جا رہے ہو؟"

اناطول نے جواباً کہا "نہیں محترم، میں نہیں جا رہا البتہ میری رجمنٹ جا رہی ہے، مجھے کہیں اور متعین کر دیا گیا ہے" یہ کہہ کر وہ اپنے والد کی طرف متوجہ ہوا اور ہنستے ہوئے پوچھا "ابا جان مجھے کہاں متعین کیا گیا ہے؟"

معمر شہزادہ ہنستے ہوئے بولا "ہاں تم فوج کا سرمایہ ہو، سرمایہ۔ مجھے کہاں متعین کیا گیا ہے" اناطول نے مزید بلند آواز سے قہقہے لگانا شروع کر دیے۔ بوڑھا اچانک غصے میں آ گیا اور بولا "تم جا سکتے ہو" جبکہ اناطول مسکراتا ہوا دوبارہ

خواتین کے پاس آ بیٹھا۔

نکولائی نے ویسلے کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے کہا "یعنی کہ تم نے اسے بیرون ملک تعلیم دلوائی ہے؟"

ویسلے نے جواباً کہا "میرے بس میں جو کچھ تھا وہ میں نے کیا تاہم میں یہ بات یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ہمارے مقابلے میں وہاں تعلیم کا معیار کہیں بہتر ہے"

نکولائی بولا "ہاں، آج کل ہر شے مختلف اور نئی ہے۔ اچھا نوجوان ہے، اچھا ہے، ذرا میرے ساتھ میرے کمرے میں آؤ" اس نے ویسلے کا بازو تھاما اور اسے اپنے کمرے میں لے گیا۔

تنہائی میں شہزادہ ویسلے نے اسے اپنی خواہش اور امید سے فوری آگاہ کر دیا۔

شہزادہ نکولائی خفگی سے کہنے لگا "تم سمجھتے ہو کہ میں نے اسے زبردستی روک رکھا ہے اور اسے اپنے آپ سے علیحدہ نہیں کر سکتا؟ وہ چاہے تو بے شک کل یہاں سے چلی جائے مگر میں صرف ایک بات کہنا چاہتا ہوں کہ میں اپنے مستقبل کے داماد کو اچھی طرح جاننا چاہوں گا۔ تم میرے اصولوں سے تو واقف ہی ہو، میں کوئی بات نہیں چھپاتا۔ ہر بات برملا ہونی چاہیے۔ میں کل تمہارے سامنے اس سے رائے لوں گا اور اگر اس نے رضامندی کا اظہار کر دیا تو پھر آپ کا بیٹا یہاں مزید ٹھہر سکتا ہے۔ وہ کچھ دیر یہاں قیام کرے، پھر میں دیکھوں گا" یہ کہہ کر بوڑھے کی ناک پھڑکنے لگی اور وہ تیز لہجے میں چلاتے ہوئے بولا "وہ شادی کر لے، مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا"

شہزادہ ویسلے نے کہا "میں آپ سے صاف صاف بات کروں گا۔ یہ بات شک وشبے سے بالاتر ہے کہ آپ انسان کے دل میں بھی جھانک کر دیکھ لیتے ہیں۔ اناطول کوئی غیر معمولی شخص تو نہیں مگر وہ دیانتدار، شفیق، فرمانبردار اور اچھا رشتہ دار ضرور ثابت ہو سکتا ہے"

نکولائی نے کہا "ٹھیک ہے، دیکھا جائے گا"

ایسی خواتین جو طویل عرصہ سے مردوں سے دور الگ تھلگ زندگی گزار رہی ہوں انہی کی طرح شہزادہ نکولائی آندریچ کے گھرانے کی تینوں خواتین کو بھی یہی محسوس ہوا کہ اب تک انہوں نے جو زندگی گزاری ہے وہ حقیقی زندگی نہیں بلکہ کچھ اور تھا۔ ان کے سوچنے محسوس کرنے اور مشاہدے کی صلاحیتیں ایک دم دس گنا بڑھ گئیں اور انہیں یوں محسوس ہونے لگا جیسے ان کی زندگیاں جو اب تک اندھیرے میں گزر رہی تھیں اچانک نئی روشنی سے جگمگا اٹھی ہیں جو انتہائی بامعنی تھی۔

شہزادی ماریا کو اپنی شکل وصورت یاد رہی نہ بالوں کا انداز، بلکہ وہ خوش شکل اور تروتازہ چہرہ اس کی توجہ کا مرکز بن گیا جو شاید اس کا شوہر ثابت ہو سکتا تھا۔ وہ اسے خوش دل، پر عزم اور مردانہ صفات سے بھرپور عالی ظرف انسان دکھائی دیا۔ اسے قوی یقین تھا کہ وہ ان خوبیوں کا حامل ہے۔ اس کے تصورات میں مستقبل کی شادی شدہ زندگی کے بارے میں بے شمار خواب ابھرتے رہے اور وہ انہیں ذہن سے نکالنے کی کوششیں کرتی رہی۔

ماریا نے سوچا "مگر میں اس کے ساتھ بیحد سرد رویے کا مظاہرہ نہیں کرتی؟ میں اپنے آپ پر قابو پانے کی اس لیے کوشش کر رہی ہوں کہ مجھے پہلے ہی اپنی روح کی گہرائیوں سے محسوس ہو رہا ہے کہ میں اس کے بیحد قریب ہوں۔ ہاں یہ ٹھیک ہے کہ میں اس کے بارے میں جو کچھ سوچ رہی ہوں اسے اس کا کوئی علم نہیں اور ممکن ہے کہ وہ یہی سمجھ بیٹھے کہ میں اسے پسند ہی نہیں کرتی"

یہ سوچ کر اس نے اپنا رویہ تبدیل کرنے کی کوشش کی مگر اس معاملے میں وہ بالکل کوری تھی اور اسے علم ہی نہیں تھا کہ یہ کیسے کیا جاتا ہے۔ اناطول نے سوچا "یہ بیچاری لڑکی تو بالکل ہی بدصورت ہے"

مادموزیل بورین کے خیالات مختلف تھے۔ وہ اناطول کے آنے پر آپے سے باہر ہو رہی تھی۔ وہ خوبصورت اور جوان تھی اور اس کے باوجود کہ معاشرے میں اس کا کوئی دوست، رشتہ دار اور مقام نہ تھا، وہ اپنے وطن سے دور تھی اور یہ بات یقینی تھی کہ وہ تمام عمر شہزادہ نکولائی آندریچ کی خدمت کرنے اور اسے کتابیں پڑھ کر سنانے نیز اس کی بیٹی کی ساتھی کے طور پر بسر کرنے کو تیار نہ تھی۔ وہ طویل عرصہ سے کسی ایسے روسی شہزادے کا انتظار کر رہی تھی جو اس بدصورت اور بدمزاج شہزادی کے مقابلے میں اس کی برتری واضح طور پر محسوس کرے گا اور اس کی تعریف کرتے ہوئے ایک لمحے میں اس کے حسن کا اسیر ہو کر اسے اپنے ساتھ لے جائیگا۔ اور اب بالآخر یہ روسی شہزادہ اس کے گھر آ ہی گیا تھا۔ مادموزیل بورین کو ایک کہانی یاد تھی جو کبھی اسے اس کی خالہ نے سنائی تھا۔ اس کہانی کا انجام اس نے خود سوچ لیا تھا اور اسے بار بار اپنے دل میں دہرا کر لطف اندوز ہوتی رہتی تھی۔ یہ کہانی ایک لڑکی کے بارے میں تھی جسے کسی نے ورغلا لیا تھا۔ اس لڑکی کی والدہ اس کے پاس آئی اور اسے ملامت کرنے لگی کہ اس نے شادی کے بغیر مرد کی بالادستی کیوں قبول کی۔ بورین نے تصورات میں یہ کہانی اپنے ورغلانے والے کو بار بار سنائی تھی اور ہر مرتبہ اس کے آنسو نکل آتے تھے۔ اس نے سوچا اب وہ سچ مچ کا شہزادہ آ گیا ہے اور مجھے بھگا لے جائیگا۔ بے چاری والدہ موقع پر آ جائے گی اور وہ مجھ سے شادی کرے گا" جب وہ اناطول سے پیرس کے بارے میں گفتگو کر رہی تھی تو مستقبل کی یہ تصویر اس کے ذہن میں ابھر رہی تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ اس نے خاص طور پر اس کے بارے میں سوچ کر اپنا طرز عمل متعین کیا تھا (اس نے بالکل غور نہ کیا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیے) بلکہ یہ سب کچھ بہت پہلے سے اس کے دل میں تھا اور اب جبکہ اناطول سامنے آیا، یہ تمام کہانی اس کی ذات کے گرد مکمل ہو گئی۔ اب وہ ہر ممکن طریقے سے اپنے آپ کو اس کے سامنے زیادہ سے زیادہ پرکشش ثابت کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

جس طرح پرانا جنگی گھوڑا بگل بجنے کی آواز سن کر متحرک ہو جاتا ہے اور سرپٹ بھاگنے کیلئے بے قرار ہونے لگتا ہے بالکل اسی طرح اناطول کی آمد نے چھوٹی شہزادی پر بھی کچھ ایسا ہی اثر ڈالا۔ وہ اپنی حالت بھول گئی اور سوچے سمجھے بغیر ناز و ادا کے معروف طریقے آزمانا شروع کر دیے۔ اگرچہ اسے اناطول سے کوئی غرض نہ تھی مگر پھر بھی اس نے پیچھے رہنے کی کوئی کوشش نہ کی۔ اپنی نادانی اور سادہ لوحی کے سبب وہ یہ سمجھے ہوئے تھی کہ تفریح کا موقع ہاتھ سے نہیں جانا چاہیے۔

اگرچہ خواتین کی صحبت میں اناطول کا رویہ ایسے مرد کا سا ہوتا تھا جو اس بات سے تنگ آ چکا ہوتا ہے کہ خواتین ہر جگہ اس کے پیچھے پڑ جاتی ہیں تاہم اس کی موجودگی ان تین خواتین پر جس طرح اثر انداز ہوئی اس سے اس کی انا کو خاصی تسکین پہنچی۔ اس کے علاوہ وہ خوبصورت اور جذبات میں ہلچل مچا دینے والی مادموزیل میں بھی وہی حیوانی کشش محسوس کرنے لگا جو فوراً اس پر غلبہ پا لیتی تھی اور اس کی بدولت وہ انتہائی گھٹیا اور بیوقوفانہ حرکات پر مجبور ہو جاتا تھا۔

چائے کے بعد تمام افراد بیٹھنے کے کمرے میں چل دیے اور شہزادی ماریا سے کلاوی کارڈ پر گانا سنانے کی فرمائش کی گئی۔ اناطول مادموزیل بورین کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ وہ کہنیوں کے بل جھکا اور اس نے اپنی نظریں شہزادی ماریا پر لگا دیں جن سے خوشی اور تبسم عیاں تھا۔ ماریا کو احساس تھا کہ نگاہیں اس پر جمی ہیں اور یہ احساس اس کیلئے پر مسرت ہونے کے ساتھ ساتھ اذیت ناک بھی تھا۔ وہ ساز پر اپنے پسندیدہ گانے سوناتا کی دھن بجا رہی تھی اور اس دھن نے اسے اس کی اپنی ہی شعری دنیا میں پہنچا دیا نیز ان نظروں نے اس شاعری کو مزید دوچند کر دیا جو اس پر لگی تھیں۔ اگرچہ اناطول کی نگاہیں شہزادی ماریا پر گڑی تھیں مگر وہ جو کچھ کہہ رہی تھی اس سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا بلکہ وہ مادموزیل بورین

کے پاؤں سے منسلک تھیں جسے وہ کلاوی کارڈ کے نیچے سے اپنے پاؤں کے ذریعے چھو رہا تھا۔ مادموزیل بورین کی نظریں بھی شہزادی ماریا پر جمی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں امید، لطف و خوف کا تاثر نمایاں تھا اور شہزادی ماریا کیلئے بھی یہ نئی کیفیت تھی۔

شہزادی ماریا نے سوچا "وہ مجھ سے کس قدر پیار کرتی ہے، اب میں کتنی خوش ہوں، ایسی دوست اور ایسے شوہر کی موجودگی میں تو میری خوشی سنبھالی ہی نہیں جائے گی! شوہر! کیا ایسا ہو سکتا ہے؟" وہ یہ بات سوچ سوچ کر حیران ہوتی رہی۔ اس میں نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھنے کی ہمت نہ تھی مگر یہ احساس ضرور تھا کہ وہ نگاہیں اسی پر جمی ہوئی ہیں۔

رات کے کھانے کے بعد محفل ختم ہو گئی اور تمام لوگ اپنے سونے کے کمروں کی طرف جانے لگے۔ اناطول نے شہزادی ماریا کے ہاتھ پر بوسہ دیا۔ یہ تو وہ بھی نہ جان پایا کہ اس میں اتنی جرات کہاں سے آ گئی تاہم جونہی اس کا خوبصورت چہرہ ماریا کی نگاہوں کے سامنے آیا اس نے اپنی نظریں اس پر گاڑ دیں۔ اس کے بعد وہ مادموزیل بورین کے پاس گیا اور اس کا ہاتھ بھی چوم لیا (یہ مروجہ آداب کے خلاف تھا مگر وہ ہر کام انتہائی سادگی اور خود اعتمادی سے کرتا تھا) مادموزیل بورین کو انتہائی شرمندگی محسوس ہوئی اور وہ مجرمانہ انداز سے شہزادی ماریا کی جانب دیکھنے لگی۔

شہزادی ماریا نے سوچا "اس سلیقے پر داد دینی چاہیے" "کیا ایسا ممکن ہے کہ ایمیلی (مادموزیل کا نام) یہ سمجھتی ہو کہ میں اس سے حسد کرتی ہوں اور اسے مجھ سے جو اسقدر بے غرض پیار ہے اس کی قدر نہیں کرتی؟" وہ مادموزیل کے پاس گئی اور گرمجوشی سے اس کا بوسہ لے لیا۔ اناطول چھوٹی شہزادی کی جانب بڑھا۔ لیزا اسے دیکھ کر بولی "نہیں، نہیں، نہیں! جب تمہارے ابا جان مجھے خط لکھیں گے کہ تم آدمی بن گئے ہو تو پھر میں تمہیں اپنا ہاتھ چومنے کی اجازت دوں گی" یہ کہہ کر وہ مسکراتے ہوئے انگلی لہرا کر باہر نکل گئی۔

(5)

تمام لوگ اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔ اناطول تو لیٹتے ہی سو گیا مگر دوسروں کو نیند نہ آئی۔ شہزادی ماریا سوچ رہی تھی "کیا یہ خوش شکل اور خوش اطوار اجنبی میرا شوہر بن جائے گا؟ خوش اطوار، یہی اصل بات ہے" یہ سوچ کر اس پر دہشت طاری ہو گئی جو اس سے پہلے کبھی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ اسے اپنے اردگرد دیکھنے کا حوصلہ نہ تھا۔ اسے یہ خدشہ لاحق تھا کہ کوئی شخص پردے کے پیچھے تاریک کونے میں کھڑا ہے یہ شخص شیطان ہے۔۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ وہ شخص بھی تھا جس کا ماتھا سفید بھنویں سیاہ اور ہونٹ سرخ تھے۔ اس نے گھنٹی بجائی تو ملازمہ اندر آ گئی۔ ماریا نے اسے اپنے کمرے میں سونے کا حکم دیا۔

مادموزیل بورین اس رات کافی دیر تک پودگھر میں ٹہلتی رہی۔ اسے توقع تھی (جو پوری نہ ہوئی) کہ آج رات کوئی آئے گا۔ کبھی وہ مسکرانے لگتی اور کبھی اس کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے کیونکہ اپنے ذلت کی گہرائیوں میں گرنے پر اسے اپنے بیچاری والدہ کی خیالی ڈانٹ یاد آ جاتی۔

چھوٹی شہزادی اپنی ملازمہ سے مسلسل شکایت کرتی رہی کہ آج اس نے بستر اچھے انداز سے نہیں بچھایا۔ اس پر نہ سیدھا لیٹا جاتا ہے اور نہ پہلو کے بل اطمینان ہوتا ہے۔ اس کا بوجھ اسے مشکلات میں مبتلا کر رہا تھا۔ اب جبکہ اناطول پہنچ گیا تھا، یہ بوجھ پہلے سے بھی زیادہ مشکل ثابت ہونے لگا۔ اناطول کی موجودگی سے اسے وہ دن یاد آ گئے جب وہ ہلکی پھلکی اور خوشی سے معمور تھی۔ وہ سونے کا لباس اور رات کو اوڑھنے والی ٹوپی سر پر لیے آرام کرسی پر بیٹھی تھی۔ ملازمہ

کا تیا جس کے بال الجھے اور آنکھیں نیند سے بوجھل تھیں پروں سے بنا بھاری بھرکم بستر الٹتے پلٹتے ہوئے منہ ہی منہ میں بڑبڑا رہی تھی۔

شہزادی لیزا کہنے لگی "میں نے کہا تھا کہ یہ کہیں سے ابھرا ہوا اور کہیں سے دبا ہے، اگر مجھے نیند آجائے تو میں خوش ہوں گی، اس میں میرا کوئی قصور نہیں" یہ کہتے ہوئے اس کی آواز اس بچے کی طرح لرزنے لگی جو رو دینے کے قریب ہو۔

معمر شہزادہ نکولائی بھی جاگ رہا تھا۔ تخن کو نیم غنودگی کے عالم میں اس کے غضبناک انداز سے پاؤں زمین پر مارنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ نکولائی کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اسے اپنی بیٹی کے حوالے سے بے عزتی کا سامنا ہوا ہے اور یہ توہین مزید تکلیف دہ اسلئے تھی کہ اس کا تعلق اس کی ذات کی بجائے کسی اور شخصیت سے تھا جو اس کی اپنی بیٹی تھے اور جسے وہ جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا۔ اس نے سوچا "میں تمام معاملے پر دوبارہ غور کرنے کے بعد فیصلہ کروں گا کہ درست راہ کون سی ہے" وہ ایسا کرنے میں تو کامیاب نہ ہو سکا البتہ غصے کے مارے مزید مشتعل ضرور ہوتا رہا۔

وہ سوچنے لگا "ابھی پہلا مرد ہی کیا آیا تھا کہ وہ سب کچھ بھول گئی، مجھے، اپنے باپ کو بھی بھلا دیا، اچھلتی پھرتی ہے، نئے نئے انداز سے بال بناتی ہے، اپنی شکل یوں بنالی کہ پہچانی ہی نہیں جاتی۔ کتنی خوش ہے کہ باپ سے پیچھا چھوٹا! حالانکہ جانتی ہے کہ مجھے یہ پسند نہیں۔ تھو۔۔۔ تھو۔۔۔ تھو! مجھے علم ہی نہ ہو سکا کہ وہ بورین پر نظریں جمائے ہوئے ہے (بورین سے ہر صورت چھٹکارا حاصل کرنا ہوگا) اور اس لڑکی کے وقار کو کیا ہوا کہ اسے یہ سب کچھ دکھائی ہی نہیں دے رہا؟ اپنا نہیں تو میرا ہی سوچ لیتی۔ اسے سمجھانا ہوگا کہ یہ بیوقوف اسے ذرا برابر اہمیت بھی نہیں دیتا اور صرف بورین پر نظریں رکھے ہوئے ہے۔ اس میں نخرہ وقار کا شائبہ تک نہیں ہے، میں اسے سمجھاؤں گا کہ یہ کیا ہوتا ہے۔۔۔"

نکولائی جانتا تھا کہ اگر اس نے ماریا کو بتایا کہ وہ دھوکے کا شکار ہو رہی ہے اور اناطول اس کی بجائے بورین سے محبت کا دم بھرنے لگا ہے تو اس کی انا کو ٹھیس پہنچے گی اور اس کا مقصد (بیٹی کو جدا نہ کرنا) بھی پورا ہو جائے گا۔ ذہن میں یہ خیال آتے ہی وہ پرسکون ہو گیا۔ اس نے تخن کو آواز دی اور کپڑے بدلنا شروع کر دیے۔

تخن اس کی سوکھی ہڈیوں پر جہاں گوشت غائب ہو چکا تھا اور صرف بال باقی تھے، قمیض پہنانے لگا جبکہ وہ سوچ رہا تھا "انہیں شیطان یہاں لایا ہے، میں نے تو انہیں نہیں بلایا تھا؟ خود ہی آگئے اور میری بچی کی زندگی میں خلل ڈال دیا" بعض اوقات نکولائی کے خیالات خود بخود زبان پر آجاتے تھے اور وہ بلند آواز سے ان کا اظہار کرنے لگتا تھا۔ تخن اس کا عادی تھا، چنانچہ جب اس کا غصیلا اور سوالیہ چہرہ قمیض سے برآمد ہوا تو اس نے سکون سے اس کا سامنا کیا۔

نکولائی نے پوچھا "تمام لوگ سو گئے؟"

تمام اچھے نوکروں کی طرح تخن بھی اپنے آقا کے خیالات جانچنے کا ماہر ہو چکا تھا لہٰذا وہ سمجھ گیا کہ بوڑھے کا اشارہ شہزادہ ویسلے اور اس کے بیٹے کی طرف ہے۔

تخن نے جواب دیا "جناب عالی! معزز مہمانوں نے روشنیاں گل کر دی ہیں اور بستروں پر لیٹ گئے ہیں"

نکولائی تیزی سے بڑبڑانے لگا "کوئی وجہ نہیں تھی، کوئی وجہ نہ تھی۔۔۔" اس نے جوتے پہنے اور بازو لباس کی آستینوں میں ڈال کر اس صوفے کی جانب چل دیا جس پر وہ سوتا تھا۔

اگرچہ اناطول اور بورین کے مابین ایسی کوئی بات نہ ہوئی تھی مگر جہاں تک ان کے رومان کے پہلے مرحلے

کا تعلق تھا۔۔ بیچاری والدہ کی آمد سے پہلے تک۔۔ وہ ایک دوسرے کی بات اچھی طرح سمجھ گئے تھے اور انہیں محسوس ہو رہا تھا جیسے انہوں نے ایک دوسرے کو تنہائی میں بہت کچھ کہنا ہے۔ چنانچہ ابھی سورج نہیں نکلا تھا کہ انہوں نے ملنے کا موقع تلاش کرنا شروع کر دیا۔ جب شہزادی ماریا مقررہ وقت پر اپنے والد کے کمرے میں چلی گئی تو اناطول اور مادموذیل بورین پودگھر میں چلے آئے۔

شہزادی ماریا جب اپنے والد کے کمرے کے دروازے پر پہنچی تو یہ سوچ کر اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا کہ آج اس کی قسمت کا فیصلہ ہو جائے گا اور یہ بات ہر شخص کو معلوم ہے نیز وہ بھی جانتا ہے کہ میں اس کے بارے میں کیا سوچ رہی ہوں۔ اسے یہ بات تخن کے چہرے پر لکھی دکھائی دی اور شہزادہ ویسلے کے ذاتی ملازم کے چہرے پر بھی نظر آرہی تھی جسے اس نے راہداری میں دیکھا تھا اور اس نے ماریا کو جھک کر سلام کیا تھا۔

اس صبح معمر نکولائی اپنی بیٹی سے شفقت آمیز اور محتاط انداز میں پیش آیا۔ اس کے چہرے پر جو کشیدگی عیاں تھی اس سے ماریا اچھی طرح آگاہ تھی۔ یہ وہی تاثر تھا جو اس وقت اس کے چہرے پر ظاہر ہوتا تھا جب وہ ریاضی کا کوئی سوال نہ سمجھ پاتی تھی۔ اس موقع پر وہ جھلا جاتا اور اس کی مٹھیاں بھنچ جاتیں۔ وہ اپنی کرسی سے اٹھتا اور پرے جا کر بار بار وہی الفاظ دبی زبان میں دہرانے لگتا۔

وہ فوراً مطلب کی بات پر آگیا اور غیر فطری انداز میں مسکراتے ہوئے کہنے لگا "مجھے تمہارے بارے میں ایک تجویز پیش کی گئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ اندازہ تو تم بھی لگا چکی ہوگی کہ شہزادہ ویسلے اپنے متوسل (نامعلوم وجوہ کی بنا پر نکولائی نے اناطول کیلئے یہ لفظ استعمال کیا) کے ساتھ یہاں میری خوشی کیلئے نہیں آیا۔ کل رات اس نے مجھ سے تمہارا رشتہ مانگا۔ تم میرے اصولوں سے واقف ہو اس لیے میں یہ معاملہ تمہارے حوالے کرتا ہوں"

شہزادی ماریا کا چہرہ پہلے سرخ اور پھر سفید پڑ گیا، اس نے پوچھا "ابا جان، آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

نکولائی غصے سے سرخ ہو کر کہنے لگا "تم کیا سمجھوگی کہ میرا مطلب کیا ہے۔ شہزادہ ویسلے تمہیں اپنی بہو بنانا چاہتا ہے اور اس نے اپنے متوسل کی جانب سے تمہارا رشتہ مانگا ہے، سمجھ آئی میری بات، میں پوچھتا ہوں تمہیں کیا سمجھ آیا؟"

شہزادی نے آہستگی سے کہا "میں نہیں جانتی کہ اس حوالے سے آپ کی کیا رائے ہے"

نکولائی نے کہا "میری رائے؟ میرا اس سے کیا تعلق ہے؟ شادی میں نے نہیں تم نے کرنی ہے۔ تم کیا کہتی ہو؟ یہی بات معلوم ہونی چاہیے"

شہزادی سمجھ گئی کہ وہ شادی کے پیغام پر خوش نہیں ہے تاہم ساتھ ساتھ اس کے ذہن میں یہ خیال بھی آیا کہ یا تو اس کی شادی کا فیصلہ آج ہو جائے گا یا پھر وہ ہمیشہ پچھتاتی رہے گی۔ اس نے اپنی نظریں جھکا لیں تاکہ ان نگاہوں کا سامنا نہ کر سکے جن کے بارے میں وہ سمجھتی تھی کہ اگر وہ اس پر اسی طرح جمی رہیں تو وہ سوچنے سمجھنے سے عاری ہو جائے گی اور حکم ماننے کے سوا کچھ نہ کر پائے گی کیونکہ یہ اس کی عادت بن چکی تھی۔

ماریا بولی "میں صرف آپ کی خواہش کے مطابق عمل کرنا چاہتی ہوں، تاہم اگر مجھے صرف یہی بتانا ہے کہ میری خواہش کیا ہے تو۔۔۔"

اس نے اپنی بات ختم نہ کی تھی کہ نکولائی نے اسے ٹوک دیا اور با آواز بلند بولا "ٹھیک ہے! وہ تمہیں جہیز سمیت لے جائے گا مگر مادموذیل بورین اسے مفت میں مل جائے گی۔ بیوی وہ ہوگی اور تم۔۔"

نکولائی نرم پڑ گیا۔ وہ بیٹی پر اپنے الفاظ کا اثر دیکھ رہا تھا۔ شہزادی نے اپنی نظریں جھکالیں جن میں آنسو بھر آئے تھے۔

معمر شہزادے نے کہا" چھوڑو، چھوڑو، میں مذاق کر رہا تھا۔ شہزادی، یاد رکھو میرا اصول ہے کہ نوجوان لڑکی کو اپنے شوہر کے چناؤ کا پورا حق حاصل ہے۔ میں تمہیں مکمل اختیار دیتا ہوں، تاہم یاد رہے کہ تمہاری زندگی کی خوشیاں تمہارے اپنے فیصلے پر منحصر ہوں گی۔ میرے بارے میں بات کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے"

ماریا نے کہا" مگر ابا جان، میں تو نہیں جانتی کہ۔۔۔"

نکولائی نے جواب دیا" مزید باتوں کی ضرورت نہیں! وہ حکم ملنے پر کسی سے بھی شادی کر لے گا مگر تمہیں انتخاب کی آزادی ہے۔۔۔ اپنے کمرے میں جاؤ، اس پر غور و فکر کرو اور ایک گھنٹے بعد واپس آ کر مجھے اس کے سامنے ہاں یا ناں میں جواب دے دو۔ میں جانتا ہوں کہ تم دعائیں مانگو گی، اگر ایسا کرنا چاہتی ہو تو کرو، ضرور دعا مانگو، اب چلی جاؤ"

شہزادی کمرے سے باہر نکل گئی مگر وہ ابھی تک" ہاں یا ناں" کی گردان کیے جا رہا تھا۔ اس کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا تھا اور یہ اس کی خوشیوں کے حق میں ہوا تھا مگر اس کے والد نے مادموزیل بورین کے بارے میں جو کچھ کہا تھا وہ بیحد بھیانک تھا۔ وہ بار بار یہی بات سوچ رہی تھی کیونکہ یہ اس کے ذہن سے نہیں نکلی تھی۔ یہ بات سوچتے ہوئے وہ پودگھر میں پہنچ گئی۔ اسے کچھ سنائی اور دکھائی نہ دے رہا تھا۔ اچانک مادموزیل بورین کی مانوس آواز سن کر وہ ہوش کی دنیا میں واپس آ گئی۔ اس نے سامنے دیکھا تو چند قدم کے فاصلے پر اناطول فرانسیسی خاتون کو بانہوں میں لیے دکھائی دیا۔ وہ اس سے سرگوشیوں میں کچھ کہہ رہا تھا۔ اناطول نے شہزادی ماریا کو دیکھا تو اس کے چہرے پر خوف کے سائے لہرا گئے تاہم اس نے مادموزیل بورین کو اپنی بانہوں سے علیحدہ نہ کیا جسے ابھی تک ماریا دکھائی نہ دی تھی۔

اناطول کے چہرے پر کچھ ایسا تاثر تھا جیسے کہہ رہا ہو" کون ہو تم؟ کیا چاہتے ہو؟ ذرا ٹھہرو!" شہزادی ماریا انہیں خاموشی سے دیکھتی رہی۔ آخرکار مادموزیل بورین نے ماریا کو دیکھ لیا اور چیخ مار کر وہاں سے بھاگ گئی۔ اناطول یوں مسکرایا جیسے اسے بیحد مزا آ رہا ہو۔ اس نے شہزادی ماریا کو یوں جھک کر سلام کیا جیسے اسے اس نرالے واقعہ پر ہنسنے کو کہہ رہا ہو۔ پھر اس نے کندھے اچکائے اور اپنی رہائش گاہ کی جانب کھلنے والے دروازے کی طرف چل دیا۔

ایک گھنٹے بعد تخن نے ماریا کے کمرے میں آ کر بتایا کہ اسے معمر شہزادے نے یاد کیا ہے اور شہزادہ ویسلے بھی ان کے ساتھ ہیں۔ وہ جب کمرے میں آیا تھا تو اس وقت شہزادی ماریا مادموزیل بورین کو اپنی بانہوں میں لیے صوفے پر بیٹھی اس کا سر سہلانے میں مصروف تھی جس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ شہزادی ماریا کی خوبصورت آنکھوں کی چمک اور وقار دوبارہ لوٹ آیا تھا اور وہ مادموزیل بورین کے خوبصورت چہرے کو پرشفقت نگاہوں سے دیکھے جا رہی تھی۔

مادموزیل بولی" نہیں شہزادی، میں آپ کی نظروں سے ہمیشہ کیلئے گر گئی ہوں"

شہزادی ماریا کہنے لگی" کیوں؟ میں تو تمہیں پہلے سے زیادہ چاہنے لگی ہوں۔ تمہاری خوشی کیلئے مجھ سے جو کچھ ہو سکا کروں گی"

بورین نے کہا" مگر دل میں تو آپ مجھ سے ہمیشہ کیلئے نفرت کرتی رہیں گی۔ آپ اس قدر پاکیزہ ہیں کہ حیوانی جذبات کے غلبے کو نہیں سمجھ سکتیں، آہ، میری بیچاری ماں۔۔۔"

شہزادی ماریا اداسی سے مسکرا کر بولی" میں سب کچھ سمجھتی ہوں، اپنے آپ کو سنبھالو، میں ابا جان کے پاس جا رہی ہوں" یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر چلی گئی۔

جب شہزادی ماریا اپنے والد کے کمرے میں داخل ہوئی تو شہزادہ ویسلے ٹانگ پر ٹانگ رکھے بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں نسوار کی ڈبیا اور چہرے پر جذباتی مسکراہٹ طاری تھی۔ اس کی مسکراہٹ دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے کہہ رہا ہو" میں اسقدر متاثر ہوا ہوں کہ اپنی حساسیت پر خود رونے اور ہنسنے پر مجبور ہوں" اس نے تیزی سے چٹکی بھر نسوار منہ میں ڈال لی۔

ماریا اندر آئی تو وہ اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھامتے ہوئے بولا" اوہ، میری پیاری" پھر لمبی سانس لے کر کہنے لگا" میرے بیٹے کی قسمت تمہارے ہاتھ میں ہے، میری پیاری، میری نیک دل ماریا، ہمیں اپنا فیصلہ بتا دو۔ میں نے تمہیں ہمیشہ اپنی بیٹی کی طرح سمجھا ہے۔ بات مکمل کرنے کے بعد وہ پیچھے ہٹ گیا اور اس کی آنکھوں میں حقیقی آنسو بھر آئے۔

نکولائی ناک میں بولا" اوں ہوں، شہزادے نے اپنے متوسل۔۔۔ اپنے بیٹے کی جانب سے تمہیں شادی کی پیشکش کی ہے۔ تم شہزادہ اناطول کوراگن کی بیوی بننا چاہتی ہو یا نہیں؟ ہاں یا ناں میں جواب دو۔ میں اپنی رائے کے بارے میں بعد میں بتاؤں گا۔ ہاں، یہ صرف میری رائے ہوگی" اس نے شہزادہ ویسلے کی التجائیہ نظروں کی طرف دیکھتے ہوئے مزید کہا" ہاں یا ناں"

شہزادی ماریا نے اپنی خوبصورت آنکھیں والد کے چہرے سے شہزادہ ویسلے کی جانب منتقل کرتے ہوئے کہا" ابا جان! میں آپ سے کبھی جدا نہیں ہونا چاہتی۔ میں شادی کی خواہش نہیں رکھتی" یہ کہتے ہوئے اس کا لہجہ پر اعتماد تھا۔

نکولائی چلایا" بیوقوف، بکواس! احمق، احمق!" اس کی پیشانی پر شکنیں ابھر آئیں اور اس نے اپنی بیٹی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا۔ اس نے ماریا کا بوسہ تو نہ لیا البتہ اپنی پیشانی اس کے ماتھے سے لگائی۔ پھر اس نے اس کا ہاتھ اس زور سے دبایا کہ ماریا کو بھی جھرجھری آ گئی اور اس کے منہ سے بے اختیار آہ نکل گئی" شہزادی ویسلے اٹھ کھڑا ہوا۔

وہ ماریا سے مخاطب ہو کر کہنے لگا" میری پیاری تم مجھے یہ کہنے کی اجازت دو کہ میں یہ لمحہ تمام عمر نہیں بھلا پاؤں گا۔ مگر میری پیاری کیا تم ہمیں یہ تھوڑی سی امید بھی نہیں دلاؤ گی کہ ہم کبھی تمہارے دل کو جو اس قدر نیک اور غنی ہے نہیں جیت پائیں گے۔ صرف شاید ہی کہہ دو، مستقبل بہت وسیع ہے، کہو، شاید"

نکولائی نے کہا" میرے عزیز! معاملہ ختم ہو گیا ہے" تم سے مل کر خوشی ہوئی۔ شہزادی تم اپنے کمرے میں واپس چلی جاؤ، جاؤ" یہ کہہ کر وہ دوبارہ ویسلے کے گلے لگ گیا اور کہنے لگا" تم سے مل کر بیحد خوشی ہوئی"

شہزادی ماریا سوچ رہی تھی کہ" میری طبیعت کچھ اور ہے۔ میری فطرت کا تقاضا ہے کہ میں کسی اور انداز سے خوشی تلاش کروں محبت اور ایثار کی راہ پر چلوں، پھر مجھے خوشیاں مل سکیں گی۔ اور میں اس بیچاری امیلی کو ہر حال میں خوشی بہم پہنچاؤں گی۔ وہ اس سے ٹوٹ کر پیار کرتی ہے اور جو کچھ اس نے کیا اس پر پشیمان ہے۔ ان دونوں کی شادی کیلئے مجھ سے جو کچھ ہوا ضرور کروں گی۔ اگر وہ اسقدر دولت مند نہیں تو میں بورین کو وسائل مہیا کروں گی۔ میں ابا جان کی منت سماجت کروں گی، آندرے سے کہوں گی۔ جب وہ اس کی بیوی بن جائے گی تو مجھے دلی خوشی ہوگی۔ بیچاری کس قدر بدقسمت ہے، اجنبی، اکیلی، اوہ میرے خدا! وہ اسے کس قدر پیار کرتی ہوگی کہ خود کو بھی بھلا بیٹھی! شاید میں بھی یہی کچھ کرتی۔۔۔"

(6)

رستوف خاندان کو کافی عرصہ تک نکولائی کی کوئی خبر نہ مل سکی یہاں تک کہ نصف موسم سرما بیت گیا۔ اسی دوران

نواب کو ایک خط ملا جسے اس کے بیٹے نے اپنے ہاتھوں سے تحریر کیا تھا۔ خط ملتے ہی وہ دوسروں کی نگاہوں سے بچ کر دبے قدموں سے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور وہ خط پڑھنے کیلئے بے تاب تھا۔ اس نے دروازہ بند کیا اور پڑھنا شروع کر دیا۔ اینا میخائلونا کو خط کے بارے میں معلوم ہوا تو (اسے گھر میں پل پل کی خبر رہتی تھی) تو وہ دبے پاؤں نواب کے کمرے میں چلی گئی۔ اس نے دیکھا کہ نواب ہاتھ میں خط پکڑے بیک وقت رو اور ہنس رہا ہے۔ اگرچہ اینا میخائلونا کے حالات بہتر ہو گئے تھے مگر وہ ابھی تک رستوف خاندان کے ہاں رہائش پذیر تھی۔

اس نے مغموم لہجے میں پوچھا "کیا ہوا، عزیز دوست؟" وہ موقع کی مناسبت سے ہر طرح کی ہمدردی کا اظہار کرنے کو تیار تھی۔ نواب با آواز بلند سسکیاں بھرنے لگا۔

اینا میخائلونا کے جواب میں اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "نکولشکا۔۔۔ خط۔۔۔ زخمی۔۔۔ وہ زخمی۔۔۔ میرا پیارا۔۔۔ زخمی۔۔۔ میرا پیارا بچہ۔۔۔ چھوٹی بیگم۔۔۔ ترقی ہو گئی۔۔۔ خدا کا شکر ہے۔۔۔ ہم یہ سب کچھ چھوٹی بیگم کو کیسے بتلائیں گے؟"

اینا میخائلونا اس کے قریب بیٹھ گئی اور خط پر ٹپکنے والے اس کے آنسو اپنے رومال سے پونچھنے کے بعد یہ خود پڑھا اور نواب کو تسلی دینے کے بعد بتایا کہ وہ شام کے کھانے اور اس کے بعد چائے تک بیگم کو یہ خبر سنانے کیلئے خود تیار کرے گی اور خدا کی مدد سے چائے کے بعد اسے سب کچھ بتا دے گی۔ شام کے کھانے پر اینا میخائلونا جنگ کے بارے میں افواہوں اور نکولائی رستوف کے بارے میں گفتگو کرتی رہی۔ اگرچہ اسے پہلے ہی علم ہو چکا تھا کہ پھر بھی اس نے پوچھا کہ اس کا آخری خط کب ملا تھا۔ پھر خود ہی کہنے لگی "مجھے یوں لگتا ہے جیسے آج ہی اس کا خط مل جائے" ان اشاروں کنایوں سے بیگم رستوف کو پریشانی ہوتی تو وہ گھبرا کر کبھی نواب اور کبھی اینا میخائلونا کی جانب دیکھنے لگتی۔ اس دوران اینا مہارت سے گفتگو کا رخ روزمرہ کی باتوں کی جانب موڑ دیتی۔ تمام خاندان میں نتاشا وہ واحد ہستی تھی جسے آوازوں کے اتار چڑھاؤ اور چہروں کے تاثرات جاننے میں مہارت حاصل تھی۔ کھانے کے آغاز ہی میں اسے شک ہو گیا۔ وہ محسوس کر رہی تھی کہ کہیں کوئی گڑبڑ ہے۔ اس کا والد اور اینا میخائلونا کوئی بات چھپا رہے ہیں اور چھپائی جانے والی بات کا تعلق اس کے بھائی سے ہے نیز اینا میخائلونا کے انداز گفتگو کا مقصد انہیں یہ بات سننے کیلئے تیار کرنا ہے۔ تاہم اپنی تمام تر بیباکی کے باوجود وہ کھانے کے دوران کوئی سوال نہ پوچھ سکی (وہ جانتی تھی کہ اس کی والدہ نکولشکا کے بارے میں بیحد حساس ہے) تاہم تجسس نے اسے بے چین کر دیا۔ وہ اچھی طرح کھانا بھی نہ کھا سکی اور گورنس کی ڈانٹ کے باوجود کرسی پر پہلو بدلتی رہی۔ کھانا کھانے کے بعد وہ وہ اینا میخائلونا کے پیچھے بھاگی اور بیٹھنے کے کمرے میں اسے جا لیا۔ نتاشا چھلانگ لگا کر اس کی گردن پر سوار ہو گئی اور پوچھنے لگی "پیاری خالہ، مجھے بتائیں کیا بات ہے؟"

اینا میخائلونا نے جواب دیا "کچھ نہیں، میری پیاری"

نتاشا نے کہا "نہیں، اچھی، پیاری خالہ! میں آپ کو ایسے نہیں جانے دوں گی۔ میں جانتی ہوں کہ آپ کو کسی خاص بات کا علم ہے"

اینا میخائلونا اپنی گردن کو تیزی سے جھٹکتے ہوئے بولی "تم بہت تیز ہو، میری بچی"

نتاشا چلا کر بولی "نکولینکا کا خط؟ مجھے یقین ہے" اس نے اینا میخائلونا کے چہرے پر اپنی بات کی تصدیق دیکھ لی تھی۔

اینا میخائلونا نے کہا "مگر خدا کیلئے احتیاط کرنا تم جانتی ہو کہ تمہاری والدہ کو اس سے کس قدر صدمہ پہنچ سکتا ہے"

نتاشا کہنے لگی "ہاں، ہاں، بس مجھے بتا دیں۔ آپ مجھے نہیں بتائیں گی تو میں ابھی جا کر انہیں آگاہ کرتی ہوں۔"

اینا میخائلونا نے اس شرط پر اسے خط میں لکھی باتیں بتا دیں کہ وہ کسی سے ان کا ذکر نہیں کرے گی۔ نتاشا نے اپنے سینے پر صلیب کا نشان بناتے ہوئے کہا "نہیں، وعدہ رہا نہیں بتاؤں گی" یہ کہہ کر وہ فوراً سونیا کی تلاش میں بھاگی اور اسے دیکھتے ہی بولی "نکولینکا۔۔۔ زخمی۔۔۔ خط" اس کی آواز خوشی سے معمور تھی۔

سونیا کے منہ سے صرف اتنا نکلا "نکولینکا۔۔۔" اور اس کا رنگ فق ہو گیا۔ نتاشا نے اس پر اپنے بھائی کے زخمی ہونے کی خبر کا یہ اثر دیکھا تو پہلی مرتبہ اطلاع کی سنگینی کا احساس ہوا۔

وہ تیزی سے سونیا کی جانب بڑھی اور اس کی گردن میں بازو ڈال کر زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ آنسوؤں کے درمیان ہی اس نے سونیا کو بتایا "اسے معمولی زخم آیا ہے اور ان کی ترقی ہو گئی ہے، خط انہوں نے خود لکھا ہے"

پیٹیا جو لمبے لمبے اور پرعزم قدموں سے کمرے کے چکر لگا رہا تھا، کہنے لگا "سب جان گئے ہیں کہ تمام عورتوں کو بس بچوں کی طرح رونا ہی آتا ہے۔ میں بیحد خوش ہوں کہ میرے بھائی نے اتنی بہادری کا مظاہرہ کیا۔ تم لوگ بس رو ہی سکتے ہو۔ تم نہیں سمجھو گے" اس کی بات سن کر نتاشا روتے ہوئے ہنس دی۔

سونیا نے نتاشا سے پوچھا "تم نے خط نہیں پڑھا؟"

نتاشا نے جواب دیا "نہیں، مگر انہوں نے مجھے بتایا ہے کہ معاملہ ختم ہو گیا ہے اور وہ افسر بن گئے ہیں"

سونیا اپنے سینے پر صلیب کا نشان بناتے ہوئے بولی "خدا کا شکر ہے! مگر شاید انہوں نے تمہیں پوری بات نہیں بتائی، آؤ امی کے پاس جاتے ہیں"

پیٹیا خاموشی سے کمرے میں گھومتا رہا اور پھر کہنے لگا "اگر نکولینکا کی جگہ میں ہوتا تو کہیں زیادہ تعداد میں فرانسیسیوں کو مارتا۔ میں انہیں اتنا مارتا کہ لاشوں کے ڈھیر لگ جاتے۔ وہ بولتا گیا"

نتاشا بولی "پیٹیا، خاموش رہو تم بالکل بیوقوف ہو"

پیٹیا نے جواباً کہا "بیوقوف میں نہیں بلکہ وہ ہیں جو بلاوجہ رونے لگ جاتے ہیں"

ایک لمحے کی خاموشی کے بعد نتاشا نے سونیا سے اچانک پوچھا "کیا وہ تمہیں یاد ہیں؟"

سونیا مسکرا کر بولی "کیا مجھے نکولینکا یاد ہیں؟"

نتاشا نے زوردار انداز میں اپنا بازو لہراتے ہوئے کہا "نہیں، میرا مطلب یہ تھا کہ کیا وہ تمہیں ان کی ایک ایک بات یاد ہے؟" اس کے انداز سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اپنے الفاظ کو سنجیدگی کے معانی پہنانے کی کوشش کر رہی ہے۔ اس نے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا "نکولینکا مجھے بھی یاد ہیں مگر بورس اسطرح یاد نہیں آتا۔ میں اسے بالکل یاد نہیں کر سکتی"

سونیا نے حیرانگی سے پوچھا "کیا تمہیں بورس یاد نہیں؟"

نتاشا بولی "نہیں، یہ بات نہیں۔ میں جانتی ہوں کہ وہ کیسا ہے مگر جس طرح نکولینکا کو یاد کر سکتی ہوں کہ آنکھیں بند کرنے پر وہ مجھے بالکل سامنے کھڑا نظر آتا ہے، مگر بورس۔۔۔ (اس نے آنکھیں بند کر لیں) نہیں، کچھ بھی نہیں"

سونیا کہنے لگی" اور نتاشا! جب مجھے تمہارے بھائی سے محبت ہوئی تو میں یہی سمجھی کہ بس اسی کی ہوگئی ہوں۔ اب اسے کچھ ہو جائے یا مجھے، میں آخری دم تک اسی سے پیار کرتی رہوں گی" اس کا لہجہ ایسا تھا جیسے وہ اپنی بات کو قابل بیان نہیں سمجھتی بلکہ وہ کسی ایسے شخص سے مخاطب ہے جس سے فنی مذاق بالکل نہیں کیا جا سکتا"

نتاشا اسے حیرت اور تجسس بھری نظروں سے دیکھنے لگی تاہم خاموش رہی۔ اسے محسوس ہوا کہ سونیا نے جو کچھ کہا وہ حقیقت ہے اور ایسی محبت واقعی موجود ہے۔ مگر خود اسے ایسا کوئی تجربہ نہیں ہوا تھا۔ اسے یقین تھا کہ دنیا میں اس قسم کی محبت ہو سکتی ہے مگر وہ اسے سمجھ نہیں پائی تھی۔

اس نے سونیا سے پوچھا "انہیں خط لکھیں؟" سونیا سوچ میں گم ہوگئی۔ یہ سوال اس کیلئے بیحد تکلیف دہ تھا کہ اب جبکہ وہ افسر بن چکا ہے اور اس نے زخمی ہیرو کا درجہ بھی حاصل کر لیا ہے، اسے اپنے بارے میں یاد دلانا مناسب بھی ہوگا یا نہیں؟ کہیں اس سے وہ یہ نہ سمجھ لے کہ میں بہانے سے اسے اپنے متعلق ذمہ داری یاد دلا رہی ہوں۔ اس نے شرماتے ہوئے نتاشا کو جواب دیا "میں نہیں جانتی، میرا خیال ہے کہ اس نے مجھے خط لکھا تو میں بھی ضرور لکھوں گی"

نتاشا نے پوچھا "تم انہیں خط لکھتے ہوئے شرماؤ گی تو نہیں؟"

سونیا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "نہیں!"

نتاشا نے کہا "مجھے بورس کو خط لکھتے ہوئے بیحد شرم آئے گی اور میں اسے نہیں لکھوں گی"

سونیا کہنے لگی "اوہ، اس میں شرمانے کی کیا بات ہے"

نتاشا نے جواب دیا "نہ جانے کیوں، بس مجھے کچھ عجیب سا لگتا ہے، شرم آتی ہے"

پیتیا جسے کچھ دیر قبل نتاشا کی بات سن کر بیحد غصہ آیا تھا کہنے لگا "میں جانتا ہوں اسے کیوں شرم آ رہی ہے، اس لیے کہ یہ اس موٹے عینک والے (وہ اپنے ہم نام پیری کا اسی طرح ذکر کرتا تھا) پر لٹو ہوگئی تھی اور اب اسے اس گانے والے (اس کا اشارہ نتاشا کو موسیقی کی تعلیم دینے والے اطالوی استاد کی جانب تھا) سے عشق ہو گیا ہے۔ اسی لیے اسے شرم آتی ہے۔

نتاشا نے کہا "پیتیا! تم بیوقوف ہو"

نوسالہ پیتیا کہنے لگا "میڈم میں تم سے بڑا بیوقوف نہیں ہوں" اس کا لہجہ ایسا تھا جیسے کوئی عمر رسیدہ بریگیڈیئر گفتگو کر رہا ہو۔

اینا میخائلوونا کی اشارتی گفتگو کی بدولت بیگم رستوف اس خبر کیلئے ذہنی طور پر تیار تھی۔ وہ اپنے کمرے میں آرام کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس کی نگاہیں نسوار کی ڈبیا پر کندہ اپنے بیٹے کی تصویر پر گڑی تھیں اور اس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔ اینا میخائلوونا ہاتھ میں خط پکڑے پنجوں کے بل چلتی اس کے کمرے کی جانب آئی اور دروازے پر رک گئی۔

اس نے معمر نواب سے کہا آپ بعد میں آئیے گا اور خود اندر جا کر دروازہ بند کر دیا۔

نواب نے دروازے سے کان لگا دیے۔ پہلے تو اسے ادھر ادھر کی باتیں سنائی دیں، پھر اینا میخائلوونا نے طویل گفتگو شروع کر دی، بعد ازاں چیخنے کی آواز سنائی دی اور پھر خاموشی چھا گئی۔ کچھ دیر بعد دونوں خواتین نے بیک وقت خوشی سے بولنا شروع کر دیا۔ بالآخر قدموں کی چاپ سنائی دی اور اینا میخائلوونا نے دروازہ کھول دیا۔ اس کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے کوئی سرجن مشکل آپریشن سے فارغ ہونے کے بعد لوگوں کو اپنی مہارت کے ملاحظے کی دعوت دے رہا ہو۔

اینا میخائلوونا فتح مند انداز میں بولی" ہو گیا!" اور بیگم رستوف کی جانب اشارہ کیا جو ایک ہاتھ میں نسوار کی ڈبیا جس پر نکولائی کی تصویر کندہ تھی اور دوسرے میں اس کا خط تھامے باری باری دونوں کو ہونٹوں سے لگا رہی تھی۔ اس نے نواب کو دیکھ کر بازو پھیلا دیے اور اس کے گنجے سر کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ ساتھ ساتھ وہ ڈبیا پر کندہ تصویر اور خط کو بھی دیکھ رہی تھی۔ اس نے دونوں اشیاء کو ایک مرتبہ پھر چومنے کیلئے گنجا سر آہستگی سے ایک جانب دھکیل دیا۔ ویرا، نتاشا، سونیا اور پیتیا بھی کمرے میں آ گئے اور خط کو ایک مرتبہ پھر پڑھا گیا۔ خط میں اس نے فوجی مہم، دولڑائیوں جن میں وہ شریک ہوا تھا اور اپنی ترقی کی داستان بیان کرنے کے بعد والدین کی دست بوسی اور ان سے اپنے لیے دعا کرنے کی درخواست کی تھی۔ اس نے ویرا، نتاشا اور پیتیا کے بارے میں بھی لکھا کہ وہ ان کے ہاتھوں کو بھی چومتا ہے۔ خط میں اس نے موسیو شیلنگ، مادام شوس اور اپنی پرانی نرس کو بھی سلام بھیجا تھا۔ آخر میں اس نے درخواست کی تھی کہ میری جانب سے پیاری سونیا کا بھی بوسہ لیا جائے، میں اب بھی اس سے پیار کرتا ہوں اور اس کے بارے میں میرے خیالات اب بھی پہلے کی طرح ہیں۔ سونیا یہ سن کر شرما گئی اور اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ وہ خود کو دیکھنے والی نگاہوں کی تاب نہ لاتے ہوئے ہال کمرے میں بھاگ گئی اور وہاں جا کر اتنا ناچی کہ اس کا لباس غبارے کی طرح پھول گیا۔ بیگم رستوف رو رہی تھی۔

ویرا نے پوچھا "امی آپ کیوں رو رہی ہیں؟ اس نے جو لکھا ہے اس پر ہمیں خوش ہونا چاہیے"

اس کی بات بالکل درست تھی مگر نواب، بیگم، نتاشا اور دیگر تمام اسے ملامت بھری نظروں سے دیکھنے لگے۔ بیگم نے سوچا "یہ کس پر گئی ہے؟"

نکولشکا کا خط سینکڑوں مرتبہ پڑھا گیا اور جن لوگوں کو اس خط کے مندرجات سنانے کے قابل سمجھا گیا انہیں بیگم رستوف سے ملنا پڑتا تھا کیونکہ وہ خط ہاتھ سے چھوڑنے پر تیار نہ تھی۔ استاد، آیائیں، متنکا اور متعدد واقف کار آتے اور بیگم انہیں خود یہ خط پڑھ کر سناتی۔ ہر مرتبہ اسے غیر معمولی لطف آتا اور ہر بار اس پر اپنے نکولشکا کی نئی خوبیاں آشکار ہوتیں۔ اسے یہ بات نہایت غیر معمولی اور مسرت افزا معلوم ہوتی کہ اس کا بیٹا۔ جس کے ننھے منے اعضا بیس برس قبل اسے اپنے جسم میں ہلکی سی حرکت کرتے محسوس ہوتے تھے، جس کے بارے میں اس کا نواب سے اکثر جھگڑا ہو جاتا تھا حالانکہ وہ خود ضرورت سے زیادہ اس کی ناز برداری کرتا تھا، وہ بیٹا جس نے امی سے پہلے ابا کہنا سیکھا تھا۔ آج وہی بیٹا بیرون ملک اجنبی ماحول میں بہادر جنگجو کی حیثیت سے اکیلا ہے۔ یہ عالمگیر تجربہ بیگم کے نزدیک کوئی وجود نہیں رکھتا تھا کہ بچے غیر محسوس طریقے سے پنگھوڑے سے نکل کر بڑے ہو جاتے ہیں۔ اس کا بیٹا جب زندگی کا ایک مرحلہ طے کر کے دوسرے میں داخل ہوتا تو وہ اسے انتہائی غیر معمولی واقعہ قرار دیتی جیسے اس سے پہلے اربوں انسانوں نے اسی طرح زندگی کے مراحل طے نہیں کیے تھے۔ جس طرح بیس برس قبل اسے یہ بات ناقابل یقین معلوم ہوتی تھی کہ اس کے دل کے نیچے کہیں موجود یہ ننھی منی مخلوق ایک دن چیخے چلائے گی اور اس کا دودھ پئے گی یا باتیں کرے گی بالکل اسی طرح آج اس کیلئے یہ یقین کرنا ناممکن تھا کہ وہی ننھی منی مخلوق قوی اور بہادر فوجی افسر بن چکی ہے نیز بیٹوں اور مردوں کے معیار تک جا پہنچی ہے، جیسا کہ اس کے خط سے ظاہر ہوتا تھا۔

وہ خط پڑھتے ہوئے بولی" کیا انداز بیان ہے اور کس خوبصورت انداز سے ہر شے کا نقشہ کھینچا ہے۔ کتنا بڑا دل ہے، اپنے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں لکھا، کسی دینی سوف کا تفصیل سے ذکر کیا ہے حالانکہ وہ خود دوسروں کی نسبت کہیں زیادہ بہادر ہے۔ میں تو شروع سے کہتی تھی، اس وقت سے کہتی جب وہ چھوٹا سا تھا"

تمام گھرانہ ایک ہفتہ سے زائد عرصہ تک نکولشکا کے نام خط لکھنے میں مصروف رہا۔ ابتدائی مسودے تیار کئے گئے، بار بار نظر ثانی ہوئی اور پھر انہیں خوش خط انداز میں لکھا گیا۔ نئے افسر کی وردیاں بنوانے اور دیگر ضروریات کی فراہمی کیلئے درکار رقم اور دیگر چیزیں بیگم رستوف کی نگرانی اور نواب کی بھاگ دوڑ کے بعد جمع کی گئیں۔ اینا میخائلوونا عملی خاتون تھی۔ وہ فوجی حکام سے اپنے اور اپنے بیٹے کیلئے خاصی مراعات حاصل کرنے میں کامیاب رہی۔ ان مراعات میں اپنے بیٹے کے ساتھ خط وکتابت کی سہولت بھی شامل تھی۔ اسے گارڈز کے کمانڈر گرینڈ ڈیوک کانسٹنٹن پاؤلووچ کے نام خطوط ارسال کرنے کے مواقع بھی میسر تھے۔ رستوف خاندان نے فرض کرلیا کہ خط پر اتنا پتا ہی کافی ہے کہ "روسی گارڈز، مقیم بیرون ملک" کیونکہ گارڈز کے کمانڈر گرینڈ ڈیوک کو خط مل سکتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ یہ پاؤلوگراڈ رجمنٹ تک نہ پہنچ سکے جو اس کے آس پاس ہی کہیں قیام پذیر ہوگی۔ چنانچہ یہ فیصلہ کیا گیا کہ تمام خط اور رقم ڈیوک کے کارندے کے ذریعے بورس تک پہنچائی جائے اور بورس اسے نکولشکا تک پہنچادے گا۔ نواب نے اپنے بیٹے کے نام جو اشیاء بھیجیں ان میں اس کے بیگم رستوف، پیٹیا، ویرا، نتاشا اور سونیا کے خطوط اور اس کی وردی نیز دیگر ضروریات کیلئے چھ ہزار روبل شامل تھے۔

(7)

بارہ نومبر کو اول موتس کے قریب مقیم کوتوزوف کے جنگی دستے روسی اور آسٹروی شہنشاہوں کو سلامی پیش کرنے کی تیاریاں کررہے تھے۔ گارڈز حال ہی میں روس سے آئے تھے اور انہوں نے رات اول موتس سے دس میل دور بسر کی۔ انہیں سلامی پیش کرنے کیلئے صبح دس بجے سیدھا اول موتس کے میدان میں پہنچنا تھا۔

اس دن نکولائی رستوف کو بورس کا خط موصول ہوا جس میں اس نے بتایا تھا کہ اسماعیلووسکی رجمنٹ اول موتس سے دس میل ادھر قیام پذیر ہے۔ میں تم سے ملنے کا خواہشمند ہوں کیونکہ میں نے ایک خط اور کچھ رقم تمہارے حوالے کرنا ہے۔ اب جبکہ فوجی مہم کے بعد دستے اول موتس کے قریب مقیم تھے تو رستوف کو رقم کی اشد ضرورت محسوس ہورہی تھی کیونکہ ان کے کیمپ میں ہر قسم کے مال سے بھری دکانوں کی بہتات ہوگئی تھی اور آسٹروی یہودی ایسی ایسی اشیاء بیچتے تھے جنہیں خریدنے کیلئے ہر شخص کا جی للچاتا تھا۔ فوجی مہم کے دوران پاؤلوگراڈ رجمنٹ کے ہوزاروں کو جو تمغے اور ایوارڈ ملے تھے ان کی خوشی منانے کیلئے مسلسل دعوتیں منعقد ہورہی تھیں۔ علاوہ ازیں لوگ تفریح کی غرض سے جوق در جوق اول موتس آرہے تھے۔ وہیں ہنگری سے تعلق رکھنے والی ایک خاتون کیرولین نے ایک ریستوران بھی کھولا تھا جس میں لڑکیاں بیروں کی خدمات انجام دیتی تھیں۔ رستوف نے کیڈٹ سے لیفٹیننٹ کے عہدے پر ترقی کا گزشتہ دنوں جشن منایا تھا اور اس نے دینی سوف کا بدوی گھوڑا بھی خرید لیا جس کے باعث وہ ہر ایک کا مقروض ہوگیا تھا۔ بورس کا خط ملنے کے بعد وہ گھوڑے پر بیٹھا اور اپنے ایک ساتھی افسر کے ساتھ اول موتس پہنچ گیا۔ وہاں انہوں نے کھانا کھایا اور شراب کی ایک بوتل پی۔ بعد ازاں وہ اپنے بچپن کے دوست کی تلاش میں اکیلا ہی گارڈز کے کیمپ کی جانب چل دیا۔ رستوف کو ابھی تک وردی خریدنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اس نے کیڈٹوں کا وہی پرانا کوٹ پہن رکھا تھا جس پر عام سپاہیوں کی طرح صلیب کا نشان بنا تھا۔ اس کی برجس بھی خاصی خستہ حال تھی جس کی چمڑے سے بنی پشت گھس چکی تھی۔ وہ اپنا افسروں والا خنجر اس پھندنے والی ڈوری کے ساتھ لٹکائے ہوئے تھا جو تلوار باندھنے کے کام آتی تھی۔ وہ جس روسی گھوڑے پر سوار تھا وہ اس نے دوران جنگ ایک قازق سے خریدا تھا۔ اس نے ہوزاروں کی ٹیڑھی میڑھی ٹوپی لاپروائی سے سر کی ایک جانب ٹکا رکھی تھی۔ اسماعیلووسکی رجمنٹ کی جانب جاتے ہوئے وہ یہ سوچ سوچ کر فکرمند ہو رہا تھا کہ

بورس اور اس کے ساتھی اس کا حلیہ دیکھ کر اس کے بارے میں کیا رائے قائم کریں گے۔ وہ شکل وصورت سے بالکل ویسا ہی جنگجو ہوزار معلوم ہوتا تھا جو میدان جنگ میں فائرنگ کا سامنا کرچکا ہو۔

کوچ کے دوران گارڈز نے اپنی نفاست اور نظم وضبط کی جس طرح نمائش کی تھی اس سے یوں لگتا تھا جیسے وہ کسی تفریحی دورے پر نکلے ہیں۔ انہوں نے تمام سفر چھوٹے چھوٹے وقفوں سے اور بہ سہولت طے کیا تھا۔ ان کے تھیلے سامان بردار گاڑیوں پر لدے تھے اور راہ میں ہر جائے قیام پر آسٹروی حکام نے انواع واقسام کے کھانوں سے ان کی تواضع کی۔ رجمنٹیں بینڈ بجاتے ہوئے شہر میں آتیں اور اسی طرح رخصت ہوتیں۔ گرینڈ ڈیوک کے حکم پر گارڈز نے پریڈ کے انداز میں (اس انداز پر انہیں بیحد فخر تھا) تمام سفر طے کیا۔ افسر پیدل تھے اور تمام اپنی اپنی جگہوں پر موجود رہے۔ دوران سفر بورس برگ کے ساتھ رہا جو جنگ میں کپتان بنادیا گیا تھا اور اب کمپنی کمانڈر کے طور پر فرائض انجام دے رہا تھا۔ برگ اپنے فرائض پھرتی اور مستعدی سے انجام دیتا اور وقت کی خاص پابندی کرتا تھا۔ اس طرح وہ اپنے سینئر افسروں کا اعتماد حاصل کرنے اور اپنے مالی امور فائدہ مند بنیادوں پر استوار کرنے میں کامیاب رہا۔ اس دوران بورس نے کئی ایسے افراد سے تعلقات بنالیے تھے جو ضرورت کے وقت اس کے کام آسکتے تھے۔ اس نے پیری سے حاصل کردہ ایک سفارشی خط کے ذریعے شہزادہ آندرے بلکونسکی تک رسائی حاصل کرلی۔ اسے امید تھی کہ وہ اس کے ذریعے کمانڈر انچیف کے عملے میں شمولیت اختیار کرنے میں کامیاب ہوجائے گا۔ بورس اور برگ خود کو ملنے والے صاف ستھرے مکان میں بیٹھے شطرنج کھیل رہے تھے۔ دونوں نے نئی اور صاف ستھری وردیاں زیب تن کررکھی تھیں اور گزشتہ روز کے سفر کے بعد ہونے والی تھکاوٹ بھی دور کرچکے تھے۔ برگ نے تمباکو کا بڑے سائز کا پائپ گھٹنوں میں دبا رکھا تھا اور بورس اپنی نرم ونازک سفید انگلیوں کے ساتھ درستگی اور مہارت سے مہروں کا اہرام بنانے میں مصروف تھا اور اپنے ساتھی کی جانب دیکھتے ہوئے اس کے چال چلنے کا انتظار کررہا تھا۔ یہ بات عیاں تھی کہ وہ صرف اپنے کھیل کے بارے میں سوچ رہا ہے کیونکہ اس کی عادت تھی کہ وہ کوئی کام کرتے وقت اپنی تمام تر توجہ صرف اسی پر مرکوز رکھتا تھا۔

اس نے ایک چال چلتے ہوئے برگ سے پوچھا "ہاں، اب اس سے کیسے بچو گے؟"

برگ نے ایک پیادے کو چھیڑنے کی کوشش کی مگر جلد ہی اپنا ہاتھ واپس پیچھے کھینچتے ہوئے کہنے لگا "کوشش کرتا ہوں"

اس دوران دروازہ کھلا۔

رستوف اندر داخل ہوتے ہی چلا کر بولا "آخر کار مل ہی گیا، اور برگ بھی" پھر اس نے باآواز بلند اپنی پرانی نرس کا ایک جملہ دہرایا جس پر کبھی وہ اور بورس ہنستے تھے۔

بورس نے رستوف کا استقبال کرتے ہوئے کہا "ارے، تم تو بالکل بدل گئے ہو" اٹھنے کے دوران وہ ادھر ادھر ہوجانے والے چند مہروں کو درست کرنا نہیں بھولا تھا۔ وہ اپنے دوست سے گلے ملنا چاہتا تھا مگر نکولائی پیچھے ہٹ گیا۔ وہ اپنے دوست سے اس ملاقات کے موقع پر انوکھے انداز سے ملنا چاہتا تھا کیونکہ جوانی کی خاصیت ہوتی ہے کہ اس دوران انسان مروجہ راستوں پر چلنے سے خائف رہتا اور دوسروں کی تقلید نہیں کرنا چاہتا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے بڑوں کے بنائے ہوئے رسوم ورواج سے ہٹ کر چلنا چاہتا ہے۔ سو وہ روایتی بوسے لینے کی بجائے بورس کے جسم پر چٹکی بھر سکتا تھا اور برگ کو دھکا بھی دے سکتا تھا تاہم ایسے مواقع پر عام لوگوں کا سا طرز عمل اختیار کرنا اس کے لیے ممکن نہ تھا۔ اس کے برعکس بورس پرسکون انداز میں اسے بغلگیر ہوا اور تین مرتبہ اس کا بوسہ لیا۔

دونوں کم وبیش چھ ماہ بعد مل رہے تھے۔ وہ عمر کے اس دور میں تھے جب نوجوان عملی زندگی میں پہلا قدم اٹھاتے ہیں۔ جب وہ آپس میں ملتے ہیں تو انہیں ایک دوسرے میں زبردست تبدیلیاں دکھائی دیتی ہیں۔ درحقیقت یہ تبدیلیاں ان حالات واشخاص کی عکاسی کرتی ہیں جن کے درمیان رہتے ہوئے انہوں نے یہ پہلا قدم اٹھایا ہوتا ہے۔ چنانچہ اپنی آخری ملاقات کے بعد وہ کافی حد تک بدل چکے تھے اور اس دوران اپنے آپ میں پیدا ہونے والی تبدیلیوں کا اظہار کرنے کیلئے بیتاب تھے۔

رستوف نے مغرور فوجی کے سے انداز میں کہا "ارے، تم بڑے بن ٹھن کر پھر رہے ہو، اسقدر صاف ستھرے لگ رہے ہو جیسے موجیں اڑائی جاری ہوں، ایک ہم ہیں کہ بیچارے محاذ جنگ سے واپس آرہے ہیں" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی گرد آلود برجس کی جانب اشارہ کیا۔ بورس کیلئے اس کا یہ انداز گفتگو بالکل نیا تھا۔ بورس کی باآواز بلند گفتگو سن کر جرمن مالک مکان نے دروازے سے جھانکا۔

رستوف آنکھ مار کر بولا "اچھی خاتون ہے، ہے ناں؟"

بورس کہنے لگا "تم اتنا چلا کیوں رہے ہو؟ تم انہیں خوفزدہ کردو گے۔ مجھے تمہارے آج آنے کی امید نہ تھی" اس نے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا" میں نے کوتوزوف کے ایک ایجوٹنٹ بلکونسکی کے ذریعے تمہیں خط بھیجا تھا جو میرا دوست بھی ہے۔ مجھے امید نہ تھی کہ وہ اسے اتنی جلدی تم تک پہنچادے گا۔ اچھا چھوڑو، یہ بتاؤ کیسے ہو، فائرنگ کا سامنا بھی کرلیا؟"

رستوف نے جواب دیے بغیر اپنے بازو کی جانب اشارہ کیا جس پر پٹی بندھی تھی۔ سینٹ جارج کراس کا تمغہ فوجی انداز میں ایک دھاگے کے ذریعے اس کی وردی کے ساتھ لٹک رہا تھا۔ اس نے اسے آگے پیچھے کھینچ کر مسکراتے ہوئے برگ کی جانب دیکھا اور کہنے لگا "ہاں، جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو"

برگ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "ہاں، ہاں، یقیناً" ہماری روانگی بھی بیحد شاندار تھی، تمہیں معلوم ہے کہ ہز ہائی نس نے زیادہ تر سفر ہماری رجمنٹ کے ساتھ کیا، چنانچہ ہمیں ہر قسم کی سہولت میسر تھی۔ پولینڈ میں ہمارے اعزاز میں جو تقریبات، کھانے اور ناچ کی محفلیں منعقد ہوئیں ان کی تفصیلات بتانے کیلئے میرے پاس الفاظ نہیں۔ زارویچ ہم تمام افسروں سے شفقت کا مظاہرہ کرتے رہے۔ پھر دونوں دوست ایک دوسرے کو اپنے اپنے کارناموں کے بارے میں آگاہ کرتے رہے۔ ایک نے ہوزاروں کی خوش فعلیوں اور میدان جنگ میں ان کی زندگی کے بارے میں بتایا اور دوسرے نے اعلیٰ شخصیات کے ساتھ خدمات انجام دینے کے فوائد گنوائے۔

رستوف نے کہا "ارے تم گارڈز، مگر میرا خیال ہے کہ کچھ پینا پلانا ہوجائے"

بورس کے چہرے پر خفگی کے آثار نمودار ہوگئے۔

• وہ رستوف سے مخاطب ہوکر کہنے لگا "اگر تم یہی چاہتے ہو تو پھر ٹھیک ہے" وہ اپنے پلنگ کی جانب گیا اور صاف ستھرے تکیوں کے نیچے سے پرس نکال کر شراب منگوانے کیلئے ایک آدمی بھیج دیا۔ پھر اس نے [illegible] میرے پاس تمہاری جو رقم اور خط ہیں وہ میں تمہیں دیتا ہوں"

رستوف نے رقم صوفے پر اچھال دی اور دونوں بازو میز پر رکھ کر خط پڑھنے بیٹھ گیا۔ کئی سطریں پڑھنے کے بعد اس نے خونخوار نگاہوں سے برگ کی جانب دیکھا۔ دونوں کی نظریں ملیں تو اس نے اپنا چہرہ خط کے نیچے چھپالیا۔

برگ نے بھاری پرس کی جانب دیکھا جس کے بوجھ سے صوفے تھوڑا سا نیچے دب گیا تھا۔ پھر وہ کہنے لگا "

معلوم ہوتا ہے انہوں نے تمہیں خاصی بھاری رقم بھیجی ہے۔ ایک ہم ہیں کہ تنخواہ سے گزارا کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ تو اب میں تمہیں اپنے بارے میں بتا سکتا ہوں کہ۔۔۔"

رستوف نے کہا "برگ، میرے دوست، جب تمہیں گھر سے کوئی خط ملے گا اور تمہاری ملاقات اپنے کسی عزیز سے ہوئی جس سے تم بہت کچھ پوچھنا چاہو گے تو اگر اس وقت میں بھی وہاں موجود ہوا تو فوراً چلا جاؤں گا اور تمہارے معاملے میں دخل اندازی نہیں کروں گا۔ اب برائے مہربانی یہاں سے سیدھے کھسکو اور کہیں بھی چلے جاؤ" اس نے باآواز بلند مزید کہا "خواہ جہنم میں جاؤ مگر چلے جاؤ" پھر اس نے اچانک برگ کا کندھا پکڑا اور پیار سے اس کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے کہا "ناراض مت ہونا" یوں لگتا تھا جیسے وہ مزاح ہی مزاح میں اس سے کی جانیوالی بدتمیزی کا ازالہ کرنا چاہتا ہے۔ بات آگے بڑھاتے ہوئے وہ بولا "تمہارے جیسے پرانے دوست کے ساتھ میں بے تکلفی سے پیش آتا ہوں"

برگ اٹھا اور آہستہ آواز میں بولا "کیوں نہیں نواب، میں تمہاری بات بالکل سمجھ گیا ہوں"

بورس نے تجویز پیش کرتے ہوئے کہا "تم اس مکان والوں کے ہاں کیوں نہیں چلے جاتے، انہوں نے تمہیں دعوت بھی دی تھی"

برگ نے اپنا بہترین اور صاف ستھرا کوٹ پہنا اور آئینے کے سامنے کھڑا ہوکر بال درست کرنے لگا جو اس نے زار الیگزنڈر پاؤلووچ کے انداز میں ترشوائے تھے۔ جب اس نے رستوف کے چہرے سے اندازہ لگالیا کہ وہ اس کا کوٹ دیکھ چکا ہے تو خوش دلی سے مسکراتا ہوا باہر نکل گیا۔

رستوف خط پڑھتے ہوئے بڑبڑایا "میں بھی کس قدر رذیل ہوں"

بورس نے پوچھا "کیوں؟"

رستوف نے جواب دیا "میں بھی کتنا سور ہوں، پہلے تو انہیں خط تک نہ لکھا اور جب لکھا تو انہیں پریشان کرکے رکھ دیا" یہ کہتے ہوئے اس کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ پھر اس نے پوچھا "اچھا چھوڑو، تم نے گاورالا کو شراب لانے کیلئے بھیجا تھا؟ تو پھر کچھ ہوجائے"

گھر والوں نے اسے جو خطوط بھیجے تھے ان میں باگراتیاں کے نام ایک سفارشی رقعہ بھی تھا جو بیگم رستوف نے اینا میخائلونا کے مشورے سے اپنے واقف کاروں کے ذریعے حاصل کرکے بیٹے کو بھیجا تھا۔ اس نے اپنے بیٹے کو تاکید کی تھی کہ وہ یہ خط ہر صورت باگراتیاں تک پہنچادے اور اس سے فائدہ اٹھائے۔

رستوف خط میز تلے پھینکتے ہوئے بولا "بیکار شے ہے، مجھے اس سے کیا لینا"

بورس نے پوچھا "یہ تم نے پھینک کیوں دیا؟"

رستوف نے جواباً کہا "جہنم میں جائے، مجھے اس سے کیا مطلب؟"

بورس نے خط اٹھایا اور اس پر درج پتا پڑھتے ہوئے کہا "جہنم میں کیوں جائے؟ یہ تمہارے بیحد کام آسکتا ہے"

رستوف کہنے لگا "یہ مجھے نہیں چاہیے اور نہ میں کسی کا ایجوٹنٹ بننا چاہتا ہوں"

بورس نے پوچھا "کیوں نہیں؟"

رستوف نے جواب دیا "یہ خوشامدیوں کی نوکری ہے"

rekhta.org is now full screen
Exit Full Screen (Esc)

دونوں کم وبیش چھ ماہ بعد مل رہے تھے ... اٹھاتے ہیں۔ جب وہ آپس میں ملتے ہیں تو انہیں ... تبدیلیاں ان حالات واشخاص کی عکاسی کرتی ہیں جن کے درمیان رہتے ہوئے انہوں نے یہ پہلا قدم اٹھایا ہوتا ہے۔ چنانچہ اپنی آخری ملاقات کے بعد وہ کافی حد تک بدل چکے تھے اور اس دوران اپنے آپ میں پیدا ہونے والی تبدیلیوں کا اظہار کرنے کیلئے بیتاب تھے۔

رستوف نے مغرور فوجی کے سے انداز میں کہا" ارے، تم بڑے بن ٹھن کر پھر رہے ہو، اسقدر صاف ستھرے لگ رہے ہو جیسے مو جیسں ... جا رہی ہوں، ایک ہم ہیں کہ بیچارے محاذ جنگ سے واپس آرہے ہیں" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی گرد آلود برجس کی جانب اشارہ کیا۔ بورس کیلئے اس کا یہ انداز گفتگو بالکل نیا تھا۔ بورس کی باآواز بلند گفتگو سن کر جرمن مالک مکان نے دروازے سے جھانکا۔

رستوف آنکھ مار کر بولا" اچھی خاتون ہے، ہے ناں؟"

بورس کہنے لگا" تم اتنا چلا کیوں رہے ہو؟ تم انہیں خوفزدہ کردو گے۔ مجھے تمہارے آج آنے کی امید نہ تھی" اس نے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا" میں نے کوتوزوف کے ایک ایجوٹنٹ بلکونسکی کے ذریعے تمہیں خط بھیجا تھا جو میرا دوست بھی ہے۔ مجھے امید نہ تھی کہ وہ اسے اتنی جلدی تم تک پہنچادے گا۔ اچھا چھوڑو، یہ سناؤ کیسے ہو، فائرنگ کا سامنا بھی کرلیا؟"

رستوف نے جواب دیے بغیر اپنے بازو کی جانب اشارہ کیا جس پر پٹی بندھی تھی۔ سینٹ جارج کراس کا تمغہ فوجی انداز میں ایک دھاگے کے ذریعے اس کی وردی کے ساتھ لٹک رہا تھا۔ اس نے اسے آگے پیچھے کھینچ کر مسکراتے ہوئے برگ کی جانب دیکھا اور کہنے لگا" ہاں، جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو"

برگ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا" ہاں، ہاں، یقیناً" ہماری روانگی بھی بیحد شاندار تھی، تمہیں معلوم ہے کہ ہز ہائی نس نے زیادہ تر سفر ہماری رجمنٹ کے ساتھ کیا، چنانچہ ہمیں ہر قسم کی سہولت میسر تھی۔ پولینڈ میں ہمارے اعزاز میں جو تقریبات، کھانے اور ناچ کی محفلیں منعقد ہوئیں ان کی تفصیلات بتانے کیلئے میرے پاس الفاظ نہیں۔ زار یوچ ہم تمام افسروں سے شفقت کا مظاہرہ کرتے رہے۔ پھر دونوں دوست ایک دوسرے کو اپنے اپنے کارناموں کے بارے میں آگاہ کرتے رہے۔ ایک نے ہوزاروں کی خوش فعلیوں اور میدان جنگ میں ان کی زندگی کے بارے میں بتایا اور دوسرے نے اعلیٰ شخصیات کے ساتھ خدمات انجام دینے کے فوائد گنوائے۔

رستوف نے کہا" ارے، تم گارڈز، مگر میرا خیال ہے کہ کچھ پینا پلانا ہوجائے"

بورس کے چہرے پر خفگی کے آثار نمودار ہوگئے۔

• وہ رستوف سے مخاطب ہوکر کہنے لگا" اگر تم یہی چاہتے ہو تو پھر ٹھیک ہے" وہ اپنے پلنگ کی جانب گیا اور صاف ستھرے تکیوں کے نیچے سے پرس نکال کر شراب منگوانے کیلئے ایک آدمی بھیج دیا۔ پھر اس نے ... میرے پاس تمہاری جو رقم اور خط ہیں وہ میں تمہیں دیتا ہوں"

رستوف نے رقم صوفے پر اچھال دی اور دونوں بازو میز پر رکھ کر خط پڑھنے بیٹھ گیا۔ کئی سطریں پڑھنے کے بعد اس نے خونخوار نگاہوں سے برگ کی جانب دیکھا۔ دونوں کی نظریں ملیں تو اس نے اپنا چہرہ خط کے نیچے چھپالیا۔

برگ نے بھاری پرس کی جانب دیکھا جس کے بوجھ سے صوفے تھوڑا سا نیچے دب گیا تھا۔ پھر وہ کہنے لگا"

... ہیں کہ تنخواہ سے گزارا کرنے کی کوشش کرتے رہتے ...

رستوف نے کہا" برگ، میرے دوست، جب تمہیں گھر سے کوئی خط ملے گا اور تمہاری ملاقات اپنے کسی عزیز سے ہوئی جس سے تم بہت کچھ پوچھنا چاہو گے تو اگر اس وقت میں بھی وہاں موجود ہوا تو فوراً چلا جاؤں گا اور تمہارے معاملے میں دخل اندازی نہیں کروں گا۔ اب برائے مہربانی یہاں سے سیدھے کھسکو اور کہیں بھی چلے جاؤ" اس نے باآواز بلند مزید کہا" خواہ جہنم میں جاؤ مگر چلے جاؤ" پھر اس نے اچانک برگ کا کندھا پکڑا اور پیار سے اس کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے کہا" ناراض مت ہونا" یوں لگتا تھا جیسے وہ مزاح ہی مزاح میں اس سے کی جانیوالی بدتمیزی کا ازالہ کرنا چاہتا ہے۔ بات آگے بڑھاتے ہوئے وہ بولا" تمہارے جیسے پرانے دوست کے ساتھ میں بے تکلفی سے پیش آتا ہوں"

برگ اٹھا اور آہستہ آواز میں بولا" کیوں نہیں نواب، میں تمہاری بات بالکل سمجھ گیا ہوں"

بورس نے تجویز پیش کرتے ہوئے کہا" تم اس مکان والوں کے ہاں کیوں نہیں چلے جاتے، انہوں نے تمہیں دعوت بھی دی تھی"

برگ نے اپنا بہترین اور صاف ستھرا کوٹ پہنا اور آئینے کے سامنے کھڑا ہو کر بال درست کرنے لگا جو اس نے زار الیگزینڈر پاؤلووچ کے انداز میں ترشوائے تھے۔ جب اس نے رستوف کے چہرے سے اندازہ لگالیا کہ وہ اس کا کوٹ دیکھ چکا ہے تو خوش دلی سے مسکراتا ہوا باہر نکل گیا۔

رستوف خط پڑھتے ہوئے بڑبڑایا" میں بھی کس قدر درندہ ہوں"

بورس نے پوچھا" کیوں؟"

رستوف نے جواب دیا" میں بھی کتنا سور ہوں، پہلے تو انہیں خط تک نہ لکھا اور جب لکھا تو انہیں پریشان کرکے رکھ دیا" یہ کہتے ہوئے اس کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ پھر اس نے پوچھا" اچھا چھوڑو، تم نے گاورلا کو شراب لانے کیلئے بھیجا تھا؟ تو پھر کچھ ہوجائے"

گھر والوں نے اسے جو خطوط بھیجے تھے ان میں باگراتیاں کے نام ایک سفارشی رقعہ بھی تھا جو بیگم رستوف نے اینا میخائلونا کے مشورے سے اپنے واقف کاروں کے ذریعے حاصل کرکے بیٹے کو بھیجا تھا۔ اس نے اپنے بیٹے کو تاکید کی تھی کہ وہ یہ خط ہر صورت باگراتیاں تک پہنچادے اور اس سے فائدہ اٹھائے۔

رستوف خط میز تلے پھینکتے ہوئے بولا" بیکار شے ہے، مجھے اس سے کیا لینا"

بورس نے پوچھا" یہ تم نے پھینک کیوں دیا؟"

رستوف نے جواباً کہا" جہنم میں جائے، مجھے اس سے کیا مطلب؟"

بورس نے خط اٹھایا اور اس پر درج پتا پڑھتے ہوئے کہا" جہنم میں کیوں جائے؟ یہ تمہارے بیحد کام آسکتا ہے"

رستوف کہنے لگا" یہ مجھے نہیں چاہیے اور نہ میں کسی کا ایجوٹنٹ بننا چاہتا ہوں"

بورس نے پوچھا" کیوں نہیں؟"

رستوف نے جواب دیا" یہ خوشامدیوں کی نوکری ہے"

بورس نے سر جھٹکتے ہوئے کہا ''اچھا تو تم ابھی تک خوابوں کی دنیا میں رہتے ہو''

رستوف کہنے لگا ''اور تم ابھی تک موقع شناس ہو۔ خیر چھوڑو ان باتوں کو اور سناؤ کیا حال ہے''

بورس نے جواب دیا ''تم دیکھ ہی رہے ہو۔ اب تک تو سب کچھ ٹھیک ہے مگر میں مانتا ہوں کہ محاذ پر رہنے کو میرا دل نہیں چاہتا۔ میں فوراً ایجوٹنٹ بن جانا چاہتا ہوں''

رستوف نے استفسار کیا ''وہ کیوں؟''

بورس نے کہا ''اس لیے کہ جب آپ نے فوجی نوکری اختیار کر لی تو پھر آپ کو زیادہ سے زیادہ ترقی کے مواقع تلاش کرنا چاہئیں''

رستوف بولا ''ہوں، تو یہ بات ہے'' یوں لگتا تھا جیسے وہ کچھ سوچ رہا ہے۔ اس نے متوجہ اور سوالیہ نگاہوں سے اپنے دوست کے چہرے کی جانب دیکھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کسی سوال کا جواب تلاش کرنے کی ناکام کوشش کر رہا ہے۔

معمر گاورلا شراب لے آیا''

بورس نے پوچھا ''الفانسے کارلچ کو نہ بلا لیا جائے؟ پینے پلانے میں وہ تمہارا ساتھ دے گا، میں تو نہیں دے سکتا''

رستوف نفرت سے مسکراتے ہوئے بولا ''بلا لو، بلا لو۔ مگر تم اس کے ساتھ کیسے رہ لیتے ہو''

بورس نے کہا ''وہ بیحد عمدہ، ایماندار اور اچھا ساتھی ہے''

رستوف نے ایک مرتبہ پھر بورس کو بغور دیکھا اور آہ بھری۔ برگ واپس آ گیا۔ شراب نوشی کے دوران تینوں افسروں کے مابین گرمجوشی سے گفتگو ہونے لگی۔ گارڈز کے افسروں نے رستوف کو اپنی روانگی کے بارے میں بتلایا اور دوران سفر روس، پولینڈ اور دیگر ممالک میں اپنی خاطر تواضع کی باتیں تفصیل سے بیان کیں۔ اپنے کمانڈر کی باتوں اور کاموں کا ذکر کیا اور اس کی شفقت اور غصے کے قصے سنائے۔ جن باتوں سے برگ کا براہ راست تعلق نہ تھا ان کے بارے میں وہ خاموش رہا مگر جب گرینڈ ڈیوک کے غصے کا ذکر چھڑا تو وہ مزے لے لے کر بتانے لگا کہ اس نے ڈیوک سے کیسے نمٹا۔ وہ کہنے لگا ''گالیشیا میں ایک مرتبہ گرینڈ ڈیوک رجمنٹوں کا معائنہ کر رہے تھے کہ انہیں کوئی بے قاعدگی دکھائی دی جس پر وہ غصے میں آ گئے۔ مگر جب میرا ان سے سامنا ہوا تو میں ان کا غصہ فرو کرنے میں کامیاب ہو گیا'' برگ شگفتہ مزاجی کے عالم میں مسکراتے ہوئے کہنے لگا ''گھوڑے پر سوار گرینڈ ڈیوک میرے پاس پہنچے اور چلا کر بولے ''آرناتس'' (یہ وہ گالی تھی جو غصے کے عالم میں زاریوچ کے منہ سے نکلتی تھی) انہوں نے مجھے یعنی کمپنی کمانڈر کو بلایا۔ نواب، تم یقین کرو کہ میں بالکل خوفزدہ نہ ہوا کیونکہ میں جانتا تھا کہ میں ٹھیک ہوں۔ اور نواب تمہیں تو علم ہی ہے کہ رجمنٹ کے احکام اور قوانین مجھے اچھی طرح یاد ہیں۔ میں صاف بات کر رہا ہوں، لہٰذا یہی بات ہے کہ میری کمپنی میں کبھی غفلت اور لاپروائی نہیں برتی گئی۔ میرا ضمیر صاف تھا سو میں آگے بڑھ آیا (برگ کھڑا ہو کر بتانے لگا کہ وہ ڈیوک کے سامنے کس طرح پیش ہوا۔ اس نے اپنی ٹوپی کے کنارے کو جس انداز سے چھوا اس کے بعد یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ کوئی شخص اس سے زیادہ مودب اور مطمئن بھی ہو سکتا ہے'' اچھا تو پھر، وہ غصے میں چلانے لگے۔ کبھی مجھے آرناتس کہتے، لعنت ملامت کرتے اور کبھی سائبیریا بھیجنے کی دھمکی دیتے۔ یہ میرے لیے زندگی سے زیادہ موت کا مسئلہ بن گیا تھا'' برگ نے زیرک انداز سے مسکراتے ہوئے بات آگے بڑھائی اور کہا ''مجھے علم تھا کہ میں ٹھیک ہوں چنانچہ میں

خاموش کھڑا رہا۔ کیوں نواب، یہ بہترین ترکیب نہ تھی؟ انہوں نے چلا کر مجھ سے کہا ''کیا بات ہے، تم گونگے بہرے ہو؟'' میں پھر بھی خاموش رہا۔ اگلے دن جو ہدایات موصول ہوئیں ان میں واقعے کا ذکر تک نہ تھا'' برگ نے پائپ کا کش لیا اور دھوئیں کے مرغولے بنا کر بولا ''انسان اوسان بحال رکھے تو اس کا یہ فائدہ ہوتا ہے۔ نواب میں صحیح کہہ رہا ہوں''

رستوف نے مسکراتے ہوئے کہا ''ہاں، واقعی تم نے زبردست طرز عمل کا مظاہرہ کیا'' مگر بورس کو اندازہ ہو گیا کہ رستوف برگ کا مذاق اڑانا چاہتا ہے چنانچہ اس نے مہارت سے گفتگو کا موضوع بدل دیا۔ وہ رستوف سے پوچھنے لگا ''یہ بتاؤ کہ یہ زخم تمہیں کیسے اور کہاں لگا؟'' یہ بات سن کر رستوف خوش ہو گیا اور انہیں واقعے کی تفصیلات سے آگاہ کرنا شروع کر دیا۔ جوں جوں وہ اس بارے میں باتیں کرتا گیا، اس کا جوش و خروش بھی بڑھتا گیا۔ اس نے شون گرابرن کی لڑائی کا بالکل انہی لوگوں کے انداز میں ذکر کیا جنہوں نے کسی جنگ میں شرکت کی ہوتی ہے۔ ایسے لوگ واقعات کو اسطرح بیان کرتے ہیں جس طرح وہ ان کے وقوع پذیر ہونے کی خواہش رکھتے ہیں یا پھر وہ انہیں اس طرح پیش کرتے ہیں جیسے انہوں نے دوسروں سے اس بارے میں سنا ہوتا ہے۔ یوں وہ ان واقعات کو زیادہ شاندار بنا دیتے ہیں اور ان کی اصل حالت سامنے نہیں آتی۔ رستوف سچا نوجوان تھا اور کبھی جان بوجھ کر جھوٹ نہیں بولتا تھا، اس نے اسی ارادے سے گفتگو شروع کی کہ تمام واقعہ من وعن بیان کرے گا مگر وہ غیر محسوس اور غیر شعوری طور پر دروغ گوئی کا شکار ہو گیا۔ اس کی طرح اس کی بات سننے والوں نے بھی گھڑ سوار دستے کے حملے کے بارے میں بے شمار کہانیاں سنی تھیں اور اس نے اپنے ذہن میں ایک واضح تصور راسخ کر لیا تھا کہ یہ حملہ اصل میں کیا تھا۔ وہ دونوں بھی اس وقت ایسی ہی کوئی داستان سننے کی توقع کر رہے تھے۔ اگر وہ انہیں درست صورتحال سے آگاہ کرتا تو وہ یقین نہ کرتے اور اس سے بھی بری بات یہ ہوتی کہ وہ رستوف کو جھوٹا سمجھتے کیونکہ اس کے ساتھ وہ کچھ پیش نہیں آیا تھا جو گھڑ سوار دستوں کے حملوں میں حصہ لینے والوں کے ساتھ پیش آتا ہے۔ وہ انہیں یہ عام سی بات نہ بتا سکا کہ وہ تیزی سے گھوڑوں پر روانہ ہوئے مگر وہ خود نیچے گر گیا تھا، اس کے بازو میں موچ آ گئی اور ایک فرانسیسی سے بچنے کیلئے وہ تیزی سے بھاگتا ہوا جنگل میں گھس گیا تھا۔ اس کے علاوہ اگر وہ ہر بات صحیح طور سے بیان کرتا تو اسے اپنے آپ کو خاصا قابو میں رکھنا پڑتا۔ سچ بولنا خاصا مشکل کام ہے اور کم ہی نوجوان ایسا کر سکتے ہیں۔ اس کے سامعین کو توقع تھی کہ وہ انہیں بتائے گا کہ وہ کس طرح جوش سے بے قابو ہو گیا اور خود کو بھلا کر طوفان کی طرح غنیم کی صفوں میں گھس گیا اور دائیں بائیں دکھائی دینے والے ہر شخص کو گاجر مولی کی طرح کاٹ ڈالا، کس طرح اس کی تلوار خون میں نہا گئی اور پھر کس طرح وہ تھک ہار کر نیچے گر گیا، وغیرہ وغیرہ۔ اور اس نے انہیں اسی طرح ہی بتایا۔ داستان کے درمیانی حصے میں جب وہ یہ بات بتا رہا تھا کہ ''آپ لوگ سوچ بھی نہیں سکتے کہ حملے کے دوران انسان پر کیسا جوش طاری ہو جاتا ہے'' تو عین اسی وقت شہزادہ آندرے بلکونسکی کمرے میں داخل ہوا، بورس کو بھی اس کی آمد کی توقع تھی۔ شہزادہ آندرے کو نوجوانوں کی حوصلہ افزائی اور سرپرستی کرنا پسند تھا اور ان کیلئے اپنا اثر و رسوخ استعمال کرتے ہوئے اس کی انا کو تسکین ملتی تھی۔ گزشتہ روز بورس اس پر اچھا تاثر چھوڑنے میں کامیاب رہا تھا چنانچہ وہ اس نوجوان کی خواہش کو عملی جامہ پہنانے میں خوشی محسوس کر رہا تھا۔ کوتوزوف کی جانب سے زاریوچ کو کاغذات پہنچانے کیلئے جاتے ہوئے اس نے سوچا کہ راستے میں اس نوجوان سے بھی مل لیا جائے۔ اسے امید تھی کہ وہ اسے اکیلا مل جائے گا۔ جب وہ کمرے میں داخل ہوا تو ایک ہوزار کو اپنے کارنامے سناتے دیکھ کر (شہزادہ آندرے کو ایسی باتیں کرنے والے افراد پسند نہ تھے) بورس کی جانب رخ کر کے دوستانہ انداز سے مسکرایا تاہم رستوف کو دیکھ کر اس کی تیوری چڑھ گئی اور وہ اسے آنکھیں سکیڑ کر دیکھنے لگا۔ وہ ناگوار تاثرات کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گیا، اسے افسوس ہو رہا تھا کہ وہ ناپسندیدہ

لوگوں میں آ گیا ہے۔ رستوف صورتحال سمجھ گیا اور اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہونے لگا مگر اس نے کوئی پروانہ کی۔ یہ شخص اس کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ اس نے بورس کی جانب دیکھا تو اسے یوں محسوس ہوا جیسے اسے بھی جنگجو ہوزار کی موجودگی سے شرمندگی ہو رہی ہے۔ شہزادہ آندرے کے ناخوشگوار اور طنزیہ لہجے اور اس امر کے باوجود کہ رستوف اپنے نقطہ نظر سے باقاعدہ فوج کے ایک جنگجو افسر کی حیثیت سے ان سٹاف افسروں (واضح طور پر نووارد بھی انہی سے تعلق رکھتا تھا) کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا تھا، وہ شرما گیا، اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اس نے گفتگو بند کر دی۔ بورس نے اسے سے سٹاف افسروں کے بارے میں دریافت کیا اور یہ بھی پوچھا کہ مناسب سمجھیں تو یہ بھی بتا دیں کہ ہمیں آئندہ کیا کرنا ہو گا۔

بلکونسکی نے جواب دیا" پیش قدمی کا زیادہ امکان ہے" یہ بات عیاں تھی کہ وہ اجنبیوں کی موجودگی میں مزید کچھ نہیں بتانا چاہتا۔ برگ نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عاجزانہ انداز سے پوچھا کہ آیا کمپنی کے کپتانوں کا چارہ الاؤنس دگنا کیے جانے کی خبر درست ہے۔ جواباً شہزادہ آندرے مسکرا کر کہنے لگا کہ وہ اس قدر سنجیدہ سرکاری معاملے پر اپنی رائے کے اظہار کی جرات نہیں کر سکتا۔ اس کی بات سن کر بورس ہنس دیا۔

شہزادہ آندرے دوبارہ بورس کی جانب متوجہ ہوا اور کہنے لگا" جہاں تک تمہارا معاملہ ہے، اس پر ہم کچھ دیر بعد گفتگو کریں گے" یہ کہہ کر اس نے رستوف پر سرسری نگاہ ڈالی اور پھر بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا" معائنے کے بعد تم میرے پاس آنا پھر ہم سے جو کچھ ہو سکا وہ کریں گے" اس نے کمرے کا جائزہ لیا اور رستوف کی جانب دیکھا جس کی بچگانہ کوفت اب غصے میں تبدیل ہو گئی تھی اور اس کیلئے اس پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا۔ شہزادہ آندرے اس کی کیفیت کی پروا نہ کرتے ہوئے کہا" میرا خیال ہے تم شون گرابرن کے معرکے کی بابت گفتگو کر رہے تھے؟ کیا تم بھی وہاں تھے؟"

رستوف نے غصے سے جھلا کر کہا" ہاں، میں تھا" اس کے لہجے سے یہ ظاہر ہوتا تھا جیسے وہ ایجوٹنٹ کی توہین کرنا چاہتا ہو۔ بلکونسکی نے ہوزار کی ذہنی کیفیت کا اندازہ لگا لیا تھا اور کچھ ایسا لگتا تھا جیسے وہ اس سے لطف اندوز ہو رہا ہو۔ وہ قدرے حقارت سے مسکرایا۔

اس نے کہا" ہاں! اب اس لڑائی کے بارے میں طرح طرح کی کہانیاں سننے کو مل رہی ہیں"

رستوف نے اپنی توجہ بورس سے بلکونسکی کی جانب مبذول کی اور اسے غصیلی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہنے لگا" کہانیاں، ہاں! بے شمار کہانیاں ہیں مگر ہماری کہانیاں ان لوگوں کی کہانیاں ہیں جنہوں نے دشمن کی فائرنگ کا سامنا کیا اور یہ کہانیاں کچھ وزن رکھتی ہیں، یہ ان چھوٹے موٹے سٹاف افسروں کی باتیں نہیں ہیں جو کچھ کیے بغیر صلہ پاتے ہیں"

شہزادہ آندرے متحمل انداز سے مسکراتے ہوئے بولا" ایسا طبقہ جس کے بارے میں تمہارا خیال ہے کہ میں بھی اس کا حصہ ہوں"

اس شخص کی تحمل مزاجی اور جذبات پر قابو دیکھ کر رستوف کے دل میں عجیب وغریب انداز سے احترام کا عنصر در آیا۔

وہ آندرے سے کہنے لگا" میں آپ کی بات نہیں کر رہا، میں آپ کو نہیں جانتا اور بات بھی یہی ہے کہ مجھے آپ کی کوئی پروا نہیں۔ میں عمومی اعتبار سے سٹاف افسروں کی بات کر رہا تھا"

شہزادہ آندرے نے تحکمانہ لہجے میں پرسکون انداز سے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا" میں تمہیں یہ بات بتا دوں کہ تم میری توہین کرنا چاہتے ہو، اگر تم میں عزت نفس موجود نہیں تو ایسا کرنا بہت آسان ہے۔ مگر تم یہ بات تسلیم

کرو گے کہ تم نے اس مقصد کیلئے غیر مناسب وقت اور جگہ منتخب کی ہے۔ ایک یا دو دن میں ہم کہیں زیادہ عظیم اور سنجیدہ لڑائی میں شریک ہونے والے ہیں، اور اس کے ساتھ ساتھ بدقسمتی سے تمہیں میری شکل پسند نہیں تو اس میں دروبتسکی کا کوئی قصور نہیں جس نے مجھے بتایا ہے کہ تم اس کے بہت پرانے دوست ہو" اس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا" تاہم تم میرا نام جانتے ہو اور تمہیں یہ بھی علم ہے کہ میں کہاں مل سکتا ہوں مگر یاد رکھو کہ میں نہیں سمجھتا اس میں میری یا تمہاری کوئی توہین ہوئی ہے۔ میرا تمہیں مشورہ ہے کہ اب یہ قصہ ختم کرو" پھر وہ بورس کی جانب متوجہ ہوا اور تیز آواز میں اس سے کہا" دروبتسکی تو پھر جمعہ کو معائنے کے بعد میں تمہارا انتظار کروں گا، اس وقت تک خدا حافظ" یہ کہہ کر اس نے دونوں کے سامنے گردن کو خم دیا اور باہر نکل گیا۔

جب وہ چلا گیا تو رستوف کے ذہن میں وہ جواب آیا جو اسے دینا چاہیے تھا۔ بروقت جواب نہ سوجھنے پر وہ مزید غصے میں آ گیا۔ اس نے گھوڑا لانے کا حکم دیا اور بورس سے سرد مہر انداز میں اجازت لینے کے بعد واپس روانہ ہو گیا۔ تمام راستے اسے یہی سوال پریشان کرتا رہا کہ ہیڈ کوارٹر جا کر اس مغرور ایجوٹنٹ کو ڈوئل کا چیلنج دیا جائے یا معاملہ ختم کرنا مناسب ہو گا۔ ایک لمحے وہ اس خوشی کا تصور کرنے لگا جو اسے اس کمزور، کوتاہ قامت اور مغرور شخص کو اس کے پستول کا سامنا کرکے خوفزدہ ہوتے دیکھ کر ہو گی اور اگلے ہی لمحے وہ یہ سوچ کر حیران ہو گیا کہ وہ جن لوگوں کو جانتا ہے اسے ان میں سے کسی کو اپنا دوست بنا کر اتنی خوشی نہ ہو گی جتنی کہ اس پستہ قد ایجوٹنٹ سے دوستی کرکے ہو گی۔

(8)

جس روز رستوف بورس سے ملا اس سے اگلے دن آسٹروی اور روسی دستوں کا معائنہ ہوا۔ ان میں کوتوزوف کے ہمراہ مختلف لڑائیوں میں شریک دستوں کے علاوہ روس سے حال ہی میں آنے والی فوج بھی شامل تھی۔ روسی شہنشاہ نے زار یوچ اور آسٹروی شہنشاہ نے آرچ ڈیوک کے ساتھ اسی ہزار افراد پر مشتمل مشترکہ فوج سے سلامی لی۔ صاف ستھری وردیوں میں ملبوس فوجی صبح ہی سے میدان میں جمع ہو کر قلعے کے سامنے صفیں بنا چکے تھے۔ افسروں کے حکم پر ہزاروں ٹانگیں اور سنگینیں وقفے وقفے سے حرکت میں آتیں یا رک جاتیں، پرچم لہراتے ہوئے مڑتیں اور مختلف وردیوں میں ملبوس پیادہ فوج کے گرد چکر لگانے لگتیں۔ نیلے، سرخ اور سبز جھالروں والی وردیوں میں ملبوس گھڑ سوار دستے کچھ دور چل رہے تھے جن سے آگے زرق برق وردیوں میں ملبوس بینڈ والے دستے متحرک تھے۔ پیادہ اور گھڑ سوار دستوں کے درمیان توپخانے کی لمبی قطار رینگ رہی تھی۔ توپوں پر نیا نیا رنگ وروغن کیا گیا تھا اور وہ دمک رہی تھیں۔ ان کے فتیلوں سے مخصوص بو آ رہی تھی اور وہ جن گاڑیوں پر لدی تھیں وہ ان کے بوجھ سے جھکی ہوئی اپنے مقررہ مقام کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ نہ صرف جرنیل اپنی مکمل وردی میں تمغے سجائے، موٹی اور پتلی کمریں ممکنہ حد تک اندر بھینچے اور گردنیں تنگ کالروں میں پھنسائے ہوئے تھے بلکہ بنے ٹھنے اور خوشبو لگائے افسروں کے ساتھ ساتھ عام سپاہی بھی نہا دھو اور شیو کرکے نیز اپنے ہتھیاروں کو چمکا کر آئے تھے۔ ہر گھوڑے کو رگڑ رگڑ کر ساٹن کی طرح چمکایا گیا تھا اور شکنیں دور کرنے کیلئے ان کے ایال پانی میں بھگوئے گئے تھے۔ ہر شخص یہ محسوس کر رہا تھا کہ نہایت، اہم، سنجیدہ اور پروقار واقعہ ہونے والا ہے اسی لیے اس کے بارے میں کوئی غفلت یا لاپروائی نہیں کرنی چاہیے۔ ہر جرنیل اور سپاہی کو اپنی بے وقعتی کا احساس تھا اور اس کے ساتھ ساتھ اسے اپنی قوت کا بھی اندازہ تھا اور وہ خود کو ایک عظیم کل کا جزو سمجھ رہے تھے۔ چہل پہل اور محنت مشقت صبح ہی سے شروع ہو گئی تھی اور دس بجے تک ہر شے اپنے مقررہ مقام پر ایستادہ تھی۔ وسیع میدان میں فوجیوں کی صفیں آراستہ

تھیں۔ تمام فوج تین حصوں میں کھڑی تھی۔ سب سے آگے گھڑسوار، ان کے پیچھے توپخانہ اور سب سے پیچھے پیادہ دستے تھے۔

فوج کی ہر دو قطاروں کے مابین فاصلہ تھا۔ فوج کو تین طبقات میں تقسیم کیا گیا تھا۔ کوتوزوف کی فوج (جس کے دائیں پہلو پر سامنے پاؤلوگراڈ رجمنٹ کے ہوزار تھے) روس سے آنے والے گارڈز اور جنگجو رجمنٹیں اور آسٹرین فوج۔ یہ تمام سپاہ ایک ہی ترتیب سے اپنے کمانڈروں کے ساتھ کھڑی تھی۔

''وہ آرہے ہیں، وہ آرہے ہیں'' پتوں پر سرسراتی ہوا کی طرح یہ آواز وسیع میدان میں پھیل گئی۔ جا بجا خوف و ہراس میں ڈوبی آوازیں سنائی دینے لگیں اور تمام لوگ تیزی سے آخری تیاریاں کرنے لگے۔

فوج کے سامنے کچھ افراد پر مشتمل ایک گروہ اول موٹس کی جانب سے آتا دکھائی دیا۔ اگرچہ ہوا بند تھی مگر اسی لمحے ہلکی ہلکی ہوا چلنے لگی اور جھنڈے پھڑ پھڑانے اور مختلف پرچم بانسوں کے ساتھ لپٹنے لگے۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس ہلکی پھلکی حرکت سے فوج اپنے شہنشاہوں کی آمد پر خوشی کا اظہار کر رہی ہے۔ اچانک ''اٹینشن'' کی آواز سنائی دی۔ تب طلوع آفتاب کے وقت مرغوں کی اذانوں کی طرح مختلف مقامات پر ایسی ہی آوازیں دہرائی جانے لگیں اور پھر مکمل خاموشی طاری ہوگئی۔

موت کی سی اس خاموشی میں صرف سموں کے زمین پر ٹکرانے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ یہ شہنشاہوں کا دستہ تھا۔ شہنشاہ فوج کے پہلو کی جانب بڑھے اور پہلی گھڑسوار رجمنٹ نے کوچ کا ترانہ چھیڑ دیا۔ یوں لگتا تھا کہ نہ صرف ترانہ بجانے والے بلکہ تمام فوج شہنشاہوں کی آمد کی خوشی میں گا رہی ہو۔ موسیقی کے درمیان صرف شہنشاہ الیگزنڈر کی فرحت بخش اور نوجوان آواز سنائی دے رہی تھی۔ اس نے مبارکباد کے چند جملے ادا کئے اور پوری رجمنٹ نے ''ہرا'' کا نعرہ لگایا۔ یہ آواز اس قدر بلند، طویل اور فرحت بخش تھی کہ تمام سپاہی خود اپنی قوت و تعداد کا احساس کر کے ہیبت زدہ ہو گئے۔

رستوف کوتوزوف کی فوج کی سب سے اگلی صفوں میں کھڑا تھا جہاں زار سب سے پہلے آیا۔ اس کے دل و دماغ میں بھی وہی تاثرات تھے جو دیگر تمام افراد کے ذہن میں موجود تھے۔ یہ خود فراموشی، قوت کے شعور اور اس شخص کیلئے جانثاری کا احساس تھا جو اس پر وقار تقریب کا مرکز تھا۔

اسے محسوس ہوا کہ اس شخص کے ایک اشارے پر یہ تمام ہجوم (جس میں ایک بے وقعت ذرے کی حیثیت سے وہ خود بھی شامل تھا) آگ میں کود جائے گا، پانی میں چھلانگ لگا دے گا، جرم کے ارتکاب پر آمادہ ہو جائے گا، موت کو گلے لگائے گا یا عظیم ترین کارنامے انجام دینے پر تیار ہو جائے گا۔ جب اسے یہ اشارہ اپنے سر پر دکھائی دیا تو اس کا جسم کانپنے لگا اور اسے جھرجھری آگئی

تمام اطراف سے ''ہرا، ہرا، ہرا'' کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں اور زار جونہی کسی رجمنٹ کے سامنے پہنچتا، اسے خوش آمدید کہا جاتا۔ اس کے بعد کوچ کی دھن بجتی اور پھر ''ہرا، ہرا'' کی آوازیں بلند ہونے لگتیں جو ہر لحہ بلند تر ہوتی چلی جا رہی تھیں۔

شہنشاہ کی آمد سے قبل ہر رجمنٹ بت بنی کھڑی رہتی۔ مگر جونہی زار اس کے برابر آتا تو اس میں زندگی کی لہر دوڑ جاتی اور وہ ان رجمنٹوں کے ساتھ مل کر نعرے لگانے لگتی جن کا معائنہ ہو چکا ہوتا تھا۔ ان آوازوں کے ہولناک شور اور ساکت کھڑے فوجیوں کے درمیان سینکڑوں گھڑسوار سٹاف افسر آہستہ آہستہ مگر باترتیب انداز میں چلے آرہے

تھے جن کے آگے آگے دو شخصیات یعنی شہنشاہ چل رہے تھے۔ تمام فوج کی بھرپور، غیر منقسم اور پرجوش توجہ انہیں دونوں پر مرکوز تھی۔

خوش شکل اور پر شباب شہنشاہ الیگزنڈر ہارس گارڈز کی وردی پہنے اور سر پر تکونا ہیٹ رکھے ہوئے تھا۔ خوشگوار چہرے اور آہستہ مگر پاٹ دار آواز کے مالک شہنشاہ پر تمام نگاہیں گڑی تھیں۔

رستوف بگل بجانے والوں کے قریب کھڑا تھا۔ اس کی تیز نظروں نے زار کو دور سے ہی پہچان لیا اور وہ اسے آگے آتا دیکھنے لگا۔ جب زار صرف بیس قدم دور رہ گیا تو نکولائی کو اس کا خوش شکل، نوجوان اور خوش باش چہرہ بالکل واضح دکھائی دینے لگا۔ اس نے زار کو دیکھ کر محبت آمیز خوشی محسوس کی جس کا اسے پہلے کوئی تجربہ نہیں ہوا تھا۔ زار میں ہر بات، اس کے تمام خدوخال اور تمام حرکات اسے دلفریب لگ رہی تھیں۔

پاؤلوگراڈ رجمنٹ کے سامنے رکنے سے قبل زار نے آسٹروی شہنشاہ کو فرانسیسی زبان میں کچھ کہا اور مسکرا دیا۔

اس کی مسکراہٹ دیکھ کر رستوف خود بھی بے اختیار مسکرا دیا اور اس نے دل میں زار کیلئے بیحد محبت کا جذبہ محسوس کیا۔ وہ کسی نہ کسی طرح اس محبت کے اظہار کیلئے بے قرار ہونے لگا۔ وہ جانتا تھا کہ ایسا ناممکن ہے۔ اس کا جی چاہا کہ چیخ مار کر رونا شروع کر دے۔ زار نے رجمنٹ کے کرنل کو اپنے پاس بلایا اور اسے چند الفاظ کہے۔

رستوف نے سوچا ''میرے خدایا! اگر زار نے مجھے کچھ کہا تو کیا ہوگا۔ میں تو خوشی سے مر جاؤں گا''

زار افسروں سے بھی مخاطب ہوا اور کہنے لگا ''حضرات، میں آپ سب کا تہہ دل سے مشکور ہوں (رستوف کو اس کا ہر لفظ آسمان سے اترا محسوس ہو رہا تھا)

رستوف اسی موقع پر زار کیلئے جان قربان کر سکتا تو اسے کتنی خوشی ہوتی۔

زار بولا ''آپ نے سینٹ جارج کے پرچم حاصل کئے ہیں اور اس کے اہل ثابت ہوں گے''

رستوف نے سوچا ''کاش میں جان قربان کر سکتا''

زار نے مزید کچھ کہا جو رستوف نہ سن سکا اور سپاہی اپنے پھیپھڑوں کی پوری قوت سے ''ہرا'' کے نعرے لگانے لگے۔

رستوف بھی اپنی زین پر جھک کر پوری قوت سے چلانے لگا۔ وہ زار کیلئے اپنی وجد آفریں خوشی کا بھرپور اظہار کرنا چاہتا تھا خواہ اس کوشش میں زخمی ہی کیوں نہ ہو جاتا۔

زار کئی سیکنڈ ہوزاروں کے سامنے متذبذب انداز میں کھڑا رہا۔

رستوف حیرانی سے سوچنے لگا ''زار کیسے ہچکچا سکتے ہیں؟'' مگر پھر اسے زار کے دیگر افعال کی طرح اس کا تذبذب بھی مسحور کن اور شاندار دکھائی دینے لگا۔

زار کا یہ تذبذب ایک لمحہ برقرار رہا۔ اس نے اپنے پاؤں سے گھوڑی کے پیٹ میں ہلکا سا ٹہوکا دیا جن میں وہ مروجہ فیشن کے مطابق تنگ اور نوکدار جوتے پہنے ہوئے تھا، اور پھر سفید دستانوں میں چھپے ہاتھوں کی مدد سے لگام تھام کر آگے بڑھ گیا۔ اس کے عقب میں ایجوٹنٹوں کا سمندر تھا۔ وہ دیگر رجمنٹوں کے سامنے رکتا ہوا آگے بڑھتا گیا اور آخرکار رستوف کو ایجوٹنٹوں کے درمیان اس کے ہیٹ پر لگے سفید پر ہی دکھائی دے رہے تھے۔

ایجوٹنٹوں کے اس جم غفیر میں رستوف کو بلکونسکی بھی دکھائی دیا جو اپنے گھوڑے پر ڈھیلے ڈھالے انداز میں بیٹھا ماحول سے لاپرواہ دکھائی دے رہا تھا۔ رستوف کو گزشتہ روز اس کے ساتھ اپنا جھگڑا یاد آگیا اور وہ مخمصے میں پڑ گیا کہ

اسے ڈوئل کا چیلنج دیا جائے یا نہیں۔ پھر اس نے سوچا "یقیناً نہیں! ایسے موقع پر ایسی باتیں کیا اہمیت رکھتی ہیں؟ محبت، وجد اور جاں نثاری کے عالم میں ہمارے ان چھوٹے چھوٹے جھگڑوں کی کیا اہمیت رہ جاتی ہے؟ میں ہر شخص سے پیار کرتا ہوں اور اس لمحے ہر ایک کی غلطیاں معاف کرتا ہوں"

جب زار تقریباً تمام رجمنٹوں کا معائنہ کر چکا تو دستوں نے مارچ شروع کر دیا جبکہ رستوف دینی سوف سے خریدکردہ بدوی گھوڑے پر عقب میں چلنے لگا، اسے اکیلے اور براہ راست شہنشاہ کی نگاہوں کے سامنے سے گزرنا تھا۔

رستوف نے جو اچھا گھڑ سوار تھا، زار کے قریب پہنچ کر اپنے بدوی گھوڑے کو دو مرتبہ مہمیز لگائی اور اسے تیزی سے بھگانے میں کامیاب رہا۔ یہ گھوڑا جوش میں ہمیشہ تیز بھاگتا تھا۔ گھوڑے نے جھاگ اڑاتی تھوتھنی جھکائی، دم اٹھائی اور ایسے بھاگنے لگا جیسے زمین چھوئے بغیر فضا میں اڑا جا رہا ہو۔ معلوم ہوتا تھا جیسے گھوڑے کو بھی اپنے آپ پر پڑتی زار کی نگاہوں کا احساس ہے اور وہ دل آویز چال چلتا شہنشاہ کے سامنے سے گزر گیا۔

رستوف خود بھی اپنی ٹانگیں پیچھے لٹکائے اور پیٹ اندر کھینچے جیسا کہ بعد میں دینی سوف نے کہا تھا "بالکل شیطان کی طرح" غصے بھرا مگر خوش باش چہرہ لیے زار کے سامنے سے یوں گزر رہا جیسے وہ بھی گھوڑے کا ہی ایک جزو ہو۔

زار نے کہا "شاباش، پاؤلوگراڈ!"

رستوف نے سوچا "میرے خدایا! اگر اس وقت وہ مجھے آگ میں چھلانگ لگانے کا حکم دے دیں تو مجھے کتنی خوشی ہوگی"

معائنے کے اختتام پر روس سے آنے والے اور کوتوزوف کے زیر کمان افسر مختلف گروہوں میں بٹ گئے۔ تقسیم کردہ اعزازات، آسٹروی فوج اور اس کی وردیاں، اگلی صفوں اور بونا پارٹ ان کی گفتگو کا موضوع تھے۔ وہ سوچ رہے تھے کہ اگر ایسن میں مقیم کور بھی پہنچ گئی اور پرشیا ہمارے شانہ بشانہ لڑنے پر آمادہ ہو گیا تو بونا پارٹ کا کیا بنے گا۔ مگر ہر گروہ کی گفتگو کا اہم ترین موضوع شہنشاہ الیگزنڈر تھا، اس کا ہر لفظ اور ہر اشارہ جوش اور خوشی سے بار بار اور تفصیل سے دہرایا گیا۔

ان سب کی بس ایک ہی خواہش تھی اور وہ یہ کہ جس قدر جلد ہو سکے شہنشاہ کی قیادت میں دشمن کا سامنا کیا جائے۔ شہنشاہ کی قیادت میں وہ کسی کو بھی شکست دے سکتے تھے۔ اور معائنے کے بعد رستوف سمیت تقریباً تمام افسروں کا یہی خیال تھا۔

معائنے کے بعد انہیں اپنی کامیابی کے حوالے سے جو اعتماد تھا وہ گزشتہ دو لڑائیوں میں فیصلہ کن کامیابی ملنے پر بھی حاصل نہ ہو سکا تھا۔

(9)

معائنے کے اگلے دن بورس نے اپنی بہترین وردی زیب تن کی اور کامیابی کیلئے اپنے دوست برگ کی نیک تمناؤں کے ساتھ بلکونسکی سے ملنے اول موتس روانہ ہو گیا۔ اسے آندرے کے دوستانہ رویے کے باعث امید تھی کہ وہ اچھی پوزیشن حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ کسی اہم شخصیت کا ایجوٹنٹ بننا اس کی ترجیح تھی کیونکہ فوج میں یہ عہدہ اسے بےحد پرکشش دکھائی دیتا تھا۔

اس نے سوچا "رستوف کیلئے تو کوئی کمی نہیں، اس کا باپ اسے یکمشت دس ہزار روبل بھیج دیتا ہے اس لیے

اسے کسی کی پروا نہیں اور وہ کسی کا چمچہ نہیں بن سکتا۔ مگر میرے پاس اپنا مستقبل بہتر بنانے کیلئے اپنی عقل کے علاوہ کوئی اور شے نہیں اسی لیے مجھے مواقع ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہئیں اور ان سے پورا فائدہ اٹھانا ہوگا"

اس روز اول موتس میں اسے شہزادہ آندرے نہ مل سکا مگر یہاں ہیڈکوارٹر، سفارتی عملے، دونوں شہنشاہوں اور ان کے عملے کی جائے قیام اور دربار دیکھ کر اس کے دل میں اس اونچی دنیا میں داخلے کی خواہش شدید ہو گئی۔

وہ کسی کو نہیں جانتا تھا، اگرچہ اس نے گارڈز کی عمدہ وردی پہن رکھی تھی تاہم اس کے باوجود سڑکوں پر آتی جاتی عالیشان گاڑیوں میں عہدوں کے نشانات، کلغیاں اور تمغے سجائے افسر اسے اپنے آپ سے اس قدر ارفع واعلیٰ نظر آتے کہ وہ نہ صرف اس کا وجود تسلیم کرنے کو تیار نہ تھے بلکہ صاف ظاہر ہوتا تھا کہ یہ ان کے بس کی بات ہی نہیں۔ کمانڈر انچیف کوتوزوف کے ہیڈکوارٹر میں جہاں اس نے بلکونسکی کے بارے میں دریافت کیا تھا، تمام ایجوٹنٹوں حتیٰ کہ اردلیوں نے بھی اسے یوں دیکھا جیسے اسے یہ باور کرانا چاہتے ہوں کہ تم جیسے بے شمار افسر یہاں پھرتے رہتے ہیں اور وہ انہیں دیکھ دیکھ کر تنگ آ چکے ہیں۔ اس کے باوجود یا شاید اسی وجہ سے اس نے اگلے روز یعنی 15 نومبر کو شام کے کھانے کے بعد دوبارہ اول موتس کا رخ کیا اور کوتوزوف کے مکان پر جا کر بلکونسکی کے بارے میں پوچھا۔ شہزادہ آندرے مکان میں ہی موجود تھا اور بورس کو ایک بڑے کمرے میں پہنچا دیا گیا جو کبھی ناچنے کیلئے استعمال ہوتا ہوگا۔ اب وہاں پانچ بستر اور مختلف قسم کا فرنیچر پڑا تھا جس میں ایک میز، کرسیاں اور ایک کلاوی کارڈ شامل تھا۔ دروازے کے قریب ایرانی ڈریسنگ گاؤن میں ملبوس ایک ایجوٹنٹ میز کے قریب بیٹھا کچھ لکھنے میں مصروف تھا۔ ایک اور، ضخیم اور سرخ چہرے والا نیسوتسکی سر کے ہاتھ رکھے بستر پر لیٹا تھا اور اپنے ساتھ بیٹھے ایک افسر سے گفتگو میں مصروف تھا۔ ایک تیسرا کلاوی کارڈ پر ویانا والز کی دھن بجا رہا تھا جبکہ چوتھا کلاوی کارڈ پر جھکا یہی دھن گنگنا رہا تھا۔ بلکونسکی کمرے میں نہ تھا۔ ان میں سے کسی نے بورس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ بورس کے پوچھنے پر لکھنے میں مصروف ایجوٹنٹ نے اس کی جانب ترش روئی سے دیکھا اور کہا "بلکونسکی ڈیوٹی پر ہے، اگر تم ان سے ملنا چاہتے ہو تو بائیں جانب دروازے سے گزر کر استقبالیے میں چلے جاؤ"

بورس نے اس کا شکریہ ادا کیا اور استقبالیہ کمرے کی جانب چل دیا۔ وہاں اسے کم و بیش دس افسر اور ایک جرنیل نظر آیا۔

جب بورس کمرے میں داخل ہوا تو شہزادہ آندرے اپنی نگاہیں حقارت آمیز انداز میں جھکائے (یہ نگاہیں شائستگی سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے صاف کہتی دکھائی دیتی ہیں کہ "اگر یہ میرا فرض نہ ہوتا تو میں ایک منٹ کیلئے بھی تم سے بات نہ کرتا) ایک معمر روسی جرنیل کی باتیں سن رہا تھا جس کے سینے پر بے شمار تمغے آویزاں تھے اور وہ کچھ اس طرح سیدھا تن کر کھڑا تھا جیسے پنجوں کے بل ایستادہ ہو۔ اس کے سرخ چہرے پر عام سپاہیوں جیسا چاپلوسی کا تاثر تھا اور وہ شہزادہ آندرے کو کسی معاملے سے متعلق رپورٹ پیش کر رہا تھا۔

شہزادہ آندرے نے روسی لہجے میں فرانسیسی بولتے ہوئے جرنیل سے کہا "بہت اچھا، اگر آپ تھوڑی دیر انتظار کریں تو مہربانی ہوگی" وہ یہ لہجہ اس وقت اختیار کرتا جب کسی سے نفرت کا اظہار مقصود ہوتا تھا۔ اس نے بورس کو دیکھا تو جرنیل کو نظرانداز کر دیا (جرنیل التجائیں کرتا اس کے پیچھے بھاگا اور کہنے لگا کہ اس کی کچھ مزید بات سنی جائے) اور سر جھکا کر مسکراتے ہوئے اسے خوش آمدید کہا اور اس کی جانب متوجہ ہو گیا۔ اسی لمحے بورس کو جس بات کا تھوڑا سا شبہ تھا وہ اس پر پوری طرح ظاہر ہو گئی کہ فوج میں ایک نظم و ضبط اور ماتحتی وہ ہوتی ہے جس کا ذکر فوجی قواعد میں کیا جاتا ہے اور جس سے وہ اور تمام رجمنٹ واقف ہے مگر اس کے علاوہ ایک مزید اور زیادہ حقیقی ماتحتی بھی ہوتی ہے جس نے سرخ چہرے والے اس تن کر کھڑے جرنیل کو شہزادہ آندرے کے سامنے مودب ہو کر کھڑا ہونے پر مجبور کر دیا ہے جو بلحاظ عہدہ

کپتان ہے اور اس نے لیفٹیننٹ دروبتسکی سے گفتگو کرنا زیادہ ضروری سمجھا ہے۔ بورس نے پہلے سے زیادہ پرعزم ہو کر تہیہ کیا کہ آئندہ وہ تحریری کی بجائے نظم وضبط کے اس غیر تحریری قاعدے پر زیادہ عمل کرے گا۔ اسے محسوس ہوا کہ محض شہزادہ آندرے سے ملنے کی وجہ سے وہ ایک دم اس جرنیل سے اونچا ہو گیا ہے جو دوسرے حالات میں محاذ جنگ پر گارڈز کے اس جیسے ادنیٰ لیفٹیننٹ کو نیست و نابود کر سکتا ہے۔ شہزادہ آندرے اس کے قریب گیا اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

آندرے اس سے کہنے لگا "مجھے بیحد افسوس ہے کہ میں کل تمہیں نہ مل سکا۔ میں تمام دن جرمنوں کے ساتھ مصروف رہا۔ ہم وے روذر کے ساتھ فوجوں کی پوزیشن کا جائزہ لینے چلے گئے تھے۔ جب جرمن بولنا شروع کر دیں تو انہیں روکنا بیحد مشکل ہو جاتا ہے"

بورس یوں مسکرایا جیسے تمام بات سمجھ گیا ہو اور وہ جن باتوں کی طرف اشارہ کر رہا ہے وہ ہر ایک کو معلوم ہیں۔ مگر حقیقت یہ تھی کہ نہ صرف وہ وے روذر کے نام سے ناآشنا تھا بلکہ فوجوں کی پوزیشن کی اصطلاح بھی اس کیلئے بالکل نئی تھی۔

آندرے کہنے لگا "اچھا تو میرے عزیز، تم ابھی تک ایجوٹنٹ بننے کے خواہشمند ہو؟ میں نے جب سے تمہیں دیکھا تو تمہارے بارے ہی میں سوچ رہا تھا"

بورس نے کسی وجہ سے شرماتے ہوئے جواب دیا "جی ہاں، میں کمانڈر انچیف سے کہنے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ شہزادہ کوراگن نے انہیں میرے بارے میں ایک خط لکھا تھا اور میں محض اس لیے ان سے پوچھنا چاہتا تھا کہ مجھے خدشہ ہے گارڈز کو جنگ میں شریک نہیں کیا جائیگا" اس کا لہجہ ایسا تھا جیسے اپنی صفائی پیش کر رہا ہو۔

شہزادہ آندرے نے جواباً کہا "بہت اچھے، بہت اچھے! ہم کچھ دیر بعد اس بارے گفتگو کریں گے۔ بس مجھے ان صاحب کا معاملہ نمٹانے کی اجازت دو پھر میں تمہارے لیے حاضر ہوں گا" جب شہزادہ آندرے سرخ چہرے والے جرنیل کی رپورٹ پیش کرنے کیلئے کمانڈر انچیف کے پاس گیا تو یہ جرنیل جو بظاہر غیر تحریری قواعد کے فائدوں سے متعلق بورس کے خیالات سے متفق نہیں تھا، ایجوٹنٹ کے ساتھ اپنی گفتگو میں مخل ہونے والے اس بے ادب لیفٹیننٹ کو غصے سے گھورنے لگا جس سے بورس بے چین ہو گیا۔ چنانچہ وہ پرے چلا گیا اور بے قراری سے شہزادہ آندرے کی کمانڈر انچیف کے کمرے سے واپسی کا انتظار کرنے لگا۔

شہزادہ آندرے نے اس کے ساتھ کلاوی کارڈ والے وسیع کمرے میں جاتے ہوئے کہا "اچھا میرے عزیز دوست، میں تمہارے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ تمہارا کمانڈر انچیف کے پاس جانا بیکار ہو گا۔ وہ تمہارے ساتھ بہت سی شائستہ باتیں کریں گے اور اپنے ساتھ کھانے کی دعوت دیں گے (بورس نے سوچا "غیر تحریری قواعد کی رو سے یہ کچھ ایسا برا بھی نہ ہو گا") مگر اس سے زیادہ کچھ نہیں ہو گا۔ حال ہی میں ہماری ایجوٹنٹوں اور اردلی افسروں کی پوری بٹالین مکمل ہو گئی ہے۔ مگر میں تمہیں بتاتا ہوں کہ ہم کیا کریں گے۔ میرے ایک بہت اچھے دوست، ایجوٹنٹ جنرل شہزادہ دلگوروکوف ہیں۔ اور غالباً تم نہیں جانتے کہ درحقیقت کوتوزوف، اس کے تمام عملے اور ہم سب کی اس وقت کوئی اہمیت نہیں۔ اب ہر بات کا مرکز شہنشاہ کی ذات ہے لہٰذا ہم دلگوروکوف کے پاس جاتے ہیں۔ میں نے ان سے ملنا ہی تھا اور ان سے پہلے ہی تمہارا ذکر کر چکا ہوں۔ دیکھتے ہیں کہ وہ تمہیں اپنے عملے میں شامل کرتے ہیں یا اس کے علاوہ کوئی جگہ تلاش کرتے ہیں"

شہزادہ آندرے کو کسی نوجوان کی رہنمائی کرنے اور اسے دنیاوی کامیابی میں مدد دے کر بیحد خوشی ہوتی

تھی۔ وہ اپنے لیے کبھی ایسی مدد حاصل نہیں کر سکتا تھا تاہم دوسروں کیلئے اس مدد کے بہانے اس کے تعلقات اس طبقے سے استوار ہو جاتے جو دوسروں پر نوازشات کرتا تھا اور جس میں اسے کشش دکھائی دیتی تھی۔ اس نے سچے دل سے بورس کی مدد کرنے کی حامی بھری اور اسے ساتھ لے کر دلگوروکوف سے ملنے چلا گیا۔

جب وہ اولمُوتس میں شہنشاہوں اور ان کے خدم وحشم کے زیر استعمال محل میں داخل ہوئے تو شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔

اسی دن جنگی کونسل کا اجلاس ہوا تھا جس میں دونوں شہنشاہوں اور وسیع جنگی کونسل کے ارکان نے شرکت کی۔ اجلاس میں تجربہ کار جرنیل کوتوزوف اور شہزادہ شوارزنبرگ کے مشوروں کے برعکس فوری پیش قدمی اور بوناپارٹ سے جنگ کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ شہزادہ آندرے بورس کے ہمراہ محل میں دلگوروکوف کی تلاش میں نکلا تو یہ اجلاس ختم ہوئے تھوڑی دیر گزری تھی۔ ہیڈکوارٹرز میں ہر شخص جنگی کونسل کے اجلاس میں نوجوان ارکان کو حاصل ہونے والی کامیابی کے سحر میں جکڑا دکھائی دیتا تھا۔ پیش قدمی ملتوی کرنے اور کسی نہ کسی بہانے انتظار کرنے کا مشورہ دینے والوں کی آوازیں دبا دی گئیں اور حملے کے فائدوں کے حق میں اس قدر ناقابل تردید ثبوت پیش کر کے ان کی دلیلیں مسترد کر دی گئیں کہ اجلاس میں متوقع لڑائی اور یقینی فتح کے حوالے سے جو امور زیر بحث آئے وہ مستقبل کی بجائے ماضی سے متعلق معلوم ہوتے تھے۔ ان کی رو سے تمام فائدے ہمارے حق میں تھے۔ ہماری فوجوں کی بھاری تعداد جو نپولین سے ہر صورت برتر اور ایک جگہ جمع تھی۔ دونوں شہنشاہوں کی موجودگی کے باعث فوجیوں کا حوصلہ بلند تھا اور وہ جنگ کیلئے بیتاب تھے۔ جنگی اعتبار سے اہم مقامات کی تمام تر تفصیل آسٹروی جرنیل وے روذر کو معلوم تھی (خوش قسمتی سے جن میدانوں میں فرانسیسیوں سے جنگ ہونا تھی ان پر گزشتہ سال آسٹروی فوجوں نے جنگی مشقیں کی تھیں) اردگرد کا تمام علاقہ بھی جانا پہچانا تھا اور نقشوں پر اس کی تمام تر تفصیل درج تھی۔ ان تمام باتوں کے برعکس بوناپارٹ بظاہر کمزور ہو چکا تھا اور کوئی اقدامات نہیں کر رہا تھا۔

دلگوروکوف جو حملے کی تجویز کے پرزور حامیوں میں سے ایک تھا، ابھی ابھی اجلاس سے واپس آیا تھا۔ اگرچہ اس پر خاصی تھکن طاری تھی مگر اس کا جوش وخروش کم نہیں ہوا تھا اور حال ہی میں حاصل ہونے والی کامیابی کے نشے میں سرشار تھا۔ شہزادہ آندرے نے بورس کا اس سے تعارف کرایا جس نے شائستہ اور پرتپاک انداز میں اس سے مصافحہ کیا مگر منہ سے کچھ نہ بولا۔ واضح تھا کہ وہ اپنے آپ کو ان خیالات کے اظہار سے باز نہیں رکھ سکتا جو اس کے ذہن میں موجود تھے۔ وہ آندرے سے فرانسیسی زبان میں گفتگو کرنے لگا۔

دلگوروکوف نے آندرے سے کہا "ہاں، تو میرے عزیز دوست، ہم نے زبردست فتح حاصل کی ہے اور خدا کرے کہ اس کے نتیجے میں برپا ہونے والی اصل جنگ میں بھی ہمیں کامیابی دے" اس نے اکھڑ اور پرجوش لہجے میں کہا "اگرچہ میرے عزیز دوست، میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے آسٹرویوں خاص طور پر وے روذر سے انصاف نہیں کیا۔ بھئی کیا درستگی اور کیا انصرام ہے ان کا، علاقے کے بارے میں تمام تر تفصیل، تمام امکانات، ہر حالت اور ہر منٹ کی تفصیلات نہیں میرے دوست، حالات اب جس طرح ہمارے لیے سازگار ہیں انہیں دیکھتے ہوئے یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ کبھی ان سے بہتر بھی میسر ہوں گے۔ آسٹروی درستگی اور روسی جرات کا امتزاج۔۔۔ آپ کو اور کیا چاہیے؟"

بلکونسکی نے کہا "تو پھر حملے کا حتمی فیصلہ ہو گیا ہے؟"

دلگوروکوف بولا "اور تم جانتے ہو، میرے خیال میں بوناپارٹ پاگل ہو گیا ہے۔ تمہیں علم ہے کہ اس نے آج

ہی شہنشاہ کو خط لکھا ہے" یہ بات کہتے ہوئے دلگوروکوف یوں مسکرایا جیسے اسے بہت سی باتوں کا علم ہو۔

بلگونسکی نے پوچھا" کیا واقعی؟ اس نے کیا لکھا ہے؟"

دلگوروکوف بولا" وہ کیا لکھ سکتا ہے؟ تراری۔۔۔ری۔۔۔دی۔۔۔را۔۔۔بس وقت حاصل کرنے کیلئے۔ میں تمہیں کہتا ہوں کہ اس وقت وہ ہماری مٹھی میں ہے، یہ حقیقت ہے!" پھر وہ اچانک خوش مزاجی سے ہنسا اور کہنے لگا" ہمیں سمجھ نہیں آرہی تھی کہ اسے کیسے مخاطب کیا جائے! تو نصل اسے لکھا نہیں جا سکتا تھا اور شہنشاہ بھی نہیں۔ پھر میں نے سوچا کہ جنرل بوناپارٹ کہنا مناسب ہوگا۔

بلگونسکی نے کہا" مگر اسے شہنشاہ تسلیم نہ کرنے اور جنرل بوناپارٹ کہنے میں فرق ہے"

دلگوروکوف نے اچانک ہنستے ہوئے اس کی بات کاٹی اور بولا" یہی تو اصل بات ہے، تم بلبین کو جانتے ہو، وہ بیحد چالاک ہے۔ اس نے تجویز پیش کی کہ اسے" غاصب اور نسل انسانی کا دشمن کہہ کر مخاطب کیا جائے" یہ کہتے ہوئے اس نے خوشی سے قہقہہ لگایا۔

بلگونسکی کہنے لگا" اس سے زیادہ کچھ نہیں؟"

دلگوروکوف نے جواب دیا" مگر بلبین نے ہی اسے مخاطب کرنے کیلئے سنجیدہ طریقہ ڈھونڈ نکالا۔ وہ تیز طرار ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی سمجھدار بھی ہے۔۔۔"

آندرے نے پوچھا" تو پھر کیا لکھا گیا؟"

دلگوروکوف نے گھمبیر سنجیدگی اور اطمینان سے بتایا" فرانسیسی حکومت کے سربراہ کے نام، یہ ٹھیک تھا، کیا کہتے ہو؟"

بلگونسکی نے جواب دیا" ٹھیک ہے مگر وہ اسے شدید طور سے ناپسند کرے گا"

دلگوروکوف کہنے لگا" ارے، بالکل! میرا بھائی اسے جانتا ہے، وہ پیرس میں ایک سے زائد مرتبہ اس کے ساتھ کھانا کھا چکا ہے اور مجھے اکثر بتاتا رہتا ہے کہ اس نے اس سے زیادہ باریک بین اور چالاک سفارتکار نہیں دیکھا۔ تم جانتے ہو کہ اس میں فرانسیسی مہارت اور اطالوی اداکارانہ صلاحیتیں مشترکہ طور پر موجود ہیں۔ تم نے بوناپارٹ اور نواب مارکوف کا واقعہ تو سنا ہوگا۔ نواب مارکوف واحد شخص تھا جو اس سے نپٹنا جانتا تھا۔ تم نے رومال والی بات کا علم ہے؟ باتونی دلگوروکوف کبھی بورس اور کبھی شہزادہ آندرے کی جانب دیکھتے ہوئے قصہ سنانے لگا کہ کیسے ایک مرتبہ بوناپارٹ نے ہمارے سفیر مارکوف کا امتحان لینے کیلئے جان بوجھ کر اپنا رومال اس کے سامنے فرش پر گرا دیا اور اس توقع سے اس کی جانب دیکھنے لگا کہ وہ اس کا رومال اٹھا کر اسے تھما دے گا مگر مارکوف نے اپنا رومال نیچے گرا دیا اور بوناپارٹ کے رومال کو ہاتھ لگائے بغیر جھک کر اپنا رومال اٹھا لیا۔

بلگونسکی بولا" بہت خوب! مگر شہزادے، میں آپ کے پاس اس نوجوان کی سفارش کرنے آیا ہوں۔ آپ نے دیکھا ہے کہ۔۔۔" مگر آندرے کی بات مکمل ہونے سے قبل ایک ایجوٹنٹ کمرے میں آیا اور دلگوروکوف کو پیغام دیا کہ اسے شہنشاہ نے یاد کیا ہے۔

دلگوروکوف جلدی سے اٹھا اور آندرے و بورس سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولا" اوہو، کیا مصیبت ہے" پھر وہ آندرے سے مخاطب ہو کر کہنے لگا" تم جانتے ہو کہ مجھے تمہارے اور اس پرکشش نوجوان کیلئے کچھ کرکے دلی خوشی ہوگی" اگرچہ اس کے چہرے سے غیر سنجیدگی اور شوخی ٹپک رہی تھی مگر اس نے ایک مرتبہ پھر پرخلوص انداز سے بورس سے ہاتھ

ملایا اور کہا" مگر تم دیکھ رہے ہو۔۔۔ پھر سہی!"

بورس کیلئے اعلیٰ شخصیات سے قریب ہونے کا تصور ہی ولولہ انگیز تھا اور اس لمحے وہ یہی محسوس کر رہا تھا۔ اسے احساس تھا کہ اس کا رابطہ ان سرچشموں سے ہے جو اس ہجوم کو حرکت دیتے ہیں جس کا اس کی رجمنٹ ایک چھوٹا سا حصہ ہے۔ وہ شہزادہ دلگوروکوف کے پیچھے پیچھے راہداری میں چل دیے، یہاں انہیں سویلین لباس میں ملبوس ایک پستہ قد شخص (جو زار کے کمرے سے نکل رہا تھا اور اسی دروازے سے دلگوروکوف اندر گیا تھا) ملا جس کے چہرے سے ذہانت ٹپکتی تھی اور اس کے ابھرے ہوئے جبڑوں نے چہرے کا تاثر خراب کرنے کی بجائے اس پر خاص قسم کی شگفتگی پیدا کر دی تھی۔ اس پستہ قامت شخص نے دوستوں کی طرح سر جھکا کر دلگوروکوف کو سلام کیا اور شہزادہ آندرے کو سرد نگاہوں سے گھور کر سیدھا اس کی جانب بڑھا، اسے توقع تھی کہ وہ جھک کر اسے سلام کرے گا یا اس کے راستے سے ہٹ جائے گا مگر آندرے نے ایسا کچھ نہ کیا اور اس کے چہرے پر کینہ جوئی کے تاثرات پیدا ہو گئے۔ کوتاہ قامت شخص ایک جانب ہٹا اور راہداری کی دوسری سمت چلا گیا۔

بورس نے پوچھا" یہ کون تھا؟"

آندرے نے جواب دیا" یہ انتہائی اہم افراد میں شمار ہوتا ہے اور میرے نزدیک انتہائی مکروہ شخص ہے۔ یہ وزیر خارجہ شہزادہ ایڈم زارتورسکی ہے" بلگونسکی نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا" یہی وہ لوگ ہیں جو قوموں کی قسمت کا فیصلہ کرتے ہیں" یہ کہتے ہوئے اس کے منہ سے آہ نکلی جسے وہ دبا نہ سکا۔ وہ محل سے باہر نکل گئے۔

اگلے دن فوجوں نے کوچ شروع کر دیا اور آوسٹرلٹس کی لڑائی تک بورس بلگونسکی یا دلگوروکوف کو دوبارہ دیکھنے میں کامیاب نہ ہو سکا اور اسے مزید کچھ دیر اسماعیلوف رجمنٹ میں قیام کرنا پڑا۔

(10)

16 تاریخ کو باگراتیاں کے دستے میں شامل دینی سوف کا سکواڈرن کھلی فضا میں رات بسر کرنے کے بعد میدان جنگ میں داخل ہوا۔ نکولائی رستوف بھی اسی سکواڈرن میں متعین تھا۔ دیگر دستوں کے پیچھے پیچھے کم وبیش ایک میل چلنے کے بعد اسے مرکزی سڑک پر رکنے کا حکم ملا۔ رستوف نے قازقوں، ہوزاروں کے پہلے اور دوسرے سکواڈرن، پیادہ فوج کی بٹالینوں اور توپخانے کو اپنے ساتھ سے گزر کر آگے جاتے دیکھا۔ اسے جنرل باگراتیاں اور دلگوروکوف بھی اپنے ایجوٹنٹوں کے ساتھ جاتے دکھائی دیے۔ لڑائی میں شرکت کی توقع میں اسے جنگ کے جس خوف کا تجربہ ہوا تھا اور پہلے کی مانند اس خوف پر قابو پانے کیلئے اسے جس اندرونی کشمکش سے گزرنا پڑا تھا اور اس نے جنگ میں سچے ہوزاروں کی طرح نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کرنے کے جو خواب دیکھے وہ لاحاصل ثابت ہوئے۔ اس کا سکواڈرن محفوظ دستے کے طور پر پیچھے چھوڑ دیا گیا اور نکولائی رستوف نے وہ دن نہایت کوفت اور بوریت کے عالم میں گزارا۔ صبح نو بجے اس نے آگے فائرنگ اور نعروں کی آوازیں سنیں۔ اسے نے زخمیوں (جن کی تعداد زیادہ نہیں تھی) کو واپس لاتے جاتے دیکھا۔ آخر میں اسے فرانسیسی گھڑسواروں کا پورا دستہ دکھائی دیا جسے قازقوں کی ایک کمپنی گھیرے میں لے آرہی تھی۔ یوں لگتا تھا کہ جھڑپ ختم ہو گئی ہے، اگرچہ یہ کوئی بڑا معرکہ نہیں تھا تاہم اس میں کامیابی ملی تھی۔ واپس آنے والے سپاہی و افسر شاندار فتح اور وِشاؤ قصبے پر قبضے نیز فرانسیسی سکواڈرن کی گرفتاری کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔ رات کو بیحد سردی پڑی تھی مگر دن کو مطلع صاف تھا اور تیز دھوپ نکل آئی۔ خزاں کے دن کی چمکدار روشنی کامیابی کی خوشخبری کے عین مطابق

تھی۔ لڑائی میں حصہ لینے والوں کے علاوہ رستوف کے قریب سے گزرنے والے، سپاہی، افسر، جرنیل اور ایجوٹنٹوں کی زبانوں پر بھی اس فتح کا تذکرہ تھا اور ان کے چہرے خوشی سے تمتما رہے تھے۔ نکولائی جسے جنگ سے پہلے لاحق ہونے والے خوف سے بیکار گزرنا پڑا تھا، اور بھی افسردہ ہو گیا کیونکہ اس پرمسرت دن پر اسے یونہی پیچھے چھوڑ دیا گیا تھا۔

دینی سوف سڑک کنارے بیٹھتے ہوئے بولا "رستوف، ادھر آؤ، پیتے ہیں" اس کے پاس شراب کی بوتل اور کھانے کی کچھ چیزیں تھیں۔ افسروں نے دینی سوف کی بوتل کے گرد دائرہ بنالیا اور کھانے پینے کے ساتھ ساتھ باتیں کرنے میں مشغول ہو گئے۔

ان میں سے ایک افسر نے فرانسیسی قیدی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا "وہ دیکھو! وہ ایک اور کو پکڑ کر لا رہے ہیں" اس قیدی کو دو قازق پیدل لیے آ رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے قیدی کے گھوڑے کی لگام پکڑ رکھی تھی۔ یہ خوبصورت اور قوی الجثہ فرانسیسی گھوڑا تھا۔

دینی سوف نے قازق سے چلا کر کہا "گھوڑا بیچو گے؟"

قازق نے جواب دیا "جناب عالی! اگر آپ خریدنا چاہتے ہیں تو لے لیں"

تمام افسر اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے قازق اور قیدی کے گرد گھیرا ڈال لیا۔ فرانسیسی قیدی ایک نوجوان الساشین تھا جو جرمن لہجے میں فرانسیسی بولتا تھا۔ اضطراب سے اس کا سانس پھول رہا تھا اور چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ اس نے ان لوگوں کو فرانسیسی بولتے سنا تو کبھی ایک اور کبھی دوسرے افسر کو مخاطب کرنے لگا۔ وہ کہہ رہا تھا "میں بھی گرفتار نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ میری نہیں بلکہ کارپورل کی غلطی تھی جس نے مجھے گھوڑوں کا کپڑا لانے بھیج دیا، حالانکہ میں نے اسے کہا بھی تھا کہ وہاں روسی موجود ہیں" وہ ہر جملے کے بعد اپنے گھوڑے کو تھپکی دیتے ہوئے کہتا "مگر میرے اس چھوٹے گھوڑے کو نقصان نہ پہنچنے دیں" یہ بات عیاں تھی کہ اسے اندازہ نہ تھا کہ وہ کہاں ہے۔ ایک لمحے وہ اپنی گرفتاری کا جواز پیش کرنے لگتا اور اگلے لمحے اپنے فوجی نظم وضبط اور سپاہیانہ خدمات کیلئے اپنے جوش وولولے کا تذکرہ شروع کر دیتا جیسے اپنے افسران اعلیٰ کے سامنے کھڑا ہو۔ وہ اپنے ساتھ ہمارے عقبی دستوں میں فرانسیسی فوج کا بالکل نیا اور مختلف ماحول لایا تھا۔

قازقوں نے گھوڑا دو طلائی سکوں کے عوض بیچ دیا اور رستوف نے اسے خرید لیا جو گھر سے رقم موصول ہونے کے بعد امیر ترین افسر بن چکا تھا۔

گھوڑا رستوف کے حوالے کر دیا گیا تو الساشین سادگی سے اسے کہنے لگا "میرے چھوٹے گھوڑے کا دھیان رکھنا!"

رستوف نے مسکرا کر فرانسیسی کو اطمینان دلایا اور اسے کچھ رقم بھی دی۔

قازقوں نے قیدی کے بازو پر ہاتھ رکھا اور بولے "چلو! چلو!"

اچانک ہوزاروں میں ہلچل مچ گئی اور "شہنشاہ! شہنشاہ!" کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ اچانک گہما گہمی سی پیدا ہوئی اور رستوف نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو اسے سڑک پر متعدد گھڑسوار دکھائی دیے جنہوں نے کلغی دار ٹوپیاں پہن رکھی تھیں۔ ایک لمحے میں ہر شخص اپنی جگہ پر پہنچ گیا اور بیتابی سے انتظار کرنے لگا۔

رستوف کو یاد نہ رہا کہ وہ اپنے گھوڑے تک کیسے پہنچا اور کیسے اس پر سوار ہوا۔ اس کا یہ افسوس اچانک غائب ہو گیا کہ اسے جنگ میں شرکت کا موقع نہیں ملا۔ وہ اپنے آپ کو بھی بھول گیا اور اپنے اردگرد موجود لوگوں سے ہونے والی

اکتاہٹ بھی جاتی رہی جو اسے بالکل اچھے نہیں لگتے تھے۔ زار کو اپنے قریب پا کر اس کا جی خوش ہو گیا اور یوں اس بیکاری کے تاسف کی بھی تلافی ہو گئی جو تمام دن اس پر چھایا رہا تھا۔ وہ اس عاشق کی طرح خوش تھا جسے طویل عرصہ کے بعد وصال کا موقع ملا ہو۔ اسے نظریں اٹھا کر دیکھنے کا حوصلہ نہ ہوا مگر نظریں اٹھانے کی ضرورت ہی کیا تھا۔ دیکھے بغیر اس کے رگ وپے میں یہ خیال سماتا جا رہا تھا کہ وہ اس کے قریب ہے۔ اسے اس کا اندازہ محض گھوڑوں کے سموں کی آواز ہی سے نہیں بلکہ ہر شے کے مسرور تر، معنی خیز اور بشاش بشاش دکھائی دینے سے بھی ہو رہا تھا۔ یہ چمکتا سورج اپنی شاندار اور پرشفقت کرنیں بکھیرتا اس کے قریب تر ہوتا گیا اور اسے یوں محسوس ہوا جیسے ان کرنوں نے اسے لپیٹ میں لے لیا ہو۔ اس نے زار کی آواز سنی جو شفیق، پرسکون اور رعب دار ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی سادگی بھی لیے ہوئے تھی۔ اچانک موت کی سی خاموشی چھا گئی جو رستوف کو موزوں معلوم ہوئی اور اس خاموشی م میں اس نے زار کی آواز سنی۔

وہ سوالیہ انداز میں کہہ رہا تھا "پاؤلوگراڈ کے ہوزار؟"

جواباً ایک آواز سنائی دی "حضور! محفوظ دستہ" یہ اس مافوق الفطرت آواز کے مقابلے میں انسانی آواز لگتی تھی۔

زار رستوف کے بالکل قریب آ گیا اور وہیں کھڑا ہو گیا۔ الیگزنڈر کا یہ چہرہ تین روز قبل معائنے کے دوران دکھائی دینے والے چہرے کی نسبت کہیں زیادہ خوبصورت دکھائی دے رہا تھا۔ اس سے شگفتگی اور شباب، معصوم شباب کی شعائیں پھوٹ رہی تھیں اور اس کا چہرہ بیک وقت چودہ سالہ لڑکے اور جلیل القدر شہنشاہ کا چہرہ معلوم ہوتا تھا۔ زار نے سکواڈرن پر سرسری نگاہ ڈالی اور اس کی نظریں رستوف پر ٹھہر گئیں۔ اس کی یہ نگاہیں صرف دو سیکنڈ تک رستوف پر مرکوز رہیں۔ زار رستوف کے دل کی حالت سے آگاہ ہوا یا نہیں (رستوف کو یوں لگا جیسے وہ سب کچھ جان گیا ہے) تاہم اس کی نیلی آنکھیں دو سیکنڈ تک اسی پر لگی رہیں (ان سے ملائمت بھری روشنی پھوٹ رہی تھی) پھر اس نے اچانک اپنی پلکیں اٹھائیں اور گھوڑے کو بائیں پاؤں سے ہلکی سی ٹھوکر مار کر اسے سرپٹ دوڑا دیا۔

نوجوان شہنشاہ میدان جنگ میں جانے کی خواہش پر قابو نہ پا سکا اور درباریوں کے روکنے کے باوجود اپنے آگے آگے جانے والے تیسرے کالم کو بارہ بجے پیچھے چھوڑتے ہوئے ہراول دستے کی جانب بھاگنے لگا۔ ہوزاروں تک پہنچنے سے پہلے ہی اسے متعدد ایجوٹنٹ مل گئے جنہوں نے اسے کامیاب معرکے کی خبر سنائی۔

اس جنگ میں فرانسیسی فوج کے محض ایک سکواڈرن کی گرفتاری کو دشمن کیخلاف شاندار فتح کے طور پر پیش کیا گیا جس کے نتیجے میں زار سمیت تمام فوج یہی سمجھی کہ فرانسیسی شکست کھا کر پسپائی اختیار کر چکے ہیں جبکہ میدان جنگ پر ابھی تک دھواں چھایا ہوا تھا۔ زار کی روانگی کے چند منٹ بعد پاؤلوگراڈ ڈویژن کے ہوزاروں کو آگے بڑھنے کے احکامات موصول ہوئے۔ چھوٹے سے جرمن قصبے وِش ہاؤ میں رستوف کو زار ایک مرتبہ پھر دکھائی دیا۔ قصبے کے بازار میں جہاں زار کی آمد سے قبل شدید فائرنگ ہوئی تھی، بے شمار ہلاک وزخمی سپاہی پڑے تھے جنہیں اٹھانے کی کسی کو فرصت نہ تھی۔ گھوڑے پر سوار زار اپنے عملے اور درباریوں میں گھرا (اس کا یہ گھوڑا معائنے والے دن دکھائی دینے والے گھوڑے سے مختلف تھا) ہوا تھا۔ وہ ایک جانب جھکا اور نفاست سے سنہری دوربین اپنی آنکھوں سے لگا کر ایک سپاہی کی جانب دیکھنے لگا جس کا ننگا سر خون میں لتھڑا ہوا تھا۔ زخمی سپاہی کا جسم اس قدر گندا، بے ترتیب اور ڈراؤنا تھا کہ رستوف کو اس کے قریب زار کو دیکھ کر شدید دھچکا لگا۔ رستوف نے دیکھا کہ زار کے جھکے ہوئے کندھے یوں سکڑے جیسے وہ کانپ رہا ہو اور اس کے بائیں پاؤں کی کِکی سے گھوڑے کے پہلو میں ضرب لگنے لگی تاہم اچھے انداز سے سدھایا گھوڑا اپنی جگہ سے ہلے بغیر وہیں کھڑا رہا۔ ایک ایجوٹنٹ گھوڑے سے اترا اور سپاہی کو اپنے بازوؤں میں لے کر ایک سٹریچر پر ڈال دیا۔

سپاہی کراہنے لگا۔

زار بولا "آرام سے، آرام سے، کیا تم آرام سے نہیں کر سکتے؟" صاف دکھائی دیتا تھا کہ اسے مرنے والے سپاہی سے زیادہ تکلیف ہو رہی ہے۔ پھر وہ وہاں سے آگے چل دیا۔

رستوف نے زار کی آنکھوں میں آنسو دیکھے اور اسے زار تورسکی کو یہ کہتے سنا "جنگ کس قدر خوفناک چیز ہے، کس قدر خوفناک!"

ہراول دستے وش ہاؤ سے پہلے تعینات تھے جہاں سے دشمن کی صفیں دکھائی دیتی تھیں۔ تمام دن ہلکی پھلکی فائرنگ کا تبادلہ ہوتا رہا اور دشمن پیچھے ہٹ گیا۔ ہراول دستوں کو زار کا شکریہ پہنچا دیا گیا، انعام و اکرام کے وعدے کئے گئے اور سپاہیوں کو دی جانے والی واڈکا کی مقدار دگنی کر دی گئی۔ جا بجا آگ کے الاؤ جل اٹھے اور سپاہی گزشتہ رات کی نسبت زیادہ خوشی سے گیت گاتے رہے۔ دینی سوف نے اس رات میجر کے عہدے پر اپنی ترقی کا جشن منایا۔ ہنگامہ ہاؤ ہو کے اختتام پر رستوف نے جو جی بھر کر پی چکا تھا شہنشاہ کا جام صحت تجویز کیا۔ اس نے وضاحت کرتے ہوئے کہا "یہ جام ہمارے ارفع و اعلیٰ شہنشاہ کیلئے نہیں ہوگا جیسا کہ سرکاری تقریبات میں کہا جاتا ہے۔ اس کی بجائے ہم یہ جام صحت اپنے اس شہنشاہ کیلئے تجویز کریں گے جو اچھا، مسحور کن اور عظیم ہے۔ آئیں ان کا اور فرانسیسیوں کیخلاف حاصل ہونے والی فتح کا جام صحت نوش کریں!"

رستوف نے مزید کہا "اگرچہ ہم پہلے بھی لڑ چکے ہیں اور شون گرابرن میں ان کے سامنے ذرا بھی نہیں جھکے تھے تاہم اب جبکہ وہ (زار) ہماری قیادت کر رہے ہیں تو ہم کیا کچھ نہیں کر گزریں گے؟ ہم تمام موت قبول کر لیں گے، ہم ان کیلئے بخوشی موت کو گلے لگا لیں گے۔ کیوں حضرات؟ ہو سکتا ہے میں اچھے انداز سے بات نہ کر پا رہا ہوں، میں نے زیادہ ہی پی لی ہے مگر میں کچھ ایسا ہی محسوس کرتا ہوں اور آپ کو بھی یہی محسوس ہوتا ہوگا۔ الیگزنڈر اول کا جام صحت! ہرا!"

افسروں نے جوش و خروش سے نعرہ لگایا "ہرا!" عمر رسیدہ کرسٹن کا نعرہ بیس سالہ رستوف کے نعرے سے کسی طور کم پرخلوص اور کم پرجوش نہ تھا۔

جب افسر جام پینے کے بعد گلاس توڑ چکے تو کرسٹن نے کچھ نئے گلاس بھرے اور اپنا گلاس تھام کر صرف قمیص اور برجس میں ہی سپاہیوں کے الاؤ کی جانب چل دیا۔ اس نے شاہانہ انداز سے بازو لہرایا کیمپ کے الاؤ میں اس کی سرمئی لمبی مونچھیں اور کھلی قمیص سے سفید بالوں بھری چھاتی صاف نظر آ رہی تھی۔ اس نے تجربہ کار ہوزاروں کی طرح باآواز بلند غراتے ہوئے کہا "لڑکو، ہمارے ارفع و اعلیٰ شہنشاہ اور دشمن پر حاصل ہونے والی فتح کے نام، ہرا!"

ہوزار اس کے ارد گرد اکٹھے ہو گئے اور باآواز بلند اس کا ساتھ دیا۔

رات گئے جب تمام لوگ اپنی اپنی جگہ پر چلے گئے تو دینی سوف نے اپنے چھوٹے سے ہاتھ کی مدد سے اپنے چہیتے رستوف کے کندھے پر تھپکی دی اور کہنے لگا "جب میدان جنگ میں اسے محبت کیلئے کوئی نہ ملا تو وہ زار کی محبت میں ہی گرفتار ہو گیا"

رستوف نے بلند آواز سے کہا "دینی سوف، اس کا مذاق مت اڑاؤ۔ یہ بُعد خوبصورت اور ارفع جذبہ ہے، چنانچہ۔۔۔"

دینی سوف نے جواباً کہا "میں مانتا ہوں تمہیں، میرے عزیز میں مانتا ہوں اور ان احساسات میں تمہارے ساتھ برابر کا شریک ہوں۔۔۔"

رستوف کہنے لگا "نہیں تم نہیں سمجھے!" یہ کہہ کر وہ آگ کے الاؤوں میں ٹہلتے ہوئے سوچنے لگا کہ مرنے میں کتنا لطف آئے گا۔ وہ شہنشاہ کی جان بچانے کیلئے نہیں بلکہ محض اس کی آنکھوں کے سامنے مرنا چاہتا تھا۔ دراصل وہ زار، روسی فوج کی شان و شوکت اور آئندہ فتح کی امید کے عشق میں گرفتار ہو گیا تھا۔ اوسٹرلٹس کی جنگ سے قبل کے ان یادگار دنوں میں روسی فوج کے نوے فیصد جوان زار اور روسی فوج کی شان و شوکت کے عشق میں مبتلا ہو گئے تھے مگر ان کا یہ جذبہ رستوف سے قدرے کم تھا۔

(11)

اگلے دن زار وش ہاؤ میں ہی رہا۔ اس کے ڈاکٹر ویلیئر کو کئی مرتبہ اس کے پاس بلایا گیا۔ ہیڈ کوارٹرز اور قریب ہی مقیم فوج میں یہ بات زیر گردش تھی کہ زار کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ اس کے قریبی لوگوں کے مطابق اس نے کچھ نہیں کھایا تھا اور رات کو سو بھی نہیں سکا تھا۔ اس صورتحال کی وجہ یہ بتائی گئی کہ ہلاک شدگان اور زخمیوں کو دیکھ کر زار کی حساس طبیعت متاثر ہوئی ہے۔

17 تاریخ کی صبح ایک فرانسیسی افسر کو ہماری بیرونی چوکیوں سے وش ہاؤ پہنچایا گیا۔ وہ صلح کا جھنڈا لہراتا روسی شہنشاہ سے ملاقات کی درخواست لے کر آیا تھا۔ اس افسر کا نام ساوارے تھا۔ زار کو کچھ دیر قبل ہی نیند آئی تھی چنانچہ ساوارے کو انتظار کرنا پڑا۔ دوپہر کے وقت اسے زار کی خدمت میں پیش کیا گیا اور ایک گھنٹہ بعد وہ شہزادہ دلگوروکوف کے ساتھ فرانسیسی فوج کی بیرونی چوکیوں کی جانب روانہ ہو گیا۔ کہا جا رہا تھا کہ ساوارے زار الیگزنڈر اور نپولین کے مابین ملاقات کی تجویز لے کر آیا ہے۔ نپولین سے بالمشافہ ملاقات کی تجویز مسترد ہونے کی خبر پر تمام فوج میں خوشی اور فخر کے جذبات کے ساتھ سنی گئی اور نپولین سے بات چیت کیلئے وش ہاؤ کی لڑائی کے فاتح شہزادہ دلگوروکوف کو ساوارے کے ساتھ یہ جاننے کیلئے بھیجا گیا کہ توقعات کے برعکس صلح کی یہ پیشکش امن کی سچی خواہش پر مبنی ہے یا نہیں۔ شام کے وقت دلگوروکوف واپس آیا اور سیدھا زار کے پاس پہنچا جہاں اس نے کافی دیر تک اس سے علیحدگی میں ملاقات کی۔

18 اور 19 تاریخ کو فوج دو دن آگے بڑھی اور فائرنگ کے تبادلے کے بعد دشمن کی دو بیرونی چوکیاں پسپا ہو گئیں۔ 19 کی دوپہر کو فوج کے اعلیٰ حلقوں میں خاصا جوش و خروش اور مصروفیت دکھائی دی جو اگلی صبح تک جاری رہی اور اسی روز اوسٹرلٹس کی یادگار لڑائی لڑی گئی۔ انیس تاریخ کی دوپہر تک جوش و خروش اور مصروفیت شہنشاہوں کے ہیڈ کوارٹروں تک محدود رہی اور ایجوٹنٹ وہیں آتے جاتے رہے تاہم دوپہر کے بعد اس جوش و خروش اور مصروفیت نے کتروف اور مختلف کمانڈنگ افسروں کے ہیڈ کوارٹروں کا رخ کر لیا۔ شام تک ایجوٹنٹوں نے اسے فوج کے کونے کونے تک پھیلا دیا اور 19 تاریخ کی رات اسی ہزار پر مشتمل متحدہ فوج اپنی جائے قیام سے اٹھی اور آوازوں کی بھنبھناہٹ کے ساتھ میلوں پر محیط مجمع حرکت میں آ گیا۔

صبح کے وقت شہنشاہوں کے ہیڈ کوارٹروں میں شروع ہونے والے زوردار مصروفیت کسی بہت بڑے کلاک کی مرکزی چرخی کی پہلی حرکت سے مشابہ تھی جس نے وسیع و عریض علاقے میں ہونے والی تمام حرکات کو تحریک دی جیسا کہ کلاک کی تمام چرخیاں باری باری متحرک ہو کر رفتار پکڑ لیتی ہیں اور بیرم، چرخیاں اور گھریاں گھومنا شروع کر دیتی ہیں، گجر بجنے لگتے ہیں، کلاک کے ہندسے نمایاں ہو جاتے ہیں اور اس حرکت کے نتیجے میں سوئیاں ایک ردھم کے ساتھ حرکت میں آ جاتی ہیں۔

کلاک کی ساخت کی طرح فوجی ترتیب و تنظیم میں بھی ایک مرتبہ حکم دیے جانے کے بعد تمام کل پرزے کسی رکاوٹ کے بغیر اپنے منطقی انجام کی طرف بڑھنا شروع ہو جاتے ہیں۔ تاہم کلاک کے پرزوں کی طرح یہ اکٹھے متحرک نہیں ہوتے ۔ابتداء میں بعض پہیے اور چرخیاں ساکت رہتی ہیں قوت ملنے پر مختلف چرخیاں رگڑ کھانے لگتی ہیں اور دندانے ایک دوسرے پر گرفت مضبوط کرنے لگتے ہیں مگر قریبی چرخی بالکل ساکت رہتی ہے جیسے اس کی یہ کیفیت سینکڑوں برس برقرار رہنی ہو۔ مگر پھر پہیے کی حرکت کی نتیجے میں چرخیاں گھومنے لگتی ہیں اور اس عام حرکت میں شریک ہو جاتی ہیں جس کا نتیجہ اور مقصد ان کے اپنے علم میں بھی نہیں ہوتا۔

کلاک کی طرح جس میں بے شمار پہیوں اور چرخیوں کے مرکب عمل سے سوئیاں آہستگی اور متعین رفتار سے حرکت کرنے لگتی ہیں، اوسٹرلٹس کی جنگ (تین شہنشاہوں کی نام نہاد جنگ) میں بھی ایک لاکھ ساٹھ ہزار روسیوں اور فرانسیسیوں کی پیچیدہ انسانی حرکات، جذبوں، امیدوں، پچھتاووں، اہانتوں، مصیبتوں، فخر، خوف اور انسانی جذبوں کی لہر کا نتیجہ شکست کی صورت میں برآمد ہوا اور انسانی تاریخ کے ڈائل پر سوئی کی حرکت آہستہ ہو گئی۔

اس روز شہزادہ آندرے ڈیوٹی پر تھا اور کمانڈر انچیف کے قریب موجود رہا۔ شام چھ بجے کوتوزوف نے شہنشاہ کے ہیڈ کوارٹر کا دورہ کیا اور زار کے ساتھ تفصیلی ملاقات کے بعد ہوف مارشل تالستائی سے ملنے چلا گیا۔

بلکونسکی اس فارغ وقت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دلگوروکوف کے پاس گیا تا کہ آئندہ کارروائی کی تفصیلات معلوم کر سکے۔ شہزادہ آندرے کو محسوس ہوا کہ کوتوزوف کسی حوالے سے بے چین اور ناخوش ہے اور ہیڈ کوارٹر میں لوگ اس سے خوش نہیں ہیں اور یہ کہ شہنشاہ کے ہیڈ کوارٹر میں موجود تمام لوگوں کی باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ان تمام باتوں سے باخبر ہیں جن کا دوسروں کو علم نہیں اور اسی وجہ سے وہ دلگوروکوف سے بات کرنا چاہتا تھا۔

دلگوروکوف جو بلیبن کے ساتھ بیٹھا چائے پی رہا تھا اسے دیکھتے ہی بولا" ارے دوست، شام بخیر۔ کل جشن ہو گا۔ تمہارے معمر ساتھی کا کیا حال ہے؟ خفا ہیں؟"

آندرے نے جواب دیا" میں یہ تو نہیں کہوں گا کہ وہ خفا ہیں مگر میرا اندازہ ہے کہ وہ چاہتے ہیں ان کی بات سنی جائے"

دلگوروکوف کہنے لگا" مگر جنگی کونسل میں ان کی بات سنی گئی تھی اور جب بھی وہ معقول بات کریں گے تو اسے سنا جائے گا۔ تاہم اب جبکہ مشترکہ حملے کے خوف نے بونا پارٹ کو پریشان کر دیا ہے، تاخیر اور انتظار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا"

شہزادہ آندرے بولا" ارے ہاں، آپ تو اس سے مل چکے ہیں۔ آپ کا بونا پارٹ کے بارے میں کیا خیال ہے؟ اس نے آپ پر کیسا تاثر چھوڑا؟"

دلگوروکوف نے اپنی بات دہراتے ہوئے کہا" ہاں، میں اس سے ملا اور مجھے یقین ہے کہ وہ مشترکہ حملے سے زیادہ کسی شے سے خوفزدہ نہیں" یوں لگتا تھا جیسے دلگوروکوف نے نپولین سے ملاقات کے بعد جو نتائج اخذ کیے تھے وہ اس کے نزدیک یقینی طور پر درست تھے۔ اس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا" اگر وہ اس حملے سے خوفزدہ نہ ہوتا تو اسے اس ملاقات، گفت و شنید اور سب سے بڑھ کر یہ کہ پسپائی کی کیا ضرورت تھی جبکہ پسپائی اس کے طریقہ جنگ کے بالکل برعکس ہے؟ میری بات پر یقین کرو کہ وہ خوفزدہ ہے۔ وہ عمومی کارروائی سے خوفزدہ ہے۔ اس کا انجام قریب ہے، میری بات یاد رکھنا"

شہزادہ آندرے نے اپنی بات پر اصرار کرتے ہوئے کہا" مگر آپ مجھے یہ بتائیں کہ وہ کیسا دکھائی دیتا ہے اور اس کا رویہ کیسا ہوتا ہے؟"

دلگوروکوف نے جوابا بتایا" وہ سرمئی اوورکوٹ پہنتا ہے اور اپنے آپ کو 'یور میجسٹی' کے نام سے مخاطب کروانے کا بیحد شوقین ہے مگر میری جانب سے ایسا نہ کہے جانے پر اسے مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ بس وہ ایسا ہی ہے" بات مکمل کرنے کے بعد دلگوروکوف نے بلیبن کی جانب مسکرا کر دیکھا۔

وہ بات کا رخ تبدیل کرتے ہوئے بولا" میں بزرگ کوتوزوف کا غیر مشروط احترام کرتا ہوں تاہم اس کے باوجود میں کہوں گا کہ اب جبکہ وہ ہمارے ہاتھ میں ہے، اگر ہم انتظار کرتے رہے اور اسے اپنے ساتھ دھوکے بازی کا موقع دیا تو یہ بہت بڑی حماقت ہوگی۔ نہیں، ہمیں سواروف اور اس کا اصول نہیں بھلانا چاہیے کہ" کسی کو اپنے آپ پر حملے کا موقع نہ دو بلکہ الٹا اسی پر حملہ کر دو" یقین کرو کہ جنگ میں جوانوں کی توانائی تاخیری حربے استعمال کرنیوالے بوڑھوں کے تمام تر تجربات سے کہیں زیادہ محفوظ رہنما ثابت ہوتی ہے"

شہزادہ آندرے نے کہا" مگر آپ کس جگہ سے حملہ کریں گے؟ میں آج بیرونی چوکیوں پر گیا اور وہاں سے یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ اس کی فوج کا بڑا حصہ کہاں متعین ہے" وہ حملے کیلئے اپنا بنایا ہوا منصوبہ دلگوروکوف کے سامنے بیان کرنا چاہتا تھا۔

دلگوروکوف اٹھا اور میز پر پڑا ایک نقشہ کھولتے ہوئے فوراً بولا" یہ مسئلہ اتنا اہم نہیں ہر صورتحال سے نمٹنے کا بندوبست کر لیا گیا ہے۔ اگر اس نے برن میں مرتکز ہونے کی کوشش کی تو ۔۔۔" دلگوروکوف نے تیزی سے وے روٹر کے پہلو سے حملے والے منصوبے کی تفصیلات بیان کرنا شروع کر دیں۔

شہزادہ آندرے نے اس پر اعتراضات کیے اور اپنا بنایا منصوبہ بیان کرنا شروع کر دیا جو وے روٹر کے منصوبے جتنا اچھا ہو سکتا تھا مگر مسئلہ یہ تھا کہ وے روٹر کا منصوبہ پہلے ہی منظور ہو چکا تھا۔ شہزادہ آندرے نے جوں جوں اس منصوبے کی خامیاں اور اپنے منصوبے کی خوبیاں بیان کرنا شروع کیں توں توں شہزادہ دلگوروکوف کا دھیان اس کی باتوں سے ہٹتا گیا اور وہ دلچسپی لیے بغیر نقشے کی بجائے آندرے کے چہرے کی جانب دیکھنے لگا۔

دلگوروکوف نے اسے کہا" آج رات کوتوزوف کے ہاں جنگی کونسل کا اجلاس ہو رہا ہے اور تم وہاں اس کی وضاحت کر سکتے ہو"

شہزادہ آندرے نقشے سے ہٹتے ہوئے بولا" ہاں میرا بھی یہی ارادہ ہے"

بلیبن جو ابھی تک ان کی بات خاموشی سے سنتا اور دلچسپی سے مسکرا تا رہا تھا، کہنے لگا" تو حضرات آپ خود کو کیوں پریشان کر رہے ہیں" یوں لگتا تھا جیسے وہ مذاق کرنا چاہتا ہو۔ وہ بات جاری رکھتے ہوئے بولا" کل فتح ہو یا شکست، روسی فوج کی شان برقرار رہے گی۔ تمہارے کوتوزوف کے علاوہ کوئی روسی ایسا نہیں جس کے پاس کسی کالم کی کمان ہو۔ کمانڈر ہر جنرل ومپفائن، ڈی کومٹے لینگرون، ڈی پرنس لکٹنسٹائن، ڈی پرنس ہوہن لو اور پرش پرشی پارش ہیں جو کہ پولش نام ہے"

دلگوروکوف بولا" چغل خور، زبان سنبھالو۔ یہ بات ٹھیک نہیں دو روسی بھی ہیں میلوراڈووچ اور دختوروف اور تیسرے نواب آراک چیف کے اعصاب کمزور نہ ہوتے تو اسے بھی کمان مل جاتی"

شہزادہ آندرے نے کہا" میرا خیال ہے کہ میخائل الاری اونووچ واپس آ چکے ہیں۔ حضرات میری دعا ہے

کہ خوش بختی اور کامیابی آپ کے قدم چومے" یہ کہہ کر اس نے دلگوروکوف اور ہلبین سے ہاتھ ملائے اور پھر باہر نکل گیا۔

واپسی پر شہزادہ آندرے کوتوزوف کے سامنے جنگ کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کئے بغیر نہ رہ سکا جو اس کے ساتھ خاموش بیٹھا تھا۔ کوتوزوف نے اپنے ایجوٹنٹ کی جانب گھمبیر نگاہوں سے دیکھا اور کچھ دیر توقف کے بعد جواب دیا "میرا خیال ہے کہ ہم جنگ ہار جائیں گے۔ میں نے نواب تالستائی سے بھی یہی بات کی اور اسے زار تک پہنچانے کو کہا۔ اور کیا تم اندازہ کر سکتے ہو کہ انہوں نے مجھے کیا جواب دیا؟ ان کا جواب تھا "جنرل، میں چاول اور کٹلٹ کھانے میں مصروف ہوں، فوجی امور تم ہی جانو"۔۔۔ مجھے تو یہی جواب ملا!"

(12)

شام دس بجے وے روٹر اپنا منصوبہ لے کر کوتوزوف کے ہیڈکوارٹر میں آیا جہاں جنگی کونسل کا اجلاس ہونا تھا۔ تمام کالموں کے کمانڈر وہیں بلائے گئے تھے اور شہزادہ باگراتیاں جس نے آنے سے انکار کر دیا تھا، کے سوا تمام لوگ وقت پر پہنچ گئے تھے۔

وے روٹر جو مجوزہ جنگ کے انتظامات کا پوری طرح ذمہ دار تھا، اپنے پرجوش اور تیز انداز کے باعث کوتوزوف کے مقابلے میں خاصا تضاد پیش کر رہا تھا جو کڑھے اور سوئے ہوئے انداز میں بامر مجبوری جنگی کونسل کے چیئرمین اور سربراہ کا کردار ادا کر رہا تھا۔ یہ بات عیاں تھی کہ وے روٹر خود کو ایسی تحریک کا سربراہ تصور کرتا تھا جو کسی صورت دبائی نہ جا سکتی تھی۔ وہ ایسے گھوڑے کی مانند تھا جو بھاری سامان سے لدی گاڑی کو کھینچے پہاڑی سے نیچے اتر رہا ہو۔ اب آیا وہ گاڑی کو کھینچ رہا تھا یا گاڑی اسے پیچھے دھکیل رہی تھی، اس بارے وہ کچھ نہیں کہہ سکتا تھا مگر وہ سرپٹ بھاگ رہا تھا اور اس کے پاس یہ سوچنے کا وقت نہ تھا کہ یہ حرکت اسے کہاں لے جائے گی۔ وے روٹر نے اس شام دو مرتبہ ذاتی طور پر دشمن کی پوزیشنوں کا جائزہ لیا تھا اور اس حوالے سے رپورٹ پیش کرنے کیلئے دو مرتبہ روسی اور آسٹروی دونوں شہنشاہوں سے ملاقات کی تھی۔ بعد ازاں وہ اپنے دفتر گیا جہاں اس نے جرمن دستوں کی تعیناتی کی تفصیلات قلمبند کرائیں۔ اب وہ تھکن کے عالم میں کوتوزوف کے ہاں آ گیا تھا۔

یوں لگتا تھا جیسے وہ اپنے خیالات میں اسقدر غرق ہے کہ اسے کمانڈر انچیف کی تعظیم بھی یاد نہیں رہی۔ اس نے کوتوزوف کو ٹوکا اور تیزی سے غیر واضح انداز میں گفتگو کرنے لگا۔ اس نے اپنے مخاطب کی جانب آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا اور دریافت کردہ سوالات کے جواب دینے میں ناکام رہا۔ اس کا لباس کیچڑ سے داغدار تھا اور ایسا لگتا تھا جیسے وہ قابل رحم، تھکا ہوا اور ذہنی طور پر پریشان ہو تاہم اس کے ساتھ ساتھ وہ بیحد پراعتماد اور متکبرانہ انداز بھی اختیار کئے ہوئے تھا۔

کوتوزوف اوسترلس کے قریب کسی نواب کے چھوٹے سے قلعے میں رہائش پذیر تھا۔ کوتوزوف، وے روٹر اور جنگی کونسل کے تمام ارکان اسی عمارت کے ڈرائنگ روم میں جمع تھے جسے کمانڈر انچیف کے کمرے میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ وہ چائے پی رہے تھے۔ انہیں اجلاس کا آغاز کرنے کیلئے صرف شہزادہ باگراتیاں کا انتظار تھا۔ باگراتیاں کے سٹاف افسر نے آ کر اطلاع دی کہ وہ نہیں آ سکیں گے۔ شہزادہ آندرے یہی اطلاع کمانڈر انچیف کو پہنچانے کیلئے اندر آیا۔ قبل ازیں وہ کمانڈر انچیف سے کونسل کے اجلاس میں شرکت کی اجازت لے چکا تھا چنانچہ اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ کمرے میں ہی موجود رہا۔

وے روٹر تیزی سے اٹھا اور اس میز کی طرف بڑھا جس پر برن کے گرد و نواح کا وسیع نقشہ کھلا ہوا تھا۔ وہ کہنے لگا "ٹھیک ہے، اب جبکہ شہزادہ باگراتیاں نہیں آ رہے تو ہمیں کارروائی کا آغاز کر دینا چاہیے" کوتوزوف آرام کرسی پر بیٹھا تقریباً سو رہا تھا۔ اس کی وردی کے بٹن کھلے تھے اور موٹی گردن کالر سے یوں باہر نکلی تھی جیسے اس ۔۔ آزاد ہونے کی سعی کر رہی ہو۔ اس نے اپنے ڈھیلے ڈھالے ہاتھ کرسی کے بازوؤں پر متناسب انداز میں رکھے تھے۔

وے روٹر کی آواز سن کر اس نے بمشکل اپنی واحد آنکھ کھولی اور اتفاق کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولا "ہاں، ہاں شروع کر دیجئے، پہلے ہی بہت دیر ہو چکی ہے" یہ کہہ کر اس کا سر پھر نیچے ڈھلک گیا اور آنکھیں بند ہو گئیں۔

اگر ابتداء میں کونسل کے ارکان کا خیال تھا کہ کوتوزوف سونے کی اداکاری کر رہا ہے تو اب بریفنگ کے دوران اس کی ناک سے نکلنے والی آوازیں اس بات کا واضح ثبوت تھیں کہ کمانڈر انچیف ان کی فوجوں کی ترتیب و تنظیم یا ایسی کسی اور بات کے حوالے سے اپنی حقارت کا اظہار کرنے کی بجائے کہیں زیادہ اہم سرگرمی میں مشغول ہے، وہ ایک ایسی انسانی ضرورت یعنی نیند کی تشفی میں مصروف تھا جس کے سامنے مزاحمت نہیں کی جا سکتی۔ وہ واقعتاً سو رہا تھا۔ وے روٹر اس انداز میں آگے بڑھا جیسے اسے ایک منٹ کا ضیاع بھی گوارا نہیں اور کوتوزوف پر نگاہ ڈالی۔ جب اسے اطمینان ہو گیا کہ وہ واقعی سو رہا ہے تو ایک کاغذ اٹھایا اور باآواز بلند آئندہ لڑائی کے حوالے سے فوجوں کی ترتیب و تقسیم بیان کرنے لگا۔ اس نے اپنے منصوبے کا عنوان بھی دہرایا۔

"20 نومبر 1805 کے روز کوبل نتس اور سوکول نتس کے عقب سے دشمن کی پوزیشنوں پر حملے کیلئے فوجوں کی ترتیب" یہ ترتیب و تقسیم بیحد پیچیدہ اور الجھی ہوئی تھی۔

وے روٹر نے پڑھنا شروع کیا "اب جبکہ دشمن کا بایاں پہلو درختوں والی پہاڑیوں کے سامنے ہے اور اس کا بایاں بازو دلدلوں کے عقب میں کوبل نتس اور سوکول نتس سے آگے تک موجود ہے، جبکہ دوسری جانب ہمارا بایاں بازو ان کے دائیں پہلو سے آگے تک پھیلا ہوا ہے، تو اگر ہم سوکول نتس اور کوبل نتس کے گاؤں پر قبضہ کر لیں تو دشمن کے دائیں پہلو پر کامیاب حملہ کیا جا سکتا ہے اس طرح ہم ایک دم اس کے عقب میں پہنچ جائیں گے اور شلاپانز و بیلووٹس کی گھاٹیوں سے (جنہوں نے دشمن کے ہراول کو چھپا رکھا ہے) دور رہ کر لاپانز تیز تھوراسا والڈ کے درمیان کھلی جگہ پر اس کا تعاقب کر سکیں گے۔ اس بنیادی مقصد کے ساتھ یہ ضروری ہے کہ۔۔۔ پہلا کالم کوچ کرتا ہے۔۔۔ دوسرا کالم آگے بڑھتا ہے۔۔۔ تیسرا کالم بڑھتا ہے۔۔۔"

یوں لگتا تھا جیسے جرنیل فوجوں کی ترتیب و تقسیم کے حوالے سے یہ پیچیدہ باتیں بامر مجبوری سن رہے ہیں۔ طویل القامت اور سفید بالوں والا جنرل بکس ہیوڈن دیوار سے کمر لگائے کھڑا تھا۔ اس نے اپنی آنکھیں ایک شمع پر گاڑ رکھی تھیں۔ یوں لگتا تھا وہ کچھ سن رہا ہے نہ چاہتا ہے کہ کوئی یہ سمجھے کہ وہ سن رہا ہے۔ وے روٹر کے بالکل سامنے میلوراڈووچ اپنی چمکدار اور کھلی آنکھیں وے روٹر پر لگائے فوجی انداز میں بیٹھا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھ گھٹنوں اور کہنیاں پہلوؤں پر رکھی تھیں، کندھے اچکائے ہوئے تھے جبکہ مونچھوں کو بل دے رکھے تھے۔ وہ مکمل خاموشی سے وے روٹر کے چہرے کی جانب دیکھتا رہا اور جب آسٹروی سٹاف کمانڈر نے بولنا بند کیا تو اس کے چہرے سے نگاہیں ہٹائیں۔ میلوراڈووچ نے دوسرے جرنیلوں کی جانب معنی خیز نگاہوں سے دیکھا۔ مگر اس معنی خیز نظروں سے یہ اندازہ لگانا ممکن نہ تھا کہ آیا وہ اس ترتیب و تقسیم سے متفق ہے یا نہیں اور خوش ہے یا ناخوش۔ وے روٹر کے ساتھ نواب لینگرون بیٹھا تھا جس کے جنوبی فرانسیسی چہرے سے پراسرار مسکراہٹ کبھی غائب نہ ہوئی اور وہ مسلسل اپنی انگلیوں میں نسوار کی طلائی ڈبیا

گھما تا رہا جس پر تصویر نقش تھی۔ بریفنگ کے درمیان میں اس نے ایک طویل بیان کے دوران ہاتھوں کی یہ حرکت روکی اور گردن اٹھا کر مخالفانہ مگر شائستہ انداز میں اسے ٹوکا اور کچھ کہنا چاہا۔ مگر آسٹروی جرنیل نے پڑھنا جاری رکھا اور غصے کے عالم میں کہنیوں کو یوں حرکت دی جیسے کہہ رہا ہو "بعد میں، اپنی رائے بعد میں دے دینا، ابھی صرف سنو اور نقشے کی طرف دیکھو" لینگروں نے نظریں اٹھائیں اور بوکھلا کر میلوراڈووچ کی جانب یوں دیکھا جیسے اس سے وضاحت مانگ رہا ہو۔ مگر جب اس کی نظریں میلوراڈووچ کی معنی خیز نگاہوں سے ملیں تو ان میں کوئی معانی نظر نہ آئے۔ یہ دیکھ کر اس نے مایوسانہ انداز سے سر جھکا لیا اور دوبارہ نسوار کی ڈبیا گھمانے میں مصروف ہو گیا۔

اس نے بڑبڑا کر کہا "جغرافیے کا سبق" اگرچہ اس نے یہ بات خودکلامی کے انداز میں کہی تاہم آواز اسقدر اونچی ضرور تھی کہ دوسروں نے بھی سن لی۔

پرزے بشوسکی نے مودبانہ مگر باوقار شائستہ انداز میں اپنے اس کان کو چھوا جو وے روثر کے قریب تھا، یوں لگتا تھا جیسے وہ سب کچھ نہایت توجہ سے سن رہا ہو۔ کوتاہ قامت دوختوروف وے روثر کی مخالف سمت میں بیٹھا تھا اور اس کے چہرے سے محنتی اور منکسر المزاجی کا تاثر نمایاں تھا۔ وہ کھلے نقشے پر جھکا نہایت انہماک سے فوجوں کی ترتیب اور اجنبی علاقے کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس نے متعدد بار وے روثر کو مختلف علاقوں کے مشکل نام دہرانے کو کہا جو اس کی سمجھ میں نہیں آئے تھے۔ وے روثر نے ایسا ہی کیا اور دختوروف انہیں لکھتا گیا۔

جب ایک گھنٹہ تک جاری رہنے والی تقریر ختم ہو گئی تو لینگروں نے نسوار کی ڈبیا گھمانا بند کی اور وے روثر یا کسی اور کی جانب دیکھے بغیر اس امر کی جانب توجہ مبذول کرائی کہ فوجوں کی ترتیب کے اس منصوبے پر عملدرآمد کرنا کس قدر مشکل ہے جس میں فرض کر لیا گیا ہے کہ ہمیں دشمن کی تمام پوزیشنوں کا علم ہے جبکہ دشمن حرکت میں ہے اور اس کی پوزیشنوں کے بارے میں معلومات غیر یقینی ہیں۔ لینگروں کے اعتراضات درست تھے اور صاف ظاہر تھا کہ یہ اعتراضات وارد کرنے کا مقصد وے روثر پر، جس نے اپنا منصوبہ یوں پڑھا تھا جیسے اس کے سامنے سکول کے بچے بیٹھے ہوں، یہ واضح کرنا ہے کہ اس کا واسطہ احمقوں سے نہیں بلکہ ان لوگوں سے ہے جو فوجی معاملات میں اسے بھی کچھ سکھا سکتے ہیں۔

جب وے روثر کی اکتا دینے والی آواز بند ہو گئی تو کوتوزوف نے یوں آنکھیں کھولیں جیسے پن چکی والا اپنی چکی کے پہیے کی آواز بند ہونے پر جاگ اٹھتا ہے۔ اس نے لینگروں کی بات یوں سنی جیسے اپنے آپ سے کہہ رہا ہو "او ہو تم ابھی تک وہی فضول بات کر رہے ہو!" پھر اس نے اپنی آنکھیں جلدی سے بند کر لیں اور سر کو پہلے سے بھی زیادہ نیچے ڈھلکا دیا۔

لینگروں منصوبے کے خالق وے روثر کی فوجی انا کو زیادہ سے زیادہ زک پہنچانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے کہا کہ بوناپارٹ حملے کا انتظار کرنے کی بجائے خود حملہ آور ہو جائے گا اور یوں ہماری تمام تر فوجی ترتیب و تقسیم بیکار ہو کر رہ جائیگی۔ وے روثر نے تمام اعتراضات پر اعتماد انداز میں سنے اور حقارت سے مسکراتا رہا۔ یقیناً وہ ہر اعتراض سے نپٹنے کی تیاری کر کے آیا تھا، خواہ وہ کیسا ہی کیوں نہ ہو۔

وہ کہنے لگا "اگر وہ حملہ کر سکتا تو آج کر چکا ہوتا"

لینگروں نے کہا "تو پھر آپ نے یہ فرض کر لیا ہے کہ اس میں اتنی قوت نہیں؟"

وے روثر نے جواب دیا "اس کے پاس شاید ہی چالیس ہزار سے زائد سپاہ ہو" اس کا انداز ایسے ڈاکٹر کا سا تھا

جو کسی بیمار نرس کی جانب سے اپنے طریقہ علاج کی وضاحت کا جواب دے رہا ہو۔

لینگروں کہنے لگا "اس صورت میں وہ ہمارے حملے کا انتظار کر کے اپنی تباہی کو دعوت دے رہا ہے" یہ کہتے ہوئے اس کے چہرے پر طنزیہ اور پر اسرار مسکراہٹ طاری ہو گئی اور اس نے دوبارہ تائید طلب انداز میں میلوراڈووچ کی جانب دیکھا۔ مگر میلوراڈووچ کی شکل سے یہ ظاہر ہوتا تھا جیسے وہ اس لمحے جرنیلوں کے مابین جاری اس قضیے کی بجائے کسی اور بات پر غور و فکر کر رہا ہو۔

اس نے کہا "کل میدان جنگ میں ہم سب کچھ دیکھ لیں گے"

وے روثر دوبارہ مسکرایا، اس کی مسکراہٹ یہ ظاہر کرتی تھی کہ جن امور پر وہ نہ صرف خود بلکہ دونوں شہنشاہوں کو بھی قائل کر چکا تھا ان کے بارے میں ان روسی جرنیلوں کے اعتراضات کا جواب دینا عجیب اور احمقانہ بات ہو گی۔

وہ ایک مرتبہ پھر مسکرایا اور بولا "ہمیں بس ایک بات سے خوفزدہ ہونا چاہیے وہ یہ ہے کہ دشمن نے اپنے کیمپ میں آگ کے الاؤ بجھا دیے ہیں اور وہاں سے مسلسل شور و غل سنائی دے رہا ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا وہ پسپا ہو رہے ہیں یا پوزیشنیں بدل رہے ہیں۔ اگر وہ اپنی پوزیشنیں ٹوراس جنگل میں منتقل کر دیتے ہیں تو الٹا ہم نہ صرف بہت سی مشکلات سے بچ جائیں گے بلکہ ہمارا منصوبہ بھی بالکل وہی رہے گا"

شہزادہ آندرے نے پوچھا "یہ کیسے ہو گا؟" وہ اپنے شکوک و شبہات کا اظہار کرنے کیلئے کافی دیر سے موقع کی تلاش میں تھا۔ کوتوزوف جاگ گیا اور کھنکار کر دوسرے جرنیلوں کی جانب دیکھا۔

پھر وہ کہنے لگا "حضرات! فوجوں کی ترتیب میں کل بلکہ آج تک (کیونکہ رات کے ایک بج چکے ہیں) کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ آپ سب سن چکے ہیں اور ہم تمام اپنا فرض ادا کریں گے۔ علاوہ ازیں جنگ سے پہلے اس سے اہم کوئی اور بات نہیں ہو سکتی کہ۔۔۔ (اس نے کچھ دیر توقف کیا) رات کو اچھی طرح سویا جائے"

وہ اس طرح ہلا جیسے کرسی سے اٹھنا چاہتا ہو۔ جرنیلوں نے اسے جھک کر سلام کیا۔ یہ آدھی رات کے بعد کا وقت تھا۔ شہزادہ آندرے باہر چلا گیا۔

☆☆☆

جنگی کونسل کے اجلاس نے، جس میں شہزادہ آندرے توقع کے برعکس اپنا نقطہ نظر پیش کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا تھا، اسے غیر یقینی اور پریشانی میں مبتلا کر دیا۔ درست کون تھا۔ دلگوروکوف، وے روثر یا کوتوزوف، لینگروں اور دیگر جرنیل جنہوں نے حملے کے منصوبے سے اتفاق نہیں کیا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا۔ مگر آیا کوتوزوف کیلئے زار کو براہ راست اپنے خیالات سے مطلع کرنا واقعی ناممکن تھا؟ کیا کسی اور طریقے سے اس کا انتظام نہیں ہو سکتا تھا؟" وہ سوچنے لگا "ذاتی اور درباری ضروریات کے باعث ہزاروں زندگیوں کو خطرے میں ڈال دیا گیا۔ اور میری زندگی"

اس نے سوچا "ہاں، ہو سکتا ہے کل میں مارا جاؤں"

موت کا خیال آتے ہی اس کے ذہن میں یکدم تلخ اور دور افتادہ یادوں کی کڑی ابھرنے لگی۔ اسے اپنی والد اور بیوی سے آخری ملاقات یاد آئی۔ اسے اپنی بیوی سے محبت کے ابتدائی ایام یاد آنے لگے اور وہ اس کے ماں بننے کے بارے میں سوچنے لگا۔ اسے اس پر اور اپنے آپ پر ترس آیا اور اسی کیفیت میں وہ اس مکان سے باہر نکل کر ادھر ادھر ٹہلنے لگا جس میں اسے اور نیسوتسکی کو ٹھہرایا گیا تھا۔ رات دھندلی تھی اور اس دھند میں سے چاند کی روشنی پر اسرار انداز سے چھن

چمن کرا رہی تھی۔ اس نے سوچا" کل، ہاں کل ہوسکتا ہے کہ میرے لیے سب کچھ ختم ہو جائے۔ ہوسکتا ہے کل میرے لیے یہ تمام یادیں باقی نہ رہیں، یقیناً کل مجھے پہلی مرتبہ جو کچھ ہوسکا کر دکھانا ہوگا" اس کے ذہن میں جنگ، شکست، ایک جگہ پر زوردار معرکے اور تمام جرنیلوں کی ہچکچاہٹ کا تصور ابھرنے لگا۔ اور پھر خوشگوار لمحہ یعنی اس کا "تولون" ذہن میں ابھر آیا جس کیلئے اس نے اسقدر طویل انتظار کیا تھا۔ وہ تصور میں دیکھنے لگا کہ وہ مستقل مزاجی اور واضح انداز میں کوتوزوف، وے روثر اور شہنشاہوں کے سامنے اپنا نقطہ نظر بیان کرتا ہے۔ سبھی اس سے متاثر ہوتے ہیں مگر کوئی اس کے خیالات کو عملی جامہ پہنانے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ پھر وہ اس شرط پر ایک رجمنٹ کی کمان سنبھال لیتا ہے کہ کوئی اس کے منصوبے میں مداخلت نہیں کرے گا۔ پھر وہ اپنی فوج کو جنگ کے اہم ترین اور مرکزی مقام پر لے جاتا ہے اور اکیلے فتح حاصل کر لیتا ہے۔ اس کے ذہن میں ایک اور آواز ابھری" اور موت اور مصیبتیں!" مگر شہزادہ آندرے اس آواز پر کوئی دھیان نہ دیا اور تصورات ہی میں فتوحات حاصل کرتا رہا۔ خیالات کے بہاؤ میں وہ سوچنے لگتا ہے کہ اس فتح کے بعد آئندہ لڑائی کی منصوبہ بندی بھی وہ خود کرتا ہے، بظاہر تو وہ کوتوزوف کا ایک ایجوٹنٹ ہے مگر وہ سب کچھ اکیلے ہی کرتا ہے۔ وہ اکیلا جنگ جیت لیتا ہے، کوتوزوف کو عہدے سے ہٹا کر اسے کمانڈر انچیف مقرر کر دیا جاتا ہے۔۔۔۔ ذہن کے کسی گوشے میں ایک اور آواز ابھری" ٹھیک ہے، اور پھر؟ اگر تم درجنوں مرتبہ زخمی یا ہلاک ہونے سے بچ نکلو اور دھوکہ بازی سے بھی محفوظ رہو تو پھر؟" شہزادہ آندرے نے خود ہی جواب دیا" پھر، میں نہیں جانتا کہ پھر کیا ہوگا؟ میں نہیں جانتا اور جاننا بھی نہیں چاہتا۔ تاہم اگر میں ایسا چاہتا تو پھر مجھے عظمت، شہرت اور چاہے جانے کی خواہش ہوتی۔ یہ میرا قصور نہیں بلکہ یہی وہ واحد شے ہے جس کی میں فکر کرتا ہوں اور جس کیلئے زندہ ہوں۔ ہاں یہ واحد شے ہے، میں کبھی کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گا۔ مگر خدایا! اگر مجھے شہرت اور چاہے جانے کے علاوہ کسی کی کوئی پروا نہیں تو میں کیا کر سکتا ہوں؟ موت، زخمی، خاندان کا ضیاع۔۔ مجھے کسی بات سے خوف محسوس نہیں ہوتا۔ اور متعدد افراد مجھے بیحد عزیز ہیں، باپ، بہن، بیوی۔۔ میں ان سے بیحد محبت کرتا ہوں، مگر یہ بات کیسی ہی بھیانک اور غیر فطری لگے تاہم میں عظمت اور ان لوگوں کے دلوں کو فتح کرنے کیلئے ان سب کو قربان کر دوں گا جنہیں میں جانتا بھی نہیں اور کبھی جان بھی نہیں پاؤں گا" اس نے ان آوازوں پر کان لگا دیے جو کوتوزوف کے مکان کے صحن سے سنائی دے رہی تھیں۔ وہ افسروں اور سامان باندھنے میں مصروف نوکروں کی آوازیں سن سکتا تھا۔ ان میں سے ایک جو شاید کوچوان تھا، کوتوزوف کے معمر باورچی ٹٹ سے مذاق کر رہا تھا جسے آندرے بھی جانتا تھا۔

کوچوان بولا" ٹٹ، ارے ٹٹ؟"

بوڑھے نے جواباً کہا" ہاں، کیا ہے؟"

کوچوان نے اسے مذاق میں کچھ کہا۔

باورچی بولا" جہنم میں جاؤ" اس کی آواز نوکروں کی ہنسی میں دب کر رہ گئی۔

آندرے نے سوچا" میں جس واحد شے سے محبت کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ میں ان تمام لوگوں پر فتح حاصل کروں، اور میں اس پراسرار قوت اور عظمت کی قدر کرتا ہوں جو اس دھند میں میرے اوپر منڈلاتی محسوس ہو رہی ہے"

(13)

اس رات رستوف باگراتیاں کے دستے کے بالکل سامنے ایک پلاٹون کے ساتھ بیرونی چوکیوں کے قریب

گشتی ڈیوٹی انجام دے رہا تھا۔ اس کے ہوزار دو دو کی جوڑیوں میں بیرونی چوکیوں کے قریب تعینات تھے اور وہ خود گھوڑے پر سوار ہو کر نیند پر بمشکل قابو پاتے ہوئے ادھر ادھر چکر لگا رہا تھا۔ اس کے عقب میں وسیع علاقے پر ہماری فوج کے الاؤ دیکھے جا سکتے تھے جبکہ اس کے سامنے دھندلی تاریکی تھی۔ اگرچہ اس نے اس دھندلی تاریکی میں غور سے دیکھنے کی کوشش کی تھی تاہم اسے کچھ نظر نہ آیا تھا۔ بعض اوقات اسے وہاں سرمئی اور کبھی کبھار سیاہ رنگت کی کوئی شے دکھائی دیتی، پھر یوں لگتا جیسے وہاں دشمن کے علاقے میں روشنی ہے اور پھر اسے یہ روشنی نظر کا دھوکہ معلوم ہونے لگتی۔ اس کی آنکھیں بند ہونے لگتیں اور ان میں زار، پھر دینی سوف اور اس کے بعد ماسکو کی تصویریں ابھرنے لگتیں۔ وہ اچانک آنکھیں کھول دیتا اور اسے اپنے سامنے گھوڑے کا سر، کان اور سیاہ لباس میں ملبوس ہوزار دکھائی دینے لگتے۔ تاہم ایسا بھی اسی وقت ہوتا جب وہ اس سے چھ قدم کے فاصلے پر ہوتے تھے، البتہ دور فاصلے پر وہی دھندلی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ رستوف محویت کے عالم میں سوچنے لگا" کیوں؟ ایسا با آسانی ہوسکتا ہے کہ شہنشاہ کی مجھ سے ملاقات ہو جائے اور وہ مجھے کوئی حکم دیں، جیسا کہ وہ کسی بھی افسر کو دے سکتے ہیں۔ وہ کہیں گے" جاؤ اور جا کر دیکھو کہ وہاں کیا ہے؟" ایسی بے شمار داستانیں ہیں کہ انہوں نے کسی افسر کو دیکھا اور پھر اسے اپنے قریب کسی جگہ تعینات کر دیا۔ اوہو، اگر مجھے ان کے قریب کسی جگہ تعینات ہونے کا موقع ملا تو کتنا مزہ آئیگا۔ میں انہیں سب کچھ سچ سچ بتا دیا کروں گا، میں انہیں دھوکہ دینے والوں کے منہ سے نقاب کھینچ لوں گا" اس نے زار سے اپنی محبت اور جانثاری کی تصویر میں مزید رنگ بھرنے کیلئے اس نے کسی دشمن یا غدار جرمن کا تصور کیا جسے نہ صرف ہلاک کر کے اسے دلی خوشی ہوتی بلکہ زار کی آنکھوں کے سامنے وہ اس کے چہرے پر تھپڑ مار کر قلبی تسکین محسوس کرتا۔ اسی اثناء میں کچھ فاصلے پر شور و غل سن کر وہ چونک گیا۔ اس نے اپنی آنکھیں کھول دیں اور سوچا" میں کہاں ہوں؟ ہاں، گشت پر، پاس ورڈ اور واچ ورڈ۔۔ شافٹ اول موٹس" اس نے سوچا" کس قدر مایوسانہ بات ہے کہ کل ہم محفوظ دستے کی صورت میں ہوں گے۔ میں محاذ پر جانے کی درخواست کروں گا۔ شاید یہ میرے پاس شہنشاہ کو دیکھنے کا واحد موقع ہو۔ اب میری ڈیوٹی ختم ہونے میں کچھ ہی وقت باقی ہے۔ اب میں مزید ایک چکر لگاؤں گا اور واپسی پر جنرل کے پاس جا کر اسے کہوں گا" وہ زین پر تن کر بیٹھ گیا اور دوبارہ اپنے ہوزاروں کا جائزہ لینے چل دیا۔ اسے یوں لگا جیسے پہلے کی نسبت ذرا روشنی ہو گئی ہے۔ اسے بائیں جانب ڈھلوان دکھائی دی اور یوں لگتا تھا جیسے اس کا ایک رخ روشن ہو۔ اس کے سامنے دیوار کی طرح سیدھا ٹیلہ تھا۔ اس ٹیلے پر سفید سی کوئی شے تھی۔ رستوف کو سمجھ نہ آئی کہ یہ کیا چیز ہے۔ کیا یہ جنگل میں کوئی کھلی جگہ ہے جو چاند کی روشنی میں چمک رہی ہے، بچی کھچی برف ہے یا سفید گھوڑے ہیں؟ اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس سفید شے پر کوئی چیز حرکت کر رہی ہو۔ اس نے سوچا" یہ لازماً برف ہوگی۔۔ وہ دھبہ، دھبہ، مگر وہ دھبہ نہیں ہے۔۔۔ نا۔۔ تاشا، میری بہن، اس کی سیاہ آنکھیں۔ نا۔۔۔ تاشا (جب میں اسے بتاؤں گا کہ میری زار سے ملاقات ہوئی تو وہ حیران نہیں رہ جائیگی؟) نتاشا۔۔۔ تاشا۔۔۔" اسے ایک ہوزار کی آواز سنائی دی جو کہہ رہا تھا" جناب عالی! دائیں جانب رہیں، یہاں جھاڑیاں ہیں" رستوف نیند کے عالم میں اس ہوزار کے قریب سے گزر رہا تھا۔ رستوف نے اپنا سر اٹھایا جو اس کے گھوڑے کی گردن پر گر گیا تھا اور ہوزار کے قریب رک گیا۔ وہ خود پر غلبہ پا لینے والی بچگانہ غنودگی سے پیچھا نہ چھڑا سکا۔ خیالات نے ایک مرتبہ پھر اس کے ذہن پر یلغار کر دی" مگر، میں نے کہا، میں کیا سوچ رہا تھا؟ یقیناً مجھے نہیں بھولنا چاہیے، میں شہنشاہ سے کیسے بات کروں گا؟ نہیں نہیں یہ کل ہوگی۔ ہاں، ہاں! نتاشا، حملے ختم کر دو۔۔۔ کسے؟ ہوزار، ارے، مونچھوں والے ہوزار، میں اس کے بارے میں بھی سوچ رہا تھا، گریف کے مکان کے بالکل سامنے۔۔۔ بوڑھا گریف، آہ، دینی سوف اچھا

انسان ہے اگر یہ سب فضول ہے، اہم بات یہ ہے کہ شہنشاہ یہاں ہیں۔ انہوں نے مجھے کیسے دیکھا اور کچھ کہنا چاہا تھا مگر انہیں ہمت نہ پڑی۔۔۔ نہیں، میری ہمت جواب دے گئی تھی۔ مگر یہ بھی فضول بات ہے، اصل بات یہ ہے کہ مجھے وہ اہم بات نہیں بھلانی چاہیے جو میں سوچ رہا تھا، ہاں! نتاشا، ختم کر دو، ہاں، ہاں۔ یہ ٹھیک ہے" اور پھر اس کا سر دوبارہ گھوڑے کی گردن پر جا گرا۔ اچانک اسے یوں محسوس ہوا جیسے اسے گولی کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ اس نے سوچا" کیا؟ کیا؟۔۔۔ انہیں کاٹ کر رکھ دو! کیا؟" جاگتے ہوئے اس کے منہ سے بڑبڑانے جیسی آوازیں برآمد ہو رہی تھیں۔ آنکھیں کھولتے ہی اسے سامنے دشمن کی جانب سے ہزاروں آوازوں کا شور سنائی دیا۔ اس کے اور قریب کھڑے ہوزار کے گھوڑے نے آوازیں سن کر کان کھڑے کر لیے۔ جہاں سے آوازیں سنائی دے رہی تھیں وہاں آگ کا ایک شعلہ لپکا اور بجھ گیا پھر دوسرا شعلہ بھڑکا اور اس کے بعد فرانسیسیوں کی جانب پہاڑیوں پر جا بجا آگ سی آگ روشن ہو گئی جس کے ساتھ ساتھ آوازوں کا شور بلند سے بلند تر ہوتا چلا گیا۔ رستوف کو فرانسیسی زبان کے الفاظ سنائی دیے تاہم وہ ان میں تمیز نہ کر سکا۔ اسے صرف آ آ آ اور را را را کی آوازیں ہی سنائی دے رہی تھیں۔

رستوف نے قریب کھڑے ہوزار سے کہا" یہ کیا ہے؟ تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا یہ واقعی دشمن کے کیمپ میں ہو رہا ہے؟"

ہوزار نے کوئی جواب نہ دیا۔

رستوف نے کچھ دیر اس کے جواب کا انتظار کیا اور پھر کہنے لگا" تم جواب کیوں نہیں دیتے؟"

ہوزار نے ہچکچاتے ہوئے جواب دیا" یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا، جناب عالی!"

رستوف نے دوبارہ کہا" سمت سے تو یہ دشمن ہی معلوم ہوتا ہے"

ہوزار نے جواباً کہا" ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی ہو سکتا، بہت تاریکی ہے" پھر اس نے اپنے بے چین ہوتے گھوڑے کی جانب دیکھا اور چلا کر بولا" ہوشیار" رستوف کا گھوڑے کی بے چینی بھی بڑھتی جا رہی تھی اور وہ برفیلی زمین پر پاؤں مارتے ہوئے روشنیوں کی جانب دیکھنے اور آوازوں کا شور سننے لگا۔ شور بلند سے بلند تر ہوتا گیا اور اس غل غپاڑے میں جذب ہو گیا جو ہزاروں افراد پر مشتمل فوج میں ہی ہو سکتا ہے۔ فرانسیسی کیمپ میں دکھائی دینے والی روشنیاں آگے ہی آگے پھیلتی چلی گئیں۔ اب رستوف کی آنکھوں سے نیند غائب ہو چکی تھی۔ دشمن کے پرجوش قہقہوں نے اس کے جذبات میں تلاطم پیدا کر دیا تھا۔ رستوف اب ان آوازوں کو با آسانی سن سکتا تھا جو کہہ رہی تھیں" شہنشاہ زندہ باد، شہنشاہ زندہ باد"

اس نے قریب کھڑے ہوزار سے کہا" وہ ندی سے زیادہ دور نہیں ہوں گے"

ہوزار نے جواب دینے کی بجائے آہ بھری اور غصے سے کھنکارا۔ انہوں نے ہوزاروں کی پوزیشنوں کے ساتھ ساتھ گھوڑے کے سرپٹ بھاگنے کی آواز سنائی دی اور پھر تاریکی میں سے اچانک ہوزاروں کے سارجنٹ کی شکل نمودار ہوئی جو بہت بڑا ہاتھی دکھائی دیتا تھا۔

سارجنٹ رستوف کے پاس پہنچا اور کہنے لگا" جرنیل صاحبان! جناب عالی" رستوف روشنیوں اور شور و غل کی جانب دیکھتے ہوئے سارجنٹ کے ہمراہ اس جانب بڑھنے لگا جہاں گھوڑوں پر سوار مختلف آ رہے تھے۔ ان میں سے ایک سفید گھوڑے پر سوار تھا۔ یہ شہزادہ باگراتیاں تھا جو شہزادہ دلگوروکوف اور اس کے ایجوٹنٹ کے ساتھ دشمن کے کیمپ میں روشنی اور شور شرابے کا سبب جاننے آیا تھا۔ رستوف باگراتیاں کے پاس پہنچا اور اسے اپنی اطلاعات سے آگاہ کیا،

بعد ازاں وہ ایجوٹنٹوں کے ساتھ کھڑا ہو کر جرنیلوں کی گفتگو سننے لگا۔

شہزادہ دلگوروکوف باگراتیاں سے کہہ رہا تھا" میری بات پر یقین کریں، یہ محض ایک چال ہے، وہ پسپا ہو رہے ہیں اور انہوں نے عقبی دستوں کو آگ جلانے اور شور و غل کا حکم دیا ہے تاکہ ہمیں دھوکہ دیا جا سکے"

باگراتیاں نے جواب دیا" میرے خیال میں ایسا نہیں، میں نے شام کے وقت انہیں اسی ٹیلے پر دیکھا تھا، اگر انہوں نے پسپا ہونا ہوتا تو وہاں سے بھی پیچھے جا چکے ہوتے" پھر وہ رستوف کی جانب متوجہ ہوا اور اس سے پوچھا" آفیسر! کیا دشمن کی چوکیاں ابھی تک وہیں ہیں؟"

رستوف نے جواب دیا" جناب عالی! گزشتہ شام تک تو وہیں تھیں مگر اب میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کیا میں کچھ ہوزاروں کے ساتھ جا کر دیکھ آؤں؟"

باگراتیاں خاموش کھڑا رہا اور کچھ کہنے سے پہلے دھند میں رستوف کا چہرہ دیکھنے کی کوشش کی۔

پھر کچھ دیر توقف کے بعد وہ بولا" ٹھیک ہے، جاؤ اور جائزہ لے کر آؤ"

رستوف نے جواباً کہا" ٹھیک ہے جناب!"

رستوف نے گھوڑے کو ٹھوکا دیا اور سارجنٹ فیدچنکو سمیت دو دیگر ہوزاروں کو اپنے پیچھے آنے کا کہہ کر پہاڑی سے نیچے اس جانب اترنے لگا جہاں ابھی تک مسلسل شور و غل ہو رہا تھا۔ رستوف نے صرف تین ہوزاروں کے ساتھ اس پراسرار اور خطرناک تاریکی میں جاتے ہوئے بیک وقت خوف اور خوشی محسوس کی جہاں ابھی تک کوئی نہیں گیا تھا۔ باگراتیاں نے پہاڑی سے چلا کر اسے کہا کہ وہ ندی سے آگے نہ جائے مگر رستوف نے ایسا ظاہر کیا جیسے اس نے سنا ہی نہیں اور رکے بغیر مسلسل آگے ہی آگے بڑھتا چلا گیا۔ راہ میں وہ جھاڑیوں کو درخت اور تنگ گھاٹیوں کو انسان سمجھتا رہا مگر ہر بار اسے اپنی غلطی کا احساس ہو جاتا۔ جب وہ پہاڑی سے نیچے اتر آیا تو اسے اپنی اور دشمن کی روشنیاں دکھائی دینا بند ہو گئیں مگر فرانسیسیوں کی آوازوں کا شور پہلے سے زیادہ تیز ہو گیا۔ نیچے وادی میں اسے دریا سے ملتی جلتی شے دکھائی دی مگر جب وہ اس کے قریب گیا تو معلوم ہوا کہ یہ سڑک تھی۔ یہاں پہنچ کر اس نے گھوڑا روک لیا۔ اسے سمجھ نہ آئی کہ سڑک پر چلتا رہے یا اسے پار کر کے تاریک میدان سے گزر کر پہاڑی پر چڑھ جائے۔ سڑک کے ساتھ ساتھ چلنا زیادہ خطرناک تھا کیونکہ یہ دھند میں چمک رہی تھی اور سامنے سے آنے والے کو با آسانی دیکھا جا سکتا تھا۔ اس نے ساتھیوں سے کہا" میرے پیچھے پیچھے آؤ" اور سڑک پار کر کے پہاڑی کی جانب اس مقام کی جانب بڑھنا شروع کر دیا جہاں شام کے وقت فرانسیسیوں کی چوکیاں تھیں۔

ایک ہوزار عقب سے بولا" جناب عالی! وہ یہاں ہے" اس سے پہلے کہ رستوف دھند سے نمودار ہونے والے اس نیم تاریک سائے کو پہچانتا، روشنی چمکی اور دھماکے کی آواز سنائی دی جس کے ساتھ ہی ایک گولی سنسناتی ہوئی فضا میں بلند ہو کر غائب ہو گئی۔ ایک اور گولی چلی مگر نشانہ خطا گیا البتہ بندوق کے پیالے میں روشنی ضرور دکھائی دی۔ رستوف نے گھوڑا موڑا اور سرپٹ واپس بھاگنے لگا۔ اس نے کہیں دھند میں وقفے وقفے سے چار مزید گولیاں چلنے کی آواز سنی۔ اس نے گھوڑا روک لیا جو اس کی طرح گولیوں کی آواز سے متاثر معلوم ہو رہا تھا۔ پھر وہ آہستگی سے اپنی پوزیشنوں کی جانب واپس ہو لیا۔ اس کا دل کہہ رہا تھا" کچھ اور، کچھ اور مزید" رستوف باگراتیاں کے قریب پہنچا تو اس نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی اور پھر اپنا ہاتھ ٹوپی کے قریب لا کر سلیوٹ کیا۔

دلگوروکوف ابھی تک اپنے اسی موقف پر اصرار کر رہا تھا کہ فرانسیسی پسپا ہو رہے ہیں اور یہ روشنیاں محض ہمیں

دھوکہ دینے کیلئے ہیں۔ رستوف ان کے قریب پہنچا تو وہ کہہ رہا تھا" اس سے کیا ثابت ہوتا ہے؟ وہ پسپا ہو سکتے ہیں اور چوکیاں پیچھے چھوڑ سکتے ہیں"

باگراتیاں۔ ذکیا" شہزادے، یہ بات واضح ہے کہ وہ ابھی تک وہاں سے نہیں گئے۔ ہمیں ہر صورت صبح تک انتظار کرنا ہوگا۔ اصل صورتحال کل سامنے آئے گی"

رستوف نے اعلان کیا" جناب عالی! چوکیاں ابھی تک وہیں ہیں جہاں شام کے وقت تھیں" اس کا ہاتھ ابھی تک سلیوٹ کیلئے اوپر اٹھا ہوا تھا اور اس مہم خصوصاً گولیوں کی آوازوں نے اس کی آواز میں جو خوشی بھر دی تھی اسے چھپانے میں وہ ناکام رہا۔

باگراتیاں کہنے لگا" بہت خوب، بہت خوب، شکریہ آفیسر"

رستوف نے کہا" جناب عالی! کیا میں ایک درخواست کر سکتا ہوں؟"

باگراتیاں بولا" وہ کیا؟"

رستوف بولا" کل ہمارے سکواڈرن کو عقب میں رکھا جاتا ہے، کیا میں یہ درخواست کر سکتا ہوں کہ مجھے پہلے سکواڈرن میں شامل کر دیا جائے؟"

باگراتیاں نے پوچھا" تمہارا نام کیا ہے؟"

اس نے جواب دیا" نواب رستوف"

باگراتیاں نے کہا" ارے، بہت خوب، تم میرے عملے میں شامل ہو سکتے ہو"

دلگوروکوف بولا" تم ایلیا آندریچ کے بیٹے ہو؟" مگر رستوف نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔

رستوف کہنے لگا" جناب عالی! تو کیا پھر میں خود کو آپ کے ساتھ سمجھوں؟"

باگراتیاں نے کہا" میں احکامات جاری کر دوں گا"

رستوف سوچنے لگا" ہو سکتا ہے کل وہ مجھے شہنشاہ کے نام پیغام دے کر بھیج دیں۔ خداوند تیرا شکر ہے!"

دشمن کے کیمپ میں دکھائی دینے والی روشنیوں اور آوازوں کا سبب یہ تھا کہ جب نپولین کا حکم پڑھ کر سنایا جا رہا تھا تو وہ بذات خود پڑاؤ میں آ گیا تھا۔ سپاہیوں نے اسے دیکھا تو گھاس پھونس کے گچھوں کو آگ لگائی اور" شہنشاہ زندہ باد" کے نعرے لگاتے ہوئے اس کے پیچھے پیچھے بھاگنے لگے۔ نپولین کا حکم نامہ درج ذیل تھا:-

" سپاہیو! روسی فوج الم میں شکست کھانے والی آسٹروی فوج کا انتقام لینے کیلئے تمہاری جانب بڑھ رہی ہے۔ یہ وہ فوجیں ہیں جنہیں آپ ہولا برن میں شکست دے چکے ہیں اور جن کا تعاقب کر کے یہاں تک پہنچے ہیں۔ ہم نہایت مضبوط پوزیشن پر قابض ہیں اور جب وہ میرا دایاں پہلو گھیرنے کی کوشش کریں گے تو ان کا اپنا پہلو میرے سامنے آ جائے گا! سپاہیو! میں تمہاری بٹالینوں کی خود قیادت کروں گا۔ اگر تم نے اپنی روایتی بہادری کی بدولت دشمن کے دستوں کو منتشر کر دیا تو میں تمہیں گولہ باری کی زد میں نہیں آنے دوں گا۔ تاہم اگر کسی لمحے ہماری فتح مشکوک نظر آئی تو تم دیکھو گے کہ تمہارا شہنشاہ دشمن کے حملے کا سامنا کرنے کیلئے سب سے آگے ہوگا۔ فتح کے بارے میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہونا چاہئے خاص طور پر اس دن جبکہ فرانسیسی پیادہ فوج کا وقار خطرے سے دوچار ہے جس سے ہماری پوری قوم کا وقار وابستہ ہے۔ زخمیوں کو ہٹاتے وقت صفوں کو بے ترتیب نہ ہونے دیا جائے! ہر شخص کے ذہن میں یہ بات واضح ہونی چاہئے کہ ہمیں انگلستان کے ان کرائے کے فوجیوں کو ہر صورت شکست دینا ہے جن کے دل میں ہمارے ملک کیخلاف بے پناہ

نفرت موجزن ہے۔ یہ فتح ہماری مہم کا اختتام ہوگی اور ہم واپس اپنے سرمائی مقام کی جانب جا سکیں گے جہاں وہ تازہ دم دستے ہمارے ساتھ شامل ہو جائیں گے جنہیں فرانس میں تیار کیا جا رہا ہے۔ اس کے بعد میں جو صلح کروں گا وہ میری لوگوں، تمہارے اور خود میرے شایان شان ہوگی"

نپولین

(14)

صبح پانچ بجے بھی خاصا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ فوج کا درمیانی حصہ، محفوظ دستے اور باگراتیاں کا دایاں پہلو ابھی تک ٹھہرا ہوا تھا تاہم پیادہ فوج کا بایاں بازو، گھڑ سوار فوج اور توپخانے کے دستوں نے پہلے ہی اٹھ کر تیاری شروع کر دی تھی جنہیں پہاڑیوں سے اتر کر فرانسیسی فوج کے دائیں بازو پر حملہ کر کے وے روڑ کے منصوبے کے مطابق اسے بوہیمیا کے پہاڑوں میں دھکیلنا تھا۔ کیمپ میں روشن آگ کے الاؤں میں تمام فالتو اشیاء پھینک دی گئی تھیں اور یوں دھواں آنکھوں میں چبھ رہا تھا۔ شدید سردی اور اندھیرا تھا۔ افسر بعجلت ناشتہ اور چائے حلق میں انڈیل رہے تھے۔ سپاہی آگ کے گرد جمع تھے اور بسکٹ چباتے ہوئے اپنے پاؤں بار بار زمین پر مار رہے تھے تاکہ خود کو گرم رکھ سکیں۔ انہوں نے عارضی جھونپڑیاں، کرسیاں، میزیں، پہیے، برتن اور ہر وہ شے جو ساتھ نہیں لے جائی جا سکتی تھی، آگ میں جھونک دی۔ آسٹروی افسر جنہوں نے کوچ کے دوران پیغام رسانی کے فرائض انجام دینا تھے، روسی دستوں کے درمیان آ جا رہے تھے۔ جونہی کوئی آسٹروی افسر کسی کمانڈنگ آفیسر کے ہیڈ کوارٹر کے قریب نمودار ہوتا تو رجمنٹ میں ہلچل مچ جاتی۔ سپاہی بھاگم بھاگ آگ سے پرے ہٹتے، پائپ بوٹوں میں گھسیڑتے، تھیلے گاڑیوں پر پھینکتے، بندوقوں کو سنبھالتے اور صف بندی میں مصروف ہو جاتے۔ افسر اپنی وردیوں کے بٹن بند کرتے، تلواریں اور نیامیں درست کرتے چیختے چلاتے ہوئے صفوں کے مابین ادھر ادھر چکر لگانے لگتے۔ اردلی اور کوچوان گھوڑے جوتتے اور سامان گاڑیوں پر رکھ کر اسے باندھنے میں مصروف ہو جاتے جبکہ ایجوٹنٹ اور کمانڈنگ افسر گھوڑوں پر سوار ہو کر سینوں پر صلیب کے نشان بناتے اور سامان بردار گاڑیوں کے عملے کو آخری ہدایات دینے لگتے جس کے بعد ہزاروں قدموں کی ایک جیسی آواز گونجنے لگتی۔ دستے آگے بڑھنے لگتے تاہم انہیں علم نہیں تھا کہ وہ کس سمت کو جا رہے ہیں، اپنے اردگرد انسانوں کے ہجوم، دھوئیں اور دھند کے باعث انہیں اپنی روانگی کے مقامات دکھائی دے رہے تھے نہ وہ جگہیں نظر آ رہی تھیں جہاں انہوں نے جانا تھا۔

فوج کی حرکت کے دوران سپاہی کا دائرہ عمل بھی اپنی رجمنٹ میں اسی طرح محدود ہوتا ہے جس طرح بحری جہاز میں ملاح کا ہوتا ہے۔ اگرچہ سپاہی اجنبی اور خطرناک علاقوں میں کس قدر ہی آگے کیوں نہ چلا جائے وہ انہی دستوں اور ساتھیوں، اسی سارجنٹ ایوان متریچ اور رجمنٹ کے اسی کتے زیکا اور انہی افسروں کے مابین ہوتا ہے بعینہ جس طرح ملاح ایک ہی عرشے، مستولوں اور جہاز کی ایک جیسی حرکت میں محصور رہتا ہے۔ سپاہی کو شاید ہی یہ علم ہوتا ہو کہ وہ کس اور کیسے علاقے میں جا رہا ہے مگر جنگ کے دن خدا جانے کہاں سے ایک اخلاقی آواز سنائی دینے لگتی ہے اور یہ اعلان کرتی محسوس ہوتی ہے کہ کوئی گھمبیر اور فیصلہ کن وقوعہ رونما ہونے والا ہے، یہ آواز فوجیوں میں غیر معمولی تجسس ابھار دیتی ہے۔ جنگ کے دنوں میں سپاہی رجمنٹ کے روزمرہ کے مفادات سے چھٹکارا پانے کی کوشش کرتے ہیں، وہ سنتے ہیں، غور کرتے ہیں اور اپنے اردگرد وقوع پذیر ہونے والے عوامل کے بارے میں شوق سے سوالات پوچھنے لگتے ہیں۔

دھند اتنی گہری ہو گئی تھی کہ روشنی کے باوجود انہیں دس قدم سے زیادہ آگے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ جھاڑیاں

بڑے درختوں اور ہموار زمین چٹانوں بھری اور ڈھلانی نظر آتی تھی۔ کہیں بھی اور کسی بھی سمت میں ان کا ان دیکھے دشمن سے تصادم ہو سکتا تھا جس کا ان سے دس قدم دور ہونا بھی ممکن تھا۔ بہر حال دستے کافی دیر تک اسی دھند میں اترائی اور چڑھائی چڑھتے، باغوں اور باڑوں کو پار کرتے، نئے اور انجانے علاقے میں دشمن کی موجودگی کے مقام سے بے خبر آگے ہی آگے بڑھتے رہے۔ دوسری جانب سپاہیوں کے دلوں میں یہ خیال تھا کہ ان کے آگے پیچھے، تمام اطراف میں روسی دستے ایک ہی سمت میں کوچ کر رہے ہیں۔ یہ خیال ہر سپاہی کا حوصلہ بڑھا رہا تھا کہ اس کی طرح بے شمار دیگر لوگ بھی اسی انجانے مقام کی طرف جا رہے ہیں جس کی جانب وہ محوِ سفر ہے۔

وہ ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے "میں نے کہا، کرسکی بھی جا چکے ہیں"

دوسری آواز سنائی دی "میرے دوستو، گزشتہ رات میں نے اپنی فوج کے الاؤ دیکھے، یوں لگتا تھا جیسے پورا ماسکو ہی آگیا ہو!"

اگرچہ کسی کالم کا کمانڈر دستوں تک پہنچا نہ سپاہیوں سے گفتگو کی (جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ جنگی کونسل کے اجلاس میں کمانڈنگ افسر لڑائی کیلئے اختیار کردہ منصوبے سے ناخوش اور افسردہ تھے اس لیے انہوں نے محض احکامات کی تعمیل کی اور سپاہیوں کا حوصلہ بڑھانے کی کوشش نہ کی) تاہم سپاہی اسی جوش اور ولولے سے آگے بڑھ رہے تھے جو معرکے میں اور خاص طور پر اس وقت دیکھنے میں آتا تھا جب دشمن پر حملہ کیا جاتا تھا۔

ایک گھنٹے تک گہری دھند میں کوچ کے بعد فوج کے بڑے حصے کو رکنا پڑا اور صفوں میں بدنظمی اور افراتفری کا ناخوشگوار احساس پھیلنے لگا۔ یہ واضح کرنا مشکل ہے کہ ایسا احساس ان تک کیسے پہنچا مگر یہ بہر حال پہنچ گیا اور غیر معمولی رفتار اور درستگی کے ساتھ پھیلا جس طرح پانی کسی وادی میں سرایت کرتا ہے۔

اگر روسی فوج کسی اتحادی کے بغیر تنہا چل رہی ہوتی تو شاید بدنظمی کے اس احساس کو یقینی صورت اختیار کرنے میں کافی وقت درکار ہوتا۔ تاہم موجودہ حالات میں اس ابتری کا ذمہ دار کم عقل جرمنوں کو ٹھہرانا خاص طور پر خوشگوار اور فطری معلوم ہوتا تھا اور ہر شخص کا خیال تھا کہ چٹنی بنانے والوں (جرمنوں) کی سنگین غلطی کے باعث خطرناک افراتفری پیدا ہو گئی ہے۔

کسی نے پوچھا "یہ رک کیوں گئے ہیں؟ راستہ بند ہے یا فرانسیسیوں نے حملہ شروع کر دیا؟"

جوابی آواز سنائی دی "نہیں، سنائی تو نہیں دیتا۔ فائرنگ کی آواز تو آتی۔ انہیں ہمیں کوچ کرانے کی جلدی تھی اور ہم چل دیے۔۔۔ اب میدان کے درمیان میں کھڑے ہیں اور کچھ سمجھ نہیں آرہی۔ ان شیطان جرمنوں نے افراتفری پیدا کر دی ہے۔ کم عقل شیطان! میرے بس میں ہوتا تو انہیں آگے محاذ پر بھیج دیتا۔ یقین کرو وہ پیچھے کہیں بیٹھے ہوں گے اور ہم یہاں بغیر کچھ کھائے پیے کھڑے ہیں۔

کوئی بولا "میں نے کہا، کیا وہ آگے بڑھیں گے؟"

ایک افسر کہنے لگا "کہتے ہیں کہ گھڑسواروں نے سڑک بند کر رکھی ہے"

کسی نے لقمہ دیا "بیوقوف جرمن، انہیں اپنے علاقے کا بھی علم نہیں"

ایک گھڑسوار ایجوٹنٹ نے چلا کر پوچھا "تمہارا تعلق کس ڈویژن سے ہے؟"

جواب ملا "اٹھارہویں"

ایجوٹنٹ نے کہا "تو پھر تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ اب تک تو تمہیں بہت آگے محاذ پر پہنچ جانا چاہیے تھا۔ اب تم شام سے پہلے نہیں پہنچتے"

پھر وہ خود کلامی کے انداز میں کہنے لگا "کس قدر سست اور احمقانہ احکامات ہیں۔ انہیں خود بھی علم نہیں کہ کیا کر رہے ہیں" یہ کہہ کر وہ چلتا بنا۔ پھر ایک جرنیل گھوڑا بھگاتا آیا کسی غیر ملکی زبان میں چلا چلا کر کچھ کہنے لگا۔

ایک سپاہی نے جرنیل کے پیچھے اس کی نقل اتارتے ہوئے کہا "تا، فا، لا، فا، اور نہ جانے کیا کیا کہے جا رہا ہے۔ جی چاہتا ہے ان سب بدمعاشوں کو گولی مار دوں"

چاروں طرف سے کچھ ایسی آوازیں سنائی دینے لگیں "ہم نے دس بجے سے پہلے وہاں پہنچنا تھا اور ابھی تک ہم آدھے راستے میں ہیں۔ کیا عمدہ انتظامات ہیں!" کوچ کی ابتداء میں سپاہیوں میں جو جوش و خروش پایا جاتا تھا اس کی جگہ نامناسب انتظامات اور جرمنوں کے خلاف غصے نے لے لی۔

درحقیقت بدنظمی اس وقت پیدا ہوئی جب آسٹروی گھڑسوار دستے بائیں پہلو کی جانب بڑھ رہے تھے۔ اس دوران اعلیٰ حکام اس نتیجے پر پہنچے کہ ہماری فوج کا درمیانی حصہ دائیں بازو سے بہت دور ہٹ گیا ہے، چنانچہ تمام گھڑسواروں کو دائیں جانب ہونے کا حکم ملا۔ پیادہ فوج کے سامنے سے کئی ہزار گھڑسوار گزر رہے تھے جس کے باعث اسے کھڑے ہو کر انتظار کرنا پڑا۔

دستوں کے آگے ایک آسٹروی افسر اور روسی جرنیل کے درمیان جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا۔ روسی جرنیل چلا چلا کر گھڑسوار دستوں سے ٹھہرنے کا مطالبہ کر رہا تھا۔ آسٹروی افسر کا اصرار تھا کہ اس کی بجائے اعلیٰ حکام قصوروار ہیں۔ اسی دوران سپاہی ساکت کھڑے تھے اور ان کے حوصلے ماند پڑتے جا رہے تھے۔ آخر کار ایک گھنٹہ بعد دستے آگے بڑھے اور اترائی اترنے لگے۔ پہاڑی پر دھند چھٹنا شروع ہو گئی تھی مگر نیچے میدانی علاقے میں جہاں سپاہی جا رہے تھے، دھند کی گہری چادر بدستور تنی تھی۔ دھند سے آگے انہیں فائرنگ کی آواز سنائی دی۔ ایک کے بعد دوسری گولی چلی اور پہلے بے قاعدگی سے فائرنگ ہوئی اور اس کے بعد باقاعدہ انداز میں تراخ تراخ کی آوازیں آنے لگیں۔ یوں چھوٹی ہولڈ بچ ندی کے کنارے لڑائی شروع ہو گئی۔

روسیوں کو ندی کے قریب دشمن سے تصادم کی توقع نہ تھی تاہم اب وہ دھند میں اچانک اس سے ٹکرا گئے۔ سپاہیوں میں تاخیر کا احساس پھیل چکا تھا اور انہیں اپنے کمانڈروں کی جانب سے حوصلہ افزائی کا ایک لفظ بھی سنائی نہ دیا۔ دھند کے باعث انہیں اپنے اردگرد کچھ دکھائی نہ دیتا تھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ فائرنگ تو کر رہے تھے مگر اس میں تیزی اور جوش وجذبے کا فقدان تھا۔ ایجوٹنٹ اور افسر ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ اجنبی علاقے اور دھند میں انہیں اپنے ڈویژن تلاش کرنے میں دقت کا سامنا تھا۔ پہاڑی سے نیچے اترنے والے پہلے، دوسرے اور تیسرے کالم کی لڑائی یونہی شروع ہو گئی۔ چوتھا کالم ابھی تک پراٹزن کی اونچائی پر کھڑا تھا اور کوتوزوف بھی اس کے ہمراہ تھا۔

نیچے اترائی میں جہاں معرکہ آرائی کا آغاز ہوا، گہری دھند ابھی تک باقی تھی۔ اگرچہ اوپر دھند چھٹ چکی تھی مگر تاحال سامنے کا منظر واضح دکھائی نہ دیتا تھا۔ نو بجے تک کسی کو علم نہ تھا کہ دشمن کی فوج ہم سے میلوں دور ہے (جیسا کہ فرض کر لیا گیا تھا) یا بالکل قریب۔

نو بج گئے۔ نیچے دھند سمندر کی مانند پھیلی تھی مگر بلندی پر واقع شلاپانز کے گاؤں میں مکمل روشنی ہو چکی تھی جہاں نپولین اپنے مارشلوں کے درمیان گھر کھڑا تھا۔ اس کے سر پر نیلا آسمان چمک رہا تھا اور سورج کا وسیع کرہ دھند کے دودھیا سمندر کے اوپر ایک بہت بڑی کھوکھلی اور نارنجی شکل میں تیر رہا تھا۔ نہ صرف فرانسیسی دستے بلکہ نپولین اور اس کا عملہ بھی ندی اور سوکول نتس وشلاپانز گاؤں کی دوسری سمت میں نہیں تھا جہاں ہم پوزیشنیں سنبھال کر حملہ کرنا چاہتے

تھے،اس کی بجائے وہ قریبی سمت میں آ گئے تھے اور ہماری فوجوں سے اسقدر قریب تھے کہ نپولین ننگی آنکھ سے گھڑسوار اور پیادے میں تمیز کر سکتا تھا۔ نپولین سرمئی رنگت کے ایک پستہ قامت عربی گھوڑے پر سوار اپنے مارشلوں سے کچھ آگے کھڑا تھا،اس نے وہی نیلا کوٹ زیب تن کر رکھا تھا جسے وہ اٹلی کی مہموں کے دوران پہنچا چلا آیا تھا۔ وہ دھند کے سمندر سے برآمد ہونیوالی پہاڑیوں کی جانب خاموشی سے دیکھ رہا تھا جن پر روسی فوج حرکت کر رہی تھیں اور اس کے ساتھ ساتھ نیچے اترائی میں فائرنگ کی آوازیں بھی سن رہا تھا۔ اس کا چہرہ، جوان دنوں دبلا پتلا ہی تھا، بالکل ساکت تھا اور چمکدار آنکھیں نہایت انہماک سے ایک ہی جگہ پر مرکوز تھیں۔ اس کے اندازے درست ثابت ہو رہے تھے۔ روسی فوج کا ایک حصہ وادی میں اتر کر جوہڑوں اور جھیلوں کی جانب بڑھ رہا تھا جبکہ ایک حصہ پرانزن پہاڑی خالی کر رہا تھا جسے نپولین اپنی پوزیشن کا کلیدی مقام سمجھتا تھا اور اس پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ اس نے دھند میں پرانزن گاؤں کے قریب دو پہاڑیوں کے درمیان وادی میں سنگینیں چمکتی دیکھیں۔ روسی دستے مسلسل ایک ہی سمت میں وادیوں کی جانب جا رہے اور ایک ایک کر کے دھند میں غائب ہو رہے تھے۔ گزشتہ رات ملنے والی اطلاعات، بیرونی چوکیوں کے قریب پہیوں اور قدموں کی آوازوں اور روسی کالموں کے بے ترتیب کوچ سمیت تمام شہادتوں سے اس پر یہ بات واضح ہو گئی کہ اتحادیوں کا خیال ہے کہ وہ ان سے بہت دور ہے۔ اس نے یہ اندازہ بھی لگا لیا کہ پرانزن کے قرب وجوار میں حرکت کرنیوالے روسی دستے فوج کا درمیانی حصہ ہیں جو اس قدر کمزور ہو چکا ہے کہ اس پر کامیاب حملہ کیا جا سکتا ہے۔ تاہم اس کے باوجود اس نے جنگ کے آغاز میں تاخیر کی۔

وہ اس کیلئے فتح کا دن تھا۔ اس دن اس کی تاجپوشی کی سالگرہ تھی۔ وہ علی الصبح چند گھنٹے سویا اور اٹھنے کے بعد خود کو تازہ دم محسوس کیا،اس کے حوصلے بلند اور امنگیں جوان تھیں۔ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر میدان جنگ کی جانب چلا گیا۔ اس کی نظریں دھند سے نکلنے والی پہاڑی چوٹیوں پر مرکوز تھیں اور سرد چہرے پر اعتماد واطمینان سے بھرپور مسرت رقص کناں تھی جو محبت میں گرفتار کسی خوش باش لڑکے کے چہرے پر دکھائی دیتی ہے۔ مارشل اس کے پیچھے کھڑے تھے اور ان میں اس کی توجہ میں مخل ہونے کی جرات نہ تھی۔ اس نے پرانزن کی بلندیوں اور پھر دھند کے اوپر تیرتے سورج کی جانب نگاہیں دوڑائیں۔

جب سورج دھند سے اچھی طرح باہر نکل آیا اور میدانوں نیز دھند پر اپنی چمکدار کرنیں بکھیرنے لگا (گویا وہ جنگ شروع کرنے کیلئے اسی کا منتظر تھا) تو اس نے اپنے خوبصورت سفید ہاتھ سے دستانہ اتارا اور اس کے ذریعے اپنے مارشلوں کی جانب اشارہ کر کے جنگ شروع کرنے کا حکم دیا۔ مارشل ایجوٹنٹوں کے ہمراہ مختلف سمتوں میں سرپٹ گھوڑے دوڑانے لگے اور چند لمحوں کے بعد فرانسیسی فوج کا بڑا حصہ پرانزن کی ان بلندیوں کی جانب حرکت کرنے لگا جسے بائیں جانب وادی میں اترنے والے روسی دستے آہستہ آہستہ خالی کر رہے تھے۔

(15)

آٹھ بجے کوتوزوف میلوراڈووچ کے چوتھے کالم کی قیادت کرتا ہوا پرانزن کی طرف روانہ ہوا جس نے پہاڑی سے اترنے والے پرزے بشوسکی اور لینگرون کے کالموں کی جگہ لینا تھی۔ یہ دونوں کالم نیچے میدانی علاقے میں جا چکے تھے۔ اس نے سب سے آگے والی رجمنٹ کے سپاہیوں سے سلام دعا کی اور پھر انہیں آگے بڑھنے کا حکم دیا جو اس امر کا اشارہ تھا کہ وہ خود اس کالم کی کمان کرے گا۔ پرانزن گاؤں پہنچ کر وہ رک گیا۔ شہزادہ آندرے کمانڈرانچیف کے

عملے کے بے شمار ارکان میں موجود تھا۔ اس پر بیک وقت تجسس اور چڑچڑے پن کے ساتھ ساتھ ایسے شخص کا سا پرسکون احساس طاری تھا جس کیلئے وہ لمحہ آن پہنچا ہو جس کا اسے مدتوں سے انتظار تھا۔ اسے پختہ یقین تھا کہ آج کا دن اس کیلئے تولون یا آرکول کے پل جیسے کارناموں والا دن ثابت ہوگا۔ یہ کیسے ہوگا؟ اس بارے وہ کچھ نہیں جانتا تھا مگر اسے یقین تھا کہ ایسا ضرور ہوگا۔ ہماری فوجوں کی تعیناتی کے مقامات اور انداز کے بارے میں وہ سب کچھ جانتا تھا۔ وہ اپنا جنگی منصوبہ بھلا چکا تھا جس کے بارے میں اب سوچنا بیکار تھا۔ وہ وے روڑ کا منصوبہ اپناتے ہوئے یہ سوچنے میں مصروف تھا کہ کہاں کہاں ناگہانی صورتحال پیدا ہو سکتی ہے اور ذہن میں ان تدابیر پر بھی غور وفکر کر رہا تھا جن کے بارے میں اسے جلدی سے سوچنا اور فیصلہ کرنا تھا۔

بائیں جانب نیچے دھند میں ان دیکھی فوجوں کے مابین فائرنگ کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ شہزادہ آندرے نے سوچا "زیادہ تر لڑائی وہیں مرکوز رہے گی اور وہیں مشکلات پیدا ہوں گی۔ مجھے وہاں ایک بریگیڈ یا ڈویژن دے کر بھیجا جائیگا اور میں ہاتھوں میں جھنڈا اٹھائے آگے بڑھوں گا اور اپنے راستے میں آنیوالی ہر رکاوٹ کو نیست ونابود کر دوں گا۔"

شہزادہ آندرے سامنے سے گزرنے والی بٹالینوں کے جھنڈے دیکھ کر متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ جھنڈوں کی جانب دیکھ کر وہ سوچتا رہا کہ "شاید انہی میں سے کوئی ایک جھنڈا اٹھا کر میں جوانوں کی قیادت کروں گا" جوں جوں سورج ابھر رہا تھا دھند غائب ہوتی گئی اور اپنے پیچھے صرف ہلکی سفید برف چھوڑ گئی جو اب شبنم میں تبدیل ہونے لگی تھی تاہم نیچے وادیوں میں ابھی تک دھند کا دودھیا سمندر موجود تھا۔ بائیں جانب وادی میں جہاں ہمارے فوجی غائب ہوئے تھے اور گولیاں چلنے کی آوازیں سنائی دیتی تھیں وہاں کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ پہاڑی بلندیوں کے اوپر نکھرا ہوا نیلا آسمان اور دائیں جانب سورج کا عظیم کرہ تھا۔ سامنے دور فاصلے پر دھند کے سمندر سے پرے درختوں سے ڈھکی پہاڑی چوٹیاں نظر آ رہی تھیں جہاں دشمن کی موجودگی کا امکان تھا اور اب وہاں کوئی شے دکھائی دے رہی تھی۔ دائیں جانب گھڑسواروں کی ٹاپیں اور پہیوں کی کھڑکھڑاہٹ سنائی دے رہی تھی، یہ گارڈز تھے جو دھند میں داخل ہو رہے تھے، کبھی کبھار ان کی چمکتی سنگینیں دکھائی دے جاتیں۔ بائیں جانب گاؤں کے عقب میں انہی جیسے گھڑسواروں کے ہجوم آگے بڑھتے اور دھند کے سمندر میں غائب ہوتے دیکھے جا سکتے تھے۔ سامنے اور پیچھے پیادہ فوج مارچ کر رہی تھی۔ کمانڈرانچیف گاؤں کے آخری کنارے پر کھڑا دستوں کو اپنے سامنے سے گزرتا دیکھ رہا تھا۔ اس صبح کوتوزوف تھکا ہارا اور چڑچڑا دکھائی دیتا تھا۔ اس کے سامنے سے گزرنے والی پیادہ فوج کسی حکم کے بغیر رک گئی، یوں لگتا تھا جیسے اس کی راہ میں کوئی رکاوٹ آ گئی ہو۔

کوتوزوف اپنی جانب بڑھنے والے جرنیل سے خفگی کے عالم میں کہنے لگا "جناب عالی! اپنے آدمیوں سے کہیں کہ کالموں کی صورت میں گاؤں کا چکر کاٹ کر نکل جائیں، یہ بات آپ کی سمجھ میں کیوں نہیں آ رہی کہ گاؤں کی گلیوں سے انہیں اس پوزیشن میں گزارنا ممکن نہیں جبکہ ہم دشمن پر حملہ آور ہونے جا رہے ہیں"

جرنیل نے جواب دیا "جناب عالی! میں گاؤں کے عقب میں جا کر صفیں بنانا چاہتا تھا"

کوتوزوف تلخ انداز سے مسکرایا اور کہنے لگا "کیا بات ہے آپ کی، دشمن کی آنکھوں کے سامنے صف بندی کی جائیگی۔۔۔ بہت خوب"

جرنیل نے کہا "جناب عالی! دشمن ابھی بہت دور ہے۔ فوجوں کی ترتیب کے مطابق۔۔۔"

rekhta.org is now full screen
Exit Full Screen (Esc)

کوتوزوف تلخی سے چلایا "ترتیب وتقسیم

ہے"

جرنیل نے جواباً کہا "ٹھیک ہے جناب عالی!"

نیسوتسکی نے آندرے کے کان میں سرگوشی کی "میرے عزیز، آج بوڑھے کا مزاج گرم دکھائی دے رہا ہے"

سفید وردی میں ملبوس ایک آسٹروی افسر گھوڑے کو سرپٹ بھگاتا آیا اور شہنشاہ کا حوالہ دے کر پوچھنے لگا

"کیا چوتھا کالم روانہ ہو گیا ہے؟"

کوتوزوف نے جواب دیے بغیر منہ پھیر لیا اور اتفاقاً اس کی نگاہیں شہزادہ آندرے پر پڑیں جو اس کے قریب کھڑا تھا۔ بلکونسکی کو دیکھ کر کوتوزوف کے چہرے سے جھلکنے والا تلخ تاثر نرم پڑ گیا جیسے جو کچھ ہو رہا ہے اس میں اس کے ایجوٹنٹ کا کوئی قصور نہیں۔ اس نے ابھی آسٹروی ایجوٹنٹ کو کوئی جواب نہ دیا تھا، وہ بلکونسکی سے مخاطب ہو کر بولا "میرے عزیز، جاؤ اور دیکھو کہ تیسرے ڈویژن نے گاؤں پار کر لیا ہے اور انہیں کہو کہ میرے آئندہ احکامات تک وہیں انتظار کریں"

شہزادہ آندرے روانہ ہوا ہی تھا کہ اس نے اسے روک لیا اور کہنے لگا "اور ان سے یہ بھی پوچھنا کہ آیا ماہر نشانہ باز تعینات کر دیے گئے ہیں یا نہیں؟" پھر وہ خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا "کیا کر رہے ہیں، وہ کیا کر رہے ہیں" اس نے آسٹروی کو ابھی تک کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

شہزادہ آندرے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے تیزی سے روانہ ہو گیا۔ آگے جانیوالی بٹالینوں کو پیچھے چھوڑتے ہوئے اس نے تیسرے ڈویژن کو روک لیا اور اس امر کی تصدیق کر لی کہ ہمارے کالموں کے آگے ماہر نشانہ باز واقعی نہ تھے۔ سب سے آگے جانیوالی رجمنٹ کے کمانڈر نے ماہر نشانہ بازوں کی تعیناتی کے حوالے سے کمانڈر انچیف کے احکامات سنے تو وہ حیران رہ گیا۔ اسے اچھی طرح یقین تھا کہ اس کے آگے دیگر دستے بھی ہیں اور دشمن اس سے چھ میل دور ہو گا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس گہری دھند میں چھپی ویران ڈھلان کے علاوہ کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس غلطی کی تلافی کے حوالے سے کمانڈر انچیف کے احکامات پہنچانے کے بعد شہزادہ آندرے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا واپس پہنچ گیا۔ کوتوزوف ابھی تک اسی جگہ کھڑا تھا۔ ڈھلتی عمر کے باعث اس کا عظیم جسم زین پر ڈھلکا ہوا تھا اور وہ اپنی واحد آنکھ بند کیے جمائیاں لے رہا تھا۔ دستوں نے ابھی تک حرکت نہیں کی تھی اور وہ مستعد کھڑے تھے۔

کوتوزوف نے شہزادہ آندرے کی جانب متوجہ ہو کر کہا "ٹھیک، ٹھیک ہے" اور پھر اس جرنیل کی طرف دیکھا جو ہاتھ میں گھڑی تھامے کہہ رہا تھا چونکہ بائیں پہلو کے تمام دستے پہلے ہی نیچے جا چکے ہیں اس لیے انہیں بھی روانہ ہو جانا چاہیے۔ کوتوزوف جمائی لیتے ہوئے اسے کہنے لگا "جناب عالی! ابھی کافی وقت ہے" اس نے اپنی بات دہرائی "ابھی کافی وقت پڑا ہے"

اسی دوران کوتوزوف کے عقب میں رجمنٹوں کے سلیوٹ کرنے اور باآواز بلند چیخنے کی آوازیں سنائی دیں جو تیزی سے قریب آنے لگیں کیونکہ اس کا سلسلہ آگے بڑھنے والے تمام روسی کالموں تک پھیل چکا تھا۔ یہ بات واضح تھی کہ جن کا استقبال ہو رہا ہے وہ گھوڑوں پر سوار تیزی سے آگے بڑھتے چلے آ رہے ہیں۔ جب کوتوزوف کے سامنے کھڑی رجمنٹ کے سپاہیوں نے نعرے لگانا شروع کر دیے تو وہ ایک جانب ہٹا اور تیوری چڑھا کر پیچھے دیکھنے لگا۔ پراتزن کی جانب سے آنیوالی سڑک پر یوں لگتا تھا جیسے رنگارنگ وردیوں میں ملبوس گھڑسواروں کا پورا اسکواڈرن سرپٹ بھاگا چلا آ رہا

...ے تھے۔ ان میں سے ایک سیاہ وردی میں ملبوس اور ...ید وردی میں ملبوس اور سیاہ گھوڑے پر سوار تھا۔ یہ دونوں شہنشاہ تھے اور ان کے پیچھے عملے کے ارکان چلے آ رہے تھے۔ تجربہ کار سپاہی جیسے طرز عمل کا مظاہرہ کرتے کوتوزوف نے رجمنٹ کو "مستعد" رہنے کا حکم دیا اور خود شہنشاہوں کو سلیوٹ کرنے کیلئے آگے بڑھ آیا۔ اس کی وضع قطع اور انداز واطوار میں اچانک تبدیلی رونما ہو گئی تھی۔ اس کا انداز اس ماتحت کا سا تھا جو چوں چرا کیے بغیر احکامات کی تعمیل کرتا ہے۔ وہ نمائشی احترام کے ساتھ آگے آیا اور سلیوٹ کیا۔ واضح طور پر معلوم ہوتا تھا کہ الیگزنڈر کو اس کا یہ انداز پسند نہیں آیا۔

شہنشاہ کے نوجوان اور خوش باش چہرے پر ناگواری کے تاثرات نکھرے آسمان پر دھند کے گالوں کی طرح آئے اور غائب ہو گئے۔ وہ ناسازی طبع کے باعث دبلا پتلا دکھائی دے رہا تھا اور اول موتس میں جہاں شہزادہ آندرے نے اسے پہلی مرتبہ ملک سے باہر دیکھا تھا، کافی مختلف نظر آ رہا تھا۔ تاہم اس کے چہرے پر وہی شان اور خوبصورت سرمئی آنکھوں میں مسحور کن ملائمت موجود تھی۔ اس کے نرم وطنازک ہونٹ اب بھی مختلف اقسام کے تاثرات دیتے تھے اور چہرے سے معصومیت کا اظہار ہو رہا تھا۔

اول موتس میں سلامی کے موقع پر اس کے انداز میں شاہانہ سحر جبکہ یہاں مسرت اور توانائی جھلکتی تھی۔ تین میل تک سرپٹ گھوڑی دوڑانے کے بعد اس کا چہرہ تمتما رہا تھا، جب اس نے گھوڑی کو روکا تو اطمینان کا سانس لیا اور پیچھے مڑ کر اپنے عملے کے ارکان پر نظر ڈالی جو اسی کی طرح نوجوان اور جوشیلے تھے۔ زار کے عقب میں زارتورسکی، نووسلتسوف، شہزادہ وولکونسکی، سترو گانوف اور دیگر لوگ موجود تھے جو اسی کی طرح زرق برق لباس میں ملبوس اور شگفتہ مزاج نوجوان تھے۔ یہ لوگ خوش شکل، سدھائے ہوئے اور تازہ دم گھوڑوں پر سوار تھے جن کے بدن سرپٹ بھاگنے کی وجہ سے گرم ہو گئے تھے۔ لمبوترے اور سرخ وسفید چہرے کا مالک نوجوان شہنشاہ فرانسس گھوڑے پر تن کر بیٹھا بے فکری سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ اس نے سفید وردی میں ملبوس اپنے ایک ایجوٹنٹ کو بلایا اور اس سے کچھ پوچھا۔ شہزادہ آندرے نے اپنے اس پرانے شناسا کو دیکھ کر سوچا "شاید وہ یہ پوچھ رہا ہے کہ وہ کس وقت روانہ ہوئے تھے" شہنشاہ فرانسس کو دیکھ کر اس کے چہرے پر مسکراہٹ طاری ہو گئی جسے دبانے میں وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ شہنشاہ کے عملے میں روسی اور آسٹروی گارڈز کی رجمنٹوں سے چنے گئے نوجوان سٹاف افسر شامل تھے۔ ان کے علاوہ عملے میں فالتو گھوڑوں کی دیکھ بھال کرنے والے اہلکار بھی شامل تھے۔ یہ گھوڑے شاہی اصطبل سے لیے گئے تھے اور ان کے جسم پر نقش ونگار والے کپڑے چڑھے تھے۔

جس طرح کھڑکی کھلنے پر بند کمرے میں تازہ ہوا کے جھونکے داخل ہوتے ہیں بعینہٖ اسی طرح ان ذہین نوجوانوں کی آمد پر کوتوزوف کے افسردہ عملے کو جوانی، توانائی اور اعتماد کا احساس ہوا۔

شہنشاہ الیگزنڈر نے عجلت سے کوتوزوف کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "میخائل لاری اونووچ! آپ شروع کیوں نہیں کر رہے؟" یہ کہتے ہوئے اس نے شائستگی سے شہنشاہ فرانسس کی جانب دیکھا۔

کوتوزوف نے احتراماً جھکتے ہوئے کہا "جناب عالی! میں انتظار کر رہا ہوں"

زار نے خفگی کے عالم میں اپنا کان یوں آگے بڑھایا جیسے اسے بات سنائی نہ دی ہو۔

کوتوزوف نے اپنی بات دہراتے ہوئے کہا "حضور عالی! میں انتظار کر رہا ہوں (شہزادہ آندرے نے دیکھا کہ "میں انتظار کر رہا ہوں" کہتے ہوئے کوتوزوف کا بالائی ہونٹ غیر فطری انداز سے پھڑکا تھا) ابھی تک تمام کالم اکٹھے نہیں ہو سکے"

زار نے اس کی بات سنی مگر یہ عیاں تھا کہ اسے جواب پسند نہیں آیا۔ اس نے اپنے جھکے ہوئے کندھے اچکائے اور نووسلتسوف کی جانب یوں دیکھا جیسے کوتوزوف کی شکایت کر رہا ہو۔

انگیز نذر کہنے لگا "میخائل لاری اوناوچ! آپ جانتے ہیں کہ ہم زاریسن میدان میں نہیں کھڑے جہاں تمام رجمنٹوں کے اکٹھا ہونے تک پریڈ شروع نہیں ہوتی" یہ کہتے ہوئے اس نے شہنشاہ فرانسس پر نگاہ دوڑائی جیسے اسے کہہ رہا ہو"اگر تم گفتگو میں حصہ نہیں لینا چاہتے تو کم از کم اسے سن تو لو" تاہم فرانسس سننے کی بجائے بدستور ادھر ادھر دیکھتا رہا۔

کوتوزوف گونجتی آواز میں بولا "جناب! یہی وجہ ہے کہ میں شروع نہیں کر رہا" یوں لگتا تھا جیسے وہ اپنے الفاظ نظر انداز کئے جانے کو ناممکن بنانا چاہتا ہے۔ ایک مرتبہ پھر اس کا چہرہ پھڑ کنے لگا اور وہ بولا "کیونکہ ہم زاریسن میدان میں نہ پریڈ کرنے آئے ہیں" اس کا انداز گفتگو واضح اور۔ جچا تلا تھا۔

یہ بات سن کر زار کے عملے میں موجود تمام لوگوں نے آپس میں نگاہوں کا تبادلہ کیا اور ہر چہرے پر ملامت اور ناپسندیدگی کا تاثر در آیا۔ تمام چہرے یہ کہتے محسوس ہوتے تھے کہ "یہ شخص خواہ کتنا ہی عمر رسیدہ کیوں نہ ہو اسے ایسا انداز تکلم اختیار نہیں کرنا چاہئے"

زار نے مستقل مزاجی اور غور سے کوتوزوف کی آنکھوں میں جھانکا، وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ آیا اسے مزید کچھ کہنا ہے یا نہیں۔ مگر دوسری جانب کوتوزوف بھی احتراماً سر جھکائے سننے کا انتظار کر رہا تھا۔ یہ خاموشی کم و بیش ایک منٹ برقرار رہی۔

آخر کار کوتوزوف نے سر اٹھایا اور کہنے لگا "تاہم اگر جناب عالی کا یہی حکم ہے تو پھر۔۔۔" اس کا انداز یوں تھا جیسے کوئی بدتمیز اور دلیل کے فن سے نا آشنا جرنیل حکم کی تعمیل کر رہا ہو۔ وہ اپنی جگہ سے مڑا اور کالم کے کمانڈر میلوراڈووچ کو کوچ کا حکم دیا۔

دستوں نے دوبارہ حرکت شروع کر دی، نووگوروڈ رجمنٹ کی دو اور اپ شیرون رجمنٹ کی ایک بٹالین زار کے سامنے سے گزری۔

جب اپ شیرون رجمنٹ گزر رہی تھی تو سرخ چہرے والے میلوراڈووچ نے گھوڑا آگے بھگایا اور پھرتی سے سلیوٹ کرتے ہوئے اسے زار کے سامنے روک لیا۔ وہ اوور کوٹ کے بغیر تھا اور وردی پر اعزازات لگا رکھے تھے جبکہ ترچھی ٹوپی پر کلغیاں سجی تھیں۔

زار بولا "خدا تمہاری مدد کرے!"

میلوراڈووچ نے جواباً کہا "جناب عالی! ہم سے جو کچھ ہو سکا، کریں گے" اس کی آواز سے خوش مزاجی جھلک رہی تھی جبکہ زار کے عملے کے ارکان اس کا خراب فرانسیسی لہجہ سن کر ہنس دیے۔ میلوراڈووچ نے تیزی سے گھوڑا موڑا اور زار کے پیچھے کچھ دور جا کر کھڑا ہو گیا۔ زار کی موجودگی میں اپ شیرون رجمنٹ کے سپاہیوں میں نیا جوش اور ولولہ پیدا ہو گیا اور وہ تیزی سے قدم ملاتے شہنشاہوں اور ان کے عملے کے سامنے سے گزرنے لگے۔

میلوراڈووچ اپنی بلند اور پر اعتماد آواز میں چلا کر بولا "جوانو!" وہ فائرنگ کی آوازوں، جنگ کے آغاز اور اپ شیرون رجمنٹ کے بہادر جوانوں کو دیکھ کر پر جوش ہو گیا جو سواروف کے دور سے اس کے ساتھ تھے، اس کیفیت میں وہ زار کی موجودگی بھی بھول گیا اور زور دار آواز میں بولا "جوانو! یہ پہلا گاؤں نہیں جس پر تم نے قبضہ کرنا ہے!"

سپاہیوں نے غرا کر جواب دیا "ہم اپنی جان پر کھیل جائیں گے" ان اچانک آوازوں سے زار کی گھوڑی بدک

گئی۔ یہ گھوڑی جس پر سوار ہو کر زار روس میں سلامیاں لیا کرتا تھا، اپنے سوار کو اوسٹرلتس کے میدان میں لے آئی تھی۔ اس نے جس طرح سلامی کے میدان میں زار کے پاؤں کی ٹھوکریں برداشت کی تھیں اور فائرنگ کی آواز سن کر کان کھڑے کر لیے تھے، بالکل اسی طرح وہ اب بھی اس کے ٹھوکے صبر سے جھیل رہی تھی اور یہ آوازیں سن کر اس کے کان کھڑے ہو گئے تھے۔ تاہم اسے یہ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ یہ آوازیں کیوں آ رہی ہیں؟ اور شہنشاہ فرانسس کا سیاہ گھوڑا اس کے قریب کیوں کھڑا ہے؟ کیا کہا جا رہا ہے اور اس کی پشت پر سوار شخص آج کیا سوچ اور محسوس کر رہا ہے۔

زار مسکرا کر اپنے ایک درباری کی طرف متوجہ ہوا اور اپ شیرون رجمنٹ کے بہادر جوانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسے کچھ کہنے لگا۔

(16)

کوتوزوف اپنے ایجوٹنٹوں کے ہمراہ سست روی سے بندوق برداروں کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔

کالم کے پیچھے آدھا میل چلنے کے بعد وہ ایک الگ تھلگ عمارت کے قریب رک گیا جو کبھی سرائے کے طور پر استعمال ہوتی تھی۔ یہاں دو راستے مختلف سمتوں میں نیچے اترتے تھے اور دونوں پر فوجی مارچ کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔

دھند چھٹ رہی تھی اور ڈیڑھ میل دور سامنے پہاڑیوں پر دشمن کے دستے دیکھے جا سکتے تھے۔ بائیں جانب نیچے فائرنگ کی آوازیں مزید واضح طور پر سنائی دے رہی تھیں۔ کوتوزوف ایک آسٹروی جرنیل کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے وہیں رک گیا۔ شہزادہ آندرے کچھ پیچھے کھڑا اس کی جانب غور سے دیکھے جا رہا تھا، وہ ایک ایجوٹنٹ کی جانب متوجہ ہوا اور اس سے دوربین مانگی۔

ایک ایجوٹنٹ بولا "دیکھو، دیکھو! وہ فرانسیسی ہیں" اس کی نگاہیں دور پہاڑیوں پر موجود دشمن کی بجائے پہاڑی سے نیچے دیکھ رہی تھیں۔

دونوں جرنیل اور ایجوٹنٹ ایک دوسرے سے دوربین لے کر نیچے دیکھنے لگے۔ تمام کے چہروں کی رنگت بدل گئی اور ان پر خوف طاری ہو گیا۔ ان کا خیال تھا کہ فرانسیسی ڈیڑھ میل دور ہیں جبکہ وہ اچانک ہمارے سروں پر آ پہنچے تھے۔

مختلف آوازیں سنائی دینے لگیں "یہ دشمن ہے؟۔۔۔ نہیں۔۔۔ مگر، دیکھو، یہ۔۔۔ یقیناً دشمن ہی ہے۔۔۔ اس کا کیا مطلب ہے؟"

شہزادہ آندرے کو ننگی آنکھ سے دائیں جانب نیچے فرانسیسی فوج کا ایک پر ہجوم کالم اپ شیرون رجمنٹ کی جانب بڑھتا دکھائی دیا۔ جہاں کوتوزوف کھڑا تھا یہ وہاں سے کم و بیش پانچ سو قدم کے فاصلے پر آ رہے تھے۔

شہزادہ آندرے نے سوچا "وہ لمحہ آ پہنچا، فیصلہ کن لمحہ" اس نے گھوڑے کو ٹھوکا دیا اور کوتوزوف کے قریب پہنچ کر با آواز بلند بولا "جناب عالی! ہمیں اپ شیرون رجمنٹ کو ہر صورت روک لینا چاہئے"

مگر اسی لمحے قریب ہی کہیں دھماکہ ہوا اور ہر شے دھوئیں میں چھپ گئی، دھماکہ ہوتے ہی شہزادہ آندرے کو اپنے قریب ہی ایک خوفزدہ آواز سنائی دی "ساتھیو، مارے گئے!" یہ آواز حکم سے مشابہ تھی۔ آواز سنتے ہی ہر شخص نے دوڑ لگا دی اور لوگ پریشانی کے عالم میں ہجوم در ہجوم اس مقام کی جانب بھاگنے لگے جہاں پانچ منٹ پہلے وہ شہنشاہ کی موجودگی میں مارچ کر رہے تھے۔ نہ صرف اس ہجوم کو روکنا بلکہ افراتفری میں اس کا ساتھ نہ دینا بھی ناممکن ہو گیا تھا۔

بلکونسکی کی کوشش تھی کہ کوتوزوف کو اکیلے نہ چھوڑا جائے اور وہ حیرانی کے عالم میں ادھرادھر دیکھنے لگا، اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ نیسوتسکی کا چہرہ غصے کے مارے سرخ ہو رہا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے وہ اپنے آپ میں نہیں رہا، وہ چلا چلا کر کوتوزوف سے کہہ رہا تھا کہ وہ وہاں سے بھاگ جائے ورنہ اسے قیدی بنالیا جائیگا۔ کوتوزوف اسی جگہ کھڑا تھا۔ اس نے اپنا رومال نکالا اور کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے گال سے خون بہہ رہا تھا۔ شہزادہ آندرے بمشکل اس تک پہنچا۔

اس نے کوتوزوف سے کہا" آپ زخمی ہو گئے؟" اس کا نچلا جبڑا کانپ رہا تھا اور وہ اس پر قابو نہیں پا رہا تھا۔

کوتوزوف نے رومال سے اپنے زخمی گال اور پھر بھاگتے سپاہیوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا" زخم یہاں نہیں، وہاں ہے"

پھر وہ چلا کر کہنے لگا" انہیں روکو!" اس نے گھوڑے کو چابک مارا اور وہاں سے دائیں جانب چل دیا۔

بھاگتے ہجوم کا ایک اور ریلا آیا اور اسے اپنے ساتھ پیچھے کی جانب بہالے گیا۔

فوجی اس قدر بڑے ہجوموں کی صورت میں بھاگ رہے تھے کہ ایک مرتبہ ان کی لپیٹ میں آجانے کے بعد وہاں سے نکلنا ممکن نہیں تھا۔ ایک شخص چلا چلا کر کہہ رہا تھا" چلو، چلو، کس کا انتظار کر رہے ہو" ایک اور جوان مڑا اور ہوا میں گولی چلادی جبکہ ایک نے اس گھوڑے کو ضرب لگادی جس پر کوتوزوف سوار تھا۔ کوتوزوف نے خود کو بمشکل اس ہجوم سے باہر نکالا اور اپنے عملے کے ساتھ جس کی تعداد آدھی رہ گئی تھی، اس جانب بڑھنے لگا جہاں سے توپوں کے گولہ باری کرنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ شہزادہ آندرے نے، جو کوتوزوف کے قریب رہنے کی کوشش کر رہا تھا، خود کو ہجوم سے علیحدہ کرتے ہوئے دیکھا کہ پہاڑی پر چند روسی توپیں ابھی تک گولہ باری کر رہی ہیں اور روسی ان کی جانب بھاگ رہے ہیں۔ اس سے کچھ اوپر روسی پیادہ فوج کھڑی تھی جو توپخانے کی مدد کو آرہی تھی نہ بھاگنے والوں کے ساتھ پیچھے ہٹ رہی تھی۔ ایک جرنیل اس پیادہ فوج سے علیحدہ ہوا اور گھوڑے پر کوتوزوف کی جانب آیا۔ کوتوزوف کے عملے کے چار ارکان باقی رہ گئے تھے۔ ان تمام کے چہرے زرد تھے اور وہ ایک دوسرے کو خاموش نگاہوں سے دیکھے جا رہے تھے۔

ہانپتے کوتوزوف نے بھاگتے سپاہیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رجمنٹ کے کمانڈر سے کہا" ان بدبختوں کو روکو!" تاہم اسی دوران گولیوں کی بوچھاڑ آئی اور رجمنٹ، کوتوزوف اور اس کے عملے کے سروں پر سے پرندوں کے غول کی طرح گزر گئی گویا کمانڈر انچیف کے الفاظ کا انتقام لے رہی ہو۔ فرانسیسی توپوں پر حملہ کر رہے تھے اور کوتوزوف کو دیکھتے ہی انہوں نے فائرنگ کا رخ اس کی جانب کر دیا۔ گولیوں کی اس بوچھاڑ کے ساتھ ہی رجمنٹ کے جرنیل نے اپنی ٹانگ پکڑلی، متعدد سپاہی نیچے گر گئے اور جھنڈا تھامے سیکنڈ لیفٹیننٹ نے اسے نیچے گر جانے دیا۔ جھنڈا نیچے گرا اور قریب کھڑے سپاہیوں کی بندوقوں میں پھنس گیا۔ سپاہیوں نے حکم ملے بغیر فائرنگ شروع کر دی۔

کوتوزوف کے منہ سے آہ نکلی اور وہ مایوسی کے عالم میں ادھرادھر دیکھنے لگا۔ اس نے آندرے سے سرگوشی کے عالم میں کہا" بلکونسکی" اور شکست خوردہ بٹالین اور دشمن کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولا" یہ کیا ہے؟" اس کے لہجے سے بڑھاپے اور بے بسی کا احساس نمایاں تھا۔

اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی آندرے نے گھوڑے سے چھلانگ لگائی اور جھنڈے کی طرف بھاگنے لگا۔ اس کا گلا شرمندگی اور غصے سے رندھ گیا تھا۔

وہ بچوں کی سی تیز آواز میں چلا کر بولا" جوانو! آگے بڑھو" اس نے جھنڈے کا بانس تھامتے ہوئے سوچا" وہ

لمحہ آن پہنچا ہے" وہ گولیوں کی سنسناہٹ سے لطف اندوز ہو رہا تھا جن کا بظاہر نشانہ بھی وہی تھا۔ کئی سپاہی گولیاں کھا کر نیچے گر گئے۔

شہزادہ آندرے چلایا" ہرا!" اور اپنے دونوں ہاتھوں سے بھاری جھنڈے کو بمشکل اٹھائے تیزی سے آگے کو بھاگا، اسے یقین تھا کہ بٹالین بھی اس کے پیچھے پیچھے آئے گی۔ درحقیقت وہ چند قدم ہی آگے گیا ہوگا کہ ایک سپاہی اس کے پیچھے لپکا، پھر دوسرا اور اس کے بعد پوری بٹالین 'ہرا' کے نعرے لگاتی اس کے پیچھے پیچھے آگئی۔ ایک افسر نے چھلانگ لگائی اور شہزادہ آندرے کے ہاتھوں میں ڈولتا پرچم تھام لیا مگر ایک گولی آئی اور اس کا کام تمام کرتی چلی گئی۔ شہزادہ آندرے نے دوبارہ پرچم پکڑ لیا اور اس کا بانس لہراتا ہوا بٹالین کے ساتھ ساتھ دوڑنے لگا۔ اسے اپنے سامنے روسی توپچی دکھائی دیے جن میں سے کچھ لڑ رہے تھے جبکہ دوسرے توپیں چھوڑ کر اس کی جانب بھاگے چلے آ رہے تھے۔ اس نے فرانسیسی پیادہ فوجیوں کو توپخانے کے گھوڑوں کی لگامیں پکڑتے اور توپوں کا رخ موڑتے دیکھا۔ شہزادہ آندرے اور اس کی بٹالین توپوں سے بیس قدم دور تھی۔ اس نے اپنے اوپر گولیوں کی سنسناہٹ سنی، اس کے دائیں بائیں سپاہی مسلسل ہلاک وزخمی ہو کر گر رہے تھے۔ مگر اس نے ان کی جانب نہ دیکھا، اس کی آنکھیں سامنے توپخانے کی جانب دیکھ رہی تھیں۔ وہ اب سرخ بالوں والے ایک توپچی کو واضح طور پر دیکھ سکتا تھا جس کی ٹوپی ایک جانب ڈھلک گئی تھی۔ وہ توپ صاف کرنیوالی سلاخ تھامے اسے اپنی جانب کھینچ رہا تھا جبکہ ایک فرانسیسی دوسرے سرے پر زور لگا رہا تھا۔ شہزادہ آندرے کو ان دونوں کے بے چین اور غصیلے چہرے صاف دکھائی دے رہے تھے جنہیں خود بھی علم نہ تھا کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔

شہزادہ آندرے نے حیرانی سے انہیں دیکھتے ہوئے سوچا" یہ کیا کرنا چاہتے ہیں؟ سرخ بالوں والا توپچی بھاگ کیوں نہیں جاتا جبکہ اس کے پاس اسلحہ بھی نہیں ہے؟ فرانسیسی اس کے جسم میں سنگین کیوں نہیں بھونکتا؟ وہ زیادہ دور نہیں بھاگ سکے گا کیونکہ اس سے پہلے فرانسیسی کو اپنی بندوق یاد آجائے گی اور وہ اس کے سر میں گولی اتار دے گا۔ اسی دوران ایک اور فرانسیسی بھری ہوئی بندوق لے کر ان کی جانب بھاگا۔ سرخ بالوں والا توپچی جو سلاخ چھین چکا تھا اسے کوئی خبر نہ تھی کہ اس کے ساتھ کیا پیش آنے والا ہے۔ مگر شہزادہ آندرے اس کھیل کا انجام نہ دیکھ سکا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے قریب کھڑے کسی سپاہی نے اس کے سر میں پوری قوت سے لاٹھی دے ماری ہو۔ چوٹ کا احساس تو ہوا مگر اس سے بھی برا یہ ہوا کہ درد نے اس کی توجہ ہٹادی اور اسے وہ کچھ دیکھنے سے محروم کر دیا جس پر اس نے نظریں گاڑ رکھی تھیں۔

اس نے سوچا" یہ کیا ہے؟ کیا میں گر رہا ہوں؟ میری ٹانگیں ساتھ نہیں دے رہیں" اور پھر وہ پشت کے بل نیچے جاگرا۔ اس نے اپنی آنکھیں کھولیں۔ اسے امید تھی کہ وہ فرانسیسی سپاہی اور توپچی کے مابین کشمکش کا انجام دیکھ سکے گا۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ آیا سرخ بالوں والا توپچی ہلاک ہو گیا ہے یا نہیں، توپوں پر قبضہ ہو گیا یا انہیں بچا لیا گیا۔ مگر اسے کچھ دکھائی نہ دے سکا۔ اسے اپنے اوپر صرف آسمان۔۔۔ بلند آسمان نظر آ رہا تھا جو بالکل صاف نہیں تھا اور آہستہ آہستہ سرمئی بادل اسے لپیٹ میں لے رہے تھے۔ اس نے سوچا" یہاں کس قدر خاموشی، امن اور وبدبہ ہے۔ آسمان پر تیرتے بادل ہماری طرح بھاگتے، چلاتے اور لڑتے نیز اس فرانسیسی اور توپچی سے بھی کتنے مختلف ہیں جن کے چہرے بے چین اور غصیلے تھے اور جو سلاخ پر قبضے کیلئے لڑ رہے تھے۔ میں نے یہ بلند آسمان پہلے کیوں نہیں دیکھا؟ آخرکار مجھے اسے دیکھ کر کس قدر خوشی ہوئی ہے۔ ہاں! اس لامحدود آسمان کے سوا سب کچھ دھوکہ اور غرور ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں، کچھ نہیں۔ مگر یہ بھی نہیں، سکون اور خاموشی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ اور خداوند تیرا شکر ہے!۔۔۔"

(17)

باگراتیاں کی زیر کمان دایاں بازو نو بجے تک جنگ میں شریک نہیں ہوا تھا۔ وہ حملہ شروع کرنے کے دلگوروکوف کے مطالبے پر عمل نہیں کرنا چاہتا تھا اور ذمہ داری سے بھی پہلو بچانے کا خواہشمند تھا چنانچہ اس نے دلگوروکوف کو تجویز پیش کی کہ کسی کو بھیج کر کمانڈر انچیف سے معلوم کر لیا جائے۔ باگراتیاں کو علم تھا کہ ایک سے دوسرے پہلو کے مابین آٹھ میل کا فاصلہ ہے اور اگر پیغام رساں ہلاک نہ ہوا (جس کا قوی امکان تھا) اور کمانڈر انچیف کو ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گیا (جو کہ بیحد مشکل تھا) تو بھی اس کا شام سے پہلے واپس آنا مشکل ہے۔

باگراتیاں نے اپنی بڑی بڑی خوابیدہ آنکھیں عملے کی جانب کیں۔ اسے سب سے پہلے رستوف نظر آیا جس کا دل امید اور جوش کی کیفیت میں اچھل رہا تھا۔ باگراتیاں نے اسے بھیج دیا۔

رستوف نے اپنا ہاتھ ٹوپی کی جانب لے جاتے ہوئے پوچھا "جناب عالی! اگر کمانڈر انچیف سے پہلے مجھے شہنشاہ معظم مل گئے تو؟"

باگراتیاں سے پہلے دلگوروکوف بول اٹھا "تو پھر تم پیغام انہیں دے دینا"

نگرانی کی ڈیوٹی سے فراغت پانے کے بعد رستوف کو صبح ہونے سے پہلے چند گھنٹے سونے کا موقع ملا تھا۔ اب وہ ہشاش بشاش تھا۔ اس کے عزائم جوان تھے اور خوف اس سے کوسوں دور تھا۔ اس کی حرکات پھرتیلی تھیں اور اسے اپنی قسمت پر اعتماد تھا جیسے ہر کام آسان اور ممکن ہو۔

اس صبح اس کی تمام امیدیں پوری ہو گئی تھیں۔ اس دن جنگ ہو تا تھی جس میں وہ بھی شرکت کر رہا تھا، وہ بہادر ترین جرنیل کی معیت میں تھا اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اسے کوتوزوف یا شاید زار کو پیغام دینے کیلئے بھیجا جا رہا تھا۔ یہ خوشگوار صبح تھی۔ وہ عمدہ گھوڑے پر سوار تھا اور اس کا دل مسرت سے معمور تھا۔ احکامات ملنے کے بعد اس نے گھوڑے کو سرپٹ بھگانے لگا۔ پہلے وہ باگراتیاں کے دستوں میں سے گزرا جو ساکت کھڑے تھے، پھر وہ اس علاقے میں داخل ہو گیا جہاں یواروف کے گھڑ سوار دستے تعینات تھے اور یہاں کچھ گہما گہمی اور لڑائی کی تیاری کے آثار دکھائی دے رہے تھے۔ بعد ازاں وہ یواروف کی حدود سے آگے نکلا تو اسے بندوقوں اور توپوں کی فائرنگ سنائی دینے لگی جس کا شور بلند سے بلند تر ہوتا چلا جا رہا تھا۔

صبح کی تازہ ہوا میں اسے جو آوازیں سنائی دے رہی تھیں وہ پہلے کی طرح بے قاعدہ یا اکا دکا توپ و بندوق چلنے کی آوازیں نہ تھیں بلکہ اب پراٹزن کی بلندیوں سے فائرنگ کی آواز مسلسل بلند ہو رہی تھی جبکہ درمیان میں توپیں اسقدر مسلسل اور زور سے گولہ باری کرتیں کہ آوازوں میں تمیز کرنا ممکن نہیں رہتا تھا۔

وہ پہاڑی کے ساتھ دھوئیں کے مرغولوں کو ایک دوسرے کا تعاقب کرتا دیکھ سکتا تھا جبکہ توپوں کی گولہ باری کے نتیجے میں بلند ہونیوالے دھوئیں کے بادل فضا میں تیرتے ہوئے آپس میں گھل مل رہے تھے۔ دھوؤں میں دکھائی دینے والی سنگینوں کی چمک سے وہ پیادہ فوج کے متحرک ہجوموں اور گولہ بارود کے سبزی مائل ڈبوں سمیت توپخانے کی تنگ صفوں کو پہچان سکتا تھا۔

رستوف نے منظر کا جائزہ لینے کیلئے کچھ دیر کیلئے اپنا گھوڑا ایک ٹیلے پر روک لیا تاہم بھرپور توجہ اور کے باوجود اسے یہ سمجھ نہ آسکی کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔ کیسے لوگ دھوئیں میں ادھر ادھر بھاگ رہے تھے، سپاہیوں کی صفیں آگے پیچھے

ہو رہی تھیں اور یہ جاننا ممکن نہ تھا کہ وہ کون تھے، کہاں اور کیوں جا رہے تھے۔ اس منظر اور آوازوں نے اس کے دل میں شکوک اور مایوسی کی بجائے توانائی اور عزم صمیم پیدا کر دیا۔

اس نے جو آوازیں سنیں ان کے بارے میں اس کا ذہنی ردعمل کہہ رہا تھا "چلو، انہیں بھون ڈالو" وہ ایک مرتبہ پھر گھوڑے کو سرپٹ دوڑانے لگا اور جنگی علاقے میں دور تک چلتا گیا جہاں فوج پہلے ہی کارروائی میں مصروف تھی۔

رستوف نے سوچا "یہاں کیسے حالات ہوں گے؟ میں نہیں جانتا مگر شاید ٹھیک ہی ہوں"

رستوف نے چند آسٹروی دستوں میں سے گزرتے ہوئے دیکھا کہ گارڈز پر مشتمل صفوں کا اگلا حصہ پہلے ہی کارروائی شروع کر چکا ہے۔

اس نے سوچا "یہ اچھا ہوا! اب میں اسے قریب سے دیکھ سکوں گا"

وہ اگلی صفوں میں سے گزر رہا تھا۔ چند گھڑ سوار سرپٹ بھاگتے ہوئے اس کی جانب آئے۔ یہ ہماری اوہلن رجمنٹ کے سپاہی تھے جو حملے کے بعد بے ترتیبی کے عالم میں پسپا ہو رہے تھے۔ رستوف ان کے قریب پہنچا تو اسے ایک گھڑ سوار دکھائی دیا جس کا جسم خون سے بھرا ہوا تھا مگر اس کے باوجود وہ گھوڑا بھگائے جا رہا تھا۔

اس نے سوچا "یہ میرا مسئلہ نہیں"

وہ چند سو قدم مزید آگے گیا ہو گا کہ اسے اپنی بائیں جانب کھلا میدان گھڑ سواروں سے بھرا دکھائی دیا۔ وہ چمکدار سفید وردیوں میں ملبوس اور سیاہ گھوڑوں پر سوار تھے۔ وہ آہستہ چال چلتے اس کا راستہ کاٹ کر اسی کی جانب بڑھ رہے تھے۔ رستوف ان کی راہ سے ہٹنے کیلئے اپنا گھوڑا تیزی سے بھگانے لگا۔ اگر وہ اپنی رفتار برقرار رکھتے تو وہ ان سے بچ کر نکل جاتا مگر انہوں نے رفتار تیز کر دی اور چند ایک نے تو گھوڑوں کو سرپٹ دوڑا دیا۔ رستوف کو گھوڑوں کی ٹاپ اور ہتھیاروں کی کھنکھناہٹ اپنے قریب سنائی دینے لگی۔ اسے ان کے گھوڑے حتیٰ کہ شکلیں بھی واضح نظر آ رہی تھیں۔ یہ ہمارے ہارس گارڈز تھے جو فرانسیسی گھڑ سوار دستے پر حملہ کرنے جا رہے تھے جو انہی کی طرف بڑھ رہا تھا۔

گھڑ سوار گارڈز اپنے گھوڑے سرپٹ بھگا رہے تھے تاہم انہوں نے لگامیں ڈھیلی نہیں چھوڑی تھیں۔ رستوف اب ان کے چہرے دیکھ سکتا تھا، اس نے ایک افسر کو حکم دیتے سنا جو چلا کر کہہ رہا تھا "حملہ کر دو!" رستوف کو یہ خدشہ لاحق ہوا کہ کہیں وہ فرانسیسیوں پر حملے کے دوران کچلا ہی نہ جائے یا ان کے ساتھ آگے کو نہ نکل جائے، چنانچہ اس نے جس قدر ہو سکا گھوڑا دوڑا کر ان کی صفوں سے نکلنے کی کوشش کی تاہم پھر بھی باہر نہ نکل سکا۔

گھڑ سواروں کا آخری جوان بھاری جسامت کا مالک تھا اور اس کے چہرے پر چیچک کے داغ تھے۔ اس نے رستوف کو دیکھا تو اس کے ماتھے پر سلوٹیں پڑ گئیں اور آنکھوں میں خون اتر آیا کیونکہ دونوں کے آپس میں ٹکرانے کا قوی امکان تھا۔ اگر رستوف کے ذہن میں اچانک اس جوان کے گھوڑے کے سامنے لہرانے کا خیال نہ آتا تو وہ یقیناً اسے اور اس کے بدوی گھوڑے (رستوف ان عظیم الجثہ اشخاص اور ان کے گھوڑوں [illegible] خود کو کمتر محسوس کر رہا تھا) کو نیچے گرا دیتا۔ بھاری بھرکم سیاہ رنگ والے گھوڑے نے کان پیچھے کی جانب لہرائے اور بدک گیا تاہم چیچک زدہ چہرے والے سوار نے بڑی مہمیزوں سے اسے ٹھوکے دیے اور گھوڑا اپنی دم لہراتا، گردن آگے بڑھاتا مزید تیزی سے بھاگنے لگا۔ گارڈز کے یہ سوار بمشکل اس کے برابر سے نکلے ہوں گے کہ اس نے انہیں "ہرا" کی آوازیں بلند کرتے سنا۔ رستوف نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو اسے اگلی صفیں کسی غیر ملکی گھڑ سوار فوج کے دستوں سے نبرد آزما دکھائی دیں جن کے کندھوں پر سرخ نشانات آویزاں تھے اور یقیناً یہ فرانسیسی ہی ہو سکتے تھے۔ وہ مزید کچھ نہ دیکھ سکا کیونکہ اچانک کہیں سے توپوں نے گولہ

باری شروع کر دی اور تمام فضا دھوئیں سے بھر گئی۔

جب ہارس گارڈ اس سے آگے نکل کر دھوئیں میں اوجھل ہو گئے تو رستوف کیلئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا کہ وہ ان کے پیچھے جائے یا وہاں، جہاں اسے بھیجا گیا تھا۔ گارڈز کا یہ حملہ اتنا زبردست تھا کہ فرانسیسی بھی حیران رہ گئے۔ بعد میں رستوف کو یہ سن کر بیحد صدمہ ہوا کہ قوی الجثہ، خوبصورت اور شاندار نوجوان افسروں اور کیڈٹوں، جو ہزاروں روبل کے گھوڑوں پر سرپٹ بھاگتے اس کے قریب سے گزرے تھے، میں سے اکثر افراد اس حملے میں مارے گئے اور صرف اٹھارہ زندہ بچ پائے۔

رستوف نے سوچا "مجھے ان سے حسد کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ مجھے بھی موقع مل جائے گا، ہو سکتا ہے اگلے چند لمحوں میں میری زار سے بھی ملاقات ہو جائے" یہ سوچ کر وہ گھوڑے کو سرپٹ بھگانے لگا۔

جب وہ پیادہ گارڈز کے قریب پہنچا تو اسے محسوس ہوا کہ توپوں کے گولے ان کے سروں اور دائیں بائیں سے ہو کر گزر رہے ہیں۔ اسے یہ احساس گولوں کی سنسناہٹ کی بجائے جوانوں کے چہروں پر بے چینی اور افسروں کی غیر فطری فوجی متانت دیکھ کر ہوا۔

جب وہ پیادہ گارڈز کی رجمنٹ کی ایک صف کے پیچھے سے گزرا تو اسے ایک آواز سنائی دی، کوئی اس کا نام لے کر پکار رہا تھا "رستوف!"

اس نے جواباً پوچھا "کیا ہے؟" وہ بورس کو نہ پہچان سکا۔

بورس اس سے کہنے لگا "میں نے کہا، ہم اگلی صفوں میں پہنچ چکے ہیں! ہماری رجمنٹ حملہ کر چکی ہے!" اس کا چہرہ اس نوجوان کی طرح خوشی سے دمک رہا تھا جس نے پہلی مرتبہ فائرنگ کا سامنا کیا ہو۔ اس کی بات سن کر رستوف رک گیا اور پوچھا "واقعی، تو پھر کیا بنا؟"

بورس نے جواب دیا "ہم نے انہیں پیچھے دھکیل دیا!" جوش خروش کے باعث وہ باتونی ہو رہا تھا۔ وہ کہنے لگا "کیا تم اندازہ کر سکتے ہو۔۔۔" اور پھر اس نے بتانا شروع کر دیا کہ کیسے گارڈز نے پوزیشنیں سنبھالیں تو انہیں اپنے سامنے فوجی دستے دکھائی دیے۔ گارڈز نے انہیں آسٹروی سمجھا مگر جب انہوں نے ان پر توپوں سے گولہ باری شروع کر دی تو انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ اس نتیجے پر پہنچ گئے کہ اب وہ میدان جنگ میں داخل ہو چکے ہیں اور یوں انہیں غیر متوقع لڑائی کا سامنا کرنا پڑا۔ رستوف بورس کی بات مکمل ہونے کا انتظار کیے بغیر وہاں سے چل دیا۔

بورس نے پوچھا "تم کہاں جا رہے ہو؟"

رستوف بولا "ہز میجسٹی کے پاس پیغام لے کر جا رہا ہوں"

بورس کہنے لگا "وہ تو ادھر ہیں" وہ یہ سمجھا تھا جیسے رستوف گرینڈ ڈیوک کے پاس جا رہا ہے۔ یہ کہتے ہوئے اس نے سو قدم دور ہیلمٹ پہنے کھڑے ڈیوک کی رف اشارہ کیا جو کندھے اچکائے غصے کے عالم میں سفید وردی میں ملبوس ایک آسٹروی افسر سے چلا چلا کر کچھ کہہ رہا تھا جس کا چہرہ پیلا پڑ چکا تھا۔

رستوف نے کہا "نہیں، وہ تو گرینڈ ڈیوک ہیں۔ مجھے کمانڈر انچیف یا شہنشاہ سے ملنا ہے" یہ کہہ کر وہ دوبارہ آگے بڑھ گیا۔

ایک اور سمت سے برگ بھاگتا ہوا آیا، اس کا جوش و خروش بھی بورس جیسا تھا اور وہ چلا چلا کر رستوف سے کہہ رہا تھا "نواب، نواب، میرا دایاں ہاتھ زخمی ہو گیا (اس نے رومال میں لپٹے خون آلود ہاتھ کی جانب اشارہ کیا) مگر میں محاذ

پر ہی موجود رہا۔ نواب مجھے اپنی تلوار بائیں ہاتھ میں پکڑنا پڑی۔ نواب میرے گھرانے وان برگ کے تمام افراد نائٹ چلے آ رہے ہیں" برگ مزید کچھ کہتا مگر رستوف سنی ان سنی کرتے ہوئے آگے چل دیا۔

گارڈز کے قریب اور پھر ایک خالی جگہ سے گزرنے کے بعد رستوف اس جانب چل دیا جہاں محفوظ دستے تعینات تھے۔ وہ محاذ جنگ سے دور رہنا چاہتا تھا اور ہارس گارڈز کے حملے میں اگلی صفوں میں پہنچ کر پہلے ہی غلطی کر چکا تھا، چنانچہ اب اسے جہاں توپوں اور بندوقوں کی فائرنگ سنائی دی وہاں سے چکر کاٹ کر آگے بڑھنے لگا۔ اچانک اس نے بالکل قریب سامنے اپنی فوج کے پیچھے فائرنگ کی آوازیں سنی جہاں اسے دشمن کی موجودگی کی توقع ہی نہ تھی۔

رستوف نے سوچا "یہ کیا ہو سکتا ہے؟ دشمن ہمارے دستوں کے عقب میں پہنچ گیا؟ یہ نہیں ہو سکتا" پھر اچانک اسے اپنے اور اس جنگ کے بارے میں خدشات لاحق ہو گئے۔ اس نے سوچا "کچھ بھی ہو اب بچنے کی کوشش فضول ہے، میرا فرض ہے کہ یہیں کہیں کمانڈر انچیف کو تلاش کروں اور اگر شکست ہو گئی تو دیگر لوگوں کی طرح میں بھی اپنی جان قربان کر دوں"

وہ جوں جوں پراٹزن گاؤں کے عقبی علاقے میں آگے بڑھتا گیا اس کے دل میں بدشگونی کا احساس بھی قوی تر ہوتا چلا گیا۔ یہ علاقہ مختلف اقسام کے فوجیوں کے ہجوموں سے اٹا پڑا تھا۔

رستوف راستے میں منتشر ہجوموں کی صورت میں بھاگتے پریشان حال روسی اور آسٹروی سپاہیوں سے مسلسل پوچھتا رہا "اس کا کیا مطلب ہے؟ یہ کیا ہے؟ وہ کس پر فائرنگ کر رہے ہیں؟ فائرنگ کون کر رہا ہے؟"

اسے بے ترتیبی سے بھاگنے والوں کی زبانی روسی، جرمن اور چیک زبانوں میں جوابات ملے "خدا جانے! سب ہلاک ہو گئے! بیڑا غرق!" رستوف کی طرح انہیں بھی علم نہ تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔

ایک نے چلا کر کہا "جرمنوں کو ہلاک کر دو!"

کوئی کہنے لگا "غداروں کو جہنم واصل کر دو"

سڑک پر ہجوم میں زخمیوں کی بھی بھاری تعداد شامل تھی۔ عمومی شور و غل میں چیخنے چلانے، کراہنے اور گالم گلوچ کی آواز گھل مل گئی تھی۔ فائرنگ کی شدت میں کمی آنے لگی اور بعد میں رستوف کو معلوم ہوا کہ روسی اور آسٹروی آپس میں فائرنگ کر رہے تھے۔

رستوف نے سوچا "خداوند! یہ کیا؟ کسی بھی وقت زار یہاں آ سکتے ہیں اور سب کچھ دیکھ سکتے ہیں۔۔۔ نہیں، یہ چند بدمعاشوں کا کیا دھرا ہے۔ یہ جلد ختم ہو جائیگا، یہ اصل شے نہیں، یہ نہیں ہو سکتا۔ مجھے بس جلد از جلد آگے نکلنا چاہیے"

شکست اور بھاگنے کا تصور رستوف کیلئے بیحد تکلیف دہ تھا۔ اگرچہ اس پراٹزن پہاڑی پر روسی توپیں اور دستے دکھائی دے رہے تھے اور یہی وہ جگہ تھی جہاں اسے کمانڈر انچیف کو ڈھونڈنے کا حکم ملا تھا مگر اسے یقین نہیں آ سکتا تھا کہ وہ وہاں موجود ہوں گے۔

(18)

رستوف کو پراٹزن گاؤں کے قریب کوتوزوف اور شہنشاہ کو ڈھونڈنے کا حکم ملا تھا۔ مگر وہ یہاں نہیں تھے بلکہ کوئی ایک کمانڈر بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس کی بجائے مختلف اقسام کے سپاہیوں کے بے ترتیب ہجوم ادھر ادھر بکھرے ہے

تھے۔ وہ ہجوم سے آگے نکلنے کیلئے اپنے تھکے ہارے گھوڑے کو مزید تیزی سے بھگانے لگا، مگر جوں جوں وہ آگے بڑھتا گیا اسے مزید بے ترتیب ہجوم دکھائی دینے لگے۔ وہ جس سڑک پر آیا تھا اس پر تمام اقسام کی رجمنٹوں کے زخمی اور غیر زخمی روسی اور آسٹروی فوجیوں سے بھری ہمہ اقسام کی گاڑیوں کا رش تھا۔ پراٹزن پہاڑی پر نصب فرانسیسی توپوں کے گولے منحوس سنسناہٹ کے ساتھ جھنجھناتے ہجوم کے سروں سے گزر رہے تھے۔

رستوف جس شخص کو بھی روکنے میں کامیاب ہوتا اس سے پوچھنے لگتا "شہنشاہ کہاں ہیں؟ کوتوزوف کہاں ہیں" مگر کوئی بھی اسے جواب نہ دے سکا۔

آخر کار اس نے ایک سپاہی کو گریبان سے پکڑ لیا اور اس سے یہی سوال کیا۔

سپاہی نے کسی وجہ سے ہنستے ہوئے اپنا گریبان چھڑایا اور کہنے لگا "ارے بھائی! وہ تو کبھی کے بھاگ نکلے"

رستوف نے سوچا "ہو نہ ہو اس نے پی رکھی ہے" اور اسے چھوڑ کر کسی اہم شخص کے اردلی یا سائیس کا گھوڑا روکا اور اس سے سوال جواب شروع کر دیے۔ اردلی نے رستوف کو بتایا کہ زار شدید زخمی ہو گیا تھا اور ایک گھنٹہ پہلے ایک تیز رفتار گاڑی پر بیٹھ کر اسی سڑک پر کہیں جا چکا ہے۔

رستوف نے کہا "یہ نہیں ہو سکتا، یقیناً وہ کوئی اور ہوگا"

اردلی نے اطمینان بھری مسکراہٹ سے جواب دیا "میں نے انہیں خود دیکھا۔ میں شہنشاہ کو اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ میں نے انہیں پیٹرز برگ میں اتنی مرتبہ دیکھا ہے کہ ان کی شکل کبھی نہیں بھول سکتا۔ وہ گاڑی میں بیٹھے تھے اور ان کا چہرہ بیحد زرد ہو چکا تھا۔ وہ چار سیاہ گھوڑے تقریباً اڑے چلے جا رہے تھے۔ میں زار کے گھوڑوں کو بھی پہچانتا ہوں اور الیا ایوانوچ کو بھی، الیا زار کے علاوہ کبھی کسی کو نہیں لے جائے گا۔

رستوف نے گھوڑا چھوڑا اور آگے بڑھ گیا۔ اس کے قریب سے گزرنے والا ایک زخمی افسر اسے کہنے لگا "تم کسے ملنا چاہتے ہو؟ کمانڈر انچیف کو؟ وہ تو توپ کا گولہ لگنے سے ہلاک ہو چکے ہیں۔ وہ ہماری رجمنٹ میں تھے کہ توپ کا ایک گولہ ان کے سینے پر لگا"

ایک اور افسر نے اس کی تصحیح کرتے ہوئے کہا "ہلاک نہیں، زخمی ہوئے تھے"

رستوف نے پوچھا "کون؟ کوتوزوف؟"

افسر کہنے لگا "کوتوزوف نہیں، مگر اس کا کیا نام تھا۔ خیر، سبھی ایک جیسے ہیں، کم لوگ ہی زندہ بچے ہیں" پھر وہ افسر گوسٹراڈیک گاؤں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا "ادھر گاؤں میں چلے جاؤ، تمام کمانڈنگ افسر وہیں ہیں" یہ کہہ کر وہ آگے چل دیے۔

رستوف آہستگی سے آگے چل دیا۔ اسے یہ علم نہ تھا کہ وہ کس کے پاس اور کیوں جا رہا ہے۔ زار زخمی ہو چکا تھا اور جنگ ہاری جا چکی تھی۔ اس بات پر یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ رستوف اس سمت کو چلنے لگا جہاں اسے اشارہ کیا گیا تھا، کچھ فاصلے پر اسے گرجا گھر اور مینار دکھائی دیے۔ اب عجلت کی کیا ضرورت تھی؟ اگر زار اور کوتوزوف زندہ ہوئے اور زخمی نہ بھی ہوئے تو انہیں بتانے کیلئے کیا رہ گیا تھا؟

ایک سپاہی چلا کر اسے کہنے لگا "جناب! اس سڑک پر جائیں، ادھر تو آپ فوراً مارے جائیں گے! وہاں مارے جائیں گے"

ایک اور بولا "ارے! کیا بیوقوفی ہے! اسے کہاں جانا ہے؟ وہ راستہ نزدیک ہے" رستوف نے کچھ سوچا اور

پھر اس راستے پر چل دیا جس کے بارے میں کہا گیا تھا کہ وہاں وہ فوراً ہلاک ہو سکتا ہے۔

اس نے سوچا "اب کوئی فرق نہیں پڑتا، اگر شہنشاہ زخمی ہو گئے ہیں تو کیا میں اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کر سکتا ہوں؟" وہ اس مقام کی طرف چل دیا جہاں پراٹزن سے فرار کے دوران سب سے زیادہ ہلاکتیں ہوئی تھیں۔ اگرچہ بچ رہنے والے اور معمولی زخمی روسی کافی دیر پہلے یہ علاقہ خالی کر چکے تھے مگر فرانسیسیوں نے ابھی تک اس پر قبضہ نہیں کیا تھا۔ یہ جگہ ہلاک شدگان اور زخمیوں سے اس طرح اٹی ہوئی تھی جیسے اچھی طرح ہل چلنے کے بعد کسی کھیت میں کھاد کے ڈھیر پڑے ہوتے ہیں۔ ہر تین ایکڑ رقبے پر بارہ سے پندرہ لاشیں موجود تھیں۔ زخمی دو دو اور تین تین کی ٹولیوں میں رینگ رہے تھے اور ان کی چیخیں و کراہیں بیحد دردناک تھیں جو بعض اوقات رستوف کو مصنوعی معلوم ہونے لگتیں۔ رستوف نے مصائب میں مبتلا ان افراد سے نظریں بچانے کیلئے گھوڑے کی رفتار تیز کر دی۔ وہ خوفزدہ ہو گیا تھا۔ اسے جان جانے کا خوف نہیں تھا بلکہ وہ حوصلہ ہارنے سے خوفزدہ تھا جس کی اسے شدید ضرورت تھی، وہ جانتا تھا کہ اس میں ان بدقسمت لوگوں کو دیکھنے کی سکت نہیں۔ فرانسیسیوں نے لاشوں اور زخمیوں سے بھرے اس میدان میں زندگی کے آثار نہ دیکھ کر فائرنگ بند کر دی مگر جب انہوں نے ایک ایجوٹنٹ کو اس میں سے گزرتے دیکھا تو اس کی جانب کئی گولے داغ دیے۔ گولوں کی سنسناتی آوازوں اور لاشوں کے خوف نے مل جل کر اس کے دل میں ڈر اور اپنے لیے رحم کا جذبہ پیدا کر دیا۔ اسے اپنی ماں کا آخری خط یاد آیا۔ اس نے سوچا "اگر وہ مجھے اس میدان میں توپوں کی زد میں دیکھ لے تو کیا محسوس کرے گی؟"

گوسٹراڈیک گاؤں میں موجود روسی بھی پریشان تھے مگر میدان جنگ سے پسپائی کے دوران ان کی صفیں درست رہیں۔ یہاں وہ فرانسیسی توپوں کی زد سے باہر تھے اور فائرنگ کی آوازیں کہیں دور سے آتی محسوس ہوتی تھیں۔ یہاں ہر شخص کے ذہن میں یہ بات واضح تھی کہ جنگ میں شکست ہو چکی ہے اور وہ سر عام یہ بات کہتا پھرتا تھا۔ کوئی شخص رستوف کو یہ نہ بتا سکا کہ زار کہاں ہے اور کوتوزوف کہاں مل سکتا ہے۔ بعض نے زار کے زخمی ہونے کی افواہوں کی تصدیق کی جبکہ بعض نے اسے غلط قرار دیا، انہوں نے اس غلط افواہ کی وضاحت یوں کی کہ ہوف مارشل ٹالسٹائی جو زار کے ساتھ میدان جنگ میں آیا تھا، زار کی گاڑی میں زرد اور خوفزدہ چہرہ لیے بھاگتا دیکھا گیا ہے۔ ایک افسر نے رستوف کو بتایا کہ اس نے بائیں جانب گاؤں کے پیچھے ہیڈ کوارٹر کے کسی اہلکار کو دیکھا تھا اور رستوف کسی کو ڈھونڈنے کی امید ترک کے وہاں روانہ ہو گیا، وہ صرف اپنے ضمیر کو مطمئن کرنا چاہتا تھا۔ دو میل چلنے اور آخری روسی سپاہی سے آگے نکلنے کے بعد اسے دو گھڑ سوار دکھائی دیے جو کسی گھر کے باغ کے قریب بنی کھائی کے سامنے کھڑے تھے۔ ان میں سے ایک نے ٹوپی پر سفید کلغی لگا رکھی تھی، رستوف کو اس کی شکل جانی پہچانی معلوم ہوئی۔ دوسرا کوئی اجنبی تھا جو شاندار گھوڑے پر سوار تھا (رستوف کو یوں محسوس ہوا جیسے اس نے یہ گھوڑا پہلے بھی کہیں دیکھا ہے) اس شخص نے کھائی کے قریب پہنچ کر گھوڑے کو مہمیز دی اور ہلکی سی چھلانگ لگانے کے بعد کھائی عبور کر کے باغ میں داخل ہو گیا۔ گھوڑے کے پچھلے پاؤں کھائی کے کنارے سے ٹکرائے اور مٹی کا ٹکڑا ٹوٹ کر نیچے گر گیا۔ وہ تیزی سے واپس مڑا اور کھائی کے اوپر سے دوبارہ چھلانگ لگا کر کلغی والے شخص سے مودبانہ انداز میں کچھ کہنے لگا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ اسے کھائی پار کرنے کا طریقہ سمجھا رہا ہو۔ جانے پہچانے سوار نے، جس پر رستوف نے تمام تر توجہ مرکوز کر رکھی تھی، اپنا سر نفی میں ہلایا اور ہاتھ سے اشارہ کیا، اس اشارے سے رستوف جان گیا کہ یہ تو وہ ہے جس کے بارے میں وہ رنجیدہ رہتا ہے اور جس کی پرستش کرتا رہا ہے۔

رستوف نے سوچا "مگر یہ وہ نہیں ہو سکتے، ویران میدان میں تنہا" اسی دوران الیگزنڈر نے گردن گھمائی

تورستوف کو وہ محبوب خدوخال نظر آئے جو اس کی یادوں میں رچ بس گئے تھے۔ زار کا چہرہ زرد تھا جبکہ گال اندر دھنس گئے تھے۔ اس کی آنکھیں خالی خالی دکھائی دے رہی تھیں مگر چہرے کی دلکشی اور ملائمت مزید نمایاں ہو گئی تھی۔ رستوف کو یہ سوچ کر خوشی ہوئی کہ شہنشاہ کے زخمی ہونے کی خبر جھوٹی تھی۔ وہ اسے دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔ اسے علم تھا کہ وہ اس کے قریب جا سکتا ہے بلکہ اسے سیدھا اسی کے پاس جانا چاہیے اور دلگوروف کا پیغام دینا چاہیے۔

مگر اب جبکہ اسے وہ شے نظر آ گئی تھی جس کے حصول کی وہ دنیا میں ہر چیز سے زیادہ خواہش کرتا تھا تو اسے یہ سمجھ نہ آئی کہ وہ شہنشاہ کے قریب کیسے جائے۔ اس کی حالت بعینہ اسی نوجوان جیسی تھی جو اپنی محبوبہ کو راتوں میں یاد کرتا ہے اور جب وصال کا لمحہ قریب آتا ہے تو اس کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں اور وہ کسی مدد، تاخیر یا وہاں سے بھاگ جانے کے بارے میں سوچنے لگتا ہے۔ اب اس کے ذہن میں ایسی ہزاروں وجوہات پیدا ہونے لگیں کہ ایسا کرنا بے موقع، نامناسب اور ناممکن ہوگا۔

وہ سوچنے لگا" کیا کیا جائے! میں ان کی تنہائی اور مایوسی کا فائدہ اٹھا کر ان سے ملاقات کر لوں۔ شاید اس اداس لمحے انہیں کسی اجنبی چہرے کو دیکھنا تکلیف دہ اور ناگوار محسوس ہو۔ اس کے علاوہ ان کو دیکھنے کے بعد جبکہ میرے دل کی دھڑکن رک گئی ہے اور منہ خشک ہو چکا ہے، میں انہیں کہہ بھی کیا سکتا ہوں" اس نے تصورات میں زار کے سامنے کی جانیوالی تقریریں یاد کرنا چاہیں مگر اسے سب کچھ بھول گیا۔ ان میں سے اکثر تقاریر مختلف حالات کیلئے تیار کی گئی تھیں جو فتح و نصرت کے مواقع پر کی جانا تھیں جب وہ زخمی ہو کر بستر مرگ پر پڑا ہوتا اور شہنشاہ بہادرانہ کارناموں پر اس کا شکریہ ادا کر رہا ہوتا نیز جس محبت کا عملی اظہار وہ کر چکا ہوتا اسے حالت نزع میں الفاظ کی صورت میں ادا کر رہا ہوتا۔ اس نے سوچا "اب جبکہ سہ پہر کے چار بج چکے ہیں، اور جنگ میں شکست ہو چکی ہے تو میں شہنشاہ سے فوج کے دائیں پہلو کے بارے میں ہدایات کیسے لے سکتا ہوں؟ یقیناً مجھے ان کے قریب نہیں جانا چاہیے اور ان کی سوچوں میں مخل نہیں ہونا چاہیے۔ ان کی غصیلی نظروں یا ناپسندیدگی کا سامنا کرنے کی نسبت ہزار مرتبہ مرنا زیادہ بہتر ہوگا" یہ فیصلہ کرنے کے بعد رستوف مایوسی کے عالم میں غمزدہ دل لیے وہاں سے چل دیا وہ مسلسل پیچھے مڑ کر زار کو دیکھتا جاتا تھا جو شش و پنج کے عالم میں وہیں کھڑا تھا۔

جب رستوف کے دل میں ایسے خیالات آ رہے تھے اور وہ غمزدہ حالت میں وہاں سے زار سے پرے جا رہا تھا تو کپتان وان ٹول گھوڑے پر سوار وہاں آیا، زار کو دیکھتے ہی وہ اس کے پاس گیا اور اسے اپنی خدمات پیش کرتے ہوئے پیدل کھائی پار کرنے میں مدد دی۔ زار کی طبیعت خراب تھی اور وہ آرام کی غرض سے سیب کے ایک درخت تلے بیٹھ گیا جبکہ وان ٹول اس کے قریب کھڑا رہا۔ رستوف نے کچھ فاصلے سے انہیں دیکھا اور اسے وان ٹول کو زار کے ساتھ گرمجوشی سے گفتگو کرتے دیکھ کر رشک

اور ندامت کا احساس ہوا۔ زار نے اپنا چہرہ ہاتھ کی مدد سے چھپا رکھا تھا اور وان ٹول کا ہاتھ دبانے میں مصروف تھا۔ بظاہر یوں لگتا تھا جیسے وہ رو رہا ہو۔

رستوف نے سوچا"اس کی جگہ میں بھی ہو سکتا تھا" زار کو دیکھ کر اسے اتنا ترس آیا کہ وہ بمشکل اپنے آنسو ضبط کر سکا۔ وہ شدید مایوسی کے عالم میں چل دیا اور کچھ نہیں جانتا تھا کہ اس کی منزل کہاں ہے۔

یہ سوچ کر اس کی مایوسی میں مزید اضافہ ہو گیا کہ اس کے غم و اندوہ کا باعث اس کی اپنی کم حوصلگی تھی۔

وہ چاہتا تو شہنشاہ کے پاس جا سکتا تھا بلکہ اسے جانا ہی چاہیے تھا۔ یہ شہنشاہ کے ساتھ اپنی جانثاری کے

مظاہرے کا بہترین موقع تھا۔ اور وہ اس سے فائدہ نہ اٹھا سکا۔۔۔ اس نے سوچا" یہ میں نے کیا کیا؟" اس نے گھوڑے کا رخ موڑا اور اسے سرپٹ بھگاتا اس جگہ پہنچا جہاں اس نے شہنشاہ کو دیکھا تھا مگر کھائی کی دوسری جانب کوئی نہ تھا۔ وہاں صرف سامان بردار گاڑیاں اور چھکڑے گزر رہے تھے۔ رستوف نے ایک کوچوان کی زبانی سنا کہ کوتوزوف کا عملہ قریبی گاؤں میں موجود ہے اور سامان بردار گاڑیاں وہیں جا رہی ہیں۔ رستوف ان کے پیچھے پیچھے چل دیا۔

اس کے آگے کوتوزوف کا سائیس چند گھوڑے لیے جا رہا تھا جن کے جسم پر کپڑے تھے۔ سائیس کے پیچھے ایک سامان بردار گاڑی چلی آ رہی تھی اور اس کے پیچھے پیچھے ایک بوڑھا ملازم تھا جس کی ٹانگیں ٹیڑھی جبکہ سر پر ٹوپی تھی۔

سائیس بولا"ٹٹ، ارے ٹٹ!"

بوڑھے نے بے دھیانی سے کہا" کیا"

سائیس نے اسے مذاق میں کچھ کہا۔

بوڑھے نے غصے سے تھوکا اور بولا" بیوقوف، الو!" کچھ دیر خاموشی رہی اور پھر یہ مذاق دوبارہ دہرایا گیا۔

شام پانچ بجے تک ہر مقام پر جنگ ہاری جا چکی تھی۔ سو سے زائد توپیں فرانسیسیوں کے قبضے میں چلی گئیں۔ پرزے بشوسکی اور اس کی کور نے ہتھیار ڈال دیے۔ دیگر کالم نصف اسلاف کے ساتھ پریشانی اور بے ترتیبی کے عالم میں پسپا ہو گئے۔ لینگرون اور دوختوروف کی فوجیں ناامیدی اور پریشانی کی حالت میں آگسٹ گاؤں کے قریب جوہڑوں اور بندوں کے کنارے ہجوم کیے ہوئے تھیں۔

شام چھ بجے فرانسیسیوں کی جانب سے فائرنگ کی جو واحد آوازیں سنائی دے رہی تھیں وہ ہمارے پسپا ہونیوالے فوجیوں پر پرازن کی اترائی سے توپوں کی گولہ باری کی تھیں۔

عقب میں دوختوروف اور دیگر نے اپنی بٹالینیں اکٹھی کر لی تھیں اور وہ اپنے پیچھے آنیوالے فرانسیسی گھڑسواروں پر فائرنگ کر رہے تھے۔ اس وقت اندھیرا پھیل رہا تھا۔ آگسٹ کے تنگ بند کے قریب پن چکی کے مالک کی برسوں سے عادت تھی کہ وہ ٹوپی پہن کر بند پر بیٹھ جاتا اور اطمینان سے مچھلیاں پکڑتا رہتا۔ اس دوران اس کا پوتا آستینیں چڑھائے پانی سے بھرے برتن میں ہاتھ ڈال کر اچھلتی کودتی مچھلیوں سے کھیلتا رہتا۔ نیلے کوٹ اور پشمینی ٹوپیاں پہنے موراویا کے لوگ برسوں سے اپنی گندم سے بھری گاڑیاں، جن میں دو دو گھوڑے جتے ہوتے تھے، لے کر اسی ڈیم پر آتے اور اسی راستے سے واپس جاتے جبکہ ان کی گاڑیاں آٹا کی وجہ سے سفید نظر آتی تھیں۔ اب بھی وہی ڈیم تھا مگر اب یہاں توپوں کے چھکڑوں، گھوڑوں کے قدموں اور گاڑیوں کے درمیان فوجی جوان گٹھڑیاں بنے بیٹھے تھے۔ موت کے خوف سے ان کے چہرے بگڑ چکے تھے اور وہ افراتفری میں ایک دوسرے کو پاؤں تلے کچل رہے تھے، ہلاک ہو رہے تھے، مرنیوالوں کے اوپر سے چھلانگیں لگا رہے تھے اور چند قدم آگے بڑھ کر خود بھی انہی کی طرح ہلاک ہو جاتے تھے۔

ہر دس سیکنڈ کے بعد توپ کا گولہ ہوا میں لہراتا ہوا آتا اور اس ہجوم کے درمیان گر جاتا، یا کوئی گرنیڈ پھٹتا اور کچھ لوگ مارے جاتے جن کے خون کے چھینٹے قریبی لوگوں پر جا پڑتے۔ دولوخوف جس کا بایاں ہاتھ زخمی تھا، اپنی کمپنی (وہ پہلے ہی افسر بنایا جا چکا تھا) کے چند درجن سپاہیوں کے ساتھ پیدل چل رہا تھا جبکہ اس کا جرنیل گھوڑے پر سوار تھا۔ پوری رجمنٹ میں سے یہی لوگ زندہ بچے تھے۔ ڈیم کے قریب پہنچ کر وہ کھڑے ہو گئے۔ ان کی چاروں جانب ہجوم تھا کیونکہ ایک گھوڑا توپ سمیت نیچے گر گیا تھا اور لوگ اسے گھسیٹ رہے تھے۔ توپ کا گولہ آیا اور ان کے آگے پیچھے ایک ایک شخص ہلاک ہو گیا جس کے خون نے دولوخوف کو نہلا دیا۔ ہجوم زور لگا کر چند قدم آگے بڑھتا اور پھر رک جاتا۔ ہر شخص یہی سوچ

رہا تھا کہ "چند سو قدم مزید آگے جا کر محفوظ ہو جاؤں گا جبکہ یہاں دو منٹ بھی ٹھہرا رہا تو موت یقینی ہے"

ہجوم کے وسط میں کھڑے دولوخوف نے بزور طاقت جگہ بنائی اور دو سپاہیوں کو گرا کر بند کے کنارے پر پہنچ گیا جہاں پانی کی سطح برف میں چھپ چکی تھی اور پھسلن ہو رہی تھی۔

وہ توپ کی جانب چلا کر کہنے لگا "ادھر آؤ! ادھر آ جاؤ، یہاں پاؤں جم رہے ہیں" برف اس کے بوجھ تلے چرچرا رہی تھی۔

برف نے اس کا بوجھ تو برداشت کر لیا تھا مگر وہ چرچرا رہی تھی اور یہ عیاں تھا کہ وہ توپ اور مزید لوگوں کا بوجھ برداشت کرنے کی بجائے الٹا اسے بمشکل سنبھال رہی ہے۔ اسے دیکھ کر دیگر لوگوں نے بھی برف پر جانے کیلئے دھکم پیل شروع کر دی۔ گھوڑے کی پشت پر سوار اس کا جرنیل بند کے کنارے پر کھڑا تھا، اس نے دولوخوف سے کچھ کہنے کیلئے منہ کھولا۔ اچانک توپ کا ایک گولا لہراتا ہوا ہجوم کے سروں سے گزرا جس سے بچنے کیلئے ہر شخص نیچے ہو گیا۔ ہلکی سی آواز سنائی دی اور جرنیل اپنے گھوڑے سے نیچے گر کر اپنے ہی خون میں نہا گیا۔ کسی نے اس کی جانب نظر اٹھا کر دیکھا نہ اسے اٹھانے کی کوشش کی۔

جرنیل کے گولے کا نشانہ بننے کے بعد چاروں جانب سے مختلف آوازیں آنے لگیں "برف پر! برف پر آ جاؤ! آ جاؤ! تم نے سنا نہیں! ادھر آ جاؤ" کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ چلا چلا کر کیوں اور کیا کہہ رہے ہیں"

پیچھے سے ایک گاڑی جو ابھی بند تک پہنچی تھی، اسے برف کی جانب موڑ دیا گیا۔ سپاہیوں کے ہجوم بند سے بھاگ کر برف پر آنا شروع ہو گئے۔ ایک سپاہی کے پاؤں تلے برف چٹخ گئی اور اس کی ایک ٹانگ پھسل کر پانی میں چلی گئی۔ اس نے سیدھا ہونے کی کوشش کی تو کمر تک پانی میں چلا گیا۔ اس کے قریب کھڑے سپاہیوں نے واپس مڑنا چاہا، توپ گاڑی کے کوچوان نے گھوڑے روک لیے مگر پیچھے سے ابھی تک آوازیں سنائی دے رہی تھیں "برف پر جاؤ، رک کیوں گئے؟ آگے بڑھو، آگے!" ہجوم میں دہشت زدہ آوازیں سنائی دینے لگیں۔ توپ کے قریب موجود سپاہی بازو لہرانے اور گھوڑوں کو مکے مار مار کر واپس مڑنے پر مجبور کرنے لگے۔ گھوڑے بند کے کناروں سے ہٹنے لگے۔ سپاہیوں کے قدموں تلے برف کا ایک بڑا ٹکڑا ٹوٹ گیا جس پر کم و بیش چالیس افراد موجود تھے۔ کچھ لوگ آگے گرے اور کچھ پیچھے، وہ ایک دوسرے کو ڈبوتے جا رہے تھے۔

توپوں کے گولے ابھی تک باقاعدگی سے سنسناتے ہوئے برف، پانی اور زیادہ تر اس ہجوم پر گر رہے تھے جس نے بند، تالاب اور کنارے پر بھیڑ لگا رکھی تھی۔

(19)

شہزادہ آندرے بلکونسکی پراٹزن پہاڑی کے اس مقام پر پڑا تھا جہاں وہ جھنڈا ہاتھ میں لیے گرا تھا۔ اس کا خون بھاری مقدار میں بہہ رہا تھا اور اس کے منہ سے غیر شعوری طور پر مدھم، دردناک اور بچگانہ کراہیں نکل رہی تھیں۔ شام ہوئی تو اس کی کراہیں بند ہو گئیں اور وہ مکمل طور پر بے حس و حرکت ہو گیا۔ اسے بالکل علم نہ تھا کہ وہ کتنی دیر بیہوش رہا اور پھر اچانک یوں محسوس ہونے لگا کہ وہ زندہ ہے اور اس کے سر میں شدید ترین درد ہو رہا ہے۔

اس کے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ "وہ بلند آسمان کہاں ہے جسے میں نے آج سے پہلے نہیں دیکھا تھا؟ میں نے ایسی اذیت پہلے نہیں دیکھی، ہاں، میں کچھ نہیں جانتا، ابھی تک کچھ نہیں جانتا۔ مگر میں کہاں ہوں؟"

وہ بغور سننے لگا اور اسے گھوڑوں کے سموں اور فرانسیسی میں گفتگو کی آواز سنائی دی۔ اس نے اپنی آنکھیں کھولیں۔ اس کے سامنے ایک مرتبہ پھر بلند آسمان تھا جس پر بادل تیر رہے تھے جن کے مابین نیلی ابدیت دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے سر گھمایا تو ان لوگوں کو دیکھا جن کی آوازوں سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس کے قریب پہنچ گئے ہیں۔

یہ نپولین اور اس کے دو ایجوٹنٹ تھے۔ بوناپارٹ میدان جنگ کا چکر لگا رہا تھا اور اس نے آخری ہدایت دی کہ آگسٹ کے بند پر فائرنگ کرنے والی توپوں کی تعداد بڑھا دی جائے اور اب وہ میدان جنگ میں ہلاک شدگان اور زخمیوں کا معائنہ کر رہا تھا۔

نپولین نے دستی بم پھینکنے والے ایک مردہ روسی کو دیکھ کر کہا "یہ اچھے لوگ ہیں!" اس سپاہی کا چہرہ زمین میں دھنسا ہوا تھا، گردن سیاہ پڑ چکی تھی جبکہ ایک اکڑا ہوا بازو باہر نکلا ہوا تھا۔

آگسٹ پر گولہ باری کرنے والی توپوں کی جانب سے آنے والے ایک ایجوٹنٹ نے اطلاع دی "توپوں کے گولے ختم ہو چکے ہیں"

نپولین بولا "محفوظ ذخیرے سے منگوا لو" اور پھر کچھ دور جا کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی نظریں شہزادہ آندرے پر ٹکی تھیں جو پشت کے بل جھنڈے والے بانس کے قریب پڑا تھا (فرانسیسی جھنڈے کو مال غنیمت کے طور پر اٹھا چکے تھے)

نپولین بلکونسکی کی جانب دیکھتے ہوئے بولا "کیا عمدہ موت ہے!" شہزادہ آندرے جانتا تھا کہ یہ الفاظ اس کے بارے میں کہے گئے ہیں اور کہنے والا نپولین ہے۔ اس نے سنا کہ یہ الفاظ کہنے والے کو "جناب عالی!" کہہ کر مخاطب کیا گیا تھا۔ مگر اسے یہ الفاظ اس طرح سنائی دیے جیسے مکھیاں بھنبھنا رہی ہوں۔ اسے نہ صرف ان الفاظ میں کوئی دلچسپی نہ تھی بلکہ اس نے ان کی جانب توجہ ہی نہ دی اور انہیں بھول گیا۔ اس کے سر میں شدید درد ہو رہا تھا۔ اسے محسوس ہوا کہ اس کا خون بہہ رہا ہے اور اس نے اپنے اوپر بہت دور لامحدود آسمان دیکھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ اس کا ہیرو نپولین ہے مگر اس لمحے اس نپولین اپنی روح اور بادلوں بھرے بلند و بالا آسمان کے مابین ظہور پذیر ہونے والی شے کے مقابلے میں بالکل حقیر محسوس ہوا۔ اس لمحے اسے یہ بات بالکل بے معنی دکھائی دی کہ اس کے قریب کون کھڑا ہے اور اس کے بارے میں کیا کہا جا رہا ہے۔ وہ صرف یہ جان کر خوش تھا کہ وہاں کچھ لوگ کھڑے ہیں اور اس کی واحد خواہش یہ تھی کہ وہ اس کی مدد کریں اور زندگی کی جانب واپسی کیلئے اس کی مدد کریں جو اس وقت اسے بیحد خوبصورت معلوم ہو رہی تھی اور جس کے بارے میں اس کا رویہ اچانک بدل گیا تھا۔ اس نے بصد مشکل منہ سے کچھ آواز نکالی۔ اس نے اپنی ٹانگ کو ہلایا اور اس قدر مدھم آواز میں آہ بھری کہ اسے خود پر رحم آنے لگا۔ نپولین بولا "ارے، یہ تو زندہ ہے! اس نوجوان کو اٹھاؤ اور بیماروں کی گاڑی میں رکھو" یہ کہہ کر نپولین مارشل لان کی جانب بڑھا جس نے اپنی ٹوپی ہاتھ میں پکڑ رکھی تھی اور فاتح کو مسکراتے ہوئے مبارکباد دے رہا تھا۔

شہزادہ آندرے کو مزید کچھ یاد نہ رہا۔ اسے جس طرح اٹھا کر سٹریچر پر ڈالا گیا، اس دوران جو جھٹکے محسوس ہوئے اور مرہم پٹی کے دوران زخموں کو جس طرح چھیڑا گیا اس سے وہ ہوش و حواس کھو بیٹھا۔ اسے دن ڈھلے اس وقت ہوش آیا جب اسے دیگر زخمی اور قیدی روسی افسروں کے ساتھ ہسپتال منتقل کر دیا گیا۔ اس سفر کے دوران اسے کچھ توانائی محسوس ہوئی اور وہ ادھر ادھر دیکھنے نیز بولنے کے قابل ہو گیا۔

ہوش میں آنے کے بعد سب سے پہلے اس کے کان میں جو الفاظ پڑے وہ فرانسیسی کانوائے افسر کے تھے جو تیز تیز لہجے میں کہہ رہا تھا "ہمیں ٹھہرنا چاہیے، شہنشاہ سیدھے یہیں آ رہے ہوں گے اور وہ ان قیدیوں کو دیکھ کر بیحد خوش

ہوں گے"

ایک اور افسر بولا" آج تو اتنے قیدی پکڑے گئے کہ یوں لگتا ہے جیسے پوری روسی فوج ہی گرفتار ہوگئی ہے۔یقیناً وہ انہیں دیکھ دیکھ کر اکتا گئے ہوں گے"

پہلے افسر نے سفید وردی میں ملبوس ہارس گارڈز کے ایک زخمی افسر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا" خیر بہرحال اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ شہنشاہ الیگزنڈر کے تمام گارڈز کا کمانڈر ہے" بلکونسکی نے شہزادہ ریپنن کو پہچان لیا جس سے وہ پیٹرز برگ کے حلقوں میں مل چکا تھا۔اس کے ساتھ ہارس گارڈ کا انیس سالہ ایک اور افسر بھی زخمی حالت میں پڑا تھا۔

بوناپارٹ گھوڑے کو سرپٹ بھگاتا آیا اور قریب آ کر لگام کھینچ لی۔ وہ قیدیوں کو دیکھتے ہوئے بولا" سینئر افسر کون ہے؟"

انہوں نے کرنل شہزادہ ریپنن کا نام لیا۔

نپولین نے پوچھا" کیا تم شہنشاہ الیگزنڈر کے ہارس گارڈز کے کمانڈر ہو؟"

ریپنن نے جواب دیا" میری کمان میں ایک سکواڈرن تھا"

نپولین بولا" تمہاری رجمنٹ نے اپنا فرض بطریق احسن نبھایا"

ریپنن نے جواباً کہا" ایک عظیم جرنیل کی تعریف سپاہی کا سب سے بڑا انعام ہے"

نپولین کہنے لگا" میں اسے بخوشی تم پر نچھاور کرتا ہوں" پھر وہ قریب پڑے زخمی افسر کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا" تمہارے ساتھ یہ نوجوان کون ہے" شہزادہ ریپنن نے جواب دیا" لیفٹیننٹ سختیلن"

نپولین مسکرا کر بولا" اس کی جانب دیکھو،اس قدر کم عمری میں ہم سے لڑنے چلا آیا"

سختیلن نے نحیف آواز میں جواب دیا" نو عمری بہادری کی راہ میں رکاوٹ نہیں تھی"

نپولین نے کہا" شاندار جواب ہے،نوجوان تم ترقی کرو گے"

شہزادہ آندرے جسے قیدیوں کی نمائش کے اختتام پر شہنشاہ کے سامنے لایا گیا اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کرانے میں کامیاب رہا۔ نپولین اسے میدان جنگ میں دیکھ چکا تھا اور یہ بات واضح تھی کہ وہ اسے نہیں بھولا۔وہ اسے **اسی لقب "نوجوان"** سے مخاطب کرتے ہوئے بولا" اور تم، نوجوان،میرے بہادر دوست، کیسا محسوس کر رہے **ہو"** یوں لگتا تھا جیسے یہ لفظ اسے یاد رہ گیا ہے۔

اگرچہ پانچ منٹ قبل شہزادہ آندرے ان سپاہیوں سے چند الفاظ کہنے میں کامیاب رہا تھا جو اسے اٹھائے **لا رہے تھے**،تاہم اب وہ خاموش رہا اور اس کی نگاہیں براہ راست نپولین پر جمی رہیں۔ نپولین جن باتوں میں **دلچسپی لے رہا تھا وہ آندرے** کو بلند تر، منصف اور رحیم آسمان کے مقابلے میں اسقدر کمتر محسوس ہوئیں کہ اس کا ہیرو،جو **فتح کے موقع پر جس خود پسندی اور خوشی کا اظہار کر رہا تھا** وہ اسے حقیر دکھائی دیا اور آندرے اسے جواب نہ دے سکا۔ **درحقیقت کمزوری،** خون بہنے،تکلیف اور موت کی قربت نے اس کے ذہن میں اونچے خیالات کی لہر پیدا کردی جن کے مقابلے میں اسے ہر شے بیکار اور کمتر دکھائی دینے لگی۔ نپولین کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ سوچنے لگا عظمت کس قدر غیر اہم شے ہے، زندگی جسے کوئی نہیں سمجھ سکا کس قدر بے وقعت اور موت جس کی کسی کو سمجھ نہیں آئی کتنی بے حیثیت ہے۔

شہنشاہ جواب نہ پا کر مڑا اور اپنے ایک افسر سے بولا" دیکھو،ان حضرات کا اچھی طرح خیال رکھا جائے

اور انہیں میرے کیمپ میں پہنچا دیا جائے۔میرے ڈاکٹر لیری سے کہو کہ ان زخمیوں کا خیال رکھے،خدا حافظ شہزادہ ریپنن" یہ کہہ کر وہ واپس چلا گیا۔

خوشی اور اطمینان سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

شہزادہ آندرے کو اٹھا کر لانے والے سپاہیوں نے اس کی گردن سے لپٹا وہ سنہری تعویز اتار لیا تھا جو شہزادی ماریا نے اپنے بھائی کے گلے میں ڈالا تھا،مگر جب سپاہیوں نے شہنشاہ کو ان قیدیوں سے اچھا سلوک کرتے دیکھا تو فوراً یہ مقدس تعویز واپس کر دیا۔

شہزادہ آندرے یہ نہ دیکھ سکا کہ تعویز کس نے اتارا اور کس نے دوبارہ گلے میں ڈال دیا تاہم اچانک اسے یہ تعویز اور اس کی سنہری زنجیر وردی سے باہر چھاتی پر دکھائی دینے لگی۔

اس نے اپنے گلے میں پڑے اس تعویز پر بنی تصویر کی جانب دیکھا جو اس کی بہن نے نہایت عقیدت اور جوش وجذبے سے اس کے گلے میں لٹکائی تھی اور سوچنے لگا کہ اگر ہر شے اتنی ہی واضح اور سادہ ہوتی کہ شہزادی ماریا کو نظر آتی ہے تو کیا ہی اچھا ہو؟ اگر انسان کو یہ معلوم ہو کہ زندگی میں کہاں سے مدد مل سکتی ہے اور مرنے کے بعد قبر سے آگے کس شے کی توقع رکھی جا سکتی ہے تو اس سے اچھی بات اور کیا ہوگی!"

اس نے سوچا" اگر میں اب یہ کہہ سکوں کہ" خداوندا! مجھ پر رحم فرما!"۔۔۔تو میں کتنی خوشی اور سکون محسوس کروں گا۔مگر میں یہ کس سے کہوں؟ اس قوت سے جس کی تعریف وتشریح ممکن نہیں، جس سے میں درخواست نہیں کر سکتا،جس سے کہنے کیلئے میرے پاس الفاظ نہیں، جسے ماریا نے اس تعویز میں سی دیا ہے؟ اس بات کے سوا کچھ نہیں، کوئی بات یقینی نہیں کہ ہر چیز ناقابل فہم ہے،یا پھر کسی اہم ترین مگر ناقابل فہم شے کی عظمت ہے!"

سٹریچروں نے حرکت شروع کر دی۔ ہر جھٹکے پر اسے ناقابل برداشت تکلیف ہو رہی تھی۔ بخار بڑھنے لگا اور اس پر ہذیانی کیفیت طاری ہونے لگی۔اس کیفیت میں اس کی آنکھوں میں ابھرنے والے خوابوں کے بڑے عناصر میں اس کے باپ، بیوی، بہن اور ہونے والے بیٹے کی اشکال،جنگ سے ایک رات قبل ان کیلئے محسوس ہونے والا پیار، پست قد اور حقیر نپولین کا سراپا اور بلند وبالا آسمان شامل تھے۔اس کے تصورات میں بلیک ہلز کی پرسکون اور خاموش زندگی کا خاکہ ابھرنے لگا۔وہ اس خوشی سے لطف اندوز ہو رہا تھا کہ ننھے منے نپولین کی تصویر ابھرنے لگی جس کا نقطہ نظر محدود تھا اور جو سنگدلی سے دوسروں پر خوش ہو رہا تھا،پھر وہی شکوک وشبہات اور تکالیف آ گئیں صرف آسمان امن وسکون کی خبر دے رہا **تھا۔صبح** ہونے تک اس کے تمام خواب بیہوشی اور نسیان کی تاریکی میں گھل مل کر ختم ہو گئے۔ نپولین کے ڈاکٹر لیری کا کہنا **تھا کہ اس کیفیت** میں صحت یابی کی نسبت مرنے کا امکان زیادہ تھا۔

لیری کہنے لگا" یہ اعصابی اور صفراوی مریض ہے اور صحت یاب نہیں ہو سکے گا"

دیگر اشخاص کی طرح جن کے بچنے کا امکان نہیں تھا، آندرے کو بھی مقامی لوگوں کی حفاظت میں دے دیا گیا۔

☆☆☆☆☆

چوتھا حصہ

(1)

1806ء کے آغاز میں نکولائی رستوف چھٹی پر گھر آرہا تھا۔ دینی سوف بھی اس کے ساتھ اپنے گھر وورونز جارہا تھا اور رستوف نے اسے ماسکو جانے اور اپنے ساتھ ٹھہرنے پر رضامند کرلیا۔ دینی سوف کی اپنے دوست سے راستے میں ملاقات ہوئی جس کے ساتھ اس نے شراب کی تین بوتلیں پی لیں اور ماسکو کی جانب سفر کے دوران اونچے نیچے راستے پر لگنے والے ہچکولوں کے باوجود برف گاڑی کے نچلے حصے میں رستوف کے ساتھ دنیا و مافیہا سے بے خبر سویا رہا جو ماسکو قریب آتے ہی بے چین ہونے لگا تھا۔

رستوف نے سوچا "گھر کب آئے گا؟ کتنی جلد؟ اوہو، یہ ناقابل برداشت گلیاں، بیکریاں، گلیوں کی بتیاں، برف گاڑیوں کے ڈرائیور" وہ شہر کے دروازے پر اپنے کاغذات دکھا چکے تھے اور اب ماسکو کے مختلف علاقوں سے گزر رہے تھے۔

رستوف بولا "دینی سوف، ہم پہنچ گئے ہیں! کیا سو رہے ہو!" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنا پورا جسم یوں آگے جھکا دیا جیسے اس طرح گاڑی کی رفتار تیز ہو جائے گی۔ دینی سوف نے کوئی جواب نہ دیا۔

وہ کہہ رہا تھا "یہاں چوک کے کونے میں برف گاڑی کے کوچوان زاخر کا اڈہ ہے، اور وہ دیکھو زاخر، اس کے پاس وہی گھوڑا ہے۔ اور یہی وہ چھوٹی دکان ہے جہاں سے ہم کیک لیتے تھے۔ جلدی کرو!"

کوچوان نے پوچھا "کون سا گھر ہے؟"

رستوف کہنے لگا "وہاں، آخری سرے پر بڑا سا گھر نظر نہیں آرہا؟ وہ ہمارا گھر ہے، بالکل وہی ہے، دینی سوف! دینی سوف! ہم ایک منٹ میں وہاں پہنچ جائیں گے"

دینی سوف نے سر اٹھایا اور کھنکارا، تاہم خاموش رہا۔

رستوف نے اپنے ڈرائیور کے ساتھ بیٹھے اپنے ملازم سے کہا "دمتری، کیا ہمارے ہی گھر کی روشنیاں ہیں، ٹھیک ہے؟"

دمتری نے جواب دیا "یقیناً، روشنی آپ کے والد کے کمرے سے آرہی ہے"

رستوف نے کہا "تو وہ ابھی تک نہیں سوئے؟ تمہارا کیا خیال ہے؟"

اس نے مونچھوں پر ہاتھ پھیرا اور بات جاری رکھتے ہوئے کہا "یاد رکھنا، میرا نیا کوٹ نکالنا مت بھولنا"

اس نے چلا کر ڈرائیور سے کہا "آگے بڑھو" پھر وہ دینی سوف کی جانب متوجہ ہو کر بولا "واسیا! جاگ جاؤ" دینی سوف پر دوبارہ غنودگی طاری ہونے لگی تھی۔

گاڑی اس کے گھر سے تین مکان دور تھی تو وہ ڈرائیور سے کہنے لگا "جلدی کرو، تمہیں واڈکا کیلئے تین نقرئی روبل دوں گا، چلو، چلو" اسے یوں لگتا تھا جیسے گھوڑے حرکت ہی نہیں کر رہے۔ آخرکار برف گاڑی دائیں جانب مڑ کر گھر میں داخل ہوگئی۔ رستوف کو اپنے اوپر جانی پہچانی کنگری جس کا پلستر ٹوٹ چکا تھا، سیڑھیاں اور بتیاں روشنی کرنے کی جگہ دکھائی دی۔ اس نے گاڑی سے چھلانگ لگائی اور بھاگ کر ڈیوڑھی میں داخل ہوگیا۔ مکان میں زندگی کے کوئی آثار نظر نہ آئے، یوں لگتا تھا جیسے اسے کسی آنے والے سے کوئی سروکار نہ ہو۔ ڈیوڑھی میں کوئی نہ تھا۔ رستوف نے حیرانی سے سوچا "خدایا! خیر تو ہے؟" ایک لمحے کیلئے اس کا دل ڈوبنے لگا اور وہ کھڑا ہو گیا پھر وہ دوبارہ بھاگ کر جانا پہچانا ٹیڑھی میڑھی سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ دروازے کی ہتھی بھی وہی تھی جس کی صفائی نہ ہونے پر بیگم اکثر خفا ہو جاتی تھی۔ یہ ہتھی ہمیشہ کی طرح اب بھی اسی طرح موجود تھی۔ کمرے میں صرف ایک موم بتی جل رہی تھی۔

بوڑھا میخائلوف صندوق پر سو رہا تھا۔

خدمتگار پروکوفی اپنے چھکے ہوئے جوتے پہنے بیٹھا تھا، وہ اس قدر طاقتور تھا کہ گاڑی کو بھی اٹھا سکتا تھا۔ اس نے کھلتے دروازے پر نگاہ ڈالی اور اس کا خوابیدہ چہرے کے تاثرات اچانک حیرت میں تبدیل ہوگئے۔

وہ اپنے نوجوان آقا کو پہچانتے ہوئے باآواز بلند بولا "خدایا رحم، چھوٹے نواب! کیا یہ آپ ہیں، میرے پیارے؟ جذبات کے مارے اس کا جسم کانپنے لگا اور وہ بھاگ کر ڈرائنگ روم کے دروازے کی جانب بھاگا، غالباً وہ اس کی آمد کی اطلاع دینا چاہتا تھا مگر اس نے ارادہ بدل دیا اور واپس آکر اپنے نوجوان آقا کے شانے کے بوسے لینے لگا۔

رستوف نے اپنا ہاتھ پرے ہٹاتے ہوئے پوچھا "کیا سب خیریت سے ہیں؟"

پروکوفی بولا "جی ہاں! خدا کا شکر ہے! سب ٹھیک ہیں اور وہ ابھی رات کے کھانے سے فارغ ہوئے ہیں! جناب عالی! مجھے اپنی صورت تو دکھائیں"

رستوف نے پھر پوچھا "سب کچھ بالکل ٹھیک ٹھاک ہے؟"

ملازم نے جواب دیا "خدا کا شکر ہے، جی ہاں، خدا کا شکر ہے!"

رستوف دینی سوف کو بالکل بھول چکا تھا، وہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی اور اس کی آمد کی اطلاع دے، اس نے اپنا سموری کوٹ اتارا اور پنجوں کے بل چلتا ہوا بڑے اور تاریک استقبالیہ کمرے میں داخل ہوگیا۔ ہر شے پہلے جیسی تھی، وہی تاش کی میزیں، وہی غلاف میں لپٹا فانوس، مگر کوئی اس نوجوان آقا کو پہلے ہی دیکھ چکا تھا، ابھی وہ ڈرائنگ روم تک پہنچا ہی تھا کہ بغلی دروازے سے کوئی شے طوفان کی طرح اس کی جانب لپکی اور اس کے بوسے لینا شروع کر دیے۔ دیگر دروازوں سے اس جیسی دوسری اور پھر تیسری چیزیں بھی باہر آئیں اور اس سے لپٹ کر بوسے لینا شروع کر دیے اور خوشی سے رونا شروع کر دیا۔ اسے یہ سمجھ نہیں آرہی تھی کہ پاپا کون ہے، نتاشا کون اور پیتیا کون ہے۔ تمام بیک وقت چلاتے ہوئے بول رہے تھے اور اسے چومتے جا رہے تھے۔ صرف اس کی والدہ وہاں نہ تھی اور وہ یہ بات جانتا تھا۔

ایک آواز سنائی دی "اور مجھے علم ہی نہ ہوا۔۔۔ نکولینکا۔۔۔ میرا پیارا!"

دوسرے نے کہا "وہ آ گیا۔۔۔ ہمارا لڑکا۔۔۔ میرا پیارا کولیا۔۔۔ کتنا بدل گیا ہے!"

تیسری آواز کہہ رہی تھی "موم بتیاں کہاں ہیں؟ چائے!"

کوئی بولا "مجھے بھی بوسہ دو!"

"پیارے۔۔۔ مجھے بھی"

سونیا، نتاشا، پیتیا، اپنا ننھا کلو نا، ویرا اور معمر نواب بھی اسے گلے لگا رہے تھے۔ نوکر اور خادمائیں کمرے میں اکٹھی ہو گئیں اور واہ واہ ہونے لگی۔

پیتیا اس کی ٹانگوں سے لپٹ گیا۔

وہ چلا چلا کر کہہ رہا تھا "مجھے بھی"

نتاشا نے اسے اپنی جانب کھینچا اور اس کے چہرے پر ہر جگہ بوسے لینا شروع کر دیے۔ وہ اس کا کوٹ پکڑے بکری کی مانند اچھل رہی تھی اور خوشی سے چیخے جاتی تھی۔

اس کی چاروں جانب محبت بھری نگاہیں تھیں جن سے خوشی کے آنسو چھلک رہے تھے۔ ہر طرف ہونٹ اس کا بوسہ لینے کے منتظر تھے۔

سرخ گلاب جیسی سونیا اس کے بازو سے لپٹی ہوئی تھی اور ٹکٹکی باندھ کر ان آنکھوں میں جھانک رہی تھی جنہیں دیکھنے کا اسے مدت سے انتظار تھا۔ سونیا کی عمر سولہ سال تھی اور خوشی کے اس موقع پر اس کا حسن اور بھی نکھر آیا تھا۔ وہ اس پر نظریں گاڑے ہوئے تھی جنہیں وہاں سے ہٹانا اس کیلئے ممکن نہ تھا، وہ مسکرا رہی تھی اور اس نے سانس روک رکھا تھا۔ رستوف نے اسے متشکر نظروں سے دیکھا تاہم اس کی آنکھیں ابھی تک کسی اور کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ معمر بیگم ابھی تک اندر نہیں آئی تھی۔ دروازے پر قدموں کی آواز سنائی دی۔ یہ قدم اس قدر تیز رفتار تھے کہ اسے محسوس ہوا یہ اس کی والدہ کی چاپ نہیں ہو سکتی۔

مگر یہ وہی تھی اور نئے لباس میں ملبوس تھی جو اس نے نہیں دیکھا تھا کیونکہ یہ اس کی عدم موجودگی میں بنوایا گیا تھا۔ سب لوگ ادھر ادھر ہٹ گئے اور وہ بھاگ کر والدہ کی جانب گیا۔ جب وہ اکٹھے ہوئے تو ماں نے اپنا چہرہ اس کے سینے رکھ دیا اور رونے لگی۔ اس نے اپنا چہرہ نہ اٹھایا، بس اسے ہوزاروں کی جیکٹ کے سرد کپڑے پر رگڑتی رہی۔ دینی سوف کمرے میں آ چکا تھا تاہم کسی نے اسے نہیں دیکھا تھا، وہ ساکت کھڑا انہیں دیکھنے اور اپنے آنسو پونچھنے میں مصروف تھا۔

اس نے نواب سے جو اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھے جا رہا تھا، اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا "واسیلے دینی سوف، آپ کے بیٹے کا دوست"

نواب نے اسے گلے لگا لیا اور اس کا بوسہ لیتے ہوئے بولا "بہت بہت خوش آمدید، میں آپ کو جانتا ہوں، جانتا ہوں، نکولینکا نے ہمیں آپ کے بارے میں لکھا تھا۔۔۔ نتاشا، ویرا، ادھر آؤ، یہ دینی سوف ہیں"

وہی خوش باش چہرے دینی سوف کو دیکھنے لگے اور اس کے گرد اکٹھے ہو گئے۔

نتاشا منمناتے ہوئے بولی "پیارے دینی سوف!" اور خوشی کے عالم میں بھاگتی ہوئی اس کی جانب آئی اور گلے لگ کر اس کے بوسے لینے لگی۔ اس کا یہ رویہ دیکھ کر ہر شخص بوکھلا گیا۔ دینی سوف کا چہرہ بھی سرخ ہو گیا مگر وہ مسکرانے لگا اور نتاشا کا ہاتھ پکڑ کر اس پر بوسہ دیا۔

دینی سوف کو اس کیلئے تیار کردہ کمرے میں بھیج دیا گیا جبکہ رستوف خاندان بیٹھنے کے کمرے میں نکولینکا کے گرد جمع ہو گیا۔

معمر بیگم اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام کر بیٹھ گئی اور وقفوں وقفوں سے اس پر بوسے ثبت کرنے لگی۔ دیگر نے اسے کے گرد حلقہ بنا رکھا تھا۔ ان کی آنکھوں میں پیار اور پرستش تھی اور وہ اس کے ہر لفظ اور ہر اشارے کو اپنی آنکھوں میں

سمو رہے تھے۔ اس کا بھائی اور بہنیں اس کے قریب بیٹھنے کیلئے ہاتھا پائی کر رہے تھے اور اس بات پر جھگڑ رہے تھے کہ اس کی چائے کون لائے گا، رومال کون لائے گا اور پائپ کون لائے گا۔

رستوف ان کی محبت دیکھ کر بےحد خوش تھا۔ مگر ملاقات کا پہلا لمحہ اس قدر سرور آور تھا کہ اسے حالیہ خوشی ادھوری محسوس ہو رہی تھی اور وہ مزید سے مزید تر کی توقع کر رہا تھا۔

سفر کے اگلے دن وہ دس بجے تک سوتا رہا۔

برابر والے کمرے میں تلواریں، تھیلے، نیامیں، کھلے صندوق اور گندے بوٹ رکھ دیے گئے تھے۔ صاف بوٹوں کے دو جوڑے بھی دیوار کے ساتھ رکھے تھے جن پر مہمیز لگائے گئے تھے۔ نوکر ہاتھ منہ دھونے کے برتن، شیو کیلئے گرم پانی اور اچھی طرح صاف کئے لباس لے آئے۔ کمرہ مردانہ خوشبویات اور تمباکو کی مہک سے بھرا تھا۔

رستوف کو واسکا دینی سوف کی بھاری آواز سنائی دی "ارے، گرشکا، پائپ" رستوف اٹھ بیٹھا اس نے اپنی آنکھیں ملیں جو یوں لگتا تھا جیسے آپس میں جڑ گئی ہوں اور گرم تکیے سے سر اٹھایا۔

رستوف نے پوچھا "کیوں، کیا دیر ہو گئی؟"

نتاشا کی آواز سنائی دی "دیر، دس بجنے والے ہیں" اگلے کمرے میں سکرٹوں کی سرسراہٹ اور لڑکیوں کے ہنسنے کی آواز سنائی دی۔ دروازہ تھوڑا سا کھلا اور کوئی نیلی چیز، ربن، کالے بال اور خوش باش چہرے دکھائی دیے۔ یہ نتاشا تھی جو سونیا اور پیتیا کے ساتھ یہ دیکھنے آئی تھی کہ آیا وہ اٹھ گئے ہیں یا نہیں۔

دروازے سے نتاشا کی آواز دوبارہ سنائی دی، وہ کہہ رہی تھی "نکولینکا، اٹھ جاؤ! ابھی اٹھو"

اسی دوران پیتیا نے بیرونی کمرے میں تلواریں ڈھونڈ کر قبضے میں لے لی تھیں اور پھر اسی خوشی کی کیفیت میں جو چھوٹے لڑکے اپنے فوجی بھائی کو دیکھ کر محسوس کرتے ہیں، بیڈ روم کا دروازہ کھول دیا۔ اس کے ذہن میں یہ بات نہ آئی کہ اس کی بہنوں کیلئے مردوں کو اس حالت میں دیکھنا مناسب نہیں ہے جب انہوں نے مناسب لباس زیب تن نہ کیا ہو۔

اس نے چلا کر پوچھا "کیا یہ تمہاری تلوار ہے؟"

لڑکیاں باہر چلی گئیں، دینی سوف نے جلدی سے اپنی بالوں بھری ٹانگیں بستر میں چھپا لیں اور خوفزدہ چہرے سے اپنے ساتھی کی جانب مدد طلب نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ جس دروازے سے پیتیا اندر آیا تھا وہ بند ہو گیا اور باہر سے کھلکھلا کر ہنسنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

نتاشا چلا کر بولی "نکولینکا ڈریسنگ گاؤن پہن کر باہر آ جاؤ"

پیتیا نے پوچھا "یہ تلوار آپ کی ہے" اور پھر احتراماً مونچھوں والے دینی سوف کی جانب متوجہ ہو کر بولا "یا آپ کی؟"

رستوف نے جلدی سے جوتے پہنے اور ڈریسنگ گاؤن جسم پر ڈال کر باہر چلا آیا۔ نتاشا ایک بوٹ پہن چکی تھی اور دوسرے میں پاؤں ڈال رہی تھی اور سونیا سکرٹ کو غبارے کی طرح پھلانے کیلئے گھوم رہی تھی کہ وہ اندر آ گیا۔ دونوں نئے نیلے فراکوں میں ملبوس تھیں اور ان کے چہرے تر و تازہ، گلابی اور خوشی سے معمور تھے۔ سونیا بھاگ گئی مگر نتاشا اپنے بھائی کو بازو سے پکڑ کر بیٹھنے والے کمرے میں لے گئی اور دونوں نے باتیں شروع کر دیں۔ ان کے پاس ایک دوسرے کو جواب دینے کا موقع نہ تھا اور وہ ان ہزاروں چیزوں کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے جو صرف انہی کی دلچسپی سے متعلق تھیں۔ نتاشا کھولائی کی اور اپنی باتوں پر ہنسے جا رہی تھی، اس ہنسی کا سبب ان کی گفتگو نہ تھی بلکہ وہ خوشی پر قابو نہیں

پارہی تھی اور ہنسے جاتی تھی۔

ہر بات پر وہ کہتی "واہ، بہت خوب، زبردست!" پیار و محبت کی گرم کرنوں تلے رستوف کو محسوس ہوا کہ ڈیڑھ سال کے عرصہ میں پہلی مرتبہ اس کی روح اور چہرہ بچگانہ مسکراہٹ سے آشنا ہوئے ہیں، جب سے اس نے گھر چھوڑا تھا وہ مسکرا بھی نہیں پایا تھا۔

نتاشا بولی "نہیں، میں کہتی ہوں، اب تم بالکل مرد بن گئے ہو؟ مجھے بیحد خوشی ہے کہ تم میرے بھائی ہو" اس نے نکولائی کی مونچھوں کو چھوا، اور کہنے لگی "میں یہ جاننا چاہتی ہوں کہ تم مرد کیا چیز ہوتے ہو، کیا تم ہماری طرح ہو؟"

نکولائی نے جواب دیا "نہیں"

وہ اسے پوچھنے لگا "سونیا بھاگ کیوں گئی؟"

نتاشا نے جواب دیا "اوہ، اس بارے میں کافی کچھ کہنا ہے! تم سونیا کو کیا کہہ کر بلاؤ گے؟ کیا تم اسے 'تم' کہو گے یا 'آپ'؟"

رستوف بولا "موقع کی مناسبت سے"

نتاشا کہنے لگی "براہ مہربانی اسے 'آپ' کہنا، اس کی وجہ میں بعد میں بتاؤں گی"

رستوف نے پوچھا "مگر کیوں؟"

نتاشا نے جواب دیا "چلو پھر میں تمہیں ابھی بتلاتی ہوں۔ تم جانتے ہو کہ سونیا میری دوست ہے، اتنی اچھی دوست کہ اس کی خاطر میں نے اپنا بازو جلا لیا۔ ادھر دیکھو" اس نے اپنی آستین اٹھائی اور اپنے دبلے پتلے نرم و ملائم بازو پر کندھے کے قریب ایک نشان دکھایا (یہ نشان رقص کے لباس میں بھی دکھائی نہ دیتا تھا)

میں نے اس سے اظہار محبت کیلئے اپنا بازو جلا لیا۔ میں نے بس ایک پیمانہ آگ میں گرم کیا اور اسے یہاں رکھ کر دبا دیا۔

اس کمرے میں جس میں کبھی وہ پڑھتا تھا صوفے پر بیٹھ کر بازوؤں میں کشن تھامے اور نتاشا کی جوشیلی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے رستوف بچپن کی دنیا میں چلا گیا جو دوسروں کیلئے تو بے معنی تھی مگر اسے زندگی میں عظیم ترین خوشی مہیا کرتی تھی۔ چنانچہ محبت کا ثبوت دینے کیلئے بازو جلا لینا اسے فضول حرکت معلوم نہ ہوئی۔ وہ اسے سمجھتا تھا اور قطعاً حیران نہ ہوا۔

اس نے پوچھا "بس یا کچھ اور؟"

نتاشا نے جواب دیا "ہاں، ہم اتنی گہری دوست ہیں کہ کچھ نہ پوچھو! وہ پیمانے والی بات تو بیوقوفانہ تھی مگر ہم ہمیشہ دوست رہیں گی۔ اگر وہ ایک مرتبہ کسی سے محبت کرتی ہے تو اسی کی ہو کر رہ جاتی ہے جبکہ میں بہت جلد بھول جاتی ہوں"

رستوف نے کہا "ٹھیک ہے، اور کیا؟"

نتاشا کہنے لگی "پھر یہ کہ وہ تم سے اور مجھ سے محبت کرتی ہے" یہ کہتے ہوئے اس کا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا۔ تمہیں یاد ہے کہ تمہارے جانے سے پہلے ۔۔۔ اس نے کہا تھا کہ تم یہ سب کچھ بھول جانا ۔۔۔ وہ کہتی ہے میں ان سے ہمیشہ محبت کرتی رہوں گی مگر انہیں آزاد چھوڑ دوں گی۔ کتنی خوبصورت اور شاندار بات ہے! ہے نا زبردست!" نتاشا نے یہ بات کچھ اس سنجیدگی اور جذباتی انداز میں کہی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہی ہے وہی بات پہلے آنسوؤں میں

بھی کر چکی ہے۔ رستوف سوچنے لگا۔

اس نے کہا "میں اپنی بات سے نہیں پھرتا اور اس کے ساتھ ساتھ سونیا اتنی خوبصورت ہے کہ کوئی بیوقوف ہی اس خوشی کو ٹھکرائے گا"

نتاشا چلا کر بولی "نہیں، نہیں، وہ اور میں اس بارے میں پہلے ہی بات کر چکی ہیں۔ ہمیں علم ہے کہ تم یہی کہو گے۔ مگر ایسا نہیں ہوگا، کیا تمہیں ایسا نہیں لگتا کہ اگر تم نے خود کو اپنے الفاظ کا پابند بنا لیا تو یہ بات ایسے ہی ہوگی کہ تم نے کسی خاص مقصد کے تحت یہ کہا ہے اور تم بامر مجبوری اس سے شادی کر رہے ہو اور یہ بات ٹھیک نہیں ہوگی۔"

رستوف سمجھ گیا کہ وہ اس مسئلے پر خاصی سوچ بچار کر چکی ہیں۔ گزشتہ روز سونیا کی خوبصورتی نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کرائی تھی مگر آج وہ اسے زیادہ حسین دکھائی دی تھی۔ وہ سولہ سالہ دلکش دوشیزہ تھی اور بظاہر اس سے ٹوٹ کر محبت کرتی تھی (اس حوالے سے اس کوئی شک و شبہ نہ تھا) رستوف نے سوچا "اگر ایسا ہے تو پھر اس سے محبت بلکہ شادی ہی کیوں نہ کی جائے ۔۔۔ مگر ابھی تو دیگر خوشیاں اور دلچسپیاں بھی ہیں!"

اس نے سوچا "ٹھیک ہے، وہ اس مسئلے پر خاصا غور و فکر کر چکی ہیں، مجھے اس فکر میں نہیں پڑنا چاہئے" پھر وہ کہنے لگا "تو پھر ٹھیک ہے، ہم اس بارے میں بعد میں بات چیت کریں گے۔ ارے، میں تم لوگوں کے پاس واپس پہنچ کر کس قدر خوش ہوں۔ ادھر آؤ اور مجھے بتاؤ کہ تم ابھی تک بورس کو یاد کر رہی ہو؟"

نتاشا ہنستے ہوئے چلا کر بولی "وہ بیوقوفانہ بات تھی! میں نے اس کے بارے میں سوچا ہے نہ میرے دل میں کسی اور کا خیال ہے، بلکہ ایسا کرنا بھی نہیں چاہتی"

رستوف نے پوچھا "اچھا؟ تو پھر تم کیا کرنا چاہتی ہو؟"

نتاشا بولی "میں؟" اس کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگا اور پھر وہ کہنے لگی "کیا تم نے ڈوپورٹ کو دیکھا ہے؟"

رستوف نے جواب دیا "نہیں"

نتاشا نے کہا "تم نے معروف رقاص ڈوپورٹ کو نہیں دیکھا؟ اوہو، پھر تم نہیں سمجھ سکو گے" پھر اس نے اپنے بازو پھیلائے اور کہنے لگی "میں ۔۔۔ میں یہ ہوں" اس نے رقاصہ کی طرح اپنی سکرٹ پھیلائی اور چند قدم پیچھے جا کر پھرکی کی مانند گھومی، تیزی سے اپنے ننھے منے پاؤں ملائے اور پنجوں کے بل کھڑی ہو کر چند قدم آگے آئی۔

وہ کہنے لگی "دیکھ رہے ہو میں کیسے کھڑی ہوں؟ اس طرح" تاہم وہ زیادہ دیر پنجوں پر کھڑی نہ رہ سکی۔ کچھ دیر توقف کے بعد وہ بولی "تو میں یہ بننا چاہتی ہوں، میں کبھی کسی سے شادی نہیں کروں گی، میں رقاصہ بننا چاہتی ہوں۔ یہ بات کسی کو نہ بتانا"

رستوف اتنی زور سے ہنسا کہ اس کی آواز سن کر بیڈ روم میں دینی سوف کو بھی رشک آ گیا اور نتاشا بھی اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکی۔

وہ بات جاری رکھتے ہوئے بولی "کیوں؟ کیا یہ ٹھیک نہیں؟"

رستوف نے کہا "بالکل ٹھیک ہے مگر تم بورس سے شادی نہیں کرو گی؟"

نتاشا کو غصہ آ گیا۔

وہ کہنے لگی "میں نے کسی سے شادی نہیں کرنی۔ جب وہ آئے گا تو میں اسے خود بتا دوں گی"

رستوف نے کہا "اچھا، واقعی؟"

نتاشا نے مسلسل بولتے ہوئے کہا'' مگر یہ سب احمقانہ باتیں ہیں۔ اچھا، یہ بتاؤ کیا دینی سوف عمدہ شخص ہے؟''

رستوف نے جواب دیا'' ہاں، وہ عمدہ انسان ہے''

نتاشا بولی'' اچھا، خدا حافظ، جاؤ اور کپڑے بدل لو۔ کیا دینی سوف خوفناک شخص نہیں؟''

نکولائی بولا'' خوفناک کیسے ہوا؟'' نہیں، واسکا بیحد نفیس آدمی ہے''

نتاشا نے کہا'' تم اسے واسکا کہتے ہو؟۔۔۔ دلچسپ۔ ٹھیک ہے وہ بہت عمدہ شخص ہے''

رستوف بولا'' بیحد عمدہ''

نتاشا بولی'' جلدی کرو اور چائے پر پہنچو۔ وہاں ہم سب اکٹھے ہوں گے''

نتاشا اٹھی اور رقاصہ کی طرح پنجوں کے بل چلتی کمرے سے باہر نکل گئی۔ وہ مسکرا رہی تھی اور اس طرح صرف پندرہ برس کی خوش باش لڑکیاں ہی مسکرا سکتی ہیں۔ رستوف ڈرائنگ روم میں سونیا کو دیکھ کر شرما گیا۔ اسے سمجھ نہ آئی کہ وہ سونیا سے کیسا برتاؤ کرے۔ گزشتہ روز خوشی کے لمحات میں انہوں نے ایک دوسرے کے بوسے لیے تھے مگر اب انہیں ایسا کرنا عجیب معلوم ہوتا تھا۔ اسے محسوس ہوا کہ اس کی ماں اور بہنوں سمیت ہر شخص اس کی جانب دیکھ رہا ہے اور یہ جاننا چاہتا ہے کہ وہ سونیا سے کس انداز میں پیش آئے گا۔ اس نے سونیا کے ہاتھ کا بوسہ لیا اور اسے 'آپ' کہہ کر مخاطب کیا۔ مگر ان کی آنکھیں ایک دوسرے کو بے تکلفانہ انداز میں مخاطب کر رہی تھیں اور ایک دوسرے کے بوسے لے رہی تھیں۔ سونیا کی آنکھیں اس سے معافی مانگتی معلوم ہوتی تھیں کیونکہ اس نے نتاشا کے ذریعے اسے اس کی بات یاد دلانے کی جرات کی تھی اور محبت کیلئے اس کا شکریہ ادا کر رہی تھیں۔ نکولائی رستوف کی آنکھیں خود کو آزاد چھوڑنے پر سونیا کا شکریہ ادا کر رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں کہ وہ اس کی محبت سے کبھی دور نہیں ہوگا کیوں کہ اس سے محبت نہ کرنا ممکن نہیں تھا۔

ویرا نے عمومی خاموشی کے دوران کہا'' یہ کتنی عجیب بات ہے کہ سونیا اور نکولینکا ایک دوسرے سے اجنبیوں کی طرح پیش آ رہے ہیں''

ویرا کا مشاہدہ اس کے دیگر مشاہدات کی طرح درست تھا مگر ہمیشہ کی طرح اس مرتبہ بھی اس کی بات نے ہر شخص کو بے چین کر دیا۔ نہ صرف سونیا، نکولائی اور نتاشا بلکہ بیگم رستوف بھی کمسن لڑکی کی طرح سرخ ہو گئی جسے اپنے بیٹے کی سونیا کے ساتھ محبت سے خوف آتا تھا اور وہ اسے نکولائی کی دھوم دھام سے شادی کی راہ میں رکاوٹ سمجھتی تھی۔

رستوف یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ دینی سوف نئی وردی پہن کر اور پوماڈ کی خوشبو چھڑک کر کچھ اس شاندار انداز سے ڈرائنگ روم میں آیا جیسے وہ میدان جنگ میں آیا کرتا تھا۔ وہ تمام خواتین و حضرات سے ملنسارانہ رویہ اختیار کیے ہوئے تھا۔

(2)

نکولائی رستوف کو فوج سے واپس ماسکو پہنچنے پر خاندان نے اس کا ہیرو، بہترین بیٹے اور مثالی نکولینکا کے طور پر استقبال کیا۔ رشتہ داروں کی نگاہوں میں وہ پرکشش، خوبرو اور شائستہ اطوار کا حامل نوجوان تھا، دوست احباب اسے ہوزاروں کا وجیہہ لیفٹیننٹ اور عمدہ رقاص کے ساتھ ساتھ ماسکو میں بہترین رشتہ سمجھتے تھے''

رستوف ماسکو کے تمام افراد سے واقف تھے۔ اس برس معمر نواب کو خاصی بڑی رقم حاصل ہوئی تھی اور زمینیں

نئے سرے سے پٹے پر دی گئی تھیں چنانچہ نکولینکا کو اس کا اپنا گھوڑا، گھڑ سواری کیلئے نئی اور جدید فیشن کی برجس جو ماسکو میں کسی اور کے پاس دکھائی نہ دیتی تھی اور نئے نوکیلے بوٹ مل گئے جن پر چاندی کے چھوٹے چھوٹے مہمیز جڑے تھے، چنانچہ وہ نہایت خوشگوار انداز سے وقت گزار رہا تھا۔ اسے خود کو دوبارہ پرانی زندگی کے مطابق ڈھالنے میں کچھ وقت لگا تاہم دوبارہ گھر پہنچ کر وہ بیحد خوش تھا۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ بڑا ہو رہا ہے اور مرد بن چکا ہے۔ انجیل کے امتحان میں ناکامی پر ہونیوالی مایوسی، برف گاڑی کے کوچوان کو ادائیگی کیلئے گاوریلا سے ادھار لینا اور سونیا سے چوری چھپے بوس و کنار اب اسے بچگانہ حرکات معلوم ہوتی تھیں اور وہ ان سے بہت دور نکل آیا تھا۔ اب وہ ہوزاروں کا لیفٹیننٹ تھا، چاندی جڑی جیکٹ پہنتا اور سینے پر سینٹ جارج کراس آویزاں کرتا تھا، علاوہ ازیں اب وہ گھڑ دوڑ کیلئے اپنے گھوڑے کی تربیت کر رہا تھا اور دوڑ سے وابستہ معزز افراد کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا تھا جو عمر میں اس سے بڑے ہوتے تھے۔ سایہ دار سڑک کے قریب رہنے والی ایک خاتون سے بھی اس کے مراسم پیدا ہو گئے تھے اور بعض اوقات وہ شام اس کے ہاں گزارا کرتا تھا۔ آرخاروف خاندان کے ہاں رقص کی محفل میں مازورکا ڈانس کا اسی نے آغاز کیا تھا اور فیلڈ مارشل کامینسکی سے جنگ کے موضوع پر بات چیت کی تھی، علاوہ ازیں اس نے ایک چالیس سالہ کرنل سے بھی مراسم استوار کر لیے تھے جس سے اسے دینی سوف نے متعارف کرایا تھا۔

ماسکو میں اس کا زار کے حوالے سے جوش و خروش کم ہو گیا تھا کیونکہ وہ اس سے مل نہیں سکا تھا۔ تاہم اس کے باوجود وہ ابھی تک اس کے ساتھ اپنے لگاؤ کا اظہار کرتا رہتا تھا۔ وہ اشاروں ہی اشاروں میں یہ جتلاتا کہ وہ اس سلسلے میں تمام باتیں نہیں کہہ سکتا کیونکہ شہنشاہ کے بارے میں اس کے محسوسات ہر شخص نہیں سمجھ سکتا۔ اس دور میں عام لوگ شہنشاہ الیگزینڈر پاؤلووچ کو دل کی گہرائیوں سے چاہتے اور اسے انسانی فرشتہ قرار دیتے تھے، رستوف اس میں دل و جان سے ان کے ساتھ تھا۔

فوج میں واپسی سے قبل ماسکو میں طویل قیام کے دوران رستوف سونیا کے قریب نہ آیا بلکہ اس سے دور ہٹتا چلا گیا۔ وہ بیحد خوبصورت اور دلکش تھی اور بظاہر اس پر دل و جان سے فدا تھی۔ مگر وہ جوانی کے اس دور سے گزر رہا تھا جب انسان کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس نے بہت کچھ کرنا ہے اور اس کیلئے پیار و محبت کیلئے وقت نہیں ہے۔ اس دور میں انسان پابندیوں سے دور بھاگتا ہے اور بہت سے دیگر امور کیلئے درکار آزادی کو سب سے قیمتی شے سمجھتا ہے۔ ماسکو میں قیام کے دوران جب اسے سونیا کا خیال آتا تو وہ اپنے آپ سے کہتا'' اس جیسی اور بہت، بہت سی مل جائیں گی جنہیں ابھی میں جانتا بھی نہیں۔ پیار و محبت کے موضوع پر سوچنے کیلئے ابھی بہت وقت پڑا ہے اور جب دل چاہا یہ کام بھی کر لوں گا مگر ابھی میرے پاس بالکل بھی وقت نہیں'' مزید براں اسے یہ بھی محسوس ہوتا کہ خواتین کی قربت اس کی مردانگی کے شایان شان نہیں ہے۔ وہ رقص کی محافل اور خواتین کی صحبت میں کچھ اس طرح جاتا جیسے اسے یہ بامر مجبوری کرنا پڑ رہا ہو۔ گھڑ دوڑ، انگریزی کلب، دینی سوف کے ساتھ جی بھر کر پینا اور رات کی سرگرمیاں ہی ایک شاندار ہوزار کیلئے موزوں تھیں۔

مارچ کے آغاز میں معمر نواب ایلیا آندریچ رستوف انگریزی کلب میں شہزادہ باگراتیاں کے اعزاز میں ضیافت کے انتظامات میں مصروف ہو گیا۔

ڈریسنگ گاؤن میں ملبوس نواب کلب کے معروف منتظم اور بڑے باورچی فیکوتست کو باگراتیاں کی ضیافت کیلئے ایسپاریگس، تازہ کھیروں، سٹرابری، گوشت اور مچھلی کے بارے میں ہدایات دیتے ہوئے دائیں بائیں ٹہل رہا تھا۔

نواب کلب کے قیام کے دن سے ہی اس کارکن اور نگران چلا آ رہا تھا۔ باگراتیاں کے اعزاز میں ضیافت کا انتظام اسی لیے نواب رستوف کے سپرد کیا گیا تھا کیونکہ اس جیسی پر تکلف اور بڑے پیمانے پر دعوتوں کا اسے ہی تجربہ تھا اور ایسا شخص ملنا دشوار تھا جو ضرورت پڑنے پر ذاتی رقم بھی خرچ کرنے کو تیار ہو۔ کلب کا منتظم اور باورچی نواب کے احکامات بخوشی سن رہے تھے کیونکہ انہیں علم تھا کہ ایسی ضیافت کے ذریعے انہیں بھاری منافع ہو سکتا ہے جس پر ہزاروں روبل خرچ آتا تھا۔

باورچی اس سے پوچھ رہا تھا" تو پھر میرا خیال ہے کہ تین اقسام کے ٹھنڈے کھانے ہوں گے؟"

نواب نے سوچنا شروع کر دیا۔

پھر وہ کہنے لگا" تین سے کم نہیں ہو سکتے۔۔۔انڈے کی چٹنی والا سلاد، ایک تو یہ" اس نے اپنی انگلی مروڑنا شروع کر دی۔

منیجر نے پوچھا" تو پھر جناب عالی! سٹرجن مچھلی لانے کو کہا جائے؟"

نواب نے جواباً کہا" ہاں، اگر انہوں نے قیمت میں کمی نہ کی تو بھی منگوانا پڑے گی۔ ارے میں بھول ہی گیا۔ یقیناً ہمیں دسترخوان پر ایک چیز بڑھانا ہو گی۔ اُف میرے خداوند!" وہ سر تھام کر بیٹھ گیا۔ پھر وہ کہنے لگا" مجھے پھول کون لا کر دے گا؟ متنکا! ارے متنکا!" متنکا دروازے سے اندر داخل ہو رہا تھا۔ نواب نے اسے کہا" متنکا! گھوڑے پر سرپٹ جانا اور پودما سکوئی کی جاگیر پر (یہ ماسکو کے نواح میں نواب کی جاگیر تھی) باغباں ماکسمکا سے کہو کہ مزدوروں کو کام پر لگائے اور پود گھروں میں جو کچھ ہے اسے کپڑے میں لپیٹ کر یہاں بھیج دے۔ جمعہ تک مجھے یہاں دو سو گملے چاہئیں۔

مختلف اقسام کی مزید اور مزید ہدایات دینے کے بعد وہ آرام کی غرض سے بیگم کے پاس جانا چاہتا تھا مگر اسے کوئی بات یاد آ گئی۔

وہ واپس مڑا اور باورچی و منتظم کو بلا کر دوبارہ ہدایات دینے لگا۔ اسی دوران انہیں دروازے پر مردانہ قدموں کی ہلکی سی چاپ اور مہمیزوں کی کھنکھناہٹ سنائی دی جس کے بعد نوجوان نواب اندر آ گیا، ماسکو میں آرام دہ زندگی گزارنے کے نتیجے میں اس کا رنگ کھل اٹھا تھا اور ہونٹوں پر سیاہ مونچھوں کی بدولت وہ پہلے سے زیادہ وجیہہ دکھائی دے رہا تھا۔

بوڑھا شرمندگی سے مسکرایا اور اپنے بیٹے سے کہنے لگا" ارے، میرے بیٹے! میرا سر درد کرنے لگا ہے، میری مدد کرو! تم دیکھ رہے ہو کہ ہمیں ابھی گانے والوں کا انتظام بھی کرنا ہے۔ موسیقی کا انتظام تو ہو گیا ہے مگر کیا ہمیں چند خانہ بدوش گلوکاروں کو نہیں بلانا چاہئے؟ تم فوجی حضرات اس قسم کی چیزوں کے شیدائی ہوتے ہو"

بیٹے نے مسکراتے ہوئے جواب دیا" ابا جان! یقین کریں شہزادہ باگراتیاں نے شون گرابرن کی جنگ کیلئے اتنی تیاری نہ کی ہو گی جتنی آپ اب کر رہے ہیں"

معمر نواب نے مصنوعی خفگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا" ٹھیک ہے، تم باتیں کرتے رہو" پھر وہ باورچی کی جانب متوجہ ہوا جو سمجھداری اور احترام کے تاثرات سے باپ بیٹے کو دیکھ رہا تھا۔

نواب نے اسے کہا" فیکوتستا! یہ نوجوان کیا چاہتے ہیں، کیا یہ ہم جیسے بوڑھوں کا مذاق اڑانا چاہتے ہیں؟"

فیکوتست نے جواباً کہا" یقیناً جناب عالی! ان کا کام ڈنر سے لطف اندوز ہونا ہے مگر اس کا اہتمام اور اسے سجانے سے انہیں کوئی غرض نہیں"

نواب باآواز بلند بولا" ٹھیک، بالکل ٹھیک!" اور پھر خوش طبعی سے اپنے بیٹے کو دونوں ہاتھوں سے پکڑتے

ہوئے کہا" تم اب میرے قبضے میں ہو! اسی وقت برف گاڑی پکڑو اور نواب بیزوخوف کے ہاں جا کر اسے کہو کہ نواب الیا آندریچ نے سٹرابری اور تازہ اناناس منگوائے ہیں۔ یہ کہیں اور سے نہیں ملیں گے۔ اگر وہ گھر پر نہ ہوا تو اندر جا کر شہزادیوں کو پیغام دے دینا۔ وہاں سے فراغت کے بعد گیتی جانا۔۔۔ کوچوان اپاتکا کو اس جگہ کا علم ہے۔۔ وہاں الوشکا خانہ بدوش ہوگا جس نے نواب آرلوف کے ہاں قازقوں کے سفید لباس میں رقص کیا تھا، تمہیں یاد ہو گا۔ اسے میرے پاس لے آنا"

نکولائی نے ہنستے ہوئے کہا" اور اس کی خانہ بدوش لڑکیاں بھی ساتھ لیتا آؤں"

نواب کہنے لگا" ٹھہر، ٹھہر!۔۔۔"

اسی دوران اینا میخائلونا دبے قدموں سے کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کے چہرے پر بیچارگی عیاں تھی اور اس سے ہمیشہ کی طرح فکرمندی اور مصروفیت کا تاثر جھلکتا تھا۔ اگرچہ اینا میخائلونا ہر روز نواب سے اس وقت ملتی تھی جب وہ ڈریسنگ گاؤن میں ہی ملبوس ہوتا تھا تاہم اس موقع پر وہ ہمیشہ بڑبڑا جاتا اور اپنے لباس کے حوالے سے معذرت چاہنے لگتا۔

وہ شرمانے کے سے انداز میں اپنی آنکھیں بند کرتے ہوئے بولی" چھوڑیں پیارے نواب صاحب، کیسی باتیں کرتے ہیں۔ میں بیزوخوف کی طرف جانے ہی والی تھی۔ چھوٹے نواب بیزوخوف آ چکے ہیں اور ہمیں جو کچھ چاہئے وہ ان کے پود گھروں سے مل جائیگا۔ میں خود بھی انہیں ملنا چاہتی ہوں۔ انہوں نے مجھے بورس کیلئے ایک خط دیا ہے۔ خدا کا شکر ہے اب بورس کو سٹاف میں شامل کر لیا گیا ہے"

نواب یہ جان کر بیحد خوش ہوا کہ اینا میخائلونا نے اس کا ایک کام اپنے ذمے لے لیا ہے۔ چنانچہ اس نے اینا کیلئے گاڑی لانے کا حکم دے دیا۔

نواب نے اسے کہا" بیزوخوف کو بھی آنے کی دعوت دے دینا۔ میں ان کا نام لکھ لوں گا۔ کیا وہ بیگم کو بھی اپنے ساتھ لایا ہے؟"

اینا میخائلونا نے نگاہیں اٹھائیں اور اس کے چہرے پر گہری اداسی کے بادل چھا گئے۔

وہ کہنے لگی" میرے عزیز، وہ بے حد ناخوش ہے۔ جو کچھ ہم نے سنا ہے، اگر وہ درست ہے تو اس سے بری بات اور کیا ہو سکتی ہے۔ جب ہم اس کی خوشیوں میں شریک تھے تو یہ بات سوچی بھی نہیں جا سکتی تھی! اے نوجوان بیزوخوف کس قدر بلند پایہ اور فرشتہ صفت انسان ہے! ہاں، مجھے اس پر ترس آتا ہے، مجھ سے جس قدر ہو سکا اس کی دلجوئی کی سعی کروں گی"

رستوف باپ بیٹے نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا" کیوں، کیا ہوا؟"

اینا میخائلونا نے گہری آہ بھری۔

وہ پراسرار انداز سے سرگوشی کرتے ہوئے کہنے لگی" کہتے ہیں ماریا ایوانونا کے بیٹے دولوخوف نے بظاہر اس کی بیگم سے تعلقات استوار کر رکھے ہیں۔ پیری نے اسے پیٹرزبرگ میں اپنے گھر مدعو کیا اور اب یہ!۔۔۔ وہ یہاں آ گئی اور پھر وہ فتنہ پرور شخص اس کے پیچھے پیچھے پہنچ گیا" بظاہر تو وہ پیری سے ہمدردی جتلانا چاہتی تھی مگر اس کا لہجہ اور ہلکی سی مسکراہٹ اس امر کی غمازی کر رہی تھی کہ وہ غیر ارادی طور پر اس فتنہ پرور کی حمایت کر رہی ہے جیسا کہ اس نے دولوخوف کو کہا تھا۔ اس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا" کہتے ہیں اس مسئلے نے پیری کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے"

نواب نے کہا" بہر حال، اسے کہنا کہ کلب آئے، یوں اس کی توجہ بٹ جائے گی۔ یہ بہت بڑی ضیافت ہو گی"

اگلے دن دو پہر دو بجے انگریزی کلب کے ڈھائی سو ارکان اور ان کے پچاس مہمان اپنے قابل احترام مہمان اور آسٹروی مہم کے ہیرو شہزادہ باگراتیاں کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔

اوسٹرلٹس کی جنگ میں شکست کی خبر سن کر پورا ماسکو ہکا بکا رہ گیا۔ اس وقت روسی فتوحات کے اتنے عادی ہو چکے تھے کہ ایک شکست کی خبر ملی تو بعض لوگوں نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جبکہ دیگر نے اس کی توجیہہ کچھ اس طرح کی کہ اس شکست کا سبب غیر معمولی واقعات ہوں گے۔ انگریزی کلب میں جمع ہونیوالے اہم ترین اور باخبر افراد نے دسمبر میں، جبکہ شکست کی خبریں آنے لگی تھیں، جنگ اور آخری شکست کے بارے میں کوئی بات نہ کی یوں لگتا تھا جیسے انہوں نے خاموش رہنے کیلئے ساز باز کر رکھی ہے۔ نواب روستوپ چن، شہزادہ یوری ولاڈی میرووچ دلگوروکوف، والیف، نواب مارکوف اور شہزادہ وہ یزیمسکی جو کلب میں گفتگو کا رخ متعین کرتے تھے، کلب آنے کی بجائے ایک دوسرے کی رہائش گاہوں پر ملنے لگے۔

ماسکو کا وہ طبقہ جو اپنے نقطہ ہائے نظر دوسروں سے مستعار لیا کرتا تھا (جن میں نواب ایلیا آندریچ رستوف بھی شامل تھا) کچھ عرصہ تک اپنے رہنماؤں اور جنگ کی صورتحال کے حوالے سے تازہ ترین خیالات سے محروم رہا۔ ماسکو کے لوگ یہ محسوس کرتے تھے کہ کہیں کچھ گڑبڑ ہے اور بری خبر کے متعلق قیاس آرائی کرنا مشکل تھا سو انہوں نے خاموش رہنا ہی بہتر جانا۔ مگر کچھ عرصہ بعد یہ رہنما، اپنا نقطہ نظر پیش کرنے کیلئے کلب آنا شروع ہو گئے جیسے عدالت کے جج صاحبان فیصلہ سنانے کیلئے اپنے کمرے سے باہر آتے ہیں۔ چنانچہ صورتحال کا تجزیہ کرنے کیلئے واضح پیمانہ تلاش کر لیا گیا۔ حقیقت کی توجیہہ کیلئے وجوہات تلاش کی گئیں، ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ روسیوں کو شکست دینا ممکن نہیں ہے اور اس وقوعہ کی وجوہات تلاش کرنے کے بعد ماسکو کے ایک سے دوسرے کونے تک لوگ ایک ہی جیسی بات کرنے لگے۔ یہ وجوہات آسٹرویوں کی غداری، شعبہ رسد کی کوتاہی، پولینڈ کے جرنیل پرزے بشوسکی اور فرانسیسی جرنیل لینگرون کی غداری، کوتوزوف کی نااہلی اور (یہ بات سرگوشیوں میں کہی جاتی تھی) شہنشاہ کی نوعمری اور ناتجربہ کاری، جو بے حیثیت اور بے کار لوگوں پر اعتبار کر بیٹھا تھا۔ تاہم ہر شخص یہ بات نہایت وثوق سے کہتا تھا کہ فوج، یعنی روسی فوج بہترین ہے کیونکہ وہ غیر معمولی کارنامے انجام دے چکی ہے۔ سپاہی، افسر اور جرنیل، تمام ہیرو تھے۔ مگر ہیروؤں کا ہیرو شہزادہ باگراتیاں تھا جو شون گرابرن میں خود کو نمایاں ثابت کر چکا تھا اور اوسٹرلٹس کی پسپائی میں وہ واحد شخص تھا جس کا کالم اچھے انداز میں پیچھے ہٹا اور اس نے اپنے سے دو گنا دشمن کو قریب بھی نہ آنے دیا۔ باگراتیاں کے ماسکو کا مقبول عوامی ہیرو بننے کی ایک اور وجہ یہ بھی تھی کہ وہ کسی اور شہر سے تعلق رکھتا تھا اور اس کا ماسکو سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ عام روسی سپاہی وہ ہے جو اٹلی کی مہمات میں سواروف کے ساتھ شریک ہو چکا ہے اس لیے اس کی تعریف کا جواز مل جاتا تھا۔ علاوہ ازیں باگراتیاں کو اس لیے بھی داد و تحسین کا مستحق ٹھہرایا گیا کہ کوتوزوف کے حوالے سے ناپسندیدگی کے اظہار کا یہ ممکنہ بہترین انداز تھا۔

بذلہ سنج شن شن نے والٹیئر کے الفاظ کی پیروڈی کرتے ہوئے کہا" اگر باگراتیاں نہ ہوتا تو کسی کو یہ کردار تخلیق کرنا پڑتا"

لوگوں نے کوتوزوف کے بارے میں کوئی بات نہ کی، اگر کسی نے کی بھی تو سرگوشیوں میں اسے برا بھلا کہا،

لوگ اسے درباری اور مفاد پرست کہتے تھے۔

تمام ماسکو شہزادہ وہ دلگوروکوف کے یہ الفاظ دہرا رہا تھا کہ" درخت کاٹنے سے انگلیاں تو زخمی ہوں گی" یہ بات ہماری شکست کیلئے مرہم کا کام دینے کے ساتھ ساتھ سابقہ فتوحات کی یاد بھی دلاتی تھی۔ روستوپ چن کے الفاظ بھی زبان زد عام تھے کہ" فرانسیسی سپاہی کو جنگ میں شریک کرنے کیلئے مکر و فریب سے کام لینا پڑتا ہے، جرمن کو منطقی دلائل سے یہ بات سمجھانا پڑتی ہے کہ آگے جانے کی نسبت پسپا ہونے میں زیادہ خطرہ ہے مگر ان کے برعکس روسیوں کو روکنا پڑتا ہے کہ آگے بڑھنے میں جلد بازی سے کام نہ لیں" اوسٹرلٹس میں ہمارے سپاہیوں اور افسروں کی انفرادی بہادری کے بارے میں ہر روز نئی داستانیں گھڑی جا رہی تھیں۔ ایک شخص نے جھنڈے کی حفاظت کی، دوسرے نے پانچ فرانسیسیوں کو ہلاک کر دیا، ایک اور نے اکیلے پانچ توپوں میں گولے بھرے۔ ایسے لوگ جو برگ کو جانتے بھی نہیں تھے، یہ کہانی سناتے تھے کہ اس کا دایاں ہاتھ زخمی ہو گیا تو وہ تلوار بائیں ہاتھ میں تھام کر جنگ میں شریک رہا۔ بلکونسکی کے بارے میں کچھ بھی نہ کہا گیا، صرف اس کے قریبی لوگوں کو یہ افسوس تھا کہ وہ جوانی میں ہی مارا گیا اور اپنے پیچھے بیوی بچہ اور سنکی باپ چھوڑ گیا۔

(3)

3 مارچ کو انگریزی کلب کے تمام کمرے آوازوں سے گونج رہے تھے۔ کلب کے تمام ارکان اور مہمان وردیوں اور فراک کوٹ میں ملبوس ادھر ادھر گھومنے، بیٹھنے، گفتگو کرنے اور ملنے ملانے میں مصروف تھے۔ بعض نے بالوں میں پاؤڈر لگا رکھا تھا اور جسم پر روسی خفتان لگا رکھا تھا۔ ہر دروازے پر خدمتگار وردیوں میں ملبوس، سروں پر پاؤڈر چھڑکے اور جرابیں بوٹ پہنے کھڑے مہمانوں اور کلب کے ارکان کی ہر حرکت کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہے تھے تاکہ ان کی موزوں خدمت کی جا سکے۔ کلب میں موجود لوگوں کی اکثریت عمر رسیدہ اور معزز افراد پر مشتمل تھی جن کے چہرے پر اعتماد، انگلیاں موٹی اور آوازیں و اشارے عزم سے بھرپور تھے۔ اس طبقے سے تعلق رکھنے والے مہمان اور ارکان اپنی مخصوص جگہوں پر حلقے بنائے بیٹھے محو گفتگو تھے۔ حاضرین کی ایک مختصر تعداد کبھی کبھار یا اتفاقیہ طور پر آنیوالے مہمانوں پر مشتمل تھی جن میں دینی سوف، رستوف اور دولوخوف بھی شامل تھے، دولوخوف سیمی نووسکی رجمنٹ میں دوبارہ افسر کے عہدے پر بحال ہو گیا تھا۔ ان نوجوانوں خصوصاً افسروں کے چہروں سے کچھ ایسا تاثر ظاہر ہوتا تھا جیسے کہہ رہے ہوں" ہم آپ لوگوں کا احترام ضرور کرتے ہیں مگر یاد رکھیں کہ مستقبل ہمارا ہے" ان میں نیسوتسکی بھی شامل تھا جو کلب کا پرانا رکن تھا۔ پیری جس نے بیوی کے حکم پر سر کے بال بڑھا لیے تھے اور عینک اتار دی تھی، جدید تراش خراش کے لباس میں گھوم رہا تھا تاہم اس کے چہرے سے اداسی ٹپکتی تھی۔ دیگر جگہوں کی طرح یہاں بھی اسے ایسے لوگوں نے گھیر رکھا تھا جو دولتمند ہونے کی بنا پر اس کی تعریف و تحسین کرتے تھے اور وہ بھی عادت کے مطابق انہیں نظر انداز کرتے ہوئے ان سے حقارت کا برتاؤ کر رہا تھا۔

عمر کے اعتبار سے وہ نوجوان تھا مگر دولتمند ہونے کے ناطے اس کا شمار عمر رسیدہ افراد کے حلقوں میں ہوتا تھا چنانچہ وہ ایک سے دوسرے حلقے میں آ جا رہا تھا۔ نمایاں ترین معمر ارکان حلقوں کا مرکز بن گئے تھے اور اجنبی حضرات بھی ان معروف لوگوں کی گفتگو سننے کیلئے احترام کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ سب سے بڑے گروہ نواب روستوپ چن، والیف اور نارِیشکن کے گرد بنے تھے۔ روستوپ چن بتا رہا تھا کہ فرار ہونیوالے آسٹرویوں نے کیسے روسیوں کو پاؤں تلے روندا اور روسیوں نے کس طرح سنگینوں کے زور پر اپنا راستہ بنایا۔ والیف پر اعتماد انداز میں اپنے حلقے کو آگاہ کر رہا تھا کہ یواروف

پیٹرز برگ سے اسی مقصد کے تحت آیا ہے کہ معلوم کر سکے ماسکو کے لوگ اوسٹرلٹس کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں۔

تیسرے گروہ میں نار یشکن آسٹروی جنگی کونسل کے اس اجلاس کی داستان دہرا رہا تھا جس میں آسٹروی جرنیلوں کی بیوقوفیوں کے جواب میں سواروف نے مرغے کی طرح بانگ دی تھی۔ شن شن جو قریب کھڑا تھا، مذاق کی کوشش کرتے ہوئے کہہ رہا تھا "یوں لگتا ہے کہ کوتوزوف سواروف سے اتنی آسان بات بھی نہ سیکھ سکا کہ مرغے کی آواز کیسے نکالی جاتی ہے" تاہم کلب کے معمر ارکان اس کی جانب خشمگیں نگاہوں سے دیکھنے لگے جیسے کہہ رہے ہوں "ایسے موقع پر کوتوزوف کا یوں ذکر بے موقع ہے"

نواب ایلیا آندریچ رستوف نرم بوٹ پہنے عجلت سے ڈائننگ اور ڈرائنگ روم کے مابین گھوم پھر رہا تھا اور اہم و غیر اہم اشخاص کی پرواہ کئے بغیر ہر ایک کو یکساں انداز سے خوش آمدید کہہ رہا تھا۔ کبھی کبھار اس کی نگاہیں اپنے نوجوان بیٹے کے شاندار سراپے کی جانب اٹھ جاتیں اور وہ خوش دلی سے اسے آنکھ مار دیتا۔ نوجوان رستوف دولوخوف کے ساتھ کھڑکی کے قریب کھڑا تھا جس کی خوبیوں نے اسے بیحد متاثر کیا تھا۔ معمر نواب ان کے پاس آیا اور دولوخوف سے مصافحہ کیا۔

اس نے دولوخوف سے کہا "میری درخواست ہے کہ تم ہمارے ہاں آؤ گے، تم میرے بیٹے کے دوست ہو۔۔۔ اکٹھے رہتے اور بہادرانہ کارنامے انجام دیتے رہے ہو۔۔۔ ارے او پیلے اگناتچ۔۔۔ بزرگوار! تمہیں دیکھ کر خوشی ہوئی" وہ ایک معمر شخص کو دیکھ کر اس کی جانب متوجہ ہو گیا تھا، تاہم اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی ایک خدمتگار بھاگتا ہوا آیا اور اعلان کیا "وہ آ چکے ہیں!"

گھنٹیاں بجنے لگیں، نگرانی آگے بڑھے، مختلف کمروں میں بکھرے مہمان یوں اکٹھے ہونے لگے جیسے چھاج میں دانے اکٹھے ہوتے ہیں، بڑے ڈرائنگ روم کے دروازے پر ہجوم اکٹھا ہو گیا۔

بیرونی دروازے پر باگراتیاں دکھائی دیا جو ٹوپی اور تلوار کے بغیر چلا آ رہا تھا، کلب کے قوانین کے مطابق یہ دونوں چیزیں ہال کے پورٹر کے سپرد کر دی گئی تھیں۔ اس کے پاس استرخانی ٹوپی اور چابک بھی نہ تھی جیسا کہ رستوف نے اسے اوسٹرلٹس کی جنگ سے ایک رات قبل دیکھا تھا، اس کی بجائے وہ تنگ اور نئی وردی میں ملبوس تھا جس پر سینٹ جارج سٹار کے علاوہ بائیں جانب روسی اور غیر ملکی تمغے آویزاں تھے۔ یوں دکھائی پڑتا تھا جیسے اس نے حال ہی میں بال اور مونچھیں ترشوائی ہیں مگر اس سے اس کی شکل بہتر ہونے کی بجائے پہلے سے بھی خراب دکھائی دے رہی تھی اور یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ میلے میں آیا ہو۔ اس کے چہرے پر خوشی کا تاثر تھا جو اس کے قوی اور گٹھے ہوئے جسم سے قطعی میل نہ کھاتا تھا اور اس نے چہرے کو الٹا مضحکہ خیز بنا دیا تھا۔ اس کے ساتھ آنیوالے بیکلیشوف اور فیودور پیٹرووچ یواروف دروازے پر ہی کھڑے ہو گئے تاکہ مہمان خصوصی کی حیثیت سے وہ پہلے اندر داخل ہو سکے۔ باگراتیاں نے ان کی شائستگی سے فائدہ اٹھانے میں تامل برتا اور اسے کسی قدر خفت محسوس ہوئی جس کے نتیجے میں کچھ دیر ہوئی تاہم آخرکار وہ آگے بڑھ گیا۔ اسے استقبالیہ کمرے کا فرش شرمیلے اور بھونڈے انداز سے پار کیا، اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اپنے خالی ہاتھوں کا کیا کرے۔ اس کی بجائے اسے ایسا کھیت پار کرنا پڑتا جس میں تازہ ہل چلایا گیا ہو جیسا کہ اس نے شون گرابرن کے میدان میں کرسک رجمنٹ کی قیادت کرتے ہوئے کیا تھا تو وہ اس کیلئے زیادہ آسان تھا۔ پہلے دروازے پر کلب کے نگرانوں نے اس کا استقبال کیا اور اس کی شان میں چند فقرات کہے جس کے بعد وہ جواب کا انتظار کئے بغیر اسے ساتھ لے کر ڈرائنگ روم کی جانب چل دیے۔ دروازے پر کلب کے ارکان اور مہمانوں کی بھیڑ کے باعث

اندر داخل ہونا بیحد مشکل تھا، لوگ یوں گردنیں اٹھا اٹھا کر باگراتیاں کو دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے جیسے وہ کوئی نایاب درندہ ہو۔ نواب ایلیا آندریچ با آواز بلند ہنستا مسلسل کہے جا رہا تھا "میرے عزیزو، راستہ چھوڑ دو، راستہ دو، راستہ دیں" اس کے ساتھ ساتھ وہ ہجوم کو ایک جانب دھکیلتا مہمانوں کو ڈرائنگ روم میں لے گیا اور انہیں صوفے پر درمیان میں بٹھا دیا۔ اہم ترین شخصیات اور نمایاں ارکان نے نووارد مہمانوں کے گرد گھیرا ڈال لیا۔ نواب ایلیا آندریچ ایک مرتبہ پھر ہجوم میں راستہ بناتا ڈرائنگ روم سے باہر گیا اور ایک منٹ بعد ایک اور نگران کے ساتھ آموجود ہوا جس نے ہاتھ میں چاندی سے بنی طشتری اٹھا رکھی تھی جو باگراتیاں کے سامنے رکھ دی گئی۔ طشتری پر ہیرو کے نام ایک نظم تحریر کی گئی تھی۔ باگراتیاں نے طشتری کو غیر یقینی کے انداز میں دیکھا اور ادھر ادھر دیکھ کر مدد کا متلاشی ہوا۔ تاہم تمام نگاہیں اسے یہ کہہ رہی تھیں کہ وہ اسے قبول کر لے۔ باگراتیاں نے خود کو ان کے شکنجے میں جکڑا محسوس کر کے پرعزم انداز سے طشتری دونوں ہاتھوں میں اٹھا لی اور نواب کی جانب غصیلی اور ملامت آمیز نگاہوں سے دیکھنے لگا جو یہ لایا تھا۔ کسی نے آگے بڑھ کر طشتری باگراتیاں کے ہاتھ سے لے لی (ورنہ یوں لگتا تھا جیسے وہ اسے رات تک تھامے رکھے گا اور کھانے کی میز پر بھی ساتھ لے جائے گا) اور اس کی توجہ نظم کی جانب دلائی۔ باگراتیاں یہ کہتا محسوس ہوتا تھا کہ "ٹھیک ہے، میں اسے پڑھوں گا" اور پھر اس نے اپنی تھکی ہوئی نگاہیں کاغذ پر جما کر سنجیدگی اور انہماک سے اشعار پڑھنا شروع کر دیے۔ اسی دوران اشعار تخلیق کرنے والے نے کاغذ لے لیا اور با آواز بلند پڑھنے لگا۔ شہزادہ باگراتیاں نے سر جھکایا اور سننا شروع کر دیا۔

تم انگیز نڈر کے دور کی شان ہو!
اور تم ہمارے ٹائٹس تخت کے محافظ ہو!
تم ہمارے حمایتی اور ملک کا سہارا ہو!
تم نیک دل اور جنگ کے سیزر ہو!
مغرور نپولین بھی تمہیں جان گیا ہے
وہ باگراتیاں سے لڑنے کی ہمت نہیں رکھتا
تمہیں کوئی نہیں ہرا سکتا!

مگر اس نے ابھی پڑھنا ختم نہیں کیا تھا کہ خانساماں اندر آیا اور اعلان کیا "کھانا تیار ہے" کھانے کے کمرے کا دروازہ کھول دیا گیا اور پولینڈ کے رقص پولونیز کی دھن گونجنے لگی "بہادر روسیو، تمہیں فتح مبارک ہو" نواب ایلیا آندریچ نے اشعار پڑھنے والے کو غصے سے دیکھا جو ابھی تک پڑھے جا رہا تھا اور پھر تعظیماً باگراتیاں کے سامنے جھک کر اسے اندر جانے کا اشارہ کیا۔ تمام لوگوں نے محسوس کیا کہ کھانا اشعار سے زیادہ اہم ہے اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک مرتبہ پھر باگراتیاں سب سے آگے آگے اور دیگر لوگ پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ باگراتیاں کو مہمانوں کی جگہ پر دو الیگزینڈر۔۔۔ بیکلیشوف اور نار یشکن۔۔۔ کے درمیان بٹھا دیا گیا (یہ زار کے نام کی طرف اشارہ تھا) تین سو افراد اپنے مقام و مرتبے کے اعتبار سے میزوں کے گرد بیٹھ گئے، اہم ترین افراد مہمان کے قریب ترین اور نسبتاً کم مرتبے کے حامل دور بیٹھے بعینہ جس طرح پانی اپنی سطح خود بخود دریافت کر لیتا ہے۔

کھانے سے پہلے نواب ایلیا آندریچ نے اپنے بیٹے کو شہزادہ باگراتیاں کے سامنے پیش کیا۔ باگراتیاں نے اسے پہچان لیا اس روز کی دیگر باتوں کی طرح چند بے معنی اور بے ربط الفاظ کہے۔ جب باگراتیاں اس سے گفتگو کر رہا تھا

تو نواب رستوف ہر ایک کی جانب نہایت فخر و مسرت سے دیکھ رہا تھا۔

نکولائی رستوف، دینی سوف اور اپنے نئے دوست دولوخوف کے ساتھ میز کے تقریباً درمیان میں بیٹھا تھا۔ ان کے بالکل سامنے پیری اور شہزادہ نیسوتسکی تھے۔ نواب ایلیا آندریچ کلب کے دیگر نگرانوں کے ساتھ باگراتیاں کے بالمقابل براجمان تھا اور ماسکو کی مثالی مہمان نوازی کا اظہار کرتے ہوئے باگراتیاں کی خدمت کرنے لگا۔

اس کی کوششیں اکارت نہیں گئی تھیں۔ کھانے والوں کیلئے پرتکلف اور سادہ ہر دو اقسام کے کھانوں کا اہتمام کیا گیا تھا تاہم ڈنر کے اختتام تک وہ چین سے نہ بیٹھ سکا۔ وہ خانساماں کو اشارے کرتا، خدمتگاروں کو دبی آواز میں ہدایات دیتا اور ہر متوقع ڈش کا بے چینی سے انتظار کرنے لگتا۔ ہر شے عمدہ تھی۔ کھانے کے دوسرے دور میں بہت بڑی سٹرجن مچھلی لائی گئی (جسے دیکھ کر نواب کا چہرہ کھل اٹھا) اور خدمتگاروں نے بوتلیں کھول کر شمپین گلاسوں میں انڈیلنا شروع کر دی۔ مچھلی نے کسی حد تک سنسنی پیدا کر دی تھی جس کے بعد نواب نے دیگر نگرانوں کے ساتھ نگاہوں کا تبادلہ کیا۔ پھر وہ سرگوشی کے عالم میں بولا "بہت سے جام ہائے صحت تجویز کئے جاتا ہیں، بہتر ہے کہ اب شروع کر دیا جائے!" یہ کہہ کر وہ گلاس ہاتھ میں لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔ تمام لوگ خاموشی سے انتظار کرنے لگے کہ وہ کیا کہتا ہے۔

نواب باآواز بلند بولا "ہمارے مقتدر اعلیٰ، شہنشاہ کے نام" اس موقع پر اس کی پرشفقت آنکھیں وفور مسرت وجذبات سے بھیگ گئیں۔ اسی لمحے موسیقاروں نے "بہادر روسیو، تمہیں فتح مبارک ہو" والے نغمے کی دھنیں بکھیرنا شروع کر دیں۔ تمام لوگ اپنی نشستوں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور بلند آواز سے "ہرا!" کا نعرہ بلند کیا۔ شہزادہ باگراتیاں نے بھی اسی انداز میں یہ نعرہ لگایا جس طرح اس نے شون گرابرن کے میدان جنگ میں لگایا تھا۔ نوجوان رستوف کی جذباتی معمور آواز سب سے بلند تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور وہ چلا کر کہنے لگا "ہمارے مقتدر اعلیٰ شہنشاہ کا جام صحت، ہرا!" یہ کہہ کر اس نے گلاس خالی کیا اور اسے فرش پر پٹخ دیا۔ متعدد دیگر افراد نے بھی اس کی تقلید کی اور کافی دیر تک ہاؤ ہو ہوتا رہا۔ جب شور و غل ختم ہوا تو خدمتگاروں نے فرش سے ٹوٹے گلاسوں کے شیشے صاف کئے اور تمام لوگ دوبارہ اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے۔ ہر کوئی اس شور شرابے پر بہت خوش تھا اور مسکرا کر باتیں کر رہا تھا۔ نواب ایلیا آندریچ ایک مرتبہ پھر اپنی نشست سے اٹھا اور اپنی پلیٹ کے قریب پڑے کاغذ کے پرزے پر نظر ڈالی اور ہماری آخری مہم کے ہیرو شہزادہ پیٹر ایوانوچ باگراتیاں کا جام صحت تجویز کیا۔ ایک مرتبہ پھر اس کی نیلی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اس نے "ہرا!" کا نعرہ بلند کیا جس میں تین سو آوازوں نے اس کا ساتھ دیا۔ اس مرتبہ موسیقاروں نے پچھلے والے نغمے کی جگہ ایک اور گیت کی دھنیں بجانا شروع کر دیں جسے پاول ایوانوچ کوتوزوف نے ترتیب دیا تھا:

کوئی رکاوٹ روسیوں کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتی
ان کی بہادری فتح پر منتج ہوتی ہے
ہمارے پاس باگراتیاں ہے
تمام دشمن ہمارے قدموں میں ہوں گے، وغیرہ وغیرہ

جونہی گانا ختم ہوا مزید جام ہائے صحت تجویز کئے گئے اور ہر جام پر نواب کی حالت مزید رقت انگیز ہو جاتی، گلاس ٹوٹتے گئے اور شور شرابہ بڑھتا چلا گیا۔ بیکلیشوف، ناریشکن، یواروف، دلگوروکوف، اپراکسن، والیف، کلب کے نگرانوں، کمیٹی، ارکان، تمام مہمانوں اور آخر میں ضیافت کے میزبان نواب ایلیا آندریچ کے جام ہائے صحت تجویز کئے گئے۔ اپنی باری پر نواب نے رومال نکالا اور منہ ڈھانپ کر زار و قطار رونا شروع کر دیا۔

(4)

پیری دولوخوف اور نکولائی رستوف کے بالمقابل بیٹھا تھا۔ اس نے حسب معمول ندیدوں کی طرح کھایا اور ڈٹ کر پی۔ تاہم جو لوگ اسے جانتے تھے، انہوں نے اس دن اس میں خاصی تبدیلی محسوس کی۔ وہ کھانے کے دوران خاموش رہا اور کبھی آنکھیں جھپکاتا، ادھر ادھر دیکھتا اور بالکل بے دھیانی کے عالم میں انگلی سے اپنی ناک کا سرا مسلنے لگتا۔ اس کے چہرے پر مایوسی اور ملال کا تاثر نمایاں تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ گرد و پیش سے بے خبر کسی تکلیف دہ مسئلے کے حل بارے سوچ بچار کر رہا ہے۔

یہ غیر حل شدہ مسئلہ جو اس کیلئے پریشانی کا باعث بنا ہوا تھا، ان اشاروں کنایوں کے بعد پیدا ہوا جو اس کی چچازاد بہن بڑی شہزادی نے اس کی بیوی اور دولوخوف کے درمیان بے تکلفی کے بارے میں کئے تھے اور اس کا کسی حد تک ذمہ دار وہ گمنام خط ہی تھا جس میں اسے شوخ اور عامیانہ انداز میں آگاہ کیا گیا تھا کہ "تمہیں عینک کے باوجود نظر نہیں آتا کہ تمہاری بیوی کی دولوخوف سے راہ و رسم ہے جبکہ ساری دنیا اس معاملے سے آگاہ ہے۔" پیری کو شہزادی کے اشاروں اور خط پر یقین نہیں آیا تھا مگر اب وہ اپنے سامنے بیٹھے دولوخوف سے آنکھ نہیں ملا پا رہا تھا۔ جب بھی اس کی نظر دولوخوف کی خوبصورت اور گستاخ آنکھوں سے چار ہوتیں، اسے یوں محسوس ہوتا جیسے اس کی روح میں کوئی خوفناک اور انسانیت سوز شے بھونک دی گئی ہو اور وہ جلدی سے اپنی نگاہیں پھیر لیتا۔ پیری غیر ارادی طور پر اپنی بیوی کے ماضی اور دولوخوف کے ساتھ اس کا رویہ یاد کرنے لگا۔ اب اسے محسوس ہو رہا تھا کہ جنگ سے لوٹنے والا دولوخوف کس طرح پیٹرزبرگ میں اس کے پاس آیا تھا۔ اوائل عمری میں وہ اکٹھے جس طرح کی شرارتیں کرتے، انہی کی بدولت وہ ایک دوسرے کے دوست بن گئے تھے اور اس دوستی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دولوخوف سیدھا اس کے ہاں چلا آیا جسے اس نے نہ صرف ٹھہرایا بلکہ بطور قرض کچھ رقم بھی دی۔ پیری کو یاد آیا کہ کس طرح ایلین نے دولوخوف کے اپنے ہاں قیام پر مسکراتے ہوئے عدم اطمینان کا اظہار کیا تھا اور دولوخوف نے کس طرح اس کے سامنے اس کی بیوی کی تعریف کی تھی اور کیسے وہ ان کے ماسکو آنے تک ایک دن بھی ان کے گھر سے باہر نہیں گیا تھا۔

پیری نے سوچا "ہاں، وہ بیحد خوبصورت ہے اور میں اسے جانتا ہوں۔ اسے محض اس لیے میرا مذاق اڑانے میں کشش نظر آئی کہ میں نے اسے دوست بنایا، اس کی مدد اور اس کیلئے بھاگ دوڑ کی۔ میں جانتا اور سمجھتا ہوں کہ اگر یہ بات درست ہے تو اس نے مجھے دھوکہ دے کر کس طرح خوشی محسوس کی ہوگی مگر مجھے اس کا یقین نہیں آتا۔ مجھے اس بات پر یقین کرنے کا کوئی حق نہیں اور میں اس پر یقین کر بھی نہیں سکتا" پیری نے اسی لمحے دولوخوف کے چہرے پر اس وقت پیدا ہونیوالے سفاکانہ تاثرات یاد کئے جب اس نے ایک پولیس افسر کو ریچھ سے باندھ کر پانی میں پھینکا تھا یا ایک مرتبہ کسی اشتعال کے بغیر ایک شخص کو ڈوئیل کا چیلنج دے دیا تھا اور ایک مرتبہ پستول کی گولی سے برف گاڑی کے ڈرائیور کا گھوڑا ہلاک کر دیا تھا۔ اس نے سوچا "دولوخوف کے چہرے پر یہ تمام سفاکانہ تاثرات اسی وقت ابھرتے ہیں جب وہ میری جانب دیکھ رہا ہوتا ہے، ہاں، یہ غنڈہ ہے اور کسی کی جان لینا اس کیلئے کوئی معانی نہیں رکھتا، اسے یہی محسوس ہوتا ہوگا کہ ہر شخص اس سے ڈرتا ہے۔ وہ ایسا ہی ہے۔ یقیناً وہ سوچتا ہوگا کہ میں اس سے خوفزدہ ہوں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ میں اس سے ڈرتا ہوں" یہ سوچ کر اسے ایک مرتبہ پھر کوئی خوفناک اور انسانیت سوز شے اپنی روح میں اترتی محسوس ہوئی۔ دولوخوف، دینی سوف اور رستوف پیری کے سامنے بیٹھے بیحد مسرور دکھائی دے رہے تھے۔ رستوف اپنے دونوں

دوستوں سے سرخوشی کے عالم میں محو گفتگو تھا جن میں سے ایک شاندار ہوزار اور دوسرا بدنام ڈوئیل باز اور بدمعاش تھا جو کبھی کبھار پیری کو طنزیہ نظروں سے دیکھنے لگتا تھا جو بے دھیانی کے عالم میں سوچ میں ڈوبا ہوا اور اپنے بھاری بھرکم جثے کی بدولت ضیافت میں دوسروں سے نمایاں دکھائی دے رہا تھا۔ رستوف نے پیری کو مخاصمانہ نگاہوں سے دیکھا۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ وہ ہوزار تھا اور اس کی نگاہوں میں پیری ایک امیر، غیر فوجی اور خوبصورت بیوی کا خاوند ہونے کے ناطے درحقیقت بوڑھا شخص تھا۔ دوسری بات یہ کہ پیری اپنے خیالات میں کھویا ہوا تھا اور اس نے رستوف کو نہیں پہچانا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ بے دھیانی میں اس کے سلام کا جواب بھی نہیں دیا تھا۔ مزید براں جب زار کا جام صحت تجویز ہوا تو پیری نے، جو اپنے خیالات میں غرق تھا، اپنا گلاس اٹھایا نہ خود اٹھا۔

اس دوران رستوف اس کی جانب جذباتی اور مشتعل نظروں سے دیکھتے ہوئے چلا کر پوچھا "تمہیں کیا ہوا ہے؟ تم نے سنا نہیں، ہمارے حضور اعلیٰ شہنشاہ کا جام صحت تجویز کیا جا رہا ہے!"

پیری سرد آہ بھر کر فرمانبرداری کے انداز میں اٹھ کھڑا ہوا اور اپنا گلاس خالی کر کے اس وقت تک کھڑا رہا جب تک تمام لوگ اپنی نشستوں پر نہ بیٹھ گئے۔ اس نے مسکرا کر رستوف کی جانب دیکھا اور کہنے لگا "میں نے تمہیں پہچانا ہی نہیں" مگر رستوف "ہرا!" کے نعرے بلند کرنے میں مصروف تھا اور اس کی بات نہ سن سکا۔

دولوخوف نے رستوف سے کہا "تم اس سے اپنا دوبارہ تعارف کیوں نہیں کراتے؟"

رستوف نے جواب دیا "چھوڑو یار، یہ بیوقوف ہے"

دینی سوف نے کہا "خوبصورت خواتین کے شوہروں سے اچھے تعلقات رکھنے چاہئیں"

پیری ان کی باتیں نہ سن سکا تاہم وہ جانتا تھا کہ اس کے بارے میں گفتگو ہو رہی ہے۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اس نے منہ پھیر لیا۔ دولوخوف کہنے لگا "ٹھیک ہے، آؤ اب خوبصورت خواتین کا جام صحت!" اس نے یہ بات سنجیدہ لہجے میں کہی اور پیری کی جانب دیکھتے ہوئے اپنا گلاس اٹھا کر بولا "پیروشکا! خوبصورت خواتین اور ان کے عشاق کے نام!" یہ کہتے ہوئے اس کی باچھیں کھل رہی تھیں۔

پیری نے دولوخوف کی جانب دیکھے اور اس کا جواب دیے بغیر اپنا گلاس ہونٹوں سے لگا لیا۔ کوتوزوف کے گیت پر مبنی کاغذ تقسیم کرنے والے خدمتگار نے ایک کاغذ پیری کے سامنے بھی رکھ دیا کیونکہ اس کا شمار انتہائی قابل احترام مہمانوں میں ہوتا تھا۔ اس نے کاغذ اٹھایا ہی تھا کہ دولوخوف آگے جھکا اور کاغذ اس کے ہاتھوں سے چھین کر پڑھنا شروع کر دیا۔ پیری نے دولوخوف کی جانب دیکھا اور اپنی نظریں جھکا لیں۔ وہ خوفناک اور انسانیت سوز شے جو اس تمام عرصے کے دوران اسے اذیت پہنچاتی رہی تھی اسے دوبارہ جکڑنے لگی۔ اس نے اپنا بھاری بھرکم جسم میز پر آگے کی جانب جھکایا اور چلا کر بولا "تمہیں ایسا کرنے کی جرأت کیسے ہوئی۔"

نیسوتسکی اور اس کی دائیں جانب بیٹھے ہمسائے نے جب یہ آواز سنی اور دیکھا کہ اس کا مخاطب کون ہے تو تیزی سے بیزوخوف کی جانب لپکے۔

انہوں نے خوفزدہ سرگوشیوں میں اسے کہا "ارے، ارے، کیا کر رہے ہیں؟" دولوخوف نے پیری کی جانب اسی طرح مسکراتے ہوئے شفاف، ظالمانہ اور ہشاش بشاش نظروں سے دیکھا جو یہ کہتی محسوس ہوتی تھیں کہ "مجھے تو یہی پسند ہے"

اس نے واضح انداز میں کہا "میں نہیں دوں گا"

پیری کے ہونٹ زرد ہو کر کانپنے لگے اور اس نے کاغذ چھین لیا۔ پھر اس نے کہا "تم۔۔۔ تم۔۔۔ بدمعاش!۔۔۔ میں تمہیں چیلنج دیتا ہوں" یہ کہہ کر اس نے کرسی پیچھے ہٹائی اور میز سے اٹھ کھڑا ہوا۔ جس لمحے پیری کے منہ سے یہ الفاظ برآمد ہوئے، اسی وقت اسے محسوس ہوا کہ اس کی بیوی کی غلطی کا سوال بالآخر درست ثابت ہو گیا جو اسے گزشتہ چوبیس گھنٹے سے اذیت پہنچا رہا تھا۔ اسے اپنی بیوی سے نفرت ہونے لگی اور اس سے اس کا تعلق ہمیشہ کیلئے ختم ہو گیا۔ دینی سوف نے رستوف سے بہتیرا اصرار کیا کہ وہ معاملے میں مداخلت نہ کرے مگر وہ دولوخوف کا نائب بننے پر آمادہ ہو گیا اور کھانے کے بعد اس نے بیزوخوف کے نائب نیسوتسکی سے ڈوئیل کے انتظامات طے کئے۔ پیری گھر چلا گیا مگر رستوف، دولوخوف اور دینی سوف کے ساتھ کلب میں ہی ٹھہرا رہا اور رات گئے جپسیوں کے گانے سنتا رہا۔

بعد ازاں دولوخوف کلب سے رخصت ہوتے ہوئے بولا "اچھا، کل تک خدا حافظ، کل سوکولنکی میں ملاقات ہوگی۔"

رستوف نے پوچھا "کیا تم خود کو پرسکون محسوس کر رہے ہو؟"

دولوخوف رک گیا۔

وہ کہنے لگا "میں تمہیں ڈوئیل لڑنے کا تمام طریقہ دو منٹ میں بتائے دیتا ہوں۔ اگر تم ڈوئیل سے پہلے وصیت تیار کرنا بیٹھ جاؤ اور والدین کو طویل خط لکھنے لگو نیز یہ سوچو کہ تم ہلاک ہو سکتے ہو تو پھر تم بہت بڑے بیوقوف ہو۔ اس کے برعکس اگر کوئی شخص یہ سوچے کہ اس نے اپنے مخالف کو ہر صورت اور جس قدر جلد ہو سکے ہلاک کرنا ہے تو پھر سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ جیسا کہ کاستروما میں ہمارے ہاں ریچھوں کا ایک شکاری تھا جو مجھے اکثر کہا کرتا تھا "ریچھ سے کون خوفزدہ نہیں ہوتا مگر جب تم اسے دیکھتے ہو تو تمہارا تمام خوف جاتا رہتا ہے اور تمہاری یہ کوشش ہوتی ہے کہ ریچھ بچ کر نہ جانے پائے! میں بس ایسا ہی محسوس کرتا ہوں"

اگلی صبح آٹھ بجے پیری اور نیسوتسکی سوکولنکی جنگل میں پہنچے اور دولوخوف، دینی سوف اور رستوف کو پہلے ہی وہاں موجود پایا۔ پیری کی حالت ایسے شخص کی تھی جو ایسی سوچوں میں غلطاں ہوتا ہے جن کا حالیہ معاملے سے کوئی تعلق نہ ہو۔ اس کا چہرہ زرد اور خوفزدہ دکھائی دیتا تھا۔ وہ تمام رات سو نہیں سکا تھا اور بے دھیانی سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پلکیں جھپکا رہا تھا جیسے آنکھوں میں تیز روشنی پڑ رہی ہو۔ اس کے ذہن پر دو خیالات چھائے ہوئے تھے یعنی اپنی بیوی کی غلطی اور دولوخوف کی بے تقصیری، جسے ایسے شخص کی عزت سے کوئی سروکار نہ تھا جس کی نگاہوں میں اس کی کوئی اہمیت ہی نہ تھی۔ پیری نے سوچا "ہو سکتا ہے اس کی میں ہوتا تو یہی کرتا۔ یقیناً میں نے یہی کیا ہوتا۔ تو پھر یہ ڈوئیل، قتل و غارت، کیا ہے؟ یا تو میں اسے ہلاک کر دوں گا یا وہ میرے سر، کہنی یا گھٹنے میں گولی اتار دے گا" یہ سوچ کر اس کے ذہن میں بھاگنے اور غائب ہونے جیسے خیالات آنے لگے۔ مگر اس لمحے جبکہ اس کے ذہن میں ایسے خیالات پرورش پا رہے تھے، اس کے چہرے پر عجیب سا سکون اور لاتعلقی کا تاثر نمایاں تھا جسے دیکھ کر ناظرین کے چہروں پر اس کیلئے احترام کے تاثرات نمودار ہو گئے۔ اس نے ان سے پوچھا "کیا شروع کی جائے، یا ابھی تیار نہیں ہوئے؟"

جب ہر شے تیار ہو گئی، حد بندی کیلئے برف میں تلواریں گاڑ دی گئیں اور پستول بھر لیے گئے تو نیسوتسکی پیری کے پاس گیا۔

وہ گمبھیر لہجے میں اس سے کہنے لگا "نواب! اگر میں نے اس افسوسناک موقع پر میں نے آپ کو تمام حقیقت سے آگاہ نہ کیا تو سمجھوں گا کہ آپ نے مجھے اپنا نائب منتخب کر کے مجھ پر جو اعتماد کیا، میں اس پر پورا اترنے میں ناکام

رہا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس جھگڑے کی موزوں وجوہات موجود نہیں ہیں اور اس حوالے سے خون خرابہ ٹھیک نہ ہوگا۔۔۔ غلطی آپ کی تھی، آپ جذبات پر قابو نہ رکھ سکے۔۔۔"

پیری کہنے لگا "یقیناً یہ بیوقوفی تھی"

نیسوتسکی نے کہا "تو پھر مجھے اپنی جانب سے معذرت کی اجازت دیجئے، مجھے یقین ہے کہ ہمارے مخالفین آپ کی معذرت قبول کریں گے (وہ ایسے معاملات میں شریک دیگر لوگوں کی طرح یہی سوچ رہا تھا کہ ڈوئیل کی نوبت نہیں آئے گی) نواب! آپ جانتے ہیں کہ معاملات کو ناقابل تلافی مقامات تک لے جانے کی نسبت غلطی تسلیم کر لینا ہی باعزت لوگوں کا شیوہ ہے۔ اس طرح دونوں جانب سے کسی کی سبکی بھی نہیں ہوگی۔ مجھے اجازت دیجئے کہ۔۔۔"

پیری نے کہا "نہیں، تم کیسی بات کر رہے ہو؟ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔۔۔ تو پھر تیار ہیں؟ مجھے صرف اتنا بتا دیں کہ مجھے کہاں اور کیسے جانا ہے اور کہاں گولی چلانا ہوگی؟ اس کے چہرے پر غیر فطری اور ملائمت بھری مسکراہٹ عیاں تھی۔ اس نے پستول اٹھایا اور پوچھنے لگا کہ اسے کیسے چلایا جاتا ہے کیونکہ اس نے کبھی پستول نہیں اٹھایا تھا اور یہی وہ حقیقت تھی جس کا اعتراف کرنے کو وہ تیار نہ تھا۔ نیسوتسکی کے بتانے پر اس نے کہا" ارے ہاں، یقیناً، میں جانتا ہوں، بس بھول گیا تھا"

ڈینی سوف نے اپنی جانب سے صلح کرانے کی کوشش کی مگر دولوخوف اس سے کہہ رہا تھا "نہیں، معذرت کیوں، یقیناً نہیں" وہ بھی مقررہ مقام پر پہنچ گیا۔

ڈوئیل کیلئے منتخب کی جانیوالی جگہ سڑک سے کم وبیش اسی قدم دور تھی جہاں ان کی برف گاڑیاں کھڑی تھیں۔ یہ صنوبر کے درختوں میں ایک صاف قطعہ زمین تھا جس کی سطح گزشتہ چند روز سے پڑنے والی گرمی کی بدولت پگھلتی برف سے ڈھکی تھی۔ دونوں حریف اس خالی جگہ کے کناروں پر ایک دوسرے سے چالیس قدم دور کھڑے ہو گئے۔ نائبین نے فاصلہ ماپتے وقت اپنے قدموں سے اس جگہ نشانات لگا دیے جہاں نیسوتسکی اور ڈینی سوف کی تلواریں حد بندی کیلئے ایک دوسرے سے دس قدم دور برف میں گاڑی گئی تھیں۔ دھند چھائی ہوئی تھی اور برف پگھل رہی تھی۔ چالیس قدم دور کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ تین منٹ میں ہر شے تیار ہو گئی تاہم انہوں نے ڈوئیل کا آغاز نہ کیا۔ ہر ایک خاموش کھڑا تھا۔

(5)

دولوخوف نے کہا" ٹھیک ہے، تو پھر شروع کی جائے"

پیری اسی انداز سے مسکراتے ہوئے بولا "یقیناً"

فضا میں دہشت کا احساس طاری تھا۔ یہ امر عیاں تھا کہ یہ معاملہ جو چھوٹی سی بات سے شروع ہوا تھا اب ختم نہیں ہو سکتا تھا اور اس نے اپنے انجام کو پہنچنا تھا جس میں انسانی مرضی کا کوئی عمل دخل نہیں رہا تھا۔ ڈینی سوف حد بندی کی طرف بڑھا اور اعلان کیا:

"اب جبکہ فریقین صلح کیلئے تیار نہیں، کارروائی شروع ہو جانی چاہئے۔ اپنے پستول تھام لیں اور لفظ 'تین' پر ایک دوسرے کی جانب بڑھنا شروع کر دیں۔ اے۔۔۔ ایک! دو! تین!" ڈینی سوف باآواز بلند بولا اور حد بندی سے دور ہٹ گیا۔ دونوں حریف برف پر بنی پگڈنڈی پر آہستگی سے چلتے ہوئے آگے بڑھنے لگے، وہ ایک دوسرے کے قریب آتے جا رہے تھے اور انہیں ایک دوسرے کی شکلیں دکھائی دینے لگی تھیں۔ درمیانی حد بندی کے قریب پہنچ کر انہیں یہ حق

حاصل ہو گیا کہ وہ جب چاہیں ایک دوسرے پر گولی چلا دیں۔ دولوخوف اپنا پستول اٹھائے بغیر آہستگی سے چل رہا تھا اور اپنی شفاف نیلی اور چمکدار آنکھوں سے حریف کے چہرے کو تکے جا رہا تھا۔ اس کے چہرے پر حسب معمول مسکراہٹ طاری تھی۔

پیری نے کہا "تو پھر جب میں چاہوں گولی چلا سکتا ہوں" لفظ 'تین' پر وہ تیز قدموں سے آگے بڑھا، جلدی میں اس کے پاؤں گہری برف میں دھنس گئے۔ پیری نے پستول والے دائیں ہاتھ کو خاصا آگے نکالا ہوا تھا، یقیناً اسے یہ خوف لاحق تھا کہ کہیں وہ اپنی ہی گولی کا نشانہ نہ بن جائے۔ اس نے بائیں ہاتھ کو احتیاط سے پیچھے کر رکھا تھا۔ وہ اس سے بھی کام لینا چاہتا تھا مگر اسے علم تھا کہ ایسا کرنے کی اجازت نہیں۔ چھ قدم آگے بڑھنے کے بعد اس نے برف میں دھنسے اپنے پاؤں پر نظر ڈالی، پھر تیزی سے دولوخوف کی جانب دیکھا اور پھر گولی چلانے کیلئے اپنی انگلی دبا دی جیسا کہ اسے بتایا گیا تھا۔ اسے اتنے زوردار دھماکے کی توقع نہ تھی۔ اپنی ہی گولی کے دھماکے پر وہ اچھل پڑا اور پھر اپنے ردعمل پر مسکراتے ہوئے ایک جگہ ساکت کھڑا ہو گیا۔ دھند کے باعث دھواں مزید گہرا ہو گیا اور ایک لمحے کیلئے اسے کچھ دکھائی نہ دیا، البتہ اسے جس دوسری گولی کے چلنے کی توقع تھی اس کی آواز سنائی نہ دی۔ صرف دولوخوف کے تیز تیز قدموں سے چلنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ دھوئیں سے اس کی شکل برآمد ہوئی اور، اس نے ایک ہاتھ سے اپنا بایاں پہلو تھام رکھا تھا جبکہ دوسرے میں پکڑا ہوا پستول نیچے جھکا تھا۔ اس کا چہرہ زرد پڑ چکا تھا۔ رستوف بھاگ کر آیا اور اسے کچھ کہا۔

دولوخوف دانت بھینچ کر بڑبڑایا "نہ۔۔۔ نہیں، ابھی معاملہ ختم نہیں ہوا!" یہ کہہ کر وہ بے بسی سے گھسٹتا ہوا چند قدم آگے بڑھا اور تلوار کے پاس پہنچ کر برف میں دھنس گیا۔ اس کا بایاں ہاتھ خون سے تر بتر تھا۔ اس نے ہاتھ کوٹ سے صاف کیا اور اس کے ذریعے خود کو سہارا دیا۔ اس کا چہرہ زرد، پیشانی شکن آلود تھی اور وہ کانپ رہا تھا۔

اس نے کہنا چاہا "ادھر۔۔۔ ادھر آؤ" یہ الفاظ بمشکل اس کے منہ سے ادا ہوئے۔ پیری جس کیلئے اپنی سسکیوں پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا، بھاگ کر دولوخوف کی جانب بڑھا قریب تھا کہ وہ حد بندی عبور کر جاتا، دولوخوف نے چلا کر اسے کہا "اپنی حد میں رہو" پیری اس کا مطلب سمجھ گیا اور تلوار کے پاس کھڑا ہو گیا۔ ان کے مابین صرف دس قدم کا فاصلہ تھا۔ دولوخوف نے اپنا سر نیچے جھکایا اور بھوکوں کی طرح منہ میں برف ڈال لی، پھر اس نے اپنا سر دوبارہ اوپر اٹھایا، ٹانگوں پر کھڑا ہونے کی کوشش کی اور دوبارہ نیچے بیٹھ گیا، وہ کشش ثقل کا محفوظ مرکز تلاش کرنے کی کوشش میں تھا۔ اس نے مٹھی بھر برف اٹھائی اور اسے نگل گیا۔ اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے مگر وہ ابھی تک مسکرائے جا رہا تھا۔ اس کی آنکھیں مخاصمت اور بچی کھچی قوت جمع کرنے کیلئے کی جانیوالی کوشش کے باعث چمک رہی تھیں۔ اس نے پستول اٹھایا اور نشانہ باندھنے لگا۔

نیسوتسکی بولا "پرے ہٹ جاؤ، اپنے آپ کو پستول کے سامنے مت کرو"

ڈینی سوف اگرچہ فریق مخالف کے ساتھ تھا مگر وہ بھی بے اختیار بول اٹھا "پرے ہٹ جاؤ"

پیری کے چہرے پر پچھتاوے اور دردمندی کی لطیف مسکراہٹ تھی اور وہ اپنی ٹانگیں اور بازو پھیلائے کھڑا تھا جبکہ اس کا چوڑا چکلا سینہ دولوخوف کے بالکل سامنے تھا جسے وہ پر ملال نظروں سے تکے جا رہا تھا۔ ڈینی سوف، رستوف اور نیسوتسکی نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ اسی لمحے انہوں نے گولی چلنے اور دولوخوف کے چنگھاڑنے کی آواز سنی۔

ڈینی سوف چلا کر بولا "نشانہ خطا گیا!" اور یوں نیچے برف پر گر گیا جیسے اس میں زندگی کی کوئی رمق باقی نہ رہی ہو۔ پیری نے اپنا سر پکڑ لیا اور واپس مڑ کر درختوں میں چلا گیا۔ وہ بے ربط الفاظ بڑبڑائے جا رہا تھا "بیوقوفی۔۔۔

بیوقوفی۔۔۔! موت۔۔۔جھوٹ۔۔۔'' اس کے ماتھے کی لکیریں گہری ہوگئی تھیں اور وہ بار بار یہی الفاظ دہرائے جا رہا تھا۔ نیسوتسکی نے اسے روکا اور گھر لے گیا۔

رستوف اور دینی سوف زخمی دولوخوف کو لے کر چلے گئے۔

دولوخوف برف گاڑی میں آنکھیں بند کئے خاموش لیٹا تھا۔ اس نے خود سے پوچھے گئے کسی سوال کا جواب نہ دیا۔ مگر جب وہ ماسکو میں داخل ہوئے تو وہ اچانک ہوش میں آ گیا اور بصد مشکل سر اٹھا کر اپنے قریب بیٹھے رستوف کا ہاتھ پکڑ لیا۔ رستوف یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ دولوخوف کے چہرے پر غیر متوقع نرمی اور خوشی کے تاثرات پیدا ہو گئے تھے۔

رستوف نے اس سے پوچھا ''ٹھیک ہو؟ اب طبیعت کیسی ہے؟''

دولوخوف نے جواب دیا ''اچھی نہیں مگر مسئلہ یہ نہیں میرے دوست۔ ہم کہاں ہیں؟ ماسکو میں، مجھے علم ہے۔ کوئی مسئلہ نہیں مگر میں نے اسے مار ڈالا ہے، مار ڈالا ہے۔۔۔ وہ اس سے جانبر نہ ہو سکے گی۔ وہ نہیں بچ پائے گی۔۔۔'' اس کی آواز ٹوٹ رہی تھی۔

رستوف نے پوچھا ''کون؟''

دولوخوف کہنے لگا ''میری ماں، میری ماں، میری فرشتہ صفت، پیاری فرشتہ صفت ماں'' اس نے رستوف کا ہاتھ دبایا اور رونے لگا۔ جب وہ قدرے پرسکون ہوا تو اس نے وضاحت کی کہ وہ اپنی ماں کے ساتھ رہتا ہے اور اگر ماں نے اسے مرتا دیکھ لیا تو وہ اس صدمے کو جھیل نہ پائے گی۔ اس نے رستوف سے درخواست کی کہ وہ اس کی ماں کو یہ صدمہ برداشت کرنے کیلئے تیار کرے۔

رستوف اپنے دوست کی خواہش پوری کرنے چلا گیا اور یہ دیکھ کر بیحد حیران ہوا کہ دولوخوف، یہ بدنام ڈوئیل باز ماسکو میں اپنی بوڑھی ماں اور خمیدہ کمر بہن کے ساتھ رہتا ہے اور بیحد پیار کرنیوالا بیٹا اور بھائی ہے''

(6)

کچھ عرصہ سے پیری کی اپنی بیوی سے تنہائی میں کم ہی ملاقات ہوتی تھی۔ پیٹرز برگ اور ماسکو دونوں جگہوں پر ان کے گھر ہمہ وقت مہمانوں سے بھرے رہتے۔ ڈوئیل والی رات وہ اپنے بیڈ روم میں جانے کی بجائے اپنے سٹڈی روم میں ہی ٹھہرا رہا جو کبھی اس کے والد کا کمرہ ہوتا تھا اور اسی میں نواب بیزوخوف نے آخری سانسیں لی تھیں۔

وہ صوفے پر لیٹ گیا اور سونے کی کوشش کی تاکہ جو کچھ ہوا تھا اسے بھلا سکے مگر اسے ایسا کرنے میں کامیابی نہ ہوئی۔ جذبات، خیالات، احساسات اور یادوں کے ریلے کی بدولت سونا تو درکنار وہ آنکھیں بھی نہ جھپک سکا اور بستر سے اٹھ کر تیزی سے کمرے کے چکر لگانے لگا۔ ایک لمحے اس کی آنکھوں کے سامنے اپنی بیوی کی برہنہ شانوں، جھکی پلکوں اور خوابیدہ آنکھوں والی شادی کے ابتدائی دنوں کی تصویر ابھر آتی اور پھر فوراً دولوخوف کا خوبصورت، گستاخ اور ظالم چہرہ سامنے آ جاتا جیسا کہ وہ ضیافت کے موقع پر نظر آ رہا تھا۔ اس کے بعد دولوخوف کا چہرہ دوبارہ دکھائی دیتا تاہم اس مرتبہ وہ زرد رو، اذیت میں مبتلا اور برف پر گرا ہوتا تھا۔

اس نے اپنے آپ سے پوچھا ''کیا ہوا؟ میں اس کے عاشق کو قتل کر چکا ہوں، ہاں اپنی بیوی کے عاشق کو قتل

کر چکا ہوں۔ ہاں، ایسا ہی ہوا ہے۔ مگر کیوں ہوا؟ میں نے ایسا کیوں کیا؟'' اس کے دل سے آواز آئی ''کیونکہ تم نے اس سے شادی کی تھی''

اس نے خود کلامی کے انداز میں پوچھا ''مگر میرا کیا قصور ہے؟'' اندرونی آواز نے جواب دیا ''اس سے محبت کئے بغیر شادی کرنا، اپنے آپ کو اور اسے دھوکہ دینا'' اسے وہ الفاظ واضح طور پر یاد آئے جب اس نے شہزادہ وسیلے کے ہاں رات کے کھانے کے بعد بصد مشکل کہا تھا ''میں تم سے محبت کرتا ہوں'' سب کچھ وہیں سے شروع ہوا تھا۔ اس نے سوچا ''مجھے اس وقت ہی محسوس ہو گیا تھا، میں نے محسوس کر لیا تھا کہ یہ بات ٹھیک نہیں اور مجھے ایسا کرنے کا کوئی حق نہیں، وہی ہوا جس کا ڈر تھا'' اس نے ہنی مون یاد کیا اور اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ پھر وہ واقعہ تو کبھی نہیں بھلایا جا سکتا تھا جب شادی کے چند دن بعد دوپہر بارہ بجے وہ ریشمی ڈریسنگ گاؤن پہنے اپنے بیڈ روم سے سٹڈی روم میں آیا جہاں اس کے نگران اعلیٰ نے اسے جھک کر سلام کیا۔ اس کے چہرے اور ڈریسنگ گاؤن کو دیکھ کر نگران کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ پیدا ہو گئی جیسے وہ مودبانہ انداز سے کہہ رہا ہو ''میں آپ کی خوشی کا راز جانتا ہوں'' یہ واقعہ اسے یوں یاد تھا جیسے کل کی بات ہو اور اسے یاد کر کے وہ اپنی ہتک محسوس کرتا تھا۔ اس نے سوچا ''مجھے اس کی ذات، خوبصورتی اور تقریبات میں سلیقہ شعاری پر کس قدر فخر تھا۔ مجھے اپنے گھر پر فخر تھا جہاں وہ تمام پیٹرز برگ کو مدعو کرتی تھی۔ مجھے اس کے ناقابل رسائی حسن پر فخر تھا۔ یہ وہ باتیں تھیں جن پر میں فخر کرتا رہا۔ میں یہ سوچتا تھا کہ اسے سمجھ نہیں سکا ہوں۔ جب بھی میں نے اس کے کردار کے بارے میں سوچا تو اپنے آپ کو ہی قصوروار ٹھہرایا کہ میں اسے سمجھ نہیں سکا۔ میں یہ نہ جان سکا کہ اس کے چہرے سے جھلکتے دائمی سکون کا سبب کیا ہے۔ مجھے یہ سمجھ نہ آ سکی کہ اسے کسی قسم کی دلچسپی اور خواہش کیوں پسند نہیں۔ حالانکہ یہ بات واضح تھی کہ اس تمام چکر بازی کی وجہ یہ ہے کہ یہ عورت ہوس پرست تھی۔ مجھے یہ خوفناک انکشاف کیا اور تمام بات واضح ہو گئی''

اس نے سوچا ''اناطول اس سے ادھار لینے آتا اور اس کے برہنہ شانوں کے بوسے لیا کرتا۔ وہ اسے رقم نہ دیتی مگر اسے بوسوں پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا تھا۔ اس کا باپ اس کا جذبہ حسد ابھارنے کیلئے مذاق کرتا اور وہ پرسکون مسکراہٹ سے جواب دیتی کہ میں بیوقوف نہیں کہ حسد کرنے لگوں' وہ میرے بارے میں کہتی 'وہ جو چاہتا ہے کرتا رہے' ایک مرتبہ میں نے اس سے پوچھا 'کیا تمہیں محسوس ہوتا ہے کہ تم ماں بننے والی ہو' تو اس نے نفرت سے ہنستے ہوئے جواب دیا تھا 'میں بیوقوف نہیں کہ بچوں کی خواہش کرنے لگوں' اور یہ کہ وہ کبھی میرے بچے کی ماں نہیں بنے گی''

پھر پیری نے اس کے گھٹیا اور ناشائستہ باتوں کو یاد کیا اور سوچنے لگا کہ اعلیٰ طبقے میں پرورش پانے کے باوجود وہ بیہودہ انداز میں گفتگو کرتی ہے وہ کہتی ہے ''میں احمق نہیں۔۔۔ ہمت ہے تو کر کے دکھاؤ۔۔۔ دفع ہو جاؤ'' وہ جوانوں، بوڑھوں اور مرد و خواتین کے دل میں جس طرح گھر کر لیتی اسے دیکھ کر پیری سمجھ نہ پاتا کہ آخر اسے اس خاتون سے محبت کیوں نہیں ہے۔ اس نے سوچا ''نہیں، مجھے اس سے کبھی محبت نہیں ہوئی۔ یہ ہوس پرست عورت ہے۔ مگر مجھ میں یہ بات تسلیم کرنے کی ہمت نہ تھی''

اور اب دولوخوف، وہ ادھر برف پر بیٹھا ہے اور زبردستی مسکرانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس نے میری اپنے کئے پر ندامت کا جواب بیہودہ انداز میں دیا۔

پیری ان لوگوں میں سے تھا جو بظاہر کمزور کردار کے مالک ہوتے ہیں مگر اس کے باوجود اپنے مصائب سے آگاہ کرنے کے لیے کوئی رازدان تلاش کرنے کی بجائے اکیلے ہی ان سے نمٹنے کی کوشش کرتے ہیں۔

بیوقوفی۔۔۔ اموت۔۔۔ جھوٹ۔۔۔'' اس کے ماتھے کی لکیریں گہری ہوگئی تھیں اور وہ بار بار یہی الفاظ دہرائے جا رہا تھا۔ نیسوتسکی نے اسے روکا اور گھر لے گیا۔

رستوف اور دینی سوف زخمی دولوخوف کو لے کر چلے گئے۔

دولوخوف برف گاڑی میں آنکھیں بند کیے خاموش لیٹا تھا۔ اس نے خود سے پوچھے گئے کسی سوال کا جواب نہ دیا۔ مگر جب وہ ماسکو میں داخل ہوئے تو وہ اچانک ہوش میں آ گیا اور بصد مشکل سر اٹھا کر اپنے قریب بیٹھے رستوف کا ہاتھ پکڑ لیا۔ رستوف یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ دولوخوف کے چہرے پر غیر متوقع نرمی اور خوشی کے تاثرات پیدا ہو گئے تھے۔

رستوف نے اس سے پوچھا'' ٹھیک ہو؟ اب طبیعت کیسی ہے؟''

دولوخوف نے جواب دیا'' اچھی نہیں مگر مسئلہ یہ نہیں میرے دوست۔ ہم کہاں ہیں؟ ماسکو میں، مجھے علم ہے۔ کوئی مسئلہ نہیں مگر میں نے اسے مار ڈالا ہے، مار ڈالا ہے۔۔۔ وہ اس سے جانبر نہ ہو سکے گی۔ وہ نہیں بچ پائے گی۔۔۔''

اس کی آواز ٹوٹ رہی تھی۔

رستوف نے پوچھا'' کون؟''

دولوخوف کہنے لگا'' میری ماں، میری ماں، میری فرشتہ صفت، پیاری فرشتہ صفت ماں'' اس نے رستوف کا ہاتھ دبایا اور رونے لگا۔ جب وہ قدرے پرسکون ہوا تو اس نے وضاحت کی کہ وہ اپنی ماں کے ساتھ رہتا ہے اور اگر ماں نے اسے مرتا دیکھ لیا تو وہ اس صدمے کو جھیل نہ پائے گی۔ اس نے رستوف سے درخواست کی کہ وہ اس کی ماں کو یہ صدمہ برداشت کرنے کیلئے تیار کرے۔

رستوف اپنے دوست کی خواہش پوری کرنے چلا گیا اور یہ دیکھ کر بیحد حیران ہوا کہ دولوخوف، یہ بدنام ڈوئیل باز ماسکو میں اپنی بوڑھی ماں اور خمیدہ کمر بہن کے ساتھ رہتا ہے اور بیحد پیار کرنے والا بیٹا اور بھائی ہے۔

(6)

کچھ عرصہ سے پیری کی اپنی بیوی سے تنہائی میں کم ہی ملاقات ہوتی تھی۔ پیٹرز برگ اور ماسکو دونوں جگہوں پر ان کے گھر ہمہ وقت مہمانوں سے بھرے رہتے۔ ڈوئیل والی رات وہ اپنے بیڈ روم میں جانے کی بجائے اپنے سٹڈی روم میں ہی ٹھہرا رہا جو کبھی اس کے والد کا کمرہ ہوتا تھا اور اسی میں نواب بیزوخوف نے آخری سانسیں لی تھیں۔

وہ صوفے پر لیٹ گیا اور سونے کی کوشش کی تاکہ جو کچھ ہوا تھا اسے بھلا سکے مگر اسے ایسا کرنے میں کامیابی نہ ہوئی۔ جذبات، خیالات، احساسات اور یادوں کے ریلے کی بدولت سونا تو درکنار وہ آنکھیں بھی نہ جھپک سکا اور بستر سے اٹھ کر تیزی سے کمرے کے چکر لگانے لگا۔ ایک لمحے اس کی آنکھوں کے سامنے اپنی بیوی کی برہنہ شانوں، جھکی پلکوں اور خوابیدہ آنکھوں والی شادی کے ابتدائی دنوں کی تصویر ابھر آتی اور پھر فوراً دولوخوف کا خوبصورت، گستاخ اور ظالم چہرہ سامنے آ جاتا جیسا کہ وہ ضیافت کے موقع پر نظر آ رہا تھا۔ اس کے بعد دولوخوف کا چہرہ دوبارہ دکھائی دیتا تاہم اس مرتبہ وہ زرد رو، اذیت میں مبتلا اور برف پر گرا ہوتا تھا۔

اس نے اپنے آپ سے پوچھا'' کیا ہوا؟ میں اس کے عاشق کو قتل کر چکا ہوں، ہاں اپنی بیوی کے عاشق کو قتل

کر چکا ہوں۔ ہاں، ایسا ہی ہوا ہے۔ مگر کیوں ہوا؟ میں نے ایسا کیوں کیا؟'' اس کے دل سے آواز آئی'' کیونکہ تم نے اس سے شادی کی تھی''

اس نے خود کلامی کے انداز میں پوچھا'' مگر میرا کیا قصور ہے؟'' اندرونی آواز نے جواب دیا'' اس سے محبت کیے بغیر شادی کرنا، اپنے آپ کو اور اسے دھوکہ دینا'' اسے وہ الفاظ واضح طور پر یاد آئے جب اس نے شہزادہ وسیلے کے ہاں رات کے کھانے کے بعد بصد مشکل کہا تھا'' میں تم سے محبت کرتا ہوں'' سب کچھ وہیں سے شروع ہوا تھا۔ اس نے سوچا'' مجھے اس وقت ہی محسوس ہو گیا تھا، میں نے محسوس کر لیا تھا کہ یہ بات ٹھیک نہیں اور مجھے ایسا کرنے کا کوئی حق نہیں، وہی ہوا جس کا ڈر تھا'' اس نے ہنی مون یاد کیا اور اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ پھر وہ واقعہ تو کبھی نہیں بھلایا جا سکتا تھا جب شادی کے چند دن بعد دوپہر بارہ بجے وہ ریشمی ڈریسنگ گاؤن پہنے اپنے بیڈ روم سے سٹڈی روم میں آیا جہاں اس کے نگران اعلیٰ نے اسے جھک کر سلام کیا۔ اس کے چہرے اور ڈریسنگ گاؤن کو دیکھ کر نگران کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ پیدا ہو گئی جیسے وہ مودبانہ انداز سے کہہ رہا ہو'' میں آپ کی خوشی کا راز جانتا ہوں'' یہ واقعہ اسے یوں یاد تھا جیسے کل کی بات ہو اور اسے یاد کر کے وہ اپنی ہتک محسوس کرتا تھا۔ اس نے سوچا'' مجھے اس کی ذات، خوبصورتی اور تقریبات میں سلیقہ شعاری پر کس قدر فخر تھا۔ مجھے اپنے گھر پر فخر تھا جہاں وہ تمام پیٹرز برگ کو مدعو کرتی تھی۔ مجھے اس کے ناقابل رسائی حسن پر فخر تھا۔ یہ وہ باتیں تھیں جن پر میں فخر کرتا رہا۔ میں یہ سوچتا تھا کہ اسے سمجھ نہیں سکا ہوں۔ جب بھی میں نے اس کے کردار کے بارے میں سوچا تو اپنے آپ کو ہی قصوروار ٹھہرایا کہ میں اسے سمجھ نہیں سکا۔ میں یہ جان سکا کہ اس کے چہرے سے ٹپکتے دائمی سکون کا سبب کیا ہے۔ مجھے یہ سمجھ نہ آ سکی کہ اسے کسی قسم کی دلچسپی اور خواہش کیوں پسند نہیں۔ حالانکہ یہ بات واضح تھی کہ اس تمام چکر بازی کی وجہ یہ ہے کہ یہ عورت ہوس پرست تھی۔ مجھے یہ خوفناک انکشاف کیا اور تمام بات واضح ہو گئی''

اس نے سوچا'' اناطول اس سے ادھار لینے آتا اور اس کے برہنہ شانوں کے بوسے لیا کرتا۔ وہ اسے رقم نہ دیتی مگر اسے بوسوں پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا تھا۔ اس کا باپ اس کا جذبہ حسد ابھارنے کیلئے مذاق کرتا اور وہ پرسکون مسکراہٹ سے جواب دیتی کہ میں بیوقوف نہیں کہ حسد کرنے لگوں، وہ میرے بارے میں کہتی وہ جو چاہتا ہے کہتا رہے۔ ایک مرتبہ میں نے اس سے پوچھا' کیا تمہیں محسوس ہوتا ہے کہ تم ماں بننے والی ہو' تو اس نے نفرت سے ہنستے ہوئے جواب دیا تھا' میں بیوقوف نہیں کہ بچوں کی خواہش کرنے لگوں' اور یہ کہ وہ کبھی میرے بچے کی ماں نہیں بنے گی''

پھر پیری نے اس کے گھٹیا اور ناشائستہ باتوں کو یاد کیا اور سوچنے لگا کہ اعلیٰ طبقے میں پرورش پانے کے باوجود وہ بیہودہ انداز میں گفتگو کرتی ہے وہ کہتی ہے'' میں احمق نہیں۔۔۔ ہمت ہے تو کر کے دکھاؤ۔۔۔ دفع ہو جاؤ'' وہ جوانوں، بوڑھوں اور مرد و خواتین کے دل میں جس طرح گھر کر لیتی اسے دیکھ کر پیری سمجھ نہ پاتا کہ آخر اسے اس خاتون سے محبت کیوں نہیں ہے۔ اس نے سوچا'' نہیں، مجھے اس سے کبھی محبت نہیں ہوئی۔ یہ ہوس پرست عورت ہے۔ مگر مجھ میں یہ بات تسلیم کرنے کی ہمت نہ تھی''

اور اب دولوخوف، وہ ادھر برف پر بیٹھا ہے اور زبردستی مسکرانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس نے میری اپنے کیے پر ندامت کا جواب بیہودہ انداز میں دیا۔

پیری ان لوگوں میں سے تھا جو بظاہر کمزور کردار کے مالک ہوتے ہیں مگر اس کے باوجود اپنے مصائب سے آگاہ کرنے کے لیے کوئی رازدان تلاش کرنے کی بجائے اکیلے ہی ان سے نمٹنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس نے خود کلامی کے انداز میں کہا" تمام مسائل کی ذمہ دار صرف وہی ہے، مگر اس کا فائدہ۔ میں نے اپنے آپ کو اس سے وابستہ ہی کیوں کیا، میں نے اسے کیوں کہا کہ 'میں تم سے محبت کرتا ہوں' حالانکہ یہ بات جھوٹ تھی بلکہ جھوٹ سے بھی بری۔ قصوروار میں ہوں اور سب کچھ مجھے ہی برداشت کرنا ہوگا۔۔۔ کیا؟" اپنی بدنامی، زندگی کی تکلیفیں؟ ہونہہ، یہ تمام فضول باتیں ہیں، بدنامی اور بے عزتی، سب روایتی باتیں ہیں، مجھے ان سے کیا؟"

پیری کے ذہن میں خیال آیا" لوئی شانز دہم کو پھانسی دیدی گئی کیونکہ وہ بے شرم اور مجرم تھا۔ اور وہ لوگ اپنے نقطہ نظر کے اعتبار سے راستی پر تھے۔ انہی کی طرح وہ لوگ بھی ٹھیک تھے جنہوں نے اسے باقاعدہ سینٹ تسلیم کیا اور اس کی خاطر جان پر کھیل گئے۔ رابس پیری کو ظالم قرار دے کر پھانسی پر چڑھا دیا گیا۔ کون درست تھا اور کون غلط؟ کوئی بھی نہیں۔ مگر جب تک آپ زندہ ہیں، زندہ رہیں، کل آپ مر جائیں گے جیسا کہ ایک گھنٹہ پہلے میں مر سکتا تھا۔ جب خاتمے کے مقابلے میں آپ نے صرف ایک لمحہ زندہ رہنا ہے تو پھر خواہ مخواہ تکلیف اٹھانے اور اپنے آپ کو مصائب میں مبتلا کرنے کا کیا فائدہ؟" مگر اس لمحے جب وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ ایسے خیالات نے اسے پرسکون کر دیا ہے، اچانک وہ سایا اس کے سامنے آ کھڑا ہوا جب وہ پرزور انداز میں اس سے اپنی جھوٹی محبت جتلا رہا تھا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کا تمام خون نچڑ کر دل میں جمع ہو گیا ہو۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا اور ادھر ادھر چکر لگانے لگا، اس دوران اس کے ہاتھ میں جو شے آئی اس نے پرزے پرزے کر ڈالی۔ وہ بار بار اپنے آپ سے یہی سوال کرتا رہا" آخر میں نے اس سے یہ کہا ہی کیوں کہ مجھے تم سے محبت ہے" اس کے ذہن میں مولیئر کا ایک جملہ آیا" تمہیں کس شیطان نے کہا تھا کہ ایسا کرو" یہ سوچ کر وہ اپنے آپ پر ہنسنے لگا۔

رات کو اس نے خدمتگار بلایا اور اسے ہدایت کی کہ پیٹرز برگ جانے کی تیاری کی جائے۔ جس مکان میں وہ رہائش پذیر تھی اس میں رہنا اس کیلئے ممکن تھا نہ اس سے بول چال۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ کل ہی چلا جائے گا اور روانگی سے قبل اس کے نام خط چھوڑ دے گا جس میں لکھا ہوگا کہ میں نے تم سے ہمیشہ کیلئے علیحدہ ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے۔

صبح جب خدمتگار کافی لے کر آیا تو پیری ہاتھ میں کھلی کتاب تھامے صوفے پر سو رہا تھا۔ اس نے آنکھیں کھولیں اور گھبرائے ہوئے انداز میں ادھر ادھر دیکھنے لگا جیسے سمجھ نہ آ رہی ہو کہ کہاں ہے۔

خدمتگار کہنے لگا" بیگم پوچھ رہی ہیں کہ جناب گھر پر ہی ہیں"

اس سے پہلے کہ پیری جواب دیتا، بیگم خود دلجمعی اور شاہانہ انداز سے چلتی ہوئی اندر آ گئی۔ وہ سفید ساٹن کے ڈھیلے ڈھالے ڈریسنگ گاؤن میں ملبوس تھی جس پر چاندی کے تاروں سے نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ اس نے اپنے بال سادہ انداز سے سنوار رکھے تھے اور خوبصورت سر کے گرد بالوں کی دو بھاری لٹیں سہرے کی طرح لپٹی تھیں۔ ظاہری دلجمعی کے باوجود اس کے فراخ ماتھے پر غصے کی لکیریں دکھائی دے رہی تھیں۔ اس نے نہایت تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے ملازم کی موجودگی میں کچھ کہنے سے احتراز کیا۔ اسے ڈوئیل کی اطلاع مل گئی تھی اور وہ اسی کے بارے میں بات کرنے آئی تھی۔ جب تک ملازم کافی میز پر رکھ کر کمرے سے باہر نہ چلا گیا، وہ خاموش رہی۔ پیری نے جھجکتے ہوئے اسے عینک کے اوپر سے دیکھا۔ اس کی حالت ایسے خرگوش کی سی ہو رہی تھی جو کتوں کے نرغے میں پھنس چکا ہو اور ان کے سامنے کان دبائے خاموش کھڑا ہو۔ اس نے کتاب پڑھنے کی کوشش کی تاہم جلد احساس ہو گیا کہ ایسا کرنا ممکن ہے نہ قرین عقل، سو اس نے جھجکتے ہوئے دوبارہ اس کی جانب دیکھا جو بیٹھنے کی بجائے نفرت آمیز انداز سے کھڑی مسکرا رہی تھی۔ اسے صرف ملازم کے جانے کا انتظار تھا۔

نوکر چلا گیا تو اس نے سخت لہجے میں پوچھا" یہ کیا ہے؟ میں پوچھتی ہوں، تم کیا کر رہے ہو؟"

پیری نے کہا" میں؟ میں؟ کیا؟"

وہ کہنے لگی" بڑی بہادری دکھانے کی کوشش کر رہے تھے! مجھے جواب دو کہ اس ڈوئیل کا کیا مطلب تھا؟ اس کے ذریعے تم کیا ثابت کرنا چاہتے تھے؟ میری بات کا جواب دو" پیری نے اپنے بھاری جسم کو صوفے پر کروٹ دی اور جواب دینے کیلئے منہ کھولا مگر وہ کوئی بات نہ کر سکا۔

ایلن بولی" اگر تم نے جواب نہ دیا تو میں دوں گی۔۔۔ تم جو کچھ سنتے ہو اس پر یقین کر لیتے ہو۔۔۔" یہ کہتے ہوئے وہ ہنس دی۔ پھر اس نے بیہودہ انداز میں فرانسیسی میں بات جاری رکھتے ہوئے کہا" تمہیں بتایا گیا کہ ڈولوخوف کا مجھ سے یارانہ ہے اور تم نے اس پر یقین کر لیا۔ اس سے کیا ثابت ہوا؟ یہی کہ تم احمق ہو۔ مگر یہ بات تو ہر شخص جانتا ہے۔ اس سے کیا ہوگا؟ یہی نا کہ میں تمام ماسکو میں بے عزت ہو جاؤں گی، ہر شخص یہی کہے گا کہ تم نے اتنی پی کہ اپنا ہوش ہی نہ رہا، تم نے ایک ایسے شخص کو بے بنیاد بات پر چیلنج دے دیا جس سے تم حسد کرتے ہو، حالانکہ وہ ہر لحاظ سے تم سے بہتر ہے" ایلن کا غصہ بڑھنے لگا اور اس کی آواز بلند تر ہوتی چلی گئی۔

پیری غرایا" ہونہہ۔۔۔ ہونہہ" اس کی بھنویں تن گئیں، تاہم اس نے ایلن کی طرف دیکھا نہ اپنی جگہ سے حرکت کی۔

ایلن نے مزید کہا" تم نے یہ بات کیوں مان لی کہ اس کا مجھ سے یارانہ ہے؟ کیوں؟ اس لیے کہ مجھے اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا پسند ہے؟ اگر تم اس سے زیادہ ذہین اور اچھی شخصیت کے مالک ہوتے تو میں تمہاری صحبت پسند کرتی"

پیری بھرائی ہوئی آواز میں آہستگی سے کہنے لگا" مجھ سے کوئی بات نہ کرو۔۔۔ میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں"

ایلن نے کہا" کیوں بات نہ کروں؟ میں جو چاہوں کہہ سکتی ہوں اور تمہیں واضح طور پر بتا دینا چاہتی ہوں کہ ایسی بیوی کہیں نہیں ملے گی جس کا شوہر تم جیسا ہو اور وہ کسی سے دوستی نہ رکھے، تاہم میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔ پیری نے کچھ کہنا چاہا اور اس کی جانب عجیب سی نظروں سے دیکھا جن کا مطلب وہ نہ سمجھ سکی۔ وہ دوبارہ لیٹ گیا۔ اس دوران وہ شدید جسمانی اذیت میں مبتلا تھا۔ اسے اپنے سینے میں کھنچاؤ محسوس ہوا اور سانس اٹکنے لگی۔ وہ جانتا تھا کہ اپنی اس اذیت کو ختم کرنے کیلئے کچھ کرنے کی ضرورت ہے مگر وہ جو کچھ کرنا چاہتا تھا وہ بیحد خوفناک اور لرزا دینے والا تھا۔

اس نے غمزدہ آواز میں بڑبڑاتے ہوئے کہا" بہتر ہوگا کہ ہم علیحدگی اختیار کر لیں"

ایلن بولی" ٹھیک ہے علیحدہ ہو جاؤ مگر تمہیں مجھے دولت دینا ہوگی، علیحدگی۔۔۔ مجھے ڈرانا چاہتے ہو"

پیری نے صوفے سے چھلانگ لگائی اور لڑکھڑاتی چال سے اس کی جانب بڑھا۔

وہ دھاڑتے ہوئے بولا" میں تمہیں مار ڈالوں گا" یہ کہہ کر اس نے میز سے سنگ مرمر کی ایک تختی اکھاڑی اور اسے لہراتے ہوئے اس کی جانب بڑھا۔ اسے خود بھی معلوم نہ تھا کہ اس میں اتنی قوت کہاں سے آ گئی ہے۔

ایلن کا چہرہ بگڑ گیا اور وہ چیختے ہوئے تیزی سے پرے ہٹ گئی۔ پیری پر جنون اور غصہ غالب آنے لگا۔ اس نے تختی زمین پر پھینک کر ٹکڑے ٹکڑے کر دی اور بازو پھیلا کر ایلن کی جانب بھاگا۔ اس نے چلا کر کہا" نکل جاؤ" آواز اس قدر بلند تھی کہ تمام گھر اس سے گونج اٹھا اور ہر شخص پر خوف طاری ہو گیا۔ اگر ایلن بھاگ کر کمرے سے نہ نکل جاتی تو خدا جانے وہ کیا کر بیٹھتا۔

ایک ہفتے بعد پیری نے اپنی جائیداد کے آدھے سے زائد حصے کی آمدنی اپنی بیوی کے سپرد کی اور اکیلا پیٹرز برگ روانہ ہو گیا۔

(7)

بلیک ہلز میں اوسٹرلس کی جنگ میں شکست اور شہزادہ آندرے کی گمشدگی کی اطلاع پہنچے دو مہینے گزر گئے۔ سفارت خانے کے ذریعے متعدد خطوط ارسال کرنے اور تمام تحقیقات کے باوجود آندرے کی لاش مل سکی نہ جنگی قیدیوں کی فہرست میں اس کا نام آیا۔ اس کے عزیز و اقارب کیلئے سب سے زیادہ تکلیف دہ امر یہ امکان تھا کہ اسے مقامی باشندوں نے اٹھا لیا ہوگا اور اب وہ اجنبی لوگوں کے مابین تنہا پڑا ہوگا۔ معلوم نہیں وہ قریب المرگ ہو یا صحت یاب ہو رہا ہو۔ البتہ یہ بات طے تھی کہ وہ اپنے بارے میں کوئی اطلاع بھجوانے سے معذور ہے۔ اخبارات گول مول خبریں چھاپ رہے تھے کہ روسی فوج کس طرح شاندار کارنامے انجام دینے کے بعد نظم و ضبط برقرار رکھتے ہوئے پسپا ہوئی۔ انہیں اخبارات سے معمر شہزادے کو اوسٹرلس کی شکست کا علم ہوا تھا اور سرکاری اطلاع سے وہ سمجھ گیا کہ ہماری فوج کو شکست ہو چکی ہے۔ اوسٹرلس کی جنگ کے ایک ہفتہ بعد اسے کوتوزوف کا طویل خط موصول ہوا جس میں اس کے بیٹے کے بارے میں لکھا گیا تھا۔

کوتوزوف نے لکھا تھا "آپ کا بیٹا میری نظروں کے سامنے ہیرو کی طرح نیچے گرا۔ وہ پرچم ہاتھوں میں تھامے ایک رجمنٹ کی قیادت کر رہا تھا اور اس نے جس بہادری کا مظاہرہ کیا وہ اس کے والد اور وطن کے شایانِ شان تھی۔ مجھے اور تمام فوج کو اس بات کا شدید رنج ہے کہ اس کے زندہ یا مردہ ہونے کی اطلاع نہیں مل سکی۔ میں اپنی اور آپ کی ڈھارس بندھا رہا ہوں کہ وہ زندہ ہوگا ورنہ اس کا نام میدان جنگ میں مردہ پائے جانیوالے افسروں میں ضرور شامل ہوتا جن کی فہرست عارضی صلح کے موقع پر مجھے دی گئی تھی۔"

معمر شہزادے نکولائی کو یہ خط شام کو اس وقت ملا جب وہ اپنے کمرے میں اکیلا تھا۔ اگلی صبح وہ حسب معمول سیر کیلئے نکلا مگر وہ اپنے نگران، باغبان یا ماہر تعمیرات سے بات کرنے کو تیار نہ تھا۔ اگرچہ اس کے چہرے پر غم و اندوہ کی پرچھائیاں نمایاں تھیں مگر اس نے کسی سے کوئی بات نہ کی۔ جب شہزادی ماریا مقررہ وقت پر اس کے پاس آئی تو وہ خراد پر جھکا ہوا تھا اور اس نے حسب معمول اس کی جانب آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا۔ پھر اس نے اوزار نیچے پھینکتے ہوئے غیر فطری انداز میں کہا "ارے شہزادی ماریا! (پہیا اپنے زور پر چلتا رہا اور اس کی آواز آہستہ آہستہ کم ہونے لگی اور شہزادی ماریا کو ہمیشہ کیلئے یاد رہ گئی کیونکہ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ اس کے دل و دماغ میں نقش ہو کر رہ گیا)

جب اس نے باپ کا چہرہ دیکھا تو اس کا دل بیٹھ گیا اور آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا۔ اس کے باپ کے چہرے پر اداسی تھی نہ وہ مرجھایا ہوا تھا بلکہ اس پر غصے کی جھلک تھی اور اس کے کام کرنے کا انداز غیر فطری معلوم ہوتا تھا۔ اس نے جب اپنے باپ کی یہ حالت دیکھی تو سمجھ گئی کہ اس پر کوئی بہت بڑی مصیبت نازل ہونیوالی ہے جو اسے پیس کر رکھ دے گی اور اس کی زندگی کی بدترین مصیبت ہوگی۔ اسے ابھی تک ایسا کوئی تجربہ نہیں ہوا تھا اور اس کے پاس ایسی مصیبت سے نمٹنے کا کوئی علاج تھا نہ یہ اس کی سمجھ میں آتی تھی۔ اس مصیبت کا تعلق ایک ایسے شخص کی موت سے تھا جس سے وہ پیار کرتی تھی۔

وہ بولی "ابا جان! آندرے؟۔۔۔" وہ جسمانی اعتبار سے بدصورت تھی مگر اس کی گفتگو میں جو غم اور خود فراموشی جھلک رہی تھی اس کا حسن ماند نہیں پڑ سکتا تھا۔ باپ اس کی نگاہوں کی تاب نہ لا سکا اور اس نے سسکی بھر

کر منہ پھیر لیا۔

وہ کہنے لگا "مجھے خبر موصول ہوئی ہے۔ کوتوزوف نے لکھا ہے کہ اس کا نام مارے جانیوالوں میں ہے نہ قیدیوں میں" یہ کہتے ہوئے اس کی باریک سی چیخ نکل گئی جیسے یہ کہہ کر اپنی بیٹی کو وہاں سے بھگانا چاہتا ہو"

شہزادی کے حوصلوں نے جواب دیا نہ اس کے ہوش اڑے۔ اس کا رنگ پہلے ہی زرد ہو چکا تھا مگر جب اس نے یہ خبر سنی تو اس کے چہرے کی کیفیت بدل گئی اور خوبصورت و روشن آنکھوں سے نور کی شعاعیں نکلنے لگیں۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کی اندرونی تکلیف پر فطرت سے ماورا خوشی حاوی ہو گئی ہو۔ وہ اپنے سر پر سوار رہنے والا باپ کا خوف بھول گئی اور قریب آ کر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا اور اسے اپنے قریب کھینچ کر اپنا بازو اس کی دبلی پتلی اور مرجھائی گردن پر رکھ دیا۔

وہ کہنے لگی "ابا جان، دور نہ ہوں، آئیں اس کیلئے مل کر روتے ہیں"

بوڑھے نے اپنا چہرہ اس سے دور لے جاتے ہوئے دھاڑ کر کہا "بدمعاش، بے شرم! فوج کو تباہ کر رہے ہیں، جوانوں کو مروا رہے ہیں! کس لیے؟ جاؤ اور لیزا کو بتا دو"

شہزادی ماریا بے بسی کے عالم میں اپنے باپ کے قریب کرسی پر گر گئی اور رونا شروع کر دیا۔ اس کی آنکھوں میں اپنے بھائی کی شکل بالکل اسی طرح دکھائی دے رہی تھی جس طرح وہ اس وقت نظر آ رہا تھا جب وہ اسے اور لیزا کو الوداع کہہ رہا تھا۔ اس دوران اس کے انداز میں شفقت اور غرور تھا۔ پھر اس کے ذہن میں آندرے کی جو تصویر ابھری وہ اس وقت کی تھی جب وہ اس کی گردن میں تعویز باندھ رہی تھی۔ اس وقت وہ خوش بھی ہو رہا تھا اور اس کے چہرے پر طنزیہ تاثر بھی نمایاں تھا۔ وہ سوچنے لگی "کیا اسے یقین ہو گیا؟ کیا اسے اپنی بے یقینی پر شرمندگی ہوئی تھی؟ کیا اب وہ وہاں امن اور رحمت کی سچائی میں موجود ہے" اس نے روتے ہوئے اپنے والد سے پوچھا "ابا جان، مجھے بتلائیں یہ کیسے ہوا؟"

وہ کہنے لگا "چلی جاؤ، جاؤ۔۔۔ وہ اس شکست کے دوران ہلاک ہوا جس میں روس کے بہترین جوان اور اس کی عظمت کے امین ضائع کر دیے گئے۔ شہزادی ماریا جاؤ۔ جاؤ اور لیزا کو بتاؤ۔ میں بھی آ رہا ہوں" جب شہزادی ماریا واپس آئی تو چھوٹی شہزادی کشیدہ کاری کر رہی تھی۔ اس نے نظریں اوپر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں وہ اندرونی اطمینان اور خوشی نظر آ رہی تھی جو صرف حاملہ خواتین کو ہی حاصل ہوتی ہے۔ یہ بات واضح تھی کہ وہ شہزادی ماریا کی بجائے اپنے اندر کہیں دور کسی مسرور اور پراسرار شے کو دیکھ رہی ہے۔

اس نے کشیدہ کاری کے فریم سے پیچھے ہٹتے ہوئے اپنی کمر پچھلی جانب جھکائی اور کہنے لگی "میری، مجھے اپنا ہاتھ پکڑاؤ" اس نے ماریا کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنے پیٹ پر رکھ دیا۔ اس کی آنکھیں پرامید انداز میں مسکرا رہی تھیں۔ اس کا روئیں دار ہونٹ اوپر اٹھا اور بچوں کی سی معصوم مسکراہٹ کے ساتھ اوپر ہی اٹھا رہا۔ شہزادی ماریا جھک گئی اور چہرہ اپنی بھاوج کے لباس کی تہوں میں چھپا لیا۔ لیزا بولی "وہیں، وہیں، تمہیں محسوس ہوا؟ مجھے بہت عجیب لگ رہا ہے۔ اور ماریا کیا تمہیں علم ہے مجھے اس سے بے حد محبت ہوگی" یہ کہہ کر لیزا اس کی جانب مسرت بھری نظروں سے دیکھنے لگی۔ شہزادی ماریا نے اپنا سر نہ اٹھایا۔ وہ رو رہی تھی۔ لیزا نے پوچھا "میری، کیا بات ہے؟"

ماریا نے جواب دیا "کچھ نہیں۔ بس میں آندرے کو یاد کر کے اداس ہو گئی تھی۔ اس نے اپنی آنکھیں بھاوج کے گھٹنوں سے پونچھیں۔ صبح ماریا نے کئی مرتبہ اپنی بھاوج کو یہ خبر سنانے کی کوشش کی مگر ہر بار اس کے آنسو جاری ہو گئے۔ اگرچہ چھوٹی شہزادی اپنے گرد و پیش پر زیادہ دھیان نہیں رکھتی تھی مگر ان آنسوؤں کو دیکھ کر اس کے دل پر خوف طاری

ہونے لگا جس کی وجہ وہ نہیں جان پائی تھی۔ وہ منہ سے تو کچھ نہ بولی میں بے چینی کے عالم میں ادھر ادھر دیکھنے لگی جیسے اسے کسی چیز کی تلاش ہو۔ شام کے کھانے سے پہلے معمر شہزادہ نکولائی اس کے کمرے میں آیا۔ آج وہ خاص طور پر بے چین اور غصیلا دکھائی دے رہا تھا، تاہم وہ کچھ کہے بغیر باہر چلا گیا۔ چھوٹی شہزادی نے ماریا پر نگاہ ڈالی اور کچھ دیر سوچتی رہی۔ اس کے چہرے پر اندرونی انہماک کی کیفیت دکھائی دے رہی تھی جو صرف حاملہ خواتین کے چہروں پر نظر آتی ہے۔ پھر اس نے اچانک رونا شروع کر دیا۔

اس نے پوچھا "آندرے کی کوئی خبر ملی ہے؟"

ماریا نے جواب دیا "نہیں، تمہیں علم ہے کہ ابھی خبریں نہیں آئیں مگر اباجان بے کلی محسوس کر رہے ہیں اور مجھے خوف محسوس ہو رہا ہے۔"

لیزا نے کہا "گویا کوئی خبر نہیں ملی؟"

شہزادی ماریا بولی "کچھ نہیں" وہ روشن آنکھوں سے پرعزم انداز میں اسے دیکھ رہی تھی اور اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اسے کچھ نہیں بتائے گی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے باپ کو بھی اس بات پر رضامند کر چکی تھی کہ بچے کی پیدائش تک اسے یہ خبر نہ سنائی جائے جو چند روز میں متوقع تھی۔ شہزادہ ماریا اور معمر شہزادے نے اپنے اپنے انداز میں غم چھپالیا۔ نکولائی نے کوئی امید رکھنے سے انکار کر دیا تھا، وہ اس نتیجے پر پہنچ چکا تھا کہ اس کا بیٹا مارا جا چکا ہے۔ اگرچہ اس نے بیٹے کا اتا پتا معلوم کرنے کیلئے ایک سرکاری ملازم آسٹریا بھجوا دیا تھا تاہم اس کے ساتھ ساتھ اس نے بیٹے کی یادگار تعمیر کرنے کیلئے بھی ماسکو میں حکم بھیج دیا۔ وہ اپنے بیٹے کی نشانی کے طور پر یہ یادگار اپنے باغیچے میں بنوانا چاہتا تھا۔ اس نے ہر شخص کو بتا دیا تھا کہ اس کا بیٹا مارا جا چکا ہے۔ اس نے اپنا طرز زندگی کسی تبدیلی کے بغیر جاری رکھنے کی کوشش کی مگر وہ اندر سے ٹوٹ پھوٹ چکا تھا اور اس کے حوصلے جواب دینے لگے تھے۔ اس کا گھومنا پھرنا، کھانا پینا اور نیند کم ہوتی چلی گئی اور وہ دن بدن کمزور سے کمزور تر ہونے لگا۔ شہزادی ماریا نے امید قائم رکھی۔ وہ اپنے بھائی کیلئے اسی طرح دعائیں کرتی جیسے وہ زندہ ہو اور ہر وقت اس کی واپسی کی خبر کا انتظار کرتی رہتی۔

(8)

19 مارچ کی صبح چھوٹی شہزادی ناشتے کے بعد بولی "میری پیاری" اس کا بالائی ہونٹ ہمیشہ کی طرح اوپر اٹھا ہوا تھا مگر جب سے وہ خوفناک خبر موصول ہوئی تھی گھر کی ہر مسکراہٹ، ہر لفظ حتیٰ کہ قدموں کی چاپ پر بھی غم کی چھاپ لگ گئی تھی۔ اگرچہ چھوٹی شہزادی کو اس بارے میں کوئی علم نہ تھا مگر عمومی کیفیت نے اسے بھی متاثر کیا تھا، چنانچہ اب اس کی مسکراہٹ کچھ ایسی تھی جسے دیکھنے والے کو خواہ مخواہ اداسی یاد آ جاتی تھی۔ لیزا کہہ رہی تھی "مجھے ڈر ہے کہ صبح (جیسا کہ فوکا نے کہا) کا ناشتہ مجھے راس نہیں آیا"

شہزادی ماریا بولی "پیاری، کیا ہوا؟ تمہارا رنگ پیلا پڑ چکا ہے، تم واقعی بہت زرد دکھائی دے رہی ہو" وہ خوفزدہ ہو کر اپنی بھاوج کی جانب بھاگی۔ اس کے پاؤں گداز مگر چال بے ڈھنگی تھی۔

کمرے میں موجود ایک خادمہ کہنے لگی "جناب عالیہ! کیا ماریا بوگدانوونا کو نہ بلا لیا جائے؟" ماریا بوگدانوونا نرس تھی جو قریبی قصبے میں رہتی تھی اور ایک ہفتے سے بلیک ہلز آ جا رہی تھی۔

شہزادی ماریا نے رضامندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا "ٹھیک ہے، شاید ایسا ہی ہے، میں خود جا کر اسے لے آتی ہوں" پھر وہ لیزا سے مخاطب ہو کر بولی "پیاری، حوصلہ کرو" اس نے چھوٹی شہزادی کا بوسہ لیا اور کمرے سے باہر جانے لگی۔

لیزا کہنے لگی "اوہ نہیں، نہیں" اس کا چہرہ پہلے ہی زرد تھا اور اوپر سے اس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ اسے جو جسمانی تکلیف جھیلنا پڑ رہی ہے وہ اس سے بچوں کی طرح خوفزدہ ہے۔

وہ کہنے لگی "نہیں، یہ صرف بدہضمی ہے، کہہ دو یہ بدہضمی ہے، کہو نا ماریا، کہو" یہ کہہ کر اس نے رونا شروع کر دیا اور بچوں کی طرح وہمی اور مصنوعی انداز سے اپنے ہاتھ مسلنے لگی۔ شہزادی ماریا کمرے سے باہر چلی گئی وہ ماریا بوگدانوونا کو بلانے گئی تھی۔

اسے اپنے پیچھے آوازیں سنائی دیں "میری پیاری، اوہ خدایا!" نرس پہلے ہی اسی جانب چلی آ رہی تھی۔ وہ اپنے ننھے منے سفید ہاتھ یوں اطمینان سے مسل رہی تھی جیسے اپنی اہمیت کا اظہار کر رہی ہو۔

شہزادی ماریا بولی "ماریا بوگدانوونا! میرا خیال ہے کہ شروعات ہو چکی ہے" خوف کے مارے اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔

ماریا بوگدانوونا اپنی حرکات و سکنات میں تیزی پیدا کئے بغیر بولی "ٹھیک ہے شہزادی، خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے، آپ جیسی نوجوان خواتین کو ایسی باتیں جاننے کی ضرورت نہیں"

شہزادی ماریا نے پوچھا "مگر ماسکو سے جس ڈاکٹر نے آنا تھا وہ ابھی تک کیوں نہیں پہنچا؟ (لیزا اور آندرے کی خواہش کے مطابق انہوں نے کئی دن پہلے ہی ڈاکٹر منگوانے کیلئے ماسکو پیغام بھیج دیا تھا اور اس کے آنے کا انتظار کر رہے تھے)

ماریا بوگدانوونا کہنے لگی "شہزادی، پریشان مت ہوں، کوئی مسئلہ نہیں، ہم ڈاکٹر کے بغیر بھی سارا کام بطریق احسن کر لیں گے"

پانچ منٹ بعد شہزادی ماریا کو ایسی آواز سنائی دی جیسے اس کے کمرے کے سامنے سے کوئی وزنی شے اٹھا کر لے جائی جا رہی ہو۔ اس نے دروازے سے جھانکا۔ ملازمین شہزادہ آندرے کے کمرے سے چمڑے والا بڑا صوفہ اٹھائے بیڈروم کی جانب جا رہے تھے۔ ان کے چہرے بجھے بجھے تھے جن پر سنجیدگی طاری تھی۔

شہزادی ماریا اپنے کمرے میں اکیلی بیٹھی گھر میں پیدا ہونے والی مختلف آوازیں سن رہی تھی۔ وقتاً فوقتاً کوئی شخص وہاں سے گزرتا تو وہ اپنا دروازہ کھول کر دیکھنے لگتی کہ راہداری میں کیا ہو رہا ہے۔ بیڈروم میں جانے والی اور وہاں سے باہر نکلنے والی خواتین شہزادی ماریا پر خاموش نگاہ ڈالتیں اور آگے بڑھ جاتیں۔ وہ ان سے کسی قسم کا سوال پوچھنے کی کوشش نہ کرتی اور کمرے کا دروازہ بند کر کے آرام کرسی پر ساکت بیٹھ جاتی۔ کبھی وہ دعائیں پڑھنے لگتی اور کبھی مقدس تصاویر کے سامنے جھک جاتی۔ اسے یہ دیکھ کر حیرت اور افسوس ہوا کہ دعاؤں کے باوجود اس کی حالت میں بہتری پیدا نہیں ہوئی۔ اچانک دروازہ آہستگی سے کھلا اور اس کی معمر نرس پراسکویا سوشنا سر پر رومال اوڑھے اس کے کمرے میں آئی۔ وہ کبھی بھار ہی اس کے کمرے میں آتی تھی کیونکہ بوڑھے شہزادے نے اسے منع کر رکھا تھا۔

وہ ماریا سے کہنے لگی "ماشکا! میں کچھ دیر تمہارے پاس بیٹھنے آئی ہوں، اور میری پیاری دیکھو میں وہ شمعیں لائی ہوں جو شہزادے کی شادی کے موقع پر استعمال ہوئی تھیں، یہ ہم ان کے سینٹ کی تصویر کے سامنے روشن کریں گی"

ماریا بولی "اوہ نرس، میں کتنی خوش ہوں!"

نرس بولی "میری عزیزہ، خداوند رحیم و کریم ہے!" نرس نے سنہری شمعیں مقدس تصاویر کے سامنے روشن کردیں اور سلائی کڑھائی کا سامان لے کر دروازے کے قریب بیٹھ گئی۔ شہزادی ماریا نے ایک کتاب اٹھائی اور پڑھنے لگی۔ وہ صرف اسی وقت ایک دوسرے کی جانب دیکھتی تھیں جب انہیں آوازوں یا قدموں کی چاپ سنائی دیتی۔ شہزادی کی نظروں میں تردد اور تجسس ہوتا تھا جبکہ نرس پر اعتماد تھی۔ اپنے کمرے میں بیٹھی شہزادی ماریا کو جن جذبات کا تجربہ ہو رہا تھا انہوں نے تمام گھر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا مگر اس پرانے توہم کی وجہ سے کہ دردِ زہ میں مبتلا عورت کی تکلیف سے جس قدر کم لوگ واقف ہوں گے اسے اتنی ہی کم اذیت پہنچے گی ہر شخص یہ ظاہر کر رہا تھا جیسے اسے کچھ معلوم نہیں اور کسی کی زبان پر یہ ذکر نہ آیا۔ شہزادی کے گھر میں ہر دم چھائی متانت اور سنجیدگی کے علاوہ یہ بات بھی واضح طور پر محسوس کی جاسکتی تھی کہ ہر ایک کو ایک ہی طرح کی تشویش لاحق ہے، سب کے دل نرم پڑ گئے ہیں اور ہر شخص جانتا ہے کہ اسی لمحے کوئی عظیم اور ناقابل فہم شے تکمیل کے مراحل میں ہے۔ خادماؤں کے بڑے کمرے سے کسی قسم کی ہنسی کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ ملازمین کے کمرے میں تمام لوگ خاموشی سے چوکس بیٹھے کسی بات کے منتظر تھے۔ خدمتگاروں کے مکانوں میں مشعلیں اور موم بتیاں روشن تھیں اور کوئی بھی نہیں سویا تھا۔ معمر شہزادہ زور زور سے پاؤں فرش پر مارتا اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ اس نے اطلاعات حاصل کرنے کیلئے تخن کو ماریا بوگدانوونا کے پاس بھیجا۔

اس نے تخن سے کہا "صرف یہ کہنا" شہزادے نے یہ پوچھنے کیلئے بھیجا ہے کہ کیا خبر ہے اور وہ جو کچھ کہے، آکر مجھے بتادینا"

ماریا بوگدانوونا نے پیغام رساں کی جانب معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا "شہزادے کو مطلع کردو کہ بچے کی پیدائش شروع ہوگئی ہے"

خبر سن کر شہزادہ بولا "بہت اچھا" اور دروازہ بند کر دیا۔ اس کے بعد تخن کو اس کے کمرے سے ہلکی سی آواز بھی سنائی نہ دی۔ کچھ دیر بعد تخن موم بتیاں تراشنے کا بہانہ بنا کر دوبارہ کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے دیکھا کہ شہزادہ صوفے پر لیٹا ہے اور غور سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ اس کے چہرے پر زبردست فکر اور پریشانی کے تاثرات ہویدا ہیں۔ اس نے سر جھکایا، دبے پاؤں اس کے قریب گیا اور کندھے پر بوسہ دینے کے بعد موم بتیاں چھوئے اور یہ بتائے بغیر باہر نکل گیا کہ وہ کیوں اندر آیا تھا۔ دنیا کا سنجیدہ ترین اسرار اپنی تکمیل کے مراحل میں تھا۔ شام گزر گئی اور رات کا اندھیرا چھانے لگا۔ تجسس اور دلوں کے گداز میں کوئی کمی نہ ہوئی بلکہ الٹا اس میں اضافہ ہونے لگا۔ کسی کو نیند نہ آئی۔

☆☆☆

یہ رات مارچ کی ان راتوں میں سے ایک تھی جب سردی اپنے عروج پر ہوتی ہے اور وہ اپنی آخری برفباریوں اور طوفانوں کے ساتھ چنگھاڑتی ہوئی حملہ کرتی ہے۔ جرمن ڈاکٹر کیلئے گھوڑے سڑک پر بھیج دیے گئے تھے اور مختلف چوراہوں میں گھڑ سوار بھی متعین کر دیے گئے تھے جن کے پاس لالٹینیں تھیں، انہوں نے ڈاکٹر کو اندھیرے میں راستہ دکھانا تھا تاکہ وہ اونچی نیچی سڑک اور برف میں چھپے پانی میں گرنے سے محفوظ رہ سکے۔

شہزادی ماریا کافی دیر پہلے ہی کتاب رکھ چکی تھی اور اس کی روشن آنکھیں نرس کے جھریوں زدہ چہرے، رومال سے نیچے نکلی بالوں کی سفید لٹ اور تھوڑی سے نیچے لٹکتی ڈھیلی جلد پر جمی ہوئی تھیں (جس کی تمام کیفیت سے وہ واقف تھی) بوڑھی نرس ہاتھ میں جرابیں پکڑے آہستگی سے کہہ رہی تھی کہ مرحومہ شہزادی نے کس طرح کشیوف کے مقام پر نرس کی بجائے صرف ایک مولداوی کسان عورت کی مدد سے شہزادی ماریا کو جنم دیا تھا۔ وہ اس سے پہلے سینکڑوں مرتبہ یہ داستان

بیان کرچکی تھی اور اب جو کچھ کہہ رہی تھی اسے خود اس کا علم تھا نہ اسے اس کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

وہ بولی "خداوند رحیم و کریم ہے۔ ڈاکٹروں کی کوئی ضرورت نہیں"

اچانک تیز ہوا چلی اور کھڑکی کے واحد چوکھٹے سے ٹکرانے لگی (معمر شہزادے کے حکم پر سردیوں کے آخری دنوں میں جبکہ کونجیں دوبارہ چہچہانے لگتی تھیں، کھڑکیوں کا ایک ایک چوکھٹا اتار لیا جاتا تھا) کھڑکی کی ڈھیلی چٹخنی کھل گئی اور بیل بوٹوں سے مزین ریشمی پردے پھڑ پھڑانے لگے جن کی بدولت موم بتی بجھ گئی۔ شہزادی ماریا کانپنے لگی۔ نرس نے اپنی جراب نیچے رکھی اور کھڑکی کے قریب جاکر کھلا پٹ تھامنے کی کوشش کرنے لگی۔ سرد ہوا میں اس کے رومال کے کنارے اور سفید بال پھڑ پھڑا رہے تھے۔

وہ پٹ تھام کر اسے بند کئے بغیر بولی "پیاری، درختوں والی سڑک پر گاڑی آتی دکھائی دے رہی ہے، لالٹینیں بھی ہیں، یقیناً وہ ڈاکٹر ہوں گے"

شہزادی ماریا بولی "او میرے خدایا! خداوند تیرا شکر ہے! مجھے ان سے ملنا چاہیے، وہ روسی زبان نہیں جانتے"

شہزادی ماریا نے شال اوڑھی اور اجنبی سے ملنے باہر بھاگ گئی۔ جب وہ بیرونی کمرے سے گزری تو اسے ایک کھڑکی سے گاڑی اور لالٹینیں دکھائی دیں۔ گاڑی دروازے پر کھڑی تھی۔ وہ آگے بڑھ کر سیڑھیوں کے قریب پہنچ گئی۔ سیڑھیوں کے جنگلے پر ایک موم بتی روشن تھی۔ خدمتگار فلپ ایک اور موم بتی تھامے سیڑھیوں کے وسطی فرش پر خاموش کھڑا تھا۔ اس سے بھی نیچے جہاں سیڑھیاں گھومتی تھیں، بھاری بوٹ پہنے کسی شخص کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ ایک آواز کہہ رہی تھی "خدا کا شکر ہے! اور ابا جان" شہزادی ماریا کو یہ آواز مانوس معلوم ہوئی۔

سیڑھیوں سے نیچے کھڑے خانساماں دیمیاں کی آواز سنائی دی "وہ سوچکے ہیں"

مانوس آواز نے مزید کچھ کہا اور دیمیاں نے اس کا جواب دیا، اس کے ساتھ ہی بھاری چاپ زینے کے اس موڑ سے سنائی دینے لگی جو آنکھوں سے اوجھل تھا۔ آنے والا تیزی سے اوپر آرہا تھا۔

شہزادی ماریا نے سوچا "یہ تو آندرے ہے، نہیں وہ نہیں ہوسکتا، یہ تو غیر معمولی بات ہوگی" جونہی اس نے یہ بات سوچی، عین اسی وقت اسے سیڑھی کے اس فرش پر آندرے دکھائی دیا جہاں خدمتگار موم بتی پکڑے کھڑا تھا۔ شہزادہ آندرے کے جسم پر سمور کا کوٹ تھا جس کے کالر پر برف جمی تھی۔ ماریا سوچنے لگی "ہاں، یہ وہی ہے، مگر دبلا اور زرد رنگ رہا ہے" اس کا چہرہ ملائمت اور عجیب و غریب نرمی کے باعث بالکل بدلا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ سیڑھیوں سے اوپر آیا اور اپنی بہن سے لپٹ گیا۔

اس نے پوچھا "تمہیں میرا خط نہیں ملا؟" اور پھر جواب کا انتظار کئے بغیر نیچے اتر گیا، اسے جواب ملنا ہی نہیں تھا کیونکہ شہزادی بولنے کے قابل نہیں رہی تھی۔ پھر وہ ڈاکٹر کے ساتھ جلدی سے اوپر آیا (دونوں آخری سٹیشن پر ملے تھے) اور دوبارہ اپنی بہن کے گلے لگ گیا۔

اس نے کہا "پیاری ماشا! قسمت کے کھیل بھی عجیب ہیں!" پھر اس نے کوٹ اور لمبے بوٹ اتارے اور چھوٹی شہزادی کے کمرے کی جانب چل دیا۔

(9)

چھوٹی شہزادی سفید ٹوپی پہنے تکیوں کے سہارے لیٹی تھی (اس کا اذیت ناک لمحہ بالکل ابھی ختم ہوا تھا) اس کی

بل کھاتی سیاہ زلفیں گالوں کو گھیرے ہوئے تھیں جن پر سوجن تھی اور وہ پسینے سے تر بتر دکھائی دے رہے تھے۔ اس کا چھوٹا سا خوبصورت گلابی منہ بالائی ہونٹ سمیت کھلا تھا اور وہ خوشی سے مسکرا رہی تھی۔ شہزادہ آندرے کمرے میں داخل ہوا اور اس کے صوفے کے قریب کھڑا ہو گیا۔ لیزا کی بچگانہ خدشات اور جوش و خروش سے بھری چمکدار آنکھیں اس کے چہرے پر گڑ گئیں۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ کہہ رہی ہوں "میں تم سب سے محبت کرتی ہوں، میں نے کسی کو تکلیف نہیں پہنچائی، مجھے اس مصیبت سے کیوں گزرنا پڑ رہا ہے؟ میری مدد کرو" اسے اپنا شوہر دکھائی دے رہا تھا مگر وہ یہ نہ سمجھ سکی کہ اسی وقت وہ یہاں کیوں کھڑا تھا۔ شہزادہ آندرے مڑا اور صوفے کی ایک جانب کھڑا ہو کر اس کی پیشانی چوم لی۔

اس کے منہ سے نکلا "میری پیاری" اس نے پہلے کبھی اسے یوں مخاطب نہیں کیا تھا۔ پھر اس نے کہا "خداوند رحیم و کریم ہے۔۔۔" وہ اسے بچگانہ انداز میں تجسس سے دیکھنے لگی۔

اس کی آنکھیں کہتی محسوس ہوتی تھیں "مجھے تمہاری جانب سے مدد کی امید تھی مگر تم نے بھی کچھ نہیں کیا، کچھ نہیں کیا" وہ اس کی آمد پر حیران نہیں ہوئی تھی۔ اسے آندرے کے آنے کا اندازہ ہی نہ ہو سکا اور اس کی آمد کا اس کی تکلیف اور تسکین سے کوئی تعلق نہ تھا۔ درد دوبارہ شروع ہو گئی ماریا بگدانوونا نے شہزادہ آندرے سے کہا کہ وہ کمرے سے باہر چلا جائے۔

ڈاکٹر کمرے میں آ گیا۔ شہزادہ آندرے باہر نکلا جہاں اسے شہزادی ماریا مل گئی اور دونوں سرگوشیوں میں باتیں کرنے لگے مگر وہ بار بار خاموش ہو جاتے۔ وہ انتظار کر رہے تھے اور کمرے کی جانب کان لگائے بیٹھے تھے۔

شہزادی ماریا بولی "میرے پیارے، اندر چلے جاؤ" شہزادہ آندرے دوبارہ اندر چلا گیا اور ملحقہ کمرے میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔ بیڈ روم سے ایک عورت باہر آئی۔ اس کے چہرے پر خوف و دہشت کے آثار تھے۔ آندرے کو دیکھ کر وہ گڑبڑا گئی۔ شہزادہ آندرے نے چہرہ ہاتھوں سے ڈھانپ لیا اور کچھ دیر یونہی بیٹھا رہا۔ ملحقہ کمرے سے بے چارگی اور دلدوز انداز سے کراہنے کی حیوانی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ اٹھا اور دروازے کے قریب پہنچ کر اسے کھولنے کی کوشش کی۔ دروازہ کسی نے اندر سے بند کر رکھا تھا۔

ایک خوفزدہ آواز سنائی دی "آپ اندر نہیں آ سکتے نہیں آ سکتے" اس نے کمرے میں ٹہلنا شروع کر دیا۔ کئی سیکنڈ کے بعد بیڈ روم سے دل ہلا دینے والی چیخ بلند ہوئی۔۔۔ اس نے سوچا "یہ وہ نہیں ہو سکتی، وہ اس طرح نہیں چیخ سکتی" شہزادہ آندرے دوڑ کر دروازے کی جانب گیا۔ چیخ خاموش ہو گئی اور بچے کے رونے کی آواز سنائی دی۔

شہزادہ آندرے پہلے تو حیران ہو کر سوچنے لگا "وہ بچے کو اندر کیوں لے گئے؟" پھر اس کے ذہن میں آیا "بچہ؟ کیسا بچہ؟۔۔۔ بچہ وہاں ہے یا پیدا ہوا ہے؟"

جب اسے اچانک اس رونے کا خوشگوار مطلب سمجھ میں آیا تو اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور وہ دونوں کہنیاں کھڑکی سے ٹکا کر بچوں کی مانند رونے لگا۔ دروازہ کھلا اور ڈاکٹر باہر آیا۔ اس نے کوٹ اتارا ہوا تھا اور آستینیں چڑھا رکھی تھیں۔ اس کا رنگ زرد تھا اور جبڑا کانپ رہا تھا۔ شہزادہ آندرے اس کی جانب بڑھا مگر ڈاکٹر اسے بے چین نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کچھ کہے بغیر آگے چل دیا۔ ایک عورت تیزی سے بھاگتی آئی اور شہزادہ آندرے کو دیکھ کر دروازے کی چوکھٹ پر ہی رک گئی۔ وہ ہچکچاہٹ کا شکار تھی۔ شہزادہ آندرے اپنی بیوی کے کمرے میں چلا گیا۔ وہ وفات پا چکی تھی اور اسی حالت میں لیٹی تھی جس میں اس نے اسے چند منٹ پہلے دیکھا تھا۔ اگرچہ اس کی آنکھیں ایک جگہ ٹھہر چکی تھیں اور گالوں پر زردی چھائی ہوئی تھی تاہم اس کے باوجود بالائی ہونٹ اور ننھا منا خوبصورت، شرمیلا اور بچگانہ چہرہ وہ یہ

کا دیا تھا۔ اس کا خوبصورت، دلخراش اور مردہ چہرہ کہہ رہا تھا "میں تم سب سے محبت کرتی ہوں اور کسی کو نقصان نہیں پہنچایا مگر تم نے میرے ساتھ یہ کیا کر دیا؟" کمرے کے کونے میں سرخ رنگ کی کوئی چھوٹی سی شے ماریا بگدانوونا کے کانپتے سفید ہاتھوں میں غوں غاں کر رہی تھی۔

☆☆☆

دو گھنٹے بعد شہزادہ آندرے آہستگی سے اپنے والد کے کمرے میں داخل ہوا۔ بوڑھا ہر بات سے پہلے ہی آگاہ ہو چکا تھا۔ وہ دروازے کے قریب کھڑا تھا اور جونہی دروازہ کھلا اس کے ناتواں بازو شکنجے کی طرح اپنے بیٹے کی گردن سے لپٹ گئے اور وہ کچھ کہے بغیر بچوں کی طرح سسکیاں لینے لگا۔

تین دن بعد چھوٹی شہزادی کو دفنا دیا گیا اور شہزادہ آندرے اسے آخری مرتبہ الوداع کہنے کیلئے چند قدم آگے بڑھ کر اس کے مقبرے کے قریب ہو گیا۔ اگرچہ اس کی آنکھیں بند تھیں مگر تابوت میں اس کا چہرہ پہلے جیسا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ ابھی تک یہی کہتا محسوس ہوتا تھا "اوہ یہ تم نے میرے ساتھ کیا کر دیا؟" شہزادہ آندرے کو یوں لگا جیسے اس کی روح فنا ہو گئی ہو اور وہ ایسا جرم کر بیٹھا ہو جس کی تلافی ہو سکتی ہے نہ اسے بھلایا جا سکتا ہے۔ وہ رو بھی نہ سکا۔ بوڑھا بھی آیا اور اس نے اس کے ننھے منے سفید موی ہاتھوں کو چوما جو اس کے سینے پر اوپر نیچے پڑے تھے۔ اس کا چہرہ بوڑھے نکولائی کو بھی کہہ رہا تھا "اوہ تم نے میرے ساتھ یہ کیا کیا، اور کیوں کیا؟" بوڑھے نے چہرے کی جانب دیکھا اور غصے کے عالم میں واپس ہو لیا۔

☆☆☆

پانچ دن بعد ننھے شہزادے نکولائی آندریچ کو عیسائی بنانے کی رسم ادا کی گئی۔ آیا نے اسے کپڑوں میں لپیٹ کر اپنی ٹھوڑی سے اوپر اٹھا رکھا تھا جبکہ پادری ہنس کے گیلے پر کی مدد سے بچے کی سرخ ہتھیلیوں اور پاؤں پر مسح کرتا رہا۔

بچے کا دادا جو اس کا دینی باپ بھی تھا اس خوف سے کانپ رہا تھا کہ کہیں بچہ اس کے ہاتھوں سے نہ گر جائے۔ وہ اسے ٹین سے بنے برتن کی جانب لے گیا جہاں اسے اس کی دینی ماں ماریا کے سپرد کر دیا گیا۔ شہزادہ آندرے برابر والے کمرے میں بیٹھا تھا اور یہ سوچ کر اس کی جان پر بن رہی تھی کہ کہیں وہ اسے پانی کے برتن میں ہی نہ ڈبو دیں۔ وہ رسم کے فوری ختم ہونے کا منتظر تھا۔ جب نرس بچے کو اس کے پاس لائی تو وہ خوشی سے معمور ہو گیا اور اس کی جانب دیکھنا شروع کر دیا۔ جب نرس نے اس کی توجہ اس نیک شگون کی جانب دلائی کہ بچے کے بالوں والا موم کا ٹکڑا پانی کے برتن میں تیر رہا تھا تو اس نے اظہار پسندیدگی کے طور پر سر ہلایا۔

(10)

رستوف نے دولوخوف اور بیزوخوف کے مابین ڈوئیل میں جو کردار ادا کیا گیا تھا اسے معمر نواب کی کوششوں سے دبا دیا گیا۔ اسے یہی توقع تھی کہ اس کی تنزلی کر کے اسے عام سپاہی بنا دیا جائیگا تاہم اس کی بجائے اسے ماسکو کے گورنر کا ایجوٹنٹ مقرر کر دیا گیا۔ نتیجتاً وہ اپنے خاندان کے دیگر لوگوں کے ساتھ گاؤں نہ جا سکا اور اسے نئے فرائض کی انجام دہی کے سلسلے میں تمام گرمیاں ماسکو میں ہی گزارنا پڑیں۔ دولوخوف صحت یاب ہو گیا تھا اور بحالی صحت کے عرصہ میں اس کی رستوف سے گہری دوستی ہو گئی۔ اس عرصہ میں وہ اپنی والدہ کے گھر بستر پر پڑا رہا جو اسے ٹوٹ کر چاہتی تھی۔ معمر ماریا ایوانوونا رستوف کو بھی پسند کرنے لگی تھی کیونکہ وہ اس کے فیدیا کا دوست تھا اور اکثر اس سے اپنے بیٹے کے

بارے میں باتیں کیا کرتی تھی۔

وہ اس سے کہتی "ہاں نواب! وہ اتنا اچھا ہے کہ ہمارے زمانے کے بدعنوان معاشرے میں رچ بس نہیں سکتا۔ اب ہر شخص نیکی کرنا باعث شرم سمجھتا ہے۔ نواب، مجھے یہ بتاؤ کہ بیزوخوف نے جو کچھ کیا وہ ٹھیک یا اس کے شایان شان تھا؟ اس کی بجائے فیدیا کی شرافت ملاحظہ کرو کہ اسے دل و جان سے چاہتا تھا اور اب بھی اس کے خلاف کچھ نہیں بولتا۔ انہوں نے پیٹرز برگ میں جو شرارتیں کیں اور پولیس اہلکار کے ساتھ جو کچھ کیا، کیا اس میں یہ سب لوگ شامل نہیں تھے؟ مگر بیزوخوف کو کچھ نہ ہوا اور سب کا کیا فیدیا کو بھگتنا پڑا۔ اس نے کیا کچھ برداشت نہیں کیا؟ ٹھیک ہے کہ وہ اپنے عہدے پر دوبارہ بحال ہو چکا ہے مگر وہ اس کی بحالی سے انکار بھی کیسے کر سکتے تھے؟ میرا خیال ہے کہ ادھر وطن کے اس جیسے بہادر اور جانباز بیٹوں کی تعداد کچھ ایسی زیادہ نہ تھی، اور اب۔۔۔ یہ ڈوئیل! کیا لوگوں میں ہر قسم کا جذبہ اور عزت کا احساس ختم ہو چکا ہے؟ یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ کسی کا اکلوتا بیٹا ہے، اسے ڈوئیل کا چیلنج دینا اور سیدھی گولی کا نشانہ بنانا مردانگی ہے؟ خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہم پر رحم کیا۔ اور یہ سب کچھ کس لیے ہوا؟ کس کے خفیہ معاشقے نہیں ہوتے؟ اگر اسے دولوخوف سے حسد تھا تو اسے پورا سال انتظار کرنے کی بجائے فوراً اظہار کر دینا چاہئے تھا۔ وہ جانتا تھا کہ فیدیا اس کا مقروض ہے اس لیے وہ اس کے ساتھ لڑنے سے انکار کر دے گا مگر یہ جانتے ہوئے بھی اس نے اسے چیلنج دیا۔ کتنی گھٹیا حرکت کی! میرے پیارے نواب! میں جانتی ہوں کہ تم فیدیا کو سمجھتے ہو اور یقین کرو میں اسی لیے تمہیں دل سے چاہتی ہوں۔ بہت کم لوگ اسے سمجھتے ہیں۔ وہ بیحد بلند پایہ اور فرشتوں جیسا ہے!"

بحالی صحت کے زمانے میں دولوخوف رستوف سے جیسی باتیں کیا کرتا تھا وہ سن کر بہت کم لوگ یہ توقع کر سکتے تھے کہ وہ ایسی باتیں بھی کر سکتا ہے۔

وہ کہتا تھا "میں جانتا ہوں کہ لوگ مجھے بدمعاش سمجھتے ہیں۔ وہ جو کہتے ہیں، کہتے رہیں، مجھے جن لوگوں سے محبت ہے ان کے علاوہ کسی کی پروا نہیں۔ لیکن میں جس سے محبت کرتا ہوں اس کیلئے اپنی جان بھی دے سکتا ہوں۔ مگر دوسروں میں سے کوئی میری راہ میں رکاوٹ پیدا کرے تو میں اس کا کام تمام بھی کر سکتا ہوں۔ میری ایک پیاری اور قابل احترام ماں ہے اور چند دوست جن میں تم بھی شامل ہو۔ دیگر لوگوں پر میں صرف اتنی توجہ دیتا ہوں کہ وہ میرے لیے کتنے کارآمد یا نقصان دہ ہیں اور ان میں سے زیادہ تر، خصوصاً خواتین نقصان دہ ہی ہیں۔ میں ایسے مردوں سے ملا ہوں جو محبت کرنیوالے، شریف اور عمدہ ذہن کے مالک ہیں مگر مجھے ابھی تک کوئی ایسی بیگم یا باورچن نہیں ملی جو برائے فروخت نہ ہو۔ مجھے خواتین میں جس پاکیزگی اور وفا شعاری کی تلاش ہے وہ آج تک نہیں دیکھی۔ اگر مجھے کہیں ایسی ہی عورت مل گئی تو میں اس کیلئے اپنی جان تک دے دوں گا مگر یہ مخلوق!۔۔۔" اس نے ہاتھ سے نفرت آمیز اشارہ کیا۔ اس نے مزید کہا "یقین کرو، اگر میں ابھی تک زندگی کی قدر کرتا ہوں تو اس کی وجہ میرا یہ اعتماد ہے کہ ایک دن مجھے کوئی ایسی ہستی ضرور ملے گی جو میری نئے سرے سے تخلیق کر کے مجھے پاکیزہ اور بلند پایہ کر دے گی۔ مگر تم یہ باتیں نہیں سمجھو گے"

رستوف جو بری طرح اپنے نئے دوست کے زیر اثر آ چکا تھا، کہنے لگا "ہاں، ہاں، میں بالکل سمجھتا ہوں"

☆☆☆

موسم خزاں میں رستوف خاندان ماسکو واپس آ گیا۔ موسم سرما کے آغاز میں دینی سوف بھی آ گیا اور انہی کے ہاں ٹھہرا۔ 1806ء کی سردیوں کے ابتدائی ماہ جو نکولائی رستوف نے ماسکو میں گزارے وہ اس کی اور اس کے اہلخانہ کی زندگی کے انتہائی مسرت بخش دن تھے۔ نکولائی اپنے والدین کے گھر میں نوجوانوں کو لاتا رہا۔ ویرا بیس برس کی خوبصورت

لڑکی تھی اور سولہ سالہ سونیا میں کھلتے پھول کی تمام تر دلکشی دیکھی جا سکتی تھی۔ نیم بالغ نتاشا کبھی لمبے بچگانہ انداز اختیار کر لیتی اور اگلے ہی لمحے مسحور کن دوشیزہ دکھائی دینے لگتی تھی۔

ان دنوں میں رستوف خاندان کا گھر محبت کی ان خوشبوؤں سے بھرا ہوا تھا جو ایسے گھروں میں با آسانی محسوس کی جا سکتی ہیں جہاں نوخیز اور پرکشش لڑکیاں رہتی ہوں۔ اگرچہ ایسی محبت کا سرعام اظہار نہیں ہوتا تھا مگر ہر وہ نوجوان جو رستوف خاندان کے ہاں آتا، ان ہنستے مسکراتے چہروں (جو یقیناً اپنی ہی خوشیوں پر مسکراتے تھے) کو دیکھتا اور ان نوعمر لڑکیوں کی باتیں سنتا جو ہر وقت ہر کام کرنے کو تیار رہتی تھیں اور بے ربط مگر دوستانہ انداز سے چہچہاتے ہوئے گاتی تھیں تو اس کا دل بھی مچلتا اور وہ بھی ایسے ہی جذبات محسوس کرتا جس طرح رستوف خاندان کے نوعمر ارکان محسوس کرتے تھے۔

رستوف نے جن نوجوانوں کو اپنے گھر متعارف کرایا ان میں دولوخوف بھی شامل تھا۔ نتاشا کے علاوہ گھر کا ہر فرد اس کی تعریف و تحسین کرتا۔ نتاشا نے اس حوالے سے اپنے بھائی کے ساتھ جھگڑا بھی کیا۔ وہ کہتی تھی کہ دولوخوف بدذات ہے اور اس نے بیزوخوف کے ساتھ جو ڈوئیل لڑی تھی اس میں پیری کا موقف درست اور اس کا غلط تھا۔ وہ یہ بھی کہتی تھی کہ یہ اسے بالکل اچھا نہیں لگتا اور انا طبعیت اور فطرت کا مالک ہے۔

نتاشا جان بوجھ کر ضد لگاتے ہوئے چلا کر کہہ رہی تھی "درحقیقت میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ وہ کینہ پرور اور پتھر دل ہے۔ تم جانتے ہو کہ میں تمہارے دینی سوف کو پسند کرتی ہوں۔ حالانکہ وہ عیاش ہے اور عیاشوں جیسی حرکتیں بھی کرتا ہے، اس کے باوجود مجھے وہ پسند ہے۔ سمجھے؟ میں سب کچھ جانتی ہوں، بس اتنی سی بات ہے کہ مجھے ہر بات کہنی نہیں آتی۔ یہ شخص ہر حرکت سوچ سمجھ کر کرتا ہے اور یہی بات مجھے پسند نہیں جبکہ دینی سوف۔۔۔"

رستوف نے جواباً کہا "ارے، دینی سوف کا معاملہ الگ ہے" وہ یہ بات جتلانا چاہتا تھا کہ دولوخوف کے مقابلے میں دینی سوف کی کوئی حیثیت نہیں" وہ کہنے لگا "تم یہ سمجھنے کی کوشش کرو کہ دولوخوف کس قدر عظیم ہے۔ اسے اس وقت دیکھو جب وہ اپنی ماں کے پاس ہوتا ہے، کس قدر اچھے دل کا مالک ہے" نتاشا کہنے لگی "میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ مگر مجھے اسے گھر میں دیکھنا اچھا نہیں لگتا۔ تم جانتے ہو کہ وہ سونیا کی محبت میں مبتلا ہو گیا ہے؟"

رستوف نے کہا "کیا بیوقوفانہ بات کر رہی ہو"

نتاشا نے جواب دیا "میں درست کہہ رہی ہوں، تم خود دیکھ لو گے"

نتاشا کا اندازہ ٹھیک نکلا۔ دولوخوف جسے خواتین میں اٹھنا بیٹھنا پسند نہیں تھا، بار بار ان کے ہاں آنے لگا اور اس سوال کا جواب جلد مل گیا کہ وہ سونیا کو دیکھنے آتا ہے (اگرچہ یہ بات کوئی زبان پر نہیں لاتا تھا) اگرچہ سونیا بھی اس بات کا اقرار نہ کر سکی مگر وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ کیوں آتا ہے اور وہ جب بھی آتا تھا اس کا چہرہ سرخ ہو جاتا تھا۔

دولوخوف اکثر و بیشتر رستوف خاندان کے ہاں کھانا کھاتا اور شہر کی جس تقریب میں وہ شرکت کرتے وہاں ہر صورت پہنچتا تھا۔ وہ نوجوان لڑکے لڑکیوں کیلئے لوگل کے رقص میں بھی شریک ہوتا جس میں رستوف خاندان کے ارکان ہمیشہ پائے جاتے تھے۔ وہ سب کے سامنے سونیا کو دیکھنے لگتا اور اس پر کچھ ایسی نظریں ڈالتا کہ نہ صرف وہ شرم سے سرخ ہو جاتی بلکہ بیگم رستوف اور نتاشا بھی اس کی نظروں کو دیکھ کر شرمندہ ہونے لگتیں۔

یہ بات عیاں تھی کہ یہ قوی الجثہ اجنبی اس سانولی اور شاندار لڑکی کی محبت میں گرفتار ہو چکا ہے جو کسی اور سے پیار کرتی تھی۔

رستوف کو دولوخوف اور سونیا کے مابین نئی بات دکھائی دی مگر ان نئے تعلقات کی نوعیت کا اندازہ لگانا اس کے لیے مشکل تھا۔ اس نے نتاشا اور سونیا کے بارے میں سوچتے ہوئے خود کلامی کی"انہیں ہمیشہ کسی نہ کسی سے محبت ہو جاتی ہے" تاہم اسے اب دولوخوف اور سونیا کے ساتھ رہتے ہوئے پہلے جیسا اطمینان نہیں ہوتا تھا اور وہ پہلے کی نسبت گھر میں کم وقت گزارنے لگا۔

1806ء کے موسم خزاں میں ہر شخص دوبارہ نپولین کے خلاف جنگ کا ذکر کرنے لگا۔ گزشتہ برس کی نسبت اب لوگ جنگ کا ذکر زیادہ جوش وخروش سے کرتے تھے۔ حکم ملا کہ ہر ہزار افراد میں سے دس کو نہ صرف فوج میں باقاعدہ بھرتی کیا جائے گا بلکہ نو مزید لوگوں کو ملیشیاء میں خدمات انجام دینا ہوں گی۔ ہر جگہ نپولین کو برا بھلا کہا جا رہا تھا اور ماسکو میں واحد موضوع گفتگو جنگ تھا جو ناگزیر ہو چکی تھی۔ رستوف خاندان کو ان باتوں سے صرف اسی قدر دلچسپی تھی کہ کسی طرح نکولشکا ماسکو ہی میں رہے، مگر وہ خود یہ سننے کو تیار نہ تھا۔ وہ صرف دینی سوف کی چھٹی ختم ہونے کا منتظر تھا تاکہ کرسمس کے بعد اس کے ساتھ دوبارہ اپنی رجمنٹ میں جا سکے۔ روانگی نے اس کے پاؤں کی زنجیر بننے اور جوش وخروش کم کرنے کی بجائے الٹا اثر کیا اور وہ تفریح طبع کی سرگرمیوں میں پہلے کی نسبت کہیں زیادہ دلچسپی لینے لگا۔ اس کا زیادہ تر وقت گھر سے باہر ضیافتوں، تقریبات اور رقص کی محافل میں گزرنے لگا تھا۔

(11)

کرسمس کے تیسرے دن نکولائی نے گھر پر ہی کھانا کھایا، گزشتہ کچھ عرصہ سے ایسا کم ہی ہوتا تھا کہ وہ گھر پر کھانا کھائے۔ یہ پر تکلف الوداعی کھانا تھا کیونکہ اس نے اور دینی سوف نے چتسمہ کے تہوار کے اگلے دن اپنی رجمنٹوں کو روانہ ہونا تھا۔ دولوخوف اور دینی سوف سمیت بیس افراد کھانے پر مدعو تھے۔

کرسمس کی چھٹیوں میں رستوف خاندان کو محبت کی فضا نے بری طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ فضا یہ کہتی محسوس ہوتی تھی"خوشی کے لمحات سمیٹ لو، محبت کرو اور کرواؤ! اس دنیا میں صرف یہی ایک حقیقت ہے اور اس کے سوا سب کچھ بیکار ہے۔ یہی ایک چیز ہے جس سے یہاں ہمیں دلچسپی ہے"

نکولائی گھوڑوں کی دو جوڑیوں کو تھکا مارنے اور حسب معمول جہاں اسے جانا چاہئے تھا، وہاں جائے بغیر کھانے سے کچھ دیر پہلے واپس آ گیا۔ جونہی وہ گھر میں داخل ہوا اسے یوں لگا جیسے محبت سے معمور فضا میں کچھ کشیدگی پیدا ہو گئی ہے۔ اس نے وہاں موجود لوگوں میں عجیب طرح کی بے چینی محسوس کی۔ خصوصاً سونیا، دولوخوف اور بیگم رستوف پریشان دکھائی دے رہے تھے۔ نتاشا بھی گھبرائی ہوئی تھی مگر اس کی یہ کیفیت دوسروں کی نسبت کم تھی۔ نکولائی سمجھ گیا کہ کھانے سے پہلے سونیا اور دولوخوف کے مابین کوئی واقعہ پیش آیا ہے۔ یہاں اس کی فطری موقع شناسی نے مدد کی اور وہ کھانے کے دوران دونوں سے نرمی اور احتیاط کا برتاؤ کرتا رہا۔ اسی شام لوگل کے ہاں رقص کی محفل تھی جو وہ چھٹیوں میں اپنے شاگردوں کیلئے منعقد کرتا تھا۔

نتاشا کہنے لگی"نکولینکا! تم لوگل کے ہاں جا رہے ہو نا؟ ضرور آنا، انہوں نے تمہیں خاص طور پر مدعو کیا ہے۔ ویسے دمیتریچ (دینی سوف) بھی جائیں گے"

رستوف جو مذاق میں نتاشا کا نائٹ بن گیا تھا کہنے لگا"میں بیگم کے حکم سے سرتابی نہیں کر سکتا، میں رقص کیلئے تیار ہوں"

پھر وہ بولا"اگر وقت ہوا تو، میں نے آرخاروف خاندان کے ہاں دعوت میں شرکت کا وعدہ کر رکھا ہے" یہ کہتے ہوئے وہ دولوخوف کی جانب متوجہ ہوا اور بولا"تم کیا کہتے ہو؟" یہ بات کہتے ہی اسے اندازہ ہو گیا کہ اسے دولوخوف سے نہیں پوچھنا چاہئے تھا۔

دولوخوف نے سونیا کی جانب سرد اور غصیلی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے جواب دیا"ہاں، شاید" اس کی تیوری چڑھ گئی اور وہ نکولائی کو بالکل ویسی نگاہوں سے دیکھنے لگا جس طرح اس نے کلب کے کھانے میں پیری کو دیکھا تھا۔

نکولائی نے سوچا"کہیں کچھ گڑبڑ ہے" کھانے کے بعد دولوخوف فوراً چلا گیا جس سے اس کا اندازہ درست ثابت ہو گیا۔ نکولائی نے نتاشا کو بلایا اور اس سے وقوعہ کی بابت دریافت کیا۔

نتاشا بھاگتی ہوئی اس کی جانب آئی اور کہنے لگی"میں تمہیں ہی ڈھونڈ رہی تھی۔ میں نے تمہیں پہلے بھی بتایا تھا مگر تم نے یقین نہ کیا۔ اس نے سونیا کو شادی کی پیش کش کی ہے" نتاشا طمطراق سے بات کر رہی تھی۔

اگرچہ ان دنوں میں نکولائی نے شاید ہی کبھی سونیا کو یاد کیا تھا مگر جب اس نے یہ بات سنی تو اسے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی اسے اندر سے چیر رہا ہو۔ دولوخوف بے مال وزر اور یتیم لڑکی کیلئے مناسب اور بعض اعتبار سے شاندار رشتہ تھا۔ اگر بیگم رستوف اور معاشرے کے نقطہ نظر سے دیکھا جاتا تو اس کیلئے اسے ٹھکرانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ نکولائی کا پہلا ردعمل یہی تھا اور اسے یہ سن کر شدید غصہ آیا۔ وہ یہ کہنا چاہتا تھا"یہ تو بہت اچھی بات ہے، اسے بچگانہ وعدے بھلا کر اس کی پیشکش قبول کر لینا چاہئے تھی" مگر اسے بات کرنے کا موقع ہی نہ مل سکا کیونکہ نتاشا اپنی بات کہے جا رہی تھی۔

وہ کہہ رہی تھی"ذرا سوچو، اس نے اسے انکار کر دیا، واضح طور پر انکار کر دیا! وہ کہتی ہے کہ مجھے کسی اور سے محبت ہے" یہ کہہ کر نتاشا نے کچھ دیر توقف کیا۔

نکولائی نے سوچا"ہاں، میری سونیا اس کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتی تھی"

نتاشا کہنے لگی"امی نے کئی مرتبہ اس سے التجا کی مگر وہ انکار کرتی رہی۔ میں جانتی ہوں جب وہ کوئی فیصلہ کر لیتی ہے تو اس سے پیچھے نہیں ہٹتی۔۔۔"

نکولائی ملامت آمیز انداز میں بولا"اور امی اسے التجا کرتی رہیں کہ ایسا مت کرے"

نتاشا بولی"ہاں، نکولینکا، کیا تم جانتے ہو۔۔ ناراض مت ہونا۔۔ مگر مجھے علم ہے کہ تم اس سے شادی نہیں کرو گے۔ میں جانتی ہوں۔۔ مجھے اس کی وجہ معلوم نہیں۔۔ مگر مجھے یقین ہے کہ تمہاری شادی اس سے نہیں ہو گی"

نکولائی نے مسکراتے ہوئے کہا"تم اس کے متعلق نہیں جانتیں، مگر میں اس سے بات کرنا چاہتا ہوں، سونیا کتنی اچھی ہے"

نتاشا نے اپنے بھائی کا بوسہ لیا اور بولی"ہاں وہ بہت اچھی ہے، میں اسے بھیجتی ہوں"

ایک منٹ بعد سونیا آ گئی۔ وہ ڈری سہمی، بدحواس اور خطاکار لگ رہی تھی۔ نکولائی اس کے پاس گیا اور اس کے ہاتھ کو چوما۔ جب سے وہ واپس آیا تھا، دونوں کی تنہائی میں یہ پہلی ملاقات تھی اور انہوں نے پہلی مرتبہ ایک دوسرے سے پیار محبت کی باتیں کیں۔

وہ اس سے کہنے لگا"سوفی، اگر تم ایسے شخص کو، جو بہت اچھا رشتہ ہونے کے ساتھ ساتھ قابل تعریف اور بلند پایہ انسان بھی ہے۔۔ میرا دوست۔۔۔" ابتداء میں وہ شرما رہا تھا مگر جوں جوں وہ بولتا گیا اس کی جھجک کم ہوتی گئی۔

سونیا نے اسے ٹوک دیا۔ اور ہچکچائے بغیر بولی ''میں اسے انکار کر چکی ہوں''

نکولائی بولا ''اگر تم اسے میرے لیے انکار کر رہی ہو تو مجھے ڈر ہے کہ کہیں۔۔۔''

سونیا نے اسے دوبارہ ٹوکا اور اس کی جانب خوفزدہ اور التجائیہ انداز میں دیکھنے لگی۔

پھر وہ بولی ''نکولینکا، مجھے وہ بات مت کہنا''

نکولائی نے کہا ''نہیں، میں ضرور کہوں گا۔ شاید یہ کہنا میرا حق نہ بنتا ہو مگر بہتر ہوگا کہ میں کہہ دوں۔ اگر تم اسے میری وجہ سے انکار کر رہی ہو تو پھر مجھے تم سے سچی بات کہنا ہی پڑے گی۔ مجھے یقین ہے کہ میں کسی اور کی نسبت تم سے زیادہ محبت کرتا ہوں۔۔۔''

سونیا کا چہرہ سرخ ہو گیا اور وہ بولی ''میرے لیے اتنا ہی کافی ہے''

وہ بولا ''نہیں، مجھے ہزار مرتبہ محبت ہو چکی ہے اور آئندہ بھی ہوتی رہے گی مگر میں جو وابستگی، اعتماد اور محبت تمہارے بارے میں محسوس کرتا ہوں وہ کسی اور کیلئے نہیں کرتا۔ پھر میں تو جوان ہوں۔ امی یہ بات پسند نہیں کرتیں۔ ٹھیک ہے، در حقیقت میں کوئی وعدہ نہیں کر سکتا۔ میں تم سے التجا کرتا ہوں کہ دولوخوف کی پیشکش پر غور کرو'' اسے اپنے دوست کا نام زبان پر لانے میں مشکل پیش آ رہی تھی۔

سونیا بولی ''مجھ سے اس بارے میں بات مت کرو۔ میں کچھ نہیں چاہتی۔ میں تمہیں بھائی کی طرح چاہتی ہوں اور ہمیشہ تم سے پیار کرتی رہوں گی، مجھے اس سے زیادہ کچھ نہیں چاہیے''

نکولائی بولا ''تم فرشتوں جیسی ہو، میں تمہارے قابل نہیں مگر مجھے خدشہ ہے کہ کہیں تمہیں دھوکہ نہ دے بیٹھوں''

نکولائی نے ایک مرتبہ پھر اس کا ہاتھ چوم لیا۔

(12)

لوگل جیسی رقص کی محافل ماسکو میں اور کہیں نہیں ہوتیں۔ یہ ان ماؤں کا خیال ہوتا تھا جو اپنے نوعمر لڑکے لڑکیوں کو حال ہی میں سیکھا گیا رقص کرتے دیکھتی تھیں۔ ان نوعمر لڑکے لڑکیوں کا بھی یہی خیال ہوتا تھا۔ ناچتے ناچتے وہ تھکن سے چور ہو جاتے اور یوں لگتا تھا جیسے ابھی گر جائیں گے مگر ان کی سیری نہ ہوتی اور وہ رقص جاری رکھتے۔ ان کی سرپرستی کیلئے آنیوالے نوجوان مرد و خواتین بھی یہی کہتے مگر جب وہ بھی خوشی سے سرشار ہوتے تو یہی کہتے۔ اس برس رقص کی انہی محفلوں کی بدولت دو رشتے طے ہوئے۔ گورچاکوف خاندان کی دو نوجوان شہزادیوں کو یہیں رشتے ملے اور پھر ان کی شادیاں ہو گئیں۔ اس طرح رقص کی ان محافل کو مزید شہرت حاصل ہو گئی۔ ان محفلوں کو ایسی دیگر محافل سے جو شے ممتاز کرتی تھی وہ یہ تھی کہ یہاں کوئی میزبان مرد یا عورت نہیں ہوتی تھی اور دوسری بات لوگل کی مہربان شخصیت تھی۔ وہ اپنے تمام مہمانوں سے ٹکٹ وصول کرتے ہوئے ادھر ادھر بھاگتا پھرتا اور فنی اصولوں کے مطابق کسی کو جھک کر سلام کرتا اور کسی کے ساتھ رگڑ کھا کر گزر جاتا۔ ان محفلوں کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ یہاں صرف وہی لوگ آتے تھے جو رقص کرنا اور اس سے لطف اندوز ہونا چاہتے تھے۔ ان میں خاص طور پر تیرہ اور چودہ سال کی وہ لڑکیاں شامل ہوتی تھیں جنہوں نے پہلی مرتبہ لمبا لباس زیب تن کیا ہوتا تھا۔ وہ سرمستی کے عالم میں مسکراتیں اور ان کی آنکھوں میں چمک واضح طور پر دیکھی جا سکتی تھی۔ چند ایک کے علاوہ وہ تمام خوبصورت ہوتی یا دکھائی دیتی تھیں۔ بعض اوقات بہترین شاگرد رقص

شال پیش کرتے جن میں غیر معمولی شاندار نتاشا بھی شریک ہوتی۔ مگر سال کی اس آخری محفل میں انہوں نے صرف ایکوسائسز، انگلائسز اور مازورکا ناچ ہی پیش کیا جو کہ وقت کا رواج تھا۔ لوگل نے بیز وخوف کے مکان میں ایک ہال لے لیا تھا اور جیسا کہ ہر شخص کہہ رہا تھا، رقص کی یہ محفل انتہائی کامیاب رہی۔ وہاں متعدد خوبصورت لڑکیاں تھیں اور رستوف خاندان کی لڑکیوں کا شمار حسین ترین دوشیزاؤں میں ہوتا تھا۔ اس دن وہ دونوں خوشی سے معمور تھیں۔ اسی دن دولوخوف نے سونیا کو شادی کی پیشکش کی تھی جسے اس نے ٹھکرا دیا تھا، علاوہ ازیں اس کی نکولائی سے گفتگو ہوئی تھی۔ ان باتوں نے اس پر سرور سا طاری کر دیا اور وہ سارے گھر میں اچھلتی پھرتی رہی جس کے نتیجے میں خادمہ کو اس کے بال سنوارنے میں وقت کا سامنا کرنا پڑا۔ اب رقص کی محفل میں بھی خوشی نے اس کے چہرے کی چمک دوبالا کر دی تھی۔

نتاشا جو پہلی مرتبہ لمبا لباس پہن کر رقص کی حقیقی محفل میں شریک ہو رہی تھی، اس سے بھی زیادہ خوش تھی۔ دونوں لڑکیوں نے سفید ململ کے لباس پہن رکھے تھے جن پر گلابی ربن لگے ہوئے تھے۔

نتاشا ہال میں داخل ہوتے ہی محبت سے معمور ہو گئی۔ اسے کسی ایک شخص پر پیار نہیں آ رہا تھا بلکہ جس پر بھی اس کی نگاہ پڑتی وہ اس کی محبت میں گرفتار ہو جاتی۔

وہ بار بار دوڑ کر سونیا کی طرف جاتی اور کہتی ''اف، یہ سب کچھ کس قدر عمدہ ہے''

نکولائی اور دینی سوف کمرے میں ٹہل رہے تھے اور رقص کرنیوالوں کو کرم فرمائی کے انداز میں دیکھتے جاتے تھے۔

دینی سوف کہنے لگا ''کتنی خوبصورت ہے، ایک دن حسن کا شاہکار بنے گی''

نکولائی نے پوچھا ''کون؟''

دینی سوف نے جواب دیا ''نتاشا''

کچھ توقف کے بعد دینی سوف دوبارہ کہنے لگا ''اور دیکھو وہ کس طرح رقص کرتی ہے۔ شاندار''

نکولائی کہنے لگا ''تم کس کی بات کر رہے ہو؟''

دینی سوف جھلا کر بولا ''تمہاری بہن کی، اور کس کی''

رستوف ہنس دیا۔

پستہ قد لوگل رستوف کی جانب آیا اور بولا ''تم میرے بہترین شاگرد ہو اور تمہیں ضرور رقص کرنا چاہیے۔ ان تمام خوبصورت لڑکیوں کی طرف دیکھو'' وہ دینی سوف کی جانب متوجہ ہوا اور اس سے بھی یہی درخواست کی جو کسی دور میں اس کے بہترین شاگردوں میں سے ایک تھا۔

دینی سوف بولا ''نہیں میرے عزیز، میں دور کھڑا ہو کر دیکھنے کو ترجیح دوں گا۔ تمہیں یاد نہیں کہ تمہاری تعلیم کا مجھ پر قطعی اثر نہیں ہوتا تھا''

لوگل جلدی سے اسے یقین دلاتے ہوئے کہنے لگا ''نہیں نہیں! صرف اتنی سی بات ہے کہ تم توجہ کم دیتے تھے ورنہ تم دوسروں سے کم ذہین نہ تھے، تم میں بیحد صلاحیت تھی''

نئے مازورکا رقص کی دھن بجنا شروع ہو گئی۔ نکولائی لوگل کو انکار نہیں کر سکتا تھا اور اس نے سونیا کو رقص کی دعوت دی۔ دینی سوف معمر خواتین کے قریب بیٹھ گیا اور اپنی تلوار پر جھکتے ہوئے اور موسیقی کی دھن پر پاؤں ہلاتے ہوئے انہیں دلچسپ قصے سنانا شروع کر دیے۔ ساتھ ساتھ اس کی نگاہیں رقاص جوڑوں پر بھی مرکوز تھیں۔ سب سے پہلے نتاشا

اور لوگل نے رقص کیا، نتاشا اس کی بہترین شاگردوں میں سے تھی۔ لوگل نے اپنے ننھے منے پاؤں سے، جو ڈھیلے ڈھالے جوتوں میں چھپے تھے، تیزی سے نتاشا کے ساتھ کمرے کا چکر لگایا، نتاشا شرمانے کے ساتھ ساتھ انہماک سے اس کے قدموں سے قدم ملا رہی تھی۔ دینی سوف نے ایک لمحے کیلئے بھی اسے نگاہوں سے دور نہ ہونے دیا۔ وہ اپنی تلوار سے موسیقی کی لے کا اس طرح ساتھ دے رہا تھا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس کے رقص میں شامل نہ ہونے کی وجہ اس کا رقص سے نابلد ہونا نہیں بلکہ اسے اس کی پرواہ ہی نہیں ہے۔ ایک موقع پر جب رقاص خاص قسم کی شکل بنا رہے تھے تو اس نے قریب سے گزرتے رستوف کو ہاتھ کے اشارے سے بلایا اور کہا" یہ اصل شے نہیں، کیا یہ پولش مازورکا ہے؟ مگر وہ بہت شاندار انداز سے ناچ رہی ہے"

نکولائی کو علم تھا کہ دینی سوف جس ماہرانہ انداز سے مازورکا رقص کرتا تھا اس کی بدولت وہ پولینڈ میں بھی خاصا مشہور ہو گیا تھا، چنانچہ وہ بھاگ کر نتاشا کے پاس پہنچ گیا۔

وہ نتاشا سے کہنے لگا" جاؤ اور دینی سوف کو چن لو۔ وہ بہت شاندار انداز سے رقص کرتا ہے"

جب نتاشا کی دوبارہ باری آئی تو وہ اٹھی اور اپنے ننھے منے خوبصورت جوتے پہن کر شرماتے ہوئے تیزی سے اس کونے کی جانب بڑھی جہاں دینی سوف بیٹھا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ ہر شخص اسے دیکھ رہا ہے کہ وہ کیا کرتی ہے۔ نکولائی نے دیکھا کہ وہ مسکراتے ہوئے آپس میں تکرار کر رہے ہیں۔ خوشی کے مارے دینی سوف کی باچھیں کھلی تھیں مگر وہ انکار کئے جا رہا تھا۔ نکولائی ان کی جانب بھاگا۔

نتاشا کہہ رہی تھی" براہ مہربانی مان جائیں، واسیلے دمتریچ، براہ مہربانی آئیں"

دینی سوف بولا" ارے بیگم، مجھے معاف ہی رکھو"

نکولائی بولا" واسکا، بیوقوف مت بنو، آؤ"

نتاشا بولی" میں آپ کو تمام شام گانا سناؤں گی"

دینی سوف کہنے لگا" یہ چھوٹی چڑیل مجھ سے جو چاہے کرا سکتی ہے" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی تلوار اتار دی۔ وہ کرسیوں کے پیچھے سے باہر آیا، اپنی ساتھی کا ہاتھ مضبوطی سے تھاما اور سر جھٹک کر آگے بڑھا اور تال کا انتظار کرنے لگا۔ لوگوں کا دھیان صرف اس وقت اس کے پستہ قد کی جانب نہ جاتا تھا جب وہ گھوڑے پر سوار ہوتا یا پھر مازورکا رقص کر رہا ہوتا تھا۔ وہ صرف انہی اوقات میں شاندار ہیرو جیسا دکھائی دیتا جیسا کہ وہ خود کو سمجھتا تھا۔ موسیقی کی درست تال پر اس نے اپنی ساتھی کو شوخ اور فاتحانہ نظروں سے دیکھا پھر اچانک ایک پاؤں سے فرش کو ٹھوکر مار کر یوں سیدھا بھاگا جیسے سامنے موجود کرسیاں اسے دکھائی نہ دی ہوں، پھر وہ مہمیز کھنکھنا کر ایک جگہ ایڑھیوں کے بل ٹھہر گیا۔ وہ ایک لمحے کیلئے یونہی کھڑا رہا۔ پھر مہمیز کھنکھنا کر دونوں پاؤں سے فرش کو ٹھوکر ماری اور تیزی سے گھوما، اس کی بائیں ایڑھی دائیں سے ٹکرائی اور وہ ایک مرتبہ پھر دائرے کی شکل میں گھوم گیا۔ نتاشا جان گئی کہ وہ کیا کرے گا چنانچہ اس نے خود کو اس کی مرضی کے تابع کر دیا۔ وہ وہی کچھ کر رہی تھی جو وہ اس سے کروا رہا تھا مگر اسے خود یہ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ ایسا کیونکر کر پا رہی ہے۔ دینی سوف نے پہلے اسے اپنے دائیں اور پھر بائیں ہاتھ سے گھمایا، بعد ازاں اس کے سامنے ایک گھٹنے پر جھکا اور اسے اپنے گرد ایک چکر دے کر چھلانگ لگاتے ہوئے اسطرح تیزی سے آگے بھاگا جیسے کمرہ پار کر جائیگا تاہم وہ رک گیا اور پھر عجیب وغریب انداز سے مختلف قسم کے رقص کا مظاہرہ کیا۔ اس نے اپنی ساتھی کو اس کی کرسی کے سامنے مہارت سے گھمایا اور اپنی ایڑھیاں ملا کر اس کے سامنے جھک گیا۔ نتاشا بوکھلاہٹ کے مارے اسے سلام بھی نہ

کر سکی اور اسے یوں مسکرا مسکرا کر گھورے جا رہی تھی جیسے اسے پہچانتی ہی نہ ہو۔

وہ بولی" یہ کیا تھا؟"

اگرچہ لوگل کا خیال تھا کہ یہ اصل مازورکا نہیں ہے تاہم دینی سوف کی مشاقی نے ہر ایک پر سحر طاری کر دیا۔ لڑکیاں بار بار اس کے پاس آتیں اور اسے اپنا ساتھ دینے کی درخواست کرتیں۔ معمر لوگ پولینڈ اور گزرے دنوں کو یاد کرنے لگے۔ مازورکا کے بعد دینی سوف کا چہرہ تمتمانے لگا اور وہ رومال سے پسینہ پونچھتا نتاشا کے قریب جا بیٹھا اور رقص کے اختتام تک اس سے علیحدہ نہ ہوا۔

(13)

رقص کے دو دن بعد دولوخوف رستوف کے گھر آیا نہ اپنے گھر ملا۔ تیسرے دن رستوف کو اس کا رقعہ موصول ہوا۔

رقعے میں لکھا تھا" میں دوبارہ تمہارے گھر نہیں آنا چاہتا جس کی وجہ تم جانتے ہو۔ میں اپنی رجمنٹ میں جا رہا ہوں اور دوستوں کو الوداعی کھانا دینا چاہتا ہوں۔۔۔ انگلش ہوٹل آ جانا" رستوف تھیٹر سے واپسی پر (جہاں وہ دینی سوف اور اپنے اہلخانہ کے ساتھ گیا تھا) تقریباً دس بجے انگلش ہوٹل چلا گیا۔ اسے فوری طور پر سب سے بہترین کمرے میں پہنچا دیا گیا جو دولوخوف نے اس موقع کیلئے مخصوص کرا رکھا تھا۔

کم وبیش بیس افراد نے میز کے گرد ہجوم کر رکھا تھا جس کے سامنے دولوخوف موم بتیوں کے درمیان بیٹھا تھا۔ میز پر سونے کے سکوں اور نوٹوں کا ڈھیر لگا تھا۔ دولوخوف رقم کا نگران تھا۔ جب سے سونیا نے دولوخوف کی جانب سے شادی کی پیشکش ٹھکرائی تھی اس وقت سے رستوف اس سے نہیں مل سکا تھا، اب رستوف کو اس سے ملاقات کا سوچ کر گھبراہٹ محسوس ہونے لگی تھی۔

رستوف کمرے میں داخل ہوا تو دولوخوف کی آنکھیں چمکنے لگیں اور اس نے اسے سرد مہرانہ انداز میں دیکھا جیسے اس کا بہت دیر سے منتظر ہو۔

دولوخوف کہنے لگا" آنے کا شکریہ، ہم کچھ دنوں سے نہیں مل سکے۔ میں پتے بانٹ لوں پھر الوشکا اپنے طائفے سمیت تمہارے سامنے ہوگا۔

رستوف بولا" میں تمہارے ہاں گیا تھا" اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

دولوخوف نے کوئی جواب نہ دیا۔

وہ کہنے لگا" چاہو تو تم بھی رقم لگا سکتے ہو"

اس لمحے رستوف کو دولوخوف کے ساتھ ہونیوالی عجیب سی گفتگو یاد آ گئی۔ دولوخوف نے کہا تھا" صرف بیوقوف ہی یہ سمجھتے ہیں کہ قسمت مہربان ہوئی تو وہ جوئے میں کامیاب ہو جائیں گے" دولوخوف نے مزید کہا" یا تم مجھ سے کھیلنے سے ڈرتے ہو؟" اس کا انداز ایسا تھا جیسے اس نے رستوف کا ذہن پڑھ لیا ہو۔ وہ مسکرائے جا رہا تھا۔ رستوف نے اس کی مسکراہٹ کے پیچھے اس کی وہی ذہنی کیفیت دیکھی جو اسے کلب اور دیگر مواقع پر نظر آئی تھی۔ ایسے مواقع پر رستوف کو ہمیشہ یہی محسوس ہوتا تھا کہ دولوخوف روزمرہ زندگی کی یکسانیت سے اکتا چکا ہے اور اس سے پیچھا چھڑانے کیلئے کوئی عجیب وغریب اور ظالمانہ حرکت کرنا چاہتا ہے۔

رستوف نے اضطراب محسوس کیا۔ وہ کوئی ایسا پرلطف جملہ سوچنے لگا جس سے وہ دولوخوف کے سوالوں کا فوری جواب دے سکے مگر اسے کچھ بھی یاد نہ آسکا اور وہ اسے جواب دینے سے قاصر رہا قبل ازیں کہ وہ کچھ کہتا دولوخوف جو اس پر نگاہیں گاڑے ہوئے تھا، الفاظ چباتے ہوئے بولا "تمہیں یاد ہوگا کہ ہم دونوں نے تاش کے بارے میں گفتگو کی۔۔۔ دوران کھیل قسمت پر انحصار کرنیوالا بیوقوف ہوتا ہے، آدمی کو محتاط ہو کر کھیلنا چاہئے اور میں ایسا ہی کرنا چاہتا ہوں"

رستوف نے حیرانی سے پوچھا "تم قسمت آزماؤ گے یا احتیاط"

دولوخوف کہنے لگا "درحقیقت، تمہارے لیے نہ کھیلنا ہی بہتر ہوگا" اس نے تاش کی نئی گڈی کھولی اور اسے اچھالتے ہوئے کہا "حضرات، لگاؤ"

دولوخوف نے رقم آگے دھکیلی اور پتے بانٹنا شروع کر دیے۔

رستوف اس کے قریب بیٹھ گیا مگر کھیلنے سے احتراز کیا۔ دولوخوف اس کی جانب دیکھنے لگا۔

دولوخوف نے اس سے پوچھا "تم کھیلتے کیوں نہیں" اور عجیب و غریب بات یہ ہوئی کہ نکولائی پتا لینے سے باز نہ رہ سکا۔ اس نے چھوٹی سی رقم لگائی اور کھیل میں شریک ہو گیا۔

رستوف بولا "میرے پاس رقم نہیں ہے"

دولوخوف نے کہا "مجھے تم پر اعتماد ہے"

رستوف نے پانچ روبل داؤ پر لگائے اور ہار گیا۔ اس نے پھر یہی رقم لگائی اور ایک مرتبہ پھر ہارا، دولوخوف مسلسل دس پتوں تک اسے ہراتا رہا۔

دولوخوف کئی مرتبہ پتے بانٹنے کے بعد بولا "حضرات! براہ مہربانی اپنی اپنی رقم اپنے پتوں پر رکھ دیں ورنہ میں گڑبڑ کر بیٹھوں گا"

ایک کھلاڑی کہنے لگا "مجھے امید ہے کہ تم مجھ پر اعتماد کرو گے"

دولوخوف نے جواباً کہا "مجھے تم پر اعتبار ہے مگر خدشہ ہے کہ کہیں میں کوئی غلطی نہ کر بیٹھوں، اسی لیے میں درخواست کرتا ہوں کہ اپنی اپنی رقم پتوں پر رکھ دیں۔ پھر وہ رستوف کی جانب متوجہ ہو کر بولا "فکرمندی کی ضرورت نہیں، ہم بعد میں حساب کتاب کر لیں گے"

کھیل جاری رہا۔ ایک بیرا مسلسل شمپین لاتا رہا۔

رستوف تمام پتے ہار گیا اور اس کے سامنے آٹھ سو کا ہندسہ لکھا تھا۔ اس نے ایک پتے پر آٹھ سو روبل لکھے ہی تھے کہ ارادہ بدل دیا اور داؤ کی مقررہ رقم بیس روبل لکھنا چاہی۔ اس وقت اس کے گلاس میں شمپین انڈیلی جا رہی تھی۔

دولوخوف بولا "رہنے دو" یوں لگتا تھا جیسے اس نے رستوف کی طرف دیکھا ہی نہ ہو۔ وہ کہنے لگا "تم بہت جلد یہ رقم دوبارہ جیت لوگے۔ میں دیگر لوگوں سے ہار رہا ہوں مگر تم سے جیت رہا ہوں، یا شاید تم مجھ سے خوفزدہ ہو"

رستوف نے اس سے معذرت کرتے ہوئے آٹھ سو کی رقم داؤ پر رہنے دی اور پان کا ستا جس کا ایک کونا پھٹا ہوا تھا، فرش سے اٹھا کر نیچے رکھ دیا۔ اسے یہ پتا اچھی طرح یاد رہا۔ اس نے اس پتے پر چاک کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے کے ذریعے 800 کے اعداد لکھے اور گرم شمپین کا گلاس خالی کر دیا جو کسی نے اس کے ہاتھ میں تھما دیا تھا۔ وہ دولوخوف کی بات پر مسکرا رہا تھا۔ اس نے ڈوبتے دل سے دولوخوف کے ہاتھوں کی جانب دیکھا جن میں تاش کی گڈی تھمی تھی۔ وہ پان کے ستے کے نکلنے کا منتظر تھا۔ رستوف کی جیت یا ہار کا تمام تر دارومدار اسی پتے پر تھا۔ گزشتہ اتوار کو نواب

ایلیا آندریچ نے اپنے بیٹے کو دو ہزار روبل دیے تھے، اگرچہ وہ اپنی مالی مشکلات کا ذکر نہیں کرتا تھا مگر اس نے بیٹے کو واضح طور پر بتا دیا تھا کہ مئی سے پہلے وہ اسے مزید رقم نہیں دے سکے گا چنانچہ وہ رقم سوچ سمجھ کر خرچ کرے۔ نکولائی نے اسے بتایا تھا کہ یہ رقم اس کیلئے کافی ہوگی اور وعدہ کیا تھا کہ مئی سے پہلے کچھ طلب نہیں کرے گا۔ اب اس رقم میں سے صرف بارہ سو روبل باقی رہ گئے تھے، چنانچہ اس پان کے ستے کا مطلب سولہ سو روبل سے ہاتھ دھونا اور اپنے وعدے سے پھرنا تھا۔ اس کا دل ڈوبنے لگا اور وہ دولوخوف کے ہاتھوں کی جانب دیکھتے ہوئے سوچنے لگا کہ "مجھے وہ پتا مل گیا تو میں اپنی ٹوپی اٹھا کر گھر چلا جاؤں گا، وہاں دینی سوف، نتاشا اور سونیا کے ساتھ رات کا کھانا کھاؤں گا اور دوبارہ کبھی تاش کے قریب نہ پھٹکوں گا" اسی دوران اس کی نگاہوں میں اپنی گھریلو زندگی، پیتیا کے ساتھ لطیفے بازی، سونیا سے پیار و محبت کی باتیں، نتاشا کے ساتھ گانے اور اپنے والد کے ساتھ تاش کھیلنا نیز پوورسکی میں اپنے گھر کا آرام دہ بستر بھی اس قدر واضح اور دلکش انداز سے ابھرنے لگا گویا ایسی شے تھی جسے وہ مدتوں پہلے کھو چکا تھا اور جس کی اس نے قدر نہیں کی تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک فضول اتفاق جس کی بنا پر پان کا ستا بائیں کی بجائے دائیں جانب گر جائے، اسے حال میں دریافت کردہ خوشی سے محروم کر سکتا ہے اور اسے افلاس کی گہری کھائی میں دھکیل سکتا ہے جس کا اسے ابھی تک کوئی تجربہ نہیں ہوا تھا۔ ایسا ناممکن تھا مگر وہ خوفزدہ دل سے دولوخوف کے ہاتھوں کی حرکتوں کا جائزہ لیتے ہوئے انتظار کر رہا تھا۔ چوڑی چکلی ہڈیوں والے سرخ ہاتھوں نے پتوں کی گڈیاں نیچے رکھ کر گلاس اور پائپ پکڑ لیے ہوا سے تھمائے جا رہے تھے۔

دولوخوف نے اپنی بات دہراتے ہوئے کہا "تو تم میرے ساتھ کھیلتے ہوئے خوفزدہ نہیں ہو" وہ اپنی کرسی سے ٹیک لگا کر یوں بیٹھا تھا جیسے بیحد پرلطف کہانی سنانا چاہتا ہو۔ پھر وہ اطمینان سے مسکراتے ہوئے بولا "ہاں حضرات، مجھے بتایا گیا ہے کہ ماسکو میں یہ کہانی زیر گردش ہے کہ میں تاش کھیلنے میں بیحد طاق ہوں، تو میں آپ لوگوں کو ہوشیار رہنے کا مشورہ دوں گا"

رستوف نے کہا "چلو، چلو، پتے بانٹو"

دولوخوف مسکراتے ہوئے بولا "ان ماسکو کے داستان تراشوں کا بھی کیا کہنا" اس نے اپنے پتے اٹھا لیے۔

یہ دیکھ کر رستوف کے منہ سے تقریباً چیخ نکل گئی کہ اسے جو ستا درکار تھا وہ گڈی کے بالکل اوپر پڑا تھا۔ وہ جتنی رقم ادا کر سکتا تھا اس سے کہیں زیادہ ہار چکا تھا۔

دولوخوف نے رستوف پر ایک نظر ڈالی اور پتے بانٹتے ہوئے بولا "اپنے آپ کو بالکل قلاش مت کرو"

(14)

ڈیڑھ گھنٹے بعد اکثر کھلاڑیوں کو اپنے کھیل میں کوئی دلچسپی نہ رہی۔

کھیل کی تمام تر دلچسپی رستوف پر مرتکز ہو گئی تھی۔ اب اس کے نام کے سامنے سولہ سو روبل کی بجائے خاصے بڑے ہندسوں کا کالم لکھا جا چکا تھا اور اس کے خیال میں اس رقم کا مجموعہ دس ہزار تھا۔ غیر واضح انداز سے یوں لگتا تھا کہ یہ دس کی بجائے پندرہ ہزار ہے۔ حقیقتاً مجموعی رقم بیس ہزار روبل سے بھی زائد ہو چکی تھی۔ دولوخوف اب قصے کہانیاں سنا رہا تھا نہ سن رہا تھا۔ وہ رستوف کے ہاتھوں کی ہر حرکت پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ کبھی وہ اسے دیکھتا اور کبھی ان رقومات پر نظر ڈالتا جو رستوف کے نام کے سامنے لکھی جا چکی تھیں۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ جب تک مجموعی رقم تینتالیس

ہزار تک نہیں پہنچتی وہ کھیلتا رہے گا۔ اس نے یہ رقم اسی لیے طے کی تھی کہ یہ اس کی اور سونیا کی عمروں کا مجموعہ تھا۔ رستوف اپنا سر دونوں ہاتھوں میں لیے میز کے سامنے بیٹھا تھا۔ میز پر مختلف رقومات لکھی تھیں جن پر شراب کے داغ لگ چکے تھے اور وہ پتوں سے بھری ہوئی تھیں۔ رستوف کے دل پر روح کو چیر دینے والا احساس طاری تھا کہ "یہ چوڑے چکلے ہاتھ جن کے بال قمیص کی کفوں تلے دکھائی دے رہے ہیں، اسے قابو میں کئے ہوئے ہیں، ان سے وہ پیار بھی کرتا رہا ہے اور نفرت بھی۔

رستوف نے حیرانی سے سوچا "چھ سو روبل، اکا، کونہ، نہلا، اسے دوبارہ جیتنا ممکن نہیں!۔۔۔ میں گھر میں کس قدر خوش ہوتا۔۔۔ غلام، دگنا یا برابر، یہ نہیں ہو سکتا!۔۔۔ مگر وہ میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہا ہے؟۔۔۔" بعض اوقات وہ خاصی بڑی رقم داؤ پر لگا دیتا مگر دولوخوف انکار کر دیتا اور داؤ کی رقم خود متعین کرتا۔ نکولائی اس کی بات مان لیتا۔ کسی لمحے وہ بالکل اسی طرح دعا مانگنے لگتا جس طرح اس نے دریائے اینس کے پل پر اس وقت مانگی تھی جب وہ فائرنگ کی زد میں آیا تھا۔ دوسرے لمحے اسے یہ خیال گزرتا کہ مڑے تڑے پتوں میں سے جو اگلا پتا نکلے گا وہ اس کی قسمت بدل دے گا۔ کبھی وہ اپنے کوٹ کی ڈوریاں گنتا اور اسی نمبر کا پتا اٹھا کر اپنے نقصان کی تلافی کیلئے اسی کے مطابق داؤ لگاتا۔ کبھی وہ دوسرے کھلاڑیوں سے مدد کی خواہش کرتا اور کبھی دولوخوف کے سرد چہرے کی جانب دیکھ کر یہ جاننے کی کوشش کرتا کہ اس وقت وہ کیا سوچ رہا ہوگا۔

رستوف نے سوچا "وہ جانتا ہے کہ یہ نقصان میرے لیے کیا معنی رکھتا ہے، یقیناً وہ مجھے تباہی کے گڑھے میں نہیں پھینکے گا، آخر کار وہ میرا دوست تھا اور میں اس سے محبت کرتا تھا، مگر یہ اس کا قصور نہیں۔ اگر وہ قسمت کا اتنا ہی دھنی ہے تو پھر وہ کر بھی کیا سکتا ہے؟ مگر میں بھی قصوروار نہیں۔ میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔ کیا میں نے کسی کی جان لی ہے یا کسی کی توہین کی ہے؟ کچھ ہی دیر پہلے میں سو روبل جیتنے کا سوچ کر میز پر آیا تھا کہ امی کیلئے تحفہ خریدوں گا اور پھر گھر چلا جاؤں گا۔ میں اس وقت کتنا خوش تھا۔ کسی بات کی فکر نہ تھی۔ اس وقت مجھے اپنی خوشی کا اندازہ ہی نہ تھا۔ وہ کیفیت کب ختم ہوئی اور حالات کب اتنے خوفناک ہو گئے؟ یہ تبدیلی کیسے رونما ہوئی؟ میں اس تمام عرصہ اسی میز پر اسی جگہ بیٹھا پتے اٹھاتا اور انہیں نیچے رکھتا رہا ہوں اور ان چوڑے چکلے ماہر ہاتھوں کو دیکھتا رہا ہوں۔ یہ کب اور کیوں ہوا؟ میں تندرست ہوں، پہلے جیسا ہوں اور جہاں تھا وہیں ہوں۔ نہیں، نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا، یقیناً آخر میں اس کا کچھ نتیجہ نہیں نکلے گا" اگرچہ کمرہ گرم نہیں تھا مگر اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور پسینہ آنے لگا۔ اس کی حالت خراب ہو چکی تھی جس میں اضافے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ پرسکون ہونے کی ناکام کوشش میں مصروف تھا۔

اس کے ذمے رقم کا مجموعہ تینتالیس ہزار کے منحوس ہندسے تک پہنچ گیا۔ رستوف نے پتے کا کونا موڑا جس کا مطلب تھا کہ اس کے ذمے تین ہزار روبل کی جو رقم درج کی گئی ہے وہ اسے دگنا کرنا چاہتا ہے، یوں اس نے اگلا داؤ کھیلنے کی تیاری کی ہی تھی کہ دولوخوف نے پتے میز پر پٹخ کر ایک جانب دھکیل دیے اور تیزی سے رستوف کے ذمے واجب الادا رقم گننا شروع کر دی۔ جب اس نے ہاتھ پر زور دے کر مجموعی رقم لکھی تو چاک ٹوٹ گیا۔

وہ کہنے لگا "کھانا، کھانے کا وقت ہو گیا۔ جپسی بھی ہیں۔ اسی دوران سانولی رنگت والے جپسی مرد اور خواتین جپسی لہجے میں بات چیت کرتے اندر آ گئے۔ نکولائی سمجھ گیا کہ کھیل ختم ہو چکا ہے تاہم اس نے لاپروائی سے کہا "اور نہیں کھیلو گے؟ میرے پاس ایک نہایت اچھا پتا موجود ہے" اس کا لہجہ یوں تھا جیسے اسے صرف کھیل کے لطف سے دلچسپی ہو۔

اس نے سوچا "میرا سب کچھ ختم ہو گیا، اب یہی ایک بات رہ گئی ہے کہ کوئی گولی میرے سر سے پار ہو جائے۔

اسی لمحے اس نے مسرت بھرے لہجے میں کہا "آؤ، ایک بازی اور ہو جائے"

دولوخوف بولا "ٹھیک ہے، اکیس روبل کی بازی لگا لو" وہ رقم جمع کر چکا تھا اور تینتالیس ہزار میں سے صرف اکیس روبل کم تھے۔ اس نے تاش اٹھائے اور پتے بانٹنے لگا۔

رستوف نے فرمانبرداری سے پتے کا کونا سیدھا کیا اور چھ ہزار کی بجائے احتیاط سے اس پر اکیس ہزار کا ہندسہ لکھ دیا۔

اس نے دولوخوف سے کہا "مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ کیا تم یہ دہلا جیت لو گے یا مجھے جیتنے دو گے؟"

دولوخوف نے سنجیدگی سے پتے بانٹنا شروع کر دیے۔ اسی دوران رستوف کو بالوں سے بھرپور ان سرخ ہاتھوں کی انگلیوں سے شدید نفرت محسوس ہوئی جو اس جکڑے ہوئے تھیں۔۔۔ وہ بازی نہ جیت سکا۔ دولوخوف بولا "نواب! تمہارے ذمے میرے تینتالیس ہزار روپے واجب الادا ہیں" وہ انگڑائی لیتے ہوئے میز سے اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا "آدمی اتنی دیر بیٹھے بیٹھے تھک جاتا ہے"

رستوف بولا "ہاں، میں بھی تھک گیا ہوں"

دولوخوف نے اس کی بات کاٹ دی جیسے کہہ رہا ہو "مجھ سے مذاق مت کرو"

پھر اس نے پوچھا "مجھے میری رقم کب ملے گی"

رستوف کا رنگ سرخ پڑ گیا اور وہ اسے دوسرے کمرے میں لیجا کر کہنے لگا "میں فوری طور پر اتنی بڑی رقم ادا نہیں کر سکتا، اگر کہتے ہو تو لکھ کر دے دوں؟"

دولوخوف خوشی سے مسکراتے ہوئے اس کی جانب دیکھ کر بولا "رستوف سنو! تم نے وہ کہاوت تو سن رکھی ہوگی کہ "محبت میں خوش قسمت واقع ہونیوالے لوگ تاش میں بدقسمت ثابت ہوتے ہیں" تمہاری خالہ زاد تم سے محبت کرتی ہے۔ تم جانتے ہو"

رستوف نے سوچا "اس جیسی شخص کے شکنجے میں جکڑا محسوس کر کے کتنی کوفت ہوتی ہے" اسے علم تھا کہ یہ خبر اس کے والدین کو کتنا صدمہ پہنچائے گی۔ اسے یوں لگ رہا تھا کہ اگر کسی طرح اسے اس کٹھن چکر سے نجات مل جائے تو وہ کتنا خوش ہو اور اسے احساس ہوا کہ دولوخوف جانتا ہے کہ وہ اسے اس شرمندگی اور تکلیف سے چھٹکارا دلا سکتا ہے مگر اب وہ اس کے ساتھ بلی چوہے کا کھیل کھیلنا چاہتا تھا۔

دولوخوف نے کہنا شروع کیا "تمہاری خالہ زاد۔۔۔" مگر نکولائی نے اسے ٹوک دیا۔

وہ غصے سے چلا کر بولا "میری خالہ زاد کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں اور اس کا ذکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں"

دولوخوف نے پوچھا "تو پھر مجھے میری رقم کب ملے گی؟"

رستوف نے کہا "کل" اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

(15)

"کل" کہنا اور باوقار لہجہ برقرار رکھنا مشکل نہیں تھا مگر بہنوں، بھائی اور ماں باپ کا سامنا، اعتراف اور ایسی رقم

کا مطالبہ کرنا بیحد خوفناک تھا جس پر اس کا کوئی حق نہیں بنتا تھا۔

وہ گھر پہنچا تو ابھی کوئی بھی نہیں سویا تھا۔ گھر کے نوجوان ارکان تھیٹر سے واپسی پر رات کا کھانا کھانے کے بعد کلاوی کارڈ کے گرد جمع تھے۔ جونہی نکولائی ہال میں داخل ہوا تو محبت کی شاعرانہ فضا اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا جو اس موسم سرما میں گھر پر چھائی ہوئی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے دولوخوف کے پیغام اور لوگل کے رقص کے بعد سونیا اور نتاشا کے گرد یہ فضا بالکل اس طرح گہری ہوگئی ہے جیسے طوفان سے پہلے آسمان تاریک ہو جاتا ہے۔ تھیٹر جانے سے پہلے سونیا اور نتاشا نے ہلکے نیلے رنگ کے لباس زیب تن کئے تھے اور وہ ان میں بیحد خوبصورت دکھائی دے رہی تھیں جس کا انہیں بھرپور احساس تھا۔ وہ مسرت سے معمور چہروں کے ساتھ کلاوی کارڈ کے قریب کھڑی تھیں۔ ویرا ڈرائنگ روم میں شن شن کے ساتھ ڈرافٹ کھیل رہی تھی۔ بیٹے اور شوہر کی واپسی کی منتظر بیگم رستوف اپنے ہاں رہنے والی ایک معمر خاتون کے ساتھ پیشنس کھیلنے میں مصروف تھی۔ چمکدار آنکھوں اور الجھے بالوں والا دینی سوف کلاوی کارڈ کے سامنے بیٹھا تھا۔ اس نے ایک ٹانگ پیچھے کر رکھی تھی اور اپنی چھوٹی چھوٹی انگلیوں کے ذریعے کلاوی کارڈ کے تاروں سے کھیلنے اور اور باریک مگر سریلی آواز کے ساتھ اپنی نظم "جادوگرنی" گا رہا تھا جس کی موسیقی بھی اس نے خود ہی ترتیب دی تھی۔ گانے کے بول تھے:

جادوگرنی، بتا کہ یہ کونسی پوشیدہ آگ ہے
جو میرے دل میں لگ چکی ہے
کس وجد نے میری انگلیوں کی حرکت آہستہ کردی ہے
اور کون ساجذبہ ہے جو میرے دل کو بے چین کئے دیتا ہے

وہ جوشیلی آواز میں گا رہا تھا۔ اس کی کالی اور شفاف آنکھیں نتاشا پر گڑی ہوئی تھیں جو خوفزدہ مگر مطمئن دکھائی دے رہی تھی۔

وہ بولی "بہت اچھے، شاندار! ایک اور سناؤ" اسے نکولائی کے آنے کا علم نہ ہو سکا۔

نکولائی نے ڈرائنگ روم میں جھانکا جہاں اسے ویرا، اپنی والدہ اور معمر خاتون دکھائی دیں۔ اس نے سوچا "سب کچھ ویسا ہی ہے"

نتاشا اسے دیکھتے ہی اس کی جانب لپکی اور کہنے لگی "ارے، نکولینکا آ گیا" وہ اس سے پوچھنے لگا "ابا جان گھر پر ہیں؟"

نتاشا اس کی بات کا جواب دیے بغیر بولی "تمہارے آنے سے میں بہت خوش ہوئی ہوں۔ ہم دلچسپ باتیں کر رہے ہیں۔ تمہیں علم ہے کہ ویسلے دمترچ میری خاطر مزید ایک دن رک گئے ہیں؟"

سونیا کہنے لگی "نہیں، ابا جان ابھی تک گھر نہیں آئے"

ڈرائنگ روم سے بیگم رستوف کی آواز سنائی دی "کولیا، میرے پیارے، تم آ گئے، ادھر آؤ"

نکولائی ڈرائنگ روم میں گیا اور اپنی والدہ کے ہاتھ کو بوسہ دینے کے بعد اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ وہ اس کے ہاتھوں کی جانب دیکھ رہا تھا جو میز پر تاش کے پتے ترتیب دینے میں مصروف تھے۔ ہال سے پر مسرت ہنسی کی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ نتاشا کو گانے پر آمادہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

دینی سوف با آواز بلند کہہ رہا تھا "ٹھیک ہے، ٹھیک، اب حیلے بہانوں سے بات نہیں بنے گی، اب بارکارول

گانے کی باری تمہاری ہے، میں تم سے التجا کرتا ہوں"

بیگم نے اپنے خاموش بیٹے کی جانب دیکھا۔

اس نے نکولائی سے پوچھا "کیا بات ہے؟"

وہ بولا "کچھ نہیں" اس کا انداز یوں تھا جیسے بار بار ایک ہی سوال پوچھے جانے پر تنگ آ چکا ہو۔ پھر وہ کہنے لگا "کیا ابا جان جلدی آ جائیں گے؟"

ماں نے جواب دیا "میرا تو یہی خیال ہے"

نکولائی نے سوچا "ان کیلئے سب کچھ ویسے کا ویسا ہی ہے۔ انہیں کسی بات کا علم نہیں۔ میرا کیا ہوگا؟" وہ اٹھا اور واپس ہال میں کلاوی کارڈ کے پاس چلا آیا۔

سونیا کلاوی کارڈ پر بیٹھی بارکارول کے پہلے بند گا رہی تھی۔ یہ گانا دینی سوف کو خاص طور پر پسند تھا۔ نتاشا گانے کیلئے پر تول رہی تھی اور دینی سوف اسے مسحور نگاہوں سے تکے جا رہا تھا۔

نکولائی نے کمرے میں ٹہلنا شروع کر دیا۔

وہ سوچنے لگا "یہ اسے گانا سنانے کیلئے کیوں کہہ رہے ہیں؟ وہ کیسے گا سکتی ہے؟ اور اس بارے میں اتنا خوش ہونے کی کیا بات ہے؟"

سونیا نے گانا شروع کیا۔ وہ سوچنے لگا "اف میرے خدایا، میں تباہ ہو گیا، میں بے عزت شخص ہوں۔ میرے لیے گانے کی بجائے یہی بات رہ گئی ہے کہ کوئی گولی میرے سر سے پار ہو جائے۔ میں چلا جاؤں؟ مگر کہاں؟ اس سے کیا فرق پڑے گا؟ انہیں گانے دو"

وہ غمزدہ نگاہوں سے لڑکیوں کو دیکھتے اور ان سے نظریں چراتے ہوئے کمرے میں ٹہلتا رہا۔

سونیا اس کی جانب دیکھے جا رہی تھی اور اس کی نگاہیں کہتی محسوس ہوتی تھیں "نکولینکا، کیا بات ہے؟" وہ فوراً سمجھ گئی تھی کہ اس کے ساتھ کوئی واقعہ پیش آیا ہے۔

نکولائی وہاں سے پرے ہٹ گیا۔ حساس نتاشا نے بھی اپنے بھائی کی حالت کا فوری اندازہ کر لیا تاہم اس وقت اس پر کچھ اس قسم کی سرور آگیں کیفیت طاری تھی کہ اس پر غم یا اداسی کا سایہ نہیں پڑ سکتا تھا۔ سو وہ جان بوجھ کر انجان بنی رہی (جیسا کہ نوعمر اکثر کرتے ہیں) وہ سوچ رہی تھی "میں اس وقت اتنی خوش ہوں کہ کسی اور کی مصیبت میں اس سے ہمدردی جتا کر اپنا لطف غارت نہیں کرنا چاہتی" وہ یہ بھی سوچ رہی تھی کہ "شاید یہ میرا وہم ہو اور حقیقت میں وہ بھی میری طرح خوش ہو"

وہ کمرے کے بالکل درمیان میں چلتی ہوئی آئی اور بولی "سونیا، ادھر آؤ" اس نے رقاصاؤں کی طرح اپنی گردن اٹھائی اور بازو ڈھیلے چھوڑ کر کمرے کے وسط میں جا کھڑی ہوئی۔

وہ دینی سوف کی پر اشتیاق نظروں کے جواب میں یہ کہتی دکھائی دیتی تھی "مجھے دیکھو، یہ میں ہوں" نکولائی نے اپنی بہن کی طرف دیکھتے ہوئے دینی سوف کے بارے میں سوچا "یہ اسقدر خوش کیوں ہے؟ اسے کسی بات پر غصہ کیوں نہیں آتا؟ شرم کیوں نہیں آتی؟" نتاشا نے گانا شروع کیا۔ اس کے گلے کی رگیں پھولنے لگیں اور آنکھوں میں سنجیدگی کے تاثرات در آئے۔ اس دوران وہ ہر شے کو بھول چکی تھی اور اس کے مسکراتے ہونٹوں سے ایسی آوازیں نکلنے لگیں جنہیں اتنے دورانیے اور وقفوں سے ہر شخص نکال سکتا ہے، انہیں ہزار مرتبہ سنا جائے تو دل پر کوئی اثر نہ ہوگا مگر ایک ہزار ایک مرتبہ

سننے پر وہ دل کے تار چھیڑ دیتی ہیں اور سننے والے کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔

اس موسم سرما میں نتاشا نے پہلی مرتبہ گانے پر سنجیدگی سے توجہ دی تی۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ دینی سوف اس کی آواز کی جی بھر کر تعریف و تحسین کرتا تھا۔ اب وہ بچوں کی طرح نہیں گاتی تھی۔ پہلے پہلی اس کی آواز میں ناپختگی اور چلبلے پن کا اظہار ہوتا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے وہ خواہ مخواہ زور لگا رہی ہے۔ مگر اب یہ تاثر زائل ہو چکا تھا۔ جن باذوق لوگوں کو اس کا گانا سننے کا اتفاق ہوا تھا ان کا کہنا تھا کہ وہ ابھی تک اچھا نہیں گاتی اور اس کی آواز کی درست طور سے تربیت نہیں ہوئی۔'' ان تمام لوگوں کا خیال تھا کہ اس کی آواز اچھی ہے اور اس کی تربیت ہونی چاہئے تاہم ایسی باتیں عموماً اس وقت کہی جاتی تھیں جب اس کا گانا ختم ہوئے کچھ دیر بیت چکی ہوتی مگر جب وہ اس غیر تربیت یافتہ آواز کو سنتے جو سانس لینے کیلئے غلط مقامات پر رکتی اور ایک سرے سے دوسرے تک بمشکل پہنچتی تو وہ نہ صرف اس سے لطف اٹھاتے بلکہ اسے دوبارہ سننے کی خواہش کرنے لگتے۔ اس کی آواز میں قدرتی طور پر کنواری دوشیزہ کی پاکیزگی، اپنی اثر پزیری سے عدم آگاہی اور ایسی ملائم نفاست تھی اور یوں لگتا تھا کہ اس کی آواز میں تبدیلی کی کوشش کی گئی تو اس کی تمام تر خوبصورتی ماند پڑ جائے گی۔

نکولائی نے اس کی آواز سن کر حیرانی سے سوچا'' یہ کیا؟'' اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں اور سوچنے لگا ''اسے کیا ہوا؟ آج یہ کیسے گا رہی ہے؟'' اچانک اس کی تمام تر توجہ اگلے سر اور مصرعے کا پیشگی اندازہ لگانے پر مرکوز ہو گئی۔ یوں لگتا تھا جیسے دنیا کی ہر شے تین حرکات میں تقسیم ہو گئی ہو۔ ایک، دو، تین۔۔۔ نکولائی نے سوچا'' اف یہ ہماری بے عقل دنیا، یہ سب مصیبتیں، رقم، دولوخوف اور غصہ اور عزت، سب فضول ہیں۔۔۔ اور یہی اصل شے ہے۔۔۔ ہاں نتاشا، ہاں پیاری، ہاں میری بہن۔۔۔ اب وہ کیسے گائے گی؟ گا لیا، اوہ میرے خدایا تیرا شکر ہے! اور وہ بے دھیانی سے آہستہ آواز میں اس کے ساتھ ساتھ گانے لگا۔ اس نے سوچا'' میرے خدایا! کتنا عمدہ ہے! کیا میں نے واقعی یہ گا لیا تھا؟ کس قدر شاندار ہے؟

اس کی روح کا اعلیٰ ترین حصہ کیسے جھنجھنایا؟ یہ شے دنیا کی ہر چیز سے جدا تھی۔ ناکامیاں، دولوخوف اور عزت اس کے سامنے کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھیں۔۔۔ سب فضول تھیں! کوئی قتل کر دے، چوری کر لے، پھر بھی خوش رہ سکتا ہے۔۔۔''

(16)

رستوف اس روز موسیقی سے جتنا لطف اندوز ہوا اتنا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ مگر جونہی نتاشا نے بارکارول گانا ختم کیا، حقیقت ایک مرتبہ پھر اس کے سامنے منہ پھاڑے آ کھڑی ہوئی۔ وہ کچھ کہے بغیر کمرے سے نکل گیا اور نچلی منزل پر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ پندرہ منٹ بعد معمر نواب کلب سے واپس آ گیا۔ وہ بیحد خوش اور مطمئن دکھائی دے رہا تھا۔ اس کی گاڑی کی آواز سن کر رستوف اس کے پاس چلا گیا۔

ایلیا آندریچ نے اپنے بیٹے کو دیکھ کر فخریہ لہجے میں مسکراتے ہوئے کہا'' ارے، آج کا دن اچھا گزرا ہوگا''

نکولائی نے'' ہاں'' کہنے کی کوشش کی مگر اس کے منہ سے الفاظ کی بجائے ہچکی سی نکل گئی۔ نواب اپنا پائپ سلگا رہا تھا اس لیے وہ اس کی یہ کیفیت نہ دیکھ سکا۔

نکولائی نے پہلی اور آخری مرتبہ سوچا'' کہنا ناگزیر ہے!'' اور پھر اچانک انتہائی لاپروائی سے باپ سے کچھ

اسطرح مخاطب ہوا جیسے اس سے شہر جانے کیلئے گاڑی مانگ رہا ہو۔ اپنا انداز اسے خود بھی نفرت انگیز معلوم ہوا تھا۔

وہ کہنے لگا'' ابا جان، میں آپ سے ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے یاد ہی نہ رہا تھا کہ مجھے کچھ رقم درکار ہے''

اس کا باپ جس کی طبیعت جوش و جذبے سے معمور تھی، کہنے لگا'' تمہیں ایسا نہیں کہنا چاہئے، میں نے کہا تھا کہ ہمارے پاس اور نہیں ہے۔ کیا تمہیں بڑی رقم چاہئے؟''

نکولائی نے کہا'' بہت بڑی، اس سے بھی بڑی'' اور پھر بدتمیزی والا پروائی سے مسکراتے ہوئے بولا'' میں جوئے میں کچھ رقم ہار بیٹھا ہوں، یہ بڑی رقم ہے، حقیقتاً بہت بڑی، تینتالیس ہزار'' اپنے اس لہجے پر وہ خود کو کبھی معاف نہ کر سکا۔

معمر نواب کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اس کے منہ سے تقریباً چیخ سی نکل گئی۔ اس نے کہا'' کیا! کسے؟۔۔۔ تم مذاق کر رہے ہو''

رستوف بولا'' میں کل ادائیگی کا وعدہ کر چکا ہوں''

نواب کے منہ سے نکلا'' اوہ!۔۔۔'' اور وہ اپنے بازو بے چارگی سے اوپر اچھالتے ہوئے صوفے پر گر گیا۔

اس کے بیٹے نے بے ساختگی اور ڈھٹائی سے کہا'' اب کچھ نہیں ہو سکتا! ایسا ہر شخص کے ساتھ ہوتا ہے'' دل ہی دل میں وہ خود کو بے کار، اوباش اور ایسا شخص قرار دے رہا تھا جو زندگی بھر اپنے جرم کی تلافی نہ کر سکتا ہو۔ وہ اپنے باپ کے ہاتھوں کا بوسہ لینا اور گھٹنوں پر جھک کر اس سے معافی مانگنا چاہتا تھا مگر اس کی بجائے وہ لاپروائی اور کسی قدر گستاخانہ انداز میں اسے بتا رہا تھا کہ ایسا ہر شخص کے ساتھ ہوتا رہتا ہے''

نواب ایلیا آندریچ نے اپنے بیٹے کے منہ سے یہ الفاظ سنے تو اس کی نظریں جھک گئیں اور وہ بے چینی سے یوں پہلو بدلنے لگا جیسے کوئی شے تلاش کر رہا ہو۔

اس کے منہ سے نکلا'' ہاں، ہاں، یہ مشکل ہوگا، مجھے خدشہ ہے، مشکل ہوگا، ہر شخص کے ساتھ ہوتا رہتا ہے! ہاں، ایسا ہوتا رہتا ہے۔۔۔'' یہ کہہ کر نواب نے اپنے بیٹے کے چہرے پر سرسری نگاہ ڈالی اور کمرے سے باہر نکل گیا۔۔۔ نکولائی باپ کی جانب سے مزاحمت کا سامنا کرنے کیلئے تیار تھا مگر اسے اس بات کی توقع نہ تھی۔

وہ روتے ہوئے بولا'' ابا جان! ابا۔۔۔ ابا!'' اس نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا'' مجھے معاف کر دیں'' اور باپ کا ہاتھ دباتے ہوئے ہونٹوں سے لگایا اور پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔

☆☆☆

جب باپ بیٹے کے درمیان یہ بات چیت ہو رہی تھی تو ماں بیٹی بھی باہم محو گفتگو تھیں اور ان کی باتیں باپ بیٹے سے کم اہم نہ تھیں۔ نتاشا جوش و خروش سے بھاگتی اپنی ماں کے پاس آئی اور کہنے لگی

امی!۔۔۔ امی!۔۔۔ اس نے مجھے شادی کی پیشکش کی ہے۔۔۔''

بیگم رستوف نے پوچھا'' کیا کیا ہے؟''

نتاشا جوش و خروش سے چلاتے ہوئے کہہ رہی تھی'' اس نے مجھے شادی کی پیشکش کی ہے، امی امی!''

بیگم کو اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔ دینی سوف نے پیشکش کی ہے۔۔۔ کسے؟۔۔۔ اس چھوٹی سی نتاشا کو جس نے حال ہی میں گڑیوں سے کھیلنا ترک کیا ہے اور ابھی پڑھ رہی ہے۔

وہ بیٹی سے بولی ''نتاشا! یہ حماقتیں بند کرو'' اسے ابھی تک یقین نہیں آیا تھا۔

نتاشا بولی ''حماقتیں! امی میں آپ کو حقیقت بتا رہی ہوں۔ میں آپ سے یہ پوچھنے آئی ہوں کہ مجھے کیا کہنا چاہئے اور آپ مجھے بیوقوف کہہ رہی ہیں۔۔۔''

بیگم رستوف نے اپنے کندھے اچکا دیے۔

پھر وہ بولی ''اگر یہ سچ ہے کہ موسیو دینی سوف نے تمہیں شادی کی پیشکش کی ہے تو اس سے کہو کہ وہ بیوقوف ہے، بس'' نتاشا نے خفگی بھری سنجیدگی سے کہا ''نہیں، وہ بیوقوف نہیں ہیں''

بیگم رستوف کہنے لگی ''اچھا تو پھر تم کیا چاہتی ہو؟ یوں لگتا ہے کہ تم سب کو آج محبت کا بخار ہو گیا ہے، چلو اگر تمہیں اس سے محبت ہو گئی ہے تو جاؤ شادی کر لو۔ خدا تمہاری قسمت بہتر کرے'' یہ کہہ کر بیگم رستوف جھنجلاہٹ سے ہنسنے لگی۔

نتاشا بولی ''نہیں امی، مجھے اس سے محبت نہیں ہوئی۔ میرا خیال ہے کہ مجھے اس سے محبت نہیں ہے''

بیگم نے کہا ''تو پھر اسے بتا دو''

نتاشا کہنے لگی ''امی کیا آپ ناراض ہیں؟ ناراض نہ ہوں میری پیاری۔ اس میں میرا قصور تو نہیں، کیا ہے؟''

بیگم رستوف مسکرا کر کہنے لگی ''نہیں، مگر میری پیاری بیٹی، تم کیا چاہتی ہو؟ کیا تم یہ چاہتی ہو کہ میں جاؤں اور اسے بتا آؤں''

ماں کی مسکراہٹ کے جواب میں وہ بولی ''نہیں یہ میں خود کہوں گی۔ آپ مجھے صرف یہ بتا دیں کہ میں کیا کہوں، یوں لگتا ہے کہ ایسا کرنا آپ کیلئے بالکل بھی مشکل نہیں'' اس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا ''مگر کاش آپ نے دیکھا ہوتا کہ اس نے یہ پیشکش کیسے کی تھی، آپ جانتی ہیں کہ مجھے یقین ہے وہ ایسا نہیں کہنا چاہتے تھے اور بات ان کے منہ سے نکل گئی''

بیگم نے جواباً کہا ''ٹھیک ہے، بہر حال تمہیں انکار کرنا چاہئے''

نتاشا کہنے لگی ''نہیں، مجھے ایسا نہیں کرنا چاہئے، مجھے ان پر رحم آتا ہے، وہ کتنے اچھے ہیں''

بیگم رستوف کو غصہ آ گیا اور وہ طنزیہ لہجے میں بولی ''تو پھر اس کی پیشکش قبول کر لو، بہتر ہو گا کہ اس سے شادی کر لو ورنہ موقع نکل جائیگا''

نتاشا نے کہا ''نہیں امی، مگر مجھے ان پر ترس آ رہا ہے اور سمجھ نہیں آتی کہ کیا کہوں''

بیگم بولی ''نہیں، تم کچھ نہ کہو، میں خود بات کروں گی'' وہ اس بات پر پیچ وتاب کھا رہی تھی کہ لوگ اس کی چھوٹی سے نتاشا سے یوں پیش آ رہے ہیں جیسے وہ جوان ہو چکی ہو۔

نتاشا نے کہا ''نہیں، کسی صورت نہیں، میں انہیں خود بتاؤں گی، آپ دروازے پر آ کر سن لیں'' یہ کہہ کر اس نے دوڑ لگا دی، ڈرائنگ روم عبور کیا اور ہال میں چلی گئی جہاں دینی سوف ابھی تک اپنے چہرے پر ہاتھ رکھے کلاوی کارڈ کے قریب بیٹھا تھا۔

نتاشا کے قدموں کی چاپ سن کر وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا کہنے لگا ''نتالی! میری قسمت کا فیصلہ کر دو، یہ تمہارے ہاتھ میں ہے''

نتاشا بولی ''واسیلے دمتریچ! مجھے آپ سے ہمدردی ہے!۔۔۔ نہیں، مگر آپ بیحد عمدہ انسان ہیں۔۔۔ مگر ایسا

نہیں ہو گا۔۔۔ کہ۔۔۔ مگر میں ہمیشہ آپ کو اسی طرح چاہتی رہوں گی''

دینی سوف اس کے ہاتھ پر جھک گیا۔ اس نے عجیب وغریب آوازیں سنیں جنہیں وہ سمجھ نہ سکی۔ دینی سوف کے گھنگھریالے بالوں والے سر پر بوسہ دیا۔ اسی دوران انہیں بیگم رستوف کے لباس کی سرسراہٹ سنائی دی اور وہ ان کے پاس پہنچ گئی۔

اس نے دینی سوف سے کہا ''واسیلے دمتریچ، آپ نے ہمیں جو عزت دی اس پر میں آپ کی شکر گزار ہوں۔ مگر میری بیٹی ابھی بہت چھوٹی ہے۔ چونکہ آپ میرے بیٹے کے دوست ہیں اس لیے آپ کو پہلے مجھ سے بات کرنا چاہئے تھی۔ اگر آپ نے یہ کیا ہوتا تو میں آپ کو اس طرح جواب دینے پر مجبور نہ ہوتی'' بیگم رستوف شرمیلے اور گھبرائے لہجے میں بات کر رہی تھی مگر دینی سوف کو اس کے لہجے میں چبھن سی محسوس ہوئی۔

دینی سوف نے مجرمانہ انداز میں نگاہیں جھکا کر کہا ''بیگم۔۔۔'' مگر اس کی زبان لڑکھڑا گئی۔

نتاشا اس کی یہ حالت نہ دیکھ سکی اور اس نے رونا شروع کر دیا۔

دینی سوف لڑکھڑاتی آواز میں کہہ رہا تھا ''بیگم، مجھ سے غلطی ہوئی مگر یقین کریں کہ میں آپ کی بیٹی اور آپ کے تمام خاندان کو اتنا چاہتا ہوں کہ دو مرتبہ اپنی جان آپ پر قربان کر سکتا ہوں۔۔۔'' اس نے بیگم رستوف کے درشت چہرے کی جانب دیکھا اور اس کے ہاتھ پر بوسہ دے کر 'خدا حافظ' کہتا ہوا نتاشا کی جانب دیکھے بغیر تیز تیز قدموں سے باہر چلا گیا۔

☆☆☆

اگلے دن رستوف نے دینی سوف کو رخصت کر دیا کیونکہ وہ ماسکو میں مزید نہیں ٹھہرنا چاہتا تھا۔ اس کے ماسکو کے تمام دوستوں نے اسے جپسیوں کے ہاں الوداعی دعوت دی۔ اسے بالکل یاد نہ تھا کہ انہوں نے اسے کیسے برف گاڑی میں سوار کرایا اور اس نے کیسے سفر کی تین منزلیں طے کیں۔

دینی سوف کے جانے کے بعد رستوف مزید دو ہفتے ماسکو میں ٹھہرا رہا۔ اسے رقم کا انتظار تھا اور نواب اس کا فوری بندوبست نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے گھر سے باہر نکلنا چھوڑ دیا اور اپنا زیادہ تر وقت لڑکیوں کے کمرے میں گزارنے لگا۔

سونیا اسے پہلے سے بڑھ کر چاہنے لگی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ اسے یہ جتلانا چاہتی ہو کہ اس نے جوا ہار کر ایسا کام کیا ہے جس کی بدولت وہ اسے اور بھی زیادہ پیار کرنے لگی ہے۔ مگر نکولائی اب خود کو اس قابل نہیں سمجھتا تھا۔

اس نے لڑکیوں کے البم میں اشعار اور موسیقی لکھی اور نومبر کے آخر میں دولوخوف کو تینتالیس ہزار روبل بھیجے اور رسید وصول کرنے کے بعد دوستوں کو الوداع کہے بغیر اپنی رجمنٹ میں شمولیت کیلئے روانہ ہو گیا جو پہلے ہی پولینڈ پہنچ چکی تھی۔

☆☆☆☆☆

پانچواں حصہ

(1)

پیری اپنی بیوی سے بات چیت کے بعد پیٹرز برگ روانہ ہو گیا۔ تورزہوک کے جائے قیام پر گھوڑے نہ تھے یا پھر نگران انہیں مہیا کرنے کو تیار نہ تھا۔ سو پیری کو بامر مجبوری وہیں ٹھہرنا پڑا۔ وہ اپنا کوٹ اتارے بغیر صوفے پر لیٹ گیا۔ اس نے بھاری بوٹوں میں مستور اپنے پاؤں سامنے پڑی میز پر رکھے اور سوچ و بچار میں کھو گیا۔

خدمتگار پوچھ رہا تھا "کیا میں صندوق لے آؤں؟ بستر لگادوں؟ کیا چائے پینا پسند کریں گے؟"

پیری نے کوئی جواب نہ دیا۔ اسے کچھ دکھائی اور سنائی نہ دے رہا تھا۔ پچھلے سٹیشن سے روانگی کے بعد سے وہ گہری سوچوں میں غلطاں تھا اور ابھی تک ایک ہی مسئلے پر غور کئے جا رہا تھا۔ اور وہ مسئلہ اس قدر اہم تھا کہ اسے اپنے گردوپیش پر توجہ دینے کی فرصت نہ تھی۔ وہ اس وقت جن خیالوں میں ڈوبا ہوا تھا ان کے مقابلے میں یہ باتیں کہ "کیا وہ پیٹرز برگ پہنچ جائے گا یا اسے دیر ہو جائے گی؟ کیا اسے راہ میں جائے قیام پر سونے کی جگہ مل سکے گی" اس کے نزدیک کسی اہمیت کی حامل نہ تھیں بلکہ اسے تو اس بات کی بھی پروا نہ تھی کہ کیا اسے یہاں چند گھنٹے گزارنا ہوں گے یا تمام عمر یہیں بیت جائے گی۔

اس کا خدمتگار، جائے قیام کا ملازم، اس کی بیوی اور تورزہوک کی سلائی کڑھائی کا سامان بیچنے والی ایک خاتون، سبھی اس کے کمرے میں آتے اور اپنی خدمات پیش کرتے رہے۔ وہ میز سے پاؤں ہٹائے بغیر ان لوگوں کی جانب سرسری نگاہوں سے دیکھتا۔ اسے سمجھ نہ آتی تھی کہ یہ لوگ کیا چاہتے ہیں اور وہ جن مسائل میں الجھا ہے انہیں حل کئے بغیر یہ کیسے زندگی گزار رہے ہیں۔ ساکونکی جنگل میں ڈوئیل سے واپس آنے کے بعد وہ انہیں خیالات میں غرق تھا اور اس نے اپنی پہلی تکلیف دہ رات جاگتے ہوئے گزاری تھی۔ یہ خیالات سفر کی تنہائی میں اور بھی زوروشور سے اس کے ذہن پر چھا گئے تھے۔ صورتحال یہ تھی کہ خواہ وہ کچھ بھی کیوں نہ سوچ رہا ہوتا، اس کا دھیان بالآخر انہی مسائل کی جانب لوٹ آتا تھا۔ وہ انہیں حل کر سکتا تھا نہ غوروفکر سے پیچھا چھڑانے پر قادر تھا۔ یوں لگتا تھا جس پیچ نے اس کی زندگی کے مختلف حصوں کو باہم جوڑ رکھا ہے وہ ڈھیلا پڑ گیا ہے اور اب وہ آگے جاتا ہے نہ پیچھے بلکہ رکے بغیر ایک ہی جگہ گھوم رہا ہے۔

نگرانی اندر آیا اور التجائیہ انداز میں بولا "جناب عالی! آپ کو صرف دو گھنٹے مزید انتظار کرنا ہو گا اس کے بعد (خواہ کیسی ہی صورتحال پیش کیوں نہ آئے) میں گھوڑے لے آؤں گا" یہ بات عیاں تھی کہ نگران مسافر سے مزید رقم اینٹھنے کیلئے جھوٹ بول رہا ہے۔ پیری نے سوچا "یہ شخص اچھا ہے یا برا؟ پھر اس کے ذہن نے خود ہی جواب دیا "میرے لیے اچھا ہے اور اگلے مسافر کیلئے برا۔ اور جہاں تک اس کا تعلق ہے وہ اور کر بھی کیا سکتا ہے؟ اس نے بھی کھانا ہوتا ہے۔ اس نے مجھے بتایا تھا کہ ایک مرتبہ ایک افسر نے اسے صرف اس وجہ سے مارا پیٹا تھا کہ اس نے گھوڑے

ایک عام شخص کو دیے تھے۔ افسر نے اسے اس لیے مارا کہ وہ جلدی جانا چاہتا تھا۔ اور میں نے دولوخوف کو اس لیے گولی ماری کہ میرے خیال میں اس نے میری بے عزتی کی تھی۔ لوئی شانزدہم کو اس لیے پھانسی دی گئی کیونکہ اسے مجرم قرار دیا گیا تھا، مگر جن لوگوں نے اسے ہلاک کیا، اگلے برس انہیں انہی وجوہات کی بنا پر قتل کر دیا گیا۔ برا کیا اور اچھا کیا؟ انسان کس سے محبت کرے اور کس سے نفرت؟ انسان کیوں زندہ رہتا ہے اور میں کون ہوں؟ زندگی کیا ہے اور موت کیا؟ یہ سب کچھ کون کنٹرول کرتا ہے؟" وہ اپنے آپ سے سوالات کئے جا رہا تھا مگر اس کے پاس ان میں سے کسی سوال کا جواب نہ تھا۔ وہ صرف ایک جواب دے سکتا تھا اور وہ بھی غیر منطقی تھا کہ "انسان مر جاتا ہے اور سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔ مرنے کے بعد انسان سب کچھ جان جاتا ہے اور پوچھنا بند کر دیتا ہے۔ مگر مرنے سے ڈر بھی تو لگتا ہے"

تورزہوک کی چیختی چلاتی خوانچہ فروش عورت اپنا سامان خاص طور پر بکرے کے چمڑے کے جوتے بیچ رہی تھی۔ پیری سوچنے لگا "میرے پاس سینکڑوں روبل ہیں اور سمجھ نہیں آتی کہ ان کا کیا کروں اور ایک یہ ہے کہ پھٹا پرانا کوٹ پہنے کھڑی مجھے گھور رہی ہے۔ اسے رقم کیوں چاہئے؟ اس کا مطلب ہے کہ رقم میں اتنی قوت ہے کہ وہ اس کی خوشی اور ذہنی سکون میں اضافہ کر سکتی ہے۔ کیا دنیا میں کوئی ایسی چیز ہے جو اسے یا مجھے برائی یا موت کے منہ میں جانے سے بچا سکے؟ موت آج آجائے گی یا کل اور وہ ہر چیز کو ختم کر دیتی ہے۔ اس کی آمد میں ایک لمحہ لگتا ہے" اس نے ڈھیلے پیچ کو ایک مرتبہ پھر کسنے کی کوشش کی مگر کچھ نہ ہوا اور پیچ اپنی جگہ گھومتا رہا۔

ملازم نے اسے مادام سوزا کا خطوط کی صورت میں لکھا ناول دیا جس کے نصف اوراق ابھی کاٹے بھی نہیں گئے تھے۔ اس نے ایمیلی ڈی مانسفیلڈ نامی خاتون کے حالات پڑھنا شروع کر دیے جن میں بتایا گیا تھا کہ اسے نیکی کی راہ میں کن کن مصیبتوں اور رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اسے حیرت تھی کہ جس شخص نے اسے بے آبرو کیا اس کیخلاف اس نے مزاحمت کیوں کی حالانکہ وہ اسے دل سے چاہتی تھی؟ خدا اس کے دل میں وہ جذبہ پیدا نہیں کر سکتا تھا جو اس کے عاشق کے ارادوں کے خلاف ہوتا۔ میری بیوی نے (جیسا کہ وہ تھی) کبھی ایسی مزاحمت نہیں کی تھی اور شاید وہ ٹھیک تھی۔ کچھ بھی علم نہیں ہو سکا" اس نے خود کلامی کی "کوئی بات سمجھ نہیں آتی۔ ہم صرف یہی جان سکتے ہیں کہ ہم کچھ نہیں جانتے اور یہی انسانی عقل کی انتہا ہے"

اسے اپنے اندر، باہر ہر چیز پراگندہ، بے معانی اور ڈراؤنی دکھائی دے رہی تھی مگر اسے اپنے تمام حالات سے جو نفرت ہو رہی تھی وہ ناگوار تو تھی مگر اسے اس میں اطمینان بھی حاصل ہو رہا تھا۔

نگران ایک اور مسافر کو اندر لایا جسے گھوڑے نہ ہونے کی وجہ سے رکنا پڑا تھا اور پیری سے بولا "جناب عالی! کیا میں یہ درخواست کر سکتا ہوں کہ آپ انہیں بھی کمرے میں کچھ جگہ دے دیں" آنے والا ایک قوی الجثہ اور گھٹے بدن کا مالک عمر رسیدہ شخص تھا۔ اس کی ہڈیاں چوڑی چکلی، چہرہ سانولا اور جھری دار جبکہ آنکھوں پر غیر واضح سرمئی ابرو چھائے ہوئے تھے۔

پیری نے میز سے پاؤں اٹھائے اور اٹھ کر اپنے لیے بچھائے بستر کی جانب چل دیا اور اس پر جا کر لیٹ گیا۔ وہ کبھی کبھار اس مسافر پر نظر ڈال لیتا تھا جو اس کی جانب کوئی توجہ نہیں دے رہا تھا۔ مسافر کے چہرے سے سنجیدگی اور تھکاوٹ عیاں تھی اور وہ نوکر کی مدد سے اپنا کوٹ اور دیگر کپڑے اتار رہا تھا۔ اس نے اپنی پتلی ٹانگوں پر پہنی جرابیں نہ اتاریں اور صوفے پر بیٹھ کر سر اس کی پشت سے ٹکایا اور بیزدخوف کو دیکھنے لگا۔ پیری اس کے چہرے سے ٹپکتی درشتی، ذہانت اور فراست دیکھ کر متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ اس سے گفتگو کا خواہشمند تھا مگر جب اس نے سڑکوں کی حالت

کے بارے میں اس سے کوئی بات کہنا چاہی تو وہ آنکھیں بند کر کے اپنے جھریوں والے ہاتھ ایک دوسرے کے اوپر رکھ چکا تھا جن کی ایک انگلی پر خاصی بڑی انگوٹھی دکھائی دے رہی تھی جس پر کھوپڑی نشان بنا تھا۔ مسافر اپنی جگہ ساکت بیٹھا تھا۔ پیری نے سوچا یا تو وہ آرام کر رہا ہے یا پھر گہری سوچ وبچار میں کھویا ہوا ہے۔ اس کا خدمتگار بھی زرد چہرے کا مالک بوڑھا تھا اور اس کی داڑھی موچھیں نہیں تھیں جس کی وجہ سے منڈ دانا نہ تھی بلکہ اس کا چہرہ ہی ایسا تھا۔ یہ تیز طرار خدمتگار جلدی سے اپنے آقا کا سامان کھولنے، چائے کی اشیاء نکالنے اور ابلتے ہوئے پانی کا سماوار اندر لانے میں مشغول تھا۔ جب سب کچھ تیار ہو گیا تو مسافر نے آنکھیں کھول دیں اور ایک گلاس میں اپنے اور دوسرے میں خدمتگار کیلئے چائے انڈیلی۔ پیری بے چین ہو گیا اور اسے اس مسافر سے بات کرنے کی نہ صرف شدید خواہش ہونے لگی بلکہ اب اس سے گفتگو کرنا ضروری ہو گیا تھا۔

نوکر اپنا خالی گلاس واپس لایا اور اسے الٹا کر کے نیچے رکھ دیا۔ اس نے شکر کا ٹکڑا بھی ایک جانب رکھ دیا جو دانتوں سے کترا ہوا تھا۔ پھر اس نے اپنے آقا سے پوچھا ''کچھ اور تو نہیں چاہیے؟''

مسافر بولا ''نہیں، بس میری کتاب مجھے دیدو'' نوکر نے اسے کتاب پکڑائی۔ پیری نے سوچا ہو نہ ہو یہ دعاؤں کی کوئی کتاب ہوگی۔ مسافر اس کے مطالعے میں مشغول ہو گیا۔ پیری خاموشی سے دیکھتا اور سوچتا رہا۔ مسافر نے اچانک اپنی کتاب نیچے رکھ دی اور زیر مطالعہ صفحے میں نشانی لگا کر کتاب بند کر دی۔ اس نے ایک مرتبہ پھر اپنی آنکھیں بند کیں اور صوفے کی پشت سے سر ٹکا کر دوبارہ پہلی حالت میں واپس آ گیا۔ پیری اسے ٹکر ٹکر دیکھ رہا تھا۔ اس نے ابھی اپنی نگاہیں ہٹائی ہی تھیں کہ بوڑھے مسافر نے آنکھیں کھول دیں اور درشتی سے اسے دیکھنے لگا۔ پیری بوکھلا گیا اور اس کی نظروں سے بچنے کی کوشش کی مگر شعلہ بار نگاہیں اسے اپنے سحر میں لے چکی تھیں۔

(2)

اجنبی نے بلند اور نپی تلی آواز میں اسے کہا ''اگر میں غلطی پر نہیں تو مجھے نواب بیزوخوف سے گفتگو کا شرف حاصل ہو رہا ہے'' پیری خاموشی سے اسے جواب طلب نگاہوں سے دیکھتا رہا۔ اجنبی بات جاری رکھتے ہوئے بولا ''میں آپ اور آپ کی بدقسمتی کے بارے میں جان چکا ہوں'' اس کا انداز ایسا تھا جیسے کہہ رہا ہو ''ہاں تم اسے جو چاہو کہو مگر ماسکو میں تمہارے ساتھ جو کچھ ہوا، میں اسے بدقسمتی ہی کہوں گا''

اس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا ''مجھے اس پر افسوس ہے'' پیری کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اس نے تیزی سے اپنی ٹانگیں بستر سے اتاریں اور معمر شخص کی جانب جھک گیا۔

بوڑھے نے کہا ''جناب! میں یہ باتیں تجسس کیلئے نہیں بلکہ سنجیدہ وجوہات کی بنا پر کہہ رہا ہوں۔'' اس نے کچھ دیر توقف کیا اور پھر صوفے کی ایک جانب بیٹھ گیا جیسے پیری کو اپنے قریب بیٹھنے کی دعوت دے رہا ہو۔ اگرچہ پیری کو اس سے بات کرنے میں تامل تھا مگر وہ غیر ارادی طور پر اٹھا اور اس کے پاس جا بیٹھا۔

اجنبی کہنے لگا ''جناب! آپ ناخوش ہیں، آپ نوجوان ہیں اور میں بوڑھا۔ مجھ سے جس قدر ہو سکا تمہاری مدد کر کے خوشی ہوگی۔

پیری غیر فطری انداز میں مسکراتے ہوئے بولا ''کیوں نہیں، کیوں نہیں۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں اور کیا میں یہ پوچھ سکتا ہوں کہ آپ کہاں سے آ رہے ہیں؟'' اجنبی کے چہرے پر مروت نام کو نہ تھی بلکہ اس پر تختی کا تاثر نمایاں

تھا مگر پیری کو اس کا چہرہ اور الفاظ دونوں دلکش دکھائی دیے۔

بوڑھا مسکراتے ہوئے کہنے لگا ''اگر آپ کو کسی وجہ سے میرے ساتھ گفتگو کرنا اچھا نہ لگے تو مجھے بتا دیں'' یہ الفاظ کہتے ہوئے اس کے چہرے پر غیر متوقع طور پر پدرانہ شفقت نمایاں ہوگئی۔

پیری نے جواب دیا ''ارے نہیں، بالکل نہیں، مجھے تو آپ سے مل کر بیحد خوشی ہوئی ہے'' اس نے ایک مرتبہ پھر اجنبی کے ہاتھوں پر نظر ڈالی اور اس کی انگوٹھی کو دیکھنے لگا جس پر میسن تحریک کی علامت ایڈم کا نشان بنا ہوا تھا۔

پیری نے کہا ''مجھے یہ پوچھنے کی اجازت دیجئے کہ کیا آپ میسن ہیں''

اجنبی نے جواب دیا ''جی ہاں، میرا تعلق فری میسنوں کی برادری سے ہے اور میں اپنی اور ان کی جانب سے آپ کی طرف برادرانہ ہاتھ بڑھاتا ہوں''

پیری مسکراتے ہوئے بولا ''مجھے سمجھ نہیں آتی کہ کیا کہوں۔ کائنات سے متعلق میرے تصورات آپ سے اسقدر مختلف ہیں کہ ہم ایک دوسرے کو نہیں سمجھ سکیں گے'' پیری ان لوگوں کے اعتقادات کا مذاق اڑایا کرتا تھا، دوسری جانب اسے اس میسن کی شخصیت پر اعتماد تھا چنانچہ وہ ہچکچاہٹ کا شکار ہو گیا۔

فری میسن نے کہا ''میں آپ کے طرز فکر کو جانتا ہوں۔ آپ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کا یہ طرز فکر آپ کی اپنی کوششوں کا نتیجہ ہے، درحقیقت عام انسانوں کی اکثریت اسی طرز فکر کی مالک ہے اور یہ غرور، سستی اور لاعلمی کا غیر حقیر نتیجہ ہے۔ جناب عالی! اگر میں اسے نہ جانتا تو آپ سے بات چیت ہی نہ کرتا۔ آپ کا یہ طرز فکر سراسر غلط ہے''

پیری دھیمے انداز سے مسکراتے ہوئے بولا ''بالکل ایسے ہی جیسے میں سمجھتا ہوں کہ آپ غلطی پر ہیں''

فری میسن کہنے لگا ''میں سچائی کو پانے کا دعویٰ تو نہیں کروں گا۔ کوئی شخص اکیلا صداقت تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ ہمارے پہلے باپ آدم سے اب تک لاکھوں انسانوں نے ایک ایک پتھر رکھا اور پھر کہیں جا کر وہ معبد بن سکا جو عظیم خدا کے شایان شان گھر کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے'' یہ کہہ کر فری میسن نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کا لہجہ اتنا درشت اور قطعی تھا کہ پیری اس سے متاثر ہونے لگا۔

پیری نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا ''مجھے آپ کو بتا دینا چاہیے کہ میں خدا پر یقین نہیں رکھتا۔۔۔ مجھے یقین نہیں ہے'' وہ سوچ رہا تھا کہ سچی بات کہنا ضروری ہے۔

فری میسن نے پیری پر نظریں گاڑیں اور مسکرانے لگا۔ اس کا انداز ایسے امیر کبیر شخص کا تھا جو کسی ایسے غریب کو دیکھ کر مسکراتا ہے جس کے پاس پانچ روبل بھی نہ ہوں۔

فری میسن کہنے لگا ''مگر جناب آپ اسے جانتے ہی نہیں۔ آپ اسے پہچان نہیں سکتے اور یہی آپ کی ناخوشی کا سبب ہے''

پیری نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا ''جی ہاں میں ناخوش ہوں مگر کیا کروں؟''

فری میسن بولا ''آپ اسے نہیں جانتے یہی وجہ ہے کہ آپ اسقدر ناخوش ہیں۔ مگر وہ یہاں، مجھ میں، میرے الفاظ میں، آپ میں، بلکہ ان بے ادبانہ الفاظ میں بھی موجود ہے جو ابھی ابھی آپ کے منہ سے نکلے ہیں'' اس کی آواز سخت اور مرتعش تھی۔

وہ کچھ دیر ٹھہرا اور اس کے منہ سے سرد آہ نکلی۔

اس نے بات جاری رکھتے ہوئے نرم لہجے میں کہا ''جناب عالی! اگر وہ نہ ہوتا تو میں اور آپ اس کا ذکر نہ

کررہے ہوتے۔ ہم کس کا ذکر کر رہے ہیں، آپ کس کا انکار کر رہے ہیں؟ اگر وہ نہیں تھا تو پھر اسے کس نے تخلیق کیا؟ اسے ماورائے عقل کی موجودگی کا خیال کہاں سے آیا؟ اور تمام دنیا نے ایسے ماورائے عقل کا مفروضہ کیسے بنایا جو ہر شے پر قادر ہے" فری میسن نے اچانک سوالات کی بوچھاڑ کر دی تھی اور اس کا انداز پر مسرت تختی اور تحکم سے بھرپور تھا۔ وہ رکا اور طویل توقف کیا۔

پیری خاموشی توڑنا چاہتا تھا نہ توڑ سکا۔

فری میسن نے بات دوبارہ شروع کرتے ہوئے کہا "وہ موجود ہے مگر اسے محسوس نہیں کیا جا سکتا" اب وہ پیری کی بجائے اپنے سامنے دیکھ رہا تھا اور اس کے بوڑھے ہاتھ کتاب کے صفحات الٹ پلٹ رہے تھے جنہیں اندرونی ہیجانی کیفیت کے باعث وہ ساکن نہیں رکھ سکتا تھا۔ وہ کہنے لگا "اگر آپ کو کسی انسان کے وجود کے بارے میں شک وشبہ ہوتا تو میں اسے آپ کے سامنے لا سکتا تھا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو دکھا سکتا تھا۔ مگر میں کم مایہ انسان اس قادر مطلق کی قوت کو کیسے دکھا سکتا ہوں جو آنکھیں رکھتے ہوئے نابینا ہے" اس نے پھر توقف کیا اور کہنے لگا "آپ خود کو صاحب عقل سمجھتے ہیں کیونکہ بے ادبی کی باتیں کر سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ اس کمسن بچے سے بھی زیادہ احمق ہیں جو مہارت سے تیار کردہ گھڑی کو یہ جانے بغیر چھیڑتا ہے کہ اس سے کیا کام لیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کہہ سکتا ہے 'میں اس شخص کو نہیں مانتا جو اس کا تخلیق کار ہے۔ اس کو پہچاننا بہت مشکل ہے۔ ہمارے پہلے باپ آدم اور ہمارے زمانے کے درمیان ہزاروں صدیوں کا فاصلہ ہے۔ اس عرصہ میں ہم اس علم کو پانے کیلئے تگ ودو کرتے رہے ہیں مگر ابھی تک کامیاب نہیں ہو سکے۔ سمجھ کی اس کمی میں ہمیں صرف اپنی انکساری اور اس کی بڑائی دکھائی دیتی ہے۔۔۔"

فری میسن کی باتیں سن کر پیری اس کی جانب اپنی چمکتی آنکھوں سے دیکھنے لگا اور اس کا دل اچھلنے لگا۔ اس نے اجنبی سے کوئی سوال کیا نہ اسے ٹوکا بلکہ وہ اس کی باتیں دل سے تسلیم کر رہا تھا۔ وہ فری میسن کی باتوں میں موجود دلیلوں سے قائل ہوا یا اس کے تھرتھراتے لہجے سے متاثر ہوا (جو جذبات کی شدت کے سبب اس کا ساتھ نہیں دے پاتا تھا) یا پھر اس کی آنکھیں اسے متاثر کر گئیں اور یہ نہیں تو شاید اس کے مقصد میں یقین نے اسے لاجواب کیا، جو کچھ بھی تھا وہ دل وجان سے یقین کے حصول کا خواہشمند تھا اور اسے یقین آ بھی گیا۔ یہ سوچ کر اسے خوشی محسوس ہوئی کہ گویا اسے نئی زندگی مل گئی ہے۔

فری میسن بولا "اسے عقل سے نہیں بلکہ زندگی سے پہچانا جا سکتا ہے"

پیری کہنے لگا "مجھے سمجھ نہیں آئی" اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے دل میں دوبارہ شکوک وشبہات پیدا ہو رہے ہیں اور یہ سوچ کر اسے شدید دھچکا لگا۔ اسے یہ خوف لاحق تھا کہ کہیں فری میسن کے عقائد میں کہیں کوئی الجھاؤ نہ ہو۔ اسے اس بات سے بھی ڈر لگتا تھا کہ کہیں اس کی باتیں اسے غیر متاثر کن معلوم نہ ہوں۔ وہ بولا "میں سمجھا نہیں کہ آپ جس شے کی بات کر رہے ہیں اس کے علم تک انسانی عقل کی رسائی کیوں نہیں ہے؟"

فری میسن کے چہرے پر ملامت بھری مسکراہٹ آ گئی۔

اس نے کہا "اعلیٰ ترین عقل اور سچائی خالص مائع جیسی ہوتی ہے جسے ہم پی سکتے ہیں۔ کیا میں اس خالص مائع کو ناپاک برتن میں ڈالنے کے بعد اس کے خالص ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہوں؟ میں صرف اپنی اندرونی پاکیزگی کی بدولت ہی اس مائع کی پاکیزگی کسی حد تک برقرار رکھ سکتا ہوں جسے میں اپنے اندر قبول کرتا ہوں"

پیری نے مسرت بھرے لہجے میں کہا "جی، جی، ایسا ہی ہے"

فری میسن نے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا "اعلیٰ ترین عقل کی بنیاد صرف سائنس، فزکس، تاریخ، کیمسٹری اور دیگر علوم پر نہیں ہوتی جن میں عقلی علم تقسیم کیا جاتا ہے۔ اعلیٰ ترین عقل واحد اکائی ہے۔ اعلیٰ ترین عقل صرف ایک سائنس کو جانتی ہے اور وہ ہے "تمام علم" وہ علم جو تمام کائنات اور اس میں انسان کے مقام کی وضاحت کرتا ہے۔ اس علم کو اپنے اندر لانے کیلئے اندرونی طور پر پاکیزہ ہونا اور اپنے وجود کو نئی زندگی سے روشناس کرانا نہایت ضروری ہے۔ سو پہچان سے پہلے ضروری ہے کہ انسان اپنے اندر یقین پیدا کرے اور خود کو کامل بنائے۔ ایسا کرنے کیلئے خدا نے ہمارے اندر ایک روشنی یعنی ضمیر رکھا ہے"

پیری نے تائید کرتے ہوئے کہا "جی ہاں، بالکل"

فری میسن کہنے لگا "اپنے دل کی گہرائیوں کو روحانی نظروں سے دیکھیں اور خود سے پوچھیں کہ 'میں اپنے آپ سے مطمئن ہوں؟ کسی کی رہنمائی کے بغیر محض عقل کے زور پر میں نے کیا حاصل کیا؟ میں کیا ہوں؟ آپ نوجوان، مالدار اور تعلیم یافتہ ہیں، آپ نے ان تمام باتوں سے کیا حاصل کیا؟ کیا آپ خود اور اپنی زندگی سے مطمئن ہیں؟"

پیری نے خفگی سے کہا "نہیں، مجھے اپنی زندگی سے نفرت ہے"

فری میسن نے کہا "اگر نفرت ہے تو اسے تبدیل کر دیں۔ خود کو پاکیزہ بنائیں اور جب آپ پاکیزہ بن گئے تو عقل سے بہرہ ور ہو جائیں گے۔ جناب عالی! اپنی زندگی پر نظر ڈالیں اور اس کا جائزہ لیں کہ آپ نے اسے کیسے بسر کیا؟ معاشرے سے بہت کچھ لیا مگر اسے کچھ نہیں دیا۔ اپنے ہمسائے کیلئے کیا کیا۔ آپ نے اپنے ہزاروں زرعی غلاموں کیلئے کیا کیا؟ کبھی ان کی بے لوث مدد کی؟ نہیں۔ وہ محنت کرتے ہیں اور آپ عیش وعشرت کی زندگی گزارتے ہیں۔ آپ نے یہی کیا ہے۔ کیا آپ نے کبھی کوئی ایسا عہدہ منتخب کیا جس میں آپ دوسروں کے کام آ سکیں؟ نہیں۔ پھر آپ نے شادی بھی کی اور ایک نوجوان لڑکی کو سچائی سے آشنا کرانے کا فرض ہاتھ میں لیا۔ یہ ذمہ داری کیسے نبھائی؟ سچائی کا راستہ تلاش کرنے میں اس کی مدد کیا کرتا تھی، الٹا اسے جھوٹ اور ذلت کی گہرائیوں میں دھکیل دیا۔ ایک شخص نے آپ کی شان میں گستاخی کی اور آپ نے اسے گولی کا نشانہ بنا ڈالا۔ اس پر کہتے ہیں کہ آپ کو اپنی زندگی سے نفرت ہے اور آپ خدا کو نہیں مانتے۔ میرے قابل احترام دوست! اس میں حیرانی کی کیا بات ہے؟"

یہ کہہ کر فری میسن نے ایک مرتبہ پھر اپنا سر صوفے کی پشت سے لگایا اور آنکھیں بند کر لیں۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ طویل گفتگو کر کے تھک گیا ہے۔ پیری بوڑھے کے سخت اور غیر جذباتی چہرے کو غور سے دیکھنے لگا جو تقریباً بے جان نظر آتا تھا۔ وہ کہنا چاہتا تھا "جی ہاں میں عیش وعشرت کا شوقین ہوں اور میں نے بیحد کمتر، شرمناک اور فضول زندگی گزاری ہے، تاہم وہ خاموشی توڑنے کی جرات نہ کر سکا۔ فری میسن نے بوڑھوں کی طرح کھنکار کر گلا صاف کیا اور اپنے نوکر کو آواز دی۔

نوکر آیا تو وہ پیری کی جانب دیکھے بغیر اس سے پوچھنے لگا "گھوڑے آ گئے؟"

بوڑھے نوکر نے جواب دیا "چند گھوڑے ابھی ابھی لائے گئے ہیں۔ آپ آرام نہیں کریں گے؟"

اس نے جواب دیا "نہیں، انہیں کہو کہ گھوڑے جوت دیں"

پیری نے سوچا "کیا یہ مجھے بتائے اور مدد کا وعدہ کئے بغیر مجھے اکیلا چھوڑ کر چلا جائے گا" وہ اٹھا اور سر جھکا کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ کبھی کبھار وہ فری میسن پر نظر ڈال لیتا تھا۔ اس نے سوچا "میں نے تو پہلے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ میں کس قدر ناپسندیدہ زندگی گزار رہا ہوں، حالانکہ یہ مجھے پسند تھی نہ میں نے کبھی اس کی خواہش کی۔ یہ شخص سچائی سے

آشنا ہے اور چاہے تو اسے مجھ پر بھی منکشف کر سکتا ہے" پیری یہ بات فری میسن سے بھی کرنا چاہتا تھا مگر اس کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔ سامان باندھنے کے بعد بوڑھا اپنے ماہر ہاتھوں سے کوٹ کے بٹن بند کرنے لگا۔ فارغ ہونے کے بعد وہ بیزوخف کی جانب متوجہ ہو کر شائستگی سے پوچھنے لگا" جناب، آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

پیری نے جواباً کہا" میں؟۔۔۔ میں پیٹرز برگ جا رہا ہوں۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں اور آپ کی باتوں سے اتفاق کرتا ہوں۔ تاہم مجھے بالکل برا مت سمجھیں۔ میں صدق دل سے وہ کچھ بننا چاہتا ہوں جو آپ مجھے بنانا چاہتے ہیں۔ مگر مجھے کبھی کہیں سے مدد نہیں ملی۔۔۔ اگرچہ تمام قصور میرے ہی سر جاتا ہے۔ آپ میری رہنمائی کریں، ہو سکتا ہے میں اس قابل ہو جاؤں کہ۔۔۔"

پیری کیلئے گفتگو جاری رکھنا ممکن نہ رہا، اس کی آواز بھرا گئی اور اس نے منہ پھیر لیا۔

فری میسن خاموش کھڑا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے وہ کچھ سوچ رہا ہو۔

پھر وہ بولا" صرف خدا مدد کرتا ہے۔ تاہم جو کچھ ہمارے بس میں ہوا ہم آپ کی مدد کریں گے۔ آپ پیٹرز برگ جا رہے ہیں، یہ نواب ولارسکی کو پہنچا دیں (اس نے کاپی نکالی اور چار تہوں والے لمبے چوڑے کاغذ پر کچھ لکھنے لگا) پھر وہ بولا" اگر اجازت ہو تو میں آپ کو ایک مشورہ دوں گا۔ دارالحکومت پہنچ کر تنہائی میں کچھ عرصہ گزاریں اور اپنے نفس کا امتحان لیں، پرانی روش چھوڑنے کی کوشش کریں۔ میں دعا کرتا ہوں کہ آپ کا سفر خیریت سے گزرے" اس نے اپنے نوکر کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھا اور بات مکمل کرتے ہوئے بولا" اور کامیابی آپ کے قدم چومے۔۔۔"

جیسا کہ پیری کو نگران کے رجسٹر سے معلوم ہوا، اس اجنبی کا نام اوسپ الیکسی وچ بازدیف تھا۔ نوویکوف کے دور میں بھی بازدیف کا شمار معروف فری میسنوں میں ہوتا تھا۔ اس کی روانگی کے بعد کافی دیر تک پیری بستر کی جانب گیا نہ گھوڑے جوتنے کو کہا۔ وہ کمرے میں ادھر ادھر ٹہلتا اور اپنے ناپاک ماضی کا جائزہ لیتے ہوئے نئی زندگی کے پر مسرت احساس سے مستقبل کا خاکہ بنانے لگا جس کا حصول اسے نہایت آسان دکھائی دیتا تھا۔ اسے محسوس ہوا کہ وہ سیدھی راہ سے اسی لیے بھٹک گیا تھا کیونکہ اسے یہ بات بھول گئی تھی کہ نیک ہونا کتنی عمدہ بات ہے۔ اس کی روح میں پرانے شکوک وشبہات باقی نہ رہے۔ اسے قوی یقین ہو گیا کہ انسانوں کو بھائی چارے کے رشتے میں باندھا جا سکتا ہے اور باہم مل کر سیدھے راستے پر چل سکتے ہیں۔ اسے تصور میں فری میسن تحریک اسی قسم کی برادری نظر آئی۔

(3)

پیٹرز برگ پہنچنے کے بعد پیری کسی سے ملنے گیا نہ کسی کو اپنی آمد کی اطلاع دی۔ وہ مسلسل کئی دن تک تھامس کیمپس کی کتاب پڑھتا رہا جو اسے کسی اجنبی نے بھیجی تھی۔ اسے ایک بات کا احساس ہوتا گیا کہ اگر اسے یہ یقین ہو جائے کہ وہ انسان کی حیثیت سے خود کو کامل بنا سکتا ہے تو پھر اسے وہ خوشی مل جائے گی جس سے وہ ابھی تک ناآشنا تھا۔ ساتھ ساتھ اسے یہ اندازہ بھی ہونے لگا کہ انسانوں کے مابین اس متحرک اور برادرانہ محبت کا امکان بھی موجود ہے جس کا ذکر اوسپ الیکسی وچ بازدیف نے کیا تھا۔ پیری کی آمد کے ایک ہفتہ بعد پولینڈ سے تعلق رکھنے والا نوجوان نواب ولارسکی ایک شام بالکل اسی طرح قواعد وضوابط کی پابندیاں کرتا اس کے کمرے میں آیا جس طرح دولوخوف کے نائب نے ڈوئیل سے قبل اس سے ملاقات میں کی تھیں۔ پیری اسے کچھ کچھ جانتا تھا۔ ولارسکی نے آتے ہی دروازہ بند کیا اور اسے کہنے لگا:

"نواب، میں آپ کیلئے ایک پیغام اور تجویز لایا ہوں۔ ہماری جماعت میں اعلیٰ مقام کے حامل ایک شخص نے آپ کی جانب سے درخواست پیش کی ہے کہ آپ کو معمول کے عرصہ سے قبل ہی جماعت کا رکن بنا لیا جائے اور انہوں نے تجویز دی ہے کہ میں آپ کو رکنیت دینے کی سفارش کروں۔ میں اس شخص کی خواہش کی تکمیل کو اپنے لیے باعث سعادت سمجھتا ہوں۔ کیا آپ میری سفارش پر فری میسنوں کی برادری میں شمولیت چاہیں گے؟" وہ کھڑے کھڑے بولتا چلا گیا۔

پیری اس شخص کے سرد اور بے کیف لہجے سے خاصا متاثر ہوا جسے اس نے رقص کی محفلوں میں ہی دیکھا تھا۔ اس کے گرد حسین وجمیل خواتین کا جمگھٹا رہتا اور اس کے چہرے پر ہمہ وقت خوشگوار مسکراہٹ بکھری رہتی تھی۔

پیری نے کہا" جی ہاں، میں یہی چاہتا ہوں"

ولارسکی نے سر جھکا دیا۔

اس نے کہا" نواب ایک سوال اور ہے۔ میری خواہش ہے کہ آپ خلوص دل سے اس کا جواب دیں۔ کیا مستقبل کے فری میسن کی بجائے ایک سچے شخص کی طرح آپ اپنے پرانے عقیدے ترک کر چکے ہیں؟ اور کیا آپ کو خدا پر یقین ہے؟"

پیری نے ایک لمحے کیلئے سوچا اور پھر بولا" ہاں۔۔۔ ہاں، مجھے خدا پر یقین ہے"

ولارسکی نے کہا" اگر ایسا ہے تو۔۔۔" مگر پیری نے اسے ٹوک دیا اور اپنی بات دہراتے ہوئے کہا" ہاں، میں خدا پر یقین رکھتا ہوں"

ولارسکی نے کہا" اگر ایسا ہے تو ہم روانہ ہو سکتے ہیں، میری گاڑی حاضر ہے"

دوران سفر ولارسکی خاموش بیٹھا رہا۔ پیری نے جب یہ پوچھنے کی کوشش کی کہ مجھے کیا کرنا ہو گا اور مجھے سوالات کے جواب کس طرح دینا ہوں گے تو اس نے صرف اتنا کہا" مجھ سے زیادہ بہتر ارکان آپ کا امتحان لیں گے اور آپ کو انہیں صرف سچ بتانا ہو گا"

وہ ایک وسیع وعریض عمارت میں داخل ہوئے جس میں لاج کا مرکز تھا۔ تنگ وتاریک سیڑھیاں چڑھنے کے بعد وہ استقبالیہ کمرے میں پہنچے جو روشن تھا۔ یہاں انہوں نے کسی ملازم کی مدد کے بغیر اپنے کوٹ اتارے اور دوسرے کمرے میں چلے گئے۔ دروازے پر عجیب وغریب لباس میں ملبوس ایک شخص دکھائی دیا۔ ولارسکی آہستگی سے چلتا ہوا اس کے پاس گیا اور فرانسیسی زبان میں کوئی سرگوشی کی۔ اس کے بعد وہ ایک چھوٹی سی الماری کی جانب بڑھا۔ یہاں پیری کو ایسے لباس دکھائی دیے جو اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ ولارسکی نے الماری سے ایک رومال نکالا اور اس کی آنکھوں کے گرد لپیٹ دیا۔ جب اس نے گرہ لگائی تو پیری کے بال رومال میں پھنس گئے اور اسے تکلیف محسوس ہونے لگی۔ ولارسکی نے اس کا سر نیچے جھکایا اور گالوں پر بوسہ لینے کے بعد اس کا ہاتھ پکڑ کر آگے چل دیا۔ بال گرہ میں پھنسنے کے نتیجے میں پیری کو تکلیف ہو رہی تھی اور وہ مسکرائے۔ وہ بے یقینی سے جھینپتے ہوئے اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ اس کے بھاری بھرکم بازو جھول رہے تھے اور چہرے پر خوشگوار تبسم تھا۔

دس قدم چلنے کے بعد ولارسکی ٹھہر گیا۔

اس نے پیری سے کہا" اگر آپ ہماری جماعت میں شمولیت کا پختہ ارادہ لے کر آئے ہیں تو پھر خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو، آپ کو صبر کرنا ہو گا" (پیری نے اثبات میں سر ہلایا) ولارسکی نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا" جب دروازے پر دستک سنائی دے تو آپ رومال اتار دیجئے گا اور میری دعا ہے کہ آپ حوصلے سے کام لیں اور کامیابی آپ

کے قدم چومے" یہ کہہ کر اس نے پیری کا ہاتھ دبایا اور باہر نکل گیا۔

پیری اکیلا کھڑا مسکراتا رہا۔ اس نے چند مرتبہ کندھے اچکائے اور اپنا ہاتھ یوں اٹھا کر رومال کی جانب لے گیا جیسے اسے اتارنا چاہتا ہو مگر پھر اس نے اسے نیچے گرا دیا۔ اسے آنکھوں پر پٹی باندھے پانچ منٹ ایک گھنٹے کے برابر معلوم ہوئے۔ اس کے بازو سن ہو گئے اور ٹانگیں جواب دینے لگیں۔ اسے شدید تھکن اور مختلف اقسام کے پیچیدہ جذبات کا احساس ہونے لگا۔ اسے یہ خوف لاحق تھا کہ نہ جانے اس کے ساتھ کیا پیش آئے اور کہیں اس کا خوف ظاہر نہ ہو جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی جاننا چاہتا تھا کہ اب کیا ہونیوالا ہے اور اس کے سامنے کون سے اسرار منکشف ہوں گے۔ سب سے بڑھ کر اسے یہ خوشی ہو رہی تھی کہ اب وہ لمحہ آن پہنچا ہے جب وہ نئی زندگی کی شروعات کر سکے گا اور متحرک انداز میں نیکی اور پاکیزگی کی راہ پر گامزن ہو سکے گا جس کا وہ اوسپ الیکسی وچ سے ملاقات کے بعد سے خواب دیکھتا چلا آ رہا تھا"

دروازے پر زور زور سے دستک ہونے لگی۔ پیری نے آنکھوں سے پٹی اتار دی۔ کمرے میں اندھیرا تھا اور صرف ایک کونے میں کسی سفید شے میں چھوٹا سا مدھم چراغ جل رہا تھا۔ پیری قریب آیا اور دیکھا کہ چراغ ایک سیاہ میز پر رکھا تھا جس کے اوپر ایک کھلی کتاب موجود تھی۔ یہ انجیل تھی۔ وہ سفید چیز جس میں چراغ جل رہا تھا، انسانی کھوپڑی تھی جس کے تمام سوراخ اور دانت صحیح سلامت تھے۔ پیری نے انجیل کے ابتدائی الفاظ پڑھے اور میز کے گرد چکر لگایا۔ اسے ایک خاصا بڑا ڈبہ دکھائی دیا جو کھلا تھا اور اس میں کوئی چیز موجود تھی۔ یہ ڈبہ دراصل تابوت تھا اور اس میں ہڈیاں رکھی تھیں۔ یہ سب کچھ دیکھ کر اسے بالکل حیرت نہ ہوئی۔ اسے امید تھی کہ وہ جس نئی زندگی میں داخل ہونے والا ہے وہ اس کی پرانی زندگی سے بالکل مختلف اور اس کی ہر شے غیر معمولی ہوگی۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ اسے کھوپڑی، تابوت اور انجیل سے بھی زیادہ غیر معمولی کی توقع ہے۔ اپنے جذبات ابھارنے کیلئے اس نے انکھیوں سے دائیں بائیں دیکھا۔ وہ بار بار خدا، موت، پیار اور انسانی بھائی چارے کا ورد کرتا رہا۔ اس نے ان الفاظ کے ساتھ دھندلے سے پرمسرت تصورات بھی وابستہ کر رکھے تھے۔ دروازہ کھلا اور کوئی شخص اندر آ گیا۔ پیری کی آنکھیں دھندلی روشنی سے مانوس ہو چکی تھیں۔ اسے ایک پستہ قامت شخص دکھائی دیا۔ یوں لگتا تھا جیسے یہ روشنی سے تاریکی میں آیا ہو۔ چنانچہ وہ کچھ دیر ٹھہرا، پھر محتاط قدموں سے چلتا ہوا میز کے پاس پہنچا اور اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھ میز پر رکھ دیے جو چمڑے کے دستانوں میں مستور تھے۔

اس پستہ قد شخص نے جسم پر چمڑے سے بنا سفید رنگ کا ایپرن لگا رکھا تھا جس میں اس کا سینہ اور رانیں چھپی ہوئی تھیں۔ اس کی گردن میں ہار لٹک رہا تھا اور اس سے اوپر اونچی سفید جھالر تھی جس میں اس کا کتابی چہرہ یوں دکھائی دیتا تھا جیسے چوکھٹے میں تصویر جڑی ہو۔ نیچے ہونیوالی روشنی سے اس کا چہرہ جگمگا اٹھا تھا۔

نو وارد پیری کی جانب متوجہ ہو کر کہنے لگا "تم یہاں کیوں آئے ہو؟ تم جو روشنی کے وجود سے منکر ہو، جس نے روشنی دیکھی ہی نہیں، تم کیوں آئے ہو؟ تم ہم سے کیا چاہتے ہو، عقل، سچائی، روشن ضمیری؟"

جس وقت دروازہ کھلا اور نامعلوم شخص اندر آیا، اسی لمحے پیری کو اسی قسم کی دہشت اور احترام کا احساس ہوا جو اس نے بچپن میں پادری کے سامنے اقرار مذہب کے وقت محسوس کیا تھا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ ایسے شخص کے سامنے موجود ہے جو انسانیت کے ناطے اس کا بھائی مگر روزمرہ زندگی میں اجنبی ہے۔ وہ دھڑکتے دل سے سانس روکے اپنے اتالیق (فری میسن یہ خطاب اس شخص کو دیتے ہیں جو نئے شخص کو برادری میں شامل کرنے کیلئے تیار کرتا ہے) کی جانب بڑھا۔ قریب پہنچنے پر اسے معلوم ہوا کہ یہ تو سمولیانینوف ہے۔ اسے نو وارد کو اپنا واقف کار دیکھ کر ذہنی اذیت پہنچی۔

وہ نو وارد سے محض اپنا ساتھی اور نیکی کے پارچارک کی توقع رکھتا تھا۔ پیری کافی دیر تک خاموش کھڑا رہا۔ اتالیق کو مجبوراً اپنی بات دہرانا پڑی۔ جواباً پیری نے کہا "ہاں، میں۔۔۔ میں۔۔۔ نئی زندگی شروع کرنے کا خواہشمند ہوں" اس نے یہ الفاظ بمشکل ادا کیے۔

سمولیانینوف بولا "بہت اچھے" اور آگے بڑھ آیا۔

اس نے پیری سے پوچھا "تمہارے ذہن میں ان ذرائع کا کوئی تصور ہے جن کے ذریعے ہماری مقدس جماعت تمہیں تمہارے مقصد کے حصول میں مدد دے سکتی ہے"

پیری نے جواب دیا "میں۔۔۔ امید کرتا ہوں۔۔۔ کہ نئی زندگی شروع کرنے کیلئے۔۔۔ مجھے مدد۔۔۔ ملے گی" اس کی آواز کپکپا رہی تھی اور اس نے بمشکل یہ الفاظ ادا کیے۔ اس کی ایک وجہ اسے جذبات کی ہلچل تھی جبکہ دوسری بات یہ تھی کہ اسے روسی زبان میں تجریدی موضوعات پر گفتگو کی بالکل عادت نہ تھی۔

نو وارد نے پوچھا "فری میسنوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

پیری نے جواب دیا "میں سمجھتا ہوں کہ فری میسن جماعت نیک مقاصد کے حامل انسانوں کے مابین بھائی چارہ اور برابری قائم کرتی ہے" اسے اپنے الفاظ برمحل نہ ہونے پر شرمندگی تھی۔

اتالیق نے کہا "بہت اچھے" یوں لگتا تھا جیسے وہ اس جواب سے مطمئن ہو۔ پھر اس نے سوال کیا "کیا تم نے اپنے مقاصد کیلئے درکار ذرائع کو مذہب میں ڈھونڈا؟"

پیری کہنے لگا "نہیں، میرا خیال تھا کہ یہ غلطیوں سے پر ہے چنانچہ میں نے یہ راستہ اختیار نہیں کیا" اس نے یہ بات اسقدر دھیمی آواز میں کہی کہ اتالیق کو سنائی نہ دی اور اسے پوچھنا پڑا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ پیری نے جواب دیا "میں ملحد تھا"

اتالیق کچھ دیر خاموش رہا اور پھر بولا "تم سچائی ڈھونڈتے ہو تاکہ اپنی زندگی اس کے مطابق بسر کر سکو، سو تم عقل اور نیکی کی تلاش میں ہو۔ کیا میں نے درست کہا؟"

پیری اس کی تائید کرتے ہوئے بولا "ہاں، ہاں"

اتالیق کھنکارا اور دستانے میں مستور ہاتھوں سے سینے پر صلیب کا نشان بنا کر بولا

"مجھے اپنی جماعت کا اہم ترین مقصد تمہارے سامنے بیان کر دینا چاہئے اور اگر یہ مقصد تمہارے مقصد سے ملتا جلتا ہو تو تم ہماری جماعت میں مفید طور سے داخل ہو سکتے ہو۔ ہماری جماعت کا پہلا اور اہم ترین مقصد جس کی بنیاد پر یہ قائم ہے اور جسے دنیا کی کوئی طاقت نقصان نہیں پہنچا سکتی وہ ایک خاص راز کی حفاظت اور اسے آئندہ نسلوں تک پہنچانا ہے۔۔۔ ہم تک یہ راز قدیم زمانوں بلکہ پہلے انسان کے ذریعے پہنچا ہے اور نوع انسانی کا مقدر اسی راز پر منحصر ہے۔ چونکہ اس راز کی نوعیت ایسی ہے کہ کوئی شخص اسے اس وقت تک نہیں جان سکتا جب تک وہ طویل اور مشکل ترین تزکیہ نفس کیلئے تیار نہ ہو، نیز ہر کوئی کسی کیلئے اسے بآسانی دریافت کرنا بھی ممکن نہیں۔ چنانچہ ہمارا ایک دوسرا مقصد ہے اور وہ یہ ہے کہ اپنے ارکان کی کچھ اس طرح تربیت کی جائے کہ وہ ان ذرائع سے اپنے دلوں کی زیادہ سے زیادہ تطہیر کر سکیں جو ہمیں ان لوگوں سے ملے ہیں جنہوں نے اس راز کے حصول کیلئے جان توڑ کوششیں کیں، نیز اپنے ذہنوں کو ہر قسم کی برائیوں سے پاک اور باخبر بنائیں تاکہ یہ راز حاصل کیا جا سکے۔ لہٰذا ہم اپنے ارکان کا جس انداز سے تزکیہ کر کے انہیں نئی زندگی سے آشنا کرتے ہیں اس کی بدولت ہم تمام نسل انسانی کی اصلاح کا کام سرانجام دیتے ہیں۔ ہم اپنے

ارکان کو نیکی اور پاکیزگی کے نمونے بنا کر پیش کرتے ہیں اس طرح دنیا میں برائی کے رواج کا بھرپور مقابلہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ میں نے جو کچھ کہا ہے اس پر غور کرو، میں دوبارہ تمہارے پاس آؤں گا" یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر چلا گیا۔

پیری نے اس کی بات دہرائی "دنیا میں برائیوں کا جو رواج ہے اس کا بھرپور مقابلہ۔۔۔" اس کے ذہن میں مستقبل کے کاموں کا خاکہ ابھرنے لگا۔ وہ وہ ہفتے قبل جیسا انسان تھا اسی جیسے لوگوں کا تصور کر کے انہیں اچھے کاموں کی تلقین کرنے لگا۔ وہ ایسے عیاش، اوباش، اور بدقسمت لوگوں کے بارے میں سوچنے لگا جن کی اس نے زبانی اور عملی مدد کرنا تھی۔ اس کے ذہن میں ان مظلوموں کا خیال آنے لگا جنہیں اس نے ظالموں کے چنگل سے چھڑانا تھا۔ اتالیق نے اسے جو تین مقاصد بتائے تھے ان میں سے آخری یعنی 'انسانیت کی بھلائی' اسے خاص طور پر اچھا لگا۔ اگرچہ اتالیق کے بیان کردہ راز نے اس کا تجسس ابھار دیا تھا تاہم وہ اسے اس قدر اہم دکھائی نہ دیا۔ البتہ جہاں تک دوسرے مقاصد یعنی 'دل کی اصلاح اور نفس کے امتحان' میں اس کی دلچسپی معمولی تھی کیونکہ وہ یہ سوچ سوچ کر خوش ہو رہا تھا کہ وہ گزشتہ برائیوں سے چھٹکارا پا چکا ہے اور اب صرف نیکی کے کام کرنا چاہتا ہے۔

نصف گھنٹہ بعد اتالیق واپس آ گیا تا کہ نیکی کے طالب کو ان سات خوبیوں سے آگاہ کر سکے جو ہیکل سلیمانی کے سات قدموں سے مطابقت رکھتی تھیں اور جن کی اپنے اندر پرورش کرنا ہر فری میسن کیلئے لازم تھا۔ یہ سات صفات 1۔ احتیاط (جماعت کے رازوں کی حفاظت) 2۔ جماعت کے اعلیٰ حکام کی اطاعت 3۔ اخلاقیات 4۔ انسانوں سے محبت 5۔ حوصلہ 6۔ فراخ دلی اور 7۔ موت سے پیار۔

اتالیق کہنے لگا "جہاں تک ساتویں صفت کا تعلق ہے، موت پر بار بار غور کرو اور اس کے بارے میں یوں سوچو کہ یہ تمہاری دشمن نہیں بلکہ دوست ہے۔ یہ نیکی کیلئے محنت کر کر کے نڈھال ہو جانیوالی روح کو سکون مہیا کرتی ہے اور اسے صلے اور سکون کی راہ پر ڈال دیتی ہے۔"

پیری نے سوچا "ایسا ہی ہونا چاہئے" اتالیق اپنی بات مکمل کرنے کے بعد باہر چلا گیا تا کہ وہ تنہائی میں غور وفکر کر سکے۔ پیری نے سوچا "مگر میں ابھی تک اتنا کمزور ہوں کہ مجھے اپنی زندگی سے پیار ہے، اگرچہ اس زندگی کا صحیح مفہوم مجھ پر آہستہ آہستہ واضح ہو رہا ہے" دیگر پانچ عادات یعنی حوصلہ، فراخ دلی، انسانی محبت، اخلاقیات اور سب سے بڑھ کر اطاعت اس نے پہلے ہی اپنے دل میں موجود پائیں۔ ان صفات کو اس نے انگلیوں پر گن کر یاد کیا تھا۔ اطاعت اسے 'سچائی' سے زیادہ خوشی محسوس ہوئی (اسے یہ جان کر دلی خوشی ہو رہی تھی کہ اب وہ اپنی مرضی کرنے کی بجائے ان لوگوں کے سامنے سر جھکا دے گا جو تمام اقسام کے شکوک وشبہات سے پاک اور سچائی کے امین تھے) پیری ساتویں سچائی بھول گیا اور کوشش کے باوجود اسے وہ یاد نہ آ سکی۔

تیسری مرتبہ اتالیق جلد واپس آ گیا اور پیری سے پوچھنے لگا "کیا تم اب بھی اپنے ارادے پر قائم ہو اور وہ سب کچھ بتانے کیلئے تیار ہو جو تم سے پوچھا جائے گا؟"

پیری نے جواب دیا "میں ہر بات کیلئے تیار ہوں"

اتالیق بولا "میں تمہیں مزید بتا دوں کہ ہماری جماعت صرف الفاظ کے ذریعے ہی اپنے نظریات کا پرچار نہیں کرتی بلکہ دیگر ذرائع بھی استعمال کرتی ہے۔ صرف لفظی پرچار کی بجائے یہ ذرائع حکمت اور نیکی کے متلاشی لوگوں پر زیادہ اچھے انداز سے اثر مرتب کرتے ہیں۔ اگر تمہارا دل پاک وصاف ہے تو اس کمرے اور اس میں موجود چیزوں نے تم

پر بہت سی باتیں خود بخود واضح کر دی ہوں گی اور تم جان گئے ہو گے کہ وہ باتیں الفاظ کے ذریعے سمجھانا ممکن نہیں اور ہو سکتا ہے تمہیں جماعت میں باقاعدہ طور سے شمولیت کے دوران آگاہی کے ان سے ملتے جلتے انداز دکھائی دیں۔ ہماری جماعت قدیم معاشروں کے نقش قدم پر چلتی ہے جنہوں نے اپنی تعلیمات تصویری انداز سے پھیلائیں "تصویری تحریر" یہ ایسی شے کا نشان ہوتی ہے جس کی حواس کے ذریعے پہچان ممکن نہ ہو۔

پیری اچھی طرح جانتا تھا کہ تصویری تحریر کیا ہوتی ہے تاہم اس میں خود کوئی بات کہنے کا حوصلہ نہ تھا۔ وہ خاموشی سے اتالیق کی گفتگو سنتا رہا۔ اتالیق کی باتوں سے اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اب اس کا امتحان شروع ہونے والا ہے۔

اتالیق بولا "اگر تم فیصلہ کر چکے ہو تو پھر مجھے جماعت میں تمہاری شمولیت کیلئے کارروائی شروع کر دینی چاہئے" وہ پیری کے قریب آیا اور کہا "فراخ دلی کی علامت کے طور پر تم اپنی تمام قیمتی اشیاء میرے حوالے کر دو۔ یہ میرا مطالبہ ہے"

پیری بولا "مگر اس وقت تو میرے پاس کچھ نہیں" وہ سمجھا تھا شاید اسے اپنی تمام دولت سے دستبردار ہونے کو کہا جا رہا ہے۔

اتالیق بولا "جو کچھ بھی ہے، گھڑی، رقم، انگوٹھیاں۔۔۔"

پیری نے جلدی سے اپنا بٹوا اور گھڑی نکالی، تاہم اسے اپنی موٹی انگلی سے منگنی کی انگوٹھی اتارنے میں خاصا وقت لگا۔

فری میسن نے کہا "اطاعت کی علامت کے طور پر اپنے کپڑے اتار دو"

پیری نے اس کی ہدایت کے مطابق اپنا کوٹ، واسکٹ اور بایاں بوٹ اتار دیا۔ اتالیق نے اس کے سینے کے بائیں جانب قمیص سرکائی اور نیچے جھک کر اس کی پتلون کی بائیں ٹانگ گھٹنے سے اوپر تک کھینچ لی۔ پیری عجلت سے اپنا دایاں بوٹ بھی اتارنے لگا۔ اس نے اپنی پتلون کی دوسری ٹانگ بھی خود ہی اوپر کرنے کی کوشش کی تا کہ اس اجنبی کو تکلیف نہ اٹھانا پڑے مگر میسن نے اسے کہا کہ "اس کی ضرورت نہیں" اور بائیں پاؤں میں پہننے کیلئے سلیپر اس کی جانب بڑھا دیا۔ پیری کے ہونٹوں پر بچوں کی سی مسکراہٹ تھی اور یوں لگ رہا تھا جیسے وہ شرمندہ اور اپنا ہی مذاق اڑا رہا ہو۔ وہ بازو لٹکائے اپنے اتالیق کے سامنے کھڑا اگلے احکامات کا منتظر تھا اور اس کے پاؤں ایک دوسرے سے دور فرش پر ٹکے تھے۔

وہ بولا "اگر تم واقعی مخلص ہو تو میں آخری سوال یہ پوچھوں گا کہ تمہارا دل سب سے زیادہ کس شے پر للچاتا ہے؟"

پیری بولا "میری دلچسپی، یوں تو بہت سی چیزیں ہیں"

فری میسن نے کہا "اس چیز کا نام بتاؤ جو تمہیں دوسری اشیاء سے زیادہ بھٹکاتی ہے"

پیری نے جواب سوچنے کیلئے کچھ توقف کیا۔

اس کے ذہن میں متعدد اشیاء آنے لگیں "شراب؟ بسیار خوری؟ تن آسانی؟ سستی؟ غصیلا مزاج؟ عورت؟" وہ ایک ایک کر کے اپنی کمزوریوں کے بارے میں سوچنے لگا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کس کو اولیت دے۔

سوچنے کے بعد وہ آہستگی سے بولا "عورت" جواب سننے کے بعد کافی دیر تک میسن نے کوئی حرکت کی نہ بولا۔

پھر وہ میز کی جانب بڑھا اور رومال اٹھا کر دوبارہ اس کی آنکھوں پر باندھ دیا۔

اتالیق نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا" میں آخری بار کہہ رہا ہوں کہ اپنا جائزہ لو، حواس کو قابو میں رکھو اور اپنی خوشی نفسانی خواہشات کی بجائے اپنے دل میں ڈھونڈو ہماری خوشی کا مرکز ہمارے باہر نہیں بلکہ اندر پوشیدہ ہے۔۔۔"

پیری یہ خوشی کافی دیر پہلے اپنے اندر محسوس کر چکا تھا اور اب اس کا کیف اچھی طرح اس کے حواس پر چھانے لگا۔

(4)

کچھ دیر بعد اتالیق کی بجائے اس کی سفارش کرنیوالا ولارسکی کمرے میں داخل ہوا۔ وہ اسے لینے آیا تھا۔ پیری نے اسے آواز سے پہچانا۔ ولارسکی نے دوبارہ اس کے ارادے دریافت کئے جس کے جواب میں پیری نے کہا" ہاں، ہاں، میں رضامند ہوں"

وہ آگے بڑھا۔ اس کے چہرے پر بچوں جیسی معصوم اور روشن مسکراہٹ نمایاں تھی۔ اس کا ایک پاؤں بوٹ اور دوسرا سلیپر میں تھا جس کے باعث اس کی چال میں ناہمواری اور ہچکچاہٹ سی پیدا ہو گئی تھی۔ دوسری جانب ولارسکی نے اس کے بھرے بھرے برہنہ سینے پر تلوار تان رکھی تھی۔ اسے کمرے سے باہر لانے کے بعد دائیں بائیں مختلف راہداریوں میں گھمانے کے بعد بالآخر لاج کے دروازوں پر پہنچا دیا گیا۔ ولارسکی نے کھنکار کر گلا صاف کیا۔ جواب میں ہتھوڑے بجائے جانے کی آوازیں پیدا ہوئیں اور دروازے کھل گئے۔ ایک تیز آواز نے اس سے پوچھا" تم کون ہو؟ کہاں اور کب پیدا ہوئے؟" (پیری کی آنکھوں پر ابھی تک پٹی بندھی تھی) پھر وہ اسے کہیں اور لے گئے۔ اس کی آنکھوں سے پٹی نہیں اتاری گئی تھی۔ چلنے کے دوران تمثیلی داستانوں کے ذریعے اسے یاترا میں پیش آنیوالی مصیبتوں، مقدس تعلق، کائنات کے خالق اور اس حوصلے کی بابت بتلایا جاتا رہا جس کی بدولت اس نے تمام مصیبتیں اور خطرات برداشت کرنا تھے۔ اس دوران پیری کو احساس ہوا کہ کبھی اسے نیکی کا طالب، کبھی امیدوار اور کبھی مصیبتیں جھیلنے والا کہہ کر مخاطب کیا گیا اور ہر خطاب پر ہتھوڑوں اور تلواروں کے ذریعے مختلف اقسام کی آوازیں پیدا کی جاتی رہیں۔ جب اسے کسی شے کی جانب لے جایا جا رہا تھا تو اسے معلوم تھا کہ اس کے رہنماؤں پر ہچکچاہٹ اور بوکھلاہٹ طاری ہے۔ اس کے اردگرد جو لوگ ہجوم کئے ہوئے تھے وہ سرگوشیوں میں ایک دوسرے سے تکرار کر رہے تھے۔ ایک شخص کا اصرار تھا کہ" اسے خاص قالین سے گزارا جائے" پھر انہوں نے اس کا دایاں ہاتھ پکڑا اور اسے کسی شے پر رکھ کر حکم دیا کہ وہ اپنے دوسرے ہاتھ کے ذریعے سینے پر کمپاس رکھے اور جماعت کے قوانین سے وفاداری کے الفاظ کہنے والے کی بات دہراتا جائے۔ بعد ازاں موم بتیاں بجھا دی گئیں اور سپرٹ والا چراغ روشن ہو گیا جسے اس نے اس کی بو سے پہچانا۔ اسے بتایا گیا کہ اب وہ کمتر روشنی دیکھے گا۔ اس کی آنکھوں سے پٹی اتار دی گئی اور چراغ کی مدھم روشنی میں اسے اپنے سامنے متعدد افراد یوں کھڑے دکھائی دیے جیسے وہ خواب میں ہو۔ ان کے جسموں پر بھی اتالیق کی طرح ایپرن اور ہاتھوں میں تلواریں تھیں جن کا رخ اس کے سینے کی جانب تھا۔ ان لوگوں کے درمیان ایک شخص کھڑا تھا جس کی سفید قمیص خون سے سرخ تھی۔ یہ منظر دیکھ کر پیری تلواروں کی جانب رخ کر کے آگے بڑھنے لگا جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ چاہیں تو تلواریں اس کی چھاتی میں گاڑ دیں۔ تلواریں واپس کھینچ لی گئیں اور ایک ثانیے میں اس کی آنکھوں پر دوبارہ پٹی باندھ دی گئی۔

ایک آواز ابھری" اب تم کمتر روشنی دیکھ چکے ہو" پھر دوبارہ موم بتیاں روشن کر دی گئیں اور اسے بتایا گیا کہ

اب وہ مکمل روشنی دیکھ سکے گا۔ ایک مرتبہ پھر اس کی آنکھوں سے پٹی اتار دی گئی اور دس سے زائد آوازیں بیک وقت سنائی دیں" دنیا کی جاہ و حشمت اسی طرح ختم ہوتی ہے"

پیری آہستہ آہستہ اپنے آپ میں آنے لگا اور چاروں جانب نظریں دوڑا کر کمرے میں موجود لوگوں کو دیکھا۔ ایک طویل اور چوڑی میز کے گرد کم و بیش بارہ افراد براجمان تھے جس پر سیاہ رنگ کا کپڑا بچھا تھا۔ یہ لوگ انہی لباسوں میں ملبوس تھے جنہیں وہ پہلے ہی دیکھ چکا تھا۔ ان میں سے بعض کو وہ پیٹرزبرگ کے اعلیٰ حلقوں میں دیکھ چکا تھا۔ کرسیٔ صدارت پر ایک نوجوان شخص بیٹھا تھا جس کے گلے میں عجیب و غریب انداز کی صلیب لٹکی تھی جس سے پیری آشنا نہیں تھا۔ اس کی دائیں جانب اطالوی راہب بیٹھا تھا جس سے وہ دو برس قبل اینا پاؤلونو کے ہاں مل چکا تھا۔ دیگر لوگوں میں ایک نہایت اہم شخصیت اور سویڈن سے تعلق رکھنے والا ایک استاد بھی موجود تھا جسے وہ کوراگن خاندان کے ہاں دیکھ چکا تھا۔ تمام لوگ خاموش بیٹھے تھے اور ان کے چہروں پر سنجیدگی عیاں تھی۔ وہ نہایت توجہ سے صاحب صدر کی گفتگو سن رہے تھے جس کے ہاتھ میں ہتھوڑا تھا۔ دیوار کے ایک خلا میں ستارے کی شکل جیسی شمع روشن تھی۔ میز کی ایک جانب چھوٹا سا قالین تھا جس میں رنگا رنگ تصاویر بنی تھیں۔ دوسری جانب قربان گاہ جیسی جگہ تھی جس پر ایک انجیل اور کھوپڑی دھری تھیں۔ میز کے اردگرد بالکل ویسے سات بڑے شمعدان تھے جیسے گرجا گھروں میں ہوتے ہیں۔ دو برادران پیری کو قربان گاہ پر لے گئے۔ انہوں نے اس کے پاؤں پھیلائے اور یہ کہہ کر نیچے لیٹنے کا حکم دیا کہ اسے ہیکل کے دروازوں کے سامنے جھک جانا چاہئے۔

ایک برادر نے سرگوشی کے انداز میں کہا" اسے سب سے پہلے کرنی دینی چاہئے"

دوسرے نے کہا" ہش! برائے مہربانی خاموش رہو"

پیری نے بوکھلاہٹ کے عالم میں حکم بجا لائے بغیر چندھیائی آنکھوں سے ادھر ادھر دیکھا اور فوراً اس کے ذہن میں شکوک و شبہات در آئے۔ وہ سوچنے لگا" میں کہاں ہوں؟ کیا کر رہا ہوں؟ کیا یہ میرا مذاق اڑا رہے ہیں؟ جب مجھے یہ باتیں یاد آئیں گی تو شرمندگی تو نہیں ہوگی؟" تاہم یہ شکوک و شبہات صرف ایک لمحہ رہے اور اپنے اردگرد موجود افراد کو دیکھتے اور گزشتہ مراحل کو یاد کرتے ہوئے اس نے محسوس کیا کہ وہ یہ کام ادھورا چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ وہ اپنی ہچکچاہٹ پر شپٹاتے ہوئے ہیکل کے دروازوں پر جھک گیا، ساتھ ساتھ وہ اپنی لگن اور سابقہ جذبہ بیدار کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ عبودیت کا جذبہ پہلے سے زیادہ زور آور انداز میں طاری ہوا اور وہ کچھ دیر اسی حالت میں ٹھہرا رہا۔ پھر اسے اٹھنے کا حکم دیا گیا اور اسے اسی طرح کا چمڑے سے بنا سفید ایپرن پہنا دیا گیا جیسا دوسروں نے پہن رکھا تھا۔ اسے ایک کرنی اور دستانوں کے تین جوڑے تھمائے گئے جس کے بعد گرینڈ ماسٹر اس سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا" اس ایپرن کی سفیدی پر کبھی داغ مت لگنے دینا۔ یہ سفیدی طاقت اور پاکیزگی کی علامت ہے" پھر وہ پراسرار کرنی کے بارے میں بتاتے ہوئے بولا" تم اس سے دل کی سیاہی کھرچو گے اور صبر و تحمل سے کام لے کر اپنے انسانی بھائیوں کے دلوں صاف کرو گے۔ دستانوں کی پہلی جوڑی مردانہ ہے اور تمہیں ان کی اہمیت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا جائیگا مگر انہیں سنبھال کر رکھنا ہوگا۔ دوسری جوڑی بھی مردانہ ہے اور تم انہیں لاج کی مجلسوں میں پہنا کرو گے۔ دستانوں کی تیسری جوڑی زنانہ ہے۔ اس نے بتایا:

پیارے بھائی یہ زنانہ دستانے بھی تمہارے لیے ہیں۔ انہیں تم اس خاتون کو پیش کرو گے جس کی تم دوسروں سے زیادہ عزت کرو گے۔ تم جس خاتون کو میسوں کے کاموں میں اپنا ساتھی بنانے کے مستحق سمجھو گے اسے یہ دستانے پیش کر کے تم یہ ظاہر کر سکو گے کہ تمہارا دل صاف ہے اور اس میں کچھ کھوٹ نہیں" اس نے کچھ توقف کے بعد مزید کہا"

مگر ایک بات یاد رکھنا کہ یہ دستانے کبھی ناپاک ہاتھوں میں نہ جانے پائیں"

جب گرینڈ ماسٹر نے یہ آخری الفاظ کہے تو پیری کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ گھبرا رہا ہو۔ پیری پر بھی پہلے سے زیادہ گھبراہٹ طاری ہونے لگی اور وہ بچوں کی طرح شرمانے لگا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے اور وہ بے چینی سے ادھر ادھر دیکھے جا رہا تھا۔ بے ڈھب خاموشی چھا گئی۔

برادران میں سے ایک نے خاموشی توڑی۔ وہ پیری کو قالین کے پاس لے گیا جہاں ایک کتاب کا مسودہ پڑا تھا جس میں مختلف اشیاء جیسے سورج، چاند، ہتھوڑی، کرنی، بے ڈھنگا پتھر، ستون اور تین کھڑکیوں وغیرہ کی تصاویر بنی تھیں۔ وہ مسودے میں موجود ان تمام اشیاء کی تشریح کرنے لگا۔ اس کے بعد پیری کیلئے جگہ متعین کر دی گئی اور لاج کی نشانیاں دکھائی گئیں۔ بعد ازاں اسے شناختی الفاظ بتائے گئے اور بیٹھنے کی اجازت دیدی گئی۔ گرینڈ ماسٹر نے قوانین پڑھنا شروع کئے جو بیحد طویل تھے۔ پیری پر خوشی، گھبراہٹ اور شرمندگی جیسے احساسات طاری ہونے لگے جس کے باعث وہ پڑھا جانیوالا متن اچھی طرح نہ سمجھ سکا۔ وہ قوانین کے آخری الفاظ پر ہی توجہ دے سکا جو اس کے ذہن پر نقش ہو گئے۔

گرینڈ ماسٹر کہہ رہا تھا" جیسا کہ ہمارے معبدوں کا دستور ہے، ہم یہاں صرف نیکی اور بدی کے مابین فرق روا رکھتے ہیں اور اس کے علاوہ کسی امتیاز کے قائل نہیں۔ ایسے تمام امتیازات سے بچو جو برابری کی حدود سے تجاوز کرتے ہوں۔ مصیبت میں مبتلا بھائی کی فوری مدد کرو خواہ وہ کوئی ہی کیوں نہ ہو۔ سیدھی راہ سے بھٹکنے والے کو سمجھاؤ، جو پستی میں گر جائے اسے کا ہاتھ تھام لو، کسی بھائی کیلئے دل میں بغض و عداوت مت رکھو۔ شفیق اور شائستہ بنو۔ سب کے دلوں میں نیکی کا پیغام اجاگر کرو۔ ہمسایوں کو اپنی خوشیوں میں شریک کرو اور خدا کرے کہ یہ پاکیزہ نعمت کبھی حسد کے گندے پانی سے میلی نہ ہونے پائے۔ اپنے دشمنوں کو معاف کرو، ان کے ساتھ بھلائی کرو اور کوئی انتقام مت لو۔ اعلیٰ ترین قاعدے کی اس انداز سے تعمیل کر کے تم وہ عزت اور وقار پا سکو گے جو تم کھو چکے ہو" گرینڈ ماسٹر بیان ختم کرنے کے بعد اٹھا اور پیری کو گلے لگا کر اس کا منہ چوم لیا۔

پیری نے مسرت بھری آنکھوں سے ادھر ادھر دیکھا جن میں آنسو بھر آئے تھے۔ واقف کاروں نے اس کے اردگرد گھیرا ڈال رکھا تھا اور مبارکباد دے رہے تھے۔ پیری کی سمجھ میں نہ آیا کہ ان کا کیسے جواب دے۔ وہ انہیں اپنا واقف کار تسلیم کرنے کی بجائے برادر سمجھ رہا تھا اور ان کے ساتھ کام کرنے کیلئے بے تاب تھا۔ گرینڈ ماسٹر نے اپنا ہتھوڑا میز پر مارا اور سب لوگ اپنی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ ایک برادر انصاف اور انکساری کی اہمیت پر روشنی ڈالنے لگا۔

گرینڈ ماسٹر نے تجویز دی کہ اب آخری فرض ادا ہو جانا چاہئے۔ اہم شخصیت جس کے ذمے چندہ اکٹھا کرنے کا فرض تھا، اٹھا اور باری باری ہر ایک کے پاس گیا۔ پیری اپنی ہر شے چندے میں دینا چاہتا تھا مگر اسے خدشہ لاحق ہوا کہ کہیں اسے مغرور نہ سمجھ لیا جائے اور یہ سوچ کر اس نے دوسروں جتنی رقم لکھ دی۔

اجلاس ختم ہو گیا اور گھر پہنچنے پر پیری کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ درجنوں برسوں پر محیط سفر طے کر کے واپس آیا ہو اور جیسے اس کی کایا پلٹ گئی ہو اور وہ پرانی عادات واطوار کو ترک کر چکا ہو۔

(5)

لاج میں داخلے کے اگلے دن پیری گھر میں بیٹھا کتاب کے مطالعے میں مصروف تھا اور مربع کی علامت کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا جس کا ایک کنارا خدا، دوسرا اخلاق، تیسرا جسم اور چوتھا ان تمام کا مجموعہ تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ

کتاب نیچے رکھ دیتا اور تصورات میں نئی زندگی کے منصوبے بنانے لگتا۔ گزشتہ شام لاج میں اسے بتایا گیا تھا کہ زار کو اس کے ڈوئیل کی اطلاع مل چکی ہے اور مناسب ہوگا کہ وہ کچھ عرصے کیلئے پیٹرز برگ سے باہر چلا جائے۔ پیری نے تجویز کیا کہ وہ وہ جنوب میں اپنی جاگیروں پر چلا جائے گا اور وہاں زرعی غلاموں کی فلاح و بہبود کیلئے کام کرے گا۔ وہ اپنی نئی زندگی کو انہی خطوط پر استوار کرنے کے منصوبے بناتے ہوئے دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا کہ غیر متوقع طور پر شہزادہ ویسلے کمرے میں داخل ہوا۔

وہ پیری سے کہنے لگا" میرے عزیز! یہ تم نے ماسکو میں کیا کیا؟ تم ایلن سے جھگڑے؟ یقیناً تمہیں غلط فہمی ہوئی ہوگی۔ میں اس بارے میں سب کچھ جانتا ہوں اور یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ایلن تمہارے سامنے بالکل ہی طرح بے قصور ہے جس طرح یہودیوں کے نزدیک حضرت عیسیٰ تھے"

پیری نے جواب دینا چاہا مگر ویسلے نے اسے ٹوک دیا۔

اس نے کہا" اور تم دوستوں کی طرح سیدھے میرے پاس کیوں نہ آئے؟ میں سب جانتا اور سمجھتا ہوں۔ تمہارا رویہ بالکل اس شخص کی طرح تھا جسے عزت کا خیال ہو مگر شاید تم نے تھوڑی جلد بازی دکھائی۔ مگر ہم اس بحث میں نہیں پڑتے ہم یہ سوچو کہ اس طرح مجھے اور اسے معاشرے بلکہ دربار میں کیا سمجھا جا رہا ہوگا" اس نے آواز آہستہ کرتے ہوئے مزید کہا" وہ ماسکو میں رہ رہی ہے اور تم یہاں ہو۔ میرے عزیز! بہت ہو گیا، اب غصہ تھوک دو" اس نے پیری کو بازو سے پکڑ کر اپنے پاس بٹھایا اور بولا" یہ سب کچھ غلط فہمی کی بدولت ہوا، میرا خیال ہے کہ تم خود بھی یہی محسوس کرتے ہو گے۔ آؤ دونوں مل کر اسے خط لکھتے ہیں۔ وہ یہاں آ جائے گی اور ہر بات واضح ہو جائیگی۔ ورنہ میں بتا دوں کہ تمہیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا"

بات مکمل کرنے کے بعد شہزادہ ویسلے نے پیری کو معنی خیز نظروں سے دیکھا اور کہنے لگا" مجھے معلوم ہوا ہے کہ بیوہ ملکہ اس تمام معاملے میں گہری دلچسپی لے رہی ہیں اور تمہیں علم ہے کہ وہ ایلن پر بیحد مہربان ہیں"

پیری نے متعدد بار خود کو بولنے کیلئے تیار کیا مگر ایک تو شہزادہ ویسلے اسے گفتگو کا موقع نہیں دے رہا تھا اور دوسرا پیری کو خود بھی یہ گوارا نہیں تھا کہ وہ کوئی ایسا لہجہ اختیار کرے جس سے فیصلہ کن انکار یا اختلاف ظاہر ہوتا ہو، حالانکہ وہ اپنے سسر کو اسی انداز میں جواب دینے کا حتمی فیصلہ کر چکا تھا۔ علاوہ ازیں اس کے ذہن میں فری میسنوں کی یہ بات بھی گونج رہی تھی کہ" شفقت اور شائستگی سے پیش آؤ" اس کی بھنویں تن گئیں اور رخسار گرم ہو گئے۔ وہ اپنی نشست سے اٹھا اور پھر بیٹھ گیا۔ وہ ایسا کام کرنے کی کوشش کر رہا تھا جو اسے زندگی کا مشکل ترین کام معلوم ہوتا تھا یعنی کسی کو اس کے منہ پر وہ بات کہنا جس کا اسے گمان تک نہ ہو۔ وہ شہزادہ ویسلے کی گفتگو اور لاپروائی سے حکم چلانے کے انداز کا اس قدر عادی ہو چکا تھا کہ اسے یہ احساس ہونے لگا کہ اب مجھ میں اتنی ہمت بھی نہیں کہ اس کے سامنے مزاحمت کر سکوں تاہم اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ اس کے تمام مستقبل کا دارومدار اسی دوران ہونیوالی بات پر ہے۔ اس سے یہ طے پا جائے گا کہ آیا وہ پرانے طور طریقوں پر چلتا رہے گا یا پھر نیا راستہ اختیار کرے گا جس کی دلکش تصویر اس کے سامنے فری میسنوں نے کھینچی تھی اور جس کے بارے میں اسے پختہ یقین تھا کہ اس پر چل کر وہ نئی زندگی پا لے گا۔

شہزادہ ویسلے نے مزاحیہ انداز میں کہا" پیارے بیٹے، چھوڑو صرف ہاں کہہ دو۔ میں اسے خود خط لکھ دوں گا۔ پھر ہم موٹا سا بچھڑا ذبح کریں گے" قبل ازیں کہ ویسلے اپنی مزاحیہ بات مکمل کرتا، پیری اس کی جانب دیکھے بغیر چہرے پر شدید غصے کا تاثر پیدا کرتے ہوئے (اپنے باپ کی طرح) سرگوشی کے انداز میں کہا" شہزادے، میں نے آپ کو نہیں

بلایا تھا، جائیں، براہ مہربانی چلے جائیں! اس نے چھلانگ لگا کر دروازہ کھولا اور اسے دوبارہ کہا" چلے جائیں" اسے خود بھی اپنے اس انداز پر حیرت تھی مگر وہ شہزادہ ویسلے کے چہرے پر دکھائی دینے والی بوکھلاہٹ اور خوف سے بھی لطف اندوز ہو رہا تھا۔

ویسلے بولا" کیا بات ہے؟ تم بیمار تو نہیں"

پیری نے دھاڑتے ہوئے کہا" چلے جائیں!" شہزادہ ویسلے کو اپنے ساتھ ہونیوالے اس سلوک کی وجہ جانے بغیر جانا پڑا۔

ایک ہفتہ بعد پیری نے اپنے نئے دوستوں یعنی میسنوں کو خیراتی کاموں کیلئے بھاری رقم دی اور ان سے اجازت لے کر اپنی جاگیر کو روانہ ہو گیا۔ اس کے برادران نے اسے کیف اور اوڈیسہ کے میسنوں کے نام خطوط دیے اور وعدہ کیا کہ وہ اسے مسلسل خطوط لکھتے اور زندگی کی نئی سرگرمیوں کے حوالے سے اس کی رہنمائی کرتے رہیں گے۔

(6)

پیری اور دولوخوف کے مابین ہونیوالی ڈوئیل کا معاملہ دبا دیا گیا۔ اگرچہ اس دور میں ڈوئیل کے حوالے سے زار کا رویہ سخت تھا تاہم اس ڈوئیل کے اصل حریفوں اور ان کی معاونت کرنیوالوں کو کوئی نقصان نہ پہنچا۔ البتہ ڈوئیل کی داستان اعلیٰ طبقے کی گفتگو کا موضوع بن گئی جس کی تصدیق پیری اور اس کی بیوی کے مابین تعلقات ختم ہونے سے ہوتی تھی۔ جب پیری کو ناجائز اولاد سمجھا جاتا تھا تو اونچے طبقے کے لوگ اس کی سرپرستی کرتے اور تمام روسی سلطنت میں وہ شادی کیلئے بہترین رشتہ سمجھا جاتا تھا، ہر شخص اس کی تعریف کرتا تھا۔ مگر جب اس کی شادی ہو گئی اور شادی کی عمر کو پہنچنے والی دوشیزاؤں کی ماؤں کیلئے امید کی کوئی کرن باقی نہ رہی تو اعلیٰ طبقے کی نظروں میں بھی اس کی اہمیت کم ہو گئی۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اسے لوگوں میں مقبولیت حاصل کرنے کا ہنر آتا تھا نہ اسے ایسا کوئی شوق تھا۔ چنانچہ اب جو کچھ ہوا اس کے لیے اسے ہی مورد الزام ٹھہرایا جانے لگا۔ اس کے بارے میں کہا جا رہا تھا کہ وہ جنونی حاسد ہے اور اپنے باپ کی طرح بیحد غصیلے مزاج کا حامل ہے۔ پیری کی روانگی کے بعد ایلن پیٹرزبرگ واپس آئی تو اس کے تمام دوستوں اور واقف کاروں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا بلکہ تقدیر نے اس کے ساتھ جو کھیل کھیلا اس کی بدولت اسے زیادہ ہی وقعت حاصل ہو گئی۔ اگر کبھی دوران گفتگو ایلن کے شوہر کا ذکر آ جاتا تو اس کی مخصوص سوجھ بوجھ آڑے آتی اور چہرے پر اچانک وقار طاری کر لیتی حالانکہ اسے اس بات کا بالکل علم نہ ہوتا تھا کہ دوسرے اس کے رویے سے متاثر ہوتے ہیں یا نہیں۔ البتہ اس کی متانت سے یہ بات ضرور ظاہر ہوتی تھی کہ اس نے اپنی مصیبت کو صبر و سکون سے جھیلنے کا فیصلہ کر لیا ہے اور حرف شکایت اس کی زبان پر ہرگز نہ آئے گا۔ جہاں تک اس کے شوہر کا تعلق ہے تو وہ خدا کی جانب سے اس پر نازل کردہ مصیبت تھی جسے وہ برداشت کرنے پر مجبور تھی۔ شہزادہ ویسلے اپنی رائے کا کھلم کھلا اظہار کرتا اور جب بھی پیری کا تذکرہ ہوتا تو وہ کندھے جھٹک کر اپنی پیشانی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہتا" پاگل ہے، میں ہمیشہ کہتا ہوں"

اینا پاؤلونا نے پیری کا ذکر کرتے ہوئے کہا" میں نے تو ابتداء ہی میں کہہ دیا تھا کہ اس دور کے فاسق خیالات نے اس پاگل نوجوان کا بیڑہ غرق کر دیا ہے (اس کا ہمیشہ اصرار ہوتا کہ پہل وہی کرتی ہے) آپ کو یاد ہوگا کہ جب یہ نوجوان بیرون ملک سے نیا نیا واپس آیا تھا تو میری محفل میں اس نے خود کو مارات بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی تھی۔ تمام لوگ اس کی تعریف کر رہے تھے، میں نے اسی وقت کہہ دیا تھا اور جو نتیجہ نکلا وہ آپ کے سامنے ہے۔ میں پہلے بھی اس شادی کیخلاف تھی اور جو کچھ ہوا ہے اس کی پیش گوئی بھی کر دی تھی"

اینا پاؤلونا حسب معمول جس روز فارغ ہوتی اس دن ضیافت کا اہتمام کرتی اور ایسی ضیافتوں کے انعقاد کا طریقہ اسے ہی آتا تھا۔ جیسا کہ اینا خود کہتی تھی ان محافل میں پیٹرزبرگ کے چنے ہوئے دانشور اور اعلیٰ طبقے سے تعلق رکھنے والے بہترین لوگ شرکت کرتے تھے۔ وہ اپنی ہر محفل میں مہمانوں کو کسی نئی اور دلچسپ شخصیت سے ملواتی اور اس طرح پیٹرزبرگ کے وفادار درباری طبقے کا جو درست سیاسی پیمانہ یہاں دیکھنے کو ملتا وہ کہیں اور نہیں مل سکتا تھا۔

1806ء کے اختتام تک جب نپولین نے اورسٹڈٹ اور جینا میں پرشیا کی فوجوں کو تباہ کن شکست دی تھی اور پرشیا کے بیشتر قلعے اس کے قبضے میں آ گئے تھے، اس کی تمام تر تفصیلات روس میں پہنچ چکی تھیں۔ ہماری فوجیں بھی پرشیا میں داخل ہو چکی تھیں اور نپولین کیخلاف ہماری دوسری مہم شروع ہو چکی تھی۔ اسی دوران اینا پاؤلونا نے ایک ضیافت کا اہتمام کیا۔ یہ محفل شوہر سے علیحدہ ہونیوالی پرکشش اور ناخوش ایلن، مارٹی مارٹ، خوش باش شہزادہ اپولیت (جو حال ہی میں ویانا سے واپس آیا تھا) دو سفارتکاروں، معمر خالہ، ایک نوجوان (جسے صرف گونا گوں خوبیوں کا مالک کہہ کر متعارف کرایا گیا) حال ہی میں ایک عہدہ پانیوالی خاتون اور اس کی والدہ نیز متعدد کم اہم افراد پر مشتمل تھی۔

اینا پاؤلونا اس محفل میں جس نئی شخصیت کو سامنے لا رہی تھی وہ بورس دروبتسکی تھی۔ ان دنوں وہ ایک نہایت اہم شخصیت کا ایڈی کانگ تھا اور پرشیا کی فوجوں کا اہم پیغام لے کر آیا تھا۔

اس ضیافت میں جو سیاسی پیمانہ دیکھنے کو ملا وہ یہ تھا: یورپ کے بااختیار حکمران مجھے اور ہمیں جھنجھلاہٹ میں مبتلا کرنے اور ذہنی تکلیف پہنچانے کیلئے بونا پارٹ کی خواہ کتنی ہی حوصلہ افزائی کیوں نہ کریں، اس کے بارے میں ہماری رائے تبدیل نہیں ہو سکتی۔ اس موضوع پر ہم اپنے خیالات ہرگز نہ چھپائیں گے بلکہ ان کا کھلم کھلا اظہار کرتے رہیں گے۔ جہاں تک پرشیا کے بادشاہ اور دیگر لوگوں کا تعلق ہے تو ہم صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ 'خدا تمہارا بیڑہ مزید غرق کرے، تم نے جو بویا تھا وہی کاٹو' اس شام اینا پاؤلونا کی محفل کا سیاسی پیمانہ یہی تھا۔ جب بورس، جسے مہمانوں کے سامنے پیش کیا جانا تھا، ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تو تمام مہمان آ چکے تھے اور گفتگو کا موضوع آسٹریا کے ساتھ ہمارے سفارتی تعلقات اور اس سے معاہدے کی امید پر مشتمل تھا جس کا سرا اینا پاؤلونا کے ہاتھ میں تھا۔

بورس نے ایجوٹنٹوں والی خوبصورت وردی زیب تن کر رکھی تھی۔ اس کا چہرہ سرخ و سفید اور تر و تازہ تھا اور شکل و صورت پر مردانگی کا تاثر نمایاں تھا۔ وہ فطری خود اعتمادی سے چلتا ہوا اندر آیا اور اسے حسب معمول بوڑھی خالہ کے سامنے پیش کیا گیا تا کہ وہ اسے سلام کہہ سکے، بعد ازاں وہ اسے عمومی حلقے میں واپس لے آئی۔

اینا پاؤلونا نے اپنا نحیف اور جھریوں بھرا ہاتھ اسے تھمایا تا کہ وہ اس پر بوسہ لے سکے اور پھر اسے مختلف شخصیات سے متعارف کرانے لگی جن سے وہ واقف نہ تھا۔ ساتھ ساتھ وہ سرگوشی کے انداز میں اسے ہر شخص کا عہدہ اور اوصاف بھی بتاتی گئی" یہ شہزادہ اپولیت کوراگن، جناب کرگ! کوپن ہیگن میں ناظم الامور، ذہین و فطین جناب شیتوف، گونا گوں خوبیوں کے مالک۔۔۔ وغیرہ وغیرہ"

اینا میخائلوونا کی بھاگ دوڑ اور اپنی محتاط طبیعت کے باعث بورس ملازمت میں نہایت اچھے مقام پر پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ ایک اہم شخصیت کا ایڈی کانگ مقرر ہو چکا تھا۔ اسے نہایت اہم مشن پر پرشیا بھیجا گیا اور وہ ایلچی کی حیثیت سے حال ہی میں واپس آیا تھا۔ وہ ملازمت کے ان غیر تحریری قواعد و ضوابط کو اچھی طرح جان گیا تھا جنہوں نے اول موتس میں اس کے قلب و ذہن میں خوشی بھر دی تھی۔ ان قواعد کی رو سے لیفٹیننٹ کو بھی جرنیل سے اونچا رتبہ حاصل ہو

سکتا تھا۔ ملازمت میں کامیابی کیلئے جن خوبیوں کی ضرورت تھی وہ محنت، جدوجہد، بہادری یا مستقل مزاجی نہیں بلکہ یہ صلاحیت تھی کہ آیا آپ ان لوگوں کے ساتھ چل سکتے ہیں جو انعام اور ترقیاں دیتے ہیں۔ اسے جس تیز رفتاری سے ترقیاں ملیں اور دوسروں کو یہ باتیں سمجھنے میں جس ناکامی کا سامنا کرنا پڑا اس پر وہ خود حیران ہوتا تھا۔ اس دریافت کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کے طرز زندگی، پرانے دوستوں اور واقف کاروں سے تعلقات اور اپنے مستقبل کے منصوبوں کی نوعیت اچانک بدل گئی۔ وہ مال دولت کا مالک نہ تھا مگر اچھا لباس پہننے کیلئے سب کچھ خرچ کر دیتا۔ وہ تمام تفریحات سے کنارہ کش ہو جاتا مگر پیٹرز برگ میں پرانی وردی یا کمتر گاڑی میں نظر آنا گوارا نہ کرتا۔ اسے صرف ان لوگوں سے تعلقات استوار کرنا اچھا لگتا تھا جو اس سے زیادہ مرتبے کے مالک اور اس کے کام آ سکتے تھے۔ وہ پیٹرز برگ سے محبت اور ماسکو سے نفرت کرتا تھا۔ رستوف خاندان اور نتاشا کے ساتھ اپنی بچگانہ محبت سے اس کا دل بھر گیا تھا اور ان کی یاد اس کیلئے تکلیف کا باعث تھی۔ فوج میں شمولیت کیلئے ماسکو سے روانگی کے بعد وہ کبھی ان کے گھر نہیں گیا تھا۔ اینا پاؤلونا کی ضیافت میں شمولیت کو وہ اپنی ترقی کیلئے اہم زینہ تصور کرتا تھا اور وہاں پہنچتے ہی اسے اندازہ ہو گیا کہ اس سے کس قسم کے کردار کی توقع رکھی جا رہی ہے۔ چنانچہ اس نے خود کو مکمل طور پر میزبان کے حوالے کر دیا تا کہ وہ مہمانوں کی دلچسپی کیلئے اسے جس طرح چاہے استعمال کرے۔ وہ خود وہاں موجود تمام اشخاص کا بغور جائزہ لیتے ہوئے یہ سوچنے لگا کہ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ تعلقات استوار کرنے کے کیا کیا فوائد ہیں۔ اسے جس نشست کی جانب اشارہ کیا گیا وہ خوبصورت ایلین کے قریب تھی اور وہ وہاں بیٹھ کر عمومی گفتگو سننے لگا۔

ڈنمارک کا ناظم الامور کہہ رہا تھا "مجوزہ معاہدہ جن بنیادوں پر ہونا طے پایا ہے، ویانا انہیں اس قدر نا قابل حصول گردانتا ہے کہ شاندار فتوحات حاصل ہونے پر بھی انہیں امکانات کے دائرے میں نہیں لایا جا سکے گا اور اسے یہ بھی شک ہے کہ انہیں حاصل کرنے کیلئے ہمارے پاس وسائل موجود ہیں۔ یہ ویانا وزارت کا کہنا ہے"

دانشور نے مسکراتے ہوئے کہا "ان کے شک سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم بیحد مضبوط ہیں مگر حقیقت میں شاید ایسا نہیں ہے"

مارٹی مارٹ بولا "ہمیں ویانا کی وزارت اور شہنشاہ آسٹریا کے مابین فرق روا رکھنا ہوگا۔ شہنشاہ آسٹریا بھی ایسی بات نہیں سوچے گا، یہ الفاظ صرف وزارت نے ہی استعمال کئے ہیں"

اینا پاؤلونا نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا "یورپ کبھی ہمارا مخلص اتحادی نہیں ہو سکتا"

پھر اس نے گفتگو کا رخ پرشیا کے بادشاہ کی جرات اور مستقل مزاجی کی جانب موڑ دیا تا کہ بورس کو بھی گفتگو میں شریک کیا جا سکے۔

بورس ہر شخص کی گفتگو بغور سنتا اور اپنی باری کا انتظار کرتا رہا تھا۔ اس دوران وہ کبھی کبھار خوبصورت ایلین پر بھی نظر ڈال لیتا جو اس کے قریب بیٹھی تھی۔ وہ خوبرو ایڈی کا ٹک کی نگاہوں کے جواب میں کئی مرتبہ مسکرائی۔

اینا پاؤلونا نے پرشیا کی صورتحال کا تذکرہ کرتے ہوئے فطری انداز میں بورس سے درخواست کی کہ اس نے گلوگاؤ کے سفر میں پرشیا کی فوجوں کو جس حال میں دیکھا اس کے بارے میں انہیں آگاہ کرے۔ بورس نے گفتگو پر آمادگی ظاہر کی تاہم کسی قسم کی غیر ضروری جلد بازی بھی نہ دکھائی۔ اس نے شستہ فرانسیسی زبان میں انہیں پرشیائی فوج اور دربار کے بارے میں کئی دلچسپ باتوں سے آگاہ کیا تاہم ان باتوں کے حوالے سے اپنی رائے کا اظہار کرنے سے باز رہا۔ کچھ دیر تک لوگ اس کی باتیں شوق سے سنتے رہے اور اینا پاؤلونا کو یوں محسوس ہونے لگا کہ اس نے اپنے مہمانوں کے سامنے

جو انوکھی شے پیش کی ہے وہ اسے توصیفی نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں۔ بورس کی باتوں پر سب سے زیادہ توجہ ایلین نے دی۔ اس نے سفر کے بارے میں کئی سوالات پوچھے اور یوں لگتا تھا جیسے اسے پرشیا کی فوجوں کے بارے میں گہری دلچسپی ہے۔ جونہی اس نے اپنی بات ختم کی تو وہ اس کی جانب متوجہ ہوئی اور کہنے لگی "آپ میرے ہاں آئیں اور مجھ سے ضرور ملیں" اس نے یہ بات ایسے لہجے میں کہی کہ بورس کو محسوس ہوا جیسے اس کا جانا اور اس سے ملنا نہایت ضروری ہے۔ وہ مزید بولی "منگل کو آٹھ اور نو بجے کے درمیان، مجھے بیحد خوشی ہوگی"

بورس نے آنے کا وعدہ کر لیا۔ وہ اس سے گفتگو میں مشغول ہونا چاہتا تھا کہ اسی دوران اینا پاؤلونا نے یہ بہانہ کر کے اسے اپنے پاس بلا لیا کہ خالہ اس کی باتیں سننے کی خواہشمند ہے۔

اینا پاؤلونا اپنی پلکیں جھکاتے ہوئے بولی "تم اس کے شوہر کو تو جانتے ہو۔ اتنی پرکشش لڑکی اور قسمت اسقدر خراب، براہ کرم اس کے سامنے اس کے شوہر کا تذکرہ مت کرنا، اس سے اسے بیحد تکلیف پہنچتی ہے"

(7)

جب بورس اور اینا پاؤلونا محفل میں واپس آئے تو شہزادہ اپولیت گفتگو سنبھال چکا تھا۔ اس نے بازوؤں والی کرسی پر آگے کو جھک کر کہا "شاہ پرشیا" اور کھلکھلا کر ہنس دیا۔ تمام افراد اسی کی جانب متوجہ ہو گئے۔ اس نے استفہامیہ لہجے میں دوبارہ کہا "شاہ پرشیا" اور خاموش ہو کر سنجیدہ انداز میں اپنی کرسی پر ٹک گیا۔ اینا پاؤلونا نے کچھ توقف کیا کہ شاید وہ کچھ اور کہنا چاہے گا مگر جب اسے اندازہ ہوا کہ اس نے مزید کچھ نہیں کہنا تو وہ بتانے لگی کہ بے خدا بونا پارٹ نے پوٹسڈم میں جس طرح فریڈرک اعظم کی تلوار اٹھائی تھی۔

اینا نے کہنا چاہا "یہ فریڈرک اعظم کی وہی تلوار ہے جو میں۔۔۔" تاہم شہزادہ اپولیت نے اسے درمیان میں ٹوک دیا اور بولا "شاہ پرشیا" جب تمام لوگوں کی توجہ اس کی جانب مبذول ہوئی تو وہ خاموش ہو گیا۔ اینا پاؤلونا نے غصے سے اس کی جانب دیکھا۔ اپولیت کے دوست مارٹی مارٹ نے تحکمانہ انداز میں اس کی جانب دیکھا اور پوچھا "ہاں پھر، شاہ پرشیا کے ساتھ کیا ہوا؟؟"

اپولیت یوں ہنسا جیسے اسے اپنی ہی ہنسی پر شرم آ رہی ہو۔

وہ کہنے لگا "کچھ نہیں، کچھ نہیں۔ میرا مطلب صرف یہ تھا۔۔۔ (وہ ساری شام ایک مذاق دہرانے کی کوشش کرتا رہا تھا جو اس نے ویانا میں سنا تھا) میں صرف یہ کہنا چاہتا تھا کہ شاہ پرشیا کیلئے جنگ کرنا غلط ہوگا۔

بورس محتاط انداز میں مسکرایا۔ اس کی یہ مسکراہٹ طنزیہ بھی ہو سکتی تھی مگر اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا تھا کہ وہ پسندیدگی کا اظہار کر رہا ہے۔ ہر شخص نے ہنسنا شروع کر دیا۔

اینا پاؤلونا نے اپنے جھریوں والی انگلیاں اس کے سامنے لہراتے ہوئے کہا "تمہارا یہ مذاق اچھا تاثر مرتب نہیں کرتا، اس میں بذلہ سنجی تو ہے مگر یہ بے جا ہے۔ ہم یہ جنگ پرشیا کے بادشاہ کیلئے نہیں بلکہ اپنے اصولوں کی خاطر لڑ رہے ہیں"

گفتگو سیاسی خبروں کے گرد گھومتی رہی اور اس میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہوئی۔ آخر میں جب زار کی جانب سے عطا کئے گئے اعزازات کا ذکر آیا تو گفتگو میں بھی جوش و خروش پیدا ہو گیا۔

نمایاں دانشور نے کہا "آپ کو یاد ہے کہ گزشتہ سال این این کو تصویر والی نسوار کی ڈبیا ملی تھی تو پھر ایس ایس

کو بھی اعزاز کیوں نہ ملے''

ایک سفارتکار بولا'' معاف کیجئے گا، جس ڈپلومہ پر شہنشاہ کی تصویر کندہ ہو وہ انعام تو ہو سکتی ہے مگر امتیاز نہیں۔ اس کی بجائے اسے عطیہ کہا جا سکتا ہے''

کسی نے کہا'' اس کی مثال موجود ہے، میں شوارزنبرگ کا نام لوں گا''

ایک اور بولا'' یہ ناممکن ہے''

کسی نے کہا'' شرط لگاؤ گے؟ تمغۂ کاربن مختلف ہے''

جب تمام لوگ رخصت ہونے کیلئے اٹھے تو ایلین جس نے ساری شام شاید ہی کوئی بات کی تھی ... مرتبہ پھر بورس کی جانب متوجہ ہوئی اور متاثر کن لہجے میں اسے اپنے ہاں آنے کی یاد دہانی کرائی۔

وہ اینا پاؤلونا کی جانب متوجہ ہو کر مسکراتے ہوئے کہنے لگی'' یہ میرے لیے بیحد اہم ہے'' اینا پاؤلونا نے اس انداز سے مسکرا کر ایلین کی بات پر سر ہلایا جس طرح وہ مادر ملکہ کے ذکر پر مسکراتی تھی۔ بظاہر یوں لگتا تھا جیسے بورس نے پرشیا کی فوج کے بارے میں کوئی ایسی بات کہہ دی ہے جس سے ایلین کو اچانک احساس ہوا ہے کہ اس سے ملاقات ضروری ہے۔ اس کے رویے سے یوں ظاہر ہوتا تھا جیسے وہ وعدہ کر رہی ہو کہ منگل کے روز جب وہ اس سے ملنے آئے گا تو وہ اسے بتلائے گی کہ یہ ملاقات کیوں ضروری ہے۔ تاہم منگل کی شام ایلین کے سجے سجائے ڈرائنگ روم میں بورس یہ نہ جان سکا کہ آخر اس کا آنا کیوں ضروری تھا۔ وہاں دیگر مہمان بھی موجود تھے۔ ایلین نے اس سے کوئی خاص بات نہ کی اور روانگی سے پہلے جب وہ اس کے ہاتھ کا بوسہ لے رہا تھا تو اس نے غیر متوقع طور پر کہا تھا'' کل شام کے کھانے پر آنا۔۔۔ شام کو۔۔۔ بہر صورت آنا ہے''

پیٹرز برگ میں قیام کے دوران بورس بیگم بیزوخوف کے گھر مسلسل اور بے تکلفانہ انداز میں آتا جاتا رہا۔

(8)

جنگ بھرپور انداز سے جاری تھی اور روسی سرحدوں سے قریب تر ہو رہی تھی۔ بوناپارٹ پر ہر جگہ لعنت ملامت کی جا رہی تھی اور اسے ''نوع انسانی کا دشمن'' کہہ کر مخاطب کیا جاتا تھا۔ دیہاتوں میں باقاعدہ اور محفوظ ہر دو افواج کیلئے رنگروٹ بھرتی کئے جا رہے تھے۔ دوسری جانب محاذ جنگ سے متضاد اور حسب معمول جھوٹی خبریں سننے کو مل رہی تھیں سو مختلف حلقے انہیں مختلف معانی پہنا رہے تھے۔

1805ء سے معمر شہزادے بلکونسکی اور شہزادی ماریا کی زندگیاں خاصی تبدیل ہو چکی تھیں۔

1806ء میں روس بھر میں ملیشیا کے جو آٹھ کمانڈر انچیف مقرر کئے گئے ان میں معمر شہزادہ بھی شامل تھا۔ بیٹے کی ہلاکت کے بارے میں سوچ کر اس کا بڑھاپا اور بھی نمایاں ہو گیا تھا تاہم اس نے شہنشاہ کی جانب سے سونپے گئے فرض کی بجا آوری سے انکار کا قطعاً نہ سوچا۔ عمل کے اس نئے موقعے نے اس میں نئی توانائی بھر دی۔ وہ اپنی تحویل میں دیے گئے تین صوبوں میں مسلسل سفر کرتا رہا۔ وہ فرائض کی ادائیگی میں کسی قسم کی رعایت برتنے کا بالکل قائل نہ تھا اور اپنے ماتحتوں سے سختی کے ساتھ پیش آتا جو کبھی کبھار سنگدلی میں تبدیل ہونے لگتی تھی اور چھوٹی چھوٹی باتوں کا بھی خود جائزہ لیتا۔

شہزادی ماریا نے اپنے والد سے ریاضی کی تعلیم لینا ترک کر دی تھی اور صرف انہی دنوں میں چھوٹے شہزادے نکولائی (جیسا کہ اس کا دادا اسے کہتا تھا) اور اس کی آیا کے ساتھ اس کے کمرے میں جاتی تھی جب وہ گھر پر ہوتا تھا۔ بچہ

اپنی آیا اور نرس ساوشنا کے ساتھ اپنے ماں کی اپارٹمنٹ میں رہتا تھا۔ شہزادی ماریا اپنا بیشتر وقت نرسری میں گزارتی اور اس کی پوری کوشش ہوتی کہ بھتیجا اپنی ماں کی کمی محسوس نہ کرے۔ بظاہر مادموزیل بورین بھی بچے سے بیحد پیار کرتی تھی اور بعض اوقات شہزادی ماریا سخاوت سے کام لیتے ہوئے اسے یہ موقع دے دیتی تھی کہ وہ ننھے فرشتے (جیسا کہ وہ بچے کو کہتی تھی) سے پیار کرے، اسے اچھالے اور جھولا جھلائے۔

بلیک ہلز کے گرجے کی قربان گاہ کے قریب چھوٹی شہزادی کی قبر کے اوپر مقبرہ بنا دیا گیا تھا اور اس میں اٹلی سے منگوائی گئی سنگ مرمر کی مورتی نصب کر دی گئی تھی۔ اس مورتی میں ایک فرشتہ بازو پھیلائے آسمان کی جانب پرواز کیلئے تیار نظر آتا تھا جس کا اوپر والا ہونٹ یوں اٹھا ہوا تھا جیسے ابھی مسکرانے لگے گا۔ ایک دن شہزادہ آندرے اور شہزادی ماریا نے مقبرے سے واپس آتے ہوئے اعتراف کیا کہ فرشتے کو دیکھ کر چھوٹی شہزادی یاد آ جاتی ہے مگر اس سے بھی عجیب بات جس کا شہزادہ آندرے نے اپنی بہن سے ذکر نہ کیا، یہ تھی کہ مورتی بنانے والے نے اتفاق سے فرشتے کے چہرے پر جو تاثر بکھیرا تھا وہ اسی ہلکی سی سرزنش کا تھا جو شہزادہ آندرے کو اپنی مرحومہ بیوی کے چہرے پر نظر آئی تھی کہ'' آہ تم نے میرے ساتھ یہ کیوں کیا؟''

شہزادہ آندرے کی آمد کے چند دن بعد معمر شہزادے نے اپنی جائیداد کا کچھ حصہ اس کے حوالے کر دیا جس میں بلیک ہلز سے تقریباً پچیس میل دور واقع بوگوچاروف کی وسیع جاگیر بھی شامل تھی۔ شہزادہ آندرے نے وہاں عمارتیں بنوانا اور بیشتر وقت وہیں صرف کرنا شروع کر دیا۔ اس کی ایک وجہ بلیک ہلز کی تکلیف دہ یادوں سے چھٹکارا پانا تھا اور دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے والد کے ساتھ نہیں رہ سکتا تھا اور ان دنوں تنہائی کی ضرورت محسوس کرتا تھا۔

اوسترلٹس کی جنگ کے بعد شہزادہ آندرے نے فوجی ملازمت نہ کرنے کا اٹل فیصلہ کر لیا تھا اور جب جنگ دوبارہ چھڑی اور ہر شخص کو فوج میں لازمی خدمات انجام دینا پڑیں تو اس نے فعال ملازمت سے بچنے کیلئے اپنے والد کی ماتحتی میں رنگروٹ بھرتی کرنے کا کام سنبھال لیا۔ یوں لگتا تھا جیسے 1805ء کی مہم کے بعد باپ بیٹے نے اپنے کردار بدل لیے ہیں۔ باپ کو فعال ہونے کا موقع ملا تو اس میں نیا ولولہ پیدا ہو گیا اور توقع ہونے لگی کہ نئی مہم کے اچھے نتائج نکلیں گے۔ اس کے برعکس شہزادہ آندرے جنگ میں حصہ نہیں لے رہا تھا اور دل ہی دل میں اپنی بے عملی پر کڑھتے ہوئے معاملے کے تاریک پہلو پر نظر رکھے ہوئے تھا۔

26 فروری 1807ء کو جب معمر شہزادہ حسب معمول دورے پر روانہ ہوا تو شہزادہ آندرے ہمیشہ کی طرح اس کی عدم موجودگی میں بلیک ہلز میں ٹھہرا ہوا تھا۔ چھوٹے نکولائی کی طبیعت چند روز سے خراب تھی اور معمر شہزادے کو شہر چھوڑنے کیلئے جانے والا کوچوان واپس آ چکا تھا۔ وہ اپنے ساتھ شہزادہ آندرے کیلئے کچھ کاغذات اور خطوط لایا۔ خدمتگار کو نوجوان شہزادہ اپنے کمرے میں نظر نہ آیا تو وہ خطوط لے کر شہزادی ماریا کے اپارٹمنٹ کی جانب گیا مگر وہ وہاں بھی نہ تھا۔ خدمتگار کو بتایا گیا کہ شہزادہ اپنے باپ کے کمرے میں ہے۔ ایک آیا نے شہزادہ آندرے سے کہا'' جناب عالی! پیٹروشا کچھ کاغذات لایا ہے'' شہزادہ بچے کی کرسی پر بیٹھا تھا اور اس کی پیشانی شکن آلود تھی۔ وہ کانپتے ہاتھوں سے دوا کی بوتل سے چند قطرے پانی سے نصف بھرے گلاس میں انڈیل رہا تھا۔

اس نے غصے سے چلاتے ہوئے پوچھا'' کیا ہے؟'' اور ہاتھ کانپنے کی وجہ سے گلاس میں زیادہ قطرے گر گئے۔

بچے کے پنگھوڑے اور چھوٹی کرسی کے علاوہ کمرے میں ایک بڑی اور ایک بچوں کی میز دھری تھیں۔ پردے

گرائے جا چکے تھے۔ میز پر ایک موم بتی جل رہی تھی اور اس کے سامنے کتاب رکھی تھی تاکہ روشنی پنگھوڑے میں نہ جانے پائے۔

پنگھوڑے کے قریب کھڑی ماریا نے وہاں سے ہٹ کر بھائی کی جانب بڑھتے ہوئے کہا "پیارے بھائی، کچھ انتظار کرنا بہتر ہوگا۔۔ بعد میں۔۔۔"

شہزادہ آندرے دھیمے انداز میں جھنجلا کر بولا "اوہو، جیسے میں کہہ رہا ہوں ویسے ہی کرو۔ تم ہمیشہ معاملات التواء میں ڈالتی رہتی ہو۔ اب اس کا انجام دیکھ لو!" یہ بات عیاں تھی کہ وہ اپنی بہن کے جذبات کو ٹھیس پہنچانا چاہتا ہے۔

شہزادی ماریا نے ملتجیانہ انداز میں کہا "میں سچ کہتی ہوں، وہ سو چکا ہے اور اسے جگانا مناسب نہیں ہوگا"

شہزادہ آندرے کھڑا ہو گیا اور آہستگی سے چلتا ہوا پنگھوڑے کے قریب آیا۔ گلاس اس کے ہاتھ میں تھا۔

اس نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا "کیا تمہارا واقعی یہ خیال ہے کہ اسے جگانا ٹھیک نہیں؟"

ماریا بولی "جیسے آپ کا جی چاہے۔ مگر سچی بات یہ ہے کہ میرا یہی خیال ہے، ویسے جو مناسب ہو کریں" صاف لگتا تھا کہ اپنی رائے منوانے پر وہ خوفزدہ ہو گئی تھی۔ اس نے بھائی کی توجہ خادمہ کی جانب دلائی جو زیرلب کچھ کہہ رہی تھی۔

وہ دو راتوں سے بخار میں مبتلا بچے کی خبر گیری کر رہے تھے اور بالکل نہیں سوئے تھے۔ انہیں اپنے گھریلو ڈاکٹر پر اعتماد نہیں تھا اور شہر سے ڈاکٹر بلا بھیجا تھا جس کا انتظار کر رہے تھے۔ اس دوران انہوں نے متعدد دوائیں اور طریقے آزما لیے تھے۔ نیند پوری نہ ہونے کی وجہ سے ان کے اعصاب پر اثر پڑا تھا اور وہ ایک دوسرے کو اپنے تفکرات اور پریشانیوں کا نشانہ بناتے ہوئے باہم الجھ رہے تھے۔

خادمہ نے آہستگی سے کہا "پیتروشکا آپ کے والد کی جانب سے خطوط لے کر آیا ہے" شہزادہ آندرے باہر چلا گیا۔

اس نے غصے میں بڑبڑاتے ہوئے اپنے والد کی ہدایات سنیں اور خطوط و مراسلے وصول کر کے واپس نرسری میں آ گیا۔ اس نے استفہامیہ انداز میں کہا "ہاں؟"

شہزادی ماریا نے آہ بھرتے ہوئے آہستہ آواز میں کہا "ویسے ہی ہے۔ خدارا تھوڑا سا انتظار کریں! کارل ایوانچ بھی یہی کہتا ہے کہ دوسری چیزوں سے نیند بہتر ہے" شہزادہ آندرے بچے کے قریب گیا اور اس کا جسم چھوا جو گرم تھا۔ ماریا کے جواب میں وہ بولا "تم اور تمہارا کارل ایوانچ" اس نے دوا کا گلاس اٹھایا اور پنگھوڑے کی جانب چل دیا۔

شہزادی ماریا بولی "اندروشا! تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے" مگر اس نے بہن کی جانب غصیلی نگاہوں سے دیکھا اور گلاس تھام کر بچے پر جھک گیا۔

اس نے کہا "مگر میں ایسا کرنا چاہتا ہوں۔ ادھر آؤ، میں تمہارے سامنے ہاتھ جوڑتا ہوں کہ اسے یہ پلا دو"

شہزادی ماریا نے کندھے اچکائے مگر فرمانبرداری سے گلاس پکڑ لیا۔ اس نے نرس کو بلایا اور بچے کو دوا پلانے لگی۔ بچہ چیخا اور خرخراہٹ سے سانس لینے لگا۔ شہزادہ آندرے سے یہ منظر نہ دیکھا گیا اور اسے جھرجھری آ گئی۔ اس نے اپنا سر پکڑا اور باہر جا کر ملحقہ کمرے میں صوفے پر بیٹھ گیا۔

خطوط ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھے۔ اس نے انہیں مشینی انداز میں کھولا۔ اس کے باپ نے کہیں کہیں اختصار سے کام لیا تھا۔ اس کا خط نیلے رنگ کے ورق پر خاصے موٹے اور لمبوترے حروف میں تحریر تھا۔ اس میں لکھا تھا:

"ایک خصوصی پیغام رساں کے ذریعے ابھی ابھی یہ خوشگوار خبر ملی ہے بشرطیکہ جھوٹی نہ ہو۔ یوں لگتا ہے ایلاؤ کی جنگ میں بینگسن کو بوناپارٹ کے خلاف مکمل فتح حاصل ہوئی ہے۔ پیٹرزبرگ میں خوشیاں منائی جا رہی ہیں۔ فوج کو بے شمار انعام اور تمغے بھیجے گئے ہیں۔ اگرچہ وہ جرمن ہے تاہم میں اسے مبارکباد دیتا ہوں۔ سمجھ نہیں آتی کہ کورچیوو کا کمانڈر خاندریکوف کیا کرنا چاہتا ہے۔ ابھی تک مزید افراد پہنچے ہیں نہ رسد۔ فوری طور پر اس کے پاس جاؤ اور کہو کہ اگر ایک ہفتے میں تمام سامان نہ پہنچا تو میں اس کی گردن مار دوں گا۔ مجھے پتنکا کی جانب سے پروسش ایلاؤ میں پرشیا کی جنگ کے حوالے سے خط ملا ہے۔ وہ خود اس جنگ میں شریک تھا اس لیے یہ خبر ٹھیک ہے۔ اگر غیر متعلقہ لوگ دخل اندازی نہ کریں تو جرمن بھی بوناپارٹ کو مات دے سکتا ہے۔ سننے میں آیا ہے کہ وہ نہایت ابتر حالت میں پسپا ہوا۔ فوری طور پر کورچیوو پہنچو اور کام کرواؤ"

شہزادہ آندرے نے لمبی سانس لی اور دوسرا لفافہ کھولا۔ یہ بلیبن کا خط تھا جو دو صفحات پر مشتمل اور نہایت باریک الفاظ میں لکھا ہوا تھا۔ اس نے خط پڑھے بغیر اسے تہہ کیا اور دوبارہ اپنے والد کا خط پڑھنا شروع کر دیا جس کے آخر میں لکھا تھا "فوری طور پر کورچیوو پہنچو اور کام کرواؤ"

اس نے نرسری کی جانب نظر دوڑاتے ہوئے سوچا "نہیں، معاف کیجئے گا، جب تک بچے کی حالت بہتر نہیں ہوتی، میں کہیں نہیں جاؤں گا" شہزادی ماریا پنگھوڑے کے قریب کھڑی بچے کو آہستہ آہستہ جھلا رہی تھی۔ شہزادہ آندرے اپنے والد کا خط یاد کر کے سوچنے لگا "اور انہوں نے دوسری بدمزہ خبر کیا بتائی ہے؟" "ارے ہاں! ہمیں بوناپارٹ کے خلاف فتح حاصل ہوئی ہے۔ فتح بھی تبھی ملنا تھی جب میں فوج کے ساتھ نہیں تھا۔ ہاں، ہاں، ہر شے میرا مذاق اڑا رہی ہے ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔۔۔" پھر اس نے فرانسیسی میں لکھا بلیبن کا خط پڑھنا شروع کر دیا۔ آدھا خط پڑھنے کے بعد بھی اسے کچھ سمجھ نہ آئی۔ وہ اپنے خیالات سے فرار حاصل کرنے کیلئے پڑھے جا رہا تھا، یہ خیالات کافی دیر سے اس قدر تکلیف دہ انداز میں اس کی سوچوں پر غالب آ چکے تھے اور کسی اور جانب اس کی توجہ ہی نہ رہی تھی۔

(9)

بلیبن ان دنوں فوجی ہیڈکوارٹرز میں سفارتی حیثیت سے تعینات تھا۔ اگرچہ اس نے اپنا خط فرانسیسی زبان میں لکھا اور فرانسیسی مذاق و انداز سے کام لیا تھا تاہم اس نے پوری مہم کے تذکرے میں جس بے خوف انداز سے اپنے آپ کو ملامت کا نشانہ بنایا اور اپنا مذاق اڑایا وہ خالص روسی تھا۔ بلیبن نے لکھا تھا کہ سفارتی احتیاط پسندی اس کیلئے تکلیف دہ ہے اور شہزادہ آندرے ہی وہ واحد شخصیت ہے جس کے سامنے وہ اپنے اس غصے کا با آسانی اظہار کر سکتا ہے جو فوج کو دیکھ دیکھ کر اس کے دل میں پیدا ہو چکا ہے۔ اس خط پر پروسش ایلاؤ کی جنگ سے نو دن پہلے کی تاریخ درج تھی۔

بلیبن نے لکھا تھا

"جس دن سے ہمیں اوسترلتس کی جنگ میں شاندار کامیابی ملی ہے اس دن سے میں ہیڈکوارٹرز سے باہر نہیں گیا جو تم جانتے ہو۔ مجھے واضح طور پر جنگ کا شوق ہو گیا ہے اور مجھے اس پر خوشی ہے۔ گزشتہ تین ہفتوں کے دوران میں نے جو کچھ سنا اور دیکھا اس پر یقین نہیں آتا"

"میں ابتداء سے بیان کرتا ہوں۔ جیسا کہ تم جانتے ہو "نوع انسانی کا دشمن" پرشیا والوں کو اپنے حملوں کا نشانہ بنا رہا ہے۔ پرشیا ہمارا وفادار اتحادی ہے۔ اس نے تین سال میں صرف تین مرتبہ ہم سے بیوفائی کی ہے۔ ہم ان کے

علاقوں میں دور دراز بکھری فوج کی کمان کرنا ممکن نہیں رہا۔ چنانچہ میں نے یہ کمان اپنے بعد سینئر ترین جرنیل بکس ہیوڈن کے حوالے کر دی ہے۔ میں اپنا تمام عملہ اور دیگر انہیں بھیج چکا ہوں اور انہیں مشورہ دیا ہے کہ اگر روٹی کی کمی ہو تو وہ پسپا ہو کر پرشیا کے اندر جا سکتے ہیں۔ یہ اس لیے بھی ضروری تھا کہ کمانڈر راوسنر مین اور سیڈ مورتسکی کے مطابق ڈبل روٹی مقامی کسانوں نے ختم کر دی ہے اور بعض رجمنٹوں کے پاس صرف ایک دن کا راشن باقی ہے۔ بعض کے پاس یہ بھی نہیں۔ میں جب تک صحت یاب نہیں ہو جاتا اوسٹرولینکا کے ہسپتال میں رہوں گا۔ میں یہ رپورٹ نہایت عاجزانہ انداز میں آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں اور مزید عرض کروں گا کہ اگر ہماری یونہی کھلی فضا میں پڑی رہی تو بہار تک کوئی شخص صحت مند نہیں رہے گا''

''مزید یہ کہ مجھ سے ضعیف اور عمر رسیدہ شخص کے کندھوں پر جو عظیم ذمہ داری عائد کی گئی، میں اسے نبھانے میں کامیاب نہیں ہو سکا اور اس طرح ہر شخص کی نگاہوں میں بے عزت ہوا ہوں۔ اس لیے میں درخواست کرتا ہوں کہ مجھے اپنی زندگی کے بقیہ ایام شہر سے باہر گزارنے کی اجازت دی جائے۔ میں آپ کی عنایت کا ہسپتال میں منتظر ہوں اور یہ کہ مجھے فوج کے کمانڈر انچیف کی بجائے سیکرٹری کا کردار ادا کرنے پر مجبور نہیں ہونا پڑے گا۔ میری برخواستگی سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔۔۔ یوں جانیں جیسے کوئی اندھا شخص فوج سے رخصت ہو گیا ہے۔ روس میں مجھ جیسے ہزاروں لوگ موجود ہیں''

''مارشل کو شہنشاہ پر غصہ ہے اور اس کی سزا ہم سب کو دی جا رہی ہے، یہی منطق ہے؟''

''اس طرح پہلا مرحلہ مکمل ہوتا ہے۔ اس کے بعد والے مناظر پہلے سے زیادہ دلچسپ اور مضحکہ خیز ہیں۔ مارشل کی روانگی کے بعد یوں لگتا ہے جیسے دشمن ہمارے سر پر آ پہنچا ہو اور ہمارا اس سے ہر صورت ٹاکرا ہو گا۔ سینیارٹی کے اعتبار سے بکس ہیوڈن کمانڈر انچیف بن جاتا ہے مگر جنرل ٹنکسن کو یہ بات منظور نہیں، خاص طور پر اس لیے کہ صرف وہ اور اس کے دستے ہی دشمن کی زد میں ہیں۔ چنانچہ وہ موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھا کر لڑنا چاہتا ہے۔ وہ پلتسک کی جنگ لڑتا ہے اور اسے عظیم فتح قرار دیا جاتا ہے۔ مگر میرے خیال میں ایسی کوئی بات نہیں۔ تم جانتے ہی ہو کہ ہم سویلین لوگوں نے جنگ جیتنے یا ہارنے کے حوالے سے نہایت ناگوار پیمانہ مقرر کیا ہوا ہے۔ جنگ کے بعد جو فریق پیچھے ہٹتا ہے وہ ہماری نظروں میں شکست خوردہ ہوتا ہے۔ اس اصول کو مدنظر رکھا جائے تو پلتسک کی لڑائی میں ہمیں شکست ہوئی۔ مختصر یہ کہ لڑائی کے بعد ہم پسپا ہوتے ہیں مگر پیٹرز برگ جانے والا قاصد فتح کی خوشخبری لے کر جاتا ہے۔ سو جنرل ٹنکسن فوج کی کمان بکس ہیوڈن کے سپرد نہیں کرتے بلکہ اس امید میں اس سے چمٹے رہتے ہیں کہ اس نام نہاد فتح کے صلے میں انہیں کمانڈر انچیف بنا دیا جائیگا۔ وقفے کے دوران ہم انتہائی عجیب و غریب چالیں چلتے ہیں۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ ہم دشمن پر حملے یا اس سے پہلو بچانے کی کوشش کرتے مگر ہم اپنے اصل مقصد کو بھول کر تمام زور اس پر لگا دیتے ہیں کہ جنرل بکس ہیوڈن کو کیسے چکمہ دیا جا سکتا ہے جسے سنیارٹی کے اعتبار سے ہمارا کمانڈر انچیف ہونا چاہئے تھا۔ ہم اپنے مقصد کے حصول کیلئے اتنی کڑی کوشش کرتے ہیں کہ ایک دریا کو پل کے بغیر عبور کر لیتے ہیں جو بظاہر ناممکن کام ہے، پلوں کو آگ لگا دیتے ہیں تاکہ دشمن اس پار نہ آ سکے اور فی الحال یہ دشمن بونا پارٹ نہیں بلکہ بکس ہیوڈن ہے۔ جنرل بکس ہیوڈن ہمارا تعاقب کرتا ہے اور ہم بھاگ اٹھتے ہیں۔ جونہی وہ دریا پار کر کے ہمارے پاس پہنچتا ہے، ہم دوبارہ دوسری سمت میں پہنچ جاتے ہیں۔ آخر کار ہمارا دشمن بکس ہیوڈن ہمارے سروں پر آ کھڑا ہوتا ہے۔ دونوں جرنیل غصے میں آ جاتے ہیں۔ ایک موقع پر بکس ہیوڈن ڈوئیل کا چیلنج بھی دے دیتا ہے اور دوسرے موقع پر ٹنکسن کو دورہ پڑتا ہے۔ تاہم اس حساس موقع پر پلتسک

کی خبر لے کر پیٹرز برگ جانیوالا قاصد بطور کمانڈر انچیف ہماری تقرری کا حکمنامہ لے کر پہنچ جاتا ہے اور اس طرح ہمارا پہلا دشمن بکس ہیوڈن ختم ہو جاتا ہے اور ہم اپنی تمام تر توجہ اپنے دوسرے دشمن یعنی بونا پارٹ پر مرکوز کر سکتے ہیں۔ مگر ایک نئی مصیبت آن کھڑی ہوتی ہے اور ایک تیسرا دشمن ہمارے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے۔۔۔ ہماری فوج روٹی، گوشت بسکٹ، چارے اور دیگر چیزوں کا مطالبہ کر دیتی ہے، رسد ختم ہو چکی ہے اور سڑکیں آمد و رفت کے قابل نہیں رہیں۔ مقدس فوج لوٹ مار کرنے لگتی ہے اور وہ بھی ایسے انداز سے کہ جس کا ہماری گزشتہ مہم سے تم کوئی اندازہ نہیں کر سکتے۔

نصف رجمنٹیں جتھوں میں تقسیم ہو جاتی ہیں اور دیہات کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتی ہیں۔ وہ سامنے آنے والی ہر شے کو نذر آتش یا تہ تیغ کر دیتی ہیں۔ مقامی لوگ تباہ و برباد ہو چکے ہیں۔ ہسپتال زخمیوں اور مریضوں سے بھرے پڑے ہیں اور ہر طرف قحط پھیلا ہوا ہے۔ لٹیرے دو مرتبہ ہیڈ کوارٹر پر بھی حملہ کر چکے ہیں اور کمانڈر انچیف کو انہیں بھگانے کیلئے خود بٹالین بلانا پڑی۔ ایک حملے میں وہ میرا خالی صندوق اور ڈریسنگ گاؤن بھی لے گئے۔ شہنشاہ سوچ رہے ہیں کہ تمام ڈویژنوں کے کمانڈروں کو ڈاکوؤں کو گولی مارنے کی اجازت دے دی جائے مگر مجھے خدشہ ہے کہ اس طرح آدھی فوج بقیہ آدھی کے ہاتھوں ماری جائیگی۔"

ابتداء میں تو شہزادہ آندرے خط کو سرسری نگاہوں سے دیکھتا رہا مگر اپنی ذہنی کیفیت کے باوجود کچھ ہی دیر بعد اس کی دلچسپی بڑھتی چلی گئی (اگرچہ اسے علم تھا کہ بلبین کی باتوں کا کس حد تک اعتبار کرنا چاہئے) یہاں تک پڑھنے کے بعد اس نے خط کو مروڑ کر ایک جانب پھینک دیا۔ اسے پڑھنے کی بجائے اس بات سے الجھن ہو رہی تھی کہ وہ زندگی اسے اب بھی مضطرب کر سکتی ہے جس سے اس کا ناطہ ٹوٹ چکا ہے۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور ہاتھوں سے پیشانی کو یوں مسلنے لگا جیسے جو کچھ پڑھا تھا اس کی یاد ذہن سے محو کر دینا چاہتا ہو۔ پھر اس کی تمام توجہ نرسری سے آنیوالی آوازوں پر مرکوز ہوگئی۔ اچانک اسے محسوس ہوا کہ دروازے سے کوئی عجیب و غریب آواز سنائی دی ہے۔ وہ ڈر گیا اور اسے اندیشہ لاحق ہوا کہ خط پڑھنے کے دوران بچے کو کچھ ہو نہ گیا ہو۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور آہستگی سے چلتا ہوا نرسری کے دروازے تک پہنچا اور اسے کھول دیا۔

اندر داخل ہو کر اس نے دیکھا کہ خوفزدہ نرس اس سے کچھ چھپانے کی کوشش کر رہی ہے اور شہزادی ماریا پنگھوڑے کے قریب موجود نہیں۔

کسی نے اسے کہا" پیارے" اسے یہ الفاظ یوں سنائی دیے جیسے اس کی بہن پیچھے کھڑی مایوسی کے عالم میں کچھ کہہ رہی ہو۔ جیسا کہ اکثر ہوتا ہے طویل بے خوابی اور تھکن کے بعد اسے خوف نے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ اچانک اس کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ بچہ فوت ہو گیا ہے وہ جو کچھ دیکھ رہا تھا اس سے اس کے خدشات کی تصدیق ہوتی تھی۔

اس نے سوچا" سب کچھ ختم ہو گیا" یہ خیال آتے ہی اس کے ماتھے پر ٹھنڈا پسینہ آ گیا۔ اسے اپنا ہوش نہیں تھا، وہ جیسے تیسے کر کے پنگھوڑے کے قریب پہنچا۔ اسے یقین تھا کہ پنگھوڑا خالی ہے اور نرس مرنیوالے بچے کو چھپانے کی کوشش کر رہی ہے۔ اس نے پردے ایک طرف ہٹائے اور کافی دیر تک اس کی بے چین نگاہیں کچھ نہ دیکھ پائیں۔ آخر کار وہ اسے نظر آ گیا۔ بچے کے گال گرم تھے اور وہ ہلنے کے نتیجے میں اپنی جگہ سے ہٹ گیا تھا اور اب پنگھوڑے کے آر پار لیٹا تھا۔ اس کا سر تکیے سے ہٹ چکا تھا اور ہونٹوں سے کچھ ایسی آوازیں آ رہی تھیں جیسے وہ کچھ چوس رہا ہو۔ اب وہ ہموار انداز سے سانس لے رہا تھا۔

شہزادہ آندرے بچے کو اس حالت میں دیکھ کر خوشی سے نہال ہو گیا۔ اسے یوں لگا جیسے بچہ اس سے چھن چکا تھا اور اب دوبارہ اسے مل گیا ہے۔ وہ اس پر جھکا اور جس طرح اسے بہن نے سمجھایا تھا، اسی انداز سے اپنے ہونٹ اس کے جسم سے لگا کر یہ جاننے کی کوشش کرنے لگا کہ آیا اس کا جسم ابھی تک پہلے جیسا گرم ہے۔ بچے کے ماتھے پر پسینہ تھا۔ شہزادہ آندرے نے اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھا، بچے کو اسقدر پسینہ آیا ہوا تھا کہ اس کے بال بھی بھیگ چکے تھے۔ نہ صرف بچہ زندہ تھا بلکہ ہر علامت یہ ظاہر کرتی تھی کہ مشکل وقت گزر گیا ہے اور اب وہ بتدریج تندرست ہو رہا ہے۔ شہزادہ آندرے کا جی چاہا کہ اسے سینے سے لگا کر بھینچ لے مگر اس میں ایسا کرنے کی ہمت نہ تھی۔ وہ اس کے سرہانے کھڑا رہا اور کمبل تلے نظر آنیوالے اس کے سر، چھوٹے چھوٹے بازوؤں اور ٹانگوں کو دیکھتا رہا۔ اسے اپنے قریب سرسراہٹ سنائی دی اور پنگھوڑے کی چھت تلے سایہ لہراتا دکھائی دیا۔ وہ ادھر ادھر دیکھنے کی بجائے بچے کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے تھا اور اس کے سانس لینے کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ وہ سایہ شہزادی ماریا کا تھا۔ وہ آہستگی سے چلتے ہوئے پنگھوڑے تک آئی تھی۔ اس نے پردے اٹھا کر اپنے پیچھے گرا دیے۔ شہزادہ آندرے نے اسے دیکھے بغیر پہچان لیا اور اپنا ہاتھ اس کی جانب بڑھایا۔ وہ اسے دبانے لگی۔

آندرے نے کہا" اسے پسینہ آ رہا ہے"

ماریا بولی" میں آپ کو یہی بتانے آئی تھی"

بچے نے سوتے میں حرکت کی، مسکرایا اور اس کی پیشانی نے تکیے سے رگڑ کھائی۔

شہزادہ آندرے نے اپنی بہن کی جانب دیکھا۔ پنگھوڑے کی چھت تلے مدھم روشنی میں بھی شہزادی کی روشن آنکھیں معمول سے کہیں زیادہ چمک رہی تھیں۔ ان میں خوشی کے آنسو تھے۔ وہ اپنے بھائی پر جھکی اور اس کی پیشانی پر چوم لیا۔ اس دوران پنگھوڑے کا پردہ ہلکا سا کھسک گیا۔ دونوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو احتیاط کا اشارہ کیا اور پنگھوڑے کی چھت تلے مجسموں کی طرح ساکت کھڑے ہو گئے جیسے اس گوشہ تنہائی کو نہ چھوڑنا چاہتے ہوں جہاں وہ دنیا سے الگ تھلگ اور اکیلے تھے۔ پہلے شہزادہ آندرے وہاں سے ہٹا۔ اس کے بال پردے سے ٹکرا کر الجھ رہے تھے۔ اس نے سرد آہ بھر کر سوچا" ہاں، اب میرے پاس یہ واحد شے باقی ہے"

(10)

فری میسنوں کی برادری میں شمولیت کے فوری بعد پیری نے صوبہ کیف کا دورہ کیا جہاں اس کے زرعی غلاموں کی سب سے بڑی تعداد آباد تھی۔ اس کے پاس اپنی جاگیروں میں انجام دیے جانیوالے امور کے بارے میں واضح اور تحریری ہدایات موجود تھیں۔

کیف پہنچنے کے بعد پیری نے تمام نگرانوں کو اپنے دفتر میں بلایا اور انہیں اپنے ارادوں اور خواہشات سے آگاہ کیا۔ اس نے انہیں بتایا کہ غلاموں کی آزادی کیلئے فوری اقدامات کئے جائیں گے اور منصوبہ مکمل ہونے تک ان سے زیادہ محنت مشقت نہیں کروائی جائیگی۔ ماؤں کو کام پر نہیں بھیجا جائیگا اور کسانوں کو امداد دی جائیگی۔ جسمانی سزاؤں سے گریز کیا جائیگا اور صرف زبانی سرزنش کی اجازت ہوگی۔ تمام جاگیروں میں ہسپتال، سکول اور محتاج خانے تعمیر ہوں گے۔ بعض ان پڑھ نگرانوں نے سمجھا شاید نوجوان نواب نے اپنی گفتگو میں ان کی بدانتظامیوں اور بدعنوانیوں پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے اور اس کی باتیں سن کر انہیں افسوس ہوا۔ شروع میں بعض پریشان ہوئے مگر انہوں نے اپنی

گھبراہٹ پر جلد قابو پالیا۔ دوران تقریر پیری کے ہکلانے اور نئے الفاظ کے استعمال پر انہوں نے خاصا لطف اٹھایا۔ بعض ایسے تھے جو محض یہ دیکھ کر خوش ہو رہے تھے کہ ان کا آقا کیسی باتیں کر رہا ہے، البتہ قدرے ذہین نگرانوں پر مشتمل چوتھا گروہ یہ گفتگو سن کر اندازہ لگانے لگا کہ انہیں اپنے آقا سے کیسے نپٹنا ہوگا۔ ان لوگوں میں نگران اعلیٰ بھی شامل تھا۔

نگران اعلیٰ نے پیری کے منصوبوں کو سراہا مگر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے بولا "یہ تمام نئی باتیں اپنی جگہ مگر انہیں تمام معاملات اچھی طرح دیکھنا ہوں گے کیونکہ حالات خراب ہو رہے ہیں"

نواب بیزوخوف کی بے پناہ دولت ورثے میں ملنے اور پانچ لاکھ روبل سے زائد سالانہ آمدنی کے باوجود پیری کو محسوس ہوتا تھا کہ یہ سب کچھ ملنے کے بعد وہ اتنا امیر نہیں رہا جتنا وہ اپنے آپ کو اس وقت محسوس کرتا تھا جب اسے الد سے صرف دس ہزار روبل سالانہ ملتے تھے۔ اس کے ذہن میں اپنے میزانیے کا غیر واضح سا خاکہ کچھ ایسا تھا کہ زرعی بنک سے مختلف جاگیروں کیلئے حاصل کردہ قرضہ جات کی ادائیگی پر سالانہ کم و بیش اسی ہزار روبل خرچ ہوتے تھے۔ ماسکو کے مضافات میں جاگیر اور مکانات نیز شہر میں حویلی کے انتظام و انصرام اور تینوں شہزادیوں پر تیس ہزار روبل صرف ہوتے۔ پندرہ ہزار روبل سے پنشنوں کی ادائیگیاں ہوتیں اور اتنی ہی رقم خیراتی اداروں کو دی جاتی۔ ڈیڑھ لاکھ روبل اس کی بیگم کا ذاتی خرچہ تھا۔ دیگر قرضوں پر دیے جانیوالے سود کی رقم ستر ہزار روبل تھی۔ اس نے دو سال قبل ایک گرجا تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا تھا اور اس مد میں اسے سالانہ دس ہزار روبل خرچ کرنا پڑتے تھے۔ باقی بچنے والے ایک لاکھ روبل کے بارے میں اسے کچھ علم نہ تھا کہ وہ کیسے خرچ ہو رہے ہیں اور اسے تقریباً ہر سال قرض لینا پڑتا تھا۔ مزید یہ کہ اس کا نگران اعلیٰ اسے یہ بتاتا رہتا تھا۔ فلاں جگہ آگ لگ گئی ہے، فصلیں خراب ہوئی ہیں اور فیکٹریوں کی تعمیر تو ہونی چاہئے، چنانچہ پیری کو جو کام پہلے کرنا پڑ رہا تھا وہ عملی کام کی جانب توجہ تھی اور اسی کام کی اس میں صلاحیت تھی نہ طبعی میلان۔

پیری روزانہ اپنے نگران اعلیٰ کے ساتھ مختلف امور کا جائزہ لیتا مگر اسے محسوس ہو رہا تھا کہ معاملات وہیں کے وہیں ہیں۔ اسے اندازہ ہوا کہ اس کے ان مشوروں کا حقیقی معاملات سے کوئی تعلق نہیں۔ ایک جانب اس کا نگران اعلیٰ صورتحال کی بدترین تصویر کشی کر رہا تھا اور اس کا مسلسل اصرار تھا کہ تمام قرضہ جات کی ادائیگی اور زرعی غلاموں کی مدد سے نئے منصوبوں کا آغاز کرنا ضروری ہے جس سے پیری متفق نہ تھا اور اس کا مطالبہ تھا کہ غلاموں کی آزادی کے سلسلے میں اقدامات اٹھائے جائیں۔ نگران اعلیٰ اس کا جواب یوں دیتا کہ زرعی بنکوں کے قرضوں کی فوری ادائیگی کی ضرورت ثابت کرنے لگتا اور اس طرح غلاموں کی فوری آزادی ناممکن ہو جاتی۔ نگران اعلیٰ نے اسے ناممکن قرار تو نہیں دیا تھا البتہ یہ تجویز بھی پیش کر دی کہ اگر صوبہ کوستروما کے جنگلات اور دریائے وولگا کے زیریں حصے میں کریمیا کی جاگیر فروخت کر دی جائے تو پھر ایسا کرنا ممکن ہوگا۔ مگر جنگلات اور اراضی کی فروخت اسقدر آسان کام نہیں ہے اور اس حوالے سے مختلف پیچیدگیوں اور الجھنوں کا سامنا کرنا ہوگا۔ اس کا کہنا تھا کہ مختلف عدالتوں اور محکمہ جات کے حکم امتناعی منسوخ کرانا ہوں گے، جگہ جگہ درخواستیں دینا ہوں گی، اجازت نامے حاصل کرنا پڑیں گے اور پھر کہیں جا کر انہیں فروخت کیا جا سکے گا۔ یہ ایسی پیچیدہ بات تھی کہ پیری بالکل الجھ کر رہ گیا اور صرف یہی کہا "ہاں، ہاں، تو پھر ایسا ہی کرو"

پیری کاروبار خود سنبھالنے کیلئے درکار عملی مستقل مزاجی سے محروم تھا چنانچہ اسے کاروبار سے نفرت تھی مگر نگران کے سامنے یوں ظاہر کر رہا تھا جیسے اسے تمام باتوں کا علم ہو اور وہ ان پر پوری توجہ دے رہا ہو۔ نگران پیری کے سامنے کچھ ایسی اداکاری کر رہا تھا جیسے ان دونوں کے مابین ہونیوالے صلاح مشورے اس کے آقا کیلئے تو مفید ہیں مگر خود اس کیلئے بیحد تکلیف دہ اور بے آرامی کا موجب بنیں گے۔

کیف میں اس کی جان پہچان تھی۔ اس کے واقف کاروں نے صوبے کے سب سے بڑے جاگیردار سے واقفیت پیدا کرنے اور اس کا پرجوش استقبال کرنے میں دیر نہ کی۔ اس کی اخلاقی کمزوری کی تسکین کیلئے یہاں اسقدر ترغیبات تھیں کہ وہ ان سے باز نہ رہ سکا اور یہی وہ کمزوری تھی جس سے جان چھڑانا اس کیلئے ناممکن تھا اور اس نے فری میسنوں کی برادری میں شمولیت کے موقع پر اس کا اعتراف بھی کیا تھا۔ پیٹرزبرگ کی طرح یہاں بھی اس کے دن، ہفتے اور مہینے ضیافتوں، کھانوں اور رقص کی محافل میں بسر ہونے لگے۔ ان مسلسل مصروفیتوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ یہاں بھی اسے سوچ و بچار کا موقع نہ مل سکا۔ اس نے نئی زندگی شروع کرنے کی جو امیدیں قائم کی تھیں وہ پوری نہ ہو سکیں اور وہ ایک مرتبہ پھر پرانی راہ پر چل دیا۔ فرق صرف یہ تھا کہ اب ماحول بدل گیا تھا۔

فری میسنوں کے تین اصولوں کے حوالے سے پیری کو اعتراف کرنا پڑا کہ وہ اس اصول کی پاسداری نہیں کر رہا کہ میسن کو دوسروں کے سامنے راست بازی کا نمونہ بن کر پیش ہونا چاہئے۔ اسے یہ بھی اقرار تھا کہ وہ سات صفات میں سے دو یعنی "اخلاقیات اور موت سے محبت" کو اپنانے میں ناکام ثابت ہوا ہے۔ تاہم وہ یہ سوچ کر دل کو تسلی دے لیتا تھا کہ وہ ایک اور اصول یعنی "نوع انسانی کی فلاح" پر عمل پیرا ہے۔ علاوہ ازیں اس میں چند دیگر خوبیاں بھی تھیں۔ وہ ہمسایوں سے محبت کرتا تھا اور اس سے بھی بڑی بات یہ تھی کہ دل کا غنی تھا۔

1807ء کے موسم بہار میں پیری نے پیٹرزبرگ واپس جانے کا فیصلہ کیا۔ وہ واپسی کے سفر میں اپنی تمام جاگیروں کا معائنہ کرنا چاہتا تھا اور اس کی خواہش تھی کہ اپنے احکامات کی تعمیل کو آنکھوں سے دیکھے۔ وہ یہ بھی معلوم کرنا چاہتا تھا کہ زرعی غلام جنہیں خدا نے اس کی تحویل میں دیا تھا اور جنہیں فائدہ پہنچانے کی وہ ہر ممکن کوشش کر رہا تھا، اب کن حالات میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔

نگران اعلیٰ یہ سمجھتا تھا کہ پیری کے منصوبے پاگل پن پر مبنی ہیں اور اس میں مالک کا فائدہ ہے نہ کسانوں کا، تاہم اس نے زرعی غلاموں کو چند رعایات دے دی تھیں۔ وہ ان کی آزادی کو تو ناممکن بنا کر پیش کرتا رہا تاہم اس نے تمام جاگیروں میں سکول، ہسپتال اور محتاج خانے قائم کرنے کیلئے بڑی بڑی عمارات کی تعمیر کے احکامات جاری کر دیے۔ تمام جگہوں پر آقا کے استقبال کی تیاریاں کی گئیں تاہم اس حوالے سے نمود و نمائش سے پرہیز کیا گیا کیونکہ اسے علم تھا کہ پیری کو یہ بات پسند نہ آئے گی۔ محافل کی بجائے شکرانے کی مجلسیں منعقد کی گئیں جن میں لوگوں کو مقدس تصاویر کی زیارت کرائی جاتی اور انہیں روٹی اور نمک پیش کیا جاتا۔ جہاں تک وہ اپنے آقا کو سمجھتا تھا، اس کا خیال تھا کہ اس طرح وہ اسے متاثر کرنے اور دھوکہ دینے میں کامیاب رہے گا۔

جنوبی علاقوں کے موسم بہار، ویانا کی گاڑی میں آرام دہ اور تیز رفتار سفر اور سنسان سڑک نے پیری کا دل خوش کر دیا۔ اس نے جو جاگیریں پہلے نہیں دیکھی تھیں، ان میں ہر ایک پہلی سے بڑھ کر خوبصورت دکھائی دے رہی تھی۔ وہ جہاں بھی گیا، بظاہر تمام کسان خوشحال دکھائی دیے اور یوں لگتا تھا جیسے انہیں جو سہولیات دی گئی ہیں ان کی بدولت ان کے دلوں پر گہرا اثر پڑا ہے اور وہ اس کے بیحد شکرگزار ہیں۔ ہر جگہ اس کا شاندار استقبال ہوا جس سے وہ شرمندگی تو ضرور محسوس کرتا تھا مگر اس عزت افزائی پر خوش بھی ہوتا تھا۔ ایک جگہ کسانوں نے اسے روٹی، نمک اور سینٹ پیٹر و پال کی تصاویر پیش کیں۔ اس کے ساتھ انہوں نے یہ درخواست بھی کی کہ "آپ نے ہمارے ساتھ جو اچھا سلوک کیا ہے اس کے عوض شکریے کی یادگار کے طور پر ہمیں اپنے خرچ پر سینٹ پال اور سینٹ پیٹر کے اعزاز میں گرجے سے ملحقہ نئی خانقاہ بنانے کی اجازت دیں۔ ایک جگہ اسے چند خواتین ملیں جو دودھ پیتے بچے اٹھائے ہوئے تھیں۔ انہوں نے محنت شاق سے

نجات دلانے پر اس کا شکریہ ادا کیا۔ تیسرے مقام پر اس کی ملاقات ایک پادری سے ہوئی جو صلیب اٹھائے ہوئے تھا اور اس کے اردگرد بچوں کا ہجوم تھا۔ وہ اسے یہ بتانے آیا تھا کہ آپ کی فیاضی کی بدولت میں انہیں پڑھنا لکھنا سکھلا رہا ہوں اس نے اپنی تمام جاگیروں میں پختہ عمارات دیکھیں جو تعمیر ہو چکی تھیں یا تعمیراتی مراحل سے گزر رہی تھیں۔ ان تمام عمارتوں کا نقشہ ایک جیسا تھا اور ان میں فوری طور پر سکول، ہسپتال اور محتاج خانے قائم ہونا تھے۔ اس نے ہر جگہ نگرانوں کے حساب کتاب کا جائزہ لیا۔ اس دوران اسے یہ بتایا جاتا تھا کہ جبری مشقت کم کر دی گئی ہے اور ہر جگہ نیلے کوٹوں میں ملبوس کسانوں کے نمائندے اس کے پاس آ کر شکریہ ادا کرتے تھے۔

مگر پیری کو اس بات کا علم نہ تھا کہ جس گاؤں میں اسے روٹی اور نمک پیش کیا گیا اور جس کے لوگوں نے اس سے خانقاہ بنانے کی اجازت طلب کی وہ تجارتی گاؤں تھا جہاں سینٹ پیٹر کا سالانہ میلہ منعقد ہوتا تھا، نیز اس کے سامنے پیش ہونے والے کسان مالدار تھے اور کافی دیر پہلے ہی خانقاہ کی تعمیر شروع کر چکے تھے جبکہ گاؤں کے نوے فیصد کسان غربت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ وہ یہ بات نہیں جانتا تھا کہ جب سے اس نے حکم جاری کیا کہ دودھ پلانے والی ماؤں کو زمینوں پر کام کیلئے نہ بھیجا جائے تو اس وقت سے انہیں اور بھی زیادہ محنت کرنا پڑ رہی تھی۔ وہ یہ بات نہیں جانتا تھا کہ صلیب لٹکائے اس سے ملنے والا پادری کسانوں سے مختلف اقسام کے چندے وصول کر کے ان کی زندگی دوبھر کئے ہوئے تھا اور وہ جن طلباء کو اپنے ساتھ لے کر گیا تھا انہیں روتے ہوئے اس کے حوالے کیا گیا اور ان کی واپسی کیلئے والدین کو اسے بھاری رقم ادا کرنا پڑی۔ وہ اس بات سے بھی بے خبر تھا کہ جو پختہ عمارات تعمیر کی جا رہی تھیں ان میں زرعی کسانوں کا خون پسینہ شامل تھا اور ان کی جبری مشقت محض کاغذوں میں کم ہوئی تھی اور حقیقت میں وہ پہلے سے زیادہ ہو گئی تھی۔ اسے یہ علم بھی نہیں تھا کہ جب نگرانوں نے حساب کی کتابوں میں اسے یہ دکھایا کہ زرعی غلاموں کیلئے واجب الادا لگان میں ایک تہائی کمی کر دی گئی ہے تو ان کی لازمی مشقت بھی ڈیڑھ گنا ہو چکی ہے۔ سو جاگیروں کے دورے کے بعد پیری کا دل مسرت سے باغ باغ ہو گیا اور کیف روحانی سے قبل اس پر انسانوں سے اچھے سلوک کی جو کیفیت طاری ہوئی تھی وہ لوٹ آئی اور اس نے اپنے اصول ساز اور بھائی (وہ گرینڈ ماسٹر کو اسی نام سے پکارتا تھا) کو جوش وخروش سے معمور خط تحریر کئے۔

پیری نے سوچا "اسقدر زیادہ نیکی پر کتنی کم محنت کرنا پڑی ہے اور اس میں تکالیف بھی کم ہیں۔ مزید براں ایسے کام کرنے کیلئے کتنی کم محنت کرنا پڑتی ہے۔"

وہ اپنا شکریہ ادا کئے جانے پر خوش ہوتا تاہم ساتھ ساتھ اسے شرمندگی بھی تھی۔ اس شکریے سے یہ بات ظاہر ہوتی تھی کہ وہ ان سادہ اور نیک دل لوگوں کیلئے مزید کیا کچھ کر سکتا ہے۔

نگران اعلیٰ نہایت مکار شخص تھا۔ وہ ذہین مگر سادہ لوح نواب کو اچھی طرح سمجھ گیا تھا اور اس سے بچوں کی طرح کھیل رہا تھا۔ اس نے جب پیری پر سوچے سمجھے استقبالیہ منصوبوں کا اثر دیکھا تو یہ ثابت کرنے کی کوشش کرنے لگا کہ زرعی غلام اپنے حال پر خوش ہیں اور انہیں آزاد کرنا ناممکن ہی نہیں بلکہ لاحاصل ہو گا۔

پیری دل ہی دل میں نگران اعلیٰ سے متفق تھا کہ ان سے زیادہ خوش لوگوں کا سوچا بھی نہیں جا سکتا اور انہیں آزاد کر دیا تو نہ جانے ان کا کیا بنے، تاہم وہ جس بات کو درست سمجھتا تھا اس پر بادل ناخواستہ ہی سہی، اصرار ضرور کرتا تھا۔ نگران اعلیٰ نے وعدہ کیا کہ وہ جس قدر ممکن ہوا، اس کی خواہش پوری کرے گا۔ وہ جان گیا تھا کہ نواب کبھی یہ معلوم نہیں کر سکے گا کہ زمین اور جنگلات کی فروخت اور بنک کے قبضے میں جائیداد واگزار کرانے کیلئے کچھ کیا گیا ہے

یا نہیں اور اس بات کا بھی امکان تھا کہ وہ اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں پوچھے گا۔ مزید براں یہ بات تو اسے کبھی معلوم نہ ہو سکے گی کہ نئی تعمیر کی جانے والی عمارات خالی پڑی ہیں اور دیگر زرعی غلاموں کی طرح ان کے کسان بھی روپے اور مشقت کی صورت میں وہی کچھ ادا کرتے رہیں گے بصورت دیگر ان سے جو کچھ لیا جا سکتا تھا لیا جا رہا تھا۔

(11)

پیری اپنے جنوبی دورے سے واپسی پر بیحد خوش تھا۔ واپسی کے سفر میں اس نے اپنے دوست بلکونسکی سے ملنے کا فیصلہ کیا جس سے اس کی ملاقات دو سال قبل ہوئی تھی۔

باگوچاروف چپٹے اور غیر دلکش علاقے میں واقع تھا۔ یہ زرعی کھیتوں اور فر اور برچ کے جنگلات میں گھری جگہ تھی۔ کہیں کہیں درخت کاٹ دیے گئے تھے۔ شہزادہ آندرے کا فارم بڑی سڑک کے ساتھ ساتھ چلے گاؤں کے ایک کنارے پر واقع تھا۔ فارم ہاؤس کے اردگرد جھاڑیوں اور درختوں کا ذخیرہ تھا۔ جھاڑیوں کے درمیان کہیں کہیں صنوبر کے بلند و بالا درخت کھڑے تھے جبکہ مکان کے سامنے پانی کا تالاب تھا جسے حال ہی میں کھودا گیا تھا۔ پانی اس کے کناروں سے اچھل رہا تھا مگر ابھی تک ان پر گھاس نہیں اگائی گئی تھی۔

رہائشی جگہ غلے کے گوداموں، زرعی غلاموں کے گھروں، اصطبلوں، غسل خانوں اور مختلف مکانات پر مشتمل تھا۔ اس کے قریب پختہ فرش بنا تھا جس پر فصلوں کو کوٹ کر بھوسہ اور غلہ علیحدہ کیا جاتا تھا۔ مکان کا سامنے والا حصہ نیم دائرے کی شکل میں زیر تعمیر تھا۔ مکان کے اردگرد حال ہی میں باغیچہ بنایا گیا تھا، دروازے اور باڑیں مضبوط اور نئے تھے جبکہ چھپر تلے آگ سے چلنے والے دو انجن اور سبز رنگ کا ایک ٹب پڑا تھا۔ سڑکیں اور پل سیدھے تھے جن کے دونوں جانب جنگلے لگے ہوئے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے ہر شے کی اچھی طرح دیکھ بھال کی جاتی ہو۔ پیری کو راستے میں چند گھریلو ملازمین ملے جن سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ شہزادہ آندرے تالاب کے کنارے نو تعمیر شدہ مکان میں رہتا ہے۔ بوڑھے خدمتگار انتون نے پیری کو گاڑی سے اترنے میں مدد دی، اس نے شہزادہ آندرے کو لڑکپن میں پالا تھا۔ وہ پیری کو بتانے لگا کہ شہزادہ گھر پر ہی ہے اور اسے چھوٹے سے صاف ستھرے استقبالیہ کمرے میں لے گیا۔

پیری اپنے دوست کا یہ چھوٹا اور صاف ستھرا مکان دیکھ کر بیحد متاثر ہوا، اس کی آندرے سے آخری ملاقات پیٹرزبرگ کے پرشکوہ ماحول میں ہوئی تھی۔

وہ جلدی سے چھوٹے ڈرائنگ روم میں داخل ہوا جس کی دیواروں پر ابھی تک پلستر نہیں کیا گیا تھا اور فضا میں صنوبر کی لکڑی کی بو پھیلی ہوئی تھی۔ وہ مزید آگے جانا چاہتا تھا مگر انتون تیزی سے آگے آیا اور ایک دروازے پر دستک دی۔

اندر سے کرخت اور ناخوش آواز سنائی دی "کیا ہے؟"

انتون نے جواب دیا "ملاقات ہے"

اندر سے آواز آئی "اسے کہو کہ انتظار کرے" اور پھر کرسی کھسکنے کی آواز سنائی دی۔

پیری تیزی سے دروازے کی جانب بڑھا اور اچانک خود کو شہزادہ آندرے کے سامنے پایا جو پہلے کی نسبت عمر رسیدہ نظر آ رہا تھا۔ پیری نے اسے گلے لگا لیا اور اپنی عینک اتار کر اس کے گالوں کا بوسہ لینے کے بعد اسے غور سے دیکھنے لگا۔

شہزادہ آندرے بولا" مجھے تمہارے آنے کی توقع نہ تھی، تاہم مجھے خوشی ہے"

پیری نے کچھ نہ کہا۔ اسے اپنے دوست کی شکل وصورت میں اتنی تبدیلیاں دکھائی دیں کہ وہ حیران رہ گیا اور اس کے چہرے سے نظریں نہ ہٹا سکا۔ بظاہر اس کے الفاظ میں گرمجوشی اور چہرے پر مسکراہٹ تھی مگر آنکھیں افسردہ اور بے جان دکھائی دے رہی تھیں حالانکہ اس نے اپنے طور پر ان میں خوشی پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کی تھی۔ تشویشناک امر صرف یہ نہ تھا کہ اس کا دوست پہلے سے زیادہ کمزور، پیلا اور زیادہ بالغ نظر ہو گیا تھا بلکہ جس بات سے پیری کو سخت دھچکا لگا اور وہ خود کو اس کی موجودگی میں اجنبی محسوس کرنے لگا وہ یہ تھی کہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے وہ کافی دیر سے کسی ایک ہی سوچ میں ڈوبا ہوا ہے۔

جیسا کہ عموماً ہوتا ہے، کافی دیر کے بعد ملنے والے دوستوں کو اپنی گفتگو کسی خاص موضوع پر مرکوز کرنے میں خاصا وقت درکار ہوتا ہے بعینہ یہاں بھی ہوا اور وہ ایک دوسرے سے سوالات کرتے رہے اور ایسے امور پر مختصر گفتگو کی جن کے بارے میں وہ جانتے تھے کہ انہیں تفصیل سے بات چیت کرنی چاہئے۔ آہستہ آہستہ گفتگو ایسے موضوعات پر ٹھہر گئی جن پر انہوں نے پہلے سرسری بات چیت کی تھی۔ پھر وہ دونوں گزرے واقعات، مستقبل کے منصوبوں، پیری کے سفر اور اس کی تازہ ترین سرگرمیوں، جنگ اور ایسی دوسری باتوں میں کھو گئے۔ پیری کو شہزادہ آندرے کی آنکھوں میں سوچ کے جو سائے لہراتے دکھائی دیے وہ اب اس کے چہرے پر بکھری مسکراہٹ میں بھی نمایاں تھے۔ جب پیری جوش وخروش سے ماضی یا مستقبل کا ذکر کرتا تو اس وقت یہ سائے خاص طور پر گہرے ہو جاتے اور یوں لگتا جیسے آندرے اس کی باتوں میں دلچسپی تو لینا چاہتا ہے مگر ایسا کرنے سے معذور ہے۔ دوسری جانب پیری کو یہ احساس ہونے لگا کہ شہزادہ آندرے کی موجودگی میں اپنے اشتیاق، ارادوں اور خوشی کی امیدوں بارے گفتگو مناسب نہیں۔ اسے فری میسوں کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے شرمندگی محسوس ہونے لگی جن کے خیالات نے اسے حالیہ دورے میں نئی زندگی عطا کی تھی اور اسے مضبوط بنا دیا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو یہ بات کہنے سے روک دیا کیونکہ اسے خدشہ تھا کہ کہیں اسے بالکل ہی سادہ لوح نہ سمجھا جائے۔ ساتھ ساتھ وہ یہ بتانے کی خواہش بھی رکھتا تھا کہ وہ اب پیٹرزبرگ والے پیری کی نسبت مختلف اور بہتر انسان ہے۔

پیری کہنے لگا" میں تمہیں بتا نہیں سکتا کہ اس وقت مجھے کن حالات سے گزرنا پڑا ہے"

شہزادہ آندرے نے جواباً کہا" ہاں، تم پہلے کی نسبت بہت بدل گئے ہو"

پیری نے پوچھا" اپنے بارے میں بتاؤ، تمہارے کیا ارادے ہیں؟"

شہزادہ آندرے نے طنزیہ انداز میں اس کا لفظ دہراتے ہوئے کہا" ارادے؟ میرے ارادے؟ اس کا انداز یوں تھا جیسے اس لفظ پر اسے بےحد حیرت ہو رہی ہو۔ پھر وہ کہنے لگا" تم دیکھ رہے ہو کہ میں عمارات تعمیر کروا رہا ہوں، میرا ارادہ ہے کہ آئندہ سال تک یہاں منتقل ہو جاؤں گا۔۔۔"

پیری نے خاموشی اور تجسس سے آندرے کے چہرے کی جانب دیکھا جو پہلے سے زیادہ بوڑھا لگ رہا تھا۔

پیری نے کہنا چاہا" نہیں، میں پوچھ رہا تھا کہ۔۔۔" مگر شہزادہ آندرے نے اسے ٹوک دیا۔

وہ بولا" میرے متعلق باتیں کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔۔۔ مجھے اپنے سفر کے بارے میں بتاؤ، تم اپنی جاگیروں پر کیا کر رہے ہو"

پیری اسے بتانے لگا کہ اس نے اپنی جاگیروں پر کیا کیا ہے تاہم وہ وہاں حالات بہتر بنانے کیلئے اپنے

کردار پر ہر ممکن حد تک پردہ ڈالنے کی کوشش کرتا رہا۔ بعض موقع پر شہزادہ آندرے نے گفتگو میں یوں دخل اندازی کی جیسے جانتا ہو کہ پیری کیا کہنا چاہتا ہے۔ گویا اس نے جو کچھ کیا تھا وہ جانی پہچانی بات تھی اور وہ جو کچھ سن رہا تھا اس میں اسے کوئی دلچسپی نہ تھی بلکہ اس کا انداز کچھ ایسا تھا جیسے پیری کی باتوں پر شرمندگی محسوس کر رہا ہو۔

پیری کو اپنے دوست کی صحبت میں بے چینی اور افسردگی محسوس ہونے لگی اور آخرکار وہ خاموش ہو گیا۔

شہزادہ آندرے نے کہا" میرے اچھے ساتھی، میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ یہاں میرا قیام بالکل عارضی ہے" مہمان کی آمد پر وہ خود بھی گھٹا گھٹا محسوس کر رہا تھا اور اس پر افسردگی طاری ہو رہی تھی۔ اس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا" میں یہاں مختلف کاموں کا جائزہ لینے آیا تھا اور آج ہی اپنی بہن کے پاس واپس جا رہا ہوں۔ میں تمہیں اس سے ملواؤں گا، خیر تم اسے جانتے ہی ہو گے۔ ہم شام کا کھانا کھا کر چل پڑیں گے۔ بہرحال یہ بتاؤ کہ تم میری یہ رہائش دیکھنا پسند کرو گے؟" یہ بات میاں تھی کہ وہ ایک ایسے مہمان سے کچھ کہنے کی کوشش کر رہا ہے جس کے ساتھ اب اس کی کوئی قدر مشترک نہیں تھی۔ وہ باہر چلے گئے اور کھانے تک ادھر ادھر گھوم پھر کر ان لوگوں کی طرح سیاسی خبروں اور واقف کاروں کے بارے میں گفتگو کرتے رہے جن کی آپس میں کوئی بے تکلفی نہ ہو۔ شہزادہ آندرے نے صرف اپنے نئے فارم ہاؤس اور اس سے متعلقہ تعمیرات کے متعلق باتیں کرتے ہوئے ہی جوش وخروش کا مظاہرہ کیا۔ معماروں کی مچان پر کھڑے ہو کر تعمیراتی منصوبے کا تذکرہ کرتے ہوئے وہ اچانک خاموش ہو گیا اور پھر کہنے لگا" یہ دلچسپ موضوع نہیں ہے، کھانا کھاتے ہیں جس کے بعد ہم روانہ ہو جائیں گے"

کھانے میں پیری کی شادی پر گفتگو ہونے لگی۔

شہزادہ آندرے بولا" مجھے یہ سن کر بےحد حیرانگی ہوئی"

پیری کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اپنی شادی کا موضوع چھڑنے پر اس کی یہی حالت ہو جاتی تھی۔ اس نے فوراً کہا" میں اس بارے میں تمہیں پھر کبھی بتاؤں گا۔ مگر تم جانتے ہو کہ اب یہ قصہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ختم ہو چکا ہے"

شہزادہ آندرے نے کہا" ہمیشہ کیلئے؟ کوئی شے ہمیشہ نہیں رہتی"

پیری بولا" تم نے سنا نہیں کہ یہ معاملہ کیسے ختم ہوا؟ کیا تم نے ڈوئیل کے بارے میں سنا ہے؟"

شہزادہ آندرے بولا" ہاں، تو تمہیں یہ کام بھی کرنا پڑا"

پیری نے کہا" میں اس بات پر خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ میں نے اس شخص کو ہلاک نہیں کیا"

شہزادہ آندرے کہنے لگا" کیوں؟ خبیث کتے کو ہلاک کرنا تو اچھی بات ہے، ہاں واقعی"

پیری نے جواب دیا" نہیں، انسان کو ہلاک کرنا ٹھیک نہیں"

شہزادہ آندرے نے کہا" یہ غلط کیسے ہوا؟" صحیح اور غلط کا فیصلہ انسان نہیں کر سکتے۔ انسان ہمیشہ غلطیاں کرتے رہتے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ یہ بات کسی اور شے پر اتنا اطلاق نہیں کرتی جتنا کہ وہ اس پر کرتی ہے جسے وہ درست یا غلط سمجھ رہے ہوتے ہیں"

پیری کہنے لگا" ہر وہ شے جو دوسروں کو نقصان پہنچائے" غلط" ہے" اسے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی تھی کہ اس کی آمد کے بعد پہلی مرتبہ شہزادہ آندرے جوش وخروش سے گفتگو میں حصہ لے رہا تھا۔ اس کے دل میں امید پیدا ہوئی کہ وہ اس بات کا ذکر ضرور کرے گا جس نے آندرے کی یہ حالت بنا رکھی تھی۔

آندرے نے پوچھا" تمہیں یہ کس نے بتایا کہ دوسروں کیلئے نقصان دہ کیا ہے؟"

پیری نے کہا "نقصان دہ؟ نقصان دہ؟ ہم سب کو علم ہے کہ ہمارے لیے کون سی شے نقصان دہ ہے"

شہزادہ آندرے نے کہا "ہاں، یہ بات بھی جانتے ہیں مگر میں جس شے کو اپنے لیے نقصان دہ سمجھتا ہوں وہ نقصان دہ نہیں ہے جس کا نشانہ میں دوسروں کو بنا سکتا ہوں" اس کا جوش وخروش بڑھ رہا تھا اور یہ بات عیاں تھی کہ اپنے نقطہ نظر کو پیری کے سامنے بیان کرنے کیلئے اس کا اشتیاق دو چند ہو رہا ہے۔ اب وہ فرانسیسی زبان میں بول رہا تھا۔ اس نے کہا "میرے نزدیک زندگی کی دو مصیبتیں ہیں یعنی پچھتاوا اور بیماری، واحد اچھی بات ان دونوں کی عدم موجودگی ہے۔ میری زندگی کا تمام تر فلسفہ یہی ہے کہ اپنے لیے زندہ رہو اور ان دونوں مصیبتوں سے بچنے کی کوشش کرو۔

پیری نے کہا "ہمسایوں سے پیار اور اپنی ذات کی قربانی کے حوالے سے تم کیا کہتے ہو؟ میں تمہاری بات سے اتفاق نہیں کروں گا۔ میرے خیال میں صرف یہ بات کافی نہیں کہ انسان اس لیے زندہ رہے کہ برے کاموں سے پہلو بچاتا رہے تاکہ اسے بعد میں کہیں پچھتاوا نہ ہو۔ میں ایسی ہی زندگی گزارتا رہا ہوں اور اپنے لیے جیتا رہا۔ اس نے بعد میں میری زندگی اجیرن کر دی۔ اب جبکہ میں دوسروں کیلئے جی رہا ہوں یا کم از کم اس کی کوشش کر رہا ہوں (انکساری نے پیری کو اپنی تصحیح پر مجبور کر دیا) تو مجھے احساس ہوا ہے کہ انسان کیلئے زندگی میں کس قدر خوشی پنہاں ہے۔ نہیں میں تم سے متفق نہیں ہوں۔ درحقیقت تمہیں خود بھی اپنی بات پر یقین نہیں ہے"

شہزادہ آندرے خاموشی سے پیری کو دیکھتا رہا۔ اس کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ تھی۔ پھر وہ کہنے لگا "جب تم میری بہن ماریا سے ملو گے تو تم دونوں کی طبیعت باہم بیحد ملے گی" اس نے کچھ توقف کیا اور پھر کہنے لگا "مگر ہر شخص اپنے انداز سے زندگی گزارتا ہے۔ تم اپنی ذات کیلئے زندگی گزارتے رہے اور کہتے ہو کہ اس طرح زندگی بے مزہ ہو کر رہ گئی اور تمہیں خوشی اس وقت ملی جب تم دوسروں کیلئے زندگی گزارنے لگے۔ مگر میرا تجزیہ اس سے الٹ ہے۔ میں نے عزت اور شان وشوکت کیلئے زندگی بسر کی اور یہ دونوں چیزیں کیا ہیں؟ یہی کہ ہم دوسروں سے پیار کرتے ہیں اور ان کی خاطر کچھ کرنے کی خواہش اور ان کی پسندیدگی کی تمنا کرتے ہیں۔ چنانچہ میں نے ان کیلئے اپنی زندگی گزاری اور تقریباً نہیں بلکہ تمام زندگی تباہ کر لی۔ اب جب میں نے اپنے لیے زندگی گزارنا شروع کی ہے تو مجھے سکون مل گیا ہے"

پیری نے گرم لہجے میں پوچھا "مگر جب تم یہ کہتے ہو کہ میں اپنے لیے زندگی گزار رہا ہوں تو تمہارا کیا مطلب ہوتا ہے؟ اپنے بیٹے، والد اور بہن کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

شہزادہ آندرے نے کہا "وہ تو میری ذات کا ایک حصہ ہیں، غیر نہیں ہیں۔ مگر جہاں تک دوسروں مثلاً ہمسایوں کا تعلق ہے جیسا کہ شہزادی ماریا اور تم کہتے ہو، وہ غلطیوں اور برائی کا سرچشمہ ہیں۔ میرے ذہن میں ہمسایوں سے مراد تمہارے کیف کے کسانوں جیسے لوگ ہیں جن کے ساتھ تم نیکی کرنا چاہتے ہو"

یہ کہہ کر اس نے پیری کی جانب یوں دیکھا جیسے اس کا مذاق اڑا رہا ہو۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ اسے مشتعل کرنا چاہتا تھا۔

پیری کا لہجہ مزید گرم ہو گیا اور وہ بولا "تم مذاق کر رہے ہو۔ اگر میں کسی سے نیکی کرنا چاہوں تو اس میں غلطی اور برائی کیا ہے؟ (اگرچہ میں نے تھوڑا سا اور وہ بھی ناقص انداز میں کیا ہے) میں نے نیکی کرنے کی خواہش کی اور اس میں کسی حد تک کامیاب بھی رہا ہوں۔ یہ بدقسمت زرعی غلام بھی ہم جیسے انسان ہیں جو بے معنی دعاؤں اور رسوم کے علاوہ کچھ نہیں جانتے۔ انہیں خدا کا علم ہے نہ سچائی کا، بس پیدا ہوتے، بڑھتے اور آخرکار مر جاتے ہیں۔ اب جبکہ انہیں یہ سکھلانے کا بندوبست کر دیا گیا ہے کہ اگر وہ آخرت کی زندگی اور جزا وسزا پر ایمان لے آئیں تو دینی و دنیاوی کامیابی

حاصل کر لیں گے تو اس میں بری بات کیا ہے؟ جب لوگ بیماریوں کے باعث مر رہے تھے اور کوئی پوچھنے والا نہ تھا، حالانکہ انہیں باآسانی بچایا جا سکتا تھا۔ اس صورتحال میں اگر میں نے ان کیلئے کوئی ہسپتال بنوا دیا، ڈاکٹر فراہم کیا اور بوڑھوں کیلئے کوئی محتاج خانہ تعمیر کرا دیا تو اس میں غلطی یا برائی کیا ہے۔ اگر کسی دودھ پیتے بچے کی ماں کو میں آرام مہیا کر دوں تو کیا یہ نیک نہیں ہوگی، جو ہر ایک کو نظر آ سکتی ہے اور جسے کوئی نہیں جھٹلا سکتا؟ میں نے یہی کچھ کیا ہے اگرچہ اچھے انداز سے نہیں کیا اور ضرورت سے کم کیا، تاہم میں نے اس کا آغاز تو کر دیا اور میں یہ تسلیم نہیں کر سکتا کہ یہ اچھا کام نہیں تھا۔ اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ تم مجھے کسی صورت اس بات پر قائل نہیں کر سکتے کہ تم اسے اچھا کام نہیں سمجھتے" اگرچہ پیری ہکلا رہا تھا مگر اس کی گفتگو میں روانی تھی۔ وہ بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا "مجھے قوی یقین ہے کہ ایسی نیکی کرکے حاصل ہونیوالی خوشی ہی زندگی کی واحد سچائی ہے"

شہزادہ آندرے کہنے لگا "اوہو، اگر تم معاملے کو اس انداز میں پیش کرو گے تو اس کی صورت بدل جائے گی۔ میں مکان تعمیر کرتا ہوں اور باغ لگاتا ہوں جبکہ تم ہسپتال بنواتے ہو۔ یہ دونوں کام وقت گزاری کا ذریعہ ہیں مگر صحیح اور غلط کا فیصلہ اس پر چھوڑ دینا چاہئے جو سب کچھ جانتا ہے۔ فیصلہ کرنا ہمارا کام نہیں، تاہم اگر تم بحث کرنا چاہتے ہو تو میں حاضر ہوں" وہ کھانے کی میز سے اٹھ کر بالکونی میں آ کر بیٹھ گئے۔ شہزادہ آندرے نے اپنی ایک انگلی کو خم دیتے ہوئے کہا "آؤ اس مسئلے پر بحث کرتے ہیں۔ تم سکولوں اور تعلیم کی بات کرتے ہو، دوسرے الفاظ میں تم اسے (اس نے ایک کسان کی جانب اشارہ کیا جو اپنی ٹوپی اتارے وہاں سے گزر رہا تھا) اس کی حیوانی سطح سے اٹھا کر اخلاقیات سکھلانا چاہتے ہو۔ میرا نقطہ نظر یہ ہے کہ حیوانی خوشی واحد خوشی ہے جو حاصل کی جا سکتی ہے اور تم اسے اس سے بھی محروم کرنا چاہتے ہو۔ مجھے اس پر رشک آتا ہے مگر تم اسے میری ذہانت، احساس اور ذرائع فراہم کئے بغیر مجھ جیسا بنانا چاہتے ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ تم اس پر محنت ومشقت کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتے ہو مگر میرا خیال ہے کہ جس طرح کی دانشورانہ سرگرمیاں میری اور تمہاری زندگی کا حصہ ہیں اور جس طرح ان کے بغیر ہمیں اپنی زندگی مشکل نظر آتی ہے اسی طرح اس کیلئے جسمانی مشقت نہایت ضروری ہے اور اس کے بغیر اس کی زندگی مشکل ہو جائے گی۔ ہم غور وفکر کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ میں رات دو بجے بستر پر لیٹتا ہوں اور خیالات میرے دماغ پر یورش کر دیتے ہیں۔ مجھے نیند نہیں آتی اور میں صبح تک کروٹیں بدلتا رہتا ہوں۔ اس کی وجہ میرا سوچ وبچار کرنا ہے۔ اسی طرح وہ ہل چلائے اور فصلیں کاٹے بغیر نہیں رہ سکتا، اگر وہ یہ کام نہیں کرے گا تو پھر کسی شراب خانے میں چلا جائے گا یا بیمار پڑ جائے گا۔ بالکل اسی طرح سوچ وبچار میری زندگی کا ایک اہم حصہ ہے اور میں اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ جس طرح میرے لیے اس جیسی جسمانی مشقت برداشت کرنا ممکن نہیں بالکل اسی طرح وہ میری طرح فارغ بیٹھ جائے تو پھول جائے گا اور زندہ نہیں بچے گا۔ اور تیسری بات کیا کہی تھی تم نے؟"

شہزادہ آندرے نے اپنی تیسری انگلی مروڑی۔

وہ کہنے لگا "ہاں، ہسپتال، دوائیں۔ ہمارا کسان اچانک بیمار پڑ جاتا ہے اور اسے موت آن گھیرتی ہے۔ تم اس کی فصد کھلوا دیتے ہو جس سے وہ زندہ تو بچ جاتا ہے مگر تمام عمر کیلئے معذور ہو جاتا ہے۔ اس صورتحال میں وہ بمشکل مزید دس سال زندہ رہ لیتا ہے مگر دوسروں پر بوجھ بن جاتا ہے۔ اگر اسے موت آ جائے تو کتنی سہولت ہو۔ اس کی جگہ لینے والوں کی کمی نہیں، روزانہ بے شمار پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اگر تمہیں اس لیے غصہ آتا کہ تم ایک محنت کش۔۔۔ میں اسے ایسا ہی سمجھتا ہوں۔۔۔ سے محروم ہو گئے ہو تو اور بات ہوتی مگر تم تو اس کی صحت اس لیے بحال کرانا چاہتے ہو کہ تمہیں اس سے محبت ہے اور یہی شے اسے درکار نہیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی تمہاری بھول ہے کہ دوائیں انسان کو تندرست کر دیتی

ہیں۔ بھلا دوا نے بھی کبھی انسان کو تندرست کیا ہے، البتہ اس نے ہلاک ضرور کیا ہے'' یہ کہتے ہوئے اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے اور اس نے منہ پھیر لیا۔

شہزادہ آندرے نے اپنے خیالات اس قدر واضح انداز میں پیش کئے کہ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے اس نے اپنے موضوع پر ایک سے زائد مرتبہ سوچ و بچار کی ہو۔ اس کی گفتگو میں وہی روانی تھی جو اس شخص کی زبان میں ہوتی ہے جسے کافی دیر تک کسی سے گفتگو کا موقع نہ ملا ہو۔ اس کے خیالات جس قدر مایوس کن تھے وہ اسی قدر جوشیلا دکھائی دے رہا تھا۔

اس کی بات سن کر پیری نے کہا'' اوہو! تمہاری باتیں کس قدر خوفناک ہیں'' اس نے سرد آہ بھری اور پھر بولا'' نہ جانے ایسے خیالات کے ساتھ تم زندہ کیسے رہتے ہو؟ مجھے بھی انہی لمحات سے گزرنا پڑا ہے۔۔۔ پرانی بات نہیں، ماسکو میں قیام اور پھر اپنے سفر کے دوران میری یہی کیفیت تھی۔۔۔ مگر میں اسقدر گہرائی میں گر جاتا ہوں کہ یوں محسوس ہونے لگتا ہے جیسے حقیقت میں زندہ نہیں ہوں۔ مجھے ہر شے خاص طور پر اپنے آپ سے سخت نفرت ہونے لگتی ہے۔ اس صورتحال میں مجھ سے کھانا کھایا جاتا ہے نہ نہا سکتا ہوں۔۔۔ تم اپنے بارے میں کیا کہو گے؟''

شہزادہ آندرے نے کہا'' نہاتے کیوں نہیں، اس سے صفائی نہیں رہتی۔ انسان کو اپنی زندگی خوشگوار تر بنانی چاہئے۔ میں زندہ ہوں اور اس میں میرا کوئی قصور نہیں تاہم دوسروں کے معاملات میں دخل اندازی کے بغیر بہترین انداز میں زندگی گزارنا میرا فرض ہے''

پیری نے کہا'' مگر تمہاری زندگی کا مقصد کیا ہے؟ اگر ایسے خیالات ہوں تو پھر انسان آرام سے بیٹھ جائے اور کوئی کام بھی نہ کرے۔۔۔''

آندرے نے جواب دیا'' زندگی آپ کو اس صورت میں بھی چین سے نہیں بیٹھنے دے گی۔ اگر مجھے کچھ نہ کرنا پڑے تو بیحد خوشی ہو۔ اس کی بجائے یہاں کے مقامی حضرات نے مجھے اپنا مارشل منتخب کر لیا تھا۔ مجھے بمشکل اس ذمہ داری سے جان چھڑانا پڑی۔ انہیں یہ بات سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اس عہدے کیلئے درکار خصوصیات مجھ میں نہیں پائی جاتیں۔ اس مقصد کیلئے آدمی کو اچھی عادات کا مالک ہونے کے ساتھ ساتھ معمولی باتوں کو اہمیت دینے کا عادی ہونا چاہئے۔ علاوہ ازیں اس مکان کی تعمیر ضروری تھی تاکہ کوئی ایسی جگہ ہو جسے میں اپنا گھر کہہ سکوں اور اب ملیشیا کی ذمہ داریاں بھی آن پڑی ہیں''

پیری نے پوچھا'' تم فوجی خدمات سرانجام کیوں نہیں دے رہے؟''

شہزادہ آندرے نے کہا'' آسٹرلٹس کی جنگ کے بعد انہیں شکریہ، میں نے عہد کیا تھا کہ اب بھی روسی فوج میں دوبارہ فعال خدمات انجام نہیں دوں گا۔ نہیں، کبھی نہیں، بے شک بوناپارٹ یہاں سمولنسک پہنچ جائے اور بلیک ہلز بھی خطرے سے دوچار کیوں نہ ہو جائے۔ بہرحال جیسا کہ میں تمہیں بتا رہا تھا یہاں ملیشیا کی ذمہ داریاں ہیں۔ میرے والد تیسرے سرکٹ کے کمانڈر ہیں اور فعال نوکری سے بچنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ میں ان کے ماتحت کام کروں''

پیری نے کہا'' بہرحال تم ملازمت تو کر ہی رہے ہو''

آندرے نے جواب دیا'' ہاں'' اور پھر کچھ دیر خاموش رہا۔

پیری نے پوچھا'' اس کی وجہ؟''

آندرے نے جواب دیا'' میں بتاتا ہوں۔ میرے والد کا شمار اپنے دور کی اہم ترین شخصیات میں ہوتا ہے۔ وہ دن بدن بوڑھے ہوتے جا رہے ہیں۔ اگرچہ انہیں ظالم تو نہیں کہنا چاہئے مگر انہوں نے عجیب بے چین طبیعت پائی

ہے، وہ کس وقت تک کر نہیں بیٹھ سکتے اور کچھ نہ کچھ کرتے رہتے ہیں۔ وہ لامحدود اختیارات کے اسقدر عادی ہیں کہ ان کا مزاج غصیلا ہو چکا ہے اور اب جبکہ شہنشاہ نے انہیں ملیشیا کا کمانڈر انچیف بنا کر مزید اختیارات دیدیے ہیں۔ اگر وہ ہفتے قبل میں دو گھنٹے لیٹ ہو جاتا تو یوخانوف کے کلرک کو پھانسی پر لٹکا دیتے'' شہزادہ آندرے مسکرایا اور بات جاری رکھتے ہوئے بولا'' یہی وجہ ہے کہ میں یہ خدمات انجام دے رہا ہوں اور میں وہ واحد شخص ہوں جو اپنے والد پر اثر انداز ہو سکتا ہوں اور کبھی کبھار انہیں ایسے کام سے باز رکھ سکتا ہوں جو بعد میں ان کیلئے انتہائی تکلیف کا سبب بن سکتا ہے''

پیری بولا'' یہ ہوئی نا اصل بات''

شہزادہ آندرے نے گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا'' ہاں، مگر یہ وہ بات نہیں جو تم سمجھ رہے ہو۔ وہ کلرک واقعی بدمعاش تھا۔ وہ رنگروٹوں کے بوٹ اور دیگر اشیا میں گھپلے کرتا تھا۔ مجھے اس سے ہمدردی تھی نہ ہے بلکہ مجھے اپنے والد۔۔۔ یعنی اپنی ہی ذات پر ترس آ گیا تھا''

شہزادہ آندرے مزید جوشیلا ہوتا چلا گیا۔ جب وہ پیری کے سامنے یہ ثابت کر رہا تھا کہ اس کے عمل میں ہمسائے کی محبت کا کوئی عمل دخل نہیں، تو اس کی آنکھوں میں چمک آ گئی۔

آندرے نے بات جاری رکھی اور کہنے لگا'' دیکھو، تم اپنے غلاموں کو آزاد کرنا چاہتے ہو۔ یہ اچھی بات ہے مگر تمہارے لیے نہیں۔۔۔ مجھے یقین ہے کہ تم نے کبھی کسی پر کوڑے برسائے ہیں نہ کسی کو سائبیریا بھجوایا۔ تمہارے غلاموں کیلئے تو اس میں نیکی کا کوئی پہلو نہیں نکلتا۔ اگر ان پر تشدد کیا جائے، کوڑے مارے جائیں یا سائبیریا بھیج دیا جائے تو میرا خیال ہے کہ انہیں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ وہ ایسی وحشیانہ زندگی سائبیریا میں بھی بسر کر سکتے ہیں، کوڑوں کے نشانات مندمل ہو سکتے ہیں اور وہ پہلے کی طرح خوش و خرم رہنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس سے اگر کسی کو فائدہ ہو سکتا ہے تو غلاموں کے ان مالکوں کو ہو سکتا ہے جن کے سامنے اخلاقیات کی کوئی اہمیت نہیں۔ جنہیں اپنے کئے پر پچھتاوا تو ہوتا ہے مگر وہ اس کا گلا گھونٹ دیتے ہیں۔ چونکہ انہیں جائز و ناجائز سزائیں دینے کا اختیار ہے اس لیے وہ سنگدلی کی عادت اپنا لیتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر مجھے ترس آتا ہے اور ان کی بھلائی کیلئے میں غلاموں کو آزاد کرنا چاہوں گا۔ ہو سکتا ہے تمہیں اس کا موقع نہ مل سکا ہو مگر میں متعدد ایسے افراد کو جانتا ہوں جو فطرتاً نیک تھے اور لامحدود اختیارات کی وجہ سے ظالم بن گئے۔ وہ اپنی ان کمزوریوں سے واقف ہیں مگر ان پر قابو نہیں پا سکتے اور اس طرح ان کی زندگی تلخ تر ہوتی چلی جاتی ہے''

شہزادہ آندرے اتنے جوش و خروش سے تقریر کر رہا تھا کہ پیری سوچنے لگا اس کے ذہن میں اس قسم کے خیالات اپنے والد کا رویہ دیکھ کر آتے ہوں گے'' اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

آندرے بولا'' تو تم نے دیکھا کہ مجھے کس پر ترس آتا ہے اور کس پر افسوس ہوتا ہے۔ یہ سر اور پشتیں نہیں ہیں کہ آپ انہیں جتنی مرتبہ ماریں پیٹیں اور سزائیں دیں گے، ان کی اصلیت وہی رہے گی۔ اصل بات تو انسانی عزت، ذہنی سکون اور پاکیزگی ہیں''

پیری نے کہا'' نہیں نہیں، میں ہزار مرتبہ بھی تم سے متفق نہیں ہوں گا''

(12)

شام کے وقت شہزادہ آندرے اور پیری گاڑی میں سوار ہو کر بلیک ہلز کی جانب چل دیے۔ شہزادہ آندرے کبھی کبھار ایسا فقرہ کہہ کر خاموشی توڑ دیتا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس کا مزاج شگفتہ ہو رہا ہے۔

وہ کھیتوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے اسے ان اقدامات کی بابت بتلانے لگا جن کی بدولت وہ اپنی زراعت میں بہتری لا رہا تھا۔

پیری روکھے انداز سے خاموش بیٹھا رہا پھر وہ آندرے کی بات کے جواب میں ہوں ہاں کر دیتا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا ہے۔

اس کا خیال تھا کہ شہزادہ آندرے سیدھے راستے سے بھٹک گیا ہے اور اس کا فرض ہے کہ اسے درست راستہ دکھائے اور اسے اخلاقی اعتبار سے اوپر اٹھنے میں مدد دے۔ مگر غور و خوض کے بعد وہ جونہی کچھ کہنا چاہتا تھا تو اسے احساس ہو گیا کہ شہزادہ آندرے صرف ایک لفظ یا دلیل کے ذریعے اس کی تمام تر نصیحت ہوا میں بکھیر دے گا۔ لہٰذا وہ ایسی شے کے بارے گفتگو نہیں کرنا چاہتا تھا جو اسے جان سے زیادہ عزیز تھی اور اس کے نزدیک مقدس حیثیت رکھتی تھی۔ اسے خدشہ تھا کہ کہیں آندرے اس کی بات کو مذاق میں اڑا دے۔

پیری اچانک کہنے لگا" آخر بات کیا ہے، تم اس طرح کیوں سوچتے ہو؟" اس کی گردن جھکی ہوئی تھی اور وہ یوں دکھائی دیتا تھا جیسے کوئی سانڈ حملہ کرنیوالا ہو۔ اس نے کہا" تم ایسا کیوں سوچتے ہو۔ تمہیں ایسا نہیں سوچنا چاہیے"

شہزادہ آندرے نے حیرانی سے پوچھا" اس انداز سے کیا سوچ رہا ہوں؟"

پیری نے کہا" زندگی کے بارے میں، انسانی قسمت کے حوالے سے، ایسا نہیں ہوسکتا۔ میں بھی اسی طرح سوچتا تھا اور تم جانتے ہو مجھے کس نے بچایا؟ فری میسوں نے۔ نہیں مسکراؤ نہیں، میں سمجھتا تھا کہ فری میسن کوئی مذہبی گروہ یا مذہبی فرقہ ہے جبکہ حقیقت میں ایسا نہیں۔ یہ نسل انسانی کے اعلیٰ ترین پہلوؤں کا شاندار اظہار ہے" وہ شہزادہ آندرے کو فری میسوں کے بارے میں بتانے لگا۔

اس نے کہا" فری میسوں کی تعلیمات عیسائیت جیسی ہیں۔ عیسائیت کی طرح یہ تحریک بھی بھائی چارے، برابری اور محبت کی تعلیم دیتی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اسے سیاسی و مذہبی گورکھ دھندوں سے نجات دلا دی گئی ہے"

اس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا" صرف ہماری مقدس برادری کو ہی زندگی کے درست مفہوم کا شعور ہے اور اس کے علاوہ باقی سب کچھ خواب وخیال ہے۔ میرے دوست بس یوں سمجھو کہ اس برادری سے باہر جو کچھ ہے وہ جھوٹ اور فریب ہے۔ میں تم سے اتفاق کرتا ہوں کہ ذہین اور نیک انسان کیلئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا کہ وہ تمہاری طرح یوں زندگی گزارے کہ اس سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے مگر میری خواہش ہے کہ تم بھی ہمارے بنیادی عقائد اپناؤ اور ہماری برادری میں شمولیت اختیار کر لو۔ دل کی گہرائیوں سے ہمارا ساتھ دو اور ہمیں موقع فراہم کرو کہ ہم تمہاری رہنمائی کر سکیں اور جس طرح میرے ساتھ ہوا اسی طرح تم بھی اچانک یہ محسوس کرنے لگو گے کہ تم اسے وسیع اور نظر نہ آنیوالی زنجیر کا حصہ بن گئے ہو جس کا ایک سرا آسمانوں میں چھپا ہوا ہے"

شہزادہ آندرے سامنے دیکھتے ہوئے اس کی گفتگو خاموشی سے سن رہا تھا۔ کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ گاڑی کے پہیوں کی چرچراہٹ میں کوئی لفظ اسے سمجھ نہ آیا اور اس نے پیری کو اسے دہرانے کیلئے کہا۔ شہزادہ آندرے نے جیسی خاموشی اختیار کر رکھی تھی اور اس کی آنکھوں میں جو مخصوص چمک دکھائی دے رہی تھی اس سے پیری نے اندازہ لگایا کہ اس کے الفاظ ضائع نہیں گئے اور شہزادہ آندرے اسے ٹوکے گا نہ اس کا مذاق اڑائے گا۔

وہ ایک دریا کے قریب پہنچ گئے جس کا پانی کناروں سے اچھل رہا تھا اور انہیں اسے کشتی کے ذریعے پار کرنا تھا۔ وہ دونوں کشتی میں سوار ہو گئے اور جب ان کی گاڑی اور گھوڑے کشتی میں لادے جا رہے تھے تو آندرے کشتی کے جنگلے پر جھک کر خاموشی سے پانی کو دیکھنے لگا جو دھوپ میں چمک رہا تھا۔

پیری نے کہا" بہرحال تم اس حوالے سے کیا کہتے ہو؟ بولتے کیوں نہیں؟"

آندرے نے جواباً کہا" جہاں تک میرا خیال ہے میں نے تمہاری گفتگو سنی ہے۔ یہ ٹھیک تھی۔ تم کہتے ہو کہ میں تمہاری برادری میں شمولیت اختیار کر لوں اور تم لوگ مجھے زندگی کے مقاصد، انسان کی قسمت اور ان قوانین کے بارے میں بتلاؤ گے جو کائنات کا نظام چلا رہے ہیں۔ مگر ہم کون ہیں؟۔۔۔ انسان۔ مگر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ تم سب کچھ جانتے ہو؟ جو کچھ تمہیں نظر آ رہا ہے صرف مجھے ہی کیوں دکھائی نہیں دیتا؟ تم سمجھتے ہو کہ اس زمین پر سچائی اور نیکی کا راج ہوگا مگر میں اس سے متفق نہیں ہوں"

پیری اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا" کیا تمہیں آخرت کی زندگی پر یقین ہے؟"

شہزادہ آندرے نے اس کی بات دہراتے ہوئے کہا" آخرت کی زندگی؟" مگر پیری نے اسے جواب دینے کا موقع ہی نہ دیا۔ اس کا خیال تھا کہ شہزادہ آندرے اس کے الفاظ دہرا کر نفی میں جواب دے رہا ہے۔ اس نے یوں بھی یقین کر لیا کیونکہ وہ اندرے کے ملحدانہ عقائد سے آگاہ تھا۔

پیری کہنے لگا" تم کہتے ہو کہ تمہیں اس زمین پر نیکی اور سچائی پھیلنے کا امکان نظر نہیں آتا۔ پہلے میرا بھی یہی خیال تھا۔ اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ دنیاوی زندگی کی ہر شے نے ختم ہو جانا ہے تو پھر ایسا امکان نظر آ بھی نہیں سکتا" اس نے کھیتوں کی طرف اشارہ کیا اور بولا" زمین پر، یہاں اس زمین پر کوئی سچائی نہیں صرف اور صرف برائی کا راج ہے مگر کائنات میں، کل کائنات میں سچائی کی حکمرانی موجود ہے اور ہم یعنی اس زمین کے باسی ابدی مفہوم میں کائنات کے باسی ہیں۔ کیا مجھے اپنے دل میں یہ محسوس نہیں ہوتا کہ میں اس وسیع، ہم آہنگ اور مربوط کائنات کا حصہ ہوں؟ کیا میں یہ محسوس نہیں کرتا کہ میں اس کائنات کے مربوط ہجوم میں ایک کڑی کی حیثیت رکھتا ہوں؟ اگر میں اس کڑی کو دیکھ سکتا ہوں جو پودے سے انسان تک پہنچتی ہے تو پھر یہ فرض کیوں کروں کہ یہ کڑی مجھ پر آ کر ختم ہو جاتی ہے اور آگے ان مخلوقات تک نہیں جاتی جو مجھ سے کہیں بلند ہیں۔ میں نہ صرف یہ سمجھتا ہوں کہ میں ختم نہیں ہوسکتا (کیونکہ دنیا میں کچھ بھی ختم نہیں ہوتا) بلکہ مجھے یہ احساس بھی ہوتا ہے کہ میں ہمیشہ سے موجود رہا ہوں اور رہوں گا۔ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے گویا میرے علاوہ مجھ سے اوپر بھی روحیں موجود ہیں اور اس زمین پر سچائی کا وجود بھی ہے"

شہزادہ آندرے نے کہا" ہاں یہ ہرڈر کا نظریہ ہے۔ مگر میرے پیارے دوست ایسی باتیں مجھے قائل نہیں کر سکتیں۔ مجھے جو چیزیں قائل کرتی ہیں وہ زندگی اور موت ہیں۔ آپ اس وقت قائل ہوتے ہیں جب آپ کسی ایسے وجود پر ظلم کر بیٹھیں جو آپ کو بیحد عزیز ہو (اس کی آواز کپکپا گئی اور اس نے منہ پھیر لیا) مگر یہ وجود اچانک بیمار پڑ جاتا ہے اور شدید تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے۔ یہ مرنے لگتا ہے اور اس کا وجود ختم ہو جاتا ہے۔۔۔ مگر کیوں؟ اس کا جواب ہونا چاہیے اور مجھے یقین ہے کہ جواب ہے۔۔۔ یہی وہ چیز ہے جو قائل کرتی ہے اور اسی نے مجھے قائل کیا ہے"

پیری بولا" یہی، بالکل یہی، کیا میں یہی بات نہیں کر رہا؟"

آندرے کہنے لگا" نہیں، میں یہ کہہ رہا ہوں کہ آپ صرف دلائل کے ذریعے کسی کو آخرت کی زندگی کی ضرورت کے بارے میں قائل نہیں کر سکتے۔ اس کی بجائے جو چیز قائل کرتی ہے وہ یہ ہے کہ جب آپ کسی کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے زندگی کا سفر طے کر رہے ہوں اور پھر اچانک وہ شخص ختم ہو جائے اور وہاں چلا جائے جہاں کچھ نہیں ہے اور آپ کو اکیلے اس اتھاہ گہرائی کا سامنا ہو۔ پھر آپ اس میں جھانکتے رہ جاتے ہیں اور میں نے وہاں جھانک کر دیکھا

ہے۔۔۔"

پیری بولا" ٹھیک ہے پھر بات ختم ،تم جانتے ہو کہ ایک جہاں ادھر ہے اوراس میں کوئی ہے۔ یہ جہان آخرت کی زندگی والا ہے اوراس کوئی کا نام خدا ہے"

شہزادہ آندرے نے کوئی جواب نہ دیا۔ گھوڑے اور گاڑی کافی دیر پہلے ہی اتاری جا چکی تھی اور گھوڑے جوت دیے گئے تھے۔ سورج ڈوب چکا تھا اور کشتی کے قریب جو بڑوں کی سطح پر شام کا پالا ستاروں کی جھلملا رہا تھا۔ مگر پیری اور آندرے ابھی تک کشتی پر کھڑے باتوں میں مشغول تھے جس پر نوکروں، کوچوانوں اور ملاحوں کو شدید حیرت تھی۔

پیری نے آسمان کی طرف اشارہ کیا اور کہنے لگا" اگر کوئی خدا اور آخرت کی زندگی ہے تو پھر سچائی اور نیکی کا وجود بھی لازم ہے۔ انسان کی اعلیٰ ترین خوشی کا انحصار اس بات پر ہے کہ وہ ان کے حصول کیلئے کوشش کرے۔ ہمیں ہر صورت زندگی میں مصروف رہنا چاہئے اور محبت کا اظہار کرتے رہنا چاہئے۔ علاوہ ازیں اس بات پر ہمارا یقین ہونا چاہئے کہ ہم نہ صرف آج زمین کے اس ٹکڑے پر زندگی بسر کر رہے ہیں بلکہ وہاں کل میں زندگی گزار چکے ہیں اور بعد میں ہمیشہ کیلئے وہاں زندہ رہیں گے" شہزادہ آندرے کشتی کے جنگلے پر کہنیاں ٹکائے پیری کی گفتگو بغور سنتا رہا۔ اس دوران وہ نیلے پانی میں سورج کا سرخ عکس دیکھتا رہا۔ ہر طرف مکمل خاموشی تھی۔ کشتی بہت پہلے کنارے پر پہنچ چکی تھی اور سنائی دینے والی واحد آواز پانی کی لہروں کی کشتی کے نچلے حصے سے ٹکرا کر پیدا ہو رہی تھی۔ شہزادہ آندرے کو محسوس ہوا کہ پانی جس آہستگی سے کشتی سے ٹکرا کر آواز پیدا کر رہا ہے وہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے پیری کسی نظم کا مصرعہ دہرا رہا ہو کہ

"اسے مان لو یہ سچ ہے"

شہزادہ آندرے نے کہا" ہاں، اگر ایسا ہوتا" پھر وہ کہنے لگا" چلو چھوڑو، گاڑی میں بیٹھتے ہیں" یہ کہہ کر وہ کشتی سے نیچے اتر آیا اور آسمان کی جانب دیکھنے لگا جہاں پیری نے اشارہ کیا تھا۔ آوسٹرلٹس کی جنگ کے بعد اسے پہلی مرتبہ وہ بلند و بالا آسمان دکھائی دیا جو اس نے میدان جنگ میں لیٹے لیٹے دیکھا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ کوئی شے اچانک اس کی روح میں نوخیز کلی کی طرح مسکرا کر بیدار ہوگئی۔ یہ چیز مدتوں پہلے سے اس کے وجود میں خوابیدہ حالت میں موجود تھی۔ جونہی وہ معمولی زندگی کی جانب واپس آیا یہ چیز غائب ہوگئی تاہم وہ جان گیا کہ اپنے وجود میں موجود اس احساس کی کیسے پرورش کی جا سکتی ہے۔ پیری کی آمد سے شہزادہ آندرے کی زندگی کے نئے دور کا آغاز ہوا۔ اگرچہ بظاہر وہ پہلے جیسا ہی تھا مگر اندرونی طور پر اس کی نئی زندگی شروع ہو چکی تھی۔

(13)

جب شہزادہ آندرے اور پیری کی گاڑی بلیک ہلز کے گیٹ پر پہنچی تو اندھیرا بڑھ رہا تھا۔ جونہی وہ مکان میں داخل ہونے لگے تو شہزادہ آندرے نے پیری کی توجہ عقبی دالان میں ہونیوالے شور وغل کی جانب دلائی۔ ایک پستہ قد اور جھکی کمر والی بڑھیا اور لمبے بالوں والا کوتاہ قامت سیاہ پوش نوجوان ان کی گاڑی دیکھ کر واپس گیٹ کی جانب بھاگے چلے جا رہے تھے۔ ان کے پیچھے پیچھے دو عورتیں دوڑی چلی آ رہی تھیں۔ جب ان چاروں نے گاڑی کو دیکھا تو وہ پریشان ہوگئے اور تیزی سے عقبی دالان کی سیڑھیاں چڑھنے لگے۔

شہزادہ آندرے نے کہا" یہ لوگ ماشا کے" خدا کے بندے" ہیں۔ انہوں نے ہمیں ابا جان سمجھ لیا ہے۔ یہ واحد معاملہ ہے جس میں میری بہن والد صاحب کی نافرمانی کرتی ہے۔ والد صاحب کا حکم ہے کہ ان زائرین کو یہاں سے

بھگا دیا جائے مگر وہ ان کا استقبال کرتی ہے"

پیری نے پوچھا" مگر یہ" خدا کے بندے" کون ہیں؟"

شہزادہ آندرے کو جواب دینے کا موقع نہ مل سکا۔ خدمتگار ان کا استقبال کرنے کیلئے باہر آ چکے تھے۔ اس نے نوکروں سے پوچھا" ابا جان کہاں ہیں؟ کیا وہ جلدی آنیوالے ہیں؟" جواباً اسے بتایا گیا کہ وہ ابھی تک شہر میں ہیں مگر کسی بھی وقت واپس آ سکتے ہیں"

شہزادہ آندرے پیری کو گھر کے اس حصے میں لے گیا جہاں وہ خود رہائش پذیر تھا۔ اس کے کمرے ہمیشہ صاف ستھرے اور تیار رکھے جاتے تھے۔ اس نے پیری کو وہیں چھوڑا اور خود نرسری میں چلا گیا۔ پھر وہ واپس آیا اور پیری سے بولا" آؤ بہن کے پاس جائیں۔ میری ابھی اس سے ملاقات نہیں ہوئی۔ وہ کہیں" خدا کے بندوں" کو لے بیٹھی ہے۔ ہمیں دیکھ کر وہ خفت محسوس کرے گی مگر یہ اسی کے کام ہیں اور اس کے ساتھ یہی ہونا چاہئے۔ البتہ تمہیں اس کے" خدا کے بندوں" کو دیکھنے کا موقع مل جائے گا، میں بس یہی کہہ سکتا ہوں کہ یہ عجیب و غریب نظارہ ہوگا"

پیری نے پوچھا" مگر یہ" خدا کے بندے" کون ہیں"

آندرے بولا" تم خود دیکھ لو گے"

شہزادی ماریا انہیں دیکھ کر واقعی گھبرا گئی اور اس کے چہرے پر سرخ نشانات نمودار ہو گئے۔ اس کے آرام دہ کمرے میں مقدس تصاویر کے سامنے موم بتیاں جل رہی تھیں اور ایک نوجوان لڑکا جس کی ناک اور بال خاصے لمبے تھے، راہبوں جیسا لباس پہنے سماوار کے پیچھے صوفے پر اس کے قریب براجمان تھا۔ ان کے قریب آرام کرسی پر ایک بڑھیا بیٹھی تھی جس کے جسم پر گوشت نام کی کوئی چیز باقی نہ تھی اور اس کی جلد سوکھ چکی تھی۔

شہزادی ماریا نے سرزنش کے سے انداز میں کہا" آندرے، آپ نے مجھے کیوں نہیں بتایا" وہ اپنے زائرین کے سامنے یوں کھڑی تھی جیسے مرغی اپنے چوزوں کے سامنے کھڑی ہوتی ہے۔

ماریا نے اپنا ہاتھ چومتے پیری سے کہا" آپ سے مل کر بیحد خوشی ہوئی" وہ اسے بچپن سے جانتی تھی۔ آندرے کا دوست ہونے، شادی کے المناک انجام اور چہرے پر شفقت اور سادگی کے باعث ماریا اس کے ساتھ ہمدردانہ انداز میں پیش آ رہی تھی۔ اس نے اپنی چمکدار اور خوبصورت آنکھوں سے اسے یوں دیکھا جیسے کہہ رہی ہو" میں آپ کو بیحد پسند کرتی ہوں مگر میرے ان دوستوں کا مذاق مت اڑائیں"

سلام دعا کے بعد وہ بیٹھ گئے۔

شہزادہ آندرے نے مسکرا کر نوجوان زائر کی طرف دیکھا اور بولا" ارے، ایوانشکا بھی ہے"

شہزادی ماریا ملتجیانہ انداز میں بولی" آندروشا!"

آندرے نے پیری سے فرانسیسی میں کہا" تم جانتے ہو کہ یہ لڑکی ہے"

شہزادی ماریا دوبارہ بولی" آندرے، خدا کیلئے!"

زائرین کے حوالے سے شہزادہ آندرے کا طنزیہ رویہ واضح تھا اور یہ بات عیاں تھی کہ شہزادی ماریا ان کا تحفظ کرنے کی ناکام کوشش کرتی رہتی تھی۔ اس حوالے سے دونوں کی بحث و تکرار عادت کی شکل اختیار کر چکی تھی۔

شہزادہ آندرے نے کہا" میری پیاری بچی، تمہیں میرا شکریہ ادا کرنا چاہئے کہ میں اس نوجوان سے تمہاری گہری دوستی کے حوالے سے پیری کو پہلے ہی بتا چکا ہوں"

پیری نے اپنی عینک سے ایوانشکا کو تجسس اور سنجیدگی سے دیکھا (جس کیلئے ماریا اس کی بطور خاص مشکور تھی) اور کہا "واقعی؟" دوسری جانب ایوانشکا کو بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ اسی کے بارے میں بات چیت کر رہے ہیں چنانچہ وہ سب لوگوں کو عیاری سے تکے جا رہا تھا۔

اپنے دوستوں کے حوالے سے شہزادی ماریا کی بے چینی بالکل غیر ضروری تھی۔ انہیں بالکل شرم نہیں آ رہی تھی۔ اگرچہ بڑھیا نے اپنی آنکھیں جھکا رکھی تھیں مگر وہ مسلسل نو واردوں کو دیکھے جا رہی تھی۔ اپنی پیالی الٹانے کے بعد اس نے گڑ کی ڈلی پلیٹ میں رکھ دی جسے دانتوں سے کاٹا جا چکا تھا۔ وہ خاموش تھی تاہم اسے چائے کی ایک اور پیالی ملنے کی امید تھی۔ ایوانشکا بھی پلیٹ میں چائے پی رہا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ اپنی عیار نسوانی آنکھوں سے نوجوانوں کو دیکھے جا رہا تھا۔

شہزادہ آندرے نے پوچھا "آپ کہاں گئی تھیں، کیف؟"

بڑھیا نے جواب دیا "جی ہاں جناب! کرسمس کے دوران مجھے اس قابل سمجھا گیا کہ میں ولیوں کے مزار پر حاضری دوں اور اب میں کولیازن سے آئی ہوں جہاں عظیم برکت کا ظہور ہوا ہے"

آندرے نے پوچھا "کیا ایوانشکا بھی آپ کے ساتھ تھا"

ایوانشکا بولا "محسن! میں اکیلا ہی جایا کرتا ہوں۔ اتفاق سے یوخانوف میں میری پیلا جیوشکا سے ملاقات ہو گئی تھی" وہ اپنے لہجے میں گہرائی پیدا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

پیلا جیوشکا نے اس کی بات کاٹ دی اور بولی "آقا، کولیازن میں عظیم برکت کا ظہور ہوا ہے" یوں لگتا تھا جیسے اس نے جو کچھ دیکھا اسے بیان کرنے کیلئے بے قرار تھی۔

شہزادہ آندرے نے پوچھا "کیا؟ کوئی نئے تبرکات؟"

ماریا کہنے لگی "بس، آندرے، چھوڑو" پھر وہ پیلا جیوشکا سے بولی "انہیں کچھ نہ بتانا"

پیلا جیوشکا نے کہا "انہیں کیوں نہ بتاؤں؟ میں انہیں پسند کرتی ہوں، وہ اچھے آدمی ہیں اور خدا انہیں پسند کرتا ہے۔ یہ میرے محسن ہیں، مجھے یاد ہے انہوں نے مجھے دس روبل دیے تھے۔ جب میں کیف میں تھی تو جنونی کریوشا (وہ خدا کا بندہ ہے) نے مجھے کہا کہ تو درست جگہ کیوں نہیں جاتی؟ اس نے مجھے کہا "کولیازن جا، وہاں مقدس مادر خدا کی تصویر ملی ہے۔ جونہی میں نے یہ الفاظ سنے میں اپنے ساتھیوں سے اجازت لے کر چلی گئی۔۔۔"

سب لوگ خاموش بیٹھے تھے، صرف زائرہ بات کر رہی تھی۔ دوران گفتگو اس کے سانس لینے کی آواز بھی سنائی دیتی۔ سو میں وہاں پہنچ گئی۔ وہاں لوگوں نے مجھے بتایا کہ یہاں عظیم برکت کا ظہور ہوا ہے اور مقدس مادر خدا کے گالوں سے پاک تیل بہہ رہا ہے۔۔۔"

شہزادی ماریا نے کہا "ٹھیک ہے، اس کے بارے میں مجھے بعد میں بتا دینا" اس کے رخسار سرخ ہو رہے تھے۔

پیری نے پوچھا "میں کچھ پوچھوں؟ کیا تم نے یہ خود دیکھا تھا؟"

پیلا جیوشکا بولی "جی آقا، انہوں نے مجھے اس قابل سمجھا۔ ان کا چہرہ اسقدر روشن تھا کہ یوں لگتا تھا جیسے آسمان سے نور برس رہا ہو اور مقدس مادر کے چہرے پر ایک کے بعد دوسرا قطرہ۔۔۔"

پیری نے زائرہ کی بات سن کر سادگی سے کہا "یہ صرف شعبدہ بازی ہے"

زائرہ نے کہا "آقا، یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں" اس بے ادبی پر اس کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا تھا اور وہ ماریا کی جانب امداد طلب نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

پیری نے اپنی بات دہراتے ہوئے کہا "وہ لوگوں کو اسی طرح دھوکہ دیتے ہیں"

زائرہ نے اپنے سینے پر صلیب کا نشان بنایا اور چلاتے ہوئے بولی "اوہ، خداوند یسوع! میرے آقا ایسی باتیں منہ سے نہ نکالیں، ایک جرنیل ان باتوں پر یقین نہیں کرتے تھے اور انہیں 'راہبوں کا دھوکہ' کہتے تھے۔ وہ اندھے ہو گئے۔ انہوں نے خواب دیکھا کہ پچارسکی کی مقدس مادر ان کے پاس آئیں اور کہنے لگیں "مجھ پر ایمان لاؤ میں تمہاری بینائی لوٹا دوں گی" میں آپ کو جو کچھ بتا رہی ہوں وہ سچ ہے اور میں نے خود دیکھا۔ وہ بالکل اندھے تھے اور انہیں سیدھا مقدس ماں کے پاس لے جایا گیا۔ وہ وہاں پہنچ کر گھٹنوں کے بل جھک گئے اور فریاد کی کہ 'میری بینائی لوٹا دی جائے' میں زار کا دیا سب کچھ آپ پر نچھاور کر دوں گا۔ اور میرے آقا میں نے خود دیکھا کہ ایک ستارہ مادر مقدس کے جسم میں داخل ہو گیا اور جرنیل کی بینائی لوٹ آئی! ایسی باتیں کہنا گناہ ہے! اور خدا آپ کو سزا دے گا"

پیری نے پوچھا "اور یہ ستارہ تصویر میں کیسے داخل ہوا؟"

شہزادہ آندرے مسکراتے ہوئے بولا "اور مقدس مادر جرنیل بن گئیں"

پیلا جیوشکا کا رنگ پیلا پڑ گیا اور اس نے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ لیں۔

وہ کہنے لگی "جناب، جناب، یہ گناہ ہے اور آپ کا ایک بیٹا ہے!" وہ چلانے لگی، اس کے چہرے سے پیلا رنگ غائب ہو گیا اور وہ غصے میں آ کر کہنے لگی "آقا خدا آپ کو معاف کرے" اس نے سینے پر صلیب کا نشان بنایا اور بولی "خداوندا! انہیں معاف کر دو" پھر وہ ماریا کی طرف متوجہ ہو کر بولی "انہوں نے کیا کہا"

اٹھ کھڑی ہوئی اور اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ وہ اپنی جھولی درست کرنے لگی۔ خوف سے اس کی گھگھی بندھی تھی اور اسے اس گھر سے خیرات وصول کر کے شرمندگی ہو رہی تھی جہاں ایسی باتیں کی جاتی ہیں اور ساتھ ساتھ افسوس بھی ہو رہا تھا کہ آئندہ اسے اس گھر کے عطیوں سے محروم ہونا پڑیگا۔

شہزادی ماریا نے پیری سے کہا "آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ یہاں آئے ہی کیوں؟۔۔"

پیری بولا "میں تو صرف مذاق کر رہا تھا، پیلا جیوشکا۔ شہزادی میں قسم کھاتا ہوں کہ میرا ارادہ انہیں ناراض کرنے کا نہ تھا۔ آپ افسوس مت کریں میں مذاق کر رہا تھا" اس نے اپنے اس عمل کی تلافی کرنے کی کوشش کی۔

پیلا جیوشکا ٹھہر گئی مگر اس کا دل اب بھی اندیشوں سے بھرا ہوا تھا تاہم پیری کے چہرے سے جس خلوص اور شرمندگی کا اظہار ہو رہا تھا اور پیلا جیوشکا اور پیری کی طرف دیکھتا شہزادہ آندرے اسقدر سنجیدہ اور شفیق نظر آ رہا تھا کہ آہستہ آہستہ کا غصہ ختم ہو گیا اور وہ پرسکون دکھائی دینے لگی۔

(14)

زائرہ کا غصہ بیٹھ گیا اور اس نے دوبارہ بات چیت شروع کر دی۔ وہ تیز لہجے میں انہیں فادر ایمفی لوخی کے بارے میں بتلانے لگی۔ اس کے بقول وہ اس قدر پرہیزگار تھے کہ ان کے ہاتھوں سے خوشبو آتی تھی۔ اس نے کہا "جب میں پچھلی مرتبہ ان کے ہاں کیف گئی تو چند واقف کار راہبوں نے مجھے چابیاں دے دیں۔ میں اپنے ساتھ خشک روٹی لے گئی تھی اور وہاں میں نے ولیوں کے ساتھ دو دن اور دو راتیں گزاریں۔ میں ایک ولی کے مزار کے سرہانے چند دعائیں

پڑھتی اور انجیل کی تلاوت کر کے دوسرے مقبرے پر پہنچ جاتی۔ کچھ دیر سوتی اور اٹھ کر مقدس تبرکات کو چومتی۔ وہاں اتنا سکون اور برکت ہے کہ خدا کی اس دنیا میں واپس آنے کو جی نہیں چاہتا''

پیری اس کی باتیں توجہ سے سنتا رہا۔ شہزادہ آندرے کمرے سے باہر چلا گیا۔ شہزادی ماریا نے ''خدا کے بندوں'' کو وہیں چھوڑا تاکہ وہ اپنی چائے ختم کر لیں اور پیری کو ساتھ لے کر ڈرائنگ روم میں چلی گئی۔ ماریا نے اس سے کہا ''آپ نے بہت مہربانی کی''

پیری بولا ''ارے نہیں، میں ان کے جذبات مجروح نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں ان لوگوں کو پہچانتا ہوں اور ان کی قدر کرتا ہوں''

شہزادی ماریا اسے اپنائیت سے مسکرا کر دیکھنے لگی۔

اس نے کہا ''آپ کو علم ہے کہ میں آپ کو بہت عرصہ سے جانتی ہوں اور آپ کو بھائیوں کی طرح چاہتی ہوں۔ آندرے کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟'' اس نے یہ سوال اسقدر تیزی سے کیا کہ پیری کو اس کی جانب سے جتلائی جانیوالی محبت کا جواب دینے کا موقع ہی نہ مل سکا۔ ماریا کہنے لگی ''میں ان کے بارے میں شدید پریشان ہوں۔ موسم سرما میں ان کی صحت ٹھیک تھی مگر گزشتہ بہار میں ان کا زخم دوبارہ کھل گیا۔ ڈاکٹروں نے انہیں بتایا کہ آپ باہر چلے جائیں اور اپنا علاج کرائیں۔ میں روحانی حوالے سے بھی ان کے بارے میں خوف کا شکار ہوں۔ وہ ہم عورتوں کی طرح رو کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا نہیں کر سکتے اور اندر ہی اندر گھلتے رہتے ہیں۔ آج وہ خوش باش دکھائی دے رہے ہیں جو آپ کی آمد کی وجہ سے ہے، ورنہ اکثر ان کی یہ حالت نہیں ہوتی۔ کیا ہی اچھا ہو کہ آپ انہیں بیرون ملک علاج کرانے پر آمادہ کر سکیں۔ انہیں حرکت کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ پرسکون، سست رو اور گھٹی بندھی زندگی انہیں لے ڈوبے گی۔ دوسرے یہ بات نہیں سمجھ سکتے مگر میں سب کچھ دیکھ رہی ہوں''

دس بجے معمر شہزادے کی گاڑیوں کی گھنٹی سنائی دی اور خدمتگار تیزی سے بیرونی گیٹ کی جانب لپکے۔ پیری اور آندرے بھی سیڑھیوں کی جانب چل دیے۔

معمر شہزادہ بلکونسکی نے گاڑی سے اترتے ہوئے پوچھا ''یہ کون ہے؟'' وہ پیری کو دیکھ چکا تھا۔ بعدازاں وہ اسے پہچانتے ہوئے بولا ''ارے! بہت اچھے! مجھے بوسہ دو!''

معمر شہزادہ بشاش بشاش تھا اور پیری کے ساتھ گرمجوشی سے ملا۔

رات کے کھانے سے پہلے شہزادہ آندرے اپنے والد کے کمرے میں داخل ہوا اور اسے مہمان سے بات چیت کرتے پایا۔ پیری کا کہنا تھا کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ جنگیں نہیں ہوا کریں گی۔ معمر شہزادہ اس سے باتیں تو کر رہا تھا مگر اس کی مزاج بدستور خوشگوار تھا۔

وہ کہہ رہا تھا ''مردوں کی رگوں سے خون نچوڑ کر ان میں پانی انڈیل دو، پھر جنگیں نہیں ہوا کریں گی۔ بوڑھیوں جیسی باتیں کر رہے ہو'' اس نے پیار سے پیری کے کندھے پر تھپکی دی اور اس میز کی جانب چل دیا جس کے قریب آندرے کھڑا تھا۔ بظاہر شہزادہ آندرے اس بحث میں قطعی دلچسپی نہیں لے رہا تھا اور ان کاغذات کے مطالعے میں مصروف تھا جو اس کا والد شہر سے لایا تھا۔ معمر شہزادہ اس کے قریب آیا اور سرکاری امور کی بابت گفتگو کرنے لگا۔

اس نے بیٹے سے کہا ''نواب رستوف نامی کوئی مارشل ہے، اس نے اپنے ذمے فوج میں سے نصف بھی نہیں بھیجی۔ وہ شہر آیا اور مجھے کھانے پر بلایا۔ میں نے اس کی اچھی طرح خبر لی! ۔ ۔ ۔ اور ہاں اسے دیکھو ۔ ۔ ۔ بیٹے ۔ ۔ ۔ اس

نے پیری کے کندھے پر تھپکی دی اور اپنے بیٹے سے مخاطب ہو کر بولا ''تمہارا دوست اچھا ہے اور مجھے پسند ہے! یہ مجھے خوب مشتعل کرتا ہے! بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی دانائی کی باتیں بھی پسند نہیں کی جاتیں اور ادھر یہ نادانی کی باتیں کرتا ہے اور مجھ جیسے بوڑھے کو مشتعل کر دیتا ہے۔ بہرحال جاؤ اور کام کرو۔ شاید میں بھی آ جاؤں اور رات کے کھانے پر تھوڑی دیر تمہارے ساتھ بیٹھ جاؤں۔ ہم ایک مرتبہ پھر ایک دوسرے سے بحث کریں گے۔ میری بیوقوف بیٹی ماریا سے دوستی کر لو۔

بلیک ہلز میں آمد کے بعد پیری کو شہزادہ آندرے کے ساتھ اپنی دوستی کی دلکشی کا احساس ہوا۔ اس دلکشی کا زیادہ اظہار شہزادہ آندرے سے تعلقات کی بجائے اس کے اہلخانہ سے دوستی کے ذریعے ہوتا تھا۔ اگرچہ اس کی سخت گیر بوڑھے اور نفیس الطبع شرمیلی شہزادی سے زیادہ جان پہچان نہ تھی مگر ان دونوں کی موجودگی میں اسے یوں محسوس ہوتا جیسے وہ ان کا پرانا دوست ہو۔ نہ صرف شہزادی ماریا جو زائرین کے ساتھ اس کا شفقت بھرا سلوک دیکھ کر اس کی مداح بن چکی تھی، اسے اپنی روشن آنکھوں سے تکتی رہتی بلکہ ننھا نکولائی بھی اسے دیکھ کر خوش ہو جاتا اور ہچکچائے بغیر اس کی بانہوں میں چلا جاتا تھا۔ جب پیری معمر شہزادے سے بات چیت کر رہا ہوتا تو میخائل ایوانوچ اور مادموزیل بورین خوش ہو جاتے اور انہیں دیکھ کر مسکراتے رہتے۔

یہ امر واضح تھا کہ بوڑھا محض پیری کی خاطر شام کے کھانے میں شریک ہوتا ہے۔ پیری نے جو دن بلیک ہلز میں گزارے، اس دوران وہ اس سے نہایت اچھے انداز سے پیش آتا رہا اور دوبارہ آنے اور اپنے ہاں قیام کرنے کی دعوت بھی دی۔

جب پیری رخصت ہو گیا تو تمام اہلخانہ اکٹھے ہو کر اس کے بارے میں باتیں کرنے لگے جیسا کہ کسی نئے دوست کی روانگی کے موقع پر ہوتا ہے۔ ہر شخص اس کی تعریف کر رہا تھا اور پیری کے ساتھ عموماً ایسا کم ہی ہوتا تھا۔

(15)

رستوف جب چھٹی گزار کر واپس آیا تو اسے پہلی مرتبہ ان رشتوں کی مضبوطی کا احساس ہوا جنہوں نے اسے دینی سوف اور رجمنٹ کے دیگر افراد سے وابستہ کر رکھا تھا۔

جوں جوں وہ رجمنٹ کے پڑاؤ کے قریب ہوتا گیا اسے اپنے رگ و پے میں وہی سنسنی دوڑتی محسوس ہوئی جو اس نے ماسکو میں اپنے گھر کے قریب پہنچنے پر محسوس کی تھی۔ جب اس کی نگاہ کھلی شرٹ پہنے اپنی رجمنٹ کے پہلے ہوزار پر پڑی، جب اس نے سرخ بالوں والے دیمنتیاف کو دیکھا، جب اسے گھوڑوں کے کھونٹوں کے رسے دکھائی دیے اور جب اس نے لاورشکا کو خوشی سے چلاتے سنا ''نواب آ گئے'' اور جب محوخواب دینی سوف الجھے بالوں کے ساتھ اپنے مکان سے باہر بھاگتا آیا اور جب افسر اس کا استقبال کرنے کیلئے اس کے گرد اکٹھے ہوئے تو اس کے احساسات بالکل وہی تھے جو اس نے اپنی ماں باپ اور بہنوں سے ملاقات کے موقع پر محسوس کیے تھے اور خوشی سے اس کا گلا اسقدر رندھ گیا تھا کہ وہ کوئی بات نہ کر سکا۔ اس کے نزدیک رجمنٹ بھی گھر کی طرح تھی اور یہ گھر بھی اس کے آبائی گھر کی طرح پیارا اور انمول تھا۔

ڈیوٹی پر حاضری کی رپورٹ کرنل کو دینے، اپنے پرانے سکواڈرن میں تقرری کرانے، پہلے دن یونٹ کے سکیورٹی افسر کی حیثیت سے خدمات انجام دینے، گھوڑے کیلئے چارے کا انتظام کرنے، رجمنٹ کی چھوٹی چھوٹی دلچسپیوں

میں حصہ لینے اور یہ محسوس کرنے کے بعد کہ آزادی کا دور گزر چکا، اب اسے غیر لچکدار نظم وضبط کے دائرے میں رہنا ہوگا، تو اسے بالکل وہی سکون اور طمانیت حاصل ہوئی اور اس نے اپنے آپ کو بالکل اسی طرح اپنے مخصوص کونے میں پایا جیسے وہ اپنے ہی گھر میں ہو۔ یہاں دنیا کے ہنگامے اور افراتفری نہیں تھی۔ یہاں کوئی سونیا نہیں تھی کہ جس کے بارے میں وہ سوچتا کہ اس کے ساتھ مفاہمت پر مبنی دوستی ہونی چاہئے یا نہیں اور یہاں اس کشمکش میں پڑنے کا امکان بھی نہ تھا کہ اسے فلاں جگہ جانا چاہئے یا نہیں۔ یہاں اسے دن کے وہ چوبیس گھنٹے میسر نہ تھے جنہیں اسقدر مختلف انداز میں گزارا جا سکتا تھا اور یہاں دوستوں (جن میں سے کوئی بھی اسے دوسروں سے زیادہ عزیز نہ تھا) کا لامحدود سلسلہ بھی نہ تھا۔ رقم کے معاملے پر اس کے اپنے باپ سے جو غیر واضح تعلقات تھے، وہ یہاں بھی نہیں تھے اور یہاں کوئی چیز اسے دولوخوف کے ہاتھوں پہنچنے والے نقصان کی یاد بھی نہیں دلاتی تھی۔ رجمنٹ میں ہر شے کھری، صاف اور سیدھی تھی۔ دنیا دو غیر مساوی حصوں میں تقسیم تھی یعنی پاؤلوگراڈ راجمنٹ اور بقیہ دنیا۔ یہ بقیہ دنیا اس کا دردسر نہ تھی۔ رجمنٹ میں ہر شے متعین تھی، لیفٹیننٹ کون ہے اور کپتان کون، کون اچھا ہے اور کون نہیں، سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ کا گہرا دوست کون ہے۔ کینٹین کا مالک چیزیں ادھار دیتا تھا۔ تنخواہ چار ماہ بعد ملتی تھی۔ یہاں سوچنے کی ضرورت تھی نہ فیصلہ کرنے کی۔ یہاں صرف ایک ہی احتیاط کافی تھی یعنی جو کام پاؤلوگراڈ رجمنٹ میں ناپسندیدہ سمجھا جاتا ہو وہ نہ کریں، اور جب کوئی واضح حکم دیا جائے تو اس کی تعمیل کی جائے۔

جب رستوف رجمنٹ کی زندگی کے ان آئینے جیسے حالات میں واپس آیا تو اسے اسی خوشی کا احساس ہوا جو تھکے ہارے شخص کو بستر پر محسوس ہوتی ہے۔ دوران مہم رستوف کیلئے رجمنٹ کی زندگی اور بھی تسکین بخش تھی کیونکہ دولوخوف کے ساتھ جوئے میں وہ جو بھاری رقم ہارا تھا (اس نے گھر والوں کی تسلی کے باوجود خود کو معاف نہیں کیا تھا) اس کی تلافی کے طور پر اس نے تہیہ کیا تھا کہ اب وہ پہلے کی بجائے زیادہ بہتر انداز سے اپنے فرائض بجالائے گا اور خود کو بہترین ساتھی اور افسر ثابت کرے گا۔ بیرونی دنیا میں یہ کام بیحد دشوار معلوم ہوتا تھا مگر رجمنٹ میں قابل حصول دکھائی دیتا تھا۔

اس نے فیصلہ کیا کہ وہ جوئے میں ہاری جانیوالی رقم پانچ سال میں والدین کو لوٹا دے گا۔ پہلے وہ اسے دس ہزار روبل سالانہ بھیجتے تھے۔ اب اس نے فیصلہ کیا کہ وہ صرف دو ہزار روبل اپنے پاس رکھ کر بقیہ رقم قرض کی ادائیگی کیلئے ماں باپ کو واپس بھیج دے گا۔

☆☆☆

کئی مرتبہ پسپا ہونے اور پلتسک و پروسش ایلاؤ کی جنگوں کے بعد ہماری فوج بارٹن شٹین کے گرد و نواح میں جمع ہو چکی تھی۔ یہاں اسے زار کی آمد اور نئی مہم کے آغاز کا انتظار تھا۔

پاؤلوگراڈ رجمنٹ کا تعلق فوج کے اسی حصے سے تھا جو 1805ء کی مہم میں شریک ہوا اور اس کے افسر و سپاہی روس میں بھرتی کئے گئے تھے۔ چونکہ یہ رجمنٹ کسی قدر دیر سے پہنچی تھی اسی لیے ابتدائی کارروائیوں میں حصہ نہ لے سکی تھی۔ پاؤلوگراڈ رجمنٹ پلتسک میں تھی نہ پروسش ایلاؤ میں، بلکہ مہم کے دوسرے مرحلے میں میدان جنگ میں بڑی فوج کے ساتھ شریک ہوئی اور اسے پلاتوف کے دستوں سے منسلک کر دیا گیا۔

پلاتوف کی فوج بڑی فوج سے الگ آزادانہ حیثیت سے کارروائیوں میں مصروف تھی۔ پاؤلوگراڈ رجمنٹ کئی مرتبہ دشمن کیخلاف جھڑپوں میں حصہ لے چکی تھی اور اس نے کئی افراد کو قیدی بنایا تھا۔ ایک مرتبہ تو انہوں نے مارشل

اوڈینوٹ کی گاڑیوں پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ اپریل میں پاؤلوگراڈ ہوزار ایک ویران جرمن گاؤں میں تعینات کئے گئے جو جنگ کے نتیجے میں تباہ ہو چکا تھا۔ یہاں وہ کئی ہفتے ٹھہرے رہے اور انہوں نے کسی قسم کی نقل وحرکت میں حصہ نہ لیا۔

موسم سرد تھا اور برف پگھلنا شروع ہو گئی تھی جس کے نتیجے میں ہر طرف کیچڑ دکھائی دیتی تھی۔ دریا کی سطح پر برف ٹوٹنے لگی اور سڑکوں پر آمد ورفت ممکن نہ رہی۔ کئی دن تک انسانوں کو خوراک مہیا کی جاسکی نہ گھوڑوں کیلئے چارے کا انتظام ہو سکا۔ گاڑیوں کی آمد ورفت بند ہونے کی وجہ سے سپاہی آلو تلاش کرنے کیلئے ویران اور تباہ حال گاؤں میں پھیل گئے مگر اب یہ بھی نہیں ملتے تھے۔

ہر شے کھائی جا چکی تھی اور گاؤں کے تمام مکین فرار ہو چکے تھے۔ اگر کوئی شخص رہ بھی گیا تھا تو اس کی حالت بھکاریوں سے بھی خراب تھی۔ کسی کے پاس کوئی ایسی چیز نہ تھی جس پر قبضہ کیا جاتا۔ عموماً فوجی بے رحم ہوتے ہیں مگر اب وہ بھی کوئی فائدہ اٹھانے کی بجائے انہیں اپنا بچا کھچا راشن دینے لگے تھے۔

جنگی کارروائیوں میں پاؤلوگراڈ رجمنٹ کے صرف دو سپاہی زخمی ہوئے مگر بھوک اور بیماری نے ان کی تعداد نصف کر دی۔ ہسپتالوں میں موت اسقدر یقینی تھی کہ بخار میں مبتلا ہونیوالے یا ناقص خوراک کے باعث معدے کی تکلیف کا شکار جوان ہسپتال جانے کی بجائے ڈیوٹی پر رہنے کو ہی ترجیح دیتے اور ان میں پاؤں گھسیٹنے کا یارا بھی نہ ہوتا تھا۔ اسطرح وہ محاذ جنگ پر تو پہنچ جاتے مگر انہیں ہسپتال میں داخل ہونا منظور نہ تھا۔ موسم بہار کی آمد پر سپاہیوں نے ایک نیا پودا دریافت کیا جو تازہ تازہ زمین سے نکلا تھا اور بظاہر ایسپاراگس معلوم ہوتا تھا۔ نہ جانے کیوں فوجی جوانوں نے اس کا نام ''میری کی میٹھی جڑ'' رکھ دیا اور اس کی تلاش میں کھیتوں اور چراگاہوں میں پھرتے رہتے۔ اگرچہ حکم دیا گیا تھا کہ مضر صحت ہونے کی بنا پر اس پودے کو ہاتھ نہ لگایا جائے مگر جوان تلواروں کی مدد سے زمین کھود کر اسے کھاتے رہتے۔ اسی موسم بہار میں ایک نئی بیماری پھوٹ پڑی جس میں بازو، ٹانگیں اور چہرہ متورم ہو جاتا تھا۔ ڈاکٹروں کا کہنا تھا کہ یہ بیماری اس جڑ کو کھانے سے لگتی ہے تاہم اس کے باوجود دینی سوف کے سکواڈرن کے اکثر افراد اسی ''میری کی میٹھی جڑ'' سے بھوک مٹاتے رہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ کھانے پینے کا سامان تقریباً ختم ہو گیا تھا اور گزشتہ دو ہفتوں سے فی کس نصف پاؤنڈ بسکٹ تقسیم کئے جا رہے تھے اور یہ بھی ختم ہونیوالے تھے۔ آلوؤں کی آخری کھیپ برف کی طرح جم گئی تھی اور ان میں کونپلیں پھوٹنے لگی تھیں۔

دو ہفتوں سے گھوڑے بھی اسی پرال پر گزارا کر رہے تھے جو گھاس پھونس سے بنی چھتوں سے اکھاڑی گئی تھی۔ وہ کمزور ہو چکے تھے تاہم ان کے جسموں پر سردیوں کے بال بدستور اگ رہے تھے۔

اس خوفناک صورتحال کے باوجود افسروں اور سپاہیوں کے معمولات میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ چھوٹے چہروں اور پھٹی وردیوں کے باوجود وہ حاضری کیلئے حسب سابق صفیں بناتے، نظم وضبط کی پابندی کرتے، گھوڑوں پر کھریرا پھیرتے، ہتھیار صاف کرتے، چارے کیلئے چھتیں اکھاڑ کر پرال لاتے، کھانے کیلئے دیگوں کے گرد جمع ہوتے جہاں سے وہ بھوکے واپس آتے، فضول کھانوں اور اپنی بھوک کا مذاق اڑاتے۔ حسب معمول بیکار اشیاء سے آگ کے الاؤ روشن کرتے، ان کے سامنے کپڑے اتارتے اور جسموں کو گرمی پہنچاتے۔ پھر وہ تمباکو نوشی کرتے، ادھر ادھر سے شگوفوں والے گلے سڑے آلو لاتے اور انہیں آگ میں بھون کر پوٹیمکن اور سواروف کی مہموں کا تذکرہ کرتے یا پھر مکار الیوشا اور پادری کے نوکر مکولکا کے قصے سناتے رہتے۔

ایک ایک مکان میں حسب معمول دو سے تین افسر رہ رہے تھے۔ ان مکانوں کی چھتیں غائب تھیں اور بقیہ

حالت بھی نہایت خراب تھی۔ سینئر افسر عام فوجیوں کو آلو، بھوسہ اور دیگر اشیاء پہنچانے کیلئے ہر ممکن کوشش کرتے۔ جونیئر افسر ہمیشہ کی طرح تاش یا دوسری کھیلوں کی ذریعے وقت گزار رہے تھے (کھانے کو ملتا یا نہ ملتا البتہ روپیہ پیسہ وافر تھا) مہم کی صورتحال کے بارے میں کبھی کبھار ہی بات کی جاتی۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ جنگ کے بارے میں یقینی بات نہ کہی جا سکتی تھی اور دوسری جانب ایک غیر واضح سا احساس یہ بھی پایا جاتا تھا کہ عمومی طور پر جنگ کے نتائج ان کے حق میں نہیں ہیں۔

رستوف پہلے کی طرح اب بھی دینی سوف کے ساتھ ٹھہرا ہوا تھا۔ جب سے وہ لمبی چھٹی کاٹ کر واپس آئے، ان کے مابین دوستی اور بھی مضبوط ہو گئی۔ دینی سوف رستوف خاندان کا کبھی ذکر نہیں کرتا تھا مگر وہ رستوف کے ساتھ جس گرمجوشی کا مظاہرہ کرتا اس سے یہ محسوس ہوتا تھا کہ سینئر ہوزار کو نتاشا کی محبت میں جس ناکامی کا سامنا کرنا پڑا تھا اس نے ان کے تعلقات مزید مضبوط بنا دیے ہیں۔ اس بات میں کسی شک کی گنجائش نہیں کہ دینی سوف رستوف کا بیحد خیال رکھتا تھا اور اس کی ہمیشہ یہی کوشش ہوتی کہ اسے خطرات میں کم از کم دھکیلا جائے اور جب وہ ایک جھڑپ کے بعد واپس آیا تو دینی سوف نے اس کا پرخلوص گرمجوشی سے استقبال کیا۔ ایک مرتبہ جب رستوف کو ویران اور تباہ شدہ گاؤں میں رسد تلاش کرنے کیلئے بھیجا گیا تو اس کی ملاقات ایک پولش بوڑھے اور اس کی بیٹی سے ہوئی جس نے چھوٹا سا بچہ گود میں اٹھایا ہوا تھا۔ بھوک اور پھٹے پرانے کپڑوں کی بدولت ان کی حالت دگرگوں تھی۔ ان میں پیدل کہیں جانے کی ہمت تھی نہ کرائے پر گاڑی حاصل کرنے کا یارا تھا۔ رستوف واپسی پر انہیں اپنے ساتھ لے گیا اور مکان کے اس حصے میں ٹھہرا دیا جہاں وہ خود مقیم تھا۔ بوڑھے کے صحت یاب ہونے تک وہ کئی ہفتے وہیں ٹھہرے رہے۔ رستوف کے ایک ساتھی نے اسے مذاق کیا کہ تم بیحد چالاک ہو، بہتر ہوگا کہ جس پولش لڑکی کو تم نے مصیبت میں بچایا ہے اس سے ہم سب کو متعارف کرا دو۔ رستوف نے اس مذاق کو اپنی توہین سمجھا اور اس کا غصہ عروج پر پہنچ گیا۔ دینی سوف نے بمشکل بیچ بچاؤ کرایا اور ان میں ڈوئیل ہوتے ہوتے رہ گئی۔ جب وہ افسر وہاں سے چلا گیا تو دینی سوف اسے اس کے غصے کے حوالے سے نصیحت کرنے لگا، اسے لڑکی کے ساتھ رستوف کے تعلقات کا کچھ علم نہ تھا۔ رستوف کہنے لگا "میں کیا کرتا؟ میرے لیے وہ بہن جیسی ہے، میں بتا نہیں سکتا کہ مجھے کس قدر غصہ آیا۔۔۔ کیونکہ۔۔۔ بہرحال کیونکہ۔۔۔"

دینی سوف نے اسے کندھے پر تھپکی دی اور اس کی طرف دیکھے بغیر کمرے میں ٹہلنے لگا جیسا کہ جذبات کے عالم میں وہ کیا کرتا تھا۔ وہ بڑبڑایا "تم رستوف کس قدر پاگل ہو" رستوف نے دیکھا تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

(16)

اپریل میں زار کے آنے سے فوجیوں میں نیا جوش و خروش پیدا ہو گیا۔ زار نے بارٹن شٹین میں فوجی دستوں کا معائنہ کیا۔ رستوف کو وہاں جانے کا موقع نہ مل سکا کیونکہ پاؤلوگراڈ رجمنٹ بارٹن شٹین سے دور بیرونی چوکیوں پر متعین تھی۔

پاؤلوگراڈ رجمنٹ کھلی فضا میں ڈیرے ڈالے ہوئے تھی اور وہاں کوئی سہولت میسر نہ تھی۔ دینی سوف اور رستوف کچے جھونپڑے میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ یہ جھونپڑا سپاہیوں نے ان کیلئے تعمیر کیا تھا اور اس پر گھاس پھونس اور درختوں کی شاخوں سے چھت بنا دی تھی۔ جھونپڑا اس دور کے مروجہ طریقے کے مطابق بنایا گیا۔ اس طریقے میں ایک

خندق کھود کر اس کے اوپر گھاس پھونس کی چھت ڈال دی جاتی۔ خندق کے ایک کنارے پر زمین کھود کر سیڑھیاں بنائی جاتیں جو آمد و رفت کا کام دیتیں۔ سکواڈرن کے کمانڈر جیسے خوش نصیب لوگوں کی خندق میں سیڑھیوں کے سامنے دوسرے کنارے پر چار پایوں کی مدد سے لکڑی کا ایک تختہ نصب کر دیا جاتا جو میز کا کام دیتا۔ خندق کے دونوں کناروں پر کچھ مٹی کھود کر باہر پھینک دی جاتی اس طرح سونے اور بیٹھنے کیلئے جگہ بنائی جاتی۔ چھت اس طرح تعمیر کی جاتی کہ خندق کے درمیان کھڑا ہونیوالے کو کسی قسم کی دقت کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ علاوہ ازیں اگر کوئی بستر پر بیٹھنا چاہتا تو بھی بیٹھ سکتا تھا۔ اسے صرف میز کی جانب کسی قدر جھکنا پڑتا تھا۔ دینی سوف اپنے سکواڈرن میں بیحد مقبول تھا اور مزے سے رہ رہا تھا۔ جھونپڑے میں داخلے کے دروازے پر اس نے تختہ لگوا کر اس میں ایک مرمت شدہ شکستہ شیشہ نصب کر دیا جس سے وہ کھڑکی کا کام دینے لگا۔ سردی میں لوہے کی ٹیڑھی میڑھی چادر پر سپاہیوں کے الاؤ سے آگ کے انگارے لائے جاتے اور سیڑھیوں پر رکھ دیے جاتے جنہیں دینی سوف استقبالیہ کہا کرتا تھا۔ اس سے خندق اتنی گرم ہو جاتی کہ افسر (جو اکثر دینی سوف اور رستوف کے ہاں ڈیرہ جمائے رکھتے تھے) صرف قمیصوں میں بھی آرام محسوس کرتے۔

اپریل میں رستوف ڈیوٹی افسر کی ذمہ داری نبھا رہا تھا۔ ایک رات جاگنے کے بعد وہ صبح آٹھ بجے واپس آیا اور انگارے لانے کا حکم دیا۔ بارش میں بھیگے کپڑے تبدیل کئے، دعائیں پڑھیں اور چائے پی کر بدن کو حرارت پہنچائی۔ بعدازاں اس نے میز پر اور کونے میں اپنی چیزیں ترتیب سے رکھیں۔ کھلی فضا میں گھومنے پھرنے کی وجہ سے اس کا چہرہ گرم ہو رہا تھا۔ وہ صرف قمیص پہن کر دونوں ہاتھ سر تلے رکھے پشت کے بل لیٹا تھا۔ اس وقت وہ بیحد خوش تھا اور چند دنوں میں ملنے والی متوقع ترقی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ وہ دینی سوف کا بھی منتظر تھا جو کہیں باہر گیا ہوا تھا۔

اس نے جھونپڑے کے پیچھے اچانک دینی سوف کے چلانے کی آواز سنی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ شدید غصے میں دھاڑ رہا ہو۔ رستوف یہ دیکھنے کیلئے اٹھ کر کھڑکی کی جانب گیا کہ دینی سوف کس پر غصہ نکال رہا ہے۔ اسے کوارٹر ماسٹر توپچنکوف دکھائی دیا۔

دینی سوف اسے کہہ رہا تھا "میں نے تمہیں کہا تھا کہ انہیں وہ جڑ۔۔۔ میری، کیا کہتے ہوا سے، نہیں کھانے دینی اور میں نے لازارچک کو خود اسے کھیتوں سے لاتے دیکھا ہے"

کوارٹر ماسٹر نے جواب دیا "حضور! میں انہیں کئی مرتبہ کہہ چکا ہوں، مگر کوئی میری بات ہی نہیں سنتا"

رستوف واپس آیا اور دوبارہ بستر پر لیٹ کر سوچنے لگا "میں اپنی ڈیوٹی دے چکا ہوں، اب وہ جانے اور اس کا کام، چیختا ہے تو چیختا رہے، میں اب آرام سے سوؤں گا۔۔۔ کتنا مزا آ رہا ہے" دیوار میں سے اسے دینی سوف کے بڑبولے اور بدمعاش اردلی لاورشکا کی آواز سنائی دے رہی تھی جو سامان سے بھری گاڑیوں، بسکٹوں اور بیلوں کے بارے میں کچھ کہہ رہا تھا۔ اس نے یہ تمام چیزیں اس وقت دیکھی تھیں جب وہ رسد تلاش کرنے گیا تھا۔

اس نے دینی سوف کی چلاتی آواز سنی جو کہیں دور سے آتی معلوم ہوتی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا "زین! دوسری پلاٹون!"

رستوف نے سوچا "یہ اس وقت کہاں جا رہے ہیں؟"

پانچ منٹ بعد دینی سوف جھونپڑے میں آیا اور کیچڑ سے بھرے بوٹوں سمیت بستر میں گھس کر اپنا پائپ جلانے لگا، پھر اس نے اپنی چیزیں ادھر ادھر کیں اور چابک و تلوار لے کر باہر نکل گیا۔ جب رستوف نے اس سے روانگی کی بابت پوچھا تو اس نے غصے میں غیر واضح جواب دیا "خدا اور عظیم زار میرا انصاف فرمائیں" باہر کیچڑ میں متعدد گھوڑے

آہستہ آہستہ گزر رہے تھے۔ رستوف کو ان کے سموں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اس نے یہ معلوم کرنے کی کوشش بھی نہ کی کہ دینی سوف کہاں گیا ہے۔ اپنے کونے میں حرارت کے باعث اسے نیند آ گئی۔ وہ شام ڈھلنے تک وہیں پڑا رہا۔ دینی سوف ابھی تک واپس نہیں پہنچا تھا۔ مطلع صاف ہو چکا تھا۔ اگلے جھونپڑے کے قریب دو افسر اور ایک کیڈٹ کھیل رہے تھے۔ رستوف بھی ان کے ساتھ کھیل میں شامل ہو گیا۔ کھیل جاری تھا کہ افسروں کو متعدد چھکڑے اپنی جانب آتے دکھائی دیے۔ ان کے پیچھے کمزور گھوڑوں پر سوار کم وبیش پندرہ ہوزار چلے آ رہے تھے۔ ہوزاروں کی نگرانی میں آنیوالے چھکڑے پڑاؤ کے قریب پہنچ گئے۔ ہوزاروں نے ان کے گرد مجمع لگا دیا۔

رستوف کہنے لگا "یہ بھی اچھا ہوا دینی سوف بیچارا پریشان ہو تا رہا اور رسد یہاں پہنچ گئی"

ایک افسر بولا "کتنے اچھے وقت پر پہنچی ہے، جوان بیحد خوش ہوں گے"

ہوزاروں سے چند قدم پیچھے دینی سوف چلا آ رہا تھا اور پیادہ فوج کے دو افسروں سے کسی بات پر بحث وتکرار میں مصروف تھا۔ رستوف ان کا استقبال کرنے آگے بڑھ گیا۔

ایک کمزور سا پستہ قد پیادہ افسر دینی سوف سے کہہ رہا تھا "کپتان میں آپ کو خبردار کرتا ہوں" بظاہر وہ شدید غصے میں دکھائی دیتا تھا۔

جواباً دینی سوف بولا "میں تمہیں کہہ چکا ہوں کہ انہیں واپس نہیں کروں گا"

افسر کہنے لگا "کپتان تم اس سلسلے میں جواب دہ ہو گے، یہ بغاوت کے زمرے میں آتا ہے۔۔۔ آپ نے اپنی ہی فوج کی گاڑیوں پر قبضہ کیا! ہمارے سپاہیوں نے دو دن سے کچھ نہیں کھایا"

دینی سوف کہنے لگا "اور میرے سپاہی دو ہفتوں سے بھوکے ہیں"

پیادہ افسر نے باآواز بلند کہا "یہ تو ڈاکہ زنی ہے۔ آپ کو جواب دینا پڑے گا"

دینی سوف چلا کر کہنے لگا "تم مجھے کیوں پریشان کر رہے ہو؟ جواب مجھے دینا ہو گا، تمہیں نہیں، بہتر ہو گا کہ یہاں سے چلے جاؤ، ایسا نہ ہو کہ تمہاری پٹائی ہو جائے، بھاگ جاؤ" اسے اچانک غصہ آ گیا۔

پیادہ افسر بڑبڑاتے ہوئے بولا "تو پھر ٹھیک ہے! اگر آپ اس ڈاکہ زنی پر تل ہی گئے ہیں تو پھر۔۔۔" وہ خوفزدہ ہوا تھا نہ اس نے اپنی جگہ سے حرکت کی۔

دینی سوف نے گھوڑا موڑا اور اس کی جانب لپکتے ہوئے بولا "جہنم میں جاؤ، جان پیاری ہے تو بھاگ جاؤ، ورنہ۔۔۔"

افسر دھمکی آمیز انداز میں بڑبڑایا "ٹھیک ہے، ٹھیک ہے" اس نے گھوڑا واپس موڑا اور بھاگ لیا۔ وہ زین پر بیٹھا اچھل رہا تھا۔

دینی سوف اس کی جانب دیکھ کر چلانے لگا "کتا باڑ پر بیٹھا ہے، کتا باڑ پر بیٹھا ہے" گھڑسوار فوج کے افسر کی جانب سے پیادہ افسر کی اس سے زیادہ توہین ممکن نہ تھی۔ پھر وہ رستوف کی جانب آیا۔ ہنستے ہنستے اس کے پیٹ میں بل پڑ گئے۔

وہ رستوف سے کہنے لگا "میں یہ پیادہ فوج سے چھین کر لایا ہوں۔ مجھ سے اپنے جوان بھوکے مرتے نہیں دیکھے جا سکے"

یہ چھکڑے جواب ہوزاروں کے قبضے میں تھے، پیادہ فوج کیلئے مخصوص کئے گئے تھے مگر جب دینی سوف

کو لاورشکا نے بتایا کہ ان کے ساتھ حفاظتی دستہ نہیں ہے تو ہوزاروں نے ان پر بزور طاقت قبضہ کر لیا۔ سپاہیوں کو اجازت دیدی گئی کہ وہ جس قدر چاہیں بسکٹ لے لیں۔ یہی نہیں کہ انہیں دیگر سکواڈرنوں میں بھی تقسیم کر دیا گیا۔

اگلے روز رجمنٹ کے کمانڈر نے دینی سوف کو بلا بھیجا اور اس کے سامنے اپنی انگلیاں پھیلاتے ہوئے کہنے لگا "اس معاملے میں میرا رویہ یہ ہو گا کہ مجھے اس بارے میں کچھ علم نہیں اور میں کوئی کارروائی بھی نہیں کروں گا، تاہم تمہیں میرا مشورہ ہے کہ گھوڑا پکڑو اور فوراً ہیڈ کوارٹر پہنچ جاؤ۔ وہاں شعبہ رسد کے حکام سے مل کر معاملات ٹھیک کر لو۔ اگر ہو سکے تو مختلف اشیاء کی وصولی کی رسید بھی دے دو۔ اگر ایسا نہ ہوا اور اشیائے خوردنی پیادہ فوج کے کھاتے میں درج رہیں تو معاملہ خراب ہو جائے گا"

کرنل سے ملاقات کے بعد دینی سوف سیدھا ہیڈ کوارٹر پہنچ گیا، وہ خلوص نیت سے اس کے مشورے پر عمل کرنے کا خواہشمند تھا۔

شام کے وقت وہ واپس آیا تو اس کی حالت دیکھ کر رستوف کو شدید حیرت کا سامنا ہوا۔ اس نے دینی سوف کو کبھی اس حالت میں نہیں دیکھا تھا۔ وہ کسی سے بات نہیں کر پا رہا تھا اور اس کی سانس پھول رہی تھی۔ جب رستوف نے پوچھا تو وہ کمزور سی آواز میں بے ربط دھمکیاں اور کسی کو گالیاں بکنے لگا۔

دینی سوف کی حالت دیکھ کر رستوف کو کھٹکا ہوا اور اس نے اسے لباس بدلنے اور پانی پینے کا مشورہ دیا جس کے بعد اس نے ڈاکٹر بلا بھیجا۔

دینی سوف کہہ رہا تھا "ڈاکہ زنی کے الزام میں میرا کورٹ مارشل ہو گا۔۔۔ اوہ! اور پانی دو!۔۔۔ انہیں میرا کورٹ مارشل کرنے دو۔۔۔! میں کروں گا، پھر کروں گا، بدمعاشوں کی پٹائی کروں گا، اور میں شہنشاہ کو بھی آگاہ کروں گا۔۔۔ برف دو!" وہ بولتا رہا۔

رجمنٹ کے ڈاکٹر نے کہا کہ دینی سوف کے جسم سے خون نکلوانا ضروری ہے اور جب اس کے بالوں بھرے بازو سے گہری پلیٹ کے برابر خون نکالا جا چکا تو وہ گفتگو کے قابل ہو سکا۔

دینی سوف نے بتایا "میں وہاں پہنچا اور ان سے پوچھا کہ آپ کے صاحب کہاں ہیں؟ انہوں نے اس کے مکان کی طرف اشارہ کیا اور مجھے انتظار کرنے کو کہا۔ میں نے انہیں بتایا کہ میں تیس میل گھوڑے پر سفر کر کے آیا ہوں اور مجھے دیگر فرائض بھی انجام دینا ہیں لہٰذا انہیں میری آمد کی اطلاع دے دو۔ بہت خوب، مگر بڑا ڈاکو باہر آ گیا اور وہ بھی مجھے نصیحت کرنے لگا" میں نے اسے کہا کہ جو شخص اپنے سپاہیوں کا پیٹ بھرنے کیلئے کھانے کی اشیاء پر قبضہ کرے اسے ڈاکو نہیں کہا جا سکتا۔ ڈاکو وہ ہوتا ہے جو اپنی جیب بھرنے کیلئے لوٹ مار کرتا ہے" وہ کہنے لگا "بہت اچھے، رسد کمشنر کے دفتر میں جاؤ اور وصولی کی رسید لکھ دو مگر اس معاملے کے بارے میں ہیڈ کوارٹر کو رپورٹ بھیج دی جائے گی" میں رسد کمشنر کے دفتر میں گیا اور۔۔۔ وہاں تم سوچ سکتے ہو۔۔۔ کون بیٹھا تھا؟۔۔۔ نہیں، ذرا سوچو کہ۔۔۔ کون ہمیں بھوکا مار رہا ہے؟" دینی سوف غصے میں دھاڑا اور ساتھ ہی اس نے تختے پر اس بازو سے زوردار مکا مارا جس میں سے کچھ دیر پہلے خون نکالا گیا تھا۔ پھر وہ بولا "تلیانن!۔۔ میں نے کہا، یہ تم ہو جو ہمیں فاقے کروا رہے ہو" یہ کہہ کر میں نے اسے زور سے تھپڑ مارا جو اس کے منہ پر لگا۔ میں نے اس کی پٹائی شروع کر دی" دینی سوف اپنی مونچھوں کے نیچے سفید دانت نکال کر مسکراتے ہوئے بولا "اگر وہ مجھے گھسیٹ کر دور نہ لے جاتے تو میں اسے جان سے ہی مار ڈالتا"

رستوف نے کہا "مگر تم شور کیوں مچا رہے ہو، خاموش ہو جاؤ، تمہارے بازو سے دوبارہ خون نکلنے لگا ہے۔

ٹھہرو، دوبارہ پٹی باندھنا پڑے گی۔"

دینی سوف کی پٹی دوبارہ باندھ دی گئی اور اسے بستر پر لٹا دیا گیا۔ اگلے دن جب وہ بیدار ہوا تو اس کی طبیعت بشاش بشاش ہو چکی تھی۔

دوپہر کے وقت رجمنٹ کا ایجوٹنٹ ان کے زیر زمین جھونپڑے میں آیا۔ اس کے چہرے پر گھمبیر سنجیدگی طاری تھی۔ اس نے افسوسناک انداز میں دینی سوف کو رجمنٹ کے کمانڈر کا خط دکھایا جس میں اس سے گزشتہ روز کے واقعات کی وضاحت مانگی گئی تھی۔ ایجوٹنٹ نے اسے بتایا کہ معاملہ خراب ہو چکا ہے اور اس حوالے سے فوجی عدالت قائم کی جا چکی ہے۔ ان دنوں لوٹ مار اور حکم عدولی کے واقعات کے حوالے سے جو سختی کی جا رہی ہے اسے دیکھتے ہوئے اگر تنزلی کر کے آپ کو عام سپاہی بنا دیا جائے تو خود کو خوش قسمت سمجھیں۔

شکایت کرنیوالوں کا موقف تھا کہ رسدی گاڑیوں پر قبضہ کرنے کے بعد دینی سوف نشے کی حالت میں چیف کوارٹر ماسٹر کے دفتر گیا اور اسے گالیاں بکتے ہوئے دھمکی دی کہ اس کی پٹائی کر دے گا اور جب اسے باہر نکالنے کی کوشش کی گئی تو وہ زبردستی اندر گھس آیا، دو ملازمین کو مارا اور ایک کا بازو توڑ ڈالا۔

رستوف کے مزید سوالات کے جواب میں دینی سوف نے قہقہہ لگایا اور کہا "مجھے یاد ہے کہ کسی دوسرے نے اس معاملے میں دخل اندازی کی تھی مگر یہ سب کچھ بکواس ہے۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں، جہاں تک کورٹ مارشل کا تعلق ہے، میں اس سے نہیں ڈرتا۔ اگر ان حرامزادوں نے مجھ سے الجھنا چاہا تو میں انہیں سبق سکھا دوں گا۔"

دینی سوف اس تمام معاملے کا حقارت سے تذکرہ کرتا رہا تاہم رستوف کو اندازہ ہو گیا کہ وہ کورٹ مارشل سے خوفزدہ ہے کیونکہ وہ دینی سوف کو اچھی طرح جانتا تھا (تاہم اس نے اپنے اس اندازے سے دوسروں کو آگاہ نہ کیا) اس کیلئے یہ مسئلہ پریشان کن صورت اختیار کر گیا کیونکہ یہ بات طے تھی کہ اس کے اچھے نتائج نہیں نکلیں گے۔ سرکاری کاغذات روزانہ موصول ہونے لگے، کبھی مختلف اقسام کے فارم بھیج دیے جاتے اور کبھی عدالتی سمن پہنچ جاتے۔ یکم مئی کے دن دینی سوف کو سکواڈرن کی قیادت اگلے سینئر افسر کے حوالے کرنے کے بعد ہیڈکوارٹر میں تفتیش کیلئے پیش ہونے کا حکم ملا تاکہ محکمہ رسد کے دفتر میں اس کے برپا کردہ ہنگامے کی تحقیقات ہو سکیں۔ جس دن اسے یہ حکم ملا اس سے ایک دن پہلے پلاتوف نے دو قازق رجمنٹوں اور ہوزاروں کے دو سکواڈرنوں کے ساتھ دشمن کے زیر قبضہ علاقے کا جائزہ لیا تھا۔ دینی سوف حسب عادت گھوڑے پر سوار سب سے آگے تھا اور بہادری کے جوہر دکھا رہا تھا۔ اسی دوران کسی ماہر فرانسیسی نشانہ باز کی گولی اس کی ران سے رگڑ کھا کر گزر گئی۔ کوئی اور وقت ہوتا تو دینی سوف اس زخم کی پرواہ نہ کرتا اور رجمنٹ کے ساتھ رہتا، تاہم اب اس نے یہ موقع غنیمت جانا اور اسے ہیڈکوارٹر میں پیش نہ ہونے کا بہانہ مل گیا اور وہ ہسپتال میں داخل ہو گیا۔

(17)

جون میں فرائیڈلینڈ کی جنگ لڑی گئی جس میں پاؤلوگراڈ رجمنٹ شریک نہ ہوئی۔ لڑائی کے بعد عارضی صلح کا اعلان ہوا۔ رستوف کو اپنے دوست کی عدم موجودگی بیحد محسوس ہو رہی تھی۔ روانگی کے بعد سے اس کی کوئی اطلاع نہیں ملی تھی۔ رستوف کو یہ فکر تھی کہ نہ جانے اس کے زخم کی کیا حالت ہو اور اس کے معاملات کس صورت میں ہوں۔ چنانچہ اس نے عارضی صلح نامے سے فائدہ اٹھانے کا ارادہ کرتے ہوئے دینی سوف سے ملاقات کی غرض سے چھٹی لے

لی۔

ہسپتال پرشیا کے ایک چھوٹے سے قصبے میں واقع تھا جو روسی اور فرانسیسی فوج کے ہاتھوں دو مرتبہ تباہ ہو چکا تھا۔ گرمیوں کے موسم میں چراگاہیں اور کھیت اچھی حالت میں ہوتے ہیں چنانچہ مکانوں کی چھتوں اور باڑوں سے محروم یہ چھوٹا سا قصبہ گندگی سے اٹا ہوا تھا۔ یہاں کے مکین انتہائی بری حالت میں زندگی بسر کر رہے تھے اور گلیوں میں بیمار اور مدہوش فوجی آوارہ گردی کرتے پائے جاتے۔ اس صورتحال میں یہ قصبہ خاص طور پر اداسی اور ویرانی کی علامت بنا ہوا تھا۔

ہسپتال اینٹوں سے بنی عمارت میں قائم کیا گیا تھا اور اس کی کھڑکیاں ٹوٹ چکی تھیں۔ ہسپتال کی چاروں جانب صحن تھا جس کے ارد گرد باڑ کی بچی کھچی نشانیاں موجود تھیں۔ پیلے اور متورم چہروں والے متعدد فوجی جسم پر پٹیاں باندھے ٹہلنے میں مصروف تھے اور بعض دھوپ میں بیٹھے تھے۔

رستوف جونہی ہسپتال کے دروازے سے اندر داخل ہوا، گلے سڑے جسموں اور ہسپتال کی بدبو نے اسے لپیٹ میں لے لیا۔ سیڑھیوں پر اسے ایک ڈاکٹر ملا جو سگار پی رہا تھا۔ ڈاکٹر کے پیچھے پیچھے اس کا روسی نائب کھڑا تھا۔

ڈاکٹر کہہ رہا تھا "میں ایک وقت میں دو جگہوں پر نہیں جا سکتا۔ آج شام میکرالیکسی وچ کے ہاں آ جانا، میں وہیں موجود ہوں گا۔"

نائب نے ایک اور بات پوچھنے کی کوشش کی۔

ڈاکٹر بولا "جیسا مناسب سمجھو کرو، کیا فرق پڑتا ہے؟"

ڈاکٹر نے سیڑھیاں چڑھتے رستوف کو دیکھا تو بولا "جناب یہاں کیا کر رہے ہیں؟ آپ گولیوں سے اسی لیے بچے ہیں کہ ٹائفس بخار میں مبتلا ہو جائیں۔ جناب سچ کہتا ہوں، یہ ہسپتال نہیں بیماریوں کا گھر ہے۔"

رستوف نے پوچھا "وہ کیسے؟"

ڈاکٹر بولا "ٹائفس جناب، یہاں آنا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ صرف ہم دونوں، میں اور ماکیف (اس نے اپنے نائب کی جانب اشارہ کیا) تندرست ہیں۔ ہمارے نصف درجن ساتھی وفات پا چکے ہیں۔ جونہی کوئی نیا آدمی آتا ہے، ایک ہفتے میں جان سے گزر جاتا ہے۔" ڈاکٹر نے اطمینان سے گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا "پرشیا کے ڈاکٹروں کو یہاں آنے کا حکم دیا گیا تھا مگر یوں لگتا ہے ہمارے یہ اتحادی یہاں کی ملازمت کو پسند کرتے ہی نہیں۔"

رستوف کہنے لگا "میں یہاں ہوزاروں کے میجر دینی سوف سے ملنے آیا ہوں۔ وہ یہاں زخمی حالت میں لائے گئے تھے۔"

ڈاکٹر نے جواباً کہا "جناب، میں کچھ نہیں جانتا۔ ذرا سوچیں مجھے تین ہسپتال دیکھنا ہوتے ہیں، چار سو مریضوں کی نگہداشت میرے ذمے ہے۔ پرشیا کی چند مخیر خواتین کا بھلا ہو کہ وہ ہر مہینے ہمیں دو پاؤنڈ کافی اور مرہم پٹی کیلئے کچھ کپڑا بھیج دیتی ہیں ورنہ تو ہمارے پاس کچھ بھی نہ تھا۔" اس نے قہقہہ لگا کر کہا "جناب چار سو مریض، ہر روز نئے مریض آتے رہتے ہیں۔" اس نے نائب کی جانب دیکھا اور پوچھا "چار سو ہی ہیں ناں۔"

یوں لگتا تھا جیسے تھکن نے نائب کا کچومر نکال دیا ہو۔ یہ بات عیاں تھی کہ وہ جھنجھلاہٹ میں مبتلا ہے اور باتونی ڈاکٹر سے فوری پیچھا چھڑانا چاہتا ہے۔

رستوف نے دوبارہ کہا "میجر دینی سوف، وہ مولٹین میں زخمی ہوئے تھے۔"

ڈاکٹر نے لاپروائی سے نائب سے پوچھا" مجھے یقین ہے کہ وہ جاں بحق ہو چکے ہیں، کیوں ما کیف؟"

نائب نے ڈاکٹر کی تائید نہ کی۔

ڈاکٹر نے پوچھا" اس کا لمبا قد اور سرخ بال تھے؟"

رستوف نے دینی سوف کا حلیہ بیان کیا۔

ڈاکٹر بولا" ہاں، ایسا آدمی یہاں تھا۔ وہ یقیناً جاں بحق ہو گیا ہوگا۔ بہر حال میں معلوم کرتا ہوں۔ ہمارے پاس فہرستیں تھیں، ما کیف تمہارے پاس تو نہیں" اس کا انداز ایسا تھا جیسے خوشی سے نہال ہو گیا ہو"

نائب نے جواب دیا" فہرستیں الیکسی وچ کے پاس ہیں" پھر وہ رستوف کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا" آپ افسروں کے وارڈ میں چلے جائیں تو خود جان لیں گے"

ڈاکٹر نے کہا" جناب، بہتر ہوگا کہ آپ نہ ہی جائیں، ورنہ شاید آپ کو بھی یہیں ٹھہرنا پڑے"

مگر رستوف نے ڈاکٹر جو جھک کر سلام کیا اور نائب سے راستہ پوچھا۔

پیچھے سے ڈاکٹر با آواز بلند بولا" ٹھیک ہے، بعد میں مجھے مت کہنا"

رستوف اور نائب ایک راہداری میں مڑ گئے۔ اس تاریک راہداری میں اتنی بدبو تھی کہ رستوف نے ہاتھ ناک پر رکھ لیا اور وہیں رک گیا تا کہ آگے جانے کا حوصلہ پیدا کر سکے۔ دائیں جانب ایک دروازہ کھلا اور زیر جامہ پہنے پیلے چہرے والا ایک کمزور شخص ننگے پاؤں باہر آیا۔ وہ بیساکھیوں کے سہارے چل رہا تھا۔ اس نے دروازے کی چوکھٹ کا سہارا لیا اور انہیں اپنی چمکدار اور رشک بھری آنکھوں سے دیکھنے لگا۔ رستوف نے کمرے میں جھانکا۔ اسے زخمی اور بیمار فرش پر لیٹے دکھائی دیے۔ چند ایک کے نیچے گھاس پھونس اور دیگر کے نیچے کوٹ بچھے ہوئے تھے۔

رستوف نے پوچھا" کیا میں اندر جا کر دیکھ سکتا ہوں؟"

نائب نے جواب دیا" دیکھنے کیلئے ہے ہی کیا؟" رستوف اندر چلا گیا۔ اس نے راہداری میں جو تعفن محسوس کیا تھا، یہاں وہ اس سے بھی بڑھ کر تھا۔ یہاں کی بدبو راہداری سے مختلف تھی اور زیادہ تیزی سے ناک میں گھستی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے تمام ہسپتال میں پھیلی بدبو یہیں سے برآمد ہوتی ہے۔ وسیع کمرے کو کھڑکیوں سے آنیوالی دھوپ نے روشن کر رکھا تھا اور زخمی و بیمار دیوار کی جانب منہ کئے دو قطاروں میں لیٹے تھے۔ قطاروں کے درمیان گزرنے کیلئے راستہ چھوڑ دیا گیا تھا۔ ان لوگوں میں سے کسی کو ہوش نہ تھا اور وہ کمرے میں آنے جانے والوں کی موجودگی سے بے خبر تھے۔ دیگر لوگوں میں قدرے ہلچل دیکھنے کو ملی۔ بعض لوگوں نے اپنے سر اٹھائے اور بعض نے کمزور پیلے چہرے گھما کر دیکھا۔ وہ رستوف کی جانب بغور دیکھ رہے تھے۔ ان کے انداز سے یوں لگتا تھا جیسے انہیں مدد کی توقع ہے یا لعنت ملامت کر رہے ہیں یا تندرست کو دیکھ کر حسد کا شکار ہیں۔ رستوف کمرے کے وسط میں پہنچ گیا۔ اس نے دو کھلے دروازوں سے برابر والے کمروں میں جھانکا اور وہاں بھی اسے یہی مناظر دکھائی دیے۔ وہ ساکت کھڑا چاروں جانب دیکھ رہا تھا۔ اس نے ایسے مناظر دیکھنے کا سوچا بھی نہ تھا۔ اس کے بالکل قریب راہ میں ایک بیمار پڑا تھا جس کے بالوں سے معلوم ہوتا تھا جیسے وہ قازق ہے۔ یہ شخص پشت کے بل لیٹا تھا اور اس کے بھاری بھرکم بازو اور ٹانگیں باہر کو نکلی تھیں۔ اس کا چہرہ ارغوانی اور آنکھیں اندر کو دھنسی تھیں جن کی سفیدی دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے سرخ برہنہ بازوؤں اور ٹانگوں کی رگیں رسیوں کی طرح ابھری ہوئی تھیں اور وہ سر فرش سے ٹکراتے ہوئے پانی مانگ رہا تھا۔ رستوف اس کی بات بغور سننے کے بعد ہی سمجھ پایا۔ اس نے دائیں بائیں دیکھا۔ وہ کوئی ایسا شخص دیکھنا چاہتا تھا جو اس بیمار کو اپنی جگہ لٹا سکتا اور پانی پلاتا۔

اس نے نائب سے پوچھا" یہاں مریضوں کی خبر گیری کون کرتا ہے؟" اسی لمحے ایک اردلی کمرے میں آیا اور رستوف کے پاس پہنچ کر چوکس کھڑا ہو گیا۔

پھر وہ بولا" جناب عالی! خدا آپ کی عمر دراز کرے" وہ دیدے پھاڑ کر رستوف کو دیکھے جا رہا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے اس نے اسے ہسپتال کا کوئی افسر سمجھا ہے۔

رستوف نے قازق کی جانب اشارہ کرتے ہوئے اسے حکم دیا" اس جوان کو اپنی جگہ پر لٹا دو اور اسے پانی پلاؤ"

اردلی نے جواب دیا" یقیناً جناب عالی!" یہ کہتے ہوئے اس نے مزید اکڑ کر کھڑا ہونے کی کوشش کی اور اس کوشش میں اس کی آنکھیں باہر کو نکل آئیں۔ تاہم وہ اپنی جگہ سے نہ ہلا۔

رستوف نے سوچا" نہیں، یہاں کچھ نہیں ہو سکتا" اس کی نگاہیں جھک گئیں۔ وہ باہر نکلنا چاہتا تھا کہ اسے احساس ہوا جیسے دائیں جانب ایک معمر فوجی اس کی جانب تکے جا رہا ہو۔ وہ مڑا اور دیکھا کہ کمرے کے کونے میں کوٹ پر بیٹھا بڑی داڑھی والا ایک معمر فوجی جس کے پیلے چہرے پر خشونت نمایاں تھی، اسے مسلسل گھور رہا ہے۔ اس کے قریب بیٹھا ایک شخص اس کے کان میں کچھ کہتے ہوئے رستوف کی جانب اشارہ کر رہا تھا۔ رستوف کو احساس ہوا کہ بوڑھا اس سے کچھ کہنا چاہتا ہے۔ وہ اس کے قریب چلا گیا۔ اس نے دیکھا کہ بوڑھے کی صرف ایک ٹانگ ہے جسے اس نے آلتی پالتی مار کر رکھا ہوا ہے۔ اس کی دوسری ٹانگ گھٹنے سے کٹی ہوئی تھی۔ دوسری جانب اس کا ہمسایہ سر جھکائے اس سے کچھ فاصلے پر بے جان حالت میں پڑا تھا۔ یہ چپٹی ناک والا نوجوان سپاہی تھا جس کے زرد چہرے پر نشانات نمایاں تھے۔ اس کی آنکھیں اندر دھنسی ہوئی تھیں۔ رستوف نے اس نوجوان سپاہی کو دیکھا اور اسے ٹھنڈا پسینہ آ گیا۔

اس نے نائب کی طرف دیکھ کر کہا" یوں لگتا ہے کہ یہ۔۔۔"

بوڑھا سپاہی بولا" جناب ہم اس کی منت اور اس سے بحث کر چکے ہیں۔۔۔ آخر ہم کتے تو نہیں، انسان ہیں۔۔۔" اس کے ہونٹ کانپنے لگے۔

نائب کہنے لگا" میں ابھی کسی کو بھیجتا ہوں۔ اسے اٹھایا جائے گا۔ فوراً اٹھا لیں گے۔ آئیے جناب، چلیں"

رستوف فوراً بولا" آؤ چلیں، آؤ چلیں" اس کی نظریں جھک گئیں۔ وہ راستے کی دونوں جانب خود پر گڑی ملامت آمیز اور حاسدانہ نگاہوں سے بچ کر گزرنے کی کوشش کرتے ہوئے کمرے سے نکل گیا۔

(18)

نائب نے رستوف کو راہداری سے گزار کر افسروں کے وارڈ میں پہنچا دیا۔ یہ تین کمروں پر مشتمل تھا جن کے دروازے ایک دوسرے کے اندر کھلتے تھے۔ ان کمروں میں پلنگ بچھے تھے اور زخمی یا بیمار افسران کے اوپر لیٹے یا بیٹھے تھے۔ بعض افسر ہسپتال کے ڈریسنگ گاؤن پہن کر کمرے میں ادھر ادھر گھوم رہے تھے۔ افسروں کے وارڈ میں رستوف جس پہلے شخص کو ملا وہ ایک کمزور جسامت کا مالک پستہ قد شخص تھا جس کا ایک بازو کٹا ہوا تھا۔ وہ ٹوپی اوڑھے، منہ میں چھوٹا سا پائپ دبائے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ رستوف نے اسے دیکھا اور یاد کرنے کی کوشش کی کہ وہ پہلے اس سے کہاں ملا تھا۔

پستہ قد شخص نے اسے دیکھ کر کہا" قسمت نے ہمیں ایک مرتبہ پھر ملا دیا ہے۔ توشن، توشن، یاد آیا۔۔۔ میں

نے تمہیں شون گرابرن میں گاڑی پر بٹھایا تھا۔ یہ تو تم دیکھ ہی چکے ہو کہ انہوں نے میرا ایک بازو کاٹ دیا ہے۔۔۔" اس نے اپنی خالی آستین کی جانب اشارہ کیا اور مسکرانے لگا۔ پھر وہ بولا "واسیلے دمتریچ دینی سوف کو تلاش کر رہے ہو؟ ٹھیک؟ وہ میرے کمرے میں رہتا ہے" اس نے رستوف کو اشارہ کرتے ہوئے کہا "ادھر، اس طرف" اور پھر اسے اس کمرے کی جانب لے گیا جہاں بلند قہقہے سنائی دے رہے تھے۔

رستوف نے سوچا "ہنسنا تو دور کی بات ہے، یہ لوگ یہاں زندہ کیسے رہ رہے ہیں" اس نے فوجی جوانوں کے کمرے میں جو لاش دیکھی تھی اس کی بو ابھی تک اس کی ناک میں گھسی ہوئی تھی۔ علاوہ ازیں کمرے سے باہر نکلتے ہوئے اس کی جانب اٹھی حاسد نگاہیں ابھی تک اس کی نظروں کے سامنے تھیں اور وہ اس نوجوان فوجی کا چہرہ بھی نہیں بھلا پایا تھا جس کی آنکھیں اندر کو دھنسی تھیں۔ اگرچہ بارہ بج چکے تھے مگر دینی سوف ابھی تک کمبل میں سر چھپائے سو رہا تھا۔

اس کی آواز سنائی دی "ارے رستوف، کیا حال ہے؟" اگرچہ اس کی آواز ویسی ہی گرجدار تھی جیسی رجمنٹ میں سنائی دیتی تھی مگر رستوف کو یہ دیکھ کر بیحد دکھ ہوا کہ اس کی روایتی زندہ دلی تلے ایک نیا اور بدخواہی پرمبنی جذبہ موجود ہے جس کا اظہار اس کے چہرے کے تاثرات اور آواز سے ہو رہا تھا۔

اگرچہ اس کا زخم معمولی تھا مگر ابھی مندمل نہیں ہوا تھا، حالانکہ اسے یہ زخم چھ ہفتے قبل آیا تھا۔ ہسپتال میں ٹھہرے دیگر لوگوں کی طرح اس کے چہرے پر بھی زردی مائل ورم نمایاں تھا۔ مگر رستوف کو جو بات حیران کن معلوم ہوئی وہ یہ پیلا ورم نہیں تھا بلکہ یہ احساس تھا کہ دینی سوف اسے دیکھ کر خوش نہیں ہوا اور اس کے چہرے پر دکھائی دینے والی مسکراہٹ مصنوعی ہے۔ اس نے رجمنٹ کے بارے میں کوئی سوال کیا نہ عمومی حالات دریافت کئے۔ جب رستوف ان کا ذکر کر رہا تھا تو اس نے بات پر کوئی توجہ نہ دی۔

رستوف نے اندازہ لگایا کہ دینی سوف کو رجمنٹ کے بارے میں کوئی بات یا ہسپتال سے باہر پابندیوں سے آزاد زندگی کے حوالے سے کچھ بھی سننا پسند نہیں۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ اپنی اس پرانی زندگی کو بھلانے کی کوششوں میں مصروف ہے اور اب اسے جس واحد معاملے سے دلچسپی رہ گئی تھی وہ محکمہ رسد کے افسروں کے ساتھ جھگڑا تھا۔ جب رستوف نے اس سے پوچھا کہ معاملات کیا رخ اختیار کئے ہوئے ہیں تو اس نے فوراً تکیے کے نیچے سے کمیشن کی جانب سے ارسال کردہ کاغذ نکالا۔ اس نے جواب دینے کیلئے جو ابتدائی مسودہ تیار کیا تھا، وہ بھی رستوف کو دکھایا۔ جب وہ اسے پڑھ کر سنا رہا تھا تو اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا اور ہر لحظہ اس کا جوش و خروش بڑھتا گیا۔ اس نے جس جلے کٹے انداز سے اپنے مخالفین کا تذکرہ کیا تھا اس جانب رستوف کی بطور خاص توجہ دلائی۔ جب دینی سوف نے یہ خط پڑھنا شروع کیا تو اس کے ہسپتال کے ساتھی جو رستوف کو بیرونی دنیا سے آنیوالا شخص جان کر اس کے گرد اکٹھے ہو گئے تھے، آہستہ آہستہ واپس ہونے لگے۔ رستوف نے ان کے چہروں سے اندازہ لگایا کہ وہ یہ کہانی متعدد بار سن چکے ہیں اور اب اس میں ان کیلئے کوئی کشش باقی نہیں رہی۔ صرف ساتھ والا اپنا کشا مریض اوظلن بستر پر بیٹھا رہا، وہ پائپ پی رہا تھا اور اس کے چہرے پر اداسی اور خفگی کے تاثرات نمایاں تھے، یا پھر پستہ قد توشن وہاں کھڑا یہ داستان سنتا رہا اور ناپسندیدگی کے عالم میں گردن ہلاتا رہا۔ ابھی خط پڑھا جا رہا تھا کہ اوظلن نے دینی سوف کو ٹوک دیا اور کہنے لگا "میں کہتا ہوں کہ انہیں زار کو معافی کی درخواست دینی چاہئے۔ سننے میں آیا ہے ان دنوں انعام و اکرام دیے جا رہے ہیں۔ ان حالات میں انہیں معافی ملنے کا قوی امکان ہے۔"

دینی سوف بولا "میں اور زار کو درخواست دوں" اس کے انداز سے یوں لگتا تھا جیسے وہ اپنے لہجے میں پرانی

قوت پیدا کرنے کی کوشش کر رہا ہے مگر اس کی آواز یوں تھی جیسے ہمت جواب دے چکی ہو اور وہ اب صرف غصے کا اظہار کر رہا ہو۔ وہ کہنے لگا "کیوں درخواست دوں؟ اگر میں ڈاکو ہوتا تو ضرور درخواست دیتا مگر میرا کورٹ مارشل اس لیے ہو رہا ہے کہ میں ڈاکوؤں سے حساب کتاب کرنا چاہتا تھا۔ میرا کورٹ مارشل کر دیا جائے، میں نہیں ڈرتا۔ میں نے باوقار انداز سے اپنے ملک اور زار کی خدمت کی ہے اور میں چور نہیں ہوں اور وہ مجھے بے عزت کرنا اور عام سپاہی بنانا چاہتے ہیں اور۔۔۔ سن لیں، میں انہیں صاف صاف بتا دوں، دیکھو، میں نے انہیں لکھا ہے" اگر میں نے سرکاری خزانے پر ڈاکہ مارا ہوتا۔۔۔"

توشن کہنے لگا "واسیلے دمتریچ، آپ نے جو لکھا درست لکھا ہے مگر مسئلہ یہ نہیں" پھر وہ رستوف کی جانب متوجہ ہو کر کہنے لگا "انسان کو صبر کرنا ہی پڑتا ہے اور واسیلے دمتریچ یہی کرنے کو تیار نہیں۔ آپ کو علم ہے کہ آڈیٹر نے خود کہا تھا، معاملہ خراب ہو گیا ہے"

دینی سوف غصے میں کہنے لگا "ٹھیک ہے، پھر اسے خراب ہی رہنے دیں"

توشن نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "آڈیٹر نے آپ کو معافی کی درخواست لکھ کر دی تھی، آپ کو اس پر دستخط کر دینے چاہئیں اور اسے اس کے حوالے کر دینا چاہئے۔ یقیناً ان کے (اس نے رستوف کی جانب اشارہ کیا) سٹاف افسروں سے تعلقات ہیں اور آپ کو اس سے بہتر موقع نہیں ملے گا۔"

دینی سوف کہنے لگا "مگر میں کہہ چکا ہوں کہ معافی نہیں مانگوں گا" اور پھر دوبارہ خط پڑھنا شروع کر دیا۔"

رستوف نے محسوس کیا کہ توشن اور دیگر افسروں نے دینی سوف کو عقلمندی پرمبنی مشورہ دیا تھا اور اگر وہ اس کے کسی کام آ سکتا تو اسے دلی مسرت ہوتی مگر اس میں اسے سمجھانے کا حوصلہ نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے دوست کا ارادہ غیر لچکدار ہوتا ہے اور دیانتداری کے معاملے میں وہ جوشیلا واقع ہوا ہے۔

جب دینی سوف اپنا کاٹ دار خط پڑھ چکا تو رستوف خاموش رہا۔ اس نے بقیہ دن افسردگی کے عالم میں دینی سوف کے ساتھی مریضوں کے ساتھ گزارا جو ایک مرتبہ پھر اس کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ وہ ان کی باتیں سنتا اور انہیں اپنی سناتا رہا۔ دینی سوف شام تک منہ بسورے بیٹھا رہا اور منہ سے کچھ نہ بولا۔

شام کے بعد رستوف نے روانگی کا ارادہ کیا اور دینی سوف سے پوچھا "میرے لائق کوئی کام ہو تو بتائیں"

دینی سوف بولا "ہاں، ذرا ٹھہرو" اور پھر دوسرے افسروں کی جانب سرسری نگاہ سے دیکھتے ہوئے تکیے کے نیچے سے کاغذات نکال کر کھڑکی کے پاس پہنچا اور لکھنا شروع کر دیا۔

کچھ دیر بعد وہ واپس آیا اور رستوف کو ایک بڑا لفافہ تھماتے ہوئے کہنے لگا "یوں لگتا ہے دیوار سے سر ٹکرا کر کچھ حاصل نہیں ہوگا" یہ وہ درخواست تھی جو آڈیٹر نے زار کے نام لکھی تھی۔ اس میں دینی سوف نے محکمہ رسد کے افسروں کے جرائم اور بدعنوانیوں کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا بلکہ سیدھے سادے الفاظ میں معافی نامہ لکھا تھا۔ وہ رستوف سے بولا "یہ پہنچا دینا۔۔۔ یوں لگتا ہے۔۔۔" وہ اپنی بات مکمل نہ کر سکا اور محض تکلیف دہ انداز سے زبردستی مسکرا دیا۔

(19)

رستوف رجمنٹ میں واپس آنے اور کمانڈر کو دینی سوف کے معاملات سے آگاہ کرنے کے بعد شہنشاہ کے نام درخواست لے کر تلسٹ روانہ ہو گیا۔

13 جون کو فرانسیسی اور روسی شہنشاہ ٹلسٹ میں ملاقات کر چکے تھے۔ بورس دروبتسکی جن اہم شخصیات کے عملے میں شامل تھا، ان سے اس نے درخواست کی تھی کہ اس موقع پر جن سٹاف افسروں کو ڈیوٹی پر متعین کیا جائے گا ان میں اس کا نام بھی شامل کر لیا جائے۔

اس نے نپولین کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا "میں اس عظیم شخص کو دیکھنا چاہوں گا" دیگر لوگوں کی طرح وہ بھی اسے بوناپارٹ کہتا تھا۔

جنرل نے مسکراتے ہوئے اس سے پوچھا "کیا تم بوناپارٹ کی بات کر رہے ہو؟"

بورس نے جنرل کی جانب استفہامیہ نگاہوں سے دیکھا اور فوراً جان گیا کہ اس کا امتحان لیا جا رہا ہے۔

جرنیل کی بات کے جواب میں وہ مسکراتے ہوئے بولا "محترم، میں شہنشاہ نپولین کی بات کر رہا ہوں"

جرنیل نے اس کے کندھے پر تھپکی دی اور اپنے ساتھ ٹلسٹ لے گیا۔ جس روز دریائے نائیمن کے کنارے دونوں شہنشاہوں نے ملاقات کی تھی، اس روز موقع پر چند گنے چنے لوگوں میں بورس بھی شامل تھا۔ اس نے وہ کشتیاں دیکھیں جن پر شاہی نشانات بنے تھے اور دریا کے دوسرے کنارے پر نپولین کو فرانسیسی گارڈز کے قریب سے گزرتے دیکھا۔ اسے دریائے نائیمن کے کنارے ہوٹل میں شہنشاہ الیگزنڈر کا متفکر چہرہ دیکھنے کا بھی موقع ملا۔ اس نے دونوں شہنشاہوں کو کشتی میں سوار ہوتے دیکھا۔ اس نے یہ بھی دیکھا کہ کشتی کے پاس پہلے پہنچنے والے نپولین نے کس عجلت سے الیگزنڈر کا استقبال کیا تھا، اور پھر کس طرح اس نے اس کے ہاتھ میں ہاتھ دیا اور دونوں شہنشاہ پویلین میں چلے گئے۔ جب سے بورس کو اعلیٰ ترین حلقوں تک پہنچنے کا موقع ملا تھا، اس وقت سے اس نے معمول بنا لیا تھا کہ گردوپیش میں ہونے والے ہر واقعے کا غور سے مشاہدہ کرتا اور اسے نوٹ کر لیتا۔ ٹلسٹ میں وہ دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ نپولین کے ساتھ آنیوالوں کے نام کیا ہیں اور وہ کیسی وردیاں پہنے ہوئے ہیں۔ وہ بڑے لوگوں کی باتیں غور سے سنتا۔ جونہی دونوں شہنشاہ پویلین میں داخل ہوئے، اس نے اپنی گھڑی پر نظر ڈالی اور الیگزنڈر کی واپسی پر وہ اسے دوبارہ دیکھنا نہ بھولا۔ دونوں شہنشاہوں کے مابین یہ ملاقات ایک گھنٹہ اور ترپن منٹ جاری رہی۔ اس نے اسی شام دیگر حقائق جو اس کے خیال میں تاریخی اہمیت کے حامل تھے اور دونوں کے مابین ملاقات کا وقت بھی لکھ لیا۔ چونکہ دونوں شہنشاہوں کے مابین ملاقات کے موقع پر زار کے عملے میں شامل افراد کی تعداد نہایت کم تھی چنانچہ ترقی کے خواہشمند کا ان افراد میں شامل ہونا نہایت اہم تھا۔ چونکہ بورس وہاں جانے میں کامیاب رہا تھا اس لیے وہ سوچتا تھا کہ اب اس کی حیثیت ہمیشہ کیلئے مستحکم ہو گئی ہے۔ وہ نہ صرف شہرت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا بلکہ لوگ بھی اس کی موجودگی کے عادی ہو گئے تھے اور انہوں نے اس کی حیثیت تسلیم کر لی تھی۔ وہ دو مرتبہ خود پیغام لے کر زار کے سامنے حاضر ہو چکا تھا۔ چنانچہ سربراہ مملکت بھی اس کے چہرے سے آشنا تھا اور دربار میں ہر وقت موجود رہنے والے لوگ جو شروع میں اسے نیا جان کر بے رخی سے پیش آئے تھے، اب اس کی عدم موجودگی میں تعجب کا اظہار کرتے۔

بورس پولینڈ سے تعلق رکھنے والے ایک ایجوٹنٹ نواب ژلنسکی کے ساتھ ٹھہرا ہوا تھا۔ اس نے پیرس میں تعلیم حاصل کی تھی۔ وہ امیر کبیر شخص تھا اور فرانسیسیوں سے خصوصی انس رکھتا تھا۔ وہ جتنی دیر ٹلسٹ میں قیام پذیر رہے، فرانسیسی گارڈز اور جرنیلوں کے عملے کے ارکان تقریباً ہر روز اس کے اور بورس کے ساتھ شام کے کھانے اور ناشتے پر آتے رہے۔

24 جون کو ژلنسکی نے اپنے واقف کار فرانسیسی افسروں کو رات کے کھانے پر مدعو کیا۔ اس ضیافت میں نپولین کا ایک ایڈی کانگ مہمان خصوصی کے طور پر مدعو تھا۔ دیگر مہمانوں میں قدیم فرانسیسی امراء کے خاندان سے تعلق رکھنے والا

نپولین کا ایک خاص نوجوان خدمتگار اور فرانسیسی گارڈز کے متعدد افسر شامل تھے۔ رستوف اسی رات عام شہری کے لباس میں ٹلسٹ پہنچ گیا تا کہ کوئی اسے پہچان نہ سکے اور سیدھا بورس اور ژلنسکی کی جائے رہائش پر آ گیا۔

دیگر فوج کی طرح رستوف بھی نپولین اور فرانسیسیوں کے بارے میں ہیڈ کوارٹرز اور بورس کے جذبات تبدیل ہونے سے بے خبر تھا اور فرانسیسی اب دشمن سے دوست میں بدل چکے تھے۔ فوج میں ابھی تک بوناپارٹ اور فرانسیسیوں کیخلاف دشمنی، نفرت اور خوف کے ملے جلے جذبات موجود تھے۔ چند دن پہلے ہی پلاتوف کے ایک قازق افسر سے گفتگو میں رستوف نے دعویٰ کیا تھا کہ اگر نپولین کو قیدی بنا لیا گیا تو اس سے شہنشاہ کی بجائے مجرم کا سا سلوک روا رکھا جائے گا۔ ابھی راستے ہی میں رستوف کی ایک زخمی فرانسیسی کرنل سے ملاقات ہوئی تھی اور اس نے تندہی سے دعویٰ کیا تھا کہ قانونی شہنشاہ اور مجرم بوناپارٹ کے مابین صلح نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ جب اس نے بورس کی رہائش گاہ پر فرانسیسی افسر (جو انہی وردیوں میں ملبوس تھے جن میں وہ انہیں میدان جنگ میں دیکھنے کا عادی تھا) دیکھے تو حیران رہ گیا۔ جونہی اس نے ایک فرانسیسی افسر کو دیکھا تو اس پر وہی جنگجویانہ اور دشمنی پرمبنی جذبہ طاری ہو گیا جو دشمن کو دیکھنے کے بعد ہوتا تھا۔ وہ دہلیز پر رک گیا اور روسی زبان میں پوچھا "بورس دروبتسکی یہیں رہتا ہے؟" بورس کو استقبالیہ سے اجنبی آواز سنائی دی تو وہ اسے دیکھنے باہر آ گیا۔ رستوف کو پہچانتے ہی اس کے چہرے پر ایک لمحے کیلئے جھنجلاہٹ کے آثار نمودار ہو گئے۔

وہ آگے بڑھا اور مسکراتے ہوئے بولا "آہا تم سے مل کر خوشی ہوئی"

رستوف اس کا پہلا ردعمل دیکھ چکا تھا، چنانچہ وہ کہنے لگا "یوں لگتا ہے میں غلط موقع پر آیا ہوں، اگر مجھے کام نہ ہوتا تو کبھی نہ آتا"

بورس کہنے لگا "نہیں، مجھے اس بات پر حیرانی ہوئی تھی کہ تمہیں اپنی رجمنٹ سے غیر حاضر رہنے کا موقع کیسے ملا؟" اسی دوران بورس کو کسی نے آواز دی جس کے جواب میں وہ فرانسیسی میں بولا "ابھی آتا ہوں"

رستوف نے اپنی بات دہراتے ہوئے کہا "لگتا ہے کہ میں غلط موقع پر آیا ہوں"

بورس کے چہرے پر جھنجلاہٹ کے آثار غائب ہو گئے اور یوں لگتا تھا جیسے وہ سوچ چکا ہے کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ اس نے رستوف کے دونوں ہاتھ پکڑے اور اسے اپنے ساتھ اگلے کمرے میں لے گیا۔ وہ اطمینان سے اسے دیکھے جا رہا تھا مگر اس کی آنکھوں میں دیکھ کر قطعاً یہ علم نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ کیا سوچ رہا ہے۔ یوں لگتا تھا جیسے اعلیٰ طبقے کی زندگی نے اس کی آنکھوں کے سامنے پردہ تان دیا ہے، رستوف کو یہی محسوس ہوا۔

بورس نے کہا "ارے یار، احمقانہ باتیں مت رو" وہ اسے اس کمرے میں لے گیا جہاں رات کے کھانے کیلئے میز سجائی گئی تھی۔ اس نے اپنے مہمانوں سے اس کا تعارف کرایا اور انہیں بتایا کہ وہ عام شہری نہیں بلکہ ہوزاروں کا افسر اور اس کا پرانا دوست ہے۔ پھر اس نے اپنے مہمانوں کا تعارف کراتے ہوئے کہا "نواب ژلنسکی، نواب این این، کپتان ایس ایس وغیرہ" رستوف نے فرانسیسیوں کی جانب غصے سے دیکھا اور گردن جھکا لی، تاہم منہ سے کچھ نہ بولا۔

یہ بات عیاں تھی کہ ژلنسکی اس غیر معروف روسی کو اپنے حلقے میں دیکھ کر بالکل خوش نہیں ہوا اور اس نے رستوف سے کوئی بات نہ کی۔ ادھر یہ نظر آ رہا تھا کہ نووارد کی آمد سے محفل پر طاری ہونیوالی کھنچاؤ کی کیفیت سے بورس بے خبر ہے۔ اس نے وہی خوشگوار اور پرسکون لہجہ اپناتے ہوئے محفل گرم کرنے کی کوشش کی جس کے ذریعے اس نے رستوف کا استقبال کیا تھا۔ ایک مہمان اپنے مخصوص شائستہ فرانسیسی لہجے میں رستوف سے کہنے لگا "آپ شاید شہنشاہ سے ملنے

تلسٹ آئے ہیں"

رستوف نے جواب دیا" نہیں، میں ایک کام کے سلسلے میں آیا ہوں" اس کا موڈ بورس کے چہرے پر جھنجلاہٹ دیکھتے ہی خراب ہو گیا تھا اور اسے یوں لگتا تھا جیسے ہر شخص اسے مخالفانہ نگاہوں سے دیکھ رہا ہے اور ان چڑھ مہمان سمجھ رہا ہے۔ دراصل وہ صحیح جگہ پر بھی نہیں تھا۔ صرف وہی ایک شخص تھا جس نے عمومی گفتگو میں کوئی حصہ نہ لیا اور لوگوں کی نگاہیں یہ کہتی محسوس ہوتی تھیں کہ" یہ ابھی تک یہاں کیوں بیٹھا ہے؟ یہاں سے چلا کیوں نہیں جاتا؟" وہ اٹھا اور بورس کے پاس جا کر دھیمے لہجے میں کہنے لگا" یوں لگتا ہے جیسے میں تمہاری محفل کا مزا کرکرا کر رہا ہوں۔ آؤ، میں تمہیں بتاؤں کہ مجھے یہاں کیوں آنا پڑا ہے، اس کے بعد میں چلا جاؤں گا"

بورس بولا" نہیں یار، اگر تم تھک گئے ہو تو میرے کمرے میں جا کر لیٹ جاؤ اور آرام کرو"

وہ بورس کے کمرے میں چلے گئے۔ رستوف نے بیٹھنا گوارا نہ کیا اور کھڑے کھڑے بات شروع کر دی۔ وہ جھلایا ہوا تھا جیسے اس میں بورس کا ہی قصور ہو۔ وہ تیزی سے دینی سوف کا مسئلہ بیان کرنے لگا اور اس سے پوچھا" کیا تم دینی سوف کا معافی نامہ اپنے جرنیل کے ذریعے زار کو پیش کر سکتے ہو اور کرو گے؟" جب وہ دونوں اکیلے ملے تو رستوف کو پہلی مرتبہ واضح طور پر محسوس ہوا کہ وہ اس کی موجودگی میں بے چینی محسوس کر رہا ہے اور اس کے ساتھ آنکھ ملا کر بات نہیں کر سکتا۔ بورس نے اپنی ایک ٹانگ دوسری کے گرد لپیٹ رکھی تھی اور دائیں ہاتھ کی باریک انگلیوں سے اپنا بایاں ہاتھ سہلا رہا تھا۔ وہ رستوف کی بات یوں سن رہا تھا جیسے کوئی جرنیل اپنے ماتحت کی رپورٹ سنتا ہے۔ وہ کبھی ادھر ادھر دیکھتا اور کبھی اپنی مستور آنکھوں سے رستوف کی آنکھوں میں جھانکنے لگتا۔ وہ جب بھی ایسا کرتا تو رستوف کو بے چینی ہونے لگتی اور اس کی نگاہیں جھک جاتیں۔

بورس کہنے لگا" میں ایسے معاملات کے بارے میں سن چکا ہوں اور مجھے علم ہے کہ شہنشاہ ان امور کے بارے میں سخت طرز عمل کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ میرے خیال میں بہترین طریقہ یہ ہے کہ مسئلہ براہ راست انہیں پیش کرنے کی بجائے کور کے کمانڈر کے ذریعے رجوع کیا جانا چاہئے۔۔۔ تاہم اگر عمومی طور پر بات کی جائے تو مجھے یقین ہے۔۔۔"

رستوف بورس کی جانب دیکھے بغیر تقریباً چلا کر بولا" اگر تم یہ کام نہیں کرنا چاہتے تو صاف صاف کہہ دو"

بورس مسکرانے لگا اور کہا" اس کے برعکس مجھ سے جو کچھ ہو سکا کروں گا۔ میں صرف یہ کہہ رہا تھا کہ۔۔۔" اسی لمحے ژلنسکی کی آواز سنائی دی، وہ بورس کو بلا رہا تھا۔

رستوف نے کہا" ٹھیک ہے، جاؤ" اس نے کھانے میں شرکت سے انکار کر دیا اور اس چھوٹے کمرے میں ہی ٹہلتا اور برابر والے کمرے سے گفتگو کی ہلکی ہلکی آواز سنتا رہا۔

(20)

رستوف جس دن تلسٹ پہنچا، دینی سوف کی جانب سے معافی نامہ پیش کرنے کیلئے اس سے زیادہ برا دن شاید ہی کوئی ہو سکتا تھا۔ وہ وردی میں تھا نہ اپنے کمانڈر کی اجازت سے تلسٹ آیا، لہٰذا اس کا بذات خود جرنیل کے سامنے پیش ہونا ممکن نہ تھا۔ بورس خواہش کے باوجود یہ کام نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اگلے روز 27 جون کو صلح نامے کے ابتدائی مسودے پر دستخط ہونا تھے اور دونوں شہنشاہوں نے باہم اعزازات کا تبادلہ کرنا تھا۔ الیگزنڈر کو لیجن آف آنر اور نپولین کو آرڈر آف سینٹ آندرے ملنا تھا۔ اسی روز فرانسیسی گارڈز کی ایک بٹالین نے پرزے بشوسکی بٹالین کے اعزاز میں کھانے

کا اہتمام کیا۔ دونوں شہنشاہوں نے بھی اس تقریب میں شرکت کرنا تھی۔ رستوف کو بورس کے ساتھ رہتے ہوئے اس قدر ناپسندیدگی ہو رہی تھی کہ کھانے کے بعد جب اس نے کمرے میں جھانک کر دیکھا تو وہ یوں بن گیا جیسے سو رہا ہو اور صبح سویرے ہی باہر نکل گیا تاکہ اس سے ملاقات کی نوبت نہ آئے۔ وہ اپنا فراک کوٹ اور گول ٹوپی پہن کر قصبے میں گھومنے پھرنے لگا۔ وہ فرانسیسیوں اور ان کی وردیوں کو حیرانی سے دیکھتا اور ان سڑکوں اور مکانوں کا جائزہ لیتا رہا جن میں روسی اور فرانسیسی شہنشاہ ٹھہرے ہوئے تھے۔ اس نے تقریب کے انتظامات کے سلسلے میں درمیانی چوک میں بچھائی جانے والی میزیں اور دیگر تیاریاں بھی دیکھیں۔ مختلف گلی کوچے شاندار انداز میں سجائے گئے تھے جن میں روسی اور فرانسیسی جھنڈے لہرا رہے تھے جن پر دونوں شہنشاہوں کے نام کی مناسبت سے اے اور این کے الفاظ لکھے تھے۔ اس نے مکانوں کی کھڑکیوں میں لہراتے جھنڈے بھی دیکھے۔

نکولائی نے سوچا" اگر بورس میری مدد نہیں کرنا چاہتا تو نہ کرے، میں اسے اہمیت ہی نہیں دیتا۔ میں اب اس سے کوئی درخواست نہیں کروں گا۔ اب ہمارے مابین کوئی قدر مشترک نہیں۔ تاہم دینی سوف کیلئے مجھ سے جو کچھ ہو سکا کروں گا اور ایسا کئے بغیر یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ خاص طور پر اس کی درخواست شہنشاہ تک پہنچانے سے پہلے تو یہاں سے بالکل نہیں جاؤں گا۔ شہنشاہ؟۔۔۔ مگر وہ تو یہاں ہیں" وہ غیر شعوری طور پر چلتا ہوا واپس اسی مکان کے سامنے جا پہنچا جہاں الیگزنڈر قیام پذیر تھا۔

دروازے کے سامنے دو گھوڑے کھڑے تھے جن کی زینیں کسی ہوئی تھیں۔ حکام اور خدمتگار اکٹھے ہو رہے تھے اور بظاہر یہی محسوس ہوتا تھا کہ زار کی آمد کی تیاریاں جاری ہیں۔

رستوف نے سوچا" اب کسی بھی وقت میں ان سے مل سکتا ہوں۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ میں خود انہیں یہ درخواست پیش کرتا اور حالات سے آگاہ کر سکتا۔۔۔ کیا مجھے عام شہری لباس میں ہونے کی بنا پر تو نہیں پکڑ لیا جائیگا؟ تاہم ایسی بھی کوئی بات نہیں۔ یقیناً وہ سمجھ جائیں گے کہ قصوروار کون ہے۔ وہ تمام باتیں سمجھتے ہیں اور ان سے زیادہ انصاف پسند اور فراخ دل کون ہے؟ اگر انہوں نے مجھے یہاں آنے پر گرفتار بھی کر لیا تو کیا ہو جائیگا؟" اس نے ایک افسر کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر سوچا" لوگ اندر جا رہے ہیں، میری سوچ بالکل فضول ہے۔ میں اندر جا کر خود زار کو درخواست دوں گا۔ دروبتسکی پر لعنت ہو جس کی وجہ سے مجھے یہ قدم اٹھانا پڑا" پھر اس نے جیب میں درخواست کی موجودگی کا یقین کیا اور اچانک قوی ارادے سے زار کی رہائش گاہ میں چلا گیا۔

اس نے سوچا" نہیں، اس بار میں اوسٹرلٹس کی طرح موقع نہیں گنواؤں گا" اسے توقع تھی کہ کسی بھی لمحے وہ سربراہ مملکت کے سامنے ہوگا اور جونہی اس نے یہ بات سوچی تو اسے اپنا تمام خون دل کی جانب حرکت کرتا محسوس ہوا۔ وہ سوچنے لگا" میں ان کے قدموں میں گر جاؤں گا اور ان کی منت وسماجت کروں گا۔ وہ مجھے اٹھا کر کھڑا کریں گے اور میری درخواست سننے کے علاوہ میرا شکریہ بھی ادا کریں گے اور کہیں گے کہ" مجھے نیکی کا کام کر کے خوشی ہوتی ہے مگر کسی ناانصافی کا ازالہ کر کے عظیم ترین راحت محسوس کرتا ہوں" مکان کے اندر جانے والوں کی لائن لگی ہوئی تھی، ہر گزرنے والا اسے تجسس بھری نگاہوں سے دیکھتا تھا۔ وہ ان کے قریب سے گزرتا ہوا دالان میں پہنچ گیا۔

یہاں سے کشادہ سیڑھیاں اوپر جاتی تھیں۔ اسے دائیں جانب ایک بند دروازہ دکھائی دیا۔ سیڑھیوں کے ایک اور ڈیوڑھی تھی جو نچلی منزل کے کمروں میں کھلتی تھی۔

کسی نے اس سے پوچھا" آپ کو کس سے ملنا ہے؟"

کھولائی نے جواب دیا" میں شہنشاہ محترم کی خدمت میں درخواست پیش کرنا چاہتا ہوں" اس کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔

کہنے والے نے نچلے دروازے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا" درخواست؟ ادھر آئیں، ڈیوٹی افسر یہاں بیٹھتے ہیں، اسے قبول نہیں کیا جائے گا"

اس لاپرواہ آواز کو سن کر رستوف کے ہوش گم ہو گئے اور وہ سوچنے لگا" میں یہاں کس لیے آیا ہوں؟ کسی بھی لمحے خود کو سربراہ مملکت کے سامنے دیکھنے کا تصور اس قدر پرکشش اور نتیجہ اتنا خوفناک تھا کہ اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ اس نے وہاں سے بھاگ جانے کے بارے میں سوچا مگر ملازم نے ڈیوٹی پر موجود افسر کے کمرے کا دروازہ کھول دیا اور رستوف اندر چلا گیا۔

کمرے میں تیس سالہ پستہ قامت اور قوی الجثہ شخص سفید برجس، اونچے جوتے اور خوبصورت قمیص پہنے کھڑا تھا جبکہ اس کا اردلی اس کی برجس کے پیچھے بٹن ٹانک رہا تھا۔ نہ جانے کیوں رستوف کی نظر اسی جانب اٹھ گئی۔ قوی الجثہ شخص کمرے میں موجود کسی اور شخص سے گفتگو میں مصروف تھا۔

وہ کہہ رہا تھا" واہ! کیا بات ہے، کیسی عمدہ لڑکی ہے، نازک جسم، نکھتا رنگ اور اوائل جوانی" رستوف کو دیکھ کر وہ ٹھٹھک گیا اور اس کی پیشانی پر شکنیں نمودار ہو گئیں۔

اس نے رستوف سے پوچھا" کیا بات ہے؟ کوئی درخواست دینا چاہتے ہو؟"

برابر والے کمرے سے کوئی اور شخص بولا" کیا ہے؟"

پہلے والا شخص بولا" ایک اور درخواست آئی ہے"

کمرے سے آواز آئی" اسے کہو کہ کسی اور وقت آئے، وہ آنے والے ہوں گے، اب ہمیں چلنا چاہیے"

وہ شخص رستوف سے بولا" کسی اور وقت، کسی اور وقت کل آ جانا، دیر ہو گئی ہے"

رستوف واپس مڑا مگر وہ اسے روکتے ہوئے کہنے لگا" تم کون ہو؟ کس کی درخواست لے کر آئے ہو؟"

رستوف نے جواب دیا" میجر دینی سوف کی جانب سے آیا ہوں"

اس نے پوچھا" تم کون ہو؟۔۔۔ افسر ہو؟"

رستوف نے جواباً کہا" لیفٹیننٹ نواب رستوف"

وہ بولا" کتنی دیدہ دلیری سے آئے ہو، درخواست مجاز افسروں کے ذریعے بھیجو، چلے جاؤ یہاں سے" یہ کہہ کر وہ وردی پہننے لگا جو اسے اردلی نے تھمائی تھی۔

رستوف واپس ہال میں چلا گیا جہاں متعدد افسر اور جرنیل اکٹھے ہو چکے تھے۔ یہ سب لوگ مکمل وردیوں میں ملبوس تھے اور اسے ان کے قریب سے گزرنا تھا۔

وہ اپنے دیدہ دلیری پر پچھتا رہا تھا اور یہ سوچ کر اس کی جان پر بنی ہوئی تھی کہ کسی بھی لمحے اس کا زار سے آمنا سامنا ہو جائے گا اور اسے سب کے سامنے شرمندگی اٹھانا پڑے گی اور شہنشاہ کی موجودگی میں اسے گرفتار کر لیا جائے گا۔ وہ اپنے کیے پر خود ہی پشیمان تھا اور اس پر افسوس کر رہا تھا۔ اسی سوچ میں اس نے سر جھکایا اور چمکتی دمکتی وردیوں میں ملبوس افراد کے درمیان کمرے سے باہر نکلنے کی کوشش کرنے لگا۔ اچانک اسے ایک جانی پہچانی آواز سنائی دی، کسی نے بھاری آواز میں اس سے کہا" جناب، آپ فراک کوٹ پہن کر یہاں کیا کر رہے ہیں؟"

یہ آواز گھڑ سوار فوج کے ایک جرنیل کی تھی جو حالیہ جھڑپ میں زار کی قربت کے حصول میں کامیاب ہو گیا تھا اور رستوف کے ڈویژن کی کمان پہلے اسی کے پاس تھی۔

رستوف ڈر گیا اور وضاحت کی کوشش کی تاہم جب اس نے جرنیل کے چہرے کو دیکھا تو اسے وہاں شفقت کے تاثرات دکھائی دیے۔ وہ جرنیل کو ایک جانب لے گیا اور پریشان لہجے میں اس کے سامنے تمام روداد بیان کر دی۔ بات مکمل کرتے ہوئے اس نے کہا" جناب آپ دینی سوف کو جانتے ہیں، خدارا کچھ کیجیے" جرنیل نے رستوف کی بات سن کر سر کو سنجیدگی سے جنبش دی۔

جرنیل کہنے لگا" یہ تو بہت برا ہوا۔ اس دلیر شخص کے بارے میں یہ سن کر مجھے بیحد افسوس ہوا، درخواست مجھے دے دو"

رستوف نے ابھی بمشکل دینی سوف کے معاملے کی وضاحت کر کے جرنیل کو درخواست تھمائی ہی تھی کہ سیڑھیوں پر تیز قدموں کی چاپ سنائی دی۔ جرنیل نے اسے وہیں چھوڑا اور خود پیش دالان میں چلا گیا۔ زار کے درباری تیزی سے سیڑھیوں سے نیچے اترے اور اپنے گھوڑوں کی جانب چل دیے۔ زار کا وہی سائیس اس کا گھوڑا لے کر آگے بڑھا جو اوسٹرلٹس میں بھی موجود تھا۔ سیڑھیوں سے قدموں کی ہلکی سے چاپ سنائی دی جسے رستوف نے پہچان لیا۔ رستوف نے پہچانے جانے کے خدشے کو پس پشت ڈالا اور تجسس میں مبتلا دیگر لوگوں کے ساتھ تیزی سے سیڑھیوں کی جانب بڑھا۔ وہ دو سال بعد ان خدوخال کی زیارت کر رہا تھا جن کی وہ پرستش کرتا تھا۔ وہی چہرہ، آنکھیں، چال، شاہانہ وقار اور نرم دلی کا مجموعہ نظر آیا، رستوف کے دل میں زار کیلئے گرمجوشی پر مبنی محبت دوبارہ بھرپور انداز میں بیدار ہو گئی۔

پریوبرازنسکی رجمنٹ کی وردی میں ملبوس سربراہ مملکت نرم چمڑے کی جیکٹ اور اونچے بوٹ پہنے نمودار ہوا۔ اس نے سینے پر ستارے کی شکل کا تمغہ (یہ لیجن آف آنر تھا) آویزاں کر رکھا تھا جسے رستوف پہچاننے سے قاصر رہا۔ زار نے دستانے پہن رکھے تھے اور ہیٹ بغل میں دبایا ہوا تھا۔ وہ رک گیا اور اپنی روشنی بکھیرتی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اس نے چند جرنیلوں سے مختصر گفتگو کی، اسی دوران اس کی نظر رستوف کے سابق کمانڈر پر پڑی اور اسے پہچان کر اپنی جانب بلایا۔

درباری پیچھے ہٹ گئے اور رستوف نے دیکھا کہ جرنیل کافی دیر تک شہنشاہ سے کوئی بات کرتا رہا۔ جواباً زار نے کوئی مختصر بات کہی اور اپنے گھوڑے کی جانب چل دیا۔ ایک مرتبہ پھر درباری اور تماشائی اس کی جانب بڑھنے لگے جن میں رستوف بھی شامل تھا۔ شہنشاہ نے گھوڑے کے قریب رک کر اپنا ہاتھ زین پر رکھا اور گھڑ سوار فوج کے جرنیل کی جانب متوجہ ہو کر باآواز بلند کہا" جنرل، میں ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ قانون مجھ سے زیادہ طاقتور ہے" یہ بات عیاں تھی کہ وہ تمام لوگوں کو سنانا چاہتا ہے اور پھر اپنا پاؤں رکاب میں ڈال دیا۔

(21)

زار جس عوامی چوک کی جانب جا رہا تھا اس کی دائیں جانب پریوبرازنسکی رجمنٹ کی ایک بٹالین ترتیب سے کھڑی تھی اور اس کے بائیں جانب فرانسیسی گارڈز کی بٹالین تھی۔ فرانسیسیوں نے حسب معمول ریچھ کی کھال کی ٹوپیاں پہن رکھی تھیں۔

زار گھوڑے پر بٹالینوں کے ایک پہلو کی جانب بڑھا جس نے اسے سلامی پیش کی۔ مخالف سمت سے گھڑ

سواروں کا دوسرا گروہ تیزی سے آیا۔ رستوف نے اندازہ لگایا کہ اس کی قیادت نپولین کے ہاتھوں میں ہے۔ نپولین کے علاوہ کوئی اور شخص ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ وہ چھوٹا ہیٹ اور نیلی وردی میں ملبوس تھا جس کے بٹن کھلے تھے اور نیچے سفید جیکٹ دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے کندھے پر آرڈر آف سینٹ آندرے کی پٹی لگی ہوئی تھی۔ وہ اپنا خاکی رنگت کا عربی گھوڑا سرپٹ دوڑاتا آیا جس پر قرمزی رنگ کی چادر لٹک رہی تھی جس پر سنہری تاروں سے نقش ونگار کندہ تھے۔ اس نے الیگزنڈر کے قریب پہنچ کر اپنا ہیٹ اٹھایا۔ رستوف جو اسے گھڑسوار فوج کے افسر کی آنکھ سے دیکھ رہا تھا، اس نتیجے پر پہنچا کہ نپولین کا گھوڑے پر بیٹھنے کا انداز پرکشش ہے نہ اس سے خود اعتمادی کا اظہار ہوتا ہے۔ دونوں بٹالینوں نے 'ہرا' اور 'شہنشاہ زندہ باد' کے نعرے لگائے۔ نپولین نے الیگزنڈر سے کچھ کہا۔ شہنشاہ گھوڑوں سے نیچے اتر آئے اور انہوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑ لیے۔ نپولین کے چہرے پر ناگوار اور مصنوعی مسکراہٹ تھی۔ الیگزنڈر نے اسے کچھ کہا۔

فرانسیسیوں کے گھوڑے دولتیاں جھاڑ رہے تھے اور ہجوم کو آگے بڑھنے کا موقع نہیں مل سکا تھا تاہم اس کے باوجود رستوف دونوں شہنشاہوں کی حرکات کا بغور مشاہدہ کرتا رہا اور ایک لمحے کیلئے بھی اپنی نظریں ان سے نہ ہٹائیں۔ اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ بوناپارٹ کے ساتھ الیگزنڈر کا سلوک ایسا تھا جیسے وہ اس کا ہم پلہ ہو اور بوناپارٹ کو زار کی موجودگی میں قطعاً کوئی گھبراہٹ نہیں ہوئی تھی بلکہ وہ یوں پرسکون انداز سے کھڑا تھا جیسے شہنشاہوں کے ساتھ اس کی یہ قربت روزمرہ کی بات ہو۔

الیگزنڈر اور نپولین اپنے درباریوں کے ہجوم کی معیت میں پرزے بشوسکی بٹالین کے دائیں پہلو کے قریب آئے اور اس طرح وہ سیدھے اس ہجوم کی جانب آ گئے جو وہاں موجود تھا۔ غیر متوقع طور پر وہ ہجوم کے اتنا قریب ہو گئے کہ پہلی قطار میں کھڑے رستوف کو یہ فکر لاحق ہو گئی کہ کہیں اسے پہچان ہی نہ لیا جائے۔

ایک شخص نے کرخت گرشتہ فرانسیسی میں کہا "جناب عالی! میری درخواست ہے کہ مجھے آپ کے بہادر ترین سپاہی کو لیجن آف آنر پیش کرنے کی اجازت دی جائے" وہ ہر لفظ درست اور واضح انداز میں بول رہا تھا۔

یہ الفاظ کہنے والا نپولین تھا۔ وہ سیدھا الیگزنڈر کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ الیگزنڈر نے اس کی بات توجہ سے سنی اور گردن جھکا کر خوشگوار انداز میں مسکرایا۔

نپولین نے مزید کہا "یہ تمغہ اس شخص کیلئے ہے جس نے گزشتہ جنگ میں سب سے زیادہ بہادری کا مظاہرہ کیا" وہ ہر لفظ اتنے اطمینان اور خود اعتمادی سے ادا کر رہا تھا کہ رستوف کو غصہ آ گیا۔ نپولین اپنی اس تقریر کے دوران اپنے سامنے مودبانہ انداز میں کھڑی روسی صفوں کو دیکھتا جا رہا تھا۔ تمام روسی سپاہی ہتھیار اٹھا کر سلامی تو اسے ہی دے رہے تھے مگر ان کی نگاہیں اپنے شہنشاہ پر لگی ہوئی تھیں۔

الیگزنڈر نے نپولین سے کہا "جناب عالی! اگر اجازت دیں تو میں اپنے کرنل سے مشورہ کر لوں؟" یہ کہہ کر وہ تیزی سے بٹالین کے کمانڈر شہزادہ کزلووسکی کی جانب بڑھا۔

بوناپارٹ نے اپنے چھوٹے سے سفید ہاتھ سے دستانہ اتارا اور اس کے ٹکڑے کر کے پرے پھینک دیے جنہیں اس کے پیچھے کھڑے ایڈی کانگ نے بڑھ کر اٹھا لیا۔

الیگزنڈر نے دھیمی آواز میں کزلووسکی سے پوچھا "کسے دیا جانا چاہئے؟"

کزلووسکی بولا "حضور! جسے حکم دیں"

زار کے چہرے پر خفگی کے آثار پیدا ہوئے اور وہ پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے بولا "ہمیں اسے کچھ نہ کچھ تو بتانا ہی

ہے"

کزلووسکی نے سپاہیوں کا جائزہ لیا اور اس کی نگاہیں رستوف پر بھی گئیں۔

رستوف نے سوچا "شاید مجھے ہی مل جائے"

سخت گیر کرنل کی آواز گونجی "لازاریف"

پہلی صف میں پہلے نمبر پر کھڑا لازاریف تیزی سے آگے بڑھا۔

کئی آوازوں نے اسے آہستگی سے کہا "کہاں جا رہے ہو؟ وہیں کھڑے رہو" لازاریف وہیں کھڑا رہا۔ اس نے خوفزدہ انداز میں انکھیوں سے کرنل کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر بھی تشنجی اثرات نمودار ہو گئے جیسا کہ صفوں سے باہر بلائے جانیوالے سپاہیوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

نپولین نے اپنے سر کو ہلکی سی جنبش دی اور چھوٹا سا ہاتھ یوں پیچھے بڑھا دیا جیسے کوئی شے وصول کرنا چاہتا ہو۔ اس کے درباریوں کو اندازہ ہو گیا کہ وہ کیا چاہتا ہے اور انہوں نے بھاگ دوڑ اور ایک دوسرے سے سرگوشیاں کرتے ہوئے کوئی چیز ایک سے دوسرے تک پہنچائی۔ ایک خاص خدمتگار جسے رستوف نے گزشتہ رات بورس کے ہاں دیکھا تھا، بعجلت آگے بڑھا اور فوراً نپولین کے ہاتھ میں ایک سرخ تمغہ رکھ دیا جو سرخ پٹی پر آویزاں تھا۔ نپولین نے دو انگلیاں باہم ملائیں اور تمغہ ان کے درمیان میں آ گیا۔ اس نے اسے دیکھنا بھی گوارا نہ کیا۔ پھر وہ لازاریف کے پاس پہنچا جو اپنے شہنشاہ کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا اور اس کی آنکھیں یوں پھٹی پڑی تھیں جیسے ابھی باہر نکل آئیں گی۔ نپولین نے یوں گردن گھما کر الیگزنڈر کی جانب دیکھا جیسے کہہ رہا ہو کہ وہ اب جو کچھ کر رہا ہے وہ اپنے اتحادی کیلئے ہے۔ چھوٹا سا سفید ہاتھ لازاریف کے بٹن کو چھونے لگا۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے جانتا ہو کہ اس کا ہاتھ سپاہی کے سینے کو چھونے کی دیر ہے اور سپاہی کو احساس ہو جائے گا کہ اسے انعام مل گیا ہے اور وہ دیگر دنیا سے نمایاں ہو گیا ہے۔ نپولین نے تمغہ لازاریف کے سینے پر رکھا اور پھر پیچھے گرا دیا جیسے اسے یقین ہو کہ تمغہ وہیں رہے گا۔ ہوا بھی یوں اور خدمت کے لئے مستعد کھڑے فرانسیسی و روسی ہاتھوں نے آگے بڑھ کر تمغہ وردی پر ٹانک دیا۔ لازاریف پریشان کن نگاہوں سے سفید ہاتھوں والے پستہ قد شخص کو دیکھتا رہا۔ تاہم وہ اکڑ کر کھڑا رہا اور سلامی دیتے ہوئے الیگزنڈر کی آنکھوں میں یوں جھانکا جیسے پوچھ رہا ہو "یہیں کھڑا رہوں یا ہٹ جاؤں" تاہم جب اسے کچھ نہ کہا گیا تو وہ تھوڑی دیر وہیں ساکت کھڑا رہا۔

شہنشاہ دوبارہ اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر وہاں سے چل دیے۔ پرزے بشوسکی بٹالین کے سپاہی منتشر ہو گئے اور اپنے لیے ترتیب دی گئی میزوں پر فرانسیسی گارڈز کے ساتھ براجمان ہو گئے۔

لازاریف مہمان خصوصی کی کرسی پر بیٹھ گیا۔ فرانسیسی اور روسی افسر اس سے گلے ملے اور پیار جتا دی۔ افسر اور سویلین اسے دیکھنے آنے لگے۔ فرانسیسی اور روسی آوازوں کے شور میں کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ رستوف کے قریب سے دو افسر گزرے۔ ایک نے دوسرے سے کہا "یار اس دعوت نے یاد ہے میں کیا کہتے ہیں، چاندی کے اسقدر برتن تم نے لازاریف کو دیکھا"

دوسرا بولا "ہاں دیکھا ہے"

پہلا بولا "سنا ہے کل پرزے بشوسکی رجمنٹ اس کے اعزاز میں کھانا دے گی"

دوسرے نے کہا "یہ لازاریف بھی کتنا خوش قسمت ہے، ساری زندگی بارہ سو فرانک پنشن حاصل کرے گا"

پرزے بشوسکی رجمنٹ کے ایک سپاہی نے اونی ٹوپی سر پر رکھتے ہوئے کہا "دوستو! اس ٹوپی کے بارے میں

کیا کہتے ہو؟"

کوئی بولا" بہت اچھی ہے، تمہیں پوری ہے"

ایک نے پوچھا" آپ نے شناختی لفظ سنا ہے؟ پرسوں یہ "نپولین، فرانس، بہادری" تھا اور آج "الیگزنڈر، روس، شان وشوکت" ہے۔ ایک دن اس کا فیصلہ ہمارے شہنشاہ کرتے ہیں اور دوسرے دن نپولین۔ کل ہمارے شہنشاہ فرانسیسی گارڈز کے بہادر ترین سپاہی کو سینٹ جارج کراس پیش کرینگے۔ اس کے علاوہ وہ کیا کریں۔ خیر۔ گالی کا جواب تو دینا ہی ہے"

بورس اور اس کا دوست زلنسکی بھی تقریب کا جائزہ لینے آئے تھے۔ واپسی پر بورس نے رستوف کو مکان کے کونے میں کھڑے دیکھا۔

اس نے رستوف سے پوچھا" کیا حال ہے۔ ہم ایک دوسرے کی کمی محسوس کرتے ہیں" رستوف کے چہرے پر اداسی اور پریشانی کا تاثر نمایاں تھا چنانچہ بورس نے اس سے پوچھا" کیا ہوا تمہیں؟

رستوف بولا" کچھ نہیں، کچھ نہیں ہوا"

بورس نے کہا" واپسی پر میرے ہاں ٹھہرو گے؟"

رستوف نے جواب دیا" ہاں کچھ ٹھہر کر"

رستوف کافی دیر تک کونے میں کھڑا روتق دیکھتا رہا۔ اس کے ذہن میں اذیت ناک خیالات کی یلغار ہو رہی تھی اور وہ انہیں سلجھانے اور کوئی نتیجہ اخذ کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ اس کے دماغ میں وحشتناک خدشات سر ابھار رہے تھے۔ اسے دینی سوف کی قناعت اور سوچ کی تبدیلی یاد آئی۔ اس کے سامنے ہسپتال، کٹے بازو، ٹانگیں، وہاں کی گندگی اور مریضوں کی شبیہیں تھیں۔ اسے گلے سڑے گوشت کی بدبو اس قدر واضح طور پر محسوس ہوئی کہ وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا کہ یہ بدبو کہاں سے آ رہی ہے۔ پھر اس نے بوناپارٹ کے بارے میں سوچا جو مطمئن تھا، جس کا چھوٹا سا ہاتھ تھا۔ وہ اب شہنشاہ تھا جسے الیگزنڈر پسند کرتا اور اس کا احترام کرتا تھا۔ اس نے سوچا" پھر وہ سب بازو اور ٹانگیں کیوں کٹیں؟ ان لوگوں نے خود کو ہلاکت میں کیوں ڈالا؟" اس نے سوچا" لازاریف کو انعام ملا ہے جبکہ دینی سوف کو سزا مل رہی ہے اور اس کی غلطی معاف نہیں ہوئی" اس نے خود کو ان سوچوں میں اس طرح ڈوبا محسوس کیا کہ اس کا وجود کانپنے لگا۔

بھوک اور پریوبرازنسکی رجمنٹ کے کھانے کی خوشبو نے اسے چونکا دیا۔ اسے جانے سے پہلے کچھ نہ کچھ کھانا تھا۔ وہ ایک ہوٹل میں چلا گیا جو اس نے صبح دیکھا تھا۔ وہاں اتنا رش تھا کہ اسے کھانا لینے میں خاصی مشکل کا سامنا کرنا پڑا۔ یہاں بے شمار افسر بھی شہری لباس پہن کر موجود تھے۔ اس کے اپنی ڈویژن کے دو افسر بھی قریب بیٹھے فرائیڈ لینڈ کے بعد ہونے والے امن سمجھوتے کی بابت گفتگو کر رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر ہم مزید کچھ دیر نپولین کا مقابلہ کرتے رہتے تو اسے یقینی طور پر شکست دی جا سکتی تھی کیونکہ اس کی فوجوں کے پاس رسد تھی نہ گولہ بارود۔ نکولائی خاموشی سے پیتا رہا۔ اس نے شراب کی دو بوتلیں اکیلے ہی ختم کر ڈالیں۔ اسے ابھی تک اپنی ذہنی کشمکش کا کوئی حل نظر نہیں آیا تھا، چنانچہ وہ اسے بدستور تکلیف دیتی رہی۔ اسے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے ڈر لگ رہا تھا مگر ان سے پیچھا چھڑانا بھی ممکن نہ تھا۔ تاہم جب ایک افسر نے یہ کہا کہ "فرانسیسیوں کو دیکھ کر ذلت کا احساس ہوتا ہے" تو رستوف صبر نہ کر سکا اور بلاجواز اتنے زور و شور سے بولنے لگا کہ وہ افسر بھی حیران رہ گئے۔

وہ با آواز بلند کہہ رہا تھا" اور آپ یہ فیصلہ کیسے کر سکتے ہیں کہ بہترین طریقہ کیا ہو سکتا تھا؟ آپ شہنشاہ کے کاموں کے بارے میں کیسے فیصلہ دے سکتے ہیں؟ ہمیں یہ حق کس نے دیا کہ ان کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کریں؟ ہم شہنشاہ کے مقاصد اور کام نہیں سمجھ سکتے!"

ایک افسر بولا" مگر میں نے تو شہنشاہ کے بارے میں کوئی بات نہیں کی" اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ رستوف اچانک اسقدر غصے میں کیوں آ گیا ہے۔ اسے اس کی ایک ہی وجہ سمجھ میں آئی کہ زیادہ پینے کی وجہ سے وہ اپنے آپ میں نہیں رہا۔

مگر رستوف نے اس کی بات نہ سنی۔

وہ مسلسل بولنے لگا" ہم سفارتکار نہیں سپاہی ہیں اور ہمیں موت قبول کرنے کا حکم دیا جائے تو کر لیں گے۔ اگر ہمیں سزا دی جاتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم سے غلطی ہوئی۔ فیصلہ کرنا ہمارا کام نہیں۔ اگر عالی مرتبت شہنشاہ بوناپارٹ کو شہنشاہ تسلیم کرنا اور اس کے ساتھ اتحاد کرنا ضروری سمجھتے ہیں تو وہ درست ہی سمجھتے ہوں گے۔ اگر ہم نے فیصلہ کرنے اور ہر بات پر بحث کا عمل شروع کر دیا تو پھر کوئی بھی مقدس نہیں رہے گا۔ اس طرح تو کل ہم یہ کہنا شروع کر دیں گے کہ خدا کا بھی کوئی وجود نہیں، کچھ بھی نہیں" اس نے میز پر مکہ مارا۔ دوسروں کو یہ محسوس ہوا جیسے وہ غیر متعلقہ باتیں کر رہا ہے مگر اس کے باتیں ذہن میں چلتی خیالات کی لہر کے عین مطابق تھیں۔ وہ کہنے لگا" ہمارا کام بس یہ ہے کہ فرض ادا کریں، تلوار چلائیں اور کچھ نہ سوچیں، یہی حتمی بات ہے"

ایک اور افسر جو جھگڑا مول نہیں لینا چاہتا تھا، کہنے لگا" اور جی بھر کر پئیں"

نکولائی نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا" ہاں، جی بھر کر پئیں" وہ غراتے ہوئے بولا" ارے، ادھر آؤ، ایک بوتل اور لاؤ"

☆☆☆☆☆

چھٹا حصہ

(1)

1808ء میں شہنشاہ الیگزنڈر نپولین سے ایک اور ملاقات کیلئے ارفرٹ گیا اور اس ملاقات کی عظمت کے حوالے سے پیٹرزبرگ کے اعلیٰ حلقوں میں بہت سی باتیں ہوئیں۔

1809ء میں کرہ ارض کے دو ثالثوں ،جیسا کہ نپولین اور الیگزنڈر کو کہا جاتا تھا، کے مابین اسقدر قربت اور اخوت تھی کہ جب نپولین نے آسٹریا کیخلاف اعلان جنگ کیا تو ایک روسی کور اپنے پرانے دشمن کی مدد اور پرانے اتحادی شہنشاہ آسٹریا کیخلاف لڑنے سرحد پار چلی گئی نیز شاہی حلقوں میں نپولین اور الیگزنڈر کی ایک بہن کے مابین شادی کی باتیں ہونے لگیں۔ تاہم اس دور میں روسی معاشرے کی توجہ خارجہ پالیسی کے علاوہ تمام محکموں میں لائی جانیوالی اندرونی تبدیلیوں کی جانب مبذول ہو چکی تھی اور لوگ ان میں خاصی دلچسپی لے رہے تھے۔

اس کے ساتھ ساتھ زندگی معمول کے مطابق جاری رہی جس میں تندرستی، بیماری، محنت و آرام، دلچسپیاں، خیالات، سائنس، شاعری، موسیقی، محبت، وابستگی، نفرت وغیرہ شامل تھیں۔ اس زندگی کا متوقع تبدیلیوں سے کوئی تعلق نہ تھا اور یہ ان سے بالکل جدا تھی۔

☆☆☆

شہزادہ آندرے دو سال سے گاؤں میں ہی ٹھہرا ہوا تھا اور اس عرصہ میں کبھی دیہاتی علاقے سے باہر نہیں گیا تھا۔ اس نے وہ تمام منصوبے نمود و نمائش کے بغیر ہی مکمل کر لیے جنہیں پیری نے اپنی جاگیروں میں آزمانے کی ناکام کوشش کی تھی۔ وہ مستقل مزاجی کے فقدان کی وجہ سے ناکام ہوا تھا اور ایک منصوبہ شروع کرنے کے بعد اسے ادھورا چھوڑ کر دوسرے میں جت جاتا تھا۔ اس کی بجائے آندرے مستقل مزاج تھا۔ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں کے بارے میں بے جا پریشان ہوتا نہ ضرورت سے زیادہ کوشش کرتا تھا۔ وہ جو کام بھی شروع کرتا اسے متحرک کرکے درست سمت میں گامزن کر دیتا تھا۔

اس کی ایک جاگیر پر تین سو زرعی غلاموں کا درجہ تبدیل کر کے انہیں خود مختار کاشتکار بنا دیا گیا (جو روس میں پہلی مثال تھی) دیگر جاگیروں پر جبری محنت کو کرائے سے بدلا گیا۔ باگوچاروف میں اس نے کسان خواتین کو دوران حمل مدد دینے کیلئے اپنے خرچ پر تربیت یافتہ دائی کی خدمات مہیا کیں اور کسان بچوں اور گھریلو ملازمین کو تعلیم دینے کیلئے تنخواہ دار پادری کی خدمات حاصل کی گئیں۔

شہزادہ آندرے اپنا آدھا وقت باپ اور بیٹے کے ساتھ بلیک ہلز میں گزارتا اور بقیہ نصف باگوچاروف کے گوشے میں بسر کرتا تھا۔ اس نے پیری کے سامنے دنیاوی امور کے بارے میں لاپروائی کا مظاہرہ کیا تھا تاہم وہ خود کو نئے

واقعات سے باخبر رکھتا، نت نئی کتابیں پڑھتا اور اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوتی کہ زندگی کے محور پیٹرزبرگ سے اسے یا اس کے والد سے ملنے کیلئے آنیوالے مہمانوں کا علم اس سے کہیں کم ہوتا تھا حالانکہ وہ دیہاتی علاقے سے باہر نہیں جاتا تھا۔

شہزادہ آندرے اپنی جاگیر پر توجہ دینے کے ساتھ ساتھ مختلف اقسام کی کتابیں بھی پڑھتا رہتا اور ان کے علاوہ اس دور میں وہ ہماری دو گزشتہ ناکام مہمات کا ناقدانہ جائزہ لینے اور فوج کیلئے قوانین وضوابط کا منصوبہ بنانے میں مصروف رہا۔

1809ء کے موسم بہار میں شہزادہ آندرے ریازان کی جاگیروں کا معائنہ کرنے چلا گیا۔ یہ جاگیریں اس کے کمسن بیٹے کو وراثت میں ملی تھیں اور وہ ان کا نگران تھا۔

موسم بہار کی دھوپ کے باعث اس کا جسم گرم ہو گیا۔ وہ اپنی گاڑی میں بیٹھا نئے گھاس، برچ درخت کے نئے پتوں اور موسم بہار کے سفید بادلوں کے پہلے ٹکڑوں کو دیکھنے لگا جو شفاف نیلے آسمان پر تیر رہے تھے۔ وہ کسی شے کے بارے میں سوچنے کی بجائے بے فکری اور خوشی سے اپنے اردگرد دیکھ رہا تھا۔

جس جگہ پر اس نے گزشتہ سال پیری سے گفتگو کی تھی وہیں سے دریا پار کرنے کے بعد وہ کیچڑ میں لتھڑے دیہات سے گزرے۔ ان کے راستے میں رائی کے کھیت بھی آئے اور چٹیل میدان بھی۔ پل کے قریب پہاڑ کے دامن میں ابھی تک ہلکی سی برف کا ڈھیر پڑا تھا جو ریلے کی صورت میں آئی تھی۔ پہاڑی کے اوپر جس بتی سڑک کے ساتھ ساتھ بارش نے پانی کا راستہ بنا دیا تھا، اسے طے کرنے کے بعد وہ سڑک پر پہنچ گئے۔ دونوں جانب فصلیں کٹ چکی تھیں اور صرف ان کے بچے کھچے تنے باقی رہ گئے تھے۔ جھاڑیوں میں کہیں کہیں سبزہ دکھائی دے رہا تھا جس کے بعد سڑک کے دونوں اطراف میں برچ کے درختوں کا جنگل پھیلا تھا۔ جنگل میں ہوا بند تھی اور کوئی پتا ہلتا دکھائی نہیں دیتا تھا۔ درختوں پر لیس دار پتے تھے جو بالکل ساکت نظر آ رہے تھے۔ بنفشی پھول اور سبز گھاس کی پہلی پتیاں پرانے پتوں سے سر نکالے ہوئے تھیں۔ درختوں کے درمیان ادھر ادھر فر کے چھوٹے اور سدابہار درخت کھڑے تھے جنہیں دیکھ کر سردیوں کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ جونہی گھوڑے جنگل میں داخل ہوئے، ان کے نتھنے پھڑپھڑانے لگے اور جسم پر پسینہ نمودار ہو گیا۔

خدمتگار پیٹر نے کوچوان سے کچھ کہا۔ کوچوان نے اس سے اتفاق کیا۔ یوں لگتا تھا جیسے پیٹر اس کی بات سے مطمئن نہ ہوا۔ اس نے گردن گھمائی اور پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے بولا۔

"حضور! موسم کس قدر معتدل ہے"

آندرے نے پوچھا "کیا؟"

خدمتگار کہنے لگا "حضور! معتدل"

شہزادہ آندرے نے حیرانی سے سوچا "نہ جانے کیا کہہ رہا ہے؟ اوہ، شاید موسم کی بات کر رہا ہے" اس نے چہار اطراف میں نگاہیں دوڑائیں اور سوچا "واقعی ہر شے پہلے ہی سرسبز ہو چکی ہے۔ بالکل قبل از وقت۔ برچ، چیری، ایلڈر، بھی نئے پتے نکال رہے ہیں مگر اوک نظر نہیں آیا۔ نہیں نہیں، ایک ہے، ادھر ہے اوک!"

سڑک کنارے اوک کا ایک درخت کھڑا تھا۔ اس کی عمر برچ کے جنگل والے درختوں سے کم و بیش دس سال زیادہ تھی اور یہ برچ سے دس گنا اونچا اور موٹا تھا۔ خاصا بڑا درخت تھا۔ اس کے تنے کی موٹائی دو انسانی بازوؤں سے بھی زیادہ تھی۔ بظاہر اس کی بھاری ٹہنیاں بہت پہلے گر کر ٹوٹ چکی تھیں اور ان جگہوں پر چھال جھڑنے سے پیدا ہونے والے گھاؤ مٹ چکے تھے۔ یہ اوک اپنا بھاری بھرکم بے ڈھنگا وجود غیر متناسب انداز میں چاروں جانب پھیلائے کسی قدیم

چھٹا حصہ

(1)

1808 ء میں شہنشاہ الیگزنڈر نپولین سے ایک اور ملاقات کیلئے ارفرٹ گیا اور اس ملاقات کی عظمت کے حوالے سے پیٹرز برگ کے اعلیٰ حلقوں میں بہت سی باتیں ہوئیں۔

1809 ء میں کرہ ارض کے دو ثالثوں، جیسا کہ نپولین اور الیگزنڈر کو کہا جاتا تھا، کے مابین اسقدر قربت اور اخوت تھی کہ جب نپولین نے آسٹریا کیخلاف اعلان جنگ کیا تو ایک روسی کور اپنے پرانے دشمن کی مدد اور پرانے اتحادی شہنشاہ آسٹریا کیخلاف لڑنے سرحد پار چلی گئی نیز شاہی حلقوں میں نپولین اور الیگزنڈر کی ایک بہن کے مابین شادی کی باتیں ہونے لگیں۔ تاہم اس دور میں روسی معاشرے کی توجہ خارجہ پالیسی کے علاوہ تمام محکموں میں لائی جانیوالی اندرونی تبدیلیوں کی جانب مبذول ہو چکی تھی اور لوگ ان میں خاصی دلچسپی لے رہے تھے۔

اس کے ساتھ ساتھ زندگی معمول کے مطابق جاری رہی جس میں تندرستی، بیماری، محنت و آرام، دلچسپیاں، خیالات، سائنس، شاعری، موسیقی، محبت، وابستگی، نفرت وغیرہ شامل تھیں۔ اس زندگی کا متوقع تبدیلیوں سے کوئی تعلق نہ تھا اور یہ ان سے بالکل جدا تھی۔

☆☆☆

شہزادہ آندرے دو سال سے گاؤں میں ہی ٹھہرا ہوا تھا اور اس عرصہ میں کبھی دیہاتی علاقے سے باہر نہیں گیا تھا۔ اس نے وہ تمام منصوبے نمود و نمائش کے بغیر ہی مکمل کر لیے جنہیں پیری نے اپنی جاگیروں میں آزمانے کی ناکام کوشش کی تھی۔ وہ مستقل مزاجی کے فقدان کی وجہ سے ناکام ہوا تھا اور ایک منصوبہ شروع کرنے کے بعد اسے ادھورا چھوڑ کر دوسرے میں جت جاتا تھا۔ اس کی بجائے آندرے مستقل مزاج تھا۔ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں کے بارے میں بے جا پریشان ہوتا نہ ضرورت سے زیادہ کوشش کرتا تھا۔ وہ جو کام بھی شروع کرتا اسے متحرک کر کے درست سمت میں گامزن کر دیتا تھا۔

اس نے ایک جاگیر پر تین سو زرعی غلاموں کا درجہ تبدیل کر کے انہیں خود مختار کارکن بنا دیا گیا (جو روس میں پہلی مثال تھی) دیگر جاگیروں پر جبری محنت کو کرائے سے بدلا گیا۔ باگوچاروف میں اس نے کسان خواتین کو دوران حمل مدد دینے کیلئے اپنے خرچ پر تربیت یافتہ دائی کی خدمات مہیا کیں اور کسان بچوں اور گھریلو ملازمین کو تعلیم دینے کیلئے تنخواہ دار پادری کی خدمات حاصل کی گئیں۔

شہزادہ آندرے اپنا آدھا وقت باپ اور بیٹے کے ساتھ بلیک ہلز میں گزارتا اور بقیہ نصف باگوچاروف کے گوشے میں بسر کرتا تھا۔ اس نے پیری کے سامنے دنیاوی امور کے بارے میں لاپروائی کا مظاہرہ کیا تھا تاہم وہ خود کو نئے

واقعات سے باخبر رکھتا، نت نئی کتابیں پڑھتا اور اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوتی کہ زندگی کے محور پیٹرز برگ سے اسے یا اس کے والد سے ملنے کیلئے آنیوالے مہمانوں کا علم اس سے کہیں کم ہوتا تھا حالانکہ وہ دیہاتی علاقے سے باہر نہیں جاتا تھا۔

شہزادہ آندرے اپنی جاگیر پر توجہ دینے کے ساتھ ساتھ مختلف اقسام کی کتابیں بھی پڑھتا رہتا اور ان کے علاوہ اس دور میں وہ ہماری دو گزشتہ ناکام مہمات کا ناقدانہ جائزہ لینے اور فوج کیلئے قوانین و ضوابط کا منصوبہ بنانے میں مصروف رہا۔

1809 ء کے موسم بہار میں شہزادہ آندرے ریازان کی جاگیروں کا معائنہ کرنے چلا گیا۔ یہ جاگیریں اس نے کمسن بیٹے کو وراثت میں ملی تھیں اور وہ ان کا نگران تھا۔

موسم بہار کی دھوپ کے باعث اس کا جسم گرم ہو گیا۔ وہ اپنی گاڑی میں بیٹھا نئے گھاس، برچ درخت کے نئے پتوں اور موسم بہار کے سفید بادلوں کے پہلے ٹکڑوں کو دیکھنے لگا جو شفاف نیلے آسمان پر تیر رہے تھے۔ وہ کسی شے کے بارے میں سوچنے کی بجائے بےفکری اور خوشی سے اپنے ارد گرد دیکھ رہا تھا۔

جس جگہ پر اس نے گزشتہ سال پیری سے گفتگو کی تھی وہیں سے دریا پار کرنے کے بعد وہ کیچڑ میں اتھڑے دیہات سے گزرے۔ ان کے راستے میں رائی کے کھیت بھی آئے اور چٹیل میدان بھی۔ پل کے قریب پہاڑ کے دامن میں ابھی تک ہلکی سی برف کا ڈھیر پڑا تھا جو ریلے کی صورت میں آئی تھی۔ پہاڑی کے اوپر جس پتلی سڑک کے ساتھ ساتھ بارش نے پانی کا راستہ بنا دیا تھا، اسے طے کرنے کے بعد وہ سڑک پر پہنچ گئے۔ دونوں جانب فصلیں کٹ چکی تھیں اور صرف ان کے بچے کھچے تنے باقی رہ گئے تھے۔ جھاڑیوں میں کہیں کہیں سبزہ دکھائی دے رہا تھا جس کے بعد سڑک کے دونوں اطراف میں برچ کے درختوں کا جنگل پھیلا تھا۔ جنگل میں ہوا بند تھی اور کوئی پتا ہلتا دکھائی نہیں دیتا تھا۔ درختوں پر لیس دار پتے تھے جو بالکل ساکت نظر آ رہے تھے۔ بنفشی پھول اور سبز گھاس کی پہلی پتیاں پرانے پتوں سے سر نکالے ہوئے تھیں۔ درختوں کے درمیان ادھر ادھر فر کے چھوٹے اور سدا بہار درخت کھڑے تھے جنہیں دیکھ کر سردیوں کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ جونہی گھوڑے جنگل میں داخل ہوئے ان کے نتھنے پھڑپھڑانے لگے اور جسم پر پسینہ نمودار ہو گیا۔

خدمتگار پیٹر نے کوچوان سے کچھ کہا۔ کوچوان نے اس سے اتفاق کیا۔ یوں لگتا تھا جیسے پیٹر اس کی بات سے مطمئن نہ ہوا۔ اس نے گردن گھمائی اور پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے بولا۔

''حضور! موسم کس قدر معتدل ہے''

آندرے نے پوچھا ''کیا؟''

خدمتگار کہنے لگا ''حضور! معتدل''

شہزادہ آندرے نے حیرانی سے سوچا ''نہ جانے کیا کہہ رہا ہے؟ اوہ، شاید موسم کی بات کر رہا ہے'' اس نے چہار اطراف میں نگاہیں دوڑائیں اور سوچا ''واقعی ہر شے پہلے ہی سرسبز ہو چکی ہے۔ بالکل قبل از وقت، برچ، چیری، ایلڈر، سبھی نئے پتے نکال رہے ہیں مگر اوک نظر نہیں آ رہا۔ نہیں، نہیں، ایک ہے، وہ رہا اوک!''

سڑک کنارے اوک کا ایک درخت کھڑا تھا۔ اس کی عمر برچ کے جنگل والے درختوں سے کم و بیش دس سال زیادہ تھی اور یہ برچ سے دس گنا اونچا اور موٹا تھا۔ خاصا بڑا درخت تھا۔ اس کے تنے کی موٹائی دو انسانی بازوؤں سے بھی زیادہ تھی۔ بظاہر اس کی بھاری ٹہنیاں بہت پہلے کی ٹوٹ چکی تھیں اور ان جگہوں پر چھال جھڑنے سے پیدا ہونے والے گھاؤ مٹ چکے تھے۔ یہ اوک اپنا بھاری بھرکم بے ڈھنگا وجود غیر متناسب انداز میں چاروں جانب پھیلائے کسی قدیم

عفریت کی طرح برچ کے درختوں کے درمیان کھڑا مسکرائے جا رہا تھا۔ یہ واحد درخت تھا جس پر موسم اثر انداز نہیں ہو سکا تھا اور اس نے بہار اور دھوپ دونوں کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔

اوک یہ کہتا دکھائی دیتا تھا" بہار، محبت اور خوشی کیا ہیں؟ بے معنی اور احمقانہ دھوکے تم ان سے سیر نہیں ہوئے؟ بار بار یہ دھوکے دیے جاتے ہیں اور ان میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ ان کی اصلیت وہی رہتی ہے۔ کوئی بہار ہے، دھوپ نہ خوشی۔ ان فر کے درختوں کی جانب نظر دوڑاؤ۔ اس طرح بے رونق اور بے جان کھڑے ہیں جیسے کسی نے ان کا گلا گھونٹ دیا ہو۔ یہ ہمیشہ ایک ہی طرح دکھائی دیتے ہیں۔ مجھے دیکھو، میں ٹوٹی پھوٹی اور بے ہنگم شاخوں سے بھرا ہوا ہوں اور تمہاری امیدوں اور دھوکوں پر یقین نہیں رکھتا۔"

شہزادہ آندرے نے جنگل سے گزرتے ہوئے متعدد بار پیچھے مڑ کر اوک کو دیکھا جیسے وہ اس سے کسی شے کی توقع کر رہا ہو۔ اوک کے نیچے بھی گھاس اور پھول اگے تھے مگر یہ ان کے درمیان ویسے ہی غیر متحرک، درشت اور سنجیدہ انداز میں ایستادہ تھا۔

شہزادہ آندرے نے سوچا" ہاں یہ اوک ٹھیک کہتا ہے۔ اس کی بات درست ہے۔ نوجوان بے شک اس دھوکے میں آ جائیں مگر مجھے علم ہے کہ زندگی کیا ہے۔ میری زندگی میں اب کچھ نہیں رہا۔"

اوک کے اس درخت کے تعلق سے شہزادہ آندرے کا ذہن نئے خیالات کی آماجگاہ بن گیا۔ اس نے اس سفر میں اپنی زندگی کا از سر نو جائزہ لیا اور اسی نتیجے پر پہنچا جو مایوس کن ہونے کے باوجود اطمینان بخش تھا کہ اس کا کام کسی شے کو نئے سرے سے دیکھنا نہیں بلکہ جیسے تیسے اپنی زندگی گزارنا ہے۔ اسے چاہئے کہ کسی کو تکلیف دے، نقصان پہنچائے نہ خوف کھائے اور کسی شے کی خواہش بھی نہ کرے۔

(2)

شہزادہ آندرے کو ریازان جاگیر کے نگران کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریاں نبھانے کیلئے مقامی ضلعی مارشل نواب ایلیا آندریچ رستوف سے ملنا پڑا اور وسط مئی میں وہ اس کی جانب چل دیا۔

موسم گرما کا آغاز ہو چکا تھا اور درخت پتوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔ گرد اور گرمی اس قدر زیادہ تھی کہ دوران سفر پانی دکھائی دیتا تو نہانے کو دل کرنے لگا۔

شہزادہ آندرے اپنی گاڑی میں دو رویہ درختوں کے درمیان گزرتی سڑک پر سفر کر رہا تھا جو اوترادنوئے میں رستوف خاندان کے گھر جاتی تھی۔ اس کے چہرے پر پریشانی کے تاثرات تھے اور مارشل کے حوالے سے درپیش کام پر سوچ و بچار میں مصروف تھا۔ دائیں جانب چند درختوں کے پیچھے اسے شوخ اور زندہ دل لڑکیوں کی آوازیں سنائی دیں اور اچانک اس کی گاڑی کے راستے پر چند نوخیز لڑکیاں اچھلتی کودتی اور سڑک عبور کرتی دکھائی دیں۔ سب سے آگے اور اسی کی طرف بھاگی آنے والی لڑکی بیحد نازک بدن، کالی آنکھوں اور سیاہ بالوں کی مالک تھی اور اس نے زرد سوتی گاؤن پہن رکھا تھا۔ اس نے سر کے بال سفید جیبی رومال اس طرح لپیٹ رکھا تھا کہ بال اس میں سے باہر نکل پڑے تھے۔ وہ چلا چلا کر کچھ کہہ رہی تھی مگر جب اس نے اجنبی کو دیکھا تو اس کی جانب نظر ڈالے بغیر ہنستی مسکراتی باہر چلی گئی۔

نہ جانے کیوں شہزادہ آندرے کے دل میں ہوک سی اٹھی۔ اسقدر خوبصورت دن، روشن سورج اور اس کے اردگرد ہر شے اتنی نکھری ہوئی تھی اور پھر وہ نازک بدن حسین لڑکی، جو اس سے بے خبر تھی نہ اس کے بارے میں کچھ جاننے

کی خواہشمند۔ اس نے سوچا" آخر یہ اتنی خوش کیوں ہے؟ یہ کیا سوچ رہی ہے؟ جو کچھ بھی سوچ رہی ہے اس کا تعلق فوجی قواعد و ضوابط سے ہے نہ ریازان کے زرعی غلاموں سے محنت کے کرائے کی وصولی کے انتظامات سے۔ یہ کیا سوچ رہی ہے؟ آخر یہ اسقدر خوش کیوں ہے؟"

1809ء میں نواب ایلیا آندریچ گزشتہ برسوں کی طرح اوترادنوئے میں قیام پذیر تھا اور حسب عادت کم و بیش تمام صوبے کی شکار، ڈراموں، ضیافتوں اور موسیقی کی محفلوں سے خاطر مدارت کر رہا تھا۔ ہر مہمان کی طرح شہزادہ آندرے کو دیکھ کر بھی اس کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی اور اس نے اس سے رات اپنے ہاں گزارنے پر اصرار کیا۔

تمام دن بوریت میں گزرا مگر اس دوران بلکونسکی کے معمر میزبان، اس کی بیگم اور ان کے معروف مہمانوں نے اس کی خوب خاطر خدمت کی جو نام دن کے سلسلے میں اس کے ہاں آئے ہوئے تھے۔ ان مواقع پر شہزادہ آندرے کو احساس ہوا کہ اس کی نظریں بار بار نتاشا کی جانب اٹھ رہی ہیں جو محفل میں شریک نوعمر افراد کے ساتھ مل کر قہقہے لگاتی اور لطف اٹھا رہی تھی۔ جب بھی وہ اسے دیکھتا تو اس کے دل و دماغ میں یہ سوال ابھرتا" یہ کیا سوچ رہی ہے؟ یہ اتنی خوش کیوں ہے؟"

اس رات نئے ماحول میں جب وہ تنہا رہ گیا تو کافی دیر تک اسے نیند نہ آئی۔ وہ کچھ دیر کتاب پڑھتا رہا اور پھر موم بتی بجھا دی تاہم کچھ ہی دیر بعد اسے دوبارہ روشن کر دیا۔ کمرے میں گرمی تھی کیونکہ اندرونی پٹ بند تھے۔ اسے بار بار اس بیوقوف بوڑھے (وہ رستوف کو یہی سمجھ رہا تھا) پر غصہ آ رہا تھا جس نے یہ بہانہ کر کے اسے یہاں رات ٹھہرنے پر آمادہ کر لیا تھا کہ شہر سے ضروری کاغذات آنا ہیں۔ اسے اپنے آپ پر بھی غصہ آ رہا تھا کہ وہ وہاں کیوں ٹھہرا؟

آندرے اٹھا اور کھڑکی کی جانب چل دیا۔ جونہی اس نے پٹ کھولے، کمرہ چاند کی روشنی سے اس طرح نہا گیا جیسے وہ کافی دیر سے اندر داخل ہونے کی آرزو مند تھی۔ رات سرد اور روشن تھی۔ کھڑکی کے قریب ایسے درختوں کی قطار تھی جن کی شاخیں کاٹ دی گئی تھیں تاکہ وہ گھنے ہو سکیں۔ ان درختوں کا ایک رخ تاریک اور دوسرا روشن تھا۔ درختوں تلے سرسبز جھاڑیاں تھیں اور کہیں کہیں ان کے پتے اور شاخیں چاند کی روشنی سے منور تھے۔ تاریک درختوں سے دور ایک چھت تھی جس پر شبنم کے قطرے چمک رہے تھے۔ دائیں جانب پتوں میں لپٹا ایک بڑا درخت کھڑا تھا جس کا تنا اور شاخیں دودھ کی طرح سفید تھیں۔ اس کے اوپر پورا چاند چمک رہا تھا۔ موسم بہار کا آسمان زرد دکھائی دے رہا تھا اور کہیں کہیں ستارے بھی نظر آ رہے تھے۔ شہزادہ آندرے اپنی کہنیاں کھڑکی سے ٹکا کر کھڑا ہو گیا اور آسمان کی جانب دیکھنے لگا۔

اس کا کمرہ دوسری منزل پر تھا اور اس سے اوپر کی منزل کے کمروں میں ایسے لوگ تھے جنہیں ابھی تک نیند نہیں آئی تھی۔ اسے اوپر سے خواتین کی آوازیں سنائی دیں۔

ایک لڑکی بولی" ایک اور" شہزادہ آندرے نے آواز پہچان لی۔

دوسری آواز آئی" سونا کب ہے؟"

پہلی نے جواب دیا" مجھے نہیں سونا، نیند نہیں آ رہی، کیا کروں؟ آؤ یہ آخری مرتبہ ہوگا۔"

دونوں لڑکیوں نے کوئی گانا گایا، شاید یہ کسی گیت کا آخری بند تھا۔

ایک لڑکی بولی" آہا، کتنا عمدہ تھا، آؤ سو جائیں۔"

عفریت کی طرح برچ کے درختوں کے درمیان کھڑا مسکرائے جا رہا تھا۔ یہ واحد درخت تھا جس پر موسم اثر انداز نہیں ہو سکا تھا اور اس نے بہار اور دھوپ دونوں کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔

اوک یہ کہتا دکھائی دیتا تھا" بہار، محبت اور خوشی کیا ہیں؟ بے معنی اور احمقانہ دھوکے۔ تم ان سے سیر نہیں ہوئے؟ بار بار یہ دھوکے رہے جاتے ہیں اور ان میں کوئی تبدیلی نہیں آتی، ان کی اصلیت وہی رہتی ہے۔ کوئی بہار ہے، دھوپ نہ خوشی، ان فر کے درختوں کی جانب نظر دوڑاؤ، اس طرح بے رونق اور بے جان کھڑے ہیں جیسے کسی نے ان کا گلا گھونٹ دیا ہو۔ یہ ہمیشہ ایک ہی طرح دکھائی دیتے ہیں۔ مجھے دیکھو، میں ٹوٹی پھوٹی اور بے ہنگم شاخوں سے بھرا ہوا ہوں اور تمہاری امیدوں اور دھوکوں پر یقین نہیں رکھتا"

شہزادہ آندرے نے جنگل سے گزرتے ہوئے متعدد بار پیچھے مڑ کر اوک کو دیکھا جیسے وہ اس سے کسی شے کی توقع کر رہا ہو۔ اوک کے نیچے بھی گھاس اور پھول اگے تھے مگر یہ ان کے درمیان ویسے ہی غیر متحرک، درشت اور سنجیدہ انداز میں ایستادہ تھا۔

شہزادہ آندرے نے سوچا" ہاں یہ اوک ٹھیک کہتا ہے، اس کی بات درست ہے۔ نوجوان بے شک اس دھوکے میں آ جائیں مگر مجھے علم ہے کہ زندگی کیا ہے، میری زندگی میں اب کچھ نہیں رہا"

اوک کے اس درخت کے تعلق سے شہزادہ آندرے کا ذہن نئے خیالات کی آماجگاہ بن گیا۔ اس نے اس سفر میں اپنی زندگی کا از سرنو جائزہ لیا اور اسی نتیجے پر پہنچا جو مایوس کن ہونے کے باوجود اطمینان بخش تھا کہ اس کا کام کسی شے کو نئے سرے سے دیکھنا نہیں بلکہ جیسے تیسے اپنی زندگی گزارنا ہے، اسے چاہئے کہ کسی کو تکلیف دے، نقصان پہنچائے نہ خوف کھائے اور کسی شے کی خواہش بھی نہ کرے۔

(2)

شہزادہ آندرے کو ریازان جاگیر کے نگران کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریاں نبھانے کیلئے مقامی ضلعی مارشل نواب ایلیا آندریچ رستوف سے ملنا پڑا اور وسط مئی میں وہ اس کی جانب چل دیا۔

موسم گرما کا آغاز ہو چکا تھا اور درخت پتوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔ گرد اور گرمی اس قدر زیادہ تھی کہ دوران سفر پانی دکھائی دیتا تو نہانے کو دل کرنے لگا۔

شہزادہ آندرے اپنی گاڑی میں دو رویہ درختوں کے درمیان گزرتی سڑک پر سفر کر رہا تھا جو اترادنوے میں رستوف خاندان کے گھر جاتی تھی۔ اس کے چہرے پر پریشانی کے تاثرات تھے اور مارشل کے حوالے سے در پیش کام پر سوچ و بچار میں مصروف تھا۔ دائیں جانب چند درختوں کے پیچھے اسے شوخ اور زندہ دل لڑکیوں کی آوازیں سنائی دیں اور اچانک اس کی گاڑی کے راستے پر چند نوخیز لڑکیاں اچھلتی کودتی اور سڑک عبور کرتی دکھائی دیں۔ سب سے آگے اور اسی کی طرف بھاگی آنیوالی لڑکی بیحد نازک بدن، کالی آنکھوں اور سیاہ بالوں کی مالک تھی اور اس نے زرد سوتی گاؤن پہن رکھا تھا۔ اس نے سر کے بال سفید جیبی رومال اس طرح لپیٹ رکھا تھا کہ بال اس میں سے باہر نکل پڑے تھے۔ وہ چلا چلا کر کچھ کہہ رہی تھی مگر جب اس نے اجنبی کو دیکھا تو اس کی جانب نظر ڈالے بغیر ہنستی مسکراتی باہر چلی گئی۔

نہ جانے کیوں شہزادہ آندرے کے دل میں ہوک سی اٹھی۔ اسقدر خوبصورت دن، روشن سورج اور اس کے اردگرد ہر شے اتنی نکھری ہوئی تھی اور پھر وہ نازک بدن حسین لڑکی، جو اس سے بے خبر تھی نہ اس کے بارے میں کچھ جاننے

کی خواہشمند۔ اس نے سوچا" آخر یہ اتنی خوش کیوں ہے؟ یہ کیا سوچ رہی ہے؟ جو کچھ بھی سوچ رہی ہے اس کا تعلق فوجی قواعد وضوابط سے ہے نہ ریازان کے زرعی غلاموں سے محنت کے کرائے کی وصولی کے انتظامات سے۔ یہ کیا سوچ رہی ہے؟ آخر یہ اسقدر خوش کیوں ہے؟"

1809ء میں نواب ایلیا آندریچ گزشتہ برسوں کی طرح اترادنوے میں قیام پذیر تھا اور حسب عادت کم وبیش تمام صوبے کی شکار، ڈراموں، ضیافتوں اور موسیقی کی محفلوں سے خاطر مدارت کر رہا تھا۔ ہر مہمان کی طرح شہزادہ آندرے کو دیکھ کر بھی اس کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی اور اس نے اس سے رات اپنے ہاں گزارنے پر اصرار کیا۔

تمام دن بوریت میں گزرا مگر اس دوران بلکونسکی کے عمر مہمان، اس کی بیگم اور ان کے معروف مہمانوں نے اس کی خوب خاطر خدمت کی جو تمام دن کے سلسلے میں اس کے ہاں آئے ہوئے تھے۔ ان مواقع پر شہزادہ آندرے کو احساس ہوا کہ اس کی نظریں بار بار نتاشا کی جانب اٹھ رہی ہیں جو محفل میں شریک نوعمر افراد کے ساتھ مل کر قہقہے لگاتی اور لطف اٹھا رہی تھی۔ جب بھی وہ اسے دیکھتا تو اس کے دل ودماغ میں یہ سوال ابھرتا" یہ کیا سوچ رہی ہے؟ یہ اتنی خوش کیوں ہے؟"

اس رات نئے ماحول میں جب وہ تنہا رہ گیا تو کافی دیر تک اسے نیند نہ آئی۔ وہ کچھ دیر کتاب پڑھتا رہا اور پھر موم بتی بجھا دی تاہم کچھ ہی دیر بعد اسے دوبارہ روشن کر دیا۔ کمرے میں گرمی تھی کیونکہ اندرونی پٹ بند تھے۔ اسے بار بار اس بیوقوف بوڑھے (وہ رستوف کو یہی سمجھ رہا تھا) پر غصہ آ رہا تھا جس نے یہ بہانہ کر کے اسے یہاں رات ٹھہرنے پر آمادہ کر لیا تھا کہ شہر سے ضروری کاغذات آ رہا ہیں۔ اسے اپنے آپ پر بھی غصہ آ رہا تھا کہ وہ وہاں کیوں ٹھہرا؟

آندرے اٹھا اور کھڑکی کی جانب چل دیا۔ جونہی اس نے پٹ کھولے، کمرہ چاندکی روشنی سے اس طرح نہا گیا جیسے وہ کافی دیر سے اندر داخل ہونے کی آرزومند تھی۔ رات سرد اور روشن تھی۔ کھڑکی کے قریب ایسے درختوں کی قطار تھی جن کی شاخیں کاٹ دی گئی تھیں تاکہ وہ گھنے ہو سکیں۔ ان درختوں کا ایک رخ تاریک اور دوسرا روشن تھا۔ درختوں تلے سرسبز جھاڑیاں تھیں اور کہیں کہیں ان کے پتے اور شاخیں چاندکی روشنی سے منور تھے۔ تاریک درختوں سے دور ایک چھت تھی جس پر شبنم کے قطرے چمک رہے تھے۔ دائیں جانب پتوں میں لپٹا ایک بڑا درخت کھڑا تھا جس کا تنا اور شاخیں دودھ کی طرح سفید تھیں۔ اس کے اوپر پورا چاند چمک رہا تھا۔ موسم بہار کا آسمان زرد دکھائی دے رہا تھا اور کہیں کہیں ستارے بھی نظر آ رہے تھے۔ شہزادہ آندرے اپنی کہنیاں کھڑکی سے ٹکا کر کھڑا ہو گیا اور آسمان کی جانب دیکھنے لگا۔

اس کا کمرہ دوسری منزل پر تھا اور اس سے اوپر کی منزل کے کمروں میں ایسے لوگ تھے جنہیں ابھی تک نیند نہیں آئی تھی۔ اسے اوپر سے خواتین کی آوازیں سنائی دیں۔

ایک لڑکی بولی" ایک اور" شہزادہ آندرے نے آواز پہچان لی۔

دوسری آواز آئی" سونا کب ہے؟"

پہلی نے جواب دیا" مجھے نہیں سونا، نیند نہیں آ رہی، کیا کروں؟ آؤ یہ آخری مرتبہ ہوگا۔

دونوں لڑکیوں نے کوئی گانا گایا، شاید یہ کسی گیت کا آخری بند تھا۔

ایک لڑکی بولی" آہا، کتنا عمدہ تھا، آؤ سو جائیں"

دوسری نے جواباً کہا "تم سو جاؤ، میں نہیں سو سکتی" آواز کھڑکی کے قریب سے سنائی دی تھی۔

ایسا لگتا تھا کہ وہ کھڑکی سے سر باہر نکالے کھڑی ہے کیونکہ وہ اب وہ اس کے لباس کی سرسراہٹ کے علاوہ سانس لینے کی ہلکی سی آواز بھی سن سکتا تھا۔ ہر طرف خاموشی تھی، ہر شے پتھر، چاند، اس کی روشنی اور سایوں کی طرح خاموشی کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھے۔ آندرے کو اپنی جگہ سے ہلنے کی ہمت نہ ہوئی، اسے خدشہ تھا کہ کہیں اس کی غیر ارادی موجودگی ظاہر نہ ہو جائے۔

پہلی آواز دوبارہ بولی "سونیا! سونیا! تمہیں نیند کیسے آ گئی؟ دیکھو، کتنا حسین منظر ہے، سونیا جاگو، اتنی خوبصورت رات پہلے کبھی نہیں آئی"

سونیا نے بادل ناخواستہ کوئی جواب دیا۔

پہلی آواز سنائی دی "آؤ، دیکھو چاند کس قدر خوبصورت ہے، آؤ نا، میری پیاری، یہاں آؤ، تم نے دیکھا؟ جی چاہتا ہے یہیں بیٹھے رہیں، گھٹنوں کو کہنیوں میں دبا کر فضا میں پرواز کرنے لگیں۔۔۔ ایسے"

سونیا نے کہا "دھیان سے، نیچے گر جاؤ گی"

اسے کھینچا تانی کی آوازیں سنائی دیں اور پھر سونیا کی آواز آئی جو ناپسندیدگی کا اظہار کر رہی تھی، وہ کہنے لگی "ایک بج گیا ہے"

پہلی آواز نے کہا "تم ہمیشہ میرا کام خراب کرتی ہو، ٹھیک ہے، جاؤ اور سو جاؤ"

ایک مرتبہ پھر خاموشی چھا گئی مگر شہزادہ آندرے کو معلوم تھا کہ وہ وہیں بیٹھی ہے۔ کبھی کبھار اس کے لباس کی سرسراہٹ اور آہ بھرنے کی آواز سنائی دے جاتی تھی۔

اچانک اس کی آواز سنائی دی "او میرے خدایا، او خدایا، کیا ہے، اگر سونا اتنا ہی ضروری ہے تو پھر میں سو جاتی ہوں" یہ کہہ کر اس نے زور سے کھڑکی بند کر دی۔

شہزادہ آندرے نے آواز پر کان لگاتے ہوئے سوچا "نہ جانے وہ میری موجودگی سے باخبر بھی ہے یا نہیں۔ نجانے کس وجہ سے اسے یہ امید اور دھڑکا لگا تھا کہ شاید وہ اس کے بارے میں کچھ کہے گی۔ اس نے سوچا "وہ پھر آ گئی، شاید جان بوجھ کر آئی ہے"

اچانک اس کے دل و دماغ پر بھرپور جوانی کے تصورات اور امیدوں نے غیر متوقع طور پر کچھ اس طرح حملہ کیا جو اس کی زندگی کے تمام تر معمول کے برعکس تھا۔ اسے یوں لگا جیسے وہ خود سے اپنی حالت بیان نہیں کر سکتا۔ اسی شش و پنج میں اسے نیند آ گئی۔

(3)

شہزادہ آندرے اگلے دن نواب کے علاوہ کسی اور سے ملے اور خواتین کا انتظار کئے بغیر اپنے گھر روانہ ہو گیا۔

جون کا مہینہ شروع ہو چکا تھا۔ واپسی کے سفر میں وہ دوبارہ برچ کے اسی جنگل سے گزرا جہاں اوک کے پرانے درخت نے اس کے ذہن پر عجیب و غریب اور ہمیشہ یاد رہ جانیوالے اثرات مرتب کئے تھے۔ جنگل میں گاڑی کی گھنٹی کی آواز گزشتہ چھ ہفتوں کی نسبت اور بھی مدھم سنائی دینے لگی تھی کیونکہ اب ہر جگہ ہریالی تھی اور درختوں نے پتوں کے لبادے اوڑھ لیے تھے۔ فر کی چھوٹے چھوٹے درخت اب ماحول کا حسن خراب کرنے کی بجائے اردگردی

فضا سے متاثر ہو کر نئے پتے نکال رہے تھے جنہوں نے انہیں پرکشش طور سے سرسبز کر دیا تھا۔

تمام دن گرم رہا۔ طوفان کے آثار دکھائی دے رہے تھے مگر صرف ہلکی سی بارش ہوئی جس سے سڑک اور پتے دھل گئے۔ جنگل کا بایاں پہلو سائے میں تھا اس لیے وہاں تاریکی تھی۔ دایاں پہلو دھوپ میں نہایا ہوا تھا اور روشنی سے جگمگا رہا تھا۔ ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی جس کی بدولت پتے سرسرانے لگتے تھے۔ ہر پودا اپنے جوبن پر تھا اور شگوفے پھوٹ رہے تھے۔ کبھی دور اور کبھی قریب سے بلبلوں کے چہچہانے کی آوازیں سنائی دے جاتی تھیں۔

شہزادہ آندرے نے سوچا "ہاں، اس جنگل میں کہیں اوک کا ایک درخت تھا جس سے میں پوری طرح متفق تھا۔ مگر وہ کہاں ہے؟" اس نے سڑک کے بائیں جانب دیکھا اور اسی اوک کی تعریف کرتے ہوئے اظہار تعجب کیا۔

پرانا اوک اب بالکل بدل چکا تھا۔ اب وہ گہرے سبز اور رسیلے پتوں سے بھرا ہوا خود کھڑا تھا۔ غروب ہوتے سورج کی کرنوں کی روشنی میں ہوا اس کے پتوں کو ہلکورے دے رہی تھی۔ کانٹے دار انگلیاں، زخموں کے نشانات، پرانا دکھ اور بدگمانیاں سبھی غائب ہو چکی تھیں۔ پرانی چھال کے ان حصوں پر بھی پتے نکل آئے تھے جہاں شاخوں کا وجود ہی نہ تھا۔ یہ پتے اتنی تیزی سے نکلے تھے کہ یقین نہ آتا تھا کہ یہ اسی پرانی مخلوق کے وجود سے برآمد ہوئے ہیں۔

شہزادہ آندرے نے سوچا "ہاں یہ وہی اوک کا درخت ہے" یہ سوچتے ہوئے اسے اچانک بے جواز خوشی اور نئی زندگی کے جذبے نے لپیٹ میں لے لیا۔ اچانک اس کی زندگی کے بہترین لمحات اس کی نظروں میں گھومنے لگے۔ اوسٹرلٹس اور اس کا بلند و بالا آسمان، موت کے وقت بیوی کا پرملامت چہرہ، کشتی میں کھڑا پیئری، وہ لڑکی، گزشتہ رات کی خوبصورتی اور چاند یکایک اس کے ذہن میں گھوم گئے۔

شہزادہ آندرے نے بے چین ہو کر اٹل انداز سے سوچا "نہیں، اکتیس سال کی عمر میں زندگی ختم نہیں ہو جاتی۔ میرے لیے صرف اپنے آپ کو جاننا ہی کافی نہیں بلکہ ہر شخص کو، پیئری کو اور اس لڑکی کو بھی معلوم ہونا چاہئے کہ میں کون ہوں جو آسمان کی جانب پرواز کرنا چاہتی تھی۔ مجھے اپنی زندگی صرف اپنے لیے ہی نہیں گزارنی چاہئے کہ دوسرے مجھ سے علیحدہ رہیں بلکہ اس انداز میں بسر کرنی چاہئے کہ دوسرے اس میں حصہ دار بن سکیں۔

☆☆☆

شہزادہ آندرے نے گھر پہنچنے کے بعد فیصلہ کیا کہ وہ موسم خزاں میں پیٹرزبرگ جائے گا۔ اس فیصلے کی توجیہہ کیلئے اس نے ہر قسم کے بہانے تیار کر لیے۔ اس کے دماغ میں معقول وجوہات کا سلسلہ چلا آنے لگا کہ اس کا پیٹرزبرگ جانا بلکہ فوج میں بھی دوبارہ شمولیت کیوں ضروری ہے۔ جس طرح ایک [illegible] قبل وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ دیہات سے کہیں چلا جائے گا اسی طرح اب یہ بات بھی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ [illegible] زندگی میں سرگرمی سے شرکت کی ضرورت کے حوالے سے اس کے ذہن میں شکوک و شبہات کیسے پیدا ہوئے۔ اب اسے واضح انداز سے یہ احساس ہونے لگا کہ اب تک حاصل ہونیوالے تجربات سے کام نہ لینے اور انہیں استعمال نہ [illegible] ان تمام تجربات کو اکارت کر دے گی۔ اسے یہ بات بالکل یاد نہ رہی [illegible] یہ بات سمجھائی تھی کہ زندگی نے اسے جو کچھ سکھلایا ہے اگر اس کے بعد بھی اس [illegible] کام آنے کا [illegible] اور پیار کا حصول ممکن ہے تو وہ اپنی ہی نظروں میں بے توقیر ہو جائے گا۔ اب اس کی عقل [illegible] کے اس سفر کے بعد شہزادہ آندرے کیلئے دیہی ماحول میں کوئی دلکشی باقی نہ رہی اور وہ اس سے اکتا گیا۔ پرانے مشغلوں میں اس کی دلچسپی ختم ہو گئی اور جب وہ اپنے کمرے میں اکیلا ہوتا تو [illegible] آئینے میں اپنا چہرہ دیکھتا رہتا۔ پھر وہ

اپنی مرحومہ بیوی لیزا کی تصویر کے سامنے جا کھڑا ہوتا جس میں اس نے اپنے بال یونانی انداز میں پن سے باندھ رکھے تھے۔ اسے یوں لگتا جیسے وہ اس سنہری فریم سے اسے پیار بھری نظروں سے دیکھ رہی ہے۔ اب وہ اس کے سامنے خوفناک الفاظ نہیں دہراتی تھی بلکہ فطری، پرمسرت اور رازدارانہ انداز سے اس کا جائزہ لے رہی ہوتی تھی۔ شہزادہ آندرے اپنے دونوں ہاتھ کمر پر ایک دوسرے میں پھنسا کر دیر تک کمرے میں ٹہلتا رہتا۔ کبھی اس کے ماتھے پر شکنیں پڑ جاتیں اور کبھی ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل جاتی۔ اس دوران وہ غیر منطقی خیالات سوچتا رہتا جن کا اظہار ممکن نہیں تھا اور انہیں کسی جرم کی طرح چھپا کر رکھنا ضروری تھا۔ ان خیالات کا تعلق پیری، ناموری، کھڑکی والی لڑکی، اوک کے پرانے درخت اور عورت کے حسن وعشق سے تھا۔ ان خیالات نے اس کی زندگی بدل کر رکھ دی۔ ایسے مواقع پر اگر کوئی کمرے میں آ جاتا تو اس کے ساتھ اس کا رویہ خاص طور پر سخت، روکھا اور ناگوار ہوتا۔

ایسے ہی کسی موقع پر شہزادی ماریا کی آواز سنائی دیتی "پیارے بھائی، آج بہت سردی ہے، نکولشکا آج سیر کیلئے باہر نہیں جا سکتا"

وہ خشک لہجے سے جواب دیتا "اگر گرمی ہوتی تو وہ صرف قمیص میں بھی باہر جا سکتا تھا، چونکہ سردی بڑھ گئی ہے اس لیے اسے گرم کپڑے پہنا دو جو اسی مقصد کیلئے تیار کرائے گئے ہیں۔ ٹھنڈے موسم میں یہی کرنا ہوتا ہے، نہ کہ جس بچے کو تازہ ہوا کی ضرورت ہے اسے گھر میں بند کر دیا جائے" وہ یہ بات ایسے شستہ منطقی انداز سے کہتا کہ اس میں غلطی ڈھونڈنا ممکن نہیں ہوتا تھا اور اس کے رویے سے یوں لگتا جیسے وہ اپنے اندر چھپی تمام غیر منطقی قوتوں کی اذیت کا بدلہ دوسروں سے لینا چاہتا ہے۔

(4)

شہزادہ آندرے اگست 1809ء میں پیٹرزبرگ پہنچ گیا۔ یہ وہ دور تھا جب نوجوان سپیرانسکی کی شہرت عروج پر تھی اور اس کی تجویز کردہ اصلاحات کو جوش وخروش سے نافذ کیا جا رہا تھا۔ اسی ماہ زار اپنی گاڑی سے گر گیا اور اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ وہ تین ہفتے پیٹرہوف میں زیر علاج رہا۔ اس دوران وہ سپیرانسکی سے تو روزانہ ملتا رہا مگر کسی اور شخص کو اپنے قریب بھی نہ آنے دیا۔ ان دنوں نہ صرف دو بدنام حکمنامے یعنی درباری درجوں کا خاتمہ اور شعبہ محصول کے عالموں اور ریاستی کونسلروں کے عہدے حاصل کرنے کے خواہشمندوں کیلئے امتحان کا اجراء، تشکیل کے مرحلوں سے گزر رہے تھے بلکہ ملک کا پورا آئین بھی زیر بحث تھا جس کے تحت ریاستی کونسل سے لے کر ضلعی ٹریبونل تک قانونی، انتظامی اور مالیاتی طریقہ کار کو بالکل بدل دیا جا رہا تھا۔ اب وہ مبہم اور لبرل خواب حقیقت کی شکل اختیار کر رہے تھے جو الیگزینڈر نے عنان اقتدار سنبھالتے وقت دیکھے تھے اور جنہیں اس نے زار تورسکی، نووسلت سیف، کوچوبے اور ستروگانوف کی مدد سے عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی تھی۔ اب سول محکموں میں ان کی جگہ سپیرانسکی اور فوج میں آراک چیف کو تعینات کر دیا گیا تھا۔

شہزادہ آندرے اپنی آمد کے چند روز بعد دربار میں حاضر ہو گیا۔ اگرچہ شہنشاہ اس سے پہلے دو مرتبہ مل چکا تھا مگر اس نے اس سے کوئی بات نہ کی۔ شہزادہ آندرے کو اس سے پہلے بھی ہمیشہ یہی محسوس ہوتا رہا تھا کہ اس کے دل میں زار کیلئے کوئی نرم گوشہ نہیں اور زار کے نزدیک بھی اس کا چہرہ اور شخصیت ناپسندیدہ تھی۔ شہنشاہ نے اسے جن سرد نگاہوں سے دیکھا جس طرح ناگواری کا اظہار کیا اس سے آندرے کا اندازہ درست ثابت ہو گیا۔ درباریوں نے شہزادہ آندرے کو بتایا کہ "زار نے آپ سے جس بے التفاتی کا مظاہرہ کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے 1805ء کے بعد ان کیلئے کوئی خدمات انجام نہیں دیں، یہی وجہ ہے کہ وہ آپ سے ناراض ہیں"

شہزادہ آندرے نے سوچا "میں جانتا ہوں کہ انسان کو اپنی پسند وناپسند پر اختیار نہیں ہوتا، چنانچہ اگر میں نے فوجی قاعدے وقوانین میں ترامیم کے بارے میں ذاتی طور پر زار کو تجاویز دیں تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا تاہم میرا منصوبہ خود بخود اپنی اہمیت تسلیم کرا لے گا" اس نے اپنے منصوبے کے بارے میں ایک عمر فیلڈ مارشل کو پیغام بھیجا جو اس کے والد کا دوست تھا۔ جب وہ اس کے پاس پہنچا تو اس نے شفقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے وعدہ کیا کہ وہ یہ معاملہ شہنشاہ کی خدمت میں پیش کر دے گا۔ چند روز بعد شہزادہ آندرے سے کہا گیا کہ وہ وزیر جنگ نواب آراک چیف کے پاس چلا جائے۔

شہزادہ آندرے مقررہ دن صبح نو بجے آراک چیف کے استقبالیہ کمرے میں موجود تھا۔

وہ نواب آراک چیف کو ذاتی طور پر جانتا تھا نہ کبھی اس سے ملا تھا تاہم اس کے بارے میں جو کچھ سنا تھا اس سے اس کے دل میں وزیر جنگ کے بارے میں احترام کے جذبات پیدا نہ ہوئے۔

شہزادہ آندرے نے سوچا "وہ وزیر جنگ ہے اور زار اس پر اعتماد کرتا ہے۔ مجھے اس کے ذاتی اوصاف سے کوئی غرض نہیں، اسے میرے منصوبے کے مسودے کا جائزہ لینے کا کام سونپا گیا ہے چنانچہ وہی اسے نافذ کر سکتا ہے" وہ نواب آراک چیف کے کمرہ استقبالیہ میں بیٹھا تھا اور اس کے اردگرد متعدد اہم اور غیر اہم اشخاص موجود تھے۔

شہزادہ آندرے نے اپنی ملازمت ۔۔۔ زیادہ تر بحیثیت ایجوٹنٹ ۔۔۔ کے دور میں متعدد اعلیٰ شخصیات کے استقبالیہ کمرے دیکھے تھے اور ان کی مختلف اقسام با آسانی پہچان سکتا تھا۔ نواب آراک چیف کا کمرہ خصوصیت کا حامل تھا۔ ملاقات کا انتظار کرتے غیر اہم اشخاص کے چہروں سے گھبراہٹ اور تذلیل کا احساس ٹپک رہا تھا۔ اونچے مرتبے کے حامل لوگوں کے چہرے بشرے سے یہ ظاہر ہوتا تھا جیسے سوچ رہے ہوں کہ یہ وہ جگہ نہیں جہاں انہیں آنا چاہیے تھا اور یوں وہ اضطرابی کیفیت کا شکار تھے، تاہم انہوں نے اپنی یہ کیفیت اس طرح چھپا رکھی تھی جیسے انہیں کسی شے سے سروکار ہی نہ ہو اور جیسے وہ اپنی، اپنے مقام ومرتبے اور اس شخص کی ہنسی اڑا رہے ہوں جس سے ملاقات کا انہیں انتظار ہے۔ ان میں سے بعض اپنی سوچوں میں غرق ادھر ادھر ٹہل رہے تھے اور بعض دھیمی آواز میں گفتگو کرنے اور قہقہے لگانے میں مصروف تھے۔ شہزادہ آندرے نے کسی کا عرف سیلا آندریچ (سیلا کا مطلب قوت ہے) نامی عرف سنا اور کوئی کہنے لگا "آج بوڑھا ہماری خوب خبر لے گا" اس کا اشارہ نواب آراک چیف کی جانب تھا۔ کمرے کمرے میں ایک جرنیل (جو نہایت اہمیت کا حامل تھا) بھی موجود تھا اور یہ عیاں تھا کہ اسے یوں انتظار کرائے جانے سے سخت کوفت ہو رہی ہے اور وہ بار بار اپنی ٹانگیں ایک سے دوسری پر رکھ کر انہیں بار بار علیحدہ کرتے ہوئے حقارت آمیز انداز سے مسکرائے جا رہا تھا۔

جونہی دروازہ کھلتا ہر چہرے پر خوف کے ایک جیسے تاثرات نمایاں ہو جاتے۔ شہزادہ آندرے نے دو مرتبہ ڈیوٹی پر موجود ایجوٹنٹ سے کہا کہ وہ اس کا نام اندر پہنچا دے۔ جواب میں ایجوٹنٹ نے اسے طنزیہ نگاہوں سے دیکھا اور بتایا کہ "مناسب وقت پر آپ کو بھی اندر بھیج دیا جائیگا" جب ایجوٹنٹ متعدد افراد کو کمرے میں لے جا اور باہر لا چکا تو ایک ایسے افسر کو اندر پہنچایا گیا جس دیکھ کر آندرے کو احساس ہوا کہ یہ شخص گھٹیا ہونے کے ساتھ ساتھ خوفزدہ بھی ہے۔ اچانک دروازے کے دوسری جانب چیختی چلاتی آواز سنائی دی اور وہ افسر باہر آ گیا۔ اس کا چہرہ زرد تھا اور ہونٹ کانپ رہے تھے۔ وہ اپنا سر تھامے تیزی سے باہر چلا گیا۔

اس کے بعد اچانک شہزادہ آندرے کو دروازے تک پہنچا دیا گیا اور ایجوٹنٹ نے اس کی رہنمائی کرتے ہوئے

کہا" دائیں طرف، کھڑکی کے پاس"

شہزادہ آندرے سادہ مگر صاف ستھرے کمرے میں داخل ہوگیا۔ اسے میز کے سامنے چالیس سالہ شخص بیٹھا دکھائی دیا جس کی کمر چوڑی، سر لمبا، ناک خمیدہ، اور پیشانی شکن آلود تھی۔ اس کے چہرے پر جھریاں تھیں اور آنکھیں بجھی بجھی دکھائی دیتی تھیں۔ آراک چیف نے دیکھے بغیر اس کی جانب رخ کی اور پوچھا" کیا درخواست لائے ہو؟"

شہزادہ آندرے نے جواب دیا" جناب عالی! میں درخواست نہیں لایا"

آراک چیف اس کی جانب دیکھنے لگا۔

پھر وہ بولا" بیٹھو۔۔۔شہزادہ بلکونسکی ہو؟"

آندرے نے جواباً کہا" میں نے درخواست نہیں دی، میں نے شہنشاہ کے حضور ایک منصوبہ پیش کیا تھا جو انہوں نے آپ کے سپرد کیا ہے۔۔۔"

آراک چیف اس کی بات کاٹتے ہوئے کہنے لگا" جناب عالی! اگر اجازت ہو تو کہوں گا کہ میں آپ کا منصوبہ دیکھ چکا ہوں" اس نے اپنی گفتگو کا آغاز مخصوص شائستگی سے کیا مگر پھر منہ پھیر لیا اور اس کی آواز میں چڑچڑا پن اور حقارت در آئی، وہ کہہ رہا تھا" تم نئے فوجی قواعد وضوابط پیش کر رہے ہو؟ ہمارے پاس پہلے ہی قوانین کا ڈھیر لگا ہے۔ کوئی ان پرانے قوانین پر بھی عمل نہیں کرتا۔ آج کل ہر کہ ومہ کو نئے قوانین بنانے کا شوق چرایا ہے۔۔ لکھنا آسان ہے مگر اس پر عمل کرنا مشکل ہوتا ہے"

شہزادہ آندرے نے شائستگی سے پوچھا" میں شہنشاہ حضور کی خواہش کے مطابق جناب عالی سے یہ دریافت کرنے آیا ہوں کہ آپ اس منصوبے سے متعلق کیا کرنا چاہتے ہیں؟"

آراک چیف بولا" میں نے تمہارے منصوبے پر اپنا تبصرہ لکھ کر اسے کمیٹی کو بھیج دیا ہے، مجھے یہ پسند نہیں آیا" یہ کہہ کر اس نے میز سے کاغذ اٹھایا اور اسے شہزادہ آندرے کے حوالے کرتے ہوئے کہنے لگا" یہ لو"

اس کاغذ پر ہجوں اور گرامر کی غلطیوں سے بھرپور درج ذیل فقرات تحریر تھے" ناقص، فرانسیسی قوانین کی نقل، ہمارے اپنے جنگی اصولوں سے خواہ مخواہ انحراف کیا گیا ہے"

شہزادہ آندرے نے پوچھا" یہ منصوبہ کس کمیٹی کو بھیجا گیا ہے؟"

آراک چیف نے جواب دیا" فوجی ضوابط کی کمیٹی کو، اور ہاں میں نے یہ سفارش بھی کر دی ہے کہ جناب کو اس کمیٹی کا رکن نامزد کر دیا جائے، تنخواہ کے بغیر"

آندرے نے کہا" مجھے تنخواہ نہیں چاہیے"

آراک چیف نے اپنی بات دہراتے ہوئے کہا" تنخواہ کے بغیر رکن۔ اچھا خدا حافظ، ارے اگلے شخص کو بھیج دو، ان کے علاوہ کون ہے"

(5)

کمیٹی کے رکن کی حیثیت سے اپنی تقرری کے رسمی اعلان کا انتظار کرتے شہزادہ آندرے نے سوچا کیوں نہ پرانے واقف کاروں کو مل لیا جائے، خاص طور پر ان لوگوں سے جن کے بارے میں اسے علم تھا کہ وہ صاحب اختیار ہیں اور اسے ان کی مدد کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔ اب اسے پیٹرز برگ میں بالکل انہی جذبات کا تجربہ ہوا جن میں سے وہ

جنگ کے آغاز سے پہلے گزرا تھا۔ ایک اضطرابی تجسس اسے چین سے نہیں بیٹھنے دیتا تھا اور وہ پاگلوں کی طرح ان حلقوں کی جانب کھنچا چلا جاتا تھا جہاں لاکھوں انسانوں کے مستقبل کے نقشے ترتیب دیے جا رہے تھے۔ معمر افراد کی جھلاہٹ، نوآموزوں کا تجسس اور تجربہ کاروں کی خاموشی، بھاگ دوڑ اور مصنوعی مصروفیت، کمیٹیوں اور کمیشنوں کا ہجوم، اسے آئے روز نت نئی کمیٹیوں اور نئے کمیشنوں کے قیام کے اعلان سننے کو ملتے تھے اور ان باتوں کی بدولت اسے اب 1809ء میں یہ محسوس ہوتا تھا جیسے پیٹرز برگ میں کوئی زبردست غیر فوجی معرکہ ہونیوالا ہے۔ اس معرکے کی تیاریوں میں مصروف لوگوں کا کمانڈر پراسرار شخص تھا۔ وہ اسے جانتا تو نہیں تھا مگر اس کے بارے میں یہ تاثر عام تھا کہ وہ نابغہ روزگار شخص ہے۔ اس کا نام سپیرانسکی تھا۔ اسے اصلاحات کی تحریک اور سپیرانسکی میں اتنی دلچسپی پیدا ہونے لگی کہ فوجی قوانین کا مسئلہ اس کیلئے بہت جلد ثانوی ہوگیا۔

شہزادہ آندرے جانتا تھا کہ وہ نہایت سودمند پوزیشن میں ہے اور اپنے دور کے پیٹرز برگ کے اعلیٰ ترین اور مختلف اقسام کے طبقات میں باآسانی رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ اصلاحات کے حامی اس کا گرمجوشی سے خیر مقدم کرتے اور اس کی تائید وحمایت کے حصول کی کوششیں کرتے رہتے۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ زرعی غلاموں کو آزاد کر کے وہ لبرل شخص کی حیثیت سے مشہور ہوگیا تھا اور دوسری وجہ اس کا پڑھا لکھا اور سمجھدار ہونا تھا۔ اصلاحات کے مخالفین اس لیے اس کی جانب آتے تھے کہ وہ سمجھتے تھے، انہیں اصلاحات سے جو نفرت ہے اس میں وہ ان کا ساتھ دے گا کیونکہ آخر وہ اپنے باپ کا بیٹا ہے۔ صاحب حیثیت اور نامور ہونے کی ناطے محافل میں خواتین اس کی جانب کھنچی چلی آتیں، وہ رشتے کیلئے موزوں ترین شخصیت تھی اور اس کی فرضی ہلاکت اور بیوی کی المناک موت نے اس کے گرد رومانوی ہالہ پھیلا دیا تھا۔ مزید براں اسے پہلے سے جاننے والے تمام لوگوں کی عمومی رائے یہ تھی کہ وہ ان پانچ برسوں میں پہلے کی نسبت بیحد بدل چکا ہے اور پہلے سے کہیں بہتر انسان بن چکا ہے۔ اس کی عادات واطوار میں نرمی اور عقل میں پختگی آگئی ہے۔ فریب، جھوٹ، غرور، حقارت اور طنز کی عادات ختم ہوگئی ہیں اور اس میں وہ متانت بھی موجود ہے جو عمر اور تجربے سے آتی ہے۔ لوگ اس کا ذکر کرتے، اس میں دلچسپی لیتے اور اس سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کرتے تھے۔

آراک چیف سے انٹرویو کے اگلے دن وہ نواب کوچوبے کے ہاں موجود تھا۔ اس نے نواب کو "سیلا آندریچ" (نواب کوچوبے آراک چیف کا نام لینے کی بجائے اس کا ذکر ہمیشہ ایسے انداز سے کرتا تھا جو آندرے نے وزیر جنگ کے استقبالیہ کمرے میں اس کی عرفیت سنتے وقت دیکھا تھا)

کوچوبے نے کہا" میرے عزیز، اس معاملے میں بھی تم میخائل ایلا وچ کے بغیر کچھ نہیں کر سکو گے۔ اصل حاکم وہی ہے اور میں اس سے بات کروں گا۔ اس نے آج شام آنا تھا۔"

شہزادہ آندرے نے پوچھا" مگر فوجی قواعد سے سپیرانسکی کا کیا تعلق ہے؟"

کوچوبے مسکرایا اور سر کو یوں جھٹکا جیسے اسے آندرے کی سادہ لوحی پر حیرت ہو۔

پھر وہ کہنے لگا" چند روز قبل میں اور وہ تمہارے اور تمہارے ان زرعی غلاموں کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے جنہیں تم نے آزاد کیا ہے۔۔۔"

اس دوران موقع پر موجود ملکہ کیتھرین کے زمانے کے ایک بزرگ نے بلکونسکی کو نفرت سے دیکھتے ہوئے کہا" تو یہ آپ ہیں جنہوں نے زرعی غلام آزاد کیے ہیں؟"

شہزادہ آندرے نے جواباً کہا" یہ چھوٹی سی جاگیر تھی اور اس سے زیادہ آمدنی بھی حاصل نہیں ہوتی تھی" وہ

اپنے کام کی اہمیت گھٹا کر بیان کرنے کی کوشش کر رہا تھا گا کہ بوڑھا ناراض نہ ہو جائے۔

بوڑھے نے کوچوبے کی جانب دیکھتے ہوئے کہا" مجھے ڈر ہے کہ کہیں دیر نہ ہو جائے" پھر اس نے بات آگے بڑھائی اور کہنے لگا" یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ اگر انہیں آزادی دے دی گئی تو پھر زمینیں کون کاشت کریگا؟ قوانین بنانا آسان ہے مگر حکومت کرنا مشکل، اسی طرح نواب میں آپ سے یہ بھی پوچھنا چاہوں گا کہ اگر ہر شخص امتحان پاس کرنے بیٹھ گیا تو پھر محکمہ جاتی سربراہ کون لوگ ہوں گے؟"

کوچوبے نے اپنی ایک ٹانگ اٹھا کر دوسری پر رکھی اور ارد گرد دیکھتے ہوئے کہنے لگا" میرا خیال ہے کہ وہی لوگ ہوں گے جو امتحان پاس کریں گے"

بوڑھا بولا" میرے محکمے میں پریانچکوف نامی شخص ہے، وہ اسقدر اچھا اور بے مول کارکن ہے کہ اس جیسے خال خال ہی ملتے ہیں۔ اس کی عمر ساٹھ برس ہو چکی ہے، کیا اسے بھی امتحان سے گزرنا پڑے گا؟"

کوچوبے نے کہا" ہاں ایسے معاملات میں ضرور مشکلات کا سامنا ہوگا کیونکہ ابھی تعلیم عام نہیں ہوئی"

نواب کوچوبے نے اپنی بات مکمل نہ کی اور اٹھ کر شہزادہ آندرے کا بازو تھامتے ہوئے ایک چالیس سالہ شخص کا استقبال کرنے کمرے سے باہر چل دیا۔ نو وارد لمبے قد کا مالک تھا جس کے سر پر کہیں کہیں سنہری بال تھے۔ اس کی پیشانی چوڑی اور اونچی جبکہ چہرہ کتابی تھا جس پر عجیب وغریب رنگت چھائی ہوئی تھی۔ اس نے نیلے رنگ کا فراک کوٹ پہن رکھا تھا، گلے میں صلیب لٹکی تھی جبکہ سینے پر بائیں جانب ستارہ نما تمغہ آویزاں تھا۔ یہ سپیرانسکی تھا۔ شہزادہ آندرے اسے ایک ہی نگاہ میں پہچان گیا۔ انسان کی زندگی میں جب عظیم لمحات آتے ہیں تو اس کا جسم کانپنے لگتا ہے اور شہزادہ آندرے کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کپکپاہٹ کی وجہ احترام کا جذبہ ہے یا حسد؟ سپیرانسکی کا جسم عجیب وغریب تھا اور اس کی بدولت وہ با آسانی پہچانا جا سکتا تھا۔ شہزادہ آندرے جس قسم کی طبقے میں زندگی گزار رہا تھا اس میں اس نے ایسی طمانیت اور خود اعتمادی کبھی نہیں دیکھی تھی جیسی اس بے ہنگم اور بھدے شخص میں دکھائی دے رہی تھی۔ اس کی نیم وا آنکھوں سے عزم واستقلال نمایاں تھا تاہم اس کے باوجود وہ پر شفقت دکھائی دیتی تھیں۔ آندرے نے ایسی آنکھیں کبھی نہیں دیکھی تھیں۔ اسے کبھی ایسی پر استقلال مسکراہٹ نظر آئی تھی نہ کبھی اس نے ایسی نرم، میٹھی اور نستعلیق آواز سنی تھی۔ تاہم ان تمام باتوں سے بڑھ کر جس شے نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کرائی وہ اس کے چوڑے چکلے، لچکیلے اور نرم وملائم سفید ہاتھ تھے۔ ان ہاتھوں جیسی سفیدی شہزادہ آندرے نے طویل عرصہ تک فوجی ہسپتالوں میں رہنے والے بیمار فوجیوں کے ہاتھوں پر ہی دیکھی تھی۔ یہ سپیرانسکی تھا، وزیر داخلہ اور زار کا معتمد خاص جو ارفرٹ میں نپولین کے ساتھ زار کی ملاقاتوں کے موقع پر بھی موجود تھا۔

عموماً جب لوگ کسی بڑی محفل میں داخل ہوں تو ان کی نگاہیں غیر ارادی طور پر ایک سے دوسرے چہرے پر منتقل ہونے لگتی ہیں۔ سپیرانسکی نے ایسی کوئی حرکت کی نہ اسے گفتگو کی جلدی تھی۔ وہ دھیمی آواز میں گفتگو کرتا تھا کیونکہ اسے یقین تھا کہ اس کی باتیں توجہ سے سنی جائیں گی اور اپنی گفتگو کے دوران وہ صرف اپنے مخاطب کی جانب ہی دیکھا کرتا تھا۔ شہزادہ آندرے سپیرانسکی کے ایک ایک لفظ کو بغور سنتا اور اس کے ایک ایک اشارے کو توجہ سے دیکھتا رہا جیسا کہ ان لوگوں کی عادت ہوتی ہے جو اپنے ساتھی انسانوں کا باریک بینی سے جائزہ لیتے ہیں۔ شہزادہ آندرے جب بھی کسی نامور شخص سے ملتا تو اسے توقع ہوتی کہ وہ انسانی خوبیوں کا مرقع ہوگا۔

سپیرانسکی نے کوچوبے سے تاخیر پر معذرت کی اور کہا کہ اسے محل میں روک لیا گیا تھا۔ اس نے یہ نہ کہا کہ

اسے زار نے روکا تھا۔ عاجزی کا یہ بناوٹی انداز شہزادہ آندرے کی نگاہوں سے بچ نہ سکا۔ جب کوچوبے نے شہزادہ آندرے کا اس سے تعارف کرایا تو سپیرانسکی نے آہستہ آہستہ اپنی نگاہیں اس کی جانب منتقل کیں اور اسے خاموشی سے دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے پر وہی مسکراہٹ تھی اور اس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی تھی۔

سپیرانسکی بولا" آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔ دوسروں کی مانند میں بھی آپ کے بارے میں کافی باتیں سن چکا ہوں"

کوچوبے نے سپیرانسکی کو بلکوئسکی سے آرک چیف کے سلوک کی بابت بتلایا جسے سن کر اس کے چہرے کی مسکراہٹ اور پھیل گئی۔

سپیرانسکی بات سننے کے بعد بولا" فوجی قوانین کی کمیٹی کا چیئرمین میرا بہت اچھا دوست ماگنتسکی ہے، اگر آپ چاہیں تو میں اس سے آپ کی ملاقات کرا سکتا ہوں" اس نے ہر لفظ واضح انداز میں ادا کیا اور پھر کہنے لگا" مجھے یقین ہے کہ آپ کو وہ ایسا شخص نظر آئے گا جو ہر معقول بات میں دلچسپی لیتا ہے اور اسے عملی جامہ پہنانے کیلئے ہر دم تیار رہتا ہے"

تھوڑی ہی دیر میں لوگوں نے سپیرانسکی کے گرد گھیرا ڈال لیا اور اس سے سوالات کرنے والوں میں وہ بوڑھا بھی شامل تھا جس نے اپنے ماتحت کے بارے میں بات کی تھی۔

شہزادہ آندرے نے اس گفتگو میں کوئی حصہ نہ لیا اور محض سپیرانسکی کو تکتا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کل کی ہی بات ہے کہ یہ شخص معمولی سا مذہبی طالبعلم تھا اور آج روس کی قسمت اس کے ہاتھوں، سفید کلیجے ہاتھوں میں ہے۔ سپیرانسکی نے جس غیر معمولی حقارت آمیز اطمینان سے بوڑھے کے سوالوں کا جواب دیا اسے سن کر شہزادہ آندرے چونک اٹھا۔ اس کے لہجے سے یوں لگتا تھا جیسے وہ انتہائی بلند شخصیت کا مالک ہے اور یہ اس کی کرم نوازی ہے کہ وہ اس بوڑھے جیسے عام لوگوں سے محو گفتگو ہے۔ جب بوڑھے نے ضرورت سے زیادہ بلند آواز میں بولنا شروع کر دیا تو سپیرانسکی مسکرانے لگا اور کہا" شہنشاہ جس بات کی منظوری مناسب سمجھتے ہیں میں اس کو فضول کیسے کہہ سکتا ہوں"

سپیرانسکی کچھ دیر اس عمومی حلقے میں بات چیت کرتا رہا پھر وہ اٹھ کر سیدھا بلکوئسکی کے پاس گیا اور اسے اپنے ساتھ دوسرے کمرے لے گیا۔ یہ بات عیاں تھی کہ وہ بلکوئسکی سے میل جول بڑھانا ضروری خیال کرتا ہے۔

اس نے ہلکی سی حقارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا" شہزادے اس محترم بزرگ نے مجھے جس قسم کی پر جوش گفتگو میں گھسیٹ لیا اس دوران مجھے آپ سے گفتگو کا موقع نہ مل سکا" اس کا رویہ یہ ظاہر کرتا تھا کہ اس کی طرح شہزادہ آندرے بھی ان لوگوں کو حقیر سمجھتا ہے۔ اس رویے نے آندرے کو خوش کر دیا اور اس کی خود پسندی کو تقویت ملی۔ سپیرانسکی بولا" میں آپ کو کافی دیر سے جانتا ہوں اور مجھے آپ سے ملنے کی بڑی خواہش تھی۔ اس کی پہلی وجہ تو آپ کا اپنے زرعی غلاموں کے بارے میں کیا جانے والا اقدام ہے جو اپنی نوعیت کی اولین مثال ہے اور اس امر کی ضرورت ہے کہ دوسرے بھی اس کی پیروی کریں۔ دوسری بات یہ ہے کہ آپ ان درباری مصاحبین میں شامل ہیں جنہوں نے درباریوں کی نئی درجہ بندی کے بارے میں دوسروں کی طرح خواہ مخواہ اعتراضات نہیں کیے اور ناگواری کا اظہار کیا"

آندرے کہنے لگا" جی نہیں، میرے والد بالکل نہیں چاہیں گے کہ میں اپنے حق سے کوئی فائدہ اٹھاؤں۔ میں نے اپنی ملازمت سب سے نچلے درجے سے شروع کی تھی"

سپیرانسکی بولا" آپ کے والد کا تعلق پرانی نسل سے ہے مگر یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ وہ ہمارے ان ساتھیوں سے کہیں بلند پایہ شخصیت کے مالک ہیں جو اس اقدام پر نکتہ چینی کر رہے ہیں۔ مجھے نہیں آتی کہ مخالفین والی علم

سے کیا پیر ہے حالانکہ اس کا مقصد صرف فطری انصاف کے تقاضے پورے کرنا ہے"

شہزادہ آندرے نے کہا" اس کے باوجود میں سمجھتا ہوں کہ اس نکتہ چینی کی کچھ وجوہات ہیں" وہ محسوس کر رہا تھا کہ اس پر سپیرانسکی کی شخصیت اثر انداز ہونے لگی ہے اور وہ اس کیخلاف مزاحمت کرنا چاہتا تھا۔ اسے اس کی ہر بات پر ہاں میں ہاں ملانا پسند نہیں تھا سو اس نے سپیرانسکی کی تردید ضروری سمجھی۔ عموماً وہ بلا جھجک اور با آسانی گفتگو کر سکتا تھا مگر سپیرانسکی کے ساتھ گفتگو میں اسے اپنی بات کہتے ہوئے دشواری محسوس ہو رہی تھی۔ وہ اس نامو شخصیت کا مطالعہ کرنے میں زیادہ ہی محو ہو گیا تھا۔

سپیرانسکی نے دھیمے لہجے میں بات کرتے ہوئے کہا" شاید اس کے پس پردہ ذاتی خواہشات کارفرما ہوں"

شہزادہ آندرے نے کہا" اور کسی حد تک ملک کے مفاد بھی"

سپیرانسکی نے نظریں جھکا کر ملائمت سے پوچھا" کیا مطلب؟"

آندرے کہنے لگا" میں مونٹسکیو کا مداح ہوں اور میرے خیال میں اس کا یہ تصور درست ہے کہ بادشاہ کو دوسروں کا احترام کرنا چاہئے۔ شرفاء کے کچھ حقوق اس جذبے کو برقرار رکھنے کا ذریعہ ہیں"

سپیرانسکی کے سفید چہرے سے مسکراہٹ غائب ہو گئی مگر اس تبدیلی سے اس کے خدوخال پہلے سے زیادہ خوبصورت دکھائی دینے لگے۔ بظاہر یوں لگتا تھا جیسے وہ شہزادہ آندرے کے خیالات میں بیحد دلچسپی لے رہا ہے۔

وہ فرانسیسی میں کہنے لگا" اگر آپ معاملے کو اس نظر سے دیکھتے ہیں۔۔۔" بظاہر یوں لگتا تھا جیسے اسے اپنے الفاظ کی ادائیگی میں مشکل کا سامنا ہے۔ وہ جب روسی میں گفتگو کر رہا تھا تو بھی اس کی آواز آہستہ تھی مگر اب یہ اور بھی آہستہ ہو گئی تاہم اس میں اطمینان کا پہلو بدستور موجود تھا۔ وہ کہنے لگا" اس احترام کو برقرار نہیں رکھا جا سکتا جو سرکاری کام میں اچھی کارکردگی کی راہ میں مزاحم استحقاق کا مرہون منت ہو۔ احترام یا تو منفی تصور ہے کہ اس کا طالب قابل مذمت حرکات سے بچے گا یا پھر یہ پیروی کا سرچشمہ ثابت ہو سکتا ہے کہ ایسے کام کئے جائیں کہ آپ دوسروں کی نظروں میں سرخرو ہونے کے ساتھ ساتھ انعام و اکرام بھی حاصل کر سکیں" اس کی دلیلیں سیدھی سادی اور واضح تھیں۔

وہ بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا" وہ ادارہ جو پیروی کے سرچشمہ احترام کو برقرار رکھے وہ شہنشاہ نپولین کے لیجن آف آنر جیسا ہے۔ پھر یہ ملازمت کیلئے نقصان دہ نہیں رہتا بلکہ اس کی کامیابی میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ اس صورت میں یہ طبقاتی یا درباری استحقاق نہیں رہتا"

شہزادہ آندرے نے جواب دیا" آپ کی بات ٹھیک ہے اور میں اس حوالے سے بحث نہیں کروں گا مگر اس امر سے انکار ممکن نہیں کہ درباری استحقاق کے ذریعے بھی یہی مقصد حاصل ہوتا ہے۔ ہر درباری اپنے آپ کو اس امر کا پابند بناتا ہے کہ اس نے اپنا منصب شایان شان انداز سے سنبھالنا ہو گا"

سپیرانسکی نے مسکراتے ہوئے کہا" شہزادے، آپ اس کے باوجود اپنے استحقاق سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتے" اس کی مسکراہٹ یہ ظاہر کرتی تھی کہ وہ ایسی بحث کو خوشگوار انداز سے ختم کرنا چاہتا ہے جو اس کے مخاطب کیلئے پریشان کن تھی۔ اس نے آندرے سے کہا" اگر آپ بدھ کو میرے ہاں تشریف لائیں تو شاید میں آپ کو ایسی بات بتا سکوں جو آپ کیلئے دلچسپی کا باعث ہو۔ اس وقت تک میری ماگنٹسکی سے ملاقات ہو چکی ہو گی۔ اس کے ساتھ ساتھ مجھے آپ کے ساتھ تفصیلی تبادلہ خیال کا موقع بھی میسر آ سکے گا" یہ کہہ کر اس نے اپنی آنکھیں بند کر کے گردن جھکائی اور خدا حافظ کہے بغیر خاموشی سے باہر نکل گیا تا کہ کسی کو اس کی روانگی کا علم نہ ہونے پائے۔

(6)

شہزادہ آندرے کو پیٹرز برگ میں اپنے قیام کے ابتدائی دور میں محسوس ہوا کہ دیہاتی فضا میں تنہا رہتے ہوئے اس نے سوچ بچار کی جو عادت اختیار کی تھی وہ شہر کی ان ادنیٰ مصروفیات کے باعث ختم ہوتی جا رہی ہے۔

شام کو جب وہ گھر واپس آتا تو چند ناگزیر ملاقاتوں کے اوقات نوٹ کر لیتا۔ اس کی زندگی کچھ اس طرح جاری تھی کہ اس کی اصل قوت کا بیشتر حصہ اسی فکر میں صرف ہو جاتا کہ ہر جگہ مقررہ وقت پر پہنچنے کیلئے دن کیسے تقسیم کیا جائے۔ وہ کوئی کام کرتا تھا نہ سوچتا تھا بلکہ اسے سوچنے کا موقع ہی نہیں ملتا تھا۔ وہ صرف ان امور کے بارے میں باتیں کرتا تھا جن پر اسے گاؤں میں سوچ بچار کا موقع ملا تھا اور وہ یہ باتیں بہت اچھے طریقے سے کرتا تھا۔

بعض اوقات اسے یوں محسوس ہوتا کہ وہ ایک ہی بات مختلف حلقوں میں ایک ہی دن کہہ چکا ہے اور اس پر اسے بیحد کوفت ہوتی مگر وہ مسلسل کئی دن تک اتنا مصروف رہتا کہ اسے یہ سوچنے کی فرصت ہی نہ ملتی کہ وہ کچھ نہیں کر رہا۔ جس طرح کوچوبے کے ہاں پہلی ملاقات میں سپیرانسکی نے بلکونسکی کو بیحد متاثر کیا تھا، اسی طرح اب جب وہ بدھ کو اس کے ہاں اکٹھے ہوئے تو ان کے مابین بیحد طویل اور رازدارانہ گفتگو ہوئی جس کی بدولت وہ سپیرانسکی سے اور بھی متاثر ہو گیا۔

شہزادہ آندرے بے شمار لوگوں کو کمتر اور غیر اہم تصور کرتا تھا۔ اس کی شدید خواہش تھی کہ اسے کوئی ایسا شخص مل جائے جو مکمل ہو اور وہ خود بھی ایسا ہی بننے کی کوشش کر رہا تھا۔ چنانچہ جب وہ سپیرانسکی سے ملا تو اس کیلئے یہ یقین کرنا آسان ہو گیا کہ اسے مکمل منطقی اور نیک شخص مل گیا ہے۔ اگر سپیرانسکی کا تعلق بھی معاشرے کے اس طبقے سے ہوتا جس کی وہ خود پیداوار تھا، اگر اس نے بھی وہی تربیت پائی ہوتی جو اس نے پائی تھی اور اسے بھی وہی اخلاقی روایتیں وراثت میں ملی ہوتیں تو بلکونسکی اس کے کردار کے کمزور اور غیر اولوالعزم پہلو فوری ڈھونڈ لیتا۔ مگر یہ ہوا کہ سپیرانسکی کے عجیب وغریب منطقی ذہن نے اس کے دل میں اس کیلئے احترام کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھر دیا کیونکہ وہ اسے اچھی طرح نہیں سمجھ سکتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ سپیرانسکی اس کے ساتھ ایسا رویہ اختیار کر لیتا جس سے ظاہر ہوتا کہ اس سے بڑھ کر کوئی اور معقول شخص ہے ہی نہیں، نجانے وہ آندرے کی خوبیوں کا واقعی معترف تھا یا محض اسے اپنا حامی بنانا ضروری خیال کرتا تھا۔ اس صورتحال میں وہ جذباتی ہوتا نہ غصے میں آتا۔ وہ اس کی چاپلوسی کیلئے خوشامد کی وہ لطیف قسم استعمال کرتا جس کا غرور و خود پسندی سے گہرا تعلق ہوتا ہے اور وہ اس ان کہے مفروضے پر مشتمل ہوتی ہے کہ آپ کے علاوہ آپ کا ساتھی ہی وہ واحد شخص ہے جو دیگر دنیا کی حماقتیں اور آپ کے خیالات کی گہرائی اور حکمت سمجھنے پر قادر ہے۔

بدھ کی شام دونوں کے مابین جو طویل گفتگو ہوئی اس میں سپیرانسکی نے ایک سے زائد مرتبہ کہا کہ" ہم ہر اس شے کی قدر کرتے ہیں جو پرانی رسوم ورواج کے معیار سے بلند ہوتی ہے۔۔۔ یا پھر" ہم اس خیال کے حامی ہیں کہ بھیڑیوں کو پیٹ بھرنے کا موقع دیا جائے اور بھیڑوں کو نقصان نہ پہنچنے دیا جائے"۔۔۔ یا" وہ یہ نہیں سمجھتے۔۔۔" اس کے انداز سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کہنا چاہتا ہے" ہم یعنی میں اور آپ" سمجھتے ہیں کہ وہ کون اور ہم کون ہیں۔

پہلی طویل ملاقات میں شہزادہ آندرے کے ذہن پر سپیرانسکی کے بارے میں جو رائے قائم ہوئی اس میں وہ اسے ایسا شخص نظر آیا جو بیحد عقلمند، معاملہ فہم، مدبر اور سنجیدگی کا حامل تھا۔ اس نے اپنے زور بازو اور مستقل مزاجی سے اعلیٰ مقام حاصل کیا تھا اور اب اپنے اس اختیار اور قوت کو محض روس کی فلاح و بہبود کیلئے استعمال کر رہا تھا۔ شہزادہ آندرے کی

نظروں میں سپیرانسکی بالکل ویسا ہی تھا جیسا وہ خود بننا چاہتا تھا۔ بالفاظ دیگر وہ ایسا شخص تھا جو زندگی کے تمام حقائق کی عقلی توجیہ کرتا تھا اور صرف اسی بات کو مانتا تھا جو منطقی اصولوں پر پورا اترتی تھی۔ وہ ہر شے پر منطق کا معیار منطبق کرنے کی بھرپور اہلیت رکھتا تھا اور اس کی تشریح کردہ ہر بات اتنی سادہ اور عام فہم دکھائی دینے لگتی کہ شہزادہ آندرے اس کی ہر بات کی تائید کرنے لگتا۔ اگر وہ اس سے کسی بات پر بحث کرتا یا کسی نکتے پر اعتراض کرتا تو اس کا مقصد صرف اور صرف یہ ظاہر کرنا ہوتا کہ اسے اپنی آزادی عزیز ہے۔ وہ قطعاً یہ تاثر نہیں دینا چاہتا تھا کہ اسے سپیرانسکی کے ہر حرف سے اتفاق ہے تاہم ہر بات درست تھی اور ہر شے وہی تھی جو وہ ہونا چاہئے تھی۔ شہزادہ آندرے کو جو شے بے چین کرتی تھی وہ سپیرانسکی کی سرد اور آئینے جیسی آنکھیں تھیں۔ جس طرح آئینہ سامنے آنیوالی شے کو منعکس کر دیتا ہے مگر یہ ظاہر نہیں کرتا کہ خود اس کے پیچھے کیا ہے، بالکل اسی طرح سپیرانسکی کی آنکھیں دیکھ کر یہ اندازہ لگانا ممکن نہیں تھا کہ ان کے پیچھے کیا ہے۔ ان سے آندرے کو صرف یہی تاثر ملتا تھا کہ آندرے کو اس کی روح تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ اس کے علاوہ سپیرانسکی کے نرم و نازک اور سفید ہاتھ بھی اس کیلئے پریشانی کا موجب تھے۔ بلکونسکی انہیں یوں بے چینی سے دیکھتا تھا جیسے عموماً ان ہاتھوں کو دیکھا جاتا ہے جو قوت اور اختیارات کے مالک ہوتے ہیں۔ شہزادہ آندرے کو سپیرانسکی کی آئینہ جیسی آنکھوں کو دیکھ کر خواہ مخواہ غصہ آتا تھا۔ دوسری جانب سپیرانسکی کا انداز کچھ یوں تھا جیسے وہ دوسروں کو ضرورت سے زیادہ ہی نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور انہیں اپنے مقابلے میں کچھ نہیں سمجھتا۔ شہزادہ آندرے کو اس کا یہ انداز بھی پسند نہ آیا۔ اس کے ساتھ ساتھ سپیرانسکی اپنے خیالات اور رائے کے حق میں جس طرح نت نئے دلائل پیش کر رہا تھا وہ بھی اسے اچھے نہ لگے۔ شہزادہ آندرے نے دیکھا کہ انسانی عقل اور ذہن کو جو جو چال سوجھ سکتی ہے وہ اسے استعمال کر رہا ہے اور جب وہ ایک دلیل سے دوسری کی طرف جاتا تو یوں لگتا جیسے ایسا کرنا اس کیلئے بیحد آسان ہے۔ بعض اوقات وہ عملی شخص کا موقف اختیار کر لیتا اور خیالی منصوبے بنانے والوں کو کھری کھری سناتا اور اگلے لمحے اس کا انداز طنزیہ ہوتا اور وہ اپنے مخالفین پر طنز کرنے لگتا۔ پھر وہ ٹھوس منطقی انداز اختیار کر لیتا یا اچانک مابعد الطبعیات باتیں کرنے لگتا (اس ذریعے کا وہ خصوصی طور پر دلدادہ معلوم ہوتا تھا) وہ مسئلے کی نوعیت بدل دیتا اور اسے مابعد الطبعیاتی بلندیوں تک پہنچا دیتا۔ اس موقع پر وہ زماں و مکاں اور تصور کی تعریف کرنے لگتا اور ایک مرتبہ پھر اصل بحث کی سطح پر پہنچ جاتا۔

شہزادہ آندرے کو سپیرانسکی کے ذہن کی جو سب سے اہم خاصیت نظر آئی وہ اس کا عقلی قوت پر قوی یقین تھا۔ یہ بات عیاں تھی کہ ایک بات وہ کبھی نہیں سمجھ سکے گا کہ انسان کیسی ہی کوشش کیوں نہ کرلے، وہ جو کچھ سوچتا ہے اس تمام کو الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا اور یہ بات شہزادہ آندرے فطرتاً زیادہ آسانی سے سمجھ سکتا تھا۔ اس کے ذہن میں کبھی اس اس قسم کا شبہ پیدا نہیں ہوا تھا کہ وہ جو کچھ سوچ رہا ہے یا جس چیز کو درست جان رہا ہے ہو سکتا ہے وہ بالکل فضول ہو اور سپیرانسکی کے ذہن کی یہی وہ خاصیت تھی جس نے شہزادہ آندرے کو اپنی جانب متوجہ کیا تھا۔

سپیرانسکی سے تعلقات کے ابتدائی دور میں وہ اس کا دیوانگی کی حد تک مداح تھا۔ اس کی یہ وابستگی بوناپارٹ سے وابستگی سے کسی طور کم نہ تھی جو وہ کسی دور میں اس کیلئے محسوس کرتا تھا۔ ان حقیقتوں نے شہزادہ آندرے کو اس کا احترام جاری رکھنے پر مجبور کیا کہ سپیرانسکی پادری کا بیٹا تھا اور یہ خدشہ موجود تھا کہ بے عقل لوگ اسے دہریوں کے طبقے کا فرد سمجھتے ہوئے اس سے اوچھے انداز میں پیش آئیں گے۔

بلکونسکی کے ساتھ پہلی شام کو سپیرانسکی نے قوانین میں اصلاحات اور ترامیم تجویز کرنیوالے کمیشن کا ذکر کرنے کے بعد مزاحیہ انداز میں کہا "یہ کمیشن گزشتہ ڈیڑھ صدی سے قائم ہے اور اس پر لاکھوں روبل خرچ ہو چکے ہیں

مگر اس نے ابھی تک ٹکے کا کام بھی نہیں کیا۔ ہاں البتہ روزنکامف نے مختلف قانونی شقوں پر نشانات ضرورت لگا دیے ہیں"

اس نے کہا "اور ملک نے جو لاکھوں روبل صرف کئے اس کا اسے بس یہی صلہ ملا۔ ہم سینٹ کو نئے قانونی اختیارات دینا چاہتے ہیں مگر اس کیلئے ہمارے پاس کوئی قانون نہیں چنانچہ شہزادے اگر آپ جیسے لوگ اس موقع پر آگے نہیں آئیں گے تو یہ گناہ ہوگا"

شہزادہ آندرے کہنے لگا "ایسے کاموں کیلئے قانون کی تعلیم کا حصول ضروری ہے اور میں نے یہ حاصل نہیں کی"

سپیرانسکی بولا "مگر اور بھی تو کسی نے حاصل نہیں کی، پھر آپ کیا کہتے ہیں؟ ان بھول بھلیوں سے نکلنے کا کوئی تو راستہ ہونا ہی چاہئے"

☆☆☆

شہزادہ آندرے ایک ہفتے میں فوجی قوانین کی کمیٹی کا رکن مقرر ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی اسے قانونی ضابطوں میں اصلاحات و ترامیم تجویز کرنیوالے کمیشن کی ایک ذیلی کمیٹی کا چیئرمین بھی مقرر کر دیا گیا جس کا اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ اس نے سپیرانسکی کی درخواست پر دیوانی قوانین کے پہلے حصے کی تشکیل نو کی ذمہ داری بھی لے لی اور ان ضابطوں کی مدد سے شخصی قوانین کے سیکشن کو از سر نو ترتیب دینے لگا جو نپولین اور جسٹنین نے بنائے تھے۔

(7)

دو سال پہلے 1808ء میں جب پیری اپنی جاگیروں کے دورے سے واپس آیا تو اس نے کسی منصوبہ بندی کے بغیر خود کو پیٹرزبرگ کے فری میسنوں کی صف اول میں شامل دیکھا۔ لاج میں ہونیوالی دعوتوں اور تعزیتی اجلاسوں کا انتظام وہ خود کرتا، نئے ارکان بھرتی کرتا مختلف لاجوں کو متحد کرنے اور ان کیلئے تصدیق شدہ قوانین کے حصول میں جوش و خروش سے حصہ لیتا۔ وہ فری میسنوں کے معبدوں کی تعمیر کیلئے رقم فراہم کرتا اور خیراتی مقاصد کیلئے حاصل کردہ رقوم میں، جو ارکان کی اکثریت بے قاعدگی سے اور قلیل مقدار میں دیتی تھی، اضافے کیلئے جو ہو سکتا کر گزرتا۔ وہ پیٹرزبرگ میں جماعت کے قائم کردہ محتاج گھر کے اخراجات تقریباً اکیلا ہی برداشت کر رہا تھا۔

اسی دوران اس کی زندگی اسی روش پر گامزن رہی اور عیاشیاں جاری رہیں۔ اسے خوب کھانا اور پینا پسند تھا۔ اگرچہ وہ کنواروں کے حلقوں میں، جہاں وہ گھومتا پھرتا تھا، مقبول تفریحات کو غیر اخلاقی سمجھتا تھا مگر ان میں شامل ہوئے بغیر رہ بھی نہیں سکتا تھا۔ ایک سال بھی نہیں گزرا تھا کہ پیری کو اپنی ان نامعقول مصروفیات کی بدولت محسوس ہونے لگا کہ وہ فری میسنوں کی زمین پر پاؤں ٹکانے کی جتنی کوشش کرتا ہے وہ اتنی ہی اس کے پاؤں تلے کھسک جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی محسوس کر رہا تھا کہ یہ زمین جتنی زیادہ اس کے پاؤں کے نیچے دھنستی جاتی ہے وہ خود بھی اس میں اتنا ہی پھنستا جا رہا ہے اور باہر نکلنے کا راستہ بند ہونے لگا ہے۔ جب وہ برادری میں نیا شامل ہوا تھا تو اسے جس قسم کے احساسات کا تجربہ ہوا وہ اس شخص سے مشابہ تھے جس نے پراعتماد انداز سے دلدل کی ہموار سطح پر پاؤں رکھے ہوئے ہوں۔ جب اس نے ایک پاؤں رکھ دیا تو وہ نیچے دھنسنے لگا۔ اس نے اپنے آپ کو یقین دلانے کیلئے دوسرا پاؤں بھی نیچے رکھ دیا کہ نیچے پختہ زمین ہوگی اور اس عمل کے نتیجے میں مزید نیچے دھنس گیا۔ جب وہ دلدل میں مکمل طور پر پھنس گیا تو اس میں گھٹنوں چلنے پر مجبور ہو گیا۔

اوسپ الیکسی وچ پیٹرز برگ میں نہیں تھا (اس نے خود کو پیٹرز برگ کی لاجوں کے امور سے علیحدہ کر لیا تھا اور اب بھی ماسکو سے باہر نہیں جاتا تھا) لاجوں کے تمام ارکان ان لوگوں پر مشتمل تھے جن سے پیری کا ہر روز واسطہ پڑتا تھا۔ اس لیے انہیں صرف فری میسن سمجھنا اور شہزادہ ولی یا ایوان ویسلے وچ ڈی نہ سمجھنا مشکل تھا۔ وہ ان لوگوں کو اچھی طرح جانتا تھا اور انہیں معاشرے کے کمزور اور بیکار افراد سمجھتا تھا۔ اسے اچھی طرح علم تھا کہ میسن کی حیثیت سے وہ جو ایپرن پہنتے اور اپنے سینوں پر جو امتیازی نشانات لگاتے تھے، عمومی زندگی میں ان کے نیچے کیسی وردیاں پہنے، عہدوں کے نشان آویزاں کرنے اور تمغے سجانے کی حسرت میں جتلا ہیں۔ خیراتی مقاصد کیلئے چندہ اکٹھا کرنے اور بیس سے تیس روبل تک رقوم گننے کے بعد وہ میسنوں کے اس حلف کے بارے میں سوچنے لگتا جس کی رو سے اپنا تمام سرمایہ پڑوسیوں کیلئے وقف کرنے کا عہد کیا جاتا اور اس کے دل میں شکوک وشبہات پیدا ہونے لگتے۔ اس موقع پر وہ کوشش کرتا کہ اس بارے میں زیادہ نہ سوچے۔

اس نے اپنے جاننے والے برادران کو چار حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ پہلے حصے میں وہ لوگ آتے تھے جو لاجوں کے امور میں فعال دلچسپی لیتے نہ انہیں عام انسانوں سے کوئی سروکار تھا۔ ان کی مصروفیات جماعت کے خفیہ علوم تک محدود تھیں۔ دوسرے الفاظ میں وہ صرف اسی قسم کے مسائل میں الجھے رہتے تھے جن کا تعلق خدا کی صفات یا تین بنیادی عناصر یعنی گندھک، پارہ اور نمک یا مربعے کے معانی اور ہیکل سلیمانی کی مختلف صورتوں کے مطلب سے تھا۔ پیری اپنے برادران کے اس طبقے کا احترام کرتا تھا اور اس میں اوسپ الیکسی وچ اور دیگر پرانے ارکان شامل تھے تاہم وہ ان کی دلچسپیوں میں حصہ نہیں لیتا تھا اور اس کیلئے فری میسن تحریک کے باطنی حصوں میں کوئی کشش نہ تھی۔

اس نے دوسرے حصے میں خود اور اپنے جیسے دیگر ارکان کو شامل کر رکھا تھا جو تلاش اور تذبذب کی حالتوں کے مابین تھے اور انہیں ابھی تک فری میسن تحریک میں سیدھا اور قابل فہم راستہ نظر نہیں آیا تھا تاہم انہیں توقع تھی کہ وہ جلد اسے ڈھونڈ نکالیں گے۔

تیسرے حصے میں پیری نے ان برادران کو رکھا جنہیں اس تحریک میں ظاہری رسوم کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا تھا اور یہی لوگ اکثریت میں تھے جنہیں رسوم پر سختی سے عملدرآمد عزیز تھا اور وہ اس کے معانی سے کوئی واسطہ نہ رکھتے تھے۔ ولارسکی بلکہ سپریم لاج کا گرینڈ ماسٹر بھی انہی لوگوں میں شامل تھا۔

چوتھے طبقے میں بھی برادران کی بھاری تعداد تھی جن میں خاص طور پر نئے ارکان شامل تھے۔ پیری کے خیال میں یہ وہ لوگ تھے جنہیں کسی بات پر یقین تھا نہ وہ کچھ کرنا چاہتے تھے۔ یہ لوگ فری میسن تحریک میں صرف اسی لیے شامل ہوئے کہ لاج کے ان امیر کبیر نوجوان ارکان سے تعلقات بڑھا سکیں جو اعلیٰ حلقوں تک اثر و رسوخ کے مالک تھے۔

پیری اپنے کئے پر مطمئن نہیں تھا۔ اسے بعض اوقات یوں محسوس ہونے لگتا کہ فری میسن تحریک صرف ظاہری رسوم کا مجموعہ ہے۔ اس نے خواب میں بھی یہ نہیں سوچا تھا کہ کبھی وہ تحریک کو شک وشبے کی نظر سے دیکھے گا تاہم اسے یہ شک ضرور تھا کہ روسی فری میسن غلط راہ پر چڑھ گئے ہیں اور اپنے اصل اصولوں کو بھول چکے ہیں۔ سال کے آخر میں وہ غیر ملکی سفر پر روانہ ہو گیا تاکہ جماعت کے اعلیٰ اسرار تک رسائی حاصل کر سکے۔

☆☆☆

1809ء کے موسم گرما میں پیری پیٹرز برگ واپس آ گیا۔ روسی اور غیر ملکی فری میسنوں کے مابین خط وکتابت سے اندازہ ہوا کہ بیز وخوف کو ایسے بہت سے اسرار و رموز سے آگاہ کر دیا گیا ہے اور اسے اعلیٰ درجے میں داخل کر لیا گیا ہے یوں وہ اپنے ساتھ جو کچھ لا رہا ہے اس سے روس میں فری میسن تحریک کو بڑھاوا دینے میں بیحد مدد ملے گی۔ پیٹرز برگ کے میسن اس سے ملنے آئے اور اس کا دل جیتنے کی کوشش کی۔ ان سب کا خیال تھا کہ وہ ان کے سامنے کسی نئی بات کا انکشاف کرنیوالا ہے۔

دوسرے درجے کی لاج کے باقاعدہ اجلاس کا اہتمام کیا گیا۔ پیری نے وعدہ کیا کہ وہ جماعت کے اعلیٰ ترین قائدین کی جانب سے پیش کردہ پیغام کی تفصیلات اجلاس میں پیش کرے گا۔ اجلاس میں تمام ارکان شامل ہوئے۔ معمول کی رسومات کے بعد پیری کھڑا ہوا اور اپنی تقریر شروع کر دی۔

وہ کہنے لگا ''عزیز برادران'' وہ شرما اور ہکلا رہا تھا۔ اس نے تقریر کا مسودہ ہاتھ میں تھام رکھا تھا۔ وہ کہنے لگا'' صرف لاج میں خفیہ طور پر رسوم کی ادائیگی کافی نہیں بلکہ ہمیں عملی طور پر کچھ کرنا چاہئے۔ ہمیں لوریوں کے ذریعے سلا دیا گیا ہے جبکہ ہمیں عملی طور پر بکچھ کرنا ہوگا'' پیری نے کاغذ کو کھولا اور پڑھنا شروع کر دیا'' خالص سچائی کی تبلیغ اور نیکی کے فروغ کیلئے ہمیں انسانوں کو تعصبات سے چھٹکارا دلانا چاہئے۔ اپنی ترویج زمانے کے رجحانات سے ہم آہنگ اصولوں کے ذریعے کرنی چاہئے۔ نوجوانوں کی تعلیم وتربیت کے انتظامات کرنا چاہئیں۔ روشن خیال لوگوں سے مضبوط رشتے استوار کرنا چاہئیں۔ ہمیں بہادری مگر تدبر سے توہم پرستی، ملحدیت اور حماقتوں کیخلاف کام کرنا چاہئے اور اپنے ہم خیال لوگوں سے مل کر ایک ایسی جماعت بنانی چاہئے جو واحد مقصد کی لڑی سے منسلک ہوں اور اختیارات کے مالک ہوں''

''یہ مقصد حاصل کرنے کیلئے ہمیں یہ کوشش کرنا ہوگی کہ برائی کے مقابلے میں نیکی کو برتری حاصل ہو اور اس کے لئے ہمیں پورا زور لگانا ہوگا تاکہ دیانتدار شخص کو اسی دنیا میں ابدی اجر مل جائے تاہم ہمارے حالیہ سیاسی ادارے ان کوششوں میں حائل ہیں۔ پھر ایسے حالات میں کیا کرنا چاہئے؟ انقلاب کا خیر مقدم، ہر شے کی تباہی، طاقت کا مقابلہ طاقت سے کیا جائے؟ نہیں، بالکل نہیں، ایسے اقدامات سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں۔ تشدد پر مبنی ہر اصطلاح غلط ہے کیونکہ اس وقت تک یہ طریقہ کار کسی طور سے بدی کا توڑ نہیں ہو سکتا جب تک انسان جو ہیں وہی رہتے ہیں۔ ویسے بھی حکمت تشدد کی محتاج نہیں اس لیے اس کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی''

''ہماری جماعت کے تمام منصوبے کی بنیاد یہ ہونی چاہئے کہ ہم باکردار اور نیک افراد پیدا کریں اور ان تمام لوگوں کے ذہنوں میں یہ عقیدہ پختہ کرنا ہوگا کہ انہیں ہر جگہ اور ہر ذریعے سے برائی کو اکھاڑ پھینکنا ہے اور یہ عقیدہ انہیں یکجا کر دیگا۔ انہیں یہ بتانا ہوگا کہ ہمیں قابلیت اور نیکی کو پھیلانا ہے، مستحقین کو پستی سے اٹھا کر اپنی برادری میں شامل کرنا ہے۔ جب یہ کام ہو جائے گا تو تبھی ہماری جماعت کو اتنی طاقت مل سکے گی کہ ہم غیر محسوس انداز سے بدی اور بدنظمی کا پرچار کرنیوالوں کے ہاتھ باندھ کر ان پر حاوی ہو سکیں گے۔ چنانچہ ایسی حکومت کی تشکیل ضروری ہے جو عالمی اختیارات کی مالک ہو۔ اس حکومت کا اختیار تو تمام دنیا پر ہوگا مگر وہ مقامی شہری معاملات میں مداخلت نہیں کر سکے گی۔ اس کے تحت تمام مقامی حکومتیں اپنے روایتی انداز سے کام کرتی رہیں گی تاہم انہیں اس بات کی بالکل اجازت نہیں ہوگی کہ وہ ہماری جماعت کے عظیم مقصد یعنی بدی پر نیکی کے غلبے کی راہ میں رکاوٹ پیدا کر سکیں۔ عیسائیت کا بھی یہی مقصد ہے۔ اس نے لوگوں کو دانائی اور نیکی کی تعلیم دی اور انہیں یہ بتلایا کہ بہترین اور عقلمند انسانوں کی پیروی کرنے میں ہی بھلائی ہے''

''اس دور میں وعظ ونصیحت ہی کافی ہوتا تھا جب ہر شے اندھیرے میں پوشیدہ تھی، کیونکہ سچائی اسے انوکھی

قوت بخش دیتی تھی مگر نئی زمانہ ہم کہیں زیادہ طاقتور ذرائع کا سہارا لینے پر مجبور ہیں۔ آج کے انسان کے حواس اس کے اعصاب پر سوار ہیں۔ضرورت اس امر کی ہے کہ اسے نیکی میں ٹھوس کشش دکھائی دے۔جسمانی خواہشات وجذبات کا گلا نہیں گھونٹا جاسکتا۔ ہماری کوشش یہ ہونی چاہئے کہ ہم ان کا رخ نیک مقاصد کی جانب موڑ دیں۔ چنانچہ ہر شخص کو نیکی کی حدود میں اپنی نفسانی خواہشات وجذبات کی تسکین کا موقع ملنا چاہئے اور ہماری جماعت کو اس مقصد کے حصول کیلئے ذرائع مہیا کرنا چاہئیں''

''جونہی ہمیں ہر علاقے میں ایسے قابل قدر اشخاص مل جائیں گے جن میں سے ہر ایک اپنی باری پر دو دیگر کی تربیت کرے گا اور بھی باہم مل جل کر اپنے فرائض انجام دیں گے، نیز ایسے اشخاص خاص تعداد میں ہمیں مہیا ہو گئے تو ہماری جماعت کیلئے ہر کام ممکن ہو جائیگی جبکہ یہ پہلے ہی خفیہ طور پر اتنا کچھ کر چکی ہے''

حاضرین محفل پر اس تقریر نے اچھا اثر مرتب نہ کیا اور لاج میں بھی ہنگامہ برپا ہو گیا۔ برادران کی اکثریت کو اس میں ''الیومن ازم'' کے خطرناک نظریات دکھائی دیے اور پیری ان کا سرد مہر ردعمل دیکھ کر پریشان ہو گیا۔ گرینڈ ماسٹر نے اعتراضات شروع کر دیے اور پیری مزید جوش وخروش سے اپنے نظریات کی وضاحت کرنے لگا۔ ایسا ہنگامہ خیز اجلاس طویل عرصے بعد ہوا تھا۔لاج دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔حاضرین کا ایک طبقہ اس کی حمایت اور دوسرا مخالفت کر رہا تھا۔پیری کو اس اجلاس میں پہلی مرتبہ یہ محسوس ہوا کہ انسانوں کے ذہن اتنی اقسام میں بٹے ہوئے ہیں کہ انہیں شمار کرنا ممکن ہی نہیں۔یہی وجہ ہے کہ کسی دو اشخاص کو حقیقت ایک جیسی دکھائی نہیں دیتی۔ بظاہر اس کے حامی دکھائی دینے والے ارکان نے بھی اس کی باتوں کی اپنے طور پر تشریح کی مگر ان کی نوعیت کو دیکھتے ہوئے پیری کیلئے ان سے متفق ہونا ممکن نہ تھا کیونکہ وہ اپنے خیالات اس طرح دوسروں تک پہنچانا چاہتا تھا جیسے وہ خود سمجھتا تھا۔

پیری نے جس جوش وخروش سے اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا، اس پر گرینڈ ماسٹر نے اجلاس ختم ہونے پر اس کی سرزنش کی۔وہ بغض سے بھر پور طنزیہ لہجے میں کہا کہ جھگڑے پر مبنی اس مباحثے کو پیری نے نیکی سے محبت کی بجائے فساد کے شوق کی بنا پر ہوا دی۔پیری نے جواب دینے کی بجائے مختصراً یہ دریافت کیا کہ'' آیا آپ لوگوں کو میری تجویز منظور ہے؟'' جواباً اسے بتایا گیا''نہیں'' اور وہ معمول کی رسمی کارروائی کا انتظار کئے بغیر لاج سے باہر نکل آیا اور اپنے گھر چل دیا۔

(8)

پیری پر پھر وہی افسردگی طاری ہوگئی جس سے وہ اسقدر خوفزدہ تھا۔لاج میں تقریر کے بعد وہ تین دن اپنے گھر میں صوفے پر لیٹا رہا۔اس عرصہ میں کوئی اس سے ملنے آیا نہ وہ کہیں باہر گیا۔

انہی دنوں میں اسے اپنی بیوی کا خط ملا۔اس نے ملتجیانہ انداز سے درخواست کی تھی کہ'' آپ مجھ سے ملنے آئیں۔ مجھے اپنے کئے پر شرمندگی ہے اور میں اپنی بقیہ زندگی آپ کے ساتھ گزارنا چاہتی ہوں'' خط کے آخر میں اس نے یہ اطلاع دی تھی کہ وہ چند دنوں میں واپس پیٹرز برگ پہنچ رہی ہے۔

اسی دوران ایک ایسا فری میسن آ گیا جسے وہ بالکل پسند نہیں کرتا تھا۔اس نے اپنی گفتگو کا اختتام پیری کے ازدواجی معاملات پر کیا۔اس نے پیری کو برادرانہ مشورہ دیتے ہوئے کہا کہ وہ ایک پشیمان کو معاف نہ کر کے فری میسن تحریک کے اولین اصولوں کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔

پیری کی ساس اور شہزادہ ویسلے کی اہلیہ نے اسے ایک خط لکھا جس میں اس نے التجا کی تھی کہ''خواہ چند منٹ کیلئے ہی سہی، مجھ سے ملنے ضرور آئیں۔ مجھے آپ سے نہایت اہم معاملے پر بات چیت کرنا ہے'' پیری کو احساس ہو گیا کہ اس کےخلاف سازش کی جا رہی ہے اور وہ اس کی بیوی سے صلح کرانا چاہتے ہیں۔تاہم وہ خود جس ذہنی کیفیت سے گزر رہا تھا اس میں یہ بات اس کیلئے ناگوار نہیں تھی۔اب اس کے نزدیک کوئی شے اہمیت نہیں رکھتی تھی۔اس پر جو افسردگی طاری ہوگئی تھی اس کے زیر اثر اس کے نزدیک اپنی آزادی کی کوئی قدر وقیمت باقی تھی نہ اپنی بیوی کو سزا دینے کی ضد موجود رہی۔

اس نے سوچا'' کوئی بھی سچا نہیں، کسی کو الزام نہیں دیا جاسکتا۔ چنانچہ اس پر بھی کوئی الزام عائد نہیں کیا جاسکتا''

اگر وہ اپنی بیوی سے فوری صلح پر آمادہ نہیں ہوا تھا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ افسردگی کی کیفیت میں اسے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ کسی کام کا ارادہ نہیں کر سکتا۔اگر ان دنوں اس کی بیوی اس کے پاس آ جاتی تو وہ اسے گھر سے باہر نہ نکالتا۔وہ جس سوچ وبچار میں کھویا ہوا تھا اس کے مقابلے میں بیوی کے ساتھ رہنا یا نہ رہنا بے معنی تھا۔

اپنی بیوی یا ساس کے خطوط کا جواب دیے بغیر ایک رات وہ ماسکو روانہ ہو گیا۔وہ اوسپ الیکسی وچ سے ملاقات کرنا چاہتا تھا۔

پیری نے اپنی ڈائری میں لکھا:

''ماسکو، 17 نومبر۔۔ میں حال ہی میں اپنے محسن سے مل کر آ رہا ہوں اور جو کچھ وہاں محسوس کیا اسے فوری طور پر لکھ رہا ہوں۔اوسپ الیکسی وچ غربت کی زندگی گزار رہا ہے اور گزشتہ تین برس سے مثانے کی تکلیف دہ بیماری میں مبتلا ہے۔اسے کسی نے تکلیف کا اظہار کرتے دیکھا ہے نہ کبھی اس نے شکایت کی ہے۔وہ صبح سے رات گئے تک مطالعے میں مصروف رہتا ہے اور اس دوران سادہ غذا کھانے کے علاوہ وہ کچھ نہیں کرتا۔اس نے میرا شفقت سے استقبال کیا اور اپنے بستر پر بٹھایا۔میں نے اس کے سامنے مشرق اور یروشلم کے سرداروں کی تصاویر بنائیں اور اس نے مجھے اسی انداز میں جواب دیا۔وہ خوشگوار انداز سے مسکرا رہا تھا۔اس نے مجھ سے پوچھا کہ میں پرشیا اور سکاٹ لینڈ کی لاجوں سے کیا سیکھ کر آیا ہوں۔مجھ سے جتنا ہو سکا اسے بتایا اور اس کے سامنے وہ اصول بھی پیش کئے جو میں قبل ازیں پیٹرز برگ کی لاج میں پیش کر چکا تھا۔میں نے اسے اپنی تجاویز کے بارے میں مخالفانہ ردعمل اور برادران سے اپنی جھڑپ کا احوال بھی سنایا۔اوسپ کچھ دیر خاموش رہا اور سوچ بچار کرتا رہا۔اس کے بعد اس نے ان امور کے بارے میں اپنا نقطہ نظر بیان کیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میں حیران رہ گیا اور اچانک میرا تمام ماضی واضح طور پر میری نگاہوں کے سامنے آ گیا اور مجھے اندازہ ہو گیا کہ میں آئندہ کیا کروں گا۔اس وقت میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا مجھے جماعت کے تین مقاصد یاد ہیں یعنی 1۔مقدس راز کا مطالعہ اور اس کی حفاظت 2۔تزکیہ نفس اور 3۔اس تزکیے کے ذریعے بنی نوع انسان کی اصلاح۔پھر اس نے مجھ سے پوچھا کہ ان تینوں میں سے اولین مقصد کون سا ہے؟ یقیناً تزکیہ نفس، یہی وہ مقصد ہے جس کی خاطر ہم ہر قسم کے حالات سے بے نیاز ہو کر جدوجہد کر سکتے ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ یہی وہ مقصد ہے جو یہ تقاضا کرتا ہے کہ ہم اس کے حصول کیلئے تندہی سے جدوجہد کریں۔مگر ہوتا یہ ہے کہ ہمارا تکبر ہمیں سیدھی راہ سے بھٹکا دیتا ہے۔ہم یہ مقصد بھول جاتے ہیں اور مقدس اسرار کی جستجو کرنے لگتے ہیں جسے تلاش کرنے کے ہم اہل نہیں ہوتے یا پھر نوع انسانی کی اصلاح کا ذمہ لے لیتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ عملی طور پر ہم بدی کی مثالیں پیش کر رہے ہیں۔الیومن ازم خالص نظریہ نہیں کیونکہ اس کا رجحان دنیاوی معاملات کی جانب ہے اور یہ غرور وتکبر سے پر ہے۔میں نے جیسی تقریر کی اور جیسی سرگرمیوں میں ملوث رہا اس کی الیکسی وچ نے مذمت کی۔جب میں نے اپنے دل میں جھانکا تو اس کی باتوں سے اتفاق کیا۔اس نے میرے گھریلو امور کا ذکر کرتے ہوئے کہا جیسا کہ میں تمہیں

بتا چکا ہوں محسن کا سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کی تکمیل کیلئے جدوجہد کرے مگر ہم اکثر و بیشتر یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ہماری زندگی کی مشکلات ختم ہو جائیں تو ہم بہت جلد اور با آسانی اپنا مقصد حاصل کرلیں گے۔ میرے محترم دنیاوی فکروں میں گھرنے کی بجائے ہم اپنے تینوں بڑے مقاصد حاصل کر سکتے ہیں یعنی 1۔ اپنی ذات کا شعور: انسان دوسروں سے موازنہ کرنے کے بعد ہی اپنی ذات کے متعلق صحیح طور سے جان سکتا ہے 2۔ ذات کی تکمیل: یہ صرف کشمکش اور کوشش سے ہی ممکن ہے 3۔ موت سے محبت: زندگی کے نشیب و فراز سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کمزور ہے موت سے ہمارا لگاؤ فطری ہے اور اس کے بعد ہم دوبارہ جنم لیں گے' یہ الفاظ اس لیے بھی غیر معمولی تھے کیونکہ اپنی تمام جسمانی تکالیف کے باوجود اوسپ کبھی زندگی سے بیزار نہیں ہوا حالانکہ وہ موت سے پیار کرتا ہے اور اپنی تمام تر روحانی پاکیزگی کے باوجود خود کو اس کیلئے تیار نہیں پاتا۔ اس کے بعد میرے محسن نے تخلیق کے عظیم مربعے کی اہمیت اجاگر کی اور مجھے بتایا کہ ہر شے کی بنیاد تین اور سات کے اعداد پر ہے۔ اس نے مجھے مشورہ دیا کہ پیٹرز برگ کے برادران سے قطع تعلق نہ کرو اور لاج کے درجہ دوم کے فرائض نبھاتے ہوئے یہ کوشش کرو کہ برادران تکبر میں مبتلا نہ ہونے پائیں اور انہیں شعور اور تکمیل ذات کی راہ دکھاتے رہو۔ اس کے علاوہ جہاں تک تمہاری اپنی ذات کا تعلق ہے تو میں مشورہ دوں گا کہ تمہیں سب سے بڑھ کر اپنی ذات کی دیکھ بھال کرنی چاہئے' اس نے مجھے ایک نوٹ بک دی اور میں یہ سب اسی پر لکھ رہا ہوں اور آئندہ بھی اپنے تمام کام اسی پر لکھتا رہوں گا۔''

پیٹرز برگ، 23 نومبر۔۔۔ میں ایک مرتبہ پھر اپنی بیوی کے ساتھ رہ رہا ہوں۔ میری ساس روتے ہوئے میرے پاس آئی اور کہنے لگی کہ ایلن واپس آگئی ہے اور کم از کم اس کی بات تو سن لو۔ وہ بے قصور ہے اور اس بات پر بضد ہے کہ تم اس سے علیحدگی اختیار کر چکے ہو اس نے مزید بہت کچھ کہا۔ مجھے علم تھا کہ ایک مرتبہ جی نے اس سے ملاقات پر آمادگی ظاہر کردی تو پھر میرے پاس اسے کی خواہشات پر عمل کے سوا کوئی اور چارہ نہیں رہ جائیگا۔ میں جس مخمصے میں گرفتار ہو چکا ہوں اس سے چھٹکارا پانے کی تدبیر سمجھ نہیں آتی۔ اگر میرا محسن یہاں ہوتا تو وہ مجھے بتلاتا کہ اس صورتحال میں کیا کروں۔ میں کمرہ بند کر کے بیٹھ گیا اور اوسپ الیکسی وچ کے تمام خطوط دوبارہ پڑھے اور اس کے ساتھ اپنے تمام مکالموں کو دوبارہ یاد کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ مجھے یہ درخواست نہیں ٹھکرانی چاہئے اور ہر شخص، خاص طور پر اس شخصیت کی مدد کرنا چاہئے جس کی میرے ساتھ اسقدر قربت تھی۔ اگر میں اسے صرف اس وجہ سے معاف کر رہا ہوں کہ میں بچائی کے راستے پر چلنا چاہتا ہوں تو پھر اس کے ساتھ میرا تعلق محض روحانی ہونا چاہئے۔ یہی میرا فیصلہ تھا اور یہی میں نے اوسپ الیکسی وچ سے کہا۔ میں نے اپنی بیوی سے کہا میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ ماضی کو بھول جاؤ اور اگر میں نے تمہارے ساتھ کوئی زیادتی کی ہے تو معاف کر دو۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تو کوئی ایسی بات نہیں جس کیلئے میں تمہیں معاف کروں' میں جب اسے یہ سب کچھ کہہ چکا تو مجھے بیحد خوشی ہوئی۔ خدا کرے کہ وہ بھی معلوم نہ کر سکے کہ میرے لیے اس کی دوبارہ شکل دیکھنا کتنا تکلیف دہ تھا۔ میں اس وسیع گھر کی بالائی منزل پر رہنے لگا ہوں اور نئی شروعات کے خوشگوار تجربے سے لطف اندوز ہو رہا ہوں۔

☆☆☆

(9)

ہمیشہ کی طرح اس دور میں بھی دربار اور اجتماعی رقص کی محافل میں ملنے جلنے والا معاشرے کا اعلیٰ طبقہ مختلف

حلقوں میں منقسم تھا اور ہر حلقے کا اپنا مخصوص لہجہ تھا۔ ان میں سب سے بڑا حلقہ نپولین سے اتحاد کا حامی تھا اور اس کے روح رواں نواب رومانتسیف اور کاؤلین کورٹ تھے۔ ایلن نے پیٹرز برگ میں اپنے شوہر کے گھر دوبارہ آنے کے بعد اس حلقے میں نمایاں مقام حاصل کرلیا۔ سیاسی اعتبار سے اس نقطہ نظر کے حامی لوگ جو اپنی عقل و دانش نیز تہذیب و شائستگی کے اعتبار سے نمایاں تھے اکثر و بیشتر اس کے ڈرائنگ روم میں آنے جانے لگے اور ان میں فرانسیسی سفارتخانے کے ارکان بھی شامل تھے۔

جن دنوں ارفرٹ میں دونوں شہنشاہوں کی مشہور ملاقات ہوئی تو ایلن وہیں موجود تھی۔ اس نے وہیں اس دور کی اہم ترین شخصیات سے تعلقات استوار کئے جو نپولین کی حامی تھیں۔ ارفرٹ میں اسے یہ زبردست کامیابی بھی ملی کہ ایک مرتبہ تھیٹر میں نپولین نے بھی اسے دیکھ لیا اور دریافت کیا کہ یہ خاتون کون ہے۔ اس نے ایلن کے حسن کی تعریف کی۔ وہ حسین اور شائستہ عورت کی حیثیت سے محفلوں پر جس طرح چھا جاتی تھی اس پر پیری کو کبھی حیرانی نہ ہوئی کیونکہ وقت کے ساتھ ساتھ اس کی خوبصورتی میں اور بھی اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا تاہم جس بات سے وہ حیران ہوا وہ یہ تھی کہ اس کی بیوی گزشتہ دو برس میں یہ شہرت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی تھی کہ یہ خاتون پرکشش ہونے کے ساتھ ساتھ بذلہ سنج بھی ہے معروف شہزادہ دی لینے اسے آٹھ آٹھ صفحوں پر مشتمل خطوط لکھا کرتا تھا۔ بلیبن نے اپنے جو مزاحیہ جملے سنبھال کر رکھے ہوتے تھے وہ انہیں پہلی مرتبہ بیگم بیزوخوف کی موجودگی میں استعمال کرتا تھا۔ جس شخص کو بیگم بیزوخوف کی محفل میں شرکت کی اجازت مل جاتی اس کی عقل و دانش مسلم ہوتی۔ نوجوان اس کی محفلوں میں شرکت سے قبل کتابوں کا مطالعہ کرتے تاکہ اس کے ڈرائنگ روم میں کچھ کہہ سکیں۔ سفارتخانوں کے سیکرٹری اور سفیر بھی اس سے اپنے رازوں کا ذکر کر دیتے اور اس طرح وہ طاقتور ہستی بن گئی تھی۔

پیری کبھی کبھار اس کی محفلوں اور ضیافتوں میں شریک ہوتا جہاں سیاست، شاعری اور فلسفے سمیت دیگر موضوعات پر گفتگو کی جاتی تھی۔ اسے علم تھا کہ وہ احمق خاتون ہے تاہم اس کے باوجود جب وہ اس کی باتیں سنتا تو اسے عجیب و غریب احساس ہونے لگتا۔ ایک جانب تو اسے حیرت ہوتی تھی اور دوسری طرف وہ پریشانی میں مبتلا ہو جاتا تھا۔ اس کی حالت اس مداری کی طرح ہوتی تھی جسے ہمہ وقت یہ خدشہ رہتا ہے کہ کسی بھی لمحے اس کا بھانڈا پھوٹ سکتا ہے۔ مگر یہ راز کبھی نہ کھل سکا کہ اس قسم کی محفلیں سجانے کیلئے کیا اسی طرح کی حماقت درکار تھی یا فریب کا شکار ہونیوالوں کو اس میں واقعی لطف آتا تھا۔ ایلن ویسلووانا بیزوخوف نے دلکش اور حاضر جواب عورت کے طور پر جو شہرت حاصل کی، وہ اتنی مضبوط تھی کہ اگر وہ بے خوفی سے کوئی احمقانہ بات بھی کہہ دیتی تو بھی سننے والے داد و واہ کرنے لگ جاتے اور اس کی بات میں ایسے دور رس مطالب تلاش کرنے لگتے جو خود اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتے تھے۔

پیری بالکل اسی طرح کا شوہر تھا جیسی اس خاتون کو ضرورت تھی۔ وہ غائب دماغ، خبطی اور ایسا شوہر تھا جو کسی کا لطف غارت نہیں کرتا تھا۔ ڈرائنگ روم کی لطیف فضا خراب کرنا تو درکنار الٹا اس کی موجودگی ہی ایسا تضاد پیش کر دیتی کہ بیوی کی شائستگی اور موقع شناسی کی آب و تاب اور بھی بڑھ جاتی۔ گزشتہ دو برسوں میں پیری جس طرح کی دلچسپیوں میں مصروف رہا تھا اور دیگر چیزوں کو جس نفرت سے دیکھتا تھا اس نے اسے اپنی بیوی کے حلقہ احباب میں بے نیازانہ رویہ اپنانے میں مدد دی جس سے اسے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ اپنی بیوی کے ڈرائنگ روم میں ایسے داخل ہوتا جیسے وہ کوئی تھیٹر ہو۔ وہ ہر ایک سے سلام دعا کرتا اور ہر ایک سے یکساں خندہ پیشانی سے پیش آتا تھا تاہم اس کے ساتھ ساتھ ہر ایک سے اس کا رویہ بے نیازانہ ہوتا تھا۔ کبھی کبھار وہ ایسی گفتگو میں شریک ہو جاتا جس میں اسے دلچسپی ہوتی تھی اور

سفارتخانے کے اعلیٰ حکام کی موجودگی یا عدم موجودگی سے قطع نظر اپنی رائے کا الفاظ چبا چبا کر اظہار کر دیتا جو کسی طور سے مروجہ خیالات کے مطابق نہ ہوتی تھی مگر اعلیٰ طبقہ 'پیٹرز برگ کی ممتاز ترین خاتون' کے خبطی شوہر سے اسقدر مانوس ہو گیا تھا کہ کوئی بھی اس کی عجیب وغریب اور انوکھی حرکات پر سنجیدگی سے توجہ نہیں دیتا تھا۔

ارفرٹ سے ایلین کی واپسی کے بعد اس کے ڈرائنگ روم میں جو بے شمار نوجوان روزانہ آتے ان میں بورس دروبتسکی بھی شامل تھا جو اب تک ملازمت میں زبردست کامیابیاں حاصل کر چکا تھا اور پیئر وخوف خاندان کے بے تکلف دوستوں میں شمار ہوتا تھا۔ ایلین اس سے بچوں کا سا برتاؤ کرتی تھی اور اسے دوسروں کی طرح مسکرا کر دیکھتی تھی مگر جب پیئری یہ مسکراہٹ دیکھتا تو اس کا مزاج برہم ہو جاتا۔ بورس پیئری کے ساتھ خاص طور پر احترام سے پیش آتا تھا اور یہ احترام پیئری کیلئے بھی پریشانی کا باعث بن جاتا تھا۔ تین سال قبل اس کی بیوی نے اسے جو تکالیف پہنچائی تھیں اس نے ان کی اتنی زیادہ ٹیس محسوس کی تھی کہ اب اس کی ہر ممکن کوشش ہوتی تھی کہ اس کی کسی طرح بے عزتی نہ ہونے پائے اور اس مقصد کیلئے وہ اپنی بیوی سے ازدواجی تعلق ختم کر کے صرف نام کا شوہر بن گیا اور اپنے دل کو شکوک وشبہات سے پاک کر لیا۔ اس نے اپنے آپ کو سمجھایا کہ "اب جبکہ وہ علمی وادبی سرگرمیوں میں دلچسپی لینے لگی ہے تو ہمیشہ کیلئے اپنی سابقہ روش ترک کر چکی ہے۔ ایسی مثال کہیں نہیں ملے گی کہ علم وادب کی دلدادہ خاتون دل کے معاملات سے بھی متاثر ہوتی ہو" اگرچہ اس نے اس بات کا کہیں اظہار نہ کیا تھا تاہم اس نے یہ قول کہیں پڑھا یا سنا تھا اور آنکھیں بند کر کے اس پر یقین کر لیا تھا۔ مگر یہ بات بیحد عجیب تھی کہ وہ اپنی بیوی کے ڈرائنگ روم میں بورس کو دیکھ کر (اور وہ کم وبیش ہمیشہ وہیں موجود ہوتا تھا) جسمانی کھچاؤ میں مبتلا ہونے لگتا اور اسے بری طرح شرم محسوس ہونے لگتی۔ اسے ایسا لگتا جیسے اس سے حرکت کی آزادی سلب کر لی گئی ہو۔

پیئری نے سوچا "اتنی شدید نفرت، بیحد عجیب بات ہے۔ حالانکہ ایک دور میں مجھے یہ شخص واقعی اچھا لگتا تھا" دنیا کی نگاہوں میں پیئری بہت بڑا نواب اور معروف خاتون کا اندھا اور مضحکہ خیز شوہر تھا۔ وہ چالاک خبطی تھا جو کچھ نہیں کرتا تھا تاہم اس سے کسی کو نقصان نہیں پہنچ سکتا تھا۔ وہ اچھی فطرت کا حامل اور عمدہ انسان تھا۔ مگر اس تمام عرصہ میں پیئری کی روح نشوونما کے پیچیدہ اور محنت طلب عمل سے گزر رہی تھی اور اس کے سامنے بے شمار باتوں کا انکشاف ہو رہا تھا جس کے نتیجے میں وہ بے شمار روحانی شکوک اور خوشیوں سے آشنا ہونے لگا۔

(10)

اس نے ڈائری لکھنا جاری رکھا اور اس دور میں وہ جو کچھ لکھ رہا تھا وہ درج ذیل تھا:

24 نومبر۔۔ میں آٹھ بجے اٹھ بیٹھا۔ مسودوں کا مطالعہ کیا اور پھر فرائض ادا کرنے چلا گیا (اوسپ الکسی وچ کے مشورے پر پیئری نے ملازمت اختیار کر لی تھی اور اب ایک سرکاری کمیٹی کا رکن تھا) گھر واپس آیا اور اکیلے کھانا کھایا (بیگم کے بے شمار مہمان آئے ہوئے ہیں جن کی مجھے کوئی پروا نہیں) کھانے پینے میں اعتدال سے کام لیا۔ فراغت کے بعد برادران کیلئے کچھ تحریریں لکھیں۔۔ سہ پہر ڈرائنگ روم میں چلا گیا اور بی کے حوالے سے ایک مزاحیہ کہانی سنائی۔ صرف اس وقت مجھے احساس ہوا کہ ایسا نہیں کرنا چاہیے، جب تمام لوگ باآواز بلند قہقہے لگانے لگے۔

میں خوش اور مطمئن ذہن سے بستر میں جا رہا ہوں۔ خدا مجھے سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق دے۔ 1۔ مجھے اطمینان دے تاکہ میں غصے پر قابو پا سکوں 2۔ میرے دل میں وہ نفرت بھر دے کہ میں عیش وعشرت سے اغماض برت

سکوں 3۔ اتنی ہمت دے کہ میں ملک کی خدمت، گھریلو امور، دوستوں سے تعلقات اور معاملات کے انتظام وانصرام سے جان چھڑائے بغیر دنیاداری سے پرہیز کر سکوں۔

"27 نومبر۔۔ آج دیر سے جاگا۔ سستی اسقدر تھی کہ آنکھیں کھلنے کے بعد بھی کافی دیر تک بستر میں گھسا رہا۔ اے خدا میری مدد کر اور مجھے اتنی قوت عطا کر کہ میں تیرے مقرر کردہ راستے پر چل سکوں۔ انجیل کا مطالعہ کیا مگر دل پر وہ اثر نہ ہوا جو ہونا چاہیے تھا۔ برادر اروسوف آیا اور ہم دونوں اس دنیا کی فضول باتوں پر گفتگو کرتے رہے۔ اس نے مجھے زار کے نئے منصوبوں سے آگاہ کیا، میں ان پر نکتہ چینی کرنا چاہتا تھا کہ مجھے اپنے اصول اور محسن کے الفاظ یاد آ گئے جس نے کہا تھا 'سچے فری میسن کو ضرورت پڑنے پر ملک کیلئے بڑھ چڑھ کر کام کرنا چاہیے اور جب اس کی خدمت طلب نہ کی جائے تو حالات کا مشاہدہ کرتے رہنا چاہیے تاہم زبان بند رکھی جائے' میری زبان ہی میری دشمن ہے۔ برادران جی، وی اور او مجھ سے ملنے آئے۔ ہم نے ایک نئے شخص کو جماعت میں شامل کرنے کی بابت گفتگو کی۔ انہوں نے اطالیق کے فرائض مجھے سونپ دیے۔ مجھے محسوس ہوا کہ میں کمزور شخص ہوں اور دی گئی ذمہ داری نہیں نبھا سکتا۔ پھر ہم ہیکل اور کے سات ستونوں اور قدموں کی تشریح پر بات چیت کرنے لگے۔ کیا ان سات ستونوں اور قدم کا مطلب سات علم، سات نیکیاں، سات برائیاں اور مقدس روح کے سات تحائف ہیں۔ شام کو نئے رکن کے داخلے کی رسوم ادا کی گئیں۔ لاج کی از سر نو تزئین وآرائش نے کارروائی کو دوچند کر دیا۔ نیا رکن بورس دروبتسکی تھا۔ اس کا نام میں نے تجویز کیا اور اطالیق کے فرائض بھی میں نے ہی انجام دیے۔ میں جتنا عرصہ اندھیرے کمرے میں تنہا اس کے ساتھ رہا، مجھے عجیب وغریب احساس پریشان کرتا رہا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے دل میں اس کیخلاف نفرت کا جذبہ پل رہا ہے۔ میں نے یہ جذبہ دبانے کی کوشش کی مگر کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ یہی وجہ تھی کہ میں پورے خلوص سے اسے برائی سے بچانے اور درست راہ پر ڈالنے کا خواہشمند تھا مگر میرے دل ودماغ میں جو برے خیالات پرورش پا رہے تھے ان سے چھٹکارا حاصل نہ کر سکا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کا لاج میں داخلے کا مقصد صرف ارکان سے تعلقات استوار کرنا اور انہیں خوش کرنا تھا۔ اس نے مجھ سے بار بار پوچھا تھا کہ آیا این اور ایس لاج کے ارکان ہیں؟ (اس سوال کا میں جواب نہیں دے سکتا تھا) دوسری بات یہ ہے کہ میرے خیال میں وہ ہماری جماعت کے احترام کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ وہ جس طرح اپنے بارے میں سوچتا رہتا ہے اور جس طرح انسان کی ظاہرہ حالت میں دلچسپی لے کر مطمئن ہو جاتا ہے اس سے یوں لگتا ہے کہ اسے روحانی پاکیزگی کی کوئی خواہش نہیں۔ یہ وہ باتیں ہیں جن کی وجہ سے مجھے اس کے بارے میں شک وشبہ ہونے لگتا تھا مگر ان کے علاوہ میرے پاس اس شک کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ تاہم وہ مجھے جھوٹا دکھائی دیا۔ میں جتنا عرصہ تاریک کمرے میں اس کے پاس اکیلا کھڑا رہا اس دوران میرے دل میں یہی بات آتی رہی کہ اپنے ہاتھ میں پکڑی تلوار اس کے سینے میں اتار دوں۔ میں اپنے دل کی بات زبان پر لا سکا نہ گرینڈ ماسٹر اور دیگر برادران کے سامنے ہر بات صاف صاف بیان کر سکا۔ میری دعا ہے کہ فطرت کا عظیم معمار مجھے جھوٹ کے گورکھ دھندے میں درست راستے کی تلاش کی ہمت عطا کرے۔"

اس کے بعد ڈائری کے تین صفحات خالی تھے اور ان سے آگے لکھا تھا:

"برادری وی کے ساتھ طویل اور سبق آموز بحث ہوئی۔ اس نے مجھے مشورہ دیا کہ برادر الف کا ساتھ نہ چھوڑوں۔ اگرچہ میں اس قابل نہیں تاہم پھر بھی میرے سامنے بہت سی باتوں کا انکشاف کیا گیا۔ دنیاؤں کے خالق کا نام ادونائی ہے۔ ایلوہم ان سب پر حکمرانی کرتا ہے۔ تیسرا نام زبان سے ادا نہیں ہو سکتا تاہم اس کا مطلب سب کچھ ہے۔

برادروی کے ساتھ گفتگو کر کے مجھ میں حوصلہ پیدا ہوتا ہے اور روح میں تازگی کا احساس ہونے لگتا ہے جس کے ساتھ ساتھ نیکی کے راستے پر چلنے کیلئے حمایت ملتی ہے۔ دنیاوی علوم کی ناقص اور نامکمل تعلیم اور ہمارے مقدس اور ہمہ گیر نظریے کے درمیان فرق مجھ پر ظاہر ہو جاتا ہے۔ انسانی علوم ہر شے کو چیر کر رکھ دیتے ہیں تا کہ اسے سمجھا جا سکے اور ہر چیز کو مار ڈالتے ہیں تا کہ اسے پرکھا جائے۔ ہماری جماعت کی مقدس تعلیم میں سب کچھ ایک ہے۔ سب کچھ اسی زندگی میں ہی اور مکمل طور پر جانا جاتا ہے۔ مثلث، مادے کے تین عنصر گندھک، پارہ اور نمک ہیں۔ گندھک میں تیل اور آگ کی خاصیت ہے جب اس میں نمک ملایا جاتا ہے تو اس کی آتشیں خاصیت اس میں وہ تڑپ پیدا کر دیتی ہے جس کے ذریعے یہ پارے کو اپنی جانب کھینچ لیتی ہے۔ جب پارہ غائب ہو جاتا ہے تو یہ اسے پکڑتی ہے اور دونوں کے ملنے سے دیگر عناصر بنتے ہیں''

'' 3 دسمبر۔ آنکھ دیر سے کھلی۔ انجیل پڑھی مگر دل پر اثر نہ ہوا۔ بڑے کمرے میں چلا گیا اور وہاں ٹہلتا رہا۔ سوچ وبچار میں محو ہونے کی کوشش کی مگر اس کی بجائے چار سال پرانا واقعہ ذہن میں تازہ ہو گیا۔ ہوا یوں کہ ڈوئیل کے بعد ایک روز ماسکو میں دولوخوف کے ملاقات ہوگئی۔ اس نے مجھے کہا' امید ہے کہ بیوی کی عدم موجودگی کے باوجود تم اطمینان سے رہ رہے ہو گے'' میں نے اس وقت اسے کوئی جواب نہ دیا مگر اب مجھے اس ملاقات کی تفصیلات یاد آگئیں اور میں نے اس سے یوں انتقام لیا کہ دل ہی دل میں اسے کھری کھری سنائیں اور چبھتے ہوئے جواب دیے۔ تاہم میں نے خود کو سنبھالا اور صرف اسی وقت یہ خیالات ذہن سے نکالنے میں کامیاب ہوا جب مجھے یہ محسوس ہوا کہ میں تو غصے سے جنونی ہوا چلا جا رہا ہوں۔ اس کے باوجود میں پوری طرح نادم نہ ہوا اور کچھ دیر بعد ورد جسکی آ گیا اور اپنے مختلف کارہائے نمایاں بیان کرنا شروع کر دیے۔ شروع میں مجھے اس کا آنا بہت برا لگا اور میں نے اس کی چند باتوں کی نفی کی جن کا اس نے فوری جواب دیا۔ مجھے غصہ آ گیا اور اسے برا بھلا کہا اور بہت سی ایسی باتیں کہہ دیں جو ناگوار ہی نہیں ناشائستہ بھی تھیں۔ وہ خاموش رہا اور میں صرف اسی وقت خود پر قابو پا سکا جب معاملہ ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ میرے خدایا! میں اس شخص کیساتھ کسی طور نہیں رہ سکتا! یہ میری انا ہے جو مجھ سے ایسی حرکات سرزد کراتی ہے اور میرے دماغ میں ایسے خیالات ڈالتی ہے کہ میں خود کو اس سے بہتر سمجھنے لگتا ہوں۔ مگر ہوتا یہ ہے کہ میں اس سے کہیں کمتر ہو جاتا ہوں۔ وہ ناشائستہ حرکات سے اجتناب برتتا ہے جبکہ میں دل میں اس کیخلاف نفرت پر مبنی جذبات پالتا رہتا ہوں۔ اے خدا مجھے توفیق دے کہ میں اس کی موجودگی میں اپنی خباثت ملاحظہ کر سکوں اور اس کے ساتھ ایسا برتاؤ کروں کہ مجھے کسی قدر سکون مل سکے۔ دوپہر کے کھانے کے بعد میں نے کچھ دیر سونے کا ارادہ کیا اور بالکل اسی وقت جب میری آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں تو مجھے واضح طور پر اپنے بائیں کان میں آواز سنائی دی'' یہ دن''

''میں نے خواب میں خود کو اندھیرے میں چلتے دیکھا اور اچانک کتوں نے مجھے گھیر لیا مگر میں بہادری سے چلتا رہا۔ اچانک ایک پستہ قامت کتے نے میری بائیں ٹانگ دبوچ لی اور اسے چھوڑنے پر تیار نہ ہوا۔ میں کتے کو جھپٹ کر پکڑا اور اس کا گلا دبانا شروع کر دیا۔ میں بمشکل اس سے پیچھا چھڑا پایا تھا کہ ایک اور کتے نے مجھے کاٹنا شروع کر دیا جو پہلے والے سے بڑا تھا۔ میں نے اسے اوپر اٹھانے کی کوشش کی مگر میں اسے جتنا اوپر اٹھاتا گیا وہ اتنا ہی وزنی ہوتا چلا گیا۔ اچانک برادراے وہاں آ گیا۔ اس نے مجھے بازو سے تھاما اور ایک عمارت کی جانب لے گیا۔ اس عمارت میں داخلے کیلئے ہمیں ایک تنگ شہتیر سے گزرنا تھا۔ میں ایک کر شہتیر پر چڑھ گیا مگر یہ میرے بوجھ تلے ٹیڑھا ہو کر کھسک گیا۔ میں لکڑی کے جنگلے پر چڑھنے کی کوشش کرنے لگا جس تک میرا ہاتھ بمشکل پہنچ سکا تھا۔ بصد کوشش میں اس تک پہنچا مگر میری ٹانگیں اس کی ایک طرف اور بقیہ جسم دوسر جانب جھولنا شروع ہو گیا۔ میں نے مڑ کر عقب میں دیکھا۔ مجھے

برادراے لکڑی کے جنگلے پر کھڑا دکھائی دیا۔ وہ ہاتھ سے ایک چوڑی سڑک کی طرف اشارہ کرنے لگا جس کی دونوں اطراف درخت اور سامنے باغ تھا۔ اس باغ کے درمیان میں بہت بڑی اور خوبصورت عمارت ایستادہ تھی۔ میری آنکھ کھل گئی۔ اے خدایا! اے فطرت کے عظیم معمار! میری مدد کر کہ میں ان کتوں۔۔۔ اپنی خواہشات نفسانی اور لالچ۔۔۔ سے خود کو بچا سکوں اور میری مدد کر کہ میں نیکی کے اس معبد میں داخل ہو سکوں جس کی نوید مجھے خواب میں ملی ہے''

7 دسمبر۔۔ میں نے خواب دیکھا کہ اوسپ الیکسی وچ میرے گھر میں بیٹھا ہے۔ میں خوشی سے پاگل ہو رہا تھا۔ میرا دل چاہا کہ اس کی خوب تواضع کروں مگر مجھے محسوس ہوا کہ میں تو مسلسل دوسروں سے گفتگو کئے جا رہا ہوں۔ اچانک میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ اسے یہ بات پسند نہیں آئے گی۔ میں اس سے قریب جانا اور اسے گلے لگانا چاہتا تھا مگر جونہی میں اس کے قریب پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اس کا چہرہ بدل گیا ہے۔ یہ تر وتازہ اور نوجوان چہرہ تھا۔ وہ مجھے ہماری جماعت کی تعلیمات کے بارے میں آگاہ کر رہا تھا مگر اس کی آواز اتنی آہستہ تھی کہ میری سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ پھر یوں ہوا کہ ہم سب کمرے سے باہر چلے گئے اور کوئی انہونی بات ہو گئی۔ ہم سب فرش پر بیٹھے یا لیٹے تھے اور وہ مجھے کوئی بات بتلا رہا تھا۔ میں اسے یہ جتلانا چاہتا تھا کہ میں اس کی باتوں سے کس قدر متاثر ہوا ہوں مگر میرا یہ حال تھا کہ میں اس کی گفتگو پر کوئی توجہ نہیں دے رہا تھا۔ میں تصوری تصور میں اپنی اندرونی حالت کا نقشہ کھینچنے لگا اور سوچا کہ خدا مجھ پر مہربانی کر رہا ہے اور وہ میرے گناہ معاف کر دے گا۔ میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور مجھے خوشی ہوئی کہ اس نے یہ سب کچھ دیکھ لیا تھا۔ اس نے مجھ پر جھلاہٹ آمیز سرسری نگاہ ڈالی اور کھڑا ہو گیا۔ وہ مجھ سے گفتگو کر رہا تھا اور اچانک خاموش ہو گیا۔ میں نے گھبراہٹ میں اس سے پوچھا' آپ جو کچھ کہہ رہے تھے اس کا میری ذات سے کوئی تعلق تھا؟' اس نے جواب دینے کی بجائے مجھے شفقت سے دیکھا اور پھر اچانک ہم نے خود کو اپنے بیڈروم میں پایا۔ وہ بستر کے کنارے پر لیٹ گیا۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ اس سے پیار کروں اور اس کا جسم سہلاؤں۔ چنانچہ میں بھی لیٹ گیا۔ اس نے مجھ سے پوچھا' صاف صاف بتلاؤ کہ وہ کون سی شے ہے جو تمہیں گناہ پر سب سے زیادہ مائل کرتی ہے؟' تم معلوم کر چکے ہو؟ مجھے یقین ہے کہ اب تک تمہیں علم ہو چکا ہوگا۔ میں اس کے سوال پر بیحد شرمندہ ہوا اور کہنے لگا' سستی میرا سب سے بڑا نقص ہے۔ میں اس سے پیچھا نہیں چھڑا سکتا' میری بات سن کر اس نے یوں سر ہلایا جیسے اس پر یقین نہ آیا ہو۔ میں مزید شرمندہ ہوا اور بولا' میں آپ کے مشورے کے مطابق اپنی بیوی کے ساتھ ضرور رہ رہا ہوں مگر صرف نام کا شوہر ہوں' جواباً اس نے کہا' تمہیں کوئی حق نہیں کہ بیوی کو اپنی ہم آغوشی سے محروم رکھو' اس نے اپنی باتوں سے مجھے یہ تاثر دیا کہ ایسا کرنا میرے لیے ضروری ہے مگر میں نے اسے جواب دیا کہ اس طرح مجھے شرمندگی ہوگی اچانک سب کچھ غائب ہو گیا اور میری آنکھ کھل گئی اور ذہن میں انجیل کی یہ آیت تھی کہ ''اور زندگی انسان کی روشنی تھی اور روشنی اندھیرے میں چمکی اور اندھیرا اسے نہ سمجھ پایا''

''اوسپ کا چہرہ نوجوان اور چمکدار دکھائی دے رہا تھا۔ آج ہی مجھے اپنے محسن کا خط ملا ہے جس میں اس نے مجھے میرے ازدواجی فرائض یاد دلائے ہیں''

9 دسمبر۔۔۔ مجھے خواب دکھائی دیا۔ جاگا تو دل زور سے دھڑک رہا تھا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ ماسکو میں اپنے مکان کے بڑے کمرے میں بیٹھا ہوں۔ اسی دوران اوسپ الیکسی وچ ڈرائنگ روم سے گزر کر اندر آیا۔ مجھے فوراً علم ہو گیا کہ اس میں حیات نو کا عمل شروع ہو چکا ہے۔ میں اسے خوش آمدید کہنے آگے بڑھا اور اسے گلے لگا کر اس کے ہاتھ چومنا شروع کر دیے۔ اس نے کہا' تم نے دیکھ لیا کہ اب میرا چہرہ مختلف ہے' میں اسے ابھی تک بازوؤں میں بھرے ہوئے

تھا۔میں نے اسے دیکھا کہ اس کا چہرہ جوان ہے مگر سر پر بال نہ تھے۔اس کے نقوش بدل چکے تھے۔میں نے کہا"اگر آپ مجھے اتفاقیہ بھی مل جاتے تو میں آپ کو پہچان لیتا" ساتھ ہی میں نے سوچا"کیا میں سچ کہہ رہا ہوں"پھر میں نے دیکھا کہ وہ کسی لاش کی مانند لیٹا ہوا ہے۔آہستہ آہستہ وہ دوبارہ پہلی حالت میں واپس آ گیا اور میرے ساتھ میرے کمرے میں چلا آیا۔اس کے ہاتھ میں تصویری کتاب تھی۔میں نے اسے کہا کہ یہ تصاویر میں نے بنائی ہیں، جواباً اس نے گردن کو خم دیا۔خواب میں مجھے اس بات کا علم تھا کہ ان تصویروں میں روح کی اپنے محبوب سے عشقیہ مہم جوئیوں کا بیان ہے۔اس کے صفحوں پر مجھے شفاف جسم کی مالک ایک لڑکی کی خوبصورت تصویر دکھائی دی جو شفاف لباس پہنے آسمان کی جانب پرواز کر رہی تھی۔مجھے یوں لگا جیسے یہ لڑکی وہی ہے جس کا ذکر گانوں کے گانے میں آیا ہے۔خواب میں یہ تصویریں دیکھتے ہوئے مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں برا کام کر رہا ہوں۔مگر میں ان سے اپنی نظریں نہ ہٹا سکا۔اے خدایا! میری مدد کر! اے خدایا اگر تو نے مجھ سے منہ پھیرا ہے تو پھر تیری رضا پوری ہو اور اگر یہ میری وجہ سے ہوا تو پھر مجھے بتا کہ میں کیا کروں۔اگر تو نے مجھ سے ہمیشہ کیلئے بے رخی اختیار کر لی تو پھر میری ہوس پرستی مجھے مکمل طور پر تباہ و برباد کر کے رکھ دے گی۔

(11)

رستوف خاندان نے جو گزشتہ دو سال گاؤں میں گزارے ان میں ان کے مالی معاملات بہتر نہ ہو سکے۔ اگرچہ نکولائی رستوف ابھی تک سختی سے اپنے ارادے پر قائم تھا اور ایک غیر معروف رجمنٹ میں خدمات انجام دے رہا تھا تاہم اوترادنوئے میں طرز زندگی اور خاص طور پر متنکا کا انتظام ایسا تھا کہ قرضہ بڑھتا چلا جا رہا تھا۔معمر نواب کو اس مشکل کا ایک ہی حل دکھائی دیا کہ کسی سرکاری ملازمت کیلئے درخواست دی جائے اور اسی مقصد کے تحت وہ پیٹرز برگ چلا آیا۔اس کے مطابق یہاں آنے کا ایک مقصد لڑکیوں کو جی بھر کر لطف اندوز ہونے کا آخری موقع فراہم کرنا بھی تھا۔

انہیں پیٹرز برگ آئے زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ برگ نے ویرا کو شادی کی پیشکش کر دی۔اس کی تجویز قبول کر لی گئی۔اگرچہ رستوف خاندان کا تعلق معاشرے کے اعلیٰ ترین طبقے سے تھا اور انہوں نے اس بارے میں کبھی سوچا بھی نہ تھا، پیٹرز برگ میں ان کے واقف کاروں کا حلقہ ملا جلا اور مبہم تھا۔ پیٹرز برگ میں انہیں دیہاتی سمجھا گیا اور وہی لوگ انہیں حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے جن کے اعزاز میں انہوں نے ماسکو میں یہ جانے بغیر ضیافتیں دی تھیں کہ ان کا تعلق کس طبقے سے ہے۔

ماسکو کی طرح پیٹرز برگ میں بھی رستوف خاندان کی مہمان نوازی برقرار رہی اور طرح طرح کے لوگ۔۔۔ دیہاتی ہمسائے، غریب بزرگ اور ان کی بیٹیاں، معمر مصاحب پیرونسکی، پیری بیزوخوف اور ان کے ضلعی ڈاکئے کا بیٹا۔۔۔ ان کے ہاں کھانا کھانے آتے تھے۔مردوں میں جو لوگ ان کے ہاں زیادہ آتے جاتے تھے ان میں بورس، پیری، جس سے معمر نواب کی اچانک ملاقات ہو گئی تھی اور وہ اسے اپنے ساتھ لے آیا تھا، اور برگ شامل تھے۔برگ تمام دن رستوف خاندان کے ہاں گزارتا تھا اور ان کی سب سے بڑی بیٹی ویرا پر اسی طرح توجہ دیتا تھا جیسے شادی کی پیشکش کرنے والے نوجوانوں کا وطیرہ ہوتا ہے۔

اوسٹرلٹس کی جنگ میں دایاں ہاتھ زخمی ہونے کے بعد برگ نے اس کی جس طرح نمائش کی تھی اور بائیں ہاتھ سے تلوار چلانے کا جو ناٹک رچایا تھا وہ ایسے ہی نہیں تھا بلکہ وہ یہ واقعہ مسلسل اور مظلومانہ انداز میں سناتا رہتا اور ہر شخص کو یقین آ جاتا کہ اس نے یہ کارنامہ بطریق احسن اور وقت کے تقاضے کے مطابق انجام دیا تھا، برگ کو اس کارنامے کی

بدولت دو تمغے ملے تھے۔

اس نے فن لینڈ کیخلاف جنگ میں بھی نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا اور کمانڈر انچیف کے قریب کھڑے ایک ایجوٹنٹ کی ہلاکت کا باعث بننے والے گرنیڈ کا ایک ٹکڑا اٹھا کر اپنے کمانڈر کے پاس لے گیا تھا۔اوسٹرلٹس کی طرح وہ اس واقعے کا بھی اتنی تفصیل سے اور متواتر ذکر کرتا تھا کہ ہر شخص کو یقین ہو جاتا کہ ایسا ضروری تھا فن لینڈ کی جنگ میں اسے مزید دو تمغے ملے تھے۔1809ء میں وہ گارڈز کا کپتان تھا، یہ تمغے سینے پر آویزاں کرتا اور پیٹرز برگ میں فائدہ مند عہدوں پر فائز تھا۔

اگرچہ بعض ایسے لوگ بھی تھے جو برگ کی خوبیاں سن کر زیر لب مسکرا دیتے مگر یہ حقیقت اٹل تھی کہ وہ ضوابط کا پابند اور بہادر افسر تھا۔اس کے اپنے اعلیٰ حکام سے خوشگوار تعلقات تھے اور وہ محتاط اور کھرا نوجوان تھا۔اس کا مستقبل روشن تھا اور یہ امر یقینی تھا کہ وہ معاشرے میں اعلیٰ مقام حاصل کرے گا۔

چار برس قبل اس نے ماسکو کے ایک تھیٹر میں اپنے جرمن ساتھی کی توجہ ویرا رستوف کی جانب دلاتے ہوئے کہا تھا کہ "میں اس لڑکی سے شادی کروں گا" اور اسی لمحے اس نے یہ تہیہ کر لیا تھا کہ وہ اس لڑکی سے ہر صورت شادی کرے گا۔اب پیٹرز برگ میں اپنی اور رستوف خاندان کی حیثیت کا جائزہ لینے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ شادی کی تجویز پیش کرنے کا یہی وقت ہے۔

برگ کی تجویز کچھ اس ہچکچاہٹ سے قبول کی گئی جس سے اس کی انا کی تسکین نہیں ہوئی تھی۔شروع میں یہ بات عجیب سی لگی کہ لیوونیا کے کسی غیر معروف شخص کا بیٹا رستوف خاندان کی لڑکی سے شادی کی خواہش کا اظہار کرے۔تاہم اس کے کردار کی سب سے بڑی خوبی یعنی 'انا' ایسی سادگی اور نیک نیتی پر مشتمل تھی کہ رستوف خاندان کو غیر شعوری طور پر محسوس ہوا کہ یہ اچھی چیز ہی ہو گی کیونکہ اسے بھی قوی یقین تھا کہ یہ واقعی نہایت عمدہ ہے۔مزید براں رستوف خاندان کے حالات اس قدر خراب ہو گئے تھے کہ رشتے کے خواہشمندوں کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہ سکتے تھے۔سب سے اہم بات یہ تھی کہ ویرا چوبیس سال کو پہنچ چکی تھی اور خوبصورت اور سمجھدار ہونے تیز اسے ہر جگہ لے جانے کے باوجود کہیں سے شادی کا پیغام نہیں آیا تھا، چنانچہ انہوں نے رضامندی کا اظہار کر دیا۔

برگ اپنے دوست سے کہنے لگا "میری بات سنو" وہ اسے محض اس لیے دوست کہتا تھا کیونکہ اسے علم تھا کہ ہر شخص کے دوست ہوتے ہیں۔اس نے کہا" سنو، میں نے ہر بات کا احتیاط سے جائزہ لیا ہے اور اگر میں نے اس شادی کے بارے میں سوچ بچار نہ کی ہوتی اور مجھے یہ کسی بھی اعتبار سے غیر موزوں دکھائی دیتی تو میں اس کا نام بھی نہ لیتا۔اب صورتحال یہ ہے کہ میں نے اوسٹیسی ضلع کی زمین کے ذریعے اپنے ماں باپ کی گزر بسر کا معقول انتظام کر دیا ہے اور میں یہاں پیٹرز برگ میں اپنی تنخواہ اور اس کی دولت کے ذریعے پرسکون زندگی گزار سکتا ہوں اور مجھے فضول خرچی کی بھی عادت نہیں۔میں دولت کیلئے شادی نہیں کر رہا۔میرے نزدیک ایسی حرکت کمتر اور عزت نفس کیخلاف ہے مگر میں سمجھتا ہوں کہ میاں بیوی کو اپنا اپنا حصہ تولانا چاہئے۔ملازمت میں میرا مقام ہے، اس کے خاندانی تعلقات ہیں اور وہ کچھ جائیداد کی مالک بھی ہے اور اس دور میں یہ چیزیں بیحد اہم ہیں۔کیا میں نے ٹھیک کہا؟ مگر سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ خوبصورت لڑکی ہے اور مجھ سے پیار کرتی ہے۔۔۔"

برگ شرما کر مسکرانے لگا۔

اس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا" اور میں بھی اس سے پیار کرتا ہوں کیونکہ وہ عقلمند اور نیک فطرت ہے،

جہاں تک اس کی دوسری بہن کا تعلق ہے، وہ اسی خاندان کی فرد ہونے کے باوجود بالکل مختلف ہے اور اس کا رویہ اچھا نہیں۔۔۔ خیر تم ہمارے ساتھ۔۔۔'' وہ اسے کھانے کی دعوت دینا چاہتا تھا مگر بروقت ارادہ بدل لیا اور کہنے لگا'' تم ہمارے ساتھ چائے پینے تو آؤ گے ہی'' یہ کہہ کر اس نے منہ میز جا کر کے دھوئیں کا مرغولہ نکالا جیسے اسے جس خوشی کی تلاش تھی اسے پانے میں کامیاب ہو گیا ہے۔

برگ کی جانب سے شادی کی پیشکش پر ویرا کے والدین نے پہلے تو شکوک وشبہات کا اظہار کیا مگر ایسے مواقع پر جو خوشیاں منائی جاتی ہیں اور جو جشن منعقد ہوتے ہیں، وہ یہاں بھی ہوئے مگر یہ سب کچھ سطحی تھا اور اس میں خلوص کے جذبات نہ تھے۔ رشتہ داروں کے رویوں سے یہ بات عیاں تھی کہ وہ گھبرے اور شرمائے ہوئے ہیں۔ یوں لگتا تھا جیسے ان کا ضمیر ملامت کر رہا ہو کہ انہوں نے ویرا کے ساتھ درست طور سے محبت نہیں کی اور اب اس سے چھٹکارا حاصل کر رہے ہیں۔ معمر نواب کو سب سے زیادہ پریشانی کا سامنا تھا۔ وہ غالباً اپنی پریشانی کی وجہ بتانے سے معذور تھا مگر اس کی فکرمندی کا بڑا سبب اس کی مالی مشکلات تھیں۔ اسے بالکل علم نہ تھا کہ اس کے پاس کیا کچھ ہے، کتنا قرض ادا کرنا ہے یا پھر وہ ویرا کو جہیز میں کیا کچھ دے سکتا ہے۔ جب اس کے ہاں بیٹیاں پیدا ہوئیں تو اس نے ہر ایک کو شادی پر بطور جہیز دینے کیلئے ایک ایک جاگیر علیحدہ کر دی جہاں تین تین سو زرعی غلام کام کرتے تھے۔ مگر ان میں سے ایک جاگیر پہلے ہی بک چکی تھی اور دوسری گروی رکھی تھی جس پر اتنا سود چڑھ چکا تھا کہ اسے بھی فروخت ہو جانا تھا۔ چنانچہ ویرا کو یہ جاگیر بھی نہیں دی جا سکتی تھی اور دوسری جانب گھر میں رقم بھی نہ تھی۔

برگ کی منگنی ہوئے ایک ماہ گزر گیا اور شادی کی تقریب کے انعقاد میں ایک ہفتہ باقی رہ گیا تھا۔ نواب ابھی تک یہ فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ وہ جہیز میں کیا دے گا اور اس حوالے سے اس نے اپنی اہلیہ سے بھی کوئی بات نہ کی تھی۔ ایک موقع پر تو اس نے یہ سوچ لیا کہ ریازان کی جاگیر ویرا کو دے دی جائے، پھر اس نے سوچا کیوں نہ ایک جنگل بیچ دوں یا ادھار لے لوں۔

شادی سے چند دن قبل برگ ایک روز علی الصبح نواب کے کمرے میں آیا اور مسکراتے ہوئے اپنے ہونیوالے سسر سے دریافت کیا کہ ویرا کو جہیز میں کیا کچھ ملے گا۔ نواب اس سوال کا کئی روز سے منتظر تھا مگر اسے برگ کی بات سے وہ اسقدر بوکھلا گیا کہ اس کے ذہن میں جو پہلی بات آئی، وہی کہہ ڈالی۔

نواب نے کہا'' تم نے جس بسادگی سے یہ بات کہی ہے اور گی لپٹی نہیں رکھی، وہ مجھے بیحد پسند آئی ہے، فکر نہ کرو تم مطمئن ہو جاؤ گے۔۔۔''

اس نے برگ کے کندھے پر تھپکی دی اور گفتگو ختم کرنے کے ارادے سے اٹھ کھڑا ہوا مگر برگ بھولپنے سے مسکراتے ہوئے کہنے لگا'' اگر مجھے یقینی طور پر یہ علم نہ ہوا کہ ویرا کو جہیز میں کیا دیا جائیگا اور اس کا کم از کم کچھ حصہ مجھے پیشگی نہ ملا تو میں مجبوراً شادی سے دستبردار ہو جاؤں گا'' اس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا'' کیونکہ، نواب صاحب، غور کیجئے کہ اگر مجھے واضح طور پر علم نہ ہو کہ میں اپنی بیوی کے اخراجات کیسے پورے کروں گا اور اس کے باوجود میں اس سے شادی کر لوں تو یہ بات مناسب نہ ہوگی''

نواب سخاوت کا مظاہرہ بھی کرنا چاہتا تھا اور بحث سے پیچھا چھڑانے کا بھی خواہشمند تھا، چنانچہ اس نے یہ کہہ کر بات ختم کر دی کہ وہ اسی ہزار روبل کا چیک دے گا۔ برگ نے مسکرا کر نواب کا بوسہ لیا اور کہا'' میں آپ کا شکر گزار ہوں مگر جب تک مجھے تیس ہزار روبل نقد نہیں مل جاتے اس وقت تک میں نئی زندگی شروع نہیں کر سکتا'' اس نے مزید کہا

'' یا پھر نواب صاحب، آپ مجھے بیس ہزار روبل نقد اور ساٹھ ہزار کا چیک دیدیں''

نواب جلدی سے بولا'' ہاں ہاں، بالکل، بالکل، میرے بیٹے میں تمہیں بیس ہزار نقد بھی دوں گا اور اسی ہزار کا چیک بھی۔۔۔ ٹھیک ہے، اب میرا بوسہ لو''

(12)

نتاشا کی عمر سولہ سال ہو چکی تھی۔ یہ 1809ء کا سال تھا۔ چار برس قبل بورس کے ساتھ بوس وکنار کے بعد یہ وہ پہلا سال تھا جو اس نے انگلیوں پر گنا تھا۔ اس کے بعد دونوں کبھی نہیں ملے تھے۔ اگر سونیا یا اپنی ماں کے ساتھ گفتگو میں کبھی بورس کا تذکرہ ہوتا تو وہ کہتی'' چھوڑیں بھی، یہ بچگانہ باتیں تھیں جنہیں میں بھلا چکی ہوں'' مگر اس کے دل میں اکثر یہ تکلیف دہ سوال پیدا ہوتا کہ بورس کے ساتھ میری منگنی صرف مزاح تھا یا ہم نے ایک دوسرے سے کوئی سنجیدہ وعدہ کیا تھا جس کی پابندی لازم تھی؟''

بورس نے 1805ء میں فوج میں شمولیت کیلئے ماسکو چھوڑنے کے بعد بھی رستوف خاندان کے گھر کا رخ نہیں کیا تھا۔ وہ متعدد بار ماسکو آیا تھا اور اترادنوئے کے قریب سے بھی گزرا مگر کبھی ان کے ہاں نہ گیا۔

کبھی کبھی نتاشا کو اس بات پر تشویش ہوتی اور وہ سوچتی کہ بورس اس سے شادی نہیں کرنا چاہتا اور اس کے والدین بھی اس خیال کی تصدیق کر دیتے۔ جب بھی اس کا ذکر آتا تو وہ یوں بات کرتے جیسے سمجھتے ہوں کہ ان کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔

بورس کے ذکر پر بیگم رستوف اکثر کہتی'' آج کل پرانے دوستوں کو بھلا دینا رواج بن گیا ہے''

گزشتہ کچھ عرصہ میں اینا میخائلوونا بھی ان کے ہاں کم کم ہی آتی تھی۔ ان کے حوالے سے اس کا رویہ بھی آن بان والا ہو گیا تھا۔ وہ اپنے بیٹے کی خوبیاں اور اس کی شاندار ملازمت کا تذکرہ کرتے نہ تھکتی اور خوشی سے اس کی آواز بھرا جاتی اور وہ اس پر خداوند کا شکر ادا کرتی۔ جب رستوف پیٹرزبرگ پہنچے تو بورس ان سے ملنے آ گیا۔

جب وہ گاڑی میں ان کی رہائش گاہ کی جانب جا رہا تھا تو اس کا دل جذبات سے خالی نہ تھا۔ اس کے دل میں نتاشا کی یادیں اس کا شعری سرمایہ تھیں۔ تاہم جب اس نے ان کے ہاں جانے کا سوچا تو دل ہی دل میں فیصلہ کیا کہ میں نتاشا اور اس کے والدین کو اشاروں کنایوں میں واضح طور پر بتا دوں گا کہ میرے اور نتاشا کے مابین بچپن میں جو بے تکلفانہ تعلقات تھے، انہیں نبھانا ہمارے لیے ضروری نہیں۔ بیگم بیزوخوف سے دوستی کی بنا پر اسے اعلیٰ حلقوں میں اہم مقام مل چکا تھا۔ سرکاری نوکری میں اس کی پوزیشن مستحکم تھی کیونکہ اسے ایک اعلیٰ ترین شخصیت کا بھرپور اعتماد حاصل تھا۔ اب وہ پیٹرزبرگ کی امیر ترین لڑکی سے شادی کرنے کے منصوبے بنا رہا تھا اور آثار سے یہی ظاہر ہوتا تھا کہ اس منصوبے میں کامیابی کے حصول کی راہ میں اسے کسی رکاوٹ کا سامنا نہیں ہوگا۔ جب بورس رستوف خاندان کے ڈرائنگ روم میں آیا تو نتاشا اپنے کمرے میں تھی۔ جب اسے اس کی آمد کی خبر ملی تو وہ تقریباً بھاگتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آ گئی۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور اس پر دکھائی دینے والی مسکراہٹ اس امر کی غماز تھی کہ وہ آنیوالے مہمان کو دوست سے بڑھ کر کچھ اور سمجھتی ہے۔

بورس کے ذہن میں نتاشا ایک کمسن بچی جیسی تھی جو چھوٹا لباس پہنتی اور اس کی زلفوں کے نیچے کالی آنکھیں چمکتی تھیں اور جو خوشی میں قہقہے لگاتی تھی۔ مگر اب اس کے سامنے بالکل مختلف قسم کی نتاشا موجود تھی۔ وہ ٹھٹھک کر رہ گیا۔ اس

کے چہرے پر حیرت اور تحسین کا تاثر دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا اور نتاشا یہ تاثرات دیکھ کر خوش ہوگئی۔

بیگم رستوف نے بورس سے پوچھا "ہاں، تو تم نے اپنی چھوٹی سی شرارتی دوست کو پہچانا؟"

بورس نے نتاشا کے ہاتھ پر بوسہ دیتے ہوئے کہا "تم میں رونما ہونیوالی تبدیلیاں دیکھ کر میں حیران رہ گیا ہوں۔ تم کتنی خوبصورت ہوگئی ہو"

نتاشا کی روشن آنکھیں جواباً یہ کہتی محسوس ہوتی تھیں "میرا بھی یہی خیال ہے" وہ کہنے لگی "ابا جان پہلے کی نسبت کچھ بوڑھے دکھائی نہیں دیتے؟"

نتاشا بیٹھ گئی اور بورس کی اپنی والدہ سے گفتگو میں کوئی مداخلت نہ کی۔ وہ اس شخص کا خاموشی اور باریک بینی سے جائزہ لیتی رہی جو بچپن میں اس سے شادی کا امیدوار تھا۔ وہ خود بھی اس دلیرانہ اور پیار بھری نگاہوں کا بوجھ محسوس کر رہا تھا اور کبھی کبھار نظر بچا کر اسے سرسری طور پر دیکھ لیتا۔

بورس کی وردی، مہمیز، نائی اور بال سنوارنے کے انداز میں تازہ ترین فیشن جھلکتا تھا۔ نتاشا نے یہ سب کچھ دیکھ لیا۔ وہ بیگم رستوف کے قریب کرسی پر نیم دراز ہو کر بیٹھا تھا اور اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں کے صاف ستھرے دستانے کو درست کرتے ہوئے انوکھی شائستگی سے پیٹرز برگ کے اعلیٰ طبقات کی رنگ رلیوں کے بارے میں باتیں کر رہا تھا۔ درمیان میں وہ ماسکو کے دوستوں اور وہاں گزرے دنوں کی یادیں طنزیہ انداز سے تازہ کرنے لگتا۔ نتاشا کو یوں لگا جیسے اس نے اعلیٰ طبقوں کے ذکر میں ایک سفیر کی محفل رقص میں این این اور ایس ایس کی جانب سے ارسال کردہ دعوت ناموں کا ذکر جان بوجھ کر کیا تھا۔

اس دوران نتاشا خاموش بیٹھی اسے دیکھتی رہی۔ اس کے یوں دیکھنے سے بورس کا اضطراب بڑھ جاتا۔ وہ بار بار مڑ کر اسے دیکھتا اور اپنی بات ادھوری چھوڑ دیتا۔ وہ دس منٹ بعد ہی اٹھ کھڑا ہوا اور جانے کی اجازت طلب کی۔ تجسس سے بھرپور، للکارنے والی اور تمسخرانہ نگاہیں بدستور اسی پر جمی تھیں۔

اس پہلی ملاقات کے بعد بورس نے اپنے آپ سے کہا "ہمیشہ کی طرح اب بھی نتاشا مجھے پرکشش دکھائی دیتی ہے مگر مجھے کشش کے اس جذبے کے آگے جھکنا نہیں چاہئے کیونکہ یہ لڑکی جہیز تو لائے گی نہیں، اور اس سے شادی کا مطلب اپنا مستقبل خراب کرنا ہوگا نیز شادی کا عندیہ دیے بغیر پرانے تعلقات کی تجدید بھی اوچھی حرکت ہوگی۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ نتاشا سے دور رہنے کی کوشش کرے گا مگر اس کے باوجود چند دن بعد وہ دوبارہ آ گیا۔ اب اس نے مسلسل رستوف خاندان کے ہاں آنا جانا شروع کر دیا اور تمام دن انہی کے ہاں گزارنے لگا۔ اسے محسوس ہونے لگا کہ نتاشا کے ساتھ مفاہمت کرنا اس کیلئے ضروری ہے اور اسے واضح طور پر بتلا دینا چاہئے کہ ہمیں ماضی کو بھلانا ہوگا اور تمام باتوں کے باوجود میں اس سے شادی نہیں کر سکتا، کیونکہ میرے پاس کچھ بھی نہیں اور یہی بات ہماری شادی میں رکاوٹ بن جائے گی۔ وہ ایسے ہی ارادے کرتا مگر ان پر عملدرآمد میں ناکام رہتا۔ اس کی ہمت موقع پر جواب دے جاتی اور وہ اس موضوع پر کوئی بات نہ کر سکتا۔ ادھر بیگم رستوف اور سونیا کو محسوس ہو رہا تھا کہ نتاشا پہلے کی طرح اس کی محبت میں گرفتار ہے۔ وہ اس کی موجودگی میں وہی گانے گاتی جنہیں وہ پسند کرتا تھا اور اسے اپنا البم دکھا کر اس میں کچھ نہ کچھ لکھنے پر اصرار کرتی۔ وہ اسے کبھی ماضی کی بات نہیں کرنے دیتی تھی اور یہی محسوس کرانے کی کوشش کرتی کہ حال کتنا اچھا ہے اور وہ ہر روز حیرانگی کے عالم میں واپس چلا جاتا۔ وہ اپنے دل کی بات کہہ سکتا تھا نہ اسے سمجھ آتی کہ یہاں کیا کر رہا ہے، بار بار کیوں آتا ہے اور یہ سلسلہ کیسے ختم ہوگا۔ اس نے ایلین کے ہاں جانا چھوڑ دیا اور اسے روزانہ اس کے ملامت بھرے خط ملنے لگے، تاہم اس

کے باوجود وہ رستوف خاندان کے ہاں آتا جاتا رہا اور تمام دن انہیں کے ہاں گزارتا رہا۔

(13)

ایک رات بیگم رستوف ٹوپی اوڑھے اور سونے والی جیکٹ پہنے عبادت میں مصروف تھی۔ اس نے اپنی مصنوعی زلفیں اتار دی تھیں اور اس کے اپنے ہلکے پھلکے بال سفید ٹوپی کے نیچے سے جھانک رہے تھے۔ عبادت کے دوران وہ آہیں بھرتی اور کبھی کراہنے لگتی۔ اسی دوران دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی اور نتاشا بھاگتی دوڑتی کمرے میں داخل ہوئی۔ نتاشا نے بھی ڈریسنگ گاؤن پہن رکھا تھا۔ اس کے پاؤں میں سلیپر تھے۔ بیگم نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا اور اس کے چہرے پر خفگی کے آثار نمودار ہوگئے۔ وہ اپنی آخری دعا ختم کرنیوالی تھی "کیا یہ پلنگ میرا جنازہ بن سکتا ہے" عبادت کی بدولت اس پر طاری ہونیوالی روحانی کیفیت نتاشا کی آمد سے ختم ہوگئی۔ نتاشا کے گال سرخ ہو رہے تھے اور وہ بہت کچھ سوچ کر آئی تھی۔ مگر جب اس نے اپنی والدہ کو عبادت میں مصروف پایا تو اس کے قدم تھم گئے۔ اس نے جھک کر اپنی ماں کو سلام کیا اور غیر شعوری طور پر اس طرح زبان باہر نکالی جیسے اپنے آپ کو سرزنش کر رہی ہو۔ جب اس نے اپنی والدہ کو عبادت کرتے دیکھا تو پنجوں کے بل چلتی پلنگ کی طرف گئی اور جوتے ایک جانب پھینک کر پلنگ پر چڑھ گئی۔ یہ اونچا سا پلنگ تھا جس کے بستر میں پر بھرے ہوئے تھا اور اس پر اوپر نیچے پانچ تکیے پڑے تھے جن میں سے ہر ایک نیچے والے کی نسبت چھوٹا تھا۔ نتاشا چھلانگ لگا کر پلنگ پر چڑھی اور پروں میں دھنسنے لگی۔ وہ دیوار کی جانب لڑھک گئی۔ پھر وہ لحاف کے اندر گھسی اور اسے اپنے جسم کے گرد لپیٹنے لگی۔ اس نے گھٹنے اپنی ٹھوڑی سے لگائے۔ پھر اس نے زور سے ٹانگ ماری اور مدھم آواز میں ہنسنا شروع کر دیا۔ کبھی وہ اپنا سر لحاف میں چھپا لیتی اور کبھی اسے باہر نکال کر اپنی ماں کی جانب دیکھنے لگتی۔

بیگم رستوف نے اپنی عبادت ختم کی اور پلنگ کی جانب آئی۔ اس کے چہرے پر سختی کا تاثر تھا مگر جب اس نے نتاشا کو لحاف میں سر چھپائے دیکھا تو اس کے چہرے پر حسب سابق ملائمت بھری مسکراہٹ جھلکنے لگی۔

بیگم رستوف بولی "آؤ، آؤ!"

نتاشا کہنے لگی "امی کیا میں آپ سے کوئی بات کر سکتی ہوں۔۔۔ بتائیں نا؟ آپ کی گردن پر ایک بوسہ، اس کے بعد ایک اور، یہی کافی ہوگا" یہ کہہ کر اس نے اپنی والدہ کی گردن بانہوں میں لی اور دو مرتبہ اس کا بوسہ لے لیا۔ بظاہر وہ اپنی والدہ کیساتھ اچھا سلوک نہیں کر رہی تھی مگر وہ اتنی حساس اور ماہر تھی کہ اپنی ماں کے ساتھ ہم آغوش ہوتے ہوئے ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتی کہ اسے پریشانی کا سامنا ہو نہ مزاج بگڑنے پائے۔

اس کی والدہ نے تکیہ درست کرتے ہوئے پوچھا "اچھا، کیا بات ہے؟۔۔۔ میں بھی تم سے کچھ کہنا چاہتی تھی۔۔۔"

نتاشا نے اپنی والدہ کے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "بورس کے بارے میں۔۔۔ میں جانتی ہوں۔ میں بھی یہی بات کرنے آئی ہوں، آپ کچھ نہ کہیں۔۔۔ میں جانتی ہوں، ضرور کہیں" اس نے اپنا ہاتھ پرے ہٹا لیا اور کہنے لگی "امی کہیں ناں کہ وہ بیحد عمدہ شخص ہے، ایسا ہی ہے ناں؟"

بیگم رستوف کہنے لگی "نتاشا اب تمہاری عمر سولہ برس ہے۔ جب میں تمہارے جتنی تھی تو میری شادی ہو چکی تھی۔ تم کہتی ہو کہ بورس عمدہ شخص ہے اور میں اسے اپنے بیٹے جیسا سمجھتی ہوں۔ پھر تم اور کیا چاہتی ہو؟۔۔۔ تم کیا سوچتی

ہو؟ تم نے اس کا ذہن گھما دیا ہے، مجھے تو یہی لگتا ہے۔"

یہ کہتے ہوئے بیگم نے گردن گھمائی اور اپنی بیٹی کی جانب دیکھا۔ نتاشا پلنگ کی پائنتی پر مہاگنی لکڑی سے بنے ابوالہول کی تصویر دیکھنے لگی جس کی بنا پر بیگم کو اس کا چہرہ تھوڑا سا ہی دکھائی دے پایا۔ اس کے خدوخال پر جھلکتی سنجیدگی اور عزم دیکھ کر اسے بیحد حیرانی ہوئی۔

نتاشا سنتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

اس نے پوچھا "ٹھیک ہے، تو پھر؟"

بیگم رستوف کہنے لگی "تم نے تو اس کا ذہن ہی گھما دیا ہے، آخر کس لیے؟ تم جانتی ہو کہ اس سے تمہاری شادی نہیں ہو سکتی"

نتاشا اپنی جگہ سے حرکت کیے بغیر بولی "مگر کیوں نہیں؟"

بیگم رستوف کہنے لگی "اس لیے کہ وہ کم عمر، غریب اور ہمارا رشتہ دار ہے، اور یہ کہ تمہیں خود بھی اس سے محبت نہیں"

نتاشا نے کہا "آپ کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟"

بیگم رستوف کہنے لگی "میں جانتی ہوں، میری پیاری، یہ بات ٹھیک نہیں ہے"۔

نتاشا بولی "مگر میں چاہوں تو؟"

بیگم رستوف کہنے لگی "نتاشا، میں سنجیدگی۔۔۔"

نتاشا نے اسے بات ختم کرنے کا موقع نہ دیا اور اس کا لمبا چوڑا ہاتھ اپنی جانب کھینچ کر پہلے اس کی الٹی اور پھر ہتھیلی کی جانب بوسہ دیا۔ پھر اس نے ہاتھ دوبارہ الٹایا اور پہلے اس کے جوڑ اور پھر انگلیوں کی پوروں اور پھر دوسرے جوڑ کو چوما۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ سرگوشی کے سے انداز میں کہنے لگی "جنوری، فروری، مارچ، اپریل، مئی" نتاشا کہنے لگی "امی کہیں ناں، آپ کچھ کہتی کیوں نہیں" اس نے اپنی ماں کی جانب دیکھا جو بظاہر اپنی سوچوں میں گم سم اسے ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھی اور بھول چکی تھی کہ اسے کیا کہنا ہے"

بیگم رستوف کہنے لگی "میری پیاری بیٹی، ہر شخص تمہاری بچپن کی دوستی کو نہیں سمجھ سکتا اور جو دوسرے نوجوان اس گھر میں آتے ہیں وہ تمہاری اس سے بے تکلفی دیکھیں گے تو ان کی نظروں میں تم . . ری کوئی اہمیت نہیں رہے گی، تاہم اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ تم اسے خوامخواہ تکلیف پہنچا رہی ہو۔ اسے شاید کسی دولت مند لڑکی کا رشتہ مل چکا ہوتا مگر اب وہ پاگل ہوتا جاتا ہے"

نتاشا نے ماں کی بات دہراتے ہوئے کہا "پاگل ہوتا جاتا ہے"

بیگم رستوف کہنے لگی "میں تمہیں اپنے ساتھ پیش آنیوالا واقعہ سناتی ہوں۔ میرا ایک چچازاد بھائی تھا۔۔۔"

نتاشا نے اس کی بات کاٹی اور کہنے لگی "میں جانتی ہوں، کیریلا ماتیوویچ مگر وہ تو بوڑھے ہیں"

بیگم رستوف کہنے لگی "وہ شروع سے ہی بوڑھے نہیں تھے۔ مگر سنو، نتاشا، جانتی ہو میں کیا کرنا چاہتی ہوں۔ میں بورس سے براہ راست بات کروں گی، اسے بار بار یہاں نہیں آنا چاہئے"

نتاشا کہنے لگی "اگر وہ اپنی مرضی سے آتا ہے تو پھر کیوں نہ آئے"

بیگم رستوف کہنے لگی "کیونکہ مجھے علم ہے کہ اس سے کچھ حاصل نہ ہوگا"

نتاشا نے کہا "آپ کیسے کہتی ہیں؟ نہیں امی اسے کچھ نہ کہیں۔ ایسی بات نہ کریں، یہ بیحد اوچھی حرکت ہوگی" نتاشا کا انداز ایسا تھا جیسے اسے کسی ایسے شخص سے محروم کیا جا رہا ہے جو اسے اپنی ملکیت سمجھتا ہے۔ وہ کہنے لگی "ٹھیک ہے، میں اس سے شادی نہیں کروں گی مگر اسے یہاں آنا خوشگوار معلوم ہوتا ہے تو آنے دیں۔ اور مجھے تو یہ بات بہت اچھی لگتی ہے" نتاشا نے مسکرا کر اپنی والدہ کی جانب دیکھا اور کہنے لگی "ہم شادی نہیں کریں گے مگر اتنا تو ہو سکتا ہے کہ ہمارے مابین جیسے تعلقات ہیں، ویسے ہی رہیں"

بیگم رستوف نے کہا "میری پیاری بیٹی تم کیا چاہتی ہو؟"

نتاشا کہنے لگی "اگر مجھے اس سے شادی نہیں کرنی چاہئے تو ہم جیسے ہیں ویسے ہی رہیں گے"

بیگم رستوف نے اس کی بات دہرائی "ہم جیسے ہیں" اس کا جسم کانپنے لگا اور پھر وہ غیر متوقع خوشگوار اور بزرگانہ انداز میں ہنسنے لگی"

نتاشا چلا کر بولی "مت ہنسیں، ٹھہریں۔ آپ نے تو بیڈ ہی ہلا دیا۔ آپ بالکل مجھ جیسی ہیں۔ ہنسنے والی، دل لگی کرتی ہیں، ٹھہر جائیں" یہ کہہ کر اس نے ماں کے دونوں ہاتھ پکڑے اور انہیں چومتے ہوئے بولی "جون، جولائی، اگست، امی کیا واقعی وہ پاگل ہو گیا ہے؟ آپ کیا کہتی ہیں؟ کیا آپ سے بھی کسی نے اسقدر محبت کی تھی؟ وہ تو بیحد عمدہ بلکہ عمدہ ترین شخص ہے۔ صرف میرے ذوق کے مطابق نہیں۔ اس کی دنیا بیحد چھوٹی سی ہے بالکل ڈرائنگ روم کی گھڑی کی طرح۔۔۔ آپ سمجھتی ہیں ناں؟ آپ کو علم ہے سرمئی۔۔۔ وہ ہلکا سرمئی ہے۔۔۔"

بیگم رستوف کہنے لگی "کیا بیوقوفوں جیسی بات کر رہی ہو"

نتاشا کہنے لگی "آپ نہیں سمجھیں گی؟ نکولائی یہ بات سمجھتا ہے۔ بیزوخوف گہرا نیلا اور قرمزی ہے، بالکل مربع ہے"

بیگم رستوف ہنستے ہوئے بولی "کیا تمہیں اس سے بھی محبت ہونے لگی ہے"

نتاشا نے جواب دیا "نہیں، وہ فری میسن ہے، مجھے علم ہے، وہ بیحد عمدہ شخص ہے، گہرا نیلا اور قرمزی۔۔۔ آپ کو کیسے سمجھاؤں؟"

دروازے سے باہر نواب کی آواز سنائی دی "چھوٹی بیگم، آپ ابھی تک جاگ رہی ہیں" نتاشا اٹھی اور جوتے اٹھا کر ننگے پاؤں ہی اپنے کمرے کی جانب بھاگ گئی۔ وہ کافی دیر تک جاگتی رہی اور یہی سوچتی رہی کہ اس کے دل کی بات کوئی نہیں سمجھ سکتا۔

اس نے سونیا کے بارے میں سوچا جو اپنے گھنے بالوں کے ساتھ بلی کی طرح سو رہی تھی۔ نتاشا سوچنے لگی "نہیں، یہ کیسے جان سکتی ہے، یہ معصوم لڑکی ہے۔ اسے نکولائی سے محبت ہے اور یہ اسی کی فکر کرتی ہے۔ امی بھی نہیں سمجھتیں۔ حیرت ہے کہ میں کتنی تیز طرار ہوں اور یہ۔۔۔ کتنی پرکشش ہے" وہ اسی انداز میں اپنا ذکر کرتی اور تصورات میں سوچتی رہی کہ اس کے بارے میں یہ باتیں کوئی ذہین اور بہترین مرد کر رہا ہے۔ تصورات میں وہ شخص کہہ رہا تھا "نتاشا کے پاس سب کچھ ہے، سب کچھ ہے، اس میں بے شمار صلاحیتیں ہیں، وہ غیر معمولی ذہین اور پرکشش ہے، بہت اچھی تیراک اور گھڑ سوار ہے اور اس کی آواز کی تو کیا ہی بات ہے، بیحد سریلی اور دلکش ہے" وہ کیروبینی کے اوپیرا میں سے اپنی دلپسند دھن گنگنانے لگی اور چھلانگ لگا کر بستر میں گھس گئی۔ اس نے دنیاشا کو آواز دی کہ موم بتی بجھا دے اور خادمہ ابھی کمرے سے نکلی بھی نہیں تھی کہ وہ خوابوں کی دوسری دنیا میں پہنچ گئی جہاں ہر شے حقیقی زندگی کی طرح ہلکی پھلکی اور

خوبصورت بلکہ حقیقی دنیا سے کہیں بڑھ کر تھی۔

اگلے دن بیگم رستوف نے بورس کو بلایا اور اس سے بات چیت کی۔ اسی دن سے اس نے رستوف خاندان کے ہاں آنا جانا چھوڑ دیا۔

(14)

1810ء میں نئے سال سے ایک دن قبل 31 دسمبر کو ملکہ کیتھرین کے ایک پرانے درباری نے عظیم الشان تقریب کا اہتمام کیا۔ زار اور سفارتی اہلکاروں نے اسے تقریب میں شریک ہونا تھا۔

انگلش بند پر اس درباری کا معروف محل روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ روشنیوں میں نہائے ہوئے بڑے دروازے پر سرخ قالین بچھا تھا اور پولیس اہلکار مستعد کھڑے تھے۔ نہ صرف پیادہ بلکہ گھڑ سوار پولیس کا سربراہ بھی یہاں بذات خود موجود تھا جن کے ساتھ درجنوں دیگر افسر بھی کھڑے تھے۔ گاڑیوں کی لائن لگی تھی، ایک نکلتی اور اس کی جگہ دوسری آ جاتی۔ ان کے کوچوانوں نے کلغی والی ٹوپیاں اور ان کے ساتھ آنیوالے خدمتگاروں نے وردیاں پہن رکھی تھیں۔ ان گاڑیوں سے وردی پوش، تمغے سجائے اور عہدوں کے نشانات لگائے مرد نیز ساٹن اور سمور کے لباس میں ملبوس خواتین برآمد ہوتیں اور احتیاط سے پائیدانوں پر پاؤں نکالتیں جو ان کی خاطر کھنکھناہٹ سے نیچے کئے جاتے تھے اور پھر تیز مگر دبے قدموں سے بڑے دروازے پر بچھائے گئے قالین سے گزر کر اندر چلی جاتیں۔

جونہی کوئی نئی گاڑی آتی، تقریباً ہر مرتبہ ہجوم میں سرگوشیاں ہونے لگتیں اور ٹوپیاں لہرانے لگتیں ہجوم میں آوازیں سنائی دیتیں "شہنشاہ؟۔۔ نہیں وزیر، شہزادہ، سفیر۔۔۔ کلغیاں دکھائی نہیں دیتیں؟۔۔۔" لوگوں کے ہجوم میں ایک شخص کا لباس دیگر تمام سے بہتر تھا اور یوں لگتا تھا کہ وہ ہر شخص کو جانتا ہے۔ وہ اس زمانے کی انتہائی نامور اور اہم شخصیتوں کے نام لے کر دوسروں کو ان کی آمد سے مطلع کر رہا تھا۔

ایک تہائی مہمان آ چکے تھے مگر رستوف خاندان ابھی تک تیاریوں میں مصروف تھے۔

اس اجتماعی رقص کی تقریب میں شرکت کے سلسلے میں رستوف خاندان میں بیحد بحث و تکرار ہوئی اور انہوں نے بھرپور تیاریاں کیں۔ انہیں بارہا یہی خدشات لاحق ہوئے کہ شاید انہیں دعوت نامے ہی نہ ملیں، شاید لباس بروقت تیار نہ ہو سکیں اور شاید نفاست کے اعتبار سے ہر شے بالکل درست نہ ہو۔

رستوف خاندان نے بیگم کی پرانی سہیلی اور ضعیف رشتہ دار ماریا اگناتیونا پیرونسکی کے ساتھ جانا تھا جو مادر ملکہ کی مصاحبہ رہ چکی تھی اور اپنے دیہاتی رشتہ داروں کو پیٹرز برگ کے اعلیٰ طبقوں میں متعارف کراتی تھی۔

انہیں دس بجے گلستان تاورچسکی پہنچنا تھا مگر دس بجنے میں پانچ منٹ رہ گئے تھے اور لڑکیوں نے ابھی تک اپنے لباس بھی نہیں پہنے تھے۔

نتاشا نے زندگی میں پہلی مرتبہ کسی عظیم الشان رقص میں شرکت کرنا تھی اور وہ اس صبح آٹھ بجے ہی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اس کا تمام دن بھاگتے دوڑتے اور اچھل کود کرتے گزرا۔ وہ جس وقت سو کر اٹھی تو اسی وقت سے اس کا تمام تر زور اس بات پر صرف ہو رہا تھا کہ وہ تمام یعنی خود، امی اور سونیا، جس قدر ہو سکے عمدہ لباس زیب تن کریں۔ سونیا اور بیگم رستوف آنکھیں بند کئے اس کی ہدایات پر عمل کرنے لگیں۔ بیگم رستوف نے ارغوانی رنگ کا مخمل کے کپڑے سے بنا گاؤن پہنا تھا اور دونوں لڑکیوں نے بازو کے بغیر گلابی ریشمی کرتیوں کے اوپر سفید باریک جالی دار لباس زیب تن کرنا اور جسم کے

بالائی حصے پر پھول آویزاں کرنا تھے۔ انہوں نے اپنے بال یونانی انداز سے سنوارے۔

آرائش و زیبائش کر لی گئی۔ ہاتھ، پاؤں، گردنیں اور کان اچھی طرح دھوئے گئے اور رقص کے تقاضوں کے مطابق ان پر خوشبو چھڑکی اور پاؤڈر لگایا گیا۔ جالی دار ریشمی جرابیں اور سفید ساٹن کے سلیپر پہن لیے گئے جن پر پھندنے لگے تھے۔ بال سنوارے جا چکے تھے۔ سونیا اور بیگم رستوف لباس زیب تن کر چکی تھیں مگر نتاشا جو ہر ایک کی مدد کیلئے ادھر ادھر بھاگی پھر رہی تھی، پیچھے رہ گئی۔ وہ ابھی تک آئینے کے سامنے بیٹھی تھی اور سنگھار کے دوران اوڑھا جانیوالا ڈریسنگ گاؤن ابھی تک اس کے کندھوں پر لٹک رہا تھا۔ سونیا تیار ہو کر کمرے کے درمیان میں کھڑی تھی اور آخری پھندنا لگا رہی تھی۔ اس نے پن اتنے زور سے دبائی کہ وہ چرچراتی ہوئے فیتے میں گھس گئی اور اس کی انگلی زخمی ہو گئی۔

نتاشا نے گردن گھمائی اور دونوں ہاتھوں سے اپنے بال سنبھالتے ہوئے چلا کر بولی "سونیا ایسے مت کرو" اس کے بال ابھی تک خادمہ کے ہاتھوں میں تھے اور وہ اتنی تیزی سے گھومی کہ خادمہ کو اس کے بال چھوڑنے کا موقع ہی نہ ملا۔

نتاشا بولی "تم پھندنا درست طور سے نہیں لگا رہیں، یہاں آؤ"

سونیا نیچے بیٹھ گئی اور نتاشا نے پھندنا مختلف انداز سے آویزاں کر دیا"

خادمہ جو ابھی تک اس کے بال سنبھالے ہوئے تھی، کہنے لگی "مس یوں تو میں کچھ نہیں کر سکوں گی"

نتاشا بولی "آخرکار یہ درست طور سے لگ ہی گیا"

بیگم کی آواز سنائی دی "تم لوگ تیار ہو گئے یا نہیں، دس بجنے والے ہیں"

نتاشا نے جواب دیا "امی، ہم بس آتی ہیں۔ آپ تیار ہو گئیں"

بیگم بولی "مجھے بس ٹوپی پہننی ہے"

نتاشا چلا کر بولی "آپ کچھ نہ کریں، آپ کو علم نہیں کہ یہ کیسے پہنی جائیگی"

بیگم کہنے لگی "مگر دس تو بج گئے"

انہوں نے رقص کی محفل میں ساڑھے دس بجے پہنچنے کا فیصلہ کیا تھا مگر نتاشا نے ابھی لباس پہننا تھا اور انہیں گلستان تاورچسکی بھی جانا تھا۔

جب نتاشا بال سنوار چکی تو اپنا چھوٹا پیٹی کوٹ اور والدہ کا سنگھار والا ڈریسنگ گاؤن لے کر بھاگتے ہوئے سونیا کے پاس پہنچ گئی۔ نتاشا نے اس کا بغور جائزہ لیا اور پھر اپنی والدہ کی طرف گئی۔ اس نے بیگم رستوف کے سر کو کبھی ایک اور پھر دوسری جانب گھمایا، اس کی ٹوپی پر پنیں لگائیں اور جلدی سے سفید بالوں کو چوم کر بھاگتی ہوئی ملازماؤں کے پاس آ گئی جو اس کے لباس پر کام کر رہی تھیں۔

نتاشا کے لباس نے دیر کرا دی۔ لباس لمبا تھا۔ دو ملازمائیں اس جھالر دوہری کر کے سی رہی تھیں جبکہ تیسری منہ میں پنیں دبا کر سونیا سے بیگم کی جانب بھاگ رہی تھی اور چوتھی ہاتھوں میں باریک جالی دار لباس اٹھائے کھڑی تھی۔

نتاشا کہنے لگی "پیاری ماورشکا، ذرا جلدی کرو"

خادمہ بولی "مس، انگشتانہ پکڑا دیجئے گا"

نواب دروازے کی جانب آتے ہوئے بولا "تم کب تیار ہو گی؟ یہ لو خوشبو، مادام پیرونسکی انتظار کرتے کرتے تھک گئی ہوں گی"

خادمہ نے دو انگلیوں سے لباس اوپر اٹھایا جسے چھوٹا کر دیا گیا تھا اور بولی "مس، تیار ہو گیا" وہ لباس کو

جھاڑنے لگی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ اس لباس کی پاکیزگی اور عمدگی سے اچھی طرح آگاہ ہے۔

نتاشا لباس پہننے لگی۔

اس کے والد نے دروازہ کھولا۔ وہ تیزی سے بولی "ایک منٹ، ایک منٹ، اباجان اندر نہ آئیں" اس کا سر لباس میں چھپا تھا۔ سونیا نے دروازہ بند کر دیا۔ کچھ دیر بعد انہوں نے نواب کو اندر بلا لیا۔ وہ نیلا کوٹ، لمبی جرابیں اور بکسوئے والے جوتے پہنے خوشبو لگائے ہوئے تھا۔

کمرے کے وسط میں کھڑی نتاشا نے اپنے لباس کی سلوٹیں درست کرتے ہوئے کہا "اباجان، آپ بیحد شاندار دکھائی دے رہے ہیں"

ایک خادمہ کہنے لگی "مس ذرا اجازت دیں۔۔۔" وہ گھٹنوں پر جھکی اس کا لباس درست کر رہی تھی، اس کے منہ میں پنیں تھیں اور وہ انہیں زبان سے ہلا جلا رہی تھی۔

سونیا منہ بنا کر بولی "تم جو چاہے کہو مگر یہ اب بھی لمبا ہے"

نتاشا بھاگ کر آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی اور اپنے لباس کا جائزہ لینے لگی۔ لباس ضرورت سے زیادہ لمبا تھا۔

خادمہ ماورشکا بولی "نہیں میڈم، لباس بالکل بھی لمبا نہیں" وہ اپنی خادمہ کے پیچھے پیچھے گھٹنوں کے بل رینگتی چلی آ رہی تھی۔

دنیاشا بولی "اگر لمبا ہے تو اسے چھوٹا کیا جا سکتا ہے، ایک منٹ کی دیر ہے" اس نے صلیب کی طرح سینے پر ٹانکے رومال سے پن نکالی اور دوبارہ گھٹنوں کے بل جھک کر اپنا کام شروع کر دیا۔

اسی دوران مخملیں لباس میں ملبوس بیگم رستوف شرماتے ہوئے دبے قدموں کمرے میں داخل ہوئی۔ اسے دیکھ کر نواب باآواز بلند بولا "اوہو، میری خوبصورت!۔۔۔ یہ تم دونوں سے زیادہ اچھی لگ رہی ہیں۔۔۔" وہ اسے بانہوں میں لینا چاہتا تھا مگر بیگم لباس میں سلوٹیں پڑنے کے ڈر سے ایک جانب ہٹ گئی۔

نتاشا بولی "امی، آپ کی ٹوپی ایک جانب کھسک گئی ہے، لائیں میں اسے دوبارہ ٹھیک کر دوں" یہ کہہ کر وہ تیزی سے آگے کو بھاگی، لباس تھامے کھڑی خادمائیں اس کا ساتھ نہ دے سکیں اور وہ تھوڑا سا پھٹ گیا۔

خادمہ بولی "اوہو، یہ کیا ہوا، اس میں میرا تو کوئی قصور نہیں۔۔۔"

دنیاشا بولی "کچھ نہیں ہوا، میں اسے سی دیتی ہوں، یہ دکھائی نہیں دے گا"

معمر نرس کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولی "میری خوبصورتی، میری ملکہ، اور سونیوشکا بھی، دونوں پری پیکر ہیں۔۔۔"

سوا دس بجے وہ گاڑی میں بیٹھ کر چل دیے، انہیں گلستان تاور جسکی جانا تھا۔

مادام پیرونسکی تیار ہو چکی تھی اور ان کا انتظار کر رہی تھی۔ بڑھاپے اور سیدھے سادے نقوش کے باوجود رستوف خاندان کے ارکان کی طرح اس نے بھی آرائش و زیبائش میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ تاہم اس نے کسی قسم کا شور شرابہ نہ کیا کیونکہ یہ اس کیلئے معمول کی بات تھی۔ اس کا بھدا اور غیر دلکش جسم انہی کی مانند نہلا کر صاف کیا گیا تھا اور اس پر بھی ویسے ہی خوشبو اور پاؤڈر چھڑکے گئے تھے۔ اس کے کانوں کی لویں بھی انہی کی طرح دھو کر صاف کی گئی تھیں اور جب وہ پیلے رنگ کا لباس پہنے اور اپنے سینے پر مادر ملکہ کی جانب سے دیا گیا اعزاز لگائے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی

تو اس کی ادھیڑ عمر خادمہ نے بھی رستوف خاندان کے ملازمین کی طرح تعریفوں کے پل باندھ دیے۔

اس نے رستوف خواتین اور انہوں نے اس کے لباس کی تعریف کی اور گیارہ بجے وہ اپنے بال اور لباس سنبھالتی گاڑیوں میں بیٹھ کر اپنی منزل کی جانب چل دیں۔

(15)

صبح سے نتاشا کو ایک لمحہ بھی ایسا میسر نہیں آیا تھا جس میں وہ اپنے بارے میں کچھ سوچ سکتی۔

وہ ٹھنڈی ہوا اور ڈگمگاتی گاڑی میں سمٹی بیٹھی تھی اور اسے پہلی مرتبہ اپنے ذہن میں موسیقی، پھولوں، رقص، زار، پیٹرز برگ کے نوجوانوں اور ان دیگر اشیا و امور کے بارے میں سوچنے کا موقع ملا جن سے اس کا رقص اور روشنیوں کے دوران واسطہ پڑتا تھا۔ آنیوالے وقت کے امکانات اسقدر رفیع الشان اور خوبصورت تھے کہ اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ گاڑی سے باہراتی تاریکی اور ٹھنڈک تھی کہ دونوں مناظر کی ایک دوسرے سے کوئی مناسبت دکھائی نہ دیتی تھی۔ وہ بوہے دروازے پر بچھے قالین سے گزر کر اندر داخل ہوئی تو اسے ان چیزوں کا اندازہ ہوا جن سے اس کا واسطہ پڑنا تھا۔ اس نے اپنا چغہ اتارا اور سونیا کے ساتھ اپنی والدہ کے آگے آگے پھولوں کے درمیان سے گزرتی روشنیوں میں نہائی سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ اسے صرف اسی وقت یہ بات یاد آئی کہ رقص کے دوران اسے کیا انداز اختیار کرنا ہوگا۔ اس نے وہ شاندار انداز اختیار کرنے کی کوشش کی جو ایسے موقع پر نوجوان لڑکیوں کیلئے اختیار کرنا ضروری ہوتا ہے مگر یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ اس کی آنکھیں اسقدر چندھیا گئیں کہ کوئی شے صاف دکھائی نہ دیتی تھی۔ اس کی نبض تیز ہو گئی۔ ان حالات میں اس کیلئے اس قسم کا انداز اختیار کرنا ممکن نہ رہا جو اسے دوسروں کی نظروں میں نامعقول بنا دیتا۔ وہ آگے چلی جا رہی تھی۔ دل میں برپا ہلچل کے باعث اس کے ہوش و حواس معطل ہو رہے تھے اور وہ اپنی اندرونی کیفیت چھپانے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی۔ دراصل یہی ادا اس پر اچھی لگتی تھی۔ ان سے آگے پیچھے پھرتے مہمانوں نے بھی لمبے لباس زیب تن کر رکھے تھے اور وہ سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے۔ سیڑھیوں کے ساتھ ساتھ دیواروں پر نصب آئینوں میں سفید، ہلکے نیلے اور گلابی رنگ کے لباس پہنے اور برہنہ بازوؤں اور سینوں پر ہیرے جواہرات سجائے خواتین کے عکس دکھائی دے رہے تھے۔

نتاشا نے آئینوں میں جھانکا تو اسے اپنے اور دوسروں کے مابین کوئی فرق نظر نہ آیا۔ جھلملاتے اور جگمگ کرتے ہجوم میں سبھی ایک جیسے دکھائی دیتے تھے۔ انسانی آوازوں، قدموں کی چاپ اور سلام دعا کے شور سے نتاشا کے کان بند ہو گئے۔ جگمگاتی روشنیوں سے اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ میزبان اور اس کی اہلیہ نصف گھنٹے سے زائد عرصہ سے دروازے پر کھڑے تھے اور انہوں نے دیگر مہمانوں کی طرح رستوف خاندان اور پیرونسکی کا بھی انہی رٹی جملوں سے استقبال کیا۔ سفید لباسوں میں ملبوس اور سیاہ بالوں میں گلاب کا پھول لگائے دونوں لڑکیوں نے یکساں انداز سے جھک کر سلام کا جواب دیا مگر میزبان خاتون کی نگاہیں غیر ارادی طور پر نتاشا کے دبلے پتلے جسم پر زیادہ دیر تک رہیں۔ اس نے دیگر مہمانوں کیلئے مخصوص مسکراہٹ سے کہیں زیادہ بامعنی انداز میں اس کی جانب دیکھا۔ شاید اسے نتاشا کو دیکھ کر اپنی اوائل عمری کا دور یاد آ گیا تھا جب وہ پہلی مرتبہ رقص میں شریک ہوئی ہوگی۔ تاہم وہ وقت ہمیشہ کیلئے ہاتھ سے نکل چکا تھا اور اس کی واپسی کا امکان بالکل ختم ہو چکا تھا۔ میزبان مرد نے بھی نتاشا کی جانب دیکھا اور پوچھا "آپ کی بیٹی کون سی ہے؟"

جواب ملنے پر اس نے اپنے ہاتھ کی پوریں چومیں اور بولا "شاندار!"

بیگم رستوف نے زار کے استقبال کیلئے رقص والے کمرے کے دروازے پر ہجوم کے مہمانوں کی پہلی قطار میں جگہ سنبھال لی۔ نتاشا کو سنائی دینے کے ساتھ ساتھ محسوس ہو رہا تھا کہ متعدد اشخاص اس کے بارے میں باتیں کر رہے ہیں اور اسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھے جا رہے ہیں۔ اسے محسوس ہوا کہ اس نے دوسروں پر اچھا تاثر چھوڑا ہے اور یہ بات محسوس کرتے ہی وہ پرسکون ہو گئی۔

اس نے سوچا "ان میں سے کچھ تو بالکل ہم جیسے اور کچھ بالکل گئے گزرے ہیں"

مادام پیرونسکی ہال میں آنیوالی نمایاں شخصیات کے بارے میں بیگم کو ہاتھ کے اشارے سے بتا رہی تھی۔

اس نے ایک معمر شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "وہ ہالینڈ کا سفیر ہے، دیکھا، جس کے بال سرمئی ہیں" اس شخص کے سر پر سرمئی بال تھے اور وہ خواتین کے نرغے میں کھڑا انہیں کوئی بات بتا رہا تھا جسے سن کر وہ ہنس رہی تھیں۔ اس نے ہال میں داخل ہونیوالی ایلن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ ہے پیٹرز برگ کی ملکہ، بیگم بیزوخوف۔ کتنی خوبصورت ہے، یہ واقعی ماریا انتونونا کا مقابلہ کر سکتی ہے، اور دیکھو کہ جوان، بوڑھے اور ہر عمر کے افراد کس طرح اس کے آگے پیچھے پھر رہے ہیں۔ وہ خوبصورت بھی ہے اور تیز طرار بھی۔۔۔ کہتے ہیں کہ شہزادہ فلاں بری طرح اس کے عشق میں مبتلا ہے"

پیرونسکی نے ایک خاتون اور اس کی نہایت بدصورت بیٹی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا "ان دونوں کو دیکھو اگرچہ یہ حسین نہیں ہیں تاہم پھر بھی ان کی بیحد اہمیت ہے، یہ لڑکی بے اندازہ دولت کی مالک ہے اور یہ ہیں اس کے چاہنے والے"

اس نے ہارس گارڈز کے ایک خوبصورت افسر کی جانب اشارہ کیا جو اکڑ کر ان کے قریب سے گزر رہا تھا اور کہنے لگی "وہ بیگم بیزوخوف کا بھائی اناطول کوراگن ہے" وہ خواتین کے سروں کے اوپر ہی اوپر سے کسی شے کی جانب دیکھ رہا تھا۔ پیرونسکی کہنے لگی "خوبصورت ہے ناں؟ مجھے علم ہوا ہے کہ وہ اس دولتمند لڑکی سے شادی کرے گا اور تمہارا اچھا زاد دروبتسکی بھی اسی لڑکی کے پیچھے ہے۔ سنا ہے کروڑوں کی وارث ہے" "وہ کاؤلین کورٹ کے بارے میں بیگم رستوف کے سوال کا جواب دیتے ہوئے بولی" وہ فرانسیسی سفیر ہے، ذرا دیکھو، بالکل بادشاہ دکھائی دیتا ہے! بہرحال یہ فرانسیسی اس طرح دلکش اور سحرانگیز ہوتے ہیں۔ معاشرے میں ان سے زیادہ خوبصورت لوگ دکھائی نہیں دیں گے۔ اور ہاں یہ ہے وہ ہماری ماریا انتونونا، اس جیسی خوبصورت کہیں دکھائی نہیں دے گی! ذرا دیکھو اس نے کیسا سادہ مگر خوبصورت لباس زیب تن کر رکھا ہے"

وہ پیری بیزوخوف کی جانب دیکھتے ہوئے کہنے لگی "اور وہ عینک والا قوی الجثہ شخص بہت بڑا فری میسن ہے، اگر اسے بیوی کے ساتھ کھڑا کر دیا جائے تو بالکل مسخرہ دکھائی دے گا"

پیری لوگوں کے ہجوم میں راستہ بناتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کا بھاری جسم جھول رہا تھا اور وہ دائیں بائیں یوں لاپروائی سے گردن گھماتے ہوئے لوگوں کو سلام کرتا جاتا تھا جیسے کسی بازار میں لوگوں کے درمیان پھر رہا ہو۔ وہ جس طرح لوگوں کو ادھر ادھر کرتا جا رہا تھا اسے دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے اسے کسی شخص کی تلاش ہے۔

نتاشا پیری کو دیکھ کر خوش ہو گئی جسے مادام پیرونسکی نے احمق کہا تھا۔ اسے علم ہو گیا تھا کہ وہ انہیں ہی ڈھونڈ رہا ہے۔ پیری نے وعدہ کیا تھا کہ وہ آئے گا اور اس کیلئے رقص کا ساتھی تلاش کرے گا۔ مگر ان تک پہنچنے سے پہلے ہی پیری

درمیانے قد اور سانولی رنگت کے مالک ایک خوبصورت نوجوان کے قریب رک گیا جو سفید وردی میں ملبوس تھا۔ یہ نوجوان ایک طویل القامت شخص سے محو گفتگو تھا جس کے سینے پر تمغے اور عہدے کے نشانات آویزاں تھے۔ نتاشا نے اس سفید وردی والے شخص کو فوری پہچان لیا، وہ پہلے کی نسبت زیادہ کم عمر اور خوش دکھائی دے رہا تھا۔

نتاشا نے شہزادہ آندرے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے اپنی والدہ سے کہا "امی، یہاں ہمارا جاننے والا ایک اور شخص بھی موجود ہے، بلکونسکی، آپ نے دیکھا؟ آپ کو یاد ہو گا کہ وہ ایک رات اترادنوئے میں ہمارے ہاں ٹھہرا تھا"

مادام پیرونسکی کہنے لگی "ارے، تم اسے جانتی ہو، یہ شخص مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ آج کل ہر شخص اس کے پیچھے بھاگ رہا ہے۔ اس شخص کا دماغ آسمانوں کو پہنچا ہوا ہے۔ بالکل اپنے باپ پر گیا ہے۔ آج کل سپیرانسکی سے اس کی گہری دوستی ہے اور دونوں کسی منصوبے پر کام کر رہے ہیں۔ ذرا دیکھنا یہ خواتین کو اہمیت ہی نہیں دیتا۔ وہ عورت اس سے بات کرنا چاہتی ہے اور یہ اس کی جانب پشت کر کے کھڑا ہے" پیرونسکی نے اس کی جانب انگلی لہراتے ہوئے کہا "یہ ان عورتوں سے جو سلوک کر رہا ہے، اگر وہی میرے ساتھ کرے تو سبق سکھا دوں"

(16)

مہمانوں کے ہجوم میں اچانک ہلچل مچ گئی۔ سرگوشیاں ہونے لگیں۔ لوگ آگے بڑھے اور پھر پیچھے ہٹ گئے، انہوں نے دو قطاروں کی شکل اختیار کر لی۔ درمیان میں بننے والے راستے پر زار گزرنے لگا جو آرکسٹرا کی دھنوں کا ساتھ دیتا جا رہا تھا۔ اس کے پیچھے پیچھے میزبان اور اس کی اہلیہ تھے۔ زار سر کو یوں دائیں بائیں ہلاتا تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا جیسے ان ابتدائی اور رسمی کارروائیوں سے جلد از جلد جان چھڑانا چاہتا ہو۔ آرکسٹرا پر پولینڈ کے رقص کی دھن بج رہی تھی جو اس زمانے میں بیحد مقبول تھا۔ اس کی مقبولیت کا سبب وہ بول تھے جن کی ابتداء ان الفاظ سے ہوتی تھی "الیگزنڈر ایلیزاویتا تم نے ہمارے دل مکمل طور پر موہ لیے ہیں" زار ڈرائنگ روم میں داخل ہو گیا۔ لوگوں کا ہجوم دروازے پر ٹوٹ پڑا، ہر شخص کے چہرے کی کیفیت بدل چکی تھی، تاہم جلد ہی ڈرائنگ روم کے دروازے پر بھیڑ چھٹ گئی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہاں زار اپنے میزبان کی اہلیہ سے محو کلام ہے۔ ایک بدحواس نوجوان نے خواتین پر ہلہ بولا اور ان سے پیچھے ہٹنے کی درخواست کرنے لگا۔ متعدد خواتین کے چہروں سے یوں ظاہر ہوتا تھا جیسے وہ شائستگی کا دامن ہاتھ سے چھوڑ چکی ہیں، وہ اپنے ملبوسات خراب ہونے کی پروا کئے بغیر دھکم پیل کرنے لگیں اور مرد اپنی ساتھی خواتین منتخب کرنے اور رقص کیلئے جگہیں سنبھالنے لگے۔

تمام لوگ پیچھے ہٹنے لگے اور جگہ خالی ہو گئی۔ مسکراتا زار اپنے میزبان کی اہلیہ کا ہاتھ تھامے ڈرائنگ روم سے باہر نکلا تاہم اس کی چال موسیقی کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ اس کے عقب میں اس کا میزبان ماریا انتونونا ناریشکن کے ساتھ چلا آ رہا تھا۔ ان کے پیچھے سفری، وزیر اور مختلف جرنیل تھے۔ پیرونسکی باری باری ہر ایک کا نام گنوا رہی تھی۔ نصف سے زائد خواتین نے ساتھی چن لیے اور رقص کیلئے اپنی اپنی جگہوں پر پہنچ گئیں۔

نتاشا نے محسوس کیا کہ وہ، اس کی والدہ اور سونیا دیوار کے قریب کھڑے تھوڑے سے لوگوں میں ہی کھڑی رہ جائیں گی کیونکہ انہیں کسی نے رقص کی دعوت نہیں دی تھی۔ وہ اپنے دبلے پتلے بازو پہلوؤں پر لٹکائے کھڑی تھی۔ اس کا سینہ باقاعدگی سے اوپر نیچے ہو رہا تھا جس کا ابھار ابھی تک غیر واضح تھا۔ وہ سانس روکے اپنی چمکدار اور خوفزدہ آنکھوں سے سیدھا دیکھے جا رہی تھی۔ آثار سے یوں دکھائی پڑتا تھا کہ وہ بیحد خوشی اور تکلیف دونوں کیلئے تیار ہے۔ اسے

زار میں کوئی دلچسپی تھی نہ پیرونسکی کی بتائی شخصیات میں، اس کی بجائے اس کے ذہن میں ایک ہی خیال زیرِ گردش تھا کہ ''کون جانے مجھے کوئی رقص کی دعوت دیتا بھی ہے یا نہیں؟ کیا میں پہلے رقص میں شامل ہونیوالی خواتین میں شمولیت اختیار کر پاؤں گی یا نہیں؟ کیا یہ بات ممکن ہے کہ کوئی مرد بھی مجھے اپنے قابل نہ سمجھے؟ مجھے تو یوں دکھائی دیتا ہے جیسے میں انہیں نظر ہی نہیں آ رہی اور اگر کسی کو دکھائی دے بھی رہی ہوں تو اس کا خیال ہے کہ میں وہ نہیں جس کی اسے تلاش ہے۔ نہیں، ایسا نہیں ہوسکتا۔ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ میں رقص کیلئے کتنی بے تاب ہوں اور کتنا شاندار رقص کرتی ہوں اور میرے ساتھ رقص میں انہیں کتنا سرور آئے گا''

نغمے کی دھنیں چھڑے کچھ وقت گزر چکا تھا اور وہ اب نتاشا کے کانوں میں کسی قدیم یاد کی طرح افسردہ آوازیں بن کر گونجنے لگیں۔ اس کا رونے کو دل چاہتا تھا۔ پیرونسکی انہیں چھوڑ کر جا چکی تھی۔ نواب ہال کے دوسرے کنارے پر تھا اور وہ، بیگم رستوف اور سونیا اس ہجوم میں بعینہ اسی طرح اکیلی تھیں جیسے کوئی جنگل میں تنہا ہوتا ہے۔ کوئی ان میں دلچسپی لے رہا تھا نہ وہ کسی کے قابل تھیں۔ شہزادہ آندرے ایک خاتون کے ہمراہ ان کے قریب سے گزرا۔ یہ بات عیاں تھی کہ اس نے انہیں پہچانا ہی نہیں۔ خوبرو اناطول اپنی ساتھی سے مسکرا کر باتیں کئے جا رہا تھا۔ اس نے نتاشا کی جانب یوں دیکھا جیسے کوئی دیوار کو دیکھتا ہے۔ بورس دو مرتبہ ان کے قریب سے گزرا اور دونوں مرتبہ اپنا منہ دوسری جانب پھیر لیا۔ برگ اور اس کی منگیتر رقص نہیں کر رہے تھے اور وہ ان کے قریب آ گئے۔

رقص کے بال میں خاندانی بے تکلفی نتاشا کیلئے انتہائی تکلیف دہ تھی، گویا اس خاندان کو باتیں کرنے کیلئے رقص کی تقریب کیلئے کوئی اور وقت نہیں ملا تھا۔ اس نے ویرا کی جانب نگاہیں اٹھا کر بھی نہ دیکھا جو انہیں اپنے سبز لباس کے بارے میں کچھ بتا رہی تھی۔

آخر کار زار رقص کی اپنی تیسری ساتھی کے قریب رک گیا (وہ تین عورتوں کے ساتھ رقص کر چکا تھا) ایک ضرورت سے زیادہ چوکس ایجوٹنٹ تیزی سے رستوف خواتین کی جانب گیا اور ان سے کہا کہ وہ مزید پیچھے ہٹ کر کھڑے ہو جائیں حالانکہ وہ پہلے ہی دیوار سے لگے ہوئے تھے۔ دوسری جانب گیلری سے والز کی شاندار دھن واضح طور پر سنائی دینے لگی۔ زار نے مسکرا کر ہال کی جانب نظر دوڑائی۔ ایک منٹ گزر گیا، ابھی تک کسی نے رقص شروع نہیں کیا تھا۔ ایک نگران ایجوٹنٹ بیگم بیز دخوف کے پاس پہنچا اور اس سے اپنے ساتھ رقص کی دعوت دی۔ وہ مسکرائی اور بازو بلند کر کے اس کی جانب دیکھے بغیر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ ماہر ایجوٹنٹ نے اپنی ساتھی کی کمر پر ہاتھ ڈال کر اسے مضبوطی سے تھاما اور پر اعتماد مگر دھیمے انداز سے رقص کرنے لگا۔ اس کی حرکات میں نرمی تھی۔ اس نے یونہی دائرے میں پہلا چکر مکمل کیا۔ کمرے کے کونے میں پہنچ کر اس نے ایلن کا بایاں ہاتھ پکڑا اور اسے گھمانے لگا۔ موسیقی کی لے کے علاوہ ہال میں سنائی دینے والی واحد آواز اس کے پھرتیلے پاؤں پر موجود مہمیزوں کی ہم آہنگ جھنکار تھی۔ ہر تیسری تال پر اس کی ساتھی کا لباس پانی کی لہر کی طرح اوپر اٹھتا اور وہ خود پھرکی کی مانند گھوم رہی تھی۔ نتاشا انہیں دیکھے جا رہی تھی اور اس کی آنکھوں میں آنسو تھے جس کی وجہ والز کے پہلے دور میں اس کا شریک نہ ہونا تھا۔

شہزادہ آندرے گھڑسوار فوج کے کرنل کی سفید وردی، لمبی ریشمی جرابیں اور رقص کے جوتے پہنے، ان سے کچھ دور کھڑا تھا۔ وہ جوش و خروش سے بھرپور اور بیحد خوش دکھائی دیتا تھا۔ بیرون فرہوف اس سے ریاستی کونسل کے ابتدائی اجلاس کی بابت محوِ گفتگو تھا۔ شہزادہ آندرے کو ایک جانب تو سپیرانسکی کا قرب حاصل تھا دوسرے وہ قانون ساز کمیشن کے کام میں بھی مدد دیتا تھا اسی لیے وہ اجلاس کے بارے میں مصدقہ معلومات دے سکتا تھا جس کے حوالے

سے متضاد افواہیں پھیلی ہوئی تھیں۔ تاہم اس کے کان فرہوف کی باتوں پر نہیں لگے تھے بلکہ وہ زار اور ان مردوں کی جانب دیکھ رہا تھا جو رقص کیلئے تیار تھے تاہم ابھی تک اس میں شرکت کی ہمت نہیں کر سکے تھے۔

جب شہزادہ آندرے شہنشاہ کی موجودگی سے شرمانے والے مردوں اور رقص کی دعوت حاصل کرنے کو بیتاب خواتین کی جانب دیکھ رہا تھا تو پیری اس کے پاس آیا اور اسے بازوؤں سے پکڑ لیا۔

پیری نے اس سے کہا ''تم ہمیشہ رقص کرتے ہو۔ میں ابھی ایک لڑکی کا سرپرست ہوں، وہ رستوف خاندان کی چھوٹی بیٹی ہے، اسے ضرور دعوت دینا''

بلکونسکی نے پوچھا ''وہ کہاں ہے؟'' پھر وہ برون سے مخاطب ہو کر کہنے لگا ''ہم یہ گفتگو کسی اور موقع پر کریں گے، یہاں تو رقص کرنا ہی مناسب ہے''

پھر وہ اسی طرف چل دیا جہاں پیری نے اشارہ کیا تھا۔ اچانک اس کی نظر نتاشا کے اداس اور مغموم چہرے پر پڑی۔ وہ پہچان گیا اور اسے اندازہ ہو گیا کہ یہ اس کا پہلا رقص ہوگا۔ اس نے اس کے جذبات و احساسات کا اندازہ کر لیا اور اسے نادانستہ طور پر کھڑکی کے اوپر سنی جانیوالی گفتگو یاد آ گئی۔ وہ مسکراتا ہوا اس کی جانب چل دیا۔

بیگم رستوف اس سے کہنے لگی ''اگر آپ برا محسوس نہ کریں تو میں اپنی بیٹی کو آپ سے متعارف کراؤں؟'' اس کے چہرے کا رنگ سرخ ہو رہا تھا۔

شہزادہ آندرے نے جھکتے ہوئے شائستگی سے سلام کیا اور بولا ''بیگم، اگر آپ کو یاد ہو تو میں یہ کہنا چاہوں گا کہ میرا ان سے پہلے ہی تعارف ہے'' مادام پیرونسکی نے اس کے پھوہڑپن کی جو تصویر کشی کی تھی وہ اس نے اپنے انداز و اطوار سے جھٹلا دی۔ وہ نتاشا کی جانب بڑھا اور اسے رقص کی دعوت دینے سے پہلے ہی اپنا بازو اس کی کمر میں ڈال لیا۔ اس نے پیشکش کی کہ ہمیں والز کا چکر لگانا چاہئے۔ نتاشا کے چہرے پر کچھ ایسی لرزش طاری تھی جسے دیکھ کر یوں محسوس ہوتا تھا کہ یا تو اس نے خوشی کی بلندیوں کو چھو لیا ہے یا پھر وہ مایوسی کی اتھاہ گہرائیوں میں گر چکی ہے۔ اس کا چہرہ اچانک گلنار ہو گیا اور اس پر بچوں کی سی معصوم مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

جب خوفزدہ اور مسرت سے بھرپور چھوٹی لڑکی نے اپنا ہاتھ شہزادہ آندرے کے شانے پر رکھا تو وہ یہ کہتی محسوس ہوتی تھی ''میں تو شروع دن سے ہی تمہاری راہ تک رہی ہوں'' اس کے چہرے پر تبسم اور آنکھوں میں بھر آنیوالے آنسوؤں نے اس کے خدوخال کو اور بھی خوبصورت بنا دیا۔ رقص کے دائرے میں شامل ہونیوالا یہ دوسرا جوڑا تھا۔

شہزادہ آندرے کا شمار اپنے دور کے بہترین رقاصوں میں ہوتا تھا اور نتاشا کے رقص کا انداز بھی بیحد نفیس تھا۔ ساٹن کے رقص والے جوتوں میں اس کے چھوٹے چھوٹے پاؤں اس نفاست اور تیزی سے حرکت کر رہے تھے کہ یوں لگتا تھا گویا ان میں پر لگ گئے ہوں جبکہ خوشی سے اس کا چہرہ گلرنگ ہو گیا تھا۔

اس کی دبلی پتلی لمبی سی گردن اور برہنہ شانے اسقدر خوبصورت نہیں تھے اور ایلن کے مقابلے میں اس کے کندھے باریک اور سینے کا ابھار غیر واضح تھا تاہم یوں لگتا تھا جیسے ایلن کے جسم پر اسے تکنے والی ہزاروں آنکھوں نے پالش کی تہیں چڑھا دی ہیں جبکہ اس کے برعکس نتاشا نوخیز لڑکی تھی اور اسے دیکھ کر یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس نے زندگی میں پہلی مرتبہ کھلے گلے لباس پہنا ہے اور اگر اسے یہ یقین نہ دلایا جاتا کہ اس نے مناسب لباس زیبِ تن کیا ہوا ہے تو وہ شرم سے پانی پانی ہو جاتی۔

شہزادہ آندرے رقص کر رہا تھا اور اسے رقص میں لطف آتا تھا۔ اس کے ناچنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ہر شخص

اسے سیاسی اور دانشورانہ گفتگو میں گھسیٹنا چاہتا تھا اور اسے اس سے فرار کا بہانہ چاہئے تھا۔ دوسری بات یہ تھی کہ زار کی موجودگی کے باعث ماحول میں گھٹن کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی اور ہر شخص ضبط و تحمل سے کام لینے پر مجبور تھا اور آندرے ایسی پابندیوں کو توڑنے کا خواہشمند تھا۔ اس نے نتاشا کو اس لیے رقص کیلئے منتخب کیا کیونکہ اس کی جانب توجہ پیری نے دلائی تھی اور پھر وہ پہلی خوش شکل لڑکی تھی جسے اس نے دیکھا تھا۔ تاہم اس نے جونہی اپنے بازو اس کی دبلی پتلی، لچکیلی اور کانپتی کمر کے گرد ڈالے اور اس کے دل کو خود سے اسقدر قریب دھڑکتے اور اسے اپنے چہرے کے اسقدر قریب مسکراتے دیکھا تو اس کی دلکشی کی بدولت اس کے دماغ پر نشہ سا طاری ہو گیا۔ اسے یوں لگا جیسے ایک مرتبہ پھر جوان ہو گیا ہو۔ اس نے گہری سانس لی اور خود کو اس سے الگ کر کے ناچنے میں مصروف دوسرے جوڑوں کو دیکھنے لگا۔

(17)

شہزادہ آندرے کے بعد بورس نے نتاشا کو رقص کی دعوت دی اور اس کے بعد رقص کا آغاز کرنیوالا ایجوٹنٹ اور دیگر نوجوان اس کے پاس آئے۔ نتاشا کا چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا۔ وہ فالتو ساتھیوں کو سونیا کے حوالے کر دیتی اور خود تمام وقت ناچتی رہی۔ اس نے دیگر لوگوں کی دلچسپی کی چیزوں کو دیکھا نہ ان کی طرف توجہ دی۔ وہ نہ صرف یہ دیکھنے سے محروم رہی کہ زار کافی دیر تک فرانسیسی سفیر سے گفتگو کرتا رہا تھا نہ اسے یہ نظر آیا کہ ایک خاص خاتون سے گفتگو کے دوران اس کا رویہ خاص طور پر شفقت آمیز تھا۔ اس نے کسی شہزادے یا کسی اور شخص کی باتیں سنی نہ ایلین کی طرف توجہ دی کہ اس نے محفل لوٹ لی تھی۔ حتیٰ کہ اس نے زار کی جانب بھی کوئی توجہ نہ دی اور اسے اس کی روانگی کا علم رقص میں اچانک تیزی پیدا ہو جانے سے ہوا۔

کھانے سے پہلے کوتیلیاں رقص کی تیز دھنیں بجائی گئیں جس میں شہزادہ آندرے نے ایک مرتبہ پھر نتاشا کو اپنی ساتھی کے طور پر چنا۔ اس نے نتاشا کو اوترادنوئے کی سڑک پر اس سے اپنی پہلی مڈھ بھیڑ کے بارے میں بتایا اور کہا کہ "اس چاندنی رات کو تمہیں نیند نہیں آ رہی تھی اور میں نے نادانستہ طور پر تمہاری باتیں سن لی تھیں" یہ باتیں سن کر نتاشا شرما گئی اور یوں معذرت خواہانہ رویہ اپنانے کی کوشش کی جیسے شہزادہ آندرے نے اتفاقاً جو کچھ سنا تھا اس پر اس کا شرمانا ضروری تھا۔

معاشرے کے اعلیٰ ترین طبقے سے تعلق رکھنے والے ہر اس فرد کی طرح شہزادہ آندرے بھی ہر اس شخص سے مل کر بیحد خوش ہوتا تھا جس پر اس طبقے کی روایتی چھاپ نہیں لگی تھی۔ نتاشا جس طرح حیرت اور خوشی کا اظہار کر رہی تھی بلکہ فرانسیسی میں گفتگو کے دوران بھی وہ جیسی غلطیاں کرتی اس سے یہ بات ظاہر ہوتی تھی کہ ابھی تک اس پر یہ روایتی چھاپ نہیں لگی۔ اس کے ساتھ شہزادہ آندرے کا رویہ بالخصوص محتاط اور مشفقانہ تھا۔ جب وہ اس کے قریب بیٹھا آسان اور غیر اہم موضوعات پر بات چیت کر رہا تھا تو اس کی چمکتی آنکھوں اور مسکراہٹ کو دیکھ کر بیحد خوش ہوا کیونکہ اس کی ان اداؤں کا ان باتوں سے کوئی تعلق نہ تھا جو وہ کئے جا رہی تھی بلکہ اس انداز سے وہ اپنی اندرونی خوشی کا اظہار کر رہی تھی۔ جب اس کی جانب سے رقص کی دعوت پر وہ جس طرح مسکرا کر اٹھی اور کمرے میں تتلی کی طرح گھومی اس انداز نے آندرے کا دل موہ لیا۔ جب کوتیلیاں رقص کا ایک حصہ مکمل ہوا تو اپنی نشست کی جانب واپس جاتے ہوئے ایک اور شخص نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ تھک گئی تھی اور بظاہر یوں لگتا تھا کہ معذرت کرے گی مگر اس کی بجائے اس نے فوراً اپنا ہاتھ نئے ساتھی کے کندھے پر رکھ دیا اور مسکراتے ہوئے آندرے کی جانب دیکھ کر دوبارہ چل دی۔

اس کی مسکراہٹ یہ کہتی محسوس ہوتی تھی "میں تھک گئی ہوں اور جی چاہتا ہے کہ کچھ دیر آپ کے پاس بیٹھ کر آرام کروں۔ مگر آپ دیکھ رہے ہیں کہ لوگ کس طرح بار بار مجھ سے رقص کا تقاضا کر رہے ہیں۔ ان کی جانب سے دعوت ملنے پر مجھے بھی خوشی ہوتی ہے اور میں بہت خوش ہوں۔ مجھے ہر شخص پیارا لگتا ہے اور آپ اور میں یہ باتیں اچھی طرح سمجھتے ہیں" جب نتاشا کا ساتھی رخصت ہوا تو وہ رقص کے اگلے حصے کیلئے دو خواتین کا انتخاب کرنے کمرے کی دوسری جانب چلی گئی۔

شہزادہ آندرے نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے سوچا "اگر وہ پہلے اپنی کزن اور پھر کسی اور خاتون کی جانب گئی تو وہ میری بیوی بنے گی" اس سوچ پر اسے خاصی حیرانی ہوئی اور مزید حیرانی یہ ہوئی کہ وہ واقعی پہلے اپنی کزن کی جانب گئی تھی۔

شہزادہ آندرے نے سوچا "انسان کے ذہن میں بھی کبھار کس قدر فضول خیالات آتے ہیں۔ مگر ایک بات بالکل یقینی ہے، یہ لڑکی اس قدر خوبصورت اور عام لوگوں سے اتنی مختلف ہے کہ رقص کی محافل میں ایک ماہ ہی گھومنے پھرنے کے نتیجے میں اس کی شادی ہو جائے گی۔۔۔۔ یہاں ایسی لڑکیاں نہیں ہوتیں" وہ انہی سوچوں میں گم تھا جبکہ نتاشا اس کے قریب بیٹھی سینے پر آویزاں گلاب کا پھول درست کر رہی تھی جو نیچے گر رہا تھا۔

کوتیلیاں ناچ کے اختتام پر نیلے کوٹ میں ملبوس معمر نواب رقص کرنیوالے نوجوانوں کے پاس آیا اور اور شہزادہ آندرے کو اپنے گھر آنے اور ان سے ملنے کی دعوت دی۔ اس نے اپنی بیٹی سے پوچھا "ہاں، مزہ آیا؟" نتاشا جواب دینے کی بجائے اس کی جانب یوں مسکرا کر دیکھا جیسے کہہ رہی ہو "یہ بھی بھلا کوئی پوچھنے کی بات ہے؟"

پھر وہ کہنے لگی "مجھے کبھی اتنا لطف نہیں آیا" شہزادہ آندرے نے دیکھا کہ اس کے دبلے پتلے بازو یوں اوپر اٹھے جیسے وہ اپنے والد سے بغلگیر ہو جانا چاہتی ہو مگر پھر یہ بازو اچانک نیچے گر گئے۔

نتاشا کو اتنی خوشی کبھی حاصل نہیں ہوئی تھی۔ وہ لطف کی اس بلند سطح پر پہنچ چکی تھی جہاں انسان مکمل طور پر نیک اور شفیق ہو جاتا ہے اور اسے یہ یقین نہیں آتا کہ کہیں برائی، غم یا ناخوشی بھی ہو سکتی ہے۔

پیری کو درباری حلقوں میں اپنی بیوی کا مقام دیکھ کر زندگی میں پہلی مرتبہ تذلیل محسوس ہوئی۔ اس کا منہ لٹک گیا اور وہ اپنے ہی خیالات میں گم ہو گیا۔ اس کے ماتھے پر گہری لکیر نمودار ہو گئی۔ وہ ایک کھڑکی کے قریب کھڑا خالی آنکھوں سے فضا میں گھور رہا تھا مگر اس کی نگاہیں کسی خاص شخص یا شے کو نہیں دیکھ پا رہی تھیں۔

نتاشا کھانے کیلئے جاتے ہوئے اس کے قریب سے گزری۔ اسے اس کی مایوس اور مغموم شکل دیکھ کر حیرانی ہوئی۔ اس کے دل میں یہ خواہش پیدا ہونے لگی کہ کاش وہ اس کی کوئی مدد کر سکے اور جن خوشیوں پر اس کا دل بلیوں اچھل رہا ہے ان میں وہ اسے بھی شریک کر سکے۔

وہ پیری سے کہنے لگی "نواب، یہاں کتنا لطف ہے، آپ کا کیا خیال ہے؟"

یہ بات عیاں تھی کہ پیری اس کی بات نہیں سمجھ سکا۔ وہ بے دھیانی سے مسکرایا اور کہنے لگا "ہاں مجھے بیحد خوشی محسوس ہو رہی ہے"

نتاشا نے سوچا "کوئی شخص کسی شے سے غیر مطمئن کیسے ہو سکتا ہے؟ خاص طور پر بیز دخوف جیسا نفیس شخص" نتاشا کی نظروں میں ہال میں موجود تمام لوگ بیحد اچھے، شفیق اور شاندار تھے۔ یہ تمام ایک دوسرے کے چاہنے والے اور ایک دوسرے کو ناراض کرنے کی اہلیت سے محروم تھے چنانچہ انہیں خوش ہی ہونا چاہئے تھا۔

(18)

اگلے دن شہزادہ آندرے رقص کی یادیں تازہ کرتا رہا۔ تاہم اس کا ذہن زیادہ دیر اس میں مصروف نہ رہ سکا۔ وہ سوچ رہا تھا "ہاں یہ بہت شاندار تقریب تھی، اور پھر، ہاں وہ چھوٹی لڑکی بیحد پرکشش ہے۔ اس کی شکل وصورت میں کچھ ایسی تازگی اور نیا پن ہے جو عام طور پر پیٹرز برگ میں نہیں دیکھا جاتا اور یہی چیز اسے دوسروں سے ممتاز کرتی ہے" اس نے گزشتہ رات کے بارے میں بس اتنا ہی سوچا اور پھر صبح کی چائے پینے کے بعد اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

مگر یہ تھکاوٹ کا اثر تھا یا نیند کی کمی کہ کام میں اس کا دل نہ لگ سکا اور وہ کچھ بھی نہ کر پایا۔ وہ اپنے ہی کام میں غلطیاں ڈھونڈتا رہا اور اس کے حوالے سے یہ کوئی غیر معمولی بات نہ تھی۔ جب اس نے کسی ملاقاتی کے قدموں کی چاپ سنی تو خوش ہو گیا۔

آنیوالا بتسکی تھا۔ وہ مختلف سرکاری کمیٹیوں کا رکن تھا اور پیٹرز برگ کے ہر طبقے میں آتا جاتا رہتا تھا۔ اسے افواہیں اڑانے میں ملکہ حاصل تھا اور وہ ایسا تندہی اور مستقل مزاجی سے کرتا تھا۔ وہ سپیرانسکی اور نئے خیالات کا شیدائی تھا۔ وہ خیالات وافکار کا نئے ملبوسات کی طرح نئے فیشن کے مطابق انتخاب کرنیوالے لوگوں میں سے تھا۔ وہ ہیٹ اتارتے ہی شہزادہ آندرے کے کمرے میں گھس گیا اور فوراً گفتگو کا آغاز کر دیا۔ اسے حال ہی میں ریاستی کونسل کے اجلاس کی تفصیلات معلوم ہوئی تھیں جس کا اسی صبح زار نے افتتاح کیا تھا۔ اب وہ یہ معلومات جوش وخروش سے بیان کر رہا تھا۔ شہنشاہ نے غیر معمولی تقریر کی تھی اور یہ بالکل ایسی تقریر تھی جیسی آئینی حکمران ہی کرتے ہیں۔ اس نے آندرے کو بتایا کہ ''شہنشاہ نے واضح الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ کونسل اور سینٹ ملک کے ایسے ادارے ہیں جن کے اپنے واضح سیاسی حقوق ہیں۔ انہوں نے کہا کہ حکومت کا انحصار من مانے اور استبداد پر مبنی اختیارات کی بجائے مستحکم اصولوں پر ہونا چاہئے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ مالیاتی نظام کی تنظیم نو ضروری ہے اور بجٹ کی تفصیلات عوام کے سامنے پیش کی جائیں" بتسکی نے الفاظ پر زور دیا اور معنی خیز انداز سے پلکیں جھپکا کر بولا "بات یہ ہے کہ آج جو کچھ پیش آیا اس سے ہماری تاریخ کا نیا اور عظیم ترین دور شروع ہو گیا ہے"

شہزادہ آندرے ریاستی کونسل کے پہلے اجلاس کی تفصیلات توجہ سے سنتا رہا۔ اسے اس واقعے کا بے چینی سے انتظار تھا اور اس کے نزدیک اس کی انتہائی اہمیت تھی۔ تاہم اسے حیرانی ہوئی اب جبکہ اس بات نے حقیقت کی شکل اختیار کر لی تھی تو وہ اس سے قطعاً متاثر نہ ہوا بلکہ یہ بات اسے انتہائی معمولی دکھائی دی۔ وہ بتسکی کی پرجوش باتیں پرسکون اور طنزیہ انداز سے سنتا رہا۔ اس کے ذہن میں سیدھا سادا خیال آیا کہ ''شہنشاہ نے جن باتوں کا اعلان کیا ہے ان سے میرا یا بتسکی کا کیا واسطہ؟ ہمارے لیے ان کی کیا اہمیت ہے؟ کیا ان سے میری خوشی بڑھ سکتی ہے یا میں پہلے کی نسبت بہتر انسان بن سکتا ہوں؟''

عملی جامہ پہنائے جانے والی اصلاحات میں شہزادہ آندرے کی دلچسپی اس سادہ سے خیال کی بدولت ختم ہوئی۔ اس روز اس نے سپیرانسکی کے ہاں کھانا کھانا تھا۔ جیسا کہ اس نے آندرے کو مدعو کرتے وقت کہا تھا کہ کھانے پر ''چند مخصوص'' احباب آئیں گے۔ وہ سپیرانسکی کا بہت بڑا مداح تھا اور اسے اس کے بے تکلف گھریلو حلقے میں دیکھنا تصور بیحد دلچسپ معلوم ہوا تھا، خاص طور پر اس لیے کہ اس نے ابھی تک سپیرانسکی کو اس کے گھر میں نہیں دیکھا تھا، تاہم اب اسے وہاں جانے کی بالکل کوئی خواہش نہ رہی۔

تاہم وہ مقررہ وقت پر گلستان تاورچسکی میں واقع سپیرانسکی کے عام سے گھر میں پہنچ گیا۔ اسے چھوٹے سے مکان کی نمایاں خوبی یہ تھی کہ یہ اس قدر صاف ستھرا تھا کہ اس میں ڈھونڈے سے بھی کوئی خرابی نظر نہیں آسکتی تھی۔ یہ بالکل کسی خانقاہ جیسا تھا۔ آندرے قدرے تاخیر سے وہاں پہنچا اور اسے لکڑی کے فرش والے کھانے کے کمرے میں سپیرانسکی کے بے تکلف دوست دکھائی دیے۔ یہ لوگ اس سے پہلے پانچ بجے پہنچ گئے تھے۔ سپیرانسکی کی نو عمر بیٹی (جس کا چہرہ اپنے باپ جیسا کتابی تھا) اور اس کی آیا کے علاوہ کمرے میں کوئی خاتون نہ تھی۔ دیگر مہمانوں میں گرویس، ماگنتسکی اور سٹولیپن شامل تھے۔ شہزادہ آندرے کو باہر سے ہی کسی شخص کی کھنکناتی آواز سنائی دینے لگی جو ڈرامے کے سٹیج پر سنائی دینے والی آوازوں سے مشابہ تھی۔ کوئی شخص واضح انداز سے ہاہاہا کر رہا تھا جو بظاہر سپیرانسکی معلوم ہوتا تھا۔ قبل ازیں شہزادہ آندرے نے سپیرانسکی کو ہنستے نہیں دیکھا تھا۔ ایک عظیم سیاسی مدبر کی تیز اور کھنکناتی آواز نے اس کے دل ودماغ پر عجیب سا تاثر قائم کیا۔

وہ کھانے کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ دو کھڑکیوں کے مابین ایک چھوٹی سی میز پر مختلف کھانے دھرے تھے اور حاضرین ان کے گرد جمع تھے۔ سپیرانسکی نے خاکی رنگت کا فراک کوٹ پہن رکھا تھا جس پر ستارہ آویزاں تھا اور بظاہرہ ہی سفید واسکٹ اور چمڑے کا گلوبند پہن رکھا تھا جو اس نے ریاستی کونسل کے اجلاس میں پہنا تھا۔ وہ اپنے مہمانوں کے مابین کھڑا تھا اور اس کے وجود سے خوشی پھوٹتی محسوس ہوتی تھی۔ ماگنتسکی اپنی میزبان سے مخاطب ہو کر کوئی واقعہ بیان کر رہا تھا اور سپیرانسکی نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی ہنسنا شروع کر دیا۔ جونہی شہزادہ آندرے کمرے میں داخل ہوا ماگنتسکی کے الفاظ قہقہوں میں دب کر رہ گئے۔ سٹولیپن نے ڈبل روٹی اور پنیر کا ٹکڑا چباتے ہوئے دھیمی آواز سے قہقہہ لگایا، گرویس نے منہ سے صرف منمناہٹ جیسی آواز نکالی اور سپیرانسکی اپنی تیز آواز میں ہنسنے لگا۔

اس نے ہنسی کے دوران ہی اپنا نرم وملائم سفید ہاتھ آندرے کی جانب بڑھایا اور کہنے لگا ''شہزادے، آپ سے مل کر بیحد خوشی ہوئی'' پھر وہ بولا ''ایک منٹ۔۔۔'' اور پھر ماگنتسکی کی جانب رخ کر کے اس کے قصے میں مداخلت کرتے ہوئے اپنی ہی بات کہتا چلا گیا۔ وہ کہنے لگا ''ہم نے طے کیا ہے کہ یہ کھانا صرف تفریح کیلئے ہوگا اور اس میں سرکاری امور بارے کوئی بات نہیں کی جائے گی'' وہ ایک مرتبہ پھر داستان طراز کی جانب متوجہ ہوا اور ہنسنے لگا۔

شہزادہ آندرے نے خوش ذبع سپیرانسکی کو حیرت سے دیکھا۔ اس کے بارے میں اس کی تمام خوش فہمی جاتی رہی اور اس کا منہ بن گیا۔ اسے یوں لگا جیسے یہ سپیرانسکی نہیں بلکہ کوئی اور شخص ہے۔ پہلے وہ سپیرانسکی سے بیحد متاثر ہوا تھا کیونکہ اسے اس کی ذات میں بعض پراسرار اور دلکش پہلو دکھائی دیے تھے مگر اب تمام دلکشی جاتی رہی تھی۔ کھانے پر ہونیوالی گفتگو میں کوئی وقفہ نہ آیا اور یہ لطیفوں کی کسی کتاب جیسی معلوم ہوتی تھی۔ ماگنتسکی نے بمشکل اپنا قصہ ختم کیا تھا کہ کوئی اور اس سے بھی مزیدار کہانی سنانے کو تیار ہو گیا۔ اکثر قصے سرکاری ملازمت کے بارے میں تھے تو کم از کم ان کا تعلق سرکاری امور سے ضرور تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اس حلقے میں ان لوگوں کی بے وقعتی کو اس قدر فیصلہ کن انداز سے تسلیم کر لیا گیا ہے کہ ان کے بارے میں جو واحد ممکنہ رویہ اختیار کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ ان کا مذاق اڑایا جائے۔ سپیرانسکی نے بتایا کہ اس روز کونسل کے اجلاس میں ایک بہرے سیاستدان سے اس کی رائے پوچھی گئی تو اس نے جواب دیا "ہاں میرا بھی یہی خیال ہے" گرویس نے مردم شماری سے متعلق ایک واقعے کا تفصیلاً تذکرہ کیا۔ اس واقعے کا خاص پہلو یہ تھا کہ اس سے متعلقہ ہر شخص کی کم عقلی عیاں ہوتی تھی۔ سٹولیپن نے ہکلاتے ہوئے اس کی بات کاٹی اور واتے جوش وخروش سے پرانے نظام کی خامیاں گنوانے لگا کہ گفتگو میں سنجیدگی کا عنصر غالب آنے کا خدشہ پیدا ہو گیا۔ ماگنتسکی نے

اس کے جوش وخروش کا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ گرویس نے لطیفہ سنا کر دونوں کو خاموش کیا اور یوں گفتگو دوبارہ ہرزہ سرائی کی جانب لوٹ آئی۔ بظاہر یہی دکھائی دیتا تھا کہ محنت طلب کام کرنے کے بعد سپیرانسکی کو آرام اور اپنے دوستوں کے ساتھ دل بہلانا بہت پسند ہے۔ اس کے دوست اس کی خواہشات سمجھتے تھے چنانچہ وہ خود بھی لطف اندوز ہو رہے تھے اور اسے بھی خوش کرنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ مگر شہزادہ آندرے کو ان کی یہ شگفتہ مزاجی مصنوعی اور بے کیف دکھائی دی۔ سپیرانسکی کا بلند لہجہ اسے اذیت پہنچا رہا تھا اور اس کے مسلسل قہقہے اس کے کانوں پر بار معلوم ہوتے تھے۔ شہزادہ آندرے نے ہنسنے اور قہقہے لگانے سے گریز کیا اور اسے یوں لگنے لگا کہ کہیں اس پر رنگ میں بھنگ ڈالنے کا الزام نہ لگا دیا جائے۔ تاہم کسی کو یہ خیال تک نہ آیا کہ آندرے محفل کے عمومی مزاج کے ہم آہنگ نہیں ہے، آثار سے یہی ظاہر ہوتا تھا کہ وہ بھرپور انداز میں لطف اندوز ہو رہے ہیں۔

اس نے متعدد بار گفتگو میں شمولیت کی کوشش کی مگر اس کی ہر بات کا یوں جواب دیا گیا جیسے پانی کا دباؤ کارک کو پرے پھینک دیتا ہے، سو وہ ان کیس اتھ لطیفہ بازی میں شامل نہ ہو سکا۔ ان کی باتیں غلط یا بے موقع نہیں تھیں بلکہ ان میں ظرافت کا عنصر بھی شامل تھا اور یہ پرلطف بھی ہو سکتی تھیں مگر ان میں خوشی کی کمی تھی اور انہیں علم نہیں تھا کہ یہ شے بھی ہو سکتی ہے۔

کھانے کے اختتام پر سپیرانسکی کی بیٹی اور آیا میز سے اٹھ گئیں۔ سپیرانسکی نے اپنی چھوٹی سی بیٹی کے گالوں پر چوما اور اپنے سفید ہاتھوں سے اس کے بال سہلائے مگر شہزادہ آندرے کو اس کا یہ انداز بھی غیر فطری لگا۔

مرد کھانے کے بعد انگریزی رواج کی طرح سرخ شراب کے گرد جمع ہو گئے۔ دوران گفتگو سپین میں نپولین کے اقدامات کا ذکر چھڑا تو انہوں نے بیک زبان اس کی حمایت کی جبکہ شہزادہ آندرے نے اس کے برعکس خیالات کا اظہار کیا۔ سپیرانسکی مسکرانے لگا اور یہ بات واضح تھی کہ وہ گفتگو میں تلخی نہیں دیکھنا چاہتا چنانچہ وہ ایک ایسی کہانی بیان کرنے لگا جو موضوع سے بالکل مطابقت نہیں رکھتی تھی۔ تھوڑی دیر کیلئے سب کی زبانیں بند ہو گئیں۔

سپیرانسکی کچھ دیر میز پر بیٹھا رہا، پھر اس نے شراب کی بوتل بند کی اور یہ کہتے ہوئے اسے خدمتگار کے ہاتھ میں تھما دیا کہ "آج کل اچھی شراب کا حصول بہت مشکل ہے" بات مکمل کرنے کے بعد وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ دوسرے بھی اس کی تقلید کرتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔ وہ ابھی تک بلند آواز میں گفتگو کر رہے تھے۔ باتیں کرتے ہوئے وہ ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ ملازم نے سپیرانسکی کو دو لفافے دیے اور وہ انہیں لے کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ جونہی وہ کمرے سے نکلا قہقہے ختم ہو گئے اور مہمان دھیمے لہجے میں بات چیت کرنے لگے۔

سپیرانسکی نے ڈرائنگ روم سے واپس آتے ہوئے کہا "اچھا، اب کچھ شعر و شاعری ہونی چاہئے" اس نے شہزادہ آندرے سے کہا "اس میں بے پناہ صلاحیت ہے" ماگنتسکی نے فوراً مخصوص انداز اختیار کر لیا اور فرانسیسی زبان میں مزاحیہ اشعار پڑھنے لگا جو اس نے پیٹرزبرگ کی چند نامی گرامی شخصیات کے بارے میں لکھے تھے۔ اسے بار بار داد دی گئی۔ شعر و شاعری کا دور ختم ہوا تو شہزادہ آندرے نے سپیرانسکی سے اجازت چاہی۔

سپیرانسکی نے پوچھا "اتنی جلدی؟"

آندرے نے جواب دیا "میں نے شام کی ایک محفل میں جانے کا وعدہ کیا ہے۔۔۔"

شہزادہ آندرے نے گزشتہ چار ماہ میں پیٹرزبرگ میں جو کچھ کیا تھا، گھر پہنچ کر اس کا نئے انداز سے جائزہ لیا۔ اس نے فوجی قواعد وضوابط میں تبدیلیوں کی غرض سے جو منصوبہ بنایا تھا اور اس سلسلے میں جو بھاگ دوڑ کی تھی اور اس

حوالے سے جن لوگوں سے ملا تھا، ان تمام پر غور کیا۔ اگرچہ اس کا یہ منصوبہ جائزے کیلئے منظوری حاصل کر چکا تھا مگر عملی طور پر اسے ایک اور منصوبے کی خاطر التواء میں ڈال دیا گیا تھا جو انتہائی بیکار تھا، بات صرف اتنی تھی کہ وہ پہلے تیار کیا گیا تھا اور اسے زار کی خدمت میں پیش کیا جا چکا تھا۔ اس نے اس کمیٹی کے اجلاسوں کی بابت سوچا جس کا بڑا بھی رکن تھا۔ اسے یاد آیا کہ قوانین کی ظاہری شکل وصورت اور طریقہ کار کے ایک ایک نکتے پر دیانتدارانہ بحث ہوئی تھی مگر معاملے کی روح سے جلد پہلو بچا لیا گیا۔ اسے ضابطہ قانون کے حوالے سے اپنا کام بھی یاد آیا۔ اس نے رومی اور فرانسیسی قوانین کا روسی میں ترجمہ کرنے کیلئے بیحد مشکلات اٹھائیں مگر ان سے کچھ حاصل نہ ہوا اور اسے خود ہی شرم محسوس ہونے لگی۔ پھر اس کے ذہن میں باگوچاروف، گاؤں میں اپنی دلچسپیاں اور ریازان کے سفر کے مناظر ابھرنے لگے۔ اس نے اپنے کسانوں اور گاؤں کے معززدرون کے بارے میں سوچا اور جب اس نے شخصی حقوق کے بارے میں دفعات کا ذہن پر اطلاق کیا تو اسے حیرت ہوئی کہ اس نے ایسے بیکار کام پر اتنا وقت کیوں صرف کیا۔

(19)

اگلے روز شہزادہ آندرے ایسے مختلف لوگوں سے ملنے گیا جن سے وہ پہلے نہیں ملا تھا۔ ان لوگوں میں رستوف خاندان بھی شامل تھا جن سے اس نے رقص کی محفل میں تعلقات دوبارہ استوار کئے تھے۔ شائستگی کے تقاضوں کے علاوہ اس کے دل میں موجود اس شدید خواہش نے بھی یہ ملاقات ناگزیر کر دی تھی کہ وہ اس چلبلی، شگفتہ مزاج اور مثالی لڑکی سے مل سکے جس نے اس کے ذہن پر اسقدر خوشگوار تاثرات چھوڑے تھے۔

اس کو سب سے پہلے خوش آمدید کہنے والوں میں نتاشا بھی شامل تھی۔ وہ روزمرہ کے گہرے نیلے لباس میں ملبوس تھی اور شہزادہ آندرے کو یوں محسوس ہوا کہ وہ رقص کے گاؤن کی نسبت اس لباس میں زیادہ خوبصورت دکھائی دے رہی ہے۔ اس نے اور اس کے اہلخانہ نے آندرے کا یوں سادہ مگر پرتپاک استقبال کیا جیسے کسی دیرینہ دوست سے ملا جاتا ہے۔ تمام خاندان جس کے بارے میں پہلے وہ سخت رائے رکھتا تھا اب اسے خوش اطوار اور سیدھے سادے افراد پر مشتمل دکھائی دیا۔ پیٹرزبرگ میں نواب کی مہمان نوازی میں خصوصی وضعداری بھی دکھائی دے رہی تھی اور یہ کچھ ایسی شے تھی کہ شہزادہ آندرے سے شام کے کھانے تک ٹھہرنے کو کہا گیا تو وہ انکار نہ کر سکا۔ اس نے سوچا "ہاں، یہ عمدہ اور خوش اطوار لوگ ہیں۔ تاہم شاید انہیں علم نہیں کہ یہ نتاشا کی صورت میں کس قدر قیمتی خزانے کے مالک ہیں۔ یہ لوگ نیک فطرت اور نرم دل ہیں نیز زندگی، خوبصورتی اور دلکشی سے بھرپور اس لڑکی کیلئے ممکنہ حد تک بہترین پس منظر تشکیل دیتے ہیں"

شہزادہ آندرے کو نتاشا میں ایک غیر معمولی دنیا دکھائی دی جو اس کیلئے بالکل اجنبی اور نامعلوم خوشیوں سے بھرپور تھی۔ یہ ایک ایسی عجیب وغریب دنیا تھی جس نے اسے اوترادنوئے کی سڑک اور اس چاندنی رات کو کھڑکی میں بھی ترنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اب یہ دنیا اس کی انا کو ٹھیس پہنچا رہی تھی نہ اس کیلئے اجنبی تھی۔ اب جبکہ وہ بارہا خود اس دنیا کی سیر کر چکا تھا تو اسے اس میں نئی نئی دلچسپیاں اور خوشیاں حاصل ہو رہی تھیں۔

نتاشا کھانے کے بعد شہزادہ آندرے کی درخواست پر کلاوی کارڈ کے سامنے بیٹھ گئی اور گانا گانے لگی۔ شہزادہ آندرے کھڑکی کے قریب کھڑا خواتین سے باتیں کرنے اور گانا سننے میں مصروف تھا۔ وہ گفتگو کے درمیان اچانک خاموش ہو گیا۔ اسے یوں محسوس ہوا کہ وہ کسی بھی لمحے رو دے گا اور اس کی آواز بھرانے لگی۔ اسے بھی یقین ہی نہیں

آ سکتا تھا کہ ایسی کیفیت اس کے ساتھ بھی پیش آسکتی ہے۔ جب نتاشا گا رہی تھی تو اس کی نگاہیں اسی پر مرکوز رہیں اور اسے یوں لگا جیسے اس کی روح میں کوئی نئی اور خوش کن شے بیدار ہو رہی ہو۔ وہ خوش ہونے کے ساتھ ساتھ غمگین بھی تھا۔ ایسی کوئی بات نہیں ہوئی تھی جس کی بدولت اسے رونا آتا تاہم اس کے باوجود وہ رونے کیلئے تیار تھا، کس کیلئے؟ اپنی پہلی محبت کیلئے؟ شہزادی لیزا کیلئے؟ اپنے کھوئے ہوئے خیالات کیلئے؟۔۔۔ اپنے مستقبل کی امیدوں کیلئے؟۔۔۔ ہاں اور نہیں۔ سب سے بڑی بات جس نے اسے رونے کے قریب پہنچا دیا تھا وہ اس بھیانک تضاد کا شدید احساس تھا۔ یہ بھیانک تضاد کیا تھا؟ ایک جانب تو اس کے دل میں کوئی لامحدود طور پر بڑی اور ایسی شے موجود تھی جس کی تعریف نہیں ہو سکتی تھی اور دوسری جانب گوشت پوست کا محدود وجود تھا جس نے نہ صرف وہ خود بلکہ وہ بھی عبارت تھی۔ جب وہ گانا گا رہی تھی تو یہ متضاد کیفیت اس کی روح کو اذیت دینے کے ساتھ ساتھ خوشی بھی عطا کر رہا تھا۔

جونہی نتاشا نے گانا ختم کیا تو وہ فوراً اس کے پاس پہنچی اور پوچھنے لگی کہ "آپ کو میری آواز کیسی لگی؟" اس نے یہ سوال تو کر دیا تھا مگر ساتھ ہی وہ شرما گئی۔ اسے احساس ہوا کہ یہ بات نہیں پوچھنا چاہئے تھی۔ وہ اس کی جانب دیکھ کر مسکرایا اور کہنے لگا "جس طرح مجھے تمہاری ہر بات پسند ہے اسی طرح تمہارا گانا بھی پسند ہے"

رات کا اندھیرا چھا گیا تو شہزادہ آندرے رستوف خاندان کے گھر سے رخصت ہوا۔ گھر آ کر وہ اپنی عادت کے مطابق بستر میں گھس گیا مگر جلد اسے احساس ہوا کہ نیند نہیں آئے گی۔ اس نے موم بتی روشن کی اور اٹھ کر بستر پر بیٹھ گیا اور کچھ دیر بعد دوبارہ لیٹ گیا۔ نیند نہ آنے سے وہ بالکل پریشان نہ تھا۔ اس کا دل و دماغ نئے اور خوشی سے بھرپور خیالات سے اسقدر سرشار تھا کہ اسے یوں لگا جیسے وہ حبس زدہ کمرے سے نکل کر کھلی فضا میں آ گیا ہو۔ اسے بالکل خیال نہ رہا کہ وہ نتاشا کی محبت میں گرفتار ہو چکا ہے، وہ اس کے بارے میں سوچنے کی بجائے اپنے ذہن میں اس کا خاکہ بنانے لگا جس کے نتیجے میں اسے اپنی تمام زندگی روشن دکھائی دینے لگی۔ اس نے سوچا "میں اس تنگ اور محدود ماحول میں کیوں کوششیں کر رہا ہوں، خون پسینہ ایک کر رہا ہوں جبکہ تمام زندگی اور اس کی تمام تر خوشیاں میرے آگے دامن پھیلائے کھڑی ہیں؟" پھر وہ طویل عرصہ بعد پہلی مرتبہ مستقبل کے حوالے سے خوشگوار منصوبے بنانے لگا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنے بیٹے کی تعلیم و تربیت کیلئے استاد کا بندوبست کرے گا اور اسے اس کی نگرانی میں دیدے گا۔ ملازمت سے ریٹائرمنٹ لینے کے بعد وہ بیرون ملک سیر کیلئے روانہ ہو جائے گا اور انگلستان، سوئٹزرلینڈ اور اٹلی میں گھومے پھرے گا۔ اس نے سوچا "جب تک مجھ میں طاقت اور توانائی کا احساس موجود ہے، مجھے اپنی آزادی سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہئے۔ پیری نے کہا تھا اگر انسان خوش رہنا چاہتا ہے تو اسے یقین کر لینا چاہئے کہ خوشی کا امکان موجود ہے۔ اس کی بات ٹھیک ہی تھی اور میرا بھی پختہ یقین ہے کہ گڑے مردے نہیں اکھاڑنے چاہئیں اور جب تک زندگی باقی ہے، زندہ اور خوش رہنا چاہئے"

(20)

ایک صبح کرنل ایڈولف برگ نئی وردی پہنے، بالوں میں خوشبو چھڑکے اور شہنشاہ الیگزنڈر پاؤلووچ کے انداز میں بالوں کی لٹوں سے کنپٹیاں چھپائے پیری سے ملنے آیا۔ ماسکو اور پیٹرز برگ کے تمام اشخاص کی طرح پیری اسے بھی جانتا تھا۔

وہ پیری سے مسکراتے ہوئے کہنے لگا "نواب، میں بالکل ابھی آپ کی اہلیہ سے مل کر آیا ہوں اور بدقسمتی سے انہوں نے میری درخواست قبول نہیں کی۔ مجھے امید ہے کہ آپ کے سامنے میں خوش قسمت ثابت ہوں گا"

پیری نے جواب دیا "کرنل تم کیا چاہتے ہو۔ میں تمہاری خدمت کیلئے تیار ہوں"

برگ بولا "نواب میں اپنے نئے گھر میں اچھی طرح بس گیا ہوں" اس کا انداز ایسا تھا جیسے پختہ یقین ہو کہ یہ اطلاع پیری کا دل خوش کر دے گی۔ اس نے بات آگے بڑھائی اور بولا "چنانچہ مجھے امید ہے کہ اب میں اپنے اور اپنی اہلیہ کے واقف کاروں کیلئے ایک چھوٹی سی محفل منعقد کر سکوں گا (وہ مزید خوش خلقی سے مسکرا رہا تھا) میں آپ اور بیگم صاحبہ سے یہ درخواست کرنے آیا تھا کہ مجھ پر مہربانی کر کے چائے اور۔۔۔ رات کا کھانا کھانے تشریف لائیں"

صرف بیگم ایلینا ویسلو ینا ہی ایسی دعوت قبول کرنے سے انکار کر سکتی تھی کیونکہ وہ برگ جیسے لوگوں کو اپنے آپ سے کمتر گردانتی تھی۔ برگ نے پیری کو اس محفل کی ضرورت، اس سے حاصل ہونیوالی خوشی اور اس کیلئے رقم خرچ کرنے کی بابت اس قدر تفصیل سے بتایا کہ اس نے آنے کا وعدہ کر لیا۔

برگ نے مزید کہا "گستاخی معاف نواب صاحب، میں عرض کروں گا کہ آنے میں زیادہ تاخیر مت کیجئے گا، میرے خیال میں آٹھ بجنے سے دس منٹ قبل تشریف لے آیئے گا۔ ہم بوسٹن کھیل کا بھی اہتمام کریں گے۔ ہمارے جرنیل صاحب آ رہے ہیں، وہ مجھ پر بیحد مہربان ہیں، چھوٹے سے کھانے کا اہتمام بھی ہوگا، امید ہے کہ آپ مایوس نہیں کریں گے"

ایسی محافل میں تاخیر سے پہنچنا پیری کی عادت تھی مگر اس شام وہ معمول کے برعکس پونے آٹھ بجے ہی برگ کے ہاں پہنچ گیا۔ برگ میاں بیوی اپنی محفل کیلئے تمام انتظامات مکمل کرنے کے بعد مہمانوں کا استقبال کرنے کیلئے تیار بیٹھے تھے۔

وہ اپنے نئے، صاف اور روشن کمرے میں بیٹھے تھے جس میں نیا فرنیچر سجایا گیا تھا اور تصاویر و مجسموں سے آرائش کی گئی تھی۔ برگ نے نئی وردی زیب تن کر رکھی تھی جو بٹن بند ہونے پر تنگ معلوم ہوتی تھی۔ وہ اپنی بیوی کے پاس بیٹھا اسے سمجھا رہا تھا کہ انسان کو اعلیٰ مراتب کے حامل لوگوں سے تعلقات بڑھانا چاہئیں کیونکہ اسی طرح وہ دوستوں اور واقف کاروں سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ وہ کہہ رہا تھا "اس طرح آپ کو کوئی نہ کوئی بات معلوم ہو سکتی ہے اور آپ کسی شے کی درخواست کر سکتے ہیں۔ یہ تو تم دیکھ ہی چکی ہو گی کہ پہلی ترقی ملنے کے بعد سے میرے حالات کیسے بدل گئے ہیں" (برگ اپنی زندگی کا حساب برسوں کی بجائے ترقیوں سے کرتا تھا) اس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا "میرے پرانے ساتھی ابھی تک کوئی عہدہ حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے اور میں صرف اسی بات کا انتظار کر رہا ہوں کہ کب رجمنٹ کمانڈر کا کوئی عہدہ خالی ہو اور میں اسے حاصل کر لوں اور مجھے تمہارا شوہر ہونے پر خوشی ہے" (وہ اٹھا اور ویرا کے ہاتھ پر بوسہ دیتے ہوئے قالین کا کنارہ سیدھا کرنے کیلئے تھوڑا اسا رکا) پھر وہ کہنے لگا "اور میں نے یہ سب کچھ کیسے حاصل کیا؟ اس لیے کہ میں نے فائدہ مند لوگوں سے تعلقات استوار کرنے کا طریقہ سیکھ لیا ہے اور یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ انسان کو باضمیر اور بااصول ہونا چاہئے"

برگ یہ محسوس کر کے مسکرایا کہ اسے ایک کمزور خاتون پر فوقیت حاصل ہے۔ وہ رک گیا اور سوچنے لگا "میری اس پیاری بیوی کا تعلق تو بہرحال صنف نازک سے ہی ہے، یہ مردوں کی وجاہت اور آن بان تشکیل دینے والی باتوں کو کبھی نہیں سمجھ سکے گی" ویرا مسکرانے لگی کیونکہ اسے بھی اپنے خوش اطوار اور قابل قدر شوہر پر فوقیت حاصل تھی کیونکہ اس کے خیال میں دیگر مردوں کی طرح اس کے شوہر کا بھی زندگی سے متعلق انداز فکر غلط فہمی پر مشتمل تھا۔ برگ نے اپنی بیوی کو دیکھنے اور پرکھنے کے بعد یہ نتیجہ نکالا تھا کہ تمام خواتین کمزور اور احمق ہوتی ہیں۔ دوسری جانب ویرا کا واسطہ اپنے

شوہر سے ہی پڑا تھا اور اسی کو پرکھنے کے بعد وہ یہ سمجھ بیٹھی تھی کہ تمام مرد اپنے علاوہ دیگر مخلوق کو عقل سے پیدل سمجھتے ہیں حالانکہ یہ خود ناپسند، خود غرض اور معاملہ شناسی سے کورے ہوتے ہیں۔

برگ اٹھا اور احتیاط سے اپنی بیوی کو بانہوں میں لے لیا تاکہ کہیں بے دھیانی میں اس کی بے بازو کرتی خراب نہ ہو جائے جس پر اس نے خاصی رقم خرچ کی تھی اور پھر اس کے ہونٹوں کو بھرپور انداز میں چوم لیا۔

وہ خیالات کی رو میں بہتے ہوئے بولا "ہمیں صرف ایک بات کا دھیان رکھنا ہوگا کہ ابھی بچے پیدا نہ ہونے پائیں"

ویرا نے جواباً کہا "نہیں، میں خود بھی یہ نہیں چاہتی، ہمیں ابھی معاشرے میں گھومنا پھرنا ہے"

برگ نے اطمینان اور خوشی سے ویرا کے لباس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا "شہزادی یوسوپووا نے بالکل ایسی ہی پہن رکھی تھی۔

بالکل اسی لمحے ایک ملازم نے نواب بیزوخوف کی آمد کا اعلان کیا۔ میاں بیوی نے ایک دوسرے کی جانب مسکرا کر دیکھا۔ دونوں اس مہمان کی آمد کو اپنا کارنامہ تصور کر رہے تھے۔

برگ نے سوچا "دیکھو، انسان کو دوست بنانا آتا ہو تو اس کا یہ نتیجہ نکلتا ہے، یہ درست رویہ اختیار کرنے کا فائدہ ہے"

ویرا بولی "میری گزارش ہے کہ جب میں مہمانوں کی تواضع میں مصروف ہوں گی تو آپ اس میں دخل اندازی نہیں کریں گے کیونکہ میں یہ سمجھتی ہوں کہ کون کس شے میں دلچسپی رکھتا ہے اور کس سے کیا کہنا مناسب ہوگا"

برگ ایک مرتبہ پھر مسکرایا اور بولا "مگر اس حقیقت سے انکار بھی ممکن نہیں کہ مرد بعض اوقات مردانہ گفتگو پسند کرتے ہیں"

پیری کو ڈرائنگ روم میں پہنچا دیا گیا۔ وہاں اشیاء کچھ ایسی ترتیب سے رکھی تھیں کہ ان کے حسن تناسب اور ترتیب کو خراب کئے بغیر بیٹھنا ممکن نہ تھا۔ لہٰذا یہ بات سمجھ میں آتی تھی کہ برگ عالی ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے معزز مہمان کی خاطر کسی بازوؤں والی کرسی یا صوفے کی ترتیب خراب کرنے کی پیشکش کرتا مگر اسے محسوس ہوا کہ وہ خود کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ اس سے اسے تکلیف تو پہنچی مگر پھر اس نے بیٹھنے کا معاملہ مہمان پر چھوڑ دیا۔ پیری نے ایک کرسی گھسیٹ لی اور ترتیب خراب کر ڈالی۔ دوسری جانب برگ اور ویرا نے محفل کا آغاز یوں کیا کہ اپنے مہمان کی خدمت کی کوشش میں فوراً ایک دوسرے کی بات کاٹنا شروع کر دی۔

ویرا اپنے طور پر یہ فیصلہ کر چکی تھی کہ پیری کو فرانسیسی سفارت خانے کے بارے میں گفتگو سے محظوظ کیا جائیگا چنانچہ اس نے فوراً ہی یہی موضوع چھیڑ دیا۔ برگ یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ اس وقت مردانہ گفتگو کا موقع ہے چنانچہ اس نے بیوی کی بات کاٹ دی اور آسٹریا کی جنگ کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرنے لگا۔ اس نے گفتگو عام انداز سے شروع کی تھی مگر غیر شعوری طور پر اس کا رخ تبدیل ہو گیا اور اس نے اپنی ذات کو درمیان میں گھسیٹ لیا۔ اس نے آسٹروی مہم میں شرکت کیلئے خود کو پیش کی جانیوالی تجاویز کے بارے میں بتایا اور یہ بھی بیان کیا کہ اس نے یہ تجاویز کیوں مسترد کر دی تھیں۔ اگرچہ گفتگو بے ربط تھی اور ویرا کو غصہ آ رہا تھا کہ مردانہ پہلو کیوں درمیان میں لایا گیا ہے مگر اس کے باوجود میاں بیوی کو اطمینان تھا کہ ان کی محفل کا آغاز بطریق احسن ہوا ہے، اگرچہ ابھی تک صرف ایک ہی مہمان آیا تھا۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ جس طرح پانی کے دو قطرے ایک جیسے ہوتے ہیں اسی طرح ان کی محفل بھی دوسری

محافل جیسی ہے۔ وہی بحث و مباحثے، چائے اور موم بتیاں۔

اگلا مہمان بورس تھا جو برگ کا پرانا ساتھی بھی تھا۔ وہ برگ اور ویرا سے ایسا برتاؤ کر رہا تھا جیسے ان سے برتر ہو۔ بورس کے بعد کرنل اور اس کی اہلیہ، پھر جرنیل اور پھر رستوف خاندان کے ارکان پہنچ گئے۔ اب اس امر میں کوئی شبہ نہ رہا تھا کہ یہ محفل بھی دیگر محافل جیسی ہو گئی تھی۔ ڈرائنگ روم میں ہلچل مچی تھی، ایک دوسرے کو جھک جھک کر سلام کئے جا رہے تھے، ملبوسات سرسرا رہے تھے اور بے ربط باتیں جاری تھیں جس پر ویرا اور برگ کو اتنا اطمینان تھا کہ وہ اپنی مسکراہٹیں نہ دبا سکے۔ ان کے خیال میں سب کچھ ویسے ہی ہو رہا تھا جیسے دیگر جگہوں پر ہوتا تھا۔ جرنیل پر خاص طور پر یہ بات صادق آتی تھی۔ اس نے گھر کی بھرپور تعریف کی، برگ کا کاندھا تھپتھپایا اور بزرگانہ اختیارات استعمال کرتے ہوئے تاش کے کھیل بوسٹن کیلئے میز لگانے پر اصرار کیا۔ جرنیل نواب ایلیا آندریچ کے پاس بیٹھ گیا کیونکہ مراتب کے اعتبار سے اس کے بعد اسی کا نمبر تھا۔ بڑوں نے بڑوں کے پاس اور نوجوانوں نے اپنے ہم عمروں کے قریب نشستیں سنبھال لیں۔ چائے کی میز ویرا نے تحویل میں لے لی جس پر چاندی کی ٹرے میں بالکل اسی طرح کے کیک رکھے تھے جو پینن خاندان نے اپنی ضیافت میں منگوائے تھے۔ ہر شے بالکل ویسی ہی تھی جیسے دوسری جگہوں پر ہوتی ہے۔

(21)

پیری انتہائی معزز مہمانوں میں شامل تھا اس لیے اسے بوسٹن کھیل کے دوران مجبوراً نواب ایلیا آندریچ، جرنیل اور کرنل کے ساتھ بیٹھنا پڑا۔ جس میز پر یہ کھیل جاری تھا اس کے سامنے نتاشا بیٹھی تھی۔ رقص والی رات سے اس میں آنیوالی حیرت انگیز تبدیلی نے ہر ایک کو اس کی جانب متوجہ کر دیا تھا۔ وہ کبھی کبھار ہی کوئی بات کرتی۔ رقص کے موقع پر اس کا حسن جس طرح نکھر کر سامنے آیا تھا اس کے مقابلے میں اب نہ صرف اس کی خوبصورتی ماند پڑ گئی تھی بلکہ اگر اس کے چہرے پر گردوپیش کی اشیاء سے بے نیازی جھلکتی دکھائی نہ دیتی تو یہ بالکل ہی سپاٹ دکھائی دیتا۔

پیری نے اس پر سرسری نگاہ دوڑاتے ہوئے سوچا "اسے کیا ہوا ہے؟"

وہ اپنی بہن کے قریب چائے کی میز کے سامنے بیٹھی تھی اور بورس کی کسی بات کا اس کی جانب دیکھے بغیر بے دلی سے جواب دے رہی تھی۔ پیری نے تاش کی پوری بازی کھیلی اور اس میں پانچ داؤ بھی آزمائے جس سے اس کے ساتھی کو اطمینان ہوا۔ اتنے میں اس کے کانوں میں ایسی آوازیں سنائی دیں جیسے کسی کو خیر مقدمی کلمات کہے جا رہے ہوں اور اس کے ساتھ ہی کسی کے اندر آنے کی آہٹ سنائی دی۔ پتے اٹھاتے ہوئے پیری کی نگاہیں ایک مرتبہ پھر نتاشا سے ٹکرائیں۔

اس نے مزید حیرت سے سوچا "اسے کیا ہوا ہے؟"

نتاشا کے سامنے شہزادہ آندرے کھڑا تھا۔ اس کی نگاہوں میں نرمی تھی اور وہ اس سے کچھ کہہ رہا تھا۔ وہ اپنا سر اٹھائے اس کی جانب شرماتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے اپنی تیز سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کر رہی ہو۔ اب اس کے چہرے پر ایک مرتبہ پھر کسی ایسی اندرونی آگ کی چمک پیدا ہو رہی تھی جو پہلے بجھ چکی تھی۔ اب تو اس کی حالت ہی بدل گئی، اس کے چہرے پر سپاٹ تاثر کی بجائے وہی حسن و جمال دکھائی دینے لگا جو رقص کی رات نظر آیا تھا۔

شہزادہ آندرے پیری کے پاس آیا اور اسے اپنے دوست کے چہرے پر تازگی اور جوانی جھلکتی دکھائی دی۔

دوران کھیل پیری نے کئی مرتبہ اپنی جگہ بدلی۔ کبھی وہ نتاشا کے سامنے ہو جاتا اور کبھی اس کی جانب پشت کر لیتا۔ اس نے

چہ ربر کھیلے اور اس دوران مسلسل اسے اور اپنے دوست کو دیکھتا رہا۔

اس نے سوچا" دونوں کے مابین کوئی انتہائی اہم اور سنجیدہ شے وقوع پذیر ہو رہی ہے" خوشی اور تلخی کے جذبات نے اس کے دل میں ہلچل پیدا کر دی اور کھیل پر اس کی توجہ مرکوز نہ رہ سکی۔

چہ ربر مکمل ہونے پر جرنیل یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا کہ" یوں کھیلنا بے فائدہ ہے" پیری کو فراغت مل گئی۔ نتاشا ایک جانب ہٹ گئی اور سونیا بورس سے باتیں کرنے لگی۔ ویرا شوخی سے مسکراتے ہوئے شہزادہ آندرے سے کچھ کہہ رہی تھی۔ پیری اپنے دوست کے پاس پہنچا اور اس سے پوچھا کہ" آیا کوئی رازدارانہ بات ہو رہی ہے؟" وہ ان کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

شہزادہ آندرے نتاشا سے جس انداز میں پیش آیا تھا وہ ویرا کی نگاہوں سے مخفی نہ رہ سکا۔ وہ اس نتیجے پر پہنچی کہ ایسی حقیقی محفل کا تقاضا ہے کہ نرم جذبات کی جانب محتاط انداز میں اشارہ کیا جانا چاہئے اور ایک مرتبہ جبکہ شہزادہ آندرے اکیلا تھا، اس نے جذبات کے بارے میں عمومی گفتگو شروع کر دی اور درمیان میں اپنی بہن کا بھی ذکر کرنے لگی۔ اسے محسوس ہوا کہ ایسے دانشور مہمان سے نپٹنے کیلئے سفارتی مہارت درکار ہوگی جیسا کہ شہزادہ آندرے کے بارے میں سمجھا جاتا تھا۔

پیری نے ان کے حلقے میں شامل ہو کر دیکھا کہ ویرا تیزی سے فخریہ لہجے میں گفتگو کر رہی ہے اور شہزادہ آندرے شرما رہا ہے۔۔۔ یہ ایسی کیفیت تھی جو شاید ہی اس کے ساتھ پیش آتی ہوگی۔

ویرا نے پیچیدہ انداز میں مسکراتے ہوئے پوچھا" آپ کیا کہتے ہیں؟ شہزادے، آپ اتنے مردم شناس ہیں کہ ایک لمحے میں کسی کے اندر جھانک کر اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ کیسا انسان ہے۔ نتالی کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟ کیا وہ اپنی وابستگیوں کے بارے میں استقلال کا مظاہرہ کر سکتی ہے؟ کیا وہ دیگر خواتین (ویرا کا اشارہ اپنی جانب تھا) کی طرح ہمیشہ ایک مرد سے محبت کر سکتی ہے اور ہمیشہ کیلئے اس سے وفاداری نبھا سکتی ہے؟ میرے خیال میں یہی سچی محبت ہے، شہزادے، آپ کیا کہیں گے؟"

شہزادہ آندرے کے چہرے پر مصنوعی تبسم چھا گیا جس کے عقب میں وہ اپنی گھبراہٹ اور احساس شرمندگی چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ کہنے لگا" میں آپ کی بہن کو زیادہ نہیں جانتا اور یہی وجہ ہے کہ میں اس نازک مسئلے کے بارے میں اپنی رائے دینے سے معذور ہوں۔ علاوہ ازیں میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ کوئی خاتون جس قدر کم دلکش ہوتی ہے اس کے ثابت قدم رہنے کا امکان بھی زیادہ ہوتا ہے"

ویرا نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا" ہاں شہزادے، یہ بات ٹھیک ہے۔ آج کل کے دور میں (وہ 'آج کل کے دور' کا ذکر بالکل اسی انداز سے کر رہی تھی جس طرح محدود ذہانت کے حامل افراد سمجھتے ہیں کہ وہ 'اس دور' کی خصوصیات جان چکے ہیں اور انہیں یہ بھی علم ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ انسانی فطرت بدلتی رہتی ہے) لڑکی کو اتنی آزادی مل چکی ہے کہ مرد کی جانب سے دل لبھانے کی کوشش پر وہ اتنی خوش ہو جاتی ہے کہ بعض اوقات اس کے سچے جذبات دب جاتے ہیں اور یہاں یہ بات ماننا پڑے گی کہ نتالی اس حوالے سے کچھ زیادہ ہی اثر لے لیتی ہے"

نتاشا کے حوالے سے مسلسل گفتگو نے شہزادہ آندرے کو خفا کر دیا اور اس کی بھنویں تن گئیں، وہ اٹھنا ہی چاہتا تھا کہ ویرا نے مزید سنجیدگی سے مسکراتے ہوئے کہا" کسی لڑکی کا دل جیتنے کی اتنی کوششیں نہیں کی گئی ہوں گی جتنی اس کیلئے ہوئیں مگر گزشتہ دنوں تک اسے کوئی بھی واقعتاً متاثر کر سکا نہ اس نے خود سنجیدگی سے کسی کے بارے میں سوچا" پھر وہ پیری

سے مخاطب ہوتے ہوئے کہنے لگی" اور نواب میں یہ بات صرف آپ سے کہہ رہی ہوں، آپ تو جانتے ہی ہیں کہ ہمارا پیارا کزن بورس محبت کے ملک میں دور تک سفر کر چکا تھا۔۔۔ (وہ محبت کی اس علامت کا تذکرہ کر رہی تھی جو اس دور میں بیحد رواج پا چکا تھا)

شہزادہ آندرے کے ماتھے پر بل پڑ گئے مگر وہ خاموش رہا۔

ویرا نے اسے کہا" مگر، یقیناً آپ اور بورس دوست ہیں"

آندرے بولا" ہاں میں اسے جانتا ہوں"

ویرا کہنے لگی" میرے خیال میں انہوں نے نتاشا سے اپنی بچگانہ محبت کے بارے میں آپ کو ضرور کچھ نہ کچھ بتایا ہوگا"

شہزادہ آندرے نے اچانک پوچھا" کیا ان کے مابین بچگانہ محبت تھی؟" غیر متوقع شرم سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

ویرا بولی" ہاں، آپ جانتے ہیں کہ کزنوں کے مابین بے تکلفی ہوتی ہے اور بعض اوقات اس کا نتیجہ محبت کی صورت میں نکلتا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟"

شہزادہ آندرے نے کہا" ہاں، ہاں اس میں کوئی شک نہیں" پھر اچانک وہ غیر فطری بشاشت سے پیری کو مذاق ہی مذاق میں کہنے لگا کہ ماسکو میں اس کی جو پچاس پچاس سالہ کزن ہیں، ان سے اپنے تعلقات کے حوالے سے احتیاط کرے اور پھر ایسی ہی مزاحیہ باتیں کرتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے پیری کو بازو سے پکڑا اور ایک جانب لے گیا۔

پیری نے پوچھا" ہاں، کیا بات ہے؟" اپنے دوست کی غیر متوقع شگفتہ مزاجی نے اسے حیران کر دیا تھا۔ اس نے اٹھتے اٹھتے جس انداز سے نتاشا کو دیکھا تھا وہ پیری کی نگاہوں سے اوجھل نہیں رہ سکا تھا اور یہ بات بھی اس کیلئے حیرانی کا باعث تھی۔

شہزادہ آندرے نے کہا" مجھے تم سے ہر صورت بات کرنی ہے۔ تم خواتین کے ان دستانوں کے بارے میں تو جانتے ہی ہو (اس کا اشارہ فری میسنوں کے ان دستانوں کی جانب تھا جو وہ کسی ایسی خاتون کو دیتے ہیں جس سے انہیں محبت ہو) میں۔۔۔ چلو چھوڑو، میں تم سے بعد میں بات کروں گا۔ یہ کہہ کر وہ نتاشا کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی اور حرکات سے اضطراب نمایاں تھا۔

پیری نے شہزادہ آندرے کو نتاشا سے کچھ پوچھتے اور اس کے جواب میں نتاشا کے گال سرخ شرم سے ہوتے دیکھے۔

اسی دوران برگ پیری کے پاس آیا اور اس سے جرنیل اور کرنل میں سپین کی صورتحال کے حوالے سے چھڑنے والی بحث میں شرکت پر اصرار کیا۔

برگ کے چہرے سے اطمینان اور بشاشت جھلکتی تھی۔ وہ مسکرائے جا رہا تھا۔ اس کی محفل کامیاب رہی تھی اور بالکل انہی محفلوں جیسی تھی جن میں اسے شرکت کا موقع مل چکا تھا۔ ان محفلوں میں ہونیوالی خواتین کی شستہ گفتگو، تاش، کھیل پر جرنیل کا با آواز بلند تبصرہ، چائے اور کیک بھی کچھ موجود تھا، وہ دیگر محافل میں دیکھی جانیوالی صرف ایک شے کی نقل کرنا چاہتا تھا جس کی کمی رہ گئی تھی اور وہ یہ تھی کہ کسی اہم دانشورانہ مسئلے پر مردوں میں زوردار بحث ہوئی نہ وہ

آپس میں الجھے، اب جرنیل نے ایسی بحث چھیڑ دی تھی اور برگ بیری کو بھی اس میں شریک کرنا چاہتا تھا۔

(22)

اگلے دن شہزادہ آندرے نواب ایلیا آندریچ کی دعوت پر رستوف خاندان کے ہاں گیا اور تمام دن وہیں گزارا۔

گھر کے تمام ارکان کو اندازہ ہو گیا کہ وہ کس کیلئے ان کے گھر آیا ہے۔ شہزادہ آندرے نے بھی کوئی بات راز میں نہ رکھی اور ہر وقت نتاشا کے ساتھ ساتھ رہنے کی کوشش کرتا رہا۔ صرف نتاشا کا دل سہا ہوا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی خوشی آسمان کی بلندیوں تک پہنچی ہوئی تھی۔ گھر کے دیگر افراد پر بھی کچھ اس قسم کی ہیبت طاری تھی جیسے وہ کسی بہت بڑے اور عظیم واقعے کے منتظر ہوں۔ جب شہزادہ آندرے نتاشا سے کوئی بات کرتا تو بیگم رستوف اداس اور سنجیدہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگتی اور جونہی وہ اس کی جانب رخ کرتا تو وہ بھدے انداز سے بے جوڑ گفتگو شروع کر دیتی۔ سونیا نتاشا کے پاس سے اٹھ کر جانے سے ڈرتی تھی تاہم وہاں بیٹھے رہنے سے بھی اسے خوف آتا تھا کہ کہیں وہ دونوں کے مابین رکاوٹ تو نہیں بن رہی۔ خود نتاشا کی بھی یہ حالت تھی کہ اگر وہ ایک لمحے کیلئے بھی آندرے کے ساتھ اکیلی رہ جاتی تو نامعلوم خدشات سے پریشان ہو جاتی۔ وہ شہزادہ آندرے کی جھجک اور بے حوصلگی سے حیران تھی۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ آندرے اس سے کچھ کہنا چاہتا ہے مگر دل کی بات زبان پر نہیں لا سکتا۔

شام کو جب شہزادہ آندرے چلا گیا تو بیگم نتاشا کے پاس گئی اور اس کے کان میں کہا "ہوں، اب؟"

نتاشا بولی "امی، خدارا مجھ سے ابھی کچھ مت پوچھیں۔ اس حوالے سے بات کرنا ابھی ناممکن ہو گا"

تاہم اس رات وہ خاصی دیر تک اپنی والدہ کے بستر میں لیٹی رہی۔ وہ سامنے دیکھے جا رہی تھی اور کبھی خوشی سے جھوم اٹھتی تو کبھی اسے خدشات لاحق ہو جاتے۔ اس نے اپنی والدہ کو بتایا کہ وہ کس طرح اس کی تعریفیں کرتا رہا تھا اور یہ کہ اس نے بتایا وہ بیرون ملک جا رہا ہے اور کیسے اس سے پوچھ رہا تھا کہ وہ موسم گرما کہاں گزاریں گے اور کیسے بورس کے بارے میں پوچھتا رہا۔

اس نے کہا "مگر ایسی بات تو میرے ساتھ کبھی نہیں ہوئی تھی، بات صرف اتنی ہے کہ مجھے ان کی موجودگی میں ڈر لگتا ہے اور جب بھی میں ان کے پاس ہوتی ہوں تو خوف کا شکار ہو جاتی ہوں۔ ایسا کیوں ہے؟ کیا یہ حقیقی شے ہے؟ یہی مطلب ہے اسکا؟ امی، کیا آپ سو گئیں؟"

اس کی ماں نے جواب دیا "نہیں میری پیاری، میں خود خوفزدہ ہوں، جاؤ اب سو جاؤ"

نتاشا نے کہا "نہیں، مجھے نیند نہیں آئے گی اور اگر میں سو گئی تو یہ بیوقوفی ہو گی، ارے امی، میری پیاری امی، اس سے پہلے میری یہ کیفیت کبھی نہیں ہوئی تھی" دل میں موجود احساسات نے اس پر خوف طاری کر دیا تھا۔ اس نے سوچا "ہم نے خواب میں بھی نہیں سوچا ہو گا کہ۔۔۔"

نتاشا کو محسوس ہوا کہ جب اس نے آندرے کو پہلی مرتبہ اوتر ادنوئے میں دیکھا تھا تو وہ اسی وقت اس کی محبت میں گرفتار ہو گئی تھی اور اس وقت جس شخص کو اس نے اپنا شریک حیات منتخب کیا تھا (اسے محکم یقین تھا کہ اس نے ایسا ہی کیا تھا) تو اب ایسے لگتا تھا کہ بالکل اسی شخص سے دوبارہ مل کر اسے جو انوکھی اور غیر متوقع خوشی حاصل ہوئی اس نے اس کے دل پر خوف طاری کر دیا۔

نتاشا نے سوچا "اور وہ انہی دنوں میں پیٹرز برگ آئے جب ہم یہاں موجود تھے۔ پھر ہم رقص میں ملے اور اسی کو قسمت کہتے ہیں، یہ قسمت ہی تو ہے جس نے معاملہ یہاں تک پہنچا دیا۔ جب میں نے انہیں پہلی مرتبہ دیکھا تھا تو اسی وقت کوئی خاص بات محسوس کر لی تھی"

اس کی والدہ کہنے لگی "اس نے تمہیں کیا کہا تھا؟ اور یہ کون سے اشعار ہیں؟ مجھے سناؤ" اس کا اشارہ شہزادہ آندرے کی جانب سے نتاشا کے البم میں لکھے جانیوالے اشعار کی طرف تھا اور وہ اس طرح بیٹی کا حوصلہ بڑھانا چاہتی تھی۔

نتاشا نے پوچھا "امی، اس کا رنڈوا ہونا تو کوئی مسئلہ نہیں؟"

اس کی والدہ نے ایک فرانسیسی محاورے کا حوالہ دیتے ہوئے کہا "نتاشا، خدا سے دعا مانگو، رشتے آسمانوں پر بنتے ہیں"

نتاشا با آواز بلند کہنے لگی "پیاری امی، میں آپ سے کس قدر پیار کرتی ہوں، میں کتنی خوش ہوں" یہ کہہ کر وہ اپنی والدہ سے لپٹ گئی اور اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

ادھر اسی وقت شہزادہ آندرے بیری کے پاس بیٹھا اسے اپنی داستان محبت سناتے ہوئے اس عزم کا اظہار کر رہا تھا کہ وہ اس سے ہر صورت شادی کرے گا۔

☆☆☆

اسی شام بیگم ایلینا وسلیونا نے ایک استقبالیے کا اہتمام کیا۔ ضیافت میں فرانسیسی سفیر، ایک شہزادہ جو کچھ عرصے سے باقاعدگی سے ایلین کے گھر کے چکر لگا رہا تھا اور ذہین افراد کی خاصی تعداد شرکت کر رہی تھی۔ بیری نیچے اتر آیا تھا اور مختلف کمروں میں گھوم پھر رہا تھا۔ وہ کھویا سا اور اپنی خیالات میں ڈوبا دکھائی دیتا تھا۔ اس کی یہ کیفیت دیکھ کر تمام مہمانوں کو حیرت ہوئی۔

جس رات رقص ہوتا تھا، اسی وقت سے اسے محسوس ہونے لگا کہ وہ اعصابی ڈپریشن کا شکار ہونے والا ہے اور وہ اس سے بچنے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا۔ جب سے اس کی اہلیہ نے شاہی شہزادے سے تعلقات بڑھائے تھے اور اسے غیر متوقع طور پر مصاحب مقرر کیا گیا تھا تو اسے درباری طبقے کے مابین دم گھٹتا محسوس ہوتا تھا۔ وہ اسقدر شرمندگی کا شکار تھا کہ اپنی دانست میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا تھا۔ ماضی میں اس کا خیال تھا کہ انسان سے تعلق رکھنے والی ہر شے کمتر اور بے بنیاد ہے اور اب ایک مرتبہ پھر اس کے ذہن پر ایسے ہی خوفناک خیالات مسلسل حملہ آور ہونے لگے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے نتاشا اور اپنے دوست آندرے کے مابین جس جذبے کا مشاہدہ کیا تھا، اس نے یہ کیفیت اور بڑھا دی۔ وہ جب اپنی اور اپنے دوست کی صورتحال کا موازنہ کرتا تو اس کی بے چینی مزید بڑھ جاتی۔ اس کی ہمیشہ یہی کوشش ہوتی کہ اپنی بیوی، نتاشا اور شہزادہ آندرے کے بارے میں کوئی خیال ذہن میں نہ آنے پائے۔ ہمیشہ کی زندگی کے مقابلے میں اسے ہر شے دوبارہ بے حیثیت دکھائی دینے لگی اور ایک مرتبہ پھر اس کے ذہن میں یہ سوال گردش کرنے لگا کہ "یہ سب کیوں ہے؟" میسن کی حیثیت سے اپنے کاموں کی انجام دہی میں اس نے اپنی جان پر جبر شروع کر دیا اور دن رات محنت کرنے لگا۔ اسے امید تھی کہ اس طرح وہ سر پر منڈلانے والی بد روح سے پیچھا چھڑا لے گا۔ آدھی رات کو وہ بیگم کے اپارٹمنٹ سے اوپر والی منزل پر نیچی چھت والے اپنے کمرے میں چلا گیا جو دھوئیں سے بھرا تھا۔ اس نے پرانا ڈریسنگ گاؤن پہنا اور میز کے سامنے بیٹھ کر سکاٹش فری میسوں کے پہلے مسودوں کی نقول تیار کرنے لگا۔ اسی

دوران کوئی شخص اندر آیا، یہ شہزادہ آندرے تھا۔

پیری اسے دیکھ کر بولا "ارے یہ تم ہو" یوں لگتا تھا جیسے وہ اپنے ہی خیالات میں کھویا ہوا ہے اور اسے کسی کل چین نہیں۔ وہ اپنے کاغذات کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولا "دیکھ رہے ہو، میں اپنے کام میں مصروف ہوں" اس کا انداز ان ناخوش لوگوں جیسا تھا جو اپنے کام کو زندگی کی تلخیوں اور دشواریوں سے نجات کے حصول کا واحد ذریعہ تصور کرتے ہیں۔

شہزادہ آندرے اس کے سامنے کھڑا تھا اور اس کے چہرے پر وہ چمک اور خوشی دیکھی جا سکتی تھی جیسے اسے نئی زندگی مل گئی ہو۔ اس کے دوست کی شکل سے جو رنج و محن ٹپکتا تھا اس پر اس نے کوئی توجہ نہ دی۔

آندرے کہنے لگا "اچھا دوست، میں کل بھی تمہیں بتانا چاہتا تھا اور ابھی تم سے یہی بات کرنے آیا ہوں۔ اس سے پہلے مجھے کبھی ایسا کوئی تجربہ نہیں ہوا تھا۔ میرے دوست، مجھے محبت ہو گئی ہے"

پیری نے آہ بھری اور آندرے کے قریب صوفے پر بیٹھ گیا۔

اس نے آندرے سے پوچھا "نتاشا رستوف سے؟ ٹھیک؟"

آندرے نے کہا "ہاں، ہاں، اور کس سے؟ میں کبھی یقین نہیں کر سکتا تھا کہ ایسا ہونا بھی ممکن ہے، مگر یہ جذبہ مجھ سے کہیں زیادہ مضبوط ہے۔ میں شدید تکلیف میں مبتلا تھا مگر میں اس اذیت کا بھی دنیا کی کسی شے سے تبادلہ نہیں کروں گا۔ اس سے پہلے تو میں نے زندگی ہی نہیں گزاری۔ زندگی تو مجھے اب ملی ہے۔ مگر اس کے بغیر میں زندہ نہیں رہوں گا، مگر کیا وہ مجھ سے محبت کر پائے گی؟ ہم دونوں کی عمروں میں خاصا فرق ہے۔۔۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

پیری نے کہا "میں؟ میں؟ میں کیا بتاؤں؟" وہ اچانک اٹھ کھڑا ہوا اور کمرے میں ٹہلنا شروع کر دیا۔ وہ کہنے لگا "میرا ہمیشہ سے یہی خیال رہا ہے۔۔ وہ لڑکی ایسا خزانہ ہے۔۔ ایسا، وہ ایسی نایاب لڑکی ہے میرے دوست، کہ میں تم سے درخواست کروں گا کہ شک و شبے اور ہچکچاہٹ کا شکار ہوئے بغیر اس سے شادی کر لو، شادی کر لو، شادی کر لو۔ میں یہ بات ڈنکے کی چوٹ پر کہتا ہوں کہ تم سے زیادہ خوش اور مطمئن شخص اس دنیا میں نہیں ہوگا"

آندرے نے پوچھا "مگر وہ کیا چاہتی ہے؟"

پیری نے کہا "اسے تم سے محبت ہے"

شہزادہ آندرے نے مسکراتے ہوئے پیری کی آنکھوں میں جھانکا اور کہا "فضول باتیں مت کرو۔۔۔"

پیری نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا "اسے تم سے محبت ہے، میں جانتا ہوں"

شہزادہ آندرے نے اس کا بازو پکڑ کر اسے روکا اور بولا "نہیں، میری بات سنو تم جانتے ہو کہ میں کس کیفیت سے گزر رہا ہوں؟ مجھے اس کے بارے میں ہر صورت کسی نہ کسی سے بات کرنا ہو گی"

پیری نے جواباً کہا "ٹھیک ہے، تو پھر بولو۔ میں بیحد خوش ہوں" اب اس کے چہرے کے تاثرات تبدیل ہو گئے تھے اور وہ واقعتاً خوش دکھائی دے رہا تھا۔

شہزادہ آندرے انتہائی مختلف اور نیا شخص دکھائی دے رہا تھا اور حقیقت بھی یہی تھی۔ وہ جو ہر وقت بیزار رہتا اور زندگی کے بارے میں نفرت کا اظہار کرتا تھا، کہتا تھا کہ مجھے اس نے مایوس کیا ہے، اس کی یہ بیزاری کہاں گئی؟ اس کی نفرت کیا ہوئی؟ اس کی مایوسی کدھر چلی گئی؟ پیری واحد شخص تھا جس سے وہ کھل کر بات کر سکتا تھا اور اپنے دل کی بات سے اسے آگاہ کر سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے حالِ دل تفصیل سے پیری کو بتا دیا۔ اس نے پراعتماد انداز میں اپنے منصوبوں پر روشنی

ڈالی اور اعلان کیا کہ وہ اپنی خوشیوں کو اپنے باپ کی متلون مزاجی کی بھینٹ نہیں چڑھنے دے گا۔ مزید یہ کہ وہ اسے اس شادی پر رضامندی کا اظہار کرنے پر مجبور کر دے گا یا پھر اس کی پرواہ نہیں کرے گا۔ بعد ازاں اس نے ان جذبات کے حوالے سے حیرانی کا اظہار کیا جو اسے جکڑ چکے تھے اور اس کا خیال تھا کہ یہ جذبات انتہائی انوکھے اور ناقابلِ فہم ہیں اور خود بخود اس کے دل میں پیدا ہو گئے ہیں جس میں اس کی اپنی مرضی بالکل شامل نہ تھی۔

آندرے کہہ رہا تھا "اگر کوئی دوسرا شخص مجھے بتاتا کہ میں یوں ٹوٹ کر محبت کر سکتا ہوں تو میں اس کی بات پر کبھی یقین نہ کرتا۔ ایسا جذبہ میں نے پہلے کبھی محسوس نہیں کیا۔ میرے لیے اب یہ دنیا دو حصوں میں تقسیم ہو چکی ہے۔ ایک حصے میں وہ ہے جہاں امیدیں، خوشیاں اور روشنیاں ہیں اور دوسرے حصے میں وہ نہیں ہے جہاں ناامیدی، اداسی اور تاریکی ہے۔۔۔"

پیری نے اس کی بات دہرائی "ناامیدی، اداسی، تاریکی۔ ہاں ہاں میں سمجھ گیا"

آندرے اس سے کہنے لگا "میرے لیے روشنی سے محبت کیے بغیر رہنا ممکن ہی نہیں۔ یہ میرا قصور نہیں۔ میں بیحد خوش ہوں۔ کیا تم میری بات سمجھ رہے ہو؟ میں جانتا ہوں کہ تم میرے لیے خوش ہو"

پیری نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا "ہاں، ہاں" وہ اپنے دوست کو اداسی اور ہمدردی سے دیکھ رہا تھا۔ اسے شہزادہ آندرے کی قسمت جس قدر روشن دکھائی دی اپنی اتنی ہی تاریک نظر آ رہی تھی۔

(23)

شادی کیلئے آندرے کو والد کی اجازت چاہیے تھی اور اس مقصد کیلئے وہ اگلے ہی دن گاؤں روانہ ہو گیا۔

باپ نے بیٹے کی خبر بظاہر اطمینان سے سنی مگر دل ہی دل میں وہ غصے سے جل بھن رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اب جبکہ وہ خود زندگی کی آخری سرحد پر تھا، کسی شخص کو اپنی زندگی بدلنے اور اس میں کوئی نئی شے متعارف کرانے کی کیا ضرورت تھی؟ بوڑھے نے سوچا "اگر یہ مجھے اپنی زندگی اس انداز سے گزارنے دیں جیسا کہ میں گزارنا چاہتا ہوں اور میرے بعد جو چاہے کرتے رہیں" تاہم اپنے بیٹے کے ساتھ اس نے وہ حکمتِ عملی استعمال کی جس سے وہ نہایت اہم مواقع پر کام لیتا تھا۔ وہ اطمینان بھرے انداز میں تمام مسئلہ زیرِ بحث لایا۔ اس کا کہنا تھا کہ:

"پہلی بات یہ ہے کہ حسب و نسب، دولت اور مرتبے کے اعتبار سے یہ رشتہ موزوں نہیں ہے۔ دوسری بات یہ کہ شہزادہ آندرے اب نوجوان نہیں رہا اور اس کی صحت بھی ٹھیک نہیں (بوڑھے نے اس نکتے پر بطورِ خاص زور دیا) جبکہ لڑکی خاصی نوعمر ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ اس کا ایک بیٹا ہے جسے ایک بچی کے حوالے کرنا ظلم ہوگا اور چوتھی و آخری بات یہ کہ (باپ نے بیٹے کو طنزیہ نگاہوں سے دیکھا) میری درخواست ہے تم شادی ایک سال کیلئے ملتوی کر دو، بیرونِ ملک جا کر اپنا علاج کراؤ اور جیسا کہ تمہاری خواہش ہے اپنے بیٹے کیلئے کسی جرمن استاد کی خدمات حاصل کرو۔ اس کے بعد بھی تمہارا عشق، نفسانی جذبہ یا ہٹ دھرمی، اسے جو بھی کہو، اتنا ہی مضبوط رہے تو پھر بے شک شادی کر لو۔ اس موضوع پر یہ میرا آخری فیصلہ ہے اور یہ بات مت بھولنا کہ میں نے اپنا آخری فیصلہ سنا دیا ہے۔۔۔" معمر شہزادے نے بات کچھ اس انداز سے ختم کی جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اپنا فیصلہ کبھی نہیں بدلے گا۔

شہزادہ آندرے اس نتیجے پر پہنچا کہ بوڑھے کو امید ہے کہ ایک سال میں اس کے اور اس کی متوقع دلہن کے جذبات پہلے جیسے نہیں رہیں گے یا پھر اس دوران وہ خود (معمر شہزادہ) انتقال کر جائے گا۔ چنانچہ اس نے باپ کی خواہش

کا احترام کرتے ہوئے شادی ایک برس کیلئے ملتوی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

شہزادہ آندرے رستوف خاندان کے ساتھ اپنی آخری ملاقات کے تین ہفتے بعد پیٹرز برگ واپس چلا آیا۔

☆☆☆

جس روز نتاشا کی اپنی والدہ سے بات چیت ہوئی تھی اس سے اگلے دن وہ تمام وقت بلکونسکی کے آنے کا انتظار کرتی رہی مگر وہ نہ آیا۔ اس سے اگلے دو دن اسی کیفیت میں گزرے۔ پیری بھی نہ آیا۔ نتاشا کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ شہزادہ آندرے اپنے والد سے ملنے چلا گیا ہے اس لیے وہ اس کی غیر حاضری کا سبب سمجھنے سے قاصر تھی۔

اسی طرح تین ہفتے گزر گئے۔ نتاشا کو کہیں آنے جانے کی خواہش نہیں رہی تھی اور وہ بھوت پریت کی طرح بے مقصد ایک سے دوسرے کمرے میں چکر لگاتی رہتی۔ اس کا منہ لٹک گیا اور دل پر اداسی طاری ہوگئی۔ وہ راتوں کو چھپ کر روتی رہتی اور والدہ کے کمرے میں نہ جاتی۔ اسے بات بے بات غصہ آتا اور چہرے پر شرمندگی کا تاثر طاری رہتا۔ اسے یوں لگ رہا تھا کہ اس کی امیدوں کے پھول جو کھلے بغیر مرجھا گئے تھے اب ہر ایک کی نظروں میں ہیں اور دل ہی دل میں اس کا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ اسے دلی اذیت تو پہنچ ہی رہی تھی، اس کے ساتھ ساتھ انا کو پہنچنے والی ٹھیس نے اس کی مصیبتوں میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔ ایک دن وہ اپنی والدہ کے پاس گئی۔ وہ کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو گرنے لگے۔ اس کے آنسو اس بچے کی مانند تھے جسے علم نہ ہو کہ اسے کس غلطی کی سزا دی جا رہی ہے۔

بیگم رستوف نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی۔ شروع میں تو وہ والدہ کی بات سنتی رہی، پھر اچانک پھٹ پڑی اور اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی "خاموش ہو جائیں امی، میں اس بارے میں سوچ رہی ہوں نہ سوچنا چاہتی ہوں۔ وہ آئے اور چلے گئے۔۔۔۔ چلے گئے۔۔۔۔"

اس کی آواز کانپنے لگی اور آنکھیں دوبارہ بھر آئیں۔ تاہم وہ سنبھل کر بولی "میں شادی نہیں کرنا چاہتی، مجھے ان سے ڈر لگتا ہے اور ویسے بھی اب میں سنبھل گئی ہوں۔"

اس سے اگلے دن نتاشا نے اپنا پرانا لباس پہن لیا جس کے بارے میں اسے علم تھا کہ صبح کے وقت اسے پہننے سے وہ ہشاش بشاش ہو جاتی ہے۔ اس روز بھی اس نے وہ لباس پہن کر وہی پرانی عادات و اطوار اختیار کر لیے جو اس نے رقص کی محفل کے بعد ترک کر دیے تھے۔ صبح کی چائے پینے کے بعد وہ ہال میں چلی گئی جو اسے بیحد پسند تھا اور یہاں اس کی آواز خوب گونجتی تھی۔ وہاں وہ گانے کی مشق کرنے لگی۔ وہ کمرے کے وسط میں کھڑے ہو کر ایک بول گنگنانے لگی جو اسے خاص طور پر پسند تھا۔ اپنے گلے سے نکلنے والے سر سن کر وہ خود یوں خوش ہو رہی تھی جیسے یہ کوئی غیر متوقع شے ہو۔ خالی کمرے میں اس کی آواز گونجتی اور پھر خاموش ہو جاتی۔ اچانک اس کے دل سے غم و اندوہ کے بادل چھٹ جاتے اور وہ اپنے آپ کو ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگتی۔ وہ سوچتی "اس بارے میں فکر مند ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ حالات جیسے بھی ہیں، ٹھیک ہیں" پھر وہ کمرے میں ٹہلنے لگی۔ وہ لکڑی کے فرش پر فطری انداز میں چلنے کی بجائے سنبھل کر پہلے ایڑھی اور پھر پنجے نیچے رکھتی تھی (اس نے اپنے پسندیدہ نئے جوتے پہن رکھے تھے) اسے اپنی گنگناہٹ سن کر جتنی خوشی ہو رہی تھی اتنی ہی اپنی ایڑھی کی دھمک اور پنجوں کی آواز سے حاصل ہو رہی تھی۔ آئینے کے سامنے سے گزرتے ہوئے اس نے اپنے آپ کو دیکھا اور سوچنے لگی "یہ میں ہوں، خوبصورت، مجھے کسی شے کی ضرورت نہیں"

ایک خدمتگار کوئی چیز اٹھانے کیلئے اندر آنا چاہتا تھا مگر اس نے اسے آنے سے منع کر دیا اور دروازہ بند کر دیا۔

وہ دوبارہ ٹہلنے لگی۔ اس دن اس پر ایک مرتبہ پھر خود پسندی کی کیفیت طاری ہوگئی۔ وہ خود کلامی کے انداز میں کہہ رہی تھی "یہ نتاشا کتنی پرکشش چیز ہے، خوش شکل، خوش آواز، خوش اندام۔ اگر اس کے سکون میں خلل نہ ڈالا جائے تو کسی کو شکایت کا موقع نہیں دیتی" وہ اپنے آپ سے یوں باتیں کر رہی تھی جیسے کوئی مرد اس سے مخاطب ہو۔ تاہم دوسرے اس کے سکون میں خلل ڈالنے سے کتنا ہی گریز کیوں نہ کرتے، اب اس کا سکون بحال نہیں ہو سکتا تھا اور وہ یہ بات فوراً سمجھ گئی تھی۔

بیرونی کمرے کا دروازہ کھلا اور کسی نے پوچھا "آپ گھر پر ہی ہیں؟" اس کے بعد قدموں کی چاپ سنائی دی۔ نتاشا نے آئینے کے سامنے اپنے جسم پر نگاہ دوڑائی مگر وہ اپنے آپ کو دیکھنے کی بجائے بڑے کمرے سے آنیوالی آوازوں پر کان لگائے کھڑی تھی۔ اپنے آپ کو دیکھنے پر اسے معلوم ہوا کہ اس کا رنگ فق ہو چکا ہے۔ آنیوالا 'وہ' تھا۔ اسے اس کا قوی یقین تھا حالانکہ بند دروازے سے آنیوالی آوازیں اسے بمشکل سنائی دے رہی تھیں۔

نتاشا کا چہرہ زرد ہو رہا تھا اور اس کی حالت خراب تھی۔ وہ بھاگ کر ڈرائنگ روم میں چلی گئی۔

اس نے اپنی والدہ سے کہا "امی، بلکونسکی آ گئے ہیں۔ یہ اچھا نہیں ہوا امی، اب میں برداشت نہیں کر سکتی۔ میں نہیں چاہتی کہ مجھے اذیت پہنچے، میں کیا کروں؟"

بیگم رستوف کے جواب دینے سے قبل ہی شہزادہ آندرے کمرے میں داخل ہو گیا۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی اور تشویش کا عنصر نمایاں تھا۔ جونہی اس نے نتاشا کو دیکھا تو اس کا چہرہ گلرنگ ہو گیا۔ اس نے دونوں کے ہاتھ چومے اور صوفے کے قریب بیٹھ گیا۔

بیگم رستوف نے کہنا شروع کیا "آپ سے ملاقات کئے کافی دیر۔۔۔۔" تاہم شہزادہ آندرے نے اس کی بات کاٹ دی اور اس میں چھپے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا "میں اپنے والد سے ملنے گاؤں چلا گیا تھا اس لیے آپ سے ملاقات نہ ہو سکی۔ مجھے ان سے کچھ اہم امور پر بات چیت کرنا تھی، میں کل رات ہی واپس آیا ہوں" پھر اس نے نتاشا کو انکھیوں سے دیکھا اور کچھ توقف کے بعد بیگم رستوف سے کہنے لگا "بیگم، مجھے آپ سے ایک درخواست کرنا ہے"

بیگم رستوف نے اپنی نگاہیں جھکائیں اور آہ بھر کر کہنے لگی "میں حاضر ہوں"

نتاشا جانتی تھی کہ اب اسے وہاں سے اٹھ جانا چاہئے مگر وہ ایسا نہ کر سکی۔ اس کا منہ خشک ہو گیا اور آداب یاد نہ رہے۔ اس کی آنکھیں پھیل چکی تھیں اور وہ ٹکٹکی باندھ کر شہزادہ آندرے کی جانب دیکھے جا رہی تھی۔

اس نے سوچا "ابھی؟ اسی وقت؟۔۔۔ ایسا نہیں ہو سکتا"

شہزادہ آندرے نے اسے سرسری نگاہوں سے دیکھا جس سے اسے یقین ہو گیا کہ وہ غلط نہیں تھی۔ نتاشا نے سوچا "ہاں، اسی لمحے میری قسمت کا فیصلہ ہو جائے گا"

بیگم رستوف نے سرگوشی کے انداز میں اس سے کہا "نتاشا تم جاؤ میں تمہیں بلا لوں گی"

نتاشا نے سہمی ہوئی نظروں سے شہزادہ آندرے اور اپنی والدہ کو دیکھا اور پھر کمرے سے باہر چلی گئی۔

شہزادہ آندرے نے بیگم رستوف سے کہا "بیگم، میں آپ کی بیٹی سے شادی کی درخواست کرنے آیا ہوں"

بیگم رستوف کا چہرہ سرخ ہو گیا مگر وہ منہ سے کچھ نہ بولی۔

پھر اس نے کہنا شروع کیا "آپ کی پیشکش۔۔۔۔"

آندرے خاموشی سے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔

بیگم رستوف بولی" آپ کی پیشکش۔۔۔" اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گئی، اس کا ذہن منتشر ہو گیا تھا اور وہ اپنے خیالات یکجا کرنے میں کامیاب نہیں ہو پا رہی تھی۔ اس نے کہا" ہمیں پسند ہے اور مجھے۔۔۔ آپ کی پیشکش قبول ہے۔ میں خوش ہوں۔۔۔ اور میرے شوہر۔۔۔ مجھے امید ہے۔۔۔ مگر آخری فیصلہ وہ خود کرے گی۔۔۔"

آندرے نے کہا" جب مجھے آپ کی رضامندی حاصل ہو گئی تو میں اس سے پوچھوں گا۔۔۔ کیا آپ اس پر رضامند ہیں؟"

بیگم رستوف نے اپنا ہاتھ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا" جی ہاں" جب آندرے اس کے ہاتھوں کو چومنے کیلئے نیچے جھکا تو اس نے پیار اور بیگانگی کے ملے جلے جذبات سے مغلوب ہو کر اپنے ہونٹ اس کے ماتھے سے لگا دیے۔

وہ اسے بیٹے کی طرح پیار کرنا چاہتی تھی مگر اسے محسوس ہوا کہ یہ کوئی اجنبی ہے جسے دیکھ کر اس کا دل دھڑکنا شروع ہو جاتا ہے۔

بیگم بولی" مجھے امید ہے کہ میرے شوہر رضامند ہو جائیں گے مگر آپ کے والد۔۔۔"

آندرے نے کہا" میں اپنے والد کو پہلے ہی منصوبے کی بابت بتلا چکا ہوں اور انہوں نے واضح طور پر کہہ دیا ہے کہ شادی ایک سال سے پہلے نہیں ہو گی۔ میں اس سلسلے میں آپ سے بات کرنے کا خواہشمند تھا"

بیگم کہنے لگی" یہ بات اپنی جگہ ٹھیک ہے کہ نتاشا ابھی کم عمر ہے، مگر اتنا لمبا عرصہ!"

شہزادہ آندرے سرد آہ بھر کہنے لگا" اس کا کچھ نہیں ہو سکتا"۔

بیگم نے کہا" میں اسے آپ کے پاس بھیجتی ہوں" یہ کہہ کر وہ کمرے سے چلی گئی۔

وہ اپنی بیٹی کو ڈھونڈنے چل دی جبکہ منہ ہی منہ میں بار بار یہی دہرائے جا رہی تھی" خداوند ہم پر رحم کرے"

سونیا نے اسے بتایا کہ نتاشا اپنے بیڈروم میں ہے۔ وہ اپنے بستر پر بیٹھی تھی اور اس کا رنگ زرد تھا۔ وہ کسی مذہبی بزرگ کی تصویر پر نظریں جمائے اپنے سینے پر تیزی سے صلیب کا نشان بناتے ہوئے منہ ہی منہ میں بڑبڑا رہی تھی۔ اپنی والدہ کو دیکھ کر وہ چھلانگ لگا کر اس کی جانب بھاگی اور کہنے لگی" ہاں۔۔۔ امی، ہاں۔۔۔؟"

بیگم نے اسے کہا" جاؤ، اس کے پاس جاؤ۔ اس نے تمہارا رشتہ مانگا ہے" نتاشا کو یوں لگا جیسے اس کی والدہ کا لہجہ سرد ہو۔ وہ ملامت آمیز انداز میں زیرلب کہہ رہی تھی" جاؤ۔۔۔ جاؤ" نتاشا وہاں سے چلی گئی۔

نتاشا کو کبھی علم نہ ہو سکا کہ وہ ڈرائنگ روم میں کیسے پہنچی۔ جب وہ کمرے میں داخل ہوئی تو آندرے کو دیکھ کر ٹھٹھک گئی۔ اس نے سوچا" یہ اجنبی میرے لیے سب کچھ بن گیا ہے؟" پھر اپنے سوال کا خود ہی جواب دیا" ہاں اب صرف یہی میرے لیے دنیا کی عزیز ترین دولت ہیں"

شہزادہ آندرے نگاہیں جھکا کر اس کی جانب بڑھنے لگا۔

اس نے نتاشا سے پوچھا" جس وقت میں نے تمہیں دیکھا تھا تو اسی وقت تم سے محبت کرنے لگا تھا، کیا میری امید پوری ہو سکتی ہے؟"

آندرے نے اپنی نظریں اٹھائیں اور جب نتاشا کے سنجیدہ اور جذبات سے معمور چہرے کو دیکھا تو وہ یہ کہتا دکھائی دے رہا تھا" یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟ جو بات آپ کو معلوم ہو جاتا ہے اس کے بارے میں شک وشبہ کیوں؟ انسان کے محسوسات کو الفاظ کے قالب میں ڈھالنا ممکن نہ رہے تو پھر بات کیوں کی جائے؟ نتاشا کے تاثرات

دیکھ کر وہ بیحد متاثر ہوا۔

آندرے نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے چومتے ہوئے پوچھا" کیا تمہیں مجھ سے محبت ہے؟"

نتاشا بڑبڑائی" ہاں، ہاں" اس کا لہجہ ایسا تھا جیسے وہ جھلا رہی ہو۔ اس نے بار بار گہری سانسیں لیں اور سسکیاں بھرنے لگی۔

آندرے نے پوچھا" کیا ہوا؟ کیا بات ہے؟"

نتاشا نے آنسوؤں میں مسکراتے ہوئے کہا" مجھے بیحد خوشی ہے" وہ جھک کر اس سے مزید قریب ہو گئی اور ایک لمحے کیلئے جھجکی، جیسے اپنے آپ سے پوچھ رہی ہو کہ" اب مجھے کیا کرنا ہو گا؟" پھر اس نے آندرے کو چوم لیا۔

شہزادہ آندرے نے اس کے ہاتھ تھام لیے اور اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔ مگر اب اسے نتاشا سے پہلے جیسی محبت محسوس نہ ہوئی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ اندر سے بدل گیا ہو اور محبت کی پہلے جیسی پراسرار دلکشی ختم ہو چکی تھی۔ اس کی بجائے اسے نتاشا کی نسوانی اور بچگانہ کمزوری پر ترس آنے لگا اور اس کے اندر سے پیار اور صاف گوئی سے ڈرنے لگا۔ اسے اس فرض کے احساس نے اپنے شکنجے میں جکڑ لیا کہ وہ اب ہمیشہ کیلئے اس سے بندھ گیا ہے۔ فرض کے اس احساس سے اس کا سانس رکنے لگا تھا اور اس سے لطف بھی حاصل ہو رہا تھا۔ اس کا یہ حالیہ جذبہ سابقہ جذبے جیسا روشن اور شعریت سے بھرپور نہ تھا مگر اس سے زیادہ سنجیدہ اور مضبوط تھا۔

آندرے نے اسے کہا" کیا تمہاری والدہ نے تمہیں آگاہ کر دیا ہے کہ ہمیں ایک سال انتظار کرنا ہو گا" وہ ابھی تک اس کی آنکھوں میں دیکھے جا رہا تھا۔

نتاشا سوچ رہی تھی" کیا یہ واقعی میں ہوں؟ کل کی بچی (جیسا کہ ہر شخص مجھے سمجھتا تھا) کیا واقعی مجھے اسی لمحے اس اجنبی، پیارے اور تیز طرار شخص کی بیوی بننا ہے جس کا میرا والد بھی احترام کرتا ہے۔ کیا یہ بات سچ ہو سکتی ہے؟ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ اب کھیلنے کودنے کے دن ختم ہو گئے اور میں بالغ ہو گئی ہوں اور یہ کہ اب ہر بات اور ہر عمل کی ذمہ داری میرے کندھوں پر ہے؟۔۔۔ مگر انہوں نے مجھ سے کیا پوچھا تھا"

نتاشا نے آندرے کے جواب میں کہا" نہیں!" تاہم وہ اس کی بات نہیں سمجھ سکی تھی۔

آندرے کہنے لگا" میں معذرت چاہتا ہوں، مگر تم ابھی اتنی نوعمر ہو اور میں زندگی میں پہلے ہی اتنا کچھ دیکھ چکا ہوں کہ مجھے تمہارے بارے میں خدشات لاحق ہونے لگتے ہیں۔ ابھی تم اپنا برا بھلا نہیں سمجھتیں"

نتاشا اس کی باتیں توجہ سے سنتی رہی مگر اسے الفاظ کا مطلب سمجھ نہ آ سکا۔

شہزادہ آندرے نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا" اپنی خوشیاں ملتوی کرنے کی بدولت یہ سال گزارنا میرے لیے تکلیف دہ ہو گا مگر اس سے تمہیں اپنے بارے میں پریقین ہونے کا موقع ضرور مل جائے گا۔ میری درخواست ہے کہ سال کے اختتام پر تم مجھے خوشیاں دو مگر تمہیں کھلی اجازت ہے۔ ہماری یہ منگنی راز رہے گی" وہ غیر فطری انداز میں مسکرایا اور کہنے لگا" پھر تمہیں یہ احساس ہو کہ تمہیں مجھ سے محبت نہیں یا پھر تمہیں مجھ سے پیار ہو جائے تو۔۔۔"

نتاشا نے اس کی بات میں دخل اندازی کرتے ہوئے کہا" ایسی باتیں کیوں کر رہے ہیں؟ آپ کو علم ہے کہ جس دن آپ اوتراد نوئے تشریف لائے تھے مجھے اسی وقت آپ سے محبت ہو گئی تھی" اس نے یہ بات اس یقین سے کہی کہ وہ جو کچھ کہہ رہی ہے وہ سچ ہے۔

آندرے بولا" ایک سال میں تم اپنے آپ کو اچھی طرح سمجھ اور جان جاؤ گی"

نتاشانے باآواز بلند کہا" تمام سال۔۔۔!" اب اسے احساس ہوا کہ شادی ایک سال ملتوی کرنا ہوگی۔ وہ کہنے لگی "مگر ایک سال کیوں؟ ایک سال کیوں؟۔۔۔"

شہزادہ آندرے نے اسے تاخیر کی وجوہات سے آگاہ کرنا شروع کر دیا جبکہ نتاشا نے بات پر توجہ نہ دی۔

اس نے آندرے سے پوچھا" اس کے علاوہ کوئی حل نہیں؟"

شہزادہ آندرے نے کوئی جواب نہ دیا تاہم اس کی شکل سے یہ بات ظاہر ہوتی تھی کہ یہ فیصلہ تبدیل نہیں ہوسکتا۔

نتاشا اچانک پھٹ پڑی اور کہنے لگی" یہ تو بیحد خوفناک بات ہے، بیحد خوفناک۔ اگر مجھے ایک سال انتظار کرنا پڑا تو میرا نہ جانے کیا بنے گا، یہ ناممکن ہے" وہ دوبارہ سسکیاں بھرنے لگی۔

اس نے شہزادہ آندرے کے چہرے کی جانب دیکھا جس پر ترس اور تشویش کے آثار تھے۔

اچانک اس نے اپنے آنسو روکے اور کہنے لگی" نہیں نہیں، میں سب کچھ برداشت کرلوں گی۔ مجھے بیحد خوشی ہے"

اس کے والدین کمرے میں آگئے اور انہوں نے منگیتروں کیلئے نیک خواہشات کا اظہار کیا۔ اسی دن سے آندرے نے نتاشا کے منگیتر کی حیثیت سے رستوف خاندان کے ہاں آنا جانا شروع کر دیا۔

(24)

بلکونسکی اور نتاشا کی منگنی کی کوئی رسم ادا کی گئی نہ اس کا اعلان کیا گیا۔ شہزادہ آندرے کا بھی یہی اصرار تھا کہ تاخیر کی ذمہ داری اسی پر عائد ہوتی ہے لہذا اسکا تمام تر بار بھی وہ خود ہی اٹھائے گا۔ نیز یہ کہ وہ زندگی بھر کیلئے خود کو اپنے وعدے کا پابند تصور کرتا ہے مگر نتاشا پر کسی قسم کی پابندیاں عائد نہیں کرنا چاہتا اور اس کیلئے راستہ کھلا رکھنا چاہتا ہے۔ اگر چھ ماہ بعد وہ یہ محسوس کرے کہ اسے آندرے سے محبت نہیں تو وہ اسے مسترد کرنے کا پورا حق رکھتی ہے۔ اگرچہ نتاشا اور اس کے والدین یہ بات سننے کو تیار نہ تھے مگر وہ اپنی بات پر قائم رہا۔

اگرچہ شہزادہ آندرے رستوف خاندان کے ہاں مسلسل آتا جاتا رہتا تھا مگر وہ نتاشا کے ساتھ منگیتروں والا رویہ اختیار نہیں کرتا تھا۔ وہ اس کے ساتھ بے تکلفانہ گفتگو سے احتراز برتتا اور صرف ہاتھ پر بوسہ دیتا تھا۔ منگنی کے دن سے ہی ان کے درمیان بالکل مختلف، سیدھے سادے اور دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے تھے جو اس نوعیت کے تھے کہ گویا وہ اس سے قبل ایک دوسرے کو جانتے تک نہیں تھے۔ دونوں کو یہ بات یاد کرنا بیحد پسند تھی کہ باہمی تعلق سے پہلے ان دونوں کی ایک دوسرے کے بارے میں کیا رائے تھی۔ اب انہیں یوں محسوس ہوتا تھا کہ وہ بالکل مختلف شخصیات ہیں۔ پہلے وہ ایک دوسرے سے مصنوعی انداز میں پیش آتے تھے اور اب ان کا رویہ خالصتاً فطری اور خلوص سے بھرپور تھا۔ شروع میں اہلخانہ کو شہزادہ آندرے سے بات چیت اور اس سے تعلقات بڑھانے میں ہچکچاہٹ ہوتی تھی اور وہ کسی اور دنیا کا باسی دکھائی دیتا تھا نیز نتاشا کو انہیں اس کا عادی بنانے میں خاصا وقت لگا۔ وہ فخریہ انداز میں انہیں بتلاتی رہتی تھی کہ وہ بظاہر مختلف دکھائی دیتا ہے مگر حقیقت میں دیگر لوگوں جیسا ہی ہے۔ وہ اس سے خوفزدہ ہے نہ دوسروں کو اس سے خوف کھانے کی کوئی ضرورت ہے۔ چند روز میں وہ اس سے مانوس ہو گئے اور اب اس کی موجودگی میں گھٹن محسوس نہیں کرتے تھے۔ اب وہ جھجکے بغیر روزمرہ کے معمولات پر عمل کرنے لگے اور شہزادہ آندرے بھی ان کا ساتھ دینے لگا۔ وہ اس فن میں ماہر تھا کہ

نواب سے اس کی جاگیروں کے انتظام و انصرام، بیگم رستوف اور نتاشا سے تازہ ترین رواج اور سونیا سے البم اور کشیدہ کاری کے بارے میں کیسی گفتگو کرنی چاہئے۔ یہ سب کچھ کیسے ہوا اور اس وقوعہ کی شروعات سے پہلے جو علامات نمودار ہو رہی تھیں، ان کے بارے میں رستوف بعض اوقات باہمی گفتگو اور بعض اوقات شہزادہ آندرے کی موجودگی میں بھی حیرت کا اظہار کرتے رہتے تھے۔ شہزادہ آندرے کی اوترادنوئے آمد، رستوف خاندان کا پیٹرزبرگ جانا، نتاشا اور شہزادہ آندرے کی اشکال میں مشابہت جو بوڑھی آیا نے پہلی نظر میں بھانپ لی تھی، 1805ء میں نکولائی اور آندرے کی اچانک ملاقات اور اس جیسے بے شمار واقعات اہلخانہ کی باہمی گفتگو کا موضوع بنتے رہتے تھے جن سے آنیوالے وقوعہ کی نشاندہی ہوتی تھی۔

منگیتر جوڑے کی موجودگی میں گھر کی فضا جس قسم کے شعری ماحول اور خاموشی سے بوجھل ہونے لگتی ہے وہ یہاں بھی پوری طرح موجود تھا۔ کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ تمام لوگ ایک ہی کمرے میں بیٹھے ہوتے مگر کسی کے منہ سے کوئی لفظ نہ نکلتا۔ بعض اوقات دیگر لوگ اٹھ جاتے اور منگیتر اکیلے ہوتے مگر خاموشی پھر بھی قائم رہتی۔ وہ اپنی آئندہ زندگی کے بارے میں بھی کبھار ہی کوئی بات کرتے تھے۔ شہزادہ آندرے کو اس سلسلے میں ضمیر کے کچوکے محسوس ہونے لگتے تھے۔ نتاشا اس جذبے میں بھی اس کا عین اسی طرح ساتھ دیتی تھی جس طرح وہ اپنی خداداد صلاحیتوں کی بدولت اس کے دیگر جذبات بھانپ کر ان میں شریک ہو جاتی تھی۔ ایک مرتبہ وہ اس کے بیٹے کے بارے میں پوچھنے لگی۔ شہزادہ آندرے کا چہرہ سرخ ہو گیا۔۔۔ اب وہ اکثر شرماتا تھا اور نتاشا کو اس کا یہ انداز خاص طور پر پسند تھا۔۔۔ وہ کہنے لگا" میرا بیٹا ہمارے ساتھ نہیں رہے گا"

نتاشا نے دلگیر لہجے میں پوچھا" کیوں نہیں؟"

میں اسے اس کے دادا سے علیحدہ نہیں کرسکتا، اس کے علاوہ۔۔۔"

نتاشا بولی" میں اس سے بیحد محبت کرتی" اس نے شہزادہ آندرے کے ذہن میں موجود بات کا فوراً اندازہ لگا لیا تھا۔ وہ کہنے لگی" بہر حال میں جانتی ہوں کہ آپ کسی کو ہم پر تنقید کا موقع نہیں دینا چاہتے

کبھی کبھار معمر نواب شہزادہ آندرے کے پاس آجاتا اور اسے بوسہ دے کر اس سے پیتیا کی تعلیم یا ملازمت میں نکولائی کے مقام پر صلاح مشورہ کرنے لگتا۔ اس کی بیگم جب آندرے اور نتاشا کو دیکھتی تو آہ بھر کر رہ جاتی۔ سونیا کو ہر دم یہی اندیشہ لاحق رہتا کہ کہیں وہ ان کی تنہائی میں خلل تو نہیں ڈال رہی۔ چنانچہ وہ اس وقت بھی ان کے پاس سے اٹھ جانے کے بہانے تلاش کرتی رہتی جب ان کا تنہائی میں گفتگو کا موڈ نہیں ہوتا تھا۔ جب شہزادہ آندرے، جسے داستان بیان کرنے کے فن پر عبور تھا، بات کر رہا ہوتا تو وہ اسے فخر سے سنتی رہتی اور جب وہ خود کوئی بات کرتی تو اسے انہماک اور تجسس سے اپنی جانب دیکھتے ہوئے دیکھ کر خوشی کے ساتھ ساتھ خوف کا شکار بھی ہو جاتی۔ وہ حیرانی و پریشانی کے عالم میں سوچتی" وہ مجھ میں کیا چیز دیکھتے ہیں؟ فرض کریں کہ وہ مجھ میں جو خوبی دیکھنا چاہتے ہیں، وہ مجھ میں نہ پائی جائے تو پھر کیا ہوگا؟" بعض اوقات اس کا مزاج مجنونانہ ہو جاتا جو اس کی طبیعت کا خاصہ تھا اور اس کیفیت میں وہ شہزادہ آندرے کو دیکھتے اور اس کی بات سنتے ہوئے سن کر بیحد لطف اندوز ہوتی تھی۔ وہ بھی کبھار ہی ہنستا تھا اور جب ہنستا تھا تو اپنی خوش طبعی کے سامنے مغلوب ہو جاتا اور ایسی ہنسی میں وہ خود کو آندرے کے قریب تر محسوس کرتی۔ اگر ان کی متوقع علیحدگی کا خطرہ نتاشا کے دل میں جگہ نہ بنالیتا تو وہ خوشی سے نہال ہو جاتی۔

پیٹرزبرگ سے روانگی سے ایک دن پہلے شہزادہ آندرے پیری کو اپنے ساتھ لایا جو رقص کی اس محفل کے بعد

ایک مرتبہ بھی رستوف خاندان کے ہاں نہیں آیا تھا۔ پیری اکھڑا اور شرمندہ لگ رہا تھا اور زیادہ تر بیگم رستوف سے بات چیت کرتا رہا۔ نتاشا سونیا کے ساتھ شطرنج کی میز کے سامنے بیٹھی تھی اور وہیں سے شہزادہ آندرے کو بلا رہی تھی۔ وہ ان کے قریب چلا گیا۔

اس نے نتاشا سے پوچھا "تم بیزوخوف کو خاصی دیر سے جانتی ہو، ہے ناں؟ کیا تمہیں اس کی شخصیت پسند ہے؟"

نتاشا نے جواب دیا "ہاں، وہ بہت اچھا انسان ہے، مگر ذرا مضحکہ خیز ہے"

دیگر لوگوں کی طرح نتاشا نے بھی پیری کے تذکرے پر اس کی غیر حاضر دماغی کے قصے سنانا شروع کردیے جن میں سے اکثر لوگوں نے گھڑے تھے۔

شہزادہ آندرے نے اسے کہا "تم جانتی ہو کہ میں نے اسے اپنا رازداں بنالیا ہے۔ میں اسے بچپن سے جانتا ہوں۔ اس کا دل سونے کا ہے۔ نتالی میری درخواست ہے کہ" آندرے نے اچانک سنجیدگی اختیار کرلی اور کہنے لگا "میں جا رہا ہوں، خدا جانے اس دوران کیا ہو جائے، ہو سکتا ہے تمہارا ارادہ بدل جائے۔۔۔ ارے، میں جانتا ہوں کہ مجھے ایسی بات نہیں کہنی چاہئے۔ میری تم سے درخواست ہے کہ۔۔۔ تمہیں میری غیر موجودگی میں خواہ کیسے ہی حالات کا سامنا کیوں نہ ہو۔۔۔"

نتاشا کہنے لگی "مجھے کیا ہوگا؟"

شہزادہ آندرے نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا "خواہ کوئی بھی مشکل درپیش کیوں نہ ہو، مادموزیل صوفی، خواہ یہ مشکل کیسی ہی کیوں نہ ہو، مشورے اور مدد کیلئے اس کے سوا کسی کے پاس مت جانا۔ دنیا میں اس جیسا غائب دماغ شخص نہیں ملے گا مگر اس کا دل سونے کا ہے"

جدائی کا جو اثر نتاشا پر ہوا اسے اس کے ماں باپ، سونیا حتیٰ کہ شہزادہ آندرے بھی محسوس نہ کرسکا۔ وہ سرخ چہرہ لیے بے چینی سے تمام دن گھر میں بے مقصد گھومتی پھرتی رہی۔ وہ بے حد معمولی کاموں میں مصروف رہنے کے بہانے تلاش کر رہی تھی جیسے اسے احساس ہی نہ ہو کہ اسے کس صورتحال سے واسطہ پڑے گا۔ جب وہ آخری مرتبہ اس کا ہاتھ چومنے لگا تو وہ اس وقت بھی نہ روئی اور صرف یہی کہہ سکی "نہ جائیں" مگر اس کا لہجہ کچھ ایسا تھا کہ شہزادہ آندرے نے سوچا اسے واقعی نہیں ٹھہرنا چاہئے اور اسے یہ بات طویل عرصہ یاد رہی۔ جب وہ چلا گیا تو وہ پھر بھی نہ روئی بلکہ کئی دن اپنے کمرے میں خاموش بیٹھی رہی۔ اس کی آنکھیں خشک تھیں مگر اسے کسی شے میں دلچسپی نہ رہی تھی اور اس کے ذہن میں وقفے وقفے سے یہی سوال کلبلانے لگا کہ "وہ کیوں چلے گئے؟" تاہم آندرے کی روانگی کے دو ہفتے بعد اس کے اہلخانہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اس نے ذہنی انتشار کی کیفیت پر قابو پالیا ہے اور وہ دوبارہ وہی بن گئی ہے جو وہ پہلے تھی۔ تاہم اتنا فرق ضرور نمودار ہوا تھا کہ اس کے اخلاقی خدوخال پہلے جیسے نہیں رہے تھے، بعینہ ایسے ہی جیسے طویل بیماری کے بعد بچے کا چہرہ بدل جاتا ہے۔

(25)

بیٹے کی بیرون ملک روانگی کے بعد گزشتہ برس شہزادہ نکولا آندریچ بلکونسکی کی صحت اور مزاج دونوں خراب ہو چکے تھے۔ اسے پہلے سے زیادہ غصہ آنے لگا اور شہزادی ماریا اس کے ہردم غصے کی زد میں آنے لگی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ ہمہ

وقت اپنی بیٹی کی فطرت میں موجود ان خامیوں کو تلاش کرتا رہتا ہے جنہیں وہ با آسانی نشانہ بنا سکتا ہو اور وہ اسے ذہنی اذیت پہنچانے کیلئے انتہائی سنگدلانہ رویہ اختیار کرنے سے بھی نہیں چوکتا تھا۔ شہزادی ماریا کو صرف دو اشیا یعنی اپنے بھتیجے نکولشکا اور مذہب میں جنون کی حد تک دلچسپی تھی اور اسے انہی دونوں سے خوشی ہوتی تھی چنانچہ یہی دونوں معمر شہزادے کے حملوں کا نشانہ بنتیں۔ بات خواہ کوئی ہی کیوں نہ ہوتی وہ اس کی تان بوڑھیوں کی توہم پرستی یا بچوں سے بے جا لاڈ پیار کے ذریعے ان کی عادات بگاڑنے پر توڑتا۔ وہ اکثر کہتا "تم اسے (نکولشکا کو) اپنی طرح بے کار بڑھیا بنانا چاہتی ہو اور میں ایسا نہیں کرنے دوں گا۔ شہزادہ آندرے کو بیٹا چاہئے، بوڑھی کنواری نہیں۔ پھر وہ مادموزیل بورین کی طرف متوجہ ہوکر شہزادی ماریا کی موجودگی میں پوچھتا "تم ہمارے گاؤں کے پادریوں اور مقدس تصاویر کے بارے میں کیا کہتی ہو؟" اور پھر وہ ان کے بارے میں لطائف سنانا شروع کر دیتا۔

وہ مسلسل شہزادی ماریا کے جذبات کو نشانہ بناتا رہتا مگر وہ ہمیشہ اپنے باپ کو با آسانی معاف کر دیتی۔ کیا وہ اپنی ذات سے تعلق رکھنے والی کسی شے کے بارے میں اپنے والد پر الزام دھر سکتی ہے؟ اور کیا وہ اس سے ناانصافی کرسکتا ہے؟ جبکہ وہ ان تمام باتوں کے باوجود اس سے محبت کرتا ہے۔ تو پھر انصاف کیا ہے؟ شہزادی نے اس مغرور لفظ "انصاف" پر کبھی غور نہیں کیا تھا۔ نسل انسانی نے جس قدر پیچیدہ قوانین بنائے ہیں ان تمام کا لب لباب پیار اور ایثار کے اس واحد اور سادہ قانون میں موجود ہے جو اس (حضرت عیسیٰ) نے بنایا تھا جنہوں نے تمام انسانوں سے محبت کی خاطر مصیبتیں خندہ پیشانی سے برداشت کیں۔ "وہ سوچتی تھی مجھے دوسروں کی انصاف پسندی یا بے انصافی سے کیا لینا؟ میرا کام برداشت اور محبت کرنا ہے" اور وہ ایسا ہی کئے جا رہی تھی۔

موسم سرما میں شہزادہ آندرے بلیک ہلز آیا۔ اب وہ جس قدر خوش تھا اتنا اسے ماریا نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ آندرے کے ساتھ کوئی خاص واقعہ پیش آیا ہے مگر اس نے بہن کو اپنی محبت کے بارے میں قطعی طور پر کچھ نہ بتایا۔ جانے سے پہلے اس کی اپنے باپ کے ساتھ کسی موضوع پر لمبی چوڑی گفتگو ہوئی تھی اور شہزادی ماریا نے اندازہ کر لیا تھا کہ دونوں ایک دوسرے سے خوش نہیں ہیں۔

شہزادی ماریا نے آندرے کی روانگی کے فوراً بعد اپنی سہیلی جولی کاراگن کو پیٹرزبرگ میں خط لکھا۔ اس نے جولی کے بارے میں خواب دیکھا تھا (جیسا کہ اکثر لڑکیاں دیکھتی ہیں) کہ اس کی اپنے بھائی سے شادی ہو رہی ہے مگر اس وقت وہ اپنے بھائی کی موت کا سوگ منا رہی تھی جو ترکی میں مارا گیا تھا

شہزدی ماریا نے جولی کو لکھا تھا:

"میری عزیز اور پیاری دوست، یوں لگتا ہے کہ دکھ ہم سب کا مشترکہ مقدر ہے"

"تمہارا دکھ اس قدر گھمبیر اور افسوسناک ہے کہ میں اپنے آپ سے یہی کہہ سکتی ہوں کہ یہ خداوند کی رحمت کی خاص نشانی ہے جو تمہارے ساتھ محبت کے باعث تمہیں اور تمہاری قابل احترام والدہ کو آزمائش میں ڈالنا چاہتا ہے۔ او میری پیاری، مذہب اور صرف مذہب ہی ہمیں مایوسی کی گہرائیوں میں گرنے سے بچا سکتا ہے۔ یہ مذہب ہی ہے جو ہمیں وہ بات سمجھا سکتا ہے جسے ہم اس کی مدد کے بغیر سمجھنے سے قاصر ہیں۔ آخر نیک فطرت لوگ جو زندگی میں خوشی حاصل کر سکتے ہیں اور جنہوں نے کبھی کسی کو تکلیف نہیں پہنچائی ہوتی، کیوں خدا کے پاس بلا لیے جاتے ہیں جبکہ برے اور بے فائدہ لوگوں کو زندہ رہنے دیا جاتا ہے جو کہ زمین پر بوجھ کی مانند ہیں۔ میں نے جو پہلی موت دیکھی اور جسے میں کبھی نہیں بھلا پاؤں گی وہ میری پیاری بھاوج کی موت تھی، اس نے مجھ پر ایسا ہی اثر چھوڑا۔ جس طرح تم قدرت سے پوچھتی ہو کہ

تمہارے قابل بھائی کی موت کیوں ضروری تھی اسی طرح میں بھی یہی پوچھتی تھی کہ فرشتہ صفت لیزا کا مرنا کیوں ضروری تھا۔ اس نے کبھی کسی کو نقصان پہنچایا نہ کوئی ایسی بات سوچی جس کا مقصد دوسروں کو تکلیف دینا تھا۔ اور میری پیاری تم کیا سمجھتی ہو؟ اس سانحے کو پانچ برس گزر چکے ہیں اور اب تو مجھ جیسی کم عقل بھی یہ بات سمجھنے لگی ہے کہ اس کا انتقال کر جانا کیوں ضروری تھا۔ کسی اعتبار سے دیکھا جائے تو اس کی موت خداوند کی بے پناہ رحمت کا مظہر تھی۔ میں اکثر یہ بات سوچتی ہوں کہ وہ فرشتوں کی طرح اتنی معصوم تھی کہ ماں ہونے کے ناطے اس پر جو فرائض عائد ہوتے تھے انہیں پورا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی تھی۔ نوجوان بیوی کی حیثیت سے اس کا کردار صاف و شفاف تھا مگر ہو سکتا ہے کہ ماں کی حیثیت سے وہ ایسی نہ ہوتی۔ اب صورتحال یہ ہے کہ وہ جیسی بھی تھی، چلی گئی اور اپنے پیچھے نہ صرف ہمارے لیے اپنی پاکیزہ یادیں چھوڑ گئی ہے بلکہ اس بات کا بھی بھرپور امکان ہے کہ اسے دوسری دنیا میں وہ مقام مل جائے گا جس کے پانے کا میں سوچ بھی نہیں سکتی۔ مگر صرف اسی کا تذکرہ کیوں؟ اس کی دل ہلا دینے والی اور قبل از وقت موت نے صدمے کے باوجود مجھ پر اور میرے بھائی پر انتہائی بابرکت اور اچھے اثرات چھوڑے ہیں۔ جب ہمیں یہ دکھ سہنا پڑا اس وقت تو میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ میرے ذہن میں ایسے خیالات بھی جگہ پا سکتے ہیں۔ اگر آتے بھی تو میں انہیں ڈراؤنا سمجھ کر ذہن سے باہر نکال دیتی۔ مگر اب ان کے بارے میں میرا ذہن بالکل صاف اور تمام اقسام کے شکوک و شبہات سے پاک ہے۔ پیاری دوست، میں تمہیں یہ تمام باتیں اسی لیے لکھ رہی ہوں کہ تمہیں اس الہامی سچائی کا یقین دلا سکوں جو میری زندگی کا اصول بن چکی ہے یعنی خدا کی مرضی کے بغیر ہمارے سر کا بال بھی نہیں گر سکتا اور اس کی رضا کا ایک اصول ہمارے ساتھ بے پناہ محبت ہے چنانچہ ہمارے ساتھ پیش آنے والی ہر صورتحال میں اس کی مرضی اور ہماری بھلائی چھپی ہوتی ہے۔"

"تم نے پوچھا ہے کہ 'کیا ہم آئندہ موسم سرما ماسکو میں گزاریں گے؟' میں اس کے جواب میں کہوں گی کہ تم سے ملاقات کی شدید خواہش کے باوجود مجھے اس کی توقع ہے نہ آرزو۔ تم یہ سن کر حیران ہو گی کہ اس کا سبب بوناپارٹ ہے۔ کیوں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ میرے والد کی صحت دن بدن خراب ہوتی چلی جا رہی ہے اور اب وہ اپنی بات کی تردید برداشت نہیں کرتے اور فوری غصے میں آ جاتے ہیں۔ جیسا کہ تمہیں علم ہے کہ بنیادی طور پر ان کی خفگی کا رخ سیاسی امور کی جانب ہوتا ہے۔ ان کیلئے بوناپارٹ کا یورپ کے تمام حکمرانوں خصوصاً ملکہ کیتھرین اعظم کے نواسے کے ساتھ برابری کی سطح پر مذاکرات کرنا ناقابل برداشت ہے۔ جیسا کہ تمہیں علم ہے مجھے سیاست سے قطعی کوئی دلچسپی نہیں مگر ابا جان جو باتیں کرتے ہیں اور میخائل ایوانووچ سے جیسی بات چیت کرتے رہتے ہیں اس سے مجھے اندازہ ہو جاتا ہے کہ دنیا کے حالات کس رخ پر جا رہے ہیں اور بوناپارٹ کو جو اعزازات دیے گئے ہیں ان کے بارے میں تو میں کافی باتیں جان گئی ہوں۔ یوں لگتا ہے بلیک ہلز دنیا کی واحد جگہ ہے جہاں اسے فرانس کا شہنشاہ تو در کنار عظیم انسان بھی تسلیم نہیں کیا جاتا۔ میرے والد کو تو یہ بات سننا بھی پسند نہیں کہ کوئی اسے شہنشاہ فرانس کہہ کر پکارے۔ میرا خیال ہے کہ انہیں ماسکو جانے میں جو تامل ہے اس میں سیاسی خیالات کا عمل دخل ہے۔ انہیں خدشہ ہے کہ کہیں وہ کسی سے جھگڑ نہ بیٹھیں کیونکہ ان کی عادت ہے کہ وہ مخاطب کی حیثیت سے قطع نظر اپنی رائے کے کھلم کھلا اظہار سے نہیں چوکتے۔ علاج سے انہیں جو فائدہ ہوگا وہ یقیناً بوناپارٹ کے بارے میں تکرار سے اکارت جائے گا۔ بہر حال یہ معاملہ جلد سلجھ جائے گا۔"

"ہماری گھریلو زندگی اسی انداز سے جاری ہے جس کے ہم عادی ہیں۔ فرق صرف یہ آیا ہے کہ میرا بھائی یہاں موجود نہیں۔ جیسا کہ میں پہلے ہی لکھ چکی ہوں کہ حال ہی میں اس میں حیران کن تبدیلیاں دیکھنے کو ملی ہیں۔ گزشتہ سال کے دوران وہ صدمے سے سنبھل چکے ہیں اور ایک مرتبہ پھر ویسے ہی ہو گئے ہیں جیسا کہ بچپن میں تھے، شفیق

اور سونے جیسے دل کے مالک۔ ان جیسا میں نے کوئی اور نہیں دیکھا۔ مجھے یوں لگتا ہے کہ انہیں اندازہ ہو گیا ہے کہ ان کیلئے زندگی باقی ہے۔ اگرچہ وہ ذہنی طور پر خاصے بدل گئے ہیں تاہم ان کی جسمانی صحت خراب ہے۔ اب وہ پہلے کی نسبت کمزور ہیں اور ان کے اعصاب بھی پہلے جیسے نہیں رہے۔ مجھے ہر وقت ان کے بارے میں خدشات لاحق رہتے ہیں تاہم خوشی ہے کہ کافی عرصہ قبل ڈاکٹروں نے انہیں بیرون ملک جانے کا جو مشورہ دیا تھا وہ اس پر عمل کرتے ہوئے روانہ ہو گئے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ اس دورے سے ان کی صحت ٹھیک ہو جائے گی۔ تم نے لکھا ہے کہ پیٹرزبرگ میں ان کا شمار انتہائی مستعد، مہذب اور ذہین نوجوانوں میں ہوتا ہے۔ بہن کے بھائی پر فخر سے قطع نظر مجھے کبھی ان کی خوبیوں کے بارے میں کوئی شبہ نہیں رہا۔ انہوں نے اپنے کسانوں سے لے کر مقامی لوگوں تک بھلائی کے جو کام کیے ہیں ان کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ انہیں پیٹرزبرگ میں اپنی حیثیت کے مطابق ہی مرتبہ ملا۔"

"پیٹرزبرگ سے ماسکو پہنچنے والی افواہیں مجھے حیران کرتی رہتی ہیں۔ خاص طور پر ایسی افواہیں جیسا کہ تم نے لکھا کہ کمسن رستوف لڑکی اور میرے بھائی کی منگنی ہو گئی ہے۔ سن کر میرے چھکے چھوٹ جاتے ہیں۔ مجھے یقین نہیں آتا کہ آندرے دوبارہ کبھی شادی کرے گا اور اس کے ساتھ تو وہ کسی صورت شادی نہیں کر سکتا۔ اس کی وجہ میں بتلاتی ہوں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ اپنی پہلی بیوی کے بارے میں کبھی کبھار ہی کوئی بات کرتے ہیں تاہم مجھے یقین ہے کہ انہیں اس کی موت کا اسقدر دکھ ہے کہ وہ کسی اور خاتون کو اس کی جگہ لانے پر تیار نہیں ہو سکتے اور نہ ہی وہ ہمارے ننھے فرشتے کو سوتیلی ماں کے حوالے کر سکتے ہیں۔ دوسری بات جو میں جانتی ہوں، اس سے بالکل یہ اشارہ نہیں ملتا کہ ایسی لڑکی میرے بھائی کا دل جیت سکے گی۔ میرا نہیں خیال کہ آندرے اسے دلہن بنائے گا اور حقیقت یہ ہے کہ میں بھی ایسا نہیں چاہتی۔ مگر میں تو لکھتی ہی چلی جا رہی ہوں۔ دوسرا ورق ختم ہونے کو ہے۔ خدا حافظ میری پیاری دوست، خدا تمہاری حفاظت کرے۔ میری عزیز ساتھی مادموزیل بورین تمہیں سلام کہتی ہے"

میری

(26)

موسم گرما کے وسط میں شہزادی ماریا کو خلاف توقع شہزادہ آندرے کا خط موصول ہوا جس میں عجیب و غریب خبر سنائی گئی تھی۔ خط میں اس نے نتاشا رستوف سے اپنی منگنی کی اطلاع دی تھی۔ منگیتر کے ساتھ سرور آگیں محبت کی خوشبو سے خط مہک رہا تھا پھر اس میں اس ملائمت بھرے پیار کا تذکرہ تھا جو اسے اپنی بہن سے تھا۔ اس نے لکھا تھا کہ جس طرح کی محبت میں وہ اب گرفتار ہوا ہے اس کا ذائقہ اس نے پہلے نہیں چکھا تھا اور وہ زندگی کو سمجھنے میں اب کامیاب ہوا ہے۔ اس نے ملتجیانہ انداز میں اپنی بہن سے اس غلطی کی معافی مانگی کہ وہ گزشتہ بار بلیک ہلز آیا تو اسے اپنے منصوبوں سے آگاہ نہیں کر سکا تھا حالانکہ اس نے والد سے اس سلسلے میں گفتگو کی تھی۔ آندرے نے لکھا تھا کہ اس کی وجہ یہ اندیشہ تھا کہ ماریا والد سے اجازت دینے کیلئے اصرار شروع کر دے گی۔ اس طرح وہ اپنا مقصد تو حاصل نہ کر پاتی البتہ والد اس سے ناراض ضرور ہو جاتے۔ مزید براں اس نے لکھا تھا کہ "اس وقت یہ معاملہ اس قدر واضح طور پر طے نہیں ہوا تھا جتنا کہ اب ہوا ہے۔ اس وقت ابا جان کا اصرار تھا کہ یہ مسئلہ ایک سال کیلئے ملتوی کر دیا جائے۔ اب اس کا نصف حصہ یعنی چھ ماہ گزر چکے ہیں اور میرا ارادہ پہلے سے بھی زیادہ پختہ ہو گیا ہے۔ اگر ڈاکٹر مجھے یہاں معدنی پانی کے چشموں سے قریب ٹھہرنے کی ہدایت نہ کرتے تو میں واپس روس پہنچ چکا ہوتا۔ مگر ان حالات کے پیش نظر مجھے واپسی میں مزید تین ہفتے

تاخیر کرتا ہوگی۔تم مجھے جانتی ہواور والد سے میرے تعلقات بھی تمہاری نظروں سے اوجھل نہیں۔ مجھے ان سے کچھ نہیں لینا۔ میں اپنے افعال میں ہمیشہ آزاد رہا ہوں اور آزاد ہی رہنا چاہتا ہوں تاہم میں ان کی مرضی کیخلاف کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہتا اور ان کی ناراضگی مول نہیں لینا چاہتا کیونکہ اس طرح میری نصف خوشیاں غارت ہو جائیں گی۔اب میں اسی مسئلے کے بارے میں انہیں خط لکھ رہا ہوں۔میری تم سے درخواست ہے کہ کوئی اچھا سا موقع دیکھ کر یہ خط انہیں پہنچادو۔ ان کے ردعمل سے مجھے مطلع کر دینا اور یہ بھی بتانا کہ اس مدت میں تین ماہ کی کمی کیلئے ان کی رضامندی کی امید رکھی جاسکتی ہے یا نہیں؟''

طویل ہچکچاہٹ اور شکوک وشبہات کے بعد اس نے خط والد کے حوالے کر دیا۔اگلے دن معمر شہزادے نے اسے بلایا اور پرسکون انداز میں بولا:

''اپنے بھائی سے کہو کہ وہ میری موت کا انتظار کرے۔۔۔اب اس میں زیادہ عرصہ باقی نہیں رہا۔۔۔میں بہت جلد اسے تمام بندھنوں سے آزاد کر دوں گا''

شہزادی ماریا نے کوئی جواب دینے کی کوشش کی مگر باپ نے اسے بولنے کا موقع ہی نہ دیا۔اس کی آواز بلند سے بلند تر ہوتی چلی جارہی تھی۔وہ کہہ رہا تھا''اسے شادی کرنے دو،اسے شادی کرنے دو۔۔۔کیسا اچھا رشتہ ہے۔۔۔چالاک لوگ،ہونہہ؟امیر ہونہہ؟ارے ہاں،نکولشکا کو کیسی اچھی سوتیلی ماں ملے گی۔اسے لکھو کہ وہ کل ہی شادی کرلے۔نکولشکا کو سوتیلی ماں مل جائیگی اور میں چھوٹی بورین سے شادی رچالوں گا۔۔۔ہا،ہا،ہا اور اس طرح اسے بھی سوتیلی ماں مل جائیگی۔صرف ایک بات یاد رکھنا کہ میں اپنے گھر میں مزید عورتیں نہیں گھسنے دوں گا۔وہ شادی کرلے مگر جہاں اس کا جی چاہے جا کر رہے۔شاید تم بھی اس کے ساتھ رہنا پسند کروگی۔تمہیں کھلی اجازت ہے،جہاں جی چاہے چلی جاؤ''

غصے کے اس ابال کے بعد بوڑھے شہزادے نے دوبارہ اس موضوع کا بالکل ذکر نہ کیا تاہم وہ اپنے بیٹے کے رویے پر شدید خفا تھا اور اپنی خفگی کا اظہار اپنی بیٹی کے ساتھ سلوک کے ذریعے کرتا تھا۔پہلے وہ اس کا مذاق اڑانے کیلئے جو بہانے تراشتا تھا اب ان میں دونئی چیزوں یعنی سوتیلی ماؤں کی طرف اشاروں اور مادموزیل بورین کے ساتھ اس کی خوش خلقی کا اضافہ ہوگیا تھا۔

وہ اکثر اپنی بیٹی سے کہتا''میں اس سے شادی کیوں نہ کروں؟وہ شاندار شہزادی بنے گی''

شہزادی ماریا یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ اس کا والد واقعتاً فرانسیسی خاتون کا روز بروز گرویدہ ہوتا چلا جارہا تھا۔اس نے بھائی کے نام خط میں لکھا کہ اس کے خط کا والد پر کیا اثر ہوا ہے تاہم ساتھ ہی یہ تسلی بھی دی کہ وہ اپنے والد کو منالے گی۔

شہزادی ماریا کو جن چیزوں میں خوشی حاصل ہوتی تھی وہ نکولشکا،اس کی تعلیم،شہزادہ آندرے اور مذہب تھا اور ان کے علاوہ ہر شخص کی ذاتی امنگوں کی طرح اس نے بھی اپنی دل کی گہرائیوں میں خواب پالا ہوا تھا جس سے اسے تسلی ملتی تھی۔اسے یہ سکون بخش خواب اپنے''خدا کے بندوں'' کی بدولت ملا تھا۔یہ''خدا کے بندے'' ان زائرین پر مشتمل تھے جو اس کے باپ کی اجازت کے بغیر اس کے ہاں آتے جاتے رہتے تھے۔جوں جوں اس کی عمر بڑھ رہی تھی توں توں زندگی کے بارے میں اس کا تجربہ اور مشاہدہ بھی بڑھتا چلا جارہا تھا اور دنیا میں خوشی کے متلاشی لوگوں کی کم عقلی کے بارے میں اس کی حیرت میں بھی اضافہ ہورہا تھا۔یہ بیچارے انسان دن رات محنت کرتے اور مصیبتیں جھیلتے ہیں

اور ایک دوسرے کیخلاف نبرد آزما ہونے پر تلے رہتے ہیں،کیوں؟اس لیے کہ ناممکن اور گناہ سے آلودہ خوشیوں تک رسائی حاصل کرسکیں،مگر یہ خوشیاں ان کے ہاتھ آتی ہی نہیں۔اس نے سوچا''شہزادہ آندرے کو اپنی بیوی سے محبت تھی،وہ وفات پاگئی اور یہ اس کیلئے کافی نہ تھا۔اب وہ اپنی خوشیاں کسی اور خاتون کے ساتھ وابستہ کرنا چاہتے ہیں۔ابا جان کو اس پر اعتراض ہے کیونکہ وہ آندرے کے رشتے کیلئے زیادہ مالدار اور زیادہ بلند مرتبے کی حامل خاتون چاہتے ہیں۔ادھر یہ لوگ سخت محنت کررہے ہیں،مصیبتیں جھیل رہے ہیں اور ایک دوسرے کو نقصان پہنچاتے ہوئے اپنی روحوں کو گناہ آلود کررہے ہیں تاکہ کوئی خوشی حاصل کرسکیں خواہ وہ ایک لمحے کیلئے ہی کیوں نہ ہو۔نہ صرف ہم جانتے ہیں کہ حضرت مسیح اس دنیا میں تشریف لائے اور انہوں نے ہمیں بتایا کہ یہ زندگی چندروزہ ہے،انہوں نے بتایا کہ یہ آزمائش کا دور ہے مگر ہم پھر بھی اس کے ساتھ جڑے رہتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ خوشی یہیں ڈھونڈ لیں گے۔کوئی نہیں جانتا کہ ایسا کیسے ممکن ہے'' وہ سوچ رہی تھی''اگر کوئی جانتا ہے تو یہ دنیا کے ٹھکرائے ہوئے''خدا کے بندے'' ہیں جو جھولیاں کندھے پر ڈالے عقبی سیڑھیوں کے ذریعے میرے پاس آتے ہیں مگر انہیں ہروقت یہی دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کہیں میرے والد انہیں نہ دیکھ لیں۔ انہیں یہ ڈر نہیں ہوتا کہ وہ ان کو ماریں پیٹیں گے بلکہ وہ اس بات سے خوفزدہ ہوتے ہیں کہ کہیں ان کی وجہ سے میرے والد گناہ کا ارتکاب نہ کربیٹھیں۔گھر چھوڑ کر دنیا کی نعمتوں سے منہ موڑ لینا،بوسیدہ لباس میں اور فرضی ناموں سے دربدر پھرنا،کسی کو تکلیف نہ دینا اور سب کیلئے دعا کرنا،اس جیسی سچائی اور زندگی سے بڑھ کر کوئی سچائی اور زندگی نہیں''

ان زائرین میں ایک فیدوسیوشکا تھی۔وہ خاموش طبع،چیچک زدہ اور پستہ قد پچاس سالہ خاتون تھی جو گزشتہ تیس برس سے ننگے پاؤں میں بیڑیاں پہنے جابجا گھوم رہی تھی۔شہزادی ماریا اسے خاص طور پر پسند کرتی تھی۔ایک دن وہ تاریک کمرے میں اکٹھی بیٹھی تھیں۔وہاں ایک مدھم چراغ کے علاوہ کوئی روشنی نہ تھی جو کسی مقدس تصویر کے سامنے روشن تھا۔فیدوسیوشکا اپنی زندگی کے بارے میں باتیں کررہی تھی۔اچانک شہزادی ماریا کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ صرف اسی عورت کو سیدھی راہ پر چلنے کی توفیق ہوئی ہے۔یہ خیال اس کے ذہن پر کچھ اس بری طرح حاوی ہوگیا کہ اس نے بھی زائرہ بننے کا تہیہ کرلیا۔جب فیدوسیوشکا سوگئی تو شہزادی ماریا خاصی دیر تک اسی کے بارے میں سوچتی رہی اور اس نتیجے پر پہنچی کہ خواہ اسے یہ بات کتنی ہی عجیب کیوں نہ لگے،اسے ہرصورت زیارات پر نکل جانا چاہئے۔اس نے فادر اکینفی کے علاوہ کسی کو اپنے ارادے سے آگاہ نہ کیا۔اکینفی راہب تھا اور وہ اپنی کوتاہیوں اور گناہوں کا اعتراف اسی کے سامنے کیا کرتی تھی۔فادر نے اس کے منصوبے کی منظوری دیدی۔شہزادی ماریا نے ظاہر تو یہ کیا کہ وہ زائرہ عورتوں کو تحائف دینا چاہتی ہے مگر ان کی آڑ میں اس نے اپنے لیے زائرہ کا تمام سامان یعنی موٹے کپڑے کا لباس،جوتے،کوٹ اور رومال تیار کرالیا۔وہ اکثر ان چیزوں والی الماری کے سامنے جا کھڑی ہوتی اور سوچنے لگتی کہ آیا اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کی گھڑی آپہنچی ہے؟''

جب وہ زائرین کے قصے سن رہی ہوتی تھی تو ان کی سیدھی سادی باتیں جو ان کیلئے تو فطری ہوتیں،اسے معانی سے بھرپور دکھائی دیتیں۔وہ ان سے اسقدر متاثر ہوتی اور اس کی طبیعت میں اتنا جوش بھر جاتا کہ وہ وہیں بیٹھے بیٹھے یہ فیصلہ کرلیتی کہ سب کچھ چھوڑ کر گھر سے بھاگ جانا چاہئے۔وہ تصور میں خود کو پرانا لباس پہنے دیکھتی،اپنی چھڑی اور جھول ہاتھوں میں پکڑ لیتی اور کسی گرد آلود سڑک پر روانہ ہو جاتی۔فیدوسیوشکا اس کے ہمراہ ہوتی ہوائے ایک سے دوسری درگاہ تک لے جاتی۔وہ حسد،دنیاوی خواہشات اور محبتوں سے بلندتر ہوچکی ہوتی اور آخر اس منزل کو پالیتی جہاں غم،سسکیوں اور آہوں کا کوئی وجود نہیں اور صرف ہمیشہ رہ جانیوالی خوشی موجود ہے۔

شہزادی ماریا سوچنے لگتی "میں کسی جگہ رک جاؤں گی اور عبادت کیا کروں گی۔ مگر اس سے پہلے کہ وہاں کی عادی ہو جاؤں اور اس جگہ کی محبت میرے دل میں سمانے لگے، میں وہاں سے چل پڑوں گی۔۔۔ میں آگے ہی آگے چلتی جاؤں گی، جہاں میری ٹانگیں تھک گئیں وہیں لیٹ جاؤں گی اور اپنی جان خدا کے سپرد کر دوں گی۔ بالآخر میں کسی پرسکون جگہ پہنچ جاؤں گی جہاں غم ہوگا، سسکیاں نہ آہیں۔۔۔"

مگر جب وہ اپنے والد اور اس سے بھی بڑھ کر نکولشکا کو دیکھتی تو اس کا حوصلہ جواب دے جاتا۔ اس کے ارادے متزلزل ہونے لگتے اور وہ چھپ چھپ کر روتی اور محسوس کرتی کہ وہ گناہ گار ہے کیوں کہ خدا سے زیادہ اپنے باپ اور بھتیجے سے محبت کرتی ہے۔

☆☆☆☆☆

ساتواں حصہ

(1)

انجیل کی روایت ہمیں بتاتی ہے کہ دھرتی پر اترنے سے پہلے انسان کو جو مکمل خوشی حاصل تھی اس کی وجہ "بیکاری" تھی۔ فراغت آج بھی انسان کو پستی میں گرنے کے باوجود بیحد پسند ہے۔ نوع انسانی ابھی تک خدا کے قہر تلے دبی ہے کہ نہ صرف ہمیں اپنی روزی شدید محنت کر کے کمانا پڑتی ہے بلکہ ہماری اخلاقی فطرت بھی کچھ ایسی ہوگئی ہے کہ ہم بیکار بیٹھ سکتے ہیں نہ امن سے رہ سکتے ہیں۔ ہماری اندرونی آواز ہمیں تلاتی رہتی ہے کہ بیکار بیٹھے رہنا گناہ کے مترادف ہے۔ اگر انسان کوئی ایسا طرز زندگی دریافت کر لیتا جس کی بدولت اسے کچھ کئے بغیر اپنا وجود بیکار معلوم نہ ہوتا اور وہ یہ سمجھتا کہ وہ دوسروں کے کام آ رہا ہے اور اپنا فرض انجام دے رہا ہے تو وہ پرانے دور کی کامل خوشی کو پا چکا ہوتا۔ ایسی ملامت سے خالی بیکاری سے ایک طبقہ یعنی فوج لطف اندوز ہوتی ہے۔ فوجی ملازمت کی سب سے بڑی کشش یہی ملامت سے خالی بیکاری ہے۔

1807ء کے بعد نکولائی رستوف ابھی تک پاؤلوگراڈ رجمنٹ میں تعینات تھا اور جب سے اس سکواڈرن کی کمان دینی سوف سے اسے منتقل ہوئی تھی وہ ایسی ہی بابرکت خوشی محسوس کر رہا تھا۔

فوجی ملازمت کے دوران رستوف کی طبیعت میں اکھڑپن آ گیا تھا مگر فطری طور پر وہ خوش اطوار تھا اور ایسا ہی رہا۔ اس میں جو تبدیلیاں پیدا ہوئی تھیں انہیں ماسکو میں تو برا سمجھا جاتا مگر اپنے ساتھیوں، ماتحتوں اور افسران بالا کی نظروں میں یہ اچھی تھیں اور اس کی عزت کی جاتی تھی اور وہ اپنی زندگی سے خاصا مطمئن تھا۔ 1809ء میں اسے کچھ عرصہ سے گھر سے جو خطوط موصول ہونا شروع ہوئے تھے ان میں اس کی والدہ اکثر شکایت کرتی رہتی تھی کہ ان کے حالات بدتر ہوتے چلے جا رہے ہیں اور وہ اسے ہر مرتبہ یہی نصیحت کرتی کہ اب اسے گھر واپس آ جانا چاہئے اور اپنے والدین کے دلوں کو ٹھنڈک اور خوشی مہیا کرنی چاہئے۔

نکولائی جس ماحول میں رہ رہا تھا اس نے اسے زندگی کی تکالیف اور مصیبتوں سے پناہ دے رکھی تھی اور یوں اس کے شب و روز سکون سے گزر رہے تھے تاہم جب وہ یہ خطوط پڑھتا تو اسے خوف آنے لگتا اور اسے دلی اذیت پہنچتی کیونکہ اسے یہ احساس ہوتا تھا کہ وہ اسے یہاں سے نکال کر لے جانا چاہتے ہیں۔ اسے علم تھا کہ جلد یا بدیر اسے زندگی کے سمندر میں غوطہ زن ہونا پڑے گا اور اس کی پیچیدہ گتھیوں اور معاملات، نگران کے حسابات، تنازعے، سازشیں، معاشرتی رشتے، سونیا کی محبت اور اس کے ساتھ کئے جانے والے وعدوں کا سامنا کرنا ہوگا۔ یہ سب کچھ انتہائی پیچیدہ اور مشکل تھا۔ وہ جواب میں اپنی ماں کو فرانسیسی میں رسمی اور سرد مہر زبان پر مشتمل خطوط لکھتا جن کے آغاز میں "میری پیاری امی" اور آخر میں "آپ کا فرمانبردار بیٹا" لکھا ہوتا تھا۔ وہ خطوط میں کبھی یہ نہ بتاتا کہ وہ کب واپس آئے گا۔ 1810ء میں اسے

اپنے والدین کے جو خطوط ملے ان میں انہوں نے اسے بلکونسکی اور نتاشا کے رشتے کی اطلاع دی تھی اور یہ بھی بتایا تھا کہ شادی ایک سال کیلئے ملتوی کرنا پڑی ہے تاکہ آندرے کے والد کی رضامندی حاصل کی جا سکے۔ یہ خطوط پڑھ کر نکولائی غمزدہ ہو گیا اور اس نے خفت محسوس کی۔ ایک تو اسے نتاشا کے گھر والوں سے بچھڑ جانے کا افسوس تھا جسے وہ گھر کے کسی اور فرد کی نسبت کہیں زیادہ چاہتا تھا اور دوسرے اسے ہوزار ہوتے ہوئے اس بات پر افسوس تھا کہ وہ موقع پر موجود نہ تھا ورنہ بلکونسکی کو بتا دیتا کہ اس کے ساتھ رشتہ داری قائم ہونا ان کیلئے کسی طور عزت افزائی کا باعث نہیں ہے اور اگر اسے نتاشا سے واقعی محبت ہے تو پھر وہ اپنے مخبوط الحواس بوڑھے باپ کی بات سے با آسانی انحراف کیا جا سکتا ہے۔ کچھ دیر وہ اسی شش و پنج میں پڑا رہا کہ آیا اسے چھٹی کی درخواست دے دینی چاہئے تاکہ شادی سے پہلے ایک مرتبہ نتاشا سے مل سکے مگر اسی دوران فوجی مشقیں شروع ہو گئیں۔ سونیا کا تصور اور گھر کی مشکلات بھی اس کے ذہن میں گردش کرنے لگیں اور نکولائی نے ایک مرتبہ پھر اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔ تاہم اسی برس موسم بہار میں اسے اپنی والدہ کا خط ملا اس کے والد کے علم کے بغیر لکھا گیا تھا۔ یہ خط پڑھنے کے بعد وہ قائل ہو گیا کہ اسے گھر واپس چلے جانا چاہئے۔ اس کی ماں نے لکھا تھا کہ "اگر وہ گھر واپس نہ آیا اور معاملات اپنے ہاتھ میں نہ لیے تو ان کی تمام جائیداد نیلام ہو جائیگی اور وہ سب غریب ہو جائیں گے۔ نواب اتنا کمزور اور بے بس ہے اور میتنکا پر اس طرح آنکھیں بند کر کے اعتبار کر لیتا ہے اور اتنا شریف النفس ہے کہ ہر شخص اسے دھوکہ دے جاتا ہے۔ حالات مسلسل خراب ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اگر تم مجھے اور تمام خاندان کو قلاش نہیں دیکھنا چاہتے تو پھر میری درخواست ہے کہ خدا کیلئے فوراً واپس آ جاؤ"

خط نے نکولائی پر اثر ڈالا۔ وہ اوسط ذہانت کے مالک شخص کی سی عام سوجھ بوجھ سے بہرہ ور تھا اور اسی نے اسے فرائض یاد دلا دیے۔

اب اس کیلئے درست راہ یہی تھی کہ ملازمت سے ریٹائرمنٹ نہ بھی لی جائے تو اسے رخصت پر گھر ضرور جانا ہوگا۔ اس کا جانا کیوں ضروری تھا، اس سوال کا جواب تو شاید اس کے پاس نہ تھا البتہ دوپہر کے وقت کچھ دیر سونے کے بعد اس نے اپنی سرمئی گھوڑی پر زین ڈالنے کا حکم دیا۔ یہ بدخصلت گھوڑی تھی جس پر کافی دیر سے سواری نہیں کی گئی تھی۔

جب وہ اس کی لگام تھامے واپس آیا تو اس نے لاورشکا، جو دینی سوف کے بعد اس کے پاس آ گیا تھا، اور دیگر ساتھیوں کو بتایا کہ وہ چھٹی لے کر گھر جا رہا ہے۔ اگرچہ اس کیلئے یہ بات سوچنا نہایت عجیب اور مشکل تھا کہ وہ کمانڈر انچیف کے دفتر سے کوئی ایسی اطلاع (اسے اس میں بیحد دلچسپی تھی) وصول کئے بغیر جا رہا ہے کہ آیا اسے کپتان بنا دیا گیا ہے یا نہیں، یا پھر گزشتہ مشقوں میں اس کی کارکردگی کی بنا پر اسے "رڈر آف سینٹ این" ملے گا یا نہیں۔ اگرچہ اسے یہ سوچتے ہوئے بھی بہت عجیب معلوم ہوتا تھا کہ وہ پولینڈ کے نواب گولوکوونسکی کے ہاتھ اپنے تین گھوڑے بیچے بغیر جا رہا ہے جن کے سلسلے میں نواب اس سے سودا بازی کی کوشش کر رہا تھا جبکہ رستوف اس سے شرط لگا چکا تھا کہ وہ ہر صورت انہیں دو ہزار روبل میں ہی بیچے گا۔ اگرچہ یہ بات بھی اس کیلئے سوہان روح تھی کہ وہ خود تو چلا جائے اور ہوزار اور پولینڈ کی رقاصہ مادام پیشازتسکی کے اعزاز میں رقص کا انعقاد کریں جس میں وہ شریک نہیں ہو سکے گا۔ وہ یہ تقریب اوخلن کو چڑانے کیلئے منعقد کر رہے تھے جس نے اپنی پسندیدہ رقاصہ مادام بورزوونسکی کے اعزاز میں محفل رقص منعقد کی تھی۔ تاہم ان تمام باتوں کے باوجود اسے علم تھا کہ اسے اس دلکش اور خوشگوار دنیا کو خیر باد کہہ کر ایک ایسی جگہ جانا ہی ہوگا جس میں ہر شے الٹی اور بے سروپا تھی۔ ایک ہفتے بعد اس کی چھٹی منظور ہو گئی اور اس کے ساتھیوں نے اس کے اعزاز میں ڈنر کا اہتمام کیا جن

میں نہ صرف اس کی اپنی رجمنٹ بلکہ پورے بریگیڈ کے ہوزار شامل تھے۔ اس ڈنر کیلئے فی کس پندرہ روبل چندہ دیا گیا۔ شرکائے محفل کو محظوظ کرنے کیلئے دو فوجی بینڈ اور موسیقاروں کے دو طائفے بلائے گئے۔ رستوف نے میجر بازوف کے ساتھ ٹریپک رقص کیا۔ نشے میں مخمور افسر اسے فضا میں اچھالتے اور گلے لگا کر زمین پر پٹخ دیتے۔ سکواڈرن کے سپاہیوں نے بھی اسے ایک مرتبہ اپنے کندھوں پر اٹھایا اور "ہرا" کے نعرے لگاتے ہوئے برف گاڑی میں لٹا کر اپنی حفاظت میں پہلے ڈاک سٹیشن پر پہنچا دیا۔

کریمنچگ سے کیف تک سفر کے ابتدائی نصف حصے میں دیگر مسافروں کی طرح رستوف بھی ان چیزوں کے بارے میں سوچتا رہا جنہیں وہ سکواڈرن کے ساتھ پیچھے چھوڑ آیا تھا۔ نصف سفر کے بعد وہ اپنے تینوں گھوڑوں، کوارٹر ماسٹر اور مادام پیشازتسکی کو بھولنے لگا اور یہ سوچ سوچ کر اسے پریشانی لاحق ہونے لگی کہ نجانے اوترادنوئے میں حالات کیسے ہوں گے۔ جوں جوں وہ گھر سے قریب ہوتا گیا توں توں اس کے خیالات میں شدت آتی چلی گئی۔ اوترادنوئے سے پہلے اس نے آخری قیام گاہ پر کوچوان کو تین روبل بطور بخشش دیے اور گھر پہنچنے پر بچوں کی طرح بھاگ کر سیڑھیاں چڑھنے لگا، اس کوشش میں اس کی سانس بھی پھول گئی۔

گھر پہنچنے کے بعد نکولائی کا جوش و خروش کم ہو گیا (اسے ہر شے جوں کی توں دیکھ کر مایوسی ہوئی اور وہ سوچنے لگا کہ اس نے آنے میں جلد بازی سے کام کیوں لیا) زندگی ایک مرتبہ جانے پہچانے انداز میں آگے بڑھنے لگی۔ اس کی والدہ اور والد پہلے جیسے تھے، بصرف ان میں پہلے کی نسبت بڑھاپے کے آثار زیادہ دکھائی دینے لگے تھے۔ ان میں جو نئی بات دیکھنے میں آئی وہ ایک خاص طرح کی کشیدگی تھی۔ کبھی کبھار ان میں اختلاف بھی دیکھنے کو ملتا جو پہلے کبھی نظر نہیں آیا تھا اور نکولائی کو جلد معلوم ہو گیا کہ اس کا سبب ان کے دن بدن خراب ہوتے حالات تھے۔

سونیا اب بیس برس کو پہنچ چکی تھی اور اس کے حسن میں مزید نکھار آنے کے امکانات ختم ہو چکے تھے۔ تاہم اس کے باوجود وہ خاصی خوبصورت تھی۔ جونہی رستوف واپس آیا وہ خوشی اور محبت کی روشنیاں بکھیرنے لگی اور اس کی مستقل اور وفا شعار محبت دیکھ کر وہ خوشی سے نہال ہو گیا۔ اسے سب سے زیادہ حیرت پیتیا اور نتاشا کو دیکھ کر ہوئی۔ پیتیا تیرہ سال خوش شکل لڑکا تھا جس کی آواز میں مردانہ پن آ رہا تھا۔ نتاشا کو دیکھ کر نکولائی کیلئے اپنی حیرت پر قابو پانا مشکل ہو جاتا تھا اور اسے دیکھتے ہی اس کی ہنسی نکل جاتی۔

اس نے نتاشا کو بتایا "تم بالکل بدل گئی ہو"

نتاشا نے پوچھا "کیسے؟ کیا بدصورت ہو گئی ہوں؟"

نکولائی نے سرگوشی کے انداز میں کہا "نہیں، اس کے بالکل برعکس، کیا وقار ہے! واقعی شہزادی لگ رہی ہو"

نتاشا خوشدلی سے چلائی "ہاں، ہاں، ہاں"

اس نے شہزادہ آندرے کے ساتھ اپنی محبت اور اس کی اوترادنوئے آمد کے بارے میں سب کچھ بتایا اور اس کا تازہ ترین خط بھی دکھایا۔

نتاشا نے پوچھا "بہرحال، تم خوش ہو ناں؟ میں بالکل مطمئن اور خوش ہوں"

نکولائی بولا "بہت خوش ہوں، وہ شاندار آدمی ہے، تمہیں اس سے محبت ہے؟"

نتاشا بولی "میں کیسے کہوں؟ مجھے بورس سے محبت ہوئی، اپنے استاد سے ہوئی، دینی سوف سے بھی ہوئی مگر یہ کل مختلف قسم کا پیار ہے، مجھے سکون محسوس ہوتا ہے اور یوں لگتا ہے جیسے اس سے بہتر شخص اس دنیا میں کوئی نہیں۔ اب

مجھے کتنا سکون محسوس ہوتا ہے اور ایسی کیفیت پہلے کبھی محسوس نہیں ہوئی تھی"

نکولائی نے شادی ایک سال تک ملتوی کئے جانے پر عدم اطمینان کا اظہار کیا مگر نتاشا کو یہ بات اچھی نہ لگی اور اس کا اصرار تھا کہ دیگر صورت ممکن نہ تھی، مزید یہ کہ والد کی مرضی کے بغیر کسی خاندان کا رکن بننا غلط تھا اور وہ خود بھی یہی چاہتی تھی۔

وہ بار بار کہہ رہی تھی "تم بالکل نہیں سمجھتے"

نکولائی نے اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیے اور کچھ نہ کہا۔

نتاشا کا بھائی جب بھی اسے دیکھتا تو حیرانی میں مبتلا ہو جاتا۔ ایسا کوئی اشارہ نہیں ملتا تھا کہ یہ لڑکی کسی کے عشق میں مبتلا ہے اور اپنے منگیتر کی جدائی کا دکھ جھیل رہی ہے۔ وہ ہمیشہ کی طرح معتدل مزاج، خوش اور مطمئن تھی۔ اس کا رویہ دیکھ کر نکولائی حیرت زدہ رہ گیا اور بلکونسکی کے معاشقے کے بارے میں بھی شکوک میں مبتلا ہو گیا۔ اسے اس بات کا یقین ہی نہیں آتا تھا کہ اس کی بہن کی تقدیر لکھ دی گئی ہے اور خاص طور پر اس کی یہ وجہ بھی تھی کہ اس نے نتاشا کو کبھی شہزادہ آندرے کے ساتھ نہیں دیکھا تھا۔ اس مجوزہ شادی کے بارے میں اس کے ذہن میں ہمیشہ یہی خیال زیر گردش رہتا کہ کہیں کوئی گڑبڑ ہے۔

وہ اکثر سوچتا "تاخیر کیوں کی گئی؟ منگنی کی رسم کیوں ادا نہ ہوئی؟"

ایک مرتبہ جب وہ اپنی بہن کے بارے میں والدہ سے بات چیت کر رہا تھا تو اسے یہ جان کر حیرت کے ساتھ ساتھ اطمینان بھی ہوا کہ اس کے دل میں بھی اس شادی کے بارے میں شکوک وشبہات موجود تھے۔

اس نے بیٹے کو شہزادہ آندرے کا خط دکھاتے ہوئے کہا "یہ دیکھو" اس کے لہجے میں تلخی تھی جس کا اس نے سرعام اظہار نہیں کیا تھا مگر اسے محسوس کیا جا سکتا تھا۔ اپنی بیٹیوں کی مستقبل کی شادی شدہ زندگی کی خوشیوں کے سلسلے میں ماؤں کے دل میں ایسی ہی تلخی پائی جاتی ہے۔ وہ کہنے لگی "اس نے لکھا ہے کہ دسمبر سے پہلے نہیں آ سکتا۔ اسے کس نے روک رکھا ہے؟ طبیعت کی خرابی؟ یقیناً یہی بات ہو گی۔ اس کی صحت خاصی خراب ہے، نتاشا کو مت بتانا۔ وہ جو اتنا خوش ہے تو اس پر حیرانگی کی ضرورت نہیں۔ وہ اپنے لڑکپن کے آخری دور سے گزر رہی ہے مگر میں جانتی ہوں کہ جب اسے اس کا کوئی خط ملتا ہے تو اس کا کیا حال ہو جاتا ہے۔ تاہم خدا نے چاہا تو اب بھی سب کچھ ٹھیک ہو سکتا ہے" اس نے ہمیشہ کی طرح گفتگو کے آخر میں کہا "وہ شاندار آدمی ہے"

(2)

گھر واپسی کے بعد نکولائی ابتداء میں نہ صرف اپنے ہی خیالات میں مستغرق رہا بلکہ اس پر اداسی اور اکتاہٹ بھی طاری رہنے لگی۔ اسے یہ پریشانی لاحق تھی کہ جن فضول کاروباری امور کو نپٹانے کیلئے اس کی والدہ نے اسے طلب کیا تھا ان کا سامنا کرنے کا وقت قریب آ رہا تھا۔ اس بوجھ سے فوری نجات پانے کیلئے وہ اپنی آمد کے تیسرے دن غصے میں پھنکارتا اور نتاشا کا استفسار نظر انداز کرتا تیزی سے متنکا کی رہائش گاہ کی جانب بڑھا تا کہ اس سے ایک ایک چیز کا حساب لے سکے۔ بوکھلایا ہوا نکولائی اس 'ایک ایک چیز کے حساب' سے متنکا سے بھی کم آگاہ تھا۔ بات چیت اور حساب کتاب کی جانچ پڑتال زیادہ دیر جاری نہ رہی۔ راہداری میں ملاقات کا منتظر گاؤں کا معزز شخص، سانوں کا نمائندہ اور ایک دیہاتی کلرک خوف اور مسرت کے ملے جلے جذبات میں نوجوان نواب کی دھاڑتی ہوئی بلند

آوازیں سن رہے تھے۔ فوراً ہی گالیوں کے ایک کے بعد ایک خوفناک الفاظ سنائی دینے لگے۔

نکولائی چلا رہا تھا "لٹیرے! نمک حرام!۔۔۔ میں کتے کو ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا!۔۔۔ اب تمہارا واسطہ ابا جان سے نہیں ہے۔۔۔ تم نے ہمیں کنگال کر دیا۔۔۔ وغیرہ وغیرہ"

اس کے بعد انہوں نے جب نوجوان نواب کو غصے کے عالم میں متنکا کو گردن سے پکڑ کر گھسیٹتے اور الفاظ کے درمیان برابر وقفوں سے پھرتی کے ساتھ اس کی پیٹھ پر پاؤں سے ٹھوکریں اور گھٹنوں سے ضربات لگاتے دیکھا تو ان کے خوف اور خوشی میں کوئی کمی نہ آئی۔ نوجوان نواب چلا کر کہہ رہا تھا "بھاگ جاؤ! بدمعاش، مجھے تمہاری شکل نظر نہ آئے!"

متنکا سیڑھیوں پر چھ قدم نیچے سر کے بل لڑھکتا چلا گیا اور درختوں کے ذخیرے کی جانب بھاگ نکلا۔ اوترادنوئے میں یہ ذخیرہ مجرموں کی پناہ گاہ تھی۔ متنکا بھی جب شہر سے نشے میں دھت ہو کر آتا تو یہیں چھپا کرتا تھا۔ علاوہ ازیں متنکا کی نگاہوں سے بچنے کے خواہشمند اوترادنوئے کے بے شمار لوگوں کیلئے یہ ذخیرہ محفوظ پناہ گاہ تھی۔

متنکا کی بیوی اور سالی کے چہرے متوحش تھے اور وہ اپنے کمرے سے باہر جھانک رہی تھیں جہاں ایک چمکتا سماوار ابل رہا تھا اور ایک جانب اونچا پلنگ پڑا تھا جس پر بوسیدہ لحاف رکھا ہوا تھا۔

نوجوان نواب نے عورتوں کی جانب نہ دیکھا اور زور زور سے سانس لیتا پرعزم انداز میں ان کے ساتھ سے گزر کر اپنے مکان میں چلا گیا۔

نگران کی رہائش گاہ میں پیش آنے والے اس واقعے کی اطلاع نوکرانیوں کے ذریعے فوری طور پر بیگم رستوف کو مل گئی۔ اسے یہ سوچ کر اطمینان ہو رہا تھا کہ اب ان کے معاملات ہر صورت سدھر جائیں گے تاہم اس کے ساتھ ساتھ اسے یہ خدشہ بھی لاحق تھا کہ اس تمام واقعے کا اس کے بیٹے پر کیا اثر ہو گا۔ وہ کئی بار پنجوں کے بل چلتی ہوئی اس کے کمرے تک گئی اور دروازے سے کان لگا کر سننے کی کوشش کی۔ اس کا بیٹا پائپ پر پائپ سلگا رہا تھا۔

اگلے دن معمر نواب اپنے بیٹے کو ایک جانب لے گیا اور سہمی ہوئی مسکراہٹ سے کہنے لگا "میرے پیارے بیٹے تم خواہ مخواہ ہی غصے میں آ گئے امتنکا نے خود ہی مجھے سب کچھ بتا دیا ہے"

نکولائی نے سوچا "میں پہلے ہی جانتا تھا کہ مجھے اس جنونی دنیا کی کوئی بات سمجھ نہ آئے گی"

نواب کہنے لگا "تمہیں غصہ اس لیے آیا کہ اس نے سات سو آٹھ روبل درج نہیں کئے تھے مگر تمہیں علم ہونا چاہیے کہ وہ حساب کتاب اگلے صفحے تک درج تھا اور تم نے آگے نہیں دیکھا"

نکولائی نے کہا "ابا جان وہ بدمعاش اور چور ہے، مجھے اس کا یقین ہے۔ مجھے جو کچھ کرنا تھا وہ میں نے کر دیا مگر آپ یہی چاہتے ہیں تو میں مزید کچھ نہیں کہوں گا"

نواب جھینپتے ہوئے بولا "نہیں میرے بیٹے نہیں، میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ معاملات سنبھالو، میں عمر رسیدہ ہو چکا ہوں، میں۔۔۔" اسے اچھی طرح علم تھا کہ اس نے اپنی بیوی کی جائیداد کی درست طور سے دیکھ بھال نہیں کی ہے اور یوں اپنے بچوں پر ظلم کیا ہے تاہم اس غلطی کے ازالے سے متعلق اسے کچھ علم نہ تھا۔

نکولائی نے کہا "نہیں ابا جان، اگر میری وجہ سے آپ کو کوئی تکلیف پہنچی ہے تو میں معافی چاہتا ہوں مگر حساب کتاب کے معاملے میں میرا علم آپ سے بھی کم ہے"

اس نے سوچا "بھاڑ میں جائیں یہ سب، یہ کسان، رقم کے معاملات اور اندراج۔ تاش کا حساب میں با آسانی سمجھ لیتا تھا مگر یہ اندراج والا معاملہ میری سمجھ سے باہر ہے" اس وقت کے بعد اس نے گھریلو امور میں کبھی مداخلت نہ کی۔

مگر ایک دن بیگم رستوف نے بیٹے کو اپنے کمرے میں بلایا اور اسے بتایا کہ اس کے پاس اینا میخائلونا کا پیشگی چیک ہے اور ہمیں کیا کرنا چاہئے؟"

نکولائی نے جواب دیا"اچھا، آپ کہتی ہیں کہ فیصلہ مجھے کرنا ہے تو پھر سنیں۔ مجھے اینا میخائلونا پسند ہے نہ بورس، تاہم وہ ہمارے تعلق دار تھے اور غریب تھے۔ پھر میرا خیال یہ ہے"اس نے چیک پھاڑ ڈالا۔ اس طرز عمل کو دیکھ کر بیگم رستوف کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آ گئے۔ اس واقعے کے بعد نوجوان نواب نے کسی کاروباری معاملے میں دخل نہ دیا بلکہ وہ جوش وخروش سے اپنے نئے مشغلے یعنی 'شکار' میں مشغول ہو گیا جو نواب کی جاگیر پر وسیع پیمانے پر کھیلا جاتا تھا۔

(3)

موسم سرما کا آغاز ہو رہا تھا اور صبح کی ہلکی برف نے خزاں کی بارشوں سے بھیگی زمین کو ٹھنڈا کر دیا تھا۔ اس سے پہلے گھاس گچھوں کی شکل میں اگ چکی تھی اور موسم سرما کی رائی جسے جانوروں نے اپنے پاؤں تلے روند دیا تھا، موسم بہار کی فصل کے زردی مائل ٹھنٹھوں اور گندم کے کھیتوں کے مقابلے میں خاصی سرسبز دکھائی دے رہی تھی۔ اگست کے آخر تک سیاہ کھیتوں اور ٹھنٹھوں کے مابین سرسبز جزیروں کی شکل میں نظر آنیوالے پہاڑی ٹیلے اور درختوں کے جھنڈ اب موسم سرما کی سبز رائی کے مابین سنہری اور ارغوانی جزیروں کی شکل اختیار کر چکے تھے۔ سرمئی خرگوشوں کے نصف بال پہلے ہی جھڑ چکے تھے اور لومڑوں کے بچے ادھر ادھر منتشر ہونا شروع ہو گئے تھے۔ بھیڑیوں کے بچے پل بڑھ کر کتوں سے زیادہ ڈیل ڈول کے مالک بن چکے تھے۔ اس برس یہ شکار کیلئے بہترین وقت تھا۔ رستوف جیسے جوشیلے شکاری کے کتے نہ صرف شکار کی بھرپور حالت میں آ چکے تھے بلکہ وہ اتنے مشتعل ہو رہے تھے کہ کتوں کے رکھوالوں کی مشترکہ بات چیت میں انہیں تین دن آرام دینے اور 16 ستمبر کو مہم پر بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس مہم کا آغاز شاہ بلوط کے درختوں کے جھنڈ سے ہونا تھا جس میں ابھی تک شکار نہیں کھیلا گیا تھا اور یہاں نوعمر بھیڑیوں کا گروہ رہتا تھا۔

یہ 14 ستمبر تک کی صورتحال تھی۔

اس روز کتے تمام دن گھروں میں بند رکھے گئے۔ اس دن زوردار سردی تھی اور یخ ہوا جسموں کو کاٹ رہی تھی۔ شام ہی سے آسمان پر بادل چھا گئے اور برف پگھلنے لگی۔ 15 ستمبر کو ڈریسنگ گاؤن میں ملبوس نوجوان رستوف نے کھڑکی سے باہر دیکھا تو اسے خیال آیا کہ شکار کیلئے اس سے بہتر کوئی اور صبح نہیں ہو سکتی۔ یوں لگتا تھا جیسے آسمان پگھل رہا ہو اور ہوا کے ہلکے سے جھونکے کے بغیر ہی زمین پر آ رہا ہو۔ فضا میں حرکت کرنیوالی واحد شے دھند یا کہر کے خوردبینی قطرے تھے جو زمین کی جانب بہہ رہے تھے۔ باغ میں ننگی شاخوں پر موتیوں جیسے شبنم کے قطرے لٹک رہے تھے اور درختوں سے تازہ تازہ جھڑنے والے پتوں پر رس رس کر گر رہے تھے۔ باغیچے کی کالی گیلی زمین لالے کے پھول کے مرکز کی طرح چمک رہی تھی چند قدم آگے دھند کی گیلی اور تاریک چادر میں چھپ جاتی تھی۔

نکولائی باہر آیا اور کیچڑ آلود پیش دالان میں چلا گیا۔ وہاں گلے سڑے پتوں اور ایک کتیا کی بو محسوس کی جا سکتی تھی۔ سیاہ نشانات، چوڑی پشت اور بڑی بڑی سیاہ آنکھوں والی کتیا ملکا اپنے مالک کو دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے اپنی ٹانگیں پھیلائیں اور خرگوش کی مانند نیچے لیٹ گئی۔ پھر اس نے اچانک چھلانگ لگائی اور اس کی ناک اور مونچھیں چاٹنے لگی۔ ایک بیریز کتے نے پگڈنڈی سے اپنے مالک کو دیکھا تو کمر جھکا کر سر کے بل بھاگتا پیش دالان کی جانب آیا اور دم

اٹھا کر نکولائی کی ٹانگوں پر تھوتھنی رگڑنے لگا۔

اسی لمحے اسے"او۔ ہوئے" کی مخصوص آواز سنائی دی جس کا ایک حصہ نہایت آہستگی اور دوسرا اونچی آواز سے بولا جاتا ہے۔ کونے سے کتوں کا رکھوالا دانیلو اور اس کا نائب نمودار ہوئے۔ دانیلو کے چہرے پر جھریاں تھیں اور اس کے سفید بال یوکرائنی رواج کے مطابق ماتھے کے آر پار سیدھے کٹے ہوئے تھے۔ اس کے ہاتھ میں لمبا اور پیچ دار چابک تھا۔ اس کی شکل وصورت دیکھ کر یہ تاثر ملتا تھا کہ یہ شخص مرضی کا مالک ہے اور دنیا کی ہر شے کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ ایسی باتیں صرف شکاری کتوں کے رکھوالوں میں ہی نظر آتی ہیں۔ اس نے اپنی ٹوپی اتار کر آقا کو سلام کیا اور اسے حقارت آمیز نگاہوں سے دیکھا۔ اس کے آقا کو علم تھا کہ دانیلو کے اس انداز میں حقارت کا کوئی پہلو نہیں۔ وہ جانتا تھا کہ بظاہر اس کا رویہ حقارت آمیز معلوم ہوتا ہے مگر اس کے باوجود وہ اس کا وفا شعار ملازم اور کتوں کا رکھوالا ہے۔

نکولائی نے ڈھٹائی سے کہا"دانیلو!" وہ جانتا تھا کہ شکار کے حوالے سے سازگار ترین موسم میں شکاری کتوں اور ان کے رکھوالوں کو دیکھ کر اس کے دل میں شکار کا وہ زبردست جذبہ پیدا ہو گیا ہے جس کے سامنے بند نہیں باندھا جا سکتا اور جس کی موجودگی میں انسان بالکل اسی طرح اپنے دیگر ارادے ملتوی کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے جس طرح عاشق اپنے محبوب کی موجودگی میں دیگر باتیں بھول جاتا ہے۔

ایک شخص کی دھیمی آواز سنائی دی"جناب کیا کہتے ہیں؟" یہ آواز بیٹھ ڈیکن جیسی تھی اور شکار کی آوازیں لگا لگا کر بیٹھ گئی تھی۔ انگارے جیسی دو آنکھیں اپنے آقا کو سوالیہ انداز سے دیکھ رہی تھیں اور یہ کہتی معلوم ہوتی تھیں"یقیناً تم رہ نہیں پاؤ گے؟"

نکولائی نے ملکا کتیا کو کانوں کے عقب میں کھجاتے ہوئے کہا"شکار اور گھڑ سواری کے لئے موزوں ترین دن ہے۔"

دانیلو نے آنکھیں جھپکیں اور خاموش رہا۔

کچھ دیر ٹھہرنے کے بعد وہ کہنے لگا"میں علی الصبح اطلاعات حاصل کرنے کیلئے یوارکا کو بھیجا تھا اس کا کہنا ہے کہ وہ انہیں اوترادنوئے کے جنگل میں لے گئی ہے وہ وہاں چلا رہے تھے (اس کا مطلب تھا کہ بھیڑنی، جس سے وہ دونوں واقف تھے، اپنے بچے اوترادنوئے کے جنگل میں لے گئی ہے، یہ دو میل دور ایک چھوٹی اور نجی شکارگاہ تھی)

نکولائی نے کہا"میرا خیال ہے کہ ہمیں جانا چاہئے۔ یوارکا کے ساتھ میرے پاس آ جانا"

دانیلو نے جواب دیا"جیسا آپ کہیں"

نکولائی کہنے لگا"انہیں کھلانا پلانا بند کردو"

دانیلو بولا"جی حضور"

پانچ منٹ بعد دانیلو اور یوارکا نکولائی کے کشادہ کمرے میں کھڑے تھے۔ اگرچہ دانیلو دراز قد کا مالک نہیں تھا مگر کمرے میں دیکھ کر اسے یہی احساس ہوتا تھا جیسے گھر میں فرنیچر کے درمیان فرش پر ریچھ یا گھوڑا کھڑا ہو۔ دانیلو حسب معمول دروازے سے ذرا اندر کھڑا تھا اور اسے خود بھی یہی محسوس ہو رہا تھا۔ وہ نرم وملائم انداز میں گفتگو کی کوشش کر رہا تھا اور اپنی جگہ پر ساکت تھا۔ اسے خدشہ تھا کہ کہیں اس کے ہاتھوں کوئی شے نہ ٹوٹ جائے۔ وہ جلد از جلد اپنی بات مکمل کر رہا تھا تاکہ ایک مرتبہ پھر چھت سے دور کھلے آسمان تلے جا سکے۔

نکولائی نے چھان بین کرنے کے بعد دانیلو سے تقریباً زبردستی یہ بات منوالی کہ شکاری کتے بالکل تیار ہیں

(دانیلو خود بھی جانے کیلئے بے چین تھا) اور گھوڑوں پر زینیں ڈالنے کا حکم دے دیا۔ اسی لمحے جب دانیلو جانے والا تھا، نتاشا تیزی سے کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ معمر آیا کی چادر اوڑھے ہوئے تھی اور اس نے ابھی تک بال سنوارے نہ اچھے کپڑے پہنے تھے۔

نتاشا بولی "تم جارہے ہو؟ میں جانتی تھی کہ تم نہیں ٹھہرو گے۔ سونیا کہتی تھی کہ تم نہیں جاؤ گے مگر مجھے علم تھا کہ ایسا دن ہو تو تم جائے بغیر نہیں رہ سکو گے"

نکولائی نے بادل نخواستہ کہا "ہاں، ہم جارہے ہیں" وہ اس روز سنجیدگی سے شکار کھیلنے کا خواہشمند تھا اور نتاشا و پیٹیا کو ساتھ نہیں لے جانا چاہتا تھا۔ اس نے مزید کہا "ہم جارہے ہیں، آج صرف بھیڑیوں کا شکار ہوگا اور تمہیں بالکل مزا نہیں آئے گا"

نتاشا کہنے لگی "تم جانتے ہو کہ یہ میری پسندیدہ ترین تفریح ہے۔ بہت بری بات ہے، اکیلا جارہا ہے اور ہمیں پوچھا تک نہیں"

پیٹیا باآواز بلند بولا "کوئی رکاوٹ روسیوں کی راہ نہیں روک سکتی، چلو چلیں"

نکولائی نے نتاشا کی طرف متوجہ ہو کر کہا "مگر تم نہیں جاسکتیں، امی نے کہا تھا کہ تمہیں بالکل نہیں جانا چاہئے"

نتاشا نے مٹھیاں بھینچ کر کہا "کیوں نہیں؟ میں ضرور جاؤں گی" پھر وہ دانیلو کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگی "دانیلو، ہمارے گھوڑوں پر بھی زینیں ڈلوادو اور میخائلو سے کہو کہ ہمارے کتے لے آئے"

دانیلو کو کمرے میں کھڑا ہونا ہی مشکل اور نامناسب لگ رہا تھا کجا کہ نوجوان لڑکی بھی وہاں آجائے۔ یہ ماحول اس کیلئے ناقابل برداشت تھا۔ اس نے نگاہیں جھکائیں اور جلدی سے باہر نکل گیا جیسے اس کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہ تھا تاہم جاتے جاتے اس نے یہ احتیاط ضروری کی کہ اس کے کسی عمل سے نوجوان لڑکی کے جذبات کو ٹھیس نہ پہنچے۔

(4)

معمر نواب ہمیشہ وسیع پیمانے پر شکار کھیلتا رہا تھا مگر اب اس نے یہ تمام معاملہ اپنے بیٹے کے حوالے کر دیا تھا۔ 15 ستمبر کو اس کا موڈ اچھا تھا چنانچہ اس نے دوسروں کے ساتھ چلنے کی تیاری کر لی۔ ایک گھنٹے بعد شکار کے تمام رسیا پیش دالان میں آکھڑے ہوئے۔ نکولائی سخت اور سنجیدہ رویہ اختیار کرتے ہوئے نتاشا اور پیٹیا کے قریب سے گزر گیا جو اس سے کچھ کہنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ اس کے پاس فضول باتوں کیلئے کوئی وقت نہیں۔ اس نے شکار کے حوالے سے تمام باتوں کا باریک بینی سے جائزہ لیا۔ شکار راستے میں روکنے کیلئے رکھوالوں کو کتوں کی ایک ٹولی کے ہمراہ آگے بھیجا۔ وہ خود اپنے گھوڑے ڈون پر سوار ہوا اور سیٹیاں بجا کر کتوں کی زنجیریں ہلاتا فصل صاف کرنے والی جگہ سے کھیت کی جانب چل دیا جہاں سے راستہ اوترادنوئے کی شکارگاہ کو جاتا تھا۔ معمر نواب کے گھوڑے ویفلائی آنکا کی لگام اس کے سائیس نے تھام لی جبکہ نواب خود ایک گاڑی میں جنگل کی اس حصے کی جانب چل دیا جسے درخت کاٹ کر صاف کر دیا گیا تھا اور یہ حصہ اسی کیلئے مخصوص تھا۔

چون شکاری کتے، چھ رکھوالوں اور نائب رکھوالوں کی نگرانی میں جارہے تھے۔ خاندان کے ارکان اور ان کے اپنے کتوں کے علاوہ چالیس سے زائد بیریئر کتے اور ان کے نگران بھی ساتھ تھے اور مجموعی طور پر یہ قافلہ ایک سو تیس کتوں اور بیس گھڑسواروں پر مشتمل تھا۔

ہر کتا اپنے مالک اور اپنے نام سے واقف تھا۔ شکاری قافلے کے ہر شخص کو علم تھا کہ اس کا کام اور مقام کیا ہے اور اس نے کس جگہ کیا کرنا ہوگا۔ باڑ عبور کرنے کے بعد وہ خاموشی اور درنگی سے اس کھیت اور سڑک پر پھیل گئے جو اوترادنوئے کی شکارگاہ کو جاتی تھی۔ کسی نے کوئی بات کی نہ شور مچایا۔

گھوڑے کھیت میں یوں قدم رکھ رہے تھے جیسے کسی موٹے قالین پر چل رہے ہوں۔ کبھی کبھار سڑک عبور کرتے وقت ان کے پاؤں پانی کے چھوٹے گڑھوں پر پڑ جاتے جس کے نتیجے میں چھینٹے اڑتے۔ دھند میں لپٹا آسمان اب بھی زمین کی جانب اترتا محسوس ہوتا تھا۔ ہوا بند اور موسم نیم گرم تھا۔ ہر طرف خاموشی تھی اور کبھی کبھار کسی رکھوالے کی سیٹی، گھوڑے کے ہنہنانے، چابک کی آواز اور کسی کتے کی صدا سنائی دے جاتی جو اپنے ساتھیوں سے بچھڑنے پر رو رہا ہوتا تھا۔ جب وہ ایک میل آگے جاچکے تو دھند سے پانچ گھڑسوار اپنے کتوں کے ہمراہ نمودار ہوئے۔ سب سے اگلے گھوڑے پر ایک خوش شکل بوڑھا سوار تھا جس کا رنگ سرخ و سفید اور مونچھیں گھنی اور سفید تھیں۔

بوڑھا قریب آیا تو نکولائی نے اسے کہا "چچا جان، صبح بخیر"

بوڑھے گھڑسوار نے کہا "سب اچھا ہے اور تیز چلو!۔۔۔ مجھے یقین تھا" یہ شخص ان کا چچا نہیں تھا بلکہ دور کا رشتہ دار تھا جس کی ان کے ہمسائے میں چھوٹی سی جاگیر تھی۔

وہ کہنے لگا "میں جانتا تھا کہ تم خواہش پر قابو نہیں پاسکو گے۔۔۔ اچھی بات ہے کہ تم لوگ آگئے ہو۔۔۔ سب اچھا ہے اور تیز چلو (یہ اس کا پسندیدہ تکیہ کلام تھا) فوری طور پر شکارگاہ پہنچ جاؤ کیونکہ میرے ملازم گرچک نے مجھے بتایا ہے کہ الاگن اپنے کتوں کے ساتھ کارنگی پہنچ چکے ہیں۔ وہ تمہاری ناک کے نیچے سے شکار لے جائیں گے"

نکولائی نے کہا "میں بھی وہیں جارہا ہوں۔ کیوں نہ ہم ایک ہی جتھا بنالیں؟"

کتوں کو اکٹھا کر دیا گیا اور چچا اور نکولائی ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔

نتاشا، پیٹیا، نائب رکھوالے اور اپنی خبرگیری کیلئے مقرر کردہ گھڑسواری کے استاد کی معیت میں ان کے ساتھ آملی۔ اس نے چادر لپیٹ رکھی تھی مگر اس کا پراشتیاق چہرہ اور چمکتی آنکھیں اس سے باہر تھیں۔ پیٹیا کسی بات پر ہنستے ہوئے اپنے گھوڑے کو چابک مار رہا تھا اور اس کی لگام کھینچنے میں مصروف تھا۔ نتاشا اپنے گھوڑے پر اعتماد سے بیٹھی تھی۔ اس نے لگام مضبوطی سے تھام رکھی تھی اور ضرورت پڑنے پر اسے کھینچ لیتی یا ڈھیلی چھوڑ دیتی۔

چچا نے پیٹیا اور نتاشا کو ناپسندیدگی سے دیکھا۔ اسے شکار جیسے سنجیدہ معاملے میں مذاق بازی پسند نہیں کرتا تھا۔

پیٹیا نے چلا کر کہا "چچا، آداب، ہم بھی آرہے ہیں"

چچا نے سلام کا جواب دیا اور سخت لہجے میں کہنے لگا "بچو، ذرا دھیان سے، گھوڑے کتوں پر نہ چڑھا دینا"

نتاشا نے اپنے پسندیدہ کتے کے بارے میں نکولائی سے کہا "نکولینکا، یہ ترونیلا کتنا شاندار کتا ہے، مجھے پہچانتا ہے"

نکولائی نے سوچا "پہلی بات تو یہ ہے کہ ترونیلا کتا نہیں بلکہ شکاری کتیا ہے" اس نے اپنی بہن کو گھور کر دیکھا۔ وہ اسے یہ باور کرانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اسے دونوں کے مابین فاصلے کا اندازہ ہو جانا چاہئے۔ نتاشا اس کی بات سمجھ گئی۔

نتاشا کہنے لگی "چچا، ہم آپ کے کام میں رکاوٹ نہیں بنیں گے اور ہلے بغیر ایک ہی جگہ کھڑے رہیں گے"

چچا نے فوراً جواب دیا "چھوٹی بیگم، یہ تو بیحد اچھی بات ہے۔ بس یہ خیال رہے کہ گھوڑے سے نہ گر جانا ورنہ کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔۔۔ سب اچھا ہے اور تیز چلو!"

اوتر ادنوئے کی شکارگاہ ڈھائی سو گز دور سامنے دکھائی دینے لگی اور تاب رکھوالے اپنے گھوڑے اس جانب بڑھانے لگے۔ رستوف چچا سے شکاری کتے چھوڑنے کے مقام کا تعین کرنے اور نتاشا کو اس کی جائے قیام بتانے (یہ وہ جگہ تھی جہاں کسی شے کے پہنچنے کا کوئی امکان نہیں تھا) کے بعد وہ پہاڑی ندی سے گھیرا ڈالنے کیلئے آگے چلا گیا۔

چچا نے اس سے کہا" بھتیجے تم بڑے شکار پر ہاتھ ڈال رہے ہو، دھیان رہے کہ وہ تمہیں دھوکہ دے کر نہ نکل جائے"

رستوف نے جواب دیا" یہ تو حالات پر منحصر ہے" پھر وہ ایک کتے کا نام لے کر بولا" کارے، ادھر آؤ" اس کا انداز ایسا تھا جیسے چچا پر جتانا چاہتا ہو کہ وہ شکار میں قطعی سنجیدہ ہے۔ کارے بوڑھا، بدصورت اور چتکبرا شکاری کتا اور ایک قوی الجثہ بھیڑیے کو ہلاک کرنے کے حوالے سے مشہور تھا۔

معمر نواب کو اپنے بیٹے کے شکار سے متعلق جنون کا علم تھا۔ چنانچہ وہ عجلت سے آگے بڑھا تاکہ پیچھے نہ رہ جائے اور رکھوالے بمشکل اپنی اپنی جگہوں پر پہنچے تھے کہ نواب ایلیا آندریچ اپنا گھوڑا دوڑاتا پگڈنڈی پر اس جگہ پہنچ گیا جو اس کیلئے مخصوص کی گئی تھی۔ وہ ہشاش بشاش تھا، اس کا چہرہ سرخ تھا اور رخسار پھڑک رہے تھے۔ اس نے اپنے کوٹ کی شکنیں درست کیں اور خود کو شکاری سامان سے لیس کر کے اپنے خوبصورت اور توانا گھوڑے وفلائی آنکا پر سوار ہو گیا جس کے بال اس کے اپنے بالوں کی طرح سفید ہو رہے تھے۔ گاڑی واپس بھیج دی گئی۔ اگرچہ نواب ایلیا آندریچ کو شکار کا کوئی شوق نہ تھا مگر وہ شکار کے اصولوں سے بخوبی واقف تھا۔ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر درختوں کے جھنڈ کی جانب چل دیا۔ اسے اسی کنارے پر ٹھہرنا تھا۔ چنانچہ اس نے وہاں پہنچ کر گھوڑے کی لگام کھینچ لی اور آرام سے زین پر بیٹھ گیا۔ اس نے خود کو مستعد محسوس کیا اور ادھر ادھر نگاہیں دوڑانا شروع کر دیں۔

اس کے قریب اس کا ملازم سیمون چیک مار کھڑا تھا۔ وہ تجربہ کار گھڑسوار تھا مگر اس وقت زین پر اکڑ کر بیٹھا تھا۔ اس نے بھیڑیے جیسے تین شکاری کتوں کی زنجیریں تھام رکھی تھیں جو اپنے مالک اور اس کے گھوڑے کی طرح موٹے ہو چکے تھے۔ دو عقلمند اور ادھیڑ عمر کتے رسیوں کے بغیر زمین پر لیٹے تھے۔ جنگل کے کنارے پر سو قدم دور نواب کا دوسرا سائیس متکا کھڑا تھا۔ وہ خطرات مول لینے والا بہادر گھڑسوار اور جوشیلا شکاری تھا۔

نواب نے شکار کیلئے روانہ ہونے سے پہلے چاندی کے گلاس میں برانڈی پی جس میں مصالحے ڈالے گئے تھے اور ہلکا سا کھانا کھا کر اپنے پسندیدہ مشروب کی نصف بوتل پی۔

شراب اور گھڑسواری کے باعث اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھیں خاص طور پر چمک رہی تھیں جن میں پانی تھا اور وہ جسم کے گرد کوٹ لپیٹے زین پر بیٹھا تھا۔ اسے دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے کسی بچے کو سیر کیلئے لایا گیا ہو۔

دبلے پتلے جسم اور دھنسی آنکھوں والے چیک مار نے فرائض کی ادائیگی کے بعد ایک نظر اپنے آقا پر ڈالی۔ وہ گزشتہ تیس برس سے اس کے ساتھ تھا دونوں کے باہمی تعلقات بےحد خوشگوار تھے۔ اس نے جب اپنے آقا کو خوش دیکھا تو اسے پرلطف گفتگو کی امید پیدا ہوئی۔ ایک تیسرا شخص کان کھڑے کئے جنگل سے نکلا اور نواب کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ یہ معمر شخص تھا جس کی داڑھی کے بال سفید ہو چکے تھے اور اس نے جسم پر عورتوں والا چغہ اور سر پر اونچی چھجے والی ٹوپی پہن رکھی تھی۔ یہ مسخرہ تھا جس کا نام ناستاسیا ایوانوونا تھا

نواب نے اسے آنکھ مارتے ہوئے کہا" ناستاسیا ایوانوونا، اگر تم نے شکار کو ڈرا دیا تو دیکھنا دانیلو تمہارے ساتھ کیا کرتا ہے"

ایوانوونا کہنے لگا" میں بچہ نہیں ہوں"

نواب سیمون کی جانب مڑا اور کہنے لگا" بس! کیا تم نے نتالیا انچنا کو دیکھا ہے؟ وہ کہاں ہے؟"

چیک مار نے مسکراتے ہوئے جواب دیا" وہ پیترایلچ کے ساتھ زاروزی چراگاہ کے پیچھے ہیں اگرچہ وہ خاتون ہیں مگر انہیں شکار کا بےحد شوق ہے"

نواب نے کہا" سیمون، اسے گھڑسواری کرتے دیکھ کر تمہیں حیرانی تو ہوتی ہوگی۔ بالکل مرد لگتی ہے"

سیمون نے جواب دیا" کیوں نہیں، اسقدر بہادر اور چست و چالاک"

نواب نے سرگوشی میں پوچھا" اور نکولاشا کہاں ہے؟ لیادووکی چراگاہ کے قریب؟"

چیک مار نے جواب دیا" بالکل وہیں، جناب، وہ جانتے ہیں کہ انہیں کہاں کھڑا ہونا ہوگا، وہ شکار کی پیچیدگیاں خوب سمجھتے ہیں اور انہیں دیکھ کر بعض اوقات تو میں اور دانیلو بھی حیران رہ جاتے ہیں" وہ جانتا تھا کہ اپنے آقا کو کیسے خوش کرنا ہے۔

نواب نے کہا" گھڑسواری بھی اچھی طرح جانتا ہے، ہے ناں؟ گھوڑے پر بیٹھا بھی خوبصورت دکھائی دیتا ہے، ایسا ہی ہے ناں؟"

چیک مار بولا" بالکل، ان کی مکمل تصویر ہوتی ہے، گزشتہ دنوں ہی انہوں نے زاوارزنسکی کی اونچی گھاس میں لومڑ کا تعاقب کیا تھا، وہ آندھی کی طرح گھوڑا بھگا کر لائے۔۔۔ گھوڑا ہزار روبل کا تھا اور گھڑسوار انمول۔۔۔ ان جیسا کہیں نہیں ملے گا"

نواب نے اس کی بات دہرائی" ان جیسا کہیں نہیں ملے گا" بظاہر اسے مایوسی ہوئی کہ چیک مار کی تعریف و توصیف کا سلسلہ وہیں ختم ہو گیا۔ اس نے دوبارہ کہا" ان جیسا کہیں نہیں ملے گا" پھر وہ نسوار کی ڈبیا تلاش کرنے کیلئے اپنے کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ مارنے لگا۔

چیک مار کہنے لگا" چند روز قبل وہ اپنی خوبصورت وردی میں ملبوس گرجے سے باہر آئے اور میخائل سیدورچ۔۔۔" اس کی بات درمیان میں ہی رہ گئی۔ اس نے گمبھیر خاموشی میں چند شکاری کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سن لی تھیں اور یوں لگتا تھا جیسے شکار شروع ہو گیا ہو۔ اس نے سر جھکایا اور غور سے آوازیں سنتے ہوئے اپنے آقا کو آگاہ کیا کہ" وہ بھیڑئیے کے بچوں کا تعاقب کر رہے ہیں" پھر وہ سرگوشی کے انداز میں بولا" وہ سیدھے لیادوف کی چراگاہ کو جا رہے ہیں"

نواب نے سامنے دیکھا۔ اس کے چہرے پر اب بھی مسکراہٹ تھی اور وہ اپنے ہاتھ میں موجود ڈبیا سے نسوار نکالنا بھول گیا تھا۔ کتوں کے بھونکنے کی آواز کے بعد دانیلو کے اشارے پر بھیڑیے کا شکار کرنے کیلئے بگل کی اشاراتی آواز سنائی دی۔ کتوں کا غول پہلے تین شکاری کتوں سے آملا۔ وہ پوری قوت سے وہ مخصوص آواز نکال رہے تھے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کسی بھیڑیے کو بھگا رہے ہیں۔ تاب رکھوالے اب شکاری کتوں کو شش شش کرنے کی بجائے اولو، لو آوازیں نکال کر انہیں شکار پر حملہ کرنے کیلئے اکسا رہے تھے۔ دانیلو کی آواز کبھی بالکل مدھم اور کبھی انتہائی اونچی ہو جاتی اور یوں لگتا تھا جیسے یہ آواز تمام جنگل اور ارد گرد کے علاقے میں گونج رہی ہے اور اس کی بازگشت بھی دور دور تک سنائی دے رہی تھی۔

چند سیکنڈ تک خاموشی سے سننے کے بعد نواب اور اس کے سائیس کو یقین ہو گیا کہ شکاری کتے دو گروہوں میں بٹ چکے ہیں۔ بڑا گروہ زور و شور سے کہیں دور بھاگا جا رہا تھا جبکہ دوسرا گروہ جنگل کے کنارے کے ساتھ ساتھ بھاگتا

نواب سے آگے نکل گیا اور یہی وہ گروہ تھا جسے دانیلو لشکار رہا تھا۔ دونوں گروہوں کی آوازیں ایک دوسرے میں مکمل مل گئیں اور ایک مرتبہ پھر علیحدہ ہو گئیں تاہم یہ مسلسل ایک دوسرے سے دور ہوتی چلی جا رہی تھیں۔

چیک مارنے سرد آہ بھری اور نیچے جھک کر زنجیر سیدھی کرنے لگا جس میں ایک نوعمر کتا اپنی ٹانگ پھنسا بیٹھا تھا۔ نواب نے منہ سے سکاری نکل گئی اور اس نے ہاتھ میں پکڑی نسوار کی ڈبیا کو دیکھا تو اسے کھول کر اس میں سے چٹکی بھر نسوار نکال لی۔

چیک مارنے دبے پاؤں جنگل سے نکلتے ایک شکاری کتے سے چلا کر کہا "واپس جاؤ"

نواب اچانک آواز سن کر گھبرا گیا اور نسوار کی ڈبیا اس کے ہاتھوں سے نکل نیچے جا گری۔ ناستاسیا ایوانووتا اسے اٹھانے کیلئے گھوڑے سے نیچے اتر آیا۔ نواب اور چیک مارا اسی کی جانب دیکھ رہے تھے۔ پھر جیسا کہ اکثر ہوتا ہے، شکار کی آواز اچانک قریب آنے لگی اور ایسا لگتا تھا جیسے کتوں کی آوازیں اور دانیلو کے للکارے ان کے قریب آ گئے ہوں۔

نواب نے ادھر ادھر دیکھا اور اسے دائیں جانب میکا نظر آیا جو اسے یوں گھور گھور کر دیکھے جا رہا تھا جیسے اس کی آنکھیں ابھی باہر نکل آئیں گی۔ اس نے اپنی ٹوپی سے سامنے دوسری جانب اشارہ کیا اور بولا "ادھر دیکھو" ساتھ ہی اس نے کتوں کو آگے نکلنے دیا اور خود گھوڑا بھگا کر اس کی جانب آنے لگا۔

نواب اور چیک مارا اپنے گھوڑوں کو بھگاتے ہوئے جھاڑیوں سے باہر نکل آئے۔ انہیں بائیں ہاتھ آہستگی سے لمبے لمبے قدم اٹھاتی اور چھلانگیں لگاتی بھیڑنی نظر آئی، وہ انہی کی جانب آ رہی تھی۔ کتے شور مچا رہے تھے۔ انہوں نے زنجیریں چھڑا لیں اور تیزی سے بھیڑنی کے پیچھے بھاگنے لگے۔ گھوڑے پیچھے رہ گئے تھے۔

بھیڑنی بھاگتے بھاگتے رک گئی اور خناق میں مبتلا شخص کی طرح بے ڈھنگے انداز سے اپنا بھاری اور چوڑا سر کتوں کی جانب کر کے اسی چال سے دو چھلانگیں لگا کر جنگل میں غائب ہو گئی۔ اسی دوران دوسری سمت کے جھنڈ سے شکاری کتوں کا غول شور و غوغا کرتا برآمد ہوا اور کھلا میدان عبور کر کے تیزی سے اسی جگہ کی طرف بڑھا جہاں بھیڑنی گئی تھی۔ کتوں کے گزرنے سے جھاڑیاں ادھر ادھر ہٹ گئیں اور ان میں دانیلو کا گھوڑا دکھائی دینے لگا جو پسینے سے تر بتر تھا۔ دانیلو گھوڑے کی پیٹھ پر گردن جھکائے بیٹھا تھا، اس کی ٹوپی غائب تھی اور بال الجھے ہوئے تھے۔ اس کے سفید بال سرخ اور پسینہ بہاتے چہرے پر لٹک رہے تھے۔ وہ چلا چلا کر کہہ رہا تھا "لو، لو، لو۔۔۔"

اس نے نواب کو غصیلی نظروں سے دیکھا اور اس کی جانب چابک لہراتے ہوئے بولا "آپ۔۔۔ آپ نے بھیڑنی کو نکل جانے دیا!۔۔۔ بڑے آئے شکاری!" پھر اس نے اپنے گھوڑے کو یوں چابک رسید کئے جیسے شرمندگی میں مبتلا نواب پر مزید الفاظ ضائع نہ کرنا چاہتا ہو اور گھوڑے پر بھڑاس نکالنے کے بعد کتوں کے پیچھے روانہ ہو گیا۔

نواب کی حالت سکول کے اس طالبعلم کی سی تھی جسے شدید ڈانٹ پڑی ہو۔ اس نے مسکراتے ہوئے یوں ادھر ادھر دیکھا جیسے اپنے اس حال پر چیک مارے سے ہمدردی طلب کر رہا ہو مگر چیک مار گھوڑا بھگا لے گیا تھا تاکہ بھیڑنی کو جنگل میں چھپنے سے روک سکے۔ دونوں جانب کھیت بھی تھے مگر بھیڑنی جنگل میں غائب ہو گئی تھی اور کوئی شکاری بھی اس کی راہ نہیں روک سکا تھا۔

(5)

نکولائی رستوف بھی بھیڑنی کے انتظار میں اپنی جگہ پر کھڑا تھا۔ اس نے شکار آنے اور اس کی واپسی، کتوں کے

شور اور چابکوں کی دور اور نزدیک ہوتی آوازوں سے اندازہ لگا لیا کہ جنگل میں کیا ہو رہا ہے۔ وہ جانتا تھا کہ جنگل میں نوعمر اور بوڑھے بھیڑیے موجود ہیں اور اسے علم تھا کہ کتے دو گروہوں میں تقسیم ہو چکے ہیں اور کہیں نہ کہیں کوئی گڑبڑ ضرور ہو گئی ہے۔ اسے ہر لحظہ امید تھی کہ بھیڑنی اس کی جانب ضرور آئے گی۔ اس نے مختلف اقسام کے ہزاروں اندازے لگائے کہ شکار کیسے اور کہاں سے بھاگتا آئے گا اور وہ کس طرح اسے اپنے حملے کی زد میں لے گا۔ کبھی کبھار اس کے دل میں امید کی کرن پھوٹنے لگتی اور کبھی مکمل مایوسی طاری ہو جاتی۔ وہ بار بار خدا سے دعا مانگ رہا تھا کہ بھیڑنی ادھر آ نکلے جدھر وہ کھڑا تھا۔ وہ ملتجیانہ انداز سے دعائیں مانگے جا رہا تھا جیسا کہ وہ لوگ کرتے ہیں جن کی دعا کے پس پردہ معمولی وجوہات ہوتی ہیں۔ وہ خدا سے دعا مانگ رہا تھا کہ بھیڑنی اس کی جانب آ جائے اور میرے کتے کارے کو اس پر حملہ کرنے اور سامنے کھڑے چچا کو اسے ہلاک کرنے کا موقع مل جائے۔ نصف گھنٹے میں اس نے ہزاروں مرتبہ پرعزم، تھکی اور فکرمند نگاہوں سے جنگل کے کنارے پر جھاڑیوں کے جھنڈ میں دیکھا جہاں پہاڑی ندی نالوں کے کنارے پر شاہ بلوط کے دو پرانے درختوں کے نیچے سفیدے کے چھوٹے چھوٹے درخت کھڑے تھے اور جہاں ایک جھاڑی کے پیچھے چچا کی ٹوپی دکھائی دے رہی تھی۔ رستوف نے سوچا "نہیں، میں اتنا خوش قسمت کیسے ہو سکتا ہوں، اس کی خاطر سب کچھ قربان کیا جا سکتا ہے، مگر وہ نہیں آئے گی، تاش ہو، جنگ کا میدان یا کچھ اور، میں ہر جگہ بدقسمت واقع ہوا ہوں" اس کے ذہن میں اوسترلس کی جنگ اور دولوخوف کی یادیں واضح طور پر در آئیں اور وہ سوچنے لگا "کیا ہی اچھا ہو اگر زندگی میں قوی الجثہ بھیڑنی کو ہلاک کرنے کا ایک موقع مل جائے، پھر مجھے کسی اور شے کی قطعی خواہش نہ ہو گی" اس نے آنکھوں اور کانوں پر زور ڈالا اور دائیں بائیں دیکھتے ہوئے کتوں کی آوازوں میں معمولی ترین فرق کی نشاندہی کرنے لگا۔ اس نے ایک مرتبہ پھر دائیں جانب دیکھا اور اس کھلے میدان میں کوئی چیز اپنی جانب بھاگتی دکھائی دی۔ اس نے سوچا "نہیں، یہ نہیں ہو سکتا" پھر اس نے اس شخص کی طرح اطمینان کی سانس لی جیسے کسی شے کا مدتوں سے خواہشمند شخص اسے پا نے پر لیتا ہے۔ اس کی عظیم خوشی کا لمحہ آ گیا تھا اور اس قدر خاموشی اور سادگی سے آیا تھا کہ وہ یقین ہی نہیں کر پا رہا تھا۔ چند لمحے وہ شبے میں مبتلا رہا۔ بھیڑنی آگے بھاگی اور پوری قوت سے ایک تنگ پہاڑی نالے کو چھلانگ لگا کر پار کر گئی جو اس کی راہ میں آ گیا تھا۔

یہ بوڑھی بھیڑنی تھی۔ اس کی پشت خاکستری اور پیٹ موٹا تھا۔ وہ احتیاط سے بھاگ رہی تھی۔ بظاہر اسے یقین تھا کہ اسے کوئی نہیں دیکھ پائے گا۔ رستوف کی سانس رک گئی۔ اس نے کتوں کو دیکھا، وہ کھڑے یا لیٹے تھے اور انہوں نے بھیڑنی کو نہیں دیکھا تھا۔ بوڑھا کارے سر جھکائے اپنے جسم سے پسو ڈھونڈتے ہوئے پیلے ہونٹوں سے اپنی پشت پر جھپٹ رہا تھا۔ رستوف ہونٹ لٹکا کر سرگوشی کے انداز میں بولا "لو، لو، لو، لو" کتے چھلانگ لگا کر کھڑے ہو گئے اور زنجیروں کی آہنی کڑیوں کو جھٹکنے لگے۔ کارے نے اپنی عقبی ٹانگ کھرچنا بند کر دی اور اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے کان کھڑے ہو گئے تھے اور وہ اپنی دم آہستہ آہستہ ہلا رہا تھا جس پر بے ترتیب بال لٹک رہے تھے۔

بھیڑنی درختوں کے جھنڈ سے نکل کر اس کی جانب آئی تو اس نے اپنے آپ سے پوچھا "ان کی زنجیریں کھول دوں یا نہیں؟" اچانک بھیڑنی کی شکل میں تبدیلی رونما ہوئی اور اس کا جسم کانپنے لگا۔ اس نے انسانوں کو دیکھ لیا تھا۔ اس نے اپنا سر رستوف کی جانب گھمایا اور ٹھہر گئی، وہ یہ فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی کہ آگے جائے یا پیچھے مڑ جائے۔ پھر اس نے آگے بڑھنے کا فیصلہ کر لیا اور پیچھے دیکھے بغیر اطمینان سے لمبی چھلانگیں لگاتے آگے بڑھنے لگی۔ نکولائی چلایا "لو، لو، لو" اور اس کا گھوڑا سرپٹ بھاگ کر اترائی اترنے لگا۔ بھیڑنی سے دور ہٹنے کیلئے اس نے چھوٹے نالوں کو بھی نہ دیکھا اور انہیں چھلانگیں لگا کر پار کرنے لگا۔ کتوں کی رفتار گھوڑے سے تیز تھی چنانچہ وہ آگے نکل گئے۔

نکولائی کو اپنی چیخ سنائی دی نہ یہ اندازہ ہوا کہ وہ سرپٹ بھاگ رہا ہے۔ اسے کتے نظر آ رہے تھے نہ وہ زمین جس پر وہ گھوڑا بھگائے جا رہا تھا۔ اس کی نگاہیں صرف بھیڑنی پر جمی تھیں جو درختوں کے درمیان چھلانگیں لگاتی تیزی سے اسی کی سمت بھاگی چلی آ رہی تھی۔ نکولائی کو اس کے علاوہ کچھ اور دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اسے جو شے سب سے پہلے بھیڑنی کی جانب بڑھتی دکھائی دی وہ چتکبری ملکا تھی۔ وہ اس کے قریب پہنچ گئی مگر بھیڑنی نے اپنا رخ بدل دیا اور کتیا کو خشمناک نظروں سے دیکھا۔ ملکا نے اپنی عادت کے مطابق آگے بڑھنے کی بجائے اچانک دم اٹھائی اور اگلی ٹانگیں اکڑا لیں۔

نکولائی چلایا "لو، لو، لو"

سرخ کتا لیوبما ملکا کی پشت کے اوپر سے چھلانگ لگا کر آگے بڑھا اور بھیڑنی پر جا گرا۔ اس نے بھیڑنی کو پچھلی ٹانگ سے پکڑ لیا مگر اس پر اچانک کچھ ایسا خوف طاری ہوا کہ وہ ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ بھیڑنی دبک گئی، دانت کچکچائے اور اچانک اٹھ کر دوبارہ بھاگنے لگی۔ کتوں کا غول اس کے پیچھے بھاگ کھڑا ہوا۔ وہ اس سے صرف دو قدم پیچھے تھے تاہم اسے نہ پکڑ سکے۔

نکولائی نے سوچا "یہ تو بچ نکلے گی، نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا" وہ ہانپتی آواز میں چلانے لگا "کارے، لو! لو! لو!۔۔۔" وہ للکارتے ہوئے اپنے بوڑھے کتے کو تلاش کرنے لگا جو اس کی آخری امید تھی۔

کارے بھیڑنی پر نگاہیں جمائے اور اپنی زوال پذیر طاقت آخری مرتبہ استعمال کرنے کی کوشش کرتا ہوا بے ڈھنگے انداز سے بھیڑنی کی جانب بھاگا تاکہ اس کا راستہ روک سکے مگر بھیڑنی بجلی کی سی تیزی سے بھاگی چلی جا رہی تھی جبکہ کتے کی رفتار مسلسل کم ہو رہی تھی۔ یہ بات عیاں تھی کارے کا اندازہ غلط نکلا ہے۔ سامنے کچھ فاصلے پر نکولائی کو جنگل نظر آ رہا تھا اور اگر بھیڑنی اس تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاتی تو درختوں میں غائب ہو سکتی تھی۔ اچانک اس کے سامنے کتے اور ان کا رکھوالا نمودار ہوئے، وہ بھیڑنی کی جانب بھاگے چلے آ رہے تھے۔ ابھی امید باقی تھی۔ کسی شخص کی زنجیر سے بندھا ایک نوجوان اور لمبا تڑنگا شکاری کتا اندھا دھند بھیڑنی سے جا ٹکرایا۔ نکولائی اس کتے کو پہچان نہیں پایا تھا۔ اس نے بھیڑنی کو نیچے گرا دیا۔ بھیڑنی نے غیر متوقع پھرتی سے توازن درست کیا اور دانت کچکچاتی اس کتے پر حملہ آور ہو گئی۔ کتے کے منہ سے چیخ نکلی اور وہ سر کے بل زمین پر گر گیا۔ اس کے پہلو پر گہرا زخم آیا اور خون بہہ نکلا۔

نکولائی چلایا "کارے، بوڑھے!"

بھیڑنی کے بھاگنے میں دیر ہوئی تو بوڑھا کتا بھی اس کے قریب پہنچ گیا۔ بھیڑنی نے کارے کو یوں آنکھ ماری جیسے خود کو درپیش خطرے کا اندازہ نہ ہو۔ اس نے اپنی دم ٹانگوں میں دبائی اور رفتار بڑھا دی تاہم اسی لمحے نکولائی نے دیکھا کہ کارے میں کوئی نیا جذبہ پیدا ہو گیا اور اس نے فوری طور پر بھیڑنی کو جا دبوچا اور دونوں اپنے سامنے آنے والے پہاڑی نالے میں جا گرے۔

جس وقت نکولائی نے نالے میں بھیڑنی کو کتوں سے گتھم گتھا ہوتے دیکھا تو وہ اس کی زندگی کا مسرور ترین وقت تھا۔ بھیڑنی کا خاکستری جسم اور باہر کو نکلی ٹانگیں کتوں کے نیچے تھیں، اس کا سانس پھول چکا تھا اور چہرے پر خوف کے آثار تھے جبکہ کان پچھلی جانب جھک گئے تھے (کارے نے اس کا گلا دبا رکھا تھا) نکولائی نے اپنا ہاتھ زین کے دستے پر رکھا۔ وہ گھوڑے سے اترنے اور بھیڑنی کے جسم میں خنجر پیوست کرنے کو تیار تھا مگر اچانک اس نے کتوں کے غول میں سے سر اٹھایا اور اگلے ہی لمحے جست لگا کر نالے کے کنارے پر پہنچ گئی (وہ کارے کی گرفت سے اپنا گلا چھڑا چکی تھی) اس

نے پچھلی ٹانگوں پر وزن ڈالا اور زور لگا کر نالے سے باہر کود گئی۔ کتوں سے پیچھا چھڑانے کے بعد بھیڑنی دم ٹانگوں میں دبا کر تیزی سے آگے بھاگنے لگی۔ کارے اذیت ناک انداز میں رینگتا ہوا نالے سے باہر آ رہا تھا۔ اس کے جسم کے بال کھڑے تھے اور وہ زخمی ہو چکا تھا۔

نکولائی مایوسی کے عالم میں چلایا "اوہ میرے خدایا! یہ کیوں ہوا؟" دوسری جانب چچا کے کتوں کے رکھوالے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے بھیڑنی کے راستے میں آ گئے اور ان کے کتوں نے ایک مرتبہ پھر اسے روک لیا اور وہ دوبارہ گھیرے میں آ گئی۔

نکولائی، اس کا سائیس، چچا اور کتوں کے رکھوالے بھیڑنی کے گرد دوبارہ گھیرا تنگ کرنے لگے۔ وہ لو، لو، لو کی آوازیں نکالتے شور مچا رہے تھے۔ جونہی بھیڑنی دبک کر بیٹھتی وہ گھوڑوں سے اترنے کیلئے تیار ہو جاتے اور جونہی وہ دوبارہ اٹھتی اور چھپنے کیلئے جنگل کی جانب بڑھتی تو وہ بھی آگے بڑھ جاتے۔

اس کارروائی کے آغاز میں دانیلو رکھوالوں کی لو، لو، لو کی آوازیں سن کر گھوڑا بھگاتا جنگل کے کنارے پر پہنچ چکا تھا۔ اس نے کارے کو بھیڑنی سے الجھتے دیکھ کر اپنا گھوڑا روک لیا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ معاملہ ختم ہو چکا ہے۔ مگر جب اس نے دیکھا کہ رکھوالے گھوڑوں سے نہیں اترے اور بھیڑنی کتوں سے پیچھا چھڑا کر بھاگ نکلی ہے تو اس نے گھوڑا سرپٹ دوڑایا مگر کارے کی طرح اس کا رخ بھیڑنی کی بجائے جنگل کی جانب تھا تاکہ اسے راستے ہی میں روکا جا سکے۔ نتیجتاً جب چچا کے کتوں نے اسے دوسری مرتبہ روک لیا تو وہ جنگل کے قریب پہنچ گیا۔

دانیلو خاموشی سے اپنا گھوڑا دوڑاتا آیا۔ اس نے بائیں ہاتھ میں خنجر تھام رکھا تھا اور اپنے گھوڑے کے دونوں پہلوؤں پر چابک مار رہا تھا جس کی سانس پھول چکی تھی۔

نکولائی کو اس وقت تک دانیلو دکھائی نہ دیا جب تک اس کا اپنا گھوڑا اس کے قریب سے نہ گزر گیا اور کسی کے دھڑام سے نیچے گرنے کی آواز سنائی نہ دی۔ اس نے دیکھا کہ دانیلو کتوں کے درمیان بھیڑنی کی پشت پر گرا ہوا ہے اور اسے کانوں سے پکڑنے کی کوشش کر رہا ہے۔ رکھوالوں، کتوں اور بھیڑنی پر بھی عیاں ہو چکا تھا کہ اب کھیل ختم ہو گیا ہے۔ بھیڑنی کے کان خوف کے مارے پیچھے کو کھنچے ہوئے تھے اور اس نے اٹھنے کی کوشش کی مگر کتے اس کے ساتھ چمٹے رہے۔ دانیلو اٹھا اور یوں پھسلا جیسے وہ تھکن دور کرنے کیلئے نیچے بیٹھنا چاہتا ہو۔ پھر وہ دوبارہ بھیڑنی پر گرا اور اپنا پورا وزن اس پر ڈال کر اسے کانوں سے پکڑ لیا۔ نکولائی اپنا خنجر اس کے پیٹ میں اتارنا چاہتا تھا مگر دانیلو نے آہستگی سے کہا "ایسا مت کریں، ہم اسے زندہ پکڑ کر اس کی کھال اتاریں گے" پھر اس نے اپنا رخ بدلا اور پاؤں بھیڑنی کی گردن پر رکھ دیا۔ انہوں نے اس کے جبڑوں میں لکڑی گھسیڑ دی اور اس کے ساتھ یوں زنجیر باندھ دی جیسے لگام ڈالی گئی ہو اور اس کی ٹانگیں باندھنے کے بعد دانیلو نے اسے دائیں بائیں لڑھکایا۔

بری طرح تھکنے کے باوجود وہ ہشاش بشاش تھے۔ انہوں نے ادھیڑ عمر زندہ بھیڑنی کو ایک گھوڑے کی پشت پر ڈال دیا جو خوف سے بدک رہا تھا۔ پھر وہ کتوں کے ساتھ شور مچاتے اس جگہ چل دیے جہاں انہوں نے اکٹھے ہونا تھا۔ شکاری کتے بھیڑنی کے دو اور سرمئی کتے تین بچے ہلاک کر چکے تھے۔ تمام لوگ شکار سمیت جمع ہو گئے اور اپنی داستان بیان کرنے لگے۔ سبھی اس بڑی جسامت کی مالک بھیڑنی کو دیکھنے آ رہے تھے جو کشادہ پیشانی والے سر سمیت گھوڑے کی پشت پر پڑی جھول رہی تھی۔ اس کے دونوں جبڑوں کے مابین چھڑی تھی جسے اس نے کاٹنے کی کوشش کی تھی۔ وہ اپنے گرد ہجوم کئے کھڑے انسانوں اور کتوں کو پتھرائی آنکھوں سے تکے جا رہی تھی۔ جب وہ اسے ہاتھ لگاتے تو اپنی بندھی ہوئی

ٹانگوں کو جھٹکتی اور انہیں وحشت سے دیکھنے لگتی۔

نواب ایلیا آندریچ بھی گھوڑا بھگاتا آیا اور اس نے بھیڑنی کو چھوتے ہوئے قریب کھڑے دانیلو سے کہا" کتنا بڑا درندہ ہے، کیا خیال ہے؟"

دانیلو نے تیزی سے ٹوپی اتاری اور جواب دیا" یقیناً جناب!"

نواب کو بھاگ جانے والی بھیڑنی اور دانیلو کا غصہ یاد آ گیا۔ وہ اس سے کہنے لگا" تم گرم مزاج آدمی ہو"

دانیلو منہ سے کچھ نہ بولا اور اسے بچوں جیسی شرمیلی اور خوشگوار مسکراہٹ سے دیکھتا رہا"

(6)

معمر نواب گھر چلا گیا۔ نتاشا اور پیتیا نے وعدہ کیا کہ وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے آ رہے ہیں مگر چونکہ ابھی دن کا آغاز تھا اس لیے شکاری مزید آگے چلے گئے۔ دوپہر کے وقت انہوں نے شکاری کتے ایک تنگ گھاٹی میں بھیج دیے جس میں ندی بہتی تھی اور گھنی جھاڑیاں موجود تھیں۔ نکولائی اونچی جگہ پر کھیت میں کھڑا رہا جہاں فصل کٹ چکی تھی اور صرف تنوں کے نچلے حصے باقی رہ گئے تھے۔ وہاں سے اسے اپنے تمام لوگ دکھائی دے رہے تھے۔

نکولائی کے سامنے گھاٹی کی دوسری جانب موسم سرما کی رائی کے کھیت تھے۔ اس کے اپنے کتوں کے رکھوالے نیچے گھاٹی میں جھاڑیوں کے پیچھے اکیلے کھڑے تھے۔ ابھی وہ بمشکل کتوں کو گھیر کر واپس ہی لائے تھے کہ نکولائی کے کانوں میں وولٹورن نامی کتے کی آواز آئی جسے وہ جانتا تھا۔ وہ وقفے وقفے سے بھونک رہا تھا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس نے شکار کی بو سونگھ لی ہے۔ دیگر کتے بھی اس کے ساتھ بھونکنے لگے۔ وہ کبھی بھونکنا شروع کر دیتے اور کبھی خاموش ہو جاتے۔ چند لمحوں بعد اسے گھاٹی سے شور سنائی دیا، انہیں لومڑ مل گیا تھا، کتوں کا تمام غول ندی کے ساتھ ساتھ بھاگنے لگا۔ ان کا رخ رائی کے کھیت کی طرف تھا اور وہ نکولائی سے دور ہٹتے جا رہے تھے۔

اسے ندی کے کنارے گھوڑے دوڑتے اور سرخ ٹوپیوں کے مابین چابک لہراتے دکھائی دیے۔ کتے بھی نظر آ رہے تھے۔ اسے ہر لمحے گھاٹی کی دوسری طرف رائی کے کھیت میں لومڑ نظر آنے کی توقع تھی۔

وادی میں کھڑا رکھوالا بھی چل دیا۔ اس نے کتوں کی زنجیریں ڈھیلی چھوڑ دی تھیں۔ اسی اثناء میں لومڑ نظر آ گیا۔ یہ عجیب سی جسامت کا مالک تھا۔ اس کی ٹانگیں چھوٹی، رنگ سرخ اور دم پر گھنے بال تھے۔ وہ کھیتوں کے درمیان بھاگا چلا جا رہا تھا۔ کتے اس کا پیچھا اس طرح تعاقب کر رہے تھے کہ یوں لگتا تھا وہ بچ نہیں پائے گا۔ وہ اس سے قریب تر ہوتے چلے جا رہے تھے۔ لومڑ بھی نہایت چالاک تھا۔ وہ چابکدستی سے نیم دائرے کی شکل میں انہیں جل دیتے ہوئے بھاگ رہا تھا۔ اس کی دم پیچھے گھسٹتی چلی آ رہی تھی۔ اچانک ایک نامعلوم سفید کتا سیدھا آگے بڑھا اور ایک کالا کتا اس کے پیچھے ہو لیا اور پھر وہ سب آپس میں مل جل گئے۔ انہوں نے ستارے کی شکل اختیار کر لی تھی۔ ان کے سر مرکز کی جانب تھے اور دمیں باہر کو نکلی تھیں۔ دو رکھوالے گھوڑے دوڑاتے کتوں کے قریب پہنچ گئے۔ ان میں سے ایک کی ٹوپی سرخ تھی جبکہ دوسرا اجنبی تھا جو سبز کوٹ میں ملبوس تھا۔

نکولائی نے حیرانی سے سوچا" یہ کیا؟ یہ دوسرا رکھوالا کہاں سے آ گیا؟ یہ چچا کا آدمی تو معلوم نہیں ہوتا"

رکھوالوں نے لومڑ کا کام تمام کر دیا اور پھر اسے گھوڑے کی زین سے باندھے بغیر کافی دیر تک وہیں کھڑے رہے۔ ان کے گھوڑے قریب ہی کھڑے تھے جن کی اونچی اونچی زینیں دور سے دکھائی دے رہی تھیں اور کتے زمین پر

لیٹے تھے۔ رکھوالے اپنے بازو لہراتے ہوئے لومڑ کے ساتھ کچھ کر رہے تھے۔ اسی جگہ سے ہارن کی آواز سنائی دی جو جھگڑے کا اشارہ تھا۔

نکولائی کے سائیس نے اسے کہا" وہ الاگن کے کتوں کا رکھوالا ہے اور ہمارے ایوان سے جھگڑ رہا ہے"

نکولائی نے سائیس کو حکم دیا کہ وہ اس کی بہن اور پیتیا کو اس کے پاس بلا لائے۔ پھر وہ آہستگی سے جگہ پہنچ گیا جہاں نائب رکھوالے کتوں کو جمع کرنے میں مصروف تھے۔ متعدد رکھوالے گھوڑوں پر سوار ہو کر اس جگہ چل دیے جہاں جھگڑا ہو رہا تھا۔

نکولائی گھوڑے سے نیچے اتر آیا۔ نتاشا اور پیتیا بھی گھوڑوں پر وہیں پہنچ گئے تھے۔ تمام لوگ شکاری کتوں کے قریب کھڑے منتظر تھے کہ جھگڑے کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ جھگڑا کرنے والا رکھوالا جھاڑیوں سے برآمد ہوا اور اپنے آقا کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے لومڑ گھوڑے کی زین سے باندھ رکھا تھا۔ اس نے دور ہی سے ٹوپی اتار لی اور احترام سے بات کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کا رنگ فق تھا اور سانس پھول چکی تھی۔ غصے کے مارے اس کی شکل بگڑ گئی تھی اور آنکھ پر چوٹ تھی جس سے وہ بے خبر معلوم ہوتا تھا۔

نکولائی نے پوچھا" وہاں کیا ہوا ہے؟"

رکھوالے نے جواب دیا" وہ ہمارے کتوں کی آنکھوں کے سامنے ہمارا شکار لینا چاہتا تھا۔ اس لومڑ کو میری کتیا نے پکڑا تھا جس کا رنگ چوہیا جیسا ہے۔ اس نے مجھ سے لومڑ چھیننے کی کوشش کی اور میں نے اسے لومڑ ہی دے مارا۔ یہ میری زین سے بندھا ہوا ہے۔ کیا اس کا مزہ چکھنا چاہیں گے؟" اس نے اپنا شکاری چاقو نکالا اور لومڑ کی جانب بڑھا، یوں لگتا تھا جیسے وہ اب بھی دشمن سے باتیں کر رہا ہے۔

نکولائی نے اس شخص کے ساتھ وقت ضائع کرنا مناسب نہ سمجھا اور اپنی بہن اور پیتیا سے اپنا انتظار کرنے کو کہہ کر گھوڑے پر الاگن کے رکھوالوں کی طرف چل پڑا۔

فاتح رکھوالا اپنے ساتھیوں سے جا ملا۔ وہاں وہ ہمدردی اور تجسس سے بھرپور گروہ کی توجہ کا مرکز بن گیا اور اپنے کارنامے کی تفصیلات بیان کرنے لگا۔

نکتہ یہ تھا کہ الاگن، جس کے رستوف خاندان کا جھگڑا اور مقدمہ چل رہا تھا، ان علاقوں میں شکار کھیلتا رہتا تھا جو سارے رستوف خاندان کی ملکیت تھے۔ اب یوں لگتا تھا جیسے اس نے جان بوجھ کر اپنے آدمی اس علاقے میں بھیج دیے تھے جہاں رستوف شکار کھیل رہے تھے اور اپنے آدمیوں کو وہ لومڑ چھیننے کی اجازت دیدی تھی جسے رستوفوں کے کتوں نے دبوچا تھا۔

نکولائی کبھی الاگن سے نہیں ملا تھا مگر چونکہ اس کے خیالات اور جذبات میں اعتدال نہیں تھا اس لیے اس نے الاگن کے متکبرانہ اور جبر پر مبنی رویے کی جو افواہیں سنیں انہیں درست مان لیا تھا۔ انہیں بنیادوں پر وہ اس سے دلی نفرت کرنے اور اپنا دشمن تصور کرنے لگا تھا۔ وہ غصے سے لال ہو رہا تھا اور اس نے اپنا چابک مٹھی میں دبا رکھا تھا۔ وہ اپنے دشمن سے فیصلہ کن لڑائی کا خواہشمند تھا۔

ابھی وہ جنگل میں ایک موڑ ہی مڑا ہوگا کہ اسے ایک قوی الجثہ شخص اپنی جانب آتا دکھائی دیا۔ اس نے سموری ٹوپی پہن رکھی تھی اور خوبصورت گھوڑے پر سوار تھا۔ اس کے ساتھ دو سائیس بھی چلے آ رہے تھے۔ نکولائی کو الاگن دشمن کی بجائے اچھا انسان دکھائی دیا۔ اس کی شکل و صورت رعب دار تھی اور وہ نوعمر نواب سے دوستی کرنے کو بیتاب دکھائی دیتا

تھا۔ جونہی وہ رستوف کے قریب پہنچا،اس نے ٹوپی اٹھا کر سلام کیا اور کہنے لگا کہ "اس واقعے پر مجھے دلی افسوس ہے اور دوسروں کے کتوں سے لومڑ ہتھیانے والے شخص کو سخت سزا دوں گا" اس نے امید ظاہر کی کہ اب وہ ایک دوسرے کو بہتر طور سے جاننے لگیں گے اور اس نے اسے اپنے جنگل میں آنے کی دعوت دی۔

نتاشا اپنے بھائی کی جانب سے کوئی خطرناک حرکت سرزد ہونے کے اندیشے کے پیش نظر اس کے پیچھے چل دی۔ ان دونوں کے مابین چند قدم کا فاصلہ تھا۔ جب اس نے حریفوں کو دوستانہ انداز میں ملتے دیکھا تو وہ بھی ان کے قریب چلی گئی۔ الاگن نے اپنی ٹوپی مزید بلند کر کے نتاشا کو سلام کیا۔ وہ خوشگوار انداز سے مسکرایا اور اس کے بارے میں کہنے لگا "نوجوان بیگم کی خوبصورتی اور شکار کے شوق کے بارے میں وہ پہلے ہی بہت کچھ سن چکا تھا اور وہ خوبصورتی اور شکار کی کنواری دیوی ڈیانا جیسی ہے۔"

الاگن نے اپنے رکھوالے کی غلطی کی تلافی کے طور پر رستوف سے اصرار کیا کہ وہ اس کے ٹیلے پر چلا جائے جو وہاں سے پون میل دور تھا۔ اس کے مطابق اس ٹیلے پر خرگوشوں کی بہتات تھی اور وہ عام طور پر اسے صرف اپنے لیے مخصوص رکھتا تھا۔ نکولائی نے اس کی بات مان لی اور شکاریوں کا گروہ مزید آگے روانہ ہو گیا۔

الاگن کے ٹیلے کا راستہ کھیتوں کے درمیان سے ہو کر گزرتا تھا۔ رکھوالے قطار میں چل رہے تھے اور ان کے آقا ایک دوسرے کے ساتھ گھوڑے پر بیٹھے جا رہے تھے۔ چچا، رستوف اور الاگن ایک دوسرے کے شکاری کتوں کو دزدیدہ نظروں سے دیکھتے رہے۔ ان کی کوشش تھی کہ دوسرا ان کی یہ حرکت نہ دیکھ سکے مگر وہ بے قراری سے اپنے کتوں کے ممکنہ رقیبوں کو ڈھونڈ رہے تھے۔

رستوف الاگن کی ایک دبلی پتلی پست قد کتیا کو دیکھ کر بے حد متاثر ہوا۔ اس کا جسم آہنی تھوتھنی باریک اور آنکھیں سیاہ تھیں۔ اس نے سنا تھا الاگن کے پاس چند نہایت بہادر کتے ہیں اور یہ خوبصورت کتیا اسے اپنی ملکا کی رقیب نظر آئی۔

الاگن کی جانب سے شروع ہونے والی گزشتہ برس کی فصل کے حوالے سے بے مزہ گفتگو میں نکولائی نے کتیا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لاپروائی سے کہا "آپ کی یہ کتیا بے حد خوبصورت ہے، بہت تیز طرار ہے۔"

الاگن بولا "وہ؟ ہاں وہ بے حد عمدہ ہے اور جس شے کے پیچھے پڑ جائے اسے حاصل کر کے ہی دم لیتی ہے" الاگن لاپروائی سے اپنی چتکبری کتیا "یرزا" کا ذکر کر رہا تھا جس کیلئے اس نے گزشتہ برس اپنے گھریلو غلاموں کے تین خاندان ہمسائے کو دیئے تھے۔ وہ بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا "چنانچہ، نواب، آپ کے علاقے میں فصلیں اتنی اچھی نہیں ہوئیں کہ ان پر فخر کیا جا سکے" شائستگی کا تقاضا تھا کہ رستوف نے اس کی کتیا کی جو تعریف کی تھی اس کے جواب میں وہ بھی اس کے کسی کتے کی شان میں تحسینی کلمات کہتا، چنانچہ وہ کتوں کا تنقیدی جائزہ لینے کے بعد ملکا کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا "یہ چتکبری کتیا نہایت شاندار ہے، اس کا جسم نہایت سڈول ہے۔"

نکولائی نے جواب دیا "ہاں، یہ اچھا دوڑتی ہے۔ کیا ہی اچھی بات ہوتی کہ کوئی بڑا خرگوش یہاں نظر آ جاتا۔ پھر میں آپ کو بتلا سکتا تھا کہ وہ کیا کرتی ہے" اس نے اپنے سائیس کی طرف دیکھا اور کہنے لگا جو خرگوش کی نشاندہی کرے گا اسے میں ایک روبل انعام دوں گا۔"

الاگن نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا "سمجھ نہیں آتی کہ بعض شکاری دوسروں کے شکار یا کتوں کے بارے میں حسد کیوں کرنے لگتے ہیں، اور نواب جہاں تک میرا تعلق ہے، میں یہ کہوں گا کہ اگر مجھے گھڑ سواری کیلئے ایسے ساتھی مل

جائیں جو آج ملے ہیں تو میں بے حد لطف اندوز ہوتا ہوں، اس سے اچھی بات اور کیا ہو سکتی ہے (اس نے ٹوپی اٹھا کر نتاشا کو دوبارہ سلام کیا) مگر جہاں تک کھالیں گننے اور انہیں ساتھ لے جانے کی بات ہے، مجھے اس میں کوئی دلچسپی نہیں۔

نکولائی نے کہا "واقعی دلچسپی نہیں"

الاگن کہنے لگا "اور مجھے اس بات پر بھی غصہ نہیں آتا کہ کسی کے کتے نے شکار کیوں پکڑ لیا اور میرے کتے نے کیوں نہیں پکڑا، مجھے تو بس تعاقب میں مزا آتا ہے، نواب آپ مجھ سے اتفاق کریں گے؟ علاوہ ازیں میرا خیال ہے کہ۔۔۔"

ایک نائب رکھوالے کی آواز سنائی دی "او۔۔۔ ہو۔۔۔ ہو" وہ فصل کے مابین چھوٹے سے ٹیلے پر کھڑا تھا۔ اس نے اپنا چابک اٹھا رکھا تھا اور مسلسل للکار رہا تھا (اس کی للکار اور چابک کے انداز سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ اس نے کوئی خرگوش دیکھ لیا ہے)

الاگن نے لاپروائی سے کہا "یوں لگتا ہے کہ اسے خرگوش مل گیا ہے، آئیں اس کا تعاقب کرتے ہیں"

نکولائی نے "یرزا" اور چچا کے سرخ کتے "روگے" کو غور سے دیکھتے ہوئے جواب دیا "جی ہاں، ہمیں ضرور چلنا چاہئے۔۔۔ مگر آپ کیا کہتے ہیں، اکٹھے تعاقب کیا جائے؟" مذکورہ بالا کتیا اور کتے وہ رقیب تھے جن کے مقابلے میں اسے اپنے کتوں کو آزمانے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اس نے چچا اور الاگن کے ساتھ خرگوش کے پیچھے جاتے ہوئے سوچا "اگر انہوں نے شروع میں ہی میری ملکا کو پیچھے چھوڑ دیا تو پھر کیا ہو گا؟"

الاگن رکھوالے کے پاس پہنچا اور اس سے پوچھا "موٹا ہے؟" اس نے جوشیلے انداز سے چاروں جانب دیکھا اور سیٹی بجا کر یرزا کو خبردار کرنے لگا۔ پھر وہ چچا سے مخاطب ہو کر بولا "اور آپ میخائل نکانورچ؟"

چچا خفگی کے عالم میں گھوڑا ہانکتا رہا۔

وہ کہنے لگا "میرا تمہارے ساتھ کیا کام؟ تم نے اپنے ہر کتے کے عوض گاؤں دیا ہے، ان کی قیمت ہزاروں روبل ہے۔ آپ ایک دوسرے کیخلاف زور لگائیں، میں صرف دیکھوں گا"

پھر وہ چلا کر اپنے کتے سے کہنے لگا "روگے، ارے، ارے، روگے بیٹا" یوں اس نے اپنے سرخ کتے کیلئے اپنی محبت اور اس سے وابستہ امیدوں کا غیر ارادی طور پر اظہار کر دیا۔

نتاشا کو دونوں بڑوں اور اپنے بھائی کی جانب سے جوش و جذبہ چھپانے کی کوشش نظر آ گئی اور وہ خود کو بھی اسی رو میں بہتی محسوس کر رہی تھی۔ رکھوالا اپنا چابک اٹھائے ٹیلے پر کھڑا تھا۔ تمام حضرات آہستہ آہستہ اس تک پہنچ گئے۔ کتوں کا غول خرگوش سے پرے ہٹ گیا۔ رکھوالے بھی ایک جانب ہو گئے اور ہر کام احتیاط سے ہونے لگا۔

نکولائی خرگوش کا سراغ لگانے والے رکھوالے کی جانب بڑھا اور پوچھا "یہ کس جانب اشارہ کر رہا ہے؟"

رکھوالے کے جواب دینے سے قبل ہی خرگوش چھلانگیں مارتا بھاگ نکلا۔ زنجیروں میں بندھے شکاری کتے زور لگا کر خرگوش کا تعاقب کرنے اور پہاڑی سے نیچے اترنے لگے۔ چاروں جانب سے ہیریئر کتے جو زنجیروں سے آزاد تھے شکاری کتوں اور خرگوش کے پیچھے بھاگ اٹھے۔ تمام نائب رکھوالے جواب تک آہستہ تھے، اپنے گھوڑے تیزی سے دوڑانے لگے۔ وہ شکاری کتوں کو ٹھہرانے اور ہیریئر کتوں کو اکٹھا کر کے خرگوش کی جانب دھکیلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ سنجیدہ الاگن، نکولائی، چچا اور نتاشا کے ساتھ تیزی سے ادھر ادھر بھاگا پھر رہا تھا۔ انہیں اس بات کی کوئی پروا نہ تھی کہ وہ کہاں اور کیسے جا رہے

ہیں۔ انہیں خرگوش کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا اور ایک ہی خدشہ لاحق تھا کہ کہیں شکار نگاہوں سے اوجھل نہ ہو جائے۔ بھاگنے والا خرگوش خاصا موٹا تازہ اور تیز رفتار تھا۔ جب وہ چھلانگ لگا کر اٹھا تھا تو اس نے بھاگنے میں جلد بازی کا مظاہرہ نہ کیا بلکہ اپنے کان کھڑے کئے، شور وغل اور گھوڑوں کے ٹاپوں کی آوازیں سنیں اور درجن بھر چھلانگیں لگا کر بیر تیر کتوں کو اپنے قریب آنے دیا۔ جب اسے خطرہ کا بھرپور ادراک ہو گیا تو اس نے اپنے بھاگنے کی سمت ڈھونڈ لی، پھر اس نے اپنے کان پچھلی جانب لٹکائے اور بھاگ کھڑا ہوا۔ وہ فصل میں لیٹا ہوا تھا مگر اس کے سامنے دلدلی زمین تھی۔ جس رکھوالے نے اسے ڈھونڈا تھا، اس کے پاس دو کتے تھے لہٰذا سب سے پہلے وہی اس کے پیچھے گیا۔ ابھی وہ زیادہ دور نہیں گئے تھے کہ الاگن کی کتیا یرزا ان سے آگے نکل گئی۔ اب اس کے اور خرگوش کے مابین ایک قدم کا فاصلہ تھا۔ اس نے خرگوش کی دم کا نشانہ لیا اور بجلی کی سی تیزی سے چھلانگ لگا کر زمین پر لیٹ گئی۔ اپنے تئیں وہ خرگوش کو دبوچ چکی تھی مگر خرگوش بھی تیز طرار تھا، اس نے اپنی پشت کو خم دیا اور پہلے سے زیادہ تیز رفتاری سے بھاگنے لگا۔ یرزا کے پیچھے چتکبری ملکا نکلی اور تیزی سے خرگوش سے قریب تر ہونے لگی۔

نکولائی فاتحانہ انداز میں چلایا "میلا شکا! چھوٹی ماں!۔ بظاہر یہی دکھائی دیتا تھا کہ ملکا خرگوش کو پکڑ لے گی مگر اس کی رفتار زیادہ ہی تیز تھی جس کے نتیجے میں وہ خرگوش سے آگے نکل گئی جو اپنی جگہ ٹھہر گیا تھا۔ شاندار یرزا ایک مرتبہ پھر آگے بڑھی اور خرگوش کی دم پر یوں منڈلائی جیسے فاصلہ ماپ رہی ہو تاکہ اس مرتبہ پچھلی غلطی کا اعادہ نہ کرتے ہوئے اسے پچھلی ٹانگ سے پکڑ سکے۔

الاگن ملتجیانہ انداز سے بولا "یرزا، چھوٹی بہن!" اس کی آواز اس کی اپنی معلوم نہ ہوتی تھی۔ یرزا پر اس کی منت سماجت کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اس وقت جب یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنا شکار دبوچ لے گی، خرگوش نے چھلانگ لگائی اور سرسبز کھیتوں اور فصل کے تنوں میں تیزی سے آگے بھاگنے لگا۔ پہلو بہ پہلو بھاگتی یرزا اور ملکا ایک مرتبہ پھر خرگوش سے قریب ہونے لگیں، مگر خرگوش کیلئے پگڈنڈی پر دوڑنا آسان تھا اور کتیوں کیلئے اسے تیزی سے پکڑنا مشکل تھا۔

اسی دوران ایک اور آواز سنائی دی "روگے! روگے پشکا! سب اچھا ہے اور تیز چلو!" اور چچا کے سرخ کتے روگے نے ٹانگیں پھیلائیں اور کمر کو خم دے کر دونوں کتیوں کے پاس پہنچ گیا، پھر وہ ان دونوں سے آگے نکل گیا۔ اس کی رفتار خطرناک حد تک تیز ہو گئی تھی۔ اس نے خرگوش کو ٹکر ماری اور اسے پگڈنڈی سے نیچے رائی کے کھیت میں گرا دیا۔ اس نے انتہائی تیزی سے کیچڑ میں چھلانگ لگائی اور کندھوں تک گیلی زمین میں دھنس گیا۔ اب صرف یہ نظر آ رہا تھا کہ کتا خرگوش کے ساتھ ساتھ بار بار لڑھک رہا ہے اور اس کی پشت پر کیچڑ چپک گئی ہے۔ کتے ستارے کی شکل میں ان کے گرد اکٹھے ہو گئے۔ فوراً ہی تمام لوگ کتوں کے گروہ کے گرد اکٹھے ہو گئے۔ صرف چچا گھوڑے سے نیچے اترا جس کی باچھیں خوشی سے کھلی ہوئی تھیں۔ اس نے خرگوش کو زور سے ہلایا تاکہ اس کا خون نچڑ جائے۔ پھر اس نے اس کا ایک پنجہ کاٹا اور بے چینی سے چاروں جانب نظر دوڑائی۔ اس کے ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے اور اس کیلئے اپنے آپ کو سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ مسلسل بولے جا رہا تھا مگر اسے کچھ علم نہ تھا کہ وہ کس سے اور کیا کہہ رہا ہے۔ وہ کہنے لگا "یہ ہوئی نہ بات، تیز چلو۔۔۔ یہ ہے کتا۔۔۔ اس نے سب کو پیچھے چھوڑ دیا۔۔۔ خواہ اس کی قیمت ہزار روبل ہو یا صرف ایک روبل۔۔۔ سب اچھا ہے اور تیز چلو، اور کوئی غلطی نہیں کی" اس نے بولنا جاری رکھا۔ اس کا سانس پھول چکا تھا اور وہ اپنے چاروں جانب یوں غضبناک نگاہوں سے دیکھ رہا تھا جیسے کسی پر لعن طعن کر رہا ہو، جیسے وہ سب اس کے دشمن ہوں، انہوں نے اس کی توہین کی ہو اور اب اسے ان سے بدلہ لینے کا موقع مل گیا ہو۔ اس نے کہا "تمہارے ہزاروں روبل کے کتوں کیلئے

انتہائی کافی ہے۔ تیز چلو، روگے! یہ لو پنجہ" اس نے کیچڑ سے لتھڑا خرگوش کا پنجہ جو اس نے ابھی ابھی کاٹا تھا کتے کی جانب پھینکا اور کہا "تم اس کے حقدار ہو، تم نے اسے اپنی طاقت سے حاصل کیا ہے۔۔۔ سب اچھا ہے اور تیز چلو!"

نکولائی کہہ رہا تھا "اس بیچاری نے اپنے آپ کو تھکا دیا۔۔۔ تین مرتبہ اکیلی اس پر حملہ آور ہوئی" وہ بولے جا رہا تھا اور اسے اس بات سے غرض نہ تھی کہ کوئی اسے سن رہا ہے یا نہیں۔ اسے بھی کسی کی باتیں سنائی نہیں دے رہی تھیں۔

الاگن کا سائیس کہہ رہا تھا "ایسی فضول باتوں کا کیا فائدہ؟" الاگن کہنے لگا "میری کتیا اس سے آگے نکل گئی مگر اس نے اسے ایسا دھکا دیا کہ کوئی پلا بھی اسے بآسانی دبوچ سکتا تھا" جوش وخروش اور سرپٹ گھوڑا بھگانے کے نتیجے میں اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اسی دوران نتاشا نے اپنی سانس روک کر چیخ ماری اور خوشی کا اظہار کیا۔ اس چیخ کے ذریعے اس نے وہ تمام بات کہہ دی جو وہ تمام بیک وقت بول کر کہہ رہے تھے۔ یہ اتنی نامانوس چیخ تھی کہ اسے خود بھی شرم آ گئی اور کوئی اور وقت ہوتا تو سبھی حیران رہ جاتے۔ چچا نے خود خرگوش کی کھال اتاری اور اسے مہارت سے گھوڑے کی پشت پر پھینک دیا جیسے اپنی اس حرکت سے دوسروں کی سرزنش کرنا چاہتا ہو اور کسی سے بات کا روادار نہ ہو۔ پھر وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اسے ایڑھ لگا کر وہاں سے چل دیا۔ دوسرے اس کے پیچھے پیچھے ہو لیے۔ ان کے منہ لٹکے اور دل بجھے ہوئے تھے۔ کافی دیر گزر جانے کے بعد ہی وہ لاپروائی کا سابقہ مصنوعی تاثر دوبارہ چہروں پر لانے میں کامیاب ہوئے۔ ان کی نظریں کافی دیر تک کیچڑ میں لتھڑے اور زنجیر کھنکھناتے، چچا کے سرخ شکاری کتے کو دیکھتی رہیں جو اطمینان سے چچا کے گھوڑے کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔

نکولائی کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ اس سے کہہ رہا ہو "میں دیگر کتوں سے مختلف نہیں مگر جب خرگوش کا تعاقب کرتا ہوں تو پھر ذرا ہوشیار رہیں"

کچھ دیر بعد چچا گھوڑا بھگاتا نکولائی کے پاس آیا اور اسے کچھ کہا۔ نکولائی خوش ہو گیا کیونکہ جو کچھ ہوا تھا اس کے باوجود چچا اس سے بات چیت کر رہا تھا۔

(7)

شام کے وقت جب الاگن نے ان سے اجازت لی تو نکولائی نے چچا کی جانب سے شکار بند کرنے اور رات اس کے ہاں بسر کرنے کی پیشکش قبول کر لی کیونکہ وہ گھر سے خاصے دور تھے۔

چچا نے اس سے کہا "اور اگر تم میرے ہاں ٹھہرو۔۔۔ تیز چلو۔ تم دیکھ رہے ہو کہ موسم سرد ہے، تم آرام کر سکتے ہو، چھوٹی بیگم کو گاڑی میں واپس بھیجا جا سکتا ہے۔ دعوت قبول کر لی گئی اور ایک رکھوالا گاڑی لانے اترادنو روانہ ہو گیا جبکہ نکولائی، نتاشا اور پیٹیا گھوڑوں پر سوار ہو کر چچا کے گھر چل دیے۔

چھوٹے بڑے پانچ مرد خدمتگار اپنے آقا کا استقبال کرنے گھر کے دروازے پر بھاگے چلے آئے۔ چھوٹی بڑی درجن بھر نوکرانیوں نے عقبی دروازے سے جھانکا اور واپس آنے والے شکاریوں کو دیکھنے لگیں۔ گھوڑے پر سوار نتاشا کو دیکھ کر وہ اس قدر حیران ہوئیں کہ چند اس کے قریب آ گئیں اور دیدے پھاڑ کر اس کی موجودگی میں شرمائے بغیر ایسی باتیں کرنے لگیں جیسے وہ انسان نہ ہو اور اسے ان کی باتیں سنائی نہ دے رہی ہوں۔

ایک بولی "ارینکا، وہ ایک جانب ٹانگیں لٹکائے بیٹھی ہے، اس کی قمیص لہرا رہی ہے۔۔۔ چھوٹا ہارن بھی نظر

آ رہا ہے"

دوسری نے کہا "اور چاقو بھی ہے۔۔۔"

ایک کہنے لگی "بالکل تاتار خاتون معلوم ہوتی ہے"

ان میں سے ایک نسبتاً بہادر خادمہ نے نتاشا سے پوچھا "آپ گھوڑے سے گرتی کیوں نہیں"

چچا لکڑی سے بنے اپنے تنگ مکان کی دہلیز پر گھوڑے سے اتر آیا۔ مکان کے چاروں جانب باغ تھا اور پودے زیادہ ہی بڑھے ہوئے تھے۔ چچا نے اپنے ملازموں کو دیکھا تو تحکمانہ انداز میں کہا کہ فالتو لوگ چلے جائیں اور باقی رہ جانے والوں کو حکم دیا کہ وہ مہمان اور ان کے رکھوالوں کی خاطر تواضع کا انتظام کریں۔

تمام نوکرانیاں اور خدمتگار ادھر ادھر چلے گئے۔ چچا نے نتاشا کو خود گھوڑے سے اتارا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر پیش دالان کی بوسیدہ سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

گھر میں صفائی کا فقدان تھا اور لکڑی کے ستونوں پر رنگ و روغن بھی نہیں کیا گیا تھا۔ آثار سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ یہاں رہنے والوں کا مقصد اسے بے عیب انداز میں صاف رکھنا نہیں، تاہم گھر کو بالکل ہی نظر انداز نہیں کیا گیا تھا۔ راہداریوں میں تازہ سیبوں کی خوشبو تھی اور دیواروں پر بھیڑیوں اور لومڑوں کی کھالیں لٹک رہی تھیں۔

چچا اپنے مہمانوں کو راہداری سے چھوٹے ہال میں لایا۔ وہاں ایک تہہ کی جانیوالی میز اور سرخ رنگ کی کرسیاں رکھی تھیں۔ وہاں سے وہ ڈرائنگ روم میں چلے آئے جہاں ایک صوفہ اور برچ کی لکڑی سے بنی گول میز رکھی تھی۔ اس سے آگے ایک اور کمرہ تھا جس میں ایک پرانا صوفہ، بوسیدہ قالین، چچا کے والدین، جنرل سواروف اور خود چچا کی فوجی وردی میں تصویریں آویزاں تھیں۔ کمرے میں تمباکو اور کتوں کی بو پھیلی تھی جو ناک میں گھسی جاتی تھی۔

چچا مہمانوں کو بٹھانے اور آرام کرنے کا کہہ کر باہر چلا گیا۔ روگے جس کی پشت ابھی تک کیچڑ سے بھری تھی کمرے میں آ کر صوفے پر لیٹ گیا۔ پیٹیا اپنی کہنی پر جھک کر فوراً سو گیا جبکہ نکولائی اور نتاشا خاموش بیٹھے رہے۔ انہوں نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔ اب جبکہ شکار ختم ہو چکا تھا اور وہ گھر میں بیٹھے تھے، نکولائی کو اپنی بہن پر فوقیت کا اظہار کرنا غیر ضروری معلوم ہو رہا تھا۔ نتاشا نے بھائی کو آنکھ ماری اور دونوں بلا جواز کھلکھلا کر ہنسنے لگے۔

کچھ دیر بعد چچا واپس آ گیا۔ اس نے قازق کوٹ، نیلی پتلون اور اونچے بوٹ پہن لیے تھے۔ نتاشا کو محسوس ہوا کہ یہ لباس بالکل بے عیب ہے اور کسی طور فراک کوٹ سے کمتر نہیں۔ چچا جب اس لباس میں اوتراودنوے آیا تھا تو نتاشا کو اسے دیکھ کر حیرت ہوئی تھی اور اسے اس میں مزاح کا عنصر بھی نظر آیا تھا۔ چچا بھی خوش تھا۔ بہن بھائی کی ہنسی پر غصے کا اظہار تو کجا وہ خود بھی ان کی ہنسی میں شامل ہو گیا (وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ اس کے طرز زندگی کا مذاق اڑا سکتے ہیں)

چچا کہنے لگا "بہر حال، یہاں یہ نوجوان بیگم، آگے اور تیز چلو!۔۔ میں نے اس جیسی لڑکی پہلے کبھی نہیں دیکھی!

"اس نے رستوف کو لمبا پائپ تھمایا اور تین انگلیوں کی مدد سے ماہرانہ انداز میں دوسرے پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ اس نے اپنے لیے پائپ چھوٹا کرا لیا تھا۔

وہ کہنے لگا "یہ تمام دن زین پر بیٹھی رہی، اس طرح تو مرد بھی تھک جاتے ہیں۔۔ مگر یوں لگتا ہے کہ یہ اس کیلئے کوئی نئی بات نہیں تھی"

چچا کے دوبارہ آنے سے کچھ دیر بعد ہی دروازہ کھلا۔ آواز سے یوں لگتا تھا جیسے کسی ننگے پاؤں خادمہ نے دروازہ کھولا ہوگا، تاہم ایک بھاری بھرکم، سرخ گالوں والی چالیس سالہ خوش شکل خاتون کمرے میں آئی۔ اس نے ہاتھ

میں کھانے کے سامان سے بھری ٹرے اٹھا رکھی تھی۔ اس نے مہمانوں کو ایک نظر دیکھا، اس کی آنکھوں کی حرکات سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ ان کا پرتپاک خیر مقدم کر رہی ہے۔ وہ عمدگی سے مسکرائی اور انہیں جھک کر سلام کیا۔ اپنی غیر معمولی جسامت کے باوجود وہ تیزی سے حرکت کر رہی تھی (یہ چچا کے گھر کی نگران تھی) وہ میز کے قریب پہنچی اور ٹرے نیچے رکھ دی۔ اس کے نرم و ملائم سفید ہاتھ مہارت سے بوتلیں اور پلیٹیں ترتیب دینے لگے۔ اپنا کام مکمل کرنے کے بعد وہ دروازے کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی، اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ رستوف کو یوں لگا جیسے وہ کہہ رہی ہو "یہ میں ہوں۔۔۔ میں، اب تم چچا کو سمجھ گئے؟" اسے سمجھے بغیر کیا ہو سکتا تھا؟ چچا انیسیا فیودورونا کی آمد پر جس خوشدلی سے مسکرانے لگا تھا اسے دیکھ کر نہ صرف نکولائی بلکہ نتاشا بھی سمجھ گئی۔ ٹرے میں مختلف اقسام کی شرابیں، کھمبیاں، بکھن، دودھ اور رائی سے بنے بسکٹ، چھتے میں رکھا شہد، شہد سے بنا مشروب، سیب، پھلی اور بھنی ہوئی مونگ پھلی اور دیگر اشیاء شامل تھیں۔ پھر انیسیا فیودورونا شہد اور شکر سے بنی مٹھائی، بھنا ہوا مرغ اور جام لے آئی"

یہ تمام لذیذ اشیاء اس نے اپنے ہاتھوں سے بنائی تھیں اور اس نے خود ہی ان کے اجزاء منتخب کر کے انہیں تیار کیا تھا۔ انہیں دیکھ کر انیسیا فیودورونا کی شکل آنکھوں کے سامنے آ جاتی تھی جس میں وہی مٹھاس، صفائی، وہی ملائمت پن اور مسکراہٹ شامل تھی۔

وہ بار بار کہتی "چھوٹی بیگم، ذرا یہ دیکھیں، یہ" اور نتاشا کو کبھی ایک اور کبھی دوسری چیز پیش کرتی نتاشا نے تمام اشیاء کھائیں، وہ سوچ رہی تھی کہ "میں نے زندگی میں ایسے مزیدار بسکٹ، ایسی مٹھائیاں اور ایسے بھنے ہوئے مرغ کبھی نہیں دیکھے" انیسیا فیودورونا واپس چلی گئی۔ کھانے کے بعد برانڈی پی گئی اور چچا اور رستوف ماضی اور مستقبل کے شکار، روگے اور الاگن کے بارے میں بات چیت کرنے لگے۔ نتاشا صوفے پر تن کر بیٹھی تھی اور جگمگاتی آنکھوں سے ان کی گفتگو بغور سن رہی تھی۔ اس نے متعدد بار پیٹیا کو جگانے اور اسے کھلانے پلانے کی کوشش کی مگر وہ بڑبڑا کر دوبارہ سو جاتا۔ اس اجنبی ماحول میں وہ اتنی خوش تھی کہ اسے واحد ڈر اس بات کا تھا کہ گاڑی جلدی نہ آ جائے۔ دوران گفتگو ایسے وقفے بھی آتے جب بات چیت کا سلسلہ اچانک منقطع ہو جاتا اور خاموشی طاری ہو جاتی۔ جب انسان دوستوں کو پہلی مرتبہ گھر بلاتا ہے تو خاموشی کے ایسے وقفے آیا کرتے ہیں۔ ایسے ہی ایک وقفے کے بعد چچا نے وہ بات چھیڑ دی جو مہمانوں کے ذہنوں میں بھی گردش کر رہی تھی۔

وہ کہنے لگا "ہاں، تو پھر تم نے دیکھ ہی لیا کہ میں اپنے زندگی کا آخری حصہ کیسے گزار رہا ہوں۔۔۔ ہر ایک نے مر جانا ہے۔۔۔ آگے اور تیز چلو!۔۔۔ کچھ باقی نہیں رہتا تو پھر گناہ کیوں کیے جائیں۔"

چچا کے چہرے سے نہ صرف اس کے جذبات مترشح تھے بلکہ وہ خوبصورت بھی دکھائی دے رہا تھا۔ رستوف کو یاد آیا کہ اس کا والد اور تمام ہمسائے چچا کا ذکر ہمیشہ اچھے الفاظ میں کرتے تھے اور تمام علاقے میں اس کی شہرت عجیب و غریب مگر شریف اور بے غرض شخص کی سی تھی۔ وہ فریب سے کوسوں دور تھا اور خاندانی جھگڑوں میں اسی کے ذریعے صلح کرائی جاتی۔ وصیت نامے مکمل کرنے کیلئے وہی طلب کیا جاتا اور لوگ اسے اپنے رازوں میں شریک کرتے تھے۔ اسے جج بھی بنایا گیا، بار ہا سرکاری ملازمتیں پیش کی گئیں مگر وہ اپنی بات پر قائم رہا اور اس نے کبھی کوئی عہدہ قبول نہ کیا۔ وہ بہار اور خزاں کے دن اپنے گھوڑے کی پشت پر کھیتوں میں گزارتا اور موسم سرما میں اپنے گھر بیٹھا رہتا۔ گرما میں وہ اپنے باغ میں چہل قدمی کرتا تھا جہاں سبزہ جوبن پر ہوتا تھا۔

نکولائی نے پوچھا "چچا، آپ نے نوکری کیوں نہ کی؟"

چچا نے جواب دیا "میں نے ملازمت کی تھی مگر چھوڑ دی۔ میں ملازمت کیلئے موزوں نہ تھا۔ مجھے اس کی سمجھ نہ آئی تھی۔ یہ تم جیسے لوگوں کیلئے ہے۔ میں موزوں نہ تھا۔ شکار بالکل مختلف شے ہے۔ آگے اور تیز چلو" پھر وہ چلا کر بولا "دروازہ کھول دو، اسے بند کیوں کر دیا؟" راہداری کے اختتام پر ایک دروازہ تھا جو شکاریوں کے کمرے میں کھلتا تھا۔ یہ کمرے شکار کیلئے ساتھ جانے والے ملازمین کیلئے تھا۔ وہاں ننگے قدموں سے تیز تیز چلنے کی آواز سنائی دی اور کسی نے اس کمرے کا دروازہ کھول دیا۔ راہداری سے موسیقی کی آواز سنائی دینے لگی۔ اپنے فن میں ماہر کوئی شخص ساز بجانے میں مصروف تھا۔ نتاشا کچھ دیر سے دھن پر کان لگائے بیٹھی تھی۔ وہ راہداری میں چلی گئی تا کہ اچھی طرح سن سکے۔

چچا نے بتایا، وہ میرا کوچوان متکا ہے۔۔۔ میں نے اسے عمدہ ساز خرید کر دیا ہے۔ یہ مجھے بیحد پسند ہے" متکا کی عادت تھی کہ جب چچا شکار سے لوٹتا تو وہ شکاریوں کے کمرے میں ساز بجاتا تھا اور چچا یہ موسیقی سن کر لطف اندوز ہوتا تھا۔

نکولائی کہنے لگا "کتنا اچھا بجا رہا ہے، واقعی اچھا ہے" اس کے لہجے میں غیر شعوری غرور تھا جیسے اسے یہ تسلیم کرنے میں تامل ہو کہ اسے موسیقی میں بہت لطف آ رہا ہے۔

نتاشا نے اپنے بھائی کو سرزنش کرتے ہوئے کہا "اچھا مناسب لفظ نہیں، یہ سحر انگیز ہے" چچا کی کھمبیوں، مشروبات اور شہد کی طرح یہ موسیقی بھی اسے انتہائی مزیدار معلوم ہو رہی تھی۔

جونہی موسیقی ختم ہوئی وہ بولی "دوبارہ، براہ مہربانی دوبارہ بجائیں" متکا نے سر درست کئے اور دوبارہ "میری خاتون" نامی گیت کی دھنیں بجانے لگا۔ کبھی وہ تار دباتا، کبھی کھینچتا اور کبھی ان پر تیزی سے انگلی چلاتا اور یوں اپنی تان میں مختلف انداز پیدا کر رہا تھا۔ چچا اپنا سر ایک جانب جھکائے اسے بغور سننے میں محو تھا اور اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تیر رہی تھی۔ اس گانے کی لے سینکڑوں مرتبہ دہرائی گئی۔ ساز کے تار کئی مرتبہ درست کئے گئے اور تانیں بار بار دہرائی گئیں مگر سننے والوں کا دل نہ بھرا اور وہ بار بار سننے کی خواہش کرنے لگے۔ انیسیا فیودوروونا اندر آئی اور اپنا بھاری بھرکم جسم دروازے کی چوکھٹ پر ٹکا کر کھڑی ہو گئی۔

وہ کہنے لگی "چھوٹی بیگم، اسے اب سنیں۔ ہمارا متکا واقعی ساز بجا سکتا ہے" اس کے چہرے پر چچا سے مشابہ مسکراہٹ تھی۔

اچانک چچا نے اپنا بازو بھرپور انداز میں لہرایا اور کہنے لگا "وہ یہ سر درست طور سے نہیں بجا رہا۔ یہاں لمبا سر ہونا چاہئے۔ آگے اور تیز چلو!۔۔۔ یہاں آہستہ ہونا چاہئے"

نتاشا نے پوچھا آپ ساز بجا لیتے ہیں؟

چچا جواب دینے کی بجائے صرف مسکرا دیا۔

وہ کہنے لگا "انیسی اشکا، دیکھنا میری گٹار کے تار ٹھیک ہیں؟ کافی دیر ہوئی میں نے انہیں ہاتھ تک نہیں لگایا۔ آگے اور تیز چلو۔۔۔ میں اسے چھوڑ ہی چکا تھا"

انیسیا اپنے آقا کا حکم سن کر چل دی اور گٹار لے آئی۔

چچا نے کسی کی جانب دیکھے بغیر ہلکی ہلکی پھونکوں سے گٹار کی گرد جھاڑی اور اس پر اپنی بے گوشت انگلیاں کھٹکھٹائیں، سر درست کئے اور اپنی کرسی پر آرام سے بیٹھ گیا۔ اس نے تھیٹر کے فنکاروں کے سے انداز میں اپنا بایاں بازو کمان کی طرح موڑا اور گٹار کو پکڑ کر انیسیا فیودوروونا کو آنکھ ماری اور اس کے ساتھ ہی واحد سر نکالا اور "میری خاتون" کی

بجائے معروف گیت "اونچی سڑک کے ساتھ ساتھ" کی دھنیں بجانا شروع کر دیں۔ اس کا انداز پرسکون، شائستہ اور پر اعتماد تھا۔ نکولائی اور نتاشا کے دل و دماغ میں گانے کی شگفتگی سے جوش و خروش اور خوشی کی لہریں پیدا ہونے لگیں، یہی شگفتگی فیودوروونا کے وجود سے پھوٹ رہی تھی۔ انیسیا فیودوروونا کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اس نے منہ رومال میں چھپایا اور ہنستی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔ چچا اپنے بے عیب اور محنت طلب انداز سے ساز پر گیت کی دھنیں بجاتا رہا۔ اس کی نگاہیں مسلسل اس جگہ مرکوز تھیں جہاں انیسیا فیودوروونا کھڑی تھی۔ اس کی شکل بدل گئی تھی اور منہ کی ایک جانب سفید مونچھوں کے نیچے ہلکی پھلکی مسکراہٹ نمایاں ہونے لگی، جوں جوں گانا آگے بڑھتا گیا اور تانیں تیز ہوتی گئیں، توں توں اس کی مسکراہٹ بھی پھیلتی چلی گئی۔

جونہی گیت ختم ہوا نتاشا چلا اٹھی "شاندار، شاندار چچا! دوبارہ، دوبارہ!" پھر وہ چھلانگیں لگاتی آگے آئی اور چچا کو بانہوں میں لے کر اس کے رخسار چوم لیے۔ وہ حیرانی سے اپنے بھائی کی طرف مڑی اور کہنے لگی "نکولینکا، نکولینکا" اسے اپنی حیرانی کا اظہار کرنے کیلئے مناسب الفاظ نہیں مل رہے تھے۔

نکولائی بھی چچا کی کارکردگی پر بیحد خوش ہو رہا تھا۔ گیت کی دھن ایک مرتبہ پھر بجائی گئی۔ انیسیا فیودوروونا کا مسکراتا چہرہ ایک بار پھر دروازے سے نمودار ہوا۔ اس کے پیچھے پیچھے دوسرے چہرے تھے۔۔۔ گانے کے بول تھے "کنویں سے پانی نکالتی ایک کنواری نے اسے ٹھہرنے کو کہا"۔۔۔ چچا نے یہ بول ایک مرتبہ پھر دہرایا اور شاندار انداز سے سر اٹھا کر کندھے جھٹکے اور گیت ختم کر دیا۔

نتاشا منت سماجت کرنے لگی "چچا، پیارے چچا، اور بجائیں" اس کا انداز یوں تھا جیسے اس کی تمام زندگی کا دارومدار اسی پر ہو۔ چچا اٹھ کھڑا ہوا۔ یوں لگتا تھا اس کی شخصیت میں دو افراد سما گئے ہیں، ایک سنجیدگی سے دوسرے کی جانب دیکھ رہا تھا جو تمکین مزاج تھا جبکہ دوسرے نے وہ معصومانہ انداز اپنایا جو رقص کے آغاز میں دیکھنے کو ملتا ہے۔

چچا نے نتاشا کی جانب سر والی انگلی لہراتے ہوئے کہا "ادھر آؤ ننھی بھتیجی"

نتاشا نے چادر اتار دی اور تیزی سے آگے بڑھ کر چچا کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ اس نے دونوں ہاتھ کمر پر رکھے اور رقص کا انداز اختیار کر لیا۔

اس نوعمر نوابزادی نے جس کی تربیت فرانس سے نقل مکانی کر کے روس آنے والی ایک آیا کے ہاتھوں ہوئی تھی کہاں، کب اور کیسے اپنی روسی فضا میں رقص کی روح تک رسائی حاصل کر لی تھی؟ اس نے وہ انداز کہاں سے اپنایا جس کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ یہ فرانسیسی رقص نے نجانے کب سے ختم کر دیا ہوگا؟ تاہم اس کی چال ڈھال میں روسی انداز تھا۔ ایسی باتیں سکھائی جاتی ہیں نہ انہیں نقل کیا جا سکتا ہے مگر چچا کو اس سے جو توقع تھی، یہ اس کے عین مطابق تھیں۔ جس شان سے اس نے رقص کا انداز اختیار کیا اور وہ جس فخریہ اور فاتحانہ انداز میں ہنسی اسے دیکھ کر شروع میں نکولائی اور دوسروں کو یہ خوف لاحق ہو گیا۔ شاید وہ رقص کا درست انداز اختیار نہیں کر پائے گی۔ تاہم یہ اندیشہ جلد ختم ہو گیا اور وہ رکے بغیر اس کی تعریف و توصیف میں مشغول ہو گئے۔

اس کی کارکردگی اسقدر بے عیب تھی کہ انیسیا فیودوروونا نے فوراً اپنا رومال اسے دے دیا جس کی اسے رقص میں ضرورت تھی اور اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے حالانکہ جب اس نے اس شاندار نوابزادی کو دیکھا تو وہ خوش ہو رہی تھی، اگرچہ نتاشا کی پرورش کسی اور انداز سے ہوئی تھی اور اس کی دنیا فیودوروونا کی دنیا سے مختلف تھی مگر وہ انیسیا، اس کے والدین، خالہ اور ہر روسی مرد و زن کی رگ و پے میں موجود بات سمجھ چکی تھی۔

چچا چلا چلا کر کہہ رہا تھا "بہت اچھے ، بہت اچھے، چھوٹی نوابزادی۔۔۔آگے، تیز چلو" وہ خوشی سے قہقہے لگا رہا تھا اور کہے جاتا تھا "بہت خوب بھتیجی، ہمارا ایک ہی کام ہے کہ تمہارے لیے کوئی خوبصورت نوجوان ڈھونڈیں۔۔۔"

نکولائی مسکراتے ہوئے بولا "ایک پہلے ہی ڈھونڈ لیا گیا ہے"

چچا نے حیرانی سے مسکراتے ہوئے کہا "اوہ" اور نتاشا کی جانب سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔ نتاشا نے خوشی سے سرشار ہو کر مسکراتے ہوئے اس کی تائید کی۔

وہ کہنے لگی "وہ اتنے اچھے ہیں" جونہی اس کے منہ سے یہ الفاظ نکلے، اس کے ذہن میں خیالات وجذبات کا نیا سلسلہ شروع ہو گیا۔ وہ سوچنے لگی "جب نکولائی نے کہا کہ 'ایک پہلے ہی ڈھونڈ لیا گیا ہے' تو وہ مسکرایا کیوں تھا؟ وہ خوش ہے یا ناخوش؟ لگتا ہے کہ اس کے خیال میں بلکونسکی ایسی رونق کی وجہ سمجھ سکیں گے نہ پسند کریں گے۔ مگر وہ سب کچھ سمجھ لیں گے۔ مگر اس وقت وہ کہاں ہیں؟" وہ حیران تھی اور اس کا چہرہ اچانک سنجیدہ ہو گیا۔ تاہم یہ کیفیت چند ثانیے رہی۔ اس نے اپنے آپ سے کہا "اس حوالے سے مت سوچو، کوئی خیال دل میں مت لاؤ" وہ مسکراتے چچا کے پاس بیٹھ گئی اور اس سے مزید کچھ دیر ساز بجانے کی فرمائش کرنے لگی۔

چچا نے ساز پر ایک اور گیت کے علاوہ والز رقص کی دھن بجائی۔ کچھ دیر بعد اس نے اپنا گلا صاف کیا اور اپنا پسندیدہ شکاری گیت الاپنے لگا:

جب شام کا دھندلکا پھیلا
اور سرما کی پہلی برف پڑی

چچا کے گانے کا انداز دیہاتی کسانوں جیسا تھا۔ یہ کتنے سادہ دل لوگ ہوتے ہیں اور انہیں مکمل یقین ہوتا ہے کہ گیت کے تمام معانی الفاظ میں پنہاں ہوتے ہیں اور یہ کہ دھن بے ساختہ آتی ہے اور شعر کو نمایاں کرنے اور اس کے وزن کا تعین کرنے کیلئے وجود میں آتی ہے، چنانچہ اس دھن میں بھی وہی غیر معمولی دلکشی تھی جو پرندے کے گانے میں ہوتی ہے۔ نتاشا چچا کی گلوکاری سن کر وجد میں آ گئی۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اب بربط کا سبق نہیں لے گی اور اپنی تمام توجہ گٹار پر دے گی۔ اس نے چچا سے گٹار مانگی اور فوراً ہی گیت گانے لگی۔

دس بجے نتاشا اور پیٹیا کو واپس لے جانے کیلئے ایک گاڑی اور چھوٹی ویگن پہنچ گئی۔ ان کے ساتھ تین ملازمین بھی تھے۔ ایک ملازم نے بتایا کہ "نواب اور بیگم کو بالکل علم نہیں تھا کہ آپ لوگ کہاں ہیں اور وہ آپ کے بارے میں بیحد فکرمند ہیں"

پیٹیا کو لاش کی طرح اٹھا کر ویگن میں لٹایا گیا۔ نکولائی اور نتاشا گاڑی میں بیٹھ گئے۔ چچا نے نتاشا کو چادر اوڑھائی اور شفقت سے الوداع کیا۔ وہ پل تک ان کے ساتھ پیدل آیا۔ پل سے گاڑیاں نہیں گزر سکتی تھیں چنانچہ انہوں نے گاڑیاں ندی میں ڈال کر اسے عبور کیا۔ چچا نے اپنے چند نوکر ان کے ساتھ کر دیے جو لالٹینیں اٹھا کر ان کے آگے آگے چلنے لگے۔

تاریکی میں آواز سنائی دی "پیاری چھوٹی بھتیجی، خدا حافظ" مگر یہ وہ آواز نہیں تھی جو نتاشا نے پہلے بھی سن رکھی تھی بلکہ یہ وہ آواز تھی جس نے "شام کا دھندلکا" گایا تھا۔

وہ گاؤں کے درمیان سے گزرے جہاں سرخ روشنیاں چمک رہی تھیں اور دھوئیں کی خوشگوار باس پھیلی تھی۔

بڑی سڑک پر پہنچنے کے بعد نتاشا بولی "یہ چچا کتنے اچھے ہیں"

نکولائی نے جواب دیا "ہاں، تمہیں سردی تو نہیں لگ رہی؟"

نتاشا کہنے لگی "نہیں، میں بالکل ٹھیک ہوں، مجھے بیحد خوشی ہے" اس کے دل میں موجود جذبات نے اسے الجھا دیا تھا۔

رات سرد اور اندھیری تھی، انہیں گھوڑے دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ صرف کیچڑ میں ان کے سموں کی آوازیں آ رہی تھیں۔

زندگی کے مختلف تاثرات قبول کرتی اور انہیں اپنے اندر جذب کرتی اس معصوم اور اثر پذیر روح میں کون کون سے محسوسات پیدا ہو رہے تھے؟ وہ سب اس کے قلب و ذہن میں کیسے سرایت کر گئے؟ مگر وہ خوشی سے نہال ہو رہی تھی۔ جب وہ گھر کے قریب پہنچنے لگے تو وہ اچانک "شام کا دھندلکا" کی دھن گنگنانے لگی۔ وہ تمام راستے اسے یاد کرنے کی کوشش کرتی چلی آئی تھی اور آخرکار اسے یاد آ ہی گئی۔

نکولائی نے اس سے پوچھا "یاد آ گئی؟"

نتاشا بولی "نکولائی، تم ابھی ابھی کیا سوچ رہے تھے؟"

انہیں ایک دوسرے سے یہ سوال پوچھنے کا بیحد شوق تھے۔

نکولائی فوراً بولا "میں؟ خیر تمہیں علم ہونا چاہئے کہ میں پہلی بات یہ سوچ رہا تھا کہ وہ سرخ کتا روگے بالکل چچا جیسا ہے، اور اگر وہ انسان ہوتا تو شکار کیلئے نہیں تو کم از کم ہم آہنگی کیلئے ہی چچا اسے ضرور اپنے ساتھ رکھتے۔ چچا واقعی اچھا انسان ہے! کیا کہتی ہو، چلو چھوڑو، تم کیا سوچ رہی تھیں؟"

نتاشا کہنے لگی "میں؟ ذرا ٹھہرو، ایک منٹ، پہلے تو میں یہ سوچ رہی تھی کہ یہاں ہماری گاڑیاں چل رہی ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ ہم گھر جا رہے ہیں مگر خدا ہی جانتا ہے کہ اس اندھیرے میں ہم کہاں جا رہے ہیں۔ خدا جانے ہم اچانک ایسی جگہ پر پہنچ جائیں جس کے بارے میں ہمیں علم ہو کہ یہ اوتر ادنوئے تو نہیں، اور ہم یہ سوچنے لگیں کہ ہو سکتا ہے یہی پریوں کا مسکن ہو۔ اور پھر میں نے سوچا۔۔۔ نہیں، بس یہی کچھ سوچا تھا"

نکولائی مسکراتے ہوئے بولا "میں جانتا ہوں، تم شاید ان کے بارے میں سوچ رہی تھیں" نتاشا اس کی آواز سن کر جان گئی تھی کہ وہ مسکرا رہا ہے۔

وہ بولی "نہیں" حالانکہ وہ واقعی اس وقت شہزادہ آندرے کے بارے میں ہی سوچ رہی تھی اور اس نے یہ بھی سوچا تھا کہ چچا کے بارے میں اس کا کیا رویہ ہوتا۔ وہ کہنے لگی "پھر میں تمام راستے یہی سوچتی رہی کہ انیسیا نے اپنا کام کتنی خوبصورتی سے کیا۔۔۔"

نکولائی کو اس کی بیساختہ ہنسی سنائی دی۔

وہ اچانک بولی "تم جانتے ہو، مجھے یقین ہے کہ اس وقت میں جتنی خوش ہوں، دوبارہ کبھی نہیں ہو سکوں گی"

نکولائی نے کہا "فضول، احمقانہ باتیں مت کرو" وہ سوچ رہا تھا "یہ نتاشا کتنی اچھی ہے۔ مجھے اس جیسا دوست کبھی ملا تھا نہ ملے گا۔ آخر اسے شادی کی ضرورت کیوں پیش آ گئی؟ میں اس کے ساتھ ایسا سفر ہمیشہ کر سکتا ہوں"

نتاشا نے سوچا "نکولائی کتنا اچھا ہے"

اس نے گھر کی کھڑکیوں کی جانب اشارہ کیا جو رات کی سرد اور مخملیں تاریکی میں جھلمل کرتی ان کی منتظر تھیں۔ وہ کہنے لگی "ارے، ڈرائنگ روم میں ابھی تک روشنی ہو رہی ہے"

(8)

نواب ایلیا آندریچ نے مارشل کا عہدہ چھوڑ دیا تھا کیونکہ اس کی وجہ سے اسے ضرورت سے زیادہ اخراجات کرنا پڑتے تھے تاہم اس کے مالی معاملات پھر بھی بہتر نہ ہو سکے۔ نکولائی اور نتاشا نے اپنے والدین کو اکثر پریشانی کے عالم میں چھپ چھپ کر مشورہ کرتے دیکھا اور انہیں ماسکو میں اپنے شاندار اور مہنگے مکان اور شہر کی مضافاتی جاگیر کو فروخت کرنے کے بارے میں گفتگو کرتے سنا۔ اب جبکہ نواب، مارشل نہیں رہا تھا، اس لیے ان کیلئے وسیع دعوتوں کے انعقاد کی ضرورت بھی باقی نہ رہی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ گزشتہ برسوں کے مقابلے میں اوترادنوئے میں ان کے شب و روز نسبتاً سکون اور خاموشی سے گزر رہے تھے۔ البتہ ان کے وسیع وعریض مکان اور ملحقہ عمارات میں اب بھی لوگوں کا رش رہتا اور ہر روز دسترخوان پر بیس سے زائد لوگ اکٹھے ہو جاتے۔ ان میں اکثر ان کے وہ دوست تھے جو ان کے گھر میں ہی آباد ہو چکے تھے اور انہوں نے تقریباً خاندان کے رکن کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ چند لوگوں کیلئے نواب کے گھر میں رہنا مجبوری تھی۔ ان میں موسیقار ڈملر اور اس کی بیوی، رقص کا استاد فوگل اور اس کا خاندان، ایک غیر شادی شدہ خاتون بیلووا اور متعدد دیگر لوگ شامل تھے۔ یہ تمام لوگ اپنے گھروں میں رہنے کی بجائے نواب کے مکان میں رہتے تھے یا پھر اس میں انہیں زیادہ فائدہ دکھائی دیتا تھا۔ اگرچہ اب باہر سے کم مہمان آیا کرتے تھے مگر ان کے اپنے طرز زندگی میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی تھی کیونکہ نواب اور بیگم کیلئے اس طرز زندگی کو بدلنا چنداں ممکن نہ تھا۔ شکار کا سلسلہ بھی ویسا ہی تھا بلکہ نکولائی نے اس میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔ اصطبلوں میں پچاس گھوڑے اور پندرہ سائیس تھے۔ نام دن کے موقع پر حسب معمول قیمتی تحائف دینے اور شاندار دعوتوں کا سلسلہ جاری تھا جس میں تمام ضلع کے لوگ مدعو کیے جاتے تھے۔ نواب اب بھی وسٹ اور بوسٹن جیسے تاش کے کھیل کھیلتا۔ دوران کھیل وہ اپنے پتے اس طرح تھامتا تھا کہ وہ ہر شخص کو نظر آتے تھے اور یوں اس کے ہمسائے روزانہ اسے سینکڑوں روبل کا نقصان پہنچا دیتے۔ ان ہمسایوں کیلئے نواب کے ساتھ تاش کی بازی لگانا آمدنی کا منافع بخش سرمایہ کاری بن گئی تھی۔

نواب نے اپنے معاملات کے بارے میں جو طرز عمل اختیار کر رکھا تھا وہ بعینہ ایسے ہی تھا جیسے کسی بہت بڑے جال میں چل رہا ہو۔ وہ ہمیشہ خود کو یہی یقین دلانے کی کوشش کرتا تھا کہ پھندے میں گرفتار نہیں ہوا مگر اس کا ہر اقدام اسے مزید الجھا دیتا اور اسے یہ محسوس ہونے لگا تھا کہ اب اس میں اتنی ہمت باقی نہیں رہی کہ اس پھندے سے نکل سکے اور اتنا صبر و ضبط بھی نہیں رہا کہ اس کی گرہیں کھولی جا سکیں۔ بیگم کا پیار بھرا دل اسے بتا رہا تھا کہ اس کے بچوں کی قسمت دن بدن خراب ہوتی چلی جا رہی ہے مگر اسے یوں لگتا تھا جیسے اس میں اس کا کوئی قصور نہیں کیونکہ وہ جو کچھ تھا اس کے سوا کچھ اور بن ہی نہیں سکتا تھا اور یہ کہ اسے اپنے بچوں کی تباہی کا خود بھی احساس تھا اور یہ احساس اسے کسی پل چین نہیں لینے دیتا تھا (اگرچہ وہ اپنی اس بے چینی کو خفیہ رکھنے کی کوشش کرتا تھا) بیگم بھی اس صورتحال پر قابو پانے کیلئے سوچ بچار کرتی رہتی تھی مگر نسوانی نقطہ نظر سے اسے اس مسئلے کا یہی حل دکھائی دیتا تھا کہ نکولائی کسی امیر لڑکی سے شادی رچا لے۔ اس کے خیال میں یہی امید کی آخری کرن تھی اور اگر نکولائی نے اس سے تلاش کردہ رشتے کو قبول کرنے سے انکار کیا تو پھر ان کے تمام خوش کن خواب ملیامیٹ ہو جائیں گے اور وہ اپنا سابقہ معیار دوبارہ کبھی واپس نہیں لا سکیں گے۔ یہ رشتہ جولی کاراگن کا تھا۔ وہ شاندار اور اچھے والدین کی بیٹی تھی اور رستوف اسے بچپن سے جانتے تھے۔ اب اپنے آخری بھائی کی موت کے بعد وہ جائیداد کی تنہا وارث تھی۔

بیگم نے جولی کی والدہ کو براہ راست ماسکو میں خط لکھا جس میں اس نے بچوں کے رشتے کی تجویز پیش کی تھی اور اسے اچھا جواب موصول ہوا۔ جولی کی والدہ نے لکھا تھا "مجھے اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں مگر بات کا دارومدار میری بیٹی کی خواہش پر ہوگا" اس نے نکولائی کو ماسکو آنے کی دعوت بھی دے ڈالی۔ بیگم رستوف متعدد بار آنسوؤں کے ساتھ اپنے بیٹے پر واضح کر چکی تھی کہ اب جبکہ اس کی دونوں بیٹیوں کی قسمت کا تعین ہو چکا ہے تو اس کی واحد خواہش صرف یہ ہے کہ اس کا بیٹا شادی کر لے اور وہ کہتی کہ اگر یہ معاملہ طے ہو گیا تو پھر وہ سکون سے مر سکے گی۔ وہ اسے بتلاتی کہ اس کے ذہن میں ایک خوبصورت اور اچھی عادات کی مالک لڑکی ہے اور اس سے یہ بھی پوچھتی کہ شادی کے بارے میں اس کے اپنے نظریات کیا ہیں۔

دیگر مواقع پر وہ اس کے سامنے جولی کی تعریفیں کرنے لگتی اور نکولائی کو مشورہ دیتی کہ وہ سیر سپاٹا کرنے ماسکو جائے اور وہاں کی زندگی سے لطف اندوز ہو۔ نکولائی جان گیا کہ اس کی والدہ کیا چاہتی ہے اور ایسی ہی ایک گفتگو میں اس نے اصرار کیا کہ وہ اپنی بات واضح کرے۔ ماں نے اسے غیر مبہم انداز میں بتا دیا کہ "ہمارے معاملات اتنے خراب ہو چکے ہیں کہ انہیں درست ڈگر پر واپس لانے کا واحد حل تمہاری جولی کاراگن سے شادی ہے۔"

نکولائی نے جواب دیا "مگر امی، اگر مجھے کسی غریب لڑکی سے محبت ہے تو کیا پھر بھی آپ کو مجھ سے یہ توقع ہوگی کہ میں دولت کی خاطر اپنے جذبات کچل دوں اور عزت کی پرواہ نہ کروں؟" اسے اپنے سوال کی سفاکی کا اندازہ ہی نہ تھا اور وہ صرف خود کو بااصول اور دیانتدار ثابت کرنا چاہتا تھا۔

بیگم رستوف کہنے لگی "نہیں تم میری بات نہیں سمجھے" اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اپنے موقف کو کیسے درست ثابت کرے۔ اس نے کہا "نکولینکا! تم نے مجھے غلط سمجھا، میں تو صرف تمہاری خوشی چاہتی ہوں" اسے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ سچ نہیں بول رہی اور اس کا ذہن منتشر ہے۔ اس نے رونا شروع کر دیا۔

نکولائی بولا "پیاری امی، آپ روتی کیوں ہیں؟ آپ بس مجھے یہ بتا دیں کہ آپ کی کیا خواہش ہے۔ میں آپ کی خوشی کیلئے ہر کام کر گزروں گا۔ میں آپ کیلئے ہر شے حتیٰ کہ اپنے جذبات بھی قربان کر دوں گا۔"

مگر ماں بیٹے کے سامنے یوں ہاتھ نہیں پھیلانا چاہتی تھی۔ وہ اپنے بیٹے سے قربانی نہیں چاہتی تھی اور اس کی قربانی سے پہلے اپنی ذات قربان کر سکتی تھی۔

وہ کہنے لگی "نہیں تم میری بات نہیں سمجھے، چلو چھوڑو" اس نے آنسو پونچھنا شروع کر دیے۔

نکولائی نے سوچا "شاید میں واقعی کسی غریب لڑکی سے پیار کرتا ہوں۔ کیا مجھے دولت کی خاطر اپنے جذبات کچلنا ہوں گے؟ اپنی عزت داؤ پر لگانا ہوگی؟ نجانے امی نے مجھے یہ تجویز پیش ہی کیوں کی؟ سونیا کے غریب ہونے کی وجہ سے مجھے اس سے محبت نہیں کرنی چاہیے۔ اس کی سچی محبت کی طرف سے آنکھیں بند کر لینی چاہئیں؟ سچ تو یہ ہے کہ میں جولی جیسی کسی لڑکی کی بجائے اس کے ساتھ کہیں زیادہ خوش رہوں گا۔ میں اپنے جذبات سے ہٹ کر کوئی کام نہیں کر سکتا۔ اگر مجھے سونیا سے پیار ہے تو پھر میرے نزدیک یہ جذبہ دنیا کی کسی اور شے سے زیادہ مضبوط اور اعلیٰ ہے۔"

نکولائی ماسکو گیا نہ اس کی والدہ نے اس سے شادی کے بارے میں کوئی بات کی۔ مگر وہ یہ دیکھ کر دل ہی دل میں کڑھتی رہتی کہ اس کے بیٹے اور سونیا میں محبت دن بدن بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ اگرچہ اس پر وہ خود کو برا بھلا کہتی تھی مگر اس سے اپنی طبیعت پر جبر نہ ہوتا اور وہ سونیا کو دیکھ کر بڑبڑانے لگتی اور اس میں خامیاں تلاش کرنے کی کوشش کرتی۔ وہ جب بھی سونیا سے بات کرتی تو اسے طنزیہ انداز میں "میری پیاری" اور بے تکلفانہ "تم" کی جگہ "آپ" کہہ کر مخاطب

(8)

نواب ایلیا آندریچ نے مارشل کا عہدہ چھوڑ دیا تھا کیونکہ اس کی وجہ سے اسے ضرورت سے زیادہ اخراجات کرنا پڑتے تھے تاہم اس کے مالی معاملات پھر بھی بہتر نہ ہو سکے۔ نکولائی اور نتاشا نے اپنے والدین کو اکثر پریشانی کے عالم میں چھپ چھپ کر مشورہ کرتے دیکھا اور انہیں ماسکو میں اپنے شاندار اور مہنگے مکان اور شہر کی مضافاتی جاگیر کو فروخت کرنے کے بارے میں گفتگو کرتے سنا۔ اب جبکہ نواب، مارشل نہیں رہا تھا، اس لیے ان کیلئے وسیع دعوتوں کے انعقاد کی ضرورت بھی باقی نہ رہی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ گزشتہ برسوں کے مقابلے میں اوتراد نوئے میں ان کے شب و روز نسبتاً سکون اور خاموشی سے گزر رہے تھے۔ البتہ ان کے وسیع و عریض مکان اور ملحقہ عمارات میں اب بھی لوگوں کا رش رہتا اور ہر روز دستر خوان پر بیس سے زائد لوگ اکٹھے ہو جاتے۔ ان میں اکثر ان کے وہ دوست تھے جو ان کے گھر میں ہی آباد ہو چکے تھے اور انہوں نے تقریباً خاندان کے رکن کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ چند لوگوں کیلئے نواب کے گھر میں رہنا مجبوری تھی۔ ان میں موسیقار ڈمر اور اس کی بیوی، رقص کا استاد فوگل اور اس کا خاندان، ایک غیر شادی شدہ خاتون بیلووا اور متعدد دیگر لوگ شامل تھے۔ یہ تمام لوگ اپنے گھروں میں رہنے کی بجائے نواب کے مکان میں رہتے تھے یا پھر اس میں انہیں زیادہ فائدہ دکھائی دیتا تھا۔ اگرچہ اب باہر سے کم مہمان آیا کرتے تھے مگر ان کے اپنے طرز زندگی میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی تھی کیونکہ نواب اور بیگم کیلئے اس طرز زندگی کو بدلنا چنداں ممکن نہ تھا۔ شکار کا سلسلہ بھی ویسا ہی تھا بلکہ نکولائی نے اس میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔ اصطبلوں میں پچاس گھوڑے اور پندرہ سائیس تھے۔ نام دن کے موقع پر حسب معمول قیمتی تحائف دینے اور شاندار دعوتوں کا سلسلہ جاری تھا جس میں تمام ضلع کے لوگ مدعو کیے جاتے تھے۔ نواب اب بھی وسٹ اور بوسٹن جیسے تاش کے کھیل کھیلتا۔ دوران کھیل وہ اپنے پتے اس طرح تھامتا تھا کہ وہ ہر شخص کو نظر آتے تھے اور یوں اس کے ہمسائے روزانہ اسے سینکڑوں روبل کا نقصان پہنچا دیتے۔ ان ہمسایوں کیلئے نواب کے ساتھ تاش کی بازی لگانا آمدنی کا منافع بخش سرمایہ کاری بن گئی تھی۔

نواب نے اپنے معاملات کے بارے میں جو طرز عمل اختیار کر رکھا تھا وہ بعینہ ایسے ہی تھا جیسے کسی بہت بڑے جال میں چل رہا ہو۔ وہ ہمیشہ خود کو یہی یقین دلانے کی کوشش کرتا تھا کہ پھندے میں گرفتار نہیں ہوا مگر اس کا ہر اقدام اسے مزید الجھا دیتا اور اسے یہ محسوس ہونے لگا تھا کہ اب اس میں اتنی ہمت باقی نہیں رہی کہ اس پھندے سے نکل سکے اور اتنا صبر و ضبط بھی نہیں رہا کہ اس کی گرہیں کھولی جا سکیں۔ بیگم کا پیار بھرا دل اسے بتا رہا تھا کہ اس کے بچوں کی قسمت دن بدن خراب ہوتی چلی جا رہی ہے مگر اسے یوں لگتا تھا جیسے اس میں اس کا کوئی قصور نہیں کیونکہ وہ جو کچھ تھا اس کے سوا کچھ اور بن ہی نہیں سکتا تھا اور یہ کہ اسے اپنے بچوں کی تباہی کا خود بھی احساس تھا اور یہ احساس اسے کسی پل چین نہیں لینے دیتا تھا (اگرچہ وہ اپنی اس بے چینی کو خفیہ رکھنے کی کوشش کرتا تھا) بیگم بھی اس صورتحال پر قابو پانے کیلئے سوچ بچار کرتی رہتی تھی مگر نسوانی نقطۂ نظر سے اسے اس مسئلے کا یہی حل دکھائی دیتا تھا کہ نکولائی کسی امیر لڑکی سے شادی رچا لے۔ اس کے خیال میں یہی امید کی آخری کرن تھی اور اگر نکولائی نے اس کے تلاش کردہ رشتے کو قبول کرنے سے انکار کیا تو پھر ان کے تمام خوش کن خواب ملیامیٹ ہو جائیں گے اور وہ اپنا سابقہ معیار اور کبھی واپس نہیں لا سکیں گے۔ یہ رشتہ جولی کاراگن کا تھا۔ وہ شاندار اور اچھے والدین کی بیٹی تھی اور رستوف اسے بچپن سے جانتے تھے۔ اب اپنے آخری بھائی کی موت کے بعد وہ جائیداد کی تنہا وارث تھی۔

بیگم نے جولی کی والدہ کو براہ راست ماسکو میں خط لکھا جس میں اس نے بچوں کے رشتے کی تجویز پیش کی تھی اور اسے اچھا جواب موصول ہوا۔ جولی کی والدہ نے لکھا تھا ”مجھے اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں مگر بات کا دار و مدار میری بیٹی کی خواہش پر ہوگا“ اس نے نکولائی کو ماسکو آنے کی دعوت بھی دے ڈالی۔ بیگم رستوف متعدد بار آنسوؤں کے ساتھ اپنے بیٹے پر واضح کر چکی تھی کہ اب جبکہ اس کی دونوں بیٹیوں کی قسمت کا تعین ہو چکا ہے تو اس کی واحد خواہش صرف یہ ہے کہ اس کا بیٹا شادی کر لے اور وہ کہتی کہ اگر یہ معاملہ طے ہو گیا تو پھر وہ سکون سے مر سکے گی۔ وہ اسے بتلاتی کہ اس کے ذہن میں ایک خوبصورت اور اچھی عادات کی مالک لڑکی ہے اور اس سے یہ بھی پوچھتی کہ شادی کے بارے میں اس کے اپنے نظریات کیا ہیں۔

دیگر مواقع پر وہ اس کے سامنے جولی کی تعریفیں کرنے لگتی اور نکولائی کو مشورہ دیتی کہ وہ سیر سپاٹا کرنے ماسکو جائے اور وہاں کی زندگی سے لطف اندوز ہو۔ نکولائی جان گیا کہ اس کی والدہ کیا چاہتی ہے اور ایسی ہی ایک گفتگو میں اس نے اصرار کیا کہ وہ اپنی بات واضح کرے۔ ماں نے اسے غیر مبہم انداز میں بتا دیا کہ ”ہمارے معاملات اتنے خراب ہو چکے ہیں کہ انہیں درست ڈگر پر واپس لانے کا واحد حل تمہاری جولی کاراگن سے شادی ہے“

نکولائی نے جواب دیا ”مگر امی، اگر مجھے کسی غریب لڑکی سے محبت ہے تو کیا پھر بھی آپ کو مجھ سے یہ توقع ہوگی کہ میں دولت کی خاطر اپنے جذبات کچل دوں اور عزت کی پرواہ نہ کروں؟“ اسے اپنے سوال کی سفاکی کا اندازہ ہی نہ تھا اور وہ صرف خود کو با اصول اور دیانتدار ثابت کرنا چاہتا تھا۔

بیگم رستوف کہنے لگی ”نہیں، تم میری بات نہیں سمجھے“ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اپنے موقف کو کیسے درست ثابت کرے۔ اس نے کہا ”نکولینکا! تم نے مجھے غلط سمجھا۔ میں تو صرف تمہاری خوشی چاہتی ہوں“ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ سچ نہیں بول رہی اور اس کا ذہن منتشر ہے۔ اس نے رونا شروع کر دیا۔

نکولائی بولا ”پیاری امی، آپ روتی کیوں ہیں؟ آپ بس مجھے یہ بتا دیں کہ آپ کی کیا خواہش ہے۔ میں آپ کی خوشی کیلئے ہر کام کر گزروں گا۔ میں آپ کیلئے ہر شے حتیٰ کہ اپنے جذبات بھی قربان کر دوں گا“

مگر ماں بیٹے کے سامنے یوں ہاتھ نہیں پھیلانا چاہتی تھی۔ وہ اپنے بیٹے سے قربانی نہیں چاہتی تھی اور اس کی قربانی سے پہلے اپنی ذات قربان کر سکتی تھی۔

وہ کہنے لگی ”نہیں تم میری بات نہیں سمجھے، چلو چھوڑو“ اس نے آنسو پونچھنا شروع کر دیے۔

نکولائی نے سوچا ”شاید میں واقعی کسی غریب لڑکی سے پیار کرتا ہوں۔ کیا مجھے دولت کی خاطر اپنے جذبات کچلنا ہوں گے؟ اپنی عزت داؤ پر لگانا ہوگی؟ نجانے امی نے مجھے یہ تجویز پیش ہی کیوں کی؟ سونیا کے غریب ہونے کی وجہ سے مجھے اس سے محبت نہیں کرنی چاہئے۔ اس کی سچی محبت کی طرف سے آنکھیں بند کر لینی چاہئیں؟ سچ تو یہ ہے کہ میں جولی جیسی کسی لڑکی کی بجائے اس کے ساتھ کہیں زیادہ خوش رہوں گا۔ میں اپنے جذبات سے ہٹ کر کوئی کام نہیں کر سکتا۔ اگر مجھے سونیا سے پیار ہے تو پھر میرے نزدیک یہ جذبہ دنیا کی کسی اور شے سے زیادہ مضبوط اور اعلیٰ ہے“

نکولائی ماسکو گیا نہ اس کی والدہ نے اس سے شادی کے بارے میں کوئی بات کی۔ مگر وہ یہ دیکھ کر دل ہی دل میں کڑھتی رہتی کہ اس کے بیٹے اور سونیا میں محبت دن بدن بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ اگرچہ اس پر وہ خود کو برا بھلا کہتی تھی مگر اس سے اپنی طبیعت پر جبر نہ ہوتا اور وہ سونیا کو دیکھ کر بڑبڑانے لگتی اور اس میں خامیاں تلاش کرنے کی کوشش کرتی۔ وہ جب بھی سونیا سے بات کرتی تو اسے طنزیہ انداز میں ”میری پیاری“ اور بے تکلفانہ ”تم“ کی جگہ ”آپ“ کہہ کر مخاطب

کرتی۔ مہربان بیگم کو یہ دیکھ کر بیحد الجھن ہوتی کہ اس کی یہ غریب بھانجی اتنی شریف النفس، نیک فطرت، اپنے محسنوں کی احسانمند اور نکولائی کے ساتھ اسقدر دلی محبت کرتی ہے کہ اس میں خامیاں تلاش کرنے کی کوئی گنجائش نہ تھی۔

نکولائی نے اپنی بقیہ چھٹی والدین کے ہاں گزاری۔ روم سے شہزادہ آندرے کا خط ملا جس میں اس نے لکھا تھا کہ اگر گرم موسم میں اس کا زخم غیر متوقع طور پر دوبارہ نہ کھلتا تو وہ کافی دیر پہلے روس پہنچ چکا ہوتا۔ مگر موجودہ صورتحال میں وہ اپنے وطن روانگی نئے سال کے آغاز تک ملتوی کرنے پر مجبور ہو گیا ہے۔ نتاشا کی اپنے منگیتر سے محبت میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوا تھا۔ اسے ابھی تک اس کیفیت میں پہلے جیسا سکون مل رہا تھا اور وہ زندگی کی خوشیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی تھی تاہم جدائی کے چوتھے ماہ اس پر افسردگی طاری رہنے لگی اور اس کیلئے اس کا توڑ ممکن نہ تھا۔ اسے اپنے آپ پر ترس آنے لگا اور وہ افسوس کرنے لگی کہ اس عرصہ میں اس کی ذہنی و جسمانی صلاحیتیں خواہ مخواہ ضائع ہوتی رہیں اور وہ کسی کے کام نہ آ سکی۔ اس کا خیال تھا کہ اس میں چاہنے اور چاہے جانے کی بے پایاں صلاحیت موجود ہے۔

رستوف خاندان کے ہاں زندگی کی چمک دمک غائب تھی۔

(9)

کرسمس آئی اور رسمی عبادت، ہمسایوں اور ملازمین کو مبارکبادوں اور نئے ملبوسات کے علاوہ کوئی ایسی بات وقوع پذیر نہ ہوئی جس سے یہ ظاہر ہوتا کہ ان چھٹیوں کو شایان شان انداز میں منانے کا کوئی خاص اہتمام کیا گیا ہے۔ موسمی کیفیت یکساں تھی۔ اگرچہ شدید سردی پڑ رہی تھی مگر دن کو آنکھیں چندھیا دینے والی دھوپ نکلتی اور رات کو آسمان ستاروں سے جگمگا اٹھتا۔ ایسے موسم کا تقاضا تھا کہ کرسمس دھوم دھام سے منائی جائے۔

کرسمس کے تیسرے دن شام کے کھانے کے بعد اہلخانہ مختلف کمروں میں چلے گئے۔ دن کا یہ وقت بیحد بور تھا۔ نکولائی نے دوپہر ہمسایوں سے ملاقاتوں میں گزاری تھی اور اب وہ کمرے میں سو رہا تھا۔ نواب اپنے کمرے میں سویا ہوا تھا۔ سونیا ڈرائنگ روم میں گول میز کے سامنے بیٹھی کشیدہ کاری میں مصروف تھی۔ بیگم رستوف اکیلی ہی تاش کا کھیل پیٹینس کھیل رہی تھی۔ مسخرہ ناستاسیا ایوانوونا افسردہ چہرے کے ساتھ دو بوڑھیوں کے ہمراہ کھڑکی کے قریب بیٹھا تھا۔ نتاشا کمرے میں آئی اور سونیا کے پاس گئی اور اس کے کام پر سرسری نظر ڈالنے کے بعد دوسرے کمرے میں اپنی والدہ کے پاس پہنچ کر خاموش کھڑی ہو گئی۔

والدہ نے اس سے پوچھا "یہ تم پریشان روح کی طرح کیوں پھر رہی ہو؟ کیا چاہیے؟"

نتاشا بولی "مجھے وہ چاہئیں۔۔۔ اسی وقت چاہئیں، اسی لمحے" اس کی آنکھیں جگمگا رہی تھیں اور ہونٹوں سے مسکراہٹ غائب تھی۔ بیگم نے اپنا سر اٹھایا اور بیٹی کو سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

نتاشا نے کہا "امی مجھے مت دیکھیں، مت دیکھیں، ورنہ میں رونا شروع کر دوں گی"

ماں کہنے لگی "بیٹھ جاؤ، یہاں آؤ اور میرے پاس بیٹھو"

نتاشا بولی "امی، مجھے وہ چاہئیں۔ میں اس طرح وقت کیوں ضائع کر رہی ہوں، امی؟۔۔۔" اس کی آواز بھرا گئی اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے جنہیں چھپانے کیلئے اس نے فوراً منہ پھیر لیا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ وہ دوسرے کمرے میں پہنچی اور کچھ دیر اپنے خیالوں میں گم سم وہیں کھڑی رہی اور پھر خادماؤں کے کمرے کی جانب چل دی۔ وہاں ایک معمر خادمہ اپنے سامنے کھڑی نوجوان لڑکی کو ڈانٹ رہی تھی جو باہر سردی میں بھاگتی ہوئی آئی تھی۔

معمر خادمہ اسے کہہ رہی تھی "کھیلنا بند کرو، ہر کام کا ایک وقت ہوتا ہے"

نتاشا بولی "کوندراتیونا، چھوڑو" پھر وہ نوجوان لڑکی سے بولی "بھاگ جاؤ، مادروشا، جاؤ"

مادروشا کی جان چھڑانے کے بعد نتاشا ہال سے گزر کر بیرونی صحن میں چلی گئی۔ وہاں ایک معمر ملازم اور اس کے دو نوجوان ساتھی تاش کھیلنے میں مصروف تھے۔ نتاشا کو دیکھ کر انہوں نے پتے ایک جانب پھینک دیے اور کھڑے ہو گئے۔ نتاشا نے حیرانی سے سوچا "ان سے کون سا کام کرایا جانا چاہیے؟"

وہ بولی "ہاں نکیتا، ذرا جانا۔۔۔" پھر اس نے سوچا "اسے کہاں بھیجوں؟" کچھ سوچ کر وہ بولی "ہاں، صحن میں جاؤ اور میرے لیے ایک مرغا لاؤ، اور مشا تم کچھ دانا دنکا لے آؤ"

مشا جو خوشدلی سے مستعد کھڑا تھا بولا "کچھ دانا دنکا"

بوڑھے نے اسے کہا "دیر نہ کرو، جلدی جاؤ"

نتاشا نے دوسرے نوکر سے کہا "فیودور، تم مجھے چاک لا دو"

وہ کھانے کی اشیاء کے کمرے سے گزری تو اس نے سماوار گرم کرنے کا حکم دیا حالانکہ یہ چائے کا وقت نہیں تھا۔

باورچی فوکا گھر کا بدمزاج ملازم تھا اور نتاشا کو ہمیشہ اس پر اپنا حکم چلاتے دیکھ کر خوشی ہوتی تھی۔ فوکا کو اس کی بات کا یقین نہ آیا اور وہ یہ دریافت کرنے چلا گیا کہ کیا واقعی سماوار کی ضرورت ہے۔

اس نے نتاشا پر مصنوعی غصہ کرتے ہوئے کہا "ارے، تم چھوٹی بھی بہت خوب ہو"

گھر کا کوئی فرد نوکروں کو اتنا تنگ نہیں کرتا تھا جتنا کہ نتاشا کرتی تھی۔ جونہی وہ ان میں سے کسی کو دیکھتی تو اس کا کوئی حکم چلانے کو دل کرتا۔ یوں لگتا تھا وہ یہ دیکھنا چاہتی ہے کہ کوئی اس کے حکم پر پیچ و تاب کھاتا ہے یا نہیں۔ تاہم کسی کے احکامات اتنی خوشدلی سے بجا نہیں لائے جاتے تھے جتنا کہ اس کی بات مانی جاتی تھی۔ وہ راہداری میں آہستگی سے چلتی ہوئی سوچ رہی تھی "کہاں جاؤں؟"

اسی دوران سامنے سے مسخرہ خواتین والی جیکٹ پہنے نمودار ہوا۔ نتاشا اسے دیکھتے ہی کہنے لگی "ناستاسیا ایوانوونا! میرے بچے کیسے ہوں گے؟"

مسخرے نے جواب دیا "پسو، کالی مکھیاں، ٹڈے"

نتاشا نے کہا "اوہ میرے خدایا، میرے خدایا! ہمیشہ یہی جواب ملتا ہے۔ ارے میں کہاں جاؤں؟ میں اپنا کیا کروں؟" وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ وہ آخری منزل پر رہنے والے فوگل اور اس کی بیوی سے ملنا چاہتی تھی۔ وہ آیائیں فوگل میاں بیوی کے ساتھ میز کے قریب بیٹھی تھیں جس پر خشک میووں کی پلیٹیں رکھی تھیں۔ ان کے مابین یہ بحث جاری تھی کہ "ماسکو سستا ہے یا اوڈیسہ" نتاشا ان کے سامنے بیٹھ کر سنجیدگی سے باتیں سنتی رہی اور پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ اچانک بولی "جزیرہ مڈغاسکر" اس نے ایک ایک لفظ علیحدہ کر کے کہا "مڈ۔ غا۔ سکر" اور مادام شوس کے سوال کا جواب دیے بغیر کمرے سے باہر نکل گئی۔

اس کا بھائی پیتیا بالائی منزل پر اپنے استاد کے ساتھ پھلجھڑیاں تیار کر رہا تھا جو رات کو چھوڑی جانا تھیں۔

نتاشا نے چلا کر کہا "پیتیا، پیٹکا! مجھے سیڑھیوں سے نیچے لے چلو" پیتیا بھاگ کر اس کی جانب آیا اور اسے اپنی کمر پر سوار کر کے ادھر ادھر بھاگنے لگا۔ نتاشا کہنے لگی "نہیں نہیں بس کافی ہے۔ جزیرہ مڈغاسکر" اور پھر چھلانگ لگا کر اس

کی کمرے سے اتر آئی اور سیڑھیاں اترنے لگی۔

یہ سب ایسے ہی تھا جیسے وہ اپنی مملکت کا جائزہ لے چکی ہو اور اختیارات کی آزمائش کر چکی ہو تیز اپنے آپ کو یقین دلا چکی ہو کہ ہر شخص اس کا فرمانبردار ہے۔ تاہم یہ سب کچھ بے مزا تھا۔ نتاشا ہال میں چلی گئی۔ اس نے اپنی گٹار اٹھائی اور کتابوں کی الماری کے پیچھے ایک تاریک کونے میں بیٹھ کر تاروں پر انگلیاں پھیرنے لگی۔ اس نے پیٹرزبرگ میں شنزادے آندرے کے ساتھ دیکھے اوپیرا کی ایک دھن یاد کی اور آہستگی سے اسے دہرانا شروع کر دیا۔ اس کی گٹار سے جو آوازیں نکل رہی تھیں ان میں اگرچہ دیگر سننے والوں کو کوئی معانی دکھائی نہ دیتے تھے مگر خود اس کے ذہن میں بے شمار یادیں تازہ ہو گئی تھیں۔ وہ کتابوں کی الماری کے پیچھے بیٹھی تھی اور اس کی نگاہیں روشنی کی ایک لکیر پر مرکوز تھیں جو صاف کی اشیا والے کمرے سے نکل رہی تھی۔ وہ خود ہی گٹار بجا کر سن رہی تھی اور یادیں تازہ کرنے میں مشغول تھی۔ اس کا ذہن بار بار ماضی کی طرف جا رہا تھا۔

سونیا صاف کی اشیا والے کمرے کے قریب سے گزری۔ اس کے ہاتھ میں پانی کا گلاس تھا۔ نتاشا کی نظر اس پر اور دروازے کی درز پر پڑی اور یوں لگا کہ جیسے وہ پہلے بھی یہ منظر دیکھ چکی ہے۔ نتاشا نے سوچا "ہاں بالکل ایسے ہی تھا"

اس نے انگلیوں سے ایک تار کھینچا کر پوچھا "سونیا، یہ کیا ہے؟"

سونیا گھبرا گئی اور بولی "ارے، تم وہاں ہو" اور اس کی بات سننے چلی آئی۔ وہ کہنے لگی "معلوم نہیں، شاید طوفان" اسے خدشہ تھا کہ کہیں وہ غلط نہ کہہ دے۔

نتاشا کے ذہن میں خیال آیا "ارے ہاں، یہ پہلے بھی اسی طرح گھبرائی ہوئی آئی تھی اور اس وقت بھی مجھے یہی محسوس ہوا تھا کہ اس میں کسی شے کی کمی ہے"

نتاشا بولی "نہیں یہ 'پانی بھرنے والی' کے کورس کا ایک بند ہے، سنو" اس نے دھن بجانا شروع کر دی تاکہ سونیا سے سمجھ سکے۔ وہ جانے لگی تو نتاشا نے پوچھا "کہاں جا رہی ہو؟"

سونیا نے جواب دیا "اس گلاس کا پانی بدلنے جا رہی ہوں۔ میرا نمونہ ختم ہونے والا ہے"

نتاشا کہنے لگی "تم ہمیشہ کوئی نہ کوئی کام ڈھونڈ لیتی ہو، مجھے پتہ نہیں ملتا۔ نکولینکا کہاں ہے"

سونیا نے جواب دیا "میرا خیال ہے سو رہے ہیں"

نتاشا بولی "سونیا جاؤ اور اسے جگا دو اور اسے کہو میں چاہتی ہوں کہ وہ یہاں آئے اور گانا گائے"

وہ مزید کچھ دیر یونہی بیٹھی یہ سوچ کر حیران ہوتی رہی کہ یہ واقعہ پہلے بھی پیش آیا تھا۔ اس کیا مطلب ہے۔ تاہم اس مسئلے کو حل کئے بغیر اور اپنی ناکامی پر کسی قسم کی پریشانی کا اظہار کئے بغیر وہ اپنے تصورات میں وہ وقت یاد کرنے لگی جب وہ اس کے ساتھ ہوتا تھا اور اسے پیار بھری نظروں سے دیکھتا تھا۔

اس نے سوچا "کیا ہی اچھا ہو کہ وہ جلد آ جائیں۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ یہ کبھی نہیں ہوگا۔ اور سب سے بری بات یہ ہے کہ میری عمر گزرتی جا رہی ہے۔ یہی اصل مسئلہ ہے۔ بہت جلد میں ایسی نہیں رہوں گی۔ شاید وہ آج آ جائیں، شاید وہ ابھی پہنچ جائیں، ہو سکتا ہے وہ آ گئے ہوں، ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوں۔ شاید وہ کل آئے تھے اور میں ہی بھول گئی ہوں"

وہ اٹھی، گٹار نیچے رکھی اور ڈرائنگ روم کی طرف چل دی۔ تمام اہلخانہ، استاد، آیائیں اور مہمان چائے کی میز پر بیٹھے تھے اور نوکران کے پیچھے کھڑے تھے۔ مگر شہزادہ آندرے وہاں نہیں تھا اور زندگی معمول کے مطابق جاری تھی۔

نکولائی نے کہا "سونیا، تمہیں بھی یاد ہے؟"

سونیا شرماتے ہوئے بولی "ہاں، مجھے بھی تھوڑا تھوڑا یاد ہے"

نتاشا بولی "تم جانتی ہو کہ میں امی ابو سے اس حبشی کے بارے میں پوچھتی رہی ہوں اور وہ کہتے ہیں کہ حبشی وغیرہ کوئی نہیں تھا مگر دیکھا ناں، تمہیں بھی یاد ہے"

سونیا نے کہا "ہاں مجھے یاد ہے، مجھے اس کے دانت بالکل اسی طرح یاد ہیں جیسے میں نے اسے ابھی ابھی دیکھا ہو"

نتاشا بولی "یہ کتنی عجیب وغریب بات ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے یہ کوئی خواب ہو اور مجھے بھی یہی بات پسند ہے"

اس نے کہا "تمہیں یاد ہوگا کہ ہم بڑے ہال میں انڈے لڑھکا رہے تھے کہ اچانک دو بوڑھی عورتیں کہیں سے سامنے آگئیں اور قالین کے گرد پھرکی کی طرح گھومنے لگی تھیں۔ ایسا ہوا تھا یا نہیں؟ تمہیں یاد ہے ہمیں کتنا لطف آیا تھا؟"

سونیا بولی "ہاں، اور تمہیں یاد ہے کہ اباجان نے نیلا کوٹ پہن رکھا تھا اور کس طرح انہوں نے ڈیوڑھی میں بندوق چلا دی تھی"

یوں وہ خوشی سے اپنی یادیں تازہ کرتے رہے مگر یہ بڑھاپے کی افسردہ یادیں نہ تھیں بلکہ جوانی کی شاعرانہ داستانیں اور ان کے ماضی کے وہ تاثرات تھے جن میں خواب اور حقیقتیں آپس میں گھل مل ہوتی ہیں۔ وہ اطمینان سے لطف اندوز ہو رہے تھے اور قہقہے لگانے میں مصروف تھے۔

ہمیشہ کی طرح سونیا یہاں بھی دوسروں سے پیچھے رہ گئی حالانکہ ان کی یادیں مشترک تھیں۔ انہیں جو کچھ یاد آ رہا تھا وہ اس کا زیادہ حصہ بھول چکی تھی اور اسے جو کچھ یاد آ رہا تھا وہ بھی اس کے دل میں ویسے جذبات نہ ابھار سکا جس کا ان دونوں کو تجربہ ہو رہا تھا۔ وہ صرف ان کی خوشی سے لطف اندوز ہو رہی تھی اور اسے مصنوعی انداز میں اپنے اوپر طاری کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ صرف اس وقت ان کی بات چیت میں پوری طرح شرکت کر سکی جب انہوں نے اپنے گھر میں اس کی آمد کے بارے میں باتیں شروع کیں۔ سونیا نے انہیں بتایا کہ وہ نکولائی سے کیسے ڈر گئی تھی کیونکہ آیا نے اسے بتایا تھا کہ اسے نکولائی کے کوٹ کی موٹی ڈوریوں سے باندھ دیا جائے گا۔

نتاشا بولی "مجھے بتایا گیا تھا کہ تم گوبھی کے پودے کے نیچے پیدا ہوئی تھیں اور مجھے یاد ہے کہ میں ان کی بات پر یقین نہیں کر سکی تھی حالانکہ مجھے علم تھا کہ یہ بات ٹھیک نہیں اور اس سے میں خاصی مضطرب بھی ہوئی تھی۔

جب وہ آپس میں باتیں کر رہے تھے تو کمرے کے پیچھے سے ایک نوکرانی نے جھانکا اور کہنے لگی "مس وہ آپ کیلئے مرغا لے آئے ہیں"

نتاشا بولی "پولیا، مجھے نہیں چاہئے۔ انہیں کہیں کہ واپس لے جائیں"

ان کی بات چیت کے دوران ڈملر اندر آ گیا اور کونے میں کھڑے بربط کے پاس چلا گیا۔ اس نے ساز کا غلاف اتارا اور تار جھنجھنا اٹھے۔

ڈرائنگ روم سے بیگم رستوف کی آواز سنائی دی "ایڈورڈ کارلچ، مجھے وہ نغمہ سنائیں جس کی موسیقی مسٹر فیلڈ نے بنائی تھی۔ نوازش ہوگی"

ڈملر نے تار چھیڑے اور ان تینوں کی جانب متوجہ ہو کر کہنے لگا "آپ لوگ شور نہیں کر رہے؟"

نتاشا نے نظریں اٹھا کر کہا "ہاں، ہم فلسفیانہ باتوں میں مصروف ہیں" یہ کہہ کر وہ دوبارہ گفتگو میں شامل ہو

گئی۔ اب وہ خوابوں کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔

ڈملر ساز بجانے لگا اور نتاشا آہستگی سے پنجوں کے بل چلتی میز کے قریب پہنچ گئی۔ اس نے موم بتی اٹھائی اور اسے باہر لے جا کر دوبارہ اپنی جگہ آ کر بیٹھ گئی۔ کمرے میں صوفے پر اندھیرا تھا مگر پورے چاند کی روشنی بلند وبالا کھڑکیوں سے چھن چھن کر اندر آ رہی تھی جس سے فرش روشن ہو گیا تھا۔

نکولائی نے نتاشا اور سونیا کے قریب ہو کر کہا "تم جانتی ہو" اس وقت ڈملر نغمہ ختم کرنے کے بعد آہستگی سے ساز پر انگلیاں پھیر رہا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے وہ یہ فیصلہ نہیں کر پایا کہ اسے نغمہ ختم کر دینا چاہئے یا کوئی اور شروع کرے۔

نکولائی نے دونوں سے کہا "تم جانتی ہو کہ میرے خیال میں جب کوئی شخص پرانی یادیں تازہ کرتا جاتا ہے تو آخر میں وہ وقت بھی آ جاتا ہے جب اسے وہ باتیں بھی یاد آنے لگتی ہیں جو اس وقت وقوع پذیر ہوئی تھیں جب وہ اس دنیا میں نہیں آیا تھا"

سونیا جو اچھی طالبہ تھی اور پڑھی لکھی باتیں یاد رکھتی تھی بولی "یہ تناسخ ارواح ہے۔ مصری لوگ اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ کسی دور میں ہماری روحیں جانوروں کے جسموں میں رہتی تھیں اور دوبارہ وہیں چلی جائیں گی"

نتاشا بولی "نہیں، میں یہ بات تسلیم نہیں کرتی کہ ہم بھی جانوروں میں رہتے تھے" اگرچہ موسیقی بند ہو چکی تھی مگر وہ ابھی تک سرگوشی میں باتیں کر رہی تھی۔ وہ کہنے لگی "میں اتنا جانتی ہوں کہ ہم کسی دوسری دنیا میں فرشتے ضرور تھے اور اب ہم یہاں ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہمیں سب کچھ یاد ہے۔۔"

ڈملر خاموشی سے ان کے قریب بیٹھتے ہوئے بولا "کیا میں بھی آپ میں شامل ہو سکتا ہوں؟"

نکولائی کہنے لگا "اگر ہم فرشتے ہوتے تو اتنا نیچے کیوں گر جاتے؟ میں یہ بات تسلیم نہیں کرتا"

نتاشا نے یقینی انداز میں کہا "نیچے نہیں، تمہیں کس نے بتایا کہ ہم نیچے گرے ہوئے ہیں؟ میں پہلے کیا تھی، مجھے یہ کیسے معلوم ہوا؟ تم جانتے ہو کہ روح کبھی ختم نہیں ہو سکتی، لہٰذا اگر مجھے ہمیشہ کیلئے زندہ رہنا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ماضی میں بھی میری کوئی زندگی رہی ہوگی اور میں شروع دن سے ہی موجود رہی ہوں گی"

ڈملر بولا "ٹھیک ہے، مگر ہم شروع سے آخر تک کا تصور ذہن میں نہیں لا سکتے" وہ یوں مسکراتا ہوا نوجوانوں کی باتوں میں شامل ہوا تھا جیسے ان پر احسان کر رہا ہو مگر اس کا لہجہ بھی دھیما تھا۔

نتاشا کہنے لگی "شروع سے آخر تک کا تصور ذہن میں لانا کیوں مشکل ہے؟ آج کے بعد کل اور کل کے بعد پرسوں ہوگا اور یہ سلسلہ جاری رہے گا"

انہیں بیگم کی آواز سنائی دی جو کہہ رہی تھی "نتاشا اب تم مجھے کوئی گانا سناؤ۔ یہ تم لوگ یوں کیوں بیٹھے ہو، کیا کوئی سازش کرنے میں مصروف ہو؟"

نتاشا بولی "امی میرا بالکل دل نہیں چاہتا" تاہم وہ کھڑی ہو گئی۔

ان میں سے کوئی حتیٰ کہ ڈملر بھی باتیں ختم کرنا اور اس کونے سے نہیں اٹھنا چاہتا تھا مگر نتاشا کھڑی ہو گئی اور نکولائی ساز کے قریب جا بیٹھا۔ نتاشا حسب معمول ہال کے درمیان میں جا بیٹھی اور اس نے وہ جگہ چن لی جہاں سے اس کی آواز بہترین انداز میں سنی جا سکتی تھی۔ پھر وہ اپنی والدہ کا پسندیدہ نغمہ الاپنے لگی۔

اگرچہ اس نے کہا تھا کہ "گانا گانے کو جی نہیں چاہتا" مگر اس شام وہ جس طرح گائی، ایسا گائے اسے مدتیں ہو چکی تھیں اور پھر ایسا اس نے مدتوں بعد گانا تھا۔ اپنے کمرے میں متنکا سے باتیں کرتے نواب ایلیا آندریچ کو اس کی

آواز میں کوئی چیز ہے سن کر، وہ متاثر کن کلمات دیتے ہوئے گزر گیا اور خاموش ہو گیا۔ اس کے سامنے کھڑا اجنبی غور سے سنتے ہوئے مسکرانے لگا۔ نکولائی کی نظریں اپنی بہن کے چہرے سے نہ ہٹ سکیں۔ وہ اس کے گانے کے دوران سانس روک لیتا اور اس کے رکنے پر ہی سانس لیتا۔ سونیا سنتے ہوئے یہ سوچ رہی تھی کہ اس کے اور اس کی دوست کے مابین کتنا بڑا فرق ہے اور یہ کہ اس جیسے نتاشا جتنی سحر انگیز بننا کس قدر ناممکن ہے۔ بیگم رستوف کے چہرے پر وجد آفریں اور اداس مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔ وہ کبھی کبھار اپنا سر ہلا دیتی۔ اسے نتاشا اور اپنی جوانی یاد آ رہی تھی اور اسے محسوس ہو رہا تھا کہ شہزادہ آندرے کے ساتھ نتاشا کی غیر متوقع شادی میں کوئی خوفناک اور غیر فطری بات بھی موجود تھی۔

بیگم کے قریب بیٹھا دمتری آنکھیں بند کئے گانا سن رہا تھا۔

بالآخر وہ بولا ''اوہ بیگم صاحبہ! اس کا یہ فن یورپی ہے اور اسے کچھ سیکھنے کی ضرورت نہیں، آواز میں کیسی ملائمت، مٹھاس اور توانائی ہے۔۔۔''

بیگم رستوف بولی ''آہ! میں اس کے بارے میں کتنی خوفزدہ ہوں'' اسے یہ احساس ہی نہیں تھا کہ وہ کس سے مخاطب ہے۔

اس کی مادرانہ جبلت اسے آگاہ کر رہی تھی کہ نتاشا میں کوئی شے ضرورت سے زیادہ ہے جس کی وجہ سے وہ خوش نہیں رہ پائے گی۔

قبل ازیں کہ نتاشا گانا ختم کرتی، چودہ سالہ پیتیا بھاگتا ہوا کمرے میں آ گیا اور ہیجانی انداز میں کہنے لگا ''بہروپیے آ گئے ہیں''

نتاشا نے گانا روک دیا اور اپنے بھائی کو احمق کہتے ہوئے ایک کرسی پر گر گئی اور رونا شروع کر دیا۔ اسے اپنے آنسوؤں پر قابو پانے میں خاصا وقت لگا۔

وہ بولی ''امی، کوئی بات نہیں، بس پیتیا نے مجھے ڈرا دیا تھا'' تاہم اس کے آنسو نہیں تھم رہے تھے اور سسکیوں سے اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

بہروپیے گھریلو ملازمین تھے جنہوں نے ریچھ، ترکوں، خواتین اور دیگر لوگوں کا روپ دھار رکھا تھا۔ ان کی شکلیں مضحکہ خیز ہونے کے ساتھ ساتھ مرعوب کن بھی تھیں۔ شروع میں وہ شرماتے ہوئے باہر ہی کھڑے ہو گئے۔ ان کے وجود سے شگفتگی ظاہر ہوتی تھی مگر وہ جس طرح باہر سے اندر آئے اس سے باہر سردی ظاہر ہوتی تھی۔ پھر وہ ایک دوسرے کے پیچھے چھپتے ہوئے ہال میں آ گئے۔ ابتداء میں وہ جھجکتے رہے مگر پھر انہوں نے اچھلنا کودنا شروع کر دیا۔ بیگم انہیں پہچاننے اور ان کی شکلوں پر ہنسنے کے بعد ڈرائنگ روم میں واپس چلی گئی۔ نواب ہال ہی میں بیٹھ گیا اور مسکراتے ہوئے بہروپیوں کی تعریف کرنے لگا۔ نوجوان کمرے سے باہر بھاگ گئے۔

نصف گھنٹے بعد ہال میں بہروپیوں کے درمیان ایک بڑھیا دکھائی دی۔ اس کی قمیص میں لچکدار تار لگی تھی تا کہ وہ اٹھ کر پھیلی رہے۔ یہ نکولائی تھا۔ پیتیا ترک لڑکی، دمتری مسخرے، نتاشا ہوزار اور سونیا سرکیشین باشندے کے روپ میں تھی۔

جب اس بہروپ بازی میں شریک نہ ہونے والے لوگ انہیں دیکھ کر اپنی مصنوعی حیرت کا اظہار کر چکے اور انہیں یہ بتا چکے کہ اگرچہ انہوں نے انہیں بے حد بیوقوف بنایا ہے اور ہم انہیں اس روپ میں دیکھ کر بے حد خوش ہوئے ہیں تو نوجوانوں نے سوچا کہ ''یہ بہروپ اتنے اچھے ہیں کہ انہیں کہیں اور بھی دکھانا بہتر ہوگا''

سڑکوں کی حالت اچھی تھی اور نکولائی انہیں اپنی برف گاڑی میں گھمانا چاہتا تھا چنانچہ اس نے تجویز پیش کی کہ انہیں اپنے بہروپیے نوکروں کے ساتھ چچا کے ہاں جانا چاہئے۔

مگر بیگم کہنے لگی ''نہیں، تمہیں بڑے میاں کو پریشان نہیں کرنا چاہئے۔ اگر جانا ہے تو میلیوکوف گھرانے کے ہاں چلے جاؤ''

مادام میلیوکوف بیوہ عورت تھی اور اپنے بچوں، ان کے استادوں اور آیاؤں کے ساتھ رستوف گھرانے سے تین میل دور رہائش پذیر تھی۔

معمر نواب کہنے لگا ''یہ اچھی تجویز ہے۔ مجھے بس لباس بدلنے دو، مجھے دیکھ کر پاشینٹ کی آنکھیں کھلی رہ جائیں گی''

مگر بیگم رستوف اس کے جانے پر رضامند نہ ہوئی کیونکہ گزشتہ کئی دن سے اس کی ٹانگ ٹھیک نہ تھی۔ چنانچہ فیصلہ ہوا کہ نواب تو ان کے ساتھ نہیں جائیگا البتہ لوئیسا ایوانوونا (مادام شوس) ساتھ جائے تو لڑکیاں بھی جا سکتی ہیں۔ عموماً گھبرانے اور شرمانے والی سونیا مادام شوس سے اصرار کرنے میں سب سے آگے تھی۔

سونیا کا بہروپ سب سے اچھا تھا۔ اس کی بھنویں اور مونچھیں اس پر غیر معمولی طور پر اچھی لگ رہی تھیں اور ہر شخص اسے کہہ رہا تھا کہ وہ بے حد خوبصورت لگ رہی ہے۔ وہ خود بھی بے حد چست و چالاک دکھائی دے رہی تھی۔ اسے کوئی اندرونی آواز یہ کہہ رہی تھی کہ ''آج تمہاری قسمت کا فیصلہ ہو جائیگا'' وہ اپنے مردانہ بہروپ میں بالکل مختلف دکھائی دے رہی تھی۔ لوئیسا ایوانوونا نے ساتھ جانے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ نصف گھنٹے بعد چار برف گاڑیاں ڈیوڑھی میں آ گئیں جن کی گھنٹیاں بج رہی تھیں اور برف پر پھسلنے والے لکڑی کے تختے چرچرا رہے تھے۔

کرسمس کی چھٹیوں کی تفریح اور خوش مزاجی کا آغاز نتاشا سے ہوا اور ایک ایک کر کے ہر شخص اس کی لپیٹ میں آنے لگا۔ ان کی بے لگامی بتدریج بڑھنے لگی۔ جب وہ ٹھنڈی ہوا میں آئے اور برف گاڑیوں میں سوار ہوئے تو ان کا شور و غل عروج پر پہنچ گیا، وہ زور زور سے باتیں کر رہے تھے اور ایک دوسرے سے ہنسی مذاق میں مصروف تھے۔

دو برف گاڑیاں گھریلو کاموں کیلئے استعمال ہونیوالی تھیں جبکہ تیسری نواب کی تھی جس کا درمیانی گھوڑا دوڑ میں بھی حصہ لیا کرتا تھا اور آرلوف خاندان کے فارم سے خریدا گیا تھا۔ چوتھی گاڑی نکولائی کی تھی، اس کا درمیانی گھوڑا پستہ قد تھا اور اس کے جسم پر موٹے موٹے بال تھے۔ نکولائی نے بڑھیا کے لباس کے اوپر اپنا ہوزاروں والا کوٹ پہن لیا تھا اور لگام پکڑے گاڑی کے درمیان میں کھڑا تھا۔

تیز روشنی گھوڑوں کے آہنی ساز و سامان اور ان کی آنکھوں میں منعکس ہوتی نظر آتی تھی جو ڈیوڑھی کے سامنے شور مچاتے لوگوں کو دیکھ کر بدک رہے تھے۔

سونیا، نتاشا، مادام شوس اور دو نوکرانیاں نکولائی کی برف گاڑی میں بیٹھ گئیں۔ دمتری، اس کی بیوی اور پیتیا نواب کی گاڑی میں براجمان ہو گئے جبکہ دیگر بہروپیوں نے دوسری دو گاڑیوں میں نشستیں سنبھال لیں۔

نکولائی نے اپنے والد کے کوچوان کو چلا کر حکم دیا ''زاخار! تم آگے چلو'' تا کہ راستے پر پہنچنے کے بعد اسے اپنی گاڑی دوڑانے اور اس کی گاڑی سے آگے نکل جانے کا موقع مل سکے۔

نواب کی تین گھوڑوں والی گاڑی چل پڑی جس میں دمتری، اس کے ساتھی اور دیگر لوگ سوار تھے۔ گاڑی کے لکڑی والے تختے یوں آوازیں پیدا کر رہے تھے جیسے وہ بھی برف میں جم گئے ہوں۔ اس کے گھوڑے کے پاؤں برف

میں دھنسے جا رہے تھے اور وہ اسے ٹھوکریں مار مار کر اڑائے جا رہا تھا۔

نکولائی پہلی گاڑی کے پیچھے چل دیا اور دوسری دونوں اس کے پیچھے آنے لگیں۔ ابتداء میں سڑک تنگ تھی اور ان کی رفتار بھی آہستہ تھی۔ جب وہ باغ کے قریب سے گزرنے لگے تو تنومند درختوں کے سائے سڑک پر پڑنے لگے اور یوں انہوں نے چاند کی تیز روشنی دھندلا دی۔ جونہی انہوں نے سڑک عبور کی انہیں اپنے سامنے دور تک پھیلا ہوا برف کا میدان دکھائی دیا جو چاندنی میں ہیرے کی طرح چمک رہا تھا۔

پہلی، دوسری اور تیسری گاڑیاں ہچکولے کھاتی سڑک پر آ گئیں۔

نتاشا کی آواز سنائی دی" خرگوش کے پاؤں کے نشانات۔۔۔۔۔ بے شمار نشان"

سونیا بولی" نکولینکا! رات کتنی روشن ہے"

نکولائی نے سونیا پر سرسری نگاہ ڈالی اور اس کا چہرہ دیکھنے کیلئے نیچے جھک گیا۔ یہ بالکل نیا اور دل لبھا دینے والا چہرہ تھا جس پر کالی بھنویں اور مونچھیں تھیں۔ سونیا کا چہرہ اس کے سیاہ سموری کوٹ سے جھانک رہا تھا، چاند کی روشنی میں یہ چہرہ جتنا قریب دکھائی دیا اتنا ہی دور تھا۔

نکولائی نے اسے مزید قریب سے دیکھا اور مسکراتے ہوئے سوچا" یہ سونیا ہوتی تھی"

سونیا نے پوچھا" نکولینکا، کیا بات ہے؟"

نکولائی نے جواب دیا" کچھ نہیں" اور گھوڑوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔

بڑی سڑک کو گاڑیوں نے رگڑ رگڑ کر چکنا دیا تھا اور گھوڑوں کے کھردرے نعل اسے جگہ جگہ سے کھرچ چکے تھے، یہاں پہنچ کر گھوڑے سرپٹ بھاگنے لگے۔ بائیں جانب کے گھوڑے نے رفتار تیز کی اور باگیں تڑوانے لگا۔ درمیانی گھوڑا ادا میں بائیں جھولتا جا رہا تھا اور اس نے اپنے کان یوں کھڑے کر لیے تھے جیسے پوچھ رہا ہو" اور تیز چلوں یا ابھی وقت ہے؟" ذاخار کی سب سے اگلی گاڑی بہت آگے جا چکی تھی اور اس کی گھنٹی کی آواز دور سے دور تر ہوتی چلی جا رہی تھی۔ سفید برف کے ساتھ اس کے کالے گھوڑے صاف دکھائی دے رہے تھے۔ ذاخار کے ساتھ بیٹھے بہروپیوں کے چیخنے چلانے کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔

نکولائی نے اپنے گھوڑوں کی لگامیں کھینچیں اور چابک لہراتے ہوئے بولا" میرے پیارو" ہوا جس تیزی سے ان کے گھوڑوں کے چہروں سے ٹکرا رہی تھی اور وہ رفتار بڑھانے کیلئے جس انداز سے لگاموں پر زور دے رہے تھے اس سے برف گاڑی کی رفتار کا اندازہ ہوتا تھا۔ نکولائی نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ دونوں گاڑیاں اس کے پیچھے شور مچاتی بھاگی چلی آ رہی تھیں۔ اس کا پنا درمیانی گھوڑا مسلسل آگے بھاگا چلا جا رہا تھا اور ایسا کوئی اشارہ نہیں دے رہا تھا جس سے ظاہر ہوتا کہ وہ اپنی رفتار میں کمی لانا چاہتا ہے۔ الٹا یوں دکھائی دیتا تھا کہ وہ اپنی رفتار مزید بڑھا دے گا۔

نکولائی پہلی گاڑی کے قریب ہونے لگا۔ وہ ایک ڈھلان سے نیچے اترے اور ایک چوڑی سڑک پر چڑھ گئے جو دریا کے قریب چراگاہ کے وسط سے گزرتی تھی۔

نکولائی نے حیرانی سے سوچا" ہم کہاں جا رہے ہیں؟ شاید یہ کوسوئے کی چراگاہ ہے نہیں، مگر یہ جگہ تو میں نے کبھی نہیں دیکھی۔ یہ کوئی نئی جگہ اور جادوئی مقام معلوم ہوتا ہے۔ بہر حال کوئی بات نہیں" وہ با آواز بلند اپنے گھوڑوں کو ہنکانے اور پہلی گاڑی سے مزید قریب ہونے لگا۔

ذاخار نے گھوڑے روک لیے اور پیچھے مڑ کر دیکھنے لگا۔ برف کے باعث اس کی بھنویں بھی سفید ہو چکی تھیں۔

نکولائی نے اپنے گھوڑے کی لگام ڈھیلی چھوڑ دیں۔ ذاخار نے بازو بڑھائے اور باگیں چھوڑ کر گھوڑوں کو رفتار تیز کرنے پر مجبور کرنے لگا۔ اس نے چلا کر نکولائی سے کہا" بیوقوف آقا، دھیان سے" نکولائی نے گھوڑی پوری رفتار سے بھگا دیے اور ذاخار سے آگے نکل گیا۔ گھوڑوں کے سموں سے باریک اور خشک برف اڑتی اور سواروں کے چہروں پر جا پڑتی۔ ان کے قریب گھنٹیاں جھنجھنا رہی تھیں۔ وہ تین گھوڑوں والی جس گاڑی پر جا رہے تھے اس کا سایہ اور گھوڑوں کی تیز رفتار ٹانگیں انہیں آپس میں ملی دکھائی دیتی تھیں۔ مختلف اطراف اسے گاڑیوں کے تختوں کے برف سے ٹکرانے اور گھسٹنے تیز لڑکیوں کی چیخ و پکار کانوں سے ٹکرا رہی تھی۔

نکولائی نے اپنے گھوڑوں کی رفتار ایک مرتبہ پھر کم کر دی اور ارد گرد دیکھنے لگا۔ چاروں جانب جادوئی میدان پھیلا تھا جو چاند کی روشنی میں نہایا ہوا تھا۔

نکولائی نے حیرانی سے سوچا" ذاخار مجھے آوازیں دیے جا رہا ہے کہ مجھے بائیں جانب مڑنا ہے، مگر بائیں طرف کیوں؟ کیا ہم واقعی مادام میلوکوف کے گھر جا رہے ہیں؟ خدا جانے ہم کہاں جا رہے ہیں اور نجانے ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے، مگر یہ سب کچھ بیحد شاندار ہے" وہ پھر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

اس کے قریب بیٹھی انوکھی، خوبصورت اور نامانوس اشکال میں سے خوبصورت بھنوؤں اور مونچھوں والی نے کہا "دیکھو اس کی بھنویں اور مونچھیں بالکل سفید ہو گئی ہیں"

نکولائی نے سوچا" شاید وہ نتاشا تھی۔ اور وہ مادام شوس ہے، مگر نہیں، اور وہ مونچھوں والی سرکیشین ہے، اسے میں نہیں پہچانتا مگر اس سے محبت کرتا ہوں"

نکولائی نے ان سے پوچھا" تمہیں سردی تو نہیں لگ رہی" وہ جواب دینے کی بجائے ہنسنے لگیں۔ حقبی گاڑی سے ڈیمل نے چلا کر کچھ کہا۔ شاید اس نے کوئی مزاحیہ بات کہی تھی مگر وہ نہ سمجھ سکے۔

متعدد کھلکھلاتی آوازیں سنائی دیں" ہاں، ہاں"

مگر اب وہ کسی جادوئی جنگل میں داخل ہو گئے تھے جہاں تاریک سائے آنکھ مچولی کھیل رہے تھے۔ وہ کبھی یہاں دکھائی دیتے اور کبھی وہاں۔ یہاں ہیروں کی چمک، سنگ مرمر کی سیڑھیاں، پرستان کی عمارتوں کی روشن چھتیں اور درندوں کی آوازیں تھیں۔

نکولائی نے سوچا" اگر یہ واقعی میلوکوف گھرانے کی جگہ ہے تو پھر اور بھی عجیب بات ہے، خدا جانے ہم کہاں کہاں پھرتے رہے اور یہاں میلوکوف کے ہاں پہنچ گئے"

یہ میلوکوف گھرانے کا گھر ہی تھا۔ خدمتگار موم بتیاں اٹھائے ڈیوڑھی کی جانب بھاگے چلے آ رہے تھے اور ان کے چہروں پر خوشی رقصاں تھی۔

بڑے دروازے سے کسی نے پوچھا" کون ہے؟"

کئی آوازیں بیک وقت سنائی دیں" نواب کی طرف سے بہروپیے آئے ہیں، میں ان کے گھوڑے دیکھ کر پہچان سکتا ہوں"

(11)

پیلا گیا دانیلوونا میلوکوف چوڑے شانوں والی مستعد اور پر جوش خاتون تھی۔ وہ عینک لگائے اور ڈھیلا ڈھالا

لباس پہنے ڈرائنگ روم میں بیٹھی تھی۔ اس کے اردگرد اس کی بیٹیاں جمع تھیں اور وہ انہیں خوش کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔
وہ ان موتیوں سے پگھلی ہوئی موم کے قطرے پانی میں انڈیلنے اور موم سے بنی اشیاء کے عکس دیکھنے میں مصروف تھیں کہ انہیں
ہال میں مہمانوں کے قدموں کی چاپ اور باتوں کی آوازیں سنائی دیں۔

ہوزاروں، خوبصورت خواتین، چڑیلوں، مسخروں اور ریچھوں کا روپ دھارے لوگوں نے گلے کھنکارے اور
اپنے چہروں سے شبنم کے قطرے جھاڑ کر ہال کمرے میں داخل ہو گئے جہاں موم بتیاں جلا دی گئی تھیں۔ مسخرے، ڈاکٹر اور
بڑھیا نوالائی نے رقص شروع کر دیا۔ بہروپیے جو چیختے چلاتے بچوں میں گھرے ہوئے تھے اپنے چہروں پر نقاب اوڑھے
اور آوازیں بدل کر میزبان کے سامنے جھکے اور پھر کمرے میں ادھر ادھر بکھر گئے۔

ادھر ادھر سے آوازیں سنائی دینے لگیں "ارے، یہ تو پہچانے ہی نہیں جاتے۔ ارے، نتاشا کس کی طرح لگ
رہی ہے" "اور ایڈورڈ کارپچ کتنے اچھے معلوم ہو رہے ہیں۔ ارے یہ کیا خوبصورت ڈانس ہے ان کا، او میرے خدایا، اس
ترکشین کو دیکھو، سونیوشکا پر یہ بہروپ کتنا اچھا لگ رہا ہے، اور یہ کون ہے، بہر حال تم لوگوں نے ہمیں خوش کر دیا۔ نکتیا،
وانیا میز ایک طرف اٹھا لو، ہم تو خاموش ہی بیٹھے تھے"

مختلف آوازیں سنائی دیں "ہا ہا ہا، وہ ہوزار، وہ دیکھو بالکل لڑکا لگتا ہے، اور پتلون، مجھ سے تو وہ دیکھا ہی
نہیں جاتا"

میلوکوف کے بچے نتاشا کو بے حد پسند کرتے تھے اور وہ ان کے ساتھ پچھلی کمروں میں چلی گئی۔ وہاں جلے ہوئے
کارک، مختلف اقسام کے لباس اور مردوں کے کپڑے منگوائے گئے اور دروازوں کے پیچھے کھڑی کمسن اور بھولی بھالی
نوکرانیوں نے وہ چھپا کر انہیں ملازمین سے لے لیا۔ تھوڑی دیر بعد میلوکوف کی بچیاں بھی بہروپیوں میں شامل ہو گئیں۔

پیلاگیا دانیلوونا اپنے مہمانوں کیلئے جگہ خالی کرانے اور تمام لوگوں کی خاطر تواضع کا انتظام کرنے کے بعد
بہروپیوں کے درمیان گھومنے پھرنے لگی۔ وہ ابھی تک عینک لگائے ہوئے تھی اور ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ان کے
چہروں کی جانب دیکھنے لگی۔ تاہم وہ انہیں پہچان نہیں پائی تھی۔ وہ نہ صرف رستوف ارکان اور ڈمٹرو کو پہچاننے میں ناکام
رہی بلکہ اپنی بیٹیوں کو بھی نہ پہچان سکی اس کے علاوہ وہ اپنے مرحوم شوہر کی وردی اور ملبوسات کا بھی علم نہ ہو سکا جو وہ پہنے
ہوئے تھیں۔

اس نے ایک آدمی سے کہا "یہ کون ہو سکتا ہے؟" وہ اپنی بیٹی کے چہرے پر نظریں لگائے ہوئے تھی جس نے
قازان کے تاتاری کا روپ دھار رکھا تھا۔ وہ بولی "ہونہ ہو یہ کوئی رستوف ہوگا۔ ہو جناب مسٹر ہوزار، تم کس رجمنٹ سے تعلق
رکھتے ہو؟" اس نے نتاشا سے پوچھا اور پھر کہنے لگی "ارے اس ترکی کو مٹھائی تو کھلاؤ"

بعض اوقات جب پیلاگیا دانیلوونا رقص کرنے والے بہروپیوں کو مضحکہ خیز انداز میں ناچتے دیکھتی تو اپنا چہرہ
رومال میں چھپا لیتی اور اس کا تمام جسم سر تا پا ہنسی سے کانپنے لگتا اور یہ ہنسی بزرگانہ اور ہر قسم کے جھوٹ و فریب سے پاک
تھی۔

وہ با آواز بلند کہہ رہی تھی "میری چھوٹی ساشا کو دیکھو"

جب روس کے دیہاتی اور لوک رقص ختم ہو گئے تو پیلاگیا دانیلوونا نے تمام لوگوں کو ایک بڑے دائرے کی شکل
میں کھڑا ہونے کو کہا اور ایک انگوٹھی، رسی اور چاندی کا روبل منگوایا اور وہ مختلف کھیل کھیلنے میں مصروف ہو گئے۔

ایک گھنٹے کی بھاگ دوڑ اور اچھل کود کے بعد لباس خراب ہونے لگے اور پسینے سے بھرے، سرخ اور ہنستے

مسکراتے چہروں پر مونچھیں اور بھنویں نشانات کی شکل میں بدل گئیں۔ اب پیلاگیا دانیلوونا بہروپیوں کو پہچاننے لگی تھی۔
انہوں نے جس مہارت سے بہروپ اختیار کئے تھے ان کی تعریف میں اس نے بخل سے کام نہ لیا اور انہیں بتانے لگی کہ یہ
بہروپ خاص طور پر لڑکیوں پر بہت اچھے لگ رہے ہیں۔ اس نے تمام لوگوں کا جی بھر کر شکریہ ادا کیا۔ مہمانوں کو ڈرائنگ
روم میں کھانے کی دعوت دی گئی اور نوکروں کو ہال کمرے میں کھانا کھلایا گیا۔

میلوکوف خاندان کے ہاں رہائش پذیر ایک بوڑھی خادمہ بولی "اگر کسی شخص کو خالی غسل خانے میں اس کی
قسمت کا حال بتایا جائے تو اس سے زیادہ ڈراؤنی بات اور کوئی نہیں ہو سکتی"

میلوکوف کی بڑی بیٹی نے پوچھا "وہ کیوں؟"

خادمہ کہنے لگی "ارے نہیں، آپ نہیں جائیں گی، اس کیلئے تو حوصلے کی ضرورت ہوگی"

سونیا نے کہا "میں جاؤں گی"

خادمہ بولی "بات یہ تھی کہ لڑکی باہر گئی، ایک مرغا لائی اور اس نے دو آدمیوں کیلئے کھانا لگا دیا۔ سب کچھ اسی
طرح تھا جیسے ہونا چاہئے تھا مگر پھر وہ بیٹھ گئی اور کچھ دیر یونہی بیٹھی رہی۔ گھنٹیاں بجاتی ایک برف گاڑی اس کے دروازے
پر آ کر رک گئی اور اسے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی اندر آ رہا ہے۔ وہ اندر آ گیا اس کا جسم انسانوں جیسا تھا اور وہ بالکل افسر
معلوم ہوتا تھا۔ وہ اس کے ساتھ میز پر بیٹھ گیا۔

نتاشا ڈر کر بولی "اف" اور پوچھنے لگی "اس نے کچھ کہا"

خادمہ بولی "ہاں، وہ اس کا دل جیتنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسے چاہئے تھا کہ وہ صبح تک اسے باتوں میں لگائے
رکھتی مگر وہ حوصلہ ہار بیٹھی اور اس نے اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیا۔ مگر پھر وہ اٹھا اور اس نے اسے دبوچ لیا۔ خوش قسمتی یہ
ہوئی کہ اس لمحے ملازمائیں دوڑتی ہوئی آ گئیں۔۔۔"

پیلاگیا دانیلوونا کہنے لگی "رہنے دو، انہیں کیوں ڈراتی ہو؟"

اس کی بڑی بیٹی کہنے لگی "مگر امی، آپ خود بھی تو قسمت کا حال معلوم کرنے کی کوشش کیا کرتی تھیں" سونیا نے
پوچھا "اور اناج کے گودام میں قسمت کا حال کیسے معلوم کیا جاتا ہے؟"

پیلاگیا نے جواب دیا "فرض کرو تم گودام میں چلی گئی ہو اور غور سے کان لگا کر آوازیں سننے کی کوشش کر رہی
ہو۔ تمہاری قسمت کا دارومدار تمہیں سنائی دینے والی آوازوں پر ہوگا۔ اگر تمہیں دروازے پر کھٹ کھٹ سنائی دے تو یہ
برا شگون ہوگا اور اگر دانوں سے بھوسہ الگ کرنے کی آواز آئے تو یہ اچھی بات ہوگی بعض اوقات یوں ہوتا ہے کہ۔۔۔"

اس کی بیٹی نے بات کاٹتے ہوئے کہا "امی، آپ کے ساتھ کیا ہوا تھا؟"

پیلاگیا دانیلوونا مسکرائی اور کہنے لگی "ارے، مجھے یاد نہیں رہا، اور مجھے یقین ہے کہ آپ لوگوں میں سے کوئی
وہاں نہیں جائے گا"

سونیا بول اٹھی "میں جاؤں گی، بس مجھے اجازت دے دیں، میں جاؤں گی"

پیلاگیا نے کہا "ٹھیک ہے، اگر تمہیں ڈر نہیں لگتا تو چلی جاؤ"

سونیا نے پوچھا "لوئیسا ایوانوونا، مجھے اجازت دیں؟"

انگوٹھی اور رسی کے کھیل، روبل گیم اور گفتگو غرضیکہ ہر موقع پر نکولائی سونیا کے ساتھ ساتھ رہا اور اسے بالکل نئی
نظروں سے مسلسل دیکھتا رہا۔ یوں لگتا تھا کہ نقلی مونچھوں کی وجہ سے وہ آج پہلی مرتبہ اس کی اصل حیثیت سے آشنا ہوا ہے

اور حقیقت بھی یہی تھی کہ وہ اس وقت جتنی خوش دکھائی دے رہی تھی اتنی پہلے کبھی نظر نہیں آئی تھی۔

نکولائی اس کی روشن آنکھوں اور چہرے پر نقلی مونچھوں تلے خوشی سے بھرپور مسکراہٹ کو دیکھے جا رہا تھا۔ اسے یہ مسکراہٹ پہلے کبھی دکھائی نہیں دی تھی۔

سونیا کہنے لگی ''میں کسی شے سے نہیں ڈرتی، میں ابھی جاتی ہوں''

انہوں نے اسے گودام کا راستہ بتایا اور کہا کہ وہاں خاموش کھڑے رہ کر آوازیں سننا ہوں گی۔ انہوں نے اسے سمور کا چغہ دیا جسے اس نے سر اور کندھوں پر ڈال کر نکولائی کی جانب سرسری نگاہوں سے دیکھا۔

نکولائی نے سوچا ''یہ لڑکی کتنی دلکش ہے اور میں اس تمام عرصہ میں کیسے کیسے خیالات میں الجھا رہا ہوں''

سونیا گودام کی طرف جانے کیلئے راہداری کو چل دی۔ نکولائی یہ کہہ کر جلدی سے ڈیوڑھی کی طرف چلا گیا کہ اسے گرمی لگ رہی ہے۔ گھر میں لوگوں کی کثرت کے باعث اس کا دم واقعی گھٹنے لگا تھا۔

باہر ابھی تک خنک تھی مگر چاندنی پہلے سے زیادہ ہو گئی تھی۔ روشنی اسقدر تیز تھی اور آسمان پر جگمگاتے ستاروں کی وجہ سے برف اتنی چمک رہی تھی کہ نظریں اوپر اٹھانا دشوار تھا اور آسمان پر ستارے دکھائی نہیں دیتے تھے۔ آسمان تاریک جبکہ زمین روشن تھی۔

نکولائی نے سوچا ''میں احمق ہوں، اتنا عرصہ کس شے کا انتظار کرتا رہا ہوں؟'' وہ ڈیوڑھی سے ایک جانب مڑا اور اس راستے پر ہو لیا جو عقبی ڈیوڑھی کو جاتا تھا۔ اسے علم تھا کہ سونیا اسی راستے پر جائے گی۔ گودام کے راستے کے درمیان خشک لکڑی کے ڈھیر تھے جن پر برف پڑی تھی۔ ان سے پرے ایک جانب لیموں کے تنومند درختوں کا جال سا بنا تھا۔ لکڑی کی دیواریں اور گودام کی برف سے ڈھکی چھتیں روشنی میں یوں چمک رہی تھیں جیسے انہیں قیمتی پتھروں سے تراش دیا گیا ہو۔ باغ میں دھند کے باعث کسی شاخ کے ٹوٹنے کی آواز سنائی دی اور پھر خاموشی چھا گئی۔ اسے یوں لگا جیسے پھیپھڑوں میں ہوا کی بجائے ابدی جوانی اور کیف و سرور کھنچا چلا جا رہا ہے۔

عقبی ڈیوڑھی سے کسی کے سیڑھیاں اترنے کی آواز سنائی دی۔ سیڑھی کے آخری قدم سے چرچراہٹ سنائی دی جس پر برف کا ڈھیر لگا تھا اور ایک بوڑھی خادمہ کی آواز سنائی دی جو کہہ رہی تھی ''مس سیدھا آگے جائیں، پیچھے مڑ کر مت دیکھیں''

سونیا کی آواز سنائی دی ''مجھے ڈر نہیں لگتا'' راستے پر نکولائی کی جانب سونیا کے قدموں کی چاپ سنائی دے رہی تھی جس نے ہلکے جوتے پہن رکھے تھے۔

دھند سے کوٹ میں لپٹی سونیا برآمد ہوئی۔ جب اس نے اسے دیکھا تو وہ چند قدم دور تھی۔ اور وہ بھی جس نکولائی کو دیکھ رہی تھی یہ وہ نہیں تھا جس سے وہ آشنا اور کچھ کچھ خوفزدہ تھی۔ وہ خواتین کا لباس پہنے ہوئے تھا اور اس کے بال الجھے ہوئے تھے۔ سونیا کو اس کے چہرے پر وہ مسکراہٹ دکھا دی جس سے وہ قبل ازیں آشنا نہیں تھی۔ وہ اس کی جانب بھاگنے لگی۔

نکولائی نے چاندنی میں چمکتے اس کے چہرے کی جانب دیکھ کر سوچا ''بالکل مختلف یا پھر بالکل ویسی ہی ہے'' اس نے اپنے بازو سونیا کے کوٹ میں ڈالے اور اسے بانہوں میں لے لیا، پھر اس نے اسے اپنی جانب کھینچا اور اس کے چہرے پر بوسہ لے لیا جہاں نقلی مونچھیں بنی تھیں۔ سونیا نے بھی اس کے ہونٹوں کا بوسہ لیا اور پھر اپنے ہاتھ اس کی گرفت سے چھڑا کر اس کے چہرے پر رکھ دیے۔

''سونیا! ۔ ۔ ۔ نکولینکا! ۔ ۔ ۔'' وہ ایک دوسرے کو یہی کہہ سکے اور بھاگتے ہوئے گودام تک جا کر انہی الگ الگ راستوں سے واپس ہو لیے۔

(12)

جب وہ پیلاگیا دانیلوونا کے گھر سے روانہ ہوئے تو نتاشا جان بوجھ کر لوئیسا ایوانوونا اور ڈمٹری گاڑی میں بیٹھ گئی اور سونیا، نکولائی اور خادماؤں کے ساتھ چلی گئی۔ نتاشا ہر بات سے آگاہ رہتی تھی اور اس کی نظریں تمام صورتحال پرکھ لیتی تھیں۔

واپسی کے سفر میں نکولائی نے گاڑی دوڑانے کی بجائے آہستہ رفتار سے چلائی اور چاندنی کی پراسرار روشنی میں انکھیوں سے مسلسل سونیا کو دیکھتا رہا۔ وہ اس کے چہرے میں ابروؤں اور نقلی مونچھوں تلے اپنی سابقہ اور موجودہ سونیا تلاش کرنے کی کوشش کر رہا تھا جس سے اس نے کبھی جدا نہ ہونے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

نکولائی نے اسے دیکھتے، دونوں سونیاؤں کو پہچانتے اور مونچھوں کی شکل میں جلے ہوئے کارک کی بو کو محسوس کرتے ہوئے ٹھنڈی ہوا میں سانس لی اور اپنے تلے کھسکتی زمین اور بلندی پر موجود آسمان کی جانب دیکھ کر محسوس کیا کہ وہ ایک مرتبہ پھر جادوئی خطے میں داخل ہو گیا ہے۔

وہ کبھی کبھار سونیا سے پوچھتا ''سونیا تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟''

سونیا جواب دیتی ''ہاں، اور تم کیسے ہو؟''

گھر کا نصف فاصلہ طے کرنے کے بعد نکولائی نے برف گاڑی کی باگیں کوچوان کو دے دیں اور خود نتاشا کی گاڑی کی جانب بھاگ گیا۔ وہ کچھ دیر گاڑی کے بازو پر کھڑا رہا اور پھر سرگوشی کے انداز میں اسے کہنے لگا ''نتاشا میں نے سونیا کے بارے میں حتمی فیصلہ کر لیا ہے''

نتاشا کا چہرہ خوشی سے سرخ ہو گیا اور وہ پوچھنے لگی ''کیا اسے بتا دیا ہے؟''

نکولائی نے کہا ''ارے تم ان ابروؤں اور مونچھوں میں کتنی اچھی لگ رہی ہو۔ نتاشا کیا تم خوش ہو؟''

نتاشا بات جاری رکھتے ہوئے بولی ''میں بیحد خوش ہوں، مجھے تو تم پر غصہ آنا شروع ہو گیا تھا۔ میں نے تمہیں تو کچھ نہیں کہا تھا مگر اس کے ساتھ تمہارا رویہ ٹھیک نہیں رہا تھا۔ اس کا دل کتنا خوبصورت ہے۔ میں بہت خوش ہوں۔ کبھی کبھار میرا رویہ بہت خراب ہو جاتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ جب وہ خوشی سے محروم تھی تو مجھے اپنی خوشی پر بیحد شرم آتی تھی۔ میں بیحد خوش ہوں، اب فوراً اس کے پاس چلے جاؤ''

نکولائی نے کہا ''نہیں، ذرا ٹھہرو۔ تم کتنی عجیب و غریب دکھائی دے رہی ہو'' وہ ابھی تک اس کے چہرے کی جانب دیکھے جا رہا تھا۔ اسے اپنی بہن میں بھی کوئی ایسی شے دکھائی دے رہی تھی جو بالکل نئی اور غیر معمولی ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی حد تک پرلطف تھی۔ وہ کہنے لگا ''نتاشا، یہ بالکل جادوئی ہے، ہے ناں''

نتاشا بولی ''ہاں تم نے بالکل ٹھیک کیا ہے''

نکولائی نے سوچا ''میں اسے اب جن نگاہوں سے دیکھ رہا ہوں، اگر پہلے دیکھ لیتا تو بہت پہلے اسے بتا دیتا کہ ہمیں کیا کرنا ہوگا اور وہ جو کچھ کہتی ویسا ہی کر چکا ہوتا۔ یوں اب تک تمام معاملہ سلجھ چکا ہوتا''

نکولائی نے نتاشا سے پوچھا ''تو تم خوش ہو ناں، اور میں نے ٹھیک ہی کیا ہے؟''

نتاشا نے جواباً کہا "ارے ہاں، بالکل ٹھیک ہے۔ کچھ دن پہلے اس موضوع پر میری امی سے بات چیت ہوئی تھی۔ وہ کہہ رہی تھیں کہ وہ تمہارے لیے مالدار لڑکی بیاہ لانے کا سوچ رہی ہیں۔ انہیں یہ بات زیب نہیں دیتی تھی۔ میں امی کے ساتھ تقریباً لڑ ہی پڑی۔ میں کبھی کسی کو سونیا کے بارے میں کوئی غلط بات کہنے کی اجازت نہیں دوں گی، وہ اچھائی کا مرقع ہے۔"

نکولائی نے دوبارہ پوچھا "تو پھر ٹھیک ہے ناں" اس نے نتاشا کی بات کی درستگی جانچنے کیلئے اس کا چہرہ تجسس آمیز نگاہوں سے دیکھا۔ پھر اس نے گاڑی سے نیچے چھلانگ لگائی اور اپنی گاڑی کی جانب بھاگ گیا۔ برف اس کے قدموں تلے ٹوٹ رہی تھی۔

چمکتی آنکھوں اور بڑی بڑی مونچھوں والا مسکراتا سرکیشین وہاں بیٹھا تھا اور اپنی کالی ٹوپی کے نیچے سے اسے دیکھے جاتا تھا۔ وہ سرکیشین سونیا تھی اور اس خوش باش اور پیار کرنیوالی لڑکی نے مستقبل میں اس سے شادی کرنا تھی۔

انہوں نے گھر جا کر اپنی والدہ کو بتایا کہ میلوکوف خاندان کے ہاں ان کا وقت کیسے گزرا۔ لڑکیاں اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ انہوں نے اپنے کپڑے بدل لیے تاہم جلے ہوئے کارک سے بنی نقلی مونچھیں صاف نہ کیں۔ وہ کچھ دیر تک اپنے مستقبل کے بارے میں گفتگو کرتی رہیں کہ جب ان کی شادیاں ہو جائیں گی تو وہ کیسی زندگی گزاریں گی اور شوہروں سے ان کی کیسی دوستی ہوگی اور وہ کتنی خوش ہوں گی۔ ایسے ہی موضوعات ان کی گفتگو کا مرکز تھے۔ نتاشا کی میز پر قسمت کا حال جاننے کیلئے دو شیشے لگے تھے جنہیں خادمہ دنیاشا نے شام کے وقت وہاں لگایا تھا۔

نتاشا اٹھی اور شیشوں کی جانب بڑھتے ہوئے سوچنے لگی "مگر یہ سب کب ہوگا؟ مجھے خدشہ ہے کہ شاید کبھی نہیں۔۔۔ یہ بات زیادہ اچھی لگتی ہے"

سونیا بولی "نتاشا بیٹھ جاؤ، شاید وہ تمہیں دکھائی دے جائیں"

نتاشا نے شمعیں روشن کیں اور بیٹھ گئی۔

نتاشا نے شیشے میں اپنا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا "مجھے تو کوئی مونچھوں والا شخص دکھائی دے رہا ہے" دنیاشا بولی "مس آپ کو ہنسنا نہیں چاہئے"

نتاشا نے سونیا اور خادمہ کی مدد سے شیشے ایک دوسرے کے بالکل سامنے لگا دیے اور وہ سنجیدگی سے خاموش ہو گئی۔ شیشے میں یکے بعد دیگرے تمام موم بتیوں کے عکس دکھائی دینے لگے۔ وہ کافی دیر تک انہیں دیکھتی رہی اور توقع کرنے لگی (سنی ہوئی کہانیوں کے مطابق) کہ کسی بھی لمحے اسے دور دھندلے اور مبہم چوک میں تابوت یا وہ (شہزادہ آندرے) دکھائی دے گا۔ اگرچہ وہ معمولی ترین نشان کو بھی انسان یا تابوت سمجھنے کو تیار تھی مگر اسے کچھ نظر نہ آیا۔ اس نے متعدد بار اپنی پلکیں جھپکائیں اور پھر شیشوں سے پرے ہٹ گئی۔

اس نے کہا "دوسروں کو تو چیزیں دکھائی دے جاتی ہیں، مجھے نظر کیوں نہیں آتیں؟" پھر وہ سونیا سے مخاطب ہو کر کہنے لگی "سونیا تم یہاں بیٹھ جاؤ، آج رات تم ہر صورت بیٹھو گی، میری خاطر، آج رات مجھے بیحد ڈر لگ رہا ہے۔۔۔"

سونیا شیشوں کے سامنے بیٹھ گئی۔ اس نے اپنی پوزیشن درست کی اور ان میں جھانکنے لگی۔

دنیاشا آہستگی سے بولی "سونیا لیگزندرونا کو ضرور کچھ نہ کچھ دکھائی دے جائے گا مگر آپ ہمیشہ ہنستی رہتی ہیں" سونیا نے یہ بات سن لی اور اس نے نتاشا کو بھی سرگوشی کرتے سنا جو کہہ رہی تھی "میں جانتی ہوں کہ اسے کچھ نہ کچھ ضرور دکھائی دے گا۔ اس نے پچھلے سال بھی کچھ دیکھا تھا" چند منٹ گھمبیر خاموشی طاری رہی۔

نتاشا زیرلب بولی "وہ کچھ نہ کچھ دیکھ لے گی" یہ الفاظ بمشکل اس کے منہ سے ادا ہوئے تھے کہ سونیا نے شیشہ ایک جانب دھکیل دیا اور ہاتھ آنکھوں پر رکھ لیے۔ وہ چلا کر بولی "اوہ نتاشا" جواباً نتاشا با آواز بلند کہنے لگی "کچھ نظر آیا؟ دیکھا؟ کیا تھا؟" سونیا کو کچھ دکھائی نہیں دیا تھا۔ وہ صرف اپنی آنکھیں جھپکانا چاہتی تھی۔ اس نے نتاشا کو یہ کہتے سنا کہ "وہ کچھ نہ کچھ ضرور دیکھے گی" تو وہ اسے اور خادمہ کو مایوس نہیں کرنا چاہتی تھی، مگر وہاں بیٹھنا بھی مشکل تھا۔ اسے خود بھی علم نہ تھا کہ آنکھیں ڈھانپتے وقت اس کے منہ سے چیخ کیوں نکل گئی تھی۔

نتاشا نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے پوچھا "وہ نظر آئے؟"

سونیا بولی "ہاں۔۔۔ ذرا ٹھہرو۔۔۔ میں نے دیکھا" وہ یہ بھی فیصلہ نہیں کر پائی تھی کہ اس کا اشارہ نکولائی کی جانب تھا یا شہزادہ آندرے کی طرف۔

اچانک سونیا کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ "میں یہ کیوں نہ کہوں کہ میں نے دیکھا ہے؟ آخر دوسرے لوگوں کو بھی چیزیں دکھائی دیتی ہیں اور پھر کون یہ جان پائے گا کہ میں نے کچھ دیکھا یا نہیں"

چنانچہ سونیا بولی "ہاں، میں نے انہیں دیکھا ہے"

نتاشا بولی "مگر وہ کیسے تھے؟ کھڑے تھے یا لیٹے؟"

سونیا نے جواب دیا "بہر حال وہ مجھے نظر آئے، پہلے تو کچھ دکھائی نہ دیا پھر میں نے انہیں لیٹے ہوئے دیکھا"

نتاشا بولی "آندرے لیٹے ہوئے تھے۔ کیا وہ بیمار ہیں؟" وہ خوفزدہ نگاہوں سے اپنی دوست کی جانب دیکھے جا رہی تھی۔

سونیا بولی "نہیں، وہ تو ہشاش بشاش دکھائی دے رہے تھے اور انہوں نے مڑ کر میری جانب بھی دیکھا" یہ بات کہتے ہوئے اسے یوں لگا جیسے وہ واقعی انہیں دیکھ چکی ہے۔

سونیا نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا "اس کے بعد میں نہیں سمجھ سکی کہ کیا ہوا، کوئی نیلی اور سرخ شے۔۔۔"

نتاشا کہنے لگی "سونیا! وہ کب آئیں گے؟ میں انہیں کب دیکھوں گی؟ اوہ میرے خدایا! مجھے اپنے اور ان کے بارے میں بیحد تشویش ہے۔ میں ہر شے سے ڈرتی ہوں" سونیا نے اس کا حوصلہ بڑھانے کی کوشش کی مگر اس نے کسی کی بات نہ سنی۔ وہ اپنے بستر میں چلی گئی اور شمعیں گل ہونے کے بعد بھی کافی دیر تک آنکھیں کھولے ساکت لیٹی ٹھنڈی کھڑکیوں میں سے اسے گھور گھور کر دیکھتی رہی جہاں سے چاند کی ناخوشگوار روشنی اندر آ رہی تھی۔

(13)

کرسمس کی چھٹیاں ختم ہونے کے چند روز بعد نکولائی نے اپنی والدہ کو سونیا سے اپنی محبت کے بارے میں آگاہ کیا اور اسے بتایا کہ وہ اس سے شادی کا پختہ ارادہ کر چکا ہے۔ بیگم رستوف کو ان دونوں کے راز و نیاز کا علم تھا اور وہ اس بات کی ہی توقع کر رہی تھی۔ وہ بیٹے کی باتیں خاموشی سے سنتی رہی اور پھر اس نے بیٹے کو بتا دیا کہ وہ جہاں چاہے شادی کرے مگر اس میں اس کے ماں باپ کی دعائیں شامل نہ ہوں گی۔ نکولائی کو زندگی میں پہلی مرتبہ محسوس ہوا کہ اس کی والدہ اس سے ناخوش ہے اور یہ کہ اپنی تمام تر محبت کے باوجود وہ اس شادی پر رضامند نہ ہوگی۔ بیگم رستوف نے اپنے بیٹے کی طرف دیکھے بغیر سرد مہری سے شوہر کو بلا بھیجا۔ جب وہ آیا تو اس نے نکولائی کی موجودگی میں انتہائی رکھائی سے اسے تمام صورتحال بتائی اور پھر روتے ہوئے کمرے سے باہر چلی گئی۔ معمر نواب نے نکولائی کو نیم دلی سے ڈانٹا اور اس سے التجا

کرنے لگا کہ وہ اپنا فیصلہ واپس لے۔ نکولائی نے جواب دیا کہ وہ اپنے عہد و پیمان سے نہیں پھرے گا۔ اس کے والد نے سرد آہ بھری، صاف ظاہر تھا کہ وہ کھسیانا ہو رہا ہے۔ پھر وہ اپنی بات ادھوری چھوڑ کر بیگم کے پاس چلا گیا۔ نواب جب بھی اپنے بیٹے سے ملتا تو اسے یہ خیال آجاتا کہ وہ خاندانی جائیداد فضول خرچیوں میں ضائع کر چکا ہے اور یوں بیٹے سے ناانصافی کا مرتکب ہوا ہے چنانچہ اگر اس نے کسی امیر لڑکی سے شادی کرنے سے انکار اور غریب سونیا کو اپنی بیوی کے طور پر منتخب کرنے کا فیصلہ کیا ہے تو وہ اسے ٹوکنے کا کوئی حق نہیں رکھتا۔ صرف اس موقع پر اسے احساس ہوا کہ اگر اس کے حالات اسقدر خراب نہ ہوتے تو نکولائی کیلئے سونیا سے بہتر دلہن کی خواہش نہیں کی جاسکتی تھی اور یہ کہ اس کے خاندان کے مالی امور جس خراب ڈگر پر چل پڑے ہیں اس کیلئے صرف وہ خود اور ناقابل اصلاح بری عادات کا مالک منتکا ہی قصوروار ہیں۔ ماں باپ نے اس معاملے میں بیٹے سے دوبارہ کوئی بات نہ کی مگر چند روز بعد بیگم رستوف نے سونیا کو بلا بھیجا اور اسے ڈانٹ ڈپٹ کرنے لگی کہ وہ اس کے بیٹے کو اپنے جال میں پھنسا رہی ہے اور یہ کہ وہ بیحد ناشکری ہے۔ اس کا انداز گفتگو تنا ظالمانہ تھا کہ وہ دونوں ہی حیران رہ گئیں۔ سونیا نظریں جھکائے بیگم کی تلخ باتیں سنتی رہی۔ یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ اس سے کس بات کا تقاضا کیا جا رہا ہے۔ وہ اپنے محسنوں کیلئے ہر قربانی دینے کو تیار تھی۔ ایثار اس کی طبیعت کی نمایاں ترین خصوصیت تھی مگر اس معاملے میں وہ یہ نہیں سمجھ پائی تھی کہ اسے کس کیلئے اور کیسی قربانی دینا ہوگی۔ وہ بیگم اور تمام رستوف خاندان سے محبت کئے بغیر نہیں رہ سکتی تھی مگر نکولائی سے پیار نہ کرنا بھی اس کیلئے ممکن نہ تھا۔ وہ جانتی تھی کہ نکولائی کی تمام تر خوشیوں کا دارومدار اسی محبت پر ہے۔ وہ اداس کھڑی رہی اور کوئی جواب نہ دیا۔ نکولائی کو احساس ہوا کہ وہ یہ صورتحال زیادہ دیر برداشت نہیں کر پائے گا اور اسے سلجھانے کیلئے اپنی ماں کے پاس چلا گیا۔ پہلے تو اس نے والدہ سے منت سماجت کی کہ سونیا کو معاف کر دے اور ان کی شادی پر رضامندی کا اظہار کر دے، پھر اس نے دھمکیاں دیں کہ اگر سونیا کو یونہی تنگ کیا جاتا رہا تو وہ فوری طور پر اس سے خفیہ شادی کر لے گا اور کسی کو خبر بھی نہ ہوگی۔ بیگم رستوف نے کہا "تم بالغ ہو گئے ہو اور شہزادہ آندرے اپنے والد کی مرضی کے بغیر شادی کر رہا ہے تو تم بھی کر لو تاہم میں اس سازشی مخلوق کو کبھی اپنی بیٹی تسلیم نہیں کروں گی"

نکولائی "سازشی مخلوق" کا سن کر غصے سے لال پیلا ہو گیا اور اس نے اپنی والدہ کو بتایا کہ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ اسے یوں اپنے جذبات کچلنے پر مجبور کر دے گی اور اگر یہی صورتحال رہی تو پھر اسے جو آخری بات کہنی ہے۔۔۔ تاہم اس سے پہلے کہ اس کے منہ سے وہ الفاظ نکلتے جن کی وہ منتظر تھی کہ دروازے کے قریب کھڑی نتاشا بھاگتی ہوئی اندر آگئی، اس کا رنگ پیلا پڑ چکا تھا اور چہرے پر گھمبیر سنجیدگی طاری تھی۔

وہ چیختے ہوئے بولی "نکولینکا، تمہیں علم نہیں کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ خاموش ہو جاؤ، میں نے کہا خاموش رہو" وہ اس کی آواز دبانے کیلئے چیختے جا رہی تھی۔

پھر وہ والدہ سے مخاطب ہو کر بولی "پیاری امی، اس کا یہ مطلب نہیں تھا۔۔۔ میری پیاری، بیچاری امی" بیگم رستوف خوفزدہ نگاہوں سے اسے دیکھے جا رہی تھی۔ اسے علم تھا کہ وہ ناچاقی کے قریب پہنچ چکے ہیں مگر جھگڑے کی شدت اور اس کی ضد اسے ہتھیار ڈالنے دیتی تھی نہ دے رہی تھی۔

نتاشا نے کہا "نکولینکا، میں تمہیں بعد میں سمجھاؤں گی، بس اب تم جاؤ، پیاری امی، میری بات سنیں"

اس کے بے ربط الفاظ کا مقصد پورا ہو گیا۔

نکولائی اٹھا اور سر پکڑ کر کمرے سے باہر چلا گیا۔ بیگم رستوف نے زور سے سسکی بھری اور اپنی بیٹی کے سینے میں

چہرہ چھپا کر رونا شروع کر دیا۔

نتاشا صلح کی کوششیں کرانے لگی اور اس حد تک کامیاب رہی کہ ماں نے بیٹے کو یقین دلایا کہ سونیا سے بدسلوکی نہیں ہوگی اور نکولائی نے وعدہ کر لیا کہ وہ والدین کو بتائے بغیر کوئی اقدام نہیں کرے گا۔

نکولائی نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ فوجی ملازمت سے متعلق اپنے معاملات نپٹاتے ہی نوکری چھوڑ کر واپس آئے گا اور سونیا سے شادی کرے گا۔ اس کے چہرے پر ہروقت سنجیدگی طاری رہنے لگی۔ ماں باپ سے اس کی راہیں جدا ہو گئی تھیں مگر اس کا خیال تھا کہ وہ سرتاپا محبت میں گرفتار ہو چکا ہے۔ اوائل جنوری میں وہ اپنی رجمنٹ میں دوبارہ شمولیت کیلئے روانہ ہو گیا۔

نکولائی کے جانے کے بعد رستوف خاندان کے گھر کا ماحول پہلے سے زیادہ افسردہ ہو گیا اور ذہنی پریشانی کے باعث بیگم رستوف بیمار پڑ گئی۔

نکولائی کی جدائی نے سونیا کو رنجیدہ کر دیا تاہم اسے زیادہ دکھ بیگم کے مخاصمت پر مبنی رویے سے ہوتا تھا جسے دبانا اس کے بس کی بات نہ تھی۔ فیصلہ کن اقدام کے متقاضی خراب معاشی معاملات نے نواب کو پہلے سے بھی زیادہ پریشان کر دیا۔ شہر والے مکان اور ماسکو کی جاگیر فروخت کئے بغیر چارہ نہ تھا اور اس مقصد کیلئے ماسکو جانا ضروری تھا مگر بیگم کی خراب طبیعت کے باعث ماسکو روانگی آئے روز ملتوی ہوتی چلی جا رہی تھی۔ نتاشا نے اپنے منگیتر سے جدائی کا ابتدائی عرصہ پریشانی کے بغیر ہنسی خوشی گزارا مگر اب اس کی بے چینی دن بدن بڑھنے لگی۔ وہ سوچتی تھی کہ اس کی زندگی کا بہترین دور بیکار گزر رہا ہے جو محبت میں گزارا جا سکتا تھا۔ یہ خیال اس کیلئے بیحد اذیت ناک تھا۔ آندرے کے خطوط پڑھ کر اسے غصہ آ جاتا۔ اسے یہ سوچ سوچ کر بیحد دکھ ہوتا تھا کہ وہ شخص اس کا تصور کئے زندگی گزارے جا رہی ہے جبکہ وہ خود حقیقی زندگی سے لطف اندوز ہوتا ہے، نت نئی جگہوں کی سیر کرتا اور نئے لوگوں سے ملتا ہے جو اسے نہایت دلچسپ معلوم ہوتے تھے۔ اسے کے خطوط جتنے پرلطف ہوتے اسے اتنا ہی غصہ آتا۔ وہ جو خط لکھتی وہ اسے تسکین پہنچانے کیلئے الٹا غصے کا باعث بن جاتے۔ انہیں لکھنا اسے ناگوار اور مصنوعی کام محسوس ہونے لگا۔ دراصل وہ لکھ ہی نہیں سکتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ جو بات وہ مسکراہٹ اور الفاظ کے اتار چڑھاؤ سے کرنے کی عادی تھی، خطوط میں اس کا ہزارواں حصہ بھی ادا کرنا ممکن نہیں۔ وہ اسے روکھے پھیکے، روایتی اور غیر متنوع خط لکھتی رہی جنہیں وہ خود بالکل اہمیت نہیں دیتی تھی اور بیگم ان میں گرامر کی غلطیاں درست کرتی رہتی تھی۔ بیگم رستوف کی طبیعت بہتر نہیں ہوئی تھی مگر ماسکو کا سفر مزید ملتوی کرنا بھی ممکن نہ تھا۔ نتاشا کا شادی کا لباس تیار کرنا اور ماسکو کا مکان بیچنا تھا۔ مزید براں ماسکو میں شہزادہ آندرے کی آمد بھی متوقع تھی کیونکہ اس کا والد سردیاں وہیں گزارتا تھا اور نتاشا کو یقین ہو گیا تھا کہ وہ پہلے ہی وہاں پہنچ چکا ہے۔ بیگم دیہی جاگیر پر ہی مقیم رہی اور جنوری کے آخر میں نواب نتاشا اور سونیا کے ساتھ ماسکو چلا گیا۔

☆☆☆☆☆

آٹھواں حصہ

(1)

شہزادہ آندرے کی نتاشا سے منگنی کے بعد پیری کو بظاہر بلاوجہ یہ محسوس ہونے لگا کہ اب پہلے کی طرح زندگی گزارنا ممکن نہیں۔ اس کے محسن نے اسے جن حقائق سے آگاہ کیا تھا اگرچہ ان کی درستگی پر وہ مکمل یقین رکھتا تھا اور اپنی ذات کی تکمیل کے روحانی کام میں وہ جس طرح جوش و خروش کا اظہار کرتا، اس کے ابتدائی حصے میں تو وہ بیحد خوش تھا مگر نتاشا اور شہزادے آندرے کی منگنی نیز اوسپ الیکسی وچ کے انتقال کے بعد ایسی زندگی اس کیلئے تمام تر کشش کھو بیٹھی۔ الیکسی وچ کے انتقال کی خبر اسے تقریباً انہی دنوں ملی تھی

اب صرف زندگی کا خول، گھر، خوبصورت بیوی جو ایک اعلیٰ شخصیت کی منظور نظر بن چکی تھی، تمام پیٹرز برگ سے واقفیت اور اکتا دینے والی رسوم و رواج پر مبنی درباری ملازمت ہی باقی رہ گئی تھی۔ اچانک پیری کو اس زندگی سے نفرت ہونے لگی۔ اس نے ڈائری لکھنا بند کر دی، برادران کی صحبت سے دور رہنے لگا اور ایک مرتبہ پھر کلب جا کر بلانوشی شروع کر دی۔ اس نے کنواروں کے حلقوں سے ازسرِنو تعلقات استوار کئے اور ایسی زندگی بسر کرنا شروع کر دی کہ بیگم ایلینا وسلوونا کیلئے اس کی کڑی نگرانی ضروری ہوگئی۔ پیری کو محسوس ہوا کہ وہ ٹھیک کہتی ہے اور یہ سوچ کر ماسکو چلا گیا کہ کہیں اس کی بیوی کو اس کی وجہ سے ناگوار صورتحال کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

جونہی وہ ماسکو میں اپنے وسیع مکان میں داخل ہوا جہاں نوکروں چاکروں کا جم غفیر تعینات تھا اور جہاں مرجھائی ہوئی شہزادیاں مزید مرجھائی جا رہی تھیں، جونہی وہ اپنی گاڑی پر شہر کے درمیان سے گزرا اور اسے آئیورسکی معبد دکھائی دیا جس کے سنہری ڈبوں میں رکھی مقدس تصاویر کے سامنے بے شمار باریک موم بتیاں روشن تھیں، جونہی اس نے کریملن سکوائر دیکھا، جس کی برف ابھی گاڑیوں تلے نہیں دبائی گئی تھی، جونہی اس نے برف گاڑیوں کے کوچوانوں اور سوتسیف ورازھوک کے جھونپڑوں، کسی شے کی تمنا کئے بغیر پرسکون انداز سے زندگی بسر کرنیوالے ماسکو کے قدیم باشندوں، شہر کی بوڑھی خواتین اور نوجوان لڑکیوں، انگریزی کلب، رقص گاہوں کو دیکھا تو اسے یوں لگا جیسے وہ جنت جیسے پرسکون اپنے گھر میں پہنچ گیا ہو۔ ماسکو میں اسے وہی راحت ملتی تھی جو انسان کو پرانے ڈریسنگ گاؤن میں ملتی ہے۔

بوڑھیوں سے لے کر بچوں تک ماسکو کے تمام لوگوں نے اس کا ایسے مہمان کی حیثیت سے استقبال کیا جس کا مدت سے انتظار ہو اور جس کے رہنے کی جگہ ہمیشہ تیار رکھی گئی ہو۔ ماسکو کے لوگوں کی نظروں میں وہ عجیب و غریب ضرور تھا مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ اسے نفیس، ذہین، شفیق اور فیاض بھی گردانتے تھے۔ ماسکو کے باسی اسے شہر کے پرانے دور کا غائب دماغ اور دوسروں کا غمگسار روسی سمجھتے تھے۔ اس کا بٹوہ ہمیشہ خالی رہتا تھا کیونکہ یہ ہر شخص کیلئے کھلا رہتا تھا۔

امدادی تفریحی پروگرام، معمولی تصاویر اور مجسمے، جپسیوں کے موسیقی پروگرام، سکول، چندہ اکٹھا کرنے کے

کھانے، سماجی بہبود کی تنظیمیں، پینے پلانے کی محافل، فری میسن، گرجے، کتابیں، غرضیکہ اس سے جو نام لے کر کچھ مانگا گیا اس نے دینے میں کبھی تامل نہ کیا۔ اگر اس سے بھاری رقومات بطور قرض لینے والے دو دوست مداخلت نہ کرتے تو وہ سب کچھ تیاگ چکا ہوگا۔ کلب میں کوئی محفل یا ضیافت اس کے بغیر منعقد نہیں ہوتی تھی۔

کنواروں کی محفل میں کھانے کے بعد وہ مارگوٹ کی دو بوتلیں پینے کے بعد جونہی صوفے پر یا اپنی معمول کی نشست پر نڈھال ہو کر گرتا تو دوست اس کے گرد جمع ہو جاتے اور پھر گفتگو اور لطائف کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ جب کبھی جھگڑا ہو جاتا تو اس کی شفیق مسکراہٹ یا برمحل فقرے فریقین میں صلح کرا دیتے۔ اس کے بغیر فری میسنوں کی دعوتیں بے کیف ہوتیں۔ جب وہ کنواروں کے کھانے کے اختتام پر اٹھ کھڑا ہوتا تو اپنی دلکش مسکراہٹ سے رنگ رلیاں منانے والوں کی التجاؤں کے سامنے ہتھیار ڈال دیتا اور گاڑی میں ان کے ہمراہ چل پڑتا۔ اس کے نوجوان ساتھی خوشی سے نعرے لگاتے۔ اگر دوران رقص کسی کو ساتھی کی ضرورت ہوتی تو اپنی خدمات پیش کر دیتا اور ناچ میں شریک ہو جاتا۔ لڑکیاں اور نوجوان شادی شدہ خواتین اسے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتی تھیں کیونکہ وہ کسی سے وابستہ ہونے کی کوشش نہیں کرتا تھا بلکہ ہر ایک سے یکساں انداز میں ملتا اور اس کے بارے میں ازراہ مزاح کہا جاتا تھا کہ "اس کی کوئی جنس نہیں ہے"

پیری ان سینکڑوں ریٹائرڈ درباریوں میں سے ایک تھا جو ماسکو میں ہنسی خوشی اپنی زندگی کے آخری ایام گزار رہے تھے۔ سات سال پہلے جب وہ پہلی مرتبہ یہاں واپس آیا تھا تو کوئی اس سے اگر یہ کہتا کہ اس کا راستہ پہلے تشکیل پا چکا ہے اور اسے کسی شے کیلئے کوشش یا منصوبہ بندی کرنے کی ضرورت نہیں تو اسے کتنا دھچکا لگتا۔ وہ اس بات پر یقین ہی نہ کرتا۔ آیا کسی دور میں اس کی یہ شدید خواہش نہ تھی کہ روس کو جمہوری ملک بنا دیا جائے؟ کیا اس کے بعد وہ نپولین، فلسفی، فنون جنگ کا ماہر اور پھر خود نپولین کا فاتح نہیں بننا چاہتا تھا؟ کیا اس نے برائیوں میں مبتلا انسانوں کو نئی زندگی سے آشنا کرانے کے خواب نہیں دیکھے تھے اور اپنی ذات کو مکمل ترین نہیں بنانا چاہا تھا کیا اس نے مدرسے اور ہسپتال قائم نہیں کئے تھے اور کیا اپنے زرعی غلاموں کو آزاد نہیں کیا تھا؟

ان تمام باتوں کے باوجود وہ ریٹائرڈ درباری اور بے وفا بیوی کا دولتمند شوہر تھا جس کا کام کھانا پینا اور کھانے کے بعد واسکٹ کے بٹن کھول کر حکومت پر تنقید کرنا تھا۔ وہ ماسکو کے انگریزی کلب کا رکن اور اعلیٰ طبقے کی پسندیدہ شخصیت تھا۔ کافی دیر تک اسے اس بات پر یقین نہ آیا کہ اب وہ ایسا ہی ریٹائرڈ درباری ہے جسے وہ سات سال پہلے انتہائی حقارت سے دیکھتا تھا۔

بعض اوقات وہ یہ سوچ کر اپنا دل بہلا لیتا کہ وہ نہایت عارضی نوعیت کی زندگی گزار رہا ہے مگر بہت جلد اسے یہ جان کر شدید دھچکا لگا کہ اس کی طرح کتنے ہی اشخاص نے اس وقت یہی بات سوچ کر کلب کی رکنیت اختیار کی جب ان کے سر پر پورے بال اور منہ میں دانت تھے اور جب وہ یہاں سے نکلے تو ان دونوں اشیاء سے محروم ہو چکے تھے۔

جب وہ مغرورانہ ذہنی کیفیت میں اپنے مقام کا جائزہ لیتا تو اسے یوں لگتا جیسے وہ ان ریٹائرڈ درباریوں سے مختلف ہے جن سے اسے کبھی نفرت ہوتی تھی۔ وہ سطحی ذہن کے مالک اور اپنے مقام سے مطمئن ہیں جبکہ میں ابھی تک غیر مطمئن اور انسانی بھلائی کیلئے کچھ کرنے کا خواہشمند ہوں" فروتنی کی کیفیت میں وہ اپنے آپ سے کہتا "مگر شاید میرے ان تمام ساتھیوں نے میری طرح جدوجہد کی، زندگی میں نئی راہیں تلاش کرنے کی کوشش کی شاید میری ہی طرح حالات، معاشرے اور حسب و نسب نے انہیں اسی مقام پر لا کھڑا کیا جہاں میں آج اپنے آپ کو کھڑا محسوس کرتا ہوں" پھر ماسکو میں

قیام کے کچھ عرصہ بعد اسے اپنے ہم تقدیر ساتھیوں سے نفرت نہ رہی بلکہ وہ ان کا احترام کرنے اور ان پر رحم کرنے لگا۔

اب اس پر مایوسی اور مالیخولیا کے دورے نہیں پڑتے تھے مگر وہ مرض جو پرانے دور میں شدید دوروں کی شکل میں ابھر کر سامنے آتا تھا اب باطن میں دھکیل دیا گیا تھا اور کبھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا تھا۔ وہ اکثر سوچتا "کس لیے؟ کیا فائدہ؟ دنیا میں کیا ہو رہا ہے؟" وہ دن میں کئی مرتبہ اپنے آپ سے یہ سوال پوچھتا اور مخمصے میں پڑ جاتا۔ اس طرح وہ غیر ارادی طور پر نئے سرے سے زندگی کے مظاہر کا مفہوم تلاش کرنے کی کوشش کرنے لگتا۔ تجربے کی بدولت اسے علم تھا کہ ان سوالوں کے جواب نہیں ہیں چنانچہ وہ انہیں فوری طور پر ذہن سے نکالنے کی سعی کرتا۔ اس مقصد کیلئے وہ کوئی کتاب اٹھا لیتا یا جلدی سے کلب یا پھر اپولون نکولائیوچ کی طرف چلا جاتا تاکہ شہر کی تازہ ترین صورتحال پر بات چیت کر سکے۔

پیری سوچتا تھا کہ ایلینا ویسلوویناکو اپنے جسم کے علاوہ کسی شے کی پروا نہیں اور اس کو دنیا کی احمق ترین خواتین میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ مگر عجیب بات ہے کہ اسے نہایت ذہین اور شائستہ خاتون سمجھا جاتا ہے اور لوگ اس کے آگے پیچھے پھرتے ہیں اور اس ہر دم اس کی تعریف وتوصیف میں مشغول رہتے ہیں۔ نپولین جب تک عظمت کی معراج پر رہا تو ہر شخص اس سے نفرت کرتا تھا اور اب جب کہ اس کی حالت مسخروں کی سی ہے تو شہنشاہ فرانس اس سے اپنی بیٹی کی شادی کرنا چاہتا ہے۔ سپین کے لوگ 14 جون کو کیتھولک پادریوں کے ذریعے خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے انہیں فرانسیسیوں پر فتح دلائی اور فرانسیسی کیتھولک بھی خدا کا شکر بجالاتے ہیں کہ اس نے 14 جون کو انہیں سپین کیخلاف فتح بخشی۔ میرے میسن بھائی اپنے خون میں ہاتھ ڈبو کر حلف اٹھاتے ہیں کہ وہ ہمسائے کیلئے اپنا سب کچھ قربان کر دیں گے مگر غریبوں کیلئے چندہ جمع کرنا ہو تو ایک روبل بھی نہیں دیتے۔ آسترائی مینا کے متلاشیوں کے خلاف سازشیں کرتے ہیں اور یہ تمام اصل سکاٹش قالین یا منشور کے بارے میں شور مچاتے ہیں جس کا مطلب اسے لکھنے والے کی سمجھ میں بھی نہیں آیا تھا اور جس کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ ہم تمام عیسائی عفو ودرگزر کا حکم تسلیم کرتے ہیں اور اس کے احترام میں ماسکو میں بے شمار گرجے تعمیر کر چکے ہیں مگر گزشتہ روز ایک مرتد کو کوڑے مار مار کر ہلاک کر دیا گیا اور درگزر کے اصول پر عملدرآمد کرانیوالے ایک پادری نے اس کارروائی سے پہلے سپاہی کو صلیب تھمائی تاکہ وہ اسے چومے۔

پیری کافی دیر تک سوچ وبچار میں مشغول رہا اور وہ اس عالمگیر منافقت کا عادی ہو چکا تھا اور اس پر اسے کبھی حیرت نہ ہوئی۔ وہ سوچنے لگتا "میں بد دیانتی اور پریشان خیالی کو سمجھتا ہوں مگر مجھے جو کچھ دکھائی دیتا ہے اس سے دوسروں کو کیسے آگاہ کیا جائے؟ میں نے کوشش کی اور مجھے ہمیشہ یہی محسوس ہوا کہ جیسے میں جانتا ہوں بعینہ اسی طرح وہ بھی دل کی گہرائیوں سے جانتے ہیں مگر جان بوجھ کر اپنی آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں اور اسے نظر انداز کرنے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ کچھ ایسی ہی بات ہے۔ مگر۔۔۔ مجھے کہاں پناہ ملے گی؟"

اکثر انسانوں، خاص طور پر روسیوں میں یہ خصوصیت عام ہے کہ وہ نیکی اور سچائی کے امکانات کا تو اندازہ کر لیتے ہیں اور انہیں ان پر یقین بھی ہوتا ہے مگر زندگی میں پائی جانیوالی برائی اور جھوٹ ان پر اس قدر واضح انداز میں آشکار ہوتے ہیں کہ وہ سنجیدگی سے کچھ بھی نہیں کر پاتے۔ بدقسمتی سے پیری کا بھی یہی حال تھا۔ اس کی نظروں میں زندگی کا ہر دائرہ عمل برائی اور فریب سے منسلک تھا۔ وہ جو کچھ بھی بننے کی کوشش کرتا اور جس کام میں بھی ہاتھ ڈالتا اس میں برائی اور دھوکے کی وجہ سے ناکام ہو جاتا۔ اسے یہ احساس ہونے لگتا کہ یہ دونوں چیزیں اس کی راہ میں رکاوٹ بن گئی ہیں۔ مگر اس نے زندہ رہنا تھا اور زندگی گزارنے کیلئے کوئی مصروفیت بھی ڈھونڈنا تھی۔ حل نہ ہونیوالے ایسے مسائل تلے دبا رہنا بھی ٹھیک نہ تھا۔ چنانچہ انہیں بھلانے کیلئے جو بھی پہلی شے اس کی توجہ کسی اور جانب موڑ سکتی تھی وہ اسی کا ہو کر رہ جاتا۔

وہ ہمہ اقسام کی محافل میں جاتا، جی بھر کر پیتا، تصاویر خریدتا، عمارتیں تعمیر کراتا اور ان سے بھی بڑھ کر یہ کہ مطالعہ کرتا رہتا۔

وہ بے تحاشہ پڑھتا تھا اور ہاتھ میں آنیوالی ہر شے پڑھ کر ہی دم لیتا تھا۔ رات کو گھر واپسی پر خدمتگار اس کے کپڑے بدلوا رہے ہوتے تھے تو بھی وہ کتاب اٹھا لیتا اور پڑھتے پڑھتے سو جاتا، سو کر اٹھتا تو ڈرائنگ روم یا کلبوں میں بات چیت کیلئے چلا جاتا، وہاں سے اٹھ کر شراب خانوں یا طوائفوں کے ڈیروں پر چلا جاتا۔ ان کے بعد پھر بات چیت، مطالعے اور شراب نوشی کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ شراب اس کی جسمانی ہی نہیں بلکہ اخلاقی ضرورت بھی بنتی جا رہی تھی۔ اگرچہ ڈاکٹروں نے اسے خبردار کیا تھا کہ موٹاپے کے باعث کثرت سے نوشی اس کیلئے خطرناک ثابت ہو سکتی ہے تاہم اس نے بلانوشی ترک نہ کی۔ اسے شراب کے متعدد گلاس میکانکی انداز میں حلق میں انڈیلنے سے ہی آسودگی ملتی اور جسم میں خوشگوار حرارت کا احساس ہوتا۔ اس وقت وہ اپنے ساتھیوں سے التفات کیساتھ پیش آتا اور گہرائی میں جائے بغیر ہر نظریہ تسلیم کر لیتا۔ شراب کی چند بوتلیں خالی کرنے کے بعد اسے یہ ہلکا سا احساس ہونے لگتا تھا کہ زندگی کی انتہائی پیچیدہ گتھی جو ماضی میں اسے پریشان کرتی رہی تھی اس کے اندازوں جتنی خطرناک نہیں۔ اس گتھی کے کسی نہ کسی رخ کا اسے ہمیشہ احساس رہتا تھا جیسا کہ شام یا رات کے کھانے کے بعد جب وہ گفتگو کرتا یا سنتا یا مطالعہ کرتا تو اسے دماغ میں گھنٹیاں سی بجتی محسوس ہوتی تھیں، تاہم جب وہ شراب کے نشے سے مغلوب ہو چکا ہوتا تو وہ اپنے آپ سے یہ کہہ سکتا تھا کہ "فکر کی بات نہیں، میں یہ گتھی سلجھاؤں گا، میرے پاس اس کا حل موجود ہے مگر فی الحال وقت نہیں، بعد میں سوچا جائیگا" تاہم یہ "بعد" کبھی نہ آتا۔

علی الصبح ناشتے سے قبل یہ تمام پرانے سوال اسے ہمیشہ کی طرح ناقابل حل دکھائی دیتے اور وہ جلدی سے کوئی کتاب اٹھا لیتا اور کوئی ملاقاتی آ نکلتا تو اس کے چہرے پر رونق آ جاتی۔

کبھی کبھار اسے یاد آتا کہ کسی نے اسے بتایا تھا کہ جب مورچوں میں فوجیوں پر دشمن کے گولے گر رہے ہوں اور ان کے پاس کرنے کیلئے کوئی کام نہ ہو تو وہ خود کو مصروف رکھنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ خطرہ با آسانی برداشت کیا جا سکے۔ اب پیری کو محسوس ہونے لگتا کہ تمام انسان انہی فوجیوں کی طرح ہیں اور زندگی سے پناہ ڈھونڈتے رہتے ہیں۔ بعض کو یہ پناہ مناصب میں، بعض کو تاش، عورتوں، بعض کو شراب، کچھ لوگوں کو کھیلوں اور بعض کو سیاست میں ملتی ہے۔ وہ سوچتا کہ "کوئی شے اہم یا غیر اہم نہیں۔ ہر ایک کا انجام یکساں ہے۔ انسان کا کام یہ ہے کہ اس سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے" وہ سوچتا "یہ تو بیحد خوفناک ہے، کاش اسے نہ دیکھا جائے"

(2)

موسم سرما شروع ہوتے ہی شہزادہ نکولائی آندریچ بلکونسکی اور اس کی بیٹی ماسکو چلے آئے۔ شہنشاہ الیگزنڈر کی حکومت میں عوامی دلچسپی کم ہونے اور ماسکو میں قوم پرستی اور فرانس دشمنی پر مبنی جذبات کو فروغ ملنے پر شہزادہ نکولائی آندریچ کے ماضی اور عقل ودانش کی شہرت نے اسے ماسکو کے شہریوں اور حکومت مخالفوں کی پسندیدہ شخصیت بنا دیا۔

اس سال وہ کچھ زیادہ ہی بوڑھا ہو گیا تھا۔ بڑھاپے نے اس کی شخصیت پر اپنا اثر یوں ڈالا کہ وہ بیٹھے بٹھائے نیند میں چلا جاتا اور حالیہ واقعات اس کے ذہن سے نکل جاتے جبکہ ماضی کی پرانی باتیں اسے یوں یاد ہوتی تھیں جیسے کل ہی کی بات ہو اور پھر اس نے جس بیگانہ انداز سے ماسکو کے حکومت مخالف طبقے کی سربراہی قبول کی وہ بھی اس کے بڑھاپے کا سبب تھا۔ ان تمام باتوں کے باوجود بوڑھا جب شام کے وقت پرانی طرز کا کوٹ پہنے اور سر پر پاؤڈر والی وگ

لگائے ڈرائنگ روم میں چائے پر آتا اور کسی کے اکسانے پر پرانے دنوں کے حوالے سے مختصر مگر جامع اظہار خیال یا پھر اس سے بھی بڑھ کر حالیہ دور پر پھبتی اور بے رحمانہ تنقید کرتا تو اس کے تمام ملاقاتی بلاامتیاز متاثر ہوتے اور اس کا احترام کرنے پر مجبور ہو جاتے۔ ماسکو میں اس کا یہ پرانا مکان بذات خود عہد رفتہ کی نشانی تھا جس کے کھڑکیوں اور دروازوں پر بڑے بڑے آرائشی شیشے نصب تھے اور کمروں میں فرانسیسی انقلاب سے پہلے دور کا فرنیچر رکھا تھا اور پاؤڈر چھڑکی وگ والے ملازمین موجود تھے۔ یہاں وہ اپنی منکسر المزاج بیٹی اور خوبصورت فرانسیسی خاتون کے ساتھ رہتا تھا جو اس کی بیحد عزت کرتی تھیں۔ بوڑھا اور اس کا مکان ملاقاتیوں پر خوشگوار اثرات مرتب کرتا مگر کسی نے اس بات پر دھیان نہ دیا تھا کہ اس نے اپنے میزبان کے ساتھ جو دو گھنٹے گزارے ہیں ان کے علاوہ بھی دن کے بائیس گھنٹے ہوتے ہیں اور اس دوران اس گھر کی نجی اور مانوس زندگی اپنی طرز پر گامزن رہتی ہے۔

ان دنوں میں شہزادی ماریا کیلئے یہ زندگی خاصی دکھی اور تکلیف دہ ہو چکی تھی۔ ماسکو میں وہ زائرین سے بات چیت اور علیحدگی میں ملاقاتوں سے ہی محروم نہ تھی جو اسے زندگی کی سب سے بڑی خوشی مہیا کرتی تھیں بلکہ شہری زندگی کے فوائد اور دلچسپیوں سے بھی محروم تھی۔ وہ لوگوں کے گھروں اور محافل میں نہیں جاتی تھی اور ہر شخص کو علم تھا کہ جب تک اس کا والد خود کہیں نہیں جاتا، وہ اسے بھی کہیں نہیں جانے دے گا۔ بوڑھے کی مسلسل خراب ہوتی صحت اسے باہر نہیں نکلنے دیتی تھی چنانچہ دوست احباب بھی اس کی بیٹی کو محافل اور ضیافتوں میں شرکت کی دعوت نہیں دیتے تھے۔ وہ شادی کی امید کھو چکی تھی۔ اس کے گھر آنیوالے اور رشتے کے امکانی امیدوار نوجوانوں سے معمر شہزادہ سرد مہر اور سخت انداز میں پیش آتا اور یہ بات ماریا کے سامنے تھی۔ شہزادی ماریا کا کوئی دوست نہ تھا۔ ماسکو آنے کے بعد وہ اپنی قریب ترین سہیلیوں سے بھی مایوس ہو چکی تھی۔ وہ مادموزیل بورین کے سامنے بھی اپنے دل کا حال نہیں کہہ سکی تھی اور اب وہ مختلف وجوہات کی بنا پر اس سے دور دور رہنے کی کوشش کرتی تھی۔ ماسکو میں رہنے والی جولی کے ساتھ وہ پانچ برس تک خطوط کا تبادلہ کرتی رہی اور اب جب ماریا نے اسے دیکھا تو وہ اجنبی لگی۔ بھائیوں کے انتقال کے بعد جولی کا شمار ماسکو کی امیر ترین وارثوں میں ہونے لگا تھا اور وہ رنگا رنگ محفلوں میں بڑھ چڑھ کر شریک ہوتی تھی۔ وہ ہمہ وقت ایسے نوجوانوں میں گھری رہتی جن کے بارے میں اسے یقین تھا کہ انہوں نے اس کی قدر و قیمت کا اچانک اندازہ لگایا ہے۔ اعلیٰ طبقے کی طرح جولی بھی عمر کے اس حصے میں پہنچ چکی تھی جب خواتین کو یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ ان کی جوانی ڈھل رہی ہے اور اب ان کے پاس شوہر تلاش کرنے کا آخری موقع ہے ورنہ وہ ہمیشہ افسوس کرتی رہیں گی۔ شہزادی ماریا ہر جمعرات کو اداسی سے مسکراتے ہوئے سوچتی کہ اب کوئی ایسا شخص نہیں بچا جسے وہ خط لکھ سکے کیونکہ جولی یہیں موجود تھی اور اس سے مل کر وہ کوئی خوشی محسوس نہیں کرتی تھی۔ جس طرح کوئی بوڑھا کسی پرانی واقف کار خاتون کی جانب سے شادی کی پیش کش اس لیے ٹھکرا دے کہ پھر اس کے پاس شام گزارنے کیلئے کوئی جگہ نہیں رہ جائیگی، اسی طرح شہزادی ماریا کو بھی افسوس تھا کہ جولی کی یہاں موجودگی نے اسے قلمی دوست سے محروم کر دیا ہے۔ ادھر ماسکو میں ایسا کوئی شخص نہ تھا جسے وہ دل کا حال سناتی اور اپنا رازداں بنا سکتی۔ اس کے ساتھ ساتھ نئی مصیبتیں بھی اس کا پیچھا کر رہی تھیں۔ شہزادہ آندرے کی شادی کا وقت قریب آتا جا رہا تھا تاہم اس نے اپنے باپ کو اس واقعہ کیلئے تیار کرنے کی غرض سے شہزادی ماریا کے ذمے جو فریضہ لگایا تھا وہ تکمیل سے اتنا دور تھا کہ یوں لگتا تھا جیسے تمام معاملہ خراب ہو جائیگا۔ نتاشا کے تذکرے پر ہی معمر شہزادہ غصے میں لال پیلا ہو جاتا تھا۔ حال میں ایک اور مسئلہ بھی شہزادی ماریا کے ذہن پر بوجھ بن گیا تھا جو بھتیجے کی پڑھائی سے متعلق تھا۔ وہ یہ دیکھ کر بیحد دکھی ہوتی تھی چھوٹے نکولائی کے ساتھ اس کے رویے میں اپنے باپ کی سی بدمزاجی در آئی ہے۔ وہ

اپنے آپ کو خواہ کتنا ہی کیوں نہ سمجھاتی کہ جب وہ اسے پڑھانے لگتی ہے تو غصہ اپنے قریب بھی نہیں پھٹکنے دینا چاہئے مگر ہر بار یہی ہوتا کہ وہ جب بھی فرانسیسی حروف تہجی کی جانب اشارہ کرنے کیلئے ہاتھ میں چھڑی پکڑ کر سبق کا آغاز کرتی تو اسے کام نپٹانے اور اپنا علم بچے کے ذہن میں ڈالنے کی اتنی جلدی ہوتی کہ کہ اس کی ذرا سی بھی عدم توجہ پر کانپنے لگ جاتی تھی، بچے کو پہلے ہی اس خوف نے جکڑ رکھا ہوتا تھا کہ اس کی خالہ کسی بھی لمحے ناراض ہو سکتی ہے۔ اس دوران وہ بڑبڑا جاتی اور بعض اوقات اسے بازو سے پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے کونے میں کھڑا کر دیتی۔ بعد ازاں وہ اپنی اس سفاکی پر رونا شروع کر دیتی اور چھوٹا نکولائی بھی اسے دیکھ کر رو دیتا اور اجازت لیے بغیر کونے سے نکل کر اس کے چہرے سے آنسو بھرے ہاتھ اٹھا کر اسے تشفی دینے کی کوشش کرتا۔ مگر شہزادی ماریا کو جس سب سے بڑی مصیبت کا سامنا تھا وہ اس کے باپ کا غصیلا مزاج تھا۔ وہ اس کا مستقل نشانہ تھی۔ اب اس کی یہ کیفیت بیحد بڑھ چکی تھی۔ اگر اسے تمام رات عبادت میں گزارنے، لکڑیاں کاٹنے یا پانی لانے کا حکم دیا جاتا تو وہ کبھی نہ سوچتی کہ اس کی قسمت خراب ہے مگر یہ شفیق آمر نہ صرف جان بوجھ کر اس کے جذبات کو ٹھیس پہنچانے اور اسے بے عزت کرنے کے مواقع ڈھونڈتا رہتا تھا بلکہ اسے یہ جتانا بھی آتا تھا کہ ہر معاملے میں سراسر اسی کا ہی قصور ہے۔ اپنی محبت کے باعث وہ اور بھی سفاک ہو گیا تھا اور اسی وجہ سے اس نے ماریا کے ساتھ ساتھ اپنے آپ کو بھی اذیت میں مبتلا کر رکھا تھا۔ اس کے ساتھ وہ مادموزیل بورین کے ساتھ بھی بے تکلفی برتنے لگا تھا۔ اسے یہ کام تب سوجھا جب اسے اپنے بیٹے کی شادی کی خبر ملی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ اگر آندرے شادی کر سکتا ہے تو میری مادموزیل سے شادی میں کیا حرج ہے؟ گزشتہ کچھ عرصے سے وہ مادموزیل سے یوں پیش آتا جیسے اسے دل و جان سے چاہتا ہو۔ شہزادی ماریا کا اندازہ تھا کہ وہ ایسا محض اس کی تذلیل کیلئے کرتا ہے۔ درحقیقت وہ فرانسیسی خاتون سے پیار جتلا کر اپنی بیٹی سے بے اطمینانی کا اظہار کر رہا تھا۔

ایک دن اس نے شہزادی ماریا کی موجودگی میں مادموزیل بورین کا ہاتھ چوم لیا (ماریا کا خیال تھا کہ اس نے یہ حرکت اس کی موجودگی میں جان بوجھ کر کی ہے) اور اسے اپنی آغوش میں لے کر پیار سے اس کا جسم سہلانے لگا۔ شہزادی شرم سے سرخ ہو گئی اور کمرے سے باہر بھاگ گئی۔ کچھ دیر بعد مادموزیل بورین شہزادی ماریا کے کمرے میں آئی تو اس نے جلدی سے اپنے آنسو پونچھے اور ترش روئی سے بھرائی ہوئی آواز میں فرانسیسی عورت سے کہنے لگی "کسی شخص کی کمزوری سے اسطرح فائدہ اٹھانا انتہائی شرمناک اور غیر انسانی حرکت ہے۔۔۔" اس میں اپنی بات مکمل کرنے کا حوصلہ نہ تھا۔ اس نے مادموزیل کو کمرے سے نکل جانے کا حکم دیا اور پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

اگلے دن معمر شہزادے نے اپنے بیٹی سے کوئی بات نہ کی مگر کھانے کی میز پر ماریا نے دیکھا کہ اس نے سب سے پہلے مادموزیل کو کھانے پیش کرنے کا حکم دیا۔ آخر میں جب خانساماں کافی لایا تو اس نے حسب معمول برتن سب سے پہلے ماریا کے سامنے رکھے۔ یہ دیکھ کر شہزادہ غصے میں لال پیلا ہو گیا اور اپنی چھڑی اسے دے ماری اور حکم دیا کہ اسے فوراً فوج میں بھرتی کرا دیا جائے۔

وہ کہنے لگا "میں نے دو مرتبہ حکم دیا۔۔۔ مگر اس کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ یہ اس گھر کی خاتون اول ہے، میری بہترین دوست ہے" پھر اس نے چلا کر ماریا سے کہا "اگر تم نے اس کی موجودگی میں اپنا مقام بھلانے کی کوشش کی تو میں تمہیں یہ بتانے پر مجبور ہو جاؤں گا کہ اس گھر کا مالک کون ہے۔ میری آنکھوں سے دور ہٹ جاؤ اور اس سے معافی مانگو"

شہزادی ماریا نے ایمیلیا یا گیونوونا سے معذرت کی اور اپنے باپ سے خانساماں فلپ کیلئے بھی معافی مانگی جس

نے اس سے گڑگڑا کر التجا کی تھی۔

ایسے لمحات میں قربانی کے فخر کا جذبہ اس کی روح کو گرمجوشی عطا کر دیتا تھا اور اس کا باپ جسے وہ دل ہی دل میں برا بھلا کہہ رہی ہوتی تھی، اپنی عینک ڈھونڈنے لگتا۔ وہ اس کے قریب ہی پڑی ہوتی تھی مگر اسے دکھائی نہ دیتی بلکہ وہ بے ڈھنگے انداز سے اسے ٹٹولنے لگتا۔ یا پھر وہ حال ہی میں ہونیوالی کوئی بات بھول جاتا، یا پھر اپنی کمزور ٹانگوں پر لڑکھڑاتا ہوا چل دیتا اور پیچھے مڑ کر بھی دیکھتا جاتا کہ کہیں اس کی کمزوری دیکھ تو نہیں لی گئی۔ سب سے بری بات یہ ہوتی کہ کھانے پر اسے گفتگو پر آمادہ کرنے کیلئے کوئی مہمان نہ ہوتا تو وہ فوراً اونگھنے لگتا اور اس کا رومال نیچے گر جاتا اور کانپتا ہاتھ پلیٹ میں جا گرتا۔ ایسے موقع پر شہزادی ماریا سوچتی "وہ بوڑھے اور کمزور ہیں، مجھے ان کا محاسبہ نہیں کرنا چاہئے" یہ سوچ کر اسے اپنے آپ سے نفرت ہونے لگتی تھی۔

(3)

1811ء میں ماسکو میں ایک فرانسیسی ڈاکٹر میتی ویئر رہتا تھا جسے کچھ ہی عرصے میں شہرت حاصل ہو چکی تھی۔ وہ دراز قد، خوبصورت اور کچھ ایسا شائستہ شخص تھا جو کوئی فرانسیسی ہی ہو سکتا ہے۔ اس کے بارے میں ہر شخص کی یہی رائے تھی کہ وہ غیر معمولی طور پر ہوشیار ڈاکٹر ہے۔ بہترین گھروں میں اسے ڈاکٹر کے طور پر ہی نہیں بلکہ برابر کے شخص کی حیثیت سے خوش آمدید کہا جاتا تھا۔

شہزادہ نکولائی آندریچ ہمیشہ ڈاکٹروں کا مذاق اڑایا کرتا تھا مگر اب مادموزیل بورین کے مشورے پر اس نے ڈاکٹر کو اپنے گھر آنے اور اپنا معائنہ کرنے کی اجازت دیدی تھی۔ آہستہ آہستہ وہ اس کا عادی ہو گیا۔ میتی ویئر ہر ہفتے کم و بیش دو مرتبہ اسے دیکھنے آتا تھا۔

سینٹ نکولائی کا دن ہی معمر شہزادے کا نام دن تھا۔ اس دن تمام ماسکو اس کے ہاں پہنچ گیا مگر اس نے حکم دیا کہ کسی کو گھر میں نہ آنے دیا جائے۔ صرف چند گنے چنے مہمانوں کو ہی کھانے پر بلایا جانا تھا جن کی فہرست اس نے شہزادی ماریا کے حوالے کر دی تھی۔

میتی ویئر ڈاکٹر کی حیثیت سے اپنا حق سمجھتا تھا کہ ضرورت پڑنے پر وہ حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بھی اندر آ سکتا ہے۔ چنانچہ وہ دن نکلتے ہی مبارکباد دینے چلا آیا اور شہزادے کو دیکھنے اندر چلا گیا۔ نام دن کی صبح بوڑھے کا مزاج سخت خراب تھا۔ اس نے تمام صبح گھر میں بلاوجہ ٹہلتے گزاری تھی اور وہ ہر شخص میں خامیاں تلاش کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور ایسا ظاہر کرنے میں مصروف تھا کہ اسے جو کچھ کہا جا رہا ہے وہ اس کی سمجھ میں آ رہا ہے نہ کوئی اور اس کی بات اچھی طرح سمجھ رہا ہے۔ شہزادی ماریا اس کے مزاج کی یہ کیفیت اچھی طرح جانتی تھی جس میں وہ بظاہر پرسکون اور اپنے خیالات میں مستغرق دکھائی دیتا تھا مگر آخر میں غصے کے نتیجے میں بارود کی طرح پھٹ جاتا۔ شہزادی ماریا چونکہ جانتی تھی اس لیے وہ تمام صبح یوں پریشان رہی جیسے اسے بھری ہوئی بندوق کا سامنا ہو جو کسی بھی وقت دھماکے سے چل سکتی ہے۔ اب وہ صرف دھماکے کی منتظر تھی جو ٹل نہیں سکتا تھا۔ ڈاکٹر کے آنے تک کوئی خاص واقعہ پیش نہ آیا۔ میتی ویئر کا استقبال کرنے کے بعد شہزادی ماریا کتاب لے کر ڈرائنگ روم میں دروازے کے قریب بیٹھ گئی جہاں سے اسے اپنے والد کے کمرے میں ہونیوالی بات چیت سنائی دے سکتی تھی۔

ابتداء میں صرف میتی ویئر کی آواز سنائی دی۔ اس کے بعد اس نے اپنی والد کی آواز سنی اور پھر دونوں کے بیک

وقت بولنے کی آوازیں سنائی دیں۔ دروازہ زوردار انداز سے کھلا اور خوش شکل میتی ویئر پریشان بالوں سمیت نمودار ہوا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اس کے پیچھے پیچھے بوڑھا تھا جس نے ٹوپی اور ڈریسنگ گاؤن پہن رکھا تھا اور غصے کے مارے اس کی شکل خراب ہو چکی تھی اور آنکھیں باہر نکلی ہوئی تھیں۔

معمر شہزادہ چلا کر بولا "تمہیں سمجھ آئی یا نہیں البتہ میں خوب سمجھ گیا ہوں! فرانسیسی جاسوس! بوناپارٹ کا غلام! جاسوس، میرے گھر سے دفع ہو جاؤ۔۔۔ بھاگ جاؤ، میں تمہیں کہتا ہوں!" یہ کہہ کر اس نے دروازہ بند کر دیا۔ میتی ویئر کندھے اچکا کر مادموزیل بورین کے پاس چلا گیا جو شور و غل سن کر برابر والے کمرے سے بھاگ کر باہر آ گئی تھی۔

میتی ویئر کہنے لگا "شہزادے کی طبیعت ٹھیک نہیں، وہ صفراوی طبیعت کے مالک ہیں اور ان کا خون جلد گرم ہو جاتا ہے۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، میں کل پھر آ جاؤں گا" اس نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھی اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

بوڑھے کے کمرے سے قدموں کی چاپ سنائی دے رہی تھی اور وہ بآواز بلند کہہ رہا تھا "جاسوس، غدار، ہر جگہ غدار ہیں! مجھے اپنے گھر میں بھی سکون کا لمحہ میسر نہیں"

میتی ویئر کے جانے کے بعد اس نے اپنی بیٹی کو بلا بھیجا، تمام غصہ اسی پر نکلا۔ وہ کہنے لگا "یہ سب تمہارا قصور ہے کہ ایک جاسوس میرے پاس آ گیا۔ میں نے تمہیں بتایا تھا کہ فہرست بناؤ اور جس کا نام شامل نہ ہو اسے اندر نہیں آنے دینا۔ اس کے باوجود تم نے اسے اندر آنے کی اجازت کیوں دی؟ یہ صرف تمہارا قصور ہے۔ تم مجھے ایک لمحہ بھی سکون نہیں لینے دیتیں۔ تم تو مجھے سکون سے مرنے بھی نہیں دو گی"

وہ کہنے لگا "نہیں مادام نہیں، ہماری علیحدگی ناگزیر ہے۔ ہمیں ہر صورت علیحدہ ہونا پڑے گا۔ یہ مجھے بھی علم ہے اور تم بھی جانتی ہو۔ مجھ سے مزید برداشت نہیں ہوتا" یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر چلا گیا۔ پھر اسے خدشہ ہوا کہ کہیں اسے تسکین یا تسلی کے اسباب نہ مل جائیں اور اسی کے پیش نظر وہ واپس آیا اور یوں ٹھہر ٹھہر کر بولنے لگا جیسے یہ تاثر دینا چاہتا ہو کہ وہ یہ باتیں غصے میں نہیں بلکہ ٹھنڈے مزاج سے کہہ رہا ہے۔ وہ کہنے لگا "یہ مت سمجھنا کہ میں غصے میں پاگل ہو گیا ہوں، میں بالکل ٹھیک اور پرسکون ہوں اور میں نے ہر بات نہایت سوچ سمجھ کر کہی ہے اور اس پر ہر صورت عمل ہو گا۔۔۔ ہمیں ہر صورت علیحدگی اختیار کرنا ہو گی اور اپنے لیے کوئی ٹھکانہ تلاش کر لو۔۔۔" مگر وہ اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا اور غصے میں کہنے لگا "کیا ہی اچھا ہوتا کہ کوئی بیوقوف تم سے شادی کر لیتا" یہ کہہ کر اس نے دروازہ زور سے بند کیا اور مادموزیل کو بلانے کے بعد اپنے کمرے میں بیٹھ گیا۔

دو بجے چھ منتخب اشخاص کھانے پر اکٹھے ہوئے۔ ان مہمانوں میں معروف نواب رستوپچن، شہزادہ لوپوخن اور اس کا بھتیجا، جنرل چاتروف، بوڑھے ایک پرانا فوجی ساتھی اور نوجوان نسل سے پیری اور بورس دروبتسکی شامل تھے۔ یہ لوگ ڈرائنگ روم میں اپنے میزبان کے منتظر تھے۔ بورس چند روز قبل چھٹی پر ماسکو آیا تھا اور اسے شہزادہ نکولائی آندریچ سے ملنے کی شدید خواہش تھی۔ نہ صرف یہ کہ اس کی دلی خواہش پوری ہوئی تھی بلکہ بوڑھے شہزادے نے اپنا یہ اصول بھی بالائے طاق رکھ دیا کہ وہ کسی کنوارے کو اپنے گھر میں نہیں گھسنے دے گا۔

معمر شہزادے کے ہاں اعلیٰ طبقے کے لوگ اکٹھے نہیں ہوتے تھے مگر اس کا چھوٹا سا حلقہ ایسا تھا کہ کسی اور جگہ کی نسبت اس میں شامل ہونا انتہائی فخر کی بات سمجھی جاتی تھی، اگرچہ اس کا شہر میں زیادہ چرچا نہیں ہوتا تھا۔ بورس کو گزشتہ ہفتے اس امر کا اندازہ ہو گیا تھا جب اس کی موجودگی میں کمانڈر انچیف نے نواب رستوپچن کو سینٹ نکولائی کے دن کے حوالے

سے دعوت دی اور جواباً رستوپچن نے کہا تھا کہ "اس ن میں ہمیشہ شہزادہ نکولائی آندریچ کو مبارکباد دینے جایا کرتا ہوں"

کمانڈرانچیف نے جواباً کہا تھا "ارے، ہاں ہاں، ان کی طبیعت کیسی ہے؟"

بلند چھتوں والے قدیم طرز کے ڈرائنگ روم میں کھانے سے پہلے اکٹھا ہونیوالا یہ مختصر گروہ عدالت کے سنجیدہ حاضرین جیسا تھا۔ تمام لوگ خاموش تھے اور اگر کوئی بولتا تو بھی اس کی آواز اتنی آہستہ ہوتی کہ بمشکل سنائی دیتی تھی۔ شہزادہ نکولائی آندریچ اندر آیا۔ اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی طاری تھی اور یوں لگتا تھا جیسے وہ کچھ نہیں بولے گا۔ شہزادی ماریا معمول سے زیادہ خوفزدہ دکھائی دے رہی تھی۔ مہمان اس سے گفتگو کرتے ہوئے ہچکچا رہے تھے کیونکہ انہیں اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ ذہنی طور پر ان سے بات چیت پر آمادہ نہیں ہے۔ نواب رستوپچن واحد شخص تھا جو کبھی کبھار کوئی بات کرتا تھا۔ کبھی وہ شہر کی تازہ خبریں سنانے لگتا اور کبھی کوئی اور بات شروع کر دیتا۔ کبھی کبھار شہزادہ لوپوخن اور بوڑھا جرنیل بھی کوئی بات کہہ دیتے۔ شہزادہ نکولائی آندریچ تمام باتیں یوں سن رہا تھا جیسے عدالت کا چیف جسٹس اپنے روبرو پیش کی جانیوالی کوئی رپورٹ سنتا ہے اور اس دوران کبھی کبھار ہوں، ہاں کرتا یا ترشروئی سے سر ہلا دیتا ہے۔ اس کا یہ رویہ اس امر کی علامت ہوتا ہے کہ وہ رپورٹ نظر انداز نہیں کر رہا بلکہ اسے توجہ سے سن رہا ہے۔

انداز گفتگو اس بات کی غمازی کرتا تھا کہ سیاست کی دنیا میں ہونیوالے کام کسی کو بھی پسند نہیں۔ بیان کردہ واقعات اس رائے کی تصدیق کرتے تھے کہ حالات خراب سے خراب تر ہوتے چلے جا رہے ہیں مگر قابل غور بات یہ تھی کہ ایک خاص جگہ پہنچ کر بولنے والا یا تو خود ہی خاموش ہو جاتا یا پھر اسے ٹوک دیا جاتا کیونکہ اس سے آگے یہ خدشہ ہوتا تھا کہ کہیں شہنشاہ کی ذات بھی تنقید کی زد میں نہ آجائے۔

کھانے پر بات چیت تازہ ترین سیاسی خبر یعنی ڈیوک آف اولڈنبرگ کے زیر تسلط علاقے پر نپولین کے قبضے اور اس حوالے سے روسی خط پر ہونے لگی جس میں نپولین کے اقدام کی مخالفت کی گئی تھی اور یہ خط یورپ کے تمام شاہی درباروں میں بھیجا گیا تھا۔

نواب رستوپچن نے اپنا معروف فقرہ دہراتے ہوئے کہا "بوناپارٹ یورپ کے ساتھ بالکل ویسا ہی سلوک کر رہا ہے جو بحری قزاق مقبوضہ جہاز سے کرتا ہے۔ طویل عرصہ سے مصیبتوں کا سامنا کرنے والے بادشاہوں پر حیرت ہوتی ہے جو اپنی آنکھیں بند کئے بیٹھے ہیں۔ اب پوپ کی باری ہے۔ نپولین رومن کیتھولک فرقہ کے سربراہ کو معزول کرنے میں ذرا شرم محسوس نہیں کرتا اور سبھی خاموش بیٹھے ہیں۔ صرف ہمارے شہنشاہ نے ڈیوک آف اولڈنبرگ کے علاقے پر قبضے کیخلاف احتجاج کیا اور وہ بھی۔۔۔" یہاں نواب رستوپچن ٹھہر گیا، اسے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ اس حد پر پہنچ چکا ہے جہاں سے آگے بات کرنا ممکن نہیں۔

شہزادہ نکولائی اندریچ نے کہا "ڈچی آف اولڈنبرگ کے عوض دیگر علاقوں کی پیشکش کی گئی ہے۔ وہ نوابوں کی یوں اکھاڑ پچھاڑ کرتا ہے جس طرح میں اپنے کسانوں کو بلیک ہلز سے باگوچاروف یا ریازان کی جاگیروں میں بھیجتا ہوں"

بورس نے احتراماً دخل اندازی کرتے ہوئے کہا "ڈیوک آف اولڈنبرگ جس طرح مصیبتیں جھیل رہے ہیں اور انہوں نے جس طرح انہیں خدا کی رضا سمجھ کر قبول کیا ہے وہ قابل تعریف ہے" اسے پیٹرزبرگ سے روانگی کے بعد ڈیوک سے ملنے کا موقع ملا تھا اور اس کے دخل اندازی کرنے کی یہی وجہ تھی۔ شہزادہ نکولائی نے نگاہیں اٹھا کر نوجوان کو یوں دیکھا جیسے اسے کچھ کہنا چاہتا ہو مگر پھر اس نے ارادہ بدل دیا۔ بظاہر اس کے خیال میں نوجوان اس کی توجہ کا مستحق نہیں تھا۔

نواب رستوپچن لاپروائی سے بولا "مجھے اولڈنبرگ کے معاملے میں ہمارا احتجاجی خط پڑھنے کا موقع ملا ہے اور اتنا بری طرز تحریر دیکھ کر میں حیران رہ گیا" نواب کا لہجہ یوں تھا جیسے کسی ایسی بات پر تنقید کر رہا ہو جس سے وہ اچھی طرح آگاہ ہو۔

بیری نے رستوپچن کو معصومانہ حیرت سے دیکھا۔ وہ یہ بات نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ خط میں فصیح و بلیغ زبان استعمال نہیں کی گئی تھی تو اس میں بری بات کیا تھی۔

اس نے رستوپچن سے کہا "نواب اگر خط کا متن زوردار ہو تو زبان سے کیا فرق پڑتا ہے؟"

نواب نے جواب دیا "میرے عزیز! اگر آپ کے پاس پانچ لاکھ فوج ہو تو پھر بلیغ زبان استعمال کرنا آسان ہو جاتا ہے"

خط کی طرز تحریر پر نواب رستوپچن نے جس عدم اطمینان کا اظہار کیا تھا اب وہ پیری کی سمجھ میں آ گیا تھا"

معمر شہزادہ نکولائی بولا "ہمارا تو یہی خیال تھا کہ وہاں لکھنے والوں کی کوئی کمی نہیں۔ پیٹرزبرگ میں انہیں لکھنے کے علاوہ کوئی کام ہی نہیں ہے اور وہ صرف خط ہی نہیں لکھتے بلکہ قوانین بھی تحریر کرتے ہیں۔ میرا اچھا آندرے ان دنوں وہیں ہے اور اس نے روس کیلئے قوانین پر مبنی پوری کتاب لکھ ماری ہے۔ آج کل ہر کوئی یہ لکھنے میں مصروف ہے" بات مکمل کرنے کے بعد وہ غیر فطری انداز میں ہنسنے لگا۔

گفتگو کچھ دیر کیلئے رک گئی۔ بوڑھے جرنیل نے دوسروں کی توجہ اپنی جانب مبذول کرانے کیلئے کھنکار کر گلا صاف کیا اور کہنے لگا "پیٹرزبرگ میں مارچ پاسٹ کے موقع پر پیش آنیوالے تازہ ترین واقعے کے بارے میں کسی نے کچھ سنا ہے؟ اس کا تعلق فرانسیسی سفیر کے رویے سے ہے"

کسی نے کہا "کیا؟ میں نے کچھ سنا تو تھا، شاید اس نے شہنشاہ کی موجودگی میں کوئی غیر شائستہ بات کہہ دی تھی"

بوڑھا جرنیل بولا "شہنشاہ نے اس کی توجہ گرینیڈیئرز ڈویژن اور مارچ پاسٹ کی جانب مبذول کرائی۔ یوں لگتا ہے کہ سفیر نے اس پر کوئی توجہ نہ دی اور بدتمیزی سے بولا "فرانس میں ہم ایسی معمولی باتوں پر وقت ضائع نہیں کرتے۔ شہنشاہ نے اس کا جواب دینا خلاف شان سمجھا۔ کہہ رہے ہیں کہ اگلے مارچ پاسٹ پر انہوں نے اس سے کوئی بات نہ کی"

محفل پر خاموشی چھا گئی۔ ایسے معاملے پر کوئی رائے نہیں دی جا سکتی تھی جس کا تعلق براہ راست شہنشاہ کی ذات سے تھا۔

شہزادہ نکولائی بولا "بدتمیز، بدمعاش! آپ لوگ میتی ویئر کو جانتے ہیں؟ آج میں نے اسے گھر سے نکال باہر کیا۔ وہ یہاں آ گیا تھا۔ انہوں نے اسے مجھ سے ملنے کیلئے آنے دیا حالانکہ میں نے ان سے درخواست کی تھی کہ کسی کو نہ آنے دیا جائے" وہ اپنی بیٹی کی جانب غصیلی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے مسلسل بولتا چلا گیا۔ اس نے فرانسیسی ڈاکٹر کے ساتھ اپنی گفتگو شروع سے آخر تک دہرائی اور بتایا کہ وہ میتی ویئر کو فرانسیسی جاسوس کیوں سمجھتا ہے۔ اگرچہ اس کی وجوہات ناکافی اور غیر واضح تھیں تاہم کسی نے اس کی بات کا جواب دینا مناسب نہ سمجھا۔

کھانے میں گوشت کے بعد شمپین پیش کی گئی۔ معمر شہزادے کو مبارکباد دینے کیلئے مہمان اپنی نشستوں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور شہزادی ماریا بھی اس کے پاس چلی گئی۔ باپ نے غصیلی نگاہوں سے بیٹی کو دیکھا اور اپنا جھریوں والا گال اس کی جانب بوسے کیلئے بڑھا دیا۔ اسے دیکھ کر صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ صبح والی بات بھولا تھا نہ اس کے فیصلے میں

کوئی تبدیلی آئی تھی۔ صرف مہمانوں کی موجودگی میں اس نے اپنی زبان بند رکھی ہوئی تھی۔

کافی پینے کیلئے وہ ڈرائنگ روم میں چلے گئے اور بوڑھے ایک دوسرے کے قریب جا بیٹھے۔

شہزادہ نکولائی آندریچ کا جوش و خروش بڑھنے لگا اور وہ امکانی جنگ کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرنے لگا۔ اس نے کہا "جب تک ہم جرمنوں کیساتھ معاہدہ کرنے کی کوششیں کرتے رہیں گے اور معاہدہ تلست کی وجہ سے یورپی معاملات میں الجھیں گے، اس وقت تک بوناپارٹ سے ہماری جنگیں تباہ کن ثابت ہوتی رہیں گی۔ ہمیں آسٹریا کی خاطر جنگ کرنی چاہئے نہ اس کیخلاف لڑنا چاہئے۔ ہمارے تمام سیاسی مفادات مشرق میں ہیں اور بوناپارٹ کے حوالے سے ہمیں صرف یہ کرنا ہوگا کہ سرحدوں پر فوج تعینات کر دیں اور مضبوط پالیسی اختیار کریں۔ اس کے بعد وہ 1807ء کی طرح روسی سرحد دوبارہ عبور کرنے کی ہمت نہیں کرے گا"

نواب رستوپچن کہنے لگا "مگر شہزادے، ہم فرانسیسیوں کیخلاف کیسے جنگ لڑ سکتے ہیں؟ کیا ہم اپنے اساتذہ کیخلاف ہتھیار اٹھا سکتے ہیں جو ہمارے لیے دیوتاؤں جیسے ہیں؟ اپنے نوجوانوں اور خواتین کو دیکھیں۔ ان کے نزدیک فرانسیسی ہمارے دیوتا ہیں اور پیرس جنت کی حیثیت رکھتا ہے"

اس نے باآواز بلند بولنا شروع کر دیا۔ بظاہر وہ یہی چاہتا تھا کہ ہر شخص اس کی بات سن لے۔

وہ کہہ رہا تھا "ہمارے اطوار، خیالات اور احساسات فرانسیسی ہیں۔ آپ نے متی ویز کو اس لیے نکال دیا کہ وہ فرانسیسی اور بداطوار ہے مگر ہماری خواتین اس کے پاس جانا برا نہیں سمجھتیں۔ کل مجھے ایک دعوت میں شرکت کا موقع ملا۔ وہاں موجود پانچ میں سے تین خواتین رومن کیتھولک تھیں۔ انہیں پوپ نے اتوار کو سلائی کڑھائی کرنے کی خصوصی اجازت دے رکھی ہے۔ وہ وہاں تقریباً عریاں بیٹھی تھیں، آپ برا نہ مانیں تو میں یہ کہنے کی جسارت کروں گا کہ وہ خواتین کی بجائے عوامی حماموں کے سائن بورڈ نظر آتی تھیں۔ جب ان نوجوانوں پر نگاہ پڑتی ہے تو دل کرتا ہے عجائب گھر سے پیٹر اعظم کی لاٹھی اٹھا لاؤں اور بہترین قدیم روسی انداز سے ان کی چند پسلیاں توڑ دوں۔ اس طرح ان لڑکوں اور لڑکیوں کے دماغوں سے خرافات نکل جائیگی۔

تمام لوگ خاموش بیٹھے رہے۔ بوڑھے شہزادے نے رستوپچن کی جانب دیکھا اور اظہار پسندیدگی کے طور پر گردن ہلا دی۔

رستوپچن تیزی سے اٹھا اور شہزادے کی جانب اپنا ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولا "ٹھیک ہے جناب عالی! اپنی صحت کا خیال رکھیے گا"

معمر شہزادہ رستوپچن کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہنے لگا "خدا حافظ دوست، میں آپ کی باتیں سن کر ہمیشہ خوش ہوتا ہوں" یہ کہہ کر اس نے بوسے کیلئے اپنا گال رستوپچن کی جانب بڑھا دیا۔ دیگر نے نواب کی پیروی کی۔

(4)

شہزادی ماریا ڈرائنگ روم میں بیٹھی بوڑھوں کی فضول باتیں سنتی رہی تاہم اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ وہ صرف یہی سوچ رہی تھی کہ اس کے باپ نے اس کے بارے میں مخاصمت پر مبنی جو رویہ اپنا رکھا ہے وہ مہمانوں نے بھی دیکھا ہے یا نہیں۔ وہ اس روز تیسری مرتبہ اپنے گھر آنیوالے بورس دروبتسکی پر بھی دھیان نہ دے سکی جو تمام عرصہ اسے ملتفت نگاہوں سے تکتا رہا تھا۔

شہزادی ماریا نے کھوئے کھوئے انداز میں پیری کی جانب سوالیہ نگاہوں سے دیکھا جو ہاتھوں میں ہیٹ پکڑے مسکراتا ہوا اس کے پاس آیا، وہ جانیوالا آخری مہمان تھا اور اب وہ ڈرائنگ روم میں اکیلے رہ گئے تھے۔

پیری نے پوچھا "کیا میں مزید کچھ دیر ٹھہر سکتا ہوں؟" اور پھر اپنے بھاری جثے کے ساتھ ماریا کے قریب دھری کرسی پر بیٹھ گیا۔

ماریا بولی "ارے بالکل، بالکل" اس کی نگاہیں پوچھ رہی تھیں "آپ نے کچھ دیکھا؟"

ڈنر کے بعد پیری خوشگوار موڈ میں تھا وہ سامنے دیکھے جا رہا تھا اور اس کے چہرے پر ملائمت بھری مسکراہٹ نمایاں تھی۔ اس نے شہزادی سے پوچھا "کیا آپ اس نوجوان کو کافی دیر سے جانتی ہیں؟"

ماریا بولی "کون سا؟"

پیری نے کہا "دروبتسکی"

ماریا نے جواب دیا "نہیں، دیر سے تو نہیں۔۔۔"

پیری نے سوال کیا "ٹھیک، تو کیا آپ اسے پسند کرتی ہیں"

ماریا بولی "ٹھیک ہے، وہ قابل قبول نوجوان ہے۔ آپ مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہیں؟" اس کا ذہن ابھی تک صبح باپ کے ساتھ ہونیوالی گفتگو میں اٹکا ہوا تھا۔

پیری کہنے لگا "میں اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ جب کوئی نوجوان پیٹرز برگ سے چھٹی پر ماسکو آتا ہے تو عموماً اس کا ارادہ بڑی جائیداد کی مالک لڑکی سے شادی کا ہوتا ہے"

ماریا پوچھنے لگی "کیا آپ نے اس کا مشاہدہ کیا؟"

پیری نے جواب دیا "ہاں، اور اس نوجوان کا وطیرہ ہے کہ جونہی اسے بھاری جائیداد کی وارث کسی لڑکی کی خبر ملے تو فوری طور پر وہیں پہنچ جاتا ہے۔ میں اسے بالکل اس طرح پڑھ سکتا ہوں جس طرح کوئی کتاب پڑھتا ہے۔ فی الحال وہ یہ فیصلہ نہیں کر پا رہا کہ وہ آپ کو نشانہ بنائے یا جولی کاراگن کو، ان دنوں اس پر وہ خصوصی توجہ دے رہا ہے"

ماریا نے پوچھا "کیا وہ اس کے ہاں آتا جاتا رہتا ہے؟"

پیری نے جواباً کہا "جی ہاں، نوجوان لڑکیوں کو پھانسنے کیلئے جو نئے طریقہ ہائے کار اختیار کئے جا رہے ہیں، ان کے بارے میں آپ کو کچھ علم ہے؟" اس نے یہ بات یوں مسکراتے ہوئے پوچھی جیسے وہ اس مکالمے سے بیحد لطف اندوز ہو رہا ہو۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ بالکل ویسی ہی ہلکی پھلکی دل لگی کرنا چاہتا ہے جس کے ذریعے وہ ڈائری لکھتے ہوئے اپنی سرزنش کے وقت کرتا تھا۔

شہزادی ماریا بولی "نہیں، میں نہیں جانتی"

پیری بولا "آج کل ماسکو کی لڑکیوں کو خوش کرنے کیلئے اپنے اوپر افسردگی طاری کرنا پڑتی ہے اور وہ جب مادموزیل کاراگن سے ملتا ہے تو افسردہ شکل بنا لیتا ہے"

ماریا نے پیری کے شفیق چہرے کو دیکھتے اور اپنے رنج بارے سوچتے ہوئے کہا "واقعی؟" وہ سوچ رہی تھی کہ "اگر میں کسی کو اپنا رازداں بنا لوں تو مجھے ذہنی سکون مل جائیگا۔ اور پیری بالکل ویسا ہی شخص ہے جسے میں اپنے تمام محسوسات سے آگاہ کر سکتی ہوں۔ وہ بیحد شفیق اور فراخدل ہے۔ اس طرح میرے دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا اور وہ مجھے مشورے دے سکے گا"

پیری بولا" کیا آپ اس سے شادی کرنا پسند کریں گی؟"

ماریا نے باآواز بلند جواب دیا" اوہ خدایا! بعض اوقات ایسا وقت آتا ہے کہ میں ہر شخص سے شادی کیلئے تیار ہو جاتی ہوں" اپنے لب ولہجے پر وہ خود بھی حیران رہ گئی اور اس کی آواز بھرانے لگی۔ وہ کپکپاتی آواز میں کہنے لگی " آہ یہ کس قدر اذیت ناک ہے کہ آپ کسی شخص سے جو آپ کے اتنا قریب ہوتا ہے، محبت کرتے ہیں اور آپ کو یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ آپ اسے دکھ پہنچانے کے علاوہ کچھ اور نہیں کر سکتے، اور پھر جب آپ کو یہ علم ہوتا ہے کہ آپ جاری صورتحال میں کوئی تبدیلی نہیں لا سکتے تو آپ کی تکلیف مزید بڑھ جاتی ہے۔ اس صورت میں ایک ہی راستہ باقی رہ جاتا ہے کہ آپ کہیں چلے جائیں، مگر میں کہاں جا سکتی ہوں"

پیری بولا" شہزادی کیا ہوا؟ کیا بات ہے؟"

مگر شہزادی ماریا کوئی جواب دیے بغیر رونے لگ گئی۔

پھر اس نے کہا" نجانے آج مجھے کیا ہو گیا ہے؟ آپ فراموش کریں اور بھول جائیں کہ میں نے کیا کہا تھا"

پیری کی خوشی غارت ہو گئی۔ وہ بے چین ہو گیا اور شہزادی سے مسلسل سوالات کرنے لگا۔ وہ اس سے درخواست کر رہا تھا کہ وہ کچھ کہے اور اسے اپنا رازداں سمجھے مگر ماریا تمام باتوں کے جواب میں اسے صرف یہی التجا کر رہی تھی کہ وہ تمام باتیں بھول جائے اور بار بار یہی کہے جاتی تھی کہ اپنی بات اسے خود بھی یاد نہیں رہی نیز اسے کوئی دکھ اور افسوس نہیں، البتہ جو دکھ ہے اس سے وہ پہلے ہی آگاہ ہے اور دکھ یہ ہے کہ آندرے کی متوقع شادی باپ بیٹے کے مابین تفرقہ پیدا کر دے گی۔

اس نے موضوع بدلنے کیلئے پوچھا" آپ کے پاس رستوف خاندان کے حوالے سے کوئی اطلاع ہے؟ مجھے خبر ملی ہے کہ وہ چند روز میں یہاں پہنچنے والے ہیں اور میرا خیال ہے کہ آندرے بھی جلد آ جائیں گے۔ میں چاہتی ہوں کہ وہ یہاں آ کر ہم سے ملاقات کر لیں"

پیری بولا" اس بارے میں ان کا رویہ کیسا ہے؟" اس کا اشارہ شہزادی ماریا کے والد یعنی معمر شہزادے کی جانب تھا۔ شہزادی ماریا نے نفی میں سر ہلایا۔

وہ بولی" اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ چند ماہ میں سال مکمل ہو جائے گا۔ اب معاملہ ہاتھ سے نکل چکا ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ میں اپنے بھائی کو شروع ہی میں روک لیتی۔ کاش رستوف خاندان ہی جلد آ جائے۔ مجھے امید ہے کہ میں اس لڑکی سے دوستی کر لوں گی۔۔۔ آپ انہیں پرانا جانتے ہیں، مجھے اس کے بارے میں صاف صاف بتا دیں، مجھے سچ سچ بتائیں کہ وہ کیسی لڑکی ہے۔ آپ کو علم ہے کہ آندرے یہ سب کچھ اپنے والد کی مرضی کیخلاف کر رہا ہے اسی لیے میں جاننا چاہوں گی کہ۔۔۔"

ایک غیر واضح جبلت پیری کو کہہ رہی تھی کہ مکمل سچ جاننے کی یہ درخواستیں اس امر کی غمازی کرتی ہیں کہ اس کے دل کے کسی گوشے میں اپنی بھابھی کے حوالے سے بغض پوشیدہ ہے اور کوئی خواہش اس سے شہزادہ آندرے کے انتخاب پر اظہار ناپسندیدگی کا تقاضا کر رہی ہے۔ تاہم اس کے جواب میں پیری نے جو کچھ کہا وہ سب کچھ وہ نہیں تھا جو وہ سوچ رہا تھا بلکہ وہ بات تھی جسے وہ محسوس کر رہا تھا۔ اس نے شرماتے ہوئے کہا" مجھے نہیں آتی کہ تمہاری بات کا کیسے جواب دوں، حقیقت یہ ہے کہ میں خود بھی نہیں جانتا وہ کیسی لڑکی ہے۔ میں اس کی ذات کا قطعی تجزیہ نہیں کر سکتا۔ وہ دلکش اور آدمی کو اپنا گرویدہ بنا لیتی ہے مگر میں یہ نہیں جانتا کہ اس میں پرکشش بات کونسی ہے۔ اس کے حوالے سے میں یہی کچھ

کہہ سکتا ہوں"

شہزادی ماریا نے آہ بھری اور اس کے چہرے پر ابھرنے والا تاثر کہہ رہا تھا" ہاں مجھے یہی توقع اور اندیشہ تھا"

اس نے پیری سے پوچھا" کیا وہ چالاک ہے"

پیری نے کچھ دیر سوچنے کے بعد جواب دیا" میرا خیال ہے نہیں، ہاں، اگرچہ وہ سمجھتی ہے کہ چالاک بنے کا کوئی فائدہ نہیں۔۔۔ بس وہ دلکش ہے اور انسان کو اپنا گرویدہ بنا لیتی ہے۔ بس اتنا ہی ہے"

شہزادی ماریا نے دوبارہ اظہار ناپسندیدگی کے طور پر سر ہلا دیا۔

وہ کہنے لگی" آہ، میں اس سے محبت کی کس قدر خواہش رکھتی ہوں۔ اگر مجھ سے پہلے آپ اس سے ملیں تو میری جانب سے اسے یہ بات بتا دیجئے گا"

پیری نے کہا" میں نے سنا ہے کہ وہ چند روز میں یہاں پہنچنے والے ہیں"

شہزادی ماریا نے اسے اپنے منصوبے سے آگاہ کیا اور کہا کہ جونہی رستوف خاندان یہاں پہنچا وہ اپنی ہونے والی بھابھی سے ملے گی اور معمر شہزادے کو بھی اس سے متعارف کرانے کی کوشش کرے گی۔

(5)

بورس پیٹرزبرگ میں کسی امیر لڑکی کو نہ پھانس سکا اور اب وہ اسی مقصد سے ماسکو آیا تھا۔ یہاں اس کیلئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا کہ وہ امیر ترین لڑکیوں یعنی جولی کاراگن اور شہزادی ماریا میں سے کسے منتخب کرے۔ اگرچہ اسے شہزادی ماریا اپنی معمولی شکل وصورت کے باوجود جولی سے زیادہ پرکشش لگتی تھی تاہم اس سے اظہار محبت مشکل کام محسوس ہوتا تھا، مگر کیوں؟ اس کیوں کا جواب اس کے پاس بھی نہ تھا۔ معمر شہزادے کے نام دن پر جب وہ اسے آخری مرتبہ ملا اور اس دوران اس نے جتنی مرتبہ بھی شہزادی ماریا سے جذباتی لہجے میں بات کرنے کی کوشش کی، جواباً اسے غیر متعلقہ باتیں ہی سننے کو ملیں۔ یہ بات عیاں تھی کہ وہ اس کی بات بالکل ہی نہیں سن رہی تھی۔

دوسری جانب اس نے جولی کو جب بھی پسندیدگی سے دیکھا یا بات کی تو اس نے جواباً اچھے ردعمل کا اظہار کیا۔

جولی کی عمر ستائیس برس ہو چکی تھی اور اپنے بھائیوں کی موت کے بعد وہ بیحد دولتمند ہو گئی تھی۔ اگرچہ اس کی شکل وصورت میں دلکشی مفقود ہو چکی تھی مگر وہ اپنے آپ کو بالکل اسی طرح خوبصورت سمجھتی تھی جیسی وہ جوانی کے آغاز پر تھی بلکہ اپنی دانست میں اس کی دلکشی پہلے سے کہیں بڑھ چکی تھی۔ اس خام خیالی کی تصدیق اس کی وسیع جائیداد نے کر دی تھی۔ تشویشناک بات یہ تھی کہ جوں جوں اس کی عمر ڈھلتی جا رہی تھی توں توں وہ مردوں کیلئے کم خطرناک ہوتی جا رہی تھی اور وہ بلا جھجک اس سے تعلقات رکھ سکتے تھے اور کسی ہچکچاہٹ کے بغیر اس کی محافل اور ضیافتوں میں شریک ہو سکتے تھے۔ جو زندہ دل اور بذلہ سنج اشخاص اس کے گھر اکثر آنے جانے لگے تھے وہ کسی احسانمندی کے بغیر اس کے ہاں آ جا سکتے تھے۔ اس نے اپنے ہاں لوگوں کی کثیر آمد ورفت کو اپنی مقبولیت سمجھا مگر حقیقت کچھ اور تھی۔ وہ مرد جو دس برس قبل اس گھر میں جہاں سترہ سالہ لڑکی رہتی تھی، آنے سے قبل یہ سوچتے کہ کہیں وہ اس کی شہرت خراب کرنے کا موجب نہ بن جائیں یا خود اس کی محبت میں گرفتار نہ ہو جائیں، اب وہ بلا خوف وخطر اس کے ہاں آتے جاتے اور اس سے یوں پیش آتے جیسے وہ شادی کی عمر کو پہنچنے والی لڑکی کی بجائے کوئی جانی پہچانی بے جنس مخلوق ہو۔

اس موسم سرما میں کاراگن خاندان کی جائے قیام ماسکو کا خوشگوار ترین اور انتہائی مہمان نواز گھر تھا۔ یہاں

سرشام رنگی محافل تو سجتی ہی تھیں اور ضیافتیں بھی منعقد ہوتی رہتی تھیں، علاوہ ازیں ہر روز مرد وخواتین کی بڑی تعداد وہاں جمع ہوجاتی۔ یہ لوگ آدھی رات کو کھانا کھاتے اور صبح تین بجے تک وہیں بیٹھے رہتے۔ اس کے علاوہ کہیں رقص، گانے کی محفل یا ڈرامہ بھی ہوتا تو جولی وہاں دیکھی جاسکتی تھی۔ اس کا لباس ہمیشہ تازہ ترین رواج کے مطابق ہوتا البتہ ان تمام باتوں کے باوجود کچھ یوں لگتا جیسے اس کا کسی شے پر اعتبار نہ رہا ہو اور وہ ہر شخص کو یہی بتلاتی کہ وہ دوستی، پیار اور زندگی کی خوشیوں پر یقین نہیں رکھتی اور اسے صرف آخروی زندگی میں ہی خوشی کے حصول کی توقع ہے۔ وہ ایسی لڑکی کا روپ دھار لیتی جسے بے حد مایوسیوں کا سامنا کرنا پڑا ہو، جس کا محبوب اس سے چھین لیا گیا ہو یا جس کے محبوب نے اسے سنگدلی سے دھوکہ دیا ہو۔ اگرچہ اس کے ساتھ ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا تھا تاہم ہر شخص یہی سمجھنے لگا کہ اس کے ساتھ ایسا کوئی سانحہ ضرور پیش آیا ہے اور اسے خود بھی یقین ہونے لگا کہ اس نے زندگی میں بیحد زخم کھائے ہیں۔ اس افسردگی نے اسے جی بھر کر خوش ہونے سے روکا نہ ان نوجوانوں کی راہ میں رکاوٹ بنی جو اپنا وقت خوشگوار انداز میں صرف کرنے کیلئے اس کے ہاں چکر لگاتے رہتے تھے۔ ہر مہمان اپنی اس میزبان کی افسردگی کی تعریف کرتا اور پھر اعلیٰ طبقے کے حوالے سے گفتگو، رقص، دانشورانہ کھیلوں یا پھر فی البدیہہ اشعار کہنے کے مقابلوں سے دل بہلانے لگتا جن کا کاراگن خاندان کے ہاں مضبوط رواج تھا۔ صرف چند نوجوان جولی کی افسردگی میں جھانکنے کی کوشش کرتے تھے جن میں بورس بھی شامل تھا۔ وہ ان سے دنیا کی بے ثباتی پر طویل اور رازدارانہ بات چیت کرتی، بھرپور انداز میں دل کی بھڑاس نکالتی اور انہیں افسردہ تصاویر، محاوروں اور اشعار سے بھرے البم دکھاتی۔

جولی بورس پر بطور خاص مہربان تھی۔ اسے زندگی کے آغاز ہی میں جن مایوسیوں کا سامنا کرنا پڑا تھا ان کے بارے میں وہ اس سے ہمدردی کا اظہار کرتی اور ایسی عورت کی طرح اسے حوصلہ دیتی جس نے خود بھی بیحد مصیبتیں جھیل رکھی ہوں۔ اس نے بورس کو اپنے البم دکھائے۔ بورس نے اس میں دو درختوں کی تصاویر بنائیں اور ان کے نیچے لکھا: "ناتراشیدہ درختو تمہاری سیاہ شاخیں مجھ پر تاریکی اور افسردگی طاری کردیتی ہیں"

ایک اور جگہ اس نے مقبرے کی تصویر بنائی اور اس کے نیچے لکھا:

موت مددگار اور سکون بخش ہے
اور غموں سے بچنے کیلئے کوئی اور جگہ نہیں

جولی نے اس شعر کی بیحد تعریف کی۔

اس نے ایک عبارت دہرائی "یہ تاریکی میں روشنی کی کرن جیسی ہے، یہ غم و مایوسی کے مابین تھوڑا سا فرق ہے اور یہ خوشی کا امکان منکشف کرتی ہے" پھر وہ کہنے لگی "افسردہ مسکراہٹ میں کوئی ایسی شے ہے جو انسان پر وجدانہ کیفیت طاری کردیتی ہے"

اس پر بورس نے فرانسیسی زبان میں درج ذیل اشعار لکھ ڈالے:

حساس روح کیلئے زہریلی خوراک
اگرچہ اس کے بغیر مجھے خوشی نہیں مل سکتی
ملائم افسردگی، آہ، آؤ اور مجھے تسلی دو
آؤ مجھے تاریک غموں سے سکون بخش دو
اور میرے مسلسل بہتے آنسوؤں میں اپنی مخفی مٹھاس شامل کردو

جولی بورس کو اپنے انتہائی غم انگیز اور پیار بھرے نغمے بربط پر سناتی اور بورس اسے "بیچاری لیزا" نامی نظم با آواز بلند پڑھ کر سناتا۔ نظم پڑھتے ہوئے اس کی آواز جذبات کی شدت سے بار بار بھر آجاتی اور پڑھنے میں وقفہ آجاتا۔ بڑی محفلوں میں وہ ایک دوسرے کو یوں دیکھتے جیسے وہ خشک اور غیر دلچسپ لوگوں میں یک جان دو قالب ہوں۔

اینا میخائلوونا اکثر و بیشتر کاراگن خاندان کے ہاں آتی جاتی رہتی تھی اور اس کی والدہ کے ساتھ تاش کھیلنے کے دوران کھلم کھلا جولی کے جہیز (اسے صوبہ پینزا میں دو جاگیریں اور صوبہ نزنی گورود میں جنگلات بطور جہیز ملنا تھے) کے حوالے سے دریافت کرتی رہتی۔ جس شائستہ افسردگی نے اس کے بیٹے کو امیر کبیر جولی سے منسلک کردیا تھا اس پر اس کے دل میں نرم جذبات مچلتے رہتے اور وہ خدا کی رضا کے سامنے جھک جاتی۔

وہ جولی سے کہا کرتی "تم بالکل اسی طرح پرکشش اور افسردہ ہو جیسے ہمیشہ تھی" وہ اس کی ماں سے کہتی "بورس کا کہنا ہے کہ اس کی روح تمہارے گھر میں شاد ہوجاتی ہے۔ اس نے بیحد مصیبتیں برداشت کی ہیں اور وہ خاصا حساس ہے"

اس نے اپنے بیٹے سے کہا "آہ، میرے پیارے، میں تمہیں کیا بتاؤں کہ میں جولی کی کس قدر مداح ہوں! مگر کون ہے جو اس سے محبت نہ کرے! وہ آسمانی روح ہے! آہ بورس، اور مجھے اس کی والدہ پر کتنا ترس آتا ہے" اس نے کچھ دیر توقف کیا اور پھر بولی "اس نے پینزا سے موصول ہونے والے خطوط آج مجھے دکھائے، وہاں ان کی دو وسیع جاگیریں ہیں۔ اور اس بیچاری کی مدد کرنے والا بھی کوئی نہیں جبکہ لوگ اسے دھوکہ دیے چلے جارہے ہیں"

بورس نے اپنی والدہ کی باتیں غور سے سنیں۔ وہ مسکرا رہا تھا مگر اس کی یہ مسکراہٹ اتنی مدھم تھی کہ بمشکل نظر آتی تھی۔ تاہم اس کی باتیں سنتے ہوئے وہ احتیاط سے پینزا اور نزنی گورود کی جاگیر کے بارے میں سوالات بھی پوچھ لیتا تھا۔

جولی کافی دیر سے اپنے افسردہ پرستار کی جانب سے شادی کی پیشکش کی منتظر تھی اور وہ اس کی پیشکش قبول کرنے کیلئے تیار تھی، تاہم بورس کی راہ میں ابھی تک جو شے مزاحم تھی وہ اس کی جولی سے دلی بے رغبتی تھی۔ وہ اس کی جلد شادی کی بے لگام خواہش سے نفرت کرتا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ اسے یہ خوف بھی لاحق ہوگیا تھا کہ اس شادی کی صورت میں وہ سچی محبت کا امکان ختم کر بیٹھے گا۔ اس کی چھٹی ختم ہونے کو تھی۔ وہ ہر دن تمام وقت کاراگن خاندان کے ہاں گزارتا، ہر رات اس معاملے پر سوچ بچار کرتا اور اپنے آپ سے کہتا رہتا کہ اگلے دن شادی کی پیشکش کردوں گا مگر جولی کی موجودگی میں جب وہ اس کے سرخ چہرے اور ٹھوڑی کو دیکھتا، جو مستقل طور پر پاؤڈر سے بھری رہتی تھی، اور اس کی نم آنکھوں میں جھانک کر اس کے وہ تاثرات پڑھتا جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ تو شروع دن سے کسی کی منتظر ہے تو اپنی بات کرنے کا حوصلہ نہ پاتا، حالانکہ تصوری تصور میں وہ بہت پہلے پینزا اور نزنی گورود کی جاگیروں کا مالک بن چکا تھا بلکہ اس نے یہ فیصلہ بھی کرلیا تھا کہ ان جاگیروں کی آمدنی کس کس جگہ خرچ کی جائیگی۔ جولی بھی بورس کے تذبذب سے آگاہ تھی اور بعض اوقات وہ یہ سوچتی کہ وہ اسے برگشتہ کررہی ہے مگر اس کی نسوانی خود فریبی اسے فوری تسلی دیتی اور وہ خود سے کہتی کہ وہ بیچارہ محبت میں اسقدر گرفتار ہے کہ اپنے دل کی بات بھی نہیں کہہ پاتا۔ تاہم اب اس کی افسردگی زودرنجی میں بدلنے لگی تھی اور بورس کی روانگی سے قبل اس نے واضح طرز عمل اختیار کرنے کا منصوبہ تیار کرلیا۔ جب بورس کی چھٹی ختم ہونے کی تھی تو اناطول کوراگن ماسکو آگیا اور یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہاں پہنچتے ہی اس نے کاراگن خاندان کے ڈرائنگ روم میں آنا جانا شروع کردیا۔ یوں جولی نے افسردگی ترک کرتے ہوئے خوشدلی سے کوراگن کو ملنے لگی۔

اینا میخائلوونا نے اپنے بیٹے سے کہا "میرے پیارے! مجھے کچھ ایسی اطلاعات ملی ہیں کہ شہزادہ وسیلے نے اپنے

بیٹے کو ماسکو میں اسی لیے بھیجا ہے کہ وہ جولی سے شادی کر لے۔ میں جولی کو اسقدر چاہتی ہوں کہ اس شادی کی صورت میں مجھے اس پر بیحد ترس آئے گا۔ میرے پیارے، تم اس حوالے سے کیا کہتے ہو؟''

بورس بیوقوف بنائے جانے، جولی کی افسردگی سے بھرپور مہینہ بھر مشقت طلب خدمت اور ان تمام جاگیروں کے کسی دوسرے شخص بالخصوص احمق اناطول کے ہاتھوں میں جانے کے خیال سے وہ ایک دم غصے میں آ گیا جن کی آمدنی وہ ذہنی طور پر مختلف مدات میں تقسیم کر چکا تھا۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ آج ہی کاراگن خاندان کے ہاں جا کر شادی کی پیشکش کر دے گا۔ جب وہ وہاں پہنچا تو جولی نے خوشی سے چہکتے ہوئے لاپروائی سے اس کا استقبال کیا اور باتوں ہی باتوں میں اسے آگاہ کیا کہ وہ گزشتہ رات رقص کی محفل سے بیحد لطف اندوز ہوئی۔ پھر وہ اس سے پوچھنے لگی کہ وہ کب واپس جا رہا ہے۔ اگرچہ بورس پختہ ارادہ کر کے آیا تھا کہ وہ اس سے اپنی محبت کا تذکرہ کرے گا اور وہ پیار بھرا لہجہ اختیار کرنے کا پختہ ارادہ بھی کر چکا تھا تاہم اس کی باتیں سن کر وہ خواتین کی تلون مزاجی کا ذکر کرنے لگا۔ جولی نے اس کی باتوں پر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا ''تم درست کہتے ہو تنوع عورت کی ضرورت ہے، یکسانیت سے تو ہر شخص اکتا جاتا ہے۔''

بورس بولا ''تو پھر میں تمہیں مشورہ دوں گا کہ۔۔۔'' وہ اس کی بات کا فوری جواب دینا چاہتا تھا تاہم اسی دوران یہ تکلیف دہ خیال اس کے ذہن میں در آیا کہ کہیں اسے اپنا مقصد حاصل کیے بغیر ہی ماسکو سے واپس نہ جانا پڑے اور اگر ایسا ہو گیا تو اس کی تمام تر کوششیں ضائع جائیں گی (اس کا اسے ابھی تک کوئی تجربہ نہ تھا) اس نے بات درمیان میں ہی چھوڑ دی اور اپنی نگاہیں جھکا لیں تاکہ جولی کے چہرے پر پیدا ہونے والے بے یقینی کے تاثرات نہ دیکھ سکے۔ وہ کہنے لگا ''مگر میں یہاں تم سے جھگڑنے تو نہیں آیا تھا، اس کے برعکس۔۔۔'' اس نے جولی کی جانب دیکھا تاکہ بات جاری رکھنے کا اطمینان کر سکے۔ اس کی تمام تر خفگی غائب ہو چکی تھی اور وہ بے چین نگاہوں سے حریصانہ انداز میں اس کا جملہ مکمل ہونے کا انتظار کر رہی تھی۔

بورس سوچنے لگا ''میں ہر وقت اس کی صحبت میں کم از کم وقت گزارنے کا بندوبست کر سکتا ہوں۔ اب جبکہ یہ معاملہ شروع ہو ہی گیا ہے تو اسے انجام تک پہنچا دینا چاہئے'' اس کے گال سرخ ہو گئے اور وہ اس کی جانب دیکھتے ہوئے بولا ''تم اپنے حوالے سے میرے جذبات سے آشنا ہو؟'' مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہ تھی۔ جولی کا چہرہ کامیابی اور آسودگی کے تاثرات سے جگمگانے لگا تاہم اس نے بورس کو وہ تمام باتیں کہنے پر مجبور کر دیا جو عام طور پر ایسے مواقع پر کہی جاتی ہیں کہ ''میں تم سے محبت کرتا ہوں اور آج تک کسی سے اتنی محبت نہیں کی جتنی تم سے کرتا ہوں'' اسے علم تھا کہ پینزا کی جاگیروں اور نیژنی گوروڈ کے جنگلات کے عوض وہ اس کا مطالبہ کر سکتی ہے اور اس نے اپنا مطالبہ منوا لیا۔

منگنی کے بعد نوجوان جوڑے کو ان درختوں کی جانب مزید اشاروں کی ضرورت نہ رہی تھی جن سے افسردگی و مایوسی ٹپکتی رہتی تھی۔ اب وہ پیٹرز برگ میں شاندار جگہ بنانے، ملنے ملانے اور شادی کی تقریب کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔

(6)

جنوری کے اواخر میں نواب ایلیا آندریچ رستوف نتاشا اور سونیا کے ساتھ ماسکو پہنچا۔ بیگم کی طبیعت ابھی تک خراب تھی اور وہ سفر کے قابل نہ تھی تاہم اس کی صحتیابی کا انتظار بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ شہزادہ آندرے کسی بھی دن پہنچ

سکتا تھا۔ شادی کے لباس کی تیاری کرنا تھی اور ماسکو سے قریب جاگیر بھی بیچی جانا تھی۔ علاوہ ازیں ماسکو میں معمر شہزادے بلکونسکی کی موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے اس کی ہونیوالی بہو سے بھی متعارف کرانا تھا۔ اس موسم سرما میں ماسکو میں موجود رستوف خاندان کا مکان گرم نہیں کیا گیا تھا اور چونکہ وہ تھوڑی دیر کیلئے یہاں آئے تھے اور بیگم بھی ان کے ساتھ نہ تھی اس لیے نواب نے ماریا متریونا آخروسیموف کے ہاں ٹھہرنے کا فیصلہ کیا جو کافی دیر سے انہیں اپنے ہاں آنے کی دعوت دے رہی تھی۔

شام ڈھلے رستوف خاندان کی چار لدی پھندی گاڑیاں پرانے اکیوریے نامی علاقے میں ماریا متریونا کے صحن میں داخل ہو گئیں۔ ماریا تنہا رہتی تھی۔ اب وہ اپنی بیٹی کی شادی کر چکی تھی اور اس کے بیٹے پہلے ہی ملازمت کر رہے تھے۔

وہ ہمیشہ کی طرح اب بھی اکڑ کر چلتی اور حسب سابق ہر شخص کے سامنے کچھ لگی لپٹی رکھے بغیر منہ پھٹ انداز میں با آواز بلند اپنی رائے کا اظہار کر دیتی تھی۔ اس کے انداز و اطوار سے دوسروں کی سرزنش کا اظہار ہوتا تھا کہ ان میں خامیاں ہیں اور وہ نفسانی جذبے یا لالچ کا شکار ہو جاتے ہیں کیونکہ اس کے مزاج میں یہ دونوں باتیں نہ تھیں۔ وہ صبح سویرے اٹھتی، گھریلو لباس پہنتی اور اپنے گھریلو امور کے انتظامات میں مصروف ہو جاتی۔ بعد ازاں وہ گاڑی میں بیٹھ کر باہر چلی جاتی۔ سینٹ کے دن پروہ گرجے میں جاتی اور وہاں سے جیلوں اور قید خانوں کا رخ کرتی اور وہاں کے معاملات بارے کسی کو اعتماد میں نہیں لیتی تھی۔

عام دنوں میں وہ لباس بدلنے کے بعد مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے درخواست گزاروں سے ملتی جو ہر روز اس سے مدد لینے آتے تھے۔ پھر وہ شام کا کھانا کھاتی جو مختلف اقسام کی اشیاء پر مشتمل ہوتا تھا اور اس کے ساتھ روزانہ تین چار مہمان ضرور موجود ہوتے تھے۔ کھانے کے بعد وہ تاش کا کھیل بوسٹن کھیلتی۔ رات کو وہ خود سلائی کڑھائی کرنے لگتی اور کوئی شخص اسے کتابیں اور اخبار پڑھ کر سناتا۔ وہ خلاف معمول کسی سے ملنے نہ جاتی اور جب کسی کے ہاں جاتی تو وہ ماسکو کی اہم ترین شخصیات میں سے ہوتا تھا۔

جب رستوف پہنچے تو وہ سونے نہیں گئی تھی۔ آنیوالوں اور ان کے ملازمین کو اندر لانے کیلئے جب بیرونی کمرے کا دروازہ کھلا تو وہ ناک کے سرے پر عینک رکھے دروازے کے درمیان میں جا کھڑی ہوئی اور ترش روئی سے آنیوالوں کا جائزہ لینے لگی۔ اگر اس وقت وہ اپنے خدمتگاروں کو مہمانوں کو ٹھہرانے اور ان کا سامان سنبھالنے کے سلسلے میں احتیاط پر مبنی ہدایات نہ دے رہی ہوتی تو ہر شخص یہی سمجھتا کہ وہ ان سے بیحد ناراض ہے اور انہیں گھر سے باہر نکال رہی ہے۔

اس نے سلام دعا کے بغیر چمڑے کے صندوقوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ''نواب کا سامان؟ اسے یہاں لے آؤ۔ لڑکیاں؟ انہیں وہاں لے جاؤ۔ بائیں جانب'' پھر وہ ایک خادمہ سے چلا کر بولی ''تم یہاں کیا کر رہی ہو؟ جاؤ اور سماوار تیار کرو'' اس نے نتاشا کو پکڑ کر اپنی جانب کھینچتے ہوئے کہا ''اس لڑکی کا جسم فربہ ہو گیا ہے اور یہ پہلے سے زیادہ خوش شکل بھی ہو گئی ہے'' پھر وہ اپنے ہاتھ پر بوسہ دینے کے خواہشمند نواب سے کہنے لگی ''ارے تمہارا جسم تو بیحد ٹھنڈا ہے، فالتو کپڑے فوراً اتار دو۔ ارے چائے کے ساتھ رم بھی لاؤ'' وہ سونیا کی جانب متوجہ ہو کر فرانسیسی میں بولی ''سونیو شکا کیا حال ہے'' اس کے انداز سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ خود کو سونیا سے برتر سمجھتی ہے۔

جب وہ سفر کے بعد اوپر پہنے کپڑے اتار کر چائے پینے کیلئے اندر آئے تو ماریا متریونا نے باری باری ان کے

رخساروں کا بوسہ لیا۔

وہ بولی" مجھے تم لوگوں سے مل کر دلی خوشی ہورہی ہے"اس نے نتاشا کی جانب معنی خیز انداز سے دیکھا اور کہنے لگی" اب مناسب وقت آن پہنچا ہے۔ بوڑھا یہیں ہے اور اس کا بیٹا بھی کسی دن پہنچ سکتا ہے۔تمہیں یقیناً اس سے متعارف ہونا پڑے گا، بہرحال چھوڑو، اس بارے میں ہم بعد میں بات کرینگے"اس نے یہ بات سونیا کی جانب دیکھتے ہوئے کہی جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اس کی موجودگی میں یہ اس موضوع پر گفتگو نہیں کرنا چاہتی۔وہ نواب کی جانب متوجہ ہو کر کہنے لگی" اب بتاؤ کل کے بارے میں تمہارے کیا منصوبے ہیں؟تم کس کس کو مدعو کرو گے؟شن شن؟۔۔۔"اس نے ایک انگلی ٹیڑھی کی اور پھر بولی" ہر وقت رونے والی اپنا میتا کھونا۔۔۔وہ ہو گئے۔۔۔وہ اپنے بیٹے کے ساتھ یہیں ہے۔ بیٹے کی بھی شادی ہونے والی ہے۔ پھر بیزوخوف، وہ بھی اپنی بیوی کے ساتھ یہیں ہے۔ وہ اس سے جان چھڑا کر بھاگا اور وہ اس کے پیچھے پیچھے یہیں آگئی۔ وہ بدھ کو میرے ہاں کھانے پر آیا تھا۔ جہاں تک ان کا تعلق ہے کل میں انہیں آئیورسکی گرجے میں لے جاؤں گی اور وہاں سے ہم شادی کے ملبوسات کا آرڈر دینے چلے جائیں گے۔میرا خیال ہے کہ تم سب کچھ نیا ہونا پسند کرو گی۔میری طرف دیکھ کر اندازے مت لگاؤ۔آج کل ایسی ہی آستینوں کا رواج ہے۔ چند روز پہلے نوعمر شہزادی اریناویسلو ینا میرے پاس آئی۔وہ کچھ یوں ہی ہوئی تھی جیسے اس نے بازوؤں میں بندوق کی دو نالیاں پہن رکھی ہوں۔ یہاں ہر روز نیا فیشن ظہور پذیر ہوتا ہے" پھر وہ نواب سے ترش لہجے میں کہنے لگی" تم کیا کہتے ہو۔۔۔تم یہاں کس لیے آئے ہو؟"

نواب نے جواب دیا" تمام مصیبتیں اکٹھی ہی نازل ہوتی ہیں۔ اس لڑکی کے کپڑے خریدنا ہیں اور دوسری جانب ماسکو کی جاگیر اور مکان کا ایک خریدار بھی ہے۔ اگر آپ مہربانی کرتے ہوئے ان لڑکیوں کو سنبھال لیں تو مجھے ایک دن کیلئے میرنسکو جانے کا موقع مل جائیگا۔

ماریا متریونا بولی" بہت اچھے، بہت اچھے، یہ میرے پاس محفوظ ہوں گی۔ جہاں ان کا جانا ضروری ہوا، وہاں انہیں لے جاؤں گی۔تھوڑا سا ڈانٹوں گی اور پیار بھی کروں گی"اس نے اپنی دینی بیٹی اور پیاری لڑکی نتاشا کے گال اپنے چوڑے چکلے ہاتھوں سے چھوئے۔

اگلی صبح ماریا متریونا دونوں لڑکیوں کو آئیورسکی گرجے اور پھر مادام آبرٹ شالمے کے ہاں لے گئی۔ مادام شالمے اس سے اتنی خوفزدہ رہتی تھی کہ اس سے فوری جان چھڑانے کیلئے اپنے ملبوسات ہمیشہ سستے بیچ ڈالتی۔ ماریا متریونا نے تقریباً تمام ملبوسات کا آرڈر دے دیا۔ جب وہ گھر پہنچے تو اس نے نتاشا کے سوا تمام افراد کو کمرے سے باہر نکال دیا اور پھر اسے بلا کر اپنی آرام کرسی کے قریب بٹھالیا۔

وہ نتاشا سے کہنے لگی" ہاں، اب ہم بات چیت کرسکتی ہیں۔ میں تمہیں منگنی کی مبارکباد دیتی ہوں۔ تم نے اچھا آدمی چنا ہے۔ میں تم سے خوش ہوں۔ میں اسے اس وقت سے جانتی ہوں جب وہ اتنا سا تھا"اس نے اپنا ہاتھ زمین سے دو فٹ اونچائی پر روک لیا۔ نتاشا کا چہرہ خوشی سے سرخ ہو گیا۔ ماریا متریونا نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا" میں اسے اور اس کے تمام خاندان کو پسند کرتی ہوں۔ میری بات سنو، تمہیں علم ہونا چاہئے کہ آندرے کا والد شہزادہ نکولائی اس شادی کےخلاف ہے۔ درست کہ اب آندرے بچہ نہیں ہے اور اس کے بغیر بھی رہ لے گا مگر باپ کی مرضی کے خلاف اس کے خاندان میں داخل ہونا اچھی بات نہیں۔ صورتحال ایسی ہونی چاہئے کہ گھر سکون اور محبت کا مرکز ہو۔ تم ہوشیار لڑکی ہو اور حالات سنبھال سکتی ہو۔ صرف اپنی عقل استعمال کرو اور خلوص ومحبت سے کام لو، سب ٹھیک ہو جائیگا۔"

نتاشا کچھ نہ بولی۔ وہ ماریا متریونا کے اندازے کے مطابق شرما نہیں رہی تھی بلکہ وہ آندرے کے ساتھ اپنی محبت میں کسی کی مداخلت پسند نہیں کرتی تھی۔ اسے اپنی یہ محبت تمام انسانی معاملات سے اتنی جدا محسوس ہوتی تھی کہ اس کے خیال میں یہ پیار انسانی سوچ سے بھی بلند تھا۔ وہ صرف شہزادہ آندرے سے محبت کرتی تھی اور اسی کے بارے میں سوچتی تھی۔ وہ اس سے زیادہ نہیں جانتی تھی کہ" وہ اس سے محبت کرتا ہے، چند دن میں آجائے گا اور اسے ساتھ لے جائے گا"

ماریا متریونا کہہ رہی تھی" تمہیں علم ہے کہ میں اسے کافی دیر سے جانتی ہوں اور اس کی بہن ماشا مجھے بیحد پسند ہے۔ نندوں کو جھگڑالو سمجھا جاتا ہے مگر ماشا کبھی کو بھی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ اس نے مجھ سے درخواست کی ہے کہ میں تم دونوں کی ملاقات کرادوں۔ کل تم اپنے والد کے ساتھ اسے ملنے جاؤ گی۔ اس سے خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آنا۔ تم اس سے چھوٹی ہو اور جب وہ نوجوان یعنی تمہارا انگیز آئے گا تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ تم اس کی بہن اور باپ کو پہلے سے جانتی ہو اور وہ تمہیں پسند کرتے ہیں۔ کیا میں نے درست کہا؟ ٹھیک نہیں؟ کیوں؟"

نتاشا نے بادل ناخواستہ جواب دیا" ہاں!"

(7)

اگلے دن ماریا متریونا کے مشورے پر نواب رستوف نتاشا کے ساتھ شہزادہ نکولائی آندریچ سے ملنے چل دیا۔ وہ اس کے ہاں جاتے ہوئے خوش نہیں تھا۔ اسے فوجی بھرتی کے دوران معمر شہزادے کے ساتھ اپنی ملاقات یاد تھی۔ اس نے بوڑھے کو کھانے پر بلانے کی کوشش کی تھی مگر جواب میں اس نے اسے سختی سے ڈانٹ دیا تھا کہ وہ فوج میں بھرتی کیلئے پوری تعداد میں آدمی مہیا نہیں کر پایا تھا۔ اس کے برعکس نتاشا بیحد ہشاش بشاش تھی اور اس نے نیا لباس زیب تن کر رکھا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی" بھلا وہ مجھے کیوں پسند نہیں کریں گے؟ ہمیشہ ہر شخص نے مجھے پسند کیا ہے۔ میں ان کی ہر خواہش پر عمل کروں گی۔ وہ ان کے والد ہیں اور وہ ان کی بہن۔ اسی لیے میں ان سے محبت کروں گی اور کوئی وجہ نہیں کہ وہ مجھے پسند نہ کریں۔۔۔"

وہ واسدیوزحنکا علاقے میں پرانے اور تاریک مکان میں پہنچے اور گھر کے بیرونی حصے میں داخل ہوگئے۔

اس موقع پر نواب نیم سنجیدگی سے بولا" ٹھیک، خدا ہم پر رحم کرے" جب وہ اندر گئے تو نتاشا نے دیکھا کہ اس کا والد خاصا بدحواس ہے اور ڈرتے جھجکتے ہوئے شہزادے اور شہزادی کے بارے میں پوچھ رہا ہے۔ جب انہوں نے اپنے نام بتائے تو خدمتگاروں میں افراتفری دیکھنے میں آئی۔ ایک نوکران کی آمد کی اطلاع دینے کیلئے تیزی سے اندر چلا گیا۔ جب وہ بڑے ہال میں پہنچا تو دوسرے ملازم نے اسے روک لیا اور دونوں کھڑے ہو کر ایک دوسرے سے سرگوشیاں کرنے لگے۔ ایک خادمہ ہال میں آئی اور شہزادی کا نام لے کر تیز لہجے میں کچھ کہنے لگی۔ بالآخر ایک معمر خدمتگار نے رستوف باپ بیٹی کو بتایا کہ شہزادہ ان سے نہیں ملے گا البتہ شہزادی ان سے مل کر خوش ہوگی۔ سب سے پہلے جو شخصیت اندر آئی وہ مادموزیل بورین تھی۔ اس نے شائستہ انداز میں باپ بیٹی کا استقبال کیا اور انہیں شہزادی کے کمرے میں لے گئی۔ شہزادی بے چین اور متفکر تھی۔ اس کے چہرے پر سرخ نشانات نمودار ہوگئے تھے۔ وہ آہستگی سے آگے بڑھی۔ اس نے مطمئن نظر آنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوسکی۔ پہلی ہی نگاہ میں نتاشا اسے ایک آنکھ نہ بھائی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ لڑکی نے بیحد جدید لباس زیب تن کر رکھا ہے اور بے ہودہ طور پر ہشاش بشاش دکھائی دے رہی ہے۔ شہزادی ماریا کو اس بات کا قطعاً اندازہ نہ تھا کہ اپنی بھابی کو ایک نظر دیکھنے پر ہی اس کے دل میں اس کیخلاف تعصب

رخساروں کا بوسہ لیا۔

وہ بولی "مجھے تم لوگوں سے مل کر دلی خوشی ہو رہی ہے" اس نے نتاشا کی جانب معنی خیز انداز سے دیکھا اور کہنے لگی "اب مناسب وقت آن پہنچا ہے۔ بوڑھا یہیں ہے اور اس کا بیٹا بھی کسی دن پہنچ سکتا ہے۔ تمہیں یقیناً اس سے متعارف ہونا پڑے گا، بہر حال چھوڑو، اس بارے میں ہم بعد میں بات کرینگے" اس نے یہ بات سونیا کی جانب دیکھتے ہوئے کہی جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اس کی موجودگی میں یہ اس موضوع پر گفتگو نہیں کرنا چاہتی۔ وہ نواب کی جانب متوجہ ہو کر کہنے لگی "اب بتاؤ کل کے بارے میں تمہارے کیا منصوبے ہیں؟ تم کس کس کو مدعو کرو گے؟ شن شن؟۔۔۔" اس نے ایک انگلی ٹیڑھی کی اور پھر بولی "ہر وقت رونے والی اپنا منحا کلوتا۔۔۔ وہ ہو گئے۔ وہ اپنے بیٹے کے ساتھ یہیں ہے۔ بیٹے کی بھی شادی ہونے والی ہے۔ پھر بیزوخوف، وہ بھی اپنی بیوی کے ساتھ یہیں ہے۔ وہ اس سے جان چھڑا کر بھاگا اور وہ اس کے پیچھے پیچھے یہیں آ گئی۔ وہ بدھ کو میرے ہاں کھانے پر آیا تھا۔ جہاں تک ان کا تعلق ہے کل میں انہیں آئیورسکی گرجے میں لے جاؤں گی اور وہاں سے ہم شادی کے ملبوسات کا آرڈر دینے چلے جائیں گے۔ میرا خیال ہے کہ تم سب کچھ نیا بنوانا پسند کرو گی۔ میری طرف دیکھ کر اندازے مت لگاؤ۔ آج کل ایسی ہی آستینوں کا رواج ہے۔ چند روز پہلے نوعمر شہزادی اریناویسلو یتا میرے پاس آئی۔ وہ کچھ یوں ہی ہوئی تھی جیسے اس نے بازوؤں میں بندوق کی دو نالیاں پہن رکھی ہوں۔ یہاں ہر روز نیا فیشن ظہور پذیر ہوتا ہے" پھر وہ نواب سے ترش لہجے میں کہنے لگی "تم کیا کہتے ہو۔۔۔ تم یہاں کس لیے آئے ہو؟"

نواب نے جواب دیا "تمام مصیبتیں اکٹھی ہی نازل ہوتی ہیں۔ اس لڑکی کے کپڑے خریدنا ہیں اور دوسری جانب ماسکو کی جاگیر اور مکان کا ایک خریدار بھی ہے۔ اگر آپ مہربانی کرتے ہوئے ان لڑکیوں کو سنبھال لیں تو مجھے ایک دن کیلئے میرنسکو جانے کا موقع مل جائیگا۔

ماریا متریونا بولی "بہت اچھے، بہت اچھے، یہ میرے پاس محفوظ ہوں گی۔ جہاں ان کا جانا ضروری ہوا، وہاں انہیں لے جاؤں گی۔ تھوڑا سا ڈانٹوں گی اور پیار بھی کروں گی" اس نے اپنی دینی بیٹی اور پیاری لڑکی نتاشا کے گال اپنے چوڑے چکلے ہاتھوں سے چھوئے۔

اگلی صبح ماریا متریونا دونوں لڑکیوں کو آئیورسکی گرجے اور پھر مادام آبرٹ شالمے کے ہاں لے گئی۔ مادام شالمے اس سے اتنی خوفزدہ رہتی تھی کہ اس سے فوری جان چھڑانے کیلئے اپنے ملبوسات ہمیشہ سستے بیچ ڈالتی۔ ماریا متریونا نے تقریباً تمام ملبوسات کا آرڈر دے دیا۔ جب وہ گھر پہنچے تو اس نے نتاشا کے سوا تمام افراد کو کمرے سے باہر نکال دیا اور پھر اسے بلا کر اپنی آرام کرسی کے قریب بٹھا لیا۔

وہ نتاشا سے کہنے لگی "ہاں، اب ہم بات چیت کر سکتی ہیں۔ میں تمہیں منگنی کی مبارکباد دیتی ہوں۔ تم نے اچھا آدمی چنا ہے۔ میں تم سے خوش ہوں۔ میں اسے اس وقت سے جانتی ہوں جب وہ اتنا سا تھا" اس نے اپنا ہاتھ زمین سے دو فٹ اونچائی پر روک لیا۔ نتاشا کا چہرہ خوشی سے سرخ ہو گیا۔ ماریا متریونا نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا "میں اسے اور اس کے تمام خاندان کو پسند کرتی ہوں۔ میری بات سنو، تمہیں علم ہونا چاہئے کہ آندرے کا والد شہزادہ نکولائی اس شادی کے خلاف ہے۔ درست کہ اب آندرے بچہ نہیں ہے اور اس کے بغیر بھی رہ لے گا مگر باپ کی مرضی کے خلاف اس کے خاندان میں داخل ہونا اچھی بات نہیں۔ صورتحال ایسی ہونی چاہئے کہ گھر سکون اور محبت کا مرکز ہو۔ تم ہوشیار لڑکی ہو اور حالات سنبھال سکتی ہو۔ صرف اپنی عقل استعمال کرو اور خلوص و محبت سے کام لو، سب ٹھیک ہو جائیگا"

نتاشا کچھ نہ بولی۔ وہ ماریا متریونا کے اندازے کے مطابق شرما نہیں رہی تھی بلکہ وہ آندرے کے ساتھ اپنی محبت میں کسی کی مداخلت پسند نہیں کرتی تھی۔ اسے اپنی یہ محبت تمام انسانی معاملات سے اتنی جدا محسوس ہوتی تھی کہ اس کے خیال میں یہ پیار انسانی سوچ سے بھی بلند تھا۔ وہ صرف شہزادہ آندرے سے محبت کرتی تھی اور اسی کے بارے میں سوچتی تھی۔ وہ اس سے زیادہ نہیں جانتی تھی کہ "وہ اس سے محبت کرتا ہے، چند دن میں آ جائے گا اور اسے ساتھ لے جائے گا"

ماریا متریونا کہہ رہی تھی "تمہیں علم ہے کہ میں اسے کافی دیر سے جانتی ہوں اور اس کی بہن ماشا مجھے بیحد پسند ہے۔ نندوں کو جھگڑالو سمجھا جاتا ہے مگر ماشا کبھی کو بھی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ اس نے مجھ سے درخواست کی ہے کہ میں تم دونوں کی ملاقات کرا دوں۔ کل تم اپنے والد کے ساتھ اسے ملنے جاؤ گی۔ اس سے خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آنا۔ تم اس سے چھوٹی ہو اور جب وہ نوجوان یعنی تمہارا منگیتر آئے گا تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ تم اس کی بہن اور باپ کو پہلے سے جانتی ہو اور وہ تمہیں پسند کرتے ہیں۔ کیا میں نے درست کہا؟ ٹھیک نہیں؟ کیوں؟"

نتاشا نے بادل ناخواستہ جواب دیا "ہاں!"

(7)

اگلے دن ماریا متریونا کے مشورے پر نواب رستوف نتاشا کے ساتھ شہزادہ نکولائی آندریچ سے ملنے چل دیا۔ وہ اس کے ہاں جاتے ہوئے خوش نہیں تھا۔ اسے فوجی بھرتی کے دوران معمر شہزادے کے ساتھ اپنی ملاقات یاد تھی۔ اس نے بوڑھے کو کھانے پر بلانے کی کوشش کی تھی مگر جواب میں اس نے اسے سختی سے ڈانٹ دیا تھا کہ وہ فوج میں بھرتی کیلئے پوری تعداد میں آدمی مہیا نہیں کر پایا تھا۔ اس کے برعکس نتاشا بیحد ہشاش بشاش تھی اور اس نے نیا لباس زیب تن کر رکھا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی "بھلا وہ مجھے کیوں پسند نہیں کریں گے؟ ہمیشہ ہر شخص نے مجھے پسند کیا ہے۔ میں ان کی ہر خواہش پر عمل کروں گی۔ وہ ان کے والد ہیں اور وہ ان کی بہن۔ اسی لیے میں ان سے محبت کروں گی اور کوئی وجہ نہیں کہ وہ مجھے پسند نہ کریں۔۔۔"

وہ واسدیوژنکا علاقے میں پرانے اور تاریک مکان میں پہنچے اور گھر کے بیرونی حصے میں داخل ہو گئے۔

اس موقع پر نواب نیم سنجیدگی سے بولا "ٹھیک، خدا ہم پر رحم کرے" جب وہ اندر گئے تو نتاشا نے دیکھا کہ اس کا والد خاصا بدحواس ہے اور ڈرتے جھجکتے ہوئے شہزادے اور شہزادی کے بارے میں پوچھ رہا ہے۔ جب انہوں نے اپنے نام بتائے تو خدمتگاروں میں افراتفری دیکھنے میں آئی۔ ایک نوکران کی آمد کی اطلاع دینے کیلئے تیزی سے اندر چلا گیا۔ جب وہ بڑے ہال میں پہنچا تو دوسرے ملازم نے اسے روک لیا اور دونوں کھڑے ہو کر ایک دوسرے سے سرگوشیاں کرنے لگے۔ ایک خادمہ ہال میں آئی اور شہزادی کا نام لے کر تیز لہجے میں کچھ کہنے لگی۔ بالآخر ایک معمر خدمتگار نے رستوف باپ بیٹی کو بتایا کہ شہزادہ ان سے نہیں ملے گا البتہ شہزادی ان سے مل کر خوش ہو گی۔ سب سے پہلے جو شخصیت اندر آئی وہ مادموزیل بورین تھی۔ اس نے شائستہ انداز میں باپ بیٹی کا استقبال کیا اور انہیں شہزادی کے کمرے میں لے گئی۔ شہزادی بے چین اور متفکر تھی۔ اس کے چہرے پر سرخ نشانات نمودار ہو گئے تھے۔ وہ آہستگی سے آگے بڑھی۔ اس نے مطمئن نظر آنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکی۔ پہلی ہی نگاہ میں نتاشا اسے ایک آنکھ نہ بھائی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ لڑکی نے بیحد جدید لباس زیب تن کر رکھا ہے اور بے ہودہ طور پر ہشاش بشاش دکھائی دے رہی ہے۔ شہزادی ماریا کو اس بات کا قطعاً اندازہ نہ تھا کہ اپنی بھابی کو ایک نظر دیکھتے ہی اس کے دل میں اس کیخلاف تعصب

گھر کر چکا تھا کیونکہ وہ غیر ارادی طور پر اس کی خوبصورتی، جوانی اور اطمینان پر رشک کرنے لگی تھی۔ پھر اسے اس بات سے بھی چڑ تھی کہ اس کا بھائی اس لڑکی سے محبت کرتا ہے۔ نفرت کے اس ناقابل شکست جذبے کے علاوہ شہزادی پر اس وجہ سے بھی گھبراہٹ طاری تھی کہ اس کے والد کو جب رستوف باپ بیٹی کے آنے کی اطلاع دی جا رہی تھی تو باآواز بلند کہا تھا "میں ان سے نہیں ملوں گا، شہزادی ماریا کا جو دل چاہے کرے مگر انہیں میرے پاس نہ لایا جائے" وہ ان سے ملنے کا فیصلہ کر چکی تھی تاہم اسے ڈر تھا کہ کہیں اس کا باپ کوئی غلط حرکت نہ کر بیٹھے کیونکہ مہمانوں کی آمد سے وہ پریشان ہو گیا تھا۔

نواب رستوف نے گردن جھکائی اور پاؤں فرش پر رگڑتے ہوئے بولا "شہزادی دیکھیں، میں نے اپنی بلبل آپ کو پیش کر دی ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ لوگوں کو ایک دوسرے سے متعارف ہونے کا موقع مل گیا ہے۔ مجھے یہ جان کر بیحد افسوس ہوا کہ شہزادے کی طبیعت ابھی تک خراب ہے" وہ خوف سے ادھر ادھر بھی دیکھے جا رہا تھا کہ کہیں معمر شہزادہ یہاں نہ آ نکلے۔ وہ ایسی ہی چند باتیں کرنے کے بعد بولا "شہزادی، اگر اجازت ہو تو میں کچھ دیر کیلئے نتاشا کو آپ کے پاس چھوڑ دیتا ہوں۔ میں اتنی دیر میں اپنا سیمیونووا سے مل آؤں گا۔ وہ یہاں سے کچھ دور ڈاگ سکوائر میں رہتی ہے۔ بعد ازاں میں اسے لینے آ جاؤں گا"

نواب ایلیا آندریچ نے یہ سفارتی چال اس لیے چلی کہ وہ مستقبل کی نند بھابی کو باہم کھل کر بات چیت کا موقع دینا چاہتا تھا (جیسا کہ اس نے بعد میں اپنی بیٹی کو بتایا) مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ معمر شہزادے سے بھی نہیں ملنا چاہتا تھا جس سے اسے بیحد ڈر لگتا تھا۔ اس نے اپنی بیٹی کو تو یہ بات نہ بتلائی مگر نتاشا اپنے والد کی بے چینی اور خدشات بھانپ گئی اور اسے سخت شرمندگی ہوئی۔ اس کی گھبراہٹ وہ خود شرمسار ہو رہی تھی۔ اپنی اس کیفیت پر اسے غصہ آنے لگا۔ اس نے شہزادی کو بیباکی اور سرکشی سے دیکھا۔ اس کی نظریں کہہ رہی تھیں کہ وہ کسی سے خوفزدہ نہیں۔ جب شہزادی نے نواب کو یقین دلا دیا کہ وہ اس کی عدم موجودگی کا برا نہیں مانے گی اور اس کی بجائے یہ چاہتی ہے کہ وہ اپنا سیمیونووا کے ہاں زیادہ دیر ٹھہرے تو ایلیا آندریچ رخصت ہو گیا۔

شہزادی ماریا نتاشا سے علیحدگی میں بات چیت کرنا چاہتی تھی۔ اس کی پریشان اور بے چین نگاہیں بار بار مادموزیل بورین کی جانب اٹھیں مگر اس نے اپنی جگہ سے کوئی حرکت نہ کی اور مسلسل ماسکو کی تفریح گاہوں اور تھیٹر کے بارے میں باتیں کرتی رہی۔ نتاشا کو گھر کے بیرونی حصے میں تذبذب کی کیفیت، باپ کی گھبراہٹ اور شہزادی کے غیر فطری رویے پر شرمندگی محسوس ہونے لگی جسے دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے وہ نتاشا کا استقبال کر کے اس پر احسان کر رہی ہو۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسے ہر بات بری لگنے لگی۔ اسے شہزادی ماریا پسند نہیں آئی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ بدصورت، ظالم اور مصنوعی طور طریقوں کی حامل ہے۔ وہ فوری اپنے آپ میں سمٹ گئی اور غیر ارادی طور پر لاپروائی کا سا انداز اختیار کر لیا۔ اس رویے سے شہزادی اور بھی برگشتہ ہو گئی۔ پانچ منٹ کی مصنوعی بات چیت کے بعد انہیں کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی جو دوسرے کمرے سے عجلت میں انہی کی جانب بڑھا چلا آ رہا تھا۔ شہزادی ماریا کے چہرے پر خوف کے آثار پیدا ہو گئے۔ دروازہ کھلا اور معمر شہزادہ اندر داخل ہوا۔ اس کے سر پر ٹوپی اور جسم پر گاؤن تھا۔

نتاشا کو دیکھتے ہی وہ بولا "ارے میڈم، میڈم، نوابزادی۔۔۔ نوابزادی رستوف۔۔۔ اگر میں غلطی پر نہیں تو۔۔۔ میں معذرت کا خواستگار ہوں، میں معذرت۔۔۔ میڈم مجھے علم نہیں تھا۔ خدا جانتا ہے کہ میں آپ کی آمد سے بے خبر تھا اسی لیے انہی کپڑوں میں اپنی بیٹی سے ملنے آ گیا۔ میں معذرت چاہتا ہوں۔۔۔ خدا جانتا ہے، مجھے علم نہ تھا" اس نے اپنی بات متعدد بار دہرائی اور لفظ "خدا" پر کچھ ایسے غیر فطری انداز میں زور دیا کہ شہزادی ماریا نظریں جھکائے اٹھ

کھڑی ہوئی۔ اس میں اپنے باپ یا نتاشا کی جانب دیکھنے کا یارا نہ تھا۔ نتاشا بھی اٹھ کھڑی ہوئی اور جھک کر آداب بجا لائی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اب کیا کرے۔ صرف مادموزیل بورین خوشدلی سے مسکرا رہی تھی۔

بوڑھے نے بڑبڑاتے ہوئے کہا "میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ میری معذرت قبول کریں! جیسا کہ خدا جانتا ہے، مجھے علم نہ تھا" پھر وہ نتاشا پر سر تا پا نظریں دوڑانے کے بعد باہر نکل گیا۔

اس کی روانگی کے بعد سب سے پہلے مادموزیل بورین نے لب کھولے اور شہزادے کی خراب طبیعت کے حوالے سے بات چیت کرنے لگی۔ نتاشا اور شہزادی ماریا خاموش بیٹھی ایک دوسرے کو دیکھتی رہیں۔ وہ جتنی دیر خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتی رہیں، ان کے مابین فاصلے بھی اتنے ہی بڑھ گئے۔

جب نواب واپس آیا تو نتاشا نے نہایت ناشائستگی سے اطمینان کی سانس لی اور وہاں سے جانے میں ذرا برابر تاخیر نہ کی۔ اسی لمحے اسے شہزادی سے تقریباً نفرت ہو گئی جو اسے بوڑھی لڑکی دکھائی دیتی تھی اور جو شہزادہ آندرے کا نام لیے بغیر بھی نصف گھنٹہ گزار سکتی تھی۔ نتاشا نے سوچا "میں اس فرانسیسی عورت کی موجودگی میں ان کے بارے میں بات شروع نہیں کر سکتی تھی" ادھر یہی خیال شہزادی ماریا کو بھی تکلیف دے رہا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ نتاشا کو کیا کہنا چاہیے تھا مگر اس میں وہ کامیاب نہ ہو پائی تھی۔ اس کی ایک وجہ تو مادموزیل تھی جو اس کی راہ میں رکاوٹ ثابت ہوئی تھی اور دوسری۔۔۔ اگرچہ اسے علم نہ تھا کہ کیوں۔۔۔ شادی کے حوالے سے بات کرنا اسے مشکل لگا۔ نواب کمرے سے نکل ہی چکا تھا کہ ماریا تقریباً بھاگتی ہوئی نتاشا کے پاس آئی اور اس کا ہاتھ تھام کر بولی "ایک منٹ ٹھہریے، میں۔۔۔" نتاشا نے اس کی جانب یوں دیکھا جیسے اس کا منہ چڑا رہی ہو مگر اپنی اس حرکت کی وہ خود بھی کوئی توجیہ نہیں کر سکتی تھی۔

شہزادی ماریا بولی "پیاری نتالی، میں تمہیں کہنا چاہتی ہوں کہ مجھے خوشی ہے کہ میرے بھائی کی دلی خواہش پوری ہو گئی۔۔۔" اس نے کچھ دیر توقف کیا اور اسے یوں لگا جیسے وہ جھوٹ بول رہی ہو۔ نتاشا نے وقفہ محسوس کر لیا اور اس کی وجہ پر غور کرنے لگی۔

نتاشا نے جواباً کہا "شہزادی، میرے خیال میں یہ ایسی باتوں کیلئے مناسب وقت نہیں۔ بظاہر اس کا لہجہ سرد اور پرغرور تھا مگر اسے یوں لگا جیسے وہ ابھی رو دے گی۔

کمرے سے باہر نکلتے ہی وہ سوچنے لگی "یہ میں نے کیا کہا، یہ کیا کر دیا؟"

اس روز نہیں شام کے کھانے پر نتاشا کا خاصی دیر انتظار کرنا پڑا۔ وہ اپنے کمرے میں بیٹھی بچیوں کی طرح رو رہی تھی۔ وہ بار بار سسکیاں لیتی جاتی تھی۔ سونیا اس کے قریب کھڑی اس کے بالوں کو چوم رہی تھی۔

وہ اس سے کہے جاتی تھی "نتاشا، کیوں رو رہی ہو؟ ان کی باتوں کا برا کیوں مناتی ہو؟ سب کچھ گزر جائیگا"

نتاشا بولی "کاش تم جان سکتیں کہ یہ کتنا ہتک آمیز تھا۔۔۔ جیسے۔۔۔"

سونیا نے جواب دیا "نتاشا، اس بارے میں بات مت کرو، یہ تمہاری غلطی نہیں، پھر تم ایسا کیوں کر رہی ہو، میرا بوسہ لو"

نتاشا نے سر اٹھایا اور اپنی دوست کے ہونٹ چومتے ہوئے اپنا آنسو بھرا چہرہ اس کے چہرے کے ساتھ لگا دیا۔

نتاشا کہنے لگی "میں تمہیں نہیں بتا سکتی، مجھے معلوم نہیں، کسی کا کوئی قصور نہیں۔ میری ہی غلطی ہے۔ مگر یہ سب کچھ بیحد اذیت ناک ہے، وہ کیوں نہیں آتے؟"

وہ سرخ آنکھوں کے ساتھ کھانے پر آئی۔ ماریا متریونا کو علم تھا کہ شہزادے نے دونوں باپ بیٹی کا کیسے استقبال کیا ہے تاہم اس نے یوں ظاہر کیا جیسے اسے نتاشا کا مغموم چہرہ نظر ہی نہ آیا ہو اور وہ کھانے کی میز پر باآواز بلند مسلسل لطیفے سناتی رہی۔

(8)

اس شام رستوف اوپیرا گئے جہاں ماریا متریونا نے ان کیلئے باکس کا انتظام کر لیا تھا۔

نتاشا اوپیرا دیکھنے نہیں جانا چاہتی تھی مگر ماریا متریونا کی شفقت ٹھکرانا ممکن نہ تھا اور پھر یہ تمام اہتمام بھی اسی کیلئے کیا گیا تھا۔ اس نے لباس بدلا اور بڑے کمرے میں اپنے والد کا انتظار کرتے ہوئے قد آدم شیشے میں اپنے جسم کا جائزہ لینے لگی۔ اس نے جب خود کو پہلے سے زیادہ خوبصورت دیکھا تو اداس ہو گئی مگر اس اداسی میں مٹھاس اور نرمی تھی۔

وہ سوچ رہی تھی ''آہ میرے خدایا، کاش وہ یہاں ہوتے! اگر وہ ہوتے تو میں نے اس وقت جس احمقانہ شرمیلے پن کا مظاہرہ کیا تھا، اب نہ کیا ہوتا۔ میں اپنی باہیں ان کے گلے میں ڈال دیتی اور ان سے لپٹ کر انہیں مجبور کر دیتی کہ وہ مجھے اسی طرح تجسس بھری اور سوالیہ نگاہوں سے دیکھیں جن سے وہ مجھے اکثر و بیشتر دیکھا کرتے تھے اور پھر میں انہیں بالکل اسی طرح ہنسا دیتی جس طرح میں وہ ہنسا کرتے تھے اور ان کی آنکھیں، یہ آنکھیں مجھے اب بھی بالکل صاف دکھائی دے رہی ہیں'' اس نے سوچا'' مجھے ان کے باپ اور بہن سے کیا غرض؟ میں صرف ان سے، ان کے چہرے، آنکھوں اور مسکراہٹ سے پیار کرتی ہوں جو معصومیت کے ساتھ ساتھ مردانہ بھی ہے۔ بہتر یہی ہوگا کہ ان کے بارے میں سوچا ہی نہ جائے۔ بلکہ فی الوقت تو مجھے انہیں بھول جانا چاہئے۔ مجھ سے انتظار نہیں ہوتا، میں ابھی رونا شروع کر دوں گی'' یہ سوچ کر وہ آئینے سے پرے ہٹ گئی۔ اس کی کوشش تھی کہ کہیں اس کے آنسو نہ نکل آئیں۔ اس نے سوچا ''سونیا نکولائی سے اتنی پرسکون اور استقلال سے محبت کیسے کر لیتی ہے اور صبر سے اسقدر طویل انتظار کیسے برداشت کر لیتی ہے؟ وہ سونیا کو دیکھ کر حیران رہ گئی جو اوپیرا کیلئے لباس بدل کر دستی پنکھا تھامے اندر آ گئی تھی۔ اس نے سونیا کی جانب دیکھتے ہوئے سوچا ''نہیں، وہ مجھ سے بالکل مختلف ہے، میں یہ نہیں کر سکتی''

اس وقت نتاشا اپنا دل ملائمت اور جذبے سے اس قدر معمور محسوس کر رہی تھی کہ اس کیلئے صرف یہ کافی نہیں تھا کہ وہ محبت کرتی اور جانتی ہے کہ اس سے محبت کی جا رہی ہے۔ اب وہ صرف یہ چاہتی تھی کہ اس کا محبوب اس سے لپٹ جائے اور پیار و محبت کی باتیں کرے جن سے اس کا دل معمور تھا۔ جب وہ گاڑی میں اپنے باپ کے ساتھ بیٹھی غمزدہ دل سے کھڑکیوں میں جھلملاتی سڑک کی روشنیاں دیکھ رہی تھی تو اور بھی اداس اور خود کو محبت میں پہلے سے زیادہ گرفتار محسوس کرنے لگی۔ اسے یہ بھی یاد نہ رہا کہ وہ کہاں اور کس کے ساتھ جا رہی ہے۔ ان کی گاڑی تھیٹر کے احاطے میں داخل ہونیوالی دیگر گاڑیوں میں شامل ہو گئی۔ اس کے پہیے آہستگی سے برف پر کرکرا رہے تھے۔ نتاشا اور سونیا اپنے لباس سنبھال کر نیچے کود گئیں۔ نواب خدمتگاروں کی مدد سے گاڑی سے نیچے اترا اور تینوں لوگوں کے ہجوم میں راستہ بناتے راہداری سے ہوتے ہوئے باکسوں کی پہلی قطار میں پہنچ گئے۔

بند دروازوں سے موسیقی کی تانیں پہلے ہی سنائی دینے لگی تھیں۔

سونیا نے سرگوشی کی ''نتاشا تمہارے بال۔۔۔''

تھیٹر کا ایک ملازم تیزی سے آیا اور ان کے باکس کا دروازہ کھولنے کیلئے احترام سے خواتین کے قریب سے

گزر گیا۔ موسیقی کی آواز بلند ہو گئی اور انہیں دروازے میں سے روشنیوں میں نہائے اور بتدریج بلند ہوتے باکسوں کی قطاریں دکھائی دینے لگیں جن میں برہنہ بازوؤں اور کندھوں والی خواتین بیٹھی تھیں۔ نیچے ہال تھے جہاں شور شرابہ ہو رہا تھا اور زرق برق وردیاں پہنے خدمتگار ادھر ادھر آ جا رہے تھے۔ اگلے باکس میں داخل ہونیوالے ایک عورت نے نتاشا کو حاسدانہ نگاہوں سے دیکھا۔ ابھی پردہ نہیں اٹھا تھا اور آرکسٹرا اوپیرا کی ابتدائی دھن بج رہی تھی۔ نتاشا اپنے لباس کی شکنیں درست کرتی سونیا کے ساتھ آگے بڑھی اور اپنی نشست پر براجمان ہو گئی۔ اس کی نظریں اپنے ساتھ چمکتے دمکتے باکسوں پر مرکوز تھیں۔ اچانک اس کے وجود میں وہی احساس پھیل گیا جو اس خاتون پر طاری ہو جاتا ہے جس کے عریاں بازوؤں اور گردن پر بے شمار نگاہیں گڑی ہوں۔ وہ خوش ہونے کے ساتھ ساتھ بے چین بھی تھی۔ اس احساس کے ساتھ یادوں، آرزوؤں اور جذبات کا جو دھارا وابستہ تھا وہ اچانک اس کے ذہن میں رواں ہونے لگا۔

نتاشا اور سونیا جیسی غیر معمولی خوبصورت لڑکیوں نے تمام لوگوں کی توجہ اپنی جانب مبذول کرا لی کیونکہ انہیں کافی دیر سے ماسکو میں نہیں دیکھا گیا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ ہر شخص کو تھوڑا بہت علم تھا کہ نتاشا کی شہزادہ آندرے سے منگنی ہو چکی ہے۔ لوگوں کو علم تھا کہ رستوف خاندان گاؤں میں قیام پذیر ہے اور وہ اس لڑکی کو تجسس بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے جس کی قسمت میں روس کا ایک بہترین رشتہ لکھ دیا گیا تھا۔

جیسا کہ ہر شخص نے کہا تھا، دیہاتی فضا میں نتاشا کی خوبصورتی دو چند ہو گئی تھی اور اس شام اس پر جو جذباتی کیفیت طاری تھی اس نے اسے اور بھی حسین بنا دیا تھا۔ اس کی شگفتہ مزاجی اور خوبصورتی نے گرد و پیش کی ہر شے کے حوالے سے اس کی لاپرواہی کی بدولت ہر شخص پر بہت اچھا تاثر قائم کر دیا۔ اس کی ہرنی جیسی آنکھیں لوگوں کے ہجوم پر تیر رہی تھیں جنہیں کسی خاص شخص کی تلاش نہ تھی۔ اس کے دبلے پتلے اور کہنیوں تک برہنہ بازو باکس کے مخملیں کنارے پر دھرے تھے جبکہ وہ غیر شعوری طور پر موسیقی کی دھن کے ساتھ اپنی مٹھی کھولتی اور بند کرتی جاتی تھی اور اس کے ہاتھ میں پکڑا کاغذ خراب ہو رہا تھا۔

سونیا بولی ''ادھر دیکھو، وہ ایلینیا ہے، میرا خیال ہے کہ اس کی والدہ بھی ساتھ ہے''

نواب نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا ''ہیں، میخائل کریلچ پہلے سے زیادہ موٹا ہو گیا ہے''

سونیا کہنے لگی ''وہ کاراگنوں کو دیکھو، بورس جولی کے ساتھ ہے، اس کا مطلب ہے کہ دونوں کی منگنی ہو چکی ہے''

شن شن رستوفوں کے باکس میں آتے ہوئے بولا ''دروبتسکی نے پیشکش کر دی ہے۔ یقین کیجئے مجھے آج ہی معلوم ہوا''

نتاشا نے اپنے باپ کی نگاہوں کا تعاقب کیا تو اسے جولی اپنی والدہ کے برابر بیٹھی دکھائی دی، اس کے چہرے پر اطمینان کی جھلک واضح تھی اور موٹی سرخ گردن (نتاشا جانتی تھی کہ اس پر پاؤڈر تھوپا گیا ہوگا) میں موتیوں کا ہار لٹک رہا تھا۔ ان کے پیچھے بورس کا خوبصورت سر دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے اپنے بال دلکش انداز میں سنوار رکھے تھے۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی اور وہ آگے کو جھکا ہوا تھا۔ اس نے اپنا کان جولی کے منہ کے قریب لا رکھا تھا۔ رستوف نے کنکھیوں سے رستوفوں کی جانب دیکھا اور مسکرا کر اپنی منگیتر کے کان میں کچھ کہنے لگا۔

نتاشا نے سوچا ''وہ ہمارے، میرے اور انکے بارے میں بات کر رہے ہیں۔ وہ مجھ سے حسد کرتی ہے اور شاید وہ اسے مطمئن کرنے کی کوششوں میں مصروف ہے، تاہم انہیں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کاش انہیں

علم ہوتا کہ اب میرے نزدیک ان کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہی، کسی کی بھی نہیں۔"

ان کے عقب میں اپنا میخائلونا بیٹھی تھی۔ اس نے سر پر سبز ٹوپی پہن رکھی تھی۔ وہ خوش دکھائی دے رہی تھی۔ ان کے باکس میں بالکل ویسی ہی فضا تھی جو منگیتروں کی موجودگی میں طاری ہو جاتی ہے اور نتاشا اس سے بخوبی آگاہ اور پسند کرتی تھی۔ اس نے اپنا منہ دوسری جانب پھیر لیا اور اچانک اس کی نگاہوں میں وہ تذلیل گھومنے لگی جو صبح انہیں برداشت کرنا پڑی تھی۔

نتاشا نے سوچا "اسے مجھے اپنے خاندان میں شمولیت سے روکنے کا کیا حق ہے؟ آہ، اس بارے میں تو نہ سوچنا ہی بہتر ہے۔۔ جب تک وہ نہ آجائیں" وہ سٹال میں بیٹھے لوگوں کا جائزہ لینے لگی۔ ان میں کچھ چہرے شناسا اور کچھ اجنبی تھے۔

پہلی قطار کے درمیان میں آرکسٹرا کے جنگلے سے پشت لگائے دولوخوف کھڑا تھا۔ اس نے ایرانی لباس زیب تن کر رکھا تھا اور گھنگھریالے بال یوں سنوارے تھے کہ وہ اونچے اور گھنے دکھائی دیتے تھے۔ وہ لوگوں کے بالکل سامنے کھڑا تھا اور اسے علم تھا کہ تمام تھیٹر اسے دیکھ سکتا ہے۔ تاہم اس کا انداز یوں تھا جیسے تھیٹر کی بجائے اپنے کمرے میں کھڑا ہو۔ ماسکو کے سرپھرے نوجوانوں کا گروہ اس کے گرد تھا اور بظاہر وہ ان کا سربراہ دکھائی دیتا تھا۔

نواب ایلیا آندریچ نے ہنستے ہوئے سونیا کی توجہ اس کے سابقہ پرستار کی جانب دلائی اور اس سے پوچھا "تم نے اسے پہچانا؟ یہ اچانک کہاں سے آگیا ہے، میرے خیال میں تو یہ کہیں چھپ گیا تھا"

شن شن نے جواب دیا "ہاں، چھپ گیا تھا۔ یہ قفقاز چلا گیا مگر وہاں سے بھاگ نکلا۔ کہتے ہیں کہ یہ ایران میں کسی حکمران کے وزیر کی حیثیت سے کام کرتا رہا ہے جہاں اس نے بادشاہ کے بھائی کو مار ڈالا تھا۔ اب ماسکو کی تمام خواتین اس کی دیوانی ہیں۔ ایرانی دولوخوف کے نام نے جادو کر دیا ہے۔ وہ اس کے نام کی قسمیں کھاتی ہیں اور محافل میں خواتین اس سے یوں پیش آتی ہیں جیسے وہ دولوخوف کی بجائے کوئی لذیذ مچھلی ہو۔ دولوخوف اور اناطول کوراگن نے عورتوں کو پاگل کر دیا ہے۔"

برابر والے باکس میں ایک دراز قد خوبصورت خاتون اپنا بھاری ریشمی لباس لہراتی داخل ہوئی۔ اس کے بال گندھے ہوئے تھے اور کھلے گلے کے لباس میں اس کی گردن اور سفید نرم بازو عریاں تھے۔ اس کے گلے میں موتیوں کے دو ہار پڑے تھے اور اس نے نشست پر بیٹھنے میں خاصا وقت لیا۔

نتاشا اس کی گردن، بازوؤں، موتیوں اور بالوں کی خوبصورتی کو بغور دیکھے اور تعریف کئے بغیر نہ رہ سکی۔ بالکل اسی وقت جب وہ اس کا دوسری مرتبہ جائزہ لے رہی تھی تو اس خاتون نے مڑ کر دیکھا اور جب اس کی نظریں نواب پر پڑیں تو اس نے گردن ہلائی اور مسکرانے لگی۔ یہ پیری کی بیوی بیگم بیزوخوف تھی۔ نواب ایلیا آندریچ جو اعلیٰ طبقے سے تعلق رکھنے والے تمام لوگوں سے واقف تھا، اس سے کہنے لگا "بیگم، آپ یہاں کب تشریف لائیں؟ میں آپ کی خدمت میں جلد حاضر ہوں گا۔ میں یہاں کسی کام کے سلسلے میں آیا ہوں اور بیٹیاں بھی میرے ساتھ ہیں۔ سیمیونووا کی اداکاری کا بہت شہرہ ہے۔ نواب پیئر کرلووچ نے ہمیں کبھی مایوس نہیں کیا۔ کیا وہ یہیں ہیں؟" نواب اپنی بات کہتا چلا گیا۔

ایلین نے نتاشا کو بغور دیکھا اور بولی "ہاں، انہوں نے آنا تو تھا"

نواب دوبارہ اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔

اس نے بیٹی کے کان میں کہا "خوبصورت ہے ناں؟"

نتاشا نے اظہار اتفاق کے طور پر کہا "بیحد، تمام مرد باآسانی اس کی محبت میں گرفتار ہو جاتے ہوں گے"

اسی دوران ابتدائی گانے کے آخری سر سنائی دیے اور کنڈکٹر نے چھڑی بجائی۔ دیر سے آنیوالے بعض تماشائی نیچے سٹال میں اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے اور پردہ اٹھ گیا۔

جونہی پردہ اٹھا، سٹال اور باکسوں پر گہری خاموشی چھا گئی اور وردیوں میں ملبوس جوانوں، بوڑھوں اور خواتین کی توجہ سٹیج پر مبذول ہو گئی جو اپنے جسم کے برہنہ حصوں کو قیمتی جواہرات سے چھپائے ہوئے تھیں۔ نتاشا سٹیج کی جانب دیکھنے لگی۔

(9)

سٹیج کا درمیانی حصہ ہموار تختوں پر مشتمل تھا اور دائیں بائیں گتے کے تختے پڑے تھے جن پر درختوں کی تصاویر بنی تھیں۔ پیچھے گتوں کے اوپر کینوس کھنچا ہوا تھا۔ سٹیج کے درمیان میں سرخ کرتے اور سفید کوٹ میں ملبوس چند لڑکیاں بیٹھی تھیں۔ ایک انتہائی موٹی لڑکی نے سفید ریشمی لباس پہن رکھا تھا اور وہ دوسروں سے الگ تھلگ چھوٹے سے بنچ پر بیٹھی تھی۔ اس کے عقب میں سبز گتے کی ایک تختی لگی ہوئی تھی۔ یہ تمام لڑکیاں گانا گا رہی تھیں۔ جب گیت ختم ہوا تو سفید لباس میں ملبوس موٹی لڑکی پرامپٹر کے باکس کی طرف آئی اور ایک شخص ہاتھ فضا میں لہراتے ہوئے گانا گانے لگا۔ اس کی ٹانگیں تنگ سفید پتلون میں لپٹی تھیں اور سر پر کلغی جبکہ ہاتھ میں خنجر تھا۔

ابتداء میں تنگ پتلون والا یہ شخص اکیلا گاتا رہا اور پھر لڑکی بھی اس کے ساتھ شامل ہو گئی۔ پھر دونوں رک گئے اور اس شخص نے سفید لباس والی لڑکی کا ہاتھ اپنی انگلی سے چھوا۔ بظاہر وہ اس تال کا منتظر تھا جس پر اس نے لڑکی سے مل کر گانا تھا۔ جب دوگانا ختم ہو گیا تو تھیٹر میں داد وتحسین کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ عاشق اور معشوق کا کردار ادا کرنے والے وہ دونوں مسکرا کر اور سر جھکا جھکا کر ناظرین کو سلام کرتے رہے۔

دیہاتی فضا میں زندگی گزارنے کے بعد اور اپنی حالیہ سنجیدگی میں نتاشا کو یہ سب کچھ حیرت انگیز دکھائی دیا۔ وہ اوپیرا بھی بھرپور توجہ نہ دے سکی بلکہ گانا بھی درست طور سے نہ سن پائی۔ اسے صرف تصویری گتے یا عجیب وغریب لباس میں ملبوس مرد وزن نظر آ رہے تھے جو اس چندھیا دینے والی روشنی میں عجیب وغریب حرکات کرنے، گفتگو اور گانا گانے میں مصروف تھے۔ وہ جانتی تھی کہ ان تمام باتوں کا مقصد کیا تھا مگر یہ سب کچھ اتنا مصنوعی اور غیر فطری تھا کہ اسے کبھی تو اداکاروں پر شرم آنے لگتی اور کبھی وہ ان کی حرکتوں سے لطف اندوز ہونا شروع ہو جاتی۔ اس نے اپنے اردگرد ناظرین کے چہروں پر نگاہ دوڑائی۔ وہ یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ کیا وہ بھی اسی کی طرح بوکھلا رہے ہیں یا نہیں اور جس مضحکہ خیز صورتحال کو وہ محسوس کر رہی ہے، آیا وہ بھی ایسا ہی احساس رکھتے ہیں یا نہیں؟ تاہم بظاہر یوں لگتا تھا جیسے وہ سٹیج پر دکھائے جانیوالے مناظر میں پوری طرح منہمک ہیں اور ایسی سرخوشی کا اظہار کر رہے ہیں جو نتاشا کو قطعی مصنوعی معلوم ہوتی تھی۔

اس نے سوچا "میرے خیال میں یہاں سب کچھ اتفاقاً نہیں ہو رہا۔ شاید منتظمین ہی ایسا چاہتے ہوں" کبھی وہ نیچے سٹال میں خوشبو لگائے سروں کی قطاروں اور کبھی کھلے گلے کے لباس پہنے خواتین خصوصاً ایلین کو دیکھنے لگتی۔ ایلین صریحاً بے لباس نظر آتی تھی۔ اس کے چہرے پر آسودگی اور اطمینان جھلک رہا تھا۔ اس کی نگاہیں سٹیج پر مرکوز تھیں اور وہ اس چندھیا دینے والی روشنی سے لطف اندوز ہو رہی تھی جو سٹیج پر چھائی ہوئی تھی۔ نتاشا آہستہ آہستہ لطف وسرور کی اس کیفیت کی لپیٹ میں آتی چلی گئی جس کا اسے کافی دیر سے تجربہ نہیں ہوا تھا۔ اسے بالکل احساس نہ ہوا کہ وہ کون ہے، کہاں ہے اور یہ

سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔ جب وہ اپنے ارد گرد ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہی تھی تو غیر متوقع طور پر اس کے ذہن میں انتہائی عجیب وغریب باتیں در آئیں۔ ایک لمحے اس کا دل چاہا کہ وہ سٹیج کے سامنے لگی روشنیوں کے اوپر سے چھلانگ لگا دے اور اوپیرا کا گانا گانا شروع کر دے جو اداکارہ اکیلی گائے جا رہی تھی۔ پھر اچانک اس کے دل میں آئی کہ اپنے قریب بیٹھے بوڑھے شخص کے پہلو میں ٹہوکا دے یا ذرا جھک کر ایلین سے چھیڑ چھاڑ کرے۔

ایک موقع پر جبکہ واحد اداکار نے اپنا گانا شروع کرنا تھا۔ سٹیج پر مکمل خاموشی طاری تھی۔ رستوفوں کے باکس کے قریب نیچے سٹال میں کھلنے والا دروازہ چرچرایا اور کسی نو وارد کے مردانہ قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ شن شن نے سرگوشی کی "کوراگن آیا ہے" بیگم بیزوخوف نے گردن گھمائی اور آنیوالے کو مسکرا کر دیکھنے لگی۔ نتاشا نے اس کی نظروں کا تعاقب کیا تو اسے ایک غیر معمولی طور پر خوبصورت ایجوٹنٹ دکھائی دیا۔ وہ انہی کے باکس کی جانب چلا آ رہا تھا۔ اس کی چال ڈھال اور اطوار میں بے پناہ خود اعتمادی جھلک رہی تھی۔ یہ اناطول کوراگن تھا۔ اس نے اسے کافی دیر پہلے پیٹرز برگ میں رقص کی ایک محفل میں دیکھا تھا اور اس پر توجہ بھی دی تھی۔ اب وہ ایجوٹنٹ کی وردی میں ملبوس تھا اور اس کے کندھے پر عہدے کے نشانات ثبت تھے۔ وہ محتاط انداز میں تن کر چل رہا تھا۔ اگر وہ خوبصورت نہ ہوتا اور اس کے چہرے مہرے سے آسودگی نہ ٹپکتی تو اس کی چال خاصی مضحکہ خیز معلوم ہوتی۔ اگرچہ اوپیرا جاری تھا مگر وہ نشستوں کے درمیانی راستے پر شہزادوں کی طرح ٹہلتا آ رہا تھا۔ اس کی تلوار اور مہمیز کھنکنا رہے تھے اور اس کا خوبصورت سر سیدھا تنا ہوا تھا جس پر خوشبو لگی تھی۔ وہ نتاشا کو سرسری انداز میں دیکھتا ہوا اپنی بہن کے پاس پہنچا اور اپنا ہاتھ باکس کے کنارے پر رکھا جو دستانے میں ملفوف تھا۔ اس نے گردن ہلا کر بہن کو سلام کیا اور آگے جھک کر نتاشا کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کوئی سوال پوچھا۔

وہ نتاشا کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولا "پرکشش" نتاشا اس کے الفاظ تو پوری طرح نہ سن سکی البتہ اس نے اس کے ہونٹوں کی حرکت سے اندازہ لگا لیا کہ وہ کیا کہہ رہا تھا۔

اس کے بعد وہ نیچے سٹال میں چلا گیا اور پہلی قطار میں دولوخوف کے ساتھ جا بیٹھا۔ اس نے اسے دوستانہ انداز میں کہنی اور پھر آنکھ ماری۔ بعد ازاں اس نے اپنے پاؤں آرکسٹرا کے پردے پر ٹکا دیے

نواب بولا "بہن بھائی کی شکلوں میں کتنی مشابہت ہے اور دونوں کتنے خوبصورت ہیں"

شن شن نواب کو کوراگن کے ماسکو میں کسی خفیہ معاشقے سے متعلق زیر لب کچھ بتانے لگا۔ چونکہ اس نے نتاشا کو پرکشش کہا تھا لہٰذا نتاشا نے ان کی باتیں غور سے سننے کی کوشش کی۔

ڈرامے کا پہلا ایکٹ ختم ہو گیا۔ سٹال میں بیٹھے تمام لوگ اٹھ کھڑے ہوئے۔ ہر شخص ادھر ادھر آ جا رہا تھا اور کھلبلی سی مچی تھی۔

بورس رستوفوں کے باکس میں آیا اور بنی ان سنی کرتے ہوئے ان کی مبارکباد وصول کی۔ اس نے اپنی نگاہیں اٹھا کر اپنی اور اپنی منگیتر کی جانب سے شادی میں شرکت کی دعوت دی۔ نتاشا بظاہر ہشاش بشاش انداز میں اس سے مسکرا مسکرا کر باتیں کرتی رہی۔ اس نے اسے شادی کی مبارکباد دی حالانکہ اسی بورس سے وہ کبھی محبت کرتی تھی۔ لطف وسرور کی حالیہ کیفیت میں اسے ہر بات آسان اور فطری معلوم ہو رہی تھی۔

ناکافی لباس پہنے اس کے قریب بیٹھی ایلین ہر شخص کو مسکرا کر دیکھ رہی تھی اور نتاشا نے بورس کو اسی انداز سے مسکرا کر دیکھا۔

انتہائی معروف اور روشن طبیعت کے مالک اشخاص نے ایلین کے باکس کا طواف کرنا شروع کر دیا۔ بھیڑ اتنی تھی کہ اندر کسی کے کھڑے ہونے کی جگہ بھی نہ رہی۔ باہر کھڑے لوگ بھی اسے گھیرے ہوئے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ دوسروں پر یہ جتلانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ ان کی ایلین سے گہری رسم و راہ ہے۔

وقفے میں کوراگن تمام وقت دولوخوف کے ساتھ سٹیج کی اگلی روشنیوں کے سامنے کھڑا رہا اور ٹکٹکی باندھ کر رستوفوں کے باکس کی جانب دیکھتا رہا۔ نتاشا جانتی تھی کہ وہ اسی کے بارے میں باتیں کر رہا ہے اور اسے دیکھ کر اس کی باچھیں کھل گئیں۔ اس نے اپنی جگہ سے حرکت کی تاکہ اناطول اس کا چہرہ واضح طور پر دیکھ سکے۔

دوسرا ایکٹ شروع ہونے سے پہلے پیری سٹال میں نمودار ہوا۔ جب سے رستوف ماسکو آئے تھے وہ ان سے نہیں مل سکا تھا۔ اس کے چہرے پر غم واندوہ کی پرچھائیاں تھیں اور جب سے نتاشا نے اسے آخری مرتبہ دیکھا تھا اس وقت سے وہ کچھ زیادہ ہی موٹا ہو گیا تھا۔ وہ کسی کی جانب دیکھے بغیر اگلی نشستوں کی جانب بڑھ گیا۔ اناطول اس کے قریب آیا اور رستوفوں کی جانب نظر اٹھا کر ہاتھ کے اشارے سے اسے کچھ کہا۔ پیری نے نتاشا کو دیکھا تو اس کا چہرہ کھل اٹھا اور وہ تیزی سے ان کے باکس کی جانب بڑھا۔ قریب پہنچ کر وہ کہنیوں کے سہارے کھڑا ہو گیا کافی دیر اس سے مسکرا کر گفتگو کرتا رہا۔ پیری سے بات چیت کے دوران نتاشا کو بیگم بیزوخوف کے باکس میں کسی مرد کی آواز سنائی دی اور اسے احساس ہوا کہ یہ کوراگن ہی ہو گا۔ وہ مڑی اور اس کی نگاہیں اناطول سے چار ہو گئیں۔ اناطول نے اسے مسکرا کر کچھ ایسی پیار بھری نگاہوں سے دیکھا کہ نتاشا کو اس کی قربت، دیکھنے کا انداز اور اس کی جانب سے اپنی تعریف عجیب سی لگی کیونکہ اناطول کی اس سے کوئی شناسائی نہ تھی۔

دوسرے ایکٹ میں سٹیج پر رکھے گئے گتے قبرستان کا منظر پیش کر رہے تھے۔ عقبی پردے میں ایک سوراخ تھا جو اس انداز سے بنایا گیا تھا جیسے چاند ہو۔ سٹیج کے سامنے کی روشنیاں گل کر دی گئیں اور ہلکے ہلکے سر سنائی دینے لگے۔ اس کے ساتھ ہی دونوں جانب سے سیاہ لباس میں ملبوس متعدد اشخاص خنجر نما ہتھیار لہراتے سٹیج پر آ گئے۔ پھر چند اور اشخاص بھاگتے ہوئے آئے اور اس لڑکی کو گھسیٹنے لگے جو پہلے سفید اور اب نیلے لباس میں تھی۔ وہ اسے فوری طور پر گھسیٹ کر نہ لے گئے بلکہ پہلے اس کے ساتھ گانا گاتے رہے اور پھر اسے گھسیٹتے گھسیٹتے باہر لے گئے۔ سٹیج کے پیچھے دھات سے بنی کوئی شے تین مرتبہ کھنکھنائی گئی اور ہر شخص دوزانو ہو گیا اور دعائیں پڑھنے لگا۔ ناظرین کی جانب سے باآواز بلند داد وتحسین کی وجہ سے یہ افعال بار بار متاثر ہوئے۔

اس ایکٹ کے دوران نتاشا نے جب بھی سٹال کی جانب نگاہ کی تو اسے اناطول اپنا بازو کرسی کے عقب میں لٹکائے مسلسل اپنی جانب دیکھتا نظر آیا۔ وہ یہ دیکھ کر بیحد خوش ہوئی کہ وہ اسے اپنا گرویدہ کر چکی ہے اور اسے قطعاً یہ خیال نہ آیا کہ ایسی بات معیوب بھی ہو سکتی ہے۔

دوسرا ایکٹ ختم ہونے پر بیگم بیزوخوف رستوفوں کے باکس کی جانب مڑی (اس کا سینہ تقریباً عریاں تھا) اس نے اپنی چھوٹی انگلی کے اشارے سے نواب کو بلایا اور اپنے باکس میں داخل ہونیوالے لوگوں کی جانب دھیان دیے بغیر دلکش انداز سے مسکراتے ہوئے اس سے بات چیت کرنے لگی۔

ایلین نے اسے کہا "اپنی خوبصورت بیٹیوں کو مجھ سے بھی متعارف کرائیں۔ تمام شہر ان کی تعریف وتوصیف میں مشغول ہے اور میں ہوں کہ انہیں جانتی ہی نہیں"

نتاشا اٹھی اور ایلین کو جھک کر سلام کیا۔ وہ اس خوبصورت خاتون کی تعریف سے اتنی خوش ہوئی کہ اس کے گال

سرخ ہو گئے۔

ایلین بولی "اب تو میں ماسکو میں رہنے کا فیصلہ کر چکی ہوں اور آپ نے ایسی خوبصورتی گاؤں میں رکھ چھوڑی ہے"

بیگم بیزوخوف نے سحرانگیز عورت کی جو شہرت پائی تھی وہ اس کی حقدار تھی۔ وہ ایسی باتیں بھی بے ساختگی سے کہہ دیتی تھی جو کبھی اس نے سوچی بھی نہ ہوتی تھیں۔

وہ نواب سے بولی "میرے عزیز، اب آپ اپنے ان بچوں کو میرے حوالے کر دیں۔ میں یہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہروں گی اور آپ کا بھی ایسا ہی ارادہ ہے۔ تاہم میری کوشش ہوگی کہ یہ زیادہ سے زیادہ لطف اندوز ہوں۔ پھر وہ نتاشا کی جانب مسکرا کر دیکھتے ہوئے بولی "میں نے پیٹرز برگ میں تمہارے بارے میں بہت کچھ سنا تھا اور تم سے واقفیت پیدا کرنا چاہتی تھی۔ میں نے اپنے خاص ساتھی دروبتسکی، جس کی شادی ہونیوالی ہے، اور اپنے شوہر کے دوست شہزادہ آندرے بلکونسکی سے بھی تمہارے بارے میں بہت کچھ سن رکھا ہے۔ وہ اپنی بات پر زور دے رہی تھی اور اس طرح یہ جتلانا چاہتی تھی کہ اسے نتاشا اور شہزادہ آندرے کے رشتے کا علم ہے۔

پھر وہ کہنے لگی "اوپیرا کے بقیہ حصے میں ایک لڑکی اس کے ساتھ باکس میں آجائے تاکہ وہ ایک دوسرے سے اچھی طرح واقف ہو سکیں۔ چنانچہ نتاشا اٹھی اور اس کے باکس میں جا کر بیٹھ گئی"

تیسرے ایکٹ میں ایک محل کا منظر پیش کیا گیا۔ لاتعداد شمعیں روشن تھیں اور دیواروں پر باریش سرداروں کی تصاویر لٹک رہی تھیں۔ سٹیج کے درمیان میں ایک مرد اور خاتون کھڑے تھے۔ بظاہر وہ بادشاہ اور ملکہ دکھائی دیتے تھے۔ بادشاہ دائیں ہاتھ سے اشارے کر رہا تھا اور بیحد بے چین دکھائی دیتا تھا۔ اس نے بھونڈے انداز سے گانا گایا اور تخت پر بیٹھ گیا۔ وہ لڑکی جو پہلے سفید اور پھر نیلے لباس میں سٹیج پر آئی تھی اب ڈھیلے ڈھالے لباس میں ملبوس تھی اور اپنے بال لٹکائے تخت کے قریب کھڑی تھی۔ وہ ملکہ سے مخاطب ہو کر غمگین انداز میں گانا گا رہی تھی۔ بادشاہ نے تحکمانہ انداز میں اپنا بازو ہلایا اور سٹیج کے دونوں بازوؤں سے چند مرد اور خواتین برآمد ہوئیں جن کی ٹانگیں برہنہ تھیں۔ انہوں نے باہم مل کر رقص کیا جس کے بعد تیز اور مسرت بھری لے میں وائلن کی دھنیں بجائی گئیں۔ ایک لڑکی جس کی ٹانگیں موٹی اور بازو دبلے پتلے تھے دوسروں سے علیحدہ ہو کر سٹیج کے ایک کنارے پر گئی اور اپنی قمیص درست کر کے سٹیج کے درمیان میں آ گئی اور فضا میں چھلانگیں لگاتے ہوئے تیزی سے پاؤں باہم ٹکرانا شروع کر دیے۔ ہال میں موجود تمام لوگ تالیاں بجانے اور داد دینے میں مصروف ہو گئے۔ پھر ایک شخص سٹیج کے کونے میں گیا۔ اس کی ٹانگیں برہنہ تھیں۔ وہ تیزی سے اچھل کود کرنے لگا اور اتنی تیزی سے چھت کی جانب چھلانگ لگاتا تھا کہ اس کی ٹانگیں دکھائی ہی نہ دیتی تھیں (یہ ڈوپورٹ تھا اور صرف اسی فن کے عوض سالانہ ساٹھ ہزار روبل وصول کرتا تھا) ہال، گیلریوں اور باکس میں موجود تمام لوگ شور مچا کر اسے داد دینے لگے۔ وہ شخص رکا اور مسکراتے ہوئے جھک جھک کر ناظرین کو سلام کرنے لگا۔ اس کے بعد دوسرے مرد و خواتین اپنی برہنہ ٹانگوں پر ناچنے لگے۔ ان کے بعد بادشاہ اور ملکہ میں سے کسی نے گا کر کچھ کہا اور وہ سب مل کر گانا شروع ہو گئے۔ تاہم پھر سٹیج پر اچانک ہنگامہ سا شروع ہو گیا اور آرکسٹرا کی موسیقی بدل گئی۔ تمام لوگ اپنے ایک اور ساتھی کو کھینچتے ہوئے وہاں سے بھاگ نکلے اور پردہ گر گیا۔ اس مرتبہ داد و تحسین کے شور و غل سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ ہر چہرہ خوشی سے سرشار تھا اور لوگ چلا چلا کر کہہ رہے تھے:

"ڈوپورٹ، ڈوپورٹ، ڈوپورٹ"

نتاشا کو اب یہ سب کچھ عجیب نہیں لگ رہا تھا۔ اس نے خوشی سے مسکراتے ہوئے اپنے گرد و پیش دیکھا۔

ایلین اس سے کہنے لگی "ڈوپورٹ نے کمال کر دیا"

نتاشا نے جواب دیا "جی ہاں"

(10)

وقفے میں ایلین کے باکس میں سرد ہوا کا جھونکا آیا اور دروازے سے اناطول اندر داخل ہوا۔ اس نے کمر جھکا رکھی تھی اور کوشش کر رہا تھا کہ کسی سے ٹکرا نہ جائے۔

ایلین نے بے چین نگاہوں سے نتاشا کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا "کہو تو میں تمہیں اپنے بھائی سے متعارف کرا دوں؟"

نتاشا نے اپنا خوبصورت چھوٹا سا سر خوبصورت ایجوٹنٹ کی جانب گھمایا اور اپنے عریاں بازو کے اوپر سے اسے دیکھ کر مسکرانے لگی۔ اناطول اس کے قریب بیٹھ گیا اور وہ قریب سے بھی اتنا ہی خوبصورت تھا جتنا دور سے دکھائی دیا تھا۔ وہ اسے بتانے لگا کہ "میں کافی دیر سے تمہیں دیکھنے کا مشتاق تھا بلکہ سچ تو یہ ہے کہ جب میں نے تمہیں ناریشکن کی محفل رقص میں دیکھا تھا تو اتنی خوشی ہوئی جو میں اب بھی نہیں بھول سکتا اور اسی دن سے تمہیں دیکھنے کا خواہشمند ہوں" کورا گن مردوں کی نسبت خواتین کی صحبت میں کہیں زیادہ سمجھداری اور بے بناوٹی کا مظاہرہ کرتا تھا۔ وہ بے تکلفی سے فطری انداز میں بات چیت کرتا اور نتاشا کو یہ دیکھ کر خوشگوار حیرت ہوئی کہ اس شخص نے بالکل ایسی کوئی بات نہ کی جسے خوفناک کہا جا سکے حالانکہ وہ اس کے بارے میں بہت سی منفی باتیں سن چکی تھی۔ اس کی بجائے وہ اسے بے ریا، نیک اور خوشگوار طبیعت کا مالک دکھائی دیا جس سے زیادہ کوئی اور شخص ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

اناطول نے فنکاروں کی کارکردگی کے بارے میں اس کی رائے پوچھی اور اسے بتانے لگا کہ کس طرح سیمیونووا اپنے گزشتہ مظاہرے کے دوران سٹیج سے گر گئی تھی۔

وہ نتاشا سے کہہ رہا تھا "اور نوابزادی تم جانتی ہو کہ ہم ایک کھیل کا اہتمام کر رہے ہیں؟ تم ہر صورت اس میں شریک ہوگی۔ بہت مزا آئے گا۔ ہم سب آخاروف خاندان کے ہاں اکٹھے ہوں گے۔ تم وہاں ضرور آنا" اس کا انداز ایسا تھا جیسے وہ اس کا پرانا دوست ہو۔

یہ باتیں کرتے ہوئے اس نے ایک لمحے کیلئے بھی اپنی نگاہیں نتاشا کے چہرے اور بازوؤں سے نہ ہٹائیں۔ نتاشا کو اس حوالے سے کوئی شبہ نہیں تھا کہ وہ اس کی محبت میں گرفتار ہو چکا تھا۔ اس سے وہ خوش تو ضرور ہوئی مگر کوئی ایسی بات ضرور تھی جس نے اس کی موجودگی پریشان کن بنا دی تھی۔ اسے یوں لگا جیسے وہ مشکل صورتحال میں پھنس گئی ہو اور یوں وہ بے چین ہونے لگی۔ جب وہ کہیں اور دیکھتی تو اسے یوں محسوس ہوتا جیسے وہ اس کے سراپے کا جائزہ لے رہا ہے اور فطری جبلت کے تحت وہ بھی اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگتی تاکہ اس کی توجہ اپنے چہرے کی جانب مبذول کرا سکے۔ جب وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی تو اس پر خوف طاری ہو جاتا اور اسے یہ اندازہ ہونے لگتا کہ اس نے شعوری طور پر اپنے اور دوسرے مردوں کے مابین شائستگی کی جو دیوار کھڑی کر رکھی ہے وہ ان کے مابین موجود نہیں۔ یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ وہ خود کو پانچ منٹ میں ہی اس شخص سے اتنا قریب کیوں محسوس کرنے لگی ہے۔ جب وہ اپنی نگاہیں کسی اور جانب پھیرتی تو اسے یہ اندیشہ ہونے لگتا کہ وہ پیچھے سے اس کا عریاں بازو تھام لے گا اور اس کی گردن

چچا چلا چلا کر کہہ رہا تھا" بہت اچھے، بہت اچھے، چھوٹی نوابزادی۔۔۔آگے، تیز چلو" وہ خوشی سے قہقہے لگا رہا تھا اور کہے جاتا تھا" بہت خوب بھتیجی، ہمارا ایک ہی کام ہے کہ تمہارے لیے کوئی خوبصورت نوجوان ڈھونڈیں۔۔۔"

نکولائی مسکراتے ہوئے بولا" ایک پہلے ہی ڈھونڈ لیا گیا ہے"

چچا نے حیرانی سے مسکراتے ہوئے کہا" اوہ" اور نتاشا کی جانب سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔ نتاشا نے خوشی سے سرشار ہو کر مسکراتے ہوئے اس کی تائید کی۔

وہ کہنے لگی" وہ اتنے اچھے ہیں" جونہی اس کے منہ سے یہ الفاظ نکلے، اس کے ذہن میں خیالات وجذبات کا نیا سلسلہ شروع ہو گیا۔ وہ سوچنے لگی" جب نکولائی نے کہا کہ 'ایک پہلے ہی ڈھونڈ لیا گیا ہے' تو وہ مسکرایا کیوں تھا؟ وہ خوش ہے یا ناخوش؟ لگتا ہے کہ اس کے خیال میں بلکونسکی ایسی رونق کی وجہ سمجھ سکیں گے نہ پسند کریں گے۔ مگر وہ سب کچھ سمجھ لیں گے۔ مگر اس وقت وہ کہاں ہیں؟" وہ حیران تھی اور اس کا چہرہ اچانک سنجیدہ ہو گیا۔ تاہم یہ کیفیت چند ثانیے رہی۔ اس نے اپنے آپ سے کہا" اس حوالے سے مت سوچو، کوئی خیال دل میں مت لاؤ" وہ مسکراتے چچا کے پاس بیٹھ گئی اور اس سے مزید کچھ دیر ساز بجانے کی فرمائش کرنے لگی۔

چچا نے ساز پر ایک اور گیت کے علاوہ والز رقص کی دھن بجائی۔ کچھ دیر بعد اس نے اپنا گلا صاف کیا اور اپنا پسندیدہ شکاری گیت الاپنے لگا۔

جب شام کا دھند لکا پھیلا
اور سرما کی پہلی برف پڑی

چچا کے گانے کا انداز دیہاتی کسانوں جیسا تھا۔ یہ کتنے سادہ دل لوگ ہوتے ہیں اور انہیں مکمل یقین ہوتا ہے کہ گیت کے تمام معانی الفاظ میں پنہاں ہوتے ہیں اور یہ کہ دھن بے ساختہ آتی ہے اور شعر کو نمایاں کرنے اور اس کے وزن کا تعین کرنے کیلئے وجود میں آتی ہے، چنانچہ اس دھن میں بھی وہی غیر معمولی دلکشی تھی جو پرندے کے گانے میں ہوتی ہے۔ نتاشا چچا کی گلوکاری سن کر وجد میں آ گئی۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اب بربط کا سبق نہیں لے گی اور اپنی تمام توجہ گٹار پر دے گی۔ اس نے چچا سے گٹار مانگی اور فوراً ہی گیت گانے لگی۔

دس بجے نتاشا اور پیٹیا کو واپس لے جانے کیلئے ایک گاڑی اور چھوٹی ویگن پہنچ گئی۔ ان کے ساتھ تین ملازمین بھی تھے۔ ایک ملازم نے بتایا کہ" نواب اور بیگم کو بالکل علم نہیں تھا کہ آپ لوگ کہاں ہیں اور وہ آپ کے بارے میں بیحد فکرمند ہیں"

پیٹیا کو لاش کی طرح اٹھا کر ویگن میں لٹایا گیا۔ نکولائی اور نتاشا گاڑی میں بیٹھ گئے۔ چچا نے نتاشا کو چادر اوڑھائی اور شفقت سے الوداع کیا۔ وہ پل تک ان کے ساتھ پیدل آیا۔ پل سے گاڑیاں نہیں گزر سکتی تھیں چنانچہ انہوں نے گاڑیاں ندی میں ڈال کر اسے عبور کیا۔ چچا نے اپنے چند نوکران کے ساتھ کر دیے جو لالٹینیں اٹھا کر ان کے آگے آگے چلنے لگے۔

تاریکی میں آواز سنائی دی" پیاری چھوٹی بھتیجی، خدا حافظ" مگر یہ وہ آواز نہیں تھی جو نتاشا نے پہلے بھی سن رکھی تھی بلکہ یہ وہ آواز تھی جس نے" شام کا دھند لکا" گایا تھا۔

وہ گاؤں کے درمیان سے گزرے جہاں سرخ روشنیاں چمک رہی تھیں اور دھوئیں کی خوشگوار باس پھیلی تھی۔

بڑی سڑک پر پہنچنے کے بعد نتاشا بولی" یہ چچا کتنے اچھے ہیں"

نکولائی نے جواب دیا" ہاں، تمہیں سردی تو نہیں لگ رہی؟"

نتاشا کہنے لگی" نہیں، میں بالکل ٹھیک ہوں، مجھے بیحد خوشی ہے" اس کے دل میں موجود جذبات نے اسے الجھا دیا تھا۔

رات سرد اور اندھیری تھی، انہیں گھوڑے دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ صرف کیچڑ میں ان کے سموں کی آوازیں آ رہی تھیں۔

زندگی کے مختلف تاثرات قبول کرتی اور انہیں اپنے اندر جذب کرتی اس معصوم اور اثر پذیر روح میں کون کون سے محسوسات پیدا ہو رہے تھے؟ وہ سب اس کے قلب و ذہن میں کیسے سرایت کر گئے؟ مگر وہ خوشی سے نہال ہو رہی تھی۔ جب وہ گھر کے قریب پہنچنے لگے تو وہ اچانک" شام کا دھند لکا" کی دھن گنگنانے لگی۔ وہ تمام راستے اسے یاد کرنے کی کوشش کرتی چلی آئی تھی اور آخر کار اسے یاد آ ہی گئی۔

نکولائی نے اس سے پوچھا" یاد آ گئی؟"

نتاشا بولی" نکولائی تم ابھی ابھی کیا سوچ رہے تھے؟"

انہیں ایک دوسرے سے یہ سوال پوچھنے کا بیحد شوق تھا۔

نکولائی فوراً بولا" میں؟ خیر تمہیں علم ہونا چاہئے کہ میں پہلی بات یہ سوچ رہا تھا کہ وہ سرخ کتا روگے بالکل چچا جیسا ہے، اور اگر وہ انسان ہوتا تو شکار کیلئے نہیں تو کم از کم ہم آہنگی کیلئے ہی چچا اسے ضرور اپنے ساتھ رکھتے۔ چچا واقعی اچھا انسان ہے! کیا کہتی ہو، چلو چھوڑو تم کیا سوچ رہی تھیں؟"

نتاشا کہنے لگی" میں؟ ذرا ٹھہرو، ایک منٹ، پہلے تو میں یہ سوچ رہی تھی کہ یہاں ہماری گاڑیاں چل رہی ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ ہم گھر جا رہے ہیں مگر خدا ہی جانتا ہے کہ اس اندھیرے میں ہم کہاں جا رہے ہیں۔ خدا جانے ہم اچانک ایسی جگہ پر پہنچ جائیں جس کے بارے میں ہمیں علم ہو کہ یہ اوٹرادنوے تو نہیں، اور ہم یہ سوچنے لگیں کہ ہو سکتا ہے یہی پریوں کا مسکن ہو۔ اور پھر میں نے سوچا۔۔۔ نہیں، بس یہی کچھ سوچا تھا"

نکولائی مسکراتے ہوئے بولا" میں جانتا ہوں، تم شاید ان کے بارے میں سوچ رہی تھیں" نتاشا اس کی آواز سن کر جان گئی تھی کہ وہ مسکرا رہا ہے۔

وہ بولی" نہیں" حالانکہ وہ واقعی اس وقت شہزادہ آندرے کے بارے میں ہی سوچ رہی تھی اور اس نے یہ بھی سوچا تھا کہ چچا کے بارے میں اس کا کیا رویہ ہوتا۔ وہ کہنے لگی" پھر میں تمام راستے یہی سوچتی رہی کہ انیسیا نے اپنا کام کتنی خوبصورتی سے کیا۔۔۔"

نکولائی کو اس کی بیساختہ ہنسی سنائی دی۔

وہ اچانک بولی" تم جانتے ہو، مجھے یقین ہے کہ اس وقت میں جتنی خوش ہوں، دوبارہ کبھی نہیں ہو سکوں گی"

نکولائی نے کہا" فضول، احمقانہ باتیں مت کرو" وہ سوچ رہا تھا" یہ نتاشا کتنی اچھی ہے، مجھے اس جیسا دوست کبھی ملا تھا نہ ملے گا۔ آخر اسے شادی کی ضرورت کیوں پیش آ گئی؟ میں اس کے ساتھ ایسا سفر ہمیشہ کر سکتا ہوں"

نتاشا نے سوچا" نکولائی کتنا اچھا ہے"

اس نے گھر کی کھڑکیوں کی جانب اشارہ کیا جو رات کی سرد اور مخملیں تاریکی میں جھلمل کرتی ان کی منتظر تھیں۔ وہ کہنے لگی" ارے، ڈرائنگ روم میں ابھی تک روشنی ہو رہی ہے"

(8)

نواب ایلیا آندریچ نے مارشل کا عہدہ چھوڑ دیا تھا کیونکہ اس کی وجہ سے اسے ضرورت سے زیادہ اخراجات کرنا پڑتے تھے تاہم اس کے مالی معاملات پھر بھی بہتر نہ ہو سکے۔ نکولائی اور نتاشا نے اپنے والدین کو اکثر پریشانی کے عالم میں چھپ چھپ کر مشورہ کرتے دیکھا اور انہیں ماسکو میں اپنے شاندار اور مہنگے مکان اور شہر کی مضافاتی جاگیر کو فروخت کرنے کے بارے میں گفتگو کرتے سنا۔ اب جبکہ نواب، مارشل نہیں رہا تھا، اس لیے ان کیلئے وسیع دعوتوں کے انعقاد کی ضرورت بھی باقی نہ رہی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ گزشتہ برسوں کے مقابلے میں اوترادنوئے میں ان کے شب و روز نسبتاً سکون اور خاموشی سے گزر رہے تھے۔ البتہ ان کے وسیع و عریض مکان اور ملحقہ عمارات میں اب بھی لوگوں کا رش رہتا اور ہر روز دستر خوان پر بیس سے زائد لوگ اکٹھے ہو جاتے۔ ان میں اکثر ان کے وہ دوست تھے جو ان کے گھر میں ہی آباد ہو چکے تھے اور انہوں نے تقریباً خاندان کے رکن کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ چند لوگوں کیلئے نواب کے گھر میں رہنا مجبوری تھی۔ ان میں موسیقار ڈملر اور اس کی بیوی، رقص کا استاد فوگل اور اس کا خاندان، ایک غیر شادی شدہ خاتون بیلووا اور متعدد دیگر لوگ شامل تھے۔ یہ تمام لوگ اپنے گھروں میں رہنے کی بجائے نواب کے مکان میں رہتے تھے یا پھر اس میں انہیں زیادہ فائدہ دکھائی دیتا تھا۔ اگرچہ اب باہر سے کم مہمان آیا کرتے تھے مگر ان کے اپنے طرز زندگی میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی تھی کیونکہ نواب اور بیگم کیلئے اس طرز زندگی کو بدلنا چنداں ممکن نہ تھا۔ شکار کا سلسلہ بھی ویسا ہی تھا بلکہ نکولائی نے اس میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔ اصطبلوں میں پچاس گھوڑے اور پندرہ سائیس تھے۔ نام دن کے موقع پر حسب معمول قیمتی تحائف دینے اور شاندار دعوتوں کا سلسلہ جاری تھا جس میں تمام ضلع کے لوگ مدعو کیے جاتے تھے۔ نواب اب بھی وسٹ اور بوسٹن جیسے تاش کے کھیل کھیلتا۔ دوران کھیل وہ اپنے پتے اس طرح تھامتا تھا کہ وہ ہر شخص کو نظر آتے تھے اور یوں اس کے ہمسائے روزانہ اسے سینکڑوں روبل کا نقصان پہنچا دیتے۔ ان ہمسایوں کیلئے نواب کے ساتھ تاش کی بازی لگانا آمدنی کا منافع بخش سرمایہ کاری بن گئی تھی۔

نواب نے اپنے معاملات کے بارے میں جو طرز عمل اختیار کر رکھا تھا وہ عین ایسے ہی تھا جیسے کسی بہت بڑے جال میں چل رہا ہو۔ وہ ہمیشہ خود کو یہی یقین دلانے کی کوشش کرتا تھا کہ پھندے میں گرفتار نہیں ہوا مگر اس کا ہر اقدام اسے مزید الجھا دیتا اور اسے یہ محسوس ہونے لگا تھا کہ اب اس میں اتنی ہمت باقی نہیں رہی کہ اس پھندے سے نکل سکے اور اتنا صبر و ضبط بھی نہیں رہا کہ اس کی گرہیں کھول جا سکیں۔ بیگم کا پیار بھرا دل اسے بتا رہا تھا کہ اس کے بچوں کی قسمت دن بدن خراب ہوتی چلی جا رہی ہے مگر اسے یوں لگتا تھا جیسے اس میں اس کا کوئی قصور نہیں کیونکہ وہ جو کچھ تھا اس کے سوا کچھ اور بن ہی نہیں سکتا تھا اور یہ کہ اسے اپنے بچوں کی تباہی کا خود بھی احساس تھا اور یہ احساس اسے کسی پل چین نہیں لینے دیتا تھا (اگرچہ وہ اپنی اس بے چینی کو خفیہ رکھنے کی کوشش کرتا تھا) بیگم بھی اس صورتحال پر قابو پانے کیلئے سوچ بچار کرتی رہتی تھی مگر نسوانی نقطہ نظر سے اسے اس مسئلے کا یہی حل دکھائی دیتا تھا کہ نکولائی کسی امیر لڑکی سے شادی رچا لے۔ اس کے خیال میں یہی امید کی آخری کرن تھی اور اگر نکولائی نے اس کے تلاش کردہ رشتے کو قبول کرنے سے انکار کیا تو پھر ان کے تمام خوش کن خواب ملیامیٹ ہو جائیں گے اور وہ اپنا سابقہ جاہ اور رتبہ کبھی واپس نہیں لا سکیں گے۔ یہ رشتہ جولی کاراگن کا تھا۔ وہ شاندار اور اچھے والدین کی بیٹی تھی اور روستوف اسے بچپن سے جانتے تھے۔ اب اپنے آخری بھائی کی موت کے بعد وہ جائیداد کی تنہا وارث تھی۔

بیگم نے جولی کی والدہ کو براہ راست ماسکو میں خط لکھا جس میں اس نے بچوں کے رشتے کی تجویز پیش کی تھی اور اسے اچھا جواب موصول ہوا۔ جولی کی والدہ نے لکھا تھا "مجھے اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں مگر بات کا دارومدار میری بیٹی کی خواہش پر ہو گا۔" اس نے نکولائی کو ماسکو آنے کی دعوت بھی دے ڈالی۔ بیگم روستوف متعدد بار آنسوؤں کے ساتھ اپنے بیٹے پر واضح کر چکی تھی کہ اب جبکہ اس کی دونوں بیٹیوں کی قسمت کا تعین ہو چکا ہے تو اس کی واحد خواہش صرف یہ ہے کہ اس کا بیٹا شادی کر لے اور وہ کہتی کہ اگر یہ معاملہ طے ہو گیا تو پھر وہ سکون سے مر سکے گی۔ وہ اسے بتاتی کہ اس کے ذہن میں ایک خوبصورت اور اچھی عادات کی مالک لڑکی ہے اور اس سے یہ بھی پوچھتی کہ شادی کے بارے میں اس کے اپنے نظریات کیا ہیں۔

دیگر مواقع پر وہ اس کے سامنے جولی کی تعریفیں کرنے لگتی اور نکولائی کو مشورہ دیتی کہ وہ یہ چھٹیاں گزارنے ماسکو جائے اور وہاں کی زندگی سے لطف اندوز ہو۔ نکولائی جان گیا کہ اس کی والدہ کیا چاہتی ہے اور ایسی ہی ایک گفتگو میں اس نے اصرار کیا کہ وہ اپنی بات واضح کرے۔ ماں نے اسے مبہم انداز میں بتا دیا کہ "ہمارے معاملات اتنے خراب ہو چکے ہیں کہ انہیں درست ڈگر پر واپس لانے کا واحد حل تمہاری جولی کاراگن سے شادی ہے۔"

نکولائی نے جواب دیا "مگر امی! اگر مجھے کسی غریب لڑکی سے محبت ہے تو کیا پھر بھی آپ کو مجھ سے یہ توقع ہو گی کہ میں دولت کی خاطر اپنے جذبات کچل دوں اور عزت کی پروا نہ کروں؟" اسے اپنے سوال کی سفاکی کا اندازہ ہی نہ تھا اور وہ صرف خود کو با اصول اور دیانتدار ثابت کرنا چاہتا تھا۔

بیگم روستوف کہنے لگی "نہیں تم میری بات نہیں سمجھے" اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اپنے موقف کو کیسے درست ثابت کرے۔ اس نے کہا "نکولینکا! تم نے مجھے غلط سمجھا، میں تو صرف تمہاری خوشی چاہتی ہوں" اسے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ سچ نہیں بول رہی اور اس کا ذہن منتشر ہے۔ اس نے رونا شروع کر دیا۔

نکولائی بولا "پیاری امی، آپ رو کیوں رہی ہیں؟ آپ بس مجھے یہ بتائیں کہ آپ کی کیا خواہش ہے۔ میں آپ کی خوشی کیلئے ہر کام کر گزروں گا۔ میں آپ کیلئے ہر شے حتیٰ کہ اپنے جذبات بھی قربان کر دوں گا۔"

مگر ماں بیٹے کے سامنے یوں ہاتھ نہیں پھیلانا چاہتی تھی۔ وہ اپنے بیٹے سے قربانی نہیں چاہتی تھی اور اس قربانی سے پہلے اپنی ذات قربان کر سکتی تھی۔

وہ کہنے لگی "نہیں تم میری بات نہیں سمجھے، چلو چھوڑو۔" اس نے آنسو پونچھنا شروع کر دیے۔

نکولائی نے سوچا "شاید میں واقعی کسی غریب لڑکی سے پیار کرتا ہوں۔ کیا مجھے دولت کی خاطر اپنے جذبات کچلنا ہوں گے؟ اپنی عزت داؤ پر لگانا ہو گی؟ نجانے امی نے مجھے یہ تجویز پیش ہی کیوں کی؟ سونیا کے غریب ہونے کی وجہ سے مجھے اس سے محبت نہیں کرنی چاہیے۔ اس کی سچی محبت کی طرف سے آنکھیں بند کر لینی چاہئیں؟ سچ تو یہ ہے کہ میں جولی جیسی کسی لڑکی کی بجائے اس کے ساتھ کہیں زیادہ خوش رہوں گا۔ میں اپنے جذبات سے ہٹ کر کوئی کام نہیں کر سکتا۔ اگر مجھے سونیا سے پیار ہے تو پھر میرے نزدیک یہ جذبہ دنیا کی ہر شے سے زیادہ مضبوط اور اعلیٰ ہے۔"

نکولائی ماسکو نہ گیا اور اس کی والدہ نے اس سے شادی کے بارے میں کوئی بات کی۔ مگر وہ یہ دیکھ کر دل ہی دل میں کڑھتی رہتی کہ اس کے بیٹے اور سونیا میں محبت دن بدن بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ اگرچہ اس پر وہ خود کو برا بھلا کہتی تھی مگر اس سے اپنی طبیعت پر جبر نہ ہوتا اور وہ سونیا کو دیکھ کر بڑبڑانے لگتی اور اس میں خامیاں تلاش کرنے کی کوشش کرتی۔ وہ جب بھی سونیا سے بات کرتی تو اسے طنزیہ انداز میں "میری پیاری" اور بے تکلفانہ "تم" کی جگہ "آپ" کہہ کر مخاطب

کرتی۔ مہربان بیگم کو یہ دیکھ کر بیحد الجھن ہوتی کہ اس کی یہ غریب بھانجی اتنی شریف النفس، نیک فطرت، اپنے محسنوں کی احسانمند اور نکولائی کے ساتھ اسقدر دلی محبت کرتی ہے کہ اس میں خامیاں تلاش کرنے کی کوئی گنجائش نہ تھی۔

نکولائی نے اپنی بقیہ چھٹی والدین کے ہاں گزاری۔ روم سے شہزادہ آندرے کا خط ملا جس میں اس نے لکھا تھا کہ اگر گرم موسم میں اس کا زخم غیر متوقع طور پر دوبارہ نہ کھلتا تو وہ کافی دیر پہلے روس پہنچ چکا ہوتا۔ مگر موجودہ صورتحال میں وہ اپنے وطن روانگی نئے سال کے آغاز تک ملتوی کرنے پر مجبور ہو گیا ہے۔ نتاشا کی اپنے منگیتر سے محبت میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوا تھا۔ اسے ابھی تک اس کیفیت میں پہلے جیسا سکون مل رہا تھا اور وہ زندگی کی خوشیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی تھی تاہم جدائی کے چوتھے ماہ اس پر افسردگی طاری رہنے لگی اور اس کیلئے اس کا توڑ ممکن نہ تھا۔ اسے اپنے آپ پر ترس آنے لگا اور وہ افسوس کرنے لگی کہ اس عرصہ میں اس کی ذہنی وجسمانی صلاحیتیں خواہ مخواہ ضائع ہوتی رہیں اور وہ کسی کے کام نہ آسکی۔ اس کا خیال تھا کہ اس میں چاہنے اور چاہے جانے کی بے پایاں صلاحیت موجود ہے۔

رستوف خاندان کے ہاں زندگی کی چمک دم غائب تھی۔

(9)

کرسمس آئی اور رسمی عبادت، ہمسایوں اور ملازمین کو مبارکبادوں اور نئے ملبوسات کے علاوہ کوئی ایسی بات وقوع پذیر نہ ہوئی جس سے یہ ظاہر ہوتا کہ ان چھٹیوں کو شایان شان انداز میں منانے کا کوئی خاص اہتمام کیا گیا ہے۔ موسمی کیفیت یکساں تھی۔ اگرچہ شدید سردی پڑ رہی تھی مگر دن کو آنکھیں چندھیا دینے والی دھوپ نکلتی اور رات کو آسمان ستاروں سے جگمگا اٹھتا۔ ایسے موسم کا تقاضا تھا کہ کرسمس دھوم دھام سے منائی جائے۔

کرسمس کے تیسرے دن شام کے کھانے کے بعد اہلخانہ مختلف کمروں میں چلے گئے۔ دن کا یہ وقت بیحد بور تھا۔ نکولائی نے دوپہر ہمسایوں سے ملاقاتوں میں گزاری تھی اور اب وہ کمرے میں سو رہا تھا۔ نواب اپنے کمرے میں سویا ہوا تھا۔ سونیا ڈرائنگ روم میں گول میز کے سامنے بیٹھی کشیدہ کاری میں مصروف تھی۔ بیگم رستوف اکیلی ہی تاش کا کھیل پیشنس کھیل رہی تھی۔ مسخرے ناستاسیا ایوانو ونا افسردہ چہرے کے ساتھ دو بوڑھیوں کے ہمراہ کھڑکی کے قریب بیٹھا تھا۔ نتاشا کمرے میں آئی اور سونیا کے پاس گئی اور اس کے کام پر سرسری نظر ڈالنے کے بعد دوسرے کمرے میں اپنی والدہ کے پاس پہنچ کر خاموش کھڑی ہو گئی۔

والدہ نے اس سے پوچھا "یہ تم پریشان روح کی طرح کیوں پھر رہی ہو؟ کیا چاہئے؟"

نتاشا بولی "مجھے وہ چاہئیں۔۔۔ اسی وقت چاہئیں، اسی لمحے" اس کی آنکھیں جگمگا رہی تھیں اور ہونٹوں سے مسکراہٹ غائب تھی۔ بیگم نے اپنا سر اٹھایا اور بیٹی کو سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

نتاشا نے کہا "امی مجھے مت دیکھیں، مت دیکھیں، ورنہ میں رونا شروع کر دوں گی"

ماں کہنے لگی "بیٹھ جاؤ، یہاں آؤ اور میرے پاس بیٹھو"

نتاشا بولی "امی، مجھے وہ چاہئیں۔ میں اس طرح وقت کیوں ضائع کر رہی ہوں، امی؟۔۔۔" اس کی آواز بھرا گئی اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے جنہیں چھپانے کیلئے اس نے فوراً منہ پھیر لیا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ وہ دوسرے کمرے میں پہنچی اور کچھ دیر اپنے خیالوں میں گم سم وہیں کھڑی رہی اور پھر خادماؤں کے کمرے کی جانب چل دی۔ وہاں ایک معمر خادمہ اپنے سامنے کھڑی نوجوان لڑکی کو ڈانٹ رہی تھی جو باہر سردی میں بھاگتی ہوئی آئی تھی۔

معمر خادمہ اسے کہہ رہی تھی "کھیلنا بند کرو، ہر کام کا ایک وقت ہوتا ہے"

نتاشا بولی "کوندراتیونا، چھوڑ دو" پھر وہ نوجوان لڑکی سے بولی "بھاگ جاؤ، مادروشا، جاؤ"

مادروشا کی جان چھڑانے کے بعد نتاشا ہال سے گزر کر بیرونی صحن میں چلی گئی۔ وہاں ایک معمر ملازم اور اس کے دو نوجوان ساتھی تاش کھیلنے میں مصروف تھے۔ نتاشا کو دیکھ کر انہوں نے پتے ایک جانب پھینک دیے اور کھڑے ہو گئے۔ نتاشا نے حیرانی سے سوچا "ان سے کون سا کام کرایا جانا چاہئے؟"

وہ بولی "ہاں نکیتا، ذرا جانا۔۔۔" پھر اس نے سوچا "اسے کہاں بھیجوں؟" کچھ سوچ کر وہ بولی "ہاں، صحن میں جاؤ اور میرے لیے ایک مرغا لاؤ، اور مشا تم کچھ دانا دنکا لے آؤ"

مشا جو خوشدلی سے مستعد کھڑا تھا بولا "کچھ دانا دنکا"

بوڑھے نے اسے کہا "دیر نہ کرو، جلدی جاؤ"

نتاشا نے دوسرے نوکر سے کہا "فیودور، تم مجھے چاک لا دو"

وہ کھانے کی اشیاء کے کمرے سے گزری تو اس نے سماوار گرم کرنے کا حکم دیا حالانکہ یہ چائے کا وقت نہیں تھا۔

باورچی فوکا گھر کا بدمزاج ملازم تھا اور نتاشا کو ہمیشہ اس پر اپنا حکم چلاتے دیکھ کر خوشی ہوتی تھی۔ فوکا کو اس کی بات کا یقین نہ آیا اور وہ یہ دریافت کرنے چلا گیا کہ کیا واقعی سماوار کی ضرورت ہے۔

اس نے نتاشا پر مصنوعی غصہ کرتے ہوئے کہا "ارے، تم چھوٹی بھی بہت خوب ہو"

گھر کا کوئی فرد نوکروں کو اتنا تنگ نہیں کرتا تھا جتنا کہ نتاشا کرتی تھی۔ جونہی وہ ان میں سے کسی کو دیکھتی تو اس کا کوئی حکم چلانے کو دل کرتا۔ یوں لگتا تھا وہ یہ دیکھنا چاہتی ہے کہ کوئی اس کے حکم پر پیچ وتاب کھاتا ہے یا نہیں۔ تاہم کسی کے احکامات اتنی خوشدلی سے بجا نہیں لائے جاتے تھے جتنا کہ اس کی بات مانی جاتی تھی۔ وہ راہداری میں آہستگی سے چلتی ہوئی سوچ رہی تھی "کہاں جاؤں؟"

اسی دوران سامنے سے مسخرہ خواتین والی جیکٹ پہنے نمودار ہوا۔ نتاشا اسے دیکھتے ہی کہنے لگی "ناستاسیا ایوانو ونا! میرے بچے کیسے ہوں گے؟"

مسخرے نے جواب دیا "پسو، کالی مکھیاں، ٹڈے"

نتاشا نے کہا "اوہ میرے خدایا، میرے خدایا! ہمیشہ یہی جواب ملتا ہے۔ ارے میں کہاں جاؤں؟ میں اپنا کیا کروں؟" وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ وہ آخری منزل پر رہنے والے فوگل اور اس کی بیوی سے ملنا چاہتی تھی۔ وہ آیا ئیں فوگل میاں بیوی کے ساتھ میز کے قریب بیٹھی تھیں جس پر خشک میووں کی پلیٹیں رکھی تھیں۔ ان کے مابین یہ بحث جاری تھی کہ "ماسکو سستا ہے یا اوڈیسہ" نتاشا ان کے سامنے بیٹھ کر سنجیدگی سے باتیں سنتی رہی اور پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ اچانک بولی "جزیرہ مڈغاسکر" اس نے ایک ایک لفظ علیحدہ کر کے کہا "مڈ۔ غا۔ سکر" اور مادام شوس کے سوال کا جواب دیے بغیر کمرے سے باہر نکل گئی۔

اس کا بھائی پیٹیا بالائی منزل پر اپنے استاد کے ساتھ پھلجھڑیاں تیار کر رہا تھا جو رات کو چھوڑی جانا تھیں۔

نتاشا نے چلا کر کہا "پیٹیا، پیٹکا! مجھے سیڑھیوں سے نیچے لے چلو" پیٹیا بھاگ کر اس کی جانب آیا اور اسے اپنی کمر پر سوار کر کے ادھر ادھر بھاگنے لگا۔ نتاشا کہنے لگی "نہیں نہیں بس کافی ہے۔ جزیرہ مڈغاسکر" اور پھر چلانے لگا کہ اس

کی کمرے اتر آئی اور سیڑھیاں اترنے لگی۔

یہ سب ایسے ہی تھا جیسے وہ اپنی مملکت کا جائزہ لے چکی ہو اور اختیارات کی آزمائش کر چکی ہو نیز اپنے آپ کو یقین دلا چکی ہو کہ ہر شخص اس کا فرمانبردار ہے، تاہم یہ سب کچھ بے مزا تھا۔ نتاشا ہال میں چلی گئی۔ اس نے اپنی گٹار اٹھائی اور کتابوں کی الماری کے پیچھے ایک تاریک کونے میں بیٹھ کر تاروں پر انگلیاں پھیرنے لگی۔ اس نے پیٹرز برگ میں شہزادے آندرے کے ساتھ دیکھے اوپیرا کی ایک دھن یاد کی اور آہستگی سے اسے دہرانا شروع کر دیا۔ اس کی گٹار سے جو آوازیں نکل رہی تھیں ان میں اگرچہ دیگر سننے والوں کو کوئی معانی دکھائی نہ دیتے تھے مگر خود اس کے ذہن میں بے شمار یادیں تازہ ہو گئی تھیں۔ وہ کتابوں کی الماری کے پیچھے بیٹھی تھی اور اس کی نگاہیں روشنی کی ایک لکیر پر مرکوز تھیں جو کھانے کی اشیاء والے کمرے سے نکل رہی تھی۔ وہ خود ہی گٹار بجا کر سن رہی تھی اور یادیں تازہ کرنے میں مشغول تھی۔ اس کا ذہن بار بار ماضی کی طرف جا رہا تھا۔

سونیا کھانے کی اشیاء کے کمرے کے قریب سے گزری۔ اس کے ہاتھ میں پانی کا گلاس تھا۔ نتاشا کی نظر اس پر اور دروازے کی درز پر پڑی اور یوں لگا کہ جیسے وہ پہلے بھی یہ منظر دیکھ چکی ہے۔ نتاشا نے سوچا "ہاں بالکل ایسے ہی تھا"

اس نے انگلیوں سے ایک تار کھینچا کر پوچھا "سونیا، یہ کیا ہے؟"

سونیا گھبرا گئی اور بولی "ارے، تم وہاں ہو" اور اس کی بات سننے چلی آئی۔ وہ کہنے لگی "معلوم نہیں، شاید طوفان؟" اسے خدشہ تھا کہ کہیں وہ غلط نہ کہہ دے۔

نتاشا کے ذہن میں خیال آیا "ارے ہاں، یہ پہلے بھی اسی طرح گھبرائی ہوئی آئی تھی اور اس وقت بھی مجھے یہی محسوس ہوا تھا کہ اس میں کسی شے کی کمی ہے"

نتاشا بولی "نہیں یہ "پانی بھرنے والی" کے کورس کا ایک بند ہے، سنو" اس نے دھن بجانا شروع کر دی تاکہ سونیا سے سمجھ سکے۔ وہ جانے لگی تو نتاشا نے پوچھا "کہاں جا رہی ہو؟"

سونیا نے جواب دیا "اس گلاس کا پانی بدلنے جا رہی ہوں۔ میرا نمونہ ختم ہونے والا ہے"

نتاشا کہنے لگی "تم ہمیشہ کوئی نہ کوئی کام ڈھونڈ لیتی ہو، مجھے کچھ نہیں ملتا۔ نکولینکا کہاں ہے"

سونیا نے جواب دیا "میرا خیال ہے، سو رہے ہیں"

نتاشا بولی "سونیا جاؤ اور اسے جگا دو، اسے کہو میں چاہتی ہوں کہ وہ یہاں آئے اور گانا گائے"

وہ مزید کچھ دیر یونہی بیٹھی یہ سوچ کر حیران ہوتی رہی کہ یہ واقعہ پہلے بھی پیش آیا تھا۔ اس کیا مطلب ہے۔ تاہم اس مسئلے کو حل کئے بغیر اور اپنی ناکامی پر کسی قسم کی پریشانی کا اظہار کئے بغیر وہ اپنے تصورات میں وہ وقت یاد کرنے لگی جب وہ اس کے ساتھ ہوتا تھا اور اسے پیار بھری نظروں سے دیکھتا تھا۔

اس نے سوچا "کیا ہی اچھا ہو کہ وہ جلد آ جائیں۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ یہ کبھی نہیں ہوگا۔ اور سب سے بری بات یہ ہے کہ میری عمر گزرتی جا رہی ہے۔ یہی اصل مسئلہ ہے۔ بہت جلد میں ایسی نہیں رہوں گی۔ شاید وہ آج آ جائیں، شاید وہ ابھی پہنچ جائیں، ہو سکتا ہے وہ آ گئے ہوں، ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوں۔ شاید وہ کل آئے تھے اور میں ہی بھول گئی ہوں"

وہ اٹھی، گٹار نیچے رکھی اور ڈرائنگ روم کی طرف چل دی۔ تمام اہلخانہ، استاد، آیائیں اور مہمان چائے کی میز پر بیٹھے تھے اور نوکران کے پیچھے کھڑے تھے۔ مگر شہزادہ آندرے وہاں نہیں تھا اور زندگی معمول کے مطابق جاری تھی۔

نواب ایلیا آندریچ نے اسے دیکھتے ہی کہا "ارے، وہ آ گئی۔ آؤ اور میرے پاس بیٹھ جاؤ"

نتاشا اپنی والدہ کے پاس بیٹھ گئی اور ادھر ادھر یوں دیکھنے لگی جیسے اسے کسی کی تلاش ہو۔

اس نے کہا "امی، مجھے وہ دے دیں، مجھے وہ دے دیں، فوری طور پر، بالکل ابھی" ایک مرتبہ پھر اس کیلئے اپنے آنسو ضبط کرنا مشکل ہو گیا۔ وہ میز کے قریب بیٹھ گئی اور اپنے والدین اور نکولائی کے مابین بات چیت سننے لگی۔ اس نے سوچا "اوہ خدایا! وہی چہرے، وہی باتیں، ابا جان بالکل ویسے ہی ہاتھ میں کپ پکڑے بیٹھے ہیں اور بالکل ویسے ہی اس پر پھونکیں مار رہے ہیں" وہ یہ محسوس کر کے ڈر گئی کہ اپنے تمام گھرانے سے اس کی نفرت میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا جن کی عادات واطوار ہمیشہ ایک جیسے رہتے ہیں

چائے پینے کے بعد نکولائی، نتاشا اور سونیا بیٹھنے کے کمرے میں چلے گئے اور اپنے پسندیدہ کونے میں بیٹھ گئے جہاں بے تکلفانہ انداز میں بات چیت ہوتی تھی۔

(10)

کمرے میں بیٹھنے کے بعد نتاشا نے اپنے بھائی سے پوچھا "کیا تمہیں کبھی ایسا لگا ہے کہ کبھی کچھ بھی نہیں ہوگا اور یہ کہ ہر اچھی شے ماضی کا حصہ بن چکی ہے؟ اور کیا تمہیں کبھی ایسا محسوس ہوا ہے کہ تم اتنا بور نہیں ہو رہے جتنا کہ تم پر اداسی غالب آ چکی ہے؟"

نکولائی نے جواب دیا "ہاں، میرے خیال میں ایسا ہوتا ہے، کبھی کبھار میرے ساتھ ایسا ہوا ہے۔ بظاہر سب کچھ ٹھیک ہوتا ہے اور ہر جانب اطمینان ہوتا ہے مگر مجھے اچانک یوں محسوس ہونے لگتا ہے جیسے میں ان سب سے تنگ آ گیا ہوں اور یہ کہ ہم سب ختم ہو جائیں گے۔ ایک دن جب رجمنٹ کے لوگ خوشی منا رہے تھے اور میں اس میں شریک نہیں ہو سکا تھا۔ موسیقی جاری تھی اور اچانک مجھ پر افسردگی کے دورے پڑنا شروع ہو گئے۔۔۔"

نتاشا بولی "اوہ، ہاں، میں بھی اس کیفیت سے گزر چکی ہوں۔ جب میں چھوٹی سی تھی تو میرے ساتھ ایسا ہو جاتا تھا۔ تمہیں وہ دن یاد ہیں جب مجھے آلوچے کھانے پر سزا ملی تھی؟ تم سب جس کھیل رہے تھے اور میں بیٹھی رو رہی تھی۔ میں اتنا روئی کہ کبھی بھلا نہیں پاؤں گی۔ مجھے اپنے سمیت دنیا کے ہر شخص پر رحم آنے لگا تھا، اور افسوسناک بات یہ تھی کہ میرا قصور بھی نہ تھا۔ تمہیں یاد ہے؟"

نکولائی نے جواباً کہا "ہاں مجھے یاد ہے، اور پھر میں تمہارے پاس آیا تھا اور میں تمہیں تسلی دینا چاہتا تھا۔ تمہیں یاد ہوگا کہ مجھے بیحد شرمندگی تھی، ہم سب خوب ہنسے کھیلے تھے اور میرے پاس لکڑی کی گڑیا تھی جو میں تمہیں دینا چاہتا تھا"

نتاشا اداسی سے مسکراتے ہوئے بولی "اور تمہیں یاد ہوگا کہ بہت پہلے جب ہم بالکل بچے تھے تو چچا نے ہمیں اپنے پرانے مکان کے کمرے میں بلایا تھا، وہاں اندھیرا تھا اور ہم اندر چلے گئے، اچانک ہمیں اپنے سامنے ایک شخص کھڑا دکھائی دیا"

نکولائی نے خوشی سے کہا "حبشی تھا، مجھے بالکل یاد ہے اور آج تک یہ علم نہیں ہو سکا کہ وہ واقعی کوئی حبشی تھا یا ہمارا وہم، شاید ہمارے ذہن میں یہ بات ڈال دی گئی تھی"

نتاشا بولی "تمہیں یاد ہوگا کہ اس کے بال دودھیا سفید تھے اور وہ ہمیں گھورے جا رہا تھا"

نکولائی نے کہا" سونیا، تمہیں بھی یاد ہے؟"

سونیا شرماتے ہوئے بولی" ہاں، مجھے بھی تھوڑا تھوڑا یاد ہے"

نتاشا بولی" تم جانتی ہو کہ میں امی ابو سے اس حبشی کے بارے میں پوچھتی رہی ہوں اور وہ کہتے ہیں کہ حبشی وغیرہ کوئی نہیں تھا، مگر دیکھا ناں، تمہیں بھی یاد ہے"

سونیا نے کہا" ہاں مجھے یاد ہے، مجھے اس کے دانت بالکل اسی طرح یاد ہیں جیسے میں نے اسے ابھی ابھی دیکھا ہو"

نتاشا بولی" یہ کتنی عجیب و غریب بات ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے یہ کوئی خواب ہو اور مجھے بھی یہی بات پسند ہے" اس نے کہا" تمہیں یاد ہوگا کہ ہم بڑے ہال میں انڈے لڑھکا رہے تھے کہ اچانک دو بوڑھی عورتیں کہیں سے سامنے آ گئیں اور قالین کے گرد پھرکی کی طرح گھومنے لگی تھیں۔ ایسا ہوا تھا یا نہیں؟ تمہیں یاد ہے ہمیں کتنا لطف آیا تھا؟"

سونیا بولی" ہاں، اور تمہیں یاد ہے کہ ابا جان نے نیلا کوٹ پہن رکھا تھا اور کس طرح انہوں نے ڈیوڑھی میں بندوق چلا دی تھی"

یوں وہ خوشی سے اپنی یادیں تازہ کرتے رہے، مگر یہ بڑھاپے کی افسردہ یادیں نہ تھیں بلکہ جوانی کی شاعرانہ داستانیں اور ان کے ماضی کے وہ تاثرات تھے جن میں خواب اور حقیقتیں آپس میں گھل مل ہوتی ہیں۔ وہ اطمینان سے لطف اندوز ہو رہے تھے اور قہقہے لگانے میں مصروف تھے۔

ہمیشہ کی طرح سونیا یہاں بھی دوسروں سے پیچھے رہ گئی حالانکہ ان کی یادیں مشترک تھیں۔ انہیں جو کچھ یاد آ رہا تھا وہ اس کا زیادہ حصہ بھول چکی تھی اور اسے جو کچھ یاد آ رہا تھا وہ بھی اس کے دل میں ویسے جذبات نہ ابھار سکا جس کا ان دونوں کو تجربہ ہو رہا تھا۔ وہ صرف ان کی خوشی سے لطف اندوز ہو رہی تھی اور اسے مصنوعی انداز میں اپنے اوپر طاری کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ صرف اس وقت ان کی بات چیت میں پوری طرح شرکت کر سکی جب انہوں نے اپنے گھر میں اس کی آمد کے بارے میں باتیں شروع کیں۔ سونیا نے انہیں بتایا کہ وہ نکولائی سے کیسے ڈر گئی تھی کیونکہ آیا نے اسے بتایا تھا کہ اسے نکولائی کے کوٹ کی موٹی ڈوریوں سے باندھ دیا جائے گا۔

نتاشا بولی" مجھے بتایا گیا تھا کہ تم گوبھی کے پودے کے نیچے پیدا ہوئی تھیں اور مجھے یاد ہے کہ میں ان کی بات پر یقین نہیں کر سکی تھی حالانکہ مجھے علم تھا کہ یہ بات ٹھیک نہیں اور اس سے میں خاصی مضطرب بھی ہوئی تھی۔

جب وہ آپس میں باتیں کر رہے تھے تو کمرے کے پیچھے سے ایک نوکرانی نے جھانکا اور کہنے لگی" مس، وہ آپ کیلئے مرغا لے آئے ہیں"

نتاشا بولی" پولیا، مجھے نہیں چاہئے۔ انہیں کہیں کہ واپس لے جائیں"

ان کی بات چیت کے دوران ڈملر اندر آ گیا اور کونے میں کھڑے بربط کے پاس چلا گیا۔ اس نے ساز کا غلاف اتارا اور تار جھنجھنا اٹھے۔

ڈرائنگ روم سے بیگم رستوف کی آواز سنائی دی" ایڈورڈ کارلچ، مجھے وہ نغمہ سنائیں جس کی موسیقی مسٹر فیلڈ نے بنائی تھی۔ نوازش ہوگی"

ڈملر نے تار چھیڑے اور ان تینوں کی جانب متوجہ ہو کر کہنے لگا" آپ لوگ شور نہیں کر رہے؟"

نتاشا نے نظریں اٹھا کر کہا" ہاں، ہم فلسفیانہ باتوں میں مصروف ہیں" یہ کہہ کر وہ دوبارہ گفتگو میں شامل ہو گئی۔ اب وہ خوابوں کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔

ڈملر ساز بجانے لگا اور نتاشا آہستگی سے پنجوں کے بل چلتی میز کے قریب پہنچ گئی۔ اس نے موم بتی اٹھائی اور اسے باہر لے جا کر دوبارہ اپنی جگہ آ کر بیٹھ گئی۔ کمرے میں صوفے پر اندھیرا تھا مگر پورے چاند کی روشنی بلند و بالا کھڑکیوں سے چھن چھن کر اندر آ رہی تھی جس سے فرش روشن ہو گیا تھا۔

نکولائی نے نتاشا اور سونیا کے قریب ہو کر کہا" تم جانتی ہو" اس وقت ڈملر نغمہ ختم کرنے کے بعد آہستگی سے ساز پر انگلیاں پھیر رہا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے وہ یہ فیصلہ نہیں کر پایا کہ اسے نغمہ ختم کر دینا چاہئے یا کوئی اور شروع کرے۔ نکولائی نے دونوں سے کہا" تم جانتی ہو کہ میرے خیال میں جب کوئی شخص پرانی یادیں تازہ کرتا جاتا ہے تو آخر میں وہ وقت بھی آ جاتا ہے جب اسے وہ باتیں بھی یاد آنے لگتی ہیں جو اس وقت وقوع پذیر ہوئی تھیں جب وہ اس دنیا میں نہیں آیا تھا"

سونیا جو اچھی طالبہ تھی اور پڑھی لکھی باتیں یاد رکھتی تھی بولی" یہ تناسخ ارواح ہے۔ مصری لوگ اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ کسی دور میں ہماری روحیں جانوروں کے جسموں میں رہتی تھیں اور دوبارہ وہیں چلی جائیں گی"

نتاشا بولی" نہیں، میں یہ بات تسلیم نہیں کرتی کہ ہم بھی جانوروں میں رہتے تھے" اگرچہ موسیقی بند ہو چکی تھی مگر وہ ابھی تک سرگوشی میں باتیں کر رہی تھی۔ وہ کہنے لگی" میں اتنا جانتی ہوں کہ ہم کسی دوسری دنیا میں فرشتے ضرور تھے اور اب ہم یہاں ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہمیں سب کچھ یاد ہے۔۔"

ڈملر خاموشی سے ان کے قریب بیٹھتے ہوئے بولا" کیا میں بھی آپ میں شامل ہو سکتا ہوں؟"

نکولائی کہنے لگا" اگر ہم فرشتے ہوتے تو اتنا نیچے کیوں گر جاتے؟ میں یہ بات تسلیم نہیں کرتا"

نتاشا نے یقینی انداز میں کہا" نیچے نہیں، تمہیں کس نے بتایا کہ ہم نیچے گرے ہوئے ہیں؟ میں پہلے کیا تھی، مجھے یہ کیسے معلوم ہوا؟ تم جانتے ہو کہ روح کبھی ختم نہیں ہو سکتی، لہٰذا اگر مجھے ہمیشہ کیلئے زندہ رہنا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ماضی میں بھی میری کوئی زندگی رہی ہوگی اور میں شروع دن سے ہی موجود رہی ہوں گی"

ڈملر بولا" ٹھیک ہے، مگر ہم شروع سے آخر تک کا تصور ذہن میں نہیں لا سکتے" وہ یوں مسکراتا ہوا نوجوانوں کی باتوں میں شامل ہوا تھا جیسے ان پر احسان کر رہا ہو مگر اس کا لہجہ بھی دھیما تھا۔

نتاشا کہنے لگی" شروع سے آخر تک کا تصور ذہن میں لانا کیوں مشکل ہے؟ آج کے بعد کل اور کل کے بعد پرسوں ہوگا اور یہ سلسلہ جاری رہے گا"

انہیں بیگم کی آواز سنائی دی جو کہہ رہی تھی" نتاشا اب تم مجھے کوئی گانا سناؤ۔ یہ تم لوگ یوں کیوں بیٹھے ہو، کیا کوئی سازش کرنے میں مصروف ہو؟"

نتاشا بولی" امی میرا بالکل دل نہیں چاہتا" تاہم وہ کھڑی ہو گئی۔

ان میں سے کوئی حتیٰ کہ ڈملر بھی باتیں ختم کرنا اور اس کونے سے نہیں اٹھنا چاہتا تھا مگر نتاشا کھڑی ہو گئی اور نکولائی ساز کے قریب جا بیٹھا۔ نتاشا حسب معمول ہال کے درمیان میں جا بیٹھی اور اس نے وہ جگہ چن لی جہاں سے اس کی آواز بہترین انداز میں سنی جا سکتی تھی۔ پھر وہ اپنی والدہ کا پسندیدہ نغمہ الاپنے لگی۔

اگرچہ اس نے کہا تھا کہ" گانا گانے کو جی نہیں چاہتا" مگر اس شام وہ جس طرح گائی، ایسا گائے اسے مدتیں ہو چکی تھیں اور پھر ایسا اس نے مدتوں بعد گانا تھا۔ اپنے کمرے میں متنکا سے باتیں کرتے نواب ایلیا آندریچ کو اس کی

آواز سنائی دی جب سن کر وہ متفکر کو ادا کلمات دیتے ہوئے گزر گیا اور خاموش ہو گیا۔ اس کے سامنے کھڑا استاد کا غور سے سنتے اور مسکرانے لگا۔ نکولائی کی نظریں اپنی بہن کے چہرے سے نہ ہٹ سکیں۔ وہ اس کے گانے کے دوران سانس روک لیتا اور اس کے گانے کے بعد سانس لیتا۔ سونیا سنتے ہوئے یہ سوچ رہی تھی کہ اس کے اور اس کی دوست کے مابین کتنا بڑا فرق ہے اور یہ کہ اس جیسے نتاشا جتنی سحرانگیز بننا کس قدر ناممکن ہے۔ بیگم رستوف کے چہرے پر وجد آفریں اور اداس مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔ وہ کبھی کبھار اپنا سر ہلا دیتی۔ اسے نتاشا اور اپنی جوانی یاد آ رہی تھی اور اسے محسوس ہو رہا تھا کہ شہزادہ آندرے کے ساتھ نتاشا کی غیر متوقع شادی میں کوئی خوفناک اور غیر فطری بات بھی موجود تھی۔

بیگم کے قریب بیٹھا ڈمرا آنکھیں بند کیے گانا سن رہا تھا۔

بالآخر وہ بولا "اوہ بیگم صاحبہ! اس کا یہ فن یورپی ہے اور اسے کچھ سیکھنے کی ضرورت نہیں، آواز میں کیسی ملائمت، مٹھاس اور توانائی ہے۔۔۔"

بیگم رستوف بولی "ارے، میں اس کے بارے میں کتنی خوفزدہ ہوں" اسے یہ احساس ہی نہیں تھا کہ وہ کس سے مخاطب ہے۔

اس کی مادرانہ جبلت اسے آگاہ کر رہی تھی کہ نتاشا میں کوئی شے ضرورت سے زیادہ ہے جس کی وجہ سے وہ خوش نہیں رہ پائے گی۔

قبل ازیں کہ نتاشا گانا ختم کرتی، چودہ سالہ پیٹیا بھاگتا ہوا کمرے میں آ گیا اور ہیجانی انداز میں کہنے لگا "بہروپیے آ گئے ہیں"

نتاشا نے گانا روک دیا اور اپنے بھائی کو احمق کہتے ہوئے ایک کرسی پر گر گئی اور رونا شروع کر دیا۔ اسے اپنے آنسوؤں پر قابو پانے میں خاصا وقت لگا۔

وہ بولی "امی، کوئی بات نہیں، بس پیٹیا نے مجھے ڈرا دیا تھا" تاہم اس کے آنسو نہیں تھم رہے تھے اور سسکیوں سے اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

بہروپیے گھریلو ملازمین تھے جنہوں نے ریچھ، ترکوں، خواتین اور دیگر لوگوں کا روپ دھار رکھا تھا۔ ان کی شکلیں مضحکہ خیز ہونے کے ساتھ ساتھ مرعوب کن بھی تھیں۔ شروع میں وہ شرماتے ہوئے باہر ہی کھڑے ہو گئے۔ ان کے وجود سے خنکی خارج ہوتی تھی مگر وہ جس طرح باہر سے اندر آئے اس سے باہر سردی ظاہر ہوتی تھی۔ پھر وہ ایک دوسرے کے پیچھے چھپتے ہوئے ہال میں آ گئے۔ ابتدا میں وہ جھجکتے رہے مگر پھر انہوں نے اچھلنا کودنا شروع کر دیا۔ بیگم انہیں پہچاننے اور ان کی شکلوں پر ہنسنے کے بعد ڈرائنگ روم میں واپس چلی گئی۔ نواب ہال ہی میں بیٹھ گیا اور مسکراتے ہوئے بہروپیوں کی تعریف کرنے لگا۔ نوجوان کمرے سے باہر بھاگ گئے۔

نصف گھنٹے بعد ہال میں بہروپیوں کے درمیان ایک بڑھیا دکھائی دی۔ اس کی قمیص میں لچکدار تار لگی تھی تاکہ وہ اٹھ کر چلی رہے۔ یہ نکولائی تھا۔ پیٹیا ترک لڑکی، ڈملر مسخرے، نتاشا ہوزار اور سونیا سرکیشین باشندے کے روپ میں تھی۔

جب اس بہروپ بازی میں شریک نہ ہونے والے لوگ انہیں دیکھ کر اپنی مصنوعی حیرت کا اظہار کر چکے اور انہیں یہ بتا چکے کہ اگرچہ انہوں نے انہیں بے حد بے وقوف بنایا ہے اور ہم انہیں اس روپ میں دیکھ کر بے حد خوش ہوئے ہیں تو نوجوانوں نے سوچا کہ "یہ بہروپ اتنے اچھے ہیں کہ انہیں کہیں اور بھی دکھانا بہتر ہوگا"

سڑکوں کی حالت اچھی تھی اور نکولائی انہیں اپنی برف گاڑی میں گھمانا چاہتا تھا چنانچہ اس نے تجویز پیش کی کہ انہیں اپنے بہروپیے نوکروں کے ساتھ چچا کے ہاں جانا چاہیے۔

مگر بیگم کہنے لگی "نہیں، تمہیں بڑے میاں کو پریشان نہیں کرنا چاہیے۔ اگر جانا ہے تو میلوکوف گھرانے کے ہاں چلے جاؤ"

مادام میلوکوف بیوہ عورت تھی اور اپنے بچوں، ان کے استادوں اور آیاؤں کے ساتھ رستوف گھرانے سے تین میل دور رہائش پذیر تھی۔

معمر نواب کہنے لگا "یہ اچھی تجویز ہے۔ مجھے بس لباس بدلنے دو، مجھے دیکھ کر پاشیٹ کی آنکھیں کھلی رہ جائیں گی"

مگر بیگم رستوف اس کے جانے پر رضامند نہ ہوئی کیونکہ گزشتہ کئی دن سے اس کی ٹانگ ٹھیک نہ تھی۔ چنانچہ فیصلہ ہوا کہ نواب تو ان کے ساتھ نہیں جائے گا البتہ لوئیسا ایوانوونا (مادام شوس) ساتھ جائے تو لڑکیاں بھی جا سکتی ہیں۔ عموماً گھبرانے اور شرمانے والی سونیا مادام شوس سے اصرار کرنے میں سب سے آگے تھی۔

سونیا کا بہروپ سب سے اچھا تھا۔ اس کی بھنویں اور مونچھیں اس پر غیر معمولی طور پر اچھی لگ رہی تھیں اور ہر شخص اسے کہہ رہا تھا کہ وہ بے حد خوبصورت لگ رہی ہے۔ وہ خود بھی بے حد چست و چالاک دکھائی دے رہی تھی۔ اسے کوئی اندرونی آواز یہ کہہ رہی تھی کہ "آج تمہاری قسمت کا فیصلہ ہو جائے گا" وہ اپنے مردانہ بہروپ میں بالکل مختلف دکھائی دے رہی تھی۔ لوئیسا ایوانوونا نے ساتھ جانے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ نصف گھنٹے بعد چار برف گاڑیاں ڈیوڑھی میں آ گئیں جن کی گھنٹیاں بج رہی تھیں اور برف پر پھسلنے والے لکڑی کے تختے چر چرا رہے تھے۔

کرسمس کی چھٹیوں کی تفریح اور خوش مزاج کا آغاز نتاشا سے ہوا اور ایک ایک کر کے ہر شخص اس کی لپیٹ میں آنے لگا۔ ان کے بے لگامی بتدریج بڑھنے لگی۔ جب وہ ٹھنڈی ہوا میں آئے اور برف گاڑیوں میں سوار ہوئے تو ان کا شور و غل عروج پر پہنچ گیا، وہ زور زور سے باتیں کر رہے تھے اور ایک دوسرے سے خوش مزاجی میں مصروف تھے۔

دو برف گاڑیاں گھریلو کاموں کے لیے استعمال ہونے والی تھیں جبکہ تیسری نواب کی تھی جس کا درمیانی گھوڑا دوڑ میں بھی حصہ لیا کرتا تھا اور آرلوف خاندان کے فارم سے خریدا گیا تھا۔ چوتھی گاڑی نکولائی کی تھی۔ اس کا درمیانی گھوڑا پست قد تھا اور اس کے جسم پر موٹے موٹے بال تھے۔ نکولائی نے بڑھیا کے لبادے کے اوپر اپنا ہوزاروں والا کوٹ پہن لیا تھا اور لگام پکڑے گاڑی کے درمیان میں کھڑا تھا۔

تیز روشنی گھوڑوں کے آہنی ساز و سامان اور ان کی آنکھوں میں منعکس ہوتی نظر آتی تھی جو ڈیوڑھی سے سب میں شور مچاتے لوگوں کو دیکھ کر بدک رہے تھے۔

سونیا، نتاشا، مادام شوس اور دو نوکرانیاں نکولائی کی برف گاڑی میں بیٹھ گئیں۔ ڈملر، اس کی بیوی اور پیٹیا نواب کی گاڑی میں براجمان ہو گئے جبکہ دیگر بہروپیوں نے دوسری دو گاڑیوں میں نشستیں سنبھال لیں۔

نکولائی نے اپنے والد کے کوچوان کو چلا کر حکم دیا "ذرا تم آگے چلو" تاکہ سڑک پر پہنچنے کے بعد اسے اپنی گاڑی دوڑانے اور اس کی گاڑی سے آگے نکل جانے کا موقع مل سکے۔

نواب کی تین گھوڑوں والی گاڑی چل پڑی جس میں ڈملر، اس کے ساتھی اور دیگر لوگ سوار تھے۔ گاڑی کے لکڑی والے تختے یوں آوازیں پیدا کر رہے تھے جیسے وہ بھی برف میں جم گئے ہوں۔ اس کے گھوڑے کے پاؤں برف

میں دھنسے جا رہے تھے اور وہ اسے ٹھوکریں مار مار کر اڑائے جا رہا تھا۔

نکولائی پہلی گاڑی کے پیچھے چل دیا اور دوسری دونوں اس کے پیچھے آنے لگیں۔ ابتداء میں سڑک تنگ تھی اور ان کی رفتار بھی آہستہ تھی۔ جب وہ باغ کے قریب سے گزرنے لگے تو ٹنڈ منڈ درختوں کے سائے سڑک پر پڑنے لگے اور یوں انہوں نے چاند کی تیز روشنی دھندلا دی۔ جونہی انہوں نے سڑک عبور کی انہیں اپنے سامنے دور تک پھیلا ہوا برف کا میدان دکھائی دیا جو چاندنی میں ہیرے کی طرح چمک رہا تھا۔

پہلی، دوسری اور تیسری گاڑیاں ہچکولے کھاتی سڑک پر آ گئیں۔

نتاشا کی آواز سنائی دی "خرگوش کے پاؤں کے نشانات۔۔۔۔ بے شمار نشان"

سونیا بولی "نکولینکا! رات کتنی روشن ہے"

نکولائی نے سونیا پر سرسری نگاہ ڈالی اور اس کا چہرہ دیکھنے کیلئے نیچے جھک گیا۔ یہ بالکل نیا اور دل لبھا دینے والا چہرہ تھا جس پر کالی بھنویں اور مونچھیں تھیں۔ سونیا کا چہرہ اس کے سیاہ سموری کوٹ سے جھانک رہا تھا، چاندنی کی روشنی میں یہ چہرہ جتنا قریب دکھائی دیا اتنا ہی دور تھا۔

نکولائی نے اسے مزید قریب سے دیکھا اور مسکراتے ہوئے سوچا "یہ سونیا ہوتی تھی"

سونیا نے پوچھا "نکولینکا، کیا بات ہے؟"

نکولائی نے جواب دیا "کچھ نہیں" اور گھوڑوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔

بڑی سڑک کو گاڑیوں نے رگڑ رگڑ کر چکا دیا تھا اور گھوڑوں کے کھردرے نعل اسے جگہ جگہ سے کھرچ چکے تھے، یہاں پہنچ کر گھوڑے سرپٹ بھاگنے لگے۔ بائیں جانب کے گھوڑے نے رفتار تیز کی اور باگیں تڑوانے لگا۔ درمیانی گھوڑا دائیں بائیں جھولتا جا رہا تھا اور اس نے اپنے کان یوں کھڑے کر لیے تھے جیسے پوچھ رہا ہو "اور تیز چلوں یا ابھی وقت ہے؟" ذاخار کی سب سے اگلی گاڑی بہت آگے جا چکی تھی اور اس کی گھنٹی کی آواز دور سے دور تر ہوتی چلی جا رہی تھی۔ سفید برف کے ساتھ اس کے کالے گھوڑے صاف دکھائی دے رہے تھے۔ ذاخار کے ساتھ بیٹھے بہروپیوں کے چیخنے چلانے کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔

نکولائی نے اپنے گھوڑوں کی لگامیں کھینچیں اور چابک لہراتے ہوئے بولا "میرے پیارو" ہوا جس تیزی سے ان کے گھوڑوں کے چہروں سے ٹکرا رہی تھی اور وہ رفتار بڑھانے کیلئے جس انداز سے لگاموں پر زور دے رہے تھے اس سے برف گاڑی کی رفتار کا اندازہ ہوتا تھا۔ نکولائی نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ دونوں گاڑیاں اس کے پیچھے شور مچاتی بھاگی چلی آ رہی تھیں۔ اس کا پنا درمیانی گھوڑا مسلسل آگے بھاگا چلا جا رہا تھا اور ایسا کوئی اشارہ نہیں دے رہا تھا جس سے ظاہر ہوتا کہ وہ اپنی رفتار میں کمی لانا چاہتا ہے۔ الٹا یوں دکھائی دیتا تھا کہ وہ اپنی رفتار مزید بڑھا دے گا۔

نکولائی پہلی گاڑی کے قریب ہونے لگا۔ وہ ایک ڈھلان سے نیچے اترے اور ایک چوڑی سڑک پر چڑھ گئے جو دریا کے قریب چراگاہ کے وسط سے گزرتی تھی۔

نکولائی نے حیرانی سے سوچا "ہم کہاں جا رہے ہیں؟ شاید یہ کوسوئے کی چراگاہ ہے، نہیں، مگر یہ جگہ تو میں نے کبھی نہیں دیکھی۔ یہ کوئی نئی جگہ اور جادوئی مقام معلوم ہوتا ہے۔ بہرحال کوئی بات نہیں" وہ باآواز بلند اپنے گھوڑوں کو ہنکانے اور پہلی گاڑی سے مزید قریب ہونے لگا۔

ذاخار نے گھوڑے روک لیے اور پیچھے مڑ کر دیکھنے لگا۔ برف کے باعث اس کی بھنویں بھی سفید ہو چکی تھیں۔

نکولائی نے اپنے گھوڑے کی لگامیں ڈھیلی چھوڑ دیں۔ ذاخار نے بازو بڑھائے اور باگیں چھوڑ کر گھوڑوں کو رفتار تیز کرنے پر مجبور کرنے لگا۔ اس نے چلا کر نکولائی سے کہا "بیوقوف آقا، دھیان سے" نکولائی نے گھوڑی پوری رفتار سے بھگا دیے اور ذاخار سے آگے نکل گیا۔ گھوڑوں کے سموں سے باریک اور خشک برف اڑتی اور سواروں کے چہروں پر جا پڑتی۔ ان کے قریب گھنٹیاں جھنجھنا رہی تھیں۔ وہ تین گھوڑوں والی جس گاڑی پر جا رہے تھے اس کا سایہ اور گھوڑوں کی تیز رفتار ٹانگیں انہیں آپس میں ملی دکھائی دیتی تھیں۔ مختلف اطراف سے گاڑیوں کے تختوں کے برف سے ٹکرانے اور گھٹنے تیز لڑکیوں کی چیخ و پکار کانوں سے ٹکرا رہی تھی۔

نکولائی نے اپنے گھوڑوں کی رفتار ایک مرتبہ پھر کم کر دی اور اردگرد دیکھنے لگا۔ چاروں جانب جادوئی میدان پھیلا تھا جو چاند کی روشنی میں نہایا ہوا تھا۔

نکولائی نے حیرانی سے سوچا "ذاخار مجھے آوازیں دیے جا رہا ہے کہ مجھے بائیں جانب مڑنا ہے، مگر بائیں طرف کیوں؟ کیا ہم واقعی مادام میلوکوف کے گھر جا رہے ہیں؟ خدا جانے ہم کہاں جا رہے ہیں اور نجانے ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ مگر یہ سب کچھ بیحد شاندار ہے" وہ پھر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

اس کے قریب بیٹھی انوکھی، خوبصورت اور نامانوس اشکال میں سے خوبصورت بھنوؤں اور مونچھوں والی نے کہا "دیکھو اس کی بھنویں اور مونچھیں بالکل سفید ہو گئی ہیں"

نکولائی نے سوچا "شاید وہ نتاشا تھی۔ اور وہ مادام شوس ہے، مگر نہیں، اور وہ مونچھوں والی سرکیشین ہے، اسے میں نہیں پہچانتا مگر اس سے محبت کرتا ہوں"

نکولائی نے ان سے پوچھا "تمہیں سردی تو نہیں لگ رہی" وہ جواب دینے کی بجائے ہنسنے لگیں۔ عقبی گاڑی سے ڈملر نے چلا کر کچھ کہا۔ شاید اس نے کوئی مزاحیہ بات کہی تھی مگر وہ نہ سمجھ سکے۔

متعدد کھلکھلاتی آوازیں سنائی دیں "ہاں، ہاں"

مگر اب وہ کسی جادوئی جنگل میں داخل ہو گئے تھے جہاں تاریک سائے آنکھ مچولی کھیل رہے تھے۔ وہ کبھی یہاں دکھائی دیتے اور کبھی وہاں۔ یہاں ہیروں کی چمک، سنگ مرمر کی سیڑھیاں، پرستان کی عمارتوں کی روشن چھتیں اور درندوں کی آوازیں تھیں۔

نکولائی نے سوچا "اگر یہ واقعی میلوکوف گھرانے کی جگہ ہے تو پھر اور بھی عجیب بات ہے، خدا جانے ہم کہاں کہاں پھرتے رہے اور یہاں میلوکوف کے ہاں پہنچ گئے"

یہ میلوکوف گھرانے کا گھر ہی تھا۔ خدمتگار موم بتیاں اٹھائے ڈیوڑھی کی جانب بھاگے چلے آ رہے تھے اور ان کے چہروں پر خوشی رقصاں تھی۔

بڑے دروازے سے کسی نے پوچھا "کون ہے؟"

کئی آوازیں بیک وقت سنائی دیں "نواب کی طرف سے بہروپیے آئے ہیں، میں ان کے گھوڑے دیکھ کر پہچان سکتا ہوں"

(11)

پیلا گیا دانیلوونا میلوکوف چوڑے شانوں والی مستعد اور پرجوش خاتون تھی۔ وہ عینک لگائے اور ڈھیلا ڈھالا

لباس پہنے ڈرائنگ روم میں بیٹھی تھی۔ اس کے اردگرد اس کی بیٹیاں جمع تھیں اور وہ انہیں خوش کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ خاموشی سے پگھلی موم بتی کے قطرے پانی میں انڈیلنے اور موم سے بنی اشیاء کے عکس دیکھنے میں مصروف تھیں کہ انہیں ہال میں مہمانوں کے قدموں کی چاپ اور باتوں کی آوازیں سنائی دیں۔

ہوزاروں، خوبصورت خواتین، چڑیلوں، مسخروں اور ریچھوں کا روپ دھارے لوگوں نے گلے کھنکارے اور اپنے چہروں سے شبنم کے قطرے جھاڑ کر ہال کمرے میں داخل ہو گئے جہاں موم بتیاں جلا دی گئی تھیں۔ مسخرے ڈملر اور بڑھیا نکولائی نے رقص شروع کر دیا۔ بہروپیے جو چیختے چلاتے بچوں میں گھرے ہوئے تھے اپنے چہروں پر نقاب اوڑھے اور آوازیں بدل کر میزبان کے سامنے جھکے اور پھر کمرے میں ادھر ادھر بکھر گئے۔

ادھر ادھر سے آوازیں سنائی دینے لگیں "ارے، یہ تو پہچانے ہی نہیں جاتے، ارے، نتاشا کس کی طرح لگ رہی ہے" اور ایڈورڈ کارلچ کتنے اچھے معلوم ہو رہے ہیں۔ ارے کیا خوبصورت ڈانس ہے ان کا، اوہ میرے خدایا، اس سرکیشین کو دیکھو، سونیوشکا پر یہ بہروپ کتنا اچھا لگ رہا ہے، اور یہ کون ہے، بہرحال تم لوگوں نے ہمیں خوش کر دیا۔ نکلتیا، وانیا یہ میزیں اٹھا لو، ہم تو خاموش ہی بیٹھے تھے"

مختلف آوازیں سنائی دیں "ہا، ہا، وہ ہوزار، وہ دیکھو بالکل لڑکا لگتا ہے، اور ٹانگیں، مجھ سے تو وہ دیکھا ہی نہیں جاتا"

میلوکوف کے بچے نتاشا کو بے حد پسند کرتے تھے اور وہ ان کے ساتھ ملحقہ کمروں میں چلی گئی۔ وہاں جلے ہوئے کارک، مختلف اقسام کے لباس اور مردوں کے کپڑے منگوائے گئے اور دروازوں کے پیچھے کھڑی کمسن اور بھولی بھالی لڑکیوں نے بازو پھیلا کر انہیں ملازمین سے لے لیا۔ تھوڑی دیر بعد میلوکوف کی بیٹیاں بھی بہروپیوں میں شامل ہو گئیں۔

پیلاگیا دانیلوونا اپنے مہمانوں کیلئے جگہ خالی کرانے اور تمام لوگوں کی خاطر تواضع کا انتظام کرنے کے بعد بہروپیوں کے مابین گھومنے پھرنے لگی۔ وہ اچٹتی عینک لگائے ہوئے تھی اور ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ان کے چہروں کی جانب دیکھنے لگی۔ تاہم وہ انہیں پہچان نہیں پائی تھی۔ وہ نہ صرف رستوف ارکان اور ڈملر کو پہچاننے میں ناکام رہی بلکہ اپنی بیٹیوں کو بھی نہ پہچان سکی اس کے علاوہ وہ اپنے مرحوم شوہر کی وردی اور ملبوسات کا بھی علم نہ ہونے کے باوجود وہ پہنے ہوئے تھیں۔

اس نے ایک آیا سے کہا "یہ کون ہو سکتا ہے؟" وہ اپنی بیٹی کے چہرے پر نظریں ٹکائے ہوئے تھی جس نے قازان کے تاتار کا روپ دھار رکھا تھا۔ وہ بولی "ہو نہ ہو یہ کوئی رستوف ہو گا، ہو نہ ہو مسٹر ہوزار، تم کس رجمنٹ سے تعلق رکھتے ہو؟" اس نے نتاشا سے پوچھا اور پھر کہنے لگی "ارے اس ترک کو مٹھائی تو کھلاؤ"

بعض اوقات جب پیلاگیا دانیلوونا رقص کرنے والے بہروپیوں کو مضحکہ خیز انداز میں ناچتے دیکھتی تو اپنا چہرہ رومال میں چھپا لیتی اور اس کا تمام جسم سرتاپا ہنسی سے کانپنے لگتا اور یہ ہنسی بزرگانہ اور ہر قسم کے جھوٹ و فریب سے پاک تھی۔

وہ با آواز بلند کہہ رہی تھی "میری چھوٹی ساشا کو دیکھو"

جب روس کے دیہاتی اور لوک رقص ختم ہو گئے تو پیلاگیا دانیلوونا نے تمام لوگوں کو ایک بڑے دائرے کی شکل میں کھڑا کر دیا اور ایک انگوٹھی، رسی اور چاندی کا روبل منگوایا اور وہ مختلف کھیل کھیلنے میں مصروف ہو گئے۔

ایک گھنٹے کی بھاگ دوڑ اور اچھل کود کے بعد لباس خراب ہونے لگے اور پسینے سے بھرے، سرخ اور ہنستے

مسکراتے چہروں پر مونچھیں اور بھنویں نشانات کی شکل میں بدل گئیں۔ اب پیلاگیا دانیلوونا بہروپیوں کو پہچاننے لگی تھی۔ انہوں نے جس مہارت سے بہروپ اختیار کئے تھے ان کی تعریف میں اس نے بخل سے کام نہ لیا اور انہیں بتانے لگی کہ یہ بہروپ خاص طور پر لڑکیوں پر بہت اچھے لگ رہے ہیں۔ اس نے تمام لوگوں کا جی بھر کر شکریہ ادا کیا۔ مہمانوں کو ڈرائنگ روم میں کھانے کی دعوت دی گئی اور نوکروں کو ہال کمرے میں کھانا کھلایا گیا۔

میلوکوف خاندان کے ہاں رہائش پذیر ایک بوڑھی خادمہ بولی "اگر کسی شخص کو خالی غسل خانے میں اس کی قسمت کا حال بتایا جائے تو اس سے زیادہ ڈراؤنی بات اور کوئی نہیں ہو سکتی"

میلوکوف کی بڑی بیٹی نے پوچھا "وہ کیوں؟"

خادمہ کہنے لگی "ارے نہیں، آپ نہیں جائیں گی، اس کیلئے تو حوصلے کی ضرورت ہو گی"

سونیا نے کہا "میں جاؤں گی"

خادمہ بولی "بات یہ تھی کہ لڑکی باہر گئی، ایک مرغا لائی اور اس نے دو آدمیوں کیلئے کھانا لگا دیا۔ سب کچھ اسی طرح تھا جیسے ہونا چاہئے تھا مگر پھر وہ بیٹھ گئی اور کچھ دیر یونہی بیٹھی رہی۔ گھنٹیاں بجاتی ایک برف گاڑی اس کے دروازے پر آ کر رک گئی اور اسے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی اندر آ رہا ہے۔ وہ اندر آ گیا اس کا جسم انسانوں جیسا تھا اور وہ بالکل افسر معلوم ہوتا تھا۔ وہ اس کے ساتھ میز پر بیٹھ گیا۔

نتاشا ڈر کر بولی "اف" اور پوچھنے لگی "اس نے کچھ کہا"

خادمہ بولی "ہاں، وہ اس کا دل جیتنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسے چاہئے تھا کہ وہ صبح تک اسے باتوں میں لگائے رکھتی مگر وہ حوصلہ ہار بیٹھی اور اس نے اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیا۔ مگر پھر وہ اٹھا اور اس نے اسے دبوچ لیا۔ خوش قسمتی یہ ہوئی کہ اس لمحے ملازمائیں دوڑتی ہوئی آ گئیں۔۔۔"

پیلاگیا دانیلوونا کہنے لگی "رہنے دو، انہیں کیوں ڈراتی ہو؟"

اس کی بڑی بیٹی کہنے لگی "مگر امی، آپ خود بھی تو قسمت کا حال معلوم کرنے کی کوشش کیا کرتی تھیں" سونیا نے پوچھا "اور اناج کے گودام میں قسمت کا حال کیسے معلوم کیا جاتا ہے؟"

پیلاگیا نے جواب دیا "فرض کرو تم گودام میں چلی گئی ہو اور غور سے کان لگا کر آوازیں سننے کی کوشش کر رہی ہو۔ تمہاری قسمت کا دارومدار تمہیں سنائی دینے والی آوازوں پر ہو گا۔ اگر تمہیں دروازے پر کھٹ کھٹ سنائی دے تو یہ برا شگون ہو گا اور اگر دانوں سے بھوسا الگ کرنے کی آواز آئے تو یہ اچھی بات ہو گی، بعض اوقات یوں ہوتا ہے کہ۔۔۔"

اس کی بیٹی نے بات کاٹتے ہوئے کہا "امی، آپ کے ساتھ کیا ہوا تھا؟"

پیلاگیا دانیلوونا مسکرائی اور کہنے لگی "ارے، مجھے یاد نہیں رہا، اور مجھے یقین ہے کہ آپ لوگوں میں سے کوئی وہاں نہیں جائے گا"

سونیا بول اٹھی "میں جاؤں گی، بس مجھے اجازت دے دیں، میں جاؤں گی"

پیلاگیا نے کہا "ٹھیک ہے، اگر تمہیں ڈر نہیں لگتا تو چلی جاؤ"

سونیا نے پوچھا "لوئیسا ایوانوونا، مجھے اجازت دیں؟"

انگوٹھی اور رسی کے کھیل، روبل گیم اور گفتگو غرضیکہ ہر موقع پر نکولائی سونیا کے ساتھ ساتھ رہا اور اسے بالکل نئی نظروں سے مسلسل دیکھتا رہا۔ یوں لگتا تھا کہ نقلی مونچھوں کی وجہ سے وہ آج پہلی مرتبہ اس کی اصل حیثیت سے آشنا ہوا ہے

اور حقیقت بھی یہی تھی کہ وہ اس وقت جتنی خوش دکھائی دے رہی تھی اتنی پہلے کبھی نظر نہیں آئی تھی۔

نکولائی اس کی روشن آنکھوں اور چہرے پر نقلی مونچھوں تلے خوشی سے بھرپور مسکراہٹ کو دیکھے جا رہا تھا۔ اسے یہ مسکراہٹ پہلے کبھی دکھائی نہیں دی تھی۔

سونیا کہنے لگی "میں کسی شے سے نہیں ڈرتی، میں ابھی جاتی ہوں"

انہوں نے اسے گودام کا راستہ بتایا اور کہا کہ وہاں خاموش کھڑے رہ کر آوازیں سننا ہوں گی۔ انہوں نے اسے سمور کا چغہ دیا جسے اس نے سر اور کندھوں پر ڈال کر نکولائی کی جانب سرسری نگاہوں سے دیکھا۔

نکولائی نے سوچا "یہ لڑکی کتنی دلکش ہے اور میں اس تمام عرصہ میں کیسے کیسے خیالات میں الجھا رہا ہوں"

سونیا گودام کی طرف جانے کیلئے راہداری کو چل دی۔ نکولائی یہ کہہ کر جلدی سے ڈیوڑھی کی طرف چلا گیا کہ اسے گرمی لگ رہی ہے۔ گھر میں لوگوں کی کثرت کے باعث اس کا دم واقعی گھٹنے لگا تھا۔

باہر ابھی تک ٹھنڈ تھی مگر چاندنی پہلے سے زیادہ ہوگئی تھی۔ روشنی اسقدر تیز تھی اور آسمان پر جگمگاتے ستاروں کی وجہ سے برف اتنی چمک رہی تھی کہ نظریں اوپر اٹھانا دشوار تھا اور آسمان پر ستارے دکھائی نہیں دیتے تھے۔ آسمان تاریک جبکہ زمین روشن تھی۔

نکولائی نے سوچا "میں احمق ہوں، اتنا عرصہ کس شے کا انتظار کرتا رہا ہوں؟" وہ ڈیوڑھی سے ایک جانب مڑا اور اس راستے پر ہولیا جو عقبی ڈیوڑھی کو جاتا تھا۔ اسے علم تھا کہ سونیا اسی راستے پر جائے گی۔ گودام کے راستے کے درمیان خشک لکڑی کے ڈھیر تھے جن پر برف پڑی تھی۔ ان سے پرے ایک جانب لیموں کے ٹنڈ منڈ درختوں کا جال سا بنا تھا۔ لکڑی کی دیواریں اور گودام کی برف سے ڈھکی چھتیں روشنی میں یوں چمک رہی تھیں جیسے انہیں قیمتی پتھروں سے تراش دیا گیا ہو۔ باغ میں دھند کے باعث کسی شاخ کے ٹوٹنے کی آواز سنائی دی اور پھر خاموشی چھا گئی۔ اسے یوں لگا جیسے پھیپھڑوں میں ہوا کی بجائے ابدی جوانی اور کیف و سرور کھنچا چلا جا رہا ہے۔

عقبی ڈیوڑھی سے کسی کے سیڑھیاں اترنے کی آواز سنائی دی۔ سیڑھی کے آخری قدم سے چرچراہٹ سنائی دی جس پر برف کا ڈھیر لگا تھا اور ایک بوڑھی خادمہ کی آواز سنائی دی جو کہہ رہی تھی "مس سیدھا آگے جائیں، پیچھے مڑ کر مت دیکھیں"

سونیا کی آواز سنائی دی "مجھے ڈر نہیں لگتا" راستے پر نکولائی کی جانب سونیا کے قدموں کی چاپ سنائی دے رہی تھی جس نے ہلکے جوتے پہن رکھے تھے۔

دھند سے کوٹ میں لپٹی سونیا برآمد ہوئی۔ جب اس نے اسے دیکھا تو وہ چند قدم دور تھی۔ اور وہ بھی جس نکولائی کو دیکھ رہی تھی یہ وہ نہیں تھا جس سے وہ آشنا اور کچھ کچھ خوفزدہ تھی۔ وہ خواتین کا لباس پہنے ہوئے تھا اور اس کے بال الجھے ہوئے تھے۔ سونیا کو اس کے چہرے پر وہ مسکراہٹ دکھا دی جس سے وہ قبل ازیں آشنا نہیں تھی۔ وہ اس کی جانب بھاگنے لگی۔

نکولائی نے چاندنی میں چمکتے اس کے چہرے کی جانب دیکھ کر سوچا "بالکل مختلف یا پھر بالکل ویسی ہی ہے" اس نے اپنے بازو سونیا کے کوٹ میں ڈالے اور اسے بانہوں میں لے لیا، پھر اس نے اسے اپنی جانب کھینچا اور اس کے چہرے پر بوسہ لے لیا جہاں نقلی مونچھیں بنی تھیں۔ سونیا نے بھی اس کے ہونٹوں کا بوسہ لیا اور پھر اپنے ہاتھ اس کی گرفت سے چھڑا کر اس کے چہرے پر رکھ دیے۔

"سونیا!۔۔۔ نکولینکا!۔۔۔" وہ ایک دوسرے کو یہی کہہ سکے اور بھاگتے ہوئے گودام تک جا کر انہی الگ الگ راستوں سے واپس ہولیے۔

(12)

جب وہ پیلا گیا دانیلووناکے گھر سے روانہ ہوئے تو نتاشا جان بوجھ کر لوئیسا ایوانوونا اور ڈملر کی گاڑی میں بیٹھ گئی اور سونیا، نکولائی اور خادماؤں کے ساتھ چلی گئی۔ نتاشا ہر بات سے آگاہ رہتی تھی اور اس کی نظریں تمام صورتحال پر کھ لیتی تھیں۔

واپسی کے سفر میں نکولائی نے گاڑی دوڑانے کی بجائے آہستہ رفتار سے چلائی اور چاند کی پراسرار روشنی میں انکھیوں سے مسلسل سونیا کو دیکھتا رہا۔ وہ اس کے چہرے میں ابروؤں اور نقلی مونچھوں تلے اپنی سابقہ اور موجودہ سونیا تلاش کرنے کی کوشش کر رہا تھا جس سے اس نے کبھی جدا نہ ہونے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

نکولائی نے اسے دیکھتے، دونوں سونیاؤں کو پہچانتے اور مونچھوں کی شکل میں جلے ہوئے کارک کی بو کو محسوس کرتے ہوئے ٹھنڈی ہوا میں سانس لی اور اپنے تلے کھسکتی زمین اور بلندی پر موجود آسمان کی جانب دیکھ کر محسوس کیا کہ وہ ایک مرتبہ پھر جادوئی خطے میں داخل ہوگیا ہے۔

وہ کبھی کبھار سونیا سے پوچھتا "سونیا تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟"

سونیا جواب دیتی "ہاں، اور تم کیسے ہو؟"

گھر کا نصف فاصلہ طے کرنے کے بعد نکولائی نے برف گاڑی کی باگیں کوچوان کو دے دیں اور خود نتاشا کی گاڑی کی جانب بھاگ گیا۔ وہ کچھ دیر گاڑی کے بازو پر کھڑا رہا اور پھر سرگوشی کے انداز میں اسے کہنے لگا "نتاشا! میں نے سونیا کے بارے میں حتمی فیصلہ کر لیا ہے"

نتاشا کا چہرہ خوشی سے سرخ ہوگیا اور وہ پوچھنے لگی "کیا اسے بتا دیا ہے؟"

نکولائی نے کہا "ارے، تم ان ابروؤں اور مونچھوں میں کتنی اچھی لگ رہی ہو۔ نتاشا، کیا تم خوش ہو؟"

نتاشا بات جاری رکھتے ہوئے بولی "میں بیحد خوش ہوں، مجھے تو تم پر غصہ آنا شروع ہوگیا تھا۔ میں نے تمہیں تو کچھ نہیں کہا تھا مگر اس کے ساتھ تمہارا رویہ ٹھیک نہیں رہا تھا۔ اس کا دل کتنا خوبصورت ہے۔ میں بہت خوش ہوں۔ کبھی کبھار میرا رویہ بہت خراب ہو جاتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ جب وہ خوشی سے محروم تھی تو مجھے اپنی خوشی پر بیحد شرم آتی تھی۔ میں بیحد خوش ہوں، اب فوراً اس کے پاس چلے جاؤ"

نکولائی نے کہا "نہیں، ذرا ٹھہرو، تم کتنی عجیب و غریب دکھائی دے رہی ہو" وہ ابھی تک اس کے چہرے کی جانب دیکھے جا رہا تھا۔ اسے اپنی بہن میں بھی کوئی ایسی شے دکھائی دے رہی تھی جو بالکل نئی اور غیر معمولی ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی حد تک پرلطف تھی۔ وہ کہنے لگا "نتاشا، یہ بالکل جادوئی ہے، ہے ناں"

نتاشا بولی "ہاں تم نے بالکل ٹھیک کیا ہے"

نکولائی نے سوچا "میں اسے اب جن نگاہوں سے دیکھ رہا ہوں، اگر پہلے دیکھ لیتا تو بہت پہلے اسے بتا دیتا کہ ہمیں کیا کرنا ہوگا اور وہ جو کچھ کہتی ویسا ہی کر چکا ہوتا۔ یوں اب تک تمام معاملہ سلجھ چکا ہوتا"

نکولائی نے نتاشا سے پوچھا "تو تم خوش ہو ناں، اور میں نے ٹھیک ہی کیا ہے؟"

نتاشا نے جواباً کہا "ارے ہاں، بالکل ٹھیک ہے، کچھ دن پہلے اس موضوع پر میری امی سے بات چیت ہوئی تھی۔ وہ کہہ رہی تھیں کہ وہ تمہارے لیے مالدار لڑکی بیاہ لانے کا سوچ رہی ہیں۔ انہیں یہ بات زیب نہیں دیتی تھی۔ میں امی کے ساتھ تقریباً لڑ ہی پڑی۔ میں کبھی کسی کو سونیا کے بارے میں کوئی غلط بات کہنے کی اجازت نہیں دوں گی، وہ اچھائی کا مرقع ہے"

نکولائی نے دوبارہ پوچھا "تو پھر ٹھیک ہے ناں" اس نے نتاشا کی بات کی درستگی جانچنے کیلئے اس کا چہرہ تجسس آمیز نگاہوں سے دیکھا۔ پھر اس نے گاڑی سے نیچے چھلانگ لگائی اور اپنی گاڑی کی جانب بھاگ گیا۔ برف اس کے قدموں تلے ٹوٹ رہی تھی۔

چمکتی آنکھوں اور بڑی بڑی مونچھوں والا مسکراتا سرکیشین وہاں بیٹھا تھا اور اپنی کالی ٹوپی کے نیچے سے اسے دیکھے جاتا تھا۔ وہ سرکیشین سونیا تھی اور اس خوش باش اور پیار کرنیوالی لڑکی نے مستقبل میں اس سے شادی کرنا تھی۔

انہوں نے گھر جا کر اپنی والدہ کو بتایا کہ میلوکوف خاندان کے ہاں ان کا وقت کیسے گزرا۔ لڑکیاں اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ انہوں نے اپنے کپڑے بدل لیے تاہم جلے ہوئے کارک سے بنی نقلی مونچھیں صاف نہ کیں۔ وہ کچھ دیر تک اپنے مستقبل کے بارے میں گفتگو کرتی رہیں کہ جب ان کی شادیاں ہو جائیں گی تو وہ کیسی زندگی گزاریں گی اور شوہروں سے ان کی کیسی دوستی ہوگی اور وہ کتنی خوش ہوں گی۔ ایسے ہی موضوعات ان کی گفتگو کا مرکز تھے۔ نتاشا کی میز پر قسمت کا حال جاننے کیلئے دو شیشے لگے تھے جنہیں خادمہ دنیاشا نے شام کے وقت وہاں لگایا تھا۔

نتاشا اٹھی اور شیشوں کی جانب بڑھتے ہوئے سوچنے لگی "مگر یہ سب کب ہوگا؟ مجھے خدشہ ہے کہ شاید کبھی نہیں۔۔۔ یہ بات زیادہ اچھی لگتی ہے"

سونیا بولی "نتاشا بیٹھ جاؤ، شاید وہ تمہیں دکھائی دے جائیں"

نتاشا نے شمعیں روشن کیں اور بیٹھ گئی۔

نتاشا نے شیشے میں اپنا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا "مجھے تو کوئی مونچھوں والا شخص دکھائی دے رہا ہے" دنیاشا بولی "مس آپ کو ہنسنا نہیں چاہئے"

نتاشا نے سونیا اور خادمہ کی مدد سے شیشے ایک دوسرے کے بالکل سامنے لگا دیے اور وہ سنجیدگی سے خاموش ہو گئی۔ شیشے میں یکے بعد دیگرے تمام موم بتیوں کے عکس دکھائی دینے لگے۔ وہ کافی دیر تک انہیں دیکھتی رہی اور توقع کرنے لگی (سنی ہوئی کہانیوں کے مطابق) کہ کسی بھی لمحے اسے دور دھندلے اور مبہم چوک میں تابوت یا وہ (شہزادہ آندرے) دکھائی دے گا۔ اگرچہ وہ معمولی ترین نشان کو بھی انسان یا تابوت سمجھنے کو تیار تھی مگر اسے کچھ نظر نہ آیا۔ اس نے متعدد بار اپنی پلکیں جھپکائیں اور پھر شیشوں سے پرے ہٹ گئی۔

اس نے کہا "دوسروں کو تو چیزیں دکھائی دے جاتی ہیں، مجھے نظر کیوں نہیں آتیں؟" پھر وہ سونیا سے مخاطب ہو کر کہنے لگی "سونیا تم یہاں بیٹھ جاؤ، آج رات تم ہر صورت بیٹھو گی، میری خاطر، آج رات مجھے بیحد ڈر لگ رہا ہے۔۔۔"

سونیا شیشوں کے سامنے بیٹھ گئی۔ اس نے اپنی پوزیشن درست کی اور ان میں جھانکنے لگی۔

دنیاشا آہستگی سے بولی "سونیا الیگزنڈروونا کو ضرور کچھ نہ کچھ دکھائی دے جائے گا مگر آپ ہمیشہ ہنستی رہتی ہیں"

سونیا نے یہ بات سن لی اور اس نے نتاشا کو بھی سرگوشی کرتے سنا جو کہہ رہی تھی "میں جانتی ہوں کہ اسے کچھ نہ کچھ ضرور دکھائی دے گا۔ اس نے پچھلے سال بھی کچھ دیکھا تھا" چند منٹ گھمبیر خاموشی طاری رہی۔

نتاشا زیر لب بولی "وہ کچھ نہ کچھ دیکھ لے گی" یہ الفاظ بمشکل اس کے منہ سے ادا ہوئے تھے کہ سونیا نے شیشہ ایک جانب دھکیل دیا اور ہاتھ آنکھوں پر رکھ لیے۔ وہ چلا کر بولی "اوہ نتاشا" جواباً نتاشا با آواز بلند کہنے لگی "کچھ نظر آیا؟ دیکھا؟ کیا تھا؟" سونیا کو کچھ دکھائی نہیں دیا تھا۔ وہ صرف اپنی آنکھیں جھپکانا چاہتی تھی۔ اس نے نتاشا کو یہ کہتے سنا کہ "وہ کچھ نہ کچھ ضرور دیکھے گی" تو وہ اسے اور خادمہ کو مایوس نہیں کرنا چاہتی تھی، مگر وہاں بیٹھنا بھی مشکل تھا۔ اسے خود بھی علم نہ تھا کہ آنکھیں ڈھانپتے وقت اس کے منہ سے چیخ کیوں نکل گئی تھی۔

نتاشا نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے پوچھا "وہ نظر آئے؟"

سونیا بولی "ہاں۔۔۔ ذرا ٹھہرو۔۔۔ میں نے دیکھا" وہ یہ بھی فیصلہ نہیں کر پائی تھی کہ اس کا اشارہ نکولائی کی جانب تھا یا شہزادہ آندرے کی طرف۔

اچانک سونیا کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ "میں یہ کیوں نہ کہوں کہ میں نے دیکھا ہے؟ آخر دوسرے لوگوں کو بھی چیزیں دکھائی دیتی ہیں اور پھر کون یہ جان پائے گا کہ میں نے کچھ دیکھا یا نہیں"

چنانچہ سونیا بولی "ہاں، میں نے انہیں دیکھا ہے"

نتاشا بولی "مگر وہ کیسے تھے؟ کھڑے تھے یا لیٹے؟"

سونیا نے جواب دیا "بہر حال وہ مجھے نظر آئے، پہلے تو کچھ دکھائی نہ دیا پھر میں نے انہیں لیٹے ہوئے دیکھا"

نتاشا بولی "آندرے لیٹے ہوئے تھے۔ کیا وہ بیمار ہیں؟" وہ خوفزدہ نگاہوں سے اپنی دوست کی جانب دیکھے جا رہی تھی۔

سونیا بولی "نہیں، وہ تو ہشاش بشاش دکھائی دے رہے تھے اور انہوں نے مڑ کر میری جانب بھی دیکھا" یہ بات کہتے ہوئے اسے یوں لگا جیسے وہ واقعی انہیں دیکھ چکی ہے۔

سونیا نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا "اس کے بعد میں نہیں سمجھ سکی کہ کیا ہوا، کوئی نیلی اور سرخ شے۔۔۔"

نتاشا کہنے لگی "سونیا! وہ کب آئیں گے؟ میں انہیں کب دیکھوں گی؟ اوہ میرے خدایا! مجھے اپنے اور ان کے بارے میں بیحد تشویش ہے۔ میں ہر شے سے ڈرتی ہوں" سونیا نے اس کا حوصلہ بڑھانے کی کوشش کی مگر اس نے کسی کی بات نہ سنی۔ وہ اپنے بستر میں چلی گئی اور شمعیں گل ہونے کے بعد بھی کافی دیر تک آنکھیں کھولے ساکت لیٹی ٹھنڈی کھڑکیوں میں سے اسے گھور گھور کر دیکھتی رہی جہاں سے چاندنی کی ناخوشگوار روشنی اندر آ رہی تھی۔

(13)

کرسمس کی چھٹیاں ختم ہونے کے چند روز بعد نکولائی نے اپنی والدہ کو سونیا سے اپنی محبت کے بارے میں آگاہ کیا اور اسے بتایا کہ وہ اس سے شادی کا پختہ ارادہ کر چکا ہے۔ بیگم رستوف کو ان دونوں کے راز و نیاز کا علم تھا اور وہ اس بات کی ہی توقع کر رہی تھی۔ وہ بیٹے کی باتیں خاموشی سے سنتی رہی اور پھر اس نے بیٹے کو بتا دیا کہ وہ جہاں چاہے شادی کرے مگر اس میں اس کے ماں باپ کی دعائیں شامل نہ ہوں گی۔ نکولائی کو زندگی میں پہلی مرتبہ محسوس ہوا کہ اس کی والدہ اس سے ناخوش ہے اور یہ کہ اپنی تمام تر محبت کے باوجود وہ اس شادی پر رضامند نہ ہوگی۔ بیگم رستوف نے اپنے بیٹے کی طرف دیکھے بغیر سرد مہری سے شوہر کو بلا بھیجا۔ جب وہ آیا تو اس نے نکولائی کی موجودگی میں انتہائی رکھائی سے اسے تمام صورتحال بتائی اور پھر روتے ہوئے کمرے سے باہر چلی گئی۔ معمر نواب نے نکولائی کو نیم دلی سے ڈانٹا اور اس سے التجا

کرنے لگا کہ وہ اپنا فیصلہ واپس لے۔ نکولائی نے جواب دیا کہ وہ اپنے عہد و پیمان سے نہیں پھرے گا۔ اس کے والد نے سرد آہ بھری، صاف ظاہر تھا کہ وہ کھسیانا ہو رہا ہے۔ پھر وہ اپنی بات ادھوری چھوڑ کر بیگم کے پاس چلا گیا۔ نواب جب بھی اپنے بیٹے سے ملتا تو اسے یہ خیال آجاتا کہ وہ خاندانی جائیداد فضول خرچیوں میں ضائع کر چکا ہے اور یوں بیٹے سے ناانصافی کا مرتکب ہوا ہے چنانچہ اگر اس نے کسی امیر لڑکی سے شادی کرنے سے انکار اور غریب سونیا کو اپنی بیوی کے طور پر منتخب کرنے کا فیصلہ کیا ہے تو وہ اسے ٹوکنے کا کوئی حق نہیں رکھتا۔ صرف اس موقع پر اسے احساس ہوا کہ اگر اس کے حالات اسقدر خراب نہ ہوتے تو نکولائی کیلئے سونیا سے بہتر دلہن کی خواہش نہیں کی جاسکتی تھی اور یہ کہ اس کے خاندان کے مالی امور جس خراب ڈگر پر چل پڑے ہیں اس کیلئے صرف وہ خود اور ناقابل اصلاح بری عادات کا مالک متنکا ہی قصوروار ہیں۔ ماں باپ نے اس معاملے میں بیٹے سے دوبارہ کوئی بات نہ کی مگر چند روز بعد بیگم رستوف نے سونیا کو بلا بھیجا اور اسے ڈانٹ ڈپٹ کرنے لگی کہ وہ اس کے بیٹے کو اپنے جال میں پھنسا رہی ہے اور یہ کہ وہ بیحد ناشکری ہے۔ اس کا انداز گفتگو تنا ظالمانہ تھا کہ وہ دونوں ہی حیران رہ گئیں۔ سونیا نظریں جھکائے بیگم کی تلخ باتیں سنتی رہی۔ یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ اس سے کس بات کا تقاضا کیا جا رہا ہے۔ وہ اپنے محسنوں کیلئے ہر قربانی دینے کو تیار تھی۔ ایثار اس کی طبیعت کی نمایاں ترین خصوصیت تھی مگر اس معاملے میں وہ یہ نہیں سمجھ پائی تھی کہ اسے کس کیلئے اور کیسی قربانی دینا ہوگی۔ وہ بیگم اور تمام رستوف خاندان سے محبت کئے بغیر نہیں رہ سکتی تھی مگر نکولائی سے پیار نہ کرنا بھی اس کیلئے ممکن نہ تھا۔ وہ جانتی تھی کہ نکولائی کی تمام تر خوشیوں کا دارومدار اسی محبت پر ہے۔ وہ اداس کھڑی رہی اور کوئی جواب نہ دیا۔ نکولائی کو احساس ہوا کہ وہ یہ صورتحال زیادہ دیر برداشت نہیں کر پائے گا اور اسے سلجھانے کیلئے اپنی ماں کے پاس چلا گیا۔ پہلے تو اس نے والدہ سے منت سماجت کی کہ سونیا کو معاف کر دے اور ان کی شادی پر رضامندی کا اظہار کر دے، پھر اس نے دھمکیاں دیں کہ اگر سونیا کو یونہی تنگ کیا جاتا رہا تو وہ فوری طور پر اس سے خفیہ شادی کر لے گا اور کسی کو خبر بھی نہ ہوگی۔ بیگم رستوف نے کہا "تم بالغ ہو گئے ہو اور شہزادہ آندرے اپنے والد کی مرضی کے بغیر شادی کر رہا ہے تو تم بھی کر لو تاہم میں اس سازشی مخلوق کو کبھی اپنی بیٹی تسلیم نہیں کروں گی۔"

نکولائی "سازشی مخلوق" کا سن کر غصے سے لال پیلا ہو گیا اور اس نے اپنی والدہ کو بتایا کہ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ اسے یوں اپنے جذبات کچلنے پر مجبور کر دے گی اور اگر یہی صورتحال رہی تو پھر اسے جو آخری بات کہنی ہے۔۔۔ تاہم اس سے پہلے کہ اس کے منہ سے وہ الفاظ نکلتے جن کی وہ منتظر تھی کہ دروازے کے قریب کھڑی نتاشا بھاگتی ہوئی اندر آگئی، اس کا رنگ پیلا پڑ چکا تھا اور چہرے پر گھمبیر سنجیدگی طاری تھی۔

وہ چیختے ہوئے بولی "نکولینکا، تمہیں علم نہیں کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ خاموش ہو جاؤ، میں نے کہا خاموش رہو" وہ اس کی آواز دبانے کیلئے چیخے جا رہی تھی۔

پھر وہ والدہ سے مخاطب ہو کر بولی "پیاری امی، اس کا یہ مطلب نہیں تھا۔ میری پیاری، بیچاری امی" بیگم رستوف خوفزدہ نگاہوں سے اسے دیکھے جا رہی تھی۔ اسے علم تھا کہ وہ ناچاقی کے قریب پہنچ چکے ہیں مگر جھگڑے کی شدت اور اس کی ضد اسے ہتھیار ڈالنے دیتی تھی نہ دے رہی تھی۔

نتاشا نے کہا "نکولینکا، میں تمہیں بعد میں سمجھاؤں گی، بس اب تم جاؤ، پیاری امی، میری بات سنیں"

اس کے بے ربط الفاظ کا مقصد پورا ہو گیا۔

نکولائی اٹھا اور سر پکڑ کر کمرے سے باہر چلا گیا۔ بیگم رستوف نے زور سے سسکی بھری اور اپنی بیٹی کے سینے میں

چہرہ چھپا کر رونا شروع کر دیا۔

نتاشا صلح کی کوششیں کرانے لگی اور اس حد تک کامیاب رہی کہ ماں نے بیٹے کو یقین دلایا کہ سونیا سے بدسلوکی نہیں ہوگی اور نکولائی نے وعدہ کر لیا کہ وہ والدین کو بتائے بغیر کوئی اقدام نہیں کریگا۔

نکولائی نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ فوجی ملازمت سے متعلق اپنے معاملات نپٹاتے ہی نوکری چھوڑ کر واپس آئیگا اور سونیا سے شادی کرے گا۔ اس کے چہرے پر ہر وقت سنجیدگی طاری رہنے لگی۔ ماں باپ سے اس کی راہیں جدا ہو گئی تھیں مگر اس کا خیال تھا کہ وہ سرتاپا محبت میں گرفتار ہو چکا ہے۔ اوائل جنوری میں وہ اپنی رجمنٹ میں دوبارہ شمولیت کیلئے روانہ ہو گیا۔

نکولائی کے جانے کے بعد رستوف خاندان کے گھر کا ماحول پہلے سے زیادہ افسردہ ہو گیا اور ذہنی پریشانی کے باعث بیگم رستوف بیمار پڑ گئی۔

نکولائی کی جدائی نے سونیا کو رنجیدہ کر دیا تاہم اسے زیادہ دکھ بیگم کے مخاصمت پر مبنی رویے سے ہوتا تھا جسے دبانا اس کے بس کی بات نہ تھی۔ فیصلہ کن اقدام کے متقاضی خراب معاشی معاملات نے نواب کو پہلے سے بھی زیادہ پریشان کر دیا۔ شہر والے مکان اور ماسکو کی جاگیر فروخت کئے بغیر چارہ نہ تھا اور اس مقصد کیلئے ماسکو جانا ضروری تھا مگر بیگم کی خراب طبیعت کے باعث ماسکو روانگی آئے روز ملتوی ہوتی چلی جا رہی تھی۔ نتاشا نے اپنے منگیتر سے جدائی کا ابتدائی عرصہ پریشانی کے بغیر ہنسی خوشی گزارا مگر اب اس کی بے چینی دن بدن بڑھنے لگی۔ وہ سوچتی تھی کہ اس کی زندگی کا بہترین دور بیکار گزر رہا ہے جو محبت میں گزارا جا سکتا تھا۔ یہ خیال اس کیلئے بیحد اذیت ناک تھا۔ آندرے کے خطوط پڑھ کر اسے غصہ آجاتا۔ اسے یہ سوچ سوچ کر بیحد دکھ ہوتا تھا کہ وہ محض اس کا تصور کئے زندگی گزارے جا رہی ہے جبکہ وہ خود حقیقی زندگی سے لطف اندوز ہوتا ہے، نت نئی جگہوں کی سیر کرتا اور نئے لوگوں سے ملتا ہے جو اسے نہایت دلچسپ معلوم ہوتے تھے۔ اسے کے خطوط جتنے پرلطف ہوتے اسے اتنا ہی غصہ آتا۔ وہ جو خط لکھتی وہ اسے تسکین پہنچانے کیلئے الٹا غصے کا باعث بن جاتے۔ انہیں لکھنا اسے ناگوار اور مصنوعی کام محسوس ہونے لگا۔ دراصل وہ لکھ ہی نہیں سکتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ جو بات وہ مسکراہٹ اور الفاظ کے اتار چڑھاؤ سے کرنے کی عادی تھی، خطوط میں اس کا ہزارواں حصہ بھی ادا کرنا ممکن نہیں۔ وہ اسے روکھے پھیکے، روایتی اور غیر متنوع خط لکھتی رہی جنہیں وہ خود بالکل اہمیت نہیں دیتی تھی اور بیگم ان میں گرامر کی غلطیاں درست کرتی رہتی تھی۔ بیگم رستوف کی طبیعت بہتر نہیں ہوئی تھی مگر ماسکو کا سفر مزید ملتوی کرنا بھی ممکن نہ تھا۔ نتاشا کا شادی کا لباس تیار کرنا اور ماسکو کا مکان بیچنا تھا۔ مزید براں ماسکو میں شہزادہ آندرے کی آمد بھی متوقع تھی کیونکہ اس کا والد سردیاں وہیں گزارتا تھا اور نتاشا کو یقین ہو گیا تھا کہ وہ پہلے ہی وہاں پہنچ چکا ہے۔ بیگم دیہی جاگیر پر ہی مقیم رہی اور جنوری کے آخر میں نواب نتاشا اور سونیا کے ساتھ ماسکو چلا گیا۔

☆☆☆☆☆

آٹھواں حصہ

(1)

شہزادہ آندرے کی نتاشا سے منگنی کے بعد پیری کو بظاہر بلاوجہ یہ محسوس ہونے لگا کہ اب پہلے کی طرح زندگی گزارنا ممکن نہیں۔ اس کے محسن نے اسے جن حقائق سے آگاہ کیا تھا اگرچہ ان کی درستگی پر وہ مکمل یقین رکھتا تھا اور اپنی ذات کی تکمیل کے روحانی کام میں وہ جس طرح جوش وخروش کا اظہار کرتا، اس کے ابتدائی حصے میں تو وہ بیحد خوش تھا مگر نتاشا اور شہزادے آندرے کی منگنی نیز اوسپ الیکسی وچ کے انتقال کے بعد ایسی زندگی اس کیلئے تمام تر کشش کھو بیٹھی۔ الیکسی وچ کے انتقال کی خبر اسے تقریباً انہی دنوں ملی تھی

اب صرف زندگی کا خول، گھر، خوبصورت بیوی جو ایک اعلیٰ شخصیت کی منظور نظر بن چکی تھی، تمام پیٹرز برگ سے واقفیت اور اکتادینے والی رسوم ورواج پرمبنی درباری ملازمت ہی باقی رہ گئی تھی۔ اچانک پیری کو اس زندگی سے نفرت ہونے لگی۔ اس نے ڈائری لکھنا بند کردی، برادران کی صحبت سے دور رہنے لگا اور ایک مرتبہ پھر کلب جا کر بلانوشی شروع کردی۔ اس نے کنواروں کے حلقوں سے از سر نو تعلقات استوار کئے اور ایسی زندگی بسر کرنا شروع کردی کہ بیگم ایلینا ویسلوویا کیلئے اس کی کڑی نگرانی ضروری ہوگئی۔ پیری کو محسوس ہوا کہ وہ ٹھیک کہتی ہے اور یہ سوچ کر ماسکو چلا گیا کہ کہیں اس کی بیوی کو اس کی وجہ سے ناگوار صورتحال کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

جونہی وہ ماسکو میں اپنے وسیع مکان میں داخل ہوا جہاں نوکروں چاکروں کا جم غفیر تعینات تھا اور جہاں مرجھائی ہوئی شہزادیاں مزید مرجھاتی جارہی تھیں، جونہی وہ اپنی گاڑی پر شہر کے درمیان سے گزرا اور اسے آیوورسکی معبد دکھائی دیا جس کے سنہری ڈبوں میں رکھی مقدس تصاویر کے سامنے بے شمار باریک موم بتیاں روشن تھیں، جونہی اس نے کریملن سکوائر دیکھا، جس کی برف ابھی گاڑیوں تلے نہیں دبائی گئی تھی، جونہی اس نے برف گاڑیوں کے کوچوانوں اور سوتسیف وراژوک کے جھونپڑوں، کسی شے کی تمنا کئے بغیر پرسکون انداز سے زندگی بسر کرنیوالے ماسکو کے قدیم باشندوں، شہر کی بوڑھی خواتین اور نوجوان لڑکیوں، انگریزی کلب، رقص گاہوں کو دیکھا تو اسے یوں لگا جیسے وہ جنت جیسے پرسکون اپنے گھر میں پہنچ گیا ہو۔ ماسکو میں اسے وہی راحت ملتی تھی جو انسان کو پرانے ڈریسنگ گاؤن میں ملتی ہے۔

بوڑھیوں سے لے کر بچوں تک ماسکو کے تمام لوگوں نے اس کا ایسے مہمان کی حیثیت سے استقبال کیا جس کا مدت سے انتظار ہو اور جس کے رہنے کی جگہ ہمیشہ تیار رکھی گئی ہو۔ ماسکو کے لوگوں کی نظروں میں وہ عجیب وغریب ضرور تھا مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ اسے نفیس، ذہین، شفیق اور فیاض بھی گردانتے تھے۔ ماسکو کے باسی اسے شہر کے پرانے دور کا غائب دماغ اور دوسروں کا غمگسار روسی سمجھتے تھے۔ اس کا بٹوہ ہمیشہ خالی رہتا تھا کیونکہ یہ ہر شخص کیلئے کھلا رہتا تھا۔

امدادی تفریحی پروگرام، معمولی تصاویر اور مجسمے، جپسیوں کے موسیقی پروگرام، سکول، چندہ اکٹھا کرنے کے

کھانے، سماجی بہبود کی تنظیمیں، پینے پلانے کی محافل، فری میسن، گرجے، کتابیں، غرضیکہ اس سے جو نام لے کر کچھ مانگا گیا اس نے دینے میں کبھی تامل نہ کیا۔ اگر اس سے بھاری رقومات بطور قرض لینے والے دو دوست مداخلت نہ کرتے تو وہ سب کچھ تیاگ چکا ہوگا۔ کلب میں کوئی محفل یا ضیافت اس کے بغیر منعقد نہیں ہوتی تھی۔

کنواروں کی محفل میں کھانے کے بعد وہ مارگوٹ کی دو بوتلیں پینے کے بعد جونہی صوفے پر یا اپنی معمول کی نشست پر نڈھال ہو کر گرتا تو دوست اس کے گرد جمع ہوجاتے اور پھر گفتگو اور لطائف کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ جب کبھی جھگڑا ہوجاتا تو اس کی شفیق مسکراہٹ یا برمحل فقرے فریقین میں صلح کرادیتے۔ اس کے بغیر فری میسوں کی دعوتیں بے کیف ہوتیں۔ جب وہ کنواروں کے کھانے کے اختتام پر اٹھ کھڑا ہوتا تو اپنی دلکش مسکراہٹ سے رنگ رلیاں منانے والوں کی التجاؤں کے سامنے ہتھیار ڈال دیتا اور گاڑی میں ان کے ہمراہ چل پڑتا۔ اس کے نوجوان ساتھی خوشی سے نعرے لگاتے۔ اگر دوران رقص کسی کو ساتھی کی ضرورت ہوتی تو اپنی خدمات پیش کردیتا اور ناچ میں شریک ہو جاتا۔ لڑکیاں اور نوجوان شادی شدہ خواتین اسے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتی تھیں کیونکہ وہ کسی سے وابستہ ہونے کی کوشش نہیں کرتا تھا بلکہ ہر ایک سے یکساں انداز میں ملتا اور اس کے بارے میں ازراہ مزاح کہا جاتا تھا کہ "اس کی کوئی جنس نہیں ہے"

پیری ان سینکڑوں ریٹائرڈ درباریوں میں سے ایک تھا جو ماسکو میں ہنسی خوشی اپنی زندگی کے آخری ایام گزار رہے تھے۔ سات سال پہلے جب وہ پہلی مرتبہ یہاں واپس آیا تھا تو کوئی اس سے اگر یہ کہتا کہ اس کا راستہ پہلے تشکیل پاچکا ہے اور اسے کسی شے کیلئے کوشش یا منصوبہ بندی کرنے کی ضرورت نہیں تو اسے کتنا دھچکا لگتا۔ وہ اس بات پر یقین ہی نہ کرتا۔ آیا کسی دور میں اس کی یہ شدید خواہش نہ تھی کہ روس کو جمہوری ملک بنا دیا جائے؟ کیا اس کے بعد وہ نپولین، فلسفی، فنون جنگ کا ماہر اور پھر خود نپولین کا فاتح نہیں بننا چاہتا تھا؟ کیا اس نے برائیوں میں مبتلا انسانوں کو نئی زندگی سے آشنا کرانے کے خواب نہیں دیکھے تھے اور اپنی ذات کو مکمل ترین نہیں بنانا چاہا تھا کیا اس نے مدرسے اور ہسپتال قائم نہیں کئے تھے اور کیا اپنے زرعی غلاموں کو آزاد نہیں کیا تھا؟

ان تمام باتوں کے باوجود وہ ریٹائرڈ درباری اور بے وفا بیوی کا دولتمند شوہر تھا جس کا کام کھانا پینا اور کھانے کے بعد واسکٹ کے بٹن کھول کر حکومت پر تنقید کرنا تھا۔ وہ ماسکو کے انگریزی کلب کا رکن اور اعلیٰ طبقے کی پسندیدہ شخصیت تھا۔ کافی دیر تک اسے اس بات پر یقین نہ آیا کہ اب وہ ایسا ہی ریٹائرڈ درباری ہے جسے وہ سات سال پہلے انتہائی حقارت سے دیکھتا تھا۔

بعض اوقات وہ یہ سوچ کر اپنا دل بہلا لیتا کہ وہ نہایت عارضی نوعیت کی زندگی گزار رہا ہے مگر بہت جلد اسے یہ جان کر شدید دھچکا لگا کہ اس کی طرح کتنے ہی اشخاص نے اس وقت یہی بات سوچ کر کلب کی رکنیت اختیار کی جب ان کے سر پر پورے بال اور منہ میں دانت تھے اور جب وہ یہاں سے نکلے تو ان دونوں اشیاء سے محروم ہو چکے تھے۔

جب وہ مغرورانہ ذہنی کیفیت میں اپنے مقام کا جائزہ لیتا تو اسے یوں لگتا جیسے وہ ان ریٹائرڈ درباریوں سے مختلف ہے جن سے اسے کبھی نفرت ہوتی تھی۔ وہ گھٹیا ذہن کے مالک اور اپنے مقام سے مطمئن ہیں جبکہ میں ابھی تک غیر مطمئن اور انسانی بھلائی کیلئے کچھ کرنے کا خواہشمند ہوں" فروتنی کی کیفیت میں وہ اپنے آپ سے کہتا" مگر شاید میرے ان تمام ساتھیوں نے میری طرح جدوجہد کی، زندگی میں نئی راہیں تلاش کرنے کی کوشش کی شاید میری ہی طرح حالات، معاشرے اور حسب ونسب نے انہیں اسی مقام پر لاکھڑا کیا جہاں میں آج اپنے آپ کو کھڑا محسوس کرتا ہوں" پھر ماسکو میں

قیام کے کچھ عرصہ بعد اسے اپنے ہم تقدیر ساتھیوں سے نفرت نہ رہی بلکہ وہ ان کا احترام کرنے اور ان پر رحم کرنے لگا۔

اب اس پر مایوسی اور مالیخولیا کے دورے نہیں پڑتے تھے مگر وہ مرض جو پرانے دور میں شدید دوروں کی شکل میں ابھر کر سامنے آتا تھا اب باطن میں دھکیل دیا گیا تھا اور کبھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا تھا۔ وہ اکثر سوچتا "کس لیے؟ کیا فائدہ؟ دنیا میں کیا ہو رہا ہے؟" وہ دن میں کئی مرتبہ اپنے آپ سے یہ سوال پوچھتا اور مخمصے میں پڑ جاتا۔ اس طرح وہ غیر ارادی طور پر نئے سرے سے زندگی کے مظاہر کا مفہوم تلاش کرنے کی کوشش کرنے لگتا۔ تجربے کی بدولت اسے علم تھا کہ ان سوالوں کے جواب نہیں ہیں چنانچہ وہ انہیں فوری طور پر ذہن سے نکالنے کی سعی کرتا۔ اس مقصد کیلئے وہ کوئی کتاب اٹھا لیتا یا جلدی سے کلب یا پھر اپولون نکولائیوچ کی طرف چلا جاتا تاکہ شہر کی تازہ ترین صورتحال پر بات چیت کر سکے۔

پیری سوچتا تھا کہ ایلینا ویسلوو ینا کو اپنے جسم کے علاوہ کسی شے کی پروا نہیں اور اس کو دنیا کی احمق ترین خواتین میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ مگر عجیب بات ہے کہ اسے نہایت ذہین اور شائستہ خاتون سمجھا جاتا ہے اور لوگ اس کے آگے پیچھے پھرتے ہیں اور اس ہر دم اس کی تعریف و توصیف میں مشغول رہتے ہیں۔ نپولین جب تک عظمت کی معراج پر رہا تو ہر شخص اس سے نفرت کرتا تھا اور اب جب کہ اس کی حالت مسخروں کی سی ہے تو شہنشاہ فرانس اس سے اپنی بیٹی کی شادی کرنا چاہتا ہے۔ سپین کے لوگ 14 جون کو کیتھولک پادریوں کے ذریعے خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے انہیں فرانسیسیوں پر فتح دلائی اور فرانسیسی کیتھولک بھی خدا کا شکر بجا لاتے ہیں کہ اس نے 14 جون کو انہیں سپین کیخلاف فتح بخشی۔ میرے میسن بھائی اپنے خون میں ہاتھ ڈبو کر حلف اٹھاتے ہیں کہ وہ ہمسائے کیلئے اپنا سب کچھ قربان کر دیں گے مگر غریبوں کیلئے چندہ جمع کرنا ہو تو ایک روبل بھی نہیں دیتے۔ آسترائی ینا کے متلاشیوں کے خلاف سازشیں کرتے ہیں اور یہ تمام اصل سکاٹش قالین یا منشور کے بارے میں شور مچاتے ہیں جس کا مطلب اسے لکھنے والے کی سمجھ میں بھی نہیں آیا تھا اور جس کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ ہم تمام عیسائی عفو و درگزر کا حکم تسلیم کرتے ہیں اور اس کے احترام میں ماسکو میں بے شمار گرجے تعمیر کر چکے ہیں مگر گزشتہ روز ایک مرتد کو کوڑے مار مار کر ہلاک کر دیا گیا اور درگزر کے اصول پر عملدر آمد کرانیوالے ایک پادری نے اس کارروائی سے پہلے سپاہی کو صلیب تھمائی تاکہ وہ اسے چومے۔

پیری کافی دیر تک سوچ و بچار میں مشغول رہا اور وہ اس عالمگیر منافقت کا عادی ہو چکا تھا اور اس پر اسے کبھی حیرت نہ ہوئی۔ وہ سوچنے لگتا "میں بد دیانتی اور پریشان خیالی کو سمجھتا ہوں مگر مجھے جو کچھ دکھائی دیتا ہے اس سے دوسروں کو کیسے آگاہ کیا جائے؟ میں نے کوشش کی اور مجھے ہمیشہ یہی محسوس ہوا کہ جیسے میں جانتا ہوں، بعینہ اسی طرح وہ بھی دل کی گہرائیوں سے جانتے ہیں مگر جان بوجھ کر اپنی آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں اور اسے نظر انداز کرنے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ کچھ ایسی ہی بات ہے مگر۔۔۔ مجھے کہاں پناہ ملے گی؟"

اکثر انسانوں، خاص طور پر روسیوں میں یہ خصوصیت عام ہے کہ وہ نیکی اور سچائی کے امکانات کا تو اندازہ کر لیتے ہیں اور انہیں ان پر یقین بھی ہوتا ہے مگر زندگی میں پائی جانیوالی برائی اور جھوٹ ان پر اس قدر واضح انداز میں آشکار ہوتے ہیں کہ وہ سنجیدگی سے کچھ بھی نہیں کر پاتے۔ بدقسمتی سے پیری کا بھی یہی حال تھا۔ اس کی نظروں میں زندگی کا ہر دائرہ عمل برائی اور فریب سے منسلک تھا۔ وہ جو کچھ بھی بننے کی کوشش کرتا اور جس کام میں بھی ہاتھ ڈالتا اس میں برائی اور دھوکے کی وجہ سے ناکام ہو جاتا۔ اسے یہ احساس ہونے لگتا کہ یہ دونوں چیزیں اس کی راہ میں رکاوٹ بن گئی ہیں۔ مگر اس نے زندہ رہنا تھا اور زندگی گزارنے کیلئے کوئی مصروفیت بھی ڈھونڈنا تھی۔ حل نہ ہونیوالے ایسے مسائل تلے دبا رہنا بھی ٹھیک نہ تھا۔ چنانچہ انہیں بھلانے کیلئے جو بھی پہلی شے اس کی توجہ کسی اور جانب موڑ سکتی تھی وہ اسی کا ہو کر رہ جاتا۔

وہ ہمہ اقسام کی محافل میں جاتا، جی بھر کر پیتا، تصاویر خریدتا، عمارتیں تعمیر کراتا اور ان سے بھی بڑھ کر یہ کہ مطالعہ کرتا رہتا۔

وہ بے تحاشہ پڑھتا تھا اور ہاتھ میں آنیوالی ہر شے پڑھ کر ہی دم لیتا تھا۔ رات کو گھر واپسی پر خدمتگار اس کے کپڑے بدلوا رہے ہوتے تھے تو بھی وہ کتاب اٹھا لیتا اور پڑھتے پڑھتے سو جاتا، سو کر اٹھتا تو ڈرائنگ روم یا کلبوں میں بات چیت کیلئے چلا جاتا، وہاں سے اٹھ کر شراب خانوں یا طوائفوں کے ڈیروں پر چلا جاتا۔ ان کے بعد پھر بات چیت، مطالعے اور شراب نوشی کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ شراب اس کی جسمانی ہی نہیں بلکہ اخلاقی ضرورت بھی بنتی جا رہی تھی۔ اگرچہ ڈاکٹروں نے اسے خبردار کیا تھا کہ موٹاپے کے باعث کثرت مے نوشی اس کیلئے خطرناک ثابت ہو سکتی ہے تاہم اس نے بلانوشی ترک نہ کی۔ اسے شراب کے متعدد گلاس میکانکی انداز میں حلق میں انڈیلنے سے ہی آسودگی ملتی اور جسم میں خوشگوار حرارت کا احساس ہوتا۔ اس وقت وہ اپنے ساتھیوں سے التفات کیساتھ پیش آتا اور گہرائی میں جائے بغیر ہر نظریہ تسلیم کر لیتا۔ شراب کی چند بوتلیں خالی کرنے کے بعد اسے یہ ہلکا سا احساس ہونے لگتا تھا کہ زندگی کی انتہائی پیچیدہ گتھی جو ماضی میں اسے پریشان کرتی رہی تھی اس کے اندازوں جتنی خطرناک نہیں۔ اس گتھی کے کسی نہ کسی رخ کا اسے ہمیشہ احساس رہتا تھا جیسا کہ شام یا رات کے کھانے کے بعد جب وہ گفتگو کرتا یا سنتا یا مطالعہ کرتا تو اسے دماغ میں گھنٹیاں سی بجتی محسوس ہوتی تھیں، تاہم جب وہ شراب کے نشے سے مغلوب ہو چکا ہوتا تو وہ اپنے آپ سے یہ کہہ سکتا تھا کہ "فکر کی بات نہیں، میں یہ گتھی سلجھا لوں گا، میرے پاس اس کا حل موجود ہے مگر فی الحال وقت نہیں، بعد میں سوچا جائیگا" تاہم یہ "بعد" کبھی نہ آتا۔

علی الصبح ناشتے سے قبل یہ تمام پرانے سوال اسے ہمیشہ کی طرح ناقابل حل دکھائی دیتے اور وہ جلدی سے کوئی کتاب اٹھا لیتا اور کوئی ملاقاتی آنکلتا تو اس کے چہرے پر رونق آ جاتی۔

کبھی کبھار اسے یاد آتا کہ کسی نے اسے بتایا تھا کہ جب مورچوں میں فوجیوں پر دشمن کے گولے گر رہے ہوں اور ان کے پاس کرنے کیلئے کوئی کام نہ ہو تو وہ خود کو مصروف رکھنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ خطرہ با آسانی برداشت کیا جا سکے۔ اب پیری کو محسوس ہونے لگتا کہ تمام انسان انہی فوجیوں کی طرح ہیں اور زندگی سے پناہ ڈھونڈتے رہتے ہیں۔ بعض کو یہ پناہ مناصب میں، بعض کو تاش، عورتوں، بعض کو شراب، کچھ لوگوں کو کھیلوں اور بعض کو سیاست میں ملتی ہے۔ وہ سوچتا کہ "کوئی شے اہم یا غیر اہم نہیں۔ ہر ایک کا انجام یکساں ہے۔ انسان کا کام یہ ہے کہ اس سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے" وہ سوچتا "یہ تو بیحد خوفناک ہے، کاش اسے نہ دیکھا جائے"

(2)

موسم سرما شروع ہوتے ہی شہزادہ نکولائی آندریچ بلکونسکی اور اس کی بیٹی ماسکو چلے آئے۔ شہنشاہ الیگزنڈر کی حکومت میں عوامی دلچسپی کم ہونے اور ماسکو میں قوم پرستی اور فرانس دشمنی پر مبنی جذبات کو فروغ ملنے پر شہزادہ نکولائی آندریچ کے ماضی اور عقل و دانش کی شہرت نے اسے ماسکو کے شہریوں اور حکومت مخالفوں کی پسندیدہ شخصیت بنا دیا۔

اس سال وہ کچھ زیادہ ہی بوڑھا ہو گیا تھا۔ بڑھاپے نے اس کی شخصیت پر اپنا اثر یوں ڈالا کہ وہ بیٹھے بٹھائے نیند میں چلا جاتا اور حالیہ واقعات اس کے ذہن سے نکل جاتے جبکہ ماضی کی پرانی باتیں اسے یوں یاد ہوتی تھیں جیسے کل ہی کی بات ہو اور پھر اس نے جس بچگانہ انداز سے ماسکو کے حکومت مخالف طبقے کی سربراہی قبول کی وہ بھی اس کے بڑھاپے کا سبب تھا۔ ان تمام باتوں کے باوجود بوڑھا جب شام کے وقت پرانی طرز کا کوٹ پہنے اور سر پر پاؤڈر والی وگ

لگائے ڈرائنگ روم میں چائے پر آتا اور کسی کے افسانے پر پرانے دنوں کے حوالے سے مختصر مگر جامع اظہار خیال یا پھر اس سے بھی بڑھ کر حالیہ دور پر پُنی تُلی اور بے رحمانہ تنقید کرتا تو اس کے تمام ملاقاتی بلاامتیاز متاثر ہوتے اور اس کا احترام کرنے پر مجبور ہو جاتے۔ ماسکو میں اس کا یہ پرانا مکان بذات خود عہد رفتہ کی نشانی تھا جس کے کھڑکیوں اور دروازوں پر بڑے بڑے آرائشی شیشے نصب تھے اور کمروں میں فرانسیسی انقلاب سے پہلے دور کا فرنیچر رکھا تھا اور پاؤڈر چھڑکی وگ والے ملازمین موجود تھے۔ یہاں وہ اپنی منکسر المزاج بیٹی اور خوبصورت فرانسیسی خاتون کے ساتھ رہتا تھا جو اس کی بیحد عزت کرتی تھیں۔ بوڑھا اور اس کا مکان ملاقاتیوں پر خوشگوار اثرات مرتب کرتا مگر کسی نے اس بات پر دھیان نہ دیا تھا کہ اس نے اپنے میزبان کے ساتھ جو دو گھنٹے گزارے ہیں ان کے علاوہ بھی دن کے بائیس گھنٹے ہوتے ہیں اور اس دوران اس گھر کی نجی اور مانوس زندگی اپنی طرز پر گامزن رہتی ہے۔

ان دنوں میں شہزادی ماریا کیلئے یہ زندگی خاصی دکھی اور تکلیف دہ ہو چکی تھی۔ ماسکو میں وہ زائرین سے بات چیت اور علیحدگی میں ملاقاتوں سے ہی محروم نہ تھی جو اسے زندگی کی سب سے بڑی خوشی مہیا کرتی تھیں بلکہ شہری زندگی کے فوائد اور دلچسپیوں سے بھی محروم تھی۔ وہ لوگوں کے گھروں اور محافل میں نہیں جاتی تھی اور ہر شخص کو علم تھا کہ جب تک اس کا والد خود کہیں نہیں جاتا، وہ اسے بھی کہیں نہیں جانے دے گا۔ بوڑھے کی مسلسل خراب ہوتی صحت اسے باہر نہیں نکلنے دیتی تھی چنانچہ دوست احباب بھی اس کی بیٹی کو محافل اور ضیافتوں میں شرکت کی دعوت نہیں دیتے تھے۔ وہ شادی کی امید کھو چکی تھی۔ اس کے گھر آنیوالے اور رشتے کے امکانی امیدوار نوجوانوں سے معمر شہزادہ سرد مہر اور سخت انداز میں پیش آتا اور یہ بات ماریا کے سامنے تھی۔ شہزادی ماریا کا کوئی دوست نہ تھا۔ ماسکو آنے کے بعد وہ اپنی قریب ترین سہیلیوں سے بھی مایوس ہو چکی تھی۔ وہ مادموزیل بورین کے سامنے بھی اپنے دل کا حال نہیں کہہ سکی تھی اور اب وہ مختلف وجوہات کی بنا پر اس سے دور دور رہنے کی کوشش کرتی تھی۔ ماسکو میں رہنے والی جولی کے ساتھ وہ پانچ برس تک خطوط کا تبادلہ کرتی رہی اور اب جب ماریا نے اسے دیکھا تو وہ اجنبی لگی۔ بھائیوں کے انتقال کے بعد جولی کا شمار ماسکو کی امیر ترین وارثوں میں ہونے لگا تھا اور وہ رنگا رنگ محفلوں میں بڑھ چڑھ کر شریک ہوتی تھی۔ وہ ہمہ وقت ایسے نوجوانوں میں گھری رہتی جن کے بارے میں اسے یقین تھا کہ انہوں نے اس کی قدر و قیمت کا اچانک اندازہ لگایا ہے۔ اعلیٰ طبقے کی طرح جولی بھی عمر کے اس حصے میں پہنچ چکی تھی جب خواتین کو یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ ان کی جوانی ڈھل رہی ہے اور اب ان کے پاس شوہر تلاش کرنے کا آخری موقع ہے ورنہ وہ ہمیشہ افسوس کرتی رہیں گی۔ شہزادی ماریا ہر جمعرات کو اداسی سے مسکراتے ہوئے سوچتی کہ اب کوئی ایسا شخص نہیں بچا جسے وہ خط لکھ سکے کیونکہ جولی یہیں موجود تھی اور اس سے مل کر وہ کوئی خوشی محسوس نہیں کرتی تھی۔ جس طرح کوئی بوڑھا کسی پرانی واقف کار خاتون کی جانب سے شادی کی پیش کش اس لیے ٹھکرا دے کہ پھر اس کے پاس شام گزارنے کیلئے کوئی جگہ نہیں رہ جائیگی، اسی طرح شہزادی ماریا کو بھی افسوس تھا کہ جولی کی یہاں موجودگی نے اسے قلمی دوست سے محروم کر دیا ہے۔ ادھر ماسکو میں ایسا کوئی شخص نہ تھا جسے وہ دل کا حال سناتی اور اپنا رازداں بنا سکتی۔ اس کے ساتھ ساتھ نئی مصیبتیں بھی اس کا پیچھا کر رہی تھیں۔ شہزادہ آندرے کی شادی کا وقت قریب آتا جا رہا تھا تاہم اس نے اپنے باپ کو اس واقعہ کیلئے تیار کرنے کی غرض سے شہزادی ماریا کے ذمے جو فریضہ لگایا تھا وہ تکمیل سے اتنا دور تھا کہ یوں لگتا تھا جیسے تمام معاملہ خراب ہو جائیگا۔ نتاشا کے تذکرے پر ہی معمر شہزادہ غصے میں لال پیلا ہو جاتا تھا۔ حال میں ایک اور مسئلہ بھی شہزادی ماریا کے ذہن پر بوجھ بن گیا تھا جو بھتیجے کی پڑھائی سے متعلق تھا۔ وہ یہ دیکھ کر بیحد دکھی ہوتی تھی چھوٹے نکولائی کے ساتھ اس کے رویے میں اپنے باپ کی سی بدمزاجی در آئی ہے۔ وہ

اپنے آپ کو خواہ کتنا ہی کیوں نہ سمجھاتی کہ جب وہ اسے پڑھانے لگتی ہے تو غصہ اپنے قریب بھی نہیں پھٹکنے دینا چاہئے مگر ہر بار یہی ہوتا کہ وہ جب بھی فرانسیسی حروف تہجی کی جانب اشارہ کرنے کیلئے ہاتھ میں چھڑی پکڑ کر سبق کا آغاز کرتی تو اسے کام نپٹانے اور اپنا علم بچے کے ذہن میں ڈالنے کی اتنی جلدی ہوتی کہ اس کی ذرا سی بھی عدم توجہ پر کانپنے لگ جاتی تھی، بچے کو پہلے ہی اس خوف نے جکڑ رکھا ہوتا تھا کہ اس کی خالہ کسی بھی لمحے ناراض ہو سکتی ہے۔ اس دوران وہ ہڑبڑا جاتی اور بعض اوقات اسے بازو سے پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے کونے میں کھڑا کر دیتی۔ بعد ازاں وہ اپنی اس سفاکی پر رونا شروع کر دیتی اور چھوٹا نکولائی بھی اسے دیکھ کر رو دیتا اور اجازت لیے بغیر کونے سے نکل کر اس کے چہرے سے آنسو بھرے ہاتھ اٹھا کر اسے تسلی دینے کی کوشش کرتا۔ مگر شہزادی ماریا کو جس سب سے بڑی مصیبت کا سامنا تھا وہ اس کے باپ کا غصیلا مزاج تھا۔ وہ اس کا مستقل نشانہ تھی۔ اب اس کی یہ کیفیت بیحد بڑھ چکی تھی۔ اگر اسے تمام رات عبادت میں گزارنے بلکڑیاں کاٹنے یا پانی لانے کا حکم دیا جاتا تو وہ کبھی نہ سوچتی کہ اس کی قسمت خراب ہے مگر یہ شفیق آمر نہ صرف جان بوجھ کر اس کے جذبات کو ٹھیس پہنچانے اور اسے بے عزت کرنے کے مواقع ڈھونڈتا رہتا تھا بلکہ اسے یہ جتاتا بھی آتا تھا کہ ہر معاملے میں سراسر اسی کا ہی قصور ہے۔ اپنی محبت کے باعث وہ اور بھی سفاک ہو گیا تھا اور اسی وجہ سے اس نے ماریا کے ساتھ ساتھ اپنے آپ کو بھی اذیت میں مبتلا کر رکھا تھا۔ اس کے ساتھ وہ مادموزیل بورین کے ساتھ بھی بے تکلفی برتنے لگا تھا۔ اسے یہ کام تب سوجھا جب اسے اپنے بیٹے کی شادی کی خبر ملی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ اگر آندرے شادی کر سکتا ہے تو میری مادموزیل سے شادی میں کیا حرج ہے؟ گزشتہ کچھ عرصہ سے وہ مادموزیل سے یوں پیش آتا جیسے اسے دل وجان سے چاہتا ہو۔ شہزادی ماریا کا اندازہ تھا کہ وہ ایسا محض اس کی تذلیل کیلئے کرتا ہے۔ درحقیقت وہ فرانسیسی خاتون سے پیار جتلا کر اپنی بیٹی سے بے اطمینانی کا اظہار کر رہا تھا۔

ایک دن اس نے شہزادی ماریا کی موجودگی میں مادموزیل بورین کا ہاتھ چوم لیا (ماریا کا خیال تھا کہ اس نے یہ حرکت اس کی موجودگی میں جان بوجھ کر کی ہے) اور اسے اپنی آغوش میں لے کر پیار سے اس کا جسم سہلانے لگا۔ شہزادی شرم سے سرخ ہو گئی اور کمرے سے باہر بھاگ گئی۔ کچھ دیر بعد مادموزیل بورین شہزادی ماریا کے کمرے میں آئی تو اس نے جلدی سے اپنے آنسو پونچھے اور ترش روئی سے بھرائی ہوئی آواز میں فرانسیسی عورت سے کہنے لگی "کسی شخص کی کمزوری سے اسطرح فائدہ اٹھانا انتہائی شرمناک اور غیر انسانی حرکت ہے۔۔۔" اس میں اپنی بات مکمل کرنے کا حوصلہ نہ تھا۔ اس نے مادموزیل کو کمرے سے نکل جانے کا حکم دیا اور پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

اگلے دن معمر شہزادے نے اپنے بیٹی سے کوئی بات نہ کی مگر کھانے کی میز پر ماریا نے دیکھا کہ اس نے سب سے پہلے مادموزیل کو کھانے پیش کرنے کا حکم دیا۔ آخر میں جب خانساماں کافی لایا تو اس نے حسب معمول برتن سب سے پہلے ماریا کے سامنے رکھے۔ یہ دیکھ کر شہزادہ غصے میں لال پیلا ہو گیا اور اپنی چھڑی اسے دے ماری اور حکم دیا کہ اسے فوراً فوج میں بھرتی کرا دیا جائے۔

وہ کہنے لگا "میں نے دو مرتبہ حکم دیا۔۔۔ مگر اس کے کان پر جوں تک نہیں رینگی۔ یہ اس گھر کی خاتون اول ہے، میری بہترین دوست ہے" پھر اس نے چلا کر ماریا سے کہا "اگر تم نے اس کی موجودگی میں اپنا مقام بھلانے کی کوشش کی تو میں تمہیں یہ بتانے پر مجبور ہو جاؤں گا کہ اس گھر کا مالک کون ہے۔ میری آنکھوں سے دور ہٹ جاؤ اور اس سے معافی مانگو"

شہزادی ماریا نے امیلیا یا گیونیوتا سے معذرت کی اور اپنے باپ سے خانساماں فلپ کیلئے بھی معافی مانگی جس

نے اس سے گڑگڑا کر التجا کی تھی۔

ایسے لمحات میں قربانی کے فخر کا جذبہ اس کی روح کو گرمجوشی عطا کر دیتا تھا اور اس کا باپ جسے وہ دل ہی دل میں برا بھلا کہہ رہی ہوتی تھی، اپنی عینک ڈھونڈنے لگتا۔ وہ اس کے قریب ہی پڑی ہوتی تھی مگر اسے دکھائی نہ دیتی بلکہ وہ بے ڈھنگے انداز سے اسے ٹٹولنے لگتا۔ یا پھر وہ حال ہی میں ہونیوالی کوئی بات بھول جاتا، یا پھر اپنی کمزور ٹانگوں پر لڑکھڑاتا ہوا چل دیتا اور پیچھے مڑ کر بھی دیکھتا جاتا کہ کہیں اس کی کمزوری دیکھ تو نہیں لی گئی۔ سب سے بری بات یہ ہوتی کہ کھانے پر اسے گفتگو پر آمادہ کرنے کیلئے کوئی مہمان نہ ہوتا تو وہ فوراً اونگھنے لگتا اور اس کا رومال نیچے گر جاتا اور کانپتا ہاتھ پلیٹ میں جا گرتا۔ ایسے موقع پر شہزادی ماریا سوچتی "وہ بوڑھے اور کمزور ہیں۔ مجھے ان کا محاسبہ نہیں کرنا چاہئے" یہ سوچ کر اسے اپنے آپ سے نفرت ہونے لگتی تھی۔

(3)

1811ء میں ماسکو میں ایک فرانسیسی ڈاکٹر میتی ویئر رہتا تھا جسے کچھ ہی عرصے میں شہرت حاصل ہو چکی تھی۔ وہ دراز قد، خوبصورت اور کچھ ایسا شائستہ شخص تھا جو کوئی فرانسیسی ہی ہو سکتا ہے۔ اس کے بارے میں ہر شخص کی یہی رائے تھی کہ وہ غیر معمولی طور پر ہوشیار ڈاکٹر ہے۔ بہترین گھروں میں اسے ڈاکٹر کے طور پر ہی نہیں بلکہ برابر کے شخص کی حیثیت سے خوش آمدید کہا جاتا تھا۔

شہزادہ نکولائی آندریچ ہمیشہ ڈاکٹروں کا مذاق اڑایا کرتا تھا مگر اب مادموزیل بورین کے مشورے پر اس نے ڈاکٹر کو اپنے گھر آنے اور اپنا معائنہ کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ آہستہ آہستہ وہ اس کا عادی ہو گیا۔ میتی ویئر ہر ہفتے کم وبیش دو مرتبہ اسے دیکھنے آتا تھا۔

سینٹ نکولائی کا دن ہی معمر شہزادے کا نام دن تھا۔ اس دن تمام ماسکو اس کے ہاں پہنچ گیا مگر اس نے حکم دیا کہ کسی کو گھر میں نہ آنے دیا جائے۔ صرف چند گنے چنے مہمانوں کو ہی کھانے پر بلایا جانا تھا جن کی فہرست اس نے شہزادی ماریا کے حوالے کر دی تھی۔

میتی ویئر ڈاکٹر کی حیثیت سے اپنا حق سمجھتا تھا کہ ضرورت پڑنے پر وہ حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بھی اندر آ سکتا ہے۔ چنانچہ وہ دن نکلتے ہی مبارکباد دینے چلا آیا اور شہزادے کو دیکھنے اندر چلا گیا۔ نام دن کی صبح بوڑھے کا مزاج سخت خراب تھا۔ اس نے تمام صبح گھر میں بلاوجہ ٹہلتے گزاری تھی اور وہ ہر شخص میں خامیاں تلاش کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور ایسا ظاہر کرنے میں مصروف تھا کہ اسے جو کچھ کہا جا رہا ہے وہ اس کی سمجھ میں آ رہا ہے نہ کوئی اور اس کی بات اچھی طرح سمجھ رہا ہے۔ شہزادی ماریا اس کے مزاج کی یہ کیفیت اچھی طرح جانتی تھی جس میں وہ بظاہر پرسکون اور اپنے خیالات میں مستغرق دکھائی دیتا تھا مگر آخر میں غصے کے نتیجے میں بارود کی طرح پھٹ جاتا۔ شہزادی ماریا چونکہ جانتی تھی اس لئے وہ تمام صبح یوں پریشان رہی جیسے اسے بھری ہوئی بندوق کا سامنا ہو جو کسی بھی وقت دھماکے سے چل سکتی ہے۔ اب وہ صرف دھماکے کی منتظر تھی جو ٹل نہیں سکتا تھا۔ ڈاکٹر کے آنے تک کوئی خاص واقعہ پیش نہ آیا۔ میتی ویئر کا استقبال کرنے کے بعد شہزادی ماریا کتاب لے کر ڈرائنگ روم میں دروازے کے قریب بیٹھ گئی جہاں سے اسے اپنے والد کے کمرے میں ہونیوالی بات چیت سنائی دے سکتی تھی۔

ابتدا میں صرف میتی ویئر کی آواز سنائی دی۔ اس کے بعد اس نے اپنی والد کی آواز سنی اور پھر دونوں کے بیک

وقت بولنے کی آوازیں سنائی دیں۔ دروازہ زوردار انداز سے کھلا اور خوش شکل میتی ویئر پریشان بالوں سمیت نمودار ہوا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اس کے پیچھے پیچھے بوڑھا تھا جس نے ٹوپی اور ڈریسنگ گاؤن پہن رکھا تھا اور غصے کے مارے اس کی شکل خراب ہو چکی تھی اور آنکھیں باہر نکلی ہوئی تھیں۔

معمر شہزادہ چلا کر بولا "تمہیں سمجھ آئی یا نہیں البتہ میں خوب سمجھ گیا ہوں! فرانسیسی جاسوس! بوناپارٹ کا غلام! جاسوس، میرے گھر سے دفع ہو جاؤ۔۔۔ بھاگ جاؤ، میں تمہیں کہتا ہوں!" یہ کہہ کر اس نے دروازہ بند کر دیا۔ میتی ویئر کندھے اچکا کر مادموزیل بورین کے پاس چلا گیا جو شور وغل سن کر برابر والے کمرے سے بھاگ کر باہر آ گئی تھی۔

میتی ویئر کہنے لگا "شہزادے کی طبیعت ٹھیک نہیں، وہ صفراوی طبیعت کے مالک ہیں اور ان کا خون جلد گرم ہو جاتا ہے۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، میں کل پھر آ جاؤں گا" اس نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھی اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

بوڑھے کے کمرے سے قدموں کی چاپ سنائی دے رہی تھی اور وہ با آواز بلند کہہ رہا تھا "جاسوس، غدار، ہر جگہ غدار ہیں! مجھے اپنے گھر میں بھی سکون کا لمحہ میسر نہیں"

میتی ویئر کے جانے کے بعد اس نے اپنی بیٹی کو بلا بھیجا، تمام غصہ اسی پر نکلا۔ وہ کہنے لگا "یہ سب تمہارا قصور ہے کہ ایک جاسوس میرے پاس آ گیا۔ میں نے تمہیں بتایا تھا کہ فہرست بناؤ اور جس کا نام شامل نہ ہو اسے اندر نہیں آنے دینا۔ اس کے باوجود تم نے اسے اندر آنے کی اجازت کیوں دی؟ یہ صرف تمہارا قصور ہے۔ تم مجھے ایک لمحہ بھی سکون نہیں لینے دیتیں۔ تم تو مجھے سکون سے مرنے بھی نہیں دو گی"

وہ کہنے لگا "نہیں مادام نہیں، ہماری علیحدگی ناگزیر ہے۔ ہمیں ہر صورت علیحدہ ہونا پڑے گا۔ یہ مجھے بھی علم ہے اور تم بھی جانتی ہو۔ مجھ سے مزید برداشت نہیں ہوتا" یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر چلا گیا۔ پھر اسے خدشہ ہوا کہ کہیں اسے تسکین یا تسلی کے اسباب نہ مل جائیں اور اسی کے پیش نظر وہ واپس آیا اور یوں ٹھہر ٹھہر کر بولنے لگا جیسے یہ تاثر دینا چاہتا ہو کہ وہ یہ باتیں غصے میں نہیں بلکہ ٹھنڈے مزاج سے کہہ رہا ہے۔ وہ کہنے لگا "یہ مت سمجھنا کہ میں غصے میں پاگل ہو گیا ہوں، میں بالکل ٹھیک اور پرسکون ہوں اور، میں نے ہر بات نہایت سوچ سمجھ کر کہی ہے اور اس پر ہر صورت عمل ہو گا۔۔۔ ہمیں ہر صورت علیحدگی اختیار کرنا ہو گی اور اپنے لیے کوئی ٹھکانہ تلاش کر لو۔۔۔" مگر وہ اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا اور غصے میں کہنے لگا "کیا ہی اچھا ہوتا کہ کوئی بیوقوف تم سے شادی کر لیتا" یہ کہہ کر اس نے دروازہ زور سے بند کیا اور مادموزیل کو بلانے کے بعد اپنے کمرے میں بیٹھ گیا۔

دو بجے چھ منتخب اشخاص کھانے پر اکٹھے ہوئے۔ ان مہمانوں میں معروف نواب رستوپچن، شہزادہ لوپوخن اور اس کا بھتیجا، جنرل چاتروف، بوڑھے ایک پرانا فوجی ساتھی اور نوجوان نسل سے پیری اور بورس دروبتسکی شامل تھے۔ یہ لوگ ڈرائنگ روم میں اپنے میزبان کے منتظر تھے۔ بورس چند روز قبل چھٹی پر ماسکو آیا تھا اور اسے شہزادہ نکولائی آندریچ سے ملنے کی شدید خواہش تھی۔ نہ صرف یہ کہ اس کی دلی خواہش پوری ہوئی تھی بلکہ بوڑھے شہزادے نے اپنا یہ اصول بھی بالائے طاق رکھ دیا کہ وہ کسی کنوارے کو اپنے گھر میں نہیں گھسنے دے گا۔

معمر شہزادے کے ہاں اعلیٰ طبقے کے لوگ اکٹھے نہیں ہوتے تھے مگر اس کا چھوٹا سا حلقہ ایسا تھا کہ کسی اور جگہ کی نسبت اس میں شامل ہونا انتہائی فخر کی بات سمجھی جاتی تھی، اگرچہ اس کا شہر میں زیادہ چرچا نہیں ہوتا تھا۔ بورس کو گزشتہ ہفتے اس امر کا اندازہ ہو گیا تھا جب اس کی موجودگی میں کمانڈر انچیف نے نواب رستوپچن کو سینٹ نکولائی کے دن کے حوالے

سے دعوت دی اور جواباً رستوپچن نے کہا تھا کہ ''اس ان میں ہمیشہ شہزادہ نکولائی آندریچ کو مبارکباد دینے جایا کرتا ہوں''

کمانڈر انچیف نے جواباً کہا تھا ''ارے، ہاں ہاں، ان کی طبیعت کیسی ہے؟''

بلند چھتوں والے قدیم طرز کے ڈرائنگ روم میں کھانے سے پہلے اکٹھا ہونیوالا یہ مختصر گروہ عدالت کے سنجیدہ حاضرین جیسا تھا۔ تمام لوگ خاموش تھے اور اگر کوئی بولتا تو بھی اس کی آواز اتنی آہستہ ہوتی کہ بمشکل سنائی دیتی تھی۔ شہزادہ نکولائی آندریچ اندر آیا۔ اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی طاری تھی اور یوں لگتا تھا جیسے وہ کچھ نہیں بولے گا۔ شہزادی ماریا معمول سے زیادہ خوفزدہ دکھائی دے رہی تھی۔ مہمان اس سے گفتگو کرتے ہوئے ہچکچا رہے تھے کیونکہ انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ ذہنی طور پر ان سے بات چیت پر آمادہ نہیں ہے۔ نواب رستوپچن واحد شخص تھا جو کبھی کبھار کوئی بات کرتا تھا۔ کبھی وہ شہر کی تازہ خبریں سنانے لگتا اور کبھی کوئی اور بات شروع کر دیتا۔ کبھی کبھار شہزادہ لوپوخن اور بوڑھا جرنیل بھی کوئی بات کہہ دیتے۔ شہزادہ نکولائی آندریچ تمام باتیں یوں سن رہا تھا جیسے عدالت کا چیف جسٹس اپنے روبرو پیش کی جانیوالی کوئی رپورٹ سنتا ہے اور اس دوران کبھی کبھار ہوں، ہاں کرتا یا ترشروئی سے سر ہلا دیتا ہے۔ اس کا یہ رویہ اس امر کی علامت ہوتا ہے کہ وہ رپورٹ نظر انداز نہیں کر رہا بلکہ اسے توجہ سے سن رہا ہے۔

اندازِ گفتگو اس بات کی غمازی کرتا تھا کہ سیاست کی دنیا میں ہونیوالے کام کسی کو بھی پسند نہیں۔ بیان کردہ واقعات اس رائے کی تصدیق کرتے تھے کہ حالات خراب سے خراب تر ہوتے چلے جا رہے ہیں مگر قابل غور بات یہ تھی کہ ایک خاص جگہ پہنچ کر بولنے والا یا تو خود ہی خاموش ہو جاتا یا پھر اسے ٹوک دیا جاتا کیونکہ اس سے آگے یہ خدشہ ہوتا تھا کہ کہیں شہنشاہ کی ذات بھی تنقید کی زد میں نہ آ جائے۔

کھانے پر بات چیت تازہ ترین سیاسی خبر یعنی ڈیوک آف اولڈنبرگ کے زیر تسلط علاقے پر نپولین کے قبضے اور اس حوالے سے روسی خط پر ہونے لگی جس میں نپولین کے اقدام کی مخالفت کی گئی تھی اور یہ خط یورپ کے تمام شاہی درباروں میں بھیجا گیا تھا۔

نواب رستوپچن نے اپنا معروف فقرہ دہراتے ہوئے کہا ''بوناپارٹ یورپ کے ساتھ بالکل ویسا ہی سلوک کر رہا ہے جو بحری قزاق مقبوضہ جہاز سے کرتا ہے۔ طویل عرصہ سے مصیبتوں کا سامنا کرنے والے بادشاہوں پر حیرت ہوتی ہے جو اپنی آنکھیں بند کئے بیٹھے ہیں۔ اب پوپ کی باری ہے۔ نپولین رومن کیتھولک فرقہ کے سربراہ کو معزول کرنے میں ذرا شرم محسوس نہیں کرتا اور سبھی خاموش بیٹھے ہیں۔ صرف ہمارے شہنشاہ نے ڈیوک آف اولڈنبرگ کے علاقے پر قبضے کیخلاف احتجاج کیا اور وہ بھی۔۔۔'' یہاں نواب رستوپچن ٹھہر گیا، اسے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ اس حد پر پہنچ چکا ہے جہاں سے آگے بات کرنا ممکن نہیں۔

شہزادہ نکولائی اندریچ نے کہا ''ڈچی آف اولڈنبرگ کے عوض دیگر علاقوں کی پیشکش کی گئی ہے۔ وہ نوابوں کی یوں اکھاڑ پچھاڑ کرتا ہے جس طرح میں اپنے کسانوں کو بلیک ہلز سے باگوچاروف یا ریازان کی جاگیروں میں بھیجتا ہوں''

بورس نے احتراماً دخل اندازی کرتے ہوئے کہا ''ڈیوک آف اولڈنبرگ جس طرح مصیبتیں جھیل رہے ہیں اور انہوں نے جس طرح انہیں خدا کی رضا سمجھ کر قبول کیا ہے وہ قابل تعریف ہے'' اسے پیٹرز برگ سے روانگی کے بعد ڈیوک سے ملنے کا موقع ملا تھا اور اس کے دخل اندازی کرنے کی یہی وجہ تھی۔ شہزادہ نکولائی نے نگاہیں اٹھا کر نوجوان کو یوں دیکھا جیسے اسے کچھ کہنا چاہتا ہو مگر پھر اس نے ارادہ بدل دیا۔ بظاہر اس کے خیال میں نوجوان اس کی توجہ کا مستحق نہیں تھا۔

نواب رستوپچن لاپروائی سے بولا ''مجھے اولڈنبرگ کے معاملے میں ہمارا احتجاجی خط پڑھنے کا موقع ملا ہے اور انتہائی طرز تحریر دیکھ کر میں حیران رہ گیا'' نواب کا لہجہ یوں تھا جیسے کسی ایسی بات پر تنقید کر رہا ہو جس سے وہ اچھی طرح آگاہ ہو۔

پیری نے رستوپچن کو معصومانہ حیرت سے دیکھا۔ وہ یہ بات نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ خط میں فصیح و بلیغ زبان استعمال نہیں کی گئی تھی تو اس میں بری بات کیا تھی۔

اس نے رستوپچن سے کہا ''نواب اگر خط کا متن زوردار ہو تو زبان سے کیا فرق پڑتا ہے؟''

نواب نے جواب دیا ''میرے عزیز! اگر آپ کے پاس پانچ لاکھ فوج ہو تو پھر بلیغ زبان استعمال کرنا آسان ہو جاتا ہے''

خط کی طرز تحریر پر نواب رستوپچن نے جس عدم اطمینان کا اظہار کیا تھا اب وہ پیری کی سمجھ میں آ گیا تھا''

معمر شہزادہ نکولائی بولا ''ہمارا تو یہی خیال تھا کہ وہاں لکھنے والوں کی کوئی کمی نہیں۔ پیٹرز برگ میں انہیں لکھنے کے علاوہ کوئی کام ہی نہیں ہے اور وہ صرف خط ہی نہیں لکھتے بلکہ قوانین بھی تحریر کرتے ہیں۔ میرا اینڈریو ان دنوں وہیں ہے اور اس نے روس کیلئے قوانین پر مبنی پوری کتاب لکھ ماری ہے۔ آج کل ہر کوئی یہ لکھنے میں مصروف ہے'' بات مکمل کرنے کے بعد وہ غیر فطری انداز میں ہنسنے لگا۔

گفتگو کچھ دیر کیلئے رک گئی۔ بوڑھے جرنیل نے دوسروں کی توجہ اپنی جانب مبذول کرانے کیلئے کھنکار کر گلا صاف کیا اور کہنے لگا ''پیٹرز برگ میں مارچ پاسٹ کے موقع پر پیش آنیوالے تازہ ترین واقعے کے بارے میں کسی نے کچھ سنا ہے؟ اس کا تعلق فرانسیسی سفیر کے رویے سے ہے''

کسی نے کہا ''کیا؟ میں نے کچھ سنا تو تھا، شاید اس نے شہنشاہ کی موجودگی میں کوئی غیر شائستہ بات کہہ دی تھی''

بوڑھا جرنیل بولا ''شہنشاہ نے اس کی توجہ گرینیڈیئرز ڈویژن اور مارچ پاسٹ کی جانب مبذول کرائی۔ یوں لگتا ہے کہ سفیر نے اس پر کوئی توجہ نہ دی اور بدتمیزی سے بولا ''فرانس میں ہم ایسی معمولی باتوں پر وقت ضائع نہیں کرتے۔ شہنشاہ نے اس کا جواب دینا خلاف شان سمجھا۔ کہہ رہے ہیں کہ اگلے مارچ پاسٹ پر انہوں نے اس سے کوئی بات نہ کی''

محفل پر خاموشی چھا گئی۔ ایسے معاملے پر کوئی رائے نہیں دی جا سکتی تھی جس کا تعلق براہ راست شہنشاہ کی ذات سے تھا۔

شہزادہ نکولائی بولا ''بدتمیز، بدمعاش! آپ لوگ میتی ویئر کو جانتے ہیں؟ آج میں نے اسے گھر سے نکال باہر کیا۔ وہ یہاں آ گیا تھا۔ انہوں نے اسے مجھ سے ملنے کیلئے آنے دیا حالانکہ میں نے ان سے درخواست کی تھی کہ کسی کو نہ آنے دیا جائے'' وہ اپنی بیٹی کی جانب غصیلی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے مسلسل بولتا چلا گیا۔ اس نے فرانسیسی ڈاکٹر کے ساتھ اپنی گفتگو شروع سے آخر تک دہرائی اور بتایا کہ وہ میتی ویئر کو فرانسیسی جاسوس کیوں سمجھتا ہے۔ اگرچہ اس کی وجوہات ناکافی اور غیر واضح تھیں تاہم کسی نے اس کی بات کا جواب دینا مناسب نہ سمجھا۔

کھانے میں گوشت کے بعد شیمپین پیش کی گئی۔ معمر شہزادے کو مبارکباد دینے کیلئے مہمان اپنی نشستوں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور شہزادی ماریا بھی اس کے پاس چلی گئی۔ باپ نے غصیلی نگاہوں سے بیٹی کو دیکھا اور اپنا جھریوں والا گال اس کی جانب بوسے کیلئے بڑھا دیا۔ اسے دیکھ کر صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ صبح والی بات بھولا تھا نہ اس کے فیصلے میں

کوئی تبدیلی آئی تھی۔ صرف مہمانوں کی موجودگی میں اس نے اپنی زبان بند رکھی ہوئی تھی۔

کافی پینے کیلئے وہ ڈرائنگ روم میں چلے گئے اور بوڑھے ایک دوسرے کے قریب جا بیٹھے۔

شہزادہ نکولائی آندریچ کا جوش وخروش بڑھنے لگا اور وہ امکانی جنگ کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرنے لگا۔ اس نے کہا" جب تک ہم جرمنوں کیساتھ معاہدہ کرنے کی کوششیں کرتے رہیں گے اور معاہدہ تلسٹ کی وجہ سے یورپی معاملات میں الجھیں گے، اس وقت تک بونا پارٹ سے ہماری جنگیں تباہ کن ثابت ہوتی رہیں گی۔ ہمیں آسٹریا کی خاطر جنگ کرنی چاہئے نہ اس کیخلاف لڑنا چاہئے۔ ہمارے تمام سیاسی مفادات مشرق میں ہیں اور بونا پارٹ کے حوالے سے ہمیں صرف یہ کرنا ہوگا کہ سرحدوں پر فوج تعینات کردیں اور مضبوط پالیسی اختیار کریں۔ اس کے بعد وہ 1807ء کی طرح روسی سرحد دوبارہ عبور کرنے کی ہمت نہیں کرے گا"

نواب رستوپچن کہنے لگا" مگر شہزادے، ہم فرانسیسیوں کیخلاف کیسے جنگ لڑ سکتے ہیں؟ کیا ہم اپنے اساتذہ کیخلاف ہتھیار اٹھا سکتے ہیں جو ہمارے لیے دیوتاؤں جیسے ہیں؟ اپنے نوجوانوں اور خواتین کو دیکھیں۔ ان کے نزدیک فرانسیسی ہمارے دیوتا ہیں اور پیرس جنت کی حیثیت رکھتا ہے"

اس نے باآواز بلند بولنا شروع کردیا۔ بظاہر وہ یہی چاہتا تھا کہ ہر شخص اس کی بات سن لے۔

وہ کہہ رہا تھا" ہمارے اطوار، خیالات اور احساسات فرانسیسی ہیں۔ آپ نے مِتی ویز کو اس لیے نکال دیا کہ وہ فرانسیسی اور بداطوار ہے، مگر ہماری خواتین اس کے پاس جانا برا نہیں سمجھتیں۔ کل مجھے ایک دعوت میں شرکت کا موقع ملا۔ وہاں موجود پانچ میں سے تین خواتین رومن کیتھولک تھیں۔ انہیں پوپ نے اتوار کو سلائی کڑھائی کرنے کی خصوصی اجازت دے رکھی ہے۔ وہ وہاں تقریباً عریاں بیٹھی تھیں، آپ برا نہ مانیں تو میں یہ کہنے کی جسارت کروں گا کہ وہ خواتین کی بجائے عوامی حماموں کے سائن بورڈ نظر آتی تھیں۔ جب ان نوجوانوں پر نگاہ پڑتی ہے تو دل کرتا ہے عجائب گھر سے پیٹر اعظم کی لاٹھی اٹھا لاؤں اور بہترین قدیم روسی انداز سے ان کی چند پسلیاں توڑ دوں۔ اس طرح ان لڑکوں اور لڑکیوں کے دماغوں سے خرافات نکل جائینگی۔

تمام لوگ خاموش بیٹھے رہے۔ بوڑھے شہزادے نے رستوپچن کی جانب دیکھا اور اظہار پسندیدگی کے طور پر گردن ہلادی۔

رستوپچن تیزی سے اٹھا اور شہزادے کی جانب اپنا ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولا" ٹھیک ہے جناب عالی! اپنی صحت کا خیال رکھیے گا"

معمر شہزادہ رستوپچن کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہنے لگا" خدا حافظ دوست، میں آپ کی باتیں سن کر ہمیشہ خوش ہوتا ہوں" یہ کہہ کر اس نے بوسے کیلئے اپنا گال رستوپچن کی جانب بڑھا دیا۔ دیگر نے نواب کی پیروی کی۔

(4)

شہزادی ماریا ڈرائنگ روم میں بیٹھی بوڑھوں کی غصیلی باتیں سنتی رہی تاہم اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ وہ صرف یہی سوچ رہی تھی کہ اس کے باپ نے اس کے بارے میں مخاصمت پر مبنی جو رویہ اپنا رکھا ہے وہ مہمانوں نے بھی دیکھا ہے یا نہیں۔ وہ اس روز تیسری مرتبہ اپنے گھر آنیوالے بورس دروبتسکی پر بھی دھیان نہ دے سکی جو تمام عرصہ اسے ملتفت نگاہوں سے تکتا رہا تھا۔

شہزادی ماریا نے کھوئے کھوئے انداز میں پیری کی جانب سوالیہ نگاہوں سے دیکھا جو ہاتھوں میں ہیٹ پکڑے مسکراتا ہوا اس کے پاس آیا، وہ جانیوالا آخری مہمان تھا اور اب وہ ڈرائنگ روم میں اکیلے رہ گئے تھے۔

پیری نے پوچھا" کیا میں مزید کچھ دیر ٹھہر سکتا ہوں؟" اور پھر اپنے بھاری جثے کے ساتھ ماریا کے قریب دھری کرسی پر بیٹھ گیا۔

ماریا بولی" ارے بالکل، بالکل" اس کی نگاہیں پوچھ رہی تھیں" آپ نے کچھ دیکھا؟"

ڈنر کے بعد پیری خوشگوار موڈ میں تھا وہ سامنے دیکھے جا رہا تھا اور اس کے چہرے پر ملامت بھری مسکراہٹ نمایاں تھی۔ اس نے شہزادی سے پوچھا" کیا آپ اس نوجوان کو کافی دیر سے جانتی ہیں؟"

ماریا بولی" کون سا؟"

پیری نے کہا" دروبتسکی"

ماریا نے جواب دیا" نہیں، دیر سے تو نہیں۔۔۔"

پیری نے سوال کیا" ٹھیک، تو کیا آپ اسے پسند کرتی ہیں"

ماریا بولی" ٹھیک ہے، وہ قابل قبول نوجوان ہے۔ آپ مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہیں؟" اس کا ذہن ابھی تک صبح باپ کے ساتھ ہونیوالی گفتگو میں اٹکا ہوا تھا۔

پیری کہنے لگا" میں اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ جب کوئی نوجوان پیٹرز برگ سے چھٹی پر ماسکو آتا ہے تو عموماً اس کا ارادہ بڑی جائیداد کی مالک لڑکی سے شادی کا ہوتا ہے"

ماریا پوچھنے لگی" کیا آپ نے اس کا مشاہدہ کیا؟"

پیری نے جواب دیا" ہاں، اور اس نوجوان کا وطیرہ ہے کہ جونہی اسے بھاری جائیداد کی وارث کسی لڑکی کی خبر ملے تو فوری طور پر وہیں پہنچ جاتا ہے۔ میں اسے بالکل اس طرح پڑھ سکتا ہوں جس طرح کوئی کتاب پڑھتا ہے۔ فی الحال وہ یہ فیصلہ نہیں کر پا رہا کہ وہ آپ کو نشانہ بنائے یا جولی کاراگن کو، ان دنوں اس پر وہ خصوصی توجہ دے رہا ہے"

ماریا نے پوچھا" کیا وہ اس کے ہاں آتا جاتا رہتا ہے؟"

پیری نے جواباً کہا" جی ہاں، تو جوان لڑکیوں کو پھانسنے کیلئے جو نئے طریقہ ہائے کار اختیار کیے جا رہے ہیں، ان کے بارے میں آپ کو کچھ علم ہے؟" اس نے یہ بات یوں مسکراتے ہوئے پوچھی جیسے وہ اس مکالمے سے بےحد لطف اندوز ہو رہا ہو۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ بالکل ویسی ہی ہلکی پھلکی دل لگی کرنا چاہتا ہے جس کے ذریعے وہ ڈائری لکھتے ہوئے اپنی سرزنش کے وقت کرتا تھا۔

شہزادی ماریا بولی" نہیں، میں نہیں جانتی"

پیری بولا" آج کل ماسکو کی لڑکیوں کو خوش کرنے کیلئے اپنے اوپر افسردگی طاری کرنا پڑتی ہے اور وہ جب بھی مادموزیل کاراگن سے ملتا ہے تو افسردہ شکل بنا لیتا ہے"

ماریا نے پیری کے شفیق چہرے کو دیکھتے اور اپنے رنج بارے سوچتے ہوئے کہا" واقعی؟" وہ سوچ رہی تھی کہ "اگر میں کسی کو اپنا رازداں بنالوں تو مجھے ذہنی سکون مل جائیگا۔ اور پیری بالکل ویسا ہی شخص ہے جسے میں اپنے تمام محسوسات سے آگاہ کرسکتی ہوں۔ وہ بےحد شفیق اور فراخدل ہے۔ اس طرح میرے دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا اور وہ مجھے مشورہ دے سکے گا"

پیری بولا" کیا آپ اس سے شادی کرنا پسند کریں گی؟"

ماریا نے با آواز بلند جواب دیا" اوہ خدایا! بعض اوقات ایسا وقت آتا ہے کہ میں ہر شخص سے شادی کیلئے تیار ہو جاتی ہوں" اپنے لب ولہجے پر وہ خود بھی حیران رہ گئی اور اس کی آواز بھرانے لگی۔ وہ کپکپاتی آواز میں کہنے لگی "آہ یہ کس قدر اذیت ناک ہے کہ آپ کسی شخص سے جو آپ کے اتنا قریب ہوتا ہے، محبت کرتے ہیں اور آپ کو یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ آپ اسے دکھ پہنچانے کے علاوہ کچھ اور نہیں کر سکتے، اور پھر جب آپ کو یہ علم ہوتا ہے کہ آپ جاری صورتحال میں کوئی تبدیلی نہیں لا سکتے تو آپ کی تکلیف مزید بڑھ جاتی ہے۔ اس صورت میں ایک ہی راستہ باقی رہ جاتا ہے کہ آپ کہیں چلے جائیں، مگر میں کہاں جا سکتی ہوں"

پیری بولا" شہزادی کیا ہوا؟ کیا بات ہے؟"

مگر شہزادی ماریا کوئی جواب دیے بغیر رونے لگ گئی۔

پھر اس نے کہا" نجانے آج مجھے کیا ہو گیا ہے؟ آپ فکر مت کریں اور بھول جائیں کہ میں نے کیا کہا تھا"

پیری کی خوشی غارت ہو گئی۔ وہ بے چین ہو گیا اور شہزادی سے مسلسل سوالات کرنے لگا۔ وہ اس سے درخواست کر رہا تھا کہ وہ کچھ کہے اور اسے اپنا راز داں سمجھے مگر ماریا تمام باتوں کے جواب میں اسے صرف یہی التجا کر رہی تھی کہ وہ تمام باتیں بھول جائے اور بار بار یہی کہے جاتی تھی کہ اپنی بات اسے خود بھی یاد نہیں رہی نیز اسے کوئی دکھ اور افسوس نہیں، البتہ جو دکھ ہے اس سے وہ پہلے ہی آگاہ ہے اور دکھ یہ ہے کہ آندرے کی متوقع شادی باپ بیٹے کے مابین تفرقہ پیدا کر دے گی۔

اس نے موضوع بدلنے کیلئے پوچھا" آپ کے پاس رستوف خاندان کے حوالے سے کوئی اطلاع ہے؟ مجھے خبر ملی ہے کہ وہ چند روز میں یہاں پہنچنے والے ہیں اور میرا خیال ہے کہ آندرے بھی جلد آجائیں گے۔ میں چاہتی ہوں کہ وہ یہاں آکر ہم سے ملاقات کر لیں"

پیری بولا" اس بارے میں ان کا رویہ کیسا ہے؟" اس کا اشارہ شہزادی ماریا کے والد یعنی معمر شہزادے کی جانب تھا۔ شہزادی ماریا نے نفی میں سر ہلایا۔

وہ بولی" اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ چند ماہ میں سال مکمل ہو جائے گا۔ اب معاملہ ہاتھ سے نکل چکا ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ میں اپنے بھائی کو شروع ہی میں روک لیتی۔ کاش رستوف خاندان ہی جلد آجائے۔ مجھے امید ہے کہ میں اس لڑکی سے دوستی کر لوں گی۔۔۔ آپ انہیں پرانا جانتے ہیں، مجھے اس کے بارے میں صاف صاف بتا دیں، مجھے سچ سچ بتائیں کہ وہ کیسی لڑکی ہے۔ آپ کو علم ہے کہ آندرے یہ سب کچھ اپنے والد کی مرضی کیخلاف کر رہا ہے اسی لیے میں جاننا چاہوں گی کہ۔۔۔"

ایک غیر واضح جبلت پیری کو کہہ رہی تھی کہ مکمل سچ جاننے کی یہ درخواستیں اس امر کی غمازی کرتی ہیں کہ اس کے دل کے کسی گوشے میں اپنی بھابھی کے حوالے سے بغض پوشیدہ ہے اور کوئی خواہش اس سے شہزادہ آندرے کے انتخاب پر اظہار ناپسندیدگی کا تقاضا کر رہی ہے۔ تاہم اس کے جواب میں پیری نے جو کچھ کہا وہ سب کچھ وہ نہیں تھا جو وہ سوچ رہا تھا بلکہ وہ بات تھی جسے وہ محسوس کر رہا تھا۔ اس نے شرماتے ہوئے کہا" سمجھ نہیں آتی کہ تمہاری بات کا کیسے جواب دوں۔ حقیقت یہ ہے کہ میں خود بھی نہیں جانتا وہ کیسی لڑکی ہے۔ میں اس کی ذات کا قطعی تجزیہ نہیں کر سکتا۔ وہ دلکش اور آدمی کو اپنا گرویدہ بنا لیتی ہے مگر میں یہ نہیں جانتا کہ اس میں پرکشش بات کونسی ہے۔ اس کے حوالے سے میں یہی کچھ

کہہ سکتا ہوں"

شہزادی ماریا نے آہ بھری اور اس کے چہرے پر ابھرنے والا تاثر کہہ رہا تھا" ہاں مجھے یہی توقع اور اندیشہ تھا"

اس نے پیری سے پوچھا" کیا وہ چالاک ہے"

پیری نے کچھ دیر سوچنے کے بعد جواب دیا" میرا خیال ہے نہیں، ہاں، اگرچہ وہ سمجھتی ہے کہ چالاک بننے کا کوئی فائدہ نہیں۔۔۔ بس وہ دلکش ہے اور انسان کو اپنا گرویدہ بنا لیتی ہے۔ بس اتنا ہی ہے"

شہزادی ماریا نے دوبارہ اظہار ناپسندیدگی کے طور پر سر ہلا دیا۔

وہ کہنے لگی" آہ، میں اس سے محبت کی کس قدر خواہش رکھتی ہوں۔ اگر مجھ سے پہلے آپ اس سے ملیں تو میری جانب سے اسے یہ بات بتا دیجئے گا"

پیری نے کہا" میں نے سنا ہے کہ وہ چند روز میں یہاں پہنچنے والے ہیں"

شہزادی ماریا نے اسے اپنے منصوبے سے آگاہ کیا اور کہا کہ جونہی رستوف خاندان یہاں پہنچا وہ اپنی ہونیوالی بھابھی سے ملے گی اور معمر شہزادے کو بھی اس سے متعارف کرانے کی کوشش کرے گی۔

(5)

بورس پیٹرز برگ میں کسی امیر لڑکی کو نہ پھانس سکا اور اب وہ اسی مقصد سے ماسکو آیا تھا۔ یہاں اس کیلئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا کہ وہ امیر ترین لڑکیوں یعنی جولی کاراگن اور شہزادی ماریا میں سے کسے منتخب کرے۔ اگرچہ اسے شہزادی ماریا اپنی معمولی شکل وصورت کے باوجود جولی سے زیادہ پرکشش لگتی تھی تاہم اس سے اظہار محبت مشکل کام محسوس ہوتا تھا مگر کیوں؟ اس کیوں کا جواب اس کے پاس بھی نہ تھا۔ معمر شہزادے کے نام دن پر جب وہ اسے آخری مرتبہ ملا اور اس دوران اس نے جتنی مرتبہ بھی شہزادی ماریا سے جذباتی لہجے میں بات کرنے کی کوشش کی، جواباً اسے غیر متعلقہ باتیں ہی سننے کو ملیں۔ یہ بات عیاں تھی کہ وہ اس کی بات بالکل ہی نہیں سن رہی تھی۔

دوسری جانب اس نے جولی کو جب بھی پسندیدگی سے دیکھا یا بات کی تو اس نے جواباً اچھے ردعمل کا اظہار کیا۔

جولی کی عمر ستائیس برس ہو چکی تھی اور اپنے بھائیوں کی موت کے بعد وہ بیحد دولتمند ہو گئی تھی۔ اگرچہ اس کی شکل وصورت میں دلکشی مفقود ہو چکی تھی مگر وہ اپنے آپ کو بالکل اسی طرح خوبصورت سمجھتی تھی جیسی وہ جوانی کے آغاز پر تھی بلکہ اپنی دانست میں اس کی دلکشی پہلے سے کہیں بڑھ چکی تھی۔ اس خام خیالی کی تصدیق اس کی وسیع جائیداد نے کر دی تھی۔ تشویشناک بات یہ تھی کہ جوں جوں اس کی عمر ڈھلتی جا رہی تھی توں توں وہ مردوں کیلئے کم خطرناک ہو گئی تھی اور وہ بلا جھجک اس سے تعلقات رکھ سکتے تھے اور کسی ہچکچاہٹ کے بغیر اس کی محافل اور ضیافتوں میں شریک ہو سکتے تھے۔ جو زندہ دل اور بذلہ سنج اشخاص اس کے گھر اکثر آنے جانے لگے تھے وہ کسی احسانمندی کے بغیر اس کے ہاں آجا سکتے تھے۔ اس نے اپنے ہاں لوگوں کی کثیر آمد ورفت کو اپنے مقبولیت سمجھا مگر حقیقت کچھ اور تھی۔ وہ مرد جو دس برس قبل اس گھر میں جہاں سترہ سالہ لڑکی رہتی تھی، آنے سے قبل یہ سوچتے کہ کہیں وہ اس کی شہرت خراب کرنے کا موجب نہ بن جائیں یا خود اس کی محبت میں گرفتار نہ ہو جائیں، اب وہ بلا خوف وخطر اس کے ہاں آتے جاتے اور اس سے یوں پیش آتے جیسے وہ شادی کی عمر کو پہنچنے والی لڑکی کی بجائے کوئی جانی پہچانی بے جنس مخلوق ہو۔

اس موسم سرما میں کاراگن خاندان کی جائے قیام ماسکو کا خوشگوار ترین اور انتہائی مہمان نواز گھر تھا۔ یہاں

سرشام رسمی محافل تو بجتی ہی تھیں اور ضیافتیں بھی منعقد ہوتی رہتی تھیں، علاوہ ازیں ہر روز مرد وخواتین کی بڑی تعداد وہاں جمع ہو جاتی۔ یہ لوگ آدھی رات کو کھانا کھاتے اور صبح تین بجے تک وہیں بیٹھے رہتے۔ اس کے علاوہ کہیں رقص بجانے کی محفل یا ڈرامہ بھی ہوتا تو جولی وہاں دیکھی جا سکتی تھی۔ اس کا لباس ہمیشہ تازہ ترین رواج کے مطابق ہوتا البتہ ان تمام باتوں کے باوجود کچھ یوں لگتا جیسے اس کا کسی شے پر اعتبار نہ رہا ہو اور وہ ہر شخص کو یہی جتلاتی کہ وہ دوستی، پیار اور زندگی کی خوشیوں پر یقین نہیں رکھتی اور اسے صرف آخروی زندگی میں ہی خوشی کے حصول کی توقع ہے۔ وہ ایسی لڑکی کا روپ دھار لیتی جسے بے حد مایوسیوں کا سامنا کرنا پڑا ہو، جس کا محبوب اس سے چھین لیا گیا ہو یا جس کے محبوب نے اسے سنگدلی سے دھوکہ دیا ہو۔ اگرچہ اس کے ساتھ ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا تھا تاہم ہر شخص یہی سمجھنے لگا کہ اس کے ساتھ ایسا کوئی سانحہ ضرور پیش آیا ہے اور اسے خود بھی یقین ہونے لگا کہ اس نے زندگی میں بیحد زخم کھائے ہیں۔ اس افسردگی نے اسے جی بھر کر خوش ہونے سے روکا نہ ان نوجوانوں کی راہ میں رکاوٹ بنی جو اپنا وقت خوشگوار انداز میں صرف کرنے کیلئے اس کے ہاں چکر لگاتے رہتے تھے۔ ہر مہمان اپنی اس میزبان کی افسردگی کی تعریف کرتا اور پھر اعلیٰ حلقے کے حوالے سے گفتگو، رقص، دانشورانہ کھیلوں یا پھر فی البدیہہ اشعار کہنے کے مقابلوں سے دل بہلانے لگتا جن کا کاراگن خاندان کے ہاں مضبوط رواج تھا۔ صرف چند نوجوان جولی کی افسردگی میں جھانکنے کی کوشش کرتے تھے جن میں بورس بھی شامل تھا۔ وہ ان سے دنیا کی بے ثباتی پر طویل اور رازدارانہ بات چیت کرتی، بھرپور انداز میں دل کی بھڑاس نکالتی اور انہیں افسردہ تصاویر، محاوروں اور اشعار سے بھرے البم دکھاتی۔

جولی بورس پر بطور خاص مہربان تھی۔ اسے زندگی کے آغاز ہی میں جن مایوسیوں کا سامنا کرنا پڑا تھا ان کے بارے میں وہ اس سے ہمدردی کا اظہار کرتی اور ایسی عورت کی طرح اسے حوصلہ دیتی جس نے خود بھی بیحد مصیبتیں جھیل رکھی ہوں۔ اس نے بورس کو اپنے البم دکھائے۔ بورس نے اس میں دو درختوں کی تصاویر بنائیں اور ان کے نیچے لکھا: ''ناتراشیدہ درختو تمہاری سیاہ شاخیں مجھ پر تاریکی اور افسردگی طاری کر دیتی ہیں''

ایک اور جگہ اس نے مقبرے کی تصویر بنائی اور اس کے نیچے لکھا:

موت مددگار اور سکون بخش ہے
اور غموں سے بچنے کیلئے کوئی اور جگہ نہیں

جولی نے اس شعر کی بیحد تعریف کی۔

اس نے ایک عبارت دہرائی ''یہ تاریکی میں روشنی کی کرن جیسی ہے، یہ غم و مایوسی کے مابین تھوڑا سا فرق ہے اور یہ خوشی کا امکان منکشف کرتی ہے'' پھر وہ کہنے لگی ''افسردہ مسکراہٹ میں کوئی ایسی شے ہے جو انسان پر وجدانہ کیفیت طاری کر دیتی ہے''

اس پر بورس نے فرانسیسی زبان میں درج ذیل اشعار لکھ ڈالے:

حساس روح کیلئے زہریلی خوراک
اگرچہ اس کے بغیر مجھے خوشی نہیں مل سکتی
ملائم افسردگی، آہ، آؤ اور مجھے تسلی دو
آؤ مجھے تاریک غموں سے سکون بخش دو
اور میرے مسلسل بہتے آنسوؤں میں اپنی مخفی مٹھاس شامل کر دو

جولی بورس کو اپنے انتہائی غم انگیز اور پیار بھرے نغمے بربط پر سناتی اور بورس اسے ''بیچاری لیزا'' نامی نظم باآواز بلند پڑھ کر سناتا۔ نظم پڑھتے ہوئے اس کی آواز جذبات کی شدت سے بار بار بھرا جاتی اور پڑھنے میں وقفہ آ جاتا۔ بڑی محفلوں میں وہ ایک دوسرے کو یوں دیکھتے جیسے وہ خشک اور غیر دلچسپ لوگوں میں یک جان دو قالب ہوں۔

اینا میخائلوونا اکثر و بیشتر کاراگن خاندان کے ہاں آتی جاتی رہتی تھی اور اس کی والدہ کے ساتھ تاش کھیلنے کے دوران کھلم کھلا جولی کے جہیز (اسے صوبہ پینزا میں دو جاگیریں اور صوبہ نزنی گوروڈ میں جنگلات بطور جہیز ملنا تھے) کے حوالے سے دریافت کرتی رہتی۔ جس شائستہ افسردگی نے اس کے بیٹے کو امیر کبیر جولی سے منسلک کر دیا تھا، اس پر اس کے دل میں نرم جذبات مچلتے رہتے اور وہ خدا کی رضا کے سامنے جھک جاتی۔

وہ جولی سے کہا کرتی ''تم بالکل اسی طرح پرکشش اور افسردہ ہو جیسے ہمیشہ تھیں'' وہ اس کی ماں سے کہتی ''بورس کا کہنا ہے کہ اس کی روح تمہارے گھر میں شاد ہو جاتی ہے۔ اس نے بیحد مصیبتیں برداشت کی ہیں اور وہ خاصا حساس ہے''

اس نے اپنے بیٹے سے کہا ''آہ، میرے پیارے، میں تمہیں کیا بتاؤں کہ میں جولی کی کس قدر مداح ہوں! مگر کون ہے جو اس سے محبت نہ کرے! وہ آسمانی روح ہے! آہ بورس، اور مجھے اس کی والدہ پر کتنا ترس آتا ہے'' اس نے کچھ دیر توقف کیا اور پھر بولی ''اس نے پینزا سے موصول ہونے والے خطوط آج مجھے دکھائے، وہاں ان کی دو وسیع جاگیریں ہیں۔ اور اس بیچاری کی مدد کرنیوالا بھی کوئی نہیں جبکہ لوگ اسے دھوکہ دیے چلے جا رہے ہیں''

بورس نے اپنی والدہ کی باتیں غور سے سنیں۔ وہ مسکرا رہا تھا مگر اس کی یہ مسکراہٹ اتنی مدھم تھی کہ بمشکل نظر آتی تھی۔ تاہم اس کی باتیں سنتے ہوئے وہ احتیاط سے پینزا اور نزنی گوروڈ کی جاگیر کے بارے میں سوالات بھی پوچھ لیتا تھا۔

جولی کافی دیر سے اپنے افسردہ پرستار کی جانب سے شادی کی پیشکش کی منتظر تھی اور وہ اس کی پیشکش قبول کرنے کیلئے تیار تھی، تاہم بورس کی راہ میں ابھی تک جو شے مزاحم تھی وہ اس کی جولی سے دلی بے رغبتی تھی۔ وہ اس کی جلد شادی کی بے لگام خواہش سے نفرت کرتا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ اسے یہ خوف بھی لاحق ہو گیا تھا کہ اس شادی کی صورت میں وہ سچی محبت کا امکان ختم کر بیٹھے گا۔ اس کی چھٹی ختم ہونے کو تھی۔ وہ ہر دن تمام وقت کاراگن خاندان کے ہاں گزارتا، ہر رات اس معاملے پر سوچ بچار کرتا اور اپنے آپ سے کہتا رہتا کہ اگلے دن شادی کی پیشکش کر دوں گا مگر جولی کی موجودگی میں جب وہ اس کے سرخ چہرے اور ٹھوڑی کو دیکھتا، جو مستقل طور پر پاؤڈر سے بھری رہتی تھی، اور اس کی نم آنکھوں میں جھانک کر اس کے وہ تاثرات پڑھتا جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ تو شروع دن سے کسی کی منتظر ہے تو اپنی بات کرنے کا حوصلہ نہ پاتا، حالانکہ تصوری تصور میں وہ بہت پہلے پینزا اور نزنی گوروڈ کی جاگیروں کا مالک بن چکا تھا بلکہ اس نے یہ فیصلہ بھی کر لیا تھا کہ ان جاگیروں کی آمدنی کس کس جگہ خرچ کی جائیگی۔ جولی بھی بورس کے تذبذب سے آگاہ تھی اور بعض اوقات وہ یہ سوچتی کہ وہ اسے برگشتہ کر رہی ہے مگر اس کی نسوانی خود فریبی اسے فوری تسلی دیتی اور وہ خود سے کہتی کہ وہ بیچارہ محبت میں اسقدر گرفتار ہے کہ اپنے دل کی بات بھی نہیں کہہ پاتا۔ تاہم اب اس کی افسردگی زود رنجی میں بدلنے لگی تھی اور بورس کی روانگی سے قبل اس نے واضح طرز عمل اختیار کرنے کا منصوبہ تیار کر لیا۔ جب بورس کی چھٹی ختم ہونے کو تھی تو اناطول کوراگن ماسکو آ گیا اور یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہاں پہنچتے ہی اس نے کاراگن خاندان کے ڈرائنگ روم میں آنا جانا شروع کر دیا۔ یوں جولی نے افسردگی ترک کرتے ہوئے خوشدلی سے کوراگن کو ملنے لگی۔

اینا میخائلوونا نے اپنے بیٹے سے کہا ''میرے پیارے! مجھے کچھ ایسی اطلاعات ملی ہیں کہ شہزادہ وسیلے نے اپنے

بیٹے کو ماسکو میں اسی لیے بھیجا ہے کہ وہ جولی سے شادی کرلے۔ میں جولی کو اسقدر چاہتی ہوں کہ اس شادی کی صورت میں مجھے اس پر بیحد ترس آئے گا۔ میرے پیارے تم اس حوالے سے کیا کہتے ہو؟''

بورس بیوقوف بنائے جانے، جولی کی افسردگی سے بھرپور مہینہ بھر مشقت طلب خدمت اور ان تمام جاگیروں کے کسی دوسرے شخص بالخصوص احمق اناطول کے ہاتھوں میں جانے کے خیال سے وہ ایک دم غصے میں آگیا جن کی آمدنی وہ ذہنی طور پر مختلف مدات میں تقسیم کرچکا تھا۔ اس نے فیصلہ کرلیا کہ وہ آج ہی کاراگن خاندان کے ہاں جاکر شادی کی پیشکش کرے گا۔ جب وہ وہاں پہنچا تو جولی نے خوشی سے چہکتے ہوئے لاپروائی سے اس کا استقبال کیا اور باتوں ہی باتوں میں اسے آگاہ کیا کہ وہ گزشتہ رات رقص کی محفل سے بیحد لطف اندوز ہوئی۔ پھر وہ اس سے پوچھنے لگی کہ وہ کب واپس جارہا ہے۔ اگرچہ بورس پختہ ارادہ کرکے آیا تھا کہ وہ اس سے اپنی محبت کا تذکرہ کرے گا اور وہ پیار بھرا لہجہ اختیار کرنے کا پختہ ارادہ بھی کرچکا تھا تاہم اس کی باتیں سن کر وہ خواتین کی تلون مزاجی کا ذکر کرنے لگا۔ جولی نے اس کی باتوں پر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا'' تم درست کہتے ہو، تنوع عورت کی ضرورت ہے، یکسانیت سے تو ہر شخص اکتا جاتا ہے''

بورس بولا'' تو پھر میں تمہیں مشورہ دوں گا کہ۔۔۔'' وہ اس کی بات کا فوری جواب دینا چاہتا تھا تاہم اسی دوران یہ تکلیف دہ خیال اس کے ذہن میں در آیا کہ کہیں اسے اپنا مقصد حاصل کئے بغیر ہی ماسکو سے واپس نہ جانا پڑے اور اگر ایسا ہوگیا تو اس کی تمام تر کوششیں ضائع جائیں گی (اس کا اسے ابھی تک کوئی تجربہ نہ تھا) اس نے بات درمیان میں ہی چھوڑ دی اور اپنی نگاہیں جھکالیں تاکہ جولی کے چہرے پر پیدا ہونیوالے بے یقینی کے تاثرات نہ دیکھ سکے۔ وہ کہنے لگا'' مگر میں یہاں تم سے جھگڑنے تو نہیں آیا تھا، اس کے برعکس۔۔۔'' اس نے جولی کی جانب دیکھا تاکہ بات جاری رکھنے کا اطمینان کرسکے۔ اس کی تمام تر خفگی غائب ہوچکی تھی اور وہ بے چین نگاہوں سے حریصانہ انداز میں اس کا جملہ مکمل ہونے کا انتظار کررہی تھی۔

بورس سوچنے لگا'' میں ہر وقت اس کی صحبت میں کم از کم وقت گزارنے کا بندوبست کرسکتا ہوں۔ اب جبکہ یہ معاملہ شروع ہوہی گیا ہے تو اسے انجام تک پہنچا دینا چاہئے'' اس کے گال سرخ ہوگئے اور وہ اس کی جانب دیکھتے ہوئے بولا'' تم اپنے حوالے سے میرے جذبات سے آشنا ہو؟'' مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہ تھی۔ جولی کا چہرہ کامیابی اور آسودگی کے تاثرات سے جگمگانے لگا تاہم اس نے بورس کو وہ تمام باتیں کہنے پر مجبور کردیا جو عام طور پر ایسے مواقع پر کہی جاتی ہیں کہ'' میں تم سے محبت کرتا ہوں اور آج تک کسی سے اتنی محبت نہیں کی جتنی تم سے کرتا ہوں'' اسے علم تھا کہ پینزا کی جاگیروں اور نیژنی گوروڈ کے جنگلات کے عوض وہ اس کا مطالبہ کرسکتی ہے اور اس نے اپنا مطالبہ منوالیا۔

منگنی کے بعد نوجوان جوڑے کو ان درختوں کی جانب مزید اشاروں کی ضرورت نہ رہی تھی جن سے افسردگی و مایوسی ٹپکتی رہتی تھی۔ اب وہ پیٹرز برگ میں شاندار جگہ بنانے، ملنے ملانے اور شادی کی تقریب کی تیاریوں میں مصروف ہوگئے۔

(6)

جنوری کے اواخر میں نواب الیا آندریچ رستوف نتاشا اور سونیا کے ساتھ ماسکو پہنچا۔ بیگم کی طبیعت ابھی تک خراب تھی اور وہ سفر کے قابل نہ تھی تاہم اس کی صحتیابی کا انتظار بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ شہزادہ آندرے کسی بھی دن پہنچ

سکتا تھا۔ شادی کے لباس کی تیاری کرنا تھی اور ماسکو سے قریب جاگیر بھی بیچی جانا تھی۔ علاوہ ازیں ماسکو میں معمر شہزادہ بلکونسکی کی موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے اس کی ہونیوالی بہو سے بھی متعارف کرانا تھا۔ اس موسم سرما میں ماسکو میں موجود رستوف خاندان کا مکان گرم نہیں کیا گیا تھا اور چونکہ وہ تھوڑی دیر کیلئے یہاں آئے تھے اور بیگم بھی ان کے ساتھ نہ تھی اس لیے نواب نے ماریا متریونا آخروسیموف کے ہاں ٹھہرنے کا فیصلہ کیا جو کافی دیر سے انہیں اپنے ہاں آنے کی دعوت دے رہی تھی۔

شام ڈھلے رستوف خاندان کی چارلدی پھندی گاڑیاں پرانے اکیورے نامی علاقے میں ماریا متریونا کے صحن میں داخل ہوگئیں۔ ماریا تنہا رہتی تھی۔ اب وہ اپنی بیٹی کی شادی کرچکی تھی اور اس کے بیٹے پہلے ہی ملازمت کررہے تھے۔

وہ ہمیشہ کی طرح اب بھی اکڑ کر چلتی اور حسب سابق ہر شخص کے سامنے لگی لپٹی رکھے بغیر منہ پھٹ انداز میں باآواز بلند اپنی رائے کا اظہار کردیتی تھی۔ اس کے انداز و اطوار سے دوسروں کی سرزنش کا اظہار ہوتا تھا کہ ان میں خامیاں ہیں اور وہ نفسانی جذبے یا لالچ کا شکار ہوجاتے ہیں کیونکہ اس کے مزاج میں یہ دونوں باتیں نہ تھیں۔ وہ صبح سویرے اٹھتی، گھریلو لباس پہنتی اور اپنے گھریلو امور کے انتظامات میں مصروف ہوجاتی۔ بعدازاں وہ گاڑی میں بیٹھ کر باہر چلی جاتی۔ بینٹ کے دن پر وہ گرجے میں جاتی اور وہاں سے جیلوں اور قید خانوں کا رخ کرتی اور وہاں کے معاملات بارے کسی کو اعتماد میں نہیں لیتی تھی۔

عام دنوں میں وہ لباس بدلنے کے بعد مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے درخواست گزاروں سے ملتی جو ہر روز اس سے مدد لینے آتے تھے۔ پھر وہ شام کا کھانا کھاتی جو مختلف اقسام کی اشیاء پر مشتمل ہوتا تھا اور اس کے ساتھ روزانہ تین چار مہمان ضرور موجود ہوتے تھے۔ کھانے کے بعد وہ تاش کا کھیل بوسٹن کھیلتی۔ رات کو وہ خود سلائی کڑھائی کرنے لگتی اور کوئی شخص اسے کتابیں اور اخبار پڑھ کر سناتا۔ وہ خلاف معمول کسی سے ملنے نہ جاتی اور جب کسی کے ہاں جاتی تو وہ ماسکو کی اہم ترین شخصیات میں سے ہوتا تھا۔

جب رستوف پہنچے تو وہ سونے نہیں گئی تھی۔ آنیوالوں اور ان کے ملازمین کو اندر لانے کیلئے جب بیرونی کمرے کا دروازہ کھلا تو وہ ناک کے سرے پر عینک رکھے دروازے کے درمیان میں جا کھڑی ہوئی اور ترش روئی سے آنیوالوں کا جائزہ لینے لگی۔ اگر اس وقت وہ اپنے خدمتگاروں کو مہمانوں کو ٹھہرانے اور ان کا سامان سنبھالنے کے سلسلے میں احتیاط پرمبنی ہدایات نہ دے رہی ہوتی تو ہر شخص یہی سمجھتا کہ وہ ان سے بیحد ناراض ہے اور انہیں گھر سے باہر نکال رہی ہے۔

اس نے سلام دعا کے بغیر چمڑے کے صندوقوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا'' نواب کا سامان؟ اسے یہاں لے آؤ۔ لڑکیاں؟ انہیں وہاں لے جاؤ۔ بائیں جانب'' پھر وہ ایک خادمہ سے چلا کر بولی'' تم یہاں کیا کررہی ہو؟ جاؤ اور سماوار تیار کرو'' اس نے نتاشا کو پکڑ کر اپنی جانب کھینچتے ہوئے کہا'' اس لڑکی کا جسم فربہ ہوگیا ہے اور یہ پہلے سے زیادہ خوش شکل بھی ہوگئی ہے'' پھر وہ اپنے ہاتھ پر بوسہ دینے کے خواہشمند نواب سے کہنے لگی'' ارے تمہارا جسم تو بیحد ٹھنڈا ہے، فالتو کپڑے فوراً اتار دو۔ ارے چائے کے ساتھ رم بھی لاؤ'' وہ سونیا کی جانب متوجہ ہوکر فرانسیسی میں بولی'' سونیوشکا، کیا حال ہے'' اس کے انداز سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ خود کو سونیا سے برتر سمجھتی ہے۔

جب وہ سفر کے بعد اوپر پہنے کپڑے اتار کر چائے پینے کیلئے اندر آئے تو ماریا متریونا نے باری باری ان کے

رخساروں کا بوسہ لیا۔

وہ بولی "مجھے تم لوگوں سے مل کر دلی خوشی ہورہی ہے" اس نے نتاشا کی جانب معنی خیز انداز سے دیکھا اور کہنے لگی "اب مناسب وقت آن پہنچا ہے۔ بوڑھا یہیں ہے اور اس کا بیٹا بھی کسی دن پہنچ سکتا ہے۔ تمہیں یقیناً اس سے متعارف ہونا پڑے گا، بہرحال چھوڑو، اس بارے میں ہم بعد میں بات کرینگے" اس نے یہ بات سونیا کی جانب دیکھتے ہوئے کہی جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اس کی موجودگی میں یہ اس موضوع پر گفتگو نہیں کرنا چاہتی۔ وہ نواب کی جانب متوجہ ہوکر کہنے لگی "اب بتاؤ کل کے بارے میں تمہارے کیا منصوبے ہیں؟ تم کس کس کو مدعو کرو گے؟ شن شن؟۔۔۔" اس نے ایک انگلی ٹیڑھی کی اور پھر بولی "ہر وقت رونے والی اپنا میخا کلونا۔۔۔ دو ہو گئے۔ وہ اپنے بیٹے کے ساتھ یہیں ہے۔ بیٹے کی بھی شادی ہونے والی ہے۔ پھر بیز وخوف، وہ بھی اپنی بیوی کے ساتھ یہیں ہے۔ وہ اس سے جان چھڑا کر بھاگا اور وہ اس کے پیچھے پیچھے یہیں آگئی۔ وہ بدھ کو میرے ہاں کھانے پر آیا تھا۔ جہاں تک ان کا تعلق ہے کل میں انہیں آئیورسکی گرجے میں لے جاؤں گی اور وہاں سے ہم شادی کے ملبوسات کا آرڈر دینے چلے جائیں گے۔ میرا خیال ہے کہ تم سب کچھ نیا بنوانا پسند کروگی۔ میری طرف دیکھ کر اندازے مت لگاؤ۔ آج کل ایسی ہی آستینوں کا رواج ہے۔ چند روز پہلے نوعمر شہزادی اریناویسلو ینا میرے پاس آئی۔ وہ کچھ یوں سجی ہوئی تھی جیسے اس نے بازوؤں میں بندوق کی دونالیاں پہن رکھی ہوں۔ یہاں ہر روز نیا فیشن ظہور پذیر ہوتا ہے" پھر وہ نواب سے ترش لہجے میں کہنے لگی "تم کیا کہتے ہو۔۔۔ تم یہاں کس لیے آئے ہو؟"

نواب نے جواب دیا "تمام مصیبتیں اکٹھی ہی نازل ہوتی ہیں۔ اس لڑکی کے کپڑے خریدنا ہیں اور دوسری جانب ماسکو کی جاگیر اور مکان کا ایک خریدار بھی ہے۔ اگر آپ مہربانی کرتے ہوئے ان لڑکیوں کو سنبھال لیں تو مجھے ایک دن کیلئے میرنسکو جانے کا موقع مل جائیگا۔

ماریا متریونا بولی "بہت اچھے، بہت اچھے، یہ میرے پاس محفوظ ہوں گی۔ جہاں ان کا جانا ضروری ہوا، وہاں انہیں لے جاؤں گی۔ تھوڑا سا ڈانٹوں گی اور پیار بھی کروں گی" اس نے اپنی دینی بیٹی اور پیاری لڑکی نتاشا کے گال اپنے چوڑے چکلے ہاتھوں سے چھوئے۔

اگلی صبح ماریا متریونا دونوں لڑکیوں کو آئیورسکی گرجے اور پھر مادام آبرٹ شالمے کے ہاں لے گئی۔ مادام شالمے اس سے اتنی خوفزدہ رہتی تھی کہ اس سے فوری جان چھڑانے کیلئے اپنے ملبوسات ہمیشہ سستے بیچ ڈالتی۔ ماریا متریونا نے تقریباً تمام ملبوسات کا آرڈر دے دیا۔ جب وہ گھر پہنچے تو اس نے نتاشا کے سوا تمام افراد کو کمرے سے باہر نکال دیا اور پھر اسے بلا کر اپنی آرام کرسی کے قریب بٹھا لیا۔

وہ نتاشا سے کہنے لگی "ہاں، اب ہم بات چیت کر سکتی ہیں۔ میں تمہیں منگنی کی مبارکباد دیتی ہوں۔ تم نے اچھا آدمی چنا ہے۔ میں تم سے خوش ہوں۔ میں اسے اس وقت سے جانتی ہوں جب وہ اتنا سا تھا" اس نے اپنا ہاتھ زمین سے دو فٹ اونچائی پر روک لیا۔ نتاشا کا چہرہ خوشی سے سرخ ہو گیا۔ ماریا متریونا نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا "میں اسے اور اس کے تمام خاندان کو پسند کرتی ہوں۔ میری بات سنو، تمہیں علم ہونا چاہئے کہ آندرے کا والد شہزادہ نکولائی اس شادی کے خلاف ہے۔ درست کہ اب آندرے بچہ نہیں ہے اور اس کے بغیر بھی رہ لے گا مگر باپ کی مرضی کے خلاف اس کے خاندان میں داخل ہونا اچھی بات نہیں۔ صورتحال ایسی ہونی چاہئے کہ گھر سکون اور محبت کا مرکز ہو۔ تم ہوشیار لڑکی ہو اور حالات سنبھال سکتی ہو۔ صرف اپنی عقل استعمال کرو اور خلوص و محبت سے کام لو، سب ٹھیک ہو جائیگا۔"

نتاشا کچھ نہ بولی۔ وہ ماریا متریونا کے اندازے کے مطابق شرما نہیں رہی تھی بلکہ وہ آندرے کے ساتھ اپنی محبت میں کسی کی مداخلت پسند نہیں کرتی تھی۔ اسے اپنی یہ محبت تمام انسانی معاملات سے اتنی جدا محسوس ہوتی تھی کہ اس کے خیال میں یہ پیار انسانی سوچ سے بھی بلند تھا۔ وہ صرف شہزادہ آندرے سے محبت کرتی تھی اور اسی کے بارے میں سوچتی تھی۔ وہ اس سے زیادہ نہیں جانتی تھی کہ "وہ اس سے محبت کرتا ہے، چند دن میں آجائے گا اور اسے ساتھ لے جائے گا"

ماریا متریونا کہہ رہی تھی "تمہیں علم ہے کہ میں اسے کافی دیر سے جانتی ہوں اور اس کی بہن ماشا مجھے بیحد پسند ہے۔ نندوں کو جھگڑالو سمجھا جاتا ہے مگر ماشا کبھی کو بھی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ اس نے مجھ سے درخواست کی ہے کہ میں تم دونوں کی ملاقات کرادوں۔ کل تم اپنے والد کے ساتھ اسے ملنے جاؤ گی۔ اس سے خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آنا۔ تم اس سے چھوٹی ہو اور جب وہ نوجوان یعنی تمہارا منگیتر آئے گا تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ تم اس کی بہن اور باپ کو پہلے سے جانتی ہو اور وہ تمہیں پسند کرتے ہیں۔ کیا میں نے درست کہا؟ ٹھیک نہیں؟ کیوں؟"

نتاشا نے با دل ناخواستہ جواب دیا "ہاں!"

(7)

اگلے دن ماریا متریونا کے مشورے پر نواب رستوف نتاشا کے ساتھ شہزادہ نکولائی آندریچ سے ملنے چل دیا۔ وہ اس کے ہاں جاتے ہوئے خوش نہیں تھا۔ اسے فوجی بھرتی کے دوران معمر شہزادے کے ساتھ اپنی ملاقات یاد تھی۔ اس نے بوڑھے کو کھانے پر بلانے کی کوشش کی تھی مگر جواب میں اس نے اسے سختی سے ڈانٹ دیا تھا کہ وہ فوج میں بھرتی کیلئے پوری تعداد میں آدمی مہیا نہیں کر پایا تھا۔ اس کے برعکس نتاشا بیحد ہشاش بشاش تھی اور اس نے نیا لباس زیب تن کر رکھا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی "بھلا وہ مجھے کیوں پسند نہیں کریں گے؟ ہمیشہ ہر شخص نے مجھے پسند کیا ہے۔ میں ان کی ہر خواہش پر عمل کروں گی۔ وہ ان کے والد ہیں اور وہ ان کی بہن۔ اسی لیے میں ان سے محبت کروں گی اور کوئی وجہ نہیں کہ وہ مجھے پسند نہ کریں۔۔۔"

وہ واسدیوزھنکا علاقے میں پرانے اور تاریک مکان میں پہنچے اور گھر کے بیرونی حصے میں داخل ہو گئے۔

اس موقع پر نواب نیم سنجیدگی سے بولا "ٹھیک، خدا ہم پر رحم کرے" جب وہ اندر گئے تو نتاشا نے دیکھا کہ اس کا والد خاصا بدحواس ہے اور ڈرتے جھجکتے ہوئے شہزادے اور شہزادی کے بارے میں پوچھ رہا ہے۔ جب انہوں نے اپنے نام بتائے تو خدمتگاروں میں افراتفری دیکھنے میں آئی۔ ایک نوکران کی آمد کی اطلاع دینے کیلئے تیزی سے اندر چلا گیا۔ جب وہ بڑے ہال میں پہنچا تو دوسرے ملازم نے اسے روک لیا اور دونوں کھڑے ہوکر ایک دوسرے سے سرگوشیاں کرنے لگے۔ ایک خادمہ ہال میں آئی اور شہزادی کا نام لے کر تیز لہجے میں کچھ کہنے لگی۔ بالآخر ایک معمر خدمتگار نے رستوف باپ بیٹی کو بتایا کہ شہزادہ ان سے نہیں ملے گا البتہ شہزادی ان سے مل کر خوش ہوگی۔ سب سے پہلے جو شخصیت اندر آئی وہ مادموزیل بورین تھی۔ اس نے شائستہ انداز میں باپ بیٹی کا استقبال کیا اور انہیں شہزادی کے کمرے میں لے گئی۔ شہزادی بے چین اور متفکر تھی۔ اس کے چہرے پر سرخ نشانات نمودار ہو گئے تھے۔ وہ آہستگی سے آگے بڑھی۔ اس نے مطمئن نظر آنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکی۔ پہلی ہی نگاہ میں نتاشا اسے ایک آنکھ نہ بھائی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ لڑکی نے بیحد جدید لباس زیب تن کر رکھا ہے اور بے ہودہ طور پر ہشاش بشاش دکھائی دے رہی ہے۔ شہزادی ماریا کو اس بات کا قطعاً اندازہ نہ تھا کہ اپنی بھابی کو ایک نظر دیکھنے پر ہی اس کے دل میں اس کیخلاف تعصب

گھر کر چکا تھا کیونکہ وہ غیر ارادی طور پر اس کی خوبصورتی، جوانی اور اطمینان پر رشک کرنے لگی تھی۔ پھر اسے اس بات سے بھی چڑ تھی کہ اس کا بھائی اس لڑکی سے محبت کرتا ہے۔ نفرت کے اس ناقابل شکست جذبے کے علاوہ شہزادی پر اس وجہ سے بھی گھبراہٹ طاری تھی کہ اس کے والد کو جب رستوف باپ بیٹی کے آنے کی اطلاع دی جا رہی تھی تو با آواز بلند کہا تھا "میں ان سے نہیں ملوں گا، شہزادی ماریا کا جو دل چاہے کرے مگر انہیں میرے پاس نہ لایا جائے" وہ ان سے ملنے کا فیصلہ کر چکی تھی تاہم اسے ڈر تھا کہ کہیں اس کا باپ کوئی غلط حرکت نہ کر بیٹھے کیونکہ مہمانوں کی آمد سے وہ پریشان ہو گیا تھا۔

نواب رستوف نے گردن جھکائی اور پاؤں فرش پر رگڑتے ہوئے بولا "شہزادی دیکھیں، میں نے اپنی بلبل آپ کو پیش کر دی ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ لوگوں کو ایک دوسرے سے متعارف ہونے کا موقع مل گیا ہے۔ مجھے یہ جان کر بیحد افسوس ہوا کہ شہزادے کی طبیعت ابھی تک خراب ہے" وہ خوف سے ادھر ادھر بھی دیکھے جا رہا تھا کہ کہیں معمر شہزادہ یہاں نہ آنکلے۔ وہ ایسی ہی چند باتیں کرنے کے بعد بولا "شہزادی، اگر اجازت ہو تو میں کچھ دیر کیلئے نتاشا کو آپ کے پاس چھوڑ دیتا ہوں۔ میں اتنی دیر میں اینا سیمیونووتا سے مل آؤں گا۔ وہ یہاں سے کچھ دور ڈاگ سکوائر میں رہتی ہے۔ بعد ازاں میں اسے لینے آ جاؤں گا"

نواب ایلیا آندریچ نے یہ سفارتی چال اس لیے چلی کہ وہ مستقبل کی نند بھابی کو باہم کھل کر بات چیت کا موقع دینا چاہتا تھا (جیسا کہ اس نے بعد میں اپنی بیٹی کو بتایا) مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ معمر شہزادے سے بھی نہیں ملنا چاہتا تھا جس سے اسے بیحد ڈر لگتا تھا۔ اس نے اپنی بیٹی کو تو یہ بات نہ بتلائی مگر نتاشا اپنے والد کی بے چینی اور خدشات بھانپ گئی اور اسے سخت شرمندگی ہوئی۔ اس کی گھبراہٹ وہ خود شرمسار ہو رہی تھی۔ اپنی اس کیفیت پر اسے غصہ آنے لگا۔ اس نے شہزادی کو بیباکی اور سرکشی سے دیکھا۔ اس کی نظریں کہہ رہی تھیں کہ وہ کسی سے خوفزدہ نہیں۔ جب شہزادی نے نواب کو یقین دلا دیا کہ وہ اس کی عدم موجودگی کا برا نہیں مانے گی اور اس کی بجائے یہ چاہتی ہے کہ وہ اینا سیمیونووتا کے ہاں زیادہ دیر ٹھہرے تو ایلیا آندریچ رخصت ہو گیا۔

شہزادی ماریا نتاشا سے علیحدگی میں بات چیت کرنا چاہتی تھی۔ اس کی پریشان اور بے چین نگاہیں بار بار مادموزیل بورین کی جانب اٹھیں مگر اس نے اپنی جگہ سے کوئی حرکت نہ کی اور مسلسل ماسکو کی تفریح گاہوں اور تھیٹر کے بارے میں باتیں کرتی رہی۔ نتاشا کو گھر کے بیرونی حصے میں تذبذب کی کیفیت، باپ کی گھبراہٹ اور شہزادی کے غیر فطری رویے پر شرمندگی محسوس ہونے لگی جسے دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے وہ نتاشا کا استقبال کر کے اس پر احسان کر رہی ہو۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسے ہر بات بری لگنے لگی۔ اسے شہزادی ماریا پسند نہیں آئی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ بدصورت، ظالم اور مصنوعی طور طریقوں کی حامل ہے۔ وہ فوری اپنے آپ میں سمٹ گئی اور غیر ارادی طور پر لاپروائی کا سا انداز اختیار کر لیا۔ اس رویے سے شہزادی اور بھی برگشتہ ہو گئی۔ پانچ منٹ کی مصنوعی بات چیت کے بعد انہیں کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی جو دوسرے کمرے سے عجلت میں انہی کی جانب بڑھا چلا آ رہا تھا۔ شہزادی ماریا کے چہرے پر خوف کے آثار پیدا ہو گئے۔ دروازہ کھلا اور معمر شہزادہ اندر داخل ہوا۔ اس کے سر پر ٹوپی اور جسم پر گاؤن تھا۔

نتاشا کو دیکھتے ہی وہ بولا "ارے میڈم، میڈم، نوابزادی۔۔۔ نوابزادی رستوف۔۔۔ اگر میں غلطی پر نہیں تو۔۔۔ میں معذرت کا خواستگار ہوں، میں معذرت۔۔۔ میڈم مجھے علم نہیں تھا۔ خدا جانتا ہے کہ میں آپ کی آمد سے بے خبر تھا اسی لیے انہی کپڑوں میں اپنی بیٹی سے ملنے آ گیا۔ میں معذرت چاہتا ہوں۔۔۔ خدا جانتا ہے، مجھے علم نہ تھا" اس نے اپنی بات متعدد بار دہرائی اور لفظ "خدا" پر کچھ ایسے غیر فطری انداز میں زور دیا کہ شہزادی ماریا نظریں جھکائے اٹھ

کھڑی ہوئی۔ اس میں اپنے باپ یا نتاشا کی جانب دیکھنے کا یارا نہ تھا۔ نتاشا بھی اٹھ کھڑی ہوئی اور جھک کر آداب بجا لائی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اب کیا کرے۔ صرف مادموزیل بورین خوشدلی سے مسکرا رہی تھی۔

بوڑھے نے بڑبڑاتے ہوئے کہا "میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ میری معذرت قبول کریں! جیسا کہ خدا جانتا ہے، مجھے علم نہ تھا" پھر وہ نتاشا پر سرتاپا نظریں دوڑانے کے بعد باہر نکل گیا۔

اس کی روانگی کے بعد سب سے پہلے مادموزیل بورین نے لب کھولے اور شہزادے کی خراب طبیعت کے حوالے سے بات چیت کرنے لگی۔ نتاشا اور شہزادی ماریا خاموش بیٹھی ایک دوسرے کو دیکھتی رہیں۔ وہ جتنی دیر خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتی رہیں، ان کے مابین فاصلے بھی اتنے ہی بڑھ گئے۔

جب نواب واپس آیا تو نتاشا نہایت ناشائستگی سے اطمینان کی سانس لی اور وہاں سے جانے میں ذرا برابر تاخیر نہ کی۔ اسی لمحے اسے شہزادی سے تقریباً نفرت ہو گئی جو اسے بوڑھی لڑکی دکھائی دیتی تھی اور جو شہزادہ آندرے کا نام لیے بغیر بھی نصف گھنٹہ گزار سکتی تھی۔ نتاشا نے سوچا "میں اس فرانسیسی عورت کی موجودگی میں ان کے بارے میں بات شروع نہیں کر سکتی تھی" ادھر یہی خیال شہزادی ماریا کو بھی تکلیف دے رہا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ نتاشا کو کیا کہنا چاہئے تھا مگر اس میں وہ کامیاب نہ ہو پائی تھی۔ اس کی ایک وجہ تو مادموزیل تھی جو اس کی راہ میں رکاوٹ ثابت ہوئی تھی اور دوسری۔۔۔ اگرچہ اسے علم نہ تھا کہ کیوں۔۔۔ شادی کے حوالے سے بات کرنا اسے مشکل لگا۔ نواب کمرے سے نکل ہی چکا تھا کہ ماریا تقریباً بھاگتی ہوئی نتاشا کے پاس آئی اور اس کا ہاتھ تھام کر بولی "ایک منٹ ٹھہریے، میں۔۔۔" نتاشا نے اس کی جانب یوں دیکھا جیسے اس کا منہ چڑا رہی ہو مگر اپنی اس حرکت کی وہ خود بھی کوئی توجیہ نہیں کر سکتی تھی۔

شہزادی ماریا بولی "پیاری نتالی، میں تمہیں کہنا چاہتی ہوں کہ مجھے خوشی ہے کہ میرے بھائی کی دلی خواہش پوری ہو گئی۔۔۔" اس نے کچھ دیر توقف کیا اور اسے یوں لگا جیسے وہ جھوٹ بول رہی ہو۔ نتاشا نے وقفہ محسوس کر لیا اور اس کی وجہ پر غور کرنے لگی۔

نتاشا نے جواباً کہا "شہزادی، میرے خیال میں یہ ایسی باتوں کیلئے مناسب وقت نہیں۔ بظاہر اس کا لہجہ سرد اور پرغرور تھا مگر اسے یوں لگا جیسے وہ ابھی رو دے گی۔

کمرے سے باہر نکلتے ہی وہ سوچنے لگی "یہ میں نے کیا کہا، یہ کیا کر دیا؟"

اس روز نہیں شام کے کھانے پر نتاشا کا خاصی دیر انتظار کرنا پڑا۔ وہ اپنے کمرے میں بیٹھی بچیوں کی طرح رو رہی تھی۔ وہ بار بار سسکیاں لیتی جاتی تھی۔ سونیا اس کے قریب کھڑی اس کے بالوں کو چوم رہی تھی۔

وہ اس سے کہے جاتی تھی "نتاشا، کیوں رو رہی ہو؟ ان کی باتوں کا برا کیوں مناتی ہو؟ سب کچھ گزر جائیگا"

نتاشا بولی "کاش تم جان سکتیں کہ یہ کتنا ہتک آمیز تھا۔۔۔ جیسے۔۔۔"

سونیا نے جواب دیا "نتاشا، اس بارے میں بات مت کرو، یہ تمہاری غلطی نہیں، پھر تم ایسا کیوں کر رہی ہو، میرا بوسہ لو"

نتاشا نے سر اٹھایا اور اپنی دوست کے ہونٹ چومتے ہوئے اپنا آنسو بھرا چہرہ اس کے چہرے کے ساتھ لگا دیا۔

نتاشا کہنے لگی "میں تمہیں نہیں بتا سکتی، مجھے معلوم نہیں، کسی کا کوئی قصور نہیں۔ میری ہی غلطی ہے، مگر یہ سب کچھ بیحد اذیت ناک ہے، وہ کیوں نہیں آتے؟"

وہ سرخ آنکھوں کے ساتھ کھانے پر آئی ۔ ماریا متریونا کو علم تھا کہ شہزادے نے دونوں باپ بیٹی کا کیسے استقبال کیا ہے تاہم اس نے یوں ظاہر کیا جیسے اسے نتاشا کا معصوم چہرہ نظر ہی نہ آیا ہو اور وہ کھانے کی میز پر با آواز بلند مسلسل لطیفے سناتی رہی۔

(8)

اس شام رستوف اوپیرا گئے جہاں ماریا متریونا نے ان کیلئے باکس کا انتظام کرلیا تھا۔

نتاشا اوپیرا دیکھنے نہیں جانا چاہتی تھی مگر ماریا متریونا کی شفقت ٹھکرانا ممکن نہ تھا اور پھر یہ تمام اہتمام بھی اسی کیلئے کیا گیا تھا۔ اس نے لباس بدلا اور بڑے کمرے میں اپنے والد کا انتظار کرتے ہوئے قد آدم شیشے میں اپنے جسم کا جائزہ لینے لگی۔ اس نے جب خود کو پہلے سے زیادہ خوبصورت دیکھا تو اداس ہو گئی مگر اس اداسی میں مٹھاس اور نرمی تھی۔

وہ سوچ رہی تھی'' آہ میرے خدایا، کاش وہ یہاں ہوتے!! اگر وہ ہوتے تو میں نے اس وقت جس احمقانہ شرمیلے پن کا مظاہرہ کیا تھا، اب نہ کیا ہوتا۔ میں اپنی بانہیں ان کے گلے میں ڈال دیتی اور ان سے لپٹ کر انہیں مجبور کر دیتی کہ وہ مجھے اسی طرح تجسس بھری اور سوالیہ نگاہوں سے دیکھیں جن سے وہ مجھے اکثر و بیشتر دیکھا کرتے تھے اور پھر میں انہیں بالکل اسی طرح ہنسا دیتی جس طرح میں وہ ہنسا کرتے تھے اور ان کی آنکھیں، یہ آنکھیں مجھے اب بھی بالکل صاف دکھائی دے رہی ہیں'' اس نے سوچا'' مجھے ان کے باپ اور بہن سے کیا غرض؟ میں صرف ان سے، ان کے چہرے، آنکھوں اور مسکراہٹ سے پیار کرتی ہوں جو معصومیت کے ساتھ ساتھ مردانہ بھی ہے۔ بہتر یہی ہوگا کہ ان کے بارے میں سوچا ہی نہ جائے۔ بلکہ فی الوقت تو مجھے انہیں بھول جانا چاہئے۔ مجھ سے انتظار نہیں ہوتا، میں ابھی رونا شروع کردوں گی'' یہ سوچ کر وہ آئینے سے پرے ہٹ گئی۔ اس کی کوشش تھی کہ کہیں اس کے آنسو نہ نکل آئیں۔ اس نے سوچا '' سونیا نکولائی سے اتنی پر سکون اور استقلال سے محبت کیسے کر لیتی ہے اور صبر سے اسقدر طویل انتظار کیسے برداشت کر لیتی ہے؟ وہ سونیا کو دیکھ کر حیران رہ گئی جو اوپیرا کیلئے لباس بدل کر دستی پنکھا تھامے اندر آ گئی تھی۔ اس نے سونیا کی جانب دیکھتے ہوئے سوچا'' نہیں، وہ مجھ سے بالکل مختلف ہے، میں یہ نہیں کر سکتی''

اس وقت نتاشا اپنا دل ملائمت اور جذبے سے اس قدر معمور محسوس کر رہی تھی کہ اس کیلئے صرف یہ کافی نہیں تھا کہ وہ محبت کرتی اور جانتی ہے کہ اس سے محبت کی جا رہی ہے۔ اب وہ صرف یہ چاہتی تھی کہ اس کا محبوب اس سے لپٹ جائے اور پیار و محبت کی باتیں کرے جن سے اس کا دل معمور تھا۔ جب وہ گاڑی میں اپنے باپ کے ساتھ بیٹھی غمزدہ دل سے کھڑکیوں میں جھلملاتی سڑک کی روشنیاں دیکھ رہی تھی تو اور بھی اداس اور خود کو محبت میں پہلے سے زیادہ گرفتار محسوس کرنے لگی۔ اسے یہ بھی یاد نہ رہا کہ وہ کہاں اور کس کے ساتھ جا رہی ہے۔ ان کی گاڑی تھیٹر کے احاطے میں داخل ہونیوالی دیگر گاڑیوں میں شامل ہو گئی۔ اس کے پہیے آہستگی سے برف پر رگڑ کھا رہے تھے۔ نتاشا اور سونیا اپنے لباس سنبھال کر نیچے کود گئیں۔ نواب خدمتگاروں کی مدد سے گاڑی سے نیچے اترا اور تینوں لوگوں کے ہجوم میں راستہ بناتے راہداری سے ہوتے ہوئے باکسوں کی پہلی قطار میں پہنچ گئے۔

بند دروازوں سے موسیقی کی تانیں پہلے ہی سنائی دینے لگی تھیں۔

سونیا نے سرگوشی کی'' نتاشا تمہارے بال۔۔۔''

تھیٹر کا ایک ملازم تیزی سے آیا اور ان کے باکس کا دروازہ کھولنے کیلئے احترام سے خواتین کے قریب سے

گزر گیا۔ موسیقی کی آواز بلند ہو گئی اور انہیں دروازے میں سے روشنیوں میں نہائے اور بتدریج بلند ہوتے باکسوں کی قطاریں دکھائی دینے لگیں جن میں برہنہ بازوؤں اور کندھوں والی خواتین بیٹھی تھیں۔ نیچے ہال تھے جہاں شور شرابہ ہو رہا تھا اور زرق برق وردیاں پہنے خدمتگار ادھر ادھر آ جا رہے تھے۔ اگلے باکس میں داخل ہونیوالے ایک عورت نے نتاشا کو حاسدانہ نگاہوں سے دیکھا۔ ابھی پردہ نہیں اٹھا تھا اور آرکسٹرا اوپیرا کی ابتدائی دھن بج رہی تھی۔ نتاشا اپنے لباس کی شکنیں درست کرتی سونیا کے ساتھ آگے بڑھی اور اپنی نشست پر براجمان ہو گئی۔ اس کی نظریں اپنے ساتھ چمکتے دمکتے باکسوں پر مرکوز تھیں۔ اچانک اس کے وجود میں وہی احساس پھیل گیا جو اس خاتون پر طاری ہو جاتا ہے جس کے عریاں بازوؤں اور گردن پر بے شمار نگاہیں گڑی ہوں۔ وہ خوش ہونے کے ساتھ ساتھ بے چین بھی تھی۔ اس احساس کے ساتھ یادوں، آرزوؤں اور جذبات کا جو دھارا وابستہ تھا وہ اچانک اس کے ذہن میں رواں ہونے لگا۔

نتاشا اور سونیا جیسی غیر معمولی خوبصورت لڑکیوں نے تمام لوگوں کی توجہ اپنی جانب مبذول کرائی کیونکہ انہیں کافی دیر سے ماسکو میں نہیں دیکھا گیا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ ہر شخص کو تھوڑا بہت علم تھا کہ نتاشا کی شہزادہ آندرے سے منگنی ہو چکی ہے۔ لوگوں کو علم تھا کہ رستوف خاندان گاؤں میں قیام پذیر ہے اور وہ اس لڑکی کو تجسس بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے جس کی قسمت میں روس کا ایک بہترین رشتہ لکھ دیا گیا تھا۔

جیسا کہ ہر شخص نے کہا تھا، دیہاتی فضا میں نتاشا کی خوبصورتی دو چند ہو گئی تھی اور اس شام اس پر جو جذباتی کیفیت طاری تھی اس نے اسے اور بھی حسین بنا دیا تھا۔ اس کی شگفتہ مزاجی اور خوبصورتی نے گرد و پیش کی ہر شے کے حوالے سے اس کی لاپروائی کی بدولت ہر شخص پر بہت اچھا تاثر قائم کر دیا۔ اس کی ہرنی جیسی آنکھیں لوگوں کے ہجوم پر تیر رہی تھیں جنہیں کسی خاص شخص کی تلاش نہ تھی۔ اس کے دبلے پتلے اور کہنیوں تک برہنہ بازو باکس کے مخملیں کنارے پر دھرے تھے جبکہ وہ غیر شعوری طور پر موسیقی کی دھن کے ساتھ اپنی مٹھی کھولتی اور بند کرتی جاتی تھی اور اس کے ہاتھ میں پکڑا کاغذ خراب ہو رہا تھا۔

سونیا بولی'' ادھر دیکھو، وہ ایلینا ہے، میرا خیال ہے کہ اس کی والدہ بھی ساتھ ہے''

نواب نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا'' ہیں، میخائل کریلچ پہلے سے زیادہ موٹا ہو گیا ہے''

سونیا کہنے لگی'' وہ کاراگنوں کو دیکھو، بورس جولی کے ساتھ ہے، اس کا مطلب ہے کہ دونوں کی منگنی ہو چکی ہے''

شن شن رستوفوں کے باکس میں آتے ہوئے بولا'' دروبتسکی نے پیشکش کر دی ہے، یقین کیجئے مجھے آج ہی معلوم ہوا''

نتاشا نے اپنے باپ کی نگاہوں کا تعاقب کیا تو اسے جولی اپنی والدہ کے برابر بیٹھی دکھائی دی، اس کے چہرے پر اطمینان کی جھلک واضح تھی اور موٹی سرخ گردن (نتاشا جانتی تھی کہ اس پر پاؤڈر تھوپا گیا ہوگا) میں موتیوں کا ہار لٹک رہا تھا۔ ان کے پیچھے بورس کا خوبصورت سر دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے اپنے بال دلکش انداز میں سنوار رکھے تھے۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی اور وہ آگے کو جھکا ہوا تھا۔ اس نے اپنا کان جولی کے منہ کے قریب لا رکھا تھا۔ رستوف نے انکھیوں سے رستوفوں کی جانب دیکھا اور مسکرا کر اپنی منگیتر کے کان میں کچھ کہنے لگا۔

نتاشا نے سوچا'' وہ ہمارے، میرے اور انکے بارے میں بات کر رہے ہیں۔ وہ مجھ سے حسد کرتی ہے اور شاید وہ اسے مطمئن کرنے کی کوششوں میں مصروف ہے، تاہم انہیں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کاش انہیں

علم ہوتا کہ اب میرے نزدیک ان کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہی، کسی کی بھی نہیں''

ان کے عقب میں اپنا میخائلو نا بیٹھی تھی۔ اس نے سر پر سبز ٹوپی پہن رکھی تھی۔ وہ خوش دکھائی دے رہی تھی۔ ان کے باکس میں بالکل ویسی ہی فضا تھی جو منگیتروں کی موجودگی میں طاری ہو جاتی ہے اور نتاشا اس سے بخوبی آگاہ اور پسند کرتی تھی۔ اس نے اپنا منہ دوسری جانب پھیر لیا اور اچانک اس کی نگاہوں میں وہ تذلیل گھومنے لگی جو صبح انہیں برداشت کرنا پڑی تھی۔

نتاشا نے سوچا ''اسے مجھے اپنے خاندان میں شمولیت سے روکنے کا کیا حق ہے؟ آہ، اس بارے میں تو نہ سوچنا ہی بہتر ہے۔۔ جب تک وہ نہ آجائیں'' وہ سٹال میں بیٹھے لوگوں کا جائزہ لینے لگی۔ ان میں کچھ چہرے شناسا اور کچھ اجنبی تھے۔

پہلی قطار کے درمیان میں آرکسٹرا کے جنگلے سے پشت لگائے دولوخوف کھڑا تھا۔ اس نے ایرانی لباس زیب تن کر رکھا تھا اور گھنگھریالے بال یوں سنوارے تھے کہ وہ اونچے اور گھنے دکھائی دیتے تھے۔ وہ لوگوں کے بالکل سامنے کھڑا تھا اور اسے علم تھا کہ تمام تھیٹر اسے دیکھ سکتا ہے۔ تاہم اس کا انداز یوں تھا جیسے تھیٹر کی بجائے اپنے کمرے میں کھڑا ہو۔ ماسکو کے سرپھرے نوجوانوں کا گروہ اس کے گرد تھا اور بظاہر وہ ان کا سربراہ دکھائی دیتا تھا۔

نواب ایلیا آندریچ نے ہنستے ہوئے سونیا کی توجہ اس کے سابقہ پرستار کی جانب دلائی اور اس سے پوچھا ''تم نے اسے پہچانا؟ یہ اچانک کہاں سے آگیا ہے، میرے خیال میں تو یہ کہیں چھپ گیا تھا''

شن شن نے جواب دیا ''ہاں، چھپ گیا تھا۔ یہ قفقاز چلا گیا مگر وہاں سے بھاگ نکلا۔ کہتے ہیں کہ یہ ایران میں کسی حکمران کے وزیر کی حیثیت سے کام کرتا رہا ہے جہاں اس نے بادشاہ کے بھائی کو مار ڈالا تھا۔ اب ماسکو کی تمام خواتین اس کی دیوانی ہیں۔ ایرانی دولوخوف کے نام نے جادو کر دیا ہے۔ وہ اس کے نام کی قسمیں کھاتی ہیں اور محافل میں خواتین اس سے یوں پیش آتی ہیں جیسے وہ دولوخوف کی بجائے کوئی لذیذ مچھلی ہو۔ دولوخوف اور اناطول کوراگن نے عورتوں کو پاگل کر دیا ہے''

برابر والے باکس میں ایک دراز قد خوبصورت خاتون اپنا بھاری ریشمی لباس لہراتی داخل ہوئی۔ اس کے بال گندھے ہوئے تھے اور کھلے گلے کے لباس میں اس کی گردن اور سفید نرم بازو عریاں تھے۔ اس کے گلے میں موتیوں کے دو بار پڑے تھے اور اس نے نشست پر بیٹھنے میں خاصا وقت لیا۔

نتاشا اس کی گردن، بازوؤں، موتیوں اور بالوں کی خوبصورتی کو بغور دیکھے اور تعریف کیے بغیر نہ رہ سکی۔ بالکل اسی وقت جب وہ اس کا دوسری مرتبہ جائزہ لے رہی تھی تو اس خاتون نے مڑ کر دیکھا اور جب اس کی نظریں نواب پر پڑیں تو اس نے گردن ہلائی اور مسکرانے لگی۔ یہ پیری کی بیوی بیگم بیزوخوف تھی۔ نواب ایلیا آندریچ جو اعلیٰ طبقے سے تعلق رکھنے والے تمام لوگوں سے واقف تھا، اس سے کہنے لگا ''بیگم، آپ یہاں کب تشریف لائیں؟ میں آپ کی خدمت میں جلد حاضر ہوں گا۔ میں یہاں کسی کام کے سلسلے میں آیا ہوں اور بیٹیاں بھی میرے ساتھ ہیں۔ سیمیونووا کی اداکاری کا بہت شہرہ ہے۔ نواب پیٹر کرلووچ نے ہمیں کبھی مایوس نہیں کیا۔ کیا وہ یہیں ہیں؟'' نواب اپنی بات کہتا چلا گیا۔

ایلین نے نتاشا کو بغور دیکھا اور بولی ''ہاں، انہوں نے آنا تو تھا''

نواب دوبارہ اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔

اس نے بیٹی کے کان میں کہا ''خوبصورت ہے ناں؟''

نتاشا نے اظہار اتفاق کے طور پر کہا ''بیحد، تمام مرد باآسانی اس کی محبت میں گرفتار ہو جاتے ہوں گے''

اسی دوران ابتدائی گانے کے آخری سر سنائی دیے اور کنڈکٹر نے چھڑی بجائی۔ دیر سے آنیوالے بعض تماشائی نیچے سٹال میں اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے اور پردہ اٹھ گیا۔

جونہی پردہ اٹھا، سٹال اور باکسوں پر گہری خاموشی چھا گئی اور وردیوں میں ملبوس جوانوں، بوڑھوں اور خواتین کی توجہ سٹیج پر مبذول ہو گئی جو اپنے جسم کے برہنہ حصوں کو قیمتی جواہرات سے چھپائے ہوئے تھیں۔ نتاشا سٹیج کی جانب دیکھنے لگی۔

(9)

سٹیج کا درمیانی حصہ ہموار تختوں پر مشتمل تھا اور دائیں بائیں گتے کے تختے پڑے تھے جن پر درختوں کی تصاویر بنی تھیں۔ پیچھے گتوں کے اوپر کینوس کھنچا ہوا تھا۔ سٹیج کے درمیان میں سرخ کرتے اور سفید کوٹ میں ملبوس چند لڑکیاں بیٹھی تھیں۔ ایک انتہائی موٹی لڑکی نے سفید ریشمی لباس پہن رکھا تھا اور وہ دوسروں سے الگ تھلگ چھوٹے سے بنچ پر بیٹھی تھی۔ اس کے عقب میں سبز گتے کی ایک تختی لگی ہوئی تھی۔ یہ تمام لڑکیاں گانا گا رہی تھیں۔ جب گیت ختم ہوا تو سفید لباس میں ملبوس موٹی لڑکی پرامپٹر کے باکس کی طرف آئی اور ایک شخص ہاتھ فضا میں لہراتے ہوئے گانا گانے لگا۔ اس کی ٹانگیں تنگ سفید پتلون میں لپٹی تھیں اور سر پر کلغی جبکہ ہاتھ میں خنجر تھا۔

ابتداء میں تنگ پتلون والا یہ شخص اکیلا گاتا رہا اور پھر لڑکی بھی اس کے ساتھ شامل ہو گئی۔ پھر دونوں رک گئے اور اس شخص نے سفید لباس والی لڑکی کا ہاتھ اپنی انگلی سے چھوا۔ بظاہر وہ اس تال کا منتظر تھا جس پر اس نے لڑکی سے مل کر گانا تھا۔ جب دوگانا ختم ہو گیا تو تھیٹر میں داد و تحسین کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ عاشق اور معشوق کا کردار ادا کرنے والے وہ دونوں مسکرا کر اور سر جھکا جھکا کر ناظرین کو سلام کرتے رہے۔

دیہاتی فضا میں زندگی گزارنے کے بعد اور اپنی حالیہ سنجیدگی میں نتاشا کو یہ سب کچھ حیرت انگیز دکھائی دیا۔ وہ اوپیرا ابھی بھرپور توجہ نہ دے سکی بلکہ گانا بھی درست طور سے نہ سن پائی۔ اسے صرف تصویری گتے یا عجیب و غریب لباس میں ملبوس مرد و زن نظر آ رہے تھے جو اس چندھیا دینے والی روشنی میں عجیب و غریب حرکات کرنے، گفتگو اور گانا گانے میں مصروف تھے۔ وہ جانتی تھی کہ ان تمام باتوں کا مقصد کیا تھا مگر یہ سب کچھ اتنا مصنوعی اور غیر فطری تھا کہ اسے کبھی تو اداکاروں پر شرم آنے لگتی اور کبھی وہ ان کی حرکتوں سے لطف اندوز ہونا شروع ہو جاتی۔ اس نے اپنے اردگرد ناظرین کے چہروں پر نگاہ دوڑائی۔ وہ یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ کیا وہ بھی اسی کی طرح بوکھلا رہے ہیں یا نہیں اور جس مضحکہ خیز صورتحال کو وہ محسوس کر رہی ہے، آیا وہ بھی ایسا ہی احساس رکھتے ہیں یا نہیں؟ تاہم بظاہر یوں لگتا تھا جیسے وہ سٹیج پر دکھائے جانیوالے مناظر میں پوری طرح منہمک ہیں اور ایسی سرخوشی کا اظہار کر رہے ہیں جو نتاشا کو قطعی مصنوعی معلوم ہوتی تھی۔

اس نے سوچا ''میرے خیال میں یہاں سب کچھ اتفاقاً نہیں ہو رہا۔ شاید منتظمین ہی ایسا چاہتے ہوں'' کبھی وہ نیچے سٹال میں خوشبو لگائے سروں کی قطاروں اور کبھی کھلے گلے کے لباس پہنے خواتین خصوصاً ایلین کو دیکھنے لگتی۔ ایلین صریحاً بے لباس نظر آتی تھی۔ اس کے چہرے پر آسودگی اور اطمینان جھلک رہا تھا۔ اس کی نگاہیں سٹیج پر مرکوز تھیں اور وہ اس چندھیا دینے والی روشنی سے لطف اندوز ہو رہی تھی جو سٹیج پر چھائی ہوئی تھی۔ نتاشا آہستہ آہستہ لطف و سرور کی اس کیفیت کی لپیٹ میں آتی چلی گئی جس کا اسے کافی دیر سے تجربہ نہیں ہوا تھا۔ اسے بالکل احساس نہ ہوا کہ وہ کون ہے، کہاں ہے اور یہ

سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔ جب وہ اپنے اردگرد ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہی تھی تو غیر متوقع طور پر اس کے ذہن میں انتہائی عجیب و غریب باتیں در آئیں۔ ایک لمحے اس کا دل چاہا کہ وہ سٹیج کے سامنے لگی روشنیوں کے اوپر سے چھلانگ لگا دے اور اوپیرا کا گانا گانا شروع کر دے جو اداکارہ اکیلی گائے جا رہی تھی۔ پھر اچانک اس کے دل میں آئی کہ اپنے قریب بیٹھے بوڑھے شخص کے پہلو میں ٹہوکا دے یا ذرا جھک کر ایلین سے چھیڑ چھاڑ کرے۔

ایک موقع پر جبکہ واحد اداکار نے اپنا گانا شروع کرنا تھا۔ سٹیج پر مکمل خاموشی طاری تھی۔ رستوفوں کے باکس کے قریب نیچے ہال میں کھلنے والا دروازہ چرچرایا اور کسی نووارد کے مردانہ قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ شن شن نے سرگوشی کی "کوراگن آیا ہے" بیگم بیزوخوف نے گردن گھمائی اور آنیوالے کو مسکرا کر دیکھنے لگی۔ نتاشا نے اس کی نظروں کا تعاقب کیا تو اسے ایک غیر معمولی طور پر خوبصورت ایجوٹنٹ دکھائی دیا۔ وہ انہی کے باکس کی جانب چلا آ رہا تھا۔ اس کی چال ڈھال اور اطوار میں بے پناہ خود اعتمادی جھلک رہی تھی۔ یہ اناطول کوراگن تھا۔ اس نے اسے کافی دیر پہلے پیٹرز برگ میں رقص کی ایک محفل میں دیکھا تھا اور اس پر توجہ بھی دی تھی۔ اب وہ ایجوٹنٹ کی وردی میں ملبوس تھا اور اس کے کندھے پر عہدے کے نشانات ثبت تھے۔ وہ محتاط انداز میں تن کر چل رہا تھا۔ اگر وہ خوبصورت نہ ہوتا اور اس کے چہرے مہرے سے آسودگی نہ ٹپکتی تو اس کی چال خاصی مضحکہ خیز معلوم ہوتی۔ اگرچہ اوپیرا جاری تھا مگر وہ نشستوں کے درمیانی راستے پر شہزادوں کی طرح ٹہلتا آ رہا تھا۔ اس کی تلوار اور مہمیز جھنکار رہے تھے اور اس کا خوبصورت سر سیدھا تنا ہوا تھا جس پر خوشبو لگی تھی۔ وہ نتاشا کو سرسری انداز میں دیکھتا ہوا اپنی بہن کے پاس پہنچا اور اپنا ہاتھ باکس کے کنارے پر رکھا جو دستانے میں ملفوف تھا۔ اس نے گردن ہلا کر بہن کو سلام کیا اور آگے جھک کر نتاشا کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کوئی سوال پوچھا۔

وہ نتاشا کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولا "پرکشش" نتاشا اس کے الفاظ تو پوری طرح نہ سن سکی البتہ اس نے اس کے ہونٹوں کی حرکت سے اندازہ لگا لیا کہ وہ کیا کہہ رہا تھا۔

اس کے بعد وہ نیچے ہال میں چلا گیا اور پہلی قطار میں دولوخوف کے ساتھ جا بیٹھا۔ اس نے اسے دوستانہ انداز میں کہنی اور پھر آنکھ ماری۔ بعد ازاں اس نے اپنے پاؤں آرکسٹرا کے پردے پر ٹکا دیے

نواب بولا "بہن بھائی کی شکلوں میں کتنی مشابہت ہے اور دونوں کتنے خوبصورت ہیں"

شن شن نواب کو کوراگن کے ماسکو میں کسی خفیہ معاشقے سے متعلق زیر لب کچھ بتانے لگا۔ چونکہ اس نے نتاشا کو پرکشش کہا تھا لہٰذا نتاشا نے ان کی باتیں غور سے سننے کی کوشش کی۔

ڈرامے کا پہلا ایکٹ ختم ہو گیا۔ ہال میں بیٹھے تمام لوگ اٹھ کھڑے ہوئے۔ ہر شخص ادھر ادھر آ جا رہا تھا اور کھلبلی سی مچی تھی۔

بورس رستوفوں کے باکس میں آیا اور بڑی ان سنی کرتے ہوئے ان کی مبارکباد وصول کی۔ اس نے اپنی نگاہیں اٹھا کر اپنی اور اپنی منگیتر کی جانب سے شادی میں شرکت کی دعوت دی۔ نتاشا بظاہر بشاش بشاش انداز میں اس سے مسکرا مسکرا کر باتیں کرتی رہی۔ اس نے اسے شادی کی مبارکباد دی حالانکہ اسی بورس سے وہ کبھی محبت کرتی تھی۔ لطف و سرور کی حالیہ کیفیت میں اسے ہر بات آسان اور فطری معلوم ہو رہی تھی۔

ناکافی لباس پہنے اس کے قریب بیٹھی ایلین ہر شخص کو مسکرا کر دیکھ رہی تھی اور نتاشا نے بورس کو اسی انداز سے مسکرا کر دیکھا۔

انتہائی معروف اور روشن طبیعت کے مالک اشخاص نے ایلین کے باکس کا طواف کرنا شروع کر دیا۔ بھیڑ اتنی تھی کہ اندر کسی کے کھڑے ہونے کی جگہ بھی نہ رہی۔ باہر کھڑے لوگ بھی اسے گھیرے ہوئے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ دوسروں پر یہ جتلانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ ان کی ایلین سے گہری رسم و راہ ہے۔

وقفے میں کوراگن تمام وقت دولوخوف کے ساتھ سٹیج کی اگلی روشنیوں کے سامنے کھڑا رہا اور ٹکٹکی باندھ کر رستوفوں کے باکس کی جانب دیکھتا رہا۔ نتاشا جانتی تھی کہ وہ اسی کے بارے میں باتیں کر رہا ہے اور اسے دیکھ کر اس کی باچھیں کھل گئیں۔ اس نے اپنی جگہ سے حرکت کی تاکہ اناطول اس کا چہرہ واضح طور پر دیکھ سکے۔

دوسرا ایکٹ شروع ہونے سے پہلے پیری ہال میں نمودار ہوا۔ جب سے رستوف ماسکو آئے تھے وہ ان سے نہیں مل سکا تھا۔ اس کے چہرے پر غم واندوہ کی پرچھائیاں تھیں اور جب سے نتاشا نے اسے آخری مرتبہ دیکھا تھا اس وقت سے وہ کچھ زیادہ ہی موٹا ہو گیا تھا۔ وہ کسی کی جانب دیکھے بغیر اگلی نشستوں کی جانب بڑھ گیا۔ اناطول اس کے قریب آیا اور رستوفوں کی جانب نظر اٹھا کر ہاتھ کے اشارے سے اسے کچھ کہا۔ پیری نے نتاشا کو دیکھا تو اس کا چہرہ کھل اٹھا اور وہ تیزی سے ان کے باکس کی جانب بڑھا۔ قریب پہنچ کر وہ کہنیوں کے سہارے کھڑا ہو گیا کافی دیر اس سے مسکرا کر گفتگو کرتا رہا۔ پیری سے بات چیت کے دوران نتاشا کو بیگم بیزوخوف کے باکس میں کسی مرد کی آواز سنائی دی اور اسے احساس ہوا کہ یہ کوراگن ہی ہوگا۔ وہ مڑی اور اس کی نگاہیں اناطول سے چار ہو گئیں۔ اناطول نے اسے مسکرا کر کچھ ایسی پیار بھری نگاہوں سے دیکھا کہ نتاشا کو اس کی قربت، دیکھنے کا انداز اور اس کی جانب سے اپنی تعریف عجیب سی لگی کیونکہ اناطول کی اس سے کوئی شناسائی نہ تھی۔

دوسرے ایکٹ میں سٹیج پر رکھے گئے گتے قبرستان کا منظر پیش کر رہے تھے۔ عقبی پردے میں ایک سوراخ تھا جو اس انداز سے بنایا گیا تھا جیسے چاند ہو۔ سٹیج کے سامنے کی روشنیاں گل کر دی گئیں اور ہلکے ہلکے سر سنائی دینے لگے۔ اس کے ساتھ ہی دونوں جانب سے سیاہ لباس میں ملبوس متعدد اشخاص خنجر نما ہتھیار لہراتے سٹیج پر آ گئے۔ پھر چند اور اشخاص بھاگتے ہوئے آئے اور اس لڑکی کو کھینچنے لگے جو پہلے سفید اور اب نیلے لباس میں تھی۔ وہ اسے فوری طور پر گھسیٹ کر نہ لے گئے بلکہ پہلے اس کے ساتھ گانا گاتے رہے اور پھر اسے گھسیٹتے گھسیٹتے باہر لے گئے۔ سٹیج کے پیچھے دھات سے بنی کوئی شے تین مرتبہ کھنکھنائی گئی اور ہر شخص دوزانو ہو گیا اور دعائیں پڑھنے لگا۔ ناظرین کی جانب سے باآواز بلند داد و تحسین کی وجہ سے یہ افعال بار بار متاثر ہوئے۔

اس ایکٹ کے دوران نتاشا نے جب بھی ہال کی جانب نگاہ کی تو اسے اناطول اپنا بازو کرسی کے عقب میں لٹکائے مسلسل اپنی جانب دیکھتا نظر آیا۔ وہ یہ دیکھ کر بیحد خوش ہوئی کہ وہ اسے اپنا گرویدہ کر چکی ہے اور اسے قطعاً یہ خیال نہ آیا کہ ایسی بات معیوب بھی ہو سکتی ہے۔

دوسرا ایکٹ ختم ہونے پر بیگم بیزوخوف رستوفوں کے باکس کی جانب مڑی (اس کا سینہ تقریباً عریاں تھا) اس نے اپنی چھوٹی انگلی کے اشارے سے نواب کو بلایا اور اپنے باکس میں داخل ہونیوالے لوگوں کی جانب دھیان دیے بغیر دلکش انداز سے مسکراتے ہوئے اس سے بات چیت کرنے لگی۔

ایلین نے اسے کہا "اپنی خوبصورت بیٹیوں کو مجھ سے بھی متعارف کرائیں۔ تمام شہر ان کی تعریف و توصیف میں مشغول ہے اور میں ہوں کہ انہیں جانتی ہی نہیں"

نتاشا اٹھی اور ایلین کو جھک کر سلام کیا۔ وہ اس خوبصورت خاتون کی تعریف سے اتنی خوش ہوئی کہ اس کے گال

سرخ ہو گئے۔

ایلین بولی "اب تو میں ماسکو میں رہنے کا فیصلہ کر چکی ہوں اور آپ نے ایسی خوبصورتی گاؤں میں رکھ چھوڑی ہے"

بیگم بیزوخوف نے سحر انگیز عورت کی جو شہرت پائی تھی وہ اس کی حقدار تھی۔ وہ ایسی باتیں بھی بے ساختگی سے کہہ دیتی تھی جو کبھی اس نے سوچی بھی نہ ہوتی تھیں۔

وہ نواب سے بولی "میرے عزیز، اب آپ اپنے ان بچوں کو میرے حوالے کر دیں۔ میں یہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہروں گی اور آپ کا بھی ایسا ہی ارادہ ہے۔ تاہم میری کوشش ہوگی کہ یہ زیادہ سے زیادہ لطف اندوز ہوں۔ پھر وہ نتاشا کی جانب مسکرا کر دیکھتے ہوئے بولی "میں نے پیٹرز برگ میں تمہارے بارے میں بہت کچھ سنا تھا اور تم سے واقفیت پیدا کرنا چاہتی تھی۔ میں نے اپنے خاص ساتھی دروبتسکی، جس کی شادی ہونیوالی ہے، اور اپنے شوہر کے دوست شہزادہ آندرے بلکونسکی سے بھی تمہارے بارے میں بہت کچھ سن رکھا ہے۔ وہ اپنی بات پر زور دے رہی تھی اور اس طرح یہ جتلانا چاہتی تھی کہ اسے نتاشا اور شہزادہ آندرے کے رشتے کا علم ہے۔

پھر وہ کہنے لگی "اوپیرا کے بقیہ حصے میں ایک لڑکی اس کے ساتھ باکس میں آجائے تاکہ وہ ایک دوسرے سے اچھی طرح واقف ہو سکیں۔ چنانچہ نتاشا اٹھی اور اس کے باکس میں جا کر بیٹھ گئی"

تیسرے ایکٹ میں ایک محل کا منظر پیش کیا گیا۔ لاتعداد شمعیں روشن تھیں اور دیواروں پر باریش سرداروں کی تصاویر لٹک رہی تھیں۔ سٹیج کے درمیان میں ایک مرد اور خاتون کھڑے تھے۔ بظاہر وہ بادشاہ اور ملکہ دکھائی دیتے تھے۔ بادشاہ دائیں ہاتھ سے اشارے کر رہا تھا اور بےحد بے چین دکھائی دیتا تھا۔ اس نے بھونڈے انداز سے گانا گایا اور تخت پر بیٹھ گیا۔ وہ لڑکی جو پہلے سفید اور پھر نیلے لباس میں سٹیج پر آئی تھی اب ڈھیلے ڈھالے لباس میں ملبوس تھی اور اپنے بال لٹکائے تخت کے قریب کھڑی تھی۔ وہ ملکہ سے مخاطب ہو کر غمگین انداز میں گانا گا رہی تھی۔ بادشاہ نے تحکمانہ انداز میں اپنا بازو ہلایا اور سٹیج کے دونوں بازوؤں سے چند مرد اور خواتین برآمد ہوئیں جن کی ٹانگیں برہنہ تھیں۔ انہوں نے باہم مل کر رقص کیا جس کے بعد تیز اور مسرت بھری لے میں وائلن کی دھنیں بجائی گئیں۔ ایک لڑکی جس کی ٹانگیں موٹی اور بازو دبلے پتلے تھے، دوسروں سے علیحدہ ہو کر سٹیج کے ایک کنارے پر گئی اور اپنی قمیص درست کر کے سٹیج کے درمیان میں آ گئی اور فضا میں چھلانگیں لگاتے ہوئے تیزی سے پاؤں باہم ٹکرانا شروع کر دیے۔ ہال میں موجود تمام لوگ تالیاں بجانے اور داد دینے میں مصروف ہو گئے۔ پھر ایک شخص سٹیج کے کونے میں گیا۔ اس کی ٹانگیں برہنہ تھیں۔ وہ تیزی سے اچھل کود کرنے لگا اور اتنی تیزی سے چھت کی جانب چھلانگ لگاتا تھا کہ اس کی ٹانگیں دکھائی ہی نہ دیتی تھیں (یہ ڈوپورٹ تھا اور صرف اسی فن کے عوض سالانہ ساٹھ ہزار روبل وصول کرتا تھا) ہال، گیلریوں اور باکس میں موجود تمام لوگ شور مچا کر اسے داد دینے لگے۔ وہ شخص رکا اور مسکراتے ہوئے جھک جھک کر ناظرین کو سلام کرنے لگا۔ اس کے بعد دوسرے مرد و خواتین اپنی برہنہ ٹانگوں پر ناچنے لگے۔ ان کے بعد بادشاہ اور ملکہ میں سے کسی نے گا کر کچھ کہا اور وہ سب مل کر گانا شروع ہو گئے۔ تاہم پھر سٹیج پر اچانک ہنگامہ سا شروع ہو گیا اور آرکسٹرا کی موسیقی بدل گئی۔ تمام لوگ اپنے ایک اور ساتھی کو گھسیٹتے ہوئے وہاں سے بھاگ نکلے اور پردہ گر گیا۔ اس مرتبہ داد و تحسین کے شور و غل سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ ہر چہرہ خوشی سے سرشار تھا اور لوگ چلا چلا کر کہہ رہے تھے:

"ڈوپورٹ، ڈوپورٹ، ڈوپورٹ"

نتاشا کو اب یہ سب کچھ عجیب نہیں لگ رہا تھا۔ اس نے خوشی سے مسکراتے ہوئے اپنے گرد و پیش دیکھا۔

ایلین اس سے کہنے لگی "ڈوپورٹ نے کمال کر دیا"

نتاشا نے جواب دیا "جی ہاں"

(10)

وقفے میں ایلین کے باکس میں سرد ہوا کا جھونکا آیا اور دروازے سے اناطول اندر داخل ہوا۔ اس نے کمر جھکا رکھی تھی اور کوشش کر رہا تھا کہ کسی سے ٹکرا نہ جائے۔

ایلین نے بے چین نگاہوں سے نتاشا کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا "کہو تو میں تمہیں اپنے بھائی سے متعارف کرا دوں؟"

نتاشا نے اپنا خوبصورت چھوٹا سا سر خوبصورت ایجوٹنٹ کی جانب گھمایا اور اپنے عریاں بازو کے اوپر سے اسے دیکھ کر مسکرانے لگی۔ اناطول اس کے قریب بیٹھ گیا اور وہ قریب سے بھی اتنا ہی خوبصورت تھا جتنا دور سے دکھائی دیا تھا۔ وہ اسے بتانے لگا کہ "میں کافی دیر سے تمہیں دیکھنے کا متلاشی تھا بلکہ سچ تو یہ ہے کہ جب میں نے تمہیں ناریشکن کی محفل رقص میں دیکھا تھا تو اتنی خوشی ہوئی جو میں اب بھی نہیں بھول سکتا اور اسی دن سے تمہیں دیکھنے کا خواہشمند ہوں" کوراگن مردوں کی نسبت خواتین کی صحبت میں کہیں زیادہ سمجھداری اور بے بناوٹی کا مظاہرہ کرتا تھا۔ وہ بے تکلفی سے فطری انداز میں بات چیت کرتا اور نتاشا کو یہ دیکھ کر خوشگوار حیرت ہوئی کہ اس شخص نے بالکل ایسی کوئی بات نہ کی جسے خوفناک کہا جا سکے حالانکہ وہ اس کے بارے میں بہت سی منفی باتیں سن چکی تھی۔

اس کی بجائے وہ اسے بے ریا، نیک اور خوشگوار طبیعت کا مالک دکھائی دیا جس سے زیادہ کوئی اور شخص ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

اناطول نے فنکاروں کی کارکردگی کے بارے میں اس کی رائے پوچھی اور اسے بتانے لگا کہ کس طرح سیمیونووا اپنے گزشتہ مظاہرے کے دوران سٹیج سے گر گئی تھی۔

وہ نتاشا سے کہہ رہا تھا "اور نوایزادی تم جانتی ہو کہ ہم ایک کھیل کا اہتمام کر رہے ہیں؟ تم ہر صورت اس میں شریک ہوگی۔ بہت مزا آئے گا۔ ہم سب آخاروف خاندان کے ہاں اکٹھے ہوں گے۔ تم وہاں ضرور آنا" اس کا انداز ایسا تھا جیسے وہ اس کا پرانا دوست ہو۔

یہ باتیں کرتے ہوئے اس نے ایک لمحے کیلئے بھی اپنی نگاہیں نتاشا کے چہرے اور بازوؤں سے نہ ہٹائیں۔ نتاشا کو اس حوالے سے کوئی شبہ نہیں تھا کہ وہ اس کی محبت میں گرفتار ہو چکا تھا۔ اس سے وہ خوش تو ضرور ہوئی مگر کوئی ایسی بات ضرور تھی جس نے اس کی موجودگی پریشان کن بنا دی تھی۔ اسے یوں لگا جیسے وہ مشکل صورتحال میں پھنس گئی ہو اور یوں وہ بے چین ہونے لگی۔ جب وہ کہیں اور دیکھتی تو اسے یوں محسوس ہوتا جیسے وہ اس کے سراپے کا جائزہ لے رہا ہے اور فطری جبلت کے تحت وہ بھی اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگتی تاکہ اس کی توجہ اپنے چہرے کی جانب مبذول کرا سکے۔ جب وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی تو اس پر خوف طاری ہو جاتا اور اسے یہ اندازہ ہونے لگتا کہ اس نے شعوری طور پر اپنے اور دوسرے مردوں کے مابین شائستگی کی جو دیوار کھڑی کر رکھی ہے وہ ان کے مابین موجود نہیں۔ یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ وہ خود کو پانچ منٹ میں ہی اس شخص سے اتنا قریب کیوں محسوس کرنے لگی ہے۔ جب وہ اپنی نگاہیں کسی اور جانب پھیرتی تو اسے یہ اندیشہ ہونے لگتا کہ وہ پیچھے سے اس کا عریاں بازو تھام لے گا اور اس کی گردن

پر بوسہ لے لے گا۔ وہ عمومی باتیں کرتے رہے۔ تاہم اسے یقین تھا کہ وہ کبھی کسی مرد کے ساتھ اتنی بے تکلفی محسوس نہیں کر سکی تھی جتنی اس کے ساتھ محسوس کر رہی تھی۔ نتاشا نے سرسری نگاہوں سے ایلن اور اپنے باپ کو دیکھا جیسے پوچھ رہی ہو کہ یہ سب کیا ہے۔ مگر ایلن کسی جرنیل سے محو گفتگو تھی اور اس نے اس کی نظروں کا کوئی جواب نہ دیا۔ دوسری جانب اس کے والد کی نگاہوں میں ہمیشہ کی طرح ایک ہی پیغام تھا یعنی "خوش ہو رہی ہو ٹھیک ہے، مزے کرو، میں خوش ہوں"

اناطول اور نتاشا کی باہمی گفتگو کے دوران خاموشی کے بعض لمحات آ جاتے اور ایسے ہی ایک لمحے کے دوران اس کی موٹی موٹی آنکھیں اسے مسلسل دیکھی جاتی تھیں جن میں سکون اور ٹھہراؤ تھا۔ نتاشا نے خاموشی توڑنے کیلئے اس سے پوچھا "ماسکو کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ پسند آیا؟" یوں تو اس نے یہ سوال پوچھ لیا تھا مگر شرم سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس ہر وقت یہی خیال ستاتا رہا کہ اس نے اس شخص سے بات کر کے کئی نازیبا حرکت کا ارتکاب کیا ہے۔ اناطول یوں مسکرایا جیسے اس کا حوصلہ بڑھ رہا ہو

وہ بولا "ابتداء میں تو مجھے اس میں کوئی ایسی بات نظر نہ آئی، آخر وہ کیا شے ہے جو کسی شہر کی خوبصورتی کا سبب بنتی ہے؟ خوبصورت خواتین، کیا میں نے درست کہا؟ مگر سچ تو یہ ہے کہ اب مجھے یہ شہر بیحد پسند ہے" اس نے نتاشا کی جانب معنی خیز نگاہوں سے دیکھا اور کہا "نوابزادی، تم کھیل میں ضرور شریک ہو گی نا؟ ہر صورت آنا۔ پھر اس نے نتاشا کے ہاتھوں میں موجود گلدستے پر اپنا ہاتھ رکھا اور سرگوشی کے انداز میں کہنے لگا "تم وہاں سب سے زیادہ حسین ہو گی، ضرور آنا، یہ پھول مجھے بطور ضمانت دیدو"

نتاشا کو اس کی باتیں سمجھ نہیں آ رہی تھیں بلکہ وہ خود بھی نہیں سمجھ پا رہا تھا۔ تاہم وہ محسوس کر رہی تھی کہ اس کے سمجھ نہ آنیوالے الفاظ میں کوئی مطلب چھپا ہے۔ اسے علم نہ تھا کہ اس موقع پر کیا کہنا چاہئے اور اس نے اپنا منہ دوسری جانب پھیر لیا جیسے کچھ سنا ہی نہ ہو۔ تاہم جونہی اس نے اپنا چہرہ دوسری جانب کیا اسے خیال آیا کہ وہ تو اس کے پیچھے ہے اور اس سے اتنا قریب بیٹھا ہے۔

نتاشا سوچنے لگی "اب وہ کیا محسوس کر رہا ہے؟ کیا ناراض ہے؟ کیا مجھے صورتحال کا ازالہ کرنا چاہئے؟" اس نے اردگرد دیکھا اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ وہ اس کے قربت، خود اعتمادی اور شفیق مسکراہٹ کے سامنے شکست کھا گئی اور اس کی مسکراہٹ کے جواب میں مسکرانے لگی۔ اسے یہ سوچ کر دوبارہ پریشانی نے آگھیرا کہ ان دونوں کے مابین اب کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہی۔

پردہ اٹھا اور اناطول باکس سے باہر نکل گیا۔ وہ خوش اور مطمئن تھا۔ نتاشا دوسرے باکس میں اپنے والد کے پاس چلی گئی۔ وہ موجودہ ماحول کے سحر میں بری طرح گرفتار ہو چکی تھی۔ اب اس کے سامنے وقوع پذیر ہونیوالی باتیں مصنوعی کی بجائے بالکل فطری تھیں۔ اس کے برعکس اپنے منگیتر، شہزادی ماریا اور دیہاتی زندگی کے بارے میں اس کے ذہن میں موجود پرانے خیالات ایک مرتبہ بھی نہ ابھرے جیسے وہ ماضی کی باتیں ہوں۔

چوتھے ایکٹ میں شیطان نما شخص سٹیج پر نمودار ہوا۔ وہ بازو لہراتے ہوئے گاتا جا رہا تھا یہاں تک کہ اس کے پاؤں تلے تختے کھینچ لیے گئے اور وہ نگاہوں سے غائب ہو گیا۔ نتاشا نے چوتھے ایکٹ میں بس یہی کچھ دیکھا۔ وہ بے چین تھی اور یہ بے چینی کوراگن کے سبب تھی جسے وہ بغور دیکھے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔ جب وہ تھیٹر سے روانہ ہوئے تو اناطول دوبارہ ان کے پاس آیا اور گاڑی منگوا کر انہیں سوار ہونے میں مدد دی۔ جب وہ نتاشا کو گاڑی میں بٹھانے لگا تو اس کا بازو دبا دیا۔ نتاشا کے جذبات اتھل پتھل ہو گئے۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور پورے وجود میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ وہ

اسے روشن آنکھوں اور شفیق مسکراہٹ سے دیکھے جا رہا تھا۔

☆☆☆

نتاشا کو اپنے ساتھ پیش آنیوالے واقعے کا درست اندازہ گھر پہنچ کر ہوا۔ جب اچانک شہزادہ آندرے کا خیال اس کے ذہن میں آیا تو وہ ڈر گئی۔ تھیٹر سے واپسی پر وہ چائے پینے بیٹھے تو اس کے منہ سے چیخ سی نکل گئی، اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور وہ کمرے سے باہر بھاگ گئی۔

وہ حیرت سے اپنے آپ کو کہہ رہی تھی "آہ خدایا، میں برباد ہو گئی، میں نے اس سے بات ہی کیوں کی؟"

وہ کافی دیر تک اپنی گرم اور سرخ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے بیٹھی رہی اور یہ سمجھنے کی کوشش کرتی رہی کہ اس کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا ہے۔ وہ نہ تو یہ سمجھ پائی کہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے نہ اسے یہ علم ہو سکا کہ وہ کیا محسوس کر رہی ہے۔ ہر شے مبہم، خوفناک اور دھندلی تھی۔ اس وسیع و عریض ہال میں جہاں نو عمر لڑکیاں، بوڑھے اور اطمینان سے مسکراتی ایلن داد دے رہی تھی اور اس کی موجودگی میں یہ سب کچھ فطری معلوم ہوتا تھا تاہم اب تنہائی میں یہ تمام باتیں سمجھ میں کیوں نہیں آتی تھیں۔ وہ سوچ رہی تھی "یہ کیا ہے؟ مجھے ڈر کیوں لگا تھا؟ مجھے میرا ضمیر کیوں ملامت کر رہا ہے؟"

نتاشا اپنے محسوسات سے والدہ کو ہی آگاہ کر سکتی تھی۔ اسے علم تھا کہ سونیا کا نقطہ نظر اتنا پاکیزہ اور غیر لچکدار ہے کہ وہ اس اعتراف کو سمجھ ہی نہ سکے گی یا پھر دہشت زدہ رہ جائے گی۔ چنانچہ نتاشا کو جو شے اذیت پہنچا رہی تھی اس کا حل وہ خود ڈھونڈنے کی کوشش کرنے لگی۔

اس نے سوچا "کیا میں اتنی ناپاک ہوں کہ شہزادہ آندرے کی محبت کی حقدار نہیں رہی؟" پھر خود ہی اپنے سوال کا جواب دیتے ہوئے بولی "میں بھی بیوقوف ہوں جو ایسے سوالات کر رہی ہوں۔ میرے ساتھ ہوا کیا ہے؟ کچھ بھی تو نہیں۔ میں نے کیا کیا ہے؟ کچھ نہیں۔ میں نے قطعاً اسے کوئی حوصلہ نہیں دلایا۔ کسی کو علم ہی نہیں ہو گا اور میں اس سے دوبارہ نہیں ملوں گی۔ چونکہ تمام بات واضح ہے اس لیے کچھ بھی نہیں ہوا۔ پچھتانا کیسا؟ شہزادہ آندرے اب بھی مجھ سے محبت کر سکتے ہیں"

سوچوں کا سلسلہ جاری تھا "مگر یہ اب بھی، کیوں؟ او میرے خداوند! وہ یہاں کیوں موجود نہیں ہیں؟"

کچھ دیر تو وہ پرسکون رہی مگر پھر کسی جبلت نے اسے دوبارہ یہ بات جتلائی کہ اگرچہ کچھ بھی نہیں ہوا تاہم پھر بھی شہزادہ آندرے کے ساتھ اس کی محبت میں پاکیزگی ختم ہو چکی ہے۔ اس نے کوراگن کے ساتھ اپنی بات چیت تصورات میں دہرائی اور اس دوران اس بیباک اور خوبصورت شخص کا چہرہ، حرکات، اشارے اور شفیق مسکراہٹ اس کی نگاہوں میں گھومتی رہی جو بازو دباتے وقت اس کے چہرے پر طاری تھی۔

(11)

اناطول کوراگن ماسکو میں اسی لیے ٹھہرا تھا کیونکہ اس کے والد نے اسے پیٹرزبرگ سے باہر بھیج دیا تھا جہاں وہ سالانہ بیس ہزار روبل سے زائد رقم خرچ کرتا تھا اور علاوہ ازیں اسے سے بھی زیادہ کا مقروض تھا جبکہ قرض خواہوں نے اس کے والد کو پریشان کر رکھا تھا۔

شہزادہ ویسلے نے اپنے بیٹے کو خبردار کر دیا تھا کہ وہ اس شرط پر اس کے نصف قرضے ادا کرے گا کہ وہ کمانڈر انچیف کے ایجوٹنٹ کی حیثیت سے ماسکو چلا جائے (یہ عہدہ اس نے خود اپنے بیٹے کیلئے حاصل کیا تھا) اور یہ وعدہ

کرے کہ وہ وہاں کوئی اچھا رشتہ ڈھونڈ لے گا۔ اس نے اسے شہزادی ماریا اور جولی کاراگن کے نام بھی بتائے۔

اناطول نے والد کی بات مان لی اور ماسکو چلا آیا۔ یہاں وہ پیری کے گھر مقیم ہوگیا۔ ابتداء میں تو پیری اسے اپنے گھر میں نہیں رکھنا چاہتا تھا تاہم کچھ دنوں میں وہ اس کا عادی ہوگیا اور اس کے ساتھ عیش وعشرت کیلئے بھی جانے لگا ورقرض کے پردے میں اسے رقم بھی دینا شروع کردی۔

شن شن کا یہ کہنا درست تھا کہ اناطول نے ماسکو کی عورتوں کو پاگل کردیا ہے۔ اس کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ ان سے تغافل کا اظہار کرتا اور بظاہر جپسی لڑکیوں اور فرانسیسی اداکاراؤں میں دلچسپی لیتا تھا۔ ان فرانسیسی اداکاراؤں میں نمایاں ترین نام مادموزیل جارج تھا۔ کہا جاتا تھا کہ اس کے ساتھ اناطول کے بے تکلفانہ تعلقات ہیں۔ وہ دولوخوف یا ماسکو کے عیاش گروہ کے کسی بھی فرد کے ہاں منعقدہ پینے پلانے کی محفلوں میں شرکت کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تھا۔ وہ تمام رات شراب پیتا رہتا اور اس معاملے میں ہرایک کو پیچھے چھوڑ دیتا۔ وہ شہر کے اونچے طبقات میں کسی بھی گھر رقص کی محفل میں ہر صورت پہنچ جاتا۔ ماسکو کی خواتین کے ساتھ اس کے خفیہ معاشقوں کی افواہیں پھیلی ہوئی تھیں اور رقص کی محافل میں وہ ان کے ساتھ عارضی محبت کا ڈول ڈالتا دکھائی دیتا۔ وہ نوجوان لڑکیوں خصوصاً واجبی شکل وصورت کی مالک امیر لڑکیوں سے دور دور رہتا تھا۔ اس کی ایک وجہ تھی جس سے صرف اس کے قریب ترین دوست ہی آگاہ تھے۔ اس نے شادی کرلی تھی۔ اس زمانے میں اس کی رجمنٹ پولینڈ میں ٹھہری ہوئی تھی اور ایک مقامی زمیندار نے اسے اپنی بیٹی سے شادی پر مجبور کردیا تھا۔ اس نے اپنی بیوی کو چھوڑنے میں بالکل دیر نہ لگائی اور اپنے خسر کو خاصی معقول رقم دے کر جان چھڑالی۔ اب وہ کنوارے نوجوان کی حیثیت سے گھومتا پھرتا تھا۔

اناطول اپنے مقام، شخصیت اور دیگر دنیا سے ہمیشہ مطمئن رہتا تھا۔ اسے فطری طور پر یقین تھا کہ وہ جیسی زندگی بسر کررہا ہے اس سے مختلف انداز اختیار کرنا اس کے بس کا روگ نہیں اور یہ کہ اس نے پوری زندگی میں کوئی گھٹیا حرکت نہیں کی۔ تاہم اس میں یہ سوچنے کی اہلیت نہ تھی کہ اس کے کاموں سے دوسرے لوگ کس طرح متاثر ہوتے ہیں یا یہ کہ اس کی حرکات کا کیا نتیجہ برآمد ہوگا۔ اس کا یقین تھا کہ جس طرح بطخ پانی میں رہنے کیلئے پیدا ہوئی ہے اسی طرح خدا نے اسے سالانہ تیس ہزار روبل خرچ کرنے اور معاشرے میں نمایاں مقام پر رہنے کیلئے بنایا ہے۔ اس بات کا اسے اتنا پختہ یقین تھا کہ جب بھی دوسرے اس کو دیکھتے تو اس کے قائل ہوجاتے۔ وہ اسے معاشرے میں اعلیٰ مقام دینے نہ رقم مہیا کرنے سے انکار کرتے تھے جس کی واپسی کے بارے میں اس نے بظاہر کبھی نہیں سوچا تھا۔

وہ جوا نہیں کھیلتا تھا، کم ازکم اس نے جیتنے کا کبھی نہ سوچا تھا۔ اگر وہ ہار جاتا تو بھی افسوس کا اظہار نہیں کرتا تھا۔ وہ مغرور بھی نہ تھا۔ اسے اس بات کی کوئی پرواہ نہ تھی کہ لوگ اس کے بارے میں کیا سوچتے ہیں اور اس پر جاہ پسندی کی تہمت تو بالکل بھی نہ لگائی جاسکتی تھی۔ اس کا والد متعدد بار اس سے ناراض ہوا تھا کہ وہ ملازمت میں ترقی کے کئی مواقع گنوا چکا تھا اور اسے ہر طرح کے امتیازات سے نفرت تھی۔ وہ کنجوس بھی نہ تھا اور جب بھی کسی نے اس سے کچھ مانگا تو اس نے دینے سے انکار نہ کیا۔ اسے صرف خواتین اور عیش وطرب کا شوق تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ ایسے شوق میں کوئی کمینگی نہیں۔ چونکہ وہ اپنے افعال سے دوسروں کو پہنچنے والے نقصان کا اندازہ لگانے کی صلاحیت سے محروم تھا اسی لیے اپنے بارے میں اس کی پرخلوص رائے تھی کہ کوئی اس کے کردار پر نکتہ چینی نہیں کرسکتا۔ اسے غلط کام کرنیوالوں اور لفنگوں سے دلی نفرت تھی اور وہ صاف ضمیر کے مالک کی حیثیت سے اپنی گردن ہمیشہ بلند رکھتا تھا۔

دولوخوف ایرانی مہم جوئیوں اور جلاوطنی کے بعد اسی سال دوبارہ ماسکو آیا تھا اور ایک مرتبہ پھر جوئے کی لت

میں پڑ چکا تھا۔ وہ جی بھر کر شراب پیتا اور عیش وعشرت میں ڈوبا رہتا۔ اس نے پیٹرزبرگ کے اپنے پرانے دوست کوراگن کے ساتھ دوبارہ دوستی کرلی تھی اور اسے اپنے مقاصد کیلئے استعمال میں لا رہا تھا۔

اناطول دولوخوف کو اس کی ذہانت اور بہادری کی بنا پر چاہتا تھا۔ دولوخوف کو اناطول کوراگن کے نام، سماجی مرتبے اور تعلقات کی ضرورت تھی تاکہ وہ ان کی آڑ میں امیر گھرانوں کے نوجوانوں کو ورغلا کر اپنے جوئے کے حلقے میں شامل کرسکے۔ وہ اسے اپنے مقاصد کیلئے استعمال کرتا اور اس کی رقم پر عیاشی کرتا تھا تاہم اسے ذرا سا بھی شک نہ ہونے دیتا۔ اناطول سے اپنے مفادات حاصل کرنے کے علاوہ دوسرے شخص کے ارادوں پر غلبہ پانے کی عمل دولوخوف کو خوشی مہیا کرتا تھا اور یہ اس کی پرانی عادت اور ضرورت تھی۔

نتاشا نے کوراگن کے قلب وذہن پر گہرے اثرات مرتب کئے اور اس نے اوپیرا کے بعد کھانے کے دوران دولوخوف سے ایک باذوق قدردان کی طرح اس کے بازوؤں، شانوں، پاؤں اور بالوں کی دلکش خصوصیات بیان کیں اور اس سے عاشقانہ تعلقات استوار کرنے کے عزم کا اظہار کیا۔ اپنے جذباتی ابال اور دکھاوے کی محبت کے انجام پر سوچنا اس کے بس کا روگ نہ تھا، بالکل اسی طرح جیسے اس نے کبھی اس امر پر غور نہیں کیا تھا کہ اس کی حرکات کا کیا نتیجہ نکلے گا۔

دولوخوف بولا "میرے دوست، وہ واقعی بیحد خوبصورت ہے، مگر ہمارے لیے نہیں ہے"

اناطول کہنے لگا "میں اسے اپنی بہن کے ذریعے کھانے پر بلاؤں گا۔ کیا کہتے ہو؟"

دولوخوف نے کہا "تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ اس کی شادی تک انتظار کرو۔۔۔"

اناطول نے خیالات کے دھارے پر بہتے ہوئے کہا "تم جانتے ہو کہ میں ننھی منی لڑکیوں پر جان نچھاور کرتا ہوں۔ وہ اپنے ہوش گم کرنے میں دیر نہیں لگاتیں"

دولوخوف جسے اس کی شادی کا علم تھا، کہنے لگا "ایک ننھی منی لڑکی تمہیں پہلے ہی اپنے دام الفت میں پھنسا چکی ہے، احتیاط سے کام لو"

اناطول خوشدلی سے قہقہہ لگا کر بولا "انسان دوسری مرتبہ دھوکہ نہیں کھا سکتا"

(12)

اوپیرا سے اگلے دن رستوف گھر پر ہی رہے اور کوئی شخص انہیں ملنے نہ آیا۔ ماریا متریونا نے نواب سے کسی ایسے معاملے پر گفتگو کی جس سے نتاشا کو آگاہ نہیں کیا گیا تھا۔ اس نے اندازہ لگایا کہ وہ بوڑھے شہزادے کے بارے میں گفت وشنید کررہے ہیں۔ اس پر اسے پریشانی لاحق ہونے کے ساتھ ساتھ غصہ بھی آیا۔ اسے توقع تھی کہ شہزادہ آندرے کسی بھی لمحے پہنچ سکتا ہے اور اس دن اس نے ایک ملازم کو دومرتبہ یہ جاننے کیلئے آندرے کے گھر بھیجا کہ وہ آچکا ہے یا نہیں۔ تاہم وہ ابھی تک نہیں پہنچا تھا۔ ماسکو میں قیام کے ابتدائی دنوں میں اسے اتنی مشکل کا سامنا نہیں تھا جتنا اب ہورہا تھا۔ ایک جانب تو اس سے صبر نہیں ہو پا رہا تھا اور دوسری جانب شہزادی ماریا اور معمر شہزادے سے ملاقات کی ناخوشگوار یادیں اسے کسی پل چین نہ لینے دیتی تھیں۔ مزید یہ کہ اسے تشویش اور خوف سا لاحق ہوگیا تھا جس کا سبب وہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔ تاہم اس کے ذہن میں ہمہ وقت یہی خیال آتا رہتا کہ وہ کبھی نہیں آئے گا یا پھر اس کے آنے سے پہلے ہی خود اس کے ساتھ کوئی واقعہ پیش آجائیگا۔ پہلے وہ گھنٹوں اس کے بارے میں سوچتی رہتی تھی تاہم اب اس میں یہ

صلاحیت نہیں رہی تھی۔ جونہی وہ اس کے بارے میں سوچتی، اس کے ذہن میں معمر شہزادے، شہزادی ماریا، تھیمز اور کوراگن کی یادیں بسیرا کر لیتیں۔ اس نے ایک مرتبہ پھر اپنے آپ سے سوال کیا کہ "کیا مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہے؟" "میں شہزادہ آندرے سے محبت کا وعدہ توڑ چکی ہوں؟" اور ایک مرتبہ پھر اسے احساس ہونے لگتا کہ جس شخص نے اس کے دل میں اتنے ناقابل فہم اور خوفناک جذبات پیدا کر دیے تھے وہ اس کے ایک ایک لفظ اور ہر اشارے کا جائزہ لے رہی ہے۔ نتاشا اپنے ارد گرد موجود لوگوں کو پہلے سے زیادہ خوش دکھائی دے رہی تھی مگر حقیقت اس کے برعکس تھی۔ وہ پہلے کی نسبت ذہنی طور پر کم آسودہ اور خوش تھی۔

اتوار کی صبح ماریا متریونا نے اپنے مہمانوں کو اپنے علاقے کے گرجے اوسپینیا میں ایک مذہبی تقریب میں بلایا۔

وہ کہنے لگی "مجھے یہ جدید گرجا گھر پسند نہیں ہیں۔ خدا ہر جگہ موجود ہے، ہمارے پادری نہایت عمدہ شخص ہیں اور ان کا نائب بھی ایسا ہی ہے۔ وہ مذہبی رسومات نہایت رکھ رکھاؤ سے انجام دیتے ہیں۔ گانے والوں کے گروہ بنا کر دعائیں گانے سے کیا حاصل ہوتا ہے؟ مجھے یہ بالکل پسند نہیں، ان سے صرف جذبات کی تسکین ہوتی ہے، اور کچھ نہیں" بظاہر اسے اپنی اس رائے پر بیحد فخر تھا۔

ماریا متریونا کو اتوار کا دن پسند تھا اور وہ اسے بھرپور انداز سے منانا بھی جانتی ہے۔ ہفتے کے دن اس کا تمام گھر اچھی طرح صاف کیا جاتا۔ اتوار کو وہ خود کوئی کام کرتی نہ اس کے نوکر۔ کھانا معمول سے زیادہ ہوتا تھا۔ خدمتگاروں کو بھنا ہوا گوشت اور ووڈکا دی جاتی مگر تمام گھر میں چھٹی کا احساس کسی کے چہرے پر اتنے واضح انداز سے جلوہ گر نہیں ہوتا تھا جتنا کہ ماریا متریونا کے چوڑے چکلے اور سخت گیر چہرے پر دکھائی دیتا تھا۔ اس کے چہرے پر خوشی چھائی رہتی تھی۔

مذہبی تقریب کے بعد جب کھانے کے کمرے میں میزوں اور کرسیوں سے غلاف ہٹا لیے گئے اور انہوں نے کافی ختم کر لی تو ملازم نے اطلاع دی کہ گاڑی تیار ہے۔ ماریا متریونا ترشروئی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے اپنی بہترین چادر اوڑھ رکھی تھی جس میں وہ دوسرے لوگوں سے ملنے جاتی تھی۔ اس نے بتایا کہ وہ شہزادہ نکولائی آندریچ بلکونسکی سے ملنے اور اس سے نتاشا کے بارے میں بات چیت کرنے جا رہی ہے۔ جب وہ چلی گئی تو مادام شالمے کی لباس تیار کرنیوالی ایک خاتون وہاں آ گئی۔ نتاشا کو اپنی توجہ دوسرے امور پر مبذول کرنے کا بہانہ مل گیا اور وہ خوشی سے نہال ہو گئی۔ وہ ڈرائنگ روم سے ملحقہ کمرے میں چلی گئی اور مختلف لباس آزمانے لگی۔ اس نے ایک کرتی پہنی جس کی آستینیں ابھی تیار نہیں ہوئی تھیں اور شیشے کے سامنے اپنا جائزہ لینے لگی۔ اسی دوران اس نے ڈرائنگ روم میں اپنے باپ اور ایک خاتون کو جوش و خروش سے بات چیت کرتے سنا اور اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ نتاشا کو کرتی اتارنے کا موقع بھی نہ مل سکا اور بیگم بیزوخوف کمرے میں چلی آئی۔ اس کے جسم پر اونچے کالروں والا مخملیں گاؤن تھا اور چہرے پر دوستانہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

وہ ترماتی نتاشا کو دیکھ کر باآواز بلند بولی "ارے!" پھر وہ اپنے پیچھے آنیوالے نواب سے بولی "نہیں، میرے عزیز نواب یہ بات ٹھیک نہیں، ایسا کیسے ممکن ہے کہ آپ ماسکو میں رہیں اور کہیں نہ آئیں جائیں؟ میں آپ کو معاف نہیں کروں گی۔ آج شام مادموزیل جارجی میرے ہاں فن کا مظاہرہ کر رہی ہیں صرف چند گنے چنے لوگ وہاں آئیں گے اور اگر آپ اپنی بیٹیوں کو، جن کا حسن جارجی سے بھی بڑھ کر ہے، اپنے ساتھ نہ لائے تو میں آپ سے دوبارہ ہمکلام نہیں ہوں گی۔ میرے شوہر یہاں نہیں ہیں۔ وہ تویر گئے ہوئے ہیں ورنہ میں آپ کو لانے کیلئے انہیں بھیج دیتی۔ آپ کو وہاں

ہر صورت آنا ہوگا۔ آٹھ اور نو بجے کے درمیان آیئے گا۔ اس نے لباس ساز خاتون کی جانب دیکھتے ہوئے اپنا سر ہلایا۔ وہ اسے جانتی تھی اور جھک کر سلام کرنے لگی۔ ایلین آئینے کے قریب کرسی پر بیٹھ گئی اور دلکش انداز سے اپنے مخملیں گاؤن کی تہیں سنوارنا شروع کر دیں۔ وہ خوشگوار انداز میں ہنستی اور نتاشا کے حسن کی تعریفیں کرتی رہی۔ جب وہ نئے ملبوسات کا جائزہ لینے کے بعد ان کی تعریف کر چکی تو اس نے باریک جالی سے بنے اپنے لباس کا ذکر چھیڑ دیا جو اسے حال ہی میں پیرس سے موصول ہوا تھا اور نتاشا کو مشورہ دیا کہ وہ بھی ایک ایسا ہی لباس تیار کرا لے۔

وہ اس سے کہنے لگی "مگر میری ساحرہ، تم پر تو ہر شے اچھی لگتی ہے" نتاشا کے چہرے پر دائمی مسکراہٹ تھی۔ وہ یوں خوش ہو رہی تھی جیسے اس سحر انگیز خاتون کی تعریف کے سائے میں پروان چڑھ رہی ہو جو ماضی میں اسے اتنی شاندار اور ناقابل رسائی شے معلوم ہوتی تھی اور اب اس پر خصوصی کرم نوازی کر رہی تھی۔ نتاشا کا حوصلہ بڑھ گیا اور وہ اس عورت سے تقریباً محبت کرنے لگی جو اسقدر خوبصورت اور نرم خو تھی۔ ایلین نے بھی نتاشا کی تعریف کرنے میں فریب سے کام نہیں لیا تھا۔ اس نے پرخلوص انداز میں اپنی اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ نتاشا خوب مزے کرے اور سکون سے سو جائے۔ اناطول نے اس سے التجا کی تھی کہ وہ دونوں کو قریب لائے اور اسی مقصد کے پیش نظر وہ ان سے ملنے آئی تھی۔ نتاشا اور اپنے بھائی کو ایک دوسرے کے قریب لانے کا تصور ہی اس کیلئے بیحد پرلطف تھا۔

اگرچہ پیٹرز برگ میں ایک وقت اسے نتاشا پر غصہ بھی آیا تھا کہ وہ بورس کو اس سے دور کرنے کا موجب بن رہی ہے تاہم اب اس کے دل میں کوئی افسوس نہ تھا اور وہ اپنے انداز سے اس کی بھلائی سوچ رہی تھی۔ روانگی سے قبل وہ نتاشا کو ایک جانب لے گئی اور اس سے کہنے لگی "میرے بھائی نے کل میرے ہاں ہی کھانا کھایا، ہم ہنستے ہنستے بے حال ہو گئے، میری ساحرہ اس سے کچھ کھایا ہی نہیں جا رہا تھا، وہ بس تمہارا نام ہی لیے جاتا تھا۔ وہ بری طرح تمہارے عشق میں گرفتار ہو چکا ہے"

یہ بات سن کر نتاشا شرم سے سرخ ہو گئی۔

ایلین کہنے لگی "ذرا دیکھو، کیسے شرمائے جاتی ہے، تم ہر صورت آؤ گی۔ مانا کہ تم کسی سے پیار کرتی ہو مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ تم راہباؤں کی طرح بند ہو کر بیٹھ جاؤ۔ اگر تمہاری منگنی ہو چکی ہے تو تمہارا منگیتر ہرگز یہ نہ چاہے گا کہ تم اس کی غیر موجودگی میں گھٹ گھٹ کر مر جاؤ بلکہ وہ تمہیں معاشرے میں گھومتا پھرتا دیکھنا پسند کرے گا"

نتاشا نے سوچا "وہ میری منگنی کے بارے میں جانتی ہے۔ وہ اور اس کا شوہر، نیک دل پیری اس حوالے سے باتیں کرتے اور جی بھر کر ہنستے رہے ہوں گے۔ لہٰذا وہاں جانے میں کوئی مضائقہ نہیں" اور ایک مرتبہ پھر وہ ذرا روئی بات ایلین کے زیر اثر اسے بالکل عام لگنے لگی۔ اس نے سوچا "وہ اتنی عظیم ہیں اور ان کی شخصیت اسقدر دلکش ہے کہ یوں لگتا ہے جیسے وہ مجھے پسند کرتی ہیں۔ پھر میں لطف اندوز کیوں نہ ہوں؟"

ماریا متریونا کھانے کے وقت واپس پہنچ گئی۔ وہ خاموش تھی اور اس کے چہرے پر سنجیدگی طاری تھی۔ یہ بات عیاں تھی کہ وہ شہزادے کے ہاتھوں ہزیمت اٹھا کر آئی تھی۔ ملاقات کے بعد وہ ابھی تک اپنے حواس بحال کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکی تھی اور اس معاملے پر دلجمعی سے بات نہیں کر پا رہی تھی۔ نواب کے سوالات کے جواب میں وہ صرف اتنا کہہ سکی کہ "سب اچھا ہے، اس حوالے سے میں تم سے کل بات کروں گی" جب اس نے بیگم بیزوخوف کی آمد اور شام کی دعوت کے بارے میں سنا تو نتاشا سے مخاطب ہو کر کہنے لگی "میں بیگم بیزوخوف سے راہ و رسم بڑھانا پسند نہیں کرتی اور تمہیں بھی یہی مشورہ دوں گی تاہم اگر تم وعدہ کر چکی ہو تو بے شک وہاں چلے جاؤ، تفریح ہی سہی"

(13)

نواب ایلیا آندریچ اپنی بیٹیوں کو بیگم بیزوخوف کے گھر لے گیا جہاں بے شمار لوگ موجود تھے اور نتاشا کسی کو نہ جانتی تھی۔ یہ دیکھ کر نواب رستوف کو کراہت محسوس ہوئی کہ محفل ایسے لوگوں پر مشتمل تھی جو اپنی آزادروی کے باعث بدنام تھے۔ مادموزیل جارجی ڈرائنگ روم کے ایک کونے میں نوجوانوں کے درمیان کھڑی تھی۔ وہاں کئی فرانسیسی بھی موجود تھے جن میں ڈاکٹری میتی ویز بھی شامل تھا۔ جب سے بیگم بیزوخوف نے ماسکو میں رہنا شروع کیا تھا وہ باقاعدگی سے اس کے ہاں آرہا تھا۔ نواب ایلیا آندریچ نے فیصلہ کیا کہ وہ تاش کھیلے گا نہ بیٹیوں کو نگاہوں سے اوجھل ہونے دے گا اس کی بجائے جونہی مادموزیل جارجی کا کھیل ختم ہوا تو وہ واپس چلا جائے گا۔

اناطول دروازے پر کھڑا تھا اور یہ بات واضح تھی کہ اسے رستوفوں کا انتظار تھا۔ نواب سے سلام دعا کے بعد وہ نتاشا کے ساتھ جڑ گیا اور اس کے پیچھے پیچھے ڈرائنگ روم میں چلا گیا۔ نتاشا نے جونہی اسے دیکھا تو انہی جذبات میں گھر گئی جن کا اسے اوپیرا میں تجربہ ہوا تھا۔۔۔ ایک جانب تو اسے یہ خوف گھیرے ہوئے تھا کہ ان کے مابین اخلاقی رکاوٹ موجود نہیں رہی اور دوسری طرف اس کی انا کی تسکین بھی ہو رہی تھی۔

ایلین اس کے حسن کی تعریفوں میں جت گئی۔ ان کی آمد کے بعد مادموزیل جارجی اپنا لباس بدلنے کمرے سے باہر چلی گئی۔ ڈرائنگ روم میں کرسیاں ترتیب دی گئیں اور لوگ اپنی اپنی نشستوں پر براجمان ہونے لگے۔ اناطول نتاشا کیلئے ایک کرسی لے آیا۔ وہ اس کے برابر بیٹھنا چاہتا تھا مگر نواب خود بیٹی کے پاس بیٹھ گیا۔ اس نے نتاشا سے نظریں نہیں ہٹائیں تھیں۔ اناطول کو نتاشا کے پیچھے بیٹھنا پڑا۔

مادموزیل جارجی کے برہنہ اور فربہ بازوؤں پر چھوٹے چھوٹے گڑھے ابھر اور مٹ رہے تھے۔ وہ ایک کندھے پر شال اوڑھے کرسیوں کے درمیان خالی جگہ سے ہوتی ہوئی اندر آئی اور غیر فطری انداز میں کھڑی ہوگئی۔ داد و تحسین کی دبی دبی آوازیں سنائی دیں۔

مادموزیل نے افسردگی سے ناظرین کا جائزہ لیا اور فرانسیسی زبان میں ایک ڈرامے کی عبارت بولنے لگی جس کا موضوع ماں کے اپنے بیٹے کے بارے میں سفلی جذبات تھے۔ کہیں اس کی آواز بلند ہو جاتی اور کہیں اتنی مدھم کہ سرگوشی کی شکل اختیار کر جاتی۔ بولنے کے دوران وہ وقفہ دیتی، آنکھیں گھماتی اور پھر اپنی بھاری اور کھردری آواز میں بولنا شروع کر دیتی۔

چہار جانب سے "زبردست، شاندار، بہت اچھے" کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ نتاشا موٹی اداکارہ کو دیکھتی رہی مگر اپنے سامنے ہونے والا یہ کھیل اسے نظر آیا نہ وہ اسے سمجھ سکی۔ اگر اسے کسی بات کا احساس تھا تو وہ یہ کہ اسے ایک مرتبہ پھر اسی عجیب و غریب دنیا میں پہنچا دیا گیا ہے جہاں سے وہ لوٹ کر کبھی واپس نہیں جا سکتی۔ یہ دنیا اس کی اپنی پرانی دنیا سے بیحد دور تھی اور اس میں اچھائی اور برائی کو پرکھنا بہت مشکل تھا۔ اس کے پیچھے اناطول بیٹھا تھا۔ وہ اس کی قربت سے آگاہ تھی اور یہ سوچ کر اس پر خوف طاری ہو رہا تھا کہ کچھ ہونے والا ہے۔

ڈرامے کا پہلا مرحلہ ختم ہونے پر ناظرین اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے مادموزیل جارجی کے گرد گھیرا ڈال لیا اور اس کی تعریف و تحسین شروع کر دی۔

نتاشا اپنے والد سے بولی "وہ کتنی خوبصورت ہے" وہ بھی اپنی نشست سے اٹھ کھڑا ہوا تھا اور اداکارہ تک پہنچنے کیلئے لوگوں کے ہجوم میں راستہ بنا رہا تھا۔

اناطول نتاشا کے پیچھے آیا اور بولا "جب میں تمہیں دیکھتا ہوں تو تمہاری اس بات سے اتفاق نہیں کر سکتا" اس نے ایسا لمحہ چن لیا تھا جب اس کی بات نتاشا کے علاوہ کسی کو سنائی نہیں دے سکتی تھی۔ اس نے مزید کہا "تم بیحد پرکشش ہو۔۔۔ میں نے جب سے تمہیں دیکھا، اس وقت سے۔۔۔"

نواب پیچھے مڑ کر اپنی بیٹی سے کہنے لگا "نتاشا، آگے آجاؤ، آگے، وہ کتنی خوبصورت ہے"

نتاشا کچھ کہے بغیر اپنے باپ کے پاس چلی گئی اور اسے حیران اور سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگی

جب مادموزیل جارجی متعدد بار مختلف انداز میں اپنے فن کا مظاہرہ کرنے کے بعد چلی گئی تو بیگم نے مہمانوں کو اپنے ہال میں آنے کی دعوت دی۔

نواب گھر جانا چاہتا تھا مگر ایلین نے اس سے التجا کی کہ وہ اس کی بے ساختہ محفل رقص کو خراب نہ کرے۔ چنانچہ وہ تینوں ٹھہر گئے۔ اناطول نے نتاشا سے والز کی فرمائش کی۔ دوران رقص وہ اس کی کمر اور ہاتھ دباتا رہا اور اسے بتانے لگا کہ اس کا حسن بے مثال ہے اور وہ اس کے عشق میں گرفتار ہو چکا ہے۔ ایکوسیس میں رقص کے دوران جب وہ اکیلے ہوتے تو اناطول اسے منہ سے کچھ نہ کہتا البتہ ٹکٹکی باندھ کر اس کی جانب دیکھے جاتا۔ نتاشا کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ والز میں اس کی باتیں کہیں میرا خواب تو نہیں تھا۔ جب رقص کا پہلا دور ختم ہوا تو اناطول نے اس کا ہاتھ ایک مرتبہ پھر دبایا۔ نتاشا نے خوفزدہ ہو کر اس کی جانب دیکھا مگر اس کی محبت بھری نگاہوں اور مسکراہٹ میں اتنا اعتماد تھا کہ اسے اپنی بات کہنا ممکن معلوم نہ ہوا اور اس نے نظریں جھکا لیں۔

وہ تیزی سے بولی "مجھ سے ایسی باتیں مت کریں، میری منگنی ہوگئی ہے اور میں کسی اور سے پیار کرتی ہوں۔۔۔" اس نے نظریں اٹھائیں اور ایک مرتبہ پھر اناطول کے چہرے کی جانب دیکھا تاہم اس کے چہرے پر پریشانی کا کوئی تاثر نہیں تھا۔

اناطول نے اس سے کہا "مجھے یہ باتیں مت بتاؤ، میں کیا کر سکتا ہوں؟ میں تو تمہیں یہ بتا رہا ہوں کہ مجھے تم سے شدید پیار ہو چکا ہے۔ تمہارے اس قدر پرکشش ہونے میں میرا کیا قصور ہے؟۔۔۔ اب رقص میں ہماری باری ہے۔

نتاشا کے قلب و ذہن میں اتھل پتھل ہونے لگی اور اس پر جذباتی کیفیت طاری ہوگئی۔ اس نے دیدے پھاڑ کر وحشت زدہ نگاہوں سے چہار جانب دیکھا۔ وہ معمول سے زیادہ خوش دکھائی دے رہی تھی۔ اس شام جو کچھ ہوا وہ اسے کوشش کے باوجود یاد نہ آیا۔ انہوں نے مختلف اقسام کے رقص کئے اور پھر باپ نے اسے گھر چلنے کو کہا مگر وہ مزید ٹھہرنے کی درخواست کرنے لگی۔ وہ جہاں بھی ہوتی اور جس سے بھی بات کرتی تو اسے یوں محسوس ہوتا کہ اس کی نگاہیں اسی پر مرکوز ہیں۔ بعد میں اسے یاد آیا کہ اس نے لباس درست کرنے کیلئے اپنے باپ سے ڈریسنگ روم میں جانے کی اجازت مانگی تھی اور یہ کہ ایلین اس کے پیچھے پیچھے چلی آئی تھی اور ہنستے مسکراتے ہوئے اپنے بھائی کی اس سے محبت کی باتیں کرتی رہی تھی اور پھر چھوٹے کمرے میں اس کی اناطول سے ملاقات ہوئی۔ ایلین خود تو کہیں ادھر ادھر ہوگئی اور انہیں اکیلا چھوڑ دیا۔ اناطول نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا تھا "میں تم سے ملنے نہیں آسکتا مگر کیا یہ ممکن ہے کہ میں تم سے دوبارہ نہ مل سکوں؟ میں تمہاری محبت میں پاگل ہو گیا ہوں۔ کیا میں کبھی۔۔۔" پھر وہ اس کا راستہ روک کر اپنا چہرہ اس کے چہرے کے قریب لے گیا تھا۔

اس کی بڑی بڑی، روشن اور مردانہ آنکھیں نتاشا کی آنکھوں سے اسقدر قریب تھیں کہ اسے ان کے علاوہ کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

اس نے سوالیہ انداز میں سرگوشی کی "نتالی؟" اور نتاشا کو محسوس ہوا کہ اس کے ہاتھ اتنی زور سے دبائے جا رہے ہیں کہ ان میں درد ہونے لگا ہے۔ اس نے دوبارہ کہا "نتالی؟"

نتاشا کی آنکھوں میں کچھ ایسا تاثر تھا جیسے کہہ رہی ہو "مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی اور میں نے تمہیں کچھ نہیں کہنا"

جلتے ہوئے ہونٹ اس کے ہونٹوں سے مل گئے اور تقریباً اسی لمحے اسے یوں لگا جیسے وہ قید سے آزاد ہو گئی ہو۔ کمرے میں ایلین کے قدموں کی چاپ اور اس کے لباس کی سرسراہٹ سنائی دے رہی تھی۔ نتاشا نے اپنے اردگرد دیکھا۔ وہ شرم سے سرخ ہو رہی تھی اور اس کا جسم کانپ رہا تھا۔ اس نے خوفزدہ اور سوالیہ نگاہوں سے اناطول کو دیکھا اور دروازے کی جانب چل دی۔

اناطول نے باآواز بلند کہا "ایک لفظ، صرف ایک لفظ خدا کیلئے" وہ رک گئی اور اس سے کچھ کہنا چاہتی تھی۔ وہ یہ جاننا چاہتی تھی کہ یہ سب کیا تھا اور اس کا جواب دینا چاہتی تھی۔

وہ اپنی بات دہراتے ہوئے بولا "نتالی، ایک لفظ۔۔۔ ایک۔۔۔" وہ یہی بات کہتا رہا جیسے اس کے علاوہ کچھ نہ جانتا ہو یہاں تک کہ ایلین کمرے میں آ گئی۔

ایلین نتاشا کے ساتھ ڈرائنگ روم میں واپس چلی گئی اور رستوف رات کا کھانا کھائے بغیر واپس چلے آئے۔

گھر پہنچنے کے بعد نتاشا تمام رات جاگتی اور کروٹیں بدلتی رہی۔ اسے یہ ناقابل حل مسئلہ اذیت پہنچاتا رہا کہ وہ اناطول سے محبت کرتی ہے یا شہزادہ آندرے سے۔ وہ شہزادہ آندرے سے پیار کرتی تھی۔ اسے واضح طور پر یاد تھا کہ وہ اسے دل سے چاہتی تھی مگر اسے اناطول سے بھی محبت تھی اور اس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہ تھا۔ اس نے سوچا "اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ سب کچھ کیوں ہو جاتا۔ اگر میں رخصت ہوتے وقت اس کی مسکراہٹ کا جواب مسکراہٹ سے دے سکتی تھی اور حالات کو یہاں تک پہنچنے دیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے شروع میں ہی اس سے محبت ہو گئی تھی۔ چنانچہ وہ یقیناً اچھے اطوار کا مالک، شریف اور بامروت شخص ہو گا اور میرے لیے اس سے محبت کئے بغیر رہنا ممکن ہی نہیں۔ اگر مجھے دونوں سے محبت ہے تو پھر کیا کروں؟" تاہم وہ ان دہشتناک سوالات کا جواب ڈھونڈنے سے قاصر تھی۔

(14)

اگلی صبح اپنے ساتھ روزمرہ کے مسائل اور تفکرات لے کر آئی۔ تمام لوگ اٹھ گئے۔ ہر شخص ادھر ادھر آنے جانے اور اپنی اپنی باتوں میں مصروف ہو گیا۔ لباس تیار کرنیوالی دوبارہ آ گئی۔ ماریا متریونا بھی کمرے سے نکلی اور سب کو چائے پر بلایا گیا۔ نتاشا آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر بے چینی سے ہر ایک کی جانب دیکھتی جیسے اپنی جانب اٹھنے والی ہر نگاہ کو راستے ہی میں روک لینا چاہتی ہو اور وہ معمول کے مطابق نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی۔

ناشتے کے بعد ماریا متریونا اپنی کرسی پر بیٹھ گئی اور نواب و نتاشا کو بلا بھیجا۔ یہ اس کا بہترین وقت ہوا کرتا تھا۔

وہ ان سے کہنے لگی "اچھا تو میرے دوستو، میں نے تمام مسئلے پر خوب غور وفکر کیا ہے اور میں تمہیں مشورہ دیتی ہوں۔ جیسا کہ تم جانتے ہو میں کل شہزادہ نکولائی سے ملنے گئی تھی۔ بہرحال میری ان سے بات چیت ہوئی۔ نجانے ان کے ذہن میں کیا آئی کہ مجھ پر غصہ نکالنے لگے مگر میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو چیخنے چلانے سے دب جاتے ہیں۔ میں

نے اپنی بات کہہ ڈالی"

نواب نے پوچھا "مگر انہوں نے کیا کہا؟"

ماریا کہنے لگی "وہ بوڑھے ہو گئے ہیں اور اس بارے میں کوئی بات نہیں سننا چاہتے۔ مگر باتوں سے کیا حاصل ہوتا ہے؟ ہم اس بیچاری لڑکی کو پہلے ہی بہت پریشان کر چکے ہیں۔ میں تمہیں مشورہ دوں گی کہ اپنا کام ختم کرو اور واپس اوترادنوئے جا کر انتظار کرو"

نتاشا چلائی "اوہ نہیں!"

ماریا نے کہا "ہاں، واپس جاؤ اور وہیں انتظار کرو۔ اگر تمہارا منگیتر یہاں آ گیا تو پھر ہر صورت جھگڑا ہو گا۔ مگر وہ اکیلا ہوا تو خود ہی بوڑھے سے نپٹ لے گا اور پھر تمہارے پاس چلا آئے گا"

نواب کو مشورہ پسند آیا اور اس نے ماریا سے اتفاق کیا۔ اس نے سوچا "اگر بوڑھے کا غصہ جاتا رہا تو پھر ان سے ماسکو یا بلیک ہلز کہیں بھی ملاقات ہو سکتی ہے اور اگر وہ اپنی ضد پر اڑے رہے تو پھر شادی ان کی خواہشات کے برعکس اوترادنوئے میں ہی ہو گی" چنانچہ وہ ماریا سے بولا "آپ نے درست کہا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں خواہ مخواہ ان سے ملنے چلا آیا اور اپنے ساتھ اسے بھی لے آیا"

ماریا نے اپنے بٹوے میں کچھ تلاش کرتے ہوئے جواب دیا "نہیں، افسوس کیسا؟ جب تم یہاں تھے تو پھر تمہیں ان سے سلام دعا کیلئے جانا ہی چاہئے تھا۔ اگر وہ اسے پسند نہیں کرتے تو یہ ان کا اپنا معاملہ ہے" کچھ دیر توقف کے بعد اس نے کہا "اس کے علاوہ شادی کے ملبوسات تیار ہو گئے ہیں چنانچہ تمہاری یہاں ٹھہرنے کی کوئی ضرورت نہیں رہی۔ اگر کوئی شے ابھی تیار نہیں ہوئی تو وہ میں تمہیں بھجوا دوں گی۔ اگرچہ مجھے تمہارے جانے کا افسوس ہو گا مگر یہی بہتر ہے" اسے اپنے پرس میں مطلوبہ شے مل گئی جسے اس نے نتاشا کے حوالے کر دیا۔ یہ شہزادی ماریا کا خط تھا۔ ماریا متریونا نے نتاشا سے کہا "یہ اس نے لکھا ہے، دیکھو بیچاری کتنی پریشان ہے۔ اسے یہ خوف لاحق ہو گیا ہے کہ کہیں تم یہ نہ سمجھ بیٹھو کہ وہ تمہیں پسند نہیں کرتی"

نتاشا کہنے لگی "مگر وہ مجھے پسند نہیں کرتی"

ماریا متریونا چلا کر بولی "احمقانہ باتیں مت کرو"

نتاشا نے خط لیتے ہوئے فوراً جواب دیا "مجھے کوئی قائل نہیں کر سکتا۔ میں جانتی ہوں کہ وہ مجھے پسند نہیں کرتی" اس کے چہرے پر کچھ ایسا غصیلا تاثر نمودار ہوا کہ ماریا متریونا نے اسے بغور دیکھا اور اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

ماریا نے اس سے کہا "اچھی لڑکی تمہیں مجھے یوں جواب نہیں دینا چاہئے۔ میں جو بات کہہ رہی ہوں وہ ٹھیک ہے۔ اسے جواب لکھو"

نتاشا کچھ نہ بولی اور خط پڑھنے کیلئے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

شہزادی ماریا نے لکھا تھا کہ "مجھے ہم دونوں کے مابین پیدا ہونیوالی غلط فہمی کا رنج دکھ ہے۔ میرے باپ کے جذبات خواہ کیسے ہی کیوں نہ ہوں، یقین کرو کہ جس لڑکی کو میرے بھائی نے اپنی بیوی کے طور پر چنا ہے میں اس سے محبت کئے بغیر نہیں رہ سکتی اور اپنے بھائی کیلئے تو میں بڑی سے بڑی قربانی دینے کیلئے تیار ہوں"

"یہ مت سوچو کہ میرے باپ کو تم سے کوئی دشمنی ہے۔ وہ بیمار اور بوڑھے ہیں اور انہیں [illegible]

چاہئے۔ تاہم وہ صاف دل اور عالی ظرف انسان ہیں اور جو شخص ان کے بیٹے کیلئے خوشیاں لائے گی اس سے وہ بھی یقیناً پیار کریں گے۔“شہزادی ماریا نے خط میں نتاشا سے درخواست کی کہ وہ اس سے دوبارہ ملاقات کیلئے وقت چاہتی ہے۔

خط پڑھنے کے بعد نتاشا نے اس کا جواب لکھنا شروع کر دیا۔ اس نے تیزی سے لکھا ”پیاری شہزادی“ اور پھر ٹھہر گئی۔ گزشتہ رات اپنے ساتھ پیش آنے والے واقعے کے بعد اس کے پاس لکھنے کیلئے رہ ہی کیا گیا تھا؟ اس نے سوچا ”ہاں یہ سب کچھ ہوا اور اب ہر بات بدل چکی ہے“ اس نے خط اپنے سامنے رکھتے ہوئے سوچا ”کیا مجھے آندرے سے تعلقات ختم کرنا ہوں گے؟ کیا واقعی؟ یہ تو بیحد خوفناک صورتحال ہوگی“ ایسے خوفناک خیالات سے فرار پانے کیلئے وہ سونیا کے پاس چلی گئی اور اس کے ساتھ بیٹھ کر کشیدہ کاری کے نمونوں کو دیکھنے لگی۔

کھانے کے بعد نتاشا اپنے کمرے میں گئی اور ایک مرتبہ پھر شہزادی ماریا کا خط پڑھنے لگی۔ اس نے سوچا ”کیا واقعی سب کچھ ختم ہو گیا ہے؟ کیا سب کچھ اتنی جلدی ہو سکتا ہے اور جو کچھ اس سے پہلے تھا اسے ختم کیا جا سکتا ہے؟“ اس نے شہزادہ آندرے سے اپنی محبت بھرپور انداز میں دوبارہ یاد کی اور اسے احساس ہوا کہ وہ اناطول سے بھی محبت کرتی ہے۔ اس نے شہزادہ آندرے کی بیوی کی حیثیت سے اپنی ذہن میں ایک خاکہ کھینچا اور اس کے ساتھ ہی خوشی کے وہ مناظر یاد کئے جو اس نے تصورات میں تخلیق کئے تھے۔ اسی وقت وہ اناطول کے ساتھ اس شام جذباتی حرارت سے دہکتی ملاقات کی تفصیلات یاد کرنے لگی۔

وہ حیرانی کے عالم میں اپنے آپ سے سوال کرنے لگی ”مجھے دونوں کے ساتھ بیک وقت محبت کیوں نہیں ہو سکتی؟ اسی صورت میں مجھے مکمل خوشی نصیب ہو سکتی ہے مگر مجھے ان میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہے اور اگر کسی ایک سے بھی دستبردار ہوئی تو خوش نہیں رہ سکوں گی، ایک بات یقینی ہے۔ اس حوالے سے شہزادہ آندرے کو کچھ بتانا ممکن نہ ہوگا اور اسے چھپانا اتنا ہی ناممکن ہوگا۔ مگر دوسرے کے حوالے سے پریشانی کی کوئی بات نہیں“ اس نے سوچا ”کیا مجھے شہزادہ آندرے سے محبت اور اس سے حاصل ہونیوالی خوشی سے ہمیشہ کیلئے ہاتھ کھینچنا پڑے گا؟“

ایک خادمہ پراسرار انداز میں کمرے میں داخل ہوئی اور زیرلب بولی ”مس! ایک شخص نے مجھے کہا تھا کہ یہ میں آپ کو پہنچا دوں“ اس نے ایک خط نتاشا کو تھما دیا۔ لڑکی نے کہا ”یسوع کیلئے“ نتاشا سوچے سمجھے بغیر میکانکی انداز میں خط کھولنے لگی۔ خط کھلا اور وہ اناطول کا محبت نامہ پڑھنے لگی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا اور وہ صرف یہ جان پائی کہ ”یہ اس شخص کا خط ہے جس سے وہ محبت کرتی ہے۔ ہاں وہ اس سے محبت کرتی ہے ورنہ جو کچھ ہوا وہ کیسے ہو سکتا تھا؟ اس کا خط میرے ہاتھوں میں کیسے پہنچ سکتا تھا؟“

نتاشا اپنے کپکپاتے ہاتھوں میں موجود اناطول کا محبت نامہ جوں جوں پڑھتی گئی توں توں اسے محسوس ہونے لگا کہ اسے کے اپنے بھی یہی احساسات تھے۔ یہ خط دو لوخوف نے اس تک پہنچایا تھا۔

خط کا آغاز اس عبارت سے ہوتا تھا ”کل شام سے میری قسمت پر مہر لگ چکی ہے۔ میرے پاس اس کے سوا کوئی راستہ نہیں کہ مجھے تمہاری محبت مل جائے یا موت آ جائے، اس کے سوا کوئی صورت نہیں“ پھر اس نے لکھا تھا ”میں جانتا ہوں کہ تمہارے والدین تمہاری مجھ سے شادی پر کبھی رضامند نہیں ہوں گے۔ اس کی وجوہات مخفی ہیں جو میں تمہیں پھر کبھی بتاؤں گا۔ تاہم اگر تم مجھ سے محبت کرتی ہو تو پھر صرف ہاں کہہ دو اور دنیا کی کوئی طاقت ہماری خوشی کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکے گی۔ محبت کے سامنے ہر شے ہتھیار ڈال دے گی۔ میں تمہیں اٹھا کر دنیا کے آخری سرے پر لے جاؤں گا۔

نتاشا نے بیسویں مرتبہ خط پڑھا اور بولی ”ہاں، میں اس سے محبت کرتی ہوں“ وہ اس کے ہر لفظ میں معانی تلاش کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

اس شام ماریا متریونا آرخاروف خاندان کے ہاں جا رہی تھی۔ وہ لڑکیوں کو بھی ساتھ لے جانا چاہتی تھی مگر نتاشا سر درد کا بہانہ کر کے گھر پر ہی ٹھہری رہی۔

(15)

سونیا شام کو دیر سے واپس آئی اور نتاشا کے کمرے میں چلی گئی۔ اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ نتاشا ابھی تک مکمل لباس میں صوفے پر سو رہی تھی۔ اس کے قریب میز پر اناطول کا خط پڑا تھا۔ سونیا نے اسے اٹھایا اور پڑھنا شروع کر دیا۔

خط پڑھتے ہوئے اس نے نگاہیں اٹھا کر سوئی ہوئی نتاشا کو دیکھا اور جو کچھ پڑھ رہی تھی اس کی وضاحت نتاشا کے چہرے پر تلاش کرنے کی کوشش کی تاہم اسے وہاں کچھ دکھائی نہ دیا۔ اس کے چہرے پر اطمینان اور خوشی کا تاثر تھا۔ خوف سے سونیا کا چہرہ زرد پڑ گیا اور اس کا جسم کانپنے لگا۔ اس نے اپنے ہاتھ اپنے سینے پر رکھ دیے کہ کہیں سانس ہی بند نہ ہو جائے۔ پھر وہ کرسی پر بیٹھ گئی اور رونا شروع کر دیا۔

وہ سوچ رہی تھی ”یہ سب کیسے ہوا، مجھے علم کیوں نہ ہو سکا؟ کیا شہزادہ آندرے سے اس کی محبت ختم ہو چکی ہے؟ اس نے کوراگن کو یہاں تک آنے ہی کیوں دیا؟ یہ بات طے ہے کہ وہ عورتوں کا شکاری اور عیاش شخص ہے۔ نکولینکا، پیارے نکولینکا کو اس کا علم ہوا تو وہ کیا کرے گا؟ تو کل اس کے چہرے پر جو عزم، غیر فطری تاثر اور جذباتی کیفیت دکھائی پڑتی تھی اس کا سبب یہ تھا؟ نتاشا اور اس سے محبت کرنے لگے، یہ نہیں ہو سکتا۔ شاید اسے علم ہی نہ ہو کہ یہ خط کس کا ہے اور اس نے اسے کھول لیا ہو۔ شاید یہ خط پڑھ کر اسے اپنی توہین محسوس ہوئی ہو۔ یہ ایسی حرکت کا تصور بھی نہیں کر سکتی“

سونیا نے اپنے آنسو پونچھے اور نتاشا کے قریب بیٹھ کر ایک مرتبہ پھر اس کا بغور جائزہ لینے لگی۔

اس نے دھیمی آواز میں اسے کہا ”نتاشا!“ سونیا کی آواز اتنی آہستہ تھی کہ بمشکل ہی سنائی دیتی تھی“ نتاشا جاگ اٹھی اور اس کی نظریں سونیا پر پڑیں۔

وہ بولی ”ارے تم واپس آ گئیں؟“

اور پھر جیسا کہ اکثر ہوتا ہے، آنکھ کھلنے کے بعد وہ بیساختہ اپنی دوست سے لپٹ گئی۔ اس کے پورے وجود سے محبت کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔ مگر جب اس نے سونیا کے چہرے پر بوکھلاہٹ کے آثار دیکھے تو اس کی شکل متفکر ہو گئی۔

اس نے پوچھا ”سونیا تم نے وہ خط پڑھ لیا؟“

سونیا ملائمت سے بولی ”ہاں!“

نتاشا مسکرائی اور کہنے لگی ”یہ معاملہ یوں آگے نہیں بڑھ سکتا۔ میں تم سے مزید نہیں چھپا سکتی۔ تم نے دیکھ لیا۔ ہم ایک دوسرے سے کتنی محبت کرتے ہیں۔۔۔ سونیا، میری پیاری سونیا، انہوں نے لکھا ہے کہ۔۔۔ سونیا!“

سونیا نے آنکھیں پھاڑ کر نتاشا کو دیکھا۔ اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

اس نے کہا ”مگر بلکونسکی؟“

نتاشا بولی ”ارے سونیا، کاش تم جانتی کہ میں کتنی خوش ہوں! تمہیں علم ہی نہیں کہ محبت کیا ہوتی ہے۔۔۔“

سونیا نے کہا" مگر نتاشا تمہارا مطلب ہے کہ دوسری محبت ختم ہوگئی ہے؟"

نتاشا نے اپنی بڑی بڑی اور حیرت زدہ آنکھوں سے سونیا کی جانب یوں دیکھا جیسے اس کا سوال سمجھ نہ پائی ہو۔

وہ کہنے لگی" تو پھر تم شہزادہ آندرے سے تعلقات ختم کرلوگی؟"

نتاشا نے ناراض ہوکر کہا" اوہ تم نے میری بات ہی نہیں سمجھی، احمقانہ باتیں مت کرو"

سونیا نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا" نہیں، مجھے یقین ہی نہیں آتا۔ میں سمجھ نہیں پا رہی کہ تم تمام سال ایک شخص سے محبت کرتی رہیں اور پھر اچانک۔۔۔ تمہاری تو اس سے صرف تین ملاقاتیں ہوئی ہیں۔ نتاشا مجھے یقین نہیں آتا تم ضرور مذاق کر رہی ہوگی۔ تم تین دن میں ہی سب کچھ بھول گئیں"

نتاشا نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا" تین دن؟" مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے میں ان سے سو سال سے محبت کرتی چلی آرہی ہوں۔ مجھے یوں لگتا ہے جیسے میں نے اس سے پہلے کبھی محبت نہیں کی تھی۔ سونیا تم یہ باتیں نہیں سمجھوگی۔ ذرا ٹھہرو، یہاں بیٹھو" یہ کہہ کر نتاشا نے اپنے بازو اس کی کمر میں حمائل کئے اور اس کے بوسے لینا شروع کردیے۔ پھر وہ بولی" میں نے ایسی باتوں کا سنا تو تھا تم نے بھی سنا ہوگا مگر مجھے ایسی محبت اب ہوئی ہے۔ مجھے کبھی ایسا تجربہ نہیں ہوا تھا۔ میں نے جب اسے دیکھا تو مجھے یوں لگا جیسے وہ میرے آقا ہوں اور میں ان کی غلام، میں ان سے محبت کئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ وہ جو کچھ کہیں گے میں اسے تسلیم کروں گی۔ یہ بات تم نہیں سمجھوگی۔ میں کیا کروں؟ سونیا بتاؤ میں کیا کروں؟" اس کے چہرے پر خوشی کے ساتھ ساتھ خوف کا تاثر بھی نمایاں تھا۔

سونیا بولی" مگر تم اپنی حرکات پر غور کرو۔ میں یہ معاملہ یونہی نہیں چلنے دوں گی۔ یہ خفیہ خطوط۔۔۔ تم نے اسے یہاں تک پہنچنے ہی کیوں دیا؟" وہ مسلسل بولتی چلی گئی۔ اس کی آواز میں نفرت اور خوف تھا جسے چھپانا اس کیلئے ممکن نہ تھا۔

نتاشا نے کہا" میں نے تمہیں بتایا ہے کہ یہ میرے بس کی بات نہیں۔ تم میری بات کیوں نہیں سمجھتیں، مجھے اس سے محبت ہے"

سونیا کہنے لگی" میں ایسا نہیں ہونے دوں گی اور سب کو آگاہ کردوں گی" اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے۔

نتاشا نے کہا" یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ خدارا۔۔۔ اگر تم نے کسی کو کچھ بتایا تو میں تمہیں اپنا دشمن سمجھوں گی۔ تم مجھے دکھ دینا چاہتی ہو۔۔۔"

سونیا کو اپنی دوست کی گھبراہٹ اور خوف دیکھ کر اس پر ترس آگیا اور شرم بھی محسوس ہوئی۔ دونوں ایک مرتبہ پھر رونے لگیں۔

سونیا نے کہا" تم دونوں میں کیا معاملہ ہے؟ اس نے تمہیں کیا کہا؟ وہ گھر کیوں نہیں آتا؟"

نتاشا خاموش رہی۔

پھر وہ کہنے لگی" سونیا، خدارا کسی کو مت بتانا۔ یاد رہے کوئی اس معاملے میں دخل اندازی نہ کرنے پائے۔ میں نے اپنا راز صرف تمہیں بتایا ہے۔۔۔"

سونیا نے پوچھا" مگر رازداری کیسی؟ وہ گھر کیوں نہیں آتا؟ وہ کھل کر تمہیں شادی کی پیشکش کیوں نہیں کرتا؟ تمہیں علم ہے کہ شہزادہ آندرے نے تم پر کوئی رکاوٹ نہیں لگائی تھی، اگر وہ واقعی کوئی ایسی بات کرتا ہے، مگر مجھے یقین نہیں

آتا۔ نتاشا! کیا تم نے خفیہ وجوہات پر غور کیا؟"

نتاشا حیرانگی سے سونیا کی جانب دیکھنے لگی۔ یوں لگتا تھا جیسے اس نے پہلے اس سوال پر غور نہیں کیا اور اس کا جواب بھی وہ نہ جانتی تھی۔

اس نے جواباً کہا" میں کچھ نہیں جانتی مگر کوئی نہ کوئی وجہ تو ہوگی"

سونیا نے گہری سانس لی اور بے اعتباری کے انداز میں سر ہلانے لگی۔

اس نے کہا" اگر کوئی وجہ تھی۔۔۔" مگر نتاشا نے اس کے خدشات بھانپ لیے اور خوفزدہ ہوکر اس کی بات کاٹی۔

وہ غصے میں کہنے لگی" سونیا! ان پر شبہ نہیں کیا جا سکتا، بالکل نہیں، تمہیں سمجھ کیوں نہیں آتی؟"

سونیا نے پوچھا" کیا اسے تم سے محبت ہے؟"

نتاشا بولی" کیا انہیں مجھ سے محبت ہے؟ تم نے ان کا خط پڑھا ہے، یا نہیں پڑھا؟ اور تم ان سے مل بھی چکی ہو" اس کا انداز ایسا تھا گویا اپنی دوست کی نا سمجھی پر ترس کھا رہی ہو۔

سونیا کہنے لگی" اگر اس کے ارادے نیک نہ ہوئے تو؟"

نتاشا نے کہا" وہ۔۔۔ ارادے نیک نہ ہوئے؟ کاش تمہیں علم ہوتا"

سونیا نے کہا" اگر اس کا ارادہ نیک ہے تو پھر اس کا واضح اظہار کرے ورنہ تم سے ملنا جلنا چھوڑ دے۔ اگر یہ بات تم اسے نہیں بتاؤ گی تو میں بتادوں گی۔ میں اسے خط لکھ دوں گی اور ابا جان کو بھی اس معاملے سے آگاہ کردوں گی"

نتاشا با آواز بلند بولی" میں ان کے بغیر نہیں رہ سکتی"

سونیا نے جواباً کہا" نتاشا! مجھے تمہاری سمجھ نہیں آتی۔ تم کیا کہہ رہی ہو؟ اپنے باپ اور نکولینکا کا ہی خیال کرو"

نتاشا نے کہا" مجھے کسی کی پروا نہیں اور ان کے علاوہ کسی سے محبت نہیں۔ تم نے یہ کیسے کہہ دیا کہ ان کی نیت صاف نہیں؟ تمہیں علم نہیں کہ مجھے ان سے پیار ہے" اس نے چیخنا شروع کردیا اور پھر بولی" جاؤ سونیا، چلی جاؤ، میں جھگڑا نہیں کرنا چاہتی۔ خدارا چلی جاؤ۔ تم جانتی ہو کہ میں عذاب سے گزر رہی ہوں" اس نے بلند آواز سے اپنی مایوسی اور جھلاہٹ پر قابو پانے کی کوشش کی۔

سونیا روتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔

نتاشا میز کی جانب گئی اور سوچے سمجھے بغیر شہزادی ماریا کے خط کا جواب لکھ دیا جو صبح اس کیلئے لکھنا بیحد مشکل معلوم ہو رہا تھا۔ اس نے اپنے خط میں شہزادی ماریا کو مختصراً لکھا کہ ان کے مابین تمام غلط فہمیاں دور ہوگئی ہیں اور شہزادہ آندرے نے بیرون ملک جانے سے قبل اسے آزادی دے کر جس عالی ظرفی کا مظاہرہ کیا اس سے وہ فائدہ اٹھا رہی ہے۔ مزید یہ کہ وہ تمام باتیں بھول جائے اور اس کیساتھ کوئی زیادتی ہوئی تو وہ معاف کردے تاہم وہ اس کے بھائی سے شادی نہیں کرسکتی۔ نتاشا کو اس وقت یہ لکھنا بیحد آسان لگا۔

رستوف باپ بیٹیوں نے جمعے کے دن واپس جانا تھا مگر بدھ کو نواب متوقع خریدار کے ساتھ ماسکو کے مضافات میں واقع اپنی جاگیر پر چلا گیا۔

جس دن نواب باہر گیا اسی روز سونیا اور نتاشا کو کاراگن خاندان کی ضیافت میں شرکت کی دعوت ملی اور ماریا متریونا انہیں وہاں لے گئی۔ اس ضیافت میں نتاشا کی اناطول سے دوبارہ ملاقات ہوئی اور سونیا نے دیکھا کہ وہ

اسے خفیہ انداز میں کچھ کہہ رہی ہے اور مزید یہ کہ ضیافت کے دوران وہ پہلے سے کہیں زیادہ جذباتی کیفیت میں مبتلا رہی۔
گھر پہنچنے پر نتاشا نے خود ہی وہ بات کر دی جس کا سونیا کو شدت سے انتظار تھا۔

نتاشا بولی "سونیا! تم ان کے بارے میں فضول باتیں کرتی رہتی ہو۔ انہوں نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے" اس کا لہجہ ان بچوں کا سا تھا جو اپنی تعریف کرانا چاہتے ہیں۔

سونیا نے پوچھا "اچھا! اس نے کیا کہا؟ نتاشا مجھے بیحد خوشی ہے کہ تم مجھ سے ناراض نہیں ہو۔ مجھے سب کچھ بتاؤ، کوئی بات نہ چھپانا، اس نے کیا کہا تھا؟"

نتاشا سوچ و بچار میں کھو گئی۔

کچھ دیر بعد وہ بولی "ارے سونیا! کیا ہی اچھا ہوتا کہ تم بھی انہیں اسی طرح جانتی جیسے میں جانتی ہوں۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ میں نے بلکونسکی سے کیا وعدے کئے تھے۔ جب انہیں یہ علم ہوا کہ میں جب چاہوں انہیں ٹھکرا سکتی ہوں تو وہ خوشی سے نہال ہو گئے"

سونیا نے دکھ بھری سانس لی اور بولی "مگر تم نے بلکونسکی کو انکار تو نہیں کیا؟"

نتاشا نے جواب دیا "شاید میں کر چکی ہوں۔ شاید اب میرے اور بلکونسکی کے درمیان کوئی تعلق نہیں رہا۔ مگر تم میرے بارے میں اسقدر بری باتیں کیوں سوچتی ہو؟"

سونیا بولی "میں کچھ نہیں سوچتی، مجھے بس یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ۔۔۔"

نتاشا نے کہا "سونیا، کچھ مزید انتظار کرو، پھر تم سمجھنے لگو گی اور جان جاؤ گی کہ وہ کیسے انسان ہیں۔ میرے یا ان کے بارے میں بری باتیں مت سوچو"

سونیا نے کہا "میں کسی کے بارے میں برا نہیں سوچتی اور ہر شخص سے محبت کرتی ہوں مگر مجھے کیا کرنا چاہئے؟"

نتاشا نے اسے پیار سے رام کرنا چاہا مگر کامیاب نہ ہوئی۔ اس کا چہرہ جس قدر نرم ہوتا گیا سونیا کا رویہ اتنا ہی ترش ہونے لگا۔ وہ بولی "نتاشا! تم نے مجھے کہا تھا کہ میں اس بارے میں تم سے کوئی بات نہ کروں اور میں نے بھی نہیں کی۔ مگر اب تم نے خود ہی یہ مسئلہ چھیڑ دیا ہے تو میں کہوں گی کہ مجھے اس پر بالکل بھی اعتبار نہیں۔ یہ سب معاملہ خفیہ کیوں ہے؟"

نتاشا نے اسے ٹوکتے ہوئے کہا "تم دوبارہ وہی بات کرنے لگی ہو"

سونیا کہنے لگی "نتاشا! مجھے تمہاری فکر ہے"

نتاشا نے پوچھا "فکر کیسی؟"

سونیا بولی "مجھے خدشہ ہے کہ کہیں تمہاری زندگی تباہ نہ ہو جائے" اپنی بات پر وہ خود بھی حیرت زدہ رہ گئی۔

نتاشا کے چہرے پر ایک مرتبہ پھر خفگی کے آثار نمودار ہو گئے اور وہ کہنے لگی "مجھے یہ تباہی قبول ہے۔ یہ جتنی جلد ہو اتنا ہی بہتر ہو گا۔ تمہیں اس معاملے میں دخل اندازی کی کوئی ضرورت نہیں۔ تباہ تم نہیں، میں ہوں گی۔ میرے پاس مت آؤ، مجھے تم سے نفرت ہے"

سونیا کا سانس رکنے لگا اور وہ بولی "نتاشا!"

نتاشا نے کہا "مجھے تم سے نفرت ہے، نفرت ہے، اور تم میری ہمیشہ سے دشمن ہو"

نتاشا نے سونیا سے دوبارہ بات نہ کی اور اس سے دور دور رہنے لگی۔ اس نے گھر میں بلا مقصد ادھر ادھر پھرنا

شروع کر دیا۔ اس کے چہرے پر بے چینی اور غلطی کا احساس نمایاں تھا۔ وہ کبھی ایک کام شروع کرتی اور پھر اسے چھوڑ کر دوسرا شروع کر دیتی۔

اگرچہ سونیا کیلئے یہ مشکل تھا تاہم وہ چوکس ہو کر اپنی دوست کی نگرانی کرتی رہی اور اس نے ایک لمحے کیلئے بھی اسے نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے دیا۔

نواب کی واپسی سے ایک روز قبل سونیا نے دیکھا کہ نتاشا نے تمام صبح ڈرائنگ روم کی ایک کھڑکی کے پاس بیٹھے بیٹھے گزار دی جیسے کسی کا انتظار کر رہی ہو۔ اس نے گاڑی میں سوار ایک افسر کو اناطول سمجھ کر کوئی اشارہ بھی کیا تھا۔

سونیا نے اس پر مزید کڑی نظر رکھنا شروع کر دی اور مشاہدہ کیا کہ اس روز کھانے کے دوران اور تمام شام نتاشا عجیب و غریب اور غیر فطری ذہنی کیفیت میں مبتلا رہی۔ اس سے جو بات پوچھی جاتی اس سے الٹ جواب ملتا۔ وہ اپنی بات نامکمل چھوڑ دیتی اور بلاوجہ ہنسنا شروع کر دیتی۔

چائے کے بعد سونیا نے ایک خادمہ کو نتاشا کے دروازے پر کھڑے دیکھا۔ اس کا رنگ فق تھا اور وہ اس کے گزرنے کا انتظار کر رہی تھی۔ سونیا نے اسے اندر جانے دیا اور پھر جائزہ لینے کیلئے دروازے سے لگ کر کھڑی ہو گئی۔ اسے معلوم ہوا کہ ایک اور خط اندر پہنچایا گیا ہے۔ اس پر یہ بات فوری واضح ہو گئی کہ نتاشا اس شام کسی خوفناک منصوبے پر عمل کرنا چاہتی ہے۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا مگر نتاشا نے اسے اندر نہ آنے دیا۔

سونیا نے سوچا "وہ اس کے ساتھ بھاگنا چاہتی ہے۔ وہ کچھ بھی کر سکتی ہے خصوصاً آج اس کے تاثرات قابل رحم ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے ارادوں کا بھی اظہار کر رہے تھے۔ جب اس نے ابا جان کو خدا حافظ کہا تھا تو اس کے آنسو نکل آئے تھے" سونیا نے سوچا "ہاں، ایسا ہی ہے۔ وہ اس کے ساتھ بھاگنا چاہتی ہے، مگر مجھے کیا کرنا چاہئے؟" سونیا نے سوچنا شروع کر دیا۔ اسے وہ تمام علامات یاد آنے لگیں جن سے واضح ہوتا تھا کہ نتاشا کسی خوفناک منصوبے پر عمل پیرا ہونا چاہتی ہے۔ وہ سوچ رہی تھی "نواب یہاں نہیں ہیں، مجھے کیا کرنا چاہئے؟ کیا کوراگن کو خط لکھ کر پوچھا جائے کہ معاملہ کیا ہے؟ مگر میرے خط کا جواب کون لکھے گا؟ پیری کو لکھوں؟ جیسا کہ شہزادہ آندرے نے کہا تھا کہ مشکل وقت میں ان سے رجوع کرنا۔ مگر شاید وہ بلکونسکی کو واقعی انکار کر چکی ہے (اس نے کل شہزادی ماریا کو خط لکھا تھا) اور انکل یہاں نہیں ہیں"

سونیا ماریا متریونا کو کچھ نہیں بتانا چاہتی تھی جسے نتاشا پر بیحد اعتماد تھا۔ اس کے خیال میں یہ اقدام بیحد خوفناک ہوتا۔

سونیا نے راہداری میں کھڑے کھڑے سوچا "کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔ اب مجھے یہ ثابت کرنا ہو گا کہ میں نے اس خاندان کے احسانات فراموش نہیں کئے اور یہ کہ میں نکولینکا سے محبت کرتی ہوں۔ ایسا موقع دوبارہ ہاتھ نہیں آئے گا۔ اگر مجھے تین راتیں سوئے بغیر یہاں کھڑا ہونا پڑا تو بھی کھڑی رہوں گی اور اسے زبردستی روک لوں گی۔ میں خاندان کو کبھی بدنام نہیں ہونے دوں گی"

(16)

اناطول ڈولوخوف کے کوارٹر میں منتقل ہو گیا۔ نتاشا کے اغواء کا منصوبہ ڈولوخوف نے چند روز قبل تیار کیا تھا اور اس پر عملدر آمد کے انتظامات اسی نے مکمل کئے۔ منصوبے پر اسی دن عمل ہونا تھا جس روز سونیا نے نتاشا کے دروازے پر کن لینے کے بعد اسے بچانے کا فیصلہ کیا تھا۔ نتاشا نے وعدہ کیا تھا کہ وہ رات دس بجے پچھلے دروازے پر کوراگن کے

پاس پہنچ جائے گی۔ کوراگن نے اسے تین گھوڑوں والی برف گاڑی میں سوار کرا کے چالیس میل دور کامینکا گاؤں میں جانا تھا جہاں ان کی شادی کی رسم ادا کرنے کیلئے ایک معزول پادری موجود ہوتا۔ اس گاؤں میں انہوں نے چند گھوڑوں کا بھی بندوبست کر رکھا تھا اور انہیں باری باری بدل کر انہوں نے بہت دور شاہراہ وارسا پر پہنچنا تھا جہاں چوکیوں سے گھوڑے لے کر وہ بیرون ملک چلے جاتے۔

اناطول کے پاس ایک پاسپورٹ، چوکیوں کے گھوڑوں کی فراہمی کا اجازت نامہ اور بیس ہزار روبل تھے۔ اس نے دس ہزار روبل اپنی بہن سے ادھار لیے جبکہ بقیہ دس ہزار دولوخوف کی مدد سے اکٹھے کئے تھے۔

جعلی شادی کے دو گواہ دولوخوف کے سامنے کمرے میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ ان میں سے ایک خوستیکوف ریٹائرڈ ادنیٰ افسر تھا جسے دولوخوف جوئے کے کاموں میں استعمال کرتا تھا جبکہ دوسرا سابقہ ہوزار ماکارن تھا۔ وہ نیک فطرت اور کمزور شخص تھا جس کی کوراگن سے وفاداری شک وشبے سے بالاتر تھی۔

دولوخوف اپنے وسیع وعریض کمرے میں سفری لباس اور بوٹ پہنے میز کے سامنے بیٹھا تھا۔ کمرے کی دیواروں پر ایرانی قالین، ریچھوں کی کھالیں اور مختلف ہتھیار لٹک رہے تھے۔ میز کی درازیں کھلی تھیں جس میں نوٹ رکھے ہوئے تھے۔ اناطول کی وردی کے بٹن کھلے تھے اور وہ کمروں کے مابین چکر کاٹ رہا تھا جبکہ اس کا فرانسیسی اردلی اور دیگر ملازمین بچا کھچا سامان سمیٹ رہے تھے۔ دولوخوف رقم گننے کے ساتھ ساتھ کاغذ پر اس کا اندراج بھی کرتا جاتا تھا۔

وہ بولا ''ٹھیک، خوستیکوف کو ہر صورت دو ہزار روبل دینا ہوں گے''

اناطول کہنے لگا ''ٹھیک ہے، دے دو''

دولوخوف نے کہا ''ماکارکا (ماکارن) کو چاہے کچھ بھی نہ دو، وہ تمہارے لیے آگ اور پانی میں کودنے سے دریغ نہیں کرے گا۔ چنانچہ ہمارا معاملہ طے پا گیا'' دولوخوف نے اسے کاغذ دکھایا اور پوچھا ''ٹھیک ہے ناں؟''

دولوخوف نے جواب دیا ''ہاں ٹھیک ہے'' یہ بات عیاں تھی کہ اس نے دولوخوف کی بات اچھی طرح نہیں سنی تھی اور سامنے دیکھتے ہوئے مسلسل مسکرائے جا رہا تھا۔

دولوخوف نے دراز زور سے بند کی اور طنزیہ انداز سے کوراگن کی جانب دیکھتے ہوئے کہنے لگا ''اب بھی وقت ہے تمہارے لیے یہی بہتر ہوگا کہ اس کام سے باز آ جاؤ''

اناطول نے کہا ''بیوقوف! فضول باتیں چھوڑو، کاش تمہیں علم ہوتا۔۔۔ میں اور شیطان ہی جانتے ہیں کہ یہ معاملہ کس قدر اہم ہے''

دولوخوف نے کہا ''تمہارے لیے بہتر ہوگا کہ باز آ جاؤ۔ میں سنجیدہ ہوں تمہاری یہ سازش کوئی مذاق نہیں ہے''

اناطول نے کہا ''تم مجھے بار بار اذیت کیوں دے رہے ہو؟ بھاڑ میں جاؤ۔ سچی بات یہ ہے کہ میں تمہارا یہ بھونڈا مذاق برداشت نہیں کر سکتا'' یہ کہہ کر وہ کمرے سے نکل گیا۔

دولوخوف نے اس پر مغرورانہ اور نفرت آمیز نگاہ ڈالی اور مسکراتے ہوئے بولا ''ٹھہرو، میں مذاق نہیں کر رہا، ادھر آؤ''

اناطول کمرے میں واپس آ گیا اور دولوخوف کی جانب دیکھنے لگا۔ بظاہر وہ اس پر توجہ دینے کی کوشش کر رہا تھا مگر بظاہر اس کے سامنے ہتھیار ڈال رہا تھا۔

دولوخوف کہنے لگا ''میری بات پر غور کرو۔ میں آخری مرتبہ تم سے کہہ رہا ہوں۔ بھلا مجھے مذاق کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ کیا میں نے کبھی تمہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کی ہے؟ یہ تمام انتظامات کس نے کیے؟ پادری کس نے ڈھونڈا؟ پاسپورٹ کس نے بنوایا؟ رقم کس نے جمع کی؟ یہ تمام کام میں نے کئے!

اناطول نے گہری سانس لی اور دولوخوف سے لپٹتے ہوئے بولا ''اس کیلئے میں آپ کا شکر گزار ہوں، کیا تم یہ سمجھ رہے ہو کہ میں احسان فراموشی کا مظاہرہ کر رہا ہوں؟''

دولوخوف نے کہا میں نے تمہاری مدد تو کر دی ہے مگر سچی بات سے آگاہ کرنا بھی میرا فرض ہے۔ تم خطرناک اور احمقانہ راہ پر چل رہے ہو۔ تم اسے اٹھا کر لے جاتے ہو، بہت اچھے مگر کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ معاملہ یہیں ختم کر دیں گے؟ سب کو علم ہو جائے گا کہ تمہاری پہلے ہی شادی ہو چکی ہے۔ وہ تمہیں مجرمانہ فعل کے الزام میں گرفتار کرا دیں گے تم جانتے ہو کہ۔۔۔''

اناطول بولا ''فضول، فضول بات۔ میں نے تمہیں ہر بات واضح طور پر بتا دی تھی'' یہ کہتے ہوئے اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ کوتاہ اندیش لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ دلائل کے زور پر جس نتیجے پر پہنچتے ہیں اس کی بار بار وضاحت کرتے ہیں اور اناطول بھی ایسا ہی تھا۔ وہ متعدد بار دہرائے جانے والے دلائل دوبارہ دہراتے ہوئے بولا ''میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ میری نظروں میں یہ معاملہ کچھ یوں ہے کہ ''اگر اس شادی کو غیر قانونی قرار دیا گیا تو میں کسی بات کیلئے جواب دہ نہیں ہوں گا'' اس نے اپنی انگلی ٹیڑھی کی اور کہا ''تاہم اگر اسے قانونی سمجھا گیا تو پھر مسئلہ ہی نہیں رہتا۔ بیرون ملک کسی کو علم ہی نہ ہو سکے گا، مجھ سے مزید بات نہ کرو، مت کرو''

دولوخوف نے ایک مرتبہ پھر کہا ''میں دوبارہ سنجیدگی سے مشورہ دوں گا کہ باز آ جاؤ''

اناطول بولا ''جہنم میں جاؤ'' اور سر پکڑ کر کمرے سے نکل گیا، تاہم وہ فوراً واپس آیا اور کرسی پر پاؤں ٹکا کر دولوخوف کے سامنے بیٹھ گیا۔ اس نے دولوخوف کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سینے پر رکھتے ہوئے کہا ''بے حد خوفناک صورتحال ہے، دیکھو دل کیسے دھڑک رہا ہے'' پھر وہ فرانسیسی میں کہنے لگا ''آہ، میرے دوست کیسا پاؤں ہے، کیا نظر ہے، وہ تو دیوی ہے''

دولوخوف سرد مہری سے مسکرایا اور اس کی خوبصورت اور بے باک آنکھیں چمکنے لگیں۔ اس نے اناطول کی جانب یوں دیکھا۔ ایسے لگتا تھا جیسے ابھی تک وہ سیر نہیں ہوا اور اسے مزید تفریح کا نشانہ بنانا چاہتا ہے۔

اس نے پوچھا ''ٹھیک ہے، مگر جب رقم ختم ہو گئی تو پھر کیا ہوگا؟''

اناطول نے اس کی بات دہراتے ہوئے کہا ''پھر کیا ہوگا؟ میں کیا جانوں، مگر فضول باتوں کا کیا فائدہ؟'' مستقبل کے خیالات نے اسے تذبذب میں مبتلا کر دیا تھا۔ اس نے گھڑی پر نگاہ ڈالی اور بولا ''وقت ہو گیا ہے''

اناطول عقبی کمرے میں چلا گیا۔

وہ نوکروں پر غصہ نکالتے ہوئے بولا ''ابھی تک تیاری مکمل نہیں ہوئی؟ جلدی کرو، وقت کیوں ضائع کر رہے ہو؟''

دولوخوف نے رقم ایک جانب رکھی اور خدمتگار کو بلا کر حکم دیا کہ وہ کھانے پینے کا سامان لے آئے تا کہ روانگی سے پہلے وہ کچھ کھا لیں۔ پھر وہ اس کمرے کی جانب چل دیا جہاں خوستیکوف اور ماکارن بیٹھے تھے۔

اناطول کمرے میں صوفے پر لیٹ گیا اور کہنی پر جھک کر خوابناک انداز میں مسکراتے ہوئے زیرلب

بڑبڑا رہا تھا۔

برابر والے کمرے سے دولوخوف نے با آواز بلند کہا "ادھر آؤ اور کچھ کھالو تھوڑی سی پی ہی لو"

اناطول نے جواب دیا "مجھے کچھ نہیں چاہئے" وہ ابھی تک مسکرائے جا رہا تھا۔

دولوخوف نے کہا "آجاؤ، بالاگا آچکا ہے"

اناطول اٹھا اور ڈرائنگ روم میں چلا گیا۔ بالاگا تین گھوڑوں والی برف گاڑیوں کا معروف کوچوان تھا۔ وہ اناطول و دولوخوف کو چھ برس سے جانتا تھا اور ان کے کام آتا رہتا تھا۔ جب اناطول کی رجمنٹ تویر میں مقیم تھی تو اس نے اناطول کو متعدد بار وہاں سے ماسکو لا کر اگلی رات واپس پہنچایا تھا۔ اس نے دولوخوف کو متعدد بار اس کا تعاقب کرنیوالوں سے بچنے میں مدد دی تھی اور انہیں کئی مرتبہ جپسیوں کے ساتھ گاڑی میں شہر کے مختلف علاقوں میں گھمایا پھرایا تھا۔ ان کی ملازمت کے دوران اس نے کئی مرتبہ اپنی گاڑی راہگیروں پر چڑھائی اور دوسروں کی گاڑیاں الٹائی تھیں۔ ان حرکات کے نتائج سے انہیں ہمیشہ انہی "حضرات" نے بچایا تھا جیسا کہ وہ انہیں کہا کرتا تھا۔ اس نے ان کی ملازمت میں کئی گھوڑے ناکارہ کئے تھے اور انہوں نے اسے متعدد بار مارا پیٹا اور کئی مرتبہ اسے شمپئن اور مدیرا شراب پلائی جو اسے بیحد پسند تھیں۔ اسے بھی ان دونوں کے بارے میں ایسی باتیں معلوم تھیں جن کی پاداش میں عام شخص کو نجانے کب سے سائبیریا بھیج دیا گیا ہوتا۔ وہ اکثر اپنی عیاشیوں میں اسے بھی شریک کرتے، جی بھر کر شراب پلاتے اور جپسیوں کے ہاں اسے رقص کراتے۔ ان کے ہزاروں روبل اسی کے ذریعے خرچ ہو جاتے تھے۔ ان کی ملازمت کے دوران وہ سال میں بیسیوں مرتبہ انکی خاطر اپنی جان خطرے میں ڈالتا۔ وہ اسے جتنی رقم دیتے تھے، اس سے کہیں زیادہ قیمتی گھوڑے وہ ان کی خاطر تھکا تھکا کر ختم کر دیتا۔ تاہم وہ انہیں پسند کرتا تھا۔ اسے کوچوانی سے عشق تھا اور اٹھارہ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گاڑی چلانے کا شوقین تھا۔ اسے دیگر کوچوانوں کو پریشان کرنے، راہگیروں پر گاڑی چڑھانے اور ماسکو کی گلیوں میں سرپٹ گھوڑے دوڑانے میں لطف آتا تھا۔ دوسری جانب نشے میں مدہوش "تماشائی" جب "اور تیز" کے نعرے بلند کرتے تو اسے بیحد مزا آتا حالانکہ اس سے زیادہ تیز رفتاری ممکن نہ ہوتی تھی۔ اسے مردوں جیسے کسانوں کی گردن پر چابک مارنے میں خصوصی دلچسپی تھی جو پہلے ہی تیزی سے اس کی راہ سے ہٹنے کی کوشش کر رہے ہوتے تھے۔ وہ اناطول اور دولوخوف کو "حقیقی جنٹلمین" گردانتا تھا۔

اناطول اور دولوخوف بھی بالاگا کو اس کی ماہرانہ کوچوانی کی بنا پر پسند کرتے تھے۔ وہ اس لیے بھی انہیں پسند تھا کہ انہی جیسے کام پسند کرتا تھا۔ وہ دوسروں کے ساتھ بھاؤ تاؤ کرتا تھا اور دو گھنٹوں کے عوض پچیس روبل وصول کرتا، مسافروں کے ساتھ خود کم کم ہی جاتا اور اکثر اپنے شاگردوں کو بھیج دیا کرتا تھا مگر اپنے "جنٹلمینوں" کیلئے خود گاڑی چلاتا اور کبھی اپنی خدمات کا معاوضہ طلب نہیں کیا کرتا تھا۔

صرف سال میں چند مرتبہ جب اسے ان کے اردلیوں کی زبانی معلوم ہوتا کہ ان کی جیبوں میں بھاری رقومات موجود ہیں تو وہ صبح سویرے آجاتا اور اس وقت اپنے ہوش و حواس میں ہوتا تھا۔ وہ انہیں جھک کر سلام کرتا اور درخواست کرتا کہ اس کی مدد کی جائے۔ وہ ہمیشہ اسے اپنے پاس بٹھا لیا کرتے تھے۔

وہ کہتا "جناب عالی فیودور ایوانوچ! میری مدد کی جائے۔ میرے پاس گھوڑے نہیں ہیں۔ میری مدد کریں۔ جتنا ہو سکے مجھے دیں تاکہ میں میلے میں شرکت کر سکوں"

اناطول اور دولوخوف کے پاس رقم ہوتی تو وہ اسے ہزار یا دو ہزار روبل دے دیتے۔

بالاگا ستائیس سالہ چھوٹے قد، مضبوط جسم، سرخ چہرے اور موٹی گردن والا کسان تھا۔ اس کی باریک آنکھیں ہر وقت چمکتی رہتی تھیں۔ اس کے چہرے پر چھوٹی چھوٹی ڈاڑھی تھی اور وہ بھیڑ کی کھال کے چغے پر ریشمی استر والا نیلا کوٹ پہنے ہوئے تھا۔

کمرے میں داخل ہونے کے بعد وہ کونے میں گیا اور سینے پر صلیب کا نشان بنا کر دولوخوف کے پاس پہنچا اور جھک کر اپنا میلا ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے بولا "فیودور ایوانوچ کو سلام"

پھر اس نے کمرے میں داخل ہونیوالے اناطول کو سلام کرتے ہوئے کہا "جناب عالی! سلام قبول کیجئے" اس نے اناطول کی جانب ہاتھ بڑھا دیا۔

اناطول اس کے کندھے پر تھپکی دیتے ہوئے بولا "بالاگا! میں کہوں گا کہ اگر تمہیں مجھ سے ذرا برابر بھی محبت ہے تو اب اس کے اظہار کا وقت آ گیا ہے، کیسے گھوڑے لائے ہو؟"

بالاگا نے جواب دیا "جیسا کہ آپ کے پیامبر نے کہا تھا، آپ کے پسندیدہ گھوڑے ہیں"

اناطول نے اس سے کہا "بالاگا، میری بات سنو، اگر تمہارے تینوں گھوڑے ہلاک بھی ہو جائیں تو پروا نہیں، مجھے تم نے تین گھنٹوں میں وہاں تک پہنچانا ہے، سن لیا"

بالاگا نے اسے آنکھ ماری اور بولا "اگر ہم نے انہیں بھگا بھگا کر مار ڈالا تو پھر یہ وہاں کیسے پہنچیں گے؟"

اناطول نے اسے غصے میں گھورتے ہوئے کہا "مذاق بند کرو، ورنہ ایک تھپڑ رسید کروں گا"

کوچوان نے ہنستے ہوئے کہا "مذاق کون کرتا ہے۔ گویا مجھے اپنے جنٹلمین کو کوئی شے دینے میں تامل ہوگا؟ میری تو جان بھی حاضر ہے، ہم اتنا تیز جائیں گے کہ کوئی کیا گیا ہوگا"

اناطول نے کہا "ٹھیک ہے، بیٹھ جاؤ"

بالاگا کہنے لگا "نہیں، میں کھڑا ہی ٹھیک ہوں"

اناطول بولا "احمق بیٹھ جاؤ، کچھ پی لو" اس نے بالاگا کیلئے مدیرا شراب کا بڑا گلاس بھر دیا۔

شراب دیکھ کر کوچوان کی آنکھوں میں چمک در آئی۔ پہلے تو اس نے آداب ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے انکار کیا، پھر گلاس اٹھا کر ایک ہی سانس میں خالی کر دیا۔ اس نے اپنی ٹوپی سے ریشمی رومال نکالا اور اپنا منہ پونچھنے لگا۔

اس نے پوچھا "جناب عالی! کب روانہ ہونا ہے؟"

اناطول نے اپنی گھڑی پر نظر ڈالی اور بولا "ہونہہ، ہم ابھی جائیں گے، بالاگا! تم ہمیں وقت پر پہنچاؤ گے"

بالاگا نے جواب دیا "یہ تو قسمت کا کھیل ہے۔ اگر ابتداء ہی میں تقدیر نے ساتھ دیا اور ہماری روانگی میں دیر نہ ہوئی تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہم وقت پر وہاں نہ پہنچ پائیں۔ کیا میں نے آپ کو سات گھنٹے میں تویر نہیں پہنچایا تھا؟ جناب عالی! آپ کو یاد ہوگا"

اناطول نے پرانی یادوں پر مسکراتے ہوئے ماکارن کو دیکھا جس کی نگاہیں اسی پر جمی تھیں اور پھر کہنے لگا "تمہیں یاد ہے کہ ایک مرتبہ ہم کرسمس پر تویر سے روانہ ہوئے تھے، اور ماکار کا کیا تم یقین کرو گے کہ ہماری رفتار اتنی تیز تھی کہ سانس رکنے لگی تھی۔ راستے میں برف گاڑیوں کا مال بردار قافلہ آ گیا اور ہم ان میں سے دو کے اوپر سے کود گئے تھے۔ سنا تم نے؟"

بالاگا نے دخل اندازی کرتے ہوئے کہا "میں نے دو چھوٹے گھوڑے دائیں بائیں جوتے اور بڑا درمیاں

میں ڈالا'' اس نے دولوخوف کی جانب دیکھا اور بات آگے بڑھاتے ہوئے بولا'' فیودور ایوانوچ یقین کیجئے کہ یہ جانور چالیس میل تک تقریباً اڑتے گئے تھے اور انہیں سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ سردی کے مارے میرے ہاتھ سن ہو گئے اور مجھے باگیں ڈھیلی چھوڑنا پڑیں۔ میں نے انہیں کہا'' جناب عالی! ذرا ہوشیار ہو کر بیٹھیں'' اور خود لڑھکتا ہوا گاڑی کے پیچھے پہنچ گیا اور وہیں پڑا رہا۔ انہیں تیز چلنے کیلئے مہمیز دینے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ وہ منزل کو پہنچنے تک نہ رکے۔ ان شیطان کے بچوں نے ہمیں تین گھنٹے میں وہاں تک پہنچا دیا۔ صرف دایاں گھوڑا زندہ نہ بچ سکا۔

(17)

اناطول کمرے سے باہر گیا اور چند منٹ بعد واپس آ گیا۔ اس نے کوٹ پہن لیا تھا اور کمر کے گرد طلائی پٹی بندھی تھی۔ اس نے کالے رنگ کی ٹوپی سر پر رکھی ہوئی تھی اور اس کے خوبصورت چہرے پر بیحد بھلی معلوم ہوتی تھی۔ اس نے شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے جسم پر ایک نظر ڈالی اور اسی انداز سے دولوخوف کے سامنے جا کھڑا ہوا اور شراب کا گلاس اٹھا لیا۔

اس نے دولوخوف سے کہا'' اچھا فیدیا، خدا حافظ! تم نے میری خاطر جو تکلیف اٹھائی اس کیلئے میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں، اور ہاں میرے دوستو، میری جوانی کے دوستو، خدا حافظ'' یہ کہہ کر اس نے ماکارن سمیت دیگر لوگوں کی جانب دیکھا۔

اگرچہ وہ بھی اس کے ساتھ جا رہے تھے مگر وہ اپنے ساتھیوں سے جس انداز میں مخاطب تھا اس سے یوں لگتا تھا جیسے وہ اپنی اس بات چیت کو سنجیدہ اور متاثر کن بنانا چاہتا ہے۔ وہ سینہ پھلائے اور ایک ٹانگ کو کسی قدر آگے پیچھے ہلاتے ہوئے با آواز بلند بولتا جا رہا تھا۔

اس نے کہا'' تمام لوگ گلاس تھام لیں۔ بالاگا تم بھی۔ اچھا تو میرے جوانی کے ساتھیو، ہم نے مل جل کر خوب عیاشیاں کیں اور صحیح معنی میں بھرپور زندگی گزاری اور اس سے لطف اندوز ہوئے۔ اب ہم نجانے کب ملیں؟ میں ملک سے باہر جا رہا ہوں، ہم سب مل کر مزے کرتے رہے ہیں، دوستو، خدا حافظ، یہ ہمارا جام صحت۔۔۔ ہرا'' اس نے اپنا گلاس خالی کیا اور فرش پر پھینک دیا۔

بالاگا نے کہا'' اور یہ آپ کا جام صحت'' اس نے بھی گلاس خالی کر دیا اور رومال سے منہ پونچھا

ماکارن نے اناطول کو گلے لگا لیا اور کہنے لگا'' آہ شہزادے، آپ سے علیحدہ ہوتے وقت میرا دل ڈوب رہا ہے''

اناطول چلایا'' چلو چلیں''

بالاگا کمرے سے باہر چل دیا۔

اناطول نے کہا'' نہیں ٹھہرو، دروازہ بند کر دو، ہمیں رسم پوری کرنی چاہئے۔ آؤ تھوڑی دیر بیٹھ جائیں، پھر چلیں گے، یہی درست طریقہ ہے''

انہوں نے دروازہ بند کر دیا اور بیٹھ گئے۔

اناطول اٹھا اور بولا'' چلو جوانو، تیز چلو''

اس کے اردلی جوزف نے اسے چمڑے کا تھیلہ اور تلوار پکڑائی اور وہ بیرونی کمرے میں چلے گئے۔ دولوخوف

نے پوچھا'' اور کوٹ کہاں ہے؟ ارے اگناتکا، جلدی سے جانا اور ماتریونا ماتیوونا سے کالے کوٹ کا پوچھو۔ جب لڑکیاں اپنے آشناؤں کے ساتھ بھاگتی ہیں تو اس حوالے سے میں نے کچھ سن رکھا ہے'' یہ کہہ کر اس نے اناطول کو آنکھ ماری اور بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا'' جب وہ جلدی سے باہر آئے گی تو اس میں زندگی کم اور موت کے اثرات زیادہ ہوں گے۔ وہ اسی لباس میں چل پڑے گی جو اس نے پہن رکھا ہوگا۔ تھوڑی سی بھی دیر ہوئی تو وہ رونا شروع کر دے گی اور پیارے ابا، پیاری امی کی گردان شروع کر دے گی۔ اس سے پہلے کہ آپ کو اندازہ ہو، وہ سردی سے جم جائے گی اور کہے گی کہ مجھے واپس لے چلو۔۔۔ بس اسے فوراً لبادہ اوڑھا کر گاڑی میں بٹھا دینا''

ایک خدمتگار خواتین کا کوٹ لے آیا جس کا اندرونی حصہ لومڑی کی کھال سے بنا تھا۔

دولوخوف نے چلا کر کہا'' بیوقوف! میں نے تمہیں کالا کوٹ لانے کو کہا تھا۔ ارے ماتریوشکا، کالا'' اس نے یہ بات کچھ اسقدر اونچی آواز میں کہی کہ تمام کمرے گونج اٹھے۔

ایک خوبصورت، دبلی پتلی اور زرد چہرے والی جپسی عورت باہر آئی جس کی سیاہ آنکھیں چمک رہی تھیں اور بال گھنگھریالے تھے۔ اس نے سرخ شال اوڑھ رکھی تھی اور بازو پر کالا کوٹ ڈال رکھا تھا۔

اس نے کوٹ دولوخوف کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا'' یہ لیجئے، مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا'' اس کے چہرے پر اپنے آقا کا خوف اور کوٹ کھونے کا دکھ نمایاں تھا۔

دولوخوف نے اسے کوئی جواب نہ دیا اور کوٹ پکڑ کر اسے ماتریونا کے جسم کے گرد لپیٹ دیا۔

اس نے کوٹ عورت کے جسم کے گرد لپیٹتے ہوئے کہا'' اس طرح، اور اس طرح'' اس نے کوٹ کچھ انداز سے لپیٹا کہ چہرے کیلئے صرف جھری سی باقی رہ گئی۔ وہ کہنے لگا'' دیکھ رہے ہو نا؟'' اس نے اناطول کا سر آگے دھکیل دیا تاکہ وہ کالر کی جھری سے ماتریونا کو دیکھ سکے جس کی آنکھیں چمک رہی تھیں

اناطول نے اس کے گال پر بوسہ دیتے ہوئے کہا'' اچھا ماتریونا، الوداع! آہ، یہاں میری عیش و عشرت کے دن ختم ہو چکے ہیں۔ ستیوشکا کو میرا سلام کہنا۔ الوداع، الوداع! ماتریوشکا، دعا کرنا''

ماتریونا اپنے جپسی لہجے میں بولی'' الوداع شہزادے، خدا تمہیں ڈھیروں خوشیاں دے''

ڈیوڑھی میں تین گھوڑوں والی دو گاڑیاں کھڑی تھیں اور دو وہ قوی الجثہ کوچوان گھوڑوں کی باگیں تھامے ہوئے تھے۔ بالاگا اگلی گاڑی میں بیٹھ گیا۔ اس نے اپنی کہنی اوپر اٹھائی اور گھوڑوں کی باگیں درست کرنے لگا۔ اناطول اور دولوخوف اس کی گاڑی میں سوار ہو گئے جبکہ ماکارن، خوستیکوف اور خدمتگار دوسری گاڑی میں جا بیٹھے۔

بالاگا نے پوچھا'' ہاں، سب تیار ہیں'' پھر اس نے باگیں اپنے ہاتھ پر لپیٹیں اور چلا کر کہا'' چلو'' برف گاڑی نکتسکی خیابان پر دوڑنے لگی۔

بالاگا اور اس کے ساتھ بیٹھا کوچوان مسلسل چلا رہے تھے'' تپ رو ہا! تپ رو ہا''

آرباتسکی چوک میں ان کی گاڑی کسی اور گاڑی سے ٹکرا گئی، کسی شے کے ٹوٹنے اور چیخنے چلانے کی آوازیں سنائی دیں اور گاڑی آرباتسکی شاہراہ پر بھاگتی رہی۔ پودنوونسکی کے قریب دو مرتبہ مڑنے کے بعد بالاگا پیچھے مڑا اور پرانے اکیورے چوک پر رک گیا۔

نوجوان کوچوان گھوڑے تھامنے کیلئے نیچے اتر آیا۔ اناطول اور دولوخوف سڑک کنارے چلنے لگے۔ جب وہ بڑے دروازے پر پہنچے تو دولوخوف نے سیٹی بجائی۔ جواب میں بھی سیٹی کی آواز سنائی دی اور ایک خادمہ بھاگتی ہوئی باہر

آ گئی۔ وہ اسے کہنے لگی" یہاں صحن میں آ جائیں ورنہ کوئی دیکھ لے گا، وہ بس آنیوالی ہیں"

دولوخوف دروازے پر ہی ٹھہرا رہا جبکہ اناطول نوکرانی کے پیچھے پیچھے صحن میں چلا آیا اور موڑ مڑنے کے بعد بھاگتا ہوا ڈیوڑھی میں پہنچ گیا۔

سامنے ماریا متریونا کا قوی الجثہ ملازم کھڑا تھا۔

وہ اس کی واپسی کا راستہ روکتے ہوئے بولا" جناب ادھر، مالکہ کے پاس"

اناطول بولا" کون مالکہ؟ اور تم کون ہو؟" اس کی سانس پھول رہی تھی۔

وہ بولا" اندر چلو، مجھے تمہیں اندر لانے کا حکم ملا ہے"

دولوخوف چلا کر بولا" کوراگن! واپس! دھوکہ، واپس آ جاؤ"

گیٹ کے قریب کھڑا دولوخوف ایک نوکر سے گتھم گتھا تھا جو اناطول کو روکنے کیلئے دروازے پر تالا لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔ دولوخوف نے آخری مرتبہ زور لگا کر نوکر کو ایک جانب دھکیلا اور بھاگ کر آنیوالے اناطول کا ہاتھ پکڑ کر اسے دروازے سے باہر گھسیٹ کر گاڑی کی جانب بھاگنے لگا۔

(18)

ماریا متریونا نے سونیا کو راہداری میں روتے ہوئے دیکھ لیا اور اس سے تمام بات معلوم کر لی تھی۔ اس نے نتاشا کے نام لکھا گیا خط پکڑ لیا اور اسے پڑھ کر نتاشا کے کمرے میں چلی گئی۔

وہ نتاشا کے کمرے میں داخل ہو کر بولی" بے شرم لڑکی، میں کوئی بات نہیں سنوں گی" اس نے حیران کھڑی نتاشا کو کمرے میں دھکیل کر باہر سے تالا لگا دیا اور نوکر کو حکم دیا کہ شام کو جو لوگ آئیں، انہیں اندر آنے دینا مگر وہ باہر نہ جانے پائیں۔ اس نے ایک خدمتگار کو حکم دیا کہ آنیوالوں کو میرے پاس لے آیا جائے۔ پھر وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر اغوا کاروں کا انتظار کرنے لگی۔

جب گاوریلو نے اطلاع دی کہ دو افراد آئے تھے مگر بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے تو وہ غصے میں اٹھی اور اپنے ہاتھ ایک دوسرے میں پھنسائے خاصی دیر تک کمرے میں چکر لگاتی رہی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اب کیا کرنا بہتر ہوگا۔ نصف شب کے قریب اس نے چابی ٹٹولی اور نتاشا کے کمرے کی جانب چل دی سونیا راہداری میں بیٹھی رو رہی تھی۔ اس نے ماریا متریونا سے درخواست کی" خدارا مجھے ان کے پاس جانے دیں"

ماریا اسے جواب دیئے بغیر تالا کھول کر اندر چلی گئی۔ اس نے سوچا" قابل نفرین، میرے گھر میں ایسی حرکت، فاحشہ، مجھے تو صرف اس کے باپ پر ترس آ رہا ہے" اس نے اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے سوچا" اگرچہ یہ مشکل ہوگا مگر میں کوشش کروں گی وہ اپنی زبانیں بند رکھیں اور نواب کو علم نہ ہونے دوں گی" وہ ثابت قدمی سے چلتی ہوئی کمرے میں داخل ہو گئی۔

اسے نتاشا اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپائے صوفے پر لیٹی دکھائی دی۔ وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلی تھی اور ماریو متریونا اسے جس حالت میں چھوڑ کر گئی تھی بالکل ویسے ہی پڑی تھی۔

وہ نتاشا سے کہنے لگی" بہت اچھی لڑکی ہو، تم بہت اچھی لڑکی ہو۔ میرے گھر میں اپنے آشناؤں سے ملاقاتیں کرتی پھرتی ہو۔ اب جھوٹ فریب نہیں چلے گا۔ میں جو بات کہہ رہی ہوں وہ سنو" ماریا نے اس کا بازو چھوا اور

بولی" میری بات غور سے سنو۔ تم نے عام فاحشہ عورت کی طرح بدنامی مول لے لی ہے۔ اگر مجھے تمہارے باپ کا خیال نہ ہوتا تو نجانے تمہارے ساتھ کیا سلوک کرتی، تاہم اب میں نے فیصلہ کیا ہے کہ انہیں اس بات کا علم نہیں ہونے دوں گی"

نتاشا ویسے ہی پڑی رہی تاہم اس کا تمام جسم خاموش سسکیوں کی بنا پر کانپ رہا تھا اور سانس رکتی محسوس ہو رہی تھی۔ ماریا نے سونیا کی طرف دیکھا اور نتاشا کے قریب صوفے پر بیٹھ گئی۔

وہ کہنے لگی" اس کی قسمت اچھی تھی کہ میرے ہاتھوں سے بچ نکلا، بہرحال میں اسے چھوڑوں گی نہیں، اسے ڈھونڈ نکالوں گی۔ میری بات سن رہی ہو؟"

اس نے اپنا چوڑا چکلا ہاتھ نتاشا کی ٹھوڑی تلے رکھا اور اس کا چہرہ اپنی جانب گھمایا۔ تاہم جب ماریا اور سونیا کی نظریں نتاشا کے چہرے پر پڑیں تو انہیں حیرت کا جھٹکا لگا۔ اس کی آنکھیں خشک اور روشن تھیں جبکہ ہونٹ باہم ملے ہوئے اور گال اندر دھنسے تھے۔

اس نے جھٹکے سے اپنا بازو چھڑایا اور بولی" مجھے چھوڑ دیں۔۔۔ میں کیا۔۔۔ میں مر جاؤں گی" یہ کہہ کر وہ پہلے کی طرح لیٹ گئی۔

ماریا متریونا بولی" نتالیا۔۔۔ میں صرف تمہارا بھلا چاہتی ہوں۔ بیشک یونہی لیٹی رہو، میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گی مگر غور سے سنو، میں یہ نہیں کہوں گی کہ تم نے کتنی بڑی غلطی کی ہے، یہ تم خود جانتی ہو مگر کل جب تمہارے والد واپس آئیں گے تو میں انہیں کیا بتاؤں گی؟ جواب دو"

نتاشا کا جسم کانپنے لگا۔

ماریا متریونا نے کہا" اگر انہیں۔۔۔ تمہارے بھائی یا منگیتر کو علم ہو گیا تو پھر؟"

نتاشا نے چیختے ہوئے کہا" میرا کوئی منگیتر نہیں، میں اسے انکار کر چکی ہوں"

ماریا نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا" اس سے کچھ نہیں ہوتا۔ اگر انہیں علم ہو گیا تو تمہارا کیا خیال ہے کہ وہ خاموش ہو جائیں گے؟ فرض کرو تمہارا والد۔۔۔ میں اسے جانتی ہوں فرض کرو وہ اسے ڈوئیل کا چیلنج دیتا ہے تو کیا یہ اچھی بات ہوگی؟"

نتاشا چلا کر بولی" اوہ، مجھے اکیلا چھوڑ دیں! آپ لوگوں کو معاملہ بگاڑنے کی کیا ضرورت تھی؟" وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور ماریا متریونا کو غصے میں گھور کر دیکھنے لگی۔

ماریا نے پوچھا" تم کیا چاہتی تھیں؟ تمہیں کسی نے گھر میں بند تو نہیں کر رکھا تھا۔ اسے گھر آنے سے کس نے روکا تھا؟ وہ تمہیں بھگا کر کیوں لے جانا چاہتا تھا؟ کیا تم خانہ بدوشوں کی بیٹی ہو؟۔۔۔ اگر وہ تمہیں لے جاتا تو کیا تمہارا باپ، بھائی یا منگیتر اسے تلاش نہیں کر سکتے تھے؟ وہ عیاش، بدمعاش اور بیکار شخص ہے۔ یہی کچھ ہے وہ" ماریا متریونا کا مزاج ایک مرتبہ پھر گرم ہو گیا۔

نتاشا چلا کر بولی" وہ آپ سب سے بہتر ہے۔ کاش آپ نے معاملے میں دخل نہ دیا ہوتا۔ اوہ خدایا، یہ کیا ہے، سونیا! تم نے کیوں۔۔۔ میری آنکھوں سے دور ہٹ جاؤ" یہ کہہ کر وہ رونے بیٹھ گئی۔ اس کی گریہ زاری میں ان لوگوں کی سی شدت تھی جو اپنی مصیبتوں کا ذمہ دار خود کو سمجھتے ہیں۔ ماریا متریونا کچھ کہنا چاہتی تھی کہ نتاشا بول اٹھی۔

اس نے کہا" یہاں سے چلے جاؤ، تم لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہو، مجھے گھٹیا سمجھتے ہو" وہ دوبارہ صوفے پر گر گئی۔

ماریا متریونا مزید کچھ دیر اسے سمجھاتی رہی کہ اس کے باپ کو اس حرکت کا علم نہیں ہونا چاہئے۔ اس نے نتاشا کو یقین دلایا کہ اگر اس نے خود یہ واقعہ بھلانے کی کوشش کی اور کسی کو علم نہ ہونے دیا تو کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوگی۔ نتاشا نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی سسکیاں بند ہوگئی تھیں مگر ٹھنڈ سے جسم کپکپا رہا تھا۔ ماریا متریونا نے اس کے سر تلے تکیہ رکھا اور جسم لحافوں سے ڈھانپ دیا۔ وہ اس کیلئے لیموں کا شربت لینے چلی گئی مگر نتاشا نے کسی بات کا جواب نہ دیا۔

ماریا نے کمرے سے باہر جاتے ہوئے کہا ''اسے سونے دو'' وہ سمجھ رہی تھی کہ نتاشا سو رہی ہے تاہم نتاشا کی آنکھوں میں نیند کا نام ونشان تک نہ تھا۔ وہ آنکھیں پھاڑے سامنے دیکھے جا رہی تھی۔ اس نے آنکھ جھپکی نہ آنسو بہایا اور سونیا سے بھی کوئی بات نہ کی جو بار بار اس کے قریب آکر کھڑی ہو جاتی تھی۔

اگلے دن نواب ایلیا آندریچ دوپہر کے کھانے کے وقت واپس آگیا۔ جاگیر کا سودا طے پا گیا تھا اور وہ بیحد خوش تھا۔ اسے بیگم یاد آ رہی تھی اور کوئی ایسا کام نہیں رہ گیا تھا جو ماسکو میں اسے روک سکتا۔ ماریا متریونا نے اسے بتایا کہ نتاشا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ اس نے ڈاکٹر کو بلایا تھا مگر اب اس کی حالت پہلے سے کافی بہتر ہے۔ نتاشا اس صبح اپنے کمرے سے نہ نکلی۔ اس نے اپنے خشک ہونٹ بھینچ رکھے تھے اور خلاؤں میں گھورے جا رہی تھی۔ وہ کھڑکی کے قریب بیٹھی تھی اور گلی میں سے گزرنے والے لوگوں کو حیرانی کے عالم میں دیکھے جاتی تھی۔ اگر کوئی شخص اس کے کمرے میں داخل ہوتا تو وہ تیزی سے مڑ کر اسے سرسری طور پر دیکھتی۔ بظاہر یوں لگتا تھا جیسے وہ اس کے بارے میں کسی خبر کی منتظر ہے۔ اسے توقع تھی کہ وہ خود آئے گا یا اسے خط لکھے گا۔

جب نواب اسے ملنے کمرے میں آیا تو وہ مردانہ قدموں کی چاپ سن کر بے چینی سے پیچھے دیکھنے لگی اور پھر اس کے چہرے پر وہی سرد اور انتقامی تاثر ابھر آیا۔ اس نے باپ سے سلام دعا بھی نہ کی۔ نواب نے پوچھا ''میرے فرشتے، کیا تم بیمار ہو؟''

نتاشا ایک لمحہ خاموش رہی اور پھر جواب دیا ''ہاں، میں بیمار ہوں''

اس نے نواب کے سوالات کے جواب میں اسے کہا کہ میرے ساتھ کوئی مسئلہ نہیں اور آپ قطعاً پریشان نہ ہوں۔ نواب نے اس سے پوچھا تھا کہ کیا منگیتر کے حوالے سے کوئی واقعہ تو پیش نہیں آ گیا۔ ماریا متریونا نے بھی نتاشا کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔ تاہم اپنی بیٹی کی شکل، بناوٹی بیماری اور ماریا متریونا نیز سونیا کے متفکر چہرے دیکھ کر اس نے با آسانی یہ اندازہ لگا لیا کہ اس کی عدم موجودگی میں کچھ نہ کچھ ضرور ہوا ہے۔ تاہم وہ یہ بات سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا کہ اس کی پیاری بیٹی کے ساتھ کوئی شرمناک واقعہ بھی پیش آ سکتا ہے۔ اس کیلئے یہ صدمہ برداشت کرنا بیحد مشکل تھا اور اسے اپنا سکون اور اطمینان اسقدر عزیز تھا کہ وہ اسے کھونا نہیں چاہتا تھا۔ لہٰذا اس نے زیادہ پوچھ گچھ نہ کی اور اپنے آپ کو یہ اطمینان دلانے کی کوشش کی کہ کچھ نہیں ہوا۔ اب اسے صرف یہ دکھ تھا کہ نتاشا کی طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے اسے روانگی مزید ملتوی کرنا پڑے گی۔

(19)

جس دن پیری کی بیوی ماسکو آئی، اس نے اسی روز فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اس کی صحبت سے بچنے کیلئے کہیں چلا جائے گا۔ رستوف خاندان کو ماسکو آئے زیادہ دن نہیں گزرے تھے مگر نتاشا نے اسے کچھ اس طرح متاثر کیا تھا کہ اسے اپنے ارادے پر فوری عمل کرنا پڑا۔ وہ اوسپ الیکسی وچ کی بیوہ سے ملنے تویر چلا گیا جس نے اسے اپنے مرحوم شوہر کے

کاغذات دینے کا وعدہ کیا تھا۔

جب پیری ماسکو پہنچا تو اسے ماریا متریونا کا خط ملا۔ اس نے اسے اپنے ہاں آنے اور ایک اہم ترین معاملے میں گفتگو کیلئے بلایا تھا جس کا تعلق آندرے بلکونسکی اور اس کی منگیتر سے تھا۔ پیری نتاشا سے دور دور رہنے کی کوشش کر رہا تھا کیونکہ اسے احساس ہو رہا تھا کہ اس کے بارے میں وہ ایسے جذبات نہیں رکھتا جو کسی شادی شدہ شخص کے اپنے دوست کی منگیتر کے بارے میں ہونے چاہئیں بلکہ وہ حدود سے تجاوز کر چکے ہیں۔ تاہم قسمت انہیں ہر بار ایک دوسرے کے روبرو لے آتی تھی۔

ماریا متریونا کی طرف جانے سے پہلے پیری نے لباس بدلتے ہوئے سوچا ''کیا ہو سکتا ہے؟ وہ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟'' اس نے ماریا کے گھر کی طرف جاتے ہوئے سوچا کاش شہزادہ آندرے جلدی آ جائے اور اس سے شادی کر لے''

تاورسکی کے قریب کسی نے اس کا نام لے کر پکارا ''پیری، کب واپس آئے؟''

پیری نے سر اٹھا کر دیکھا۔ اس کے قریب سے ایک برف گاڑی تیزی سے گزر گئی جس میں دو خاکستری رنگت کے تیز رفتار گھوڑے جتے ہوئے تھے جن کے سموں تلے اڑنے والی برف گاڑی کے تختوں سے ٹکرا رہی تھی۔ گاڑی میں اناطول اور اس کا دیرینہ ساتھی ماکارن بیٹھے تھے۔ اناطول اکڑ کر بیٹھا تھا اور اس کے چہرے کا نچلا حصہ کالر تلے چھپا ہوا تھا اور گردن کسی قدر نیچے تھی۔ اس کے چہرے سے تازگی اور سرخی جھلک رہی تھی جبکہ سفید ہیٹ ترچھے انداز سے سر پر پڑا تھا جس میں کلغی سجی تھی اور نیچے گھنگھریالے بال صاف دکھائی دے رہے تھے جن پر کہیں کہیں برف بھی دکھائی دے رہی تھی۔

پیری نے سوچا ''یہ صحیح فلاسفر ہے۔ اس کا دھیان ہمیشہ وقتی مزے پر رہتا ہے اور اس کے علاوہ یہ کچھ نہیں سوچتا۔ اسے کسی شے کی فکر ہے نہ پریشانی۔ کاش میں بھی اس جیسا بن جاؤں''

ماریا متریونا کی ڈیوڑھی میں خدمتگار نے اس کا کوٹ اتارتے ہوئے کہا ''مالکہ نے کہا ہے کہ آپ بیڈروم میں چلے جائیں''

اس نے ہال کا دروازہ کھولا تو اسے نتاشا دکھائی دی۔ وہ کھڑکی کے قریب بیٹھی تھی اور اس کا چہرہ زرد تھا۔ نتاشا نے اسے غصے سے دیکھا اور کمرے سے باہر چلی گئی۔

پیری نے ماریا کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا ''کیا ہوا؟''

ماریا نے جواباً کہا ''کیا بات ہے، میری عمر اٹھاون سال ہو چکی ہے مگر میں نے اس سے زیادہ شرمناک حرکت کبھی دیکھی نہ سنی'' جب پیری نے اس کے اصرار پر قسم کھائی کہ وہ کسی کو کچھ نہیں بتائے گا تو ماریا نے اسے مطلع کیا کہ نتاشا نے اپنے والدین کو بتائے بغیر منگنی توڑ دی ہے اور اس کا موجب اناطول بنا جس کے ساتھ اسے پیری کی بیوی نے متعارف کرایا تھا۔ ماریا نے اسے بتایا کہ نتاشا نے اپنے والد کی عدم موجودگی میں اناطول کے ساتھ فرار ہونے کی کوشش کی اور وہ خفیہ شادی رچانا چاہتے تھے۔

پیری کندھے آگے جھکائے اور منہ کھولے اس کی باتیں سنتا رہا۔ اسے ماریا کی باتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ یہ بات اس کیلئے ناقابل فہم تھی کہ شہزادہ آندرے کی منگیتر نتاشا رستوف جس سے سبھی پیار کرتے تھے اور جو اب تک اسے نہایت پرکشش دکھائی دیتی رہی تھی، اس بیوقوف اناطول کی خاطر بلکونسکی کو یوں چھوڑ دے گی جبکہ اناطول پہلے ہی شادی

شدہ تھا۔ اسے یقین نہ آتا تھا کہ نتاشا اناطول سے اتنی شدید محبت تھی کہ وہ اس کے ساتھ بھاگنے پر بھی تیار ہوگئی۔ وہ نتاشا کو اس وقت سے جانتا تھا جب وہ خاصی کم عمر تھی۔ ایک جانب تو اس نے پیری کے ذہن پر اسقدر اچھا تاثر قائم کیا تھا اور دوسری جانب اس کی حماقت اور گھٹیا پن کا نیا نقشہ سامنے آیا تھا اور دونوں رویوں میں اتنا تضاد تھا کہ ان میں موافقت پیدا کرنا ممکن نہ لگتا تھا۔ اس نے اپنی بیوی کے بارے میں سوچا اور خود کلامی کی "یہ سب ایک جیسے ہیں اور میں واحد شخص نہیں جسے قدرت نے ایک بری عورت سے وابستہ کر دیا ہے" اسے شہزادہ آندرے اور اس کی زخمی انا پر اتنا ترس آیا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اسے اپنے دوست سے جس قدر ہمدردی ہو رہی تھی، ہال کمرے سے سرد مہر انداز میں گزرتی نتاشا سے اتنی ہی نفرت ہونے لگی۔ اسے علم نہ تھا کہ نتاشا کی روح مایوسی اور شرمندگی میں گھر گئی ہے اور اس کے چہرے پر سکون اور بے مہری کے تاثرات پیدا ہوگئے تھے تو اس میں اس کا قصور نہ تھا۔

پیری ماریا متریونا کے آخری الفاظ پر چونک گیا اور بولا "شادی کرنا چاہتے تھے؟ وہ اس سے شادی کیسے کر سکتا تھا؟ وہ تو پہلے ہی شادی شدہ ہے"

ماریا متریونا نے کہا "صورتحال خراب تر ہوتی جا رہی ہے۔ کیا عمدہ نوجوان ہے، پکا بدمعاش، اور وہ یہاں اس کی منتظر ہے۔ دو دن سے دروازے کی جانب دیکھ رہی ہے کہ وہ کب آتا ہے۔ ہمیں اسے بتانا چاہئے، کم از کم وہ اسے کا انتظار تو ختم کرے"

ماریا نے پیری اسے اناطول کی شادی کی تفصیلات سننے اور اسے برا بھلا کہنے کے بعد بتایا کہ اس نے اسے کیوں بلایا ہے۔ وہ کہنے لگی "اگرچہ میرا ارادہ یہی ہے کہ نواب یا بلکونسکی کو اس معاملے کا علم نہ ہونے پائے جو یہاں پہنچنے ہی والا ہے۔ پھر بھی مجھے خدشہ ہے کہ کسی نہ کسی طرح یہ بات ان تک پہنچ سکتی ہے اور وہ کوراگن کو ڈوئیل کا چیلنج دے سکتے ہیں" اس نے پیری سے درخواست کی کہ وہ اس کا نام لے کر اپنے سالے کو کہے کہ وہ فوری طور پر ماسکو سے چلا جائے اور نتاشا کو دوبارہ اپنی شکل دیکھنے کا موقع نہ دے۔ پیری نے اس کی بات پر عمل کا وعدہ کیا اور اسی وقت اسے معمر نواب، نکولائی اور شہزادہ آندرے کو درپیش خطرے کا احساس ہوا۔ ماریا نے اسے اپنا مدعا مختصر اور واضح انداز میں بیان کیا اور پھر ڈرائنگ روم سے جانے کی اجازت دے دی۔

ماریا نے اسے بتایا کہ تم نے نواب سے اس طرح پیش آنا ہے جیسے تمہیں کسی بات کا علم نہیں۔ اچھا! اب میں جا کر اسے بتاتی ہوں کہ اس کا انتظار کرنا بیکار ہے۔ ہاں اگر تمہارا جی چاہے تو کھانے تک ٹھہر جاؤ"

پیری معمر نواب سے ملا جو گھبرایا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اس صبح نتاشا نے اسے بتا دیا تھا کہ وہ بلکونسکی سے منگنی توڑ چکی ہے۔

وہ پیری سے کہنے لگا "میرے عزیز ساتھی، میں مصیبت میں ہوں، بیحد مصیبت۔ ان لڑکیوں کی والدہ یہاں نہیں ہے اور میں کس مصیبت میں گرفتار ہو گیا ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں یہاں آیا ہی کیوں؟ میں تم سے کچھ نہیں چھپاؤں گا۔ اس نے کسی سے مشورہ کئے بغیر اپنی منگنی ختم کر دی ہے۔ میں مانتا ہوں کہ مجھے یہ رشتہ کچھ اتنا پسند نہیں تھا، اگرچہ وہ عمدہ شخص ہے مگر جب اس کا باپ ہی نہیں مانتا تو وہ خوش نہیں رہ سکتے تھے اور نتاشا کیلئے رشتوں کی بھی کمی نہیں، مگر پھر بھی یہ معاملہ کافی دیر سے چل رہا تھا اور اس نے والدہ سے پوچھا نہ والد کو اعتماد میں لیا۔ اب اس کی طبیعت خراب ہے، نجانے یہ سب کیا ہے۔ نواب! لڑکیوں کا ان کی ماں سے دور رہنا اچھی بات نہیں ہوتی، نہیں ہوتی۔۔۔" پیری جان گیا کہ نواب بیحد پریشان ہے۔ اس نے باتوں کا رخ موڑنے کی کوشش مگر نواب اپنی مصیبتوں کا رونا روتا رہا۔

اسی دوران سونیا خوفزدہ صورت لیے ڈرائنگ روم میں آ گئی۔

وہ پیری سے بولی "نتاشا کی طبیعت ٹھیک نہیں، وہ اپنے کمرے میں ہے اور آپ سے ملنے کی خواہشمند ہے۔ ماریا متریونا بھی اس کے پاس موجود ہیں اور آپ کو بھی بلا رہی ہیں"

نواب نے کہا "کیوں، ہاں، تم بلکونسکی کے عزیز دوست ہو، وہ شاید تمہارے ذریعے کوئی پیغام بھیجنا چاہتی ہے۔ اوہ میرے خدایا! چند دن پہلے ہم کتنے خوش تھے" نواب نے اپنی کنپٹی کے بال پکڑے اور کمرے سے باہر چلا گیا۔

ماریا متریونا نے نتاشا کو بتا دیا تھا کہ اناطول شادی شدہ ہے مگر نتاشا اس کی بات تسلیم نہیں کر رہی تھی اور کہتی تھی کہ پیری اس کی تصدیق کرے۔ یہ بات اسے سونیا نے بتائی تھی۔

نتاشا کا چہرہ زرد تھا اور وہ اکڑ کر ماریا متریونا کے قریب بیٹھی تھی۔ پیری جونہی کمرے میں داخل ہوا تو اس کی روشن آنکھیں سوالیہ انداز میں اس کے چہرے پر گڑ گئیں۔ وہ مسکرائے اور گردن ہلائے بغیر اس کی جانب دیکھتی رہی۔ اس کی آنکھوں میں صرف ایک ہی سوال تھا کہ "تم اناطول کے دوست ہو یا دیگر لوگوں کی طرح دشمن؟" بظاہر اس کیلئے پیری کا کوئی وجود نہ تھا۔

ماریا متریونا نے پیری کی جانب اشارہ کرتے ہوئے نتاشا سے مخاطب ہو کر کہا "یہ تمہیں خود ہی سب کچھ بتا دیں گے کہ میری بات جھوٹ تھی یا سچ"

نتاشا نے ان کی جانب یوں دیکھا جیسے زخمی ہرن کتوں اور شکاریوں کے نرغے میں آنے کے بعد ان کی جانب دیکھتا ہے۔

پیری بولا "نتالیا الیچنا!" اسے اپنی بات سے اتنی گھن اور نتاشا پر اسقدر ترس آ رہا تھا کہ وہ نیچے دیکھنے لگا۔ اس نے کہا "اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ یہ بات سچ ہے یا نہیں، جبکہ۔۔۔"

نتاشا نے کہا "تو پھر یہ بات درست نہیں کہ وہ شادی شدہ ہیں"

پیری نے کہا "نہیں یہ بات درست ہے"

اس نے پوچھا "کیا ان کی کافی دیر پہلے شادی ہوئی تھی؟ اپنی عزت کی قسم کھا کر بتائیں"

پیری نے عزت کی قسم کھائی۔

اس نے تیزی سے پوچھا "کیا وہ ابھی تک یہیں ہیں"

پیری نے کہا "ہاں، میں نے اسے کچھ دیر پہلے ہی دیکھا ہے"

یوں لگتا تھا جیسے اس میں بات کرنے کی ہمت نہیں رہی، اس نے اپنے ہاتھوں سے انہیں چلے جانے کا اشارہ کیا۔

(20)

پیری ماریا کے ہاں کھانے پر نہ ٹھہرا بلکہ نتاشا کے کمرے سے نکلتے ہی واپس چلا گیا۔ وہ اپنی گاڑی میں بیٹھ گیا اور اناطول کی تلاش میں چل دیا جس کا خیال آتے ہی اس کا خون کھول اٹھتا تھا اور دل اس زور سے دھڑکنے لگتا کہ سانس بھی بند ہوتا محسوس ہوتا تھا۔ وہ اسے برفانی پہاڑیوں، جپسیوں کے ہاں اور سوموتینو کے پاس بھی نہ ملا۔ پیری کلب پہنچا جہاں معمول کے مطابق تمام سرگرمیاں جاری تھیں۔ کھانا کھانے کیلئے اکٹھے ہونیوالے ارکان گروہوں کی صورت

میں بیٹھے تھے اور وہ اس سے شہر کی خبروں کے حوالے سے گفتگو کرنے لگے۔ ایک خدمتگار جو اس کی عادات سے آگاہ تھا اور اس کے دوستوں کو جانتا تھا، اسے بتانے لگا کہ چھوٹے ڈرائنگ روم میں اس کی جگہ موجود ہے، شہزادہ میخائل ذخاریچ لائبریری میں بیٹھا ہے مگر پاول تیموفیچ ابھی تک نہیں آیا۔ پیری کے ایک دوست نے موسم کے حوالے سے اپنی گفتگو درمیان ہی میں روک دی اور پوچھنے لگا "شہر میں کوراگن کے نتالی رستوف کے ساتھ بھاگنے کی خبریں زبان زد عام ہیں، ان میں کس حد تک صداقت ہے؟" پیری ہنس دیا اور بولا "بالکل احمقانہ بات ہے، میں بالکل ابھی رستوف خاندان سے مل کر آ رہا ہوں" وہ ہر شخص سے اناطول کے بارے میں پوچھنے لگا۔ ایک شخص نے بتایا کہ وہ ابھی نہیں پہنچا اور کسی نے اطلاع دی کہ وہ شام کا کھانا یہیں کھائے گا۔ پیری کو لوگوں کے اس پرسکون اور لاپروا ہجوم کو دیکھ کر عجیب سا احساس ہو رہا تھا جسے اس کے قلب و ذہن پر گزرنے والی واردات کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔ وہ ہال میں ٹہلتا رہا اور اس وقت تک انتظار کرتا رہا جب تک ہر شخص نہ پہنچ گیا۔ اناطول کھانا کھانے نہ آیا چنانچہ وہ گھر چل دیا۔

اس روز اناطول نے دولوخوف کے ساتھ کھانا کھایا اور اس سے مشورہ کرتا رہا کہ خراب ہو جانے والے اہم معاملے کو کیسے سلجھایا جائے۔ وہ سمجھتا تھا کہ اس کی نتاشا سے ملاقات ضروری ہے۔ شام کو وہ اپنی بہن کے ہاں چلا گیا تاکہ اس سے مل کر نتاشا سے ملاقات کی کوئی صورت نکالی جا سکے۔ پیری جب ماسکو کی گرد چھان کر واپس پہنچا تو اس کے ذاتی خدمتگار نے اسے بتایا کہ شہزادہ اناطول بیگم کے پاس بیٹھا ہے۔ ڈرائنگ روم مہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔

پیری نے اپنی بیوی سے سلام دعا نہ کی، اس سے وہ ماسکو واپسی کے بعد نہیں ملا تھا (وہ اسے پہلے سے زیادہ کریہہ دکھائی دینے لگی تھی) وہ ڈرائنگ روم میں چلا گیا جہاں اسے اناطول نظر آیا اور وہ سیدھا اس کے پاس پہنچ گیا۔

بیگم ایلین اپنے شوہر کے پاس آئی اور بولی "ارے پیری، آپ کو علم ہی نہیں کہ ہمارا اناطول کس مشکل میں پھنس گیا ہے۔۔۔"

وہ بات کرتے کرتے خاموش ہو گئی۔ اسے اپنے شوہر کے آگے جھکے ہوئے سر، شعلہ اگلتی آنکھوں اور چال ڈھال میں اس غصے کی بھیانک علامات نظر آئی تھیں جنہیں وہ اچھی طرح جانتی تھی اور جنہیں وہ دولوخوف کے ساتھ اس کی ڈوئیل کے بعد دیکھ چکی تھی۔

پیری نے بیوی سے کہا "تم جہاں بھی ہوگی برائی اور فساد تمہارے ساتھ ساتھ رہے گا" پھر وہ اناطول سے کہنے لگا "میرے ساتھ آؤ، میں نے تمہارے ساتھ ضروری بات کرنا ہے"

اناطول نے ایک نظر اپنی بہن کی طرف دیکھا اور مودبانہ انداز میں اٹھ کر اس کے ساتھ چلنے کو تیار ہو گیا۔

پیری نے اسے بازو سے پکڑ کر کھینچا اور کمرے سے باہر لے جانے لگا۔

ایلین مدھم آواز میں کہنے لگی "اگر تم میرے ڈرائنگ روم میں۔۔۔" مگر وہ اس کی بات پر دھیان دیے بغیر کمرے سے نکل گیا۔

اناطول حسب عادت تن کر اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا مگر اس کے چہرے پر خوف کے آثار نمایاں تھے۔ کمرے میں داخل ہونے کے بعد پیری نے دروازہ بند کر دیا اور اناطول کی جانب دیکھے بغیر اس سے کہنے لگا "تم نے نوابزادی رستوف سے شادی کا وعدہ کیا؟ کیا تم نے اسے بھگا لے جانے کی کوشش کی؟"

اناطول نے فرانسیسی میں جواب دیا "میرے عزیز (تمام گفتگو فرانسیسی زبان میں ہو رہی تھی) مجھ سے جس انداز میں سوال پوچھے جا رہے ہیں اس پر میں جواب دینے کا پابند نہیں"

پیری کا زرد چہرہ غصے کی شدت سے بگڑ گیا۔ اس نے اپنے لمبے چوڑے ہاتھوں سے اس کی وردی کا کالر پکڑا اور اتنے زور سے جھٹکے دیے کہ اناطول خوفزدہ ہو گیا۔

پیری نے اپنی بات دہراتے ہوئے کہا "جب میں کہتا ہوں کہ میں نے تم سے ضروری بات کرنا ہے۔۔۔"

اناطول بولا "یہ کیا احمقانہ حرکت ہے؟" وہ اپنے کالر کے ایک بٹن کو چھو رہا تھا جو جھٹکوں کے باعث ڈھیلا ہو چکا تھا۔

پیری نے اسے کہا "تم بدمعاش اور اوباش ہو نجانے کونسی شے مجھے تمہارا حشر کرنے سے روکے ہوئے ہے" فرانسیسی میں گفتگو کے باعث اس کا انداز مصنوعی لگ رہا تھا۔ اس نے ایک بھاری پیپر ویٹ پکڑا اور دھمکی آمیز انداز میں اسے اوپر اٹھایا مگر پھر نیچے رکھ دیا۔

اس نے پوچھا "کیا تم نے شادی کا وعدہ کیا تھا؟"

اناطول نے جواباً کہا "میں، میں۔۔۔ میں۔۔۔ میرا نہیں خیال کہ۔۔۔ میں نے کبھی وعدہ نہیں کیا، کیونکہ۔۔۔"

اناطول نے اسے ایک خط دیا، پیری ایک میز کو پرے دھکیلتے ہوئے صوفے پر بیٹھ گیا اور خط پڑھتے ہوئے بولا "گھبراؤ مت، میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا" اس نے اناطول کے چہرے پر خوف و دہشت کے آثار دیکھ لیے تھے۔

وہ کہنے لگا "پہلی بات ہے۔۔۔ خطوط، دوسری بات یہ ہے کہ کل تم ماسکو سے رخصت ہو جاؤ گے" اس کا انداز یوں تھا جیسے سبق پڑھ رہا ہو۔

اناطول بول اٹھا "مگر میں کیسے۔۔۔"

پیری نے ان سنی کرتے ہوئے کہنے لگا "تیسری بات یہ ہے کہ تمہارے اور نوابزادی رستوف کے مابین جو کچھ ہوا ہے تم اس سے کسی کو آگاہ نہیں کرو گے۔ میں جانتا ہوں کہ میں تمہیں ایسا کرنے سے نہیں روک سکتا مگر تمہارا تھوڑا سا ضمیر بھی زندہ ہے تو۔۔۔"

پیری خاموشی سے کمرے میں ٹہلتا رہا۔ اناطول میز کے قریب بیٹھ گیا اور ناگواری سے اپنے ہونٹ کاٹنے لگا۔

پیری نے اسے کہا "تمہیں علم ہونا چاہیے کہ تمہاری عیاشیوں کے علاوہ ایک اور شے بھی ہے اور اسے دوسروں کی خوشی اور ذہنی سکون کہتے ہیں۔ تم اپنے مزے کی خاطر ایک پوری زندگی کو تباہ کرنے پر تلے ہو۔ میری بیوی جیسی عورتوں کے ساتھ عیاشی کرتے ہو، ایسی خواتین کے ساتھ رہ کر تم اپنے حقوق سے تجاوز نہیں کرتے کیونکہ وہ جانتی ہیں کہ تم ان سے کیا چاہتے ہو۔ تم جیسی برائیوں کے عادی ہو اس کا انہیں بھی تجربہ ہوتا ہے اس لیے تم ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے مگر کسی معصوم لڑکی سے شادی کا وعدہ کرنا، اسے دھوکہ دینا اور اغوا کرنا۔۔۔ تم نہیں جانتے کہ یہ کسی بوڑھے یا بچے کو مارنے جیسی گھٹیا حرکت ہے۔۔۔"

پیری نے کچھ توقف کیا اور اناطول کو غصے کی بجائے سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

پیری کا غصہ کم ہوتا دیکھ کر اناطول کا حوصلہ بڑھا اور وہ بولا "میں یہ باتیں نہیں جانتا، میں اس حوالے سے کچھ جانتا ہوں نہ جاننا چاہتا ہوں۔ مگر تم نے میرے بارے میں گھٹیا الفاظ استعمال کیے ہیں جو میں باعزت شخص ہونے کے

ناطے کسی اور کو کہنے کی اجازت نہیں دے سکتا"

پیری خاموشی سے اسے دیکھنے لگا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اناطول کیا کہنا چاہتا ہے۔

اناطول نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا "اگرچہ یہ ہماری باہمی گفتگو تھی مگر میں پھر بھی۔۔"

پیری نے طنزیہ انداز میں کہا "تم اپنا اطمینان چاہتے ہو؟"

اناطول بولا "اگر تم چاہتے ہو کہ میں تمہاری خواہش پر عمل کروں تو کم از کم اتنا تو کر سکتے ہو کہ اپنے الفاظ واپس لے لو"

پیری نے غیر ارادی طور پر اس کے ڈھیلے بٹن کی جانب دیکھتے ہوئے کہا "ہاں، میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں اور تم سے معذرت بھی کرتا ہوں، اور اگر تمہیں سفر کیلئے رقم چاہئے ہو تو۔۔۔"

اناطول مسکرا دیا۔

یہ وہی گھٹیا اور لجاجت آمیز مسکراہٹ تھی جو پیری اپنی بیوی میں بار ہا دیکھ چکا تھا۔ اسے نفرت کے مارے ابکائی آنے لگی۔ وہ چلا کر بولا "اوہ، تم نہایت ذلیل شخص ہو" اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

اگلے روز اناطول پیٹرز برگ روانہ ہو گیا۔

(21)

پیری ماریا متریونا کے گھر کی جانب چل دیا تا کہ اسے بتا سکے کہ کوراگن کو ماسکو سے نکالنے کی خواہش پوری ہو چکی ہے۔ گھر میں کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ نتاشا کی طبیعت بیحد خراب تھی۔ ماریا متریونا نے پیری کو رازداری سے بتایا کہ جس رات نتاشا کو اناطول کے شادی شدہ ہونے کا علم ہوا تو اس نے کہیں سے زہر حاصل کر کے پھانک لیا۔ ابھی اس نے تھوڑا سا ہی چکھا تھا کہ وہ خوفزدہ ہو گئی اور اس نے سونیا کو جگا کر بتا دیا کہ وہ کیا کر بیٹھی ہے۔ خوش قسمتی سے مناسب وقت پر دوا مل گئی اور اب اس کی حالت خطرے سے باہر ہے، تاہم وہ اتنی کمزور ہو چکی ہے کہ ابھی اسے گاؤں نہیں لے جایا جا سکتا چنانچہ اس کی والدہ کو یہیں بلایا جا رہا ہے۔ پیری مشکلات میں مبتلا نواب اور سونیا سے ملا جس کی آنکھیں رو رو کر سرخ ہو گئی تھیں مگر نتاشا سے اس کی ملاقات نہ ہوئی۔

اس روز پیری نے کلب میں شام کا کھانا کھایا۔ وہاں یہی افواہیں زیر گردش تھیں کہ نوابزادی رستوف کو اغواء کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس نے تندہی سے ان افواہوں کی تردید کی اور ہر شخص کو یقین دلایا کہ میرے سالے نے اس کا رشتہ مانگا تھا مگر اس کی پیشکش قبول نہ کی گئی، اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہوا۔ پیری سمجھتا تھا کہ یہ معاملہ چھپانا اور نتاشا کی نیک نامی بحال کرنا اس کا فرض ہے۔

وہ یہ سوچ کر پریشان ہو رہا تھا کہ شہزادہ آندرے کسی بھی لمحے ماسکو آن پہنچے گا۔ وہ اس کے بارے میں خبر حاصل کرنے کیلئے ہر روز معمر شہزادے کے گھر جانے لگا۔

شہر میں زیر گردش افواہیں مادموزیل بورین کی وساطت سے شہزادہ نکولائی آندریچ تک پہنچ چکی تھیں اور اس نے وہ خط بھی پڑھ لیا تھا جس میں نتاشا نے شہزادی ماریا کو منگنی توڑنے کی اطلاع دی تھی۔ وہ معمول سے زیادہ ہشاش بشاش دکھائی دے رہا تھا اور اسے بے چینی سے اپنے بیٹے کی واپسی کا انتظار تھا

اناطول کی روانگی کے چند روز بعد پیری کو شہزادہ آندرے کا خط ملا جس میں اس نے اپنی آمد کی اطلاع دی تھی

اور کہا تھا کہ وہ کسی روز اس سے ملنے آئے۔

شہزادہ آندرے کے ماسکو پہنچتے ہی اس کے والد نے اسے وہ خط تھما دیا جس میں نتاشا نے ماریا کو اپنی منگنی ختم کرنے کی اطلاع دی تھی (یہ خط مادموزیل بورین نے ماریا کے کمرے سے چرا کر معمر شہزادے کے حوالے کیا تھا) اس نے اپنے باپ سے نتاشا کے اغواء کی کہانی بھی سنی جسے اس کے والد نے بڑھا چڑھا کر بیان کیا۔

شہزادہ آندرے شام کو واپس آیا تھا۔ اگلی صبح پیری اسے ملنے آ گیا۔ پیری کو توقع تھی کہ شہزادہ آندرے کی بھی نتاشا جیسی حالت ہو گی مگر جب وہ ڈرائنگ روم میں گیا تو اسے برابر والے کمرے سے پیٹرز برگ کی کسی سازش کے بارے میں شہزادہ آندرے کی جوشیلی گفتگو سنائی دی۔ یہ سن کر وہ حیران رہ گیا۔ کبھی کبھار معمر شہزادہ اور کوئی دوسرا شخص اسے بیچ میں ٹوک دیتا تھا۔ شہزادی ماریا بھی پیری سے ملنے چلی آئی۔ اس کی نگاہیں اس کمرے کی طرف اٹھ گئیں جس میں اس کا بھائی تھا۔ ماریا نے ٹھنڈی سانس بھری، وہ یہ ظاہر کرنا چاہتی تھی کہ وہ اپنے بھائی کے دکھ میں برابر کی شریک ہے۔ مگر پیری نے اسے دیکھا تو جان لیا کہ وہ نتاشا کی بے وفائی پر اپنے بھائی کا ردعمل دیکھ کر وہ بیحد خوش ہے۔

ماریا نے پیری سے کہا "وہ کہتے ہیں کہ انہیں یہی توقع تھی۔ میں جانتی ہوں کہ ان کی انا انہیں جذبات کے اظہار کی اجازت نہیں دے گی مگر پھر بھی انہوں نے اس صدمے پر میری توقع سے زیادہ صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا۔ بظاہر یہی ہونا تھا۔۔۔"

پیری نے پوچھا "کیا ان دونوں میں واقع قطع تعلق ہو گیا ہے؟"

شہزادی ماریا اسے حیرت سے دیکھنے لگی۔ اسے سمجھ نہ آتی تھی کہ کوئی ایسا سوال کیسے پوچھ سکتا ہے۔ پیری برابر والے کمرے میں چلا گیا۔ شہزادہ آندرے نے عام شہری لباس زیب تن کر رکھا تھا اور اس میں خاصی تبدیلیاں رونما ہو چکی تھیں۔ بظاہر وہ صحت مند دکھائی دے رہا تھا تاہم اس کی پیشانی پر ایک نئی لکیر ابھر آئی تھی۔ وہ اپنے والد اور شہزادہ میشچرسکی کے سامنے کھڑا زور و شور سے دلائل دے رہا تھا اور دوران گفتگو مسلسل ہاتھ ہلا رہا تھا۔

موضوع گفتگو سپیرانسکی کی اچانک جلاوطنی اور مبینہ گرفتاری تھی جس کی خبر حال ہی میں ماسکو پہنچی تھی۔

شہزادہ آندرے کہہ رہا تھا "ایک ماہ قبل اس کی خوشامد کرنیوالے آج اسے برا بھلا کہہ رہے ہیں اور اس پر الزامات کی بارش ہو رہی ہے۔ اس معاملے میں وہ لوگ بھی کسی سے پیچھے نہیں جو اس کے مقاصد نہ سمجھ سکے۔ جب کسی شخص سے عہدہ چھن جاتا ہے تو اس پر الزام تراشی کرنا اور ناکردہ گناہوں کا مجرم سمجھنا بیحد آسان ہو جاتا ہے۔ مگر میرے خیال میں اگر کسی نے کوئی اچھا کام کیا تو وہی تھا" وہ پیری کو دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ ایک لمحے اس کا چہرہ کپکپایا اور پھر اس پر پرانا تاثر قائم ہو گیا۔ وہ بات مکمل کرتے ہوئے کہنے لگا "مستقبل اس سے انصاف کرے گا" پھر وہ پیری کی جانب رخ کرتے ہوئے کہنے لگا "ارے کیا حال ہے تمہارا؟ ابھی تک موٹے ہو؟" اس کا چہرہ بدستور جوش و خروش سے معمور تھا مگر اب اس پر دکھائی دینے والی لکیر مزید گہری ہو گئی۔ پیری کے سوال کے جواب میں اس نے کہا "ہاں میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں" پیری کو اس کی مسکراہٹ دیکھ کر یوں محسوس ہوا جیسے وہ کہہ رہا ہو "ہاں، میں بالکل ٹھیک ہوں مگر اب میری صحت بیکار ہے"

اس نے پیری کو پولینڈ کی خراب سرحدی سڑکوں پر سفر، سوئٹزرلینڈ میں اپنے مشترکہ دوستوں اور اپنے بیٹے کیلئے لائے گئے استاد ڈیسال کے بارے میں مختصراً آگاہ کیا اور پھر وہ دوبارہ جوش و خروش سے سپیرانسکی سے متعلق بات چیت میں شامل ہو گیا جو دونوں بوڑھوں کے مابین بدستور جاری تھی۔

آندرے نے گرمجوشی سے کہا "اگر اس نے غداری کی ہوتی یا پولین سے خفیہ تعلقات کا کوئی ثبوت ملتا تو وہ اسے ہر صورت سامنے لے آتے۔ مجھے ذاتی طور پر سپیرانسکی کبھی پسند تھا نہ ہے مگر میں انصاف کو پسند کرتا ہوں"

پیری کو اپنے دوست کے رویے میں اسی ضرورت کا احساس ہوا جس کے تحت انسان بعض تکلیف دہ خیالات سے چھٹکارا پانے کیلئے کسی ایسے معاملے پر جوش وخروش کا مظاہرہ کرنے لگتا ہے جس سے اس کا براہ راست کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس طرح وہ اپنے تکلیف دہ خیالات کو دبا دینا چاہتا ہے۔

مشچرسکی چلا گیا تو شہزادہ آندرے نے پیری کا بازو تھاما اور اسے اپنے کمرے میں لے گیا۔ وہاں بستر لگا تھا اور ادھر ادھر متعدد صندوق کھلے ہوئے تھے۔ شہزادہ آندرے ایک صندوق کے قریب گیا اور اس میں موجود ڈبا اٹھا کر اس سے کاغذ میں لپٹا ایک پیکٹ نکالا۔ یہ تمام عمل نہایت تیزی اور خاموشی سے انجام پایا۔ وہ دوبارہ اٹھا اور کنکارنے لگا۔ اس نے ہونٹ بھینچ رکھے تھے اور پیشانی پر لکیریں ابھر آئی تھیں

اس نے پیری سے کہا "معاف کرنا، میں تمہیں تکلیف دے رہا ہوں۔۔۔" پیری کو اندازہ ہو گیا کہ وہ نتاشا کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہے۔ اس کے چوڑے چکلے چہرے پر ہمدردی کے تاثرات نمودار ہو گئے۔ اس کی جانب دیکھ کر شہزادہ آندرے جھلا گیا اور ناخوشگوار انداز میں تیزی سے کہنے لگا "مجھے نوابزادی رستوف کی جانب سے منگنی ختم کرنے کا پیغام مل گیا ہے اور ایسی خبریں بھی سننے کو ملی ہیں کہ تمہارے سالے نے اس سے شادی کی خواہش کی تھی۔ کیا یہ درست ہے؟"

پیری نے جواب دیا "درست بھی ہے اور غلط بھی" تاہم شہزادہ آندرے نے اسے درمیان میں ٹوک دیا اور میز سے پیکٹ اٹھا کر پیری کو تھماتے ہوئے کہنے لگا "یہ اس کے خطوط اور تصاویر ہیں، اگر نوابزادی تمہیں ملے تو اسے دے دینا"

پیری نے کہا "وہ بیحد بیمار ہے"

شہزادہ آندرے فوراً بولا "وہ ابھی تک یہیں ہے؟ اور شہزادہ کوراگن؟"

وہ چندروز پہلے یہاں سے چلا گیا تھا، وہ موت کے دروازے پر کھڑی ہے"

شہزادہ آندرے نے اپنے باپ کی طرح سرد اور ناخوشگوار انداز میں جواب دیا "مجھے اس کی بیماری کا سن کر بیحد افسوس ہوا" اور پھر طنزیہ انداز میں کہنے لگا "تو پھر کوراگن نے نوابزادی رستوف سے شادی نہیں کی؟"

پیری نے اسے بتایا "وہ اس سے شادی نہیں کر سکتا، وہ پہلے ہی شادی شدہ ہے"

شہزادہ آندرے ایک مرتبہ پھر اپنے باپ کی طرح ناگواری سے ہنس دیا۔

اس نے پیری سے پوچھا "کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تمہارا سالا اس وقت کہاں ہے؟"

پیری نے جواب دیا "وہ چلا گیا ہے، پیٹرز۔۔۔ مگر مجھے درست علم نہیں"

شہزادہ آندرے نے کہا "بہرحال، کوئی فرق نہیں پڑتا۔ نوابزادی رستوف کو بتا دینا کہ اس پر پہلے کوئی پابندی تھی نہ اب ہے اور میں ہمیشہ اس کی خوشیوں کیلئے دعا کرتا رہوں گا"

پیری نے پیکٹ اٹھا لیا۔ شہزادہ آندرے اسے ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا رہا۔ شاید وہ مزید کچھ کہنے یا پیری سے کچھ سننے کا منتظر تھا۔

پیری نے پوچھا "کیا تمہیں وہ مکالمہ یاد ہے جو پیٹرز برگ میں ہمارے مابین ہوا تھا؟"

شہزادہ آندرے نے فوراً جواب دیا "ہاں مجھے یاد ہے۔ میں نے کہا تھا کہ جو عورت سیدھی راہ سے ہٹ جائے، اسے معاف کر دینا چاہئے مگر میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ میں بھی اسے معاف کر سکتا ہوں"

پیری بولا "مگر کیا اس بات کا اس سے موازنہ ہو سکتا ہے؟"

شہزادہ آندرے نے اس کی بات کاٹ دی اور تُرش روئی سے چلا کر کہا "ہاں، اس سے دوبارہ شادی کا کہوں، عالی ظرف بن جاؤں وغیرہ وغیرہ؟۔۔۔ ارے، یہ سب بہت اچھی باتیں ہیں مگر میں اس شخص کی راہ پر نہیں چل سکتا۔ اگر تم میرے دوست رہنا چاہتے ہو تو مجھ سے دوبارہ اس موضوع پر گفتگو مت کرنا۔۔۔ اس تمام معاملے پر۔ اچھا خدا حافظ! تو پھر تم اسے یہ دے دو گے نا؟"

پیری اس سے اجازت لے کر معمر شہزادے اور شہزادی ماریا کے پاس چلا گیا۔

بوڑھا معمول سے زیادہ خوش دکھائی دے رہا تھا۔ شہزادی ماریا پہلے جیسی تھی اور اس کی اپنے بھائی سے ہمدردی کے پیچھے منگنی ٹوٹنے کی خوشی پوشیدہ تھی۔ انہیں دیکھ کر پیری کو رستوف خاندان کے خلاف ان کی نفرت کا اندازہ ہوا اور اس نے محسوس کیا کہ ان کی موجودگی میں اس لڑکی کا نام لینا بھی ممکن نہیں جو دنیا میں کسی بھی شخص کی خاطر شہزادہ آندرے کو انکار کر سکتی ہے۔

کھانے پر وہ مستقبل قریب میں چھڑنے والی متوقع جنگ کے بارے میں بات چیت کرنے لگے۔ شہزادہ آندرے مسلسل بولے جا رہا تھا اور کبھی اپنے والد اور کبھی سوئس استاد ڈیسال سے بحث کرنے لگتا۔ وہ معمول سے زیادہ ہشاش بشاش دکھائی دے رہا تھا جس کی وجہ پیری کو اچھی طرح معلوم تھی۔

(22)

پیری اس شام شہزادہ آندرے کے حکم کی تعمیل کیلئے رستوف خاندان کے ہاں چلا گیا۔ نتاشا بستر میں تھی اور نواب کلب گیا ہوا تھا۔ پیری نے خطوط سونیا کے حوالے کئے اور خود ماریا متریونا کے پاس چلا گیا جو شہزادہ آندرے کا ردعمل جاننے کی خواہشمند تھی۔ دس منٹ بعد سونیا ماریا متریونا کے کمرے میں آئی اور کہنے لگی "نتاشا نواب پیٹر کریلچ سے ملنا چاہتی ہے"

ماریا متریونا نے کہا "ہم انہیں اس کے پاس کیسے لے جائیں؟ وہاں تو بے ترتیبی ہے"

سونیا نے جواب دیا "نہیں وہ لباس بدل کر ڈرائنگ روم میں بیٹھی ہے"

ماریا متریونا کندھے اچکا کر رہ گئی۔ وہ کہنے لگی "نجانے اس کی والدہ کب آئے گی۔ یہ تو مجھے بری طرح پریشان کر چکی ہے۔ ہاں، اسے سب کچھ نہ بتا دینا۔ اس کی حالت اتنی خراب ہے کہ ڈانٹنا ممکن نہیں رہا"

نتاشا ڈرائنگ روم کے وسط میں کھڑی تھی اور اس کا چہرہ زرد اور کمزور دکھائی دے رہا تھا (پیری کی توقع کے برعکس اس پر شرمندگی کے کوئی آثار نہ تھے) جب پیری دروازے میں آیا تو وہ ہچکچائی، یوں لگتا تھا جیسے وہ فیصلہ نہیں کر پا رہی کہ پیری کا استقبال کرے یا وہیں کھڑی رہے۔

پیری تیزی سے اس کی جانب بڑھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ معمول کے مطابق اس کی جانب اپنا ہاتھ بڑھائے گی مگر وہ اس کے قریب آ کر رک گئی، اس کا سانس تیزی سے چل رہا تھا اور بازو بالکل اسی طرح بے جان انداز میں پہلوؤں پر لٹک رہے تھے جس طرح وہ گانے کیلئے کمرے میں وسط میں کھڑے ہو کر لٹکاتی تھی، تاہم اب اس کے چہرے

پر قطعی مختلف تاثرات ہویدا تھے۔

اس نے تیزی سے کہا "پیئر کریلچ شہزادہ بلکونسکی آپ کے دوست تھے۔۔۔وہ آپ کے دوست ہیں" اس نے اپنی بات درست کی (یوں لگتا تھا جیسے وہ ہر بات کو قصہ ماضی سمجھ رہی ہے اور اب سب کچھ بدل چکا ہے) انہوں نے مجھے آپ سے رجوع کرنے کو کہا تھا۔۔۔"

پیری نے اسے دیکھا تو اس کیلئے بولنا محال ہو گیا۔ وہ اب تک اسے دل ہی دل میں برا بھلا کہتا رہا اور اس سے نفرت کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا مگر اب اسے اس پر اتنا رحم آ رہا تھا کہ مزید برا بھلا کہنے کی گنجائش نہ رہی تھی۔

نتاشا نے کہا "اب وہ یہاں ہیں، انہیں بتا دیں۔۔۔کہ۔۔۔مجھے معاف کر دیں" اس نے کچھ توقف کیا اور تیزی سے سانس لینے لگی تاہم اس کے آنسو نہیں نکلے تھے۔

پیری نے کہا "ہاں۔۔۔میں انہیں بتا دوں گا مگر۔۔۔" اسے سمجھ نہ آئی کہ کیا کہا جائے۔

بظاہر نتاشا یہ سوچ کر پریشان ہو رہی تھی کہ نجانے پیری کیا سمجھ رہا ہو گا۔

وہ فوراً بولی "نہیں، مجھے علم ہے کہ اب سب کچھ ختم ہو چکا ہے۔ نہیں، یہ نہیں ہو سکتا۔ مگر میں نے ان سے جو کچھ کیا اس پر بیحد اذیت میں مبتلا ہوں۔ انہیں صرف یہ بتا دیں کہ میں ان سے معافی کی بھیک مانگتی ہوں، معاف کر دیں، مجھے ہر بات معاف کر دیں۔۔۔" اس کا سارا جسم کانپنے لگا اور وہ کرسی پر بیٹھ گئی۔

پیری کے وجود میں رحم کا ایسا جذبہ سرایت کر گیا جس سے وہ پہلے آشنا نہ تھا۔

پیری نے کہا "میں اسے بتا دوں گا، میں اسے ہر بات ایک مرتبہ پھر بتا دوں گا مگر میں ایک بات جاننا چاہتا ہوں۔۔۔"

نتاشا کی آنکھیں کہہ رہی تھیں "کونسی بات؟"

پیری نے کہا "میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آیا تمہیں محبت۔۔۔" پیری کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اناطول کو کیا کہے۔ اس کا خیال آتے ہی وہ سرخ ہو گیا اور پھر کہا "کیا تمہیں اسے برے شخص سے محبت ہو گئی تھی؟"

نتاشا بولی "اسے برا مت کہیں مگر میں نہیں۔۔۔جانتی، میں نہیں جانتی۔۔۔" اس نے دوبارہ رونا شروع کر دیا اور پیری کے دل میں رحم، شفقت اور پیار کے جذبات پہلے سے زیادہ شدت سے ابھرنے لگے۔ اس نے محسوس کیا کہ اس کی عینک کے نیچے آنسوؤں کے قطرے بہہ رہے ہیں اور دعا کی کہ یہ اسے نظر نہ آئیں۔

وہ نتاشا سے کہنے لگا "میری عزیزہ! اب ہم اس موضوع پر مزید بات نہیں کریں گے" نتاشا کو اچانک اس کی پرخلوص، دھیمی اور نرم آواز بیحد عجیب محسوس ہوئی۔ پیری نے مزید کہا "ہم اس پر بات نہیں کریں گے۔ میں اسے سب کچھ بتا دوں گا۔ مگر میں تم سے ایک درخواست کرتا ہوں کہ مجھے اپنا دوست سمجھو اور اگر تمہیں مدد اور مشورے کی ضرورت ہو یا تم محض اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہو تو میرے بارے میں سوچنا، مگر ابھی نہیں بلکہ اس وقت جب معاملات واضح ہو جائیں گے" اس نے نتاشا کا ہاتھ تھاما اور اسے چوم لیا۔ پیری نے کہا "مجھے خوشی ہو گی کہ میں تمہارے کسی۔۔۔" پیری الجھ گیا۔

نتاشا چلا کر بولی "مجھ سے ایسی باتیں مت کریں۔ میں اس قابل نہیں ہوں" یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر جانے لگی مگر پیری نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ جانتا تھا کہ اسے مزید کچھ کہنا ہے، مگر جب وہ بولا تو اپنے الفاظ پر خود ہی حیران رہ گیا۔

اس نے کہا "ارے، ارے، ابھی تو تمہارے سامنے پوری زندگی پڑی ہے"

نتاشا نے کہا "میرے سامنے! نہیں! میرے لیے سب کچھ ختم ہو گیا" اس کے لہجے میں شرمندگی اور خواری تھی۔

پیری نے اس کی بات دہرائی "سب ختم ہو گیا؟ اگر میں دنیا کا وجیہ ترین، عقلمند ترین اور بہترین شخص ہوتا، اور اگر میری شادی نہ ہو چکی ہوتی تو میں اسی وقت گھٹنوں کے بل جھک کر تم سے شادی کی درخواست کر دیتا"

کئی روز بعد پہلی مرتبہ نتاشا کی آنکھوں سے تشکر اور نرم جذبات کے آنسو نکل آئے اور وہ پیری کی جانب دیکھ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

پیری تقریباً بھاگتا ہوا اس کے پیچھے چل دیا وہ ان آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کر رہا تھا جو خوشی اور ملائمت کے مظہر تھے۔ اس نے اپنا کوٹ کندھے پر ڈالا اور بازو کھلے چھوڑ کر اپنی برف گاڑی میں بیٹھ گیا

کوچوان نے پوچھا "جناب عالی! اب کہاں جانا ہے؟"

پیری نے اپنے آپ سے سوال کیا "کہاں؟ میں اب کہاں جا سکتا ہوں؟ کلب اور لوگوں کے ہاں بھی نہیں" اسے اپنے دل میں شفقت اور پیار کے جو جذبات محسوس ہوئے تھے اور اس نے آخری مرتبہ آنسوؤں کے بیچ پیری کو تشکر اور نرمی کی جس نگاہ سے دیکھا تھا اس کے مقابلے میں اسے تمام انسان نہایت قابل رحم اور بدقسمت لگ رہے تھے۔

پیری نے ریچھ کی کھال والے اپنے کوٹ کے بٹن کھولے اور قلفی جما دینے والی سردی میں خوشی سے سانس لیتے ہوئے کہا "گھر چلو"

مطلع صاف تھا اور برفباری جاری تھی۔ غلیظ اور آدھی تاریک گلیوں اور کالی چھتوں کے اوپر تاروں بھرا سیاہ آسمان پھیلا ہوا تھا۔ پیری آسمان کی طرف دیکھ کر ہی اپنی روح کی بلندی کے مقابلے میں زمینی چیزوں کا گھٹیا پن بھول گیا۔ جب وہ آرباتسکی چوک میں پہنچا تو ستاروں سے بھرا آسمان کی لامحدود وسعت اس کی آنکھوں کے سامنے پھیل گئی۔ اس کے وسط میں پر چستنسکی شاہراہ کے اوپر ستاروں کے درمیان 1812 کا چمکدار اور عظیم دمدار ستارہ جگمگا رہا تھا جو اپنی سفید روشنی اور اوپر کو اٹھی طویل دم کی بدولت دیگر ستاروں کی نسبت زمین سے کہیں زیادہ قریب دکھائی پڑتا تھا۔ کہا جاتا تھا کہ یہ دمدار ستارہ مصائب اور دنیا کے خاتمے کی نشانی ہے۔ مگر اس روشن اور لمبی دم والے ستارے نے خوف کے کوئی اثرات پیدا نہ کئے۔ اس کے برعکس پیری نے ستارے کو خوشی سے دیکھا اور اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھیگ گئیں، یہ روشن دمدار ستارہ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے لامحدود خلا میں ناقابل یقین رفتار سے سفر کے بعد آسمان میں اپنی مقررہ جگہ پر گڑا ہوا ہو جیسے تیر زمین میں کھبا ہوتا ہے اور بے شمار چمکتے ستاروں میں اپنی دم اوپر اٹھائے سفید روشنی بکھیر رہا تھا۔ پیری کو یہ ستارہ اپنی نرم اور بلندیوں کی جانب مائل پرواز دل سے بالکل ہم آہنگ ہے جو نئی زندگی کی قوت حاصل کر چکا تھا۔

☆☆☆☆☆

نواں حصہ

(1)

1811ء کے آخر میں مغربی یورپ اپنی فوجوں کو جنگ کیلئے تیار کرنے میں مصروف ہو گیا اور 1812ء میں یہ افواج مغرب سے مشرق کی جانب روسی سرحد کی طرف بڑھنے لگیں جن میں نقل وحمل کے انتظامات اور رسد فراہم کرنے والے لاکھوں لوگ بھی شامل تھے۔ روسیوں نے بھی 1811ء میں اپنی فوج سرحد پر پہنچانا شروع کر دی۔

12 جون کو مغربی یورپ کی فوجوں نے سرحد عبور کی اور جنگ شروع ہو گئی۔ یہ واقعہ تمام انسانی وجوہات اور فطرت کیخلاف تھا۔ لاکھوں انسانوں نے ایک دوسرے کیخلاف اسقدر وسیع پیمانے پر جرائم۔۔ دھوکہ دہی، ڈکیتی، جعلسازی، جعلی رقومات کی تیاری، لوٹ مار، آتشزنی اور قتل وغارت۔۔ کا ارتکاب کیا کہ ان کی تعداد دنیا کی تمام عدالتوں میں پیش ہونیوالے مقدمات سے زیادہ تھی، تاہم ان جرائم میں ملوث افراد اس وقت انہیں جرائم ہی نہ سمجھتے تھے۔

ایسا غیر معمولی وقوعہ کیونکر رونما ہوا؟ اس کی کیا وجوہات تھیں؟ سادہ لوح مورخ ہمیں پورے یقین سے بتلاتے ہیں کہ اس واقعے کی وجوہات اولڈنبرگ کے نواب کی تذلیل، براعظمی نظام قائم رکھنے میں ناکامی، نپولین کی خواہشات، الیگزنڈر کا غیر لچکدار رویہ اور سفارتکاروں کی غلطیاں وغیرہ تھیں۔

ان کے خیال میں اگر صرف میٹرنخ، رومیانتسیف یا ٹالیرانڈ دربار اور ضیافتوں کے درمیانی وقفوں میں تھوڑی سی تکلیف کر کے اچھے سفارتی خطوط لکھ دیتے یا پھر محض نپولین ہی الیگزنڈر کو یہ لکھ دیتا کہ "میں نواب آف اولڈنبرگ کو بحال کرتا ہوں" تو جنگ نہ ہوتی۔

اس زمانے کے لوگوں کا یہ خیال تھا تو یہ بات ہم سمجھ سکتے ہیں۔ ہمیں یہ سمجھ آ سکتی ہے کہ نپولین کا خیال تھا کہ انگلستان کی سازشیں جنگ کا باعث بنیں (جیسا کہ اس نے سینٹ ہیلینا میں بھی کہا تھا) ہم سمجھ سکتے ہیں کہ انگلستانی دارالعوام کا خیال تھا کہ نپولین کی خواہش جنگ کا باعث بنی، اولڈنبرگ کا نواب سمجھتا تھا کہ جنگ اس کے ساتھ ہونیوالی زیادتی کے باعث پیش آئی۔ تاجر طبقے کی رائے تھی کہ جنگ براعظمی نظام کے باعث چھڑی جو یورپ کو تباہ کر رہا تھا۔ بوڑھے سپاہیوں اور جرنیلوں کے خیال میں جنگ اس لیے ہوئی کہ انہیں متحرک ہونے کی ضرورت تھی۔ اس عہد کے سفارتکار یہ سمجھتے تھے کہ 1809ء میں روس اور آسٹریا کے مابین معاہدے کو نپولین سے نہ چھپایا جا سکا اور معاہدے کے میمورنڈم نمبر 178 کو اچھے انداز میں تحریر نہ کیا جا سکا۔ ہم ایسی بے شمار وجوہات کو سمجھ سکتے ہیں جو اس زمانے کے لوگوں کے اذہان میں آتی تھیں اور ان لوگوں کا یوں سوچنا فطری تھا اور ہم یہ بھی سمجھ سکتے ہیں کہ وہ ایسا کیوں سوچتے تھے۔ مگر جہاں تک ہمارا یعنی ان سے بعد میں آنیوالوں کا تعلق ہے تو ہم ایک ایسی حقیقت کا اس کی تمام تر وسعتوں سمیت جائزہ لیتے ہیں جو اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہے تو ہمیں یہ وجوہات ناکافی معلوم ہوتی ہیں۔ ہمیں یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ

لاکھوں عیسائیوں نے ایک دوسرے کو اس لیے قتل کیا اور ایذائیں دیں کہ نپولین ایسا چاہتا تھا، الیگزنڈر کے رویے میں لچک نہ تھی، انگلستان کی پالیسی عیارانہ تھی یا اولڈنبرگ کے نواب سے زیادتی ہوئی۔ ہمیں ان حالات اور عام قتل وغارت کی اصل حقیقت کے مابین تعلق کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ اگر نواب کے ساتھ ظلم ہوا تو یورپ کی دوسری جانب موجود لوگوں نے ماسکو اور سمولنسک کو کیوں تباہ وبرباد کیا، ان کا قتل عام کیا اور ان کے ہاتھوں بھی قتل ہو گئے۔

ہم لوگ جو ان کے بعد دنیا میں آئے ہیں، جو تاریخ دان بھی نہیں ہیں اور تحقیق کے عمل میں جلد بازی دکھاتے ہیں نہ احمقانہ نتائج پر پہنچتے ہیں، اس وقوعہ کا عام سوجھ بوجھ سے جائزہ لے سکتے ہیں جو کسی الجھن کا شکار نہیں ہوتی۔ اس طرح ہم جنگ کے ان بے شمار اسباب کو دریافت کر سکتے ہیں۔ ہم جتنی گہرائی میں جا کر ان وجوہات کو تلاش کریں گے یہ اتنی ہی زیادہ تعداد میں ہمارے ہاتھ آئیں گی اور ہر وجہ یا مختلف وجوہات کا سلسلہ ہمیں جس طرح درست دکھائی دیتا ہے، بالکل اسی طرح اگر اسے وقوعہ کے پھیلاؤ کو مدنظر رکھ کر دیکھا جائے تو اتنا ہی غلط دکھائی دینے لگتا ہے (بشرطیکہ اسے ملحقہ وجوہات سے نہ ملایا جائے) اور کسی واقعہ کو ظہور میں لانے کی صلاحیت سے محروم دکھائی دیتا ہے۔ ہمارے خیال میں اس واقعہ کے ظہور پذیر ہونے کیلئے جس طرح نپولین کا وسٹولا سے فوجیں واپس بلانے اور اولڈنبرگ کو بحال کرنے سے انکار اہمیت کا حامل ہے اسی طرح ایک فرانسیسی کارپورل کا دوسری مہم کیلئے خدمات انجام دینے پر رضامندی یا انکار بھی اتنا ہی اہم تھا، کیونکہ اگر وہ، تین یا ہزار کارپورل اور سپاہی بھی خدمات انجام دینے سے انکار کر دیتے تو نپولین کی فوج میں اتنی کمی ضرور ہو جاتی کہ جنگ ٹل سکتی تھی۔

اگر نپولین اپنی فوجیں وسٹولا کے پار لے جانے پر ناراض نہ ہوتا اور اپنی فوج کو آگے بڑھنے کا حکم نہ دیتا تو جنگ نہ ہوتی۔ اگر اس کے تمام سارجنٹ دوسری جنگی مہم میں شرکت سے انکار کر دیتے تو بھی جنگ نہیں ہو سکتی تھی۔

اگر انگلستان سازشیں نہ کرتا، اولڈنبرگ کا نواب نہ ہوتا، الیگزنڈر اپنی توہین محسوس نہ کرتا، روس میں غیر جمہوری حکومت نہ ہوتی، فرانس میں انقلاب نہ آتا اور اپنے ساتھ آمریت اور بادشاہت نہ لاتا یا پھر اس انقلاب کی وجہ بننے والے امور موجود نہ ہوتے تو پھر بھی جنگ نہیں ہو سکتی تھی۔ یہ تمام وجوہات۔۔ ڈھیروں وجوہات۔۔ ایک ہی وقت میں پیدا ہوئیں اور وقوعہ کا باعث بنیں۔ لہذا کسی ایک بات کو جنگ کی واحد وجہ قرار نہیں دیا جا سکتا بلکہ یہ اس لیے ہوئی کہ اسے ہونا تھا۔ لاکھوں انسانوں نے اپنے انسانی جذبات اور عقل و ہوش سے لاپرواہ ہو کر بالکل اسی طرح اپنے بھائیوں کو قتل کرنے مغرب سے مشرق کی جانب آنا تھا جیسے چند سو سال قبل انسانوں کے گروہ اپنے بھائیوں کو ذبح کرنے کے لئے مشرق سے مغرب کی جانب آئے تھے۔

بظاہر نپولین اور الیگزنڈر کے احکامات پر جنگ وقوع پذیر ہونے یا نہ ہونے کا دارومدار تھا مگر ان دونوں کے افعال بھی ان کی مرضی کے تابع نہ تھے بعینہ جس طرح جبری طور پر یا قرعہ اندازی کے ذریعے بھرتی ہونیوالے سپاہی کو اپنے اعمال پر اختیار نہ تھا۔ حالات کا اس سے مختلف ہونا بھی ممکن نہ تھا کیونکہ نپولین اور الیگزنڈر (جن پر تمام فیصلوں کا دارومدار تھا) کی خواہشات کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے لاتعداد دیگر واقعات کا اسی وقت رونما ہونا ضروری تھا۔ ان میں اسے ایک بھی واقعہ پیش نہ آتا تو جنگ نہ ہوتی۔ ان لاکھوں انسانوں یعنی توپیں چلانے والے اور سامان رسد پہنچانے پر مامور فوجیوں کا لاتعداد گنجلک وجوہات کی بنا پر اس کام پر رضامند ہو جانا ضروری تھا اور انہی کے ہاتھوں میں اصل طاقت تھی جو ان کمزور افراد کی خواہش کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا موجب بنے۔

غیر عقلی تاریخی واقعات (ایسے واقعات جن کی بظاہر کوئی وجہ بیان نہ کی جا سکتی ہو) کی وضاحت کیلئے ہمیں

بہر حال نظریہ جبر کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ ہم ایسے واقعات کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کی جس قدر کوشش کرتے ہیں یہ ہمیں اتنے ہی زیادہ نا قابل فہم محسوس ہوتے ہیں۔ ہر شخص اپنے لیے زندگی گزارتا ہے اور اپنی آزادی سے کام لیتا ہے اور اپنے تمام وجود میں محسوس کرتا ہے کہ وہ کوئی کام کس وقت پر کر سکتا ہے تاہم جونہی وہ مطلوبہ کام کر لیتا ہے تو اس پر اس کا اختیار ختم ہو جاتا ہے اور وہ اسے منسوخ نہیں کر سکتا بلکہ یہ تاریخ کا حصہ بن جاتا ہے اور تاریخ میں اس کی حیثیت آزادی بجائے پہلے سے طے شدہ ہوتی ہے۔

ہر شخص کی زندگی کے دو پہلو ہیں، پہلا پہلو نجی زندگی ہے اور اس زندگی کے کاموں میں دوسروں کی شرکت جتنی کم ہوگی یہ اتنی ہی آزاد سمجھی جائے گی۔ دوسری زندگی مشترکہ ہے جس میں ایک شخص مختلف انسانوں کے مابین رہتا ہے اور وضع کردہ قوانین پر عمل پر مجبور ہوتا ہے۔

شعوری اعتبار سے ہر انسان اپنے لیے زندگی بسر کرتا ہے مگر غیر شعوری طور پر وہ نوع انسانی کے تاریخی اور معاشرتی مقاصد کی تکمیل کیلئے آلہ کار کے طور پر کام کر رہا ہوتا ہے۔ جو کام ہو جائے وہ منسوخ نہیں ہو سکتا اور وہ کام جو دیگر لاکھوں انسانوں کے ساتھ مل کر کیا جائے وہ تاریخی اہمیت کا حامل ہو جاتا ہے۔ انسان سماجی طور پر جتنا بلند ہو جائے اس کے دیگر انسانوں سے تعلقات اتنے ہی وسیع ہو جاتے ہیں اور اسے ان پر جتنا زیادہ اختیار حاصل ہو جائے، اس کے اعمال کا وجود میں آنا اتنا ہی یقینی ہو جاتا ہے "بادشاہوں کے دل خدا کی مٹھی میں ہوتے ہیں، بادشاہ تاریخ کا غلام ہوتا ہے"

نوع انسانی کی غیر شعوری عالمگیر اجتماعی زندگی بادشاہوں کی زندگی کے ایک ایک لمحے کو اپنے مقاصد کیلئے استعمال کرتی ہے اور اسی کو تاریخ کہتے ہیں۔

اگرچہ 1812ء میں نپولین کو پہلے سے کہیں زیادہ یقین ہو چکا تھا کہ اپنے لوگوں کا قتل عام کرنا یا نہ کرنا اس کی اپنی مرضی پر منحصر ہے (جیسا کہ الیگزنڈر نے اس کے نام اپنے آخری خط میں لکھا تھا) اور وہ اس وقت قدرت کے اٹل قوانین کے جس قدر تابع تھا، اتنا پہلے کبھی نہ تھا۔ یہ قوانین اسے دنیا اور تاریخ کیلئے انہی کچھ کرنے پر مجبور کر رہے تھے جن کا ہونا پہلے سے طے تھا (وہ خود یہ سمجھ رہا تھا کہ وہ تمام کام اپنی مرضی سے کر رہا ہے)

مغرب کے لوگ قتل و غارت کیلئے مشرق کی جانب بڑھنے لگے۔ بعض اوقات یوں ہوتا ہے کہ مختلف واقعات اتفاقاً بیک وقت وقوع پذیر ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ سواسی اصول کے مطابق بے شمار چھوٹے بڑے اسباب سامنے آنے اور ایک دوسرے سے جڑنے لگیں جن میں براعظمی نظام کی پابندی نہ کیے جانے کی مذمت، اولڈنبرگ کے نواب سے ہونے والی زیادتی، پرشیا میں فوجوں کی نقل و حرکت، جو نپولین کے خیال میں طاقت کے بل بوتے پر امن قائم کرنے کیلئے ہو رہی تھی، فرانسیسی شہنشاہ کی جنگ سے رغبت، جو اس کے قومی رجحانات کی آئینہ دار تھی، جنگی تیاریوں پر اٹھنے والا خرچ اور اس کی تلافی کی کیلئے فوائد کے حصول کی ضرورت، ڈریسڈن میں فرانسیسی شہنشاہ کو ملنے والے اعزازات کے اثرات، سفارتی مذاکرات اور ایسے دیگر متعدد واقعات شامل تھے۔ یہ تمام اسباب اس واقعے سے ہم آہنگ ہونے لگے اور بالکل اسی دور میں سامنے آئے جب یہ واقعہ پیش آنے والا تھا۔

سیب پک کر نیچے کیوں گرتا ہے؟ کیا ایسا کشش ثقل کی وجہ سے ہوتا ہے یا وہ جس تنے سے جڑا ہوتا ہے وہ مرجھا جاتا ہے؟ یا پھر اس کا وزن زیادہ ہو جاتا ہے جو شاخ سے برداشت نہیں ہو پاتا یا درخت تلے کھڑا لڑکا اسے کھانا چاہتا ہے جو اس کے نیچے گرنے کا سبب بنتا ہے؟

ان میں سے کوئی وجہ نہیں ہوتی۔ یہ تمام وجوہات باہم مل کر وہ حالات پیدا کرتی ہیں جن کے تحت زندگی پرپھلی

ہر نامیاتی فعل وقوع پذیر ہوتا ہے، اور ماہر نباتیات جو یہ جاننے کی کوشش کرتا ہے کہ سیب کے خلیے گل سڑ گئے جس کی بنا پر وہ نیچے گر گیا، اس کا نقطہ نظر اتنا ہی درست یا غلط ہوتا ہے جتنا کہ درخت کے نیچے لڑکے کا یہ نقطہ نظر کہ سیب اس لیے نیچے گرا کیونکہ وہ اسے کھانا چاہتا تھا بعینہ وہ تاریخ دان جو یہ کہتا ہے کہ نپولین اس لیے ماسکو گیا کیونکہ وہ وہاں جانا چاہتا تھا اور اس لیے تباہی سے دوچار ہوا کیونکہ الیگزنڈر ایسا چاہتا تھا، کا نقطہ نظر اتنا ہی درست یا غلط ہے جتنا یہ کہ کھوکھلی بنیادوں والا لاکھوں ٹن وزنی پہاڑ اس لیے گرا کہ اس پر لگائی جانیوالی آخری ضرب کارگر تھی۔ تاریخی اہمیت کے حامل واقعات میں نام نہاد عظیم لوگ محض ٹھپے ہوتے ہیں اور ان سے واقعے کو صرف نام ملتا ہے اور ٹھپے کی طرح ان کا اس واقعے سے تعلق بھی سطحی نوعیت کا ہوتا ہے۔

ان کا ہر کام جو انہیں اپنے آزاد ارادے کا شاخسانہ معلوم ہوتا ہے، تاریخی اعتبار سے بالکل آزاد نہیں ہوتا بلکہ وہ تاریخ کی پوری لڑی سے منسلک ہوتا ہے اور روز اول سے اس کا وقوع پذیر ہونا طے کیا جا چکا ہوتا ہے۔

(2)

29 مئی کو نپولین ڈریسڈن سے روانہ ہو گیا۔ یہاں اس نے تین ہفتے درباریوں کے درمیان گزارے جن میں شہزادے، نواب، بادشاہ بلکہ ایک شہنشاہ بھی شامل تھا۔ روانہ ہونے سے پہلے اس نے شہنشاہ سمیت ان بادشاہوں اور شہزادیوں پر بے پایاں نوازشات کیں جنہیں وہ اپنے حسن سلوک کا مستحق سمجھتا تھا، تاہم جن بادشاہوں اور شہزادوں سے وہ مطمئن نہ تھا ان کی سرزنش بھی کی۔ اس نے آسٹریا کی ملکہ کو وہ زر و جواہرات پیش کیے جو اس نے دوسرے بادشاہوں سے حاصل کیے تھے۔ وہ محبت اور شفقت سے ملکہ میری لوسی سے بغلگیر ہوا جو پیرس میں نپولین کی ایک بیوی موجود ہونے کے باوجود خود کو اس کی اہلیہ سمجھتی تھی۔ وہ اسے روتا چھوڑ کر سفر پر روانہ ہو گیا۔ اس کے مورخین بیان کرتے ہیں کہ ملکہ کیلئے یہ جدائی برداشت کرنا نہایت مشکل کام تھا۔ اگرچہ سفارتکاروں کو جنگ نہ ہونے کا پختہ یقین تھا اور وہ امن کیلئے جوش و جذبے سے کام کر رہے تھے، اس کے ساتھ ساتھ اگرچہ شہنشاہ نپولین نے الیگزنڈر کو خود ایک خط لکھا تھا جس میں اس نے "میرے بھائی" کہہ کر مخاطب کیا اور یقین دلایا کہ وہ جنگ نہیں چاہتا اور ہمیشہ اس سے محبت اور احترام کے ساتھ پیش آتا رہے گا، تاہم ان تمام باتوں کے باوجود اس نے سفر کی تیاریاں کیں اور اپنی فوج سے ملنے روانہ ہو گیا۔ وہ ہر جائے قیام پر تازہ حکم جاری کرتا رہا کہ فوجوں کو مغرب سے مشرق کی طرف پہنچانے کا کام تیز کر دیا جائے۔ وہ خود چھ گھوڑوں والی ایک بند گاڑی میں پوسن، تھورن، ڈانزگ اور کونگزبرگ کے راستے پر اپنے خدمتگاروں، ایجوٹنٹوں اور ایک حفاظتی دستے کی معیت میں سفر کرتا رہا اور ان تمام قصبات اور شہروں کے ہزاروں باشندوں نے اس کا خوف کے عالم میں استقبال کیا۔

فوج مغرب سے مشرق کی جانب جا رہی تھی اور وہ خود بھی اسی جانب عازم سفر تھا۔ وہ مختلف چوکیوں پر اپنی گاڑی کے تمام گھوڑے بدلتا رہا۔ 10 جون کو وہ فوج سے جا ملا۔ اس کے ٹھہرنے کے لئے ولکووک جنگل میں ایک پولش نواب کی جاگیر پر بندوبست کیا گیا تھا اور اس نے رات وہیں گزاری۔

اگلے دن نپولین فوج سے آگے نکل کر نایمن پر پہنچ گیا۔ اس نے دریا پار کرنے کیلئے مناسب جگہ منتخب کرنے سے قبل اپنی وردی اتار کر پولینڈ کی فوج کی وردی زیب تن کر لی۔

جب اس نے دوسرے کنارے پر تعینات قازق دیکھے اور اس کی نظر گھاس کے وسیع میدانوں پر پڑی جن

کے درمیان میں بہت دور ماسکو کا مقدس شہر آباد تھا تو نپولین نے فوجی حکمت عملی کے اصولوں کے خلاف فوری آگے بڑھنے کا حکم دے دیا جس سے سفارتکار حیرت زدہ رہ گئے اور اگلے دن اس کی فوجیں دریائے نایمن عبور کرنے لگیں۔

12 جون کو علی الصبح وہ اپنے خیمے سے باہر آیا جو اس روز دریائے نایمن کے بائیں کنارے سیدھی ڈھلان پر لگایا گیا تھا، اور دوربین کی مدد سے اپنی فوج کو ولکووک جنگل سے نکلتے اور عارضی طور پر بنائے جانیوالے تین پلوں کی مدد سے دریا پار کرتے دیکھنے لگا۔ فوجی جوان شہنشاہ کی موجودگی سے آگاہ تھے۔ وہ اسے ایک نظر دیکھنے کی خواہش رکھتے تھے ۔ جب انہوں نے پہاڑی پر خیمے کے سامنے ایجوٹنوں اور عملے کے دیگر ارکان سے الگ کوٹ اور ٹوپی پہنے ایک شخص کو کھڑے دیکھا تو اپنی ٹوپیاں فضا میں اچھال کر "شہنشاہ زندہ باد" کے نعرے بلند کرنے لگے۔ وہ باترتیب انداز میں ایک ایک کر کے جنگل سے باہر نکل آئے، ان کی صفوں میں صرف اسی وقت بگاڑ پیدا ہوتا تھا جب وہ دریا پار کرنے کیلئے تینوں پلوں کے قریب پہنچتے تھے۔ فوجیوں کے ہجوم سے کچھ ایسی آوازیں بلند ہو رہی تھیں "اب ہم کامیاب ہوں گے! جب وہ خود کسی کام کا بیڑا اٹھاتے ہیں تو پھر کامیابی ہر صورت ملتی ہے!۔۔۔ خدا کی قسم!۔۔۔ وہ ہیں!۔۔۔ شہنشاہ زندہ باد، اچھا تو یہ ہیں ایشیاء کے گھاس کے میدان! بہت گندا ملک ہے، خدا حافظ! خدا تمہاری مدد کرے!۔۔۔ میں تمہارے لیے ماسکو کا بہترین محل حاصل کروں گا! خدا حافظ، خدا تمہاری مدد کرے! ۔۔۔ تم نے شہنشاہ کو دیکھا؟ شہنشاہ زندہ باد! گیرارڈ! اگر انہوں نے مجھے ہندوستان کا گورنر بنا دیا تو میں تمہیں کشمیر کا وزیر مقرر کر دوں گا۔۔۔ میرا وعدہ ہے، شہنشاہ زندہ باد، ہرا، ہرا۔۔۔ ان بدمعاش قازقوں کو دیکھو، کیسے بھاگے چلے جا رہے ہیں! شہنشاہ زندہ باد، ارے وہ ہیں، ادھر، دیکھا؟ میں نے انہیں دو بار دیکھا ہے، بالکل ایسے ہی جیسے تمہیں دیکھ رہا ہوں، میں نے انہیں اپنے ایک پرانے ساتھی کو صلیب دیتے دیکھا ہے۔۔۔ شہنشاہ زندہ باد!" جس مہم کا مدتوں سے انتظار تھا اس کے آغاز پر تمام چہرے یکساں خوشی سے کھلے ہوئے تھے اور پہاڑی پر سرمئی کوٹ پہنے کھڑے شخص کے بارے میں گرمجوشی اور محبت کا مظاہرہ کیا جا رہا تھا۔

13 جون کو نپولین ایک پستہ قد عربی گھوڑے پر سوار ہو کر نایمن کے ایک پل کی جانب چل دیا۔ اس دوران کان پھاڑ دینے والے وجد انگیز نعرے لگائے جاتے رہے۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ ان محبت آمیز نعروں کو اسی لیے برداشت کر رہا ہے کہ سپاہیوں کو اس سے روکنا ممکن نہیں تھا۔ تاہم وہ جہاں بھی جاتا یہ شور اس کا پیچھا کرتا جس سے وہ تھک جاتا تھا اور اس کی توجہ فوجی امور سے ہٹنے لگتی تھی۔ وہ فوج میں بھرتی کے دن سے ان مسائل پر سوچ و بچار کرتا چلا آیا تھا۔ وہ کشتیوں سے بنے جھولتے پل کے پار پہنچا اور تیزی سے بائیں جانب مڑ کر اپنا گھوڑا کوونو گاؤں کی جانب بھگانے لگا۔ بارس گارڈز کے پرجوش اور تیز رفتار جوان اس سے آگے آگے جا رہے تھے۔ وہ خوشی سے نہال ہو رہے تھے اور اس سے آگے آگے بھاگتے ہوئے فوج کے درمیان سے راستہ بنا رہے تھے۔ چوڑے پاٹ والے دریائے نایمن کے قریب پولینڈ کی رجمنٹ کے پاس پہنچ کر اس نے گھوڑے کی لگام میں کھینچ لیں۔

پولش فوجیوں نے زوردار نعرہ لگایا "شہنشاہ زندہ باد!" ان کی صفیں بگڑ گئیں اور وہ اسے دیکھنے کیلئے دھکم پیل کرنے لگے۔ نپولین نے گھوڑے سے اتر کر دریا کا جائزہ لیا اور کنارے پر پڑی ایک لکڑی پر بیٹھ گیا۔ خاموش اشارے پر اسے ایک دوربین تھما دی گئی اور اس نے اسے خوشی سے سرشار ایک خدمتگار کی پشت پر رکھ دیا۔ اس نے دریا کے دوسرے کنارے کا اچھی طرح جائزہ لیا اور پھر ایک نقشے کو دیکھنے لگا جسے چند شہتیروں پر پھیلا دیا گیا تھا۔ اس نے سر اٹھائے بغیر کچھ کہا اور اس کے دو ایجوٹنٹ تیزی سے پولینڈ کی رجمنٹ کی جانب چل دیے۔

ایجوٹنٹ پولش رجمنٹ کے قریب پہنچے تو وہاں ایسی آوازیں سنائی دینے لگیں "کیا؟ انہوں نے کیا کہا؟" حکم

یہ تھا کہ وہ دریا کو پیدل پار کرنے کا راستہ تلاش کریں اور دوسرے کنارے پر چلے جائیں پولش فوجیوں کے خوبصورت ادھیڑ عمر کرنل کا چہرہ جوش سے سرخ ہو رہا تھا، اس نے ایجوٹنٹ سے پوچھا "کیا ہمیں پیدل گزرنے کا راستہ تلاش کرنے کی بجائے تیر کر دریا عبور کرنے کی اجازت مل سکتی ہے؟" اسے یہ خوف لاحق تھا کہ کہیں انکار ہی نہ کر دیا جائے چنانچہ اس نے التجائیہ انداز میں کہا کہ اسے شہنشاہ کی نظروں کے سامنے تیر کر دریا پار کرنے کی اجازت دی جائے۔ اس کا انداز یوں تھا جیسے کوئی لڑکا گھوڑے پر سوار ہونے کی درخواست کر رہا ہو۔ ایجوٹنٹ نے جواب دیا "شہنشاہ ایسا جوش و خروش پسند نہیں کریں گے"

ایجوٹنٹ نے یہ بات کہی ہی تھی کہ مونچھوں والے بوڑھے افسر نے اپنی تلوار فضا میں لہرائی اور "زندہ باد" کا نعرہ لگاتے ہوئے اپنے سپاہیوں کو پیچھے آنے کا حکم دے کر تیزی سے دریا کی جانب بڑھا۔ اس نے گھوڑے کو زوردار ٹھوکا دیا اور دریا میں چھلانگ لگا دی۔ وہ سیدھا اس جانب جا رہا تھا جہاں پانی کی گہرائی اور موجوں کا زور سب سے زیادہ تھا۔ سینکڑوں سوار اس کے پیچھے پیچھے آ گئے۔ تیز موجوں کے درمیان پانی بیحد سرد تھا اور وہاں جانا خطرے سے خالی نہ تھا۔ سوار گھوڑوں سے نیچے گرنے اور ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑنے لگے۔ چند افراد گھوڑوں سمیت ڈوب گئے اور بقیہ دوسرے کنارے تک پہنچنے کیلئے ہاتھ پاؤں مارنے لگے۔ کوئی تیر رہا تھا، کسی نے زین اور کسی نے گھوڑے کے ایالوں کا سہارا لے رکھا تھا۔ اگرچہ دریا کا دوسرا کنارا نصف میل دور تھا تاہم انہیں اس بات پر فخر تھا کہ وہ اس شخص کی نگاہوں کے سامنے دریا عبور کر رہے ہیں اور ڈوب رہے ہیں، حالانکہ شہتیر پر بیٹھا وہ شخص انہیں دیکھ بھی نہیں رہا تھا۔ ایجوٹنٹ واپس آیا اور مناسب موقع پر اس نے شہنشاہ کی توجہ پولش سواروں کی اس سے وابستگی کی جانب دلائی تاہم سرمئی کوٹ میں ملبوس یہ پستہ قد شخص اٹھ کھڑا ہوا اور برتھیئر کو بلا کر دریا کنارے چہل قدمی کرتے ہوئے اسے احکامات دینے لگا۔ وہ کبھی کبھار ڈوبتے سواروں پر سرسری نظر ڈال لیتا تھا جو اس کی توجہ میں خلل کا باعث بن رہے تھے۔

اسے اس صورتحال کا پہلی مرتبہ سامنا نہیں ہوا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ افریقہ سے لے کر ماسکو کے گھاس کے میدانوں تک دنیا کے کسی بھی خطے میں اس کی موجودگی لوگوں کو دیوانہ کر دینے کیلئے کافی ہے۔ اسے اس حوالے سے کوئی ثبوت درکار نہیں تھا۔ اس نے گھوڑا منگوایا اور اپنے پڑاؤ کی جانب چل دیا۔

کشتیاں بھیجے جانے کے باوجود چالیس سوار پانی میں ڈوب گئے۔ اکثریت کسی نے کسی طرح کنارے پر واپس پہنچ گئی۔ کرنل اور اس کے متعدد سپاہیوں نے دریا پار کر لیا تاہم وہ بمشکل باہر نکل پائے۔ اگرچہ ان کی وردیاں پانی سے بھر گئی تھیں اور لباس جسموں سے چپکے ہوئے تھے تاہم پانی سے باہر آتے ہی انہوں نے گلا پھاڑ کر "شہنشاہ زندہ باد" کا نعرہ لگایا اور خوشی سے اس جانب دیکھنے لگے جہاں نپولین موجود تھا۔ اگرچہ وہ جا چکا تھا تاہم یہ جوان پھر بھی خوش تھے۔

شام کو دو احکامات جاری کئے گئے۔ پہلا حکم یہ تھا کہ روس میں پھیلانے کیلئے جعلی کرنسی فوری طور پر پہنچائی جائے اور دوسرا حکم ایک سیکسن شخص کو سزائے موت دینا تھا کیونکہ اس کے قبضے سے ایک خط برآمد ہوا تھا جس میں فرانسیسی فوج کے بارے میں معلومات درج تھیں۔ ان کے علاوہ نپولین نے ایک تیسرا حکم بھی دیا کہ غیر ضروری طور پر دریا میں چھلانگ لگانیوالے کرنل کو "لیجن آف آنر" کا اعزاز دیا جائے۔

(3)

اسی دوران روسی شہنشاہ فوج کے معائنے اور جنگی مشقوں کے انعقاد کے سلسلے میں ایک ماہ سے زائد عرصے

ولنا میں مقیم تھا۔ جس جنگ کی ہر ایک توقع تھی اور جس کی تیاریوں کیلئے شہنشاہ پیٹرز برگ سے آیا تھا اس کیلئے ابھی تک کوئی تیاری نہیں کی گئی تھی۔ جنگ کی حکمت عملی بھی تیار نہیں ہوئی تھی۔ اگرچہ زار ایک ماہ سے ہیڈ کوارٹر میں موجود تھا تاہم مختلف حکمت عملیوں میں سے ابھی تک کسی کو حتمی قرار نہیں دیا گیا تھا۔ تینوں فوجوں کے اپنے اپنے کمانڈر انچیف تھے مگر تمام فوج کے مرکزی کمانڈر کی تقرری ہونا باقی تھی اور شہنشاہ نے خود یہ ذمہ داری سنبھالنا مناسب نہ سمجھا۔

جوں جوں شہنشاہ کا ولنا میں قیام طویل ہوتا گیا، جوش و خروش میں اتنی ہی کمی آتی چلی گئی۔ یوں لگتا تھا جیسے شہنشاہ کے اردگرد موجود لوگ اسے عیش و عشرت میں زیادہ سے زیادہ دھکیل دینا چاہتے ہیں تاکہ اس کے ذہن سے وہ جنگ نکل جائے جس کا خطرہ سر پر منڈلا رہا تھا۔

جب پولینڈ کے معززین، درباریوں اور خود زار بے شمار محافل رقص اور ضیافتیں منعقد کر چکے تو اس کے عملے میں شامل ایک پولش جرنیل نے سوچا کہ شہنشاہ کے ایجوٹنٹوں کو اس کے اعزاز میں ضیافت اور رقص کی محفل کا انعقاد کرنا چاہئے۔ اس کے تمام ساتھیوں نے یہ تجویز منظور کی اور زار نے بھی شرکت کی حامی بھر لی۔ ایجوٹنٹوں نے حصہ ڈال کر رقم جمع کی اور میزبان کے طور پر اس خاتون کو منتخب کیا گیا جسے شہنشاہ کی منظور نظر سمجھا جاتا تھا۔ صوبہ ولنا کے جاگیردار نواب بینکسن نے ضیافت کیلئے اپنا گھر پیش کر دیا اور اس کی دیہی رہائش گاہ زاکریتا میں آتشبازی، کشتیوں کی دوڑ اور رقص کی محفل کیلئے 13 جون کی تاریخ مقرر کر دی گئی۔

جس دن نپولین نے اپنی فوج کو دریائے نائمن عبور کرنے کا حکم دیا اور اس کے ہراول دستوں نے قازقوں کو بھگا کر روسی سرحد پار کی، اسی شام الیگزنڈر ایجوٹنٹوں کی جانب سے بینکسن کی دیہی جاگیر پر محفل رقص میں شریک تھا۔

یہ شاندار ضیافت تھی اور باذوق حضرات نے کھلم کھلا رائے دی کہ خوش شکل و خوش خصال خواتین کی اتنی بڑی تعداد شاید ہی کبھی جمع ہوئی ہوگی جو اس ضیافت میں موجود تھیں۔ بیگم بیزوخوف دیگر روسی خواتین کے ساتھ پیٹرز برگ سے شہنشاہ کے پیچھے ولنا آئی تھی اور یہاں موجود تھی۔ اس کا نام نہاد صحت مند روسی حسن دبلی پتلی اور نازک پولش خواتین کی آب و تاب کو مات دے رہا تھا۔ زار نے اس کی جانب توجہ کی اور اپنے ساتھ رقص کی سعادت بخشی۔

بورس دروبتسکی بھی یہاں موجود تھا، وہ اپنی دلہن کو ماسکو چھوڑ آیا تھا۔ اگرچہ وہ شہنشاہ کے ایجوٹنٹوں میں شامل نہیں تھا تاہم اس نے ضیافت کے اخراجات کیلئے بھاری رقم دی تھی۔ اب وہ مالدار اشخاص کی فہرست میں شامل تھا اور معاشرے میں بلند مرتبہ حاصل کر چکا تھا۔ اب اسے دوسروں کی سرپرستی کی ضرورت نہیں رہی تھی بلکہ وہ اپنی نسل کے انتہائی ممتاز اشخاص کے ہم پلہ ہو گیا تھا۔

نصف شب کو بھی رقص جاری تھا۔ ایلن کو اپنی پسند کا کوئی ساتھی نہیں مل سکا تھا۔ اس نے بورس کو اپنے ساتھ مازورکا رقص کی پیشکش کی۔ یہ رقص کرنیوالا تیسرا جوڑا تھا۔ ایلن کے برہنہ شانے آنکھوں کو چندھیا رہے تھے۔ اس نے بازوؤں پر سیاہ رنگت کی باریک جالی پہن رکھی تھی۔ بورس نے اس کے بازوؤں کی جانب سرد مہر لاپروائی سے دیکھا اور اس کے ساتھ پرانے دوستوں کے بارے میں گفتگو کرنے لگا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے ایک لمحے کیلئے بھی اپنی نگاہیں زار سے نہ ہٹائیں، اپنی اس حرکت کا خود اسے شعور تھا نہ کسی اور نے اس جانب توجہ دی تھی۔ زار رقص نہیں کر رہا تھا۔ وہ دروازے میں کھڑا تھا اور کبھی ایک اور کبھی دوسرے جوڑے کو روک لیتا۔ اس کا لہجہ شفقت آمیز تھا جو اسی کا خاصہ تھا۔

مازورکا کے آغاز پر بورس نے ایجوٹنٹ جنرل بالاشوف کو درباری آداب بالائے طاق رکھتے ہوئے شہنشاہ کے

پاس جاتے دیکھا۔ وہ ایسا شخص تھا جسے واقعتاً شہنشاہ کا قرب حاصل تھا۔ اس وقت زار ایک خاتون سے محو گفتگو تھا۔ اس نے خاتون سے چند باتیں کہیں اور بالاشوف کی جانب سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔ بظاہر وہ سمجھ گیا تھا کہ بالاشوف نے ایسا خاص وجوہات کی بنا پر کیا ہے۔ اس نے خاتون کی جانب رخ کر کے گردن قدرے جھکائی اور ایجوٹنٹ جنرل کی طرف متوجہ ہو گیا۔ بالاشوف نے چند الفاظ ہی کہے تھے کہ زار کے چہرے پر حیرت کے آثار نمودار ہو گئے اور وہ بالاشوف کا بازو تھام کر کمرے کی دوسری سمت بڑھ گیا۔ ان کے راستے میں کھڑے لوگ دائیں بائیں ہٹتے گئے۔ زار بالاشوف کے ساتھ باہر نکلا تو بورس نے آراک چیف کے چہرے پر بے چینی کے آثار دیکھے۔ آراک چیف نے شہنشاہ کی جانب ترچھی نگاہوں سے دیکھا اور سرخ ناک سڑکتے ہوئے ہجوم سے نکل کر یوں آگے بڑھا جیسے شہنشاہ اس سے بھی مخاطب ہوگا (بورس جان گیا کہ آراک چیف بالاشوف سے حسد کرتا ہے اس بات پر کڑھ رہا تھا کہ بظاہر کوئی اہم خبر اس کی بجائے بالاشوف کی وساطت سے شہنشاہ تک پہنچی تھی) تاہم زار اور بالاشوف آراک چیف کی طرف توجہ دیے بغیر باہر نکل گئے۔ آراک چیف بھی اپنی تلوار سنبھال کر لوگوں کو قہر آلود نگاہوں سے دیکھتا ان کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ وہ ان سے بیس قدم پیچھے تھا۔

اس دوران بورس نے مازورکا رقص تو جاری رکھا تاہم وہ یہ سوچنے میں مصروف تھا کہ بالاشوف کونسی خبر لایا ہے اور اسے سب سے پہلے کیسے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ رقص کے اس حصے میں جب اسے دو خواتین کا انتخاب کرنا تھا، بورس نے ایلن سے سرگوشی کی کہ وہ بیگم پوتسکی کو اپنے ساتھ شامل کرنا چاہتا ہے جو شاید بالکونی میں چلی گئی ہے۔ یہ کہہ کر وہ دبے پاؤں باغیچے میں چلا گیا۔ اس نے شہنشاہ اور بالاشوف کو واپس آتے دیکھا تو دروازے ہی میں کھڑا ہو گیا اور یوں ظاہر کیا جیسے اسے راستے سے ہٹنے کا موقع ہی نہ ملا ہو۔ وہ چوکھٹ سے جڑ گیا اور احتراماً گردن جھکا دی۔ شہنشاہ کے لہجے میں اضطراب تھا اور وہ کہہ رہا تھا:

''اعلان جنگ کئے بغیر روس میں داخلہ! جب تک دشمن کا ایک بھی سپاہی میرے ملک میں موجود ہے، میں صلح نہیں کروں گا۔''

بورس کو یوں محسوس ہوا جیسے زار یہ کہتے ہوئے بیحد خوش ہے۔ اس نے یہ بات جس انداز سے کہی تھی اس پر مطمئن تھا مگر اسے غصہ تھا کہ بورس نے بھی نادانستہ طور پر اس کی بات سن لی تھی۔

زار نے دروازے سے گزرتے ہوئے مزید کہا ''خبردار یہ بات کسی تک نہیں پہنچے!''

بورس جان گیا کہ یہ جملہ اس کیلئے کہا گیا ہے۔ اس نے آنکھیں بند کر کے سر جھکا دیا۔ زار دوبارہ ہال میں چلا گیا اور بورس تقریباً نصف گھنٹے وہیں کھڑا رہا۔

اس طرح بورس وہ پہلا شخص تھا جسے یہ معلوم ہوا کہ فرانسیسی فوجیں دریائے نائمن پار کر چکی ہیں اور اسے چند اہم شخصیات کو یہ جتلانے کا موقع مل گیا کہ دوسروں سے چھپائی جانیوالی اہم باتیں اسے معلوم ہو جاتی ہیں اور یوں ان کی نگاہوں میں اس کی قدر و قیمت مزید بڑھ گئی۔

☆☆☆

فرانسیسیوں کے نائمن عبور کرنے کی اچانک خبر نے ہر شخص کو حیران کر دیا۔ حیرانگی کی خاص وجہ یہ تھی کہ پورا مہینہ ایسی خبر کا انتظار ہوتا رہا اور کچھ بھی نہ ہوا، دوسری جانب جب یہ خبر آئی تو رقص کی محفل عروج پر تھی۔ خبر ملنے کے چند لمحوں بعد شہنشاہ کو غصے کے عالم میں ایک ایسا جملہ یاد آ گیا جس پر اسے بیحد خوشی ہوئی۔ یہ فقرہ اس کے جذبات کی بھرپور ترجمانی کرتا تھا اور زبان زد خاص و عام ہو گیا۔ رات دو بجے تقریب سے واپسی پر اس نے اپنے سیکرٹری شِشکوف

کو بلایا اور اسے فوج کے نام حکم اور فیلڈ مارشل شہزادہ سالتیکوف کو شاہی ہدایات لکھنے کا حکم دیا۔ اس نے اصرار کیا کہ شاہی فرمان میں درج ذیل الفاظ ہر صورت شامل کئے جائیں کہ ''جب تک روس میں ایک بھی مسلح فرانسیسی موجود ہے میں امن کی بات چیت نہیں کروں گا''

اگلے دن نپولین کے نام درج ذیل خط لکھا گیا:

''محترم بھائی۔۔۔ گزشتہ روز مجھے معلوم ہوا ہے کہ میں نے جناب عالی کے ساتھ معاہدوں کی جس طرح پابندی کی ہے اس کے باوجود آپ کی فوج روسی سرحد پار کر چکی ہے۔ مجھے اس وقت پیٹرز برگ سے خط ملا ہے جس میں نواب لورسٹون نے بتایا ہے کہ جناب عالی خود کو میرے خلاف اسی وقت سے حالت جنگ میں تصور کرتے ہیں جب شہزادہ کوراکن نے اپنے پاسپورٹوں کیلئے درخواست دی تھی۔ باسانو کے نواب نے جن اسباب کی بنا پر یہ پاسپورٹ اسے دینے سے انکار کیا تھا ان کے پیش نظر میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ واقعہ جنگ کا بہانہ بن جائیگا۔ درحقیقت میرے سفیر کو ایسی درخواست کرنے کا کوئی اختیار نہیں تھا جیسا کہ وہ خود بھی کہتا ہے۔ جونہی مجھے اطلاع ملی تو میں نے اپنی ناراضگی کا اظہار اسے یہ حکم دے کر کیا کہ وہ اپنی جگہ مت چھوڑے۔ اگر جناب عالی ایسی غلط فہمی کی بنا پر دونوں قوموں کا خون بہانے پر رضامند نہ ہوں اور روسی علاقے سے اپنی فوجیں واپس بلالیں تو میں سب کچھ بھول جاؤں گا اور ہم باہم معاہدہ کرسکیں گے۔ اگر معاملہ اس سے الٹ ہوا تو پھر میں اس حملے کا جواب دینے پر مجبور ہو جاؤں گا جس کی ذمہ داری کسی صورت مجھ پر عائد نہیں ہوتی۔ نسل انسانی کو جنگ سے بچانا ابھی تک جناب عالی کے اختیار میں ہے''۔۔۔ میں وغیرہ وغیرہ

(دستخط) الیگزنڈر

(4)

13 جون کی رات دو بجے زار نے بالاشوف کو بلا بھیجا اور اس کے سامنے نپولین کے نام اپنا یہ خط پڑھنے کے بعد اسے حکم دیا کہ وہ اسے خود فرانسیسی شہنشاہ تک پہنچائے۔ بالاشوف کو رخصت کرتے وقت اس نے ایک مرتبہ پھر اس عزم کا اظہار کیا کہ جب تک ایک فرانسیسی بھی روسی سرزمین پر موجود ہے وہ صلح نہیں کرے گا۔ اس نے بالاشوف کو تاکید کی کہ وہ یہ فقرہ نپولین کے سامنے ضرور دہرائے۔ الیگزنڈر ہر معاملے میں احتیاط سے کام لیتا تھا اسی لیے اس نے نپولین کے نام خط میں یہ الفاظ درج نہیں کئے تھے۔ اسے محسوس ہوا کہ صلح کی آخری کوشش کے موقع پر ایسے الفاظ استعمال کرنا مناسب نہیں ہوگا البتہ اس نے بالاشوف کو سختی سے ہدایت کی کہ وہ نپولین کو زبانی یہ پیغام ضرور پہنچائے۔

بالاشوف دو قازقوں اور ایک بگلچی کے ساتھ 13 اور 14 جون کی رات روانہ ہوا اور صبح تڑکے ریکونتی گاؤں میں فرانسیسی فوج کی بیرونی چوکیوں تک پہنچ گیا۔ یہ گاؤں نائمن کے کنارے روسی سرحد میں واقع تھا۔

قرمزی وردی اور سموری ٹوپی پہنے ایک فرانسیسی ہوزار افسر نے قریب آتے سفیر کو رکنے کا حکم دیا۔ بالاشوف فوراً ٹھہرنے کی بجائے پیدل رفتار سے سڑک پر چلتا رہا۔

ہوزار افسر نے ماتھے پر بل ڈالے اور منہ ہی منہ میں گالیاں بکتے ہوئے اپنا گھوڑا بالاشوف کے گھوڑے کے سامنے لے آیا اور اس کا راستہ روک دیا۔ پھر اس نے تلوار تھامی اور بدتمیزی سے با آواز بلند اس سے پوچھا ''تم نے میری بات سنی نہیں یا بہرے ہو'' بالاشوف نے اسے اپنا نام بتایا۔ افسر نے مزید ہدایات لینے کیلئے ایک سپاہی اپنے افسر اعلیٰ کے

پاس بھیج دیا۔

اس نے بالاشوف کی جانب مزید کوئی توجہ نہ دی اور ساتھیوں سے رجمنٹ کے معاملات پر بات چیت کرنے لگا۔ بالاشوف کو اقتدار اعلیٰ کے مالک لوگوں کا قرب حاصل تھا جس کی بدولت وہ عزت و احترام کئے جانے کا عادی ہو چکا تھا۔ صرف تین گھنٹے قبل اس کی زار سے بات ہو رہی تھی اس لیے اپنی ہی سرزمین پر دشمن کی جانب سے ایسے گستاخانہ رویے کا سامنا کر کے اسے حیرانی ہوئی۔

سورج بالکل اسی وقت بادلوں کی اوٹ سے نکلا تھا اور تازہ ہوا میں شبنم کے اثرات نمایاں تھے۔ سڑک پر گاؤں کی جانب سے مویشیوں کا ریوڑ چلا آرہا تھا۔ کھیتوں میں گاتے ہوئے چنڈول یکے بعد دیگرے یوں فضا میں بلند ہو رہے تھے جیسے پانی کی سطح پر بلبلے نمودار ہوتے ہیں۔

بالاشوف اپنے اردگرد دیکھ رہا تھا۔ اسے گاؤں سے کسی افسر کی آمد کا انتظار تھا۔ کبھی کبھار روسی بگلچی، قازق اور فرانسیسی ہوزار ایک دوسرے کی جانب دیکھتے تاہم خاموش رہتے۔

فرانسیسی ہوزاروں کا ایک کرنل اپنے دو سپاہیوں کے ساتھ خوبصورت اور چست گھوڑے پر سوار چلا آرہا تھا۔ افسر، سپاہی اور ان کے گھوڑے خوش اور مطمئن دکھائی دیتے تھے۔

یہ جنگ کا وہ ابتدائی مرحلہ تھا جب فوجی زمانہ امن کی مشقوں کی طرح صاف ستھرے دکھائی دیتے ہیں۔ جس طرح لڑائی کے آغاز میں ہوتا ہے کہ ان کی وردیوں سے رعب و دبدبہ ٹپکتا ہے اور روح مہم جوئی کے جذبے سے سرشار ہونے لگتی ہے۔

فرانسیسی افسر نے بمشکل جمائی روکی تاہم اس کے انداز و اطوار سے شائستگی کا اظہار ہوتا تھا اور بظاہر اسے بالاشوف کی اہمیت کا اندازہ تھا۔ وہ اسے بیرونی چوکیوں کے پیچھے لے گیا اور بتایا کہ شہنشاہ کی خدمت میں حاضری کیلئے اس کی خواہش شاید فوراً پوری ہو جائے گی کیونکہ شاہی پڑاؤ قریب ہی ہے۔

وہ ریکونتی گاؤں میں سے گزرتے ہوئے آگے نکل گئے جہاں فرانسیسی ہوزاروں کے گھوڑے بندھے تھے اور اپنے کرنل کو سلیوٹ کرنیوالے فرانسیسی افسر اور سپاہی روسی وردیوں کو تجسس سے دیکھتے جاتے تھے۔ گاؤں کے دوسرے کنارے پر پہنچ کر کرنل نے بالاشوف کو بتایا کہ اس کا استقبال کرنے اور شہنشاہ تک پہنچانے والے ڈویژن کمانڈر کی جائے قیام صرف دو کلومیٹر دور ہے۔

سورج پوری طرح نکل آیا تھا اور سرسبز گھاس پر آب و تاب سے کرنیں بکھیر رہا تھا۔

وہ ایک سرائے سے آگے پہاڑی پر تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ انہیں اپنے سامنے گھڑ سواروں کا ایک دستہ پہاڑی سے اترتا دکھائی دی۔ اس دستے کی قیادت ایک طویل القامت شخص کر رہا تھا جس نے گہرے سرخ رنگ کا کوٹ اور کلغی دار ٹوپی پہن رکھی تھی۔ اس کے سیاہ گھنگھریالے بال شانوں تک لٹک رہے تھے۔ اس کے گھوڑے کا ساز دھوپ میں چمک رہا تھا اور سوار کی لمبی ٹانگیں فرانسیسی انداز سے آگے نکلی ہوئی تھیں۔ یہ شخص اپنا گھوڑا بھگاتا بالاشوف کی طرف آرہا تھا۔ اس کی ٹوپی کی کلغی لہرا رہی تھی اور جون کی تیز دھوپ میں اس کے جواہرات اور سنہری فیتے چمک رہے تھے۔

ہار، کلغیوں اور سنہری فیتوں اور جھالروں سے خود کو سجائے ڈرامائی اور سنجیدہ انداز سے بالاشوف کی طرف آنیوالا یہ شخص دس قدم دور تھا کہ فرانسیسی کرنل جلنر نے مودبانہ انداز سے سرگوشی کی ''نیپلز کا بادشا'' درحقیقت یہ مورات تھا جسے اب نیپلز کا بادشاہ کہا جاتا تھا۔ اگرچہ اس کا ''بادشاہ نیپلز'' ہونا کبھ میں نہیں آتا تھا تاہم پھر بھی اسے اسی نام سے

پکارا جاتا تھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسے خود بھی یقین ہو گیا کہ وہ نیپلز کا بادشاہ ہے اور یوں اس کے انداز واطوار میں پہلے سے زیادہ وقار پیدا ہو گیا تھا۔ اسے اس بات کا اسقدر پختہ یقین ہو گیا تھا کہ جب نیپلز سے روانگی سے ایک دن پہلے وہ اپنی بیوی کے ہمراہ شہر کی سیر کر رہا تھا تو گلی کے چند باشندوں نے اسے دیکھ کر نعرہ لگایا "بادشاہ زندہ باد" یہ سن کر وہ اپنی بیوی کی جانب حسرت آمیز مسکراہٹ سے کہنے لگا "ان بیچاروں کو علم ہی نہیں کہ کل میں ان سے جدا ہو جاؤں گا"

اگرچہ اسے اپنے "بادشاہ نیپلز" ہونے کے بارے میں کوئی شبہ نہ تھا اور شہر سے روانگی پر (اس کے خیال میں) لوگوں نے جس طرح اظہار غم کیا تھا اس پر وہ دل ہی دل میں ہمدردی جتانے لگا مگر جب اسے دوبارہ فوجی خدمات کیلئے واپس بلایا گیا اور خصوصاً ڈانزگ میں جب وہ آخری مرتبہ نپولین سے ملا اور اس کے عالی شان برادر نسبتی نے اسے یہ کہا کہ "میں نے تمہیں اس لیے بادشاہ بنایا تھا کہ تم اپنی بجائے میرے انداز سے حکومت کرو گے" تو وہ بیحد خوش ہوا اور بخوشی فرائض سنبھال لیے تھے۔ وہ زرق برق لباس پہن کر اچھی طرح پلے ہوئے گھوڑے کی طرح پولینڈ کی سڑکوں پر یوں بھاگا پھرتا تھا کہ اسے خود بھی علم نہیں ہوتا تھا کہ میں کہاں اور کیوں جا رہا ہوں۔

اس نے روسی جنرل کو دیکھ کر اپنے لمبے گھنگریالے بالوں سمیت سر کو پیچھے جھٹکا اور شاہانہ وقار سے فرانسیسی کرنل پر سوالیہ نگاہیں دوڑائیں۔ کرنل نے بصد ادب جناب عالی کو بالاشوف کا مدعا بتایا جس کا وہ نام بھی اچھی طرح نہیں لے سکا تھا۔ بادشاہ نے کہا "ڈی بال اچیف!" وہ کرنل کی مشکل پر اپنی خود اعتمادی کے ذریعے غلبہ پانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے شاہانہ انداز سے مزید کہا "جنرل، آپ سے مل کر خوشی ہوئی" جونہی بادشاہ نے با آواز بلند اور تیزی سے بولنا شروع کیا تو اس کا تمام تر شاہی دبدبہ ہوا ہو گیا اور وہ غیر ارادی طور پر اپنے فطری لہجے میں گفتگو کرنے لگا جس میں خوش طینت بے تکلفی تھی۔ اس نے بالاشوف کے گھوڑے پر ہاتھ رکھا اور کہا "بہر حال جنرل، یوں لگتا ہے کہ ہم جنگ کی جانب بڑھ رہے ہیں" اس کا انداز یوں تھا جیسے اسے کسی ایسی صورتحال پر افسوس ہو رہا ہو جس کے بارے میں وہ خود کوئی رائے نہیں دے سکتا تھا۔ بالاشوف نے جوابا کہا "جناب عالی! میرے شہنشاہ جنگ نہیں چاہتے اور جناب عالی یہ خود دیکھ سکتے ہیں۔ وہ "جناب عالی" کی تکرار کر رہا تھا تاہم اس کے لہجے میں مصنوعی پن نمایاں تھا تاہم جب کوئی خطاب بار بار دہرایا جائے اور کسی ایسے شخص کو اس سے مخاطب کیا جائے جس کیلئے یہ خطاب انوکھی شے ہو تو ایسی بناوٹ کا اظہار ضروری ہو جاتا ہے۔

"موسیو ڈی بال اچیف" کی باتیں سنتے ہوئے مورات کے چہرے پر احمقانہ اطمینان جھلک رہا تھا تاہم بادشاہت کی اپنی ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔ اس نے بادشاہ اور اتحادی کی حیثیت سے الیگزنڈر کے سفیر سے اہم امور پر بات چیت اپنا فرض خیال کی۔ چنانچہ وہ گھوڑے سے اتر آیا اور بالاشوف کو بازو سے پکڑ کر اپنے ماتحت عملے سے دور لے گیا جو اس کے انتظار میں احتراماً اپنی جگہ پر کھڑا تھا، اور اس کے ساتھ ٹہلنا شروع کر دیا۔ اس کی پوری کوشش تھی کہ اس کی باتیں اہم معلوم ہوں۔ اس نے بالاشوف سے کہا کہ نپولین اپنی فوجیں پرشیا سے واپس بلانے کے مطالبے پر بیحد ناراض ہے۔ خاص طور پر اس لیے کہ یہ مطالبہ اب سر عام کیا جانے لگا ہے جس سے فرانس کے وقار پر زد پڑ رہی ہے۔ بالاشوف نے اسے جواب دیا کہ "یہ مطالبہ کسی طور ذلت آمیز نہیں کیونکہ۔۔۔" مگر مورات نے اسے ٹوک دیا اور چہرے پر احمقانہ مگر خوشگوار مسکراہٹ طاری کرتے ہوئے کہا "اچھا تو آپ کیا سمجھتے ہیں کہ شہنشاہ الیگزنڈر جارحیت کا مرتکب نہیں ہوا؟"

بالاشوف نے اسے یہ بتانا شروع کر دیا کہ جنگ شروع کرنے کا ذمہ دار نپولین ہے اور اس حوالے سے اس

نے دلائل بھی دیے۔

مورات نے ایک مرتبہ پھر اسے ٹوکا اور کہنے لگا "ارے میرے پیارے جرنیل! میری دلی خواہش ہے کہ شہنشاہ صاحبان یہ معاملہ باہم طے کر لیں اور یہ جنگ جلد از جلد ختم ہو جائے جس کے شروع ہونے میں میری خواہش کا کوئی عمل دخل نہیں" اس کا انداز ایک ایسے ملازم کا سا تھا جو آقاؤں کے جھگڑوں کے باوجود دوسرے شخص کے ملازم سے دوستانہ تعلقات رکھنے کا خواہشمند ہو۔ بعد ازاں اس نے گفتگو کا رخ بدل دیا اور گرینڈ ڈیوک کی صحت کے بارے میں پوچھنے لگا۔ اس نے نیپلز میں ڈیوک کے ساتھ گزارے دنوں کا احوال سنایا۔ اچانک اسے اپنے شاہی وقار اور تمکنت کا خیال آ گیا اور سیدھا کھڑا ہو کر اپنا دایاں ہاتھ اسی انداز سے لہرایا جس طرح تاجپوشی کے وقت لہرایا تھا اور کہنے لگا "جنرل! میں تمہیں مزید نہیں روکوں گا، میری دعا ہے کہ تمہارا مقصد پورا ہو" پھر وہ اپنے کشیدہ کاری کئے ہوئے سرخ کوٹ اور کلغی دار ٹوپی کو کھڑکھڑاتا اور جواہرات جگمگاتا عملے کے پاس چلا گیا جو اس کا منتظر تھا۔

بالاشوف آگے چل دیا۔ مورات کی باتوں سے وہ یہ سمجھ بیٹھا تھا کہ اسے بہت جلد نپولین کے سامنے پیش کر دیا جائے گا مگر نپولین سے فوری ملاقات کی بجائے اسے بیرونی چوکیوں کی طرح اگلے گاؤں میں مارشل ڈاوسٹ کی پیادہ فوج کے سنتریوں نے روک لیا اور اسے مارشل کی خدمت میں پیش کرنے کیلئے کور کمانڈر کے ایجوٹنٹ کو بلا بھیجا گیا۔

(5)

شہنشاہ نپولین کی نظروں میں ڈاوسٹ کی وہی اہمیت تھی جو الیگزنڈر کی نگاہوں میں آراک چیف کی تھی۔ وہ آراک چیف کی طرح سخت گیر تھا تاہم اس جیسا بزدل نہ تھا۔ اسے اپنے حکمران سے اطاعت کے اظہار کا ایک ہی طریقہ آتا تھا کہ دوسروں سے سفاکانہ برتاؤ کیا جائے۔

ریاستوں کے نظام کو چلانے کیلئے ایسے لوگ اتنا ہی ضروری ہوتے ہیں جتنا کہ فطرتی نظام کیلئے بھیڑیے ضروری ہیں۔ ایسے لوگوں کی موجودگی اور حکمران سے ان کا قرب کتنا ہی عجیب کیوں نہ معلوم ہو، ایسے لوگ ہمیشہ موجود پائے جاتے ہیں، ہمیشہ سامنے آتے رہتے ہیں اور کبھی پیچھے نہیں ہٹتے۔ صرف ان کی ناگزیر ضرورت ہی اس بات کی وضاحت کر سکتی ہے کہ آراک چیف جیسا سنگدل انسان جو اپنے ہاتھوں سے لمبے چوڑے سپاہیوں کی مونچھیں اکھاڑ سکتا تھا مگر اپنے کمزور اعصاب کی بدولت خطرے کا سامنا کرنے کا اہل نہ تھا، وہ تعلیم یافتہ تھا نہ درباری آداب سے آشنا، پھر وہ کیسے الیگزنڈر جیسے حکمران کے دور میں اپنا اثر و رسوخ برقرار رکھے ہوئے تھا جس کی شہرت شریف، نیک طینت اور کمزوروں پر شفقت کرنیوالے حاکم کی سی تھی۔

بالاشوف نے مارشل ڈاوسٹ کو کسان کے جھونپڑے میں لکڑی کے ڈرم پر بیٹھے کچھ لکھتے دیکھا۔ وہ حساب کتاب کر رہا تھا اور ایک ایجوٹنٹ اس سے قریب کھڑا تھا۔ گاؤں میں اس سے بہتر رہائش گاہ بھی تلاش کی جا سکتی تھی مگر مارشل ڈاوسٹ کا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا جو جان بوجھ کر اپنی زندگی مشکل بنا لیتے ہیں تاکہ اپنی سخت گیری کا جواز پیش کیا جا سکے۔ اسی وجہ سے وہ ہر وقت محنت مشقت میں مصروف رہتے ہیں اور یہی تاثر دیتے ہیں کہ وہ اپنا کام جلد از جلد نپٹانا چاہتے ہیں۔

مارشل ڈاوسٹ کے چہرے سے ایسا تاثر نمایاں تھا جیسے کہنا چاہتا ہو "نظر نہیں آتا کہ میں اس خستہ حال جھونپڑے میں ڈرم پر بیٹھا کام کر رہا ہوں، ایسے میں مجھے زندگی کا روشن پہلو کیسے دکھائی دے سکتا ہے؟"

ایسے رویے کے حامل لوگ زندگی سے لطف اندوز ہونے والے کسی شخص سے ملیں تو ان کے دل کو اسی صورت میں سکون ملتا ہے کہ اپنی افسردہ اور نہ ختم ہونیوالی مصروفیت کی نمائش کرتے رہیں۔ ان کی یہی ضرورت ہوتی ہے۔ بالاشوف کو جھونپڑے میں لایا گیا تو ڈاوست نے یہی انداز اختیار کیا، جونہی روسی جرنیل نے اندر قدم رکھا تو وہ اپنے کام میں منہمک ہو گیا۔ اس نے عینک کے اوپر سے بالاشوف کے چہرے پر ایک نظر ڈالی جسے حسین صبح اور سوراث سے گفتگو نے تمتما دیا تھا۔ تاہم وہ اپنی جگہ سے نہ ہلا اور ناگوار انداز سے تیوریاں چڑھا کر حقارت آمیز انداز میں منہ بنانے لگا۔

ڈاوست نے جب دیکھا کہ بالاشوف نے اس انداز استقبال کا برا منایا ہے تو اس نے سر اٹھایا اور سرد مہر انداز میں پوچھا کہ وہ کیا چاہتا ہے؟

بالاشوف نے سوچا شاید ڈاوست کو علم نہیں کہ وہ شہنشاہ الیگزنڈر کا ایجوٹنٹ جنرل ہے اور مزید یہ کہ نپولین کی خدمت میں سفارتکار کی حیثیت سے حاضر ہونے آیا ہے، یہ خیال کر کے اس نے جلدی سے اپنا مدعا بیان کر دیا۔ بالاشوف کی توقع کے برعکس یہ سن کر ڈاوست کی بدمزاجی مزید بڑھ گئی۔

اس نے پوچھا "تمہارا خط کہاں ہے؟ مجھے دو، میں اسے شہنشاہ کی خدمت میں بھیج دیتا ہوں"

بالاشوف نے جواب دیا "مجھے اسے خود شہنشاہ تک پہنچانے کا حکم ملا ہے"

ڈاوست کہنے لگا "تمہارے شہنشاہ کے احکامات کی تعمیل تمہاری اپنی فوج میں ہوتی ہوگی، یہاں تمہیں وہی کچھ کرنا ہوگا جو کہا جائیگا"

ڈاوست نے اپنے ایجوٹنٹ کے ذریعے ڈیوٹی افسر کو بلا بھیجا۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے روسی جنرل کو یہ احساس دلانا چاہتا ہو کہ وہ خوفناک قوت کے رحم و کرم پر ہے۔

بالاشوف نے زار کے خط والا لفافہ نکالا اور اسے میز پر رکھ دیا (یہ میز دروازے کے ایک تختے پر مشتمل تھی جو دو پہیوں پر رکھا تھا) ڈاوست نے لفافہ اٹھایا اور اس پر لکھی تحریر پڑھنا شروع کر دی۔

بالاشوف نے کہا "آپ بے شک میرا احترام نہ کریں تاہم اجازت ہو تو میں کہوں گا کہ مجھے جناب عالی! کا ایجوٹنٹ جنرل ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔۔۔"

ڈاوست نے بالاشوف کو سرسری نگاہ سے دیکھا، اس کے تاثرات سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ روسی سفارتکار کے چہرے پر پیدا ہونیوالی پریشانی سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔

اس نے کہا "تمہارے ساتھ تمہارے مقام کے مطابق سلوک ہوگا" یہ کہہ کر اس نے لفافہ جیب میں ڈالا اور جھونپڑے سے باہر نکل گیا۔

ایک منٹ بعد مارشل کا ایجوٹنٹ موسیو ڈی کاستر آیا اور اسے اس کیلئے مخصوص کردہ مکان میں لے گیا۔

بالاشوف نے اس دن اسی جھونپڑے میں دو پہیوں پر رکھے تختے پر کھانا کھایا۔

اگلے دن ڈاوست علی الصبح گھوڑے پر سوار ہوا مگر روانگی سے پہلے اس نے بالاشوف کو بلایا اور اسے کہنے لگا کہ وہ جہاں ہے وہیں ٹھہرے اور سامان بردار قافلے کو روانگی کا حکم ملے تو اس کے ساتھ چل پڑے نیز موسیو کاستر کے علاوہ کسی سے گفتگو نہ کرے۔

چار دن تک کوئی اس کے قریب نہ آیا اور وہ بیحد بور ہو گیا اور اپنی بے بسی پر کڑھنے لگا۔ اسے یہ کیفیت اس لیے بھی زیادہ بے چین کر رہی تھی کہ وہ جہاں سے آیا تھا وہاں اس کا شمار صاحبان اقتدار اور بااختیار طبقے میں ہوتا تھا۔ ان

دنوں میں اسے مارشل کے سامان بردار قافلے اور تمام ضلع پر قابض ہو جانیوالی فرانسیسی فوج کے ساتھ بار بار سفر کرنا پڑا۔ بالآخر اسے ولنا پہنچا دیا گیا جو اب فرانسیسیوں کے قبضے میں آ گیا تھا۔ وہ شہر میں دوبارہ اسی دروازے سے داخل ہوا جس سے وہ چار روز پیشتر نکلا تھا۔

اگلے دن شہنشاہ کا ایک درباری نواب تورینے بالاشوف کو یہ بتانے آیا کہ شہنشاہ نپولین اس سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔

بالاشوف کے جس مکان کے سامنے چار روز پہلے پروبرازنسکی رجمنٹ کے سنتری تعینات تھے اب وہاں دو لمبے چوڑے فرانسیسی سپاہی کھڑے تھے۔ ان کے سروں پر سموری ٹوپیاں اور جسم پر نیلی وردیاں تھیں جن کے سامنے والے بٹن کھلے تھے۔ ہوزاروں اور پولش سواروں کا ایک حفاظتی دستہ، ایجوٹنٹوں، خدمتگاروں اور زرق برق لباس پہنے جرنیلوں کا ایک گروہ نپولین کے گھوڑے کے گرد گھیرا ڈالے اس کی باہر آمد کا منتظر تھا۔ نپولین نے بالاشوف کو اسی مکان میں ملاقات کیلئے بلایا جہاں سے الیگزنڈر نے اسے خط دے کر روانہ کیا تھا۔

(6)

اگرچہ شاہی آن بان بالاشوف کیلئے نئی بات نہ تھی تاہم نپولین کے دربار کی شان و شوکت دیکھ کر وہ حیرت زدہ رہ گیا۔

نواب تورینے اسے بڑے استقبالیہ کمرے میں لے آیا جہاں جرنیلوں، درباریوں اور پولینڈ کے معززین کی بھاری تعداد نپولین کی منتظر تھی، ان معززین میں سے اکثر کو وہ روسی شہنشاہ کے دربار میں بھی دیکھ چکا تھا۔ دوروک نے اسے بتایا کہ نپولین گھڑسواری سے قبل روسی جرنیل سے ملاقات کریگا۔

چند منٹ بعد ڈیوٹی پر موجود درباری استقبالیہ کمرے میں آیا اور شائستگی سے گردن جھکا کر بالاشوف کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔

بالاشوف چھوٹے استقبالیہ کمرے میں داخل ہو گیا۔ اس کا ایک دروازہ اس کمرے میں کھلتا تھا جہاں سے وہ روسی شہنشاہ سے رخصت ہوا تھا۔ اسے چند منٹ انتظار کرنا پڑا۔ دروازے کی دوسری جانب کسی شخص کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ درباری نے تیزی سے دروازہ کھول دیا اور مودبانہ انداز میں کھڑا ہو گیا۔ کمرے میں خاموشی طاری تھی۔ پھر کسی اور شخص کے قدموں کی چاپ سنائی دی، یہ نپولین تھا۔ وہ پرعزم انداز سے چل رہا تھا اور کچھ ہی دیر پہلے گھڑسواری کا لباس پہن کر فارغ ہوا تھا۔ اس نے نیلی وردی زیب تن کر رکھی تھی اور سینے کے بٹن کھلے تھے جس کی بدولت وردی کے نیچے پہنی لمبی سفید واسکٹ نظر آ رہی تھی جس نے اس کی توند کو ڈھانپ رکھا تھا۔ اس کی لمبی جرابیں موٹی ٹانگوں سے چپکی ہوئی تھیں اور لمبے بوٹ پنڈلیوں تک تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے اس نے کچھ ہی دیر پہلے کنگھی کی ہو مگر بالوں کی ایک لٹ ابھی تک اس کی فراخ پیشانی کے درمیانی حصے پر لہرا رہی تھی۔ اس کی موٹی سفید گردن وردی کے سیاہ کالر کے اوپر سیدھی کھڑی تھی اور جسم سے خوشبو آ رہی تھی۔ نپولین کے فربہ چہرے پر اب بھی جوانی کی پرچھائیں دیکھی جا سکتی تھیں اور اس پر نمایاں ٹھوڑی سمیت جو تاثر ہویدا تھا اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اسے کمال مہربانی سے خوش آمدید کہہ رہا ہے جو شاہی وقار سے مطابقت رکھتا تھا۔

وہ ہر قدم پر پاؤں کو پیچھے جھٹکا دیتے ہوئے تیزی سے اندر داخل ہوا۔ اس نے اپنے چوڑے چکلے کندھے،

سینہ اور توند غیر ارادی طور پر آگے کو جھکایا ہوا تھا۔ اگرچہ وہ پستہ قد اور گول مٹول تھا تاہم اس کی شخصیت سے وہ دبدبہ اور شاہانہ وقار ظاہر ہوتا تھا جو چالیس سالہ آسودہ حال لوگوں کی شخصیت میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اسے دیکھ کر یہ بھی محسوس ہوتا تھا کہ آج وہ خاص طور پر خوش ہے۔

بالاشوف اسے دیکھتے ہی مودبانہ انداز میں جھک گیا۔ جواباً نپولین نے گردن جھکائی اور فوری طور پر اس کے پاس جا کر اس طرح باتیں کرنے لگا جیسے اس کا ایک ایک سیکنڈ قیمتی ہے مگر اس نے جو بات کہنی ہے اس کی تیاری اس لیے نہیں کی کہ ایسا کرنا اس کی شان کے خلاف ہے اور وہ جو کچھ کہہ رہا ہے ٹھیک کہہ رہا ہے۔

اس نے کہا "جنرل! خوش آمدید، آپ سے مل کر خوشی ہوئی، آپ شہنشاہ الیگزنڈر کا جو خط لائے ہیں وہ مجھے موصول ہو گیا ہے" اس نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں بالاشوف پر گاڑ دیں اور پھر فوراً کسی اور جانب دیکھنا شروع کر دیا۔

صاف ظاہر تھا کہ اسے جرنیل کی شخصیت میں کوئی دلچسپی نہیں اور اس کی بجائے وہ صرف اس بات میں دلچسپی رکھتا ہے جو اس کے ذہن میں زیر گردش ہے۔ اپنی ذات سے باہر کی چیزیں اس کیلئے کسی اہمیت کی حامل نہ تھیں کیونکہ وہ یہ سمجھتا تھا کہ دنیا میں وقوع پذیر ہونے والی ہر بات کا انحصار اسی کی خواہشات پر ہے۔

وہ کہنے لگا "مجھے جنگ کی خواہش ہے نہ کبھی تھی مگر یہ مجھ پر مسلط کر دی گئی ہے۔ حتیٰ کہ اب (اس نے لفظ 'اب' پر خصوصی زور دیا) بھی میں ہر وہ وضاحت سننے کو تیار ہوں جو آپ پیش کریں گے" پھر اس نے روسی حکومت سے اپنی ناخوشی کا سبب بننے والی وجوہات بیان کرنا شروع کر دیں۔

بالاشوف نے فرانسیسی شہنشاہ کے معتدل، مطمئن اور دوستانہ لہجے سے اندازہ لگایا کہ وہ امن کیلئے بے چین ہے اور مذاکرات کرنا چاہتا ہے۔

نپولین نے بات مکمل کر لی تو بالاشوف نے کہا "جناب عالی! شہنشاہ، میرے آقا" اس نے اپنے ذہن میں ترتیب شدہ تقریر کہنا چاہی مگر خود پر جمی نپولین کی نگاہوں کو دیکھ کر گڑبڑا گیا اور پہلے سے سوچی سمجھی باتیں اس کے دماغ سے نکل گئیں۔ نپولین اس کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا جو یہ کہتی محسوس ہوتی تھیں "تم بوکھلا گئے ہو، خود کو سنبھالو" وہ بمشکل دکھائی دینے والی مسکراہٹ کیس اتھ بالاشوف کی تلوار اور وردی کو دیکھے جا رہا تھا۔ بالاشوف نے حواس بحال کئے اور بات شروع کر دی۔ اس نے بتایا کہ کوراکن کی جانب سے پاسپورٹوں کا مطالبہ شہنشاہ الیگزنڈر کے خیال میں جنگ کا خاطر خواہ سبب نہیں ہو سکتا اور یہ کہ کوراکن نے ایسا اپنی مرضی سے کیا اور الیگزنڈر نے اسے ایسا کوئی اختیار نہیں دیا تھا۔ اس نے نپولین کو بتایا کہ شہنشاہ الیگزنڈر جنگ نہیں چاہتا اور اس کا انگلستان سے بھی کوئی رابطہ نہیں ہے۔

نپولین نے اس کی بات میں دخل دیتے ہوئے کہا "ابھی تک تو نہیں ہے" پھر شاید اسے یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں اس کے دل کی بات سامنے نہ آ جائے، چنانچہ اس نے ماتھے پر بل ڈالے اور گردن کو ہلکی سی جنبش دی جو اس بات کا اشارہ تھا کہ بالاشوف اپنی گفتگو جاری رکھ سکتا ہے۔

بالاشوف نے حسب ہدایت تمام باتیں کہنے کے بعد کہا "شہنشاہ الیگزنڈر امن ضرور چاہتے ہیں مگر جب تک ان کی ایک شرط پوری نہیں کر دی جاتی وہ کسی صورت مذاکرات نہیں کریں گے اور وہ شرط یہ ہے کہ۔۔۔" بالاشوف گڑبڑا گیا اور اسے وہ الفاظ یاد آ گئے جو شہنشاہ نے اپنے خط میں نہیں لکھے تھے تاہم سالتیکوف کے نام احکامات میں اصرار سے درج کرائے تھے اور بالاشوف کو حکم دیا تھا کہ وہ ان الفاظ کو زبانی نپولین تک پہنچا دے۔ "جب تک ایک بھی مسلح دشمن روسی سرزمین پر موجود ہے۔۔۔" یہ الفاظ بالاشیف کو یاد آ گئے مگر کسی پیچیدہ جذبے نے انہیں اس کی زبان سے ادا نہ

ہونے دیا۔ وہ کچھ دیر ٹھہرا اور پھر کہنے لگا وہ شرط یہ ہے کہ "فرانسیسی فوج نائیمن سے پار چلی جائے"

بالاشوف نے یہ الفاظ ہچکچاتے ہوئے کہے مگر نپولین سے اس کی یہ کیفیت چھپی نہ رہ سکی۔ اس کا چہرہ پھڑکنے لگا اور بائیں ٹانگ کی پنڈلی باقاعدگی سے کپکپانا شروع ہو گئی۔ وہ اپنی جگہ پر کھڑے کھڑے تیزی سے بولنا شروع ہو گیا۔ بعد ازاں اس نے جو باتیں کہیں اس دوران بالاشوف یہ دیکھے بغیر نہ رہ سکا کہ جوں جوں نپولین کی آواز بلند ہوتی گئی اس کی پنڈلی بھی اتنی ہی تیزی سے لرزنے لگی۔

نپولین کہنے لگا "میں شہنشاہ الیگزنڈر سے کم امن نہیں چاہتا۔ اس مقصد کیلئے میں نے گزشتہ ڈیڑھ سال میں کون سی کوشش نہیں کی؟ میں ڈیڑھ برس سے وضاحت کا منتظر ہوں مگر مذاکرات شروع کرنے کے لئے مجھ سے کیا تقاضا کیا جا رہا ہے؟" اس نے بھنویں سکیڑیں اور اپنے چھوٹے سے ہاتھ کی مدد سے سوالیہ اشارہ کیا۔

بالاشوف نے کہا "جناب عالی! یہی کہ آپ نائیمن سے پرے چلے جائیں"

نپولین نے کہا "نائیمن سے پرے؟ تو تم چاہتے ہو کہ میں دریا سے پار چلا جاؤں۔۔۔ صرف نائیمن کے پار؟" اس نے بالاشوف کی جانب دیکھا اور اپنی بات دہرائی۔

بالاشوف نے مودبانہ انداز میں گردن جھکالی۔

چار ماہ پہلے اس سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہ اپنی فوجیں پومیرانیا سے نکال لے اور اب اس سے صرف یہی کہا جا رہا تھا کہ وہ نائیمن سے پار چلا جائے۔ نپولین تیزی سے پیچھے ہٹا اور کمرے میں ادھر ادھر ٹہلنا شروع کر دیا۔

اس نے بالاشوف کی جانب دیکھے بغیر کہا "تم کہتے ہو کہ میں مذاکرات سے پہلے اپنی فوجیں نائیمن سے پرے لے جاؤں مگر دو ماہ پہلے مجھ سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ میں اوڈرا اور وسٹولا سے پیچھے ہٹ جاؤں اور پھر بھی تم مذاکرات کیلئے راضی ہو"

وہ خاموشی سے لمبے لمبے قدم اٹھاتا کمرے کے ایک کونے سے دوسرے میں پہنچ گیا اور دوبارہ بالاشوف کے سامنے آ گیا۔ بالاشوف نے دیکھا کہ اس کی بائیں پنڈلی پہلے سے زیادہ لرز رہی ہے اور اس کے چہرے پر درشتی کا تاثر دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے وہ پتھر سے بنا ہو۔ اسے اپنی پنڈلی کی لرزش کا احساس تھا اور ایک مرتبہ اس نے کہا تھا کہ "بائیں ٹانگ کی کپکپاہٹ میرے لیے بہت بڑی علامت ہے"

اس نے تقریباً چلاتے ہوئے کہا "اوڈرا اور وسٹولا سے پیچھے جانے کے مطالبات شہزادہ باڈن سے تو کئے جا سکتے ہیں مجھ سے نہیں۔ اگر تم ماسکو اور پیٹرز برگ پلیٹ میں رکھ کر مجھے پیش کر دو تو بھی میں ایسی شرائط تسلیم نہیں کروں گا۔ تم کہتے ہو کہ جنگ شروع کرنے کی ذمہ داری مجھ پر عائد ہوتی ہے مگر ہم میں سے پہلے کون فوج سے آ کر ملا؟ شہنشاہ الیگزنڈر یا میں؟ جب میں لاکھوں خرچ کر چکا ہوں تم انگلستان سے اتحاد کر چکے ہو اور تمہاری پوزیشن کمزور ہے تو مجھے مذاکرات کی پیشکش کر رہے ہو۔ تمہارے انگلستان سے اتحاد کا کیا مقصد ہے؟ اس نے تمہیں کیا دیا؟"

وہ مسلسل بولتا چلا گیا۔ یہ بات عیاں تھی کہ وہ امن کے فوائد پر تفصیل سے کوئی بات کرنا چاہتا ہے نہ اس کے امکانات پر بول رہا تھا۔ اس کی بجائے وہ اپنی زوردار گفتگو سے صرف یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ اس کا موقف درست ہے، وہ بیحد طاقتور ہے اور یہ کہ الیگزنڈر غلطیاں کر رہا ہے اور منافقت سے کام لے رہا ہے۔

اس نے گفتگو کے آغاز میں یہ ارادہ کیا تھا کہ وہ اپنی مضبوط پوزیشن جتا کر مذاکرات کیلئے آمادگی کا عندیہ دے گا مگر جوں جوں اس نے بات شروع کی، اس کے مطالب پر اس کا اختیار کم ہوتا چلا گیا اور آخر میں اس کی تمام

باتوں کا مقصد صرف اپنی ذات کی بلندی کا بیان اور الیگزنڈر کی بے عزتی رہ گیا تھا، حالانکہ بات چیت کے آغاز میں وہ ایسی باتیں ہرگز نہیں کرنا چاہتا تھا۔

وہ بالاشوف سے کہنے لگا "میں نے سنا ہے کہ تم نے ترکوں سے صلح کر لی ہے"

بالاشوف نے تصدیق کے طور پر سر جھکایا اور کہا "صلح نامہ طے پا گیا ہے۔۔۔" مگر نپولین نے اسے بات مکمل کرنے کا موقع نہ دیا۔ بظاہر یوں لگتا تھا جیسے وہ تمام گفتگو خود کرنا چاہتا ہے اور بولتا چلا گیا، اس کے لہجے میں وہی بے اختیار جھلاہٹ تھی جو ان لوگوں کی خاصیت ہوتی ہے جن کا دماغ فتوحات کے نشے میں پھر جاتا ہے۔

وہ کہنے لگا "ہاں، مجھے علم ہے کہ تم نے مولداویا اور ولاشیا واپس لیے بغیر ترکوں سے صلح کر لی ہے۔ جس طرح میں نے تمہارے شہنشاہ کو فن لینڈ دے دیا تھا اسی طرح یہ صوبے بھی انہیں دے سکتا تھا، ہاں بالکل، میں نے شہنشاہ الیگزنڈر سے مولداویا اور ولاشیا دینے کا وعدہ کیا تھا اور میں انہیں دے سکتا تھا مگر اب انہیں ان خوبصورت صوبوں سے محروم رہنا پڑے گا۔ وہ انہیں اپنی سلطنت میں شامل کر سکتے تھے اور ایک ہی دور میں روس کی سرحدوں کو خلیج بوتھنیا سے ڈینیوب کے منبعوں تک پھیلا سکتے تھے۔ اس سے زیادہ کیتھرین اعظم بھی نہیں کر سکتی تھی" نپولین میں ٹہلنے لگا اور اس کی جذباتی کیفیت لحہ بہ لحہ بڑھنے لگی۔ وہ بالاشوف کے سامنے بالکل وہی الفاظ دہرا رہا تھا جو اس نے ٹلسٹ میں الیگزنڈر سے کہے تھے۔ وہ کہنے لگا "یہ سب کچھ انہیں میری دوستی کی بدولت مل جاتا، ارے کیا شاندار دورِ حکومت ہوتا، کیا شاندار دورِ حکومت ہوتا!" اس نے آخری فقرہ بار بار دہرایا اور پھر جیب سے نسوار کی طلائی ڈبیا نکال کر ناک تلے لے گیا اور اسے سونگھ کر زور سے چھینک ماری۔ پھر وہ کہنے لگا "کیا شاندار دورِ حکومت ہوتا!"

اس نے بالاشوف کی جانب یوں دیکھا جیسے اس پر بیحد رحم آ رہا ہو۔ جب موخر الذکر نے جواباً کچھ کہنے کی کوشش کی تو اس نے فوراً بات کاٹ دی۔

نپولین نے کہا "آخر ان کی وہ کون سی خواہش ہے جو میری دوستی کی بدولت پوری نہیں ہو سکتی تھی؟۔۔۔" نپولین نے اپنے کندھے یوں اچکائے جیسے یہ معمہ اس کی سمجھ میں نہ آ رہا ہو۔ پھر بات آگے بڑھاتے ہوئے بولا "مگر نہیں، انہوں نے میرے دشمنوں کو اپنے اردگرد اکٹھا کیا، اور کن لوگوں کو؟ سٹائن، آرم فیلڈٹ، ونجنگسن اور وِنزنگیروڈ کو! سٹائن غدار ہے جسے اس کے ملک سے نکال باہر کیا گیا، آرم فیلڈٹ فتنہ پرور اور عیاش ہے، وِنزنگیروڈ غدار فرانسیسی شہری ہے اور ونجنگسن قدرے بہتر فوجی مگر نااہل، جس سے 1807ء میں بھی کچھ نہ ہو سکا۔ اسے دیکھ کر شہنشاہ الیگزنڈر کے ذہن میں خوفناک یادیں تازہ ہو جانی چاہئیں۔۔۔ فرض کر لیں کہ یہ افراد قابل ہوتے تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوتا کیونکہ ان کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھایا جا سکتا تھا" نپولین نے ذہن میں خیالات کی یلغار اسقدر تیز تھی کہ اس کے اپنے الفاظ ان کا ساتھ نہیں دے پا رہے تھے۔ اس کے خیال میں یہ سوچیں حق یا قوت کو ظاہر کرتی تھیں جو اس کی سوچ کے مطابق ایک ہی شے کے دو نام تھے۔ اس نے بات آگے بڑھائی اور کہنے لگا "مگر یہ تو قابل بھی نہیں ہیں، یہ جنگ میں کام آ سکتے ہیں نہ امن میں مدد دے سکتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس گروہ میں بارکلے سب سے قابل ہے مگر اس کی ابتدائی حکمت عملی دیکھنے کے بعد مجھے اس سے اتفاق نہیں کرنا چاہئے۔ اور یہ سب کیا کر رہے ہیں؟ یہ درباری کیا کرنے میں مصروف ہیں؟ پفول منصوبہ سازی کرتا ہے، آرم فیلڈٹ اس پر لڑتا جھگڑتا ہے، ونجنگسن غور و فکر کرتا ہے اور بارکلے جس پر عملدرآمد کی ذمہ داری ہوتی ہے، فیصلہ ہی نہیں کر سکتا اور وقت گزر جاتا ہے۔ صرف باگراتیاں کو ہی حقیقی جرنیل کہا جا سکتا ہے۔ اگرچہ وہ کچھ بیوقوف ہے مگر تجربہ، دوربین نگاہ اور عزم صمیم کا مالک ہے۔۔۔ اور اس غیر شائستہ گروہ میں آپ کے نوجوان شہنشاہ

کیا کر رہے ہیں؟ یہ لوگ ان کی پوزیشن مشکوک کر رہے ہیں اور ہر بات کی ذمہ داری ان پر ڈال دی جاتی ہے۔ جب تک کوئی حکمران خود جرنیل نہ ہو، اس کا فوج سے کیا واسطہ؟" یہ بات عیاں تھی کہ وہ اپنے آخری الفاظ کے ذریعے روسی شہنشاہ کو براہِ راست للکار رہا ہے۔ اسے علم تھا کہ الیگزنڈر فوجی کمانڈر کہلانے کی شدید آرزو رکھتا ہے۔ اس نے مزید کہا "مہم ایک ہفتے سے شروع ہے اور تم ولنا کو بھی نہیں بچا سکے۔ تمہاری فوج دو حصوں میں بٹ چکی ہے اور تمہیں پولینڈ کے صوبہ جات سے باہر دھکیل دیا گیا ہے۔ تمہاری فوج میں بے چینی پھیل رہی ہے۔۔۔"

بالاشوف کہنے لگا "حضور عالی مرتبت! اس کی بجائے ہماری فوج کے جوش و جذبے میں تو مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔۔۔" "اس کیلئے کہنے والی بات یاد کرنا اور لفظی آتشبازی کو سمجھنا دشوار ہو رہا تھا"

نپولین اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا "میں سب جانتا ہوں۔ جس طرح مجھے اپنی فوج کی بٹالینوں کے بارے میں علم ہے اسی طرح تمہاری فوج کے بارے میں بھی سب کچھ جانتا ہوں۔ تمہارے پاس دو لاکھ سے زیادہ سپاہی نہیں اور میرے پاس اس سے تین گنا زائد ہیں۔ یہ بات میں تمہیں اپنی عزت کی قسم کھا کر کہہ رہا ہوں" اسے یہ یاد نہ رہا کہ اس کی عزت کی قسم کی کوئی قدر و قیمت نہ رہی تھی۔ اس نے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا "میں عزت کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ دریائے وسٹولا کی اس جانب میری پانچ لاکھ تیس ہزار سپاہ موجود ہے۔ ترک تمہارے کسی کام کے نہیں، وہ ناکارہ ہیں اور انہوں نے تمہارے ساتھ صلح کر کے یہ بات ثابت کر دی ہے۔ جہاں تک سویڈن والوں کا تعلق ہے تو ان کی قسمت میں پاگل بادشاہوں کی حکومت لکھی ہے۔ ان کا بادشاہ پاگل تھا، انہوں نے اسے معزول کیا اور دوسرے کو تخت پر بٹھا دیا۔ مگر یہ برناڈوٹ دیکھتے ہی دیکھتے پاگل ہو گیا کیونکہ کسی سویڈش کیلئے پاگل ہوئے بغیر روس سے اتحاد کرنا ممکن نہیں"

بات مکمل کرنے کے بعد نپولین حقارت آمیز انداز میں مسکرایا اور نسوار کی ڈبیا دوبارہ ناک تلے لے گیا۔

بالاشوف نپولین کی ہر بات کا فوری جواب دے سکتا تھا اور ایسی کوشش بھی کرتا رہا۔ اس نے کئی مرتبہ اپنے ہاتھ اور بازو یوں ہلائے جیسے کچھ کہنا چاہتا ہو مگر نپولین اسے بات کرنے کا موقع ہی نہیں دے رہا تھا اور ہر بار اسے ٹوک دیتا۔ مثال کے طور پر جب اس نے سویڈن والوں کو پاگل کہا تو بالاشوف یہ کہنا چاہتا تھا کہ روس سویڈن کا ساتھ دے تو وہ عملی طور پر جزیرہ بن جاتا ہے، مگر نپولین غصے میں آ گیا اور یوں چیخنے چلانے لگا کہ بالاشوف کی آواز دب کر رہ گئی۔ نپولین اس شخص کی طرح جھلایا ہوا تھا جیسے کسی کو کسی کے سامنے خود کو درست ثابت کرنے کیلئے باتوں کا سہارا لینا پڑتا ہے اور وہ مسلسل بولے چلا جاتا ہے۔ بالاشوف کو بے چینی محسوس ہونے لگی۔ اسے سفیر کی حیثیت سے اپنے وقار کی بھی فکر تھی چنانچہ وہ جواب کی ضرورت محسوس کر رہا تھا تاہم دوسری جانب انسان کی حیثیت سے وہ اس بے سبب غصے کے سامنے دب کر رہ گیا جو نپولین کو لپیٹ میں لے چکا تھا۔ اسے علم تھا کہ اب نپولین کی کسی بات کی کوئی اہمیت نہیں اور جب وہ حواس میں آئے گا تو اپنے الفاظ پر خود ہی شرمندگی محسوس کرے گا۔ سو بالاشوف نگاہیں جھکائے نپولین کی بھری بھری ٹانگوں کو دیکھتا اور اس کی نظروں سے بچنے کی کوشش میں مصروف رہا۔

نپولین نے کہا "مگر مجھے تمہارے ان اتحادیوں کی کیا پروا؟ میرے بھی اتحادی ہیں، پولینڈ والے، ان کی تعداد اسی ہزار ہے، وہ شیروں کی طرح لڑتے ہیں اور چند روز میں ان کی تعداد دو لاکھ ہو جائے گی"

نپولین کو اپنے واضح جھوٹ کا احساس تھا۔ دوسری جانب بالاشوف اس کے سامنے یوں کھڑا تھا جیسے اپنی قسمت اس کے حوالے کر چکا ہو۔ شاید انہی دونوں باتوں نے اسے جھلا دیا اور اس نے جلدی سے پیچھے مڑ کر اپنا چہرہ بالاشوف کے چہرے کے سامنے کیا اور چھوٹے سے سفید ہاتھوں کو تیزی سے فضا میں لہراتے ہوئے کہنے لگا "میں یہ بات

واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اگر تم نے پرشیا کو میرے خلاف مشتعل کرنے کی کوشش کی تو میں یورپ کے نقشے سے اس کا نام تک مٹا ڈالوں گا۔" غصے کے مارے اس کا چہرہ پیلا پڑ گیا اور شکل بگڑ گئی۔ اس نے زور سے اپنا ایک ہاتھ دوسرے پر مارا اور کہا "ہاں میں تمہیں ڈوینا اور ڈنا پر کے پار دھکیل دوں گا اور وہ سرحدیں دوبارہ بحال کردوں گا جنہیں یورپ نے تمہیں پامال کرنے کی اجازت دے کر پہلے جرم کا ارتکاب کیا اور پھر اسے چھپانے کی کوشش کی۔ ہاں، اب تمہارے ساتھ یہی کچھ ہوگا۔ مجھ سے دوستی نہ کرنے کا تمہیں یہ صلہ ملے گا" بات مکمل کرنے کے بعد وہ کمرے میں خاموشی سے ٹہلنے لگا۔ اس کے چوڑے چکلے کندھے کانپ رہے تھے۔ اس نے نسوار کی ڈبیا واسکٹ کی جیب میں ڈالی اور پھر باہر نکال لی، اسے کئی مرتبہ اپنی ناک تلے رکھا اور پھر بالاشوف کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے کچھ توقف کیا اور پھر بالاشوف کی آنکھوں میں مزاحیہ انداز سے دیکھتے ہوئے آہستگی سے کہا" اور اس کے باوجود تمہارے آقا کا دور کس قدر شاندار ہو سکتا تھا"

بالاشوف کو محسوس ہوا کہ اب جواب دینا ضروری ہے۔ اس نے کہا" روسی ان باتوں کو اس انداز سے نہیں دیکھتے" نپولین خاموش کھڑا رہا اور بظاہر ان سنی کرتے ہوئے اسے حقارت آمیز انداز سے دیکھ رہا تھا۔ بالاشوف کہنے لگا" روسیوں کو توقع ہے کہ جنگ سے بہترین نتائج حاصل ہوں گے" نپولین یوں مسکرایا جیسے کہہ رہا ہو" میں جانتا ہوں کہ تمہیں ایسی بات کرنے کا حق حاصل ہے مگر تمہیں خود اس پر یقین نہیں اور میں تمہیں قائل کر چکا ہوں" بالاشوف کی بات مکمل ہونے پر نپولین نے ایک مرتبہ پھر نسوار سونگھی اور اشارے کے طور پر دو مرتبہ پاؤں زور سے فرش پر مارا۔ دروازہ کھلا اور ایک درباری نے مودبانہ انداز میں جھک کر شہنشاہ کو اس کا ہیٹ اور دستانے پیش کر دیے۔ دوسرا شخص رومال لے آیا۔ نپولین ان کی جانب دیکھے بغیر بالاشوف کی طرف متوجہ ہوا۔

اس نے کہا" شہنشاہ الیگزینڈر کو یقین دلاؤ کہ میں پہلے کی طرح اب بھی ان کا وفادار ہوں۔ میں انہیں اچھی طرح جانتا ہوں اور وہ جن بلند اوصاف کے مالک ہیں ان کے پیش نظر میں ان کا دلی احترام کرتا ہوں۔ جنرل! اب میں تمہیں مزید نہیں روکوں گا۔ تمہیں شہنشاہ کے نام میرا خط مل جائیگا" یہ کہہ کر نپولین تیزی سے دروازے کی جانب چل دیا۔ استقبالیہ کمرے میں موجود تمام لوگ عجلت سے سیڑھیوں کی جانب بھاگنے لگے۔

(7)

نپولین کی باتوں، اس کے غصے اور خشک لہجے میں آخری الفاظ کہ" جنرل! اب میں تمہیں مزید نہیں روکوں گا، تمہیں میرا خط موصول ہو جائیگا" سے بالاشوف کو یقین ہو گیا کہ اب نپولین اس سے دوبارہ ملاقات کا خواہشمند نہیں ہے۔ درحقیقت وہ جس سفیر سے اسقدر بیہودگی سے پیش آیا ہے اور جس کے سامنے اس نے اسقدر ناشائستہ غصے کا مظاہرہ کیا تھا اس کے قریب بھی نہیں آنا چاہے گا۔ مگر جب اسے ڈوروک کی وساطت سے شہنشاہ کے ساتھ کھانے کی دعوت ملی تو وہ حیران رہ گیا۔

کھانے میں ڈیسیرس، کاؤلین کورٹ اور برتھیر بھی شریک تھے۔

نپولین بالاشوف سے نہایت فراخدلی اور انکساری سے ملا۔ اس کے رویے سے صبح کے غصے کے اثرات کا شائبہ ملتا تھا نہ وہ اپنے رویے پر نادم محسوس ہوتا تھا۔ اس کے برعکس وہ پوری کوشش کر رہا تھا کہ بالاشوف کوئی گھبراہٹ یا پریشانی محسوس نہ کرے۔ یہ بات عیاں تھی کہ اسے مدت سے یقین ہو چکا ہے کہ وہ غلطی نہیں کر سکتا اور اس کے خیال میں

اس کا ہر عمل درست ہوتا ہے۔ وہ ایسا کیوں سمجھتا تھا؟ اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ اس کے اعمال صحیح یا غلط کے معیار پر پورا اترتے تھے بلکہ وہ اس لیے درست ہوتے تھے کہ اس کے ذریعے وقوع پذیر ہوتے تھے۔

ولنا میں گھڑ سواری کرنے کے بعد اس کا مزاج خوشگوار ہو گیا تھا جہاں کے باشندوں نے اس کا گرمجوشی سے استقبال کیا تھا اور جوش وخروش سے اس کے گھوڑے کے پیچھے پیچھے بھاگتے رہے تھے۔ وہ جن سڑکوں اور گلیوں سے گزرا وہاں ہر کھڑکی میں ایسے قالین، پردے اور جھنڈے لٹک رہے تھے جن پر اس کے نشانات بنے تھے اور پولینڈ کی عورتوں نے رومال ہلا ہلا کر اسے خوش آمدید کہا تھا۔

کھانے پر نپولین نے بالاشوف کو اپنے ساتھ بٹھانے کے بعد نہ صرف ملنساری کا مظاہرہ کیا بلکہ اس سے کچھ ایسا برتاؤ کرنے لگا جیسے وہ اسی کا درباری ہو اور ان لوگوں میں سے ایک ہو جنہیں اس کے منصوبوں سے اتفاق تھا اور اس کی فتوحات پر خوشیاں مناتے تھے۔ دوران گفتگو اس نے ماسکو کا ذکر چھیڑ دیا اور بالاشوف سے روسی دارالحکومت کے بارے میں سوالات پوچھنا شروع کر دیے۔ تاہم اس کا انداز گفتگو اس مسافر جیسا نہیں تھا جو کسی ایسے نئے شہر کے بارے میں سوالات پوچھتا ہے جس کی وہ سیر کرنا چاہتا ہو بلکہ وہ یوں پوچھ رہا تھا جیسے اسے یقین ہو کہ اس کا تجسس دیکھ کر روسی بالاشوف بیحد خوش ہوگا۔

اس نے پوچھا" ماسکو کی آبادی کتنی ہے؟ مکانات کی تعداد کیا ہے؟ کیا واقعی ماسکو مقدس شہر کہلاتا ہے؟ وہاں کتنے گرجا گھر ہیں؟"

جب اسے بتایا گیا کہ ماسکو میں گرجا گھروں کی تعداد دو سو سے زائد ہے تو وہ کہنے لگا" اتنے زیادہ گرجا گھروں کی کیا ضرورت ہے؟"

بالاشوف نے جواب دیا" روسی بیحد دیندار ہیں"

نپولین نے رائے دی" گرجا گھروں اور خانقاہوں کی زیادہ تعداد کسی قوم کی پسماندگی کی علامت ہوتی ہے" یہ کہہ کر اس نے اپنے جملے پر داد وصول کرنے کیلئے سرسری نگاہوں سے کاؤلین کورٹ کی جانب دیکھا۔

بالاشوف نے فرانسیسی شہنشاہ سے مودبانہ اختلاف کی ہمت کرتے ہوئے کہا" ہر ملک کے اپنے رسوم ورواج ہوتے ہیں"

نپولین بولا" مگر یورپ کے کسی دوسرے ملک میں ایسا نہیں ہے"

بالاشوف نے جواب دیا" حضور عالی! روس کے علاوہ ہسپانیہ میں بھی بے شمار گرجا گھر اور خانقاہیں ہیں"

بالاشوف کے اس فوری جواب پر جس میں ہسپانیہ میں فرانس کی حالیہ شکستوں کے بارے میں ڈھکے چھپے انداز میں اشارہ کیا گیا تھا، نپولین کے دسترخوان پر پسند کیا گیا نہ کسی نے اس پر توجہ دی تاہم بعد از اں الیگزینڈر کے دربار میں جب اسے دہرایا گیا تو ہر طرف سے بھرپور داد ملی۔

مارشلوں کے چہروں پر نظر آنیوالی الجھن اور لاپروائی اس امر کی طرف اشارہ کرتی تھی کہ وہ بالاشوف کی بات کا مطلب جاننے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان کے چہروں سے کچھ یوں ظاہر ہوتا تھا جیسے سوچ رہے ہوں" اگر اس نے کوئی نکتہ آفریں بات کہی ہے تو ہم اسے سمجھنے سے معذور ہیں" یا" اس فقرے میں بذلہ سنجی کا کوئی شائبہ نہیں" اس کے فوری جواب کو اسقدر کم سمجھا گیا کہ نپولین نے اس پر کوئی توجہ نہ دی اور سادگی سے پوچھا کہ" یہاں سے ماسکو تک سیدھا راستہ کن شہروں سے گزرتا ہے؟" بالاشوف جو کھانے کے دوران چوکس رہا تھا، جواب دیتے ہوئے بولا" جس طرح تمام سڑکیں روم

پہنچتی ہیں اسی طرح تمام راستے ماسکو جاتے ہیں اور ان میں پولتاوا کی سڑک بھی شامل ہے جسے چارلس دوازدہم نے چنا تھا‘‘ بالاشوف کا یہ جواب اسقدر برمحل تھا کہ اس کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگا تاہم اس کا جملہ مکمل نہیں ہوا تھا کہ کاؤلین کورٹ پیٹرز برگ سے ماسکو جانیوالی سڑک کی خستہ حالی اور پیٹرز برگ میں اپنے قیام کی بابت بتلانے لگا۔

کھانے کے بعد کافی پینے کیلئے وہ نپولین کے کمرے میں چلے گئے۔ چار روز پہلے یہ کمرہ شہنشاہ الیگزنڈر کے پاس تھا۔ نپولین بیٹھ گیا اور سیورے کی بنی پیالیوں سے کھیلنے لگا۔ اس نے بالاشوف کو ہاتھ کے اشارے سے قریب بلایا اور اپنے ساتھ کرسی پر بٹھالیا۔

یہ عام بات ہے کہ کھانے کے بعد انسان پر کچھ ایسی کیفیت طاری ہو جاتی ہے جس کے زیر اثر وہ اپنے آپ سے مطمئن اور مسرور ہو جاتا ہے اور اس کیفیت میں ہر شخص کو اپنا دوست سمجھنے لگتا ہے۔ نپولین پر بھی یہی کیفیت طاری تھی۔ وہ خود کو ایسے اشخاص کے حلقے میں گھرا محسوس کر رہا تھا جو اس کی پرستش کرتے تھے اور کھانے کے بعد کی اس کیفیت میں بالاشوف کو بھی اپنا دوست اور مداح سمجھنے لگا۔

وہ قدرے طنزیہ انداز میں اس سے کہنے لگا ”میں نے سنا ہے کہ یہی کمرہ پہلے شہنشاہ الیگزنڈر کے زیر استعمال تھا، کتنی عجیب بات ہے؟ کیوں جنرل؟“ اسے کوئی شبہ نہ تھا کہ یہ جملہ کسی روسی کو قطعاً پسند نہیں آ سکتا کیوں کہ اس سے نپولین کی الیگزنڈر پر برتری ثابت ہوتی تھی۔

بالاشوف کوئی جواب نہ دے سکا اور خاموشی سے گردن جھکالی۔

نپولین نے خود اعتمادی سے بھرپور اسی طنزیہ مسکراہٹ سے بات جاری رکھتے ہوئے کہا ”ہاں، اسی کمرے میں چار دن پہلے ونزنگیروڈ اور سٹائن صلاح مشورہ کر رہے تھے۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ شہنشاہ الیگزنڈر نے میرے تمام ذاتی دشمن اپنے گرد اکٹھے کر لیے ہیں، یہ میں بالکل نہیں سمجھ پایا، کیا انہیں کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ میں بھی ایسا کر سکتا ہوں؟“ اس نے بظاہر اپنے سوال کو اسی پٹڑی پر ڈال دیا تھا جس پر وہ صبح چل رہا تھا اور اس کا غصہ دوبارہ تازہ ہو گیا۔ اس نے پیالی ایک جانب دھکیلی اور اٹھتے ہوئے بولا ”اور انہیں بتا دینا کہ میں بھی یہی کروں گا۔ میں ان کے تمام عزیزوں اور رشتہ داروں ورٹم برگوں اور باڈنوں اور وائمروں کو جرمنی سے نکال دوں گا۔ ایک ایک کر کے نکال دوں گا، انہیں چاہئے کہ وہ روس میں ان کیلئے پناہ گاہیں تعمیر کرا لیں“

بالاشوف نے سر جھکایا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ رخصتی کا خواہشمند ہے اور جو کچھ اس سے کہا جا رہا ہے وہ اس لیے سن رہا ہے کیونکہ ایسا کرنا اس کی مجبوری ہے۔ نپولین نے اس کے تاثرات نظر انداز کر دیے۔ وہ بالاشوف سے اس طرح پیش آ رہا تھا جیسے وہ اس کے دشمن کا سفیر ہونے کی بجائے اس کا وفادار ہو اور یقیناً اپنے پرانے آقا کی بے عزتی پر خوش ہو رہا ہو۔

نپولین کہنے لگا ”اور شہنشاہ الیگزنڈر نے فوجوں کی کمان خود کیوں سنبھال لی ہے؟ اس سے کیا فائدہ ہوگا؟ جنگ میرا پیشہ ہے، ان کا کام حکومت کرنا ہے، فوج کی کمان نہیں۔ انہوں نے یہ ذمہ داری اپنے سر کیوں لے لی؟“

اس نے دوبارہ نسوار کی ڈبیا نکالی اور خاموشی سے کمرے کے متعدد چکر لگانے کے بعد اچانک غیر متوقع طور پر بالاشوف کے پاس پہنچا اور ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ چالیس سالہ جرنیل کے چہرے تک ہاتھ لے جا کر اس کا کان آہستگی سے مروڑ دیا۔ اس نے یہ حرکت اسقدر اعتماد، تیزی اور بے تکلفی سے کی جیسے کوئی نہایت اہم کام کر رہا ہو اور اس میں بالاشوف کو بھی لطف آیا ہوگا۔

فرانسیسی دربار میں شہنشاہ سے اپنے کان اینٹھوانا بہت بڑا اعزاز سمجھا جاتا تھا۔

نپولین کہنے لگا ”شہنشاہ الیگزنڈر کے درباری اور مداح تم کچھ بولتے کیوں نہیں؟ اس کا انداز ایسا تھا جیسے اس کے ہوتے ہوئے کسی اور کا درباری اور مداح ہونا نہایت مضحکہ خیز بات ہو۔ پھر وہ اپنے عملے سے مخاطب ہو کر بولا ”انہیں میرے گھوڑے دے دو، ان کا سفر طویل ہے۔۔۔“

بالاشوف کے ذریعے ارسال کیا جانیوالا خط الیگزنڈر کے نام نپولین کا آخری خط تھا۔ اس ملاقات کی تمام تر تفصیلات روسی شہنشاہ کو پہنچا دی گئیں اور جنگ شروع ہو گئی۔

(8)

شہزادہ آندرے ماسکو میں پیری سے ملاقات کے بعد پیٹرز برگ چلا گیا۔ اس نے اپنے اہلخانہ کو یہی بتایا کہ وہ کسی کام کے سلسلے میں جا رہا ہے مگر حقیقت میں اسے اناطول کوراگن کی تلاش تھی جس سے ملنا اسے نہایت ضروری محسوس ہو رہا تھا۔ پیٹرز برگ پہنچ کر اس نے کوراگن کے بارے میں معلومات حاصل کیں مگر وہ اب وہاں نہیں تھا۔ پیری نے اپنے سالے کو بتا دیا تھا کہ شہزادہ آندرے اس کا پیچھا کر رہا ہے چنانچہ اناطول پیٹرز برگ پہنچ کر وزیر جنگ سے ملا اور فوج میں شمولیت کیلئے مولداویا روانہ ہو گیا۔ آندرے نے پیٹرز برگ میں اپنے سابق جرنیل کوتوزوف سے ملاقات کی جس کے دل میں اس کیلئے ہمیشہ نرم گوشہ موجود رہا تھا۔ معمر جرنیل نے اسے تجویز دی کہ وہ اس کے ساتھ مولداویا چلا آئے جہاں کی فوج کا وہ کمانڈر تھا۔ چنانچہ شہزادہ آندرے نے ہیڈ کوارٹر میں اپنی تعیناتی کے احکامات وصول کئے اور ترکی روانہ ہو گیا۔

شہزادہ آندرے نے کوراگن کو خط لکھنا اور ڈوئیل کا چیلنج دینا مناسب نہ سمجھا۔ اس کا خیال تھا کہ اگر کوئی نیا بہانہ ہاتھ نہ آیا اور اس نے یونہی کوراگن کو چیلنج کر دیا تو اس سے نوابزادی رستوف کی بدنامی ہو گی۔ چنانچہ اس نے کوراگن سے خود ملنے اور ڈوئیل لڑنے کا کوئی بہانہ تلاش کرنے کا فیصلہ کیا تاہم کوراگن اسے ترکی میں بھی نہ ملا۔ وہ شہزادہ آندرے کی آمد کے چند روز بعد ہی روس چلا گیا تھا۔ نئے ملک اور ماحول میں آندرے کو زندگی آسان محسوس ہوئی۔ اس کے دل پر منگیتر کی بیوفائی نے جو اثرات مرتب کئے تھے وہ انہیں چھپانے کی جتنی کوشش کرتا یہ اتنے ہی تکلیف دہ ثابت ہوتے تھے۔ اس واقعے کے بعد وہ ماحول اسے بیحد اذیت ناک محسوس ہوتا تھا جس میں وہ کبھی خوش رہا کرتا تھا۔ وہ آزادی اور خود مختاری جو کبھی اسے بیحد عزیز تھی اب وبال جان محسوس ہونے لگی۔ وہ خیالات جو آسترلتس کے میدان جنگ میں آسمان کی جانب دیکھنے سے اس کے ذہن میں آئے تھے اور جنہیں بعد میں پیری کے ساتھ گفتگو میں تفصیل سے بیان کرنا اسے بیحد پسند تھا، وہ خیالات جو باگوچاروف اور بعد ازاں سوئٹزرلینڈ اور روم میں اس کی تنہائیوں کے ساتھی تھے، اب نہ صرف اس کے دماغ میں نہ آتے تھے بلکہ اسے ان خیالات اور ان کی بدولت سامنے آنیوالے روشن اور لامحدود آسمانوں کو یاد کر کے بھی اسے ڈر لگنے لگتا تھا۔ اب اس کی سوچ کا محور صرف وہی کام تھے جنہیں فوری طور پر نپٹایا جانا ضروری ہوتا تھا اور جن کا اس کے پرانے نظریات سے کوئی تعلق نہیں ہوتا تھا۔ یہ نظریات اس کی دسترس سے جتنا دور ہو رہے تھے، نئی دلچسپیوں میں اس کا شوق اتنا ہی بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ یہ صورتحال بالکل ایسے ہی تھی جیسے نیلے آسمان کی وہ بلند اور لامحدود چھتری جو کبھی اس کے سر پر سایہ کیے ہوئے تھی اب اچانک نیچی اور گنبد نما ٹھوس چھت میں بدل گئی ہو اور اس پر وزنی بوجھ ڈال دیا ہو۔ اس چھت تلے ہر شکل واضح تھی مگر اس میں پراسراریت اور ابدیت مفقود ہو چکی تھی۔

اس کے ذہن میں آنیوالے تمام مشاغل میں فوجی ملازمت ایک ایسا کام تھا جو ہر قسم کی الجھنوں سے پاک اور جانا پہچانا تھا۔ اس نے کوتوزوف کے عملے میں ڈیوٹی جنرل کی ذمہ داری قبول کر لی اور اپنے فرائض اسقدر محنت اور مستقل مزاجی سے انجام دینے لگا کہ کوتوزوف بھی اس کی مستعدی اور راست بازی پر حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ جب ترکی میں کوراگن اس کے ہاتھ نہ چڑھا تو اس نے واپس روس جانا لاحاصل سمجھا تاہم اسے یقین تھا کہ خواہ کتنا عرصہ ہی کیوں نہ گزر جائے، ایک دن وہ ضرور اس کے سامنے آ جائیگا۔ ذہن میں آنیوالے ان تمام دلائل کے باوجود کہ "وہ اس قابل نہیں کہ میں اپنی حیثیت سے نیچے آتے ہوئے اس سے ہاتھا پائی کروں" وہ جانتا تھا کہ جب بھی ان کی ملاقات ہوئی تو وہ کھانے پر ٹوٹ پڑنے والے بھوکے شخص کی طرح اسے چیلنج دیے بغیر نہیں رہ سکے گا۔ بے عزتی کا انتقام نہ لیے جانے اور دل میں بھڑکنے والی دشمنی کی آگ نہ بجھنے کے باعث اس کے دل پر بوجھ تھا اور اس نے ترکی میں مسلسل محنت، کسی قدر مغرورانہ اور جاہ طلبی پر مبنی مصروفیت کے ذریعے جو مصنوعی سکون حاصل کیا تھا اس میں یہ بوجھ زہر گھول رہا تھا۔

1812ء میں جب نپولین کے ساتھ جنگ کی خبر بخارسٹ پہنچی (جہاں کوتوزوف چودہ ماہ سے مقیم تھا اور اپنے شب و روز ایک ولاکین خاتون کے ساتھ بسر کر رہا تھا) تو شہزادہ آندرے نے اپنا تبادلہ مغربی فوج میں کرنے کی درخواست کی۔ کوتوزوف اس کی سخت محنت دیکھ کر پریشان ہو گیا تھا اور اسے محسوس ہو رہا تھا کہ آندرے کی محنت کے مقابلے میں اس کی اپنی آرام طلبی عجیب سی محسوس ہوتی ہے، چنانچہ اس نے فوراً اجازت دیدی اور اسے اہم مشن پر بارکلے ڈی توَلی کے پاس بھیج دیا۔

مغربی فوج اس وقت دریسا میں قیام پذیر تھی۔ شہزادہ آندرے نے براہ راست اس میں شمولیت سے قبل راستے میں آنیوالے بلیک ہلز کا بھی دورہ کیا کیونکہ یہ سمولنسک کی سڑک سے صرف تین کلومیٹر دور تھا۔ گزشتہ تین برسوں میں اس کی زندگی میں اسقدر زیادہ تبدیلیاں آ چکی تھیں اور اس نے اتنا کچھ دیکھا، سوچا اور محسوس کیا تھا (کیونکہ اس نے مشرق اور مغرب دونوں جانب سفر کر لیا تھا) کہ بلیک ہلز پہنچ کر اسے حیرت ہوئی یہ بات نہایت عجیب محسوس ہوئی کہ وہاں زندگی کے طریقے بعینہ وہی تھے جو وہ چھوڑ کر گیا تھا۔ اس کی گاڑی بڑے دروازے سے داخل ہو کر مکان کی جانب جانیوالی سڑک پر چلنے لگی جس کی دونوں جانب درخت تھے۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کسی جادوئی قلعے میں پہنچ گیا ہے جہاں ہر شے نیند میں ڈوبی ہوئی ہے۔ مکان میں وہی سنجیدگی، صفائی اور خاموشی تھی۔ مکان کے اندروہی فرنیچر، دیواریں، آوازیں، خوشبوئیں اور ڈرپوک چہرے نظر آ رہے تھے جو پہلے کی نسبت ذرا زیادہ بوڑھے ہو گئے تھے۔ شہزادی ماریا اسی طرح ڈری سہمی ہوئی لڑکی تھی جس کی جوانی کا پہلا دور ختم ہو چکا تھا اور وہ اپنی زندگی کے بہترین سال اندیشوں، وسوسوں اور اخلاقی کرب کی نذر کر چکی تھی۔ مادموزیل بورین بھی پہلے جیسی جوان اور مطمئن تھی، وہ اپنی زندگی سے بھرپور لطف اٹھا رہی تھی اور مستقبل کے حوالے سے خوشگوار امیدیں پالے ہوئے تھی۔ اس میں صرف اتنا فرق نمودار ہوا تھا کہ اب وہ اپنی ذات کے بارے میں پہلے سے زیادہ پراعتماد ہو چکی تھی۔ اطالیق ڈیسال جسے وہ سوئٹزرلینڈ سے لایا تھا، روسی طرز کا کوٹ زیب تن کیے ہوئے تھا اور ٹوٹی پھوٹی روسی زبان میں نوکروں سے بات چیت کر رہا تھا تاہم وہ اب بھی پہلے جیسا مہذب، باضمیر، دیانتدار اور کتاب سے شغف رکھنے والا استاد مگر محدود ذہن کا مالک تھا۔ معمر شہزادے میں نظر آنیوالی واحد جسمانی تبدیلی اس کے منہ میں ایک جانب خاصا بڑا گھاؤ تھا جو ایک دانت نکلوائے جانے کے باعث بن گیا تھا۔ اس کا مزاج اب بھی پہلے جیسا تھا بلکہ غصیلا پن پہلے سے کچھ زیادہ ہو گیا تھا۔ دنیا میں ظہور پذیر ہونے والے واقعات کے بارے میں اس کا رویہ بھی زیادہ شک آمیز ہو چکا تھا۔ صرف نکولشکا میں تبدیلیاں رونما ہوئی تھیں اور وہ

بڑا ہو گیا تھا۔ اس کے گال پہلے سے زیادہ گلابی اور بال سیاہ گھنگھریالے تھے۔ وہ ہنستے اور خوش ہوتے وقت بالائی ہونٹ اپنی غیر شعوری طور پر اپنی ماں کی طرح اوپر اٹھا لیتا تھا۔ اس جادوئی اور خفتہ قلعے میں وہ واحد شے تھی جس نے عدم تغیر کے اصول پر عمل نہیں کیا تھا۔ اگرچہ بظاہر ہر شے پہلے جیسی تھی تاہم اب ان لوگوں کے باطنی تعلقات وہ نہیں تھے جو شہزادہ آندرے نے اس سے پہلے دیکھے تھے۔ اب ان میں تبدیلیاں رونما ہو چکی تھیں۔ اہلخانہ دو اجنبی اور مخالف گروہوں میں تقسیم ہو چکے تھے۔ وہ آپس میں اس لیے ملتے تھے کہ وہ وہاں آ چکا تھا۔ اس کی خاطر انہوں نے اپنی زندگی کے معمولات بدل لیے تھے۔ ایک گروہ معمر شہزادے، مادموزیل بورین اور ماہر تعمیرات جبکہ دوسرا شہزادی ماریا، ڈیسال، نکولشکا اور تمام بوڑھی آیاؤں پر مشتمل تھا۔

بلیک ہلز میں اس کے قیام کے دوران تمام خاندان ایک جگہ بیٹھ کر کھانا کھاتا تھا مگر وہ تمام بے چینی کا شکار رہتے۔ شہزادہ آندرے کو محسوس ہوتا تھا جیسے وہ ایک مہمان ہے جس کی خاطر وہ خود پر جبر کیے ہوئے ہیں اور اس کی موجودگی ان کے اعصاب پر بوجھ بنی ہوئی ہے۔ اسے جبلی طور پر یہ بات محسوس ہو گئی چنانچہ وہ پہلے روز خاموش بیٹھا رہا۔ اس کا یہ غیر فطری رویہ معمر شہزادے نے بھی محسوس کر لیا اور وہ بھی خاموشی سے بیٹھا رہا اور کھانا ختم ہوتے ہی سیدھا اپنے کمرے میں چلا گیا۔ شام کے وقت جب شہزادہ آندرے اس کے پاس گیا اور نوجوان شہزادہ کامینسکی کی مہم کے بارے میں بات چیت کر کے اس کی دلچسپی ابھارنے کی کوشش کی تو بوڑھے نے اچانک شہزادی ماریا کا ذکر چھیڑ دیا۔ اسے ماریا پر یہ اعتراض تھا کہ وہ ضعیف الاعتقاد اور وہمی ہے اور مادموزیل بورین سے حسد کرتی ہے حالانکہ مادموزیل وہ واحد ہستی ہے جو مجھ سے حقیقی معنوں میں پیار کرتی ہے۔

معمر شہزادے نے دعویٰ کیا کہ اس کی طبیعت کے خراب رہنے کی ذمہ دار شہزادی ماریا ہے وہ اسے جان بوجھ کر زچ کرتی اور اشتعال دلاتی رہتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ بے جا لاڈ پیار اور اپنی حماقتوں کی بدولت ننھے شہزادے نکولائی کو بھی خراب کر رہی ہے۔ بوڑھا بخوبی جانتا تھا کہ وہ اپنی بیٹی کو دکھ پہنچا رہا ہے تاہم اسے یہ بھی علم تھا کہ وہ اسے "تکلیف دیے بغیر نہیں رہ سکتا اور وہ اسی کی مستحق ہے۔ اسے یہ سوچ کر حیرت ہو رہی تھی کہ "شہزادہ آندرے سب کچھ دیکھ رہا ہے مگر اپنی بہن کے بارے میں مجھے کچھ کہتا کیوں نہیں؟ کیا وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں جھگڑالو، بدکار یا پاگل بوڑھا ہوں جس نے بلاوجہ اپنی بیٹی سے تعلقات خراب کر کے فرانسیسی عورت سے رشتہ استوار کر لیا ہے۔ وہ کچھ نہیں سمجھتا، مجھے اسے سمجھانا پڑے گا اور سب کچھ بتانا ہوگا۔ اسے میری بات سننا پڑے گی" یہ سوچ کر وہ بیٹے کو تفصیل سے بتانے لگا کہ وہ اپنی بیٹی کا غیر مناسب رویہ کیوں برداشت نہیں کرتا۔

شہزادہ آندرے نے نگاہیں اٹھا کر اپنے والد کی جانب دیکھے بغیر کہا "اگر مجھ سے پوچھیں تو۔۔۔ (وہ پہلی مرتبہ اپنے والد پر تنقید کر رہا تھا) میں اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتا تھا مگر چونکہ آپ کا اصرار ہے تو میں سچ کہوں گا اور اپنی رائے کا کھل کر اظہار کروں گا۔ اگر آپ اور ماشا کے مابین کوئی اختلاف ہے تو اس میں اس کا قطعاً کوئی قصور نہیں۔ مجھے علم ہے کہ وہ آپ سے کتنی محبت کرتی ہے اور آپ کا کس قدر احترام کرتی ہے" آندرے نے غصے کے عالم میں بات جاری رکھتے ہوئے کہا "چونکہ آپ پوچھ رہے ہیں تو میں صرف یہی کہہ سکتا ہوں کہ اگر کوئی غلط فہمی پیدا ہوئی ہے تو وہ اس فضول عورت کی وجہ سے ہے جو کسی بھی طرح میری بہن کی ساتھی بننے کی اہل نہیں"

بوڑھا ایک لمحے کیلئے ششدر رہ گیا، پھر وہ زبردستی مسکرایا۔ جب وہ یوں مسکرایا تو اس کے منہ کا تازہ سوراخ سامنے آ گیا۔ شہزادہ آندرے ابھی اس مسکراہٹ کا عادی نہیں ہوا تھا۔

وہ آندرے سے بولا "میرے پیارے بیٹے، کون ساتھی؟ اچھا تو تم اس حوالے سے پہلے ہی بات چیت کر چکے ہو ٹھیک ہے؟"

شہزادہ آندرے نے درشتی سے جواب دیا "اباجان، میں کوئی فیصلہ نہیں سنانا چاہتا تھا مگر آپ نے ہی اصرار کیا، میں ہمیشہ کہہ چکا ہوں اور کہتا رہوں گا کہ ماشا کا کوئی قصور نہیں، قصور ان لوگوں کا ہے، وہ فرانسیسی خاتون قصوروار ہے"

بوڑھا دھیمی آواز سے کہنے لگا "اوہ، اس نے فیصلہ سنا دیا!۔۔۔فیصلہ سنا دیا!شہزادہ آندرے کو یوں لگا جیسے وہ شرمندہ ہو رہا ہو مگر اگلے ہی لمحے وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا اور چلا کر بولا "نکل جاؤ، نکل جاؤ! میں دوبارہ تمہاری شکل نہیں دیکھنا چاہتا!۔۔۔"

شہزادہ آندرے اسی روز جانا چاہتا تھا مگر شہزادی ماریا نے اسے مزید ایک دن ٹھہرنے پر راضی کر لیا۔ اس روز وہ اپنے والد سے نہ ملا۔ بوڑھا اپنے کمرے ہی میں بند رہا اور مادموزیل بورین اور تیخن کے علاوہ کسی کو اندر نہ آنے دیا۔ وہ بار بار یہی پوچھ رہا تھا کہ اس کا بیٹا چلا گیا ہے یا نہیں۔ اگلے روز روانگی سے قبل شہزادہ آندرے اپنے بیٹے کے کمرے میں گیا۔ صحت مند چھوٹا لڑکا اس کی گود میں بیٹھ گیا، اس کے بال اپنی ماں کی طرح گھنگھریالے تھے۔ شہزادہ آندرے اسے نیلے پرندے کی کہانی سنانے لگا تاہم کہانی ختم ہونے سے پہلے ہی اپنی سوچوں میں غرق ہو گیا۔ وہ اپنی گود میں بیٹھے خوبصورت بیٹے کے بارے میں نہیں سوچ رہا تھا بلکہ اس کی سوچوں کا مرکز اس کی اپنی ذات تھی۔ باپ کو ناراض کرنے کے حوالے سے کوشش کے باوجود اسے اپنے دل میں کوئی شرمندگی محسوس ہوئی نہ اسے اس بات پر افسوس ہوا کہ زندگی میں پہلی مرتبہ وہ اپنے باپ سے ناراض ہو کر جا رہا ہے۔ اسے سب سے زیادہ پریشانی اس بات پر ہو رہی تھی کہ اب اسے دل میں اپنے بیٹے کے حوالے سے موجود پیار کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا حالانکہ جب اس نے اسے گود میں بٹھایا اور پچکارا تو اسے امید تھی کہ وہ دوبارہ پیار کے سمندر میں غوطہ زن ہو جائیگا۔

بیٹے نے کہا "آگے سنائیں" شہزادہ آندرے نے اسے گود سے نیچے اتارا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔

جونہی اس نے اپنی روزمرہ کی مصروفیات ملتوی کیں اور خاص طور پر اس وقت جب وہ پرانے ماحول میں واپس آیا جہاں اس نے خوش باشی سے دن گزارے تھے تو زندگی کا تمام تر دکھ اپنی بھرپور شدت سے اس پر حملہ آور ہو گیا۔ وہ ان یادوں سے پیچھا چھڑانے اور فوراً کوئی مصروفیت ڈھونڈنے کی کوشش میں مصروف ہو گیا۔

اس کی بہن نے پوچھا "آندرے، کیا آپ واقعی جا رہے ہیں؟"

آندرے نے جواب دیا "خدا کا شکر ہے کہ میں جا سکتا ہوں، مجھے بیحد افسوس ہے کہ تم کہیں نہیں جا سکتیں"

ماریا بولی "آپ نے یہ کیوں کہا؟ آپ ایسا کیوں کہتے ہیں جبکہ آپ اس خوفناک جنگ میں شرکت کیلئے جا رہے ہیں اور وہ اتنے بوڑھے ہو گئے ہیں، مادموزیل کہتی ہے کہ وہ بار بار آپ کے بارے میں پوچھ رہے ہیں۔۔۔" جونہی اس نے یہ بات کی تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ شہزادہ آندرے نے منہ پھیر لیا اور کمرے میں ٹہلنا شروع کر دیا۔

وہ بولا "اوہ میرے خدایا! میرے خدایا! ذرا سوچو، کیا اور کون۔۔۔کیسی بے وقعت اشیاء اور بے حیثیت لوگ انسان کے مصائب کا سبب بن جاتے ہیں" اس کے لہجے میں مخاصمت محسوس کر کے شہزادی ماریا خوفزدہ ہو گئی۔

اس نے محسوس کیا کہ جب آندرے نے "بے حیثیت" لوگوں کا تذکرہ کیا تھا تو اس کا اشارہ مادموزیل بورین

کی طرف نہیں تھا جو اس کی مصیبتوں کا باعث تھی بلکہ اس شخص کی جانب بھی تھا جس نے اس کی اپنی زندگی تلخ بنا دی تھی اور اس سے تمام خوشیاں چھین لی تھیں۔

ماریا نے اسے کہنی سے چھوا، اور آنسو بھری آنکھوں سے دیکھتے ہوئے کہنے لگی "آندرے، میں ایک التجا کرتی ہوں، میں آپ کا دکھ سمجھتی ہوں (اس نے نظریں جھکا لیں) یہ مت سمجھیں کہ انسان دکھ پہنچاتے ہیں۔ انسان اس کی منشاء کے مطابق چلتے ہیں" اس نے نگاہیں اٹھائیں اور کہا "غم انسان نہیں، وہ دیتا ہے، انسان تو محض ذریعہ بنتے ہیں، اس لیے انہیں مورد الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ اگر آپ محسوس کریں کہ کسی نے آپ سے زیادتی کی ہے تو اسے بھول جائیں اور معاف کر دیں۔ ہمیں دوسروں کو سزائیں دینے کا حق نہیں، پھر آپ جان جائیں گے کہ درگزر میں کونسی خوشی پوشیدہ ہے"

آندرے نے کہا "میری! اگر میں عورت ہوتا تو یہی کرتا، یہ خواتین کی خاصیت ہے مگر مرد کو بھولنا چاہئے نہ معاف کرنا چاہئے اور وہ بھولتا ہے نہ معاف کرتا ہے" اگرچہ ابھی تک اسے کوراگن کا خیال نہیں آیا تھا تاہم اس کا تمام غصہ جاگ اٹھا جسے ختم کرنے کا موقع ابھی تک نہیں مل سکا تھا۔ اس نے سوچا "اگر میری کو امید ہے کہ وہ مجھے درگزر سے کام لینے پر آمادہ کر لے گی تو اس کا یہ مطلب ہے کہ مجھے بہت پہلے اسے سزا دے دینی چاہئے تھی۔"

سو وہ اس کی بات کا جواب دینے کی بجائے اس خوشگوار لمحے کی بابت سوچنے لگا جب اس کی ملاقات کوراگن سے ہو گی۔ وہ جانتا تھا کہ کوراگن اب فوج میں ملازم ہے۔

شہزادی ماریا نے آندرے سے مزید ایک دن ٹھہرنے کی درخواست کی۔ اس کا کہنا تھا کہ اگر وہ باپ سے ملے بغیر چلا گیا تو وہ جانتی ہے کہ اسے کس قدر دکھ پہنچے گا۔ تاہم شہزادہ آندرے نے جواب دیا کہ وہ جلد واپس آئیگا اور اس دوران والد کو خط بھی لکھتا رہے گا تاہم وہ یہاں جتنی دیر قیام کرے گا، ان کے مابین اختلافات میں بھی اضافہ ہوتا چلا جائیگا۔ رخصت ہوتے وقت ماریا نے جو آخری بات کہی وہ یہ تھی "خدا حافظ آندرے! یاد رکھنا کہ مصیبتیں خدا کی طرف سے آتی ہیں اور ان کیلئے انسانوں کو قصوروار نہیں ٹھہرایا جا سکتا"

بلیک ہلز کی درختوں والی سڑک سے گزرتے ہوئے شہزادہ آندرے نے سوچا "قسمت میں یہی لکھا تھا! بیچاری بے قصور ہے مگر پھر بھی بوڑھے باپ کی سزا کا سامنا کرنے کیلئے پیچھے رہ گئی ہے جو زندہ مگر ہوش وحواس سے بیگانہ ہو چکا ہے۔ انہیں علم ہے کہ قصور ان کا اپنا ہے مگر وہ خود کو نہیں بدل سکتے۔ میرا بیٹا بڑا ہو رہا ہے اور زندگی سے لطف اٹھا رہا ہے اور یہ زندگی؟ دیگر لوگوں کی طرح وہ اسے بھی دھوکہ دے گا یا پھر خود دھوکہ کھا جائیگا، میں فوج میں جا رہا ہوں۔ کیوں جا رہا ہوں؟ یہ میں بھی نہیں جانتا، اور میں اس شخص سے ملنا چاہتا ہوں جس کیلئے میرے دل میں بے پناہ نفرت ابل رہی ہے، میں اسے اپنی ہلاکت اور اپنا مذاق اڑانے کا موقع دینا چاہتا ہوں" زندگی کی یہ صورتحال پہلے بھی ایسی ہی تھی مگر اس وقت یہ ایک زنجیر کی مختلف کڑیوں کی صورت میں تھے جواب ٹوٹ گئی تھی اور کڑیاں بکھر گئی تھیں۔ اس کا ذہن بے ترتیبی کے عالم میں ایک سے دوسری جگہ چھلانگیں لگا رہا تھا اور یہ تمام باتیں عقل و ہوش اور مطالب سے عاری تھیں۔

(9)

جون کے آخر میں شہزادہ آندرے فوجی ہیڈکوارٹر پہنچ گیا۔ پہلی فوج ڈریسا کے قلعہ بند کیمپ پر قبضہ کئے ہوئے

تھی اور شہنشاہ بھی اس کے ساتھ تھا۔ دوسری فوج پیچھے ہٹتے ہوئے پہلی فوج سے ملنے کی کوشش کر رہی تھی۔ خبر گرم تھی کہ فرانسیسی فوج کے ایک بڑے حصے نے دونوں فوجوں کا درمیانی رابطہ منقطع کر دیا ہے۔ روسی فوجوں میں حالات جو رخ اختیار کر رہے تھے ان سے کوئی مطمئن نہیں تھا تاہم کسی نے سوچا بھی نہ تھا کہ روسی صوبوں کو خطرات لاحق ہو جائیں گے اور جنگ مغربی محاذ یعنی پولینڈ کے صوبوں تک محدود نہیں رہے گی۔

شہزادہ آندرے کو بارکلے ڈی تولی دریائے ڈریسا کے کنارے کیمپ میں ملا کیمپ کے قرب و جوار میں کوئی قصبہ یا گاؤں نہ ہونے کے باعث جرنیلوں اور درباریوں نے دریا کی دونوں اطراف دس کلومیٹر کے دائرے میں تمام چھوٹے بڑے دیہات کے بہترین مکان قبضے میں لے لیے تھے۔ بارکلے زار سے کم و بیش چار کلومیٹر دور ٹھہرا ہوا تھا۔ اس نے بلکونسکی کا سردمہری سے استقبال کیا اور اپنے جرمن لہجے میں اسے بتایا کہ وہ اس کی اصل تعیناتی کا مسئلہ زار کے سامنے پیش کر دے گا اور فی الحال اسے اس کے عملے میں شمولیت اختیار کرنا پڑے گی۔ آندرے کو اناطول کوراگن سے ملاقات کی امید تھی تاہم وہ پیٹرز برگ جا چکا تھا۔ یہ خبر سن کر بلکونسکی کو خوشی ہوئی۔ اس کی تمام تر دلچسپیاں اس عظیم جنگ کی کارروائیوں سے متعلق تھیں جن کا حال ہی میں آغاز ہوا تھا اور وہ بھی ان میں شامل تھا۔ اسے خوشی اس بات سے ہو رہی تھی کہ وقتی طور پر کوراگن کے بارے میں سوچ کر محسوس ہونے والی جھلاہٹ سے چھٹکارا مل جائیگا۔ چونکہ فوری طور پر اسے کوئی کام نہیں سونپا گیا تھا چنانچہ اس نے پہلے چار دن گھوڑے پر تمام قلعہ بند کیمپ کی سیر کی۔ اس نے ماہرین سے بات چیت اور اپنے تجربے کی بدولت اس کیمپ کے بارے میں واضح رائے قائم کرنے کی کوشش کی تاہم یہ مسئلہ اس کی سمجھ میں نہ آ سکا۔ وہ اپنے فوجی تجربے کی بنا پر اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ اچھی طرح سوچے سمجھے منصوبے دوران جنگ دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں اور ہر بات کا انحصار اس پر ہوتا ہے کہ آپ اپنے دشمن کا کیسے سامنا کرتے ہیں جس کی غیر متوقع کارروائیوں کے سامنے بند باندھنا ممکن نہ ہو، اور مزید یہ کہ یہ تمام عمل کیسے اور کس کے ہاتھوں انجام پاتا ہے۔ شہزادہ آندرے نے اپنے ذہن میں اس آخری نکتے کو سلجھانے کیلئے تمام جاننے والوں اور اپنے مرتبے کا بھرپور فائدہ اٹھایا اور فوجی کمان نیز متعلقہ لوگوں کے کردار کا گہرا مطالعہ کرنے کے تمام مواقع سے فائدہ اٹھایا۔ اس نے صورتحال کے بارے میں درج ذیل نتیجہ اخذ کیا۔

''ابھی تک جبکہ زار ولنا ہی میں ٹھہرا ہوا تھا، تمام فوج تین حصوں میں تقسیم کی جا چکی تھی۔ پہلی فوج کی کمان بارکلے ڈی تولی، دوسری باگراتیان اور تیسری کی قیادت تورماسوف کے ہاتھ میں تھی۔ زار پہلی فوج کے ساتھ تھا تاہم اس مرتبہ وہ کمانڈر انچیف نہیں تھا۔ اس حوالے سے جاری ہونیوالے احکامات میں کہا گیا تھا کہ شہنشاہ فوج کے ساتھ ہوں گے مگر اس کی کمان نہیں کریں گے۔ علاوہ ازیں اس کے ساتھ کمانڈر انچیف کے عملے کی بجائے شاہی ہیڈ کوارٹر کا سٹاف تھا۔ اس کے ساتھ آنیوالے لوگوں میں شاہی عملے کا کوارٹر ماسٹر جنرل شہزادہ وولکونسکی، متعدد دیگر جرنیل اور ایجوٹنٹ، سفارتکار اور غیر ملکیوں کی بڑی تعداد شامل تھی تاہم یہ غیر فوجی عملہ تھا۔ چند دیگر لوگ بھی زار کے ساتھ تھے جن میں آراک چیف (سابق وزیر جنگ) سینئر ترین جرنیل نواب بینگسن، زاریوچ کانسٹنٹائن پاؤلووچ، چانسلر نواب رومیانتسیف، پرشیا کا سابق وزیر سٹائن، سابق سویڈش جرنیل آرم فیلڈٹ، جنگی منصوبے کا مرکزی خالق پفوئل، سارڈینیا کا مہاجر پاؤلوچی (جسے جنرل ایجوٹنٹ بنایا گیا تھا) ولزوگن اور دیگر متعدد افراد شامل تھے۔ اگرچہ ان لوگوں کی حیثیت واضح تھی نہ انہیں فوج میں کوئی سرکاری فرائض سونپے گئے تھے تاہم اپنے مقام و مرتبے کی بدولت وہ خاصے اثر و رسوخ کے مالک بن گئے تھے۔ یہ لوگ فوجی حکام کو مشورے دیتے رہتے مگر بعض اوقات کمانڈروں کو بھی یہ معلوم نہیں ہو پاتا تھا کہ

بینگسن، گرینڈ ڈیوک، آراک چیف یا شہزادہ وولکونسکی انہیں کس حیثیت سے مشورے دے رہا ہے یا سوال کر رہا ہے۔ وہ یہ بھی نہیں جان پاتے تھے کہ مشورے کی صورت میں ملنے والا کوئی حکم زار نے دیا ہے یا اسی کا ہے جس نے یہ ان تک پہنچایا اور یہ کہ اس پر عمل بھی کرنا ہے یا نہیں۔ یہ ظاہری صورتحال تھی مگر درباری کے نقطہ نظر سے شہنشاہ اور اس کے حواریوں کی موجودگی کا مطلب کسی سے ڈھکا چھپا نہیں تھا۔ انہوں نے اپنی موجودگی کی بدولت واضح کر دیا تھا کہ اگرچہ زار نے کمانڈر انچیف کا عہدہ نہیں سنبھالا تاہم فوج کا کنٹرول اسی کے ہاتھوں میں ہے اور اس کے اردگرد موجود لوگ اس کے نائبین ہیں۔ آراک چیف انتظام و انصرام کا قابل اعتماد نگران اور زار کا باڈی گارڈ تھا۔ بینگسن صوبہ ولنا کا جاگیردار تھا اور بظاہر اپنے علاقے کی جانب سے میزبان کے طور پر فرائض انجام دے رہا تھا مگر وہ بہت اچھا جرنیل بھی تھا اور ضرورت پڑنے پر بارکلے کی جگہ سنبھال سکتا تھا۔ زاریوچ وہاں اس لیے موجود تھا کہ اس کے خیال میں اس کی یہاں موجودگی ضروری تھی۔ پرشیا کا سابق وزیر سٹائن وہاں اس لیے موجود تھا کہ وہ مفید مشورے دیتا تھا اور شہنشاہ الیگزنڈر اس کی خوبیوں کا قائل تھا۔ آرم فیلڈٹ نپولین کا شدید ترین مخالف تھا اور اسے بحیثیت جرنیل اپنی صلاحیتوں پر اعتماد تھا اور یہ خصوصیت الیگزنڈر پر ہر صورت اثر انداز ہوتی تھی۔ پاؤلوچی کی وہاں موجودگی اس کے جرات مندانہ اور فیصلہ کن انداز سخن کے باعث تھی۔ ایجوٹنٹ وہاں اس لیے آئے کہ وہ ہمیشہ شہنشاہ کے ساتھ ساتھ موجود رہتے تھے اور آخر میں مرکزی شخصیت پفوئل وہاں اس لیے موجود تھا کہ تمام جنگی منصوبہ اسی نے ترتیب دیا تھا اور زار کو اس پر قائل کر چکا تھا۔ اب وہ تمام کارروائیوں کے بارے میں ہدایات جاری کر رہا تھا۔ ولزوگن پفوئل کا ساتھ دے رہا تھا اور اس نے پفوئل کے خیالات و نظریات اس سے کہیں زیادہ قابل فہم انداز میں پیش کئے تھے اور پفوئل یہ کام نہیں کر سکتا تھا کیونکہ وہ اس کے رویے میں لچک کا فقدان تھا اور وہ اس حد تک خود اعتماد تھا کہ کسی اور کو تسلیم ہی نہیں کرتا تھا۔

مندرجہ بالا لوگ زار کے اردگرد رہنے والوں میں انتہائی اہم حیثیت کے حامل تھے اور ان میں غیر ملکیوں کو دیگر لوگوں پر فوقیت حاصل تھی کیونکہ یہ ہر روز نت نئی اور چونکا دینے والی تجاویز دیتے رہتے تھے اور اس حوالے سے بیباکانہ طرز عمل اختیار کرتے جو انہی اسے مخصوص ہوتا ہے اور وہ اپنے دائرہ عمل سے باہر کی مصروفیات بھی قبول کر لیتے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی وہاں دوسرے درجے کے بے شمار لوگ بھی موجود تھے تاہم وہ اس لیے فوج کے ساتھ تھے کہ ان کے بڑے وہاں آئے ہوئے تھے۔

شہزادہ آندرے نے اس وسیع اور بے چین ماحول میں باہم متضاد خیالات اور آوازوں کے درمیان فریقین اور رجحانات کو مندرجہ ذیل حصوں میں تقسیم کیا جو ایک دوسرے سے واضح طور پر مختلف تھے:

پہلا گروہ پفوئل اور اس کے حواریوں پر مشتمل تھا۔ یہ لوگ فوجی نظریات تشکیل دیتے تھے اور ان کا یقین تھا کہ جنگ سائنس اور غیر تغیر پذیر قوانین کی حامل ہے، فوجی توازن اپنے حق میں کرنے کیلئے دشمن کے پہلوؤں کو گھیرنے اور دستوں کی ترتیب و تقسیم میں رد و بدل اور ایسے دیگر امور کی انجام دہی کیلئے باقاعدہ قوانین موجود ہیں۔ پفوئل اور اس کے پیروکاروں کا مطالبہ تھا کہ فوج کو اندرون ملک پیچھے ہٹا لیا جائے اور یہ واپسی ان باقاعدہ اصولوں کے عین مطابق ہونی چاہئے جن کی جنگی نظریے میں حد بندی کی گئی ہے۔ انہیں اس نظریے سے بال برابر روگردانی بھی ظلم، جہالت اور مکروہ مقاصد کی آئینہ دار دکھائی دیتی تھی اس گروہ میں ولزوگن، ونزنگیروڈ اور دوسرے خصوصاً جرمن شامل تھے۔

دوسرا فریق پہلے سے بالکل الٹ تھا۔ ہمیشہ کی طرح ایک انتہا کے مقابل دوسری انتہا تھی۔ اس فریق کے ارکان ایسے لوگوں پر مشتمل تھے جو ولنا سے پولینڈ میں پیش قدمی کا مطالبہ کرتے ہوئے کہتے تھے کہ پہلے سے بنائے

جانیوالے تمام منصوبے ترک کر دیئے جائیں۔ یہ گروہ محض جرات مندانہ کارروائیوں کے حق میں ہی نہیں تھا بلکہ اس کے ارکان قوم پرست بھی تھے اور اس بات کی بدولت ان کا موقف اور بھی سخت ہو گیا تھا۔ یہ فریق روسیوں پر مشتمل تھا جن میں باگراتیاں، یرمالوف، جس نے اپنے آپ کو حال ہی میں منوانا شروع کیا تھا، اور دیگر شامل تھے۔ اسی دور میں یرمالوف کا تیار کردہ لطیفہ بھی مشہور ہوا تھا جس کے مطابق اس نے زار سے درخواست کی تھی کہ اسے ترقی دے کر جرمن بنا دیا جائے۔ اس گروہ کے لوگ ہر وقت سوا روف کا حوالہ دیتے رہتے اور اس امر پر اصرار کرتے کہ اندازے لگانے اور نقشوں پر پنیں گاڑنے کی ضرورت نہیں بلکہ دشمن کیخلاف جنگ ہی اصل شے ہے۔ دشمن کو روس سے دور رکھا جانا چاہئے اور فوج کا حوصلہ کسی صورت پست نہ ہونے دیا جائے۔

تیسری پارٹی درباریوں پر مشتمل تھی اور زار اس پر سب سے زیادہ اعتماد کرتا تھا۔ یہ گروہ ہمیشہ دیگر دو گروہوں کے مابین مصالحت کرانے کی کوششیں کرتا رہتا تھا اور اس کے ارکان میں آراکچیف سمیت دیگر غیر فوجی حضرات شامل تھے۔ وہ ان لوگوں کی طرح سوچتے اور گفتگو کرتے تھے جن کی اپنی کوئی مخصوص رائے نہیں ہوتی تاہم وہ یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کی بھی رائے ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ جنگ کیلئے گہری سوچ بچار سے تیار کردہ منصوبوں اور سائنسی علم کا ہونا ضروری ہے جبکہ مقابلہ بھی بونا پارٹ جیسے شخص سے ہو (اب انہوں نے اسے دوبارہ بونا پارٹ کہنا شروع کر دیا تھا) اور اس معاملے میں پفوہل لاجواب شخص ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی تسلیم کرنا پڑے گی کہ بعض اوقات نظریہ ساز معاملات کا صرف ایک پہلو دیکھتے ہیں اس لیے ان پر اندھا اعتماد نہیں کیا جا سکتا یہی وجہ ہے کہ پفوہل کے مخالفین اور جنگ کا عملی تجربہ رکھنے والے لوگوں کا نقطہ نظر بھی سنا جانا چاہئے اور ان دونوں کے مابین کوئی راہ عمل متعین کرنا بہتر ہو گا۔ اس گروہ کا اصرار تھا کہ پفوہل کے منصوبے کے مطابق ڈریسا کا کیمپ برقرار رکھا جائے تاہم وہ دوسری فوجوں کی ترتیب و تقسیم میں تبدیلیوں کی حمایت کرتے تھے۔ اگرچہ اس منصوبے سے کسی فریق کا مقصد پورا نہیں ہوتا تھا تاہم اس تیسرے مصالحتی فریق کے خیال میں یہی بہترین راہ تھی۔

چوتھے گروہ کا نمایاں ترین نمائندہ گرینڈ ڈیوک اور ولی عہد تھا جو آسٹرلٹس کی ہزیمت نہیں بھلا پایا تھا۔ اس معرکے میں اس نے سر پر خود اور جسم پر گھڑ سواروں کی وردی پہن کر گارڈز دستے کی قیادت کی تھی۔ اسے توقع تھی کہ اپنی بہادری کی بدولت وہ فرانسیسیوں کو پیچھے دھکیل دے گا مگر ایسا نہ ہو سکا اور اس کے تمام ارادے دھرے رہ گئے۔ فرانسیسیوں کو پیچھے دھکیلنے کی بجائے وہ اگلی صف میں پہنچ گیا اور عمومی بھگدڑ میں بمشکل جان بچائی۔ اس گروہ کے ارکان کی ایک خوبی یا خامی ان کا صاف دل ہونا تھا۔ وہ جس بات کو درست سمجھتے اس کا برملا اظہار کرنے میں تامل نہ کرتے۔ یہ لوگ نپولین سے خوفزدہ تھے اور اس کی طاقت کے مقابلے میں اپنی کمزوری مانتے تھے۔ ان کا کہنا تھا "اس تمام کارروائی کے نتیجے میں مصیبتوں اور تباہی کے سوا کچھ حاصل نہ ہو گا، ہم ولنا سے لاپرواہ ہو چکے ہیں، وٹسک خالی کر دیا ہے اور اسی طرح ڈریسا سے بھی نکل جائیں گے قبل ازیں کہ ہم پیٹرز برگ سے بھی نکالے جائیں، ہمیں جتنا جلد ہو سکے صلح کر لینی چاہئے"

اس نقطہ نظر کو اعلیٰ فوجی حلقوں میں بیحد پذیرائی حاصل ہوئی تھی۔ پیٹرز برگ بھی اسے تسلیم کرتا تھا اور ایسے لوگوں میں چانسلر رومیانسیوف بھی شامل تھا جو دیگر سیاسی وجوہات کی بنا پر اس کا حامی تھا۔

پانچواں فریق بارکلے ڈی تولی کے حمایتیوں پر مشتمل تھا۔ یہ لوگ اس کی حمایت اس کے انسان ہونے کی بجائے وزیر جنگ اور کمانڈر انچیف ہونے کی بنا پر کرتے تھے۔ ان کی گفتگو کا آغاز عموماً اس فقرے سے ہوتا تھا "وہ اور جو

کچھ بھی ہو گئے، بہرحال دیانتدار اور عملیت پسند شخصیت ہیں اور ہمارے پاس ان سے بہتر اور کوئی شخص نہیں۔ انہیں حقیقی اختیارات ملنا چاہئیں کیونکہ کمان مختلف حصوں میں تقسیم ہو تو جنگ بہتر انداز میں نہیں لڑی جا سکتی، اگر ایسا ہو جائے تو وہ فن لینڈ کی طرح ثابت کر دیں کہ وہ کیا کچھ کر سکتے ہیں، اگر ہماری فوج بخوبی منظم اور مضبوط ہے اور کوئی شکست کھائے بغیر ڈریسا تک پیچھے ہٹ آئی ہے تو اس کا کریڈٹ بھی انہیں ہی ملنا چاہئے اور اس کیلئے ہمیں ان کا شکرگزار ہونا چاہئے۔ اگر اس موقع پر بارکلے کی جگہ بینگسن کو کمانڈر انچیف تعینات کر دیا گیا تو تمام محنت اکارت جائیگی کیونکہ بینگسن 1807 میں نااہل ثابت ہو چکا ہے" پانچواں گروہ کچھ ایسے خیالات کا مالک تھا۔

چھٹا یعنی بینگسن کے حامیوں کا گروہ مندرجہ بالا گروہ کے برعکس یہ دلیل دیتا تھا کہ "بہرحال بینگسن سے زیادہ قابل اور تجربہ کار شخص موجود نہیں اور آپ اس میں خواہ کتنی ہی خامیوں کی نشاندہی کریں بالآخر آپ کو اسی کی جانب رجوع کرنا ہو گا" ان کا خیال تھا کہ "ڈریسا تک پیچھے ہٹنا انتہائی شرمناک حرکت ہے اور وہ اسے بیوقوفیوں اور سنگین غلطیوں کا ختم نہ ہونیوالا سلسلہ قرار دیتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ جتنی غلطیاں ہوں گی اتنا ہی بہتر ہو گا اس سے کم از کم یہ اندازہ تو ہو جائے گا کہ حالات کو زیادہ دیر ایسے نہیں رکھا جا سکتا۔ ہمیں آپ کے بارکلے جیسا نہیں بلکہ بینگسن جیسا شخص درکار ہے۔ اس نے 1807ء میں اپنے آپ کو ثابت کر دکھایا تھا اور نپولین نے بھی اس کی صلاحیتوں کا اعتراف کیا تھا۔ ہمیں ایک ایسا شخص چاہئے جس کی قیادت پر تمام لوگ متفق ہوں اور بینگسن ایسا واحد شخص ہے"

ساتویں پارٹی ایسے لوگوں پر مشتمل تھی جو درباروں خصوصاً نوجوان حکمرانوں کے درباروں میں ہر دور میں موجود ہوتے ہیں۔ الیگزینڈر کے اردگرد موجود لوگوں میں یہ افراد خصوصیت سے بہت بڑی تعداد میں شامل تھے۔ ان میں جرنیل اور شاہی ایجوٹنٹ شامل تھے۔ یہ لوگ زار سے بیحد محبت کرتے تھے اور اس کی عزت شہنشاہ ہونے کے علاوہ انسان کے طور پر بھی کرتے تھے۔ انہوں نے اسے پورے خلوص سے دیوتا بنا رکھا تھا، جیسا کہ 1805ء میں رستوف نے کیا تھا۔ ان کے خیال میں وہ محض عمدہ خصوصیات کا مالک ہی نہیں تھا بلکہ اس میں تمام انسانی صلاحیتیں بھی پائی جاتی تھیں۔ اگرچہ زار کی جانب سے فوج کی کمان اپنے ہاتھوں میں نہ لینے کی بات انہیں بیحد پسند آئی تھی مگر وہ اس انتہائی انکسار پر افسوس کا اظہار بھی کرتے تھے۔ ان کا بھرپور اصرار تھا کہ ان کے عزیز از جان حکمران کو یہ خواہ مخواہ کی جھجک چھوڑ دینی چاہئے اور خود کو علی الاعلان فوجی سربراہ قرار دینا، کمانڈر انچیف کی حیثیت سے اپنا عملہ مقرر کرنا اور ضرورت پڑنے پر منصوبہ سازوں اور تجربہ کار لوگوں سے مدد طلب کرنا نیز فوجوں کی خود قیادت کرنی چاہئے کیونکہ صرف اسی طرح وہ ان کا جوش و خروش بڑھا سکتا ہے۔

آٹھواں گروہ سب سے بڑا تھا اور دیگر پارٹیوں کے ایک فرد کے مقابلے میں اس کے پاس ننانوے حمایتی تھے۔ یہ لوگ امن کے خواہاں تھے نہ جنگ چاہتے تھے، انہیں جارحانہ کارروائی سے سروکار تھا نہ ڈریسا یا کسی اور جگہ پر دفاعی کیمپ سے غرض تھی۔ انہیں بارکلے کی ضرورت تھی نہ زار، پفوہل اور بینگسن سے کوئی غرض۔ ان کا مقصد زیادہ سے زیادہ فوائد سمیٹنا اور تفریح کرنا تھا۔ زار کے ہیڈ کوارٹر کی ہلچل میں سازشوں کی جو متضاد لہریں ابھرتی تھیں ان میں کئی انداز سے کامیابی حاصل کی جا سکتی تھی جس کے بارے میں کسی اور دور میں سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ ایسے گروہ سے تعلق رکھنے والے کسی شخص کی واحد دلچسپی کسی فائدہ مند عہدے پر برقرار رہنے تک ہوتی تھی اور اس مقصد کیلئے کسی دن وہ پفوہل کی تائید کر رہا ہوتا تھا تو کبھی اس کی مخالفت پر جتا ہوا دکھائی دیتا۔ تیسرے دن اسے ذمہ داری سے بچنے یا زار کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے غیر جانبداری کا اعلان کرتے دیکھا جاتا۔ دوسرا شخص جس کا مقصد کوئی بہت بڑا فائدہ حاصل کرنا

یا زار کی نگاہوں میں اپنی اہمیت جتلا تا ہوتا تھا، شہنشاہ کو اپنی جانب متوجہ کرنے کیلئے کسی ایسی بات کی با آواز بلند حمایت شروع کر دیتا جس کا سرسری ذکر شہنشاہ ایک دن پہلے کر چکا ہوتا تھا۔ وہ کونسل میں دوسروں سے الجھتا، زور زور سے چیختا چلاتا، سینہ پیٹتا اور اپنی بات سے اتفاق نہ کرنیوالوں کو ڈوئیل کیلئے للکارنے لگ جاتا، اس طرح وہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا تھا کہ سب کے فائدے کیلئے وہ جان بھی قربان کر سکتا ہے۔ اسی گروہ کے بعض لوگ کونسل کے دو اجلاسوں کے مابین وقفے میں اپنی حریفوں کی عدم موجودگی میں وفادارانہ خدمات کے عوض کسی خاص فائدے کی درخواست کرتے رہتے تھے، وہ یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ ایسے مواقع پر انکار کی بجائے ان کی درخواست قبول کر لی جائیگی۔ چوتھی قسم کے لوگ ہمہ وقت ایسی تدابیر اختیار کرتے رہتے جن کی بدولت وہ زار کے سامنے کام میں غرق دکھائی دیتے تھے۔ ایک اور گروہ جو کافی عرصہ سے زار کے ساتھ کھانا کھانے کی خواہش دل میں پالے ہوئے ہوتا تھا، اپنی اس خواہش کی تکمیل کیلئے حال ہی میں منظر عام پر آنیوالی کسی تجویز کے درست یا غلط ہونے کے بارے میں زور و شور سے دلائل دینے لگتا اور اس حوالے سے ٹھوس ثبوت سامنے لاتا۔

اس گروہ کے تمام افراد کی کوششوں کا واحد مقصد روبل، اعزازات اور ترقیوں کا حصول تھا اور اس کوشش میں ان کی نگاہیں ہر وقت شاہی عنایات کے رخ پر لگی رہتی تھیں۔ جونہی وہ اس شاہی مرغ بادنما کا رخ کسی جانب دیکھتے تو تمام اسی جانب ہو لیتے اور زار کیلئے اس کا رخ کسی اور جانب گھمانا تقریباً ناممکن بنا دیتے۔ ایک جانب بے یقینی کی صورتحال تھی اور سر پر منڈلاتے خطرے نے ہر ایک کو بے چین کر رکھا تھا تو دوسری جانب سازشوں، خود غرضی پر مبنی خواہشات، متضاد نظریات اور مختلف قومیتوں کا جھمگھٹا تھا جس کے درمیان اس سب سے بڑے اور آٹھویں گروہ نے مشترکہ کام میں خاصا انتشار اور ابہام پیدا کر دیا تھا۔ کوئی مسئلہ پیدا ہوتے ہیں ان لوگوں کا ہجوم دیانتداری سے اس کے حل کی تلاش میں کوشاں لوگوں کی آواز دبا دیتا۔

جب شہزادہ آندرے فوج میں واپس آیا تو ایک اور یعنی نواں فریق بھی پیدا ہو رہا تھا اور اب اس کی آواز بھی با آسانی سنی جا سکتی تھی۔ یہ نسبتاً بوڑھے اور تجربہ کار افراد پر مشتمل تھا۔ یہ لوگ عقلمند، باصلاحیت اور معاملے کی نزاکتوں کو سمجھنے والے تھے۔ انہیں سرکاری امور کا بھی تجربہ تھا اور وہ متضاد نظریات میں سے کسی کی حمایت نہیں کرتے تھے۔ وہ ہیڈ کوارٹر میں ہونیوالے کاموں کا بے تعصبی اور غیر جانبداری سے جائزہ لے سکتے تھے اور اس متضاد خیالی، غیر یقینی کی کیفیت اور پریشان حالی سے بچنے کی تدابیر پر غور کر سکتے تھے۔

اس فریق کے ارکان کا خیال تھا کہ تمام خرابی زار کی اپنے فوجی درباریوں کے ساتھ یہاں قیام کی بدولت پیدا ہوئی ہے اور وہ اپنے اس خیال کا اظہار بھی کرتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ درباریوں کے باہمی تعلقات کبھی ایک سے نہیں رہتے اور ان میں تغیر رونما ہوتا رہتا ہے۔ ان تعلقات کی نوعیت مبہم اور اتفاقات کی مرہون منت ہوتی ہے۔ دربار میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا مگر یہ شے فوج کیلئے بیحد خطرناک ہے اور حکمران کو درباریوں کی سوچ اور قول کے مطابق حکومت تو کرنی چاہئے مگر فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں لینا درست نہیں۔ زار کی محض موجودگی کے باعث پچاس ہزار فوجی مفلوج ہو کر رہ گئے ہیں کیونکہ انہیں اس کی حفاظت کیلئے رکھا گیا ہے۔ وہ کہتے تھے کہ اپنے فیصلوں میں آزاد بدترین کمانڈر انچیف اس کمانڈر سے بدرجہا بہتر ہے جس کے کام میں حکمران کی موجودگی اور منصب رکاوٹ بن جائے۔

اسی دوران جبکہ شہزادہ آندرے ڈریسا میں فارغ تھا، سیکرٹری آف سٹیٹ، ششکوف اور اپنے گروہ کے ایک اہم نمائندے نے زار کو مراسلہ تحریر کیا۔ بالاشوف اور آراک چیف نے اس پر دستخط کی حامی بھر لی۔ زار نے حالات کے

عمومی رخ پر بحث و مباحثے کی آزادی دے رکھی تھی جس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ششکوف نے اس خط میں مودبانہ انداز میں تجویز پیش کی کہ زار کا فوج سے رخصت ہو جانا بہتر ہے اور لوگوں میں جنگ کے حوالے سے جوش و جذبہ ابھارنے کیلئے اس کو دارالحکومت میں رہنا چاہئے۔

زار کی جانب سے رعایا سے مادر وطن کی حفاظت کی اپیل بالآخر روس کی کامیابی پر منتج ہوئی۔ اگرچہ ماسکو میں زار کی موجودگی سے لوگوں میں جوش و خروش پیدا ہوا تاہم اسے وہاں جانے کو اس لیے کہا گیا تھا کہ وہ فوج سے علیحدہ ہو سکے۔ زار بھی فوج سے دور جانے کا تقاضا سمجھ گیا اس لیے اس نے اس تجویز پر کوئی اعتراض نہ کیا۔

(10)

یہ خط ابھی شہنشاہ کو پیش نہیں کیا گیا تھا کہ ایک دن شام کے کھانے میں بارکلے نے بلکونسکی کو بتایا کہ شہنشاہ اس سے ترکی کے بارے میں چند باتیں پوچھنا چاہتا ہے اور وہ اسی شام چھ بجے بینگسن کی رہائش گاہ پر پہنچ جائے۔

اسی شام زار کے عملے کو اطلاع ملی کہ نپولین نے اپنی فوجوں کو نئے سرے سے آگے پیچھے کیا ہے اور اس کی یہ نقل و حرکت روسی فوج کیلئے خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔۔۔ تاہم بعد ازاں یہ خبر درست ثابت نہ ہوئی۔ اسی صبح کرنل میشوڈ زار کے ساتھ ڈریسا کی قلعہ بندیوں کے معائنے پر گیا تھا اور اس نے شہنشاہ کو بتایا کہ پفوئل کی ہدایات پر ان کیمپوں کی تعمیر سراسر بیوقوفی ہے اور اس سے روسی فوج بالکل تباہ و برباد ہو جائیگی، اگرچہ ان کیمپوں کو اس وقت تک فوجی سائنس کا شاہکار قرار دیا جا رہا تھا۔

شہزادہ آندرے دریا کنارے واقع ایک گھر میں قائم بینگسن کے ہیڈ کوارٹر میں پہنچا تو وہاں بینگسن موجود تھا نہ زار شہنشاہ کے ایک ایجوٹنٹ چرنیشیف نے اس کا استقبال کیا اور بتایا کہ زار پاؤلوچی اور جنرل بینگسن کے ساتھ دوسری مرتبہ ڈریسا کیمپ کی قلعہ بندیاں دیکھنے گیا ہے کیونکہ ان کی افادیت مشکوک ہو چکی ہے۔

چرنیشیف بیرونی کمرے کی کھڑکی کے قریب بیٹھا فرانسیسی ناول کا مطالعہ کر رہا تھا۔ یہ کمرہ شاید رقص کے لئے استعمال ہوتا رہا تھا۔ وہاں ابھی تک ایک ساز اور قالینوں کا ڈھیر پڑا تھا۔ ایک کونے میں بینگسن کے ایجوٹنٹ کا تہ کیا جانے والا پلنگ رکھا تھا اور یہ ایجوٹنٹ بھی وہیں بستر پر بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ رنگ رلیوں یا کام کی زیادتی کے باعث تھکن سے چور ہو چکا ہے۔ اس کمرے میں دو دروازے تھے جن میں سے ایک ڈرائنگ روم جبکہ دوسرا دائیں جانب ایک کمرے میں کھلتا تھا۔ پہلے دروازے سے چند لوگوں کی گفتگو سنائی دے رہی تھی۔ گفتگو جرمن زبان میں ہو رہی تھی تاہم کبھی کبھار فرانسیسی بھی سننے کو مل جاتی۔ زار کی خواہش کے مطابق اس ڈرائنگ روم میں فوجی کونسل تو نہیں البتہ چند ایسے افراد موجود تھے جن سے وہ ان مشکلات کے بارے میں رائے لینا چاہتا تھا جو عنقریب پیش آنیوالی تھیں۔ یہ جنگی کونسل کی ہی ایک شکل تھی جسے زار کیلئے بعض مسائل کی تشریح کرنا تھی۔ اس نیم کونسل میں سویڈش جرنیل آرم فیلڈٹ، ایجوٹنٹ جنرل ولزوگن، ونٹزنگیروڈ (جسے نپولین نے غدار فرانسیسی قرار دیا تھا) میشوڈ، تواب سٹائن، جو کسی حوالے سے فوجی آدمی نہ تھا، اور پفوئل کو بلایا گیا تھا جس کے بارے میں شہزادہ آندرے نے سنا تھا کہ وہ اس تمام معاملے کا مرکزی کردار ہے۔ شہزادہ آندرے کو پفوئل کو اچھی طرح دیکھنے کا موقع مل گیا کیونکہ وہ اس کی آمد کے چند منٹ بعد ہی آن پہنچا تھا اور ڈرائنگ روم میں جانے سے پہلے اس نے چرنیشیف سے مختصر بات چیت کی۔

پہلی نظر میں پفوئل کی صورت آندرے کو جانی پہچانی محسوس ہوئی حالانکہ اس نے پہلے اسے کبھی نہیں دیکھا

تھا۔ اس نے روسی جرنیل کی بے ڈھنگی وردی پہن رکھی تھی اور یہ اس کے جسم پر بالکل اچھی نہیں لگتی تھی۔ آندرے کو اس میں بعض ایسی باتوں کی جھلک دکھائی دی جو اس نے 1805ء میں وے روٹر، میک، شمٹ اور بعض دیگر منصوبہ ساز جرمن جرنیلوں میں دیکھی تھیں۔ تاہم وہ ان سب سے زیادہ مثالی جنرل دکھائی دیتا تھا۔ شہزادہ آندرے نے زندگی میں ایسا کوئی جرمن منصوبہ ساز نہیں دیکھا تھا جس میں دیگر تمام جرمنوں کی خصوصیات جمع ہوں۔

پفوئل پست قد اور کمزور شخص تھا تاہم اس کا جسم چوڑا اور ساخت کے لحاظ سے بھدا تھا۔ اس کے کولہے چوڑے چکلے اور کندھوں کی ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں۔ اس کا چہرہ جھریوں سے بھرا تھا اور آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے اس نے بالوں میں جلد بازی سے کنگھی کی ہو اور انہیں کنپٹیوں سے آگے برابر رکھنے کی کوشش کی گئی ہو تاہم وہ بے ڈھنگے انداز سے گچھوں کی شکل میں اوپر اٹھے ہوئے تھے۔ پفوئل بے چین اور غضبناک نظروں سے ادھر ادھر دیکھتا یوں اندر آیا جیسے اس فراخ کمرے کی ہر شے سے مرعوب ہو گیا ہو۔ اس نے اپنی تلوار بے ڈھنگے انداز سے تھامتے ہوئے چرنیشیف سے جرمن زبان میں پوچھا "شہنشاہ کہاں ہیں؟" یہ بات عیاں تھی کہ وہ کمرے سے فوری طور پر گزرنا، سلام دعا سے فراغت پانا اور نقشے کے سامنے بیٹھ کر اپنا کام شروع کر دینا چاہتا ہے کیونکہ اسے اسی کام میں سکون ملتا تھا۔ اس نے چرنیشیف کے سلام کے جواب میں لاپروائی سے سر ہلایا اور یہ سن کر طنزیہ انداز سے مسکرا دیا کہ زار اس کے منصوبے کے مطابق تعمیر کردہ قلعہ بندیوں کا معائنہ کرنے گیا ہے۔ وہ بڑبڑایا، اس کا انداز جرمنوں جیسا منہ پھٹ تھا جو اپنی رائے کو ہمیشہ درست اور دوسروں کی رائے کو ہمیشہ غلط سمجھتے ہیں۔ اسے دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے کہہ رہا ہو "بیوقوف، بھاڑ میں جائے سب کچھ" یا "سب کام خراب ہو جائے گا" شہزادہ آندرے کو اس کی آواز سنائی دی نہ اس نے اس کی پروا کی تاہم چرنیشیف نے اس کا پفوئل سے تعارف کرا دیا اور ساتھ یہ بھی کہا کہ شہزادہ آندرے حال ہی میں ترکی سے آیا ہے جہاں جنگ میں کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ پفوئل نے اس پر یوں نگاہ ڈالی جیسے اس کے آر پار دیکھ رہا ہو اور ہنستے ہوئے کہنے لگا "یہ جنگ فوجی تدبیرات کا شاندار نمونہ ہو گی" پھر وہ ہنستا ہوا اس کمرے کی جانب چل دیا جہاں سے بات چیت سنائی دے رہی تھی۔

یہ بات عیاں تھی کہ ہر وقت خفا رہنے والا پفوئل اس روز خاص طور پر غصے میں تھا کیونکہ کچھ لوگوں نے اس کی غیر موجودگی میں اس کے کیمپ کا معائنہ کرنے اور اس میں غلطیوں کی نشاندہی کی ہمت کی تھی۔ شہزادہ آندرے کو آسٹرلٹس کی جنگ میں جو تجربات حاصل ہوئے تھے ان کی بدولت اسے اس مختصر ملاقات کے بعد پفوئل کی شخصیت کا خاکہ کھینچنے میں کسی دشواری کا سامنا نہ ہوا۔ پفوئل کا شمار بے حد پر اعتماد لوگوں میں کیا جا سکتا تھا۔ یہ لوگ اس حد تک پر اعتماد ہوتے ہیں کہ کسی قیمت پر اپنے رائے سے دستبردار نہیں ہوتے۔ یہ خاصیت صرف جرمنوں میں پائی جاتی ہے کیونکہ جرمن اپنی خود اعتمادی کی بنیاد سائنس پر رکھتے ہیں جسے وہ واحد سچائی گردانتے ہیں۔ فرانسیسیوں کی خود اعتمادی کا ماخذ ان کا یہ نظریہ ہوتا ہے کہ ان میں ذہنی اور جسمانی اعتبار سے اتنی کشش ہے کہ لوگ خود بخود ان کی جانب کھنچے چلے آئیں گے۔ انگریز باشندے کی خود اعتمادی کی وجہ اس کا یہ بنیادی یقین ہوتا ہے کہ وہ دنیا کے بہترین اور منظم ملک کا شہری ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی خیال کرتا ہے کہ انگریز ہونے کی وجہ سے اسے سب کچھ معلوم ہے اور وہ جو کچھ کرے گا وہ درست ہو گا۔ اطالویوں کی خود اعتمادی ان کی جوشیلی طبیعت کے باعث ہوتی ہے اور وہ باآسانی مشتعل ہو کر اپنی ذات اور دوسروں کو بھلا بیٹھتے ہیں۔ روسی اس لیے خود اعتماد ہوتے ہیں کہ وہ کچھ جانتے ہیں نہ جاننا چاہتے ہیں کیونکہ انہیں یقین ہی نہیں ہوتا کہ کسی شے کو مکمل طور پر جانا جا سکتا ہے۔ تاہم جرمنوں کی بد اعتمادی نہایت بری شے ہے۔ وہ کسی بھی دوسری قوم کے لوگوں کی نسبت کہیں

زیادہ غیر لچکدار رویے کے مالک ہوتے ہیں کیونکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں سچائی یعنی سائنس کا علم ہے۔ اگرچہ یہ اس کے اپنے ذہن کی اختراع ہوتی ہے مگر وہ اسے واحد سچائی گردانتا ہے۔

پفوئل واقعتاً ایسا ہی شخص تھا۔ اس کے پاس سائنس۔۔۔ ترچھے حملے کا نظریہ۔۔۔ تھا جو اس نے فریڈرک اعظم کی جنگوں سے لیا تھا۔ اسے حالیہ جنگوں کی تاریخ میں نظر آنیوالی ہر بات بیہودہ اور غیر فطری معلوم ہوتی تھی۔ اس کے خیال میں حالیہ جنگیں بے ڈھنگی تھیں اور ان میں فریقین نے ایسی سنگین غلطیاں کی تھیں کہ ان لڑائیوں کو جنگ کہنا لفظ "جنگ" کی توہین تھا۔ یہ جنگیں نظریوں پر پورا نہیں اترتی تھیں اور یہی وجہ تھی کہ ان میں سائنس کی دلچسپی کا کوئی سامان نہ تھا۔

1806ء میں اورسٹڈٹ اور جینا میں انجام پانیوالی مہم کی منصوبہ بندی کرنیوالوں میں پفوئل بھی شامل تھا مگر اس جنگ کا جو نتیجہ نکلا اس میں اسے ذرا برابر بھی یہ بات نظر نہ آئی کہ اس کا نظریہ غلط بھی ہو سکتا ہے۔ اس کی بجائے وہ یہ سوچتا تھا کہ "اس شکست کی وجہ میرے نظریے سے انحراف کیا جانا تھا اور وہ اپنے مخصوص اطمینان بھرے لہجے میں کہتا تھا" میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ کام خراب کر دیا جائے گا" اس کا شمار ایسے نظریہ سازوں میں ہوتا تھا جنہیں اپنا نظریہ اسقدر عزیز ہوتا ہے کہ وہ اس کا عملی مقصد یعنی نظریے کا اطلاق بھول جاتے ہیں۔ نظریے سے دیوانہ وار لگاؤ نے اسے تمام عملی باتوں سے متنفر کر دیا تھا اور وہ ان کا ذکر بھی نہیں سننا چاہتا تھا۔ ناکامیوں پر اس کی خوشی دیکھنے کے لائق ہوتی تھی کیونکہ جن ناکامیوں میں اس کے نظریے سے انحراف پایا جاتا تھا وہ اسے اپنے نظریے کی درستگی کا ثبوت دیتی تھیں۔

اس نے شہزادہ آندرے اور چرنیشیف سے موجودہ جنگ کے بارے میں چند الفاظ کہے۔ اس کا انداز وہ اس شخص کا سا تھا جسے پہلے سے علم ہو کہ کوئی کام ٹھیک نہیں ہو گا اور اسے اس بات پر کوئی افسوس نہیں ہوتا۔ اس کے کھڑے بالوں کے گچھوں اور کنپٹیوں کے قریب وہ بال جنہیں عجلت میں برابر کرنے کی کوشش کی گئی تھی، سے بھی یہی اظہار ہوتا تھا۔

وہ اگلے کمرے میں چلا گیا اور وہاں سے اس کی جھگڑالو اور پرزور باتیں سنائی دینے لگیں۔

(11)

شہزادہ آندرے ابھی پفوئل کو ہی دیکھ رہا تھا کہ نواب بنگسن تیزی سے کمرے میں داخل ہوا اور رکے بغیر سلام کے انداز میں گردن جھکا کر اگلے کمرے کی طرف جاتے ہوئے ایجوٹنٹ کو کچھ ہدایات دیں۔ شہنشاہ اس کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا اور بنگسن بعض تیاریوں اور زار کے استقبال کیلئے فوری طور پر پہلے پہنچ گیا تھا۔ چرنیشیف اور آندرے ڈیوڑھی میں آ گئے۔ وہاں زار گھوڑے سے اتر رہا تھا۔ وہ تھکا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ پاؤلوچی اس سے گفتگو میں مصروف تھا اور زار سر ایک جانب جھکائے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ اس کے چہرے پر غصے کے آثار نمایاں تھے تاہم پاؤلوچی اپنی بات میں مگن رہا۔ شہنشاہ آگے بڑھا، صاف ظاہر تھا کہ وہ بات ختم کرنا چاہتا ہے مگر اطالوی کا چہرہ جوش و خروش سے سرخ ہو رہا تھا اور وہ اس کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے مسلسل بولتا رہا۔

شہنشاہ سیڑھیاں چڑھنے لگا تو پاؤلوچی بولا "جہاں تک اس شخص کی بات ہے جس نے اس ڈریسا کیمپ کے قیام کا مشورہ دیا تھا" یہ کہتے ہوئے وہ شہزادہ آندرے کے نامانوس چہرے کا بغور جائزہ لینے لگا۔ اس نے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا" جناب عالی! جہاں تک ڈریسا کیمپ تیار کرنے کی تجویز دینے والے کا تعلق ہے، اسے پاگل خانے بھیج دینا چاہئے یا پھر اسے سزائے موت دے دی جائے" پاؤلوچی بے جگری سے بول رہا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے زبان

بند کرنا اس کیلئے ممکن نہ ہو۔

شہنشاہ نے اطالوی کی بات ختم ہونے کا انتظار کیا نہ اس پر توجہ دی اور بلکونسکی کو پہچانتے ہوئے اس کی جانب متوجہ کر کہنے لگا ”تم سے مل کر خوشی ہوئی۔ دیگر لوگوں کے پاس پہنچو اور میرا انتظار کرو۔“

زار کمرے میں چلا گیا۔ اس کے پیچھے پیچھے شہزادہ پیٹر میخائلووچ ولکونسکی اور بیرن شائن تھے۔ ان کے اندر جاتے ہی دروازہ بند ہو گیا۔ شہزادہ آندرے زار کی اجازت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پاؤلوچی کے ساتھ چل دیا جس سے وہ ترکی میں مل چکا تھا۔ وہ ڈرائنگ روم میں پہنچ گئے جہاں کونسل کے ارکان اکٹھے ہو چکے تھے۔

شہزادہ پیٹر میخائلووچ ولکونسکی اپنے فرائض سے شہنشاہ کے عملے کا انچارج معلوم ہوتا تھا۔ وہ کمرے سے باہر ڈرائنگ روم میں آیا۔ اس کے ہاتھ میں چند نقشے تھے۔ اس نے انہیں میز پر پھیلا دیا اور ان نکات کا اعلان کیا جن کے بارے میں وہ حاضرین کی رائے دریافت کرنے کا خواہشمند تھا۔ دراصل بات یہ ہوئی کہ رات کو فرانسیسیوں کی جانب سے ڈریسا کیمپ کو گھیرے میں لینے کی خبر ملی تھی (جو بعد میں جھوٹی نکلی)

سب سے پہلے جنرل آرم فیلڈٹ نے بولنا شروع کیا۔ اس نے مشکل سے نمٹنے کے لئے غیر متوقع تجویز دی اور کہنے لگا کہ ماسکو اور پیٹرز برگ کو جانے والی سڑکوں سے ہٹ کر بالکل نئی جگہ پر پوزیشن سنبھالی جانی چاہئے اور تمام فوجیں وہیں اکٹھی ہو کر دشمن کا انتظار کریں۔ کسی کو سمجھ نہ آئی کہ یہ تجویز کیوں پیش کی گئی ہے۔ یہ اور بات کہ اس نے تجویز محض اپنی رائے کے اظہار کیلئے پیش کی ہو۔ بظاہر یوں لگتا تھا جیسے وہ یہ منصوبہ بہت پہلے بنا چکا تھا اور اب اس لیے پیش نہیں کیا تھا کہ اس سے موجودہ مسئلہ حل ہو جاتا تھا (اس حوالے سے یہ منصوبہ ذرا بھی فائدہ مند نہ تھا) بلکہ اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ اسے پیش کرنے کا موقع نہیں کھونا چاہتا تھا۔ یہ ان لاکھوں تجاویز میں سے ایک تھی جن میں سے ہر ایک بظاہر نہایت عمدہ معلوم ہوتی ہے اور جنگ کی صورت بارے علم نہ ہو تو اسے باآسانی مرتب کیا جا سکتا ہے۔ بعض حاضرین نے اس کے دلائل کی مخالفت اور بعض نے حمایت کی۔ نوجوان کرنل ٹول نے سویڈش جرنیل کی اس تجویز کو سب سے زیادہ مذاق کا نشانہ بنایا۔ اس انداز بیحد غصیلا تھا۔ بحث و تکرار کے دوران اس نے جیب سے ایک کتاب نکالی جس کے صفحات تحریروں سے پر تھے اور اسے پڑھنے کی اجازت مانگی۔ یہ ضخیم کتاب پڑھتے ہوئے اس نے آرم فیلڈٹ اور ہانو بل کے منصوبوں سے بالکل مختلف ایک اور منصوبہ پیش کر دیا۔ پاؤلوچی نے اس کے منصوبے پر اعتراضات کرتے ہوئے آگے بڑھنے اور حملہ کرنے کی تجویز پیش کی۔ اس کا کہنا تھا کہ جس بے یقینی اور جال میں (وہ ڈریسا کیمپ کو جال کہا کرتا تھا) وہ اب پھنسے ہوئے ہیں، اس سے نکلنے کا واحد راستہ یہی ہے۔ اس تمام مباحثے کے دوران ہانو بل اور اس کا ترجمان ولزوگن (وہ درباری دنیا میں بھی اس کا ترجمان تھا) خاموش بیٹھے رہے۔ ہانو بل نفرت سے نتھنے پھلاتا رہا اور یہ ظاہر کرنے کیلئے اپنی پشت دوسری جانب گھمالی کہ ایسی فضول باتیں سننا اس کی شان کے خلاف ہے۔ جب صدارت کے فرائض انجام دینے والے شہزادہ ولکونسکی نے اس سے رائے مانگی تو اس نے صرف یہ کہا ”مجھ سے کیوں پوچھتے ہیں؟ جنرل آرم فیلڈٹ نے بہت اچھی پوزیشن بتائی ہے، بس دشمن کو بلا روک ٹوک ہمارے پیچھے آنے کی اجازت مل جائیگی، یا پھر ان اطالوی حضرت کی حملے کی تجویز قبول کیوں نہیں کر لی جاتی؟ اتنی اچھی تجویز کسی نے کیا سوچی ہوگی، یا پھر پیچھے ہٹ جائیں؟ یہ بھی بہت اچھا خیال ہے، مجھ سے کیوں پوچھتے ہیں؟“ اس نے اپنی بات دہرائی اور کہنے لگا ”میرے خیال میں آپ سب لوگ مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔“

مگر جب ولکونسکی نے ماتھے پر بل ڈال کر یہ کہا کہ وہ اس کی رائے شہنشاہ کے نام پر پوچھ رہا ہے تو ہانو بل اٹھ

کھڑا ہوا اور اچانک جوشیلے لہجے میں کہنے لگا:

”آپ لوگوں نے سارا کام خراب کر دیا ہے۔ ہر شے گڈ مڈ ہو گئی ہے۔ ہر شخص یہی سمجھتا ہے کہ وہ مجھ سے بہتر جانتا ہے۔ اب آپ لوگ میرے پاس آ گئے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ حالات کیسے ٹھیک کئے جا سکتے ہیں۔ کیا ٹھیک کرنا ہے؟ سب اچھا ہے۔ میں نے جو اصول بنائے ہیں ان پر پوری طرح عمل ہونا چاہئے“ اس نے اپنی استخوانی انگلیاں میز پر ماریں اور کہا ”کیا مشکل ہے؟ فضول بکواس، یہ تو بچوں کا کھیل ہے“ یہ کہہ کر وہ میز کے قریب گیا اور نقشے پر انگلی رکھ کر تیزی سے ڈریسا کیمپ کے فوائد پر دلائل دینا شروع کر دیئے اور بتانے لگا کہ کوئی اتفاقی واقعہ بھی ان پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ ہر شے کا بندوبست کر لیا گیا ہے اور اگر دشمن نے اسے واقعی گھیرنے کی کوشش کی تو وہ ہر صورت تباہ و برباد ہو جائے گا۔

پاؤلوچی کو جرمن زبان نہیں آتی تھی سو وہ فرانسیسی میں اس سے سوال پوچھنے لگا۔ ولزوگن اپنے سینئر کی مدد کیلئے آگے آیا جسے فرانسیسی پر عبور نہ تھا، اور وہ ہانو بل کی باتوں کا ترجمہ کرنے لگا۔ تاہم اس کیلئے ہانو بل کا ساتھ دینا مشکل تھا کیونکہ اس کی زبان تیزی سے چل رہی تھی اور وہ یہ ثابت کرنے کی کوشش میں مصروف تھا کہ اس منصوبے میں نہ صرف ماضی بلکہ مستقبل کے ممکنہ حالات کو بھی سمو لیا گیا ہے اور اب کوئی مشکل درپیش ہے تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ منصوبے پر پوری طرح عمل نہیں کیا گیا۔ وہ دلائل پر دلائل دے رہا تھا اور ساتھ ساتھ طنزیہ انداز میں ہنستا ہی جاتا تھا۔ آخر کار اس نے ایسے ریاضی دان کی طرح نفرت آمیز انداز میں اپنا عملی مظاہرہ بند کر دیا جو کسی ایسے مسئلے کے حل کیلئے مختلف طریقوں کی مثالیں دینا بند کر دیتا ہے جس کا حل پہلے ہی طے پا چکا ہو۔ اب اس کی جگہ ولزوگن نے لے لی اور اس کے نظریات فرانسیسی زبان میں بیان کرنا شروع کر دیئے۔ کبھی کبھار وہ مڑ کر ہانو بل کی جانب دیکھتا اور اس سے پوچھتا ”جناب عالی! کیا میں نے درست کہا؟“ مگر ہانو بل ولزوگن پر برس پڑا اور با آواز بلند کہنے لگا۔

”اب وضاحت کیلئے رہ ہی کیا گیا ہے؟“

پاؤلوچی اور میشوڈ نے بیک وقت فرانسیسی زبان میں ولزوگن سے تند و تیز سوالات شروع کر دیئے۔ آرم فیلڈٹ جرمن زبان میں ہانو بل سے مخاطب ہوا اور ٹول نے شہزادہ ولکونسکی کے سامنے روسی زبان میں وضاحتی بیان دیا۔ شہزادہ آندرے کچھ نہ بولا اور چپ چاپ تمام باتیں سنتا اور صورتحال کا مشاہدہ کرتا رہا۔

شہزادہ آندرے کو ان تمام اشخاص میں سب سے زیادہ ہمدردی غصیلے مزاج کے حامل، پرعزم اور خراب حد تک خود اعتماد ہانو بل سے تھی۔ وہ ان تمام اشخاص میں واضح طور پر واحد فرد تھا جسے اپنے لیے کچھ نہیں چاہئے تھا۔ اسے کسی سے ذاتی دشمنی نہ تھی اور وہ صرف اپنا منصوبہ اختیار کئے جانے کا خواہشمند تھا جسے اس نے برسوں کی محنت سے تیار کیا تھا۔ اگرچہ اس کا رویہ نامعقول اور ناخوشگوار تھا مگر اپنے تصور سے لامحدود وابستگی ہر ایک کو غیر ارادی طور پر اس کا احترام کرنے پر مجبور کر دیتی تھی۔

علاوہ ازیں ہانو بل کے علاوہ یہاں موجود ہر شخص نپولین کی غیر معمولی ذہانت سے خوفزدہ تھا (1805ء کی جنگی کونسل میں یہ بات نہ تھی) اگرچہ تمام افراد اس خوف کو چھپانے کی بھرپور کوشش کر رہے تھے مگر ان کی ہر دلیل بزبان حال کہہ رہی تھی کہ نپولین کا ہوا ان کے اذہان پر سوار ہو گیا ہے۔ صرف ہانو بل میں یہ بات نہ تھی۔ دیگر لوگوں نے یہ فرض کر لیا تھا کہ نپولین سے کوئی بھی توقع کی جا سکتی ہے اور انہیں ہر کونے میں اس کا سایہ دکھائی دیتا تھا اور وہ ایک دوسرے کی تجاویز رد کرنے کیلئے اسے غیر معمولی خطرہ ثابت کرنے لگتے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے صرف ہانو بل واحد شخص ہے جو نپولین کو اپنے نظریے کی مخالفت کرنے والے ہر شخص کی طرح جاہل اور گنوار سمجھتا ہے۔ ہانو بل کو دیکھ کر آندرے کے دل میں

احترام کے علاوہ رحم کا جذبہ بھی ابھرا۔ اس سے مخاطب ہونیوالے درباریوں کے لہجے اور پاؤلوچی نے شہنشاہ سے اس کے بارے جو بات کہنے کی جسارت کی تھی اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ پاموہل کے اپنے انداز سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ دوسرے لوگ جانتے ہیں اور پاموہل کو بھی علم ہے کہ چند دنوں میں اسے زوال آنیوالا ہے۔ اپنی تمام تر خود اعتمادی اور جھگڑالو جرمن طرزِ تشنیع کے باوجود ہموار بالوں والے اس شخص کی حالت قابل رحم تھی۔ اگرچہ اس نے اپنی کیفیت چڑچڑے پن اور نفرت آمیز انداز میں چھپانے کی کوشش کی تھی، تاہم یہ عیاں تھا کہ وہ مایوسیوں میں گھر گیا ہے اور سمجھتا ہے کہ اپنے نظریے کی وسیع پیمانے پر آزمائش اور دنیا کے سامنے اس کی درستگی ثابت کرنے کا آخری موقع بھی اس کے ہاتھ سے نکل رہا ہے۔

بحث و مباحثہ خاصی دیر تک جاری رہا اور جوں جوں یہ طویل ہوتا گیا، اس میں اور بھی شدت در آئی۔ آخر کار وہ ایک دوسرے سے الجھنے لگے اور جو کچھ کہا گیا تھا اس کی مدد سے کسی عمومی نتیجے پر پہنچنا ممکن دکھائی نہیں دیتا تھا۔ شہزادہ آندرے کو مختلف زبانوں میں ہونیوالی گفتگو، مفروضوں، پیشگوئیوں، منصوبوں، مخالفت اور شور سننے کے بعد حیرانی ہی ہو سکتی تھی۔ اپنی فوجی مصروفیات کے دوران بہت پہلے یہ خیال بار ہا اس کے ذہن میں آتا تھا کہ جنگی علم کا کوئی وجود ہے نہ ہو سکتا ہے اور اسی لیے فوجی ذہانت بھی کوئی شے نہیں۔ اب اسے یہ بات حقیقتاً نظر آ گئی۔ جہاں متحرک قوتوں کی صورتحال کا علم نہ ہو اور خصوصاً جب ان کے بارے یقین سے کچھ نہ کہا جا سکتا ہو تو ایسی صورت میں سائنس یا نظریہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟ کسی شخص کو پہلے سے کبھی یہ علم نہیں ہو سکا کہ کسی دن کے آخر میں ہماری یا دشمن کی فوج کس پوزیشن میں ہوگی اور نہ ہی کوئی کسی دستے کی ممکنہ قوت جانچ سکا ہے۔ جب کوئی بہادر شخص پرجوش نعرہ لگاتا ہے تو پانچ ہزار افراد پر مشتمل دستہ تیس ہزار کے برابر ہو جاتا ہے جیسا کہ شون گرابرن میں ہوا تھا اور بعض اوقات پچاس ہزار سپاہی آٹھ ہزار دشمنوں کے سامنے بزدلی سے بھاگ کھڑے ہوتے ہیں جیسا کہ اوسٹرلٹس میں پیش آیا۔ جیسا کہ تمام عملی معاملات میں ہوتا ہے کسی ایسے معاملے میں جس میں ہر شے غیر واضح اور حالات کی بے شمار اقسام پر منحصر ہو، جن کی اہمیت خاص مواقع پر ہی سامنے آئے اور کوئی شخص یہ نہ بتا سکتا ہو کہ وہ موقع کب آئے گا اور سائنس کیا ہو گی۔ آرم فیلڈٹ کہتا ہے کہ ہماری فوجوں کا باہمی رابطہ ختم ہو گیا ہے جبکہ پاؤلوچی کا خیال ہے کہ ہم نے فرانسیسی فوج کو دونوں جانب سے گھیرے میں لے رکھا ہے۔ میشوؤ سمجھتا ہے کہ ڈریسا کیمپ کو اس کے عقب میں موجود دریا نے بیکار کر دیا ہے جبکہ پاموہل کا کہنا ہے کہ یہی دریا اس کیمپ کی قوت کا باعث ہے۔ ٹول ایک منصوبہ پیش کرتا ہے اور آرم فیلڈٹ دوسرا سامنے لاتا ہے۔ سب اچھے ہیں اور بھی برے۔ کوئی منصوبہ صرف آزمائش کے بعد ہی فائدہ مند ثابت ہو سکتا ہے، تو پھر یہ تمام لوگ فوجی ذہانت کا راگ کیوں الاپ رہے ہیں؟ کیا ہم کسی شخص اس لیے ذہین کہہ سکتے ہیں کہ وہ جانتا ہے فوج کیلئے بسکٹ اور روٹی کی فراہمی کا حکم کب دیا جانا چاہیے؟ کب اپنی فوج کو دائیں اور کب بائیں جانب حرکت دینا ہے؟ اسے محض اسی ٹھاٹ باٹ اور قوت کی بنا پر ذہین کہا جاتا ہے، جس سے فوجی شناسا کر دیے جاتے ہیں۔ چونکہ خوشامدی حضرات طاقت کی قدم بوسی کیلئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں اسی لیے وہ اس کے ساتھ ذہانت کے اوصاف منسوب کر دیتے ہیں جو فی الحقیقت اس میں نہیں ہوتی۔ جن بہترین جرنیلوں کو میں جانتا ہوں وہ احمق تھے یا غائب دماغ، با گراتیاں بہترین جرنیل تھا۔ نپولین نے بھی اس کا اعتراف کیا، یا پھر نپولین بہترین تھا، میں نے اوسٹرلٹس میں اس کے چہرے پر جو اطمینان اور تنگ نظری دیکھی وہ مجھے اب بھی یاد ہے۔ اچھے کمانڈر کو نہ صرف خاص اوصاف کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ اگر وہ بلند اور نفیس ترین انسانی صفات یعنی محبت، شعری احساس، ملائمت اور فلسفیانہ سوچ سے ماورا ہو تو ہی بہتر ہوتا ہے۔ اس کی سوچ محدود ہونی چاہیے اور اسے

یقین ہونا چاہیے کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے وہ بیحد اہمیت کا حامل ہے، اس سوچ کے بغیر وہ مستقل مزاجی سے اپنا کام نہیں کر سکتا۔ خدا نہ کرے کہ اس کے دل میں رحم کا کوئی جذبہ پیدا ہو اور وہ یہ سوچنے لگے کہ درست کیا ہے اور غلط کیا۔ ان کے ذہین ہونے کا نظریہ جو بہت پہلے گھڑ لیا گیا تھا سمجھ میں آتا ہے۔ وہ اس لیے ذہین ہیں کہ قوت کے مالک ہیں۔ فوجی کارروائی ان کی بجائے عام سپاہی پر منحصر ہوتی ہے جو سب سے پہلے باآواز بلند چلاتا ہے "ہرا!" یا "مر گئے!" اور صرف عام سپاہی کی حیثیت سے ہی انسان اپنے کارآمد ہونے کے یقین کے ساتھ خدمات انجام دے سکتا ہے۔

اپنے قریب ہونیوالی بحث کے دوران شہزادہ آندرے یہی باتیں سوچ رہا تھا اور جب پاؤلوچی نے اسے آواز دی اور ہر شخص باہر جانے لگا تو وہ چونک اٹھا۔

اگلے دن معائنے کے دوران زار نے شہزادہ آندرے سے پوچھا کہ وہ کہاں کام کرنا پسند کرے گا؟ تو بلکونسکی نے زار کے عملے میں خدمات انجام دینے کی بجائے محاذ پر جانے کی اجازت طلب کر کے درباری حلقوں میں اپنا مقام ہمیشہ کیلئے گنوا دیا۔

(12)

جنگ کے آغاز سے قبل رستوف کو اپنے والدین کا خط ملا جس میں انہوں نے اسے نتاشا کی بیماری اور شہزادہ آندرے سے اس کی منگنی ختم ہونے (ان کے خیال میں ایسا نتاشا کی جانب سے اسے مسترد کیے جانے کی وجہ سے ہوا تھا) کی مختصر اطلاع دی اور ایک مرتبہ پھر اس سے درخواست کی تھی کہ وہ فوج سے ریٹائرمنٹ لے کر گھر واپس آ جائے۔ یہ خط ملنے کے بعد رستوف نے نہ صرف فوج سے ریٹائرمنٹ لینے کی کوئی خاص کوشش کی نہ چھٹی کیلئے درخواست دی۔ تاہم اس نے اپنے والدین کے خط کے جواب میں نتاشا کی بیماری اور اس کی اپنے منگیتر سے علیحدگی پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے یقین دلایا کہ وہ ان کی خواہش پوری کرنے کی کوشش کرے گا۔ اس نے سونیا کے نام علیحدہ خط لکھا جس میں کہا کہ:

"میری عزیز از جان دوست، مجھے اپنی عزت کا خیال ہے ورنہ کوئی شے مجھے واپسی سے نہیں روک سکتی۔ اب جبکہ جنگ شروع ہونیوالی ہے، اگر میں نے وطن کی محبت اور اپنے فرض پر ذاتی خوشی کو ترجیح دی تو نہ صرف اپنے ساتھیوں بلکہ اپنی نظروں میں بھی گر جاؤں گا۔ مگر یقین کرو کہ یہ ہماری آخری جدائی ہے اور جونہی جنگ ختم ہوئی، میں زندہ بچ گیا اور مجھے تمہارا پیار حاصل رہا تو میں تمام کام چھوڑ کر فوراً تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا تمہیں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اپنے سینے سے لگا لوں گا"

درحقیقت رستوف کی گھر واپسی اور سونیا سے شادی میں جو شے رکاوٹ بنی وہ جنگ ہی تھی۔ بصورت دیگر اوترادنوئے کی خزاں جس میں شکار کھیلا جاتا ہے اور وہاں کا موسم جس میں کرسمس کا خوشیوں بھرا تہوار منایا جاتا ہے اور سونیا کا پیار وغیرہ بھی اسے اپنے جانب کھینچ رہے تھے۔ اسے توقع تھی کہ ان چیزوں کے باعث اس کے سامنے پرسکون دیہاتی خوشیوں کا نیا در وا ہو جائے گا جس سے وہ اب تک ناآشنا رہا تھا۔ خوبصورت بیوی، بچے، شکاری کتے، تین تین صبار فتار روسی کتوں کی درجن بھر ٹولیاں، دیکھ بھال کیلئے جاگیر، خاطر خدمت کیلئے ہمسائے اور ہو سکتا ہے مقامی لوگوں کے ووٹوں سے الیکشن میں بھی کامیابی مل جاتی۔ رستوف کے ذہن میں یہ تمام خیالات آنے لگے مگر دوسری جانب جنگ بھی شروع ہو گئی تھی اور اسے اپنی رجمنٹ کیساتھ رہنا تھا۔ چونکہ ایسا ہونا ہی تھا اس لیے وہ اپنی عادت کے مطابق رجمنٹ کی زندگی سے مطمئن تھا اور اسے خوشگوار بنانے میں بھی کامیاب رہا۔

چھٹی سے واپسی پر جب اس کے ساتھیوں نے خوشی کا اظہار کر لیا تو اسے رجمنٹ کے لئے گھوڑے جمع کرنے کیلئے بھیج دیا گیا اور وہ یوکرائن سے چند نہایت اعلیٰ نسل کے گھوڑے لے آیا۔ یہ کام خوش اسلوبی سے انجام دینے پر وہ خود بھی بہت خوش تھا اور رجمنٹ کے افسران بالا نے اس کی جی بھر کر تعریف کی۔ اس کی عدم موجودگی میں اسے ترقی دے کر لیفٹیننٹ سے کپتان بنا دیا گیا تھا اور جب رجمنٹ کو جنگی تیاریوں کا حکم ملا تو اسے دوبارہ اپنے پرانے سکواڈرن میں واپس بھیج دیا گیا۔

مہم شروع ہو گئی اور رجمنٹ کو دگنی تنخواہ پر پولینڈ بھیج دیا گیا۔ نئے افسر، سپاہی اور گھوڑے رجمنٹ میں شامل ہوتے گئے اور جیسا کہ جنگ کے آغاز پر ہوتا ہے، ہر شخص میں نیا جوش و جذبہ پیدا ہو گیا۔ رستوف رجمنٹ میں اپنے فائدہ مند مقام سے پوری طرح آگاہ تھا اور وہ صدق دل سے فوجی ملازمت کی دلکشیوں میں کھو گیا، تاہم وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اسے کسی روز یہ ماحول چھوڑنا پڑے گا۔

مختلف گنجلک سیاسی اور فوجی وجوہات کی بنا پر فوج ولنا سے پیچھے ہٹ آئی تھی۔ پیچھے اٹھنے والے ہر قدم پر ہیڈکوارٹرز میں جذباتی کیفیت، مفادات اور دلیلوں کے ٹکراؤ کا سلسلہ شروع ہو جاتا تاہم پاؤلوگراڈ رجمنٹ کیلئے موسم گرما کے بہترین دنوں میں پیچھے ہٹنے کا یہ تمام عمل ہر قسم کی الجھنوں سے پاک اور دلکش تھا جبکہ رسد بھی وافر تھی۔ ہیڈکوارٹر میں کیسی ہی اضطرابی کیفیت اور افسردگی چھائی ہو، عام فوجیوں نے یہ سوال بالکل نہ کیا کہ وہ کہاں اور کیوں جا رہے ہیں۔ انہیں پیچھے ہٹنے کا صرف اتنا ہی افسوس تھا کہ انہیں وہ رہائش گاہیں چھوڑنا پڑ رہی تھیں جن کے وہ عادی ہو چکے تھے یا کسی پولش حسینہ سے جدائی جھیلنا پڑ رہی تھی۔ اگر کسی شخص کے ذہن میں صورتحال کی خرابی کا خیال آتا تو وہ اچھے سپاہیوں کی طرح ہشاش بشاش رہنے اور واقعات کے عمومی رخ کی بجائے وقتی طور پر اپنے سپرد کیا جانیوالا کام خوش اسلوبی سے انجام دینے کی کوشش کرتا۔ شروع میں انہوں نے ولنا کے قریب قیام کیا۔ وہ بیحد خوش تھے۔ ان کا کام پولینڈ کے زمینداروں سے تعلقات استوار کرنا، معائنے کی تیاریاں اور زار نیز دیگر اعلیٰ فوجی حکام کے سامنے پریڈ کرنا ہوتا تھا۔ پھر سونٹسانی تک پسپائی اور ساتھ نہ لے جائی جانیوالی رسد ضائع کرنے کا حکم ملا۔ ہوزاروں کو سونٹسانی صرف "مدہوش کیمپ" کے طور پر یاد رہا۔ تمام فوج نے وہاں اپنے قیام کے دوران اسے یہی نام دیا تھا۔ یہ جگہ انہیں اس لیے بھی یاد رہ گئی کہ یہاں فوجیوں کیخلاف بے پناہ شکایات سامنے آئی تھیں۔ واقعہ یہ تھا کہ یہاں فوجیوں کو سامان رسد اکٹھا کرنے کا حکم دیا گیا اور انہوں نے اس کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے سامان رسد کے علاوہ پولش معززین کے گھوڑے، گاڑیاں، قالین اور جو شے ہاتھ آئی اٹھا لی۔ رستوف کو یہ چھوٹا سا قصبہ اس لیے یاد رہا کہ جس دن وہ یہاں پہنچا تھا اسی روز اس نے اپنا کوارٹر ماسٹر سارجنٹ بدل لیا تھا کیونکہ وہ اپنے سکواڈرن کے ان سپاہیوں پر قابو نہیں پا سکا تھا جو اسے بتائے بغیر پرانی بیئر کے پانچ بیرل اڑا لے گئے تھے۔ وہ سونٹسانی سے بھی پسپا ہو گئے اور پیچھے ہٹتے ہٹتے ڈریسا تک آ گئے۔ بعدازاں انہوں نے ڈریسا سے بھی پیچھے ہٹنا شروع کر دیا اور روسی سرحدوں کے قریب جا پہنچے۔

13 جولائی کو پاؤلوگراڈ رجمنٹ کے ہوزاروں نے پہلی سنجیدہ لڑائی میں شرکت کی۔

گزشتہ شام تیز بارش اور ژالہ باری ہوئی تھی اور عام طور پر 1812ء کا سال اپنے طوفانوں کی بنا پر مشہور ہے۔

پاؤلوگراڈ رجمنٹ کے دو سکواڈرن رائی کے کھیتوں میں قیام پذیر تھے جن میں بالیاں پھوٹ رہی تھیں مگر انہیں مویشیوں اور گھوڑوں نے روند ڈالا تھا۔ زوردار بارش ہو رہی تھی اور رستوف الیین نامی نوجوان افسر کے ساتھ جھونپڑا نما قیام گاہ میں بیٹھا تھا جسے عجلت میں تعمیر کیا گیا تھا۔ ان کی رجمنٹ کا ایک لمبی موچھوں والا افسر سٹاف

ہیڈکوارٹر سے واپسی پر بارش میں بھیگ گیا تھا اور پناہ کیلئے ان کے ساتھ جھونپڑے میں آ بیٹھا۔

وہ رستوف سے کہنے لگا "نواب! میں ہیڈکوارٹر سے آ رہا ہوں، کیا تم نے رائیوسکی کے کارنامے کی بابت کچھ سنا ہے؟" پھر یہ افسر انہیں سالتانوف کی لڑائی کی تفصیلات بتانے لگا۔

رستوف سر جھکائے اور کندھے اچکائے پائپ پینے میں مصروف تھا۔ پانی کے قطرے اس کی گردن پر بہہ رہے تھے اور وہ عدم توجہی سے اس کی باتیں سننے میں مصروف تھا۔ کبھی کبھار وہ اپنے قریب بیٹھے نوجوان الیین پر سرسری نظر ڈال لیتا۔ اس افسر کی عمر محض سولہ سال تھی اور یہ کچھ عرصہ قبل رجمنٹ میں شامل ہوا تھا۔ اس کا نکولائی سے وہی تعلق تھا جو سات سال پہلے نکولائی کا دینی سوف سے تھا۔ الیین ہر بات میں رستوف کی نقل کرتا اور اسے بعینہ لڑکیوں کی طرح چاہتا تھا۔

بھاری موچھوں والے افسر زڈرنسکی نے شاندار انداز میں بتایا کہ سالتانوف پشتے پر جنرل رائیوسکی نے یادگار کارنامہ انجام دیا ہے۔ اس نے بتایا کہ کس طرح رائیوسکی گولیوں کی باڑھ میں اپنے دو بیٹوں کو پشتے کے قریب لے گیا اور ان کے ہمراہ کیسے دشمن کے پہلو پر حملہ کیا۔ رستوف نے اس کی بات سنی مگر زڈرنسکی کی حوصلہ افزائی کیلئے کچھ نہ بولا۔ اس کے برعکس وہ ایسے لگ رہا تھا جیسے اگرچہ اسے اس تمام داستان پر شرمندگی محسوس ہو رہی ہے مگر وہ اسے جھٹلانا نہیں چاہتا۔ اوسٹرلٹس اور 1807ء کی جنگوں کے بعد اپنے تجربے کی بدولت وہ اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ فوجی لوگ اپنے کارنامے بیان کرتے وقت جھوٹ سے کام لیتے ہیں جیسا کہ اس نے خود بھی کیا تھا۔ اس کے علاوہ وہ یہ بھی جان چکا تھا کہ جنگ میں پیش آنیوالے حالات ہماری سوچ اور انداز بیان سے قطعی مختلف ہوتے ہیں چنانچہ اسے زڈرنسکی کی داستان اچھی لگی نہ وہ خود پسند آیا جس نے اپنی موچھیں گالوں تک بڑھا رکھی تھیں اور وہ وہ بات کرتے وقت دوسرے شخص کے چہرے پر جھک جاتا تھا۔ رستوف کو یہ اس لیے بھی پسند نہ آیا کہ اس نے تنگ جھونپڑی میں ضرورت سے زائد جگہ گھیر رکھی تھی اور یوں دوسروں کو تکلیف دے رہا تھا۔ رستوف اسے خاموشی سے دیکھتا رہا۔ اس نے سوچا "اول تو یہ کہ حملے کی زد میں آنیوالے پشتے پر اتنی افراتفری ہو گی کہ رائیوسکی اور اس کے بیٹوں نے حملہ کیا بھی ہو گا تو ان کے قریب ترین موجود چند لوگوں کے علاوہ کسی اور پر کوئی اثر نہیں ہوا ہو گا، اور دوسرے لوگوں کو یہ نظر ہی نہیں آ سکتا تھا کہ رائیوسکی پشتے پر کیسے اور کس کے ساتھ آیا ہے اور اسے دیکھنے والوں کو اپنی جان بچانے کی فکر ہو گی چنانچہ ان کے دل میں جوش و جذبہ پیدا ہی نہیں ہوا ہو گا۔ ان حالات میں رائیوسکی کے ملائمت بھرے پدرانہ جذبات کیا معنی رکھتے ہوں گے؟ علاوہ ازیں، وطن کی قسمت کا انحصار سالتانوف پشتے پر قبضے پر نہیں تھا، تو پھر اس قربانی کا کیا فائدہ؟ اپنے ہی بچوں کو جنگ میں دھکیلنے کی کیا ضرورت تھی؟ میں ہوتا تو بیٹیا بلکہ الیین کو بھی کبھی اپنے ساتھ نہ لے جاتا جو محض اچھا لڑکا ہونے کے علاوہ میرا کچھ نہیں لگتا۔ اس کی بجائے میں انہیں خطرے سے دور رکھنے کی کوشش کرتا" نکولائی زڈرنسکی کی باتیں سنتے ہوئے انہی سوچوں میں غلطاں تھا تاہم اس نے خیالات کا اظہار نہ کیا۔ اس نے یہ بات بھی تجربے سے سیکھی تھی۔ اسے علم تھا کہ ایسی داستان سے ہماری فوج کی شان میں اضافہ ہوتا ہے چنانچہ جھوٹ موٹ یہی ظاہر کرنا پڑتا تھا کہ وہ اس بات کو تسلیم کرتا ہے اور اس نے ایسا ہی کیا۔

الیین جان گیا کہ رستوف کو زڈرنسکی کی باتوں میں زیادہ دلچسپی نہیں، چنانچہ وہ کہنے لگا "میں مزید نہیں سن سکتا، جرابوں اور قمیص سمیت ہر شے بھیگ چکی ہے، کہیں اور پناہ تلاش کرتا ہوں، یوں لگتا ہے بارش تھمنے لگی ہے" الیین باہر نکلا اور زڈرنسکی بھی گھوڑے پر بیٹھ کر چل دیا۔

پانچ منٹ بعد الین کیچڑ میں شڑاپ شڑاپ کرتا واپس آ گیا۔

اندر آتے ہی وہ بولا "ہرا! رستوف، جلدی کریں اور میرے ساتھ آئیں، میں نے ایک سرائے ڈھونڈ لی ہے، یہاں سے دو سو قدم دور ہے، ہمارے کئی ساتھی وہاں بیٹھے ہیں اور کم از کم وہاں کپڑے ہی خشک ہو جائیں گے اور ماریا ہیندری خوونا بھی وہیں ہے"

ماریا ہیندری خوونا رجمنٹ کے ڈاکٹر کی بیوی تھی۔ وہ خوبصورت جرمن عورت تھی اور ڈاکٹر نے پولینڈ میں اس سے شادی کی تھی۔ ڈاکٹر کے پاس اپنی اہلیہ کیلئے گھر خریدنے کے وسائل نہ تھے یا پھر اس کیلئے شادی کے ابتدائی دنوں میں اپنی بیوی سے جدائی اختیار کرنا ممکن نہ تھا، کوئی بھی وجہ ہو وہ جہاں بھی جاتا اپنی بیوی کو ساتھ لیے پھرتا اور ہوزاروں میں اس کا حسد پر مبنی رویہ مذاق کا مستقل موضوع بن گیا تھا۔

رستوف نے اپنا اوورکوٹ کندھوں پر ڈالا اور چلا کر لاورشکا کو حکم دیا کہ وہ ان کی چیزیں اٹھا کر پیچھے آ جائے۔ وہ خود الین کے ساتھ چل دیا۔ راستے میں وہ کبھی پھسل جاتا اور کبھی کیچڑ میں جھپ جھپ کرنے لگتا مگر راستے سے نہ ہٹتا۔ بارش تھم رہی تھی مگر اندھیرا بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ کبھی کبھار کہیں دور بجلی چمکنے لگتی اور ایک لمحے کیلئے ہر طرف روشنی پھیل جاتی۔

الین نے پوچھا "رستوف، آپ کہاں ہیں؟"

رستوف نے جواب دیا "یہاں ہوں، کیسی بجلی ہے!"

(13)

سرائے میں نصف درجن افسر پہلے سے موجود تھے اور اس کے سامنے ڈاکٹر کی بند گاڑی کھڑی تھی۔ پستہ قد، گداز جسم اور خوبصورت بالوں والی ماریا ہیندری خوونا ڈریسنگ جیکٹ پہنے اور ٹوپی اوڑھے کونے میں ایک بنچ پر بیٹھی تھی۔ اس کا شوہر قریب ہی سو رہا تھا۔ جب رستوف اور الین اندر داخل ہوئے تو تمام لوگوں نے خوشی سے چلاتے ہوئے ان کا استقبال کیا۔

رستوف ہنستے ہوئے بولا "ہوں، لگتا ہے موج میلہ ہو رہا ہے"

کسی نے کہا "اور تم یہ منہ کھول کر کیا دیکھ رہے ہو؟"

کوئی کہنے لگا "اچھے لگ رہے ہو، جسم سے پانی ندی کی طرح بہہ رہا ہے، ہمارے ڈرائنگ روم کو خراب مت کرو"

رستوف اور الین تیزی سے ایک کونے کی جانب بڑھے جہاں وہ ماریا ہیندری خوونا سے چھپ کر گیلے کپڑے اتار کر خشک لباس پہن سکتے تھے۔ وہ لکڑی کے تختوں کے پیچھے والے حصے میں جانا چاہتے تھے مگر وہاں تین افسر بیٹھے تاش کھیل رہے تھے اور جگہ اتنی تنگ تھی کہ کھڑا ہونا بھی ممکن نہ تھا۔ بھرپور اصرار کے باوجود انہوں نے اپنی جگہ سے اٹھنے سے انکار کر دیا۔ ماریا ہیندری خوونا نے کمال مہربانی کرتے ہوئے اپنا کوٹ انہیں دے دیا تاکہ وہ اس کی آڑ میں کپڑے بدل سکیں اور اس کے عقب میں رستوف اور الین نے لاورشکا کی مدد سے خشک لباس پہن لیا۔

انہوں نے ایک ٹوٹے ہوئے چولہے میں آگ جلائی اور لکڑی کا ایک تختہ توڑ کر اس میں ڈال دیا۔ کہیں سے ایک چھوٹا سماوار اور بوتلوں کا ایک ڈبا بھی مل گیا جس میں رم کی آدھی بوتل موجود تھی۔ انہوں نے ماریا ہیندری خوونا سے درخواست کی کہ وہ تمام انتظامات اپنے ہاتھ میں لے اور تمام افسر اس کے گرد جمع ہو گئے۔ ایک شخص نے اسے ہاتھ پونچھنے

کیلئے صاف رومال دیا اور دوسرے نے اس کے قدموں تلے اپنا کوٹ بچھا دیا تاکہ اس کے پاؤں گیلے نہ ہو جائیں۔ تیسرے نے ہوا روکنے کیلئے اپنا کوٹ کھڑکی پر ڈال دیا اور چوتھا اس کے شوہر کے چہرے سے مکھیاں اڑانے لگا کہ کہیں وہ جاگ ہی نہ جائے۔

ماریا ہیندری نے شرماتے خوشی سے مسکراتے ہوئے کہا "نہیں، انہیں چھوڑ دیں، یہ تمام رات جاگتے رہے ہیں اور اب بالکل نہیں اٹھیں گے"

ایک افسر نے جواباً کہا "ارے نہیں، ہمیں ڈاکٹر کا خیال رکھنا پڑے گا، نجانے کیا پیش آ جائے، مجھے امید ہے کہ اگر کبھی میرا بازو یا ٹانگ کاٹنا پڑ گئی تو وہ مجھ پر ترس کھائیں گے"

گلاس تین تھے اور پانی اتنا گندا تھا کہ چائے کا معیار جانچنا ممکن نہ تھا۔ سماوار میں صرف چھ آدمیوں کیلئے پانی کی گنجائش تھی مگر ان تمام باتوں کے باوجود بیحد لطف آیا۔ عہدے کے اعتبار سے تمام لوگ باری باری ماریا ہیندری خوونا کے گداز ننھے منے ہاتھوں سے گلاس تھامتے گئے۔ اس شام یوں لگ رہا تھا جیسے تمام افسر اس سے سچے دل سے پیار کرنے لگے ہیں تختوں کے پیچھے تاش کھیلنے میں مصروف تینوں اشخاص نے بھی کھیل چھوڑا اور جلدی سے سماوار کے قریب آ گئے۔ افسر ماریا ہیندری خوونا کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتے تھے۔ ماریا نے اس قدر تیز طرار اور شائستہ نوجوانوں کو اپنے گرد گھیرا ڈالے دیکھا تو خوشی سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا، اگرچہ وہ اپنی خوشی چھپانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی اور جب بھی اس کا شوہر نیند میں کروٹ بدلتا تو وہ خوفزدہ ہو جاتی۔ چمچ ایک تھا اور اگرچہ چینی وافر مقدار میں موجود تھی مگر افسر اسے گلاسوں میں حل کرنے میں اتنا وقت لیتے تھے کہ یہ فیصلہ کیا گیا کہ ماریا ہیندری خوونا خود گلاسوں میں چینی حل کرے گی۔

رستوف نے اپنا چائے کا گلاس پکڑا اور اس میں کچھ رم انڈیل کر ماریا سے اسے ہلانے کی درخواست کی۔

ماریا نے اس سے پوچھا "مگر کیا آپ چینی کے بغیر ہی پئیں گے؟" اس تمام عرصہ میں وہ یوں مسکراتی رہی تھی جیسے وہ خود یا دوسرے جو باتیں کر رہے ہیں وہ بیحد پُرلطف اور ذومعنی ہوں۔

رستوف بولا "مجھے چینی کی پروا نہیں، میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ اپنے چھوٹے سے ہاتھوں کی مدد سے اسے خود ہلا دیں۔

ماریا ہیندری خوونا چمچ تلاش کرنے لگی جو کسی اور کے پاس تھا۔

رستوف بولا "ماریا ہیندری خوونا" "اپنی انگلی سے ہلا دیں، یہ خود بخود میٹھا ہو جائیگا"

ماریا خوشی سے سرخ ہوتے ہوئے بولی "یہ تو بہت گرم ہے"

الین نے رم کے چند قطرے پانی کی بالٹی میں ٹپکائے اور اسے ماریا کے پاس لا کر درخواست کی کہ وہ اسے انگلی سے ہلا دے۔

وہ کہنے لگا "یہ میرا کپ ہے، اس میں صرف اپنی انگلی ڈبو دیں پھر میں یہ تمام پانی پی جاؤنگا"

سماوار ختم کرنے کے بعد رستوف نے تاش اٹھا لیے اور ماریا کو "بادشاہ ہوں" والا کھیل کھیلنے کی پیشکش کی۔ ماریا ہیندری خوونا کا ساتھی چننے کیلئے انہوں نے قرعہ اندازی کی۔ کھیل کیلئے رستوف کی جانب سے تجویز کردہ قوانین کے مطابق "بادشاہ" بن جانیوالے شخص کو ماریا کا ہاتھ چومنے کا اعزاز حاصل ہونا تھا اور غلام رہ جانیوالے کو ڈاکٹر کے بیدار ہونے پر اس کیلئے سماوار تیار کرنا تھا۔

کسی نے کہا "فرض کرو کہ ماریا خود بادشاہ بن جاتی ہے، پھر کیا ہوگا؟"

جواب آیا "وہ تو پہلے ہی ہماری ملکہ ہے اور اس کا ہر لفظ ہمارے لیے قانون کے برابر ہے"

کھیل کا آغاز ہوا ہی تھا کہ اچانک ڈاکٹر کا سر اپنی بیوی کے عقب میں دکھائی دیا، اس کے بال الجھے ہوئے تھے۔ وہ کچھ دیر سے جاگ رہا تھا اور تمام باتیں سن رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اسے ان باتوں میں مزاح کا کوئی پہلو نظر آیا ہے نہ کوئی دلچسپی معلوم ہوئی ہے۔ اس کا چہرہ افسردہ اور خفا تھا۔ اس نے افسروں سے سلام دعا بھی نہ کی اور اپنے جسم پر خارش کرتے ہوئے انہیں ایک طرف ہٹنے کو کہا کہ انہوں نے اس کا راستہ روک رکھا تھا۔ جونہی وہ باہر نکلا، تمام افسر کھلکھلا کر ہنس دیئے جبکہ ماریا ہیندری خووناکا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا یہاں تک کہ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اس حالت میں وہ پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت دکھائی دینے لگی۔ جب ڈاکٹر دوبارہ اندر آیا تو اس نے اپنی بیوی (جو اب مسکرانے کی بجائے خوفزدہ نگاہوں سے شوہر کی جانب دیکھ رہی تھی) کو بتایا کہ بارش رک گئی ہے اور اب انہیں رات گاڑی میں گزارنی چاہئے ورنہ ان کی تمام چیزیں چوری ہو جائیں گی۔

رستوف نے کہا "میں اپنا اردلی بھیج دوں گا۔۔۔ بلکہ دو! کیا خیال ہے ڈاکٹر"

الین نے کہا "میں پہرہ دوں گا"

ڈاکٹر بولا "نہیں حضرات، آپ لوگ بھرپور نیند لے چکے ہیں جبکہ میں دو راتوں سے جاگ رہا ہوں" یہ کہہ کر وہ منہ بسورے اپنی بیوی کے پاس بیٹھ گیا اور کھیل ختم ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

افسروں نے جب اسے اپنا افسردہ چہرہ بیوی کی طرف کئے دیکھا تو اور بھی چہکنے لگے اور ان کیلئے اپنی ہنسی روکنا محال ہو گیا۔ تاہم ان میں سے چند ایک فوراً اپنی ہنسی کی توجیح کرنے لگے۔ جب ڈاکٹر اپنی بیوی کے ساتھ چلا گیا اور دونوں اپنی بند گاڑی میں سو گئے تو افسر سرائے ہی میں لیٹ گئے۔ انہوں نے اپنے گیلے اوورکوٹ اوپر ڈال لیے مگر نیند ان کی آنکھوں سے دور تھی۔ وہ آپس میں باتیں کرنے لگے۔ کبھی وہ ڈاکٹر کی بے چینی اور اس کی بیوی کی خوشی کا تذکرہ کرتے اور کبھی ان میں سے کوئی بھاگ کر ڈیوڑھی میں جاتا اور واپس آ کر بتاتا کہ گاڑی میں کیا ہو رہا ہے۔ رستوف نے کئی بار اپنا چہرہ ڈھانپا اور سونے کی کوشش کی مگر کوئی افسر کوئی ایسی بات کہہ دیتا کہ اس کی آنکھ کھل جاتی اور گفتگو کا سلسلہ دوبارہ شروع ہو جاتا اور وہ ایک مرتبہ پھر بیوقوفانہ اور بچگانہ انداز سے با آواز بلند ہنسنا شروع ہو جاتے۔

(14)

وقت دو بجے سے اوپر ہو چکا تھا مگر ابھی تک کسی کو نیند نہ آئی تھی۔ اتنی دیر میں کوارٹر ماسٹر یہ احکامات لے کر آ پہنچا کہ انہیں چھوٹے قصبے اوسٹروونا میں پہنچنا ہے۔ افسر ابھی تک گفتگو اور قہقہوں میں مصروف تھے اور اس کے ساتھ ساتھ روانگی کی تیاری بھی کرتے جاتے تھے۔ انہوں نے ایک مرتبہ پھر سماوار میں گدلا پانی ڈالا مگر رستوف چائے کا انتظار کئے بغیر اپنے سکواڈرن کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ اندھیرا ختم ہو چکا تھا اور بارش تھم گئی تھی۔ آسمان پر موجود بادل ہوا کے دوش پر ادھر ادھر اڑے چلے جا رہے تھے۔ موسم سرد اور نم تھا۔ رستوف اور الین صبح تڑکے سرائے سے نکلے تو دونوں نے ڈاکٹر کی گاڑی پر موجود چمکتے چمڑے کی جانب دیکھا۔ ڈاکٹر کے پاؤں باہر نکلے ہوئے تھے۔ گاڑی میں تکیے کے اوپر انہیں اس کی بیوی کی ٹوپی نظر آئی اور نیند میں اس کی سانسوں کی آواز بھی سنائی دی۔

رستوف نے الین سے کہا "وہ واقعی دلکش خاتون ہے"

الین نے سولہ سالہ لڑکے کی سنجیدگی سے بھرپور انداز میں جواب دیا "واقعی پرکشش ہے"

نصف گھنٹے بعد سکواڈرن سڑک پر اپنی صفیں درست کر چکا تھا۔ گھوڑوں پر سوار ہونے کا حکم ملا، سپاہیوں نے سینوں پر صلیب کے نشان بنائے اور گھوڑوں پر بیٹھ گئے۔ سب سے آگے موجود رستوف نے حکم دیا "آگے بڑھو!" اور ہوزاروں نے گھوڑے بھگا دیئے۔ ان کی تلواریں کھنکنا رہی تھیں اور وہ مدھم آواز میں باتیں کرتے جا رہے تھے۔ گھوڑوں کے سموں تلے کیچڑ کے چھینٹے اڑ رہے تھے۔ سڑک چوڑی تھی اور اس کے دونوں کناروں پر برچ کے درخت ہوا میں لہلہا رہے تھے۔ چار چار سوار ایک دوسرے کے برابر آگے بڑھنے لگے۔ ان کے آگے توپخانہ اور پیادہ فوج تھی اور وہ ان سے پہلے روانہ ہوئی تھی۔

کٹے پھٹے جامنی اور نیلے بادل جو شرق سے سورج طلوع ہونے کے باعث سرخ ہو رہے تھے، ہوا کے دوش پر آگے تیرنے لگے۔ روشنی بڑھتی جا رہی تھی۔ دیہاتی سڑکوں کے کنارے اگنے والی لہلہاتی گھاس رات کی بارش کے باعث ابھی تک گیلی تھی۔ برچ کے درختوں کی نیچے کو جھکی شاخیں بھی پانی سے تر تھیں اور ہوا میں جھولنے کے سبب سڑک پر پانی کے قطرے پھینک رہی تھیں۔ ہر لمحے بعد سپاہیوں کے چہرے پہلے سے زیادہ واضح ہوتے گئے۔ رستوف برچ کے درختوں کی دو رویہ قطاروں کے بیچ الین کے ساتھ جا رہا تھا جو کبھی اس سے علیحدہ نہیں ہوتا تھا۔

رستوف جنگ کے دنوں میں کبھی کبھار رجمنٹ کے گھوڑے کی بجائے قازق گھوڑے پر سوار ہو جاتا تھا۔ شکاری ہونے کے ناطے اسے گھوڑوں کی خاص پہچان تھی۔ اس نے کچھ ہی عرصہ قبل ڈان کی نسل کا ایک نہایت عمدہ گھوڑا حاصل کیا تھا، یہ گھوڑا ہر ایک کو پیچھے چھوڑ سکتا تھا۔ اس پر سواری کرتے ہوئے اسے بیحد لطف آتا تھا۔ وہ اس گھوڑے، صبح اور ڈاکٹر کی بیوی کے بارے میں سوچ رہا تھا تاہم اپنے سر پر آ پہنچنے والے خطرے کی جانب اس کا بالکل بھی دھیان نہیں گیا تھا۔ ملازمت کے اوائل میں جب اسے محاذ جنگ پر جانا ہوتا تو وہ بیحد خوفزدہ ہو جایا کرتا تھا مگر اب اسے مطلق خوف محسوس نہ ہو رہا تھا۔ وہ گولہ باری کا عادی ہونے کے باعث نڈر نہیں ہوا تھا (کوئی شخص خطرات کا کبھی عادی نہیں ہو سکتا) بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ خطرے میں اپنے خیالات کو قابو میں رکھنے کا گر سیکھ چکا تھا اور اس نے کچھ ایسے انداز میں اپنی تربیت کی تھی کہ محاذ کی طرف جاتے ہوئے وہ ہر شے کے بارے میں سوچتا مگر متوقع خطرے کے بارے میں کوئی بات ذہن میں نہ لاتا۔ اپنی ملازمت کے ابتدائی دور میں وہ بھرپور کوشش کے باوجود وہ خود پر ایسی کیفیت طاری نہیں کر سکتا تھا۔ یہ کیفیت وقت کے ساتھ ساتھ خود بخود پیدا ہو گئی تھی۔ اب وہ الین کے ساتھ ساتھ برچ کے درختوں کے نیچے سے گزر رہا تھا۔ کبھی کوئی شاخ اس کے ہاتھ میں آ جاتی اور وہ اس کا پتا توڑ لیتا، کبھی وہ اپنے پاؤں سے گھوڑے کے پہلو میں ٹھوکا دیتا یا پھر پیچھے دیکھے بغیر اپنا پائپ کسی ہوزار کے حوالے کر دیتا۔ وہ یہ تمام حرکات اس قدر پرسکون اور لاپروائی سے کرتا تھا جیسے تفریحاً گھوڑے پر بیٹھا ہو۔ جب وہ الین کا گھبرایا ہوا چہرہ دیکھتا اور اس کی باتیں سنتا تو اپنے تجربے کی بنا پر اس کے ذہن میں موجود خوف اور موت کی توقع بھانپ جاتا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ وقت کے ساتھ ہی وہ اس کیفیت سے چھٹکارا پا سکے گا۔

بادلوں کے پیچھے جونہی شفاف آسمان پر سورج نکلا تو ہوائیں بند ہو گئیں جیسے طوفانی کے بعد اس گرم صبح کے حسن میں خلل اندازی کی ہمت نہ ہو۔ درختوں سے ٹپکنے والے پانی کے قطرے اب سیدھے نیچے آ رہے تھے اور ہر شے ساکت تھی۔ سورج پورے جوبن سے نکلا اور بادل کے ایک لمبے ٹکڑے کے پیچھے روپوش ہو گیا۔ چند منٹ بعد وہ پھر آ موجود ہوا مگر اب کے اس کی آب و تاب پہلے سے کہیں زیادہ تھی۔ جب یہ آسمان پر بلند ہوا تو اس نے بادل کا اوپر والا کنارہ کاٹ

دیا۔ ہر شے دھوپ میں چمکنے لگی اور روشنی کے ساتھ ہی آگے گولہ باری کی آوازیں سنائی دینے لگیں جیسے اس کا جواب دے رہی ہوں۔

رستوف کو سوچنے سمجھنے اور گولہ باری کے مقام کا اندازہ لگانے کا موقع ہی نہ ملا اور نواب اوسٹر مین تالستائی کا ایجوٹنٹ وٹسک یہ احکامات لے کر آ گیا کہ سڑک کے ساتھ ساتھ دھیمی رفتار سے آگے بڑھا جائے۔

سکواڈرن نے پیادہ فوج اور توپخانے کو پیچھے چھوڑا اور پہاڑی سے نیچے اتر کر ویران گاؤں سے گزرتا ہوا ایک اور پہاڑی پر چڑھ گیا۔ گھوڑوں کو پسینہ آنے لگا اور سواروں کے چہرے سرخ ہو گئے۔

گھڑسوار رجمنٹ کے کمانڈر نے حکم دیا "ہوشیار! صفیں درست کر لی جائیں: بائیں جانب رخ کرو اور دھیمی رفتار سے آگے بڑھو!"

اور ہوزار بائیں جانب دوسرے دستوں کے قریب سے گزر کر ہمارے نیزہ بردار دستوں کے پیچھے رک گئے جو سامنے صف بندی کئے ہوئے تھے۔ دائیں جانب پیادہ دستے ہجوم کئے ہوئے تھے، یہ محفوظ تھا اور مزید اوپر پہاڑی پر افق کے ساتھ بلوریں فضا میں توپیں بھی نظر آ رہی تھیں۔ گھاٹی میں فائرنگ کے تبادلے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں جہاں ہمارے ہراول دستے پہلے ہی دشمن سے لڑائی میں مصروف تھے۔

رستوف کافی عرصہ بعد یہ آوازیں سن کر بیحد خوش ہوا اور اس کی کیفیت اس شخص کی سی تھی جو انتہائی تیز موسیقی سن کر جھوم اٹھتا ہے۔ ٹریپ۔۔۔ ٹھا، ٹھا، ٹھا، ٹریپ، کے بعد دیگرے فائرنگ کی آوازیں گونج رہی تھیں اور ایک مرتبہ پھر ہر طرف خاموشی چھا گئی۔ پھر کچھ ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی چھچھوندروں پر چل رہا ہو۔

ہوزار ایک گھنٹے تک یونہی کھڑے انتظار کرتے رہے، توپوں نے گولہ باری شروع کر دی اور نواب اوسٹر مین تالستائی گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے عملے کے ساتھ سکواڈرن کے پیچھے آ گیا، اس نے رجمنٹ کے کمانڈر سے کوئی بات کی اور پھر پہاڑی پر توپوں کی جانب چڑھنے لگا۔

اوسٹر مین تالستائی چلا گیا تو نیزہ بردار سواروں کے دستے میں حکم گونجا "حملے کیلئے صفیں درست کر لی جائیں" پیادہ فوج گھڑسواروں کو راستہ دینے کیلئے پلاٹونوں میں تقسیم ہو گئی اور نیزہ بردار پولش سوار آگے بڑھے ان کے نیزوں پر لگے جھنڈے پھڑپھڑا رہے تھے اور وہ دھیمی چال چلتے ہوئے پہاڑی سے نیچے اتر کر فرانسیسی سواروں کی طرف بڑھنے لگے جو اب نیچے بائیں جانب دیکھے جا سکتے تھے۔

جونہی نیزہ بردار سوار پہاڑی سے اترے، ہوزاروں کو پہاڑی پر چڑھنے کا حکم ملا تا کہ توپخانے کو بچاؤ فراہم کیا جا سکے۔ جونہی وہ نیزہ برداروں کی خالی کردہ جگہ پر پہنچے تو ان پر فائرنگ ہونے لگی تاہم گولیاں نشانے پر نہیں لگ رہی تھیں۔

رستوف کو کافی عرصہ بعد یہ آوازیں سن کر فائرنگ کی سابقہ آوازوں سے زیادہ فرحت آگیں احساس ہوا۔ وہ گھوڑے پر اکڑ کر بیٹھ گیا اور پہاڑی سے اپنے سامنے پھیلے میدان جنگ اور نیزہ بردار سواروں کی حرکات کا جائزہ لینے میں مصروف ہو گیا۔ ہمارے نیزہ بردار سوار فرانسیسیوں کے بالکل قریب پہنچ کر ان پر جھپٹ پڑے اور دھوئیں میں افراتفری دکھائی دینے لگی۔ پانچ منٹ بعد نیزہ بردار سوار واپس بھاگتے دکھائی دیئے تاہم وہ اپنی پہلی پوزیشن کی طرف جانے کی بجائے کسی قدر مزید بائیں جا رہے تھے۔ نارنجی وردیوں میں ملبوس نیزہ بردار پولش گھڑسوار جنگجوؤں کے درمیان میں اور پیچھے نیلی وردیوں میں ملبوس اور خاکی رنگت کے گھوڑوں پر سوار فرانسیسی سواروں کا ہجوم دکھائی دے رہا تھا۔

(15)

چند دیگر لوگوں کی طرح رستوف نے اپنی گہری نظر کی بدولت فرانسیسی سواروں کو ہمارے نیزہ بردار دستوں کا تعاقب کرتے دیکھ لیا۔ تعاقب کرنیوال فرانسیسیوں کے آگے بھاگتے نیزہ برداروں کے بے ترتیب ہجوم قریب آتے جا رہے تھے۔ اگرچہ پہاڑی کے دامن میں ان کی شکلیں بالکل چھوٹی چھوٹی دکھائی دے رہی تھیں مگر ان کا ایک دوسرے کو دھکیلنا، آگے نکلنے کی کوشش کرنا اور ان کی لہراتی تلواریں اور دیگر ہتھیار صاف دکھائی دیتے تھے۔

رستوف سامنے دکھائی دینے والے منظر پر یوں نگاہیں لگائے ہوئے تھا جیسے شکار کو دیکھ رہا ہو، اسے محسوس ہوا کہ اگر اس کے ہوزار اب فرانسیسیوں پر حملہ کر دیں تو وہ اس کی تاب نہیں لا سکیں گے تاہم ایسا فوری کرنا ہو گا ورنہ دیر ہو جائیگی۔ اس نے ارد گرد دیکھا۔ اس کے قریب ہی ایک کپتان نگاہیں نیچے نیزہ برداروں پر جمائے کھڑا تھا۔

رستوف نے کہا" آندرے سیوا ستیانچ! یقیناً ہم انہیں قابو کر سکتے ہیں۔۔۔"

کپتان نے جواب دیا" بہت اچھی طرح، اور درحقیقت۔۔۔"

رستوف نے اس کے جواب کا انتظار کئے بغیر گھوڑا سکواڈرن کے آگے بھگا دیا۔ قبل ازیں کہ وہ حکم دیتا، اس کا تمام سکواڈرن بھی اس کے پیچھے پیچھے چل دیا جس کے جذبات بھی اسی جیسے ہو رہے تھے۔ رستوف کو علم نہ تھا کہ اس نے یہ کیسے اور کیوں کیا، شکار کی طرح یہاں بھی اس نے سوچے سمجھے بغیر عمل شروع کر دیا تھا۔ اس نے دیکھا کہ فرانسیسی سوار قریب ہیں اور تیزی سے بھاگتے چلے آ رہے ہیں نیز ان کی صفیں بھی درست نہیں ہیں۔ وہ جانتا تھا کہ ان پر حملہ کر دیا جائے تو وہ اس کی تاب نہیں لا پائیں گے۔ اس نے سوچا کہ یہ کچھ کر دکھانے کا واحد موقع ہے اور اسے گنوا دیا گیا تو یہ پھر کبھی ہاتھ نہیں آئے گا۔ اپنے دائیں بائیں سے سنسناتی گزرنے والی گولیوں نے اسے عمل پر آمادہ کیا اور اس کا گھوڑا وہاں سے ہٹنے کیلئے اسقدر بے چین تھا کہ وہ اسے نہ روک سکا۔ اس نے گھوڑا بھگایا اور چلا کر حکم دیا، بالکل اسی وقت اپنے پیچھے کھڑے سکواڈرن کے گھوڑوں کی ٹاپیں سن کر وہ تیز رفتاری سے پہاڑی سے نیچے اتر کر فرانسیسیوں کی جانب بڑھنے لگا۔ وہ پہاڑی سے بمشکل نیچے اترے ہوں گے کہ ان کی رفتار خود بخود تیز ہونے لگی اور جوں جوں وہ نیزہ برداروں کا تعاقب کرنیوالے فرانسیسیوں سے قریب تر ہوتے گئے، ان کی رفتار اور بھی بڑھتی چلی گئی۔ اب فرانسیسی سوار ان سے بیحد قریب تھے۔ آگے جانیوالوں نے ہوزاروں کو اپنی طرف آتے دیکھا تو پیچھے مڑے اور پیچھے والے اپنی جگہ رک گئے۔ رستوف نے کچھ عرصہ قبل شکار کے دوران جس احساس کے ساتھ اپنا گھوڑا بھیڑئیے کے راستے پر تیز رفتاری سے بھگایا تھا بالکل اسی احساس سے اپنے ڈان گھوڑے کی لگامیں ڈھیلی چھوڑ دیں اور فرانسیسی سواروں کی بے ترتیب صفوں کو روکنے کیلئے تیز رفتاری سے آگے بڑھا۔ ایک نیزہ بردار سوار اپنی جگہ پر ٹھہر گیا، دوسرے نے، جو پیدل تھا، خود کو جلدی سے زمین پر گرا دیا کہ کہیں گھوڑوں تلے ہی نہ کچلا جائے۔ ایک خالی گھوڑا ہوزاروں کے ہاتھ آ گیا جسے وہ اپنے ساتھ ہانکنے لگے۔ تمام فرانسیسی سوار تیزی سے واپس بھاگ نکلے۔ رستوف نے خاکستری رنگت کے ایک گھوڑے پر نظر رکھی اور اس کا تعاقب شروع کر دیا۔ راستے میں ایک جھاڑی تھی اور اس کے بہادر گھوڑے نے چھلانگ لگا کر اسے عبور کر لیا۔ ابھی وہ اچھی طرح زین پر جما ہی نہ تھا کہ اسے اپنا دشمن بالکل سامنے دکھائی دیا۔ گھوڑے پر دبک کر بیٹھا یہ فرانسیسی بظاہر افسر معلوم ہوتا تھا اور نیزے کی انی سے اسے تیز بھاگنے پر مجبور کر رہا تھا۔ رستوف نے اچانک اپنا گھوڑا فرانسیسی افسر کے گھوڑے سے ٹکرا دیا اور اپنا نیزہ دشمن پر دے مارا۔

فرانسیسی کو نیزہ مارتے ہی رستوف کا تمام تر جوش و خروش ختم ہو گیا اور افسر نیچے گر پڑا۔ وہ نیزہ لگنے سے نہیں گرا تھا کیونکہ اس سے تو اسے کہنی سے کچھ اوپر ہلکا سا زخم ہی آیا تھا، درحقیقت اس کے گرنے کی وجہ یہ تھی کہ اس کے گھوڑے کو ٹکر لگ گئی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ وہ خوفزدہ بھی ہو گیا تھا۔ رستوف نے گھوڑا روک لیا اور اپنے دشمن کو دیکھنے کی کوشش کرنے لگا۔ فرانسیسی کا ایک پاؤں زمین پر اور دوسرا رکاب میں پھنسا تھا اور وہ مسلسل اچھل رہا تھا۔ اس نے رستوف کی جانب دیکھا اور خوف کے مارے آنکھیں سکیڑ لیں۔ وہ یوں دبکا ہوا تھا جیسے کسی بھی لمحے اسے پھر نیزہ مار دیا جائیگا۔ اس کا زرد چہرہ کیچڑ سے بھر چکا تھا، یہ ایک خوبصورت اور نوجوان لڑکے کا چہرہ تھا جس کی آنکھیں نیلی اور ٹھوڑی میں گڑھا تھا۔ اس چہرے سے دشمنی کا کوئی اظہار ہوتا تھا نہ یہ جنگ کیلئے موزوں لگتا تھا۔ یہ تو انتہائی شریف اور مانوس چہرہ تھا۔ ابھی رستوف اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ وہ افسر با آواز بلند بولا "میں ہتھیار ڈالتا ہوں" اس نے اپنا پاؤں رکاب سے چھڑانے کیلئے زور لگایا مگر ناکام رہا۔ اس دوران اس کی سہمی ہوئی نیلی آنکھیں رستوف پر ٹکی رہیں۔ کچھ ہوزار گھوڑے بھگاتے آئے اور اس کا پاؤں رکاب سے آزاد کرا کے اسے زین پر بیٹھنے میں مدد دی۔ چاروں جانب رستوف کے ہوزار فرانسیسی سواروں کو مار بھگا رہے تھے۔ ایک فرانسیسی زخمی ہو گیا، اگرچہ اس کے چہرے سے خون بہہ رہا تھا مگر وہ اپنا گھوڑا چھوڑنے پر آمادہ نہ تھا۔ ایک فرانسیسی روسی ہوزار کے گھوڑے پر اس کے پیچھے بیٹھ گیا اور اپنے بازو اس کے گرد کس لیے۔ ایک جانب فرانسیسی سوار بھاگ رہے تھے اور دوسری طرف ان کے پیادہ سپاہی مسلسل فائرنگ کیے جا رہے تھے۔ ہوزار تین قیدیوں سمیت تیزی سے پچھلی جانب بھاگ اٹھے۔ دوسروں کے ساتھ ساتھ رستوف بھی جا رہا تھا۔ اسے اپنے دل پر بوجھ سا محسوس ہو رہا تھا، جب اس نے قیدی کو پکڑا اور اسے نیزہ مارا تو اس پر کوئی غیر واضح اور پریشان کن شے غالب آ گئی تھی جسے وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

نواب اوسٹرمین تالستائی واپس آنیوالے ہوزاروں سے ملا۔ اس نے رستوف کو بلا کر اس کا شکریہ ادا کیا اور کہنے لگا کہ وہ اس کے بہادرانہ کارنامے کے بارے میں زار کو رپورٹ بھیجے گا اور اس کیلئے سینٹ جارج کراس تمغے کی سفارش کرے گا۔ جب رستوف نے نواب اوسٹرمین کا پیغام وصول کیا تو اسے یاد آیا کہ اس نے حکم کے بغیر حملہ کیا تھا اور اسے یقین ہو گیا کہ کمانڈر نے اسے ڈانٹ ڈپٹ کیلئے یاد کیا ہے کیونکہ وہ نظم و ضبط کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوا تھا۔ اس صورتحال میں نواب اوسٹرمین تالستائی کے توصیفی الفاظ اور اعزاز کا وعدہ اسے اور بھی خوشگوار محسوس ہونا چاہیے تھا مگر وہ ناخوشگوار احساس اسے ابھی تک ڈس رہا تھا۔ جرنیل سے ملاقات کے بعد اس نے اپنے آپ سے پوچھا "آخر میں کیوں پریشان ہوں؟ الین؟ نہیں وہ تو ٹھیک ٹھاک ہے۔ کیا میں کوئی ایسی حرکت کر بیٹھا ہوں جو شرمندگی کا باعث ہے؟ نہیں، ایسا بھی نہیں ہوا" اسے ندامت سے ملتی جلتی کوئی شے غصہ دلا رہی تھی۔ اس نے سوچا "ہاں، ہاں، وہی فرانسیسی افسر جس کی ٹھوڑی پر گڑھا ہے۔ مجھے یاد آ رہا ہے کہ جب میں نے اسے مارنا چاہا تو میرا ہاتھ رک گیا تھا"

رستوف نے قیدیوں کو دیکھا جنہیں کہیں اور لے جایا جا رہا تھا۔ وہ گھوڑا بھگا کر اس فرانسیسی افسر کی ایک جھلک دیکھنے ان کے پیچھے گیا جس کی ٹھوڑی پر گڑھا تھا۔ وہ اپنی عجیب و غریب وردی میں ایک فالتو گھوڑے پر بیٹھا بے چینی سے ادھر ادھر دیکھے جا رہا تھا۔ نیزے نے اس کے بائیں بازو پر ہلکی سی خراش ڈالی تھی۔ اس نے رستوف کی جانب مصنوعی مسکراہٹ سے دیکھا اور اسے سلام کرنے کیلئے اپنا بازو لہرایا، رستوف کو ابھی تک بے چینی محسوس ہو رہی تھی جیسے ضمیر پر کوئی شے بوجھ بن گئی ہو۔

اس دن اور اگلے روز بھی اس کے دوستوں اور ساتھیوں نے محسوس کیا کہ اگرچہ وہ افسردہ یا چڑچڑا تو نہیں تاہم

کھل کر بات چیت بھی نہیں کر رہا تھا۔ وہ اپنے ہی خیالوں میں کھویا اور مسلسل سوچ بچار میں مصروف تھا۔ اس نے شراب نوشی میں بھی دلچسپی نہ لی اور تنہا بیٹھا رہا۔

رستوف اپنے اس شاندار کارنامے کی بابت سوچتا رہا جس نے اسے سینٹ جارج کراس دلانے کے ساتھ ساتھ شہرت بھی دی تھی، اسے اس پر حیرت ہو رہی تھی۔ اس نے فرانسیسیوں کے بارے میں سوچا "وہ تو ہم سے بھی زیادہ خوفزدہ ہیں، پھر ہیروازم کا کیا مطلب ہوا؟ کیا میں نے یہ واقعی اپنے ملک کے لیے کیا؟ اس نیلی آنکھوں اور ٹھوڑی پر گڑھے والے فرانسیسی نوجوان کا کیا قصور تھا؟ وہ کس قدر ڈرا ہوا تھا؟ اس کا خیال تھا کہ میں اسے ہلاک کر دوں گا۔ میں اسے کیوں مارتا؟ میرا تو ہاتھ نہیں اٹھ رہا تھا اور یہ لوگ مجھے سینٹ جارج کراس دے رہے ہیں۔ کوئی بات سمجھ نہیں آتی"

ایسی سوچ بچار کے دوران اسے پریشان کرنیوالی شے کا کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا۔ ملازمتی حوالے سے جیسا کہ اکثر ہوتا ہے، قسمت اس کے حق میں جا رہی تھی۔ اوسٹرونا کی لڑائی کے بعد اس کی عزت و شہرت بڑھ گئی اور اسے ہوزاروں کی ایک بٹالین کا کمانڈر بنا دیا گیا اور جہاں کہیں بہادر افسر درکار ہوتا تو اسی کا نام لیا جاتا تھا۔

(16)

بیگم رستوف ابھی اچھی طرح صحت یاب نہیں ہوئی تھی کہ اسے نتاشا کی بیماری کی اطلاع ملی۔ وہ بیٹیا اور گھر کے دیگر افراد کے ساتھ ماسکو روانہ ہو گئی۔ تمام رستوف گھرانہ ماریا متریونا کے گھر سے اپنی رہائش گاہ پر منتقل ہو گیا اور وہ شہر میں رہنے لگے۔

نتاشا کی بیماری اسقدر سنگین تھی کہ اس کا موجب بننے والی تمام باتیں، اس کا رویہ اور منگنی کی منسوخی وغیرہ پس منظر میں چلی گئیں جسے بجا طور پر اس کی اور والدین کی خوش نصیبی کہا جا سکتا تھا۔ وہ کچھ کھا سکتی تھی نہ اسے نیند آتی تھی اور ایسے میں ان کے لئے اس کے قصور کی بابت سوچنا ممکن نہیں تھا۔ وہ دن بدن کمزور ہوتی چلی جا رہی تھی، وہ ہر وقت کھانستی رہتی اور ڈاکٹروں نے اس کے والدین کو اشاروں کنایوں میں بتا دیا تھا کہ اس کی زندگی خطرے میں پڑ چکی ہے۔ اب انہیں ہر وقت یہی فکر کھائے جاتی تھی کہ جس طرح ہو سکے اسے صحت یاب کیا جائے۔ گھر میں ڈاکٹر مسلسل آتے جاتے رہتے تھے۔ کبھی وہ اکیلے ہوتے اور کبھی ایک دوسرے کے ساتھ آتے۔ وہ باہم مشورہ کرتے، فرانسیسی، جرمن اور لاطینی زبان میں طویل بحث و تکرار کرتے اور ایک دوسرے کو تنقید کا نشانہ بناتے۔ وہ انتہائی مختلف اقسام کے نسخے تجویز کرتے تھے جن کا اطلاق ان تمام بیماریوں پر ہو سکتا تھا جن سے وہ آگاہ تھے۔ تاہم ان میں سے کسی کے ذہن میں یہ عام فہم خیال نہ آیا کہ ممکن ہے انہیں اب تک نتاشا کی بیماری کا علم ہی نہ ہو کیونکہ جو شخص جس بیماری میں مبتلا ہوتا ہے اس کی مکمل تشخیص کبھی نہیں ہو سکتی کیونکہ ہر انسان کی اپنی انفرادی خصوصیات ہوتی ہیں اور یہ بیماری خواہ کیسی ہی کیوں نہ ہو، اسی کیلئے مخصوص ہوتی ہے۔ نئی اور پیچیدہ بیماری جس کا علم طب میں ذکر نہیں ہوتا محض پھیپھڑوں، گردوں، جلد اور دل وغیرہ کا ہی نہیں ہوتا بلکہ ان تمام اعضاء کی بیک وقت خرابی کے باعث پیدا ہونیوالی نئی صورتحال پر مشتمل ہوتا ہے۔ ڈاکٹروں کے ذہن میں یہ عام سا خیال کبھی نہیں آ سکتا تھا (جس طرح جادوئی کرتب دکھانے والے کسی شخص کے ذہن میں یہ خیال کبھی نہیں آ سکتا کہ وہ ایسا نہیں کر پائے گا) کیونکہ علاج معالجہ ان کی زندگی بھر کا شغل رہا تھا اور وہ اس کے عوض معاوضہ وصول کرتے تھے نیز انہوں نے اپنی زندگی کے بہترین ایام اس کام کی نذر کئے تھے۔ مگر ان کے ذہن میں یہ خیال کیوں نہیں آ سکتا تھا؟ اس کی وجہ ان کا اپنے بارے میں یہ خیال تھا کہ وہ بیحد کارآمد لوگ ہیں اور ان کا وجود دوسروں کیلئے

خوشی کا باعث ہے۔ درحقیقت وہ رستوف خاندان کیلئے واقعی مفید ثابت ہوئے تھے۔ وہ محض اس لیے فائدہ مند ثابت نہیں ہو رہے تھے کہ مریضہ کو مختلف دوائیں کھلا دیتے تھے جن میں سے اکثر نقصان دہ ہوتی تھیں (مقدار تھوڑی ہونے کے سبب اس نقصان کا باآسانی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا) بلکہ ان کی موجودگی اس لیے مفید اور ضروری تھی کہ وہ مریضہ اور اس کے اہلخانہ کی اخلاقی ضرورت پوری کر رہے تھے جنہیں اس سے محبت تھی (اسی وجہ سے دنیا میں سنیاسی، ٹونکے کرنیوالی عورتیں، ہومیو پیتھک اور ایلو پیتھک ڈاکٹر ہمیشہ موجود رہے ہیں اور رہیں گے) انسان مصیبت کے وقت ہمیشہ تسکین کی ضرورت محسوس کرتا ہے اور ہمدردی کا متلاشی ہوتا ہے اور یہ اطباء اسی انسانی ضرورت کو پورا کر رہے تھے۔ وہ ہمیشہ سے موجود اس انسانی ضرورت کو تسکین فراہم کر رہے تھے جو بالکل ابتدائی شکل میں بچوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔ بچے معمولی چوٹ لگنے پر بھی شفقت بھرے ہاتھ، سہلانے اور کسی کی جانب سے اذیت کم کئے جانے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ سو جب بچے کو چوٹ لگ جائے تو وہ فوری طور پر اپنی والدہ یا آیا کی طرف بھاگتا ہے اور خواہش کرتا ہے کہ وہ اسے اٹھائے اور چوٹ والی جگہ کو چومے یا سہلائے۔ وہ یہ بات مان ہی نہیں سکتا کہ اس سے زیادہ طاقتور اور عقلمند لوگوں کے پاس اس کی تکلیف کا کوئی علاج نہیں۔ اسے اپنی ماں کے چہرے پر ہمدردی کا تاثر دیکھ کر اور اس امید سے تسلی ہو جاتی ہے کہ اس کی تسکین کا سامان ہو جائے گا۔ نتاشا کیلئے ڈاکٹروں کی حیثیت والدہ کی سی تھی، وہ اس کیلئے یوں فائدہ مند تھے کہ اسے چومتے اور یقین دلاتے تھے کہ اگر کوچوان جلدی سے آرباتگی میں موجود ادویات کی دکان سے ایک روبل اور ستر کوپک کے سفوف اور گولیاں لے آئے اور وہ انہیں ہر دو گھنٹے بعد ابلے پانی میں ڈال کر پی لے تو اس کی تکلیف ختم ہو جائے گی۔

اگر سونیا، نواب اور بیگم کے پاس کوئی کام نہ ہوتا، انہیں ڈاکٹروں کی ہدایات کے مطابق نتاشا کو مقررہ اوقات پر دوائیں نہ کھلانا ہوتیں، چکن کٹلٹ اور ایسی دیگر اشیاء تیار نہ کرنا ہوتیں تو وہ کیا کرتے؟ ان کے پاس روز بروز کمزور ہوتی نتاشا کو دیکھنے کے سوا کوئی کام نہ ہوتا تو وہ پریشان ہو جاتے۔ ایسے چھوٹے چھوٹے کام انہیں مصروف رکھتے اور انہیں تسکین بہم پہنچاتے تھے۔ ڈاکٹروں کی ہدایات جتنی پیچیدہ ہوتی گئیں اور وہ جتنی زیادہ احتیاط کا تقاضا کرنے لگے، اہلخانہ کی اتنی ہی تسلی ہوتی گئی۔ اگر نواب کو یہ علم نہ ہوتا کہ اس کی پیاری بیٹی کی بیماری پر ہزاروں روبل خرچ ہو رہے ہیں اور اس کی صحتیابی کیلئے اسے مزید ہزاروں روبل خرچ کرنا پڑے تو وہ دریغ نہیں کرے گا تو وہ اس معاملے کو کیسے برداشت کرتا؟ یا اسے علم نہ ہوتا کہ اگر وہ صحتیاب نہ ہوئی تو اسے ڈاکٹروں سے مشورے کیلئے ہزاروں روبل خرچ کر کے اس کے ساتھ بیرون ملک جانا پڑے گا اور اسے اس پر کوئی افسوس نہ ہوگا، یا پھر وہ لوگوں کو تفصیل سے یہ نہ بتا سکتا کہ کیسے میتی ویز اور فیلر بیماری کی تشخیص میں ناکام رہے ہیں مگر فریز سمجھ گیا ہے اور مدروف کو اس سے بھی زیادہ کامیابی حاصل ہوئی ہے تو اس کا وقت کیسے گزرتا؟ اگر بیگم رستوف کو کبھی کبھار اس بات پر نتاشا کو ڈانٹنے کا موقع نہ ملتا کہ اس نے ڈاکٹر کی ہدایت پر درست طور سے عمل نہیں کیا تو وہ کیا کرتی؟

وہ اسے کہتی "اگر تم نے ڈاکٹر کی بات نہ مانی اور مقررہ وقت پر دوائیں نہ لیں تو کبھی تندرست نہ ہو پاؤ گی" اس طرح جھلاہٹ کی آڑ میں اسے اپنا دکھ چھپانے کا موقع مل جاتا۔ وہ کہتی "تمہیں علم ہے کہ تم ان چیزوں کے بارے میں غیر سنجیدگی سے کام لوگی تو تمہیں نمونیہ بھی ہو سکتا ہے" وہ ایسی باتیں کرتی رہتی اور اس لفظ کو ادا کر کے بہت خوش ہوتی جو دوسری کے علاوہ اس کے اپنے لیے بھی ناقابل فہم تھا۔ اسی طرح اگر سونیا کو یہ خوشی بھرا احساس نہ ہوتا کہ اسے ابتدائی تین راتیں مسلسل جاگنے کے باعث لباس بدلنے کا موقع بھی نہ مل سکا کیونکہ اسے ڈاکٹر کی ہدایات پر عمل کرانے کیلئے ہر وقت تیار رہنا ہوتا تھا اور یہ کہ وہ نتاشا کو ڈبے میں رکھی کم ضرر رساں دوائیں بروقت دینے کیلئے رات بھر جاگتی رہتی ہے

تو اس کا کیا بنتا؟ اگرچہ نتاشا یہی کہتی تھی کہ اسے کوئی دوا فائدہ نہیں پہنچا سکے گی اور یہ سب کچھ فضول ہے تاہم دوسروں کو اپنے اسقدر قربانیاں دیتے دیکھ کر اسے بیحد خوشی ہوتی اور مقررہ اوقات پر دوائیں لینا اسے بھی پسند تھا، اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی اس کیلئے خوشی کا باعث تھی کہ ڈاکٹری ہدایات کے حوالے سے لاپروائی کا اظہار کر کے وہ یہ ثابت کر سکتی ہے کہ اسے طبی علاج پر یقین نہیں اور وہ اپنی زندگی کی کوئی پروا نہیں کرتی۔

ڈاکٹر روزانہ آتا، اس کی نبض دیکھتا اور زبان کا معائنہ کرنے کے بعد اس کے افسردہ چہرے کو نظر انداز کرتے ہوئے اس سے ہنسی مزاح کرتا۔ تاہم جب وہ برابر والے کمرے میں چلا جاتا اور بیگم رستوف اس کے پیچھے پیچھے آ جاتی تو وہ اس کے چہرے پر سنجیدگی اور وقار کا تاثر چھا جاتا۔ اس دوران وہ فکرمندی سے سر ہلاتا اور کہتا "اگرچہ مریضہ کی حالت تشویشناک ہے مگر مجھے امید ہے کہ حالیہ دوا ضرور مثبت اثرات مرتب کرے گی، اب دیکھنا اور انتظار کرنا ہوگا۔ بات یہ ہے کہ مریضہ کی بیماری جسمانی سے زیادہ نفسیاتی ہے مگر۔۔۔" بیگم رستوف اس کے ہاتھ میں سونے کا سکہ تھما دیتی تاہم اس کی کوشش ہوتی کہ ڈاکٹر کو اس کا احساس نہ ہونے پائے، بعد ازاں وہ ہلکے دل کے ساتھ مریضہ کے کمرے میں چلی جاتی۔

نتاشا کی بیماری کچھ ایسی تھی کہ اسے بھوک نہیں لگتی تھی اور نیند ختم ہو گئی تھی۔ وہ ہر وقت کھانستی اور اس پر افسردگی چھائی رہتی تھی۔ ڈاکٹروں کا کہنا تھا کہ طبی علاج کے بغیر وہ نہیں بچ پائے گی چنانچہ انہوں نے اسے شہر کی گھٹن زدہ فضا میں روکے رکھا اور یوں رستوف 1812ء کا موسم گرما گاؤں میں نہ گزار پائے

بے تحاشہ گولیاں کھانے، بوتلوں اور ڈبوں سے، مادام شوس کو جنہیں جمع کرنے کا بیحد شوق تھا، مسلسل پاؤڈر اور دوائیں استعمال کرنے اور دیہات کی تازہ فضا سے محرومی کے باوجود جوانی تمام مسائل پر غالب آ گئی اور نتاشا کا دکھ روزمرہ کے واقعات اور تاثرات میں غائب ہو گیا اور اس کے دل پر مزید بوجھ نہ ڈال سکا۔ اس کی تکلیف آہستہ آہستہ ختم ہونے لگی اور وہ بتدریج تندرست ہونا شروع ہو گئی۔

(17)

نتاشا پرسکون ہونے کے باوجود خوش نہ تھی۔ وہ نہ صرف خوشی کے ظاہری طریقوں یعنی رقص، سکیٹنگ، محافل موسیقی اور تھیٹر وغیرہ سے دور رہتی بلکہ ہنستے ہوئے بھی اس کی آنکھوں میں آنسو در آتے تھے۔ وہ گا نہیں سکتی تھی۔ جب بھی اس نے علیحدگی میں گانے یا ہنسنے کی کوشش کی تو آنسوؤں سے اس کا گلا رندھ گیا۔ یہ پشیمانی کے آنسو تھے۔ یہ معصومیت کے واپس نہ آنیوالے دور پر اظہار افسوس کے آنسو تھے۔ وہ یہ بات سوچ کر جھلا جاتی کہ اس نے اپنی جوانی کی زندگی لاابالی انداز سے خراب کر دی تھی حالانکہ اس میں خوشیاں حاصل کی جا سکتی تھیں، یہ سوچ کر اس کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے۔ ہنسی اور گانا اسے خاص طور پر برا لگتا تھا۔ جب بھی وہ ہنستی یا گانا گانے کی کوشش کرتی تو اسے یوں لگتا جیسے اپنے دکھ کو ناپاک کر رہی ہو، جہاں تک ناز و ادا کا تعلق تھا تو اس معاملے میں اب خصوصی احتیاط کی ضرورت ہی نہیں رہی تھی۔ اب بھول کر بھی اس کے ذہن میں کسی سے اپنی تعریف سننے کا خیال نہیں آتا تھا۔ اس دور میں وہ یہی کہتی اور محسوس کرتی تھی کہ اس کے نزدیک تمام مرد مسخرے ناستاسیا ایوانوونا کی طرح ہیں۔ اس کے دل میں کوئی پہریدار اسے ہر طرح کی خوشی سے لطف اندوز ہونے سے روکے ہوئے تھا۔ امیدوں سے بھرپور بے فکرے لڑکپن میں اسے جن چیزوں سے دلچسپی تھی وہ اب ختم ہو گئی تھیں اور خزاں کے ان مہینوں کی یادیں اسے بار بار اذیت پہنچاتیں جب وہ اوترادنوئے میں

نکولائی کے ساتھ شکار پر گئی، چچا سے ملی اور کرسمس کی چھٹیاں بھائی کے ساتھ گزاری تھیں۔ اگر اس دور کا ایک دن بھی اسے واپس مل جاتا تو وہ اس کیلئے سب کچھ قربان کر سکتی تھی مگر اب وہ دور ہمیشہ کیلئے رخصت ہو چکا تھا۔ اسے آئندہ پیش آنیوالی مصیبتوں کے بارے میں لاحق ہونیوالی فکرمندی کے بارے میں کوئی دھوکہ نہیں ہوا تھا۔ وہ جان گئی تھی کہ آزادی کی کیفیت اور خوشی سے لطف اٹھانے کی اہلیت کبھی واپس نہیں آ سکے گی۔ مگر ابھی اسے زندہ رہنا تھا۔

اسے یہ سوچ کر تسلی ہوتی تھی کہ اس کی حالت میں بہتری واقع نہیں ہوئی بلکہ وہ کسی سے بھی زیادہ بدتر ہو گئی ہے، تاہم اتنا کافی نہ تھا۔ وہ جانتی تھی اور اپنے آپ سے سوال کرتی رہتی تھی کہ اب کیا ہوگا؟ مگر اب کیا رہ گیا تھا، زندگی خوشیوں سے خالی ہو چکی تھی اور مسلسل گزرے جا رہی تھی۔ نتاشا کسی پر بوجھ نہیں بننا چاہتی تھی اور اسے اپنے لیے بھی کسی شے کی خواہش نہ رہی تھی۔ وہ گھر کے کسی فرد سے بے تکلف نہیں ہوتی تھی اور اس کا بھائی پیٹیا واحد شخص تھا جس کی موجودگی میں اسے اطمینان حاصل ہوتا تھا۔ وہ کسی اور کی بجائے اس کے ساتھ رہنے کو ترجیح دیتی اور اس کے ساتھ تنہائی میں بھی کبھار ہنس دیتی۔ وہ کبھی کبھار ہی گھر سے باہر جاتی تھی اور خود سے ملنے کیلئے آنیوالے لوگوں میں صرف پیری سے مل کر ہی خوش ہوتی۔ نواب بیزوخوف نتاشا کے ساتھ اپنے رویے میں جیسی ملائمت، احتیاط اور سنجیدگی کا مظاہرہ کرتا تھا وہ کسی اور کیلئے کرنا ممکن نہ تھا۔ وہ غیر شعوری طور پر اس شفیق ملائمت کے سحر میں گرفتار ہو گئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسے پیری کے ساتھ رہتے ہوئے سکون ملنے لگا۔ تاہم وہ اس کیلئے پیری کی احسانمند بھی نہیں تھی۔ اسے محسوس ہوتا تھا کہ پیری کو دوسروں سے حسن سلوک میں باقاعدہ کوشش نہیں کرنا پڑتی۔ اس کا رویہ اتنا فطری ہوتا تھا کہ اس کے رویے میں کوئی خاص خوبی دکھائی نہ دیتی تھی۔ بسا اوقات نتاشا کو اس کے رویے میں خصوصی پریشانی اور بے ڈھنگا پن نظر آتا خصوصاً یہ کیفیت اس وقت ہوتی جب وہ اسے خوش کرنے کیلئے کچھ کرنا چاہ رہا ہوتا تھا یا پھر یہ خدشہ محسوس کرنے لگتا تھا کہ اس کے منہ سے کوئی ایسی بات نہ نکل جائے جسے سن کر نتاشا کے دل میں تکلیف دہ یادیں تازہ ہو جائیں۔ وہ یہ سب کچھ دیکھتی اور اسے پیری کی عموی شفقت اور شرمیلا پن سمجھتی۔ اس نے یہ فرض کر لیا تھا کہ دیگر لوگوں سے اس کا رویہ بھی ایسا ہی ہوگا۔ پیری نے کچھ عرصہ قبل نتاشا کی بے حد جذباتی کیفیت میں اپنے اس غیر ارادی اعلان کہ "وہ آزاد ہوتا تو اس سے جھک کر شادی کی درخواست کرتا" کے بعد کبھی اس کے سامنے جذبات کا اظہار نہیں کیا تھا اور وہ یہ سمجھنے لگی تھی کہ اس کے یہ الفاظ جنہوں نے اس وقت اسے بے حد تسکین فراہم کی تھی، اسی طرح تھے جیسے انسان کسی روتے بچے کو چپ کرانے کیلئے ہر طرح کی باتیں کہتا ہے۔ اس خیال کی وجہ پیری کا شادی شدہ ہونا نہ تھا بلکہ نتاشا کو اپنے اور کوراگن کے مابین جس اخلاقی دیوار کو غیر موجود پاتی تھی وہ اس کے اور پیری کے مابین مضبوطی سے کھڑی دکھائی دیتی تھی۔ چنانچہ اس نے کبھی بھول کر بھی یہ نہ سوچا کہ ان کے مابین تعلقات کبھی محبت میں بھی تبدیل ہو سکتے ہیں اور جہاں تک پیری کی بات تھی تو اس کا اس سے محبت کا سوال پیدا ہوتا تھا نہ اسے اپنے مابین ایسی ملائمت بھری اور رومانوی دوستی ممکن دکھائی دیتی تھی جو کسی مرد اور خاتون کے درمیان ہو سکتی ہے اور جس کی کئی مثالیں بھی موجود تھیں۔

سینٹ پیٹرز کے روزوں کے اواخر پر رستوف خاندان کی ایک دیہی ہمسائی ایوانونا بالکوف بزرگوں کے مزاروں کی زیارت کیلئے ماسکو آئی۔ اس نے نتاشا کو روزے رکھنے اور عبادت کی تجویز دی۔ نتاشا نے اس کی بھرپور حمایت کی۔ اگرچہ ڈاکٹروں نے اسے علی الصبح باہر نکلنے پر پابندی عائد کر رکھی تھی تاہم اس نے روزے رکھنے اور عبادت میں شرکت کی ضد شروع کر دی۔ یہ عبادت ایسی نہ تھی جیسی رستوف خاندان کے گھر میں ہوتی تھی بلکہ اس میں ایوانونا کی طرح شریک ہونا تھا۔ اس سلسلے میں انہیں پورا ہفتہ روزانہ گرجا گھر جانا اور بلاناغہ عبادت کرنا تھی۔

بیگم رستوف نتاشا کا جوش و خروش دیکھ کر خوش ہوئی۔ طبی علاج غیر موثر ہونے کے بعد اسے امید تھی کہ جو کام دوائیں نہ کر پائی تھیں وہ دعاؤں سے ہو جائے گا۔ اگرچہ اس کے دل میں متعدد خدشات تھے تاہم اس نے ان کا ڈاکٹروں سے تذکرہ نہ کیا اور نتاشا کی خواہش پر صاد کرتے ہوئے اسے مادام بالکوف کے سپرد کر دیا۔

جب اگرافینا ایوانونا رات تین بجے اسے جگانے آتی تو نتاشا پہلے ہی بیدار ہوتی۔ اسے ہر دم یہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ کہیں وہ سوتی اور عبادت سے محروم نہ رہ جائے۔ وہ جلدی سے تیار ہوتی اور عاجزانہ انداز میں اپنا سادہ لباس اور بے بازو لبادہ اوڑھ کر ٹھنڈی ہوا میں کانپتی ان ویران گلیوں میں چل دیتی جو صبح کی ملگجی روشنی میں روشن روشن دکھائی دے رہی ہوتی تھیں۔ اگرافینا ایوانونا کے مشورے پر نتاشا اپنے حلقے کے گرجا گھر کی بجائے ایک ایسے گرجا میں چلی جاتی جس کا پادری بقول ایوانونا سادہ اور پروقار تھا۔ گرجا گھر میں عبادت کرنیوالوں کی تعداد خاصی کم ہوتی تھی اور نتاشا ہمیشہ مقدس مریم کی تصویر کے سامنے بالکوف کے قریب اپنی مقررہ جگہ پر کھڑی ہو جاتی۔ جب وہ موم بتیوں کی روشنی اور کھڑکی سے آنیوالے صبح کے اجالے میں اس تصویر کو غور سے دیکھتی اور عبادت کے الفاظ پر غور کرتی تو کسی انتہائی عظیم اور سمجھ میں نہ آنیوالی شے کے سامنے اس پر عجز و انکسار طاری ہو جاتا۔ جب وہ عبادتی الفاظ کا مطلب سمجھ لیتی تو اس کی تمام ذاتی آرزوئیں اس کی دعاؤں میں گھل مل جاتیں۔ جب وہ کوئی الفاظ نہ سمجھ پاتی تو یہ سوچ کر اسے اور بھی خوشی ہوتی کہ سب کچھ سمجھنے کی آرزو محض غرور ہے اور ہر بات سمجھنا ممکن نہیں، مزید یہ کہ اس کا کام صرف یقین کرنا اور اپنے آپ کو خداوند کے حوالے کر دینا ہے جو اسے ایسے لمحات میں اپنی روح کی رہنمائی کرتا محسوس ہوتا تھا۔ وہ اپنے سینے پر صلیب کا نشان بناتی اور فرش تک جھک کر خدا سے اپنی غلطیوں کی معافی مانگتی اور رحم کی التجا کرتی۔ توبہ کے بارے میں دعائیں پڑھتے وقت اس پر خاص کیفیت طاری ہو جاتی۔ صبح سویرے گرجا گھر سے واپسی پر جبکہ لوگ سو رہے ہوتے تھے اسے مزدوروں اور صفائی کرنیوالوں کے سوا کوئی شخص دکھائی نہ دیتا۔ اس وقت اسے ایسے جذبے کا تجربہ ہوتا جس سے وہ پہلے واقف نہ تھی اور وہ محسوس کرتی کہ انسان کیلئے اپنے برے افعال سے توبہ اور نئی پرمسرت زندگی کے آغاز کا امکان موجود ہے

اس ہفتے یہ جذبہ ہر روز بڑھتا چلا گیا۔ نتاشا کو عبادت میں شرکت سے، جسے بالکوف "خدا کا قرب حاصل کرنے کی تقریب" کہتی تھی، اتنی زیادہ خوشی حاصل ہو رہی تھی کہ اسے یوں لگا جیسے وہ اس اتوار تک زندہ نہیں رہے گی۔

مگر وہ خوشیوں بھرا دن آ گیا اور اس یادگار اتوار کو جب نتاشا سفید ململ کا لباس زیب تن کئے عبادت کی تقریب میں شرکت کے بعد گھر پہنچی تو کئی ماہ بعد اسے یوں لگا جیسے اس کی بے قرار روح کو سکون مل گیا ہو اور اب اس کیلئے آئندہ زندگی کا تصور تکلیف دہ نہ تھا۔

اس دن ڈاکٹر اس کا معائنہ کرنے آیا تو ہدایت دی کہ وہ دو ہفتے قبل تجویز کردہ سفوف کھاتی رہے۔ وہ کہنے لگا "اسے صبح و شام ہر صورت یہ کھانا ہوں گے" اسے اپنی کامیابی پر جو بے غرض اطمینان تھا وہ چھپایا نہیں جا رہا تھا۔ اس نے مزید کہا "صرف یہ احتیاط رہے کہ مقدار کم یا زیادہ نہ ہونے پائے۔ بیگم آپ مطمئن رہئے گا" اس نے نہایت مہارت سے سونے کا سکہ تھامتے ہوئے کہا "یہ جلد اچھلنا کودنا اور گانا شروع کر دے گی۔ اس آخری دوا نے حیران کن اثر دکھایا ہے، اب اس کی حالت پہلے سے بہتر ہے"

ڈرائنگ روم سے خوشی کے عالم میں واپس آتی بیگم رستوف نے اپنے ناخنوں کی جانب دیکھا اور بدشگونی رفع کرنے کیلئے تھوک دیا۔

(18)

ماسکو میں جون کے آغاز پر جنگ کے حوالے سے پریشان کن افواہیں پھیلنا شروع ہوگئیں۔ کہا جا رہا تھا کہ زار شہریوں سے درخواست کرنے والے ہیں اور خود فوج سے واپس ماسکو آ رہے ہیں۔ 11 جولائی تک کوئی اعلان یا اپیل نہ ملنے پر زار اور روس کی پوزیشن کے حوالے سے انتہائی جھوٹی خبریں گردش کرنے لگیں۔ کہا جا رہا تھا کہ فوج خطرے میں گھر گئی ہے اس لیے شہنشاہ اسے چھوڑ کر آ رہے ہیں اور یہ کہ سمولنسک کا سقوط ہوگیا ہے، نپولین کے پاس دس لاکھ فوج ہے اور کوئی معجزہ ہی روس کو تباہی سے بچا سکے گا

ہفتے کے دن یعنی 11 جولائی کو اعلان موصول ہوگیا مگر ابھی تک اس کی نقول نہیں چھپ سکی تھیں۔ پیری نے جو اس روز اتفاقاً رستوف گھرانے کے ہاں موجود تھا، وعدہ کیا کہ وہ نواب رستوپچین سے اعلان اور زار کی اپیل کی نقول حاصل کرے گا اور آئندہ اتوار کو ان کے ہاں شام کے کھانے پر انہیں ساتھ لیتا آئے گا۔

اس اتوار کو رستوف خاندان حسب سابق رازموونسکی گھرانے کے نجی گرجا گھر میں عبادت کیلئے گیا۔ یہ جولائی کا گرم دن تھا جس میں دس بجے بھی موسم گرما کی سستی اور گرم دن کا اطمینان اور بے اطمینانی کی کیفیت دیکھی جا سکتی تھی۔ جب وہ گرجا گھر کے سامنے گاڑی سے اترے تو حبس، خوانچہ فروشوں کا شور، لوگوں کے ہلکے پھلکے رنگا رنگ لباس، سڑک کی دونوں جانب درختوں کے گرد آلود پتے، پریڈ کے لئے گزرتی فوجی رجمنٹ کی فوجی موسیقی، سفید پتلونیں، ناہموار پتھروں پر پہیوں کا شور اور چمکتی دھوپ اس دن کی بھرپور ترجمانی کر رہے تھے۔ ماسکو کے تمام بڑے لوگ اور رستوف خاندان کے واقف کار رازموونسکی گرجا گھر میں موجود تھے۔ اس برس وہ لاتعداد امیر کبیر خاندان جو عموماً موسم گرما دیہی علاقوں میں گزارتے تھے، شہر ہی میں رہے جیسے انہیں حیران کن واقعات کی توقع ہو۔

نتاشا اپنی والدہ کے ساتھ ایک ملازم کے پیچھے چلی جا رہی تھی جو ہجوم میں ان کے لئے راستہ صاف کر رہا تھا۔ اسی دوران اس نے ایک نوجوان کو با آواز بلند اپنے بارے میں سرگوشی کرتے سنا۔

وہ کہہ رہا تھا "یہ ہے نوابزادی رستوف، وہی جو!"

کسی نے جواب دیا "کتنی کمزور ہو جانے کے باوجود دلکش ہے" اسے کوراگن اور بلکونسکی کے نام سنائی دیئے یا ایسا خیال گزرا۔ تاہم ایسا ہمیشہ ہوتا تھا۔ جب بھی کوئی شخص اس کی جانب دیکھتا تو اسے ہمیشہ یہی لگتا کہ یہ میری بپتا کے بارے میں سوچ رہا ہوگا۔ لوگوں کے مابین اس کا دل ڈوبنے لگتا اور اسے بیحد تکلیف ہوتی۔ اب بھی جبکہ وہ سیاہ جھالر سے سنوارا بنفشی ریشمی لباس زیب تن کئے ہوئے تھی، اسے ایسا ہی محسوس ہوا۔ خواتین کی عادت کے مطابق وہ پرسکون اور باوقار انداز سے گزر رہی تھی۔ اس کی روح میں موجود پشیمانی اور دکھ کی کیفیت نے اس سکون اور وقار کو اور بھی بڑھا دیا تھا۔ اسے علم تھا کہ وہ پرکشش ہے مگر اب اسے یہ جان کر پہلے جیسی خوشی نہیں ہوتی تھی۔ اس کے برعکس اب، خصوصاً شہر کے اس روشن اور گرم دن میں یہ احساس کسی اور شے کی نسبت کہیں زیادہ تکلیف دہ صورت اختیار کر گیا تھا۔ اس نے یاد کیا کہ وہ گزشتہ اتوار کو بھی یہاں آئی تھی اور سوچنے لگی کہ "ایک اور ہفتہ گزر گیا، ایک اور اتوار آ گئی، زندگی ہمیشہ جیسی زندگی ہے اور وہی حالات ہیں جن میں زندگی گزارنا اسقدر آسان لگتا ہے۔ میں خوبصورت و جوان ہوں اور مجھے علم ہے کہ اب میں نیک خصائل کی مالک ہوں۔ میری زندگی کے بہترین ماہ و سال گزر رہے ہیں اور کسی کو ان سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو رہا" وہ اپنی والدہ کے ساتھ کھڑی واقف کاروں کو سر کے اشارے سے سلام کرتی جا رہی تھی۔ وہ اپنی عادت

کے مطابق خواتین کے لباس کا ناقدانہ جائزہ لینے لگی اور اپنے قریب کھڑی ایک خاتون کے لباس میں خامیاں تلاش کیں جو سینے پر بے ڈھنگے انداز سے صلیب کا نشان بنا رہی تھی۔ پھر اسے یہ سوچ کر بیحد اذیت ہوئی کہ وہ جس طرح دوسروں پر تنقید کر رہی ہے اسی طرح اس پر بھی تنقید ہو رہی ہوگی۔ جب اس نے عبادت کے الفاظ سنے تو اپنی گنہگاری پر اچانک خوفزدہ ہوگئی۔ اس کا خوف اس پاکیزہ پن سے محرومی کے باعث تھا جو حال ہی میں اس کے دل میں جگہ بنا چکا تھا۔

ایک خوبصورت اور صاف ستھرا معمر پادری عبادت گزاروں کی رہنمائی میں مصروف تھا۔ اسکے انداز میں وہی خاموش سنجیدگی اور متانت تھی جو دوسروں کی روحوں کو صاف شفاف بناتی اور انہیں قلبی تسکین مہیا کرتی تھی۔ مقام مقدس کا دروازہ بند تھا۔ پردہ آہستگی سے اٹھا اور اس کے پیچھے کسی نے ملامت بھری پراسرار آواز میں چند الفاظ کہے۔ نتاشا کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے، کیوں؟ اس کی توجیہ وہ بھی نہ کر سکتی تھی تاہم اس کا اثر یہ ہوا کہ اس کا دل دھڑکنے لگا اور خوشیوں بھری بے چینی اسے لپیٹ میں لینے لگی۔

وہ دعا مانگ رہی تھی "مجھے سکھایا جائے کہ میں کیا کروں، اپنی زندگی کیسے گزاروں اور گناہوں سے ہمیشہ کیلئے چھٹکارا کیسے پاؤں، ہمیشہ کیلئے!۔۔۔" نائب پادری سیڑھیوں پر آیا۔ اس نے اپنا انگوٹھا آگے بڑھا کر تھاما ہوا تھا۔ اس نے اپنے لمبے بال لبادے سے باہر نکالے اور سینے پر صلیب کا نشان بنا کر دعائیں پڑھنا شروع کر دیں۔

اس نے کہا "آیئے! متحد ہو کر خدا سے دعا مانگیں"

"آیئے! متحد ہو کر، طبقاتی امتیازات سے ماورا ہو کر، دشمنی سے بالاتر ہو کر اور ایک دوسرے کے بھائی بن کر دعا کریں"

"عالم بالا اور اپنی روحوں کی نجات کیلئے"

نتاشا نے دعا مانگی "فرشتوں کی دنیا اور ہمارے اوپر والی دنیا میں قیام پذیر روحوں کیلئے"

جب وہ فوج کیلئے دعا مانگ رہے تھے تو نتاشا اپنے بھائی اور دینی سوف کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ جب سمندر اور خشکی کا سفر کرنیوالوں کیلئے دعا مانگی گئی تو اسے شہزادہ آندرے یاد آیا۔ نتاشا نے اس کیلئے دعا مانگی اور خدا سے التجا کی کہ وہ اس سے جن زیادتیوں کی مرتکب ہوئی ہے ان پر اسے معاف کر دے۔ جب اپنے ساتھ محبت کرنیوالے تمام لوگوں کیلئے دعا کی گئی تو اس نے اپنے اہلخانہ، والدہ، والد اور سونیا کیلئے دعا مانگی۔ اس پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ وہ ان کے ساتھ ظلم کرتی رہی ہے اور خود ان سے کس قدر محبت کرتی ہے۔ جب اپنے ساتھ نفرت کرنیوالوں کیلئے دعا کی گئی تو اس نے اپنے دشمنوں اور اپنے سے نفرت کرنیوالوں کو ذہن میں لانے کی کوشش کی۔ اس نے اپنے دشمنوں میں اپنے باپ کے قرض خواہوں اور ان اشخاص کو شمار کیا جن سے وہ لین دین کیا کرتا تھا۔ جب بھی اسے اپنے دشمنوں اور ان لوگوں کا خیال آتا جو اس سے نفرت کرتے تھے تو اسے اناطول یاد آ جاتا جس نے اسے اسقدر تکلیف پہنچائی تھی۔ اگرچہ وہ اس سے نفرت نہیں کرتی تھی تاہم اسے دشمن سمجھ کر اس کیلئے بخوشی دعا کرتی۔ صرف اسی موقع پر وہ اناطول اور آندرے کے بارے میں واضح اور پرسکون انداز سے سوچ سکتی تھی۔ اس وقت وہ محسوس کرتی تھی کہ خدا کے خوف اور اس کے احترام کے مقابلے میں ان دونوں کے متعلق جذبات کی کوئی اہمیت نہیں۔ جب شاہی خاندان اور کلیسیائی مجلس کیلئے دعا کی گئی تو نتاشا نے سینے پر صلیب کا نشان بنایا اور مزید نیچے جھک گئی۔ وہ خود کلامی کرنے لگی کہ "خواہ میں کچھ بھی نہ سمجھی ہوں، پھر بھی شک وشبے کا شکار نہیں ہوں گی" بہرحال وہ مقدس کلیسیائی مجلس سے محبت اور اس کیلئے دعا کرتی تھی۔

دعا ختم ہونے پر نائب پادری نے اپنے رومال کی مدد سے سینے پر صلیب کا نشان بنایا اور کہا:

''اپنے آپ اور اپنی زندگیوں کو یسوع مسیح کی نذر کر دیں''
نتاشا نے اس کی بات دل میں دہراتے ہوئے کہا ''اپنے آپ کو خدا کے حوالے کر دیں، اوہ خداوند! میں اپنے آپ کو تیری رضا پر چھوڑتی ہوں، مجھے کچھ نہیں چاہئے، میری کوئی خواہش نہیں، بس مجھے اتنا سکھا دیا جائے کہ میں اپنے ارادے پر کیسے عمل کروں'' وہ دعا مانگ رہی تھی۔ اس نے سینے پر صلیب کا نشان نہ بنایا بلکہ اپنے دبلے پتلے بازو پہلوؤں سے لٹکا کر کھڑی رہی جیسے توقع کر رہی ہو کہ کوئی نظر نہ آنیوالی قوت اسے اپنی تحویل میں لے لے گی اور اسے اپنے آپ، اپنے تاسف، خواہشات، شرمندگیوں اور گناہوں سے نجات دلا دے گی۔
دوران عبادت بیگم رستوف نے کئی مرتبہ اس کے مستغرق چہرے اور چمکتی آنکھوں پر نگاہ ڈالی اور خدا سے اس کیلئے مدد مانگی۔

نائب پادری نے عبادت کے دوران غیر متوقع طور پر معمول سے ہٹ کر چھوٹا سٹیج باہر نکالا جس پر بیٹھ کر وہ اتوار کو عبادت کرتا تھا اور اسے زیارت گاہ کے مقدس دروازوں کے سامنے رکھ دیا۔ پادری اپنی ٹوپی پہنے باہر آیا اور بال درست کر کے بمشکل گھٹنوں پر جھک گیا۔ عبادت کیلئے آنیوالے تمام لوگ بھی حیران ہو کر اس کی پیروی میں جھک گئے۔ اس کے بعد روس کو دشمن کے حملے سے بچانے کیلئے کلیسیائی مجلس سے موصول ہونیوالی دعا شروع ہو گئی۔
پادری نے واضح، ملائمت بھرے اور مدھم لہجے میں دعا شروع کی ''اے ہماری قوت کے خدا! اے ہماری نجات کے خداوند!'' اس کا لہجہ ان پادریوں کا سا تھا جنہیں سن کر روسی بیحد متاثر ہوتے تھے۔
''ہمیں قوت بخشنے اور نجات دلانے والے خداوند! ہم کمزور و ناتواں انسانوں پر اپنی رحمتیں نازل کر اور ہماری دعائیں قبول فرما۔ ہماری حفاظت کر اور ہم پر رحم کر۔ تیری زمین تباہ کرنے اور دنیا کی اینٹ سے اینٹ بجانے والا دشمن ہمارے خلاف اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ نافرمان تیری دنیا اور مقدس یروشلم کو تباہ و برباد کرنے، تیری عبادتگاہوں کو ناپاک کرنے، گرجا گھروں کو ملیامیٹ کرنے اور ہماری زیارت گاہوں کی بے حرمتی کیلئے جمع ہو گئے ہیں۔ خداوند! بدکردار لوگ کب تک غالب رہیں گے؟ یہ کب تک اپنی گناہ آلود کارروائی جاری رکھیں گے؟''
''اے عظیم خداوند! ہماری دعائیں سن! ہمارے قابل احترام اور شریف شہنشاہ الیگزنڈر پاؤلوچ کو طاقت دے، ان کی عاجزی اور سچائی سے درگزر کر، انہیں ان کی نیکی کا اجر دے اور انہیں اسرائیل کو محفوظ کرنے دے۔ ان کے مشوروں، عزم اور افعال میں برکت دے، ان کی سلطنت کو اپنے ہاتھوں سے محفوظ و مضبوط کر اور انہیں دشمن کیخلاف اسی طرح کامیابی دے جس طرح تو نے عمالیق کیخلاف موسیٰ، مدین والوں کیخلاف شعیب اور جالوت کیخلاف داؤد کو کامیاب کیا تھا۔ ان کی فوج کی حفاظت فرما جس نے تیرے نام پر ہتھیار اٹھائے ہیں۔ انہیں اچھے ہتھیار عنایت کر اور انہیں لڑنے کا اہل بنا دے۔ اپنی تلوار اور ڈھال اٹھا کر ہماری مدد فرما۔ ہمارے خلاف منصوبہ بندی کرنیوالوں کو ذلیل کر دے اور اپنے باایمان لڑاکوں کے سامنے انہیں ویسا ہی کر دے جیسی ہوا کے سامنے مٹی ہوتی ہے۔ اپنے فرشتوں کے ذریعے ان کی سرکوبی فرما۔ اے خداوند! انہیں ایسے جال میں پھنسا دے جس کا انہیں خود بھی علم نہ ہو اور وہ اپنے ہی پھندے میں گرفتار ہو جائیں۔ ہمارے فوجیوں کو ان پر غلبہ پانے کی ہمت دے۔ اے خداوند! تیرے لیے چھوٹوں بڑوں کو بچانا مشکل کام نہیں، تو خداوند ہے اور انسان تیرے خلاف کچھ نہیں کر سکتا''
''ہمارے اجداد کے خدا! ہم پر ازل سے اپنی بے پناہ رحمت پر غور کر، ہم سے بے التفاتی نہ برتنا اور ہماری غلطیاں معاف کر دینا، اپنے بے پایاں رحم و کرم کے ذریعے ہماری خطاؤں پر پردہ ڈال۔ ہمارے دل صاف کر دے، ہمارے اندر نیا جذبہ پیدا کر، اپنی ذات پر ہمارا ایمان مضبوط کر دے، ہماری امیدیں قوی کر، ہمارے دلوں میں باہم محبت پیدا کر دے اور ہمارے اجداد کے ذریعے عطا کئے جانیوالے ورثے کی حفاظت کیلئے ہمیں جذبے کا ہتھیار ودیعت فرما اور بروں کو اچھوں پر غلبہ نہ پانے دے''
''اے ہمارے آقا! ہمارے خداوند! ہم تجھ پر یقین رکھتے ہیں اور تیری ذات پر اعتماد کرتے ہیں، اپنی رحمت کے حوالے سے ہماری امیدیں پوری فرما اور ہمیں اپنی برکتوں کی نشانیوں سے بہرہ ور کر تاکہ ہمارے مذہب کے دشمن انہیں دیکھ سکیں اور تباہ و برباد ہو جائیں اور تمام دنیا جان لے کہ تو خداوند ہے اور ہم تیرے بندے ہیں۔ اے خداوند! ہم پر اپنی رحمت نازل فرما اور ہمیں اپنی قوت عطا کر۔ اپنے بندوں کے دلوں کو اپنی رحمت سے مسرت پہنچا۔ ہمارے دشمنوں کا خاتمہ کر اور انہیں فوراً اپنے ایمان والے بندوں کے سامنے زیر کر۔ ایمان والوں کا تو ہی سہارا ہے اور وہ تیرے ذریعے ہی فتحیاب ہوتے ہیں۔ خدائی تجھے، بیٹے اور روح القدس کیلئے ہے، ایسا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ آمین!''
نتاشا کا اپنی موجودہ کیفیت میں متاثر ہونا یقینی تھا سو اس دعا نے اس پر بیحد اثر کیا۔ عمالیق پر موسیٰ، مدین والوں پر شعیب اور جالوت پر داؤد کی فتح اور یروشلم کی تباہی کے بارے میں اس نے تمام بات غور سے سنی۔ اس نے اپنی تمام تر نرم دلی اور ذوق و شوق سے دعا مانگی تاہم اسے یہ سمجھ نہ آئی کہ وہ کیا مانگ رہی ہے۔ وہ صدق دل سے دعا مانگ رہی کہ خدا اس کے قلب میں سچائی بھر دے، دل قوت ایمانی سے مضبوط کر دے اور اس میں محبت پیدا کر دے۔ تاہم وہ دشمنوں کو کچلنے کی دعا نہ مانگ سکی۔ کچھ دیر پہلے وہ دشمنوں کی تعداد بڑھنے کی خواہش کر رہی تھی تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ لوگوں سے پیار کر سکے اور ان کیلئے دعا مانگ سکے تاہم وہ جھک کر مانگی جانیوالی دعا کی معقولیت پر کوئی شبہ نہ کر سکی۔ اس نے انسانوں کو اپنے گناہوں کی پاداش میں ملنے والی سزا کا تصور کیا تو اس کے دل پر خوف طاری ہو گیا اور وہ خدا سے دعا مانگنے لگی کہ وہ سب کو اور اسے بھی معاف کر دے اور ہر شخص کو سکون اور خوشی عطا کر دے۔ اس موقع پر اسے یوں محسوس ہوا جیسے خدا نے اس کی دعا سن لی ہو۔

(19)

پیری نے جس دن رستوف گھرانے سے رخصتی کے بعد راستے میں دمدار ستارہ دیکھا اور محسوس کیا تھا کہ اس کیلئے کوئی نئی بات شروع ہونیوالی ہے، اس دن سے اسے یہ سنجیدہ مسئلہ تکلیف نہیں پہنچاتا تھا کہ ''دنیا کی تمام اشیاء کمتر اور فضول ہیں'' اب اس سوال کی جگہ نتاشا کی شکل نے لے لی تھی۔ انسانی بیوقوفیوں اور برائیوں کے بارے میں پڑھ یا سن کر اب اسے پہلے جیسی وحشت ہوتی تھی نہ وہ اپنے آپ سے یہ سوال کرتا تھا کہ اگر سب کچھ عارضی اور فانی ہے تو پھر انسان اتنی بھاگ دوڑ کیوں کرتا ہے۔ اب نتاشا اسے اپنی اس شکل میں دکھائی دینے لگی تھی جیسی اس نے آخری مرتبہ دیکھی تھی اور اس کے تمام شکوک ہوا ہو جاتے۔ یہ بات نہیں تھی کہ اس کی صورت اس کے تمام سوالات کے جوابات مہیا کر دیتی تھی بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ نتاشا کی شکل اسے اچانک روحانی مصروفیت کی روشن دنیا میں پہنچا دیتی۔ اس دنیا میں نیکی تھی نہ بدی، بلکہ یہ حسن و عشق کی دنیا تھی اور اس قابل تھی کہ اس کی خاطر زندہ رہا جا سکتا تھا۔ اب جیسی بھی کمینگی اس کے ذہن میں آتی، وہ اپنے آپ سے کہتا ''کل وہ مجھے دیکھ کر مسکرائی تھی اور اس نے مجھے دوبارہ آنے کو کہا تھا۔ مجھے اس سے پیار ہے اور کوئی یہ بات نہیں جان پائے گا۔ ایسے میں ان باتوں سے کیا فرق پڑتا ہے کہ فلاں نے ملک اور زار کو لوٹ کھایا ہے جبکہ ملک اور زار اسے خود اعزاز دے رہے ہیں''

وہ اب بھی محافل میں جاتا، حسب سابق جی بھر کر شراب پیتا اور پہلے کی طرح فارغ بیٹھا رہتا یا عیش وعشرت میں مشغول ہو جاتا، کیونکہ وہ جو وقت رستوف گھرانے کے ساتھ گزارنے کے بعد بچ جاتا تھا اسے بھی کسی طور بسر کرنا ہوتا تھا۔ وہ ماسکو میں اختیار کردہ عادات اور مختلف لوگوں سے تعلقات کیخلاف مزاحمت نہیں کر سکتا تھا اور نہ چاہتے ہوئے بھی اس زندگی کی طرف کھنچا چلا جاتا۔ تاہم حال میں میدان جنگ سے موصول ہونیوالی ناخوشگوار خبروں اور روز بروز صحت یاب ہوتی نتاشا کو دیکھ کر اپنے دل میں رحم کے سابقہ جذبات میں کمی کے باعث اب وہ کچھ بے چینی محسوس کرنے لگا تھا جو دن بدن بڑھتی چلی جا رہی تھی اور اس کے قلب وذہن پر چھانے لگی تھی۔ اسے محسوس ہونے لگا کہ وہ خود کو جس صورتحال میں محسوس کر رہا ہے وہ زیادہ دیر باقی نہ رہیگی اور کوئی ایسی مصیبت آنیوالی ہے جو اس کی تمام زندگی کا رخ بدل کر رکھ دے گی۔ یہ سوچ کر وہ بے صبری سے اس مصیبت کی علامتیں ڈھونڈنے لگتا۔ ایک فری میسن نے نپولین کے بارے میں درج ذیل پیشگوئی کا انکشاف کیا جو سینٹ جان کے مکاشفہ سے لی گئی تھی۔

اس کے تیرھویں باب کی سترھویں آیت میں لکھا ہے:

"یہ سچائی ہے، سمجھنے والا اس جانور کے اعداد گن لے، کہ یہ ایک انسان کا عدد ہے اور اس کا عدد چھ سو چھیاسٹھ ہے"

اور اسی باب کی پانچویں آیت میں آیا ہے کہ "اور اسے متکبرانہ گفتگو اور کفریہ کلمات کہنے کیلئے منہ اور مسلسل بیالیس مہینوں کی طاقت دی گئی"

اگر فرانسیسی حروف تہجی کی عبرانی اعداد والی قیمت مقرر کی جائے جس کی رو سے پہلے دس الفاظ اکائیوں کو ظاہر کرتے ہیں اور اسی طرح یہ سلسلہ آگے چلتا ہے تو الفاظ کی قیمت درج ذیل ہوگی:

a	b	c	d	e	f	g	h	i	k	l	m	n
1	2	3	4	5	6	7	8	9	10	20	30	40
o	p	q	r	s	t	u	v	w	x	y	z	
50	60	70	80	90	100	110	120	130	140	150	160	

اس نظام کے تحت اگر "شہنشاہ نپولین" کے الفاظ کے اعداد نکالے جائیں تو ان کا مجموعہ 666 بنتا ہے اور یوں نپولین سینٹ جان کے مطابق بیان کردہ جانور قرار پاتا ہے۔ مزید براں اسی انداز میں مزید دیکھا جائے تو بیالیس ماہ کے اعداد کا مجموعہ بھی دوبارہ 666 نکلتا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نپولین کی طاقت کی اصطلاح 1812ء میں ختم ہوتی ہے جب فرانسیسی شہنشاہ کی عمر بیالیس برس تھی۔ اس پیشگوئی نے پیری کے ذہن پر گہرا اثر ڈالا اور وہ اکثر وبیشتر اپنے آپ سے پوچھتا رہتا کہ نپولین یعنی جانور کو کون ختم کرے گا اور جس سوال میں وہ اس قدر مستغرق ہو گیا تھا اس کا جواب تلاش کرنے کیلئے وہ حروف کو اعداد میں ڈھالنے اور ان کا مجموعی تلاش کرنے کیلئے اسی نظام کا سہارا لیتا تھا۔ اس نے نپولین کا خاتمہ کرنیوالی قوت کا پتا چلانے کیلئے شہنشاہ الیگزنڈر کے الفاظ مختلف انداز میں لکھے اور ان کے اعداد کا مجموعہ دیکھا تاہم یہ 666 سے کم یا زیادہ ہو جاتا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے اپنا نام یعنی 'نواب پیری بیزوخوف' لکھا اس کا مجموعہ مطلوبہ اعداد سے بیحد مختلف تھا۔ اس نے حروف بدلے اور z کی جگہ de اور توصیفی حرف کے طور پر le کا اضافہ کیا مگر حسب خواہش نتیجہ نہ نکلا۔ پھر اسے خیال گزرا کہ وہ جو جواب تلاش کرنا چاہتا ہے اگر وہ اس کے نام میں موجود ہے تو پھر اس میں قومیت بھی شامل ہوگی، چنانچہ اس نے نئے الفاظ آزمائے جن کا مجموعہ 671 برآمد ہوا۔ مطلوبہ مجموعے سے پانچ اعداد کم تھے اور پانچ

کا عدد لفظ le سے مل سکتا تھا جو "شہنشاہ نپولین" سے حرف تعریف یعنی le نکالنے کی صورت میں حاصل ہو جاتے تھے۔ پیری کو مطلوبہ جواب حاصل ہو گیا۔ اس انکشاف سے اس پر جذباتی کیفیت طاری ہو گئی۔ اسے یہ بات بالکل معلوم نہ تھی کہ مکاشفہ میں جس عظیم واقعے کی پیشگوئی کی گئی تھی اس سے وہ خود کیسے اور کس کے ذریعے منسلک تھا تاہم اسے اس بات پر کوئی شک نہ تھا کہ اس کا اس سے تعلق بنتا ہے۔ نتاشا سے محبت، دجال، نپولین کا حملہ، دمدار ستارہ، 666 کے اعداد، شہنشاہ نپولین اور بیزوخوف روسی، ان تمام باتوں نے ترقی پاناتھی اور اسے ماسکو کے گھٹیا حلقوں، جن کا وہ عادی ہو چکا تھا، سے نجات دلا کر کسی بڑے کارنامے اور عظیم ترین خوشی سے بہرہ ور کرنا تھا۔

خصوصی دعا والی اتوار سے ایک دن پہلے پیری نے رستوف گھرانے سے وعدہ کیا کہ وہ ان کیلئے اپنے واقف کار رستوپ چن سے عوام کے نام اپیل کی نقل اور فوج سے موصول ہونیوالی تازہ ترین اطلاعات لے آئیگا۔ صبح جب وہ رستوپ چن کی طرف گیا تو اس کی ملاقات فوج سے آنیوالے ایک پیغام رساں سے ہو گئی۔ یہ پیغام رساں ماسکو کی محافل رقص میں باقاعدگی سے شرکت کرتا اور پیری سے شناسا تھا

وہ پیری سے کہنے لگا "خدارا میرا بوجھ کچھ ہلکا کر دو، میں والدین کے نام خطوط سے بھرا تھیلا لایا ہوں"

ان خطوط میں نکولائی رستوف کا اپنے والد کے نام خط بھی شامل تھا۔ پیری نے اسے اٹھا لیا۔ رستوپ چن نے ماسکو کے شہریوں کے نام شہنشاہ کی اپیل کی ایک نقل، تازہ ترین فوجی احکامات اور اپنے تازہ ترین خبرنامے کا ایک پرچہ بھی پیری کے حوالے کر دیا۔ پیری نے فوجی احکامات پر اچٹتی نگاہ دوڑائی۔ ایک جگہ زخمیوں اور ہلاک شدگان کے علاوہ اعزازات پانیوالوں کے نام درج تھے۔ ان میں نکولائی رستوف بھی شامل تھا۔ اسے اوسٹرونا کی لڑائی میں بہادری کا مظاہرہ کرنے پر چوتھے درجے کا سینٹ جارج کراس عطا کیا گیا تھا۔ اس اعلان میں یہ بھی لکھا تھا کہ شہزادہ آندرے بلکونسکی کو ہلکے رسالے کا کمانڈر مقرر کیا گیا ہے۔ اگرچہ پیری رستوف خاندان کو بلکونسکی کی یاد نہیں دلانا چاہتا تھا مگر اسے علم تھا کہ وہ اپنے بیٹے کو اعزاز ملنے کی خبر سن کر بیحد خوش ہوں گے۔ وہ انہیں خوشی کی خبر سنانے کی خواہش پر قابو نہ پا سکا، سو اس نے زار کی اپیل، خبرنامے اور دیگر اعلانات انہیں کھانے کی میز پر دکھانے کیلئے اپنے پاس رکھ لیے اور نکولائی کا خط اور چھپا ہوا اعلان پہلے ان کی جانب بھیج دیا۔

نواب رستوپ چن سے بات چیت، اس کا عجلت آمیز اور تھکاوٹ بھرا انداز، فوج کے مایوس کن حالات بارے قاصد کی باتوں، ماسکو میں جاسوسوں کی تلاش کی افواہوں اور شہر میں ہاتھ سے لکھے گئے اشتہار کی تقسیم جس میں کہا گیا تھا کہ نپولین نے قسم کھائی ہے کہ وہ موسم خزاں تک دونوں دارالحکومتوں میں داخل ہو جائیگا اور اگلے دن زار کی ماسکو میں متوقع آمد کے بارے میں باتوں نے پیری کے دل میں بے چینی کی وہ کیفیت نئی شدت سے پیدا کر دی جسے وہ دمدار ستارہ نکلنے اور جنگ کے آغاز کے وقت سے جانتا تھا۔

وہ کافی عرصہ پہلے فوج میں شمولیت پر غور کر چکا تھا اور اگر دو رکاوٹیں حائل نہ ہوتیں تو وہ پہلے ہی ایسا کر چکا ہوتا۔ پہلی رکاوٹ اس کی فری میسن برادری میں شمولیت تھی۔ یہ تنظیم امن کی حامی تھی اور اس کی تعلیمات جنگ کیخلاف تھیں اور وہ حلف اٹھا کر اس کا رکن بن چکا تھا۔ دوسری رکاوٹ یہ تھی کہ جب اس نے ماسکو کے بے شمار لوگوں کو فوجی وردیوں میں ملبوس اور قومی ترانے گاتے دیکھا تو نجانے کیوں خود ایسا کرتے ہوئے اسے شرمندگی محسوس ہوئی۔ اس ارادے پر عملدرآمد نہ کرنے کا سبب اس کے ذہن میں موجود یہ خیال تھا کہ وہ "روسی بیزوخوف" ہے اور اہم بات یہ تھی کہ اس کے اس نام کے اعداد کا مجموعہ بھی مذکورہ بالا جانور کے مجموعے کے برابر تھا اور وہ سمجھتا تھا کہ کفریہ کلمات کہنے

اور متکبرانہ گفتگو کرنے والے جانور کی قوت کا خاتمہ کرنے کیلئے اس کا کردار بھی متعین کیا جا چکا ہے اسی لیے اسے خود کوئی قدم نہیں اٹھانے کی بجائے انتظار کرنا چاہئے۔

(20)

حسب معمول اتوار کے دن چند بے تکلف دوست رستوف خاندان کے ہاں کھانا کھانے پر آ رہے تھے۔

پیری علیحدگی میں بات کرنے کیلئے پہلے پہنچ گیا۔

اس برس اس کا وزن اتنا بڑھ گیا تھا کہ وہ طویل القامت اور قوی الجثہ نہ ہوتا تو اس کی شخصیت انتہائی مضحکہ خیز معلوم ہوتی۔ اس کا جسم اسقدر مضبوط تھا کہ وہ پھرتی سے ادھر ادھر گھومتا پھرتا تھا۔

وہ زور زور سے سانس لیتا اور منہ ہی منہ میں بڑبڑاتا سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ اس کے کوچوان کو علم تھا کہ نواب جب بھی رستوف خاندان کے ہاں جاتا ہے تو آدھی رات سے پہلے واپس نہیں آتا لہٰذا اس نے انتظار کرنے کا بھی نہ پوچھا۔ رستوف گھرانے کا ملازم اس کا کوٹ اتارنے، چھڑی اور ٹوپی سنبھالنے کیلئے بھاگا آیا۔ کلب کا مستقل رکن بننے کی وجہ سے اسے چھڑی اور ٹوپی بیرونی کمرے میں چھوڑنے کی عادت ہو گئی تھی۔

وہ گھر میں سب سے پہلے جس فرد سے ملا وہ نتاشا تھی۔ وہ اسے دیکھنے سے پہلے ہی کوٹ اتارتے ہوئے اس کی آواز سن چکا تھا۔ وہ ہال میں گانے کی مشق کر رہی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ بیماری کے بعد اس نے کبھی گانا نہیں گایا، یہی وجہ تھی کہ اسے یہ آواز سن کر خوشگوار حیرت ہوئی۔ اس نے آہستگی سے دروازہ کھولا اور اسے وہ اسی ارغوانی لباس میں نظر آئی جو پہن کر وہ گرجا گھر گئی تھی۔ وہ گاتے ہوئے کمرے میں چکر لگا رہی تھی۔ جب پیری نے دروازہ کھولا تو اس کا چہرہ دوسری جانب تھا تاہم وہ اچانک مڑی تو پیری کے حیرت زدہ چہرے کو دیکھ کر شرم سے سرخ ہو گئی اور تیزی سے اس کی جانب بڑھی۔

وہ کہنے لگی "میں دوبارہ گانے کی کوشش کر رہی ہوں، اس سے مصروفیت مل جاتی ہے" اس نے یہ بات یوں کہی جیسے بہانہ تلاش کر رہی ہو۔

پیری بولا "بہت اچھے"

وہ کہنے لگی "آپ کو دیکھ کر مجھے بیحد خوشی ہوئی، آج میں خوش ہوں، آپ کو علم ہو گا کہ نکولینکا کو سینٹ جارج کراس ملا ہے اور مجھے اس پر بیحد فخر ہے" اس نے یہ بات اس انداز میں کہی جو پیری نے طویل عرصے سے نہیں دیکھا تھا۔

پیری کہنے لگا "ہاں وہ اعلان میں نے ہی آپ لوگوں کو بھیجا تھا مگر میں تمہارے گانے میں خلل نہیں ڈالنا چاہتا" یہ کہہ کر وہ ڈرائنگ روم کی طرف بڑھا۔

نتاشا نے اسے راستے میں روک لیا۔

وہ شرما کر کہنے لگی "نواب، کیا میرا گانا ٹھیک نہیں؟" اس کی سوالیہ نگاہیں ابھی تک پیری کے چہرے پر جمی تھیں۔

پیری نے کہا "نہیں۔۔۔ ٹھیک کیوں نہیں؟ اس کے برعکس۔۔۔ مگر تم مجھ سے یہ کیوں پوچھ رہی ہو؟"

نتاشا تیزی سے بولی "میں خود بھی نہیں جانتی، مگر میں کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہتی جو آپ کو پسند نہ ہو۔ میں آپ کی ہر بات پر اعتبار کرتی ہوں۔ آپ کو علم نہیں کہ آپ میرے لیے کس قدر اہم ہیں اور آپ نے میرے لیے بہت

کچھ کیا!۔۔۔" وہ تیزی سے بول رہی تھی اور اس نے پیری کے سرخ ہوتے چہرے پر بھی توجہ نہ دی۔ وہ کہنے لگی "میں نے اس خبرنامے میں یہ بھی پڑھا ہے کہ وہ، بلکونسکی (اس نے یہ لفظ تیز اور سرگوشی کے انداز میں بولا) روس آ گئے ہیں اور دوبارہ فوج میں شامل ہو چکے ہیں۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ وہ مجھے معاف کر دیں گے؟ کیا وہ میرے حوالے سے ہمیشہ بری بات نہیں سوچتے رہیں گے؟ آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟" وہ کچھ ایسی تیزی سے بول رہی تھی جیسے خدشہ ہو کہ کہیں اس کی ہمت ہی جواب نہ دے جائے۔

پیری نے کہا "میرا خیال ہے۔۔۔ اس کے پاس معاف کرنے کو کچھ نہیں۔۔۔ اگر میں اس کی جگہ ہوتا۔۔۔"

مختلف خیالات نے باہم مجتمع ہو کر پیری کو دوبارہ ماضی کے اس دور میں پہنچا دیا جب اسے تسلی دینے کیلئے وہ یہ کہہ بیٹھا تھا کہ اگر وہ مختلف اور دنیا کا بہترین انسان نیز شادی کے بندھن سے آزاد ہوتا تو اس سے جھک کر شادی کی درخواست کرتا۔ اسے شفقت، ملامت اور پیار بھرے انہی جذبات نے اپنی لپیٹ میں لے لیا اور وہ وہی الفاظ دہرانا چاہتا تھا مگر نتاشا نے اسے بولنے کا موقع ہی نہ دیا۔

وہ کہنے لگی "ہاں، آپ۔۔۔ آپ کا معاملہ علیحدہ ہے، میں نے آپ سے زیادہ بامروت، شفیق، شریف اور بہتر انسان نہیں دیکھا، آپ جیسا کوئی نہیں، اگر اس وقت بلکہ اب بھی آپ نہ ہوتے تو میرا نجانے کیا بنتا کیونکہ۔۔۔" اس کی آنکھوں سے اچانک آنسو رواں ہو گئے اور اس نے منہ پھیر لیا۔ اس نے موسیقی والی کتاب اٹھائی اور اسے اپنی آنکھوں کے سامنے کر کے کمرے کے چکر لگاتے ہوئے گانے لگی

اسی دوران پیٹیا ڈرائنگ روم سے بھاگتا ہوا نکلا۔

اب وہ پندرہ برس کا خوبصورت نوجوان تھا اور نتاشا کی طرح اس کے ہونٹ بھی بالکل سرخ تھے۔ وہ یونیورسٹی میں داخلہ لینے کی تیاری کر رہا تھا مگر بعد میں اس نے اپنی دوست اوبلینسکی سے مل کر خفیہ طور پر ہوزاروں میں بھرتی ہونے کا منصوبہ بنایا تھا۔

پیٹیا تیزی سے کمرے میں آیا کیونکہ وہ اپنے ہم نام سے اس معاملے پر مشورہ لینا چاہتا تھا۔

اس نے پیری سے یہ بتانے کی درخواست کی کہ کیا اسے ہوزاروں میں شمولیت کی اجازت مل جائے گی؟

پیری کمرے میں ٹہل رہا تھا اور اس نے پیٹیا کی بات سنی ان سنی کر دی۔

لڑکے نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کرانے کیلئے اس کا بازو کھینچا۔

وہ کہنے لگا "پیٹر کرلچ! خدارا مجھے میرے منصوبے کے حوالے سے کچھ بتائیں، آپ میری آخری امید ہیں"

پیری نے جواب دیا "اوہ، ہاں تمہارا منصوبہ۔ تم ہوزار بننا چاہتے ہو؟ میں اس کے بارے میں بات کروں گا، آج میں انہیں بتا دوں گا"

معمر نواب نے پیری سے کہا "اچھا، تو آپ کو اعلامیہ مل گیا ہے؟ میری بیگم نوابزادی رازموسکی گھرانے کے گرجا گھر گئی تھی، وہاں اس نے نئی دعا سنی اور کہتی ہے کہ یہ بیحد اچھی ہے"

پیری نے جواب دیا "ہاں اعلامیہ میرے پاس ہے، نواب کل یہاں آئیں گے، معززین کا غیر معمولی اجلاس ہو رہا ہے اور سنا ہے کہ ہزار میں سے دس افراد فوج میں بھرتی کئے جائیں گے۔ اوہ ہاں، میں آپ کو مبارک دینا چاہتا ہوں"

نواب نے جواباً کہا "ہاں، ہاں، خدا کا شکر ہے، اور سنائیں فوج کی کیا خبر ہے؟"

پیری نے کہا "ہماری فوج دوبارہ پسپا ہو رہی ہے، کہتے ہیں کہ سمولنسک تک پہنچ گئی ہے"

نواب کہنے لگا ''خدایا رحم، ہم پر رحم فرما! اعلامیہ کہاں ہے؟''

پیری بولا ''شہنشاہ کی اپیل؟ ارے ہاں'' وہ اپنی جیبیں ٹٹولنے لگا تاہم وہ اسے نہ مل سکی۔ اتنی دیر میں بیگم رستوف اندر آ گئی۔ پیری نے جیبیں ٹٹولتے ہوئے اس کی کے ہاتھ پر بوسہ دیا اور پھر بے چینی سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ یوں لگتا تھا جیسے اسے نتاشا کا انتظار ہے جو گانا ختم کر چکی تھی مگر ابھی تک ڈرائنگ روم میں نہیں آئی تھی۔ وہ کہنے لگا ''نجانے میں کہاں رکھ بیٹھا ہوں؟''

بیگم بولی ''تم ہمیشہ چیزیں بھول جاتے ہو''

نتاشا اندر آئی۔ اس کے چہرے پر ملائمت اور گھبراہٹ کا تاثر تھا۔ وہ کرسی پر بیٹھ گئی اور خاموشی سے پیری کی جانب دیکھنے لگی۔ اس کے اندر آتے ہی پیری کا افسردہ چہرہ کھل اٹھا اور اس نے کاغذات تلاش کرتے ہوئے متعدد بار اس پر سرسری نظر ڈالی۔

وہ کہنے لگا ''خدایا! مجھے واپس جانا ہوگا، میں انہیں گھر پر ہی بھول آیا ہوں، یقیناً۔۔۔''

نواب نے کہا ''مگر تم کھانے سے لیٹ ہو جاؤ گے''

پیری نے کہا ''اوہ، کوچوان نے بھی انتظار نہیں کیا''

تاہم سونیا بیرونی کمرے میں کاغذات تلاش کرنے گئی اور وہ اسے وہاں پیری کے ہیٹ میں مل گئے جنہیں وہ خود اس کے نیچے رکھ آیا تھا۔ پیری نے پڑھ کر سنانے کی کوشش کی۔

معمر نواب بولا ''نہیں، کھانے کے بعد'' یوں لگتا تھا جیسے اسے امید ہو کہ انہیں پڑھ کر بیحد لطف آئے گا۔

کھانے میں انہوں نے شمپئن کی صورت میں سینٹ جارج کے نئے محافظ کا جام صحت پیا اور شن شن نے انہیں بوڑھی جارجین شہزادی کی بیماری اور ماسکو سے میٹی ویئر کی گمشدگی کی خبر سنائی۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ کیسے ایک جرمن شہری کو رستوپچین کے سامنے لایا گیا جس پر جاسوسی کا الزام تھا (رستوپچین نے یہ بات ایسے ہی بتائی تھی) اور رستوپچین نے اسے چھوڑ دیا۔ اس نے شہریوں کو بتایا کہ وہ جاسوس نہیں ہے

نواب نے کہا ''یہ لوگوں کو ایسے ہی پکڑتے رہتے ہیں، میں بیگم سے کہتا ہوں کہ وہ ہر وقت فرانسیسی نہ بولا کریں، اب حالات کچھ اور ہیں''

شن شن بولا ''سنا ہے کہ شہزادہ گالترن نے اطالیق کی خدمات حاصل کر لی ہیں، وہ انہیں روسی سکھلائے گا، اب گھر سے باہر فرانسیسی بولنا خطرے سے خالی نہیں''

نواب نے پیری سے مخاطب ہو کر کہا ''اچھا تو نواب پیئر کریلچ! اگر عام بھرتی کا حکم آیا تو پھر تمہیں بھی گھوڑے پر بیٹھنا پڑے گا''

پیری کھانے کے دوران خاموش رہا تھا اور اپنی سوچوں میں کھویا ہوا تھا۔ نواب کی بات پر اس نے یوں دیکھا جیسے سمجھ نہ سکا ہو کہ اس نے کیا کہا تھا۔

پھر وہ کہنے لگا ''ہاں، ہاں، جنگ کیلئے۔۔۔ نہیں! میں عمدہ سپاہی ثابت ہوں گا، مگر یہ تمام اسقدر غیر معمولی اور عجیب و غریب ہے کہ میری سمجھ میں نہیں آ رہا، میں کچھ نہیں جانتا، مجھ میں فوجی ذوق پیدا نہیں ہو سکتا تاہم اس دور میں کسی کیلئے اپنے بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے''

کھانے کے بعد نواب ٹانگیں پھیلا کر آرام کرسی پر بیٹھ گیا اور سنجیدگی سے سونیا سے زار کی اپیل پڑھ کر سنانے

کو کہا۔ وہ پڑھنے میں لائق تصور کی جاتی تھی۔

''ہمارے دارالحکومت ماسکو کے نام۔ دشمن کی فوجیں روسی سرحد عبور کر چکی ہیں اور وہ ہمارے پیارے وطن کی عزت خاک میں ملانا چاہتا ہے''

سونیا مستعدی سے باآواز بلند پڑھ رہی تھی۔ نواب آنکھیں بند کئے سنے جا رہا تھا۔ بعض مقامات پر وہ آہیں بھرنے لگتا، نتاشا تن کر بیٹھی تھی اور تجسس بھری نگاہوں سے کبھی اپنے والد اور کبھی پیٹیا کی جانب دیکھنے لگتی۔

پیری کو محسوس ہوا کہ نتاشا کی نگاہیں اس پر لگی ہوئی ہیں اور وہ کوشش کرنے لگا کہ ادھر ادھر نظر نہ پڑے۔ زار کی اپیل کے ہر سنجیدہ جملے پر بیگم رستوف اظہار ناپسندیدگی کے طور پر سر ہلانے لگتی۔ اسے ان تمام فقرات میں ایک ہی بات نظر آتی تھی کہ اس کا بیٹا جن خطرات سے دوچار ہے وہ جلد ختم نہیں ہوں گے۔ شن شن نے منہ سختی سے بند کر رکھا تھا مگر اس کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی اور یہ عیاں تھا کہ وہ اپنے سامنے آنیوالی پہلی ہی بات کا مذاق اڑانے سے نہیں چوکے گا، ان باتوں میں سونیا کا پڑھنا، نواب کا اگلا تبصرہ یا خود یہ عبارت بھی ہو سکتی تھی۔

روس کو درپیش خطرات، ماسکو کے شہریوں خصوصاً معززین سے زار کی توقعات بیان کرنے کے بعد سونیا نے کپکپاتی آواز میں آخری الفاظ پڑھے، دوسروں کی جانب سے خود پر دی جانیوالی توجہ کے باعث اس کی آواز کانپ رہی تھی ''ہم دشمن کی راہ میں رکاوٹ بن جانیوالی اپنی فوج اور غنیم کو تباہ و برباد کرنے کیلئے تشکیل دی گئی نئی فوج کی قیادت کرنے اور اپنے عوام سے مشورے کیلئے اس دارالحکومت اور ملک کے دیگر علاقوں کو جانے میں بالکل دیر نہیں کریں گے۔ خدا کرے کہ ہماری تباہی کا خواہشمند دشمن خود تباہ ہو جائے اور خدا کرے کہ یورپ غلامی سے چھٹکارا پائے اور روس کا نام روشن ہو''

نواب نے اپنی بھیگی آنکھیں کھولیں اور متعدد بار چھینکیں مارتے ہوئے کہا ''یہ ہے، یہ ہے بات، ہمارے شہنشاہ ہمیں اشارہ بھی کریں تو ہم اپنی جان و مال قربان کرنے سے نہیں ہچکچائیں گے''

قبل ازیں کہ شن شن نواب کی حب الوطنی پر کوئی مزاحیہ جملہ کہتا، نتاشا پھرتی سے اٹھی اور اپنے والد کی طرف بھاگی۔

اس نے باپ کا منہ چوما اور کہنے لگی ''ہمارے ابا جان کتنے اچھے ہیں'' اس نے ایک مرتبہ پھر اسی غیر شعوری ناز و ادا سے پیری کی جانب ایک نظر دیکھا، طبیعت بحال ہو۔ تے ہی یہ انداز لوٹ آیا تھا۔

شن شن نے کہا ''کیا حب الوطنی ہے تمہاری''

نتاشا جھلا کر بولی ''اس میں حب الوطنی کی بات نہیں، یہ تو صرف۔۔۔ آپ ہر بات میں مزاح کا پہلو ڈھونڈ لیتے ہیں، مگر اس میں مذاق کی کوئی بات نہیں۔۔۔''

نواب بولا ''مذاق؟ نہیں بالکل نہیں، وہ ایک لفظ کہیں اور ہم چل دیں گے۔۔۔ ہم جرمنوں جیسے نہیں ہیں''

پیری نے کہا ''کیا آپ نے لفظ 'مشورے' پر غور کیا''

نواب نے جواب دیا ''بہر حال، جو کچھ بھی ہو۔۔۔''

اسی دوران پیٹیا جس پر کسی کی توجہ نہ تھی، اپنی جگہ سے اٹھ کر والد کے پاس گیا اور کہنے لگا ''اچھا، ابا جان، میں آپ کو واضح طور پر بتا دوں۔۔۔ اور امی کو بھی کہ آپ جو کچھ کہتے رہیں، مجھے فوج میں جانے کی اجازت دیں کیونکہ میں نہیں۔۔۔ بس یہی بات ہے'' اس کا چہرہ سرخ تھا اور غراہٹ آمیز آواز کبھی پھٹنے لگتی اور کبھی تیز ہو جاتی۔۔

بیگم نے بے بسی کے انداز میں اوپر دیکھا اور مٹھیاں بند کر کے غصے سے شوہر کی طرف رخ کر لیا۔ وہ کہنے لگی "دیکھ لیں، آپ کی بات کا یہ نتیجہ نکلا ہے"

مگر نواب اپنے جوش و خروش پر پہلے ہی قابو پا چکا تھا۔

وہ کہنے لگا "چھوڑو، چھوڑو، تم اچھے لڑا کے ثابت ہو گے، احمقانہ باتیں مت کرو، ابھی تمہیں اپنی پڑھائی مکمل کرنا ہے"

پیتیا نے کہا "ابا جان، یہ احمقانہ بات نہیں ہے۔ فیدیا او بولینسکی مجھ سے چھوٹا ہے اور وہ بھی جا رہا ہے، اس سے زیادہ کیا بات ہوگی، اب میں پڑھائی نہیں کر سکتا، جبکہ۔۔۔" پیتیا رک گیا، اس کا چہرہ پھر سرخ ہو گیا اور اسے پسینہ آنے لگا۔ وہ بات مکمل کرتے ہوئے بولا "جبکہ ملک خطرے میں ہے"

نواب بولا "ہش، ہش، بیوقوف!۔۔۔"

پیتیا نے کہا "کیوں، مگر آپ نے خود ہی تو کہا تھا کہ ہم ہر قربانی دیں گے"

نواب نے اپنی بیوی کی طرف دیکھا جس کا رنگ پیلا پڑ گیا تھا اور وہ ٹکٹکی باندھ کر اپنے بیٹے کی جانب دیکھ رہی تھی، اس نے کہا "پیتیا! میں تمہیں کہتا ہوں کہ خاموش رہو"

پیتیا نے کہا "میں کہوں گا۔۔۔ پیئر کریلچ بھی آپ کو بتائیں گے۔۔۔"

نواب بولا "میں کہتا ہوں، یہ بیوقوفی ہے، اس کے ہونٹوں سے ابھی دودھ بھی خشک نہیں ہوا اور یہ فوج میں جانا چاہتا ہے! چھوڑو، چھوڑو، میں تمہیں بتاتا ہوں" یہ کہہ کر نواب نے کاغذات لیے اور کمرے سے باہر چل دیا، شاید وہ سونے سے پہلے انہیں اپنے کمرے میں اکیلا پڑھنا چاہتا تھا۔

وہ کہنے لگا "پیئر کریلچ! آیئے ذرا پاپ پیتے ہیں"

پیری بوکھلا گیا اور ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا۔ نتاشا کی روشن آنکھیں اس پر لگی تھیں اور ان میں گرمجوشی سے بڑھ کر کوئی کیفیت نظر آ رہی تھی جس نے پیری کو بوکھلا دیا تھا۔

وہ نواب سے بولا "نہیں، میں سمجھتا ہوں کہ مجھے گھر جانا چاہیے"

نواب نے خوش مزاجی سے کہا "گھر؟ مگر کیوں؟ تم تو شام ہمارے یہاں ٹھہرنا چاہتے تھے، تم ہمارے ہاں کبھی کبھار ہی آتے ہو اور میری بچی صرف تمہاری موجودگی میں ہی خوش ہوتی ہے۔۔۔"

پیری جلدی سے بولا "میں کچھ بھول گیا ہوں، مجھے واقعی ہر صورت گھر جانا ہوگا، کچھ کام ہے"

اس نے نواب کو خدا حافظ کہا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

نتاشا نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا "آپ کیوں جا رہے ہیں؟ پریشان کیوں دکھائی دے رہے ہیں؟"

پیری کہنا چاہتا تھا "اس لیے کہ مجھے تم سے پیار ہے" مگر وہ یہ نہ کہہ سکا، اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اس نے نگاہیں جھکا لیں۔

اس کی بجائے وہ کہنے لگا "اس لیے کہ میرے لیے یہاں نہ آنا ہی بہتر ہے۔۔۔ کیونکہ۔۔۔ نہیں، بس مجھے کچھ کام ہے۔۔۔"

دونوں نے ایک دوسرے کو بے بسی اور بوکھلاہٹ سے دیکھا۔ اس نے مسکرانے کی کوشش کی مگر اس میں

کامیابی نہ ہوئی۔ اس کی مسکراہٹ سے دکھ کا اظہار ہوتا تھا۔ اس نے نتاشا کے ہاتھ کا بوسہ لیا اور کچھ کہے بغیر باہر چلا گیا۔

پیری نے فیصلہ کر لیا کہ اب وہ رستوف خاندان کے ہاں نہیں جائے گا۔

(21)

انکار کے بعد پیتیا اپنے کمرے میں چلا گیا اور کنڈی لگا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ چائے پر وہ خاموش اور مایوس دکھائی دے رہا تھا اور اس کے چہرے پر آنسوؤں کے نشانات تھے مگر ہر شخص نے یوں ظاہر کیا جیسے اس نے کچھ نہ دیکھا ہو۔

اگلے دن زار نے آنا تھا۔ رستوف خاندان کے متعدد ملازمین نے باہر جانے اور زار کو دیکھنے کی اجازت طلب کی۔ اس صبح پیتیا نے لباس پہننے، بال سنوارنے اور کالر درست کرنے میں خاصا وقت لگایا تاکہ حلیے سے نوجوان دکھائی دے۔ اس نے شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر بھنوؤں پر بل ڈالے، ہاتھوں اور بازوؤں سے اشارے کیے، کندھے جھٹکے اور پھر کسی سے کچھ کہے بغیر ٹوپی پہن کر پچھلے دروازے سے باہر نکل گیا تاکہ کوئی اسے نہ دیکھ سکے۔ پیتیا نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ زار کی جائے قیام پر جائے گا اور اس کے کسی خاص درباری (اس کا خیال تھا کہ زار ہر وقت درباریوں میں گھرا رہتا ہوگا) کو واضح طور پر بتا دے گا کہ میں کم عمری کے باوجود وطن کی خدمت کرنے کا خواہشمند ہوں، اور یہ کہ کم عمری وفاداری کی راہ میں مزاحم نہیں ہو سکتی اور وہ بالکل تیار ہے۔۔۔ لباس بدلنے کے دوران اس نے متعدد اچھے جملے سوچ لیے تھے جو اس نے خاص درباری سے کہنا تھے۔

زار تک پہنچنے کیلئے وہ اپنی کم عمری پر ہی انحصار کر رہا تھا (اس کا خیال تھا کہ کم عمر کو دیکھ کر ہر شخص حیرت زدہ رہ جائے گا) تاہم اس نے جس انداز سے بال اور کالر سنوارے تھے اور جس پروقار اور محتاط انداز سے جانے کا ارادہ کیا تھا اس سے وہ اپنے بالغ ہونے کا تاثر دینا چاہتا تھا۔ تاہم وہ جوں جوں آگے بڑھا، کریملن کے قریب لوگوں کے ہجوم کے باعث اس کی توجہ منتشر ہوتی گئی اور اس کیلئے بالغوں کی سی سنجیدگی اور متانت برقرار رکھنا مشکل ہوتا گیا۔ اس نے پرعزم انداز سے اپنی کہنیاں پھیلا لیں تاہم اس کے عزم و استقلال کے باوجود تثلیثی دروازے پر اس کے حب الوطنی پر مبنی جذبات سے ناآشنا لوگوں کی دھکم پیل کے باعث وہ دیوار سے لگ گیا۔ وہ مجبوراً رک گیا اور انہیں راستہ دینے لگا جبکہ گاڑیاں محراب نما دروازے سے گزرتی رہیں۔ اس کے قریب ایک کسان خاتون، ملازم، دو تاجر اور ایک برخاست شدہ فوجی کھڑے تھے۔ کچھ دیر دروازے کے قریب کھڑا رہنے کے بعد پیتیا نے تمام گاڑیوں کے گزرنے کا انتظار کیے بغیر دھکم پیل کرتے ہوئے آگے نکلنے کی کوشش کی اور کہنیاں ادھر ادھر مارنا شروع کر دیں۔ اس کے قریب کھڑی کسان عورت جسے اس نے اپنی پہلی کوشش کا نشانہ بنایا تھا، چلاتے ہوئے بولی "چھوٹے آقا، دھکے کیوں مار رہے ہو؟ دیکھتے نہیں کہ ہم سب یہاں خاموشی سے کھڑے ہیں، تم کیوں دھکے دینا چاہتے ہو؟"

ملازم بولا "دھکے ہر کوئی مار سکتا ہے" یہ کہتے ہوئے اس نے بھی کہنیاں چلانا شروع کر دیں اور پیتیا کو دروازے کے بدبودار کونے میں دھکیل دیا۔

پیتیا نے اپنے چہرے سے پسینہ پونچھا اور گیلا کالر اوپر اٹھا دیا جسے اس نے بالغ دکھائی دینے کیلئے گھر پر احتیاط سے درست کیا تھا۔

پیتیا نے محسوس کیا کہ وہ اس قابل نہیں رہا کہ کسی کے سامنے پیش ہو سکے۔ اسے یہ خدشہ لاحق ہونے لگا کہ اس

بیگم نے بے بسی کے انداز میں اوپر دیکھا اور مٹھیاں بند کر کے غصے سے شوہر کی طرف رخ کر لیا۔ وہ کہنے لگی "دیکھ لیں، آپ کی بات کا یہ نتیجہ نکلا ہے"

مگر نواب اپنے جوش و خروش پر پہلے ہی قابو پا چکا تھا۔

وہ کہنے لگا "چھوڑو، چھوڑو، تم اچھے لڑکے ثابت ہو گے، احمقانہ باتیں مت کرو، ابھی تمہیں اپنی پڑھائی مکمل کرنا ہے"

پیٹیا نے کہا "اباجان، یہ احمقانہ بات نہیں ہے۔ فیدیا اوبولینسکی مجھ سے چھوٹا ہے اور وہ بھی جا رہا ہے، اس سے زیادہ کیا بات ہو گی، اب میں پڑھائی نہیں کر سکتا، جبکہ۔۔۔" پیٹیا رک گیا، اس کا چہرہ پھر سرخ ہو گیا اور اسے پسینہ آنے لگا۔ وہ بات مکمل کرتے ہوئے بولا "جبکہ ملک خطرے میں ہے"

نواب بولا "بش، بش، بیوقوف!۔۔۔"

پیٹیا نے کہا "کیوں، مگر آپ نے خود ہی تو کہا تھا کہ ہم ہر قربانی دیں گے"

نواب نے اپنی بیوی کی طرف دیکھا جس کا رنگ پیلا پڑ گیا تھا اور وہ ٹکٹکی باندھ کر اپنے بیٹے کی جانب دیکھ رہی تھی، اس نے کہا "پیٹیا! میں تمہیں کہتا ہوں کہ خاموش رہو"

پیٹیا نے کہا "میں کیوں گا۔۔۔ پیئر کریلچ بھی آپ کو بتائیں گے۔۔۔"

نواب بولا "میں کہتا ہوں، یہ بیوقوفی ہے، اس کے ہونٹوں سے ابھی دودھ بھی خشک نہیں ہوا اور یہ فوج میں جانا چاہتا ہے! چھوڑو، چھوڑو، میں تمہیں بتاتا ہوں" یہ کہہ کر نواب نے کاغذات لیے اور کمرے سے باہر چل دیا، شاید وہ سونے سے پہلے انہیں اپنے کمرے میں اکیلا پڑھنا چاہتا تھا۔

وہ کہنے لگا "پیئر کریلچ! آیئے ذرا پاپ پیتے ہیں"

پیری بوکھلا گیا اور ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا۔ نتاشا کی روشن آنکھیں اس پر ٹکی تھیں اور ان میں گرمجوشی سے بڑھ کر کوئی کیفیت نظر آ رہی تھی جس نے پیری کو بوکھلا دیا تھا۔

وہ نواب سے بولا "نہیں، میں سمجھتا ہوں کہ مجھے گھر جانا چاہیئے"

نواب نے خوش مزاجی سے کہا "گھر؟ مگر کیوں؟ تم تو شام ہمارے یہاں ٹھہرنا چاہتے تھے، تم ہمارے ہاں بھی کبھار ہی آتے ہو اور میری بیٹی صرف تمہاری موجودگی میں ہی خوش ہوتی ہے۔۔۔"

پیری جلدی سے بولا "میں کچھ بھول گیا ہوں، مجھے واقعی ہر صورت گھر جانا ہو گا، کچھ کام ہے"

اس نے نواب کو خدا حافظ کہا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

نتاشا نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا "آپ کیوں جا رہے ہیں؟ پریشان کیوں دکھائی دے رہے ہیں؟"

پیری کہنا چاہتا تھا "اس لیے کہ مجھے تم سے پیار ہے" مگر وہ یہ نہ کہہ سکا، اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اس نے نگاہیں جھکا لیں۔

اس کی بجائے وہ کہنے لگا "اس لیے کہ میرے لیے یہاں نہ آنا ہی بہتر ہے۔۔۔ کیونکہ۔۔۔ نہیں، بس مجھے کچھ کام ہے۔۔۔"

دونوں نے ایک دوسرے کو بے بسی اور بوکھلاہٹ سے دیکھا۔ اس نے مسکرانے کی کوشش کی مگر اس میں

کامیابی نہ ہوئی۔ اس کی مسکراہٹ سے دکھ کا اظہار ہوتا تھا۔ اس نے نتاشا کے ہاتھ کا بوسہ لیا اور کچھ کہے بغیر باہر چلا گیا۔

پیری نے فیصلہ کر لیا کہ اب وہ رستوف خاندان کے ہاں نہیں جائے گا۔

(21)

انکار کے بعد پیٹیا اپنے کمرے میں چلا گیا اور کنڈی لگا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ چائے پر وہ خاموش اور مایوس دکھائی دے رہا تھا اور اس کے چہرے پر آنسوؤں کے نشانات تھے مگر ہر شخص نے یوں ظاہر کیا جیسے اس نے کچھ نہ دیکھا ہو۔

اگلے دن زار نے آنا تھا۔ رستوف خاندان کے متعدد ملازمین نے باہر جانے اور زار کو دیکھنے کی اجازت طلب کی۔ اس صبح پیٹیا نے لباس پہننے، بال سنوارنے اور کالر درست کرنے میں خاصا وقت لگایا تاکہ حلیے سے نوجوان دکھائی دے۔ اس نے شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر بھنوؤں پر بل ڈالے، ہاتھوں اور بازوؤں سے اشارے کیے، کندھے جھٹکے اور پھر کسی سے کچھ کہے بغیر ٹوپی پہن کر پچھلے دروازے سے باہر نکل گیا تاکہ کوئی اسے نہ دیکھ سکے۔ پیٹیا نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ زار کی جائے قیام پر جائے گا اور اس کے کسی خاص درباری (اس کا خیال تھا کہ زار ہر وقت درباریوں میں گھرا رہتا ہو گا) کو واضح طور پر بتا دے گا کہ میں کم عمری کے باوجود وطن کی خدمت کرنے کا خواہشمند ہوں، اور یہ کم عمری وفاداری کی راہ میں مزاحم نہیں ہو سکتی اور وہ بالکل تیار ہے۔۔۔ لباس بدلنے کے دوران اس نے متعدد اچھے جملے سوچ لیے تھے جو اس نے خاص درباری سے کہنا تھے۔

زار تک پہنچنے کیلئے وہ اپنی کم عمری پر ہی انحصار کر رہا تھا (اس کا خیال تھا کہ کم عمر کو دیکھ کر ہر شخص حیرت زدہ رہ جائے گا) تاہم اس نے جس انداز سے بال اور کالر سنوارے تھے اور جس پروقار اور محتاط انداز سے جانے کا ارادہ کیا تھا اس سے وہ اپنے بالغ ہونے کا تاثر دینا چاہتا تھا۔ تاہم وہ جوں جوں آگے بڑھا، کریملن کے قریب لوگوں کے ہجوم کے باعث اس کی توجہ منتشر ہوتی گئی اور اس کیلئے بالغوں کی سی سنجیدگی اور متانت برقرار رکھنا مشکل ہوتا گیا۔ اس نے پرعزم انداز سے اپنی کہنیاں پھیلا لیں تاہم اس کے عزم و استقلال کے باوجود ٹرنسکی دروازے پر اس کے حب الوطنی پر مبنی جذبات سے نا آشنا لوگوں کی دھکم پیل کے باعث وہ دیوار سے لگ گیا۔ وہ مجبوراً رک گیا اور انہیں راستہ دینے لگا جبکہ گاڑیاں محراب نما دروازے سے گزرتی رہیں۔ اس کے قریب ایک کسان خاتون، ملازم، دو تاجر اور ایک برخاست شدہ فوجی کھڑے تھے۔ کچھ دیر دروازے کے قریب کھڑا رہنے کے بعد پیٹیا نے تمام گاڑیوں کے گزرنے کا انتظار کیے بغیر دھکم پیل کرتے ہوئے آگے نکلنے کی کوشش کی اور کہنیاں ادھر ادھر مارنا شروع کر دیں۔ اس کے قریب کھڑی کسان عورت جسے اس نے اپنی پہلی کوشش کا نشانہ بنایا تھا، چلاتے ہوئے بولی "چھوٹے آقا، دھکے کیوں مار رہے ہو؟ دیکھتے نہیں کہ ہم سب یہاں خاموشی سے کھڑے ہیں، تم کیوں دھکے دینا چاہتے ہو؟"

ملازم بولا "دھکے ہر کوئی مار سکتا ہے" یہ کہتے ہوئے اس نے بھی کہنیاں چلانا شروع کر دیں اور پیٹیا کو دروازے کے بدبودار کونے میں دھکیل دیا۔

پیٹیا نے اپنے چہرے سے پسینہ پونچھا اور گیلا کالر اوپر اٹھا دیا جسے اس نے بالغ دکھائی دینے کیلئے گھر پر احتیاط سے درست کیا تھا۔

پیٹیا نے محسوس کیا کہ وہ اس قابل نہیں رہا کہ کسی کے سامنے پیش ہو سکے۔ اسے یہ خدشہ لاحق ہونے لگا کہ اس

حالت میں وہ خاص درباری کے پاس گیا تو اسے زار کے سامنے پیش نہیں کیا جائیگا۔ تاہم لوگوں کے ہجوم میں اپنی حالت درست کرنا یا کہیں اور جانا بھی ممکن نہ تھا۔ وہاں گاڑی میں ایک جرنیل گزرا جو رستوف خاندان کا واقف تھا، پیٹیا نے سوچا کہ اس سے مدد لی جانی چاہئے مگر پھر اسے یوں لگا کہ ایسا کرنا مردانگی نہیں ہوگی۔ جب تمام گاڑیاں گزر گئیں تو لوگوں کا ہجوم پیٹیا کو بھی اپنے ساتھ بہاتا چوک میں لے گیا جہاں پہلے ہی انسانوں کا سمندر دکھائی دے رہا تھا۔ لوگوں کے ہجوم صرف چوک میں ہی نہ تھے بلکہ اونچی نیچی جگہیں، چھتیں اور دیگر تمام مقامات پر بھی تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ پیٹیا جونہی چوک میں پہنچا تو اسے گھنٹیاں بجنے اور لوگوں کی بھنبھناہٹ سنائی دینے لگی۔

کچھ دیر تک چوک میں لوگوں کا ہجوم اتنا زیادہ نہ تھا مگر اچانک تمام سروں سے ٹوپیاں اتر گئیں اور انسانوں کا سیلاب بہنے لگا۔ پیٹیا لوگوں میں کچھ اس طرح پھنس گیا تھا کہ اس کیلئے سانس لینا بھی مشکل ہو گیا۔ ہر جانب "ہرا! ہرا!" کے نعرے بلند ہونے لگے۔

پیٹیا پنجوں کے بل کھڑا ہو کر دیکھنے لگا، دھکم پیل کی، دوسروں کو چٹکیاں کاٹیں مگر اسے کچھ بھی دکھائی نہ دیا۔

ہر چہرے پر یکساں جوش و خروش تھا۔ پیٹیا کے قریب کسی تاجر کی بیوی کھڑی آنسو بہا رہی تھی۔ وہ بار بار اپنے ہاتھوں سے آنسو پونچھتی اور کہتی "باپ، فرشتہ!"

چاروں جانب سے ایک ہی نعرہ سنائی دے رہا تھا "ہرا!"

کچھ دیر لوگوں کا ہجوم کھڑا رہا اور پھر حرکت کرنے لگا۔

پیٹیا جذبات سے بے قابو ہو گیا اور دانت کچکچاتا آنکھیں گھماتا دھکم پیل کرنے لگا۔ وہ دائیں بائیں کہنیاں چلاتے ہوئے "ہرا!" کا نعرہ لگا رہا تھا اور اس کے اردگرد موجود لوگوں کا بھی یہی حال تھا اور وہ بھی "ہرا!" کے نعرے لگا رہے تھے۔

پیٹیا نے سوچا "تو یہ ہے زار! نہیں، میں اسے خود درخواست پیش نہیں کر سکتا، یہ بہت بیباکی ہوتی" تاہم وہ آگے بڑھتا چلا گیا۔ وہ یہ سوچ کر فکرمند ہو رہا تھا کہ کہیں پیچھے نہ رہ جائے۔ اسے اپنے سامنے لوگوں کی پشتوں کے مابین کھلی جگہ نظر آئی، وہاں سرخ قالین بچھا تھا تاہم اسی وقت ہجوم ہلنے اور پیچھے ہٹنے لگا۔ پولیس نے محل سے گرجا گھر جانے والے زار کے جلوس کے قریب پہنچنے والے لوگوں کو پیچھے دھکیل دیا تھا۔ پیٹیا کی پسلیوں پر غیر متوقع طور پر اس زور سے مکہ لگا کہ وہ ہجوم میں بری طرح کچلا گیا اور بیہوش ہو کر گر پڑا۔ اسے ہوش آیا تو ایک پادری، نما شخص نے اسے بازو سے تھام رکھا تھا۔ اس کے لمبے بال کمر تک لٹک رہے تھے اور اس نے پادریوں کا سا لبادہ اوڑھ رکھا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ سے پیٹیا کو تھام رکھا تھا اور دوسرے سے لوگوں کے ہجوم کو دور رکھنے کی کوشش میں مصروف تھا۔

پادری کہہ رہا تھا "نوجوان کو کچل دیا ہے، دھیان سے۔۔۔ کیا کر رہے ہو۔۔۔ تم اسے کچل دو گے۔۔۔"

زار گرجا گھر میں داخل ہو گیا۔ لوگوں کا ہجوم ایک مرتبہ پھر پھیل گیا اور پادری پیٹیا کو وہاں موجود ایک بڑی توپ کی جانب لے گیا۔ پیٹیا کا چہرہ پیلا پڑ گیا تھا اور اس کی سانس رک رک کر آ رہی تھی۔ کئی لوگوں کو اس پر ترس آیا اور آناً فاناً اس کے گرد لوگوں کا ہجوم جمع ہو گیا۔ اس کے قریب کھڑے لوگوں نے اس کی خبرگیری شروع کر دی اور اس کے کوٹ کے بٹن کھول کر اسے توپ کے چبوترے پر بٹھا دیا۔ اردگرد جمع لوگ، اسے کچلنے والوں کو برا بھلا کہنے لگے۔

وہ کہہ رہے تھے "اس طرح کوئی بھی شخص پاؤں تلے آ کر ہلاک ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد! لوگوں کی ہلاکت! بیچارے کا رنگ بالکل فق ہو گیا ہے"

پیٹیا کی حالت جلد بہتر ہو گئی اور اس کے رخسار دوبارہ سرخ ہونے لگے۔ درد ختم ہو گئی اور اس عارضی تکلیف سے یہ فائدہ ہوا کہ اسے توپ پر جگہ مل گئی اور وہ یہاں سے زار کو دیکھ سکتا تھا۔ اس کے ذہن میں زار سے درخواست کرنے کا خیال نکل گیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر اس نے زار کو دیکھ لیا تو اس کی تمام خواہشات پوری ہو جائیں گی۔

گرجا گھر میں مشترکہ عبادت کی تقریب کے دوران ہجوم چھٹ گیا۔ یہ تقریب زار کی عبادت اور ترکوں سے امن کا معاہدہ ہونے کے بعد خدا کا شکر ادا کرنے کیلئے منعقد ہو رہی تھی۔ ادھر ادھر خوانچہ فروش دکھائی دینے لگے جو کواس، کیک اور خشخاش والی مٹھائیاں بیچ رہے تھے جو پیٹیا کو بیحد پسند تھیں۔ اب روزمرہ کی عام باتیں سننے کو مل رہی تھیں۔ ایک دکاندار کی بیوی اپنی پھٹی ہوئی چادر دکھا رہی تھی اور کسی کو بتا رہی تھی کہ یہ اس نے کتنی رقم کے عوض خریدی تھی۔ دوسری عورت کہہ رہی تھی کہ ان دنوں چادریں بہت مہنگی ہو گئی ہیں اور پیٹیا کو بچانے والا پادری ایک سرکاری اہلکار سے اس دن مذہبی امور میں بڑے پادری کی مدد پر مامور اشخاص کے بارے میں بات چیت کر رہا تھا۔ وہ بار بار کوئی لفظ دہرا رہا تھا جو پیٹیا کی سمجھ میں نہ آیا۔ دو نوجوان چند نوکرانیوں سے مذاق کر رہے تھے جو اخروٹ توڑنے میں مصروف تھیں۔ پیٹیا کو ان تمام باتوں خاص طور پر لڑکیوں سے چھیڑ خانی میں کوئی دلچسپی نہ تھی جو شاید کسی اور وقت اس کیلئے دلچسپی کا باعث ہو سکتی تھی۔ وہ توپ پر اپنے بلند اور محفوظ مقام پر بیٹھا تھا، جب اسے شہنشاہ اور اس سے اپنی محبت کا خیال آتا تو اس پر بے چینی کی کیفیت طاری ہو جاتی۔ لوگوں کے پاؤں تلے کچلے جانے میں اسے جس درد اور خوف کا تجربہ ہوا اب اس میں کیف و سرور کا احساس بھی شامل ہو گیا تھا۔ ان تمام باتوں نے مل کر اس کے دل میں موقع کی سنجیدگی کے احساس کو اور بھی شدت دے دی۔

اچانک دریا کے بند پر توپ چلنے کی آواز سنائی دی۔ یہ فائرنگ ترکوں سے امن کا معاہدہ ہو جانے کی خوشی میں ہو رہی تھی۔ لوگوں کا ہجوم یہ منظر دیکھنے کیلئے بند پر ٹوٹ پڑا۔ پیٹیا نے بھی وہاں جانے کی کوشش کی مگر پادری نے اسے نہ جانے دیا۔ گولہ باری ہوتی رہی جبکہ افسر، جرنیل اور خاص درباری گرجا گھر سے بھاگتے ہوئے باہر آنے لگے۔ ان کے پیچھے پیچھے دیگر لوگ بھی تھے تاہم وہ کسی قسم کی جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کر رہے تھے۔ ایک مرتبہ پھر فضا میں ٹوپیاں لہرائی گئیں اور توپوں کی جانب بھاگنے والے لوگ واپس آنے لگے۔ بالآخر وردیاں پہنے اور سینوں پر تمغے سجائے چار افراد گرجے سے باہر نکلے۔ لوگوں کا ہجوم ایک مرتبہ پھر "ہرا! ہرا!" کے نعرے بلند کرنے لگا۔

پیٹیا نے رو دینے والی آواز میں پوچھا "کونسا؟ کون ہے؟" تاہم کسی نے اس کا جواب نہ دیا۔ ہر شخص پر جذبات حاوی ہو گئے تھے۔ پیٹیا نے چاروں میں سے ایک پر نگاہیں لگا دیں مگر آنکھوں میں خوشی کے آنسوؤں کے باعث وہ کچھ نہ دیکھ پایا، اگرچہ وہ شخص زار نہیں تھا تاہم اس نے اپنا تمام تر جوش و ولولہ اسی پر مرکوز کر دیا اور جنونی انداز سے "ہرا!" کا نعرہ مارنے لگا۔ اسی دوران اس نے سوچا کہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے وہ کل ہر صورت فوج میں بھرتی ہو جائے گا۔ لوگوں نے زار کا تعاقب کیا اور محل تک اس کے پیچھے پیچھے گئے اور پھر اپنی اپنی راہ لی۔ دن خاصا بیت چکا تھا۔ پیٹیا نے کچھ نہیں کھایا تھا اور پسینے میں بھیگ رہا تھا مگر وہ گھر جانے کی بجائے ہجوم کے ساتھ محل کے سامنے کھڑا رہا جبکہ زار کھانا کھانے میں مصروف تھا۔ وہ محل کی کھڑکیوں پر نگاہیں گاڑے ہوئے انتظار کر رہا تھا مگر خود بھی نہیں جانتا تھا کہ وہ کس کا منتظر ہے۔ اسے شہنشاہ کیساتھ کھانا کھانے کیلئے دروازے سے اندر جاتے لوگوں اور کھانے کی میز پر خدمات انجام دینے والے لوگوں پر یکساں رشک آ رہا تھا۔

کھانے کی میز پر والیوف نے کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے کہا "جناب عالی! لوگ اب بھی آپ کو دوبارہ دیکھنے کی امید باندھے ہوئے ہیں"

کھانا تقریباً ختم ہو چکا تھا۔ زار اپنی جگہ سے اٹھا اور باہر بالکونی میں چلا گیا۔ وہ ابھی تک بسکٹ چبا رہا تھا۔ ہجوم بالکونی کی طرف بھاگا جس میں پیٹیا بھی شامل تھا۔

لوگ نعرے مارنے لگے "فرشتہ! باپ! ہرا!۔۔۔" خواتین اور پیٹیا سمیت بعض نرم دل مرد حضرات رونے لگے۔

زار کے ہاتھ میں موجود بسکٹ کا خاصا بڑا حصہ ٹوٹ کر بالکونی کے جنگلے سے زمین پر آ گرا۔ ایک کوچوان بسکٹ پر جھپٹا اور اسے دبوچ لیا۔ متعدد افراد کوچوان کی جانب بھاگے۔ زار نے یہ دیکھا تو بسکٹوں سے بھری پلیٹ منگوائی اور انہیں بالکونی سے نیچے پھینکنے لگا۔ پیٹیا بھی بسکٹوں پر پل پڑا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور کچلے جانے کے خوف نے اسے اور بھی جذباتی کر دیا تھا۔ وہ زار کے ہاتھ سے بسکٹ لینا چاہتا تھا مگر اسے یہ علم نہ تھا کہ وہ ایسا کیوں کرنا چاہتا ہے اور اسے محسوس ہوا کہ وہ یہ کوشش ترک نہیں کر سکتا۔ اس نے چھلانگ لگائی اور ایک بڑھیا کو ڈگمگا دیا جو ایک بسکٹ پکڑنا چاہتی تھی۔ بڑھیا زمین پر گر گئی تاہم اس نے کوشش ترک نہ کی اور بسکٹوں پر ہاتھ ڈالنے کی ناکام کوشش کی۔ پیٹیا نے اس کے ہاتھ پر گھٹنا مارا اور اسے پرے دھکیل دیا۔ اس نے بسکٹ پکڑا اور جلدی سے بیٹھی ہوئی آواز میں "ہرا" کا نعرہ لگا دیا جیسے کہیں دیر نہ ہو جائے۔

زار اندر چلا گیا اور ہجوم چھٹنے لگا۔

ہر جانب سے یہی مسرت بھری آواز سنائی دے رہی تھی "دیکھا، میں نے کہا تھا ناکہ کچھ دیر مزید انتظار کرنا چاہئے۔۔۔ اور ٹھیک کہا تھا"

پیٹیا خوش تھا مگر گھر جانے کے خیال سے وہ افسردہ ہو گیا۔ اس نے سوچا آج کا مزہ ختم ہو گیا ہے۔ وہ کریملن سے گھر جانے کی بجائے اپنے دوست اوبولینسکی کے گھر چلا گیا جس کی عمر پندرہ برس تھی اور وہ بھی فوج میں شمولیت اختیار کر رہا تھا۔

گھر پہنچ کر پیٹیا نے پرعزم اور فیصلہ کن انداز میں اعلان کیا کہ اسے فوج میں شمولیت کی اجازت نہ ملی تو وہ گھر سے بھاگ جائیگا۔ اگرچہ نواب ایلیا آندریچ نے پوری طرح رضامندی ظاہر نہیں کی تھی مگر پھر بھی وہ یہ معلوم کرنے چلا گیا کہ پیٹیا کو کسی محفوظ جگہ پر تعینات کرانے کا بندوبست کیسے ہو سکتا ہے۔

(22)

15 جولائی کی صبح یعنی دو روز بعد سلوبودسکی محل سے باہر گاڑیوں کی قطار لگی تھی۔

وسیع ہال لوگوں سے بھرے ہوئے تھے۔ ایک ہال میں باوردی معززین اور دوسرے میں نیلے کوٹ پہنے داڑھیوں والے تاجر تھے۔ معززین کے کمرے سے مختلف آوازیں سنائی دے رہی تھیں اور لوگ ادھر ادھر گھوم پھر رہے تھے۔ انتہائی معزز افراد شہنشاہ کی تصویر تلے بہت بڑی میز کے سامنے اونچی پشتوں والی کرسیوں پر بیٹھے تھے البتہ لوگوں کی زیادہ تعداد کمرے میں ٹہل رہی تھی۔

یہ تمام شرفاء وردیوں میں ملبوس تھے جن سے پیری ہر روز کلب میں یا ان کے گھروں میں ملتا تھا۔ ان میں سے بعض کی وردیاں ملکہ کیتھرین، بعض کی شہنشاہ پاول اور بعض کی شہنشاہ الیگزنڈر کے نئے عہد کے مطابق تھیں۔ بعض نے محض شرفاء کا عام لباس پہن رکھا تھا۔ ان کے لباسوں کی اس عمومی خاصیت نے مختلف اقسام اور مانوس شخصیات کی کچھ

ایسی شکل بنا دی تھی جو دیکھنے میں بہت عجیب لگتی تھی۔ چندھیائی آنکھوں، بے دانت منہ، گنجے سر، زرد اور پھولے یا سوکھے ہوئے چہروں والے بوڑھوں پر نظر خاص طور پر جا لگتی تھی۔ ان میں سے زیادہ تر اپنی نشستوں پر خاموش بیٹھے تھے اور اگر کوئی کمرے میں گھوم پھر کر گفتگو کرتا تو کسی نوجوان کے ساتھ چپٹ جاتا تھا۔ کریملن کے چوک میں جمع ہجوم کے چہروں کی طرح ان لوگوں کے چہروں پر بھی متضاد تاثرات دیکھے جا سکتے تھے۔ ایک جانب تو ان کے چہروں پر کسی سنجیدہ واقعے کے ظہور میں آنے کی توقع نمایاں تھی تو دوسری طرف تاش کے کھیل بوسٹن، باورچی پیٹر وشکا اور زنائیڈا امتریونا کی صحت وغیرہ کے معاملات سے بھی دلچسپی تھی۔

پیری بھی وہیں موجود تھا۔ اس نے صبح سے بند بٹنوں والی شرفاء کی وردی پہن رکھی تھی اور اس کے تنگ ہونے اور جسم جکڑے جانے کے سبب خاصی الجھن محسوس کر رہا تھا۔ اس اجلاس میں شرفاء کے علاوہ تاجر بھی مدعو کئے گئے تھے اور اس کی حیثیت عوامی اجلاس کی سی تھی۔ یہاں آ کر اس کے ذہن میں خیالات کا وہ سلسلہ دوبارہ شروع ہو گیا تھا وہ کافی عرصہ پہلے بھول چکا تھا۔ یہ خیالات عوام اور انقلاب فرانس کے حوالے سے تھے۔ زار کے ان الفاظ نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کرائی کہ "شہنشاہ اپنے لوگوں سے مشاورت کیلئے دارالحکومت آ رہے ہیں" اس سے ان خیالات کی تصدیق بھی ہوتی تھی۔ اس نے سوچا "جس بات کا مجھے طویل عرصہ سے انتظار تھا اس میں کوئی اہم پیشرفت ہونیوالی ہے" یہ سوچتے ہوئے وہ ادھر ادھر ٹہلتا اور لوگوں کی باتیں غور سے سنتا رہا۔ تاہم اس کے ذہن میں جو خیالات آ رہے تھے وہ ان لوگوں کے زبان سے بالکل سنائی نہ دیئے۔

زار کا فرمان پڑھا گیا جسے سن کر لوگوں میں جوش و خروش پیدا ہو گیا اور وہ اس پر بحث کے لئے مختلف گروہوں میں منقسم ہو گئے۔ پیری نے لوگوں کو روایتی موضوعات پر بات چیت کے علاوہ یہ کہتے بھی سنا کہ شہنشاہ کی آمد پر شرفاء کے نمائندوں یعنی مارشلوں نے کہاں کہاں کھڑا ہونا ہے، اس کے اعزاز میں رقص کی تقریب کب منعقد ہونی چاہئے اور انہیں اپنی جماعت ضلع میں قائم کرنا ہوگی یا صوبائی سطح پر۔ تاہم جونہی جنگ اور شرفاء کی طلبی کا مقصد زیر بحث آیا تو بات چیت میں ہچکچاہٹ اور بے یقینی کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ یوں لگتا تھا جیسے اب ہر شخص بولنے کی بجائے سننے میں دلچسپی رکھتا ہے۔

ایک کمرے میں موٹا تازہ خوبرو اور ادھیڑ عمر شخص بات چیت میں مصروف تھا۔ اس نے بحری فوج کے ریٹائر افسر کی وردی زیب تن کر رکھی تھی اور اس کے گرد لوگوں کا ہجوم تھا۔ پیری اس حلقے میں چلا گیا اور وہاں ہونیوالی گفتگو بغور سننا شروع کر دی۔ نواب ایلیا آندریچ نے ملکہ کیتھرین کے دور کی وردی پہن رکھی تھی اور اس کے چہرے پر خوشگوار مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ وہ ہجوم میں موجود تمام لوگوں کو جانتا تھا اور ان کے درمیان ادھر ادھر گھوم پھر رہا تھا۔ ٹہلتے ٹہلتے وہ اس حلقے میں پہنچ گیا اور باتوں پر کان لگا دیئے۔ حسب معمول اس وقت بھی شفقت بھرے انداز سے مسکرا رہا تھا اور سر ہلا ہلا کر بولنے والے کی بات کی تائید میں مصروف تھا۔ ریٹائر افسر بیباکانہ انداز میں باتیں کر رہا تھا اس کا اندازہ سننے والوں کے تاثرات اور اس بات سے لگایا جا سکتا تھا کہ ان لوگوں کی زیادہ تعداد بزدل لوگوں پر مشتمل تھی جنہیں پیری جانتا تھا اور بیشتر لوگ اظہار ناپسندیدگی کے طور پر وہاں سے ہٹ گئے یا پھر اس کی مخالفت کرنے لگے۔ پیری لوگوں کو دائیں بائیں ہٹاتا حلقے کے درمیان میں پہنچ گیا۔ اس نے بولنے والے کی باتیں سنیں اور اسے اندازہ ہوا کہ یہ شخص واقعی روشن خیال ہے تاہم اس کے خیالات پیری کے اپنے خیالات سے بالکل مختلف تھے۔ یہ افسر روسی امراء کے مخصوص میٹھے، سریلے اور بلند لہجے میں باتیں کر رہا تھا۔ وہ دوران گفتگو لفظ R نہیں بولتا تھا اور لہجے سے یوں لگتا تھا جیسے وہ میاش

اور حکم چلانے کا عادی ہے۔

وہ کہہ رہا تھا "اگر سمولنسک والوں نے شہنشاہ کیلئے فوج میں بھرتیوں کی پیشکش کی ہے تو اس سے کیا ہوگا؟ کیا اب ہمارے لیے سمولنسک قوانین بنائے گا؟ ماسکو کے امراء و شرفاء دیگر طریقوں سے بھی اپنے شہنشاہ کے ساتھ اظہار وفاداری کر سکتے ہیں۔ ہم نے 1807ء میں جو ملیشیا بھرتی کی تھی، کیا اسے بھول گئے ہیں؟ اس سے کیا ہوا تھا؟ یہی کہ پادریوں کے بیٹوں اور چوروں نے فائدہ اٹھایا۔۔۔"

نواب ایلیا آندریچ نے خوش خلقی سے مسکرا کر تائید کی۔

افسر نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا "اور ہم نے جو ملیشیا بھرتی کی تھی کیا وہ شہنشاہ کے کسی کام آسکی؟ بالکل بھی نہیں البتہ اس سے ہماری زراعت ضرور تباہی سے دوچار ہوگئی۔ بہتر ہوگا کہ ایک مرتبہ پھر جبری بھرتی شروع کر دی جائے۔ ورنہ جب ہمارے لوگ واپس آئیں گے تو وہ فوجی ہوں گے نہ کسان، ان کی عادات بگڑ جائیں گی اور وہ شراب نوشی و عیاشی کے رسیا ہو چکے ہوں گے۔ شرفاء کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔ ہم میں سے ہر مرد جائے گا اور اپنے ساتھ رنگروٹ لائے گا۔ زار اپنے منہ سے ایک لفظ کہہ دیں، ہم ان پر اپنی جانیں قربان کر دیں گے" افسر نے جوشیلے پن سے بات مکمل کی۔

ایلیا آندریچ اس کی باتیں سن کر اسقدر خوش ہوا کہ اطمینان کے باعث اس کے منہ میں پانی آ گیا اور اس نے پیری کو ٹہوکا دیا۔ تاہم پیری خود بولنا چاہتا تھا، وہ آگے آیا اور اسے محسوس ہوا کہ اس کے جذبات میں اشتعال آ گیا ہے تاہم وہ اس کی توجیہ نہیں کر سکتا تھا، اسے یہ بھی علم نہ تھا کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔ اس نے کچھ کہنے کی کوشش ہی کی تھی کہ ایک بوڑھے سینیٹر نے بات شروع کر دی، اس کے چہرے سے عقلمندی اور غصے کا اظہار ہوتا تھا، یوں لگتا تھا جیسے وہ بحث و مباحثے کو صحیح رخ پر رکھنے اور استدلال سے انحراف نہ کرنے کا عادی ہے۔ وہ مدھم مگر واضح آواز میں بولا "میرا خیال ہے کہ ہمیں یہاں اس بحث کیلئے نہیں بلایا گیا کہ ان حالات میں ملک کیلئے جبری بھرتی ٹھیک ہوگی یا ملیشیا۔ اس کی بجائے ہمیں یہاں اس اپیل کا جواب دینے کیلئے جمع کیا گیا ہے جس سے نواز کر شہنشاہ نے ہماری عزت بڑھائی ہے۔ تاہم جبری بھرتی بہتر ہوگی یا ملیشیا، یہ بات ہمیں اپنے حاکم اعلیٰ پر چھوڑ دینی چاہئے"

پیری کو اپنی جوشیلی گفتگو کیلئے رخ مل گیا، اسے سینیٹر پر غصہ آیا جو شرفاء کے بحث و مباحثے میں اپنا محدود اور روایتی نقطہ نظر بیان کر رہا تھا۔ پیری آگے بڑھا اور اسے ٹوک دیا۔ وہ خود بھی نہ جانتا تھا کہ اسے کیا کہنا ہے تاہم اس نے بات کی شروعات جوش و ولولے سے کی۔ وہ کتابی روسی بول رہا تھا مگر اس کے ساتھ ساتھ فرانسیسی زبان کا استعمال بھی کئے جا رہا تھا۔ وہ کہنے لگا "جناب عالی! میں معذرت چاہتا ہوں (وہ سینیٹر سے اچھی طرح واقف تھا مگر اس موقع پر اسے رسمی انداز سے مخاطب کرنا زیادہ مناسب سمجھا) اگرچہ مجھے ان صاحب کی باتوں سے اتفاق نہیں جو کچھ دیر پہلے گفتگو میں مصروف تھے، اگرچہ میں ان سے متفق نہیں ہوں مگر میرے خیال میں شرفاء کو یہاں محض ہمدردی یا جوش و خروش کے اظہار کیلئے نہیں بلایا گیا۔ اس کی بجائے ہمیں ان وسائل اور ذرائع پر بھی غور کرنا ہوگا جن کی مدد سے ہم اپنے وطن کا دفاع کر سکتے ہیں" اس نے مزید گرمجوشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا "زار کو جب یہ علم ہوگا کہ ہم انہیں کوئی مشورہ دینے کی بجائے محض یہ بتا رہے ہیں کہ ہم اپنے ساتھ ساتھ اپنے کسانوں کی بھی قربانی دینے کیلئے تیار ہیں تو انہیں خاص خوشی نہیں ہوگی۔۔۔"

باتیں سننے والے لوگوں کی خاصی بڑی تعداد نے سینیٹر کے چہرے پر تمسخرانہ مسکراہٹ دیکھی اور پیری کو بے

لگام انداز میں گفتگو کرتے سنا تو وہاں سے ہٹ گئے۔ صرف ایلیا آندریچ نے پیری کی تعریف کی، یہ اس کی عادت تھی کہ وہ ہر ایک کی بات سے فوراً متفق ہو جاتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے پہلے بحریہ کے ریٹائرڈ افسر اور سینیٹر کی باتوں پر بھی اظہار پسندیدگی کے طور پر سر ہلایا تھا۔

پیری نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا "ان سوالات پر بحث سے قبل ہمیں حضور عالی مرتبت! شہنشاہ سے یہ پوچھنا ہوگا کہ ہماری فوج کی تعداد کیا ہے اور اس وقت وہ کس پوزیشن میں ہے اور پھر۔۔۔"

یہ بات سنتے ہی ہر شخص نے پیری پر تنقید شروع کر دی۔ سب سے شدید تنقید اس کے پرانے دوست اور بوسٹن کے کھیل میں ساتھی سٹیپن سٹیپانووچ ایڈراکسن نے کی جو اس کے بارے میں اچھی رائے رکھتا تھا۔ ایڈراکسن وردی میں تھا اور یہ اس وردی کا کرشمہ تھا یا کوئی اور بات کہ پیری کو وہ بالکل مختلف شخص دکھائی دیا۔ بڑھاپے کے غصے سے اس کا چہرہ بگڑ گیا اور وہ با آواز بلند بولا "میں تمہیں یہ بتا دوں کہ ہمیں شہنشاہ سے ایسے سوالات پوچھنے کا کوئی حق نہیں اور اگر روسی شرفاء کو ایسا کوئی حق حاصل بھی ہے تو اس کا جواب دینا یا نہ دینا شہنشاہ کی مرضی پر منحصر ہے۔ فوجی پوزیشن دشمن کی صورتحال پر منحصر ہوتی ہے۔ اس کا تعداد سے کوئی واسطہ نہیں، تعداد کم اور زیادہ ہوتی رہتی ہے۔

اسی دوران ایک اور آواز نے دخل اندازی کی۔ یہ ایک خاندانی اعزاز یافتہ شخص تھا جس کا قد درمیانہ اور عمر چالیس برس کے لگ بھگ تھی۔ اچھے دنوں میں وہ بیریکو جپسیوں کے میلوں میں نظر آتا تھا اور اسے علم تھا کہ وہ تاش کا اچھا کھلاڑی نہیں۔ وردی نے اس کی ذہنی کیفیت بھی تبدیل کر دی تھی۔

وہ پیری کی طرف گیا اور کہنے لگا "بالکل درست کہا، یہ غور و فکر نہیں بلکہ عملی اقدامات کا وقت ہے، جنگ روس میں آ پہنچی ہے اور دشمن روس کو تباہ کرنے، ہمارے باپ دادا کی قبروں کی بے حرمتی اور ہمارے بیوی بچوں کو اٹھا لے جانے کیلئے پیشقدمی میں مصروف ہے" یہ کہہ کر اس نے اپنا ہاتھ سینے پر مارا اور بولا "ہم اٹھیں گے، اور اپنے باپ زار کے پیچھے چلیں گے" اس نے آنکھیں گھماتے ہوئے بات مکمل کی۔ ہجوم میں سے اظہار پسندیدگی کے طور پر کچھ آوازیں سنائی دیں۔ وہ بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا "ہم روسی ہیں اور اپنے وطن کی حفاظت کیلئے خون بہانے سے نہیں ہچکچائیں گے، اگر ہم وطن کے بیٹے ہیں تو ہمیں بیکار خواب دیکھنے کی عادت چھوڑنا ہوگی۔ ہم یورپ کو دکھا دیں گے کہ روسی اپنے ملک کے دفاع کیلئے کیسے اٹھ کھڑا ہوتا ہے"

پیری نے جواب دینے کی کوشش کی مگر اس کی کوئی بات نہ سنی گئی۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے الفاظ کا کیا مطلب ہے، اسے دوسروں کے کانوں تک پہنچانا تو کجا مخالفین کے پر جوش شور میں اس کی آواز بھی سنائی نہ دے سکی تھی۔

عقب میں کھڑا ایلیا آندریچ مقرر کی تائید میں سر ہلا رہا تھا۔ بات ختم ہونے پر تمام لوگ بول اٹھے "بالکل، بالکل، ایسا ہی ہے"

پیری نے یہ کہنے کی کوشش کی کہ وہ اپنے مال و دولت، کسانوں اور اپنی ذات کی قربانی دینے کا مخالف نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ ہر شخص کو علم ہونا چاہئے کہ حالات کا رخ کیا ہے تاکہ بہتری کی صورت پیدا کی جا سکے تاہم وہ کچھ کہنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

سب لوگ بولنے لگے اور ایلیا آندریچ کو ہر ایک سے اظہار اتفاق کا موقع نہ مل سکا۔ ہجوم بڑھنے لگا، پھر وہ چھٹ گیا اور لوگ گفتگو کرتے بڑے ہال میں بڑی میز کے قریب آ پہنچے۔ پیری کو نہ صرف بات سے روکا گیا بلکہ لوگوں نے بدتمیزی سے اس کی بات ٹوکی اور اسے دھکے دے کر یوں رخ پھیر لیا جیسے وہ سب کا دشمن [illegible] کی بنیادی [illegible] تھی۔

انہیں اس کا انداز گفتگو پسند نہ آیا تھا بلکہ ہجوم میں گرمجوشی پیدا کرنے کیلئے کوئی ایسی شے درکار تھی جس سے وہ محبت کا اظہار کرسکتا اور اسی طرح نفرت کیلئے بھی کوئی چیز چاہئے تھی، پیری ان کی نفرت کا نشانہ بن گیا۔

بحریہ کے جذباتی افسر اور نواب کے بعد کچھ مزید لوگوں نے بھی ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا۔ بعض نے فصیح اور کچھ نے اپنے حقیقی انداز میں بات کی۔

روسی اخبار کے ایڈیٹر گلنکا، جسے پہچان لیا گیا تھا اور ''مصنف! مصنف!'' کی آوازوں سے استقبال کیا گیا، کہنے لگا جہنم کو جہنم کی مدد سے ہی پرے دھکیلا جاسکتا ہے اور یہ کہ اس نے بجلی چمکنے پر بچے کو مسکراتے دیکھا ہے مگر ہمارا رویہ اس بچے جیسا نہیں ہوگا۔

ہجوم کے عقب سے اظہار پسندیدگی کے طور پر متعدد آوازیں بلند ہوئیں ''ہاں، ہاں، بجلی کی چمک، ہاں''

تمام لوگ بڑی میز کی جانب بڑھنے لگے جس پر گنجے سروں اور سفید بالوں والے بزرگ امراء اور شرفاء وردیاں پہنے اور تمغے سجائے بیٹھے تھے۔ پیری ان تمام لوگوں سے ان کے نجی مسخروں کے ساتھ ان کے گھروں میں یا کلب میں تاش کھیلتے ہوئے مل چکا تھا۔ لوگ مسلسل باتیں کررہے تھے اور میز کے قریب پہنچنے پر بھی اس دھیمی گفتگو میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔ زوروشور سے باتیں کرنیوالے لوگوں کو مسلسل بڑھتے ہجوم نے اونچی پشت والی کرسیوں کی جانب دھکیل دیا تاہم ان کے باتوں میں ٹھہراؤ نہ آیا۔ وہ مسلسل بول رہے تھے اور بعض اوقات دو دو افراد بیک وقت اپنی بات کہنا شروع کردیتے۔ عقب میں کھڑے لوگ جب یہ دیکھتے کہ کوئی اپنی بات مکمل نہیں کرسکا تو وہ تیزی سے اسے لقمہ دیتے۔ اس ہنگامہ آرائی میں ہر ایک اسی کوشش میں تھا کہ اسے کوئی بات سوجھے اور وہ اسے کہہ ڈالے۔ بوڑھے معززین اپنی کرسیوں پر بیٹھے ایک دوسرے کی جانب دیکھ رہے تھے تاہم ان کے چہروں سے ماحول کی گرمی کے سوا کسی تاثر کا اظہار نہیں ہوتا تھا۔ پیری بھی ہجوم کی اس عمومی کیفیت کا شکار ہوگیا جو بظاہر سب کچھ کرگزرنے کو تیار تھا اور اس کا زیادہ اظہار الفاظ کی نسبت آواز اور نظروں سے ہورہا تھا۔ پیری اپنے خیالات سے دستبردار تو نہ ہوا البتہ یہ ضرور محسوس کیا کہ وہ غلطی کررہا ہے اور وہ اپنے آپ کو درست ثابت کرنے کیلئے بیقرار ہوگیا۔

اس نے بلند آواز میں کہا ''میں نے صرف یہ کہا تھا کہ ہمیں اپنی ضرورت کا علم ہوجائے تو پھر قربانیوں کے بہتر نتائج حاصل ہوسکیں گے'' وہ اپنی آواز تمام لوگوں تک پہنچانا چاہتا تھا۔

اس کے قریب کھڑے ایک بوڑھے نے اپنے اردگرد نگاہ دوڑائی مگر اچانک اس کی توجہ میز کی دوسری جانب سنائی دینے والی بلند آوازوں پر مرکوز ہوگئی۔

ایک شخص چلا کر کہہ رہا تھا ''ہاں، ماسکو ہتھیار ڈال دے گا! وہ ہمارا کفارہ دے گا''

کوئی اور بولا ''یہ انسانیت کا دشمن ہے''

کسی نے کہا ''مجھے کہنے دیں کہ۔۔۔''

ایک اور آواز سنائی دی ''حضرات! آپ مجھے کچل رہے ہیں!۔۔۔''

(23)

اسی دوران لمبی ٹھوڑی اور ہوشیار آنکھوں والا نواب رستوپچن بڑے بڑے قدم اٹھاتا کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے جرنیل کی وردی پہن رکھی تھی اور شانے پر پٹی لٹک رہی تھی۔ اسے دیکھ کر ہجوم دائیں بائیں ہٹ گیا۔

رستوپچن نے کہا ''ہمارے ہمہ مقتدر شہنشاہ چند لمحوں میں تشریف لارہے ہیں۔ میں بالکل ابھی ان سے مل کر آیا ہوں، میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت ہماری جو صورتحال ہے اس میں بحث ومباحثے کی ضرورت نہیں۔ شہنشاہ نے ہمارا اور تاجر حضرات کا اجلاس بلایا ہے اور وہ اپنی دولت لٹادیں گے (اس نے تاجروں کے کمرے کی جانب اشارہ کیا) جبکہ نفری کی فراہمی اور کسی شے سے دریغ نہ کرنا ہمارا فرض ہے، کم ازکم ہم یہی کچھ کرسکتے ہیں''

مشاورت کا آغاز ہوگیا مگر یہ میز کے گرد بیٹھے معززین تک محدود تھی۔ بات چیت بہت مدھم آواز میں ہورہی تھی اور معمر آوازیں ایک دوسرے سے اتفاق کا اظہار کررہی تھیں۔ پہلے جو شور ہورہا تھا اس کے مقابلے میں یہ آوازیں غمناک معلوم ہوتی تھیں۔

سیکرٹری کو ماسکو کے معززین کی جانب سے منظور کردہ یہ قرارداد لکھنے کا حکم دیا گیا کہ ''سمولنسک والوں کی طرح ہم بھی اپنے ہر ہزار کسانوں میں سے دس کو فوج میں بھرتی کرادیں گے جو اسلحہ اور دیگر ساز وسامان سے لیس ہوں گے''

کرسیوں پر بیٹھے معززین نے اطمینان بھرا سانس لیا اور وہ کرسیوں سے اٹھے تو چہ چہاہٹ کی آوازیں بلند ہوئیں۔ پھر وہ اپنی ٹانگیں سیدھی کرنے کیلئے دوستوں کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے ٹہلنے لگے۔

اچانک تمام کمروں میں آوازیں گونجیں ''زار! زار!'' اور تمام لوگ دروازوں کی جانب لپکے۔

زار شرفاء کی دورویہ قطار کے درمیان سے گزرتا ہال میں داخل ہوا۔ ہر چہرہ پر تجسس تھا تاہم یہ وہ لوگ تھے جن کا رویہ بہت مودبانہ تھا اور وہ حکمران کے دبدبے کے سامنے جھکے ہوئے تھے۔ پیری کچھ دور کھڑا تھا اور اسے زار کی آواز اچھی طرح سنائی نہیں دے رہی تھی۔ تاہم اسے جو کچھ سنائی دیا اس سے وہ یہ سمجھا کہ شہنشاہ ان خطرات کا تذکرہ کررہا ہے جو سلطنت کو لاحق ہیں اور اس نے ماسکو کے امراء وشرفاء سے وابستہ امیدوں کا بھی ذکر کیا۔ شہنشاہ کی بات مکمل ہونے کے بعد ایک شخص نے حالیہ قرارداد کے بارے میں بتایا۔

زار نے کپکپاتی آواز میں کہا ''حضرات!'' لوگوں میں ہلچل سی مچی اور جب وہ خاموش ہوئے تو پیری کو زار کی خوشگوار انسانی آواز سنائی دی۔ وہ جوش وخروش سے کہہ رہا تھا ''مجھے روسی شرفاء کی وفاداری اور خلوص پر کبھی شبہ نہیں رہا تاہم آج یہ دونوں خصوصیات میری توقع سے کہیں زیادہ بڑھ گئی ہیں۔ میں وطن کے نام پر آپ کا شکر گزار ہوں۔ حضرات! آیئے ہم اپنے عمل سے ثابت کریں۔۔۔ وقت کسی بھی شے سے زیادہ قیمتی ہے۔۔۔''

شہنشاہ خاموش ہوگیا۔ ہجوم ایک دوسرے کو دھکے دیتے ہوئے اس کے گرد جمع ہونے لگا، ہر طرف سے تعریفی نعرے بلند ہورہے تھے۔

ایلیا آندریچ کی سسکیوں بھری آواز سنائی دی ''ہاں، کسی شے سے بھی زیادہ قیمتی۔۔۔ شاہانہ بات ہے'' وہ سنے بغیر سب کچھ سمجھ گیا تھا۔

شہنشاہ شرفاء کے کمرے سے تاجروں کی جانب گیا۔ وہاں وہ دس منٹ ٹھہرا رہا۔ اسے وہاں سے آنسو بھری آنکھوں سے آتے دیکھنے والوں میں پیری بھی شامل تھا۔ جیسا کہ بعد میں علم ہوا تھا، جب زار نے تاجروں سے بات کا آغاز ہی کیا تھا کہ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور اس نے کپکپاتی آواز میں اپنی بات مکمل کی تھی۔ جب پیری نے اسے دیکھا تو وہ دو افراد کے ساتھ باہر آرہا تھا۔ ان میں سے ایک شراب کا موٹا ٹھیکیدار اور پیری کا واقف تھا جبکہ دوسرا پیلے چہرے والا دبلا پتلا میئر تھا۔ دونوں رو رہے تھے۔ دبلے پتلے کی آنکھیں نم تھیں مگر موٹا ٹھیکیدار بچوں کی طرح

پھوٹ پھوٹ کر رونے جا رہا تھا:

''جناب عالی! جان و مال حاضر ہے''

اس وقت پیری کے دل میں صرف ایک ہی خواہش تھی اور وہ یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ وہ کسی بات سے دریغ نہیں کرے گا اور اپنا سب کچھ قربان کرنے کیلئے تیار ہے۔ اپنی باتوں میں آئینی انداز اس کے ضمیر پر بوجھ بنا ہوا تھا اور وہ اس کی تلافی کیلئے موقع ڈھونڈنے لگا۔ جب اس نے یہ سنا کہ نواب ماماتوف ایک رجمنٹ کا بندوبست کر رہا ہے تو اس نے فوری طور پر نواب رستوپچن کو بتایا کہ وہ ایک ہزار سپاہی فراہم کر کے ان کے تمام اخراجات خود برداشت کرے گا۔

معمر رستوف یہ باتیں اپنی بیوی کو بتاتے ہوئے رو دیا اور اسی وقت پیٹیا کی خواہش کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے خود اس کا نام درج کرانے چل دیا۔

اگلے دن شہنشاہ ماسکو سے چلا گیا۔ تمام شرفاء نے وردیاں اتار دیں اور اطمینان سے گھروں اور کلبوں میں بیٹھ گئے۔ انہوں نے اپنے نگرانوں کو اپنی ذمہ داری کے مطابق رنگروٹ بھرتی کرنے کا حکم تو دے دیا تھا مگر اس کے ساتھ ساتھ انہیں اپنے کئے پر افسوس بھی ہو رہا تھا۔

☆☆☆☆☆

دسواں حصہ

(1)

نپولین نے روس کے ساتھ جنگ اس لیے شروع کی کہ وہ خود کو ڈریسڈن جانے سے نہیں روک سکا تھا۔ وہ وہاں اپنی تعریف و توصیف سے اسقدر متاثر ہوا کہ اس کا دماغ ہواؤں میں اڑنے لگا۔ وہ خود کو پولینڈ کی وردی پہننے سے باز نہیں رکھ سکا تھا، جون کی خوبصورت صبح کے جوشیلے اثرات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور کوراکن، بعد ازاں بالاشیف کی موجودگی میں غصہ ضبط نہ کر سکا۔

الیگزنڈر سمجھتا تھا کہ اس کی بے عزتی ہوئی ہے جس کے باعث اس نے بات چیت بند کر دی۔ بارکلے ڈی تولی ہر ممکن بہترین انداز سے فوج کی قیادت کرنے کیلئے بھرپور کوششیں کر رہا تھا کیونکہ وہ فرض نبھانے اور عظیم جرنیل کی حیثیت سے شہرت کے حصول کا خواہشمند تھا۔ رستوف نے فرانسیسیوں پر اس لیے حملہ کیا کہ وہ چراگاہ کی ایک سے دوسری جانب گھوڑا بھگانے کی خواہش پر قابو نہیں پا سکا تھا۔ اسی طرح جنگ میں شریک بے شمار افراد نے اپنی ذاتی عادات واطوار کے مطابق عمل کیا اور ان کے تمام افعال کے پیچھے ان کے خدشات، غصہ، غرور یا لطف اندوز ہونے کی خواہش کارفرما تھی۔ دوران استدلال وہ یہ فرض کر لیتے تھے کہ وہ اپنے کاموں سے بخوبی آگاہ ہیں اور انہیں اپنی مرضی سے انجام دے رہے ہیں، تاہم حقیقت یہ تھی کہ وہ تمام لوگ غیر ارادی طور پر تاریخ کے ہاتھوں میں کھیل رہے تھے اور ایک ایسا فرض انجام دے رہے تھے جو انہیں تو دکھائی نہ دیتا تھا مگر ہم اسے سمجھ سکتے ہیں۔ افعال انجام دینے والے اس کام کو روک نہیں سکتے اور معاشرتی درجہ بندی میں ان کا مقام جس قدر بلند ہوتا ہے وہ اپنے افعال میں اتنے ہی کم آزاد ہوتے ہیں۔

1812ء کے واقعات میں شریک لوگ بہت پہلے منظر سے غائب ہو چکے ہیں اور ان کے ذاتی مفادات اور دلچسپیاں ماضی کی داستان بن چکی ہیں اور ان کا نام ونشان باقی نہیں رہا۔ اس زمانے کے حوالے سے تاریخی نتائج کے سوا اب کچھ موجود نہیں۔

مگر فرض کریں کہ جنگ میں شریک یورپ کے لوگوں کو نپولین کے زیر قیادت روس کے وسط میں آنا اور وہاں تباہی سے دوچار ہونا ہی تھا تو پھر ماورائے عقل ظالمانہ افعال کے وقوع پذیر ہونے کی وجہ ہماری سمجھ میں آ جاتی ہے۔

اپنے ذاتی مقاصد کے حصول کیلئے کوشاں ان تمام لوگوں کو قدرت نے اپنے مفادات کی تکمیل کیلئے ایک جگہ اکٹھا کر دیا جنہیں، بشمول الیگزنڈر و نپولین، ان افعال کے عظیم الشان نتیجے کی بابت ذرا سا بھی علم نہ تھا۔

اب ہمیں یہ بات واضح طور پر معلوم ہے کہ 1812ء میں فرانسیسی فوج کیوں تباہ ہوئی۔ کوئی اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ اس کا ایک سبب نپولین کی موسم گرما میں پیشقدمی اور سردیوں سے نپٹنے کی تیاری نہ ہونا تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ روسی شہر جلائے جانے پر عوام کے دل میں دشمن کیخلاف نفرت کے جو جذبات پیدا ہوئے اس نے جنگ کی شکل

بدل دی۔ یہ بات اب واضح طور پر سمجھ میں آتی ہے مگر اس وقت کسی کو اندازہ نہ ہو سکا کہ آٹھ لاکھ افراد پر مشتمل دنیا کی بہترین فوج کو جس کی قیادت بہترین جرنیل کے ہاتھوں میں تھی، اس سے آدھی اور ناتجربہ کار جرنیلوں کے زیر قیادت فوج صرف اسی صورت میں شکست دے سکتی تھی جب صورتحال بعینہ یہی رخ اختیار کرتی۔ تاہم اس وقت کوئی صورتحال کا اندازہ نہ کر سکا اور روسی مسلسل اس شے کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرتے رہے جو انہیں بچا سکتی تھی۔ دوسری جانب فرانسیسی نپولین کے تجربے اور اس کی نام نہاد غیر معمولی فوجی ذہانت کے باوجود موسم گرما کے اختتام پر ماسکو پہنچنے کی کوششیں کرتے رہے، دوسرے الفاظ میں یہ لوگ وہ کام کر رہے تھے جس نے انہیں تباہ کر دینا تھا۔

1812ء کے واقعات کے حوالے سے فرانسیسی مورخین کی کتابوں میں ایسی باتیں بڑے شوق سے لکھی ہیں کہ نپولین کو اپنی جنگی حدود کی توسیع میں چھپے خطرات کا ادراک تھا اور یہ کہ اس نے سمولنسک پہنچنے سے پہلے روسیوں کیساتھ جنگ کی کوشش کی اور یہ کہ اس کے مارشلوں نے اسے سمولنسک میں قیام کا مشورہ دیا تھا۔ یہ مورخین ایسے اور ان سے ملتے جلتے دلائل سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ مہم میں پوشیدہ خطرات سے اس دور کے لوگ بھی آگاہ تھے۔ اس حوالے سے روسی مورخین فرانسیسیوں سے بھی بڑھ گئے ہیں اور کہتے ہیں کہ روسیوں نے مہم کے آغاز ہی میں منصوبہ بنالیا تھا کہ وہ نپولین کو روس کے وسط میں لے آئیں گے۔ بعض مورخ اس کا کریڈٹ پفوہل، بعض کسی فرانسیسی، کچھ ٹول اور کچھ لوگ شہنشاہ الیگزنڈر کو دیتے ہیں۔ اس حوالے سے وہ مختلف داستانوں، منصوبوں اور خطوط کا ذکر کرتے ہیں جن میں ایسے طریقہ کار سے متعلق اشارے موجود ہیں۔ ان تمام باتوں کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ فرانسیسیوں اور روسیوں کی قبل از وقت آگاہی کے بارے میں باتیں اس لیے کی جاتی ہیں کہ واقعات نے انہیں درست ثابت کر دیا ہے۔ اگر حالات کوئی اور رخ اختیار کرتے تو ان باتوں کی بالکل پروا نہ کی جاتی جس طرح ان ہزاروں اندازوں، اشارات اور منصوبوں کو بھلا دیا گیا ہے جن کا اس دور میں بجد شہرہ تھا اور پیش آنیوالے واقعے نے انہیں غلط قرار دے دیا۔ مستقبل میں پیش آنیوالے کسی واقعے کے حوالے سے اتنی زیادہ قیاس آرائیاں ہوتی ہیں کہ خواہ کوئی بھی نتیجہ کیوں نہ نکلے چند ایسے لوگ ضرور موجود ہوتے ہیں جو بلاتردد کہیں گے کہ "میں نے تو اس وقت ہی کہہ دیا تھا کہ ایسا ہوگا" وہ یہ بات بھول جاتے ہیں کہ انہوں نے جو بے شمار مفروضے گھڑے تھے ان میں سے اکثر اصل واقعے سے الٹ تھے۔

نپولین کے اپنی جنگی حدود میں توسیع میں چھپے خطرات سے آگاہ ہونے اور روسیوں کی جانب سے دشمن کو لالچ دے کر ملک کے وسط میں لے آنے کے اندازے بھی اسی ذیل میں آتے ہیں اور مورخین صرف زور لگا کر ہی ایسے تصورات کو روسی جرنیلوں یا نپولین اور اس کے مارشلوں سے منسوب کر سکتے ہیں۔ تمام حقائق ایسے مفروضوں کو جھٹلاتے ہیں۔ مہم کے دوران روسیوں نے کبھی اس خواہش کا اظہار نہ کیا کہ وہ فرانسیسیوں کو لالچ دے کر ملک کے وسط میں لے آئیں گے۔ اس کے برعکس جونہی انہوں نے سرحد عبور کی تو روسیوں نے انہیں روکنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ دوسری جانب نپولین اپنی جنگی حدود میں اضافے سے ڈرنے کی بجائے آگے اٹھنے والے ہر قدم کو اپنی کامیابی پر محمول کرتا اور خوش ہوتا تھا۔ اپنی پرانی جنگوں میں وہ جس طرح بڑھ چڑھ کر دشمن پر حملہ آور ہوا، یہاں اس کا طرز عمل بالکل الٹ تھا اور وہ روسیوں سے لڑنے میں تاخیر کر رہا تھا۔

مہم کے آغاز میں ہماری فوجیں مختلف حصوں میں تقسیم اور مختلف جگہوں پر قیام پذیر تھیں۔ ہمارا واحد مقصد انہیں اکٹھا کرنا تھا۔ اگر ہم نے پیچھے ہٹنا اور دشمن کو ملک کے وسط میں لانا ہوتا تو پھر انہیں اکٹھا کرنے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ ہمارا شہنشاہ فوج کو پیچھے ہٹنے پر آمادہ کرنے کیلئے اس کے ساتھ نہیں گیا تھا بلکہ وہ اپنی موجودگی سے اس کا حوصلہ

بڑھانا چاہتا تھا تاکہ وہ روس کی ایک ایک انچ زمین کا تحفظ کرنے کیلئے جان پر کھیل جائے۔ ڈریسا کی طویل و عریض قلعہ بندی پفوہل کے منصوبے کے مطابق تھی اور وہاں سے مزید پسپائی کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ کمانڈر انچیف تھوڑا سا بھی پیچھے ہٹنے تو زار ان کی گوشمالی کرتا ماسکو کو آگ لگانا تو کجا شہنشاہ نے دشمن کے سمولنسک تک آنے کا بھی نہیں سوچا تھا۔ جب ہماری فوجیں اکٹھی ہوگئیں تو وہ یہ سن کر غصے میں آگیا کہ سمولنسک سے باہر کسی جنگ کے بغیر چھوڑا جا چکا ہے اور اسے نذر آتش کر دیا گیا ہے۔ یہ شہنشاہ کا رویہ تھا۔ روسی کمانڈر اور شہری فوج کی پسپائی کا تصور کر کے ہی آگ بگولا ہو جاتے تھے۔

نپولین فوج کو تقسیم کرنے کے بعد ملک کے اندر بڑھتا چلا گیا۔ آمنے سامنے جنگ کے متعدد مواقع آئے مگر وہ لڑے بغیر آگے نکل کر سمولنسک پہنچ گیا۔ اب وہ مزید آگے بڑھنے کے بارے میں سوچ رہا تھا اور جیسا کہ اب ہم جانتے ہیں کہ ایسا کرنا اس کیلئے واضح طور پر تباہی کے مترادف تھا۔

حقائق سے ظاہر ہوتا ہے کہ نپولین کو ماسکو کی جانب کوچ میں پہلے سے کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوا تھا اور یہ کہ الیگزنڈر اور روسی جرنیلوں کے ذہن میں کبھی یہ بات نہیں آئی تھی کہ انہیں نپولین کو لالچ دے کر ملک کے وسط میں لے آنا چاہئے۔ اس کے برعکس وہ اس کا راستہ ہر صورت روکنا چاہتے تھے۔ نپولین کا روس میں گھسیٹا جانا کسی سوچے سمجھے منصوبے کی بجائے جنگ میں شریک لوگوں کی ریشہ دوانیوں اور خواہشات کے پیچیدہ گٹھ جوڑ کا نتیجہ تھا۔ خود ان لوگوں کو بھی یہ احساس نہیں ہوا تھا کہ کیا ہونیوالا ہے یا روس کو بچانے کا کیا واحد طریقہ ہو سکتا ہے۔ سب کچھ اتفاقاً ہوا۔ مہم کے آغاز میں ہی ہماری فوج مختلف حصوں میں تقسیم ہوگئی تھی۔ ہم نے اسے اکٹھا کرنے کی کوشش کی، بظاہر یہ لگتا تھا کہ ہم جنگ اور حملہ روکنے کی کوشش کریں گے۔ ہماری کوشش تھی کہ فوجوں کو اکٹھا کرنے کا عمل جلد از جلد مکمل ہو جائے اور اس دوران اپنے سے زیادہ طاقتور دشمن سے جنگ کی نوبت نہ آئے۔ اس مقصد کیلئے ہم بامر مجبوری حادہ زاویے کی صورت میں پسپا ہوتے گئے اور یوں فرانسیسیوں کو سمولنسک تک لے آئے۔ تاہم اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم اس لیے حادہ زاویے کی صورت میں پیچھے ہٹ رہے تھے کہ فرانسیسی ہماری دونوں فوجوں کے درمیان میں آگے بڑھتے چلے آرہے تھے، بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ بارکلے ڈی تولی جرمن اور غیر مقبول جرنیل تھا، اس کے زیر کمان باگراتیاں اسے بالکل پسند نہیں کرتا تھا۔ باگراتیاں دوسری فوج کا کمانڈر انچیف تھا۔ اگرچہ ہیڈکوارٹرز میں موجود تمام لوگ دونوں فوجوں کو جلد از جلد اکٹھا کرنا چاہتے تھے مگر اس نے اپنی فوج کو بارکلے ڈی تولی کی فوج میں شامل کرنے اور اس کے زیر قیادت آنے میں جس قدر ہو سکا دیری کی۔ اس نے یہ بہانہ بنایا تھا کہ اگر وہ اپنی فوج لے کر چل دیا تو وہ دوران سفر خطرے کی زد میں آجائیگی اور بہترین طریقہ یہ ہے کہ وہ مزید بائیں اور جنوب کی جانب ہٹ جائے اور دشمن کے پہلو اور عقبی دستوں کو مسلسل حملوں سے پریشان کرے نیز اس کے ساتھ ساتھ یوکرائن سے اپنی فوج کیلئے مزید رنگروٹ حاصل کرے۔ آثار بتلاتے ہیں کہ اس نے یہ منصوبہ اس لیے بنایا تھا کہ کیونکہ اسے جرمن بارکلے کے نیچے کام کرنا منظور نہ تھا جس سے ہر کوئی نفرت کرتا تھا اور وہ اس سے جونیئر بھی تھا۔

شہنشاہ فوج کا حوصلہ بڑھانے کیلئے گیا تھا مگر اس کی موجودگی، اقدامات سے لاعلمی، مشیروں کی کثیر تعداد اور بیشمار منصوبہ جات نے پہلی فوج کی قوت چھین لی اور وہ پسپا ہوگئی۔

ڈریسا کے پرزور دفاع کا منصوبہ بنایا گیا تھا مگر کمانڈر انچیف بننے کے خواہشمند پاؤلوچی نے الیگزنڈر کو متاثر کرنے کی بھرپور کوشش کی اور پفوہل کا منصوبہ چھوڑ کر کمان بارکلے کو دے دی گئی۔ اس پر پوری طرح اعتبار نہیں کیا جا سکتا تھا چنانچہ اس کے اختیارات کم کر دیئے گئے۔ فوجیں تقسیم ہوگئیں، ان میں کسی قسم کا اتحاد اور اعلیٰ کمان کا وجود نہ تھا۔ بارکلے غیر مقبول تھا۔ ان تمام باتوں کا نتیجہ ایک جانب تو فیصلہ نہ ہونے اور جنگ سے گریز کی صورت میں

برآمد ہوا اور دوسری جانب جرمنوں سے نفرت اور ملک سے محبت روز بروز بڑھنے لگی۔ فوجیں متحد ہوتیں اور ایک کمانڈر انچیف ہوتا تو جنگ ٹالی نہیں جاسکتی تھی۔

آخر کار زار یہ بہانہ کر کے فوج سے چلا گیا کہ اس کیلئے دارالحکومت جانا اور شہریوں میں قومی جنگ کیلئے جوش وجذبہ پیدا کرنا از حد ضروری ہو گیا ہے۔ یہ نہایت موزوں اور واحد بہانہ تھا جس سے اس کی واپسی کا جواز مل سکتا تھا۔ اس طرح ماسکو کے دورے سے روسی فوج کی قوت تین گنا بڑھ گئی۔ وہ کمانڈر انچیف کے غیر منقسم اختیارات میں رکاوٹ نہ ڈالنے کے خیال سے واپس گیا۔ اسے امید تھی کہ اب زیادہ فیصلہ کن اقدامات کئے جاسکیں گے تاہم فوجی کمان پہلے سے زیادہ منتشر اور غیر موثر ہو کر رہ گئی۔ بینگسن، گرینڈ ڈیوک اور ایجوٹنٹ جرنیلوں کا ہجوم فوج سے اس لیے وابستہ رہا کہ کمانڈر انچیف کو نظروں میں رکھا جاسکے اور وہ فارغ نہ بیٹھنے پائے۔ بارکلے ''زار کی آنکھوں'' کے زیر نگرانی خود کو پہلے سے زیادہ بے دست و پا محسوس کرنے لگا اور جنگ سے مزید گریز شروع کر دیا۔ بارکلے مستقل طور پر محتاط رہا، گرینڈ ڈیوک اشاروں کنایوں میں غداری کے الزامات عائد کرتے ہوئے جنگ کا مطالبہ کرتا رہا، لوبومرسکی، بروزنسکی، ولوتسکی اور ایسے دوسرے لوگ شور مچانے لگے کہ بارکلے نے شہنشاہ کو کاغذات پہنچانے کے بہانے پولینڈ کے ان ایجوٹنٹوں کو پیٹرز برگ بھیج دیا ہے اور خود بینگسن اور گرینڈ ڈیوک کے ساتھ علانیہ طور پر لڑ رہا ہے۔

باگراتیاں کی خواہشات کے برعکس دونوں فوجیں بالآخر سمولنسک میں اکٹھی ہو گئیں۔

باگراتیاں گاڑی میں بیٹھا اور بارکلے کی جائے قیام پر آ گیا۔ بارکلے نے اپنا سرکاری رومال سر پر رکھا اور سینئر افسر کا استقبال کرنے نیز اسے رپورٹ دینے کیلئے باہر آ گیا۔ باگراتیاں عالی ظرفی میں بارکلے سے پیچھے نہیں رہنا چاہتا تھا چنانچہ اس نے سینئر ہونے کے باوجود کمان بارکلے کو دے دی۔ بظاہر تو اس نے بارکلے کے ماتحت کام کرنا قبول کر لیا تھا مگر عملی طور پر اب وہ اس سے اور بھی کم اتفاق کرنے لگا تھا زار کے خصوصی حکم پر باگراتیان اپنی رپورٹیں براہ راست اسے بھیجنے لگا اور اس نے آراک چیف کو لکھا ''شہنشاہ کی خواہش میرے لیے حکم کا درجہ رکھتی ہے مگر میں وزیر (بارکلے) کے ساتھ کام نہیں کر سکتا۔ مجھے کہیں اور بھیج دیں، بے شک رجمنٹ کا کمانڈر بنادو ۔ میرے لیے یہاں رہنا بیحد مشکل ہے۔ تمام ہیڈ کوارٹر جرمنوں سے بھرا ہوا ہے اور کسی روسی کیلئے کچھ کرنا ممکن ہی ۔ کچھ سمجھ نہیں آتی۔ میرا خیال تھا کہ میں شہنشاہ اور اپنے ملک کی خدمت کر رہا ہوں مگر اب یہ جانا کہ میں بارکلے کا ملازم ہوں۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ ایسا کرنا میرے بس میں نہیں۔''

بروزنسکی، ونزنگیروڈ اور ایسے ہی بے شمار دیگر لوگوں نے کمانڈروں کے باہمی تعلقات مزید خراب کر دیئے اور اس کا نتیجہ یکجہتی میں مزید کمی کی صورت میں برآمد ہوا۔ سمولنسک سے پہلے ہی فرانسیسیوں پر حملے کی تیاریاں شروع کر دی گئیں۔ صورتحال کا جائزہ لینے کیلئے ایک جرنیل کو بھیجا گیا جسے بارکلے سے نفرت تھی۔ وہ ایک کور کمانڈر دوست سے ملنے چلا گیا اور اس کے ساتھ ایک دن گزارنے کے بعد واپس بارکلے کے پاس آ کر اس میدان کو ہر لحاظ سے غیر موزوں قرار دینے لگا جسے اس نے دیکھا بھی نہیں تھا۔

جب مستقبل کے میدان جنگ کے حوالے سے اختلافات اور سازشیں ہو رہی تھیں اور جب ہم فرانسیسیوں کو ڈھونڈ رہے تھے، کیونکہ ان کی پیشقدمی کی لائن ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی، تو فرانسیسی اچانک نیوروسکی کے ڈویژن پر ٹوٹ پڑے اور سمولنسک کے قریب جا پہنچے۔

ہمیں اپنی رسد اور راستوں کے دفاع کیلئے اچانک جنگ کا سامنا کرنا پڑا اور دونوں جانب سے ہزاروں افراد موت کے گھاٹ اتر گئے۔

زار اور پوری قوم کی خواہش کے برعکس سمولنسک خالی کر دیا گیا مگر شہر کو اس کے باشندوں نے خود آگ لگا دی جنہیں ان کے گورنر نے غلط راہ دکھائی تھی۔ پھر یہ بے یار و مددگار لوگ دیگر روسیوں کے سامنے مثال بنتے ہوئے ماسکو کی جانب بھاگنے لگے۔ انہیں صرف اپنے نقصان کا افسوس تھا اور وہ جہاں سے بھی گزرتے، دشمن کیخلاف نفرت پھیلاتے جاتے۔ نپولین مزید آگے آیا اور ہم پیچھے ہٹ آئے، اس طرح ہم نے وہ شے حاصل کر لی جو نپولین کی شکست پر منتج ہوئی۔

(2)

بیٹے کی روانگی کے اگلے روز شہزادہ نکولائی آندریچ نے شہزادی ماریا کو بلایا۔

وہ بیٹی سے کہنے لگا ''ہاں، اب تمہیں اطمینان ہوگا؟ تم نے بیٹے سے میرا جھگڑا کرا دیا؟ تم مطمئن ہو گی؟ تمہیں بس یہی درکار تھا، اب خوش ہو۔۔۔ یہ میرے لیے بیحد تکلیف دہ ہے، میں بوڑھا ہوں اور تم یہی چاہتی تھیں، بہر حال اب قہقہے لگاؤ اور خوش ہو جاؤ'' اس کے بعد پورے ہفتے شہزادی ماریا کی اپنے والد سے ملاقات نہ ہوئی۔ وہ بیمار تھا اور اپنے کمرے سے باہر نہ نکلا۔

شہزادی ماریا یہ دیکھ کر خاصی حیران ہوئی کہ بیماری کے دوران اس کے باپ نے اسے اپنے قریب آنے دیا نہ مادموزیل بورین کو صرف تیخن اس کی خبر گیری کر رہا تھا۔

ہفتے کے آخر میں شہزادے کی صورت نظر آئی اور وہ ایک مرتبہ پھر پرانے انداز سے زندگی بسر کرنے لگا۔ وہ تندہی سے باغات کی تزئین و آرائش اور مکان کے قریب عمارات کی تعمیر میں مصروف ہو گیا، اس نے مادموزیل سے تمام تعلقات ختم کر دیئے۔ اب وہ اپنی بیٹی سے سرد رویہ اختیار کر کے یہ تاثر دینے کی کوشش کر رہا تھا گویا کہہ رہا ہو ''تم نے دیکھا؟ تم نے میرے خلاف سازش کی اور فرانسیسی خاتون کے ساتھ میرے تعلقات کے حوالے سے شہزادہ آندرے سے جھوٹ بولا اور میری اس سے لڑائی کرادی تاہم تم دیکھ رہی ہو مجھے تمہاری ضرورت ہے نہ اس کی۔

شہزادی ماریا آدھا دن نکولنکا کے ساتھ گزارتی تھی۔ وہ اس کے اسباق کی نگرانی کرتی اور اسے خود روسی زبان اور موسیقی کی تعلیم دینے کے علاوہ ڈیسال سے بات چیت کرتی رہتی تھی۔ وہ اپنا بقیہ وقت اپنی قیام گاہ پر، کتابوں کے مطالعے، ''معمر نرس یا ''خدا کے بندوں'' کیساتھ گزارتی تھی جو اس سے ملاقات کیلئے کبھی کبھار پچھلے دروازے سے اندر آ جاتے تھے۔ جنگ کے بارے میں اس کی وہی سوچ تھی جو ہمیشہ سے عورتوں کی ہوتی ہے۔ اسے جنگ میں شریک اپنے بھائی کے حوالے سے خوف لاحق رہتا تھا۔ مردوں کو ایک دوسرے کا قتل عام کرنے کیلئے اکسانے والی سفاکی اسے ہمیشہ خوفزدہ کئے رکھتی۔ تاہم اسے جنگ کے بارے کچھ علم نہ تھا۔ اگرچہ ڈیسال روزمرہ گفتگو میں جنگ کے موضوع پر جوش وخروش سے بات کرتا اور اپنے خیالات بیان کرنے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ اس سے ملنے کیلئے آنے والے ''خدا کے بندے'' بھی خوف کے عالم میں اسے ان افواہوں کے بارے میں بتلاتے رہتے تھے جو ''مسیح کے دشمن'' کے بارے میں پھیل رہی تھیں۔ اگرچہ جولی جواب شہزادی دروبتسکی تھی، جس نے ماریا سے خط و کتابت دوبارہ شروع کر دی تھی، ماسکو سے اسے حب الوطنی کے جذبات سے معمور خط لکھتی رہتی تھی تاہم ماریا جنگ کی اہمیت سے آگاہ نہ ہو سکی۔ جولی نے اسے لکھا:

''میری پیاری دوست، میں تمہیں روسی زبان میں لکھ رہی ہوں کیونکہ مجھے فرانس سے تعلق رکھنے والی ہر شے بلکہ فرانسیسی زبان سے بھی شدید نفرت ہے، اگر کوئی میری موجودگی میں فرانسیسی میں گفتگو کرے تو مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔۔۔ یہاں ماسکو میں ہمارے ہردلعزیز شہنشاہ کے بارے میں اسقدر جوش وجذبہ پایا جاتا ہے کہ ہر کوئی خوشی سے پاگل ہو رہا ہے''

''میرا بیچارا شوہر تباہ حال یہودی شراب خانوں میں سرگرداں ہے اور بھوک ومصائب برداشت کر رہا ہے۔ اس کے باوجود موصول شدہ اطلاعات مجھے مکمل پر اکسا رہی ہیں''

''تم نے رائیوسکی کے بہادرانہ کارنامے کی بابت یقیناً سن لیا ہوگا۔ اس نے اپنے بیٹوں کو گلے لگا کر کہا تھا کہ 'ہم موت قبول کر لیں گے مگر پیچھے نہیں ہٹیں گے' اور حقیقت بھی یہی ہے کہ دوگنا دشمن کے سامنے ہم پیچھے نہیں ہٹے۔ یہاں ہم جس قدر ہو سکتا ہے اپنا وقت بہترین انداز میں بسر کرنے کی کوشش کرتے ہیں، تاہم جنگ کا دور ہے شہزادی الینا اور سوفی تمام دن میرے ساتھ گزارتی ہیں، ہم زندہ شوہروں کی بیوائیں پٹیوں کا کپڑا تیار کرتے وقت خوبصورت باتیں کرتی رہتی ہیں۔ میری عزیز دوست صرف تمہاری کمی محسوس ہوتی ہے، وغیرہ وغیرہ''

شہزادی ماریا پر جنگ کی اہمیت آشکار نہ ہونے کی بڑی وجہ اس کے باپ کا جنگ کے بارے میں گفتگو نہ کرنا تھا۔ وہ اس جنگ کا وجود تسلیم کرنے سے بھی انکاری تھا اور جب کھانے پر ڈیسال جنگ کے حوالے سے کوئی بات کرتا تو وہ اس کا مذاق اڑاتا تھا۔ شہزادے کا لہجہ اسقدر پرسکون ہوتا کہ ماریا سوچے سمجھے بغیر اس پر یقین کر لیتی تھی۔

جولائی میں معمر شہزادہ غیر معمولی طور پر متحریک اور مصروف رہنے کے ساتھ ساتھ زندہ دلی اور شگفتگی کا مظاہرہ بھی کرتا رہا۔ اس نے نیا باغ لگایا اور گھریلو خادموں کیلئے نئی عمارت بھی بنوانا شروع کر دی۔ شہزادی ماریا اس کے بارے میں جس واحد بات سے پریشان تھی وہ اس کی کم خوابی تھی۔ بوڑھے نے اپنے کمرے میں سونے کی عادت چھوڑ دی تھی اور وہ ہر رات مختلف کمرے میں بسر کرنے لگا تھا۔ ایک دن وہ راہداری میں بستر لگانے کا حکم دیتا اور اگلے دن ڈرائنگ روم میں صوفے یا لمبی کرسی پر سو جاتا۔ وہاں وہ لباس بدلے بغیر سویا رہتا جبکہ مادموزیل بورین کی جگہ پیترو شکا نامی لڑکا اسے باآواز بلند کوئی کتاب پڑھ کر سناتا رہتا۔ کبھی کبھار وہ کھانے کے کمرے میں ہی سو جاتا تھا۔

یکم اگست کو شہزادہ آندرے کا دوسرا خط ملا۔ پہلے خط میں اس نے اپنے والد سے عاجزانہ انداز میں درخواست کی تھی کہ وہ اسے اپنی گستاخی پر معافی دے دے اور پہلے کی طرح کرم نوازی کرتا رہے۔ یہ خط شہزادہ آندرے کی روانگی کے فوری بعد موصول ہوا تھا اور معمر شہزادے نے اس کا جواب نہایت محبت اور شفقت سے دیا۔ اس وقت سے اس نے فرانسیسی خاتون کو اپنے قریب بھی نہیں آنے دیا تھا۔ شہزادہ آندرے نے اپنا دوسرا خط ویٹبسک پر فرانسیسی قبضے کے بعد اس شہر کے نواح میں کہیں سے لکھا تھا۔ خط میں اس نے تمام مہم کی صورتحال بیان کر دی تھی۔ مزید وضاحت کیلئے اس نے علاقے کا نقشہ بھی خط میں بنا دیا تھا اور مستقبل کی جنگی صورتحال کے حوالے سے اپنے خیالات بھی مندرج کر دیئے تھے۔ چونکہ بلیک ہلز میدان جنگ کے بالکل قریب اور دشمن کے راستے میں تھا اس لیے شہزادہ آندرے نے یہاں ٹھہرنے میں لاحق خطرات کی جانب اپنے والد کی توجہ دلاتے ہوئے اسے ماسکو چلے جانے کا مشورہ دیا تھا۔

اس روز کھانے کی میز پر ڈیسال نے کہا ''سنا ہے فرانسیسی بہت پہلے ویٹبسک داخل ہو چکے ہیں'' اس کی بات سن کر معمر شہزادے کو اپنے بیٹے کا خط یاد آ گیا۔

اس نے شہزادی ماریا سے کہا ''آج آندرے کا خط موصول ہوا تھا تم نے پڑھا ہے؟''

ماریا نے جھجکتے ہوئے جواب دیا ''نہیں، ابا جان'' اس نے خط کے بارے میں سنا بھی نہیں تھا لہٰذا اس کے پڑھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

شہزادے نے مزاحیہ انداز سے کہا ''اس نے جنگ کے بارے میں لکھا ہے'' اس کی عادت ہو گئی تھی کہ وہ جنگ کا ذکر ہمیشہ تمسخرانہ انداز سے کرتا تھا۔

ڈیسال بولا ''دلچسپ خط ہوگا شہزادہ آندرے صورتحال کا درست اندازہ کرنے کی پوزیشن میں ہیں''

مادموزیل بورین نے کہا ''ارے، بیحد دلچسپ ہوگا''

معمر شہزادے نے مادموزیل سے کہا ''خط لے آؤ، تمہیں علم ہے کہ یہ چھوٹی میز پر پڑا ہوگا''

مادموزیل پھرتی سے اٹھی تاہم معمر شہزادے نے اسے روک لیا اور چہرے پر غصے کا تاثر پیدا کر کے بولا ''نہیں تم نہ جاؤ، میخائل ایوانوچ تم لے آؤ''

میخائل ایوانوچ اٹھا اور شہزادے کے کمرے کی جانب چلا گیا تاہم وہ کمرے سے نکلا ہی تھا کہ پریشانی کے عالم میں ٹہلتے شہزادے نے اپنا رومال نیچے پھینکا اور اس کے پیچھے پیچھے چل دیا۔

وہ بڑبڑاتے ہوئے بولا ''یہ ہمیشہ کوئی نہ کوئی خرابی پیدا کر دیتے ہیں، ان سے کوئی کام ٹھیک انداز سے نہیں ہوتا''

جب وہ چلا گیا تو شہزادی ماریا، ڈیسال، مادموزیل بورین اور چھوٹا نکولشکا بھی خاموشی سے ایک دوسرے کی جانب دیکھنے لگے۔ شہزادہ تیز قدموں سے میخائل ایوانوچ کے ساتھ واپس آیا۔ اس کے ہاتھ میں خط کے ساتھ ساتھ نقشہ بھی تھا۔ اس نے انہیں اپنے قریب رکھ لیا اور کھانے کے دوران کسی کو آنکھ اٹھا کر بھی اس جانب نہ دیکھنے دیا۔

جب تمام لوگ ڈرائنگ روم میں چلے آئے تو اس نے خط شہزادی ماریا کے حوالے کیا اور نئی عمارت کا نقشہ اپنے سامنے پھیلاتے ہوئے اسے خط بلند آواز سے پڑھ کر سنانے کا حکم دیا۔

خط پڑھنے کے بعد شہزادی ماریا اپنے باپ کی جانب سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگی، بظاہر وہ نقشے کو دیکھتے ہوئے اپنے خیالات میں ڈوبا ہوا تھا۔

ڈیسال نے حوصلہ کر کے پوچھا ''جناب آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟''

شہزادے نے نقشے پر نگاہیں ٹکائے ہوئے جواب دیا ''میں؟۔۔ ہوں؟۔۔ میں نے پہلے بھی کہا ہے اور اب بھی کہتا ہوں کہ جنگ پولینڈ میں لڑی جائیگی اور دشمن کبھی دریائے نایمن کے اس پار نہیں آ سکے گا''

ڈیسال نے شہزادے کی جانب حیرانی سے دیکھا، وہ نایمن کی بات کر رہا تھا جبکہ دشمن بہت پہلے ڈنائپر کے کنارے پہنچ گیا تھا۔ تاہم شہزادی ماریا نایمن کی جغرافیائی پوزیشن بھول گئی اور اس نے اپنے باپ کی بات پر کوئی اعتراض نہ کیا۔

بوڑھا کہنے لگا ''برف پگھلے گی تو وہ پولینڈ کی دلدل میں پھنس جائیں گے، انہیں یہ دلدلیں دکھائی ہی نہیں دیں گی'' یہ بات عیاں تھی کہ وہ 1807ء کی مہم کے بارے میں سوچ رہا تھا اور اسے یہ آج کی بات معلوم ہوتی تھی۔ وہ گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا ''بینگسن کو بہت پہلے پرشیا میں داخل ہو جانا چاہئے تھا پھر حالات بالکل مختلف ہوتے۔۔۔''

ڈیسال نے ڈرتے ڈرتے کہا ''مگر، خط میں تو ویٹبسک کا تذکرہ کیا گیا ہے۔۔۔''

شہزادہ جھلا گیا اور بولا "اوہ، خط؟ ہاں ۔۔۔ ہاں ہاں ۔۔۔" اس کے چہرے پر افسردگی طاری ہوگئی اور وہ غصے میں آگیا۔ اس نے کچھ توقف کیا اور کہا "وہ لکھتا ہے کہ فرانسیسوں کو شکست ہوگئی ہے ۔۔۔ اس دریا کا کیا نام ہے جہاں شکست ہوئی؟"

ڈیسال نے نگاہیں جھکالیں اور نرم لہجے میں بولا "شہزادے نے اس حوالے سے کچھ نہیں لکھا"

معمر شہزادہ بولا "اس نے نہیں لکھا؟ تم نے کیسے سوچ لیا کہ میں نے یہ فرض کیا ہے؟"

کافی دیر تک ہر شخص خاموش بیٹھا رہا۔

شہزادے نے اچانک گردن اٹھائی اور کہنے لگا "ٹھیک ہے، ٹھیک ہے ۔۔۔ میخائل ایوانوچ، مجھے یہ بات بتاؤ کہ تم یہ تبدیلی کیسے کروگے؟"

میخائل ایوانوچ نقشے کی جانب چل دیا۔ شہزادہ اس سے نئی عمارت کے بارے میں باتیں کرتا رہا۔ پھر اس نے شہزادی ماریا اور ڈیسال کو غصے سے دیکھا اور اپنے کمرے کی جانب چل دیا۔

شہزادی ماریا نے ڈیسال کو حیرانی سے اپنے باپ کی جانب دیکھتے دیکھا۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ خاموش ہے اور اس بات سے وہ اور بھی حیران ہوئی کہ اس کا باپ اپنے بیٹے کا خط ڈرائنگ روم کی میز پر ہی بھول گیا ہے۔ وہ نہ صرف اس حوالے سے بات کرنے اور ڈیسال سے اس کی پریشانی کا سبب پوچھنے سے خوفزدہ تھی بلکہ اس بارے میں سوچ کر ہی دہشت زدہ ہو رہی تھی۔

شام کے وقت شہزادے نے میخائل ایوانوچ کو خط لانے کیلئے شہزادی ماریا کے پاس بھیجا جو وہ میز پر رکھ کر بھول گیا تھا۔ اگرچہ اسے یہ بات پسند نہ تھی تاہم پھر بھی اس نے ہمت کر کے میخائل سے پوچھ لیا کہ اس کا والد کیا کر رہا ہے۔

میخائل ایوانوچ نے مودبانہ مگر طنزیہ مسکراہٹ سے جواب دیا "پہلے کی طرح مصروف ہیں" یہ سن کر شہزادی ماریا کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ میخائل ایوانوچ کہنے لگا "وہ نئی عمارت کے بارے میں فکرمند رہتے ہیں اور کچھ پڑھتے بھی رہے ہیں تاہم اب ۔۔۔" اس کی آواز دھیمی پڑ گئی اور وہ بولا "اب وہ میز کے سامنے بیٹھے ہیں اور اپنا وصیت نامہ تیار کر رہے ہیں" اب شہزادے کا پسندیدہ مشغلہ کاغذات تیار کرنا تھا جنہیں وہ اپنا وصیت نامہ کہتا اور اسے اپنی موت پر چھوڑنا چاہتا تھا۔

شہزادی ماریا نے پوچھا "کیا الفاچ کو سمولنسک بھیج رہے ہیں؟"

میخائل ایوانوچ نے جواب دیا "یقیناً، وہ کچھ دیر سے روانگی کا انتظار کر رہا ہے"

(3)

جب میخائل ایوانوچ خط لے کر معمر شہزادے کے کمرے میں واپس آیا تو وہ آنکھوں پر عینک اور عینک پر شیڈ چڑھائے میز کے سامنے بیٹھا تھا جس کی درازیں کھلی تھیں۔ میز پر شمع روشن تھی جسے شیڈ نے ڈھانپا ہوا تھا۔ شہزادے نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا رکھا تھا جس میں اس نے کوئی کاغذ تھام رکھا تھا۔ وہ کسی قدر ڈرامائی انداز سے اپنے مسودے کا مطالعہ کر رہا تھا جسے وہ "مشاہدات" کا نام دیتا تھا۔ یہ مسودہ اس کی وفات کے بعد زار کو پیش کیا جانا تھا۔

جب میخائل ایوانوچ کمرے میں داخل ہوا تو شہزادے کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ یہ اس کاغذ کے لکھے جانے

کا وقت یاد آنے پر اس کی آنکھوں میں آگئے تھے۔ اس نے میخائل ایوانوچ کے ہاتھ سے خط لیا اور اسے جیب میں ڈال کر کاغذات تہہ کرتے ہوئے الفاچ کو اندر بلایا جو کمرے کے باہر منتظر تھا۔

شہزادے نے سمولنسک میں کئے جانیوالے کاموں کی فہرست بنائی تھی اور اس حوالے سے الفاچ کو ہدایات دیتے ہوئے کمرے میں ٹہلتا رہا۔

وہ کہہ رہا تھا "پہلی کام یہ ہے کہ لکھنے کا کاغذ ۔۔۔ سنا تم نے؟ آٹھ بنڈل، اس نمونے کے مطابق ہونے چاہئیں، سنہری حاشیے والے ۔۔۔ وارنش، مہر لگانے والی موم ۔۔۔ میخائل ایوانوچ کی فہرست کے مطابق"

وہ کچھ دیر ٹہلتا رہا اور پھر اپنی فہرست پر ایک نظر ڈالی۔

اس نے کہا "دوسرا کام یہ ہے کہ گورنر کو خط اپنے ہاتھوں سے دینا"

بعدازاں نئی عمارت کیلئے چٹخنیاں خریدی جانا تھیں، یہ خاص قسم کی تھیں اور ان کا ڈیزائن شہزادے نے خود وضع کیا تھا۔ اس کے علاوہ ایک صندوق بھی خریدنا تھا جس کے گرد لوہے کی پٹیاں چڑھی ہوتیں، اس صندوق میں بوڑھا اپنا وصیت نامہ رکھنا چاہتا تھا۔

وہ دو گھنٹے سے زائد وقت تک الفاچ کو ہدایات دیتا رہا اور پھر بھی اسے فارغ نہ کیا۔ وہ بیٹھ گیا اور کچھ دیر سوچنے کے بعد آنکھیں بند کرلیں، اسے نیند آگئی۔ الفاچ نے جانے کی کوشش کی۔

معمر شہزادہ بولا "ٹھیک ہے، اب تم جاؤ، اگر کوئی مزید شے درکار ہوئی تو میں تمہارے پیچھے کسی کو بھیج دوں گا"

الفاچ باہر چلا گیا، معمر شہزادہ دوبارہ میز کی جانب آیا اور درازوں میں جھانکا، کاغذات چھوئے اور دراز بند کر کے گورنر کے نام خط لکھنا شروع کر دیا۔

جب وہ خط لکھ چکا تو شام ہو چکی تھی۔ وہ تھک گیا تھا اور سونے کا خواہشمند تھا تاہم اسے علم تھا کہ وہ سو نہیں پائے گا۔ وہ جب بھی بستر پر لیٹتا تو انتہائی افسردہ خیالات اس کے ذہن پر یلغار کر دیتے۔ اس نے تیخن کو بلایا اور اس کے ساتھ مختلف کمروں میں گھومنے لگا تاکہ اسے بتا سکے کہ آج رات بستر کہاں لگانا ہوگا۔ وہ ادھر ادھر ہر جگہ گھومتا رہا۔

اسے کوئی تسلی بخش جگہ نہ مل سکی۔ سب سے بری جگہ اس کے کمرے میں پڑا صوفہ تھا جس پر وہ اکثر و بیشتر لیٹا کرتا تھا مگر اب یہ صوفہ دیکھ کر اسے ڈر لگتا تھا جس کی وجہ شاید یہ تھی کہ اس پر لیٹ کر ذہن میں خوفناک خیالات در آتے تھے۔ کوئی جگہ مناسب نہ تھی مگر بیٹھنے کے کمرے میں پیانو کے عقب میں واقع جگہ سب سے بہتر تھی اور وہ اب تک وہاں نہیں سویا تھا۔

تیخن ایک ملازم کی مدد سے بستر اندر لے آیا اور وہاں رکھ دیا۔

شہزادہ چلا کر بولا "نہیں، ایسے نہیں نہیں" پھر اس نے اپنے ہاتھوں سے پلنگ کو تھوڑا آگے دھکیلا اور پھر اسے دوبارہ قریب لے گیا۔

اس نے سوچا "بہرحال میں نے یہ کام کر ہی لیا، اب آرام کرسکوں گا" اجازت ملنے پر تیخن نے اس کے کپڑے بدلنا شروع کر دیئے۔

کوٹ اور پاجامہ اتارنے کیلئے اسے جو کوشش کرنا پڑی اس پر وہ بیحد چیں بجبیں ہوا اور غصے میں آگیا۔ بصد کوشش کپڑے بدلنے کے بعد وہ زور سے بستر پر گر گیا اور اپنی کمزور ٹانگوں کو یوں نفرت سے گھورنے لگا جیسے خیالات میں کھو گیا ہو۔ دراصل وہ سوچنے کی بجائے اس لمحے کو ٹالنے کی کوشش کر رہا تھا جب اسے بدقت تمام اپنی ٹانگوں کو بستر پر

چڑھا نا تھا۔ اس نے سوچا "اف، کیا مصیبت ہے، کیا ہی اچھا ہو کہ میں روزانہ کی اس مصیبت سے بچ جاؤں!! اگر تو میری جان چھڑا دے" اس نے دانت دبائے اور متعدد بار کوشش کرنے کے بعد بستر پر لیٹ گیا۔ تاہم جونہی اس نے پاؤں پھیلائے تو اسے یوں لگا جیسے پلنگ زور زور سے ہل رہا ہو۔ اس کے ساتھ ہر روز یہی کچھ ہوتا تھا۔ اس کی بند ہوتی آنکھیں پھر کھل گئیں۔

وہ غصے میں بڑبڑانے لگا "سکون ہی نہیں ملتا" اسے اپنے غصے کا سبب خود بھی معلوم نہ تھا۔ اس نے سوچا "اوہ ہاں، کوئی اور اہم شے تھی۔۔۔ اتنی اہم تھی کہ میں نے بستر میں اس پر سوچنے کا ارادہ کیا تھا۔ ڈرائنگ روم میں کوئی چیز تھی، شہزادی ماریا کوئی فضول بات کہہ رہی تھی۔۔۔ اس بیوقوف ڈیسال نے کوئی بات کہی تھی۔۔۔ میری جیب میں کوئی شے تھی۔۔۔ مجھے یاد نہیں رہا"

وہ ملازم سے بولا "تخن، ہم نے کھانے پر کیا باتیں کی تھیں"

تخن نے جواب دیا "شہزادہ آندرے کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی۔۔۔"

بوڑھے نے میز پر ہاتھ مارا اور بولا "رکو، رکو، ہاں مجھے یاد ہے، شہزادہ آندرے کا خط، ماریا نے پڑھا تھا، ڈیسال نے وٹیبسک کے بارے میں کوئی بات کہی تھی، اب میں اسے پڑھوں گا"

اس نے تخن کو اپنے لباس کی جیب سے وہ خط لانے اور چھوٹی میز قریب کرنے کا حکم دیا جس پر شمع اور لیمونیڈ پڑے تھے۔ پھر اس نے آنکھوں پر چشمہ چڑھایا اور خط پڑھنے لگا۔ رات کی خاموشی میں سبز شیڈ تلے مدھم روشنی میں خط پڑھتے ہوئے اسے پہلی مرتبہ اس کا مطلب سمجھ میں آیا۔

اس نے پڑھنا شروع کیا "فرانسیسی وٹیبسک میں!! اگر وہ چار دن مزید آگے بڑھتے رہے تو سمولنسک میں داخل ہو جائیں گے، شاید وہ پہلے ہی وہاں پہنچ گئے ہیں" اس نے آواز دی "تخکا!" تخن بوکھلا کر اٹھ بیٹھا تاہم بوڑھے نے کہا "نہیں، کچھ نہیں، کچھ نہیں"

اس نے خط شمعدان تلے رکھا اور آنکھیں بند کر لیں۔ اس کی آنکھوں میں دریائے ڈینیوب کا منظر گھومنے لگا، روشن دوپہر، روسی فوج کا پڑاؤ اور وہ خود نوجوان جرنیل کی حیثیت سے وہاں موجود تھا۔ اس کے سرخ و سفید چہرے پر جھریوں کا نام و نشان تک نہ تھا اور وہ پھرتی و خوش مزاجی سے پوٹیمکن کے رنگین خیمے میں داخل ہو رہا تھا۔ اسے پوٹیمکن سے پہلی ملاقات میں ہونیوالی گفتگو من و عن یاد آ گئی۔ پھر ایک پست قد، موٹی اور چکنے زرد چہرے والی خاتون دکھائی دی۔ یہ مادر ملکہ تھی۔ مادر ملکہ نے جب اسے پہلی مرتبہ ملاقات کا شرف بخشا تو وہ جس انداز سے مسکرائی اور اس نے جو الفاظ کہے وہ تمام اس کے ذہن میں تازہ ہو گئے۔ پھر اسے وہی چہرہ تابوت گاڑی میں دکھائی دیا اور پھر اسے زوبوف کے ساتھ وہ تلخ کلامی بھی یاد آ گئی جو اس کا ہاتھ چومنے پر تابوت گاڑی کے قریب ہوئی تھی۔

اس نے سوچا "اوہ، کیا ہی اچھا ہو کہ وہ دور جلدی سے، جلدی سے واپس آ جائے اور اس دور سے جان چھوٹ جائے، کیا ہی اچھا ہو جو یہ مجھے سکون سے رہنے دیں"

(4)

شہزادہ نکولائی آندریچ بلکونسکی کی جاگیر "بلیک ہلز" سمولنسک سے ساٹھ کلومیٹر دور تھی اور ماسکو جانیوالی مرکزی شاہراہ دو کلومیٹر فاصلے سے گزرتی تھی۔

جنگ اور امن

اس شام جب شہزادہ الفاچ کو ہدایات دینے میں مصروف تھا، ڈیسال نے شہزادی ماریا سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ اس نے ماریا کو بتایا کہ "چونکہ شہزادے کی طبیعت اچھی نہیں اسی لیے وہ کسی قسم کا کوئی حفاظتی انتظام نہیں کر رہے، حالانکہ شہزادہ آندرے کے خط سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ بلیک ہلز میں ٹھہرنا خطرناک ہوگا۔ اس صورتحال میں میرا مشورہ ہے کہ آپ الفاچ کے ذریعے سمولنسک میں صوبائی گورنر کے نام خط لکھ دیں اور ان سے صورتحال دریافت کریں۔ مزید براں یہ بھی پوچھ لیں کہ بلیک ہلز کو کس حد تک خطرہ ہے" ڈیسال نے گورنر کے نام خط لکھ کر ماریا کو دے دیا جس نے اس پر دستخط کر دیے اور خط الفاچ کو دیتے ہوئے ہدایت کی کہ وہ اسے خود گورنر تک پہنچائے اور اگر کوئی خطرہ دکھائی دے تو فوراً واپس چلا آئے۔

الفاچ نے احکامات وصول کرنے کے بعد اپنی سفید ٹوپی پہنی جو اسے شہزادے نے بطور تحفہ دی تھی اور اسی کے انداز میں ہاتھ میں چھڑی تھامے باہر چلا گیا۔ اس نے چمڑے کے چھت والی گاڑی میں سوار ہونا تھا جسے تین توانا گھوڑے کھینچتے تھے۔ اس کے اہل خانہ الوداع کہنے کیلئے اس کے ساتھ ہو لیے۔

گھوڑا گاڑی کی گھنٹیوں پر کپڑا ڈال دیا گیا تھا تاکہ اس سے زیادہ شور پیدا نہ ہو سکے۔ گھوڑوں کے گلوں میں بندھی گھنٹیوں میں کاغذ ٹھونس دیے گئے تھے۔ شہزادہ بلیک ہلز میں گھنٹی بجاتی گاڑی چلنے کی اجازت نہیں دیتا تھا مگر جب الفاچ کو کہیں لمبے سفر پر جانا پڑتا تو وہ یہ گھنٹیاں بجا کر بیحد خوش ہوتا۔ اس کے ساتھی، کلرک، نوکر، باورچی اور ان کا انچارج، دو بوڑھی عورتیں، ایک نوعمر خادم، کوچوان اور دیگر نوکر چاکر اسے الوداع کہنے آئے۔

اس کی بیٹی نے کپڑے کی دو گدیاں اس کی نشست اور پشت پر دھریں اور معمر سالی نے ایک چھوٹی سی تھیلی گاڑی میں رکھ دی۔ وہ ایک کوچوان کی مدد سے گاڑی میں سوار ہو گیا۔

وہ گاڑی میں سوار ہوتے وقت معمر شہزادے کے انداز میں پھونکیں مارتے ہوئے تیزی سے کہنے لگا "یہ خواتین بالکل ہی بیوقوف ہیں، چھوٹی چھوٹی باتوں پر پریشان ہو جاتی ہیں"

الفاچ نے کوئی کام نپٹانے کیلئے کلرک کو آخری ہدایات دیں، اب وہ شہزادے کی نقل نہیں کر رہا تھا۔ پھر وہ اپنے گنجے سر سے ٹوپی اتار کر سینے پر صلیب کا نشان بنانے لگا۔

اس کی بیوی بولی "یاکوف الفاچ!! اگر خطرہ ہوا تو واپس چلے آنا، میں تمہیں یسوع مسیح کا واسطہ دیتی ہوں، ہمارا خیال رکھنا" اس کا اشارہ جنگ اور دشمن کے بارے میں پھیلی افواہوں سے تھا۔

الفاچ بڑبڑایا "یہ عورتیں خواہ مخواہ پریشان ہوتی ہیں" اس کی گاڑی چل پڑی۔ وہ ارد گرد دیکھنے لگا۔ رائی کے کھیتوں کا رنگ پیلا ہو رہا تھا۔ جئی کے کھیت گنجان تھے اور ان کا رنگ ابھی تک سبز تھا۔ دیگر کھیت بالکل سیاہ تھے اور ان میں کسانوں نے کچھ عرصہ قبل دوسرا ہل چلانا شروع کیا تھا۔ الفاچ آگے بڑھتا رہا۔ وہ اناج کی فصلوں کی تعریف و تحسین کرتے ہوئے رائی کے کھیتوں کا جائزہ لیتا جا رہا تھا، کہیں کہیں کھیتوں میں کٹائی کا آغاز ہو گیا تھا اور وہ حقیقی کسان کی طرح فصلوں کا حساب لگاتا جا رہا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ بار بار شہزادے کی ہدایات بھی یاد کر لیتا تھا۔ وہ اپنے گھوڑوں کو چارہ چھپا کھلانے کیلئے راہ میں دو بار رکا اور چار اگست کی شام شہر پہنچ گیا۔

راستے میں اسے فوجیوں اور سامان بردار چھکڑوں سے واسطہ پڑا۔ جب وہ سمولنسک کی حدود میں پہنچا تو اسے فائرنگ کی آوازیں سنائی دینے لگیں تاہم انہوں نے اس پر کوئی اثر مرتب نہ کیا۔ وہ شہر کے قریب پہنچا تو جئی کے ایک شاندار کھیت نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کرائی۔ اس میں فوجی پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے اور چند فوجی فصل کاٹنے میں

مصروف تھے۔ یہ بات عیاں تھی کہ وہ چارہ لینا چاہتے ہیں۔ انہیں دیکھ کر الفاچ متاثر ہوا مگر اپنے معاملات پر غور کرتے ہوئے اسے دیگر باتیں یاد نہ رہیں۔

الفاچ کی تمام تر دلچسپیاں معمر شہزادے کی خواہشات کے گرد گھومتی تھیں اور اس نے کبھی ان حدود سے آگے جانے کا نہ سوچا۔ اسے ایسی کسی شے سے دلچسپی نہ تھی جس کا شہزادے کے احکامات کی تعمیل سے تعلق نہیں ہوتا تھا بلکہ اس کے نزدیک تو ایسی باتوں کا وجود ہی نہ تھا۔

الفاظ نے 4 اگست کی شام سمولنسک پہنچ کر ڈنائپر کے پیچھے نواحی علاقے گاچنسکی میں فیراپونتوف کے گھر ڈیرا ڈال لیا، وہ گزشتہ تیس برس سے یہیں قیام کرتا چلا آیا تھا۔ بارہ برس پہلے فیراپونتوف نے الفاچ کے ذریعے شہزادے سے درخت خریدے اور کاروبار شروع کر دیا تھا۔ اب وہ اپنے مکان، سرائے اور غلے کی دکان کا مالک تھا۔ اس کی عمر چالیس برس کے لگ بھگ تھی اور جسم موٹا تازہ، چہرہ سرخ وسفید اور ہونٹ فربہ تھے۔ اس کی ناک پر موٹا سا گومڑ تھا اور ایسے گومڑ اس کی کالی اور نیچے کو جھکی بھنووں کے اوپر بھی تھے۔ اس کا پیٹ خاصا باہر کو نکلا تھا۔

وہ قمیص کے اوپر واسکٹ پہنے دکان کے سامنے کھڑا تھا جو گلی میں کھلتی تھی۔ الفاچ کو دیکھ کر وہ اس کی جانب چل دیا۔

اس نے الفاچ کو دیکھ کر کہا "خوش آمدید یاکوف الفاچ، لوگ شہر سے باہر جا رہے ہیں اور تم آرہے ہو"

الفاچ نے پوچھا "کیوں؟ شہر کیوں چھوڑ رہے ہیں؟"

فیراپونتوف نے کہا "میں بھی یہی بات پوچھ رہا ہوں، لوگ پاگل ہو گئے ہیں، ان پر فرانسیسیوں کا رعب طاری ہو چکا ہے"

الفاچ نے کہا "سب جھوٹ ہے، جھوٹی افواہیں پھیلی ہوئی ہیں"

فیراپونتوف کہنے لگا "یاکوف الفاچ! میں بھی یہی سوچتا ہوں۔ جب انہیں روکنے کا حکم جاری ہو چکا ہے تو پھر کس بات سے خطرہ ہے؟ سب اچھا ہو جائے گا مگر یہ کسان گھوڑا گاڑی کا تین روبل کرایہ مانگ رہے ہیں، انہیں احساس ہی نہیں!"

یاکوف الفاچ بظاہر اس کی باتیں سن رہا تھا مگر اس کی توجہ کہیں اور تھی۔ اس نے سماوار اور گھوڑوں کیلئے سوکھی گھاس منگوائی اور چائے پینے کے بعد بستر پر لیٹ گیا۔

تمام رات فوجی ہوٹل کے ساتھ سے گزرتے رہے۔ اگلے روز الفاچ نے کوٹ پہنا جسے وہ شہر میں زیب تن کرنے کیلئے سنبھال کر رکھتا تھا اور اپنے کام انجام دینے چل دیا۔ اس روز دھوپ چمک رہی تھی اور موسم خاصا گرم تھا۔ الفاچ نے سوچا "فصل کی کٹائی کیلئے مناسب دن ہے"

شہر کے باہر فائرنگ ہو رہی تھی اور آٹھ بجے بندوقوں کی آوازوں میں توپوں کی گولہ باری بھی شامل ہو گئی۔ سڑکوں اور گلیوں میں لوگوں کا ہجوم تھا جس میں زیادہ تعداد فوجیوں کی تھی۔ جس کا جدھر منہ اٹھا وہ اسی جانب بھاگ نکلا۔ سڑکوں اور بازاروں میں کرائے کی گاڑیاں ابھی تک چل رہی تھیں۔ دکاندار دکانوں کے سامنے کھڑے تھے اور گرجا گھروں میں حسب سابق دعائیں پڑھی جا رہی تھیں۔ الفاچ نے دکانوں اور سرکاری دفاتر کے چکر لگائے، ڈاکخانے اور گورنر کی رہائش گاہ پر بھی گیا۔ ہر جگہ لوگ فوج اور حملہ آور دشمن کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔ ہر شخص ایک دوسرے سے پوچھ رہا تھا کہ اب کیا کیا جانا چاہئے۔ سبھی ایک دوسرے کا حوصلہ بڑھا رہے تھے۔

گورنر کی رہائش گاہ کے سامنے الفاچ کو لوگوں کا جمگھٹا دکھائی دیا۔ انہیں قازق اور گورنر کی گاڑی بھی شامل تھی۔ سیڑھیوں پر اسے دو افراد مل گئے جن میں سے ایک کو وہ جانتا تھا۔ یہ شخص کسی زمانے میں ضلع کی پولیس کا کپتان ہوتا تھا، وہ زور وشور سے تقریر میں مصروف تھا۔

وہ کہہ رہا تھا "آپ جانتے ہیں کہ یہ مذاق نہیں ہے۔ اگر آپ اکیلے ہوں تو کوئی بات نہیں مگر کہتے ہیں کہ "اکیلا آدمی ہلاک ہو جائے تو وہ اکیلا ہی رہتا ہے" مگر تیرہ افراد کا خاندان اور اتنا سامان۔۔۔ صورتحال ایسی ہے کہ ہم سب تباہ ہو جائیں گے، اب حکومت کو کیا کہا جائے، ڈاکو کہیں گے۔۔۔"

دوسرے نے کہا "ارے، ارے ٹھہرو"

سابق پولیس کپتان بولا "اگر وہ سن رہا ہے تو سنتا رہے، مجھے اس کی کوئی پروا نہیں، ہم کتے نہیں ہیں" اس نے ارد گرد دیکھا اور الفاچ کو پہچان لیا۔

وہ اسے دیکھتے ہی بولا "ارے، یاکوف الفاچ تم یہاں کیسے؟"

الفاچ نے فخریہ انداز میں گردن اٹھائی اور کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہنے لگا "میں جناب عالی کے حکم پر گورنر سے ملاقات کیلئے آیا ہوں" وہ شہزادے کا نام لیتے ہوئے یہی انداز اختیار کر لیتا تھا۔ اس نے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا "جناب والا نے مجھے حکم دیا ہے کہ صورتحال معلوم کر لاؤں"

سابق پولیس کپتان نے باآواز بلند جواب دیا "اچھا تو پھر سن لو کہ انہوں نے ہمیں تباہ کر دیا ہے، ڈاکو کہیں گے۔۔۔" یہ کہہ کر وہ سیڑھیوں سے اتر آیا۔

الفاچ نے گردن جھٹکی اور سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ انتظار گاہ میں تاجر، خواتین اور سرکاری اہلکاروں کا جم غفیر تھا۔ ہر شخص پریشان دکھائی دے رہا تھا اور خاموشی سے ایک دوسرے کو تکے جا رہا تھا۔ گورنر نے کمرے کا دروازہ کھلا اور تمام لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور آگے بڑھنے لگا۔ ایک کلرک بھاگتا ہوا باہر آیا۔ اس نے کسی تاجر سے کوئی بات کی اور ایک توانا سرکاری ملازم کو ہاتھ سے اشارہ کیا جس کے گلے میں صلیب لٹک رہی تھی، پھر وہ دوبارہ اندر چلا گیا۔ یہ بات عیاں تھی کہ وہ لوگوں کے سوالات سے بچنا چاہتا ہے۔ الفاچ آگے بڑھ گیا اور دوسری مرتبہ کلرک باہر آیا تو اسے دو خطوط تھما دیئے اور کہنے لگا "جنرل انچیف شہزادہ بلکونسکی کی جانب سے جناب بیرن ایش کیلئے" اس نے یہ الفاظ اتنی سنجیدگی سے کہے کہ کلرک مجبوراً اس کی جانب متوجہ ہو گیا اور خطوط لے لیے۔ چند منٹ بعد گورنر نے الفاچ کو بلایا تیزی سے کہنے لگا "شہزادے اور شہزادی کو بتا دو کہ مجھے کچھ علم نہ تھا، میں نے اعلیٰ حکام کی ہدایت پر عمل کیا۔۔۔ ادھر"

اس نے الفاچ کو ایک کاغذ پکڑا دیا۔

وہ کہنے لگا "اگرچہ شہزادے کی طبیعت ٹھیک نہیں تاہم میں انہیں مشورہ دوں گا کہ وہ ماسکو چلے جائیں۔ انہیں بتا دینا، میں خود بھی وہیں جا رہا ہوں" گورنر نے اپنی بات مکمل نہ کی تھی کہ گرد آلود لباس پہنے ایک افسر بھاگتا ہوا کمرے میں داخل ہوا، اس کا جسم پسینے سے شرابور تھا۔ اس نے گورنر سے کوئی بات کہی جسے سن کر وہ بوکھلا گیا۔

اس نے سر ہلا کر الفاچ سے کہا "تم جا سکتے ہو" اور پھر افسر سے بات چیت میں مصروف ہو گیا۔ الفاچ گورنر کے کمرے سے باہر آیا تو بے چین اور سوالیہ نگاہوں نے اس کا استقبال کیا۔ وہ جلدی سے سرائے کی جانب چل دیا اور خواہش کے خلاف فائرنگ کی آوازیں سنتا رہا۔ گورنر کی جانب سے دیئے گئے کاغذ پر لکھا تھا:

"میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ سمولنسک شہر کو بالکل خطرہ نہیں اور ایسا امکان بھی موجود نہیں ہے۔ ایک

جانب سے میں اور دوسری طرف سے شہزادہ باگراتیاں اپنی اپنی فوجیں لے کر آگے بڑھ رہے ہیں تاکہ سمولنسک سے پہلے ہی ایک دوسرے سے مل جائیں۔ دونوں فوجوں کا ادغام اس ماہ کی 22 تاریخ تک مکمل ہو جائے گا۔ دونوں فوجیں اپنے مشترکہ وسائل سے صوبے کے لوگوں کا تحفظ کریں گی جن کی نگہداشت کی ذمہ داری آپ پر تھی۔ ہماری کوششیں اس وقت تک جاری رہیں گی جب تک ہم دشمنوں کو اپنے وطن کی پاک سرزمین سے نکالنے میں کامیاب نہیں ہو جاتے یا پھر ہماری بہادر فوج کا ہر سپاہی اپنی جان قربان نہیں کر دیتا۔ اس سے آپ کو یہ اندازہ ہوگا کہ آپ کو سمولنسک کے شہریوں کو اس بات کا یقین دلانے کا پورا حق ہے کہ جب ان کی حفاظت یہ دو بہادر فوجیں کر رہی ہیں تو پھر وہ مطمئن رہیں کہ فتح انہی کا مقدر بنے گی۔''

(بارکلے ڈی تولی کی جانب سے گورنر سمولنسک بیرن ایش کے نام۔ 1812ء)

لوگ بلاوجہ ادھر ادھر گھوم پھر رہے تھے۔ انہیں کسی پل چین نہ آتا تھا۔ گھریلو استعمال کے برتنوں، کرسیوں اور الماریوں سے بھری گاڑیاں گھروں سے مسلسل نکل رہی تھیں اور شہر کی گلیوں اور سڑکوں پر جا رہی تھیں۔ فیراپونتوف کے گھر سے اگلے مکان کے دروازے پر سامان سے لدی گاڑیاں کھڑی تھیں اور خواتین رونے پیٹنے میں مصروف تھیں۔ ساتھ ساتھ وہ آپس میں گلے ملتے ہوئے ایک دوسرے کو الوداع کہہ رہی تھیں۔ ایک چھوٹا گھریلو کتا گاڑیوں میں جتے ہوئے گھوڑوں کے سامنے اچھل اور بھونک رہا تھا۔

الفاچ معمول سے زیادہ تیز قدم اٹھاتا صحن میں داخل ہوا۔ وہ اس چھپر تلے پہنچا جہاں اس کی گھوڑا گاڑی کھڑی تھی اور کوچوان سو رہا تھا۔ الفاچ نے اسے جگایا اور گھوڑے جوتنے کا حکم دے کر سرائے میں چلا گیا۔ سرائے والے کے گھر سے بچے کے رونے اور عورت کے چیخنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ بعدازاں فیراپونتوف دھاڑا اور الفاچ سرائے میں داخل ہوا تو باورچن خوفزدہ مرغی کی طرح راہداری میں بھاگی جا رہی تھی۔

باورچن اسے دیکھتے ہی کہنے لگی ''وہ مالکن کو مار ڈالے گا، بری طرح پیٹ رہا ہے، وہ اس کا کچومر نکال رہا ہے۔۔۔''

الفاچ نے پوچھا ''کیوں؟ کیا بات ہے؟''

باورچن بولی ''وہ اسے بار بار یہاں سے جانے کا کہہ رہی تھی، عورت ہے، کہنے لگی مجھے اور میرے بچوں کو یہاں مرنے کیلئے مت چھوڑو، ہر کوئی جا رہا ہے تو ہم کیوں نہیں جاتے۔ اس بات پر وہ اسے مارنے پیٹنے اور گالیاں بکنے لگا''

الفاچ نے بات سن کر اظہار پسندیدگی کے انداز میں سر ہلایا اور کچھ مزید کچھ سنے بغیر اس کمرے میں چلا گیا جہاں اس نے اپنا سامان رکھا ہوا تھا۔

زرد چہرے والی ایک دبلی پتلی عورت نے چلا کر کہا ''وحشی، ظالم'' اور بانہوں میں دودھ پیتا بچہ اٹھائے بھاگتی ہوئی دروازے سے باہر آ گئی۔ اس کے سر کا رومال پھٹا ہوا تھا۔ خاتون سیڑھیاں اتر کر نیچے چلی گئی۔ فیراپونتوف اس کے پیچھے پیچھے آیا مگر الفاچ کو دیکھتے ہی اپنی واسکٹ درست کر کے بال سنوارے اور جمائی لے کر اس کے پیچھے پیچھے سامنے والے کمرے میں داخل ہو گیا۔

پونتوف نے اس سے پوچھا ''ابھی جا رہے ہو؟''

الفاچ اس کے سوال کا جواب دیئے بغیر اپنا سامان اکٹھا کرنے لگا اور اس سے پوچھا کہ ''میرے ذمے کتنی رقم

بنتی ہے؟''

فیراپونتوف نے جواب دیا ''ہم بعد میں حساب کر لیں گے، تم گورنر کی طرف گئے تھے، وہ کیا کہتے ہیں؟''

الفاچ نے کہا ''گورنر نے کوئی واضح بات نہیں بتائی''

پونتوف کہنے لگا ''ہمارا جیسا کاروبار ہے اس میں ہم سامان باندھ کر کیسے کہیں جا سکتے ہیں۔ صرف دروگوبز جانے کیلئے ایک گاڑی کا سات روبل کرایہ ادا کرنا پڑے گا میں کہوں گا کہ کسی مسیحی کو اتنا زیادہ کرایہ نہیں لینا چاہئے۔ دوسری طرف سیلیوانوف کی موج ہو گئی ہے۔ جمعے کے دن اس نے فوج کو ایک تھیلا نو روبل میں بیچا۔ کیا کہتے ہو، چائے پیو گے؟''

گھوڑے جوتے جانے لگے تو الفاچ اور پونتوف اناج اور دیگر فصلوں کی قیمتوں پر گفتگو کرتے رہے۔ دونوں کا خیال تھا کہ فصلیں کاٹنے کیلئے یہ سازگار ترین موسم ہے۔

فیراپونتوف نے چائے کی تیسری پیالی ختم کر کے اٹھتے ہوئے کہا ''بہر حال، یوں لگتا ہے کہ حالات کچھ سنبھل گئے ہیں۔ یقیناً ہمارے فوجی کامیاب رہے ہوں گے۔ انہوں نے کہا تھا کہ وہ انہیں شہر میں نہیں گھسنے دیں گے۔ میرا خیال ہے کہ ہماری پلہ بھاری ہے۔ کہتے ہیں کہ ماتوے ایوانچ پلاتوف نے ان کی گاڑیاں دریا کے بند میں دھکیل دی تھیں اور یوں اس ایک دن میں ان کے اٹھارہ ہزار آدمی غرقاب کر دیئے''

الفاچ نے اپنا سامان جمع کیا اور اسے کوچوان کے حوالے کر کے سرائے والے سے اپنا حساب کتاب طے کرنے لگا۔ گاڑیوں کے پہیوں کی چرچراہٹ، گھوڑوں کی گھنٹیاں بجنے کی آوازیں اور ان کے سموں کی دھمک کانوں سے ٹکرانے لگی اور چاروں جانب سے بند دو پہیوں والی ہلکی گاڑی دروازے سے باہر نکل گئی۔

دن کافی دیر پہلے ڈھل چکا تھا اور سائے سڑک کے درمیان تک آ گئے تھے جبکہ بقیہ حصہ تیز دھوپ میں چمک رہا تھا۔ الفاچ نے کھڑکی سے باہر جھانکا اور دروازے کی جانب چل دیا۔ اچانک کہیں دور سے سنسناتی آواز آئی اور اس کے بعد اس جیسی ایک اور آواز سنائی دی۔ یوں لگتا تھا جیسے کوئی بھاری بھرکم شے زور سے گری ہو۔ بعدازاں توپیں گرجنے لگیں۔ مختلف آوازیں باہم ملنے سے شور وغل مچ گیا اور کھڑکیوں کے پٹ کھڑکھڑا اٹھے۔

الفاچ گلی میں چلا گیا۔ دو افراد پل کی جانب بھاگ رہے تھے۔ مختلف اطراف سے سیٹیاں بجنے، توپوں کے گرجنے اور شہر پر گرنے والے گولوں کے پھٹنے کی آوازیں آ رہی تھیں تاہم شہر کے لوگ یہ آوازیں بمشکل سن رہے تھے اور ان پر توجہ بھی نہیں دے رہے تھے۔ اس کے مقابلے میں ان کے کان شہر سے باہر گولہ باری کرنے والی توپوں کی آوازوں پر لگے تھے۔ ایک سو تیس توپیں گولہ باری کر رہی تھیں اور اس کا حکم نپولین نے شام چار بجے سے کچھ دیر بعد دیا تھا۔

ابتداء میں لوگوں کو گولہ باری کی وجہ سمجھ نہ آئی۔ دستی بموں اور توپوں کے گولوں کی آوازیں سن کر ان کا تجسس بیدار ہو جاتا۔ چھپر تلے کھڑی چیختی فیراپونتوف کی بیوی اب خاموش ہو گئی تھی اور بچے کو بازوؤں میں اٹھائے بڑے دروازے کی طرف چل دی۔ وہ وہاں کچھ دیر شور شرابہ سنتی اور لوگوں کی جانب خاموشی سے دیکھتی رہی۔

باورچن اور ایک دکاندار بڑے دروازے کے قریب آ گئے۔ ان کے سروں پر جو چیزیں اڑی چلی جا رہی تھیں وہ ان کی ایک جھلک دیکھنے کیلئے بے چین تھے۔ کئی افراد کونے میں آ کر کھڑے ہو گئے اور زور و شور سے باتیں کرنا شروع کر دیں۔

ایک شخص بولا ''کیسی طاقت ہے، چھت کے ٹکڑے کر دیئے''

دوسرا کہنے لگا ''سوروں کی طرح زمین کھود ڈالی، کیا کہتے ہو؟''

ایک اور آواز سنائی دی ''بھئی شاندار، انسان جوش میں آ جاتا ہے''

کسی نے کہا ''اچھا ہوا کہ تم ایک جانب ہٹ گئے ورنہ تمہارا پتہ بھی نہ چلتا''

دیگر لوگ بھی ان میں شامل ہو گئے اور بتانے لگے کہ کیسے توپ کا ایک گولہ قریبی مکان پر گرا تھا۔ اسی دوران کبھی سنسناتے ہوئے توپ کے گولے اور کبھی سیٹی کی آواز پیدا کرتے وقتی بم ان کے اوپر سے گزرتے رہے تاہم کوئی ان کے قریب نہ گرا۔ تمام چیزیں ان کے سروں سے گزر گئیں۔ الفاچ اپنی گاڑی میں سوار ہو گیا۔ سرائے کا مالک بڑے دروازے کے قریب کھڑا تھا۔

اس نے باورچن سے کہا ''کیا تم اس طرف دیکھنا بند نہیں کرو گی'' وہ سرخ کوٹ پہنے، آستینیں چڑھائے اور کہنیاں گھماتی لوگوں کی باتیں سننے کیلئے کونے میں چلی گئی تھی۔

وہ کہہ رہی تھی ''یہ حیران کن ہے'' مگر جب اس نے اپنے مالک کی آواز سنی تو پیچھے ہٹ گئی۔

ایک مرتبہ پھر سیٹی کی آواز سنائی دی جواب کے بالکل قریب تھی اور چھوٹے سے پرندے کی مانند کوئی شے نیچے کی جانب لپکی۔ گلی کے درمیان شعلہ لپکا اور دھماکہ ہوا جس کے بعد ہر طرف دھواں چھا گیا'' فیراپونتوف باورچن کی جانب بھاگتے ہوئے چلایا ''فاحش، کیا ہوا؟''

اسی دوران چہار جانب سے عورتوں کے رونے چلانے کی آوازیں سنائی دینے لگیں اور ایک خوفزدہ بچہ بھی رونے لگا۔ لوگوں کے چہرے دہشت سے سفید پڑ گئے اور وہ خاموشی سے باورچن کے گرد اکٹھے ہو گئے جس کی چیخیں سب سے بلند تھیں۔

وہ چلا چلا کر کہہ رہی تھی ''اوہ۔۔۔ اوہ۔ او، نیک لوگو، اچھے دوستو! مجھے مرنے مت دو! اے اچھے لوگو۔۔۔''

پانچ منٹ میں گلی خالی ہو گئی۔ بم کا ٹکڑا لگنے سے باورچن کی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی اور وہ اسے اٹھا کر باورچی خانے میں لے گئے۔ الفاچ، کوچوان، فیراپونتوف کی بیوی، بچے اور گھریلو نوکر زیرزمین کمرے میں آوازوں پر کان لگائے بیٹھے تھے۔ توپوں کی گھن گرج، گولوں کی سنسناتی آوازیں اور باورچن کی دل ہلا دینے والی چیخیں مسلسل جاری تھیں جو کسی لمحے بند نہ ہوئی تھیں۔ پونتوف کی بیوی کبھی اپنے بچے کو جھلاتا اور کبھی چپ کرانا شروع کر دیتی۔ جب کوئی شخص اندر داخل ہوتا تو وہ اس سے پوچھنے لگتی کہ اس کے شوہر کا کیا بنا جو گلی میں ہی رک گیا تھا۔ ایک دکاندار نے اسے اطلاع دی کہ وہ لوگوں کے ساتھ سمولنسک کی وہ مقدس تصویر لانے گرجا گھر گیا ہے جس سے معجزے رونما ہوتے ہیں۔

اندھیرا چھاتے ہی گولہ باری میں کمی آ گئی اور الفاچ زیرزمین کمرے سے نکل کر بڑے دروازے پر چلا گیا۔

شام کا شفاف آسمان دھوئیں میں چھپا ہوا تھا اور اس میں باریک چاند آسمان کی بلندیوں پر شاندار انداز سے موجود تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے توپوں کے گرجنے کے بعد شہر پر خاموشی طاری ہو چکی ہے۔ اس خاموشی میں اسی وقت رخنہ پڑتا جب قدموں کی چاپ، کراہنے کی آوازیں، دور سے سنائی دینے والا شور شرابہ اور لکڑیوں کے چٹخنے کی آواز سنائی دیتی تھی۔ باورچن کی چیخیں بند ہو چکی تھیں۔ دو جانب آگ کے شعلوں سے دھوئیں کے بادل اٹھ رہے تھے۔ مختلف اقسام کی وردیوں میں ملبوس فوجی ادھر ادھر بھاگ دوڑ رہے تھے۔ انہیں سمجھ نہ آتی تھی کہ کیا کیا جائے۔ ان کی حالت ان چیونٹیوں کی سی تھی جن کا گھر تباہ ہو گیا ہو۔ ان میں سے کچھ لوگ بھاگتے دوڑتے الفاچ کی نگاہوں کے سامنے فیراپونتوف

کے صحن میں آ گئے۔ الفاچ بڑے دروازے کی طرف چل دیا۔ ایک رجمنٹ نے سڑک بند کر رکھی تھی جس کے سپاہی جلد بازی میں ایک دوسرے کو دھکیلنے میں مصروف تھے۔

ایک افسر نے اسے دیکھ لیا اور کہنے لگا ''شہر دشمن کے قبضے میں چلا گیا ہے، یہاں سے نکل جاؤ'' پھر وہ اپنے فوجیوں کی جانب متوجہ ہو کر کہنے لگا ''صحنوں میں گھسنے پر میں تمہیں سبق سکھا دوں گا''

الفاچ واپس سرائے میں چلا گیا اور کوچوان کو بلا کر اسے روانہ ہونے کو کہا۔ فیراپونتوف کا تمام گھرانہ اس کے پیچھے پیچھے صحن میں چلا آیا۔ عورتوں نے دھواں اور آگ کے شعلے اٹھتے دیکھے تو دوبارہ رونا اور شور مچانا شروع کر دیا۔ سڑک کی دوسری جانب سے بھی ایسی آوازیں سنائی دینے لگیں جیسے ان کا جواب دے رہی ہوں۔ چھپر تلے الفاچ اور کوچوان کانپتے ہاتھوں سے اپنے گھوڑوں کی الجھی باگیں درست کرنے لگے۔

الفاچ گاڑی میں بڑے دروازے سے باہر نکلا تو اسے فیراپونتوف کی دکان میں درجن بھر فوجی دکھائی دیئے وہ باآواز بلند باتیں کرتے ہوئے آٹے اور سورج مکھی کے بیجوں سے تھیلے بھر رہے تھے۔ اسی دوران فیراپونتوف واپس آ گیا اور سیدھا دکان میں گیا۔ فوجیوں کو دیکھ کر وہ چیخنا چاہتا تھا کہ اچانک رک گیا اور افسردگی سے ہنستے ہوئے اپنے بال نوچے اور کہنے لگا ''سب کچھ لے جاؤ لڑکو، ان شیطانوں کیلئے کچھ نہ چھوڑنا'' اس نے خود چند بوریاں گھسیٹ کر باہر گلی میں پھینک دیں۔ کچھ سپاہی خوفزدہ ہو گئے مگر بعض نے اپنے تھیلے بھرنا جاری رکھے۔

فیراپونتوف الفاچ کی جانب متوجہ ہو کر کہنے لگا ''روس کا خاتمہ ہو گیا، الفاچ! ہم تباہ ہو گئے، میں اس عمارت کو اپنے ہاتھوں سے آگ لگا دوں گا، ہم برباد ہو گئے۔۔۔'' یہ کہہ کر وہ صحن کی جانب بھاگ گیا۔ فوجیوں کا سیلاب رکتا ہی نہیں تھا۔ انہوں نے پوری سڑک بند کر رکھی تھی جس کے باعث الفاچ کو انتظار کرنا پڑا۔ فیراپونتوف کی بیوی اور بچے بھی ایک گاڑی میں بیٹھے باہر نکلنے کے منتظر تھے۔

اب رات ہو گئی تھی اور آسمان پر ستارے نکل رہے تھے۔ آسمان پر پھیلی دھوئیں کی چادر میں سے نیا چاند بھی کبھار اپنی چمک دکھانے لگتا تھا۔ ڈناپر کی ڈھلان پر الفاچ اور فیراپونتوف کی بیوی بچوں کی گاڑیاں فوجیوں کی گاڑیوں کے درمیان میں رکی ہوئی تھیں۔ چوک میں رش کے باعث گاڑیاں رک گئی تھیں اور ایک گلی میں مکان اور چند دکانیں جل رہی تھیں۔ آگ بجھنے والی تھی۔ ایک موقع پر شعلے ختم ہو گئے اور کالا دھواں اٹھنے لگا مگر شعلے دوبارہ بھڑک اٹھے اور آگ کی روشنی میں چوک میں کھڑے لوگوں کے چہرے عجیب وغریب انداز سے چمک اٹھے۔ آگ کے سامنے کالی شکلیں تیزی سے آگے پیچھے حرکت کر رہی تھیں اور شعلوں کی آوازوں سے بے پروا انسانی گفتگو اور چیخ وپکار مسلسل سنائی دے رہی تھی۔ الفاچ نے دیکھا کہ اس کی گاڑی کو آگے جانے میں کچھ وقت درکار ہو گا تو وہ نیچے اتر آیا اور آگ کا نظارہ کرنے برابر والی گلی میں چلا گیا۔ جلنے والی عمارات کے قریب فوجی مسلسل ادھر ادھر بھاگتے پھر رہے تھے۔ اس نے دو فوجیوں اور موٹے کوٹ میں ملبوس ایک شخص کو جلتی ہوئی لکڑی گھسیٹ کر گلی کے پار دوسرے صحن میں لے جاتے دیکھا جبکہ دیگر لوگ خشک گھاس کے گٹھے اٹھائے ہوئے تھے۔

الفاچ ایک اونچی عمارت کے سامنے کھڑے لوگوں کے ہجوم میں چلا گیا۔ گودام جل رہا تھا اور تمام دیواریں آگ کی لپیٹ میں تھیں۔ پچھلی دیوار گر چکی تھی اور لکڑی کی چھتیں نیچے آ رہی تھیں۔ صاف ظاہر ہوتا تھا کہ ہجوم چھت گرنے کا منتظر ہے۔ الفاچ بھی اسی جانب نظریں جمائے ہوئے تھا۔

بوڑھا الفاچ اچانک ایک جانی پہچانی آواز سن کر چونک اٹھا جو اسے پکار رہی تھی۔

الفاچ نے اپنے نوجوان آقا کی آواز فوراً پہچان لی اور کہنے لگا" جناب عالی!"

کوٹ میں ملبوس شہزادہ آندرے کالے رنگ کے گھوڑے پر سوار تھا اور لوگوں کے پیچھے سے اسے دیکھ رہا تھا۔

اس نے الفاچ سے پوچھا" تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

الفاچ کی آواز ہکلا گئی اور وہ کہنے لگا" جناب۔۔۔جناب عالی!۔۔۔آپ۔۔۔آپ، سب کچھ ختم ہو گیا، میرے آقا! واقعی۔۔۔"

شہزادہ آندرے نے دوبارہ پوچھا" تم ادھر کیا کر رہے ہو؟"

اسی دوران شعلے دوبارہ بھڑکنے لگے اور الفاچ کو اپنے نوجوان آقا کا تھکاوٹ سے نڈھال پیلا چہرہ دکھائی دیا۔ اس نے آندرے کو بتایا کہ اسے شہر بھیجا گیا تھا اور اب اسے یہاں سے نکلنے میں مشکلات کا سامنا ہے۔

اس نے دوبارہ پوچھا" جناب عالی! کیا واقعی سب کچھ ختم ہو گیا؟"

شہزادہ آندرے نے اس کی بات کا جواب دینے کی بجائے جیب سے کاپی نکالی اور ایک کاغذ پھاڑ کر اپنا گھٹنا اٹھایا اور اس پر اپنی بہن کے نام پیغام لکھنے لگا۔

آندرے نے لکھا" سمولنسک پر دشمن کا قبضہ ہو گیا ہے اور ایک ہفتے میں بلیک ہلز بھی ہاتھ سے جاتا رہے گا۔ فوری طور پر ماسکو چلے جاؤ، جونہی روانہ ہونے لگو تو مجھے اطلاع بھجوا دینا، پیغام رساں کو اسویاز روانہ کر دینا"

اس نے رقعہ لکھ کر الفاچ کے حوالے کرنے کے بعد اسے بتایا کہ معمر شہزادے، شہزادی، اس کے بیٹے اور اطالیق ڈیسال کی روانگی کیلئے کیا انتظامات کرنا ہوں گے اور اسے خود فوری طور پر کیسے اور کہاں پہنچنا ہے۔ ابھی اس نے اپنی بات مکمل نہ کی تھی کہ ایک سٹاف افسر گھوڑا بھگاتا وہاں پہنچ گیا۔

وہ آندرے سے کہنے لگا" تم کرنل ہو؟" افسر جرمن لہجے میں بات کر رہا تھا اور اس کی آواز آندرے کو جانی پہچانی محسوس ہوئی۔ وہ چلا کر کہنے لگا" تمہارے سامنے گھر جلائے جا رہے ہیں اور تم ہو کہ خاموش کھڑے ہو۔ تم سے پوچھا جائیگا" یہ برگ تھا جو اب پہلی فوج کے پیدل دستوں کے بائیں پہلو کے کمانڈر کے چیف آف سٹاف کا نائب تھا۔ اس کے خیال میں یہ عہدہ بیحد اطمینان بخش اور بڑا تھا۔

شہزادہ آندرے نے اس کی جانب سرسری نظروں سے دیکھا اور جواباً کچھ کہنے کی بجائے الفاچ کو ہدایات دیتا رہا۔

وہ کہہ رہا تھا" انہیں کہنا کہ میں 10 تاریخ تک جواب کا انتظار کروں گا اور اس تاریخ تک ان کی روانگی کی اطلاع نہ ملی تو پھر مجھے بامر مجبوری سب کچھ چھوڑ کر خود بلیک ہلز آنا ہو گا"

برگ شہزادہ آندرے کو پہچانتے ہوئے التجائیہ لہجے میں بولا" شہزادے، میں نے جو کچھ کہا اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ مجھے احکامات ماننا ہوتے ہیں اور اس حوالے سے میں بالکل کوئی کوتاہی برداشت نہیں کرتا۔۔۔ میں معذرت چاہتا ہوں"

جلنے والی عمارت میں دھماکہ ہوا اور ایک لمحے کیلئے آگ مدھم پڑ گئی اور چھت کے نچلے حصے سے کالے دھوئیں کے مرغولے اوپر اٹھنے لگے۔ ایک اور دھماکہ ہوا، کوئی بھاری بھرکم شے نیچے گر گئی تھی۔

"گودام کی چھت گرنے سے دھماکہ ہوا تو ہجوم بیک زبان بولا" اووو۔۔۔رووو" چھت گرنے سے گودام کی گندم میں آگ لگ گئی اور چاروں جانب ایسی خوشبو پھیل گئی جیسے کیک تیار کرنے کے دوران محسوس ہوتی ہے۔ شعلے

بھڑکنا شروع ہو گئے اور ارد گرد کھڑے لوگوں کے پرجوش اور آشفتہ چہرے روشن ہو گئے۔

کوٹ والا شخص بازو لہراتے ہوئے چلایا" زبردست، اب مزہ آیا۔ زبردست۔ لڑکو!۔۔۔" متعدد آوازیں سنائی دیں" یہ خود مالک ہے"

شہزادہ آندرے نے الفاچ سے کہا" تو پھر میں نے تمہیں جو کچھ کہا ہے وہ انہیں کہہ دینا" یہ کہہ کر وہ اپنے قریب خاموش کھڑے برگ سے کوئی بات کئے بغیر گھوڑے کو بھگا کر گلی عبور کرنے لگا۔

(5)

فوجیں سمولنسک سے پیچھے ہٹتی رہیں۔ دشمن ان کا پیچھا کرنے لگا۔ 10 اگست کو شہزادہ آندرے کی رجمنٹ مرکزی شاہراہ سے گزرتے ہوئے اس ذیلی سڑک سے آگے نکل گئی جو بلیک ہلز کو جاتی تھی۔ تین ہفتوں سے بارش نہیں ہوئی تھی اور گرمی سے ہر ذی روح کا برا حال تھا۔ آسمان پر ہر روز سفید بادل روئی کے گالوں کی طرح تیرتے دکھائی دیتے۔ بعض اوقات وہ سورج کو چھپا لیتے تاہم جونہی دن ڈھلتا تو مطلع دوبارہ صاف ہو جاتا اور سورج سرخی مائل دھند میں غائب ہو جاتا۔ صرف رات کو شبنم گرتی تھی اور اس طرح زمین تازہ ہو جاتی۔ کھیتوں میں پکی گندم کی فصل دھوپ میں سڑ گئی تھی اور اس کی بالیاں نیچے گر گئی تھیں۔ دلدلیں سوکھ چکی تھیں۔ بھوک کے مارے جانوروں کا برا حال تھا اور وہ مسلسل آوازیں نکالتے رہتے تھے۔ شدید دھوپ کے باعث چراگاہیں بھی سڑ گئی تھیں اور مویشیوں کے کھانے کیلئے کچھ باقی نہ تھا۔ رات کو اور جنگلوں میں جب تک شبنم خشک نہ ہوتی، قدرے خنک ہوتی تھی تاہم شاہراہوں اور مرکزی سڑک پر جہاں فوجی سفر کر رہے تھے، راتوں کو بھی موسم ٹھنڈا نہیں ہوتا تھا۔ یہی نہیں بلکہ سڑکوں کا جنگل سے گزرنے والا حصہ بھی گرم رہتا تھا۔ راستوں پر گہری گرد پڑی تھی جس پر شبنم کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ جونہی صبح کی روشنی پھیلتی فوج چل پڑتے۔ توپخانے اور سامان کی گاڑیاں آدھی آدھی گرد میں دھنس جاتیں اور آواز پیدا کئے بغیر آگے کو بڑھتی رہتیں۔ پیدل فوجیوں کے پاؤں نرم اور گرم گرد میں دھنس جاتے۔ یہ گرد رات کو بھی ٹھنڈی نہیں ہوتی تھی اور فوجیوں کے حلق پیاس کے مارے خشک ہو جاتے اور انہیں سانس رکتا محسوس ہوتا۔ ریتلی مٹی کو گاڑیوں کے پہیوں، جانوروں اور انسانوں کے پاؤں نے رگڑ رگڑ کر باریک کر دیا تھا اور یہ فوجیوں کے سروں پر بادلوں کی طرح اڑتی رہتی تھی۔ جوں جوں سورج بلند ہوتا جاتا، گرد بھی اوپر اٹھتی جاتی اور باریک گرم ذرات کی چادر سے سورج کو دیکھا جا سکتا تھا جو بادلوں سے خالی آسمان پر بھاری سرخ گولے کی مانند دکھائی دیتا تھا۔ ہوا بند ہوتی اور اس صورتحال میں سانس لینا بھی مشکل تھا۔ لوگ اپنے منہ اور ناک پر رومال لپیٹ لیتے اور سفر جاری رہتا۔ کسی گاؤں میں پہنچتے پر کنوؤں کے سامنے بھیڑ لگ جاتی اور پانی پر جھگڑا ہونے لگتا۔ لوگ گارا تک پی لیتے تھے۔

شہزادہ آندرے رجمنٹ کا کمانڈر تھا۔ اسے اس کے انتظام و انصرام، سپاہیوں کی بہتری اور احکامات وصول کر کے ان پر عملدرآمد کی ضرورت کا شدید احساس رہتا تھا۔ سمولنسک جلنے اور شہریوں کا انخلا، اس کی زندگی کا عصر آفریں واقعہ بن گیا تھا۔ دشمن کیخلاف غصے کے شدید جذبے کے باعث وہ اپنا ذاتی غم بھول گیا۔ اسے اپنی رجمنٹ کے معاملات سے دلی وابستگی ہو گئی تھی اور وہ اپنے افسروں اور سپاہیوں کا بیحد خیال رکھتا تھا۔ رجمنٹ کے ارکان اسے" ہمارا شہزادہ" کہتے تھے اور اس پر فخر اور اس سے پیار کرتے تھے۔ تاہم وہ اپنی رجمنٹ کے صرف ان لوگوں سے پیار کرتا تھا جو اس کیلئے قطعی نئے تھے اور مختلف دنیا سے تعلق رکھتے تھے۔ ان لوگوں کو اس کے ماضی کا علم نہ تھا۔ جونہی اسے کوئی پرانا جاننے والا یا

ناف افسر مل جاتا تو اسے غصہ آ جاتا اور اس کا انداز انتقام اور نفرت آمیز ہو جاتا۔ اسے ماضی یاد دلانے والی ہر شے سے نفرت تھی۔ یہی وجہ تھی کہ پرانی دنیا سے اپنے تعلقات کے حوالے سے وہ محض اپنا فرض ادا کرنے اور ہر ایک سے انصاف کی کوشش کرتا رہتا تھا۔

درحقیقت شہزادہ آندرے ہر بات کا تاریک پہلو دیکھنے لگ گیا تھا۔ خاص طور پر جب 6 اگست کو سمولنسک دشمن کے حوالے کیا گیا جبکہ اس کا خیال تھا کہ شہر بچایا جا سکتا تھا اور جب اس کے باپ کو اپنی آبادی کی گئی جگہ بلیک ہلز چھوڑ کر جانا پڑا تو اس کی قنوطیت مزید بڑھ گئی۔ تاہم شہزادہ آندرے کے پاس سوچنے اور توجہ دینے کیلئے عام مسائل سے ہٹ کر ایک اور شے تھی اور یہ اس کی رجمنٹ تھی۔ 10 اگست کو اس کی رجمنٹ والا کالم بلیک ہلز کے قریب پہنچ گیا۔ دو روز قبل اسے اپنے باپ، بہن اور بیٹے کے ماسکو روانہ ہونے کی اطلاع ملی تھی۔ اگرچہ آندرے کو بلیک ہلز میں کوئی کام نہ تھا مگر اس نے اپنے ذاتی غم اور مصیبتوں کو مزید شدید بنانے کی خواہش کے زیر اثر وہاں جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے گھوڑے پر زین کسنے کا حکم دیا۔ رجمنٹ آگے چلتی رہی اور وہ اپنے باپ کی جاگیر کو چل دیا جہاں وہ پیدا ہوا تھا اور جہاں اس کا بچپن گزرا تھا۔ تالاب کے قریب جہاں کچھ ہی عرصہ قبل گاؤں کی درجنوں عورتیں کپڑے دھوتے ہوئے آپس میں بات چیت کر رہی ہوتی تھیں، وہاں اسے کوئی ذی روح دکھائی نہ دیا۔ دھوبی کے گھاٹ پر سٹینڈ ٹوٹ چکا تھا اور تالاب کے درمیان تیر رہا تھا۔ اس کا آدھا حصہ پانی میں ڈوب گیا تھا۔ وہ دربان کی کوٹھڑی کے قریب گیا۔ دروازہ اور کھلی کوٹھڑی دونوں ویران پڑے تھے۔ باغوں کی پگڈنڈیوں پر گھاس اگ رہی تھی اور انگریزی پارک میں گھوڑے اور ان کے بچے آوارہ پھر رہے تھے۔ وہ گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے پودگھر چلا گیا۔ دیواروں کے شیشے ٹوٹ چکے تھے اور بعض گملے الٹے ہوئے تھے۔ اس نے تاراس مالی کو آواز دی مگر کوئی جواب موصول نہ ہوا۔ پودگھر کا چکر لگا کر وہ باغ میں چلا گیا جس کی نقش ونگار سے مزین لکڑی کی دیوار ٹوٹ پھوٹ گئی تھی اور آلوچوں کی ٹہنیاں پھلوں سمیت توڑ لی گئی تھیں۔ ایک معمر کسان باغ کی نشست پر بیٹھا درخت کی چھال سے جوتا بنا رہا تھا۔ اس کسان کو آندرے بچپن سے جانتا تھا۔

وہ بہرا تھا اور اسے آندرے کی آمد کا علم ہی نہ ہو سکا۔ وہ بوڑھے شہزادے کے پسندیدہ بینچ پر بیٹھا تھا اور اس کے قریب مکولیا کی مرجھائی ہوئی شاخوں سے چھال لٹک رہی تھی۔

شہزادہ آندرے مکان کی جانب چل دیا۔ پرانے باغ میں لیموں کے کئی درخت موجود تھے اور مکان کے قریب گلاب کے پودوں میں ایک گھوڑی اور اس کا بچہ پھر رہے تھے۔ کھڑکیوں کے پٹ بند تھے اور صرف نچلی منزل کی کھڑکی کھلی تھی۔ ایک نوعمر کسان لڑکا آندرے کو دیکھ کر مکان میں بھاگ گیا۔

الفاچ اپنے اہلخانہ کو بھیج چکا تھا اور اب اکیلا بلیک ہلز میں مقیم تھا۔ وہ اندر بیٹھا "ولیوں کی کتاب" پڑھنے میں مصروف تھا۔ اس نے آندرے کی آمد کا سن کر عینک لگائی اور کوٹ کے بٹن بند کرتا باہر آ گیا۔ وہ شہزادہ آندرے کی جانب گیا اور کچھ کہے بغیر روتے ہوئے اس کا گھٹنا چومنا شروع کر دیا۔

بعد ازاں وہ اپنی ہی کمزوری پر پیچ و تاب کھاتا ایک جانب ہٹا اور اسے صورتحال سے آگاہ کرنے لگا کہ تمام قیمتی اشیاء باگوچاروف پہنچا دی گئی ہیں۔ غلہ بھی بھیج دیا گیا ہے اور مویشیوں کے چارے نیز غلے کی شاندار فصل نوجیوں کے قبضے میں چلی گئی ہے اور انہوں نے اسے پکنے سے پہلے ہی کاٹ لیا تھا۔ کسان برے حال میں ہیں، ان میں سے کچھ باگوچاروف جا چکے ہیں اور بعض ابھی تک یہیں ہیں۔ آندرے نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی پوچھا کہ اس کا والد اور بہن کب روانہ ہوئے تھے۔ وہ ان کی ماسکو روانگی کی بابت پوچھ رہا تھا۔ الفاچ نے فرض کر لیا کہ وہ

ان کی باگوچاروف روانگی کے بارے میں پوچھ رہا ہے۔ وہ جواباً بولا "وہ 7 تاریخ کو گئے تھے" اور ایک مرتبہ پھر جاگیر کے معاملات تفصیل سے بیان کرنے کے بعد ہدایات مانگنا شروع کر دیں۔

وہ کہہ رہا تھا "کیا میں جئی دے کر افسروں سے رسید لے لوں؟ ہمارے پاس اب بھی کافی مقدار بچی ہوئی ہے"

شہزادہ آندرے حیران تھا کہ اسے کیا جواب دے۔ اس کی نظریں بوڑھے الفاچ کے گنجے سر پر لگی ہوئی تھیں جو دھوپ میں چمک رہا تھا۔ الفاچ کے چہرے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اسے اپنے سوال کے بے موقع ہونے کا خود بھی احساس ہے تاہم اس نے یہ اپنے غم کی شدت میں کمی کیلئے پوچھا تھا۔

آندرے نے جواب دیا "ہاں، دے دو"

الفاچ کہنے لگا "جناب عالی! آپ کو باغ میں کچھ بے ترتیبی دکھائی دی تھی۔ صورتحال ہی ایسی ہوئی تھی کہ اسے روکنا ممکن نہ تھا۔ یہاں تین رجمنٹیں آ چکی ہیں اور ایک رات ٹھہری ہیں، ان میں زیادہ تعداد ڈریگون سپاہیوں کی تھی۔ میں نے شکایت کرنے کیلئے ان کے کمانڈر کا نام اور عہدہ لکھ لیا"

آندرے بولا "بہرحال، تمہارے کیا ارادے ہیں؟ اگر یہ جگہ دشمن کے قبضے میں چلی گئی تو کیا تم پھر بھی یہیں رہو گے؟"

الفاچ نے شہزادہ آندرے کی جانب دیکھا اور اچانک اپنا بازو اٹھا کر آسمان کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا "وہ میری حفاظت کرنے والا ہے اور جو وہ چاہے گا وہی ہوگا" کسانوں اور گھریلو ملازمین کا ایک گروہ چراگاہ سے ہوتا ہوا ادھر آ گیا۔ شہزادہ آندرے کے قریب آ کر انہوں نے اپنی ٹوپیاں اتار دیں۔

شہزادہ آندرے نے الفاچ پر جھکتے ہوئے کہا "ٹھیک ہے پھر، خدا حافظ! تم بھی یہ جگہ چھوڑ دو اور جو کچھ ساتھ لے جا سکتے ہو لے جاؤ، کسانوں کو کہہ دینا کہ وہ ریازان یا ماسکو والی جاگیر پر چلے جائیں"

الفاچ آندرے کی ٹانگوں سے لپٹ گیا اور رونے لگا۔ شہزادہ آندرے نے نرمی سے اپنی ٹانگ چھڑائی اور گھوڑے کو سرپٹ دوڑانے لگا۔

بوڑھا کسان ابھی تک وہیں بیٹھا تھا۔ اس کا چہرہ ہر قسم کے جذبات سے خالی تھا اور اس کی حالت اس مکھی کی سی تھی جو کسی مردہ شخص کے چہرے پر بیٹھی ہوتی ہے۔ وہ ابھی تک چھال سے جوتا بنانے میں مصروف تھا۔ دو چھوٹی لڑکیاں پودگھر سے بھاگی چلی آ رہی تھیں اور انہوں نے اپنی جھولیاں آلوچوں سے بھری ہوئی تھیں جو انہوں نے پودگھر سے توڑے تھے۔ وہ آندرے سے تقریباً ٹکرا ہی گئیں۔ انہوں نے جب اپنے چھوٹے آقا کو دیکھا تو درخت کے پیچھے چھپ گئیں اور گرے ہوئے آلوچے اٹھانے کیلئے بھی توقف نہ کیا۔

شہزادہ آندرے گھبرا کر تیزی سے گھوم گیا۔ وہ لڑکیوں پر یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ اس نے انہیں دیکھ لیا ہے۔ اسے چھوٹی سی ان سہمی ہوئی لڑکیوں پر ترس آ رہا تھا۔ وہ انہیں دیکھنا بھی چاہتا تھا مگر دیکھنے سے گھبرا بھی رہا تھا۔ اسطرح جب اس نے اپنی دلچسپیوں سے ہٹ کر دوسری جائز انسانی دلچسپی دیکھی تو اسے بے حد سکون ملا۔ یہ بات عیاں تھی کہ بچیاں سبز آلوچے لے جانا اور انہیں کھانا چاہتی تھیں اور اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی چاہتی تھیں کہ کوئی انہیں دیکھ نہ پائے۔ اسی طرح شہزادہ آندرے بھی انہیں اپنی کوشش میں کامیاب دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ ایک مرتبہ پھر نہ چاہتے ہوئے بھی ان کی جانب دیکھنے لگا۔ وہ خود کو محفوظ سمجھ کر بار یک آوازوں میں ایک دوسرے کو کچھ کہتے ہوئے اپنے چھوٹے چھوٹے ننگے

پاؤں سے گھاس پر بھاگنے لگیں۔

شہزادہ آندرے گرد آلود مرکزی سڑک سے ہٹ کر سفر کرنے کے نتیجے میں قدرے تازہ دم ہو گیا مگر بلیک ہلز کے کچھ دور دوبارہ مرکزی سڑک پر پہنچ گیا۔ اس کی رجمنٹ نے بند کے کنارے عارضی قیام کیا تھا اور وہ وہاں اس سے آملا۔ دوپہر کے ایک بج چکے تھے۔ گرد میں سورج سرخ گولے کی مانند دکھائی دے رہا تھا۔ آندرے نے کالا کوٹ پہن رکھا تھا اور سورج کی گرمی اس کے جسم کو ناقابل برداشت انداز سے جلائے جاتی تھی۔ فوجی آرام کر رہے تھے اور گرد کا بادل حسب سابق ان کے سروں پر ساکت کھڑا تھا۔ ہوا بند تھی۔ شہزادہ آندرے بند کے قریب سے گزرا تو جھیل کے پانی کی تازہ خوشبو اس کی ناک میں گھسنے لگی۔ اس کا دل چاہا کہ وہ پانی میں چھلانگ لگا دے خواہ یہ کتنا ہی گندا کیوں نہ ہو۔ اس نے پانی پر نظر ڈالی۔ وہاں سے چیخنے چلانے اور ہنسنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ چھوٹی سی جھیل پر سبز کیچڑ پھیلا ہوا تھا اور پانی ایک فٹ بلند ہو کر بند کے اوپر بہہ رہا تھا۔ برہنہ گورے جسم پانی کو ادھر ادھر اچھال رہے تھے اور ان کے ہاتھ، چہرے اور گردنیں اینٹوں کی طرح سرخ تھیں۔ یہ تمام چیختے چلاتے، ہنستے اور کھانستے جسم گندے پانی میں اس کارپ مچھلی کی طرح ادھر ادھر ٹکرا رہے تھے جسے پانی کے چھوٹے سے برتن میں بند کر دیا جاتا ہے۔ وہ پانی میں چھپ چھپ کرتے اور کیچڑ کے چھینٹے اڑانے میں مصروف تھے اور اسی سے ان کی حالت افسوسناک ہو رہی تھی۔

تیسری کمپنی کے ایک سرخ بالوں والے نوجوان سپاہی نے پنڈلی کے گرد سرخ پٹی لپیٹ رکھی تھی۔ شہزادہ آندرے اسے جانتا تھا۔ اس نے سینے پر صلیب کا نشان بنایا، دوڑنے کیلئے پیچھے ہٹا اور پھر پانی میں چھلانگ لگا دی۔ دھوپ میں جھلسے بدن کا مالک ایک سارجنٹ پانی میں کھڑا تھا جو اس کی کمر تک پہنچتا تھا۔ وہ اپنے سیاہ ہاتھوں سے سر پر پانی ڈالنے لگا۔ اسے بیحد اطمینان تھا۔ اس کا ورزشی جسم جھول رہا تھا اور وہ خوشی سے نتھنے پھلائے جاتا تھا۔ لوگ ایک دوسرے کو دھکے دیتے ہوئے چیخ چلا رہے تھے۔

بند کنارے اور پانی میں ہر جگہ گورے، صحتمند اور مضبوط انسانی جسم موجود تھے۔ چھوٹی سی سرخ ناک والا افسر تیموخن اپنا جسم تولیے سے صاف کر رہا تھا۔ شہزادہ آندرے کو دیکھ کر وہ شرما گیا تاہم اس نے اس سے بات کا فیصلہ کر لیا۔

وہ آندرے سے کہنے لگا "جناب عالی! بہت لطف آ رہا ہے، کیا آپ نہائیں گے؟"

شہزادے نے برا سا منہ بنا کر جواب دیا "بہت گندا پانی ہے"

تیموخن بولا "ہم اسے فوری خالی کر دیں گے" یہ کہہ کر وہ فوجیوں کو پانی سے باہر نکالنے کیلئے بھاگ اٹھا۔ اس نے کپڑے بھی نہیں پہنے تھے۔ وہ چلا کر بولا "شہزادہ نہانا چاہتے ہیں"

مختلف آوازیں سنائی دیں "کون شہزادہ؟ ہمارا شہزادہ؟ سپاہیوں نے اس کیلئے پانی اتنا جلد خالی کر دیا کہ شہزادہ آندرے کو انہیں روکنا دشوار ہو گیا۔ اس نے سوچا کہ چھپر تلے اپنے جسم پر پانی ڈالنا ہی مناسب ہوگا۔ اپنے برہنہ جسم کو دیکھتے ہوئے وہ سوچنے لگا "گوشت، توپوں کا ایندھن" یہ سوچ کر اسے جھرجھری آ گئی۔ اس کا جسم سردی سے نہیں بلکہ گندے پانی میں چھینٹے اڑاتے ننگے جسموں کو دیکھ کر ہونیوالے تنفر کے احساس سے کانپا تھا اور یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔

☆☆☆

7 اگست کو شام کے وقت شہزادہ باگراتیاں نے سمولنسک کی سڑک پر واقع میخائلوکا نامی گاؤں میں اپنی جائے

قیام سے آراک چیف کے نام خط تحریر کیا۔ اگرچہ خط آراک چیف کے نام لکھا گیا تھا تاہم اسے معلوم تھا کہ یہ زار تک بھی پہنچے گا چنانچہ اس نے ہر لفظ احتیاط سے تحریر کیا۔ باگراتیاں نے لکھا:

"پیارے نواب الیکسی آندریوچ۔۔۔ میرا خیال ہے کہ وزیر نے آپ کو بتا دیا ہوگا کہ سمولنسک دشمن کے حوالے کیا جا چکا ہے۔ یہ تکلیف دہ اور افسوسناک صورتحال ہے اور اس اہم مقام سے یوں پیچھے ہٹنے پر پوری فوج کو مایوسی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ میں نے زبانی اور بعد ازاں تحریری طور پر بھرپور درخواست کی مگر اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ میں اپنی عزت کی قسم کھا کر کہوں گا کہ نپولین زندگی بھر ایسے تذبذب میں نہیں پڑا ہوگا۔ وہ اپنی آدھی فوج گنوا کر بھی سمولنسک پر قبضہ نہیں کر سکتا تھا۔ ہماری فوج جس طرح لڑی اور لڑ رہی ہے پہلے کبھی اس انداز میں نہیں لڑی ہوگی۔ میرے پاس پندرہ ہزار فوج تھی اور میں نے پینتیس گھنٹے تک دشمن کو اپنے قریب بھی نہ آنے دیا۔ تاہم وہ چودہ گھنٹے کیلئے بھی کھڑا نہ رہ سکا۔ یہ امر ہماری فوج کیلئے بے عزتی کے مترادف ہے۔ اسے تو اب زندہ بھی نہیں رہنا چاہئے۔ اگر وہ یہ اطلاع دیتا ہے کہ ہمارا بھاری جانی نقصان ہوا تو یہ درست نہ ہوگی۔ شاید چار ہزار کے قریب اتلاف ہوئیں، اتنی بھی نہیں ہوں گی تاہم اگر یہ تعداد دس ہزار بھی ہوتی تو کیا تھا، جنگ میں تو ہوتا ہے البتہ دشمن کی اتلاف بے شمار تھیں"

"اگر ہم مزید دو دن بھی اپنی جگہ قائم رہتے تو اسے کس قدر نقصان ہوتا؟ فرانسیسیوں کیلئے پیچھے ہٹنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہوتا کیونکہ ان کے پاس اپنے فوجیوں اور گھوڑوں کیلئے پانی ہی نہ تھا۔ اس نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ پیچھے نہیں ہٹے گا مگر اس نے اچانک پیغام بھیج دیا کہ وہ اسی رات پسپا ہو رہا ہے۔ اس طرح جنگ نہیں لڑی جا سکتی۔ یہی حال رہا تو پھر دشمن بہت جلد ماسکو پہنچ جائے گا۔۔۔"

"سنا ہے کہ آپ صلح پر غور کر رہے ہیں۔ خدا نہ کرے کہ آپ ایسی بات سوچیں۔ اتنی زیادہ قربانیاں دینے اور پاگلوں کی طرح پیچھے ہٹنے کے بعد صلح کی بات کر کے آپ تمام روس کو اپنا مخالف بنا لیں گے اور ہم سب کو روسی وردی پہنتے شرم محسوس ہوگی۔ اگر بات یہاں تک پہنچ گئی ہے تو پھر جب تک روس میں ہمت ہے اور جب تک ڈٹے رہنے کا حوصلہ رکھنے والے لوگ موجود ہیں ہمیں لڑتے رہنا ہوگا۔۔۔"

"فوج کی کمان دو کی بجائے ایک شخص کے ہاتھوں میں ہونی چاہئے۔ آپ کا وزیر وزارت تو چلائے گا مگر جرنیل کی حیثیت سے وہ برا ہی نہیں بلکہ بیحد برا ہے، اس کے باوجود ملک کی قسمت اس کے ہاتھوں میں دے دی گئی ہے۔۔۔ میں اپنی تحریر میں گستاخانہ جملوں پر معافی چاہوں گا مگر غصے میں میرا دماغ ٹھکانے نہیں رہا۔ یہ بات واضح ہے کہ جو شخص صلح کرنے اور فوج کی کمان وزیر کے سپرد کرنے کا مشورہ دیتا ہے اسے شہنشاہ سے کوئی وابستگی نہیں اور وہ ہم سب کو تباہ و برباد کرنا چاہتا ہے۔ سو میں راست گوئی سے کام لیتے ہوئے آپ سے تحریری درخواست کر رہا ہوں کہ ملیشیا کو محاذ جنگ پر پہنچنے کا حکم دیا جائے کیونکہ وزیر ہمارے مہمانوں کو بیحد مہارت سے ماسکو لے جا رہا ہے۔ تمام فوج شاہی ایجوٹنٹ وولزوگن کو شبے کی نگاہوں سے دیکھتی ہے۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ہم سے زیادہ نپولین کا وفادار ہے اور وہی وزیر کو اوٹ پٹانگ مشوروں سے نوازتا رہتا ہے۔ میں اس کے ساتھ محض خوش اخلاقی سے ہی پیش نہیں آتا بلکہ عام سپاہی کے انداز میں اس کے احکامات بجا لاتا ہوں جبکہ میں اس سے سینئر بھی ہوں۔ اگرچہ یہ تکلیف دہ امر ہے تاہم میں نے اپنے شہنشاہ اور محسن سے محبت کی بنا پر سر جھکا دیا ہے۔ مجھے صرف اس بات کا دکھ ہے کہ ہمارے شہنشاہ نے ہماری بہادر فوج کو کیسے شخص کے حوالے کر دیا ہے۔ ذرا غور کیجئے کہ پیچھے ہٹنے کے دوران ہمیں صرف تھکاوٹ کی وجہ سے پندرہ ہزار سے زائد فوجی ہسپتالوں میں چھوڑنا پڑے۔ اگر ہم نے دشمن پر حملہ کیا تو صورتحال مختلف ہوتی۔

خدا کیلئے مجھے بتا ئیں کہ اس بزدلی پر روس۔۔۔ مادر وطن۔۔۔ کے کیا جذبات ہوں گے۔ ہم اپنے خوبصورت اور پیارے ملک کو ایسے باغیوں کے حوالے کر کے عوام کے دلوں میں نفرت اور شرم کے جذبات کیوں پیدا کر رہے ہیں؟ ہم کس بات سے ڈرتے ہیں؟ اگر وزیر ناپختہ ارادوں کا مالک، بزدل، کم عقل اور تاخیر پسند اور بری خصوصیات کا مالک ہے تو اس میں میرا کیا قصور؟ تمام فوج اس سے تنگ ہے اور اسے گالیاں بکتی ہے۔۔۔"

☆☆☆

(6)

زندگی کے مظاہر کو جن بے شمار حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے ان کے مجموعے سے دو بڑے حصے بنائے جا سکتے ہیں۔ ایک حصہ وہ جس میں مادے کو غلبہ حاصل ہوتا ہے اور دوسرے میں شکل کو اہم مقام مل جاتا ہے۔ پیٹرز برگ کی زندگی اور خاص طور پر اس کے ڈرائنگ رومز کے انداز و اطوار میں کبھی کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوتی اور یہ زندگی دیہی، قصباتی، صوبہ جاتی بلکہ ماسکو کی زندگی سے بھی مختلف ہے۔

1805ء سے 1812ء کے درمیانی عرصہ میں یہ صورتحال تھی کہ کبھی نپولین سے ہماری صلح ہو جاتی اور کبھی دشمنی۔ ہم نئے آئین بناتے اور توڑتے رہے مگر اینا پاؤلونا اور ایلین کے سیلون پہلے جیسے ہی رہے۔ ایک سات جبکہ دوسرا پانچ سال پرانا تھا۔ اینا پاؤلونا کے سیلون میں شریک ہونیوالے لوگوں کو بونا پارٹ کی کامیابیاں پریشان کئے رکھتیں اور انہیں ان کامیابیوں میں ریشہ دوانیوں کا احساس ہوتا رہتا تھا جن کا واحد مقصد درباری حلقوں کیلئے ناخوشگوار صورتحال پیدا کرنا ہوتا تھا جن کی اینا پاؤلونا نمائندہ تھی۔ ایلین کے گھر میں اکٹھے ہونیوالے لوگ 1812ء میں بھی "عظیم قوم" اور "عظیم انسان" کے بارے میں اسی مسرت سے باتیں کرتے تھے جس طرح 1808ء میں کی جاتی تھیں۔ یہاں رومیانتسیف بھی آتا رہتا تھا کیونکہ وہ ایلین کو غیر معمولی طور پر ذہین خاتون تصور کرتا تھا۔ یہ لوگ فرانس کے ساتھ رابطے منقطع ہونے پر افسوس کا اظہار کرتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ آخرکار دونوں قوموں میں صلح ہو جائے گی۔

کچھ ہی عرصہ قبل زار کی فوج سے واپسی پر ان دونوں متحارب سیلونوں میں ہلچل کی سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی جس کا نتیجہ باہمی مخالفت کی صورت میں نکلا تھا البتہ دونوں حلقوں کی عصبیت برقرار تھی۔ اینا پاؤلونا کے حلقے میں صرف وہی فرانسیسی شریک ہو سکتے تھے جو فرانس میں موروثی بادشاہت کا نظام بحال کرنا چاہتے تھے اس حوالے سے ان کا موقف غیر لچکدار تھا۔ یہاں حب الوطنی کا مظاہرہ کچھ ایسی باتوں سے ہوتا تھا کہ کسی کو فرانسیسی تھیٹر کا رخ نہیں کرنا چاہئے اور فرانسیسی طائفے کی دیکھ بھال پر ہونیوالے اخراجات سے فوج کی ایک کور کا خرچ نکالا جا سکتا ہے۔ جنگ کے بارے میں اطلاعات ذوق و شوق سے جمع کی جاتیں اور انہیں بھرپور توجہ سے سنا جاتا تھا۔ اس حلقے میں اپنی فوج کے بارے میں صرف وہی باتیں پھیلائی جاتی تھیں جن سے تعریف و توصیف کا اظہار ہوتا تھا۔ ایلین اور رومیانتسیف کے فرانسیسی حلقے میں دشمن کے جنگی مظالم کی خبروں کی تردید کی جاتی اور صلح کے بارے میں نپولین کی کوششوں کا تذکرہ ہوتا۔ یہاں ان لوگوں کو برا بھلا کہا جاتا تھا جو مادر ملکہ کی نگرانی میں چلنے والی خواتین کی درسگاہوں کو فوری طور پر کازان منتقل کرنے کی تجاویز دیتے تھے۔ ایلین کے حلقے میں جنگ کو فوجی قوت کے رسمی اظہار کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا اور یہ خیال کیا جاتا تھا کہ جنگ بہت جلد صلح میں بدل جائے گی۔ وہاں یہ نقطہ نظر بیحد مقبول تھا کہ اس قضیے کا فیصلہ گولہ بارود کی بجائے وہ لوگ کریں گے جن کا ذہن اس معاملے کی پیدائش کا ذمہ دار تھا۔ اس نکتے کا اظہار بلبن نے کیا تھا جو پیٹرز برگ آ چکا تھا اور ایلین کے

سیلون میں باقاعدگی سے آتا جاتا تھا جہاں ہر ہوشیار اور ذہین نوجوان حاضری دینا اپنے شایان شان سمجھتا تھا۔ پیٹرز برگ میں زار کی واپسی کے ساتھ ہی ماسکو کے لوگوں کی وطن سے پرجوش محبت کی خبر بھی پہنچ گئی اور ایلین کے سیلون میں اسے طنز کا نشانہ بنایا جاتا البتہ اس حوالے سے محتاط انداز میں گفتگو کی جاتی تھی۔

دوسری جانب اینا پاؤلونا کے حلقے میں ماسکو والوں کے جوش و خروش پر خوشی کا اظہار کیا جاتا اور یہ لوگ اس کا ذکر یوں کرتے تھے جیسے پلوتارچ قدیم رومنوں کا تذکرہ کرتا ہے۔ شہزادہ ویسلے ابھی تک پرانے عہدوں پر قابض تھا اور ان دونوں حلقوں کے درمیان رابطے کا ذریعہ بنا ہوا تھا۔ وہ اینا پاؤلونا کے ہاں بھی جاتا اور اپنی بیٹی کے سیلون میں بھی شرکت کرتا۔ دونوں مقامات پر جانے کے نتیجے میں اس کے خیالات میں الجھاؤ پیدا ہو گیا تھا اور اسے جو باتیں اینا پاؤلونا کے ہاں کہنا ہوتیں وہ انہیں ایلین کے حلقے میں کہہ دیتا اور ایلین کی طرف کی جانیوالی باتیں اینا پاؤلونا کے ہاں کہہ ڈالتا۔

زار کی آمد کے کچھ عرصہ بعد شہزادہ ویسلے نے اینا پاؤلونا کے ہاں بات چیت کے دوران بارکلے ڈی تولی پر شدید تنقید کی۔ تاہم وہ اس بارے میں کوئی واضح رائے نہ دے سکا کہ کمانڈر انچیف کسے ہونا چاہئے۔ ایک مہمان نے جسے عموماً "بیحد خوبیوں کا مالک" کہا جاتا تھا، نے محتاط انداز میں رائے دی کہ "کوتوزوف میں کمانڈر انچیف کی تمام خوبیاں پائی جاتی ہیں" اس دن وہ پیٹرز برگ ملیشیا کی سربراہی سنبھالنے والے کوتوزوف سے ملا تھا جو وزارت خزانہ میں رنگروٹوں کی بھرتی کیلئے ایک اجلاس کی صدارت کر رہا تھا۔

اینا پاؤلونا افسردگی سے مسکرائی اور کہنے لگی "کوتوزوف نے زار کو ناراض کرنے کے سوا کچھ نہیں کیا"

شہزادہ ویسلے کہنے لگا "میں امراء کی اسمبلی میں کئی مرتبہ یہی بات کہہ چکا ہوں مگر کوئی سنتا ہی نہیں۔ میں نے انہیں کہا تھا کہ اگر انہوں نے اسے ملیشیا کا سربراہ بنایا تو شہنشاہ معظم خوش نہیں ہوں گے تاہم انہوں نے میری بات ہی نہ سنی۔ دراصل یہ تمام لوگ حزب اختلاف کا کردار ادا کرنا چاہتے ہیں" اس نے بات جاری رکھی اور کہنے لگا "اور وہ یہ سب کچھ کیوں کر رہے ہیں؟ صرف اس لیے کہ وہ ماسکو والوں کے بیوقوفانہ جوش و جذبے کی نقل کرنا چاہتے ہیں" اس لمحے وہ یہ بھول گیا کہ اس جوش و جذبے کا مذاق صرف ایلین کے حلقے میں ہی اڑایا جا سکتا ہے اور اینا پاؤلونا کے حلقے میں اس بات کو اچھی نگاہ سے دیکھا جانا چاہئے۔ تاہم اس نے خود کو فوری سنبھال لیا اور کہنے لگا "کیا روس کے معمر ترین جرنیل کوتوزوف کو اس اجلاس کی صدارت زیب دیتی ہے؟ اسے اس سے کچھ نہیں ملے گا۔ نجانے انہوں نے اس شخص کو کیسے کمانڈر انچیف بنا دیا جو گھوڑے پر نہیں بیٹھ سکتا، اجلاس میں سو جاتا ہے اور جس کا اخلاقی کردار شرمناک ہے۔ بخارسٹ میں اس نے کیا شہرت حاصل کی؟ میں جرنیل کی حیثیت سے اس کی خوبیوں کا تذکرہ نہیں کر رہا تاہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہم اس زمانے میں اس جیسے بوڑھے، کمزور اور اندھے کی تقرری عمل میں لا سکتے ہیں؟ اندھے جرنیل کا تقرر، کیا خوب بندہ چنا ہے۔ ارے اسے تو دکھائی ہی نہیں دیتا"

کسی نے اس سے اختلاف نہ کیا۔

24 جولائی کو یہ نقطہ نظر بالکل درست تسلیم کیا گیا۔ مگر 29 تاریخ کو کوتوزوف نے شہزادے کا خطاب وصول کیا۔ یہ اقدام بظاہر اس خواہش کی غمازی کرتا تھا کہ شاید اس سے جان چھڑانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس صورتحال میں بھی شہزادہ ویسلے کی رائے درست تھی تاہم وہ اس کا اظہار کرنے پر مائل نہ ہوا۔ 8 اگست کو فیلڈ مارشل سالتیکوف، آراکچیف، ویز میتنوف، لوپوخن اور کوچوبے پر مشتمل ایک کمیٹی کا جنگی کارروائیوں کا جائزہ لینے کیلئے اجلاس ہوا۔ کمیٹی اس نتیجے

پرپہنچی کہ ناکامیوں کی وجہ تقسیم شدہ کمان ہے۔ اگرچہ کمیٹی کو علم تھا کہ زار کوتوزوف کو ناپسند کرتا ہے تاہم انہوں نے تھوڑی دیر غوروفکر کے بعد متفقہ طور پر یہ مشورہ دینے کا فیصلہ کیا کہ اسے کمانڈر انچیف مقرر کر دیا جانا چاہئے۔ کوتوزوف کو اسی دن کمانڈر انچیف بنا دیا گیا اور اسے فوجوں اور ان کے زیر قبضہ علاقوں کے تمام اختیارات دے دیئے گئے۔

(9 اگست کو اینا پاؤلونا کے ہاں شہزادہ ویسلے ایک مرتبہ پھر "بیحد خوبیوں کے مالک" سے ملا۔ اس شخص کو امید تھی کہ اسے مادر ملکہ کے زیرنگرانی کام کرنیوالے تعلیمی اداروں میں سے کسی میں اہم مقام مل جائے گا، اسی وجہ سے وہ اینا پاؤلونا کی باتوں پر عمل کیلئے تیار تھا۔ شہزادہ ویسلے فاتحانہ انداز سے کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر کچھ ایسا تاثر تھا جیسے دلی مراد بر آئی ہو۔

ویسلے نے حاضرین محفل سے کہا "ہاں، تو پھر آپ لوگوں نے شاندار خبر سنی؟ شہزادہ کوتوزوف کو کمانڈر انچیف بنا دیا گیا ہے! تمام اختلافات بھلا دیئے گئے ہیں۔ مجھے بیحد خوشی ہے، مت پوچھیں کہ کتنی خوشی ہے۔ بالآخر ہمیں وہ شخص مل ہی گیا" یہ بات کہتے ہوئے اس نے تمام لوگوں کی جانب فیصلی اور معنی خیز نگاہوں سے دیکھا۔

"بیحد خوبیوں کا مالک" اپنے پسندیدہ عہدے کے حصول کی خواہش کے باوجود شہزادہ ویسلے کو اس کی پرانی رائے یاد دلانے سے نہ رہ سکا (شہزادہ ویسلے اور اینا پاؤلونا کے خیال میں ایسا انداز گفتگو آداب کیخلاف تھا تاہم وہ رہ نہ سکا)۔

وہ کہنے لگا "مگر کہتے ہیں کہ وہ اندھے ہیں" اس نے شہزادے کو اس کی بات یاد دلائی۔

شہزادہ ویسلے نے کھنکارتے ہوئے تیزی سے کہا "فضول بات، انہیں اچھی طرح نظر آتا ہے" وہ اپنے اس انداز سے تمام مشکلات سے چھٹکارا پا لیتا تھا۔ وہ اپنی بات دہراتے ہوئے بولا "وہ اچھی طرح دیکھتے ہیں، اور مجھے سب سے زیادہ خوشی اس بات پر ہے کہ شہنشاہ نے انہیں اپنی تمام فوجوں اور علاقوں پر تمام تر اختیارات تفویض کر دیئے ہیں۔ قبل ازیں یہ اختیارات کسی کمانڈر انچیف کو نہیں ملے تھے"

اینا پاؤلونا نے کہا "خدا کرے ایسا ہی ہو"

"بیحد خوبیوں کا مالک" جو ابھی درباری حلقوں میں نیا نیا وارد ہوا تھا، اینا پاؤلونا کی پرانی رائے کو درست ثابت کر کے اس کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتا تھا، سو وہ کہنے لگا "سنتے ہیں کہ شہنشاہ کوتوزوف کو یہ اختیارات دینے سے ہچکچا رہے تھے اور لوگ کہتے ہیں کہ جب انہوں نے کوتوزوف سے یہ کہا کہ "تمہارا شہنشاہ اور تمہارا وطن تمہیں یہ اعزاز دے رہے ہیں" تو وہ لڑکیوں کی طرح شرما گئے"

اینا پاؤلونا بولی "شاید وہ دل سے ایسا نہ چاہتے ہوں"

شہزادہ ویسلے غصے میں بولا "اوہو نہیں، ایسا نہیں ہے" اب اس کیلئے کوتوزوف پر کسی اور کو ترجیح دینا ممکن نہیں رہا تھا۔ اس کے خیال میں کوتوزوف نہ صرف خود تعریف کے قابل تھا بلکہ ہر شخص اسے چاہتا اور اس کی قدر کرتا تھا۔ سو وہ کہنے لگا "نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا۔ شہنشاہ نے ان کی ہمیشہ بیحد قدر کی ہے"

اینا پاؤلونا کہنے لگی "خدا کرے کہ کوتوزوف صحیح معنوں میں اختیارات سنبھال لیں اور کسی کو اپنے معاملات میں مداخلت نہ کرنے دیں"

شہزادہ ویسلے اینا پاؤلونا کا اشارہ فوری سمجھ گیا اور مدھم آواز میں بولا "میں جانتا ہوں اور یہ بات درست ہے کہ کوتوزوف نے شرط عائد کی تھی کہ زاریوچ فوج میں نہیں رہیں گے اور آپ جانتی ہیں کہ انہوں نے شہنشاہ سے

کیا کہا؟" پھر شہزادہ ویسلے نے وہ الفاظ دہرائے جن کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ کوتوزوف نے زار سے کہے تھے کہ "میں انہیں غلطی پر سزا اور اچھی کارکردگی پر صلہ نہیں دے سکتا۔ دیکھیں شہزادہ کوتوزوف کس قدر ہوشیار ہیں، میں انہیں بہت پہلے سے جانتا ہوں"

"بیحد خوبیوں کے مالک" نے کہا "یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے واضح شرط عائد کی تھی کہ خود شہنشاہ بھی فوج کے ساتھ نہیں رہیں گے" وہ درباری لوگوں کی موقع شناسی سے ناآشنا تھا۔

اس نے یہ الفاظ کہے ہی تھے کہ شہزادہ ویسلے اور اینا پاؤلونا نے رخ پھیر لیا اور افسردگی سے ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔ اس کی سادگی پر دونوں آہ بھر کر رہ گئے۔

(7)

جب پیٹرزبرگ میں یہ کچھ ہو رہا تھا تو فرانسیسی سمولنسک سے گزرنے کے بعد ماسکو سے قریب ہوتے چلے جا رہے تھے۔ نپولین کا مورخ تھیئرز اس کے دیگر مورخین کی طرح اپنے ہیرو کو حق بجانب قرار دینے کیلئے کہتا ہے کہ "حالات نپولین کی مرضی کے خلاف اسے ماسکو کی جانب لے گئے" وہ اپنے اس دعوے میں اتنا ہی درست ہے جتنا کہ روسی مورخ، جو تاریخی واقعات کو کسی شخص کی خواہشات کے تناظر میں دیکھتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ روسی جرنیلوں کی چالیں اسے ماسکو تک لے آئی تھیں۔ اس معاملے میں استقدادی قانون کے علاوہ باہمی تعلق کا عنصر بھی آ جاتا ہے اور تمام معاملہ گنڈمڈ ہو جاتا ہے۔ شطرنج کے اچھے کھلاڑی کو مات کے بعد قوی یقین ہوتا ہے کہ اس کی ناکامی کی غلط چال کا سبب تھی اور وہ کھیل کے شروع میں سرزد ہونیوالی اپنی اس غلطی کو تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ یہ بات بھول جاتا ہے کہ کھیل کے ہر مرحلے میں ایسی سنگین غلطیاں ہوتی رہتی ہیں اور کوئی بھی چال بالکل درست قرار نہیں دی جا سکتی۔ وہ جس غلطی پر توجہ مرکوز کرتا ہے وہ اس کی نظروں میں آ جاتی ہے کیونکہ اس کے حریف کھلاڑی نے اس غلطی سے بھرپور فائدہ اٹھایا ہوتا ہے۔ جنگ اس سے بھی زیادہ پیچیدہ کھیل ہے۔ اسے وقت کی کچھ مخصوص حدوں میں رہ کر کھیلنا ہوتا ہے اور یہاں فرد واحد کا معاملہ نہیں ہوتا کہ شطرنج کی طرح بے جان اشیاء کو ادھر ادھر کرتا رہے بلکہ یہاں اس کا سامنا مختلف انسانوں کی خواہش سے ہوتا ہے اور یہ خواہشات ایک دوسرے سے متصادم ہوتی ہیں اور تب ہی کوئی نتیجہ نکلتا ہے۔

سمولنسک کے بعد نپولین نے ڈوروگوبز، ویازما اور پھر ساویوزنچی کے مقام پر جنگ کی کوشش کی۔ تاہم بے شمار مرتبہ مختلف حالات نے کچھ ایسی صورت بنا دی کہ روسی ماسکو سے ایک سو بیس کلومیٹر دور بورودینو تک پہنچنے سے قبل جنگ کیلئے تیار نہ ہو سکے۔ نپولین نے ویازما سے سیدھا ماسکو کی جانب بڑھنے کا حکم جاری کر دیا۔

"ماسکو، اس عظیم سلطنت کا دارالحکومت، الیگزنڈر کے لوگوں کا مقدس شہر، ماسکو، چینی پگوڈوں کی طرح بے شمار گرجا گھروں کا شہر"

اس ماسکو نے نپولین کو چین نہ لینے دیا۔ ویازما سے ساویوزنچی تک سفر کے دوران وہ سفیدی مائل انگریزی گھوڑے پر سوار رہا۔ اس کے ساتھ شاہی دستے کے سپاہی، محافظ، نوکر اور ایجوٹنٹ تھے۔ اس کے عملے کا کمانڈر برتھیر ایک روسی قیدی سے تفتیش کیلئے پیچھے رہ گیا تھا۔ وہ اپنے ترجمان للوری کے ساتھ تیزی سے گھوڑا بھگاتا نپولین کے پاس آ گیا اور مسکراتے ہوئے گھوڑا روک دیا۔

نپولین نے کہا "ہاں!"

برتھیئر بولا "پلاتوف کی فوج کا قازق ہے، بتاتا ہے کہ پلاتوف کی فوج بڑی فوج میں مدغم ہو رہی ہے اور کوتوزوف کو کمانڈر انچیف مقرر کر دیا گیا ہے۔ بیحد تیز طرار شخص ہے"

نپولین مسکرایا اور قازق کو گھوڑا دینے اور اپنے سامنے پیش کرنے کا حکم جاری کیا۔ وہ خود اس سے گفتگو کا خواہشمند تھا۔ کئی ایجوٹنٹ گھوڑے دوڑاتے واپس گئے اور ایک گھنٹے بعد دینی سوف کے نوکر لاورشکا کو نپولین کے سامنے پیش کر دیا گیا جسے دینی سوف نے رستوف کے حوالے کر دیا تھا۔ لاورشکا فرانسیسی گھوڑے پر بیٹھا تھا اور اس نے اردلی کا کوٹ زیب تن کر رکھا تھا۔ وہ چہرے سے ہی ہوشیار چالاک معلوم ہوتا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے اس نے شراب پی رکھی ہے۔ نپولین نے اسے اپنے ساتھ ساتھ چلنے کا حکم دیا اور اس سے سوال و جواب شروع کر دیئے۔

اس نے پوچھا "کیا تم قازق ہو؟"

لاورشکا بولا "جی ہاں، جناب عالی"

تھیئر یہ واقعہ تحریر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "قازق کو علم نہ تھا کہ وہ کس شخص کیساتھ چل رہا ہے کیونکہ نپولین کے سادہ لباس کو دیکھ کر کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ کسی شہنشاہ کے ساتھ ہے چنانچہ وہ جنگی واقعات کے حوالے سے بے تکلفانہ گفتگو کرتا رہا۔ بات یوں تھی کہ ایک دن پہلے لاورشکا نے ضرورت سے زیادہ ہی پی لی اور ہوش کھو بیٹھا۔ اس نے اپنے آقا کیلئے کھانا بھی تیار نہ کیا۔ اس وجہ سے اسے سخت سزا دینے کے بعد مرغیوں کی تلاش میں گاؤں کی جانب بھیج دیا گیا جہاں وہ لوٹ مار میں مصروف ہو گیا اور پھر فرانسیسیوں کے ہاتھ چڑھ گیا۔ انہوں نے اسے گرفتار کر کے قیدی بنا لیا۔ لاورشکا کا شمار ان مکار اور ڈھیٹ افراد میں ہوتا تھا جو بیحد تجربہ کار ہونے کے ناطے ہر معاملے میں چالاکی اور مکروفریب سے کام لیتے ہیں۔ ایسے لوگ اپنے مالکوں کا ہر کام کرنے پر تیار رہتے ہیں اور ان کے سفلی جذبات جاننے کیلئے بے چین رہتے ہیں جو عام طور پر غرور اور کم ظرفی سے پیدا ہوتے ہیں۔ لاورشکا نے نپولین کو پہچاننے میں کوئی غلطی نہ کی اور جب اس نے خود کو اس کے ساتھ دیکھا تو اسے ذرا برابر بھی جھجک محسوس نہ ہوئی۔ اس کی بجائے وہ اپنے نئے مالک کی خوشنودی کے حصول میں جت گیا۔

اسے اچھی طرح علم تھا کہ یہ نپولین ہے تاہم جس طرح رستوف یا سارجنٹ کی چھڑیوں سمیت موجودگی اسے خوف زدہ نہیں کر سکتی تھی بعینہ اسی طرح وہ نپولین کی موجودگی سے بھی پریشان نہ ہوا کیونکہ اس کے پاس کوئی ایسی شے نہ تھی جو سارجنٹ یا نپولین چھین لیتا۔

وہ افسروں کے نوکروں سے سنی ہوئی باتیں تیزی سے دہرانے لگا۔ ان میں سے اکثر باتیں درست تھیں مگر جب نپولین نے اس سے پوچھا کہ روسیوں کے خیال میں وہ اسے شکست دے پائیں گے یا نہیں، تو لاورشکا نے آنکھیں سکیڑ کر سوچنا شروع کر دیا۔

اسے اس سوال میں کچھ مکاری چھپی دکھائی دی جیسا کہ اس جیسے اشخاص کو ہر بات میں نظر آتی ہے۔ چنانچہ اس کے ابرو تن گئے اور اس نے فوری طور پر کوئی جواب نہ دیا۔

بعد ازاں وہ سوچتے ہوئے بولا "بات دراصل یہ ہے کہ اگر اسی وقت جنگ چھڑ جائے تو آپ فاتح ہوں گے تاہم تین دن دیر ہو گئی تو پھر معاملہ طول پکڑ لے گا" للوری مسکرایا اور نپولین کے سامنے اس کی بات کا کچھ یوں ترجمہ کیا کہ "اگر آئندہ تین روز میں جنگ شروع ہو گئی تو فرانسیسی جیت جائیں گے مگر دیر ہوئی تو نجانے کیا ہو" اگرچہ بظاہر نپولین کا مزاج اچھا تھا مگر اس نے مسکرائے بغیر دوبارہ یہ فقرہ سنا۔

لاورشکا نے یہ بات محسوس کر لی اور اس نے اسے مزید خوش کرنے کیلئے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا "ہم جانتے ہیں کہ آپ کے پاس بوناپارٹ ہیں اور انہوں نے دنیا کے ہر شخص کو شکست دی ہے مگر ہم کچھ اور انداز کے لوگ ہیں" وہ یہ بات نہیں جانتا تھا کہ اس نے وطن سے محبت کے حوالے سے ڈینگ کیوں ماری۔ ترجمان نے اس کے جملے کے آخری حصے کا ترجمہ نہ کیا اور نپولین مسکرا اٹھا۔ تھیئر لکھتا ہے کہ "نوجوان قازق اپنے عظیم الشان ساتھی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ لے آیا" کچھ دیر خاموشی سے چلنے کے بعد نپولین برتھیئر کی جانب رخ کر کے کہنے لگا "میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ ڈان کے اس بچے کو جب یہ علم ہو گا کہ وہ جس سے گفتگو کر رہا ہے وہی شہنشاہ ہے، وہی شہنشاہ جس نے اپنا نہ مٹنے والا نام اہرام مصر پر لکھ دیا ہے تو وہ کیا سوچے گا" لاورشکا کو یہ بات بتلا دی گئی۔ جب اسے یہ احساس ہوا کہ اسے یہ بات حیران کرنے کیلئے بتائی گئی ہے اور نپولین یہ توقع رکھتا ہے کہ اس کا منہ حیرت سے کھلا رہ جائے تو ہوشیار لاورشکا فوراً ایسی اداکاری کرنے لگا جیسے حیرت سے اس کا برا حال ہو گیا ہو اور منہ کو یوں بگاڑ لیا جیسے خوف سے چہرہ بگڑ گیا ہو۔ اس کی یہ کیفیت تب ہوتی تھی جب اسے کوڑوں سے پٹنے کیلئے باہر لے جایا جاتا تھا۔ تھیئر نے لکھا ہے کہ "جونہی نپولین کے ترجمان نے اپنی بات مکمل کی تو قازق حیران رہ گیا۔ اس نے کوئی بات نہ کی اور خاموشی سے آگے بڑھتا رہا۔ اس کی نگاہیں مسلسل اس فاتح پر گڑی تھیں جس کی شہرت مشرق میں گھاٹ کے میدانوں سے پار اس تک پہنچ گئی تھی۔ اس کی قینچی جیسی چلتی زبان کو تالا لگ گیا اور معصوم چہرے پر خوف طاری ہو گیا۔ نپولین نے اسے انعام و اکرام دیا اور آزاد کر دیا"

نپولین آگے بڑھتا رہا۔ وہ ماسکو کے خواب دیکھ رہا تھا جو اس کے ذہن پر چھایا ہوا تھا۔ دوسری جانب وہ "پرندہ" جسے اس کے آبائی ملک میں آزاد کر دیا گیا تھا راستے میں وہ داستان تراشتا واپس بیرونی چوکیوں پر پہنچ گیا جو اس نے اپنے ساتھیوں کو سنانا تھی۔ وہ حقیقت بیان نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ یہ اس قابل نہیں کہ بیان کی جائے۔ اس نے قازقوں کو ڈھونڈا اور ان سے اپنی رجمنٹ کے بارے میں پوچھا جو اب پلاتوف کی فوج میں شامل تھی۔ شام سے پہلے اس نے اپنے آقا نکولائی رستوف کے بارے میں معلوم کر لیا جو اب یانکوف میں قیام پذیر تھا۔ رستوف الین کے ساتھ دیہات کا چکر لگانے کیلئے گھوڑے پر بیٹھ رہا تھا۔ اس نے لاورشکا کو دوسرے گھوڑے پر بٹھایا اور اپنے ساتھ لے کر چل دیا۔

☆☆☆

(8)

شہزادہ آندرے کے مفروضے کے برعکس شہزادی ماریا ماسکو گئی نہ خطرے کی زد سے باہر ہوئی۔

سمولنسک سے الپاچ کی واپسی کے بعد یوں معلوم ہوتا تھا جیسے معمر شہزادہ اچانک خواب سے بیدار ہو گیا ہو۔ اس نے ملیشیا میں شامل گاؤں کے جوان فوجی خدمات کیلئے طلب کرنے اور انہیں مسلح کرنے کا حکم دیا۔ اس نے کمانڈر انچیف کو لکھا کہ وہ بلیک ہلز ہی میں ٹھہرنا اور آخری سانس تک اپنا دفاع کرنے کا خواہشمند ہے تاہم اس نے بلیک ہلز کے دفاع کا معاملہ کمانڈر انچیف پر چھوڑ دیا جہاں روس کا یہ سب سے بوڑھا جرنیل گرفتاری یا موت کا منتظر تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے اہلخانہ کے سامنے اعلان کیا کہ وہ کہیں جانے کی بجائے بلیک ہلز میں ہی ٹھہرے گا۔

اگرچہ وہ خود تو نہیں جانا چاہتا تھا مگر اس نے ڈیسال اور چھوٹے شہزادے کے ساتھ شہزادی ماریا کو بھی باگوچاروف اور پھر ماسکو پہنچانے کے انتظامات کر لیے۔ شہزادی ماریا یہ دیکھ کر پریشان ہو گئی کہ کبھی تو اس کا باپ

اسقدر سرد مزاج تھا اور اب اس کیلئے اتنی مصروفیت کا مظاہرہ کر رہا تھا کہ اسے کسی پل چین نہ تھا۔ وہ ہر وقت کچھ نہ کچھ کرتے رہنا چاہتا تھا۔ ماریا اسے اکیلا نہ چھوڑ سکی اور اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ اس کا حکم رد کرنے کا حوصلہ کیا۔ اس نے جانے سے انکار کر دیا اور باپ نے اسے سخت سست کہا۔ معمر شہزادے نے اس کے ساتھ ہر وہ ظلم کیا جو وہ کرتا تھا اور اس پر الزام تراشی کرتے ہوئے کہا کہ تم نے مجھے تھکا دیا ہے، بیٹے سے لڑائی کرادی ہے اور میرے بارے میں تم انتہائی برے خیالات رکھتی ہو اور تمہارا مقصد میری زندگی میں زہر گھولنا ہے۔ بعدازاں اس نے یہ کہہ کر اسے اپنے کمرے سے نکال دیا کہ "اگر تم بلیک ہلز سے نہیں جاتی تو مت جاؤ مگر مجھے کبھی اپنی صورت نہ دکھانا ورنہ میں بری طرح پیش آؤں گا" شہزادی ماریا یہ سمجھ رہی تھی کہ وہ اسے زبردستی بلیک ہلز سے نکال دے گا مگر جب اس نے صرف یہ کہا کہ مجھے کبھی اپنی صورت نہ دکھانا تو اسے کچھ حوصلہ ہوا۔ اسے علم تھا کہ یہ بات اس امر کا ثبوت ہے کہ وہ اس کے گھر پر ہی ٹھہرنے سے خوش ہے۔

نکولشکا کی روانگی کے بعد معمر شہزادے نے وردی پہنی اور کمانڈر انچیف سے ملنے کی تیاری کرنے لگا۔ اس کی گاڑی دروازے پر موجود تھی۔ شہزادی ماریا نے اسے وردی پہنے اور سینے پر اپنے تمام تر اعزازات سجائے مسلح کسانوں اور دیگر ملازمین کا معائنہ کرنے باغ کی پگڈنڈی پر جاتے دیکھا۔ وہ کھڑکی کے قریب بیٹھی اس کی آواز سن رہی تھی جو باغ سے اس تک پہنچ رہی تھی۔ دورویہ درختوں والی سڑک پر اچانک چند افراد بھاگتے دکھائی دیئے۔ ان کے چہرے دہشت زدہ تھے۔

شہزادی ماریا سیڑھیوں کی جانب بھاگی اور وہاں سے پھولوں والی پگڈنڈی سے ہوتی ہوئی سڑک پر پہنچ گئی۔ وہاں اسے ملیشیا کے جوانوں اور ملازمین کا ہجوم ملا۔ وہ اسی کی جانب چلے آرہے تھے اور اپنے ساتھ وردی پہنے اور تمغے سجائے بوڑھے کو اٹھائے ہوئے تھے۔ وہ ان کی جانب بھاگی۔ سورج کی جھلمل کرتی روشنی لیموں کے درختوں کے سایوں میں جس طرح دائرے بنا رہی تھی، اس کی موجودگی میں وہ بوڑھے کے چہرے میں رونما ہونیوالی تبدیلیاں نہ دیکھ سکی۔ اسے صرف یہ نظر آیا کہ پہلے اس کے چہرے پر جو سختی اور عزم نمایاں ہوتا تھا وہ اب نہیں تھا اور اس کی جگہ عاجزی اور کم حوصلگی ظاہر ہو رہی تھی۔ اپنی بیٹی کو دیکھ کر اس نے بے بسی سے ہونٹ ہلانے کی کوشش کی اور اس کے منہ سے اداس آواز برآمد ہوئی۔ اس کی بات سمجھنا ممکن نہ تھا۔ لوگ اسے اٹھا کر کمرے میں لے گئے۔ انہوں نے اسے اسی صوفے پر لٹا دیا جس پر لیٹنے سے اسے اب ڈر لگتا تھا۔

ڈاکٹر نے اس کی فصد کھولی اور بتایا کہ شہزادے پر فالج کا حملہ ہوا ہے جس نے اس کا دایاں پہلو مفلوج کر دیا ہے۔

بلیک ہلز میں رہنا خطرناک ہوتا جا رہا تھا اور اگلے دن اسے باگوچاروف لے جایا گیا۔ ڈاکٹر بھی ان کے ساتھ تھا۔

جب وہ باگوچاروف پہنچے تو ڈیسال اور چھوٹا شہزادہ ماسکو جا چکے تھے۔

مفلوج شہزادہ تین ہفتے باگوچاروف کے اس نئے مکان میں بیمار پڑا رہا جسے شہزادہ آندرے نے تعمیر کرایا تھا۔ اس کی حالت جوں کی توں تھی۔ اسے اپنے گرد وپیش کا ہوش نہ تھا اور وہ لاش کی طرح مڑا تڑا پڑا تھا۔ اس کے منہ سے مسلسل بڑبڑاہٹ بلند ہوتی رہتی اور ہونٹ پھڑکتے رہتے مگر یہ بات یقین سے نہیں کہی جا سکتی تھی کہ آیا وہ اپنے گرد وپیش سے باخبر ہے یا نہیں۔ یہ امر یقینی تھا کہ اسے تکلیف ہو رہی تھی اور وہ کچھ کہنے کا خواہشمند تھا مگر کوئی اس کی بات کا اندازہ نہیں لگا سکتا تھا۔ یہ کسی بیمار اور نیم پاگل شخص کی بات بھی ہو سکتی تھی اور اس کے الفاظ کسی اہم سرکاری یا خاندانی

معاملے کے بارے میں بھی ہو سکتے تھے۔

ڈاکٹر کا کہنا تھا کہ اس کا یہ اضطراب کوئی معنی نہیں رکھتا اور یہ صرف جسمانی تکالیف کی وجہ سے ہے جبکہ شہزادی ماریا کو یقین تھا کہ وہ اس سے کچھ کہنا چاہتا ہے اور یہ حقیقت اس کے شبے کو تقویت دیتی تھی کہ اس کی موجودگی میں بوڑھے کی حالت مزید خراب ہو جاتی تھی۔

یہ بات عیاں تھی کہ وہ ذہنی وجسمانی ہر دو تکالیف میں مبتلا تھا اور صحت یابی کی کوئی امید باقی نہ رہی تھی۔ اسے وہاں سے کہیں اور لے جانا بھی ممکن نہ تھا۔ شہزادی ماریا اکثر سوچتی تھی کہ "اگر وہ راستے ہی میں انتقال کر گئے تو پھر کیا ہوگا؟ اگر معاملہ ختم ہونے کو ہے تو پھر یہ بہتر نہیں ہوگا کہ آخری وقت ابھی آجائے؟" وہ سوئے بغیر دن رات اس کے ساتھ رہتی تھی اور جب وہ اسے غور سے دیکھتی تو صورتحال میں بہتری کے خیالات کی بجائے ایسی نشانیاں ڈھونڈنے میں مصروف ہو جاتی جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ مرنے والا ہے۔

اگرچہ اسے اپنے دل میں اس احساس کو تسلیم کرنا عجیب محسوس ہوتا تھا مگر یہ بہرحال موجود تھا۔ تاہم شہزادی ماریا کو سب سے زیادہ وحشت اس بات سے ہوتی تھی کہ جب سے اس کا والد بستر پر دراز ہوا تھا (شاید اس سے بھی قبل جب اس نے کسی واقعے کے ظہور پذیر ہونے کی توقع میں اس کے ساتھ رہنے کا ارادہ باندھا تھا) بھولی ہوئی تمام ذاتی خواہشات دوبارہ سر اٹھانے لگی تھیں جو اس کے دل کے کسی گوشے میں ابھی تک موجود تھیں۔ اپنے باپ کے مسلسل خوف سے آزاد زندگی، خوشی اور پیار سے بھرپور شادی شدہ زندگی کا امکان اور ایسے دیگر خیالات جو کئی برس سے اس کے ذہن میں نہیں آئے تھے اب شیطانی بہکاووں کی طرح اس کے ذہن میں در آئے۔ اب جبکہ یہ معاملہ ختم ہونے والا تھا ایسے سوالات ہمیشہ اس کے ذہن پر حاوی رہتے کہ وہ اپنی زندگی کس انداز سے گزارے گی۔ وہ ان خیالات سے بچنے کی جس قدر کوشش کرتی یہ اسی قدر شدت سے حملہ آور ہونے لگے۔ یہ شیطانی خیالات تھے اور شہزادی ماریا جانتی تھی کہ شیطان پر عبادت سے ہی قابو پایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ وہ عبادت کی کوشش کرتی، عبادت کا سا انداز اختیار کرتی، مقدس تصاویر کے سامنے بیٹھتی اور مسلسل ان کی جانب دیکھتی رہتی اور دعا کے الفاظ دہراتی مگر اس سے دعا نہ مانگی جاتی تھی۔ اسے یوں لگتا جیسے کوئی مختلف دنیا اس پر حاوی ہو گئی ہے اور زندگی، پرمشقت اور آزادانہ عمل کی یہ دنیا اس روحانی دنیا سے بالکل مختلف ہے جس میں وہ اب تک محدود رہی تھی اور جس میں اسے سب سے زیادہ سکون عبادت کے ذریعے ہی ملتا تھا۔ اب وہ دعا مانگ سکتی تھی نہ اسے رونا آتا تھا۔ دنیاوی فکروں نے اس کے قلب وذہن میں ڈیرہ جما لیا تھا۔

باگوچاروف میں مزید ٹھہرنا بھی خطرناک ہوتا چلا جا رہا تھا۔ ہر جانب سے فرانسیسیوں کے آنے کی خبریں موصول ہو رہی تھیں اور باگوچاروف سے پندرہ کلومیٹر دور ایک گاؤں میں فرانسیسی لٹیروں نے ایک گھر تباہ وبرباد کر دیا تھا۔ ڈاکٹر کا کہنا تھا کہ شہزادے کو یہاں سے کہیں اور لے جانا بیحد ضروری ہے۔ صوبے کے مارشل نے شہزادی ماریا کے پاس اپنا اہلکار بھیجا اور اسے جس قدر جلد ہو سکے وہاں سے جانے کیلئے آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ ضلع کی پولیس کا کپتان بھی باگوچاروف آیا اور اس نے بھی یہی بات کہی۔ اس نے بتایا کہ فرانسیسی صرف چالیس کلومیٹر دور ہیں اور ان کے اعلان دیہاتوں میں پہنچائے جا رہے ہیں۔ ایسے میں اگر شہزادی نے اپنے باپ کے ساتھ 15 تاریخ تک یہ جگہ نہ چھوڑی تو نتائج کی ذمہ داری اس پر نہ ہوگی۔

شہزادی نے 15 تاریخ کو روانگی کا فیصلہ کیا۔ 14 تاریخ کو اس نے تمام دن تیاری کرنے اور ضروری ہدایات دینے میں گزارا جن کیلئے اب ہر شخص اسی کے پاس آتا تھا۔ اس نے حسب معمول 14 تاریخ کی رات اپنے باپ کے

ساتھ والے کمرے میں گزاری۔ کئی مرتبہ اس کی آنکھ کھلی اور باپ کے بڑبڑانے اور کراہنے کی آوازیں سنائی دیں۔ وہ اس کے بستر کی چرچراہٹ، ڈاکٹر اور تخین کے قدموں کی چاپ بھی سنتی رہی جو اس کا پہلو بدلنے کے دوران پیدا ہوتی تھی۔ وہ بار بار دروازے کے قریب جا کر کان لگا کر سنتی اور اسے محسوس ہوتا کہ وہ معمول سے زیادہ بلند آواز میں بڑبڑا رہا ہے۔ اس نے انہیں بار بار اپنے باپ کا پہلو بدلتے دیکھا۔ اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ وہ بار بار اٹھتی اور صورتحال جاننے کیلئے دروازے کے قریب چلی جاتی۔ کئی مرتبہ اس نے اندر جانے کا سوچا مگر حوصلہ پیدا نہ کر سکی۔ اگرچہ وہ بول نہیں سکتا تھا مگر وہ دیکھتی اور جانتی تھی کہ وہ کسی کی جانب سے اپنے بارے میں تشویشناک تاثرات سخت ناپسند کرتا ہے۔ وہ یہ بات جان چکی تھی کہ جونہی وہ تشویشناک انداز سے اس کی جانب دیکھتی ہے تو وہ خفگی سے منہ پھیر لیتا ہے۔ اسے علم تھا کہ وہ رات کو معمول سے ہٹ کر کسی وقت اس کے کمرے میں گئی تو وہ غصے میں آ جائیگا۔

مگر اب اسے اپنے باپ پر جو ترس آ رہا تھا وہ قبل ازیں کبھی نہ آیا تھا۔ اس کے سائے سے محرومی کا خیال کر کے وہ جتنی دکھی ہو رہی تھی اتنی پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔ اپنے باپ کے ساتھ گزاری گئی زندگی کا ایک ایک لمحہ اس کی نگاہوں میں گھومنے لگا اور اسے اس کا ایک ایک لفظ پیار و محبت سے بھرپور محسوس ہوا۔ کبھی کبھار ان یادوں کا سلسلہ ٹوٹ جاتا اور شیطان کے ورغلانے پر وہ یہ سوچنے لگتی کہ اس کی موت کے بعد کیا ہوگا اور آزادی کی نئی زندگی کو وہ کس انداز سے ترتیب دے گی۔ تاہم اسے ان خیالات سے نفرت ہونے لگتی اور وہ انہیں ذہن سے باہر نکال دیتی۔ صبح تڑکے وہ کچھ پرسکون ہوا اور وہ سو گئی۔

وہ دیر سے جاگی اور جاگنے پر جس طرح ذہن اکثر تازہ دم ہو کر ہر شے واضح انداز سے سمجھنے لگتا ہے اسی طرح اسے بھی واضح طور پر علم ہو گیا کہ اپنے والد کی بیماری کے دوران اسے سب سے زیادہ کس شے کی فکر تھی۔ اس نے آنکھیں کھولیں اور دروازے کے پیچھے جو کچھ ہو رہا تھا اسے جان گئی۔ جب اس نے اپنے باپ کو تکلیف سے کراہتے سنا تو وہ آہ بھر کر رہ گئی اور اپنے آپ سے کہنے لگی "حالات ویسے ہی ہیں اور کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی"

اس نے تقریباً چیختے ہوئے خود کلامی کی "مگر کیا ہونا چاہئے تھا؟ میں کیا چاہتی ہوں؟ میں چاہتی ہوں کہ وہ مر جائیں" اسے اپنے آپ سے نفرت محسوس ہونے لگی۔

اس نے منہ دھویا اور کپڑے بدل کر دعائیں پڑھنے لگی۔ پھر وہ ڈیوڑھی میں چلی گئی۔ دروازے پر گاڑیاں کھڑی تھیں۔ اگرچہ ان پر سامان لادا جا چکا تھا مگر ابھی تک گھوڑے نہیں جوتے گئے تھے۔ یہ غیالی اور نیم گرم صبح تھی۔ شہزادی ماریا ڈیوڑھی میں ہی بیٹھی رہی۔ وہ اپنی سوچ پر ابھی تک کانپ رہی تھی اور باپ کے روبرو ہونے سے پہلے اپنے خیالات جمع کرنے کی کوشش میں مصروف تھی۔

ڈاکٹر سیڑھیاں اتر کر نیچے اس کے پاس چلا آیا۔

وہ کہنے لگا "آج ان کی حالت کسی قدر بہتر ہے اور میں آپ کو ڈھونڈ رہا ہوں۔ وہ کچھ کہہ رہے ہیں اور بات سمجھ میں بھی آنے لگی ہے۔ ان کا ذہن صاف ہے اور وہ آپ کو بلا رہے ہیں"

یہ خبر سن کر شہزادی ماریا کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی اور رنگ زرد پڑ گیا۔ وہ سہارا لینے کیلئے دیوار کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔ اس حالت میں جبکہ اس کے ذہن میں شیطانی خیالات کی بھرمار تھی، اسے اپنے باپ کو دیکھنا، اس سے گفتگو کرنا اور اس کی نگاہوں کو اپنے وجود پر محسوس کرنا بیحد خوفناک لگ رہا تھا۔

ڈاکٹر بولا "آئیے اندر چلتے ہیں"

شہزادی ماریا اپنے والد کے کمرے میں گئی اور اس کے بستر کی جانب بڑھی۔ وہ پشت کے بل لیٹا ہوا تھا اور تکیوں کے سہارے اس کے نچلے دھڑ کو تھوڑا سا اوپر اٹھا دیا گیا تھا۔ اس کے دبلے پتلے ہڈیوں والے ہاتھوں پر گٹھیلی سرخ رگیں ابھری ہوئی تھیں اور وہ لحاف پر پڑے تھے۔ اس کی بائیں آنکھ مسلسل سامنے جمی تھی اور دائیں آنکھ کسی قدر ترچھی معلوم ہو رہی تھی جبکہ ابرو اور ہونٹ ساکن تھے۔ وہ بیحد کمزور اور قابل رحم لگ رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کا چہرہ سڑ یا پگھل گیا ہے۔ اس کے خدوخال سکڑ گئے تھے۔ شہزادی ماریا آگے بڑھی اور اس کا ہاتھ چوم لیا۔ باپ نے بائیں ہاتھ سے اسے کچھ اس طرح دبایا جیسے کہہ رہا ہو مجھے تمہارا ہی انتظار تھا۔ اس نے بیٹی کے ہاتھ کو جھٹکا اور غصے میں اس کے ابرو اور ہونٹ ہلنے لگے۔

شہزادی ماریا نے اسے غمگین نگاہوں سے دیکھا۔ وہ اس کا مدعا سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ جب اس نے پوزیشن بدل کر اپنے آپ کو اس کی بائیں آنکھ کے سامنے کیا تو وہ پرسکون ہو گیا اور کئی لمحوں تک اسے تکتا رہا۔ بعد ازاں اس کی زبان اور ہونٹ ہلے اور ان سے مختلف آوازیں برآمد ہونے لگیں۔ وہ بول رہا تھا اور اسے گھبراہٹ اور التجائیہ نگاہوں سے دیکھے جا تا تھا۔ بظاہر وہ اس بات سے ڈر رہا تھا کہ ماریا اس کی بات نہیں سمجھ پائے گی۔

شہزادی ماریا نے تمام صلاحیتیں مجتمع کر کے اسے بغور دیکھا۔ وہ اپنی زبان ہلانے کیلئے جیسی مضحکہ خیز کوشش کر رہا تھا اسے دیکھ کر ماریا نے نظریں جھکا لیں۔ وہ رونا چاہتی تھی اور بمشکل اپنی چیخوں پر قابو پایا۔ وہ اپنی بات بار بار دہرائے جا رہا تھا۔ اگرچہ وہ اس کا مفہوم نہیں سمجھ پا رہی تھی مگر اندازہ لگانے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی۔ اس نے باپ کے منہ سے نکلنے والے شکستہ الفاظ دہرائے۔

وہ بار بار کہہ رہا تھا "اوہ۔۔۔او۔۔۔اے۔۔۔۔اے" ڈاکٹر کا خیال تھا کہ وہ بات سمجھ گیا ہے، اس نے ماریا سے کہا کہ وہ آپ سے کہہ رہے ہیں "تم ڈر رہی ہو؟" تاہم جب ماریا نے یہ الفاظ دہرائے تو شہزادے نے نفی میں سر ہلایا اور ایک مرتبہ پھر اپنی بات دہرائی۔

شہزادی ماریا نے اندازہ لگاتے ہوئے کہا "روح تکلیف میں ہے" اس پر معمر شہزادے نے تائید کے انداز میں سر ہلایا اور اپنی بیٹی کا ہاتھ پکڑ کر اس کی مدد سے سینے کو مختلف جگہ سے دبایا جیسے درست مقام تلاش کر رہا ہو۔

جب اس نے محسوس کیا کہ اس کی بات سمجھی جا رہی ہے تو وہ پہلے سے زیادہ واضح انداز میں بولنے لگا۔ اس نے کہا "ہمیشہ سوچتا رہا!۔۔۔تمہارے متعلق۔۔۔سوچتا رہا۔۔۔" شہزادی ماریا اپنے آنسو روکنے کیلئے اپنا سر اس کے ہاتھ پر ملنے لگی۔

وہ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگا۔

اس نے بمشکل کہا "میں تمام رات تمہیں بلاتا رہا۔۔۔"

ماریا نے روتے ہوئے کہا "کاش میں جان جاتی، مجھے آتے ہوئے ڈر لگتا تھا"

اس نے بیٹی کا ہاتھ دبایا اور پوچھا "تم سوئی نہیں؟"

شہزادی ماریا نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا "نہیں، مجھے نیند نہیں آ رہی تھی"

وہ غیر شعوری طور پر اپنے باپ کی نقل کرتے ہوئے اسی کے انداز میں اپنی بات کا مطلب واضح کرنے لگی۔ وہ اشاروں میں باتیں کر رہی تھی جیسے اس کیلئے بھی اپنی زبان سنبھالنا مشکل ہو۔

معمر شہزادے نے کہا "عزیزہ!۔۔۔" یا پھر یہ "عزیز از جان" تھا۔ شہزادی ماریا نہ سمجھ پائی تاہم اس کی

نگاہوں سے جھلکتی شفقت اور محبت کو دیکھ کر اسے کوئی شبہ نہ رہا کہ باپ نے اس کے بارے میں کوئی ایسا محبت بھرا لفظ کہا ہے جو پہلے اس نے کبھی نہیں کہا تھا۔ وہ کہنے لگا ''تم کیوں نہ آئی؟''

شہزادی ماریا نے سوچا ''اور میں ان کے مرنے کی خواہش کر رہی تھی''

وہ ٹھہر گیا۔

پھر اس نے کہا ''شکریہ۔۔۔تمہارا۔۔۔بچی، میری پیاری! اب کچھ۔۔۔سب کچھ معاف کردو۔۔۔شکریہ۔۔۔معاف۔۔۔شکریہ۔۔۔'' اور اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ وہ اچانک بولا ''اندروشا کو بلاؤ!'' اس کے چہرے پر بچگانہ بے یقینی طاری تھی۔ یہ کچھ ایسی کیفیت تھی جیسے وہ جانتا ہو کہ اس کی یہ درخواست کچھ غیر معقول سی ہے، یا صرف ماریا کو ہی ایسا لگ رہا تھا۔

ماریا نے جواب دیا ''مجھے ان کا خط ملا تھا''

وہ حیرانی سے اس کی جانب دیکھنے لگا۔

اس نے پوچھا ''وہ کہاں ہے؟''

ماریا نے جواباً کہا ''ابا جان، وہ فوج کے ساتھ سمولنسک میں ہیں''

وہ کچھ دیر آنکھیں بند کئے خاموش رہا۔ پھر اس نے مثبت انداز میں یوں سر ہلایا جیسے تمام شکوک رفع ہو گئے ہوں اور اسے ہر بات یاد آ گئی ہو۔ اس نے آنکھیں دوبارہ کھول دیں۔

وہ ملامت بھری مدھم آواز میں بولا ''ہاں، روس کا خاتمہ ہو گیا، انہوں نے اسے کھو دیا''

پھر وہ دوبارہ سسکیاں بھرنے لگا اور اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ شہزادی ماریا ضبط نہ کر سکی اور اس کے چہرے کو دیکھ کر رونا شروع کر دیا۔

اس نے اپنی آنکھیں دوبارہ بند کر لیں۔ اب اس کی سسکیاں ختم گئی تھیں اور وہ اپنی آنکھوں کی طرف اشارہ کرنے لگا۔ تیخن اس کا اشارہ سمجھ گیا اور اس کے آنسو پونچھ دیئے۔

اس نے دوبارہ آنکھیں کھولیں اور کچھ کہا تاہم اس کی بات کوئی نہ سمجھ پایا یہاں تک کہ تیخن نے اس کی بات کا اندازہ کر لیا اور اسے دہرایا۔ شہزادی ماریا اس کے الفاظ کو ان باتوں کے تناظر کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی جو اس نے کچھ دیر پہلے کی تھیں۔ اس کا خیال تھا کہ وہ روس، شہزادہ آندرے، ماریا، پوتے اور اپنی موت کے بارے میں بات کر رہا ہو گا۔ اسے سمجھ نہ آئی کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔

اس نے کہا ''اپنا سفید لباس پہن لو، مجھے یہ پسند ہے''

جب ماریا نے اس کی بات سمجھی تو پہلے سے بلند آواز میں رونے لگی۔ ڈاکٹر اسے بازو سے تھام کر باہر راہداری میں لے گیا۔ وہ اسے صبر سے کام لینے اور سفر کی تیاریاں جاری رکھنے کو کہہ رہا تھا۔

جب وہ کمرے سے باہر نکلی تو شہزادہ دوبارہ اپنے بیٹے، جنگ اور شہنشاہ کے بارے میں باتیں کرنے لگا۔ وہ غصے کے عالم میں اپنے ابرو جھٹک رہا تھا اور اس کے منہ سے دل گرفتہ آوازیں برآمد ہو رہی تھیں۔ اس کے بعد فالج کا دوسرا اور آخری حملہ ہوا۔

شہزادی ماریا ابھی تک باہر تھی۔ آسمان صاف تھا اور دھوپ چمک رہی تھی جبکہ موسم گرم تھا۔ وہ کچھ سمجھ رہی تھی نہ اسے کچھ محسوس ہو رہا تھا۔ اس پر صرف اپنے باپ کی محبت کا جذبہ غالب تھا اور وہ محسوس کر رہی تھی کہ اب تک اسے اس

جذبے کا ادراک نہ ہو سکا تھا۔ وہ روتی ہوئی باغ میں چلی گئی اور ان پگڈنڈیوں پر چلتی ہوئی تالاب کی طرف بڑھنے لگی جن کے کنارے شہزادہ آندرے نے لیموں کے پودے لگوائے تھے۔

وہ بڑبڑاتے ہوئے کہنے لگی ''ہاں۔۔۔میں۔۔۔میں۔۔۔میں نے ان کے مرنے کی خواہش کی! ہاں، میں انہیں جلد از جلد مرتا دیکھنا چاہتی تھی۔۔۔میں پرسکون ہونا چاہتی تھی۔۔۔مگر میرا کیا ہو گا؟ اگر وہ نہ رہے تو پھر یہ سکون میرے کس کام کا؟'' وہ تیز قدموں سے باغ میں گھومنے لگی اور اپنے ہاتھوں سے اپنا سینہ دبانے لگی جو آہوں اور سسکیوں کے باعث اوپر نیچے ہو رہا تھا۔ باغ کا چکر لگانے کے بعد وہ دوبارہ مکان کے قریب پہنچ گئی۔ وہاں اسے مادموزیل بورین دکھائی دی (جو باگوچاروف میں ہی ٹھہری ہوئی تھی اور اس نے آگے جانے سے انکار کر دیا تھا) وہ کسی اجنبی کے ساتھ اس کی طرف آ رہی تھی۔ یہ ضلعی مارشل تھا۔ وہ شہزادی ماریا کو خود یہ بات سمجھانے آیا تھا کہ اسے فوری طور پر یہاں سے چلے جانا چاہئے۔ ماریا اس کی باتیں سنتی رہی تاہم اسے سمجھ نہ آئی کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔ وہ اسے گھر میں لے گئی اور کھانا پیش کیا۔ وہ اس کے ساتھ بیٹھ گئی اور پھر معذرت کرتے ہوئے اپنے باپ کے کمرے کی جانب چل دی۔ ڈاکٹر نے اسے اندر آنے سے روک دیا۔

وہ کہنے لگا ''چلی جائیں، شہزادی، چلی جائیں''

شہزادی ماریا واپس باغ میں چلی گئی اور ڈھلان کے نیچے تالاب کے کنارے پر بیٹھ گئی۔ وہاں وہ ہر شخص کی نگاہوں سے اوجھل تھی۔ اسے یاد ہی نہ رہا کہ وہ کتنی دیر وہاں ٹھہری رہی۔ کوئی شخص پگڈنڈی پر بھاگا چلا آ رہا تھا۔ اس کے قدموں کی آواز سن کر وہ ہوش وحواس کی دنیا میں واپس آ گئی۔ وہ کھڑی ہو گئی اور اسے اپنی ملازمہ دنیاشا دکھائی دی، یوں لگتا تھا جیسے وہ اسے ڈھونڈ رہی ہو۔ جب اس نے اپنی مالکہ کو دیکھا تو ٹھہر گئی۔ پھر اس نے شکستہ آواز میں کہا ''شہزادی، شہزادی۔۔۔ادھر آئیں، شہزادہ صاحب۔۔۔''

ماریا نے تیزی سے چلاتے ہوئے کہا ''آ رہی ہوں، میں آ رہی ہوں'' اس نے دنیاشا کو بات ختم کرنے کا موقع نہ دیا اور مکان کی جانب بھاگنے لگی۔ وہ ملازمہ کی نگاہوں سے بچنے کی کوشش کر رہی تھی۔ مکان کے دروازے پر مارشل کھڑا تھا۔ وہ اسے دیکھتے ہی کہنے لگا ''شہزادی، خدا کی مرضی ہے۔ آپ کو بدترین صورتحال کیلئے تیار رہنا چاہئے''

شہزادی نے غصے میں چلاتے ہوئے کہا ''مجھے چھوڑ دیں، یہ جھوٹ ہے''

ڈاکٹر نے اسے روکنے کی کوشش کی مگر اس نے اسے ایک جانب دھکیلا اور باپ کے کمرے کی جانب بھاگنے لگی۔ بھاگتے وقت اس کے ذہن میں یہ خیالات آ رہے تھے کہ ''یہ تمام لوگ خوفزدہ کیوں ہیں، یہ مجھے کیوں روکتے ہیں، مجھے ان کی ضرورت نہیں اور یہ یہاں کیا کر رہے ہیں؟'' اس نے دروازہ کھولا اور اس کمرے میں تیز روشنی دیکھ کر بوکھلاہٹ کا شکار ہو گئی جہاں پہلے اندھیرا تھا۔ اس کی بوڑھی آیا اور دیگر عورتیں کمرے میں موجود تھیں۔ اسے راستہ دینے کیلئے وہ بستر سے پرے ہٹ گئیں۔ شہزادہ پہلے کی طرح لیٹا تھا مگر اس کے پرسکون چہرے کی سختی دیکھ کر ماریا دروازے پر ہی رک گئی۔

وہ اپنے آپ سے بولی ''نہیں، وہ مردہ نہیں ہیں، ایسا نہیں ہو سکتا'' وہ پلنگ کے قریب پہنچی اور خوف پر قابو پاتے ہوئے اپنے ہونٹ والد کے ہونٹوں سے لگا دیئے تاہم پھر وہ اچانک پیچھے ہٹ گئی۔ اس کے سامنے پلنگ پر پڑا وجود اس قدر خوفناک تھا کہ اس کے سامنے پیار ومحبت کے جذبات فوراً غائب ہو گئے۔ وہ سوچنے لگی ''نہیں، اب وہ نہیں ہیں بلکہ اس جگہ جہاں وہ کچھ دیر پہلے موجود تھے، کوئی خوفناک شے پڑی ہے'' ماریا نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ

ڈھانپ لیا اور ڈاکٹر کے بازوؤں میں گر گئی جس نے اسے سہارا دے رکھا تھا۔

☆☆☆

تکّن اور ڈاکٹر کے سامنے عورتوں نے اسے غسل دیا جو کبھی شہزادہ تھا۔ انہوں نے اس کے سر کے گرد رومال باندھ دیا تاکہ منہ کھلا رہنے کے باعث جبڑا ن اکڑ نے پائے اور ایک رومال کی مدد سے اس کی ٹانگیں باندھ دیں۔ بعد ازاں انہوں نے اسے اس کی وردی پہنائی اور تمغے اس کے سینے پر آویزاں کر دیئے۔ پھر اس کے چھوٹے سے سوکھے ہوئے جسم کو میز پر لٹا دیا گیا۔ خدا جانے یہ سب کچھ کس نے اور کس وقت کیا تاہم یہ سب کچھ یوں ہوا جیسے اپنے آپ ہو گیا ہو۔ شام ہوتے ہی اس کے تابوت کے گرد موم بتیاں جلنے لگیں۔ اس کی لاش پر چادر ڈال دی گئی اور فرش پر جونیپر کا تیل چھڑکا گیا۔ اس کے جھریوں والے سر تلے تحریری دعا رکھ دی گئی۔ کمرے کے کونے میں بیٹھا پادری دعائیں پڑھنے لگا۔

جس طرح مردہ گھوڑے کو دیکھ کر دوسرے گھوڑے بدکتے ہیں اور ایک دوسرے کو دھکے دیتے ہیں بالکل اسی طرح مکان کے دیگر رہائشی اور بیرونی لوگ، مارشل، گاؤں کا سردار اور کسان خواتین خوفزدہ نگاہوں سے سینوں پر صلیب کے نشان بناتے اور نیچے جھک کر مرحوم شہزادے کے ٹھنڈے اور اکڑے ہوئے ہاتھ کو چومتے جاتے۔

(9)

شہزادہ آندرے کے باگوچاروف میں رہائش پذیر ہونے سے پہلے یہاں زمین کے کسی مالک نے قیام نہیں کیا تھا اور یہاں کے کسان بلیک ہلز کے کسانوں کے مقابلے میں بالکل مختلف تھے۔ وہ بات چیت، لباس، مزاج اور دیگر اعتبار سے بھی ان سے بیحد مختلف تھے۔ وہ سٹیپ کے کسان تھے اور جب فصلیں کاٹنے یا تالاب اور خندقیں کھودنے بلیک ہلز آتے تو معمر شہزادہ ان کی قوت برداشت کو ضرور سراہتا تھا مگر ان کے قدیم انداز و اطوار اسے سخت ناپسند تھے۔

باگوچاروف میں قیام کے دوران شہزادہ آندرے نے ہسپتالوں اور سکولوں کی تعمیر کے ساتھ ساتھ آزادی کے خواہشمند کسانوں کے مالیے میں کمی جیسی جو اصلاحات کیں ان سے نہ صرف ان کے انداز و اطوار میں بہتری پیدا نہ ہو سکی بلکہ ان کی وہ خصوصیات اور بھی شدید ہو گئیں جنہیں معمر شہزادہ بھونڈی اور قدیم قرار دیتا تھا۔

ان کے مابین ہمیشہ غیر واضح افواہیں زیر گردش رہتی تھیں۔ ایک وقت ایسا آیا جب انہیں یقین ہو گیا کہ وہ فوج میں بطور قازق بھرتی کر لیے جائیں گے۔ پھر وہ یہ سمجھنے لگے کہ انہیں نیا مذہب اختیار کرنے پر مجبور کیا جائیگا۔ پھر زار کے کسی فرضی اعلان کی بات زیر گردش رہی اور اس کے بعد زار پاؤل پیٹرووچ کے 1897ء والے حلف کا تذکرہ ہونے لگا (بات یہ ہو رہی تھی کہ اس حلف میں زار نے انہیں آزادی دے دی تھی مگر جاگیرداروں نے انہیں بدستور غلام بنا رکھا ہے) پھر انہیں یہ توقع ہوئی کہ پیٹر فیودوروچ سات سال میں دوبارہ تخت پر بیٹھ جائیگا۔ انہیں آزادی مل جائیگی اور ہر کام اتنا آسان ہو جائے گا کہ کسی قانون کی ضرورت نہیں رہے گی۔ دجال، دنیا کے خاتمے اور آزادی کے حوالے سے ان کے ذہن میں جیسے خیالات تھے، ویسے ہی جنگ، بوناپارٹ اور اس کے حملے کے بارے میں بھی پیدا ہونے لگے۔

باگوچاروف کے گرد و نواح میں متعدد بڑے دیہات تھے اور ان کی ملکیت حکومت یا آزادی خریدنے والے کسانوں کے مالکان کے پاس تھی۔ یہ کسان اپنی مرضی کی جگہ پر کام کر سکتے تھے۔ یہاں زمینوں پر مالکان کی بہت کم تعداد

رہتی تھی جس کے نتیجے میں گھریلو غلاموں کی تعداد بھی خاصی کم تھی۔ اس دور میں روسیوں کی زندگی میں جو پراسرار موجیں پیدا ہو رہی تھیں ان سے اوروں کی نسبت ان کسانوں کی زندگیاں زیادہ متاثر تھیں۔ اس کی وجوہات اور اہمیت کا بھی علم نہ ہو سکا۔ ایسا ہی ایک حیران کن واقعہ بیس برس قبل پیش آیا تھا جب کسانوں کے ذہنوں میں کچھ فرضی گرم دریاؤں کی جانب ہجرت کا خیال بس گیا اور باگوچاروف سمیت متعدد علاقوں کے ہزاروں کسان اچانک اپنے مویشی بیچنے اور خاندانوں سمیت جنوب مشرقی علاقوں کی جانب نقل مکانی کرنے لگے۔ یہ لوگ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ پرندوں کی طرح اس طرف جانے لگے جہاں پہلے کوئی نہیں گیا تھا۔ وہ قافلے بناتے، یکے بعد دیگرے رقم کے عوض آزادی حاصل کرتے اور پیدل یا گاڑیوں پر گرم دریاؤں کی جانب چل دیتے۔ بعض فرار ہو جاتے۔ متعدد کسانوں کو سزائیں دی گئیں اور سائبیریا بھیج دیا گیا۔ کئی بھوک اور پیاس کے مارے راستے ہی میں مر گئے۔ بعض لوگ اپنی مرضی سے واپس چلے آئے اور یہ تحریک جس طرح کسی ظاہری وجہ کے بغیر شروع ہوئی تھی اسی طرح ختم ہو گئی۔ تاہم یہ لہریں اب بھی متحرک تھیں اور لوگوں کو متاثر کرتے ہوئے اپنے اظہار کیلئے کسی نئے محرک کا انتظار کر رہی تھیں۔ منظر عام پر یہ لہریں بالکل فطری اور سادہ محسوس ہوتی تھیں مگر کسی کو توقع نہ ہوتی تھی کہ ایسا ہوگا کوئی اس کی وجہ بھی نہ سمجھ سکتا تھا۔ اب 1812ء میں ان کسانوں کے قریب رہنے والے ہر شخص پر یہ بات عیاں تھی کہ یہ لہریں زیر سطح غیر معمولی انداز سے متحرک ہیں اور کوئی بڑا دھماکہ ہونے کو ہے۔

معمر شہزادے کی وفات سے چند روز قبل باگوچاروف پہنچنے والے الپاتچ نے کسانوں میں پیدا ہونے والی بے چینی کا اندازہ کر لیا تھا۔ وہ جان گیا تھا کہ یہاں بلیک ہلز سے بالکل مختلف صورتحال ہے۔ بلیک ہلز میں ساٹھ کلومیٹر کے علاقے میں موجود تمام کسان اپنے گھر چھوڑ کر بھاگ رہے تھے اور ان کے خالی کردہ دیہاتوں کو قازق تباہ و برباد کر رہے تھے۔ اس کے برعکس باگوچاروف اور ارد گرد کے گھاس کے میدانوں کے باسی کسانوں کے بارے میں یہ بات کہی جاتی تھی کہ ان کے فرانسیسیوں سے رابطے ہیں اور وہ ان سے کتابچے وصول کر کے ایک دوسرے تک پہنچا رہے ہیں مزید یہ کہ وہ اپنے گھر نہیں چھوڑیں گے۔ اس وفادار گھریلو ملازمین کے ذریعے معلوم ہوا کہ گاڑی چلانے والا کارپ نامی کسان جسے دیہی معاشرے میں نہایت اثر و رسوخ حاصل ہے ان دنوں یہ خبر لایا ہے کہ قازق گاؤں ملیامیٹ کر رہے ہیں مگر فرانسیسی مقامی لوگوں کو کچھ نہیں کہتے۔ الپاتچ یہ بھی جانتا تھا کہ کسی دن ایک کسان فرانسیسیوں کے زیر قبضہ قریبی گاؤں سے کسی فرانسیسی جرنیل کے حکم کی نقل بھی لایا ہے اور اس میں کہا گیا تھا کہ مقامی باشندے اپنی جگہ پر مقیم رہیں تو انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا اور ان سے لی جانیوالی ہر شے کی قیمت ادا کی جائیگی۔ بطور ثبوت وہ کسان سو روبل کے نوٹ لایا تھا جو اسے سوکھی گھاس کے عوض پیشگی دیئے گئے تھے، اگر چہ اسے یہ علم نہ تھا کہ یہ نوٹ نقلی ہیں۔

اہم ترین بات یہ تھی کہ جس دن الپاتچ نے باگوچاروف سے شہزادی ماریا کا سامان منتقل کرنے کیلئے گاؤں کے نمبردار کو گاڑیاں اکٹھا کرنے کا حکم دیا اسی روز کسانوں کا اکٹھ ہوا جس میں انہوں نے وہیں ٹھہرے رہنے کا فیصلہ کیا تھا۔ مگر وقت کم تھا اور مزید ضیاع نقصان دہ ثابت ہو سکتا تھا۔ 15 اگست کو معمر شہزادے کے انتقال کے وقت مارشل نے شہزادی کی فوری روانگی پر اصرار کیا تھا اور اس کا کہنا تھا کہ وہاں ٹھہرنا خطرناک ہوتا جا رہا تھا۔ وہ اسے کہہ چکا تھا کہ 16 تاریخ کو پیش آنیوالے کسی ناخوشگوار واقعے کی ذمہ داری اس پر نہ ہوگی۔ وہ اسی شام واپس چلا گیا مگر جاتے ہوئے وعدہ کیا کہ وہ اگلے دن کفن دفن کی رسومات میں شرکت کیلئے واپس آئے گا مگر وہ نہ آ سکا کیونکہ اسے اطلاع مل گئی تھی کہ فرانسیسی غیر متوقع طور پر بہت آگے آ چکے ہیں اور اسے اپنی جاگیر سے اطفال اور قیمتی سامان کو ہی منتقل کرنے کا موقع

مل سکا۔

باگوچاروف کا انتظام و انصرام تیس برس سے گاؤں کے نمبردار ذرون کے پاس تھا جسے معمر شہزادہ ذرونشکا کہتا تھا۔

ذرون کا شمار جسمانی و ذہنی اعتبار سے چوکس ایسے کسانوں میں ہوتا تھا جو بالغ ہوتے ہی لمبی داڑھی رکھ لیتے ہیں اور ساٹھ ستر برس کی عمر تک ان میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوتی۔ ان کا کوئی بال سفید ہوتا ہے نہ دانت گرتا ہے۔ ساٹھ برس کی عمر میں بھی وہ تیس سالہ جوان شخص کی طرح توانا ہوتے ہیں۔

اسے ''گرم دریاؤں'' کی جانب روانگی کے فوری بعد باگوچاروف کا نمبردار اور نگران مقرر کر دیا گیا اور وہ تیئس سال سے اپنے فرائض نہایت عمدگی سے انجام دے رہا تھا۔ کسان اپنے مالک کی بجائے اس سے زیادہ ڈرتے تھے۔ معمر شہزادہ، آندرے اور نگران اس کی عزت کرتے اور مذاق کے طور پر اسے ''وزیر'' کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ اس تمام عرصہ میں وہ کبھی نشے میں ڈوبا نہ بیمار ہوا۔ بعد کڑی محنت کرنے اور متعدد راتیں جاگنے کے باوجود بھی اسے کبھی تھکن میں مبتلا نہیں دیکھا گیا تھا۔ اگرچہ وہ پڑھنے لکھنے کے معاملے میں کورا تھا مگر حساب کتاب اتنی عمدگی سے کرتا کہ ایک پائی بھی کم یا زیادہ نہ ہونے پاتی تھی۔ وہ شہزادے کی آٹے سے بھری بے شمار گاڑیاں فروخت کرتا مگر کہیں ذرا سی بھی کمی بیشی نہ ہوتی تھی اور وہ باگوچاروف کے کھیتوں میں ہر ایکڑ سے پوری پوری گندم وصول کرتا تھا۔

الفاچ نے بلیک ہلز کی اجڑی جاگیر سے آنے کے بعد ذرون کو شہزادے کے کفن دفن والے دن بلایا اور اسے بتایا کہ شہزادی کی بگھیوں اور دیگر گاڑیوں کیلئے درجن بھر گھوڑے اور باگوچاروف سے اس کا سامان منتقل کرنے کیلئے اٹھارہ گاڑیاں فوری تیار کی جائیں۔ اگرچہ کسان اپنی آزادی کے عوض لگان دیتے تھے مگر الفاچ نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ اس کی حکم عدولی بھی ہو سکتی ہے۔ باگوچاروف میں مالیہ ادا کرنے والے کسانوں کی تعداد اڑھائی سو تھی اور کسان خوشحال تھے مگر اس کا حکم سن کر ذرون نے خاموشی سے نگاہیں جھکا لیں۔ الفاچ نے اپنے واقف کسانوں کا نام لیتے ہوئے کہا کہ گاڑیاں ان سے لے لی جائیں۔

ذرون نے جواب دیا کہ ان لوگوں کے گھوڑے کرائے پر جا چکے ہیں۔ الفاچ نے چند دیگر لوگوں کے نام گنوائے مگر ذرون کا کہنا تھا کہ ان کے گھوڑے بھی دستیاب نہیں ہیں۔ بعض گھوڑے سرکاری گاڑیوں میں جتے تھے، بعض کمزور اور کچھ چارہ نہ ملنے کے باعث مر گئے تھے۔ شہزادی کی سفری گاڑیوں کے حوالے سے بھی زیادہ گھوڑے ملنے کی امید نہ تھی۔

الفاچ نے ذرون کو گھور کر دیکھا اور اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ جس طرح ذرون کو مثالی نمبردار کہا جا سکتا تھا اسی طرح الفاچ بھی مثالی نگران تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ گزشتہ بیس برس سے شہزادے کی جاگیروں کا نگران چلا آ رہا تھا۔ اسے جن لوگوں سے نمٹنا ہوتا تھا ان کی فطرت اور ضروریات کو وہ اچھی طرح جان لیتا تھا اور اسی وجہ سے وہ اعلیٰ پائے کا نگران تھا۔ اس کیلئے یہ اندازہ لگانے کیلئے ذرون پر ایک نگاہ ڈالنا ہی کافی تھا کہ اس کے جوابات ذاتی خیالات کی بجائے باگوچاروف کے دیہی معاشرے کی عمومی ذہنی کیفیت کی غمازی کر رہے ہیں جس کی لہروں نے اسے بھی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ تاہم اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ ذرون خاصی رقم جمع کرنے اور اپنے معاشرے میں نفرت کی نگاہ سے دیکھے جانے کی وجہ سے ''مالک اور کسانوں'' کے مابین تذبذب کی کیفیت میں ہے۔ وہ اس کا یہ تذبذب دیکھ چکا تھا چنانچہ اس نے ماتھے پر بل ڈالے اور ذرون سے قریب چلا گیا۔

الفاچ کہنے لگا ''ذرونشکا! میری بات سنو، مجھ سے بیوقوفانہ باتیں مت کرو۔ جناب عالی شہزادہ آندرے نکولائی وچ نے مجھے خود حکم دیا تھا کہ تمام لوگوں کو یہاں سے نکال لیا جائے اور انہیں دشمن کے سامنے نہ چھوڑا جائے اور زار کا بھی یہی حکم ہے۔ یہاں رہنے والا شخص زار کا غدار ہوگا۔ سن رہے ہو؟''

ذرون نے نگاہیں اٹھائے بغیر جواب دیا ''ہاں! سن رہا ہوں''

الفاچ اس کے جواب سے مطمئن نہ ہوا۔

وہ سر ہلاتے ہوئے کہنے لگا ''ہاں، ذرون، مسئلہ بن جائے گا''

ذرون نے افسردگی سے کہا ''حکم آپ نے دینا ہے''

الفاچ نے کوٹ کی جیب سے ہاتھ نکالے اور ذرون کے پاؤں تلے سنجیدگی سے اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگا ''میں تمہارے جسم کے آر پار دیکھ سکتا ہوں اور صرف یہی نہیں بلکہ تمہارے پاؤں تلے تین گز نیچے تک دیکھ سکتا ہوں'' وہ ذرون کے پاؤں تلے فرش کی جانب دیکھے جا رہا تھا۔

ذرون گھبرا گیا۔ اس نے الفاچ کی جانب دیکھا اور ایک مرتبہ پھر نگاہیں جھکا لیں۔

الفاچ کہنے لگا ''فضول باتیں بند کرو اور لوگوں سے کہو کہ وہ اپنا سامان اٹھا کر ماسکو چلے جائیں۔ انہیں کہو کہ کل شہزادی کے سامان کیلئے گاڑیاں تیار ہونا چاہئیں، اور سنو، ان کے جلسوں میں شرکت مت کرو''

ذرون اچانک اس کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

وہ کہنے لگا ''یا کوف الفاچ! میری جان بخشی کر دو، مجھ سے چابیاں لے لو اور فارغ کر دو''

الفاچ نے سختی سے کہا ''فضول باتیں بند کر دو۔ مجھے تمہارے پاؤں سے تین گز نیچے تک دکھائی دے سکتا ہے'' اسے علم تھا کہ وہ شہد کی مکھیاں پالنے اور جئی کی درست وقت پر کاشت میں جس مہارت کا حامل ہے اور پھر اسے بیس سال تک معمر شہزادے کو مطمئن رکھنے میں جو کامیابی ملی ہے اس کی بدولت لوگ اسے جادوگر کہتے ہیں اور کسی کے پاؤں میں زیر زمین دیکھنا جادوگروں کی ہی خاصیت ہوتی ہے۔

ذرون کھڑا ہو گیا، اس نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر الفاچ نے اسے ٹوک دیا۔

الفاچ کہنے لگا ''یہ تم لوگوں کے ذہن کیا ہو گئے ہیں، ہاں۔۔۔ کیا سوچتے ہو؟''

ذرون بولا ''میں انہیں کیا بات سمجھاؤں؟ ان میں بے چینی پھیلی ہوئی ہے اور میں نے انہیں بتا دیا ہے کہ۔۔۔''

الفاچ نے اس کی بات دہراتے ہوئے کہا ''تم نے انہیں بتا دیا ہے! کیا وہ نشے میں ہیں؟''

ذرون نے کہا ''یا کوف الفاچ! وہ سب بے چینی کا شکار ہیں، وہ نئے کھیل میں مصروف ہیں''

الفاچ بولا ''میری بات غور سے سنو۔ میں پولیس کے کپتان سے ملنے جا رہا ہوں۔ انہیں کہہ دینا کہ وہ بیوقوفوں والی حرکات ترک کر دیں اور گاڑیاں تیار رکھیں۔

ذرون نے جواباً کہا ''یقیناً''

الفاچ نے مزید اصرار نہ کیا۔ وہ کسانوں سے نمٹنے کا بیحد ماہر ہو چکا تھا اور جانتا تھا کہ ان سے حکم منوانے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ انہیں یہ شک بھی نہ ہونے پائے کہ وہ حکم عدولی بھی کر سکتے ہیں۔ وہ ذرون سے ''یقیناً'' اگلوا کر مطمئن ہو گیا تھا حالانکہ اسے علم تھا کہ فوجی حکام کی مدد کے بغیر گاڑیاں نہیں آئیں گی۔

یہی ہوا۔ شام ہوئی اور پھر رات پڑ گئی تاہم گاڑیوں کا دور دور تک کوئی نام ونشان نہ تھا۔ گاؤں میں شراب خانے سے باہر کسانوں کا اکٹھ ہوا جس میں گھوڑے جنگل میں بھیجنے اور گاڑیوں کا بندوبست نہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ الفاچ نے شہزادی سے کچھ کہے بغیر بلیک ہلز سے اپنے ساتھ آنیوالی گاڑیوں سے اپنا سامان اتروالیا اور ان کے گھوڑے شہزادی ماریا کی گاڑیوں میں جوت کر خود حکام سے ملنے چل دیا۔

(10)

والد کے جنازے کے بعد شہزادی ماریا اپنے کمرے میں بند ہو کر رہ گئی اور لوگوں سے ملنا چھوڑ دیا۔ ایک خادمہ یہ بتانے کیلئے دروازے پر آئی کہ الفاچ روانگی کے بارے میں ہدایات مانگ رہا ہے (یہ اس کی ڈرون سے گفتگو سے پہلے کا واقعہ ہے) شہزادی ماریا جس صوفے پر لیٹی تھی اسی پر بیٹھ گئی اور بند دروازے سے جواب دیا کہ "میں یہاں سے کہیں نہیں جانا چاہتی اور ہاتھ جوڑتی ہوں کہ میرا سکون غارت نہ کیا جائے"

شہزادی ماریا کے کمرے کی کھڑکیاں مغرب کی جانب کھلتی تھیں اور وہ دیوار کی جانب رخ کئے صوفے پر لیٹی تھی۔ وہ چمڑے کے تکیے کے بٹن پر انگلی پھیرے جا رہی تھی۔ اسے اس تکیے کے سوا کوئی شے دکھائی نہیں دے رہی تھی جبکہ خیالات صرف اس موضوع پر مرکوز تھے کہ موت ہر صورت آنی ہے اور اس کی روحانی حالت خراب ہو چکی ہے۔ اپنے روحانی گھٹیا پن کے بارے میں وہ کچھ نہ جانتی تھی اور اس کے والد کی بیماری کے دنوں میں اس پر یہ بات خود بخود ظاہر ہو گئی تھی۔ اس کے وجود کا ہر حصہ دعا کیلئے بیتاب تھا مگر اپنی حالیہ ذہنی کیفیت میں وہ خدا سے مخاطب ہونے کا حوصلہ نہ رکھتی تھی۔ وہ کافی دیر تک یونہی لیٹی رہی۔

سورج مکان کی دوسری جانب پہنچ گیا تھا اور اس کی کرنیں کھلی کھڑکی سے اندر آ رہی تھیں۔ سورج کی روشنی سے کمرہ اور مراکشی چمڑے کے تکیے کا وہ حصہ روشن ہو گیا تھا جسے ماریا دیکھے جا رہی تھی۔ اس کے خیالات اچانک بند ہو گئے اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اٹھ بیٹھی۔ اس نے بال درست کئے اور صوفے سے اتر کر کھڑکی کے پاس آ گئی۔ آسمان صاف تھا مگر ہوا چل رہی تھی۔ اس نے زور زور سے سانس لینا شروع کر دیئے۔

وہ اپنے آپ سے کہنے لگی "ہاں، اب تم بھرپور طریقے سے لطف اندوز ہو سکتی ہو، وہ تو چلے گئے، اب تمہیں روکنے ٹوکنے والا کون ہے؟ اب کس کا ڈر ہے؟" یہ سوچتے ہوئے وہ بے اختیار کرسی پر بیٹھ گئی مگر اپنا سر کھڑکی کی چوکھٹ پر پڑا رہنے دیا۔

باغ میں سے کسی نے ملائمت بھری آواز میں اس کا نام لیا اور اس کا سر چوم لیا۔ اس نے نظر اٹھائی، یہ مادموزیل بورین تھی جس نے سیاہ لباس زیب تن کر رکھا تھا۔ وہ آہستگی سے چلتی ہوئی ماریا کے قریب پہنچی اور اسے کا بوسہ لینے کے بعد رونا شروع کر دیا۔ شہزادی ماریا نے اس کی طرف دیکھا۔ دونوں میں رنجش تھی اور شہزادی ماریا اس سے حسد کرتی رہی تھی۔ اب یہ تمام باتیں اسے یاد آنے لگیں تاہم یہ بات بھی اس کے ذہن میں آئی کہ اس کے بارے میں مادموزیل بورین کا رویہ تبدیل ہو گیا تھا اور اس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اسے بالکل اچھی نہیں لگتی۔ اس طرح مادموزیل نے یہ ثابت کر دیا کہ شہزادی ماریا اسے دل ہی دل میں جسطرح برا بھلا کہتی رہی تھی وہ ٹھیک نہیں تھا اور اس سے ناانصافی کی گئی تھی۔ ماریا نے سوچا "علاوہ ازیں کیا اس کی موت کی تمنا کرنا میرا کام ہے، اور کیا مجھے دوسروں کا مواخذہ کرنا چاہئے؟"

شہزادی ماریا نے اپنے ذہن میں مادموزیل کی پوزیشن کے بارے میں سوچا۔ دونوں کے مابین اختلافات کی خلیج حائل تھی مگر وہ اپنی ضروریات کیلئے اس کی محتاج تھی اور اس کے گھر میں رہ رہی تھی۔ ماریا کو اس پر رحم آ گیا۔ اس نے ملائمت بھری نگاہ سے اس کی جانب دیکھا اور اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ مادموزیل ایک مرتبہ پھر اس کا ہاتھ چوم کر رو دی۔ وہ شہزادی ماریا کے غم میں خود کو برابر کا شریک کہہ کر اپنی ہمدردی جتا رہی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی "مجھے ذاتی طور پر پہنچنے والا صدمہ اپنی جگہ تاہم مجھے یہ سوچ کر تسلی ہوتی ہے کہ آپ نے مجھے اپنا غم بٹانے کی اجازت دیدی۔ ہمیں جو صدمہ برداشت کرنا پڑا ہے اس کی وجہ سے ہمیں اپنی تمام پرانی غلط فہمیاں بھول جانی چاہئیں۔ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ ہر شخص کے بارے میں میرا ضمیر صاف ہے۔ وہ دوسرے جہان میں پہنچ گئے ہیں تاہم وہ جانتے ہیں کہ مجھے آپ لوگوں سے کتنی محبت ہے اور میں آپ کی کس قدر شکر گزار ہوں" شہزادی ماریا کو اس کی باتیں سنائی تو دے رہی تھیں مگر وہ ان پر غور نہیں کر رہی تھی۔ کبھی کبھار وہ نظر اٹھا کر اس کی جانب دیکھ لیتی اور اس کی باتیں سننے لگتی تھی۔

مادموزیل کہنے لگی "پیاری شہزادی! اتنی جانتی ہوں کہ آپ کی صورتحال دوگنا تشویشناک ہو گئی ہے۔ مجھے اچھی طرح علم ہے کہ آپ نے پہلے بھی اپنے بارے میں سوچا نہ اب سوچیں گی۔ تاہم مجھے آپ سے جو پیار ہے اس کی بنا پر میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گئی ہوں۔ الفاچ آپ سے ملا؟ کیا اس نے یہاں سے روانگی کے بارے میں کوئی بات کی تھی؟"

شہزادی ماریا نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ کس نے اور کہاں جانا ہے۔ اس نے سوچا "کیا اب کسی بات پر سوچنا اور منصوبہ بندی کرنا ممکن ہے؟" وہ مادموزیل کے جواب میں کچھ نہ بولی۔

مادموزیل کہنے لگی "آپ جانتی ہیں کہ ہم خطرے کی زد میں ہیں۔ فرانسیسیوں نے ہمیں گھیرے میں لے لیا ہے۔ اب یہاں سے جانا محفوظ نہ ہو گا۔ اگر ہم چل دیئے تو گرفتار ہو جائیں گے اور خدا جانے۔۔۔"

شہزادی ماریا اپنی ساتھی کی جانب دیکھنے لگی۔ اسے اس کی باتیں سمجھ نہیں آ رہی تھیں۔

وہ کہنے لگی "کاش کوئی جان لیتا کہ اب میرے لیے ہر شے کس طرح بے معنی ہو چکی ہے۔ ہاں ایک بات یقینی ہے کہ میں اب کسی بھی صورت ان سے دور نہیں ہونا چاہتی۔ الفاچ نے جانے کے بارے میں بات کی تھی تم اس سے بات کر لو مگر میں کچھ کر سکتی ہوں نہ کرنا چاہتی ہوں"

مادموزیل بولی "میں اس سے بات کر چکی ہوں اور اسے امید ہے کہ ہم کل یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ مگر میرا خیال ہے کہ ہمارا یہاں ٹھہرنا ہی بہتر ہو گا۔ کیونکہ آپ مجھ سے اتفاق کریں گی کہ راستے میں ہم فوجیوں یا لٹیرے کسانوں کے ہتھے چڑھ گئے تو اچھا نہیں ہو گا"

مادموزیل بورین نے اپنے پرانی وضع کے بٹوے سے اعلان نامے کی نقل نکالی جو عام روسی کاغذ پر نہیں لکھا تھا۔ یہ اعلان فرانسیسی جرنل رامیو نے جاری کیا تھا اور اس میں لوگوں سے کہا گیا تھا کہ وہ اپنے گھر مت چھوڑیں، فرانسیسی ان کی حفاظت کریں گے" اس نے اعلان نامے کی نقل شہزادی ماریا کے حوالے کر دی۔

مادموزیل نے مزید کہا "میرے خیال میں اس جرنیل سے درخواست کرنا مناسب ہو گا اور مجھے یقین ہے کہ آپ کا احترام کیا جائے گا"

شہزادی ماریا نے کاغذ پڑھا اور مدھم آہوں سے اس کا چہرہ کانپنے لگا۔

اس نے پوچھا "تمہیں یہ کہاں سے ملا؟"

مادموزیل نے جواب دیا "شاید انہیں میرے نام سے اندازہ ہو گیا ہو کہ میں فرانسیسی ہوں" یہ بات کہتے

ہوئے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

شہزادی ماریا کا رنگ زرد پڑ گیا۔ کاغذ ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھا۔ وہ کھڑکی کے قریب اپنی جگہ سے اٹھی اور شہزادہ آندرے کے پرانے کمرے میں چلی گئی۔

اس نے اپنی ملازمہ کو آواز دیتے ہوئے کہا "دنیاشا! الفاتچ، دروشکا یا کسی اور شخص کو میرے پاس بھیج دو اور مادموزیل بورین کو بتا دو کہ میں کچھ دیر اکیلا رہنا چاہتی ہوں" اپنی ساتھی کی آواز سنتے ہی وہ بولی "ہمیں فوری روانہ ہو جانا ہو گا، اسی وقت" وہ فرانسیسیوں کے قبضے میں جانے کے خیال سے ہی خوفزدہ ہو گئی تھی۔

اس نے سوچا "اگر شہزادہ آندرے کو علم ہو گیا کہ مجھے فرانسیسیوں نے گرفتار کر لیا ہے تو وہ کیا سوچیں گے، یہ کہ شہزادہ نکولائی کی بیٹی نے جنرل رامیو سے اپنی حفاظت کی التجا کی اور اس کی کرم نوازی سے فائدہ اٹھایا، کس قدر شرم کا مقام ہو گا" یہ سوچ کر وہ خوفزدہ ہو گئی اور اس کا جسم کانپنے لگا۔ شرمندگی سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس وقت اسے جو غصہ آ رہا تھا اور جس عزت کا احساس ہوا تھا اس کا پہلے کبھی تجربہ نہیں ہوا تھا۔ ماریا کو اپنی موجودہ حالت کا شدید احساس ہوا جواب اذیت اسے زیادہ تذلیل کا باعث بن گئی تھی۔ اس نے سوچا "فرانسیسی اس کے گھر پر قبضہ کر لیں گے۔ جنرل رامیو شہزادہ آندرے کے کمرے میں ڈیرہ ڈال لے گا اور اس کے کاغذات اور خطوط پڑھ کر لطف اندوز ہو گا۔ مادموزیل بورین باگوچاروف کی میزبان بن جائے گی اور مجھے چھوٹا سا کمرہ دے دیا جائے گا۔ سپاہی میرے والد کے تمغے چرانے کیلئے اس کی تازہ قبر کھود یں گے۔ مجھے روسیوں کیخلاف اپنی فتوحات کی داستان سنا کر مجھ سے جھوٹی ہمدردی جتلائی جائے گی" وہ اپنے فطری انداز سے سوچنے کی بجائے ایسے مواقع پر اس کا باپ یا بھائی جیسی سوچ کا مظاہرہ کرتا اپنا فرض سمجھ رہی تھی۔ اسے اس بات کی کوئی پرواہ نہ تھی کہ اسے خود کہاں رہنا پڑے گا یا اس پر کیا گزرے گی تاہم اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اپنے مرحوم باپ اور بھائی کی نمائندگی کر رہی ہو۔ وہ غیر شعوری طور پر ان جیسے خیالات سوچنے کے ساتھ ساتھ ان کے جذبات و احساسات محسوس کر رہی تھی۔ اس نے سوچا تھا کہ اس موقع پر جیسا وہ کرتے وہی کرنا میرا بھی فرض ہے۔ وہ شہزادہ آندرے کے کمرے میں چلی گئی اور اس کے خیالات کی روشنی میں اپنا جائزہ لینے لگی۔

اس نے محسوس کیا کہ والد کی وفات کے ساتھ ہی زندگی کی ہنگامی ضروریات اچانک ابھر کر سامنے آ گئی ہیں اور اسے اپنی گرفت میں لے رہی ہیں، جن سے وہ اپنے باپ کی موت تک آشنا نہیں تھی۔

اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور دل و دماغ میں ہلچل سی مچنے لگی۔ اسی کیفیت میں وہ کمرے میں گھومتی رہی۔ وہ کبھی میخائل ایوانچ، کبھی تخن اور کبھی دروں کو فوری پہنچنے کا پیغام بھیجتی۔ دنیاشا، معمر آیا اور دیگر خادماؤں میں سے کوئی بھی اسے یہ نہ بتا سکی کہ مادموزیل کی بات کس حد تک درست ہے۔ الفاتچ پولیس حکام سے ملنے گیا ہوا تھا۔ میخائل ایوانچ کے پپوٹے نیند سے بوجھل ہو رہے تھے اور وہ بھی ماریا کو کسی بات سے مطلع نہ کر سکا۔ گزشتہ پندرہ برس میں اس کی عادت ہو گئی تھی کہ وہ معمر شہزادے کی باتوں پر مسکرا کر ہوں ہاں کرتا رہتا تھا اور اپنے منہ سے کوئی ایسا بات نہ نکالتا جس پر عملدرآمد اس کا فرض بن جاتا۔ اس نے شہزادی ماریا کے سوالات کے جواب بھی ہوں ہاں میں دیئے اور منہ سے کوئی ایسی بات نہ نکالی جو اس کی ذمہ داری بن سکتی تھی۔ پرانے ملازم تخن کے اندر کو دھنسے چہرے پر پژمردگی طاری تھی جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ اس کے غم کا کوئی علاج نہیں۔ وہ شہزادی ماریا کے تمام سوالات کا جواب ایک ہی لفظ یعنی "جی ہاں" میں دے رہا تھا اور جب بھی اس کی جانب دیکھتا تو اس کے منہ سے سسکیاں برآمد ہونے لگتیں۔

بالآخر دیہی نمبردار دروں اندر آیا۔ اس نے شہزادی کو جھک کر سلام کیا اور دروازے کے قریب کھڑا ہو گیا۔

شہزادی ماریا کمرے کا چکر لگانے کے بعد اس کے قریب آ گئی۔

وہ کہنے لگی "دروشکا! جب سے مجھے یہ ناقابل برداشت غم۔۔۔" وہ اسے وفادار دوست سمجھ رہی تھی اور اس کا خیال تھا کہ یہ وہی دروشکا ہے جو ہر سال ویازما کے میلے سے اس کیلئے خاص جنجر روٹی لاتا تھا اور مسکرا کر اسے پیش کیا کرتا تھا۔ تاہم اس نے اپنی بات درمیان میں ہی روک دی اور مزید کچھ نہ کہہ سکی

دروں آہ بھرتے ہوئے بولا "خدا کی قدرت کے سامنے ہم بے بس ہیں"

دونوں ایک لمحہ خاموش کھڑے رہے۔

شہزادی ماریا کہنے لگی "دروشکا! الفاتچ کہیں گیا ہوا ہے اور کوئی ایسا شخص موجود نہیں جس سے میں مشورہ کر سکوں۔ کیا یہ بات ٹھیک ہے کہ میرا یہاں سے کہیں جانا بھی ممکن نہیں؟"

دروں کہنے لگا "حضور! آپ کیوں نہیں جا سکتیں، جا سکتی ہیں"

ماریا کہنے لگی "مجھے بتایا گیا ہے کہ دشمن کی وجہ سے خطرہ ہے، میرے اچھے دوست میں بے بس ہوں اور پتہ کچھ نہیں آتی۔ میرا کوئی ساتھی نہیں اور میں آج رات یا کل صبح یہاں سے بہر صورت روانہ ہونا چاہتی ہوں"

دروں جواب دینے کی بجائے شہزادی ماریا کو انکھیوں سے دیکھنے لگا۔

اس نے جواباً کہا "گھوڑے نہیں ہیں، میں نے یاکوف الفاتچ کو بتا دیا تھا"

شہزادی ماریا نے پوچھا "کیوں؟"

دروں کہنے لگا "یہ سب خدا کا عذاب ہے۔ ہمارے گھوڑے فوج لے گئی ہے یا پھر وہ مر گئے ہیں، اس برس حالات ہی کچھ ایسے تھے۔ گھوڑوں کو کھانے کیلئے کیا دیا جائے؟ ہمیں یہ فکر لاحق ہے کہ کہیں ہم خود ہی بھوک سے نہ مر جائیں۔ صورتحال یہ ہے کہ بعض لوگوں کو تین دن تک کھانے کو کچھ نہیں ملتا۔ ہمارے پاس کچھ بھی تو نہیں۔ ہم برباد ہو چکے ہیں"

شہزادی ماریا اس کی باتیں غور سے سن رہی تھی۔

اس نے پوچھا "کسان تباہ ہو گئے ہیں؟ کیا ان کے پاس کھانے کو نہیں؟"

دروں کہنے لگا "گھوڑوں اور گاڑیوں کا ذکر فضول ہے، وہ تو بھوک سے مر رہے ہیں"

ماریا کہنے لگی "مگر دروشکا! تم نے مجھے یہ بات پہلے کیوں نہ بتائی؟ کیا ان کی مدد نہیں کی جا سکتی؟ مجھ سے جو کچھ ہو سکا کروں گی"

شہزادی ماریا کا دل غم واندوہ سے بھرا ہوا تھا تو اسے یہ بات بیحد عجیب دکھائی دی کہ لوگوں کے امیر اور غریب طبقات بھی ہو سکتے ہیں اور امیر غریبوں کی مدد سے کئی بھی کترا سکتے ہیں۔ اسے تھوڑا بہت علم تو تھا کہ جاگیردار کا اناج بھی ہوتا ہے اور بعض اوقات اسے کسانوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ اسے یہ بھی علم تھا کہ ضرورت کے وقت اس کا باپ اور بھائی کسانوں کی مدد سے دریغ نہ کرتے۔ اسے صرف یہ ڈر تھا کہ کہیں وہ اناج کی تقسیم کے حوالے سے ہدایات کی شکل صورت میں ادا کرتے ہوئے غلطی نہ کر بیٹھے۔ وہ اس بات پر خوش تھی کہ اس کے پاس کچھ کرنے کا بہانہ موجود ہے۔ وہ یہ کام ضمیر کی خلش کے بغیر کر سکتی تھی اور اس سے اپنا غم بھلا سکتی تھی۔ وہ دروں سے کسانوں کی ضروریات کے بارے میں پوچھنے لگی اور اس سے یہ بات بھی پوچھی کہ کیا باگوچاروف میں غلے کا کوئی ذخیرہ موجود ہے یا نہیں؟

شہزادی ماریا نے کہا "میرا خیال ہے کہ ہمارے پاس میرے بھائی کا غلہ موجود ہے"

ڈرون نے فخریہ انداز میں جواب دیا" آقا کے غلے کو کسی نے نہیں چھیڑا۔ شہزادے نے اسے بیچنے کا کوئی حکم نہیں دیا تھا"

شہزادی ماریا کہنے لگی" یہ کسانوں میں بانٹ دو، جسے جتنی ضرورت ہو اتنا ہی دے دو۔ میں اپنے بھائی کے نام پر تمہیں اس کی اجازت دیتی ہوں"

ڈرون گہری سانس بھر کر رہ گیا۔

شہزادی ماریا نے اپنی بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا" اگر کافی ہے تو یہ غلہ ان میں تقسیم کر دو۔ میں اپنے بھائی کے نام پر حکم دیتی ہوں۔ انہیں بتا دو کہ ہمارا سب کچھ انہی کا ہے اور ہم انہیں کچھ بھی دینے سے بخل نہیں کریں گے۔ انہیں آگاہ کر دو"

وہ بات کر رہی تھی تو ڈرون اس کے چہرے کی جانب نگاہیں جمائے کھڑا رہا۔

شہزادی کی بات مکمل ہونے پر وہ کہنے لگا" مادام! مجھے فارغ کر دیں، خدا کیلئے مجھ سے چابیاں لے لیں، میں نے تئیس سال آپ کی خدمت کی ہے اور کبھی غلطی کا مرتکب نہیں ہوا، خدا کیلئے مجھے فارغ کر دیں"

شہزادی ماریا کو سمجھ نہ آئی کہ وہ فارغ ہونے کی بات کیوں کر رہا ہے۔ وہ کہنے لگی" میں نے تمہارے کاموں پر کبھی شبہ نہیں کیا اور تمہارے اور کسانوں کیلئے سب کچھ کروں گی"

(11)

ایک گھنٹے بعد دنیاشا نے شہزادی ماریا کو بتایا کہ ڈرون واپس چلا آیا ہے اور شہزادی کے حکم پر تمام کسان گودام کے پاس جمع ہو گئے ہیں اور اس سے بات کے خواہشمند ہیں۔

شہزادی ماریا کہنے لگی" مگر میں نے تو انہیں نہیں بلایا تھا۔ میں نے تو ڈرونشکا سے صرف یہی کہا تھا کہ انہیں غلہ دے دو"

دنیاشا بولی" شہزادی، خدا کیلئے انہیں یہاں سے جانے کو کہیں اور کسی صورت ان کے قریب نہ جائیں۔ یہ صرف ایک دھوکہ ہے۔ جونہی یاکوف الفاتچ آئیں گے تو ہم روانہ ہو جائیں گے مگر خدارا۔۔"

شہزادی ماریا نے حیران ہو کر پوچھا" دھوکہ؟۔۔۔ کیا مطلب"

دنیاشا نے جواب دیا" مجھے تو یقین ہے۔۔۔ خدارا میری بات سنیں، بے شک آیا سے پوچھ لیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم آپ کے حکم پر باگوچاروف نہیں چھوڑیں گے"

ماریا نے کہا" تمہاری بات درست نہیں ہے، میں نے انہیں جانے کو نہیں کہا تھا۔ ڈرونشکا کو بلایا جائے"

ڈرون اندر آیا اور اس نے دنیاشا کی بات کی تصدیق کرتے ہوئے کہا" کسان آپ کے حکم پر آئے ہیں"

شہزادی ماریا نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا" مگر میں نے تو انہیں نہیں بلایا تھا۔ تم ان تک میرا پیغام اچھی طرح نہیں پہنچا سکے ہو گے۔ میں نے تو صرف انہیں غلہ دینے کا کہا تھا"

ڈرون صرف لمبی سانس بھر کر رہ گیا۔

وہ کہنے لگا" اگر آپ نے حکم دیا تو وہ چلے جائیں گے"

شہزادی ماریا کہنے لگی" نہیں، میں خود ان کے پاس جاؤں گی"

دنیاشا اور معمر آیا نے اسے روکنے کی کوشش کی مگر وہ ڈیوڑھی میں چلی گئی۔ ڈرون، دنیاشا، بوڑھی آیا اور میخائل ایوانچ اس کے پیچھے پیچھے چل دیئے۔

وہ کسانوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگی" میں خوش ہوں کہ آپ لوگ آئے" اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں اور دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی۔ وہ بات جاری رکھتے ہوئے بولی" ڈرونشکا نے مجھے بتایا ہے کہ جنگ کے باعث آپ لوگ تباہ و برباد ہو چکے ہیں۔ یہ مصیبت ہم سب پر آئی ہے اور میں آپ کی ہر ممکن مدد کروں گی۔ میں خود یہاں سے جا رہی ہوں کیونکہ یہاں ٹھہرنا خطرناک ہوگا۔۔۔ اور دشمن قریب آ چکا ہے۔۔۔ کیونکہ۔۔۔ میرے دوستو میں آپ کو سب کچھ دے رہی ہوں اور آپ سے درخواست کروں گی کہ سب کچھ، ہمارا تمام غلہ لے لیں تاکہ آپ کو مشکلات کا سامنا نہ ہو تاہم اگر کسی نے آپ کو یہ کہا ہے کہ میں آپ لوگوں کو یہیں ٹھہرانے کیلئے غلہ دے رہی ہوں تو یہ بات ٹھیک نہیں۔ اس کی بجائے میں یہ درخواست کروں گی کہ آپ اپنا سامان لے کر میرے ساتھ ماسکو کی جاگیر پر چلے آئیں۔ میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ وہاں آپ لوگوں کو کسی شے کی کمی محسوس نہ ہوگی۔ آپ کو گھر بھی ملیں گے اور خوراک بھی"

شہزادی نے کچھ دیر توقف کیا، کسانوں کے ہجوم سے آہوں کی آواز سنائی دی۔

ماریا نے بات آگے بڑھائی اور کہنے لگی" میں یہ سب اپنی مرضی سے نہیں بلکہ اپنے مرحوم والد، اپنے بھائی اور اس کے بیٹے کے نام پر کر رہی ہوں"

وہ ایک مرتبہ پھر ٹھہری اور تمام لوگ خاموش رہے۔

اس نے مزید کہا" یہ مصیبت ہم سب پر نازل ہوئی ہے اور جو کچھ میرا ہے وہ آپ کا بھی ہے" اس نے اپنے سامنے کھڑے چہروں کا بغور جائزہ لیا اور بات مکمل کی۔ تمام لوگ اس کی جانب دیکھے جا رہے تھے۔ سب لوگوں کے چہروں پر ایک جیسا تاثر تھا جس کا مفہوم اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ یہ تجسس تھا، وفاداری، اظہار تشکر کا جذبہ یا ڈر اور بدگمانی؟ شہزادی ماریا کچھ نہ سمجھ پائی۔

ہجوم کے پیچھے سے ایک آواز سنائی دی" آپ کا بے حد شکریہ، مگر ہم اپنے آقا کا غلہ نہیں لے سکتے"

شہزادی ماریا نے پوچھا" مگر کیوں؟" کسی نے کوئی جواب نہ دیا تاہم ماریا نے لوگوں کا جائزہ لیتے ہوئے ایک بات محسوس کی کہ اس سے ٹکرانے والی آنکھیں فوراً نیچے جھک جاتی تھیں۔

اس نے دوبارہ پوچھا" آپ کیوں نہیں لینا چاہتے؟"

کسی جانب سے کوئی جواب نہ آیا۔

خاموشی سے اسے الجھن ہونے لگی۔ وہ ان سے نظریں چار کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

وہ اپنے سامنے چھڑی کے سہارے کھڑے ایک بوڑھے کسان سے کہنے لگی" آپ بولتے کیوں نہیں۔ اگر آپ کو مزید کچھ چاہئے تو بتائیں، میں سب کچھ کروں گی"

بوڑھے نے غصے کے انداز میں سر جھکا لیا اور بڑبڑاتے ہوئے بولا" ہم آپ کی بات تسلیم کیوں کریں؟ ہمیں آپ کا اناج نہیں درکار"

کسانوں کے ہجوم میں مختلف آوازیں سنائی دینے لگیں، وہ کہہ رہے تھے" ہم کیوں چلے جائیں؟ ہم آپ کی بات نہیں مانتے۔۔۔ ہم نہیں مانتے۔۔۔ نہیں، ہمیں آپ سے ہمدردی ہے مگر آپ سے اتفاق نہیں کرتے۔۔۔ آپ خود چلی جائیں اور اپنا بندوبست کر لیں"

ہجوم میں شامل لوگوں کے چہروں پر ایک جیسا تاثر نمایاں ہوگا مگر یہ تجسس یا تشکر کی بجائے غصے اور عزم کا تاثر تھا۔

شہزادی ماریا نے اداسی سے مسکراتے ہوئے کہا" شاید آپ لوگوں کو میری بات سمجھ نہیں آئی۔ آپ لوگ کیوں نہیں جاتے؟ میں آپ کو نئے گھر اور خوراک دینے نیز تمام ضروریات پوری کرنے کا وعدہ کرتی ہوں جبکہ یہاں دشمن سب کچھ ختم کر دے گا۔"

اس کی آواز کسانوں کے شور میں دب کر رہ گئی۔

وہ کہہ رہے تھے" ہم نہیں جائیں گے۔۔۔ چاہے وہ ہمیں تباہ ہی کیوں نہ کر دے۔۔۔ ہم آپ کا اناج نہیں لیں گے۔۔۔ ہم نہیں مانتے!"

شہزادی ماریا نے ایک مرتبہ پھر ہجوم میں کسی شخص کی جانب دیکھنے کی کوشش کی مگر کسی نے اس کی طرف نہ دیکھا۔ یوں دکھائی دیتا تھا جیسے وہ اس کی نگاہوں سے بچنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اسے یہ سب کچھ بیحد عجیب محسوس ہوا اور وہ بے چین ہوگئی۔

کسانوں کے ہجوم سے کچھ ایسی آوازیں برآمد ہو رہی تھیں" یقیناً، وہ ہمیں بیوقوف بنا رہی ہے۔۔۔ دھوکہ دے رہی ہے۔۔۔ اس کے پیچھے جائیں اور غلام بن جائیں۔ اپنے گھر گرا دیں اور گلے میں پٹے ڈال لیں۔ کہتی ہے کہ میں تمہیں غلہ دوں گی۔۔۔"

شہزادی ماریا نے سر جھکایا اور مکان کی جانب واپس چل دی۔ اس نے ایک مرتبہ پھر ڈرون کو اگلی صبح روانگی کیلئے گھوڑے تیار کرنے کا حکم دیا اور اپنے کمرے میں جا کر اکیلی سوچ وبچار کرنے لگی۔

(12)

اس رات شہزادی ماریا دیر تک اپنے کمرے میں کھلی کھڑکی کے سامنے بیٹھی رہی۔ گاؤں سے دیہاتیوں کی آوازیں اس کے کانوں میں آرہی تھیں مگر اب وہ ان کے بارے میں نہیں سوچ رہی تھی۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ وہ انہیں بالکل ہی نہیں سمجھ پائے گی۔ وہ صرف اپنے غم پر غور کر رہی تھی۔ فوری پریشانیوں کی وجہ سے آنیوالے وقفے کی بنا پر وہ اسے ماضی کا قصہ لگتا تھا تاہم اب وہ اپنی یادیں تازہ کر کے آنسو بہا سکتی تھی اور دعائیں مانگ سکتی تھی۔ سورج غروب ہوا تو ہوا بند ہوگئی۔ رات ٹھنڈی اور خاموش تھی۔ آدھی رات تک آوازیں بند ہوگئیں۔ مرغے نے اذان دی، لیموں کے درختوں کے پیچھے پورا چاند ابھرا اور ہر طرف تازہ سفید اوراوس سے بھری دھند پھیلنے لگی، گھر اور گاؤں پر سکوت طاری ہو گیا تھا۔

اس کے ذہن میں ایک ایک کر کے اپنے والد کی بیماری اور آخری لمحات کی تصاویر آنے لگیں۔ وہ دیر تک ان تصاویر پر اداس خوشی سے غور کرتی رہی۔ اس نے صرف اپنے باپ کی آخری یعنی انتقال کے وقت کی تصویر کو ذہن سے جھٹکے۔ وہ محسوس کرتی تھی کہ رات کے اس خاموش اور پراسرار وقت میں اس بارے سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ اس کے ذہن میں یہ تصاویر اس قدر واضح اور تفصیلی انداز میں در آتی تھیں کہ وہ یہ سوچنے لگی جیسے یہ زمانہ حال کی بات ہو تاہم یہ خیالات اور شبیہیں کبھی ماضی اور کبھی مستقبل کی باتیں معلوم ہونے لگتی تھیں۔

اسے وہ وقت واضح طور پر یاد آرہا تھا جب اس کے والد پر فالج کا پہلا حملہ ہوا تھا۔ اسے بازوؤں سے

پکڑ کر باغ سے بمشکل اندر لایا گیا تھا۔ اس کی زبان بند ہوگئی تھی اور وہ بے بسی سے بڑبڑائے جاتا تھا۔ اس کی سفید بھنویں اکڑی ہوئی تھیں اور وہ ماریا کو سہمی ہوئی پریشان نگاہوں سے تک رہا تھا۔ اس نے سوچا" انہوں نے جو کچھ انتقال والے دن مجھے بتایا وہ اسی پہلے دن بھی بتانا چاہتے تھے۔ اس وقت انہوں نے جو کچھ کہا تھا وہ ہر وقت ان کے ذہن میں موجود ہوتا تھا"

بعد ازاں اسے بلیک ہلز میں فالج کے حملے سے پہلے والی رات کی تمام تر تفصیلات یاد آگئیں جب اسے کسی متوقع بدشگونی کا احساس ہوا تھا اور وہ اس کی مرضی کے خلاف گھر ہی میں ٹھہری رہی تھی۔ نیند اس کی آنکھوں سے دور تھی اور وہ آہستگی سے نیچے شیشے والے پودگھر میں چلی گئی تھی جہاں اس کا بستر لگایا گیا تھا۔ وہ دروازے کے ساتھ کان لگا کر کھڑی ہوگئی تھی اور اس کا والد تھکی ہوئی آواز میں تیخن سے کچھ کہہ رہا تھا۔ یہ بات عیاں تھی کہ وہ گفتگو کرنا چاہتا تھا۔ ماریا سوچنے لگی" مگر انہوں نے مجھے کیوں نہ بلایا؟ تیخن کی بجائے مجھے اپنے پاس کیوں نہ بٹھایا؟" شہزادی ماریا اس وقت بھی متعجب ہوئی تھی اور اب بھی ہو رہی تھی۔ اس نے سوچا" اس وقت وہ کیا سوچ رہے تھے، اب وہ کسی کو نہیں بتائیں گے اور ان کے اور میرے لیے وہ وقت دوبارہ کبھی نہیں آئے گا۔ صرف اسی وقت وہ مجھے اپنے دل کی بات بتا سکتے تھے۔ اس وقت شاید تیخن کی بجائے میں ان کا مطلب سمجھ لیتی۔ میں اس رات اندر کیوں نہ گئی؟ انہوں نے اپنی وفات کے دن مجھ سے کچھ کہا تھا۔ شاید وہ اپنی بات اسی روز کہہ ڈالتے۔ انہوں نے تیخن کے ساتھ گفتگو کے دوران دو مرتبہ میرے بارے میں پوچھا تھا۔ وہ مجھے دیکھنا چاہتے تھے اور میں دروازے کے ساتھ کھڑی تھی۔ وہ غمزدہ تھے اور ان کیلئے تیخن سے بات کرنا آسان نہ تھا کیونکہ وہ ان کی بات کا مطلب نہیں سمجھتا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ وہ کس طرح اچانک اس سے لیزا کے بارے میں ایسے بات کرنے لگے جیسے وہ ابھی تک زندہ ہو۔۔۔ انہیں یاد ہی نہ رہا کہ وہ دنیا سے چلی گئی ہے اور جب تیخن نے انہیں یہ بات بتائی تو وہ چلا کر بولے تھے" احمق" ان کی حالت دیکھی نہیں جاتی تھی اور جب میں دروازے کے قریب کھڑی تھی اور انہیں کراہتے اور بستر پر لیٹتے ہوئے با آواز بلند" میرے خدا" کہتے سنا تو میں اندر کیوں نہ گئی؟ میرا کیا بگڑ جاتا؟ شاید اس طرح انہیں خوشی حاصل ہو جاتی اور شاید وہ مجھے کہہ دیتے، میری پیاری!"

شہزادی ماریا نے اس کے وہ الفاظ دہرائے جو اس نے اپنی موت والے دن اس سے کہے تھے اور پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ آنسوؤں نے اس کے دل کا بوجھ ہلکا کر دیا۔ اب وہ اس کا چہرہ دیکھ سکتی تھی، یہ وہ چہرہ نہیں تھا جسے وہ بچپن سے دیکھتی چلی آئی تھی اور جسے اس نے ہمیشہ دور سے دیکھا تھا۔ اب وہ جو چہرہ دیکھ رہی تھی وہ کمزور اور خوفزدہ چہرہ تھا اور اسے وہ اس کی زندگی کے آخری دن اس وقت دیکھ سکی تھی جب وہ اس کی بات غور سے سننے کیلئے اس کے اوپر جھک گئی تھی۔ وہ زندگی میں پہلی مرتبہ اس کے اتنا قریب آئی تھی کہ اسے اپنے باپ کے چہرے کی باریک ترین لکیریں بھی نظر آگئی تھیں۔

اس نے باپ کے الفاظ دہرائے" پیاری!"

وہ سوچنے لگی" جب انہوں نے یہ لفظ کہا ہوگا تو کیا سوچ رہے ہوں گے؟ وہ اب کیا سوچ رہے ہیں؟" اس کے ذہن میں اچانک یہ سوال ابھرا اور جواباً اس کے سامنے باپ کی شکل ابھر آئی۔ اس کے چہرے پر وہی تاثر تھا جو وفات والے دن اس کے رومال سے بندھے چہرے پر دکھائی دیا تھا، اور اس دن جب ماریا نے اسے چھوا تھا تو اسے یقین ہو گیا تھا کہ یہ وہ نہیں بلکہ کوئی ڈراؤنی اور پراسرار شے ہے۔ اس وقت ذہن پر طاری ہونیوالے خوف نے اسے دوبارہ اپنی گرفت میں لے لیا۔

اس نے کوئی اور بات سوچنے اور دعا مانگنے کی کوشش کی مگر ناکام رہی۔ اس کی آنکھیں پھیل گئیں اور وہ چاندنی اور سایوں کو تکنے لگی۔ اسے ہر لحہ یہی خیال آنے لگا کہ اس کا مردہ چہرہ ابھی دکھائی دے جائے گا۔ وہ یوں محسوس کر رہی تھی جیسے مکان کے اندر اور باہر طاری ہونیوالی خاموشی نے اس پر جادو کر دیا ہو۔

اس نے مدھم اور خوفزدہ آواز میں خادمہ کو بلایا "دنیاشا!" اور پھر تیزی سے خادماؤں کے کمرے کی جانب بھاگی۔ راہ میں وہ بوڑھی آیا اور نوکرانیوں سے ٹکرا گئی جو اسی کی جانب آ رہی تھیں۔

☆☆☆

(13)

17 اگست کو رستوف اور الین قید سے واپس آنیوالے لاورشکا اور ایک ہوزار اردلی کے ساتھ باگوچاروف پندرہ کلومیٹر دور یانکوف میں اپنی جائے قیام سے روانہ ہوئے۔ الین اپنے نئے گھوڑے کا امتحان لینا چاہتا تھا اور یہ جاننے کا خواہشمند تھا اور اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی جاننا چاہتے تھے کہ آیا گاؤں میں کہیں خشک گھاس مل سکتی ہے یا نہیں۔

باگوچاروف میں گزشتہ تین روز سے متحارب فوجیں ایک دوسرے سے قریب ہی پڑاؤ ڈالے ہوئے تھیں اور یہی وجہ تھی کہ روس کے عقبی اور فرانسیسی فوج کے ہراول دستوں کیلئے وہاں پہنچنا یکساں آسان تھا۔ رستوف ذہین سکواڈرن کمانڈر تھا اور دستیاب رسد پر فرانسیسیوں سے پہلے قبضہ کرنا چاہتا تھا۔

رستوف اور الین دونوں خوش تھے۔ انہیں علم تھا کہ باگوچاروف کسی شہزادے کی جاگیر کا حصہ ہے اور وہاں جاگیردار کا مکان اور زرعی زمین بھی ہے جس کی وجہ سے انہیں وہاں گھریلو غلاموں اور چند خوبصورت خادماؤں کی بھی توقع تھی۔ راستے میں وہ لاورشکا سے نپولین کے بارے میں سوالات کرتے، اس کی باتوں پر ہنستے اور الین کے نئے گھوڑے کو آزمانے کیلئے ایک دوسرے سے دوڑ لگاتے چلے آ رہے تھے۔ رستوف کو اس بات کا علم نہ تھا کہ وہ جس گاؤں میں جا رہے ہیں اس کا مالک وہی بلکونسکی ہے جو کبھی اس کی بہن کا منگیتر تھا۔

باگوچاروف پہنچنے سے پہلے رستوف اور الین نے آخری دوڑ کیلئے اپنے گھوڑوں کی لگامیں ڈھیلی چھوڑ دیں۔ رستوف الین سے آگے نکل گیا اور گھوڑے کو تیزی سے بھگاتا ہوا سب سے پہلے گاؤں میں داخل ہوا۔

الین کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ وہ کہنے لگا "آپ جیت گئے"

رستوف نے اپنے گھوڑے کو تھپکی دی اور کہنے لگا "ہاں میں ہمیشہ جیتتا رہا ہوں، یہاں بھی اور چراگاہ میں بھی" اس کے گھوڑے کے منہ سے جھاگ نکل رہی تھی۔

پیچھے سے لاورشکا کی آواز سنائی دی۔ وہ گاڑیوں میں جوتے جانیوالے اپنے گھوڑے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہہ رہا تھا "حضور! میں اپنے فرنچی پر آپ سے آگے نکل رہا تھا مگر آپ کی عزت رکھنے کیلئے خود ہی پیچھے رہ گیا"

وہ دلکی چال سے غلے کے گودام کی جانب بڑھے جہاں کسانوں کا رش لگا تھا۔ بعض نے انہیں دیکھ کر سروں سے ٹوپیاں اتار دیں اور بعض اتارے بغیر ان کی جانب گھورنے لگے۔ دو دبلے پتلے بوڑھے لڑکھڑاتے ہوئے شراب خانے سے نکلے اور بے سرے انداز میں گاتے ہوئے ان کی جانب بڑھنے لگے۔ رستوف نے ان کی جانب دیکھ کر ہنستے ہوئے کہا "دلچسپ لوگ ہیں" پھر وہ ان سے پوچھنے لگا "یہاں کہیں سے سوکھی گھاس مل جائے گی؟"

الین بولا "ان کی صورت دیکھیں، بالکل ایک جیسے ہیں۔۔۔"

کسانوں کے ہجوم میں سے ایک شخص آگے آیا اور پوچھا "آپ کس فوج سے تعلق رکھتے ہیں"

الین نے ہنستے ہوئے جواب دیا "ہم فرانسیسی ہیں" اور پھر لاورشکا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ نپولین ہے"

کسان بولا "میرے خیال میں آپ روسی ہیں"

ایک پستہ قد شخص ان کی جانب آتے ہوئے بولا "کیا آپ کے ساتھ بہت بڑی فوج ہے؟"

رستوف نے جواب دیا "بہت بڑی، مگر آپ لوگ یہاں کیوں اکٹھے ہوئے ہیں؟ کیا کوئی میلہ لگا ہوا ہے؟"

پستہ قد شخص نے جواب دیا "گاؤں کے مسائل پر بڑوں کا اکٹھ ہو رہا ہے"

اسی وقت بڑے مکان کو جانیوالی سڑک پر سفید ٹوپی پہنے ایک شخص اور دو خواتین نظر آئیں۔ وہ انہی کی جانب چلے آ رہے تھے۔

الین نے دنیاشا کی جانب دیکھا جو پرعزم انداز میں ان کی جانب بھاگی چلی آ رہی تھی اور کہنے لگا "گلابی والی میری ہے، خیال رہے کہ اسے کوئی نہ چھیڑے"

لاورشکا نے الین کو آنکھ مارتے ہوئے کہا "یہ لڑکی ہمارے لیے ہے"

الین نے مسکراتے ہوئے اس سے پوچھا "میری پیاری، کیا چاہئے؟"

دنیاشا بولی "شہزادی نے مجھے یہ پوچھنے کیلئے بھیجا ہے کہ آپ کس رجمنٹ سے تعلق رکھتے ہیں اور آپ کا نام کیا ہے"

الین نے جواب دیا "یہ سکواڈرن کے کمانڈر رستوف ہیں اور میں آپ کا ادنیٰ غلام ہوں"

نشے میں ڈوبا کسان الین کو لڑکی سے گفتگو کرتے دیکھ کر مسکراتے ہوئے گانے لگا۔ دنیاشا کے عقب میں الفاچ بھی رستوف کی جانب چلا آ رہا تھا۔ اس نے دور سے ہی اپنی ٹوپی اتار کر ہاتھ میں پکڑ لی۔

اس نے رستوف کی جانب دیکھ کر کہا "حضور عالی! اگر اجازت ہو تو کچھ کہوں؟" اس کا لہجہ مودبانہ تھا مگر رستوف کی کم عمری دیکھ کر اس میں تھوڑی سی حقارت بھی در آئی تھی۔ اس نے اپنا ہاتھ کوٹ میں ڈالا اور کہنے لگا "میری مالکہ اور جنرل انچیف شہزادہ نکولائی آندریچ بلکونسکی کی بیٹی، جو اس ماہ کی 15 تاریخ کو وفات پا گئے تھے، ان لوگوں کے ناروا سلوک کی وجہ سے مصیبت میں پھنس گئی ہیں" یہ کہتے ہوئے اس نے کسانوں کی جانب اشارہ کیا اور پھر بولا "انہوں نے آپ کو اپنے پاس بلایا ہے، اگر جناب تھوڑا سا مزید آگے آ جائیں تو۔۔۔" الفاچ اداس انداز میں مسکرایا اور بات آگے بڑھاتے ہوئے بولا "کیونکہ ان کی موجودگی میں کچھ کہنا ٹھیک نہیں ہوگا" اس نے ان دونوں کسانوں کی جانب اشارہ کیا جو گھوڑے پر بیٹھنے والی مکھیوں کی طرح ان کے گرد پھر رہے تھے۔

کسان الفاچ کی بات سن کر بولے "اے!۔۔۔ الفاچ!۔۔۔ اے، یاکوف الفاچ! مسیح کا واسطہ، ہمیں معاف کر دو، زبردست!۔۔۔ اے اے" دونوں ان کی جانب دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔

رستوف نشئی کسانوں کی جانب دیکھ کر مسکرا دیا۔

یاکوف الفاچ نے اپنے خالی ہاتھوں سے کسانوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا "یا یہ آپ کی تفریح کا باعث ہیں؟"

رستوف نے جواب دیا "نہیں، اس میں تفریح کی کوئی بات نہیں" اور اپنا گھوڑا آگے بڑھاتے ہوئے بولا

"کیا ہوا ہے؟"

الفاج کہنے لگا "حضور عالی! اجازت ہو تو کہتا ہوں کہ یہ گنوار لوگ مالکہ کو جاگیر چھوڑ کر جانے نہیں دیتے اور دھمکیاں دے رہے ہیں کہ وہ گھوڑے نہیں جوتیں گے۔ صبح سے سامان بندھا ہوا ہے مگر وہ یہاں سے روانہ نہیں ہو سکتیں"

رستوف چلا کر بولا "یہ ناممکن ہے"

الفاج نے کہا "حضور! میں نے آپ کو حقیقت سے آگاہ کیا ہے"

رستوف نے نیچے اتر کر اپنا گھوڑا اردلی کے سپرد کیا اور خود الفاج کے ساتھ مکان کی جانب چل دیا۔ راستے میں وہ اس سے معاملے کی بابت دیگر سوالات بھی پوچھتا جاتا تھا۔

یوں لگتا تھا کہ شہزادی کی جانب سے کسانوں کو غلے کی پیشکش اور اس کی کسانوں اور ڈرون سے بات کے بعد حالات اتنے خراب ہو گئے کہ ڈرون نے چابیاں واپس کر دیں اور کسانوں سے جاملا۔ الفاج کے بلانے پر اس نے آنے سے انکار کر دیا اور جب صبح شہزادی نے روانگی کیلئے گھوڑے جوتنے کا حکم دیا تو کسانوں کی بڑی تعداد گودام کے باہر جمع ہو گئی اور انہوں نے پیغام بھیجا کہ وہ شہزادی کو گاؤں سے نہیں نکلنے دیں گے اور حکم ملا ہے کہ لوگ اپنے گھر نہ چھوڑیں اور وہ اپنے گھوڑے کھول دیں گے۔ الفاج انہیں سمجھانے گیا تو اسے بتایا گیا کہ وہ شہزادی کو جانے کی اجازت نہیں دیں گے کیونکہ اس طرح احکامات کی خلاف ورزی ہوگی تاہم وہ یہیں رہی تو وہ پہلے کی طرح اس کے احکامات بجالاتے رہیں گے۔ زیادہ تر گفتگو کارپ نے کی تھی اور ڈرون پیچھے کھڑا رہا تھا۔

جب رستوف اور ایلین سڑک پر گھوڑے بھگاتے چلے آرہے تھے تو شہزادی ماریا نے الفاج، بوڑھی آیا اور نوکرانیوں کی منت سماجت کے باوجود گھوڑے جوتنے کا حکم دے دیا تھا اور روانگی کیلئے تیار ہو گئی تھی۔ اتنی دیر میں کوچوانوں نے چند گھڑ سواروں کو تیزی سے ادھر آتے دیکھا تو وہ سمجھے کہ فرانسیسی آرہے ہیں اور بھاگ نکلے، دوسری جانب گھر کی خواتین نے رونا شروع کر دیا۔

رستوف گھر کے بیرونی صحن سے گزرا تو اسے مختلف آوازیں سنائی دیں جو کہہ رہی تھیں "ہمارے مہربان! ہمارے محافظ، تمہیں خدا نے یہاں بھیجا ہے" یوں لگتا تھا جیسے عورتیں اسے دیکھ خاصی متاثر ہوئی ہیں۔ جب رستوف اندر پہنچا تو شہزادی ماریا بے بسی کی تصویر بنی بیٹھی تھی۔ اسے کچھ علم نہ تھا کہ وہ کون ہے، کیوں آیا ہے اور اس کا کیا ہوگا۔ جب اس نے روسی چہرہ دیکھا اور انداز واطوار نیز گفتگو سے اسے اپنے طبقے کے شخص کے طور پر شناخت کر لیا تو روشن آنکھوں سے اس کی جانب دیکھنے لگی اور جذبات سے کانپتی آواز میں اس سے بات کی۔ رستوف کو اس ملاقات میں رومانوی مٹھاس محسوس ہوئی۔ اس نے سوچا "اکیلی اور پریشان حال لڑکی، گنوار اور باغی کسانوں کے رحم وکرم پر ہے جبکہ قسمت نے مجھے یہاں بھیج دیا ہے" جب وہ اسے اپنی پریشان آواز میں حالات سے آگاہ کر رہی تھی تو رستوف نے سوچا

"اس کے خدوخال میں کیسی لطافت اور شرافت پائی جاتی ہے"

جب اس نے یہ بتانا شروع کیا کہ یہ سب کچھ اس کے باپ کی تدفین کے اگلے ہی روز پیش آیا تو اس کی آواز بھرا گئی اور اس نے منہ دوسری جانب پھیر لیا۔ پھر اس نے سوچا کہ کہیں رستوف یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ وہ اس کے دل میں رحم کا جذبہ ابھارنے کی کوشش کر رہی ہے، چنانچہ وہ اس کی جانب سوالیہ اور خوفزدہ نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ رستوف کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ شہزادی ماریا نے اسے دیکھ لیا اور اپنی روشن آنکھوں سے اس کی جانب متشکر انداز سے دیکھنے

لگی۔ ان خوبصورت آنکھیں دیکھنے والا اس کی واجبی شکل وصورت بھول جاتا تھا۔

رستوف کہنے لگا "شہزادی میں بیحد خوش ہوں، میں اتفاق سے ادھر آیا تھا اور مجھے آپ کی خدمت کا موقع مل گیا۔ آپ جب چاہیں یہاں سے جاسکتی ہیں، میرا وعدہ ہے کہ اگر آپ نے مجھے اپنی حفاظت کی اجازت دی تو کوئی آپ کی جانب آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھ پائے گا" پھر اس نے یوں جھک کر اسے سلام کیا جیسے وہ شاہی خاندان کی خاتون ہو۔ سلام کے بعد وہ دروازے کی طرف چل پڑا۔

رستوف کے مودبانہ انداز سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اس سے متعارف ہونا اپنی خوش قسمتی سمجھتا ہے مگر اس کی پریشان حالی سے فائدہ اٹھا کر خود کو اس سے جوڑنا پسند نہیں کرے گا۔

شہزادی ماریا نے یہ بات محسوس کر لی اور دل میں اس کی تعریف کرنے لگی۔

وہ فرانسیسی میں بولی "میں آپ کی شکر گزار ہوں تاہم میرا خیال ہے کہ یہ سب کچھ کسی غلط فہمی کی وجہ سے ہوا اور اس کیلئے کسی کو الزام نہیں دیا جاسکتا" اس نے رونا شروع کر دیا اور بولی "معذرت چاہتی ہوں"

رستوف کے ابرو تن گئے اور وہ ایک مرتبہ پھر جھک کر سلام کرتے ہوئے کمرے سے نکل گیا۔

(14)

ایلین کہہ رہا تھا "ارے، کتنی خوبصورت ہے؟ میری گلابی لڑکی کتنی دلکش ہے، اس کا نام دنیاشا ہے۔۔۔"

مگر جب اس نے رستوف کے چہرے پر سرسری نگاہ ڈالی تو خاموش ہو گیا۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کے ہیرو اور اعلیٰ افسر کی ذہنی کیفیت بالکل مختلف ہے۔

رستوف نے ایلین کو غصے میں دیکھا اور کچھ کہے بغیر تیزی سے گاؤں کی جانب چل دیا۔

وہ اپنے آپ سے کہہ رہا تھا "میں ان لفنگوں کو ایسا سبق دوں گا کہ یاد رکھیں گے"

الفاج تیزی سے اس کے پیچھے ہو لیا اور بمشکل اس تک پہنچا۔

وہ رستوف سے پوچھنے لگا "حضور! آپ کس نتیجے پر پہنچے ہیں؟"

رستوف ٹھہر گیا اور مٹھیاں بند کر کے غصے میں اس سے کہنے لگا "نتیجہ؟ کیسا نتیجہ، بوڑھے باتونی؟ تم کیا کرتے رہے ہو؟ کسان بغاوت کر رہے ہیں اور تمہیں اتنا علم نہیں کہ انہیں کیسے قابو میں کیا جائے۔ تم غدار ہو، میں جانتا ہوں، تم سب کو سبق سکھا دوں گا"

پھر اسے یوں لگا جیسے وہ اپنا غصہ بیکار ضائع کر رہا ہے چنانچہ اس نے الفاج کو چھوڑا اور جلدی سے آگے بڑھ گیا۔ الفاج اپنی بے عزتی کو نظر انداز کرتے ہوئے رستوف کے پیچھے بھاگنے لگا۔ راستے میں وہ اس کے سامنے وضاحتیں کرتا رہا۔ وہ رستوف کو بتا رہا تھا کہ کسان اسقدر باغی ہو چکے ہیں کہ فوج کی مدد کے بغیر ان کی سرکوبی ناممکن ہے۔ وہ کہنے لگا "کیا فوج بلانا مناسب نہ ہوگا؟"

رستوف بے معنی انداز میں بڑبڑاتے ہوئے بولا "میں ان کیلئے مسلح فوج لاؤں گا۔۔۔ میں ان کی مخالفت کروں گا" اس پر غیر عقلی اور حیوانی غصہ غلبہ پا رہا تھا اور اس غصے اور اسے نکالنے کی ضرورت کے باعث اس کا سانس رکنے لگا۔ وہ سوچے سمجھے بغیر تیزی سے کسانوں کے ہجوم کی طرف بڑھا۔ جوں جوں وہ ہجوم کے قریب ہوتا گیا، الفاج کو احساس ہو گیا کہ رستوف کے اس بے عقل طریقہ کار کا اچھا نتیجہ نہیں نکلے گا۔ کسانوں نے رستوف کو نپے تلے اور

''کیا ہوا ہے؟''

الفاج کہنے لگا''حضور عالی! اجازت ہو تو کہتا ہوں کہ یہ گنوار لوگ مالکہ کو جاگیر چھوڑ کر جانے نہیں دیتے اور دھمکیاں دے رہے ہیں کہ وہ گھوڑے نہیں جوتیں گے۔صبح سے سامان بندھا ہوا ہے مگر وہ یہاں سے روانہ نہیں ہو سکتیں''

رستوف چلا کر بولا''یہ ناممکن ہے''

الفاج نے کہا''حضور! میں نے آپ کو حقیقت سے آگاہ کیا ہے''

رستوف نے نیچے اتر کر اپنا گھوڑا اردلی کے سپرد کیا اور خود الفاج کے ساتھ مکان کی جانب چل دیا۔راستے میں وہ اس سے معاملے کی بابت دیگر سوالات بھی پوچھتا جاتا تھا۔

یوں لگتا تھا کہ شہزادی کی جانب سے کسانوں کو غلے کی پیشکش اور اس کی کسانوں اور ڈرون سے بات کے بعد حالات اتنے خراب ہو گئے کہ ڈرون نے چابیاں واپس کر دیں اور کسانوں سے جا ملا۔الفاج کے بلانے پر اس نے آنے سے انکار کر دیا اور جب صبح شہزادی نے روانگی کیلئے گھوڑے جوتنے کا حکم دیا تو کسانوں کی بڑی تعداد گودام کے باہر جمع ہو گئی اور انہوں نے پیغام بھیجا کہ وہ شہزادی کو گاؤں سے نہیں نکلنے دیں گے اور حکم ملا ہے کہ لوگ اپنے گھر نہ چھوڑیں اور وہ اپنے گھوڑے کھول دیں گے۔ الفاج انہیں سمجھانے گیا تو اسے بتایا گیا کہ وہ شہزادی کو جانے کی اجازت نہیں دیں گے کیونکہ اس طرح احکامات کی خلاف ورزی ہوگی تاہم وہ یہیں رہی تو وہ پہلے کی طرح اس کے احکامات بجالاتے رہیں گے۔زیادہ تر گفتگو کارپ نے کی تھی اور ڈرون پیچھے کھڑا رہا تھا۔

جب رستوف اور الین سڑک پر گھوڑے بھگاتے چلے آ رہے تھے تو شہزادی ماریا نے الفاج، بوڑھی آیا اور نوکرانیوں کی منت سماجت کے باوجود گھوڑے جوتنے کا حکم دے دیا تھا اور روانگی کیلئے تیار ہو گئی تھی۔اتنی دیر میں کوچوانوں نے چند گھڑ سواروں کو تیزی سے ادھر آتے دیکھا تو وہ سمجھے کہ فرانسیسی آ رہے ہیں اور بھاگ نکلے، دوسری جانب گھر کی خواتین نے رونا شروع کر دیا۔

رستوف گھر کے بیرونی صحن سے گزرا تو اسے مختلف آوازیں سنائی دیں جو کہہ رہی تھیں''ہمارے مہربان! ہمارے محافظ، تمہیں خدا نے یہاں بھیجا ہے'' یوں لگتا تھا جیسے عورتیں اسے دیکھ خاصی متاثر ہوئی ہیں۔ جب رستوف اندر پہنچا تو شہزادی ماریا بے بسی کی تصویر بنی بیٹھی تھی۔اسے کچھ علم نہ تھا کہ وہ کون ہے، کیوں آیا ہے اور اس کا کیا ہوگا۔ جب اس نے روسی چہرہ دیکھا اور انداز و اطوار نیز گفتگو سے اسے اپنے طبقے کے شخص کے طور پر شناخت کر لیا تو روشن آنکھوں سے اس کی جانب دیکھنے لگی اور جذبات سے کانپتی آواز میں اس سے بات کی۔ رستوف کو اس ملاقات میں رومانوی مٹھاس محسوس ہوئی۔اس نے سوچا''اکیلی اور پریشان حال لڑکی، گنوار اور باغی کسانوں کے رحم و کرم پر ہے جبکہ قسمت نے مجھے یہاں بھیج دیا ہے'' جب وہ اسے اپنی پریشان آواز میں حالات سے آگاہ کر رہی تھی تو رستوف نے سوچا ''اس کے خدوخال میں کیسی لطافت اور شرافت پائی جاتی ہے''

جب اس نے یہ بتانا شروع کیا کہ یہ سب کچھ اس کے باپ کی تدفین کے اگلے ہی روز پیش آیا تو اس کی آواز بھرا گئی اور اس نے منہ دوسری جانب پھیر لیا۔پھر اس نے سوچا کہ کہیں رستوف یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ وہ اس کے دل میں رحم کا جذبہ ابھارنے کی کوشش کر رہی ہے، چنانچہ وہ اس کی جانب سوالیہ اور خوفزدہ نگاہوں سے دیکھنے لگی۔رستوف کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔شہزادی ماریا نے اسے دیکھ لیا اور اپنی روشن آنکھوں سے اس کی جانب تشکر انداز سے دیکھنے

لگی۔ان خوبصورت آنکھیں دیکھنے والا اس کی واجبی شکل وصورت بھول جاتا تھا۔

رستوف کہنے لگا''شہزادی میں بیحد خوش ہوں، میں اتفاق سے ادھر آیا تھا اور مجھے آپ کی خدمت کا موقع مل گیا۔آپ جب چاہیں یہاں سے جا سکتی ہیں، میرا وعدہ ہے کہ اگر آپ نے مجھے اپنی حفاظت کی اجازت دی تو کوئی آپ کی جانب آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھ پائے گا'' پھر اس نے یوں جھک کر اسے سلام کیا جیسے وہ شاہی خاندان کی خاتون ہو۔سلام کے بعد وہ دروازے کی طرف چل پڑا۔

رستوف کے مودبانہ انداز سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اس سے متعارف ہونا اپنی خوش قسمتی سمجھتا ہے مگر اس کی پریشان حالی سے فائدہ اٹھا کر خود کو اس سے جوڑنا پسند نہیں کرے گا۔

شہزادی ماریا نے یہ بات محسوس کر لی اور دل میں اس کی تعریف کرنے لگی۔

وہ فرانسیسی میں بولی''میں آپ کی شکر گزار ہوں تاہم میرا خیال ہے کہ یہ سب کچھ کسی غلط فہمی کی وجہ سے ہوا اور اس کیلئے کسی کو الزام نہیں دیا جا سکتا'' اس نے رونا شروع کر دیا اور بولی''معذرت چاہتی ہوں''

رستوف کے ابرو تن گئے اور وہ ایک مرتبہ پھر جھک کر سلام کرتے ہوئے کمرے سے نکل گیا۔

(14)

الین کہہ رہا تھا''ارے، کتنی خوبصورت ہے؟ میری گلابی لڑکی کتنی دلکش ہے، اس کا نام دنیاشا ہے۔۔۔''

مگر جب اس نے رستوف کے چہرے پر سرسری نگاہ ڈالی تو خاموش ہو گیا۔اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کے ہیرو اور اعلیٰ افسر کی ذہنی کیفیت بالکل مختلف ہے۔

رستوف نے الین کو غصے میں دیکھا اور کچھ کہے بغیر تیزی سے گاؤں کی جانب چل دیا۔

وہ اپنے آپ سے کہہ رہا تھا''میں ان لفنگوں کو ایسا سبق دوں گا کہ یاد رکھیں گے''

الفاج تیزی سے اس کے پیچھے ہو لیا اور بمشکل اس تک پہنچا۔

وہ رستوف سے پوچھنے لگا''حضور! آپ کس نتیجے پر پہنچے ہیں؟''

رستوف ٹھہر گیا اور اور مٹھیاں بند کر کے غصے میں اس سے کہنے لگا''نتیجہ؟ کیسا نتیجہ، بوڑھے باتونی؟ تم کیا کرتے رہے ہو؟ کسان بغاوت کر رہے ہیں اور تمہیں اتنا علم نہیں کہ انہیں کیسے قابو میں کیا جائے۔تم غدار ہو، میں جانتا ہوں، تم سب کو سبق سکھا دوں گا''

پھر اسے یوں لگا جیسے وہ اپنا غصہ بیکار ضائع کر رہا ہے چنانچہ اس نے الفاج کو چھوڑا اور جلدی سے آگے بڑھ گیا۔الفاج اپنی بے عزتی کو نظر انداز کرتے ہوئے رستوف کے پیچھے بھاگنے لگا۔راستے میں وہ اس کے سامنے وضاحتیں کرتا رہا۔وہ رستوف کو بتا رہا تھا کہ کسان اسقدر باغی ہو چکے ہیں کہ فوج کی مدد کے بغیر ان کی سرکوبی ناممکن ہے۔وہ کہنے لگا''کیا فوج بلانا مناسب نہ ہوگا؟''

رستوف بے معنی انداز میں بڑبڑاتے ہوئے بولا''میں ان کیلئے مسلح فوج لاؤں گا۔۔۔میں ان کی مخالفت کروں گا'' اس پر غیر عقلی اور حیوانی غصہ غلبہ پا رہا تھا اور اس غصے اور اسے نکالنے کی ضرورت کے باعث اس کا سانس رکنے لگا۔وہ سوچے سمجھے بغیر تیزی سے کسانوں کے ہجوم کی طرف بڑھا۔ جوں جوں وہ ہجوم کے قریب ہوتا گیا، الفاج کو احساس ہو گیا کہ رستوف کے اس بے عقل طریقہ کار کا اچھا نتیجہ نہیں نکلے گا۔ کسانوں نے رستوف کو پہچانا اور

تیز قدم اٹھاتے اپنی جانب آتے اور چہرے پر غصہ اور عزم لاتے دیکھا تو وہ بھی متاثر ہو گئے۔

گاؤں میں گھڑ سوار ہوزاروں کے داخلے اور رستوف کی شہزادی سے ملاقات کے بعد کسانوں میں تذبذب پھیل گیا تھا۔ کچھ کسانوں کی رائے تھی کہ روسی ہونے کی وجہ سے یہ لوگ شہزادی ماریا کو بلاوجہ یہاں روکا جانا پسند نہیں کریں گے۔ ڈرون کی بھی یہی رائے تھے تاہم جونہی اس نے یہ بات کہی، کارپ اور چند دیگر کسان اس پر پل پڑے۔

کارپ چلاتے ہوئے بولا "تمہیں گاؤں کے مال پر اپنا پیٹ بڑھاتے کتنی دیر ہو گئی ہے۔ تمہیں اس سے کیا فرق پڑے گا۔ تم نے مال و دولت سے بھرے مرتبان زمین میں دبائے ہوئے ہیں۔ تم انہیں نکال کر چلے جاؤ گے، تمہیں ہمارے گھر اجڑنے کی کیا پروا ہو سکتی ہے؟"

دوسرے نے کہا "ہمیں امن برقرار رکھنے اور گھر نہ چھوڑنے کا حکم ملا ہے جبکہ وہ سب کچھ لے کر جا رہی ہے"

ایک پستہ قد بوڑھا اچانک ڈرون پر جھپٹتے ہوئے کہنے لگا "فوجی بھرتی کیلئے تمہاری باری تھی مگر تم نے اپنے موٹے چھوٹے کو بچا لیا اور وہ میرے وانکا کو لے گئے تاکہ اس کی ڈاڑھی مونچھیں صاف کر کے اسے فوجی بنایا جائے مگر موت کسے نہیں آتی، سب نے ایک دن مر جانا ہے"

کسی نے کہا "یقیناً، سب نے مرنا ہے"

ڈرون بولا "میں کسی کیخلاف نہیں ہوں"

دو دبلے پتلے کسان بولے "تم کیوں ہو گے، تم نے تو پیٹ بھر رکھا ہے"

جونہی رستوف الیین، لاورشکا اور الفاچ کے ہمراہ ان کے قریب پہنچا تو کارپ اپنے انگوٹھے کمر بند میں گھسیڑ کر مسکراتا ہوا سامنے آیا جبکہ ڈرون عقب میں چلا گیا اور کسان ایک دوسرے کے قریب ہو گئے۔

رستوف تیزی سے کسانوں کی طرف بڑھتے ہوئے بولا "ہاں، تمہارا نمبردار کہاں ہے؟"

کارپ نے پوچھا "نمبردار؟ آپ کو اس سے کیا مطلب؟"

ابھی اس کے الفاظ منہ میں ہی تھے کہ رستوف کے زوردار مکے نے اس کا سر جھکا دیا اور اس کی ٹوپی اڑ کر دور جا گری۔

رستوف دھاڑتے ہوئے بولا "غدارو، ٹوپیاں اتار دو، نمبردار کہاں ہے؟"

کسانوں کے ہجوم سے تیز تیز آوازیں سنائی دیں "نمبردار۔۔۔ وہ نمبردار کے بارے میں پوچھ رہے ہیں! ڈرون زاخارچ! وہ تمہارے بارے میں دریافت کر رہے ہیں" تمام کسان جلدی سے ٹوپیاں اتارنے لگے۔

کارپ نے پرزور انداز میں کہا "بغاوت کسی نے نہیں کی، ہم نے حکم مانا ہے" کسانوں کے ہجوم کے پیچھے سے متعدد آوازیں سنائی دینے لگیں "ہمارے بزرگوں نے فیصلہ کیا تھا، آپ میں کئی لوگ حکم دیتے ہیں۔۔۔"

رستوف دھاڑتے ہوئے بولا "بحث کر رہے ہو، بغاوت کرو گے؟۔۔۔ ڈاکوؤ، غدارو!" اس کی آواز پہچانی نہیں جاتی تھی اور وہ نتائج کی پروا کئے بغیر دھاڑ رہا تھا۔ اس نے کارپ کو گریبان سے پکڑ لیا اور کہنے لگا "اسے باندھ دو، باندھ دو" حالانکہ وہاں اسے باندھنے کیلئے لاورشکا اور الفاچ کے سوا کوئی موجود نہ تھا۔

لاورشکا کارپ کی جانب لپکا اور اس کے بازو پیچھے سے پکڑ لیے۔

اس نے باآواز بلند کہا "جناب! پہاڑی کے پیچھے کھڑے سپاہیوں کو بلا لاؤں"

الفاچ نے کسانوں کی جانب رخ کیا اور دو افراد کے نام لے کر انہیں حکم دیا کہ وہ کارپ کو باندھ دیں۔

دونوں کسان مودبانہ انداز میں آگے آئے اور اپنے کمر بند کھولنا شروع کر دیئے۔

رستوف نے اپنی بات دہراتے ہوئے کہا "نمبردار کہاں ہے؟"

ڈرون آگے بڑھ آیا، اس کے چہرے پر افسردگی طاری تھی اور رنگ زرد پڑ گیا تھا۔

رستوف چلا کر کہنے لگا "تم نمبردار ہو؟ لاورشکا! اسے بھی باندھ دو" اس کا انداز یوں تھا جیسے اس کے حکم کی خلاف ورزی ممکن نہ ہو۔ ہوا بھی یہی اور دو مزید کسانوں نے آگے بڑھ کر ڈرون کو پکڑ لیا اور اس کے ہاتھ پاؤں باندھنا شروع کر دیئے۔ ڈرون نے اپنا کمر بند اتار کر خود انہیں پکڑا دیا جیسے ان کی مدد کرنا چاہتا ہو۔

رستوف نے کسانوں سے کہا "اچھی طرح سن لو، بالکل اسی وقت اپنے گھروں کو چلے جاؤ اور میں تمہاری کوئی بات نہیں سننا چاہتا"

کسانوں کے ہجوم میں بیک وقت مختلف آوازیں سنائی دیں "کیوں؟ ہم نے کیا کیا ہے؟ تھوڑی سی بیوقوفی کر بیٹھے۔۔۔ میں نے کہا تھا کہ یہ بات ٹھیک نہیں ہے" تمام لوگ ایک دوسرے پر الزام تراشی میں مصروف تھے۔

الفاچ نے دوبارہ رعب جھاڑتے ہوئے کہا "ہاں، میں نے کہا بھی تھا کہ تم غلطی پر ہو"

کسانوں نے جواب دیا "یا کوف الفاچ! ہم سے حماقت سرزد ہو گئی" اور تمام لوگ ادھر ادھر جانے لگے۔

ڈرون اور کارپ کو بازو باندھ کر باگوچاروف کی جاگیر کے مکان میں لایا گیا۔ نشے میں دھت دونوں کسان ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔

ایک کارپ سے کہنے لگا "واہ رے واہ، اپنی شکل تو دیکھو"

دوسرا بولا "تم یہ سمجھ رہے تھے کہ شرفاء سے اس طرح بات کرو گے؟ تمہارا کیا خیال تھا؟" پہلے نے کہا "تم بیوقوف ہو" دوسرے نے اس کی تائید کی "اصلی بیوقوف"

دو گھنٹے کے اندر اندر گاڑیاں صحن میں پہنچ گئیں۔ کسان تیزی سے بلکونسکی خاندان کا سامان اٹھا کر گاڑیوں میں لادنے لگے اور ڈرون انہیں ہدایات دینے لگا جسے شہزادی ماریا کے کہنے پر پرانے سامان والے کمرے سے رہا کر دیا گیا تھا۔

گول چہرے والے ایک مسکراتے کسان نے چھوٹا صندوق گھریلو ملازمہ کے ہاتھ سے لیتے ہوئے کہا "اسے بے احتیاطی سے مت رکھنا۔ یقین کرو یہ بہت مہنگا ہے۔ اگر تم نے اسے یونہی رسیوں تلے ڈال دیا تو اس پر خراشیں آ جائیں گی۔ اس طرح کام کرنا مجھے پسند نہیں، ہر کام احتیاط سے ہونا چاہئے، دیکھو، اسے پکڑو اور نیچے رکھ کر اوپر خشک گھاس ڈال دو۔۔۔ ایسے، ہاں بالکل، یہ اچھا طریقہ ہے"

ایک کسان شہزادہ آندرے کی کتابوں والا صندوق اٹھائے لا رہا تھا۔ وہ کہنے لگا "ارے، یہ کتابیں کس قدر بھاری ہیں" دوسرے نے کہا "دھیان سے بھئی دھیان سے، کہیں گر نہ جانا، بہت بھاری کتابیں ہیں، بیحد وزنی"

بیضوی چہرے والے ایک دراز قد کسان نے سب سے اوپر پڑی ایک بھاری کتاب کی جانب آنکھ مارتے ہوئے کہا "ہاں، وہ ہر وقت پڑھتے لکھتے رہتے تھے، وقت ضائع نہیں کرتے تھے"

☆☆☆

رستوف شہزادی پر یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ وہ اس سے زبردستی نتھی ہو گیا ہے چنانچہ وہ مکان میں واپس جانے کی بجائے گاؤں میں ہی ٹھہر کر اس کی روانگی کا انتظار کرتا رہا۔ جب گاڑیاں روانہ ہوئیں تو وہ حفاظت کی غرض سے

ان کے ساتھ ہولیا۔ باگوچاروف سے بارہ کلو میٹر دور وہ اس سڑک پر پہنچ گئے جو ہماری فوج کے قبضے میں تھی۔ یاگوف کی سرائے میں اس نے مودبانہ انداز سے اجازت مانگی اور پہلی مرتبہ اس کا ہاتھ چوما۔

شہزادی ماریا کی جانب سے اپنا شکریہ ادا کئے جانے پر اس نے شرماتے ہوئے کہا "ایسا کیوں کہہ رہی ہیں۔ کوئی بھی پولیس افسر اتنا تو ضرور کرتا۔ اگر ہمارے پاس لڑائی کیلئے صرف کسان ہی ہوتے تو ہم دشمن کو اتنی دور تک نہ آنے دیتے" وہ جھجکتے ہوئے موضوع بدلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ کہنے لگا "مجھے خوشی ہے کہ آپ سے تعارف کا موقع مل گیا۔ اچھا شہزادی، خدا حافظ، میں آپ کیلئے نیک خواہشات کا اظہار کرتا ہوں اور میری دعا ہے کہ آپ کا سفر اطمینان سے طے ہو۔ مجھے امید ہے کہ آئندہ ہم اس سے بہتر حالات میں ملیں گے۔ اگر آپ مجھے شرمندہ نہیں کرنا چاہتیں تو میں درخواست کروں گا کہ میرا شکریہ ادا نہ کیا جائے۔"

شہزادی نے لفظی انداز میں تو اس کا شکریہ ادا نہ کیا مگر اس کے چہرے پر محبت اور تشکر کے جذبات پکار پکار کر اس سے ممنونیت کا اظہار کر رہے تھے۔ اسے یقین ہی نہیں آ سکتا تھا کہ اس کے پاس شکریہ ادا کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ اس کی بجائے اسے اچھی طرح یقین تھا کہ وہ نہ آتا تو وہ باغی کسانوں اور فرانسیسیوں کے ہاتھوں ماری جاتی۔ اسے بچانے کیلئے وہ خطرات میں کود گیا تھا اور اس سے بھی زیادہ اہم یہ بات تھی کہ وہ اچھے کردار کا مالک اور شریف شخص تھا اور اسے لاحق خطرے اور غم کا احساس رکھتا تھا۔ ماریا کے ذہن میں اس کی آنسو بھری نگاہیں رچ بس گئیں جو اس کے اپنے صدمے کا ذکر کرتے ہوئے رونے کی بنا پر بھر آئی تھیں۔ شہزادی ماریا اسے الوداع کہنے کے بعد اکیلی رہ گئی تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور اس کے ذہن میں یہ عجیب خیال گردش کرنے لگا "کیا مجھے اس سے پیار ہو گیا ہے؟" اگرچہ ایسا پہلی مرتبہ نہیں ہوا تھا۔ اگرچہ ماسکو کی جانب بقیہ سفر کے دوران شہزادی ماریا کی ذہنی حالت اچھی نہ تھی تاہم اس کے ساتھ گاڑی میں بیٹھی دنیاشا نے ایک سے زائد مرتبہ اپنی مالکہ کو کھڑکی سے باہر دیکھتے اور اسے کسی بات پر یاس انگیز اور پرمسرت انداز سے مسکراتے دیکھا۔

شہزادی ماریا بار بار یہی بات سوچ رہی تھی کہ "اگر مجھے اس سے محبت ہو جائے تو۔۔۔" اگرچہ اسے یہ اقرار کرتے ہوئے شرم محسوس ہوتی تھی کہ وہ کسی ایسے شخص کی محبت میں گرفتار ہو گئی ہے جو اس کے بارے میں کبھی نہیں سوچے گا، تاہم وہ یہ سوچ کر دل کو تسلی دے لیتی تھی کہ وہ کسی کو بتائے بغیر تمام زندگی کسی ایسے شخص سے محبت کرتی رہی جس سے اسے پہلی اور آخری مرتبہ پیار ہوا تھا تو اسے کوئی الزام نہیں دیا جا سکے گا۔

رستوف نے اسے جس انداز سے دیکھا تھا اور اس سے جو ہمدردی اور باتیں کی تھیں، اسے یاد کر کے وہ خوشی کا حصول ناممکن نہ سمجھتی اور انہی لمحات میں دنیاشا کو وہ گاڑی سے باہر دیکھتی اور مسکراتی نظر آتی تھی۔

شہزادی ماریا سوچ رہی تھی "ذرا سوچا جائے تو، وہ باگوچاروف آیا اور ایسے موقع پر جبکہ۔۔۔ جبکہ اس کی بہن شہزادہ آندرے سے شادی سے انکار کر چکی ہے" شہزادی ماریا کو ان تمام باتوں میں خدا کی مرضی نظر آتی تھی۔

شہزادی ماریا نے رستوف پر خوشگوار اثرات چھوڑے تھے۔ اس کے بارے میں سوچ کر اس کی روح خوشی سے نہال ہو جاتی تھی۔ جب اس کے ساتھیوں نے باگوچاروف کی مہم کی داستان سن کر اسے مذاق کیا کہ وہ گھاس لینے گیا تھا اور روس کی امیر ترین وارث لے آیا تو اسے شدید غصہ آتا تھا۔ اسے غصہ اس بات پر آتا تھا کہ شریف اور دلکش دکھائی دینے والی شہزادی سے شادی کا خیال اس کے دل میں بھی کئی مرتبہ آ چکا تھا۔ نکولائی اس سے اچھی بیوی کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اگر وہ اس سے شادی کر لے تو اس کی والدہ بیحد خوش ہو گی اور والد کی قسمت بھی اچھی

ہو جائے گی اور یہ کہ۔۔۔ اسے محسوس ہوتا تھا کہ شہزادی ماریا بھی بیحد خوش ہو گی۔

اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی سوچتا تھا کہ "سونیا کا کیا ہو گا؟ اس سے کئے گئے وعدے کا کیا بنے گا؟" یہی وجہ تھی کہ شہزادی ماریا کے حوالے سے مذاق پر اسے غصہ آ رہا تھا۔

(15)

فوج کی کمان سنبھالنے کے بعد کوتوزوف کو شہزادہ آندرے کا خیال آیا اور اس نے اسے ہیڈ کوارٹر رپورٹ کرنے کا پیغام بھیج دیا۔

شہزادہ آندرے اسی دن زاریوزیمی پہنچا جب کوتوزوف پہلی مرتبہ فوجوں کا معائنہ کرنے اور سلامی لینے میں مصروف تھا۔ آندرے گاؤں میں پادری کے گھر کے قریب ٹھہر گیا۔ اسی مکان کے سامنے کمانڈر انچیف کی گاڑی کھڑی تھی۔ شہزادہ آندرے دروازے کے قریب بنچ پر بیٹھ گیا اور "ہز ہائی نس" کا انتظار کرنے لگا جواب اسے ہر کوئی کہتا تھا۔ گاؤں سے پرے کھیت کی جانب سے رجمنٹ کی موسیقی سنائی دے رہی تھی درمیان میں فوجیوں کے ہجوم کا نعرہ "ہرا" سنائی دے جاتا تھا۔ شہزادہ آندرے سے دس قدم دور دروازے پر دو اردلی، ایک پیامبر اور ایک نگران کھڑے تھے اور وہ اپنے آقا کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خوبصورت موسم کا لطف لے رہے تھے۔ سانولے رنگ کا ایک پست قد گھڑسوار ہوزار لیفٹیننٹ کرنل دروازے تک آیا، اس کی خوفناک مونچھیں گالوں تک پھیلی تھیں۔ اس نے شہزادہ آندرے پر ایک نظر ڈالی اور اس سے پوچھا کہ "ہز ہائی نس" یہیں ٹھہرے ہوئے ہیں اور کیا وہ جلد واپس آ جائینگے؟"

شہزادہ آندرے نے اسے بتایا کہ وہ "ہز ہائی نس" کے عملے میں شامل نہیں ہے اور خود بھی کچھ دیر پہلے یہاں پہنچا ہے۔ لیفٹیننٹ کرنل ایک پھرتیلے اردلی کی طرف بڑھا۔ اردلی نے اسے اس مخصوص حقارت آمیز انداز میں جواب دیا جو کمانڈر انچیف کے اردلی کسی افسر سے گفتگو میں روا رکھتے ہیں۔ وہ کہنے لگا "ہز ہائی نس؟ توقع ہے کہ وہ جلد واپس آ جائیں گے۔ آپ کو کیا کام ہے؟"

اردلی کے اس انداز پر لیفٹیننٹ کرنل زیر لب ہنسا اور گھوڑے سے اتر کر اسے ایک نوکر کے حوالے کرنے کے بعد گردن جھکا کر بلکونسکی کی جانب آیا۔ آندرے نے اسے بنچ پر جگہ دی اور وہ بیٹھ گیا۔

لیفٹیننٹ کرنل نے بات شروع کرتے ہوئے اس سے پوچھا "کیا آپ بھی کمانڈر انچیف کے منتظر ہیں؟ سنا ہے وہ ہر شخص سے مل لیتے ہیں۔ خدا کا شکر ہے ان جرمنوں کا یہ طریقہ نہیں تھا۔ یرمولوف نے غلط نہیں کہا تھا کہ اسے ترقی دے کر جرمن بنا دیا جائے۔ اب شاید روسیوں کو بھی بات کرنے کا موقع میسر آ جائیگا۔ خدا جانے وہ کیا چاہتے تھے؟ پیچھے اور پیچھے ہٹنا، اور کچھ نہیں، کیا آپ بھی اس مہم میں شامل تھے؟"

شہزادہ آندرے نے جواب دیا "جی ہاں، میں بھی شامل تھا، نہ صرف پسپائی میں شریک تھا بلکہ زمینیں اور آبائی گھر تو ایک جانب میں اس پسپائی میں اپنی سب سے پیاری شے سے ہاتھ دھو بیٹھا، میرے والد اس صدمے کو برداشت نہ کر سکے اور جان سے گزر گئے۔ میرا تعلق صوبہ سمولنسک سے ہے"

لیفٹیننٹ کرنل بولا "ارے، آپ شہزادہ بلکونسکی ہیں؟ آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔ میں لیفٹیننٹ کرنل دینی سوف ہوں، لوگ مجھے واسکا کہتے ہیں" اس نے شہزادہ آندرے کا ہاتھ دبایا اور اس کے چہرے کی جانب دلچسپی سے دیکھتے ہوئے کہنے لگا "ہاں میں سن چکا ہوں" اس نے آندرے سے ہمدردی کا اظہار کیا اور پھر کہنے لگا "یہ طریقہ جنگ بہت

اچھا ہے حکمران لوگوں کے سوا، جنہیں اس کے نقصانات برداشت کرنا پڑتے ہیں اور جانیں قربان کرنا پڑتی ہیں۔۔۔ اچھا تو آپ شہزادہ بلکونسکی ہیں، آپ سے مل کر بیحد خوشی ہوئی'' اس نے مسکراتے ہوئے سر ہلا کر اپنی بات دہرائی اور آندرے سے دوبارہ ہاتھ ملایا۔

دینی سوف نتاشا سے شادی کا پہلا امیدوار تھا اور نتاشا نے اس حوالے سے شہزادہ آندرے کو جو باتیں بتائی تھیں ان کی وجہ سے وہ اسے جانتا تھا۔ بیک وقت میٹھی اور تلخ یادوں نے اس کے دل کا زخم ہرا کر دیا۔ حالیہ دنوں میں اسے سمولنسک سے پسپائی، بلیک ہلز کا دورہ اور اپنے باپ کی وفات کی خبر جیسے سنگین اور انوکھے تجربات سے واسطہ پڑا تھا کہ کچھ عرصہ تک یہ یادیں اس کے ذہن میں وارد نہ ہوسکی تھیں اور جب وارد ہوئیں تو ان میں وہ زور نہ تھا جو کسی اور وقت ہوسکتا تھا۔

بلکونسکی کے نام سے دینی سوف کے ذہن میں سر اٹھانے والی یادوں کا تعلق کہیں دور رومانوی ماضی سے تھا جب ایک شام کھانے اور نتاشا کا گانا سننے کے بعد اس نے سوچے سمجھے بغیر پندرہ سالہ لڑکی کو شادی کی پیشکش کر دی تھی۔ اسے وہ زمانہ اور نتاشا سے اپنا پیار یاد آیا تو وہ مسکرا دیا تاہم وہ اچانک اسی شے کی طرف لوٹ آیا جس سے اب وہ بیحد دلچسپی رکھتا تھا اور اب اس کے علاوہ کسی اور بات پر نہیں سوچ سکتا تھا۔ یہ جنگی منصوبہ تھا جسے اس نے پسپائی کے دوران بیرونی چوکیوں پر فرائض انجام دیتے ہوئے بنایا تھا۔ اس نے اپنا یہ منصوبہ بارکلے ڈی تولی کو پیش کیا تھا اور اب اسے کوتوزوف کے سامنے لانا چاہتا تھا۔ منصوبے کی بنیاد اس حقیقت پر رکھی گئی تھی کہ فرانسیسیوں نے ضرورت سے زیادہ لمبا محاذ کھول لیا تھا اور ان کو سامنے سے روکنے کی بجائے مواصلاتی رابطہ نشانے کی زد میں لے کر ان کی کمر توڑی جاسکتی تھی۔ وہ شہزادہ آندرے کے سامنے اپنے منصوبے کی وضاحت کرنے لگا۔

دینی سوف نے کہا'' وہ اپنے تمام مواصلاتی رابطوں کا دفاع کرنے کے قابل نہیں ہیں، ایسا کرنا ممکن بھی نہیں، میں ان کے رابطے منقطع کرنے کی کوشش کروں گا، مجھے پانچ سو سپاہی دے دیئے جائیں اور میں انہیں عقب سے کاٹ دوں گا۔ ایسا بالکل ہوسکتا ہے اور ہمارے پاس ایک ہی طریقہ ہے اور وہ گوریلا جنگ ہے''

دینی سوف اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور ہاتھوں کے اشاروں سے سمجھانے لگا۔ اسی دوران انہیں فوجیوں کے نعرے سنائی دیئے۔ یہ آوازیں پریڈ والے میدان سے سنائی دے رہی تھیں۔ فوجی نغموں اور موسیقی کی آوازوں کے باعث فوجیوں کے الفاظ سمجھ نہیں آرہے تھے۔ گاؤں میں آوازوں کا شور اور گھوڑوں کے سموں کی آواز سنائی دینے لگی۔

دروازے کے قریب کھڑے ایک قازق نے چلا کر کہا'' وہ آرہے ہیں''

بلکونسکی اور دینی سوف دروازے کی جانب چل دیئے۔ وہاں سپاہیوں کا ایک گروہ سلامی کیلئے اکٹھا ہوگیا تھا۔ انہیں کوتوزوف دکھائی دیا جو پستہ قد گھوڑے پر بیٹھا تھا۔ جرنیلوں کا ایک گروہ اس کے پیچھے پیچھے چلا آرہا تھا۔ بارکلے کا گھوڑا کوتوزوف کے برابر تھا۔ کمانڈر انچیف کے آگے پیچھے افسروں کا ہجوم تھا اور وہ مسلسل ''ہرا!'' کے نعرے بلند کر رہے تھے۔

کوتوزوف کے ایجوٹنٹ گھوڑے دوڑاتے اس سے پہلے صحن میں داخل ہوگئے۔ کوتوزوف صبر نہ کرسکا اور اپنا گھوڑا آگے بڑھانے کی کوشش کی جو اس کے بوجھ تلے آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ کوتوزوف مسلسل اپنا سر ہلا رہا تھا اور اپنا ہاتھ ہارس گارڈز کی بے ڈھنگا سفید ٹوپی تک لے جا رہا تھا۔ دروازے کے قریب کھڑے دستے کے تمام سپاہی تندرست و توانا تھے اور ان کا تعلق گرینڈ یئر گارڈز سے تھا۔ ان میں سے اکثر نے اپنے سینوں پر تمغے اور مختلف اعزازات

سجائے ہوئے تھے۔ کوتوزوف قریب پہنچا تو انہوں نے اسے سلامی دی۔ اس نے انہیں کمانڈر کی پرعزم نگاہوں سے دیکھا اور چند منٹ ان پر نظریں گاڑے رکھیں۔ پھر وہ اپنے اردگرد جرنیلوں اور افسروں کی جانب متوجہ ہوا۔ اچانک اس کے چہرے پر ہوشیاری کا تاثر جھلکا اور اس نے اپنے کندھے یوں اچکائے جیسے کسی الجھن کا شکار ہو۔

اس نے مزید کہا'' دیکھو، ہمارے پاس ایک سے بڑھ کر ایک بہادر سپاہی موجود ہے اور ہم پھر بھی پسپا ہوتے رہے، اچھا جنرل! الوداع'' یہ کہہ کر وہ شہزادہ آندرے اور دینی سوف کے قریب سے گزرتا اندر چلا گیا۔

اس کے عقب میں'' ہرا! ہرا! ہرا!'' کی آوازیں گونج رہی تھیں۔

جب سے شہزادہ آندرے نے کوتوزوف کو آخری مرتبہ دیکھا تھا، اس کا جسم پہلے سے زیادہ موٹا ہوچکا تھا تاہم اس کے جانے پہچانے زخم کے نشان، آنکھ کے سفید ڈھیلے اور تھکے ہوئے چہرے کے خدوخال میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی تھی۔ اس نے فوجی کوٹ اور ہارس گارڈز کی سفید ٹوپی پہن رکھی تھی اور کندھے پر پتلی پیٹی سے چابک لٹکا ہوا تھا۔ قوی الجثہ پستہ قد گھوڑے پر اس کا بھاری جسم دائیں بائیں جھول رہا تھا۔

وہ صحن سے اندر داخل ہوا تو اس کے منہ سے سیٹی جیسی آواز نکلی'' فو!۔۔۔فو!۔۔۔فو!'' یہ آواز بمشکل سنائی دیتی تھی اور اس کے چہرے پر ایسے شخص کا پرمسرت اور پرسکون تاثر ہویدا تھا جسے کارکردگی کا مظاہرہ کرنے کے بعد آرام کا موقع ملنے کی امید ہو۔ اس نے اپنا پاؤں رکاب میں ڈالا اور جسم کو بے ڈھنگے انداز سے جھلاتے ہوئے زور لگا کر اسے زین تک پہنچا دیا۔ بعدازاں وہ اپنے گھٹنے پر جھکا اور کراہتا ہوا ایجوٹنٹوں اور قازقوں کے بازوؤں میں گر گیا جو اسے سہارا دینے کیلئے تیار کھڑے تھے۔

کوتوزف نے خود کو جیسے تیسے سنبھالا اور آنکھیں بند کرکے اردگرد نظر ڈالی۔ اس نے شہزادہ آندرے کو دیکھا تاہم یوں لگتا تھا جیسے وہ اسے پہچاننے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ پھر وہ راہداری کی جانب چل دیا۔

''فو!۔۔۔فو!۔۔۔فو!'' اس نے دوبارہ سیٹی بجائی اور پھر شہزادہ آندرے کی جانب دیکھا۔ جیسا کہ اکثر بوڑھوں کے ساتھ ہوتا ہے، اسے بھی شہزادہ آندرے کو پہچاننے میں کچھ دیر لگی۔ پھر وہ اچانک بولا'' شہزادے، کیا حال ہے؟ کیسے ہو، ادھر آؤ۔۔۔'' اس کے لہجے میں تھکاوٹ تھی اور سیڑھیاں اس کے بوجھ تلے چرچرا رہی تھیں۔ راہداری میں پہنچ کر اس نے کوٹ کے بٹن کھولے اور بیٹھ گیا۔

وہ آندرے سے پوچھنے لگا'' ہاں، یہ بتاؤ کہ تمہارے ابا جان کا کیا حال ہے؟''

شہزادہ آندرے نے جواب دیا'' مجھے کل ان کے انتقال کی خبر ملی ہے''

کوتوزوف کو دھچکا لگا اور وہ اسے حیران نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے ٹوپی اتاری اور سینے پر صلیب کا نشان بنایا۔

وہ آہ بھر کر بولا'' خداوند انہیں جنت میں جگہ دے، ہم خدا کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کرسکتے، میں ان سے محبت اور ان کا احترام کرتا تھا اور مجھے تم سے سچی ہمدردی ہے''

اس نے شہزادہ آندرے کو گلے لگایا اور اپنے موٹے سینے سے دبا کر کچھ دیر اسی حالت میں رہا، جب اس نے چھوڑا تو آندرے نے دیکھا کہ اس کے موٹے ہونٹ کانپ رہے تھے اور آنکھوں میں آنسو دیکھے جاسکتے تھے۔

وہ کہنے لگا'' چلو، میرے کمرے میں آؤ، ہم کچھ بات کریں گے''

اسی دوران دینی سوف خود کو روکنے والے ایجوٹنٹوں کی غصیلی سرگوشیوں کے باوجود بلاخوف و تردد سیڑھیاں

چڑھ کر اوپر آ گیا تھا۔ وہ اب دشمن کی طرح اپنے افسران اعلیٰ سے بھی خوفزدہ نہیں تھا۔ کوتوزوف نے اسے ناپسندیدہ نگاہوں سے دیکھا۔ دینی سوف نے اسے اپنا تعارف کرایا اور زوردار انداز میں کہا کہ وہ ملک کی خاطر جناب عالی کو ایک اہم معاملے سے مطلع کرنا چاہتا ہے۔ کوتوزوف نے دینی سوف کو تھکی تھکی نگاہوں سے دیکھا اور غصے کا اظہار کرنے کیلئے اپنے ہاتھ اٹھائے اور انہیں ایک دوسرے کے اوپر پیٹ پر رکھ کر اس کی بات دہرائی۔

اس نے کہا "ملک کی خاطر؟ اچھا، کیا ہے؟ کہو۔۔۔"

دینی سوف لڑکیوں کی طرح شرما گیا (اس کے بھاری مونچھوں والے، تجربہ کار اور شرابی چہرے پر ایسا تاثر عجیب معلوم ہوتا تھا) وہ بہادرانہ انداز سے سمولنسک اور ویازما کے درمیانی علاقے میں دشمن کے مواصلاتی راستوں اور انہیں منقطع کرنے کے حوالے سے اپنا منصوبہ بیان کرنے لگا۔ دینی سوف کا تعلق اسی علاقے سے تھا اور وہ اس کی ہر جگہ سے واقف تھا۔ یقیناً یہ منصوبہ دلکش معلوم ہوتا تھا اور اس کی اہمیت یوں بھی بڑھ جاتی تھی کہ وہ اسے یقینی پختگی سے بیان کر رہا تھا۔ کوتوزوف اپنے پاؤں کی جانب دیکھتا رہا۔ کبھی کبھار وہ درختوں سے گھرے قریبی مکان کے صحن کی جانب نگاہ ڈال لیتا تھا جیسے وہاں سے اسے کسی ناخوشگوار شے کے برآمد ہونے کی امید ہو اور ایسا ہی ہوا، جب دینی سوف اپنی بات کر رہا تھا تو اس مکان سے ایک جرنیل ہاتھ میں چمڑے کا تھیلا پکڑے نمودار ہوا۔

کوتوزوف نے دینی سوف کی باتوں کے دوران ہی جرنیل سے کہا "ارے؟ اتنا جلدی تیار ہو گئے ہو؟"

جرنیل بولا "جی ہاں جناب عالی!"

کوتوزوف نے یوں سر ہلایا جیسے کہنا چاہتا ہو "کوئی شخص یہ سب کچھ کیسے کامیابی سے کر سکتا ہے" اور پھر دینی سوف کی بات سننا شروع کر دی۔

دینی سوف کہہ رہا تھا "میں روسی افسر کی حیثیت سے اپنی عزت کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نپولین کا مواصلاتی رابطہ کاٹ سکتا ہوں"

کوتوزوف نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا "تم کوارٹر ماسٹر جنرل کیرل آندریوچ کے کیا لگتے ہو؟"

دینی سوف نے جواب دیا "جناب عالی! وہ میرے چچا ہیں"

کوتوزوف خوشگوار انداز سے بولا "ہاں، ہم اچھے دوست ہیں، ٹھیک ہے، ٹھیک ہے نوجوان، تم یہیں ہیڈ کوارٹر میں ٹھہرو، ہم کل بات کریں گے"

اس نے دینی سوف کی جانب دیکھ کر اپنا سر ہلایا اور دوسری طرف متوجہ ہو گیا۔ اس نے کاغذات پکڑنے کیلئے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا جو ڈیوٹی جرنیل کونووٹسن لے کر آیا تھا۔

ڈیوٹی جرنیل آزردگی سے کہنے لگا "جناب عالی! کیا آپ اندر نہیں آئیں گے؟ وہاں آپ نئے منصوبوں کا جائزہ لینے کے بعد دستخط کرنا ہیں"

ایک ایجوٹنٹ دروازے پر آیا اور اطلاع دی کہ اندر تمام انتظامات مکمل کر لیے گئے ہیں۔ تاہم یہ بات عیاں تھی کہ کوتوزوف اندر داخل ہونے سے پہلے تمام امور سے فراغت پانا چاہتا ہے۔ اس کے چہرے پر بیزاری کا تاثر پیدا ہو گیا۔

وہ ایجوٹنٹ سے بولا "نہیں میرے عزیز، میز یہیں لے آؤ۔ میں ادھر ہی ان پر نظر ڈال لوں گا" پھر وہ شہزادہ آندرے کی طرف متوجہ ہو کر بولا "جانا نہیں"

شہزادہ آندرے راہداری ہی میں ٹھہر گیا اور ڈیوٹی جرنیل کی رپورٹ سنتا رہا۔ جب رپورٹ پڑھی جا رہی تھی تو شہزادہ آندرے کو ادھ کھلے دروازے کے پیچھے ریشمی لباس کی آواز اور کسی خاتون کی سرگوشی سنائی دی۔ اس نے متعدد بار جھانک کر دیکھا تو اسے ایک خوش شکل عورت دکھائی دی جس کا جسم فربہ اور چہرہ سرخ وسفید تھا۔ اس نے گلابی رنگ کا لباس زیب تن کر رکھا تھا اور سر پر رومال بندھا تھا۔ اس نے ہاتھ میں ایک پلیٹ تھام رکھی تھی اور یوں لگتا تھا جیسے وہ کمانڈر انچیف کا انتظار کر رہی ہے۔ کوتوزوف کے ایجوٹنٹ نے شہزادہ آندرے کو مدھم آواز میں بتایا کہ یہ اس مکان کے مالک پادری کی اہلیہ ہے اور میزبان کی حیثیت سے ہز ہائی نس کو روٹی اور نمک پیش کرنا چاہتی ہے۔

ایجوٹنٹ نے مسکراتے ہوئے کہا "اس کے شوہر نے گرجا گھر میں صلیب تھام کر کوتوزوف کا استقبال کیا تھا اور اب وہ گھر میں انہیں خوش آمدید کہے گی۔۔۔ خاصی خوبصورت ہے"

ان الفاظ پر کوتوزوف نے سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ جرنیل کی رپورٹ سن رہا تھا جس میں زار یوزانچی میں فوجی پوزیشنوں کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ وہ یہ رپورٹ بالکل اسی طرح سن رہا تھا جس طرح اس نے دینی سوف کی بات یا سات سال پہلے اوسٹرلٹس کی جنگ سے قبل جنگی کونسل کی بحث سنی تھی۔ وہ یقیناً اس لیے سنتا تھا کہ اس کے کان تھے۔ تاہم یہ بات روز روشن کی طرح عیاں تھی کہ جرنیل کی کوئی بات اسے حیران نہیں کر سکتی تھی اور یہ امر واضح تھا کہ جو کچھ کہا جا رہا تھا وہ اسے پہلے ہی معلوم تھا اور وہ اس لیے سن رہا تھا کہ وہ اسے سننے پر مجبور تھا جیسا کہ وہ گرجے میں عبادت کے دوران دعائیں سننے پر مجبور ہوتا تھا۔ دینی سوف کی باتیں دانشمندی سے بھرپور تھیں اور اس جرنیل کی باتیں مزید برمحل اور عقل کے عین مطابق تھیں مگر یہ بات واضح تھی کہ کوتوزوف عقل و دانش سے نفرت کرتا تھا۔ شہزادہ آندرے نے کمانڈر انچیف کے چہرے کو بغور دیکھا اور اسے وہاں جو واحد تاثر دکھائی دیا وہ بوریت اور دروازے کے عقب میں نسوانی آواز جاننے کا تجسس اور مجلس کے آداب کے مطابق رویہ اختیار کرنے کی خواہش کا مجموعہ تھا۔ یہ بات عیاں تھی کہ کوتوزوف نہ صرف علم و عقل سے نفرت کرتا ہے بلکہ دینی سوف نے جس جذبہ حب الوطنی کا اظہار کیا تھا اس سے بھی اس کی جان جاتی ہے۔ تاہم ان باتوں سے اس کی نفرت کسی جذبے، عقل یا اپنے علم کی بنا پر نہ تھی (کیونکہ اس نے کبھی ان کے اظہار کی کوشش نہ کی تھی) بلکہ وہ ان سے صرف اسی لیے نفرت کرتا تھا کہ عمر رسیدہ ہونے کی بنا پر وہ زندگی میں بہت کچھ دیکھ چکا تھا۔

کوتوزوف نے رپورٹ میں اپنی جانب سے جس بات کے اضافے کی ہدایت کی وہ روسی افواج کی جانب سے ہونیوالی لوٹ مار سے متعلق تھی۔ رپورٹ ختم ہونے پر جرنیل نے دستخط کیلئے اس کے سامنے ایک دستاویز رکھی۔ ایک جاگیردار نے فوجی کمانڈر کو درخواست دی تھی کہ فوجیوں نے اس کی جئی کی فصل کاٹ لی ہے اور اسے ادائیگی کی جائے۔ یہ دستاویز اسی معاوضے کی ادائیگی کے حوالے سے تھی۔ جب کوتوزوف کو اس بارے میں آگاہ کیا گیا تو اس نے ہونٹوں پر زبان پھیری اور نفی میں سر ہلانے لگا۔

اس نے کہا "اسے چولہے میں پھینک دو۔۔۔ آگ لگا دو! اور میں تمہیں ایک ہی مرتبہ بتا دوں کہ ایسی تمام چیزیں جلا دیا کرو۔ انہیں دل کھول کر فصلیں کاٹنے اور لکڑیاں جلانے دو، میں نے ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا اور میں اس کی اجازت نہیں دیتا مگر میں ان کی ایسی حرکات پر کوئی سزا بھی لاگو نہیں کروں گا۔ اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔ جب درخت کاٹا جاتا ہے تو لکڑیاں بھی ادھر ادھر اڑتی ہیں" اس نے ایک مرتبہ پھر دستاویز پر نگاہ ڈالی اور نفی میں سر ہلا کر بڑبڑایا "اوہ، ان جرمنوں کو ہر بات قاعدے و قوانین کے مطابق کرنے کا جنون ہے"

(16)

کوتوزوف نے آخری کاغذ پر دستخط کئے اور کہنے لگا ''اچھا، تو کام ختم ہو گیا'' پھر وہ بے ڈھنگے انداز سے اٹھا اور موٹی گردن درست کرتے ہوئے پہلے کی نسبت زیادہ ہشاش بشاش انداز میں دروازے کی جانب بڑھ گیا۔

پادری کی بیوی کا چہرہ شرم سے سرخ ہو رہا تھا۔ اس نے جلدی سے پلیٹ اٹھائی اور خاصا جھک کر اسے سلام کیا اور پھر پلیٹ اسے تھما دی۔ اتنی دیر تیاری کے باوجود وہ اسے مناسب وقت پر پیش نہ کر پائی تھی۔

کوتوزوف نے آنکھیں بند کیں، مسکرایا اور پھر پیار بھرے انداز میں اس کی ٹھوڑی چھو کر کہنے لگا ''کیا خوبصورت چہرہ ہے! شکریہ میری عزیزہ!''

اس نے اپنی جیب سے سونے کے چند سکے نکال کر پلیٹ میں رکھ دیئے۔

پھر وہ اپنے لیے سجائے گئے کمرے کی جانب جاتے ہوئے آندرے سے کہنے لگا ''اچھا تو یہ بتاؤ کہ تمہارا کیا حال چال ہے''

پادری کی بیوی کے سرخ چہرے پر گڑھے پڑ رہے تھے اور وہ مسکراتی ہوئی اس کے پیچھے چلی گئی۔ ایجوٹنٹ شہزادہ نے شہزادہ آندرے کو کھانے کی دعوت دی۔ نصف گھنٹہ بعد کوتوزوف کے بلانے پر شہزادہ آندرے اندر گیا تو وہ پاؤں پھیلائے کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس نے ہاتھ میں فرانسیسی ناول تھام رکھا تھا۔ جب شہزادہ آندرے اندر آیا تو اس نے ناول ایک طرف رکھا اور زیر مطالعہ صفحے پر نشانی کے طور پر کاغذ کاٹنے والا چاقو رکھ دیا۔ شہزادہ آندرے نے دیکھا کہ یہ مادام ڈی گینلس کا ناول تھا۔

کوتوزوف نے اسے کہا ''اچھا، بیٹھ جاؤ، یہاں بیٹھ جاؤ، کچھ باتیں کرتے ہیں، مجھے بیحد افسوس ہوا مگر میرے اچھے ساتھی اب تم مجھے اپنا دوسرا باپ کہہ سکتے ہو۔۔۔''

شہزادہ آندرے اپنے باپ کی وفات کے بارے میں جو کچھ جانتا تھا اور بلیک ہلز میں جو کچھ دیکھا وہ اسے بتا دیا۔

کوتوزوف اچانک بے چین لہجے میں چیخا ''انہوں نے ہمارا کیا حال کر دیا ہے، مجھے کچھ وقت دے دو، وقت دو'' شہزادہ آندرے نے اسے جو باتیں بتائی تھیں ان سے اس پر یہ بات عیاں ہو گئی تھی کہ روس کن حالات کا شکار ہے۔ اس کے چہرے پر دہشت تھی اور وہ ایسے موضوع پر تفصیلی گفتگو نہیں کرنا چاہتا تھا جس نے اس کے جذبات میں ہلچل مچا دی تھی۔ وہ آندرے سے کہنے لگا ''میں نے تمہیں اپنے ساتھ رکھنے کیلئے بلایا تھا''

شہزادہ آندرے نے کہا ''جناب عالی! میں آپ کا شکرگزار ہوں، مگر مجھے خدشہ ہے کہ میں اب عملے کے کام کیلئے موزوں نہیں ہوں'' اس کی مسکراہٹ سے کوتوزوف جان گیا کہ معاملہ کہیں گڑبڑ ہے۔

کمانڈر انچیف نے اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

شہزادہ آندرے کہنے لگا ''اہم ترین بات یہ ہے کہ میں اپنی رجمنٹ سے مانوس ہو گیا ہوں۔ مجھے اپنے افسروں سے محبت ہے اور سپاہی بھی مجھے پسند کرتے ہیں۔ رجمنٹ چھوڑ کر مجھے افسوس ہوگا۔ آپ نے مجھے اپنے ساتھ رکھنے کی پیشکش کر کے میری جو عزت کی اس پر میں آپ کا بیحد شکرگزار ہوں اور اگر میں یہ پیشکش قبول نہیں کر رہا تو یقین کیجئے۔۔۔''

کوتوزوف کے موٹے چہرے پر عقلمندی اور شفقت سے بھرپور تاثر نمودار ہوا جس میں انتہائی لطیف طنز بھی شامل تھا۔ اس نے بلکونسکی کی بات کاٹ دی۔

وہ کہنے لگا ''مجھے افسوس ہوا، میرا خیال تھا کہ تم میرے لیے نہایت کارآمد ثابت ہو سکتے تھے مگر تمہاری بات درست ہے۔ یہاں آدمیوں کی ضرورت نہیں۔ مشورہ دینے والے بہت ہوتے ہیں مگر آدمیوں کی کمی ہے۔ تم جس طرح رجمنٹ میں کام کر رہے ہو اگر یہ مشورے دینے والے لوگ بھی وہیں اسی طرح کام کریں تو رجمنٹوں کی صورتحال ہی بدل جائے۔ مجھے اوسٹرلٹس میں تمہارا کارنامہ اچھی طرح یاد ہے۔۔۔ ہاں، یاد ہے تم نے اوسٹرلٹس میں جھنڈا اٹھا رکھا تھا'' اس یاد پر شہزادہ آندرے کا چہرہ خوشی سے سرخ ہو گیا۔

کوتوزوف نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر اسے اپنے پاس گھسیٹا اور اپنا گال اس کے سامنے کر دیا تاکہ وہ اسے چوم سکے۔ آندرے کو بوڑھے کی آنکھوں میں ایک مرتبہ پھر آنسو تیرتے دکھائی دیئے۔ اگرچہ اسے علم تھا کہ کوتوزوف کے اکثر و بیشتر آنسو نکل آتے ہیں اور اسے جو صدمہ برداشت کرنا پڑا تھا اس پر وہ ہمدردی کا اظہار کرنا چاہتا ہے تاہم ان باتوں کے باوجود اوسٹرلٹس کا واقعہ یاد آنے پر اسے خوشی محسوس ہوئی اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی انا کی تسکین بھی ہو گئی۔

کوتوزوف اسے کہنے لگا ''ٹھیک ہے، جاؤ اور اپنی مرضی سے کام کرو، خدا تمہاری مدد کرے۔ مجھے علم ہے کہ تم نے جو راستہ چنا وہ عزت اور وقار کا راستہ ہے'' وہ کچھ دیر ٹھہرا اور پھر بولا ''بخارسٹ میں تم مجھے بیحد یاد آئے۔ مجھے ایسے شخص کی ضرورت تھی جسے بھیج کر۔۔۔'' پھر کوتوزوف موضوع بدل کر ترکوں کے ساتھ جنگ اور معاہدہ امن بارے گفتگو کرنے لگا۔ وہ کہہ رہا تھا ''ہاں، مجھے بیحد تنقید کا نشانہ بنایا گیا، جنگ شروع ہوتے وقت بھی اور جب معاہدہ طے پااس وقت بھی، مگر ہر کام درست وقت پر ہو گیا، یہاں کی طرح وہاں بھی مشورہ دینے والوں کی بہتات تھی'' وہ ایک مرتبہ پھر اسی موضوع پر بات چیت کرنے لگا جس پر وہ خاصی سوچ و بچار کرتا رہا تھا۔ وہ کہنے لگا ''اف، یہ مشیر اور مشیر، اگر ہم نے ان کی باتیں مانی ہوتیں تو ابھی تک ترکی میں ہوتے، امن کا معاہدہ طے پاتا نہ جنگ ختم ہوتی۔ ہمیشہ جلد بازی، جتنی تیزی اتنی ہی کم رفتاری، اگر کامینسکی کا انتقال نہ ہوتا تو وہ کسی نہ کسی مصیبت میں ضرور گرفتار ہو چکا ہوتا۔ اس نے تیس ہزار فوج کے ساتھ قلعوں پر حملہ کر دیا۔ قلعوں پر قبضہ آسان ہے اور مہم کو کامیابی سے منزل مقصود پر پہنچانا مشکل، ایسے مقاصد کیلئے طوفانی اور اندھا دھند حملوں سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اس کیلئے صبر و تحمل کی ضرورت ہوتی ہے۔ کامینسکی نے رسچک پر قبضے کیلئے فوج بھیجی مگر میں نے صرف ''انتظار اور تحمل'' سے کام لے کر اس سے زیادہ قلعوں پر قبضہ کر لیا اور یہ ترک گھوڑے کھانے پر مجبور ہو گئے'' اس نے اپنا سر ہلایا اور کہنے لگا ''یاد رکھنا فرانسیسیوں کا بھی یہی حال ہوگا'' اس کا لہجہ تند ہوتا گیا اور وہ اپنے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا ''میں انہیں گھوڑے کھانے پر مجبور کر دوں گا'' اس کی آنکھوں میں ایک مرتبہ پھر آنسو تیرنے لگے۔

شہزادہ آندرے نے پوچھا ''ہمیں جنگ تو لڑنا ہی پڑے گی، یا نہیں؟''

کوتوزوف نے جواب دیا ''اگر ہر شخص یہی کہتا رہا تو پھر یہ ضروری ہو جائے گی مگر میرے پیارے یاد رکھنا ''انتظار اور تحمل'' سے زیادہ طاقتور ساتھی کوئی نہیں اور یہ سب کچھ کر لیں گے۔ مگر مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے مشیر اس انداز سے نہیں سوچتے۔ بعض کہتے ہیں ایسا کرو اور بعض کا کہنا ہے، ایسا نہیں ویسا کرو۔ اس صورتحال میں کیا کیا جائے؟ بہرحال تم کیا چاہتے ہو؟'' اس کی آنکھوں میں کچھ ایسی چمک تھی جیسے کہہ رہا ہو ''میں تمہیں بتاتا ہوں کہ کیا کرنا چاہئے'' شہزادہ آندرے نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموش رہا۔ کوتوزوف نے کہا میں تمہیں بتاؤں گا کہ کیا کرنا چاہئے اور میں

کیا کرتا ہوں"

کچھ دیر بعد وہ بولا "ٹھیک ہے میرے اچھے لڑکے، الوداع، میں تمہارے دکھ میں برابر کا شریک ہوں۔ مجھے تم ہائی نس شہزادہ یا کمانڈر انچیف نہیں بلکہ اپنا والد سمجھو، اگر کسی شے کی ضرورت ہو تو سیدھا میرے پاس آجانا، الوداع"

اس نے آندرے کو ایک مرتبہ پھر گلے لگا لیا اس نے کوتوزوف کا بوسہ لیا۔ قبل ازیں کہ شہزادہ آندرے اپنے پیچھے دروازہ بند کرتا، کوتوزوف نے اطمینان بھری سانس لی اور دوبارہ ناول اٹھا لیا۔

شہزادہ آندرے کیلئے یہ جاننا ممکن نہیں تھا کہ ایسا کیسے اور کیوں ہے، تاہم حالات جس رخ پر جا رہے تھے اور انہیں جس شخص کے حوالے کر دیا گیا تھا، کوتوزوف سے ملاقات کے بعد وہ اس حوالے سے مطمئن ہو کر اپنی رجمنٹ میں واپس چلا گیا تھا۔ اس بوڑھے میں اسے ذاتی مفادات سے دلچسپی جس قدر کم دکھائی دی اسے اتنا ہی یقین ہو گیا کہ آخر کار سب کچھ ویسے ہی ہو گا جیسا کہ ہونا چاہئے۔ کوتوزوف کی نفسانی خواہشات ختم ہو چکی تھیں اور اگر اب وہ کوئی ایسی حرکت کرتا تھا تو یہ عادتاً ہوتی تھی، علاوہ ازیں اس میں عقل کی جگہ صرف واقعات کے تسلسل پر اطمینان سے غور وفکر کی صلاحیت موجود تھی۔ اسے علم تھا کہ وہ اپنی جانب سے کوئی شے متعارف نہیں کرائے گا، وہ منصوبے بنائے گا نہ کسی شے کی شروعات کرے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ آندرے نے سوچا "مگر وہ ہر بات سنے گا، سب کچھ یاد رکھے گا اور ہر شے کو اس کے درست مقام پر دیکھنا چاہے گا۔ وہ کسی فائدہ مند شے کی راہ میں رکاوٹ ڈالے گا نہ کسی نقصان دہ چیز کو قبول کرے گا۔ اسے اچھی طرح علم ہے کہ اس کی مرضی سے زیادہ طاقتور اور اہم چیز بھی موجود ہے اور یہ چیز واقعات کا ناگزیر بہاؤ ہے۔ وہ انہیں دیکھ اور ان کی اہمیت سمجھ سکتا ہے اور اس کے بعد ان میں دخل اندازی، ذاتی مفادات کی پیروی اور کسی دوسری شے کو نشانہ بنانے سے باز رہ سکتا ہے" شہزادہ آندرے نے مزید سوچا کہ "سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس پر اسی لیے اعتماد ہونے لگتا ہے کہ مادام ڈی گینلس کے ناول اور اپنی فرانسیسی کہاوتوں کے باوجود وہ روسی ہے اور جب اس نے یہ کہا تھا کہ "انہوں نے ہمارا کیا حال کر دیا ہے" تو اس کی آواز کانپ رہی تھی اور جب اس نے یہ کہا کہ "میں انہیں گھوڑے کھانے پر مجبور کر دوں گا" تو اس کی چیخ نکل گئی تھی۔

کم وبیش ہر ایک کے یہی جذبات تھے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب کوتوزوف کو کمانڈر انچیف کے عہدے پر فائز کیا گیا تو درباری سازشوں کے باوجود اس پر اتفاق رائے کا اظہار ہوا اور اسے عمومی پسندیدگی بھی حاصل ہو گئی۔

(17)

زار ماسکو سے واپس گیا تو شہر کی زندگی بھی پرانی طرز پر رواں دواں ہو گئی۔ یہ زندگی کچھ اس طرح اپنے معمول پر آگئی تھی کہ ان دنوں کو یاد رکھنا بھی مشکل ہو گیا جب حب الوطنی کے جذبات کا اظہار کیا گیا تھا۔ اب اس بات پر یقین کرنا بھی مشکل تھا کہ روس کو واقعی کسی قسم کا خطرہ لاحق ہے اور یہ کہ انگریزی کلب کے ارکان وطن کے سپوت ہیں اور ہر قسم کی قربانی دینے کیلئے تیار ہیں۔ شہنشاہ کے قیام کے دوران حب الوطنی کا جو پرجوش مظاہرہ ہوا تھا اس کی یاد صرف فوجی جوانوں کی بھرتی اور فوج کیلئے نقد رقوم کی ادائیگی کے مطالبے سے ہوتی تھی۔ اس حوالے سے ہونیوالا ہر وعدہ قانونی اور سرکاری حیثیت اختیار کر جاتا اور اسے پورا کرنا لازمی ہو جاتا تھا۔

اگرچہ دشمن ماسکو سے قریب آتا چلا جا رہا تھا مگر شہر کے باسی کسی طور یہ ماننے کو تیار نہ تھے کہ ان کیلئے صورتحال مسلسل خراب ہوتی چلی جا رہی ہے۔ اس کی بجائے ان کا رویہ پہلے سے زیادہ غیر سنجیدہ ہوتا چلا جا رہا تھا جیسا کہ عموماً ان

لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جن کے سروں پر خطرہ منڈلا رہا ہو۔ جوں جوں خطرہ قریب آتا جاتا ہے انسانی روح میں دو آوازیں پوری طاقت سے بولنا شروع کر دیتی ہیں۔ ایک آواز اسے معقول انداز سے خطرے کی نوعیت جاننے اور اس سے بچنے کی کوششوں کی ترغیب دیتی ہے جبکہ دوسری اس سے بھی زیادہ معقول انداز سے یہ بتاتی ہے کہ خطرے کے بارے میں سوچنا اذیت ناک اور افسردہ ہے کیونکہ ہر بات کا پہلے سے اندازہ کرنا واقعات کی عمومی پیش قدمی کو روکنا انسان کے بس کی بات نہیں لہٰذا بہتر یہی ہے کہ ناخوشگوار صورتحال کا سامنا کرنے سے پہلے انسان اسے نظر انداز کرتا رہے اور صرف خوشگوار باتوں پر ہی دھیان دے۔ اگر انسان اکیلا ہو تو وہ پہلی بات پر دھیان دیتا ہے اور ساتھیوں کی موجودگی میں وہ دوسری پر عمل کرنے لگتا ہے۔ ماسکو کے شہریوں کا بھی یہی حال تھا۔ زندگی کی جیسی گہما گہمی ماسکو میں اس سال نظر آئی وہ پہلے کبھی نہیں دیکھی گئی تھی۔

رستوپچن کے بڑے بڑے اشتہار سامنے آتے رہتے تھے جن پر شراب خانے، ایک کلال اور ماسکو کے ایک کاریگر کارپشکا شگرین کی تصاویر چھپی ہوتی تھیں جو ملیشیا میں شامل ہوا اور بوناپارٹ کی ماسکو آمد کا سن کر غصے میں آگیا اور تمام فرانسیسیوں کو گالیاں بکنے لگا۔ شراب خانے سے باہر آکر اس نے عقاب کی تصویر تلے جمع ہونیوالے لوگوں کے سامنے تقریر کی تھی۔ یہ اشتہارات شوق سے پڑھے جاتے تھے اور ان کے بارے میں اسی طرح بحث ومباحثہ ہوتا جیسا کہ ویسلے اوچ پشکن کی نظموں پر ہوتا تھا۔

کلب کے کونے والے کمرے میں تمام ارکان یہ خبریں پڑھنے کیلئے اکٹھے ہوتے اور بعض لوگوں کو کارپشکا شگرین کی سی زبان سے فرانسیسیوں کا مذاق اڑایا جانا پسند آتا تھا۔ وہ کہتے "وہ ہماری روسی گوبھی کھا کھا کر غباروں کی طرح پھول جائینگے اور روسی دلیے سے ان کے پیٹ پھٹ جائیں گے اور ہماری گوبھی کا شوربہ انہیں ختم کر دے گا۔ وہ بالشتیے ہیں اور ہماری ایک کسان عورت ان میں سے تین کو بیک وقت اپنی تین سلاخوں والی تنگلی پر اٹھا کر دور پھینکے گی۔ کچھ لوگوں کو یہ باتیں پسند نہ آتیں اور ان کا خیال تھا کہ یہ گھٹیا طریقہ ہے۔ لوگ کہتے تھے کہ رستوپچن نے تمام فرانسیسیوں بلکہ دیگر غیر ملکیوں کو بھی ایک ایک کر کے شہر سے نکال دیا ہے اور ان میں سے بعض نپولین کے جاسوس اور ایجنٹ تھے تاہم یہ باتیں اس لیے کی جاتی تھیں کہ ان کے بہانے رستوپچن کے مذاق کو دہرایا جائے۔ غیر ملکیوں کو نزنے جانیوالے جہاز میں سوار کرایا گیا تو رستوپچن نے ان سے کہا تھا "اپنے آپ سے مطلب رکھیں، جہاز میں سوار ہو جائیں مگر خیال رہے کہ یہ آپ کیلئے کیرن کا جہاز نہ بن جائے" لوگ ایسی باتیں بھی کرتے تھے کہ تمام سرکاری دفتر ماسکو سے باہر منتقل کر دیئے گئے اور اس کے ساتھ شن کے اس فی البدیہہ طنزیہ جملے کا اضافہ کیا جاتا کہ "کم ازکم اس کیلئے تو ہمیں نپولین کا احسانمند ہونا چاہئے" یہ بات بھی کی جاتی تھی کہ ماموف کی فراہم کردہ رجمنٹ پر آٹھ ہزار روبل خرچ آئیں گے مگر بیزوخوف اپنی رجمنٹ پر اس سے بھی زیادہ رقم خرچ کر رہا ہے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ خود وردی پہن کر رجمنٹ کی قیادت کرے گا اور اس طرح لوگوں کو مفت میں تماشا دیکھنے کو مل جائے گا۔

جولی دروبتسکی انگوٹھیوں سے مزین اپنی نازک انگلیوں سے چند الجھے دھاگوں کو سمیٹتے ہوئے بولی "آپ لوگوں کو کسی پر تھوڑا سا بھی رحم نہیں آتا"

وہ اگلے دن ماسکو سے روانہ ہونیوالی تھی اور اس سلسلے میں اس نے الوداعی محفل سجا رکھی تھی۔

کسی نے کہا "بیزوخوف نیک دل اور شریف انسان ہے"

ملیشیا کی وردی میں ملبوس ایک نوجوان بولا "جرمانہ ہو گیا!" یہ شخص جولی کے ساتھ نزنے روانہ ہو رہا تھا۔

ماسکو کے دیگر حلقوں کی طرح جولی کے گروہ نے بھی اتفاق رائے سے یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ روسی کے سوا کوئی اور زبان نہیں بولیں گے اور جو غلطی سے فرانسیسی بولتے انہیں جرمانہ دینا پڑتا تھا۔

ایک روسی مصنف بول اٹھا "گالکسزم کیلئے دوگنا جرمانہ۔لطف اٹھایئے، یہ روسی لفظ نہیں ہے"

جولی مصنف کے الفاظ نظرانداز کرتے ہوئے کہنے لگی "آپ لوگوں کو کسی پر بالکل بھی رحم نہیں آتا۔ میں اپنی غلطی تسلیم کرتی ہوں اور تمہیں سچائی بیان کرنے کے "لطف" کیلئے جرمانہ دینے کو بھی تیار ہوں مگر گالکسزم کی ذمہ داری مجھ پر عائد نہیں ہوتی۔ میرے پاس اتنا وقت اور رقم نہیں ہے کہ شہزادہ گالتزن کی طرح روسی استاد کی خدمات حاصل کروں، ارے، وہ آگئے" وہ اندر آنے والے پیری کی جانب متوجہ ہوئی اور بولی "سورج کا تذکرہ ہوا اور اس کی کرنیں روشنی بکھیرنے لگیں" اس نے پیری سے کہا "ہم ابھی آپ کا ہی ذکر کررہے تھے اور کہہ رہا تھا کہ آپ کی رجمنٹ ماموتوف کی رجمنٹ سے بہتر ہوگی" اس نے اپنے باتونی انداز سے صاف جھوٹ بولا جو اعلیٰ طبقے سے تعلق رکھنے والی جدید اطوار کی مالک خواتین کا خاصہ ہوتا ہے۔

پیری نے اپنی میزبان کے ہاتھ کا بوسہ لیتے ہوئے کہا "اوہو، مجھ سے میری رجمنٹ کی بابت گفتگو مت کریں، میں اس سے تنگ آگیا ہوں"

جولی نے ملیشیا کے افسر کی جانب طنزیہ انداز سے دیکھتے ہوئے پیری سے کہا "اس کی قیادت یقیناً آپ ہی کریں گے"

ملیشیا کا افسر پیری کی موجودگی میں طنزیہ انداز اختیار کرنے کا خواہشمند نہ تھا اور اس کے چہرے سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ جولی کی مسکراہٹ نہیں سمجھ سکا۔ پیری کی غائب دماغی اور نیک فطرت کے باوجود اس کی شخصیت کچھ ایسی تھی کہ اس کے منہ پر اس کا مذاق اڑانے والے کو ہر صورت ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

پیری اپنے بھاری جسم پر نظر ڈالتے ہوئے کہنے لگا "نہیں! میں فرانسیسیوں کا آسان نشانہ ثابت ہوں گا اور مجھے یہ بھی یقین نہیں کہ گھوڑے پر بیٹھ سکوں گا یا نہیں"

جولی کے مہمان جن موضوعات پر گفتگو کرتے تھے ان میں رستوف خاندان بھی شامل تھا۔

جولی کہنے لگی "سنا ہے کہ ان کے حالات اب بہتر ہوگئے ہیں، اور نواب کا رویہ قطعی غیر معقول ہے، رازموو کی ماسکو کے قریب ان کی جاگیر اور مکان خریدنا چاہتے ہیں جبکہ معاملات طے نہیں ہو پارہے وہ بہت زیادہ قیمت طلب کررہے ہیں"

ایک مہمان بولا "نہیں، میرے خیال میں چند روز تک سودا ہو جائے گا، اگرچہ اب ماسکو کے قریب کچھ خریدنا بیوقوفی ہے"

جولی کہنے لگی "کیوں؟ ماسکو کو تو کوئی خطرہ نہیں، آپ کیا کہتے ہیں؟"

وہ شخص کہنے لگا "پھر آپ یہاں سے کیوں جارہی ہیں؟"

جولی بولی "میں؟ کیسا عجیب سوال کیا ہے آپ نے، میں اس لیے جارہی ہوں کہ ہر کوئی جارہا ہے اور پھر میں جون آف آرک یا امیزن تو نہیں ہوں"

کسی نے کہا "ارے ہاں، ٹھیک ہے، مجھے کپڑے کی چند پٹیاں دے دو"

ملیشیا کے افسر نے رستوف کا ذکر کرتے ہوئے کہا "اگر انہوں نے اس لین دین میں عقلمندی کا مظاہرہ کیا تو

اپنے تمام قرضے باآسانی ادا کردیں گے"

کسی نے کہا "وہ بوڑھا اچھے دل کا مالک ہے مگر بیوقوف ہے"

جولی شوخ انداز سے مسکرائی اور پیری کی طرف دیکھ کر کہنے لگی "مگر وہ اتنی دیر سے شہر میں کیوں ٹھہرے ہوئے ہیں؟ انہوں نے تو بہت پہلے گاؤں جانا تھا۔ میرا خیال ہے کہ اب نتالی کی طبیعت بھی بہتر ہے؟"

پیری نے جواب دیا "وہ اپنے چھوٹے بیٹے کے منتظر ہیں۔ وہ اوبولنسکی کے قازق دستوں میں شامل ہوگیا تھا اسے بائلا سرکوف بھیج دیا گیا۔ وہاں رجمنٹ بن رہی ہے تاہم اب اسے میری رجمنٹ میں بھیج دیا گیا ہے اور وہ جلد واپس پہنچنے والا ہے۔ نواب تو بہت پہلے روانہ ہوگیا ہوتا مگر جب تک بیٹا واپس نہیں آجاتا بیگم کسی صورت نہیں جائے گی"

جولی کہنے لگی "میں ایک دن پہلے ارخاروف خاندان کے ہاں ان سے ملی۔ نتالی کا حسن لوٹ آیا ہے اور وہ ایک مرتبہ پھر زندہ دل دکھائی دینے لگی ہے۔ اس نے ہمارے لیے گانا بھی گایا۔ بعض لوگ ہر مشکل پر کتنی آسانی سے قابو پالیتے ہیں"

پیری نے غصے سے پوچھا "کیسی مشکل؟"

جولی مسکرانے لگی اور بولی "نواب، آپ کو تو علم ہے کہ آپ جیسے باکردار اور خواتین کی آبرو پر جان دینے والے بہادر صرف مادام سوزا کے ناولوں میں ہی ملتے ہیں"

پیری شرما کر بولا "بہادر؟ تم کیا کہنا چاہتی ہو؟"

جولی بولی "پیارے نواب، چھوڑیں"

پیری غصے میں اٹھ کھڑا ہوا اور پوچھا "کیا بات ہے؟"

جولی نے کہا "نواب، آپ کو تو علم ہے"

پیری نے کہا "مجھے کسی بات کا علم نہیں"

جولی کہنے لگی "میں جانتی ہوں کہ آپ کی نتالی سے ہمیشہ کتنی اچھی دوستی رہی ہے اور۔۔۔ مگر میری ویرا سے دوستی ہے۔ وہی پیاری ویرا"

پیری نے خفگی سے جھنجھلا کر کہا "نہیں میڈم، میں نوابزادی رستوف کا محافظ نہیں ہوں بلکہ سچی بات یہ ہے کہ میں ایک ماہ سے ان کے گھر ہی نہیں گیا، مجھے سمجھ نہیں آتی کہ یہ ظلم۔۔۔"

جولی مسکرائی اور کپڑا لہراتے ہوئے موضوع بدل کر بولی "میں یہ بھی بتاتی چلوں کہ بیچاری ماریا بلکونسکی کل ماسکو پہنچی ہے، آپ کو علم ہے کہ اس کے والد وفات پاگئے ہیں؟"

پیری نے کہا "واقعی؟ وہ کہاں ہے؟ میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں"

جولی نے کہا "میں کل شام اس کے ساتھ تھی۔ وہ آج یا کل صبح ماسکو میں اپنی جاگیر پر چلی جائے گی۔ وہ اپنے بھتیجے کو بھی ساتھ لے جارہی ہے"

پیری نے پوچھا "اس کا کیا حال ہے؟"

جولی نے جواب دیا "ٹھیک ٹھاک ہے مگر غمزدہ ہے۔ مگر آپ جانتے ہیں کہ اسے کس نے بچایا؟ بالکل پیار محبت والی کہانی ہے۔ نکولائی رستوف نے اسے بچایا۔ وہ گھیرے میں آگئی تھی اور وہ اسے ہلاک کرنا چاہتے تھے، اس کے چند ملازم زخمی بھی ہوئے، وہ گھوڑا بھگاتا آیا اور اسے بچالے گیا"

ملیشیا کا افسر کہنے لگا "ایک اور پیارا سچ تو یہ ہے کہ یہ جنگ اسی لیے ہو رہی ہے کہ ہماری تمام ادھیڑ عمر کنواریوں کی شادی ہو جائے، ایک کیتش ہے اور دوسری شہزادی بلکونسکی"

(18)

پیری گھر واپس پہنچا تو اسے رستوپچن کے وہ خبر نامے دیئے گئے جو اسی صبح ملے تھے۔

پہلے میں اس افواہ کی تردید کی گئی تھی کہ نواب رستوپچن نے لوگوں کو ماسکو چھوڑنے سے منع کر دیا ہے اور کہا گیا تھا کہ وہ اس بات پر خوش ہے کہ خواتین اور تاجروں کی بیویاں شہر چھوڑ رہی ہیں۔ مزید لکھا تھا کہ اس سے ایک تو خوف وہراس میں کمی واقع ہوگی اور دوسری جانب ادھر ادھر کی افواہیں دم توڑ جائیں گی۔ خبر نامے میں یہ بات بھی لکھی گئی تھی کہ "میں دعوے سے کہتا ہوں کہ وہ بد معاش شہر میں داخل نہیں ہو پائے گا اور اگر وہ یہاں آ گیا تو بے شک میرا سر قلم کر دیا جائے" ان الفاظ سے پیری کو پہلی مرتبہ اندازہ ہوا کہ فرانسیسی ماسکو تک پہنچنے والے ہیں۔ دوسرے خبر نامے میں بتایا گیا تھا کہ "روسی فوج کا ہیڈ کوارٹر ویازما میں ہے اور نواب ونزنگیروڈ نے فرانسیسیوں کو شکست کا مزہ چکھایا ہے تاہم چونکہ ماسکو کے اکثر شہری خود کو ہتھیاروں سے لیس کرنا چاہتے ہیں اس لیے اسلحہ خانے میں ہتھیار موجود ہیں اور تلواریں، پستول اور بندوقیں ارزاں نرخوں پر حاصل کی جا سکتی ہیں"

ان خبر ناموں کا لہجہ اتنا مزاحیہ نہیں تھا جتنا ان اشتہارات کا ہوتا تھا جن میں شگرین کی باتیں لکھی گئی ہوتی تھیں۔ پیری ان پر اچھی طرح غور وفکر کرتا رہا۔ وہ خوفناک طوفانی بادل واضح طور پر قریب آ رہے تھے جن کی اس کی روح نے بھرپور خواہش کی تھی اور جو غیر ارادی طور پر اسے دہشت زدہ کر رہے تھے۔

پیری نے اپنے آپ سے ایک مرتبہ پھر سوال کیا "کیا میں فوجی ملازمت اختیار کر لوں یا ابھی انتظار کرنا بہتر ہوگا؟" اس نے میز سے تاش کے پتے اٹھائے اور پیشنس کھیلنے کیلئے بچھا دیئے"

اس نے پتے پھینٹے اور انہیں ہاتھ میں تھام کر سوچا "اگر اس بازی میں درست پتے نکل آئے اور میں جیت گیا تو اس کا مطلب ہوگا کہ۔۔۔ کیا مطلب ہوگا؟"

ابھی وہ کسی نتیجے پر نہیں پہنچا تھا کہ کمرے کے دروازے پر بڑی شہزادی کی آواز سنائی دی۔ وہ اندر آنے کی اجازت طلب کر رہی تھی۔

پیری نے سوچا "اس کا مطلب ہوگا کہ مجھے ہر صورت فوج میں چلے جانا چاہئے" وہ شہزادی کی طرف متوجہ ہوا اور بولا "آ جائیں، آ جائیں"

لمبی کمر اور پتھریلے چہرے والی بڑی شہزادی ہی ابھی تک اس کے گھر میں رہ رہی تھی۔ اس کی دونوں چھوٹی بہنوں کی شادیاں ہو چکی تھیں۔

شہزادی کیتش بولی "میں آپ کی مصروفیت میں خلل ڈالنے پر معذرت خواہ ہوں، آپ کو علم ہے کہ اب وقت آ چکا ہے کہ کسی نتیجے پر پہنچا جائے۔ کیا ہوگا؟ ہر شخص ماسکو چھوڑ چکا ہے، لوگ ہنگامہ آرائی کر رہے ہیں، ان حالات میں ہم ابھی تک یہاں کیوں ٹھہرے ہوئے ہیں؟" اس کے پریشان لہجے سے سرزنش کا اظہار بھی ہوتا تھا۔

پیری نے مزاحیہ انداز میں جواب دیا "اس کی بجائے مجھے تو ہر بات تسلی بخش معلوم ہو رہی ہے" خود کو شہزادی کا محسن سمجھا جانے والے الجھن چھپانے کیلئے وہ ایسا ہی لہجہ اختیار کر لیتا تھا۔

کیتش نے کہا "ہاں، سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے، آج صبح وار وارا ایوانونا بتا رہی تھی کہ ہماری فوج کیا کارنامے انجام دے رہی ہے، اس کی شہرت میں اضافہ ہی ہو رہا ہے، جہاں تک عام لوگوں کا تعلق ہے تو وہ باغی ہو چکے ہیں اور کسی کی بات سننے کو تیار نہیں، اب تو میری اپنی ملازمہ بھی گستاخی کرنے لگی ہے۔ اگر یہی حالات رہے تو پھر بہت جلد وہ ہمارا قتل عام شروع کر دیں گے۔ اب تو گلی کوچوں میں چلنا پھرنا بھی محفوظ نہیں تاہم سب سے خطرناک بات یہ ہے کہ فرانسیسی یہاں پہنچنے والے ہیں۔ تو پھر ہمیں کس بات کا انتظار ہے۔ میں آپ سے صرف ایک ہی درخواست کرتی ہوں کہ مجھے پیٹرز برگ پہنچا دو۔ میری حالت خواہ کیسی ہی کیوں نہ ہو، میں بونا پارٹ کی حکومت میں نہیں رہ سکوں گی"

پیری نے کہا "ارے، جانے دو، تمہیں یہ باتیں کس نے کہہ دیں؟ اس کی بجائے۔۔۔"

شہزادی بولی "میں تمہارے نپولین کی اطاعت نہیں کروں گی، دوسرے بیشک کرتے رہیں، مگر۔۔۔ تم نے میرا یہ کام نہ کیا۔۔۔"

پیری بیچ میں بول اٹھا "مگر میں کروں گا، میں ابھی حکم دیتا ہوں"

یہ واضح تھا کہ شہزادی اس بات سے پریشان ہے کہ وہ کسی پر غصہ نہیں اتار سکتی۔ چنانچہ وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑا کر کرسی پر بیٹھ گئی۔

پیری نے کہا "مگر آپ کو کسی نے غلط بتایا۔ شہر میں تو امن ہے اور خطرے کا بھی کوئی امکان نہیں، میں ابھی یہ پڑھ رہا تھا" اس نے کیتش کو خبر نامے دکھائے اور کہنے لگا "نواب رستوپچن نے لکھا ہے کہ فرانسیسی شہر میں داخل نہیں ہو پائیں گے اور اگر داخل ہو گئے تو بیشک اس کا سر قلم کر دیا جائے"

شہزادی نے جواباً کہا "اوہ، تمہارا نواب، وہ منافق اور اوباش ہے۔ اس نے خود لوگوں کو ہنگامے پر اکسایا۔ کیا اس نے اپنے ان خبر ناموں میں نہیں لکھا کہ وہ کسی کو بھی پکڑ کر گھسیٹیں اور جیل میں پہنچا دیں؟ وہ کہتا ہے کہ ایسا کرنے والا شان وشوکت پائے گا۔ اب آپ خود دیکھیں کہ ایسی ترغیبات ہمیں کہاں تک لے گئی ہیں۔ ایوانونا مجھے کہہ رہی تھی کہ اس کے منہ سے فرانسیسی زبان کے چند الفاظ نکل گئے اور وہ لوگوں کے ہاتھوں مرنے سے بمشکل بچی"

پیری بولا "بہر حال، آپ ہر بات پر یقین کر لیتی ہیں۔۔۔" اس نے میز پر پیشنس کیلئے پتے پھیلا دیئے۔

اگرچہ اس بازی میں پتے درست نکلے تاہم پیری فوج میں شامل نہ ہوا اور ویران شہر میں ہی ٹھہرا رہا۔ شہر پر بے یقینی اور خوف کا راج تھا اور کسی خوفناک واقعے کا انتظار ہو رہا تھا۔

اگلی شام شہزادی روانہ ہو گئی اور پیری کا نگران اسے یہ اطلاع دینے آیا کہ رجمنٹ کیلئے ہتھیار اور دیگر سامان خریدنے کیلئے درکار رقم حاصل کرنے کیلئے کوئی جاگیر بیچنا پڑے گی۔ نگران پیری کو ہر موقع پر یہ جتلانے کا عادی ہو چکا تھا کہ رجمنٹ کو مسلح کرنے، ساز وسامان کی فراہمی اور ایسے دیگر منصوبے کسی دن اسے برباد کر دیں گے۔ پیری نے اس کی بات سن کر اپنی مسکراہٹ پر بمشکل قابو پایا اور کہا "ٹھیک ہے، بیچ دو، میں اپنی بات سے نہیں پھروں گا"

صورتحال جتنی خراب ہوتی، پیری کو اتنی ہی خوشی حاصل ہوتی تھی اور اس پر اسی قدر واضح ہو جاتا کہ وہ جس مصیبت کا منتظر ہے وہ آ پہنچی ہے۔ اس کے واقف کاروں میں بہت کم لوگ شہر میں باقی رہ گئے تھے۔ جولی اور شہزادی ماریا بھی جا چکی تھیں۔ اس کے قریبی دوستوں میں صرف رستوف ابھی تک وہیں ٹھہرے ہوئے تھے تاہم وہ ان سے نہیں ملتا تھا۔

اس دن پیری اپنی توجہ بٹانے کیلئے ورنتسوف گاؤں میں چلا گیا۔ وہ اس عظیم غبارے کو دیکھنے کا خواہشمند تھا جو لوچ دشمن کو تباہ کرنے کیلئے بنا رہا تھا۔ آزمائشی غبارہ اگلے دن چھوڑا جانا تھا۔ یہ غبارہ ابھی نہیں بنا تھا مگر پیری

جانتا تھا کہ اسے زار کی خواہش پر بنایا جا رہا ہے۔

زار نے نواب رستوپچین کو لکھا تھا:

''جونہی لوپچ کا کام مکمل ہو جائے اس کی گاڑی کیلئے قابل اعتماد اور سمجھدار لوگوں کو جمع کرو اور کوتوزوف کو بتانے کیلئے پیامبر بھیج دو۔ میں اسے اس حوالے سے آگاہ کر چکا ہوں۔ ہاں، لوپچ کو اچھی طرح بتادو کہ اس نے پہلا غبارہ کہاں اتارنا ہے۔ اس حوالے سے مکمل احتیاط کرنا ہوگی، یہ نہ ہو کہ وہ غلطی کر بیٹھے اور غبارہ دشمن کے ہاتھ لگ جائے۔ اس کا اپنی نقل و حرکت کمانڈر انچیف کی نقل و حرکت سے مربوط کرنا بیحد ضروری ہے''

ورنتسوف سے واپسی پر پیری اپنی گاڑی پر بولوتنی چوک سے گزرا تو اسے لوگوں کا ہجوم دکھائی دیا جو لوبوئے میں جمع تھا۔ پیری رک گیا اور اپنی گاڑی سے نکل آیا۔ جاسوسی کے الزام میں ایک فرانسیسی باورچی کو کوڑے مارے جا رہے تھے۔ سزا ابھی ابھی ختم ہوئی تھی اور سزا دینے والا ایک قوی الجثہ شخص کی رسیاں کھول رہا تھا۔ اس کی مونچھیں سرخ، جرابیں نیلی اور کوٹ سبز تھا۔ اسے چیخ و پکار کرتے دیکھ کر ترس آتا تھا۔ اس کے قریب ایک اور مجرم کھڑا تھا جو دبلا پتلا اور زرد چہرے کا مالک تھا۔ یہ دونوں شکل و صورت سے فرانسیسی معلوم ہوتے تھے۔ پیری کا چہرہ بھی دبلے پتلے شخص کی طرح زرد پڑ گیا اور وہ کہنیاں مارتا ہجوم میں آگے بڑھنے لگا۔

وہ بار بار پوچھ رہا تھا'' یہ کیا ہو رہا ہے؟ یہ کون ہیں؟ ان کا کیا قصور ہے؟'' تاہم لوگوں کا ہجوم اسقدر انہماک سے تماشا دیکھنے میں مصروف تھا کہ اس نے پیری کی باتوں پر توجہ ہی نہ کی۔ قوی الجثہ شخص غصے میں کندھے اچکاتا کھڑا ہو گیا۔ وہ یہ ظاہر کر رہا تھا جیسے مصیبت کی گھڑی میں صبر سے کام لینا جانتا ہے۔ وہ ادھر ادھر دیکھے بغیر اپنا کوٹ پہننے لگا۔ پھر وہ اچانک رو دیا، اگرچہ اسے یوں رونے پر شرمندگی بھی ہو رہی تھی مگر وہ اس طرح رو رہا تھا جیسے کوئی قوی الجثہ جوان شخص روتا ہے۔ لوگ بلند آواز میں باتیں کرنے لگے۔ پیری کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ رحم کے جذبات کچل دینا چاہتے ہوں۔

کوئی بولا'' کسی شہزادے کا باورچی ہے۔۔۔''

جھریاں زدہ چہرے والے ایک کلرک نے فرانسیسی کو روتے دیکھ کر کہا'' ارے موسیو، روسی چٹنی فرانسیسی معدے کیلئے تیز ہوتی ہے، دانت بھی کھٹے ہو جاتے ہیں''

کلرک نے جلدی سے ادھر ادھر گردن گھمائی جیسے اسے اپنا مزاحیہ جملہ پسند کئے جانے کی توقع ہو۔ کچھ لوگ ہنس دیئے مگر اکثر منہ بنائے سزا دینے والے کی جانب دیکھتے رہے جو دوسرے شخص کا لباس اتارنے میں مصروف تھا۔

پیری کا دل بھر آیا اور آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس کے ماتھے پر شکنیں پڑ گئیں۔ وہ اپنی گاڑی کی طرف جاتے ہوئے منہ ہی منہ میں بڑبڑانے لگا۔ گاڑی چلتی رہی اور وہ کانپتا رہا۔ متعدد بار وہ اتنی اونچی آواز میں چلایا کہ کوچوان کو مڑ کر دیکھنا پڑا کہ وہ کہاں جانے کا خواہشمند ہے۔

کوچوان نے گاڑی لوبیانکا شاہراہ پر موڑی تو پیری نے اس سے پوچھا'' کہاں جا رہے ہو؟''

کوچوان نے جواب دیا'' آپ ہی نے حکم دیا تھا کہ گورنر جنرل کے ہاں جانا ہے''

پیری نے کوچوان کو ڈانٹتے ہوئے کہا'' بیوقوف، احمق'' اگرچہ وہ عام طور پر ایسا نہیں کرتا تھا۔ پھر وہ بلند آواز میں بولا'' میں نے کہا تھا، گھر چلو، خر دماغ، تیز چلو'' اس نے بڑبڑاتے ہوئے خود کلامی کی'' مجھے آج ہی یہاں سے چلے جانا چاہئے''

سزائیں دینے والی جگہ، سزاؤں کا سامنا کرنیوالے فرانسیسیوں اور اس ہجوم کو دیکھ کر پیری نے فیصلہ کر لیا کہ وہ

ماسکو میں مزید قیام نہیں کرے گا بلکہ اسے آج ہی یہاں سے روانہ ہو کر فوج میں شمولیت اختیار کرنی چاہئے۔ وہ اپنے خیالات میں اسقدر گم تھا کہ اسے یوں لگا جیسے کوچوان کو اپنی منزل کے بارے میں آگاہ کر چکا ہو اور اگر نہیں کیا تھا تو اسے خود معلوم ہو جانا چاہئے تھا۔

پیری نے گھر پہنچ کر اپنے ہرفن مولا کوچوان یاوستافی کو بتایا کہ وہ فوج میں شمولیت کیلئے اسی دن موزیسک روانہ ہو جائے گا چنانچہ اس کی سواری کیلئے گھوڑے آگے بھیج دیئے جائیں۔ یہ تمام انتظامات ایک دن میں نہیں ہو سکتے تھے چنانچہ یاوستافی کی درخواست پر اس نے روانگی ایک دن کے لئے موخر کر دی تاکہ راستے میں بدلنے والے گھوڑے پہلے ہی بھیجے جا سکیں۔

خراب موسم کے بعد 24 تاریخ کو آسمان صاف ہو گیا اور پیری شام کے کھانے کے بعد ماسکو سے چل دیا۔ وہ گھوڑے بدلنے کیلئے پرخشکوف گاؤں میں رکا جہاں اسے معلوم ہوا کہ اس شام یہاں زبردست لڑائی ہوئی تھی۔ اسے بتایا گیا کہ فائرنگ کی زوردار آوازوں سے زمین کانپ اٹھی تھی تاہم یہ علم نہ ہو سکا کہ معرکے میں کون کامیاب رہا۔ اگلی صبح سورج طلوع ہوتے وقت وہ موزیسک پہنچ گیا۔

یہاں ہر مکان میں فوجی قیام پذیر تھے۔ سرائے میں اسے اپنا سائیس اور کوچوان بھی ملا۔ یہاں کوئی کمرہ خالی نہ تھا اور تمام سرائے فوجی افسروں سے بھری ہوئی تھی۔

موزیسک اور اس سے بھی آگے فوجی ٹھہرے ہوئے تھے یا ادھر ادھر آ جا رہے تھے۔ ہر طرف قازق، پیدل اور گھڑ سوار فوجی دستے، گاڑیاں، توپیں اور گولہ بارود سے بھرے چھکڑے دکھائی دے رہے تھے۔ پیری تیزی سے آگے بڑھتا چلا گیا۔ وہ ماسکو سے جس قدر دور ہوتا چلا جا رہا تھا اور جوں جوں فوجیوں کے سمندر میں غرق ہوتا جا رہا تھا اس کی پریشانی بھی اسی قدر بڑھتی چلی جا رہی تھی اور وہ ایک نئے اور خوشگوار جذبے سے روشناس ہو رہا تھا جس کا اسے پہلے کبھی تجربہ نہیں ہوا تھا۔ یہ جذبہ اس کیفیت سے ملتا جلتا تھا جو زار کی سلوبودسکی محل میں آمد پر اسے محسوس ہوئی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کچھ کرنے اور قربانی دینے کی شدید ضرورت ہے۔ اب وہ اس خوشگوار یقین سے واقف تھا کہ انسان ان خطوط پر سوچتا ہو تو اسے خوشی مہیا کرنیوالی ہر چیز بے معنی ہو جاتی ہے اور وہ زندگی کی سہولیات، مال و دولت بلکہ زندگی کو بھی ٹھکرا سکتا ہے تاہم وہ خطوط اس کے ذہن میں واضح ہو کر سامنے نہیں آ رہے تھے۔ اس نے یہ جاننے کی کوئی کوشش نہ کی اسے کس شخص یا شے کیلئے ہر چیز قربان کر دینے میں یہ انوکھی خوشی محسوس ہو رہی ہے۔ اسے اس بات سے کوئی غرض نہ تھی کہ وہ کس کی خاطر قربانی دے رہا ہے۔ یہ بذات خود قربانی تھی جو اسے یہ نیا اور خوشگوار جذبہ مہیا کر رہی تھی۔

(19)

24 تاریخ کو شیواردینو کے مقام پر لڑائی ہوئی۔ 25 کو کسی جانب سے ایک گولی بھی نہ چلی اور 26 تاریخ کو بوروڈینو کی جنگ ہوئی۔

شیواردینو اور بوروڈینو کی جنگیں کیسے اور کیوں لڑی گئیں؟ ان کیلئے مخالف فریق کو دعوت مبارزت کیوں دی گئی اور دوسرے فریق نے جنگ کی دعوت کیوں قبول کی؟ بوروڈینو کی لڑائی کا کیا مقصد تھا؟ اس میں روسیوں کو کسی قسم کا فائدہ حاصل ہوتا تھا نہ فرانسیسی فوج کو کچھ ملا۔ روسیوں کیلئے اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہم ماسکو کی تباہی کے قریب تر ہو گئے (اسی بات کا ہمیں سب سے زیادہ خوف تھا) اور فرانسیسیوں کی تمام تر فوج تباہی کے دھانے پر پہنچ گئی (وہ بھی سب سے

زیادہ اسی بات سے خوفزدہ تھے) انجام واضح تھا مگر اس کے باوجود نپولین نے جنگ کا نقارہ بجادیا اور کوتوزوف نے بھی اس کا جواب دینے کا فیصلہ کرلیا۔

اگر فوجی رہنما عقلمندی کا مظاہرہ کرتے تو یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ نپولین جان گیا ہوگا کہ دو ہزار کلومیٹر آگے بڑھنے اور ایک ایسی جنگ کی دعوت دینے کے بعد اسے یقینی شکست ہوسکتی ہے جس میں اس کی پچیس فیصد فوج کے خاتمے کا قوی اندیشہ تھا، اور کوتوزوف پر بھی یہ بات واضح ہوچکی ہوگی کہ لڑائی کی دعوت قبول کرنے اور اپنی ایک چوتھائی فوج کی قربانی دینے سے بعد ماسکو ہاتھ سے یقینی طور پر نکل جائیگا۔ حسابی اعتبار سے یہ بات کوتوزوف پر بعینہ اسی طرح واضح ہوگی جیسے شطرنج کے کھیل میں واضح ہوتا ہے کہ اگر میرا ایک مہرہ بھی کم پڑ جائے اور اس کے بعد میں اپنے ایک ایک مہرے کی قربانی دے کر دشمن کا ایک ایک مہرہ مارتا رہوں تو نتیجہ میری شکست کی صورت میں نکلے گا۔ لہذا مجھے اپنے مہرے کی قربانی دے کر دشمن کا مہرہ مارنے سے باز رہنا چاہئے۔ جب میرے حریف کھلاڑی کے پاس سولہ اور میرے پاس چودہ مہرے ہوں تو میں اس سے آٹھواں ایک کے تناسب سے کمزور ہوں گا تاہم اگر میں تیرہ مہرے گنوا بیٹھوں تو پھر وہ مجھ سے تین گنا زیادہ طاقتور ہوجائے گا۔

بوروڈینو کی لڑائی تک ہماری اور فرانسیسی فوج میں کم وبیش پانچ اور چھ کا تناسب تھا مگر اس لڑائی کے بعد یہ تناسب ایک اور دو ہوگیا۔ بالفاظ دیگر جنگ سے پہلے دشمن کی ایک لاکھ بیس ہزار فوج کے مقابلے میں ہماری فوج کی تعداد ایک لاکھ تھی مگر جنگ کے بعد ان کے ایک لاکھ کے مقابلے میں ہمارے پاس پچاس ہزار فوج رہ گئی۔ اس کے باوجود تجربہ کار کوتوزوف نے جنگ کی دعوت قبول کرلی جبکہ فوجی ذہانت سے معمور نپولین نے لڑائی کی دعوت دے کر اپنی ایک چوتھائی فوج سے ہاتھ دھولیے اور میدان جنگ مزید پھیلا دیا۔ اگرچہ ہم یہ پڑھتے اور سنتے ہیں کہ اسے ماسکو پر قبضے کے بعد جنگ کے خاتمے کی توقع تھی تو کہا جاسکتا ہے کہ شواہد اس سے خاصے مختلف نکلے۔ نپولین کے مورخین لکھتے ہیں کہ وہ سمولنسک سے آگے ٹھہر جانا چاہتا تھا اور محاذ کے پھیلاؤ میں چھپے خطرات سے بخوبی آگاہ تھا نیز اسے علم تھا کہ ماسکو پر قبضے کے بعد جنگ ختم نہیں ہوگی کیونکہ اس نے سمولنسک میں دیکھ لیا تھا کہ روسی اپنے شہر کس حالت میں چھوڑ کر جارہے ہیں اور اس نے مذاکرات کی غرض سے جو متعدد اعلان کئے ان میں سے کسی کا جواب نہیں ملا تھا۔

نپولین اور کوتوزوف نے بوروڈینو میں لڑائی کی دعوت دے کر اور اسے قبول کرکے غیر منطقی اور اپنے ارادوں کے برعکس اقدام کیا۔ بعدازاں مورخین نے نہایت عیاری سے کمانڈروں کی صلاحیتوں کے بارے میں ثبوت مہیا کئے تاکہ وہ پہلے سے تشکیل شدہ حقائق پر فٹ بیٹھ سکیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تاریخ نے عالمی واقعات کو ظہور میں لانے کیلئے جن لوگوں کو آلہ کار بنایا ان میں جرنیل سب سے زیادہ بے خبر تھے اور ان کا طریقہ کار سب سے زیادہ غلامانہ تھا۔

ہم سے پہلے آنیوالوں نے ہمارے لیے جو رزمیہ نظمیں چھوڑی ہیں ان میں تمام تر دلچسپی ہیرو کے گرد گھومتی ہے اور ہم آج تک اپنے ذہنوں کو اس تصور کا عادی نہیں بنا سکے کہ ہمارے دور کیلئے ایسی تاریخ کوئی معنی نہیں رکھتی۔

دوسرے سوال یعنی بوروڈینو اور شوارڈینو کی جنگ کیوں ہوئی، کے حوالے سے بالکل واضح مگر قطعی طور پر غلط وضاحت پائی جاتی ہے۔ تقریباً تمام تاریخ دان اس معاملے کو یوں بیان کرتے ہیں:

وہ کہتے ہیں: "روسی فوج نے سمولنسک سے پیچھے ہٹنے کے بعد ایسی جگہ تلاش کرنے کی کوشش کی جو ان کے لئے سازگار ہوتی اور انہیں یہ جگہ بوروڈینو میں ملی" وہ کہتے ہیں کہ "روسیوں نے سمولنسک سے ماسکو جانے والی سڑک کی بائیں طرف دائیں زاویے پر بوروڈینو سے اوتیسا تک پہلے ہی پوزیشن قائم کرلی"

"اس پوزیشن کے سامنے دشمن کی نقل وحرکت پر نظر رکھنے کیلئے شیوارڈینو کی گڑھی پر مضبوط بیرونی چوکی بنائی گئی"

ہمیں بتایا جاتا ہے کہ "24 تاریخ کو نپولین نے اس بیرونی چوکی پر قبضہ کرلیا اور 26 کو اس نے تمام روسی فوج پر حملہ کردیا جو بوروڈینو میں اپنی پوزیشنیں سنبھال چکی تھی"

تاریخ میں ہمیں یہی ملتا ہے اور حقائق کو اچھی طرح پرکھنے والا شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ بات کسی طور بھی درست نہیں"

روسیوں نے جنگ کیلئے مناسب میدان تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس کی بجائے سمولنسک سے پیچھے ہٹنے کے عمل میں وہ کئی ایسی جگہوں سے گزرے جو بوروڈینو سے بدرجہا بہتر تھیں۔ تاہم انہوں نے یہاں کسی بھی جگہ پر قیام نہ کیا کیونکہ کوتوزوف ایسی جگہ پر قبضہ نہیں کرنا چاہتا تھا جو اس کی اپنی منتخب کردہ نہ ہوتی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جنگ کا عوامی مطالبہ ابھی تک شدید نہیں ہوا تھا اور میلوراڈوچ ابھی تک اپنی ملیشیا لے کر نہیں پہنچا تھا۔ ان کے علاوہ دیگر وجوہات بھی تھیں۔

دراصل روسی فوج جس سڑک کے ساتھ ساتھ پیچھے ہٹ رہی تھی اس پر کئی ایسی جگہیں تھیں جنہیں مورچے بنانے کیلئے انتہائی موزوں قرار دیا جاسکتا تھا اور بوروڈینو جہاں یہ لڑائی ہوئی مورچوں کی تعمیر کیلئے موزوں ہونا تو کجا پورے روس میں کسی ایسی جگہ سے بہتر نہیں تھا جسے نقشے پر الٹے سیدھے انداز میں پن لگا کر چنا جاسکتا ہے۔

روسیوں نے نہ صرف سڑک کی بائیں جانب دائیں زاویے پر بوروڈینو کے میدان میں مضبوط مورچے نہ بنائے بلکہ 25 اگست 1812 تک انہوں نے یہاں جنگ ہونے کا سوچا تک نہ تھا۔ یہ بات اس حقیقت سے واضح ہو جاتی ہے کہ 25 اگست سے پہلے وہاں مورچے بنائے ہی نہیں گئے تھے اور جو پوزیشنیں 25 اور 26 اگست کو تعمیر ہونا شروع ہوئیں وہ بھی مکمل نہ ہوسکیں۔ دوسرا نکتہ شیوارڈینو کے مورچے کی جگہ سے متعلق ہے۔ چونکہ یہ میدان جنگ کے بالکل سامنے تھا اس لیے اس کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ کسی اور چوکی کی بجائے اس مورچے کو اتنا مضبوط بنانے کی کیا وجہ تھی؟ 24 تاریخ کی شام تک اسے بچانے کیلئے تمام تر کوششیں کیوں کی گئیں اور اس کی خاطر چھ ہزار جانیں کیوں تلف ہوئیں؟ دشمن کی نقل وحرکت پر نظر رکھنے کیلئے تو ایک چھوٹا سا قازق دستہ ہی کافی تھا۔ جس جگہ جنگ ہوئی اس کے بارے میں پہلے ہی سے غور وفکر نہیں کیا گیا تھا اور شیوارڈینو کی گڑھی اس جگہ کی بیرونی چوکی نہ تھی۔ اس بات کا تیسرا ثبوت یہ حقیقت ہے کہ 25 تاریخ تک بارکلے ڈی تولی اور باگراتیان کو یقین تھا کہ شیوارڈینو کی گڑھی میدان جنگ کا بایاں پہلو ہے اور لڑائی کے بعد کوتوزوف کی رپورٹ میں بھی اسے بایاں پہلو قرار دیا گیا۔ بعد میں جنگ کے بارے میں اطمینان سے لکھی گئی تفصیلی رپورٹوں میں یہ درست وغلط دعوے تراشے گئے (جن کا مقصد شاید کمانڈر انچیف کی سنگین غلطیوں پر پردہ ڈالنا تھا کیونکہ اسے ایسے شخص کے طور پر پیش کیا جاتا تھا جو کوئی غلطی نہیں کرسکتا) ان دعووں میں کہا گیا تھا کہ شیوارڈینو کی گڑھی بیرونی چوکی تھی (دراصل یہ بائیں پہلو پر صرف ایک مضبوط مورچہ تھا) اور بوروڈینو کی جنگ اس میدان میں لڑی گئی جسے ہم نے پہلے ہی چن لیا تھا اور جہاں ہماری پوزیشنیں مضبوط تھیں۔ حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ جس جگہ لڑائی ہوئی اس کے بارے میں پہلے سے کچھ سوچا گیا تھا نہ اچھے مورچے بنائے گئے تھے۔

درحقیقت تمام معاملہ کچھ اس طرح وقوع پذیر ہوا۔ مرکزی سڑک کو دائیں کی بجائے حادہ زاویے پر کاٹنے والی کولوچا ندی کے کنارے ایک میدان چن لیا گیا۔ اب بایاں پہلو شیوارڈینو، دایاں نووہ گاؤں کے قریب اور درمیانی

حصہ بوروڈینو میں کولوچا اور روونیا ندیوں کے سنگم پر بنا۔ اس جنگ کے بارے میں پہلے سے نہ جاننے والا شخص جب بوروڈینو کے میدان کو دیکھے تو اسے یہ جگہ جسے کالوچاندی نے محفوظ بنا دیا تھا، ایک ایسی فوج کیلئے موزوں ترین دکھائی دے گی جسے اس دشمن کو روکنا تھا جو سمولنسک کی سڑک پر ماسکو کی جانب بڑھ رہا تھا۔

24 تاریخ کو نپولین گھوڑے پر والعف کی جانب روانہ ہوا۔ تاریخی کتابوں میں لکھی باتوں کے برعکس اسے یوتسا سے بوروڈینو تک کوئی روسی مورچہ دکھائی نہ دیا (وہ دیکھ بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ ایسے کسی مورچے کا وجود ہی نہ تھا) اس کے علاوہ اسے روسی فوج کی کوئی بیرونی چوکی بھی نظر نہ آئی۔ وہ روسی فوج کے عقبی دستوں کا تعاقب کرتے ہوئے اس وقت اچانک روسی فوج کے بائیں پہلو یعنی شیوارڈینو کے مورچے کے قریب آ گیا اور روسی اسے اپنی فوج کا لوچاندی کے پار لے جاتا دیکھ کر حیران رہ گئے۔ چونکہ روسیوں کے پاس عام لڑائی کیلئے وقت نہیں بچا تھا چنانچہ انہوں نے اس جگہ سے اپنا بایاں پہلو پیچھے ہٹا لیا جہاں وہ قبضے کا فیصلہ کر چکے تھے، اور اس کے بعد ایسی پوزیشن پر چلے گئے جہاں جانے کا پہلے سے سوچا تھا نہ وہاں کسی قسم کی کوئی قلعہ بندی کی گئی تھی۔ جب نپولین اپنی فوج سڑک کی بائیں جانب کالوچاندی سے پار لے گیا تو اس نے تمام لڑائی دائیں سے بائیں اس میدان میں منتقل کر دی جو یوتسا، سیمیونووسکی اور بوروڈینو کے درمیان واقع ہے۔ فوجی نقطہ نظر سے یہ جگہ روس کی کسی اور جگہ سے زیادہ اہم نہیں اور 26 اگست کو تمام جنگ یہیں ہوئی۔

اگر نپولین 24 تاریخ کی شام گھوڑے پر کالوچا کی طرف نہ گیا ہوتا اور اس نے شیوارڈینو کے مورچے پر فوری حملے کا حکم دینے کی بجائے اسے اگلی صبح تک ملتوی کر دیا ہوتا تو اس میں شک وشبے کی بات نہ تھی کہ یہ مورچہ ہمارا بایاں پہلو تھا اور جنگ ہماری فوج کی متوقع جگہ پر بپا ہوتی۔ اگر ایسا ہوتا تو شاید ہم شیوارڈینو کی گڑھی کا اچھی طرح دفاع کرنے کی کوشش کرتے۔ ہم نپولین کی فوج کے درمیانے حصے اور دائیں پہلو پر حملہ کرتے اور عام جنگ 25 تاریخ کو اس جگہ ہوتی جس کے بارے میں ہم پہلے سوچ چکے تھے اور جہاں پوزیشنیں قائم کرنا شروع کر دی تھیں۔ تاہم ہماری فوج کے بائیں پہلو پر حملہ عقبی دستوں کے گرڈنیوو سے پیچھے ہٹنے کے فوراً بعد شام کے وقت ہوا۔ چونکہ روسی کمانڈروں نے 24 تاریخ کی شام کو لڑائی کی کوشش نہ کی یا پھر وہ ایسا کر ہی نہیں سکتے تھے لہٰذا بوروڈینو کی جنگ کے پہلے اور اہم معرکے میں پیشگی شکست ہو چکی تھی اور 26 تاریخ کو ہونیوالی شکست کا باعث بنی۔

شیوارڈینو کا مورچہ دشمن کے ہاتھ جانے کے بعد ہمیں 25 تاریخ کو علم ہوا کہ ہماری فوج کے بائیں پہلو کیلئے تو پوزیشن ہی نہیں بچی سو ہمیں مجبوراً اسے واپس بلانا اور جلدی سے اس جگہ مورچے بنانے کو کہنا پڑا جہاں ہم پہنچ پائے تھے۔

تاہم روسی فوج کیلئے تعمیر کئے جانیوالے مورچے 26 تاریخ کو نہ صرف کمزور اور نامکمل تھے بلکہ اس بات نے صورتحال میں پوشیدہ خطرات اور مشکلات کی شدت میں اور بھی اضافہ کر دیا کہ روسی جرنیلوں نے نوووسے یوتسا تک اپنا پھیلا ہوا محاذ برقرار رکھا، انہیں صورتحال کا صحیح طور سے اندازہ ہی نہ ہو سکا تھا۔ اس کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ وہ لڑائی کے دوران ہی اپنی فوجیں دائیں سے بائیں منتقل کرنے پر مجبور ہو گئے اور اس طرح دوران جنگ روسیوں کو تمام فرانسیسی فوج کا مقابلہ کرنا پڑا جو ہماری فوج کے بائیں پہلو پر ٹوٹ پڑی تھی۔ ہماری تعداد ان سے نصف تھی۔
(یوتسا کے سامنے پونیاتووسکی اور دائیں پہلو پر یواروف کی کارروائی عام جنگ سے مختلف انفرادی معرکے تھے)

یوں بوروڈینو کی جنگ اس انداز سے نہیں لڑی گئی تھی جس طرح تاریخ دانوں نے پیش کیا ہے۔ ان کا مقصد

کمانڈروں کی غلطیاں چھپانا تھا حالانکہ اس طرح روسی فوج اور عوام کے حصے میں آنیوالی شہرت کم ہو گئی ہے۔ بوروڈینو کی جنگ اس میدان میں نہیں لڑی گئی تھی جسے احتیاط سے منتخب کیا گیا تھا اور جس میں مضبوط پوزیشنیں قائم کی گئی تھیں اور یہ جنگ لڑنے والی فوج دشمن کے مقابلے میں تھوڑی سی کمزور بھی نہ تھی۔ حقیقت یہ تھی کہ شیوارڈینو کا مورچہ ہاتھ سے نکلنے کے بعد روسی فوج کو کھلے اور مورچوں سے خالی میدان میں لڑنا پڑا اور مستزاد یہ کہ ان کی فوج بھی فرانسیسیوں کے مقابلے میں آدھی رہ گئی تھی۔ بالفاظ دیگر انہیں جن حالات میں لڑنا پڑا ان میں دس گھنٹے تک لڑائی جاری رکھنے اور معاملے کو منطقی انجام تک پہنچنے سے روکنے کی کوئی صورت نہ تھی بلکہ فوج کو تین گھنٹے تک بھی مکمل تباہی اور افراتفری سے بچائے رکھنا نہایت مشکل کام تھا۔

(20)

پیری 25 تاریخ کی صبح موزیسک سے روانہ ہوا۔ شہر سے آنیوالی ایک پرپیچ سڑک گرجا گھر کے قریب اونچی عمودی پہاڑی کی ڈھلان تک پہنچتی تھی۔ یہ گرجا ڈھلان کی دائیں جانب پہاڑی چوٹی پر تھا۔ اس وقت یہاں عبادت ہو رہی تھی اور گھنٹیاں بجائی جا رہی تھیں۔ پیری کی گاڑی ڈھلان پر پہنچی تو وہ نیچے اترا اور پیدل چلنے لگا۔ ایک گھڑ سوار رجمنٹ پہاڑی سے نیچے اتر رہی تھی۔ گاڑیوں کا ایک قافلہ پہاڑی پر اس کی جانب چلا آ رہا تھا۔ ان گاڑیوں میں گزشتہ دن کی جھڑپ کے دوران زخمی ہونیوالے فوجی سوار تھے۔ وہ شور شرابہ کرتے، گھوڑوں کو تازیانے مارتے مسلسل سڑک کے دائیں بائیں جانب ہچکولے لیتے جا رہے تھے۔ گاڑیوں میں تین تین اور چار چار زخمی سپاہی بیٹھے یا لیٹے تھے اور عمودی ڈھلان پر ہچکولے کھا رہے تھے جہاں پتھر کچھ اس طرح پھینک دیئے گئے تھے کہ یہ سڑک تماشہ بن گئی تھی۔ زخمیوں کے جسم پر چیتھڑوں کی پٹیاں بندھی تھیں اور ان کے چہرے پیلے، ہونٹ باہم ملے اور ابرو سکڑے ہوئے تھے۔ دھچکے لگنے پر وہ ایک دوسرے سے ٹکرانے لگتے اور گاڑیوں کے کنارے مضبوطی سے تھام لیتے۔ وہ سب پیری کے سفید ہیٹ اور سبز کوٹ کو معصومیت اور تجسس بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

پیری کا کوچوان غصے میں چیخ چیخ کر گاڑیوں کے ڈرائیوروں کو راستہ دینے کا کہہ رہا تھا۔ گھڑ سوار رجمنٹ کے گاتے ہوئے جوانوں نے پیری کی گاڑی کے سامنے آ کر اس کے گزرنے کا راستہ مسدود کر دیا۔ پیری سڑک کے اس کنارے پر پھنس گیا تھا جو پہاڑی کاٹ کر بنایا گیا تھا، چنانچہ اسے وہیں رک کر رجمنٹ گزرنے کا انتظار کرنا پڑا۔ پہاڑی کے اس حصے میں سورج کی روشنی نہیں پہنچ رہی تھی اور اسی وجہ سے یہ جگہ ٹھنڈی تھی تاہم اوپر اس کی چمکیلی دھوپ تھی اور گھوڑوں کے گلے میں پڑی گھنٹیوں سے سرور آگیں آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ زخمیوں سے بھری ایک گاڑی سڑک کنارے پیری کے قریب آ کر رک گئی اور درخت کی چھال سے بنے جوتے پہنے ایک کوچوان تیزی سے گاڑی کے پیچھے بھاگا اور بے ٹائر پہیے کے نیچے پتھر رکھ کر اپنے گھوڑے کا سامان درست کرنے لگا۔

گاڑی کے پیچھے پیچھے آنیوالا ایک بوڑھا زخمی سپاہی مڑ کر پیری کی جانب دیکھنے لگا۔ اس کا ایک بازو گلے میں بندھی پٹی سے لٹک رہا تھا اور اس نے تندرست ہاتھ سے اپنے زخمی ہاتھ کو تھام رکھا تھا۔

وہ پیری سے پوچھنے لگا "دوست، ہمیں یہیں اتار دیں گے یا ماسکو پہنچایا جائیگا؟"

پیری اپنے خیالات میں اس قدر ڈوبا ہوا تھا کہ اسے سپاہی کی بات سنائی نہ دی۔ وہ کبھی زخمیوں کے قافلے کی جانب آنیوالی گھڑ سوار رجمنٹ اور کبھی اپنے قریب کھڑی اس گاڑی کی جانب دیکھنے لگتا تھا جس میں دو افراد بیٹھے اور ایک

شخص لیٹا تھا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے سوالات کا جواب اسی میں پنہاں ہے۔ گاڑی میں بیٹھے ایک شخص کے گال پر زخم تھا۔ اس کا تمام سر پٹیوں میں چھپا ہوا تھا اور ایک گال چھوٹے بچے کے سر کی طرح پھول گیا تھا۔ اس کی ناک اور منہ مڑ کر ٹیڑھے ہو چکے تھے۔ یہ فوجی گرجا گھر کی جانب دیکھتے ہوئے سینے پر صلیب کا نشان بنائے جا رہا تھا۔ دوسرا فوجی نوعمر رنگروٹ تھا جس کے بال سرخ اور رنگ اسقدر سفید تھا جیسے اس کے دبلے پتلے چہرے پر خون نام کی کوئی شے موجود نہ ہو۔ وہ پیری کی جانب دیکھتے ہوئے خوشدلی سے مسکرائے جا رہا تھا۔ گاڑی میں موجود تیسرا شخص منہ نیچے کئے لیٹا تھا اور اس کا چہرہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ گھڑ سوار رجمنٹ کے گانے والے اس گاڑی کے قریب پہنچ گئے تھے۔ وہ فوجی رقص کی دھن گا رہے تھے۔ ان کے جواب میں گھنٹیاں بج رہی تھیں۔ سورج کی گرم کرنوں نے سامنے دکھائی دینے والی ڈھلان کو شگفتگی بخش دی تھی مگر پہاڑی تلے جہاں پیری زخمی سپاہیوں والی گاڑی اور پست قد گھوڑے کے قریب کھڑا تھا نمی، تاریکی اور افسردگی پھیلی ہوئی تھی۔

سوجے ہوئے گال والے فوجی نے گانے والے گھڑ سواروں کو غصے میں دیکھا اور نفرت آمیز انداز سے بولا "کیا زبردست لوگ ہیں"

گاڑی کے پیچھے کھڑے بوڑھے زخمی فوجی نے اداسی سے مسکراتے ہوئے کہا "میں نے آج فوجی ہی نہیں بلکہ کسان بھی دیکھے ہیں، انہیں بھی جانا پڑا ہے۔ آج کل مختلف لوگوں میں تمیز نہیں کی جا رہی اور وہ تمام قوم کو ان کیخلاف لا کھڑا کرنا چاہتے ہیں۔۔۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ صرف ایک ماسکو کا معاملہ ہے، اب کرنے کیلئے صرف ایک ہی کام ہے" پیری سپاہی کی بے ربط باتوں سے اس کا مطلب سمجھ گیا اور اتفاق کا اظہار کرتے ہوئے اپنا سر ہلا دیا۔

سڑک دوبارہ صاف ہو گئی اور پیری پہاڑی سے نیچے اتر کر اپنی گاڑی میں بیٹھ گیا۔ گاڑی چل دی اور وہ سڑک کی دونوں اطراف کسی شناسا کو ڈھونڈنے لگا تاہم اسے صرف فوجیوں کے نامانوس چہرے ہی دکھائی دے رہے تھے۔ ان کا تعلق فوج کے مختلف حصوں سے تھا اور وہ سب اس کے سفید ہیٹ اور سبز کوٹ کو حیرت سے دیکھے جا رہے تھے۔

چار کلومیٹر کا فاصلہ طے کرنے کے بعد اسے ایک شناسا مل ہی گیا۔ اس نے گرمجوشی سے سلام دعا کی۔ یہ ڈاکٹر تھا اور فوج کی ایک طبی یونٹ کی سربراہی کر رہا تھا۔ وہ بند گاڑی میں پیری کی جانب آ رہا تھا۔ گاڑی میں اس کے ساتھ ایک نوجوان ڈاکٹر بھی موجود تھا۔ اس نے پیری کو پہچان لیا اور اپنے قازق کوچوان کو گاڑی روکنے کا حکم دیا۔

ڈاکٹر نے پوچھا "جناب نواب صاحب! آپ یہاں کیسے؟"

پیری نے جواب دیا "اوہ، میں ذرا دیکھنے کا خواہشمند تھا۔۔۔"

ڈاکٹر بولا "جی بالکل، دیکھنے کو تو بہت کچھ ہے"

پیری گاڑی سے اتر آیا اور ڈاکٹر سے باتیں شروع کر دیں۔ اس نے بتایا کہ وہ جنگ میں شرکت کا خواہشمند ہے۔

ڈاکٹر نے پیری کو براہ راست کوتوزوف سے بات کرنے کا مشورہ دیا۔

اس کا کہنا تھا کہ "نجانے آپ دوران جنگ کہاں کہاں دھکے کھاتے پھریں، بھلا ایسا کیوں؟ ہز ہائی نس آپ کو جانتے ہیں، وہ انہیں آپ کا استقبال کر کے خوشی ہوگی، میرے دوست، آپ یہی کریں"

یوں لگتا تھا جیسے ڈاکٹر تھک چکا ہے اور وہاں سے جانا چاہتا ہے۔

پیری نے کہا "اچھا، تو آپ کا یہ مشورہ ہے۔۔۔ مگر میں ایک اور بات پوچھنا چاہتا ہوں کہ ہماری درست

پوزیشن کہاں ہے؟"

... نے کہا "پوزیشن؟ یہ میرے دائرہ عمل میں نہیں آتی، آپ تاتاری نو چلے جائیں، وہاں مورچے کھودے جا رہے ہیں، اونچائی پر چڑھ کر آپ کو سب کچھ دکھائی دے جائے گا"

پیری نے کہا "وہاں سے سب کچھ دکھائی دے گا؟۔۔۔ اگر آپ۔۔۔"

ڈاکٹر نے مزید کوئی بات نہ کی اور گاڑی کی جانب چل دیا۔

وہ جاتے جاتے کہنے لگا "مجھے آپ کے ساتھ جا کر خوشی ہوتی مگر کیا کیا جائے، میں بری طرح مصروف ہوں (ڈاکٹر نے اشارہ کرتے ہوئے بتایا) میں جلدی میں کور کمانڈر کی طرف جا رہا ہوں۔ آپ جانتے ہیں کہ صورتحال کیسی ہو گئی ہے؟ کل جنگ ہوگی اور ایک لاکھ فوج میں سے کم از کم بیس ہزار ہلاک یا زخمی ہو سکتے ہیں اور ہمارے پاس چھ ہزار نفری کیلئے بھی سٹریچر، بستر، خدمتگار اور ڈاکٹر نہیں ہیں۔ اگرچہ ہمارے پاس دس ہزار گاڑیاں موجود ہیں مگر دیگر اشیاء بھی چاہئیں۔ مگر ہم سے جو کچھ ہو سکا ضرور کریں گے"

پیری نے جب اس بات پر غور کیا کہ اس کے ہیٹ کو دیکھ کر لطف اندوز اور حیران ہونے والے ان ہزاروں زندہ، تندرست نوجوانوں اور بوڑھوں کی قسمت میں یہ بات لکھی جا چکی ہے کہ ان میں سے بیس ہزار بہر صورت ہلاک یا زخمی ہو جائیں گے (شاید یہ وہی لوگ ہوں جنہیں وہ دیکھ چکا ہے) تو اسے یہ بیحد عجیب معلوم ہوا اور اس بات نے اس کے دل پر بیحد اثر ڈالا۔

وہ سوچ رہا تھا "شاید کل وہ مر جائیں، پھر وہ موت کے علاوہ کسی شے کے بارے میں کیسے سوچ سکتے ہیں؟" خیالات خود بخود اس کے ذہن میں وارد ہونے لگے اور وہ موزیسک پہاڑی کی ڈھلان، زخمیوں سے بھری گاڑیاں، سورج کی روشنی، بجتی گھنٹیاں اور گانا گاتے گھڑ سواروں کو یاد کرنے لگا۔

اس نے تاتاری نو کی جانب جاتے ہوئے سوچا "وہ جنگ لڑنے جا رہے ہیں اور راستے میں ملنے والے زخمیوں کو آنکھ مارتے ہیں اور ان کے ذہن میں ایک لمحے کیلئے بھی یہ خیال نہیں آتا کہ ان پر کیا گزرے گی۔ ان میں سے بیس ہزار نے مرجانا ہے۔ اس کے باوجود وہ میرے ہیٹ کو حیرت سے دیکھتے ہیں، کیسی عجیب و غریب بات ہے"

سڑک کی بائیں جانب کسی زمیندار کے گھر کے سامنے گاڑیوں، اردلیوں اور محافظوں کا ہجوم نظر آ رہا تھا۔ کمانڈر انچیف یہیں ٹھہرا ہوا تھا تاہم جب پیری وہاں پہنچا تو وہ وہاں نہیں تھا اور اس کا تمام تر عملہ بھی غائب تھا۔ معلوم ہوا تمام لوگ عبادت کیلئے گرجا گھر جا چکے ہیں۔ پیری آگے گورکی نامی جگہ کی طرف چل دیا۔ وہ پہاڑی سے گزر کر گاؤں کی چھوٹی سڑک پر پہنچا تو اسے پہلی مرتبہ ملیشیا کے کسان دکھائی دیے۔ انہوں نے سفید قمیصیں پہن رکھی تھیں اور ان کی ٹوپیوں پر صلیب نما نشانات لگے تھے۔ وہ باآواز بلند چلا اور ہنس رہے تھے۔ ان کے جسموں سے پسینہ بہہ رہا تھا مگر وہ جوش و خروش سے سڑک کی دائیں جانب گھاس سے ڈھکے ٹیلے پر مصروف کار تھے۔ بعض زمین کھود رہے تھے اور کچھ لکڑی کے تختوں پر مٹی سے لدی ریڑھیاں لا رہے تھے۔ کچھ لوگ فارغ تھے۔

ٹیلے پر کھڑے دو افسر سپاہیوں کو ہدایات دینے میں مصروف تھے۔ پیری نے فوجیوں کی حیثیت سے اپنی نرالی پوزیشن سے محظوظ ہوتے ان کسانوں کو دیکھا تو اسے موزیسک پہاڑی والا زخمی سپاہی یاد آ گیا۔ اب اس پر سپاہی کی یہ بات واضح ہو گئی کہ "وہ تمام قوم کو ان کیخلاف لا کھڑا کرنا چاہتے ہیں" باریش کسانوں کی گردنیں پسینے سے تر تھیں اور سینوں پر کھلے بٹنوں والی قمیصیں لٹک رہی تھیں، یہ لوگ عجیب و غریب بھدے انداز کے بوٹ پہنے تھے اور دھوپ میں

جلسی ان کی گردن کی ہڈیاں قمیصوں سے باہر جھانک رہی تھیں۔ پیری کو یہ عجیب و غریب منظر دیکھ کر موقع کی نزاکت کا جس پرزور انداز سے احساس ہوا وہ کسی اور شے سے نہیں ہوا تھا۔

(21)

پیری گاڑی سے اترا اور محنت میں مصروف ملیشیا کے سپاہیوں کے قریب سے گزرتا اس ٹیلے پر چڑھ گیا جس کے بارے میں ڈاکٹر نے اسے کہا تھا کہ وہاں سے وہ میدان جنگ کو دیکھ سکتا ہے۔

دن کے گیارہ بجے تھے اور سورج اس سے کچھ بائیں جانب اور پیچھے تھا۔ شفاف فضا میں چاروں طرف دھوپ میں چمکتا بیضوی تھیٹر جیسا وسیع منظر پھیلا ہوا تھا۔

اوپر بائیں جانب اس بیضوی تھیٹر کو ماسکو سمولنسک شاہراہ کاٹتے ہوئے گزرتی تھی اور سامنے ایک گاؤں میں داخل ہو جاتی تھی جس کے گرجے کی عمارت سفید تھی۔ یہ گرجا ٹیلے کے سامنے کم و بیش پانچ سو قدم کے فاصلے پر ترائی میں واقع تھا۔ اس گاؤں کا نام بوروڈینو تھا۔ یہاں سے سڑک قریبی پل سے ہوتی ہوئی پہاڑیوں میں بل کھاتی اونچی ہو جاتی چھ کلومیٹر دور والیوف نامی گاؤں میں پہنچ جاتی تھی جہاں اس وقت نپولین ٹھہرا ہوا تھا۔ اس گاؤں سے آگے یہ سڑک فراور برچ کے جنگل میں غائب ہو جاتی تھی۔ اس جنگل میں سڑک کی دائیں جانب خاصا دور کولوچا کی خانقاہ کی صلیب اور گھنٹی والے مینار دھوپ میں چمکتے دکھائی دیتے تھے۔ اس تمام تر نیلگوں وسیع جگہ پر جنگل اور سڑک کی دونوں اطراف ادھر ادھر فوجیوں کے پڑاؤ سے اٹھتا دھواں اور فریقین کے فوجیوں کے مبہم ہجوم دکھائی دے رہے تھے۔ دائیں جانب کولوچا اور موسکوا دریا کے راستے کے ساتھ ساتھ کئی نچی اور پہاڑی زمین تھی۔ پہاڑیوں کی تنگ درمیانی گھاٹیوں سے بیزوبوف اور ذاخاریتو کے گاؤں دکھائی دے رہے تھے۔ بائیں طرف کسی قدر ہموار جگہ تھی اور وہاں کھیتوں اور سمیونووسکی قصبے کے کھنڈرات سے دھواں اٹھتا دکھائی دیتا تھا جسے آگ لگا دی گئی تھی۔

پیری کے دائیں بائیں منظر اس قدر غیر واضح تھا کہ اس کی نظروں کے سامنے والے منظر کا کوئی حصہ اس کی توقعات پر پورا نہ اترا۔ اس نے اپنے ذہن میں میدان جنگ کا جو نقشہ کھینچا تھا وہ اسے کہیں نظر نہ آیا۔ اس کے سامنے صرف گھاس کے میدان، جنگل، پہاڑی گھاٹیاں، الاؤ کا دھواں، گاؤں، اونچی نیچی جگہیں اور ندی نالے تھے۔ پیری کو خاصی کوشش کے باوجود اس منظر میں کوئی فوجی پوزیشن دکھائی نہ دی جہاں زندگی زوروشور سے رواں تھی۔ اور تو اور وہ اپنی اور دشمن کی فوجوں میں تمیز بھی نہ کر سکا۔

اس نے سوچا "مجھے ضرور کسی ایسے شخص سے پوچھنا چاہئے جو ان باتوں کو جانتا ہو" اور پھر ایک افسر کی جانب متوجہ ہوا جو اس کے بھاری اور غیر فوجی جسم کو تجسس بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

پیری نے اس سے کہا "کیا آپ مجھے بتائیں گے کہ سامنے دکھائی دینے والے گاؤں کا کیا نام ہے؟"

افسر نے اپنے ساتھی کی جانب رخ کر کے کہا "برڈینو، یہی نام نہیں؟"

دوسرے نے اس کی تصحیح کرتے ہوئے کہا "بوروڈینو"

افسر خوش تھا کہ اسے بات کرنے کا موقع ملا ہے۔ وہ پیری کے قریب چلا گیا۔

پیری نے سامنے اشارہ کرتے ہوئے پوچھا "کیا ہمارے سپاہی وہ ہیں؟"

افسر کہنے لگا "جی ہاں، اور ان سے آگے فرانسیسی فوجی ہیں، وہ ادھر، آپ کو نظر آ سکتے ہیں"

پیری نے پوچھا "کہاں؟"

افسر بولا "آپ کو ننگی آنکھ سے دکھائی دے جائیں گے، ادھر دیکھئے"

افسر نے دریا کی دوسری جانب اٹھنے والے دھوئیں کی طرف اشارہ کیا اور اس کے چہرے پر وہی گھمبیر اور سختی پر مبنی تاثر نمایاں ہو گیا جو پیری لاتعداد سپاہیوں کے چہروں پر پہلے ہی دیکھ چکا تھا۔

پیری نے بائیں جانب ایک ٹیلے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا "اچھا تو وہ فرانسیسی ہیں، اور وہ کیا ہے؟"

افسر بولا "وہ ہمارے جوان ہیں"

پیری نے کہا "اچھا واقعی؟ اور وہ؟" اس نے دور فاصلے پر ایک ٹیلے کی جانب اشارہ کیا جس پر بہت بڑا درخت بھی تھا۔ اس ٹیلے سے کچھ دور ایک ترائی میں گاؤں تھا اور وہاں پڑاؤ سے دھواں نکل رہا تھا اور کوئی سیاہ شے دکھائی دے رہی تھی۔

ایک افسر کہنے لگا "وہ بھی دشمن کا ہے (یہ شیوارڈینو کی گڑھی تھی) کل یہ ہمارے پاس تھا مگر اب دشمن کے قبضے میں جا چکا ہے"

پیری کہنے لگا "تو پھر ہماری پوزیشن کیا ہوئی؟"

افسر دلجمعی سے مسکراتے ہوئے بولا "ہماری پوزیشن؟ میں اس کے بارے میں آپ کو واضح طور پر بتا سکتا ہوں کیونکہ اپنے تمام مورچے میں نے ہی بنوائے ہیں۔ آپ ادھر دیکھ رہے ہیں ناں؟ وہ بوروڈینو میں ہماری فوج کا درمیانی حصہ ہے، وہاں، سامنے" اس نے سامنے والے گاؤں کی جانب اشارہ کیا جس میں سفید گرجا گھر واقع تھا۔ وہ کہنے لگا "یہ وہ جگہ ہے جہاں سے ہم کولوچا کا دریا عبور کرتے ہیں۔ ادھر گھاٹی میں جہاں گھاس کے گٹھے پڑے ہیں وہاں پل ہے اور وہ ہماری فوج کا درمیانی حصہ ہے۔ ہمارا دایاں پہلو وہاں ہے" اس نے بالکل دائیں جانب ایک نالے کی طرف اشارہ کیا اور کہا "وہ دریائے موسکوا ہے، وہاں ہم نے تین مورچے بنوائے ہیں اور وہ بیحد مضبوط ہیں، ہمارا دایاں پہلو۔۔۔" افسر نے کچھ توقف کیا اور کہنے لگا "بہر حال آپ جانتے ہوں گے سمجھانا کچھ مشکل ہے۔۔۔ کل ہمارا بایاں پہلو شیوارڈینو میں تھا۔۔۔ وہاں جہاں درخت نظر آ رہا ہے۔۔۔ مگر اب ہم نے بایاں پہلو واپس بلا لیا ہے اور اب وہ اس جگہ مقیم ہے جہاں آپ کو گاؤں اور دھواں دکھائی دے رہا ہے۔ وہ سمیونووسکی ہے، ہاں وہیں" اس نے رائیوسکی مورچے کی جانب اشارہ کیا اور بولا "تاہم وہاں لڑائی ہونے کا زیادہ امکان نہیں۔ وہ اپنے دستوں کو بطور چال وہاں لے گیا ہے، شاید وہ ماسکو کی دائیں جانب چلا جائے گا تاہم یہ لڑائی کہیں بھی ہو کل بے شمار انسان مارے جائیں گے"

جب افسر یہ بات کر رہا تھا تو ایک عمر رسیدہ سارجنٹ وہاں آیا اور اس کی بات ختم ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ تاہم یوں دکھائی دیتا تھا جیسے اسے اس کا آخری جملہ پسند نہیں آیا اور وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے کرخت لہجے میں بولا "مٹی اٹھانے کا سامان منگوا لیں"

افسر کے انداز سے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ جان گیا ہے کہ انسان دل میں فوجی اتلاف کے بارے میں خواہ کچھ ہی کیوں نہ سوچتا رہے، تاہم اسے منہ سے کچھ نہیں کہنا چاہئے۔

اس نے تیزی سے جواب دیا "ٹھیک ہے، تیسری کمپنی کو دوبارہ بھیج دو" پھر وہ پیری کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا "اور آپ کون ہیں؟ ڈاکٹر؟"

پیری نے جواب دیا "نہیں، میں کچھ نہیں ہوں" اور ایک مرتبہ پھر ملیشیا کے سپاہیوں کے قریب سے گزرتا پہاڑی سے نیچے اتر گیا۔

افسر نے کہا "گندے جانور" اور ناک بند کر کے سپاہیوں کے قریب سے گزرتا اس کے پیچھے چلا گیا۔

اچانک مختلف آوازیں سنائی دینے لگیں "وہ آرہے ہیں!۔۔۔اسے لا رہے ہیں! وہ ہے وہ۔۔۔ایک لمحے میں یہاں پہنچ جائیں گے" آوازوں کے ساتھ ہی ملیشیا کے سپاہی اور افسر سڑک پر آگے کو بھاگنا شروع ہو گئے۔

بورو ڈینو سے گرجا گھر کا جلوس پہاڑی پر چڑھتا چلا آرہا تھا۔ گرد آلود سڑک پر سب سے آگے پیدل فوج کی رجمنٹ تھی۔ سپاہیوں کے سروں پر ٹوپیاں نہ تھیں اور وہ ترتیب سے قطاروں کی صورت میں بازو لہراتے آرہے تھے۔ ان کے پیچھے دعائیں پڑھنے کی سریلی آواز سنائی دے رہی تھی۔

فوجی اور کسان جلوس کا استقبال کرنے کیلئے بھاگ کھڑے ہوئے۔

وہ کہہ رہے تھے "وہ ہماری مقدس ماں کو لا رہے ہیں! ہماری محافظ!۔۔۔آئیورسکی کی مقدس ماں۔۔۔"

کسی نے تصحیح کی "سمولنسک کی مقدس ماں۔۔۔"

گاؤں میں توپخانے پر کام کرنے والے کسان بیلچے پھینک کر جلوس کا استقبال کرنے دوڑے۔ رجمنٹ کے پیچھے پادری اپنے مخصوص لباس میں چلے آرہے تھے۔ ان میں سے ایک پستہ قد شخص راہبوں کا ساجبہ پہنے ہوئے تھا اور اس کے ساتھ گرجا گھر کے خدام اور گانے والے لوگ تھے۔ ان کے پیچھے پیچھے سپاہی اور افسر ایک بہت بڑی مقدس تصویر اٹھائے چلے آرہے تھے جس کا چہرہ سانولا تھا اور اس کے اوپر نقش ونگار والا دھاتی غلاف چڑھا ہوا تھا۔ یہ تصویر سمولنسک سے لائی گئی تھی اور اس وقت سے فوج کے پاس تھی۔ تصویر کے آگے پیچھے، دائیں بائیں سپاہیوں کے گروہ بھاگے چلے آرہے تھے۔ وہ تصویر کے قریب پہنچ کر اتنا نیچے جھک جاتے کہ ان کے ماتھے زمین کو چھونے لگتے تھے۔

پہاڑی چوٹی پر پہنچ کر وہ رک گئے۔ تصویر تھامنے والوں کی جگہ دوسروں نے لے لی۔ گانے والوں نے خوشبو جلائی اور عبادت کا آغاز ہو گیا۔ سورج کی گرم کرنیں عمودی پڑ رہی تھیں۔ ہلکی ہلکی ہوا ننگے سروں سے ٹکرا رہی تھی اور تصویر پر موجود سجاوٹی پٹیاں لہرا رہی تھیں۔ ننگے سر افسروں اور سپاہیوں کے ہجوم نے تصویر کو گھیر رکھا تھا۔ بڑے پادری اور گانے والوں کے پیچھے اعلیٰ حکام کھڑے تھے۔ ان کیلئے علیحدہ جگہ بنائی گئی تھی۔ گنجے سر والا ایک جرنیل گردن میں سینٹ جارج کا تمغہ لٹکائے بڑے پادری کے پیچھے کھڑا تھا۔ وہ اپنے سینے پر صلیب کا نشان بنانے کی بجائے تحمل سے عبادت کے خاتمے کا انتظار کر رہا تھا۔ شاید اس کا خیال تھا کہ روسی لوگوں کے جذبہ حب الوطنی کو زندہ کرنے کیلئے یہ عبادت ضروری تھی۔ ایک اور جرنیل فوجی انداز میں کھڑا تھا۔ وہ اپنے اردگرد دیکھتے ہوئے تیزی سے سینے پر صلیب کے نشان بناتا جا تا تھا۔ پیری کسانوں کے درمیان کھڑا تھا اور اس نے افسروں میں اپنے متعدد شناسا پہچان لیے تاہم ان کی جانب نہ دیکھا۔ اس کی تمام تر توجہ ان سپاہیوں کے چہروں پر تھی جو نہایت توجہ سے تصویر کی زیارت کر رہے تھے۔ تھکے ہوئے مغنیوں نے (یہ ان کی بیسویں عبادت تھی) جونہی نیم دلانہ اور میکانکی انداز میں کہا "اے مادر خداوند، اپنے غلاموں کو مصیبت سے بچالے" اور پادری اور اس کے نائب نے درمیان میں کہا "کیونکہ خداوند کے سائے تلے ہم اسی طرح تیری طرف بھاگے چلے آتے ہیں جیسے ناقابل تسخیر دیوار اور مورچے کی طرف بھاگتے ہیں" تو ہر چہرے سے یہ ظاہر ہونے لگا کہ آنیوالا وقت کی سنجیدگی سے وہ اچھی طرح آگاہ ہے۔ پیری نے یہ آگاہی موزیسک کی پہاڑی کے دامن میں سپاہیوں کے چہروں پر دیکھی تھی اور یہ اسے ان لوگوں کے خدوخال میں بھی دکھائی دیتی تھی جنہیں وہ اس دن ملا تھا۔ مغنیوں کی صداؤں کے

بعد تمام لوگ اپنے سر جھکانے اور بالوں کو جھٹکے دے کر پرے ہٹانے میں مشغول ہو گئے۔ جب لوگ اپنے سینوں پر صلیب کے نشانات بنا رہے تھے تو ان کے آہیں بھرنے اور سینوں کو تھپتھپانے کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔

مقدس تصویر کے گرد لوگوں کا ہجوم اچانک کم ہونے لگا اور پیری پر دباؤ ڈالنے لگا۔ کوئی شخص تصویر کی طرف آرہا تھا اور لوگ جس تیزی سے اس کیلئے راستہ بنا رہے تھے اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کوئی نہایت اہم شخصیت ہوگی۔

یہ کوتوزوف تھا۔ وہ میدان جنگ کا جائزہ لینے نکلا اور واپس تا تاری نو جا رہا تھا کہ عبادت میں شرکت کیلئے ٹھہر گیا۔ پیری نے اسے اس کی انوکھی شکل سے پہچان لیا جو اسے دوسروں سے ممیز کرتی تھی۔

کوتوزوف نے اپنے بھاری بھرکم جثے پر کوٹ پہن رکھا تھا اور اپنے سفید ننگے سر، پھولے ہوئے چہرے اور ایک آنکھ کے ساتھ جھومتا ہوا تیزی سے گھوم کر آگے آیا اور پادری کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنی عادت کے مطابق صلیب کا نشان بنایا اور اسقدر نیچے جھک گیا کہ اس کا سر زمین کو چھونے لگا۔ پھر اس نے گہری سانس بھری اور اپنی گردن جھکا دی۔ کوتوزوف کے پیچھے بینگسن اور اس کے عملے کے ارکان کھڑے تھے۔ فوج اور ملیشیا کے سپاہی کمانڈر انچیف کی موجودگی کے باوجود اس کی طرف دیکھے بغیر دعائیں مانگنے میں مصروف رہے جس نے تمام اعلیٰ افسروں کی توجہ اپنی جانب مبذول کرائی تھی۔

عبادت کا سلسلہ ختم ہوا تو کوتوزوف مقدس تصویر کے قریب پہنچا اور بے ڈھنگے انداز سے گھٹنوں پر جھک کر سجدہ کیا۔ وہ کافی دیر تک اٹھنے کی کوشش کرتا رہا مگر کمزوری اور وزن کے باعث کامیاب نہ ہو سکا۔ زور لگانے کے نتیجے میں اس کا سفید سر کانپا اور بالآخر وہ اٹھ گیا۔ اس نے معصومیت سے اپنے ہونٹ نکالے اور تصویر کو چوم لیا۔ وہ ایک مرتبہ پھر نیچے جھکا اور زمین چھوئی۔ دیگر جرنیلوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ ان کے بعد افسر اور سپاہی آگے بڑھنے اور ایک دوسرے کو دھکیلنے میں مصروف ہو گئے۔ جذباتی کیفیت کے باعث سب کا سانس پھول رہا تھا۔

(22)

پیری ہجوم میں پھنس گیا اور اس کے ساتھ ساتھ لڑکھڑاتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ اسی دوران کسی نے باآواز بلند کہا "نواب! پیئر کریچ! آپ یہاں کہاں؟"

پیری نے ادھر ادھر دیکھا۔ بورس دروبتسکی ہاتھوں سے اپنے گھٹنے پونچھتا اور مسکراتا ہوا اس کی جانب آرہا تھا (شاید اس نے بھی تصویر کے سامنے سجدہ کیا تھا) بورس کا لباس اسقدر نفیس اور عمدہ تھا کہ اگر وہ تھوڑا سا گھسا نہ ہوتا تو کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ بھی جنگ میں شریک ہے۔ اس نے کوٹ پہنا ہوا تھا اور کوتوزوف کی طرح اس کا تازیانہ بھی کندھے سے لٹک رہا تھا۔

اسی دوران کوتوزوف گاؤں میں پہنچ گیا اور قریبی مکان کے سائے میں بنچ پر جا بیٹھا۔ ایک قازق یہ بنچ اٹھا لایا تھا اور دوسرے نے جلدی سے اس پر قالین بچھا دیا تھا۔ صاف ستھری اور سجی ہوئی وردیوں میں ملبوس عملے کے ارکان نے کمانڈر انچیف کو گھیر لیا۔

مقدس تصویر ہجوم کے ساتھ آگے چلی گئی تھی۔ پیری کوتوزوف سے تیس قدم دور ٹھہر گیا اور بورس سے باتیں شروع کر دیں۔ وہ اسے بتا رہا تھا کہ اس نے لڑائی کے دوران وہیں موجود رہنے اور میدان جنگ کا جائزہ لینے کا فیصلہ کیا ہے۔

بورس نے کہا ''میں آپ کو بتاتا ہوں کہ آپ کو کیا کرنا چاہئے۔ پڑاؤ میں آپ میرے مہمان ہوں گے۔ جس جگہ نواب ینگسن تعینات ہوں گے وہاں سے آپ ہر شے کا بہتر طور سے جائزہ لینے کے قابل ہوں گے۔ آپ جانتے ہیں کہ میں ان کے عملے میں شامل ہوں۔ میں انہیں بتادوں گا۔ آپ شوق سے میدان جنگ کا چکر لگائیں، مجھے امید ہے کہ واپسی پر آپ رات ہمارے ہاں قیام کریں گے اور ہم تاش کھیلنے کا بھی انتظام کرلیں گے۔ بہر حال، آپ سنتری سرگیوچ کو تو جانتے ہی ہوں گے، وہ وہاں رہتے ہیں'' یہ کہہ کر اس نے گورکی کے تیسرے گھر کی طرف اشارہ کیا۔

پیری نے کہا ''مگر میں اپنی فوج کا دایاں پہلو دیکھنا چاہتا ہوں، میں نے سنا ہے کہ یہ بیحد مضبوط ہے، میں دریائے ماسکوا سے اپنا دورہ شروع کروں گا اور تمام میدان جنگ دیکھنا چاہتا ہوں''

بورس نے کہا ''ٹھیک ہے، یہ آپ بعد میں بھی کر سکتے ہیں، اصل شے تو بایاں پہلو ہے۔۔۔''

پیری نے پوچھا ''ٹھیک ہے، اور شہزادہ بلکونسکی کی رجمنٹ کہاں ہے؟ کیا تم مجھے اس کے بارے میں بتا سکتے ہو؟''

بورس نے کہا ''آندرے نکولائی وچ کی؟ ہمارا ان کے قریب سے گزر ہوگا، میں خود آپ کو ان کے پاس لے جاؤں گا''

پیری بولا ''تم بائیں پہلو کے بارے میں کیا کہہ رہے تھے؟''

بورس نے جواب دیا ''یہ بات آپ کے اور میرے مابین رہنی چاہئے، دراصل بائیں پہلو کے حالات جاننے کی ضرورت نہیں'' اس کی آواز دھیمی ہوگئی اور وہ رازدارانہ لہجے میں بولا ''نواب ینگسن جو کچھ کرنا چاہتے تھے یہ اس طرح نہیں ہے، وہ وہاں پہاڑی پر مختلف انداز سے مورچے بنانا چاہتے تھے مگر۔۔۔ ہزہائی نس نے ان کی بات نہ مانی، یا پھر کسی نے انہیں الٹا سیدھا مشورہ دے دیا، بہر حال، آپ کو سمجھ آگیا ہوگا۔۔۔'' بورس کو بات مکمل کرنے کا موقع نہ مل سکا اور اسی دوران کوتوزوف کا ایجوٹنٹ کیساروف پیری کے پاس آیا۔ بورس اس کی جانب دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولا ''ارے، پائسی سرگیوچ! میں نواب کو میدان جنگ کی تفصیلات بتا رہا تھا۔ یہ دیکھ کر انسان حیران رہ جاتا ہے کہ ہزہائی نس نے فرانسیسیوں کے ارادے پیشگی کیسے بھانپ لیے''

کیساروف نے کہا ''تم بائیں پہلو کی بات کر رہے ہو؟''

بورس نے جواباً کہا ''جی ہاں، اب ہمارا بایاں پہلو بیحد مضبوط ہو گیا ہے''

کوتوزوف نے اپنے عملے کے تمام فالتو ارکان کو فارغ کر دیا تھا مگر بورس نے ایسی چال چلی کہ تبادلوں کے باوجود وہ ہیڈکوارٹر میں تعینات رہا۔ وہ نواب ینگسن کے ساتھ جڑ گیا اور اس کے سابقہ افسران اعلیٰ کی طرح ینگسن کا بھی یہی خیال تھا کہ وہ بیحد قابل نوجوان ہے۔ فوج کی اعلیٰ کمان دو حصوں میں تقسیم تھی اور انہیں باآسانی پہچانا جا سکتا تھا۔ ایک گروہ کوتوزوف اور دوسرا چیف آف سٹاف اینگسن کا تھا۔ بورس کا تعلق آخری گروہ سے تھا اور اس سے زیادہ کسی کو علم نہ تھا کہ کوتوزوف کا غلامانہ احترام کیسے کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ تاثر کیسے دیا جا سکتا ہے کہ وہ محض بیکار بوڑھا ہے اور تمام تر اختیارات ینگسن کے ہاتھوں میں ہیں۔ اب جبکہ فیصلہ کن لڑائی کا وقت آگیا تھا، اس کا نتیجہ کوتوزوف کے زوال اور اختیارات کی ینگسن کو منتقلی کی صورت میں نکل سکتا تھا اور اگر کوتوزوف جنگ جیت بھی لیتا تو پھر بھی عام ذہنوں میں یہ تاثر قائم کیا جا سکتا تھا کہ سب کچھ ینگسن کی وجہ سے ہوا۔ کچھ بھی ہو کل کی جنگ کے بعد کئی اہم اعزازات تقسیم ہونا تھے اور نئے لوگوں کا سامنے آنا یقینی تھا، یہی وجہ تھی کہ بورس اس دن خاصا خوش دکھائی دے رہا تھا۔

کیساروف کے بعد متعدد واقف کار پیری سے ملنے آئے اور اسے اتنا موقع ہی نہ مل سکا کہ وہ ان کے ماسکو کے بارے میں سوالات کا جواب دیتا یا ان کی داستانیں سن سکتا۔ ہر چہرے پر جذبات اور خوف کا تاثر نمایاں تھا تاہم پیری کو یوں محسوس ہوا جیسے جن چہروں پر جذباتی کیفیت ہویدا ہے ان میں سے بیشتر ان لوگوں کے ہیں جو ذاتی مفادات کے بوجھ تلے دبے ہیں تاہم وہ اپنے ذہن سے ان دیگر لوگوں کے چہرے نہیں بھلا سکتا تھا جن کی جذباتی حالت ان کے ذاتی مفادات کی غمازی نہیں کرتی تھی بلکہ اس کی وجہ زندگی اور موت کے عالمگیر مسائل تھے۔ کوتوزوف کو اپنے گرد جمع لوگوں میں پیری نظر آگیا۔

کوتوزوف نے حکم دیا ''اسے میرے پاس لایا جائے''

جب ایک ایجوٹنٹ نے پیری کو ہزہائی نس کی خواہش سے آگاہ کیا تو وہ اس کی نشست کی طرف بڑھ گیا تاہم ملیشیا کا ایک سپاہی اس سے پہلے ہی وہاں پہنچ گیا۔ یہ دولوخوف تھا۔

پیری نے پوچھا ''یہ یہاں کیسے آگیا؟''

پیری کو جواب دیا گیا کہ ''یہ بیحد چالاک کتا ہے اور ہر جگہ ٹپک پڑتا ہے، آپ جانتے ہیں کہ اسے ایک مرتبہ پھر افسر سے عام سپاہی بنا دیا گیا تھا اور اب یہ ایک مرتبہ پھر ترقی کیلئے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔ یہ کبھی کوئی تجویز پیش کرتا ہے اور کبھی کچھ کہتا ہے۔ رات کو دشمن کے قریب بھی پہنچ جاتا ہے۔۔۔ تاہم اس بات سے انکار ممکن نہیں کہ بہادر شخص ہے''

پیری نے ہیٹ اتارا اور کوتوزوف کے سامنے سر جھکا دیا۔

دولوخوف کہہ رہا تھا ''میں جانتا تھا کہ اگر میں نے ہزہائی نس کو رپورٹ دی تو مجھے باہر نکال دیا جائے گا یا پھر فرمایا جائے گا کہ ''تم جو کچھ کہنا چاہتے ہو وہ میں پہلے ہی جانتا ہوں'' تاہم اس سے میرا کچھ نہیں بگڑتا۔۔۔''

کوتوزوف نے کہا ''یقیناً، یقیناً''

دولوخوف نے بات آگے بڑھائی اور کہنے لگا ''تو پھر اگر میں درست ہوں تو مجھے وطن کی خدمت کا موقع ملنا چاہئے اور میں اس کی خاطر اپنی جان قربان کرنے کو تیار ہوں''

کوتوزوف بولا ''یقیناً!''

دولوخوف نے مزید کہا ''اگر جناب عالی کو کسی ایسے شخص کی ضرورت ہو جو اپنی جان ہتھیلی پر لیے پھرتا ہو تو مجھے یاد کرلیں، شاید میں جناب کے کسی کام آسکوں''

کوتوزوف نے ایک مرتبہ پھر اپنے الفاظ دہراتے ہوئے کہا ''یقیناً۔۔۔ یقیناً!'' وہ اپنی مسکراتی آنکھوں سے پیری کو دیکھ رہا تھا۔

اسی دوران بورس درباریوں کی سی پھرتی سے پیری کی جانب کھسک کر کوتوزوف کے پیچھے جا کھڑا ہوا اور اپنی آواز بلند کئے بغیر انتہائی فطری انداز میں بات کرنے لگا۔ اس کا انداز یوں تھا جیسے وہ گفتگو کا سلسلہ بحال کر رہا ہو۔ اس نے پیری سے کہا ''ملیشیا کے سپاہیوں نے سفید قمیصیں پہن لی ہیں اور موت کا سامنا کرنے کیلئے تیار ہو گئے ہیں، نواب! کیسی بہادری ہے''

بورس نے یہ بات اس ارادے سے کہی تھی کہ کوتوزوف کے کانوں تک بھی پہنچ جائے۔ اسے علم تھا کہ یوں کوتوزوف کی توجہ اس کی جانب مبذول ہو جائے گی اور ایسا ہی ہوا۔

کوتوزوف نے اس سے پوچھا ''تم ملیشیا کے بارے میں کیا کہہ رہے تھے؟''

بورس نے جواب دیا" جناب عالی! وہ کل ہونیوالی جنگ کی تیاری کر رہے ہیں اور انہوں نے موت کا سامنا کرنے کیلئے سفید قمیصیں پہن لی ہیں"

کوتوزوف بولا" واہ!۔۔۔شاندار، منفرد لوگ ہیں" اس نے آنکھیں بند کیں اور سر ہلاتے ہوئے اپنے الفاظ دہرائے" منفرد لوگ" کوتوزوف کہنے لگا" تو پھر تم بارود کی بو سونگھنے کے خواہشمند ہو، ہاں، یہ خوشگوار بو ہے، میں تمہاری بیگم کا مداح ہوں، وہ کیسی ہیں؟ تمہارے لیے میری رہائشگاہ حاضر ہے"

جیسا کہ بوڑھوں کے ساتھ ہوتا ہے، کوتوزوف بھی بے دھیانی کے عالم میں ادھر ادھر دیکھنے لگا جیسے اپنی بات بھول گیا ہو۔

پھر اس طرح جیسے اسے اچانک بات یاد آ گئی ہو وہ اپنے ایجوٹنٹ کے بھائی آندرے سرگیوچ کو بلانے لگا۔

کوتوزوف نے اسے کہا" وہ شعر۔۔۔کیسے تھے، وہ مارین کے شعر؟ وہ کیا ہیں؟ جو اس نے گیراکوف میں لکھے تھے؟ تم کور کو پڑھاتے رہتے ہو۔۔۔" مجھے ذرا سناؤ" یوں لگتا تھا جیسے وہ خوش ہونا چاہتا ہے۔ کیساروف نے اشعار سنائے۔۔۔کوتوزوف مسکرانے لگا اور اشعار کے ردھم کے ساتھ اپنا سر بھی ہلاتا رہا۔

جب پیری نے کوتوزوف سے اجازت لی تو دولوخوف اس کے پاس آیا اور اس کا ہاتھ تھام لیا۔

وہ پیری سے بولا" نواب! تمہیں یہاں دیکھ کر بیحد خوشی ہوئی" اس نے اجنبی لوگوں کو نظر انداز کرتے ہوئے مزید کہا" اب جبکہ خدا ہی جانتا ہے کہ کل ہم میں سے نجانے کون زندہ رہے گا، میں خوش ہوں کہ مجھے آپ کو یہ بتانے کا موقع مل گیا ہے کہ ہمارے مابین پیدا ہونیوالی غلط فہمی پر مجھے بیحد افسوس ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ آپ کے دل میں میرے حوالے سے کوئی بدگمانی نہ ہوگی اور میری درخواست ہے کہ مجھے معاف کر دیں"

پیری نے دولوخوف کو مسکرا کر دیکھا۔ اسے سمجھ نہ آتی تھی کہ کیا کہے۔ دولوخوف کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور وہ پیری کو گلے لگا کر اسے چومنے لگا۔

بورس اپنے جرنیل سے کچھ کہہ چکا تھا اور نواب بینگسن پیری کی طرف متوجہ ہوا۔ اس نے پیری کو تجویز دی کہ وہ میدان جنگ کا جائزہ لینے کیلئے ان کے ساتھ چلا آئے۔

بینگسن بولا" یہ آپ کیلئے دلچسپ تجربہ ہوگا"

پیری نے جواب دیا" جی ہاں، واقعی"

نصف گھنٹے بعد کوتوزوف تاتارینوو کی طرف واپس چل دیا اور بینگسن اور اس کا عملہ پیری کے ساتھ میدان جنگ کا معائنہ کرنے چلے گئے۔

(23)

بینگسن گورکی سے نیچے اتر کر اس سڑک پر روانہ ہو گیا جو نیلے والے افسر کے بقول ہماری فوج کے درمیانی حصے کے قریب واقع پل کی طرف جاتی تھی اور جہاں گھاس کے گٹھے پڑے تھے۔ انہوں نے پل پار کیا اور بورودینو گاؤں میں داخل ہو گئے۔ وہاں سے وہ بائیں جانب مڑے اور سپاہیوں اور توپوں کے جم غفیر کے قریب سے گزرتے ایک بلند مقام پر پہنچ گئے۔ وہاں ملیشیا کے سپاہی مورچے کھودنے میں مصروف تھے۔ ابھی تک اس مورچے کو کوئی نام نہیں دیا گیا تھا تاہم بعد میں اس نے رائیوسکی مورچے یا توپ گڑھی کے نام سے شہرت حاصل کی۔

پیری نے اس ٹیلے کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ اسے علم نہ تھا کہ بورودینو کے میدان میں اس ٹیلے نے اس کیلئے انتہائی یادگار مقام بن جانا ہے۔ انہوں نے نالہ پار کیا اور سیمیونووسکی گاؤں میں داخل ہو گئے۔ وہاں سپاہی مکانوں اور گوداموں کی لکڑیاں گھسیٹ گھسیٹ کر کہیں لے جا رہے تھے۔ بعدازاں وہ پہاڑی پر چڑھے، نیچے اترے اور رائی کے تباہ حال کھیت سے گزر کر نئے تیار کردہ راستے پر چلتے بلند مورچوں تک پہنچ گئے۔

بینگسن اپنے قریب آنیوالے ایک جرنیل کی جانب رخ کر کے اسے اپنی فوج کی پوزیشن سمجھانے لگا۔ پیری بھی سننے میں مشغول تھا۔ اس نے لڑائی کے اہم نکات سمجھنے کی بھرپور کوشش کی مگر اسے یہ جان کر بیحد جھلاہٹ ہوئی کہ وہ یہ باتیں نہیں سمجھ سکتا تھا۔ اسے یہ پیچیدہ باتیں بالکل سمجھ نہیں آتی تھیں۔ بینگسن خاموش ہو گیا۔ جب اس نے پیری کو سنتے دیکھا تو اچانک اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا" میرے خیال میں اس میں آپ کیلئے دلچسپی کی کوئی بات نہ ہوگی"

پیری نے جواب دیا" اوہ، اس کی بجائے یہ بیحد دلچسپ ہے" اس کے جواب میں کچھ ایسی سچائی نہ تھی۔

وہ ان مورچوں سے مزید بائیں جانب آگے چلے گئے۔ وہ جس سڑک پر رواں دواں تھے وہ برچ کے پستہ قد درختوں پر مشتمل گھنے جنگل سے بل کھاتی گزرتی تھی۔ جنگل کے درمیان میں سفید پاؤں والا بھورا خرگوش چھلانگ لگا کر باہر آیا مگر گھوڑوں کے سموں کی آواز سن کر خوف کے مارے ہوش و حواس سے بیگانہ ہو گیا اور کچھ دیر تک سڑک پر ان کے آگے چھلانگیں لگاتا بھاگتا رہا۔ تمام لوگوں کی توجہ اس پر مرکوز ہو گئی اور وہ ہنسنے لگے۔ جب متعدد آوازوں نے اسے چلا کر خبردار کیا تو وہ بھاگ کر ایک جانب ہو گیا اور جنگل میں جا چھپا۔ جنگل میں چند کلومیٹر چلنے کے بعد وہ کھلی جگہ پر پہنچ گئے جہاں بائیں پہلو کی حفاظت کیلئے تچکوف کے دستے تعینات تھے۔

اس جگہ پر بائیں پہلو کے آخر میں جنرل بینگسن نے جوش و خروش کے عالم میں لمبی تقریر کی اور پیری کو محسوس ہوا کہ وہ فوجی اہمیت کے احکامات دے رہا ہے۔ تچکوف کے دستوں کے سامنے اونچائی تھی اور وہاں کوئی فوجی تعینات نہ تھا۔ بینگسن نے اس غلطی پر خاصی بلند آواز میں تنقید کی اور کہا کہ اتنی بلند جگہ کو یونہی خالی چھوڑ دینا بیوقوفی ہے جہاں سے اردگرد کے علاقے پر اچھی طرح نگاہ رکھی جا سکتی ہے۔ کئی دیگر جرنیلوں نے بھی ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا۔ ان میں سے ایک کو بیحد غصہ آ رہا تھا اور اس نے فوجی غصے میں کہا" اگر فوجی اسی جگہ رہے تو وہ ملیامیٹ ہو جائیں گے" بینگسن نے اپنی ذمہ داری پر دستے کو اوپر جانے کا حکم دے دیا۔

بائیں پہلو پر اس فوجی ترتیب و تقسیم نے پیری کو اس حوالے سے مزید شکوک و شبہات میں مبتلا کر دیا کہ فوجی امور اس کی سمجھ سے باہر ہیں۔ جب اس نے بینگسن اور دیگر جرنیلوں کو پہاڑی کے نیچے دستوں کی پوزیشن پر تنقید کرتے سنا تو یہ بات اس کی سمجھ میں آ گئی اور اس نے ان سے اتفاق کیا تاہم محض اس وجہ سے یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ آخر انہیں متعین کرنیوالے نے ایسی سنگین غلطی کیوں کی

پیری کو یہ بات معلوم نہیں ہو سکتی تھی کہ ان دستوں کو وہاں اس لیے رکھا گیا تھا کہ یہ نظروں سے اوجھل تھے اور آگے آنیوالے دشمن پر اچانک حملہ کر سکتے تھے۔ بینگسن یہ بات نہیں جانتا تھا۔ اس نے اپنے تصور کے مطابق فوجیوں کو آگے پہنچا دیا اور کمانڈر انچیف کو اس بارے میں کوئی اطلاع نہ دی۔

(24)

شہزادہ آندرے 25 اگست کی چمکتی شام کو اپنی رجمنٹ کے پڑاؤ کے آخری سرے پر کنیازکوف گاؤں کے

ایک ٹوٹے پھوٹے چھپر تلے کہنی کے بل لیٹا تھا۔ٹوٹی ہوئی دیوار کے ایک سوراخ میں اسے لکڑی کی باڑ کے ساتھ ساتھ برچ کے تیس سالہ درختوں کی قطار دکھائی دے رہی تھی۔ان درختوں کی نچلی شاخیں کاٹ ڈالی گئی تھیں۔درختوں سے آگے ایک کھیت تھا جس میں جئی کے پولے پڑے تھے اور ان کے قریب ہی جھاڑیاں تھیں جن کے ساتھ سپاہیوں کے عارضی لنگر خانے سے دھواں بلند ہو رہا تھا۔

اگرچہ شہزادہ آندرے کو اب اپنی زندگی محدود، بیکار اور بوجھل معلوم ہوتی تھی، تاہم اس کے باوجود وہ جنگ سے ایک دن پہلے اسی پریشانی کا شکار تھا اور اس کا مزاج بالکل اسی طرح برہم تھا جیسے سات سال پہلے آسٹرلٹس کی جنگ سے قبل ہوا تھا۔

اسے کل ہونیوالی جنگ کے بارے میں احکامات مل چکے تھے اور اس نے اپنی رجمنٹ کو تمام تر ہدایات دے دی تھیں۔اب اس کے پاس کوئی کام نہ تھا مگر اس کے سادہ، واضح اور خطرناک ترین خیالات نے اسے بے چین کر رکھا تھا۔اسے علم تھا کہ یہ اس کی تمام جنگوں میں خوفناک ترین جنگ ہوگی اور زندگی میں پہلی مرتبہ موت کا امکان اس کے سامنے آ گیا۔یہ امکان جس طرح اس کے ذہن میں وارد ہوا اس نہ تو اس کی دنیاوی زندگی سے کوئی تعلق تھا اور نہ اس بات سے کہ اس کی موت دوسروں پر کس طرح اثر انداز ہوگی۔اس کی بجائے یہ بات اس کی اپنی ذات اور روح سے متعلق تھی۔اس کے ذہن میں ممکنہ موت کا تصور اس قدر واضح انداز سے در آیا کہ یہ حقیقت معلوم ہونے لگا۔اس سے قبل وہ تمام اشیاء جو اس کیلئے وبال جان بن چکی تھیں اور جنہوں نے اس کی توجہ بھرپور انداز میں اپنی طرف مبذول کرا رکھی تھی، اب اچانک سرد اور سفید روشنی میں چمکنے لگیں۔ان کا کوئی سایہ تھا، خاکہ نہ تناظر، جس کی وجہ سے انہیں ایک دوسرے سے علیحدہ کر کے بھی نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔اسے اپنی تمام زندگی جادوئی لالٹین میں دکھائی دینے والی تصویروں جیسی دکھائی دی۔طلسمی لالٹین کی تصویروں کی طرح وہ اپنی زندگی بھی مصنوعی روشنی میں شیشے سے دیکھتا رہا تھا۔اب شیشے کے بغیر اور دن کی صاف روشنی میں یہ تصویریں یوں نظر آ رہی تھیں جیسے انہیں بے ڈھنگے انداز سے بنایا گیا ہو۔وہ سوچ رہا تھا "ہاں، یہ ہیں وہ تصاویر جو میرے قلب و ذہن میں ہلچل پیدا کرتی اور مجھے پریشانی میں مبتلا کرتی رہیں" اس نے زندگی کی طلسمی لالٹین کی بڑی بڑی تصویروں کا دوبارہ جائزہ لیا اور موت کے واضح احساس کی سرد سفید روشنی میں خود کلامی کرتے ہوئے کہا "وہ ہیں، بھدے رنگوں سے بنی ہوئی بے ڈھنگی تصاویر، جو کبھی مجھے انتہائی شاندار معلوم ہوتی تھیں۔عزت واحترام، شان و شوکت، انسانی بہبود، عورت سے عشق، وطن۔۔۔ مجھے یہ تصویریں بہت شاندار نظر آتی تھیں اور مفہوم سے بھرپور دکھائی دیتی تھیں جبکہ میرے لیے طلوع ہونیوالی صبح کی اس سرد سفید روشنی میں یہ سب کچھ کتنا سادہ، بے رنگ اور بے ڈھنگا دکھائی دیتا ہے" اپنی زندگی کے تین سب سے بڑے دکھوں یعنی ایک خاتون سے اپنے عشق، والد کی وفات اور روس پر فرانسیسیوں کے حملے نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کرا لی۔وہ سوچنے لگا "وہ خوبصورت لڑکی جو مجھے باطنی طاقت سے بھرپور نظر آتی تھی، اس سے مجھے کس قدر محبت تھی، میں اس کے ساتھ خوشی اور محبت کے منصوبے بناتا رہا، میں بھی بچوں جیسا نا سمجھ تھا" آندرے نے تلخ انداز میں آدھی اور بلند آواز سے بولا "سچ یہ ہے کہ مجھے بھی کسی مثالی محبت کا یقین ہو گیا تھا اور یہ سمجھ رہا تھا کہ یہ محبت میری عدم موجودگی میں سارا سال اسے میرا وفادار بنائے رکھے گی اور میری جدائی میں اس کا برا حال ہو جائے گا مگر یہ تمام تر تصورات کس قدر نادانی پر مبنی تھے، ایسی نادانی کہ انسان کا جی کھٹا ہو جائے"

اس نے سوچا "میرے والد نے بھی بلیک ہلز تعمیر کرائی اور سمجھا کہ یہ اس کی جگہ ہے، یہ زمین، ہوا، کسان اور دیگر اشیاء اسی کی ہیں مگر نپولین آیا اور اس کے وجود سے بےخبر سب کچھ اٹھا کر یوں پھینک دیا جیسے لکڑی پھینکی جاتی ہے۔

یوں میرے والد کا بلیک ہلز اور اس کی تمام تر زندگی ٹوٹ پھوٹ گئی۔شہزادی ماریا کہتی ہے کہ ہم پر آنیوالی مصیبت ہماری آزمائش ہے، مگر کیسی آزمائش؟ میرا والد تو اب زندہ نہیں رہا اور نہ وہ کبھی واپس آئے گا۔اس کا وجود ختم ہو گیا اور پھر کیسی آزمائش؟ وطن، ماسکو کی بربادی، اور کل میں مارا جاؤں گا، شاید فرانسیسیوں کی بجائے اپنے ہی کسی شخص کے ہاتھوں ہلاک ہو جاؤں، بالکل اس سپاہی کی طرح جس کی گولی کل میرے کان کے قریب سے گزری تھی۔کوئی بندوق چلائے گا اور اتفاقاً میں گولی کی زد میں آ جاؤں گا۔پھر فرانسیسی آئیں گے اور مجھے سر اور پیروں سے پکڑ کر کسی گڑھے میں پھینک دیں گے تاکہ ان کے سامنے میرے جسم سے بدبو نہ اٹھے۔زندگی یونہی جاری وساری رہے گی، اگرچہ حالات جو اب ہوں گے مگر دوسروں کو ان میں اسی طرح کوئی نئی بات دکھائی نہیں دے گی جیسے ہمیں موجودہ حالات میں کوئی نرالی بات نظر نہیں آتی۔تاہم میں ان کے بارے میں کچھ بھی نہیں جان پاؤں گا کیونکہ میرا وجود ختم ہو چکا ہوگا۔

وہ برچ کے درختوں کی قطار پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔سبز اور پیلے پتے ساکن تھے اور درختوں کی سفید چھالیں دھوپ میں چمک رہی تھیں۔اس نے سوچا "کل موت آ جائے گی اور میرا وجود مٹ جائے گا، سب کچھ ہوگا اور میں نہیں ہوں گا" اس نے اپنے بغیر زندگی کے بارے میں سوچا۔برچ کے درختوں میں کہیں سے روشنی نکل رہی تھی اور کہیں ان کے سائے تھے۔اچانک اسے یوں لگا جیسے اردگرد ہر شے بدل کر رہ گئی ہو، اون جیسے سفید بادل، پڑاؤ سے بلند ہونیوالی آگ اور دھواں، سب کچھ بدل گیا۔اس نے یوں محسوس کیا جیسے ہر شے نے اپنا لبادہ اتار دیا ہو اور وہ اس کی طرف ناپاک ارادوں سے دیکھ رہی ہو۔اس کا جسم سردی سے کپکپانے لگا۔وہ عجلت سے اٹھا اور باہر نکل کر ادھر ادھر ٹہلنا شروع ہو گیا۔

جب وہ دوبارہ چھپر میں آیا تو اسے باہر سے کوئی آواز سنائی دی۔

شہزادہ آندرے نے پوچھا "کون ہے؟"

سرخ ناک والا کپتان تیموخن شرماتا ہوا اندر آیا۔وہ پہلے دولوخوف کا کمپنی کمانڈر تھا مگر اب افسروں کی تعداد کم ہو جانے کے باعث اسے بٹالین کمانڈر بنا دیا گیا تھا۔اس کے پیچھے ایک ایجوٹنٹ اور رجمنٹ کا کیشیئر تھے۔

شہزادہ آندرے جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا اور ان کی بات توجہ سے سن کر انہیں چند ہدایات دیں، ابھی وہ انہیں واپس بھیج ہی رہا تھا کہ چھپر سے باہر کسی کی جانی پہچانی تتلاہٹ زدہ آواز سنائی دی۔

شہزادہ آندرے نے چھپر سے باہر جا کر دیکھا تو اسے پیری نظر آیا۔وہ زمین پر پڑے ایک شہتیر سے ٹکرا گیا تھا اور گرنے سے بمشکل بچا تھا۔شہزادہ آندرے عموماً ایسے لوگوں سے ملنا جلنا پسند نہیں کرتا تھا جن کا تعلق اس کے اپنے طبقے سے ہوتا تھا اور پیری تو اب اسے بطور خاص ناپسند تھا کیونکہ اسے دیکھ کر اسے وہ تمام واقعات یاد آ جاتے تھے جن سے اسے ماسکو میں گزشتہ قیام کے دوران اس کا واسطہ پڑا تھا۔

شہزادہ آندرے با آواز بلند کہنے لگا "ارے، تمہیں قسمت یہاں کیسے لے آئی؟ مجھے تمہاری یہاں آمد کی توقع نہ تھی"

یہ بات کہتے ہوئے اس کے چہرے اور آنکھوں سے صاف عیاں ہوتا تھا کہ وہ مروت سے عاری ہو چکا ہے اور پیری نے فوراً دیکھ لیا کہ اس کا رویہ سرد ہی نہیں بلکہ خاصا مخاصمانہ تھا۔وہ بیحد شوق اور جوش کے عالم میں اندر آیا تھا اور جب اس نے آندرے کو دیکھا تو اس کا دل بجھ کر رہ گیا اور بے چینی لاحق ہو گئی۔

پیری نے کہا "میں آ چکا ہوں۔۔۔ تمہیں علم ہے۔۔۔ بس۔۔۔ میں آ گیا۔۔۔ یہ دلچسپ ہے" اس نے لفظ

''دلچسپ'' اس نے یہ لفظ بار بار استعمال کیا تھا۔ وہ مزید بولا ''میں جنگ دیکھنا چاہتا ہوں''

شہزادہ آندرے نے طنزیہ انداز میں کہا ''ارے ہاں، تمہارے فری میسن بھائی جنگ کے حوالے سے کیا کہتے ہیں؟ وہ اسے کیسے روکیں گے؟ بہرحال یہ بتاؤ کہ ماسکو کے کیا حالات ہیں؟ میرے اہل خانہ کا کیا حال ہے؟ بالآخر وہ ماسکو پہنچ ہی گئے؟'' اس نے لہجے میں سنجیدگی تھی۔

پیری نے جواب دیا ''ہاں، پہنچ گئے ہیں۔ مجھے جولی دروبتسکی نے اس بارے میں بتا دیا تھا۔ اگرچہ میں وہاں گیا مگر ان سے ملاقات نہ ہو سکی۔ وہ تمہاری ماسکو والی جاگیر پر چلے گئے تھے''

(25)

افسر جانا چاہتے تھے مگر شہزادہ آندرے نے انہیں ٹھہرنے اور چائے پینے کی دعوت دے دی۔ اسے اپنے دوست کے ساتھ تنہا رہنے میں ہچکچاہٹ محسوس ہو رہی تھی۔ نشستیں بچھا دی گئیں اور چائے منگوائی گئی۔ افسر پیری کے بھاری بھرکم جسم کو حیرت سے دیکھتے اور ماسکو نیز اپنی فوج کی ترتیب و تقسیم کے بارے میں اس کی باتیں سنتے رہے جس کا اس نے گھوڑے پر بیٹھ کر مشاہدہ کیا تھا۔ شہزادہ آندرے خاموش رہا۔ اس کا چہرہ اتنا اسقدر سنجیدہ اور خوفناک تھا کہ پیری نے اس کی بجائے خوش اطوار کمانڈر تیموخن سے زیادہ گفتگو کرنا مناسب سمجھا۔

شہزادہ آندرے نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا ''تو پھر تم ہماری فوج کی تمام تر ترتیب و تقسیم سمجھ گئے ہو؟''

پیری نے جواب دیا ''ہاں، کم از کم، تمہارا کیا مطلب ہے؟ جیسا کہ میں فوجی آدمی تو نہیں ہوں مگر پھر بھی عام سا خاکہ میری سمجھ میں آ گیا ہے''

شہزادہ آندرے نے فرانسیسی زبان میں کہا ''ٹھیک ہے، تو پھر تم کسی اور شخص کی نسبت زیادہ جانتے ہو گے''

پیری نے شہزادہ آندرے کو سرسری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا ''اوہو، بہرحال کوتوزوف کی تقرری کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟'' اسے الجھن ہو رہی تھی۔

شہزادہ آندرے بولا ''میں نے اس کی تعیناتی کو خوش آمدید کہا تھا، اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہوں گا''

پیری بولا ''اور یہ بتاؤ کہ بارکلے ڈی تولی کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ ماسکو میں لوگ اس کے بارے میں نجانے کیا کچھ کہہ رہے ہیں، تم اسے کیسا شخص سمجھتے ہو؟''

شہزادہ آندرے نے افسروں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا ''ان سے پوچھو''

پیری نے کچھ ایسی مہربان مسکراہٹ سے تیموخن کی جانب دیکھا جیسے پوچھ رہا ہو کہ یہ کیا چیز ہے؟'' (تیموخن سے مخاطب ہونے والا ہر شخص غیر ارادی طور پر اسی طرح مسکراتا تھا)

تیموخن نے اپنے کرنل کو شرمیلی نظروں سے دیکھا اور کہنے لگا ''جناب عالی! ہزہائی نس کا عہدہ سنبھالنا اندھیرے میں روشنی کی کرن کے مترادف تھا''

پیری نے پوچھا ''وہ کیسے؟''

تیموخن نے جواب دیا ''ہاں میں بتاتا ہوں، جلانے کی لکڑی اور خوراک ہی کو لیجئے۔ جب ہم سونتسن سے پیچھے ہٹ رہے تھے تو ہم میں کہیں سے کوئی ٹہنی یا گھاس تک لینے کی بھی ہمت نہ تھی۔ آپ سمجھ رہے ہیں کہ ہم تو وہاں سے بھاگ رہے تھے اور یہ سب کچھ دشمن کے ہاتھ لگ جانا تھا، جناب عالی! میں درست کہہ رہا تھا؟'' وہ دوبارہ شہزادہ آندرے کی

طرف متوجہ ہوا اور پھر کہنے لگا ''ہم میں ایسا کرنے کی ہمت ہی نہیں تھی۔ ایسی ہی حرکت پر ہمارے دو افسروں کا کورٹ مارشل ہو گیا۔ بہرحال جب سے ہزہائی نس نے فوجی کمان سنبھالی ہے کسی قسم کی الجھن باقی نہیں رہی اور ہر شے بالکل واضح ہے اب ہم روشنی میں ہیں۔۔۔''

پیری نے کہا ''اس کام سے روکا کیوں گیا تھا؟''

تیموخن بوکھلا گیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اس سوال کا جواب اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ پیری نے شہزادہ آندرے سے یہی سوال پوچھا۔

آندرے نے تلخ لہجے میں جواب دیا ''تاکہ ہمارا خالی کردہ علاقہ خراب دکھائی نہ دے۔ غلطیوں سے پاک اصول یہ ہے کہ ''تباہی مت پھیلاؤ اور اپنی فوج کو لوٹ مار کا عادی مت بننے دو'' سمولنسک میں بھی اس نے (بارکلے) درست اندازہ لگایا تھا کہ فرانسیسی ہمیں گھیر سکتے ہیں یا ہمارے دائیں اور بائیں پہلو پر دباؤ ڈال سکتے ہیں کیونکہ اس کے پاس ہم سے بڑی فوج تھی مگر یہ بات اس کی سمجھ میں نہ آئی'' شہزادہ آندرے تیز اور بلند آواز میں یوں بات کر رہا تھا جیسے پھٹ پڑا ہو۔ اس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا ''مگر یہ بات اسے سمجھ نہ آ سکی کہ ہم پہلی مرتبہ روسی سرزمین بچانے کیلئے لڑ رہے تھے اور یہ کہ ہمارے سپاہی ایسے جذبے سے سرشار تھے جو پہلے ان میں نہیں دیکھا گیا تھا، اور یہ کہ ہم مسلسل دو دن سے فرانسیسیوں کے حملے روکتے چلے آئے تھے اور ان کامیابیوں نے ہماری طاقت دس گنا بڑھا دی تھی۔ تاہم اس نے کیا کیا؟ اس نے ہمیں پسپائی کا حکم دے دیا اور ہم نے جو کوشش کی اور جو نقصانات برداشت کئے وہ اکارت گئے۔ مانا کہ اس نے ہم سے غداری کا سوچا تک نہ ہوگا۔ اس نے تمام کام بہترین انداز سے کرنے کی ہر ممکن کوشش کی اور اس نے سب کچھ پہلے ہی سوچ رکھا تھا تاہم یہی وجہ ہے کہ وہ اس عہدے کیلئے قطعی موزوں نہیں ہے۔ وہ اس لیے موزوں نہیں ہے کہ وہ اپنے ہر کام کے حوالے سے پہلے ہی منصوبہ بنا لیتا ہے اور اتنی باریکیوں میں پڑ جاتا ہے کہ چھوٹی چھوٹی تفصیلات طے کرنے سے بھی نہیں چوکتا، یہی جرمنوں کی عادت ہے، میں تمہیں کیسے سمجھاؤں۔۔۔ اچھا، ٹھیک ہے، فرض کرو کہ تمہارے والد کے پاس جرمن ملازم ہے۔ یہ تو ٹھیک ہے مگر تمہارے والد کسی خطرناک بیماری میں مبتلا ہو جائیں تم اپنے ملازم کو فارغ کر دو اور اپنے ناتجربہ کار ہاتھوں سے خود ان کی خبر گیری کرو۔ اس صورت میں تم کسی ماہر اور تجربہ کار اجنبی شخص کی نسبت ان کیلئے زیادہ سہولت مہیا کر رہے ہو گے۔ بارکلے ڈی تولی کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے۔ جب تک روس مصیبت میں گرفتار نہیں ہوا تھا اس وقت تک غیر ملکی اس کی خدمت کر سکتا تھا اور عمدہ وزیر ثابت ہو سکتا تھا مگر جونہی اس پر برا وقت آیا تو اسے اس شخص کی ضرورت پڑی جس نے اسی کی دھرتی پر جنم لیا ہو۔ مگر تمہارے کلب میں اسے غدار کہا جاتا ہے، تاہم اسے مطعون کرنے کا ایک ہی نتیجہ نکلے گا کہ یہ غلط الزام تراشی کرنیوالے لوگ بعد میں اسقدر شرمندہ ہوں گے کہ اچانک اسے ہیرو بنا دیں گے یا پھر ذہین ترین شخص کے روپ میں پیش کریں گے اور یہ بھی اس سے ناانصافی ہوگی۔ وہ دیانتدار اور قوانین کی سختی سے پابندی کرنیوالا جرمن ہے''

پیری کہنے لگا ''اس کی قابلیت میں تو کسی کو شبہ نہیں''

شہزادہ آندرے طنزیہ لہجے میں بولا ''میں نہیں جانتا کہ ''قابل'' کسے کہا جاتا ہے''

پیری بولا ''قابل؟ بہرحال قابل وہ ہوتا ہے جو ہر اقسام کے خطرات کا پیشگی اندازہ لگا لیتا ہے اور دشمن کے ارادے جان جاتا ہے''

شہزادہ آندرے بولا ''مگر ایسا ہونا تو ممکن ہی نہیں'' اس کا انداز ایسا تھا جیسے کافی دیر پہلے ہی اس نتیجے پر پہنچ

چکا ہو۔

پیری نے اسے حیرت سے دیکھا اور کہنے لگا "اس کے باوجود یہ نہیں کہا جاتا کہ جنگ شطرنج کی مانند ہے؟"

شہزادہ آندرے نے جواب دیا "ہاں بالکل ہے، مگر دونوں میں تھوڑا سا فرق بھی ہے۔ شطرنج میں ہر چال کے بارے میں آپ جتنی دیر چاہیں سوچ سکتے ہیں اور اس میں وقت کی قید نہیں ہوتی۔ ایک اور فرق یہ ہے کہ شطرنج میں گھوڑے پیادے سے ہمیشہ طاقتور ہوتے ہیں اور دو پیادے ایک پر ہمیشہ بھاری ہوتے ہیں جبکہ جنگ میں بسا اوقات ایک بٹالین پورے ڈویژن پر بھاری پڑ جاتی ہے اور بعض اوقات صرف ایک کمپنی کے ہاتھوں ہزیمت سے دوچار ہو جاتی ہے۔ فوجوں کی باہمی طاقت کے بارے میں کبھی یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اگر حالات عملے کی جانب سے کئے گئے انتظامات پر منحصر ہوتے میں یہاں رجمنٹ میں کام کرنے کی بجائے وہیں ہوتا اور ان انتظامات میں ہاتھ بٹا رہا ہوتا۔ اس کے ساتھ ساتھ میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ کل کی لڑائی کا انحصار ہم پر ہو گا نہ ان پر، کامیابی کبھی فوجوں کی ترتیب و تقسیم، ہتھیاروں اور ان کی تعداد پر منحصر نہیں رہی اور نہ رہے گی، پوزیشن پر اس کا انحصار تو شاید ہی کبھی ہوتا ہو"

پیری نے پوچھا "تو پھر یہ کس شے پر منحصر ہوتی ہے؟"

شہزادہ آندرے تیموخن کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولا "مجھ پر، ان پر اور ہر سپاہی میں موجود جذبے پر منحصر ہوتی ہے"

پیری نے تیموخن پر سرسری نگاہ ڈالی جو بوکھلاہٹ اور خوف کے مارے اپنے کمانڈر کی جانب نظریں جمائے بیٹھا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے شہزادہ آندرے اپنی پرانی کم گوئی کے مقابلے میں اب جوش میں آ گیا ہے۔ وہ اپنے ذہن پر اچانک یلغار کر دینے والے خیالات کے اظہار سے باز نہیں رہ سکتا تھا۔

آندرے نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا "جنگ وہی فریق جیتتا ہے جس نے جیتنے کا تہیہ کر لیا ہو۔ ہمیں آسٹرلتس کی جنگ میں کیوں شکست ہوئی؟ فرانسیسیوں کے ہلاک شدگان اور زخمیوں کی تعداد بھی ہم جتنی ہی تھی مگر ہم نے آدھا دن گزرنے پر ہی کہنا شروع کر دیا کہ "ہم ہار رہے ہیں" چنانچہ اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ ہم ہار گئے۔ ہم یہ بات اس لیے کہہ رہے تھے کہ ہم بے مقصد جنگ لڑ رہے تھے اور جس قدر جلد ممکن ہوتا میدان جنگ سے بھاگنے کی فکر میں تھے۔ اگر ہم نے شام تک اپنی زبانیں بند رکھی ہوتیں تو نجانے جنگ کا کیا نتیجہ نکلتا۔ مگر کل ہم یہ نہیں کہیں گے۔ تم ہماری ترتیب و تقسیم کے بارے میں باتیں کر رہے ہو۔ تم سمجھتے ہو کہ ہمارا بایاں بازو کمزور ہے اور دایاں پہلو ضرورت سے زیادہ پھیلا ہوا ہے۔ یہ تمام فضول باتیں ہیں اور ان کا کوئی مطلب نہیں۔ تاہم کل ہمیں کس شے کا سامنا ہو گا؟ دس کروڑ مختلف امکانات کا، جن کا فیصلہ موقع پر ہی ہو جائے گا کہ ہم بھاگتے ہیں یا وہ، یہ شخص ہلاک ہوتا ہے یا وہ۔ تاہم اس وقت تک جو کچھ ہو رہا ہے وہ صرف تفریح ہے اور پکی بات یہ ہے کہ جن لوگوں کے ساتھ تم نے آج محاذ جنگ کا چکر لگایا ہے اور فوج کی ترتیب و تقسیم کا معائنہ کیا ہے وہ نہ صرف معاملات میں کوئی مدد نہیں دے رہے بلکہ ان کی انجام دہی میں رکاوٹیں بھی ڈال رہے ہیں۔ انہیں صرف اپنے مفادات سے غرض ہے"

پیری ناپسندیدگی سے کہنے لگا "اس موقع پر؟"

شہزادہ آندرے نے اس کے الفاظ دہرائے اور کہنے لگا "ہاں، اسی موقع پر۔ ان کے خیال میں یہی موقع ہے جب حریف کے پاؤں سے زمین سرکائی جا سکتی ہے یا انعام میں کوئی مزید تمغہ یا فیتہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ میرے خیال

میں کل کا مطلب یہ ہے کہ ایک لاکھ فرانسیسی اور ایک لاکھ روسی سپاہی جنگ کیلئے جمع ہوئے ہیں۔ درحقیقت دو لاکھ انسانوں کی جنگ ہو گی اور زیادہ شدت سے لڑنے اور اپنے آپ کو بچانے کی کم فکر کرنے والا ہی کامیاب ہو گا۔ اگر تم جاننا چاہتے ہو تو میں تمہیں بتائے دیتا ہوں کہ خواہ کوئی واقعہ ہی پیش کیوں نہ آ جائے اور اوپر بیٹھے لوگ کتنے مسائل کیوں نہ پیدا کر لیں، کل کی جنگ میں فتح ہمارے ہی قدم چومے گی، خواہ کچھ بھی ہو جائے کل ہم ہی کامیاب ہوں گے"

تیموخن نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا "جناب عالی نے بالکل درست کہا، بالکل درست، اب اپنے آپ کو بچانے کی فکر کون کر رہا ہے۔ یقین کیجئے کہ میری بٹالین کے سپاہی واڈکا کو چھونے کے بھی روادار نہیں، ان کا کہنا ہے کہ اب اس کا وقت نہیں بچا"

تمام لوگ خاموش ہو گئے۔

افسر اٹھ کھڑے ہوئے۔ شہزادہ آندرے ایجوٹنٹ کو آخری احکامات دیتا ہوا ان کے ساتھ چھپر سے باہر چلا گیا۔ جب افسر واپس چلے گئے تو پیری شہزادہ آندرے کے قریب ہو گیا۔ وہ اس سے بات چیت شروع کرنے ہی والا تھا کہ انہیں چھپر سے کچھ دور سڑک پر تین گھوڑے بھاگنے کی آواز سنائی دی۔ شہزادہ آندرے نے گھوم کر دیکھا اور ولزوگن اور کلازوٹز کو پہچان لیا۔ ایک قازق ان کے ساتھ تھا اور وہ آپس میں بات چیت کرتے چلے جا رہے تھے۔ وہ شہزادہ آندرے اور پیری کے قریب سے گزرے تو بھی ان کی بات چیت جاری رہی۔ گفتگو کا کچھ حصہ انہوں نے بھی سن لیا۔

دونوں میں سے ایک جرمن زبان میں کہہ رہا تھا "جنگ وسیع رقبے پر پھیلا دینی چاہئے۔ یہ میرا موقف ہے اور میں اسے ہر جانب پھیلاتا رہوں گا"

دوسرے نے کہا "چونکہ ہمارا مقصد دشمن کو کمزور کرنا ہے اس لیے عام شہریوں کو ہونے والے نقصان کی پروا نہیں کرنی چاہئے"

پہلا بولا "قطعاً نہیں"

وہ گزر گئے تو شہزادہ آندرے غصے میں ناک پھلا کر بولا "جنگ وسیع رقبے پر پھیلا دینی چاہئے! ان کے اس وسیع رقبے پر میرا ایک باپ، ایک بیٹا اور ایک بہن تھی، مگر انہیں اس سے کیا غرض، ان کے لیے تو سب برابر ہے۔ یہی بات ابھی میں تم سے کہہ رہا تھا، ان جرمنوں نے کل کی جنگ تو کیا جیتنی ہے البتہ کام خراب ضرور کر دیں گے کیونکہ ان جرمنوں کے ذہنوں میں صرف باتیں بھری ہیں اور کچھ نہیں۔ یہ فضول باتیں ہیں اور کل جس شے کی ضرورت ہے وہ ان دلوں میں موجود نہیں، مگر وہ تیموخن کے دل میں موجود ہے۔ انہوں نے تمام یورپ اسے ہتھیلی پر رکھ کر دے دیا ہے اور اب ہمیں سمجھانے چلے آئے ہیں۔ کس قدر عمدہ استاد ہیں" اس کی آواز ایک مرتبہ پھر تیز ہو گئی۔

پیری نے کہا "تو پھر تم کہتے ہو کہ کل ہونے والی جنگ ہم جیتیں گے؟"

شہزادہ آندرے نے بے دھیانی سے جواب دیا "ہاں، بالکل، اگر میں بااختیار ہوتا تو ایک کام کرتا کہ قیدی کبھی نہ بناتا۔ آخر قیدی کیوں بنائے جاتے ہیں؟ یہ بہادری کے دور کی باتیں ہیں۔ فرانسیسیوں نے میرا گھر تباہ کر دیا ہے اور اب وہ ماسکو کو ملیا میٹ کرنے جا رہے ہیں۔ انہوں نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا ہے اور ہر لمحے ہاتھ اٹھائے چلے جا رہے ہیں۔ وہ میرے دشمن ہیں اور میرے خیال میں وہ سب غلط ہیں۔ تیموخن اور تمام فوج کی بھی یہی سوچ ہے۔ انہیں سزا ضرور ملنی چاہئے۔ تلسٹ میں خواہ کچھ ہی کیوں نہ کہا گیا ہو، چونکہ وہ میرے دشمن ہیں اس لیے دوست ہو ہی نہیں سکتے"

پیری نے آندرے کو روشن آنکھوں سے دیکھا اور کہنے لگا "ہاں، بالکل ایسے ہی ہے، میں تم سے پوری طرح

اتفاق کرتا ہوں"

پیری کو یوں لگا جیسے موزیسک پہاڑی پر اور بقیہ تمام دن اسے پریشان کرنیوالا سوال اب واضح طور پر حل ہو گیا ہے اور اس جنگ اور آنیوالے معرکے کے مکمل مطالب اور اس کی اہمیت سمجھ میں آ گئی ہے۔ اس دن وہ جو کچھ دیکھ چکا تھا اور راستے میں چہروں پر جو معنی خیز اور درشت تاثرات دیکھے تھے وہ سب اسے نئی روشنی میں دکھائی دے رہے تھے۔ اسے ان تمام سپاہیوں میں وطن سے محبت کی جو خفتہ حرارت محسوس ہوئی تھی اب اس کا مطلب اس پر واضح ہو گیا اور وہ جان گیا کہ جس دلجمعی اور بظاہر خوشی سے وہ موت کا سامنا کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں وہ دراصل کیا شے ہے۔

شہزادہ آندرے نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا "اگر قیدی بنانا بند کر دیا جائے تو صرف اسی بات سے جنگ کی تمام شکل وصورت بدل کر رہ جائے گی اور یہ اتنی ظالم شے نظر نہیں آئے گی جتنی کہ اب دکھائی دیتی ہے۔ اس صورت میں تو ہم جنگ سے کھیل رہے ہیں اور یہی بری بات ہے۔ ہم دوسروں پر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ ہم بیحد بہادر ہیں اور کمزوروں پر ہاتھ نہیں اٹھاتے، صرف طاقتور سے لڑتے ہیں۔ ایسی عالی ظرفی اور حساس پن اس عورت کی طرح ہے جو بچھڑا ذبح ہوتے دیکھ کر بیہوش ہو جاتی ہے اور خون نہیں دیکھ سکتی مگر اسی بچھڑے کا گوشت مزے لے کر کھاتی ہے۔ یہ لوگ ہمیشہ جنگ کے قوانین، بہادرانہ رویے، امن کے جھنڈوں اور زخمیوں پر رحم کا ڈھنڈورا پیٹتے رہتے ہیں، مگر یہ سب کچھ صرف زبانی کلامی ہے۔ میں نے 1805ء میں بہادرانہ رویہ اور امن کے جھنڈے دیکھے تھے۔ ہم انہیں اور وہ ہمیں دھوکہ دیتے رہے۔ وہ لوگوں کے گھر لوٹتے ہیں، جعلی نوٹ چلاتے ہیں اور سب سے بری حرکت یہ کرتے ہیں کہ ہمارے والدین اور بچوں کو نشانہ بناتے ہیں۔ ڈھٹائی ملاحظہ ہو کہ اس کے بعد جنگی قوانین پر عمل کرنے اور دشمن سے عالی ظرفی کا برتاؤ کرنے کی باتیں کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ قیدی بنانا بند کر دیا جائے، بس مارو اور مر جاؤ، جس طرح کی مصیبتوں کا سامنا کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں، اگر کوئی اور۔۔۔"

شہزادہ آندرے کا خیال تھا کہ جس طرح انہوں نے سمولنسک پر قبضہ کیا ہے اسی طرح ماسکو پر بھی قبضہ کر لیں تو اس سے کچھ نہیں ہو گا۔ اب اسے اچانک یوں لگا جیسے اس کے گلے کی رگیں سکڑ گئی ہوں اور اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔ پھر اس نے خاموشی سے ادھر ادھر چکر لگائے اور جب وہ دوبارہ بولا تو اس کی آنکھیں بے تابی کے مارے روشن ہو گئی تھیں اور ہونٹ کپکپا رہے تھے۔

وہ کہنے لگا "اگر لڑائی میں ایسے بہادرانہ رویوں کی بنیاد نہ پڑتی تو جس طرح ہم اب جنگ کر رہے ہیں اس طرح کبھی نہ کرتے۔ اس وقت ہم جنگ کا نام صرف اسی صورت میں لیتے جب ہمیں یقین ہو جاتا کہ یقینی موت کا سامنا کرنا کسی اہمیت کا حامل ہے۔ پھر جنگیں صرف اس لیے نہ لڑی جاتیں کہ پاؤل ایوانچ نے میخائل ایوانچ کی بے عزتی کر دی تھی۔ اگر موجودہ جنگ کی طرح کوئی جنگ ہوتی تو اسے صحیح طور سے جنگ کہا جاتا اور اس وقت سپاہیوں کا جوش اور ولولہ بھی کچھ اور ہوتا۔ اس صورت میں ویسٹ فالین اور ہسین باشندے نپولین کے ساتھ کبھی روس کا رخ نہ کرتے اور وجہ معلوم ہونے تک ہم بھی آسٹریا یا پرشیا نہ جاتے۔ جنگ کوئی ہلکی پھلکی تفریح نہیں بلکہ زندگی کی خبیث ترین شے ہے اور ہمیں اسے سمجھ لینا چاہئے اور جنگ نہیں کرنی چاہئے۔ ہمیں اس خوفناک حقیقت کو عقلی طور پر اور سنجیدگی سے دیکھنا چاہئے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ "جھوٹ ترک کر کے جنگ کو جنگ ہی رہنے دیا جائے اور اسے کھیل نہ بنایا جائے" جیسے ہم اب کر رہے ہیں کہ اسے بیکار اور کم ظرف لوگوں کا کھیل بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔۔۔ فوج کی سب سے زیادہ عزت ہوتی ہے اور جنگ کیا چیز ہے؟ جنگ میں فتح کیلئے کس چیز کی ضرورت ہوتی ہے؟ فوجی دنیا کا اخلاقی معیار کیا ہے؟ جنگ کا مقصد

قتل ہے اور اس کیلئے استعمال ہونیوالے ہتھیاروں میں جاسوسی، غداری، غداری پر اکسایا جانا، فوجی ضروریات پوری کرنے کیلئے لوٹ مار، قتل وغارت کے ذریعے لوگوں کی تباہی، چالاکی اور دھوکہ دہی شامل ہیں جنہیں فوجی چالیں کہا جاتا ہے۔ فوجی دنیا کی امتیازی خصوصیات آزادی کا فقدان، زبردستی عائد کی جانیوالے بیکاری، جہالت، ظلم، عیاشی اور شراب نوشی ہیں۔ تاہم ان تمام باتوں کے باوجود اسے سب سے اعلیٰ طبقہ گردانا جاتا ہے اور سبھی اس کی عزت کرتے ہیں۔ چینیوں کے علاوہ دنیا کے تمام شہنشاہ خود بھی فوجی وردی پہنتے ہیں اور اعلیٰ ترین انعام واکرام ان لوگوں کو دیتے ہیں جنہوں نے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو قتل کیا ہوتا ہے"

آندرے نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا "وہ ایک دوسرے کو موت کے گھاٹ اتارنے کے لئے آمنے سامنے آتے ہیں، کل ہم بھی اسی طرح ایک دوسرے کے سامنے آئیں گے۔ وہ ہزاروں انسانوں کو ہلاک کرتے ہیں یا پھر انہیں ہمیشہ کیلئے معذور بنا دیتے ہیں۔ لاشوں کے ڈھیر لگانے کے بعد خدا کا شکر ادا کرتے ہیں اور فتح کا جشن مناتے ہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جتنے زیادہ لوگوں کو ہلاک کیا جائے گا ان کی نیک نامی میں اتنا ہی اضافہ ہو گا۔ ذرا سوچیں، خداوند انہیں کیسے دیکھے اور سنے گا؟" شہزادہ آندرے کی آواز بلند ہو گئی۔ اس نے کہا "آہ میرے دوست، کچھ عرصے سے زندگی میرے لیے بوجھ بن چکی ہے۔ مجھے یوں لگ رہا ہے کہ میں ضرورت سے زیادہ سمجھنے لگ گیا ہوں۔ نیکی اور بدی سے انسان کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔۔۔ آہ، بہر حال یہ صورتحال زیادہ دیر برقرار نہیں رہے گی۔ تمہیں تو نیند آ رہی ہے۔ رات اتنی گزر گئی ہے کہ مجھے بھی جا کر سو جانا چاہئے۔ تم واپس گورکی چلے جاؤ"

پیری نے جواب دیا "او نہیں" اس کی آنکھوں میں رحم اور خوف جھلک رہا تھا۔

آندرے نے کہا "تمہیں ہر صورت چلے جانا چاہئے۔ جنگ سے پہلے جی بھر کر سونے کی ضرورت ہوتی ہے" وہ تیزی سے پیری کی جانب بڑھا اور اسے گلے لگا کر اس کا منہ چوم لیا۔

پھر وہ کہنے لگا "الوداع، جاؤ، ہم آئندہ ملیں گے یا نہیں۔۔۔" وہ تیزی سے چھپر میں چلا گیا۔

اندھیرا چھا گیا تھا اور پیری کو اندازہ نہ ہو سکا کہ شہزادہ آندرے کے چہرے پر غصے کا تاثر تھا یا شفقت جھلک رہی تھی۔

وہ کچھ دیر خاموشی سے وہیں کھڑا رہا۔ وہ کسی فیصلے پر نہیں پہنچ رہا تھا کہ اس کے پیچھے پیچھے اندر چلا جائے یا واپس روانہ ہو جائے۔ پیری نے سوچا "نہیں، وہ ایسا نہیں چاہتا۔ تاہم مجھے علم ہے کہ یہ ہماری آخری ملاقات ہو گی" وہ گہری سانس لے کر واپس گورکی کو چل دیا۔

چھپر تلے آندرے ٹاٹ پر لیٹا تھا اور اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔

اس نے آنکھیں بند کر لیں اور اس کے تصورات میں مختلف تصویریں گردش کرنے لگیں۔ وہ ایک تصویر کے بارے میں کافی دیر تک سوچتا اور خوش ہوتا رہا۔ اسے پیٹرزبرگ کی ایک شام واضح انداز میں یاد آنے لگی۔ نتاشا بیحد جوش وخروش اور خوشی کے عالم میں اسے بتا رہی تھی کہ گزشتہ موسم گرما میں وہ کھمبیاں ڈھونڈنے نکلی مگر جنگل میں راستہ بھول گئی۔ وہ گھنے جنگل میں اپنے احساسات اور شہد کی مکھیوں کے رکھوالے کے بارے میں بے ربط انداز میں بات کر رہی تھی جو اسے راستے میں مل گیا تھا۔ وہ بار بار یہ کہنے کیلئے اپنی بات خود ہی کاٹ دیتی کہ "نہیں، میں نہیں بتا سکتی، میں یہ واقعہ اچھی طرح بیان نہیں کر سکتی، نہیں، آپ کو سمجھ نہیں آئی" شہزادہ آندرے اسے بار بار یقین دلاتا تھا کہ وہ اس کی بات سمجھ رہا ہے اور جانتا ہے کہ وہ کیا بتانے کی کوشش کر رہی ہے۔ مگر نتاشا کو اپنے الفاظ پر اطمینان نہ تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا کہ

اسے اس دن جس قسم کے شدید ترین شاعرانہ جذبات کا تجربہ ہوا وہ انہیں نئے سرے سے تخلیق کرنا چاہتی ہے تاہم الفاظ اس کا ساتھ نہیں دے پا رہے اور وہ اپنی مافی الضمیر درست طور سے بیان نہیں کر سکتی۔ اس نے کہا تھا "بوڑھا اس قدر پرکشش تھا اور جنگ میں اتنا اندھیرا تھا کہ، اور ان کے چہرے پر ایسی مسکراہٹ تھی، نہیں میں درست طریقے سے بیان نہیں کر سکتی" یہ کہہ کر اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ شہزادہ آندرے اب بھی اسی طرح مسکرانے لگا جیسے وہ اس وقت مسکرایا تھا اور نتاشا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا تھا۔ اس نے سوچا "میں نے اس کی بات سمجھ لی تھی اور یہ اس کی باطنی اور روحانی طاقت، خلوص اور معصومیت ہی تھی جس سے مجھے اتنا پیار تھا اور میں اس پر مرمٹا تھا۔ یوں دکھائی دیتا تھا جیسے اس کی یہ روحانی خوبیاں اس کے جسم کا جزو لاینفک ہیں اور انہیں اس سے علیحدہ کرنا ممکن نہیں۔ اسی لیے میں اس سے محبت کرتا اور خوش ہوتا تھا" پھر اچانک اسے یاد آیا کہ کس شے نے اس کی محبت کا خاتمہ کر دیا تھا۔ اسے ان چیزوں کی کوئی پروا نہ تھی۔ اسے ایسی کوئی شے دکھائی دی نہ وہ اسے سمجھ پایا۔ اس کے نزدیک وہ صرف خوبصورت، صحتمند اور نوخیز لڑکی تھی جس کے ساتھ اس نے اپنی قسمت وابستہ کرنا اپنی شان کے خلاف سمجھا۔۔۔ اور میں؟۔۔۔ اور وہ ابھی تک زندہ ہے اور زندگی سے لطف اندوز ہو رہا ہے"

یہ سوچ کر شہزادہ آندرے کچھ اس طرح تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا جیسے اس کے جسم پر گرم پانی ڈال دیا گیا ہو اور اس نے ایک مرتبہ پھر چھپر میں چکر لگانا شروع کر دیئے۔

(26)

بورودینو کی جنگ سے ایک دن پہلے 25 اگست کو فرانسیسی شہنشاہ کے محل کا نگران ڈی بیسٹ اور کرنل فیبو یئر میڈرڈ سے والیوف میں نپولین کی جائے قیام پر پہنچے۔

ڈی بیسٹ نے درباری لباس زیب تن کرنے کے بعد حکم دیا کہ وہ شہنشاہ کیلئے جو صندوق لایا ہے وہ اس کے پاس لایا جائے اور وہ نپولین کے خیمے کے بیرونی حصے میں چلا گیا۔ وہاں اس نے صندوق کھولنا شروع کر دیا اور اس کے ساتھ ساتھ نپولین کے ایجوٹنٹوں سے گفتگو میں مشغول ہو گیا جنہوں نے اسے گھیرے میں لے لیا تھا۔

فیبو یئر خیمے سے باہر ہی رہا اور اپنے چند واقف کار جرنیلوں سے بات چیت کرتا رہا۔

شہنشاہ نپولین ابھی تک اپنی خوابگاہ سے باہر نہیں نکلا تھا۔ وہ نہا دھو رہا تھا اور اس نے ہلکے پھلکے انداز سے کھنکار کر ناک سے آوازیں نکالتے ہوئے اپنی کمر اور پھر اپنی موٹی اور بالوں بھری چھاتی برش کے سامنے کر دی جس کی مدد سے اس کا ذاتی خدمتگار اس کا جسم رگڑ رہا تھا۔ ایک اور خادم بوتل کے منہ پر انگلی رکھے شہنشاہ کے جسم پر خوشبو چھڑکنے میں مصروف تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ صرف اسے ہی علم ہے کہ خوشبو کتنی اور کہاں استعمال کرنی ہے۔ نپولین کے چھوٹے اور پانی میں بھیگے بال اس کے ماتھے کو ڈھکے ہوئے تھے تاہم اس کے زرد اور پھولے ہوئے چہرے سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ جسمانی اعتبار سے بالکل مطمئن ہے۔

اس نے جسم پر برش پھیرنے والے خادم سے کھنکارتے ہوئے غرا کر کہا "جاری رکھو، زور سے، جاری رکھو۔۔۔" یہ کہتے ہوئے اس کے جسم کی رگیں تن گئیں۔

ایک ایجوٹنٹ اسے یہ بتانے آیا کہ گزشتہ روز کی لڑائی میں کتنے فوجی قیدی بنائے گئے اور وہ اپنا پیغام پہنچانے کے بعد دروازے کے قریب کھڑا واپسی کی اجازت کا منتظر تھا۔ نپولین نے منہ بنا کر اسے غصے سے دیکھا اور کہنے لگا "کوئی

قیدی نہیں، وہ ہمیں مجبور کر رہے ہیں کہ ہم انہیں سرے سے ختم کر دیں، ہمارا کیا جاتا ہے، نقصان تو روسی فوج کا ہوگا۔ جاری رکھو، اور زور سے۔۔۔" اس نے اپنی کمر جھکا کر توانا کندھے خدمتگار کے سامنے کر دیئے۔ پھر وہ گردن جھکائے ایجوٹنٹ سے بولا "ٹھیک ہے، ڈی بیسٹ اور فیبو یئر کو یہیں بلا لو"

ایجوٹنٹ نے جواب دیا "جی حضور!" اور دروازے میں غائب ہو گیا۔

دونوں خادموں نے تیزی سے شہنشاہ کو گارڈز کی نیلی وردی پہنائی اور نپولین تیزی سے بیرونی کمرے میں چلا گیا۔

اسی دوران ڈی بیسٹ دروازے کے سامنے دو کرسیوں پر وہ تحفے سجا رہا تھا جو ملکہ نے بھیجے تھے مگر نپولین نے لباس بدلنے اور باہر آنے میں اتنی جلدی دکھائی کہ ڈی بیسٹ کو تحفوں کی درست طور سے نمائش کرنے اور اسے حیرت میں مبتلا کرنے کا وقت ہی نہ مل سکا۔

نپولین کو فوری احساس ہو گیا کہ ان تحفوں کا کیا مطلب ہے اور اسے یہ بھی اندازہ ہو گیا کہ انہیں ابھی تک ترتیب سے نہیں رکھا جا سکا۔ وہ انہیں اس خوشی سے محروم نہیں کرنا چاہتا تھا جو انہیں اسے حیران کر کے حاصل ہوتی تھی۔ چنانچہ اس نے یوں ظاہر کیا جیسے ڈی بیسٹ کو دیکھا ہی نہ ہو اور ہاتھ کے اشارے سے فیبو یئر کو اپنے پاس بلا لیا۔ فیبو یئر اسے یورپ کے دوسرے سرے پر سالامانکا میں فرانسیسی فوجوں کی لڑائی کے حوالے سے بتانے لگا۔ اس نے کہا کہ "سپاہیوں پر ایک ہی جذبہ طاری ہے کہ کہیں وہ اسے خوش کرنے میں ناکام نہ ہو جائیں" وہاں ہونے والی جنگ کا نتیجہ حوصلہ افزاء نہ تھا۔ فیبو یئر کی باتوں کے دوران نپولین طنزیہ فقرات کہتا رہا جیسے اس پر یہ باور کرانا چاہتا ہو کہ اسے اپنی عدم موجودگی میں حالات میں یوں خرابی پیدا ہونے کی قطعی توقع نہ تھی۔

نپولین کہنے لگا "میں اس کا بدلہ ماسکو میں لوں گا، تم سے بعد میں ملاقات ہوگی"

اس نے ڈی بیسٹ کو بلایا۔ وہ نپولین کو حیران کرنے والی شے کی تیاری مکمل کر چکا تھا اور اس نے دونوں کرسیوں پر کچھ رکھ کر اسے کپڑے سے ڈھانپ دیا۔

ڈی بیسٹ نے نپولین کو اس طرح جھک کر سلام کیا جس طرح صرف پرانے شاہی خاندان بوربون کے مصاحبین ہی کر سکتے تھے۔ پھر اس نے نپولین کو ایک خط پیش کر دیا جو لفافے میں بند تھا۔

نپولین نے اسے دیکھا اور مذاق کے طور پر اس کا کان دبایا۔

وہ ڈی بیسٹ سے کہنے لگا "تم بہت جلد آئے ہو، مجھے تمہیں دیکھ کر خوشی ہوئی، بہرحال یہ بتاؤ کہ پیرس میں کیا ہو رہا ہے؟" اس کے چہرے پر چھایا خفگی کا تاثر اچانک معدوم ہو گیا تھا اور اس کی جگہ گرمجوشی کا تاثر جھلکنے لگا۔

ڈی بیسٹ نے کہا "حضور! تمام پیرس آپ کی غیر موجودگی میں اداس ہے" یہی موزوں ترین جواب تھا۔

اگرچہ نپولین کو علم تھا کہ ڈی بیسٹ نے ایسی ہی بات کرنا تھی اور ان لمحات میں جب اس پر عقل کا غلبہ ہوتا تو اسے یہ الفاظ غلط محسوس ہوتے تاہم اس وقت وہ یہ بات سن کر بیحد خوش ہوا۔ اس نے ایک مرتبہ پھر ڈی بیسٹ کے کان دبا کر اس کی عزت افزائی کی۔

نپولین بولا "مجھے افسوس ہے کہ تمہیں اسقدر طویل سفر کرنا پڑا"

ڈی بیسٹ نے جواباً کہا "حضور! مجھے امید تھی کہ آپ کو ماسکو سے ادھر ڈھونڈنا مشکل ہوگا"

نپولین مسکرایا اور اس نے لاپروائی سے اپنا سر اٹھا کر دائیں جانب دیکھا۔ ایک ایجوٹنٹ نسوار کی سنہری ڈبیا

اٹھائے آگے بڑھا اور اسے نپولین کی خدمت میں پیش کر دیا۔ نپولین نے ڈبیا تھام لی۔

نپولین نے نسوار کی ڈبیا ناک کے آگے لائی اور کہنے لگا "ہاں، تم بیحد خوش قسمت ہو کہ تمہاری کبھی بات پوری ہوگئی۔ تمہیں سفر کا شوق ہے اور تین روز میں تم ماسکو دیکھ لوگے۔ شاید تمہیں ایشیائی دارالحکومت دیکھنے کی توقع نہ تھی۔ یہ تمہارے لیے خوشگوار دورہ ہوگا"

ڈی بیسٹ نے نپولین کی جانب سے اپنے شوق سفر پر توجہ دیئے جانے پر ایک مرتبہ پھر سر جھکا کر اس کا شکریہ ادا کیا اگر چہ اسے اپنے اس شوق کا پہلے کبھی اندازہ نہیں ہوا تھا۔

نپولین نے پوچھا "ارے، یہ ہمارے لیے کیا شے لائے ہو" اس نے دیکھ لیا تھا کہ مصاحبین کی نگاہیں ڈھکی ہوئی سی شے پر گڑی ہیں۔

ڈی بیسٹ اپنی کمر شہنشاہ کی جانب کئے بغیر تیزی سے پیچھے ہٹا اور تھوڑا سا مڑنے کے بعد ڈھکی ہوئی شے سے کپڑا ہٹا دیا۔ پھر وہ بلند آواز سے بولا "حضور عالی کیلئے ملکہ کا تحفہ"

یہ گیرارڈ کی شوخ رنگوں سے بنائی گئی یک بچے کی تصویر تھی۔ یہ بچہ آسٹریا کے شہنشاہ کی بیٹی کے ہاں پیدا ہوا تھا جس سے نپولینے دوسری شادی کی تھی۔ ہر شخص اسے بلاوجہ "روم کا بادشاہ" کہتا تھا۔

یہ گھنگھریالے بالوں والا خوبصورت بچہ تھا اور اس کی آنکھیں حضرت مریم کی تصویر میں دکھائے جانیوالے کمسن حضرت عیسیٰ کی آنکھوں سے مشابہت رکھتی تھیں۔ تصویر میں اس بچے کو گیند اور چھڑی سے کھیلتے دکھایا گیا تھا۔ گیند زمین اور چھڑی عصائے شاہی کی علامت تھی۔

اس تصویر میں مصور نے روم کے نام نہاد بادشاہ کو جس طرح زمین میں سوراخ کر کے اسے چھڑی سے اٹھائے دکھایا تھا، اس سے مصور کا مقصد تو واضح نہیں ہوتا تھا مگر دیکھنے والے ہر شخص کی طرح نپولین کو بھی یہ تصویر خوبصورت اور قابل فہم دکھائی دیتی تھی۔

وہ تصویر کی طرف باوقار انداز میں اشارہ کرتے ہوئے بولا "روم کا بادشاہ، شاندار!" اٹلی کے ہر شخص کی طرح نپولین بھی ہمہ وقت اپنے چہرے کے تاثرات تبدیل کرنے پر قادر تھا۔ وہ تصویر کی جانب بڑھا اور اس کے چہرے پر تفکر سے بھرپور ملائمت طاری ہوگئی۔ اسے یوں لگا جیسے وہ جو کچھ کہے گا اور کرے گا، وہ تاریخی اہمیت کا حامل واقعہ ہوگا۔ چنانچہ اس کے دل میں خیال ابھرا کہ اس وقت وہ جو بہترین کام کر سکتا ہے وہ پدرانہ شفقت کا اظہار ہوگا۔ جذبات کی شدت سے اس کی آنکھیں بھیگ گئیں اور آگے بڑھ کر کرسی کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھنے لگا (ایک کرسی پیش کر دی گئی جو یوں لگتا تھا خود بخود کہیں سے آگئی ہو) اور تصویر کے سامنے جا بیٹھا۔ اس کے ایک اشارے پر تمام افسر دبے پاؤں کمرے سے باہر چلے گئے اور عظیم شخص کو اپنے جذبات سے نمٹنے کیلئے اکیلا چھوڑ دیا گیا۔ وہ کچھ دیر اسی طرح بیٹھا رہا اور پھر اس نے تصویر کے کھردرے چمکدار حصوں پر انگلی پھیری، مگر کیوں؟ یہ وہ بھی نہیں جانتا تھا اور پھر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے ڈی بیسٹ اور ڈیوٹی افسر کو بلا کر حکم دیا کہ تصویر باہر لے جا کر خیمے کے سامنے رکھ دی جائے تاکہ وہاں تعینات محافظ بھی "روم کے بادشاہ" اور اپنے محبوب شہنشاہ کے بیٹے کو دیکھ سکیں۔

ڈی بیسٹ کے ساتھ ناشتے پر اس نے اولڈ گارڈز کے افسروں اور سپاہیوں کی جذباتی آوازیں سنی جو تصویر دیکھنے بھاگے چلے آئے تھے اور "شہنشاہ زندہ باد، بادشاہ روم زندہ باد، شہنشاہ زندہ باد" کے نعرے بلند کر رہے تھے۔

ناشتے کے بعد ڈی بیسٹ کی موجودگی میں اس نے فوج کے نام اس دن کا پیغام لکھوایا۔ اس نے اپنے لکھوائے گئے مختصر مگر جامع پیغام میں کوئی تبدیلی نہ کی اور اس کی عبارت درج ذیل تھی:

"سپاہیو! تمہیں اس جنگ کی بہت عرصہ سے خواہش تھی۔ جیت کا انحصار تمہی پر ہے اور یہ ہمارے لیے بیحد ضروری ہے۔ اس کی بدولت ہمیں آرام دہ رہائش گاہیں اور اپنے وطن میں جلد واپسی سمیت وہ سب کچھ مل جائے گا جس کی ہمیں ضرورت ہے۔ اپنے فرائض بالکل ویسے ہی ادا کرو جیسے آسٹرلِٹس، فرائیڈ لینڈ، وٹیسک اور سمولنسک میں ادا کئے تھے۔ ایسے کارنامے انجام دو کہ آنیوالی نسلیں ان کا تذکرہ فخر سے کریں اور میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ آپ میں سے ہر ایک کے بارے میں یہ کہا جائے کہ "اس نے ماسکو کے سامنے عظیم جنگ لڑی تھی"

نپولین نے ایک مرتبہ پھر دہرایا "ماسکو کے سامنے!" اس نے سفر کے شوقین ڈی بیسٹ کو ساتھ چلنے کی پیشکش کی اور اٹھ کر گھوڑوں کی جانب بڑھ گیا جو تیار کھڑے تھے۔

ڈی بیسٹ نے نپولین کی دعوت کے جواب میں کہا "حضور عالی! آپ بیحد مہربان ہیں" حالانکہ اس کی آنکھیں نیند کے مارے بند ہوئی جاتی تھیں اور وہ سونا چاہتا تھا۔ اسے صحیح طور سے گھڑ سواری کرنا بھی نہ آتی تھی اور گھوڑے تو اسے بالکل بھی پسند نہ تھے۔

تاہم نپولین مسافر کو اشارہ کر چکا تھا اور مجبوراً ڈی بیسٹ کو گھوڑے پر بیٹھنا پڑا۔ جب نپولین خیمے سے باہر نکلا تو اس کے بیٹے کی تصویر کے سامنے اولڈ گارڈز کی نعرہ بازی اور بھی شدید ہوگئی۔

نپولین نے شان سے تصویر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا "اسے لے جاؤ۔ یہ ابھی اتنا چھوٹا ہے کہ اسے میدان جنگ میں نہیں لانا چاہئے"

ڈی بیسٹ نے گہری سانس لے کر آنکھیں بند کر لیں جو اس امر کی علامت تھی کہ وہ شہنشاہ کے الفاظ کا مفہوم سمجھتا اور ان کا احترام کرتا ہے۔

(27)

نپولین کے مورخین کہتے ہیں کہ اس نے 25 اگست کا تمام دن گھوڑے پر بیٹھے گزارا۔ وہ علاقے کا جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ اپنے مارشلوں کی جانب سے پیش کردہ منصوبوں کا مطالعہ کرتا رہا اور جرنیلوں کو خود احکامات دیتا رہا۔

کولوچا کے ساتھ ساتھ روسیوں کی فوجی پوزیشن میں شیوارڈینو کی گڑھی ہاتھ سے نکلنے کے بعد خلا پیدا ہو گیا تھا اور فوج کا بایاں بازو پیچھے ہٹا لیا گیا۔ کچھ علاقے میں مورچے تھے نہ دریا کی آڑ میسر تھی۔ دوسرے علاقوں کی نسبت یہاں ہموار زمین تھی۔ ہر فوجی وغیر فوجی پر یہ امر واضح تھا کہ فرانسیسی حملے کا زور اسی علاقے میں ہونا چاہئے۔ انسان کے دل میں یہی خیال ابھرتا ہے کہ اس نتیجے پر پہنچنے کیلئے شہنشاہ اور مارشلوں کو خصوصی کوششوں کی ضرورت نہ تھی اور وہ مخصوص بلند ذہنی اہلیت جسے فوجی ذہانت کہا جاتا ہے، اس کی تو بالکل ہی ضرورت نہیں تھی۔ تاہم اس بات کے باوجود یہ واقعہ بیان کرنیوالے تاریخ دانوں نے خود بھی بالکل مختلف انداز سے سوچا۔

نپولین نے گھوڑے پر میدان جنگ کا چکر لگایا اور علاقے پر خوب غور و خوض کیا۔ کبھی وہ تشکیک آمیز اور کبھی پسندیدگی کی نظروں سے سر ہلاتا تھا۔ اس نے اپنے فیصلوں کیلئے دل میں جو دلائل جمع کئے ان کے بارے میں اپنے ساتھ وجود جرنیلوں کو کچھ نہ بتلایا اور صرف احکامات کی صورت میں انہیں اپنے فیصلوں سے آگاہ کر دیا۔ جب ڈاؤسٹ

نے، جسے اب نواب ایکموہل کہا جاتا تھا، یہ تجویز دی کہ روسیوں کے بائیں پہلو کو موڑ دیا جائے تو نپولین بولا "نہیں، اس کی ضرورت نہیں" تاہم اس نے یہ نہ بتایا کہ اس کی کیوں ضرورت نہیں۔ اس کی بجائے جب جنرل کومپینز (جسے مورچوں پر حملہ کرنا تھا) نے کہا کہ وہ اپنا ڈویژن جنگل سے گزارے گا تو نپولین نے اس کی بات پر صاد کر دیا حالانکہ نواب ایکمینگن نے کہا تھا کہ ایسا کرنا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔

شیوارڈینو کی گڑھی کے سامنے والے علاقے کا معائنہ کرنے کے بعد نپولین کچھ دیر خاموشی سے بیٹھا غور و فکر کرتا رہا۔ پھر اس نے دو جگہوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ کل روسی مورچوں پر گولہ باری کیلئے وہاں توپیں نصب کر دی جائیں اور ان کے سامنے ان جگہوں کے بارے میں بھی بتا دیا جہاں میدانی توپخانہ لگایا جانا تھا۔

یہ اور ایسے دیگر احکامات دینے کے بعد وہ اپنے خیمے میں واپس چلا آیا اور دوران جنگ فوجوں کی ترتیب و تقسیم کے بارے میں لکھوانا شروع کر دیا۔

اس ترتیب کو فرانسیسی نہایت فخر و مباہات سے بیان کرتے ہیں اور یہ درج ذیل تھی:

"صبح ہوتے ہی توپوں کی دو نئی بیٹریاں جنہیں شہزادہ ایکموہل کے زیر قبضہ علاقے میں نصب کیا جائیگا، مخالف سمت میں دشمن کی توپوں پر گولہ باری کریں گی"

"اسی وقت پہلی کور کا توپخانہ جنرل پرنیٹی کے زیر کمان، جنرل کومپینز کے ڈویژن کی تیس توپوں، جنرل ڈیسیکس اور جنرل فرینٹ کے ڈویژنوں کی تمام ہوٹزروں کے ساتھ آگے جائیگا اور دشمن کی توپوں پر گولہ باری شروع کر دے گا۔ یوں دشمن کی ان توپوں کیخلاف درج ذیل توپیں کارروائی کریں گی"

گارڈز کے توپخانے کی 24 توپیں

کومپینز کے ڈویژن کی 30 توپیں، اور

فرینٹ اور ڈیسیکس کے ڈویژن کی 8 توپیں

ٹوٹل 62 توپیں

"تیسری کور کے توپخانے کا کمانڈر جنرل فوشے تیسری اور آٹھویں کور کی 16 ہوٹزریں ان توپوں کے ساتھ نصب کرے گا جنہوں نے دشمن کے بائیں پہلو کے مورچوں پر گولہ باری کرنا ہے۔ اس طرح بیٹری میں چالیس مزید توپیں اور ہوٹزریں شامل ہو جائیں گی"

"جنرل سوربیر تیار رہے گا اور احکامات کا پہلا لفظ سنتے ہی گارڈز کے توپخانے کی تمام ہوٹزروں کے ساتھ دشمن کے مورچوں پر حملہ کرے گا"

"توپوں کی گولہ باری کے دوران شہزادہ پونیاتوسکی جنگل سے گزر کر گاؤں کی طرف بڑھے گا اور دشمن کی پوزیشن کو تباہ کر دے گا"

"دائیں پہلو کی توپوں کی گولہ باری سنائی دیتے ہی بائیں پہلو کی توپیں بھی فائرنگ شروع کر دیں گی نیز موراںڈ اور وائسرائے کے ڈویژن سے تعلق رکھنے والے ماہر نشانہ باز دائیں پہلو کا حملہ دیکھتے ہی فائرنگ شروع کر دیں گے"

"وائسرائے گاؤں میں دشمن کی پوزیشنوں پر قبضہ کرے گا اور اس کے تین پلوں سے اپنی فوج گزار کر موراںڈ

اور گیرارڈ کے ڈویژنوں تک جائے گا اور پھر یہ تمام اس کے زیر قیادت مورچے کی طرف بڑھیں گے اور فوج کے دیگر دستوں کے برابر صفیں بنالیں گے"

"یہ سب کچھ نظم و ضبط کے دائرے میں رہتے ہوئے کیا جائے اور جتنا ممکن ہو سکے فوجی دستوں کو بلاوجہ لڑائی میں شامل کرنے کی بجائے انہیں محفوظ رکھا جائے"

شاہی کیمپ نزد موزیسک، 6 ستمبر، 1812

اگر نپولین کو غیر معمولی شے نہ سمجھا جائے تو فوجوں کی یہ ترتیب و تقسیم انتہائی پیچیدہ دکھائی دے گی۔ یہ ترتیب چار احکامات پر مشتمل تھی اور ان میں سے کسی ایک پر بھی عمل نہ ہوا اور ہو بھی نہیں سکتا تھا۔

ہدایات کے پہلے مرحلے میں کہا گیا ہے کہ "نپولین کی منتخب کردہ جگہوں پر نصب کی جانیوالی توپوں کے ساتھ ساتھ پرنیٹی اور فوشے نے بھی اپنی توپیں لگانا تھیں اور ان کی مجموعی تعداد ایک سو دو تھی۔ ان تمام توپوں نے روسی فوج کے مورچوں پر گولہ باری کرنا تھی اور ایسا ہونا ممکن نہیں تھا کیونکہ نپولین کے منتخب کردہ مقامات سے روسی مورچوں تک گولے نہیں پہنچ سکتے تھے اور اس طرح ان ایک سو دو توپوں سے کی جانیوالی گولہ باری کا کوئی فائدہ نہ ہوا۔ وہ اسی وقت موثر ثابت ہوئیں جب میدان جنگ میں موجود کمانڈروں نے نپولین کے احکامات کے برعکس انہیں آگے بڑھا دیا۔

نپولین کی دوسری ہدایت یہ تھی کہ پونیاتوسکی جنگل میں سے گزر کر گاؤں کی جانب بڑھے گا اور روسیوں کے بائیں پہلو کو تباہ کر دے گا، تاہم ایسا ہونا ممکن تھا نہ ہوا کیونکہ جب پونیاتوسکی جنگل سے گزر کر گاؤں کی طرف بڑھا تو اس کا سامنا تچکوف کے دستوں سے ہو گیا۔ روسیوں نے اس کا راستہ روک لیا اور اس طرح وہ دشمن کی پوزیشنوں کو تباہ کرنے کے قابل نہ رہا۔

تیسری ہدایت کے مطابق جنرل کومپینز نے جنگل سے گزر کر پہلے روسی مورچے پر قبضہ کرنا تھا۔ کومپینز کا ڈویژن اس مورچے پر قابض نہ ہو سکا کیونکہ جب وہ جنگل سے نکلا تو اسے گولہ باری کا سامنا کرنا پڑا اور نئے سرے سے صفیں بنانا پڑیں اور نپولین کو اس کا علم نہ تھا۔

چوتھے حکم میں یہ کہا گیا تھا کہ وائسرائے کا ڈویژن گاؤں (بوروڈینو) پر قبضہ کرے گا اور اس کے تینوں پلوں سے اپنی فوج گزار کر موراںڈ اور فرینٹ کی فوجوں کے ساتھ ساتھ آ جائے گا اور پھر یہ تمام ڈویژن مل کر اس کی قیادت میں گڑھی پر حملہ کریں گے اور دیگر فوج کے برابر آ جائیں گے۔

اگر سوچا جائے تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ وائسرائے کو بائیں جانب گاؤں سے گزر کر گڑھی تک پہنچنا تھا جبکہ موراںڈ اور فرینٹ کے ڈویژنوں نے محاذ سے اکٹھے آگے بڑھنا تھا، اور یہ بات پیچیدہ عبارت سے اتنی واضح نہیں ہوتی جتنی کہ وائسرائے کی جانب سے احکامات کی تعمیل سے واضح ہوتی ہے۔

اسی طرح فوجوں کی ترتیب و تقسیم کے دیگر نکتوں پر بھی عمل ہو سکتا تھا نہ ہوا۔ وائسرائے بوروڈینو سے تو گزر گیا مگر وہاں سے اسے کولوچا تک پیچھے دھکیل دیا گیا اور اس کیلئے آگے بڑھنا ممکن نہ رہا۔ موراںڈ اور فرینٹ کے ڈویژن بھی مورچے پر قابض نہ ہو سکے اور انہیں پسپا کر دیا گیا۔ اس گڑھی یا مورچے پر صرف جنگ کے آخر میں گھڑسوار دستے نے قبضہ کیا (نپولین نے اس حملے کا سوچا تھا نہ اسے کوئی اطلاع ملی) سو فوجوں کی ترتیب و تقسیم کے کسی بھی حکم پر عمل ہوا نہ ہو سکتا تھا۔ ترتیب اور حکمت عملی کے اعلان میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ کارروائی انہی خطوط پر شروع ہوگی اور بعد میں دشمن

کی حرکات کے مطابق مزید احکامات جاری کیے جائیں گے۔ اس سے شاید یہ سمجھ لیا جائے کہ جنگ میں تمام اقدامات نپولین نے ہی کرنا تھے تاہم ایسا نہیں ہوا اور ہو بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ جنگ میں نپولین اسقدر دور کھڑا تھا (جیسا کہ بعد میں علم ہوا) کہ اسے لڑائی کی ہر لحہ بدلتی صورتحال کا علم ہی نہیں ہو سکتا تھا اور جنگ کے دوران اس کے ایک حکم پر بھی عمل نہ ہو سکا۔

(28)

کئی تاریخ دان یہ کہتے ہیں کہ فرانسیسی بورو ڈینو کی جنگ اس لیے نہ جیت سکے کہ نپولین کو نزلہ ہو گیا تھا اور اگر اسے نزلہ نہ ہوا ہوتا تو اس نے جنگ سے پہلے اور دوران جنگ جو ہدایات دیں ان سے اس کی ذہانت کا مزید ثبوت مل سکتا تھا۔ روس تباہ و برباد ہو جاتا اور دنیا کا نقشہ بدل جاتا۔ وہ تاریخ دان جو روس کی شکل صورت کا ذمہ دار پیٹر اعظم کو ٹھہراتے ہیں اور جن کا یقین ہے کہ فرانس میں جمہوریت کی جگہ شہنشاہیت کو غلبہ ملنے اور فرانسیسی فوج کے روس میں داخلے کا سبب صرف نپولین ہی تھا، انہیں یہ دلیل منطقی دکھائی دے گی کہ روس اس لیے تباہ نہ ہوا کہ نپولین 26 اگست کو نزلے میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اگر بورو ڈینو میں جنگ کا انحصار نپولین کی مرضی پر ہوتا اور اس کے احکامات بھی اس کی مرضی کے تابع ہوتے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس کی مرضی پر اثر انداز ہونے والا زکام ہی روس کی نجات کا سبب بنا اور اس صورت میں نپولین کے اس خدمتگار کو روس کا نجات دہندہ قرار دیا جانا چاہئے جو 24 تاریخ کو اس کے پانی سے بچاؤ والے بوٹ لانا بھول گیا تھا۔ اس طریقے کے مطابق ایسا نتیجہ بعینہ اسی طرح غیر متنازعہ قرار پاتا ہے جس طرح والٹیئر کی یہ بات کہ سینٹ بارتھولومیو کے دن پر ہونیوالے قتل عام کا باعث چارلس نہم کو ہونیوالی بدہضمی تھی۔ والٹیئر نے یہ بات مذاق میں کی اور اسے اس مذاق کا احساس نہیں ہوا تھا۔ تاہم وہ لوگ جو روس کی تشکیل کا ذمہ دار پیٹر اعظم کو قرار نہیں دیتے اور اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ فرانسیسی شہنشاہیت اور روس سے اس کی جنگ کا آغاز صرف نپولین نامی ایک شخص کے ہاتھوں ہوا، انہیں یہ بات انسانی فطرت سے متصادم معلوم ہوتی ہے۔ تاریخی واقعات کی وجوہات کون لوگ بنتے ہیں؟ اس سوال کا ایک اور جواب ہمارے سامنے آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ دنیاوی واقعات عالم بالا میں متعین ہو چکے ہیں اور ان کا انحصار ان واقعات کی تشکیل میں حصہ لینے والے افراد کی مشترکہ خواہش پر ہوتا ہے نیز نپولین جیسے لوگ ان واقعات کو رخ دینے کیلئے جو کردار ادا کرتے ہیں وہ خالصتاً سطحی اور فرضی ہے۔

بظاہر یہ مفروضہ خواہ کس قدر ہی عجیب و غریب کیوں نہ لگے کہ سینٹ بارتھومولیو کے دن پر ہونیوالے قتل عام میں چارلس نہم کی خواہش کارفرما نہیں تھی حالانکہ اسی نے ایسا کرنے کا حکم دیا تھا اور وہ خود بھی یہ سمجھتا تھا کہ ایسا اسی کے حکم پر ہوا، اور یہ مفروضہ کہ بورو ڈینو کے میدان جنگ میں اسی ہزار انسانوں کا قتل نپولین کی مرضی سے نہیں ہوا تھا (حالانکہ جنگ کا حکم بھی اسی نے دیا تھا اور اس کے لڑے جانے کا منصوبہ بھی اسی نے بنایا تھا) خواہ کیسا ہی عجیب و غریب کیوں نہ محسوس ہو، انسانی ایمانداری (جو ہمیں یہ بتاتی ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اگر عظیم نپولین سے بڑا نہیں تو اس سے کمتر انسان بھی نہیں ہے) یہ تقاضا کرتی ہے کہ مسئلے کا یہی حل تسلیم کیا جائے اور تاریخی تحقیق اس کی اچھی طرح تصدیق بھی کر دیتی ہے۔

بورو ڈینو کی لڑائی میں نپولین نے کسی پر گولی چلائی نہ کسی کو ہلاک کیا۔ یہ سب کچھ اس کے فوجیوں نے کیا چنانچہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ قتل و غارت اس کے ہاتھوں نہیں ہوئی۔ بورو ڈینو میں فرانسیسی فوجی روسیوں کے ہاتھوں ہلاک

ہونے اور انہیں ہلاک کرنے کیلئے اس لیے نہیں گئے تھے کہ انہیں اس کا حکم نپولین نے دیا تھا بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس میں ان کی اپنی مرضی کارفرما تھی۔ ان کی نگاہیں ماسکو کی راہ میں رکاوٹ بن جانیوالی روسی فوج پر پڑیں تو بھوکے اور تھکے ماندے فرانسیسی (ان میں پولینڈ، اٹلی اور جرمنی کے فوجی بھی شامل تھے) یہ سمجھنے لگے کہ بوتل کھل چکی ہے اور اب اسے پیا جانا چاہئے۔ اگر اس وقت نپولین انہیں روسیوں کیخلاف لڑنے سے روک دیتا تو وہ خود روسیوں سے بھڑ جاتے کیونکہ اس کے علاوہ کوئی چارہ کار ہی باقی نہیں رہ گیا تھا۔

جب انہوں نے نپولین کا یہ اعلان سنا کہ میدان جنگ میں قتل و غارت کے صلے میں آئندہ آنے والی نسلیں ان کے بارے میں یہ کہیں گی کہ یہ بھی ماسکو کے سامنے جنگ میں شریک تھا تو وہ "شہنشاہ زندہ باد" کے نعرے لگانے لگے۔ اب ان کے پاس چیخ چیخ کر "شہنشاہ زندہ باد" کہنے، جنگ میں چھلانگ لگانے اور لڑنے کے سوا کیا رہا تھا۔ وہ لڑے تاکہ ماسکو میں خوراک حاصل کریں اور فاتحین کی طرح آرام سے بیٹھ سکیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے انسان بھائیوں کو نپولین کی بجائے اپنی مرضی سے ہلاک کیا۔

جنگ کے رخ کا تعین کرنیوالا بھی نپولین نہیں تھا کیونکہ اس کے تو کسی حکم پر بھی پوری طرح عمل نہیں ہو سکا تھا۔ دوران جنگ اسے بالکل علم نہ تھا کہ اس کی نگاہوں کے سامنے کیا ہو رہا ہے۔ سو جس انداز سے انہوں نے ایک دوسرے کا قتل عام کیا اس کا فیصلہ نپولین کی مرضی کی بجائے ان ہزاروں لوگوں کی مرضی کے مطابق ہوا جو جنگ میں شریک تھے۔ نپولین کو صرف یہ محسوس ہو رہا تھا کہ سب کچھ اسی کی مرضی سے ہو رہا ہے لہٰذا باربردار دستوں کے کسی ادنیٰ سپاہی کے زکام کی طرح تاریخی اعتبار سے اس سوال کی کوئی اہمیت نہیں کہ نپولین کو زکام ہوا تھا یا نہیں۔

26 اگست کو نپولین کے زکام کی اہمیت یوں بھی کم ہو جاتی ہے کہ مختلف مصنفین کے یہ دعوے قطعی طور پر غلط ہیں کہ اس نے زکام کی حالت میں اپنی فوجیں جس طرح ترتیب دیں اور دوران جنگ جو ہدایات جاری کیں وہ اس کے سابقہ طریقہ کار کے مطابق نہیں ہیں۔

پہلے بیان کردہ ہدایات اس کی سابقہ ترتیب سے کسی طور کم نہیں ہیں جنہوں نے اسے فتوحات دلائی تھیں بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ ہدایات اس کی پرانی حکمت عملی سے بھی بہتر ہیں۔ دوران جنگ اس کے احکامات اس کے پرانے احکامات سے کمتر نہیں تھے بلکہ مخصوص اعتبار سے اس کی شخصیت کی غمازی کرتے تھے۔ وہ اس لیے بدتر دکھائی دیتے ہیں کہ بورو ڈینو پہلی لڑائی ہے جس میں نپولین کو فتح حاصل نہ ہو سکی۔ ایسی تمام ترتیب اور ہدایات جو کتنی ہی عمدہ کیوں نہ ہوں، اگر ان کا نتیجہ فتح کی صورت میں نہ نکلے تو وہ بیحد خراب لگتی ہیں اور عسکری امور کا ہر ماہر ان پر تنقید کر سکتا ہے۔ بعینہ اگر بری ترتیب اور حکمت عملی فتح پر منتج ہو تو ان کی افادیت ثابت کرنے کیلئے کئی کئی کتابیں لکھ دی جاتی ہیں۔

اوسٹرلٹس کی جنگ کیلئے وے روٹر کا منصوبہ بھی اپنی نوعیت کا منفرد اور مکمل منصوبہ تھا مگر اس پر بھی تنقید کی گئی۔ اس پر تنقید اس لیے کی گئی کہ یہ ہر لحاظ سے مکمل تھا اور اس میں معمولی باتوں پر بھی بیحد توجہ دی گئی تھی۔

اختیارات اور اقتدار کے نمائندے کی حیثیت سے نپولین نے بورو ڈینو میں اپنا کردار اسی اچھے انداز سے ادا کیا جس طرح وہ دیگر جنگوں میں کرتا رہا تھا بلکہ یہاں اس کی کارکردگی پہلے سے کچھ بہتر رہی۔ اس نے جنگ کی رفتار میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ کی اور کسی قسم کی الجھن کا شکار نہ ہوا۔ اس نے کوئی متضاد طرز عمل اختیار کیا نہ گھبرایا نہ میدان جنگ سے بھاگنے کی خواہش کی۔ اس کی بجائے وہ اپنی بے عیب قوت فیصلہ اور عظیم فوجی تجربے کی مدد سے مکمل اطمینان اور پوری اہلیت سے اپنا کردار ادا کرتا رہا اور یہی تاثر دیا کہ تمام کمان اسی کے ہاتھوں میں ہے۔

(29)

نپولین نے فوج کی صفوں کا دوبارہ احتیاط سے جائزہ لینے کے بعد واپسی پر کہا "مہرے بساط پر سج گئے ہیں اور کل کھیل کا آغاز ہو جائے گا"

اس نے پنچ مشروب لانے کا حکم دیا اور ڈی بیسٹ کو بلایا۔ وہ اس سے پیرس کے بارے میں بات کرنے اور ملکہ کے محل میں بعض تبدیلیوں کا خواہشمند تھا۔ اس نے دربار کی تمام تر تفصیلات یاد رکھنے کی جس صلاحیت کا مظاہرہ کیا اس پر محل کا نگران بھی حیران رہ گیا۔

اس نے معمولی باتوں میں دلچسپی ظاہر کی اور ڈی بیسٹ کے شوق سفر کا مذاق اڑانے لگا۔ وہ یوں بات چیت کر رہا تھا جیسے کوئی معروف، تجربہ کار اور پراعتماد سرجن آپریشن سے پہلے اپنی آستینیں چڑھاتے اور ایپرن پہنتے وقت کرتا ہے جبکہ مریض میز پر باندھا جا رہا ہوتا ہے۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ سوچ رہا ہے کہ "ہر شے میرے ہاتھ میں ہے اور میرا ذہن بالکل صاف اور ہر الجھن سے پاک ہے۔ جب کام کا مرحلہ آئے گا تو میں اسے شاندار انداز میں انجام دوں گا۔ تاہم اس وقت میں مذاق کر سکتا ہوں۔ میں جتنا مذاق کروں گا خود کو اتنا ہی پرسکون محسوس کروں گا اور میں جس قدر پرسکون ہوں گا تمہیں اتنا ہی اطمینان ہوگا اور میری حیرت انگیز ذہانت پر حیرانی ہوگی"

نپولین نے پنچ کا دوسرا گلاس ختم کیا اور اگلے دن کیلئے درپیش سنجیدہ کام سے قبل آرام کی غرض سے خیمے میں چلا گیا۔

وہ پیش آنیوالے کام کے بارے میں اسقدر سوچ وبچار کر رہا تھا کہ اسے نیند نہ آئی اور وہ بگڑے زکام کے باوجود تین بجے اٹھ گیا اور ناک صاف کرتا اپنے خیمے کے بڑے حصے میں چلا گیا۔ وہاں اس نے پوچھا کہ کہیں روسی فوج پیچھے تو نہیں ہٹ گئی۔ اسے جواب ملا کہ دشمن کی صفیں وہیں موجود ہیں۔ یہ سن کر اس نے اظہار پسندیدگی کے طور پر سر ہلایا۔

ڈیوٹی پر مامور ایجوٹنٹ خیمے میں آیا۔

نپولین نے اس سے پوچھا "ہاں، راپ! کیا کہتے ہو؟ فتح ہماری ہوگی؟"

راپ بولا "حضور عالی! اس میں شک وشبے کی کیا بات ہے؟"

نپولین نے اس کی جانب دیکھا۔

راپ نے مزید کہا "حضور! کیا آپ کو وہ جملہ یاد ہے جو آپ نے سمولنسک میں کہا تھا 'بوتل کھل چکی ہے اور اب اسے پیا جانا چاہئے'"

نپولین کے ماتھے پر شکنیں پڑ گئیں اور وہ ہاتھ پہ سر جھکائے کچھ دیر خاموش رہا۔

پھر وہ بولا "بیچاری فوج! یہ سمولنسک کی نسبت خاصی کم ہو چکی ہے، راپ! گارڈز تو ٹھیک ہیں ناں؟"

راپ نے جواب دیا "جی ہاں حضور!"

نپولین نے کھانسی کی گولی منہ میں ڈالی اور اپنی گھڑی کی جانب دیکھا۔ اسے نیند نہیں آ رہی تھی اور صبح ہونے میں بھی خاصا وقت باقی تھا۔ مزید ہدایات بھی نہیں تھیں ورنہ انہیں دینے میں ہی وقت گزر جاتا۔ اب احکامات پر عمل ہو رہا تھا۔

اس نے سختی سے پوچھا "کیا گارڈز کی رجمنٹوں میں بسکٹ اور چاول تقسیم کئے جا چکے ہیں؟"

راپ نے جواباً کہا "جی حضور عالی!"

نپولین نے کہا "اور چاول بھی؟"

راپ نے جواب دیا کہ وہ چاولوں کے بارے میں شہنشاہ کا حکم پہنچا چکا ہے مگر نپولین نے اپنا سر یوں ہلایا جیسے اسے اپنی ہدایات پر عملدرآمد کے بارے میں شک وشبہ ہو۔ ایک خدمتگار پنچ لے کر خیمے میں داخل ہوا۔ نپولین نے اسے حکم دیا کہ راپ کیلئے بھی ایک گلاس لایا جائے۔ اس نے خاموشی سے اپنا گلاس پینا شروع کر دیا۔

اس نے گلاس سونگھتے ہوئے کہا "مجھے ذائقہ محسوس ہو رہا ہے نہ خوشبو۔ میں نزلے سے بیحد تنگ آ گیا ہوں۔ وہ دوا کا کہتے ہیں مگر دوا ؤں کا کیا فائدہ ہے؟ ان سے زکام کا علاج تو نہیں ہوتا کورویسارٹ نے مجھے کھانسی کی گولیاں دی تھیں تاہم یہ بیکار ہیں۔ ان ڈاکٹروں کا کیا فائدہ؟ یہ لوگ کوئی علاج نہیں کر سکتے۔ انسانی جسم زندہ رہنے کی مشین ہے اور یہ اسی مقصد کیلئے بنا ہے۔ اس کی فطرت بھی یہی ہے۔ اس میں کسی رکاوٹ کے بغیر زندگی کو رواں دواں رکھا جائے تو یہ اپنا بچاؤ خود کر لیتا ہے۔ تاہم اگر اسے اسی کے حال پر چھوڑ دیا جائے تو یہ اپنی جنگ بہت بہتر انداز سے لڑ سکتا ہے۔ ہمارا جسم ایک بے نقص گھڑی کی مانند ہے جسے ایک خاص مدت کیلئے بنایا گیا ہے۔ اگر گھڑی تیار کرنیوالے کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہو تو وہ اسے نہیں کھول سکتا۔ بس اتنی سی بات ہے"

نپولین کو اشیاء کی تعریف کے تعین کا بیحد شوق تھا۔ جب وہ ایک بار ایسا شروع کر دیتا تو پھر اسے نئی نئی باتیں سوجھنے لگتیں۔ اس کے ساتھ اب بھی یہی ہوا۔ غیر متوقع طور پر اس کے ذہن میں ایک خیال در آیا۔

وہ کہنے لگا "راپ! تم جانتے ہو کہ فوجی فن کیا ہے؟ یہ کسی خاص وقت میں دشمن سے مضبوط ہونے کا فن ہے"

راپ خاموش رہا۔

نپولین نے کہا "کل ہمیں کوتوزوف کا سامنا ہوگا۔ دیکھا جائیگا۔ تمہیں یاد ہے کہ براوناو میں فوجی کمان اسی کے پاس تھی مگر وہ مورچوں کا جائزہ لینے کیلئے ایک بار بھی گھوڑے پر نہیں بیٹھا تھا۔

اس نے گھڑی پر ایک نظر ڈالی۔ چار بجے کا عمل ہوا چاہتا تھا تاہم اسے ابھی تک نیند نہیں آئی تھی۔ پنچ ختم ہو گیا تھا اور اس کے پاس ابھی کوئی کام نہیں تھا۔ وہ کھڑا ہو گیا اور ادھر ادھر ٹہلنے لگا۔ پھر اس نے کوٹ پہنا اور سر پر ہیٹ رکھ کر خیمے سے باہر چل دیا۔ رات سیاہ اور ٹھنڈی تھی۔ ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی تاہم یہ اتنی ہلکی تھی کہ اس کا بمشکل احساس ہوتا تھا۔ قریب ہی فرانسیسی گارڈز کے پڑاؤ میں آگ جل رہی تھی مگر دور روسی فوج کے الاؤ دھوئیں میں ٹمٹماتے دکھائی دیتے تھے۔ ہر طرف خاموشی طاری تھی اور فرانسیسی سپاہیوں کے قدموں کی چاپ اور وردیوں کی سرسراہٹ صاف سنائی دیتی تھی جو اپنے مقامات کی طرف جا رہے تھے۔

نپولین اپنے خیمے کے سامنے ادھر ادھر ٹہلتا رہا۔ وہ روشن آگ کو دیکھ رہا تھا اور قدموں کی آوازیں سن رہا تھا۔ وہ اپنے خیمے کے سامنے پہرہ دیتے ایک محافظ کے قریب آ کر ٹھہر گیا۔ اس سنتری نے اونی ٹوپی پہن رکھی تھی اور نپولین کو دیکھ کر مزید تن گیا تھا۔

نپولین نے اس سے پوچھا "تم کس سال بھرتی ہوئے؟" اس کے لہجے میں فوجیوں کی مخصوص درشتی اور نرمی کا ملا جلا انداز نمایاں تھا۔ سپاہی نے جواب دیا۔

نپولین اس کی بات سن کر بولا "آہا، پرانے ہو۔ کیا تمہاری رجمنٹ کو چاول مل گئے تھے؟"

سپاہی بولا "جی حضور!"

نپولین نے اظہار پسندیدگی کے طور پر سر ہلایا اور آگے بڑھ گیا۔

صبح ہوتے ہی نپولین گھوڑے پر شیوارڈینو کی طرف چل دیا۔ رات کا اندھیرا کافور ہو رہا تھا اور روشنی پھیلنے لگی تھی۔ مشرقی جانب آسمان پر بادل کا ایک ہی ٹکڑا موجود تھا۔ صبح کی ہلکی روشنی میں فوجیوں کے کیمپوں کے گرد آگ بجھنے کے قریب تھی اور کوئی شخص سامنے نہ تھا۔

دائیں جانب توپ کا ایک گولہ چلنے کی آواز سنائی دی اور یہ آواز چہار جانب پھیلی خاموشی میں ڈوب گئی۔ چند منٹ بعد دوسرے اور پھر تیسرے گولے کی آواز آئی اور فضا میں بھونچال سا آ گیا۔ دائیں جانب کہیں قریب ہی چوتھی اور پھر پانچویں توپ چلی۔

شروع میں چلنے والے گولوں کی آوازوں کی گونج تھمنے سے پہلے ہی دوسری توپیں آگ اگلنے لگیں اور گولہ باری کی شدت بڑھتی چلی گئی۔ آوازیں ایک دوسرے میں گھل مل رہی تھیں۔

نپولین اپنے عملے سمیت شیوارڈینو مورچے کے قریب پہنچ گیا۔ کھیل شروع ہو چکا تھا۔

(30)

پیری شہزادہ آندرے سے ملاقات کے بعد واپس گورکی آیا اور اپنے سائیس کو گھوڑے تیار رکھنے اور خود کو صبح سویرے جگانے کا حکم دے کر کونے میں ایک پردے کے پیچھے سو گیا۔

اگلی صبح وہ اٹھا تو ہر شخص جا چکا تھا اور جھونپڑی نما مکان خالی تھا۔ چھوٹی چھوٹی کھڑکیوں کے پٹ کھڑکھڑا رہے تھے اور اس کا سائیس اسے زور زور سے ہلانے میں مصروف تھا۔ وہ کہہ رہا تھا "جناب عالی! جناب عالی! جناب عالی!۔۔۔ وہ پیری کی جانب دیکھتے ہوئے یوں زور زور سے اسے ہلائے جاتا تھا جیسے اسے پیری کے جاگنے کی کوئی امید نہ ہو۔

پیری نیند کی حالت میں بڑبڑایا "کیا ہوا؟ کیا شروع ہو گئی؟ کیا وقت ہے؟" وہ اٹھ گیا۔

سائیس جو پرانا سپاہی تھا بولا "جناب عالی! فائرنگ شروع ہو چکی ہے، آوازیں آ رہی ہیں" تمام لوگ جا چکے ہیں، ہز ہائی نس تو بہت پہلے چلے گئے تھے، وہ گھوڑے پر تھے"

پیری نے فوری طور لباس بدلا اور بھاگ کر ڈیوڑھی میں چلا گیا۔ باہر مطلع صاف تھا اور فضا میں شبنم کی نمی تھی۔ سورج بادل کی اوٹ سے برآمد نہیں ہوا تھا۔ اس کی کرنیں بادلوں میں شگاف ڈالتی سامنے مکانوں کی چھتوں، دیواروں، سڑک کی نم آلودہ گرد اور پیری کے گھوڑوں پر پڑ رہی تھیں جو مکان کے سامنے کھڑے تھے۔ باہر کھلے آسمان کے نیچے توپوں کی آوازیں زیادہ واضح طور پر سنائی دے رہی تھیں۔ گھوڑے پر سوار ایک ایجوٹنٹ اپنے قازق کیساتھ تیزی سے گزرا اور جاتے جاتے پیری سے کہا "نواب! وقت ہو گیا، وقت ہو گیا ہے!"

پیری نے اپنے سائیس کو گھوڑا لے کر اپنے پیچھے پیچھے آنے کا حکم دیا اور خود گلی میں پیدل اس ٹیلے کی طرف چل دیا جہاں گزشتہ روز اس نے میدان جنگ کا معائنہ کیا تھا۔ وہاں فوجی افسروں کا ہجوم تھا۔ پیری نے عملے کے ارکان کو فرانسیسی زبان میں باتیں کرتے سنا۔ اسے وہاں کوتوزوف بھی دکھائی دیا۔ اس نے سفید ٹوپی پہن رکھی تھی جس کے گرد سرخ نشان تھا اور اس کی سفید بالوں والی گدی کندھوں کے درمیان جھکی ہوئی تھی۔ کوتوزوف دوربین سے سامنے

سڑک پر نگاہیں جمائے کھڑا تھا۔

پیری نے ٹیلے کی چوٹی پر چڑھتے ہوئے سامنے دیکھا۔ اس کے سامنے اسقدر خوبصورت منظر تھا کہ وہ ہکا بکا رہ گیا۔ یہ وہی وسیع منظر نامہ تھا جس کی اس نے گزشتہ روز دل ہی دل میں تعریف کی تھی اور اب وہ فوجیوں سے بھرا ہوا تھا۔ توپوں سے نکلنے والے دھوئیں نے اس پر چادر سی تان دی تھی۔ پیری کی بائیں طرف اوپر اٹھنے والے چمکتے سورج کی ترچھی کرنوں نے شفاف صبح کو اپنی گلابی سنہری روشنی سے ڈھک رکھا تھا جس میں کہیں کہیں سیاہ سایوں کے نشانات دکھائی دے رہے تھے۔ دور دکھائی دینے والے جنگل جو اس لمبے چوڑے منظر کی حد بندی کرتے تھے، یوں لگ رہے تھے جیسے انہیں زردی مائل سبز پتھروں سے تراشا گیا ہو۔ منظر کے لہراتے بیرونی خطوط میں والیوف گاؤں سے آگے سمولنسک کی سڑک نے شگاف ڈال رکھا تھا جہاں اس وقت فوجی دکھائی دے رہے تھے۔ چہار جانب فوجی ہی فوجی تھے۔ تمام منظر زندگی سے بھرپور تھا۔ دوبارہ ایسا منظر دیکھنے کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی مگر پیری کو سب سے زیادہ میدان جنگ، بوروڈینو اور کولوچا کی دونوں جانب تنگ گھاٹیوں اور وادیوں کا منظر تھا جس میں ندی نالے بہتے تھے

کولوچا، بوروڈینو اور اس کی دونوں اطراف کے اوپر ہلکی دھند چھائی تھی۔ چمکتی دھوپ میں یہ دھند پھیلتی اور روشن ہوتی جاتی تھی۔ اس میں سے دکھائی دینے والی ہر شے یوں لگتی تھی جیسے اسے جادوئی طریقے سے رنگین کر دیا گیا ہو اور اس کے خدوخال واضح ہو گئے ہوں۔ توپوں کا دھواں دھند میں گھل مل رہا تھا۔ تمام زمینی منظر پر سورج کی کرنیں پیادہ فوج کی سنگینوں کو چمکا رہی تھیں۔ شفاف دھند میں سفید گرجا گھر، چند مکانوں کی چھتیں، فوجیوں کے گروہ اور گولہ بارود کے سبز صندوقچے اور توپیں صاف دکھائی دیتی تھیں۔ دھند اور دھواں مسلسل حرکت میں تھے مگر یوں لگتا تھا جیسے ان کی کوئی منزل نہیں ہے۔ ان کے ساتھ ساتھ ہر شے حرکت کرتی تھی یا کرتی دکھائی دیتی تھی۔ جس طرح دھند نے بوروڈینو کی قریبی گھاٹیوں اور وادیوں کو چھپا رکھا تھا اسی طرح اوپر اور آگے بائیں جانب دور میدان جنگ کے ساتھ ساتھ جنگلوں، کھیتوں، وادیوں، اونچائیوں اور پہاڑی چوٹیوں پر دھوئیں کے بادل یوں بلند ہو رہے تھے جیسے نجانے کہاں سے آ رہے ہوں۔ یہ بادل اکیلے، جھنڈوں اور مختلف اشکال میں پھیلتے ہوئے آنکھوں سے اوجھل ہوتے چلے جاتے تھے۔ یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے کہ منظر کی خوبصورتی دھوئیں کے ان مرغولوں اور توپوں کی آواز کی مرہون منت تھی تاہم ایسا ہی تھا۔

ٹھا! اچانک دھوئیں کا ایک گولہ فضا میں گیا۔ اس کا رنگ جامنی سے سرمئی اور پھر دودھیا سفید ہو گیا۔ ایک لمحے بعد دھماکے کی آواز سنائی دی۔

ٹھا! ٹھا! دھوئیں کے دو مزید بادل اوپر اٹھے اور ایک دوسرے سے ٹکرا کر باہم مل گئے۔ فوراً ہی دو مزید دھماکوں کی آوازیں سنائی دیں اور آنکھوں نے جو کچھ دیکھا اس کی کانوں سے تصدیق ہو گئی۔

پیری نے پیچھے مڑ کر دھوئیں کے مرغولے کی جانب دیکھا۔ ایک لمحہ پہلے اس مرغولے کا دھواں کثیف اور ٹھوس گیند جیسا تھا۔ اب اس کی جگہ دھوئیں کے بڑے بڑے غباروں نے لے لی تھی اور وہ ایک جانب پھر رہے تھے۔ ٹھا! ٹھا! ٹھا! پہلے تین اور پھر چار مزید گولے فضا میں بلند ہوئے۔ جب دھوئیں کا کوئی مرغولہ اوپر اٹھتا تو اس کے جواب میں اتنے ہی وقفے سے دھماکے کی ٹھوس اور شاندار آواز سنائی دیتی۔ کبھی یوں لگتا جیسے دھوئیں کے یہ بادل آسمان کی سطح پر تیزی سے بھاگ رہے ہیں اور کبھی یوں محسوس ہوتا جیسے وہیں جم کر رہ گئے ہیں جبکہ کھیت، جنگل اور جگمگاتی سنگینیں ان سے آگے نکل گئی ہیں۔ بائیں جانب کے کھیتوں اور جھاڑیوں پر دھوئیں کے یہ عظیم بادل مسلسل نمودار ہو رہے تھے اور ان کے ساتھ ساتھ دھماکوں کی خوفناک آوازیں بھی بلند ہو رہی تھیں۔ ان کے قریب ہی پہاڑیوں اور گھاٹیوں میں بندوقوں کا حقیر

حواں بھی اپنا آپ دکھانے کی کوشش کر رہا تھا مگر وہ گول گیند کی شکل اختیار نہیں کرتا تھا البتہ اس کی کمزور آواز ضرور سنائی دے جاتی تھی۔ تڑ تڑ تڑ! بندوقیں مسلسل چیخ رہی تھیں مگر توپوں کی مترنم دھمک کے مقابلے میں ان کی یہ آوازیں خاصی مدھم اور بے آہنگ تھیں۔

پیری کا جی چاہا کہ وہ چمکتی سنگینوں اور توپوں کے قریب پہنچ جائے۔ ہر جانب شور وغل بپا تھا اور نقل وحرکت جاری تھی۔ اس نے کوتوزوف اور اس کے عملے کی جانب دیکھا۔ وہ اپنے تاثرات کا دوسروں کے تاثرات سے موازنہ کرنا چاہتا تھا۔ ان تمام لوگوں کی توجہ بھی میدان جنگ کی طرف تھی اور اس نے سوچا کہ ان کے احساسات بھی میرے جیسے ہیں۔ ہر چہرہ جوش وخروش کی اس خفیہ حرارت سے چمک رہا تھا جو اس نے گزشتہ روز دیکھی تھی اور جس کا مطلب وہ شہزادہ آندرے کے ساتھ اپنی بات چیت میں اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔

کوتوزوف نے اپنے قریب کھڑے ایک جرنیل سے کہا "میرے پیارے ساتھی، جاؤ، مسیح آپ کی حفاظت کرے" یہ کہتے ہوئے اس کی نگاہیں مسلسل میدان جنگ پر لگی تھیں۔

حکم ملنے پر جرنیل پیری کے قریب سے ہو کر ٹیلے سے نیچے جانے لگا۔

جرنیل نے دریافت کرنے پر عملے کے افسر کو تحقی سے کہا "چوک کی جانب"

پیری نے سوچا "میں بھی وہیں جاؤں گا" اور پھر اسی سمت میں چل دیا۔

جرنیل اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا جو اس کا قازق اس کے پاس لایا تھا۔ پیری اپنے سائیس کی جانب بڑھا جو اس کے قریب گھوڑے تھامے کھڑا تھا۔ اس نے سائیس سے "شریف" گھوڑے کے بارے میں پوچھا اور پھر اس پر سوار ہو گیا۔ اس نے گھوڑے کے ایال مضبوطی سے تھام لیے اور اپنی ایڑیوں سے اس کا پیٹ دبایا۔ اسے یوں لگا جیسے اس کی عینک نیچے گر رہی ہوتا ہم وہ ایال چھوڑ سکتا تھا نہ لگام سے ہاتھ ہٹا سکتا تھا۔ وہ جرنیل کے پیچھے گھوڑا دوڑانے لگا۔ افسر اسے دیکھ کر مسکرا دیے۔

(31)

پیری جس جرنیل کے پیچھے گیا تھا وہ پہاڑی کے دامن میں پہنچ کر تیزی سے بائیں طرف ہو لیا اور نظروں سے غائب ہو گیا۔ پیری اپنے آگے جانے والی ایک بٹالین میں شامل ہو گیا۔ اس نے ان سے آگے نکلنے اور دائیں بائیں ہونے کی کوشش کی مگر ہر طرف فوجی ہی فوجی پھیلے تھے اور ان کے چہروں کو دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے وہ گہری سوچ وبچار میں کھوئے ہوئے ہیں اور کوئی پراسرار مگر اہم کام انجام دینے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ وہ سب اس ہیٹ والے قوی الجثہ شخص کو غصیلی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے جو نامعلوم وجوہات کی بنا پر انہیں گھوڑے تلے کچلنا چاہتا تھا۔

ایک سپاہی نے چلا کر اسے کہا "تم بٹالین کے بیچ میں کیوں گھوڑا دوڑا رہے ہو؟" دوسرے نے اپنی بندوق کی سنگین اس کی گھوڑے کو چبھوئی۔ پیری جو زین پر جھکا ہوا تھا تیزی سے سپاہیوں کے آگے خالی جگہ پر پہنچ گیا۔ اسے گھوڑا روکنے میں مشکل کا سامنا تھا۔

آگے پل تھا جہاں چند فوجی کھڑے فائرنگ میں مصروف تھے۔ پیری ان کے قریب پہنچ گیا۔ وہ غیر محسوس طور پر گورکی اور بوروڈینو کے درمیان واقع پل پر پہنچ گیا تھا۔ جنگ کے ابتدائی مرحلے میں فرانسیسی بوروڈینو پر قبضے کے بعد اس پل پر حملہ کر رہے تھے۔ پیری نے اپنے سامنے پل دیکھا اور اسے نظر آیا کہ چند سپاہی گھاس کے گٹھوں کی قطاروں

کے مابین کھڑے کچھ کر رہے ہیں۔ یہ گھاس اس نے گزشتہ روز بھی دیکھی تھی۔ اگرچہ وہاں مسلسل فائرنگ ہو رہی تھی مگر اسے بالکل یہ خیال نہ گزرا کہ وہ لڑائی کے مرکز میں پہنچ گیا ہے۔ اسے اپنے دائیں بائیں سے گزرنے والی گولیوں کی آوازیں سنائی دیں نہ سر کے اوپر سے گزرنے والے گولوں کا احساس ہو سکا۔ اسے دریا کی دوسری طرف دشمن بھی نظر نہ آیا۔ کافی دیر بعد اسے چند زخمی اور ہلاک سپاہی نظر آئے حالانکہ ان میں سے کئی اس کے قریب ہی گرے تھے۔ اس نے ادھر ادھر مسکرا کر دیکھا۔ یہ مسکراہٹ وہاں ہر وقت اس کے چہرے پر طاری رہی تھی۔

کسی نے بلند آواز سے پوچھا "یہ آدمی اگلی صفوں میں کیا کر رہا ہے؟"

کسی نے کہا "بائیں جانب ہٹ جاؤ، بائیں جانب"

پیری دائیں جانب ہو گیا اور غیر متوقع طور پر اسے جنرل رائیوسکی کا ایک ایجوٹنٹ مل گیا۔ ایجوٹنٹ نے اسے غصے سے دیکھا اور پھر اچانک اسے پہچان کر گردن جھکا کر سلام کیا۔

اس نے پیری سے پوچھا "آپ یہاں کہاں؟" اور پھر گھوڑا ابھگا تا آگے بڑھ گیا۔

پیری کو احساس ہوا کہ وہ غلط جگہ پر آ گیا ہے اور یہاں اس کا کوئی کام نہیں۔ اسے یہ خدشہ لاحق ہو گیا کہ وہ دوسروں کے کام میں رکاوٹ پیدا کر رہا ہے۔ چنانچہ اس نے گھوڑا ابھگایا اور ایجوٹنٹ کے پیچھے ہو لیا۔

اس نے ایجوٹنٹ سے دریافت کیا "یہ کیا ہے؟ کیا میں آپ کے ساتھ آ جاؤں؟"

ایجوٹنٹ نے جواب دیا "ایک منٹ ٹھہرو، ایک منٹ" وہ گھوڑا ابھگاتا ایک موٹے تازے کرنل کے قریب پہنچا جو ایک چراگاہ میں کھڑا تھا۔ ایجوٹنٹ نے اسے پیغام دیا اور پھر واپس پیری کی طرف چلا آیا۔ اس نے پیری سے کہا "نواب! آپ کہاں آ گئے؟ کیا ابھی تک جائزہ لے رہے ہیں؟"

پیری نے جواب دیا "جی ہاں"

ایجوٹنٹ گھوڑا موڑ کر آگے بڑھ گیا۔

کچھ دیر بعد وہ کہنے لگا "یہاں حالات اتنے خراب نہیں ہیں مگر بائیں طرف باگراتیاں کے ڈویژن کی جانب جنگ زوروں پر ہے"

پیری بولا "واقعی؟ وہ کہاں ہے؟"

ایجوٹنٹ نے کہا "میرے ساتھ آئیے، ٹیلے پر جاتے ہیں، وہاں سے ہمیں سب کچھ دکھائی دے گا۔ ہماری توپوں کی حالت ابھی بہتر ہے۔ کیا آپ آئیں گے؟"

پیری نے کہا "ضرور، میں ضرور آؤں گا" پھر وہ اپنے سائیس کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اب پہلی مرتبہ اس نے زخمیوں کو دیکھا تھا۔ وہ یا تو لڑکھڑاتے ہوئے خود کسی سمت کو جا رہے تھے یا پھر انہیں سٹریچروں پر لے جایا جا رہا تھا۔ اس چراگاہ میں جہاں سے وہ ایک دن پہلے گھوڑے پر گزرا تھا، اب ایک سپاہی پڑا تھا۔ اس کی ٹانگیں ٹیڑھے میڑھے انداز میں پڑی تھیں اور سر بے ڈھنگے پن سے پیچھے کی جانب ڈھلکا ہوا تھا جبکہ فوجی ٹوپی بھی قریب ہی پڑی تھی۔

پیری نے پوچھنے کی کوشش کی کہ اسے اٹھایا کیوں نہیں جا رہا؟ مگر ایجوٹنٹ کے چہرے پر تختی کا تاثر دیکھ کر خود کو کچھ کہنے سے باز رکھا۔

پیری کو اپنا سائیس کہیں دکھائی نہ دیا۔ وہ ایجوٹنٹ کے ساتھ گھاٹی سے گزر تا رائیوسکی کے مورچے کی جانب چل دیا۔ اس کا گھوڑا ایجوٹنٹ کا ساتھ نہ دے سکا اور پیچھے رہ گیا۔ وہ اسے مسلسل ابھگائے جاتا تھا۔

ایجوٹنٹ نے اس کی جانب دیکھ کر کہا'' نواب! لگتا ہے آپ گھڑسواری کے عادی نہیں ہیں''

پیری نے جواباً کہا'' نہیں، ایسی بات نہیں، اس کی چال ہی کچھ ایسی ہے''یوں لگتا تھا جیسے وہ بیحد الجھن کا شکار ہو۔

ایجوٹنٹ کہنے لگا'' اوہ، یہ تو زخمی ہوگیا! اگلی بائیں ٹانگ پر گھٹنے کے اوپر اسے گولی لگی ہے۔ نواب میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ آپ نے بھی فائرنگ کا سامنا کرلیا''

چھنی کور سے آگے دھوئیں میں گزر کر وہ آگے کئے جانیوالے توپخانے کے پیچھے جنگل میں پہنچ گئے جہاں خاموشی اور ٹھنڈ تھی۔ ہر طرف موسم خزاں کی خوشبو پھیلی تھی۔

ایجوٹنٹ نے مورچے کے قریب پہنچ کر پوچھا'' کیا جنرل یہیں موجود ہیں؟''

کسی نے دائیں جانب اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا'' کچھ دیر پہلے تو یہیں تھے، وہ ادھر جا چکے ہیں''

ایجوٹنٹ نے پیری کی جانب یوں دیکھا جیسے سمجھ نہ پایا ہو کہ اس کا کیا کیا جائے۔

پیری کہنے لگا'' میرے بارے میں فکرمند مت ہوں، میں ٹیلے پر چلا جاتا ہوں''

ایجوٹنٹ کہنے لگا'' ہاں، ٹھیک ہے، وہاں سے سب کچھ واضح دکھائی دے گا۔ علاوہ ازیں وہاں خطرہ بھی کم ہے۔ میں آپ کا حال احوال پوچھنے آؤں گا''

پیری توپوں کے قریب چلا گیا اور ایجوٹنٹ گھوڑے پر آگے چل دیا۔ وہ دوبارہ نہ مل سکے۔ بہت بعد میں پیری کو علم ہوا کہ اس دن ایجوٹنٹ کا ایک بازو کٹ گیا تھا۔

پیری جس ٹیلے پر چڑھا، وہ بیحد مشہور ہوا تھا۔ روسیوں نے اسے توپوں کے ٹیلے یا رائیوسکی مورچے کا نام دیا جبکہ فرانسیسی اسے عظیم یا مرکزی مورچہ کہنے لگے۔ اس کے قریب ہزاروں افراد جانیں گنوا بیٹھے اور فرانسیسی اسے مرکزی پوزیشن کہتے تھے۔

یہ مورچہ ایک ٹیلے پر مشتمل تھا۔ اس کی تین اطراف خندقیں کھدی تھیں اور ان میں دس توپیں نصب کی گئی تھیں۔ یہ توپیں مٹی کی دیواروں میں کئے گئے سوراخوں سے گولہ باری کررہی تھیں۔

ٹیلے کے سامنے دونوں اطراف مزید توپیں نصب تھیں اور وہ بھی گولہ باری میں مصروف تھیں۔ توپوں کے پیچھے پیدل امدادی فوج تھی۔ جب پیری اس ٹیلے پر چڑھا تو اسے بالکل خیال نہ آیا کہ یہ جگہ جہاں اتنی بڑی خندقیں نہیں تھیں اور جہاں محض چند توپیں فائرنگ کررہی تھیں، یہ اہم ترین جنگی مقام بھی ہوسکتا ہے۔ چونکہ وہ خود وہاں موجود تھا اس لیے اس کے خیال میں یہ اہم جگہ نہ تھی۔

پیری ٹیلے پر پہنچ کر توپوں والی خندق کے آخری سرے پر جا بیٹھا اور اردگرد جاری عمل کو غیر شعوری طور پر خوشی سے مسکراتے ہوئے دیکھنے لگا۔ کبھی وہ اٹھ کھڑا ہوتا تو توپوں کے آس پاس چکر لگانے لگتا۔ اس وقت بھی اس کے چہرے پر وہی مسکراہٹ نمایاں ہوتی۔ اس کی کوشش ہوتی کہ اس کی وجہ سے بھاگم بھاگ گولہ بارود لانے، انہیں توپوں میں بھرنے اور توپوں کو درست مقام پر نصب کرنیوالے سپاہیوں کے کام میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہونے پائے۔ توپیں وقفے کے بغیر باری باری چلائی جارہی تھیں۔ یہ چلتیں تو ایسا شور ہوتا کہ کان پھٹنے لگتے اور اردگرد کا ماحول دھوئیں سے بھر جاتا۔

پیچھے کھڑی امدادی فوج کے سپاہی خوف سے ہلکان ہورہے تھے اور ان کے برعکس یہاں توپوں کے قریب موجود چند سپاہی جنہیں خندق نے دوسروں سے الگ کردیا تھا تندہی سے اپنا کام کررہے تھے۔ ان کے چہروں پر جوشیلی

کیفیت نمایاں تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ ایک ہی خاندان کے افراد ہیں اور بھائی چارے کی فضا میں کام کررہے ہیں۔

جب پیری سفید ہیٹ پہنے وہاں آیا تو شروع میں اس کا غیر فوجی حلیہ ان فوجیوں کو بالکل پسند نہ آیا۔ وہ بھاگتے دوڑتے اس کے قریب سے گزرتے تو ترچھی نگاہوں سے اسے بغور دیکھتے اور حیران ہوتے۔ بعض اوقات وہ خطرہ بھی محسوس کرنے لگتے تھے۔ لمبی ٹانگوں اور چیچک زدہ چہرے والا توپخانے کا بلند قامت سینئر افسر آخری توپ کی کارکردگی کا جائزہ لینے کے بہانے پیری کے پاس آیا اور اسے تجسس بھری نظروں سے دیکھنے لگا۔

بیضوی چہرے والا ایک نوعمر پستہ قد افسر جس کی داڑھی کے بال بھی نہیں آئے تھے، اپنے حوالے کی جانیوالی دونوں توپوں کو چلوا رہا تھا۔ وہ سخت لہجے میں پیری سے مخاطب ہوتے ہوئے کہنے لگا'' جناب! آپ سے درخواست ہے کہ ایک طرف ہٹ جائیں، آپ یہاں کھڑے نہیں ہوسکتے''

سپاہیوں نے پیری کی جانب دیکھا تو سر ہلا کر ناپسندیدگی کا اظہار کیا تاہم جب انہیں یہ احساس ہوا کہ سفید ہیٹ والا یہ شخص کچھ بھی نہیں کررہا، وہ یا تو خاموشی سے ڈھلان پر بیٹھ جاتا ہے اور سپاہیوں کیلئے شرمیلے انداز میں مسکراتے ہوئے راستہ چھوڑ دیتا ہے، یا پھر فائرنگ کے دوران بیٹری کے گرد یوں ٹہلنا شروع کردیتا ہے جیسے کسی باغ میں چہل قدمی کررہا ہو تو وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ اس سے انہیں کوئی خطرہ نہیں ہوسکتا اور ان کی مخالفانہ حیرانی آہستہ آہستہ ایسی دوستانہ اور شوخ دوستی میں بدل گئی جو سپاہی کتوں، مرغوں، بکریوں اور ایسے دیگر جانوروں کیلئے محسوس کرتے ہیں جو ان کی رجمنٹ کیساتھ کامیابیوں اور ناکامیوں دونوں میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ سپاہیوں نے پیری کو خاموشی سے اپنے خاندان کا رکن تسلیم کرلیا اور اسے بھی اپنا بھائی سمجھنے لگے۔ انہوں نے اسے پیار سے'' ہمارا جنٹلمین'' کہنا شروع کردیا اور اس کے بارے میں باہم ہنسی مزاح کرنے لگے۔

پیری کے قریب زمین پر ایک گولہ آکر پھٹا جس کے نتیجے میں اس کے کپڑے گرد و غبار سے بھر گئے۔ پیری نے کپڑے جھاڑتے ہوئے مسکرا کر اپنے اردگرد دیکھا۔

سرخ چہرے اور چوڑے چکلے شانوں والے ایک سپاہی نے مسکراتے ہوئے اس سے کہا'' جناب! آپ کو ڈر کیوں محسوس نہیں ہوا؟ واقعی، یہ تو حیرانکن بات ہے'' مسکرانے کے نتیجے میں اس کے سفید مضبوط دانت مزید نمایاں ہوگئے تھے۔

پیری نے اس سے پوچھا'' تمہیں ڈر محسوس ہوا تھا؟''

سپاہی بولا'' ہاں! آپ کیا سمجھتے ہیں؟ آپ کو علم ہے کہ وہ رحم نہیں کرتا۔ وہ جسم سے ٹکراتا اور آنتیں باہر آجاتی ہیں، اس صورتحال میں ڈر نہ لگے تو کیا ہو؟''

کئی سپاہی پیری کے قریب آکر کھڑے ہوگئے۔ ان کے چہروں سے دوستی کا اظہار بھی ہورہا تھا اور وہ لطف اندوز بھی ہورہے تھے۔ نجانے کیوں انہیں یہ امید نہیں تھی کہ وہ بھی دوسروں کی طرح باتیں کرسکتا ہوگا۔ جب انہوں نے اسے گفتگو کرتے دیکھا تو وہ بیحد خوش ہوئے۔

وہ کہنے لگے'' ہمارا تو یہی کام ہے، ہم فوجی ہیں مگر شرفاء میں یہ خوبی قابل تعریف ہے اور آپ تو اصلی شرفاء میں سے ہیں''

نوعمر افسر نے سپاہیوں کو پیری کے گرد اکٹھے کھڑے دیکھا تو چلا کر بولا'' سب اپنی اپنی جگہوں پر رہیں''

یہ بات عیاں تھی کہ یہ نوعمر افسر پہلی یا دوسری مرتبہ ایسی جنگی ڈیوٹی انجام دے رہا تھا لہٰذا افسروں اور

ماتحتوں کے ساتھ اس رویہ قوانین کے مطابق رہی تھا۔

تمام میدان جنگ میں خصوصاً بائیں طرف جہاں باگراتیاں کے مورچے تھے، وہاں توپوں کی گولہ باری اور بندوقوں کی آوازوں میں شدت آتی جا رہی تھی۔ لیکن جہاں پیری کھڑا تھا وہاں دھوئیں کی وجہ سے بمشکل ہی کوئی شے دکھائی دیتی تھی۔ علاوہ ازیں اس کی تمام تر توجہ توپوں کے سپاہیوں کے اس مختصر گروہ پر تھی جو دوسروں سے علیحدہ ہو گیا تھا۔ میدان جنگ کے مناظر کا مشاہدہ کرنے اور آوازیں سننے کے بعد اسے شروع میں جو غیر شعوری خوشی کا احساس ہوا تھا، اب اس کی جگہ ایک اور جذبہ چھا گیا تھا۔ اس پر یہ کیفیت اس وقت سے طاری تھی جب اس نے چراگاہ میں ایک فوجی کو پڑے دیکھا تھا۔ اب وہ خندق کی ڈھلان پر بیٹھ کر اپنے آس پاس موجود سپاہیوں کے چہروں کا مشاہدہ کرنے لگا۔

دس بجے تک بیس آدمی اٹھا کر لے جائے جا چکے تھے اور دو توپیں تباہ ہو گئی تھیں۔ توپوں پر گرنے والے گولوں کی تعداد اور رفتار بڑھ چکی تھی جبکہ فضا میں گولیاں بھی سنسناتی گزر رہی تھیں۔ ان تمام باتوں کے باوجود توپوں پر تعینات سپاہیوں کو دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے انہیں ان چیزوں کی بالکل کوئی پروا نہیں اور وہ مسکراتے اور ایک دوسرے سے ہنسی مزاح کرتے ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔

ایک سپاہی نے فضا میں سنسناتے ہوئے آنیوالے گرنیڈ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "ارے بالکل اناس جیسا ہے"

دوسرے نے گولے کو آگے جاتے اور پیچھے کھڑی فوج میں گرتے دیکھ کر کہا "ادھر نہیں پیارے، ادھر جاؤ جہاں پیادہ فوج کھڑی ہے" یہ کہتے ہوئے وہ ہنس دیا۔

تیسرے نے ایک کسان کو توپ کے گولے سے بچنے کی کوشش میں نیچے جھکتے دیکھ کر کہا "تمہارا دوست لگتا ہے" یہ کہتے ہوئے وہ کھلکھلا کر ہنسنے لگا۔

چند سپاہی خندق کی دیوار سے لگ کر سامنے دیکھنے کی کوشش کرنے لگے۔

انہوں نے دیوار کے اوپر سے اشارہ کرتے ہوئے کہا "انہوں نے اگلی صفیں پیچھے ہٹالی ہیں، وہ دیکھو پیچھے ہٹ گئے"

ایک بوڑھا سارجنٹ چلا کر کہنے لگا "اپنا کام کرو، اگر وہ پیچھے ہٹ گئے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ لڑائی پیچھے ہو رہی ہے"

اس نے ایک سپاہی کو کندھے سے پکڑا اور گھٹنا مار کر آگے دھکا دے دیا۔ سب کھلکھلا کر ہنس دیے۔

ایک جانب سے حکم سنائی دیا "پانچویں توپ۔۔۔"

چند سپاہی توپ دھکیلتے ہوئے چلا چلا کر ایک دوسرے کا حوصلہ بڑھانے لگے۔ وہ کہہ رہے تھے "شاباش، سب مل کر زور لگاؤ"

سرخ چہرے والے سپاہی نے پیری سے مزاح کرتے ہوئے کہا "ارے، اس گولے سے تو ہمارے جنٹلمین کا ہیٹ ہی اڑنے والا تھا"

ایک اور سپاہی نے زخمی کو اٹھانے والے ملیشیا کے سپاہیوں سے کہا "ارے لومڑو، یہ تمہیں پسند نہیں آیا، کوو، ڈر کیوں رہے ہو؟" ملیشیا کے سپاہی ایک زخمی کے پاس کھڑے جھجک رہے تھے جس کی ایک ٹانگ گولہ لگنے سے اڑ گئی تھی۔

سپاہیوں نے ملیشیا والوں کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا "بھائیو، چلو نہیں نہیں، انہیں یہ کام پسند نہیں آیا"

پیری نے دیکھا کہ جب بھی توپ کا کوئی گولہ مورچے سے ٹکراتا یا کوئی شخص ہلاک یا زخمی ہو کر گرتا تو سپاہیوں میں پہلے سے زیادہ خوشی کی لہر دوڑ جاتی۔ جس طرح بادل گرجتے ہیں اور بجلی چمکتی ہے، اسی طرح ان میں چھپی آگ کا شعلہ بھی مزید روشن ہو جاتا اور اس کی رفتار تیز ہو جاتی جس کا اظہار ان کے چہروں سے ہوتا تھا۔ گویا یہ اس امر کی علامت تھی کہ انہیں وہاں ہونیوالی کارروائی کی کوئی پروا نہ تھی۔ پیری نے میدان جنگ کی طرف دیکھنا اسے پروا تھی کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔ وہ اس آگ کے بارے میں سوچ رہا تھا جس کی شدت مسلسل بڑھ رہی تھی اور جو اسے اپنی روح میں بھی بھڑکتی محسوس ہوتی تھی۔

دس بجے تک جنگل اور کامینکا ندی کے کنارے موجود پیادہ دستے پیچھے ہٹ گئے۔ وہ زخمیوں کو اپنی بندوقوں پر اٹھائے توپوں کے قریب بھاگتے دکھائی دے رہے تھے۔ ایک جرنیل اور اپنے عملے کے ساتھ ٹیلے پر آیا اور کرنل سے کچھ بات کی۔ اس نے پیری کو غصے میں دیکھا اور توپوں کے پیچھے کھڑی پیادہ فوج کو نیچے لیٹنے کا حکم دیا تاکہ وہ فائرنگ کی زد میں نہ آنے پائے اور پھر واپس چلا گیا۔ اس کے بعد توپوں کی دائیں طرف پیدل فوج کی صفوں سے چلا چلا کر حکم دینے کی آواز آنے لگی۔ توپوں پر متعین سپاہیوں کو پیادہ فوجی آگے بڑھتے دکھائی دیے۔

پیری نے خندق کی دیوار کے پار دیکھا تو اس کی نگاہ ایک چہرے پر خصوصی طور پر ٹھہر گئی۔ یہ پیلے چہرے والا ایک نوجوان افسر تھا جس کی تلوار نیچے لٹک رہی تھی اور وہ بے چینی سے ادھر ادھر تکتا ہوا الٹا پیچھے جا رہا تھا۔ پیادہ فوج کی صفیں دھوئیں میں غائب ہو گئیں تاہم ان کے طویل نعرے اور بندوقوں کی آوازیں ابھی تک سنائی دے رہی تھیں۔

چند منٹ بعد وہاں سے زخمیوں اور سٹریچر اٹھانے والوں کی خاصی بڑی تعداد آتی دکھائی دی۔ توپوں پر بمباری بڑھ گئی اور ادھر ادھر لاتعداد زخمی اور ہلاک شدگان دکھائی دینے لگے تاہم انہیں پوچھنے والا کوئی نہ تھا۔ توپوں کے گرد سپاہیوں کی نقل و حرکت میں تیزی آ گئی۔ اب وہ پیری کی طرف بالکل توجہ نہیں دے رہے تھے۔ چند مرتبہ کسی نے غصے سے با آواز بلند اسے کہا کہ وہ ان کے کام میں رکاوٹ پیدا کر رہا ہے۔ سینئر افسر کا چہرہ درشت ہو چکا تھا اور وہ لمبے قدم اٹھاتا کبھی ایک اور کبھی دوسری توپ کے پاس چلا جاتا تھا۔ نوعمر افسر کے گال پہلے سے زیادہ سرخ ہو گئے اور وہ مزید احتیاط سے احکامات دے رہا تھا۔ توپوں پر متعین سپاہی جلدی سے مڑتے، گولے بھرتے اور اس طرح چھلانگیں لگاتے پھرتے تھے جیسے ان کے پاؤں تلے سپرنگ لگے ہوں۔

طوفانی بادل قریب آ رہا تھا اور پیری نے جو آگ روشن ہوتے دیکھی تھی اس کا عکس اب ہر چہرے پر نظر آنے لگا تھا۔ وہ کرنل کے قریب کھڑا تھا کہ نوعمر افسر ٹوپی پر ہاتھ رکھے اس کی جانب بھاگا آیا۔

وہ پوچھ رہا تھا "جناب! صرف آٹھ راؤنڈ باقی ہیں، کیا گولہ باری جاری رکھی جائے؟"

کرنل نے چلا کر کہا "گریپ شاٹ!" اس نے ماتحت افسر کا سوال نظر انداز کر دیا اور خندق کی دیوار کے اوپر دیکھنے لگا۔

اچانک کچھ ہوا اور نوجوان افسر ہچکی لے کر دوہرا ہو گیا۔ پھر وہ یوں زمین پر گرا جیسے پرندہ بازو پر گولی لگنے سے گرتا ہے۔ پیری کی نظروں کے سامنے ہر شے دھندلا گئی اور تاریکی سی چھا گئی جس کے نتیجے میں اسے ہر شے پراسرار اور خوفناک دکھائی دینے لگی۔

ایک کے بعد دوسرا گولہ آ رہا تھا۔ کوئی دیوار سے ٹکراتا، کوئی کسی سپاہی سے اور کوئی توپ میں جا لگتا۔ پیری نے

یہ آوازیں پہلے شاید ہی کبھی سنی ہوں گی مگر اب اسے ان کے علاوہ کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ توپوں کی دائیں جانب سپاہی ''ہرا! ہرا!'' کے نعرے لگاتے بھاگے جا رہے تھے۔ پیری کو محسوس ہوا کہ وہ آگے کی بجائے پیچھے کی طرف بھاگ رہے ہیں۔

افسر نے چلا کر حکم دیا ''گریپ شاٹ فائر کئے جائیں!''

سارجنٹ فوری طور پر اس کے پاس پہنچا اور خوفزدہ سرگوشی میں کہا کہ گولے ختم ہو گئے ہیں (اس کا انداز ایسا تھا جیسے کوئی خانساماں اپنے آقا کو بتاتا کہ آپ نے جو شراب لانے کا حکم دیا تھا وہ ختم ہو چکی ہے)

افسر نے غصے میں کہا ''لفنگے! یہ کیا چاہتے ہیں؟'' وہ پیری کی طرف مڑا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو چکا تھا اور پیشانی شکن آلود تھی۔ اس نے پیری کے اوپر ایک سپاہی کی جانب غصے سے دیکھتے ہوئے کہا ''بھاگ کر محفوظ دستوں کے پاس جا کر گولہ بارود کے صندوق اٹھا لاؤ''

پیری کہنے لگا ''میں جاتا ہوں'' افسر کوئی جواب دینے کی بجائے لمبے قدم اٹھاتا دوسری طرف چلا گیا۔

اس نے باآواز بلند حکم دیا ''گولہ باری بند کر دی جائے''

وہ سپاہی جسے گولے لانے کیلئے بھیجا گیا تھا، پیری سے ٹکرا گیا۔ وہ ٹکراتے ہی کہنے لگا ''ارے جناب! یہ جگہ آپ کیلئے مناسب نہیں'' اور پھر بھاگ کر ڈھلان سے نیچے اترنے لگا۔

پیری بھی اس کے پیچھے دوڑا۔ وہ اس جگہ سے کنی کترا کر نکل گیا جہاں نوعمر افسر گرا تھا اور اسے وہیں پڑا رہنے دیا گیا تھا۔

یکے بعد دیگرے تین گولے اس کے سر سے گزر گئے۔ ایک اس کے سامنے، دوسرا برابر اور تیسرا پیچھے گرا۔ پیری ڈھلان پر بھاگتا رہا۔ اس نے گولہ بارود کی سبز گاڑی کے قریب پہنچ کر سوچا ''میں کہاں جا رہا ہوں؟'' اور پھر وہیں ٹھہر گیا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ آگے جائے یا واپس۔ اچانک اسے زوردار دھکا لگا اور وہ پچھلی طرف زمین پر گر گیا۔ اسی وقت شعلہ لپکا اور اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ کچھ ایسا دھماکہ ہوا کہ اسے یوں لگا جیسے کان پھٹ جائیں گے۔

جب اسے ہوش آیا تو وہ اپنے ہاتھوں پر جھکا بیٹھا تھا۔ اس کے قریب کھڑا ہوا گولہ بارود کی گاڑی اغائب ہو چکی تھی اور جلی ہوئی گھاس پر لکڑی کے چند جھلسے ہوئے سبز ٹکڑے اور انسانی جسم کے چیتھڑے ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے۔ ایک گھوڑا گاڑی کے بچے کھچے ٹکڑے گھسیٹتا بھاگ رہا تھا اور دوسرا پیری کی طرح زمین پر لیٹا ایسی چیخیں مار رہا تھا کہ انہیں سننا بھی مشکل تھا۔

(32)

پیری اس قدر خوفزدہ ہوا کہ اس کیلئے وہاں ٹھہرنا بھی مشکل ہو گیا۔ وہ چھلانگ لگا کر اٹھا اور توپوں کی جانب یوں بھاگا جیسے ان خوفناک اشیاء سے بچنے کی واحد پناہ گاہ وہی ہو۔

جونہی وہ خندق میں داخل ہوا تو دیکھا کہ گولہ باری بند ہو چکی ہے اور توپیں خاموش ہیں تاہم فوجی اسے کسی اور کام میں مصروف دکھائی دیئے۔ اس کے پاس یہ جاننے کیلئے وقت نہ تھا کہ وہ کون لوگ ہیں۔ اسے کرنل زمین پر لیٹا دکھائی دیا۔ اس کی پشت پیری کی جانب تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ کسی شے کا جائزہ لے رہا ہے۔ اس نے ایک سپاہی کو دیکھا جسے وہ پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔ وہ باآواز بلند کہے جا رہا تھا ''ساتھیو!'' اور خود کو چند آدمیوں کی گرفت سے

آزاد کرانے کی کوشش میں مصروف تھا جو اسے جکڑے ہوئے تھے۔ اسے کچھ اور بھی عجیب و غریب مناظر دکھائی دیئے۔

اس کے پاس یہ سمجھنے کیلئے وقت نہ تھا کہ کرنل ہلاک ہو چکا اور ''دوستو دوستو'' پکارنے والا گرفتار ہو چکا ہے اور ایک شخص کی کمر میں سنگین گھونپ دی گئی ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جونہی وہ بھاگتا ہوا ٹیلے پر پہنچا تو نیلی وردی میں ملبوس ایک کمزور اور پیلے چہرے والا شخص ہاتھ میں تلوار پکڑے کچھ کہتا ہوا اس کی جانب بڑھا۔ اس کا پسینہ بہہ رہا تھا۔ پیری اور وہ شخص ایک دوسرے کی جانب بھاگے چلے آ رہے تھے۔ پیری نے تصادم سے گریز کی خاطر جبلی طور پر اپنے ہاتھ آگے بڑھا دیئے اور اس (فرانسیسی) کے کندھے اور گلا زور سے پکڑ لیا۔ فرانسیسی نے تلوار پھینک دی اور پیری کو کالر سے پکڑنے لگا۔

دونوں حیرانگی سے ایک دوسرے کے اجنبی چہرے دیکھتے رہے۔ دونوں کیلئے یہ جاننا مشکل ہو رہا تھا کہ وہ کیا کر بیٹھے ہیں اور اب انہیں کیا کرنا ہوگا۔ دونوں یہی سوچ رہے تھے کہ ''کیا میں نے اسے قیدی بنا لیا ہے؟'' تاہم یوں لگتا تھا جیسے فرانسیسی ذہنی طور پر خود کو قیدی سمجھ رہا تھا کیونکہ خوف کے ردعمل کے طور پر اس کی گردن کے گرد پیری کی گرفت مضبوط ہوئی تھی۔ فرانسیسی نے کچھ کہنے کی کوشش کی ہی تھی کہ توپ کا ایک گولہ ان کے سروں سے ہوتا ہوا گزر گیا۔ فرانسیسی اتنا جلدی نیچے جھکا کہ پیری کو یوں لگا جیسے اس کا سر اڑ گیا ہو۔

پیری بھی نیچے جھکا اور اپنے ہاتھ ڈھیلے چھوڑ دیئے۔ فرانسیسی یہ سوچے بغیر توپوں کی جانب بھاگا کہ کس نے کس کو قیدی بنایا ہے۔ فرانسیسی واپس توپوں کی طرف بڑھا جبکہ پیری تیزی سے ڈھلان سے نیچے اترنے لگا۔ وہ بار بار زخمیوں اور ہلاک شدہ فوجیوں سے ٹکرایا اور ہر مرتبہ اسے یہی لگا [illegible] وہ اس کی ٹانگیں پکڑنے کی کوشش [illegible] رہے ہیں۔ تاہم ابھی وہ پہاڑی کے دامن میں ہی [illegible] تھا کہ اس کا سامنا روسی فوج سے ہو گیا۔ وہ ادھر ادھر گرتے پڑتے نعرے لگاتے توپوں کی جانب بھاگ رہے تھے (یہ وہ حملہ تھا جس کا کریڈٹ یرمولوف نے اپنے سر لیا۔ اس نے سرعام یہ اعلان کیا کہ اس کی بہادری اور خوش قسمتی کی بدولت ہی یہ کارنامہ انجام دیا جا سکا۔ اسی حملے کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ اس نے اپنی جیب میں موجود سینٹ جارج کراس کے چند تمغے ٹیلے پر فوجیوں کی جانب پھینک کر ان میں جوش و جذبہ پیدا کر دیا)

توپوں پر قبضہ کرنیوالے فرانسیسی بھاگ نکلے۔ ہمارے سپاہیوں نے ''ہرا!'' کا نعرہ بلند کرتے ہوئے اتنی دور تک ان کا تعاقب کیا کہ انہیں روکنا بھی مشکل ہو گیا۔ فرانسیسی قیدیوں کو توپوں سے نیچے لایا گیا۔ ان میں ایک زخمی فرانسیسی جرنیل بھی تھا۔ افسروں نے اسے گھیر رکھا تھا۔ روسی اور فرانسیسی گروہوں کی صورت میں چلتے یا رینگتے چلے آ رہے تھے۔ ان میں سے بعض کو سٹریچروں پر لایا جا رہا تھا۔ تکلیف کے مارے ان کے چہرے مسخ ہو رہے تھے۔ پیری دوبارہ اس ٹیلے پر چڑھ گیا جہاں اس نے ایک گھنٹے سے زائد وقت گزارا تھا۔ اس مختصر خاندانی حلقے کا ایک فرد بھی باقی نہیں بچا تھا جس نے اسے بھی اپنا رکن بنا لیا تھا۔ ہلاک ہونیوالوں میں سے متعدد کو وہ نہیں جانتا تھا مگر اس نے بعض کو پہچان لیا۔ خندق کے آخری سرے پر نوعمر افسر ابھی تک خون کے تالاب میں اسی حالت میں پڑا تھا۔ سرخ چہرے والے سپاہی کا جسم ابھی تک پھڑک رہا تھا مگر اسے یونہی چھوڑ دیا گیا تھا۔

پیری ڈھلان پر نیچے کی جانب بھاگا۔

وہ سوچ رہا تھا ''اب انہیں یہ سب کچھ بند کر دینا چاہئے۔ انہوں نے جو کچھ کیا اس پر ان کے اپنے دل بھی دہل گئے ہوں گے'' وہ سٹریچر اٹھانے والوں کے پیچھے بلا مقصد چل دیا۔

دھوئیں کی چادر کے پیچھے سورج ابھی تک بلندی پر موجود تھا اور سامنے خصوصاً بائیں جانب سیمیونوسکی کے گرد

دھوئیں میں ابھی تک کارروائی جاری تھی اورتوپوں کی گولہ باری تیز بندوقوں کی فائرنگ کی آوازیں اور بھی شدید ہوتی جارہی تھیں جیسے کوئی شخص آخری چیخ مارتے وقت اپنی تمام تر قوت استعمال کرے۔

(33)

بوروڈینو کی جنگ کی سب سے بڑی لڑائی اس گاؤں اور باگراتیاں کے مورچوں کے درمیان سات ہزارفٹ چوڑے علاقے میں لڑی گئی۔ اس علاقے سے باہر ایک طرف روسیوں کی فرانسیسیوں سے چھوٹی سی جھڑپ دوپہر کو یواروف کے گھڑسوار دستے کے ذریعے ہوئی اور دوسری طرف ایک لڑائی پونیاتوسکی اور تچکوف کے دستوں میں یوتسا سے آگے لڑی گئی۔ تاہم میدان کے درمیانی حصے میں جوکچھ ہوا اس کے مقابلے میں یہ لڑائیاں ہلکی پھلکی کہی جاسکتی تھیں اور بڑی لڑائی پر یہ زیادہ اثر انداز نہ ہوسکیں۔ بوروڈینو اور مورچوں کے درمیان جنگل کے برابر میں یہی وہ کھلی جگہ تھی جو دونوں جانب سے صاف دکھائی دیتی تھی اور اسی جگہ اصل جنگ انتہائی سادہ اور ناتجربہ کارانداز میں ہوئی۔

لڑائی کے آغاز میں دونوں جانب سے سینکڑوں توپوں کی گولہ باری ہوئی۔ جب تمام میدان دھوئیں کی لپیٹ میں آ گیا تو کومپیز اور ڈیسیکس کے ڈویژن فرانسیسی فوج کے دائیں پہلو سے مورچوں کی طرف بڑھے جبکہ وائسرائے کی رجمنٹیں بائیں جانب سے بوروڈینو پر حملہ کرنے چل دیں۔ نپولین شیوارڈینو کی گڑھے پر کھڑا تھا جہاں سے مورچے ایک کلومیٹر دور تھے، لہٰذا وہاں جو کچھ ہو رہا تھا وہ اسے دکھائی نہیں دے سکتا تھا، ایسا اس وجہ سے بھی تھا کہ دھوئیں نے دھند میں گھل مل کر تمام علاقہ نگاہوں سے اوجھل کر دیا تھا۔ مورچوں کی طرف بڑھنے والے ڈیسیکس کے سپاہی اپنے اور مورچوں کے مابین واقع گھاٹی میں داخل ہونے تک دکھائی دیتے رہے۔ جونہی وہ گھاٹی میں داخل ہوئے تو دھواں اتنا گہرا ہو گیا کہ آگے ڈھلان پر سیاہ چادر سی تن گئی۔ کبھی کبھار دھوئیں میں کوئی شے نظر آجاتی تھی جو شاید انسانوں کی جھلک یا سنگینوں کی چمک ہوتی تھی تاہم شیوارڈینو سے یہ اندازہ لگانا ممکن نہ تھا کہ وہ متحرک ہیں یا ایک جگہ کھڑے ہیں، مزید براں فرانسیسیوں اور روسیوں میں تمیز کرنا بھی ممکن نہ تھا۔

سورج بلند ہو کر چمکنے لگا اور اس کی کرنوں سے نپولین کا چہرہ روشن ہو گیا۔ اس نے ہاتھوں سے چہرے پر سایہ کیا اور مورچوں کی جانب دیکھنے لگا۔ ان مورچوں کے سامنے دھوئیں کی چادر خاصی نیچے تک تنی ہوئی تھی۔ بعض اوقات یوں لگتا تھا جیسے دھواں حرکت کر رہا ہو اور کبھی ایسا لگتا کہ فوجی دستے آگے پیچھے جا رہے ہیں۔ کبھی کبھار فائرنگ کی آوازوں کے درمیان کوئی چیخ سنائی دے جاتی تاہم یہ اندازہ نہیں لگایا جاسکتا تھا کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔

ٹیلے پر کھڑا نپولین دوربین سے اس جانب دیکھنے لگا۔ دوربین کے چھوٹے سے دائرے میں اسے دھواں اور فوجی دکھائی دینے لگتے، بعض اوقات یہ فرانسیسی ہوتے اور کبھی روسی نظر آجاتے۔ تاہم جب اس نے دوربین ہٹا کر وہاں دیکھنے کی کوشش کی تو یہ اندازہ نہ کرسکا کہ اس نے انہیں کہاں دیکھا تھا۔

وہ شیوارڈینو کے مورچے سے نیچے اترا اور اس کے سامنے ادھر ادھر ٹہلنا شروع کر دیا۔ کبھی کبھار وہ ٹھہر جاتا اور فائرنگ کی آوازیں سن کر میدان جنگ کے حوالے سے غوروفکر شروع کر دیتا۔

وہ جہاں کھڑا تھا وہاں سے نہ ٹیلے سے یہ اندازہ ہو سکتا تھا کہ نیچے کیا ہو رہا ہے، ٹیلے پر جرنیل کھڑے تھے۔ مورچوں کے قریب ہونیوالی کارروائی کے بارے میں جاننا بھی ممکن نہ تھا۔ صرف یہی دکھائی دیتا تھا کہ وہاں روسی اور فرانسیسی ہیں اور ان میں سے کوئی زخمی ہو چکا تھا، کوئی ہلاک اور کوئی ہوش وحواس کھو چکا تھا۔ وہ اس جگہ پر بھی باری باری

اور کبھی مشترکہ طور پر قابض ہو جاتے۔ توپوں اور بندوقوں کی مسلسل سات گھنٹے فائرنگ کے دوران وہاں کبھی روسی، کبھی فرانسیسی، کبھی گھڑسوار اور کبھی پیادہ فوج کے دستے دکھائی دیتے۔ وہ میدان میں آتے، فائرنگ کرتے، ایک دوسرے سے ٹکراتے، نیچے گرتے، اور شور شرابہ کرتے ایک مرتبہ پھر پیچھے ہٹ جاتے۔

میدان جنگ سے نپولین کے ایجوٹنٹ اور مارشلوں کے سٹاف افسر مسلسل گھوڑے بھگاتے اس کے پاس آتے رہے۔ وہ اسے جنگی صورتحال سے مسلسل باخبر رکھے ہوئے تھے۔ لیکن یہ تمام اطلاعات درست نہ تھیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ لڑائی کے زور میں یہ بتانا ممکن نہ تھا کہ کسی خاص موقع پر وہاں کیا ہو رہا تھا۔ بعض ایجوٹنٹ میدان جنگ کا رخ ہی نہیں کرتے تھے اور دوسروں سے سنی ہوئی باتیں دہرا دیتے۔ جب کوئی ایجوٹنٹ دو کلومیٹر فاصلہ طے کر کے واپس پہنچتا تو اس وقت تک صورتحال میں تبدیلی رونما ہو چکی ہوتی تھی اور وہ جو خبر لایا ہوتا وہ غیر حقیقی بن جاتی۔ جیسا کہ ایک ایجوٹنٹ گھوڑا بھگاتے نپولین کے پاس آیا اور کہنے لگا "بوروڈینو پر قبضہ کر لیا گیا ہے اور کولوچا کے پل پر فرانسیسی قابض ہو گئے ہیں" خبر سنانے کے بعد اس نے نپولین سے پوچھا کہ "جناب عالی! کیا ہماری فوج پل عبور کر کے اس طرف آجائے؟" نپولین نے جواب دیا "نہیں، انہیں کہو کہ وہ دوسری جانب صفیں بنا کر اگلے احکامات کا انتظار کریں" تاہم یہ حکم دیے جانے سے پہلے بلکہ ایجوٹنٹ کی بوروڈینو سے روانگی کے فوری بعد روسیوں نے پل پر دوبارہ قبضہ کر لیا اور اسے آگ لگا دی۔ یہ لڑائی اسی جھڑپ کے آغاز پر ہوئی جب پیئر بھی وہاں موجود تھا۔

مورچوں کی طرف سے ایک اور ایجوٹنٹ گھوڑا بھگاتا آیا۔ اس کا رنگ فق تھا اور وہ گھبرایا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ وہ نپولین کے پاس یہ اطلاع لے کر آیا کہ فرانسیسی حملہ ناکام بنا دیا گیا ہے اور کومپیز زخمی جبکہ ڈاوسٹ مارا جا چکا ہے۔ تاہم بالکل اسی وقت جب ایجوٹنٹ کو یہ اطلاع دی گئی تھی کہ حملہ ناکام ہو گیا ہے، ایک اور فرانسیسی یونٹ نے مورچوں پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ ڈاوسٹ زندہ اور معمولی زخمی تھا۔ نپولین ایسی ہی غلط اطلاعات پر ہدایات جاری کرتا رہا۔ ان احکامات پر یا تو ان کے اجراء سے پہلے ہی عمل ہو چکا ہوتا تھا یا پھر ان کی تعمیل کرنا ممکن نہیں ہوتا تھا۔

میدان جنگ کے قریب کھڑے مارشل جو نپولین کی طرح حقیقی لڑائی میں شریک نہ تھے، بعض اوقات فائرنگ کی زد میں آنیوالی جگہوں تک چلے جاتے، وہ نپولین سے مشورہ کیے بغیر فوجوں کی ترتیب میں ردوبدل کرتے اور فائرنگ کرنے، گھڑسواروں کے حملے اور پیادہ فوج کی کارروائی بارے احکامات دیتے رہتے۔ ان کی ہدایات پر بھی کبھی کبھار اور جزوی طور پر عمل ہوتا تھا۔

میدان جنگ میں جو کچھ ہوا وہ احکامات سے مختلف تھا۔ جن سپاہیوں کو آگے بڑھنے کا حکم ملا وہ گولہ باری ہوتی دیکھ کر پیچھے ہٹ آئے۔ جن سپاہیوں کو اپنی جگہ پر کھڑے رہنے کو کہا گیا تھا، انہوں نے روسیوں کو غیر متوقع طور پر آگے بڑھتے دیکھا تو وہ پیچھے ہٹ آئے یا پھر آگے بڑھ گئے۔ گھڑسوار کسی حکم کے بغیر ہی بھاگنے والے روسیوں کے پیچھے دوڑنے لگے۔ اسی طرح دو گھڑسوار رجمنٹیں تیزی سے سیمیونوسکی گھاٹی سے گزر کر پہاڑی کی چوٹی پر پہنچیں اور اسی رفتار سے واپس آگئیں۔ اسی طرح پیادہ فوجی بھی احکامات کے خلاف دوسری جگہوں پر جاتے رہے۔

یونٹوں کے قریب موجود افسروں نے توپوں کی نقل وحرکت، پیادہ فوج کی کارروائی، گھڑسوار دستوں کے حملے اور ایسے دیگر احکامات کے بارے میں نپولین تو کجا مارشل نے، ڈاوسٹ اور مورات سے بھی مشورہ نہ کیا۔ انہیں اپنی مرضی سے اقدامات کرنے پر کسی تادیبی کارروائی کا خوف نہیں تھا کیونکہ جنگ میں انسان کی قیمتی ترین شے یعنی اس کی اپنی زندگی

داؤ پر لگی ہوتی ہے اور چونکہ بعض اوقات بچنے کا امکان پیچھے ہٹنے اور بسا اوقات آگے بڑھنے میں ہوتا ہے اس لیے میدان جنگ کے مرکز میں موجود لوگ صورتحال کے مطابق خود ہی عمل کرتے رہے۔

حقیقت یہ ہے کہ فوج کے یوں آگے پیچھے ہونے سے مجموعی صورتحال میں کوئی بہتری پیدا ہوئی نہ خرابی، انہوں نے ایک دوسرے کیخلاف جو حملے کیے اس سے زیادہ نقصان نہ ہوا اور ہلاک و زخمی ہونے والوں کی اکثریت توپ کے گولوں کا نشانہ بنی۔ جونہی سپاہی اس میدان میں پہنچتے تو ان پر فائرنگ ہونے لگتی اور وہ بھاگتے دوڑتے، گرتے پڑتے آگے یا پیچھے ہٹ جاتے تاہم ان کے پیچھے ہٹتے ہی عقب میں کھڑے افسر فوری نظم وضبط بحال کر کے انہیں دوبارہ فائرنگ والی جگہ پر بھیج دیتے۔ وہاں موت کے خوف تلے تمام نظم وضبط ہوا ہو جاتا اور وہ بھیڑ بکریوں کے گلے کی طرح اندھا دھند ادھر ادھر بھاگنا شروع کر دیتے۔

(34)

فائرنگ والے علاقے سے قریب موجود نپولین کے جرنیل ڈاوسٹ، نے اور مورات کبھی کبھار اس کے اندر بھی چلے جاتے اور وہ متعدد بار نظم وضبط کے پابند اپنے فوجی دستے وہاں لے گئے مگر یہاں گزشتہ لڑائیوں کے برعکس صورتحال کا سامنا تھا۔ انہیں دشمن کی فوجوں میں افراتفری بپا ہونے اور ان کی بے ترتیب پسپائی کی خبریں ملنے کی بجائے نظم وضبط کے عادی یہ دستے خود بے ترتیب ہجوم کی شکل میں واپس پلٹ آتے۔ جرنیل انہیں دوبارہ ترتیب دیتے مگر ان کی تعداد میں آہستہ آہستہ کمی واقع ہو رہی تھی۔ دوپہر کے وقت مورات نے اپنا ایجوٹنٹ نپولین کے پاس بھیجا اور اس سے کمک کا مطالبہ کیا۔

جب مورات کا ایجوٹنٹ گھوڑا بھگاتا نپولین کو یہ کہنے پہنچا کہا "اگر جناب عالی انہیں ایک اور ڈویژن دے دیں تو وہ روسیوں کو بھاگنے پر مجبور کر دیں گے" تو نپولین پہاڑی کے دامن میں بیٹھا پنج پی رہا تھا۔ نپولین نے ایجوٹنٹ کا پیغام سن کر سنجیدگی سے حیرانی کا اظہار کرتے ہوئے کہا "کمک؟" وہ ایجوٹنٹ کی جانب دیکھنے لگا۔ خوش شکل ایجوٹنٹ کے کالے گھنگھریالے بال مورات کی طرح اس کے کندھوں تک لٹک رہے تھے۔

نپولین نے سوچا "مزید فوج؟ انہیں اس کی ضرورت کیوں پیش آ گئی جبکہ آدھی فوج پہلے ہی کمزور روسی فوج سے لڑ رہی ہے جو مورچے بھی نہیں بنا پائی تھی؟"

نپولین نے ایجوٹنٹ سے سخت لہجے میں کہا "نیپلز کے بادشاہ کو بتا دو کہ ابھی دوپہر بھی نہیں ہوئی اور مجھے میری بساط بھی اچھی طرح دکھائی نہیں دے رہی۔ تم جا سکتے ہو"

لمبے بالوں والے خوش شکل ایجوٹنٹ نے ہاتھ ہیٹ سے ہٹائے بغیر آہ بھری اور گھوڑا بھگاتا میدان جنگ کی طرف چل دیا۔

نپولین کھڑا ہو گیا۔ اس نے کاؤلین کورٹ اور برتھیر کو بلایا اور ان سے ایسے موضوعات پر بات کرنے لگا جن کا جنگ سے کوئی تعلق نہ تھا۔

دوران گفتگو برتھیر کی نگاہ ایک جرنیل پر پڑی جو اپنے عملے کے ساتھ اسی طرف آ رہا تھا۔ جرنیل کے تیز رفتار گھوڑے کے منہ سے جھاگ نکل رہی تھی اور وہ پسینے میں شرابور تھا۔ اس جرنیل کا نام بیلیئرڈ تھا۔ وہ گھوڑے سے اتر کر تیزی سے شہنشاہ کی جانب بڑھا اور جرأتمندانہ انداز سے کمک کی ضرورت پر روشنی ڈالی۔ اس نے اپنی عزت کی قسم

کھاتے ہوئے دعویٰ کیا کہ انہیں مزید ایک ڈویژن مل جائے تو روسی تباہ و برباد ہو جائیں گے۔

نپولین نے کندھے اچکائے اور جواب دیئے بغیر اپنی جگہ پر ٹہلنے لگا۔ بیلیئرڈ جوش وخروش سے باآواز بلند اپنے اردگرد اکٹھے ہونیوالے جرنیلوں سے بات کر رہا تھا۔

نپولین اس کی جانب متوجہ ہو کر کہنے لگا "بیلیئرڈ تم جلد بازی کرتے ہو۔ جب زوردار جنگ ہو رہی ہو تو انسان باآسانی غلطیاں کرتا ہے، جاؤ اور ایک بار پھر صورتحال کا جائزہ لے کر میرے پاس آؤ" بیلیئرڈ کی روانگی سے پہلے ہی میدان جنگ سے ایک اور ایجوٹنٹ آ گیا۔

نپولین جھلاہٹ سے بولا "ہاں! اب کیا ہو گیا؟" اس کا انداز ایسے شخص کا سا تھا جسے مسلسل پریشان کیا جا رہا ہو۔

ایجوٹنٹ بولا "حضور!۔۔۔"

نپولین نے غصے میں بازو لہرایا اور کہا "کمک چاہیے؟"

ایجوٹنٹ نے اثبات میں سر ہلایا اور رپورٹ دینا شروع کر دی مگر شہنشاہ نے اپنا منہ دوسری جانب پھیر لیا، پھر اس نے چند قدم ادھر ادھر بڑھائے اور واپس آ کر ہاتھ کے اشارے سے برتھیر کو بلایا۔

نپولین برتھیر سے کہنے لگا "انہیں مزید فوج دینا ہی پڑے گی" وہ جان گیا تھا کہ اس کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہیں بچا۔ اس نے پوچھا "کیا خیال ہے، کسے بھیجا جانا چاہیے؟" (بعدازاں نپولین نے برتھیر کے بارے میں کہا تھا کہ اسے میں نے عقاب بنایا)

برتھیر نے جواب دیا "کلاپاریڈی کا ڈویژن بھیج دیں" وہ تمام ڈویژنوں اور رجمنٹوں کے بارے میں تمام تر تفصیلات زبانی جانتا تھا۔

نپولین نے تائید کے انداز میں سر ہلایا۔

ایجوٹنٹ کلاپاریڈی کے ڈویژن کی طرف بڑھ گیا۔ چند منٹ بعد ٹیلے کے پیچھے متعین نوجوان گارڈز آگے بڑھنا شروع ہو گئے۔ نپولین انہیں خاموشی سے تکتا رہا۔

کچھ دیر بعد وہ اچانک باآواز بلند برتھیر سے کہنے لگا "نہیں، میں کلاپاریڈی کو نہیں بھیجوں گا، فرینٹ کا ڈویژن بھیج دو"

اگرچہ کلاپاریڈی کی بجائے فرینٹ کا ڈویژن بھیجنے سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ یہ بات عیاں تھی کہ ایک کو واپس بلانے اور دوسرا بھیجنے میں تاخیر کے ساتھ ساتھ مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑتا تھا۔ نپولین کو یہ بات سمجھ نہ آئی کہ وہ اپنی فوج کے ساتھ اسی ڈاکٹر کا سا کردار ادا کر رہا تھا جو اپنے نسخوں کے ذریعے فطری عمل میں مزاحمت کرتا ہے، وہ اس کردار سے آگاہ بھی تھا اور اس کی مذمت بھی کیا کرتا تھا۔

دوسروں کی طرح فرینٹ کا ڈویژن بھی میدان جنگ کے دھوئیں میں غائب ہو گیا۔ ہر جانب سے ایجوٹنٹ مسلسل آ رہے تھے اور ہر ایک کی زبان پر کمک کا مطالبہ تھا جیسے سب نے باہم مل کر سازش کر رکھی ہو۔ سب یہی کہتے تھے کہ روسی اپنی جگہ پر ڈٹے ہوئے ہیں اور ایسی خوفناک فائرنگ کر رہے ہیں کہ میدان جنگ جہنم بنا ہوا ہے اور فرانسیسی فوج اس میں فنا ہوتی چلی جا رہی ہے۔

نپولین کیمپ کے سٹول پر بیٹھا سوچ وبچار میں مصروف تھا۔ سفر کا شوقین ڈی بیسٹ جو صبح سے بھوکا تھا، شہنشاہ

ایک جھنڈے اور توپ پر بھی قبضہ نہیں ہوا تھا اور کوئی فوجی کو بھی گرفتار نہیں ہوئی تھی۔ اس نے اپنے اردگرد موجود لوگوں کے چہروں پر پریشانی کا تاثر دیکھا اور یہ خبر سنی کہ روسی ابھی تک میدان جنگ میں کھڑے ہیں تو اسے ایسے خوفناک جذبے نے اپنی لپیٹ میں لے لیا جیسے وہ کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ بیٹھا ہو۔ پھر وہ ان تمام ناموافق حالات پر غور کرنے لگا جو اس کی ممکنہ تباہی کا موجب بن سکتے تھے۔ اس نے سوچا" شاید روسی اس کی فوج کے بائیں پہلو پر حملہ کردیں۔ اس کے درمیانی حصے میں شگاف ڈال دیں، ہوسکتا ہے توپ کا کوئی گولہ خود اسے بھی ہلاک کرڈالے" یہ سب کچھ ممکن تھا۔ گزشتہ جنگوں میں وہ صرف فتح کے امکانات پر غور کیا کرتا تھا تاہم اب بے شمار ممکنہ سانحے خود بخود اس کے ذہن میں آرہے تھے۔ یہ بعینہ اس خواب کی طرح تھا جس میں انسان یہ دیکھتا ہے کہ کوئی قاتل اس پر حملہ کرنیوالا ہے اور وہ اسے مکہ مارنے کیلئے ہاتھ اٹھانے کی کوشش کرتا ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے کہ اس میں تو جان ہی باقی نہیں رہی اور وہ بازو بے جان انداز میں نیچے گرجاتا ہے۔ اس بے بسی کی حالت میں اس پر یقینی موت کا خوف سوار ہونے لگتا ہے۔

فرانسیسی فوج کے بائیں پہلو پر روسیوں کے حملے کی خبر نپولین کے خوف کا سبب بنی۔ وہ ٹیلے تلے سر جھکائے اور کہنیاں گھٹنوں پر رکھے خاموش بیٹھا تھا۔ برتھیئر اس کے پاس آیا اور مشورہ دیا کہ" حالات سے آگاہی کیلئے انہیں خود گھوڑوں پر میدان جنگ کے قریب جانا چاہئے"

نپولین نے پوچھا" کیا کہا؟ ٹھیک ہے، میرا گھوڑا لایا جائے"

وہ گھوڑے پر بیٹھ کر سیمیونووسکی کی جانب چل دیا۔

نپولین اور اس کے جرنیلوں نے قبل ازیں ایسا خوفناک منظر نہیں دیکھا تھا۔ انہوں نے کبھی اسقدر چھوٹے میدان میں اتنی لاشیں نہیں دیکھی تھیں۔ توپوں کی آوازوں سے کان پھٹے جارہے تھے جو دس گھنٹے بعد بھی خاموش نہیں ہوئی تھیں۔ نپولین گھوڑے پر سیمیونووسکی پہاڑی کی چوٹی پر پہنچا اور دھوئیں کے بادلوں میں اسے نامانوس وردیاں پہنے سپاہی دکھائی دیئے، وہ روسی تھے۔

پہاڑی اور سیمیونووسکی گاؤں کے درمیان روسی صفیں بنائے کھڑے تھے۔ میدان جنگ میں ان کی توپیں مسلسل گولہ باری کررہی تھیں اور فضا دھواں دھواں ہورہی تھی۔ اب یہ جنگ قتل عام میں بدل چکی تھی جس سلسلہ پھیلتا جارہا تھا۔ اس میں فریقین کا کوئی فائدہ نہ تھا۔

نپولین نے گھوڑے کی لگام کھینچ کر اسے روکا اور ایک مرتبہ پھر غور وفکر میں ڈوب گیا، برتھیئر نے اس کی توجہ دوبارہ اپنی طرف دلائی۔ وہ اپنے سامنے اور دائیں بائیں ہونیوالی کارروائی کو نہیں روک سکتا تھا حالانکہ بظاہر یہ سب کچھ اسی نے کیا تھا اور اس کے جاری رہنے کا انحصار بھی اسی پر تھا۔ کامیابی نہ ملنے کے باعث اسے یہ تمام صورتحال پہلی مرتبہ غیر ضروری اور خوفناک دکھائی دی۔

ایک جرنیل گھوڑا بھگاتا نپولین کے پاس آیا اور جراتمندی سے اپنی قیادت میں اولڈ گارڈز کو جنگ میں شریک کرنے کی پیشکش کی۔ نپولین کے قریب کھڑے مارشل نے اور برتھیئر نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا اور اس جرنیل کی فضول تجویز پر مسکرادیئے۔

نپولین سر جھکا کر کچھ دیر خاموش رہا۔

پھر وہ کہنے لگا" میں فرانس سے آٹھ سو لیگ دور اپنے گارڈز کو تباہی کے منہ میں نہیں دھکیلنا چاہتا" یہ کہہ کر اس نے گھوڑے کا رخ موڑا اور شیوارڈینو کی جانب واپس چل دیا۔

کے پاس آیا اور نہایت احترام سے اسے کھانے کی تجویز دی۔

وہ کہنے لگا" مجھے یقین ہے کہ میں اس موقع پر جناب عالی کو کامیابی کی مبارک دے سکتا ہوں"

نپولین نے سرنفی میں ہلایا۔ ڈی بیسٹ سمجھا شاید نپولین کی نفی کا تعلق کھانے کی بجائے فتح سے ہے۔ چنانچہ اس نے کسی قدر بے تکلفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اطمینان سے کہا کہ" اگر کھانا موجود ہو تو اس کے نہ کھانے کی بظاہر کوئی وجہ نظر نہیں آتی"

نپولین نے درشت لہجے میں کہا" جاؤ۔۔۔" اور اپنا رخ پھیر لیا۔ ڈی بیسٹ کے چہرے پر سرور آگیں مسرت، افسوس اور رنج کی کیفیت طاری ہوگئی اور وہ آہستگی سے دیگر جرنیلوں کی طرف بڑھ گیا۔

نپولین کی طبیعت اس جواری کی طرح مضمحل تھی جو طویل عرصہ تک اپنی تمام رقم بے پروا ہوکر داؤ پر لگاتا اور جیتتا رہا ہو اور پھر ایک دن جبکہ وہ اپنی کامیابی کے تمام امکانات کا جائزہ لے چکا ہو، اسے اچانک یہ محسوس ہو کہ وہ اپنے کھیل پر جتنا زیادہ سوچ رہا ہے اتنا ہی ہارتا چلا جارہا ہے۔

اس کی فوج، جرنیل، جنگی تیاریاں، ترتیب وتقسیم، جنگ سے پہلے جاری کیا جانیوالا مختصر مگر جامع اعلان حتیٰ کہ وہ خود بھی وہی تھا، اسے یہ بھی علم تھا کہ وہ پہلے کی نسبت زیادہ تجربہ کار اور ماہر ہوچکا ہے، اس کے سامنے دشمن بھی وہی تھا جس سے وہ آسٹرلٹس اور فرائیڈ لینڈ میں لڑ چکا تھا مگر اب اس کے حملوں میں وہ کاٹ کیوں نہ رہی تھی؟

اس کی تمام پرانی جنگی چالیں جو ہمیشہ کامیابی پر منتج ہوتی تھیں، پہلے ہی استعمال کی جاچکی تھیں۔ اس نے پہلے کی طرح آج بھی اپنی تمام توپیں ایک جگہ جمع کردی تھیں۔ دشمن کی صفوں کو چیرنے کیلئے اپنے محفوظ دستے بھی میدان جنگ کو روانہ کردیئے تھے اور اپنے قوی الجثہ سپاہیوں کو گھوڑوں پر سوار کراکے حملے کا حکم دے دیا تھا تاہم ان تمام باتوں کے باوجود کامیابی کی خبر ملنے کی بجائے ایسی اطلاعات موصول ہورہی تھیں کہ اس کے جرنیل ہلاک یا زخمی ہورہے ہیں، مزید فوج درکار ہے، روسیوں کو بھاگنے پر مجبور کرنا مشکل ہورہا ہے اور ہماری فوج افراتفری کا شکار ہورہی ہے۔

قبل ازیں وہ دو تین احکامات جاری کرتا، چند جملے کہتا اور اس کے مارشل اور ایجوٹنٹ مبارکباد دیتے بھاگے چلے آتے تھے۔ ان کے چہرے خوشی سے کھل رہے ہوتے تھے اور وہ مزے لے لے کر دشمن کے سازوسامان پر قبضے کی تفصیلات سنایا کرتے تھے کہ دشمن کی پوری کور گرفتار کرلی گئی ہے، دشمن کے بے شمار جھنڈے، تمغے، توپیں اور دیگر فوجی سامان قبضے میں آچکا ہے اور مورات تو باقاعدہ درخواست کرتا تھا کہ گھڑ سواروں کو سامان سے بھری گاڑیاں ہانک لانے کی اجازت دی جائے۔ لوڈی، مارینگو، آرکول، جینا، آسٹرلٹس، وگرام اور دیگر بے شمار مقامات پر ایسا ہی ہوا تھا مگر اب اس کی فوج کے ساتھ کچھ اور ہی معاملہ پیش آرہا تھا۔

مورچوں پر قبضے کی خبر ملنے کے باوجود نپولین کو محسوس ہوا کہ حالات پہلے جیسے نہیں ہیں۔ اس نے یہ بھی دیکھا کہ جو کچھ اسے محسوس ہورہا ہے، اس کے اردگرد موجود تجربہ کار جنگی لوگ بھی ویسا ہی سوچ رہے ہیں۔ ان کے حوصلے پست ہوگئے تھے اور وہ ایک دوسرے سے نگاہیں نہیں ملاتے تھے۔ صرف ڈی بیسٹ صورتحال کا درست اندازہ نہیں لگا پایا تھا۔ تاہم نپولین جس کی تمام عمر جنگوں میں گزری تھی، یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ بھرپور کوشش کرنے اور آٹھ گھنٹے میدان جنگ میں گزارنے کے بعد بھی حملہ آور فوج کو فتح نہیں ملتی تو اس کا مطلب عملاً شکست ہوتا ہے اور جنگ کے اس نازک مرحلے میں چھوٹا سا حادثہ بھی اسے اور اس کی فوج کو تباہ وبرباد کرسکتا ہے۔

اس نے جب اس عجیب وغریب روسی مہم پر غور کیا جس میں دو ماہ کے دوران ایک جنگ بھی نہیں جیتی گئی تھی،

(35)

کوتوزوف سر جھکائے اور اپنے بھاری بھرکم جسم کو ڈھیلا چھوڑے اسی بنچ پر بیٹھا تھا جس پر پیری نے اسے صبح دیکھا تھا۔ وہ احکامات جاری کرنے کی بجائے مختلف تجاویز پر رضامندی یا ناپسندیدگی کا اظہار کر رہا تھا۔

مختلف تجاویز پر وہ یہی کہتا "ہاں، ہاں، ایسا ہی کرو" یا پھر کہتا "ہاں بیٹا ہاں، جاؤ اور خود جائزہ لے کر آؤ" وہ اپنے قریبی لوگوں میں سے کبھی ایک اور کبھی دوسرے سے کہتا "نہیں، انتظار کرنا بہتر ہوگا" وہ اپنے پاس لائی جانیوالی اطلاعات سنتا اور ہدایات مانگنے والے کسی ماتحت کو مناسب ہدایات دے دیتا۔ جب رپورٹیں سنائی جاتیں تو یہ لگتا کہ وہ رپورٹوں سے زیادہ سنانے والے کے لہجے پر غور کر رہا ہے۔ طویل فوجی تجربے نے اسے یہ بات سکھلا دی تھی کہ جب لاکھوں انسان زندگی وموت کی جنگ لڑ رہے ہوں تو کسی ایک شخص کیلئے ان تمام کو ہدایات دینا ممکن نہیں رہتا۔ اسے علم تھا کہ جنگ میں کامیابی کا انحصار کمانڈر انچیف کی جانب سے فوجوں کی ترتیب اور حکمت عملی مختلف دستوں کی تعیناتی اور توپوں نیز ہلاک شدگان کی تعداد کی بجائے اس نظر نہ آنیوالی طاقت پر ہوتا ہے جسے فوجی جذبہ کہتے ہیں۔ وہ اسی قوت پر دھیان دیتا اور جس قدر ہو سکے اس کی رہنمائی کرنے اور اسے درست راہ پر ڈالنے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔

کوتوزوف کے چہرے کے عمومی تاثرات سے یہی اندازہ ہوتا تھا کہ وہ نہایت انہماک اور سکون سے بیٹھا ہے اور اگر اس کا بوڑھا جسم تھک جاتا تو اس کا اظہار چہرے کے تنے ہوئے عضلات سے ہوتا تھا۔

گیارہ بجے اسے یہ خبر ملی کہ مورچوں کو فرانسیسیوں کے قبضے سے واپس لے لیا گیا ہے مگر اس جنگ میں شہزادہ باگراتیاں زخمی ہو چکا ہے۔ یہ سن کر کوتوزوف کے منہ سے سسکی نکلی اور اس نے اظہار افسوس کے طور پر سر ہلایا۔

وہ ایک ایجوٹنٹ سے بولا "جلدی سے پیٹر ایوانووچ کے پاس جاؤ اور تفصیلات معلوم کر کے لاؤ۔ پھر وہ شہزادہ ورٹم برگ کی جانب رخ کر کے کہنے لگا "جناب! آپ پہلی فوج کی قیادت کریں گے؟"

شہزادے کے روانہ ہوتے ہی اس کا ایجوٹنٹ واپس آیا اور کہنے لگا کہ اسے کمک درکار ہے" ایجوٹنٹ اتنی جلدی واپس آ گیا تھا کہ ابھی شہزادہ ورٹمبرگ سمینوونسکی بھی نہیں پہنچ سکا ہوگا۔

کوتوزوف کی پیشانی پر شکنیں نمودار ہو گئیں۔ اس نے دختوروف کو پیغام بھیجا کہ وہ فوج کی کمان خود سنبھال لے اور شہزادے کو واپس بھیج دے جس کے بارے میں اس نے پیغام میں یہ کہا تھا کہ اس نازک صورتحال میں اسے ورٹم برگ کی شدید ضرورت ہے۔

جب کوتوزوف نے یہ سنا کہ موراٹ گرفتار ہو گیا ہے تو وہ مسکرا دیا۔

وہ کہنے لگا "حضرات! تھوڑا سا انتظار کیا جائے۔ جنگ کا پانسہ ہمارے حق میں پلٹ گیا ہے۔ موراٹ کی گرفتاری سے کچھ فرق نہیں پڑے گا البتہ جشن منانے سے انتظار کرنا بہتر ہے۔ تاہم اس نے عام فوجیوں کو یہ خبر سنانے کیلئے ایک ایجوٹنٹ بھیج دیا۔

جب بائیں بازو سے شربیئن مورچوں اور سمینوونسکی پر فرانسیسیوں کے قبضے کی خبر لایا تو کوتوزوف نے جنگ کی آوازوں اور شربیئن کے چہرے کے اتار چڑھاؤ سے اندازہ لگایا کہ بری خبر ہے اور یوں اٹھ کھڑا ہوا جیسے بیٹھے بیٹھے تھک گیا ہو اور شربیئن کو بازو سے پکڑ کر ایک جانب لے گیا۔

کوتوزوف نے اس سے کہا "میرے بچے، یرمولوف کے پاس جاؤ اور دیکھو کہ کچھ ہو سکتا ہے یا نہیں"

کوتوزوف گورکی میں تھا اور یہ گاؤں روسی پوزیشنوں کے درمیان میں واقع تھا۔ نپولین نے ہماری فوج کے بائیں پہلو پر جو حملہ کیا اسے متعدد بار ناکام بنا دیا گیا۔ درمیانی حصے میں فرانسیسی بوروڈینو سے آگے نہیں بڑھ پائے تھے اور ان کے اپنے بائیں پہلو کو یواروف کے گھڑسوار دستوں نے بھگا دیا تھا۔

تین بجے کے قریب فرانسیسی فوج کے حملے رک گئے۔ میدان جنگ سے آنیوالے لوگ کوتوزوف کے گرد گھیرا ڈالے خاموش کھڑے تھے، ان کے چہروں پر سنجیدگی تھی۔ اس روز توقع سے بڑھ کر کامیابی ملی تھی اور وہ اس کامیابی پر مطمئن تھا۔ تاہم تھکن کے مارے اس کا برا حال تھا اور کئی مرتبہ اس کا سر یوں جھولنے لگتا تھا جیسے وہ ابھی نیچے گر جائے گا۔ اسے نیند آنے لگی۔ کچھ دیر بعد اس کے سامنے کھانا لایا گیا۔

جب کوتوزوف کھانا کھا رہا تھا تو ایجوٹنٹ ولزوگن گھوڑا بھگاتا وہاں آ پہنچا۔ یہ وہی تھا جسے شہزادہ آندرے نے یہ کہتے سنا تھا کہ "جنگ وسیع علاقے پر پھیلا دینی چاہئے" اس سے باگراتیاں بھی شدید نفرت کرتا تھا۔ اسے بارکلے ڈی تولی نے بھیجا تھا اور وہ بائیں پہلو پر جنگ کی صورتحال کی اطلاع دینے آیا تھا۔ چالاک ڈی تولی نے زخمیوں کو پیچھے بھاگتے اور فوج کے عقبی حصے میں افراتفری دیکھ کر اندازہ لگایا کہ جنگ میں شکست ہو چکی ہے اور یہ خبر دے کر اپنے پیارے افسر کو کوتوزوف کے پاس بھیج دیا۔

کوتوزوف نے مرغ کی ہڈی بمشکل چباتے ہوئے ولزوگن کی طرف مزاح کے انداز میں سکڑی آنکھوں سے دیکھا۔

ولزوگن نے لاپرواہی سے ٹانگیں سیدھی کیں اور کسی قدر تمسخرانہ انداز سے مسکراتا کوتوزوف کی طرف چلا۔ اس نے سلام کیلئے ہاتھ اٹھایا جو بمشکل ٹوپی کو چھوتا تھا۔ وہ ہز ہائی نس کوتوزوف سے مصنوعی لاپرواہی برت رہا تھا اور یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ اعلیٰ تربیت یافتہ فوجی کے طور پر اس نے اس بیکار بوڑھے کی پرستش کا فرض روسیوں کے حوالے کر دیا ہے اور خوب جانتا ہے کہ اس کا واسطہ کیسے شخص سے ہے۔ ولزوگن نے اسے دیکھ کر سوچا "اسے کسی بات کی فکر نہیں" پھر وہ کوتوزوف کے سامنے رکھے کھانوں کو درشتی سے دیکھتے ہوئے بائیں بازو کی صورت حال کے حوالے سے اپنی رپورٹ پیش کرنے لگا جو بارکلے ڈی تولی کی باتوں اور اس کے اپنے مشاہدات پر مشتمل تھی۔

وہ کہہ رہا تھا "ہماری پوزیشن کے تمام اہم مقامات پر دشمن نے قبضہ کر لیا ہے اور اسے پیچھے ہٹانا ممکن نہیں کیونکہ اس مقصد کیلئے مزید فوج درکار ہے اور فالتو فوج نہیں ہے۔ سپاہی بھاگ رہے ہیں اور انہیں روکا نہیں جا سکتا"

کوتوزوف چباتے ہوئے رک گیا اور اسے یوں حیرانی سے دیکھنے لگا جیسے اس کی باتیں سمجھ میں نہ آ رہی ہوں۔ ولزوگن نے اسے گھبراتا دیکھ کر کہا "میرا خیال ہے کہ میں نے جو کچھ دیکھا اسے جناب عالی سے چھپانا درست نہیں ہوگا، فوج بھاگ رہی ہے اور اس کی صفیں بے ترتیبی کا شکار ہیں"

کوتوزوف نے اسے غصے میں دیکھتے ہوئے چلا کر کہا "تم نے دیکھا ہے؟ دیکھا ہے؟۔۔۔" وہ جلدی سے اپنی جگہ سے اٹھا اور اپنا ہاتھ اس کی جانب اٹھا کر گلوگیر آواز میں کہنے لگا "کیسے۔۔۔ تم نے یہ جرات کیسے کی؟۔۔۔ جناب! آپ کو میرے سامنے یہ بات کرنے کی جرات کیسے ہوئی؟ تم کچھ نہیں جانتے، جاؤ اور میری طرف سے بارکلے کو کہہ دو کہ اس کی اطلاع ٹھیک نہیں ہے لڑائی کی صورتحال کے بارے میں میں یعنی کمانڈر انچیف بہتر جانتا ہوں"

ولزوگن نے احتجاج کی کوشش کی مگر کوتوزوف نے اسے ٹوک دیا۔

وہ کہنے لگا "بائیں پہلو پر دشمن کو پیچھے دھکیل دیا گیا ہے اور دائیں طرف اسے شکست ہو چکی ہے۔ جناب

!اگر آپ کو اچھی طرح نظر نہیں آتا تو پھر جو کچھ جانتے ہو اسے بتانے کی تکلیف نہ کرو۔ براہ مہربانی واپس جاؤ اور بار کلے کو بتادو کہ میں کل دشمن پر حملہ کرنا چاہتا ہوں''

ہر طرف خاموشی چھا گئی۔ صرف بوڑھے جرنیل کے ہانپنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

کوتو زوف بولا ''وہ ہر جگہ سے پیچھے ہٹ گئے ہیں۔ خدا کا شکر ہے اور میں اپنی بہادر فوجوں کا شکر گزار ہوں۔ دشمن شکست کھا چکا ہے اور کل ہم اسے روس کی مقدس زمین سے پیچھے دھکیل دیں گے'' یہ کہہ کر کوتو زوف نے سینے پر صلیب کا نشان بنایا اور اس کی آنکھوں میں اچانک آنسو بھر آئے۔ وہ آہ بھر کر بیٹھ گیا۔

ولنز وگن کندھے اچکا کر خاموشی سے چل دیا۔

اسی دوران کالے بالوں والا ایک قوی الجثہ خوش شکل جرنیل پہاڑی پر پہنچا۔ کوتو زوف اسے دیکھتے ہی بولا ''ارے، میرا ہیرو آیا، زبردست!'' یہ رائیوسکی تھا، وہ تمام دن بورودینو کے انتہائی خطرناک مقام پر موجود رہا تھا۔

رائیوسکی نے اسے اطلاع دی کہ فوج اپنی جگہ پر ڈٹی ہوئی ہے اور فرانسیسی مزید حملے نہیں کر رہے'' اس کی بات سن کر کوتو زوف نے کہا ''تو پھر دیگر لوگوں کی رائے برعکس تمہارا خیال ہے کہ ہم پیچھے نہیں ہٹیں گے؟''

رائیوسکی کہنے لگا ''نہیں جناب، اس کی بجائے میں یہ سمجھتا ہوں کہ جس لڑائی کا فیصلہ نہ ہوا ہو اس میں وہ کامیاب ہوتی ہے جو اپنی جگہ کھڑی رہتی ہے، اور میرا خیال ہے کہ۔۔۔''

کوتو زوف نے اپنے ایجوٹنٹ کو آواز دی ''کیساروف! ادھر آؤ اور کل کیلئے فوج کے نام حکمنامہ لکھو'' پھر وہ دوسرے ایجوٹنٹ کی طرف متوجہ ہو کر بولا ''اور تم گھوڑے پر میدان جنگ میں جاؤ اور اعلان کرو کہ ہم کل حملہ کریں گے''

جب کوتو زوف رائیوسکی سے گفتگو کرتے ہوئے حکمنامہ لکھوا رہا تھا تو ولنز وگن واپس آ گیا اور کہنے لگا کہ بار کلے ڈی تولی فیلڈ مارشل کے حکم کی تصدیق چاہتا ہے۔

کوتو زوف نے ولنز وگن کی طرف دیکھے بغیر حکم دیا کہ فرمان لکھ دیا جائے۔ سابق کمانڈر انچیف ذمہ داری سے بچنا چاہتا تھا۔ فوج میں یکساں مزاج برقرار رکھنے والی پراسرار یکجہتی کے ذریعے کوتو زوف کا پیغام فوری طور پر فوج کے تمام حصوں میں پہنچ گیا۔ فوج کے نچلے ترین درجوں تک یہ حکم پہنچا تو اس کے اصل الفاظ برقرار نہیں رہے تھے۔ مختلف حصوں میں یہ حکم مختلف انداز میں پہنچا تھا مگر اس کا مطلب سب نے سمجھ لیا کیونکہ اس کی باتیں کسی ہوشیار چالاک کمانڈر کی سوچ بچار کا نتیجہ ہونے کی بجائے ایک ایسے احساس کا اظہار تھا جو کمانڈر انچیف سمیت ہر روسی کے دل کی آواز تھی۔

جب انہوں نے یہ سنا کہ کل وہ حملہ کریں گے اور جس بات کا وہ یقین کرنا چاہتے تھے اس کی فوج کے اعلیٰ ترین حلقوں سے تصدیق ہو گئی ہے تو تھکاوٹ سے نڈھال اور گھبرائے ہوئے سپاہیوں کو نیا حوصلہ مل گیا۔

(36)

شہزادہ آندرے کی رجمنٹ محفوظ دستوں میں شامل تھی۔ اگرچہ ان دستوں پر توپوں کی شدید گولہ باری ہوتی رہی مگر ایک بجے تک وہ سیمیونووسکی کے پیچھے بیکار کھڑے رہے۔ ایک بجے کے قریب رجمنٹ کو رائی کے کچلے ہوئے کھیت میں آگے بڑھنے کا حکم ملا۔ اس کے دو سو سپاہی ہلاک اور زخمی ہو چکے تھے۔ یہ کھیت سیمیونووسکی اور توپوں کی پہاڑی کے درمیانی راستے پر تھا۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں اس دن ہزاروں افراد مارے گئے اور اسی جگہ پر ایک اور دو بجے کے درمیان دشمن کی سینکڑوں توپیں شدید ترین گولہ باری میں مصروف تھیں۔

اس جگہ رجمنٹ اپنی جگہ سے ہلے اور ایک گولی چلائے بغیر اپنی مزید ایک تہائی تعداد سے ہاتھ دھو بیٹھی۔ خصوصاً سامنے دائیں جانب توپوں کی گولہ باری مسلسل جاری تھی اور دھوئیں کی چادر میں لپٹے زمین کے اس پراسرار خطے میں توپوں کے تیز رفتار گولے اور کم رفتار گرنیڈ مسلسل اڑ اور گر رہے تھے۔ کبھی کبھار پندرہ منٹ تک گولے اور گرنیڈ فوجیوں کے سروں سے گزرتے رہتے جیسے وہ انہیں عارضی مہلت دینا چاہتے ہوں اور پھر اچانک ایک منٹ میں رجمنٹ کے متعدد سپاہی گر جاتے اور ان کے جسم چیتھڑوں میں بدل جاتے۔ لاشیں مسلسل ہٹائی جاتی رہیں اور زخمیوں کو اٹھا کر پیچھے لے جایا جاتا رہا۔

ہر نیا حملہ ہوتے ہی باقیماندہ افراد کے زندہ رہنے کا امکان کم ہو جاتا تھا۔ رجمنٹ بٹالینوں کی ترتیب سے صفیں بنائے کھڑی تھی۔ ہر بٹالین کے درمیان تین سو گز کا فاصلہ تھا تاہم اس کے باوجود تمام رجمنٹ ایک ہی ذہنی کیفیت کا شکار تھی۔ سبھی خاموش تھے اور ہر ایک پر یکساں افسردگی طاری تھی۔ صفوں میں موجود لوگ شاید ہی کوئی بات کرتے تھے اور وہ بھی اس وقت ہوتی جب کوئی گولہ براہ راست ان پر گرتا اور ''سٹریچر، سٹریچر'' کی آوازیں بلند ہونے لگتیں۔ اس کے بعد پھر خاموشی چھا جاتی تھی۔ افسروں کے حکم پر سپاہیوں نے زیادہ وقت زمین پر بیٹھ کر گزارا۔ ایک نے اپنی ٹوپی اتاری اور احتیاط سے اسے درست کر کے دوبارہ پہن لی۔ دوسرے نے اپنی ہتھیلی پر کچھ مٹی مسلی اور اس سے اپنی سنگین چمکانا شروع کر دی۔ تیسرے نے اپنی گولیوں والی پیٹی کھینچ کر آگے پیچھے کی اور اسے کس کر باندھ دیا۔ چوتھے نے ٹانگوں کی پٹیاں کھول کر دوبارہ باندھیں اور پھر بوٹ پہن لیے۔ بعض کھیت میں موجود مٹی کے ڈھیلوں اور فصلوں کے بچے کھچے تنوں سے کھیلتے رہے۔ سبھی ایسے ہی کاموں میں مصروف دکھائی دیتے تھے۔ جب سپاہی ہلاک یا زخمی ہوتے تو سٹریچر اٹھا کر صفوں سے باہر لے جائے جاتے۔ ہماری بعض فوجی میدان جنگ سے پیچھے ہٹ آتے یا دھوئیں میں دشمن کے فوجی جتھے دکھائی دیتے تو ان پر کسی کی نظر نہ پڑتی مگر جب ہمارا توپخانہ یا گھڑ سوار فوج آگے بڑھتی یا پیادہ فوج اوپر جاتی تو ہر طرف سے واہ واہ اور تعریفی نعرے لگائے جانے لگتے۔ سب سے زیادہ جوش و خروش سے ان بیرونی واقعات پر توجہ دی جاتی تھی جن کا جنگ سے کچھ بھی تعلق نہیں ہوتا تھا۔ دوسرے الفاظ میں ان پست حوصلہ فوجیوں کو روزمرہ زندگی کی غیر اہم باتوں میں ہی سکون مل رہا تھا۔

رجمنٹ کے سامنے سے توپخانے کا ایک دستہ گزرا۔ بارود کی ایک گاڑی میں جتے گھوڑی کی ٹانگ لگام میں پھنس گئی۔

یہ دیکھ کر ہر شخص کہنے لگا ''ارے، دیکھو گھوڑے کی ٹانگ رسی میں پھنس گئی ہے۔۔۔ اس کی ٹانگ باہر نکالو، گر جائیگا، ارے، دیکھتے نہیں!۔۔۔'' تمام دن ایسے ہی تبصرے ہوتے رہے۔

ایک بار سب کی توجہ چھوٹے سے بھورے کتے پر مبذول ہو گئی۔ وہ نجانے کہاں سے آ گیا تھا اور اپنی دم اٹھائے تیزی سے بھاگا چلا جا رہا تھا۔ اچانک اس کے قریب توپ کا ایک گولہ گرا۔ کتا زور سے چیخا اور دم دبا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ تمام رجمنٹ ہنسنے لگی اور سپاہی چیخ چیخ کر نعرے لگانا شروع ہو گئے۔ تاہم ایسی تفریح چند لمحوں کیلئے ہوتی تھی اور آٹھ گھنٹے سے بھوکے بیٹھے انسانوں کے پریشان حال چہرے مزید پریشان دکھائی دینے لگتے تھے۔

رجمنٹ کے دیگر لوگوں کی طرح شہزادہ آندرے کا چہرہ بھی پیلا اور تھکاوٹ زدہ دکھائی دے رہا تھا۔ وہ جئی کے کھیت سے آگے چراگاہ میں سر جھکائے اور ہاتھ باندھے ادھر ادھر ٹہلتا رہا۔ اس کے پاس کوئی ایسا حکم نہیں تھا جسے جاری کیا جاتا اور وہ فارغ پھر رہا تھا۔ ہر شے خود بخود ہو رہی تھی۔ میدان جنگ سے لاشیں اور زخمی لائے جاتے اور جب یہ سب

کچھ ہو جاتا تو صفیں خود بخود دوبارہ ترتیب میں آ جاتیں۔ کوئی سپاہی پیچھے بھاگتا تو فوراً واپس چلا آتا۔ شروع میں شہزادہ آندرے نے اپنے سپاہیوں کا حوصلہ بلند رکھنے کی کوشش کی مگر فوراً اسے یقین ہو گیا کہ اس سے کچھ نہیں ہوگا اور انہیں اس سے کوئی بات سیکھنے کی ضرورت نہیں۔ وہاں موجود دیگر فوجیوں کی طرح اس کی روح بھی غیر شعوری طور پر ذہن کو پوری قوت سے صورتحال کی خوفناکی سے بچانے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ زمین پر پاؤں گھسیٹتا، گھاس میں سرسراہٹ کی آواز پیدا کرتا اور اپنے بوٹوں پر جمی گرد کے بارے میں سوچتا چراگاہ میں ادھر ادھر گھوم پھر رہا تھا۔ وہ لمبے قدم اٹھاتا ان پگڈنڈیوں پر چلنے لگتا جو بے شمار لوگوں کے چلنے کے نتیجے میں جا بجا بنی تھیں۔ پھر وہ اپنے قدم گننے اور دل میں یہ حساب لگانے کی کوشش کرتا کہ اسے ایک کلومیٹر فاصلہ طے کرنے کیلئے چراگاہ کے ایک سے دوسرے کنارے تک کتنے چکر لگانا پڑیں گے۔ کبھی وہ باڑ کے ساتھ اگے پودوں کے پھول توڑتا اور انہیں اپنی ہتھیلیوں کے مابین مسل کر ان کی تیز اور تلخ خوشبو سونگھنے لگتا۔ گزشتہ روز اس نے جو خیالات سوچے تھے وہ اب بالکل باقی نہ رہے تھے۔ اب وہ کسی شے کے بارے میں نہیں سوچ رہا تھا۔ وہ ایک جیسی آوازیں سن سن کر تنگ آ جانے والے کانوں سے بموں، گولوں اور گولیوں میں تمیز کرنے کی کوشش کرنے لگتا اور پہلی بٹالین کے سپاہیوں کے اکتا دینے کی حد تک مانوس چہروں کی جانب دیکھنا شروع ہو جاتا۔ پھر اس نے دھوئیں سے بھری ایک شے کی آواز سن کر سوچا "وہ آ رہی ہے، ہم پر گرے گی" وہ ٹھہر گیا اور صفوں کی جانب دیکھنے لگا۔ پھر اس نے سوچا "ایک اور، وہ گری۔۔۔ کسی اور سے ٹکرائی ہے" وہ ایک مرتبہ چکر لگانے لگا۔ وہ سولہ قدموں میں دوسرے کنارے تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اچانک سرسراہٹ کی آواز آئی اور کوئی شے دھماکے سے گری۔ اس سے پانچ قدم دور توپ کے گولے نے زمین چیر ڈالی تھی۔ وہ کانپ گیا اور اس پر خوف چھانے لگا۔ اس نے صفوں کی جانب نظر ڈالی۔ متعدد لوگ گولے کا نشانہ بن گئے تھے۔ دوسری بٹالین کے قریب سپاہیوں کا جمگھٹا لگ گیا۔

اس نے چلا کر کہا "ایجوٹنٹ! انہیں کہو کہ ایک جگہ اکٹھے نہ ہوں"

ایجوٹنٹ حکم بجا لانے کے بعد شہزادہ آندرے کی طرف بڑھنے لگا۔ دوسری جانب سے بٹالین کمانڈر آ گیا، وہ گھوڑے پر بیٹھا تھا۔

ایک سپاہی با آواز بلند بولا "بچیں!" اس کی آواز میں خوف و دہشت شامل تھی اور پھر ایک گولہ پرندے کی طرح زمین کی جانب آیا اور آواز پیدا کئے بغیر شہزادہ آندرے سے دو قدم دور گر گیا۔ سب سے پہلے گھوڑے نے اپنا ردعمل ظاہر کیا جسے اس بات کی پروا نہ تھی کہ خوف کا اظہار کرنا درست ہے یا نہیں۔ اس نے نتھنے پھلائے اور ٹانگیں اٹھا کر اپنے سوار کو گراتا ہوا بھاگ کھڑا ہوا۔ گھوڑے کا خوف سپاہیوں میں بھی سرایت کر گیا۔

ایجوٹنٹ چلا کر بولا "لیٹ جاؤ" اور پھر خود زمین پر گر گیا۔

شہزادہ آندرے کچھ دیر ٹھہر گیا۔ دھواں اگلتا گولہ اس کے اور زمین پر لیٹے ایجوٹنٹ کے مابین پھرکی کی مانند گھومنا شروع ہو گیا۔

شہزادہ آندرے نے عجیب سی حسرت کے انداز میں دھواں اگلتے گولے کی جانب دیکھ کر سوچا "کیا یہی موت ہے؟ میں نہیں مر سکتا، میں نہیں مرنا چاہتا، مجھے زندگی، اس گھاس اور اس زمین سے پیار ہے۔۔۔" اسی وقت جب وہ یہ باتیں سوچ رہا تھا تو اسے یاد آیا کہ لوگ اسی کی جانب دیکھ رہے ہیں۔

وہ ایجوٹنٹ سے کہنے لگا "شرم کی بات ہے، جناب ایجوٹنٹ۔ یہ کیا۔۔۔" اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے

ہی زوردار دھماکہ ہوا جیسے کھڑکی توڑ دی گئی ہو اور پھر فضا میں بارود کی سانس بند کر دینے والی خوشبو پھیل گئی۔ شہزادہ آندرے جھٹکا کھا کر ایک جانب اچھلا اور بازو فضا میں لہراتا منہ کے بل زمین پر گر گیا

کئی افسر اس کی جانب بھاگے۔ اس کے پیٹ کی دائیں طرف سے خون ابلنے لگا اور گھاس سرخ ہونا شروع ہو گئی۔

ملیشیا کے سپاہیوں کو بلایا گیا جو سٹریچر اٹھائے افسروں کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ شہزادہ آندرے منہ کے بل گھاس پر لیٹا تھا اور اس کیلئے سانس لینا مشکل ہو رہا تھا۔

کسی نے ملیشیا والے کسانوں سے کہا "کیا دیکھ رہے ہو، آگے آؤ؟"

کسان آگے آئے اور انہوں نے شہزادہ آندرے کے کندھوں اور ٹانگوں کو پکڑا مگر وہ تکلیف کے باعث بری طرح کراہ رہا تھا۔ ملیشیا کے سپاہیوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر اسے نیچے لٹا دیا۔

کسی نے با آواز بلند کہا "اسے اٹھاؤ، اوپر اٹھاؤ، اسی طرح"

انہوں نے اسے دوبارہ اٹھایا اور سٹریچر پر لٹا دیا۔

کسی نے کہا "او خداوند، کہاں؟۔۔۔ پیٹ میں؟" کئی افسر چیخنے لگے "پھر تو ختم ہو گیا۔۔"

ایجوٹنٹ بولا "یہ سنسناتا ہوا میرے کان کے قریب سے گزرا تھا، بس چھوٹا سا زخم آیا ہے" کسانوں نے سٹریچر کندھوں پر درست کیا اور اس پگڈنڈی پر چلنے لگے جو ان کے چکر لگاتے قدموں سے ایمبولینس سٹیشن تک بن گئی تھی۔

ایک افسر گلا پھاڑ کر بولا "قدم ملاؤ۔۔۔ ارے۔۔۔ یہ کسان!" اس نے ان میں سے ایک کے کندھوں پر ہاتھ رکھ دیا تاکہ بے ربط قدموں میں ترتیب پیدا کی جا سکے جس کے باعث سٹریچر ہچکولے کھائے جا رہا تھا۔

سب سے آگے والا کسان کہنے لگا "فیوڈور، قدم ملاؤ"

پیچھے والے نے جواب دیا "ملا لیے" اسے خوشی تھی کہ اس کے قدم دیگر سے مل گئے ہیں۔

تیموخن کی کانپتی آواز سنائی دی "جناب عالی!؟ او شہزادہ؟" وہ بھاگتا ہوا آیا تھا اور اب سٹریچر پر نگاہیں جمائے کھڑا تھا۔

شہزادہ آندرے نے آنکھیں کھولیں اور سٹریچر سے بولنے والے کی جانب دیکھا اور اس کی آنکھیں دوبارہ بند ہو گئیں۔

☆☆☆

ملیشیا کے سپاہی شہزادہ آندرے کو جنگل کے قریب عارضی ہسپتال میں لے گئے۔ یہ ہسپتال تین خیموں پر مشتمل تھا جنہیں برچ کے درختوں کے قریب لگایا گیا تھا۔ خیموں کے پردے اٹھا کر پیچھے باندھ دیئے گئے تھے۔ زخمیوں کو لانے والی گاڑیاں اور گھوڑے درختوں کے درمیان کھڑے تھے۔ گھوڑے دانہ کھا رہے تھے اور ان کے تھیلوں سے باہر گرنے والے دانے اٹھانے کیلئے چڑیاں زمین پر جھپٹ رہی تھیں۔ کوے خون کی بو سونگھ کر درختوں کے قریب اڑ رہے تھے اور ان کی کائیں کائیں میں کوئی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ خیموں کی چاروں جانب پانچ ایکڑ سے زائد جگہ پر مختلف لباس پہنے لوگ کھڑے، بیٹھے یا لیٹے ہوئے تھے۔ ان کے جسموں سے خون بہہ رہا تھا۔ سٹریچر اٹھانے والوں کے ہجوم انہیں اداسی سے دیکھے جاتے تھے۔ نظم و ضبط کی پابندی کے ذمہ دار افسر انہیں ہٹانے کی کوشش کرتے مگر ناکام رہتے۔ یہ لوگ اپنے سٹریچروں کے سہارے کھڑے بے حد توجہ سے سامنے یوں نگاہیں جمائے ہوئے تھے جیسے وہ کسی منظر کی پیچیدگی سمجھنے کی

کوشش کر رہے ہوں۔ خیموں سے غصیلی چیخیں بلند ہو رہی تھیں اور ان میں سسکیاں اور آہیں بھی گھل مل رہی تھی۔ ڈاکٹر کا نائب وقفے وقفے سے پانی لینے یا زخمیوں کو اندر لانے کا کہنے کیلئے بھاگتا ہوا باہر آتا۔ خیموں سے باہر قطاروں کی صورت میں کھڑے زخمی اپنی باری کا انتظار کرتے ہوئے آہ و فغاں میں مصروف تھے۔ وہ روتے چیختے ہوئے واڈ کا مانگ رہے تھے اور بعض ہذیانی کیفیت میں مبتلا تھے۔

کسان شہزادہ آندرے کا سٹریچر اٹھائے مرہم پٹی کے منتظر زخمیوں کو اپنے پاؤں تلے لتاڑتے اسے رجمنٹ کمانڈر کی حیثیت سے ایک خیمے میں لے آئے۔ یہاں رک کر وہ ہدایات کا انتظار کرنے لگے۔ شہزادہ آندرے نے آنکھیں کھولیں مگر کافی دیر تک اسے سمجھ نہ آئی کہ اس کے گرد کیا ہو رہا ہے۔ اسے چراگاہ، پودے، کھیت اور پھرکی کی طرح گھومتا گولہ یاد آیا اور یہ بھی احساس ہوا کہ اس کے دل میں زندہ رہنے کی خواہش جاگ اٹھی تھی۔ اس سے چند قدم دور ایک طویل القامت اور خوش شکل افسر کھڑا تھا جس کے بال سیاہ تھے اور اس نے سر پر پٹی باندھ رکھی تھی۔ اس کے سر اور ایک ٹانگ پر زخم تھا۔ وہ باآواز بلند گفتگو کر رہا تھا اور ہر ایک کی توجہ اسی پر مرکوز تھی۔ اس کے گرد زخمیوں اور سٹریچر اٹھانے والوں کا جمگھٹا لگ گیا۔ تمام لوگ اس کی باتیں شوق سے سن رہے تھے۔

وہ کہہ رہا تھا "ہم نے اسے بری طرح ہزیمت سے دوچار کیا اور وہ سب کچھ چھوڑ کر بھاگ اٹھا، ہم نے خود بادشاہ کو پکڑ لیا" وہ اپنے دائیں بائیں دیکھنے لگا۔ اس کا لہجہ جوشیلا ہو گیا اور آنکھیں چمکنے لگیں۔ اس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا "یقین کیجئے کہ اگر محفوظ دستے اسی وقت آ جاتے تو اس کا نشان تک مٹ جاتا"

بولنے والے کے قریب موجود لوگوں کی طرح شہزادہ آندرے کی آنکھیں بھی روشن ہو گئیں اور وہ اسے غور سے دیکھتے ہوئے اطمینان محسوس کرنے لگا۔ اس نے سوچا "تاہم اب یہ سب کچھ بے معنی نہیں ہے؟ وہاں نجانے کیسے حالات ہوں اور یہاں کیا صورت حال ہے؟ مجھے زندگی سے منہ موڑنے میں اسقدر افسوس کیوں تھا؟ اس زندگی میں کچھ تو ہے جسے میں نہیں سمجھ سکا اور اب بھی اس کی سمجھ نہیں آ رہی"

(37)

خیمے سے ایک ڈاکٹر باہر نکلا۔ اس کا ہاتھ اور ایپرن خون سے بھرے ہوئے تھے۔ وہ انگوٹھے اور چھوٹی انگلی سے سگار تھامے ہوئے تھا تاکہ اس پر خون نہ لگے۔ اس نے سر اٹھایا اور زخمیوں کے اوپر سے چاروں جانب دیکھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ تھوڑی دیر کیلئے اس کام سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اپنی گردن گھمانے کے بعد اس نے آہ بھری اور نیچے دیکھنے لگا۔

نائب نے اس کی توجہ شہزادہ آندرے کی طرف دلائی اور اس نے کہا "ٹھیک ہے، آ جاؤ، ہاں، انہیں اندر لے آؤ"

اپنی باری کے انتظار میں کھڑے زخمیوں نے بڑبڑاتے ہوئے کہا "لگتا ہے کہ اگلی دنیا میں بھی انہی بڑے لوگوں کی اجارہ داری ہوگی"

شہزادہ آندرے کو اندر پہنچانے کے بعد ایک میز پر لٹا دیا گیا۔ یہ میز کچھ ہی دیر پہلے خالی ہوئی تھی اور ڈاکٹر کا ایک نائب اسے صاف کر رہا تھا۔ شہزادہ آندرے کیمپ کا منظر اچھی طرح نہ سمجھ سکا۔ ہر طرف بلند ہونیوالی دلدوز چیخوں کے باعث اسے اپنے پیٹ اور ٹانگ میں ہونیوالا درد محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ اسے اپنے اردگرد نظر آنیوالی ہر شے ایک ہی

عمومی تاثر میں گھلی ملی دکھائی دیتی کہ خیمہ اسی طرح ننگے اور خون سے تر بتر جسموں سے بھرا نظر آتا ہے جس طرح چند ہفتے قبل اگست کی ایک گرم شام کو اسے سمولنسک کی سڑک کے قریب گندا تالاب انسانی جسموں سے بھرا دکھائی دیا تھا۔ اس نے سوچا "ہاں وہ بھی اسی قسم کے جسم تھے جنہیں دیکھ کر وہ خوفزدہ ہو گیا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اسے اب دکھائی دینے والے منظر کی پیشگی اطلاع مل گئی تھی۔"

خیمے میں تین میزیں پڑی تھیں۔ دو پر زخمی موجود تھے اور انہوں نے شہزادہ آندرے کو تیسری پر لٹا دیا۔ کچھ دیر کیلئے اسے اکیلا چھوڑا گیا تو وہ غیر ارادی طور پر دیگر میزوں کی جانب دیکھنے لگا۔ اس کے قریب پڑی میز پر ایک تاتار موجود تھا۔ اس کے قریب رکھی وردی سے وہ قازق معلوم ہوتا تھا۔ اسے چار سپاہیوں نے پکڑ رکھا تھا جبکہ عینک پہنے ایک ڈاکٹر اس کی مضبوط کمر میں چاقو سے شگاف لگا رہا تھا۔

تاتار تکلیف کے مارے زور زور سے چیخنے لگا "اوہ! اوہ! اوہ!۔۔۔" اس نے اپنا گندمی چہرہ اچانک اوپر اٹھایا اور اس کے دانت باہر نکل آئے جبکہ جسم تڑپنا شروع ہو گیا۔ اس نے زوردار چیخ ماری۔ دوسری میز کے گرد کافی لوگ جمع تھے۔ اس پر ایک بھاری بھرکم شخص سر جھکائے پڑا تھا۔ شہزادہ آندرے کو اس کا سر، شکل وصورت، گھنگھریالے بال اور ان کی رنگت دیکھ کر یوں محسوس ہوا جیسے اسے پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔ ڈاکٹروں کے متعدد نائبین اسے اپنی جگہ پر دبائے رکھنے کیلئے اس کی چھاتی پر جھکے ہوئے تھے۔ جب اسے دورہ پڑتا تو اس کی ایک لمبی سفید ٹانگ کانپنا شروع ہو جاتی۔ وہ شخص سسکیاں لے کر رو رہا تھا اور اس کا جسم مسلسل کپکپا رہا تھا۔ دو سرجن اس کی دوسری ٹانگ کیساتھ کچھ کر رہے تھے اور ان میں سے ایک کا چہرہ پیلا تھا۔

جب عینک والا ایک ڈاکٹر تاتار سے فارغ ہو گیا تو اس پر کوٹ ڈال کر شہزادہ آندرے کی طرف چلا آیا۔ اس نے آندرے کو سرسری نگاہ سے دیکھا اور غصے میں ایک نائب سے کہنے لگا "ان کے کپڑے اتارو، جلدی کرو، میری جانب کیا دیکھ رہے ہو؟"

جب نائب اپنی آستینیں چڑھائے جلدی سے آندرے کے بٹن کھولنے اور اس کے کپڑے اتارنے لگا تو اسے اپنا ابتدائی بچپن یاد آ گیا جو اب ماضی کی داستان بن چکا تھا۔ ڈاکٹر زخم پر جھکا اور اس پر آلہ لگا کر گھاؤ کی گہرائی جانچی۔ بعدازاں گہری سانس لے کر کسی کی جانب ہاتھ سے اشارہ کیا۔ شہزادہ آندرے پیٹ میں ہونیوالے ناقابل برداشت درد کے باعث بیہوش ہو گیا۔ جب اسے ہوش آیا تو ٹانگ سے ٹوٹی ہوئی ہڈی کے ٹکڑے نکالے جا چکے تھے۔ پھٹا ہوا گوشت کاٹ دیا گیا تھا اور زخمی پر پٹی بندھی تھی۔ اس کے چہرے پر پانی چھڑکا جا رہا تھا۔ جونہی اس نے آنکھیں کھولیں تو ڈاکٹر نے اس کے چہرے پر جھک کر بوسہ لیا اور کچھ کہے بغیر فوری طور پر وہاں سے چلا گیا۔

آندرے کو اذیت سے گزرنے کے بعد اب جو سکون مل رہا تھا وہ اسے بہت عرصہ سے حاصل نہیں ہوا تھا۔ اس کی زندگی کے بہترین اور انتہائی خوشیوں بھرے لمحات ذہن میں آنے لگے جب وہ بالکل چھوٹا تھا اور کپڑے تبدیل کرنے کے بعد اسے بستر پر لٹا دیا جاتا اور آیا اسے لوری دیتی اور وہ اپنا سر تکیے میں چھپا لیتا۔ اس وقت صرف یہی احساس اس کے رگ و پے میں خوشی بھر دیتا تھا کہ وہ زندہ ہے۔ اسے یہ واقعات ماضی کی بجائے حال کی حقیقت محسوس ہو رہے تھے۔

ڈاکٹر کسی زخمی پر انہماک سے جھکے ہوئے تھے۔ اس کا سر شہزادہ آندرے کو مانوس معلوم ہوا۔ ڈاکٹر اس شخص کو اٹھاتے ہوئے چپ کرانے کی کوشش کر رہے تھے۔

زخمی انتہائی دہشت زدہ آواز میں آہ و بکا کر رہا تھا۔ وہ کہنے لگا" یہ مجھے دکھاؤ۔۔۔ اوہ! او! او!" اور اس کے انداز سے یوں لگتا تھا جیسے وہ گھٹیا اور اوباش شخص ہے۔

اس شخص کی نالہ وزاری سن کر شہزادہ آندرے کا زار و قطار رونے کو دل چاہا۔ یہ خواہش اس لیے ابھری کہ وہ کارنامہ انجام دیے بغیر دنیا سے جا رہا تھا یا پھر اسے زندگی اتنی پیاری تھی کہ وہ اسے چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ شاید اسے بچپن کا زمانہ یاد آ رہا تھا جسے واپس حاصل کرنا ممکن نہ تھا یا پھر وہ تکلیف میں مبتلا تھا اور دیگر لوگ بھی تکلیف کا شکار تھے، یا پھر اس خواہش کا سبب اس شخص کا رونا تھا، وجہ کچھ بھی ہو، بہرحال اس کا جی چاہا کہ وہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو دے۔

زخمی کو اس کی کاٹی گئی ٹانگ دکھا دی گئی۔ اس پر خون جما ہوا تھا اور پاؤں میں بوٹ نظر آ رہا تھا

شہزادہ آندرے نے خود کلامی کے انداز میں کہا" اوہ خداوندا! یہ کیا؟ یہ یہاں کیوں ہے؟"

مصیبت کے مارے، روتے اور بے حوصلہ شخص کو شہزادہ آندرے نے اناطول کوراگن کے طور پر پہچان لیا جس کی ٹانگ تھوڑی دیر پہلے کاٹی گئی تھی۔ یہ اناطول تھا جسے انہوں نے بازوؤں میں تھام رکھا تھا اور اسے پانی کا گلاس پیش کیا جا رہا تھا تاہم اس کے سوجے ہوئے کانپتے ہونٹ گلاس کے کنارے تک نہیں پہنچ پا رہے تھے۔ اناطول کے منہ سے آہ نکلی اور اس کا جسم زور زور سے کپکپانا شروع ہو گیا۔ شہزادہ آندرے نے سوچا" ہاں بالکل، یہ وہی ہے! ہاں، اس شخص کا کسی نہ کسی طرح مجھ سے گہرا اور اذیت ناک تعلق ہے" تاہم ابھی تک وہ صحیح طور سے یہ اندازہ نہیں کر پایا تھا کہ اس نے سامنے جس شخص کو دیکھا ہے وہ حقیقت میں کون ہے۔ آندرے سوچنے لگا" اس شخص کا میرے بچپن سے کیا تعلق؟"

تاہم اسے اس سوال کا جواب نہ مل سکا۔ اچانک بچپن، پاکیزگی اور محبت کی اس دنیا میں ایک نئی اور غیر متوقع یاد آ گئی۔ اسے وہ نتاشا یاد آنے لگی جو پہلی مرتبہ 1810 میں اسے رقص کی محفل میں ملی تھی۔ دبلی پتلی گردن اور بازو، ڈرا سہا چہرہ جو خوشی سے بےخود ہونے کو تیار تھا۔ پھر اس کے دل میں اس کیلئے پیار اور شفقت کا جذبہ بیدار ہو گیا جو پہلے کی نسبت کہیں زیادہ طاقتور تھا۔ اب اسے وہ تعلق یاد آیا جو اس کے اور اس زخمی شخص کے مابین موجود تھا جو اپنی آنسو بھری سوجی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھنے میں مصروف تھا اور آندرے کی جانب دیکھ کر اسے پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا۔ شہزادہ آندرے کو سب کچھ یاد آ گیا اور اس کے خوشیوں بھرے دل میں اس شخص کیلئے بےحد محبت اور شفقت پیدا ہو گئی۔

شہزادہ آندرے مزید ضبط نہ کر سکا اور اپنے ساتھی انسانوں، اپنے نیز ان کی اور اپنی غلطیوں پر محبت اور شفقت کے آنسو بہانا شروع کر دیے۔ وہ سوچ رہا تھا" اپنے بھائیوں اور ہم سے محبت اور نفرت کرنیوالوں کیلئے درگزر، پیار اور رحم، دشمنوں کیلئے بھی محبت، ہاں وہی محبت جس کی خداوند نے زمین پر تبلیغ کی اور جو شہزادی ماریا نے بھی مجھے سکھلانے کی کوشش کی تھی مگر میں نہ سمجھ سکا، مجھے زندگی سے منہ موڑنا اسی وجہ سے اچھا نہیں لگا تھا۔ اگر میں مزید زندہ رہا تو میرے لیے یہی کچھ باقی ہو گا مگر میں جانتا ہوں کہ اب بہت دیر ہو چکی ہے"

(38)

لاشوں اور زخمیوں سے بھرا میدان جنگ خوفناک منظر پیش کر رہا تھا۔ نپولین کو سر درد ہو رہا تھا اور اس کے ساتھ ہی یہ خبر ملی کہ کم و بیش بیس جرنیل جنہیں وہ جانتا تھا ہلاک شدگان یا زخمیوں میں شامل ہیں۔ علاوہ ازیں اسے یہ احساس بھی پریشان کیے دیتا تھا کہ اس کی فوج جس سے سبھی خوفزدہ تھے، اب معذور ہو چکی ہے۔ ان تمام باتوں نے مل جل کر نپولین پر غیر متوقع انداز میں اثر ڈالا جو اپنی ذہنی قوت کی آزمائش کیلئے زخمیوں اور ہلاک ہونیوالوں کے بارے میں

دیر تک غور و فکر کرنا پسند کرتا تھا۔ نپولین بڑی بڑی مصیبتوں میں نہیں گھبراتا تھا اور اس کا خیال تھا کہ یہ خوبی اس کی عظمت تشکیل دیتی تھی مگر اس دن میدان جنگ کا خوفناک منظر اس سے بھی برداشت نہ ہو سکا۔ وہ وہاں سے فوری روانہ ہو گیا اور شیوارڈینو کے ٹیلے پر چلا گیا۔ وہاں وہ کیمپ سٹول پر بیٹھ کر غیر ارادی طور پر فائرنگ کی آوازیں سننے لگا۔ اس کا چہرہ زرد اور سوجا ہوا تھا، آنکھوں میں چمک مفقود ہو چکی تھی اور ناک کا رنگ سرخ ہو گیا تھا۔ جب وہ بات کرتا تو اس کی آواز بھرا جاتی۔ وہ اذیت ناک افسوس کے عالم میں اس جنگ کے خاتمے کا منتظر تھا جس کی شروعات تو اسی کے ہاتھوں ہوئی تھی مگر وہ اس کے خاتمے پر قدرت نہیں رکھتا تھا۔ اس پر عارضی طور پر قدرتی انسانی جذبہ طاری ہو گیا تھا۔ میدان جنگ میں نظر آنیوالی اموات اور مصیبتیں اسے اپنی ذات میں محسوس ہونے لگیں۔ اسے اپنے سر اور سینے میں جس درد کا احساس ہو رہا تھا اس کی بدولت اس نے اندازہ لگایا کہ یہ موت اور مصیبت اسے بھی اپنی گرفت میں لے سکتی ہے۔ اس وقت اسے ماسکو، فتح یا شہرت کی کوئی خواہش محسوس نہیں ہو رہی تھی (اسے مزید عظمت کی کیا ضرورت تھی؟) اب اسے جس واحد شے کی خواہش تھی وہ آرام اور فراغت تھے۔ تاہم جب وہ سیمیونووسکی کی پہاڑی پر تھا تو توپخانے کے کمانڈر نے اسے تجویز دی کہ اس اونچی جگہ پر کئی توپیں لگا دی جائیں تاکہ کنیازکوف میں اکٹھے ہونیوالے روسیوں پر شدید گولہ باری کی جا سکے، نپولین نے اس پر رضامندی کا اظہار کیا اور حکم دیا کہ اسے فائرنگ کے نتائج سے برابر مطلع کیا جاتا رہے۔

ایک ایجوٹنٹ گھوڑا بھگاتا اس کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ" جناب کے حکم پر دو سو توپیں روسیوں پر گولہ باری کر رہی ہیں تاہم وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلتے۔ ایجوٹنٹ نے کہا" ہماری گولہ باری کے نتیجے میں ان کی صفیں تباہ و برباد ہوتی جا رہی ہیں مگر وہ اپنی جگہ ڈٹے ہوئے ہیں"

نپولین نے بیٹھی ہوئی آواز میں دریافت کیا" اور درکار ہیں؟"

ایجوٹنٹ نپولین کے الفاظ درست طور سے نہ سن سکا اور بولا" حضور! کیا فرمایا"

نپولین نے درشت لہجے میں اپنی بات دہراتے ہوئے کہا" انہیں مزید چاہئے، دے دو"

حکم کے بغیر پہلے ہی اس کی خواہش پر عمل ہو رہا تھا۔ اس نے یہ حکم اسی لیے دیا تھا کہ اس کے خیال میں اس سے یہی توقع کی جاتی تھی۔ وہ ایک مرتبہ پھر اپنے خوابوں کی دنیا میں کھو گیا (جیسے کولہو کے گرد گھومتا گھوڑا سمجھتا ہے کہ وہ سب کچھ اپنی مرضی سے کر رہا ہے) اور وہ ظالم، نقصان دہ، افسوسناک اور انسانیت کش کردار دوبارہ سنبھال لیا جسے انجام دینا اس کی قسمت میں لکھ دیا گیا تھا۔

نپولین پر کسی اور کی نسبت اس تمام عمل کا کہیں زیادہ بوجھ تھا اور اس کا ضمیر محض اسی دن اندھیرے میں نہیں بھٹک رہا تھا بلکہ وہ اپنی زندگی کے آخری لمحات تک اپنے کاموں کی اہمیت نہ سمجھ سکا جو نیکی، خوبصورتی یا سچائی کے خلاف تھے۔ وہ انسانیت سے متعلق ہر شے سے اتنا دور رہا کہ اس کے معنی نہ سمجھ پایا۔ خواہ آدھی دنیا ہی اس کی تعریف کرتی رہے، وہ یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے، سو وہ نیکی، خوبصورتی، سچائی اور انسانیت کی ہر شکل سے اپنا تعلق ختم کرنے پر مجبور ہو گیا۔

اس دن جب وہ ہلاک شدگان اور زخمیوں سے بھرے میدان جنگ کا چکر لگا رہا تھا (اس کے خیال میں یہ کام اس کی خواہش پر ہوا تھا) اور یہ جاننے کی کوشش میں مصروف تھا کہ ایک فرانسیسی کے مقابلے میں کتنے روسی زخمی یا ہلاک ہوئے ہیں تو یہ اندازہ کر کے وہ خوشی سے نہال ہو گیا کہ روسیوں کا جانی نقصان فرانسیسیوں سے پانچ گنا زیادہ ہے۔ اس نے خوش ہو کر پیرس میں خط لکھا جس میں تحریر تھا" میدان جنگ کا منظر نہایت شاندار تھا کیونکہ وہاں پچاس ہزار لاشیں

پڑی تھیں" اس کی یہ ذہنی کیفیت اسی روز ہی نہ تھی بلکہ بہت بعد میں جب اسے سینٹ ہیلینا میں قید کیا گیا تو اس نے اپنی یادداشتوں میں لکھا تھا کہ:

"روسی جنگ کو جدید دور کی مقبول ترین جنگ ہونا چاہئے تھا۔ یہ جنگ اچھی سوچ اور حقیقی دلچسپیوں کی جنگ تھی۔ اس جنگ کا مقصد ہر ایک کیلئے سکون اور تحفظ کی فراہمی، قیام امن اور قدیم روایات کو محفوظ کرنا تھا"

"یہ عظیم مقاصد کیلئے لڑی جانیوالی لڑائی تھی تاکہ بے یقینی کی فضا ختم ہو اور تحفظ کی شروعات ہو سکے۔ اس سے نیا دور شروع ہوتا اور نئی کوششوں کا آغاز ہو جاتا جو ہر ایک کے فائدے اور خوشحالی کیلئے کی جاتیں۔ یورپی نظام پہلے ہی بن گیا تھا اور اب اسے صرف منظم کرنا باقی تھا"

"اگر یہ مقاصد حاصل ہو جاتے اور ہر جگہ امن قائم ہو جاتا تو میں اپنی کانگرس منعقد کرتا اور اپنا مقدس معاہدہ ترتیب دیتا۔ یہ میرے تصورات تھے جو دوسروں نے چرا لیے۔ خودمختار حکمرانوں کے اس عظیم اکٹھ میں ہم ایک خاندان کی طرح اپنی دلچسپیوں پر غوروفکر کرتے اور اپنی اپنی قوم کے سامنے اسی طرح جوابدہ ہوتے جس طرح کلرک اپنے آقا کے سامنے جوابدہ ہوتا ہے"

"اس انداز سے یورپ جلد صحیح معنوں میں ایک قوم بن جاتا۔ جو شخص جہاں بھی جانا چاہتا تو خود کو ایک ہی ملک میں پاتا۔ اس صورتحال میں میرا اصرار ہوتا کہ جن جہازوں میں جہاز چلایا جا سکتا ہے وہاں ہر ایک کو جہازرانی کی اجازت ہونی چاہئے۔ سمندر ہر ایک کی مشترکہ ملکیت ہوں اور موجودہ بڑی بڑی فوجوں میں اتنی کمی کر دی جائے کہ ان کی حیثیت حکمرانوں کے محافظ سے زیادہ نہ ہو"

"عظیم، مضبوط، شاندار اور پرعظمت وطن فرانس میں پہنچ کر میں اعلان کر دیتا کہ اس کی سرحدات تبدیل نہیں ہو سکتیں، مستقبل کی جنگیں صرف دفاع کیلئے ہوں گی اور مملکت میں مزید توسیع جرم ہوگا۔ میں اپنے بیٹے کو امور مملکت میں حصہ دار بناتا۔ میری مطلق العنانی ختم ہو جاتی اور اس کی آئینی حکومت کا آغاز ہو جاتا۔۔۔"

"پیرس دنیا کا دارالحکومت ہوتا اور کل عالم فرانسیسی قوم پر رشک کرتا۔۔۔"

"بعدازاں میری فراغت کے لمحات اور بڑھاپے کا وہ زمانہ آتا جب میرا بیٹا حکومت کرنے کا فن سیکھ رہا ہوتا اور میں ملکہ کی معیت میں مملکت کے کونے کونے کا سفر کرتا۔ کھرے دیہاتیوں کی طرح ہمیں کسی قسم کی کوئی جلدی نہ ہوتی۔ ہمارے پاس اپنے گھوڑے ہوتے اور ہم آہستگی سے محوسفر رہتے۔ ہم لوگوں کی شکایات سنتے، ان سے ہونیوالی زیادتیوں کا ازالہ کرتے اور جہاں جاتے لوگوں کی فلاح و بہبود کیلئے کام کرتے اور جابجا یادگاریں تعمیر کراتے" اس شخص نے، جسے قدرت نے قوموں کے جلاس کا افسوسناک اور ناگزیر کردار ادا کرنے کیلئے پہلے ہی چن رکھا تھا، خود کو قائل کر لیا کہ وہ سب کچھ قوموں کی فلاح و بہبود کیلئے کر رہا ہے۔ وہ لاکھوں انسانوں کی قسمت سے کھیل سکتا ہے اور اپنے اختیارات کی بدولت انہیں فوائد پہنچا سکتا ہے۔

اس نے جنگ کے بارے میں مزید لکھا:

"دشولا پار کرنے والے چار لاکھ افراد میں سے آدھے آسٹروی، پرشین، سیکسن، پولش، بویرین، ورٹم برگ، میکلن برگ، ہسپانوی، اطالوی اور نیپلز تھے۔ شاہی فوج کا ایک تہائی حصہ ولندیزی، بیلجیئن، رہائن لینڈ کے باسیوں، پیڈمونٹیز، سوئس، جینیوا، تسکن، رومنوں اور برمن و ہیمبرگ سے تعلق رکھنے والے بتیسویں فوجی ڈویژن سے تعلق رکھتا تھا۔ ان میں فرانسیسی زبان بولنے والے بمشکل ایک لاکھ چالیس ہزار تھے۔ روسی مہم کے دوران فرانسیسی باشندوں کا جانی

نقصان پچاس ہزار سے کم تھا جبکہ ولنا سے پیچھے ہٹنے سے سقوط ماسکو تک روسیوں کا جانی نقصان فرانسیسیوں سے چار گنا زیادہ تھا۔ ماسکو جلنے کے نتیجے میں ایک لاکھ مزید روسی مارے گئے۔ یہ لوگ جنگلوں میں ٹھنڈ اور بھوک پیاس کے باعث جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ آخر میں روسیوں کو ماسکو سے اوڈرنگ کوچ میں موسم کی سختیوں کا بھی سامنا رہا۔ جب وہ ولنا پہنچے تو ان کی تعداد کم ہو کر پچاس ہزار رہ گئی اور کالج تک اٹھارہ ہزار سے بھی کم بچ پائے تھے"

☆☆☆

نپولین کے خیال میں روس کے ساتھ جنگ اس کی مرضی کے مطابق ہوئی اور اس میں ہونیوالی ہولناکیاں اس کی روح پر اثرانداز نہ ہو سکیں۔ اس نے تمام باتوں کی ذمہ داری جراتمندانہ انداز سے قبول کی اور اس کے منتشر ذہن نے اس کا جواز اس یقین میں ڈھونڈ لیا کہ جن لاکھوں انسانوں نے زندگی سے ہاتھ دھوئے ان میں فرانسیسیوں کی تعداد ہیسین اور بویرین باشندوں سے کم تھی۔

(39)

مختلف اقسام کی وردیاں پہنے ہزاروں افراد مختلف انداز میں کھیتوں اور چراگاہوں میں مرے پڑے تھے۔ یہ کھیت اور چراگاہیں داویدوف خاندان اور کچھ شاہی غلاموں کی ملکیت تھیں جن میں سالہا سال سے بورودینو، گورکی، شیوارڈینو اور سیمیونووسکی گاؤں کے لوگ فصلیں اگاتے اور مویشی چراتے رہتے تھے۔ عارضی ہسپتالوں کے اردگرد کم و بیش تین تین ایکڑ زمین اور گھاس خون سے رنگین ہو چکی تھی۔ زخمیوں اور بچ جانیوالے سپاہیوں کے ہجوم گرتے پڑتے پیچھے ہٹ رہے تھے۔ ایک فوج کے سپاہی موزیسک اور دوسری کے والیوف کی جانب واپس جا رہے تھے۔ سپاہیوں کے بعض ہجوموں کو ان کے افسر آگے لے جا رہے تھے جبکہ کچھ اپنی جگہوں پر کھڑے مسلسل فائرنگ کر رہے تھے۔

میدان جنگ میں جہاں پہلے صبح کی دھوپ میں سنگینیں چمک رہی تھیں، اب دھوئیں کے ہلکے پھلکے بادل فضا میں بلند ہو رہے تھے۔ پہلے خوبصورت دکھائی دینے والے میدان جنگ میں اب دھند، نمی اور دھوئیں کی چادر تنی تھی جبکہ فضا میں گندھک اور خون کی بو رچ چکی تھی۔ آسمان پر گہرے بادل چھائے ہوئے تھے اور ہلاک وزخمی، خوفزدہ، تھکے ہارے انسانوں پر بارش برسنا شروع ہو گئی جیسے کہہ رہی ہو" بہت ہو گیا، بہت ہو گیا، بس کرو۔۔۔ کچھ خیال کرو، کیا کر رہے ہو؟"

بھوک اور تھکن سے نڈھال فریقین کے ذہن میں یہ شکوک پیدا ہونے لگے کہ آیا انہیں ایک دوسرے کو ہلاک کرنے کا عمل جاری رکھنا چاہئے یا نہیں۔ ہر چہرے پر ہچکچاہٹ تھی اور ہر دل میں یہی سوال پیدا ہو رہا تھا کہ " میں کیوں اور کس کیلئے دوسروں کو ہلاک کر رہا ہوں اور ہو رہا ہوں؟ تمہارا جو دل چاہے کرو، میں تو اس سے تنگ آ چکا ہوں" شام ہونے تک ہر دل میں یہی خیال سرایت کر گیا۔ یہ لوگ جو کچھ کر رہے تھے اس کا خوف کسی بھی لمحے ان پر اس حد تک سوار ہو سکتا تھا کہ وہ اچانک سب کچھ چھوڑ سکتے تھے اور جدھر رخ ہوتا اسی طرف بھاگ کھڑے ہوتے۔

اگرچہ جنگ ختم ہوئی تو ان پر اس عمل کی ہولناکی اچھی طرح واضح ہو گئی اور وہ سب کچھ چھوڑ کر بھاگ جاتے تو انہیں بیحد خوشی محسوس ہوتی مگر کوئی پراسرار قوت انہیں کنٹرول کئے ہوئے تھی اور بچ جانیوالے توپچی (ہر تین میں سے ایک بچا تھا) اب بھی گولے لا کر توپوں میں بھرنے، نشانے باندھنے اور آگ لگانے میں مصروف تھے۔ ان کے جسم پسینے میں شرابور اور بارود و خون سے بھرے ہوئے تھے۔ تھکن کے مارے وہ ہر قدم پر لڑکھڑا رہے تھے تاہم دونوں جانب سے

توپوں کے گولے ابھی تک اسی رفتار سے اڑے چلے آرہے تھے اسی ظالمانہ انداز سے انسانی جسموں کو ٹکڑوں میں تقسیم کر رہے تھے۔ وہ خوفناک کھیل جاری تھا جو انسانوں اور دنیاؤں پر حکومت کرنیوالی ذات کی مرضی سے مکمل ہوتا ہے اور اس میں افراد کی مرضی کا دخل نہیں ہوتا۔

☆☆☆

روسی فوج کے پیچھے بدنظمی دیکھنے والا ہر شخص یہی کہتا کہ فرانسیسی تھوڑی سی کوشش کریں تو روسی فوج بھاگ اٹھے گی اور فرانسیسی فوج کے عقبی حصے کا مشاہدہ کرنیوالے کے بھی یہی خیالات ہوتے۔ تاہم فریقین میں سے کسی نے ایسا نہ کیا اور جنگ آہستہ آہستہ اختتام کو پہنچ گئی۔

روسی فوج نے یہ کوشش اس لیے نہ کی کہ وہ فرانسیسیوں پر حملہ نہیں کر رہی تھی بلکہ لڑائی کی ابتداء میں وہ ماسکو کے راستے میں کھڑی تھی اور اب بھی وہیں موجود تھی۔ اس طرح وہ دشمن کی راہ میں دیوار بن گئی۔ تاہم اگر روسیوں کا مقصد فرانسیسیوں کو ان کی جگہ سے پیچھے ہٹانا بھی تھا تو اب ان میں اس آخری کوشش کیلئے ہمت نہیں رہی تھی کیونکہ تمام روسی فوج کا بھاری نقصان ہوا تھا اور کوئی بھی یونٹ ایسی نہ تھی جو نقصان سے بچ رہی ہو۔ روسیوں کو محض اپنی پوزیشن پر قائم رہنے کیلئے آدھی فوج قربان کرنا پڑی۔

فرانسیسیوں کو اپنی پندرہ سالہ فتوحات یاد تھیں اور ان کا یقین تھا کہ نپولین ناقابل شکست ہے، ان میں سے جن لوگوں کو علم تھا کہ وہ میدان جنگ کے کچھ حصے پر قبضہ کر چکے ہیں اور ان کی صرف ایک چوتھائی فوج کا نقصان ہوا ہے نیز ان کے بیس ہزار اولڈ گارڈز ابھی تک جنگ میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ وہ با آسانی ایسی کوشش کر سکتے تھے۔ چونکہ ان کے حملے کا مقصد ہی روسیوں کو ان کی پوزیشنوں سے نکال باہر کرنا تھا لہٰذا انہیں ایسی کوشش کرنا چاہیے تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جب تک روسی ماسکو جانیوالے راستے پر کھڑے تھے اس وقت تک فرانسیسی اپنا مقصد حاصل نہیں کر سکتے تھے اور انہوں نے جو نقصانات اٹھائے وہ بیکار تھے۔ تاہم اس کے باوجود فرانسیسیوں نے یہ کوشش نہ کی۔ بعض تاریخ دان کہتے ہیں کہ نپولین اپنے محفوظ گارڈز کو میدان جنگ میں لے آتا تو وہ جنگ جیت لیتا۔ نپولین اپنے گارڈز کو جنگ میں جھونک دیتا تو کیا ہوتا، یہ بات بالکل ایسے ہی ہے جیسے کوئی پوچھے کہ "خزاں میں موسم بہار آجائے تو کیا ہوگا" ایسا نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ نپولین نے اپنے گارڈز کو اس لیے نہیں روکا تھا کہ وہ انہیں استعمال نہیں کرنا چاہتا تھا بلکہ اس نے انہیں اس لیے روکا کہ وہ انہیں استعمال کر ہی نہیں سکتا تھا۔ فرانسیسی فوج کے تمام جنرل، افسر اور سپاہیوں کو علم تھا کہ فوجیوں کا جذبہ مسلسل سرد پڑ رہا ہے اور ان حالات میں گارڈز کو جنگ میں جھونکنا کارلا حاصل ہوتا۔

صرف نپولین کو اس خوفناک حقیقت کا احساس نہیں تھا کہ اس کی مضبوط فوج بے بس ہو کر رہ گئی ہے بلکہ اس کے تمام جرنیلوں اور گزشتہ لڑائیوں (جن میں وہ اس جنگ کی نسبت صرف دس فیصد طاقت استعمال کر کے دشمن کو مار بھگاتے تھے) کا تجربہ رکھنے والے عام فوجیوں کو بھی اسی خوفناک احساس کا تجربہ ہو رہا تھا، خواہ وہ جنگ میں شریک تھے یا نہیں۔ اب انہیں ایک ایسے دشمن سے پالا پڑا تھا جو اپنی آدھی فوج کی قربانی دینے کے بعد بھی میدان جنگ میں ڈٹا ہوا تھا اور لڑائی کے اختتام پر بھی شروع کی طرح ناقابل تسخیر تھا۔ حملہ آور فرانسیسیوں کی اخلاقی قوت ختم ہو گئی تھی۔ روسیوں کو بوروڈینو میں جو کامیابی ملی وہ ایسی کامیابی نہ تھی جس کا تعین چند جھنڈے ہاتھ آجانے یا زمین کے کسی ٹکڑے پر قبضے سے ہوتا ہے بلکہ یہ اخلاقی فتح تھی، ایسی فتح دشمن کو یہ یقین دلا دیتی ہے کہ اسے اخلاقی برتری حاصل ہے۔ فرانسیسی فوج کی حالت اس پاگل درندے کی سی تھی جسے اپنے حملے میں شدید زخم آتا ہے اور وہ محسوس کرتا ہے کہ اس کا آخری وقت

آن پہنچا ہے۔ تاہم جس طرح فرانسیسیوں سے آدھی روسی فوج لڑکھڑانے پر مجبور تھی اسی طرح فرانسیسی فوج بھی آگے بڑھنے پر مجبور ہو چکی تھی۔ اسے شروع میں جو حرکت دیدی گئی تھی اس کی بدولت وہ ماسکو کی جانب بڑھ سکتی تھی اور بڑھی مگر وہاں پہنچنے کے بعد اسے بوروڈینو میں آنے والے زخم کی بدولت روسیوں کی کسی کوشش کے بغیر ہی تباہ و برباد ہو جانا تھا اور اس کا اتنا خون نکلنا تھا کہ بچاؤ کی کوئی صورت ہی نہ رہتی۔ بوروڈینو کی جنگ کا براہ راست یہ نتیجہ نکلا کہ نپولین کو بلاوجہ ماسکو سے فرار ہونا پڑا اور اسی سمولنسک کی سڑک کے ساتھ ساتھ چل کر واپسی اختیار کرنا پڑی جس کے ذریعے وہ ماسکو تک پہنچا تھا۔ اس طرح پانچ لاکھ فوج کو تباہ ہونا اور نپولین کے فرانس کو زوال کا شکار ہونا تھا جسے پہلی مرتبہ جذبے کے اعتبار سے اپنے سے برتر دشمن کا مقابلہ کرنا پڑا تھا۔

☆☆☆☆☆

گیارہواں حصہ

(1)

انسانی دماغ کیلئے حرکت کے قطعی تسلسل کا ادراک کرنا ممکن نہیں۔ کسی بھی حرکت کے قوانین صرف اسی وقت انسانی عقل میں آتے ہیں جب وہ اسے اپنی مرضی کے مطابق توڑتا، اکائیوں میں تقسیم کرتا اور پھر ان پر غور وفکر کرتا ہے۔ تاہم جب وہ حرکت کے تسلسل کو اپنی مرضی سے غیر مسلسل اکائیوں میں منقسم کر دیتا ہے تو اس کا یہی عمل بہت بڑی انسانی غلطی کا باعث بن جاتا ہے۔

ہم قدیم لوگوں کے اس نام نہاد اور باطل استدلال کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ اخیلس اپنے سے پہلے روانہ ہونے والے کچھوے کو کبھی نہ پکڑ سکا حالانکہ اس کی رفتار کچھوے سے دس گنا تیز تھی۔ جس مدت میں اخیلس کچھوے اور اپنے درمیان موجود فاصلہ طے کرتا ہے، اس دوران کچھوا اس فاصلے کے دسویں حصے کے برابر مزید آگے نکل جاتا ہے۔ جب اخیلس اس دسویں حصے کا سفر ختم کرتا ہے تو کچھوے کو کچھ سوویں حصے کی برتری حاصل ہو جاتی ہے اور اس طرح یہ سلسلہ لامحدود انداز میں جاری رہتا ہے۔ قدیم زمانے کے لوگوں کو یہ مسئلہ سمجھ نہیں آتا تھا۔ اس نتیجے (کہ اخیلس کبھی کچھوا نہیں پکڑ سکے گا) کے غیر منطقی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حرکت کو اپنی مرضی سے مختلف اکائیوں میں منقسم کر دیا گیا ہے جبکہ اخیلس اور کچھوا مسلسل حرکت میں ہیں۔

حرکت کو مختصر ترین اکائیوں میں منقسم کر کے ہم مسئلے کے حل کی جانب محض بڑھتے ہیں، اس تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ چھوٹی ترین مقدار موجود ہے اور اسے دس سے ضرب دے کر بڑھایا یا کم کیا جاسکتا ہے اور یہ سلسلہ لامحدود انداز میں پھیلایا جاسکتا ہے۔ تب ہم ضرب وتقسیم کے عمل سے کسی نتیجے پر پہنچیں گے تو ہمیں مسئلے کا حل مل جائے گا۔ اس طرح علم ریاضی کی ایک اور شاخ وجود میں آتی ہے۔ اس شاخ نے کم ترین اکائیوں سے نمٹنے کا حل تلاش کر لیا ہے چنانچہ یہ حرکت کے بعض پیچیدہ ترین مسائل کے حل پیش کرنے لگی ہے جو پہلے ناقابل حل دکھائی دیتے تھے۔

علم ریاضی کی یہ نئی شاخ جس سے پہلے زمانے کے لوگ آشنا نہیں تھے، کے ذریعے حرکت کے مسائل پر غور وفکر سے قبل یہ ماننا پڑتا ہے کہ چھوٹی سے چھوٹی مقداریں بھی موجود ہو سکتی ہیں اور اس طرح وہ حرکت کی عظیم شرط یعنی مسلسل حرکت کو پورا کر دیتی ہے۔ یوں اس ناگزیر غلطی کی تصحیح ہو جاتی ہے جسے انسانی ذہن (اگر وہ مسلسل حرکت کی بجائے اسے مختلف اکائیوں میں تقسیم کر کے دیکھے) کے بغیر نہیں رہ سکتا۔

تاریخی حرکت کے قوانین جاننے کیلئے یہی اصول کام آتا ہے۔

انسانی حرکت اپنے طریقہ کار کے مطابق بے شمار انسانی عزائم کی مرہون منت ہوتی ہے اور یہ مسلسل جاری

رہتی ہے۔

تاریخ کا کام اس حرکت کے قوانین کی دریافت ہے مگر مسلسل حرکت کے ان اصولوں (جو انسانی ارادوں کا ماحصل ہوتے ہیں) کو سمجھنے کیلئے انسان کا دماغ حرکت کو مسلسل حرکت تصور نہیں کرتا بلکہ اسے اپنی مرضی سے مختلف اکائیوں میں منقسم کر دیتا ہے۔ واقعات مسلسل جاری رہتے ہیں اور ان کا سلسلہ کبھی نہیں تھمتا۔ تاریخ دان کا پہلا طریقہ کار یہ ہے کہ وہ ان مسلسل واقعات میں سے چند کو اپنی مرضی سے منتخب کرنے کے بعد انہیں دوسروں سے الگ کر کے ان پر غور وفکر کرتا ہے حالانکہ واقعے کی شروعات ہوتی ہے نہ ہو سکتی ہے کیونکہ ہر واقعہ ختم ہوئے بغیر دوسرے واقعے کے بطن سے جنم پاتا ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کسی ایک شخص (بادشاہ یا جرنیل) کے کاموں کا جائزہ لیا جاتا ہے جیسے اس کے افعال بے شمار افراد کے اعمال کے مجموعے کے برابر ہوں گے حالانکہ بے شمار افراد کے عزائم کا مجموعہ کسی واحد تاریخی شخصیت کے افعال کا اظہار کبھی نہیں ہو سکتا۔

جوں جوں تاریخ کا علم آگے بڑھ رہا ہے توں توں وہ مسلسل چھوٹی سے چھوٹی اکائیوں کا جائزہ لینے لگا ہے اور اس انداز سے سچائی تک پہنچنے کی بھرپور کوشش کر رہا ہے۔ تاہم یہ اکائی کتنی ہی چھوٹی کیوں نہ ہو ہمیں یوں لگتا ہے جیسے یہ مفروضہ کہ کوئی اکائی دوسری سے الگ ہے اور یہ مفروضہ کہ کسی وقوعہ کی کوئی شروعات ہے یا یہ بات کہ انسانی ارادے کسی واحد تاریخی کردار کے افعال کے ذریعے بنتے ہیں، غلط ہے۔

مشاہدے کیلئے تاریخ کی چھوٹی سے چھوٹی اکائیاں لے کر انہیں باہم مربوط کرنے کا فن حاصل کر کے ہم تاریخ کے قوانین دریافت کرنے کی امید رکھ سکتے ہیں۔

انیسویں صدی کے پہلے پچاس برس کے دوران یورپ میں لاکھوں انسانوں کی غیر معمولی نقل وحرکت دکھائی دیتی ہے۔ لوگ اپنی روایتی کام چھوڑ چھاڑ کر جلدی سے یورپ کے ایک سے دوسرے کونے میں پہنچتے ہیں اور ایک دوسرے کو لوٹتے اور خون بہاتے ہیں۔ کامیابیاں اور مایوسیاں حاصل کرتے ہیں۔ چند برسوں کیلئے طرز زندگی میں انقلاب برپا ہو جاتا ہے اور وہ قومی تحریک میں بدل جاتا ہے۔ یہ تحریک پہلے طاقتور اور پھر کمزور پڑ جاتی ہے۔ انسانی ذہن یہ پوچھتا ہے کہ ''اس تحریک کے پیچھے کون سے عوامل تھے؟ اور یہ کن اصولوں پر استوار تھی؟''

تاریخ دان اس سوال کے جواب میں ہمیں چند درجن انسانوں کے اقوال وافعال کا مجموعہ پیش کر دیتے ہیں جو پیرس کی ایک عمارت میں رہتے تھے۔ وہ ان باتوں کو ''انقلاب'' کہتے ہیں۔ بعد ازاں وہ ہمیں نپولین اور کئی دیگر لوگوں کی زندگیوں کی تفصیلی داستان بیان کرنے لگتے ہیں جو اس انقلاب کے حامی یا مخالف تھے۔ ان میں سے بعض نے دوسروں کو جس انداز میں متاثر کیا وہ اس کا بھی ذکر کرتے ہیں اور ہمیں یہ خوشخبری دیتے ہیں کہ ''یہ یہ باتیں اس تحریک کا سبب بنیں اور اس کے اصول درج ذیل تھے''

مگر انسان کا ذہن ایسی وضاحت پر یقین نہیں کرتا اور اعلان کرتا ہے کہ واقعات کی تشریح کا یہ انداز درست نہیں کیونکہ اس میں کمزور چیز کو عظیم تر چیز کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ یہ انسانوں کے انفرادی ارادوں اور افعال کا مجموعہ تھا جو انقلاب اور نپولین کو منظر عام پر لانے کا سبب بنا اور انہی ارادوں کے مجموعے نے پہلے انہیں برداشت کیا اور پھر تباہ وبرباد کر ڈالا۔

مگر جہاں جنگیں ہوتی ہیں وہاں فاتح بھی ہوتے ہیں اور جہاں انقلاب آتا ہے وہیں عظیم انسان بھی منظر عام پر آجاتے ہیں۔ تاریخ کہتی ہے ''ہاں'' انسانی عقل جواب دیتی ہے ''جب بھی کوئی فاتح آیا تو اپنے ساتھ جنگیں لایا تاہم

اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ ایسے فاتحین ہی جنگوں کا باعث بنے یا کسی شخص کی ذاتی دلچسپیوں میں جنگ کے اصول ڈھونڈے جاسکتے ہیں''

جب بھی میں اپنی گھڑی کی جانب دیکھتا ہوں اور سوئی دس کے ہندسے پر پہنچتی ہے تو میرے کانوں میں قریبی گرجے کی گھنٹیاں بجنے کی آواز سنائی دیتی ہے۔ تاہم صرف اس وجہ سے کہ گھنٹیاں اس وقت بجیں جب میری گھڑی دس کے ہندسے پر پہنچ گئی تھی، مجھے اس نتیجے پر پہنچنے کا کوئی حق نہیں کہ گھنٹیاں اس لیے بجیں کہ میری گھڑی کی سوئیاں ایک خاص جگہ پہنچ گئی تھیں۔

جب بھی میں بھاپ سے چلنے والا انجن دیکھتا ہوں تو مجھے اس کی آواز سنائی دیتی ہے۔ والو کھلتے ہیں اور پہیے گھومنے لگتے ہیں۔ تاہم اس سے میں یہ نتیجہ نکالنے میں حق بجانب نہیں ہوں کہ انجن اس لیے متحرک ہوتا ہے کہ سیٹی بجنے لگتی ہے یا پہیے گھومنا شروع ہوجاتے ہیں۔

کسانوں کا کہنا ہے کہ بہار کے اواخر میں ٹھنڈی ہوا اس لیے چلتی ہے کہ موسم کے اس حصے میں اوک کی کونپلیں پھوٹنا شروع ہوجاتی ہیں۔ مانا کہ ہر موسم بہار میں جب اوک کی کونپلیں پھوٹتی ہیں تو ٹھنڈی ہوا ضرور چلتی ہے اور اگرچہ مجھے یہ علم نہیں کہ اوک کی کونپلوں کے پھوٹنے پر ہوا کیوں چلتی ہے، تاہم میں کسانوں کی یہ بات نہیں مان سکتا کہ ٹھنڈی ہوا کا چلنا کونپلوں کے پھوٹنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہوا کی طاقت کونپلوں سے زیادہ ہے۔ میرے خیال میں زندگی کے مظاہر کے ساتھ ساتھ ایسے جو واقعات پیش آتے ہیں وہ محض اتفاقی ہوتے ہیں اور میں یہ بات سمجھتا ہوں کہ میں اپنی گھڑی کی سوئیوں، بھاپ والے انجن کے والو اور پہیوں اور اوک کے درخت کی کونپلوں کا خواہ کتنی ہی دیر مشاہدہ کیوں نہ کروں، مجھے یہ علم نہیں ہو پائے گا کہ گھنٹیاں بجنے، انجن چلنے اور موسم بہار میں ٹھنڈی ہوا کا سبب کیا ہے۔ یہ جاننے کیلئے مجھے اپنا نقطہ نظر اچھی طرح بدلنا ہوگا اور ان اصولوں کا مطالعہ کرنا ہوگا جو گھنٹیاں بجنے، انجن چلنے اور ہوا کے عمل کا ضابطہ تشکیل دیتے ہیں۔ تاریخ کو بھی ایسا ہی کرنا چاہئے اور اس حوالے سے پہلے ہی کوششیں ہوچکی ہیں۔

تاریخی قوانین جاننے کیلئے ہمیں اپنے مشاہدے کے موضوع میں تبدیلی لانا ہوگی۔ ہمیں بادشاہوں، وزیروں اور جرنیلوں سے ہٹ کر ان چھوٹے چھوٹے عناصر کا مطالعہ کرنا چاہئے جو عام لوگوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ تاریخ کے اصول سمجھنے کیلئے ایسی پیش رفت کہاں تک ممکن ہے مگر یہ بات صاف ظاہر ہے کہ صرف اسی طرح ہی تاریخ کے قوانین دریافت کئے جاسکتے ہیں۔ تاریخ دانوں نے مختلف بادشاہوں، وزیروں اور جرنیلوں کے افعال بیان کرنے اور ان کے بارے میں اپنے نظریات تشکیل دینے کیلئے جو کوششیں کی ہیں اس کے مقابلے میں انہوں نے اس سمت میں اپنی مساعی کا صرف دس لاکھواں حصہ صرف کیا ہے۔

(2)

بارہ مختلف یورپی ملکوں کی فوجیں روس پر حملہ کردیتی ہیں۔ روسی فوج اور علاقے کے لوگ پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور جنگ سے بچنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں یہاں تک وہ سمولنسک پہنچ جاتے ہیں۔ وہاں بھی وہ یہی رویہ اختیار کرتے ہیں اور سمولنسک سے بوروڈینو آجاتے ہیں۔ فرانسیسی فوج ماسکو کی جانب بڑھنے لگتی ہے اور اس کی رفتار تیز ہوجاتی ہے۔ جوں جوں وہ اپنی منزل سے قریب ہوتی چلی جاتی ہے، اس کی رفتار میں بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ یہ صورتحال بالکل اس شے جیسی ہے جو اوپر سے نیچے گررہی ہو اور زمین سے نیچے آتے آتے اس کی رفتار بھی بڑھ جاتی ہے۔ فرانسیسی فوج کے

پیچھے بھوکے اور زیر قبضہ ملک کے سینکڑوں میل ہیں اور سامنے اس کی منزل کے مابین چند کلومیٹر حائل ہیں۔ نپولین کی فوج کے ایک ایک سپاہی کو اس بات کا علم ہے اور یلغار صرف رفتار کے زور پر ہورہی ہے۔

روسی فوج جوں جوں پیچھے ہٹتی جاتی ہے، غنیم کیخلاف اس کی نفرت کا جذبہ بھی انتہائی زور آور ہوتا چلا جاتا ہے۔ پیچھے ہٹنے سے اس کی طاقت کم ہونے کی بجائے بڑھنے لگتی ہے اور وہ پہلے سے کہیں زیادہ مضبوط ہوجاتی ہے۔ بوروڈینو میں فریقین کے مابین جنگ میں کوئی فوج تباہ نہیں ہوتی تاہم جنگ کے فوراً بعد روسی فوج ناگزیر طور پر بالکل اسی طرح پیچھے ہٹتی ہے جیسے کوئی گیند اپنے سے زیادہ تیز رفتار گیند سے ٹکرانے کے بعد پیچھے لڑھک جاتی ہے۔

روسی فوج پسپا ہوکر ماسکو سے دوسری سمت میں ایک سو بیس کلومیٹر دور چلی جاتی ہے۔ فرانسیسی ماسکو پہنچ کر قیام پذیر ہوجاتے ہیں۔ اس کے بعد پانچ ہفتے تک کوئی جنگ نہیں ہوتی۔ فرانسیسی ماسکو سے کہیں نہیں جاتے اور اس درندے کی طرح وہیں پڑے رہتے ہیں جسے مہلک زخم آئے ہوں اور وہ انہیں چاٹ رہا ہوتا ہے۔ پھر وہ اچانک بلاوجہ واپس پلٹ پڑتے ہیں اور تیزی سے شاہراہ کالوگا کا رخ کرتے ہیں (فتح کے باوجود، کیونکہ درمیان میں ہونیوالی میلے یاروسلاوتس کی لڑائی بھی انہوں نے ہی جیتی تھی) اور کوئی اہم جنگ لڑے بغیر تیزی سے سمولنسک، ولنا اور پھر بیریزینا تک چلے جاتے ہیں۔ وہ بیریزینا کے قریب ٹھہرنے کی بجائے مزید پیچھے ہٹ آتے ہیں۔

26 اگست کی شام کوتوزوف اور تمام فوج کو یقین ہوگیا تھا کہ بوروڈینو کی جنگ جیت لی گئی ہے۔ کوتوزوف نے زار کے نام اپنے خط میں بھی یہی تاثر دیا تھا۔ بعدازاں اس نے حکم دیا کہ دشمن کو تباہ و برباد کرنے کیلئے نئی لڑائی کی تیاری کی جائے۔ اس نے یہ کسی کو دھوکہ دینے کیلئے نہیں کہا تھا بلکہ وہ جنگ میں شریک ہر شخص کی طرح جانتا تھا کہ دشمن ہار چکا ہے۔

تاہم اس شام اور اگلے دن مسلسل یہ اطلاعات ملتی رہیں کہ فوج کو بیحد نقصان پہنچا ہے۔ نصف فوج ہلاک یا زخمی ہوگئی تھی اور یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ مزید لڑائی ممکن نہیں رہی۔

تمام محاذوں سے اطلاعات ملنے، زخمی اٹھائے جانے، گولہ بارود کی کمی پوری ہونے، ہلاک ہونیوالے کی تعداد گنے جانے، ہلاک شدہ افسروں کی جگہ نئی تقرریوں اور سپاہیوں کو خوراک اور آرام دینے تک نئی جنگ کرنا ممکن نہ رہا تھا۔ ادھر فرانسیسی فوج خود بخود روسیوں کی طرف بڑھنے لگی۔ اسے پیشقدمی کیلئے کسی محرک کی ضرورت نہ تھی کیونکہ وہ اپنے ہی زور پر آگے بڑھ رہی تھی۔ کوتوزوف اگلی صبح حملہ کرنے کا خواہشمند تھا اور تمام فوج بھی یہی چاہتی تھی مگر حملے کیلئے خواہش کے علاوہ امکان کی موجودگی بھی ضروری تھی اور یہ امکان موجود نہ تھا۔ ایک دن کی پسپائی میں جتنا فاصلہ طے ہوسکتا تھا اس سے کم طے کرنے میں خطرہ تھا۔ دوسرے اور تیسرے دن بھی ایسا ہی ہوا۔ ان دونوں میں وہ جتنا پیچھے ہٹ سکتے تھے ہٹ گئے اور یوں وہ یکم ستمبر کو ماسکو پہنچ گئے تو حالات نے انہیں ماسکو سے بھی آگے پسپا ہونے پر مجبور کردیا اور اس طرح وہ ایک اور دن کے فاصلے پر پیچھے ہٹ گئے جبکہ ماسکو دشمن کے سامنے کھلا چھوڑ دیا گیا۔

ایسے لوگ جو یہ فرض کرنے کے عادی ہیں کہ جرنیل جنگوں اور لڑائیوں کے منصوبے بالکل اسی طرح بناتے ہیں جس طرح کوئی اپنے کمرے میں بیٹھ کر یہ فرض کرلیتا ہے کہ فلاں جنگ میں کسی صورتحال پر کیسے قابو پایا جاسکتا تھا۔ ہمارے ذہن میں کئی سوالات ابھرتے ہیں جیسا کہ ''کوتوزوف نے پسپائی کے دوران ایسے یا ویسے کیوں نہ کیا؟ فلی پہنچنے سے پہلے وہ دشمن کے آگے کیوں نہ ٹھہرا؟ ماسکو چھوڑنے سے پہلے اس نے شاہراہ کالوگا پر قبضہ کیوں نہ کیا؟ وغیرہ'' اس انداز سے سوچنے کے عادی ان حالات کو بھول جاتے ہیں جن سے جان چھڑانا ممکن نہیں ہوتا اور وہ کسی بھی کمانڈر انچیف

کے دائرہ کار کو محدود کر دیتے ہیں۔ کمانڈر انچیف کی مصروفیت اس مصروفیت جیسی نہیں ہوتی جس کا ہم اپنے ڈرائنگ روم میں پاؤں پھیلا کر تصور کرتے ہیں۔ ہم اپنے سامنے نقشہ کھول کر بیٹھ جاتے ہیں اور اپنے ذہن میں کسی لڑائی کا نقشہ ترتیب دیتے ہیں جو کسی خاص جگہ پر خاص وقت میں فریقین کی خاص تعداد کے درمیان لڑی گئی ہوتی ہے۔ بعدازاں ہم یہ سوچنا شروع ہو جاتے ہیں کہ کمانڈر انچیف نے یہ یا وہ کام کیا ہوگا۔ کمانڈر انچیف مسلسل بدلتے واقعات میں گھرا ہوتا ہے اور اسی وجہ سے وہ کسی بھی لمحے کسی واقعے کے ظہور کی پوری اہمیت پر غور کرنے کے قابل نہیں ہوتا۔ واقعہ غیر محسوس انداز سے آہستہ آہستہ تشکیل پاتا رہتا ہے اور اس دوران کمانڈر انچیف سازشوں، پریشانیوں، اندیشوں، حکام، منصوبہ جات، مشوروں، دھمکیوں اور بیوفائیوں کے انتہائی گنجلک کھیل کا مرکز ہوتا ہے۔ یوں وہ مسلسل مختلف النوع سوالات کے جواب دینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

فوجی امور کے ماہر ہمیں سنجیدگی سے بتلاتے ہیں کہ کوتوزوف کو فلی پہنچنے سے پہلے اپنی فوج شاہراہ کالوگا پر لے جانا چاہیے تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کسی نے اسے یہ تجویز دی تھی۔ مگر کمانڈر انچیف کو عموماً، خاص طور پر نازک صورتحال کے دوران ایسے بے شمار منصوبے ملتے رہتے ہیں اور یہ ایک جیسی حکمت عملی اور چالوں کے اصولوں پر مشتمل ہوتے ہیں اور ہر منصوبہ دوسرے کی ضد ہوتا ہے۔ بظاہر یہی لگتا ہے کہ کمانڈر انچیف کا کام ان میں سے کسی ایک منصوبے کا انتخاب ہے مگر اس کیلئے ایسا کرنا بھی ممکن نہیں ہوتا۔ وقت اور واقعہ کسی کا انتظار نہیں کرتا۔ فرض کریں کہ 28 تاریخ کو اسے کالوگا روڈ کی جانب پیشقدمی کی تجویز ملی مگر اسی وقت میلورادوچ کا ایک ایجوٹنٹ بھاگم بھاگ وہاں پہنچ گیا اور پوچھنے لگا کہ کیا وہ فرانسیسیوں سے لڑنا چاہتا ہے یا اس کا مقصد پسپائی اختیار کرنا ہے۔ وہ مطالبہ کر رہا ہے کہ اسے فوری حکم دیا جائے۔ اس وقت پسپائی کا جو حکم دیا جاتا ہے وہ ہماری فوج کو اس جگہ سے آگے لے جاتا ہے جہاں سڑک شاہراہ کالوگا کی جانب مڑتی ہے۔ ایجوٹنٹ کے جاتے ہی شعبہ رسد کا ایک افسر آتا ہے اور سامان رسد کی منتقلی کے حوالے سے احکامات مانگتا ہے۔ دوسری جانب فوج کے طبی شعبے کا سربراہ یہ جاننے کا خواہشمند ہے کہ اسے زخمی کس جگہ پہنچانا ہوں گے۔ پیٹرز برگ سے قاصد شہنشاہ کا پیغام لے کر آ جاتا ہے کہ ماسکو کو کسی صورت اس کے حال پر نہ چھوڑا جائے۔ ادھر کمانڈر انچیف کا مخالف جرنیل مسلسل سازشوں میں مصروف ہے اور اس کی کوشش ہے کہ غیر محسوس انداز سے اس کے پاؤں تلے زمین سرکا دی جائے (ایسے لوگوں کی تعداد ہمیشہ ایک سے زائد ہوتی ہے) وہ ایک نیا منصوبہ پیش کرتا ہے اور یہ منصوبہ کالوگا روڈ کے ساتھ ساتھ پیچھے ہٹنے کے منصوبے سے بالکل الٹ ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ کمانڈر انچیف کو تھکن کے مارے نیند آ رہی ہے اور اسے تازہ دم ہونے کیلئے آرام کی شدید ضرورت ہے۔ اسی اثناء میں ایک قابل جرنیل اپنی شکایات لے کر پہنچ جاتا ہے کیونکہ اسے انعام واکرام کی تقسیم کے دوران نظرانداز کر دیا گیا تھا۔ علاوہ ازیں اہل علاقہ درخواست کر رہے ہیں کہ ان کی حفاظت کا انتظام کیا جائے۔ جس افسر کو علاقے کا جائزہ لینے کیلئے بھیجا گیا تھا وہ ایسی رپورٹ لاتا ہے جو پہلے بھیجے جانیوالے افسر کی رپورٹ سے قطعی مختلف ہے۔ ایک جاسوس، ایک قیدی اور ریکی کر کے آنیوالا جرنیل دشمن کی فوج کی پوزیشن ایک دوسرے سے مختلف انداز میں بیان کرتے ہیں۔ کمانڈر انچیف کو جن حالات سے گزرنا پڑتا ہے انہیں جو لوگ بھول جاتے ہیں یا انہیں صحیح طور سے سمجھ نہیں پاتے وہ یہ مفروضہ گھڑ لیتے ہیں کہ کمانڈر انچیف یکم ستمبر کو ماسکو چھوڑنے یا اس کا دفاع کرنے کا فیصلہ با آسانی کر سکتا تھا حالانکہ روسی فوج جو ماسکو سے چار میل دور تھی کسی ایسے انتخاب کی سہولت سے یکسر محروم تھی۔ تو پھر اس سوال کا فیصلہ کب ہوا؟ اس کا فیصلہ ڈریسا، سمولنسک یا شاید 24 تاریخ کو شیوارڈینو میں، 26 کو بوروڈینو میں اور بوروڈینو سے فلی تک پسپائی کے دوران ہر دن اور ہر آن ہوتا رہا۔

(3)

روسی فوج بوروڈینو سے پیچھے ہٹنے کے بعد فلی میں رک گئی۔ ریمولوف کو علاقے کا جائزہ لینے بھیجا گیا تھا۔ وہ کمانڈر انچیف کے پاس آیا اور کہنے لگا "اس پوزیشن پر لڑنے کا کوئی امکان موجود نہیں"

کوتوزوف اسے حیرانی سے تکنے لگا اور اسے بات دہرانے کو کہا۔ جب اس نے اپنے الفاظ دہرائے تو کوتوزوف نے ہاتھ آگے بڑھایا اور کہنے لگا "مجھے اپنا ہاتھ پکڑاؤ"

پھر اس نے ریمولوف کا ہاتھ پکڑ کر الٹایا اور نبض دیکھ کر کہنے لگا "میرے دوست! لگتا ہے کہ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ ذرا اپنے الفاظ پر غور کرو"

دوروگومیلووسکی دروازے سے چھ کلومیٹر دور کوتوزوف پوکلونایا پہاڑی پر گاڑی سے اترا اور سڑک کنارے بنچ پر بیٹھ گیا۔ اس کے گرد جرنیلوں کا جمگھٹا لگ گیا۔ ماسکو سے آنیوالا نواب رستوپچن بھی ان میں شامل ہو گیا۔ عقلمندوں کا یہ گروہ مختلف حصوں میں تقسیم ہو گیا اور پوزیشن کے فوائد ونقصانات، فوجی صورتحال، مختلف تجاویز اور منصوبوں، ماسکو کے حالات اور فوجی امور پر باہم بحث کرنے لگا۔ اگرچہ انہیں اس کام کیلئے بلایا گیا تھا نہ اسے یہ نام دیا گیا تھا مگر ہر شخص یہی سمجھ رہا تھا کہ یہ جنگی اجلاس ہے۔ تمام گفتگو مفاد عامہ کے مسائل تک محدود رہی۔ اگر کسی نے کوئی ذاتی بات پوچھی بھی تو ایسا سرگوشی میں کیا اور گفتگو کا رخ ایک مرتبہ پھر عمومی تشویش کی جانب مڑ گیا۔ تمام لوگوں نے آپس میں ہنسی مزاح کیا نہ کسی کے چہرے پر مسکراہٹ دکھائی دی۔ ہر ایک کی کوشش تھی کہ موقع کی مناسبت سے بہادری کا مظاہرہ کیا جائے۔ ان تمام گروہوں کے لوگ باہم گفتگو میں مصروف تھے مگر ہر ایک کی کوشش تھی کہ وہ کمانڈر انچیف کے قریب رہے تاکہ اس کی آواز اس کے کانوں تک پہنچ جائے۔ کمانڈر انچیف باتیں سنتا رہا۔ وہ کبھی کبھار اپنے اردگرد ہونیوالے عمل کی بابت پوچھ لیتا تھا مگر اس نے کسی گفتگو میں حصہ ڈالا نہ اپنی رائے دی۔ اکثر وہ کسی گروہ کی بات سننے کے بعد مایوسانہ انداز سے رخ پھیر لیتا تھا جیسے یہ باتیں اس کے دل کی آواز نہ ہوں۔ بعض لوگ منتخب کردہ فوجی پوزیشن کے بارے میں بات کر رہے تھے۔ وہ پوزیشن سے زیادہ اس کا انتخاب کرنے والوں کو اپنی دانشورانہ تنقید کا نشانہ بناتے تھے۔ بعض کا یہ کہنا تھا کہ پہلے ہی بہت بڑی غلطی کی جا چکی ہے اور جنگ تین دن پہلے لڑی جانا چاہیے تھی۔ بعض کی گفتگو کا موضوع سالامانکا کی جنگ تھی۔ ایک فرانسیسی جرنیل کروزارٹ جو ہسپانوی وردی میں ملبوس تھا، اس حوالے سے انہیں معلومات مہیا کر رہا تھا (یہ فرانسیسی اور ایک جرمن شہزادہ، جو چند دیگر جرمنوں کی طرح روسی فوج میں خدمات انجام دے رہا تھا، سارا گوسا کے محاصرے کو تنقید کا نشانہ بنا رہے تھے اور اس امکان پر غور وفکر میں مصروف تھے کہ ماسکو کا بھی اسی انداز میں دفاع کیا جا سکتا ہے یا نہیں) نواب رستوپچن چوتھے گروہ کو یہ بتا رہا تھا کہ وہ شہری ملیشیا کے ساتھ لڑنے اور ماسکو کے دروازوں پر جان دینے کو تیار ہے تاہم افسوس ہے کہ اسے صورتحال سے باخبر نہیں رکھا گیا کیونکہ وہ اس بارے میں پہلے جان لیتا تو حالات مختلف ہوتے۔ پانچواں گروہ اپنی تکنیکی عقل و دانش کی نمائش میں مصروف تھا اور اس کی باتوں کا مرکزی نکتہ یہ تھا کہ اب فوج کو کونسی سمت میں جانا ہوگا۔ چھٹے گروہ کی باتیں بالکل احمقانہ تھیں۔

کوتوزوف کے چہرے سے یوں ظاہر ہوتا تھا جیسے وہ اپنے خیالات میں غرق اور افسردہ ہے۔ اس کے خیال میں حاصل کلام یہ تھا کہ جتنی بھی کوشش کی جائے، ماسکو بچانا ممکن نہیں۔ شہر کا دفاع اس حوالے سے ناممکن تھا کہ اگر کوئی جوشیلا کمانڈر جنگ کا حکم دے بھی دیتا تو اس کا نتیجہ صرف انتشار کی صورت میں نکلنا تھا جسے جنگ کا نام نہیں دیا جا سکتا تھا۔

جنگ اس لیے نہیں ہونا تھی کہ تمام اعلیٰ حکام نے یہ بات تسلیم کر لی تھی کہ اپنی پوزیشن کا دفاع کرنا ممکن نہیں ،ان کی باتوں کا مرکزی نکتہ ہی یہی تھا کہ پوزیشن چھوڑنا تو ضروری ہو ہی چکا ہے ،اب مسئلہ یہ ہے کہ اس کے بعد کیا کیا جائے ۔کمانڈروں کو جس جنگ میں کامیابی کا امکان دکھائی نہیں دیتا تھا وہ اس میں اپنے دستوں کی قیادت کیسے کر سکتے تھے؟ محض ماتحت افسر ہی نہیں بلکہ عام سپاہی بھی یہ سمجھتے تھے کہ اپنی پوزیشن پر ڈٹے رہنا ممکن نہیں لہٰذا جب انہیں یقین ہو گیا کہ شکست مقدر ہے تو اس صورتحال میں ان سے لڑنے کی توقع عبث تھی ۔اگرچہ بینگسن پوزیشن کے دفاع پر اصرار کرتا رہا اور دیگر لوگ اس حوالے سے بحث و مباحثے میں بھی مصروف رہے مگر ان باتوں کی اب کوئی اہمیت نہیں رہی تھی ،اگر کوئی اہمیت تھی تو وہ یہ کہ ایسی باتیں ریشہ دوانیوں کیلئے بہانہ مہیا کرتی تھیں اور اس بات سے کوتوزف اچھی طرح آگاہ تھا۔

بینگسن اپنی منتخب کردہ پوزیشن کے حوالے سے روسی حب الوطنی کا زور و شور سے پرچار کر رہا تھا (کوتوزف کو اس کی باتیں سن کر جھرجھری آجاتی تھی) وہ اصرار کر رہا تھا کہ ماسکو کا ہر صورت دفاع کیا جانا چاہئے ۔کوتوزف پر اس کے مقاصد عیاں تھے یعنی اگر دفاع نہ ہو سکا تو تمام الزام کوتوزف پر دھرا جاتا تھا جو دشمن سے لڑے بغیر اپنی فوج پہاڑیوں تک لے آیا تھا اور کامیابی حاصل ہوتی تو اس کا کریڈٹ بینگسن کو جاتا ،دوسری جانب مقابلہ نہ کیا جاتا تو وہ ماسکو چھوڑنے کے جرم سے اپنا دامن بچا سکتا تھا۔

تاہم بوڑھا کمانڈر انچیف اس وقت سازش کے بارے میں نہیں سوچ رہا تھا بلکہ اس کی توجہ ایک خوفناک سوال پر مرکوز تھی جس کا جواب اسے کسی سے نہیں مل رہا تھا۔ اس کے سامنے واحد سوال یہ تھا کہ ''آیا میں نے واقعی نپولین کو ماسکو پر چڑھائی کرنے دی ہے ،ایسا کب ہوا؟ اس کا فیصلہ کب ہوا؟ کیا یہ کل کی بات ہے جب میں نے پلاتوف کو پیچھے ہٹنے کا حکم دیا؟ یا پرسوں شام کی جب مجھے نیند آگئی اور میں نے بینگسن کو احکامات جاری کرنے کا کہہ دیا تھا؟ یا یہ اس سے بھی پہلے کی بات ہے؟ یہ خوفناک فیصلہ کب ہوا؟ یہ فیصلہ کب ہوا کہ ماسکو دشمن کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے ،فوج پیچھے ہٹ آئے اور اس حوالے سے لازمی حکم جاری کر دیا جائے؟''

کوتوزف کا خیال تھا کہ ایسا خوفناک حکم جاری کرنا فوجی کمان سے پیچھے ہٹنے کے مترادف تھا۔ اگرچہ وہ اختیارات کا شوقین تھا اور انہیں استعمال کرنا بھی اس کی فطرت بن چکی تھی (شہزادہ پروزوروسکی کو دیئے جانیوالے اعزازت پر اسے تذلیل محسوس ہوئی تھی جس کی ماتحتی میں اس نے ترکی میں خدمات انجام دی تھیں) تاہم اسے یقین ہو چلا تھا کہ روس کا تحفظ کرنا اس کی قسمت میں لکھا جا چکا ہے اور یہی وجہ تھی کہ شہنشاہ کی خواہش کے خلاف اور عوامی خواہشات کے مطابق اسے کمانڈر انچیف مقرر کیا گیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ ان مشکل حالات میں صرف وہی فوج کی قیادت کا اہل ہے اور اس نے جو حکم جاری کرنا تھا اس کا تصور کر کے ہی وہ کانپ اٹھتا تھا۔ تاہم کسی فیصلے پر پہنچنا ہی تھا۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ اس کے اردگرد ہونیوالی بات چیت کا سلسلہ ختم کر دیا جائے جس میں ضرورت سے زیادہ آزاد روی کا مظاہرہ کیا جانے لگا تھا۔

اس نے سینئر جرنیلوں کو ہاتھ کے اشارے سے بلایا اور گھوڑے پر بیٹھ کر فلی کی طرف چل دیا جہاں اس کی گاڑی کھڑی تھی۔

(4)

جنگی کونسل کے تمام ارکان دو بجے آندرے سیوستیانوف نامی کسان کے مکان کے بہترین اور بڑے کمرے

میں اکٹھے ہوئے ۔اس کسان کا گھرانہ خاصا بڑا تھا اور عقبی کمروں میں مرد، خواتین اور بچوں کا رش لگ گیا۔ بڑے کمرے میں صرف آندرے کی چھ سالہ پوتی مالاشا ہی رہ گئی جسے ہز ہائی نس نے پیار کیا تھا اور چائے پیتے ہوئے اسے چینی کی ڈلی دی تھی ۔وہ شرماتے ہوئے خوشی کے عالم میں جرنیلوں کے چہرے ،وردیوں اور تمغوں کی جانب دیکھ رہی تھی جو ایک ایک کر کے کمرے میں داخل ہو کر مقدس تصاویر کے نیچے لمبے چوڑے بنچوں پر بیٹھ رہے تھے ۔دادا جیسا کہ مالاشا نے کوتوزف کو دل ہی دل میں کہنا شروع کر دیا تھا ،سب سے الگ ایک بڑی انگیٹھی تلے کونے میں بیٹھا تھا۔ اس کا بھاری بھر کم جسم کرسی پر بے ڈھنگے انداز میں گرا ہوا تھا۔ وہ بار بار کھنکارتے ہوئے اپنا کالر درست کر رہا تھا۔ اگرچہ اس کا کالر کھلا تھا مگر پھر بھی اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اس کی گردن میں چبھ رہا ہو۔ کمرے میں داخل ہونے کے بعد تمام افسر باری باری اس کے پاس آتے ۔وہ بعض سے ہاتھ ملاتا اور چند ایک کو محض سر کے اشارے سے سلام کرتا تھا۔

اس کا ایجوٹنٹ کیساروف کھڑکی سے پردہ ہٹانا چاہتا تھا مگر کوتوزف نے جھنجھلا کر ہاتھ کے اشارے سے اسے منع کر دیا۔

کسان کی میز پر نقشے ،کاغذات اور پنسلیں بکھری ہوئی تھیں ،میز کے گرد اتنا ہجوم ہو گیا کہ اردلی ایک اور بنچ اٹھا لائے اور اسے میز کے ساتھ رکھ دیا۔ یرمولوف، کیساروف اور ٹول اس بنچ پر بیٹھ گئے ،ٹول کچھ ہی دیر پہلے پہنچا تھا۔ مقدس تصویروں کے نیچے سب سے آگے بارکلے ڈی تولی براجمان تھا۔ اس کے گلے میں سینٹ جارج کراس آویزاں تھا جبکہ ماتھا اس کے گنجے سر کا حصہ بن گیا تھا۔ اس کا چہرہ زرد تھا اور وہ بیمار دکھائی دیتا تھا۔ اسے دو دن سے بخار رہا تھا اور اس کا جسم اب بھی کانپ رہا تھا۔ یواروف اس کے قریب بیٹھا تھا۔ وہ اسے دبی زبان میں کوئی بات کہہ رہا تھا اور دوران گفتگو ہاتھوں کو تیزی سے ہلاتا جاتا تھا۔ پستہ قد گول مٹول دختوروف بھنویں اچکائے اور پیٹ پر ہاتھ باندھے تمام باتیں توجہ سے سننے میں مصروف تھا۔ دوسری جانب نواب اوسٹرمین ٹالسٹائی کا چہرہ اور آنکھیں چمک رہی تھیں اور وہ اپنا سر تھامے بظاہر کسی سوچ و بچار میں غرق تھا۔ رائیوسکی اپنی عادت کے مطابق بالوں کو آگے موڑ کر کنپٹیوں پر انہیں گھنگھریالے بنانے کی کوشش کر رہا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ بے چینی سے دروازے اور پھر کوتوزف کی جانب دیکھنے لگتا تھا۔ کونوونیسن کے خوبصورت ،پرعزم اور شفیق چہرے پر چالاک اور ملائمت بھری مسکراہٹ نمایاں تھی ۔اس کی آنکھیں مالاشا سے چار ہوئیں تو اس نے کچھ ایسے انداز میں اسے آنکھ ماری کہ وہ مسکرانا شروع ہو گئی۔

وہ بینگسن کے منتظر تھے جو پوزیشن کا تازہ ترین جائزہ لینے کے بہانے سکون سے کھانا کھانے میں مصروف تھا۔ انہوں نے چار سے چھ بجے تک اس کا انتظار کیا۔ اس تمام عرصہ میں وہ غور و فکر سے پرہیز کرتے رہے اور باہم غیر متعلقہ امور پر مدھم آواز میں محو گفتگو رہے۔

جب بینگسن کمرے میں داخل ہوا تو کوتوزف کونے سے اٹھ کر میز کے قریب آگیا تاہم وہ اتنا بھی قریب نہ ہوا تھا کہ شمعوں کی روشنی اس کے چہرے پر پڑنے لگتی۔

بینگسن نے کارروائی اس سوال سے شروع کی کہ ''آیا ہمیں روس کے پرانے اور مقدس دارالحکومت کو لڑے بغیر دشمن کے حوالے کر دینا چاہئے یا اس کا دفاع کرنا بہتر ہوگا؟'' اس کے بعد کافی دیر تک خاموشی رہی۔ ہر ماتھے پر شکنیں تھیں۔ کبھی کبھار کوتوزف کی غصے بھری کھانسی اس خاموشی میں دراڑ ڈال دیتی تھی۔ تمام لوگوں کی نظریں اسی پر جمی تھیں۔ مالاشا بھی ''دادا'' کو غور سے دیکھ رہی تھی۔ وہ دوسروں کی نسبت اس سے زیادہ قریب تھی اور کوتوزف کے ماتھے پر ابھرنے والی شکنیں واضح طور پر دیکھ سکتی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ ابھی رونا شروع ہو جائے گا مگر اس کے چہرے کی یہ کیفیت زیادہ

دیر برقرار نہ رہی۔

اس نے غصے میں جنکسن کے الفاظ دہرائے ''روس کا پرانا اور مقدس دارالحکومت'' یوں لگتا تھا جیسے وہ اس انداز سے جنکسن کے الفاظ میں چھپی منافقت کا پردہ چاک کرنا چاہتا ہے۔ وہ کہنے لگا ''جناب عالی! مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ کسی روسی کیلئے ایسے سوالات کوئی معنی نہیں رکھتے'' (یہ کہتے ہوئے اس کا بھاری بھرکم جسم آگے کی طرف ڈھلک گیا) وہ بات جاری رکھتے ہوئے بولا ''ایسا سوال نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بے معنی ہے۔ میں نے ان لوگوں کو یہاں اس لیے بلایا ہے تاکہ فوجی نوعیت کا سوال اٹھایا جا سکے اور وہ سوال یہ ہے کہ ''روس کی بقا اس کی فوج پر منحصر ہے، کیا مقابلے کی دعوت قبول کر کے فوج اور ماسکو دونوں کو خطرے میں ڈالنا بہتر ہوگا یا مقابلہ کئے بغیر شہر سے دستبردار ہو لیا جائے؟ میں اس سوال پر آپ حضرات کی رائے جاننے کا خواہشمند ہوں'' یہ کہہ کر وہ بے اختیار دوبارہ کرسی میں جا دھنسا۔

بحث کا آغاز ہو گیا۔ جنکسن کا خیال تھا کہ ابھی بازی اس کے ہاتھ سے نہیں نکلی۔ اس نے بار کلے اور دیگر لوگوں کی اس رائے تو اتفاق کا اظہار کیا کہ فلی میں دفاعی جنگ لڑنا ممکن نہیں تاہم اپنی روسی حب الوطنی اور ماسکو سے محبت یہ تجویز پیش کر کے ظاہر کی کہ رات کے وقت فوج کو دائیں سے بائیں جانب منتقل کر دیا جائے اور اگلی صبح فرانسیسیوں کے دائیں پہلو پر حملہ کیا جائے۔ اس تجویز پر شرکاء کی رائے منقسم ہو گئی۔ کچھ لوگ اس کے حق اور بعض مخالفت میں دلائل دینا شروع ہو گئے۔ یرمولوف، رائیوسکی، دختوروف اور جنکسن اس پر متفق تھے۔ کیا ان کے اعصاب پر دارالحکومت چھوڑنے سے پہلے کچھ نہ کچھ قربانی دینے کی خواہش طاری تھی یا اس کے پیچھے ان کے ذاتی مفادات کارفرما تھے؟ وجہ خواہ کوئی بھی ہوتا ہم یہ امر عیاں تھا کہ ان جرنیلوں کو صورتحال کا اندازہ ہی نہیں تھا اور ان حالات کو موجودہ بحث و مباحثہ کسی صورت نہیں بدل سکتا تھا۔ عملی طور پر ماسکو سے پہلے ہی ہاتھ اٹھایا جا چکا تھا۔ دیگر جرنیل یہ بات سمجھتے تھے اور صرف اسی سمت پر بات کر رہے تھے جو فوج کو پسپائی کی صورت میں اختیار کرنا ہوتی۔

مالاشا کی نگاہیں لوگوں پر مرکوز تھیں اور اس نے اجلاس کی کارروائی کو ایک مختلف انداز سے دیکھا۔ اسے یوں لگا کہ یہ ''دادا'' اور لمبے کوٹ (جنکسن) کے مابین ذاتی اختلاف کا مسئلہ ہے۔ اس نے نوٹ کیا کہ وہ ایک دوسرے سے بات کرتے ہوئے غصے میں آ جاتے ہیں۔ وہ دل ہی دل میں ''دادا'' کی حامی تھی۔ بحث کے دوران ''دادا'' نے جس تیزی اور چالاکی سے جنکسن کی جانب دیکھا وہ اس سے چھپا نہ رہ سکا اور فوری بعد اسے یہ دیکھ کر بیحد خوشی ہوئی کہ ''دادا'' نے کوئی ایسی بات کہہ دی تھی جس سے لمبا کوٹ بجھ کر رہ گیا۔ اس کا چہرہ اچانک سرخ ہو گیا اور وہ غصے میں ادھر ادھر ٹہلنے لگا۔ فرانسیسیوں کے دائیں پہلو پر حملے کیلئے روسی فوج کو دائیں سے بائیں منتقل کرنے کی تجویز پر کوتوزوف کے دھیمے اور پرسکون تبصرے نے اس کی انا خاک میں ملا دی تھی۔ تبصرہ یہ تھا کہ ''حضرات! مجھے نواب کی تجویز قبول نہیں۔ دشمن کے قریب فوجوں کی منتقلی خطرے سے خالی نہیں اور فوجی تاریخ بھی اس بات کی تصدیق کرتی ہے۔ مثال کے طور پر۔۔۔'' یہاں کوتوزوف نے کچھ توقف کیا، یوں لگتا تھا جیسے وہ کوئی مثال ڈھونڈ رہا ہو۔ پھر اس نے مکاری سے چمکتی آنکھوں سے جنکسن کی طرف دیکھا اور کہا ''مثال کے طور پر فرائیڈ لینڈ کی جنگ کو ہی دیکھ لیں۔ مجھے یقین ہے کہ نواب کو یہ بات اچھی طرح یاد ہوگی۔۔۔ ہمیں اس میں صرف اسی وجہ سے مکمل کامیابی نہ مل سکی کہ ہم نے دشمن کے قریب فوج کو نئے سرے سے ترتیب دیا تھا۔۔۔''

اس کے بعد ایک مرتبہ پھر خاموشی چھا گئی۔ اگرچہ یہ ایک لمحے کیلئے تھی مگر شرکائے محفل کو اس کا دورانیہ لامحدود معلوم ہوا۔

ایک مرتبہ پھر بحث و مباحثہ شروع ہو گیا تاہم اس میں بار بار وقفہ آنے لگا اور ہر شخص کو یہی محسوس ہوا کہ اب کہنے کیلئے مزید کچھ باقی نہیں بچا۔

ایسے ہی ایک وقفے میں کوتوزوف نے گہری سانس لی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ کچھ کہنا چاہتا ہے۔ سب کی نگاہیں اسی پر مرکوز ہو گئیں۔

کوتوزوف نے کہا ''ٹھیک ہے حضرات! مجھے نظر آ رہا ہے کہ فیصلے کی تمام قیمت مجھے ہی ادا کرنا ہوگی'' یہ کہہ کر وہ آہستگی سے اٹھا اور میز کے قریب آ کر کہنے لگا ''حضرات! میں نے آپ کی تجاویز سن لی ہیں۔ آپ میں سے کچھ مجھ سے اتفاق نہیں کریں گے تاہم میں (وہ کچھ دیر ٹھہرا) میرے زار اور ملک نے مجھے جو اختیارات دیئے ہیں، انہیں بروئے کار لاتے ہوئے میں پسپائی کا حکم جاری کرتا ہوں''

اس کے بعد تمام جرنیل خاموشی سے اسی سنجیدہ انداز میں منتشر ہو گئے جس طرح کفن دفن کے بعد لوگ منتشر ہو جاتے ہیں۔ بعض جرنیل کمانڈر انچیف سے کچھ کہنے کیلئے ٹھہر گئے۔ وہ کونسل کے اجلاس کے برعکس اب ان کی گفتگو دھیمے لہجے میں ہو رہی تھی۔

مالاشا کا کھانے پر کافی دیر سے انتظار ہو رہا تھا۔ وہ آہستگی سے انگیٹھی سے نیچے اتری اور جرنیلوں کی ٹانگوں کے درمیان سے ہوتی ہوئی باہر نکل گئی۔

جرنیلوں کو واپس بھیجنے کے بعد کوتوزوف کافی دیر تک میز پر کہنیاں ٹکائے بیٹھا رہا اور مسلسل اسی سوال پر غور کرتا رہا کہ ''ماسکو کو اس کے حال پر چھوڑنا کب ضروری ہو گیا تھا؟ ایسا کب ہوا؟ اس کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے؟''

رات خاصی گزر چکی تھی۔ کوتوزوف کا ایجوٹنٹ شنائیڈر اس کے کمرے میں آیا۔ کوتوزوف اس سے کہنے لگا ''مجھے ایسی توقع نہ تھی! میں نے سوچا بھی نہ تھا کہ ایسا بھی ہوگا!''

شنائیڈر کہنے لگا ''جناب عالی! آپ کو ہر صورت کچھ آرام کرنا چاہئے''

کوتوزوف اس کی بات کا جواب دیئے بغیر بولا ''ہاں، مگر انہیں بھی ترکوں کی طرح گھوڑوں کا گوشت کھانے پر مجبور ہونا پڑے گا'' اس نے میز پر زور سے مکہ مارا اور کہا ''وہ بھی کھانے پر مجبور ہو جائیں گے، اگر صرف۔۔۔''

(5)

اسی دوران فوجی پسپائی سے زیادہ اہمیت رکھنے والے واقعے یعنی 'ماسکو کا خالی ہو کر جلایا جانا' کے حوالے سے رستوپچن نے کوتوزوف سے بالکل مختلف رویہ اختیار کر رکھا تھا۔ عموماً یہی کہا جاتا ہے کہ ایسا رستوپچن کی ہدایات کے مطابق ہی ہوا۔

یہ واقعہ بوروڈینو کی جنگ کے بعد اسی طرح ناگزیر ہو چکا تھا جس طرح لڑائی کے بعد فوج کی پسپائی ناگزیر ہو گئی تھی۔

ہر روسی عقلی منطق کی بجائے ہمارے دل کی گہرائیوں میں موجود احساس کی بنا پر (جو ہمارے آباؤ اجداد کے دلوں میں بھی موجود تھا) اس کی پیشگوئی کے قابل تھا۔

سمولنسک سے آگے روس کے ہر قصبے اور گاؤں میں جو کچھ ہوا وہی ماسکو میں بھی پیش آیا اور اس میں رستوپچن اور اس کے اشتہارات کا کوئی کردار نہ تھا۔ پوری قوم ایک خاص بے تعلقی کے انداز میں دشمن کا انتظار کر رہی تھی۔ کہیں لڑائی

جھگڑا ہوا نہ ہنگامہ، تمام لوگ صبر و تحمل سے اپنی قسمت دیکھتے رہے۔ انہیں احساس تھا کہ ان میں ایسی قوت موجود ہے جو خطرے کے وقت انہیں آگاہ کر دے گی کہ اب انہیں کیا کرنا چاہئے۔ جونہی دشمن قریب آتا تو معاشرے کے خوشحال افراد اپنی جائیدادیں چھوڑ کر وہاں سے نقل مکانی کر جاتے جبکہ نچلے طبقات کے غریب لوگ وہیں ٹھہرے رہتے اور جو کچھ باقی بچتا اسے جلا دیتے۔

یہ احساس ہر روسی کے دل میں موجود تھا اور ہے کہ ایسا ہی ہوگا اور ہمیشہ یہی ہوتا رہنا ہے۔ 1812ء میں ماسکو کے اعلیٰ طبقے سے تعلق رکھنے والے ہر شخص کو یہ احساس ہی نہیں بلکہ پہلے سے اندازہ تھا کہ شہر پر قبضہ ہو جائیگا۔ جولائی یا اگست کے اوائل میں ہی سفر کی تیاریاں کرنیوالوں نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ انہیں اسی کی توقع ہے۔ یہ لوگ جو کچھ ساتھ لے جاسکتے تھے لے گئے اور بقیہ جائیداد وہیں چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے یہ سب کچھ حب الوطنی کے اس مخفی جذبے کے تحت کیا جس کا اظہار الفاظ، ملک کیلئے اولاد کی قربانی اور اس جیسے دیگر غیر فطری اقدامات سے ممکن نہیں ہوتا بلکہ یہ کچھ ایسی سادگی سے سامنے آتا ہے کہ دوسروں کو اس کا علم ہی نہیں ہوتا اور اس کے نتائج بھی نہایت مضبوط ثابت ہوتے ہیں۔

ان لوگوں کو بتایا جاتا تھا کہ "خطرے سے بھاگنا باعث شرم ہے اور صرف بزدل ہی ماسکو سے راہ فرار اختیار کر رہے ہیں" رستوپچن اپنے اشتہاری خبر ناموں میں انہیں کہتا رہتا تھا کہ وہ ماسکو سے بھاگ کر بدنامی مول لے رہے ہیں۔ ان لوگوں کو بزدل قرار دیئے جانے پر شرمندگی تو ہوتی تھی مگر وہ اس کے باوجود وہاں سے جا رہے تھے کیونکہ انہیں علم تھا کہ اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں۔ وہ ماسکو چھوڑ کر کیوں جا رہے تھے؟ اس سوال کے جواب میں یہ بات تو کسی صورت نہیں کہی جاسکتی کہ رستوپچن نے انہیں نپولین کے مفتوحہ علاقوں میں ہونیوالے مظالم کی داستانیں سنا سنا کر خوفزدہ کر دیا تھا۔ سب سے پہلے جو لوگ گئے وہ امیر اور تعلیم یافتہ تھے اور انہیں اچھی طرح علم تھا کہ نپولین نے ویانا اور برلن پر قبضہ کیا تو شہر کو چھیڑا تک نہیں گیا تھا اور ان شہروں کے رہائشی جادوئی شخصیت کے مالک دلکش فرانسیسیوں کے ساتھ خوشگوار وقت گزارتے رہے ہیں جنہیں اس دور میں خصوصاً روسی خواتین بیحد پسند کرتی تھیں۔

روسیوں کے سامنے فرانسیسی حکومت میں اپنا وقت اچھا یا برا گزرنے کا سوال نہ تھا بلکہ وہ ماسکو سے اسلئے نکلے کہ وہ فرانسیسیوں کی حکومت میں کسی صورت زندگی بسر نہیں کر سکتے تھے۔ ان کے خیال میں اس سے بری بات کوئی اور نہ تھی۔ انہوں نے بوروڈینو کی جنگ سے پہلے ہی ماسکو خالی کرنا شروع کر دیا اور جنگ کے بعد ان کے نکلنے کی رفتار مزید تیز ہوگئی۔ اگرچہ رستوپچن ان سے شہر کے دفاع کی درخواست کرتا اور ماسکو کے گورنر جنرل کی حیثیت سے اس عزم کے اظہار میں مصروف رہا کہ وہ حضرت مریم کی آئیورسکی والی مقدس تصویر میدان جنگ میں لے جائے گا، فرانسیسیوں پر ایسے غبارے چھوڑے گا جو ان کا نام و نشان تک مٹا دیں گے اور ایسی دیگر باتیں اشتہارات میں لکھتا رہا مگر ان لوگوں پر کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ جانتے تھے کہ جنگ لڑنا فوج کا کام ہے اور اگر وہ یہ کام نہیں کر سکتی تو پھر ان کیلئے نوعمر لڑکیوں اور غلاموں کو لے کر تین پہاڑیوں پر جانا اور نپولین سے لڑنا لازم نہیں۔ اگرچہ انہیں اپنی جائیداد کو چھوڑ کر بیحد افسوس ہو رہا تھا مگر وہ جانتے تھے کہ انہیں شہر سے نکلنا ہی ہوگا اور وہ چلے گئے۔ تاہم انہوں نے یہ بات بالکل نہ سوچی کہ ان کا اس لمبے چوڑے اور مال و دولت سے بھرپور شہر کو اس طرح چھوڑ دینا کس قدر معنی رکھتا ہے۔ وہ چلے گئے مگر شہر کو آگ لگا گئے۔ ان لوگوں میں سے ہر شخص اپنی مرضی سے گیا مگر اس انداز سے جانے کی بدولت ہی وہ عظیم واقعہ رونما ہوا جس پر روسی قوم ہمیشہ فخر کرتی رہے گی۔ وہ خاتون بالکل سادہ اور فطری انداز سے روس کو بچانے والے عظیم کام میں مدد فراہم کر رہی تھی جسے یہ

خوف لاحق تھا کہ وہ بونا پارٹ کا حکم نہیں مان سکے گی اور کہیں نواب رستوپچن اسے روک ہی نہ لے اور انہی خدشات کے پیش نظر وہ جون میں ہی ماسکو سے ساراتوف میں اپنی جاگیروں پر چلی گئی تھی۔

رستوپچن جو پہلے شہر چھوڑنے والوں کو برا بھلا کہتا رہتا تھا اور پھر اس نے سرکاری دفتر شہر سے باہر منتقل کر دیئے تھے، اب اس نے شرابی فسادیوں میں ناکارہ ہتھیار تقسیم کر دیئے۔ ایک دن اس نے حکم دیا کہ مقدس تصاویر کے ساتھ جلوس نکالا جائے تاہم اگلے دن جب پادری آگسٹن نے مقدس تصویروں کے ساتھ باہر نکلنے کی کوشش کی تو اس نے اجازت نہ دی۔ بعد ازاں اس نے ماسکو کی تمام نجی گاڑیاں قبضے میں لے لیں اور ان میں سے ایک سو چھتیس پر وہ لیوپخ کا بنایا غبارہ لاد کر لے گیا۔ کچھ عرصہ بعد اس نے یہ ظاہر کیا کہ وہ ماسکو کو آگ لگا دے گا اور اعلان کیا کہ وہ اپنا گھر خود جلا چکا ہے۔ اس کے بعد اس نے فرانسیسیوں کے نام خط لکھ کر انہیں برا بھلا کہا کہ انہوں نے اس کے بچپن کے گھر کو تباہ کر دیا ہے۔ کبھی وہ ماسکو کا شہر نذر آتش کرنے کا منصوبہ بناتا اور کبھی کہتا "بھلا میں ایسا کیسے کر سکتا ہوں" کبھی وہ لوگوں کو حکم دیتا کہ تمام جاسوسوں کو پکڑ کر اس کے سامنے لایا جائے اور جب ایسا کیا جاتا تو وہ لوگوں کو برا بھلا کہنا شروع ہو جاتا۔ پہلے اس نے تمام فرانسیسیوں کو شہر سے نکال دیا اور پھر مادام اوبرٹ شالمے کو ٹھہرے رہنے کی اجازت دے دی جسے ماسکو میں تمام فرانسیسی طبقے کی مرکزی شخصیت سمجھا جاتا تھا۔ پھر اس نے بوڑھے اور قابل احترام پوسٹ ماسٹر کلوچاروف کو معقول وجہ کے بغیر گرفتار کر کے جلاوطن کرنے کا حکم دیدیا۔ ایک بار اس نے لوگوں کو فرانسیسیوں کیخلاف لڑنے کیلئے تین پہاڑیوں پر جمع کر لیا اور پھر ان سے جان چھڑانے کیلئے ایک شخص کو ان کے سپرد کر دیا تاکہ وہ اسے قتل کر دیں اور خود پچھلے دروازے سے نکل گیا۔ کبھی وہ یہ اعلان کرتا کہ وہ ماسکو پر قبضہ برداشت نہیں کر پائے گا اور جان دے دیگا اور کبھی اس معاملے میں اپنے کردار کے بارے میں ڈائری لکھتا رہتا اور فرانسیسی اشعار قلمبند کرنا شروع کر دیتا۔

یہ شخص معاملے کو نہیں سمجھ پایا تھا۔ اس کے دل میں صرف ایک ہی بات تھی کہ وہ کوئی ایسا کام کرے جو لوگوں کو حیران کر دے اور اس کی بہادری اور حب الوطنی کا شہرہ ہو جائے۔ ماسکو سے لوگوں کے انخلاء اور شہر جلائے جانے کے تاریخ ساز اور ناگزیر واقعے میں اس نے قطعی بچگانہ کردار ادا کیا۔ کبھی وہ اپنے کمزور ہاتھوں سے لوگوں کے اس عظیم ریلے کو روکنے کی کوشش کرنے لگتا جو اسے اپنے ساتھ بہا لیے جا رہا تھا اور کبھی اس کی رفتار بڑھانے کی کوششوں میں مصروف ہو جاتا۔

(6)

ایلن دربار کے ساتھ ولنا سے واپس چلی آئی تھی اور تذبذب کی کیفیت میں تھی۔

پیٹرزبرگ میں ایلن کو ایک عظیم المرتبت درباری کی سرپرستی حاصل ہوگئی تھی جو حکومت میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھا۔ تاہم اس کے ساتھ ساتھ وہ ولنا میں ایک نوجوان غیر ملکی شہزادے سے تعلقات استوار کر چکی تھی۔

پیٹرزبرگ واپسی پر شاہی درباری اور شہزادہ دونوں وہاں موجود تھے اور دونوں اس پر اپنے حقوق جتلا رہے تھے۔ ایلن کو معاشرتی زندگی میں نئی الجھن درپیش تھی اور وہ دونوں کے ساتھ اچھے تعلقات برقرار رکھنا چاہتی تھی۔

بیگم بیزوخوف نے اس بات کو ذرا برابر اہمیت نہ دی کہ جو کسی دوسری خاتون کیلئے ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہوتی۔ وہ ہوشیار خاتون سمجھی جاتی تھی اور ایسا بلاوجہ نہیں تھا۔ اگر خراب صورتحال سے نجات پانے کیلئے وہ رازداری یا بہانہ بازی سے کام لیتی تو اپنا معاملہ خود ہی بگاڑ بیٹھتی مگر اس نے عظیم لوگوں کی طرح وہ رویہ اختیار کیا جس کے ذریعے

وہ خود کو درست راہ پر سمجھتے ہیں اور ان کے خیال میں دیگر لوگ غلطی پر ہوتے ہیں۔

جب نوجوان شہزادے نے اس پر پہلی مرتبہ طعنہ زنی کی تو وہ سر اٹھا کر پرسکون انداز میں کہنے لگی "آپ کا رویہ مردوں کی طرح ظالمانہ اور خود غرضی پر مبنی ہے اور مجھے آپ سے یہی توقع ہونی چاہئے تھی۔ عورت مرد کیلئے سب کچھ قربان کر دیتی ہے، تمام مصیبتیں برداشت کرتی ہے اور جناب عالی آپ کو میری دوستیوں اور تعلقات بارے باز پرس کرنے کا حق کیسے مل گیا؟ وہ شخص میرے لیے والد سے بھی بلند درجہ رکھتا ہے"

شہزادے نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر ایلین نے اسے ٹوک دیا۔

وہ کہنے لگی "میرے بارے میں وہ بالکل باپ کی طرح تو نہیں سوچتا مگر اس وجہ سے میں اس کے ساتھ اپنے تعلقات ختم بھی نہیں کر سکتی۔ میں مرد تو نہیں ہوں کہ مہربانیوں کے جواب میں ناشکری کا مظاہرہ کرنے لگوں اور جناب عالی آپ یہ بات یاد رکھیں کہ میں اپنے ذاتی جذبات کے حوالے سے صرف خداوند اور اپنے ضمیر کے سامنے جوابدہ ہوں" اس نے بات مکمل کرنے کے بعد ہاتھ اپنے خوبصورت سینے پر رکھا جواب پہلے سے زیادہ بھرپور ہو چکا تھا۔ پھر وہ آسمان کی جانب دیکھنے لگی۔

شہزادہ بولا "مگر خدارا میری بات تو سنیں۔۔۔"

ایلین نے کہا "مجھ سے شادی کر لیں، میں آپ کی لونڈی بن جاؤں گی"

شہزادے نے کہا "مگر ایسا ہونا تو ممکن نہیں"

ایلین نے کہا "مجھ سے شادی کر کے آپ کے وقار میں کمی آتی ہے۔۔۔ آپ۔۔۔" یہ کہہ کر اس نے رونا شروع کر دیا۔

شہزادے نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی مگر ایلین ہچکیاں لیتے ہوئے بولی "کوئی مجھے شادی سے نہیں روک سکتا، ایسی مثالیں موجود ہیں (اس دور میں ایسی مثالیں کم ہی ملتی تھیں مگر اس نے نپولین اور بعض دیگر لوگوں کا حوالہ دیا) میں نے اپنے شوہر سے کبھی ازدواجی تعلقات قائم نہیں کئے۔ مجھے تو محض استعمال کیا گیا"

شہزادہ ہتھیار ڈالتے ہوئے بڑبڑایا "مگر قانون، مذہب۔۔۔"

ایلین کہنے لگی "مذہب، قوانین۔۔۔ اگر یہ ایسی صورتحال میں کوئی حل پیش نہیں کرتے تو پھر ان کا کیا فائدہ؟"

شہزادہ ہکا بکا رہ گیا۔ وہ حیران تھا کہ اسے ایسی آسان بات کیوں نہ سوجھی۔ اس نے سوسائٹی آف جیسس سے مشورہ کیا جس کے ساتھ اس کے قریبی تعلقات تھے۔

کچھ دنوں بعد ایک شاندار دعوت میں ایلین کے سامنے جوبرٹ نامی کسی شخص کو پیش کیا گیا۔ ایلین کو کامنی کے اپنے گرمائی گھر میں ایسی دعوتوں کی عادت ہو گئی تھی۔ جوبرٹ سفید بالوں والا ایک ادھیڑ عمر شخص تھا اور اس کی آنکھیں غیر معمولی طور پر چمکدار تھیں۔ چندھیا دینے والی روشنیوں میں موسیقی کی دھنوں کے درمیان وہ باغ میں اس کے ساتھ خاصی دیر تک خداوند، مسیح اور مقدس ماں کے دل کی بابت محو گفتگو رہا۔ اس نے دعویٰ کیا کہ کیتھولک ہی سچا مذہب ہے اور اس نے دنیا اور آخرت کیلئے اس مذہب کی فراہم کردہ تسکین پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور ایلین اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ اس کی اور جوبرٹ کی آنکھوں میں کئی مرتبہ آنسو بھر آئے اور ان کی آوازیں کپکپانے لگیں۔ اسی دوران رقص شروع ہونے والا تھا اور ایلین کا ساتھی اسے بلانے آ گیا جس کے باعث گفتگو کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ اگلی شام جوبرٹ تب ہی اسے ملنے آ گیا اور پھر اس کی آمد معمول بن گئی۔

ایک دن وہ بیگم بیزوخوف کو کیتھولک گرجے میں لے گیا اور وہاں وہ قربان گاہ کے سامنے جھک گئی۔ پرکشش ادھیڑ عمر فرانسیسی نے اپنے دونوں ہاتھ اس کے سر پر رکھے اور جیسا کہ بعد میں ایلین نے خود کہا تھا، اسے یوں لگا جیسے تازہ ہوا کا جھونکا اس کی روح میں سرایت کر گیا ہو۔

پھر اس کے پاس ایک اور پادری لایا گیا جس نے اس سے گناہوں کا اعتراف کرایا اور پھر تمام گناہوں پر معافی دیدی۔ اگلے دن اسے ایک چھوٹا سا ڈبہ ملا جس میں مقدس روٹی تھی جو اسے کھانا تھی۔ چند روز بعد ایلین کو یہ جان کر بیحد حوصلہ ہوا کہ وہ سچے کیتھولک مذہب میں داخل ہو چکی ہے اور پوپ خود اس کا معاملہ دیکھے گا اور اسے خصوصی دستاویز بھیجے گا۔

ان دنوں ایلین کے اردگرد جو کچھ ہو رہا تھا اور اس سے جو خصوصی رویہ اختیار کیا جا رہا تھا اور ذہین لوگوں کی بڑی تعداد اس پر جو توجہ دے رہی تھی اور اس کا اظہار جس شائستگی سے ہوتا تھا اور وہ خود کو جس معصومیت اور پاکدامنی کی حالت میں متصور کر رہی تھی اس سے اسے بیحد خوشی حاصل ہوئی (اس عرصہ میں وہ صرف سفید لباس ہی زیب تن کرتی رہی تھی) تاہم یہ خوشی اسے اپنے مقصد سے بالکل بھی غافل نہ کر سکی۔ جیسا کہ چالاکی کے مقابلوں میں اکثر ہوتا ہے کہ بیوقوف شخص ہوشیار کو مات دے دیتا ہے، ایلین بھی جان گئی کہ اس کے ساتھ جو سلوک روا رکھا جا رہا ہے اور اسے جن باتوں سے بہلایا جا رہا ہے ان کا مقصد اس سے مذہبی اداروں کیلئے رقومات حاصل کرنا ہے (جس بارے میں اسے اشاروں ہی اشاروں میں پہلے ہی بتایا جا چکا تھا) چنانچہ اس نے کسی قسم کی ادائیگی سے پہلے ان تمام مختلف رسومات کی ادائیگی کا مطالبہ کیا جو موجودہ شوہر سے چھٹکارا پانے کیلئے ضروری تھیں۔ اس کی عقل یہ کہتی تھی کہ کسی مذہب کا مقصد صرف یہ تھا کہ انسان مختلف آداب اور رسومات کی حفاظت کرتا ہے جن کے پیچھے چھپ کر وہ اپنی خواہشات پوری کر سکتا ہے۔ اسی وجہ سے اس نے گناہوں کا اعتراف کرانے کیلئے آنے والے پادری سے اصرار کیا تھا کہ وہ اسے اس سوال کا جواب دے کہ وہ کس حد تک شادی شدہ قرار دی جا سکتی ہے۔

وہ ڈرائنگ روم میں کھڑکی کے سامنے بیٹھے تھے۔ شام کا اندھیرا پھیل رہا تھا۔ کھڑکی سے پھولوں کی خوشبو آ رہی تھی۔ ایلین نے سفید لباس زیب تن کر رکھا تھا۔ اس کے کندھوں اور سینے پر یہ لباس اتنا باریک تھا کہ وہ اس سے صاف دکھائی دیتے تھے۔ سرخ و سفید موٹے تازے پادری نے داڑھی مونچھ مونڈ رکھی تھی۔ وہ ملامت بھرے انداز میں مسکرائے جاتا تھا اور کبھی کبھار ایلین پر محتاط نظریں ڈال لیتا جن میں اس کی خوبصورتی کے حوالے سے ہلکی سی تحسین کا عنصر شامل ہوتا تھا۔ پھر وہ اس کے ساتھ زیر بحث موضوع کے حوالے سے اپنے خیالات کی تشریح میں مصروف ہو جاتا۔

ایلین جب اس کے گھنگھریالے بال، گداز چہرے اور کسی قدر سانولے گالوں کو دیکھتی تو بے چینی سے مسکرانے لگتی۔ اسے ہر دم یہ فکر ستا رہی تھی کہ کہیں گفتگو کا رخ بدل نہ جائے۔ تاہم پادری اس کے حسن کے نظارے سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ معاملے کو خوش اسلوبی سے نمٹانے کے اپنے انداز پر خود بھی خوش ہو رہا تھا۔

ایلین کا روحانی مشیر اسے کہہ رہا تھا "تم جو کام کرنے جا رہی تھیں اس کی اہمیت تم پر واضح نہیں تھی۔ یہی وجہ تھی کہ تم نے ایک ایسے شخص سے شادی کا عہد کیا جس نے شادی کے مذہبی مطالب میں اعتقاد رکھے بغیر نکاح کر لیا اور اس طرح وہ مقدس چیزوں کی بے ادبی کا مرتکب ہوا ہے۔ یہ شادی دہرے معانی کی حامل ہونا چاہئے تھی مگر ایسا نہ تھا۔ تاہم تم نے اس کے باوجود رسومات میں شرکت کی اور تمہیں شادی کی تمام شرائط کی پابندی کرنا چاہئے تھی۔ ایسا نہ کر کے تم چھوٹے گناہ میں ملوث ہوئیں یا بڑے میں؟ چھوٹا گناہ اس وقت ہوتا جب تمہارے اس عمل میں برا ارادہ شامل نہ تھا۔

تاہم اگر تم اب بچے جنم دینے کے ارادے سے دوبارہ شادی کرلو تو تمہارا گناہ معاف ہوجائیگا مگر سوال ایک مرتبہ پھر دہری نوعیت کا حامل ہے، پہلے تو یہ کہ۔۔۔''

پادری کی باتوں سے بور ہوتی ایلن نے اچانک سحرانگیز انداز سے مسکراتے ہوئے کہا''مگر میں یہ سمجھتی ہوں کہ اب جبکہ میں نے سچا دین قبول کرلیا ہے تو جھوٹے کے فرائض کی پابندی مجھ پر لازم نہیں رہی''

روحانی مشیر یہ سن کر حیران رہ گیا کہ یہ مسئلہ اس کے سامنے اتنے ہی سادہ انداز میں پیش کیا گیا ہے جتنی سادگی سے کولمبس نے انڈے کا حل پیش کیا تھا۔ اس کی شاگردہ نے جس غیر متوقع تیز رفتاری سے ترقی کی تھی اسے دیکھ وہ بیحد خوش ہوا مگر وہ بیحد کوشش سے منطق کا جو پہاڑ کھڑا کر چکا تھا اسے فوری طور پر ڈھانے کیلئے خود کو آمادہ نہ کر پایا۔

وہ مسکراتے ہوئے کہنے لگا'' آیئے، ہم ایک دوسرے کو سمجھیں'' پھر اس نے اپنی روحانی بیٹی کے دلائل غلط ثابت کرنا شروع کر دیئے۔

(7)

ایلن جان گئی تھی کہ کلیسا کے حوالے سے یہ معاملہ بالکل سادہ ہے اور اس کے روحانی مشیر صرف اس لیے رکاوٹیں پیدا کر رہے ہیں کہ انہیں خدشہ ہے کہ لادین لوگ نجانے اس حوالے سے کس ردعمل کا مظاہرہ کریں۔

یوں وہ اس نتیجے پر پہنچی کہ اس معاملے میں اعلیٰ طبقے کی حمایت حاصل کئے بغیر کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اس نے عظیم رتبے کے حامل درباری کے دل میں رقابت کا جذبہ پیدا کیا اور اسے وہی کچھ کہا جو شہزادے سے کہہ چکی تھی۔ اس نے درباری کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ اگر وہ اسے صرف اپنا بنانا چاہتا ہے تو اس کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اس سے شادی کرلے۔ ایسی عورت سے شادی کا سن کر جس کا شوہر زندہ تھا، درباری بھی نوجوان شہزادے کی طرح پریشان ہوگیا۔ تاہم جب ایلن نے اس یقین کا اظہار کیا کہ معاملہ بالکل اسی طرح سادہ ہے جیسا کسی کنواری لڑکی سے شادی کرنا تو وہ اور بھی متاثر ہوا۔ اگر وہ ہچکچاہٹ، چالاکی یا شرم کا مظاہرہ کرتی تو یقیناً ناکامی سے دوچار ہوتی۔ اس نے نہ صرف رازداری یا شرمندگی سے پرہیز کیا بلکہ نہایت سادگی اور سچائی سے تمام معاملہ اپنے بے تکلف احباب (یعنی تمام پیٹرزبرگ) کے گوش گزار کر دیا اور انہیں بتایا کہ شہزادے اور عظیم المرتبت درباری دونوں نے اس سے شادی کی درخواست کی ہے اور دونوں سے محبت کے باعث وہ کسی کو دکھ پہنچانے کا نہیں سوچ سکتی۔

تمام پیٹرزبرگ میں اچانک یہ افواہ پھیل گئی کہ ناخوش اور دلکش ایلن اس تذبذب میں گرفتار ہے کہ اپنے دونوں امیدواروں میں سے کس سے شادی کرے، یہ بات کسی نے نہ کی ایلن اپنے شوہر سے طلاق لینے کی خواہشمند ہے (اگر ایسی خبر ہوتی تو لاتعداد لوگ اس کے اس غیر قانونی ارادے کے خلاف زوردار احتجاج کرتے) اب یہ مسئلہ درپیش نہیں تھا کہ ایسی شادی ہونا ممکن ہے یا نہیں بلکہ صرف یہ بات زیر بحث تھی کہ دونوں میں بہتر شخص کون ہے اور شاہی دربار اس معاملے کے بارے میں کیا رویہ اختیار کرے گا۔ یقیناً غیر لچکدار رویے کے حامل اور سخت گیر لوگ بھی موجود تھے جن میں اس مشکل مسئلے کی تہہ تک پہنچنے کی صلاحیت نہ تھی اور وہ سمجھتے تھے کہ اس طرح شادی جیسی مقدس رسم کی بے حرمتی ہو رہی ہے تاہم ان کی تعداد زیادہ نہ تھی اور وہ خاموش رہے۔ اونچے طبقے کے لوگوں کی اکثریت ایلن کی خوش قسمتی میں دلچسپی لیتے ہوئے اس موضوع پر بات چیت میں مصروف رہی کہ دونوں میں سے بہترین امیدوار کون ہے؟ اس معاملے پر کسی نے کچھ نہ کہا کہ ایسی عورت کیلئے شادی کرنا درست ہے جس کا شوہر ابھی تک زندہ ہو۔ اس بارے میں وہ یہ کہتے تھے

کہ اس مسئلے کا فیصلہ ہم یا آپ سے زیادہ عقلمند لوگوں نے کردیا ہے اور اس کے بارے میں شک وشبے کا اظہار اپنی بیوقوفی اور کم فہمی کا مظاہرہ کرنے کے مترادف ہوگا۔

صرف ماریا متریونا آخروسیموف ہی وہ واحد ہستی تھی جس نے مقبول عام نقطہ نظر کے منافی رائے ظاہر کی۔ وہ اس موسم گرما میں اپنے ایک بیٹے سے ملنے آئی تھی۔ رقص کی کسی محفل میں جب وہ ایلن سے ملی تو اسے کمرے کے درمیان میں ہی روک لیا اور عمومی خاموشی کے درمیان اپنے مخصوص اکھڑ لہجے میں اسے کہنے لگی''اچھا، تو ان عورتوں نے دوبارہ شادیاں کرنا شروع کردی ہیں جن کے شوہر ابھی تک زندہ ہیں! تمہارا خیال ہے کہ شاید تم کوئی نیا کام کر رہی ہو مگر اس معاملے میں تم پیچھے رہ گئی ہو۔ ان۔۔۔ تمام جگہوں پر ایسا ہی ہوتا ہے'' یہ کہہ کر اس نے اپنے مخصوص انداز میں آستینیں چڑھالیں اور اپنے اردگرد لوگوں کو غصے میں دیکھتی لمبے قدم اٹھاتی دوسری جانب چلی گئی۔

اگرچہ لوگ ماریا متریونا سے خوفزدہ تھے تاہم پیٹرزبرگ میں اسے مزاحیہ عورت سمجھا جاتا تھا لہٰذا لوگوں نے اس کی بات پر کوئی توجہ نہ دی اور صرف اس کے آخری گھٹیا الفاظ پر چونک اٹھے اور اسے دبی دبی آوازوں میں دہرانے لگے جیسے اس عورت کی تمام گفتگو کا مرکزی نکتہ یہی ہوں۔

شہزادہ ویسلے جواب اپنی باتیں بھول جاتا تھا، ایک ہی بات سینکڑوں مرتبہ دہراتا رہتا تھا۔ وہ جب بھی اپنی بیٹی سے ملتا تو کہتا''ایلن، میں تم سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں'' یہ کہہ کر وہ اس کا ہاتھ نیچے کھینچ لیتا اور پھر اسے ایک جانب لے جا کر کہتا''میں نے کچھ منصوبوں کے بارے میں بعض افواہیں سنی ہیں، تمہیں ان کے بارے میں علم ہی ہوگا، پیاری بیٹی، تم جانتی ہو کہ میرا دل یہ سوچ کر خوش ہو جاتا ہے کہ۔۔۔ تمہیں بیحد دکھوں سے واسطہ پڑا ہے، مگر تمہیں صرف اپنے دل کی بات سننا چاہئے۔ میں بس یہی کہنا چاہتا تھا'' یوں وہ ایک ایسے جذبے کو دل میں چھپالیتا جو ایسے مواقع پر ہمیشہ ایک سا ہوتا تھا اور اپنا رخسار بیٹی کے رخسار سے لگا کر وہاں سے چلا جاتا۔

بلیبن ابھی تک ہوشیار چالاک شخص کے طور پر مشہور تھا اور اس کی ایلن سے دوستی تھی۔ وہ ایسے بے غرض دوست جیسا تھا جسے روشن خیال خواتین ہمیشہ کسی نہ کسی طرح اپنے ساتھ نتھی کرلیتی ہیں، ایسا مرد دوست ہمیشہ دوست ہی رہتا ہے اور اسے کبھی تنہائیوں کا ساتھی نہیں بنایا جاتا۔ ایلن نے ایک دن کسی خصوصی تقریب میں اسے تمام معاملے سے آگاہ کر دیا۔

وہ کہنے لگی''بلیبن!''(وہ ایسے دوستوں کو ہمیشہ ان کے خاندانی نام سے پکارا کرتی تھی) اس نے انگوٹھیوں والی اپنی سفید انگلیوں سے اس کا کوٹ چھوا اور کہا''مجھے بالکل اپنی بہن سمجھ کر مشورہ دو کہ میں کیا کروں؟ دونوں میں سے کون؟''

بلیبن کے ماتھے پر سلوٹیں نمودار ہوگئیں اور وہ مسکراتے ہوئے سوچنا شروع ہوگیا۔

کچھ دیر بعد وہ بولا''تم جانتی ہو کہ میں تمہاری بات سن کر حیران نہیں ہوا۔ سچے دوست کی مانند میں نے اس معاملے پر کئی مرتبہ غوروفکر کیا ہے۔ تمہیں علم ہے کہ اگر تم نے شہزادے سے شادی کی تو دوسری شادی کا موقع ہمیشہ کیلئے گنوا بیٹھوگی، اس کے ساتھ ساتھ دربار بھی تم سے ناراض ہوجائیگا۔ تم جانتی ہو کہ اس معاملے میں کچھ تعلق موجود ہے۔ تاہم اگر تم بوڑھے نواب سے شادی کرلو تو اس کی زندگی کے آخری دن خوشیوں سے لبریز کردوگی اور اس کے بعد بڑے نواب کی بیوہ کی حیثیت سے۔۔۔'' یہ کہہ کر بلیبن کے ماتھے کی شکنیں ختم ہوگئیں۔

ایلن بولی''تم واقعی سچے دوست ہو'' اس کے چہرے کی رونق بحال ہوگئی۔ وہ ایک مرتبہ پھر اس کا بازو چھوتے

ہوئے بولی "مگر تمہیں علم ہے کہ میں دونوں کو چاہتی ہوں اور کسی کے جذبات نہیں کچلنا چاہتی۔ان دونوں کی خوشی کیلئے میں جان بھی قربان کرسکتی ہوں"

بلیبن نے کندھے اچکائے جیسے کہہ رہا ہو کہ اس مسئلے میں تمہاری کیا مدد کرسکتا ہوں۔

وہ سوچ رہا تھا "اسے معاملے کو درست انداز سے پیش کرنا کہتے ہیں،وہ بیک وقت تینوں سے شادی کرنا چاہتی ہے"

بلیبن نے کہا "مگر یہ تو بتاؤ کہ تمہارے شوہر کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟" وہ اپنی پوزیشن اتنی مضبوط کر چکا تھا کہ ایسے معصوم سوالات پوچھنے سے اس کی شہرت خراب نہیں ہوتی تھی۔اس نے پوچھا "کیا وہ اس پر رضامند ہو جائیں گے؟"

ایلین بولی "ارے وہ،وہ مجھ سے بیحد محبت کرتے ہیں،وہ میرے لیے کچھ بھی کرنے کو تیار ہو جائیں گے" وہ بلاوجہ یہ سمجھتی تھی کہ پیری بھی اسے چاہتا ہے۔

بلیبن کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔یوں دکھائی دیتا تھا جیسے وہ کوئی شاندار جملہ سوچ رہا ہے۔

اس نے پوچھا "کیا وہ تمہیں طلاق دینے پر رضامند ہو جائیں گے؟"

ایلین ہنسنے لگی۔

ایلین کی والدہ شہزادی کوراگن بھی ان لوگوں میں شامل تھی جنہیں اس کی شادی کی درست قانونی حیثیت کے حوالے سے شکوک وشبہات لاحق تھے۔وہ اپنی بیٹی سے مسلسل حسد کرتی رہی تھی اور اب جبکہ اس حسد کی وجہ وہ شخص تھا جو اس کے اپنے دل سے اسقدر قریب تھا تو وہ اس تصور کو تسلیم نہ کرسکی۔اس نے ایک روسی پادری سے دریافت کیا کہ "طلاق کا کوئی امکان موجود ہے،اور شوہر کی موجودگی میں دوسری شادی کی جاسکتی ہے؟" جب پادری نے اسے یہ بتایا کہ ایسا ہونا ممکن نہیں تو وہ بیحد خوش ہوئی۔اس حوالے سے پادری نے انجیل کی ان آیتوں کا حوالہ دیا جن میں ایسی شادی کو غلط قرار دیا گیا تھا۔

ایک دن وہ ان دلائل سے مسلح ہو کر صبح سویرے اپنی بیٹی کے گھر چل دی جو اس کے خیال میں ناقابل تردید تھے۔

ایلین نے اپنی والدہ کے اعتراضات سنے اور جواب میں طنزیہ خوش اخلاقی سے مسکرانے لگی۔

ادھیڑ عمر شہزادی نے کہا "مگر یہاں تو صاف لکھا ہے کہ جو طلاق یافتہ عورت سے شادی کرے گا۔۔۔"

ایلین نے اپنی والدہ سے کہا "ارے امی! فضول باتیں مت کرو۔آپ نہیں جانتیں کہ میرا جو مقام ہے اس حوالے سے مجھ پر کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں" وہ فرانسیسی میں گفتگو کر رہی تھی کیونکہ اس کا خیال تھا کہ موقع محل کی مناسبت سے فرانسیسی زیادہ موزوں تھی۔اگر وہ روسی زبان استعمال کرتی تو شاید اپنا مافی الضمیر درست طور سے بیان نہ کر پاتی۔

اس کی والدہ نے کہا "مگر میری پیاری۔۔۔"

ایلین نے بات کاٹ دی اور کہنے لگی "اوہو،امی جان،آپ نہیں سمجھتیں،مقدس باپ جنہیں عام لوگوں کو ان کے وعدے وعید اور فرائض کی پابندیوں سے آزاد کرانے کا اختیار ہے۔۔۔"

اس مرحلے پر ایلین کی مصاحبہ یہ بتانے آئی کہ ہزہائی نس ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہیں۔

ایلین کہنے لگی "نہیں،انہیں بتادو کہ میں نہیں آؤں گی کیونکہ انہوں نے مجھ سے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا"

اسی دوران بھورے بالوں اور لمبے چہرے والا نوجوان شخص کمرے میں داخل ہوا اور کہنے لگا "بیگم ہر گناہ معاف ہو سکتا ہے"

معمر شہزادی اٹھی اور جھک کر اسے سلام کیا تاہم نوجوان نے اس کی جانب کوئی توجہ نہ دی اور وہ خاموشی سے کمرے سے باہر چل دی۔

باہر آکر اس نے سوچا "ہاں وہ ٹھیک کہتی ہے" ہزہائی نس کے آنے سے اس کے تمام تر اعتقادات ہوا ہو گئے تھے۔وہ سوچنے لگی "ہاں وہ ٹھیک کہتی ہے مگر ہمیں اپنی جوانی میں ایسا خیال کیوں نہ آیا؟" یہی سوچتے ہوئے وہ اپنی گاڑی میں بیٹھ گئی۔

☆☆☆

اگست کے آغاز میں ایلین کے معاملات طے پاگئے اور اس نے اپنے شوہر (جو اس کے خیال میں اس پر دل وجان سے فدا تھا) کے نام خط لکھا جس میں اسے اطلاع دی کہ وہ این این سے شادی کرنا چاہتی ہے،اس نے واحد سچا مذہب اختیار کرلیا ہے اور خط میں درخواست کی کہ وہ طلاق کیلئے درکار ضروری رسمی کارروائیاں مکمل کردے۔ان کارروائیوں کی بابت پیری کو خط لے جانیوالے شخص نے آگاہ کرنا تھا۔آخر میں اس نے لکھا تھا "میرے پیارے،خدا آپ کی حفاظت کرے۔۔۔آپ کی دوست،ایلین"

یہ خط پیری کے گھر اس وقت پہنچا جب وہ بوروڈینو کے میدان جنگ کو جاچکا تھا۔

(8)

بوروڈینو کی جنگ ختم ہونے کو تھی کہ پیری دوسری مرتبہ رائیوسکی مورچے سے بھاگا اور سپاہیوں کے ہجوم کے ساتھ گھاٹی کے متوازی کنیازکوف گاؤں کی جانب چل دیا۔جب وہ عارضی ہسپتالوں کے قریب پہنچا اور اسے وہاں ہر جانب خون نظر آیا اور اس نے زخمیوں کی چیخیں سنیں تو وہاں نہ ٹھہر سکا اور تیزی سے آگے بڑھ گیا۔تاہم ابھی تک اس کے گرد سپاہی ہی سپاہی تھے۔

اب پیری کی ایک ہی خواہش تھی جس پر وہ دل وجان سے عمل کرنے کا خواہشمند تھا۔وہ ان تمام خوفناک مناظر سے پیچھا چھڑا کر معمول کی زندگی کی جانب لوٹنا اور اپنے بستر میں سکون سے گہری نیند سونا چاہتا تھا۔اسے یوں لگتا تھا جیسے وہ عمومی زندگی کے معمولات میں ہی وہ تمام باتیں سمجھ سکے گا جو اس نے دیکھی تھیں تاہم عمومی زندگی کے یہ معمولات اسے کہیں دکھائی نہ دے رہے تھے۔

اگرچہ وہ جس سڑک پر جا رہا تھا وہاں سروں سے گولے اور گولیاں نہیں گزر رہی تھیں مگر چاروں جانب اسے اب بھی میدان جنگ جیسے مناظر دکھائی دے رہے تھے۔یہاں بھی وہی مصیبت زدہ تھکاوٹ سے چور اور احساس اذیت سے عاری بے تاثر چہرے تھے۔ہر طرف وہی خون،فوجی کوٹ اور فائرنگ کی آوازیں تھیں۔اگرچہ یہ آوازیں کہیں دور سے آرہی تھیں مگر انہیں سن کر اب بھی دل دہل جاتے تھے،مزید یہ کہ راہ میں شدید گرمی اور گرد سے واسطہ پڑ رہا تھا۔

پیری موزہیک کی سڑک پر تقریباً تین کلومیٹر چلنے کے بعد سڑک کنارے بیٹھ گیا۔

شام ہو چکی تھی اور توپوں کی آوازیں پرانی بات بن چکی تھیں۔پیری زمین پر لیٹ گیا اور کہنی سے سر ٹکائے اندھیرے میں دیر تک اپنے قریب غیر واضح چہروں کو آگے بڑھتا دیکھتا رہا۔وہ بار بار یہی سوچ رہا تھا کہ توپ کا کوئی

خوفناک گولہ تیزی سے اس کی جانب بڑھتا چلا آ رہا ہے۔ اسے یہ سوچ کر جھرجھری آجاتی اور وہ گھبرا کر اٹھ جاتا۔ اسے اندازہ نہ ہو سکا کہ وہ کتنی دیر سے وہاں پڑا ہے۔

آدھی رات ہوئی تو تین سپاہی دکھائی دیئے۔ وہ چند جھاڑیاں گھسیٹ کر لا رہے تھے۔ تینوں اس کے قریب بیٹھ گئے اور آگ جلانے لگے۔ پھر انہوں نے آگ پر ایک برتن رکھا اور اس میں کچھ بسکٹ اور چربی ڈال دی۔ کھانے کی خوشبو دھوئیں میں گھل مل گئی۔ پیری اٹھ بیٹھا اور گہری سانس لی۔ تینوں سپاہی اس سے بے پروا ہو کر کھانے اور گفتگو میں مصروف ہو گئے۔

ایک سپاہی نے اچانک اس سے پوچھا "تم کون ہو؟" اس کا انداز کچھ ایسا تھا جیسے کہنا چاہتا ہو "اگر بھوکے ہو تو ہم تمہیں کھانا دیں گے مگر ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ تم ٹھیک آدمی بھی ہو یا نہیں" کم از کم پیری کو یہی محسوس ہوا۔

پیری نے جواب دیا "میں؟۔۔۔" اس نے محسوس کیا کہ اسے جس قدر ہو سکے اپنا سماجی مرتبہ کم کر کے پیش کرنا ہوگا تاکہ ان سپاہیوں کے قریب جا کر ان کی باتیں سمجھنے میں کامیاب ہو سکے۔ وہ کہنے لگا "دراصل میں ملیشیا کا افسر ہوں مگر میرے لوگ یہاں نہیں ہیں۔ میں جنگ میں گھوڑے پر شریک تھا مگر ان سے بچھڑ گیا ہوں"

ایک سپاہی کہنے لگا "اچھا؟"

دوسرے نے سر یوں ہلایا جیسے اس کی بات پر یقین نہ آ رہا ہو۔

پہلے سپاہی نے کہا "ٹھیک ہے، اگر دل چاہے تو کچھ کھا لو" اس نے لکڑی کا چمچہ چاٹ کر صاف کیا اور پیری کو پکڑا دیا۔

پیری آگ کے قریب جا بیٹھا اور برتن سے کھانا شروع کر دیا۔ یہ شے اسے ابتک کھائے تمام کھانوں سے مزیدار معلوم ہوئی۔ جب وہ برتن پر جھکا بھوکوں کی طرح کھا رہا تھا تو اس کا چہرہ آگ کی روشنی سے منور ہو گیا اور سپاہی اسے خاموشی سے دیکھنے لگے۔

ایک بولا "تم کہاں جاؤ گے؟"

پیری نے جواب دیا "موزیک"

سپاہی نے پوچھا "تم امراء میں سے ہو؟"

پیری بولا "ہاں"

ایک سپاہی نے پوچھا "تمہارا نام کیا ہے؟"

پیری نے کہا "پیٹر کریلچ"

سپاہی نے کہا "بہرحال پیٹر کریلچ، ہمارے ساتھ چلے آؤ، ہم تمہیں وہاں پہنچا دیں گے"

پیری اور سپاہی موزیک کی طرف چل دیئے۔ اندھیرے کے باعث کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ جب وہ موزیک پہنچے اور شہر میں داخلے کیلئے پہاڑی پر چڑھے تو مرغے صبح کی اذانیں دے رہے تھے۔ پیری کو یاد ہی نہ رہا کہ اگلی سرائے پہاڑی کے نیچے تھی، وہ سپاہیوں کے ساتھ چلتا رہا اور اپنی سرائے سے بھی آگے نکل گیا۔ وہ اتنا بوکھلایا ہوا تھا کہ اگر چڑھائی کے دوران اسے اپنا سائیس نہ ملتا تو اسے سرائے کے بارے میں یاد بھی نہ آتا۔ سائیس اسے تمام شہر میں تلاش کرنے کے بعد اب سرائے میں واپس آ رہا تھا۔ اس نے پیری کو اس کے ہیٹ کی مدد سے پہچانا۔

وہ بلند آواز سے بولا "جناب عالی! ہم تو آپ کو ڈھونڈنے کی امید کھو بیٹھے تھے۔ آپ پیدل کیوں ہیں؟ اب

کہاں جا رہے ہیں؟"

پیری نے کہا "اوہ ہاں!۔۔۔"

سپاہی ٹھہر گئے۔

ایک سپاہی نے کہا "تو تمہیں اپنے لوگ مل گئے؟ ٹھیک ہے، الوداع۔۔۔ پیٹر کریلچ، یہی نام ہے نا تمہارا؟"

دوسرے نے بھی اس کے ساتھ کہا "الوداع، پیٹر کریلچ"

پیری نے بھی جواباً الوداع کہا اور سائیس کے ساتھ سرائے کو چل دیا۔

سرائے کی جانب جاتے ہوئے اس نے سوچا "مجھے انہیں کچھ دے دینا چاہئے" مگر اس کی اندرونی آواز کہنے لگی "نہیں، نہ دینا ہی بہتر ہوگا"

سرائے میں کوئی کمرہ خالی نہ تھا۔ پیری صحن میں چلا گیا اور سر سے پاؤں تک جسم ڈھک کر گاڑی میں جا لیٹا۔

(9)

پیری نے اپنا سر تکیے پر رکھا ہی تھا کہ اسے نیند آ گئی اور پھر اس قدر واضح انداز سے اسے توپوں کے دھاڑنے اور گولے پھٹنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں اور اس کے ساتھ ساتھ بارود اور خون کی بو آنے لگی کہ اسے یوں لگا جیسے سچ مچ ایسا ہی ہو رہا ہے۔ وہ خوفزدہ ہو گیا اور اسے موت کے خوف نے جکڑ لیا۔ ڈر کے مارے اس کی آنکھ کھل گئی اور وہ سر کمبل سے باہر نکال کر دیکھنے لگا۔ صحن میں خاموشی طاری تھی اور کوئی اردلی کیچڑ میں پاؤں چلاتے ہوئے کسی سے گفتگو میں مصروف تھا۔ پیری کے سر پر سرائے کی دوسری منزل کے کمروں کے چھجوں پر کبوتر پھڑپھڑا رہے تھے جنہیں پیری کی موجودگی نے خوفزدہ کر دیا تھا۔ صحن میں خشک گھاس، گوبر اور تیل کی تیز بو رچی ہوئی تھی۔ اسے دو چھجوں کے درمیان تاروں بھرا شفاف آسمان دکھائی دے رہا تھا۔

پیری نے سر ڈھکتے ہوئے سوچا "خدا کا شکر ہے کہ یہ سب کچھ تو ختم ہوا۔ یہ خوف کتنی ڈراؤنی شے ہے اور میں نے کتنی آسانی سے اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے تھے جبکہ وہ آخری دم تک پرسکون انداز میں اپنا کام کرتے رہے"

وہ کا مطلب وہ فوجی تھے جنہوں نے ٹیلے والی توپوں پر فرائض انجام دیئے، جنہوں نے اسے کھانا کھلایا اور جنہوں نے مقدس تصویر کے سامنے دعائیں مانگی تھیں۔ وہ عجیب و غریب لوگ تھے جن کے بارے میں وہ پہلے کچھ نہیں جانتا تھا۔ اب وہ اس کے ذہن میں دیگر مخلوق سے الگ واضح طور پر نمایاں ہو کر موجود تھے۔

پیری نے نیند میں سوچا "سپاہی بننا ایسا ہی ہے کہ آپ اپنے تمام تر وجود کے ساتھ اجتماعی زندگی میں شامل ہو گئے ہیں۔ جس شے نے آپ کو وہ بنایا جو آپ ہیں، اسے آپ نے مکمل طور پر اپنے اندر شامل کر لیا ہے تاہم اس بیرونی انسان پر لدا فضول، بیکار اور ظالم بوجھ کیسے اتارا جائے؟ کبھی میں یہ کام کر سکتا تھا۔ اپنی خواہش کے مطابق اپنے باپ سے تعلقات ختم کر سکتا تھا۔ جب میں نے دولوخوف سے ڈوئیل لڑی اس وقت بھی مجھے سپاہی کے طور پر فوجی خدمات کیلئے بھیجا جا سکتا تھا"

انہی تصورات کے دوران اس کے ذہن میں اچانک انگریزی کلب کی وہ دعوت ابھر آئی جس میں اس نے دولوخوف کو ڈوئیل کا چیلنج دیا تھا۔ پھر اسے تورزہوک میں اپنے محسن کی شکل یاد آئی۔ یہاں پہنچ کر اسے لاج کے باضابطہ اور سنجیدہ اجلاس کی روداد یاد آئی جو انگریزی کلب میں ہوا تھا۔ کوئی شخصیت جو اس کے دل و دماغ میں موجود تھی میز کے

آخری سرے پر بیٹھی تھی۔ اس نے سوچا "ہاں، یہی میرا محسن ہے، مگر وہ تو وفات پا گیا تھا۔ ہاں، وہ انتقال کر گیا تھا مگر میں خوش ہوں کہ وہ دوبارہ زندہ ہو گیا ہے" میز کی ایک طرف اناطول، دولوخوف، نیسوتسکی، دینی سوف اور دیگر لوگ بیٹھے تھے (خواب کی حالت میں بھی اس کے ذہن میں اس طبقے کے لوگوں کی شکل وصورت بالکل واضح تھی) اس نے اناطول، دولوخوف اور دیگر کو شور شرابہ کرتے اور گانا گاتے سنا تاہم اس شور میں اسے اپنے محسن کی باتیں برابر سنائی دیتی رہیں۔ اس کے الفاظ کی گونج بھی میدان جنگ کے شور جتنی موثر اور زوردار تھی تاہم یہ آواز کانوں کو اچھی لگتی تھی۔ پیری کو اپنے محسن کی باتیں ٹھیک طرح سمجھ نہیں آ رہی تھیں مگر اسے علم تھا کہ وہ نیکی اور ان فوجیوں جیسا ہونے کے امکانات کی بابت گفتگو کر رہا ہے جبکہ فوجی اپنے معصوم اور سچے چہرے لیے اس کے چاروں طرف کھڑے تھے۔ اگرچہ ان کے چہروں پر شفقت کا تاثر تھا مگر انہوں نے پیری کی طرف بالکل نہ دیکھا اور اسے پہچان بھی نہ سکے۔ پیری ان کی طرف دیکھنا اور ان سے باتیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ اٹھ بیٹھا اور اسی دوران اسے یوں محسوس ہوا کہ اس کی ٹانگیں ننگی ہیں اور انہیں ٹھنڈ لگ رہی ہے۔

پیری نے شرمندگی محسوس کی اور ایک ہاتھ سے ٹانگیں ڈھانپنے کی کوشش کی جن سے کپڑا ہٹ گیا تھا۔ کپڑا دوبارہ ٹھیک کرتے ہوئے اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اسے سرائے کی بالائی منزل کے وہی کمرے، کھمبے اور صحن نظر آیا تاہم اب ہر چیز نیلی روشنی میں چمک رہی تھی۔

پیری نے سوچا "صبح ہو گئی ہے مگر میں جو کچھ چاہتا ہوں وہ یہ تو نہیں، میں اپنے محسن کی باتیں سننے کا خواہشمند ہوں" اس نے ایک مرتبہ پھر کروٹ اپنے گرد لپیٹ لیا تاہم اب اسے اپنا محسن اور لاج دکھائی نہ دی۔ صرف وہ خیالات باقی رہ گئے تھے جنہیں کسی شک کے بغیر واضح انداز میں الفاظ کا رنگ دے دیا گیا تھا۔ یہ خیالات کوئی بیان کر رہا تھا یا انہیں وہ خود ہی الفاظ کی شکل دیئے جا رہا تھا۔

پیری نے جب ان خیالات کو یاد کیا تو اسے یوں لگا جیسے بیداری کی حالت میں وہ اس قسم کے خیالات سوچنے اور ان کے اظہار کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا، حالانکہ یہ خیالات اس روز ذہن پر نقش ہونے والے تاثرات کی وجہ سے تھے اور اسے قوی یقین تھا کہ یہ خیالات کسی ایسی شخصیت کے پیدا کردہ ہیں جو اس کی اپنی ذات سے علیحدہ ہے۔

وہ آواز کہہ رہی تھی "انسانی خدائی قوانین کے تحت زندگی بسر کرتا ہے تاہم خدا کی اطاعت کا مشکل ترین مرحلہ وہ ہوتا ہے جب انسان کو جنگ میں شریک ہونا پڑتا ہے۔ انسان اسی وقت سچائی پر ہوتا ہے جب وہ خدا کی رضا کے آگے سر جھکا دے۔ خدا سے فرار حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ یہ فوجی سپاہی سچے ہیں، یہ باتوں کی بجائے عمل کرتے ہیں۔ انسان جب تک موت سے ڈرتا رہتا ہے اس وقت تک وہ کسی شے پر غالب نہیں آ سکتا مگر جو موت سے نہیں ڈرتا وہ ہر شے پر قدرت حاصل کر لیتا ہے۔ اگر غم نہ ہوں تو انسان کو اپنی صلاحیتوں کا صحیح طور سے علم ہی نہیں ہو سکتا (پیری کو یہ باتیں خواب میں سنائی اور دکھائی دیتی رہیں) کیا اپنی روح میں مجموعی معانی اکٹھے کرنا ہی مشکل ترین عمل ہے؟ نہیں، اکٹھا کرنا نہیں، خیالات اکٹھے نہیں ہو سکتے تاہم انہیں یوں اکٹھا کر کے استعمال کے قابل بنایا جا سکتا ہے جس طرح گاڑی میں گھوڑے جوت کر دونوں کو اکٹھا کر کے قابل استعمال بنا دیا جاتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ انہیں گھوڑا گاڑی کی طرح جوت دیا جائے، جوت دیا جائے۔۔۔" پیری خوشی سے نہال ہو رہا تھا اور اسے محسوس ہوا کہ یہی الفاظ اس بات کو درست طور سے بیان کر سکتے ہیں اور انہوں نے وہ تمام مسئلہ حل کر دیا ہے جس نے اسے تکلیف میں مبتلا کر رکھا تھا۔

وہ ایک بار پھر سوچنے لگا "ہاں، ہمیں انہیں گھوڑا گاڑی کی طرح ملا کر جوت دینا چاہئے، جوتنے کا وقت آ گیا"

کسی آواز نے اس کے الفاظ دہرائے "جناب عالی! گھوڑے جوتنے کا وقت ہو گیا، جناب عالی! گھوڑے جوتے جانے کا وقت ہو گیا ہے"

یہ اس کا سائیس تھا جو اسے جگانے کی کوشش کر رہا تھا۔ سورج پیری کے چہرے پر چمک رہا تھا۔ اس نے گندے صحن کی جانب دیکھا۔ صحن کے درمیان میں سپاہی اپنے کمزور گھوڑوں کو پانی پلانے اور بڑے دروازے سے گاڑیاں باہر نکالنے میں مصروف تھے۔

پیری کو نفرت سی محسوس ہوئی۔ اس نے آنکھیں بند کیں اور دوبارہ جلدی سے گاڑی کی نشست پر لیٹ گیا۔ وہ سوچنے لگا "نہیں، مجھے یہ نہیں چاہئے، میں یہ دیکھنا اور سمجھنا نہیں چاہتا، میں وہ شے دیکھنا اور سمجھنا چاہتا ہوں جو مجھے خواب میں دکھائی دی تھی۔ مزید ایک سیکنڈ مل جاتا تو میں پوری بات سمجھ لیتا۔ مگر میں کیا کروں؟ کیسے جوتوں، مگر سب کو اکٹھا کیسے جوت دوں؟" اسے یہ جان کر بیحد ڈر لگا کہ اس نے خواب میں جو کچھ دیکھا اور سنا تھا وہ معنی کھو چکا تھا۔

اس کے سائیس، کوچوان اور سرائے کے مالک نے بتایا کہ فرانسیسی فوج موزیسک کی طرف بڑھ رہی ہے اور ہماری فوجیں پیچھے ہٹتی جا رہی ہیں۔

پیری کھڑا ہو گیا۔ اس نے گھوڑے جوتنے اور گاڑی اپنے پیچھے لانے کو کہا اور خود پیدل شہر سے گزرنے لگا۔

سپاہی شہر سے نکل رہے تھے اور کم وبیش دس ہزار زخمیوں کو وہیں چھوڑ دیا گیا تھا۔ یہ زخمی صحنوں، مکانوں کی کھڑکیوں کے سامنے اور گلیوں میں نظر آ رہے تھے جہاں انہوں نے اپنی گاڑیوں کے گرد ہجوم کر رکھا تھا۔ وہ چیختے چلاتے، گالیاں بکتے اور ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے دکھائی دیتے تھے۔ پیری نے ایک زخمی جرنیل کو اپنی گاڑی میں بٹھا لیا جو اس کا واقف تھا۔ دوران سفر اسے اپنی سالے اناطول اور شہزادہ آندرے کی موت کی خبر ملی۔

(10)

پیری 30 تاریخ کو ماسکو پہنچا۔ ابھی وہ شہر کے دروازے پر ہی تھا کہ رستوپچن کا ایجوٹنٹ اس سے ملنے پہنچ گیا۔

وہ پیری سے کہنے لگا "ہم آپ کو ہر جگہ تلاش کر رہے ہیں۔ نواب آپ سے فوری ملنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے درخواست کی ہے کہ آپ ایک انتہائی اہم معاملے میں ان سے فوری ملیں"

پیری نے گھر جانے کی بجائے کرائے کی گاڑی حاصل کی اور گورنر جنرل کی رہائش گاہ کی طرف چل دیا۔

نواب رستوپچن اسی صبح سوکولنکی میں اپنی گرمائی رہائشگاہ سے واپس آیا تھا۔ اس کا بیرونی کمرہ اور استقبالیہ افسروں سے بھرا ہوا تھا جن میں سے بعض کو بلایا گیا تھا اور بعض خود ہی ہدایات لینے آ موجود ہوئے تھے۔ واسلچکوف اور پلاتوف نواب سے مل چکے تھے اور انہوں نے اسے تفصیل سے آگاہ کر دیا تھا کہ ماسکو کا دفاع کرنا ممکن نہیں رہا اور شہر ہر صورت دشمن کے حوالے کرنا ہو گا۔ اگرچہ یہ خبر شہر کے لوگوں سے چھپائی گئی تھی مگر رستوپچن کی طرح مختلف محکموں کی سربراہوں کو اچھی طرح علم تھا کہ ماسکو جلد دشمن کے حوالے کر دیا جائے گا اور ذاتی ذمہ داریوں سے جان چھڑانے کیلئے وہ رستوپچن سے یہ پوچھنے چلے آئے تھے کہ انہیں اپنے محکموں میں کیا کرنا ہو گا۔

جس لمحے پیری استقبالیہ کمرے میں داخل ہوا تو فوج کا پیغام رساں نواب کے نجی کمرے سے نکل رہا تھا۔ اس نے سوالات کی بوچھاڑ کے جواب میں بے بسی سے بازو لہرایا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔

پیری نے استقبالیہ کمرے میں انتظار کے دوران تھکی تھکی نگاہوں سے بوڑھوں، نوجوانوں، فوجی و غیر فوجی افسروں سمیت تمام لوگوں پر نظر دوڑائی۔ تمام لوگ پریشان دکھائی دیتے تھے۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر حکام کے ایک گروہ میں چلا گیا جہاں اسے ایک واقف دکھائی دے گیا تھا۔ پیری سے سلام دعا کے بعد وہ ایک مرتبہ پھر اپنی باتوں میں مشغول ہو گئے۔

ایک شخص کہہ رہا تھا "اگر انہیں شہر سے باہر بھیج دیا جائے اور بعد میں دوبارہ واپس لے آیا جائے تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ مگر صورتحال کچھ ایسی ہے کہ یقین سے کچھ کہنا مشکل ہے"

دوسرا ایک چھپے ہوئے کاغذ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا "مگر ادھر دیکھو، انہوں نے کیا لکھا ہے"

پہلا کہنے لگا "یہ کچھ اور ہے، یہ عام لوگوں کیلئے ہے"

پیری نے پوچھا "یہ کیا ہے؟"

جواب ملا "نیا خبر نامہ"

پیری نے کاغذ لے لیا اور پڑھنے لگا۔

خبر نامے میں کہا گیا تھا کہ "ہز ہائی نس اپنی جانب بڑھنے والی فوجوں سے فوری ملاپ کیلئے موزیسک سے گزرے ہیں اور انہوں نے اسقدر مضبوط مورچے بنا لیے ہیں کہ دشمن کیلئے انہیں تباہ کرنا آسان نہیں ہوگا۔ انہیں یہاں سے گولہ بارود سمیت اڑتالیس توپیں بھیج دی گئی ہیں اور ہز ہائی نس نے اعلان کیا ہے کہ جب تک ان کے جسم میں خون کا آخری قطرہ ہے، وہ ماسکو کا دفاع کرتے رہیں گے بلکہ وہ شہر کی گلیوں میں بھی لڑنے کو تیار ہیں۔ میرے بھائیو! عدالت بند ہونے سے مت گھبرائیں۔ اس کی یہاں سے منتقلی ضروری تھی، تاہم امید قائم رکھیں، ہمیں فسادیوں سے نمٹنا آتا ہے اور جب وقت آئے گا اور مجھے بہادر شہری و دیہاتی جوانوں کی ضرورت ہوگی تو میں چندروز پہلے انہیں بلالوں گا مگر فی الحال ان کی ضرورت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں خاموش بیٹھا ہوں۔ کلہاڑی نہایت مفید ہے، برچھی بھی اتنی بری نہیں مگر ان سب سے بہتر سہ شاخہ ہے۔ فرانسیسی گھاس کے گٹھے سے زیادہ وزنی نہیں ہوتا۔ کل میں کھانے کے بعد مقدس مریم کی آئیور کی والی تصویر سینٹ کیتھرین ہسپتال میں زخمیوں کے پاس لے جاؤں گا۔ وہاں ہم کچھ پانی پاک کریں گے جس کی بدولت وہ تمام چندروز میں صحت یاب ہو جائیں گے۔ میں اب بھی ٹھیک ہوں، میری ایک آنکھ میں درد تھی تاہم اب میں دونوں سے دیکھ سکتا ہوں"

پیری بولا "مگر مجھے تو فوجیوں نے یہی بتایا تھا کہ شہر میں جنگ لڑنا ممکن نہیں اور ہماری پوزیشن۔۔۔"

پہلا شخص کہنے لگا "ہاں، ہم بھی یہی بات کر رہے ہیں"

پیری پوچھنے لگا "اور اس سے کیا مراد ہے کہ میری ایک آنکھ میں تکلیف تھی اور اب میں دونوں سے دیکھ سکتا ہوں"

ایجوٹنٹ نے مسکرا کر جواب دیا "نواب کی آنکھ میں پھنسی نکل آئی تھی اور جب میں نے انہیں یہ بتایا کہ لوگ ان سے ملاقات کیلئے آرہے ہیں اور یہ پوچھتے ہیں کہ انہیں کیا تکلیف ہے تو وہ بیحد پریشان ہوئے۔ اچھا نواب! مجھے یاد آیا، کہتے ہیں کہ آپ کو کچھ گھریلو پریشانی کا سامنا ہے۔ یوں دکھائی پڑتا ہے کہ بیگم، آپ کی اہلیہ۔۔۔"

پیری نے کہا "میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا مگر آپ نے کیا بات سنی؟"

ایجوٹنٹ نے کہا "بہر حال، آپ تو جانتے ہی ہیں کہ لوگ کیسی کیسی باتیں بنا لیتے ہیں۔ میں صرف وہی بات بتا

سکتا ہوں جو میں نے سنی تھی"

پیری نے پوچھا "آپ نے کیا سنا ہے؟"

ایجوٹنٹ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "کہتے ہیں کہ بیگم، آپ کی اہلیہ محترمہ ملک سے باہر جانے کی تیاریوں میں ہیں۔ میرے خیال میں یہ بالکل فضول بات ہے۔۔۔"

پیری نے بے دھیانی سے اپنے اردگرد دیکھا اور کہنے لگا "ہو سکتا ہے" پھر وہ ایک شخص کی جانب دیکھتے ہوئے بولا "وہ کون ہے؟" اس نے ایک پستہ قد معمر شخص کی جانب اشارہ کیا جس کی داڑھی خاصی گھنی اور بھنویں سفید ہو چکی تھیں۔ اس نے صاف ستھرا نیلا کوٹ پہن رکھا تھا۔

ایجوٹنٹ نے جواب دیا "وہ؟ اچھا، وہ تاجر ہے۔ میرا مطلب ہے کہ وہ ہوٹل مالک ویریشچاگن ہے۔ آپ نے خبر نامے کی کہانی سن لی ہوگی"

پیری نے بوڑھے کے چہرے کا بغور جائزہ لیا جیسے وہاں غداری کے آثار ڈھونڈ رہا ہو اور پھر بولا "اچھا تو یہ ویریشچاگن ہے"

ایجوٹنٹ نے کہا "یہ وہ شخص نہیں بلکہ اس کا باپ ہے جس نے اعلان لکھا تھا۔ وہ نوجوان گرفتار ہو چکا ہے اور میرے خیال میں اسے خاصی مصیبت سے واسطہ پڑے گا"

ایک پستہ قد ادھیڑ عمر شخص جس نے سینے پر تمغہ آویزاں کر رکھا تھا اور گلے میں صلیب لٹکائے ایک اور سرکاری اہلکار جو بنیادی طور پر جرمن تھا، گروہ میں شامل ہو گئے۔

ایجوٹنٹ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا "آپ جانتے ہیں کہ یہ بیحد پیچیدہ معاملہ ہے۔ اعلان دو ماہ پہلے سامنے آیا تھا، نواب کو اطلاع دی گئی اور انہوں نے تفتیش کا حکم دیدیا۔ گاورلوایوانچ نے تفتیش کی۔ یہ اعلان کم و بیش تریسٹھ ہاتھوں سے گزرا تھا۔ وہ ایک ایک شخص کے پاس جا کر پوچھ کچھ کرتا رہا اور اس طرح اس نیم تعلیم یافتہ تاجر شخص کے پاس پہنچ گیا جس کے بارے میں آپ جانتے ہیں کہ وہ بیکار شخص ہے" بات مکمل کرتے ہوئے وہ مسکرایا۔ اس نے بات آگے بڑھائی اور کہنے لگا "اس سے پوچھا گیا کہ یہ تمہیں کس نے دیا تھا؟ درحقیقت یہ بات ہم اچھی طرح جانتے تھے کہ یہ کون دے سکتا تھا۔ اسے یہ اعلان پوسٹ ماسٹر ہی دے سکتا تھا مگر صاف ظاہر تھا کہ دونوں نے ساز باز کر رکھی تھی۔ وہ کہتا ہے کہ مجھے یہ کسی نے نہیں دیا تھا بلکہ یہ میں نے خود لکھا۔ اسے ڈرانے دھمکانے کے علاوہ پیار سے بھی سمجھایا گیا مگر اس کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ وہ اپنی بات پر اڑا رہا۔ لہٰذا یہ معاملہ نواب کو پیش کر دیا گیا۔ نواب نے اسے بلا کر پوچھا کہ یہ اعلان تمہیں کس نے دیا تھا؟ مگر وہ یہی کہتا رہا کہ یہ اس نے خود لکھا ہے۔ بہر حال آپ نواب کو تو جانتے ہی ہیں" یہ کہتے ہوئے ایجوٹنٹ فخریہ انداز سے مسکرایا اور کہا "ان کا غصہ آسمان سے باتیں کرنے لگا۔ اس کی جرات دیکھیں، کتنی ڈھٹائی سے جھوٹ بولے جاتا ہے"

پیری نے کہا "اوہو، میرا خیال ہے کہ نواب صاحب اس معاملے میں کلوچاریوف کو قابو کرنا چاہتے ہوں گے"

ایجوٹنٹ نے گھبرا کر جواب دیا "نہیں، کلوچاریوف پہلے ہی اتنے گناہ کر چکا تھا کہ اس کے لئے ان کا بوجھ اٹھانا ممکن نہ تھا، اسی وجہ سے اسے شہر بدر کر دیا گیا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ نواب کو بیحد غصہ تھا۔ انہوں نے اسے کہا "تم میں اتنی عقل نہیں ہے کہ یہ لکھ سکو" انہوں نے ہمبرگ گزٹ کا پرچہ میز سے اٹھاتے ہوئے کہا "اصل عبارت تو یہ ہے، یہ تم نے خود لکھنے کی بجائے ترجمہ کیا اور۔۔۔ یہ بھی بیحد خراب ہے کیونکہ تمہیں فرانسیسی بھی نہیں آتی" آپ سوچ سکتے ہیں کہ اس نے

کیا جواب دیا۔ اس نے جواب دیا "نہیں، میں خبر نامہ نہیں پڑھتا، یہ میں نے خود لکھا تھا" نواب کہنے لگے "اگر ایسی بات ہے تو پھر تم غداری کے مرتکب ہوئے ہو، میں تم پر مقدمہ چلا کر پھانسی پر لٹکا دوں گا، سچ سچ بتادو کہ یہ کس نے دیا؟" مگر اس نے وہی جواب دہرایا۔ نواب نے اس کے والد کو بھی بلا بھیجا مگر وہ اپنی بات پر اڑا رہا۔ اس پر مقدمہ چلایا گیا اور اسے قید سخت کی سزا دیدی گئی۔ اب اس کا والد اس کی سفارش کرنے آیا ہے۔ تاہم اس کا بیٹا بیحد خراب ہے۔ ایسے لوگوں کو آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔ گھٹیا تاجر کا بیٹا، عورتوں کو قابو کرنے کا شوقین، کہیں سے کچھ سن لیا اور خود کو نجانے کیا سمجھنے لگ گیا۔ آپ جانتے ہی ہیں کہ اس کے والد کا یہاں کامینی پل پر ہوٹل اور دکان ہے، وہاں خداوند کی بڑی سی تصویر بھی آویزاں ہے۔ اس تصویر میں خداوند کے ایک ہاتھ میں چھڑی اور دوسرے میں زمین کی تصویر بنی ہے۔ اس کا بیٹا یہ تصویر کچھ دنوں کیلئے اٹھا کر اپنے گھر لے گیا اور آپ کو علم ہے کہ اس نے تصویر کے ساتھ کیا کیا؟ اس نے کسی اوباش مصور کو بلایا اور۔۔۔"

(11)

اس نئی داستان کے وسط میں ہی پیری کو گورنر نے طلب کر لیا۔

وہ نواب رستوپچن کے کمرے میں چلا گیا۔ جب وہ کمرے میں داخل ہوا تو گورنر غصے میں اپنا ماتھا اور آنکھیں مسل رہا تھا۔ ایک پستہ قد شخص اس سے محو گفتگو تھا۔ جونہی پیری اندر داخل ہوا تو وہ شخص خاموش ہو کر باہر نکل گیا۔

رستوپچن نے پستہ قد شخص کے باہر جاتے ہی پیری سے سلام دعا کرتے ہوئے کہا "ارے! مبارک ہو تم تو چھپے رستم نکلے ہو۔ ہم تمہاری بہادری کی داستانیں سن چکے ہیں مگر تمہیں یہاں اس لیے تکلیف دی کہ میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ کیا تم فری میسن ہو؟" اس کا لہجہ ترش تھا جیسے یہ قابل ملامت بات ہو مگر اس کے باوجود وہ اس کی غلطی معاف کیے جا رہا ہو۔ پیری خاموش رہا۔ رستوپچن کہنے لگا "پیارے، میں باخبر آدمی ہوں۔ مجھے علم ہے کہ میسنوں کی تعداد بے شمار ہے مگر مجھے امید ہے کہ تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جو نسل انسانی کے تحفظ کے بہانے روس کو تباہ کرنے پر تلے ہیں۔"

پیری نے جواب دیا "ہاں، میں میسن ہوں۔"

رستوپچن نے کہا "پیارے، دیکھ لیا، میں کیا کہہ رہا تھا تم جانتے ہی ہو گے کہ سپیرانسکی اور ماگنتسکی کو وہیں بھیج دیا گیا ہے جہاں سے وہ آئے تھے۔ کلوچاریوف اور ان لوگوں کے ساتھ بھی یہی ہوا جو ہیکل سلمانی بنانے کی آڑ میں اپنے وطن کا ہیکل تباہ کرنے کی کوششیں کر رہے تھے۔ تمہیں علم ہونا چاہئے کہ اس کی کچھ وجوہات تھیں اور اگر ہمارے پوسٹ آفس کا ڈائریکٹر خطرناک نہ ہوتا تو میں اسے یونہی شہر بدر نہ کرتا۔ میں نے سنا ہے کہ تم نے اسے شہر سے نکلنے کیلئے گاڑی دی تھی اور اس نے تمہیں اپنے پاس حفاظت سے رکھنے کیلئے کچھ کاغذات دیئے تھے وہ بطور امانت تمہارے پاس محفوظ ہیں۔ تم مجھے پسند ہو اور میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتا۔ چونکہ تمہاری عمر مجھ سے آدھی ہے اس لیے میں باپ کی طرح تمہیں مشورہ دیتا ہوں کہ ایسے لوگوں سے راہ و رسم نہ رکھو اور خود بھی فوری طور پر یہاں سے چلے جاؤ۔"

پیری نے پوچھا "مگر نواب، کلوچاریوف نے کیا جرم کیا تھا؟"

رستوپچن با آواز بلند بولا "یہ میرا معاملہ ہے، تمہیں اس بارے میں بات نہیں کرنی چاہئے۔"

پیری کہنے لگا "اگر اس پر نپولین کے اعلان نامے کو تقسیم کرنے کا الزام ہے تو یہ الزام ثابت نہیں ہو سکا، اور

ویریشچاگن۔۔۔"

رستوپچن غصے میں بولا "ٹھیک ہے، اگر یہ بات ہو ہی گئی تو پھر سن لو کہ ویریشچاگن غدار ہے اور اسے وہی سزا دی جائے گی جس کا وہ حقدار ہے۔" اس کا لہجہ ایسے شخص کا تھا جسے کوئی بھولی ہوئی بے عزتی یاد آ گئی ہو۔ پھر وہ بولا "مگر میں نے تمہیں یہاں دوسروں کے معاملات پر بات چیت کیلئے نہیں بلایا۔ میں تمہیں مشورہ دیتا ہوں، اگر تمہاری ترجیح یہی ہے تو اسے میرا حکم سمجھو کہ کلوچاریوف جیسے لوگوں سے تمام تعلقات ختم کر کے شہر سے باہر نکل جاؤ۔ میں ہر اس شخص کو ٹھیک کر دوں گا جس۔۔۔" پھر اچانک اسے احساس ہوا کہ پیزوخوف نے کوئی جرم نہیں کیا اور وہ اس پر بلاوجہ غصہ جھاڑ رہا ہے۔ یہ سوچ کر اس نے دوستانہ انداز سے پیری کا ہاتھ پکڑا اور کہا "ہم پر مصیبت آنے والی ہے۔ میں ایسی صورتحال میں ہر خاص و عام سے سلجھی ہوئی بات نہیں کر سکتا۔ بعض اوقات میرا دماغ گھومنے لگتا ہے، بہر حال اب تمہارے کیا ارادے ہیں"

پیری نے نگاہیں اٹھائے بغیر کہا "کچھ نہیں" اس کے چہرے پر بھی پہلے جیسا تاثر تھا۔

نواب کی پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئیں۔

اس نے پیری سے کہا "میں تمہیں مشورہ دوں گا کہ جتنا جلد ہو سکے یہاں سے چلے جاؤ۔ میں نے تمہیں یہی کہنا تھا۔ الوداع، میرے عزیز، الوداع" پیری باہر نکلنے لگا تو اس نے دروازے سے آواز دی اور کہنے لگا "ارے مجھے یاد آیا، کیا یہ خبر ٹھیک ہے کہ تمہاری بیگم سوسائٹی آف جیسس کے مقدس پادریوں میں پھنس چکی ہے؟"

پیری کوئی جواب دینے کی بجائے غصے کے عالم میں رستوپچن کے کمرے سے نکل آیا۔ اتنا غصہ اسے پہلے کبھی نہیں آیا تھا۔

جب وہ گھر پہنچا تو اندھیرا چھا چکا تھا۔ اس شام آٹھ افراد اس سے ملاقات کیلئے آئے تھے۔ ان میں کسی کمیٹی کا کوئی سیکرٹری، اس کی ملیشیا رجمنٹ کا کرنل، نگران، خانساماں اور اپنی درخواستیں لے کر آنے والے چند لوگ شامل تھے۔ ان تمام لوگوں کو اس سے کوئی کام تھا جو اسے نپٹانا تھا۔ پیری کو ان کے مسائل سمجھ آئے نہ اسے ان میں دلچسپی تھی۔ وہ ان سے فوری جان چھڑانے کیلئے ہوں ہاں کرتا رہا۔ جب وہ اکیلا رہ گیا تو اس نے بیوی کا خط کھول کر پڑھنا شروع کر دیا۔

اس کے ذہن میں بیک وقت مختلف خیالات گردش کرنے لگے "وہ فوجی۔۔۔ توپوں والے سپاہی۔ شہزادہ بد۔۔۔ مارا گیا۔۔۔ بوڑھا۔۔۔ خدا کی رضا کے سامنے جھکنا ہی سچائی ہے۔ دکھ جھیلنا پڑتا ہے۔۔۔ ہر شے کا مطلب۔۔۔ اکٹھے جوتنا چاہئے۔۔۔ میری بیوی شادی کر رہی ہے۔۔۔ سب کچھ بھولنا اور سمجھنا چاہئے۔۔۔" اور پھر وہ لباس بدلے بغیر بستر میں گھس کر فوراً سو گیا۔

اگلی صبح اس کی آنکھ کھلی تو خانساماں نے اسے بتایا کہ "نواب رستوپچن نے یہ جاننے کیلئے ایک خصوصی پولیس افسر کو بھیجا تھا کہ آیا آپ شہر سے چلے گئے ہیں یا جانے کی تیاریوں میں ہیں"

ڈرائنگ روم میں درجن بھر لوگ اس سے ملاقات کے منتظر تھے جنہیں اس سے کوئی کام تھا۔ اس نے جلدی سے لباس بدلا تاہم ان سے ملنے کیلئے ڈرائنگ روم میں جانے کی بجائے عقبی ڈیوڑھی سے گزر کر بڑے دروازے سے باہر نکل گیا۔

اس وقت سے ماسکو کی تباہی تک وہ اپنے گھر کے کسی شخص کو دکھائی دیا نہ اس کی کوئی خبر ملی حالانکہ اسے تلاش کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی تھی۔

(12)

رستوف یکم ستمبر تک یعنی دشمن کے داخلے سے ایک دن پہلے تک ماسکو میں موجود رہے۔

پیتیا کی قازقوں کی اوبولینسکی رجمنٹ میں شمولیت اور اس کی بیلئے زرکوف روانگی کے بعد بیگم رستوف پریشان رہنے لگی۔ اس موسم گرما میں یہ احساس تکلیف دہ انداز میں اس کے دل و دماغ پر چھایا رہا کہ اس کے دونوں بیٹے فوج میں ہونے کے باعث اس کے سایے سے محروم ہو گئے ہیں اور آج یا کل دونوں میں سے کوئی ایک یا اس کی سہیلی کے بیٹوں کی طرح دونوں ہی جنگ میں ہلاک ہو سکتے ہیں۔ اس نے نکولائی کی واپسی کیلئے کوششیں کیں اور خود پیتیا کے پیچھے جانا یا اسے پیٹرز برگ میں ہی کہیں تعینات کروانا چاہا مگر ایسا ممکن نہ ہو سکا۔ پیتیا کی واپسی اسی صورت ممکن تھی جب اس کی رجمنٹ بھی واپس آ جاتی یا پھر اسے کسی دوسری رجمنٹ میں تبدیل کرا دیا جاتا جو باقاعدہ جنگ میں شریک تھی اور اس طرح وہ واپس آ سکتا تھا۔ نکولائی فوج میں کہیں فرائض انجام دے رہا تھا اور اس خط کے بعد اس کے بارے میں کوئی خبر نہیں ملی تھی جس میں اس نے شہزادی ماریا سے اپنی ملاقات کا تفصیلی احوال قلمبند کیا تھا۔ بیگم رستوف کو نیند نہیں آتی تھی اور اگر آتی بھی تو اسے یہی خواب دکھائی دیتے کہ اس کے دونوں بیٹے جنگ میں مارے جا چکے ہیں۔ صلاح مشورے کے بعد نواب کو ایک طریقہ سوجھ ہی گیا جس کے ذریعے وہ بیگم کی پریشانیاں کم کر سکتا تھا۔ اس نے پیتیا کو اوبولینسکی سے بیزوخوف کی رجمنٹ میں تبدیل کرا لیا جو ماسکو کے قریب زیر تربیت تھی۔ اگرچہ پیتیا اب بھی فوج میں ہی رہتا تھا مگر اس طرح بیگم رستوف کو یہ تسلی ہو گئی کہ اس کا کم از کم ایک بیٹا تو اس کے قریب رہے گا اور وہ امید کرنے لگی کہ وہ پیتیا کے معاملات کو کچھ اس انداز میں ترتیب دے گی کہ اسے کہیں جانا نہیں پڑے گا اور وہ اسے ہمیشہ ایسی جگہوں پر تعینات کراتی رہے گی جہاں اس کے جنگ میں شریک ہونے کا کوئی امکان نہ ہوگا۔ جب تک صرف نکولائی خطرے میں تھا تو بیگم کو یہ محسوس ہوتا رہا کہ وہ اپنے دوسرے بچوں کی نسبت اسے زیادہ چاہتی ہے (اس سوچ پر وہ ہمیشہ خود کو ملامت کرتی رہی) مگر اس کا چھوٹا بیٹا جو لاابالی اور پڑھائی میں نالائق تھا، جو ہر وقت گھر میں توڑ پھوڑ کرتا رہتا اور ہر شخص کو تنگ کرتا تھا، وہی پیتیا جس کی ناک چھوٹی تھی اور جس کی کالی آنکھوں میں ہر وقت شرارت بھری چمک رہتی تھی اور جس کے تازہ سرخ گالوں پر ہلکے ہلکے بال نمودار ہونا شروع ہو گئے تھے، جب وہ پیتیا لمبے چوڑے خوفناک اور ظالم مردوں میں جا ملا جو کسی شے کے بارے میں جنگ کر رہے اور اس اسے لطف اندوز ہو رہے تھے تو پھر اس کی والدہ کو اپنے دیگر بچوں کے مقابلے میں اس سے زیادہ محبت ہو گئی۔ اس کے پیارے پیتیا کی ماسکو آمد کا وقت جوں جوں قریب آتا گیا، ماں کی بے چینی بھی بڑھتی چلی گئی۔ اسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے وہ اس خوشیوں بھرے لمحے کی آمد سے پہلے ہی جان سے گزر جائے گی۔ اب اسے سونیا اور اپنی پیاری بیٹی نتاشا ہی نہیں بلکہ شوہر کی موجودگی بھی گراں گزرنے لگی۔ وہ سوچتی تھی ''میرا ان سے کیا کام، مجھے تو بس پیتیا چاہئے!'' اگست کے اواخر میں انہیں نکولائی کا ایک اور خط ملا جو اس نے صوبہ وارونیز سے لکھا تھا جہاں اسے گھوڑے حاصل کرنے کیلئے بھیجا گیا تھا۔ تاہم اس خط سے بیگم رستوف کے خدشات دور نہ ہوئے اور یہ جان کر وہ پیتیا کے بارے میں اور بھی تشویش میں مبتلا ہو گئی کہ نکولائی خطرے کی زد سے نکل چکا ہے۔

اگرچہ 20 اگست تک رستوف خاندان کے تمام واقف کار ماسکو چھوڑ چکے تھے اور ہر شخص نے بیگم کو جلد از جلد ماسکو چھوڑنے پر قائل کرنے کیلئے خاصا زور لگایا مگر اس نے کسی کی بات نہ مانی۔ اس نے واضح کر دیا کہ جب تک اس کا پیارا پیتیا واپس نہیں آتا وہ کہیں نہیں جائے گی۔ آخرکار وہ 28 تاریخ کو آ پہنچا۔ والدہ نے اسے جس پیار و محبت سے اس

کا خیر مقدم کیا اس سے سولہ سالہ افسر زیادہ خوش نہ ہوا۔ ماں نے ارادہ کیا تھا کہ وہ اسے کبھی نگاہوں سے دور نہیں جانے دے گی تاہم اس کی بھرپور کوشش تھی کہ اس کے ان عزائم کے بارے میں پیتیا کو علم نہ ہونے پائے۔ مگر پیتیا نے ماں کی سوچ کا اندازہ کر لیا۔ اسے یہ خدشہ لاحق ہو گیا تھا کہ کہیں والدہ کی موجودگی میں وہ کمزور نہ پڑ جائے اور عورتوں جیسا رویہ اختیار نہ کر لے۔ چنانچہ وہ اپنی والدہ سے سرد رویے کا مظاہرہ کرنے اور اس کے سامنے آنے سے بچنے لگا۔ ماسکو میں قیام کے دوران وہ نتاشا کے ساتھ ساتھ رہا۔ اس کیلئے پیتیا کا دل ہمیشہ بھائیوں والے پیار سے بھرا رہا جو خاص نوعیت کا حامل اور پرستش کی حد تک پہنچا ہوا تھا۔

نواب رستوف کی طبعی سستی کے باعث 28 اگست تک وہ روانہ نہ ہو سکے۔ ان کا گھریلو سامان لے جانے کیلئے ریازان اور ماسکو کی جاگیروں سے آنیوالی گاڑیاں بھی 30 تاریخ سے پہلے نہ پہنچ پائیں''

ماسکو میں 28 سے 31 تاریخ تک بیحد گہما گہمی رہی۔ بوروڈینو میں زخمی ہونیوالے ہزاروں افراد روزانہ ڈوروگومیلوف دروازے سے ماسکو میں لائے جاتے اور انہیں شہر کے مختلف علاقوں میں پہنچا دیا جاتا۔ شہر کے دیگر دروازوں سے ہزاروں گاڑیاں شہر کے لوگوں کا سامان باہر لے جاتی رہیں۔ رستوپچن کے اشتہاروں کے باوجود انتہائی عجیب و غریب اور متضاد اطلاعات شہر میں زیر گردش رہیں۔ کچھ لوگوں کا کہنا تھا کہ کسی کو شہر سے نہیں نکلنے دیا جائے گا اور ان کے برعکس کچھ لوگ یہ کہتے تھے کہ گرجا گھروں سے مقدس تصاویر ہٹا لی گئی ہیں اور ہر شخص شہر چھوڑنے پر مجبور ہو جائے گا۔ کچھ لوگوں کا کہنا تھا کہ بوروڈینو کے بعد ایک اور جنگ بھی ہو چکی ہے جس میں فرانسیسیوں کو تباہ کر دیا گیا ہے جبکہ بعض لوگ کہتے تھے کہ تمام روسی فوج ختم ہو چکی ہے۔ کچھ آوازیں یہ کہتی تھیں کہ گرجا گھروں کے حکام کی قیادت میں ملیشیا تین پہاڑیوں پر جا رہی ہے اور کچھ دبی دبی آوازوں میں یہ کہتے پائے جاتے کہ پادری آگسٹن کو شہر سے نکلنے سے روک دیا گیا ہے۔ غداروں کو گرفتار کر لیا گیا ہے اور کسان ہنگامہ آرائی کر رہے ہیں اور شہر چھوڑنے والوں کو لوٹا جا رہا ہے۔ مگر یہ سب باتیں تھیں اور حقیقت یہ تھی کہ اس وقت تک فلی میں جنگی کونسل کا وہ اجلاس نہیں ہوا تھا جس میں ماسکو کا دفاع نہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ شہر چھوڑنے اور یہیں ٹھہرنے والے لوگ سرعام اقرار نہ کرنے کے باوجود اس امر پر متفق تھے کہ ماسکو دشمن کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے گا اور انہیں جتنا جلد ہو سکے وہاں سے نکل جانا چاہئے۔ ہر شخص کے ذہن میں یہی بات تھی کہ ایک دن سب کچھ تباہ ہو جائے گا اور زبردست انقلاب آنے والا ہے تاہم یکم ستمبر تک حالات جوں کے توں رہے۔ صورتحال اس مجرم کی طرح تھی جو پھانسی کے پھندے کی جانب جاتے ہوئے بھی ارد گرد دیکھتا رہتا ہے اور اپنے سر پر رکھی ٹیڑھی ٹوپی سیدھی کرتا رہتا ہے۔ ماسکو بھی اپنی پرانی روش پر چل رہا تھا حالانکہ اسے اچھی طرح علم تھا کہ اس کی روایتی اور تسلیم شدہ زندگی بہت جلد ختم ہونے والی ہے۔

ماسکو پر قبضے سے پہلے گزرنے والے تینوں دنوں میں رستوف خاندان روزمرہ کی مختلف سرگرمیوں میں مشغول رہا۔ گھر کا سربراہ نواب رستوف اپنی گاڑی میں مسلسل شہر کا چکر لگاتا اور افواہیں جمع کرتا رہا۔ جب وہ گھر میں ہوتا تو اپنی روانگی کی تیاریوں کے سلسلے میں جلد بازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سطحی ہدایات دیتا رہتا تھا۔

اشیاء چننے اور انہیں بندھوانے میں مصروف بیگم رستوف ہر شخص پر غصہ نکالتی رہتی اور مسلسل پیتیا کے پیچھے جاتی مگر وہ اس کے ہاتھ نہیں آتا تھا اور تمام وقت اپنی بہن نتاشا کے ساتھ گزارتا۔ اس صورتحال میں ماں اپنی بیٹی سے حسد کرنے لگی تھی۔ صرف سونیا سامان باندھنے میں عملی مدد دے رہی تھی۔ کچھ دنوں سے وہ اداس دکھائی دیتی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ نکولائی کا وہ خط پڑھتے ہوئے بیگم رستوف نے کھلم کھلا خوشی کا اظہار کیا تھا جس میں اس نے شہزادی ماریا سے اپنی

ملاقات کی تفصیل بیان کی تھی اور بیگم کا خیال تھا کہ اس کے بیٹے اور شہزادی ماریا کی ملاقات میں خدا کی مرضی بھی شامل تھی۔

خط پڑھنے کے بعد بیگم نے کہا تھا ''جب نتاشا کی بلکونسکی سے منگنی ہوئی تو میں بالکل خوش نہیں تھی مگر میں ہمیشہ یہی خواہش کرتی رہی ہوں کہ نکولائی شہزادی ماریا سے شادی کر لے اور میرا دل کہتا تھا کہ وہ یہ شادی ضرور کرے گا اور یہ کتنی اچھی بات ہوگی''

سونیا کو یہ محسوس ہوتا تھا اور یہ بات درست بھی تھی کہ رستوف خاندان کے حالات اسی صورت بہتر ہو سکتے تھے جب نکولائی کی شادی کسی امیر لڑکی سے ہو جاتی اور اس حوالے سے شہزادی ماریا کا رشتہ بہترین تھا۔ مگر ایسا تصور خود سونیا کیلئے بیحد تلخ تھا۔ اپنی غمزدہ کیفیت کے سبب اس نے ساتھ لے جانے والے گھریلو سامان کے انتخاب اور اسے بندھوانے کی مشکل ذمہ داری اپنے سر لے لی اور تمام دن مصروف رہنا شروع کر دیا۔ جب کوئی ہدایات دینا ہوتیں تو نواب اور بیگم نوکروں کو اس کی جانب بھیج دیتے۔ اس کی بجائے پیتیا اور نتاشا اپنے والدین کی مدد کرنا تو کجا الٹا کام میں نادانستہ طور پر رکاوٹ پیدا کرتے رہے۔ تمام دن گھر ان کے بھاگتے قدموں، شور شرابے اور قہقہوں سے گونجتا رہتا۔ وہ ایسا اس لیے نہیں کرتے تھے کہ اس کا کوئی جواز موجود تھا بلکہ یہ باتیں ان کے مزاج کا حصہ بن چکی تھیں اور انہیں ہر بات میں خوش ہونے کا کوئی پہلو دکھائی دے جاتا۔ پیتیا اس لیے خوش تھا کہ جب وہ گھر سے گیا تھا تو محض لڑکا تھا اور جب واپس آیا تو خوبصورت نوجوان بن چکا تھا جیسا کہ ہر شخص اسے کہا کرتا تھا۔ خوشی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ بیلے زرکوف سے آ چکا تھا جہاں کسی فوری جنگ کا کوئی امکان نہیں تھا اور اب ماسکو پہنچ گیا تھا جہاں ہمہ وقت جنگ کا خطرہ منڈلاتا رہتا تھا۔ تاہم اس کی خوشی کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ نتاشا جس کی وہ ہر وقت نقلیں اتارتا رہتا تھا، اب خوش رہنے لگی تھی۔ وہ اس لیے خوش تھی کہ وہ کافی دیر غمزدہ رہی تھی اور جو شے اسے غمگین کرتی تھی اس کی یاد دلانے کیلئے اب کچھ بھی باقی نہ رہا تھا۔ وہ اس لیے بھی خوش تھی کہ اس کے پاس ایک ایسا فرد تھا جو ہر وقت اس سے پیار کرتا اور اسے دیوانہ وار چاہتا تھا۔ چاہا جانا اس کیلئے اس طرح ضروری تھا جیسے پہیوں کیلئے گریس ضروری ہوتی ہے تاکہ وہ ہچکولے کھائے بغیر ہمواری سے چلتے رہیں اور پیتیا اسے چاہتا تھا۔ اس کی خوشی کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ جنگ ماسکو کے دروازے پر آن پہنچی تھی اور جلد شہر کی گلیوں میں شروع ہونیوالی تھی۔ ہتھیار تقسیم کیے جا رہے تھے اور ہر شخص یہاں وہاں بھاگا پھرتا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آنیوالا ہے اور غیر معمولی شے طبیعتوں میں ہیجان بپا کر دیتی ہے، خصوصاً نوجوانوں کے ساتھ تو ایسا ہی ہوتا ہے۔

(13)

ہفتے کے دن 31 اگست کو رستوف گھرانے میں افراتفری مچی ہوئی تھی۔ فرنیچر باہر نکال دیا گیا تھا یا ادھر ادھر بکھرا پڑا تھا۔ شیشے اور تصاویر اتار لی گئی تھیں۔ کمروں میں ادھر ادھر صندوق بکھرے پڑے تھے۔ ہر جانب خشک گھاس، لپیٹے جانیوالے کاغذ اور رسیوں کے ڈھیر تھے۔ کسان اور گھریلو ملازمین سامان لاد رہے تھے۔ صحن میں کسانوں کی گاڑیوں کا ہجوم تھا۔ بعض گاڑیوں میں سامان بھرا جا چکا تھا اور کچھ ابھی خالی تھیں۔

اپنی اپنی گاڑیوں کے ساتھ آنیوالے لاتعداد کسانوں اور نوکروں کی آوازیں تمام صحن میں گونج رہی تھیں۔ نواب صبح سے باہر گیا ہوا تھا۔ گھر میں وہ شور شرابہ ہو رہا تھا کہ بیگم کا سر دکھنے لگا۔ وہ سر پر پٹی باندھ کر کمرے میں لیٹی تھی۔

پیتیا گھر میں نہیں تھا۔ وہ ایک دوست سے ملنے گیا ہوا تھا اور اس کے ساتھ ملیشیا سے کسی ایسی رجمنٹ میں تبادلہ کرانے کا منصوبہ بنا رہا تھا جو جنگ میں شریک تھی۔ سونیا ہال میں تھی اور اپنی نگرانی میں چینی کے برتن صندوقوں میں رکھوا رہی تھی۔ نتاشا اپنے ویران کمرے میں فرش پر بیٹھی تھی۔ اس کی چاروں جانب لباس، ربن اور سکارفوں کے ڈھیر لگے تھے۔ وہ فرش کی جانب دیکھے جا رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں رقص والا پرانا لباس تھا جس کا رواج اب ختم ہو چکا تھا تاہم یہ وہی لباس تھا جو اس نے پیٹرز برگ میں اپنے پہلے رقص پر پہنا تھا۔

نتاشا کو یہ دیکھ کر شرم محسوس ہو رہی تھی کہ گھر کا ہر فرد کام میں مصروف ہے اور وہ فارغ بیٹھی ہے۔ صبح سے اس نے کئی بار کسی نہ کسی کام میں مدد دینے کی کوشش کی مگر ایسے کام اسے بالکل اچھے نہیں لگتے تھے اور جب تک کسی کام میں اس کا صحیح معنوں میں دل نہ لگتا اس وقت تک وہ یہ کام نہیں کر سکتی تھی۔ جب چینی والے برتن باندھے جا رہے تھے تو وہ سونیا کے ساتھ ساتھ رہی۔ وہ اس کام میں مدد دینا چاہتی تھی مگر جلد اس نے یہ ارادہ چھوڑ دیا اور اپنی چیزیں باندھنے کیلئے اپنے کمرے میں چلی آئی۔ شروع میں اسے یہ خیال بیحد اچھا لگا کہ وہ اپنے تمام لباس اور ربن نوکرانیوں کو دیدے تاہم جو کچھ باقی بچا اور اسے باندھنے کی نوبت آئی تو اس کام سے وہ اکتا گئی۔

اس نے نوکرانی سے کہا ''دنیاشا پیاری، اسے باندھ دو ٹھیک ہے؟ ٹھیک ہے ناں؟''

جب دنیاشا نے حامی بھر لی تو وہ اپنا پرانا لباس پکڑ کر بیٹھ گئی۔ وہ ایسی چیزوں کے خواب دیکھ رہی تھی جن کا موجودہ حالات سے کوئی تعلق نہ تھا۔ وہ اپنے خیالات سے صرف اسی وقت چونکی جب اسے برابر والے کمرے سے نوکرانیوں کے باتیں کرنے اور ان کے عقبی ڈیوڑھیوں کی طرف تیزی سے جانے کی آواز سنائی دی۔ نتاشا اٹھ کھڑی ہوئی اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ باہر سڑک پر گاڑیوں کی لمبی قطار کھڑی تھی جن میں زخمی لدے تھے۔

نوکرانیاں، ملازم، گھر کے نگران، معمر آیا، باورچی، کوچوان، سائیس اور دیگر نوکر دروازے پر کھڑے ان زخمیوں کو دیکھے جا رہے تھے۔

نتاشا نے سفید جیبی رومال سر پر رکھا اور اس کے سرے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر سڑک کی جانب بھاگ اٹھی،

گھر کی معمر نگران ماورا کوزمینشنا بڑے دروازے پر کھڑے ہجوم سے نکلی اور ایک گاڑی کی جانب چل دی جس پر پردہ تنا تھا۔ گاڑی میں زرد چہرے والا ایک افسر لیٹا تھا۔ وہ اس سے باتیں کرنا شروع ہو گئی۔ نتاشا جو ابھی تک رومال پکڑے ہوئے تھی شرماتی ہوئی آگے آئی اور نگران خاتون کی باتیں سننا شروع کر دیں۔

ماورا کزمینشنا اس سے پوچھ رہی تھی ''تو ماسکو میں تمہارا کوئی واقف نہیں ہے۔ اگر تمہیں کسی گھر میں جگہ مل جائے تو سکون سے رہو گے، جیسا کہ ہمارا یہ گھر ہے، اس کے مالک جا رہے ہیں''

افسر نے کمزور آواز میں جواب دیا ''نجانے وہ اس کی اجازت دیتے ہیں یا نہیں۔ وہ ہمارے افسر اعلیٰ ہیں۔۔۔ ان سے پوچھ لیں'' یہ کہہ کر اس نے ایک چوڑے چکلے میجر کی جانب اشارہ کیا جو گاڑیوں کی قطار سے آگے واپس سڑک کی طرف آ رہا تھا۔

نتاشا نے زخمی افسر کی خوفزدہ آنکھوں میں جھانکا اور جلدی سے میجر کی طرف چل دی۔

اس نے میجر سے پوچھا ''کیا زخمی ہمارے گھر میں قیام کر سکتے ہیں''

میجر نے مسکراتے ہوئے اپنا ہاتھ ٹوپی تک اٹھایا۔

پھر وہ پوچھنے لگا ''مس! آپ کے ٹھہرانے کی خواہشمند ہیں؟''

نتاشا نے دھیمی آواز میں اپنی بات دہرائی۔ اگرچہ وہ ابھی تک اپنے ہاتھوں سے رومال پکڑے ہوئے تھی مگر اس کے انداز واطوار میں اسقدر سنجیدگی اور وقار تھا کہ میجر نے مسکرانا ترک کر دیا اور کچھ دیر سوچ کر ہاں میں جواب دے دیا۔

میجر نے کہا" ہاں، کیوں نہیں، وہ ٹھہر سکتے ہیں؟"

نتاشا نے گردن جھکائی اور پھر ماورا کے پاس گئی جو زخمی افسر کے پاس کھڑی غمگین لہجے میں ہمدردی کا اظہار کر رہی تھی۔

نتاشا نے اس سے کہا" یہ ٹھہر سکتے ہیں، انہوں نے کہا ہے کہ یہ ٹھہر سکتے ہیں"

وہ گاڑی رستوف خاندان کے مکان کے صحن میں پہنچادی گئی جس میں زخمی افسر لیٹا تھا اور پھر پوارسکی گلی کے دیگر مکینوں کی دعوت پر زخمیوں کی درجنوں گاڑیاں گھروں میں داخل ہونے لگیں۔

یہ بات عیاں تھی کہ اپنی روزمرہ کی مصروفیات سے ہٹ کر نتاشا کو نئے لوگوں سے واسطہ پڑا تو وہ بیحد خوش ہوئی تھی اور ماورا سے مل کر زیادہ سے زیادہ زخمیوں کو اپنے صحن میں لانے کیلئے کوشاں تھی۔

ماورا کہنے لگی" مگر ہمیں تمہارے ابا جان کو تو بتانا چاہئے"

نتاشا نے جواب دیا" احمقانہ بات، فضول بات، اس سے کیا فرق پڑے گا؟ ایک دن کیلئے ہم ڈرائنگ روم میں چلے جائیں گے۔ ہم انہیں اپنا آدھا گھر دے سکتے ہیں"

ماورا بولی" کیا خیال ہے، آگے کیا ہوگا؟ گھر کا برابر والا حصہ، مردانہ اور معمر آپا کا کمرہ بھی انہیں دے دیا جائے مگر اس کیلئے بھی تمہیں اجازت لینا ہوگی"

نتاشا نے کہا" ٹھیک ہے، میں پوچھتی ہوں"

نتاشا تیزی سے گھر میں گئی اور دبے پاؤں چلتی اپنی والدہ کے کمرے کے قریب پہنچ گئی۔ اس نے کہا" امی! کیا آپ سوگئی ہیں؟"

بیگم رستوف نے غنودگی کے عالم میں آنکھیں کھولیں اور بولی" یہاں کسے نیند آئیگی؟"

نتاشا اپنی والدہ کے قریب جھکی اور اپنا گال اس کے گال سے لگاتے ہوئے بولی" پیاری امی جان! مجھے شرمندگی ہے، میں دوبارہ ایسا نہیں کروں گی۔ میں نے بلاوجہ آپ کی نیند خراب کی۔ مجھے ماورا کزمینشنا نے بھیجا ہے، دراصل کچھ زخمی لوگ، افسر یہاں لائے گئے ہیں۔ کیا آپ انہیں یہاں ٹھہرنے کی اجازت دیدیں گی؟ ان کیلئے کوئی جگہ نہیں۔ میں جانتی ہوں کہ آپ اجازت دیدیں گی" اس نے اپنی بات ایک ہی سانس میں کہہ ڈالی۔

بیگم نے کہا" کون افسر؟ یہاں کسے لایا گیا ہے؟ میں کچھ نہیں؟"

نتاشا ہنس دی۔ بیگم کے چہرے پر بھی تبسم پھوٹ پڑا۔

نتاشا بولی" میں جانتی تھی کہ آپ انہیں آنے کی اجازت دیدیں گی، میں ابھی جا کر انہیں بتاتی ہوں" یہ کہہ کر اس نے اپنی والدہ کا منہ چوما اور جلدی سے دروازے کی جانب بھاگ اٹھی۔

صحن میں اس کی ملاقات اپنے باپ سے ہوگئی۔ وہ بری خبر لے کر آیا تھا۔

وہ جھلاہٹ کے عالم میں کہہ رہا تھا" ہم ضرورت سے زیادہ دیر یہاں رکے رہے ہیں، کلب بند ہوگیا ہے اور پولیس جا رہی ہے"

نتاشا نے کہا" ابا جان، میں نے کچھ زخمیوں کو گھر میں ٹھہرا لیا ہے، آپ کو اس پر اعتراض تو نہیں ہوگا"

نواب نے بے دھیانی سے جواب دیا" یقیناً نہیں، اس سے کیا فرق پڑتا ہے، تاہم یہ اہم بات نہیں۔ میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر دھیان مت دو۔ سامان بندھوانے میں ہاتھ بٹاؤ اور یہاں سے نکلو، ہمیں کل تک یہاں سے ہر صورت نکلنا پڑے گا"

یہ کہنے کے بعد نواب نے اپنے خانساماں اور دیگر نوکروں کو اس سے ملتی جلتی ہدایات دیں۔

پیٹیا کھانے کے وقت گھر آیا اور وہ اطلاعات بتانا شروع کر دیں جو اس نے باہر سے سنی تھیں۔ اس نے بتایا کہ لوگ کریملن سے ہتھیار لا رہے ہیں اور رستوپچن کے اشتہار میں یہی کہا گیا تھا کہ وہ خطرے کا اعلان چند روز پہلے کر دے گا تاہم شہر میں ہر شخص کو علم ہے کہ کل ہر ایک کو ہتھیاروں کے ساتھ تین پہاڑیوں پر پہنچنا ہے۔ کہا جا رہا ہے کہ وہاں زبردست لڑائی ہوگی۔

پیٹیا جب جوش وخروش سے یہ باتیں بتا رہا تھا تو بیگم رستوف خوف سے کانپنے لگی اور اس کا رنگ فق ہو گیا۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ اگر اس نے پیٹیا کو اس جنگ میں شرکت سے باز رکھنے کیلئے کچھ کہا تو وہ مردوں کے فرائض، وقار اور مادر وطن کے بارے میں کوئی بات کرے گا۔ کوئی ایسی بے معنی اور مردانہ بات کرے گا جسے جھٹلانا ممکن نہ ہوگا اور تمام منصوبہ غارت ہو جائے گا۔ لہٰذا اس نے اس امید پر منہ سے کچھ نہ کہا کہ وہ پیٹیا کو راستے میں اپنے محافظ کے طور پر ساتھ لے جائیگی۔ کھانے کے بعد وہ نواب کو ایک جانب لے گئی اور منت سماجت کے انداز میں اسے کہنے لگی کہ" مجھے فوراً یہاں سے لے جاؤ اور ممکن ہو تو ابھی لے جاؤ" بیگم، جس نے ابھی تک گھبراہٹ کا اظہار نہیں کیا تھا کہہ رہی تھی" اگر ہم آج ہی یہاں سے نہ گئے تو خوف کے مارے میں جان سے گزر جاؤں گی" وہ مصنوعی خوف کا اظہار نہیں کر رہی تھی کیونکہ اب اسے واقعی ڈر لگ رہا تھا۔

(14)

بیٹی سے ملنے کیلئے جانیوالی مادام شوس نے واپسی پر مزید خوف وہراس پھیلا دیا۔ اس نے میسنتسکی سڑک پر ایک دکان کے باہر جو منظر دیکھا تھا اسے بیان کر کے بیگم رستوف کے خدشات مزید بڑھا دیئے۔ وہ واپسی کیلئے اسی سڑک سے آئی تھی مگر اس کیلئے گزرنا مشکل ہو گیا تھا کیونکہ دکان کے سامنے شرابیوں کا گروہ ہنگامہ آرائی میں مصروف تھا۔ چنانچہ اس نے گاڑی لی اور ساتھ والی گلی سے ہوتی ہوئی گھر واپس آئی۔ راستے میں کوچوان نے اسے بتایا کہ لوگ شراب کی پیٹیاں توڑ توڑ کر کھول رہے ہیں کیونکہ انہیں ایسا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

کھانے کے بعد تمام رستوف خاندان جوش وخروش سے سامان باندھنے اور روانگی کی تیاریاں کرنے میں مصروف ہو گیا۔ معمر نواب میں اچانک کام کرنے کا جذبہ ابل پڑا اور وہ تیزی سے صحن میں اور وہاں سے اندر آنے جانے میں مصروف ہو گیا۔ وہ نوکروں کو چلا چلا کر ہدایات دے رہا تھا جو پہلے ہی تیزی سے کام میں مصروف تھے۔ صحن میں کام کی نگرانی پیٹیا کر رہا تھا۔ نواب کے الٹے سیدھے احکامات سے سونیا الجھ کر رہ گئی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کرے۔ نوکر کمروں میں بھاگے پھرتے تھے اور آپس میں چیخ چلا کر باتیں کر رہے تھے۔ نتاشا بھی اسی جوش وخروش سے کام میں مصروف ہو گئی جس کا مظاہرہ وہ ہر اس کام کی انجام دہی میں دکھاتی تھی جو اس نے اپنے ذمے لیا ہوتا تھا۔ ابتداء میں کام میں اس کی شرکت مشکوک انداز سے دیکھی گئی کیونکہ کسی کو اس سے شرارت کے علاوہ کسی اور شے کی توقع ہی نہ تھی، سوائے اس

کی باتوں پر سنجیدگی سے توجہ نہ دی گئی مگر اس نے اپنی ہدایات پر عملدرآمد کرانے میں اسقدر اصرار اور جوش و خروش دکھایا اور بعض اوقات اسے اتنا غصہ آیا کہ وہ روہانسی ہوگئی اور بالآخر اپنی بات منوانے میں کامیاب ہوگئی۔ اس کا پہلا کارنامہ قالین بندھوانا تھا جس کی تکمیل کیلئے اس نے بھرپور زور لگایا اور اس کام نے اس کے اختیار پر مہر تصدیق ثبت کردی۔ نواب رستوف کے گھر میں قیمتی ایرانی قالینوں اور تصویروں والے گوبلن پردوں کا بھاری ذخیرہ تھا۔ جب نتاشا نے کام شروع کیا تو ہال میں دو صندوق پڑے تھے جن کے ڈھکن کھلے تھے۔ ایک صندوق میں چینی کے برتن اور دوسرے میں قالین تھے۔ دونوں صندوق تقریباً بھرے ہوئے تھے۔ میزوں پر بھی چینی کے برتن پڑے تھے اور سٹور سے مزید برتن بھی لائے جانا تھے۔ ان کیلئے تیسرا صندوق درکار تھا اور نوکر اسے لینے کیلئے گئے ہوئے تھے۔

نتاشا بولی "سونیا! ٹھہر جاؤ، ہم یہ تمام دو صندوقوں میں بھی بند کرسکتی ہیں"

خانساماں بولا "نہیں مس، یہ ممکن نہیں ہوگا، ہم کوشش کرچکے ہیں"

نتاشا نے کہا "نہیں، ذرا ٹھہریں"

یہ کہہ کر وہ کاغذوں میں لپٹی پلیٹیں صندوق سے باہر نکالنے لگی۔

اس نے کہا "پلیٹیں قالینوں کے ساتھ اس صندوق میں رکھ دیں"

خانساماں بولا "اگر صرف قالین ہی تینوں صندوقوں میں سما گئے تو یہ بھی ہماری خوش قسمتی ہوگی"

نتاشا کہنے لگی "نہیں، ذرا ٹھہریے" یہ کہہ کر وہ تیزی سے چیزیں منتخب کرنے لگی۔ اس نے کیف کی بنی چند پلیٹوں کو علیحدہ کرتے ہوئے کہا "یہ ہمیں نہیں چاہئیں" پھر سکسنی پلیٹوں کو دیکھ کر بولی "یہ؟ ہاں انہیں قالینوں کے ساتھ رکھ دینا چاہئے"

سونیا نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا "نتاشا، رہنے دو، مت کرو، ہم سب کچھ بند کرلیں گے"

ایک نوکر نے احتجاج کیا "ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے"

مگر نتاشا نے حوصلہ نہ ہارا اور تمام چیزیں باہر نکال کر انہیں دوبارہ صندوقوں میں رکھنا شروع کردیا۔ اس نے فیصلہ کرلیا کہ گھٹیا روسی قالین اور غیر ضروری برتن ساتھ لے جانے کی ضرورت نہیں۔ جب صندوقوں سے تمام اشیاء نکال لی گئیں تو وہ انہیں دوبارہ اندر رکھنا شروع ہوگئے۔ پھر یوں ہوا کہ سستی اشیاء علیحدہ کردی گئیں جنہیں ساتھ لے جانے کی ضرورت نہ تھی اور بقیہ قیمتی سامان دونوں صندوقوں میں سما گیا۔ صرف قالینوں والے صندوق کا ڈھکن بند نہیں ہو رہا تھا۔ اس میں سے کچھ اشیاء نکالی جاسکتی تھیں مگر نتاشا بضد تھی۔ وہ بار بار چیزیں نکالتی، انہیں دوبارہ رکھتی اور نیچے گھسیڑنے کی کوشش کرتی۔ اس نے خانساماں اور پیتیا کی مدد بھی حاصل کرلی اور ان سے مل کر ڈھکن نیچے دبایا۔ وہ خود بھی زور لگا رہی تھی۔

سونیا نے کہا "نتاشا! بس ٹھیک ہے، مان گئی کہ تم ٹھیک کہہ رہی تھیں۔ اب بس اوپر والا قالین باہر نکال لو"

نتاشا نے جواب دیا "نہیں" اور ایک ہاتھ سے بال چہرے سے ہٹائے جہاں پسینہ بہہ رہا تھا اور دوسرے سے ڈھکن دبانے لگی۔ اس نے بلند آواز سے کہا "پیتیا اسے دباؤ، نیچے دباؤ، واسیلچ، زور سے نیچے دباؤ" قالین نیچے دب گیا اور ڈھکن بند ہوگیا۔ نتاشا خوشی سے تالیاں بجانے لگی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تاہم یہ کیفیت ایک لمحے کیلئے رہی اور وہ ایک مرتبہ پھر نئے کام میں مشغول ہوگئی۔ اب نوکروں نے بھی اس پر اعتماد شروع کردیا۔ جب انہوں نے نواب کو یہ بتایا کہ نتالیا نے اس کی بعض ہدایات منسوخ کردی ہیں تو اس نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ اب ملازمین اس سے یہ

پوچھنے آنے لگے کہ کیا اس کے خیال میں وہ والی گاڑی اچھی طرح بھر گئی ہے اور اس پر رسے باندھ دیئے جائیں۔ نتاشا کی نگرانی سے یہ فائدہ ہوا کہ کام کی رفتار بڑھ گئی اور فالتو اشیاء نکال کر انتہائی قیمتی چیزیں کم از کم جگہوں میں بند کی جانے لگیں۔

اگرچہ اس دن وہ رات گئے تندہی سے کام کرتے رہے مگر پھر بھی سب کچھ باندھنے میں کامیاب نہ ہو پائے۔ بیگم رستوف کو نیند آگئی۔ نواب نے روانگی اگلے دن تک ملتوی کردی اور خود بھی سو گیا

سونیا اور نتاشا لباس بدلے بغیر کمرے میں جا کر لیٹ گئیں۔

اس رات ایک اور زخمی گاڑی میں پوارسکی گلی میں لایا گیا اور دروازے پر کھڑی ماورا کزمینشنا اسے اٹھوا کر رستوف گھرانے کے صحن میں لے آئی۔ اس کا خیال تھا کہ یہ کوئی نہایت اہم افسر ہوگا۔ اسے گاڑی میں لایا گیا تھا۔ گاڑی کا چھجہ اوپر اٹھا دیا گیا تھا اور وہ چاروں جانب سے ڈھکی ہوئی تھی۔ ڈرائیور کے ساتھ ایک باوقار خدمتگار بیٹھا تھا۔ اس سے پیچھے ایک گاڑی میں ڈاکٹر اور دو سپاہی چلے آرہے تھے۔

بوڑھی عورت نے خدمتگار سے کہا "آپ ہمارے گھر میں آجائیں، آجائیں، مالک جارہے ہیں اور تمام گھر خالی ہوجائے گا"

خدمتگار نے آہ بھری اور کہا "ٹھیک ہے، شاید ہم انہیں زندہ گھر نہ لے جاسکیں گے۔ ماسکو میں ہمارا اپنا گھر ہے مگر وہ یہاں سے بہت دور ہے اور وہاں کوئی ہے بھی نہیں"

ماورا کزمینشنا بولی "آجائیں۔ مالک کے پاس سب کچھ ہے، آپ کو خوش آمدید کہا جائیگا۔ کیا صاحب کی حالت بیحد خراب ہے؟"

خدمتگار نے مایوسی کے انداز میں ہاتھ ہلایا اور کہنے لگا "کوئی امید نہیں رہی، ڈاکٹر ہی بتائے گا" یہ کہہ کر وہ نیچے اترا اور پچھلی گاڑی کی طرف چلا گیا۔

اس کی بات سن کر ڈاکٹر بولا "بہت اچھا"

بوڑھا خدمتگار گاڑی کی طرف واپس آگیا اور اندر جھانک کر مایوسی کے انداز میں سر ہلایا۔ پھر اس نے کوچوان کو گاڑی صحن میں لے جانے کا حکم دیا اور خود ماورا کزمینشنا کے پاس آکھڑا ہوا۔

ماورا نے بڑبڑاتے ہوئے کہا "اے میرے آقا یسوع!" پھر ان سے کہنے لگی "زخمی کو گھر میں لے چلیں، مالکان کو اعتراض نہیں ہوگا"

زخمی کو اوپر کی منزل پر نہیں لے جایا جاسکتا تھا چنانچہ اسے مکان کے نچلے حصے میں مادام شوس کے کمرے میں لٹا دیا گیا۔ یہ زخمی افسر شہزادہ آندرے بلکونسکی تھا۔

(15)

ماسکو کا آخری دن آپہنچا۔ یہ موسم خزاں کا چمکدار اور شفاف دن تھا۔ اتوار کا دن تھا اور عام اتواروں کی طرح تمام گرجا گھروں میں گھنٹیاں بج رہی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے ابھی تک کسی کو بھی اندازہ نہیں ہوا کہ ماسکو کے ساتھ کیا ہونیوالا ہے۔

شہر کی معاشرتی حالت کا اظہار نچلے طبقے میں پائے جانیوالے اضطراب اور چیزوں کی قیمتوں سے ہو رہا تھا۔

اس دن مزدور، غلام اور کسان صبح سویرے ہجوموں کی صورت میں تین پہاڑیوں کی جانب چل دیئے۔ وہاں کلرکوں، طلباء اور امراء کی بھی بھاری تعداد ان میں شامل ہوگئی۔ انہیں رستوپچن کا انتظار تھا جو نہ پہنچا اور وہ کچھ دیر انتظار کے بعد اس یقین سے منتشر ہوگئے کہ ماسکو بہت جلد دشمن کے قبضے میں چلا جائیگا۔ لوگ شراب خانوں اور ہوٹلوں کو چل دیئے۔ اس دن قیمتیں بھی صورتحال کی درست طور سے غمازی کر رہی تھیں۔ ہتھیاروں، گھوڑوں، گاڑیوں اور سکوں کی قیمت بڑھتی رہی جبکہ کاغذی نوٹ اور اشیائے تعیش سستی ہوگئیں۔ دوپہر تک ایسے کوچوان بھی دکھائی دینے لگے جو لوگوں کا قیمتی سامان ڈھونے کے عوض کرایہ وصول کرنے کی بجائے ان میں سے نصف اشیاء اپنے پاس رکھ رہے تھے۔ کسانوں کے گھوڑے پانچ پانچ سو روبل میں بک رہے تھے جبکہ فرنیچر، شیشوں اور کانسی سے بنے اشیاء کو کوئی پوچھتا بھی نہ تھا۔

رستوف خاندان کے قدیم الوضع گھر میں زندگی کے سابقہ معمولات ترک کئے جانے کا بمشکل احساس ہوتا تھا۔ ان کے بے شمار گھریلو ملازمین پر نئے حالات کا صرف اسقدر اثر ہوا کہ رات کے وقت ان میں سے تین کہیں بھاگ گئے تاہم کوئی شے چوری نہ ہوئی۔ ان کی زرعی جاگیروں سے آنیوالی کسانوں کی تین گاڑیاں انتہائی قیمتی خزانے کی حیثیت اختیار کرگئیں اور دوسرے لوگ انہیں دیکھ کر رشک کرنے لگے۔ لوگوں نے ان گاڑیوں کے عوض رستوف خاندان کو بھاری رقومات بھی پیش کیں۔ اس کے علاوہ گزشتہ شام اور یکم ستمبر کی صبح تک ان کے صحن میں زخمی افسروں کی جانب سے بھیجے گئے اردلیوں اور نوکروں کی بھیڑ لگی رہی۔ زخمی افسر خود بھی جیسے تیسے رستوف اور ہمسایوں کے گھروں سے باہر آگئے اور ملازمین کی منت سماجت کرنے لگے کہ انہیں بھی گاڑیوں میں جگہ دیدی جائے تاکہ وہ ماسکو سے نکل سکیں۔ یہ درخواستیں خانساماں کو پہنچائی گئیں جو اگرچہ ان سے ہمدردی کا اظہار کرتا تھا مگر اس نے انہیں قبول نہ کیا۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ ایسی درخواستیں نواب کے سامنے پیش کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتا۔ اس کے خیال میں اگرچہ زخمیوں کو پیچھے چھوڑنا افسوسناک تھا مگر یہ بات عیاں تھی کہ ایک گاڑی دے دی گئی تو پھر دوسری، تیسری اور یوں ایک ایک کرکے تمام گاڑیاں دینا پڑسکتی تھیں۔ خانساماں کہتا تھا کہ تیس گاڑیاں تمام زخمیوں کیلئے کافی نہیں ہیں اور ایسی صورتحال میں ہر انسان کو اپنے خاندان کے بارے میں سوچنا پڑتا ہے۔

اس صبح نواب ایلیا آندریچ جاگنے کے بعد اپنے کمرے سے دبے پاؤں باہر نکلا تاکہ بیگم کی آنکھ نہ کھل جائے۔ وہ ریشمی لباس پہنے ڈیوڑھی میں آیا۔ صحن میں سامان سے بھری گاڑیاں کھڑی تھیں۔ کچھ گاڑیاں سیڑھیوں کے پاس پہنچادی گئی تھیں۔ خانساماں بیرونی دروازے پر کھڑا زرد چہرے والے ایک افسر سے بات چیت میں مصروف تھا جس کا بازو گلے میں بندھی پٹی سے لٹکا ہوا تھا۔ خانساماں نے جب اپنے آقا کو دیکھا تو دونوں کو وہاں سے جانے کا واضح اشارہ کیا۔

نواب نے اپنے گنجے سر پر کھجلی کرتے ہوئے کہا "اچھا تو واسلیچ، کیا تیاری مکمل ہے؟" یہ کہتے ہوئے اس نے افسر اور اس کے اردلی کی جانب شفقت بھری نگاہوں سے دیکھا (وہ نئے چہروں سے ہمیشہ متاثر ہوجاتا تھا) اور اپنی گردن جھکائی۔

خانساماں نے جواب دیا "جناب عالی! ہم پلک جھپکتے میں گھوڑے جوت دیں گے"

نواب کہنے لگا "ٹھیک ہے، جونہی بیگم بیدار ہوئیں تو ہم چل دیں گے" پھر اس نے افسر کی طرف رخ کرکے کہا "جناب، میں آپ کیلئے کیا کرسکتا ہوں؟ آپ میرے گھر میں ٹھہرے ہوئے ہیں؟"

افسر قریب آگیا، اس کا زرد چہرہ سرخ ہوگیا تھا۔

وہ لجاجت سے بولا "نواب، براہ کرم، اجازت دیجئے۔۔۔ خدا کیلئے۔۔۔ مجھے اپنی کسی گاڑی میں جگہ دیدیں۔ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔۔۔ میں سامان کے ساتھ بھی بیٹھ جاؤں گا"

افسر کی بات مکمل ہونے سے پہلے اردلی بھی اس کی جانب سے درخواست کرنے لگا۔

نواب جلدی سے بولا "اوہ! ہاں، ہاں، ہاں، درحقیقت مجھے بیحد خوشی ہوگی۔ واسلیچ، ذرا دیکھ لو، ایک دو گاڑیاں خالی کرالو ٹھیک ہے۔۔۔ ٹھیک ہے۔۔۔ کچھ چاہئے تو۔۔۔؟" نواب نے غیر واضح حکم جاری کیا مگر افسر کا چہرہ شکریے کے طور پر سرخ ہوگیا جس سے حکم کی تصدیق ہوگئی۔ نواب نے ادھر ادھر دیکھا، اسے صحن، دروازوں اور کھڑکیوں میں ہر جگہ زخمی دکھائی دیئے۔ تمام لوگ اسی کی جانب دیکھ رہے تھے اور سیڑھیوں کی جانب چلے آرہے تھے۔

خانساماں کہنے لگا "جناب عالی! گیلری میں آیئے! تصویروں کا کیا کرنا ہوگا؟"

نواب اس کے ساتھ اندر چل دیا۔ وہ اپنے ساتھ جانیوالے زخمیوں کی درخواستیں قبول کرنے کے حوالے سے اپنا حکم دہرائے جارہا تھا۔

اس نے دھیمے لہجے میں رازداری سے بات کرتے ہوئے کہا "بہرحال، تمہیں تو علم ہی ہے کہ ہم کچھ سامان اتار بھی سکتے ہیں" اس کا انداز یوں تھا جیسے اپنی بات دوسروں کے کانوں تک نہ پہنچنے کا خواہشمند ہو۔

نو بجے بیگم اٹھ گئی اور ماترونا تیموفینا اسے یہ بتانے آئی کہ مادام شوس غصے میں ہے اور لڑکیوں کے موسم گرما والے لباس شاید نہیں چھوڑے جاسکیں گے۔ ماترونا شادی سے پہلے بیگم رستوف کی ذاتی ملازمہ ہوا کرتی تھی اور اب اس کی خاص خادمہ کے طور پر فرائض انجام دیتی تھی۔ بیگم نے پوچھ گچھ کی تو علم ہوا کہ مادام شوس اپنا صندوق گاڑی سے اتارے جانے کی وجہ سے غصے میں ہے۔ تمام گاڑیوں کی رسیاں کھول کر سامان اتارا جارہا تھا تاکہ زخمیوں کیلئے جگہ بنائی جاسکے جنہیں نواب نے اپنی سادگی کی بنا پر ساتھ لے جانے کی حامی بھری تھی۔ بیگم رستوف نے اپنے شوہر کو بلایا۔

نواب آیا تو وہ کہنے لگی "کیا بات ہے؟ سنا ہے کہ سامان اتارا جارہا ہے؟"

نواب کہنے لگا "میں اسی سلسلے میں آپ سے بات کرنا چاہتا تھا۔۔۔ پیاری چھوٹی بیگم۔۔۔ ایک افسر میرے پاس آیا۔۔۔ وہ منت سماجت کررہے ہیں کہ انہیں زخمیوں کیلئے چند گاڑیاں دیدی جائیں۔ کچھ چیزوں کا نقصان تو ہوگا مگر ذرا سوچیں کہ انہیں یہاں اکیلا چھوڑ دیا گیا تو وہ بیچارے کیا کریں گے۔۔۔ وہ ہمارے صحن میں موجود ہیں۔۔۔ ہم نے انہیں خود یہاں بلایا تھا، ان میں افسر بھی ہیں اور آپ کو علم ہے۔۔۔ میں انہیں بھی ساتھ لے جانا چاہتا ہوں، ہمیں کوئی جلدی تو ہے نہیں"

نواب روپے پیسے کے معاملے میں ہمیشہ ہچکچاہٹ سے بات کرتا تھا۔ اب بھی وہ اسی انداز سے بات چیت کررہا تھا۔ بیگم اس کا لہجہ اچھی طرح پہچانتی تھی۔ یہ لہجہ ہمیشہ کسی ایسے منصوبے کے حوالے سے ہوتا تھا جس سے اس کے بچوں کو نقصان ہوسکتا تھا جیسا کسی نئی گیلری یا پودگھر کی تعمیر، کسی نجی تھیٹر یا آرکسٹرا کی افتتاحی تقریب وغیرہ۔ لہٰذا ایسے سہمے ہوئے لہجے میں چھپے اعلان کی وہ ہمیشہ مخالفت کرتی تھی۔

بیگم نے فوری طور پر ایسا انداز اختیار کرلیا جیسے اپنی قسمت پر قانع ہوگئی ہو مگر دل میں اسے بیحد اذیت کا سامنا ہو۔ وہ کہنے لگی "نواب! میری بات پر توجہ دیں، آپ معاملات کو ایسی بدنظمی سے چلاتے رہے ہیں کہ گھر خالی ہوگیا ہے اور اب آپ ہماری، تمام بچوں کی جائیداد پھینک رہے ہیں، ایسا کیوں ہے؟ آپ نے خود ہی تو کہا تھا کہ گھریلو ساز و

سامان ایک لاکھ روبل مالیتی ہے۔ میں ایسی بات نہیں مانوں گی، میں اسے تسلیم نہیں کر سکتی، آپ جو بھی کہیں مگر زخمیوں کی دیکھ بھال حکومت کی ذمہ داری ہے، انہیں علم ہے۔ سامنے والے لوپوخن خاندان کو ہی دیکھیں، وہ کل اپنی ہر شے لے گئے تھے۔ صرف ہم ہی ایسے بیوقوف ہیں۔ اگر آپ میرا خیال نہیں کرتے تو بچوں کا ہی کر لیں"

نواب نے بے بسی کے عالم میں ہاتھ فضا میں بلند کئے اور خاموشی سے باہر نکل گیا۔

نتاشا اس کے پیچھے پیچھے والدہ کے کمرے تک چلی آئی تھی، باپ کو باہر نکلتے دیکھ کر اس نے پوچھا "ابا جان! کیا بات ہے؟"

نواب نے جھلا کر کہا "کچھ نہیں، یہ تمہارا معاملہ نہیں"

نتاشا بولی "مگر میں نے ساری بات سن لی ہے، امی کو کیا اعتراض ہے؟"

اس کے والد نے بلند آواز سے کہا "مگر تم اس معاملے میں دخل اندازی کیوں کر رہی ہو؟"

نتاشا کھڑکی کی طرف چلی گئی اور سوچنا شروع کر دیا۔

اس نے کھڑکی سے باہر جھانکا اور بولی "ابا جان، برگ ہمارے ہاں آ رہے ہیں"

(16)

رستوف کا داماد اب کرنل بن چکا تھا۔ اس نے اپنی وردی پر ولاڈیمیر اور اینے کے اعزازت آویزاں کر رکھے تھے۔ وہ ابھی تک پہلی فوج کے پیادہ دستوں کے بائیں پہلو کے کمانڈر کے عملے کے سربراہ کے نائب کی حیثیت سے پرسکون عہدے پر فائز تھا۔

وہ یکم ستمبر کو چھٹی گزارنے ماسکو آیا تھا۔ اسے یہاں کوئی کام نہ تھا مگر جب اس نے یہ دیکھا کہ فوج کا ہر شخص ماسکو جانے کیلئے چھٹی لے رہا ہے تو اس نے بھی خاندانی اور ذاتی امور کی انجام دہی کے حوالے سے چھٹی لینا مناسب سمجھا۔

برگ اپنے سسر کے ہاں شاندار گاڑی میں آیا جس میں دو تندرست و توانا گھوڑے جتے ہوئے تھے جن کی شکل وصورت ایک شہزادے کے گھوڑوں جیسی تھی۔ اس نے صحن میں کھڑی گاڑیوں کو بغور دیکھا اور سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اپنی جیب سے رومال نکال کر اس میں گرہ لگا دی۔

وہ آہستہ مگر اضطرابی چال سے ڈرائنگ روم میں آیا، نواب سے گلے ملا اور نتاشا و سونیا کے ہاتھ چومے۔ بعد ازاں وہ جلدی سے اپنی ساس کی خیر خیریت پوچھنا شروع ہو گای۔

نواب رستوف نے اس کے سوال پر کہا "صحت! اور اس دور میں، ارے چھوڑو، کوئی بات بتاؤ، فوج پیچھے ہٹ رہی ہے یا کوئی اور جنگ ہوگی؟"

برگ کہنے لگا "ابا جان! ہمارے وطن کی قسمت خدا کے ہاتھوں میں ہے۔ فوج میں بہادری کا جذبہ موجود ہے اور لوگ کچھ کرنے کیلئے بے چین ہیں اور اس وقت بھی فوجی زعما اجلاس میں مصروف ہیں۔ کسی کو مستقبل کا علم نہیں مگر میں آپ کو یقین دلاؤں کہ روسی فوج اس قدیم بہادرانہ جذبے کو لفظوں میں بیان کرنا ممکن نہیں جس کا مظاہرہ اس نے 26 تاریخ کی جنگ میں کیا تھا۔ ابا جان! آپ یقین کریں کہ (اس نے ایک جرنیل کی نقل اتارتے ہوئے سینے پر ہاتھ مارا مگر اس سے تھوڑی سی تاخیر ہو گئی، اسے یہ ہاتھ لفظ "روسی فوج" بولتے ہوئے مارنا چاہئے تھا) ہم کمانڈر سپاہیوں کو

مزید بہادری کا مظاہرہ کرنے کی ترغیب تو کیا دیتے الٹا ہمارے لیے انہیں روکنا بھی ناممکن ہو گیا۔۔۔ ہاں، ان کے کارناموں سے پرانے وقتوں کی یاد تازہ ہو گئی۔۔۔" برگ کی زبان قینچی کی طرح چل رہی تھی۔ اس نے مزید کہا "یقین کیجئے کہ جنرل بار کلے ڈی تولی اپنے دستوں کے آگے جان ہتھیلی پر لیے پھرتے تھے۔ ہماری کور پہاڑی کے دامن میں تعینات تھی، آپ خود اندازہ لگا لیں" برگ نے جنگ کے بارے میں تمام سنی سنائی باتیں دہرانا شروع کر دیں۔ نتاشا اس کے چہرے پر یوں نگاہیں جمائے کھڑی تھی جیسے کسی مسئلے کا حل تلاش کرنے میں مصروف ہو۔ اس کے یوں دیکھنے پر وہ ٹپٹا کر رہ گیا۔

اس نے نتاشا کی جانب سرسری نگاہوں سے دیکھا اور اپنی بات آگے بڑھاتے ہوئے بولا "مجموعی طور پر ہمارے روسی بہادروں نے جس شجاعت کا مظاہرہ کیا وہ الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتا اور اس کی تعریف و تحسین کرنا بھی ممکن نہیں۔ روس ماسکو میں نہیں، وہ تو اس کے بیٹوں کے دلوں میں بسا ہوا ہے، کیوں ابا جان، ایسا ہی ہے ناں"

اسی دوران بیگم رستوف اپنے کمرے سے ڈرائنگ روم میں چلی آئی۔ اس کے چہرے پر تھکن اور خفگی کا تاثر تھا۔ برگ فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور اس کا ہاتھ چوم کر خیر خیریت دریافت کی۔ وہ بیگم کی صحت کے حوالے سے اظہار ہمدردی کے طور پر اپنے سر کو دائیں بائیں ہلائے جاتا تھا۔

برگ نے اپنی ساس سے مخاطب ہو کر کہا "امی جان! سچی بات تو یہ ہے کہ آجکل ہر شخص پر برا وقت آیا ہوا ہے، مگر آپ پریشان کیوں ہیں؟ ابھی تو کافی وقت ہے اور آپ باآسانی یہاں سے جا سکتے ہیں۔۔۔"

بیگم رستوف اپنے شوہر کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگی "نجانے یہ نوکر کیا کر رہے ہیں۔ انہوں نے ابھی ابھی مجھے بتایا ہے کہ فی الحال کوئی شے تیار نہیں۔ کسی کو تمام معاملات اپنے ہاتھ میں لے لینے چاہئیں۔ ایسی مصیبت میں متنکا ہی یاد آتا ہے۔ لگتا ہے کہ یہ معاملہ انجام کو نہیں پہنچے گا"

نواب نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر پھر بصد مشکل خود کو روک لیا۔ وہ کرسی سے اٹھا اور دروازے کی جانب چل دیا۔

اسی دوران برگ نے رومال نکالا۔ وہ چھینکنا چاہتا تھا کہ اس کی نظر رومال میں لگی گرہ پر پڑ گئی۔ اس نے کچھ سوچا اور پھر معنی خیز انداز میں سر ہلا کر نواب سے بولا "ابا جان! آپ جانتے ہیں کہ مجھے آپ کا تعاون درکار ہے۔۔۔"

نواب نے کہا "ہونہہ۔۔۔"

برگ نے بات آگے بڑھائی اور ہنستے ہوئے بولا "میں کچھ دیر پہلے یوسوپوف کے گھر کے سامنے سے گزر رہا تھا کہ نگران بھاگتا ہوا باہر آیا اور پوچھنے لگا کہ آیا میں کچھ خریدنا چاہوں گا؟ میں اسے جانتا ہوں۔ میں تجسس کی خاطر اندر چلا گیا وہاں مجھے ایک چھوٹی الماری اور سنگھار میز دکھائی دی۔ آپ کو اچھی طرح علم ہوگا کہ ویرا کی کیا خواہش تھی اور اس حوالے سے ہمارا جھگڑا بھی ہوا تھا (برگ نے یہ ذکر چھیڑا تو اس کے لہجے میں غیر شعوری اطمینان در آیا جس سے اس بات کا اظہار ہوتا تھا کہ اپنے تئیں وہ گھریلو معاملات جس احسن طریقے سے چلا رہا تھا اس پر وہ بہت خوش ہے) الماری بیحد خوشنما ہے اور اس کی درازیں بھی بہترین حالت میں ہیں۔ اس میں خفیہ انگریزی تالا بھی لگا ہوا ہے۔ یہ بالکل ویسی ہی الماری ہے جیسی ویرا چاہتی تھی۔ میں اسے یہ تحفہ دے کر حیران کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے صحن میں گاڑیاں دکھائی دی تھیں، بس ایک گاڑی مجھے دیدیں، میں اس کے مالک کو اچھی ادائیگی کر دوں گا، اور۔۔۔"

نواب کے ماتھے پر شکنیں نمودار ہو گئیں اور وہ کھنکار کر بولا "بیگم سے پوچھ لو، میں اس کا حکم نہیں دوں گا"

برگ کہنے لگا "اگر کوئی مشکل ہو تو پھر رہنے دیں، میں صرف پیاری ویرا کیلئے یہ خریدنا چاہتا تھا" نواب کہنے لگا "اوہ تم سب پر لعنت ہو لعنت، لعنت! میرا سر گھوم رہا ہے" یہ کہتے ہوئے وہ باہر چل دیا

بیگم رونا شروع ہو گئی۔

برگ بولا "واقعی امی جان! یہ واقعی بیحد مشکل دن ہیں"

نتاشا اپنے والد کے ساتھ باہر چلی گئی، پہلے تو وہ اس کے پیچھے پیچھے نکلی پھر کچھ سوچ کر واپس مڑی اور بھاگتی ہوئی سیڑھیاں اترنے لگی۔

پئیا ڈیوڑھی میں کھڑا نوکروں میں ہتھیار تقسیم کر رہا تھا۔ ان نوکروں نے خاندان کے ہمراہ ماسکو سے باہر جانا تھا۔ سامان سے لدی گاڑیاں ابھی تک صحن میں کھڑی تھیں۔ دو کے رسے کھولے جا چکے تھے جبکہ ایک پر زخمی افسر اپنے اردلی کی مدد سے سوار ہو رہا تھا۔

پئیا نے نتاشا سے پوچھا "کیا بات ہوئی ہے؟"

نتاشا کو علم تھا کہ وہ امی ابا کے جھگڑے کی بابت پوچھ رہا ہے۔ وہ خاموش کھڑی رہی۔

پئیا کہنے لگا "بات یہ ہے کہ ابا جان تمام گاڑیوں میں زخمی بٹھانا چاہتے تھے، واسیلچ نے مجھے بتایا ہے، میرا خیال ہے کہ۔۔۔"

نتاشا نے اس کی بات کاٹ دی اور چیختے ہوئے بولی "میرے خیال میں یہ بات بیحد گھٹیا اور قابل نفرت ہے" اس نے اپنے بھائی کو غصے میں دیکھا اور بولی "مجھے علم نہیں۔ کیا ہم جرمنوں کی طرح گھٹیا ہیں؟۔۔۔" سسکیوں کے باعث اس کی آواز بھرا گئی تاہم اپنا غصہ فرو ہونے کے ڈر سے وہ بعجلت سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

برگ بیگم رستوف کے قریب بیٹھا اس کا حوصلہ بڑھا رہا تھا۔ نواب ہاتھ میں پائپ پکڑے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ اسی دوران نتاشا تیزی سے کمرے میں داخل ہو کر اپنی والدہ کی طرف بڑھی۔ غصے کی شدت سے اس کا چہرہ مسخ ہو چکا تھا۔

اس نے با آواز بلند کہا "یہ نہایت گھٹیا حرکت ہے! یہ رذالت ہے۔ آپ کی جانب سے ایسا حکم دیئے جانے کی امید نہ تھی"

برگ اور بیگم رستوف پریشان ہو گئے۔ وہ سمجھ نہ پائے کہ کیا ہوا ہے، دونوں حیرت سے اس کے چہرے کو دیکھے جا رہے تھے۔ نواب کھڑکی کے قریب کھڑا تھا مگر اس کے کان اسی کی جانب لگے تھے۔

نتاشا کہنے لگی "امی، یہ ناممکن ہے، ادھر دیکھیں صحن میں کیا ہو رہا ہے، وہ یہیں رہ جائیں گے"

بیگم رستوف کہنے لگی "کیا مسئلہ ہے؟ وہ کون ہیں؟ تم کیا چاہتی ہو؟"

نتاشا کہنے لگی "زخمی، یہ ناممکن ہے امی، شرمناک بات ہو گی۔۔۔ نہیں امی، پیاری، یہ ٹھیک نہیں، مجھے معاف کر دیں، براہ مہربانی، پیاری امی، ہم ان چیزوں کا کیا کریں گے، یہ دیکھیں کہ صحن میں کیا ہو رہا ہے۔۔۔ امی!۔۔۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا۔۔۔"

نواب اس طرف رخ کئے بغیر باتیں سن رہا تھا۔ اس نے ناک صاف کی اور کھڑکی کی طرف منہ کر لیا۔

بیگم نے اپنی بیٹی کی طرف بغور دیکھا۔ اسے محسوس ہوا کہ بیٹی کو والدہ سے کس قدر شرم محسوس ہو رہی ہے۔ وہ اس کی جذباتی کیفیت کا سبب جان گئی اور اسے یہ بات بھی سمجھ آ گئی کہ شوہر اس کی جانب کیوں نہیں دیکھتا۔ وہ پریشان

ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

وہ بولی "اوہو، جو دل چاہے کرو، کیا میں آپ لوگوں کو روک رہی ہوں" وہ با آسانی ہتھیار ڈالنے کو تیار نہ تھی۔

نتاشا نے کہا "پیاری امی! مجھے معاف کر دیں"

بیگم نے بیٹی کو پرے ہٹایا اور نواب کے پاس جا کر کہنے لگی "آپ جیسا مناسب سمجھیں کریں، آپ کو تو علم ہے کہ میں ایسی باتیں نہیں سمجھتی"

نواب کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور وہ بڑبڑاتے ہوئے بولا "انڈے۔۔۔ انڈے مرغی کو سبق پڑھا رہے ہیں" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی بیوی کو گلے لگا لیا جسے اپنا شرمندہ سر اس کی چھاتی پر رکھے دلی خوشی ہو رہی تھی۔

نتاشا نے بلند آواز سے کہا "ابا، امی! میں جا کر ہدایات دوں؟ کیا میں؟۔۔۔ ہم انتہائی ضروری چیزیں اب بھی ساتھ لے جا سکتے ہیں"

نواب نے سر ہلا کر اشارہ کیا اور وہ فوراً باہر بھاگ گئی۔ وہ چھلانگیں لگاتی بیرونی کمرے میں پہنچی اور وہاں سے اسی تیزی سے سیڑھیاں اتر کر صحن میں پہنچ گئی جس طرح وہ بچپن میں کھیلتے ہوئے بھاگتی تھی۔

تمام ملازمین نتاشا کے گرد جمع ہو گئے۔ انہیں اس کے عجیب و غریب احکامات پر یقین نہ آ رہا تھا یہاں تک کہ نواب نے اپنی اہلیہ کے نام پر ان ہدایات کی تصدیق کرتے ہوئے کہا کہ صندوق واپس سٹور میں پہنچا دیئے جائیں اور گاڑیوں میں زخمیوں کو بٹھا لیا جائے۔ جس طرح کچھ دیر پہلے انہیں یہ ہدایت عجیب معلوم نہیں ہو رہی تھی کہ زخمیوں کو چھوڑ کر سامان گاڑیوں میں لاد لیا جائے بعینہ اسی طرح انہیں حالیہ احکامات بھی انوکھے محسوس نہیں ہوئے تھے، الٹا انہیں ایسا نہ کرنا عجیب معلوم ہوتا۔ سو وہ جوش و خروش سے اس کام میں مصروف ہو گئے اور انہیں یہ سب کچھ فطری لگ رہا تھا۔

تمام خاندان کچھ ایسے جوش و جذبے سے زخمیوں کو گاڑیوں میں سوار کرانے لگا جیسے ان کے ذہن میں یہ بات ہو کہ انہوں نے پہلے یہ کیوں نہ سوچا۔ فوجی گرتے پڑتے کمروں سے باہر آنے اور گاڑیوں کے گرد جمع ہونے لگے۔ ان کے زرد چہروں پر تبسم کھنڈ رہا تھا۔ زخمیوں میں ہر طرف یہ خبر پھیل گئی کہ رستوف خاندان کی گاڑیوں میں جگہ مل سکتی ہے۔ یہ سن کر ادھر ادھر کے مکانوں میں ٹھہرے زخمیوں نے بھی ان کے صحن میں ہلہ بول دیا۔ کچھ زخمی یہ درخواست کر رہے تھے کہ گاڑیوں سے سامان اتارے بغیر انہیں اوپر بٹھا لیا جائے تاہم جب ایک مرتبہ سامان نیچے اترنا شروع ہو گیا تو پھر یہ سلسلہ نہ رک سکا۔ اب یہ بات اہم نہ رہی تھی کہ تمام یا آدھی چیزیں چھوڑی جا رہی ہیں۔ چینی کے برتن، کانسی سے بنی اشیاء، تصویریں اور شیشوں سے بھرے صندوق ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے جنہیں گزشتہ رات احتیاط سے باندھا گیا تھا۔ سب کی یہی کوشش تھی کہ فلاں شے اتار لی جائے تاکہ زخمیوں کیلئے ایک اور گاڑی خالی ہو جائے اور ان کی کوششیں کامیابی سے ہمکنار ہو رہی تھیں۔

نگران کہنے لگا "ہم مزید چار افراد کو بٹھا سکتے ہیں، بیشک وہ میری گاڑی میں بیٹھ جائیں، ان بیچاروں کا کیا ہو گا؟"

بیگم رستوف بولی "جس گاڑی میں میری الماری ہے وہ انہیں دے دو، دنیاشا میرے ساتھ بیٹھ جائے گی"

الماری کو گاڑی سے اتار لیا گیا اور اسے قریبی چوتھے مکان سے زخمیوں کو لانے کیلئے بھیج دیا گیا۔ نوکروں سمیت گھر کے تمام افراد خوش تھے۔ نتاشا خوشی سے نہال ہو رہی تھی۔ اسے کافی دیر سے ایسی خوشی نصیب نہیں ہوئی تھی۔

ایک گاڑی میں صندوق رکھنے کی کوشش کرتا نوکر بولا "اسے کس شے سے باندھا جائے؟ ہمیں کم از کم ایک گاڑی رکھ لینی چاہئے"

نتاشا نے پوچھا "اس میں کیا چیز ہے؟"

جواب ملا "نواب صاحب کی کتابیں ہیں"

نتاشا کہنے لگی "رہنے دو، واسیلچ انہیں سنبھال لے گا۔ یہ ضروری نہیں ہیں"

چاروں جانب سے بند گاڑی لوگوں سے پوری طرح بھر گئی تھی، کسی نے کہا "نواب پیٹر ایلیچ کہاں بیٹھے گا؟"

نتاشا با آواز بلند بولی "کوچوان کے ساتھ بیٹھے گا۔ پیٹیا! تم کوچوان کے ساتھ بیٹھ جاؤ گے ناں"

سونیا بھی اس دوران مصروف رہی تاہم اس کی کوششوں کا مرکز نتاشا سے بالکل ہٹ کر تھا۔ وہ پیچھے چھوڑی جانے والی اشیاء کو بیگم رستوف کی خواہش کے مطابق احتیاط سے رکھوا رہی تھی اور ساتھ ساتھ ان کی فہرست بنائے جاتی تھی۔ اس کی اب بھی یہی کوشش تھی کہ جس قدر چیزیں ساتھ لے جائی جاسکتی ہیں لے لینی چاہئیں۔

(17)

دو بجے تک رستوف خاندان کی چار گاڑیاں مسافروں سے پوری طرح بھر چکی تھیں اور بڑے دروازے پر روانگی کیلئے تیار تھیں۔ زخمیوں والی گاڑیاں ایک ایک کر کے صحن سے نکلنے لگیں۔

شہزادہ آندرے والی گاڑی سامنے والے دروازے سے نکلی اور سونیا کی توجہ اس پر مبذول ہوگئی جو ایک بڑی گاڑی میں بیگم رستوف کیلئے آرام دہ جگہ بنانے کی کوشش کر رہی تھی۔

اس نے گاڑی کی کھڑکی سے جھانکتے ہوئے خادمہ سے پوچھا "یہ کس کی گاڑی ہے؟"

خادمہ نے جواب دیا "کیا مس آپ کو علم نہیں؟ یہ زخمی شہزادہ ہے، اس نے رات ہمارے ہاں گزاری تھی اور اب ہمارے ساتھ جائے گا"

سونیا بولی "اوہ، یہ کون ہے اور اس کا نام کیا ہے؟"

خادمہ آہ بھر کر بولی "وہی جو ہمارا منگیتر تھا۔۔۔شہزادہ بلکونسکی! کہتے ہیں کہ وہ قریب المرگ ہے"

سونیا فوراً گاڑی سے اتری اور بیگم رستوف کی طرف بھاگی۔ وہ ٹوپی پہننے کے بعد شال اوڑھ کر سفر کیلئے تیار تھی اور تھکاوٹ بھرے انداز میں ڈرائنگ روم میں ٹہل رہی تھی۔ اسے دیگر افراد خانہ کا انتظار تھا تاکہ سفر سے پہلے وہ روایتی طور پر اکٹھے ہو جائیں اور بند دروازے کے پیچھے خاموشی سے دعا مانگی جاسکے۔ نتاشا کمرے میں نہ تھی۔

سونیا نے اسے دیکھتے ہی کہا "امی! شہزادہ آندرے یہاں ہیں، وہ زخمی اور قریب المرگ ہیں۔ وہ ہمارے ساتھ جا رہے ہیں"

بیگم کی آنکھیں ناقابل یقین انداز میں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اس نے سونیا کا ہاتھ سختی سے تھام لیا اور ادھر ادھر دیکھا۔

پھر وہ سرگوشی کے انداز میں بولی "نتاشا!"

دونوں کیلئے شروع میں اس خبر کا یکساں مطلب تھا۔ وہ نتاشا سے اچھی طرح واقف تھیں۔ وہ دونوں بلکونسکی کو پسند کرتی تھیں تاہم اپنی تمام تر ہمدردی کے باوجود انہیں یہ خوف لاحق تھا کہ نجانے نتاشا پر اس خبر کا کیا اثر ہوگا۔

سونیا کہنے لگی "نتاشا کو علم نہیں مگر وہ ہمارے ساتھ جا رہے ہیں"

بیگم نے پوچھا "تم کہہ رہی تھیں کہ وہ موت کے دہانے پر ہیں"

سونیا نے اثبات میں سر ہلایا۔

بیگم رستوف نے اسے گلے لگا لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

اس نے سوچا "ہم خداوند کے کاموں کی غرض وغایت نہیں جان سکتے" اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اس تمام معاملے میں خدا کی قدرت کا اظہار ہو رہا ہو۔

نتاشا چھلانگیں لگاتی اندر آئی اور بولی "امی! سب کچھ تیار ہے۔ کیا ہوا؟۔۔۔"

بیگم رستوف نے کہا "کچھ نہیں، اگر سب تیار ہیں تو پھر دیر کیسی، آؤ چلیں"

بیگم اپنا بے چین چہرہ چھپانے کیلئے اپنے پرس پر جھک گئی اور سونیا نے نتاشا کو گلے لگا کر اس کے گالوں کا بوسہ لیا۔ نتاشا اسے تعریفی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

اس نے سونیا سے پوچھا "کیا ہے؟ کیا کچھ ہو گیا ہے؟"

سونیا نے جواب دیا "نہیں۔۔۔ارے کچھ نہیں ہوا"

نتاشا نے کہا "کوئی بری خبر ہے، مجھ سے متعلق؟۔۔۔کیا ہے؟"

سونیا نے گہری سانس لی مگر منہ سے کچھ نہ بولی۔ نواب، پیٹیا، مادام شوس، ماورا کزمینشنا اور واسیلچ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے۔ تمام دروازے بند ہوگئے تو وہ خاموشی سے ایک دوسرے کو تکنے لگے۔

سب سے پہلے نواب اپنی جگہ سے اٹھا۔ اس نے گہری سانس لی اور مقدس تصویر کے سامنے اپنے سینے پر صلیب کا نشان بنایا۔ دوسروں نے بھی اس کی پیروی کی۔ بعد ازاں نواب ماورا کزمینشنا اور واسیلچ سے گلے ملا۔ ان دونوں نے ماسکو میں ہی ٹھہرنا تھا۔ جب انہوں نے نواب کا ہاتھ پکڑ کر اسے چوما تو اس نے انہیں دلاسہ دیا اور ان کا حوصلہ بڑھانے کیلئے کندھے پر تھپکا۔ بیگم رستوف عبادت والے کمرے میں چلی گئی۔ سونیا نے اسے مقدس تصویروں کے سامنے جھکا دیکھا جو دیواروں پر کہیں کہیں لٹکی رہنے دی گئی تھیں۔ خاندان کی روایتی اور قیمتی مقدس تصاویر ساتھ لے جائی جا رہی تھیں۔

ڈیوڑھی اور صحن میں ساتھ جانے والے تمام نوکر پتلونوں کے پائنچے اونچے بوٹوں میں ٹھونس کر کمر بند باندھے ایک دوسرے کو الوداع کہہ رہے تھے۔ پیٹیا نے انہیں تلواروں اور خنجروں سے مسلح کر دیا تھا۔

حسب معمول روانگی کے وقت کئی چیزیں بھول گئیں یا غلط صندوقوں میں بند کر دی گئیں اور بیگم رستوف کو گاڑی میں سوار ہونے کیلئے مدد دینے پر متعین دو نوکر کافی دیر تک گاڑی کے دروازے پر کھڑے انتظار کرتے رہے جبکہ نوکرانیاں کشن ڈھونڈتی رہیں۔ مکان اور گاڑیوں کے مابین مختلف صندوق لائے اور لے جائے جاتے رہے۔

بیگم خفگی کے عالم میں نوکرانیوں سے کہہ رہی تھی "یہ لوگ ہمیشہ کچھ نہ کچھ بھولتے رہیں گے، تمہیں علم ہے کہ میرے لیے یوں بیٹھنا ممکن نہیں"

دنیا شا روہانسی ہو رہی تھی۔ اس نے منہ سختی سے بند کر لیا تاکہ کہیں وہ کوئی جواب نہ دے بیٹھے اور چھلانگ لگا کر گاڑی میں داخل ہوگئی اور تکیے درست کرنے لگی۔

نواب نے کہا "اوہ یہ نوکر"

بیگم کے خیال میں صرف بوڑھا کوچوان افیم ہی اچھے انداز میں گاڑی چلا سکتا تھا۔ اس نے گاڑی پر کوچوان کی نشست سنبھال لی۔ اس نے اپنے پیچھے دیکھنے کی کوشش تک نہ کی۔ تیس سالہ تجربے کی بدولت وہ یہ بات جان گیا تھا کہ ابھی انہیں یہ کہنے میں کافی وقت لگے گا کہ "چلو، خدا ہماری مدد کرے" بلکہ ابھی تو اسے یہ کہہ کر بھی دو مرتبہ روکا جائے گا کیونکہ کوئی نہ کوئی شے اب بھی اندر رہ جائے گی۔ پھر بیگم اپنا سر گاڑی سے باہر نکالنے کے بعد خدا کا واسطہ دے کر کہے گی کہ پہاڑی سے اترتے وقت گاڑی احتیاط سے چلائے۔ وہ یہ تمام باتیں جانتا تھا، یہی وجہ تھی کہ وہ گھوڑوں کی نسبت زیادہ صبر سے کام لے رہا تھا۔ جب سب لوگ بیٹھ گئے تو پائیدان اوپر کر دیا گیا۔ دروازہ زور سے بند ہوا۔ ضروری صندوق منگوایا جا چکا تھا اور بیگم اپنی باتیں کہہ چکی تھی۔ پھر افیم نے سینے پر صلیب کا نشان بنایا، معاون کوچوان اور دیگر ملازمین نے بھی اس کا ساتھ دیا۔

اس نے ہیٹ پہنا اور بولا "خداوند ہماری مدد کرے، چلو!"

معاون کوچوان نے گھوڑوں کو تازیانہ دکھایا۔ دائیں جانب والے گھوڑے نے جھٹکا دیا اور گاڑی چرچراتی ہوئی آگے چل پڑی۔ جب گاڑی صحن سے ناہموار سڑک پر آئی تو ایک ملازم چھلانگ لگا کر کوچوان کی نشست کے قریب آ گیا۔ دیگر گاڑیاں بھی ان کے پیچھے پیچھے چل دیں اور سڑک پر ان کا جلوس روانہ ہو گیا۔ جب گاڑیاں گرجا گھر کے سامنے سے گزریں تو ان میں سوار تمام افراد نے صلیب کا نشان بنایا۔ ماسکو میں رہ جانے والے ملازمین گاڑیوں کی دونوں جانب چلتے ہوئے انہیں الوداع کہہ رہے تھے۔

نتاشا کو پہلے کبھی ایسا خوش کن احساس نہیں ہوا تھا۔ وہ اپنی والدہ کے ساتھ بیٹھی تھی اور ویران شہر کو حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ کبھی کبھار وہ گاڑی سے سر باہر نکال کر آگے پیچھے نظر ڈال لیتی۔ گاڑیوں کی قطار میں سب سے آگے شہزادہ آندرے کی گاڑی تھی جس کی چھت کا چھجہ اوپر کو اٹھا ہوا تھا۔ نتاشا کو علم نہ تھا کہ اس میں کون سوار ہے مگر ہر مرتبہ جب وہ گاڑیوں کو دیکھتی تو اس کی نظریں اسی گاڑی کو ڈھونڈنا شروع ہو جاتیں، وہ جانتی تھی کہ یہ گاڑی سب سے آگے ہو گی۔ کدرنیو، نکتسکی گلی، پریسنی اور پودنونسکی سے بھی گاڑیوں کی ایسی ہی قطاریں برآمد ہو رہی تھیں۔ جب وہ سادووے کی سڑک پر چڑھے تو وہاں دو دو گاڑیاں برابر چل رہی تھیں۔

ان کی گاڑیوں کا قافلہ سخاریف مینار کے گرد گھوما تو نتاشا کی تجسس سے بھرپور چوکس آنکھیں وہاں دکھائی دینے والے لوگوں کا جائزہ لینے لگیں۔ لوگوں کو دیکھتے ہوئے وہ اچانک خوشی سے چلا اٹھی۔

اس نے اپنی ماں سے کہا "اوہ خدایا! امی، سونیا، دیکھو، وہ ہے!"

دونوں نے پوچھا "کون؟ کون؟"

نتاشا بولی "دیکھو، دیکھو! بیزوخوف" وہ اپنا سر گاڑی کی کھڑکی سے باہر نکال کر لمبے چوڑے شخص کو دیکھے جا رہی تھی۔ اس کے جسم پر کوچوانوں جیسا کوٹ تھا مگر چال ڈھال سے عیاں ہوتا تھا کہ اگرچہ اس نے بہروپ دھار رکھا ہے مگر اس کا تعلق اشرافیہ سے ہے۔ وہ سخاریف مینار کے نیچے سے گزر رہا تھا اور اس کے ساتھ پیلے چہرے والا ایک پستہ قد شخص تھا جس نے اونی کوٹ پہن رکھا تھا۔

نتاشا کہنے لگی "زبردست! بیزوخوف نے کوچوانوں والا کوٹ پہن رکھا ہے اور ان کے ساتھ چھوٹے قد کا کوئی عجیب و غریب شخص ہے، دیکھیں، دیکھیں"

بیگم رستوف نے کہا "نہیں، یہ وہ نہیں ہے، احمقانہ باتیں مت کرو"

نتاشا چلا کر بولی "امی، میں قسم کھا کر کہتی ہوں، میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ یہ وہی ہیں" پھر وہ کوچوان سے کہنے لگی "رکو، رکو" مگر کوچوان کیلئے گاڑی روکنا ممکن ہی نہ تھا کیونکہ میشچانسکی سڑک سے مزید گاڑیاں آ رہی تھیں اور لوگ چلا چلا کر انہیں راستہ دینے کو کہہ رہے تھے۔

کچھ مزید آگے جا کر انہیں پیری یا اس سے غیر معمولی طور پر ملتا جلتا شخص دکھائی دے گیا۔ اس نے کوچوانوں والا کوٹ زیب تن کر رکھا تھا اور سنجیدہ شکل بنائے سر جھکائے چلا جا رہا تھا۔ اس کے ساتھ ایک پستہ قامت بوڑھا تھا جو شکل وصورت سے ملازم دکھائی دیتا تھا۔ بوڑھے کو گاڑی کی کھڑکی سے جھانکتا سر دکھائی دے گیا۔ اس نے مودبانہ انداز میں پیری کا بازو چھوا اور اس کی توجہ گاڑی کی طرف مبذول کرائی۔ پیری اپنے خیالات میں اس قدر گم تھا کہ اسے بات فوری سمجھ نہ آئی تاہم جب اس نے سمجھ لیا تو آنکھ اٹھا کر اس جانب دیکھا جہاں بوڑھے نے پیری کو متوجہ کیا تھا۔ اس نے اپنے دل میں ابھرنے والے پہلے ہی جذبے کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور گاڑی کی طرف چل دیا۔ ابھی وہ چند قدم ہی دور گیا ہو گا کہ اسے کچھ یاد آیا اور وہ وہیں ٹھہر گیا۔ نتاشا کھڑکی سے باہر جھانک رہی تھی اور اس کا چہرہ شرارتی انداز سے چمک رہا تھا۔

اس نے کھڑکی سے اپنا ہاتھ باہر نکال کر پیری کی طرف بڑھایا اور کہنے لگی "پیٹر کریلچ! ادھر آیئے، ہم نے آپ کو پہچان لیا ہے، یہ بہت اچھا ہوا، آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟ آپ نے کیسا لباس پہن رکھا ہے؟"

پیری نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور گاڑی کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے بے ڈھنگے انداز میں اس پر بوسہ ثبت کر دیا۔

بیگم رستوف نے حیرانی سے ہمدردانہ انداز میں پوچھا "نواب! کیا ہوا؟"

پیری بولا "ہاں؟ کیوں؟ مجھ سے نہ پوچھیں" یہ کہہ کر وہ نتاشا کی جانب دیکھنے لگا جس کی روشن اور پرمسرت نگاہوں نے اس پر جادوئی کیفیت طاری کر دی تھی۔

نتاشا نے پوچھا "آپ کیا کر رہے ہیں؟ آپ ماسکو ہی میں ٹھہریں گے؟"

پیری خاموش رہا۔

نتاشا کی بات کے جواب میں اس نے کہا "ماسکو میں؟ ہاں، ماسکو میں۔ اچھا الوداع"

نتاشا بولی "کیا ہی اچھا ہوتا کہ میں مرد ہوتی، پھر میں آپ کے ساتھ یقیناً ٹھہر سکتی تھی۔ کتنا لطف آتا، امی سے یہیں ٹھہرنے کی اجازت دیں"

پیری نے بے دھیانی سے نتاشا کو دیکھا، وہ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ بیگم بول اٹھی۔

اس نے پوچھا "سننے میں آیا ہے کہ آپ نے بھی جنگ میں حصہ لیا تھا؟"

پیری نے جواب دیا "جی ہاں! میں گیا تھا، کل ایک اور جنگ ہونا ہے۔۔۔" اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے نتاشا بول اٹھی۔

نواب! آپ کو کیا ہوا ہے؟ آپ پہلے جیسے نہیں لگتے"

پیری نے جواباً کہا "اوہو، مجھ سے نہ پوچھیں مت پوچھیں، میں خود بھی نہیں جانتا کل۔۔۔ نہیں! الوداع! الوداع، یہ برا وقت ہے" یہ کہہ کر وہ گاڑی کے پیچھے ہو لیا اور سڑک کے ساتھ بنے راستے پر چلنے لگا۔

نتاشا نے کچھ دیر تک اپنا سر کھڑکی سے باہر نکالے رکھا۔ وہ خوش تھی اور اس کا چہرہ پیار بھری مسخرانہ مسکراہٹ سے چمک رہا تھا۔

(18)

پیری اپنے گھر سے غائب ہونے کے بعد اپنے مرحوم محسن اوسپ بازدیف کے خالی گھر میں ٹھہرا رہا تھا۔ یہ کچھ اس طرح ہوا کہ ماسکو واپسی اور رستوپچن سے ملاقات کے بعد جب وہ اگلی صبح اٹھا تو اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کہاں ہے اور اس سے کیا تقاضا کیا جا رہا ہے۔ جب اسے یہ بتایا گیا کہ کمرے میں بیٹھے اس کے ملاقاتیوں میں ایک فرانسیسی بھی شامل ہے جو اس کی بیوی ایلین کا خط لے کر آیا ہے تو اس پر فوراً بوکھلاہٹ اور بیچارگی کی کیفیت طاری ہو گئی۔ اسے یوں لگا جیسے سب کچھ ختم ہو گیا ہے اور کوئی معاملہ درست نہیں رہا۔ کوئی بات درست ہے نہ غلط، مستقبل فضول شے ہے اور صورتحال سے کسی طور چھٹکارا حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ وہ پہلے تو غیر فطری انداز سے مسکراتے اور بڑبڑاتے ہوئے بیچارگی کے عالم میں صوفے پر بیٹھ گیا اور پھر اٹھ کر دروازے سے استقبالیے میں جھانکا۔ پھر وہ مایوسی کے عالم میں سر ہلاتے ہوئے واپس آیا اور ایک کتاب کی ورق گردانی شروع کر دی۔ اس کا نگران دوسری مرتبہ یہ بتانے آیا تھا کہ اس کی بیوی ایلین کا خط لے کر آنے والا فرانسیسی ملاقات کیلئے بے چین ہے خواہ یہ ملاقات ایک منٹ ہی کی کیوں نہ ہو۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ کوئی شخص بازدیف کی بیوہ کا پیغام لایا ہے کہ وہ خود گاؤں جا رہی ہے اس لیے چاہتی ہے کہ پیری اس کے مرحوم خاوند کی کتابیں اپنے پاس رکھ لے۔

پیری نے کہا "اوہ ہاں، ایک منٹ، ذرا انتظار کرو۔۔۔ نہیں نہیں، جاؤ اور کہو کہ میں فوری طور پر آ رہا ہوں"

تاہم جونہی نگران اپنے کمرے سے نکلا تو پیری نے میز پر پڑا اپنا ہیٹ اٹھایا اور دوسرے دروازے سے باہر نکل گیا۔ راہداری ویران تھی۔ وہ اس میں سے گزرتا سیڑھیوں کے پاس پہنچ گیا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے پیشانی مسل رہا تھا۔ پھر وہ نیچے اترا اور سیڑھیوں کے درمیان پہلے چبوترے پر پہنچا۔ ایک خدمتگار سامنے دروازے کے قریب کھڑا تھا۔ سیڑھیوں کے چبوترے سے ایک زینہ پچھلے دروازے کی جانب جاتا تھا۔ پیری سیڑھیاں اتر کر صحن کی جانب جانے لگا۔ اسے کسی نے نہیں دیکھا تھا مگر سڑک پر کئی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ جونہی وہ بڑے دروازے پر پہنچا تو کوچوان اور دربان دونوں نے اسے دیکھا اور ٹوپیاں اتار کر سلام کرنے لگے۔ پیری جانتا تھا کہ دونوں اسی کی جانب دیکھے جا رہے ہیں تاہم وہ شتر مرغ کی طرح سر جھکا کر تیز تیز چلنا شروع ہو گیا۔

اس صبح جن امور بارے اس کی فوری توجہ درکار تھی ان میں بازدیف کی کتابیں اور کاغذات منتخب کرنا اسے اہم ترین کام محسوس ہوا۔

وہ راستے میں دکھائی دینے والی پہلی گاڑی میں بیٹھ گیا اور اسے پیٹری آرچ پونڈ چلنے کو کہا جہاں بازدیف کی بیوہ کا گھر تھا۔

وہ مسلسل اپنے دائیں بائیں گاڑیوں کی طویل قطاریں دیکھتا رہا جو ماسکو سے باہر جا رہی تھیں اور اپنے بھاری جثے کو متوازن رکھنے کی کوششیں کرتا رہا تاکہ وہ ڈھیلی ڈھالی گاڑی سے باہر نہ گر جائے۔ وہ سکول سے بھاگنے والے بچے کی طرح خوش تھا اور کوچوان سے بات چیت کرنے لگا۔

کوچوان نے اسے آگاہ کیا کہ آج کریملن میں ہتھیار بانٹے جائیں گے اور کل لوگوں کو تین پہاڑیوں والے دروازے سے آگے بھیج دیا جائے گا اور وہاں خوفناک لڑائی ہو گی۔

پیٹری آرچ پونڈ پہنچ کر پیری کو مکان پہچاننے میں کچھ وقت لگا کیونکہ وہ کافی دیر سے وہاں نہیں گیا تھا۔

بالآخر اس نے مکان ڈھونڈ لیا اور دروازے پر دستک دی۔ جواب میں ایک زرد رو بوڑھا گیراسم باہر آیا جسے اس نے پانچ سال قبل ترزہوک میں اوسپ الیکسی وچ کے ساتھ دیکھا تھا۔

پیری نے پوچھا "گھر میں کوئی ہے؟"

گیراسم نے جواب دیا "جناب عالی! حالیہ صورتحال کے باعث صوفیا دانیلوونا اور بچے گاؤں چلے گئے ہیں"

پیری نے کہا "میں اندر آنا اور کچھ کتابیں دیکھنا چاہتا ہوں"

بوڑھے نوکر نے کہا "تشریف لائیے جناب! میرے مرحوم آقا (خدا انہیں جنت میں جگہ دے) کا بھائی ماکر الیکسی وچ بدستور گھر پر ہے، مگر جناب کو علم ہے کہ اس کی صحت ٹھیک نہیں"

پیری جانتا تھا کہ اوسپ الیکسی وچ کا ایک بھائی نیم پاگل اور شرابی ہے"

پیری نے جواب دیا "ہاں، ہاں، میں جانتا ہوں" یہ کہہ کر وہ مکان میں داخل ہو گیا۔ سرخ ناک والا ایک طویل القامت گنجا شخص بیرونی صحن میں کھڑا تھا۔ اس نے ڈریسنگ گاؤن اور جرابیں پہن رکھی تھیں۔ پیری کو دیکھ کر وہ غصیلے انداز میں بڑبڑانا اور برآمدے میں ٹہلنا شروع ہو گیا۔

گیراسم کہنے لگا "یہ بھی نہایت عقلمند ہوتے تھے مگر اب، جیسا کہ جناب عالی دیکھ رہے ہیں، خاصے بوڑھے ہو گئے ہیں۔ آپ مرحوم کا کمرہ دیکھنا چاہیں گے؟ جب سے یہ بند ہوا اسے کسی نے نہیں چھیڑا۔ صوفیا دانیلوونا نے مجھے حکم دیا تھا کہ آپ کی طرف سے کوئی آئے تو یہ کتابیں اس کے حوالے کر دوں

پیری تاریک کمرے میں داخل ہو گیا۔ اپنے محسن کے ہوتے ہوئے وہ اس کمرے میں داخل ہوتے ہی کانپنا شروع ہو جاتا تھا۔ اوسپ الیکسی وچ کی وفات کے بعد کوئی اس کمرے میں نہیں آیا تھا۔ ہر شے گرد آلود تھی اور کمرے میں پہلے سے زیادہ افسردگی طاری تھی۔

گیراسم نے دروازے کا صرف ایک پٹ کھولا اور آہستگی سے باہر چلا گیا۔ پیری نے کمرے کا چکر لگایا اور مسودوں والی الماری کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اس نے ایک مسودہ باہر نکالا جو کبھی جماعت کی اہم اور مقدس ترین دستاویز سمجھا جاتا تھا۔ یہ سکاٹ لینڈ کی لاجوں کے قوانین پر مشتمل تھا جو خود مرتب کئے گئے تھے۔ اس مسودے پر بازدیف کے ہاتھوں سے کچھ لکھا ہوا تھا۔ پیری گرد آلود میز کے قریب بیٹھ گیا۔ اس نے کاغذات اپنے سامنے رکھ کر کھولے اور پھر انہیں بند کر دیا، پھر اس نے کاغذ ایک جانب دھکیل کر اپنا سر کہنی سے ٹکایا اور سوچ و بچار میں مشغول ہو گیا۔

گیراسم نے متعدد بار کمرے میں جھانکا مگر ہر مرتبہ پیری اسے اسی انداز میں دکھائی دیا۔

دو گھنٹے سے زائد وقت گزرا تو گیراسم نے حوصلہ کرتے ہوئے دروازے پر آ کر قدرے بلند آواز میں کچھ کہا مگر پیری کو اس کی بات سنائی نہ دی۔

گیراسم نے دوبارہ کہا "جناب عالی! کوچوان کو بھیج دوں"

پیری چونکا اور جلدی سے اٹھتے ہوئے بولا "اوہ ہاں، ذرا میری بات سنو!" اس نے گیراسم کے کوٹ کا بٹن پکڑا اور اس کی مسرت سے نمناک ہوتی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا "سنو! تم جانتے ہو کہ کل جنگ ہو گی"

گیراسم نے جواب دیا "جی حضور! سنا تو یہی ہے"

پیری کہنے لگا "میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ کسی کو میرے بارے میں مت بتانا کہ میں کون ہوں، اور وہی کرنا جو میں کہوں گا۔۔۔"

گیراسم نے جواباً کہا "یقیناً جناب، ایسا ہی ہوگا، کیا آپ کچھ کھائیں پئیں گے؟"

پیری نے جواب دیا "نہیں، مجھے کچھ اور درکار ہے، میری خواہش ہے کہ تم مجھے کہیں سے کسانوں کا لباس اور ایک پستول لا دو"

گیراسم نے کچھ دیر سوچا اور پھر بولا "یقیناً ایسا ہی ہوگا"

پیری نے دن کا باقی حصہ اپنے محسن کے کمرے میں گزارا اور بے چینی سے ادھر ادھر ٹہلتا رہا۔ اس رات اس کا بستر بھی وہیں لگایا گیا۔

گیراسم زندگی میں بے شمار عجیب و غریب چیزیں دیکھ چکا تھا یہی وجہ تھی کہ جب پیری نے گھر میں قیام کیا تو اسے کوئی حیرانی نہ ہوئی۔ الٹا وہ خوش تھا کہ اسے کسی کی خدمت کا موقع مل رہا ہے۔ اس نے پیری کیلئے اسی شام کوچوانوں والا کوٹ اور ٹوپی حاصل کر لی، اس نے یہ بات مطلق نہ سوچی کہ آخر پیری کو اس کی کیا ضرورت پیش آ گئی ہے۔ اس نے اگلے دن پستول لانے کا وعدہ بھی کر لیا۔ اسی شام ماکرالیکسی وچ چند مرتبہ برآمدے میں چلتا پیری کے کمرے تک آیا اور اس کی جانب ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا رہا تاہم جونہی پیری کی نظریں اس پر پڑیں تو وہ گاؤن جسم کے گرد لپیٹ کر شرم اور نفرت کے تاثرات کیساتھ وہاں سے فوراً چلا گیا۔

جب پیری کا سڑک پر رستوف خاندان سے سامنا ہوا تو وہ گیراسم کا مہیا کردہ کوٹ پہن کر اس کے ساتھ پستول خریدنے سخاریف کے بازار کی طرف جا رہا تھا۔

(19)

کوتوزوف نے یکم ستمبر کو ماسکو کے راستے ریازان کی سڑک تک پسپائی کا حکم جاری کر دیا۔

پہلے دستے اسی رات چل پڑے، وہ عجلت کے بغیر آہستہ روی سے سفر کر رہے تھے مگر صبح کے وقت جب وہ ڈوروگومیلوف پل پر پہنچے تو ان کا سامنا دوسری سمت سے آنیوالے لوگوں سے ہونے لگا۔ ان کے پیچھے آنیوالی فوج بھی دباؤ ڈال رہی تھی جس کے نتیجے میں وہ ہراس کے عالم میں جلد بازی کا شکار ہو گئے اور پل کے قابل عبور راستوں اور کشتیوں پر بلہ بول دیا۔ کوتوزوف کیلئے بھی شہر کے پچھلے گلی کوچوں کے راستے ماسکو کی دوسری سمت پہنچنا ممکن ہو سکا۔

2 ستمبر کو صبح دس بجے ڈوروگومیلوف کے مضافات میں فوج کے محض چند عقبی دستے باقی رہ گئے تھے اور تمام روسی فوج ماسکو کی دوسری جانب مزید آگے جا چکی تھی۔

اسی وقت یعنی 2 ستمبر کی صبح دس بجے نپولین اپنی فوج کے ساتھ پوکلونی پہاڑی پر کھڑا اپنے سامنے موجود منظر دیکھنے میں مصروف تھا۔ 26 اگست سے 2 ستمبر تک یعنی بوروڈینو کی جنگ سے فرانسیسی فوج کے ماسکو میں داخلے تک اس ہنگامہ خیز اور تاریخی ہفتے کے تمام دنوں میں موسم خزاں چھایا رہا جب سورج بلندی کی بجائے نیچے ہوتا ہے اور موسم بہار کی نسبت زیادہ گرمی پڑتی ہے۔ شفاف فضا میں ہر شے یوں چمکتی ہے کہ آنکھیں چندھیا جاتی ہیں اور خزاں کی معطر ہوا میں سانس لینے سے پھیپھڑوں کو تازگی ملتی ہے۔ اس وقت راتیں بھی نیم گرم ہوتی ہیں اور آسمان سے ٹوٹتے ستارے دیکھنے والوں کو خوفزدہ کرنے کے ساتھ ساتھ لطف بھی مہیا کرتے ہیں۔

2 ستمبر کی صبح 10 تک موسم ایسا ہی تھا۔ ہر طرف صبح کی جادوئی روشنی چھائی تھی۔ پوکلونی پہاڑی پر کھڑے ہو کر دیکھا جاتا تو دریا، باغات اور گرجا گھروں سمیت ماسکو کا وسیع منظر نامہ یوں لگتا تھا جیسے وہ کوئی زندہ چیز ہو اور سورج کی

روشنی میں شہر کی عمارتوں کے گنبد اور برج ستاروں کی طرح چمک رہے تھے۔

نپولین نے اس انوکھے اور بے ڈھنگے طرز تعمیر کے حامل شہر کو دیکھا تو اس کے دل میں حسد اور بے قراری پر مبنی تجسس بیدار ہو گیا۔ اس نے ایسا شہر پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ لوگوں کو ایسا تجسس صرف اسی وقت ہوتا ہے جب وہ زندگی کی کوئی ایسی انجانی شکل وصورت کا تصور کرتے ہیں جسے ان کی پروا نہیں ہوتی۔ یوں لگتا تھا جیسے یہ شہر زندگی سے بھرپور ہے۔ کچھ علامات ہمیں اشیاء کو مردہ اور بے جان اجسام سے ممیز کرنے میں مدد فراہم کرتی ہیں، ایسی علامتوں کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا تاہم ان کی موجودگی مسلم ہے۔ ماسکو کی جانب دیکھ کر نپولین کو بھی انہی علامات کی بدولت اس کے زندہ ہونے کا احساس ہو رہا تھا۔ پوکلونی پہاڑی سے نپولین کو یہ عظیم اور خوبصورت شہر سانس لیتا دکھائی دیتا تھا۔ ماسکو کے ہر شہری کو یہ شہر ماں کی طرح دکھائی دیتا تھا، اگر کوئی غیر ملکی اس شہر کو دیکھتا تو ماں کی بجائے اسے اس شہر میں کم از کم نسوانیت کی جھلک ضرور نظر آتی تھی اور نپولین نے بھی یہ بات محسوس کی۔

نپولین نے کہا "بے شمار گرجا گھروں والا یہ ایشیائی شہر ماسکو! بالآخر یہ معروف شہر ہمارے سامنے آ ہی گیا!"

یہ کہہ کر وہ گھوڑے سے اترا اور ماسکو کا نقشہ اپنے سامنے بچھانے کا حکم جاری کیا اور ساتھ اپنے ترجمان کو بھی بلا بھیجا۔

وہ سوچنے لگا "دشمن کے قبضے میں جانیوالا شہر اس لڑکی جیسا ہوتا ہے جس کی عزت لوٹ لی گئی ہو" (وہ یہ بات سمولنسک میں تچکوف سے بھی کہہ چکا تھا) پھر وہ مشرق حسن کے حامل اس شہر کو اسی نقطہ نظر سے دیکھنے لگا۔ اسے یہ بات نہایت عجیب محسوس ہو رہی تھی کہ بالآخر اس کی دیرینہ خواہش پوری ہو گئی جو طویل عرصہ سے اس کے ذہن میں موجود تھی۔ صبح کی صاف روشنی میں وہ کبھی شہر اور کبھی نقشے پر نگاہیں دوڑانے لگتا۔ وہ ایک ایک تفصیل کی تصدیق کرنے میں مصروف تھا اور شہر پر قبضے کے یقین نے اس کے دل میں ہلچل کی سی کیفیت پیدا کر دی تھی اور اس پر خوف طاری ہو رہا تھا۔

اس نے سوچا "اور ہو بھی کیا سکتا تھا؟ یہ دارالسلطنت میرے قدموں تلے اپنی قسمت کا منتظر ہے۔ الیگزنڈر کہاں ہے؟ وہ اس وقت کیا سوچ رہا ہوگا؟ حیران کن، خوبصورت اور شاندار لمحہ! اب یہ لوگ میرے بارے میں کیسا سوچتے ہیں؟" اس نے اپنے فوجیوں کا تصور کیا "یہ ہے وہ شہر، شکوک وشبہات کے شکار ان لوگوں کا انعام" اس نے اپنے قریب کھڑے لوگوں اور صف بندی میں مصروف اپنے فوجی دستوں کی جانب سرسری انداز سے دیکھا اور سوچا "میرا ایک لفظ، بازو کا ایک اشارہ زار کے اس قدیم دارالسلطنت کو تباہ و برباد کر سکتا ہے مگر مفتوح قوم کیلئے میرا رحم پر مبنی جذبہ فوری بیدار ہو جاتا ہے۔ مجھے سخاوت اور عظمت کا اظہار کرنا ہوگا" اچانک اس کے ذہن میں کوئی بات آئی اور وہ سوچنے لگا "نہیں، یہ ٹھیک نہیں کہ ماسکو میں ہوں، مگر وہ تو میرے قدموں تلے ہے اور دھوپ میں اس کے گنبد چمک رہے ہیں، تاہم میں اس پر ظلم نہیں ڈھاؤں گا۔ ظلم اور جبر کی ان قدیم یادگاروں پر میں انصاف اور رحم کے عظیم الفاظ لکھ دوں گا۔۔۔ اس بات سے الیگزنڈر کو سب سے زیادہ تکلیف پہنچے گی، میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں (یوں لگتا تھا جیسے نپولین کے خیال میں جو کچھ ہوا وہ اس کی الیگزنڈر سے ذاتی مخاصمت کے باعث تھا) کریملن۔۔۔ ہاں، وہ ہے کریملن، ہاں۔۔۔ میں اس کی بلندیوں سے انہیں انصاف پر مبنی قوانین دوں گا اور انہیں سچے تہذیب وتمدن سے روشناس کراؤں گا اور روسیوں سے اس طرح پیش آؤں گا کہ ان کی آنیوالی نسلیں بھی اپنے فاتح کا ذکر محبت سے کیا کریں گی۔ میں ان کے وفد سے کہوں گا کہ میں نے جنگ کی خواہش کی تھی نہ کرتا ہوں، میری جنگ صرف ان کے دربار کی غلط پالیسی کیخلاف تھی، الیگزنڈر مجھے عزیز ہے اور میں اس کا احترام کرتا ہوں اور ماسکو میں اپنی قوم کے شایان شان امن معاہدہ قبول کراؤں گا" میں جنگ کے موجودہ رخ سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا اور میں کسی معزز حکمران کی خودداری کو ٹھیس نہیں پہنچنے دوں گا۔ میں

ان سے کہوں گا "روسیو! مجھے جنگ کی خواہش نہیں، میں تو اپنی تمام رعایا کیلئے امن وخوشحالی کی تمنا کرتا ہوں" بہر حال میں جانتا ہوں کہ میری موجودگی سے وہ بیحد خوش ہوں گے اور جیسا کہ میں ہمیشہ کرتا ہوں میری گفتگو واضح، پر اثر اور باوقار ہو گی۔۔۔مگر کیا میں واقعی ماسکو میں ہوں؟ ہاں وہ میرے سامنے موجود ہے"

اس نے اپنے عملے کو کہا "روسیوں کو میرے سامنے لایا جائے" بھڑ کیلے لباس پہنے ایجونٹوں کی جماعت میں موجود ایک جرنیل فوری طور پر روسیوں کو لانے چل دیا۔

دو گھنٹے بیت گئے۔ نپولین دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد دوبارہ پوکلونی پہاڑی اسی جگہ کھڑا اپنی خدمت میں پیش ہونیوالے روسی وفد کا منتظر تھا۔ روسیوں کے سامنے اس نے جو تقریر کرنا تھی وہ اس کے ذہن میں واضح تھی اور اس کے خیال میں یہ تقریر جاہ وجلال اور عظمت سے بھرپور تھی۔

وہ ماسکو کے حوالے سے کھلے دل کا مظاہرہ کرنے کا جو ارادہ کر چکا تھا اسی کی لہر میں بہہ گیا۔ اس نے تصور ہی تصور میں وہ دن بھی چن لیا جس دن روسی معززین نے فرانسیسیوں کے ساتھ شاہی دربار میں بیٹھنا تھا۔ اس نے اس گورنر کا نام بھی سوچ لیا جو لوگوں کے دل موہ لینا جانتا تھا۔ جب اسے یہ علم ہوا کہ ماسکو میں خیراتی ادارے بھی موجود ہیں تو اس نے انہیں دریادلی سے نوازنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ جس طرح وہ افریقہ میں عبا پہن کر مسجد میں بیٹھا تھا اسی طرح اسے ماسکو میں زار کے انداز میں دل کھول کر خرچ کرنا ہوگا اور روسیوں کے دل فیصلہ کن طور پر فتح کرنے کیلئے اس نے یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ تمام خیراتی اداروں پر موٹے حروف میں لکھوادے گا کہ "میری پیاری ماں کے نام" وہ ایک مرتبہ پھر سوچنے لگا "مگر کیا میں واقعی ماسکو میں ہوں؟ ہاں، یہ میرے سامنے ہے، مگر شہر سے روسیوں کے وفد کی آمد میں تاخیر کیوں ہے؟"

اسی دوران شہنشاہ کے پیچھے کھڑے مارشل اور جرنیل دبی دبی آوازوں میں صلاح مشورہ کر رہے تھے۔ ان کے چہرے سفید پڑ گئے تھے اور ان پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ مقامی لوگوں کو لانے کیلئے بھیجے جانیوالوں کا کہنا تھا کہ ماسکو خالی ہو گیا ہے اور تمام لوگ پہلے ہی شہر چھوڑ چکے ہیں۔ باہم گفت وشنید میں مصروف لوگ بیحد پریشان تھے۔ اگرچہ شہر سے لوگوں کا بھاگ جانا سنگین حقیقت تھی مگر وہ اس بات سے پریشان نہیں تھے، انہیں یہ بات پریشان کر رہی تھی کہ شہنشاہ کو اس کی اطلاع کیسے دی جائے کہ وہ اس دوران مقامی باشندوں کا بیکار انتظار کرتے رہے ہیں اور شہر میں شرابیوں کے ہجوم کے علاوہ کوئی نہیں رہا۔ بعض لوگ کہتے تھے کہ جیسے تیسے کسی وفد کو جمع کرنا بیحد ضروری ہے مگر ایک گروہ کو اس بات سے اتفاق نہیں تھا، اس کا اصرار تھا کہ شہنشاہ کو نہایت احتیاط اور سلیقے سے حقیقت حال بتادی جائے۔

عملے کے بعض ارکان نے کہا "ہمیں کبھی نہ کبھی تو انہیں یہ بات بتانا ہوگی۔۔۔مگر حضرات"

حالات کچھ اس وجہ سے بھی بے ڈھنگی صورت اختیار کر گئے تھے کہ شہنشاہ سخاوت کے منصوبوں پر سوچ بچار کے بعد اب اپنے سامنے بچھے نقشے کے سامنے ٹہل رہا تھا۔ چلتے چلتے وہ کبھی کبھار اپنی آنکھوں کے اوپر ہاتھ سے سایہ کرتا اور فخریہ انداز سے ماسکو کی طرف جانیوالی سڑک کو بغور دیکھنا شروع ہو جاتا۔

نپولین کے عملے میں بحث وتکرار جاری تھی "مگر ایسا نہیں ہو سکتا۔۔۔" ارکان کندھے اچکاتے ہوئے ایک دوسرے کے متضاد آراء دے رہے تھے۔

اسی دوران فضول انتظار سے اکتا جانیوالے شہنشاہ کو اس کی اداکارہ جبلت کہہ رہی تھی کہ دیر ہونے کی وجہ سے شاندار لمحے کا جلال رخصت ہوتا جا رہا ہے۔ اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا، ایک توپ چلی اور حملہ آور فوج آگے بڑھنا

شروع ہو گئی۔ فوجی ٹوریر، کالوگا اور ڈوروگومیلوف دروازوں سے اندر جا رہے تھے اور ہر شخص ایک دوسرے سے آگے نکلنے کیلئے کوشاں تھا۔ کوئی تیز چل رہا تھا، کسی کی چال آہستہ تھی اور کوئی بھاگا چلا جاتا تھا۔ ان کی رفتار تیز تر ہوتی چلی گئی اور فضا میں گرد وغبار پھیلنے لگا۔ فوجیوں کے شور وغل سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔

نپولین بھی فوجیوں جیسے جذبے کا شکار ہو گیا۔ وہ گھوڑے پر بیٹھ کر ان کے ساتھ ساتھ ڈوروگومیلوف دروازے پر پہنچ گیا۔ یہاں پہنچ کر وہ نیچے اتر آیا اور کافی دیر تک روسی وفد کے انتظار میں کامر کولژسکی دیوار کے قریب ٹہلتا رہا۔

(20)

ماسکو خالی ہو چکا تھا۔ اگرچہ شہر میں اب بھی لوگ موجود تھے اور شاید کل آبادی کا نصف پیچھے رہ گیا تھا مگر شہر خالی تھا۔

شہر اسی طرح خالی تھا جیسے ملکہ کے بغیر شہد کی مکھیوں کا چھتا خالی اور قریب المرگ ہو جاتا ہے۔

ملکہ مکھی کے بغیر چھتا بظاہر دیگر چھتوں کی طرح بھرپور دکھائی دیتا ہے تاہم اس میں زندگی کی روح نظر نہیں آتی۔

اس چھتے میں دوپہر کی گرمی میں مکھیاں اسی خوشدلی سے اڑتی دکھائی دیتی ہیں جس طرح زندگی سے بھرپور چھتے میں نظر آتی ہیں۔ وہ پہلے کی طرح اڑتی اور اندر آتی جاتی دکھائی دیتی ہیں اور دور سے شہد کی خوشبو بھی سونگھی جا سکتی ہے مگر بغور جائزہ لیا جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس چھتے میں زندگی عنقا ہو چکی ہے۔ اس میں مکھیوں کے داخلے اور باہر نکلنے کا وہ انداز نہیں ہوتا جو "زندہ چھتے" میں دیکھا جا سکتا ہے اور مکھیاں پالنے والے کو اس امر کا شدت سے احساس ہوتا ہے کہ مکھیوں کی آواز اور چھتے کی خوشبو میں فرق پیدا ہو گیا ہے۔ جب وہ اس چھتے کی دیوار کھٹکھٹاتا ہے تو پہلے کی طرح ہزاروں مکھیاں غصے کے عالم میں باہر نہیں نکلتیں بلکہ اجاڑ چھتے کے مختلف حصوں سے ان کی خالی خالی اور بے ربط بھنبھناہٹ سنائی دیتی ہے۔ مکھیاں پالنے والے نے چھتے تک پہنچنے کیلئے جو سیڑھی لگا رکھی ہوتی ہے اس پر کھڑے ہو کر اسے پہلے کی طرح شہد اور مکھیوں کے زہر کی خوشبو اور مکھیوں کے غول کی حرارت آمیز مہک کی بجائے ویرانی اور بوسیدگی کی بو محسوس ہوتی ہے۔ کمر جھکائے چوکس محافظ مکھیاں کہیں دکھائی نہیں دیتیں۔ چھتے میں کھولتے پانی جیسی زندہ اور مسلسل بھنبھناہٹ کی بجائے بے ترتیب اور کرخت سرسراہٹ سنائی دینے لگتی ہے۔ شہد سے لتھڑی کالی اور لمبی کارکن مکھیاں ڈری سہمی رینگتی دکھائی دیتی ہیں، وہ ڈنگ مارنے کی بجائے خطرے سے دور ہٹنے کی کوشش کرتی ہیں۔ پہلے شہد سے لدی ہوئی مکھیاں چھتے میں داخل ہوتیں اور خالی ہاتھ باہر آتی تھیں اب صورتحال اس کے برعکس ہوتی ہے اور مکھیاں شہد لے کر باہر آتی ہیں۔

مکھیاں پالنے والا شخص چھتے کا نچلا حصہ کھولتا ہے اور اس پر نظر ڈالتا ہے۔ پہلے محنت کر کے تھک جانیوالی سیاہ اور چمکدار مکھیاں بڑے جھرمٹوں کی صورت میں ایک دوسرے کے پروں سے چمٹی فرش کے اوپر لٹکی رہتیں اور مسلسل موم نکالتی رہتی تھیں۔ اس کی بجائے اب یہ مکھیاں بے دلی سے فرش پر گھومتی دکھائی دیتی ہیں۔ اب فرش پر صاف ستھرے موم کی بجائے غلاظت، مردہ مکھیاں اور موم کے ٹکڑے دکھائی دیتے ہیں، یہاں قریب المرگ مکھیاں بھی دیکھی جا سکتی ہیں جنہیں کسی نے وہاں سے نہیں ہٹایا ہوتا۔

مکھیاں پالنے والا شخص چھتے کا اوپر والا خانہ کھولتا ہے۔ یہاں اسے چھتے کے خانوں کی پیچیدہ ساخت تو دکھائی دیتی ہے مگر مکھیوں کی وہ صفیں نظر نہیں آتیں جو چھتے کے خانوں کے باریک ترین سوراخ کو بھی بند رکھتیں اور نومولود مکھیوں کو گرمی مہیا کرتی رہتی تھیں۔ ہر شے خراب اور لاپروائی کا شکار معلوم ہوتی ہے۔ کالی کارکن مکھیاں چھپ چھپ

کرشہد کی تلاش میں تیزی سے ادھرادھر بھاگتی پھررہی ہیں جبکہ گھر کی نگران پستہ قد مکھیاں جن کے جسم اور جذبے مرجھا چکے ہوتے ہیں، بوڑھوں کی طرح ادھرادھر رینگتی پھر رہی ہوتی ہیں۔ وہ کارکن مکھیوں کے سامنے مزاحمت نہیں کرتیں کیونکہ ان کے جذبات فنا ہو چکے ہوتے ہیں اوران میں زندگی کا احساس باقی نہیں رہا ہوتا۔ نرمکھیاں اور دیگر بھڑیں بلاوجہ ادھرادھر اڑتی پھرتی ہیں اور چھتے کی دیواروں سے ٹکریں مارتی رہتی ہیں۔ ادھرادھر خانوں میں کبھی کبھار غصیلی بھنبھناہٹ سنائی دے جاتی ہے جہاں شہد اور نومولود مکھیاں مردہ حالت میں بکھری ہوتی ہیں۔ کہیں کہیں چند مکھیاں عادت سے مجبور ہو کر نومولود مکھیوں کے خانے صاف کرتی نظر آتی ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے وہ ہمت سے بڑھ کر زور لگا رہی ہیں اور کڑی مشقت سے مردہ مکھیاں باہر گھسیٹ کر لا رہی ہیں۔ مگر وہ ایسا کیوں کرتی ہیں؟ یہ بات انہیں بھی معلوم نہیں ہوتی۔ ایک کونے میں دو بوڑھی مکھیاں سست روی سے لڑ رہی ہوتی ہیں یا اپنے جسم پونچھ کر ایک دوسرے کے منہ میں خوراک ڈالتی دکھائی دیتی ہیں۔ انہیں خود بھی علم نہیں ہوتا کہ وہ ایک دوسرے کی دشمن ہیں یا دوست۔ کسی کونے میں مکھیوں کا گروہ ایک دوسرے سے لڑ رہا ہوتا ہے۔ جب کوئی مکھی زخمی ہو کر گرتی ہے تو سب اس پر ہلہ بول دیتی ہیں۔ یہ مکھی بے جان ہو کر لاشوں کے ڈھیر پر آگرتی ہے۔ مکھیاں پالنے والا شخص نومولود مکھیوں کے خانے کا جائزہ لینے کیلئے دونوں مرکزی حصوں کو ایک دوسرے سے علیحدہ کرتا ہے۔ اب اسے پشت سے پشت ملائے تولیدی عمل میں مصروف مکھیوں کے جھرمٹوں کی بجائے سینکڑوں مکھیاں سست اور نیم مردہ حالت میں دکھائی دیتی ہیں۔ اب اس مقدس جگہ کا وجود ختم ہو چکا ہے جس کی وہ کبھی تندہی سے حفاظت کیا کرتی تھیں۔ اب وہ تمام بے خبری میں موت کا شکار ہو چکی ہیں۔ ان میں سے صرف چند ایک حرکت کرتی ہیں اور دشمن کے سر پر بے دلی سے بیٹھ جاتی ہیں مگر اب ان میں ڈنگ مارنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ وہ مر چکی ہوتی ہیں۔ مکھیاں پالنے والا شخص چھتا بند کر کے اس پر چاک سے نشان بنا دیتا ہے اور موقع ملتے ہی اسے توڑ کر جلا ڈالتا ہے۔

لہٰذا جب تھکاوٹ سے نڈھال، بے چین اور غصے میں بھرا نپولین کامر کولزشکی دیوار کے قریب ٹہلتے ہوئے روسی وفد کا انتظار کر رہا تھا تو ماسکو بھی اسی طرح خالی تھا۔

شہر کے گوشوں میں کچھ لوگ ابھی تک موجود تھے اور وہ بلاوجہ ادھرادھر گھومتے ہوئے اپنی پرانی عادات کے مطابق عمل کر رہے تھے تاہم انہیں خود بھی علم نہ تھا کہ وہ ایسا کیوں کر رہے ہیں۔

جب نپولین کو یہ بتایا گیا کہ ماسکو خالی ہو چکا ہے تو اس نے اطلاع دینے والے کو غصیلی نظروں سے دیکھا اور پیچھے مڑ کر دوبارہ ٹہلنا شروع ہو گیا۔

کچھ دیر بعد اس نے حکم دیا "میری گاڑی" وہ ڈیوٹی پر موجود ایجوٹنٹ کے ساتھ بیٹھ کر شہر کے مضافات کی جانب چل دیا۔

اس نے خود کلامی کرتے ہوئے کہا "ماسکو خالی ہو گیا! مجھے اس نتیجے کا یقین نہیں آتا"

وہ شہر میں جانے کی بجائے مضافاتی علاقے ڈوروگومیلوف کے ایک ہوٹل میں ٹھہر گیا۔ ڈرامائی منظر نہیں آیا تھا۔

(21)

روسی فوج رات دو سے دن دو بجے تک ماسکو سے گزرتی رہی۔ فوجی دستے شہر کو چھوڑ کر جانے والوں اور

زخمیوں کے آخری گروہوں کو بھی بہا لے گئے۔

اس نقل و حرکت کے دوران کامنی پل، موسکورتسکی اور یاؤزسکی پل پر سب سے زیادہ رش رہا۔ جب فوجی دستے کریملن کے گرد چکر لگا کر گزرنے کیلئے دو حصوں میں تقسیم ہو کر موسکورتسکی اور کامنی پلوں پر ہجوم کئے ہوئے تھے تو فوجیوں کی بھاری تعداد نے رش اور تاخیر کا فائدہ اٹھایا اور وہ چھپ چھپ کر پلوں سے واپس مڑے اور دسیلے گرجا کے قریب سے ہوتے ہوئے بوروتسکی دروازے کے ذریعے پہاڑی پر چڑھ کر ریڈ سکوائر پہنچنا شروع ہو گئے۔ ان کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ یہاں سے جو کچھ بھی ملا اسے اٹھا لے جانا مشکل نہ ہوگا۔ بازار اور گلیوں میں ایسے ہجوم جمع ہو گئے جیسے دکانوں پر سیل کے موقع پر دکھائی دیتے ہیں، تاہم اب وہاں دکانداروں کی خوش کن آوازیں تھیں نہ خوانچہ فروش بولتے دکھائی دیتے تھے اور نہ خریدار خواتین کے ہجوم نظر آ رہے تھے۔ اب وہاں صرف وردیاں اور کوٹ پہنے فوجی دکھائی دیتے تھے۔ ان کے پاس ہتھیار نہیں تھے، وہ خالی ہاتھ دکانوں میں داخل ہوتے اور لوٹ کے مال سے لدے پھندے واپس آتے۔ دکاندار اور ان کے ملازمین (جن کی بہت کم تعداد باقی بچی تھی) فوجیوں کے درمیان بھاگ دوڑ رہے تھے۔ وہ دکانوں کے تالے کھولتے، بند کرتے اور اپنا سامان خود ہی اٹھا اٹھا کر باہر لا رہے تھے۔ بازار کے سامنے چوک میں جھنڈ والے اپنے فوجیوں کو جمع کرنے کیلئے ڈھول پیٹ رہے تھے مگر یہ آوازیں لوٹ مار میں مصروف فوجیوں کو قریب لانے کی بجائے مزید دور بھگا رہی تھیں۔ دکانوں اور گلیوں میں فوجیوں کے ساتھ وہ لوگ بھی مل گئے تھے جن کے سر گنجے تھے اور انہوں نے سزا یافتہ قیدیوں والے سرمئی کوٹ پہنے ہوئے تھے۔ دو افسر النکا گلی کی نکڑ پر کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ ایک نے اپنی یونیفارم پر سکارف لپیٹا ہوا تھا اور وہ کمزور سرمئی گھوڑے پر بیٹھا تھا۔ دوسرا پیدل تھا۔ اسی دوران ایک تیسرا افسر گھوڑا بھگاتا ان کے پاس آیا۔

وہ کہنے لگا "جرنیل نے ان لوگوں کو ہر صورت منتشر کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ شرمناک حرکات کر رہے ہیں۔ آدھے سپاہی بھاگ نکلے ہیں"

اس نے بندوقیں پھینک کر اپنے کوٹوں کے نچلے حصے اوپر اٹھائے پیادہ فوج کے تین سپاہیوں کو دیکھا جو بازار میں گھسنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ کہنے لگا "تم کہاں بھاگے چلے جا رہے ہو؟۔۔۔۔ رک جاؤ بدمعاشو۔۔۔"

دیگر افسروں میں سے ایک نے غصے میں کہا "دیکھ لو، انہیں روک کر دکھاؤ۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا صرف ایک ہی صورت باقی ہے کہ دوسروں کے بے قابو ہونے سے پہلے ہمیں تیزی سے آگے نکل جانا چاہئے"

ایک کہنے لگا "ہم آگے کیسے جائیں؟ وہ پل پر پھنسے ہیں، آگے جانے کا راستہ ہی نہیں ہے، کیا ان کے مابین حصار قائم کرنا بہتر نہیں ہوگا، تاکہ دوسروں کو افراتفری مچانے سے روکنا ممکن ہو سکے"

سینئر افسر نے باآواز بلند کہا "آگے جاؤ اور انہیں وہاں سے بھگا دو"

سکارف والا افسر گھوڑے سے نیچے اتر آیا۔ اس نے جھنڈ والے ایک اہلکار کو بلایا اور بازار میں داخل ہو گیا جس کی دونوں اطراف دکانیں تھیں۔ چند سپاہی ہجوم کی صورت میں آگے بھاگنا شروع ہو گئے اسی دوران ایک دکاندار اپنا بازو لہراتا افسر کے پاس پہنچ گیا۔ اس کے گالوں پر ناک کے قریب پھنسیاں نکلی تھیں اور موٹے چہرے کو دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے یہ شخص ٹھنڈے ذہن سے سوچتا ہے اور اپنی مطلب برآری کیلئے حساب کتاب کرنے کا ماہر ہے۔

وہ افسر سے کہنے لگا "جناب عالی! رحم فرمائیں، ہمیں بچا لیں۔ ہم کنجوس نہیں، ہمیں آپ کی خدمت کر کے خوشی ہوگی، حضور کیلئے کپڑے کے دو تھان حاضر ہیں، ہمیں بےحد خوشی ہوگی، مگر جو کچھ ہو رہا ہے یہ تو ڈکیتی ہے، رحم فرمایئے،

کم از کم یہاں محافظ ہی تعینات کر دیں تا کہ ہم دکانیں بند کر سکیں"

کئی دکاندار افسر کو گھیر کر کھڑے ہو گئے۔

کرخت چہرے والے ایک دبلے پتلے شخص نے کہا "ہونہہ! شور مچانے کی کوئی ضرورت نہیں، جس کا سر کٹ جائے اسے بالوں پر رونا نہیں چاہئے۔ وہ جو چاہیں اٹھالیں" پھر وہ بازو لہراتا ہوا وہاں سے ہٹ گیا۔

پہلا دکاندار اسے غصے میں کہنے لگا "ایوان سدوروچ، تمہیں ایسا نہیں کہنا چاہئے" پھر وہ افسر کی جانب متوجہ ہو کر بولا "آیئے جناب، اندر آ جائیں"

افسر تذبذب کا شکار ہو گیا، اس کے چہرے سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کسی فیصلے پر نہیں پہنچ پا رہا۔

وہ اچانک چلا کر بولا "میرا یہاں کیا کام ہے؟" اور یہ کہہ کر اس نے بازار میں گھوڑا بھگا دیا۔

ایک کھلی دکان سے لڑائی جھگڑے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ جب افسر اس دکان کے قریب پہنچا تو سرمئی کوٹ میں ملبوس ایک گنجے شخص کو باہر پھینک دیا گیا۔

یہ شخص دہرا ہو کر افسر اور دکانداروں کے قریب سے گزرتا آگے چلا گیا۔ افسر دکان میں موجود فوجی پر جھپٹا مگر اسی دوران موسکوورتسکی پل پر چیخنے چلانے کی آوازیں سنائی دینے لگیں اور افسر چوک کی جانب بھاگ نکلا۔

اس نے راہ میں ملنے والوں سے پوچھا "کیا ہوا؟ کیا ہوا؟" مگر اس کے ساتھی پہلے ہی اسی جانب بھاگے چلے جا رہے تھے۔ افسر گھوڑے سے اتر کر ان کے پیچھے چل دیا۔ پل کے قریب پہنچ کر اس نے دیکھا کہ دو توپیں گاڑیوں سے علیحدہ ہو چکی ہیں اور پیادہ سپاہی پل عبور کر رہے ہیں۔ کئی گاڑیاں الٹی ہوئی تھیں۔ کچھ لوگ انتہائی خوفزدہ کھڑے تھے جبکہ سپاہی قہقہے لگا رہے تھے۔ توپوں کے قریب دو گھوڑوں والی ایک گاڑی کھڑی تھی۔ گاڑی کے پیچھے روسی نسل کے چار شکاری کتے بندھے تھے جو خوف کے مارے گاڑی کے پہیوں سے چمٹے جاتے تھے۔ گاڑی پر سامان کا ڈھیر موجود تھا اور اس ڈھیر کی چوٹی پر ایک عورت بیٹھی واویلا کر رہی تھی۔ افسر کے ساتھیوں نے اسے بتایا کہ جب جنرل ریملوف کو معلوم ہوا کہ فوجی دکانوں میں لوٹ مار کر رہے ہیں جبکہ عام لوگ پل پر بھیڑ لگائے ہوئے ہیں تو اسے غصہ آ گیا۔ اس نے گاڑیوں سے توپیں اتروا کر یوں ظاہر کیا جیسے پل پر گولہ باری کرنا چاہتا ہو۔ یہ دیکھ کر لوگوں کا ہجوم گاڑیوں کو الٹا کر ایک دوسرے کو کچلتا دریا پار کر گیا۔ اس طرح راستہ صاف ہو گیا اور فوجی آگے بڑھنے لگے۔

(22)

اصل شہر خالی ہو گیا تھا۔ گلیوں میں کوئی ذی روح دکھائی نہ پڑتا تھا۔ دروازے اور دکانیں بند تھیں۔ کہیں کہیں سرائے یا ایسی ہی بعض جگہوں کے اردگرد کسی آوارہ شرابی کے شور شرابے یا گانا گانے کی آواز سنائی دے جاتی تھی۔ سڑکوں اور گلیوں سے گاڑیاں غائب ہو چکی تھیں اور کہیں قدموں کی چاپ تک سنائی نہ دیتی تھی۔ پوارسکی سڑک مکمل طور پر ویران پڑی تھی۔ رستوف خاندان کے مکان کے وسیع صحن میں گھاس کے کچھ ڈھیر پڑے تھے اور کوئی شخص دکھائی نہ دیتا تھا۔ بڑے ڈرائنگ روم میں صرف دو افراد موجود تھے۔ ان میں سے ایک خدمتگار اگنات اور دوسرا واسیلچ کا پوتا مشکا تھا۔ یہ دونوں بڑے ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے جس کا فرنیچر، پردے اور دیگر آرائشی سامان وہیں رہنے دیا گیا تھا۔ مشکا کلاوی کارڈ کو اناڑی انداز میں بجا رہا تھا جبکہ خدمتگار اگنات دونوں ہاتھ کمر پر رکھے قد آدم آئینے کے سامنے کھڑا مسکرائے جاتا تھا۔

لڑکے نے اچانک دونوں ہاتھ ساز پر مارتے ہوئے کہا "بہت عمدہ ہے، ہے ناں چچا اگنات!

اگنات نے جواب دیا "ہاں، ہاں!" وہ شیشے میں اپنی مسکراہٹ دیکھ کر خود حیران ہو رہا تھا۔

اچانک ماورا کزمینشنا کی آواز سنائی دی "بے شرمو! شرم کرو!" وہ اچانک کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ وہ کہنے لگی "اس موٹے کو دیکھو جو اپنا چہرہ دیکھ کر دانت نکال رہا ہے! تم یہی کچھ کر رہے ہو، تمام کام اسی طرح پڑا ہے اور واسیلچ بیچارا تھک کر نڈھال ہو گیا ہے۔ ذرا ٹھہرو میں تمہیں دیکھتی ہوں!"

اگنات نے منہ بند کیا اور اپنا پٹکا درست کرنے کے بعد نگاہیں جھکائے کمرے سے نکل گیا۔

لڑکا بولا "خالہ! میں نے تو بس ہاتھ ہی لگایا تھا۔۔۔"

ماورا کہنے لگی "میں تمہیں ہاتھ لگانا سکھاتی ہوں، جاؤ دادا کیلئے سماوار تیار کرو"

ماورا نے کلاوی کارڈ پر جمی گرد صاف کی اور اسے بند کر کے لمبی سانس بھرتی ہوئی کمرے سے باہر گئی اور دروازے پر تالا لگا دیا۔

صحن میں پہنچ کر وہ ٹھہر گئی اور سوچنے لگی کہ اب کہاں جانا چاہئے۔ نوکروں کے کمرے میں جا کر واسیلچ کے ساتھ چائے پی جائے یا سٹور میں بکھری چیزیں سمیٹنا مناسب ہوگا"

گلی میں کسی کے قدموں کی تیز چاپ سنائی دی اور کوئی شخص بڑے دروازے پر آ رکا۔ نووارد دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔

ماورا کزمینشنا چھوٹے دروازے کی جانب چل دی۔

اس نے باہر کھڑے شخص سے پوچھا "کس سے ملنا ہے؟"

نووارد بولا "نواب سے، ایلیا آندریچ رستوف"

ماورا نے پوچھا "تم کون ہو؟"

جواباً خوشگوار روسی زبان میں کہا گیا "افسر ہوں، ان سے فوری ملنا چاہتا ہوں"

ماورا کزمینشنا نے دروازہ کھول دیا اور ایک اٹھارہ سالہ نوجوان افسر اندر آیا جس کا چہرہ رستوفوں سے ملتا جلتا تھا۔

ماورا شفقت بھرے انداز میں بولی "جناب وہ تو جا چکے ہیں، کل شام ہی چلے گئے تھے"

نوجوان دروازے کے قریب کھڑا تھا۔ وہ تذبذب میں مبتلا تھا کہ وہیں کھڑا رہے یا اندر آ جائے۔ ماورا کی بات سن کر وہ کہنے لگا "اوہ، یہ تو برا ہوا، مجھے کل آنا چاہئے تھا، غلطی ہو گئی۔۔۔"

ماورا کزمینشنا رستوف خاندان سے مشابہت رکھنے والے اس نوجوان کے پھٹے پرانے کوٹ اور جوتوں کا بغور جائزہ لے رہی تھی۔

اس نے جھلاہٹ آمیز انداز میں دروازے پر یوں ہاتھ رکھا جیسے واپس جانا چاہتا ہو اور کہنے لگا "بہر حال۔۔۔ اب کیا ہو سکتا ہے"

یہ کہہ کر وہ ایک مرتبہ پھر تذبذب کا شکار ہو گیا۔

کچھ توقف کے بعد وہ کہنے لگا "دراصل بات یہ ہے کہ میں نواب کا رشتہ دار ہوں، وہ میرے ساتھ ہمیشہ محبت سے پیش آتے رہے ہیں۔ آپ یہ جان گئی ہوں گی کہ میرے کپڑے پھٹ چکے ہیں اور پلے کچھ نہیں، میں نواب سے مدد لینے آیا تھا" یہ کہتے ہوئے اس نے خوشدلی سے اپنے سراپے پر نگاہ ڈالی۔

ماورا بولی "جناب عالی! تھوڑی دیر یہیں ٹھہریے"

افسر نے جونہی دروازے سے ہاتھ اٹھایا تو وہ واپس مڑی اور تیزی سے نوکروں کے مکانات کی جانب چلی گئی۔

جب ماورا کزمینشنا اپنے مکان کی طرف چلی گئی تو نوجوان افسر سر جھکائے صحن میں ٹہلنے لگا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور وہ بار بار اپنے پھٹے پرانے بوٹوں کی جانب دیکھ رہا تھا۔

وہ سوچ رہا تھا "کتنی بری بات ہوئی کہ پچا نہ مل سکے۔ یہ بوڑھی عورت کتنی اچھی ہے، میں اپنی رجمنٹ تک پہنچنے کیلئے مختصر ترین راستہ کس سے پوچھوں گا؟ اب تک تو وہ ہر صورت روگوزشکی پہنچ چکی ہوگی اسی دوران ماورا کزمینشنا مکان کے کونے سے آتی دکھائی دی۔ وہ شرمارہی تھی مگر اس کے چہرے پر حوصلہ نمایاں تھا۔ اس نے ہاتھ میں لپٹا ہوا رومال تھام رکھا تھا۔ افسر کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی اس نے رومال سے پچیس روبل کا سفید نوٹ نکالا اور فوری افسر کو دے دیا۔

وہ کہنے لگی "اگر جناب عالی گھر پر ہوتے تو وہ آپ کی ضرور۔۔۔ مگر برا وقت آگیا ہے۔۔۔" وہ اپنی بات مکمل نہیں کر پا رہی تھی۔ افسر نے ہچکچاہٹ دکھانے یا جلد بازی کا مظاہرہ کرنے کی بجائے نوٹ پکڑ لیا اور ماورا کا شکریہ ادا کیا۔

ماورا کزمینشنا معذرت خواہانہ انداز سے کہنے لگی "اگر نواب صاحب گھر پر ہوتے تو۔۔۔ جناب عالی! یسوع آپ کی مدد فرمائیں، خداوند آپ کو سلامت رکھے" اس نے سر جھکا کر افسر کو الوداع کہا، افسر مسکرایا اور سر ہلا کر ویران گلیوں میں تیزی سے یاؤزکی پل کی جانب بھاگنے لگا تاکہ اپنی رجمنٹ سے رابطہ کر سکے۔

مگر ماورا کزمینشنا کچھ دیر بند دروازے کے سامنے کھڑی رہی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے، وہ اپنے سر کو دائیں بائیں ہلا رہی تھی۔ اس کے دل میں اجنبی نوعمر افسر کیلئے اچانک ممتا کے شفقت بھرے جذبات ابھر آئے تھے۔

(23)

وارووارکا کی ایک نامکمل عمارت سے نشے میں دھت لوگوں کے لڑائی جھگڑے اور گانے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ اس عمارت کی نچلی منزل میں ہوٹل اور شراب خانہ بنا ہوا تھا۔ ایک تنگ اور گندے کمرے میں میزوں کے سامنے درجن بھر مزدور براجمان تھے۔ وہ نشے میں مدہوش ہو چکے تھے اور ان کے جسموں سے پسینہ بہہ رہا تھا۔ ان کی آنکھیں نیم وا تھیں اور منہ کھلے ہوئے تھے۔ وہ کوئی گانا گائے جا رہے تھے۔ ان کی آوازیں بے سری اور بے جوڑ تھیں اور یہ بات صاف ظاہر تھی کہ وہ گانے کے شوقین نہیں بلکہ صرف یہ ظاہر کرنے کیلئے گا رہے ہیں کہ انہیں اچھی طرح نشہ چڑھ چکا ہے اور وہ بےحد لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ ان میں ایک نوجوان اور طویل القامت نوجوان دیگر لوگوں کے اوپر کھڑا تھا۔ اس کے بال سنہری تھے اور وہ صاف ستھرا نیلا کوٹ پہنے ہوئے تھا۔ اگر اس کے ہونٹ باریک اور باہم ملے ہوئے نہ ہوتے تو وہ سیدھی ناک کے باعث خوبصورت قرار دیا جا سکتا تھا۔ وہ ان کے اوپر کھڑا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے اس کے ذہن پر کسی خیال نے غلبہ پا لیا ہے کیونکہ وہ نہایت سنجیدگی اور درشتی سے اپنے ایک بازو کی مدد سے تال دینے میں مصروف تھا۔ اس کے ایک بازو کی آستین کہنی تک چڑھی ہوئی تھی۔ تال دینے کے دوران وہ اپنی گندی انگلیاں غیر فطری انداز سے پھیلانے کی کوشش کرتا تھا۔ اس دوران اس کی آستین بار بار نیچے ہو جاتی تھی جسے وہ مسلسل اپنے بائیں ہاتھ سے نہایت احتیاط سے اوپر کر دیتا تھا جیسے اس کے نسوں بھرے سفید بازو کا برہنہ رہنا ضروری ہو۔ گانے کے دوران ڈیوڑھی

اور راہداری سے لڑائی جھگڑے اور چیخنے چلانے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ طویل القامت نوجوان نے اپنے بازو لہرائے۔

شور سن کر وہ تحکمانہ انداز سے چلایا "خاموش! لڑکو، باہر لڑائی ہو رہی ہے" یہ کہہ کر وہ اپنی آستین اوپر کرتا ہوا ڈیوڑھی کی طرف بڑھ گیا۔

مزدور اس کے پیچھے پیچھے باہر نکل آئے۔ یہ لوگ اس طویل القامت نوجوان کے زیر قیادت صبح سے مے نوشی میں مشغول تھے۔ انہوں نے شراب کے عوض فیکٹری سے لائی ہوئی چند کھالیں شراب خانے کے مالک کو دی تھیں۔ شراب خانے برابر میں واقع لوہار کی دکان کے چند مزدوروں نے شراب خانے میں اودھم کی آوازیں سنیں تو انہوں نے سمجھا جیسے وہاں لوٹ مار ہو رہی ہے۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ بھی زبردستی اندر داخل ہو جائیں گے اور اسی وجہ سے ڈیوڑھی میں جھگڑا ہو گیا تھا۔

شراب خانے کا مالک دروازے پر ایک لوہار سے جھگڑ رہا تھا اور جس وقت شراب خانے سے مزدور باہر آئے تو لوہار نے خود کو مالک سے چھڑا لیا مگر ساتھ ہی منہ کے بل نیچے گر گیا۔

ایک اور لوہار جست لگا کر آگے بڑھا اور اس نے شراب خانے کے مالک کو اپنے سینے سے زوردار دھکا دیا۔

طویل القامت نوجوان نے لوہار کے منہ پر مکہ مارا اور پاگلوں کی طرح چیخنا چلانا شروع کر دیا، وہ باآواز بلند کہہ رہا تھا "لڑکو، ادھر آؤ، یہ ہمارے لوگوں کو مار رہے ہیں"

اسی دوران پہلا لوہار اٹھ کھڑا ہوا، اس نے اپنے خراشوں بھرے چہرے کو چھیل دیا تاکہ خون بہے اور پھر زور زور سے شور مچانے لگا "مدد! انہوں نے مجھے مار ڈالا!۔۔۔ انہوں نے مجھے مار ڈالا! ساتھیو"

قریبی دروازے سے ایک خاتون بھاگتی ہوئی باہر آئی اور واویلا مچانے لگی "اوہ، خداوند رحم، سب کو مار ڈالا، ایک شخص قتل ہو گیا" زخمی لوہار کے گرد لوگوں کا ہجوم اکٹھا ہو گیا۔

کسی نے شراب خانے کے مالک سے کہا "تمہارا دل نہیں بھرا؟ لوگوں کے کپڑے بھی اتروا چکے ہو، اب تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا ہے، بدمعاش"

طویل القامت نوجوان سیڑھیوں پر کھڑا تھا۔ وہ نیم وا آنکھوں سے کبھی شراب خانے کے مالک اور کبھی لوہار کو دیکھنے لگتا، یوں لگتا تھا جیسے وہ سوچ رہا ہے کہ کس کے ساتھ جھگڑا کرنا مناسب رہے گا۔

اس نے اچانک چلا کر مالک کے بارے میں کہا "بدمعاش، قاتل، لڑکو اسے باندھ دو"

شراب خانے کا مالک غصے بھری آواز میں بولا "تم اور مجھے باندھو گے" جو شخص اس کی جانب بڑھے تھے، انہیں اس نے پرے دھکیلا اور تیزی سے ٹوپی اتار کر نیچے پھینک دی جیسے اس کا یہ کام کوئی پراسرار اور منحوس معنی رکھتا ہو۔ اس کے گرد گھیرا ڈالنے والے مزدور اپنی اپنی جگہ پر رک گئے۔

شراب خانے کا مالک کہنے لگا "ساتھیو! مجھے قانون کا پورا علم ہے، میں پولیس کے پاس جاؤں گا۔ تم کیا سمجھتے ہو میں ان کے پاس نہیں جاؤں گا؟ تمہیں ڈکیتیوں کی اجازت نہیں مل گئی" یہ کہتے ہوئے اس نے زمین سے اپنی ٹوپی اٹھا لی۔

اس نے اور طویل القامت نوجوان نے کہا "آؤ چلیں۔۔۔ آؤ چلیں" اور دونوں سڑک پر آگے بڑھنے لگے۔ زخمی لوہار بھی ان کے ساتھ ہو لیا اور دیگر لوگ پیچھے پیچھے آنے لگے۔ وہ سب ایک دوسرے سے گفتگو میں مصروف

تھے اور چیختے چلاتے جاتے تھے۔

مار وسیکا سڑک کے کونے پر ایک موچی کا مکان تھا جس کے دروازے بند تھے۔ باہر لگ بھگ بیس جوتا ساز کھڑے تھے۔ ان کے جسم دبلے پتلے اور کمزور تھے جبکہ چہروں پر اداسی ٹپک رہی تھی۔ انہوں نے بوسیدہ کوٹ پہنے ہوئے تھے۔

ایک کمزور مزدور دوسروں سے کہہ رہا تھا ''وہ ہمیں پورے پیسے کیوں نہیں دیتا، ہمارے جسم سے خون کا آخری قطرہ تک نچوڑ لیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس نے ہمیں ہمارا حق دیدیا ہے۔ پورا ہفتہ ہمیں لالچ دیتا رہا اور اب دھوکہ دے کر فرار ہوگیا ہے''

لوگوں کے ہجوم اور زخمی لوہار کو دیکھ کر وہ خاموش ہوگیا اور تمام جوتا ساز تجسس سے مجبور ہوکر ان لوگوں میں شامل ہوگئے۔

انہوں نے مزدوروں سے پوچھا ''آپ لوگ کہاں جارہے ہیں؟''

مزدوروں نے جواب دیا ''پولیس کے پاس، ہاں''

کسی نے کہا ''کیا ہمیں واقعی مارا پیٹا گیا ہے؟''

جواب ملا ''کیوں، تمہارا کیا خیال ہے؟ لوگوں کی باتیں سن لو''

سوال و جواب سنائی دے رہے تھے۔ شراب خانے کا مالک بڑھتے ہجوم کا فائدہ اٹھا کر پیچھے رہ گیا اور پھر واپس اپنے ہوٹل پہنچ گیا۔

طویل القامت نوجوان کو علم ہی نہ ہوسکا کہ اس کا دشمن جاچکا ہے۔ وہ اپنا ننگا بازو مسلسل لہراتا اور ہجوم کی طرف اپنی توجہ مبذول کراتا مسلسل بول رہا تھا۔ متعدد لوگ اسے گھیرے ہوئے تھے جیسے انہیں امید ہوکہ وہ ان کے ذہنوں میں ابھرنے والے سوالات کے جواب دیدے گا۔

نوجوان کہہ رہا تھا ''وہ مجھے احکامات دکھادیں، قانون سے آگاہ کردیں، یہ حکومت آخر کس لیے ہے! کیا میں ٹھیک نہیں کہہ رہا میرے مسیکی بھائیو؟ اس کے چہرے پر مدھم مسکراہٹ تھی۔

اس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا ''کیا اس کا خیال ہے کہ ان دنوں کوئی حکومت نہیں ہے؟ کیا ہم حکومت کے بغیر کچھ کرسکتے ہیں؟ اس کے بغیر تو ہمیں لوٹنے والے بہت ہوجائیں گے''

ہجوم کی ایک طرف سے کوئی بولا ''واہیات باتوں کا کیا فائدہ؟

جواب ملا ''تمہارا خیال ہے کہ وہ یونہی ماسکو چھوڑ دیں گے؟ کوئی تمہیں بیوقوف بنائے جارہا ہے اور تم اس کے پیچھے لگ گئے ہو، کیا یہاں کم فوجی ہیں؟ وہ اسے گرفتار نہیں کرلیں گے؟ حکومت کا یہی کام ہے۔ تمہارے لیے بہتر ہوگا کہ لوگوں کی باتیں دھیان سے سنو''

کٹے گورودی کی دیوار کے قریب کچھ لوگوں کا ایک چھوٹا سا گروہ کوٹ میں ملبوس ایک شخص کے گرد جمع تھا جس نے ہاتھ میں ایک کاغذ پکڑا ہوا تھا۔

ہجوم میں سے لوگوں کی آوازیں ابھریں ''حکومتی فرمان۔۔۔ وہ حکومتی فرمان پڑھ رہے ہیں'' تمام لوگ اسی گروہ کی جانب بھاگ اٹھے۔

کوٹ والا شخص 31 اگست کا خبرنامہ پڑھنے میں مصروف تھا۔ جب لوگ اس کے گرد جمع ہوئے تو وہ بوکھلاہٹ کا شکار ہوگیا مگر لمبے قد والے نوجوان کے مطالبے پر اس نے ایک مرتبہ پھر یہ خبرنامہ باآواز بلند پڑھنا شروع کردیا جو لوگوں کے رش میں راستہ بنا کر فوراً اس کے قریب پہنچ گیا تھا۔

کوٹ والے نے پڑھنا شروع کیا ''کل صبح میں ان بدمعاشوں کی بیخ کنی کیلئے فوج کو امداد پہنچانے کی غرض سے ہز ہائی نس شہزادہ (طویل القامت نوجوان نے سنجیدگی سے اس کی بات دہرائی ''ہز ہائی نس'' اس کی پیشانی پر سلوٹیں جبکہ چہرے پر مسکراہٹ تھی) سے صلاح مشورہ کرنے جارہا ہوں۔ یہ جو بدمعاش ہمارے ملک میں گھس آئے ہیں ان کا جڑ سے خاتمہ کرنے کیلئے۔۔۔'' پڑھنے والا پڑھتا چلا گیا اور پھر ٹھہر گیا (طویل القامت نوجوان نے فتح کے جذبے سے سرشار ہوکر کہا ''دیکھ لیا ناں، وہ تم پر تمام بات واضح کردینا چاہتا ہے) اس نے خواندگی جاری رکھتے ہوئے کہا ''ہم بھی ہر صورت کچھ نہ کچھ کریں گے، کھانے کے وقت تک میری واپسی ہوجائیگی اور پھر کل ہم کام میں مصروف ہوجائیں گے اور اسے مکمل کرتے ہوئے انہیں تباہ و برباد کردیں گے''

تمام لوگوں نے عبارت کے آخری الفاظ خاموشی سے سنے۔ لمبے قد والے نوجوان کے چہرے پر مایوسی کا تاثر ہویدا ہوگیا۔ یوں لگتا تھا جیسے آخری جملے کوئی نہیں سمجھ پایا اور یہ فقرہ کہ ''کھانے کے وقت تک میری واپسی ہوجائیگی'' پڑھنے والے کے ساتھ ساتھ سننے والوں کو بھی اچھا نہیں لگا تھا۔ لوگوں کی ذہنی حالت بلند ہوگئی تھی اور یہ فقرہ اسقدر آسان تھا کہ ہر شخص سمجھ سکتا تھا۔ یہ بات تو ان میں سے کوئی بھی کہہ سکتا تھا، ان کے خیال میں اعلیٰ حکام کے جاری کردہ فرمان کو ایسی باتوں سے پاک ہونا چاہئے تھا۔

تمام لوگ خاموش اور افسردہ کھڑے تھے۔ طویل القامت نوجوان نے ہونٹ ہلائے اور تھوڑا سا جھولتے ہوئے کہنے لگا ''اس سے پوچھیں!۔۔۔ کیا یہ وہی نہیں؟۔۔۔ وہ وضاحت کردے گا۔۔۔'' اچانک عقبی ہجوم سے آوازیں سنائی دینے لگیں اور ہر ایک کی توجہ پولیس سربراہ کی طرف مبذول ہوگئی جو دو گھڑ سواروں کے ساتھ اپنی گاڑی میں چوک کی طرف آرہا تھا۔

پولیس کے سربراہ نے اس صبح نواب رستوپچن کی ہدایت پر دریا میں موجود کشتیاں جلادی تھیں اور اب اس کام کے معاوضے کے طور پر ملنے والی بھاری رقم لے کر آرہا تھا۔ اس نے لوگوں کو اپنی جانب بڑھتے دیکھا تو کوچوان کو گاڑی روکنے کا حکم دیا۔

اس نے اپنی گاڑی کی طرف آنے والے سہمے ہوئے لوگوں سے پوچھا ''یہ کون ہیں؟ یہ ہجوم کیوں ہے؟''

کوٹ والا شخص کہنے لگا ''جناب عالی! یہ لوگ نواب صاحب کے اعلان پر عمل کرتے ہوئے کچھ کرنا چاہتے ہیں، یہ اپنی جانیں قربان کرنے سے بھی نہیں چوکیں گے۔ یہاں لڑائی جھگڑا نہیں ہورہا بلکہ جیسا کہ جناب نواب صاحب نے فرمایا۔۔۔''

پولیس کے سربراہ نے کہا ''نواب یہیں موجود ہیں، آپ کے بارے میں احکامات جاری کردیئے جائیں گے'' پھر اس نے کوچوان کو گاڑی آگے بڑھانے کا حکم دے دیا۔ لوگوں کا ہجوم ٹھہر گیا اور جن لوگوں نے پولیس سربراہ کی بات سنی تھی، ان کے گرد جمع ہونے لگا۔ ہر شخص گاڑی کی جانب دیکھ رہا تھا جو وہاں سے آگے جارہی تھی۔

پولیس سربراہ نے اپنے اردگرد دیکھا۔ وہ خوفزدہ ہوگیا اور اس نے کوچوان سے کوئی بات کہی جس کے جواب میں وہ تیزی سے گاڑی بھگانے لگا۔

طویل القامت نوجوان باآواز بلند بولا ''ساتھیو دھوکہ ہوگیا! آؤ ہم خود نواب کے پاس جاتے ہیں'' ہجوم سے

مختلف آوازیں ابھریں" اسے جانے مت دو، لڑکو! اسے ہمیں جواب دینا ہوگا، اسے روکو" لوگ با آواز بلند گفتگو کرتے پولیس سربراہ کے پیچھے لوبیانکا سڑک کی طرف چل دیئے۔

مختلف لوگ کہہ رہے تھے" کیوں، اعلیٰ طبقہ اور تاجر لوگ چلے گئے اور ہمیں موت کے آگے ڈال دیا گیا ہے، کیا ہم کتے ہیں؟"

(24)

نواب رستوپچن یکم ستمبر کی شام کوتوزوف سے ملاقات کے بعد ماسکو واپس چلا آیا۔ جنگی کونسل کے اجلاس میں شرکت کی دعوت نہ ملنے پر وہ بیحد غصے میں تھا۔ شہر کے دفاع کیلئے پیش کردہ اس کی تجویز نظرانداز کردی گئی تھی اور کیمپ میں اسے جونیا اور نزالاطرز فکر دکھائی دیا اس سے وہ حیران رہ گیا تھا کیونکہ یہ بات کہی گئی تھی کہ شہریوں کا سکون اور جذبہ حب الوطنی ثانوی ہونے کے ساتھ ساتھ کوئی اہمیت بھی نہیں رکھتا۔ ان باتوں سے اس کے دل کو ٹھیس پہنچی اور اس نے اپنی تذلیل محسوس کی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ماسکو واپس لوٹ آیا۔ رات کا کھانا کھانے کے بعد وہ لباس تبدیل کئے بغیر صوفے پر جالیٹا۔ رات ایک بجے اسے کوتوزوف کا خط لانیوالے پیغام رساں نے نیند سے جگادیا۔ مکتوب میں اسے کہا گیا تھا کہ فوج کی ماسکو سے دوسری جانب شاہراہ ریازان تک رہنمائی کیلئے پولیس افسر بھیجے جائیں۔ نواب رستوپچن کیلئے یہ نئی اطلاع نہیں تھی۔ اسے مختلف شواہد کی بناپر اندازہ ہوگیا تھا کہ ماسکو کا دفاع نہ کرنے کا فیصلہ ہو چکا ہے اور گزشتہ روز پوکلونی پہاڑی پر اس نے کوتوزوف سے ملاقات میں بھی یہی اندازہ لگایا تھا، اس کے علاوہ بورودینو کی جنگ کے بعد ماسکو آنیوالے تمام جرنیلوں نے متفقہ طور پر یہی کہا تھا کہ دوبارہ ڈٹ کر لڑنا ناممکن نہیں ہے اور اس کے بعد رستوپچن کی منظوری کے بعد تمام سرکاری عمارات شہر سے باہر منتقل ہوتی رہیں۔ شہر کی نصف آبادی نقل مکانی کر چکی تھی۔ علاوہ ازیں رقعے کی صورت میں کوتوزوف کے حکم کی حیثیت رکھنے والی اس مختصر اطلاع کی بدولت ایسی رات اس کی نیند خراب کی گئی جب پہلی مرتبہ اس کی آنکھ لگی تھی۔ اس صورتحال میں وہ حیران بھی ہوا اور اس پر خفگی بھی طاری ہوگئی۔

نواب رستوپچن ان دنوں میں اپنے افعال کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اس وقت وہ دو مقاصد پیش نظر رکھے ہوئے تھا یعنی "ماسکو میں امن کی بحالی" اور "شہریوں کی روانگی میں تیزی" اگر رستوپچن کے ان دونوں مقاصد کو درست مان لیا جائے تو اس کا کوئی عمل غلط محسوس نہ ہوگا۔ تاہم یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسی بات تھی تو مقدس تصاویر، اسلحہ، گولہ بارود اور خوراک کے ذخیرے شہر سے باہر کیوں نہ لے جائے گئے؟ ہزاروں شہریوں کو ماسکو کے دفاع کی غلط فہمی میں کیوں مبتلا رکھا گیا؟ کیا اس طرح وہ تباہی کا شکار نہ ہوگئے تھے؟ نواب رستوپچن کہتا ہے کہ "ایسا سب کچھ ماسکو میں امن برقرار رکھنے کے لئے کیا گیا" اگر ایسی بات تھی تو پھر سرکاری دفاتر سے لاتعداد بیکار دستاویزات، لی پچ کا غبارہ اور دیگر اشیاء کیوں باہر منتقل کردی گئیں۔ نواب رستوپچن اس کا جواب یوں دیتا ہے "ایسا اس لئے کیا گیا کہ شہر میں کوئی شے باقی نہ رہ جائے" انسان یہ بات فرض کرلے کہ امن کو خطرہ ہے تو پھر ہر کام جائز قرار پائے گا۔

دہشت گردی کی تمام تر خوفناک کارروائیاں بھی امن عامہ کے نام پر کی گئی تھیں۔

تو پھر 1812ء میں ماسکو کے امن سے متعلق نواب رستوپچن کے خدشات کی بنیاد کیا تھی؟ یہ بات کیوں فرض کرلی گئی کہ شہر میں بغاوت ہوسکتی ہے؟ شہری تو شہر سے باہر نکل رہے تھے اور ان کی جگہ پیچھے ہٹنے والی روسی فوج نے لے لی تھی، اس صورتحال میں بغاوت اور ہنگامہ آرائی کا خطرہ کیوں محسوس ہوا۔

دشمن کی فوج جب بھی روس کے کسی شہر میں گھسی تو کبھی یہ سننے میں نہ آیا کہ ماسکو یا ملک کی کسی اور جگہ پر بغاوت یا ہنگامہ آرائی وغیرہ ہوئی ہے۔ یکم اور دو ستمبر کو بھی ماسکو میں دس ہزار سے زائد افراد موجود تھے اور گورنر کی رہائشگاہ کے صحن میں آنیوالے اس چھوٹے سے ہجوم کے سوا کہیں کچھ نہ ہوا اور یہ واقعہ بھی اس کے اکسائے جانے پر پیش آیا۔ بورودینو کی جنگ کے بعد یہ امر واضح تھا کہ ماسکو نہیں بچایا جاسکتا اور اس وقت رستوپچن اسلحے اور خبری اشتہارات کی تقسیم کے ذریعے لوگوں کو مشتعل کرنے کی بجائے مقدس اشیاء، گولہ بارود اور رقومات شہر سے باہر منتقل کرنے کے اقدامات کرتا اور شہریوں پر واضح کردیتا کہ ماسکو دشمن کے حوالے کردیا جائے گا تو پھر یہ بات صاف ظاہر تھی کہ لوگوں کی جانب سے فتنہ وفساد کا کوئی خدشہ نہیں ہے جس سے وہ خوفزدہ تھا۔

رستوپچن جوشیلی طبیعت کا مالک اور خود اعتماد شخص تھا جو ہمیشہ اعلیٰ عہدوں پر فائز رہا تھا۔ اگرچہ اس کی حب الوطنی شک وشبے سے بالاتر ہے مگر وہ اپنی رعایا کو کبھی نہ سمجھ پایا۔ اپنے تئیں وہ روس کے دل پر حکومت کر رہا تھا اسی لئے جس دن دشمن نے سمولنسک میں قدم دھرا، اسی وقت سے وہ یہ سمجھنے لگا تھا جیسے وہ قومی جذبات کا دھارا جس طرف چاہے موڑ سکتا ہے۔ دیگر عمال حکومت کی طرح اس کا بھی یہی خیال تھا کہ ماسکو کے شہریوں کے ظاہری افعال کا وہی تعین کرتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ وہ یہ بھی سمجھنے لگ گیا تھا کہ وہ خبروں پر مشتمل اپنے اشتہارات کے ذریعے لوگوں کے ذہنی رویے تشکیل دے رہا ہے حالانکہ یہ اشتہارات ایسی گھٹیا زبان میں لکھے جاتے تھے جن کا استعمال معیوب سمجھا جاتا ہے اور لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ نجانے اعلیٰ حکام ایسی زبان کیوں استعمال کر رہے ہیں۔ رستوپچن کو عوام الناس کی قیادت کرنے والے رہنما کا شاندار کردار ادا کرنے پر ایسی خوشی ہوئی اور اسے اس کا ایسا شوق ہوگیا کہ وہ یہ بات نہ جان پایا کہ ایسی حرکات سے بچنا اور بہادری کی نمائش کے بغیر ماسکو بروقت خالی کرنا بیحد اہم ہے۔ اسے اچانک اپنے پاؤں تلے زمین نکلتی محسوس ہوئی تاہم وہ یہ نہ سمجھ سکا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ اگرچہ وہ جانتا تھا کہ اسے بالآخر کسی روز ماسکو خیرباد کہنا ہوگا مگر اسے آخری وقت تک اس کا یقین نہ آیا اور یہی وجہ تھی کہ وہ اس حوالے سے کوئی تیاری نہ کرپایا۔ شہریوں نے اس کی خواہش کے برعکس نقل مکانی اور سرکاری دفاتر کی شہر سے باہر منتقلی بھی عہدیداروں کے اصرار پر ہوئی اور رستوپچن کو بادل ناخواستہ ان کی بات ماننا پڑی۔ وہ اپنے لئے تخلیق کردہ کردار میں سرتاپا غرق تھا۔ جن لوگوں کو قدرت نے قوی تخیل بخشا ہوتا ہے ان کی طرح وہ پہلے سے جانتا تھا کہ ماسکو کا دفاع نہیں کیا جائے گا تاہم یہ بات صرف اس کے ذہن کے خفیہ گوشوں میں ہی موجود تھی اور اسے دل کی گہرائیوں سے اس کا یقین نہ تھا۔ اسی وجہ سے وہ خود کو نئی صورتحال میں درست طور سے نہ ڈھال پایا۔

اس کی محنت سے بھرپور تمام تر سرگرمیوں کا مرکز صرف یہی ایک بات تھی کہ وہ فرانسیسیوں سے اس کی ذاتی نفرت شہریوں کے دلوں میں بھی ابھر آئے اور وہ اس کی ذات پر اعتماد محسوس کرنے لگ جائیں۔

تاہم جب حالات نے درست تاریخی وسعت پائی اور فرانسیسیوں سے اظہار نفرت کے لئے زبانی دعوے ناکافی ثابت ہونے لگے اور جنگ کے ذریعے بھی اس نفرت کا اخراج ممکن نہ رہا، ماسکو کے سامنے موجود واحد سوال کے جواب کیلئے خود اعتمادی بیکار ثابت ہوئی، جب ماسکو کی تمام آبادی قومی جذبے کی منفی قوت کے اظہار کیلئے شہر چھوڑ گئی تو رستوپچن کا اپنے لئے تخلیق کردہ کردار اچانک بے معنی ہوکر رہ گیا۔ اسے اچانک یوں محسوس ہوا جیسے وہ اکیلا، کمزور اور مضحکہ خیز ہے اور اس کے پاؤں تلے زمین کھسک چکی ہے۔

جب رستوپچن کو کمانڈر انچیف کوتوزوف کا سرد مہری پر مبنی اور واجب التعمیل رقعہ دینے کیلئے جگایا گیا تو وہ اس

وقت خود کو جتنا زیادہ قصوروار ٹھہراتا اسے اپنے آپ پر اتنا ہی غصہ آتا تھا۔ جو کچھ اس کے پاس تھا اور جسے شہر سے باہر منتقل کر دینا چاہئے تھا وہ ابھی تک ماسکو میں پڑا تھا اور اب اس کی منتقلی کا کوئی امکان باقی نہ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا"اس کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے؟ معاملات کو یہاں تک کون لایا؟ میں نہیں، یقیناً نہیں، میری تمام تر تیاری مکمل تھی۔ ماسکو ہمارے ہاتھ میں تھا اور اب انہوں نے ہمارا کیا حشر کیا ہے، اوباش، غدار!" مگر اس کے ذہن میں بھی واضح نہ تھا کہ اوباش اور غدار کون تھے، تاہم وہ جو کوئی بھی تھے، وہ ان پر لعنت ملامت کرنے پر مجبور تھا کیونکہ اس کے خیال میں یہی لوگ اس فضول صورتحال کے ذمہ دار تھے جس میں وہ خود کو گھرا محسوس کر رہا تھا۔

نواب رستوپچن اس رات ماسکو کے مختلف علاقوں سے آنیوالوں کو احکامات جاری کرتا رہا۔ اس کے حواریوں نے اسے کبھی اتنا چڑچڑا اور افسردہ نہ دیکھا تھا۔

رستوپچن سے تمام رات کچھ ایسے احکامات مانگے جاتے رہے"جناب عالی! ریاستی محکمے سے کچھ لوگ ہدایات مانگنے آئے ہیں۔۔۔ سینٹ، یونیورسٹی اور فاؤنڈلنگ ہسپتال کے لوگ آئے ہیں، فلاں نے بھیجا ہے۔۔۔ وہ پوچھتے ہیں۔۔۔ فائر بریگیڈ کے بارے میں کیا حکم ہے؟ منتظم جیل خانہ جات۔۔۔ پاگل خانے کا سپرنٹنڈنٹ۔۔۔ وغیرہ وغیرہ"

ان سوالات پر وہ غصے کی حالت میں جواب جاری کرتا رہا۔ اس کے رویے سے ظاہر ہوتا تھا کہ اب اس سے حکم لینے کی ضرورت باقی نہیں رہی اور کسی نے اس کی احتیاط سے کی گئی تمام تر تیاریاں خاک میں ملا دی ہیں اور کسی نہ کسی کو اس تمام کئے کی ذمہ داری لینا ہوگی۔

رستوپچن نے ریاستی محکمے کے سوال پر کہا"اوہو، اس بیوقوف سے کہو کہ وہ اپنی جگہ پر رہ کر کاغذات کی حفاظت کرے، ٹھیک، اور تم ان فائر بریگیڈ والوں کے بارے میں کیا کہہ رہے تھے؟ ان کے پاس گھوڑے ہیں، انہیں کہو کہ وہ ولاڈیمیر دفعان ہو جائیں۔ انہیں فرانسیسیوں کیلئے نہ چھوڑا جائے"

ایک ایجوٹنٹ کہنے لگا"جناب عالی! پاگل خانے کا سپرنٹنڈنٹ آیا ہے، پوچھتا ہے کہ آپ نے کیا حکم جاری کیا ہے؟"

رستوپچن کہنے لگا"میرا حکم؟ انہیں کہو کہ سب چلے جائیں، پاگلوں کو آزاد کر دیا جائے اور انہیں شہر میں چھوڑ دیا جائے۔ اگر ہماری فوج کا کمانڈر پاگل ہو سکتا ہے تو پھر خداوندی کی بھی یہی منشا ہوگی کہ ان پاگلوں کو بھی آزاد کر دیا جائے"

جب اس سے پوچھا گیا کہ جیل کے سزا یافتہ قیدیوں کا کیا کرنا ہوگا تو وہ چلا کر وارڈن سے بولا"تم کیا سمجھتے ہو کہ میں تمہاری حفاظت کیلئے فوج مہیا کر دوں گا۔۔۔ فوج کہاں ہے؟ ان سب کو چھوڑ دو

وارڈن کہنے لگا"جناب عالی! ان میں سے کچھ سیاسی قیدی بھی ہیں مثلاً میشکوف، ویریشچاگن وغیرہ وغیرہ"

رستوپچن نے باآواز بلند کہا"ویریشچاگن! کیا اسے ابھی تک پھانسی نہیں دی گئی؟ اسے میرے سامنے پیش کیا جائے"

(25)

صبح ہوئی اور فوج شہر سے گزرنے لگی۔ نواب سے ہدایات لینے والے شہری بھی نو بجے تک اپنے ارادوں سے دستبردار ہو گئے۔ جو لوگ شہر سے باہر جا سکتے تھے انہوں نے اپنی مرضی سے نقل مکانی شروع کر دی اور جنہوں نے وہیں ٹھہرنا تھا وہ یہ سوچ رہے تھے کہ اب انہیں کیا کرنا ہوگا۔

نواب رستوپچن نے اپنی گاڑی تیار کرنے کا حکم دیا۔ وہ سوکولنکی جانا چاہتا تھا۔ اس وقت وہ اپنے کمرے میں ہاتھ باندھے فارغ بیٹھا تھا اور اس کا چہرہ زرد تھا۔

زمانہ امن میں ہر حکومتی عہدیدار یہی سمجھتا ہے کہ اس کے زیر قیادت معاشرے کا نظام اسی کی کوششوں سے چل رہا ہے۔ اس کی محنت اور کوشش کا صلہ یہی احساس ہوتا ہے کہ اس کی ذات بے مثال اور بے عیب ہے۔ جب تک تاریخ کا سمندر پرسکون رہتا ہے، اس وقت تک یہ شخص اپنی کمزور کشتی شہریوں کے جہاز سے جوڑ کر آگے بڑھتا رہتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ وہ جس جہاز سے چمٹا ہوا ہے وہ اسی کی کوششوں سے آگے بڑھ رہا ہے مگر جب طوفان آتا ہے اور عظیم جہاز کو ہچکولے لگتے ہیں تو پھر ایسی خام خیالی ہوا ہو جاتی ہے۔ جہاز اپنی زبردست اور آزاد قوت کے بل بوتے پر آگے بڑھ جاتا ہے اور کشتی کو جس رسے کے ذریعے جہاز سے باندھا گیا تھا وہ اس تک پہنچ ہی نہیں سکتی اور یہ شخص ہر شے کا مختار اور طاقت کا مرکز بننے کی بجائے غیر اہم، کمزور اور بیکار ہو کر رہ جاتا ہے۔

رستوپچن یہ بات سمجھتا تھا اور اسی وجہ سے غصے میں تھا۔ اسی دوران ایجوٹنٹ اسے یہ بتانے آیا کہ گاڑی تیار ہو چکی ہے۔ پولیس کا سربراہ بھی رستوپچن کے پاس پہنچ گیا جسے ہجوم نے راہ میں روک لیا تھا، دونوں کے چہروں پر وحشت برس رہی تھی اور پولیس سربراہ نے نواب کو اس کے احکامات کی تکمیل کی بابت بتلانے کے بعد یہ اطلاع بھی دی کہ اس کے صحن میں لوگوں کا ہجوم جمع ہو گیا ہے اور لوگ اس سے ملاقات کے خواہشمند ہیں۔

رستوپچن خاموشی سے اٹھ کھڑا ہوا اور تیزی سے اپنے شاندار ڈرائنگ روم سے گزر کر بالکونی تک پہنچ گیا اور چٹخنی کھول دی۔ پھر وہ کھڑکی کی جانب بڑھا جہاں سے اسے ہجوم زیادہ بہتر طور سے دکھائی دے رہا تھا۔ طویل القامت نوجوان سب سے آگے کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی تھی اور وہ بازو لہرا لہرا کر باتوں میں مشغول تھا۔ زخمی لوہار افسردہ چہرہ لئے اس کے قریب کھڑا تھا۔ بند دریچوں سے آوازوں کا شور سنائی دینے لگا۔

رستوپچن نے کھڑکی سے پیچھے ہٹتے ہوئے اپنے ایجوٹنٹ سے پوچھا"کیا گاڑی تیار ہے؟"

ایجوٹنٹ نے جواب دیا"جی حضور عالی!"

رستوپچن دوبارہ بالکونی کے قریب دروازے پر چلا گیا۔

اس نے پولیس کے سربراہ سے پوچھا"مگر یہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟"

پولیس سربراہ نے جواب دیا"جناب عالی! وہ کہتے ہیں کہ وہ آپ کا حکم ماننے اور فرانسیسیوں سے لڑنے کو تیار ہیں، اس کے ساتھ ساتھ وہ غداری کے حوالے سے بھی نعرہ بازی کر رہے تھے تاہم جناب عالی یہ بپھرا ہوا ہجوم ہے، میں نے ان سے بمشکل جان چھڑائی تھی۔ جناب عالی! اگر اجازت دیں تو کچھ کہوں۔۔۔"

نواب رستوپچن غصے میں بولا"براہ مہربانی مجھے چھوڑ دیں، میں بہتر جانتا ہوں کہ کیا کرنا ہے" وہ بالکونی کے دروازے پر کھڑا ہجوم کو دیکھتا رہا۔ اس نے سوچا"انہوں نے روس کیساتھ یہ کچھ کیا، انہوں نے مجھ سے یہ کیا" اس کیلئے اپنے غصے پر قابو پانا ممکن نہ رہا۔ یہ غصہ کسی ایسے شخص کیخلاف تھا جسے اس تمام صورتحال کا ذمہ دار ٹھہرایا جا سکتا تھا۔ غصیلے مزاج کے حامل لوگوں کی طرح اسے بھی قربانی کے بکرے کی تلاش تھی۔ وہ اپنے غصے کی آگ میں خود ہی جل رہا تھا۔ اس نے سوچا"یہ ہیں کمینے لوگ، معاشرے کا نچلا طبقہ" اس نے لوگوں کی جانب دیکھا اور سوچا"انہیں قربانی کا بکرا چاہئے"

اس نے طویل القامت شخص پر نظر ڈالی، یہ خیال اس لئے بھی اس کے ذہن میں در آیا کیونکہ وہ اپنا غصہ اتارنے کیلئے خود بھی قربانی کا کوئی بکرا ڈھونڈنے میں مصروف تھا۔

اس نے دوبارہ پوچھا "کیا گاڑی تیار ہے"

ایکوٹنٹ بولا "جی حضور عالی! ویرشچاگن کے بارے میں کیا حکم ہے، وہ ڈیوڑھی میں ہے"

اس کی بات سن کر رستوپچن کے منہ سے نکلا "آہا!" جیسے اسے اچانک کوئی بات یاد آ گئی ہو۔

پھر اس نے بعجلت دروازہ کھولا اور پرعزم انداز سے بالکونی میں چلا آیا۔ گفتگو کا شور اچانک ختم گیا اور لوگوں نے اپنی ٹوپیاں اتار کر اس کی جانب دیکھنا شروع کر دیا۔

نواب نے بلند آواز میں کہا "کیسے ہو لڑکو! آپ کے آنے کا شکریہ۔ میں آپ کی طرف ہی آتا ہوں، پہلے ایک مجرم سے نمٹ لیا جائے۔ ہمیں اس اوباش کو سزا دینا ہوگی جو ماسکو کی تباہی کا ذمہ دار ہے، میرا انتظار کریں"

نواب نے دروازہ بند کیا اور پہلے کی طرح تیزی سے چلتا اپنے کمرے میں واپس آ گیا۔

لوگوں کے ہجوم میں اطمینان اور پسندیدگی کے طور پر مدھم لہجے میں باتیں ہونے لگیں۔

چند لوگ کہہ رہے تھے "دیکھو، وہ ان تمام بدمعاشوں کا قلع قمع کر دیگا، اور تم فرانسیسیوں کی بات کرتے ہو۔۔۔ وہ سب اچھا برا ہمارے سامنے لے آئے گا" ان لوگوں کا انداز ایسا تھا جیسے وہ اعتبار نہ کرنے پر ایک دوسرے کی مذمت کر رہے ہوں۔

کچھ دیر بعد ایک افسر تیزی سے باہر نکلا اور اس کے حکم پر گھڑسواروں نے صفیں بنا لیں۔ لوگوں کا ہجوم بالکونی سے پیچھے ہٹ گیا اور ڈیوڑھی کی طرف بڑھا۔ رستوپچن غصے میں تیز تیز قدم اٹھاتا ڈیوڑھی کی جانب چلا آ رہا تھا۔ وہ اردگرد یوں دیکھ رہا تھا جیسے کسی کو تلاش کر رہا ہو۔

اس نے غصے میں پوچھا "وہ کہاں ہے؟" ابھی اس کے منہ سے الفاظ برآمد ہوئے ہی تھے کہ اس کی نگاہیں ایک نوجوان پر پڑیں جسے دو گھڑسواروں کے درمیان مکان کے کونے میں لایا جا چکا تھا۔ اس کی گردن دبلی پتلی تھی اور آدھے مونڈے سر پر چھوٹے چھوٹے بال دکھائی دے رہے تھے۔ وہ بوسیدہ نیلا کوٹ پہنے ہوئے تھا جس کے اندر لومڑی کی کھال کا استر لگا تھا جو کبھی بیحد شاندار رہا ہوگا۔ اس کی گندی مندی پتلون موٹے کپڑے سے بنی تھی جو عموماً سزا یافتہ قیدیوں کو پہنائی جاتی ہے۔ اس نے یہ پتلون اپنے گھسے ہوئے جوتوں میں اڑسی ہوئی تھی۔ اس کی کمزور ٹانگوں میں بھاری بیڑیاں تھیں جن کے باعث وہ با آسانی قدم نہیں اٹھا سکتا تھا اور ڈگمگاتا چلا آ رہا تھا۔

رستوپچن نے عجلت سے اپنی نگاہیں نوجوان کے چہرے سے ہٹائیں اور ڈیوڑھی کی سیڑھیوں کے نچلے حصے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگا "اسے وہاں کھڑا کر دیا جائے"

نوجوان کی بیڑیاں جھنجھنائیں اور نوجوان بمشکل مخصوص جگہ کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے اپنی لمبوتری گردن دو بار دائیں بائیں گھمائی اور ایک انگلی سے کوٹ کا تنگ کالر سیدھا کیا جو اس کی گردن کو چھیلے دیتا تھا۔ پھر اس نے گہری سانس لے کر ہاتھوں سے یوں اشارہ کیا جیسے اپنی قسمت پر صبر و شکر کر رہا ہو۔ اس کے ہاتھ نرم و نازک تھے اور انہیں مزدوروں جیسے ہاتھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھ پیٹ پر باندھ لئے اور کھڑا ہو گیا۔

جب وہ سیڑھیوں پر مخصوص جگہ پر کھڑا ہونے کی کوشش کر رہا تھا تو مکمل خاموشی چھائی رہی۔ ہجوم کے عقبی حصے سے کراہنے اور غرانے کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں جہاں لوگ آگے آنے کیلئے ایک دوسرے کو ہٹانے کی کوشش کر رہے

تھے۔

رستوپچن غصے کے عالم میں اپنا چہرہ ہاتھوں سے مسل رہا تھا اور اسے نوجوان کے سیڑھیوں تک پہنچنے کا انتظار تھا۔

اس نے کاٹ دار آواز میں ہجوم سے کہا "لڑکو! یہ شخص، ویرشچاگن ہی وہ بدمعاش ہے جو ماسکو کی تباہی کا ذمہ دار ہے"

بوسیدہ کوٹ میں ملبوس نوجوان سعادتمندانہ انداز سے سر جھکائے کھڑا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھ ایک دوسرے کے اوپر پیٹ پر باندھ رکھے تھے اور جسم قدرے نیچے جھکا ہوا تھا۔ اس کے کمزور اور فاقہ زدہ چہرے پر یاس کی کیفیت طاری تھی اور نصف منڈے سر نے اس کی شکل میں بگاڑ دی تھی جو نیچے جھکا ہوا تھا۔ نواب کے ابتدائی الفاظ پر اس نے اپنا سر آہستہ آہستہ اوپر اٹھایا جیسے کچھ کہنے کا خواہشمند ہو یا کم از کم اس سے نگاہیں چار کرنا چاہتا ہو مگر رستوپچن نے اس کی طرف نہ دیکھا۔ نوجوان کی گردن پر ایک نیلی رگ ابھری اور رسی کی طرح دکھائی دینے لگی، اس کا چہرہ اچانک سرخ ہو گیا۔

تمام لوگوں کی نگاہیں اسی پر مرکوز تھیں۔ اس نے ہجوم پر نظر ڈالی اور یوں لگا جیسے ان کے چہروں کے تاثرات دیکھ کر اس کی ہمت بندھ گئی ہو۔ وہ جھجکتے ہوئے اداس انداز میں مسکرایا اور اپنا سر دوبارہ نیچے جھکا لیا، وہ اپنا اضطراب چھپانے کیلئے سیڑھیوں پر پاؤں گھسیٹ رہا تھا۔

رستوپچن نے تیز مگر پرسکون انداز میں کہا "یہ غدار ہے، اس نے اپنے زار اور وطن سے غداری کی، یہ بونا پارٹ کا ساتھی ہے اور تمام روسیوں میں یہ واحد شخص ہے جس نے روس کا نام بدنام کیا اور صرف اسی کی وجہ سے روس تباہی سے دوچار ہوا ہے" یہ کہتے ہوئے اس نے ویرشچاگن پر اچانک سرسری نگاہ ڈالی جو پہلے کی طرح عاجزانہ انداز سے کھڑا تھا۔ اسے دیکھتے ہی رستوپچن کی کیفیت کچھ یوں ہو گئی جیسے پاگل پن کا دورہ پڑ گیا ہو۔ اس نے اپنا بازو لہرایا اور چیختے ہوئے کہنے لگا:

"آپ اس سے جو مناسب سمجھیں وہی سلوک کریں! میں اسے آپ کے حوالے کرتا ہوں"

لوگ خاموش تھے، صرف ایک دوسرے کو دھکے دینے اور قریب تر ہونے کی کوششیں جاری تھیں۔ دھکے ناقابل برداشت ہوتے جا رہے تھے۔ اس گھٹن زدہ فضا میں سانس لینا، حرکت کرنا اور اس دوران کسی انجانی اور غیر واضح شے کے وقوع پذیر ہونے کی توقع رکھنا نہایت اذیت ناک ہوتا چلا جا رہا تھا۔ سب سے آگے کھڑے لوگ جنہوں نے سب کچھ دیکھا اور سنا تھا حیرت کے عالم میں خاموش کھڑے تھے۔ وہ اپنے عقب سے پڑنے والا دباؤ روکنے اور اپنی جگہوں پر ڈٹ کر کھڑا رہنے کی بھرپور کوشش کر رہے تھے۔

رستوپچن چلا کر بولا "اسے پیٹو!۔۔۔ اسے ختم کر دو تاکہ یہ روس کو بدنام نہ کر سکے، اس کے ٹکڑے کر دو، یہ میرا حکم ہے" لوگوں کے ہجوم نے رستوپچن کے الفاظ پر توجہ دینے کی بجائے اس کے غصیلے لہجے پر دھیان دیا، ہجوم کراہتے ہوئے آگے بڑھا اور پھر ٹھہر گیا۔

عارضی خاموشی کو ویرشچاگن کی گھبرائی ہوئی آواز نے توڑا۔ اس نے کہا "نواب!۔۔۔ ہمارے اوپر ایک خدا بھی ہے۔۔۔" اس نے سر اٹھایا اور دبلی پتلی گردن پر ایک مرتبہ پھر موٹی رگ ابھر آئی اس کے چہرے پر مختلف رنگ تیزی سے آنے جانے لگے۔ وہ اپنی بات مکمل نہ کر سکا۔

رستوپچن نے بلند آواز میں کہا "اس کے ٹکڑے کر دو، یہ میرا حکم ہے" اچانک اس کا چہرہ بھی ویرشچاگن کی

طرح زرد پڑ گیا۔

گھڑ سوار افسر نے اپنی تلوار لہرائی اور بولا "تلواریں نکال لی جائیں"

لوگوں نے ایک مرتبہ پھر دھکے دینا شروع کر دیئے۔ نتیجتاً سامنے کھڑے لوگ یہ دھکم پیل برداشت نہ کر پائے اور لڑکھڑاتے ہوئے خود بخود آگے بڑھنا شروع ہو گئے یہاں تک کہ وہ ڈیوڑھی کی سیڑھیوں کے بالکل قریب جا پہنچے۔ طویل القامت نوجوان اپنا پتھریلا چہرہ لئے بازو اٹھا کر ویرشچاگن کے قریب کھڑا تھا۔ گھڑ سوار افسر بولا "اس پر پل پڑو!" ایک فوجی نے اپنی تلوار کے کند سرے سے ویرشچاگن کے سر پر ضرب لگائی۔ اس فوجی کا چہرہ غصے میں مسخ ہو گیا تھا۔

حیرانگی کے عالم میں ویرشچاگن کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی اور وہ خوف کے مارے یوں ادھر ادھر دیکھنے لگا جیسے سمجھ نہ آ رہی ہو کہ اس کے ساتھ یہ سلوک کیوں کیا جا رہا ہے۔ لوگوں کے ہجوم میں بھی حیرت بھری ایسی ہی آہ گردش کر گئی۔

کسی نے غمزدہ آواز میں کہا "اوہ خدایا!" ویرشچاگن کے منہ سے حیرت بھری چیخ کے بعد درد کے مارے ایک اور بلند چیخ برآمد ہوئی اور یہی اسے لے بیٹھی۔ ہجوم میں راہ میں رکاوٹ بنے انسانی جذبات پر اسقدر دباؤ پڑا کہ وہ اسے برداشت نہ کر سکے۔ جب ایک مرتبہ جرم کی شروعات ہو گئی تو پھر اسے ہر صورت پایہ تکمیل تک پہنچنا تھا۔ لعنت و ملامت بھری دلدوز کراہیں لوگوں نے پاگلوں جیسے شور شرابے میں دب کر رہ گئیں۔ آخری طوفانی لہر کی طرح ہجوم کے عقب سے جو آخری اور خوفناک لہر ابھری اس نے ہر ایک کو لپیٹ میں لے لیا۔ گھڑ سوار ایک اور ضرب لگانا چاہتا تھا کہ ویرشچاگن خوف سے چیختا چلاتا اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر لوگوں کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ اس دوران وہ طویل القامت نوجوان سے جا ٹکرایا تھا جس نے اس کی دبلی پتلی گردن ہاتھوں میں لے لی اور وحشیانہ انداز سے چیختا چلاتا جنونی ہجوم میں گر گیا۔ بعض لوگ ویرشچاگن اور کچھ طویل القامت نوجوان کو مارنا پیٹنا شروع ہو گئے۔ پاؤں تلے کچلے جانیوالے اور طویل القامت نوجوان کو بچانے کی کوشش میں مصروف لوگ چیخنا چلانا شروع ہو گئے مگر اس کا نتیجہ محض ہجوم کے پاگل پن میں مزید اضافے کی صورت میں ہی برآمد ہوا۔ گھڑ سوار خاصی دیر بعد نیم مردہ مزدور کو مشتعل ہجوم سے چھڑا پائے۔ اگرچہ یہ لوگ اپنا کام فوری مکمل کرنے کی کوشش کر رہے تھے مگر ویرشچاگن کو مکوں اور لاتوں سے مارنے اور اس کا گلا گھونٹنے کی کوشش کرنیوالوں کو اسے قتل کرنے میں خاصی دیر لگی۔ ان پر ہر طرف سے دباؤ پڑ رہا تھا جس کی تاب نہ لا کر وہ درمیان میں ڈگمگانے لگتے اور اس صورتحال میں ان کیلئے اسے ہلاک کرنا یا زندہ چھوڑنا ممکن نہ رہتا۔

چہار اطراف سے مختلف آوازیں سنائی دے رہی تھیں "اسے کلہاڑی سے مارا جائے؟۔۔۔ اس کا قیمہ بنا دو۔۔۔ غدار، اس نے یسوع کو بیچ ڈالا۔۔۔ زندہ ہے۔۔۔ ابھی زندہ ہے۔۔۔ اپنا کیا بھگت رہا ہے۔ ڈنڈا اچھالو!۔۔۔ کیا ابھی زندہ ہے؟۔۔۔"

جب زخمی نے ہاتھ پاؤں چلانا ترک کر دیئے، چیخ و پکار بند ہو گئی اور اس کے حلق سے موت کی نپی تلی طویل آواز برآمد ہونے لگی تو لوگ منہ کے بل پڑی لاش سے دور ہٹنے لگے۔ باری باری ہر شخص اس کے قریب جاتا، صورتحال کا مشاہدہ کرتا اور خوف و دہشت کے عالم میں لعنت ملامت کرتا واپس آ جاتا۔

ہجوم میں لوگ ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے "اوہ خدایا، لوگ تو درندوں جیسے ہیں، وہ کیسے زندہ بچ سکتا تھا، ابھی نوجوان ہی تھا۔۔۔ ضرور کسی تاجر کا بیٹا ہوگا، یقیناً، اور لوگ کہتے ہیں کہ اصل آدمی یہ نہیں تھا۔۔۔ اصل آدمی نہیں تھا؟۔۔۔ اوہ خداوند!۔۔۔ انہوں نے دوسرے شخص کو بھی ادھ موا کر دیا، کہتے ہیں کہ وہ بھی تقریباً مر ہی گیا ہے۔۔۔

اوہ، کیسے لوگ ہیں۔۔۔ گناہوں سے بھی نہیں ڈرتے۔۔۔" وہ لوگ اب افسوس کا اظہار کر رہے تھے اور اپنے سامنے پڑی لاش پر ترس کھا رہے تھے جس کی دبلی پتلی گردن اور کٹا پھٹا خون آلود نیلا چہرہ خاک میں لتھڑا ہوا تھا۔

ایک فرض شناس پولیس افسر نے سوچا کہ جناب عالی کے صحن میں لاش کی موجودگی نامناسب ہے، گھڑ سواروں کو حکم دیا کہ وہ لاش گھسیٹ کر گلی میں لے جائیں۔ دو گھڑ سواروں نے زخمی اور شکستہ ٹانگیں پکڑیں اور لاش گھسیٹ کر باہر لے جانے لگے۔ لمبی گردن پر خون دکھائی دے رہا تھا اور نیم منڈا سر گھسیٹے جانے کے باعث دائیں بائیں ہو رہا تھا۔ یہ منظر دیکھ کر لوگ پیچھے ہٹنا شروع ہو گئے۔

جب ویرشچاگن نیچے گرا اور لوگ چیختے چلاتے ہوئے اس پر ٹوٹ پڑے تو رستوپچن کا رنگ اچانک سفید پڑ گیا۔ وہ عقبی دروازے پر کھڑی اپنی گاڑی کی طرف جانے کی بجائے نچلی منزل کے کمروں کی طرف جانیوالی راہداری میں چل دیا۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا اور وہ خود بھی نہیں جانتا تھا کہ وہ کہاں اور کیوں جا رہا ہے۔ اس کا چہرہ پیلا پڑ چکا تھا اور نچلا جبڑا بے چینی کے عالم میں جس طرح کانپ رہا تھا اس پر قابو پانا ممکن نہ تھا۔

پیچھے سے ایک خوفزدہ اور کپکپاتی آواز سنائی دی "جناب عالی! اس جانب۔۔۔ آپ کہاں جا رہے ہیں؟۔۔۔ اس طرف" نواب رستوپچن میں جواب دینے کی ہمت نہ تھی۔ اس کی گاڑی عقبی دروازے کے قریب کھڑی تھی۔ دور سے ہجوم کی چیخ و پکار بھی سنائی دے رہی تھی۔ وہ جلدی سے گاڑی میں بیٹھ گیا اور کوچوان کو حکم دیا کہ وہ اسے سوکولنکی میں واقع رہائشگاہ پر پہنچا دے۔ جب وہ میسنتسکی شاہراہ پر پہنچے تو نواب پشیمان ہو گیا۔ اسے ماتحت عملے کے سامنے اپنی گھبراہٹ یاد آ گئی اور وہ اس پر عدم اطمینان محسوس کرنے لگا۔ اس نے سوچا "لوگ بیحد خوفناک اور قابل نفرین ہیں، بھیڑیوں کی طرح یہ بھی صرف گوشت سے خوش ہوتے ہیں" اس کے کانوں میں اچانک ویرشچاگن کے الفاظ گونجنے لگے "نواب! ہمارے اوپر ایک خدا بھی ہے" اسے جھرجھری آ گئی اور طبیعت خراب ہونے لگی۔ تاہم یہ عارضی کیفیت تھی اور نواب رستوپچن نفرت انگیز انداز میں مسکرا دیا۔ وہ سوچ رہا تھا "مجھے دیگر ذمہ داریاں بھی انجام دینا تھیں۔ لوگوں کو مطمئن کرنا تھا۔ فلاح عامہ کیلئے لاتعداد اشخاص ختم ہو چکے ہیں اور ہو رہے ہیں" پھر وہ ان سماجی فرائض کے بارے میں سوچنے لگا جو اس کے خاندان، اپنی ذات اور اپنی تحویل میں دیئے گئے شہر کی طرف سے اس پر عائد ہوتے تھے۔ جب اس نے اپنے بارے میں سوچا تو خود کو فیودور وسلیوچ رستوپچن کی بجائے ماسکو کا گورنر اور اعلیٰ حکمران کا نمائندہ سمجھا جسے زار نے مکمل اختیارات سونپ رکھے تھے۔ وہ سوچ رہا تھا "اگر میں صرف فیودور وسلیوچ ہوتا تو میرا طرز عمل کچھ اور ہوتا مگر گورنر کی حیثیت سے اپنی زندگی اور عزت کا تحفظ میرا فرض تھا"

جب مشتعل ہجوم کی چیخ و پکار کانوں میں گونجنا بند ہو گئی تو رستوپچن اپنی گاڑی میں آہستگی سے جھولتے ہوئے پرسکون ہو گیا اور جیسا کہ ہمیشہ ہوتا ہے جسمانی اطمینان ذہن کو ایسے عقلی دلائل تلاش کرنے پر اکساتا ہے جو ضمیر کو بھی مطمئن کر سکیں۔ رستوپچن کو جس خیال سے اطمینان حاصل ہوا وہ نیا نہیں تھا۔ جس دن سے دنیا وجود میں آئی ہے اور انسانوں نے ایک دوسرے کے قتل کا آغاز کیا ہے اور جو شخص بھی ایسے جرائم میں ملوث رہا ہے اس نے ہمیشہ اسی خیال میں پناہ حاصل کی اور وہ خیال یہ ہوتا کہ "میں یہ سب کچھ فلاح عامہ کیلئے کر رہا ہوں"

جو شخص جذبات کے دھارے میں بہہ کر کوئی اقدام نہیں کرتا وہ کبھی نہیں جان پاتا کہ یہ بھلائی کیا ہے مگر جرم کرنیوالے شخص کو ہمیشہ مکمل یقین ہوتا ہے کہ بھلائی کہاں ہے اور رستوپچن کو اب اس کا علم ہو چکا تھا۔

اس نے جو کام کیا تھا اس کے بارے میں سوچ وبچار کے دوران اپنے آپ کو لعنت ملامت کرنے کی بجائے

وہ دلی اطمینان محسوس کر رہا تھا۔ وہ مطمئن تھا کہ اس نے مجرم کو سزا دینے اور لوگوں کے جذبات ٹھنڈے کرنے میں کامیابی حاصل کی۔

رستوپچن نے سوچا "ورشچاگن پر مقدمہ چلایا گیا تھا اور اسے سزائے موت سنائی گئی تھی" (حالانکہ سینٹ نے اسے صرف کڑی مشقت کی سزا دی تھی) اس کے خیال میں وہ دشمن کا مخبر اور غدار تھا اور سزا ملنے تک میں اسے نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ اس نے اپنے تئیں ایک کام سے دو مقاصد حاصل کر لئے تھے یعنی "مشتعل ہجوم کو مجرم دے کر ٹھنڈا کر دیا اور فسادی کو اس کے جرم کی سزا دلوا دی"

مضافاتی رہائشگاہ پر پہنچ کر رستوپچن مطمئن انداز سے گھریلو کاموں میں مشغول ہو گیا۔

نصف گھنٹے بعد وہ سوکولنکی کے میدان میں اپنی گاڑی پر تیزی سے آگے جا رہا تھا۔ اب اس کا ذہن گزشتہ واقعے کے بارے میں سوچنے کی بجائے مستقبل اور آئندہ پیش آنیوالے واقعات پر غور کر رہا تھا۔ وہ یوزکی پل کی جانب جا رہا تھا، اس نے سنا تھا کہ کوتوزوف وہیں موجود ہوگا۔ نواب رستوپچن اپنے ذہن میں ان تلخ اور طنزیہ باتوں کو دہرا رہا تھا جو اس نے کوتوزوف سے کہنا تھیں کیونکہ اس نے اسے دھوکہ دیا تھا۔ رستوپچن نے سوچا "میں اس مکار بوڑھے کو باور کرادوں گا کہ دارالحکومت کو اس کے حال پر چھوڑنے سے جو مصیبت نازل ہوگی اور روس کو جس مکمل تباہ کا سامنا ہوگا اس کی تمام تر ذمہ داری تمہارے کندھوں پر ہوگی" کوتوزوف سے کہنے والی باتیں پہلے سے سوچتے ہوئے وہ اسقدر جذباتی ہو گیا کہ غصیلی نگاہوں سے چاروں جانب دیکھنے لگا۔

سوکولنکی میدان پر گہرا سکوت طاری تھا۔ ایک کونے میں محتاج خانہ اور پاگل خانے کے سامنے سفید لباس پہلے لوگوں کے گروہ دکھائی دے رہے تھے جبکہ ان جیسے چند دیگر لوگ شور مچاتے اور بازو لہراتے بلا مقصد ادھر ادھر گھوم پھر رہے تھے۔

ایک شخص اس سڑک کی جانب بھاگا چلا آ رہا تھا جس پر نواب رستوپچن کی گاڑی چلی جا رہی تھی۔ نواب، اس کا کوچوان اور محافظ کھلے چھوڑ دیئے جانیوالے ان پاگلوں خصوصاً اپنی جانب بھاگے آنیوالے کو تشویش اور تجسس بھری نگاہوں سے دیکھنے لگے۔

وہ شخص اپنی دبلی پتلی اور لمبی ٹانگوں کی بھرپور قوت سے دوڑتا اور لباس پھڑ پھڑاتا رستوپچن پر نگاہیں جمائے آ رہا تھا۔ وہ کرخت آواز میں چلا کر اسے رکنے کا اشارہ کر رہا تھا۔ پاگل کے زرد سنجیدہ چہرے پر وحشت برس رہی تھی اور اس پر داڑھی کے اونچے نیچے بالوں کے گچھے تھے۔ اس کی سیاہ آنکھوں کی سفیدی نارنجی ہو گئی تھی اور وہ انہیں پاگلوں کے انداز میں گھما رہا تھا۔

پاگل نے بلند آواز سے کہا "ٹھہر جاؤ" وہ ایک مرتبہ پھر بازوؤں سے تاکیدی انداز میں اشارے کرنے لگا۔

اس کا سانس پھول رہا تھا۔

پاگل گاڑی کے قریب پہنچ کر اس کے ساتھ ساتھ بھاگنے لگا۔

وہ کہہ رہا تھا "انہوں نے مجھے تین مرتبہ قتل کیا اور میں تینوں مرتبہ مردوں کے بیچ سے بھاگ آیا۔ انہوں نے مجھے پتھر مارے، صلیب پر لٹکایا۔۔۔ میں دوبارہ زندہ ہو جاؤں گا۔۔۔ میں دوبارہ زندہ ہو جاؤں گا۔ انہوں نے میرا جسم ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ مقدس سلطنت تباہ و برباد ہو جائے گی۔۔۔ میں اسے تین مرتبہ تباہ کروں گا اور تین مرتبہ دوبارہ تعمیر کروں گا" وہ چلا کر بول رہا تھا اور اس کی آواز میں مزید سختی آتی جا رہی تھی۔ اچانک نواب رستوپچن کا چہرہ اسی طرح

سفید پڑ گیا جیسے ہجوم کے ورشچاگن پر ٹوٹ پڑنے کے وقت ہوا تھا۔ اس نے رخ پھیر لیا اور کوچوان سے لڑکھڑاتی آواز میں کہا "تیز چلو۔۔۔ اور تیز"

گھوڑا گاڑی میدان میں تیزی سے دوڑنے لگی مگر نواب رستوپچن کو دور سے پاگل کی چیخیں سنائی دیتی رہیں۔ اس کی نگاہوں کے سامنے کوٹ پہنے "غدار" کے خوفزدہ اور خون آلود چہرے کے سوا کچھ نہ تھا۔ اگرچہ اس کے ذہن میں کچھ دیر پہلے کا منظر گھوم رہا تھا مگر اب اسے یوں محسوس ہونے لگا کہ یہ تصویر اس کے دل میں اچھی طرح رچ بس چکی ہے اور وقت اس یاد کے خون آلود نشانات کبھی نہ دھو پائے گا۔ اس کی بجائے وہ جب تک زندہ رہے گا یہ یاد اس قدر ظالمانہ انداز سے اس کے دل پر اثر انداز ہوتی رہے گی۔ اس کے کانوں میں ابھی تک اپنے الفاظ گونج رہے تھے "ٹکڑے کر دو، یہ میرا حکم ہے" وہ سوچ رہا تھا "میں نے یہ بات کیوں کہی؟ یہ نجانے کیوں میرے منہ سے نکل گئی، مجھے ایسا نہیں کہنا چاہئے تھا، اگر میں نہ کہتا تو پھر کچھ بھی نہ ہوتا" اس کے ذہن میں اس گھڑسوار کی شکل در آئی جس نے ورشچاگن کے سر پر پہلی ضرب لگائی تھی۔ شروع میں وہ خوفزدہ تھا مگر بعد میں اس کا چہرہ غصیلا ہو گیا۔ اس کے ذہن میں کوٹ پہنے ورشچاگن کی خوفزدہ ملامت بھی ابھر آئی۔ اس نے سوچا "مگر میں نے سب کچھ بامر مجبوری کیا، میرے پاس اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا"

یاؤزا پل پر ابھی تک فوجیوں کا رش تھا۔ دن گرم تھا اور افسردہ کوتوزوف پل کے قریب بنچ پر بیٹھا تازیانے سے ریت پر لکیریں کھینچ رہا تھا۔ اچانک ایک شور مچاتی اور ڈگمگاتی گاڑی اس کے پاس آ کر رکی۔ جرنیل کی وردی میں ملبوس ایک شخص اپنی ٹوپی پر کلغی سجائے کوتوزوف کے پاس آیا۔ اس کی آنکھیں اضطرابی حالت میں گھوم رہی تھیں اور ان میں کبھی غصے اور کبھی خوف کی جھلک دکھائی دیتی تھی۔ اس شخص نے فرانسیسی میں کوتوزوف سے کچھ کہا۔ یہ نواب رستوپچن تھا۔ اس نے کوتوزوف کو بتایا کہ دارالحکومت ختم ہو چکا ہے اور وہاں فوج کے سوا کچھ باقی نہیں رہا۔ وہ کہنے لگا "اگر جناب عالی! نے مجھے اس بات کا یقین نہ دلایا ہوتا کہ آپ لڑے بغیر ماسکو نہیں چھوڑیں گے تو حالات کچھ اور ہوتے اور یہ سب کچھ رونما نہ ہوتا"

کوتوزوف نے رستوپچن کی جانب یوں دیکھا اس کی بات نہ سمجھ پایا ہو اور وہ خاص مفہوم سمجھنے کی کوشش میں مصروف ہو جو اس کے چہرے پر لکھا دکھائی دے رہا تھا۔ رستوپچن کا ذہن الجھ کر رہ گیا اور وہ مزید کچھ نہ بولا۔ کوتوزوف کی تجسس سے بھرپور نگاہیں ابھی تک رستوپچن پر جمی تھیں۔ اس نے سر ہلایا اور ملائمت سے کہا:

"ہاں، میں جنگ کے بغیر ماسکو ان کے حوالے نہیں کروں گا"

جب کوتوزوف نے یہ بات کہی تو کیا وہ کسی اور شے کے بارے میں سوچ رہا تھا یا ان کی عدم معنویت سے آگاہ ہوتے ہوئے اس نے یہ الفاظ جان بوجھ کر ادا کئے۔ تاہم رستوپچن خاموش رہا اور جلدی سے پیچھے ہٹ گیا۔ اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہوئی کہ ماسکو کے گورنر نواب رستوپچن نے قازقوں والا تازیانہ اٹھایا اور پل پر جا کر راستے میں کھڑی گاڑیوں کے مابین چیختے چلاتے ہوئے اپنی گاڑی ہانکنا شروع کر دی۔

(26)

سہ پہر چار بجے مورات کے دستے ماسکو میں داخل ہونا شروع ہو گئے۔ ورٹمبرگ کے ہوزار سب سے آگے تھے۔ نیپلز کا بادشاہ خود ان کے پیچھے پیچھے چلا آ رہا تھا اور اس کے ساتھ ایجوٹنوں کا جم غفیر دیکھا جا سکتا تھا۔

موراٹ آرباتی چوک کے قریب ٹھہر گیا جو گولایا ڈلینی کے قریب تھا اور وہاں رک کر پہلے دستوں کی کریملن کے بارے میں اطلاعات کا انتظار کرنے لگا۔

شہریوں کا ایک مختصر گروہ موراٹ کے گرد جمع ہوگیا۔ وہ طلائی تمغوں اور پروں سے سجے اس لمبے بالوں والے اجنبی کمانڈر کو حیرت سے شرماتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔

لوگ دھیمی آوازوں میں ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے "کیا یہ ان کا زار ہے؟ اتنا برا تو معلوم نہیں ہوتا"

ایک ترجمان نے معمر قلی سے دریافت کیا کہ کریملن زیادہ دور تو نہیں۔ یہ قلی نامانوس پولش لہجہ سن کر پریشان ہوگیا اور پھر اسے یہ اندازہ ہی نہ ہوسکا کہ ترجمان روسی زبان بول رہا ہے، چنانچہ اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا اور وہ دوسروں کے عقب میں چلا گیا۔

گھوڑے پر سوار موراٹ ترجمان کے پاس آیا اور اس سے کہا "ان سے پوچھو کہ روسی فوج کہاں ہے؟" ایک روسی جان گیا کہ ان سے کیا پوچھا جا رہا ہے اور متعدد لوگ بیک وقت جواب دینے لگے۔ اسی دوران ابتدائی دستوں کا ایک افسر گھوڑا بھگاتا موراٹ کے پاس آیا اور اسے بتایا کہ قلعے کے دروازوں میں رکاوٹیں کھڑی کردی گئی ہیں شاید وہاں فوج نے گھات لگا رکھی ہے۔

موراٹ نے کہا "ٹھیک!" پھر اس نے اپنے ایک ایجوٹنٹ کی جانب رخ کیا اور اسے حکم دیا کہ کریملن کے دروازوں پر گولہ باری کیلئے چار چھوٹی توپیں آگے بھیجی جائیں۔

موراٹ کے عقب میں فوجی کالم سے توپخانہ برآمد ہوا اور تیزی سے آرباتی کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنا شروع ہوگیا۔ توپخانے کا دستہ وسدوویز نکا گلی کے آخری سرے پر پہنچ کر رک گیا اور چوک میں صفیں ترتیب دینا شروع کردیں۔ متعدد فرانسیسی افسروں نے اپنی نگرانی میں مختلف جگہوں پر توپیں نصب کیں اور دوربینوں سے کریملن کو دیکھنا شروع کردیا۔

کریملن میں شام کی عبادت کیلئے گھنٹیاں بج رہی تھیں اور یہ آوازیں سن کر فرانسیسی الجھن کا شکار ہوگئے۔ وہ سمجھے شاید گھنٹیاں لوگوں کو اطلاع دینے کیلئے بجائی جارہی ہیں تاکہ وہ مسلح ہوجائیں۔ پیادہ فوج کے چند سپاہی کتافیو دروازے کی جانب بھاگے۔ اس کے آرپار لکڑیوں اور تختوں سے رکاوٹ بنی ہوئی تھی۔ جونہی ایک افسر اپنے چند سپاہیوں کے ساتھ دروازے کی طرف بڑھا تو پیچھے سے قدیم بندوق کی دو گولیاں داغی گئیں۔ توپوں کے قریب کھڑے ایک جرنیل نے افسر کو بلند آواز میں کوئی حکم دیا اور وہ ساتھیوں سمیت پیچھے ہٹ آیا۔

دروازے کی جانب سے تین مزید گولیاں داغی گئیں اور ایک گولی فرانسیسی فوجی ٹانگ کو چھوتی ہوئی گزر گئی۔ رکاوٹ کے عقب سے متعدد افراد کے چیخنے چلانے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ فرانسیسی جرنیل، افسروں اور سپاہیوں کے چہروں پر چھائی پرسکون شگفتگی کی جگہ انہماک نے لے لی جیسے انہیں اس کا حکم جاری کیا گیا ہو اور وہ جنگ و جدل نیز مصیبتیں برداشت کرنے کیلئے پوری طرح تیار ہوں۔ مارشل سے سپاہی تک اب یہ محض وسدوویز نکا، موخووا، کوتاف اور ٹرائسکی دروازے نہ تھے بلکہ نیا میدان جنگ تھا جہاں یقیناً شدید ترین خون خرابہ ہوسکتا تھا۔ تمام فوجی معرکہ آرائی کیلئے تیار ہوگئے۔ دروازے پر بنی رکاوٹ کے پیچھے سے شور و غل تھم گیا۔ توپوں کو آگے بڑھایا گیا۔ توپچیوں نے فتیلوں سے راکھ جھاڑی اور ایک افسر نے گولہ باری کا حکم جاری کردیا۔ ٹوٹ کر بکھر جانیوالے دو گولے یکے بعد دیگرے سنسناتے آئے اور دروازے کے پتھروں، لکڑیوں اور تختوں سے بنی رکاوٹ سے ٹکرا گئے۔ چوک پر دھوئیں کے بادل

چھانے لگے۔

پتھر سے بنے کریملن پر گولے داغے جانے کی بازگشت ختم ہوئے دو لمحے بھی نہ گزرے تھے کہ فرانسیسیوں کو اپنے اوپر عجیب و غریب آواز سنائی دی۔ بے شمار کوے دیواروں سے اڑے اور انہوں نے فضا میں دائرہ بنالیا۔ وہ اپنے پروں کو پھڑپھڑاتے ہوئے شور مچا رہے تھے۔ اسی دوران دروازے سے کسی شخص کی آواز سنائی دی اور دھوئیں میں ایک آدمی دکھائی دیا جس کا سر ننگا تھا اور اس نے لمبا دیہاتی کوٹ پہن رکھا تھا۔ اس شخص نے اپنی بندوق اٹھائی اور فرانسیسیوں کی طرف نشانہ باندھا۔ اس دوران افسر نے گولہ باری کا حکم دہرایا جس کے بعد دو توپوں اور ایک بندوق داغے جانے کی آوازیں ابھریں۔ دروازہ ایک مرتبہ پھر دھوئیں میں چھپ گیا۔

اس واقعے کے بعد دروازے کے پیچھے مزید کوئی حرکت دکھائی نہ دی اور فرانسیسی فوج کے پیادہ سپاہی اور افسر دروازے کی طرف بڑھنا شروع ہوگئے۔ دروازے میں تین زخمی اور چار ہلاک شدہ افراد پڑے تھے جبکہ دیہاتی کوٹ میں ملبوس دو افراد دیوار کے ساتھ ساتھ زنامینکا سڑک کی جانب بھاگے چلے جارہے تھے۔

افسر نے لکڑیوں اور لاشوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حکم دیا "راستہ صاف کرو" فرانسیسی سپاہیوں نے زخمیوں کو ہلاک کرنے کے بعد لاشیں دیوار کے پار پھینک دیں۔ کوئی نہیں جانتا کہ یہ لوگ کون تھے۔ ان کے بارے میں بس یہی کہا گیا "انہیں راستے سے ہٹادیا جائے" سو انہیں اٹھا کر ایک جانب پھینک ڈالا گیا مگر بعد میں پھر اٹھالیا گیا کہ کہیں لاشوں سے بدبو نہ آنے لگے۔ ان کے بارے میں تھیئر نے درحقیقت نہایت عمدہ فقرات لکھے ہیں، وہ کہتا ہے "یہ بدمعاش مقدس قلعے میں گھس آئے اور انہوں نے اسلحہ خانے سے بندوقیں اٹھا کر فرانسیسیوں پر فائرنگ شروع کردی۔ ان میں سے کچھ کو تلواروں سے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور کریملن کو ان کے وجود سے پاک کردیا گیا"

موراٹ کو اطلاع دی گئی کہ راستہ صاف ہے۔ فرانسیسی دروازوں میں داخل ہوگئے اور سینٹ ہاؤس کے چوک میں خیمے گاڑنے لگے۔ سپاہیوں نے عمارت سے کرسیاں باہر نکال پھینکیں اور آگ جلانا شروع کردی۔

دیگر دستوں نے کریملن سے گزر کر موروسیکا، لوبیانکا اور پوکروکا میں پڑاؤ ڈال دیا اور کچھ وسدوویزنکا، زنامینکا، نکولسکایا اور تویرسکایا میں خیمہ زن ہوگئے۔ چونکہ کسی گھر کا مالک نظر نہیں آتا تھا اس لئے دستور کے مطابق فوجیوں کو مکینوں کے ساتھ ٹھہرانے کی بجائے خیموں میں ہی رکھا گیا۔

اگرچہ فرانسیسی فوج کو بھوک اور تھکاوٹ نے نڈھال کردیا تھا اور وہ کمزور ہونے کے ساتھ ساتھ تعداد میں بھی کم رہ گئی تھی تاہم اس کے باوجود وہ نظم و ضبط سے ماسکو میں داخل ہوئی۔ یہ تھکی ماندی اور خستہ حال فوج تھی مگر اس کا جارحانہ رویہ بدستور برقرار تھا۔ یہ اب بھی معرکہ آرائی کیلئے تیار اور حریف کیلئے خطرہ تھی۔ تاہم یہ فوج مختلف جگہوں پر پڑاؤ قائم کرنے تک فوج رہی، جونہی رجمنٹیں مختلف حصوں میں منقسم ہوئیں اور فوجی امراء کے خالی گھروں میں منتشر ہوئے تو اس کی فوجی حیثیت ختم ہوگئی اور اس کی جگہ نیم فوجی کیفیت نے لے لی۔ یہ لوگ عام شہری تھے نہ انہیں فوج کہا جاسکتا تھا بلکہ ان پر لٹیروں کا گمان ہوتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب چند ہفتے قیام کے بعد وہ ماسکو سے روانہ ہوئی تو یہ فوج لٹیروں کی بھیڑ میں بدل گئی تھی۔ تمام لوگ قیمتی اور مفید اشیاء سے لدے پھندے رخصت ہوئے تو ان کا مقصد ملک کی تسخیر کی بجائے ہاتھ آئی اشیاء کو اپنی تحویل میں رکھنا تھا۔ ان کی حالت اسی بندر جیسی تھی جو مونگ پھلی حاصل کرنے کیلئے اپنا ہاتھ تنگ مرتبان میں داخل کردیتا ہے اور مونگ پھلی ہاتھ سے گرنے کے ڈر سے مٹھی نہیں کھولتا اور یوں اپنا کام خود ہی خراب کربیٹھتا ہے۔ ماسکو سے روانگی کے وقت فرانسیسی فوج کی تباہی مقدر بن چکی تھی کیونکہ وہ لوٹ کے مال سے لدے

پھندے جا رہے تھے۔ جس طرح بندر کیلئے مونگ پھلی چھوڑنا ممکن نہ تھا بعینہ اسی طرح وہ یہ سامان نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ جب کوئی فرانسیسی رجمنٹ ماسکو کے کسی علاقے میں داخل ہوتی تو دس منٹ میں یہ حالت ہو جاتی کہ کہیں کوئی افسر یا سپاہی دکھائی نہ دیتا۔ مکانوں کی کھڑکیوں میں فوجی کوٹ اور ہسی بوٹ پہنے لوگ مختلف کمروں میں پھرتے اور ہنستے دکھائی دیتے۔ وہ تہہ خانوں اور گوداموں میں کھانے پینے کی اشیاء پر ہاتھ صاف کرتے، صحن میں گیراجوں اور اصطبلوں کے تالے توڑتے، باورچی خانوں میں آگ جلاتے، روٹیاں پکاتے اور مختلف کھانے تیار کرتے۔ ساتھ ساتھ وہ عورتوں اور بچوں کو ڈراتے دھمکاتے، بہلاتے یا ان سے مذاق کرتے تھے۔ ایسے شخص مکانوں اور دکانوں میں عام دیکھے جا سکتے تھے مگر فوج کہیں نہ تھی۔

فرانسیسی کمانڈروں نے یکے بعد دیگرے احکامات جاری کئے جن میں فوجیوں کو شہر میں منتشر ہونے، شہریوں پر تشدد اور لوٹ مار سے منع کیا گیا تھا۔ ساتھ ساتھ یہ اعلان بھی کیا گیا کہ شام کے وقت ہر شخص کی حاضری لی جائے گی، تاہم ایسے تمام تر اقدامات کے باوجود سپاہی جو کل تک منظم فوج کی شکل میں تھے، اب سامان تعیش سے بھرپور امراء کے خالی گھروں میں پھر رہے تھے۔ ان کی حالت بھوکے مویشیوں کے اس ریوڑ جیسی تھی جو بنجر کھیت سے گزرتے وقت اکٹھا رہتا ہے مگر کسی سرسبز چراگاہ میں داخل ہوتے ہی بے قابو ہو جاتا ہے اور اسے پہلی حالت میں رکھنا ممکن نہیں رہتا۔ ہر جانور اپنی مرضی کی سمت چل دیتا ہے۔ اس فوج کے افراد امیر شہر کے مختلف علاقوں میں اسی طرح دور دور تک پھیل گئے۔

ماسکو اپنے شہریوں سے خالی تھا اور فوجی اس میں یوں جذب ہو گئے جیسے پانی ریت میں جذب ہوتا ہے۔ وہ کریملن سے مختلف سمتوں میں بکھر گئے۔ گھڑ سوار کسی تاجر کے خالی مکان میں داخل ہوتے جہاں ضروریات زندگی کی تمام اشیا بکثرت موجود ہوتی تھیں۔ اصطبل اور فالتو گھوڑے بھی دستیاب ہو جاتے مگر ان کا دل نہ بھرتا اور وہ برابر والے مکان کی جانب چل پڑتے جو انہیں زیادہ بہتر دکھائی دیتا تھا۔ متعدد فوجیوں نے کئی کئی مکانوں پر قبضہ کر لیا۔ وہ چاک سے ان پر اپنے نام لکھتے اور ملکیت پر دیگر کمپنیوں سے گالم گلوچ اور ہاتھا پائی تک بھی اتر آتے۔ سپاہی جب کسی جگہ قیام کرتے تو شہر دیکھنے کیلئے گلیوں میں بھاگ اٹھتے اور جب انہیں یہ دکھائی دیتا کہ جانے والوں کی ہر شے موجود ہے تو وہ خوشی سے پاگل ہو جاتے۔ افسر سپاہیوں کو روکنے کیلئے ان کے پیچھے لپکتے مگر غیر ارادی طور پر خود بھی اسی رو میں بہہ جاتے۔ دکانیں گھوڑا گاڑیوں سے بھری ہوئی تھیں، جرنیل اپنے لئے گاڑیاں منتخب کرنے کیلئے اس جانب آنا شروع ہو گئے۔ شہر کے لوگوں کی قلیل مقدار لوٹ مار سے محفوظ رہنے کیلئے کمانڈروں کو اپنے گھروں میں دعوتوں پر مدعو کرنے لگی۔ ہر طرف دولت کے ڈھیر لگے تھے اور یوں لگتا تھا جیسے یہ کبھی ختم نہیں ہو گی۔ شہر کے جن حصوں پر فرانسیسیوں کا قبضہ تھا ان کے اردگرد متعدد جگہوں پر ابھی تک کوئی نہیں گیا تھا اور ان کا خیال تھا کہ وہاں اس سے بھی زیادہ دھن دولت ہاتھ لگے گا۔ اس طرح ماسکو فرانسیسی فوج کو اپنی لپیٹ میں لیتا چلا گیا۔ بھوکی فوج دولت مند مگر خالی شہر میں داخل ہوئی تو شہر باقی رہا نہ فوج، بالکل اسی طرح جیسے خشک زمین پر پانی انڈیلا جائے تو پانی اور خشکی دونوں غائب ہو جاتے ہیں اور کیچڑ باقی رہ جاتا ہے۔ ہر طرف آگ بھڑک رہی تھی یا لٹیروں کے گروہ گشت کرتے دکھائی دیتے تھے۔

☆☆☆

فرانسیسی ماسکو کی آتشزدگی کا ذمہ دار رستوپچن کو قرار دیتے ہیں جبکہ روسی اس کی ذمہ داری فرانسیسیوں پر عائد کرتے ہیں۔ تاہم حقیقت یہ ہے کہ ماسکو کے جلنے کی ذمہ داری کسی ایک شخص پر عائد نہیں کی جا سکتی۔

ماسکو میں ایسے حالات پیدا کر دیئے گئے تھے جن کی بدولت لکڑی کی عمارتوں سے بنے ہر شہر کا جلنا یقینی ہو جاتا حالانکہ شہر میں آگ بجھانے والے ایک سو تیں گھٹیا انجن موجود تھے۔ جس طرح مسلسل کئی دن تک آگ کی زد میں رہنے والے لکڑیوں کے ڈھیر کا جلنا ناگزیر ہو جاتا ہے اسی طرح ماسکو نے بھی نذر آتش ہونا تھا۔ جو شہر لکڑی کی عمارتوں پر مشتمل ہو تو اس میں زمانہ امن میں بھی ہر روز کہیں نہ کہیں آگ لگ جاتی ہے، ایسا شہر خالی ہو جائے اور اس پر وہ فوجی قبضہ کر لیں جو ہر طرف پائپ بھرتے، آگ جلاتے اور دن میں دو مرتبہ کھانا تیار کرتے ہوں تو وہ آگ سے کیسے بچ سکتا ہے۔ امن کے دنوں میں اگر آپ کچھ دیہات میں فوج کو عارضی طور پر ٹھہرا دیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ اس جگہ آتشزدگی کے واقعات یکدم بڑھ گئے ہیں۔ ان حالات میں ایک ایسے شہر میں جو لکڑی کی عمارات پر مشتمل ہو، جس کے مکین اسے چھوڑ کر چلے جائیں، جس پر غیر ملکی فوج قابض ہو چکی ہو، وہاں آگ لگنے کے امکانات کس قدر بڑھ جائیں گے؟! ایسے حالات میں رستوپچن یا فرانسیسی فوج کو اس کا ذمہ دار قرار دینا درست نہیں۔ ماسکو فوجیوں کے پائپوں، چولہوں، آگ کے الاؤوں اور غیروں کے گھروں میں مقیم دشمن سپاہیوں کی لاپروائی سے نذر آتش ہوا۔ اگر کہیں کسی نے دانستہ طور پر آگ لگائی تو اسے اس آتشزدگی کا سبب قرار دینا درست نہیں کیونکہ آتشگیر مادے کے بغیر بھی یہی ہوتا۔

فرانسیسیوں کی جانب سے رستوپچن کے ظالمانہ جذبہ حب الوطنی پر الزام تراشی اور شرپسند بوناپارٹ کو آتشزدگی کا ذمہ دار قرار دینے یا چند برس بعد اپنے شہریوں کے ہاتھوں میں مجاہدانہ شمعیں دینے سے روسیوں کی انا خواہ کتنی ہی تسکین کیوں نہ پائے یہ اندازہ لگانا ممکن نہیں ہے کہ یہ آگ لگنے کا براہ راست سبب نہ تھا کیونکہ ماسکو کا جلنا اسی طرح یقینی ہو چکا تھا جس طرح کسی ایسے گاؤں، فیکٹری یا گھر کا جلنا یقینی ہو جاتا ہے جسے اس کے مکین چھوڑ کر چلے جائیں اور اس میں غیروں کو ٹھہرنے اور کھانا پکانے کی عام آزادی دے دی جائے۔ یہ بات درست ہے کہ ماسکو اس کے اپنے مکینوں کے ہاتھوں جلا تاہم اسے وہاں رہنے والوں نے نہیں جلایا بلکہ اس کے ذمہ دار وہ لوگ تھے جو اسے چھوڑ کر چلے گئے۔ جب ماسکو پر دشمن کا قبضہ ہو گیا تو وہ برلن، ویانا یا دیگر شہروں کی طرح اس لئے محفوظ نہ رہ سکا کہ اس کے شہری فرانسیسیوں کو نمک اور روٹی پیش کرنے اور شہر کی چابیاں ان کے حوالے کرنے کی بجائے اسے چھوڑ کر چلے گئے تھے۔

(27)

ماسکو میں فرانسیسیوں کے جذب ہونے کا عمل مسلسل بڑھتا اور پھیلتا رہا مگر شہر کے جس حصے میں پیری ٹھہرا ہوا تھا وہاں تک وہ 2 دسمبر کی شام کو ہی پہنچ پائے۔

گزشتہ دو روز غیر معمولی تنہائی میں گزارنے کے بعد پیری کی ذہنی حالت دیوانوں کی سی ہو رہی تھی۔ اس کے ذہن پر بس ایک ہی بھوت سوار تھا۔ وہ خود بھی نہیں جانتا تھا کہ اس خیال نے کب اور کیسے اسے گرفت میں لیا تاہم اب اسے ماضی کی کوئی بات یاد تھی نہ حال کی باتیں سجھائی دے رہی تھیں۔ اسے اپنے گردوپیش دکھائی یا سنائی دینے والی باتیں خواب معلوم ہوتی تھیں۔

پیری نے اپنا گھر اس لئے چھوڑا تھا کہ وہ زندگی کی پیچیدگیوں سے فرار کا خواہشمند تھا جنہوں نے اسے اپنے جال میں پھنسا لیا تھا اور اس حالت میں وہ ان کی گرہیں نہیں کھول سکتا تھا۔ وہ اوسپ الیکسی وچ کے ہاں بظاہر اس کی کتابیں تلاش کرنے گیا تھا مگر حقیقت یہ نہ تھی۔ وہ زندگی کے ہنگاموں سے بچنے کیلئے وہاں گیا۔ اس کے ذہن میں بازدیف کی یادیں پرسکون اور ابدی دنیا سے وابستہ تھیں اور یہ باتیں اس اضطرابی کیفیت سے یکسر مختلف تھیں جس میں وہ

خود کو پھنسا محسوس کر رہا تھا۔ اسے پر سکون جائے پناہ درکار تھی اور یہ اسے اوسپ الیکسی وچ کے کمرے میں مل گئی۔ جب وہ کمرے میں چھائی موت کی سی خاموشی میں اپنے محسن کی گرد آلود میز پر کہنیاں رکھے بیٹھا تھا تو اس کے ذہن میں گزشتہ پندرہ روز کی پر سکون اور معنویت سے بھرپور یادیں اور تاثرات مسلسل ایک ایک کر کے آنے لگے۔ ان میں بورو ڈینو کی جنگ خصوصی اہمیت کی حامل تھی اور ان لوگوں کو یاد کر کے اسے ان کی سچائی، سادگی اور قوت کے مقابلے میں اپنی بے وقعتی اور جھوٹے پن کا ہلکا سا احساس ہوا۔ جب گیراسم اس کی سوچ و بچار میں مخل ہوا تو اس کے ذہن میں آیا کہ وہ ماسکو کے عوامی دفاع میں شریک ہو گا جس کے منصوبے کا اسے علم تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے گیراسم سے کسانوں والا لباس اور پستول لانے کو کہا تھا۔ اس نے گیراسم کو رازدارانہ طور پر یہ بھی بتلایا کہ وہ اپنی شناخت چھپانا اور اوسپ الیکسی وچ کے گھر میں مقیم رہنا چاہتا ہے۔ اس کے بعد تنہائی اور عدم مصروفیت کے پہلے دن اس کا ذہن بار بار غیر واضح طور پر اسی خیال کی طرف پلٹ آتا کہ اس کا نام نپولین کے نام سے پراسرار طور پر منسلک ہے اور یہ خیال اس کے ذہن میں زیر گردش ان چند خوابوں میں سے ایک تھا کہ اس کی قسمت میں نپولین کے اختیارات کا خاتمہ لکھا جا چکا ہے۔ جب پیری نے کوٹ خرید لیا (اس نے یہ محض ماسکو کے دفاع میں شرکت کیلئے خریدا تھا) تو اس کا سامنا رستوف خاندان سے ہوا، نتاشا نے اس سے پوچھا تھا کہ "آیا آپ ماسکو میں ہی ٹھہریں گے؟" یہ سوچ کر پیری نے خود کلامی کے انداز میں کہا "بہت اچھے!" اور پھر سوچنے لگا کہ ماسکو دشمن کے قبضے میں بھی چلا گیا تو پھر بھی اس کا وہاں ٹھہرنا اور جو کام اس کی قسمت میں لکھ دیا گیا ہے اس کی انجام دہی واقعہ بہت بڑا کارنامہ ہو گا۔

اگلے دن اس کے ذہن میں صرف یہی خیال تھا کہ وہ کوئی کسر اٹھا نہیں رکھے گا اور اس دنیا میں فوجی جو کچھ کر رہے ہیں وہ اس سے کم پر رضامند نہ ہو گا۔ انہی سوچوں میں گم وہ لوگوں کے ساتھ تین پہاڑیوں پر پہنچ گیا۔ تاہم جب وہ مکان میں واپس آیا تو اسے یقین ہو گیا کہ ماسکو نہیں بچایا جائے گا۔ اسے اچانک یوں لگا جیسے پہلے جو بات صرف ممکن دکھائی دیتی تھی اب اس کی انجام دہی لازم ہو چکی ہے۔ اسے بھیس بدل کر ماسکو ہی میں ٹھہرنا چاہئے اور کسی طور نپولین تک رسائی حاصل کر کے اسے انجام تک پہنچانا چاہئے۔ اس طرح یا تو اسے خود موت کا شکار ہو جانا ہو گا یا پھر تمام یورپ کی مصیبتوں کا خاتمہ ہو جائے گا جن کی ذمہ داری نپولین پر عائد ہوتی تھی۔

پیری کو 1709ء میں جرمن طالبعلم کی جانب سے بونا پارٹ کو ہلاک کرنے کی کوشش کا علم تھا۔ وہ اس حوالے سے تمام تر تفصیلات سے آگاہ تھا اور جانتا تھا کہ اس طالبعلم کو گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا تھا۔ اپنے اس منصوبے پر عملدرآمد کیلئے اس جن خطرات کا سامنا کرنا پڑتا ان کے تصور سے اس کے جذبات اور بھی ابل پڑے۔

یکساں طور پر شدید دو جذبات اسے آہستہ آہستہ اس مقصد کی طرف لے جا رہے تھے۔ اسے پہلی بات یہ محسوس ہو رہی تھی کہ تمام لوگوں پر آنیوالی مصیبت کے پیش نظر اس کیلئے دکھوں کا سامنا کرنا اور قربانی دینا لازم ہو گیا ہے۔ یہی وہ جذبہ تھا جس نے اسے 25 تاریخ کو موزیسک روانگی اور میدان جنگ کے اس حصے کا رخ کرنے پر آمادہ کیا تھا جہاں لڑائی زوروں پر تھی، اسی جذبے نے اسے گھر سے فرار اور ہمہ اقسام کی آسائشوں کو لات مارنے پر آمادہ کیا تھا جن کا وہ عادی ہو چکا تھا۔ اسی نے اسے لباس تبدیل کئے بغیر سخت صوفے پر سونے اور گیراسم والا کھانا کھانے کی ترغیب دی تھی۔ اس کا دوسرا جذبہ اس غیر واضح اور خاص روسی نفرت سے متعلق تھا جو روسی ہر روایتی اور مصنوعی شے سے روا رکھتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں روسی ہر اس شے سے نفرت کرتے ہیں جو دوسروں کو بہترین دکھائی دیتی ہے۔ پیری کو یہ انوکھا اور مسحور کن احساس سلوبوڈسکی محل میں ہوا تھا جب اسے اچانک یوں لگا جیسے دولت، طاقت اور زندگی کی

مسرتوں کا بدل صرف وہ خوشی ہے جو ان اشیاء کو ٹھکرا کر حاصل ہوتی ہے۔

یہی وہ بے چین جذبہ ہے جو رضاکارانہ طور پر فوج میں بھرتی ہونیوالے کو اپنی آخری کوڑی شراب نوشی پر خرچ کرنے اور شراب میں دھت شخص کو بظاہر بلا وجہ کھڑکیوں کے شیشے توڑنے کی ترغیب دیتا ہے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ اس حرکت کے عوض اسے اپنی جیب میں موجود تمام رقم سے محروم ہونا پڑے گا۔ یہی وہ جذبہ ہے جو انسان کو ایسے افعال کی انجام دہی پر آمادہ کرتا ہے جو بظاہر پاگل پن پر مبنی دکھائی دیتے ہیں مگر در اصل وہ اس کے ذاتی اختیارات کی آزمائش ہوتے ہیں اور زندگی کے ایسے اعلیٰ معیار کی موجودگی کی گواہی دیتے ہیں جو عام انسانوں کی پہنچ سے بہت دور ہوتا ہے۔

جس دن سلوبوڈسکی محل میں پیری کو پہلی مرتبہ ایسا احساس ہوا، اس دن سے وہ مسلسل اس جذبے کے زیر اثر رہا مگر اب اسے اس سے کہیں زیادہ اطمینان محسوس ہو رہا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس لمحے پیری کو اپنے منصوبے میں پہلے سے کئے جانیوالے اقدامات کی بدولت تقویت ملی اور ان کاموں نے اسے اس منصوبے کو ترک کرنے سے باز رکھا۔ وہ اپنے گھر سے بھاگا، کسانوں والا لباس اور پستول خریدا اور رستوف خاندان کے سامنے کہا کہ وہ ماسکو ہی میں ٹھہرا رہے گا، چنانچہ دوسرے لوگوں کی طرح اب وہ بھی ماسکو چھوڑ دیتا تو اس کے کام بے معنی بلکہ گھٹیا اور بے ڈھنگے قرار دیئے جاتے (اس حوالے سے وہ بیحد حساس تھا)

ہمیشہ کی طرح پیری کی جسمانی حالت اس کی ذہنی کیفیت سے مطابقت رکھتی تھی۔ وہ عام کھانے کا عادی نہ تھا، اب اسے اچھی شراب کی جگہ واڈکا پینا پڑتی تھی، سگار بھی میسر نہ تھے۔ لباس میلا کچیلا اور پرانا تھا، اس کے ساتھ ساتھ نامناسب بستر پر دو راتیں گزارنا پڑیں، ان تمام باتوں نے مل جل کر اسے چڑچڑا کر دیا۔

سہ پہر دو بجے کا عمل تھا۔ فرانسیسی پہلے ہی ماسکو میں داخل ہو چکے تھے۔ پیری یہ بات جانتا تھا مگر کسی عملی اقدام سے پہلے وہ محض اپنے منصوبے کی بابت غور و فکر کرتا رہا اور اس کی تمام تر تفصیلات پر سوچ و بچار کی۔ وہ چشم تصور میں نپولین کو ہلاک کرنے یا اسے ضرب لگانے کے حوالے سے کوئی تصویر نہ بنا سکا تاہم اپنے خاتمے اور بہادرانہ انداز سے تکالیف برداشت کرنے کے حوالے سے اس کا ذہن واضح تھا اور وہ اس پر غیر معمولی تفصیل اور افسردگی سے غور و فکر کرتا رہا۔

اس نے سوچا "ہاں، مجھے تمام لوگوں کی خاطر اکیلے ہی یہ منصوبہ مکمل کرنا یا خود ہلاک ہو جانا ہو گا، یہ میرا وعدہ ہے کہ میں اس تک پہنچ جاؤں گا۔۔۔ اور پھر اچانک۔۔۔ پستول یا خنجر سے، مگر یہ غیر اہم بات ہے۔ میں کہوں گا۔۔۔ یہ میں نہیں بلکہ خدائی ہاتھ تمہیں سزا دے رہا ہے" (وہ ان الفاظ کے بارے میں سوچ رہا تھا جو اس نے نپولین کو ہلاک کرتے وقت ادا کرنا تھے) اس نے مزید سوچا "پھر میں کہوں گا ٹھیک ہے، لے جاؤ مجھے اور پھانسی پر لٹکا دو" وہ یہ سوچتے ہوئے خود کلامی کرنے لگا۔ اگرچہ اس کے چہرے پر اداسی طاری تھی مگر وہ پر عزم تھا اور اس نے اپنا سر نیچے جھکا رکھا تھا۔

جب پیری کمرے کے درمیان کھڑا یہ باتیں سوچ رہا تھا تو کمرے کا دروازہ اچانک کھلا اور ماکر الیکسی وچ نظر آیا۔ پہلے وہ خوفزدہ دکھائی دیتا تھا مگر اب اس کی شکل و صورت ہی بدل چکی تھی۔ اس کے لباس کے بٹن کھلے تھے اور وہ نیچے کی جانب ڈھلک رہا تھا۔ اس کا چہرہ سرخ اور مسخ ہو گیا تھا۔ بلاشبہ وہ نشے میں مدہوش تھا۔ پیری کو دیکھ کر پہلے تو وہ ٹھٹھکا گیا مگر پھر اسے یوں شرما کر دیکھا جیسے چوری کرتا پکڑا گیا ہو اور پھر بہادرانہ انداز میں ڈگمگاتا ہوا کمرے کے اندر بڑھنے لگا۔

اس نے پیری سے دلگیر مگر رازدارانہ انداز میں کہا "وہ خوف میں مبتلا ہو گئے ہیں، میں تمہیں بتا دوں کہ میں ان کے سامنے نہیں جھکوں گا، میں واضح کر رہا ہوں۔۔۔ ٹھیک کہا میں نے؟" یہ کہہ کر وہ کچھ دیر خاموش رہا اور پھر پستول دیکھتے ہی حیران کن تیزی سے اسے اٹھا کر راہداری میں دوڑ لگا دی۔

گیراسم اور ایک خدمتگار نے اس کا پیچھا کیا اور اسے بیرونی صحن میں روک کر پستول چھیننے کی کوشش کرنے لگے۔ پیری بھی راہداری میں آ گیا۔ اسے نیم پاگل بوڑھے پر ترس آنے کے ساتھ ساتھ اس سے نفرت بھی محسوس ہو رہی تھی۔ غصے میں بھرا ماکر الیکسی وچ پستول مضبوطی سے تھامے ہوئے تھا اور اس کی پوری کوشش تھی کہ کوئی اسے چھیننے نہ پائے۔ بعد ازاں اس نے اپنے تئیں ولولہ انگیز انداز میں چیخ ماری

وہ چلایا "ہتھیار اٹھا لو، ان کے سامنے گھٹنے ٹکا دو! تم پہ نہیں لے سکتے!"

گیراسم نے ماکر کو احتیاط سے پکڑا اور کہنے لگا "بس کریں، براہ مہربانی بس کریں۔ بہت ہو گئی اب خاموش ہو جائیں" وہ اسے کہنی سے تھام کر دروازے کی جانب لے جانے کی کوشش کر رہا تھا۔

ماکر الیکسی وچ چلایا "تم کون ہو؟ بونا پارٹ!۔۔۔"

گیراسم نے کہا "جناب ایسا مت کریں۔ اپنے کمرے میں جائیں اور کچھ دیر آرام کریں۔ اب یہ پستول مجھے دے دیں"

ماکر چلایا اور پستول لہراتے ہوئے بولا "بھاگ جاؤ، ذلیل غلام، مجھے ہاتھ مت لگاؤ، یہ دیکھ رہے ہو؟ انہیں گرا دو"

گیراسم نے خدمتگار کے کان میں سرگوشی کی "انہیں پکڑ لو"

انہوں نے ماکر الیکسی وچ کو بازوؤں سے پکڑا اور گھسیٹتے ہوئے دروازے کی جانب لے گئے

بیرونی صحن میں ہاتھا پائی اور نشے میں ڈوبی ہانپتی کرخت اور غیر شائستہ آوازوں سے گونج رہا تھا۔ اسی دوران ڈیوڑھی میں کسی خاتون کی آواز گونجی اور باورچن بھاگتی ہوئی صحن میں داخل ہوئی۔

وہ کہنے لگی "وہ! خداوندا رحم!۔۔۔ وہ آ گئے، چار گھڑ سوار!"

گیراسم اور خدمتگار نے ماکر الیکسی وچ کو چھوڑ دیا اور راہداری میں چھانے والی خاموشی کو بیرونی دروازے پر دی جانیوالی دستک نے توڑا۔

(28)

پیری نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اپنے منصوبے پر عملدر آمد سے پہلے کسی کو اپنی ذات کے بارے میں کچھ بتائے گا نہ یہ ظاہر کرے گا کہ اسے فرانسیسی زبان بھی آتی ہے۔ اب وہ راہداری کے ادھ کھلے دروازے میں کھڑا تھا۔ اس نے سوچ رکھا تھا کہ فرانسیسیوں کے آتے ہی وہ کہیں غائب ہو جائے گا مگر فرانسیسی آ گئے اور وہ وہیں کھڑا رہ گیا۔ تجسس کے باعث وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکا تھا۔

وہ دو فرانسیسی تھے۔ ان میں سے ایک طویل القامت، خوش شکل افسر تھا جبکہ دوسرا پستہ قد، دبلا پتلا سپاہی یا اردلی معلوم ہوتا تھا۔ اس کے گال اندر کو دھنسے تھے جبکہ چہرے پر بھی مردنی چھائی تھی۔ افسر آگے چلا آ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں چھڑی تھی اور وہ کسی قدر لنگڑا کر چل رہا تھا۔ چند قدم آگے بڑھنے کے بعد وہ رک گیا۔ بظاہر یوں لگتا تھا جیسے وہ فیصلہ کر چکا ہو کہ یہ مکان ٹھیک ہے۔ پھر وہ سپاہیوں کی طرف متوجہ ہوا اور بلند آواز میں انہیں ہدایات دینا شروع کر دیں۔ اس نے انہیں اپنے گھوڑے وہیں روکنے کا حکم دیا۔ اس کام سے فراغت پاتے ہی اس نے کہنی موڑی اور دھمکی آمیز انداز سے بازو کی مدد سے اشارہ کیا۔ پھر اس نے مونچھوں پر ہاتھ پھیرا اور ٹوپی کو ہاتھ لگایا۔

اس نے مسکراتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا اور فرانسیسی میں کچھ کہا۔

کہیں سے کوئی جواب نہ آیا۔

افسر نے گیراسم سے کوئی بات پوچھی۔

گیراسم اس کی بات نہ سمجھ سکا اور ٹکٹکی باندھ کر اس کے چہرے کو دیکھنا شروع کر دیا۔

افسر نے مختصر جسامت کے مالک گیراسم کو خوشدلی سے دیکھتے ہوئے کہا "جوانو! فرانسیسی اچھی زبان ہے" پھر اس نے گیراسم کا کندھا تھپتھپایا اور ادھر ادھر دیکھا۔ اچانک اسے پیری نظر آ گیا۔ پیری نے افسر کو اپنی جانب دیکھتے دیکھا تو وہاں سے ہٹ گیا۔

افسر دوبارہ گیراسم کی جانب متوجہ ہوا اور اسے کہا کہ مجھے گھر کا معائنہ کراؤ۔

گیراسم نے کہا "آقا یہاں نہیں ہیں۔۔۔ میں نہیں سمجھتا۔۔۔ میں آپ۔۔۔" اس نے اپنے الفاظ کو قابل فہم بنانے کی سعی کی۔

افسر ابھی تک مسکرا رہا تھا۔ اس نے گیراسم کی ناک کے سامنے اپنا ہاتھ پھیلایا جیسے یہ ظاہر کر رہا ہو کہ وہ بھی اس کی بات نہیں سمجھ پایا۔ پھر وہ لنگڑاتا ہوا اس دروازے کی جانب چل دیا جہاں پیری کھڑا دکھائی دیا تھا۔ پیری وہاں سے ہٹ کر کہیں چھپنا چاہتا تھا کہ اچانک اس کی نظر ماکر الیکسی وچ پر جا پڑی جو ہاتھ میں پستول تھامے باورچی خانے کے دروازے میں کھڑا تھا۔ اس نے پاگلوں جیسی چالاکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرانسیسی کو بغور دیکھا اور پستول اٹھا کر نشانہ باندھ لیا۔ نشے میں دھت ماکر نے چلا کر کہا "انہیں گرا دو" یہ کہہ کر اس نے پستول چلانے کی کوشش کی۔ چیخ سنتے ہی فرانسیسی افسر نے اس جانب رخ کیا اور اسی لمحے پیری نے نشے میں دھت شخص کو پکڑ لیا۔ جونہی پیری نے پستول پکڑ کر اس کا رخ اوپر کی جانب کیا، ماکر الیکسی وچ اسے چلانے میں کامیاب ہو گیا۔ پستول چلنے سے ایسا شور سنائی دیا جیسے کان پھٹ گئے ہوں اور پھر ہر طرف دھواں چھا گیا۔ فرانسیسی خوفزدہ ہو کر باہر بھاگ نکلا۔

اس وقت پیری کو یہ بات یاد نہ رہی تھی کہ اس نے فرانسیسی زبان سے آشنائی ظاہر نہیں ہونے دینی اور پستول چھین کر فرش پر پھینکتے ہوئے افسر کی طرف بھاگا۔ اس نے فرانسیسی زبان میں پوچھا "آپ زخمی تو نہیں ہوئے؟"

افسر نے اپنا جائزہ لیا اور کہا "میرے خیال میں مجھے گولی نہیں لگی، تاہم اس مرتبہ میں بمشکل بچا ہوں" اس نے دیوار میں گولی کے شگاف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ماکر کے بارے میں کہا "یہ کون ہے؟" ساتھ ساتھ وہ پیری کو سختی سے گھور رہا تھا۔

پیری فوراً بولا "مجھے اس سے بے حد دکھ پہنچا۔ اس بدقسمت کو علم ہی نہ تھا کہ وہ کیا کرنے جا رہا ہے" اس وقت پیری کو اپنا وہ کردار بھول گیا جو اس نے ادا کرنا تھا۔

افسر ماکر الیکسی وچ کے قریب آیا اور اسے کالر سے پکڑ لیا۔

ماکر منہ کھولے دیوار کے قریب کھڑا تھا اور یوں جھولے جاتا تھا جیسے نیند میں ہو۔

فرانسیسی نے اسے چھوڑتے ہوئے کہا "بدمعاش! تمہیں اس کی سزا بھگتنا ہو گی۔ فتح کے بعد ہم فرانسیسی رحمدل ہو جاتے ہیں مگر غداروں کو معاف نہیں کرتے" اس نے زور و شور سے بازو لہرایا۔ اس کے چہرے سے ظاہر ہونیوالے وقار سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ اب خیر نہیں۔

پیری نے فرانسیسی افسر کو قائل کرنے کی کوشش کی کہ نشے میں دھت پاگل کو سزا دینا لاحاصل ہو گا۔ ابتداء میں

تو فرانسیسی خاموشی سے بیٹھا رہا پھر اچانک مسکرایا اور پیری کی طرف متوجہ ہو کر کہا "تم نے میری جان بچائی، تم یقیناً فرانسیسی ہو گے" اس کا رویہ کچھ زیادہ ہی سنجیدہ تھا اور چہرے سے دکھائی پڑتا تھا کہ وہ بیحد جذباتی کیفیت میں مبتلا ہے۔

اس کا خیال تھا کہ صرف فرانسیسی ہی عظیم کارنامہ انجام دے سکتے ہیں اور اس کی یعنی تیرھویں لائٹ بریگیڈ کے کپتان رامبیلی کی زندگی بچانا تو واقعی عظیم ترین کارنامہ تھا۔

تاہم یہ دلیل اور اس پر افسر کا یقین کتنا ہی غیر متنازع کیوں نہ ہوتا، پیری نے اس کی غلط فہمی دور کرنا مناسب سمجھی اور کہا "میں روسی ہوں"

فرانسیسی افسر مسکراتے ہوئے بولا "یہ کسی اور کو کہنا" اس نے پیری کی ناک کے سامنے انگلی لہرائی اور بولا "ابھی تم اس بارے میں مجھے مزید بتاؤ گے اور میں نہایت غور سے سنوں گا۔ مجھے اپنے ہم وطن سے مل کر بیحد خوشی ہوئی، بہر حال اب یہ بتاؤ کہ ہم اس شخص کا کیا کریں" اس نے پیری سے یہ بات کچھ اس انداز سے پوچھی جیسے کوئی شخص اپنے بھائی سے پوچھتا ہے۔ اس کا لہجہ اور نگاہیں اس امر کی غمازی کر رہی تھیں کہ پیری چاہے فرانسیسی نہ ہو مگر جب اسے یہ بلند ترین انسانی لقب مل گیا ہے تو پھر اسے اس سے دستبرداری اختیار کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے۔ اس کے آخری سوال کے جواب میں پیری نے اسے ماکرالیکسی وچ کے بارے میں تفصیل سے بتایا اور کہا کہ اس کی آمد سے کچھ ہی دیر پہلے پاگل بوڑھے نے اس کا بھرا ہوا پستول اٹھا لیا تھا اور وہ وقت نہ ملنے کے باعث اسے واپس لینے میں ناکام رہے۔ اس نے فرانسیسی افسر سے درخواست کی ماکرالیکسی وچ کو کوئی سزا نہ دی جائے۔

فرانسیسی نے فخر سے سینہ تانا اور نوابانہ انداز سے ہاتھ ہلاتے ہوئے بولا "تم نے میری جان بچائی ہے۔ تم فرانسیسی ہو تم مجھے کہہ رہے ہو کہ میں اسے معافی دیدوں؟ مجھے تمہاری درخواست منظور ہے اور اس شخص کو یہاں سے لے جاؤ" اس کا لہجہ زوردار تھا اور وہ تیزی سے بات کر رہا تھا۔ پھر وہ پیری کا ہاتھ تھام کر کمرے میں چلا گیا جسے اس نے ترقی دے کر فرانسیسی بنا دیا تھا کیونکہ اس نے اس کی جان بچائی تھی۔

صحن میں کھڑے فوجی گولی چلنے کی آواز سن کر اندر آ گئے اور کہا کہ وہ مجرموں کو سزا دیں گے مگر افسر نے انہیں سختی سے روک دیا۔

وہ کہنے لگا "جب تمہاری ضرورت ہوئی تو تمہیں بلا لیا جائے گا"

فوجی واپس چل دیئے۔ اسی دوران اردلی دوبارہ اندر آیا۔ وہ موقع پا کر باورچی خانے کا معائنہ کرنے چلا گیا تھا۔

وہ اپنے افسر سے کہنے لگا "کپتان صاحب! باورچی خانے میں شوربہ اور بکرے کی ران پڑی ہے، اگر کہیں تو لے آؤں؟"

کپتان نے جواب دیا "ہاں، اور شراب بھی"

(29)

جب فرانسیسی افسر پیری کے ساتھ کمرے میں چلا گیا تو پیری نے ایک مرتبہ پھر اسے یقین دلانے کی کوشش کی کہ وہ فرانسیسی نہیں ہے اور یہاں سے جانے کا خواہشمند ہے تاہم افسر نے اس کی بات نہ سنی۔ اس کا رویہ انتہائی

خوشگوار اور عمدہ تھا۔ اپنی جان بچانے پر وہ پیری کا احسانمند تھا، یہی وجہ تھی کہ پیری اس کی درخواست رد نہ کر سکا اور کمرے میں اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ کپتان پیری کی جانب سے اپنے فرانسیسی ہونے کی بار بار تردید سمجھ نہیں پایا تھا۔ اسے یہ بات سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کوئی شخص اس قابل تعریف لقب کو کیسے ٹھکرا سکتا ہے۔ وہ کندھے اچکا کر رہ گیا اور کہنے لگا کہ اگر تم واقعی روسی کہلوانے پر مصر ہو تو پھر ایسے ہی سہی تاہم میں تمہارا ہمیشہ ممنون رہوں گا کیونکہ تم نے میری جان بچائی تھی۔

اگر اس شخص کو قدرت کی جانب سے دوسروں کے جذبات سمجھنے کی صلاحیت ملی ہوتی اور اس لمحے اسے اپنے ساتھی کے احساسات بارے ذرا بھی علم ہو جاتا تو شاید پیری اسے چھوڑ کر جا چکا ہوتا تاہم اس کی اپنی ذات کے علاوہ تمام دیگر اشیاء کے حوالے سے بے حسی نے پیری کو وہیں بیٹھنے پر مجبور کر دیا۔

اس نے پیری کے میلے کچیلے مگر عمدہ لباس اور انگوٹھی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا "فرانسیسی یا بہروپ دھارے روسی شہزادے! میں تمہاری بدولت زندہ ہوں اور تمہیں اپنا دوست بنانے کا اعلان کرتا ہوں۔ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہوں گا"

افسر کے لب ولہجے اور حرکات وسکنات میں اسقدر شرافت تھی کہ پیری نے نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی مسکراہٹ کا جواب مسکراہٹ سے دیا اور اپنی طرف بڑھا ہوا ہاتھ تھام کر اسے دبانے لگا۔

اس نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا "میں سات ستمبر کے واقعے میں لیجن آف آنر حاصل کرنے والا تیرھویں لائٹ بریگیڈ کا کپتان رامبیلی ہوں، کیا آپ مجھے یہ بتائیں گے کہ اس پاگل بوڑھے کی گولی کا شکار ہو کر ایمبولینس میں لیٹے ہونے کی بجائے میں اس قدر خوشگوار انداز سے کس شخصیت سے مخاطب ہوں؟"

پیری شرما گیا اور نقلی نام گھڑنے کی کوشش کی تاہم ناکامی کے بعد وہ کہنے لگا کہ میں اپنی شناخت ظاہر نہیں کر سکتا، وہ خود کو خفیہ رکھنے کی وجوہات کا ذکر کرنا ہی چاہتا تھا کہ فرانسیسی نے اسے ٹوک دیا اور کہنے لگا "بس کافی ہے، میں جان گیا ہوں کہ آپ کوئی افسر ہیں، شاید عملے کے افسر ہیں۔ آپ ہمارے خلاف جنگ کر چکے ہیں، اس سے میرا کوئی تعلق نہیں، میں اپنی زندگی کیلئے آپ کا شکر گزار ہوں۔ میرے لئے بس اتنا ہی کافی ہے۔ میں آپ کی ہر خدمت کروں گا۔ آپ کا تعلق شرفاء سے ہے؟ اس کا لہجہ سوالیہ تھا

پیری نے گردن جھکا دی۔

رامبیلی نے کہا "آپ کا مسیحی نام، اگر بتانا چاہیں تو؟ میں اس سے زیادہ نہیں پوچھوں گا، موسیو پیری، آپ نے یہی بتایا تھا ناں؟ ٹھیک! میں بس یہی جاننا چاہتا تھا"

جب ران کا گوشت، آملیٹ، سماوار، ووڈکا اور روسی شراب آ گئی تو رامبیلی نے پیری کو بھی کھانے کی دعوت دی اور خود فوری طور پر بھوکوں کی طرح کھانے پر پل پڑا۔ وہ اپنے مضبوط دانتوں سے چبا چبا کر کھا رہا تھا، ساتھ وہ کھانے کی تعریف بھی کرتا جاتا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کا چہرہ سرخ اور پسینے سے شرابور ہو گیا۔ پیری بھی بھوکا تھا چنانچہ وہ بھی کھانے میں شریک ہو گیا۔ موریل نامی اردلی نیم گرم پانی لے آیا اور اس نے شراب کی بوتل اس میں رکھ دی۔ باورچی خانے میں اسے کواس کی بوتل مل گئی اور وہ اسے بھی لے آیا۔ فرانسیسی اس مشروب کو جانتے تھے۔ موریل نے بھی اس کی تعریف کی۔ چونکہ کپتان کے پاس اچھی شراب تھی جس کی بنا پر اس نے کواس موریل کو دیدی اور خود بورڈیکس کی بوتل پر ٹوٹ پڑا۔ اس نے بوتل کے گرد رومال لپیٹا اور اپنے اور پیری کیلئے شراب گلاس میں انڈیلنا شروع کر دی۔ کپتان پیٹ بھر کر کھا چکا تھا اور شراب نے اسے چاک وچوبند کر دیا۔ کھانے کے دوران وہ مسلسل ادھر ادھر کی باتیں کرنے میں

مصروف رہا۔

وہ کہہ رہا تھا "ہاں تو میرے پیارے موسیو پیری، آپ نے مجھے موت کے منہ میں جانے سے بچایا ہے چنانچہ آپ کیلئے ایک عمدہ موم حق میرے ذمے واجب الادا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ میرے جسم میں پہلے ہی کافی گولیاں پیوست ہو چکی ہیں" اس نے اپنے پہلو کو ہاتھ لگایا اور کہنے لگا "ایک تو ادھر ہے، یہ مجھے واگرام میں لگی تھی، اور یہ سمولنسک میں (اس نے چہرے کے زخم کی جانب اشارہ کیا) اور ایک اس ٹانگ میں لگی تھی۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ یہ آسانی سے حرکت نہیں کرتی۔ یہ گولی مجھے سات تاریخ کو موسکووا کی عظیم جنگ میں لگی تھی۔ یہ واقعی بہت زبردست جنگ تھی، آپ کو اسے دیکھنا چاہئے تھا۔ ہر طرف آگ ہی آگ تھی۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ آپ نے ہمارا سخت مقابلہ کیا۔ آپ اس بہادری پر فخر کر سکتے ہیں، اس زخم کے باوجود میں ایسی ہی کسی اور لڑائی میں شرکت کیلئے بھی تیار ہوں۔ مجھے ان لوگوں پر ترس آتا ہے جو اس میں شریک نہ ہو سکے۔

پیری بولا "میں بھی وہیں تھا"

فرانسیسی نے کہا "واقعی؟ یہ تو اور بھی اچھا ہوا۔ آپ واقعی بہادر دشمن ہیں۔ عظیم مورچے پر تعینات لوگوں نے بہادری سے مقابلہ کیا اور ہمارے دانت کھٹے کر دیئے۔ اگر میں جھوٹ بولوں تو مجھ پر لعنت ہو، میں اس مورچے پر تین مرتبہ حملہ آور ہوا اور یہ بات اتنی ہی سچ ہے جتنی یہ کہ میں یہاں بیٹھا ہوں، تینوں مرتبہ ہم توپوں کے بالکل قریب جا پہنچے مگر ہر مرتبہ ہمیں یوں پیچھے دھکیل دیا گیا جیسے ہم انسان نہیں ہلکے گتے کے پتلے ہوں۔ موسیو پیری! یہ نہایت زبردست معرکہ تھا، آپ کے تو پچیوں نے شاندار کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ میں نے چھ مرتبہ ان کی صفیں قریب سے ملاحظہ کیں اور وہ یوں پاؤں ملا کر چل رہے تھے جیسے پریڈ کر رہے ہوں۔ کیا شان تھی ان کی، ہمارے نیپلز کے بادشاہ (مورات) جو سب جانتے ہیں کہنے لگے، شاباش، واہ، واہ، ہم جیسے سپاہی ہیں" وہ کچھ دیر رکا اور پھر مسکراتے ہوئے کہنے لگا "یہ تو اور بھی اچھا ہوا موسیو پیری، جنگ میں خوفناک اور میلے میں ناز بردار فرانسیسی ایسے ہوتے ہیں" یہ کہہ کر اس نے پیری کو آنکھ ماری۔

کپتان اسقدر ملنسار اور سادہ تھا کہ پیری نے اسے بشاشت سے دیکھتے ہوئے جوابی آنکھ ماری۔ شاید لفظ "ناز بردار" نے کپتان کے خیالات کا رخ ماسکو کی جانب موڑ دیا تھا۔

وہ کہنے لگا "بات چل نکلی ہے تو ذرا یہ بتائیں کہ آیا واقعی ماسکو کی تمام عورتیں شہر سے نکل گئی ہیں، نہایت عجیب حرکت ہے، انہیں کس سے خطرہ تھا؟"

پیری نے پوچھا "اگر روسی پیرس میں داخل ہو جائیں تو کیا فرانسیسی خواتین شہر سے نہیں جائیں گی؟"

کپتان ہنستے ہوئے بولا "ہا، ہا، ہا!۔۔۔ اچھا ہے، ٹھیک ہے، پیرس۔۔۔ مگر پیرس۔۔۔"

پیری نے اس کی بات مکمل کی "پیرس دنیا کا بہترین شہر ہے"

کپتان نے پیری کی جانب دیکھا، فقرہ درمیان میں چھوڑ دینا اور مسکراتی آنکھوں سے مخاطب کو دیکھنا اس کی عادت تھی۔

وہ کہنے لگا "ٹھیک، اگر آپ نے مجھے یہ نہ بتایا ہوتا کہ آپ روسی ہیں تو میں قسم کھا کر کہتا کہ آپ پیرس کے رہنے والے ہیں۔ آپ میں کوئی ایسی بات ہے جو بیان نہیں کی جا سکتی۔۔۔" یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا اور ایک مرتبہ پھر پیری کے چہرے کو دیکھنے لگا۔

پیری نے کہا "میں پیرس دیکھ چکا ہوں، میں وہاں چند برس گزار چکا ہوں"

کپتان نے کہا "پیرس کے بارے میں کہا جا سکتا ہے! کہ جس نے پیرس نہیں دیکھا وہ حیوان ہے۔۔۔ پیرس کے رہنے والے کو آپ دور سے پہچان سکتے ہیں۔ پیرس۔۔۔ تالما، لا دوشینوکس، پوٹیئر، سوربونے اور بلوارڈ ہے" جب اس نے یہ دیکھا کہ اس کا فقرہ زیادہ زوردار نہیں تو کہنے لگا "دنیا میں صرف ایک پیرس ہے۔ آپ نے پیرس دیکھ لیا اور پھر بھی روسی رہے، بہر حال اس سے میری نگاہوں میں آپ کی قدر و منزلت کم نہیں ہوئی"

شراب نوشی اور پھر افسردہ خیالات سوچتے تنہا دن گزارنے کے نتیجے میں اب پیری بھی اس ہنس مکھ اور نیک طینت شخص کی باتوں سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

کپتان بولا "ایک مرتبہ پھر آپ کی عورتوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہ بےحد خوبصورت ہوتی ہیں۔ کیسی بیوقوفانہ حرکت ہے کہ ادھر فرانسیسی شہر میں داخل ہوئے اور ادھر وہ گھاس کے میدانوں میں چھپ گئیں۔ انہوں نے کس قدر عمدہ موقع گنوا دیا۔ اب تمہارے دیہی کسان، بہر حال چھوڑو یہ اور بات ہے۔ آپ تو ہمیں جانتے ہی ہیں، ہم نے ویانا، برلن، میڈرڈ، نیپلز، روم، وارسا پر قبضہ کیا۔ یہ تمام دنیا کے گنے چنے بہترین شہر اور ملکوں کے دارالحکومت ہیں۔ ایک دنیا ہم سے خوفزدہ ہے مگر ہم سے لوگ محبت کرتے ہیں۔ ہمیں جاننا بری بات نہیں، اس کے علاوہ ہمارے شہنشاہ۔۔۔" پیری نے اسے ٹوک دیا۔

اس نے کپتان سے کہا "شہنشاہ، کیا شہنشاہ؟" اس کے چہرے پر اچانک افسردگی اور شرمساری کا تاثر نمودار ہو گیا تھا۔

فرانسیسی کپتان کہنے لگا "شہنشاہ؟ وہ تو رحم دل، انصاف پسند اور نظم و ضبط کے شیدائی ہیں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ وہ ایسے ہی ہیں۔ یہ باتیں میں یعنی رامبلی آپ کو بتا رہا ہوں۔ آٹھ سال قبل آپ کے سامنے بیٹھا شخص یعنی میں اس کا دشمن تھا۔ میرا باپ مہاجر نواب ہے۔ مگر اس شخص نے مجھے مکمل طور پر تسخیر کر لیا۔ میرا دل اس کی گرفت میں آ گیا۔ وہ فرانس کو جو شان و شوکت عطا کر رہا تھا میں اس سے نگاہیں نہ چرا پایا۔ جب مجھے اس کے مقاصد بارے اچھی طرح علم ہو گیا اور میں نے دیکھا کہ وہ ہمارے لئے کیا کچھ کر رہا ہے تو جانتے ہیں کہ میں نے اپنے آپ سے کیا کہا؟ میں نے کہا' یہ تو بادشاہوں جیسے کام ہیں' پھر میں نے خود کو اس کے حوالے کر دیا۔ جو ہونا تھا ہو چکا، اب اسے واپس نہیں لایا جا سکتا۔ او وہ ہاں، وہ ماضی اور مستقبل کی تمام صدیوں کا عظیم ترین شخص ہے۔

پیری نے جھجکتے ہوئے پوچھا "کیا وہ ماسکو میں ہیں؟"

فرانسیسی جان گیا کہ کوئی خاص بات ہے تاہم وہ مسکرا دیا۔

اس نے جواب دیا "نہیں، وہ کل آئیں گے" اور مزید باتوں میں مصروف ہو گیا۔

اسی اثناء میں بڑے دروازے سے کچھ لوگوں کی بحث و تکرار سنائی دی اور ان کی گفتگو کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ موریل کمرے میں آیا اور اس نے کپتان کو بتایا کہ ورٹمبرگ کے چند ہوزار آئے ہیں اور وہ اسی صحن میں اپنے گھوڑے کھڑے کرنا چاہتے ہیں جہاں کپتان کے گھوڑے بندھے ہیں۔ مسئلہ یہ تھا کہ ہوزاروں کو فرانسیسی زبان سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

رامبلی نے ان کے سینئر افسر کو بلایا اور سختی سے پوچھا کہ ان کا تعلق کس رجمنٹ سے ہے؟ اس کا کمانڈنگ افسر کون ہے؟ اور وہ پہلے سے زیر قبضہ مکان پر کیوں تسلط جمانا چاہتا ہے؟ جرمن کو بھی واجبی سی فرانسیسی آتی تھی۔ اس نے

ابتدائی دو سوالات کے جواب میں اپنی رجمنٹ اور کمانڈر کے نام بتلا دیئے مگر وہ تیسرا سوال اچھی طرح نہیں سمجھ پایا تھا۔ اس کے جواب میں وہ اپنی شکستہ فرانسیسی اور جرمن زبان ملا کر کہنے لگا کہ وہ اپنی رجمنٹ کا کوارٹر ماسٹر ہے اور کرنل نے اسے حکم دیا ہے کہ وہ اس گلی کے تمام مکانات پر قبضہ کر لے۔ پیری کو جرمن زبان آتی تھی۔ اس نے افسر کی باتوں کا ترجمہ کر کے کپتان کو بتایا اور کپتان کا جواب جرمن زبان میں ہوزار افسر کو بتا دیا۔ جرمن کو جو بات کہی گئی تھی اس سے مفہوم واضح ہو گیا اور وہ اپنے فوجیوں کو واپس لے گیا۔ کپتان ڈیوڑھی میں چلا آیا اور بلند آواز سے احکامات جاری کرنا شروع کر دیئے۔

جب وہ کمرے میں واپس پہنچا تو پیری سر تھامے اسی جگہ بیٹھا تھا۔ اس کا چہرہ غمزدہ دکھائی دیتا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے وہ تکلیف میں مبتلا ہو۔ جونہی کپتان باہر نکلا اور اسے تنہائی میسر آئی تو خیالات بھی واپس آ گئے۔ وہ جس صورتحال میں پھنس گیا تھا اس کا شدت سے احساس ہونے لگا۔ تکلیف دہ بات یہ نہ تھی کہ ماسکو پر دشمن کا قبضہ ہو گیا تھا اور خوشی سے نہال یہ فرانسیسی فاتحین اس کے مالک بن گئے تھے اور اس کے ساتھ مربیانہ برتاؤ کر رہے تھے۔ اگرچہ یہ باتیں کسی حد تک ضرور اذیت ناک تھیں مگر یہ اس احساس کی طرح تکلیف دہ نہ تھیں کہ وہ کمزور ہو چکا ہے۔ افسر کے ساتھ شراب نوشی اور گفتگو سے اس پر طاری افسردگی کی کیفیت ختم ہو چکی تھی۔ پستول، خنجر اور کسانوں والا کوٹ تیار تھا۔ نپولین کو اگلے دن شہر میں داخل ہو جانا تھا۔ پیری کو یقین تھا کہ انسانیت کے اس دشمن کو ہلاک کرنا ثواب کا کام ہو گا اور اس سے انسانوں کا بھلا ہو گا تاہم اب وہ یہ محسوس کر رہا تھا جیسے وہ یہ کام نہیں کر پائے گا۔ اسے علم نہیں تھا مگر یہ مبہم سا احساس دل و دماغ میں برابر موجود تھا کہ وہ اپنے ارادوں کو عملی جامہ نہیں پہنا سکے گا۔ اس نے اپنی کمزوری چھپانے کیلئے پورا زور لگایا تاہم وہ مبہم انداز میں یہ بات جانتا تھا کہ وہ اس پر غلبہ نہیں پا سکتا اور کچھ عرصہ قبل اس کے دل میں انتقام، خفیہ قتل اور اپنی ذات کی قربانی دینے کے حوالے سے جو خوفناک خیالات پیدا ہوئے تھے وہ اس پہلے شخص سے ملاقات کے بعد ہی ہوا ہو گئے تھے۔

کپتان قدرے لنگڑاتا ہوا کمرے میں آیا، وہ کچھ گنگنا رہا تھا۔

فرانسیسی کی مسلسل گفتگو جو پہلے اسے پر لطف معلوم ہوتی تھی، اب بالکل اچھی نہیں لگ رہی تھی۔ پیری کو اب اس کا گنگنانا، چال ڈھال اور مونچھوں پر ہاتھ پھیرنے کا انداز بھی زہر لگ رہے تھے۔

اس نے سوچا "میں فوری طور پر یہاں سے چلا جاؤں گا اور اس سے کوئی بات نہیں کروں گا" تاہم ایسی باتیں سوچتے ہوئے وہ اپنی جگہ پر ہی بیٹھا رہا۔ کمزوری کے عجیب سے احساس نے اسے کرسی پر بٹھائے رکھا۔ وہ اٹھنا اور وہاں سے جانا چاہتا تھا مگر اپنی جگہ سے بالکل نہ ہل سکا۔

اس کی بجائے کپتان خاصا خوش دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے دو مرتبہ کمرے کا چکر لگایا۔ اس کی آنکھیں روشن تھیں اور وہ مونچھوں پر یوں ہاتھ پھیر رہا تھا جیسے کسی خوش کن خیال سے مسرت حاصل کر رہا ہو۔

اس نے اپنی رائے دیتے ہوئے کہا "ورٹم برگ ہوزاروں کا کرنل خاصا دلچسپ شخص ہے۔ اگرچہ وہ جرمن ہے مگر اچھا شخص ہے۔۔۔ بہرحل ہے تو جرمن" وہ پیری کے سامنے بیٹھ گیا اور کہنے لگا "اس کا مطلب ہے کہ آپ کو جرمن زبان بھی آتی ہے"

پیری اسے خاموشی سے دیکھتا رہا۔

کپتان کہنے لگا "چلیں چھوڑیں، آئیں ماسکو کی شراب سے شغل کرتے ہیں۔ کیا خیال ہے؟ موریل اسے گرم

کرلائے گا" اس نے موریل کو آواز دی۔

موریل موم بتیاں اور شراب کی بوتل لے آیا۔ روشنی میں کپتان کو پیری کا افسردہ اور اذیت سے بھرپور چہرہ دکھائی دیا تو وہ بیحد حیران ہوا۔ رامبیلی فکرمند ہو گیا اور اس کے دل میں پیری کے حوالے سے سچی ہمدردی پیدا ہو گئی۔ وہ اس کے قریب آ گیا۔

رامبیلی نے پیری سے کہا "ارے، آپ اداس کیوں ہیں؟ کیا مجھ سے کوئی غلطی ہوئی؟ نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا، کیا مجھ سے کوئی شکایت ہے؟ ہو سکتا ہے موجودہ صورتحال اس کا سبب ہو؟"

پیری نے کوئی جواب دینے کی بجائے شفقت بھری نگاہوں سے رامبیلی کو دیکھا۔ اس کے چہرے پر ہمدردی کے آثار دیکھ کر وہ خوش ہو گیا۔

کپتان کہنے لگا "میں آپ کا احسانمند تو ہوں ہی، اس کے علاوہ بھی مجھے آپ کی شخصیت پسند ہے۔ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟ میں آپ کی خاطر جان بھی دے سکتا ہوں" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھا۔

پیری نے اس کا شکریہ ادا کیا۔

کپتان نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا "بہرحال میں اس صورتحال میں آپ کے ساتھ دوستی کا جام پینا چاہوں گا" یہ کہہ کر وہ دو گلاسوں میں شراب انڈیلنے لگا۔

پیری نے گلاس پکڑا اور اسے فوراً خالی کر دیا۔ رامبیلی نے بھی اپنا گلاس خالی کر ڈالا۔ اس نے ایک مرتبہ پھر پیری کا ہاتھ دبایا اور کہنی میز پر ٹکا دی۔ اس کے رویے سے ایسا ظاہر ہوتا تھا جیسے اسے کسی شے بارے فکر لاحق ہے۔

کپتان رامبیلی کہنے لگا "اچھا تو میرے دوست، قسمت کے بھی کھیل نرالے ہیں، کسی نے سوچا بھی نہیں ہو گا کہ ایک دن میں فوجی ملازمت اختیار کروں گا اور جیسا کہ ہم کہا کرتے تھے بوناپارٹ کے گھڑ سواروں کا کپتان بن جاؤں گا۔ تاہم دیکھ لیں کہ میں ان کے ساتھ یہاں ماسکو میں موجود ہوں۔ میں آپ کو بتا دوں کہ میرا تعلق فرانس کے قدیم ترین خاندان سے ہے"

اس نے جس سچائی اور سادگی سے پیری کو اپنے آباؤاجداد، بچپن، لڑکپن اور جوانی نیز رشتہ داروں اور گھریلو معاملات سے آگاہ کیا اس طرح کوئی فرانسیسی ہی بتا سکتا ہے۔

وہ کہنے لگا "مگر یہ تمام چیزیں محض زندگی کیلئے عمدہ ماحول ترتیب دیتی ہیں، اصل شے محبت ہے، صرف محبت۔ کیوں موسیو پیری، میں نے درست کہا؟" اس کی زندہ دلی میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔ اس نے ایک اور گلاس مانگا۔

شراب نوشی کے دوران کپتان پیری کو دیکھنے اور اپنی عشق و محبت کی داستانیں سنانے لگا۔

کپتان خوش شکل تھا اور اس کے چہرے سے اطمینان جھلک رہا تھا، اس کے علاوہ خواتین کے تذکرے پر وہ جوش و خروش سے بھر جاتا تھا۔ ان باتوں سے یہ معلوم ہوتا تھا جیسے اس نے لاتعداد عشق کئے ہوں گے اور یہ تعداد واقعی خاصی زیادہ تھی۔ اگرچہ اس کی تمام عشقیہ داستانوں پر اسی ہوس پرستی کا غلبہ تھا جس میں فرانسیسیوں کو محبت کی مخصوص کشش اور شعری کیفیت دکھائی دیتی ہے تاہم اس نے اپنی داستان یوں بیان کی جیسے اسے پورا یقین ہو کہ صرف اسی کی ذات نے محبت سے بھرپور لطف اٹھایا اور اس سے صحیح طور سے لطف اندوز ہوئی۔ اس نے خواتین کی شکل و شباہت کچھ ایسے انداز سے بیان کی کہ پیری دلچسپی سے اس کی باتیں سنتا رہا۔

یہ بات عیاں تھی کہ فرانسیسی کپتان جس محبت کا جوش وخروش سے ذکر کررہا تھا وہ نادانی پرمبنی سادہ محبت نہ تھی جو پیری نے کبھی اپنی بیوی کیلئے محسوس کی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ وہ رومانی محبت بھی نہیں تھی جو وہ نتاشا سے کرتا تھا۔ رامبلی ایسی دونوں محبتوں سے نفرت کا اظہار کررہا تھا۔ اس کے خیال میں ان میں سے ایک محبت گنوار لوگوں کی تھی اور دوسری کم عقل لوگوں کو ہوتی تھی۔ فرانسیسی کپتان کے خیال میں خواتین کے ساتھ اصل محبت ان سے ناجائز تعلقات کے نتیجے میں ہوتی تھی۔

رامبلی نے ایک پینتیس سالہ خاتون مارکوئس سے اپنے عشق کی غمگین داستان بیان کی۔ اس نے صرف مارکوئس سے عشق نہیں کیا تھا بلکہ اس کی سترہ سالہ بیٹی کو بھی اپنے سحر میں گرفتار کرلیا تھا۔ ماں بیٹی دونوں اس سے محبت کا دم بھرتی تھیں اور آخرکار ماں نے شکست تسلیم کرلی اور اپنی بیٹی شادی کیلئے اپنے عاشق کو پیش کردی۔ اگرچہ یہ پرانی داستان تھی مگر اسے بیان کرتے ہوئے رامبلی کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ بعدازاں اس نے ایک اور واقعہ سنایا۔ اس میں خاوند نے عاشق اور اس نے عاشق کی بجائے خاوند کا کردار سنبھال لیا تھا۔ بعدازاں رامبلی نے داستان پر داستان سنانا شروع کردی۔

آخر میں اس نے پولینڈ میں اپنی تازہ ترین کارروائی کے بارے میں بتایا۔ یہ داستان اسے ابھی تک اچھی طرح یاد تھی۔ اسے سناتے ہوئے اس کا چہرہ سرخ ہوگیا اور وہ ہاتھوں سے اشارے کرنے لگا۔ اس نے بتایا کہ کس طرح اس نے ایک پولش شخص کی جان بچائی تھی (کپتان کی داستانوں میں جان بچانے کے واقعات کا کثرت سے ذکر ملتا تھا) پولش خاتون کے شوہر نے اپنی بیوی اس کے حوالے کردی جو پیرس سے عشق کرتی تھی اور خود فرانسیسی فوج میں بھرتی ہوگیا۔ کپتان کی قسمت اچھی تھی۔ پولش خاتون اس کے ساتھ بھاگ جانا چاہتی تھی مگر کپتان نے فیاضی کا مظاہرہ کیا اور یہ کہہ کر بیوی اس کے شوہر کے حوالے کردی کہ "میں نے آپ کی جان بچائی تھی اور اب آپ کی عزت بھی واپس کررہا ہوں" یہ الفاظ دہرانے کے بعد کپتان نے آنسو صاف کیے اور جسم کو یوں زور سے جھٹکا جیسے وہ اس یاد کے ساتھ خود پر طاری ہونیوالی کمزوری بھلادینا چاہتا ہو۔

رات خاصی گزرگئی اور شراب نوشی کے اثرات سامنے آنے لگے تو دیگر لوگوں کی طرح پیری بھی کپتان کی باتیں سنتا رہا۔ اگرچہ وہ اس کی گفتگو پر کان دھرے بیٹھا تھا مگر اس کے ساتھ ساتھ اپنی یادوں میں بھی کھویا رہا جو اچانک اس کے ذہن پر حملہ آور ہورہی تھیں۔ عشقیہ داستانیں سنتے سنتے اسے غیر متوقع طور پر نتاشا کے ساتھ اپنی محبت یاد آنے لگی اور اس کے ساتھ ساتھ ذہن میں مختلف مناظر بھی ابھرنا شروع ہوگئے۔ وہ دل ہی دل میں ان مناظر کا رامبلی کی داستانوں سے موازنہ کرنے لگا۔ جب کپتان عشق اور فرض کے مابین کھینچا تانی کی داستان سنا رہا تھا تو پیری کی نگاہوں کے سامنے سخاریف مینار کے قریب اپنی محبت سے آخری ملاقات کی تمام تر تفصیلات گھومنے لگیں۔ اس وقت یہ ملاقات اس پر بالکل اثر انداز نہیں ہوئی تھی۔ اس دن سے اب تک اس نے اس ملاقات کے بارے میں سوچا تک نہ تھا مگر اب اسے یوں لگا جیسے یہ ملاقات نہایت اہم اور شعریت سے بھرپور تھی۔

اس کے ذہن میں نتاشا کے الفاظ گونجنا شروع ہوگئے "پیٹر کریلچ، یہاں آیئے، ہم نے آپ کو پہچان لیا ہے" اس کی آنکھوں، مسکراہٹ، ٹوپی کے نیچے سے جھانکتے بالوں اور دیگر چیزوں میں اسے کوئی حسرتناک اور رقت انگیز بات دکھائی دے رہی تھی۔

جادوئی شخصیت کی مالک پولش خاتون کی داستان سنانے کے بعد کپتان نے پیری سے پوچھا "کیا کبھی آپ

کو بھی محبت کی خاطر اپنی ذات کی قربانی دینے کا جذبہ محسوس ہوا؟ یا قانونی شوہر سے رقابت کا کوئی تجربہ ہوا؟"

پیری کو یہ سوال چیلنج محسوس ہوا۔ اس نے نگاہیں اٹھائیں اور اچانک وہ خیالات بیان کرنا شروع کردیئے جنہوں نے اس وقت اس کے دماغ پر یلغار کررکھی تھی۔ اس نے تفصیل سے بتانا شروع کردیا کہ خاتون سے محبت کے حوالے سے اس کے نظریات مختلف ہیں۔ اس نے بتایا کہ میں نے زندگی بھر صرف ایک لڑکی سے محبت کی اور اب بھی اسی سے پیار کرتا ہوں مگر وہ کبھی میری نہیں ہوسکتی۔

کپتان کے استفسار پر پیری نے اسے بتایا کہ کس طرح وہ جوانی کے آغاز سے ہی اس لڑکی کو چاہتا رہا ہے مگر کبھی اسے اپنانے کی ہمت نہیں ہوسکی کیونکہ وہ بالکل ہی چھوٹی ہے اور کہنے لگا "میں ناجائز اولاد تھا اور مجھے خاندانی نام بھی حاصل نہ تھا۔ بعدازاں جب نام اور دولت مل گئی تو پھر بھی اس کے بارے میں نہ سوچ سکا کیونکہ مجھے اس سے بیحد محبت ہے اور میں اسے تمام لوگوں بالخصوص اپنے آپ سے بیحد بلند سمجھتا ہوں"

یہ کہنے کے بعد پیری نے کپتان سے پوچھا کہ آیا وہ اس کی باتیں سمجھ رہا ہے۔

کپتان نے کچھ ایسا ظاہر کیا جیسے چاہے اسے پیری کی بات سمجھ نہ آئے تاہم وہ اپنی داستان جاری رکھے۔

وہ بڑبڑانے لگا "افلاطونی محبت، چاندنی۔۔۔" یا تو اس شراب کا اثر تھا یا سچ بولنے کی ترغیب، یا یہ خیال کہ اس شخص کا میری داستان سے کوئی تعلق نہیں ہے اور یہ اس کے بارے میں کچھ جانتا ہے نہ جان پائے گا، بہرحال جو بھی بات تھی، پیری مسلسل بولنا شروع ہوگیا۔ کثرت شراب نوشی سے اس کی زبان لڑکھڑا رہی تھی اور یوں لگتا تھا جیسے اس کی روشن آنکھیں کہیں ماضی میں دیکھ رہی ہیں تاہم اس نے گفتگو جاری رکھی اور اپنی زندگی کی کہانی بیان کرتا رہا۔ اس نے اپنی شادی، نتاشا کی اس کے بہترین دوست سے محبت، پھر اس سے بے وفائی اور نتاشا سے اپنے عمومی تعلقات بارے بھی سب کچھ بلاکم وکاست بیان کردیا۔ اس کے علاوہ رامبلی کے اصرار پر اس نے دیگر باتیں بشمول اپنا نام اور معاشرے میں مقام بھی بتادیا جسے پہلے اس نے خفیہ رکھنے کی کوشش کی تھی۔

پیری کی داستان میں کپتان کو کسی اور بات کی نسبت جس شے نے زیادہ متاثر کیا وہ پیری کا امیر کبیر ہونا تھا۔ ماسکو میں اس کی دو وسیع وعریض رہائشگاہیں تھیں اور اس کے باوجود وہ ماسکو سے فرار ہوئے بغیر سب کچھ چھوڑ چھاڑ چکا تھا۔ اس نے صرف اپنا نام اور معاشرے میں مقام چھپایا تھا۔

رات خاصی بھیگ چکی تھی۔ دونوں اٹھ کر باہر گلی میں جانکلے۔ رات نیم گرم اور کسی قدر روشن تھی۔ مکان کی بائیں جانب پیٹروو کا شاہراہ پر ماسکو میں لگنے والی پہلی آگ کی لو دکھائی دے رہی تھی۔ آسمان پر دائیں جانب پہلی راتوں کا چاند تھا اور دوسری طرف وہ دمدار ستارہ دکھائی دے رہا تھا جو پیری کے ذہن میں اپنی محبت کے حوالے سے نقش تھا۔ گیراسم، باورچی اور دو فرانسیسی بڑے دروازے پر کھڑے ایک دوسرے سے ہنسی مذاق کررہے تھے۔ وہ مختلف زبانوں میں بات چیت کرنے کے باوجود قہقہے لگارہے تھے اور شہر میں جلتی آگ کی لو دیکھنے میں منہمک تھے۔

طویل وعریض شہر میں کہیں دور آگ لگی ہوئی تھی مگر اتنے فاصلے پر وہ بالکل معمولی دکھائی دیتی تھی اور یہ بالکل اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ یہ آگ کسی بڑے خطرے کی علامت بھی ہوسکتی ہے۔

ستاروں سے بھرا بلند وبالا آسمان، دمدار ستارہ، چاند اور آگ کی سرخی کو دیکھ کر پیری کو اپنے وجود میں نازک اور مسرت بخش احساس بیدار ہوتا محسوس ہوا۔ اس نے سوچا "یہ سب کچھ کس قدر خوبصورت ہے۔ انسان کو اس کے علاوہ اور کیا چاہئے؟" تاہم پھر اسے اچانک اپنا ارادہ یاد آگیا اور اس کا سر چکرانے لگا۔ اس نے اتنی کمزوری محسوس کی کہ

یوں محسوس ہونے لگا جیسے وہ ابھی نیچے گر جائے گا۔

وہ اپنے نئے دوست سے پوچھے بغیر دروازے سے پیچھے ہٹا اور لڑکھڑاتے قدموں سے کمرے میں آکر صوفے پر جالیٹا اور فوراً سو گیا۔

(30)

ماسکو سے فرار ہونیوالے شہریوں اور پیچھے ہٹنے والے سپاہیوں کو 2 ستمبر کے دن بھڑکنے والی پہلی آگ کی سرخی مختلف سڑکوں سے دکھائی دی۔ یہ آگ دیکھ کر ان کے دلوں میں ابھرنے والے جذبات بھی مختلف اقسام کے تھے۔

رستوف خاندان اور ان کے کارواں نے وہ رات ماسکو سے بیس کلومیٹر دور میتشچی نامی مقام پر گزاری۔ وہ یکم ستمبر کو اسقدر دیر سے روانہ ہوئے تھے اور سڑکوں پر فوجیوں اور گاڑیوں کا اتنا رش تھا، اس کے ساتھ وہ اسقدر چیزیں بھول گئے اور انہیں لانے کیلئے ملازمین کو بار بار واپس بھیجنا پڑا کہ آخر میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ وہ رات ماسکو سے پانچ کلومیٹر دور کسی جگہ پر گزاریں گے۔ اگلی صبح وہ دیر سے اٹھے اور دوران سفر انہیں بار بار تاخیر ہوتی رہی جس کی وجہ سے وہ میتشچی کلاں سے آگے نہ بڑھ سکے۔ اس رات دس بجے تک رستوف گھرانہ اور ان کے ساتھ محو سفر زخمی اسی قصبے کے مکانوں اور صحنوں میں قیام کر چکے تھے۔ رستوف خاندان کے ملازمین، کوچوانوں اور زخمیوں کے اردلیوں نے اپنے آقاؤں کی ضروریات پوری کرنے کے بعد کھانا کھایا اور گھوڑوں کو چارہ اور دانہ ڈال کر ڈیوڑھیوں میں آ گئے۔

قریبی جھونپڑے میں رائیوسکی کا ایجوٹنٹ لیٹا تھا۔ اس کی کلائی ٹوٹ چکی تھی اور وہ درد کی شدت سے مسلسل چیخ رہا تھا۔ خزاں کی رات میں اس کی چیخ و پکار نہایت خوفناک معلوم ہوتی تھی۔ اس نے گزشتہ رات رستوف خاندان کے ساتھ ایک صحن میں گزاری تھی۔ بیگم رستوف کہتی تھی کہ اس کی چیخ و پکار کے باعث وہ رات کو بالکل نہیں سو پائی تھی اور میتشچی میں پہلے سے کم آرام دہ مکان میں اسی لئے منتقل ہوئی ہے کہ اس کے کانوں تک زخمی کی چیخیں نہ پہنچ سکیں۔

رات کے وقت ایک خدمتگار کو ڈیوڑھی کے سامنے کھڑی اونچی گاڑی کے اوپر آگ کی سی سرخی دکھائی دی۔ ایسی ہی ایک لو خاصی دیر پہلے سے دکھائی دے رہی تھی اور ہر شخص کو علم ہو گیا تھا کہ میتشچی خورد نذر آتش ہو چکا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ اسے ماموتوف کے قازقوں نے آگ لگائی ہوگی۔

اردلی نے ساتھیوں کی توجہ اس جانب مبذول کراتے ہوئے کہا "ساتھیو! وہ دیکھو، ایک اور جگہ آگ لگی ہوئی ہے" تمام لوگ اسی طرف دیکھنے لگے۔

کسی نے کہا "کہتے ہیں کہ ماموتوف کے قازقوں نے میتشچی خورد جلا دیا ہے"

کوئی بولا "نہیں یار، یہ میتشچی خورد نہیں، یہ تو کہیں دور آگ لگی ہے"

ایک آواز سنائی دی "یہ ماسکو ہے" دو افراد ڈیوڑھی سے نکلے اور کوچ کا چکر کاٹ کر دوسری جانب سیڑھیوں پر گئے۔ ایک کہنے لگا "یہ تو بہت دور ہے اور بائیں جانب دکھائی دے رہی ہے۔ کیوں، میتشچی ادھر ہے اور یہ بالکل ہی دوسری سمت میں لگی ہے"

کئی مزید اشخاص پہلے دو افراد کے پاس چلے آئے۔

ایک کہنے لگا "ذرا دیکھو کتنی تیزی سے پھیل رہی ہے، دوستو یہ آگ ماسکو میں ہی لگی ہے، یہ سوشچوسکی میں لگی ہے یا روگوزسکی میں"

اس کی بات کے جواب میں کسی نے کچھ نہ کہا اور کچھ دیر خاموشی سے ٹکٹکی باندھ کر اس نئی اور خوفناک آگ کو دیکھتے رہے جو دور فاصلے پر بھڑکتی دکھائی دے رہی تھی۔

نواب کا ملازم دانیلو تیریچ اس گروہ کے قریب آیا اور مشکا سے کہنے لگا "یہ تم کیا دیکھ رہے ہو، کسی وقت نواب صاحب آواز دیں گے، جاؤ اور ان کے کپڑے تیار کرو"

مشکا کہنے لگا "میں تو محض پانی لینے آیا تھا"

ایک ملازم کہنے لگا "دانیلو تو کیا کہتا ہے؟ یوں لگتا ہے کہ آگ ماسکو میں لگی ہے، کیا خیال ہے؟"

دانیلو نے کوئی جواب نہ دیا اور بھی لوگ کافی دیر تک ٹکٹکی باندھ کر آگ دیکھتے رہے۔

کوئی بولا "خداوند کرم کرے، ہوا اور خشک موسم۔۔۔"

ایک نے کہا "ذرا دیکھو، کتنی تیزی سے پھیلتی جا رہی ہے، اوہ خدایا! اب تو کوے بھی اڑنے لگے ہیں، خداوند ہم پر رحم فرما"

کسی جانب سے کہا گیا "فکر مت کرو، وہ اسے بجھا دیں گے"

دانیلو جو اب تک خاموش کھڑا تھا، اچانک بولا "اسے کون بجھائے گا؟ میرے بھائیو، یہ ماسکو ہے، ہماری ماں ماسکو، سفید شہر۔۔۔" وہ اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ اس کی آواز لڑکھڑا گئی اور وہ ایکدم بوڑھوں کی طرح سسکیاں بھرنے لگا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ جس تیز روشنی کو دیکھ رہے تھے اس کا مطلب جاننے کیلئے انہیں اسی کا انتظار تھا۔ ہجوم میں دعاؤں کے الفاظ اور بوڑھے خدمتگار کی سسکیاں سنائی دے رہی تھیں۔

(31)

خدمتگار اندر چلا گیا اور اس نے نواب کو بتایا کہ ماسکو میں آگ لگ گئی ہے۔ نواب نے ڈریسنگ گاؤن پہنا اور خود باہر چلا آیا۔ سونیا اور مادام شوس اس کے ساتھ چلی آئیں۔ انہوں نے اپنے لباس نہیں بدلے تھے۔ نتاشا اور بیگم رستوف اکیلی اندر رہ گئیں۔ پیٹیا اپنی رجمنٹ کے ساتھ جا ملا تھا جو اب ٹروئٹسا کی طرف بڑھ رہی تھی۔

بیگم رستوف نے ماسکو کی آتشزدگی کے بارے میں سنا تو رونا شروع کر دیا۔ نتاشا کمرے میں آویزاں مقدس تصویروں کے نیچے بیٹھی تھی۔ اس کا چہرہ پیلا پڑ چکا تھا اور وہ خلاؤں میں گھور رہی تھی۔ اس نے اپنے والد کی بات پر کوئی توجہ نہ دی۔ اس کا ذہن قریبی مکان میں ایجوٹنٹ کی چیخوں پر مرتکز تھا۔

سونیا نے واپس آکر بتایا "اوہ، کتنی خوفناک آگ ہے" وہ سردی اور خوف سے کپکپا رہی تھی۔ وہ کہنے لگی "مجھے یقین ہے کہ ماسکو جل کر خاکستر ہو جائیگا۔ آسمان خوفناک انداز میں سرخ ہو رہا ہے۔ نتاشا! تم بھی دیکھو، کھڑکی سے نظر آ جائے گا" وہ صبر و تحمل سے نتاشا کی توجہ بٹانے کی کوشش کر رہی تھی۔

نتاشا اس کی جانب یوں دیکھنے لگی جیسے کوئی بات نہ سمجھ پائی ہو۔ اس نے اپنی نگاہیں ایک مرتبہ پھر کونے میں پڑے چولہے پر ٹکا دیں۔ وہ صبح سے بوکھلائی ہوئی تھی جب سونیا نے نامعلوم وجوہات کے سبب اسے شہزادہ آندرے کے اپنے ساتھ سفر اور اس کے زخمی ہونے کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا۔ اس حرکت پر بیگم رستوف کو حیرت کے ساتھ ساتھ غصہ بھی آیا۔ اسے اتنا غصہ کبھی کسی پر نہیں آیا تھا۔ سونیا رو رو کر معافیاں مانگتی رہی تھی اور اب گویا اپنی غلطی کے ازالے کے لئے نتاشا پر بھرپور توجہ مرکوز کئے ہوئے تھی۔

اس نے کہا "نتاشا، دیکھو کتنی خوفناک آگ ہے"

نتاشا نے پوچھا "کیا جل رہا ہے؟ اوہ، ہاں ماسکو"

اس نے اپنا رخ یوں کھڑکی کی طرف کیا جیسے سونیا سے جان چھڑانے کی خواہشمند ہو اور اس کے جذبات کو ٹھیس نہ پہنچانا چاہتی ہو۔ تاہم وہ اس طرح دیکھ رہی تھی جس سے ظاہر ہوتا تھا جیسے وہ کچھ بھی نہیں دیکھ رہی اور پھر وہ دوبارہ پہلی حالت میں واپس آگئی۔

سونیا نے کہا "مگر تم نے تو دیکھی ہی نہیں"

نتاشا بولی "ہاں، میں واقعی دیکھ چکی ہوں" اس کا لہجہ کچھ ایسا تھا جیسے درخواست کر رہی ہو کہ اسے پریشان نہ کیا جائے اور اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے۔

بیگم اور سونیا پر یہ بات واضح ہوگئی کہ نتاشا پر جو کیفیت طاری ہے اس میں ماسکو یا اس کا نذر آتش ہونا اس کیلئے کوئی معنی نہیں رکھتا۔

نواب رستوف واپس چلا آیا اور پردے کے پیچھے جا لیٹا۔ بیگم نتاشا کے پاس گئی اور ہاتھ کی پشت سے اس کا سر سہلانے لگی۔ اس کی عادت تھی کہ جب بھی اس کی بیٹی بیمار ہوتی تو وہ اسی طرح اس کا سر سہلایا کرتی تھی۔ پھر اس نے بخار کا اندازہ کرنے کیلئے اپنے ہونٹ اس کے ماتھے پر رکھے اور بوسہ لیا۔

اس نے نتاشا سے کہا "تمہارا جسم ٹھنڈا ہے اور کپکپا رہا ہے، بہتر ہوگا کہ لیٹ جاؤ"

نتاشا بولی "لیٹ جاؤں؟ ٹھیک ہے، لیٹ جاتی ہوں"

اس صبح جب نتاشا کو علم ہوا کہ شہزادہ آندرے بھی ان کے ساتھ محو سفر ہے تو اس نے شروع میں صرف یہی سوال پوچھے کہ "وہ کہاں جا رہے ہیں؟ کیسے زخمی ہوئے؟ ان کی حالت کیسی ہے؟ اور کیا میں انہیں دیکھ سکتی ہوں؟" تاہم جب اسے یہ بتایا گیا کہ وہ اسے نہیں دیکھ سکتی کیونکہ اسے کاری زخم آئے ہیں تاہم زندگی کو کوئی خطرہ نہیں، یہ سن کر اس نے پھر کوئی سوال نہ پوچھا۔ یہ بات صاف ظاہر تھی کہ اسے جو کچھ بتایا جا رہا تھا وہ اس پر اعتبار نہیں کر رہی تھی اور اسے یقین تھا کہ وہ جیسے بھی سوال کرے، ایسے ہی جواب ملیں گے۔ وہ تمام دن گاڑی کے کونے میں خاموش بیٹھی رہی۔ اس کی پھٹی پھٹی آنکھیں جس طرح خلاؤں میں گھورتی رہتی تھیں اس سے بیگم کو بیحد ڈر لگتا تھا۔ وہ اس معمولی مکان میں بیچ پر اب بھی اسی انداز میں بیٹھی تھی۔ بیگم رستوف کو یہ علم ہو گیا تھا کہ وہ سر جھکائے اداسی سے کسی سوچ میں غرق تھی، کوئی منصوبہ بنا رہی تھی یا پہلے ہی کوئی فیصلہ کر چکی تھی تاہم وہ یہ نہ جان پائی تھی کہ یہ فیصلہ کیا تھا، اسی بارے وہ کوئی اندازہ نہیں لگا سکتی تھی اور یہی سوچ کر اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔

بیگم رستوف کہنے لگی "نتاشا، میری پیاری بیٹی، لباس بدل کر میرے بستر پر لیٹ جاؤ"

صرف بیگم رستوف کیلئے پلنگ پر بستر بچھایا گیا تھا اور مادام شوس سمیت دونوں لڑکیوں نے فرش پر بچھے گھاس پھونس پر لیٹنا تھا۔

نتاشا نے غصے میں جواب دیا "نہیں امی! میں یہیں گھاس پر لیٹ جاؤں گی" وہ اٹھ کر کھڑکی کے پاس گئی اور اسے کھول دیا۔ کھڑکی کھلی تو ایجوٹنٹ کی چیخیں مزید واضح طور پر سنائی دینے لگیں۔ نتاشا نے اپنا سر جھکایا اور کھڑکی سے باہر جھانکنے لگی۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ بیگم نے دیکھا کہ وہ سسکیاں بھر رہی ہے اور اس کے دبلے پتلے نازک کندھے کانپ رہے تھے۔ نتاشا جانتی تھی کہ چیخنے والا شخص شہزادہ آندرے نہیں ہے۔ اسے علم تھا کہ آندرے بھی انہی والے

احاطے میں مقیم ہے۔ وہ ڈیوڑھی کی دوسری جانب والی عمارت میں تھا تاہم ان مسلسل چیخوں کے باعث اس کے منہ سے بھی سسکیاں برآمد ہونے لگی تھیں۔ بیگم اور سونیا نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔

بیگم نے نتاشا کے کندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھا اور کہنے لگی "لیٹ جاؤ پیاری، لیٹ جاؤ، یہاں پلنگ پر آکر لیٹ جاؤ"

نتاشا نے کہا "ہاں، ابھی آتی ہوں" یہ کہہ کر اس نے اپنا کوٹ اتارنا شروع کر دیا۔

وہ لباس بدلنے کے بعد فرش پر بچھائے گئے بستر پر بیٹھ گئی۔ اس نے اپنے باریک بالوں کی لٹ کندھے کے اوپر سے اگلی جانب کی اور اسے کھول کر تین حصوں میں تقسیم کر کے مہارت سے گوندھنا شروع کر دیا۔ اس دوران اس کی گردن عادت کے باعث دائیں بائیں ہلتی رہی تاہم بے چین نگاہیں اسی شدت سے سامنے دیکھتی رہیں۔ لباس بدلنے کے بعد وہ خاموشی سے گھاس پر بچھی چادر پر لیٹ گئی۔

سونیا بولی "نتاشا تم درمیان میں لیٹ جاؤ"

نتاشا بڑبڑائی "نہیں، میں یہیں ٹھیک ہوں، تم بھی لیٹ جاؤ" یہ کہہ کر اس نے اپنا منہ تکیے میں چھپا لیا۔

بیگم رستوف، مادام شوس اور سونیا نے جلدی سے لباس بدلا اور لیٹ گئیں۔ مقدس تصاویر کے سامنے چھوٹا سا چراغ روشن تھا اور کمرے میں صرف اسی کی مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی تاہم صحن دو کلومیٹر دور میتیشچی خورد میں بھڑکنے والی آگ کے باعث روشن ہو رہا تھا۔ زخمی ایجوٹنٹ کی چیخیں بدستور سنائی دے رہی تھیں اور سڑک کی دوسری جانب ایک شراب خانے سے غل غپاڑے کی آواز بھی آ رہی تھی جس میں مامونوف کے قازق بزور طاقت داخل ہو گئے تھے۔

نتاشا کافی دیر تک باہر سے آنیوالی ان آوازوں کو سنتی اور ساکت لیٹی رہی۔ پہلے اس نے اپنی والدہ کو آہیں بھرتے، دعائیں مانگتے اور پلنگ کو اس کے وزن تلے چرچراتے سنا، پھر مادام شوس کے مانوس سیٹیوں جیسے خراٹے اور سونیا کی مدھم سانسوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ بیگم نے نتاشا کو آواز دی۔ نتاشا خاموش لیٹی رہی۔

سونیا نے بیگم رستوف سے کہا "امی، میرا خیال ہے کہ وہ سو چکی ہے"

کچھ دیر خاموشی کے بعد بیگم نے کوئی اور بات کی مگر اب کسی جانب سے جواب نہ آیا۔

کچھ دیر بعد نتاشا کو اپنی والدہ کی سانسوں کی آواز سنائی دینے لگی۔ اگرچہ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ لحاف سے باہر نکلا اس کا چھوٹا سا برہنہ پاؤں فرش پر ٹھنڈا ہو رہا ہے تاہم وہ اپنی جگہ سے نہ ہلی۔

دور کسی شگاف میں جھینگر کی آواز سنائی دی جیسے پوری دنیا پر اپنی فتح کی خوشی منا رہا ہو۔ کہیں دور مرغ نے اذان دی اور قریب سے دوسرے نے جواب دیا۔ شراب خانے میں شور شرابہ بند ہو گیا، صرف زخمی ایجوٹنٹ کی آہ و بکا سنائی دے رہی تھی۔ نتاشا اٹھ بیٹھی۔

اس نے سرگوشی کے انداز میں کہا "سونیا، سو گئیں، امی؟"

اسے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی بھاری شے زور سے مکان کی دیواروں سے ٹکرا رہی ہو اور اس ٹکراؤ کے نتیجے میں تال بھری آوازیں پیدا ہو رہی ہیں۔ درحقیقت یہ اس کے اپنے دل کی دھڑکن تھی جو خوف کے مارے اسے بلند آواز میں سنائی دے رہی تھی۔

نتاشا نے دروازہ کھولا، آہستگی سے دہلیز عبور کی اور ٹھنڈی گیلی زمین پر قدم رکھا۔ ٹھنڈی ہوا جسم سے ٹکرائی تو وہ خود کو تازہ دم محسوس کرنے لگی۔ راستہ تلاش کرنے کی کوشش میں اس کا پاؤں کسی شخص سے ٹکرا گیا اور وہ اس کے

اوپر سے کو دگئی۔ پھر اس نے اس کمرے کا دروازہ کھولا جس میں شہزادہ آندرے لیٹا ہوا تھا۔ کمرے میں گھپ اندھیرا تھا۔ دور کونے میں بنچ پر موم بتی دھری تھی اور پلنگ پر کوئی شخص لیٹا تھا۔

نتاشا کو جب سے شہزادہ آندرے کے بارے میں معلوم ہوا تھا، اس وقت سے وہ اس سے ملنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ اسے یہ تو علم نہ تھا کہ یہ ملاقات کیوں ضروری ہے مگر یہ جانتی تھی کہ ایسی ملاقات خود اس کیلئے تکلیف کا باعث ہوگی اور وہ یقین کرنے لگی کہ یہ ملاقات لازمی ہوتی ہے۔

وہ آندرے سے ملاقات کیلئے رات کا انتظار کرتی رہی تھی مگر جب ملاقات کی گھڑی آئی تو اس کے دل میں خوف نے گھر کر لیا کہ نجانے وہاں کیا دیکھنا پڑے گا۔ وہ سوچ رہی تھی" کیا اس کی شکل مسخ ہو چکی ہوگی؟ کتنی؟ باقی کیا بچا ہوگا؟ کیا وہ اسی ایجوٹنٹ کی طرح مسلسل رو چلا رہا ہوگا؟ ہاں وہ اسی طرح ہوگا" اس کے تصورات میں مسلسل آہ وفغاں میں مصروف تھا۔ جب اسے کونے میں غیر واضح سی شکل دکھائی دی تو اس نے غلطی سے اس کے اوپر اٹھے گھٹنوں کو کندھے سمجھ لیا۔ اس کے ذہن میں خوفناک جسم کی شکل ابھری اور وہ وہیں کھڑی رہ گئی۔ تاہم ایک بے چین جذبا سے آگے لے گیا جسے روکنا اس کے بس میں نہ تھا۔ اس نے احتیاط سے ایک اور پھر دوسرا قدم آگے بڑھایا۔ وہ کمرے کے وسط میں کھڑی تھی۔ یہاں سفری سامان کے ڈھیر لگے تھے۔ مقدس تصویروں کے نیچے بنچوں پر ایک اور شخص لیٹا تھا (یہ تیموخن) تھا جبکہ ڈاکٹر اور ملازمین فرش پر لیٹے ہوئے تھے۔

ایک خدمتگار اٹھ کر بیٹھ گیا اور اس نے سرگوشی کے انداز میں کچھ کہا۔ تیموخن جو زخمی ٹانگ میں درد کے باعث جاگ رہا تھا، سفید لباس اور ٹوپی پہنے لڑکی کے اجنبی سراپے کو غور سے دیکھنے لگا۔ خدمتگار کی خوابناک آواز سنائی دی "کیا ہے؟ کیا چاہئے؟" تاہم اس آواز نے محض نتاشا کی رفتار بڑھائی اور وہ جلدی سے کونے میں پڑے جسم کی طرف بڑھ گئی۔ اگرچہ وہ جسم انسانی صورت سے میل نہ کھاتا تھا اور اسے دیکھتے ہی خوف طاری ہو جاتا تھا مگر وہ اسے دیکھنے پر مصر تھی، چنانچہ وہ خدمتگار سے آگے نکل گئی، موم بتی کی راکھ نیچے گری اور اسے شہزادہ آندرے واضح طور پر دکھائی دے گیا۔ وہ ہاتھ پھیلائے لیٹا تھا اور بالکل ویسا نظر آرہا تھا جیسا وہ اسے دیکھتی رہی تھی۔

وہ پہلے جیسا تھا مگر بخار کی وجہ سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور خوشی کے عالم میں نتاشا پر گڑی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ اس کے نیچے ڈھلکے کالر سے گردن کی ملائمت دیکھ کر بچوں جیسی معصومیت کا احساس ہوتا تھا جو نتاشا نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ وہ اس کے قریب گئی اور پھرتی، لچک اور نوجوانی کے انداز میں اس کے سامنے گھٹنوں پر جھک گئی۔

وہ مسکرایا اور اپنا ہاتھ اس کی جانب بڑھا دیا۔

(32)

جس دن شہزادہ آندرے کو بورودینو کے عارضی ہسپتال میں دوبارہ ہوش آیا تو سات دن گزر چکے تھے۔ اس دوران وہ تقریباً مسلسل نیم بیہوش رہا تھا۔ ڈاکٹر کا کہنا تھا کہ بخار اور مثانے کی سوزش کے باعث اس کا زندہ رہنا بچنا مشکل تھا۔ مگر ساتویں روز اس نے لطف لے کر چائے اور روٹی کا ایک ٹکڑا کھایا، ڈاکٹر نے دیکھا کہ اس کے بخار میں بھی کمی آگئی تھی۔ اس صبح وہ دوبارہ ہوش میں آیا تھا۔ ان کی ماسکو سے روانگی کے بعد پہلی رات خاصی گرمی پڑی اور شہزادہ آندرے گاڑی میں ہی لیٹا رہا مگر میتیشچی میں اس نے خود کہا کہ اسے مکان میں لے جایا جائے اور چائے پلائی جائے۔ گاڑی سے اٹھا کر مکان میں لے جانے کے نتیجے میں اسے جو تکلیف پہنچی اس کی شدت سے وہ چیخنا شروع ہو گیا اور دوبارہ

بیہوش ہو گیا۔ جب اسے عارضی رہائشگاہ میں بستر پر لٹایا گیا تو وہ کافی دیر تک آنکھیں بند کئے پڑا رہا۔ پھر اس نے آنکھیں کھول دیں اور نرم لہجے میں سرگوشی کے انداز میں کہا "کیا چائے نہیں مل سکتی؟" اس نے روزمرہ کی تفصیل جس طرح یاد رکھی تھی اس پر ڈاکٹر بھی حیران رہ گیا۔ اس نے شہزادہ آندرے کی نبض دیکھی اور اسے یہ جان کر حیرت اور افسوس ہوا کہ وہ پہلے سے بہتر ہو گئی تھی۔ اسے اس وجہ سے افسوس تھا کہ اپنے تجربے کی بنا پر وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ شہزادہ آندرے کا زندہ بچنا محال ہے اور اگر اس کا فوری انتقال نہ ہوا تو بعد میں اسے زیادہ اذیت ناک موت کا سامنا ہوگا۔ شہزادہ آندرے کے ساتھ سفر کرنیوالا افسر اس کی رجمنٹ کا سرخ ناک والا کپتان تیموخن تھا۔ وہ ماسکو میں اس کے ساتھ ملا تھا۔ بورودینو کی جنگ میں اس کی ٹانگ پر زخم آیا تھا اور اسے بھی آندرے کے ساتھ لے جایا جا رہا تھا۔ ان کے ساتھ ڈاکٹر، شہزادہ آندرے کا خدمتگار، کوچوان اور اردلی تھے۔

شہزادہ آندرے کو چائے پیش کی گئی اور وہ مزے سے پیتے ہوئے بے چینی کے عالم میں دروازے کی جانب دیکھتا رہا جیسے کچھ یاد کرنے یا کوئی بات سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو۔

اس نے کہا "اور نہیں چاہئے؟ تیموخن یہیں ہے؟"

تیموخن بنچ کے کنارے سے گھسٹتا ہوا اس کی جانب بڑھا اور کہنے لگا "جناب عالی! میں یہیں بیٹھا ہوں"

آندرے نے پوچھا "تمہارے زخم کا کیا حال ہے؟"

تیموخن نے کہا "میرے؟ میں ٹھیک ہوں، آپ کا کیا حال ہے؟"

شہزادہ آندرے سوچ و بچار میں کھو گیا جیسے کوئی بات یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

اس نے پوچھا "یہاں کوئی کتاب دستیاب ہو سکتی ہے؟"

پوچھا گیا "کیسی کتاب؟"

آندرے نے جواب دیا "انجیل، میرے پاس نہیں ہے"

ڈاکٹر نے انجیل لانے کا وعدہ کیا اور آندرے سے پوچھنے لگا کہ اب اس کی طبیعت کیسی ہے اور اسے کیا محسوس ہو رہا ہے۔ شہزادہ آندرے نے اس کے تمام سوالات کے جواب ہوشمندانہ انداز مگر بیدلی سے دیئے۔ پھر وہ کہنے لگا چونکہ اسے شدید درد ہو رہا ہے اس لئے وہ چاہتا ہے کہ اس کے نیچے کوئی تکیہ رکھ دیا جائے۔ ڈاکٹر اور خدمتگار نے اس کے جسم سے لپٹا کوٹ اٹھایا۔ اس کا زخم خراب ہو چکا تھا اور کھال گل سڑ گئی تھی جس سے بدبو خارج ہو رہی تھی۔ دونوں نے ناگواری کا اظہار کیا۔ ڈاکٹر نے زخم والی اس خوفناک جگہ کو بغور دیکھا اور کسی بات نے اسے بیحد فکرمند کر دیا۔ اس نے دواؤں میں کچھ ردوبدل کیا اور زخمی کو الٹا کر دیا۔ آندرے درد کی شدت سے بلبلا اٹھا اور دوبارہ بیہوش ہو گیا۔ وہ بار بار کہہ رہا تھا کہ فوراً کتاب لا کر اس کے سرہانے رکھ دی جائے۔

آندرے کہہ رہا تھا "اس سے آپ کا کیا جاتا ہے؟ میں نے کہا ناں کہ یہ کتاب میرے پاس نہیں ہے، جائیں اور براہ کرم لے آئیں، خواہ ایک منٹ کیلئے ہی سہی، اسے میرے تکیے تلے رکھ دیں"

ڈاکٹر ہاتھ دھونے راہداری میں چلا گیا۔

ہاتھ دھوتے ہوئے اس نے پانی انڈیلنے والے خدمتگار سے کہا "تمہارا ضمیر باقی نہیں رہا، میری ذرا آنکھ لگ گئی اور تم نے اس کا خیال نہیں رکھا، وہ اسقدر تکلیف میں ہے کہ نجانے کیسے برداشت کئے جا رہا ہے"

خدمتگار نے کہا "یسوع کی قسم میں یہی سمجھا جیسے ہم نے ان کے نیچے کچھ رکھ دیا ہے"

شہزادہ آندرے کو اپنے ساتھ پیش آنیوالے واقعے کا پہلی مرتبہ اس وقت احساس ہوا جب اس کی گاڑی پہنچ آ کر رکی تھی۔ اس وقت اسے یاد آیا کہ وہ کیسے زخمی ہوا تھا۔ جب اسے اٹھا کر مکان میں لے جایا گیا تو وہ درد کی شدت سے بیہوش ہو گیا تھا۔ یہاں اسے دوبارہ ہوش آ گیا۔ جب وہ چائے پی رہا تھا تو اس دوران اسے سب کچھ یاد آنے لگا۔ اسے وہ لمحہ یاد آیا جب عارضی ہسپتال میں ایک ایسے شخص کو دیکھ کر اس کے ذہن میں خوشی کی خبر دینے والے خیالات آئے تھے جس سے اسے شدید نفرت تھی۔ اگرچہ یہ خیالات غیر واضح تھے مگر اس کے ذہن پر چھا گئے۔ اسے یاد آیا کہ اب اس کے پاس خوشی کا نیا منبع ہے اور یہ کہ اس کی خوشی کسی نہ کسی طرح انجیل سے منسلک ہے۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے کتاب طلب کی تھی۔ تاہم اسے جس انداز سے لٹایا گیا تھا اس کی بدولت وہ دوبارہ تکلیف میں مبتلا ہو گیا تھا۔ جب اسے دوبارہ اٹھایا گیا تو اس کا ذہن منتشر ہو گیا اور رات کی مکمل خاموشی میں اسے تیسری مرتبہ ہوش آیا۔ اس کے اردگرد تمام لوگ سو رہے تھے۔ رہداری سے پرے کوئی جھینگر بول رہا تھا۔ گلی میں کسی کے گانے اور شور مچانے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ میز، مقدس تصاویر اور دیواروں پر لال بیگ حرکت کر رہے تھے۔ ایک مکھی تیزی سے تکیے پر گری اور اس کے قریب دھری موم بتی کے گرد پھڑ پھڑانے لگی۔

شہزادہ آندرے کا ذہن درست حالت میں نہ تھا۔ صحت مند شخص کو عموماً بیک وقت کئی باتیں سوجھتی ہیں مگر اس میں اتنی قوت ارادی ہوتی ہے کہ وہ خیالات کا کوئی سلسلہ چن لیتا ہے اور اسی پر تمام توجہ مرکوز کر دیتا ہے۔ صحت مند شخص انتہائی غور و فکر کے عالم میں بھی اپنے ملاقاتی سے گفتگو کیلئے خیالات کا سلسلہ توڑ سکتا ہے اور اسے دوبارہ جوڑنے پر بھی قادر ہوتا ہے تاہم اس مفہوم کی رو سے دیکھا جائے تو شہزادہ آندرے کا ذہن نارمل حالت میں نہ تھا۔ اگرچہ اس کی تمام تر ذہنی صلاحیتیں پہلے سے زیادہ واضح اور متحرک تھیں مگر وہ اس کی قوت ارادی سے ہٹ کر عمل کر رہی تھیں۔ اس کے ذہن کو بیک وقت انتہائی مختلف خیالات مصروف رکھے ہوئے تھے۔ بعض اوقات اس کا ذہن اچانک اتنی قوت اور گہرائی سے کام کرنے لگتا کہ تندرستی کے زمانے میں بھی کبھی ایسا نہ ہوا تھا اور پھر اچانک کوئی غیر متوقع خیال اس کی ذہنی مصروفیت میں خلل ڈال دیتا اور اس میں اپنے تصورات کا سلسلہ دوبارہ جوڑنے کی ہمت نہ رہتی۔ اس نے پرسکون مکان کی نیم تاریکی میں لیٹے ہوئے بے چینی سے سامنے دیکھ کر سوچا "ہاں، مجھ پر ایک نئی خوشی کا انکشاف ہوا تھا، خوشی، جو ناقابل انتقال انسانی حق ہے۔ وہ خوشی جو مادی قوتوں کی پہنچ سے دور ہے اور وہ انسان پر اثر انداز ہونیوالے بیرونی عوامل سے متاثر نہیں ہوتی۔ یہ روحانی خوشی ہے اور محبت کرنیوالوں کے حصے میں ہی آتی ہے۔ ہر انسان اسے محسوس کر سکتا ہے تاہم اس کی واضح شکل و صورت متعین کرنا اور اسے انسانوں کو بخشنا صرف خدا کے ہاتھ میں ہے۔ مگر خدا نے اسے کیسے بخشا اور کیوں اس کا بیٹا؟۔۔۔" اسی دوران اس کے خیالات میں اچانک خلل پیدا ہو گیا۔ شہزادہ آندرے نے ایک آواز سنی (اسے علم نہ تھا کہ آیا یہ اس کا وہم تھا یا واقعی کوئی آواز تھی) یہ سرگوشی جیسی ملائمت بھری آواز تھی "پی۔۔ پت۔۔ پی" اور پھر "اتی۔۔ اتی" یہ آواز مسلسل سنائی دے رہی تھی۔ اس آواز کو سنتے ہی اسے یوں لگا جیسے اس کے چہرے کے درمیانی حصے پر باریک سوئیوں یا چھلپیوں سے بنی شاندار عمارت تعمیر ہو رہی ہے۔ اسے خیال آیا کہ "مجھے احتیاط سے توازن قائم رکھنا ہو گا تاکہ یہ عمارت کہیں نیچے نہ گر جائے" تاہم یہ عمارت کبھی نیچے گر جاتی اور پھر دوبارہ خود بخود اوپر اٹھنا شروع ہو جاتی۔ شہزادہ آندرے اپنے آپ سے کہہ رہا تھا "یہ بڑھ رہی ہے، پھیلتی جاتی ہے اور اونچی ہو رہی ہے" جب اسے موسیقی جیسی مدھم آواز سنائی دے رہی تھی تو اسے یوں لگ رہا تھا جیسے سوئیوں کی یہ عمارت اوپر اٹھتے ہوئے ادھر ادھر پھیل رہی ہے۔ درمیان میں اسے موم بتی کے گرد روشنی کا سرخ دائرہ بھی دکھائی دے جاتا تھا اور اسے لال بیگوں کی سرسراہٹ اور مکھی کی بھنبھناہٹ سنائی دینے لگتی جو کبھی اس کے تکیے اور کبھی چہرے سے ٹکرا جاتی تھی۔ جب مکھی اس کی ناک سے ٹکراتی تو اسے جلن کا احساس ہونے لگتا۔ تاہم وہ یہ دیکھ کر حیران رہ جاتا کہ مکھی عمارت کے بنیادی حصے سے ٹکرانے کے باوجود اسے گرا نہیں پاتی۔ تاہم ایک اور شے بھی تھی اور یہ دروازے کے قریب کوئی سفید چیز، ابوالہول کا مجسمہ تھا اور یہ بھی اس کے ذہن پر بوجھ بنا ہوا تھا۔

شہزادہ آندرے نے سوچا "مگر شاید یہ میز پر پڑی میری قمیص ہے، اور وہ میری ٹانگیں ہیں اور وہ دروازہ ہے مگر یہ ہمیشہ پھیلتا اور بلند کیوں ہوتا رہتا ہے اور یہ پتی۔۔ پتی۔۔ اتی اور تی اور پتی۔۔ پتی۔۔ پتی۔۔۔ بہت ہو گئی، ٹھہر جاؤ، خدارا خاموش ہو جاؤ" اس نے تھکاوٹ بھرے انداز میں درخواست کی۔ اچانک اس کے ذہن پر چھائے بادل چھٹ گئے اور جذبات و خیالات کی سطح پر تیرنے لگے۔ سب کچھ غیر معمولی مضبوط اور واضح تھا۔

"ہاں محبت (اس نے کسی الجھن کے بغیر دوبارہ سوچا) تاہم خود غرضی پر مبنی محبت نہیں بلکہ وہ محبت جس سے میں پہلی مرتبہ اس وقت آشنا ہوا جب میں نے موت کے تجربے سے گزرنے کے بعد اپنے دشمن کو دیکھا تھا اور مجھے اس پر پیار آیا۔ میں نے محبت کے اس جذبے کو محسوس کیا جو روح کا اصل ہوتا ہے اور اس کا کوئی معروض نہیں ہوتا۔ اب میں وہی روحانی کیف دوبارہ محسوس کر رہا ہوں۔ اپنے ہمسائے سے محبت، دشمن سے محبت، ہر شے سے محبت۔۔۔ خدا سے، اس کی مختلف صورتوں سے محبت، اپنے عزیزوں سے محبت، تاہم دشمن سے محبت کیلئے ہمیں الوہی محبت چاہئے ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ جب مجھے محسوس ہوا کہ میں اس شخص سے محبت کرتا ہوں تو مجھے بے پناہ خوشی ہوئی۔ اس کا کیا ہوا؟ کیا وہ زندہ ہو گا؟۔۔۔ انسانی محبت نفرت میں بدل سکتی ہے مگر الوہی محبت تبدیل نہیں ہوتی۔ کوئی بھی شے حتیٰ کہ موت بھی اسے تباہ نہیں کر سکتی۔ یہی تو روح کا اصل حصہ ہے۔ مگر میں نے زندگی میں کتنے لوگوں سے نفرت کا اظہار کیا؟ ان سب میں سے کسی سے مجھے اتنی محبت اور نفرت نہیں ہوئی تھی جتنی کہ نتاشا سے محسوس ہوئی۔ اس نے اپنے ذہن میں نتاشا کی واضح شکل بنائی تاہم اب اس کے ذہن میں نتاشا کی جو صورت بنی وہ ماضی کی نتاشا نہیں تھی، پہلے والی نتاشا محض دلکشی کا مجموعہ تھی اور اس کی یہی کشش اسے خوشی سے بھر دیتی تھی۔ اب پہلی مرتبہ آندرے نے اس کی روح کا تصور کیا اور اس طرح وہ اس کے جذبات و احساسات، دکھ، شرمندگی اور ندامت سمجھ پایا اور پہلی مرتبہ اس نے جانا کہ اس نے اسے ٹھکرا کر کتنا ظلم کیا تھا اور اس سے تعلقات منقطع کر کے اس اسے کیسی زیادتی کی۔ اس نے سوچا "کیا ہی اچھا ہوتا کہ میں ایک مرتبہ پھر اسے دیکھ سکتا! ایک مرتبہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر کہہ سکتا۔۔۔"

ایک مرتبہ پھر آواز سنائی دی "پتی۔۔ پتی۔۔ پتی، اتی۔۔ تی۔۔ اپتی۔۔ پتی۔۔ بوم" مکھی اڑی اور اچانک شہزادہ آندرے کی توجہ کسی اور دنیا کی طرف منتقل ہو گئی جو حقیقت اور خواب کی دنیا تھی۔ کوئی عجیب و غریب شے ظہور پذیر ہو رہی تھی۔ عمارت مسلسل بلند ہو رہی تھی اور ابھی گری نہیں تھی۔ کوئی شے اب بھی پھیل رہی تھی، موم بتی اپنے سرخ دائرے میں ابھی تک جل رہی تھی اور قمیص جیسا ابوالہول دروازے کے قریب پڑا ہوا تھا۔ یہ تمام اشیاء تو موجود تھیں مگر اب ان کے علاوہ کوئی اور چیز چرچرائی۔ ہوا کا ہلکا سا جھونکا آیا اور دروازے سے ایک نیا سفید ابوالہول برآمد ہوا۔ یہ وہاں کھڑا تھا اور اس کا چہرہ نتاشا کے چہرے کی زردی مائل تھا اور آنکھیں چمک رہی تھیں جیسا کہ اس نے کچھ دیر پہلے نتاشا کے بارے میں سوچا تھا۔

شہزادہ آندرے نے سوچا "یہ مسلسل ہذیانی کیفیت کتنی اذیت ناک ہے" وہ اپنے تصورات سے اس کی تصویر مٹا دینا چاہتا تھا۔ تاہم وہ خیالی نہیں بلکہ حقیقی چہرہ تھا اور اس کے سامنے سے نہ ہٹا۔ وہ اس کے قریب آتا گیا۔ شہزادہ

آندرے خالص خیالات کی دنیا میں جانا چاہتا تھا مگر اسے ناکامی کا سامنا کرنا پڑا اور خواب کی کیفیت نے دوبارہ اسے اپنے اندر گھسیٹ لیا۔ سرگوشی جیسی ملامت بھری آواز ابھی تک آرہی تھی۔ کوئی شے سکڑ اور پھیل رہی تھی۔ شہزادہ آندرے نے اپنی تمام ذہنی قوت مجتمع کر کے یہ چہرہ پہچاننے کی کوشش کی۔ اس نے ہلکی سی حرکت کی اور اچانک اس کے کانوں میں گھنٹیاں بجنے کی آواز سنائی دینے لگی۔ آنکھوں کے آگے گرد سی چھا گئی اور وہ پانی میں ڈوبتے شخص کی طرح ہوش و حواس سے بیگانہ ہو گیا۔ جب وہ ہوش میں آیا تو حقیقی نتاشا اس کے سامنے جھک رہی تھی۔ یہ وہی نتاشا تھی جس پر وہ سب لوگوں سے زیادہ اپنی الوہی محبت نچھاور کرنا چاہتا تھا۔ اسے محسوس ہوا کہ یہ جیتی جاگتی نتاشا ہے۔ اسے کوئی حیرت نہ ہوئی اور وہ خوشی میں جھومنے لگا۔ نتاشا گھٹنوں پر جھکی ہوئی تھی اور اس کا رنگ فق تھا۔ وہ حرکت کئے بغیر مسلسل اسی کی جانب دیکھے جا رہی تھی۔ اس کے منہ سے سسکیاں برآمد ہو رہی تھیں اور وہ ان پر قابو پانے کی کوششیں کر رہی تھی۔ اس کا چہرہ پیلا اور ساکت تھا جبکہ ہونٹ اور ٹھوڑی کپکپا رہی تھی۔

شہزادہ آندرے نے اطمینان بھری سانس لی اور مسکراتے ہوئے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

وہ بولا "تم؟ کتنی خوشی کی بات ہے"

نتاشا تیزی مگر احتیاط سے مزید قریب آ گئی۔ وہ ابھی تک گھٹنوں کے بل جھکی ہوئی تھی۔ اس نے جلدی سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اپنا چہرہ اس کے اوپر جھکا کر اسے چومنا شروع کر دیا، اس کے ہونٹ آندرے کے چہرے کو آہستگی سے چھو رہے تھے۔

نتاشا نے اپنا سر اٹھایا اور اس کی جانب دیکھتے ہوئے سرگوشی کے انداز میں بولی "مجھے معاف کر دیں! مجھے معاف کر دیں!"

شہزادہ آندرے نے کہا "مجھے تم سے محبت ہے"

نتاشا کہنے لگی "معاف۔۔۔"

شہزادہ آندرے نے پوچھا "معافی کیسی؟"

نتاشا لڑکھڑاتی آواز میں بولی "مجھے معاف کر دیں، جو کچھ میں نے کیا۔۔۔" اس کی آواز اتنی مدھم تھی کہ بمشکل سنائی دیتی تھی۔ وہ جلدی سے اس کے ہاتھ چومنا شروع ہو گئی۔

شہزادہ آندرے نے اس کا چہرہ اوپر اٹھاتے ہوئے کہا "مگر میں تم سے پہلے سے زیادہ بہتر محبت کرنے لگا ہوں" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھنا چاہتا تھا۔

نتاشا کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے اور وہ اسے جھجکتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ ان آنکھوں میں دردمندی اور خوشی کی کیفیت تھی، اس کے دبلے پتلے زرد چہرے سے دلکشی غائب ہو چکی تھی، بظاہر یہ خوفناک دکھائی دیتا تھا مگر شہزادہ آندرے نے اس چہرے پر ایک نظر بھی نہ ڈالی۔ وہ صرف خوبصورت اور روشن آنکھوں کو دیکھے جاتا تھا۔ انہیں اپنے پیچھے گفتگو کی آواز سنائی دی۔

خدمتگار پیٹر بیدار ہو گیا تھا۔ اس نے ڈاکٹر کو جگا دیا۔ تیموخن درد کے مارے سو نہیں سکا تھا۔ وہ اپنے بے لباس جسم پر چادر لپیٹے بنچ پر سکڑا سمٹا پڑا تھا۔ وہ اپنے قریب ہونیوالی نقل و حرکت کو کافی دیر سے بغور دیکھ رہا تھا۔

ڈاکٹر نے اٹھتے ہوئے کہا "کیوں، کیا ہے؟ مادام، براہ کرم چلی جائیں"

اسی دوران دروازے پر دستک ہوئی اور بیگم رستوف کی جانب سے بھیجی گئی ایک خادمہ نتاشا کو بلانے چلی

آئی، بیگم کو اس کی غیر موجودگی کا علم ہو گیا تھا۔

نیند میں چلنے کے عادی شخص کی طرح نتاشا بھی بوکھلا کر ہوش و حواس میں آ گئی اور اپنے کمرے میں پہنچ کر روتی ہوئی بستر پر گر گئی۔

☆☆☆

اس دن کے بعد وہ جہاں بھی قیام کرتے، نتاشا زخمی بلکونسکی کے سرہانے بیٹھی رہتی اور ڈاکٹر کو یہ تسلیم کرنا پڑا کہ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کوئی نوجوان لڑکی اتنے صبر و تحمل اور مہارت سے کسی زخمی کی تیمارداری کر سکتی ہے۔

اگرچہ بیگم رستوف کو یہ جان کر بیحد خوف آتا تھا کہ شہزادہ آندرے راستے میں ہی اس کی بیٹی کی بانہوں میں دم توڑ دے گا (جیسا کہ ڈاکٹر کے خیال میں اس کا قوی امکان تھا) تاہم وہ اپنی بیٹی کی مخالفت نہ کر پائی۔ اگرچہ اس کے دل میں یہ خیال آتا تھا کہ زخمی اور نتاشا کے مابین محبت بھرے تعلقات کی بحالی سے ان کے مابین منگنی کا رشتہ دوبارہ استوار ہو سکتا ہے تاہم کسی نے اس حوالے سے کوئی بات نہ کی۔ زندگی اور موت کا ناقابل حل مسئلہ جو بلکونسکی ہی کو نہیں بلکہ تمام روس کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے تھا ایسے تمام امور کی راہ میں رکاوٹ تھا۔

(33)

پیری 3 ستمبر کو دیر سے بیدار ہوا۔ اس کے سر میں درد ہو رہی تھی۔ وہ لباس بدلے بغیر جن کپڑوں میں سویا تھا وہ اس کے جسم میں چبھ رہے تھے اور یہ غیر واضح خیال اسے اذیت پہنچا رہا تھا کہ گزشتہ روز وہ کوئی شرمناک حرکت کر بیٹھا ہے اور یہ حرکت وہ گفتگو تھی جو اس نے ایک دن پہلے کپتان رامبیلی سے کی تھی۔

اس کی گھڑی پر گیارہ بج رہے تھے مگر حیران کن بات یہ تھی کہ باہر اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ پیری اٹھا، اس نے اپنی آنکھیں ملیں اور جب پستول دکھائی دیا تو اسے یاد آیا کہ وہ کہاں ہے اور اس نے کیا کام کرنا ہے۔

پیری نے حیرانی سے سوچا "کیا میں تاخیر نہیں کر بیٹھا؟"

پھر اس نے سوچا "نہیں، یقیناً وہ دوپہر سے قبل ماسکو میں داخل نہیں ہو گا"

پیری نے اس دن کے کام بارے خود کو سوچنے کا موقع نہ دیا البتہ عمل میں تیزی دکھائی۔ اس نے اپنے کپڑے درست کئے، پستول اٹھا لیا۔ وہ روانہ ہونا چاہتا تھا کہ اسے خیال گزرا کہ وہ سرعام ہاتھ میں پستول اٹھا کر کہیں نہیں جا سکے گا۔ بھاری بھرکم پستول کو کپڑوں میں چھپانا بھی مشکل تھا۔ پیٹی تلے رکھنے یا بازو کے نیچے دبانے سے بھی وہ لوگوں کی نظروں میں آ سکتا تھا اس کے علاوہ پستول سے ایک گولی چل چکی تھی اور اسے اس میں نئی گولی بھرنے کا موقع نہیں مل پایا تھا۔ اس نے خودکلامی کی "کوئی فرق نہیں پڑتا، خنجر ہی کام دے جائیگا" حالانکہ اپنے منصوبے کے بارے میں غور و فکر کرتے ہوئے وہ ایک سے زائد مرتبہ اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ 1809ء میں جس طالبعلم نے نپولین کے قتل کی ناکام کوشش کی اس کی ناکامی کا بڑا سبب پستول کی بجائے خنجر استعمال کرنا تھا۔ تاہم چونکہ بظاہر یہی دکھائی دیتا تھا کہ پیری کا اہم مقصد اپنے منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی بجائے خود پر یہ ثابت کرنا تھا کہ وہ اپنے مقصد سے دستبردار نہیں ہو گا، اسی لئے اس نے جلدی سے گھسا ہوا خنجر اٹھا لیا اور اسے پستول کے ساتھ خریدی گئی نیام میں ڈال کر واسکٹ تلے چھپا لیا۔

کسانوں والے کوٹ پر پیٹی باندھنے اور سر پر پنچی ٹوپی رکھنے کے بعد وہ راہداری میں ٹہلنا شروع ہو گیا۔ اس کی

کوشش تھی کہ کوئی آواز پیدا ہو نہ کپتان اس سے ملنے پائے۔ پھر وہ گلی میں چلا گیا۔ جو آگ اس نے گزشتہ رات عدم توجہی سے دیکھی تھی وہ خاصی پھیل گئی تھی۔ ماسکو کے مختلف علاقے نذر آتش ہو رہے تھے۔ بیک وقت کیرج رو، زاموسکوروشی، بازار، پوارسکی، دوروگومیلوف پل کے قریب لکڑیوں کی مارکیٹ اور موسکوا دریا میں کشتیاں آگ کی نذر ہو چکی تھیں۔

پیری نے تنگ گلیوں سے گزر کر پوارسکی پہنچنے کے بعد آرباتی کے ساتھ ساتھ نکولا یا ولینی گرجا گھر میں جانا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ اپنے منصوبے کو وہیں عملی جامہ پہنائے گا۔ بیشتر مکانوں پر تالے پڑے تھے اور ان کی کھڑکیاں دروازے بند تھے۔ گلیوں میں ویرانی کا راج تھا۔ فضا میں آگ اور دھوئیں کی بو پھیلی تھی۔ کبھی کبھار اسے خوفزدہ روسی دکھائی دے جاتے تھے۔ فرانسیسی سڑکوں کے درمیان میں چل رہے تھے اور انہیں دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے وہ شہر نہیں بلکہ اپنے پڑاؤ میں چل رہے ہوں۔ روسی اور فرانسیسی دونوں پیری کو حیرانی سے دیکھتے تھے کیونکہ ایک تو وہ طویل القامت اور قوی الجثہ تھا، دوسرے اس کے چلنے سے یوں لگتا تھا جیسے وہ بیحد تکلیف میں ہے اور کوئی اس قریب آیا تو وہ اس پر پل پڑے گا۔ روسی اسے یوں بھی گھور کر دیکھتے تھے کہ انہیں سمجھ نہ آتی تھی یہ شخص کس طبقے سے تعلق رکھتا ہے۔ فرانسیسی اسے دیکھ کر اس لئے بوکھلاہٹ کا شکار ہو جاتے کہ دیگر روسیوں کی طرح وہ انہیں تجسس اور خوف بھری نگاہوں سے نہیں دیکھتا تھا۔ ایک مکان کے دروازے کے سامنے تین فرانسیسی کچھ روسیوں کو سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ انہوں نے پیری کو روکا اور پوچھا کیا تمہیں فرانسیسی آتی ہے۔

پیری نے نفی میں سر ہلایا اور آگے بڑھ گیا۔ ایک اور گلی میں گولہ بارود سے بھری سبز گاڑی کے قریب پہرہ دینے والے محافظ نے اسے آواز دی تاہم جب اس نے تنبیہی آواز دوبارہ سنی اور بندوق اوپر اٹھائے جانے کی آواز سنائی دی تو اسے اندازہ ہوا کہ دوسری سمت میں چلنا چاہئے۔ اسے اپنے اردگرد کچھ دکھائی دے رہا تھا نہ سنائی۔ وہ اپنا عزم یوں اٹھائے جا رہا تھا جیسے یہ کوئی خوفناک اور اجنبی شے ہو۔ وہ جلدی میں تھا کہ کہیں یہ اس سے کھو نہ جائے تاہم اپنی اس ذہنی کیفیت کو مطلوبہ مقام پر پہنچنے تک برقرار رکھنا اس کی قسمت میں نہیں تھا۔ اگر راستے میں کوئی رکاوٹ پیدا ہو جاتی تو بھی وہ اپنے منصوبے پر عمل نہیں کر سکتا تھا کیونکہ نپولین کو نواحی علاقے دوروگومیلوف سے کریملن پہنچنے کیلئے آرباتی سے گزرے چار گھنٹے ہو چکے تھے۔ اب غالباً وہ اپنے کمرے میں بیٹھا تھا۔ وہ جھنجھلاہٹ میں مبتلا تھا اور آگ بجھانے، لوٹ مار روکنے نیز مقامی شہریوں کو حوصلہ دینے کیلئے فوری نوعیت کے احکامات جاری کرنے میں مصروف تھا۔ تاہم پیری اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ اس دن اس نے جو کام کرنے کا ارادہ کیا تھا، اسی پر اپنی تمام توجہ مرکوز کئے ہوئے تھا۔ وہ جس اذیت میں مبتلا تھا اس کا تجربہ صرف انہی لوگوں کو ہوتا ہے جو ایسے کام کرنے پر مصر رہتے ہیں جن کی انجام دہی ان کیلئے ممکن نہیں ہوتی۔ پیری کو یہ خوف لاحق تھا کہ کہیں وہ موقع پر کمزوری نہ دکھا دے اور اس طرح اپنی عزت نفس سے ہاتھ نہ دھو بیٹھے، یہی خیال اسے مسلسل اذیت پہنچا رہا تھا۔

اگرچہ اسے کچھ دکھائی اور سنائی نہیں دے رہا تھا مگر وہ اپنی جبلت کے مطابق درست راہ پر چلتا رہا، یہی وجہ تھی کہ وہ پوارسکی شاہراہ سے ملنے والے گلی کوچوں میں راستہ نہ بھولا۔

جوں جوں وہ پوارسکی شاہراہ کے قریب آتا گیا دھواں بھی اسی قدر گہرا ہوتا چلا گیا اور اسے آگ کی حدت محسوس ہونے لگی۔ کہیں کہیں چھتوں کے پیچھے آگ کے شعلے لہراتے ہوئے اوپر اٹھ رہے تھے۔ ان گلیوں میں اسے مزید لوگ دیکھنے کو ملے اور یہ دیگر لوگوں سے زیادہ بے چین تھے۔ اگرچہ پیری کو محسوس ہو رہا تھا کہ اس کے اردگرد کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آ رہا ہے تاہم وہ اندازہ نہ کر پایا کہ وہ آگ کے بالکل قریب پہنچنے والا ہے۔ پوارسکی شاہراہ ایک طرف وسیع

میدان اور دوسری طرف شہزادہ گروزنسکی کے محل نما مکان کے باغ میں گھری تھی۔ جب پیری میدان کے درمیان میں بنے راستے پر جا رہا تھا تو اسے اپنے قریب کسی خاتون کے رونے کی آواز سنائی دی، یہ سن کر اسے جھٹکا سا لگا اور یوں محسوس ہوا جیسے وہ خواب سے بیدار ہو گیا ہو۔ وہ اچانک رک گیا اور سر اٹھا کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

راستے کی ایک طرف گرد میں اٹی اور جھلسی ہوئی گھاس پر گھریلو سامان کے ڈھیر لگے تھے۔ صندوقوں کے قریب ایک ادھیڑ عمر لاغر خاتون سیاہ لبادہ اور ٹوپی پہنے بیٹھی تھی۔ اس کے اوپر والے دانت باہر کو نکلے تھے، اور وہ ہولے ہولے کانپ رہی تھی۔ ساتھ ساتھ وہ کچھ کہتے ہوئے روتی بھی جاتی تھی۔ میلے چیلے کپڑے پہنے دو کم عمر بچیاں خوفزدہ نگاہوں سے اپنی والدہ کو دیکھ رہی تھیں۔ ایک چھوٹا لڑکا جس کی عمر کم وبیش سات سال تھی، معمر آیا کے بازوؤں میں مچل اور چیخ رہا تھا۔ اس نے کوٹ اور بڑی ٹوپی پہن رکھی تھی جو اس کی اپنی معلوم نہ ہوتی تھی۔ برہنہ ٹانگوں والی ایک نو عمر ملازمہ صندوق پر بیٹھی تھی۔ اس کے بھورے بال پیچھے لٹک رہے تھے جن کے سرے جل چکے تھے۔ وہ بالوں کی ایک لٹ پکڑ کر اسے سونگھ رہی تھی۔ لاغر اندام خاتون کا پستہ قد اور جھکی کمر والا شوہر سول ملازم کی وردی پہنے ہوئے تھا۔ اس نے سر پر چوکور ٹوپی رکھی ہوئی تھی اور چہرے پر کسی قسم کا کوئی تاثر نہ تھا۔ اس سے بچے ہوئے بال کنپٹیوں پر دکھائی دے رہے تھے اور وہ ایک دوسرے کے اوپر پڑے صندوقوں کو ہلا جلا کر ان میں سے پتلا لباس باہر نکال رہا تھا۔

اس عورت نے جونہی پیری کو دیکھا تو اس کے قدموں میں گر گئی۔

وہ کہنے لگی "خداوند رحم! اچھے مسیحی، مجھے بچا لو، میری مدد کرو، براہ کرم جناب!۔۔۔کوئی میری مدد۔۔۔میری بچی۔۔۔میری چھوٹی بچی پیچھے رہ گئی ہے۔۔۔وہ جل چکی ہوگی! اوہ۔۔۔اوہ۔۔۔ میں نے اسی لئے تمہیں پالا تھا۔۔۔اوہ وہ!"

اس کا شوہر بولا "بس، ماریا نکولا یونا، یقیناً اسے بہن لے گئی ہوگی، وہ اور کہاں جا سکتی ہے" یوں لگتا تھا جیسے وہ اجنبی کے سامنے اپنے آپ کو بری الذمہ ثابت کرنا چاہتا ہے۔

عورت غصے میں چلائی "تم عفریت ہو، انسان نہیں ہو" اس کے آنسو اچانک تھم گئے اور وہ کہنے لگی "تمہارے سینے میں دل نہیں ہے، تمہیں اپنے ہی بچے سے کوئی محبت نہیں۔ کوئی اور ہوتا تو اسے آگ سے نکال لاتا۔ مگر یہ عفریت ہے، انسان یا والد نہیں ہے" پھر وہ پیری کی طرف متوجہ ہو کر بولی "آپ اچھے انسان ہیں، ہمسایوں کے گھر میں آگ لگی اور ہوا کے زور پر ہمارے گھر میں آ گئی، خادمہ نے ہمیں چلا کر خبردار کیا اور ہم نے اپنی اشیا سمیٹنا شروع کر دیں، ہم صرف مقدس تصاویر اور میرا جہیز کا پلنگ ہی باہر نکال سکے، باقی سب کچھ ختم ہو گیا۔ ہم نے بچوں کو سنبھالا مگر کاتیکا لاپتہ ہے۔ اوہ۔۔۔اوہ وہ۔۔۔" یہ کہہ کر عورت نے ایک مرتبہ پھر رونا شروع کر دیا "میری پیاری بچی! جل گئی! جل گئی!"

پیری نے کہا "مگر آپ نے اسے کہاں چھوڑا تھا؟"

اس کے چہرے پر ہمدردی کے آثار دیکھ کر عورت کو امید بندھی کہ وہ اس کی مدد کرے گا۔

اس نے پیری سے کہا "خدا آپ پر مہربان ہو جناب!" یہ کہتے ہوئے اس نے پیری کی ٹانگیں پکڑ لیں۔ "محسن، مصیبت سے چھٹکارا دلا دیں۔۔۔ آنسکا! اری فاحشہ اٹھو اور انہیں راستہ بتاؤ" وہ نو عمر نوکرانی پر غصہ اتارنے لگی۔ اس کا منہ پورے کا پورا کھلا تھا اور لمبے دانت مزید نمایاں ہو رہے تھے۔

پیری نے جلدی سے کہا "راستہ دکھاؤ، دکھاؤ، میں۔۔۔ میں۔۔۔ میں کچھ کروں گا"

غلیظ خادمہ صندوق کے پیچھے سے اٹھی اور اپنے بال اوپر کر کے ٹھنڈی سانس بھری۔ پھر وہ پیری کے آگے

چل دی۔

پیری کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ طویل عرصہ تک بیہوش رہنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو گیا ہو۔ اس کی آنکھوں میں زندگی کی حرارت دکھائی دینے لگی۔ وہ سر اٹھا کر لمبے ڈگ بھرتا لڑکی کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ وہ فوراً لڑکی تک پہنچ گیا اور پوارسکی سڑک پر آ گیا۔ تمام سڑک دھوئیں میں بھری ہوئی تھی۔ کہیں کہیں آگ کے شعلے دھوئیں کی موٹی چادر کو پھاڑتے ہوئے ابھر رہے تھے۔ خوفناک آگ کے سامنے بیشمار لوگ جمع تھے۔ سڑک کے درمیان میں ایک فرانسیسی جرنیل کھڑا تھا اور لوگوں سے کچھ کہہ رہا تھا۔ پیری خادمہ کے پیچھے پیچھے اسی طرف آ رہا تھا مگر فرانسیسی سپاہیوں نے اسے روک لیا۔

وہ اسے چلا کر خبردار کرنے لگے "یہاں سے مت گزرو"

خادمہ نے باآواز بلند کہا "آقا! اس طرف، ہم نکولینی سے گزر کر گلی میں جائیں گے"

پیری واپس مڑا، کبھی کبھار وہ خادمہ سے جاملنے کیلئے لمبے قدم اٹھانا شروع کر دیتا تھا۔ لڑکی نے دوڑ کر سڑک عبور کی اور بائیں جانب گلی میں مڑ کر تین مکان پیچھے چھوڑتی ہوئی جلدی سے دائیں جانب ایک صحن میں داخل ہو گئی۔

وہ بولی "یہ بس قریب ہی ہے اور بھاگتے ہوئے صحن پار کر کے لکڑی کا ایک دروازہ کھولا۔ وہ وہاں ٹھہر گئی اور ہاتھ سے عمارت کے لکڑی سے بنے چھوٹے حصے کی طرف اشارہ کیا جہاں زبردست آگ بھڑک رہی تھی۔ مکان کا ایک حصہ گر چکا تھا اور دوسرا جل رہا تھا۔ کھڑکیوں کی درزوں اور چھت کی نچلی سمت سے آگ کے شعلے برآمد ہو رہے تھے۔

پیری جونہی چھوٹے دروازے کے قریب پہنچا تو گرم ہوا کا ایک جھونکا اس سے ٹکرایا، وہ غیر ارادی طور پر پیچھے ہٹ گیا۔

اس نے لڑکی سے پوچھا "کون سا؟ تمہارا مکان کون سا ہے؟"

نوکرانی نے لکڑی کی عمارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "اوہ اوہ یہ ہے ہمارا گھر۔ یقیناً تم جل گئی ہو گی، ہماری پیاری کاتیچکا، میری پیاری چھوٹی مالک، اوہ!" وہ رونا شروع ہو گئی۔ آگ کو دیکھ کر اسے یوں لگا جیسے اسے بھی اپنے جذبات کا اظہار کرنا چاہئے۔

پیری لکڑی کی عمارت کے چھوٹے حصے کی طرف بھاگا مگر آگ کے باعث اس قدر گرمی تھی کہ اسے چکر کاٹ کر جانا پڑا۔ وہ وسیع و عریض مکان کے سامنے والے حصے میں پہنچ گیا۔ ابھی اس مکان کے صرف ایک حصے میں چھت تلے آگ لگی تھی اور وہ جل رہا تھا۔ فرانسیسیوں کا بڑا ہجوم اس کے قریب کھڑا تھا۔ پہلے پیری کو سمجھ نہ آئی کہ کوئی شے مکان سے باہر گھسیٹ کر لانے والے یہ لوگ کیا چاہتے ہیں مگر جب اس نے ایک فرانسیسی فوجی کو اپنی کند تلوار سے کسان کو مارتے پیٹتے اور اس سے لومڑی کی کھال سے بنا کوٹ چھینتے دیکھا تو اسے کچھ اندازہ ہوا کہ وہ لوٹ مار میں مصروف ہیں تاہم اس کے پاس ایسی باتوں پر غور کیلئے وقت نہیں تھا۔

گرتی دیواروں اور چھتوں کی آوازیں، شعلوں کا شور، لوگوں کی چیخ و پکار، لہراتے بل کھاتے دھوئیں کا منظر اور کہیں کہیں نظر آنے والے سرخ شعلوں نے پیری کو اسی طرح متاثر کیا جس طرح بڑے پیمانے پر لگنے والی آگ کیا کرتی ہے۔ البتہ پیری کے ذہن پر اس کا خصوصی طور پر شدید اثر ہوا کیونکہ آگ دیکھ کر اسے یوں لگا جیسے اس کے ذہن پر آسیب کی طرح سوار خیالات رفع ہو گئے ہیں اور وہ خود کو نوجوان، خوشباش اور پرعزم محسوس کرنے لگا۔ وہ لکڑی کی عمارت کی دوسری جانب بھاگا اور عمارت کے اس حصے میں داخل ہونے کی کوشش کی جو ابھی تک آگ سے محفوظ تھا۔ اسی

دوران اسے اپنے سر کے اوپر کچھ لوگوں کی چیخ و پکار سنائی دی، اس کے فوراً بعد کوئی چیز زور سے نیچے آئی اور اسے اپنے قریب کسی بھاری شے کے گرنے کی آواز سنائی دی۔

پیری نے اوپر دیکھا تو اسے مکان کی کھڑکیوں میں چند فرانسیسی فوجی دکھائی دیئے جنہوں نے دھاتی اشیاء سے بھری الماری نیچے پھینکی تھی۔ نیچے کھڑے کچھ فرانسیسی الماری کے قریب آ گئے۔

ایک نے پیری کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بلند آواز میں کہا "یہ یہاں کیوں کھڑا ہے؟"

پیری نے فرانسیسی میں چلا کر کہا "اس مکان میں ایک بچی ہے، کیا تم نے کسی بچی کو دیکھا ہے؟" چند فرانسیسیوں نے درشتی سے چلا کر کہا "یہ کیا کہتا ہے؟ چلو نکلو" ایک سپاہی دھمکی آمیز انداز سے پیری کی طرف بڑھا، اسے خدشہ تھا کہ پیری کہیں اس سے چاندی یا کانسی سے بنی کوئی شے نہ چھین لے۔

اوپر کھڑے ایک فرانسیسی افسر نے کہا "بچی؟ مجھے باغ میں کسی کی آواز سنائی دی تھی۔ شاید یہ اسی کی بچی ہے۔۔۔ ہمیں انسان بننا چاہئے"

پیری نے پوچھا "کہاں ہے وہ؟"

فرانسیسی چلا کر کہنے لگا "ادھر! انتظار کرو میں نیچے آتا ہوں"

چند ثانیوں بعد فرانسیسی نے واقعی نیچے چھلانگ لگا دی اور پیری کے کندھے پر تھپکی دے کر اس کے ساتھ باغ کی جانب بھاگنا شروع کر دیا۔

اس نے اپنے ساتھیوں سے چلا کر کہا "جلدی کرو ساتھیو، حدت بڑھ رہی ہے"

مکان کے عقبی حصے میں بھاگتا فرانسیسی ریتلی پگڈنڈی کی جانب لپکا اور پیری کی توجہ ایک جانب دلائی جہاں گلابی فراک پہنے ایک تین سالہ بچی باغ کے بنچ تلے موجود تھی۔

فرانسیسی کہنے لگا "وہ رہی تمہاری بچی۔ آہا، چھوٹی بچی۔ اچھا ہوا، الوداع، ہم سب نے مرجانا ہے اسی لئے ہمیں انسانیت سے کام لینا چاہئے" یہ کہہ کر وہ واپس اپنے ساتھیوں کی جانب بھاگ نکلا۔

خوشی کے مارے پیری کا سانس پھولنے لگا۔ وہ چھوٹی بچی کی طرف بڑھا اور اسے ہاتھوں میں اٹھانے کی کوشش کی تاہم زرد رو بچی اجنبی شخص کو دیکھتے ہی اپنی والدہ کی طرح بھونڈی آواز سے چلانے اور وہاں سے بھاگنے کی کوشش کرنے لگی۔ پیری نے اسے پکڑ کر بازوؤں میں اٹھا لیا۔ بچی پوری قوت سے چیخنے اور اپنے چھوٹے ہاتھوں کی مدد سے پیری کے بازوؤں سے آزاد ہونے کی کوشش کرنے لگی۔ پیری کو اسی خوف اور گھن کا احساس ہوا جو اسے کسی گندے بدبودار چھوٹے جانور کو چھونے سے ہوتا تھا۔ اسے خود پر قابو پانے میں خاصی مشکل پیش آئی ورنہ اندیشہ تھا کہ شاید وہ بچی کو وہیں چھوڑ دیتا۔ اب وہ اسے اٹھا کر بڑے مکان کی جانب بھاگ رہا تھا۔ وہ جس راستے سے آیا تھا، اب اسی سے واپس جانا ممکن نہ تھا۔ نوکرانی آنسکا کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ پیری نے رحم اور نفرت کے ملے جلے جذبات کے تحت گیلے جسم والی بچی کو پیار سے اپنے ساتھ چمٹائے رکھا۔ بچی مسلسل چیخ رہی تھی۔ اس نے باغ سے ہوتے ہوئے دوسرا راستہ تلاش کرنے کی کوشش کی۔

(34)

پیری اپنا چھوٹا سا بوجھ اٹھائے مختلف مکانوں کے صحنوں سے گزرتا اور مخالف سمت کی گلیاں پار کرتا پوارسکی

شاہراہ کے کنارے کروزنسکی باغ میں پہنچ گیا۔ وہاں لوگوں کا اسقدر رش تھا اور گھروں سے گھسیٹ کر لائے جانیوالے سامان کے اتنے ڈھیر لگے تھے کہ اس کیلئے وہ جگہ پہچاننا بھی مشکل ہو گیا۔ سامان سمیت وہاں پناہ گزین روسی خاندانوں کے علاوہ وہاں مختلف لباسوں میں ملبوس متعدد فرانسیسی فوجی بھی موجود تھے۔ پیری نے ان کی جانب کوئی دھیان نہ دیا۔ اسے سول ملازم کا خاندان تلاش کرنے کی فکر لاحق تھی تاکہ بچی کو اس کی والدہ کے حوالے کر سکے اور خود واپس جا کر کسی اور کو بچنے میں مدد دے سکے۔ پیری کو یوں لگ رہا تھا جیسے ابھی اسے فوری طور پر اور بہت کچھ کرنا ہے۔ آگ کی حدت اور بھاگ دوڑ کے باعث اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ جب وہ بچی کو بچانے کیلئے بھاگا تو اسے کسی اور موقع کی نسبت جوش و خروش، جوانی اور عزم کا اس وقت زیادہ احساس ہو رہا تھا۔

بچی نے رونا بند کر دیا تھا اور وہ اس کے بازو پر بیٹھی تھی۔ اس کے چھوٹے چھوٹے ہاتھ پیری کے کوٹ پر جمے ہوئے تھے اور وہ کسی چھوٹے جنگلی جانور کی طرح چاروں جانب دیکھے جاتی تھی۔ پیری کبھی کبھار ہلکا سا مسکرا کر اس پر نگاہ ڈال لیتا تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اسے ڈرے سہے، چھوٹے سے زرد چہرے پر رقت بھری معصومیت دکھائی دے رہی ہے۔

جہاں اس نے سول ملازم اور اس کی بیوی کو چھوڑا تھا وہاں اب کوئی نہیں تھا۔ ہجوم میں تیزی سے چلتے اور مختلف لوگوں کا جائزہ لیتے ہوئے اس کی نگاہیں غیر شعوری طور پر کسی جارجین یا آرمینیائی خاندان کے ارکان سے چار ہو گئیں۔ یہ خاندان خوبصورت مشرقی خدوخال والے ایک بوڑھے، اسی جیسی عمر رسیدہ خاتون اور ایک نوعمر لڑکی پر مشتمل تھا۔ یہ لڑکی اپنی خمدار بھنوؤں، صاف رنگت اور غیر جذباتی چہرے کی بنا پر مشرقی حسن کا نمونہ لگ رہی تھی۔ وہ لوگوں کے ہجوم اور اپنے ارد گرد بکھرے سامان کے درمیان میں چمکدار ساٹن کا لباس پہنے اور سر پر رومال سجائے کسی ایسے پودے جیسی لگ رہی تھی جسے اپنی زمین سے اکھاڑ کر برف پر پھینک دیا گیا ہو۔ وہ بوڑھی عورت سے کچھ پیچھے چند گٹھڑیوں پر بیٹھی تھی۔ اس نے اپنی لمبی پلکوں کے نیچے سیاہ آنکھیں زمین پر ٹکائی ہوئی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے اسے اپنے حسن کا احساس ہے اور اسی وجہ سے وہ خوفزدہ معلوم ہوتی تھی۔ پیری اس کا چہرہ دیکھ کر اسقدر متاثر ہوا کہ لکڑی کے جنگلے کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے اس نے کئی مرتبہ پیچھے مڑ کر اسے ایک نظر دیکھا۔ جنگلے کے آخری سرے پر پہنچ کر بھی اسے اپنے مطلوبہ لوگ دکھائی نہ دیئے۔ وہ ٹھہر گیا اور ادھر ادھر دیکھنا شروع کر دیا۔

ایک شخص کہنے لگا "جناب! کیا آپ کا کوئی ساتھی گم ہو گیا ہے؟ آپ شکل و شباہت سے کسی اعلیٰ خاندان کے فرد معلوم ہوتے ہیں۔ یہ بچی کس کی ہے؟"

پیری نے اسے بتایا کہ یہ کسی عورت کی بچی ہے۔ اس نے سیاہ لباس پہن رکھا تھا اور اپنے دیگر بچوں کے ساتھ ادھر ہی بیٹھی تھی، پھر اس نے پوچھا کہ کوئی اسے بتا سکتا ہے کہ وہ خاتون کہاں گئی۔

ایک بوڑھے نائب پادری نے چیچک زدہ چہرے والی دیہاتی عورت سے کہا "کیوں، یقیناً یہ آنفیروف ہوں گے۔ خدا ہم پر رحم کرے، خدا ہم پر رحم کرے" اس کے لہجے میں پیشہ وارانہ گرج تھی۔

عورت بولی "آنفیروف، کیوں، آنفیروف تو صبح سویرے چلے گئے تھے، یہ ماریا نکولائیونا یا ایوانوف کی بچی ہو گی۔"

ایک گھریلو ملازم بولا "وہ کہتا ہے کسی عورت کی ہے، اور ماریا نکولائیونا تو محترم خاتون ہے۔"

پیری نے کہا "اسے جانتے ہو؟ دبلا پتلا جسم، بڑے بڑے دانت"

کسان عورت فرانسیسی فوجیوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولی "یہ ماریا نکولائیونا ہی ہے، جب ان بھیڑیوں نے ہم پر حملہ کیا تو وہ باغ میں چلے گئے تھے۔"

پادری نے گھمبیر لہجے میں کہا "خدا ہم پر رحم کرے۔"

کسان عورت کہنے لگی "آپ اس جانب چلے جائیں، وہ ادھر ہیں۔ وہ ہے، وہ رو پیٹ رہی ہے، اسے اپنے آپ پر قابو نہیں، وہ دیکھو، سامنے۔"

مگر پیری عورت کی باتوں پر دھیان نہیں دے رہا تھا۔ اس کی توجہ کچھ فاصلے پر مرکوز تھی۔ وہ دو فرانسیسی سپاہیوں کو دیکھ رہا تھا جو آرمینیائی خاندان کے قریب چلے گئے تھے۔ ایک فوجی پستہ قامت اور تیز طرار شخص تھا، اس نے نیلا کوٹ زیب تن کیا ہوا تھا اور اوپر پیٹی کی جگہ رسی باندھ رکھی تھی۔ اس کے سر پر ٹوپی تھی۔ دوسرے نے پیری کی توجہ خاص طور پر اپنی جانب مبذول کرائی۔ اس کا قد لمبا، کندھے جھکے ہوئے اور جسم دبلا پتلا تھا۔ اس نے اونی کوٹ، نیلی پتلون اور بڑے بڑے سی بوٹ پہن رکھے تھے۔ نیلے کوٹ والا پستہ قد فرانسیسی تیزی سے بوڑھے کی طرف بڑھا اور کچھ کہے بغیر اس کی ٹانگیں پکڑ لیں۔ بوڑھا جلدی جلدی اپنے جوتے اتارنے لگا۔ دوسرا سپاہی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر آرمینیائی لڑکی کے سامنے جا کھڑا ہوا اور خاموشی سے اسے دیکھنا شروع کر دیا۔

پیری نے بچی کسان عورت کی طرف بڑھائی اور کہا "اسے پکڑو، بچی کو پکڑو، اسے اس کے والدین کے پاس لے جاؤ" اس نے چیختی چلاتی بچی کو زمین پر لٹا دیا اور دوبارہ فرانسیسیوں اور آرمینیائی خاندان کی جانب دیکھنے لگا۔

بوڑھا ننگے پاؤں بیٹھا تھا۔ فرانسیسی نے اسی وقت اس سے دوسرا بوٹ لیا تھا اور اب وہ دونوں بوٹوں کو باہم ٹکرا رہا تھا۔ بوڑھے نے دلگرفتہ آواز میں کچھ کہا تاہم پیری کی تمام تر توجہ اونی کوٹ والے دوسرے فرانسیسی سپاہی پر مرکوز تھی۔ اس دوران یہ سپاہی جھومتا جھامتا لڑکی کے پاس پہنچ گیا تھا اور اس نے جیبوں سے ہاتھ نکال کر اس کی گردن زور سے پکڑ لی تھی۔

خوبصورت آرمینیائی لڑکی اپنی لمبی پلکیں جھکائے اسی طرح اپنی جگہ پر ساکت بیٹھی رہی۔ یوں لگتا تھا جیسے اس نے فوجی کی حرکات دیکھی ہیں نہ محسوس کی ہیں۔

پیری تیزی سے فرانسیسیوں کی جانب بڑھا۔ اسی دوران طویل القامت سپاہی لڑکی کے گلے کا ہار چھین چکا تھا۔ لڑکی نے اپنا گلا پکڑا اور زوردار چیخ ماری۔

پیری نے اس فوجی کو کندھوں سے پکڑا اور بولا "لڑکی کو چھوڑ دو" وہ غصے میں تھا اور اس کی آواز بھرا چکی تھی۔ سپاہی گر گیا اور پھر جیسے تیسے اٹھ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ تاہم اس کے ساتھی نے بوٹ نیچے پھینک دیئے اور اپنی تلوار پر ہاتھ رکھ کر پیری کی طرف بڑھنے لگا۔

فرانسیسی نے چلا کر کچھ کہا۔

پیری غصے میں کھول رہا تھا اور اسے اپنی ہوش بھی نہ تھی، اس کی قوت اچانک دس گنا بڑھ گئی اور وہ ننگے پاؤں والے فوجی کی طرف بڑھا۔ اس نے اپنی تلوار اٹھائی بھی نہ تھی کہ پیری اس پر گھونسوں سے پل پڑا۔ لوگوں کے ہجوم نے نعرے لگانا شروع کر دیئے اور اسی دوران ایک فرانسیسی گھڑسوار دستہ وہاں آ گیا اور اس نے پیری اور فرانسیسی کو گھیر لیا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ پیری کو یاد نہ رہا۔ اسے بس اتنا محسوس ہو رہا تھا کہ وہ کسی کو مار پیٹ رہا ہے اور اس کے ہاتھوں خود بھی پٹ رہا ہے۔ بالآخر اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈال دی گئی۔ فرانسیسی فوجیوں نے اسے گھیرے میں لے لیا اور تلاشی

لینا شروع کر دی۔

پیری کو کسی فرانسیسی کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا ''لیفٹیننٹ، اس کے پاس تو خنجر ہے''

افسر ننگے پاؤں والے فرانسیسی کی طرف متوجہ ہو کر بولا ''ارے، ہتھیار! بہت اچھے، یہ بات یاد رکھنا اور فوجی عدالت کو بھی بتانا'' پھر وہ پیری سے مخاطب ہو کر کہنے لگا ''تمہیں فرانسیسی زبان آتی ہے؟''

پیری نے غصے میں ارد گرد دیکھا اور منہ سے کچھ نہ بولا۔ اس کا چہرہ خوفناک لگ رہا تھا کیونکہ افسر نے دبی آواز میں کوئی بات کہی جس پر چار مزید گھڑ سوار آگے بڑھے اور پیری کی دونوں جانب کھڑے ہو گئے۔

ایک افسر پیری سے کچھ فاصلے پر آ کر بولا ''فرانسیسی زبان آتی ہے؟ ترجمان کو بلایا جائے''

ایک پست قد روسی عام سپاہیوں کی صف سے نکل کر آگے آیا۔ پیری نے اس کے کپڑوں اور بات چیت سے فوراً پہچان لیا کہ وہ ماسکو کی کسی دکان میں کام کرنے والا کوئی فرانسیسی ہے۔

ترجمان نے پیری کو بغور دیکھا اور کہا ''یہ عام شخص نہیں ہے''

افسر کہنے لگا ''اوہ، اوہ، یہ بالکل آتشزن دکھائی پڑتا ہے۔ اس سے پوچھو کہ یہ کون ہے؟''

ترجمان نے فرانسیسی لہجے میں روسی بولتے ہوئے کہا ''آپ کون ہیں؟ آپ کو افسر کے سوال کا جواب دینا ہوگا''

پیری نے اچانک فرانسیسی میں کہا ''میں نہیں بتاؤں گا کہ میں کون ہوں۔ میں تمہارا قیدی ہوں، مجھے لے چلو''

افسر نے اسے غصیلی نگاہوں سے دیکھا اور کہنے لگا ''اوہ، اوہ، ٹھیک ہے، پھر چلو''

لوگ گھڑ سواروں کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ چیچک زدہ چہرے والی کسان عورت بچی اٹھائے پیری کے قریب کھڑی تھی۔ جب فوجی دستہ روانہ ہونے لگا تو وہ آگے بڑھی۔

وہ پیری سے کہنے لگی ''یہ لوگ تمہیں کہاں لے جا رہے ہیں، اور یہ چھوٹی بچی، اگر یہ ان کی نہ ہوئی تو پھر اس کا کیا کیا جائے؟''

افسر نے پوچھا ''یہ عورت کیا کہتی ہے؟''

پیری کو دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے وہ نشے میں دھت ہو۔ بچی کو دیکھ کر وہ خوشی سے نہال ہو گیا۔

وہ کہنے لگا ''کیا کہتی ہے؟ وہ میرے پاس بچی کو لا رہی ہے۔ اسے میں نے کچھ دیر پہلے آگ سے بچایا تھا۔ الوداع!'' اپنے بلا وجہ جھوٹ پر غور کئے بغیر وہ فاتحانہ انداز سے فرانسیسی فوجیوں کے مابین چلنے لگا۔

یہ دستہ فرانسیسی جرنیل ڈوروسنل کے احکامات پر لوٹ مار روکنے اور آتشزنوں کو گرفتار کرنے کیلئے بھیجا گیا تھا۔ اس دن فرانسیسی اعلیٰ حکام کا خیال تھا کہ ماسکو میں آتشزدگی کے واقعات کے پیچھے باقاعدہ کچھ لوگوں کا کردار ہے۔ اس دستے نے مختلف سڑکوں پر گشت کے دوران پانچ مزید روسی گرفتار کئے جن میں سے ایک دکاندار، دو طالبعلم، ایک کسان اور ایک گھریلو ملازم شامل تھے۔ یہ لوگ لوٹ مار کرتے ہوئے پکڑے گئے تھے۔ انہیں رات گزارنے کیلئے زوبووسکی کے ایک مکان میں لایا گیا جہاں پیری کو دوسروں سے الگ کر کے اس پر پہریدار متعین کر دیئے گئے۔

☆☆☆☆☆

بارہواں حصہ

(1)

پیٹرز برگ کے اعلیٰ طبقے میں اس عرصہ کے دوران رومیانتسیف، فرانسیسیوں، ماریا فیوڈورونا اور زاریوچ کے مابین پیچیدہ مخاصمت جاری تھی۔ اگرچہ اس میں پہلے سے زیادہ شدت در آئی تھی مگر وہ حسب معمول درباریوں کی جھنجھناہٹ میں دبی ہوئی تھی۔ البتہ پیٹرز برگ کی عیاشانہ زندگی اپنے معمول کے مطابق جاری تھی جسے صرف زندگی کے سایوں اور اوہام سے ہی واسطہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ روسی قوم اب جن خطرات کا شکار ہو چکی تھی ان کا اندازہ لگانے کیلئے مزید کوششوں کی ضرورت تھی۔ شہر میں پہلے کی طرح استقبالیہ دعوتیں اور رقص کی محافل جاری تھیں۔ فرانسیسی تھیٹر، درباری مفاد اور سرکاری محکموں میں سازشیں بھی پہلے کی طرح ہو رہی تھیں۔ صرف اعلیٰ ترین حلقوں میں صورتحال کی نزاکت ذہن میں رکھنے کی کوشش ہوتی تھی۔ ان صبر آزما حالات میں دونوں ملکائیں مختلف رویے اپنائے ہوئے تھیں اور لوگ ان کا ذکر سرگوشیوں کی صورت میں کرتے تھے۔ ملکہ ماریا فیوڈورونا کو اپنے زیر سرپرستی چلنے والے فلاحی و تعلیمی اداروں کی بے حد فکر تھی اور اس نے ان کی قازان منتقلی کا حکم دے دیا۔ ان کا سامان پہلے ہی تیار تھا۔ تاہم جب ملکہ ایلزا وتا الیکسیوتا سے پوچھا گیا کہ آپ کیا احکامات دینا چاہیں گی؟ تو اس نے اپنے حب الوطنی سے بھرپور مخصوص لہجے میں کہا کہ وہ سرکاری اداروں کے بارے میں کوئی احکامات نہیں دے سکتی کیونکہ یہ ادارے زار کے دائرہ اختیار میں آتے ہیں مگر جہاں تک اس کا اپنا تعلق ہے وہ پیٹرز برگ سے جانے والی آخری عورت ہوگی۔

26 اگست کو اینا پاؤلونا کے ہاں محفل منعقد ہوئی۔ اس وقت بوروڈینو کی جنگ جاری تھی۔ اس محفل کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں وہ خط پڑھ کر سنایا جانا تھا جو ماسکو کے بشپ نے زار کو سینٹ سرگئی کی مقدس تصویر کے ساتھ بھیجا تھا۔ یہ خط حب الوطنی کے جذبات کا نمونہ سمجھا جا رہا تھا۔ اسے شہزادہ وسیلے نے پڑھ کر سنانا تھا جس کی خطابت کا ہر جانب شہرہ تھا (وہ ملکہ کے ڈرائنگ روم میں بھی متعدد مرتبہ پڑھ کر سنا چکا تھا) اس کی خوبی تھی کہ وہ بلند اور مترنم لہجے میں پڑھتا تھا۔ کبھی کبھار اس کی آواز میں اتنی افسردگی در آتی کہ وہ فریاد کرتا دکھائی دیتا اور کبھی اس میں نوحہ خواں کی سی نرمی پیدا ہو جاتی۔ وہ عبارت کے معانی پر بالکل دھیان نہیں دیتا تھا۔ یہ محض اتفاق ہوتا کہ وہ کس لفظ کو فریادی اور کس کو نوحہ خواں کے انداز میں ادا کرتا ہے۔ جیسا کہ اینا پاؤلونا کے ہاں رواج تھا، ایسے خط کا پڑھا جانا سیاسی اہمیت کا حامل تھا۔ اس شام متعدد اہم شخصیات نے آنا تھا۔ اس محفل کا مقصد ان شخصیات کو فرانسیسی تھیٹر جانے پر شرمندہ کرنا اور ان کے دلوں میں حب الوطنی کے جذبات کو ہوا دینا تھا۔ کافی لوگ پہلے ہی پہنچ چکے تھے مگر جب اینا پاؤلونا نے دیکھا کہ کچھ ایسے لوگ موجود نہیں ہیں جن کی موجودگی لازمی ہے تو اس نے خط پڑھنے کا پروگرام کچھ دیر کیلئے ملتوی کیا اور عام گفتگو جاری رہنے دی۔

پیٹرز برگ میں اس دن کی اہم ترین خبر بیگم بیزوخوف کی بیماری سے متعلق تھی۔ چند روز پہلے اس کی طبیعت

غیر متوقع طور پر خراب ہوگئی تھی۔ وہ متعدد محافل میں شریک نہیں ہو پائی تھی اور کہا جارہا تھا کہ وہ کسی کو اپنے گھر آنے کی اجازت نہیں دے رہی۔ اس کی خدمت میں حاضر ہونیوالے پیٹرزبرگ کے معروف ڈاکٹروں کی بجائے ایک اطالوی ڈاکٹر اس کا علاج کرنے میں مصروف تھا اور اس کا طریقہ علاج نیا اور غیر معمولی قرار دیا جارہا تھا۔

ہر شخص جانتا تھا کہ اس کی بیماری کا سبب وہ مشکل تھی جو اسے بیک وقت دو شوہروں سے شادی کے حوالے سے پیش آئی تھی اور یہ کہ اس کا اطالوی ڈاکٹر سے علاج کا مقصد یہ مشکل دور کرنا تھا۔ اینا پاؤلونا کی موجودگی میں کوئی شخص ایسا خیال دل میں لانے کی جرات بھی نہیں کرسکتا تھا اور یہ ظاہر کرنا تو اور بھی مشکل تھا کہ وہ اسے جانتا ہے۔

کسی نے کہا" کہتے ہیں کہ بیچاری بیگم بیزوخوف کی صحت ٹھیک نہیں۔ ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ وہ کسی خطرناک مرض میں مبتلا ہے"

ایک اور شخص کہنے لگا" اوہ خطرناک بیماری ہے"

کہیں سے آواز سنائی دی" کہتے ہیں کہ بیماری کے باعث دونوں رقیبوں میں صلح ہوگئی ہے، بیماری نے کام دکھایا۔

پہلا شخص بولا" کہتے ہیں کہ معمر نواب کی حالت بہت خراب ہے، جب ڈاکٹر نے اسے بتایا کہ بیگم کو خطرناک بیماری لگ گئی ہے تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیا تھا"

کسی نے کہا" اوہ، یہ بہت بڑا نقصان ہوگا۔ وہ بیحد دلکش خاتون ہے"

اینا پاؤلونا ایک گروہ کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی" آپ لوگ بیچاری بیگم بیزوخوف کے بارے میں بات چیت کررہے ہیں۔ میں نے اس کی بیماری کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کیلئے ایک شخص بھیجا تھا۔ مجھے علم ہوا ہے کہ اب اس کی حالت بہتر ہے۔ یہ بات شک وشبے سے بالاتر ہے کہ دنیا میں آپ کو اس سے بڑھ کر جادوئی شخصیت کی مالک خاتون نہ ملے گی" وہ بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی" اگرچہ ہمارا تعلق دو مختلف مکتبہ ہائے فکر سے ہے مگر میں اس کی تعریف کرنے میں بخل سے کام نہ لوں گی، بیچاری کی قسمت خراب ہے"

ایک نوجوان نے یہ فرض کرلیا کہ بیگم کی بیماری پر پڑا پراسراریت کا پردہ اینا پاؤلونا نے ہٹادیا ہے، چنانچہ وہ جرات سے کام لے کر کہنے لگا کہ معروف ڈاکٹروں کی بجائے ایک عطائی اس کا علاج کررہا ہے۔ اسے خدشہ تھا کہ کہیں وہ کوئی خطرناک دوا نہ دے بیٹھے۔

اینا پاؤلونا نے ناتجربہ کار کو غصیلی نگاہوں سے گھورتے ہوئے کہا" شاید تم مجھ سے بہتر جانتے ہو مگر مجھے انتہائی مصدقہ ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ یہ ڈاکٹر غیر معمولی قابلیت کا مالک اور سپین کی ملکہ کا ذاتی طبیب ہے"

اس نوجوان کو ہزیمت سے دوچار کرنے کے بعد اینا پاؤلونا ایک اور گروہ کی جانب متوجہ ہوئی جہاں بلبین آسٹرویوں کے بارے میں بات چیت کررہا تھا۔ اس وقت وہ اپنے ماتھے پر سلوٹ ڈال کر بظاہر کوئی شاندار فقرہ کہہ کر دوبارہ پرسکون ہونا چاہتا تھا۔

اس نے ایک سفارتی خط کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا" مجھے تو یہ نہایت مزیدار شے معلوم ہوئی ہے۔ اس خط کے ساتھ چند آسٹروی جھنڈے بھیجے گئے تھے جنہیں وٹگن شٹین نے فرانسیسیوں سے چھینا تھا۔ شٹین کو پیٹرزبرگ میں ہیرو پول کا ہیرو کہا جارہا تھا۔

اینا پاؤلونا کہنے لگی" کیا؟ یہ کیا بات تھی؟" وہ بلبین کا یہ مزاحیہ فقرہ پہلے بھی سن چکی تھی۔ اب اس نے گفتگو میں

مداخلت کی تو تمام لوگ خاموش ہوگئے۔

بلبین نے سفارتی خط کے درج ذیل الفاظ دہرائے جو اس نے خود گھڑے تھے:

"شہنشاہ آسٹروی جھنڈے واپس بھیج رہے ہیں"

شہزادہ ویسیلے نے کہا" بہت اچھے، بہت اچھے، شاندار"

شہزادہ اپولٹ اچانک باآواز بلند بولا" شاید وارسا کو جانیوالی سڑک" تمام لوگ اسی کی جانب دیکھنا شروع ہوگئے۔ اپولٹ نے بھی ارد گرد یوں دیکھا جیسے بیحد لطف اندوز ہورہا ہو۔ دیگر لوگوں کی طرح اسے بھی علم نہیں تھا کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔ اپنی سفارتی ملازمت کے دوران وہ اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ اچانک کہہ دی والی باتیں بذلہ سنجی کا شاندار نمونہ ہوتی ہیں چنانچہ اس کے ذہن میں جو بات آئی تھی اسے فوراً زبان پر لے آتا تھا۔ وہ سوچتا تھا" شاید اس مرتبہ یہ بات بہت اچھی ثابت ہو، تاہم اگر ایسا نہ بھی ہوا تو کوئی نہ کوئی شخص اس سے کوئی مطلب ضرور اخذ کرلے گا" شہزادہ اپولٹ کے فقرے کے بعد جو ناگوار خاموشی طاری ہوئی اس میں وہ شخص کمرے میں داخل ہوا جو حب الوطنی کے معیار پر پورا نہیں اترتا تھا اور جس کا اینا پاؤلونا کو شدت سے انتظار تھا۔ اینا اسے دیکھ کر مسکرائی۔ وہ شہزادہ اپولٹ کی طرف انگلی لہراتے ہوئے شہزادہ ویسیلے سے کہنے لگی کہ وہ موم بتیوں کے سامنے میز پر دھرا خط پڑھنا شروع کردے۔ تمام حاضرین محفل خاموش ہوگئے۔

شہزادہ ویسیلے نے درشت لہجے میں شروعات کی" بہ مقتدر، رحم دل شہنشاہ اور زارا!" اس نے سننے والوں کو یوں دیکھا جیسے کہہ رہا ہو" کسی کو اعتراض تو نہیں" تاہم کوئی کچھ نہ بولا۔ اس نے مراسلہ پڑھنا شروع کردیا" ماسکو، ہمارا قدیم دارالحکومت، نیا یروشلم، اپنے مسیحا کا خیر مقدم کرتا ہے" اس نے لفظ" اپنے" پر خصوصی طور پر زور دیا" بالکل ایسے ہی جیسے ماں اپنے جوشیلے بیٹوں کا خیر مقدم کرتی ہے اور انہیں گلے لگاتی ہے۔ ماسکو پر اٹھنے ہونیوالے دھند کے بادلوں میں اسے آپ کے دور کی چمک دمک دکھائی دیتی ہے" اس نے خط کے آخری فقرات یوں بیان کئے جیسے نوحہ خوانی کررہا ہو۔

بلبین نے نہایت غور سے اپنے ناخنوں کا جائزہ لیا اور سننے والوں میں سے متعدد لوگ مرعوب نظر آنے لگے جیسے انہیں حیرانی ہو کہ ان سے کون سی غلطی سرزد ہوگئی۔ اینا پاؤلونا نے اگلے الفاظ اسی عورت کی طرح پہلے ہی کہہ دیئے جو عبادت کے دوران منہ ہی منہ میں دعائیں پڑھ رہی ہوتی ہے۔

وہ سرگوشی کے انداز میں بولی" گستاخ اور ڈھیٹ گولیاتھ۔۔۔"

شہزادہ ویسیلے نے پڑھنا جاری رکھا" اگر ڈھیٹ اور گستاخ گولیاتھ فرانس سے نکل کر روس کو گھیرنے کی کوشش کرے گا اور اپنے ساتھ موت اور خوف لائے گا تو بھی ہمیں کوئی پروا نہیں۔ سادگی پرمبنی روسی عقیدہ جو روس کے داؤد کی غلیل ہے، اس کا غرور سے بھرا سر اڑادے گا۔ جناب عالی کی خدمت میں مقدس سینٹ سرگئی کی تصویر پیش کی جارہی ہے جو ہمارے وطن کی فلاح کیلئے آج ہی سرگرم ہے۔ میں افسوس سے کہتا ہوں کہ کمزوری کے باعث میں خود آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوسکتا اور آپ کی قابل احترام ذات کی زیارت سے شادکام ہونے سے محروم ہوں۔ میں سچے دل سے دعا کرتا ہوں کہ خدا سچائی کے راستے پر چلنے والوں کو بلند درجہ عنایت فرمائے اور جناب کی خواہشات کو پورا کرے۔"

خط پڑھا جاچکا تو لکھنے والے کے ساتھ ساتھ پڑھنے والے کی بھی تعریف کی گئی۔ فصیح وبلیغ خط نے اینا پاؤلونا کے مہمانوں کو خوشی سے نہال کردیا اور ان میں نیا جذبہ بیدار ہوگیا۔ وہ خاصی دیر تک وطن کے حالات پر بحث و

مباحثہ کرتے رہے اور آئندہ چند روز میں ہونیوالی جنگ کے نتائج بارے مختلف قیاس آرائیوں میں مصروف رہے۔

اینا پاؤلونا نے کہا'' آپ دیکھ لیں گے کہ کل زار کی سالگرہ پر ہمیں خوشخبری ملے گی۔ میرا دل کہتا ہے کہ اچھی خبر ہوگی''

(2)

اینا پاؤلونا کی پیشگوئی درست نکلی۔ اگلے دن شہنشاہ کی سالگرہ کے موقع پر محل میں خصوصی عبادت تھی۔ اس دوران شہزادہ وِلکونسکی کو گرجا گھر سے باہر بلا کر کوتوزوف کا خط دیا گیا۔ کوتوزوف نے جنگ کے بارے میں اپنی یہ رپورٹ لڑائی کے اختتام پر تاتارینوو میں بیٹھ کر لکھی تھی۔ اس نے بتایا تھا کہ روسی اپنی جگہ پر ڈٹے ہوئے ہیں اور فرانسیسیوں کو ہم سے کئی گنا زیادہ نقصان اٹھانا پڑا ہے، مزید یہ کہ وہ یہ خط میدان جنگ سے لکھ رہا ہے اور اسے تازہ ترین معلومات اکٹھی کرنے کا وقت نہیں مل سکا۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ فتح روس کو حاصل ہوئی ہوگی۔ یہی وجہ تھی کہ گرجا گھر سے باہر آئے بغیر خدا کا شکر ادا کیا گیا کہ اس نے روسیوں کو فتح دی۔

اینا پاؤلونا کی پیشگوئی درست ثابت ہوگئی اور اس دن شہر بھر میں خوشی کی لہر دکھائی دی۔ ہر شخص کو قوی یقین تھا کہ روسیوں کو مکمل فتح حاصل ہوئی ہے اور اس میں شک وشبے کی گنجائش نہیں۔ کچھ لوگوں نے تو یہ بھی کہہ دیا کہ نپولین کو قید کر لیا گیا ہے اور اسے تخت سے ہٹا کر فرانس میں نیا حکمران بھی مقرر کیا جا چکا ہے۔

طویل فاصلے پر پیش آنیوالے واقعات کا درباری ماحول میں اور دور سے درست اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ عام واقعات کا تانا بانا کسی انفرادی واقعہ کے گرد ہی بنا جاتا ہے اور یہی وجہ تھی کہ درباریوں کی خوشی کا تعلق فتح سے زیادہ اس شے سے تھا کہ یہ خبر زار کی سالگرہ کے دن ملی ہے۔ یہ ایسے ہی تھا جیسے کوئی ایسی شے کامیابی سے ترتیب دے دی گئی ہو جس کا کسی نے سوچا تک نہ تھا۔ کوتوزوف نے اپنی رپورٹ میں چند ہلاک شدگان کا بھی تذکرہ کیا تھا جن میں تچکوف، باگراتیاں اور کوتائیسوف شامل تھے۔ واقعے کے افسوسناک پہلو کے حوالے سے پیٹرز برگ میں صرف کوتائیسوف کی ہلاکت پر بات ہوئی۔ اسے ہر شخص جانتا تھا، وہ زار کو بھی پسند تھا اور اس کے ساتھ ساتھ نوجوان اور دلچسپ شخصیت کا مالک تھا۔ اس دن باہمی ملاقاتوں میں لوگ ایک دوسرے سے کہتے پائے گئے۔

'' کیسا حیرت انگیز اتفاق ہے کہ عبادت کے دوران ہی خوشخبری مل گئی، مگر کوتائیسوف کی موت بھی کس قدر بھاری صدمہ ہے! افسوس، بے حد افسوس''

شہزادہ ویسلے پیغمبرانہ فخر سے کہتا پھرتا تھا'' میں نے کوتوزوف کے بارے میں آپ لوگوں سے کیا کہا تھا۔ میں ہمیشہ یہی کہتا ہوں کہ وہ واحد شخص ہے جو نپولین کو شکست دے سکتا ہے''

اگلے دن فوج سے کوئی خبر موصول نہ ہوئی اور لوگوں کے ذہن میں مختلف واہمے سر اٹھانے لگے۔ امید اور انتظار کی جس کیفیت کا زار کو سامنا تھا اس سے زیادہ درباریوں کو اذیت پہنچ رہی تھی۔

لوگ کہہ رہے تھے'' ذرا زار کی حالت کے بارے میں تو سوچیں، کوتوزوف نے شہنشاہ کو پریشانی میں مبتلا کر دیا ہے'' اب لوگ کوتوزوف کی تعریف وتوصیف کی بجائے اسے برا بھلا کہنے لگے۔ شہزادہ ویسلے نے اس کے بارے میں کچھ کہنے سے گریز کیا اور اس کے ذکر پر خاموش ہو جاتا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے کائنات کی ہر شے پیٹرز برگ کے شرفا کو پریشان کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ شام کے قریب ایک اور خوفناک خبر ملی کہ بیگم ہیز وخوف انتقال کر گئی ہے۔ تمام محافل

میں ہر شخص یہ کہتا پھرتا تھا کہ'' دل کی تکلیف کے باعث بیگم ہیز وخوف چل بسی'' تاہم بے تکلف دوستوں کے حلقوں میں ایسی باتیں ہونے لگی تھیں کہ سپین کی ملکہ کے ذاتی ڈاکٹر نے خصوصی نتائج کے حصول کیلئے کچھ خاص دواؤں کی ہلکی مقدار تجویز کی تھی مگر ایلین اپنے بارے میں بوڑھے نواب کے شکوک وشبہات اور اپنے شوہر (وہی بدچلن، آوارہ پیری) کی جانب سے خط کا جواب نہ ملنے کے باعث دوا کی زیادہ مقدار کھالی۔ کہا جاتا تھا کہ شہزادہ ویسلے اور معمر نواب اطالوی ڈاکٹر کیخلاف کارروائی کے خواہشمند تھے مگر نواب نے بدقسمت ایلین کے کچھ ایسے خطوط دکھائے کہ انہوں نے فوری طور پر معاملہ رفع دفع کروا دیا۔

ان دنوں پیٹرز برگ کے اعلیٰ حلقوں کی گفتگو کے تین موضوعات تھے یعنی زار کی بے خبری، کوتائیسوف کی ہلاکت اور ایلین کی موت، ہر شخص انہیں موضوعات پر بات چیت کر رہا تھا۔

کوتوزوف کا خط ملنے کے تین دن بعد ماسکو کا ایک جاگیردار پیٹرز برگ پہنچا اور آناً فاناً یہ خبر شہر بھر میں پھیل گئی کہ ماسکو فرانسیسیوں کے قبضے میں چلا گیا ہے۔ یہ بہت بھیانک خبر تھی۔ زار مصیبت میں پھنس گیا۔ کوتوزوف کو غدار کہا جانے لگا تھا اور شہزادہ ویسلے جو پہلے اس کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتا تھا اب سب کچھ بھول کر اپنی بیٹی کے انتقال پر تعزیت کیلئے آنیوالوں سے کہتا کہ اس اندھے اور بداطوار بوڑھے سے یہی توقع کی جا سکتی تھی۔

وہ کہا کرتا تھا'' مجھے حیرت ہے کہ روس کی قسمت ایسے شخص کے ہاتھ میں دیدی گئی''

جب تک سرکاری ذریعے سے ماسکو کی خبر موصول نہ ہوئی اس وقت تک شک وشبہ کیا جا سکتا تھا مگر اگلے دن نواب رستوپچن کی طرف سے زار کے نام ایک اطلاع موصول ہوئی جس میں کہا گیا تھا'' شہزادہ کوتوزوف کے ایجوٹنٹ نے مجھے ایک خط دیا ہے جس میں مطالبہ کیا گیا ہے کہ فوج کو بحفاظت شاہراہ ریازان تک پہنچانے کیلئے پولیس افسر فراہم کئے جائیں۔ وہ کہتے ہیں کہ انہیں افسوس ہے کہ وہ ماسکو چھوڑ رہے ہیں۔ کوتوزوف کے طرز عمل سے دارالحکومت اور آپ کی سلطنت کا فیصلہ ہو گیا ہے۔ قوم کو جب یہ معلوم ہوگا کہ روسی عظمت کا نمائندہ شہر، جس میں آپ کے بزرگ مدفون ہیں، دشمن کے قبضے میں ہے تو وہ کانپ اٹھے گی۔ میں فوج کے پیچھے جا رہا ہوں۔ میں نے یہاں سے سب کچھ باہر بھجوا دیا ہے اور اب میرے پاس کرنے کیلئے صرف ایک ہی کام ہے کہ وطن کی حالت پر روتا رہوں''

یہ خط موصول ہوتے ہی زار نے شہزادہ وِلکونسکی کو درج ذیل خط دے کر کوتوزوف کے پاس بھیجا۔ اس خط میں لکھا تھا:

'' شہزادہ میخائل الارین اونووچ! مجھے 29 اگست کے بعد سے آپ کی جانب سے کوئی اطلاع نہیں مل سکی۔ اس کے ساتھ ساتھ مجھے یکم ستمبر کو یاروسلاول سے ماسکو کے گورنر کی یہ تکلیف دہ اطلاع ملی تھی کہ آپ نے فوج کیساتھ ماسکو چھوڑنے کا فیصلہ کیا ہے۔ آپ اچھی طرح جانتے ہوں گے کہ اس خبر نے مجھ پر کیا اثر ڈالا ہوگا۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ کی خاموشی نے میری تشویش بڑھا دی ہے۔ میں ایجوٹنٹ جنرل وِلکونسکی کو یہ خط دے کر بھیج رہا ہوں تاکہ آپ سے صحیح طرح معلوم کیا جا سکے کہ فوج کس حالت میں ہے اور وہ کون سے حالات تھے جن کی بنا پر آپ کو یہ تکلیف دہ فیصلہ کرنا پڑا۔

(3)

ماسکو چھوڑنے سے نو دن بعد کوتوزوف کا پیغام رساں یہ تصدیق شدہ خبر لے آیا کہ ماسکو کیوں چھوڑا گیا۔ میشوڈ نامی یہ پیغام رساں فرانسیسی تھا۔ اسے روسی زبان نہیں آتی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ وہ غیر ملکی بھی تھا تاہم اس

کا کہنا تھا کہ وہ روسی دل اور روح کا مالک ہے۔

زار نے اسے فوراً کامنی جزیرے پر واقع اپنے محل میں بلا بھیجا۔ میشوڈ جنگ سے پہلے کبھی ماسکو نہیں گیا تھا اور اسے روسی زبان کا ایک لفظ بھی نہ آتا تھا تاہم اس کے بقول جب وہ ماسکو کی آتشزدگی کی خبر لے کر زار کی خدمت میں آیا تو اس کے دل و دماغ شدید طور سے متاثر ہو چکے تھے۔

اگرچہ میشوڈ کی جھنجلاہٹ کا سبب بننے والی بات روسیوں کے غم کی وجہ سے مختلف تھی مگر جب اسے زار کے کمرے میں لے جایا گیا تو اس کے چہرے پر کچھ ایسی افسردگی طاری تھی کہ زار نے فوراً پوچھا "کرنل! کیا تم میرے لئے بری خبر لائے ہو"

میشوڈ نے سرد آہ بھری اور نگاہیں جھکا کر بولا "جناب! بحد بری۔ ماسکو کا سقوط ہو گیا"

زار بولا "کیا انہوں نے لڑے بغیر میرا قدیم دارالحکومت دشمن کے حوالے کر دیا" اس کا چہرہ اچانک سرخ ہو گیا تھا۔

میشوڈ نے بصد احترام کوتوزوف کا پیغام زار کے حوالے کر دیا گیا جس میں لکھا تھا کہ ماسکو سے پہلے جنگ کرنا ممکن نہیں رہا تھا اور اب اس کے سامنے ماسکو اور فوج دونوں یا پھر صرف ماسکو سے ہاتھ دھونے کا راستہ بچا تھا اور اس نے موخر الذکر اختیار کیا۔

زار میشوڈ کی جانب دیکھے بغیر خاموشی سے اس کی بات سنتا رہا۔

اس نے پوچھا "کیا دشمن شہر میں داخل ہو چکا ہے؟"

میشوڈ پرزور لہجے میں بولا "جی حضور! مگر اب تک تو شہر جل کر خاکستر ہو چکا ہوگا۔ جب میں وہاں سے روانہ ہوا تو اسے شعلوں نے لپیٹ میں لے لیا تھا" جب اس نے زار کی جانب دیکھا تو اسے اپنے الفاظ پر ندامت محسوس ہوئی۔ شہنشاہ کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی، اس کا نچلا ہونٹ کانپ رہا تھا اور خوبصورت نیلی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

اس کی یہ کیفیت چند لمحے باقی رہی پھر اچانک اس کی پیشانی پر سلوٹیں نمودار ہو گئیں جیسے اپنی کمزوری پر غصے میں ہو اور سر اٹھا کر پرعزم لہجے میں کہنے لگا "کرنل! اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قدرت ہم سے مزید بڑی قربانیاں مانگ رہی ہے، میں تمام امور میں خدا کی منشا کے سامنے سر جھکانے کو تیار ہوں مگر ذرا یہ تو بتاؤ کہ جب تم وہاں سے رخصت ہوئے تھے تو میری فوج کی ذہنی کیفیت کیا تھی جس نے مزاحمت کئے بغیر میرا قدیمی دارالحکومت دشمن کے قبضے میں دے دیا۔ کیا تمہیں اس میں بے حوصلگی کی کیفیت دکھائی دی تھی؟

جب میشوڈ نے زار کو پرسکون ہوتے دیکھا تو اس کا اطمینان لوٹ آیا تاہم وہ اس کے دوٹوک اور تیز سوال کا جواب دینے کیلئے تیار نہ تھا۔

اس نے مہلت کے حصول کیلئے کہا "جناب عالی! کیا مجھے فوجیوں کی طرح لگی لپٹی رکھے بغیر بات کرنے کی اجازت ملے گی؟"

زار بولا "کرنل! میں ہمیشہ یہی چاہتا ہوں، مجھ سے کوئی بات مت چھپاؤ، میں درست طور سے جاننا چاہتا ہوں کہ حالات کس رخ پر جا رہے ہیں"

اسی دوران میشوڈ نے جواب سوچ لیا تھا۔ وہ مودبانہ انداز اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ اچھے انداز سے بات

کرنے کا بھی خواہشمند تھا چنانچہ اپنے ہونٹوں پر ہلکا سا تبسم پیدا کر کے بولا "جناب عالی! جب میں وہاں سے چلا تو اعلیٰ کمانڈروں سے لے کر نچلے درجے کے سپاہیوں تک بھی افسردہ تھے اور ان پر خوف طاری تھا"

شہنشاہ نے اس کی بات کاٹی اور بولا "کیوں؟ کیا میرے روسی مصیبت سے گھبرا گئے ہیں، نہیں ایسا نہیں ہو سکتا"

میشوڈ کو جو فقرہ سوجھا تھا اس کی ادائیگی کیلئے وہ بس اسی ردعمل کا منتظر تھا۔

وہ مودبانہ انداز میں بولا "جناب عالی! انہیں ڈر ہے کہ کہیں حضور اپنی طبعی نیک طینتی کے ہاتھوں دھوکہ کھا کر صلح پر آمادہ نہ ہو جائیں۔ ورنہ وہ تو نہایت غصے میں ہیں اور بے چینی سے اس لمحے کا انتظار کر رہے ہیں کہ انہیں دوبارہ معرکہ آرائی کا موقع ملے اور وہ آپ کے ساتھ وفاداری ثابت کرنے کیلئے اپنی زندگیوں کی قربانی دینے کیلئے ہمہ وقت تیار ہیں۔۔۔"

زار میشوڈ کے کندھے پر تھپکی دے کر بولا "اوہ! کرنل تم نے مجھے مطمئن کر دیا ہے" اس کا اطمینان لوٹ آیا تھا اور آنکھوں میں شفقت دکھائی دے رہی تھی۔

زار نے سر جھکایا اور کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا۔ پھر وہ سیدھا ہوا اور میشوڈ سے کہنے لگا "ٹھیک ہے، اب تم فوج میں واپس چلے جاؤ اور میرے بہادر فوجیوں بلکہ جہاں بھی جاؤ تو میرے لوگوں سے کہہ دینا کہ میرے پاس ایک بھی فوجی باقی نہ بچا تو پھر بھی میں ہار نہیں مانوں گا۔ میں اپنے پیارے شرفاء اور معزز کسانوں کی قیادت کروں گا اور اپنے ملک کے تمام وسائل سے کام لوں گا۔ دشمنوں کا جو خیال ہے، میرے پاس اس سے کہیں زیادہ ہے" یہ کہتے ہوئے زار بے حد پرجوش ہو گیا۔ اس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا "تاہم اگر خدا نے لکھ دیا ہے کہ میرے خاندان کا اپنے بزرگوں کے تخت پر بیٹھ کر حکمرانی کا وقت ختم ہو گیا ہے تو میں اپنے تمام وسائل استعمال کرنے کے بعد داڑھی یہاں تک بڑھا لوں گا (اس نے اپنی چھاتی کی طرف اشارہ کیا) میں اپنے کسانوں کے ساتھ شامل ہو جاؤں گا، ان کے ساتھ بیٹھ کر آلو کھا لوں گا مگر اپنے وطن اور قوم کی حرمت داغدار نہیں ہونے دوں گا۔ مجھے اس کی قربانیوں کی قدر ہے" زار نے یہ الفاظ بے چینی سے کہے اور پھر منہ پھیر لیا جیسے میشوڈ سے اپنے آنسو چھپانا چاہتا ہو۔ وہ اٹھا اور اپنے کمرے کے آخری کونے کی جانب چلا گیا۔ وہ وہاں خاصی دیر تک کھڑا رہا، پھر وہ لمبے قدم اٹھاتا واپس آیا اور میشوڈ کی کلائی تھام کر اسے زور سے دبایا۔ اس کا نرم و ملائم چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور پرعزم آنکھیں غصے سے دہک رہی تھیں۔ اس نے مزید کہا "کرنل میشوڈ! میری باتیں بھلا نہ دینا، شاید تمہیں کبھی یہ باتیں یاد آئیں اور تم خوشی محسوس کرنے لگو۔ نپولین رہے گا یا میں! ہم دونوں بیک وقت حکمرانی نہیں کر سکتے، میں اس کی فطرت جان گیا ہوں اور اب اس کے دھوکے میں نہیں آؤں گا۔۔۔" یہ کہہ کر زار نے کچھ توقف کیا۔ اس کے ماتھے کی لکیریں گہری ہو گئی تھیں۔ غیر ملکی اور "روح و دل سے روسی" میشوڈ نے جب یہ الفاظ سنے اور زار کی نگاہوں میں عزم دیکھا تو اسے اسے باوقار موقع پر یوں لگا جیسے وہ خوشی سے پاگل ہو جائے گا۔ وہ خود کو روسی عوام کا نمائندہ سمجھنے لگا اور بولا "حضور عالی مرتبت! آپ نے اس وقت روسی قوم کی شان و شوکت اور یورپ کی نجات یقینی بنا دی ہے"

شہنشاہ نے سر ہلا کر میشوڈ کو رخصت کر دیا۔

(4)

ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ جب نصف روس پر دشمن قابض ہو چکا تھا، ماسکو کے شہری دور دراز علاقوں کی جانب

فرار ہو رہے تھے اور وطن کی حفاظت کیلئے جبری بھرتی جاری تھی تو اس وقت تمام روسی قوم قربانی دینے، وطن کی حفاظت کرنے یا اس کی تباہی پر رونے میں مشغول تھی۔ اگرچہ اس دور کی تمام تر داستانیں روسیوں کی وطن سے محبت، قربانی، مایوسی، کرب اور بہادری سے بھری ہوئی ہیں مگر حقیقت یہ نہ تھی۔ ہمیں یہ اس لئے نظر آتا ہے کہ ہم اس دور کے لوگوں کے ذاتی مفادات پر دھیان نہیں دیتے۔ سچ یہ ہے کہ ہر دور کے لوگوں کیلئے اپنی ذاتی مفادات عمومی مسائل سے کہیں زیادہ اہم ہوتے ہیں کیونکہ انہی کی وجہ سے وہ اپنے مشترکہ مسائل کو محسوس نہیں کرتے بلکہ اس کی موجودگی سے بھی صرف نظر کرتے ہیں۔ لوگوں کی اکثریت کو حالات کے رخ سے کوئی سروکار نہ تھا۔ اکثر آبادی اسی فکر میں رہتی تھی کہ ان کے فوری مفادات کا کیا ہوگا اور یہی وہ لوگ تھے جن کی مصروفیات اس دور میں نہایت مفید ثابت ہوئیں۔

ایسے لوگ جنہوں نے حالات کے عمومی رخ کو سمجھنا چاہا اور ذاتی قربانی اور بہادری کے بل پر ان حالات میں شریک ہونے کی کوشش کی وہ معاشرے کے انتہائی بیکار لوگ تھے۔ ان لوگوں کو ہر شے تباہ و برباد ہوتی دکھائی دیتی تھی اور انہوں نے عوامی فلاح کیلئے جو کچھ کیا وہ نہایت احمقانہ اور بیکار ثابت ہوا۔ اس کی بڑی مثال پیری اور ماموتوف کی رجمنٹیں ہیں۔ انہوں نے روسی گاؤں اور قصبات میں لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا اور نوجوان لڑکیوں سے زخمیوں کیلئے بنا جانیوالا کپڑا تک چھین کر لے گئیں۔ وہ لوگ جنہیں فلسفیانہ باتیں کرنے اور اپنے جذبات کا مظاہرہ کرنے کا شوق تھا وہ روس کے ان حالات کو زیر بحث لاتے وقت اس میں جھوٹ اور منافقت شامل کر دیتے اور ایسے لوگوں پر بلا وجہ الزام تراشی کرتے جنہیں کسی صورت کسی بات کا ذمہ دار قرار نہیں دیا جا سکتا تھا اور یوں وہ ان کیخلاف اپنا کینہ ظاہر کرنے لگتے۔ ایسا قانون جو ہمیں علم حاصل کرنے سے روکتا ہے وہ تاریخی واقعات میں خصوصیت سے ابھر کر سامنے آ جاتا ہے۔ صرف غیر شعوری اقدامات ہی فائدہ مند ہوتے ہیں اور کسی تاریخی واقعے میں کوئی کردار ادا کرنے والا شخص اس کی اہمیت کبھی نہیں سمجھ سکتا اور اگر وہ اسے سمجھنے کی کوشش کرے تو پھر اس پر اثر انداز ہونے کی صلاحیت سے محروم رہ جاتا ہے۔

اس دور میں روس میں پیش آنیوالے واقعات میں جو شخص جتنا زیادہ حصہ لے رہے تھے ان کے نزدیک ان کی اہمیت اتنی ہی غیر واضح تھی۔ ماسکو سے دور صوبوں اور پیٹرز برگ میں ملیشیا کی وردی پہنے مرد و خواتین روس اور اس کے قدیم دارالحکومت کی بدقسمتی پر روتے رہتے تھے اور اپنی قربانیوں نیز ایسی ہی دیگر باتوں کا تذکرہ کرتے رہتے مگر ماسکو چھوڑ کر جانیوالی فوج کے ارکان شاید ہی کبھی ایسا سوچتے ہوں۔ جب وہ پیچھے مڑ کر آتشزدگی دیکھتے تو کوئی فرانسیسیوں سے بدلہ لینے کا نہیں سوچتا تھا۔ ان تمام کی سوچ اپنی اگلی تنخواہ، آئندہ پڑاؤ، کیپٹن کی کارکن ماتریوشکا اور ایسی دیگر چھوٹی چھوٹی باتوں پر مرکوز ہوتی تھی۔

نکولائی رستوف نے اپنے وطن کے دفاع میں طویل عرصہ تک متحرک حصہ قربانی کے کسی جذبے کے تحت نہیں لیا تھا بلکہ یہ محض اتفاق تھا کیونکہ جس زمانے میں اس نے فوجی ملازمت اختیار کی تھی اس میں جنگ چھڑ گئی اور اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ وہ روس کے حالات پر کوئی مایوسی ظاہر کرتا تھا نہ افسردہ نتائج اخذ کرنے کی کوشش کرتا۔ اگر اس سے سوال کیا جاتا کہ موجودہ ملکی صورتحال کے حوالے سے تم کیا رائے رکھتے ہو تو وہ کہتا کہ اس بارے میں سوچنا میرا کام نہیں بلکہ اس کیلئے کوتوزوف اور دیگر لوگ موجود ہیں تاہم میں نے یہ ضرور سنا ہے کہ مختلف رجمنٹوں کو افرادی قوت اور وسائل کے حوالے سے جو نقصانات برداشت کرنا پڑے ہیں ان کی مکمل تلافی ہونی ہے اور جنگ مزید کچھ عرصہ تک جاری رہے گی۔ ایسے حالات میں اگر دو سال میں رجمنٹ کی کمان میرے ہاتھ میں آ جاتی ہے تو یہ حیران کن بات نہ ہوگی۔

درپیش مسئلے کے حوالے سے ایسے طرز فکر کا یہ نتیجہ نکلا کہ جب ڈویژن کیلئے نئے گھوڑوں کی ضرورت کا اعلان

ہوا اور اس مقصد کیلئے نکولائی کو وارونیز بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا تو اسے کوئی حیرانی نہ ہوئی۔ اس کی بجائے وہ خوش تھا۔ اس نے اپنی خوشی نہ چھپائی اور اس کے ساتھیوں نے بھی اس خوشی پر کسی قسم کا کوئی اعتراض نہ کیا۔

بوروڈینو کی جنگ سے چند دن پہلے نکولائی کو ضروری رقم اور اجازت نامے مل گئے۔ اس نے چند ہوزاروں کو پہلے ہی آگے بھیج دیا اور پھر خود بھی وارونیز روانہ ہو گیا۔

نکولائی جب فوج، گاڑیوں اور عارضی ہسپتالوں کے ہاتھوں اجڑے بگڑے علاقے سے نکل کر ایسی جگہ پہنچا جہاں فوجیوں، گاڑیوں اور عسکری پڑاؤ کے غلیظ آثار کی بجائے دیہات، جاگیرداروں کے وسیع و عریض مکانات، سرسبز لہلہاتے کھیت اور ڈاک چوکیاں تھیں تو اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ ایسی خوشی وہی لوگ محسوس کر سکتے ہیں جنہیں علم ہو کہ مسلسل کئی ماہ فوجی ماحول میں رہنا کیسا ہوتا ہے۔ وہ یوں خوش ہو رہا تھا جیسے یہ سب کچھ پہلی مرتبہ دیکھ رہا ہو۔ جس شے سے وہ خاص طور پر حیران ہوا وہ صحت مند اور نوجوان خواتین تھیں۔ اب ان میں سے ہر ایک کے گرد دس بارہ افسر نہیں تھے بلکہ یہ خواتین راہ چلتے افسر کی ہنسی مزاح سے خوش ہوتی تھیں۔

نکولائی رات کے وقت وارونیز پہنچا۔ وہ بیحد خوش تھا۔ اس نے ایک سرائے میں قیام کیا اور وہ تمام اشیاء لانے کا حکم دیا جن سے وہ فوجی پڑاؤ میں محروم رہا تھا۔ اگلے دن اس نے اچھی طرح شیو کی اور خوبصورت فوجی وردی پہن کر مقامی حکام سے ملاقات کیلئے چلا گیا۔

ضلعی ملیشیا کا کمانڈر سول جرنیل تھا۔ وہ معمر شخص تھا اور اسے دیکھ کر یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ اپنے فوجی عہدے سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔ اس نے اپنے تئیں نکولائی کا کھڑ فوجی انداز سے استقبال کیا اور جارحانہ انداز سے پوچھ گچھ کرنے لگا جیسے یہ اس کا ازلی حق ہو۔ نکولائی کے کسی جواب پر وہ ناگواری اور کسی پر پسندیدگی کا اظہار کرتا جاتا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ حالات کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا ہے۔

ملیشیا کے کمانڈر سے ملاقات کے بعد وہ گورنر کے پاس چلا گیا۔ یہ گورنر پستہ قد، پھرتیلا اور سادہ شخص تھا۔ اس نے نکولائی کو ان فارموں کے بارے میں آگاہ کیا جہاں سے گھوڑے دستیاب ہو سکتے تھے۔ اس نے شہر سے بیس کلومیٹر دور ایک جاگیردار کا پتا بھی بتایا جس کے پاس بہترین گھوڑے تھے اور ساتھ وعدہ کیا کہ وہ اس کی ہر ممکن مدد کرنے کی کوشش کرے گا۔

نکولائی نے رخصت چاہی تو گورنر کہنے لگا "تم نواب ایلیا آندریچ کے بیٹے ہو؟ میری بیوی تمہاری والدہ کی گہری سہیلی ہے۔ ہم ہر جمعرات کو گھر پر ہی ہوتے ہیں۔ آج جمعرات ہے چنانچہ تم بلا تکلف ہمارے ہاں آ جانا"

نکولائی گورنر کے دفتر سے رخصتی کے بعد اپنے کوارٹر ماسٹر کے ساتھ فوری طور پر اس جاگیردار کے ہاں چل دیا جس کے بارے میں گورنر نے اسے آگاہ کیا تھا۔ نکولائی کو وارونیز میں اپنے قیام کے ابتدائی مرحلے میں ہر کام آسان اور خوشگوار معلوم ہوا اور جیسا کہ عموماً ہوتا ہے، انسانی موڈ خوشگوار ہو تو ہر کام اچھے انداز میں پایہ تکمیل تک پہنچایا جا سکتا ہے۔ نکولائی کا بھی یہی معاملہ تھا اور اس کے تمام کام بلا روک ٹوک ہوتے چلے گئے۔

جاگیردار سابق فوجی تھا اور غیر شادی شدہ تھا۔ وہ شکار کا شوقین اور گھوڑوں کی خاص پہچان رکھتا تھا۔ اس کے ہاں سگریٹ نوشی کیلئے خوبصورت کمرہ، سو سال پرانی برانڈی، ہنگری کی شراب اور شاندار گھوڑے تھے۔

تھوڑی سی سلام دعا کے بعد نکولائی نے چھ ہزار روبل کے عوض مختلف اقسام کے سترہ قوی الجثہ گھوڑے خرید لئے۔ اس کا خیال تھا کہ وہ فوج کیلئے جو نئے گھوڑے خریدے گا ان کیلئے یہ نمونے کے طور پر استعمال ہوں گے۔ کھانا

کھانے اور ہنگری کی شراب پینے کے بعد رستوف جاگیردار سے بغلگیر ہوا اور اطمینان سے خستہ حال سڑکوں پر تیزی سے سفر کرنے لگا۔ وہ کوچوان کو بار بار تیز چلنے کا کہہ رہا تھا تا کہ گورنر کی محفل میں بروقت پہنچ سکے۔

نکولائی لباس بدلنے، خوشبو لگانے اور سر پر ٹھنڈا پانی ڈالنے کے بعد گورنر کے ہاں جا پہنچا۔ اگر چہ اسے کچھ تاخیر ہوگئی تھی مگر وہ دل ہی دل میں یہ سوچ رہا تھا کہ "دیر سے پہنچنا نہ پہنچنے سے بہتر ہے"

یہ رقص کی محفل نہ تھی اور اس حوالے سے کوئی بات بھی نہیں کی گئی تھی تاہم ہر شخص کو علم تھا کہ کاترینہ پیٹروونا کلاوی کارڈ پر دھنیں بجائیگی اور رقص بھی ہوگا چنانچہ تقریب میں تمام لوگ رقص کے لباس پہن کر آئے تھے۔

1812ء میں قصبوں کی زندگی حسب معمول جاری تھی اور اس میں صرف یہ فرق پیدا ہوا تھا کہ ماسکو سے امیر کبیر خاندانوں کے آنے کی وجہ سے مضافات میں زندگی کی نئی لہر دوڑ گئی تھی اور وہاں پہلے سے کہیں زیادہ چمک دمک دکھائی دے رہی تھی۔ جیسا کہ روس میں ہر کہیں ہو رہا تھا، لوگوں کو نتائج کی کوئی پرواہ نہ تھی اور لوگ اپنے مفادات کے پیچھے بھاگ رہے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ محفلوں میں گفتگو کے موضوعات بھی بدل گئے تھے۔ پہلے پہل لوگ موسم اور دوست احباب کے بارے میں باتیں کرتے تھے جبکہ اب ان کی جگہ ماسکو، نپولین اور فوج نے لے لی تھی۔

گورنر کے مہمان وارونیز کے اعلیٰ ترین حلقوں سے تعلق رکھتے تھے۔

محفل میں خواتین کی خاصی بڑی تعداد موجود تھی۔ ان میں سے اکثر وہ تھیں جن سے وہ ماسکو میں واقف تھا البتہ یہاں آنیوالے مردوں میں سے کوئی بھی نکولائی کا ہم پلہ نہیں تھا جسے سینٹ جارج کراس کا تمغہ مل چکا تھا اور وہ اخلاق اور شائستگی میں اپنی مثال آپ تھا۔ مردوں میں ایک اطالوی قیدی بھی شامل تھا جو فرانسیسی فوج میں خدمات انجام دیتا رہا تھا۔ نکولائی کو یوں لگا جیسے اس قیدی کی موجودگی کے باعث روسی ہیرو کی حیثیت سے اس کی اپنی اہمیت بڑھ گئی ہے۔ کچھ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اطالوی دشمن کا کوئی ایسا پرچم ہے جو روسیوں کے قبضے میں آ گیا ہو۔ محفل میں موجود ہر شخص کے چہرے سے یہی تاثر ہویدا تھا اور تمام لوگ اس کے ساتھ دوستانہ مگر باوقار انداز سے پیش آئے۔

جونہی ہوزاروں کی وردی میں ملبوس نکولائی خوشبو بکھیرتا اندر آیا اور لوگوں سے سلام دعا کرلی تو اس کے گرد خاصے لوگ جمع ہو گئے۔ ہر شخص اسی کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اچانک اسے احساس ہوا کہ وہ صوبے میں ہر ایک کا منظور نظر بن چکا ہے۔ اس مقام کا حصول ہمیشہ ہی فرحت بخش تھا مگر طویل عرصہ تک محرومی کے بعد تو اس کا نشہ دو چند ہونا لازمی امر تھا۔ راستے کی چوکیوں، سرائے اور جاگیردار کی رہائشگاہ پر خادمائیں اس کی ادنیٰ توجہ پر ہی خوشی سے نہال ہو جاتی تھیں مگر یہاں گورنر کی تقریب میں بھی بے شمار نوعمر شادی شدہ لڑکیاں اور خوبصورت کنواریاں بے تابی سے اس کی نگاہ کرم کا انتظار کر رہی تھیں۔ نوجوان عورتیں اور لڑکیاں اسے سے پیار و محبت جتانے کیلئے بے تاب دکھائی دیتی تھیں۔ ادھیڑ عمر خواتین کی شروع سے ہی یہ کوشش تھی کہ کسی طرح اس بہادر ہوزار کی شادی کر دی جائے۔ ایسی عورتوں میں گورنر کی بیوی بھی شامل تھی۔ اس نے رستوف کو قریبی رشتہ دار کے طور پر خوش آمدید کہا اور اسے نکولس کہہ کر بلانے لگی۔

کاترینا پیٹروونا نے واقعی پر لطف دھنیں بجائیں اور جب رقص شروع ہوا تو نکولائی نے اپنی مہارت کے بل بوتے پر اعلیٰ طبقے کے قلوب مسخر کر لئے۔ وہ بے مثل بے باکی اور بے تکلفی سے رقص میں مصروف تھا اور یہی بات سب کو حیران کر گئی۔ اس روز وہ جس انداز سے ناچا تھا اس پر وہ خود بھی حیران تھا۔ اس نے ماسکو میں کبھی ایسا رقص نہیں کیا تھا، ایسا بیباکانہ انداز اسے خود بھی پسند نہ تھا مگر یہاں اسے یوں محسوس ہوا گویا اسے ان لوگوں کو کسی بات سے حیرت زدہ کرنا ضروری ہے تا کہ وہ یہ جان جائیں کہ دارالحکومت میں یہ معمول کی بات ہوتی ہے۔

اس شام نکولائی کی زیادہ توجہ ایک صوبائی افسر کی بیوی پر مرکوز رہی جس کا جسم فربہ، چہرہ روشن، آنکھیں نیلی اور بال سنہری تھے۔ ادھر ادھر منہ مارنے والے نوجوان عموماً اپنی سادہ لوحی کی بنا پر یہ سمجھتے ہیں کہ دوسروں کی بیویاں انہی کیلئے بنائی گئی ہیں۔ رستوف کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی معاملہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اس خاتون کے ساتھ ساتھ رہا اور اس کے شوہر سے کچھ ایسے دوستانہ انداز سے پیش آتا رہا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ جیسے ان میں کوئی معاہدہ ہو گیا ہے اور اس حوالے سے دونوں کچھ کہے بغیر اچھی طرح سمجھ گئے ہیں کہ نکولائی اور اس خاتون کی دوستی بہت اچھی ہوگی۔ تاہم صورتحال کچھ یوں تھی کہ خاتون کے شوہر کو یہ بات پسند نہ آئی اور اس نے رستوف کے ساتھ روکھا لہجہ اختیار کیا۔ تاہم رستوف کی بے تکلفانہ سادگی دیکھ کر بعض اوقات وہ بھی اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیتا تھا۔ محفل ختم ہوئی تو بیوی کے چہرے پر زیادہ سرخی اور خوشی کا تاثر پیدا ہو گیا جسے دیکھ کر شوہر کے چہرے پر مردنی چھانے لگی۔ یوں لگتا تھا جیسے قدرت نے ان دونوں کو جو تھوڑی بہت بشاشت عطا کی ہے اس میں بیوی کا حصہ شوہر سے کچھ بڑھ گیا ہے۔

(5)

نکولائی کے ہونٹوں پر سدا بہار مسکراہٹ تھی اور وہ اپنے جسم کو کسی قدر آگے جھکائے اس سنہری بالوں والی خوبصورت خاتون کی غیر حقیقی تعریف و توصیف میں مگن تھا۔

اس نے گھڑ سواری کیلئے استعمال ہونیوالی تنگ برجس پہن رکھی تھی اور ٹانگیں دائیں بائیں ہلاتے ہوئے اپنی خوبصورت ساتھی سے باتیں کرتے ہوئے اسے بتا رہا تھا کہ وہ وارونیز کی ایک خاتون کو اڑا لے جائے گا۔

اس عورت نے پوچھا "وہ کیسی ہے؟"

نکولائی نے اس پر نگاہیں گاڑتے ہوئے جواب دیا "نہایت حسین و جمیل، اس کی آنکھیں نیلی ہیں، چہرہ چاند جیسا جبکہ جسم ڈیانا دیوی کے جسم کی طرح ہے۔۔۔"

خاتون کا شوہر قریب آیا اور منہ بنا کر بیوی سے پوچھنے لگا کہ کیا بات ہو رہی ہے۔

نکولائی احتراماً کھڑا ہو گیا اور کہا "ارے، نکتیا ایوانچ!"

اس نے نکتیا ایوانچ کو بتایا کہ وہ سنہری بالوں والی ایک حسین خاتون کو بھگا لے جانا چاہتا ہے" اس کا انداز یوں تھا جیسے نکتیا کو بھی اپنے مذاق میں شریک ہونے کا کہہ رہا ہو۔

دونوں میاں بیوی مسکرا دیئے۔ شوہر کی مسکراہٹ سنجیدگی اور بیوی کی بشاشت سے بھرپور تھی۔

گورنر کی بامروت بیوی ان کے قریب آئی۔ اس کے چہرے پر ناپسندیدگی کے آثار تھے۔

وہ نکولائی سے کہنے لگی "نکولس! اینا اگناتیونا تم سے ملنے کی خواہشمند ہے" اس نے یہ نام کچھ اس انداز سے لیا کہ نکولائی کو اندازہ ہو گیا کہ وہ کوئی اہم شخصیت ہوگی۔ گورنر کی بیوی نے اسے کہا "نکولس! میرے ساتھ آؤ، تم نے کہا تھا کہ میں تمہیں اس نام سے پکار سکتی ہوں ٹھیک ہے ناں"

نکولائی نے جواب دیا "ہاں، ہاں، کیوں نہیں مگر یہ کون ہیں؟"

گورنر کی بیوی نے جواب دیا "اینا اگناتیونا! اس نے تمہارے بارے میں اپنی اس بھانجی سے سنا تھا جس کی تم نے جان بچائی تھی، بھلا کون ہے وہ؟"

نکولائی کہنے لگا "میں نے تو متعدد لوگوں کو بچایا ہے"

گورنر کی اہلیہ بولی"شہزادی بلکونسکی اس کی بھانجی ہے،وہ یہاں اپنی خالہ کے ساتھ وارونیز آئی ہوئی ہے۔ ہیں،تم شرما رہے ہو؟۔۔۔"

نکولائی نے جواب دیا"نہیں،نہیں،میں یقین دلاتا ہوں کہ۔۔۔"

گورنر کی بیوی بولی"بہت اچھا،بہت اچھا،تم کیسے لڑکے ہو"

وہ اسے ایک طویل القامت بھاری بھرکم بوڑھی عورت کے پاس لے گئی جس نے سر پر نیلا رومال اوڑھ رکھا تھا۔وہ شہزادی ماریا کی خالہ مالوتسیف تھی۔وہ بیحد امیر کبیر اور بے اولاد تھی جبکہ اس کا شوہر وفات پا چکا تھا۔اس نے اپنی تمام زندگی وارونیز میں گزاری تھی۔وہ حال ہی میں شہر کی معروف شخصیات کے ساتھ تاش کھیل کر فارغ ہوئی تھی۔جب رستوف اس کے پاس پہنچا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور تاش کی بازی کے بعد اپنا حساب کتاب کرنے لگی۔اس نے آنکھیں میچ کر رستوف کا درشتی سے جائزہ لیا اور ساتھ ساتھ اس جرنیل کو برا بھلا کہتی رہی جس نے اسے بازی میں شکست دیدی تھی۔

اس نے نکولائی کی جانب ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا"تم سے مل کر بیحد خوشی ہوئی ہے،امید ہے کہ تم مجھ سے ملنے آؤ گے"

اس بارعب بوڑھی عورت نے شہزادی ماریا اور اس کے مرحوم والد کے بارے میں چند مختصر جملوں کا تبادلہ کیا۔یوں لگتا تھا جیسے وہ ماریا کے مرحوم والد کو پسند نہیں کرتی تھی۔پھر وہ نکولائی سے شہزادہ آندرے کے بارے میں دریافت کرنے لگی۔بعدازاں اس نے ایک مرتبہ پھر اسے اپنے ہاں آنے کی دعوت دی اور وہاں سے رخصتی کی اجازت دیدی۔

نکولائی نے وعدہ کیا کہ وہ اس کے ہاں ضرور آئے گا اور جب وہ سلام کرنے کیلئے جھکا تو اس کا چہرہ سرخ ہوگیا۔شہزادی ماریا کے ذکر پر رستوف کو یوں لگا جیسے وہ شرما رہا ہے اور اسے کوئی خوف لاحق ہوگیا ہے،تاہم اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ ایسا کیوں ہے۔

معمر خاتون سے ملاقات کے بعد وہ ایک مرتبہ پھر رقص کرنا چاہتا تھا مگر گورنر کی پستہ قد اہلیہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور کہا کہ وہ اس سے کوئی بات کرنے کی خواہشمند ہے۔وہ اسے اپنے کمرے میں لے گئی اور وہاں موجود لوگ فوراً ادھر ادھر ہوگئے تاکہ ان کی تنہائی میں مخل نہ ہوسکیں۔

گورنر کی اہلیہ نے اپنے پرشفقت چہرے پر مسکراہٹ بکھیری اور کہنے لگی"تمہارے لئے یہ رشتہ نہایت موزوں ہوگا،کیا تم چاہتے ہو کہ میں اس حوالے سے انتظام کروں؟"

نکولائی نے پوچھا"کون سا رشتہ؟"

گورنر کی بیوی کہنے لگی"میں شہزادی سے تمہاری شادی کرا دیتی ہوں،کاترینا پیٹروونا نے للی کی بات کی ہے مگر میرا خیال ہے کہ شہزادی بہتر رہے گی،کہو تو بات چیت شروع کردوں؟تمہاری والدہ بیحد خوش ہوں گی،وہ بیحد دلکش لڑکی ہے اور اتنی بدصورت بھی نہیں۔۔۔"

نکولائی بول اٹھا"نہیں"یوں لگ رہا تھا جیسے اسے یہ تصور ہی ناگوار محسوس ہوا ہو۔وہ بات آگے بڑھاتے ہوئے بولا"میں سچے فوجی کی طرح خود کو کسی پر مسلط نہیں کرتا اور جو شے مل جائے اسے مسترد بھی نہیں کرتا"اس نے اپنے الفاظ غور کئے بغیر اگل دیئے۔

گورنر کی اہلیہ نے کہا"تمہیں علم ہونا چاہئے کہ یہ مذاق میں اڑا دینے والا معاملہ نہیں ہے"

نکولائی نے جواب دیا"جی،آپ درست کہتی ہیں"

گورنر کی بیوی بولی"ہاں،ہاں مگر ایک اور بات ہے،تم اس سنہری بالوں والی عورت کے ساتھ کچھ زیادہ ہی دکھائی دے رہے ہو،ذرا دیکھو اس کا بیچارہ شوہر منہ چھپائے پھرتا ہے۔۔۔"

نکولائی نے جواباً سادگی سے کہا"ارے نہیں،ہم تو بس دوست ہیں"اس نے یہ بات سوچی بھی نہ تھی کہ جو مذاق اس کیلئے اتنا خوشگوار ہوسکتا ہے وہ کسی اور کیلئے نہیں ہوسکتا۔

رات کے کھانے پر نکولائی نے سوچا"مگر میں نے گورنر کی بیوی سے کیا بیوقوفانہ بات کہہ ڈالی،اب وہ واقعی رشتہ کرانا شروع کردے گی۔۔۔اور سونیا؟"

جب وہ گورنر کی بیوی سے اجازت لینے کے بعد اٹھا تو وہ مسکرائی اور کہنے لگی"تو پھر یاد رکھنا"نکولائی اسے ایک جانب لے گیا اور کہا"ذرا میری بات سنئے،بات کچھ یوں ہے کہ۔۔۔"

گورنر کی بیوی کہنے لگی"کیا بات ہے؟آؤ ذرا یہاں بیٹھو"

نکولائی کے دل میں اچانک یہ خواہش پیدا ہوئی کہ وہ اپنے دل کا راز (جو اس نے کبھی اپنی والدہ،بہن یا دوست کو بھی نہیں بتایا تھا) اس اجنبی عورت کے سامنے کہہ دے۔پھر اسے صاف گوئی یاد آگئی جس کا اس سے کسی نے تقاضا کیا تھا:اس کی کوئی وجہ اس کی سمجھ میں آتی تھی۔تاہم اس صاف گوئی نے بعض دیگر بے معنی اور ادنٰی واقعات سے مل کر اس کی زندگی اور اس کے خاندان پر نہایت دوررس نتائج کے حامل اثرات مرتب کئے۔

نکولائی کہنے لگا"دراصل بات یہ ہے کہ امی کافی دیر سے مجھ پر زور دے رہی ہیں کہ میں کسی امیر کبیر لڑکی سے شادی کرلوں تاہم مجھے روپے پیسے کیلئے شادی کرنے سے دلی نفرت ہے"

گورنر کی بیوی نے کہا"ہاں،میں تمہاری بات سمجھ رہی ہوں"

نکولائی نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا"مگر شہزادی بلکونسکی کا معاملہ کچھ اور ہے۔میں آپ سے سچ کہہ رہا ہوں۔پہلی بات تو یہ ہے کہ مجھے ان کی شخصیت پسند ہے اور وہ مجھے پرکشش معلوم ہوتی ہیں،پھر ان سے عجیب وغریب حالات میں ملنے کے بعد میرے ذہن میں اکثر یہ خیال ابھرتا ہے کہ یہ قسمت ہے،خاص طور پر اگر آپ یہ دیکھیں کہ میری والدہ بھی کافی عرصہ سے اسی نہج پر سوچتی چلی آرہی ہیں،تاہم میری ان سے پہلے کبھی کوئی ملاقات نہیں ہوئی تھی،حالات ہی کچھ ایسے بن گئے کہ ہماری ملاقات نہ ہوسکی۔ علاوہ ازیں جب تک ان کے بھائی سے نتاشا کی منگنی برقرار رہی میرا ان سے شادی کا سوال بھی خارج از امکان تھا۔پھر اتفاق یوں ہوا کہ میری ان سے بالکل انہی دنوں میں ملاقات ہوگئی جب نتاشا کی منگنی ختم ہوچکی تھی،بہرحال آپ سمجھ گئی ہوں گی،میں نے یہ باتیں کبھی کسی سے کی ہیں نہ کروں گا،صرف آپ۔۔۔"

گورنر کی بیوی نے اظہار ممنونیت کے طور پر اس کا بازو دبایا۔

نکولائی نے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا"آپ میری کزن سونیا سے تو واقف ہیں۔مجھے اس سے محبت ہے۔میں اس سے شادی کا وعدہ کرچکا ہوں اور اسے نبھاؤں گا،آپ سمجھ گئی ہوں گی کہ اس بات کا سوچا بھی نہیں جاسکتا کہ۔۔۔"یہ کہتے ہوئے اس کی آواز ڈگمگا گئی اور چہرہ تمتما اٹھا۔

گورنر کی بیوی کہنے لگی"میرے عزیز!تم یہ کیسے کہہ رہے ہو؟دیکھو،سونی کے پاس کچھ نہیں ہے اور تم خود کہتے ہو کہ تمہارے والد کے حالات خراب ہوچکے ہیں،پھر تمہاری امی کا کیا ہوگا؟وہ شاید زندہ نہ بچیں۔ایک تو یہ بات ہے،

دوسری بات یہ ہے کہ اگر اس لڑکی کے سینے میں دل ہے تو یہ زندگی اس کیلئے کیسی ہوگی؟ تمہاری والدہ مایوس ہو جائیں گی، خاندانی حالات خراب۔۔۔ نہیں میرے عزیز تمہیں اور سونی کو صورتحال پر غور کرنا چاہئے"

نکولائی خاموش بیٹھا رہا۔ ان دلائل سے اسے دلی سکون مل رہا تھا۔

اس نے کچھ توقف کے بعد سرد آہ بھر کر کہا "مگر پھر بھی ایسا ہونا ممکن نہیں، مزید براں نجانے میں شہزادی کیلئے قابل قبول بھی ہوں گا یا نہیں، علاوہ ازیں ان دنوں تو وہ سوگ کی کیفیت میں ہیں اور ایسی باتیں سوچنا مناسب معلوم نہیں ہوتا"

گورنر کی بیوی کہنے لگی "تو تم سمجھ رہے ہو کہ میں تمہاری فوری منگنی اور شادی کرا دوں گی، ہر کام ضابطے کے تحت ہوتا ہے"

نکولائی نے اس کے صحتمند اور نرم ہاتھ پر بوسہ دیا اور مسکراتے ہوئے کہنے لگا "خالہ! آپ رشتے کرانے کے فن سے بخوبی واقف ہیں"

(6)

رستوف سے ملاقات کے بعد ماسکو پہنچنے پر شہزادی ماریا کو وہاں اپنا بھتیجا، اس کا اطالیق اور شہزادہ آندرے کا خط ملا۔ خط میں آندرے نے اسے ہدایت کی تھی کہ وہ وارونیز میں چلی جائے جہاں ان کی خالہ مالوتسیف رہتی تھی۔ سفری انتظامات، بھائی کے حوالے سے پریشانی، نئے لوگوں کے ساتھ نئی زندگی کے ترتیب اور اپنے بھتیجے کی تعلیم کی فکروں نے شہزادی ماریا کے دل میں موجود اس ترغیبی جذبے کو دبا دیا جس نے اسے والد کی بیماری، انتقال اور رستوف سے ملاقات کے بعد ذہنی اذیت میں مبتلا کر رکھا تھا۔ وہ غمزدہ تھی اور اب پرسکون ماحول میں اپنے والد کی وفات مزید شدت سے محسوس کرتی تھی جو اس کے ذہن میں روس کے زوال سے وابستہ ہو گئی تھی۔ اس کی طبیعت بوجھل رہنے لگی تھی اور اسے ہر دم یہی خیال ستاتا رہتا کہ اس کا بھائی ہی اس کا واحد قریبی عزیز ہے اور وہ بھی خطرات میں گھر چکا ہے۔ اسے اپنی بھتیجے کی تعلیم کا بھی خیال تھا۔ اگرچہ وہ ہمیشہ یہی سمجھتی تھی کہ وہ اس کی تربیت کرنے کی اہل نہیں ہے تاہم اس حوالے سے اسے دلی اطمینان تھا کہ وہ اپنی ذاتی خواہشات اور خوابوں کو ترک کر چکی ہے۔

تقریب سے اگلے دن گورنر کی بیوی اینا اگناتنا مالوتسیف کے گھر پہنچ گئی اور ماریا کی خالہ کے ساتھ اپنے منصوبے کے بارے میں بات چیت کے بعد خیال ظاہر کیا کہ موجودہ حالات میں منگنی کے بارے میں سوچنا تو حماقت ہے البتہ لڑکے اور لڑکی میں ملاقات کا اہتمام ضرور ہونا چاہئے تاکہ وہ ایک دوسرے کو درست طور سے جان سکیں۔ خالہ رضامند ہو گئی تو گورنر کی بیوی شہزادی ماریا کی موجودگی میں رستوف کے بارے میں گفتگو اور اس کی تعریفیں کرنے لگی۔ اس نے ماریا کو یہ بھی بتایا کہ وہ اس کے تذکرے پر کیسے شرما گیا تھا۔ یہ باتیں سن کر شہزادی ماریا کو خوشی کی بجائے دکھ کا احساس ہوا۔ اس کی اندرونی ہم آہنگی منتشر ہو کر رہ گئی اور خواہشات و خواب ایک مرتبہ پھر ابھرنے لگے۔

رستوف کی آمد سے پہلے دو دن تک شہزادی ماریا ہر وقت یہی سوچتی رہی کہ اسے کیسا رویہ اختیار کرنا ہوگا۔ ابتداء میں اس نے یہ فیصلہ کیا کہ جب وہ اس سے ملنے آئے گا تو وہ ڈرائنگ روم میں نہیں جائے گی۔ ایسے شدید سوگ کے عالم میں مہمانوں کا استقبال کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ پھر اس کے ذہن میں خیال آیا کہ رستوف کے طرز عمل کے جواب میں اس کے ساتھ ایسا رویہ اپنانا بدتمیزی کے زمرے میں آئے گا۔ پھر اسے خیال گزرا کہ اس کی خالہ اور گورنر کی

بیوی اس کے اور رستوف کے بارے میں کچھ امیدیں قائم کئے ہوئے ہیں۔ ماریا کو ان کے الفاظ اور نگاہوں سے شک ہو گیا تھا۔ تاہم اس نے اپنے آپ سے کہا "میں تو شروع دن سے گنہگار ہوں، یہی وجہ ہے کہ میں ان خواتین کے حوالے سے ایسی باتیں سوچتی ہوں۔ ان سے یہ توقع ہی نہیں رکھی جا سکتی کہ میری موجودہ سوگ کی حالت میں وہ رشتے کا خیال بھی دل میں لائیں گی کیونکہ اس سے میرے والد کی یاد بلکہ خود میری توہین کا پہلو نکلتا ہے" شہزادی ماریا نے تصور کیا "فرض کریں میں ان سے مل لیتی ہوں تو پھر وہ مجھ سے اور میں ان سے کیا کہوں گی؟" اس نے وہ الفاظ سوچنے کی کوشش کی جو اس نے رستوف کی آمد پر کہنا تھے اور وہ اس سے کہہ سکتا تھا۔ تاہم اسے دونوں کے فقرات کبھی نہایت پرمعنی معلوم ہونے لگتے اور کبھی انتہائی سرد محسوس ہوتے۔ اس سے بھی زیادہ وہ اس وجہ سے خوفزدہ تھی کہ جونہی وہ رستوف سے ملے گی تو بوکھلا جائے گی اور اس کا چہرہ دلی کیفیت کی غمازی کرنے لگے گا۔

ان تمام باتوں کے باوجود جب اتوار کو گرجا گھر سے واپسی پر ملازم نے اسے ڈرائنگ روم میں یہ اطلاع دی کہ نواب رستوف آئے ہیں تو وہ بالکل نہ گھبرائی۔ صرف اس کا چہرہ قدرے سرخ ہو گیا اور آنکھوں میں نئی چمک دکھائی دینے لگی۔

اس نے اپنی خالہ سے پوچھا "کیا آپ ان سے مل چکی ہیں؟" اس کا لہجہ نہایت پرسکون تھا جس پر وہ خود حیران ہو رہی تھی۔

جب رستوف کمرے میں آیا تو شہزادی ماریا نے ایک لمحے کیلئے سر جھکا لیا جیسے مہمان کو خالہ سے سلام دعا کی مہلت دینا چاہتی ہو اور پھر جب وہ اس کی جانب متوجہ ہوا تو اس نے سر اٹھا کر خاص انداز سے اس کی نگاہوں سے نگاہیں ملائیں۔ وہ اپنی نشست سے اٹھی اور خندہ پیشانی سے اپنا نازک ہاتھ اس کی جانب بڑھایا۔ وہ ایسی آواز میں بات چیت کر رہی تھی جس میں پہلی مرتبہ گہرائی اور خالص نسوانیت کی جھلک نمایاں تھی۔ کمرے میں موجود مادموزیل بورین یہ دیکھ کر حیران رہ گئی۔ اگرچہ وہ مردوں کو اپنے دام میں پھنسانے کی ماہر تھی مگر جس شخص پر وہ نظر التفات ڈالتی اس کے سامنے بھی ماریا جیسی کارکردگی کا مظاہرہ نہیں کر سکتی تھی۔

اس نے سوچا "یا تو سیاہ رنگت اس پر جچتی ہے یا پھر مجھے اندازہ ہی نہیں ہو سکا کہ وہ پہلے سے زیادہ جاذب نظر ہو چکی ہے، چال ڈھال میں بھی رعنائی آ چکی ہے"

اگر شہزادی ماریا انہی خطوط پر سوچتی تو مادموزیل سے بھی زیادہ حیران رہ جاتی۔ جونہی اس نے اس پیارے اور محبوب چہرے کو دیکھا تو زندگی کی کسی نئی قوت نے اسے اپنے حصار میں جکڑ لیا اور وہ اپنے قول و فعل میں بے ساختگی کے اظہار پر مجبور ہو گئی۔ جس وقت رستوف کمرے میں آیا، شہزادی ماریا کے چہرے پر تغیر نمودار ہوا۔ جس طرح نقش و نگار والا فانوس روشن کیا جائے تو وہ جگمگا اٹھتا ہے اور اس کے مختلف خانے اور پیچیدہ و نفیس اور رنگین آرائش یکدم پہلے سے زیادہ خوبصورت دکھائی دینے لگتی ہے بعینہ اسی طرح ماریا کا آلائشوں سے پاک، باطنی کرب پہلی مرتبہ سامنے آ گیا جس سے وہ اب تک دوچار رہی تھی۔ اس کی روشن آنکھوں، ہلکی مسکراہٹ اور ملائمت بھرے چہرے میں اس کی تمام روحانی کوششیں، ذہنی بے چینی، نیکی اور اچھائی کے حصول کیلئے اس کی تمام تر کوششیں، قربانی اور عاجزی سمیت جھلک رہی تھیں۔ رستوف کو یہ سب کچھ اس قدر واضح طور پر نظر آیا جیسے وہ اس سے سالہا سال سے واقف ہو۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے سامنے موجود شخصیت ہر اس شخص سے برتر ہے جس سے وہ پہلے ملا تھا۔

ان کی بات چیت سادگی پر مبنی اور ہمہ اقسام کی الجھن سے پاک تھی۔ دیگر لوگوں کی طرح انہوں نے بھی جنگ

کے بارے میں باتیں کیں اور اس حوالے سے انہیں جس مصیبتوں سے گزرنا پڑا تھا ان کا تذکرہ بھی دیگر لوگوں کے انداز میں کیا۔ دونوں کی گزشتہ ملاقات کے حوالے سے بھی بات چیت ہوئی۔ یہاں نکولائی نے موضوع بدلنے کی کوشش کی اور دونوں گورنر کی نیک دل بیوی اور اپنی رشتہ داروں کے حوالے سے بات چیت کرنے لگے۔

شہزادی ماریا نے اپنے بھائی کے بارے میں بات چیت سے احتراز برتا اور جونہی اس کی خالہ نے شہزادہ آندرے کا تذکرہ کیا تو اس نے گفتگو کا رخ بدل دیا۔ یہ بات عیاں تھی کہ روس کو درپیش مصیبتوں کے حوالے سے وہ مصنوعی پن سے کام لے سکتی ہے مگر اپنے بھائی کے بارے میں وہ سطحی انداز نہیں اپنا سکتی جو اس کے دل سے بیحد قریب تھا۔ نکولائی سے اس کا یہ رویہ مخفی نہ رہ سکا کیونکہ وہ اپنی عادت کے برعکس اس کی ایک ایک بات اور ادا کا باریک بینی سے مشاہدہ کرنے میں مصروف تھا۔ اس نے سب کچھ دیکھنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا کہ شہزادی ماریا غیر معمولی شخصیت کی مالک ہے اور زندگی میں ایسے لوگ ہر روز نہیں ملتے۔

جب دیگر لوگ نکولائی سے شہزادی ماریا کے حوالے سے گفتگو کرتے تھے تو وہ شرما جاتا تھا اور اسے عجیب سی شرمندگی محسوس ہونے لگتی تھی اور رستوف کے ذکر پر ماریا کی بھی بعینہ یہی کیفیت ہوا کرتی تھی۔ تاہم اس کی موجودگی میں اسے کسی گھبراہٹ نے نہ گھیرا۔ اگرچہ وہ اپنی تمام باتیں اچھی طرح سوچ سمجھ کر آیا تھا مگر موقع پر وہ خود کو رٹے ہوئے فقرات تک محدود نہ رکھ پایا اور اپنے ذہن میں آنے والی ہر بات روانی اور برجستہ انداز میں کہہ ڈالی۔

دوران گفتگو وقفہ آیا تو دیگر لوگوں کی عادت کے مطابق نکولائی بھی شہزادہ آندرے کے بیٹے کی طرف متوجہ ہو گیا اور اسے پیار کرتے ہوئے پوچھنے لگا کہ کیا وہ ہوز اور بننا پسند کرے گا۔ نکولائی نے بچے کو گود میں بٹھا لیا اور شہزادی ماریا کی جانب ایک نظر دیکھ کر بچے کو خوشدلی سے بازوؤں میں گھمانے لگا۔ شہزادی ماریا اپنے پیارے بچے کو ملائمت، مسرت اور شرمیلی نگاہوں سے اس شخص کی بانہوں میں دیکھتی رہی جس سے اسے محبت تھی۔ نکولائی نے اس کا یہ تاثر دیکھ لیا اور اس انداز سے مسکرانے لگا جیسے اس کا مطلب سمجھ گیا ہو۔ خوشی سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور وہ شوخ انداز سے بچے کو چومنے لگا۔

چونکہ شہزادی ماریا سوگ کی کیفیت میں تھی اسی لئے وہ اعلیٰ طبقے کی تقریبات میں شرکت نہیں کرتی تھی۔ نکولائی نے بھی اس کے ہاں دوبارہ جانا مناسب نہ سمجھا۔ تاہم گورنر کی بیوی رشتہ طے کرانے میں لگی رہی۔ شہزادی ماریا کی جانب سے نکولائی اور نکولائی کی طرف سے ماریا کی تعریف و توصیف وہ ایک دوسرے کو پہنچاتی رہتی تھی۔ وہ نکولائی پر زور دے رہی تھی کہ اسے ماریا کے سامنے اپنے عزائم کا اظہار کر دینا چاہئے۔ اسی مقصد کے لئے اس نے صبح کی عبادت سے قبل پادری کے گھر میں دونوں کی ملاقات کا اہتمام کیا۔ اگرچہ رستوف نے گورنر کی بیوی کو واضح طور پر بتا دیا تھا کہ وہ شہزادی ماریا کے سامنے ایسی کوئی بات نہیں کرے گا تاہم اس نے آنے کی حامی بھر لی۔

رستوف نے جس طرح تلسٹ میں وہ بات درست تسلیم کرنے کے حوالے سے کسی شک و شبہ کا شکار نہیں ہوا تھا جسے ہر شخص درست تسلیم کرتا تھا، اسی طرح اگرچہ اب اس کے دل و دماغ میں مختصر مگر سچی کشمکش ضرور ہوئی تاہم اس نے زندگی اپنی سوجھ بوجھ کے مطابق گزارنے کی بجائے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دینا مناسب سمجھا۔ وہ جانتا تھا کہ سونیا سے وعدے وعید کے بعد شہزادی ماریا کے سامنے اپنے جذبات کا اظہار گھٹیا حرکت ہو گی اور وہ ایسا کبھی نہ کر پائے گا، تاہم اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ خود کو حالات کے دھارے پر ڈال کر وہ نہ صرف کوئی غلط کام نہیں کر رہا بلکہ کوئی ایسا اہم فرض انجام دے رہا ہے جس سے زیادہ اہم کام اس نے پہلے کبھی نہ کیا تھا۔

شہزادی ماریا سے ملاقات کے بعد اس کی ظاہری زندگی میں کوئی تغیر رونما نہ ہوا مگر اب اسے اپنی پرانی تفریحات ایک آنکھ نہ بھاتی تھیں اور وہ اکثر خود کو شہزادی ماریا کے بارے میں ہی سوچتا دیکھتا۔ مگر اس نے ماریا کے بارے میں کبھی اس انداز سے نہیں سوچا تھا جس انداز سے وہ اعلیٰ طبقے کی محافل میں موجود عورتوں کے بارے میں سوچتا تھا۔ اب وہ سونیا کے بارے میں بھی دیر تک کوئی بات نہیں سوچتا تھا اور اگر ایسا ہوتا بھی تو اس سوچ میں وہ پہلے جیسی وجدانی کیفیت مفقود ہوتی۔ تمام باوقار اور سچے نوجوانوں کی طرح وہ ان میں سے ہر نوجوان لڑکی کا یوں تصور کرتا کہ مستقبل میں وہ اس سے شادی کرے گا اور شادی شدہ زندگی کیسی ہو گی۔ اس زندگی کے تمام مناظر یعنی ڈریسنگ گاؤن، سماوار کے پیچھے بیٹھی بیوی، گاڑی اور والدین کے ساتھ بچے، بیوی کے حوالے سے اپنا رویہ وغیرہ اس کی نظروں میں آ جاتے اور اسے مستقبل کی یہ تصاویر دیکھ کر بیحد خوشی ہوتی۔ تاہم جب وہ شہزادی ماریا کے بارے میں سوچتا جس کے ساتھ اس کی منگنی کرانے کیلئے لوگ تیار ہو چکے تھے تو وہ مستقبل کی شادی شدہ زندگی کا کوئی نقشہ ترتیب نہ دے پاتا۔ اگر وہ کوئی ایسی کوشش کر بھی لیتا تو اسے تمام باتیں غیر موزوں دکھائی دینے لگتیں۔

(7)

بوروڈینو کی جنگ اور اس میں ہماری ہلاکتوں اور زخمیوں کی ہولناک خبریں ستمبر کے وسط میں وارونیز پہنچیں۔ ماسکو کے سقوط کی خبر نے ہر شخص کا دل دہلا دیا۔ شہزادی ماریا نے اپنے بھائی کے زخمی ہونے کی خبر اخبارات میں پڑھی تھی مگر اسے اس حوالے سے کوئی ٹھوس خبر نہ مل پائی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ خود اس کی تلاش میں جانے کی تیاری کرنے لگی (نکولائی کو ماریا کے ان ارادوں کی خبر دوسرے لوگوں سے ملی تھی اور اس کی ماریا سے دوبارہ ملاقات نہیں ہوئی تھی)

رستوف نے بوروڈینو کی جنگ اور ماسکو کے سقوط کی خبر سنی تو وہ مایوس ہوا نہ انتقامی جذبے نے اسے مغلوب کیا، تاہم ایک بات ضرور ہوئی کہ وارونیز کی ہر شے اسے اچانک بور محسوس ہونے لگی۔ اس کا ضمیر اسے جھنجھوڑنے لگا اور طبیعت منغض ہو گئی۔ اسے لوگوں کی باتیں جھوٹی محسوس ہوتی تھیں۔ وہ حال ہی میں پیش آنے والے قومی واقعات کے بارے میں کوئی رائے قائم نہیں کر پایا تھا اور اسے یوں محسوس ہوتا تھا کہ جب وہ رجمنٹ میں واپس جائے گا تو تبھی اس پر ہر بات واضح ہو سکے گی۔ اس نے تیزی سے گھوڑوں کی خریداری شروع کر دی اور اس کا خدمتگار اور کوارٹر ماسٹر اکثر و بیشتر اس کے غصے کا نشانہ بننے لگے۔

نکولائی کی وارونیز سے روانگی سے چند دن پہلے کسی روسی فتح کے حوالے سے گرجا گھر میں خصوصی عبادت کا اہتمام کیا گیا اور اس نے بھی شرکت کی۔ وہ گورنر سے کچھ پیچھے کھڑا تھا۔ دوران عبادت اس کے چہرے پر فوجی وقار طاری رہا اور وہ انتہائی متنوع موضوعات کی بابت غور و فکر میں مصروف رہا۔ عبادت کے اختتام پر گورنر کی بیوی نے اسے اشارے سے اپنے پاس بلا لیا۔

اس نے موسیقاروں کے گروہ کی دوسری جانب کھڑی ایک خاتون کی جانب سر سے اشارہ کرتے ہوئے پوچھا "تم شہزادی سے مل چکے ہو؟"

نکولائی نے ماریا کو فوراً پہچان لیا۔ اس کے چہرے کی ایک سمت ہیٹ کے نیچے سے دکھائی دے رہی تھی مگر وہ چہرے سے اس کی اتنی شناخت نہ کر سکا جتنی اس نے اپنے اوپر حاوی ہو جانے والے رحم اور رعب کے احساس کی بدولت کی۔ بظاہر یوں دکھائی دیتا تھا کہ شہزادی ماریا اپنے خیالات میں کھوئی ہوئی ہے، وہ گرجا گھر سے باہر جانے سے پہلے

اپنے سینے پر آخری مرتبہ صلیب کا نشان بنا رہی تھی۔

نکولائی اس کے چہرے کو حیرت سے دیکھنے لگا۔ یہ وہی چہرہ تھا جسے وہ پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔ اس پر وہی عمومی شائستگی اور باطنی کرب ظاہر ہو رہا تھا تاہم اس کے ساتھ ساتھ اب اس پر ایک نئی روشنی بھی دیکھی جا سکتی تھی۔ اس چہرے پر غم واندوہ، دعا اور امید کی کیفیت کچھ اس طرح جھلک رہی تھی کہ دیکھنے والا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ پہلے کی طرح اب بھی وہ ہچکچائے بغیر اس کی جانب چل دیا اور اسے بتایا کہ وہ اس کی مصیبتوں کے حوالے سے سب کچھ جانتا ہے اور اس سے دلی ہمدردی رکھتا ہے۔ شہزادی ماریا نے جونہی نکولائی کی آواز سنی تو اسے اپنا غم اور خوشی بھول گئی اور چہرہ نمایاں طور سے سرخ ہو گیا۔

رستوف نے کہا "شہزادی میں آپ سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ اگر شہزادہ آندرے زندہ نہ ہوتے تو کرنل ہونے کے ناطے ان کا نام سرکاری خبر نامے میں چھپتا"

شہزادی ماریا نے اس کی جانب دیکھا، وہ اس کی بات بالکل نہ سمجھ پائی تاہم اس کے چہرے پر جھلکتی ہمدردی نے اس کا دل خوش کر دیا۔

نکولائی نے مزید کہا "میں ایسے لاتعداد اشخاص کے بارے میں جانتا ہوں جنہیں بم کا ٹکڑا لگا اور وہ موقع پر ہی ہلاک ہو گئے یا انہیں معمولی زخم آئے۔ ہمیں اچھی خبر کی امید رکھنا ہو گی اور مجھے یقین ہے کہ۔۔۔"

شہزادی ماریا نے اس کی بات کاٹ دی۔

اس نے کہا "ارے، یہ کتنی خوفناک۔۔۔" تاہم بے چینی کے باعث وہ اپنی بات مکمل نہ کر پائی اور شاندار انداز میں اپنا سر اس کے سامنے جھکا دیا۔ اس کی موجودگی میں ماریا کی ہر حرکت شاندار ہو جاتی تھی۔ پھر وہ اس کی جانب شکریے کی نگاہ سے دیکھتی اپنی خالہ کے پیچھے پیچھے چل دی۔

اس شام نکولائی کسی سے ملنے نہ گیا اور گھوڑوں کے تاجر سے معاملات طے کرنے کیلئے اپنی رہائش گاہ پر ہی ٹھہرا رہا۔ جب وہ فارغ ہوا تو اتنی رات گزر چکی تھی کہ کسی کے پاس جانے کیلئے وقت باقی نہ بچا تھا۔ تاہم رات اتنی بھی نہیں گزری تھی کہ وہ بستر میں گھس جاتا چنانچہ وہ خاصی دیر تک اپنے کمرے میں ٹہلتا اور اپنی زندگی کے بارے میں سوچتا رہا۔ اس نے پہلے شاید ہی کبھی ایسا کیا تھا۔

شہزادی ماریا نے سمولنسک کے قریب پہلی ہی ملاقات میں اس پر خوشگوار اثرات مرتب کئے تھے۔ ان کی ملاقات بھی غیر معمولی حالات میں ہوئی تھی اور پھر ایک مرتبہ اس کی والدہ نے بھی کہا تھا کہ ماریا کا رشتہ اس کیلئے موزوں رہے گا۔ ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ خیالوں ہی خیالوں میں اس میں خاص طور پر دلچسپی لینے لگا۔ جب وارونیز میں وہ اس سے دوبارہ ملا تو ماریا نے اس پر خوشگوار اور زیادہ مضبوط اثرات مرتب کئے۔ اس مرتبہ وہ اس کے اخلاقی حسن سے بیحد متاثر ہوا تھا۔ تاہم جب وہ وہاں سے جانے کی تیاری کر رہا تھا تو اسے یہ سوچ کر قطعاً کوئی افسوس نہ ہوا کہ وارونیز چھوڑنے سے وہ ماریا کو دیکھنے کے مواقع سے محروم ہو جائیگا۔ تاہم اسے یوں لگا کہ صبح کے وقت گرجا گھر سے نکلتے ہوئے اس سے ہونیوالی اچانک ملاقات دل پر کچھ ایسے نقوش چھوڑ گئی ہے جو اسے چین سے نہیں رہنے دیں گے۔ نکولائی کو اس کا نازک اور ملائم اداس چہرہ، روشن آنکھیں اور رعنائی سے بھرپور حرکات و سکنات بے چین کئے دیتی تھیں اور اس کے دل میں ہمدردی کے جذبات پیدا کر رہی تھیں۔ مردوں میں اسے جن افراد کے چہرے روحانیت لئے ہوئے ہوتے تھے، انہیں وہ پسند نہیں کرتا تھا (یہی وجہ تھی کہ شہزادہ آندرے اسے پسند نہ تھا) وہ اظہار نفرت کے طور پر اسے تخیل آرائی

کہتا تھا مگر شہزادی ماریا کی افسردگی کا تعلق روحانی دنیا سے معلوم ہوتا تھا، یہ دنیا اس کیلئے اجنبی تھی اور اتنی پرکشش تھی کہ وہ اس کی جانب کھنچا چلا آ رہا تھا۔

اس نے ماریا کے بارے میں سوچتے ہوئے خودکلامی کی "نہایت حیرت انگیز دوشیزہ ہے، فرشتہ صفت، میں آزاد کیوں نہیں ہوں؟ سونیا سے عہد و پیمان کی کیا جلدی تھی؟" پھر وہ غیر شعوری طور پر ان دونوں میں موازنہ کرنے لگا۔ ایک لڑکی میں روحانی اوصاف نہ تھے اور وہ خود بھی ان سے محروم تھا جبکہ دوسری میں ان کی فراوانی تھی۔ اس نے یہ سوچنے کی کوشش کی کہ اگر وہ آزاد ہوتا تو پھر کیا صورتحال ہوتی۔ وہ اسے کیسے شادی کی تجویز دیتا اور وہ کس طرح اس کی بیوی بن جاتی۔ تاہم وہ ایسا نہیں سوچ سکتا تھا۔ اس کا دل بیٹھ گیا اور ذہن میں کوئی واضح شکل نہ بن پائی۔ کافی عرصہ پہلے اس نے سونیا کے ساتھ مستقبل کی زندگی کی تصویر بنائی تھی اور یہ سب کچھ صرف اس لئے سادہ تھا کہ اس کے ہر پہلو بارے سوچا جا چکا تھا۔ وہ سونیا کو اچھی طرح جانتا بھی تھا مگر شہزادی ماریا کے ساتھ اپنے مستقبل کے حوالے سے ذہن میں تصویر کشی اس کیلئے ممکن نہ تھی کیونکہ وہ اسے سمجھنے کی بجائے اس سے صرف محبت کرتا تھا۔

سونیا کے بارے میں اس کے سرور آگیں خوابوں سے کھلنڈراپن جھلکتا تھا مگر شہزادی ماریا کے بارے میں خواب بننا مشکل تھا اور اسے ایسا کرنے سے ڈر لگتا تھا۔

اس نے سوچا "وہ کیسے عبادت کر رہی تھی، یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس کی روح بھی عبادت میں جذب ہو چکی ہو، ہاں، ایسی عبادت سے پہاڑ بھی ہل جاتے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ اس کی دعا بھی قبول ہو گئی ہو گی" اس نے اپنے آپ سے پوچھا میں "جو کچھ چاہتا ہوں اس کیلئے دعا کیوں نہیں کرتا؟ مجھے کیا چاہئے؟ آزادی، میں چاہتا ہوں کہ سونیا مجھے آزاد کر دے، گورنر کی بیوی ٹھیک کہہ رہی تھی" اس نے سوچا "سونیا سے شادی کر کے تکالیف کے سوا کچھ حاصل نہ ہو گا، مسائل اور الجھنیں، والدہ کا غم، کاروباری مشکلیں، مسائل، اس کے علاوہ مجھے اس سے محبت بھی نہیں ہے، ایسی محبت نہیں ہے جیسی ہونی چاہئے، اے خدایا! مجھے اس مایوس کن صورتحال سے نکال لے" اس نے دعا مانگنا شروع کر دی اور سوچا "ہاں، دعا پہاڑوں کو بھی ہلا سکتی ہے تاہم اس کیلئے یقین کا ہونا ضروری ہے اور ایسی دعا نہ مانگی جائے جیسی بچپن میں نتاشا میں مانگا کرتے تھے کہ برف چینی میں بدل جائے اور بجتی ہوئی ہمارے صحن میں آ جائے تاکہ ہم اس سے لطف اندوز ہو سکیں، نہیں، اب میں بے حیثیت شے کے بارے میں دعا نہیں مانگ رہا" اس نے اپنا پائپ کونے میں رکھا اور مقدس تصاویر کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ شہزادی ماریا کے تصور سے ہی اس کا دل موم ہو گیا اور وہ کچھ ایسے انداز میں دعا مانگنے لگا کہ پہلے کبھی ایسے نہیں مانگی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور گلا رندھ گیا۔ اسی دوران لاورشکا کچھ کاغذات لے کر کمرے میں داخل ہوا۔

نکولائی نے جلدی سے اپنا رویہ تبدیل کیا اور کہنے لگا "احمق تم یونہی منہ اٹھائے اندر آ گئے ہو"

لاورشکا نے خوابناک آواز میں کہا "گورنر کی جانب سے ڈاک آئی ہے، آپ کا خط بھی ہے"

نکولائی بولا "اوہ، بہت اچھا، شکریہ، جاؤ"

اس نے دونوں خط اٹھا لئے، ایک اس کی والدہ اور دوسرا سونیا کی جانب سے لکھا گیا تھا۔ اس نے انہیں لکھائی سے پہچان لیا۔ پہلے اس نے سونیا کا خط کھولا، ابھی اس نے چند سطریں ہی پڑھی تھیں کہ اس کا رنگ پیلا پڑ گیا اور خوشی وخوف کے ملے جلے جذبات سے اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہ بآواز بلند پکارا اٹھا "نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا" اس کیلئے خاموش بیٹھا رہنا ممکن نہیں رہا تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے خط پڑھنے کے ساتھ ساتھ کمرے میں ٹہلتا جا رہا تھا۔ اس

نے خط پر سرسری نگاہ ڈالی، اور دوبارہ پڑھنے لگا، پھر اس نے کندھے اچکائے اور کمرے کے درمیان میں کھڑا ہوگیا۔ اس کا منہ کھلا ہوا تھا اور وہ اپنے سامنے ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہا تھا۔ وہ پر اعتماد انداز میں جو دعا مانگ رہا تھا وہ قبول ہو چکی تھی، تاہم نکولائی اس قدر حیران ہوا جیسے یہ کوئی انہونی بات ہو اور اسے اس کی توقع ہی نہ ہو۔

وہ گرہ کھل چکی تھی جس کے بارے میں یوں معلوم ہوتا تھا جیسے یہ کبھی نہ کھل پائے گی۔ سونیا نے لکھا تھا کہ انہوں نے حال ہی میں جن مصیبتوں کا سامنا کیا ہے اور رستوف خاندان کو عملی طور پر ماسکو میں اپنی تمام جائیداد جس طرح گنوانا پڑی ہے اور بیگم رستوف اس سے جو بار بار اصرار کرتی ہے کہ نکولائی کو ماریا بلکونسکی سے شادی کر لینی چاہئے اور وہ خود گزشتہ کچھ عرصہ سے اس کے ساتھ جس سرد رویے کا مظاہرہ کرتا رہا ہے اسے دیکھتے ہوئے وہ یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہوگئی ہے کہ نکولائی نے اس کے ساتھ شادی کا جو وعدہ کیا تھا اب وہ اس پر قائم رہنے کا پابند نہیں ہے اور اپنی مرضی سے فیصلہ کر سکتا ہے۔

سونیا نے لکھا تھا:

''میرے لئے یہ بات سوچنا ازحد تکلیف دہ ہے کہ جس خاندان نے میرے ساتھ اتنا اچھا سلوک کیا، اسی کیلئے مصیبتوں اور تفریق کا باعث بنوں۔ میری محبت کا اس کے سوا کوئی مقصد نہیں کہ جن لوگوں سے محبت کرتی ہوں ان کیلئے خوشیاں مہیا کروں، چنانچہ نکولس میری تم سے درخواست ہے کہ اپنے آپ کو مجھ سے آزاد سمجھو اور یقین کرو کہ ان تمام باتوں کے باوجود کوئی تم سے اتنی سچی محبت نہیں کر سکتا جتنی کہ میں کرتی ہوں''

تمہاری۔۔۔ سونیا

دونوں خط ترویتسا سے لکھے گئے تھے۔ بیگم نے اپنے خط میں ماسکو میں اپنے آخری دنوں، شہر سے روانگی، آتشزدگی اور اپنی تمام جائیداد کے ضیاع کی داستان بیان کی تھی۔ اس نے خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ شہزادہ آندرے زخمی ہوگیا ہے اور دیگر زخمیوں کے ہمراہ ہمارے ساتھ محو سفر ہے۔ اگرچہ اس کی حالت نازک ہے مگر ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ شاید اس کی طبیعت سنبھل جائے، سونیا اور نتاشا اس کی تیمارداری میں مصروف ہیں۔

اگلے دن نکولائی نے والدہ کا خط لیا اور ماریا سے ملنے چلا گیا۔ بیگم رستوف کے اس فقرے ''نتاشا اس کی تیمارداری میں مصروف ہے'' کے مفہوم بارے دونوں نے کوئی بات نہ کی تاہم اسی خط کی بدولت نکولائی شہزادی ماریا سے اچانک یوں بے تکلف ہوگیا جیسے وہ صدیوں کے شناسا ہوں۔

اگلے روز رستوف نے شہزادی ماریا کو یاروسلاول روانہ کیا اور کچھ دن بعد اپنی رجمنٹ میں شمولیت کیلئے چلا گیا۔

(8)

نکولائی کو اپنے دعاؤں کے نتیجے میں موصول ہونیوالا خط ترویتسا سے لکھا گیا تھا۔ سونیا نے یہ خط اس احساس کے نتیجے میں لکھا تھا کہ نکولائی کو کسی امیر لڑکی سے شادی کر لینی چاہئے، یہ خیال بیگم رستوف کے ذہن سے چپک گیا تھا اور وہ صبح شام یہی کہتی رہتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس شادی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ سونیا ہے اور گھر میں اس وقت سے اس کی زندگی تلخ ہوتی چلی جا رہی تھی جب سے نکولائی کا وہ خط موصول ہوا تھا جس میں اس نے باگوچاروف میں شہزادی ماریا سے ملاقات کا احوال قلمبند کیا تھا۔ بیگم رستوف سونیا پر طنز کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتی تھی۔

ماسکو چھوڑنے سے چند دن پہلے حالات دیکھ کر وہ اتنی پریشان ہوئی کہ اس نے سونیا کو بلایا اور ڈانٹ ڈپٹ کی بجائے آنسو بھری آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے درخواست کی کہ وہ قربانی دے اور اپنے او پر خاندان کے احسانات کے بدلے میں نکولائی سے شادی کا وعدہ ختم کر دے۔ بیگم نے اسے کہا'' تم جب تک مجھ سے یہ وعدہ نہیں کرو گی اس وقت تک مجھے سکون میسر نہ آئے گا''

جذبات کی شدت سے سونیا کی حالت خراب ہوگئی اور اس نے رونا شروع کر دیا۔ اس نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا کہ وہ سب کچھ کرے گی اور سب کچھ کرنے پر رضامند ہے مگر کوئی واضح وعدہ کرنے سے گریز کیا کیونکہ اسے جو کچھ کرنے پر مجبور کیا جا رہا تھا وہ اس کی حامی بھرنے کیلئے خود کو دلی طور پر آمادہ نہ کر پائی تھی۔ جس خاندان نے اسے پالا پوسا تھا اس کیلئے وہ قربانی دینے پر مجبور تھی۔ دوسروں کیلئے قربانی دینا اس کی فطرت کا حصہ بن چکا تھا، گھر میں اس کی حیثیت کچھ ایسی تھی کہ وہ قربانی دے کر ہی اپنی قدر و قیمت کا اظہار کر سکتی تھی اور وہ اپنے حقوق سے دستبرداری کی عادی ہو چکی تھی۔ اس نے اب تک جس قدر ایثار کا مظاہرہ کیا تھا اس نے اسے اس حقیقت سے آگاہ کر دیا تھا کہ اس کی بدولت نہ صرف اطلاعات بلکہ اپنی نظروں میں بھی اس کی اہمیت دو چند ہوگئی ہے اور یہ سوچ کر وہ خوش ہو جاتی۔ تاہم اب اس سے جس قربانی کا تقاضا کیا جا رہا تھا اس کا مطلب اسی شے سے دستبرداری اختیار کرنا تھا جو اس کی قربانیوں کا اصل صلہ تھی اور جو اس کی زندگی کا اصل مقصد تھی۔ اسے پہلی مرتبہ ان لوگوں پر غصہ آیا جنہوں نے محض اس لئے اس کی مدد کی تھی کہ اسے مزید دکھ دیا جا سکے۔ اسے نتاشا پر رشک آتا تھا جسے کبھی ایسے تجربات سے نہیں گزرنا پڑا تھا اور اسے کبھی قربانی دینے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی، الٹا جب وہ دوسروں کو اپنے لئے قربانی دینے پر مجبور کرتی تھی تو بھی ہر ایک اس سے پیار کرتا تھا۔ یہ باتیں سوچتے ہوئے سونیا کو پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ اسے نکولائی سے جو خاموش اور پاکیزہ محبت ہے اس کی بدولت اس کے وجود میں ایک ایسا پر جوش جذبہ نمو پا رہا ہے جو اصولوں، اچھائیوں یا مذہب سے زیادہ مضبوط ہے۔ اسی جذبے کے زیر اثر اس نے بیگم کو غیر واضح انداز سے جواب دیا اور پھر فیصلہ کر لیا کہ نکولائی سے ملاقات تک انتظار کرے گی۔ وہ اسے آزادی دینے کی بجائے ہمیشہ کیلئے اپنے ساتھ جوڑنا چاہتی تھی۔

ماسکو میں رستوف خاندان کے آخری دنوں کی چہل پہل اور خوف کی فضا نے سونیا کے دل و دماغ پر چھائے خیالات دبا دیئے تھے۔ عملی مصروفیت کے باعث ان خیالات سے نجات ملنے کی بنا پر وہ بےحد خوش تھی مگر جب اسے اپنے گھر میں شہزادہ آندرے کی موجودگی سے آگاہی ہوئی تو نتاشا اور آندرے پر سچے ترس کے باوجود اس کے ذہن پر یہ پر مسرت اور توہمانہ جذبہ چھا گیا کہ خدا اسے نکولائی سے علیحدہ نہیں ہونے دے گا۔ اسے علم تھا کہ نتاشا کو شہزادہ آندرے کے سوا کسی سے محبت نہیں ہے اور اس نے یہ محبت کبھی ترک نہیں کی، وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اگر ان خوفناک حالات میں انہیں اکٹھے کر دیا جائے تو وہ دوبارہ ایک دوسرے کے دیوانے ہو جائیں گے اور اس تعلق کے نتیجے میں نکولائی شہزادی ماریا سے شادی نہیں کر پائے گا۔ ماسکو میں آخری دن اور سفر کی ابتداء میں جو خوفناک واقعات پیش آئے ان کے باوجود اس آگہی نے سونیا کے مرجھائے دل کو رونق بخش دی کہ اس کے ذاتی معاملات میں قدرت دخل اندازی کر رہی ہے۔

دوران سفر رستوف خاندان نے ترویتسا کی خانقاہ میں پہلا قیام کیا۔

خانقاہ کے رہائشی حصے میں انہیں تین بڑے کمرے دیئے گئے اور ایک میں شہزادہ آندرے مقیم ہوگیا جس کی حالت اس روز کسی قدر بہتر تھی۔ نتاشا اس کے پاس بیٹھی تھی۔ بیگم اور نواب برابر والے کمرے میں موجود تھے اور خانقاہ کے نگران سے مودبانہ انداز میں گفتگو کر رہے تھے جو اپنے پرانے واقف کاروں اور محسنوں سے ملنے چلا آیا تھا۔ سونیا بھی

دی تھیں اور اسے تجسس ہو رہا تھا کہ نجانے نتاشا اور شہزادہ آندرے کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ اسے نیم وا دروازے سے دونوں کی گفتگو سنائی دے رہی تھی۔ اسی دوران آندرے کے کمرے کا دروازہ کھلا اور نتاشا باہر آ گئی۔ اس پر ہیجانی کیفیت طاری تھی۔ اس نے راہب کی موجودگی کو بھی نظر انداز کر دیا جو اس کے استقبال کیلئے اٹھ کھڑا ہوا تھا اور اپنے بازو کو آستین سے ڈھانپ رہا تھا۔ نتاشا سونیا کے پاس گئی اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا۔

بیگم رستوف نے اسے کہا" نتاشا! کس سوچ میں گم ہو؟ یہاں آؤ"

نتاشا دعائیں لینے کیلئے راہب کے پاس آ گئی اور اس نے مشورہ دیا کہ وہ روحانی مدد کیلئے خداوند اور خانقاہ کے ولی سے رجوع کرے۔

راہب کے جاتے ہی نتاشا نے سونیا کا ہاتھ تھاما اور اس کے ساتھ خالی کمرے میں چلی گئی۔

وہ سونیا سے کہنے لگی" سونیا! تم نے سنا، وہ زندہ رہیں، رہیں گے ناں؟ میں کس قدر خوش اور خوفزدہ ہوں، سونیا، میری پیاری ہر شے ویسی ہی ہے، بس انہیں زندہ رہنا چاہئے، ان کا انتقال نہ۔۔۔" یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔

سونیا بڑبڑاتے ہوئے بولی" ہاں، مجھے علم تھا، خدا کا شکر ہے، وہ زندہ رہیں گے"

سونیا اپنی دوست سے کم بے چین نہ تھی۔ اس کی بے چینی میں نتاشا کی تکالیف کے ساتھ ساتھ اتنا ہی اپنے جذبات کا بھی عمل دخل تھا جن سے وہ کسی کو آگاہ نہیں کرتی تھی۔ وہ سسکیاں لیتے ہوئے نتاشا کو حوصلہ دینے لگی۔

اس نے دل میں سوچا" کاش وہ زندہ رہ جائیں"

رونے، گفتگو کرنے اور آنسو پونچھنے کے بعد دونوں شہزادہ آندرے کے کمرے کے دروازے تک گئیں۔ نتاشا نے احتیاط سے دروازہ کھولا اور کمرے میں جھانکا، نیم وا دروازے کے قریب سونیا اس کے ساتھ کھڑی تھی۔

شہزادہ آندرے تین تکیوں کے سہارے لیٹا ہوا تھا اور اس کا چہرہ زرد جبکہ آنکھیں بند تھیں، وہ انہیں سانس لیتا دکھائی دے رہا تھا۔

سونیا بلند آواز سے بولی" اوہ نتاشا!" یہ کہہ کر اس نے نتاشا کا ہاتھ تھام لیا اور دروازے سے پیچھے ہٹ آئی۔

نتاشا نے پوچھا" کیا ہوا تمہیں؟"

سونیا کا رنگ سفید پڑ گیا تھا اور ہونٹ کانپ رہے تھے۔ وہ بولی" یہ وہی ہے، وہی تم جانتی ہو۔۔۔"

نتاشا نے دروازہ آہستگی سے بند کیا اور سونیا کے ساتھ کھڑکی کے قریب چلی گئی۔ اسے ابھی تک سمجھ نہیں آئی تھی کہ سونیا اسے کیا بتانا چاہتی ہے۔

سونیا کے چہرے پر بیک وقت سنجیدگی اور خوف کے ملے جلے تاثرات تھے۔ وہ کہنے لگی" تمہیں یاد ہو گا کہ جب میں نے تمہارے لئے آئینے میں دیکھا تھا۔۔۔ کرسمس کے موقع پر، اوترادنوئے میں؟ تمہیں یاد ہے کہ مجھے کیا دکھائی دیا تھا؟"

نتاشا نے چلا کر جواب دیا" ہاں، ہاں، یاد ہے" اس کی آنکھیں پھیل گئیں اور یاد آنے لگا کہ سونیا نے کچھ ایسی بات کی تھی کہ شہزادہ آندرے لیٹا ہوا ہے۔

سونیا بات جاری رکھتے ہوئے بولی" تمہیں یاد ہو گا، میں نے اس وقت انہیں دیکھا تھا اور اس حوالے سے تمہارے علاوہ دنیاشا کو بھی بتایا تھا۔ میں نے انہیں بستر میں لیٹے دیکھا تھا، مجھے نظر آیا تھا کہ ان کی آنکھیں بند تھیں، ان

کے جسم پر اسی طرح گلابی لحاف تھا اور مٹھیاں بند تھیں" وہ اپنے آپ کو یقین دلا رہی تھی کہ ہر بات ہی ہے جو اس نے دیکھی تھی۔

حقیقت یہ تھی کہ اس وقت اس نے کچھ بھی نہیں دیکھا تھا اور ذہن میں پہلے جو بات آئی وہی بیان کر دی تاہم اس وقت اس نے جو بات فرض کی تھی وہ اسے کسی بھی اور بات کی طرح حقیقت پر مبنی دکھائی دے رہی تھی۔ اب اسے قوی یقین ہونے لگا تھا کہ اس وقت اس نے دیکھا اور دوسروں کو بھی بتایا تھا کہ ان کے جسم پر گلابی لحاف تھا، ہاں گلابی، اور ان کی آنکھیں بند تھیں۔

نتاشا کہنے لگی" ہاں، ہاں یہ گلابی ہی تھا" اسے یقین ہو رہا تھا کہ سونیا نے گلابی رنگت کے لحاف کا ہی ذکر کیا تھا۔

وہ کچھ دیر سوچ کر بولی" میں اس کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟"

سونیا کہنے لگی" اوہ، میں نہیں جانتی، یہ بیحد عجیب و غریب بات ہے"

☆☆☆

کچھ دیر بعد شہزادہ آندرے نے گھنٹی بجائی اور نتاشا اس کے پاس چلی گئی، تاہم سونیا کھڑکی کے قریب کھڑی اس بات کے انوکھے رخ پر غور کرتی رہی۔ اس پر وجدانی اور ہیجان خیز کیفیت طاری تھی جس سے وہ پہلے آشنا نہ تھی۔

اس دن فوج کے نام خط لکھنے کا موقع بھی مل گیا تھا اور بیگم رستوف اپنے بیٹے کے نام خط لکھ رہی تھی۔

سونیا بیگم کے قریب سے گزری تو وہ خط سے نظریں اٹھا کر بولی" سونیا، تم نکولینکا کو خط نہیں لکھو گی؟" بیگم نے یہ بات نرم اور لرزتی آواز میں کہی تھی اور سونیا نے عینک کے اوپر سے جھانکتی اس کی تھکی ہوئی نظروں میں اس کا جائزہ لیا۔ ان نظروں میں التجا، درخواست کرنے کی مجبوری پر احساس شرمندگی اور انکار کا خوف نمایاں تھا اور اگر یہ انکار ہو جاتا تو پھر ان کے مابین ایسی نفرت پیدا ہو جاتی جو کبھی نہیں مٹ سکتی تھی۔

سونیا بیگم کے پاس گئی اور نیچے جھک کر اس کا ہاتھ چوم لیا۔

اس نے کہا" جی امی! لکھوں گی"

اس دن جو کچھ ہوا اور خاص طور پر جس پراسرار انداز سے اس کے وجدان کی تصدیق ہوئی اس سے وہ بیحد متاثر ہوئی تھی۔ وہ جذباتی ہو گئی اور اس کا دل نرم پڑ گیا۔ اب جبکہ وہ جان چکی تھی کہ شہزادہ آندرے کے ساتھ نتاشا کا تجدید تعلق نکولائی کی شہزادی ماریا کے ساتھ شادی کی راہ میں رکاوٹ بن جائے گا تو اسے احساس ہوا کہ اس کا جذبہ ایثار پھر واپس آ گیا ہے جس کی وہ عادی تھی اور جسے اپنائے رکھنا اسے بیحد پسند تھا۔ اس احساس نے اسے خوشی سے نہال کر دیا۔ اسے خوشی تھی کہ وہ نہایت عالی ظرفی کا ثبوت دے رہی ہے اور اسی کیفیت میں اس نے نکولائی کو خط لکھ ڈالا۔ لکھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں بار بار آنسو آ جاتے اور اسے کام روکنا پڑتا، یہی وہ خط تھا جسے پڑھ کر نکولائی حیران رہ گیا تھا۔

(9)

پیری کو حوالات لے جانیوالے افسروں اور سپاہیوں نے اسے دشمن سمجھنے کے ساتھ ساتھ اس کا احترام بھی کیا۔ ان کا پیری سے رویہ ایسا تھا جیسے انہیں علم نہ ہو کہ وہ کون ہے اور وہ سوچتے ہوں کہ شاید وہ کوئی نہایت اہم شخصیت ہے، تاہم

اس کے ساتھ اپنے حالیہ جھگڑے پر وہ اس کے بارے میں دل میں عناد بھی رکھتے تھے۔

مگر اگلی صبح جب قیدیوں کے محافظ تبدیل ہوئے تو پیری کو یوں محسوس ہوا کہ نئے لوگوں کو اس میں ایسی دلچسپی نہیں جو اسے گرفتار کرنیوالے اس کے بارے میں رکھتے تھے۔ حقیقت بھی یہی تھی کہ اگلی صبح ڈیوٹی پر آنیوالے فوجیوں کو اس قوی الجثہ شخص میں کوئی خاص بات نظر نہ آئی جس نے لوٹ مار میں مصروف فوجیوں کا زبردست مقابلہ کیا تھا اور بچی کی جان بچانے کے بارے میں شاندار الفاظ کہے تھے۔ انہیں وہ روسی قیدیوں کی قطار میں محض نمبر سترہ دکھائی دے رہا تھا۔ انہیں پیری میں صرف یہی بات قابل توجہ دکھائی دی کہ وہ گھبرائے بغیر نہایت اعتماد سے اپنی سوچوں میں گم تھا یا پھر اس کی خوبصورت فرانسیسی تھی۔ تاہم اسی دن حراست میں لئے جانیوالے دیگر مشکوک افراد کے ساتھ اسے جیل میں ڈال دیا گیا کیونکہ وہ پہلے جس کمرے میں رکھا گیا تھا وہ کسی افسر کو درکار تھا۔

پیری کے ساتھ قید کئے جانیوالے روسیوں کا تعلق معاشرے کے سب سے نچلے طبقے سے تھا۔ ان سب لوگوں کو علم ہو گیا تھا کہ پیری کا تعلق اعلیٰ طبقے سے ہے چنانچہ ان میں سے کوئی بھی اس کے قریب نہ گیا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ فرانسیسی بولتا تھا۔ پیری جب انہیں اپنا مذاق اڑاتے دیکھتا تو اس پر افسردگی طاری ہو جاتی۔

اسی شام اسے معلوم ہوا کہ تمام قیدیوں پر آتشزنی کے الزام میں مقدمہ چلایا جائے گا (ان میں وہ خود بھی شامل تھا) تیسرے دن اسے دیگر قیدیوں کے ساتھ ایک اور عمارت میں لے جایا گیا۔ وہاں سفید مونچھوں والا ایک فرانسیسی جرنیل دو کرنیلوں اور چند دیگر فرانسیسی افسروں کے ساتھ بیٹھا تھا جن کے بازوؤں پر عہدوں کے نشانات آویزاں تھے۔ دیگر قیدیوں کی طرح پیری سے بھی روایتی تفتیش کے انداز میں کرید کرید کر پوچھا گیا کہ وہ کون ہے نیز کہاں اور کیوں گیا تھا؟

دوران تفتیش معاملے کے اصل پہلو پر کوئی توجہ نہ دی گئی اور اس طرح اس پہلو کی دریافت کا امکان بھی ہمیشہ کیلئے ختم ہو گیا۔ جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے سوالات پوچھے جانے کا واحد مقصد ایک ایسا ذریعہ تلاش کرنا تھا جس کے ذریعے جج ملزموں کے جوابات اس انداز میں حاصل کرنا چاہتے تھے جو انہیں مجرم ٹھہرانے کی معقول وجہ بن سکیں۔ جونہی پیری کوئی ایسی بات کرتا جس سے ججوں کا مقصد حاصل نہیں ہو سکتا تھا تو اگرچہ وہ اسے بولنے دیتے تھے مگر اس کی بات پر کوئی توجہ نہ دی جاتی تھی۔ یوں اس کی باتیں بیکار جاتیں۔ اس کے ساتھ ساتھ پیری کو وہی محسوس ہو رہا تھا جو ملزم کو مقدمے کے دوران محسوس ہوتا ہے یعنی ''اس سے یہ سوال کیوں کئے جا رہے ہیں؟'' پیری محسوس کرتا تھا کہ یہ لوگ اس سے جس انداز میں سوالات کر رہے اس سے وہ یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ ان کا اس سے رویہ نہایت بامروت ہے۔ اسے علم تھا کہ وہ ان لوگوں کے رحم و کرم پر ہے اور اسے بزور طاقت یہاں لایا گیا اور انہیں طاقت نے ہی اس سے ان سوالوں کے جواب اگلوانے کا حکم دیا ہے۔ مزید یہ کہ مقدمے کی اس کارروائی کا واحد مقصد اسے مجرم قرار دینا ہے اور چونکہ وہ اسے مجرم قرار دینے کا اختیار رکھتے ہیں اس لئے مصلحت کے تحت تفتیش اور مقدمے کا جو ڈرامہ کھیلا جا رہا ہے وہ غیر ضروری ہے۔ یہ بات عیاں تھی کہ پیری کا جواب خواہ کچھ بھی ہو نتیجہ صرف اور صرف سزا کی صورت میں برآمد ہو گا۔ جب اس سے پوچھا گیا کہ گرفتاری کے وقت وہ کیا کر رہا تھا تو اس نے کسی قدر دردناک لہجے میں جواب دیا کہ وہ ایک بچی کو آگ سے بچا کر اس کے والدین کو لوٹانے کی کوشش کر رہا تھا۔ سوال کیا گیا کہ اس نے لوٹ مار کرنیوالے فوجی سے جھگڑا کیوں کیا؟ پیری نے جواب دیا کہ وہ ایک خاتون کی حفاظت کر رہا تھا اور جس خاتون کی بے حرمتی ہو رہی ہو اس کی حفاظت ہر مرد کا فرض ہوتا ہے۔ انہوں نے پیری کو بیچ میں ٹوک دیا اور پوچھنے لگے کہ آگ والے مکان میں وہ کیا کر رہا تھا تو اس نے جواب

دیا کہ وہ ماسکو کے حالات دیکھنے نکلا تھا۔ انہوں نے اسے دوبارہ ٹوک دیا۔ وہ اس سے یہ نہیں پوچھ رہے تھے کہ وہ کہاں گیا تھا بلکہ ان کا سوال تھا کہ وہ کون ہے اور وہاں کیا کر رہا تھا؟ پیری نے پہلے سوال کا جواب دینے سے انکار کر دیا تھا۔ ججوں نے یہ سوال دہرایا مگر پیری نے کہا کہ وہ اس کا جواب نہیں دے سکتا۔

سفید مونچھوں والے جرنیل نے غصے میں کہا ''یہ بات یاد رکھیے گا، اس نے نہایت نامناسب حرکت کی ہے، نہایت نامناسب'' چوتھے دن زوبوسکی دیوار کے قریب کئی عمارتیں آگ کی زد میں آ گئیں۔

پیری کو تیرہ دیگر قیدیوں کے ساتھ کریمین قلعے کے قریب ایک تاجر کے مکان میں گاڑیوں کے احاطے میں منتقل کر دیا گیا۔ راستے میں انہیں ہر طرف دھواں دکھائی دیا جو تمام شہر کو اپنی لپیٹ میں لیتا معلوم ہوتا تھا۔ پیری کا دم گھٹنے لگا۔ ہر طرف آگ لگی ہوئی تھی۔ وہ ماسکو کی آتشزدگی کی اہمیت نہ سمجھ پایا۔ یہی وجہ تھی کہ جہاں کہیں آگ دکھائی دیتی تو وہ خوفزدہ ہو جاتا۔

کریمین قلعے کے گاڑیوں والے احاطے میں اسے چار روز رکھا گیا۔ اس دوران اسے فرانسیسی فوجیوں کی زبانی معلوم ہوا کہ وہاں قید لوگ فیصلے کے منتظر ہیں اور مارشل یہ فیصلہ کسی بھی دن سنا دے گا۔ پیری کو فوجیوں سے معلوم نہ ہو سکا کہ یہ مارشل کون تھا۔ ان کے خیال میں وہ کوئی اعلیٰ عہدے پر فائز پراسرار اور بااختیار شخصیت تھی۔

8 ستمبر سے پہلے کے دن، جب قیدیوں کو دوبارہ تفتیش کیلئے لے جایا گیا تھا، پیری کے لئے انتہائی تکلیف دہ تھے۔

(10)

8 ستمبر کو ایک افسر وہاں آیا۔ محافظوں نے اس کی جس انداز میں تعظیم کی اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کوئی اعلیٰ شخصیت ہے۔ سٹاف افسر دکھائی دینے والے اس شخص کے ہاتھ میں فہرست تھی۔ وہ باری باری تمام روسی قیدیوں کے نام پکارنے لگا۔ پیری کی باری آئی تو وہ بولا ''وہ شخص جو نام نہیں بتاتا'' اس نے سستی اور عدم توجہی سے قیدیوں کو ایک نظر دیکھا اور محافظوں کے سربراہ کو حکم دیا کہ وہ انہیں مارشل کی خدمت میں بھیجنے سے پہلے نہلائے دھلائے اور صاف ستھرا لباس پہنا دے۔ ایک گھنٹے بعد فوجیوں کا دستہ آیا اور پیری کو تیرہ دیگر لوگوں کے ساتھ ورجن کے میدان میں پہنچا دیا گیا۔ اس دن بارش کے بعد آسمان صاف تھا، دھوپ نکلی ہوئی تھی اور فضا غیر معمولی طور پر صاف نظر آ رہی تھی۔ پہلے کی طرح دھوئیں کے بادل نیچے جھکے ہونے کی بجائے مرغولوں کی صورت میں فضا میں بلند ہو رہے تھے۔ اب تیز آگ کہیں دکھائی نہ دیتی تھی البتہ جا بجا دھواں اٹھ رہا تھا۔ پیری جہاں تک دیکھ سکتا تھا اسے ماسکو وسیع و عریض کھنڈر دکھائی دے رہا تھا۔ ہر شے جل کر خاکستر ہو چکی تھی اور جلے ہوئے مکانات کی کالی دیواریں باقی رہ گئی تھیں۔

پیری ٹکٹکی باندھ کر جلی ہوئی عمارتوں کو دیکھتا رہا۔ اب وہ اپنے جانی پہچانی جگہیں بھی نہیں پہچان پا رہا تھا۔ راہ میں اسے کہیں کہیں گرجا گھر دکھائی دیئے جنہیں آگ نہیں لگی تھی۔ کریملن بھی محفوظ تھا اور اس کی سفید عمارات دور سے اپنے میناروں اور زار کے گھڑیال والے مینار سمیت چمک رہی تھیں۔ قریب ہی نئی خانقاہ کا گنبد چمک رہا تھا اور اس کی گھنٹیوں کی آواز سن کر پیری کو یاد آیا کہ آج اتوار اور حضرت مریم کی ولادت کا دن ہے مگر تہوار منانے کیلئے کوئی نہ تھا۔ ہر طرف جلتے ہوئے کھنڈرات دکھائی دے رہے تھے۔ انہیں اپنے راستے میں جو روسی دکھائی دیئے وہ خوفزدہ تھے اور فرانسیسیوں کو دیکھتے ہی بھاگ نکلنے کی کوشش کرتے تھے۔

یہ بات عیاں تھی کہ روسی آشیانہ تباہ ہو چکا تھا مگر پیری کو غیر شعوری طور پر محسوس ہونے لگا تھا کہ روسی انتظام کی جگہ بالکل مختلف اور غیر لچکدار فرانسیسی انصرام نے لے لی ہے۔ اسے یہ بات ان فوجیوں کی صورتیں دیکھ کر ہوا جو باقاعدہ صفیں بنائے اسے اور دیگر مجرموں کو اپنی حفاظت میں لئے تیزی سے جا رہے تھے۔ اسے اس بات کا اندازہ اس اعلیٰ مرتبے کے حامل فرانسیسی افسر کو دیکھ کر ہوا جو دو گھوڑوں والی گاڑی میں شان سے بیٹھا تھا۔ یہ گاڑی انہیں راہ میں ملی تھی اور اسے ایک فوجی چلا رہا تھا۔ پیری کو یہ احساس کسی رجمنٹ کی موسیقی کی دھنیں سن کر بھی ہوا جو کھیت کی بائیں جانب سے اسے سنائی دے رہی تھیں۔ پیری کو فوجیوں کے ایک گروہ نے گرفتار کیا تھا اور پھر اسے درجنوں دیگر افراد کے ساتھ ایک سے دوسری جگہ منتقل کر دیا گیا تھا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ اسے بھول چکے ہیں یا انہوں نے اس کی شناخت کسی اور شخص کے ساتھ ملا دی ہے۔ تاہم ایسا نہیں تھا۔ اس نے دوران تفتیش جو جواب دیئے تھے وہ گھوم پھر کر اس تعریفی جملے کی صورت میں واپس آ گئے تھے کہ ''وہ جو اپنا نام ظاہر نہیں کرتا'' اور یوں لگتا تھا کہ اسی وجہ سے وہ اسے کہیں اور لے جا رہے ہیں۔ ان کے چہروں سے جھلکنے والی خود اعتمادی یہ ظاہر کرتی تھی کہ پیری اور دیگر قیدی وہی لوگ ہیں جو انہیں مطلوب تھے اور مزید یہ کہ وہ انہیں درست مقام پر ہی لے جا رہے ہیں۔ پیری کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ کوئی ایسی کل ہے جو کسی مشین کی چرخیوں میں گر گئی ہے۔ اسے مشین کی ساخت کا تو کوئی علم نہ تھا البتہ یہ ضرور جانتا تھا کہ وہ درست طور سے کام کر رہی ہے۔

اسے اور دیگر قیدیوں کو خانقاہ کے دائیں جانب ایک وسیع مکان میں لے جایا گیا جس کے ساتھ ایک لمبا چوڑا باغیچہ بھی تھا۔ یہ شہزادہ شریاتوف کا گھر تھا اور پیری کئی مرتبہ بطور مہمان یہاں آ چکا تھا۔ اسے فوجیوں کی باتوں سے اندازہ ہوا کہ اب یہاں مارشل نواب آف ایکمول کا قبضہ ہے۔

انہیں دروازے پر پہنچا دیا گیا اور سپاہی باری باری ہر قیدی کو اندر لے گئے۔ پیری کا چھٹا نمبر تھا۔ اسے ڈیوڑھی، راہداری اور بیرونی صحن سے گزارا گیا۔ اس نے یہ جگہیں پہلے بھی دیکھ رکھی تھیں۔ آخر کار وہ نیچی چھت والے ایک لمبے چوڑے کمرے میں پہنچ گئے۔ دروازے پر ایک ایجوٹنٹ کھڑا تھا۔

مارشل ڈاوسٹ کمرے کے آخر میں براجمان تھا۔ اس کی ناک پر عینک دھری تھی اور وہ میز پر جھکا ہوا تھا۔ پیری اس کے قریب جا پہنچا۔ ڈاوسٹ بظاہر کسی کاغذ کے مطالعے میں مصروف تھا۔ اس نے نگاہیں اٹھائے بغیر مدھم آواز میں پوچھا ''تم کون ہو؟''

پیری نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ ایک لفظ بھی نہیں بول سکتا تھا کیونکہ اس کے خیال میں ڈاوسٹ محض فرانسیسی جرنیل ہی نہیں بلکہ ظالم شخص بھی تھا۔ وہ کسی سخت گیر استاد کی طرح بیٹھا تھا اور کچھ دیر صبر سے بیٹھنے اور جواب کا انتظار کرنے پر آمادہ محسوس ہوتا تھا۔ اسے دیکھ کر پیری کو یوں محسوس ہوا جیسے ایک لمحے کی تاخیر بھی اس کیلئے ضرر رساں ثابت ہو سکتی ہے۔ مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ اسے کیا کہنا چاہئے۔ اس نے پہلی تفتیش میں جو کچھ کہا تھا اسے دہرانے پر آمادہ نہ ہوا مگر اپنے مقام و مرتبے کو ظاہر کرنا بھی غلطی ہوتی چنانچہ وہ خاموش رہا۔ اس سے پہلے کہ وہ کسی نتیجے پر پہنچتا ڈاوسٹ نے گردن اٹھائی، عینک ماتھے پر رکھی اور اسے ترچھی نگاہوں سے دیکھا۔

ڈاوسٹ کہنے لگا ''میں اس آدمی کو جانتا ہوں'' اس کا لہجہ سرد تھا اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ وہ پیری کو مرعوب کرنا چاہتا ہے۔

پیری کی کمر کی لرزش اس کے سر تک پہنچ گئی۔

اس نے جواب دیا ''جنرل صاحب! میں آپ سے کبھی نہیں ملا اور آپ مجھے نہیں جان سکتے''

ڈاوسٹ نے پیری کی بات کاٹتے ہوئے ایک اور جرنیل سے کہا ''یہ روسی جاسوس ہے'' دوسرا جرنیل پیری کو دکھائی نہیں دیا تھا۔

ڈاوسٹ نے اپنا منہ دوسری جانب کیا اور پیری غیر متوقع طور پر تیز آواز میں کہنے لگا ''نہیں، آپ مجھے نہیں پہچان سکتے۔ میں ملیشیا کا افسر ہوں اور میں نے ماسکو نہیں چھوڑا''

ڈاوسٹ نے پوچھا ''تمہارا نام کیا ہے؟''

پیری نے جواب دیا ''بیزوخوف''

مارشل کہنے لگا ''اس کا کیا ثبوت ہے کہ تمہارا یہی نام ہے''

پیری چلایا ''موسیو!'' اس کے لہجے میں غصے کی بجائے التجا تھی۔

ڈاوسٹ نے اپنی نگاہیں اٹھائیں اور اسے تجسس بھرے انداز میں دیکھنے لگا۔ دونوں کئی لمحوں تک ایک دوسرے پر نظریں گاڑے رہے اور انہی نگاہوں کی بدولت پیری کی جان بچ گئی۔ لڑائی اور عدالتی کمرے کے حالات سے قطع نظر نگاہوں کے اس تبادلے نے دونوں کے مابین انسانی رابطے استوار کر دیئے۔ اس وقت دونوں کے ذہن میں غیر واضح طور پر بے شمار باتیں آئیں اور انہیں احساس ہوا کہ وہ دونوں انسانیت کے بچے اور بھائی ہیں۔

جب ڈاوسٹ نے ان کاغذات سے نگاہیں اوپر اٹھائیں جن پر انسانی زندگیوں اور ان کے معاملات کو اعداد کی شکل میں لکھا گیا تھا تو اسے پہلی نگاہ میں پیری بھی عام قیدی معلوم ہوا اور قوی امکان تھا کہ وہ اسے گولی مار دینے کا حکم جاری کر دیتا مگر اب وہ اسے بھی اپنے جیسا ایک انسان دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے ایک لمحہ سوچا اور کہنے لگا ''تم اپنے سچائی کے ثبوت میں کیا کہتے ہو؟''

پیری کو راملیں یاد آ گیا اور اس نے اس کا نام، رجمنٹ، سڑک اور اس مکان کے بارے میں بھی بتا دیا جہاں وہ مل سکتا تھا۔

ڈاوسٹ بولا ''تم جو کچھ کہہ رہے ہو وہ نہیں ہو''

پیری لڑکھڑاتی اور کپکپاتی آواز میں اپنے دعوے کے حق میں ثبوت دینے لگا۔

اسی دوران ایجوٹنٹ اندر آیا اور اس نے ڈاوسٹ کے کان میں سرگوشی کی۔

ایجوٹنٹ کی خبر سن کر ڈاوسٹ کے چہرے پر خوشی کا تاثر دکھائی دینے لگا اور اس نے اپنی وردی کے بٹن کھولنا شروع کر دیئے۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ پیری کو بھول چکا ہے۔

جب ایجوٹنٹ نے اسے قیدی کے بارے میں یاد دلایا تو اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ اس نے گردن گھما کر پیری کی جانب دیکھا اور سر کے اشارے سے اسے باہر لے جانے کا حکم دے دیا۔ تاہم پیری کو علم نہ تھا کہ وہ اسے کہاں لے جا رہے ہیں۔

اس نے گردن گھما کر دیکھا تو ایجوٹنٹ ڈاوسٹ سے ایک اور سوال پوچھتا نظر آیا۔

ڈاوسٹ نے جواب دیا ''ہاں، یقیناً''

پیری یہ نہ جان سکا کہ اس ''ہاں، یقیناً'' کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔

اس کے بعد پیری کو کچھ یاد نہ رہا کہ بعد ازاں وہ کہاں اور کیسے گیا تھا نیز راستہ چھوٹا تھا یا لمبا۔ اس کے حواس معطل ہو چکے تھے اور وہ بوکھلاہٹ کا شکار تھا۔ اسے اپنے اردگرد کچھ بھی دکھائی نہ دیتا تھا۔ دوسرے قیدیوں کی طرح اس کی

ٹانگیں بھی چل رہی تھیں اور ان کے رکنے پر وہ بھی ٹھہر جاتا۔

اس دوران پیری کے ذہن میں یہی خیال سوار رہا کہ اسے سزائے موت کس نے دی؟ یہ اس سے پہلی تفتیش کرنیوالے لوگ تو نہیں ہو سکتے تھے، ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جس نے ایسی خواہش ظاہر کی ہو اور غالباً ان کے ایسا کرنے کا کوئی امکان بھی نہ تھا۔ ڈاؤسٹ نے بھی یہ نہیں کیا تھا۔ اس نے تو اسے انسانی انداز میں دیکھا تھا۔ اگر چند لمحات اور گزر جاتے تو شاید ڈاؤسٹ کو احساس ہو جاتا کہ وہ غلطی پر ہیں، مگر اسی دوران ایجوٹنٹ چلا آیا اور اس نے کام بگاڑ دیا۔ بظاہر ایجوٹنٹ بھی بری نیت سے نہیں آیا تھا حالانکہ وہ اندر آنے سے باز بھی رہ سکتا تھا۔ پھر اسے کون مقتل کی جانب لئے جا رہا تھا، اسے ہلاک کرنا اور اس کی تمام یادوں، آرزوؤں اور خیالات سمیت اس کی زندگی ختم کرنے پر تلا ہوا تھا۔ اس نے سوچا "یہ کون کر رہا ہے؟" پھر اسے محسوس ہوا کہ کوئی بھی یہ کام نہیں کر رہا۔ اس کی ذمہ داری باہم مربوط مختلف واقعات پر عائد ہوتی ہے یہ کوئی نظام ہے جو اسے ہلاک کر رہا ہے اور اسے ہر شے سے محروم کرنا چاہتا ہے۔

(11)

قیدیوں کو شریباتوف کے گھر سے سیدھا خانقاہ کے میدان اور پھر وہاں سے پکن گارڈن کی جانب لے جایا گیا۔ وہاں ایک کھمبا گڑا ہوا تھا جس کے قریب تازہ کھدا ہوا ایک وسیع و عریض گڑھا تھا۔ گڑھے کے قریب مٹی کا ڈھیر بھی موجود تھا اور لوگوں کا بہت بڑا ہجوم نیم دائرے کی شکل میں کھڑا تھا۔ اس ہجوم میں چند ایک روسی تھے اور اکثریت ایسے فرانسیسی فوجیوں کی تھی جو اس وقت ڈیوٹی پر نہیں تھے۔ ان فوجیوں میں جرمن، اطالوی اور فرانسیسی سبھی شامل تھے اور انہوں نے مختلف اقسام کی وردیاں زیب تن کی ہوئی تھیں۔ کھمبے کے دائیں بائیں فرانسیسی فوجیوں کی قطاریں تھیں اور انہوں نے نیلی وردیاں، لمبے بوٹ اور شاکو ٹوپیاں پہن رکھی تھیں۔ تمام مجرم فہرست کے مطابق قطار بنائے ہوئے تھے (پیری چھٹے نمبر پر تھا) انہیں کھمبے کے قریب لایا گیا اور اچانک ان کی دونوں جانب ڈھول بجنے لگا۔ اس آواز پر پیری کو یوں لگا جیسے اس کی آدھی روح قبض کر لی گئی ہو۔ وہ سوچنے سمجھنے کے قابل نہ رہا تھا۔ وہ صرف دیکھ اور سن سکتا تھا اور اس کی ایک ہی خواہش رہ گئی تھی کہ یہ خوفناک عمل جلد از جلد انجام کو پہنچ جائے۔ اس نے اردگرد اپنے ساتھیوں کو دیکھا اور ان کے چہروں کا بغور جائزہ لینے لگا۔

قطار میں سب سے آگے دو سزا یافتہ قیدی تھے۔ ان کے سر مونڈ دیئے گئے تھے، ان میں سے ایک لمبے قد کا مالک اور دبلا پتلا تھا جبکہ دوسرا سانولی رنگت اور گٹھے ہوئے جسم کا مالک تھا۔ تیسرے نمبر پر ایک گھریلو ملازم تھا جس کی عمر تقریباً پینتالیس برس تھی، وہ موٹی جسامت کا مالک تھا۔ چوتھا خوبصورت خد و خال کا مالک کسان تھا جس کی داڑھی ہلکی پیلی اور آنکھیں سیاہ تھیں۔ پانچواں کسی فیکٹری میں کام کرنے والا اٹھارہ سالہ کمزور اور نوخیز نوجوان تھا جس نے ڈھیلا ڈھالا کوٹ پہن رکھا تھا۔

پیری نے سنا کہ فرانسیسی باہم صلاح مشورہ کر رہے تھے کہ انہیں ایک ایک کر کے ہلاک کیا جائے یا جوڑوں کی شکل میں گولی ماری جانی چاہئے۔ سینئر افسر نے سرد لہجے میں کہا "ایک ایک نہیں جوڑوں کی شکل میں" سپاہیوں کی قطاروں میں ہلچل پیدا ہو گئی، یوں لگتا تھا جیسے وہ جلدی کرنا چاہتے ہوں۔ ان کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ یہ کام انہیں پسند ہے نہ ان کی سمجھ میں آیا ہے تاہم چونکہ انہیں ایسا ہر صورت کرنا ہے اس لئے وہ اسے فوری طور پر مکمل کر دینا چاہتے ہیں۔

گلے میں رومال باندھے ایک فرانسیسی افسر قیدیوں کی قطار کی دائیں جانب آیا اور اس نے فرانسیسی اور روسی ہر دو زبانوں میں سزا کا حکم پڑھ کر سنایا۔

چار فرانسیسی فوجی مجرموں کے قریب آئے اور افسر کے حکم پر قطار میں سب سے آگے کھڑے دو مجرموں کو افسر کے حکم پر پرے لے گئے۔ دونوں قیدی کھمبے کے قریب پہنچ کر رک گئے۔ تھیلے لائے گئے اور دونوں قیدی اپنے اردگرد یوں دیکھنے لگے جیسے زخمی پرندہ اپنے قریب آنیوالے شکاری کو دیکھتا ہے۔ ان میں سے ایک بار بار اپنے سینے پر صلیب کا نشان بنائے جا رہا تھا جبکہ دوسرا اپنی کمر پر خارش کرتا اور ہونٹوں پر مسکراہٹ جیسا تاثر پیدا کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ فوجیوں نے پھرتی سے ان کی آنکھوں پر پٹیاں باندھ دیں۔ بعد ازاں انہوں نے ان کے سر تھیلوں میں لپیٹ دیئے اور دونوں کو کھمبے سے باندھ دیا۔

درجن بھر ماہر نشانہ باز بندوقیں اٹھائے قطاروں سے باہر نکلے اور کھمبے سے آٹھ قدم کے فاصلے پر ٹھہر گئے۔ پیری نے یہ منظر نہ دیکھنے کیلئے اپنا منہ پھیر لیا۔ اچانک بندوقیں چلنے کی آواز سنائی دی جو بجلی کی خوفناک کڑک سے بھی زیادہ زوردار تھی۔ فضا میں دھواں چھا گیا۔ زرد رو فرانسیسی فوجی کانپتے ہاتھوں سے گڑھے کے قریب کچھ کر رہے تھے۔ دو مزید قیدیوں کو سامنے لے جایا گیا۔ ان کی نظریں بھی خاموشی سے جان بخشی کی استدعا کر رہی تھیں۔ وہ تماشائیوں کی جانب دیکھے جا رہے تھے مگر اس کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ ہونیوالے وقوعہ کے بارے میں کچھ نہیں سمجھ پا رہے اور انہیں اس کا یقین بھی نہیں آ رہا۔ انہیں اس کا یقین آ ہی نہیں سکتا تھا کیونکہ صرف انہی کو علم تھا کہ زندگی ان کیلئے کس مفہوم کی حامل تھی، انہیں یہ یقین اور سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ یہ زندگی ان سے کیوں چھینی جا رہی ہے۔

پیری نے ایک مرتبہ پھر یہ منظر نہ دیکھنے کا فیصلہ کیا اور منہ دوسری جانب کر کے کھڑا ہو گیا۔ ایک مرتبہ پھر دھماکے کی آواز گونجی اور اسے دھواں، خون اور کھمبے کے قریب کچھ کرنے والے فرانسیسیوں کے خوفزدہ چہرے دکھائی دیئے۔ ان کے ہاتھ ایک دوسرے سے ٹکرا رہے تھے۔ پیری کی سانس تیزی سے چل رہی تھی۔ اس نے اردگرد دیکھا جیسے پوچھ رہا ہو کہ "یہ سب کیا ہے؟" اس کی نگاہیں جس شخص سے بھی ملیں اس کے چہرے پر بھی ایسا ہی تاثر نظر آیا۔ تمام روسیوں، فرانسیسی فوجیوں اور ان کے افسروں کے چہروں پر بلا امتیاز وہی تشویش، خوف اور ذہنی کشمکش کی کیفیت دکھائی دی جو اسے اپنے دل میں محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے ذہن میں اچانک یہ خیالات ابھرے "یہ سب کچھ کون کر رہا ہے؟ یہ بھی مجھ جیسی تکلیف کا شکار ہیں؟ کون ہے؟" کسی افسر نے بلند آواز میں حکم دیا "چھیاسی رجمنٹ کے ماہر نشانہ باز آگے آ جائیں" پیری سے آگے کھڑے پانچویں قیدی کو اکیلے باہر لے جایا گیا۔ پیری کو اندازہ نہ ہو سکا کہ اس کی جان بچ گئی ہے اور اسے بعض دیگر قیدیوں سمیت صرف اسی لئے وہاں لایا گیا ہے تاکہ وہ دوسروں کو ہلاک کئے جانے کا منظر دیکھ سکیں۔ اپنے سامنے نظر آنیوالا منظر دیکھ کر اس کے خوف میں اضافہ ہو گیا تھا۔ خوشی کا احساس ختم ہو چکا تھا اور اس کی نظریں سامنے گڑی تھیں۔ ڈھیلے ڈھالے کوٹ میں ملبوس پانچواں شخص کسی فیکٹری کا مزدور تھا۔ انہوں نے جونہی اسے پکڑا تو وہ چھلانگ لگا کر پیچھے ہٹ گیا اور پیری سے جا چمٹا (پیری خوف سے کانپنا شروع ہو گیا اور اس نے بمشکل اسے اپنے آپ سے علیحدہ کیا) اس نوجوان کیلئے چلنا بھی مشکل ہو گیا تھا۔ فوجیوں نے اسے بازوؤں سے پکڑ کر گھسیٹنا شروع کر دیا۔ وہ چیخنے چلانے لگا۔ جب اسے کھمبے کے قریب لے جایا گیا تو وہ اچانک خاموش ہو گیا۔ یوں لگتا تھا جیسے اس نے اچانک کوئی بات سمجھ لی ہو۔ نجانے اسے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کا چیخنا چلانا بیکار ہے یا پھر یہ خیال آیا کہ وہ لوگ اسے ہلاک نہیں کر پائیں گے، وجہ جو کچھ بھی تھی، وہ کھمبے کے ساتھ کھڑا ہو گیا اور دوسروں کی طرح اپنی آنکھوں پر بھی پٹی باندھے جانے کا

انتظار کرنے لگا۔ وہ زخمی درندے کی طرح اپنی روشن آنکھوں سے چاروں جانب دیکھے جا رہا تھا۔

پیری کیلئے اب منہ دوسری جانب پھیرنا اور آنکھیں بند کرنا ممکن نہ رہا۔ اس پانچویں قتل پر دیگر لوگوں کی طرح اس کا بھی تجسس اور ہیجانی کیفیت عروج پر پہنچ گئی۔ پہلے چار افراد کی طرح یہ نوجوان بھی اب پرسکون دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے اپنا ڈھیلا ڈھالا کوٹ جسم پر کسا اور ایک پاؤں کی مدد سے دوسرے کو کھرچنا شروع کر دیا۔

جب اس کی آنکھوں پر پٹی باندھی جانے لگی تو اس نے اپنے سر کی پچھلی طرف چبھنے والی گرہ خود درست کی اور جب انہوں نے اس کی پشت خون آلود کھمبے کے ساتھ لگا کر کھڑا کیا تو اس نے کھمبے کا سہارا لے لیا۔ اسے یہ انداز بے ڈھنگا محسوس ہوا اور وہ جسم سیدھا کر کے دونوں پاؤں برابر رکھ کر آرام دہ انداز میں سہارا لے کر کھڑا ہو گیا۔ پیری نے اپنی نگاہیں اس پر جمائے رکھیں اور اس کی ایک ایک حرکت کا بغور جائزہ لینے میں مصروف رہا۔

گولی چلانے کا حکم یقیناً دیا گیا ہوگا اور آٹھ بندوقوں کے چلنے کی آواز بھی سنائی دی ہوگی مگر پیری کو یاد نہیں آ سکتا تھا کہ اس نے گولی چلنے کی معمولی سی آواز بھی سنی ہوگی۔ اس نے مزدور کو ان رسیوں پر ڈھلکتے دیکھا جن کی مدد سے اسے باندھا گیا تھا۔ اس کے جسم پر دو جگہوں سے خون بہہ رہا تھا اور رسیاں اس کے ڈھلکتے بوجھ کے باعث ٹوٹ گئی تھیں۔ نوجوان یوں نیچے گرنے لگا جیسے زمین پر بیٹھنے کی کوشش کر رہا ہو، اس کا سر غیر فطری انداز میں ایک طرف جھک گیا اور ٹانگ جسم کے بوجھ تلے مڑ گئی۔ پیری کھمبے کی جانب بھاگ اٹھا۔ کسی نے اسے روکنے کی کوشش نہ کی۔ مزدور کے گرد پیلے چہروں والے کچھ لوگ خوفزدگی کے عالم میں کچھ کر رہے تھے۔ رسیاں کھولتے داڑھی مونچھوں والے ایک ادھیڑ عمر فرانسیسی کا نچلا جبڑا کانپ رہا تھا۔ مزدور کا جسم زمین پر گر گیا اور فوجیوں نے اسے جلدی سے بے ڈھنگے انداز میں گھسیٹ کر گڑھے میں پھینک دیا۔

ان تمام لوگوں کو بے شک واضح طور پر علم تھا کہ وہ مجرم ہیں اس لئے انہیں اپنے جرائم کی نشانیاں جلد از جلد غائب کر دینی چاہئیں۔

پیری نے گڑھے میں جھانکا اور اسے مزدور وہاں اس شکل میں پڑا دکھائی دیا کہ اس کے گھٹنے سر کے ساتھ لگے تھے اور ایک بازو دوسرے سے اونچا تھا، وہ بازو مسلسل پھڑکتے ہوئے اوپر نیچے حرکت کر رہا تھا۔ اس کے جسم پر بیلچوں سے مٹی ڈالی جا رہی تھی۔ ایک افسر نے غصے اور اذیت بھری آواز میں چلا کر اسے حکم دیا کہ وہ پیچھے ہٹ جائے مگر پیری اس کی بات نہ سمجھ سکا اور کھمبے کے قریب رہا تاہم اسے کسی نے وہاں سے نہ ہٹایا۔

گڑھا پر ہو گیا تو دوبارہ حکم دینے کی آواز آئی۔ فوجی پیری کو واپس اس کی جگہ پر لے گئے اور کھمبے کی دونوں جانب کھڑے فرانسیسی مڑ کر وہاں سے چل دیئے۔ دائرے کے وسط میں کھڑے چوبیس ماہر نشانہ بازوں کی کمپنیاں ان کے قریب سے گزریں تو وہ اپنی خالی بندوقیں اٹھا کر بھاگے اور اپنی اپنی جگہوں پر واپس پہنچ گئے۔

پیری دائرے سے دو دو کے گروہوں میں بھاگنے والے ان ماہر نشانہ بازوں کو حیرت سے دیکھتا رہا۔ ایک کے سوا تمام نشانہ باز دوبارہ اپنی کمپنی میں شامل ہو چکے تھے۔ ایک نوجوان سپاہی کی ٹوپی پیچھے ڈھلکی ہوئی تھی اور اس کی بندوق نیچے گر گئی تھی۔ وہ اب بھی گڑھے کے قریب اس جگہ کھڑا تھا جہاں سے اس نے گولی چلائی تھی۔ اس کا رنگ سفید پڑ چکا تھا۔ وہ نشے میں ڈوبے شخص کی طرح لڑکھڑایا اور توازن برقرار رکھنے کیلئے چند قدم آگے اور پھر پیچھے ہٹا۔ ایک معمر افسر قطاروں سے نکل کر بھاگا اور اسے کلائی سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا واپس اپنی کمپنی میں لے گیا۔ روسی اور فرانسیسی فوجیوں کا ہجوم اپنی جگہ سے ہلنے لگا۔ سبھی خاموشی سے واپس جا رہے تھے۔

کا ہجوم اپنی جگہ سے ہلنے لگا۔ سبھی خاموشی سے واپس جا رہے تھے۔

ایک فرانسیسی کہنے لگا "انہوں نے دیکھ لیا کہ آتشزنی کا کیا انجام ہوتا ہے، انہیں سبق مل چکا ہوگا" پیری نے مڑ کر بولنے والے کی طرف دیکھا۔ وہ کوئی سپاہی تھا اور اپنے ہاتھوں انجام پانے والے اس عمل سے پیچھا چھڑانے کیلئے بہانہ تلاش کر رہا تھا۔ تاہم اس نے اپنی بات مکمل کئے بغیر مایوسی کے عالم میں ہاتھ لہرایا اور آگے چل دیا۔

(12)

موت کی سزائیں دیئے جانے کے بعد پیری کو دیگر قیدیوں سے علیحدہ کر کے ایک چھوٹے سے ویران گرجا گھر میں بند کر دیا گیا۔

شام کے وقت پہرے پر مامور ایک افسر دو سپاہیوں کے ساتھ آیا اور اسے بتایا کہ حکام نے تمہیں معافی دیدی ہے اور اب تمہیں جنگی قیدیوں کی بیرک میں پہنچا دیا جائے گا۔ پیری اس کی بات سمجھے بغیر اپنی جگہ سے اٹھا اور فوجیوں کے ساتھ چل دیا۔ وہ اسے کھلے میدان کی ایک جانب لے گئے جہاں ادھ جلے شہتیروں اور کڑیوں کو جوڑ کر چند چھپر بنائے گئے تھے۔ وہ اسے ایک چھپر تلے لے گئے۔ وہاں کم و بیش بیس افراد پیری کے گرد جمع ہو گئے۔ وہ ان لوگوں کو جانے بغیر احمقوں کی طرح ان کے چہرے دیکھنے لگا۔ وہ ان کی باتیں سن رہا تھا مگر ان کا مطلب نہیں سمجھتا تھا۔ ان باتوں سے اس کا کوئی تعلق تھا نہ مطلب، وہ ان کے سوالات کے جواب دے رہا تھا مگر اسے اس بات سے کوئی سروکار نہ تھا کہ اس کا جواب کون سن رہا ہے اور اس سے کیا نتیجہ نکال رہا ہے۔ وہ ان کی شکلوں کو دیکھتا تو وہ سب ایک جیسی بے معنی محسوس ہوتیں

جس وقت سے اس نے انسانوں کو ایسے انسانوں کے ہاتھوں قتل ہوتے دیکھا جنہیں ایسا کرنے کا کوئی شوق نہ تھا تو اسے یوں لگا جیسے اس کی روح کا مرکزی سپرنگ ٹوٹ گیا ہو۔ کائنات کی ترتیب، انسانیت، اپنی روح اور خدا پر اس کا یقین ختم ہو گیا تھا۔ پہلے بھی کبھی کبھار اس کی یہی ذہنی حالت ہو جاتی تھی مگر اس وقت اس میں ایسی شدت نہیں ہوتی تھی۔ ماضی میں جب کبھی اس کے ذہن میں ایسے شکوک و شبہات پیدا ہوتے تو ان کا سبب اس کی اپنی غلطیاں اور بیوقوفیاں ہوتی تھیں اور اسے یوں لگتا تھا جیسے وہ ان شکوک و شبہات اور مایوسیوں کا علاج اپنی ذات میں تلاش کر سکتا ہے تاہم اب اسے یہ احساس ہو رہا تھا کہ اس سے کوئی غلطی نہیں ہوئی پھر بھی اس کے سامنے ساری دنیا ملبے کا ڈھیر بن گئی ہے اور اب صرف بے معنی کھنڈر باقی رہ گئے ہیں۔ اسے یوں محسوس ہوتا تھا کہ وہ زندگی پر یقین کو کبھی واپس حاصل نہیں کر پائے گا۔

تاریکی میں کچھ لوگ اس کے اردگرد موجود تھے۔ شاید اس میں کوئی ایسی بات تھی جس کی بدولت وہ اس کی ذات میں دلچسپی محسوس کر رہے تھے۔ وہ اسے کچھ بتانے اور پوچھنے میں مصروف تھے، بعد ازاں وہ اسے کہیں اور لے گئے اور وہ محسوس کرنے لگا کہ اسے چھپر کے کونے میں لے جایا گیا ہے۔ یہاں وہ مختلف لوگوں میں گھرا بیٹھا تھا جو آپس میں ہنسی مزاح اور بات چیت کر رہے تھے۔

چھپر کے دوسرے کونے سے کسی کی آواز سنائی دے رہی تھی "اور ساتھیو، پھر۔۔۔ وہی شہزادہ جو (اس نے آخری حرف پر خصوصی زور دیا)

پیری دیوار کے قریب گھاس پھونس پر خاموشی سے بیٹھا تھا۔ وہ کبھی اپنی آنکھیں کھول لیتا اور کبھی بند کر دیتا

تھا۔ جونہی وہ آنکھیں بند کرتا تو اس کے سامنے سزائے موت پانیوالے مزدور کا چہرہ ابھر آتا سادہ ہونے کی بنا پر یہ چہرہ اور بھی خوفناک دکھائی دیتا تھا۔ اس کے علاوہ نگاہوں کے سامنے ان قاتلوں کی شکلیں ابھرنے لگتیں جنہیں اپنا کام کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس ہو رہی تھی۔ یہ دیکھ کر پیری فوراً اپنی آنکھیں کھول دیتا اور خلاؤں میں گھورنے لگ جاتا۔

اس کے قریب ایک پستہ قامت شخص جھکا بیٹھا تھا۔ پیری کو اس کی موجودگی کا احساس اس کے جسم سے آنیوالی پسینے کی بدبو سے ہوا۔ جب وہ اپنی جگہ سے حرکت کرتا تو یہ بدبو اس کے جسم سے خارج ہونے لگتی تھی۔ یہ شخص تاریکی میں اپنی ٹانگوں کے ساتھ کچھ کر رہا تھا۔ اگرچہ پیری کو اس کا چہرہ دکھائی نہیں دے رہا تھا مگر یوں لگتا تھا جیسے وہ پیری کو سرسری نگاہوں سے دیکھے جا رہا ہے۔ جب پیری اندھیرے میں دیکھنے کے قابل ہوا تو اسے یہ شخص اپنی ٹانگوں سے پٹیاں اتارتا دکھائی دیا۔ وہ جس انداز سے یہ کام کر رہا تھا اسے دیکھتے ہوئے پیری نے اس میں دلچسپی لینا شروع کر دی۔

اس شخص نے ٹانگ کے گرد بندھی پٹی کا گولہ بنایا اور پیری کو سرسری انداز سے دیکھ کر دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ ابھی اس کے ایک ہاتھ میں پہلی ڈوری تھی کہ وہ دوسرے ہاتھ کی مدد سے دوسری ڈوری کھولنے میں مصروف ہو گیا۔ اسی تیزی سے اس نے ٹانگ کی تمام پٹیاں اتار دیں اور انہیں اپنے سر کے اوپر دیوار میں نصب کھونٹیوں پر لٹکا دیا۔ پھر اس نے چاقو نکال کر کچھ کاٹا اور اسے سرہانے تلے رکھ کر اپنے بازو گھٹنوں پر رکھے اور پیری کی جانب دیکھنا شروع کر دیا۔ پیری کو اس شخص کی پھرتیلی حرکات، اپنے کونے میں سلیقے سے بھرپور انتظامات اور اس کے جسم سے خارج ہونیوالی بدبو میں بھی خوشگواریت کا احساس ہونے لگا اور وہ اس پر کئی نگاہیں نہ اٹھا سکا۔

اس شخص نے اچانک پیری سے کہا'' جناب! آپ کو بیحد مصیبتوں سے واسطہ پڑا ہے؟''

اس کا انداز اسقدر رحمدلانہ اور سادہ تھا کہ پیری کا جبڑا کانپنے لگا اور آنکھوں میں آنسو آ گئے، وہ اسے جواب دینا چاہتا تھا مگر اسے اپنے منتشر خیالات کے اظہار کا موقع ہی نہ مل سکا۔ کوتاہ قامت شخص نے فوراً اسی خوشگوار لہجے میں کہا '' میرے دوس! دل جلانے سے کچھ نہیں ہوگا، تکالیف تھوڑی دیر رہتی ہیں مگر زندگی ہمیشہ جاری وساری رہتی ہے۔ میرے پیارے، یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہتا ہے، خداوند کا شکر ہے کہ یہاں ہمارا وقت اچھا گزر رہا ہے'' اس کا انداز گفتگو بوڑھی کسان عورتوں جیسا تھا۔ بات مکمل کرنے کے بعد وہ جلدی سے اٹھا اور چھپر کے دوسرے کونے کی طرف چلا گیا۔

پیری کو چھپر کے دوسرے کنارے سے اس کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا'' ارے، تو یہاں ہے، بدذات، تم نے مجھے یاد رکھا ہے، ٹھیک ہے، بس بہت ہو گئی''

وہ شخص ایک چھوٹی سی کتیا کو پرے دھکیلتا ہوا واپس آ گیا، اس نے چیتھڑے میں کوئی شے لپیٹ رکھی تھی۔

اس نے سابقہ مودبانہ انداز سے پیری کو مخاطب کرتے ہوئے کہا'' جناب، ذرا چکھیں، کھانے میں نمیں شوربہ دیا گیا تھا مگر آلو بیحد مزیدار ہیں'' یہ کہہ کر اس نے چیتھڑا کھولا اور پیری کو چند بھنے ہوئے آلو تھما دیئے۔

پیری سارا دن بھوکا رہا تھا، آلوؤں کی خوشبو اسے بیحد مزیدار معلوم ہوئی اور وہ سپاہی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے انہیں کھانے لگا۔

سپاہی نے مسکرا کر اسے دیکھا اور کہا'' آپ اس طرح کیوں کھا رہے ہیں؟ اس طرح کھائیں'' یہ کہہ کر اس نے آلو پکڑا اور اپنا چاقو کھول کر اسے دو حصوں میں کاٹ ڈالا۔ پھر اس نے کچھ نمک نکال کر آلو کے ٹکڑوں پر چھڑکا اور پیری کو کھانے کیلئے دے دیئے۔

وہ اپنی بات دہراتے ہوئے بولا'' آلو نہایت عمدہ ہیں، اس طرح کھانے کی کوشش کریں''

پیری سوچنے لگا کہ اس نے پہلے اتنی مزیدار شے کبھی نہیں کھائی تھی۔

وہ سپاہی سے کہنے لگا'' میں تو ٹھیک ہوں مگر انہوں نے ان بیچاروں کو ہلاک کیوں کیا، آخری کی عمر بمشکل بیس برس ہوگی''

سپاہی بولا'' تت۔۔۔تت۔۔۔گناہ، درحقیقت۔۔۔گناہ'' اس نے یہ بات کچھ اس جلدی سے کہی جیسے الفاظ اس کے منہ سے نکلنے کیلئے ہمیشہ تیار رہتے ہوں۔ وہ بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا'' آپ ماسکو میں کیوں رک گئے تھے؟''

پیری نے جوابدیا'' اتفاقاً، میرا خیال تھا کہ وہ اتنا جلد یہاں نہیں پہنچ پائیں گے''

وہ کہنے لگا'' میرے عزیز! آپ کو انہوں نے کیسے پکڑا؟ کیا گھر سے گرفتار کیا تھا؟''

پیری نے کہا'' نہیں، میں آگ دیکھنے باہر آیا تو انہوں نے مجھے پکڑ لیا اور ساتھ لے جا کر آتشزنی کا الزام لگا دیا۔

سپاہی کہنے لگا'' فیصلوں میں ناانصافی بھی ہو جاتی ہے''

پیری نے آخری آلو کھاتے ہوئے پوچھا'' اور تم بھی یہاں کافی عرصے سے ہو؟''

سپاہی نے کہا'' میں؟ مجھے انہوں نے گزشتہ اتوار کو گرفتار کیا تھا، وہ مجھے ماسکو کے ایک ہسپتال سے لائے تھے''

پیری نے پوچھا'' کیا تم فوجی ہو؟''

اس نے جواب دیا'' ہم اپشیرون رجمنٹ سے تعلق رکھتے ہیں، مجھے شدید بخار تھا۔ انہوں نے ہمیں کبھی کچھ نہیں بتایا، ہم بیس لوگ تھے، ہم نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔۔۔ کبھی خواب میں بھی ایسا نہیں سوچا تھا۔۔۔''

پیری نے پوچھا'' کیا تمہیں خود کو یہاں دیکھ کر تکلیف ہوتی ہے؟''

سپاہی نے جواباً کہا'' ہاں میرے عزیز، میرا نام پلاتون اور خاندانی نام کاراتایف ہے۔ رجمنٹ میں مجھے '' چھوٹا باز'' کہا جاتا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ کو اذیت نہ پہنچے؟ ماسکو شہروں کی ماں کا درجہ رکھتا ہے، یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ سب کچھ دیکھ کر بھی غمگین نہ ہوں؟ ہمارے آباواجداد ہمیں بتایا کرتے تھے کہ کیڑا اگو بھی کو آہستہ آہستہ کترتا رہتا ہے میں اپنا کام مکمل کرنے سے پہلے ہی ختم ہو جاتا ہے''

پیری بولا'' کیا، تم نے کیا کہا؟''

کاراتایف نے جواب دیا'' میں؟ میں کہہ رہا ہوں کہ یہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا مگر جیسا خداوند کو منظور ہے''

پھر اس نے پوچھا'' جناب کیا آپ کے آباواجداد کی زمین یا اپنا گھر ہے؟ آپ یقیناً خوش قسمت ہوں گے، بیوی بھی ہوگی؟ بوڑھے والدین بھی حیات ہوں گے؟''

اگرچہ چھپر میں تاریکی تھی اور پیری کو کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا مگر اسے محسوس ہوا کہ سوالات پوچھتے پستہ قامت سپاہی کے چہرے پر ہلکی سی پرشفقت مسکراہٹ ہوگی اور اس کے ہونٹ سکڑ گئے ہوں گے۔ یوں لگتا تھا جیسے اسے یہ محسوس کر کے افسوس ہو رہا ہے کہ پیری والدین، خصوصاً والدہ کی شفقت سے محروم ہے''

وہ بات آگے بڑھاتے ہوئے بولا'' اچھے مشوروں کیلئے بیوی، عمدہ استقبال کیلئے ساس، مگر والدہ سے زیادہ پیاری ہستی اور کوئی نہیں ہے، بہرحال کیا آپ کے بچے بھی ہیں؟''

پیری نے ایک مرتبہ پھر نفی میں جواب دیا۔

یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے سپاہی کو اس سے دکھ پہنچا ہو، چنانچہ وہ فوراً بولا "جناب فکرمند مت ہوں، ابھی آپ جوان ہیں، خداوند کی مرضی ہوئی تو بچے بھی ہو جائیں گے، بس ذرا افہام و تفہیم سے رہیں"

پیری بول اٹھا "مگر اب کوئی فرق نہیں پڑے گا"

پلاتون نے فوراً جواب دیا "ارے بھائی، کسی کو یہ علم نہیں کہ مستقبل میں کیا ہونے والا ہے، بھکاری کا کشکول ملے گا یا جیل کی دیواریں" وہ چوکڑی مار کر بیٹھ گیا اور کھنکار کر گلا صاف کیا، یوں لگتا تھا جیسے وہ کوئی بڑی داستان سنانا چاہتا ہے۔ پھر وہ کہنے لگا "بہرحال میرے عزیز، میں اپنے گھر میں رہتا تھا، ہمارے حالات خاصے بہتر تھے، زمین بھی تھی اور کسانوں کی حالت بھی خاصی اچھی تھی، جب ہم فصل کاٹنے جاتے تو والد سمیت ہماری تعداد سات ہوتی تھی۔ ہم حقیقی کسان تھے۔ یونہی وقت گزرتا گیا۔۔۔" پلاتون کاراتائیف نے طویل داستان سنانا شروع کر دی کہ کیسے ایک دن وہ سوکھی لکڑیاں جمع کرنے کسی اور شخص کے جنگل میں چلا گیا اور رکھوالے نے اسے پکڑ لیا جس کے بعد اسے کوڑے مارے گئے اور مقدمہ چلانے کے بعد بطور سزا فوج میں بھیج دیا گیا۔ پلاتون نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا "اچھا، تو میرے عزیز، ہم سمجھتے تھے کہ شاید یہ مصیبت آن پڑی ہے مگر یہ الٹا ہمارے لئے اچھا ثابت ہوا۔ اگر میں وہ غلطی نہ کرتا تو میرے بجائے میرے چھوٹے بھائی کو فوج میں جانا پڑتا۔ اس کے پانچ بچے ہیں اور میرے پیچھے صرف بیوی تھی اور ایک بچی میری فوج کو روانگی سے پہلے ہی وفات پا چکی تھی۔ میں ایک مرتبہ چھٹی پر گھر گیا تو دیکھا کہ وہ پہلے سے زیادہ خوشحال تھے۔ باڑے میں مویشیوں کی تعداد بھی پہلے سے زیادہ ہو چکی تھی، گھر پر خواتین تھیں اور دو بھائی روزگار کے سلسلے میں باہر جا چکے تھے۔ صرف سب سے چھوٹا میخائلو گھر پر تھا۔ میرے والد نے مجھ سے کہا "میرے نزدیک تم تمام بچے برابر ہو، خواہ کسی کی انگلی پر زخم آئے، تکلیف میرے دل کو پہنچے گی۔ اگر وہ فوجی بھرتی کیلئے پلاتون کا سر نہ مونڈتے تو میخائلو کو جانا پڑتا۔ اس نے ہم سب کو اکٹھا کر دیا۔۔۔ کیا آپ یقین کریں گے؟۔۔۔ اس نے ہم سب کو مقدس تصاویر کے سامنے کھڑا کر دیا۔ پھر وہ میخائلو سے کہنے لگا 'ادھر آؤ اور اس کے قدموں پر جھک جاؤ، اور ہاں اے لڑکی تم بھی سر جھکاؤ، میرے پوتو تم بھی سمجھ چکے ہو گے؟'۔۔۔ تو جناب بات کچھ ایسی ہے۔ قسمت کی کچھ اپنی وجوہات ہوتی ہیں۔ ہماری عادت ہے کہ ہم ہر وقت حرف زنی کرتے رہتے ہیں اور شکایات کی بھرمار کر دیتے ہیں۔ یہ اچھا رویہ نہیں، غلط ہے، ہماری خوشی مچھلیاں پکڑنے کے جال کی طرح ہے، جال کو کھینچیں گے تو یہ پھیل جائے گا، باہر نکالیں گے تو خالی ہو گا، بس اتنا ہی ہے"

بات ختم کرنے کے بعد پلاتون گھاس پھونس پر پہلو بدل کر بیٹھ گیا۔

کچھ توقف کے بعد وہ اٹھا اور کہنے لگا "میرا خیال ہے کہ آپ کو نیند آ رہی ہے، پھر اس نے اپنے سینے پر صلیب کا نشان بنایا اور کہنے لگا "آقا یسوع مسیح، مقدس ولی نکولا، فرولا اور لاورا، آقا یسوع مسیح، مقدس ولی نکولا، فرولا اور لاورا، آقا یسوع۔۔۔ سب پر رحم کر اور ہمیں بچا لے" وہ نیچے جھکا اور آہ بھرنے کے بعد دوبارہ گھاس پر بیٹھ گیا۔ وہ بڑبڑایا "بس ایسے ہی ہے، اے خداوند مجھے پتھر کی مانند لٹا اور تازہ روٹی کی طرح اٹھا" وہ نیچے لیٹ گیا اور کوٹ سے اپنا بدن ڈھانکنے لگا۔

پیری نے پوچھا "تم یہ کونسی دعا پڑھ رہے تھے؟"

پلاتون کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں۔ وہ بولا "ہاں؟ میں کیا کہہ رہا تھا؟ میں خداوند سے دعا مانگ رہا تھا، کیا آپ نہیں مانگتے؟"

پیری نے کہا "ضرور، مانگتا ہوں، مگر تم نکولا، فرولا اور لاورا وغیرہ کہہ رہے تھے، یہ کیا ہے؟"

پلاتون نے فوری جواب دیا "ہاں ہاں، وہ گھوڑے کے محافظ ولی ہیں، ہمیں جانوروں پر بھی رحم کرنا چاہئے۔ ذرا اس چھوٹی سے بدذات کتیا کو ہی دیکھیں، بالکل سکڑی سمٹی ہوئی ہے۔ چھوٹی سی کتیا سمٹ کر اپنے جسم کو گرمی پہنچانے کی کوشش کر رہی ہے" کاراتائیف نے اپنے پاؤں کے قریب لیٹی کتیا کا جسم سہلایا اور ایک مرتبہ پھر پہلو بدل کر لیٹ گیا۔

دور کہیں چیخنے چلانے اور شور شرابے کی آوازیں سنائی دیں۔ چھپر میں بنے سوراخوں سے آگ کی چمک دکھائی دے رہی تھی مگر چھپر میں خاموشی اور سکون تھا۔ پیری کافی دیر تک پہلو بدلتا رہا، اسے نیند نہیں آ رہی تھی البتہ وہ اندھیرے میں اپنے قریب لیٹے پلاتون کاراتائیف کے بلند خراٹے سنتا رہا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے تباہ حال دنیا ایک مرتبہ پھر اس کی روح میں بیدار ہو رہی ہے تاہم اب اس میں ایک نیا حسن پیدا ہو گیا تھا اور وہ پہلے سے زیادہ پائیدار تھی۔

(13)

پیری نے جس چھپر میں ایک ماہ گزارا وہاں موجود دیگر قیدیوں میں تیئس سپاہی، تین افسر اور دو سول عہدیدار تھے۔

بعدازاں جب وہ انہیں یاد کرنے کی کوشش کرتا تو اس کے نگاہوں کے سامنے ان کی دھندلی سی شکلیں ابھرتیں مگر کاراتائیف کی یاد اس کے دل پر نقش ہو چکی تھی۔ اسے وہ واضح طور پر یاد تھا اور یہ یاد اس کا قیمتی سرمایہ بن چکی تھی۔ وہ روسی نرمی اور گول مٹول پن کا نمونہ تھا۔ اگلے دن روشنی ہوئی تو پیری نے پلاتون کی طرف دیکھا جس سے اس کے اس تاثر کی تصدیق ہو گئی کہ وہ گول مٹول سا شخص ہو گا۔ اس نے فرانسیسی فوجی کوٹ پہن رکھا تھا جس کے اردگرد پٹی کے طور پر رسی باندھ رکھی تھی۔ اس کے سر پر ٹوپی تھی جبکہ پاؤں میں درخت کی چھال سے بنے جوتے تھے۔ اس کا تمام جسم گول مٹول تھا۔ سر، پشت، سینہ اور بازوؤں کے علاوہ اس کی دوستانہ مسکراہٹ اور آنکھیں بھی گول دکھائی دیتی تھیں۔

پلاتون نے تجربہ کار فوجی کی حیثیت سے جن مہمات میں شرکت کی تھی اور ان کے بارے جو داستانیں سنائی تھیں ان سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ پچاس برس سے زائد عمر کا ہے۔ اسے خود اپنی عمر کا کوئی اندازہ نہ تھا اور یہ اندازہ قائم کرنا اس کے بس کی بات بھی نہ تھی۔ اس کے سفید دانت ٹھیک ٹھاک تھے اور مسکرانے پر وہ نیم دائروں کی صورت میں دکھائی دیتے تھے۔ اس کی داڑھی یا سر کا کوئی بال سفید نہیں تھا اور اس کے جسم کو دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے وہ بیحد قوی اور سختیاں جھیلنے کا عادی ہے۔

اس کے چہرے پر باریک جھریاں نمودار ہونے کے باوجود جوانی اور معصومیت جھلکتی تھی اور جب وہ بات کرتا تو سپاٹ چہرے کے باوجود اس کی گفتگو نہایت بھلی معلوم ہوتی تھی۔ اس کی باتوں میں بیساختگی تھی اور یہی اس کی سب سے بڑی خصوصیت کہی جا سکتی تھی۔ یہ امر واضح تھا کہ وہ جو کچھ کہتا یا کہنے کی کوشش کرتا اس میں اس کی سوچ کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ سننے والے اس کی تیز گفتگو اور برجستہ پن کی تاب نہ لا سکتے اور اس کی حمایت پر مجبور ہو جاتے تھے۔

قید کے ابتدائی عرصہ میں اس نے کچھ ایسی جسمانی طاقت اور پھرتی کا مظاہرہ کیا جسے دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے وہ کبھی تھکاوٹ یا بیماری کا شکار نہیں ہوا۔ وہ ہر رات سونے سے پہلے دعا کرتا "اے خداوند مجھے پتھر کی طرح لٹا اور تازہ روٹی کی طرح اٹھا" ہر صبح اٹھنے کے بعد وہ کندھے جھٹکتا اور کہتا "لیٹنے لگو تو سکڑ جاؤ اور اٹھو تو کندھے جھٹکو" حقیقت بھی یہی تھی

کہ جب وہ لیٹتا تو پتھر کی طرح ہو جاتا اور اسے اپنے اردگرد کی کوئی خبر نہ رہتی، جاگنے پر وہ اپنے جسم کو چند جھٹکے دیتا اور بعینہ اسی طرح فوراً ہر کام کرنے کو تیار ہو جاتا جس طرح بچے آنکھیں کھولتے ہی کھیل کیلئے تیار ہو جاتے ہیں۔ وہ ہر کام جانتا تھا اور اگرچہ اس کا کام کچھ ایسا عمدہ نہ ہوتا تھا تاہم اسے برا بھی نہیں کہا جا سکتا تھا۔ وہ سبزیاں اور گوشت بھونتا، روٹیاں تیار کرتا، کپڑے سیتا، لکڑی پر رندہ چلاتا اور جوتوں کی مرمت میں مصروف رہتا۔ وہ صرف رات کے وقت ہی باتیں کرتا تھا اور اس میں اسے بیحد لطف آتا اس کے ساتھ ساتھ وہ گانے کا بھی شوقین تھا۔ وہ گویوں کی طرح نہیں گاتا تھا جنہیں علم ہوتا ہے کہ ان کا گانا سنا جا رہا ہے بلکہ وہ پرندوں کی طرح چہچہاتا تھا کیونکہ اس کیلئے یہ آوازیں نکالنا اسی قدر ضروری تھا جس قدر کسی کیلئے انگڑائی لینا یا چہل قدمی کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اس کے حلق سے نکلنے والی آوازیں میٹھی، غمناک اور تقریباً عورتوں جیسی ہوتی تھیں اور اس موقع پر اس کا چہرہ سنجیدہ ہو جاتا۔

وہ قید کے دن گزار رہا تھا اور اس نے اپنی داڑھی بڑھا لی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ اپنے اوپر لادی جانے والی ہر اجنبی اور فوجی شے سے پیچھا چھڑا چکا ہے اور غیر شعوری طور پر دوبارہ کسانوں جیسے پرانے طور طریقے اختیار کر لئے ہیں۔

وہ اکثر کہتا تھا "میں نے چھٹی پر جانیوالے فوجی کی حیثیت سے اپنی قمیص بر جس سے باہر رکھنا شروع کر دی ہے" اسے بطور فوجی اپنی یادیں تازہ کرنا پسند نہ تھا تاہم اس نے کبھی کوئی شکایت بھی نہ کی تھی اور فخر سے بتاتا تھا کہ فوجی ملازمت کے دوران اسے کبھی کوڑوں کی سزا نہیں دی گئی۔ وہ جو بھی داستان سناتا اس کا تعلق اس کی زندگی کے اس دور سے ہوتا جب وہ اپنے بقول "مسیحی" کی طرح زندگی گزار رہا تھا۔ بظاہر اس کیلئے اپنی کسانوں والی زندگی کی یہ یادیں نہایت قیمتی سرمایہ تھیں۔

اس کی گفتگو میں استعمال ہونیوالے محاورے اور تشبیہات دیگر فوجیوں کی طرح خلاف تہذیب یا غیر اخلاقی ہونے کی بجائے ایسی لوک کہاوتیں ہوتیں جنہیں ان کے پس منظر سے علیحدہ کر دیا جائے تو وہ مفہوم کھو دیتی ہیں تاہم اگر انہیں موقع محل کی مناسبت سے استعمال کیا جائے تو ان سے عقل و دانش ظاہر ہونے لگتی ہے۔

وہ گزشتہ موقع پر کہی ہوئی اپنی بات سے مختلف باتیں کیا کرتا تھا مگر اس کی دونوں باتیں ٹھیک ہوا کرتی تھیں۔
اسے گفتگو کرنا پسند تھا اور وہ بے تحاشہ باتیں کرتا تھا۔ وہ اپنی بات چیت کو پیار محبت کی اصطلاحات اور روایتی محاوروں سے کچھ اس طرح سجاتا کہ پیری کو یوں لگتا جیسے وہ یہ سب کچھ اپنی جانب سے گھڑ رہا ہے۔ اس کی گفتگو کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس کے بیان کردہ انتہائی معمولی واقعات بھی اہم اور خوبصورت معلوم ہونے لگتے تھے، ان میں سے اکثر ایسی باتیں ہوتی تھیں جن پر پیری نے پہلے کبھی دھیان نہیں دیا تھا۔ ایک سپاہی کبھی کبھار دل کھول کر خیالی کہانیاں سناتا، پلاتون یہ کہانیاں سن کر بیحد خوش ہوتا مگر اسے حقیقی زندگی کے واقعات سنانا بیحد پسند تھا۔ جب بھی اسے ایسے واقعات سننے کو ملتے تو وہ خوش ہو جاتا اور مسکرانا شروع کر دیتا۔ کبھی کبھار وہ گفتگو کے بیچ میں ایک آدھ لفظ کہہ دیتا یا کوئی سوال پوچھ لیتا جس کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ وہ بیان کردہ بات میں کوئی خوبصورت اخلاقی پہلو تلاش کرنا چاہتا ہے۔
پیری کی نگاہوں میں وابستگی، دوستی اور پیار کا جو مطلب تھا اس سے کاراتایف واقف نہ تھا تاہم وہ انسانوں کی روزمرہ زندگی سے متعلق ہر شے سے پیار کرتا تھا اور تمام انسانوں سے بلاتفریق اچھا سلوک کرنے کا عادی تھا۔ اسے اپنی کتیا، ساتھیوں، فرانسیسیوں اور اپنے ہمسایے پیری سے بھی محبت تھی۔ تاہم اس کے باوجود یوں لگتا تھا جیسے انہیں ایک دوسرے سے علیحدہ ہونا پڑا تو اسے بالکل دکھ نہ ہوگا اور کاراتایف کے حوالے سے پیری کو بھی یہی محسوس ہوگا۔

دیگر تمام قیدیوں کی نظروں میں کاراتایف معمولی سپاہی تھا اور وہ اسے "چھوٹا باز" یا "پلاتوشا" کہہ کر پکارتے تھے۔ فوجی اس سے بے غرضانہ ہنسی مزاح کرتے اور چھوٹے موٹے کاموں کیلئے اس کی خدمات حاصل کرتے رہتے تھے تاہم پیری کو وہ ہمیشہ اسی طرح لگتا تھا جیسا اس نے پہلی رات محسوس کیا تھا۔ اس کی نگاہوں میں وہ سادگی اور سچائی کا مرقع تھا۔

پلاتون کاراتایف کو اپنی دعاؤں کے سوا کوئی بات یاد نہ تھی۔ وہ جو بات بھی شروع کرتا تو اس کے اختتام کا علم نہیں ہوتا تھا۔

بسا اوقات پیری اس کی باتوں کا مطلب جان کر چونک اٹھتا اور انہیں دوبارہ دہرانے کیلئے کہتا مگر اس نے ایک لمحے قبل جو کچھ کہا ہوتا تھا وہ اسے کبھی یاد نہیں آتا تھا۔ اسی طرح وہ پیری کو اپنے پسندیدہ گانے کے اشعار بھی نہ بتا پایا۔ وہ "میرا اپنا برچ کا چھوٹا درخت" اور "میرا دل بیمار ہے" جیسے الفاظ ضرور ادا کرتا مگر یہ بے ربط اور بے معنی ہوتے تھے۔ وہ پس منظر سے ہٹ کر ادا کئے جانیوالے الفاظ کو سمجھ سکتا تھا نہ اس پر ان کی اہمیت واضح ہوتی تھی۔ اس کی ہر بات اور کام کسی ایسی قوت کا مظہر تھا جسے وہ نہیں جانتا تھا اور یہی اس کی زندگی تھی۔ اس کی اپنی نگاہوں میں علیحدہ وجود کی حیثیت سے اس کی زندگی کوئی معنی نہیں رکھتی تھی۔ اس میں مفاہیم اسی وقت پیدا ہوتے تھے جب یہ زندگی کل کا حصہ بن جاتی اور اسے یہ احساس ہر وقت رہتا تھا۔ اس کے قول و فعل اسی بے ساختگی سے انجام پاتے تھے جس طرح پھول سے خوشبو برآمد ہوتی ہے۔ کسی لفظ یا کام کو مجموعے سے کر کے دیکھا جاتا اس کی قدر و قیمت یا اہمیت کا اسے کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا تھا۔

(14)

شہزادی ماریا کو جب نکولائی کے ذریعے معلوم ہوا کہ اس کا بھائی رستوف خاندان کے ہمراہ یاروسلاول میں ہے تو وہ اپنی خالہ کے منع کرنے کے باوجود فوراً اس کے پاس جانے کو تیار ہو گئی۔ وہ نہ صرف خود وہاں جا رہی تھی بلکہ اپنے بھتیجے کو بھی ساتھ لے جا رہی تھی۔ اس نے سفر کے آسان، مشکل، ممکن یا ناممکن ہونے بارے کوئی بات نہ پوچھی نہ پوچھنے کی کوشش کی اس کے خیال میں زندگی کی آخری ساعتیں بتانے والے اپنے بھائی کے پاس پہنچنا اور اس کے بیٹے کو بھی اس کے پاس پہنچانا اس کا فرض تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے سفر کی تیاری شروع کر دی۔ ماریا کے خیال میں شہزادہ آندرے کے اس سے خود رابطہ نہ کرنے کی وجہ یہ ہو سکتی تھی کہ وہ اتنا کمزور ہو گیا ہوگا کہ اس کیلئے خط لکھنا ممکن نہ رہا ہوگا، دوسری صورت یہ ہو سکتی تھی کہ وہ سوچتا ہوگا کہ اسقدر طویل سفر اس کی بہن کیلئے خطرناک ہو سکتا ہے۔
شہزادی ماریا کی سفری تیاریاں چند روز میں مکمل ہو گئیں۔ اس کا سفری قافلہ بڑی خاندانی گاڑی جس میں وہ وارونیز آئی تھی، ایک چھوٹی گاڑی اور سامان بردار چھکڑے پر مشتمل تھا۔ مادموزیل بورین، نکولشکا، اس کا اتالیق، معمر آیا، تین ملازمائیں، تخن اور ایک نوجوان ملازم اس کے ساتھ تھے۔ ماریا کی خالہ نے ایک پیغام رساں بھی ان کے ساتھ بھیج دیا۔

یاروسلاول کو سیدھا راستہ ماسکو سے ہو کر گزرتا تھا مگر اس راہ سے جانے کا سوچنا بھی خارج از امکان تھا چنانچہ شہزادی ماریا کو جس راستے سے جانا پڑا وہ لیپٹسک، ریازان، ولادیمیر اور شویا سے گزرتا تھا، یہ طویل اور مصائب سے بھرپور راستہ تھا کیونکہ یہاں گھوڑے دستیاب نہیں ہوتے تھے۔ ریازان کے قریب یہ راہ خطرناک بھی ہو سکتی تھی کیونکہ

یہاں فرانسیسیوں کی موجودگی کے بارے میں سنا گیا تھا۔

اس مشکل ترین سفر میں مادموزیل بورین، ڈیسال اور شہزادی ماریا کے ملازمین اس کی ہمت اور قوت دیکھ کر حیران رہ گئے۔ وہ سب سے آخر میں سوتی اور سب سے پہلے اٹھ جاتی، کوئی مشکل اس کی راہ میں حائل نہ ہو سکی۔ یہ اس کی ہمت کا ہی نتیجہ تھا کہ اس کے دیگر ساتھیوں کے حوصلے بھی بلند ہو گئے اور وہ دوسرے ہفتے کے اختتام پر یاروسلاول کے مضافات میں پہنچ گئے۔

وارونیز میں قیام کے آخری دن شہزادی ماریا کی زندگی کے انتہائی خوش کن ایام تھے۔ اسے رستوف سے محبت پر کوئی پشیمانی نہ تھی۔ اس محبت نے ماریا کی روح کو سرشار کر دیا تھا اور یہ اس کی ذات کا اٹوٹ انگ بن چکی تھی۔ اب اسے اس کیفیت کیخلاف جدوجہد کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ ان دنوں اسے یقین ہو گیا تھا کہ وہ محبت کرتی ہے اور اس سے محبت کی جا رہی ہے تاہم اس نے یہ بات کسی اور کو نہیں بتائی تھی۔ نکولائی اپنی آخری ملاقات میں جب اسے یہ بتانے آیا تھا کہ اس کا بھائی رستوف خاندان کے ساتھ سفر کر رہا ہے تو اس نے خود کو اس کا قائل کر لیا تھا۔ اگرچہ شہزادہ آندرے کی نتاشا سے دوبارہ منگنی کا امکان موجود تھا تاہم اس نے اس حوالے سے کوئی بات نہ کی تھی۔ شہزادی ماریا کو اس کے چہرے کے تاثرات سے بخوبی اندازہ ہو گیا کہ وہ اس معاملے پر سوچ رہا ہے۔ اس تمام صورتحال کے باوجود رستوف کے بارے میں اس کا محبت بھرا رویہ نہیں بدلا تھا۔ شہزادی ماریا کو الٹا یہ محسوس ہوتا تھا کہ باہمی خاندانی روابط پر وہ خوش ہے کیونکہ اس طرح اسے اپنی محبت کے آزادانہ اظہار کا موقع مل جاتا تھا۔ اسے علم تھا کہ وہ زندگی میں پہلی مرتبہ وہ کسی سے محبت کرنے لگی ہے اور اسے یہ بھی محسوس ہوتا تھا کہ اس کی محبت کا جواب بھی محبت سے دیا جا رہا ہے۔ اس صورتحال پر وہ بیحد خوش تھی۔

اپنی اندرونی زندگی کے اس پہلو میں خوشی کے باوجود وہ اپنے بھائی کے بارے میں تشویش دور نہ کر سکی۔ اس روحانی اطمینان کا یہ فائدہ ہوا کہ اب وہ اپنے بھائی کی اچھی طرح فکر کر سکتی تھی۔ وارونیز سے روانگی کے وقت اسے اتنی اذیت ہو رہی تھی کہ اسے رخصت کرنیوالوں کو یقین ہو گیا کہ وہ اپنی منزل تک پہنچنے سے پہلے ہی بیمار پڑ جائے گی۔ تاہم دوران سفر اسے جن مشکلات کا سامنا رہا وہ ان سے بطریق احسن نبرد آزما ہوئی اور یوں اس کا دھیان بٹا رہا اور ذہنی قوت حاصل ہو گئی۔

جیسا کہ عموماً دوران سفر دیکھنے میں آتا ہے، شہزادی ماریا بھی سفر ہی کے بارے میں سوچتی رہتی تھی اور اس سفر کا مقصد اس کے ذہن سے نکل گیا تھا مگر جب وہ یاروسلاول کے قریب پہنچے تو یہ خیال اس کیلئے وبال جان بن گیا کہ جہاں وہ جا رہی ہے وہاں نجانے کیسے حالات پیش آئیں۔

ماریا نے یاروسلاول میں رستوف خاندان کی رہائش اور شہزادہ آندرے کی طبیعت کے بارے میں اطلاع حاصل کرنے کیلئے ایک شخص کو پہلے ہی آگے بھیج دیا تھا۔ جب اس کی بھاری گاڑی قصبے کے دروازے سے اندر داخل ہونے لگی تو قاصد واپس آتا دکھائی دیا۔ اس نے شہزادی ماریا کا متوحش چہرہ دیکھا تو وہ ہکا بکا رہ گیا۔

قاصد نے بتایا "حضور! میں نے تمام معلومات حاصل کر لی ہیں۔ رستوف خاندان چوراہے میں واقع برونیکوف نامی تاجر کے مکان میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ یہ مکان وولگا دریا کی دائیں جانب قریب ہی واقع ہے۔"

شہزادی ماریا کانپ رہی تھی اور اس نے قاصد کے چہرے پر سوالیہ نگاہیں گاڑ رکھی تھیں۔ وہ یہ بات نہیں سمجھ پا رہی تھی کہ اسے جس خبر کا انتظار ہے وہ اس سے آگاہ کیوں نہیں کر رہا، وہ میرے بھائی کے بارے میں کیوں نہیں بتا رہا۔

اس کی جگہ مادموزیل نے سوال کیا "اور شہزادہ؟"

قاصد نے جواب دیا "جناب عالی بھی اسی مکان میں ٹھہرے ہوئے ہیں"

شہزادی ماریا نے سوچا "اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ زندہ ہیں" پھر اس نے دھیمی آواز میں قاصد سے پوچھا "ان کی صحت کیسی ہے؟"

قاصد کہنے لگا "نوکر بتلاتے ہیں کہ ان کی حالت پہلے جیسی ہی ہے"

شہزادی ماریا اس کی بات سن کر خاموش ہو گئی۔ اس نے اپنے سامنے بیٹھے سات سالہ نکولشکا کو جلت سے دیکھا جو قصبے کو دیکھ کر خوش ہو رہا تھا اور اپنا سر جھکا لیا۔ جب تک ڈگمگاتی گاڑی رک نہ گئی اس وقت تک وہ سر جھکائے بیٹھی رہی۔ گاڑی کے پائیدان نیچے ہونے کی آواز سنائی دی۔

گاڑی کا دروازہ کھل گیا۔ بائیں طرف چوڑے دریا کا پانی بہہ رہا تھا اور دائیں جانب مکان کی ڈیوڑھی تھی۔ دروازے پر چند لوگ کھڑے تھے جن میں کچھ نوکر اور ایک نوجوان لڑکی نظر آ رہی تھی۔ لڑکی کا چہرہ گلابی تھا اور اس کے کالے بال گندھے ہوئے تھے۔ وہ مسکرا رہی تھی۔ شہزادی ماریا کو اس کی مسکراہٹ ناگوار طور پر مصنوعی معلوم ہوئی (یہ لڑکی سونیا تھی) شہزادی ماریا نے تقریباً بھاگتے ہوئے سیڑھیاں عبور کیں۔ لڑکی نے اسی مصنوعی مسکراہٹ سے کہا "اندر آ جائیں" شہزادی ماریا ایک ہال میں پہنچ گئی۔ اس کے سامنے ایک ادھیڑ عمر خاتون تیز قدم اٹھاتی اس کا خیر مقدم کرنے آ رہی تھی۔ اس کے خدوخال مشرقی انداز کے حامل تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ اسے دیکھ کر بیحد متاثر ہوئی ہے۔ یہ بیگم رستوف تھی۔ اس نے شہزادی ماریا کو گلے لگا لیا اور اس کے بوسے لینا شروع کر دیئے۔

بیگم رستوف کہنے لگی "میری بچی، میں تمہیں بے حد چاہتی ہوں اور تمہیں بہت عرصہ سے جانتی ہوں" اپنی بے چین کیفیت کے باوجود شہزادی ماریا کو اندازہ ہو گیا کہ یہ بیگم رستوف ہے اور اسے اس سے ہر صورت کچھ نہ کچھ کہنا ہو گا۔ نجانے کیسے اس نے اسی شائستگی سے فرانسیسی میں چند باتیں کہہ دیں جس انداز میں خود اسے مخاطب کیا گیا تھا۔

ماریا نے پوچھا "ان کا کیا حال ہے؟"

بیگم بولی "ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں" یہ کہتے ہوئے وہ اوپر دیکھنے لگی اور اس انداز نے اس کی بات کی تردید کر دی۔

شہزادی ماریا نے پوچھا "وہ کہاں ہیں؟ کیا میں ان سے مل سکتی ہوں؟"

بیگم کہنے لگی "کیوں نہیں شہزادی، کیوں نہیں! یہ ان کا بیٹا ہے؟ ہم سب کی رہائش کا بندوبست کر لیں گے یہ مکان بہت بڑا ہے" پھر وہ نکولشکا کی جانب متوجہ ہو کر بولی "ارے کتنا خوبصورت بچہ ہے"

بیگم رستوف شہزادی ماریا کو ڈرائنگ روم میں لے گئی جہاں سونیا مادموزیل بورین سے محو گفتگو تھی۔ بیگم بچے سے پیار کرنے لگی۔ نواب رستوف بھی شہزادی ماریا کو خوش آمدید کہنے چلا آیا۔ شہزادی ماریا نے جب اسے آخری مرتبہ دیکھا تھا تو وہ چست اور متحرک تھا تاہم اب اس میں خاصی تبدیلیاں رونما ہو چکی تھیں۔ وہ پہلے کی نسبت بوڑھا دکھائی دے رہا تھا اور چہرے سے پریشانی عیاں تھی۔ شہزادی ماریا سے بات چیت کرتے وقت وہ اپنے اردگرد یوں دیکھتا رہا جیسے لوگوں سے پوچھ رہا ہو کہ کیا میں ٹھیک کہہ رہا ہوں؟ ماسکو اور اپنی جائیداد سے ہاتھ دھونے کے بعد اسے اپنے معمولات سے جس طرح ہٹنا پڑا تھا اس کا اس نے خاصا اثر لیا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے وہ اپنی اہمیت کے احساس سے بھی محروم ہو چکا ہو اور اس کا خیال ہو کہ زندگی میں اب اس کیلئے کوئی مزید مقام باقی نہیں رہا۔

شہزادی ماریا بیحد مضطرب تھی اور جلد از جلد اپنے بھائی کے پاس پہنچ جانا چاہتی تھی۔ اسے غصہ آ رہا تھا کہ یہ

لوگ اس کی اپنے بھائی سے ملاقات کی راہ میں رکاوٹ بن گئے ہیں اور اسے خوش کرنے کی کوششوں کے ساتھ ساتھ اس کے بھتیجے کی بھی جھوٹی تعریفوں میں مشغول ہیں۔ ان تمام باتوں کے باوجود اسے احساس ہوا کہ اس نئے ماحول سے سمجھوتہ کرنا ہی مناسب ہوگا۔ وہ جانتی تھی کہ اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ اگرچہ ایسا کرنا اس کیلئے خاصا اذیت ناک تھا مگر اسے ان لوگوں سے کوئی عداوت نہ تھی۔

نواب نے سونیا کو ماریا سے متعارف کراتے ہوئے کہا "یہ میری بھانجی ہے، میرا خیال ہے کہ آپ اس سے کبھی نہیں ملی ہوں گی"

شہزادی ماریا سونیا کی طرف متوجہ ہوئی اور اس کیخلاف اپنے دل میں بغض کی کیفیت دباتے ہوئے اس کا بوسہ لے لیا۔ ماریا کو محسوس ہو رہا تھا کہ اس کی دلی کیفیت اور دائیں بائیں موجود لوگوں کی ذہنی حالت آپس میں کسی طور مطابقت نہیں رکھتیں۔

اس نے تمام لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "وہ کہاں ہیں؟"

سونیا نے جواب دیا "وہ نچلی منزل پر ہیں اور نتاشا ان کے پاس موجود ہے۔ ہم نے یہ جاننے کیلئے ملازمہ کو اس طرف بھیجا ہے کہ آیا اس وقت ان سے ملاقات ہو سکتی ہے یا نہیں، آپ تھک گئی ہوں گی" نتاشا اور آندرے کے ذکر پر سونیا کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

شہزادی ماریا جھنجھلا گئی اور اس نے منہ پھیر لیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ وہ بیگم سے آندرے کے کمرے کے بارے میں پوچھنا چاہتی تھی کہ دروازے کے قریب قدموں کی ہلکی سی چاپ سنائی دی۔ شہزادی نے مڑ کر دیکھا اور اسے نتاشا نظر آئی جسے کافی عرصہ پہلے ماسکو میں ملاقات کے دوران اس نے سخت ناپسند کیا تھا۔ وہ تقریباً دوڑتی ہوئی کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔

ماریا نتاشا پر سرسری نگاہ ڈالتے ہی جان گئی کہ دکھ کی اس کیفیت میں وہی اس کی سچی دوست ہے چنانچہ وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور بھاگتے ہوئے اس کے پاس جا پہنچی۔ ماریا نے نتاشا کے کندھے پر سر رکھ کر رونا شروع کر دیا۔

آندرے کے سرہانے بیٹھی نتاشا کو جونہی شہزادی ماریا کی آمد کا علم ہوا تھا تو وہ خاموشی سے اٹھ کر تیز قدموں سے اس کے پاس چلی آئی تھی۔

جب وہ بھاگتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آئی تو اس کے بے چین چہرے پر صرف محبت کا ہی تاثر نمایاں تھا اور یہ تاثر اس بے پناہ محبت کا تھا جو اسے آندرے سے تعلق رکھنے والی ہر شے کے ساتھ محسوس ہوتی تھی۔ یہ تاثر دردمندی، دوسروں کیلئے تکالیف جھیلنے کے جذبے اور ان کی ہر ممکن خدمت کرنے کی خواہش سے بھرپور تھا۔ یہ امر عیاں تھا کہ اس وقت نتاشا اپنی ذات یا شہزادہ آندرے سے اپنے تعلقات کے بارے میں بالکل نہیں سوچ رہی تھی۔

اپنے حساس وجدان کی بدولت شہزادی ماریا نے تمام کیفیت بھانپ لی اور اس کے کندھے پر سر رکھ کر یوں روتی رہی کہ اس کے دکھ کا اظہار ہونے کے ساتھ ساتھ دل کو سکون بھی ملنے لگا۔

نتاشا بولی "میری، آؤ ان کے پاس جائیں" پھر وہ اسے دوسرے کمرے کی جانب لے گئی۔

شہزادی ماریا نے اپنا سر اٹھایا، آنکھیں پونچھیں اور ایک مرتبہ پھر نتاشا کی جانب دیکھا۔ اسے یوں لگا کہ وہ اس سے سب کچھ معلوم کر لے گی اور سب کچھ جان جائے گی۔

ماریا نے پوچھا "کیسے۔۔۔" تاہم اس کی بات بیچ میں ہی رہ گئی۔

اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے سوال اور اس کے جواب کو الفاظ کا روپ دینا ممکن نہیں اور وہ جو کچھ جاننے کی خواہشمند ہے اسے نتاشا کا چہرہ اور آنکھیں زیادہ بہتر انداز میں بتا سکتی ہیں۔

نتاشا اسے دیکھے جا رہی تھی مگر ایسا لگتا تھا جیسے وہ ڈر رہی ہے کہ کیا اسے ماریا کو سب کچھ بتا دینا چاہئے یا نہیں۔ ایسا لگ رہا تھا کہ ان روشن آنکھوں کے سامنے مکمل سچائی بیان نہ کرنا ممکن نہ ہوگا۔ اچانک اس کے ہونٹ کپکپائے اور چہرے پر بھونڈی لکیریں نمودار ہو گئیں جنہوں نے اس کا حلیہ بگاڑ دیا تھا۔ اس نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے ڈھک لیا اور سسکیاں بھرنے لگی۔

شہزادی ماریا نے اس کی بات سمجھ لی۔ مگر اب بھی اس کی کچھ امید باقی تھی چنانچہ اس نے پوچھ لیا "ان کا زخم کیسا ہے؟ بظاہر وہ کیسے دکھائی دیتے ہیں؟"

نتاشا نے صرف اتنا کہا "آپ۔۔۔ آپ خود دیکھ لیں گی"

وہ اپنے آنسو روکنے اور حالت بحال کرنے کیلئے کچھ دیر نچلی منزل کے اسی کمرے میں بیٹھی رہیں۔ شہزادی ماریا نے پوچھا "ان کی بیماری کا معمول کیا ہے؟ زخم کب خراب ہوا؟"

نتاشا نے اسے بتایا کہ ابتداء میں شدید بخار اور درد کے باعث ان کی حالت تشویشناک ہو گئی تھی مگر جب وہ ٹروئٹسا پہنچے تو حالت میں بہتری کے آثار نظر آئے۔ اس وقت ڈاکٹر کو زیادہ اندیشہ نہ تھا اور پھر بقیہ خطرات بھی ٹل گئے مگر یاروسلاول پہنچنے کے بعد زخم میں ایک مرتبہ پھر پیپ پڑ گئی اور ڈاکٹر نے بتایا کہ یہ عمل اپنی فطری مدت کے بعد ختم ہو جائے گا۔ بعد ازاں بخار ہونے لگا مگر ڈاکٹر کا خیال تھا کہ یہ بھی اتنا خطرناک نہیں ہے۔

نتاشا نے کچھ توقف کیا اور سسکیاں روکتے ہوئے بولی "مگر دو دن پہلے ان کی اچانک یہ کیفیت ہو گئی، نجانے کیوں مگر میرا مطلب ہے کہ آپ خود دیکھ لیں گی"

شہزادی ماریا نے پوچھا "کیا وہ بیحد کمزور ہو گئے ہیں؟"

نتاشا نے جواب دیا "نہیں، ایسی بات نہیں، صورتحال بیحد خراب ہے، آپ دیکھ لیں گے، ماریا وہ بیحد اچھے ہیں، وہ زندہ نہیں رہیں گے نہیں رہیں گے کیونکہ۔۔۔"

(15)

نتاشا نے معمول کے مطابق دروازہ کھولا اور شہزادی ماریا کو پہلے اندر داخل ہونے دیا۔ شہزادی کی ہچکیاں نکل گئیں اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اگرچہ اس نے خود کو تیار کرنے کی بیحد کوشش کی تھی اور اب بھی اس کی یہی کوشش تھی کہ اس کے جذبات میں انتشار پیدا نہ ہو تاہم اسے علم ہو گیا تھا کہ آندرے کو دیکھنے کے بعد وہ اپنے آنسوؤں پر قابو نہ پا سکے گی۔

وہ نتاشا کی اس بات کا مطلب بخوبی سمجھ گئی تھی کہ "ان کی اچانک یہ کیفیت ہو گئی" اس نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ آندرے اچانک کمزور پڑ گیا اور اس کے مزاج میں ایسی نرمی دکھائی دینا اس امر کا اشارہ تھی کہ اس کا آخری وقت قریب ہے۔ دروازے کی جانب بڑھتے ہوئے اس نے تصور میں اپنے بچپن کے آندریوشا کی شکل یاد کی۔ اس وقت اس کے چہرے پر نرمی، ملائمت اور دردمندی نظر آتی تھی مگر بعد میں یہ کیفیت ختم ہو گئی۔ کبھی کبھار اس کے چہرے پر ایسا تاثر دیکھنے کو ملتا تو وہ بیحد متاثر ہوتی۔ اسے علم تھا کہ موت سے قبل اس کے والد نے اس سے جس طرح پیار بھرے

انداز میں باتیں کی تھیں، وہ بھی ایسا ہی کرے گا اور وہ یہ برداشت نہ کرتے ہوئے اس کی موجودگی میں ہی زار و قطار رونا شروع کر دے گی۔ اس نے سوچا "کبھی نہ کبھی تو ایسا ہوتا ہی ہے" اور پھر کمرے میں چلی گئی۔ جوں جوں وہ شہزادہ آندرے کو پہچانتی گئی توں توں اس کی سسکیاں بھی بلند ہوتی چلی گئیں۔ پھر اسے اس کا چہرہ دکھائی دیا اور نگاہوں سے نگاہیں مل گئیں۔

وہ بستر پر تکیوں کے سہارے لیٹا تھا۔ اس نے گلہری کی کھال کے استر والا لباس پہن رکھا تھا اور بیحد لاغر ہو چکا تھا۔ اس کے چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی۔ اس نے اپنے دبلے پتلے ہاتھ میں رومال تھام رکھا تھا اور دوسرے ہاتھ کی مدد سے باریک مونچھوں کو سہلانے میں مصروف تھا جو اس نے کچھ عرصہ پہلے بڑھالی تھیں۔ جب دونوں اندر آئیں تو وہ ان کی طرف دیکھنے لگا۔

شہزادی ماریا نے اسے دیکھا تو اس کی رفتار دھیمی پڑ گئی اور آنسو خشک ہو گئے۔ جونہی اس نے آندرے کی آنکھوں کے تاثرات دیکھے تو وہ سہم گئی اور خود کو قصوروار سمجھنا شروع کر دیا۔

ماریا نے دل میں سوچا "مگر میرا قصور کیا ہے؟" پھر اسے آندرے کی سرد نگاہیں یہ کہتی محسوس ہوئیں "کیونکہ تم زندہ ہو اور زندوں کے بارے میں سوچ رہی ہو جبکہ میں۔۔۔"

جب وہ نتاشا اور اپنی بہن کی طرف دیکھ رہا تھا تو اس کی گہری نظروں میں مخاصمت پر مبنی تاثر جھلک رہا تھا جو بظاہر کسی بیرونی شے کی بجائے اس کی اپنی ذات پر مرکوز دکھائی دیتی تھیں۔

اس نے پرسکون اور لاتعلق آواز میں پوچھا، میری، تمہارا کیا حال ہے؟ تم یہاں کیسے پہنچیں؟

اگر وہ یوں چیختا جیسے ہر شے سے مایوس ہو گیا ہو تو ماریا اتنی خوفزدہ نہ ہوتی جتنا اس کا لہجہ سن کر ہوئی۔ پھر اس نے اسی پرسکون اور ٹھہرے لہجے میں پوچھا "نکولشکا کو ساتھ لائی ہو؟" یہ بات عیاں تھی کہ وہ اپنی یادداشت پر زور دینے کی کوشش کر رہا ہے۔

شہزادی ماریا نے پوچھا "آپ کا کیا حال ہے؟" اسے اپنی بات پر خود ہی حیرانی ہو رہی تھی۔

آندرے نے جواب دیا "یہ سوال ڈاکٹر سے پوچھو" بظاہر وہ خوش خلقی کا مظاہرہ کرنے کی سعی کر رہا تھا اور صرف ہونٹوں سے گفتگو کر رہا تھا (یہ بات صاف ظاہر تھی کہ باتیں اس کے دل سے نہیں نکل رہی تھیں)

اس نے ماریا سے کہا "پیاری بہن، آنے کا شکریہ"

شہزادی ماریا نے اس کا ہاتھ دبایا۔ وہ دباؤ برداشت نہ کر پایا اور اسے جھرجھری آ گئی۔ وہ خاموش تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ ماریا سے کیا کہے۔ وہ اس میں دو روز پہلے پیدا ہونے والی تبدیلی جان گئی تھی۔ اس کے الفاظ، لہجے، مخاصمانہ نگاہیں اور دنیا کی تمام چیزوں سے بیگانہ پن صاف محسوس کیا جا سکتا تھا جو زندہ لوگوں کو بیحد خوفناک لگتا ہے۔ یہ بات ظاہر تھی کہ وہ زندہ چیزوں کو نہیں سمجھ سکتا اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم ہوتا تھا کہ وہ انہیں سمجھنے میں اس لئے ناکام نہیں ہوا کہ اس صلاحیت سے محروم کیا ہے بلکہ اسے کوئی ایسی بات سمجھ آنا شروع ہو گئی ہے جو زندہ لوگوں کو سمجھ نہیں آتی اور وہ سمجھ بھی نہیں سکتے۔ اس شے میں وہ مکمل طور پر جذب ہو چکا ہے۔

آندرے نے خاموشی توڑی اور نتاشا کی جانب اشارہ کر کے ماریا سے کہنے لگا "تم دیکھ رہی ہو کہ قدرت نے ہمیں کیسے عجیب و غریب حالات میں ملا دیا ہے۔ یہ میرا ہر وقت خیال رکھتی ہے"

شہزادی ماریا نے اس کی بات سنی تاہم اسے یقین نہ آیا کہ شہزادہ آندرے جیسا نرم دل شخص اس لڑکی کے

بارے میں ایسی بات کیسے کہہ سکتا ہے جس سے اس محبت ہے اور وہ بھی اس سے محبت کرتی ہے۔ اگر اسے زندہ رہنے کی امید اور خواہش ہوتی تو وہ یہ باتیں ایسے سرد لہجے میں کبھی نہ کہہ پاتا۔ اگر اسے یہ علم نہ ہوتا کہ اس کی موت قریب آ چکی ہے تو وہ اس کے بارے میں ہمدردی محسوس کرنے میں کیسے ناکام رہ سکتا تھا اور اس کی موجودگی میں ایسی بات کیونکر کہہ سکتا تھا؟ ماریا کے خیال میں ان باتوں کی ایک ہی وجہ ہو سکتی تھی اور وہ یہ کہ آندرے ہر چیز سے لاتعلق ہو چکا ہے کیونکہ اس نے ان سے زیادہ اہمیت کی حامل کوئی بات جان لی ہے۔

ان کی باہمی گفتگو بے قاعدہ اور غیر جذباتی تھی اور اس میں خواہ مخواہ بار بار وقفہ آ جاتا تھا۔

نتاشا کہنے لگی "میری ریازان کے راستے سے آئی ہے"

شہزادہ آندرے کو یہ احساس ہی نہ ہوا کہ نتاشا نے اس کی بہن کو میری کہہ کر پکارا ہے اور خود نتاشا کو بھی اس کا احساس آندرے کی موجودگی میں اسے میری کہنے کے بعد ہوا۔

آندرے نے پوچھا "کیا واقعی؟"

نتاشا نے کہا "لوگوں کی زبانی اسے علم ہو گیا تھا کہ ماسکو جل کر راکھ ہو چکا ہے اور اس کی حالت ایسی ہے جیسے۔۔۔"

نتاشا ٹھہر گئی، گفتگو جاری رکھنا ممکن نہیں تھا کیونکہ شہزادہ آندرے بظاہر باتیں سننے کی کوشش کر رہا تھا مگر اسے کامیابی نہیں ہو رہی تھی۔

وہ کہنے لگا "ہاں سنا ہے کہ وہ جل گیا ہے، یہ بیحد برا ہوا" یہ کہتے ہوئے وہ اپنے سامنے دیکھنے اور بے دھیانی میں مونچھیں سہلانے میں مصروف رہا۔

شہزادہ آندرے نے اچانک کہا "اچھا میری، تو تم نواب نکولائی سے مل چکی ہو؟ اس نے یہاں خط بھیجا اور لکھا تھا کہ وہ تمہیں بیحد پسند کرتا ہے" یوں لگتا تھا جیسے وہ ان کا دل رکھنے کیلئے کچھ نہ کچھ کہنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا "اگر تمہیں بھی وہ پسند ہے تو یہ بیحد اچھی بات ہو گی اور تم اس سے شادی کر سکو گی" ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے زندہ لوگوں کیلئے اس کے الفاظ جس طرح پیچیدہ ہیں وہ انہیں سمجھنے سے قاصر ہے۔ وہ خوش تھا کہ اسے یہ بات کہنے کیلئے الفاظ مل گئے ہیں۔

ماریا نے اس کی بات سن لی مگر اسے ان الفاظ سے یہی اندازہ ہوا کہ وہ دنیاوی باتوں سے کتنا دور ہو گیا ہے۔

شہزادی ماریا بولی "میرے بارے میں کچھ کہنے کی کیا ضرورت تھی؟" اس نے نتاشا کو سرسری نگاہوں سے دیکھا۔

نتاشا جانتی تھی کہ وہ اسے دیکھ رہی ہے مگر اس نے خود مڑ کر اس کی طرف نہ دیکھا۔ تینوں ایک مرتبہ پھر خاموش ہو گئے۔

شہزادی ماریا نے اچانک لڑکھڑاتی آواز میں کہا "آندرے کیا آپ پسند کریں گے۔۔۔ نکولشکا سے ملنا پسند کریں گے؟ وہ ہمیشہ آپ کے بارے میں باتیں کرتا رہتا ہے"

شہزادہ آندرے کے چہرے پر پہلی مرتبہ ہلکی سی مسکراہٹ دکھائی دی مگر شہزادی ماریا جو اسے اچھی طرح جانتی تھی یہ دیکھ کر خوفزدہ ہو گئی کہ اس مسکراہٹ سے بیٹے کیلئے محبت کا اظہار ہونے کی بجائے شریفانہ طنز ظاہر ہو رہا ہے۔ اسے سمجھ آ گئی کہ وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ تم نے میرے جذبات جگانے کیلئے آخری طریقہ آزما ہی لیا"

ماریا کی بات کے جواب میں آندرے نے کہا "ہاں، مجھے نکولشکا کو دیکھ کر دلی خوشی ہوگی، کیا وہ ٹھیک ہے؟"

جب نکولشکا کو شہزادہ آندرے کے پاس لایا گیا تو وہ خوفزدہ نگاہوں سے اپنے باپ کے چہرے کی جانب دیکھنے لگا۔ چونکہ کمرے میں موجود کوئی اور شخص نہیں رو رہا تھا اس لئے وہ بھی خاموش رہا۔ شہزادہ آندرے نے اس کا بوسہ لیا مگر اسے یہ معلوم نہ تھا کہ اب کیا کہنا چاہئے۔

جب وہ بچے کو وہاں سے لے گئیں تو ماریا ایک مرتبہ پھر اپنے بھائی کے پاس آئی اور اس کا منہ چوما۔ اب اس کیلئے آنسو روکے رکھنا ممکن نہیں تھا اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع ہوگئی۔

آندرے اسے بغور دیکھنے لگا۔

اس نے ماریا سے پوچھا "کیا تم نکولشکا کیلئے رو رہی ہو؟"

شہزادی ماریا نے روتے روتے اپنا سر ہلایا۔

آندرے نے کہا "میری، کیا تمہیں انجیل۔۔۔" اس نے بات درمیان میں ہی روک دی۔

ماریا نے پوچھا "آپ کیا کہہ رہے تھے؟"

آندرے نے سرد نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا "کچھ نہیں۔ تمہیں یہاں نہیں رونا چاہئے"

☆☆☆

جب شہزادی ماریا رو رہی تھی تو وہ جان گیا کہ وہ اسلئے رو رہی ہے کہ نکولشکا اپنے باپ سے محروم ہو جائے گا۔ اس نے بھرپور کوشش کر کے زندگی کی طرف دوبارہ لوٹنے حالات کا ان کے نقطہ نظر سے جائزہ لینے کی کوشش کی۔

اس نے سوچا "ہاں، انہیں یہ کتنا افسوسناک معلوم ہوگا مگر بات کتنی سادہ ہے"

اس نے خود کلامی کرتے ہوئے کہا "پرندے نہ بیج بوتے ہیں نہ فصل کاٹتے ہیں مگر پھر بھی خدا انہیں خوراک دیتا ہے" وہ یہی بات شہزادی ماریا سے بھی کہنا چاہتا تھا مگر اس نے سوچا کہ "وہ اسے اپنے انداز سے سمجھنے کی کوشش کرے گی اور بات کی تہہ تک نہیں پہنچ پائے گی۔ وہ سمجھتی ہی نہیں کہ وہ جذبات جن کی اسے بیحد قدر ہے دراصل کوئی اہمیت نہیں رکھتے" چنانچہ وہ ماریا کے جواب میں خاموش رہا۔

☆☆☆

شہزادہ آندرے کے بیٹے کی عمر سات برس تھی۔ وہ بمشکل حروف کی شناخت کرتا تھا اور اس وقت تک اس نے کوئی علم نہیں سیکھا تھا۔ اس دن کے بعد اس نے بہت کچھ سیکھا۔ علم، تجربے اور عقل سے بہرہ ور ہوا تاہم اس نے زندگی میں جو علم حاصل کیا وہ اگر اس وقت بھی اس کے پاس ہوتا تو اسے اپنے والد شہزادی ماریا اور نتاشا کے مابین دکھائی دینے والے اس منظر کا مفہوم اتنی اچھی طرح سمجھ نہ آتا جتنا اس وقت آ گیا تھا۔ اس نے صورتحال کا اچھی طرح ادراک کر لیا تھا۔ جب وہ آنسو بہائے بغیر کمرے سے نکلا تو سیدھا نتاشا کے پاس آیا اور شرماتے ہوئے اپنے خوبصورت اور متفکر آنکھوں سے اسے دیکھنے لگا۔ پھر اس کا اوپر کی جانب اٹھا بالائی ہونٹ کانپا اور اس نے نتاشا کے ساتھ اپنا سر لگا کر رونا شروع کر دیا۔

اس دن سے وہ اپنے ساتھ لاڈ پیار کرنیوالے ڈیسال اور بیگم رستوف سے بچنے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ اکثر تنہا رہتا تھا یا پھر جھجکتے ہوئے شہزادی ماریا یا نتاشا کے پاس چلا جاتا جسے وہ اپنی پھوپھی سے زیادہ محبت کرتا تھا۔

جب شہزادی ماریا اپنے بھائی کے کمرے سے باہر آئی تو نتاشا کے چہرے کے تاثرات سمجھ گئی۔ اب وہ

نتاشا کے ساتھ اپنے بھائی کی صحت کی بحالی کے حوالے سے امید بھری باتیں نہیں کرتی تھی۔ وہ نتاشا کے بعد اس کے بستر کے قریب بیٹھتی اور رونے کی بجائے مسلسل دعائیں پڑھتی رہتی۔ اس کی روح ہمہ وقت اس ہستی کی جانب متوجہ رہتی جو ہماری سمجھ سے بالا ہے اور جو اسقدر واضح طور پر قریب المرگ شخص کے سر پر موجود رہتی تھی۔

☆☆☆

(16)

شہزادہ آندرے نہ صرف یہ بات جانتا تھا کہ اس کی موت قریب ہے بلکہ اسے یہ بھی محسوس ہو رہا تھا کہ اس کی زندگی تیزی سے ختم ہوتی جا رہی ہے۔ وہ جانتا تھا کہ اب دنیاوی چیزوں میں اس کی کوئی دلچسپی باقی نہیں رہی۔ اسے اپنا وجود انوکھے انداز میں ہلکا پھلکا محسوس ہوتا تھا۔ وہ پیش آنیوالے واقعے کا صبر سے انتظار کر رہا تھا۔ اب وہ خوفناک اور انجانی شے جس کی موجودگی سے وہ زندگی بھر آگاہ رہا تھا، اب اس کے بالکل قریب تھی اور جس انوکھے انداز سے اسے ہلکا پھلکا ہونے کا احساس ہوا تھا اسی وجہ سے یہ بات کم و بیش سمجھنے کے قابل ہوگئی تھی۔

ماضی میں وہ موت کا خیال آتے ہی خوفزدہ ہو جاتا تھا اور اسے دو مرتبہ اس اذیت ناک احساس یعنی زندگی کے خاتمے کے خوف کا تجربہ ہو چکا تھا مگر اب اس کے نزدیک یہ دہشت بے معنی تھی۔

اسے پہلی مرتبہ یہ احساس اس وقت ہوا تھا جب توپ کا گولہ اس کے سامنے گھوما تھا اور اس نے کھیت، جھاڑیوں اور آسمان کی جانب دیکھا تھا۔ اس وقت اسے احساس ہو گیا تھا کہ وہ موت کے سامنے ہے۔ زخمی ہونے کے بعد جب اسے دوبارہ ہوش آیا تو اس کی روح میں اچانک ازلی محبت کا جذبہ بیدار ہو گیا تھا اور اسے یوں محسوس ہوا تھا کہ وہ پاؤں کی زنجیر بن جانیوالے زندگی کے بندھنوں سے آزاد ہو چکا ہے۔ پھر اسے موت کا خیال آیا نہ خوف باقی رہا۔

زخمی ہونے کے بعد اس نے تنہائی، تکلیف اور جزوی بیہوشی کا جو وقت گزارا تھا اس دوران وہ ازلی محبت کے اصول کے بارے میں جتنا سوچتا گیا، غیر شعوری طور پر زندگی کو اتنا ہی خیر باد کہتا چلا گیا۔ ہر شخص اور ہر چیز سے محبت کیلئے ہمیشہ خود اپنی قربانی دینے کا مطلب یہ نہ تھا کہ کسی خاص شخص سے محبت کی جائے یا صرف زمینی زندگی کیلئے زندہ رہا جائے۔ محبت کا یہ اصول اس کے دل و دماغ پر جس قدر چھاتا گیا وہ زندگی سے اتنا ہی دور ہوتا چلا گیا اور اتنے ہی مکمل انداز میں اس خوفناک رکاوٹ کو ختم کر ڈالا جو محبت کی غیر موجودگی میں زندگی اور موت کے مابین رکاوٹ بن جاتی ہے۔ اس پہلے دور میں جب کبھی اسے یاد آیا کہ اسے مرنا ہے تو اس نے اپنے آپ سے ہمیشہ یہی کہا "کیوں نہیں؟ اس سے زیادہ بہتر بات اور کیا ہو سکتی ہے"

تاہم میتیچی میں وہ رات گزارنے کے بعد نیم بیہوشی کی کیفیت میں نتاشا کو دیکھنے، محبت کے خاموش آنسو بہانے اور اس کا ہاتھ اپنے ہونٹوں تک لے جانے پر کسی خاص شخصیت کیلئے محبت ایک مرتبہ پھر غیر محسوس انداز میں اس کے وجود میں سرایت کرنے لگی اور زندگی سے اس کا رشتہ دوبارہ جوڑنے میں مصروف ہوگئی۔ پھر اسے پریشان اور خوش کن خیالات ستانا شروع ہو گئے۔ اس نے وہ لمحہ یاد کیا جب اس نے عارضی ہسپتال میں اناطول کو دیکھا تھا مگر اس وقت اس کے دل میں جو احساسات پیدا ہوئے اب وہ انہیں اپنے اوپر طاری نہ کر سکا۔ اسے یہ سوال ستانے لگا کہ آیا وہ زندہ ہے یا نہیں؟ تاہم وہ اس کے بارے میں پوچھنے کی جرات نہ کر پایا۔

اس کی بیماری اپنا مقررہ جسمانی وقت گزارتی رہی، مگر نتاشا نے جب یہ کہا تھا کہ "ایسا اچانک ہوا" تو اس

کا اشارہ جس حالت کی طرف تھا وہ شہزادی ماریا کے آنے سے دو دن پہلے ہوئی تھی۔ یہ زندگی اور موت کے درمیان آخری روحانی کشمکش تھی جس میں موت نے فتح حاصل کی۔ آندرے کو غیر متوقع طور پر علم ہو گیا کہ نتاشا سے اس کی محبت کی بدولت زندگی نہایت اہمیت کی حامل ہونے کے ساتھ ساتھ نامانوس مستقبل کا سامنا کرنے سے پہلے خوف کا آخری حملہ بھی ہے، ایسا حملہ جس کے مقدر میں ناکامی لکھی تھی۔

یہ حالت شام کے وقت رونما ہوئی۔ کھانے کے بعد اسے حسب معمول ہلکا سا بخار ہو گیا۔ اس کے خیالات اس قدر واضح تھے کہ فطری طور پر یہ اسقدر غیر مبہم کبھی نہیں ہوتے۔ سونیا میز کے قریب بیٹھی تھی۔ اسے نیند آنا شروع ہو گئی اور اچانک اس کے رگ و پے میں خوشی کا احساس سرایت کر گیا۔

اس نے سوچا "ارے واہ، وہ آ گئی"

حقیقت بھی یہی تھی کہ نتاشا اسی وقت کمرے میں داخل ہوئی تھی اور سونیا کی جگہ بیٹھ گئی تھی۔

نتاشا نے جب سے آندرے کی تیمارداری شروع کی تھی اس وقت سے اسے خود بخود علم ہو جاتا تھا کہ وہ کمرے میں موجود ہے۔ وہ بازوؤں والی کرسی پر بیٹھ کر جرابیں بن رہی تھی۔ اس کی کرسی ترچھی رکھی تھی تاکہ آندرے تک موم بتی کی روشنی نہ پہنچ سکے۔ جس دن سے شہزادہ آندرے کے منہ سے یہ بات نکلی تھی کہ کوئی شخص اس بوڑھی آیا کی طرح تیمارداری نہیں کر سکتا جو مریض کے قریب بیٹھ کر جرابیں بنتی تھی اور جرابیں بننے کے کام میں کوئی ایسی بات ضرور ہے جس سے مریض کو سکون ملتا ہے، اس دن کے بعد نتاشا نے بھی جرابیں بننا شروع کر دی تھیں۔ اس کی باریک اور تیزی سے حرکت کرتی انگلیوں میں سلائیاں چل رہی تھیں۔ اس کا اداس اور متفکر چہرہ ایک جانب جھکا ہوا تھا اور یہ آندرے کو واضح طور پر دکھائی دے رہا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے تھوڑا سا ہلی اور اون کا گولا اس کی گود سے نکل کر نیچے گر گیا۔ وہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی اور اس پر سرسری نگاہ ڈال کر موم بتی کے سامنے ہاتھ سے آڑ کی اور پھرتی سے نیچے جھک کر گولا اٹھایا اور پہلے کی طرح بیٹھ گئی۔

آندرے کوئی حرکت کئے بغیر اس کی جانب دیکھتا رہا۔ اس نے دیکھا کہ جب وہ نیچے جھکی تو گہری سانس لینا چاہتی تھی مگر اس نے ایسا نہ کیا اور اپنے آپ کو سنبھالے رکھا۔

انہوں نے ٹروئسکا کی خانقاہ میں ماضی کی باتیں کی تھیں اور آندرے نے اسے بتایا تھا کہ اگر وہ زندہ رہا تو اپنے زخم پر ہمیشہ خدا کا شکر ادا کرتا رہے گا کیونکہ اس زخم نے ہی انہیں دوبارہ ملا دیا تاہم اس کے بعد انہوں نے کبھی مستقبل کا ذکر نہ کیا۔

آندرے نے اس کی جانب دیکھا اور سلائیوں کی آواز سنتے ہی سوچا "کیا ایسا ممکن تھا یا نہیں؟ قسمت نے عجیب و غریب انداز سے ہمیں اس لئے باہم یکجا کیا تھا کہ میں زندگی سے ہی منہ موڑ لوں؟ زندگی کی سچائی مجھ پر اسی لئے ظاہر کی گئی ہے تاکہ میں جان لوں کہ میری تمام زندگی جھوٹی تھی؟ میں دنیا کی ہر شے سے زیادہ نتاشا سے محبت کرتا ہوں اور اگر میں اس سے محبت کرتا ہوں تو پھر مجھے کیا کرنا ہوگا؟" یہ سوچتے ہوئے اس کے منہ سے آہ نکل گئی، اسے اپنی مصیبتوں کے دور میں اس طرح کراہنے کی عادت سی ہو گئی تھی۔

اس کی آواز سن کر نتاشا نے جراب نیچے رکھ دی اور اس پر جھک گئی۔ جب اسے آندرے کی روشن آنکھیں دکھائی دیں تو وہ آہستہ آہستہ اس کے چہرے کی جانب گئی اور پوچھا "آپ سوئے نہیں؟"

آندرے نے جواب دیا "نہیں، میں کافی دیر سے تمہیں دیکھ رہا ہوں۔ میں نے محسوس کر لیا تھا کہ تم آ گئی ہو۔

تمہارے ہوتے ہوئے مجھے جس شیریں انداز سے سکون ملتا ہے وہ کسی اور کی موجودگی میں نہیں ملتا۔ میں تمہاری موجودگی میں خوشی کے آنسو بہا سکتا ہوں"

نتاشا اس سے مزید قریب ہو گئی، خوشی سے اس کا چہرہ چمک رہا تھا۔

وہ کہنے لگا "نتاشا، میں تم سے بیحد محبت کرتا ہوں، مجھے دنیا کی کسی اور شے سے اتنی محبت نہیں جتنی تم سے ہے"

نتاشا بولی "اور میں۔۔۔ مگر اتنی زیادہ کیوں؟"

آندرے کہنے لگا "اتنی زیادہ کیوں؟۔۔۔ بہر حال تم کیا کہتی ہو؟ تمہیں اپنے دل کی گہرائیوں میں کیا محسوس ہوتا ہے؟ کیا میں زندہ بچ پاؤں گا؟ تم کیا کہتی ہو؟"

نتاشا نے بلند آواز میں کہا "مجھے یقین ہے، یقین ہے" اس نے آندرے کے دونوں ہاتھ تھام لئے۔

آندرے تھوڑی دیر خاموش رہا۔

وہ کہنے لگا "کس قدر اچھا ہوگا" یہ کہہ کر اس نے نتاشا کا ہاتھ پکڑا اور اسے چوم لیا۔

نتاشا خوش ہونے کے ساتھ ساتھ بے چین بھی تھی، اچانک اس نے سوچا کہ اس طرح کچھ نہیں ہوگا، اسے خاموشی درکار ہے"

اس نے اپنی خوشی دباتے ہوئے کہا "مگر آپ سوئے کیوں نہیں، براہ مہربانی۔۔۔ سونے کی کوشش کریں"

شہزادہ آندرے نے اس کا ہاتھ دبا کر چھوڑ دیا۔ وہ موم بتی کے قریب چلی گئی اور پہلے کی طرح بیٹھ گئی۔ اس نے دو مرتبہ مڑ کر آندرے کی جانب دیکھا۔ دونوں مرتبہ اسے روشن آنکھیں اپنی جانب دیکھتی نظر آئیں۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ کچھ دیر جراب بنتی رہے گی اور اس کی جانب نہیں دیکھے گی۔

اس کے بعد آندرے نے واقعی آنکھیں بند کر لیں اور سو گیا۔ وہ کچھ دیر سویا اور پھر گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔ اسے ٹھنڈا پسینہ آ رہا تھا۔

وہ جب سے سویا تھا اس وقت سے زندگی اور موت بلکہ زیادہ تر موت کے بارے میں سوچے جا رہا تھا جس میں اس کا ذہن ہمیشہ الجھا رہتا تھا۔ اسے یوں لگتا تھا جیسے وہ اس کے قریب پہنچ گیا ہے۔

اس نے سوچا "محبت؟ محبت کیا شے ہے؟ محبت موت کی راہ میں رکاوٹ بن جاتی ہے۔ محبت زندگی ہے۔ میں نے جو کچھ سمجھا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ میں محبت کرتا ہوں۔ ہر شے اس لئے موجود ہے کہ میں محبت کرتا ہوں۔ ہر شے کا تعلق محبت سے ہے۔ محبت ہی خدا ہے اور اگر میں زندہ نہ رہا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میں یعنی محبت کا ایک ذرہ ازلی اور کائناتی منبع کی جانب لوٹ جاؤں گا۔

اسے ان خیالات سے سکون ملا مگر یہ صرف اور صرف خیالات تھے اور ان میں کسی شے کی کمی تھی۔ یہ خیالات کچھ زیادہ ہی یکطرفہ، ذاتی اور انتشار کا شکار تھے۔ اسے پرانی بے چینی نے آ لیا اور اسے نیند آ گئی۔

اس نے خواب دیکھا کہ وہ اسی کمرے میں تندرست حالت میں لیٹا ہے۔ بے شمار غیر اہم اور عام لوگ اس کے سامنے آتے ہیں۔ وہ ان سے باتیں کرتا ہے اور کسی معمولی مسئلے پر ان سے بحث و مباحثہ شروع کر دیتا ہے۔ وہ لوگ وہاں سے کہیں جانا چاہتے ہیں۔ شہزادہ آندرے کو کچھ اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ سب کچھ غیر اہم ہے اور اسے ان سے کہیں زیادہ پیچیدہ مسائل کا سامنا ہے۔ تاہم وہ باتوں میں مصروف رہتا ہے اور اپنی کھوکھلی بذلہ سنجی سے انہیں حیران کر دیتا ہے۔ یہ تمام لوگ آہستہ آہستہ مگر غیر محسوس طریقے سے غائب ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور ان کی جگہ واحد مسئلہ یعنی بند دروازہ

لے لیتا ہے۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر دروازے کی چٹخنی چڑھانے اور اس پر تالا لگانے کیلئے بڑھتا ہے۔ ہر شے کا انحصار اس کے تالا لگانے پر ہے۔ وہ چل دیتا ہے اور تیز قدم اٹھانے کی کوشش کرتا ہے مگر اس کی ٹانگیں بوجھل ہو جاتی ہیں اور حرکت نہیں کر پاتیں۔ اگرچہ وہ جانتا ہے کہ وہ بروقت دروازہ بند نہیں کر پائے گا تاہم وہ بھرپور کوشش کرتا ہے اور اسے تکلیف دہ خوف جکڑ لیتا ہے۔ یہ موت کا خوف ہے جو دروازے کے پیچھے کھڑی ہے۔ جب وہ بے بسی اور بے ڈھنگے انداز میں دروازے کی جانب رینگ رہا تھا تو اس منحوس شے نے پہلے ہی دوسری جانب سے زور لگانا شروع کر دیا تھا اور وہ اندر داخل ہونے کی کوشش کر رہی تھی۔ کوئی غیر انسانی شے یعنی موت زبردستی کمرے میں داخل ہونے کی کوشش کرتی ہے، وہ سوچتا ہے کہ اسے ہر صورت روکنا ہوگا، چنانچہ وہ دروازہ تھام کر بھرپور زور لگاتا ہے تاکہ اسے کھلنے سے روکا جا سکے۔ اب اسے تالا لگانا ممکن نہیں رہا، اس کی کوششیں بے اثر رہتی ہیں اور وہ خوفناک شے دروازے کو اسقدر طاقت سے دھکیلتی ہے کہ وہ کھل کر ایک مرتبہ پھر بند ہو جاتا ہے۔

باہر سے دروازہ ایک مرتبہ پھر دھکیلا جاتا ہے۔ وہ آخری کوشش کے طور پر اپنا تمام تر زور لگا دیتا ہے تاہم اس کی کوشش اکارت جاتی ہے۔ دروازے کے دونوں پٹ خاموشی سے کھل جاتے ہیں اور وہ اندر آ جاتی ہے جس کے ساتھ ہی شہزادہ آندرے مر جاتا ہے۔

تاہم جس لمحے وہ مرتا ہے تو اسے یاد آتا ہے کہ وہ تو سو رہا تھا اور بالکل اسی وقت جب اس کی موت واقع ہوئی تو وہ زور لگا کر جاگ گیا۔

جاگنے کے بعد اس نے سوچا "ہاں، وہ موت تھی، میں مر گیا تھا۔۔۔ اور میں بیدار ہو گیا۔ ہاں، موت کا نام بیداری ہے"

اچانک اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کی روح روشنی میں نہا گئی ہو نیز اس کے اور پوشیدگی کے مابین پردہ ہٹا لیا گیا ہو۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے اندر قید قوتیں آزاد ہو گئی ہیں اور اس وقت سے اس ہلکی پھلکی کیفیت نے اس کا ساتھ نہ چھوڑا جو وہ اپنے وجود میں محسوس کر رہا تھا۔

جب وہ بیدار ہوا تو بستر پر ہلا۔ نتاشا نے قریب آ کر پوچھا "کیا بات ہے؟" اس نے کوئی جواب نہ دیا اور محض عجیب و غریب انداز میں اس کی جانب دیکھتا رہا۔

شہزادی ماریا کی آمد سے دو روز پہلے یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ ڈاکٹر کا کہنا تھا کہ وہ بخار جو اسے آہستہ آہستہ کمزور کر رہا تھا اس دن سے بے قابو ہو کر مہلک شکل اختیار کر گیا تاہم نتاشا کو ڈاکٹر کی باتوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اسے صرف خوفناک نفسیاتی علامات دکھائی دے رہی تھیں جنہیں وہ کہیں زیادہ قابل اعتبار سمجھتی تھی۔

اس دن نیند سے بیداری شہزادہ آندرے کیلئے زندگی سے بیداری کی شروعات ثابت ہوئی۔ وہ جتنا عرصہ زندہ رہا اس تناسب سے اسے یہ بیداری زیادہ طویل محسوس نہ ہوئی بلکہ یہ اتنی ہی طویل تھی جتنی کہ خواب کی مدت کے مقابلے میں نیند سے بیداری معلوم ہوتی تھی۔ اس سست بیداری میں کوئی خوفناک اور پر تشدد شے نہ تھی۔

اس کے آخری دن اور ساعتیں عام انداز سے گزرے۔ ہمہ وقت اس کے سرہانے بیٹھی شہزادی ماریا اور نتاشا کو ایسا ہی محسوس ہوا۔ وہ روئیں نہ ان پر کپکپی طاری ہوئی۔ آخر میں انہیں یوں محسوس ہونے لگا جیسے وہ آندرے کی بجائے اس کی قریب ترین یاد یعنی اس کے جسم کی خدمت کر رہی ہیں (وہ ان سے کہیں دور چلا گیا تھا) انہیں اس شے کا اتنی شدت سے احساس تھا کہ وہ موت کے ظاہری پہلو سے گھبرائیں نہ انہیں مزید غم لاحق ہوا۔ وہ اس کی موجودگی میں

روتی تھیں نہ علیحدگی میں آنسو بہاتی تھیں۔ وہ اس کے بارے میں باہم گفتگو بھی نہیں کرتی تھیں۔ انہیں یوں لگتا تھا جیسے انہوں نے جو کچھ دیکھا ہے اسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔

انہیں یوں لگا جیسے وہ آہستہ آہستہ ان سے دور جا رہا ہے، دونوں کو علم تھا کہ ایسا ہی ہوگا اور یہ ٹھیک تھا۔ اس سے گناہوں کا اعتراف کرایا گیا اور جب اس کے بیٹے کو اس کے قریب لایا گیا تو اس نے اپنے ہونٹ اس کے ہونٹوں سے لگا دیئے اور پھر اپنا رخ پھیر لیا۔ اس نے ایسا کسی دکھ یا رحم کے جذبے کے تحت نہیں کیا تھا (شہزادی ماریا اور نتاشا سمجھ گئیں) بلکہ ایسا یہ سوچ کر کیا کہ وہ اپنے سے رکھی جانیوالی توقع پوری کر چکا ہے۔ جب اسے کہا گیا کہ وہ بچے کے سر پر ہاتھ پھیرے اور اس کیلئے دعا کرے اور اس نے ایسا ہی کیا۔ بعد ازاں اسے ارد گرد یوں دیکھا جیسے پوچھ رہا ہو کہ کوئی کام رہ تو نہیں گیا۔

جب اس پر نزع کا عالم طاری ہوا اور روح نے پرواز کی تو شہزادی ماریا اور نتاشا دونوں وہاں موجود تھیں۔

جب اس کی لاش کو بے حس و حرکت پڑے اور ان کی آنکھوں کے سامنے ٹھنڈا ہوئے کچھ دیر گزر گئی تو ماریا نے پوچھا "سب کچھ ختم ہو گیا؟" نتاشا اس کے قریب گئی اور آندرے کی آنکھوں میں جھانکنے کے بعد جلدی سے انہیں بند کر دیا۔ اس نے آنکھیں بند تو کر دیں مگر انہیں چومنے سے پرہیز کیا۔ وہ اس شے یعنی اس کے جسم سے لپٹ گئی جو اسے اس کی سب سے زیادہ یاد دلاتی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی "وہ کہاں چلے گئے؟ اب وہ کہاں ہیں؟۔۔۔"

جب میت کو نہلانے اور کفن میں لپیٹنے کے بعد میز پر تابوت میں رکھ دیا گیا تو ہر شخص اسے الوداع کہنے آیا۔ تمام لوگ رو رہے تھے۔

نکولشکا اس لئے رو رہا تھا کہ اس کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا۔ بیگم رستوف اور سونیا اس لئے رو رہی تھیں کہ انہیں نتاشا پر ترس آ رہا تھا اور آندرے دنیا سے جا چکا تھا۔ نواب یہ سوچ کر رو رہا تھا کہ اس کا وقت بھی قریب آ رہا ہے اور جلد یا بدیر اس کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوگا۔ نتاشا اور شہزادی ماریا بھی رو رہی تھیں اور ان کے رونے کی وجہ ذاتی دکھ نہ تھا بلکہ اپنے سامنے ظاہر ہونیوالے موت کے اس سادہ اور پر وقار راز نے ان کی روحوں پر خوف اور جذباتی کیفیت طاری کر دی تھی۔

☆☆☆☆☆

تیرہواں حصہ

(1)

کسی وقوعہ کی تمام وجوہات جاننا انسانی عقل کے بس کی بات نہیں تاہم ان وجوہ کو کھنگالنے کی خواہش فطری طور پر اس کی روح میں موجود ہوتی ہے۔ پیش آنیوالے واقعے کے پیچھے کئی پیچیدہ حالات کا ہاتھ ہوتا ہے۔ اگر حالات کو ایک دوسرے سے الگ کر کے ان کا جائزہ لیا جائے تو ہر ایک ہی اس وقوعہ کی وجہ معلوم ہونے لگتا ہے۔ اسی لئے انسانی عقل وجہ سے ملتا جلتا سب سے پہلے سامنے آنیوالا اندازہ قبول کر لیتی ہے اور حالات کی پیچیدگیوں کی تحقیق کئے بغیر انسان کہہ اٹھتا ہے کہ فلاں واقعے کی بس یہی وجہ تھی۔ تاریخی واقعات کے حوالے سے قدیم ترین اندازہ "دیوتاؤں کی رضا" تھی، بعدازاں یہ ان اشخاص کی رضا بن گئی جو واقعات میں نمایاں ہوتے ہیں اور جنہیں تاریخ کے ہیرو قرار دے دیا جاتا ہے۔ تاہم اگر ہم کسی بھی واقعے کی سطح سے نیچے دیکھیں اور اس میں شریک تمام افراد کے کاموں کا جائزہ لیں تو ہمیں یقین ہو جائے گا کہ انسانوں کی بہت بڑی تعداد کے کاموں کو اپنی رضا کے تابع کرنا تو بہت دور کی بات ہے الٹا تاریخی ہیرو خود ان لوگوں کی مرضی کے تابع ہو جاتا ہے۔ شاید آپ یہ سوچیں کہ تاریخی واقعات کی تشریح خواہ کسی بھی انداز سے کی جائے اس سے کچھ نہیں ہوتا۔ تاہم مغربی قوموں کی مشرق پر چڑھائی کو نپولین کی خواہش قرار دینے والے اور یہ کہنے والے کہ "ایسا ہونا ہی تھا" کے مابین وہی عظیم فرق ہے جو زمین کو ساکن اور متحرک قرار دینے والوں کے مابین ہے۔ تمام وجوہات میں ایک کے علاوہ کسی تاریخی واقعے کی کوئی وجہ ہوتی ہے نہ ہو سکتی ہے تاہم واقعات کا تعین کرنیوالے قوانین ہر صورت موجود ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض قوانین کے بارے میں ہم کچھ نہیں جانتے اور بعض کے سلسلے میں اندھیرے میں تیر چلاتے رہے ہیں۔ یہ قوانین اسی وقت سامنے آ سکتے ہیں جب ہم کسی کی رضا کیلئے وجہ تلاش کرنے کی کوشش ترک کر دیں گے۔ یہ بعینہ اسی طرح ہے کہ جب انسان نے زمین کے ساکن ہونے کا تصور ترک کیا تو تبھی وہ سیاروں کی حرکت کے قوانین دریافت کر پایا تھا۔

تاریخ دانوں کا کہنا ہے کہ بورودینو کی جنگ، ماسکو پر دشمن کے قبضے اور اس کی آتشزدگی کے بعد 1812ء کی جنگ کا سب سے اہم واقعہ روسی فوج کی ریازان سے شاہراہ کالوگا اور وہاں سے تاروتینو کیمپ تک نقل و حرکت اور کراسنایا پاخرا کے پیچھے نام نہاد مارچ تھا۔ مورخین ذہانت پر مبنی اس کارنامے کا کریڈٹ مختلف کمانڈروں کو دیتے ہیں تاہم وہ اس امر پر متفق نہیں ہو سکے کہ اس کا حقیقی ذمہ دار کون ہے۔ غیر ملکی بلکہ فرانسیسی مورخ بھی اس کوچ کا ذکر کرتے ہوئے روسی کمانڈروں کی ذہانت کا اعتراف کرتے ہیں مگر یہ سمجھنا بیحد مشکل ہے کہ فوجی مصنف اور ان کی دیکھا دیکھی دیگر لوگ بھی اس کوچ کو کسی ایک شخص کی گہری سوچ بچار کا نتیجہ قرار دینے پر کیوں تلے ہوئے ہیں جس نے روس کو بچایا اور نپولین کو تباہی سے دوچار کیا تھا۔ پہلے تو یہ بات ہی سمجھ نہیں آتی کہ اس کوچ میں ذہانت کا کیا کام ہے۔ یہ

اصول جاننے کیلئے زیادہ تردد کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ جب فوج پر حملے ہو رہے ہوں تو اس کیلئے ایسے علاقے میں جانا بہتر ہوتا ہے جہاں سامان رسد اور دیگر ضروری وسائل کی بہتات ہو۔ یہ بات تیرہ سالہ بیوقوف لڑکا بھی سمجھ سکتا ہے کہ 1812ء میں جب روسی فوج پسپا ہوئی تو اس کیلئے کالوگا کی سڑک پر جانا ہی بہترین راستہ تھا۔ لہذا پہلے تو یہ سمجھنا ہی ممکن نہیں کہ تاریخ دانوں نے کس منطقی اصول کے تحت یہ نتیجہ اخذ کر لیا کہ یہ چال گہری دانشمندی کے نتیجے میں سوچی گئی۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ مورخ روس کی نجات اور نپولین کے زوال کو اس چال کا سبب کیوں قرار دیتے ہیں۔ اگر یہ چال چلنے سے پہلے، اس کے دوران یا اس کے بعد دیگر واقعات رونما ہوئے ہوتے تو یہ چال روسیوں کیلئے تباہی کا موجب بنتی اور فرانسیسیوں کیلئے فائدہ مند ثابت ہو سکتی تھی۔ اگر روسیوں کی حالت اس کوچ کے ساتھ ہی بہتر ہونا شروع ہو گئی تھی تو اس سے کسی طور یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس بہتری میں کوچ کا ہی عمل دخل تھا۔

دوسری صورتحال میں یہ کوچ روسیوں کو فائدہ پہنچانے کی بجائے الٹا ان کی تباہی کا موجب بھی بن سکتا تھا۔ اگر ماسکو نہ جلتا تو کیا ہوتا؟ اگر مورات روسیوں کو نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیتا تو کیا ہوتا؟ اگر نپولین غیر متحرک نہ ہوتا تو پھر کیا ہوتا تھا؟ اگر بینگسن اور بارکلے ڈی تولی کے مشوروں کے مطابق روسی فوج کراسنایا پاخرا کے کنارے صفیں بنا لیتی تو پھر کیا ہوتا؟ اگر فرانسیسی روسیوں کے پاخرا عبور کرنے کے دوران حملہ کر دیتے تو پھر کیا ہونا تھا؟ نپولین نے سمولنسک میں جس طاقت کا مظاہرہ کیا تھا اس کا دسواں حصہ بھی تاروتینو میں استعمال کر دیتا تو پھر کیا ہوتا؟ اگر فرانسیسی پیٹرز برگ پر حملہ آور ہو جاتے تو پھر کیا ہونا تھا؟۔۔۔ان میں سے کسی بھی ممکنہ صورتحال میں نجات کا موجب بننے والا کوچ تباہی سے دوچار کر سکتا تھا

تیسرا اور مشکل ترین نکتہ یہ ہے کہ تاریخ کے طالبعلم جان بوجھ کر یہ سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے کہ اس کوچ کا کریڈٹ کسی ایک شخص کو نہیں دیا جا سکتا۔ اس کا پیشگی اندازہ کسی نے نہیں لگایا تھا اور فلی کی جانب پسپائی کی طرح یہ بھی اپنی مکمل شکل میں کسی کو نظر نہ آیا۔ اس کی بجائے یہ قدم بہ قدم، واقعہ بہ واقعہ اور لمحہ بہ لمحہ انتہائی مختلف اقسام کے لاتعداد واقعات کے نتیجے میں ظہور پذیر ہوا اور پوری طرح اس وقت دکھائی دیا جب اس کی تکمیل ہو چکی تھی اور یہ قصہ ماضی بن گیا تھا۔

فلی میں منعقدہ جنگی کونسل کے اجلاس میں تمام کمانڈروں کے ذہنوں میں ایک ہی بات تھی کہ پسپا ہونے کیلئے سیدھا راستہ یعنی شاہراہ نزھنی استعمال کی جانی چاہئے۔ اس امر کے ثبوت میں یہ شہادت موجود ہے کہ اجلاس میں شریک ارکان کی اکثریت نے اسی کے حق میں رائے دی۔ اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اجلاس کے بعد کمانڈر انچیف اور شعبہ رسد کے انچارج لانسکے کی گفتگو ہر شخص جانتا ہے۔ لانسکے نے کمانڈر انچیف کو اطلاع دی کہ فوجی رسد کی زیادہ مقدار تولا اور ریازان میں اوکا دریا کے کنارے پر جمع کی گئی ہے اس لئے اگر فوج شاہراہ نزھنی کے ساتھ ساتھ پیچھے ہٹی تو چوڑے پاٹ والا دریائے اوکا اسے رسد سے علیحدہ کر دے گا کیونکہ سردیاں شروع ہو جانے کے بعد اس دریا کو عبور کرنا ممکن نہیں رہتا۔ ابتدا میں پسپائی کیلئے اختیار کردہ نزھنی والا راستہ بالکل فطری معلوم ہوتا تھا۔ اسے ترک کرنے کی ضرورت کیوں محسوس کی گئی۔ یہ اس کی پہلی علامت ہے۔ فوج شاہراہ ریازان کے قریب میں جنوب اور اپنی رسد کے مقامات کے قریب رہ کر کوچ کرتی رہی۔ بعدازاں فرانسیسیوں کی عدم حرکیت، تولا کی اسلحہ ساز فیکٹریوں کے دفاع بارے تشویش اور اپنی رسد کے قریب رہنے کے فوائد کی وجہ سے فوج مزید جنوب کی طرف چلی گئی اور شاہراہ تولا پر چڑھ گئی۔ جب مجبوراً کئے جانیوالے اس کوچ نے فوج کو پاخرا کے پار شاہراہ تولا پر ڈال دیا تو روسی کمانڈروں نے پوڈولسک

میں ٹھہرنے کا فیصلہ کیا۔ اس وقت انہوں نے تاروتینو میں پوزیشن سنبھالنے کا سوچا بھی نہ تھا۔ بے شمار واقعات نے ہماری فوج کو مزید جنوب کی طرف جانے پر مجبور کر دیا جن میں فرانسیسی فوج کا دوبارہ سامنے آنا، جنگ کیلئے صف بندی کے منصوبے اور کالوگا میں رسد کی فراوانی شامل تھے، یوں فوج شاہراہ تولا عبور کر گئی اور اس نے شاہراہ کالوگا پہنچ کر تاروتینو کا رخ کر لیا۔ تاروتینو ان سڑکوں کے درمیان تھا جن کے ساتھ ساتھ رسد کے مراکز قائم کئے گئے تھے۔ جس طرح یہ بات درست طور سے نہیں بتائی جا سکتی کہ ماسکو چھوڑنے کا فیصلہ کب اور کس نے کیا تھا بعینہ اسی طرح یہ دعویٰ کرنا بھی ممکن نہیں کہ تاروتینو جانے کا فیصلہ کب ہوا یا کس نے کیا۔ بے شمار مختلف عناصر کے سامنے آنے کے بعد جب فوج وہاں پہنچ گئی تو لوگوں نے اپنے آپ کو یہ یقین دلانا شروع کر دیا کہ انہیں اسی شے کی خواہش تھی اور انہوں نے اس کا پہلے سے منصوبہ بنا لیا تھا۔

(2)

مشہور زمانہ ترچھا کوچ (مارچ) صرف اس پر مشتمل تھا کہ "حملہ آور سے بچنے کیلئے سیدھے رخ پر پسپا ہونیوالی روسی فوج فرانسیسیوں کی پیشقدمی تھمتے ہی اپنے حقیقی اور سیدھے راستے سے ہٹ گئی اور جب اسے یہ معلوم ہوا کہ تعاقب نہیں ہو رہا تو وہ فطری طور پر اس علاقے کی جانب کھنچی گئی جہاں رسد کی فراوانی تھی"

اگر ہم روسی فوج کی قیادت نہایت قابل کمانڈروں کے ہاتھوں میں تصور کرنے کی بجائے ذہن میں ایک ایسی فوج کا تصور کریں جس کا کوئی قائد نہ ہو اور پھر سوچیں کہ اس فوج نے کیا کرنا تھا تو یہ بات سامنے آئے گی کہ وہ فوج رسد کی فراوانی والے زرخیز علاقے سے نیم دائرے کی صورت میں واپس ماسکو کی جانب چلی جاتی۔

شاہراہ نزحنی سے ریازان، تولا اور کالوگا کی سڑکوں کی طرف فوج کی یہ نقل و حرکت اسقدر فطری تھی کہ روسی فوج کا ساتھ چھوڑنے اور لوٹ مار کرنے والے بھی اسی سمت بھاگنے لگے اور دار الحکومت پیٹرز برگ کے اعلیٰ حکام نے بھی کوتوزوف سے یہی راستہ منتخب کرنے کا مطالبہ کیا۔ تاروتینو پہنچنے پر کوتوزوف کو زار کا خط ملا جس میں اسے ڈانٹا گیا تھا کہ وہ فوج کو شاہراہ ریازان کی جانب کیوں لے گیا اور اسے شاہراہ کالوگا کے سامنے اس جگہ پر قبضہ کرنے کا حکم دیا گیا جہاں وہ زار کا خط ملنے سے پہلے ہی قیام کر چکا تھا۔

بورو ڈینو کی جنگ اور ساری مہم نے روسی فوج کو جس طرف ہٹنے پر مجبور کر دیا تھا وہ اسی جانب پسپا ہوتی گئی۔ جب خطرہ نہ رہا اور پسپائی کی ضرورت ختم ہو گئی تو فوج نے فطری پوزیشن اختیار کر لی۔

کوتوزوف کی خوبی یہ نہ تھی کہ اس نے ذہانت سے بھرپور چال چلی تھی بلکہ اس کا کمال یہ تھا کہ وہ واحد شخص تھا جس نے واقعے کی تہہ میں موجود مفہوم جان لیا تھا۔ وہ واحد شخص تھا جس نے ان دنوں میں فرانسیسی فوج کی عدم حرکیت کا درست مطلب نکالا۔ وہ اکیلا شخص ہے جو یہ دعویٰ کرتا رہا کہ بورو ڈینو کی جنگ میں روس کو فتح حاصل ہوئی تھی اور وہ واحد شخص تھا جس نے روسی فوج کو بیکار لڑائیوں میں الجھنے سے روکنے کیلئے ہر ممکن اقدام کیا۔

بورو ڈینو میں زخمی ہونیوالا درندہ وہیں پڑا تھا جہاں بھاگنے والا شکاری اسے چھوڑ گیا تھا مگر شکاری یہ بات نہ جان سکا کہ وہ درندہ ابھی تک زندہ اور طاقتور تھا یا صرف فریب دے رہا تھا۔ اچانک اس درندے کی چیخیں سنائی دینے لگیں۔ زخمی درندے یعنی فرانسیسی فوج کی تشویشناک حالت کا اندازہ اس بات سے ہوا کہ نپولین نے صلح کیلئے بات چیت شروع کر دی اور لاؤرسٹن کو تجاویز دے کر کوتوزوف کے کیمپ میں بھیج دیا۔

نپولین نے حسب معمول اپنی خود اعتمادی کے ساتھ کوتوزوف کو وہ الفاظ لکھ دیئے جو پہلی مرتبہ اس کے ذہن میں آئے تھے۔ حالانکہ یہ الفاظ قطعی طور پر بے معنی تھے۔ اس کا خیال تھا کہ وہ جو کچھ سوچتا ہے وہ درست ہوتا ہے۔

اس نے لکھا تھا:

"موسیو شہزادہ کوتوزوف، میں آپ کے ساتھ دلچسپی کے مختلف مسائل کے بارے میں بات چیت کیلئے اپنا ایک ایجوٹنٹ بھیج رہا ہوں۔ میں جناب عالی سے درخواست کرتا ہوں کہ یہ آپ سے جو کچھ کہے، خاص طور پر جب یہ آپ کیلئے میرے دل میں موجود ادب و احترام کے جن جذبات کا اظہار کرے، ان پر آپ یقین کریں۔ چونکہ اس خط کا کوئی اور مقصد نہیں ہے اسی لئے میں خداوند سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کو اپنی حفاظت میں رکھے۔

نپولین

ماسکو، 30 اکتوبر 1812ء

کوتوزوف نے اس خط کے جواب میں کہا "اگر میرے بارے میں کسی نے یہ سوچ بھی لیا کہ میں نے سمجھوتہ کرنے میں پہل کی تھی تو آئندہ آنیوالی نسلیں مجھ پر لعنت ملامت کرتی رہیں گی" اس کے باوجود وہ اپنی فوج کو دشمن پر حملے سے روکنے کیلئے مختلف اقدامات کرتا رہا۔ اس مہینے نے فریقین کی اضافی عددی اور جذباتی قوت میں تبدیلی پیدا کر دی جو فرانسیسیوں نے لوٹ مار اور روسیوں نے تاروتینو میں ٹھہر کر خاموشی سے گزارا تھا۔ یوں روسی فوج کو فرانسیسیوں پر واضح برتری حاصل ہو گئی۔ اگرچہ روسیوں کو فرانسیسی فوج کی حالت اور تعداد کے بارے میں کچھ علم نہ تھا مگر جونہی یہ تبدیلی رونما ہوئی، بے شمار علامات نے حملے کی ضرورت نمایاں کر دی۔ یہ علامات "لاؤرسٹن کا صلح کی بات چیت کی خواہش لئے آنا، تاروتینو میں فراواں رسد، فرانسیسیوں کا غیر متحرک ہونا اور بدنظمی کے بارے میں، روسی فوج میں اضافہ، خوشگوار موسم، طویل عرصہ تک آرام جس کے نتیجے میں روسی فوجی چاک و چوبند ہو چکے تھے اور معرکہ آرائی کے لئے بیتاب تھے، فرانسیسی فوج کی حرکات و سکنات دیکھنے کا تجسس، روسی بیرونی فوجی چوکیوں کی بہادرانہ کارروائیاں، کسانوں اور گوریلا دستوں کی فرانسیسیوں کیخلاف آسان فتوحات، خواہش انتقام اور حالات کا رخ اپنے حق میں ہونے کا مبہم سا شعور تھیں۔ اس طرح متحارب فوجوں کی اضافی قوتوں میں ٹھوس تبدیلیاں رونما ہو چکی تھیں اور حملہ ضروری ہو گیا تھا۔ جس طرح کلاک میں منٹ کی سوئی پورے دائرے کا سفر مکمل کرتی ہے تو گھنٹی بجنے لگتی ہے، اسی طرح ان علامات نے بھی صورتحال میں تبدیلی کی غمازی کرنیوالی گھنٹیاں بجانا شروع کر دی تھیں۔ ان تبدیلیوں کا عکس اعلیٰ طبقے کی مصروفیات، باتوں اور شکایات میں بھی دکھائی دے رہا تھا۔

(3)

روسی فوج کی قیادت کوتوزوف اور اس کا عملہ کر رہا تھا۔ ادھر پیٹرز برگ سے زار بھی اپنے احکامات بھیجتا رہتا تھا۔ ماسکو چھوڑنے کی خبر پیٹرز برگ پہنچنے سے پہلے ہی مہم کا منصوبہ بنایا اور کوتوزوف کو اس کی رہنمائی کے لئے بھیج دیا گیا تھا۔ اگرچہ اس منصوبے میں یہ فرض کیا گیا تھا کہ ماسکو ابھی تک ہمارے قبضے میں ہے تاہم کوتوزوف کے عملے نے اس کی منظوری دیدی اور اسے لائحہ عمل کے طور پر قبول کر لیا۔ کوتوزوف نے صرف یہ تبصرہ کیا کہ دور بیٹھ کر بنائے جانیوالے منصوبوں پر درست طور سے عملدر آمد مشکل ہو جاتا ہے چنانچہ درپیش مشکلات دور کرنے کیلئے اسے تازہ ہدایات بھیج دی گئیں اور صرف یہی نہیں بلکہ مزید عملہ بھی فوج کی جانب روانہ کر دیا گیا جس کا کام کوتوزوف کی سرگرمیوں کی نگرانی

اوران کے حوالے سے اطلاعات بھیجتا تھا۔

اس کے علاوہ روسی فوج کی اعلیٰ قیادت کو نئے سرے سے منظم کیا گیا۔ ہلاک ہو جانے والے باگراتیان اور ناراض ہو کر ریٹائرمنٹ لینے والے بارکلے کی جگہ پُر کی جاتا تھی۔ اس مسئلے پر سنجیدگی سے غور وفکر کیا گیا کہ اے کو بی اور بی کو ڈی کی جگہ تعینات کرنا مناسب رہے گا یا ڈی کو اے کی جگہ مقرر کرنا بہتر ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ اس سے اے، بی یا ڈی کی تسلی کے علاوہ اور کچھ حاصل نہ ہوا۔

کوتوزوف اور اس کے چیف آف سٹاف بینکسن کے مابین مخالفانہ فضا، زار کے بااعتماد نمائندوں کی موجودگی اوران نئی تقرریوں اور تبادلوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ مختلف گروہوں کے مابین سازشوں کا سلسلہ کچھ زیادہ ہی پیچیدگی اختیار کر گیا۔ اے بی کی پوزیشن پر قبضہ جمانے کی کوشش میں تھا اور ڈی سی کے درپے تھا، یہ سلسلہ اسی طرح چل رہا تھا۔ ایسی سازشی کارروائیوں کا عام موضوع یہ ہوتا تھا کہ جنگ کیسے لڑی جائے گی۔ یہ لوگ اپنے تئیں یہ سمجھتے تھے جیسے جنگ کی باگ ڈور انہی کے ہاتھوں میں ہے حالانکہ یہ ان لوگوں سے اوپر ہی اوپر اپنے ناگزیر راستے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ یہ راستہ ان کی تجاویز سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا تھا بلکہ اسے عوام کے بنیادی رویے نے متعین کیا تھا۔ یہ تمام تجاویز ایک دوسرے سے متضاد تھیں اور صرف اعلیٰ حلقوں میں انہیں آئندہ پیش آنیوالے واقعات کا عکاس سمجھا جاتا تھا۔

زار نے 2 اکتوبر کو کمانڈر انچیف کوتوزوف کے نام ایک خط لکھا جو کوتوزوف کو تاروتینو کی جنگ کے بعد موصول ہوا۔ اس میں زار نے لکھا تھا:

''شہزادہ میخائل الاری اوناوچ! ماسکو 2 ستمبر سے دشمن کے قبضے میں ہے اور ہمیں موصول ہونیوالی تمہاری آخری رپورٹوں پر 20 تاریخ لکھی تھی۔ اس عرصہ میں نہ صرف دشمن کیخلاف کوئی کارروائی نہیں ہوئی اور قدیم دارالحکومت کو دشمن کے قبضے سے آزاد کرانے کی کوشش نہیں کی گئی بلکہ آپ کی رپورٹوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ مزید پیچھے ہٹ گئے ہیں۔ سرپوخوف پر دشمن پہلے ہی قبضہ کر چکا ہے اور تولا خطرے کی زد میں ہے جہاں فوج کیلئے انتہائی ضروری اسلحہ خانہ واقع ہے۔ جنرل ونزنگیروڈ کی اطلاعات سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ دشمن کے دس ہزار فوجی شاہراہ پیٹرزبرگ کی جانب سے آرہے ہیں اور دوسری کور دمتروف کو شکنجے میں لینے کی کوشش کر رہی ہے۔ تیسری ولاڈیمیر کی سڑک پر ہے اور چوتھی جو بیحد مضبوط ہو چکی ہے روزا اور موزیک کے درمیانی علاقے میں موجود ہے۔ نپولین بھی پچیس تاریخ کو ماسکو میں تھا۔ ان تمام اطلاعات کو سامنے رکھتے ہوئے جبکہ دشمن کی فوج مختلف حصوں میں منقسم ہو چکی ہے اور نپولین اپنے گارڈز کے ساتھ ماسکو میں ہے کیا یہ ہو سکتا ہے کہ تمہارے سامنے موجود دشمن کی فوج اتنی طاقتور ہے کہ آپ اس کیخلاف کوئی کارروائی نہیں کر سکتے؟ اس کے برعکس یہ فرض کیا جا سکتا ہے کہ شاید چند دستے یا زیادہ سے زیادہ ایک کور آپ کے تعاقب میں ہے اور دشمن کی یہ فوج آپ کی فوج سے کہیں زیادہ کمزور ہے۔ آثار بتلاتے ہیں کہ اگر آپ ان مواقع سے فائدہ اٹھاتے تو دشمن پر حملہ کر کے اسے نیست ونابود کر سکتے تھے یا کم از کم اسے پسپائی پر ضرور مجبور کر دیتے اور ان تمام صوبوں کے بڑے حصوں پر دوبارہ قبضہ کر سکتے تھے جن پر دشمن نے قبضہ کر رکھا ہے۔ یوں تولا اور اندرون ملک دیگر قصبات کو لاحق خطرات کا سدباب ہو جاتا۔ اگر دشمن اپنی فوج کے کسی حصے کا رخ پیٹرزبرگ کی طرف موڑنے اور دارالحکومت کیلئے خطرہ بننے میں کامیاب ہو گیا جہاں زیادہ فوج نہیں رکھی جا سکتی تو اس کی ذمہ داری آپ پر ہوگی۔ اگر آپ اپنے سپرد کردہ فوج کو درست طور سے استعمال کریں اور لگن وعزم کے ساتھ فرض نبھائیں تو آپ کے پاس اتنے وسائل بہرحال موجود ہیں کہ کسی بھی مزید خطرے کا تدارک کیا جا سکتا ہے۔ یاد رکھیں کہ آپ نے ابھی تک

ماسکو کے ہاتھ سے نکلنے کا جواب دینا ہے جس پر تمام ملک پر سوگ کی کیفیت طاری ہے۔ آپ نے دیکھ لیا ہوگا کہ میں انعام واکرام دینے میں کنجوسی سے کام نہیں لیتا۔ انعامات واعزازت میں کوئی کمی نہیں ہوگی مگر مجھے اور روس کو آپ سے یہ توقع رکھنے کا حق ضرور حاصل ہے کہ آپ جوش وجذبے اور استقامت کا مظاہرہ کریں گے اور کامیاب ہوں گے۔ آپ کی ذہانت، فوجی صلاحیت اور آپ کے زیر کمان فوج کی بہادری سے امید بندھتی ہے کہ آپ کو جلد کامیابی حاصل ہوگی''

تاہم یہ خط اس امر کا واضح اظہار تھا کہ پیٹرزبرگ میں بھی حریف افواج کی اضافی قوت محسوس کی جانے لگی تھی۔ خط ملنے سے پہلے ہی کوتوزوف کو دشمن کیخلاف ایک لڑائی لڑنا پڑی کیونکہ اب وہ فوج کو حملے سے باز نہیں رکھ سکا تھا۔

2 اکتوبر کو گشتی دستے کے رکن شاپووالوف نامی قازق نے ایک خرگوش شکار کیا اور دوسرے کو زخمی کر دیا جس کے تعاقب میں وہ جنگل میں بہت دور نکل گیا۔ اچانک وہ غیر متوقع طور پر موراٹ کی فوج کے بائیں پہلو کے قریب جا پہنچا۔ قازق نے ہنسی مزاح میں یہ واقعہ اپنے ساتھیوں کو بتایا کہ کیسے وہ فرانسیسیوں کے ہاتھ لگنے سے بال بال بچا ہے۔ ایک زیر تربیت افسر نے یہ بات سن لی اور اپنے کمانڈر کو اس بارے آگاہ کر دیا۔ قازق کو بلا کر اس سے سوال جواب کئے گئے۔ قازق افسر اس موقع سے فائدہ اٹھا کر کچھ گھوڑے پکڑنا چاہتے تھے تاہم ان میں سے ایک کی اعلیٰ حکام سے شناسائی تھی اور اس نے کمانڈر انچیف کے عملے میں شامل ایک جرنیل کو یہ واقعہ جا سنایا۔ کچھ ہی عرصہ پہلے عملے کے ارکان کے باہمی تعلقات انتہائی کشیدہ ہو گئے تھے۔ چند روز پیشتر جنرل یرمولوف نے بینکسن سے درخواست کی تھی کہ وہ کمانڈر انچیف پر اپنا اثر ورسوخ استعمال کر کے اسے حملے کیلئے آمادہ کرے۔

اس کے جواب میں بینکسن نے کہا تھا ''اگر میں تمہیں نہ جانتا ہوتا تو یہی سوچتا کہ تم اپنی خواہش کے برعکس شے کا مطالبہ کر رہے ہو۔ میرے مشورہ دینے کی دیر ہے اور ہز ہائی نس اس سے برعکس کام کیلئے تیار ہو جائیں گے''

قازق کی لائی گئی خبر اور گشتی دستے کی جانب سے اس کی تصدیق اس امر کا واضح اشارہ تھی کہ حملے کا مناسب لمحہ آن پہنچا ہے۔ تنا ہوا تار ڈھیلا پڑ گیا۔ چرخیاں گھومنے لگیں اور گھڑیال کا گجر بجنا شروع ہو گیا۔ اپنے تمام تر ظاہری اختیارات، عقل، تجربے اور علم کے باوجود کوتوزوف نے بینکسن کے رقعے، زار کی خواہشات، قازق کی اطلاع اور تمام جرنیلوں کی یکساں خواہش پر اس کام کا حکم دے دیا جو اس کی اپنی نگاہوں میں بے فائدہ اور نقصان دہ تھا اور یوں اس نے پایہ تکمیل تک پہنچ جانے والی حقیقت کی تصدیق کر دی۔

(4)

بینکسن کا رقعہ اور قازق کی یہ رپورٹ حملہ ناگزیر ہونے کی آخری علامت تھی کہ فرانسیسیوں کے بائیں پہلو پر کوئی پہرہ نہیں ہے اور حملے کیلئے 5 اکتوبر کی تاریخ مقرر ہوگئی۔

کوتوزوف نے 4 اکتوبر کی صبح فوج کی ترتیب وتنظیم کی منظوری دیدی اور ٹول نے یرمولوف کو یہ پڑھ کر سنائی اور ہدایت کی کہ وہ ضروری انتظامات کرے۔

یرمولوف نے کہا ''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، فی الحال میرے پاس وقت نہیں ہے''

فوج کی ترتیب وتقسیم کیلئے ٹول نے نہایت عمدہ منصوبہ تیار کیا تھا۔ آوسٹرلٹس کی جنگ کی طرح ہر بات لکھ دی گئی تھی، ہاں البتہ اس مرتبہ جرمن زبان استعمال نہیں ہوئی تھی۔

کالمنوں میں تمام فوجی کالم مقررہ اوقات میں اپنی مقررہ جگہ پر پہنچ جاتے ہیں اور دشمن کو نیست ونابود کر دیتے

ہیں۔ جیسا کہ عموماً ایسی منصوبہ سازی کے وقت ہوتا ہے، ہر شے پر قابل تعریف انداز سے غور وفکر کیا گیا اور جیسا کہ عموماً ہوتا ہے کوئی بھی کالم درست وقت پر مقررہ جگہ نہ پہنچ پایا۔

منصوبے کی نقول تیار ہونے کے بعد ایک افسر کو حکم دیا گیا کہ وہ انہیں یرمولوف کو پہنچا دے تاکہ وہ انہیں عملی جامہ پہنا سکے۔ اس نوجوان افسر کا تعلق ہارس گارڈز سے تھا۔ اسے کوتوزوف کے سٹاف افسر کی ذمہ داری دی گئی تھی۔ وہ تفویض کردہ مشن کی انجام دہی کے خیال سے بیحد خوش ہوا اور یرمولوف کی جائے قیام کو چل دیا۔

یرمولوف کے اردلی نے اسے جواب دیا "وہ کہیں گئے ہوئے ہیں"

افسر اس جرنیل کے ہاں چلا گیا جہاں یرمولوف اکثر جایا کرتا تھا۔

وہاں اسے بتایا گیا کہ "یرمولوف یہاں آیا ہے نہ جرنیل اندر موجود ہے"

افسر گھوڑے پر سوار ہو کر ایک مرتبہ پھر کسی اور کی جانب چلا گیا اور وہاں سے بھی نفی میں جواب موصول ہوا۔

افسر نے سوچا "خدا کرے کہ مجھے اس تاخیر کا ذمہ دار نہ ٹھہرایا جائے"

اس نے تمام فوجی پڑاؤ کا چکر لگایا۔ کسی نے اسے بتایا کہ یرمولوف کو چند جرنیلوں کے ساتھ گزرتے دیکھا گیا ہے۔ کچھ کا خیال تھا کہ وہ اپنی قیام گاہ پر پہنچ گیا ہوگا۔ افسر نے کھانا کھائے بغیر شام چھ بجے تک مسلسل تلاش جاری رکھی تاہم یرمولوف ملا نہ کوئی یہ بتا پایا کہ وہ کہاں ہو سکتا ہے۔ افسر نے اپنے ایک ساتھی کے ہاں عجلت میں تھوڑا بہت کھانا کھایا اور پہلی فوج میں میلوراڈووچ کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا تاہم وہ بھی نہ ملا البتہ اسے یہ بتایا گیا کہ وہ جرنل کیکن کے ہاں رقص کی محفل میں شرکت کیلئے گیا ہوا ہے اور شاید یرمولوف بھی وہیں ہے۔

افسر نے پوچھا "مگر وہ کہاں ہیں؟"

ایک قازق افسر نے دور کسی امیر کبیر شخص کے دیہی مکان کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بتایا "ادھر ای چکینو میں"

افسر بولا "وہاں، ہماری صفوں کے پار"

جواب ملا "ہماری دو رجمنٹیں بیرونی چوکیوں کی جانب بھیج دی گئی ہیں اور وہ آج وہاں خوب عیاشی کر رہے ہیں۔ دو بینڈ ہیں اور موسیقاروں کے تین گروپ بھی آئے ہوئے ہیں"

افسر صفوں کے پار اچکینو میں چلا گیا۔ دور ہی سے اسے فوجیوں کے گانے کی آواز سنائی دینے لگی۔ وہ مل کر گا رہے تھے۔ گانے کا بول تھا "چراگاہوں میں۔۔۔ چراگاہوں میں۔۔۔" گانے کے ساتھ ساتھ سیٹیاں بھی بج رہی تھیں۔ جوں جوں افسر یہ آوازیں سنتا گیا اس کا جوش وخروش بھی بڑھتا چلا گیا تاہم اسے یہ خوف بھی لاحق تھا کہ اسے جو ذمہ داری دی گئی تھی اس کی انجام دہی میں تاخیر کا ذمہ دار بھی اسے ہی قرار دیا جائے گا۔ اب نو بج چکے تھے۔ وہ گھوڑے سے اترا اور فرانسیسی و روسی فوجوں کے مابین موجود ایک خاصے بڑے دیہی مکان کی جانب چل دیا۔ بیرونی صحن اور کھانے کے کمرے میں ملازمین اشیائے خورد ونوش لئے ادھر ادھر آ جا رہے تھے۔ گلوکاروں کے گروہ کھڑکیوں کے نیچے کھڑے تھے۔ افسر کو اندر آنے کی اجازت دیدی گئی اور اسے فوری طور پر وہاں فوج کے بڑے بڑے جرنیل نظر آ گئے۔ ان میں بھاری بھرکم یرمولوف بھی شامل تھا۔ ان کے کوٹوں کے بٹن کھلے تھے اور سرخ چہروں سے جوش وخروش کا اظہار ہو رہا تھا۔ وہ نیم دائرے میں کھڑے قہقہے لگا رہے تھے۔ کمرے کے وسط میں ایک کوتاہ قامت خوش شکل جرنیل جوش کے عالم میں رقص کر رہا تھا۔

دیگر جرنیلوں نے ہنستے ہوئے اس کی تعریف کی "ہا، ہا، ہا۔۔۔ زبردست نکولائی ایوانوچ، ہا، ہا، ہا۔۔۔"

پیغام رساں افسر ایسے موقع پر اتنا اہم کام لے کر پہنچنے پر خود کو دہرا مجرم تصور کرنے لگا۔ ہو سکتا ہے وہ انتظار کرتا مگر ایک جرنیل نے اسے دیکھ لیا اور اس کی آمد کا مقصد سن کر یرمولوف کو آگاہ کر دیا۔

یرمولوف ماتھے پر بل ڈالے اس کے پاس آیا اور بات سننے کے بعد کچھ کہے بغیر اس سے کاغذات وصول کر لئے۔

اس شام اس افسر کے ایک ساتھی نے یرمولوف کے بارے میں کہا "وہ اتفاقاً تو وہاں نہیں گیا ہوگا تم کیا کہتے ہو؟" افسر نے جواب دیا "یہ جان بوجھ کر اور سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہوا تھا تاکہ کونونیتسن کو جال میں پھانسا جا سکے، کل تم خود دیکھ لوگے۔

(5)

کمزور بوڑھا کوتوزوف اگلی صبح جلدی بیدار ہو گیا۔ اس نے عبادت کرنے کے بعد وردی پہنی اور یہ سوچ کر اپنی گاڑی میں سوار ہوا کہ اسے ایسی لڑائی کی نگرانی کرنا ہے جسے وہ پسند نہیں کرتا۔ وہ تاروتینو سے پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع لتاشوکا گاؤں میں اس جانب چل دیا جہاں حملہ آور دستے جمع ہونا تھے۔ اسے بار بار اونگھ آ رہی تھی۔ وہ دائیں جانب فائرنگ کی آوازیں سننے کی کوشش کر رہا تھا مگر ہر طرف خاموشی تھی اور ٹھنڈک میں لپٹی خزاں کی صبح ہو رہی تھی۔ کوتوزوف تاروتینو پہنچا تو اس نے سواروں کو اپنے گھوڑوں کو پانی پلانے کے لئے اس سڑک کے پار جاتے دیکھا جس سے وہ آ رہا تھا۔ کوتوزوف نے ان پر ترچھی نگاہ ڈالی اور گاڑی روک کر پوچھا کہ ان کا تعلق کس رجمنٹ سے ہے۔ وہ اس کالم کا حصہ تھے جسے بہت دیر پہلے محاذ پر جا کر اچانک حملہ کرنا تھا۔

بوڑھے کمانڈر انچیف نے سوچا "شاید کوئی غلطی ہوئی ہے" تاہم کچھ آگے اسے پیادہ فوج کی رجمنٹیں دکھائی دیں۔ ان کے ہتھیار ڈھیر کی صورت میں ایک جگہ رکھے تھے اور جانگیے پہنے سپاہی کھانے کی تیاری اور خشک لکڑیاں جمع کرنے میں مصروف تھے۔ اس نے ایک افسر کو بلا کر پوچھا جس نے اسے بتایا کہ انہیں آگے بڑھنے کا کوئی حکم نہیں ملا۔

کوتوزوف نے کہنا شروع کیا "کوئی حکم۔۔۔" مگر پھر خود کو روک لیا اور سینئر افسر کو بلا بھیجا۔ وہ گاڑی سے اتر آیا اور انتظار کے دوران گردن جھکائے زور زور سے سانس لیتا ٹہلتا رہا۔ جب اس کا طلب کردہ جنرل سٹاف کا افسر آئخن آیا تو کوتوزوف غصے میں سرخ ہو گیا۔ اس غلطی کی ذمہ داری آئخن پر عائد نہیں ہوتی تھی مگر تاہم کوتوزوف کو اس لئے غصہ آ رہا تھا کہ وہ اتنا اہم ضرور تھا جس پر غصہ اتارا جا سکتا تھا۔ ہانپتے کانپتے بوڑھے پر غصے کا شدید دورہ پڑ گیا۔ وہ آئخن کے درپے ہو گیا اور مکے لہرا کر اسے دھمکیاں اور گالیاں دینے لگا۔ اس دوران بروزن نامی ایک کپتان بھی اتفاقاً وہاں آ نکلا اور وہ بیچارا بھی غصے کی لپیٹ میں آ گیا۔

وہ غصے میں چلاتے ہوئے کہہ رہا تھا "انہیں گولی سے اڑا دو، اوباش" اس کی ٹانگیں لڑکھڑا رہی تھیں اور وہ بار بار فضا میں مکے لہرا رہا تھا۔ اس کی جسمانی حالت اچھی نہ تھی بلکہ پہلے سے بھی زیادہ خراب ہو گئی تھی۔ وہ ہز ہائی نس کمانڈر انچیف تھا اور اس کے بارے میں ہر شخص کا کہنا تھا کہ جو اختیارات اسے حاصل ہیں وہ روس میں آج تک کسی کو نہیں ملے اور اس کا یہ حال ہو گیا وہ تمام فوج کے سامنے مذاق کا نشانہ بن گیا۔ اس نے سوچا "آج مجھے عبادت کے خاتمے میں جلدی نہیں کرنی چاہئے تھی اور چھوٹی چھوٹی جزئیات پر غور کیلئے تمام رات جاگنا چاہئے تھا۔ جب میں نیا افسر تھا تو کسی

کو میرا یوں مذاق اڑانے کی جرات نہیں ہوتی تھی اور اب۔۔۔‘‘ اسے اپنے پورے وجود میں درد کی لہریں اٹھتی محسوس ہوئیں جیسے اسے جسمانی سزا دی گئی ہو اور وہ غصے میں چیخنا شروع ہو گیا۔ جلد اس کی ہمت نے جواب دے دیا اور ارد گرد دیکھنے کے بعد اسے یوں لگا جیسے وہ اتنا کچھ کہہ گیا ہے جتنا نہیں کہنا چاہئے تھا۔ وہ اپنی گاڑی میں سوار ہو کر واپس چل دیا۔

جب غصہ اترا تو وہ پرسکون ہو گیا اور کمزوری سے اپنی پلکیں جھپکاتا تمام تاویلات سنتا رہا (پرمولوف اگلے دن تک اسے ملنے نہ آیا) تزنکسن، کونوونٹسن اور ٹول نے اصرار کیا کہ جو لڑائی نہیں ہو سکی تھی وہ اگلے دن لڑی جانی چاہئے اور کوتوزوف نے ایک مرتبہ پھر ان کی بات مان لی۔

(6)

اگلے دن شام تک فوجی دستے اپنی مقررہ جگہوں پر جمع ہو گئے اور رات کے وقت آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ یہ خزاں کی رات تھی۔ آسمان پر گہرے بادل چھائے ہوئے تھے مگر بارش نہ ہوئی۔ اگرچہ زمین گیلی تھی مگر اس پر کیچڑ نہیں تھا اور فوجی دستے آواز پیدا کئے بغیر آگے بڑھتے رہے۔ کبھی کبھار توپوں کے باہم ٹکرانے کی آواز سنائی دے جاتی تھی۔ فوجیوں کو با آواز بلند بات کرنے، پائپ پینے یا آگ جلانے سے منع کر دیا گیا تھا اور وہ گھوڑوں کو بھی ہنہنانے سے روک رہے تھے۔ مہم کی رازداری کے سبب اس کی جاذبیت بھی بڑھ گئی۔ پیشقدمی کے دوران سپاہیوں کے چہروں پر زندہ دلی عیاں تھی۔ کئی کالم یہ سمجھ کر رک گئے کہ ان کی منزل مقصود آن پہنچی ہے۔ انہوں نے ہتھیار نیچے رکھے اور خود مرطوب زمین پر بیٹھ گئے۔ دیگر لوگ تمام رات چلتے رہے اور بظاہر ان جگہوں پر پہنچ گئے جہاں انہیں نہیں جانا چاہئے تھا۔

نواب آرلوف دینی سوف واحد شخص تھا جو اپنے قازقوں کے ساتھ درست وقت پر درست جگہ پہنچا (اس کے دستے کی اہمیت سب سے کم تھی) وہ اور اس کے ساتھی اس راستے پر رک گئے جو سٹرومیلوف سے دمتروسکوی کی جانب جاتا تھا۔

صبح ہوئی تو نواب آرلوف دینی سوف کو جگا دیا گیا، اسے اونگھ آ گئی تھی۔ فرانسیسی فوج کا ایک بھگوڑا اس کے سامنے پیش کیا گیا۔ وہ پونیاتوسکی کور کا پولش سارجنٹ تھا۔ اس نے پولینڈ کی زبان میں انہیں بتایا کہ وہ فوج سے اس لئے بھاگا ہے کہ وہاں اس سے اچھا سلوک نہیں ہو رہا تھا۔ اسے اپنی بہادری کی بنا پر بہت پہلے افسر بن جانا چاہئے تھا مگر ایسا نہ ہوا اور وہ ان سے بدلہ لینے کیلئے انہیں چھوڑ آیا ہے۔ اس نے بتایا کہ یہاں سے مورات صرف ایک کلومیٹر دور شب بسری کیلئے ٹھہرا ہوا ہے اور اگر اسے سو سپاہیوں کا حفاظتی دستہ دے دیا جائے تو وہ اسے پکڑ لائے گا۔ نواب آرلوف دینی سوف نے ساتھیوں سے مشورہ لیا۔ یہ پیشکش اتنی دلکش تھی کہ ہر ایک نے خود کو رضاکارانہ طور پر مہم کیلئے پیش کر دیا۔ طویل بحث وتکرار کے بعد طے پایا کہ میجر جنرل گریکوف دو قازق رجمنٹوں اور پولینڈ کے بھگوڑے سارجنٹ کے ساتھ اس جانب جائے گا۔

نواب آرلوف دینی سوف نے سارجنٹ کی روانگی سے پہلے اسے کہا ’’اب یاد رکھنا کہ تمہاری بات جھوٹی ہوئی تو میں تمہیں کتے کی موت مروا دوں گا اور اطلاع سچی نکلی تو سو اشرفیاں بطور انعام ملیں گی۔

سارجنٹ نے کوئی جواب نہ دیا اور پرعزم انداز میں گھوڑے پر سوار ہو کر گریکوف کے ساتھ چل دیا۔ وہ جنگل میں غائب ہو گئے۔ نواب آرلوف دینی سوف صبح کے وقت خنکی کے باعث کانپ رہا تھا اور اپنی ذمہ داری پر کئے جانے والے اس اقدام کی بدولت وہ ہیجانی کیفیت میں بھی مبتلا ہو گیا۔ گریکوف کو الوداع کہنے کے بعد وہ جنگل سے واپس

آیا اور رخ پھیر کر دشمن کے پڑاؤ کی جانب دیکھنے لگا جو صبح کی سفیدی اور بجھتے ہوئے الاؤوں کی روشنی میں دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے اس طرف دیکھا، اگرچہ یہ کالم بہت دور سے دکھائی دے جانا چاہئیں تھے مگر دور دور تک ان کا کوئی نشان نظر نہ آیا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے فرانسیسی فوج کے پڑاؤ میں ہلچل مچ گئی ہو اور اس کے تیز نگاہوں والے ایجوٹنٹ نے بھی اس کی تصدیق کر دی۔

نواب آرلوف دینی سوف نے پڑاؤ کی جانب بغور دیکھتے ہوئے کہا ’’اوہ، یقیناً بہت دیر ہو گئی ہے‘‘ جیسا کہ عموماً ہوتا ہے، جونہی وہ شخص ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو جس پر ہم اعتبار کر چکے ہوتے ہیں تو دل میں ایسے شکوک وشبہات سر اٹھانے لگتے ہیں کہ کہیں ہم سے دھوکہ تو نہیں ہو گیا۔ نواب آرلوف دینی سوف کے ساتھ بھی یہی ہوا بلکہ اسے تو کچھ یقین سا ہو چلا تھا کہ سارجنٹ دھوکہ باز تھا اور اس نے بھرپور جھوٹ بولا ہے۔ نجانے وہ رجمنٹوں کو کہاں لے گیا تھا۔ آرلوف سوچ رہا تھا کہ ان رجمنٹوں کے بغیر حملے کا تمام منصوبہ غارت ہو جائے گا۔ اتنی بھاری فوج کی موجودگی میں کوئی کمانڈر انچیف کو کیسے اغوا کر سکتا ہے؟

نواب آرلوف کہنے لگا ’’مجھے یقین ہے کہ وہ ہمیں دھوکہ دے گیا ہے‘‘

ایک سٹاف افسر بولا ’’انہیں اب بھی واپس بلایا جا سکتا ہے‘‘ نواب آرلوف دینی سوف کی طرح وہ بھی دشمن کے پڑاؤ کی طرف دیکھتے ہوئے شکوک وشبہات میں مبتلا ہو گیا تھا۔

آرلوف نے کہا ’’آہ، ہاں۔۔۔ تمہارا کیا خیال ہے، کیا ہم انہیں جانے دیں یا نہیں؟‘‘

سٹاف افسر نے پوچھا ’’کیا آپ انہیں واپس بلانے کے خواہشمند ہیں؟‘‘

نواب آرلوف دینی سوف نے اپنی گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے اچانک کہا ’’واپس، ہاں انہیں واپس بلا لو۔ اس کام میں دیر ہو جائے گی اور پہلے ہی اتنا اجالا ہو چکا ہے‘‘

ایجوٹنٹ گھوڑے پر سوار ہو کر گریکوف کے پیچھے جنگل میں بھاگ گیا۔ گریکوف واپس آیا تو نواب آرلوف دینی سوف اس مہم کی منسوخی، ابھی تک دکھائی نہ دینے والے پیادہ فوج کے کالموں کا بے سود انتظار کرنے اور دشمن سے قربت کی بنا پر ہیجان میں مبتلا ہو گیا تھا (اس کے تمام فوجیوں کی یہی حالت تھی) چنانچہ اس کیفیت سے مغلوب ہو کر اس نے حملے کا فیصلہ کر لیا۔

اس نے سرگوشی کے انداز میں حکم دیا ’’گھوڑوں پر سوار ہو جاؤ‘‘

فوجیوں نے پوزیشنیں سنبھال لیں اور سینوں پر صلیب کے نشانات بنانا شروع کر دیئے۔

جنگل میں فوجیوں کے نعرے گونجے اور قازق اپنی تلواریں آگے جھکائے سو سو کے جتھوں کی صورت میں ندی کے پاریوں آگے بڑھنے لگے جیسے دانوں کو بوری سے باہر انڈیلا جاتا ہے۔

پہلے فرانسیسی سپاہی نے قازقوں کو دیکھا تو خوف اور مایوسی کے عالم میں اس کی چیخ نکل گئی اور پڑاؤ میں افراتفری پھیل گئی۔ سپاہی نیم غنودگی اور نیم برہنگی کے عالم میں توپیں اور بندوقیں چھوڑ کر جدھر سینگ سمائے وہیں بھاگ اٹھے۔

اگر قازق فرانسیسیوں کے چھوڑے ہوئے ساز وسامان کی پروا نہ کرتے تو انہوں نے مورات کو بھی پکڑ لیا ہوتا اور وہاں موجود سامان بھی ان کے ہاتھ لگ جاتا۔ افسروں نے ایسا ہی کرنے کی کوشش کی مگر جب ساز وسامان اور قیدی قازقوں کے ہاتھ چڑھے تو انہیں وہاں سے ہلانا ممکن نہ رہا۔ انہوں نے افسروں کے احکامات کی پروا ہی نہ کی۔ اڑتیس توپوں اور جھنڈوں کے علاوہ ڈیڑھ ہزار قیدی ہاتھ آئے اور قازقوں کے نقطہ نظر سے اہم ترین اشیا یعنی گھوڑے، زینیں

اور جھولیس بھی قبضے میں آ گئیں۔ ان تمام اشیاء کو سمیٹنا، قیدیوں اور بندوقوں کو سنبھالنا اور زیر قبضہ سامان تقسیم کرنا تھا اور وہ اسی کام میں جت کر شور مچانے لگے۔ چونکہ قازقوں نے فرانسیسیوں کا تعاقب نہیں کیا تھا اسی وجہ سے وہ دوبارہ اکٹھے ہو کر منظم ہونا شروع ہو گئے۔ نواب آرلوف دینی سوف کو ابھی تک پیادہ کالموں کا انتظار تھی جس کی وجہ سے اس نے مزید آگے بڑھنے کا حکم نہ دیا۔

اسی دوران کالم ترتیب و تقسیم کے مطابق اپنی مقررہ جگہوں کو روانہ ہو گئے۔ ان کی کمان جینکسن کے ہاتھوں میں تھی جبکہ رہنمائی کا فریضہ ٹول انجام دے رہا تھا۔ وہ معمول کے مطابق کہیں پہنچ تو گئے مگر یہ وہ جگہیں نہ تھیں جہاں پہنچنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا۔ جیسا کہ عموماً دیکھنے میں آیا ہے، سپاہیوں کی روانگی کا آغاز خوشی کے عالم میں اور تیزی سے ہوا مگر بعد ازاں وہ بتدریج سست پڑتے گئے اور ان میں بے اطمینانی کی کیفیت در آئی۔ کسی کو علم نہ تھا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں اور آخر کار وہ پیچھے مڑ کر دیکھنے لگے۔ ایجوٹنٹ اور جرنیل ادھر ادھر گھوڑے بھگاتے پھر رہے تھے اور چیختے چلاتے غصے میں سرخ ہو رہے تھے۔ وہ باہم جھگڑنے میں مصروف تھے اور ہر ایک یہی کہہ رہا تھا کہ ہم غلط سمت میں آ گئے ہیں اور تاخیر بھی ہو گئی ہے۔ ایک دوسرے پر الزام تراشی شروع ہو گئی اور تھک ہار کر وہ محض آگے ہی بڑھتے گئے کہ کہیں نہ کہیں پہنچ ہی جائیں گے۔ وہ واقعی کسی نہ کسی جگہ پہنچ گئے مگر یہ وہ جگہ نہ تھی جہاں انہیں پہنچنے کا حکم دیا گیا تھا۔ جو چند دستے درست جگہوں پر پہنچے انہیں بھی اتنی دیر ہو گئی کہ اب وہاں آنے کا کوئی فائدہ نہ رہا، اس کا صرف ایک فائدہ ہوا کہ وہ اپنے اوپر فائرنگ کرانے کیلئے وقت پر پہنچ گئے۔ ٹول اس لڑائی میں وہی کردار ادا کر رہا تھا جو وے روتھر نے اوسٹرلٹس میں کیا تھا۔ وہ تندہی سے گھوڑا بھگائے پھر رہا تھا اور جہاں بھی جاتا تھا وہاں حالات خراب دکھائی دیتے تھے۔ اسی دوران جنگل میں اس کا سامنا باگووت کی کور سے ہو گیا۔ دن خاصا چڑھ آیا تھا اور باگووت کو بہت پہلے نواب آرلوف دینی سوف سے جا ملنا چاہئے تھا۔ یہ صورتحال دیکھ کر ٹول غصے میں لال پیلا ہو گیا اور یہ فرض کرتے ہوئے کور کمانڈر کے پاس پہنچ گیا کہ کوئی تو اس ناکامی کا ذمہ دار ہو گا۔ اس نے کور کمانڈر کو برا بھلا کہا اور یہاں تک کہہ دیا کہ اسے گولی مار دینی چاہئے۔ جنرل باگووت دھیمے مزاج کا حامل تجربہ کار جنگجو تھا۔ تاخیر، افراتفری اور متضاد احکامات نے اس پر جھلاہٹ طاری کر دی اور اپنے مزاج کے برعکس وہ بھی غصے میں آ گیا، یہ دیکھ کر سب ہکا بکا رہ گئے۔

باگووت بولا "میں اپنے فرائض بارے کسی سے سبق نہیں لینا چاہتا، تاہم کسی اور کی طرح میں بھی اپنے آدمیوں کے ساتھ موت کا سامنا کرنا جانتا ہوں" یہ کہہ کر وہ ایک ہی ڈویژن ساتھ لے کر آگے بڑھ گیا۔ پیشقدمی کے دوران جب یہ بہادر جرنیل دشمن کی فائرنگ کی زد میں آیا تو رکنے کی بجائے مزید آگے بڑھ گیا۔ جذباتی کیفیت میں اس نے یہ بھی نہ سوچا کہ صرف ایک ڈویژن فوج کے ساتھ میدان جنگ میں کودنے سے کیا فائدہ ہو گا۔ غصے کی حالت میں اسے جن چیزوں کی ضرورت تھی وہ صرف خطرہ، توپیں اور گولیاں تھیں۔ پہلی ہی باڑ میں ایک گولی اس کے جسم میں پیوست ہو گئی اور وہ وہیں گر گیا۔ متعدد فوجی بھی اس کے ساتھ ہلاک ہو گئے۔ اگرچہ اس کا ڈویژن کچھ دیر فائرنگ کا سامنا کرتا رہا مگر اس سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔

(7)

اسی دوران ایک اور کالم کو سامنے کے رخ سے فرانسیسیوں پر حملہ کر دینا چاہئے تھا مگر اس کے ساتھ کوتوزوف تھا اور اسے اچھی طرح علم تھا کہ اس جنگ سے افراتفری کے سوا کچھ حاصل نہ ہو گا جو اس کی مرضی کیخلاف شروع کی گئی

تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ہر ممکن حد تک اپنی فوج پیچھے روکے رہا اور آگے نہ بڑھا۔

کوتوزوف اپنے کوتاہ قامت سرمئی گھوڑے پر خاموشی سے چلتا رہا۔ حملے کی ہر تجویز کا وہ دھیمے انداز میں جواب دیتا۔

حملے کی اجازت طلب کرنیوالے میلوراڈووچ سے اس نے کہا "آپ ہر وقت حملے کی بات کرتے رہتے ہیں مگر یہ نہیں سوچتے کہ ہم میں پیچیدہ چالیں چلنے کی ہمت نہیں ہے"

ایک اور جرنیل سے اس نے کہا "آپ آج صبح موراٹ کو پکڑ سکے نہ وہاں بروقت پہنچ پائے۔ اب کرنے کو کچھ نہیں رہا"

جب کوتوزوف کو بتایا گیا کہ فرانسیسیوں کے پیچھے اب دو پولش بٹالینیں ہیں جبکہ قازقوں کے بیان کے مطابق پہلے ایک بھی نہ تھی تو اس نے ترچھی نظروں سے ریمولوف کی جانب دیکھا جس سے اس نے گزشتہ روز کوئی بات نہ کی تھی۔

کوتوزوف کہنے لگا "یہ لوگ ہر وقت حملے کی باتیں کرتے رہتے ہیں اور مختلف اقسام کے منصوبے پیش کرتے رہتے ہیں مگر جب عمل کا وقت آتا ہے تو کوئی بھی شے تیار نہیں ہوتی اور دشمن پیشگی اطلاع حاصل کرنے کے بعد اپنے دفاع کے انتظامات کر لیتا ہے"

یہ باتیں سن کر ریمولوف نے آنکھیں سکیڑیں اور اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہو گئی۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے اوپر سے طوفان گزر گیا ہے اور کوتوزوف صرف یہ بات کہہ کر مطمئن ہو جائے گا۔ اس نے اپنے قریب کھڑے رائیوسکی کو ٹہوکا دیتے ہوئے کہا "وہ مجھ پر طنز کر رہا ہے"

کچھ دیر بعد ریمولوف کوتوزوف کے پاس آیا اور بصد احترام کہنے لگا "جناب عالی! اب بھی وقت ہے، دشمن موجود ہے اگر حملے کا حکم دے دیا جائے تو۔۔۔۔ ورنہ گارڈز دھواں بھی نہیں دیکھ سکیں گے"

کوتوزوف نے ریمولوف کی بات کا کوئی جواب نہ دیا مگر جب اسے یہ علم ہوا کہ موراٹ کی فوج پسپا ہو رہی ہے تو اس نے پیشقدمی کا حکم دے دیا البتہ وہ وقفے وقفے سے تھوڑا سا فاصلہ طے کرنے کے بعد پون گھنٹے کیلئے رک جاتا تھا۔

آرلوف دینی سوف کے قازقوں نے جو کچھ کیا وہی اس لڑائی کا حاصل تھا اور بقیہ فوج کے سینکڑوں جوان مفت میں مارے گئے۔

ہاں اس جنگ کا یہ نتیجہ ضرور نکلا کہ کوتوزوف کو ہیرا جڑا ایک تمغہ مل گیا اور بینگسن کو چند جواہرات اور ہزار روبل بطور انعام دے دیئے گئے۔ دیگر جرنیلوں کو بھی ان کی حیثیت کے مطابق اعزازات دے دیئے گئے اور لڑائی کے بعد عملے میں مزید تبدیلیاں کر دی گئیں۔

تاروتینو کی جنگ کے بعد روسی جرنیلوں اور دیگر افسروں کا کہنا تھا کہ "ہم سارے کام ہمیشہ ایسے ہی کرتے ہیں ہر شے الٹ پلٹ دی جاتی ہے" یہ رائے کھلے بندوں تو ظاہر نہ کی گئی البتہ یہ ضرور کہا گیا کہ کوئی بیوقوف مسلسل غلطیاں کئے جا رہا ہے ورنہ وہ تو معاملات اچھے انداز میں سنبھالنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ مگر جو لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں انہیں یا تو یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں یا پھر وہ خود کو جان بوجھ کر دھوکہ دے رہے ہوتے ہیں۔ کوئی بھی جنگ خواہ یہ تاروتینو میں لڑی گئی ہو، بارودینو میں یا اوسٹرلٹس میں، وہ منصوبہ سازوں کی توقع کے مطابق نہیں لڑی جاتی بلکہ یہ حالات کے تقاضوں کے مطابق اپنا رخ متعین کرتی ہے۔

جنگ کے رخ کا انحصار آزادانہ طور پر کام کرنیوالی بے شمار قوتوں پر ہوتا ہے (کیونکہ انسان جنگ سے زیادہ

کسی اور ماحول میں آزاد نہیں ہوتا کیونکہ یہاں اسے زندگی اور موت کا مسئلہ درپیش ہوتا ہے) اور پیشگی یہ اندازہ نہیں لگایا جا سکتا کہ یہ کیا رخ اختیار کرے گی۔ اس کا رخ کبھی فرد واحد کے فیصلوں یا احکامات کی روشنی میں متعین نہیں کیا جا سکتا۔

اگر مختلف خطوط پر لگائی جانے والی بہت سی قوتیں بیک وقت اپنے انداز میں کسی متعین جسم پر اثر انداز ہوں تو وہ جسم جس رخ پر چل نکلے گا وہ ان میں سے کسی قوت کا راستہ نہیں ہو گا، وہ جسم ہمیشہ درمیانی بلکہ مختصر ترین راستہ نکالے گا اور یہ وہی راستہ ہو گا جس کی نمائندگی میکانیات میں قوتوں کے متوازی الاضلاع کا وتر کیا کرتا ہے۔

تاریخ دانوں، بالخصوص فرانسیسی مورخین نے واقعات کو جس انداز میں بیان کیا ہے اگر ان میں جنگیں کسی پیشگی طے شدہ منصوبے کے مطابق مکمل ہوتی دکھائی دیتی ہیں تو ان سے جو واحد نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ ایسی باتیں درست نہیں۔

بظاہر تاروتینو کی جنگ سے وہ مقصد حاصل نہ ہو سکا جو ٹول کے پیش نظر تھا۔ اس نے فوج کی ترتیب و تقسیم کا منصوبہ تیار کیا اور اس کے مطابق جنگ کرنا چاہتا تھا۔ اس کے ذہن میں وہ بات نہیں تھی جو نواب آرلوف دینی سوف کے ذہن میں آئی، وہ چنگیسن کی طرح تمام فرانسیسی فوج کو ایک ہی حملے میں تباہ و برباد بھی نہیں کرنا چاہتا تھا، وہ جنگ میں شہرت اور ناموری کے حصول کا خواہشمند تھا نہ قازقوں کی طرح اسے مال غنیمت سے سروکار تھا۔ اگر جنگ کا مقصد وہی تھا جو نتیجے کی صورت میں سامنے آیا تو یہ وہی شے تھی جس کی جنگ کے اس حصے میں شدید ترین ضرورت تھی (اس لئے کہ جنگ میں جو کچھ ہوا وہ منصوبے سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا تھا) اس جنگ کا جو نتیجہ نکلا وہ اس سے زیادہ حتمی بر موقع نتیجے پر پہنچنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہوتا۔ کم از کم طاقت صرف کر کے افراتفری کی کیفیت کے باوجود معمولی نقصانات اٹھا کر پوری جنگ کے اہم مقاصد حاصل ہو گئے۔ پس قدمی پیش قدمی میں بدل گئی اور فرانسیسیوں کی کمزوری کھل کر سامنے آ گئی یوں نپولین کو واپسی کیلئے جس جھٹکے کی ضرورت تھی وہ دے دیا گیا۔

(8)

نپولین شاندار فتح کے بعد ماسکو میں داخل ہوتا ہے۔ اس کی جیت پر کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کیونکہ میدان جنگ روسیوں کیلئے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ روسی پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور دارالحکومت کو خالی چھوڑ دیا جاتا ہے۔ امیر کبیر شہر ماسکو میں کھانے پینے کی چیزوں اور گولہ بارود کی بہتات ہے اور یہ شہر نپولین کے قبضے میں جا چکا ہے۔ فرانسیسی فوج کے نصف کے برابر روسی فوج پورا مہینہ ایک حملہ کرنے کی بھی کوشش نہیں کرتی۔ نپولین کی اس سے زیادہ باوقار پوزیشن نہیں ہو سکتی۔ وہ باقیماندہ روسی فوج پر دوگنا قوت سے حملہ آور ہو سکتا ہے اور اسے تباہ و برباد کر سکتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے حق میں صلح کیلئے گفت و شنید بھی کر سکتا ہے اور انکار کی صورت میں اس کے پاس پیٹرز برگ کی جانب پیشقدمی اور اس کیلئے خطرہ بننے کی صلاحیت بھی موجود ہے۔ ناکامی کی صورت میں اس کیلئے سمولنسک یا ولنا جانے کا راستہ کھلا ہے اور وہ ماسکو میں بھی ٹھہر سکتا ہے۔ غرضیکہ فرانسیسی فوج اس وقت جس باوقار پوزیشن میں تھی اسے برقرار رکھنے کیلئے کسی غیر معمولی ذہانت درکار نہ تھی بلکہ محض چند آسان اقدامات کئے جانا تھے جن میں "فوجیوں کو لوٹ مار سے روکنا، موسم سرما کیلئے گرم لباس اور وردیاں تیار کرانا (ماسکو میں وافر کپڑا موجود تھا) اور رسد کی فراہمی کا مناسب بندوبست" (ماسکو میں کھانے پینے کی اشیاء بھی وافر مقدار میں موجود تھیں) شامل تھے۔ تاہم ان تمام باتوں کے باوجود "ذہین ترین نپولین" نے ان میں سے کوئی کام نہ کیا جبکہ مورخین کے مطابق اسے اپنی فوج پر بھرپور کنٹرول حاصل تھا۔

اس نے نہ صرف ان میں سے کوئی قدم نہ اٹھایا بلکہ وہ راہ منتخب کی جو انتہائی احمقانہ اور تباہ کن تھی۔ اس کے سامنے متعدد صورتیں موجود تھیں۔ وہ موسم سرما ماسکو میں گزار سکتا تھا۔ پیٹرز برگ یا زنجنی نوو گورود جا سکتا تھا۔ نسبتاً زیادہ شمالی یا جنوبی راستہ اختیار کر کے واپس جانا بھی ممکن تھا اور وہ اس سڑک پر بھی سفر کر سکتا تھا جس پر بعد میں کوتوزوف اپنی فوج لے کر گیا تھا۔ تاہم اس نے جو کچھ کیا اس سے زیادہ احمقانہ اور تباہ کن اقدام کی توقع ہی نہیں کی جا سکتی تھی۔ وہ اکتوبر تک ماسکو میں قیام پذیر رہا۔ اس طرح اس نے فوج کو شہر میں لوٹ مار کا موقع دے دیا۔ بعد ازاں کچھ غور و فکر کے بعد وہ شہر سے نکلا اور جنگ کئے بغیر کوتوزوف کے قریب جا پہنچا۔ پھر وہ دائیں جانب مڑا اور بعید دور میلے یاروسلاوتس چلا گیا۔ یہاں بھی اس نے دشمن کی صفوں میں رخنہ اندازی کی کوشش کی نہ اس سڑک پر سفر اختیار کیا جس پر کوتوزوف نے کیا تھا۔ اس کی بجائے وہ موزیسک سمولنسک شاہراہ پر محو سفر رہا جس کی حالت انتہائی خراب تھی۔ جیسا کہ بعد میں دیکھا گیا فوج کیلئے اس سے زیادہ احمقانہ یا نقصان دہ کام اور کوئی نہ ہو سکتا تھا۔ اگر نپولین کا مقصد اپنی فوج کو تباہ کرانا تھا تو روسی فوج ایک طرف رہی، جنگی امور کا بہترین ماہر بھی ایسے اقدامات نہ کر پاتا جو کسی غلطی کے بغیر اور مکمل طور پر اس مقصد کو پورا کر پاتے۔

اس ذہین نپولین نے یہی کچھ کیا۔ مگر یہاں یہ دعویٰ کرنا کہ نپولین نے اپنی فوج اس لئے تباہ کرائی کہ وہ ایسا ہی کرنا چاہتا تھا کیونکہ وہ بیحد احمق تھا، اسی طرح ناانصافی ہوگی جیسا کہ یہ کہنا غلط ہوگا کہ وہ اپنی فوج اس لئے ماسکو لایا کیونکہ وہ اسے یہاں لانا چاہتا تھا یا یہ کہ وہ انتہائی زیرک اور ذہین شخص تھا۔

ہر دو صورتوں میں اس کے ذاتی افعال بعینہٖ اسی طرح بے اہمیت تھے جس طرح کسی ادنیٰ ترین سپاہی کے ہوتے ہیں۔ وہ محض ان قوانین کے تحت انجام پا رہے تھے جنہوں نے اس واقعے کو متعین کیا تھا۔ یہ کہنے والے مورخین غلط بیانی کرتے ہیں کہ نپولین کی صلاحیتیں ماسکو میں خراب ہونا شروع ہو گئی تھیں (صرف اس لئے کہ نتائج اس کے افعال کو درست ثابت نہیں کر رہے تھے) نپولین نے پہلے کی طرح اور بعد میں 1813ء کی طرح اپنی تمام تر قابلیت اور توانائی اپنی فوج کی بہتری کیلئے صرف کر دی۔ مصر، اٹلی، پرشیا اور آسٹریا کی طرح یہاں بھی اس کی کارروائیاں کم حیران کن نہ تھیں مگر ہم یہ بات یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ مصر میں جہاں چالیس صدیاں اس کی شان و شوکت دیکھ رہی تھیں، اس کی ذہانت کس حد تک بے عیب تھی کیونکہ وہاں اس کے انجام دیئے گئے کارہائے نمایاں صرف فرانسیسیوں نے بیان کئے ہیں۔ ہم آسٹریا اور پرشیا میں اس کی ذہانت پر تنقید نہیں کر سکتے کہ ہمیں معلومات کے حصول کیلئے فرانسیسی یا جرمن ذرائع پر انحصار کرنا پڑتا ہے اور جب فوج کی پوری کور بلا مقابلہ اور ناقابل فہم انداز میں ہتھیار ڈال دے نیز محاصروں کے بغیر قلعے اس کے سامنے کھول دیئے جاتے ہوں تو پھر جرمنوں کو بہرحال اپنی سرزمین پر لڑی جانے والی اس جنگ کی وضاحت کیلئے نپولین کی ذہانت تسلیم کرنا پڑے گی۔ مگر ہمیں خداوند کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ ہمارے لئے اپنی شرمندگی چھپانے کیلئے اس کی ذہانت تسلیم کرنا ضروری نہیں۔ ہم نے اس معاملے کا سیدھے اور سچے انداز سے جائزہ لینے کی قیمت ادا کی ہے اور اپنا یہ حق کبھی نہیں چھوڑیں گے۔

ماسکو میں اس کی سرگرمیاں اتنی ہی حیران کن اور ذہانت سے بھرپور تھیں جتنا کسی اور جگہ پر اس کے افعال تھے۔ ماسکو میں داخل ہونے سے لے کر واپس روانگی تک وہ احکامات جاری کرتا اور منصوبے بناتا رہا۔ شہر کے باشندوں یا کسی وفد کی عدم موجودگی سے اس کے حوصلے کم نہ ہوئے۔ اپنی فوج کی بہبود کا معاملہ ہو یا دشمن کی کارروائیاں، روسی عوام کی فلاح کا مسئلہ ہو، پیرس کے معاملات یا امن کی شرائط کے حوالے سے سفارتی بات چیت، اس کی نگاہوں سے کوئی بات

اوجھل نہ تھی۔

(9)

ماسکو میں داخلے کے فوری بعد نپولین نے فوجی حوالے سے جنرل سباسٹیانی کو احکامات جاری کئے کہ فوج پر کڑی نظر رکھی جائے۔ اس نے مختلف سڑکوں پر فوج کی کوریں بھیجیں اور کوتوزوف کی تلاش کا فرض موراث کے سپرد کر دیا۔ بعدازاں اس نے کریملن کا دفاع مضبوط بنانے کیلئے سوچ سمجھ کر ہدایات جاری کیں اور روسی سرزمین پر جنگ لڑنے کا شاندار منصوبہ تیار کیا۔ سفارتی امور کے حوالے سے اس نے کپتان یاکوفلیف کو بلایا جو پھٹے پرانے کپڑوں میں مصروف تھا۔ اسے لوٹ لیا گیا تھا اور وہ ماسکو سے باہر جانا چاہتا تھا مگر سمجھ نہ آتی تھی کہ کیسے جائے؟ نپولین نے اسے اپنی دریادلی اور پالیسی سے تفصیلاً آگاہ کیا۔ پھر اس نے شہنشاہ الیگزنڈر کے نام خط لکھا جس میں اس نے اپنے دوست اور بھائی کو یہ بتایا کہ رستوپچن ماسکو کے معاملات سے درست انداز میں عہدہ برآ نہیں ہو سکا اور پھر یاکوفلیف کو اپنا پیغام دے کر پیٹرزبرگ روانہ کر دیا۔

بعدازاں اس نے توتولمن کے سامنے بھی اپنی خیالات اور فیاضی کی مثالیں پیش کیں اور اس بوڑھے کو بھی گفت وشنید کیلئے پیٹرزبرگ بھیج دیا۔

پھر اس نے قانونی اور عدالتی معاملات پر توجہ مرکوز کی۔ مختلف مقامات پر آتشزدگی کے واقعات پیش آرہے تھے۔ اس نے فوری طور پر حکم دیا کہ مجرموں کو تلاش کر کے موقع پر گولی سے اڑا دیا جائے۔ شرپسند کوتوزوف کا ذاتی گھر نذرِ آتش کر دیا گیا۔

انتظامی امور کے حوالے سے اس نے ماسکو کیلئے آئین تیار کیا گیا اور اس کے حکم پر ماسکو میں بلدیہ قائم کی گئی۔ بعدازاں اس نے درج ذیل اعلان جاری کیا:

ماسکو کے شہریو!

''اگرچہ آپ کو شدید مصائب کا سامنا ہے مگر شہنشاہ حضور ان کا خاتمہ کرنا چاہتے ہیں۔ خوفناک مثالوں سے آپ پر واضح ہو گیا ہوگا کہ وہ نافرمانی اور جرم کی کیا سزا دیتے ہیں۔ افراتفری کے خاتمے اور عوام کی حفاظت کیلئے سخت اقدامات اٹھائے گئے ہیں۔ آپ ہی میں سے پدرانہ انتظامیہ چنی گئی ہے اور آپ کی شہری حکومت اسی پر مشتمل ہوگی۔ یہ انتظامیہ آپ کا خیال رکھے گی اور ضروریات کے مطابق آپ کے مفادات کا تحفظ کرے گی۔ اس کے ارکان کا نشان شانوں کے آرپار پہنا جانیوالا سرخ فیتہ ہوگا اور شہر کا میئر بھی سفید پٹی پہنے گا، تاہم جب یہ ارکان اپنی ڈیوٹی پر نہیں ہوں گے تو سرخ فیتہ صرف بائیں بازو پر آویزاں کریں گے۔''

''شہری پولیس پرانے نظام کے تحت ہی منظم کی گئی ہے اور اس کے چوکس رہنے کے نتیجے میں امن وامان کی صورتحال میں پہلے کی نسبت نمایاں بہتری آئی ہے۔ حکومت نے دو عمومی کمشنر یا پولیس سپرنٹنڈنٹ مقرر کئے ہیں۔ شہر کے مختلف حصوں میں بیس کمشنروں کا تقرر بھی عمل میں لایا گیا ہے۔ آپ انہیں بازو پر لگائے گئے سفید فیتے کی مدد سے پہچانیں گے۔ مختلف فرقوں کے گرجا گھر کھلے ہیں اور ان میں مذہبی تقریبات کا سلسلہ کسی رکاوٹ کے بغیر جاری وساری ہے۔ آپ کے شہر کے لوگ روزانہ اپنے گھروں کو واپس آرہے ہیں اور انہیں امداد فراہم کرنے نیز ان کی حفاظت کیلئے ہدایات جاری کی جا چکی ہیں کیونکہ درپیش مصائب کے سبب وہ اس کے مستحق ہیں۔ حکومت نے یہ اقدامات شہر میں امن

کی بحالی اور آپ کے حالات میں بہتری لانے کیلئے کئے ہیں۔ اس مقصد کے حصول کیلئے آپ پر انہیں تقویت دینا لازم ہے۔ اگر ممکن ہو تو آپ اپنی مصیبتیں بھول جائیں اور امید رکھیں کہ آپ کے مقدر میں آئندہ کم سختیاں لکھی ہیں۔ یقین کیجئے کہ جو لوگ آپ کے مال وجان کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے انہیں ہر صورت شرمناک سزائے موت دی جائیگی۔ آخری بات یہ کہ آپ کے ذہنوں میں اس حوالے سے کوئی شک وشبہ نہیں ہونا چاہئے کہ آپ کی جان ومال کا ہر قیمت پر تحفظ ہوگا کیونکہ عظیم ترین اور منصف ترین حکمران کی یہی مرضی ہے۔ اے سپاہیو اور شہریو! آپ کا تعلق خواہ کسی بھی قوم سے ہو، عوامی اعتماد ایک مرتبہ پھر قائم ہونے دیں کیونکہ یہی کسی ملک کی خوشحالی کا ماخذ ہوتا ہے۔ باہم بھائی چارے سے رہیں اور ایک دوسرے کو مدد اور تحفظ فراہم کریں۔ سماج دشمنوں کے ارادے ناکام کرنے کیلئے باہم متحد رہیں اور فوجی وسول حکام کی ہدایات پر عملدرآمد کریں۔ بہت جلد آپ کے آنسو تھم جائیں گے۔''

فوج کے حوالے سے نپولین نے حکم دیا کہ ماسکو میں باری باری داخل ہو کر لوٹ مار کے ذریعے کھانے پینے کی اشیاء اکٹھی کی جائیں تاکہ بعد میں فوج کی ضروریات پوری ہو سکیں۔

مذہب کے بارے میں حکم جاری ہوا کہ پادریوں کو واپس لا کر گرجا گھروں میں عبادت دوبارہ شروع کر دی جائے۔

تجارتی سرگرمیوں اور فوج کو رسد مہیا کرنے کے حوالے سے درج ذیل اعلان نامہ جگہ جگہ آویزاں کر دیا گیا۔

''اعلان''

''اے ماسکو کے امن پسند شہریو، دستکارو، اور محنت کشو، جنہیں قسمت شہر سے باہر لے گئی اور منتشر کاشتکارو، جو بے جا خوف کے سبب اپنے کھیتوں کو واپس نہیں آرہے، سنو! دارالحکومت میں امن وامان کی صورتحال واپس آرہی ہے اور نظم ونسق دوبارہ قائم کیا جا رہا ہے۔ آپ کے ہم وطن اس اعتماد کے ساتھ اپنے گھروں کو واپس آرہے ہیں کہ ان کے ساتھ عزت واحترام کا سلوک کیا جا رہا ہے۔ ان کے یا ان کے مال اسباب کیخلاف تشدد پر مبنی کسی بھی کارروائی پر فوری توجہ دی جاتی ہے اور ایسی حرکات کے مرتکب ہونیوالوں کو کڑی سزا مل رہی ہے۔ شہنشاہ حضور لوگوں کا تحفظ کرتے ہیں اور احکامات کی خلاف ورزی کرنیوالوں کے سوا آپ میں سے کسی کو اپنا دشمن نہیں سمجھتے۔ وہ آپ کی مصیبتوں کا خاتمہ کرنے اور گھربار آپ کو واپس لوٹانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ ان کے اقدامات میں ساتھ دینے کیلئے بلاخوف وتردد ہمارے پاس واپس آجائیں۔ مکمل اعتماد سے گھروں کو واپس آجائیں۔ جلد آپ کو اپنی ضروریات پوری کرنے کے مواقع میسر آجائیں گے۔ محنتی کاریگرو، اپنے کام پر لوٹ آؤ، آپ کی دکانوں اور مکانات کا تحفظ ہو رہا ہے اور آپ کو اپنی محنت کا بھرپور معاوضہ دیا جائے گا۔ اے کسانو! تم بھی جنگلوں سے واپس آجاؤ، شہر میں آپ لوگوں کو مکمل تحفظ فراہم کیا جائیگا۔ نئی منڈیاں قائم کر دی گئی ہیں اور کسان اپنے فالتو پیداواری ذخیرے وہاں لا سکتے ہیں۔ انہیں فروخت کی مکمل آزادی دینے کیلئے حکومت نے درج ذیل اقدامات کئے ہیں: (1) آج سے کسانوں، دیہاتیوں اور ماسکو کے نواحی علاقوں کے شہریوں کو دو مقررہ منڈیوں یعنی موخووایا اور اوہوتنی ریاڈ میں بلاخوف وتردد ہر شے لانے کی اجازت ہوگی (2) کسانوں سے چیزیں ایسی قیمت پر خریدی جائیں گی جن پر بیچنے اور خریدنے والا دونوں متفق ہوں گے اور اگر بیچنے والے کو مناسب قیمت نہ ملے تو اسے اپنی اشیاء واپس لے جانے کی مکمل آزادی ہوگی (3) ہر اتوار اور بدھ کو بڑی منڈیاں لگیں گی اور ان دنوں میں سامان بردار گاڑیوں کی حفاظت کیلئے شہر سے باہر مناسب فاصلوں پر بھاری تعداد میں فوجی دستے تعینات کئے جائیں گے (4) منڈیوں کے اختتام پر بھی ایسے ہی اقدامات ہوں گے تاکہ کسانوں، ان کے گھوڑوں

اور گاڑیوں کو واپسی میں کسی مشکل کا سامنا نہ کرنا پڑے (5) عام تجارت کے دوبارہ آغاز کیلئے فوری اقدامات اٹھائے جائیں گے۔"

"اے شہر یو اور دیہاتیو! کاریگرو اور دستکارو! آپ خواہ کسی بھی قوم سے تعلق رکھتے ہوں، آپ سے شہنشاہ حضور کے پدرانہ منصوبہ جات پر عملدرآمد کرائیں اور لوگوں کی بھلائی کے مقصد کو آگے بڑھانے میں ان کی مدد کریں۔ ان کا احترام کریں اور ہمارے ساتھ یکجہتی کو فروغ دینے میں تاخیر نہ کریں۔"

فوجیوں اور عوام کے حوصلے بلند کرنے کیلئے فوج کا باقاعدگی سے معائنہ کیا جاتا، سلامی لی جاتی اور اعزازت تقسیم کئے جاتے تھے۔ شہریوں کی ہمت بندھانے اور ان کی دلجوئی کیلئے شہنشاہ گھوڑے پر بیٹھ کر گلی کوچوں میں نکل آتا اور سرکاری مصروفیات کے باوجود اپنے حکم پر قائم کردہ تھیٹروں میں ڈرامے دیکھنے کیلئے جاتا۔

حکمرانوں کی اعلیٰ ترین خصوصیت سمجھے جانیوالے "خیر" کاموں میں بھی نپولین نے تیزی دکھائی اور اس حوالے سے ہر ممکن کوشش کی۔ اس نے خیراتی اداروں کے دروازوں پر لکھوایا "میری والدہ کے نام" وہ لاوارث بچوں کے مراکز میں بھی گیا اور انہیں اپنے سفید ہاتھ چومنے کی اجازت عنایت کی۔ اس نے توتولمن سے باتیں کیں اور پھر جیسا کہ تھیئر نے لکھا ہے "حکم دیا کہ فوجیوں کو جعلی روسی کرنسی میں ادائیگی کی جائے۔ جو اس نے تیار کرائی تھی"

فوج میں نظم وضبط قائم رکھنے کیلئے فرائض میں غفلت کے مرتکب اور لوٹ مار کرنیوالے فوجیوں کو کڑی سزائیں دینے کیلئے ہدایات جاری کی جاتی رہیں۔

(10)

مگر عجیب بات یہ ہے کہ ایسے تمام اقدامات، کوششیں اور منصوبہ جات اصل معاملے پر کسی طور اثر انداز نہ ہو پائے۔ یہ گھڑی کی ان سوئیوں کی مانند تھے جن کا ڈائل کے پیچھے مشینری سے رابطہ ختم کر دیا جائے تو وہ چرخیوں کو ہلائے بغیر بلا مقصد اور اپنی مرضی سے گھومتی رہتی ہیں۔

فوجی مہم کے تمام تر منصوبے کو اگرچہ اس ذہین ترین شخص کے ذہن کی کاوش سمجھا جاتا ہے اور تھیئر اس حوالے سے لکھتا ہے کہ "اس کی ذہانت نے اس سے زیادہ گہری، عقلمندی پر مبنی اور قابل تعریف شے کبھی ایجاد نہ کی تھی" وہ یہ ثابت کرنے کیلئے موسیوفن سے مناظرے میں الجھتا ہے کہ ذہانت کے اس نمونے کو 4 کی بجائے 15 اکتوبر سے منسوب کیا جانا چاہئے۔ اس منصوبے پر کبھی عمل ہوا نہ ہو سکتا تھا کیونکہ یہ صورتحال کے مطابق نہ تھا۔ کریملن کو دفاعی اعتبار سے مضبوط بنانے کا منصوبہ بیکار ثابت ہوا۔ کریملن کے نیچے سرنگ کھودنے کا صرف یہ فائدہ ہوا کہ نپولین کی یہ خواہش پوری ہو گئی کہ "جب میں ماسکو سے روانہ ہونے لگوں کو کریملن کو دھماکوں سے اڑا دیا جائے" اس کا یہ حکم فرش پر گرنے والے اس بچے جیسا تھا جو چاہتا ہے کہ فرش کو خوب مارا پیٹا جائے۔ نپولین کو روسی فوج کا تعاقب کرنے کی بیحد فکر تھی اور اس کا ایسا نتیجہ نکلا جس کی مثال ہی نہیں ملتی۔ فرانسیسی جرنیل ساٹھ ہزار روسی فوج کو نظروں میں نہ رکھ سکے اور اس کی تلاش میں بری طرح ناکام رہے۔ تھیئر کے بقول بالآخر موراٹ کی مہارت کے باعث ساٹھ ہزار فوج یوں ڈھونڈ نکالی گئی جیسے بھوسے کے ڈھیر سے سوئی تلاش کی جاتی ہے۔

سفارتی محاذ پر نپولین کے تمام دلائل دھرے رہ گئے۔ اس نے توتولمن اور یاکوفلیف (جس کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ اسے اوورکوٹ سفر کیلئے سواری مل جائے) کے ساتھ بیحد منصفانہ اور سخاوت پر مبنی سلوک

کیا مگر الیگزینڈر نے ان سے ملنا پسند کیا نہ ان کے پیغام کا کوئی جواب دیا۔

انتظامی شعبے کی حالت یہ تھی کہ بلدیہ قائم ہونے کے باوجود لوٹ مار کا سلسلہ ختم نہ ہو سکا اور اس سے صرف ان چند لوگوں کو فائدہ پہنچا جو اس میں کام کرتے تھے۔ یہ لوگ شہری انتظام بحال کرانے کے بہانے خود لوٹ مار میں مصروف ہو گئے اور اپنی جائیدادوں کے تحفظ میں کامیاب رہے۔

مذہبی حوالے سے مصر میں نپولین کے مسجد میں جانے سے معاملہ باآسانی سلجھ گیا تھا مگر یہاں ایسے کوئی نتائج برآمد نہ ہو سکے۔ ماسکو میں ملنے والے دو تین پادریوں نے نپولین کی خواہشات پر عمل کی کوشش کی مگر ان میں سے ایک کو دوران عبادت فرانسیسی سپاہی نے تھپڑ جڑ دیا اور دوسرے کے بارے میں ایک فرانسیسی افسر نے یہ رپورٹ دی کہ "مجھے جو پادری ملا میں نے اسے دعا پڑھنے کی دعوت دی۔ اس نے گرجا گھر صاف کیا اور اسے تالا لگا دیا۔ اسی رات دروازے دوبارہ زبردستی کھولے گئے اور تالے توڑ ڈالے گئے۔ کتابیں پھاڑ دی گئیں اور ایسی دیگر کارروائیاں بھی ہوئیں"

تجارتی شعبے کا یہ حال تھا کہ کاریگروں، محنت کشوں اور کسانوں کے نام جو اعلان نامہ شائع ہوا اس کا کوئی جواب نہ دیا گیا۔ الٹا کسان اس اعلان کے ساتھ شہر سے دور جانیوالے کمشنروں پر حملہ آور ہو گئے اور انہیں مار ڈالا۔

فوج اور شہریوں کی تفریح طبع کیلئے شروع کئے جانیوالے تھیٹر بھی ناکام رہے۔ کریملن اور پوزنیاکوف ہاؤس میں قائم کردہ تھیٹروں کو فوری بند کرنا پڑا کیونکہ فنکاروں کو لوٹنے کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا

امدادی کام بھی اپنے مطلوبہ نتائج حاصل نہ کر پائے۔ ماسکو میں اصلی اور جعلی کرنسی عام ہو گئی تھی اور یوں نوٹ اپنی قدر و قیمت کھو بیٹھے۔ لوٹ مار کرنیوالے فرانسیسیوں کو سونے کے علاوہ کوئی شے پسند نہ تھی۔ اب نپولین کی جانب سے فیاضی سے تقسیم ہونیوالے جعلی نوٹوں کی کوئی قدر و قیمت نہ رہی بلکہ سونے کے مقابلے میں چاندی کی معیاری قیمت بھی کم ہو گئی۔

اعلیٰ حکام کی جانب سے دی جانیوالی ہدایات بھی قطعی غیر موثر ثابت ہوتی تھیں۔ اس کی حیران کن مثال یہ ہے کہ نپولین کی کوششوں کے باوجود لوٹ مار نہ تھم سکی اور شہری انتظام بھی بحال نہ ہو سکا

فوجی افسروں نے جو رپورٹیں پیش کیں ان میں سے چند درج ذیل تھیں:

"لوٹ مار روکنے کی ہدایات کے باوجود یہ سلسلہ جاری ہے۔ انتظام وانصرام بھی بحال نہیں ہو سکا اور جائز طریقے سے کاروبار نہیں ہو رہا۔ صرف فوج کے دکاندار لوٹا ہوا مال بیچ رہے ہیں"

"میرے ضلع میں تیسری کور کے سپاہی لوٹ مار میں مصروف ہیں۔ بدقسمت لوگ تہ خانوں میں جا چھپے ہیں، وہ ان کی باقیماندہ چیزیں لوٹنے پر ہی بس نہیں کرتے بلکہ سنگدلانہ انداز میں انہیں تلواروں سے زخمی بھی کر دیتے ہیں۔ میں ایسے متعدد واقعات کا عینی شاہد ہوں"

"سپاہیوں کی لوٹ مار کے علاوہ کوئی اطلاع نہیں۔۔۔ ۱۹ اکتوبر"

"لوٹ مار جاری ہے۔ ہمارے ضلع میں چور مصروف کار ہیں اور ان کے خاتمے کیلئے طاقت کا استعمال ضروری ہو گیا ہے"

"شہنشاہ اس بات پر بیحد خفا ہیں کہ لوٹ مار کی سختی سے ممانعت کے باوجود لٹیرے گارڈز مسلسل کریملن کی جانب آتے دکھائی دے رہے ہیں۔ گزشتہ رات اور آج اولڈ گارڈز نے جس لاقانونیت کا مظاہرہ کیا وہ پہلے سے بیحد زیادہ تھی۔ شہنشاہ کو یہ دیکھ کر بیحد افسوس ہوا ہے کہ ان کی حفاظت کیلئے متعین کئے جانیوالے منتخب سپاہی جنہیں

دوسروں کے سامنے مثال پیش کرنا چاہئے تھے، اس حد تک حکم عدولی کر رہے ہیں کہ فوجی رسد کے تہہ خانوں اور گوداموں کے تالے توڑنے سے بھی دریغ نہیں کرتے، وہ اس حد تک نیچے جا چکے ہیں کہ پہرے پر مامور محافظوں اور افسروں کے احکامات کی تعمیل سے انکار کر دیتے ہیں اور ان کے ساتھ گالی گلوچ اور لڑائی جھگڑے سے بھی نہیں چوکتے''

''محل کے چیف مارشل نے سختی سے شکایت کی ہے کہ مسلسل منع کرنے کے باوجود سپاہی تمام احاطوں میں بلکہ شہنشاہ کی کھڑکیوں کے سامنے بھی پیشاب کرتے رہتے ہیں''

یہ فوج مویشیوں کے اس گلے کی مانند تھی جو رسہ تڑوا کر بھاگ اٹھتے ہیں اور اسی گھاس اور چارے کو روند ڈالتے ہیں جو انہیں بھوکوں مرنے سے بچا سکتا تھا۔ جوں جوں ماسکو میں فوج کا قیام طویل ہوتا چلا گیا، توں توں وہ اور بھی منتشر ہوتی گئی اور اپنی طاقت کھونے لگی۔

مگر یہ اپنی جگہ سے نہ ہلی۔

اسے ماسکو سے بھاگنے کا خیال صرف اسی وقت آیا جب سمولنسک کی سڑک پر اس کی سامان بردار گاڑیوں کے پکڑے جانے اور تاروتینو میں جنگ کی خبروں سے خوف وہراس کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ تاروتینو کی جنگ کی خبر غیر متوقع طور پر اس وقت نپولین تک پہنچی جب وہ فوجی دستوں کے معائنے میں مصروف تھا۔ جیسا کہ تھیئر نے لکھا ہے ''اس اطلاع نے اس کے دل میں روسیوں کو سزا دینے کی خواہش بیدار کر دی اور تمام فوج کے مطالبے کے مطابق روانگی کا حکم دے دیا''

ماسکو سے واپس جاتے ہوئے فرانسیسی فوجی لوٹ کا تمام مال اسباب اپنے ساتھ لے گئے۔ نپولین نے اپنا نجی خزانہ بھی ساتھ لے جانا تھا۔ تھیئر کے بقول ''فوج کی نقل وحرکت میں رکاوٹ بننے والی ساز وسامان سے لدی گاڑیاں دیکھ کر نپولین خوفزدہ ہو گیا تاہم اپنے تمام تر جنگی تجربے کے باوجود اس نے فالتو گاڑیاں جلانے کا حکم نہ دیا حالانکہ ماسکو کی جانب پیشقدمی کے دوران وہ ایک مارشل کی گاڑیوں سے ایسا ہی سلوک کر چکا تھا۔ وہ گاڑیوں کو دیکھ کر کہتا ''بہت اچھے، یہ گاڑیاں ساز وسامان، بیماروں اور زخمیوں کو اٹھانے کیلئے استعمال ہو سکتی ہیں''

فرانسیسی فوج کی حالت اس زخمی درندے جیسی تھی جسے علم ہوتا ہے کہ اس کا آخری وقت آن پہنچا ہے تاہم وہ اپنے افعال سے آگاہ نہیں ہوتا۔ نپولین اور اس کی فوج کے ماسکو میں داخلے اور بعد از اں تباہی سے دوچار ہونے کے درمیانی عرصہ میں ان کی چالوں اور مقاصد کا مطالعہ کرنا شدید زخمی درندے کی اچھل کود اور کپکپاہٹ کا جائزہ لینے جیسا ہے۔ جب زخمی درندہ سرسراہٹ کی آواز سنتا ہے تو عموماً سیدھا شکاری کی بندوق کی جانب بھاگ اٹھتا ہے۔ وہ آگے اور پھر پیچھے ہٹتا ہے اور یوں اپنی موت کو خود ہی دعوت دے دیتا ہے۔ نپولین پر تمام فوج نے دباؤ ڈالا تو اس نے بھی یہی کیا۔ تاروتینو کی سرسراہٹ نے درندے کو خوفزدہ کر دیا اور وہ تیزی سے شکاری کی بندوق کی جانب بھاگا، شکاری کے قریب گیا، واپس مڑا اور ایک مرتبہ پھر آگے جا کر، واپس اس پر خطر راہ پر چل دیا جو شکاری کی جانی پہچانی تھی اور جہاں وہ با آسانی اسے ڈھونڈ کر نشانہ بنا سکتا تھا۔

نپولین کو اس تمام نقل وحرکت کے قائد کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے جس طرح جہاز کے اگلے حصے پر نصب لکڑی کا مجسمہ جنگلیوں کو ملاح معلوم ہوتا ہے۔ تاہم اس نے تمام عرصہ میں اس بچے جیسا رویہ اختیار کئے رکھا جو گاڑی کے اندر لگی پٹی پکڑ کر یوں سمجھتا ہے جیسے وہی گاڑی چلا رہا ہے۔

(11)

پیری 6 اکتوبر کی صبح چھپر سے باہر آیا اور دروازے کے قریب رک کر ایک پستہ قد کتیا کے ساتھ کھیلنے لگا جس کا جسم لمبا، رنگ جامنی سرمئی، ٹانگیں چھوٹی اور قدرے ٹیڑھی تھیں۔ کتیا اس کے اردگرد اچھلنے کودنے میں مصروف تھی۔ یہ دبلی پتلی کتیا ان کے چھپر میں ہی رہتی تھی۔ وہ رات کو کاراتایف کے ساتھ سو جاتی۔ اگرچہ بعض اوقات وہ گھومنے پھرنے کیلئے شہر کو چلی جاتی تھی مگر ہمیشہ واپس آ جاتی۔ غالباً اس کا کوئی مالک پہلے تھا نہ اب کوئی تھا، اس کے ساتھ ساتھ وہ بے نام بھی تھی۔ فرانسیسی، داستان طراز سپاہی، کاراتایف اور دیگر لوگ اسے مختلف ناموں سے پکارتے تھے۔ مالک، نام، نسل اور خاص رنگ کی عدم موجودگی سے اس کتیا کو کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ اس کی دم کلغی جیسا دائرہ بنائے سیدھی کھڑی رہتی نیز اس کی ٹیڑھی ٹانگیں کچھ اس تسلی بخش انداز سے کام کرتی تھیں کہ وہ بعض اوقات اپنی ایک پچھلی ٹانگ شان سے اوپر اٹھا لیتی اور بقیہ تینوں ٹانگوں پر کچھ اس تیزی سے بھاگی پھرتی جیسے اسے اپنی چاروں ٹانگوں پر دوڑنے سے شرم محسوس ہوتی ہو۔ وہ ہر شے سے لطف اندوز ہونے کا طریقہ ڈھونڈ نکالتی تھی۔ کبھی وہ خوشی سے منمناتی اور چھلانگیں لگاتی رہتی اور کبھی سنجیدگی سے دھوپ میں جا بیٹھتی۔ کبھی لکڑی کا کوئی ٹکڑا یا تنکا اٹھا کر اس سے کھیلنا شروع کر دیتی اور کبھی یونہی ادھر ادھر اچھلتی پھرتی تھی۔

پیری کا لباس گندا اور پرانا ہونے کے ساتھ ساتھ جگہ جگہ سے پھٹ چکا تھا۔ وہ کاراتایف کے مشورے پر گرمی حاصل کرنے کیلئے اپنی فوجی پتلون کے پائنچے رسی سے بند کر دیتا۔ لباس کے اوپر اس نے کسانوں والا کوٹ اور ٹوپی پہن رکھی ہوتی تھی۔ اس عرصہ میں جسمانی اعتبار سے پیری میں نمایاں تبدیلیاں رونما ہو چکی تھیں۔ اگرچہ وہ اب بھی خاص قوی الجثہ دکھائی دیتا تھا کیونکہ یہ اس کی خاندانی خصوصیت تھی مگر اب پہلے جیسا موٹا نہیں رہا تھا۔ اس کے چہرے کے نچلے حصے کو داڑھی مونچھوں نے ڈھانپ لیا تھا اور اس کے جوؤں سے بھرے لمبے اور الجھے ہوئے بال سر کے گرد ٹوپی کی طرح لپٹے رہتے تھے۔ اس کی آنکھیں عزم واطمینان سے بھرپور اور چوکس دکھائی دیتی تھیں۔ ماضی میں اس کی آنکھوں میں ایسے تاثرات کبھی دکھائی نہیں دیئے تھے۔ پہلے انہیں دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے یہ کاہل اور سست شخص ہے مگر اب کچھ ایسا دکھائی دینے لگا تھا جیسے وہ عمل اور مدافعت کرنا چاہتا ہے اور اس میں ایسا کرنے کا حوصلہ بھی بدرجہ اتم موجود ہو گا۔

پیری کبھی اپنے سامنے میدان کو دیکھنے لگتا اور کبھی اس کی نگاہیں دریا کے پار آسمان پر ٹک جاتیں۔ بعد ازاں وہ کتیا کا جائزہ لینا شروع کر دیتا جو جھوٹ موٹ یوں ظاہر کر رہی تھی جیسے اسے کاٹنا چاہتی ہو۔ پھر وہ اپنے برہنہ پاؤں دیکھنے لگ جاتا جنہیں وہ خوشی سے دائیں بائیں منتقل کر رہا تھا اور اپنے غلیظ موٹے انگوٹھوں کا مشاہدہ کرنے میں مصروف ہو جاتا۔ اپنے ننگے پاؤں دیکھ کر اسے سکون ملتا اور چہرے پر شگفتگی کی لہر دوڑ جاتی۔ اپنے یہ برہنہ پاؤں دیکھ کر اسے وہ تمام باتیں یاد آ جاتیں جو اس نے انہی ہفتوں میں سیکھی تھیں اور اس کا دل خوش ہو جاتا۔

کچھ دنوں سے موسم خوشگوار تھا صبح کے وقت تھوڑی بہت سردی تھی۔ کھلی فضا میں دھوپ سینکنے سے حرارت محسوس ہوتی تھی اور صبح کی سردی کی طاقت بخش تازگی سے مل کر یہ حرارت اور بھی خوشگوار معلوم ہونے لگتی تھی۔

دور ونزدیک ہر شے پر وہی جادوئی چمک تھی جو صرف خزاں کے دنوں میں دکھائی دیتی ہے۔ کہیں دور گاؤں، گرجا گھر اور وسیع مکان سمیت چڑیوں کی پہاڑیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ ٹنڈ منڈ درخت، ریت، پتھروں اور اینٹوں سے بنے مکانات، گرجا گھر کے مینار اور سفید مکان کے زاویوں کے خطوط صاف فضا میں غیر فطری انداز میں

چمک رہے تھے اور واضح طور پر دیکھے جا سکتے تھے۔ پیری اور قیدیوں کے چھپر کے قریب محل نما عمارت کے مانوس آثار دکھائی دیتے تھے جس پر فرانسیسیوں کا قبضہ تھا۔ وہاں لکڑی کی باڑ کے ساتھ جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں جن کے پتے ابھی تک سبز تھے۔ اس شفاف اور بادلوں کے بغیر ساکن فضا میں ادھ جلا اور تباہ شدہ مکان بھی اتنا خوبصورت معلوم ہو رہا تھا کہ جی خوش ہو جاتا تھا۔

ایک فرانسیسی کارپورل اپنے کوٹ کے بٹن لاپروائی سے بند کئے اور سر پر ٹوپی پہنے چھپر کے کونے میں آیا۔ اس کے منہ میں چھوٹا سا پائپ تھا۔ وہ دوستانہ انداز میں پلکیں جھپکاتا پیری کے قریب پہنچ گیا۔ وہ کہنے لگا "مسٹر کرل، کیسی شاندار دھوپ ہے، ایسا لگتا ہے کہ موسم بہار آ گیا ہے"

کارپورل دروازے کے سہارے کھڑا ہو گیا اور پیری کو پائپ پیش کیا۔ اگرچہ پیری ہمیشہ انکار کرتا رہتا تھا مگر وہ بھی اسے ہمیشہ پائپ پیش کرتا رہتا تھا۔

وہ کہنے لگا "ایسے موسم میں تو دل کرتا ہے کہ سامان باندھ کر سفر پر روانہ ہو جانا چاہئے۔۔۔"

پیری نے اس سے پوچھا کہ وہ فرانسیسیوں کی روانگی کے بارے میں کیا جانتا ہے۔ کارپورل نے اسے بتایا کہ کم وبیش تمام فوج روانہ ہو رہی ہے اور توقع ہے کہ قیدیوں کے بارے میں واضح ہدایات اسی دن دی جائیں گی۔ پیری کے چھپر میں سکالوف نامی ایک روسی سپاہی شدید بیمار تھا۔ پیری نے کارپورل سے پوچھا کہ اس کا کیا بنے گا۔ کارپورل نے جواباً بتایا کہ پریشانی کی ضرورت نہیں، ایسے مریضوں کیلئے ان کے پاس عارضی اور مستقل ہر دو ہسپتال موجود ہیں اور ہر صورت سے نمٹنے کا سامان موجود ہے۔

اس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا "علاوہ ازیں مسٹر کرل آپ جانتے ہیں کہ آپ کو کپتان سے صرف ایک لفظ کہنے کی دیر ہے، ارے وہ۔۔۔ اسے سب باتیں یاد رہتی ہیں"

کارپورل جس کپتان کا تذکرہ کر رہا تھا وہ اکثر پیری کے ساتھ باتیں کرتا رہتا تھا اور اسے ہر قسم کی رعایتیں دیتا تھا۔

کارپورل نے مزید کہا "وہ ایک دن مجھے کہہ رہا تھا "دیکھو سینٹ تھامس، کرل پڑھا لکھا شخص ہے اور فرانسیسی بولتا ہے، وہ روسی نواب ہے مگر قسمت کی خرابی کے سبب یہاں پھنس گیا تاہم بہادر شخص ہے اور اسے صحیح غلط میں تمیز کرنا آتی ہے۔ اگر اسے کوئی شے درکار ہو تو میرے پاس بھیج دینا، میں اسے انکار نہیں کروں گا۔ اگر انسان خود تعلیم یافتہ ہو تو وہ باعلم اور شائستہ اطوار کے حامل لوگوں کی قدر کرتا ہے۔ مسٹر کرل میں یہ سب کچھ آپ کی بھلائی کیلئے کہہ رہا ہوں۔ اگلے دن جو کچھ ہوا، اگر آپ بیچ میں نہ آتے تو معاملہ گڑبڑ ہو جاتا"

(کارپورل نے جس بات کی طرف اشارہ کیا تھا وہ قیدیوں اور فرانسیسی سپاہیوں میں جھگڑا تھا جس میں پیری نے اپنے ساتھیوں کو سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کر دیا) کچھ دیر ایسی باتیں کرنے کے بعد کارپورل وہاں سے چلا گیا۔

کچھ قیدیوں نے پیری کو کارپورل سے گفتگو کرتے دیکھ لیا تھا۔ وہ فوری طور پر اس کے پاس آئے اور دریافت کیا کہ وہ کیا کہہ رہا تھا۔ پیری انہیں فوج کی ماسکو سے روانگی کے بارے میں آگاہ کر رہا تھا کہ ایک زرد چہرے والا ایک کمزور اور پریشان حال فرانسیسی سپاہی ان کے قریب آیا۔ اس نے شرمانے کے انداز میں اپنی انگلیاں تیزی سے ماتھے تک اٹھائیں اور پیری سے پوچھنے لگا کہ پلاتوشے چھپر میں ہی ہے جسے اس نے اپنی قمیص سینے کیلئے دے رکھی تھی۔

گزشتہ ہفتے فرانسیسی سپاہیوں میں کپڑا اور بوٹوں کیلئے چمڑا تقسیم کیا گیا تھا اور انہوں نے یہ چیزیں سلائی کیلئے

قیدیوں کے حوالے کر دی تھیں۔

اسی دوران کاراتائیف بھی دروازے پر آ گیا اور سپاہی کی بات کے جواب میں کہنے لگا "میرے عزیز، تیار ہے، تیار ہے" اس کے ہاتھ میں صفائی سے تہہ شدہ قمیص تھی۔

نیم گرم موسم اور کام میں سہولت کی وجہ سے کاراتائیف نے پتلون اور سیاہ رنگت کی حامل بوسیدہ قمیص کے سوا کچھ نہیں پہنا ہوا تھا۔ اس کے بال چھال کی رسی سے بندھے تھے اور گول مٹول چہرہ کچھ زیادہ ہی گول اور شفیق دکھائی دے رہا تھا۔

پلاتون نے مسکراتے ہوئے کہا "میں نے جمعے کا وعدہ کیا تھا اور اسے پورا کر دکھایا۔ یہ ہے آپ کی قمیص" یہ کہتے ہوئے اس نے قمیص کی تہیں کھول دیں۔

فرانسیسی نے اضطرابی کیفیت میں ادھر ادھر دیکھا اور پھر جلدی سے اپنی وردی اتار کر قمیص پہن لی۔ وردی تلے وہ اپنے دبلے پتلے زرد جسم پر پھولدار ریشمی واسکٹ پہنے ہوئے تھا جس پر کوئی قمیص نہ تھی۔ اسے ڈر تھا کہ قیدی یہ حالت دیکھ کر ہنسیں گے سو اس نے عجلت سے سر قمیص میں گھسا دیا تاہم کوئی سپاہی ہنسانہ بولنے کی کوشش کی۔ پلاتون قمیص کو نیچے کھینچتے ہوئے بار بار کہتے جاتا تھا "آپ کو بالکل پوری ہے" فرانسیسی نے اپنا سر اور بازو قمیص میں داخل کرنے تو نظریں اٹھا کر اسے اور اس کی سلائی کو بغور دیکھنے لگا۔

پلاتون کہنے لگا "میرے عزیز، تمہیں علم ہی ہے کہ یہ درزی کی دکان تو نہیں اور جیسا کہ سب جانتے ہیں، میرے پاس مناسب اوزار بھی نہیں ہیں۔ اگر اچھا سامان نہ ہو تو جوں بھی نہیں ماری جا سکتی" بلاشبہ وہ اپنے کام سے خوش تھا۔

فرانسیسی کہنے لگا "بہت اچھے، شکریہ، مگر کچھ کپڑا تو بچ رہا ہوگا۔۔۔"

پلاتون کہنے لگا "جب یہ تمہارے جسم پر فٹ ہو جائے گی تو اور زیادہ اچھی لگے گی" بظاہر وہ ابھی تک اپنے فن کی تعریفوں میں مصروف تھا۔ اس نے مزید کہا "آپ یہ پہن کر بہت اچھے لگیں گے اور اطمینان بھی محسوس کریں گے۔۔۔"

فرانسیسی نے جواباً کہا "شکریہ، شکریہ میرے دوست، مگر بچا کیا کچھ ہے۔۔۔" اس نے ایک نوٹ نکال کر کاراتائیف کو دیا اور بولا "کپڑے کے بچ رہنے والے ٹکڑے مجھے دے دو"

پیری کو اندازہ ہو گیا کہ فرانسیسی جو کچھ کہہ رہا ہے، پلاتون جان بوجھ کر اس سے انجان بنا ہوا ہے۔ چنانچہ وہ کچھ کہے بغیر انہیں دیکھتا رہا۔ فرانسیسی نے کاراتائیف کو جو رقم دی تھی اس نے اس کا شکریہ ادا کیا اور اپنے کام کی تعریف میں منہمک رہا۔ فرانسیسی بچے ہوئے کپڑے کا تقاضا کرتا رہا اور پیری سے کہنے لگا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے اس کا روسی ترجمہ پلاتون کو بتا دے۔

کاراتائیف کہنے لگا "یہ ان ٹکڑوں کا کیا کرے گا، ہمارے کچھ کام ہی آ جاتے، ہم انہیں ٹانگوں پر لپیٹ لیں گے، بہرحال خیر ہے"

کاراتائیف کا منہ لٹک گیا اور اس نے اپنی قمیص میں ہاتھ ڈال کر کپڑے کے بچے کھچے ٹکڑے نکالے اور فرانسیسی کی جانب دیکھے بغیر اسے پکڑا دیئے۔ پھر وہ وہاں سے چل دیا۔ فرانسیسی نے کپڑوں کو دیکھا اور پھر کچھ دیر سوچنے کے بعد پیری کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا جیسے پیری نے نگاہوں ہی نگاہوں میں اسے کچھ بتا دیا ہو۔ اچانک اس کا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا اور وہ تیز آواز میں پلاتون کو بلاتے ہوئے کہنے لگا "پلاتوشے، ادھر آؤ۔۔۔ یہ تم ہی

رکھ لو" یہ کہہ کر اس نے کپڑے کے ٹکڑے کاراتائیف کو واپس کئے اور جلدی سے باہر نکل گیا۔

پلاتون کاراتائیف سر جھٹکتے ہوئے بولا" دیکھیں، کہتے ہیں نہ وہ عیسائی نہیں، مگر ان کی بھی روح ہے۔ بڑے بوڑھے سچ کہتے ہیں کہ" گیلا ہاتھ کھلا ہوتا ہے اور خشک بند" اس کی اپنی کمر ننگی تھی مگر پھر بھی اس نے یہ مجھے لوٹا دیئے" بات مکمل کرنے کے بعد کاراتائیف فکرمندی سے مسکرایا اور کچھ دیر کپڑے کی دھجیوں کو دیکھتا رہا۔ پھر وہ بولا" مگر میرے عزیز، ان سے ٹانگیں تو اچھی طرح ڈھک سکتی ہیں" یہ کہہ کر وہ چھپر میں واپس چلا گیا۔

(12)

پیری کی قید کو چار ہفتے گزر چکے تھے۔ اگرچہ فرانسیسیوں نے اسے افسروں کے چھپر میں منتقل ہونے کی پیشکش کی تھی مگر وہ عام سپاہیوں کے ساتھ ہی ٹھہرا رہا جہاں اسے پہلے دن بھیجا گیا تھا۔

پیری کو تباہ شدہ اور آتش زدہ شہر میں اس تنگدستی اور احتیاج کا تجربہ ہو رہا تھا جو انسان زیادہ سے زیادہ برداشت کر سکتا ہے۔ مگر اپنی اچھی صحت اور مضبوط قد کاٹھ کی بنا پر نیز یہ احتیاج اور تنگدستی اس کی زندگی میں اتنی خاموشی سے داخل ہوئی کہ وہ اپنی اس حالت پر کڑھنے کی بجائے اسے خوشی سے برداشت کرتا رہا۔ یہی وہ دور تھا جب اسے وہ سکون مل گیا جس کا وہ اتنے طویل عرصہ سے متلاشی تھا۔ اس نے اپنی بورودینو کی جنگ میں سپاہیوں کو دیکھ جس سکون اور طمانیت کے احساس کا تجربہ حاصل کیا تھا، وہی سکون حاصل کرنے کیلئے مختلف انداز سے کوششیں کرتا رہا تھا۔ اس نے یہ سکون خیراتی کاموں، فری میسن برادری، شہری زندگی کے عیش وطرب، اپنی ذات کی قربانی کے بہادرانہ کارناموں اور نتاشا کی محبت میں ڈھونڈنے کی کوشش کی تھی۔ اس نے اسے عقل اور فلسفیانہ مباحثوں میں تلاش کیا مگر ہر جگہ ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ اب اسے یہ ذہنی سکون اور باطنی ہم آہنگی موت کی ہولناکی، غربت اور کاراتائیف کی زندگی سے حاصل ہوگئی جس کا اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ قیدیوں کو گولی مارے جاتے وقت اسے جن خوفناک لمحات سے گزرنا پڑا تھا تو اس وقت وہ پریشان کن خیالات واحساسات اس کے ذہن سے اچانک ختم ہوگئے جنہیں ماضی میں وہ بے حد اہم سمجھتا تھا۔ اب اس کے دل میں یہ خیال بھی نہ آتا تھا کہ اسے روس، جنگ، سیاسی امور یا نپولین کے بارے میں سوچنا یا فکرمند ہونا چاہئے۔ اس پر واضح ہو گیا کہ ان تمام چیزوں میں اس کا کوئی تعلق نہیں۔ کسی نے اسے ان پر رائے دینے کو نہیں کہا چنانچہ وہ ان کے بارے میں کوئی فیصلہ کن بات منہ سے نہیں نکال سکتا۔ وہ کاراتائیف کے سکون بخش الفاظ سوچتا" آگ اور پانی کی طرح روس اور موسم گرما کا باہم کوئی تعلق نہیں" اب اسے نپولین کو ہلاک کرنے کا اپنا منصوبہ اور پراسرار اعداد کا حساب کتاب بے معنی اور مضحکہ خیز دکھائی دیا۔ اسے اپنی بیوی پر جو غصہ آتا تھا اور اپنی بدنامی کی جو فکر رہتی تھی، اب وہ بھی نہ رہی تھی اور اسے یوں محسوس ہوتا تھا کہ یہ تو انتہائی معمولی اور بیوقوفی پرمبنی باتیں تھیں۔ اسے یہ فکر کرنے کی کیا ضرورت تھی کہ وہ یہاں یا وہاں کیسی زندگی گزار رہی ہے؟ کسی کیلئے، خصوصاً اس کے اپنے لئے یہ بات کیا اہمیت رکھتی ہے کہ اس نام نہاد چیز کا خوف ہے۔

اسے شہزادہ آندرے سے اپنی گفتگو اکثر یاد آتی تھی اور وہ اپنے دوست سے اتفاق کرتا تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ پیری شہزادہ آندرے کے خیالات کو کچھ مختلف انداز سے سمجھنے کی کوشش کرتا تھا۔ شہزادہ آندرے کا یقین تھا اور وہ اس کے اظہار سے باز بھی نہیں رہتا تھا کہ خوشی منفی شے ہے مگر وہ یہ بات نسبتاً تلخ اور طنزیہ انداز سے کہا کرتا تھا جیسے کہہ رہا ہو کہ ہمارے دلوں پر مثبت خوشی کی خواہش صرف اس لئے کندہ کر دی گئی ہے کہ یہ ہمیں ہمیشہ تکلیف سے دوچار کرتی رہے

اور اسے کبھی حاصل نہ کیا جا سکے تاہم پیری اس کی سچائی ہمہ اقسام کے ذہنی شکوک سے ماورا ہو کر تسلیم کرتا تھا۔ پیری کا خیال تھا کہ مصیبتوں کی عدم موجودگی، بنیادی ضروریات کی تکمیل اور اپنے کام یعنی طرز زندگی کے انتخاب کی آزادی مل جائے تو انسان خوشی کی انتہائی بلندیوں کو چھو سکتا ہے۔ یہاں قید میں اسے زندگی میں پہلی مرتبہ کھانے، پینے، سونے، حرارت حاصل کرنے اور اپنے ساتھیوں سے گفتگو کرنے میں مزہ آیا اور اسے ان باتوں کی حقیقی قدر و قیمت معلوم ہوئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اب وہ اس لئے کھاتا تھا کہ اسے بھوک لگتی تھی، اس لئے پیتا تھا کہ پیاس لگتی تھی، اس لئے سوتا تھا کہ نیند آتی تھی، اس لئے حرارت حاصل کرتا تھا کہ سردی لگتی تھی اور وہ اس لئے گفتگو کرتا تھا کہ اس کا انسانی آواز سننے کو دل چاہتا تھا۔ اب جبکہ وہ اچھی خوراک، صفائی اور آزادی سے محروم ہو چکا تھا تو اسے علم ہوا کہ انسان کی یہ ضروریات پوری ہو جائیں تو اسے مکمل خوشی مل سکتی ہے۔ جہاں تک طرز زندگی یعنی پیشے کے انتخاب کی بات تھی تو اب جب یہ انتخاب محدود ہو گیا تو اسے یہ معاملہ اتنا آسان دکھائی دیا کہ اسے یہ بات یاد نہ رہی کہ انسانی زندگی میں سہولیات کی فراوانی ہو جائے تو وہ اپنی ضروریات کی تسکین سے ملنے والے لطف سے محروم ہو جاتا ہے۔ اگر یہ پیشے کے انتخاب میں ضرورت سے زیادہ آزادی مل جائے (جو اسے آزادی، تعلیم، دولت اور معاشرے میں اپنے مقام کے طفیل حاصل تھی) تو پیشے کا انتخاب دشوار ہو جاتا ہے اور کوئی پیشہ اختیار کرنے کی خواہش ہی نہیں بلکہ اس کا امکان بھی ختم ہو جاتا ہے۔

اب پیری کو ہر وقت یہی بات یاد آتی تھی کہ نجانے رہائی کب ملے گی۔ مگر قید کے اس مہینے میں اسے جن خوش کن احساسات کا تجربہ ہوا اور اس سے بھی بڑھ کر جو مکمل اطمینان اور اندرونی آزادی ملی وہ صرف یہیں مل سکتی تھی اور وہ بعد میں ساری زندگی اس کا جوش و خروش سے تذکرہ کرتا رہا۔

اپنی قید کے پہلے دن جب وہ نیند سے بیدار ہوا تو اپنے چھپر سے نکلا اور حضرت مریم کی نئی خانقاہ کے گنبد اور صلیبیں دیکھیں جو شروع میں قدرے تاریک تھیں، اسے گرد سے اٹی گھاس پر سفید شبنم، چڑیوں کی پہاڑیوں کی چوٹیاں اور دور افق میں غائب ہونیوالے بل کھاتے دریا کے درختوں سے گھرے کنارے نظر آئے، جب اسے تازہ ہوا کا جھونکا محسوس ہوا اور کھیتوں سے پرے اڑتے پرندوں کی آوازیں سنیں، جب مشرق سے روشنی نکلی اور سورج فاتحانہ انداز سے بادلوں کا پردہ چیر کر نمودار ہوا تو گنبد، صلیبیں، شبنم، دریا اور افق دھوپ میں چمکنے لگے۔ اس وقت پیری کو زندگی میں نئی خوشی اور قوت کا وہ احساس ہوا جس سے وہ قبل ازیں ناآشنا تھا۔

یہ احساس نہ صرف اس کی قید کے باقیماندہ حصے میں اس کے ساتھ رہا بلکہ جوں جوں اس کی مشکلات بڑھتی گئیں یہ اور بھی مضبوط تر ہوتا چلا گیا۔

چھپر میں آنے کے فوری بعد ہی اس کے ساتھی قیدیوں نے اس کے بارے میں جو اعلیٰ رائے قائم کی اس نے اس کے ہر کام میں مستعدی اور اخلاقی ہوشیاری کا احساس مزید مضبوط کر دیا۔ وہ مختلف زبانوں سے واقف تھا، فرانسیسی اس سے احترام پرمبنی برتاؤ کرتے، اس سے کوئی شے مانگی جاتی تو وہ فوری طور پر دے دیتا (اسے فی ہفتہ تین روبل الاؤنس ملا کرتا تھا) وہ ساتھی قیدیوں سے نرمی اور شفقت پرمبنی سلوک روا رکھتا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ جسمانی طور پر مضبوط تھا (جس کا ثبوت اس نے سپاہیوں کے سامنے دیواروں پر انگلیوں کی مدد سے کیلیں ٹھونک کر کیا) اور اس میں کوئی کام کئے بغیر سکون سے بیٹھے رہنے اور غور و فکر کرنے کی صلاحیت بھی موجود تھی جسے کوئی اور نہیں سمجھ پاتا تھا۔ ان خوبیوں کی بنا پر وہ عام سپاہیوں کو کسی قدر اہم اور پراسرار شے معلوم ہوتا تھا۔ اس کی وہی خوبیاں یعنی جسمانی قوت، زندگی کی سہولیات کے بارے میں اس کا نفرت آمیز رویہ، غائب دماغی اور سادگی عملی زندگی میں اس کیلئے نقصان دہ نہیں تھیں

تو کم از کم مختلف کاموں میں رکاوٹ اور شرمندگی کا سبب ضرور بنتی تھیں۔ اب انہی خوبیوں کی بدولت وہ ان لوگوں میں ہیرو بن گیا اور اسے محسوس ہونے لگا کہ ان لوگوں کی رائے نے اس کے کندھوں پر بھاری ذمہ داری عائد کر دی ہے۔

(13)

فرانسیسی ۱۹ اکتوبر کی رات ماسکو سے نکلے۔ باورچی خانے اور چھپر گرا دیئے گئے۔ ساز و سامان گاڑیوں میں لادا گیا اور فوجی دستے تیز سامان بردار گاڑیاں کوچ کرنے لگیں۔

صبح سات بجے ایک فرانسیسی فوجی قافلے کے سپاہی چھپروں کے سامنے سروں پر ٹوپیاں پہنے، بندوقیں، سفری بیگ اور وزنی بوریوں سے لدے کھڑے تھے۔ وہ روانگی کیلئے تیار تھے اور ان کی شگفتہ باتیں تمام صفوں میں سنائی دے رہی تھیں جن میں وہ اکثر و بیشتر گالیوں کی آمیزش کرتے رہتے تھے۔

چھپر میں موجود تمام لوگوں نے کپڑے اور جوتے پہن لئے اور پیٹیاں کس کر کھڑے ہو گئے۔ اب انہیں صرف روانگی کا انتظار تھا۔ صرف کمزور اور زرد رو بیمار سپاہی۔ سکالوف اپنے کونے میں لیٹا ہوا تھا جس کی آنکھوں کے گرد حلقے بنے ہوئے تھے۔ اس نے اوورکوٹ پہنا تھا نہ بوٹ۔ اس کے ابھری ہڈیوں والے چہرے پر آنکھیں بیحد نمایاں معلوم ہوتی تھیں جن کی مدد سے وہ اپنے ساتھیوں کو سوالیہ نگاہوں سے گھورے جاتا تھا تاہم اس کی جانب کسی کی توجہ نہ تھی اور وہ وقفے وقفے سے کراہ رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ اپنی بیماری نہیں بلکہ اکیلا رہ جانے کے خوف سے آہیں بھر رہا ہے۔

پیری اپنی کمر کے گرد رسی باندھے اور پاؤں میں کاراتایف کے بنائے جوتے پہن کر بیمار کے پاس گیا اور اس کے قریب بیٹھ گیا۔

سپاہی بلند آواز سے کراہتے ہوئے کہنے لگا ''او خداوند! اس طرح تو میں مر جاؤں گا''

پیری اٹھا اور کہنے لگا ''میں ابھی جا کر ان سے دوبارہ پوچھتا ہوں''

ابھی وہ دروازے کے قریب ہی گیا تھا کہ اسے وہی کارپورل دو سپاہیوں کے ساتھ وہاں دکھائی دیا جس نے گزشتہ روز اسے پائپ پیش کیا تھا۔ ان کی کمر پر تھیلے لٹکے ہوئے تھے اور سروں پر ٹوپیاں تھیں جن کے فیتے ان کی ٹھوڑیوں پر بندھے تھے۔ ٹوپیوں کی بدولت ان کے مانوس چہرے نامانوس نظر آتے تھے۔

باہر نکالے جانے سے پہلے قیدیوں کی گنتی کی جاتی تھی۔ کارپورل کو دروازہ بند کرنے کا حکم ملا۔

پیری نے پوچھا ''کارپورل، اس بیمار کا کیا ہوگا؟''

مگر اپنی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی اس کے دل میں شبہ پیدا ہو گیا کہ آیا یہ وہی کارپورل ہے جس سے وہ واقف تھا یا کوئی اور ہے کیونکہ یہ کارپورل اب اسے پہلے سے مختلف دکھائی دے رہا تھا۔ جس وقت پیری نے اس سے یہ بات پوچھی تھی اسی وقت دونوں جانب سے فوجی بینڈ کی تیکھی آواز سنائی دی۔ پیری کا سوال سن کر کارپورل کے چہرے پر خفگی کے تاثرات نمودار ہو گئے اور اس نے بے معنی انداز میں گالی بکتے ہوئے دروازہ زور سے بند کر دیا۔ بیمار کی کراہیں دونوں اطراف سے آنیوالی بینڈ کی آوازوں میں دب کر رہ گئیں۔

یہ دیکھ کر پیری خود کلامی کے انداز میں کہنے لگا ''یہ ہے!۔۔۔ دوبارہ'' یہ کہتے ہوئے اس کا جسم غیر ارادی طور پر کانپنے لگا۔ پیری نے کارپول کے تاثرات کی تبدیلی، اس کے لہجے، بینڈ کی دل دہلا اور کان پھاڑ دینے والی آوازوں

کے شور میں اس پراسرار اور ظالم قوت کو پہچان لیا جو انسانوں کو اپنے جیسے انسانوں کے قتل پر اکساتی ہے۔ یہ وہی طاقت تھی جسے وہ لوگوں کو گولیوں سے ہلاک کئے جاتے وقت دیکھ چکا تھا۔ اس قوت سے ڈرنا یا اس سے بچنے کی کوشش نیز اس کے آلہ کار کی حیثیت سے کام کرنیوالوں کی منت سماجت یا ان سے کوئی درخواست کرنا بے فائدہ تھا۔ پیری اب یہ بات جان چکا تھا۔ انسان کے بس میں صرف یہی بات تھی کہ وہ انتظار کرے۔ وہ دوبارہ بیمار کے پاس گیا نہ اس کی جانب مڑ کر دیکھا اس کی بجائے وہ چھپر کے قریب کھڑا خاموشی سے ناگواری کا اظہار کرتا رہا۔

دروازہ کھلا اور قیدی بھیڑوں کے گلے کی طرح بے ترتیبی سے دروازے میں پھنس گئے تو پیری دھکم پیل کرتا آگے بڑھا اور اس کپتان کے پاس جا پہنچا جس کے بارے میں کارپورل نے اسے یقین دلایا تھا کہ وہ تمہارے لئے سب کچھ کرنے کو تیار ہو جائے گا۔ کپتان نے بھی سفری وردی پہن رکھی تھی۔ پیری کو اس کے سرد چہرے پر بھی وہی قوت دکھائی دی جس کی شناخت اس نے کارپورل کے الفاظ اور فوجی بینڈ کی آوازوں میں کی تھی۔

کپتان غصے کے عالم میں قیدیوں اور سپاہیوں کو ہدایات دینے میں مصروف تھا۔ وہ قیدیوں کا بغور جائزہ لیتا جاتا تھا جو اس کے قریب بھیڑ کی صورت میں جمع تھے۔

پیری کو علم تھا کہ اس کی کوشش بیکار جائے گی مگر اس کے باوجود وہ کپتان کے پاس پہنچ گیا۔

اس نے کپتان کو بیمار کے بارے میں آگاہ کیا۔

کپتان کہنے لگا ''جہاز میں جائے، وہ چل سکتا ہے''

پیری نے کہا ''وہ نہیں چل سکتا، وہ آخری دموں پر ہے''

کپتان نے اسے غصے میں دیکھا اور پیری کو اندازہ ہو گیا کہ وہ پراسرار قوت انہیں پوری طرح اپنی گرفت میں لے چکی ہے اور اب مزید کچھ کہنا یا سننا فضول ہوگا۔

قیدیوں میں موجود افسروں کو عام سپاہیوں سے علیحدہ کر دیا گیا اور انہیں آگے بڑھنے کا حکم ملا۔ افسروں کی تعداد تیس تھی اور پیری بھی ان میں شامل تھا۔ سپاہی تین سو تھے۔

افسر دیگر چھپروں سے آئے تھے اور پیری ان میں سے کسی کو بھی نہیں جانتا تھا۔ وہ پیری سے بہتر لباس پہنے ہوئے تھے۔ انہوں نے اسے اور اس کے عجیب و غریب جوتوں کو شک و شبے اور لاتعلقی سے دیکھا۔ اس سے کچھ دور ایک موٹا میجر جا رہا تھا۔ اس کا زرد چہرہ پھولا ہوا تھا اور وہ قازانی لباس میں ملبوس تھا جس پر پیٹی کی بجائے تولیہ بندھا تھا۔ بظاہر یوں لگتا تھا جیسے ساتھی قیدی اس کا احترام کرتے ہیں۔ اس نے اپنا ایک ہاتھ سینے کے اوپر گاؤن میں ڈال رکھا تھا جس میں تمباکو کی تھیلی تھی۔ دوسرے ہاتھ میں اس نے پائپ مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔ میجر کا سانس پھول رہا تھا اور وہ بار بار پھونکیں مارتا تھا۔ درمیان میں وہ ہر شخص پر غرانے اور اس کے بارے میں شکایات کرنا شروع ہو جاتا۔ اس کا خیال تھا کہ اسے دھکے دیئے جا رہے ہیں اور لوگ خواہ مخواہ جلد بازی کر رہے ہیں حالانکہ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ وہ سمجھتا تھا کہ لوگ خواہ مخواہ حیران ہو رہے ہیں حالانکہ حیران ہونے کی بھی کوئی بات نہیں ہے۔ ایک دبلا پتلا اور پستہ قد شخص ہر ایک سے کوئی نہ کوئی بات کہتا جاتا تھا اور اندازے لگانے میں مصروف تھا کہ اب انہیں کہاں لے جایا جائیگا اور اس دن وہ کہاں تک جائیں گے۔ ایک سرکاری اہلکار سڑک پر ادھر ادھر بھاگ رہا تھا۔ اس کے جسم پر محکمہ رسد کی وردی اور پاؤں میں فلیٹ بوٹ تھے۔ وہ ماسکو کے کھنڈرات اچھی طرح دیکھ لینا چاہتا تھا اسے جو جلے ہوئے مناظر دکھائی دیتے وہ ان کے بارے میں دوسروں کو بتاتا کہ اب شہر کا فلاں علاقہ اور اب فلاں جگہ دیکھی جا سکتی ہے۔ ایک اور افسر جو لب

دیکھنے سے پولینڈ کا باسی معلوم ہوتا تھا محکمہ رسد کے اہلکار سے اختلاف کرتا اور کہتا کہ وہ ماسکو کے مختلف علاقے شناخت کرنے میں غلطی کر رہا ہے۔

ان کی باتیں سن کر میجر نے غصے میں کہا "تم کس بات پر بحث کر رہے ہو؟ اب اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ یہ سینٹ نکولا ہے یا سینٹ ولاس، سب کچھ جل چکا ہے، تم دھکے کیوں دے رہے ہو، سڑک چوڑی نہیں ہے کیا؟" اس نے آخری فقرہ پیچھے مڑ کر کہا حالانکہ اسے کوئی دھکے نہیں دے رہا تھا۔

قیدی چاروں جانب جلے ادھ جلے کھنڈرات دیکھ کر کہہ رہے تھے "ہائے، ہائے، ہائے! یہ کیا ہوگیا؟ وہ جلے ہوئے علاقے دیکھ کر کہتے "زاموسکورچی بھی، اور زوبوف اور کریملن میں دیکھو، نصف بھی باقی نہیں رہا، ہاں میں نے تمہیں بتایا نہیں تھا کہ دریا کے پار تمام علاقہ جل کر راکھ کا ڈھیر بن گیا ہے، اب خود دیکھ لو کہ سب کچھ جل چکا ہے"

میجر منہ بنا کر بولا "ٹھیک ہے کہ تم جانتے ہو، مگر اس کے بارے میں باتیں کرنے کا کیا فائدہ"

جب وہ خاموونکی میں پہنچے (یہ ماسکو کے ان چند علاقوں میں شامل تھا جو جلنے سے بچ گئے تھے) یہاں ایک گرجے کے قریب پہنچ کر قیدی ایک جانب سمٹ گئے اور تمام لوگ برا بھلا کہنے اور نفرت کا اظہار کرنے لگے۔

ہر طرف سے آوازیں سنائی دے رہی تھیں "بدمعاش! کافر! ہاں، لاش ہے، لاش ہے یہ۔۔۔ انہوں نے اس پر کالک مل دی ہے"

پیری بھی گرجے کے قریب پہنچ گیا۔ وہاں وہ شے موجود تھی جسے دیکھ کر قیدیوں نے فرانسیسیوں کو گالیاں دی تھیں۔ یہ گرجے کے جنگلے کے ساتھ جکی ہوئی تھی اور پیری کو دھندلی سی دکھائی دی۔ جن لوگوں نے اسے واضح طور پر دیکھا تھا ان کی زبانی علم ہوا کہ یہ کسی شخص کی لاش تھی جس کے منہ پر انہوں نے کالک مل کر دیوار کیساتھ کھڑا کر دیا۔

فرانسیسی محافظ کی آواز سنائی دی "آگے چلو لعنت ہو تم پر آمیں ہزار شیطانو!۔۔۔" فرانسیسی سپاہیوں نے لاش کو دیکھ کر کھڑے ہونیوالے قیدیوں کو آگے بڑھانے کیلئے تلواریں نکال لیں۔

(14)

خاموونکی میں قیدی اپنے محافظوں کے سائے میں اکیلے گزر رہے تھے۔ ان کے پیچھے پیچھے اس قافلے کے سپاہیوں کی سامان بردار گاڑیاں چلی آ رہی تھیں۔ تاہم جب وہ دکانوں کے قریب پہنچے تو سامان سے لدی پھندی توپ گاڑیوں کے طویل قافلے میں پھنس گئے۔ ان گاڑیوں کے درمیان میں کوئی نجی گاڑی بھی دکھائی دے جاتی تھی۔

تمام لوگ پل پر ٹھہر گئے اور آگے والی گاڑیوں کے گزرنے کا انتظار کرنے لگے۔ پل سے قیدیوں کو اپنے آگے اور پیچھے حرکت کرنیوالی گاڑیں کی طویل قطاریں دکھائی دے رہی تھیں۔ دائیں جانب جہاں کالوگا روڈ نیسکوچنی باغات کے گرد گھومتی تھی وہاں ہر جانب فوجی اور ان کی گاڑیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ یہ جنرل بیوہرنائی کی کور تھی۔ یہ لوگ سب سے پہلے روانہ ہوئے تھے اور ان کے پیچھے دریا کنارے اور کامنی پل کے پار مارشل نے کی فوج اور گاڑیاں تھیں۔

قیدی ڈاوسٹ کی تحویل میں تھے اور اس کے دستے کریمین پل عبور کرنے میں مصروف تھے۔ ان میں سے چند پہلے ہی شاہراہ کالوگا پر چڑھ گئے تھے تاہم سامان بردار گاڑیوں کا سلسلہ اسقدر طویل تھا کہ بیوہرنائی کے قافلے کی گاڑیوں کی آخری قطار ابھی تک ماسکو سے نکل کر شاہراہ کالوگا پر نہیں پہنچی تھی کہ مارشل نے کی فوج کے ابتدائی دستے

بولشایا اورڈنکا سے برآمد ہونا شروع ہوگئے۔

کریمین پل پار کرنے کے بعد قیدیوں پر گاڑیوں اور فوجیوں کا اسقدر دباؤ پڑ گیا کہ ان کی رفتار بیحد سست پڑ گئی۔ وہ رکتے اور پھر چل دیتے۔ جب شاہراہ کالوگا کو پل سے جدا کرنیوالے راستے پر چند سو قدم چل چکے تو کالوگا اور زاموسکوریچا کی سڑکوں کے سنگم پر ٹھہر گئے۔ وہ ایک دوسرے میں پھنس کر کھڑے تھے۔ اس چوک پر انہیں کئی گھنٹے یونہی کھڑے رہنا پڑا۔ چہار جانب سے گاڑیوں کے پہیوں، سپاہیوں کے قدموں اور گالیوں کی آوازیں سمندر کے شور کی طرح لگ رہی تھیں۔ پیری ایک ادھ جلے مکان کی دیوار سے لگ کر اس شور وغل کو سنتا رہا جو اس کے تصور میں ڈھول کی آواز کے ساتھ جذب ہو رہا تھا۔

منظر کو مزید بہتر طور سے دیکھنے کیلئے کئی قیدی افراد ادھ جلے مکان کی اس دیوار پر جا چڑھے جس کے ساتھ پیری سہارا لئے کھڑا تھا۔ وہ کہہ رہے تھے "ہر جانب ہجوم ہے۔۔۔ اس بھیڑ کو دیکھو۔۔۔ انہوں نے توپوں پر بھی سامان لاد رکھا ہے۔۔۔ ادھر دیکھو، پوستینیں۔۔۔ ارے دیکھو، یہ گدھے کیا کچھ لوٹ کر لے جا رہے ہیں۔۔۔ ادھر دیکھو، اس نے اپنی گاڑی پر کیا شے لاد رکھی ہے؟۔۔۔ ارے یہ تو مقدس تصاویر، یہ جرمن ہونگے، یہ کوئی کسان معلوم ہوتا ہے۔۔۔ وہ لڑک جھگڑ رہے ہیں"

دو افراد کو لڑتے دیکھ کر ایک قیدی بے ساختہ بولا "ایسے، اس کے منہ پر مارو" ارد گرد سے کچھ مزید آوازیں سنائی دیں "اگر یہی صورتحال رہی تو پھر ہم شام سے پہلے نہیں چل پائیں گے۔ ارے ادھر دیکھو۔۔۔ یہ نپولین کے ہوں گے، کیسے گھوڑے ہیں، پورا مکان دکھائی دیتا ہے، اس کا تھیلا گر گیا، لڑائی جھگڑا شروع ہوگیا ہے۔۔۔ اس عورت نے چھوٹا بچہ اٹھا رکھا ہے اور اس کی شکل بھی کچھ ایسی خراب نہیں، ہاں، یوں تمہیں یہ لوگ گزر جانے دیں گے، یار دیکھو ذرا، یہ سلسلہ رکنے کا نام ہی نہیں لیتا، روسی لڑکیاں، میں کہتا ہوں کہ روسی ہیں۔ گاڑی میں کس قدر آرام سے بیٹھی ہیں"

جیسا کہ خاموونکی گرجا گھر کے سامنے ہوا تھا، قیدیوں میں ایک مرتبہ پھر تجسس بیدار ہوگیا اور وہ دھکم پیل کرتے آگے بڑھنے لگے۔ پیری اپنے ساتھیوں کی دلچسپی کی شے اپنے لمبے قد کی بدولت دیکھنے میں کامیاب رہا۔ گولہ بارود کی تین گاڑیوں کے درمیان تین مسافر بردار گاڑیاں پھنسی تھیں اور ان میں خواتین بن سنور کر بیٹھی تیز آوازوں میں کچھ کہے جا رہی تھیں۔

جب سے پیری نے اس پراسرار طاقت کو مختلف اشکال میں دیکھا تھا، اس وقت سے اسے کالے چہرے والی لاش عجیب دکھائی دی تھی، یہ عورتیں نہ ماسکو کے جلے ہوئے کھنڈر، لہٰذا اب وہ جو کچھ دیکھتا تھا اس کا اس پر کچھ خاص اثر نہ ہوتا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کی روح کسی صبر آزما جدوجہد سے گزرنے کی تیاریوں میں ہے اور ایسے کسی بھی تاثر کو قبول نہیں کرے گی جو اسے تھکاوٹ سے دو چار کر سکتا ہو۔ خواتین کی گاڑیاں آگے چلی گئیں۔ ان کے عقب میں مزید گاڑیاں، فوجی، گولہ بارود سے بھری گاڑیاں آتی جاتی رہیں۔ کبھی کبھار عورتیں بھی دکھائی دے جاتی تھیں۔

پیری لوگوں کو ان کی انفرادی حیثیت سے پہچاننے کی بجائے صرف ان کی عمومی نقل و حرکت کا مشاہدہ کرنے میں مصروف تھا۔

یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی ان دیکھی طاقت ان تمام انسانوں اور گھوڑوں کو ان کی مرضی کے خلاف آگے دھکیلتی چلی جا رہی ہے۔ انہیں دیکھتے ہوئے جو ایک گھنٹہ گزرا اس میں اسے یہی لگا کہ مختلف گلی کوچوں سے آنیوالے ان تمام لوگوں کی ایک ہی خواہش ہے کہ وہ جس قدر جلد ہو سکے یہاں سے نکل جائیں۔ وہ ایک دوسرے کو دھکے دیتے ہوئے

جذباتی ہو رہے تھے۔ وہ دانت نکال کر ایک دوسرے کو گالیاں بکنے میں مصروف تھے اور ہر چہرے پر ایک ہی ارادہ اور سفاک تاثر ہویدا تھا۔ یہ وہی تاثرات تھے جو صبح فوجی بینڈ بجنے پر کارپورل کے چہرے پر دکھائی دیئے تھے۔

قیدیوں کے قافلے کے کمانڈر نے اپنے سپاہیوں کو جمع کیا تو اس وقت تک شام ہو چکی تھی۔ وہ چیختا چلاتا گاڑیوں کے درمیان گھس گیا اور قیدی چاروں جانب سے گھیرے جا چکے تو وہ اور ان کے ساتھی انہیں ہانکتے ہوئے شاہراہ کالوگا پر لے آئے۔

وہ کہیں ٹھہرنے کی بجائے تیزی سے چلتے رہے اور غروب آفتاب کے وقت ایک جگہ رک گئے۔ گاڑیاں ایک دوسرے کے قریب کھڑی کر دی گئیں اور فوجیوں نے رات بسر کرنے کی تیاری شروع کر دی۔ یوں لگتا تھا کہ ہر شخص پر جھلاہٹ اور بے اطمینانی کی کیفیت طاری ہے۔ ہر طرف سے گالم گلوچ اور لڑائی جھگڑے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ایک گاڑی دوسری سے ٹکرا کر الٹ گئی۔ متعدد سپاہی بھاگتے ہوئے آئے اور گھوڑوں کو ایک جانب دھکیل کر ان کے سروں پر ڈنڈے مارنے لگے۔ دیگر سپاہی ایک دوسرے پر پل پڑے اور پیری نے ایک جرمن کو تلوار کے گھاؤ سے زخمی ہوتے بھی دیکھا۔

روانگی کے وقت یہ لوگ اس قدر پرجوش تھے کہ یوں لگتا تھا جیسے انہیں آگے جانے کی کوئی خاص جلدی ہے، مگر جب خزاں کی شام میں انہوں نے کھیتوں میں پڑاؤ ڈالا تو یوں لگا جیسے انہیں اچانک جھٹکا لگا ہے اور وہ یہ بات انہیں ناگوار لگ رہی ہے کہ انہوں نے یہ کیا کر دیا۔ اب جب وہ ٹھہر گئے تو یوں لگا جیسے انہیں احساس ہو رہا ہے کہ اب تک انہیں علم ہی نہ تھا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں اور یہ کہ وہ سستے نہیں چھوٹیں گے اور راہ میں بے شمار مشکلات سے واسطہ پڑے گا۔

روانگی کے وقت محافظوں کا قیدیوں سے رویہ اچھا نہ تھا مگر یہاں قیام کے دوران وہ ان سے مزید بدسلوکی پر اتر آئے۔ یہاں قیدیوں کو پہلی مرتبہ گھوڑے کا گوشت کھانے کو دیا گیا۔

افسر سے لے کر ادنیٰ ترین سپاہی کا رویہ کچھ یوں تھا جیسے انہیں قیدیوں سے ذاتی دشمنی ہو اور وہ پہلے ان سے جس طرح پیش آتے رہے تھے اس کی نسبت یہ رویہ بالکل متضاد تھا۔

قیدیوں کی گنتی کے دوران جب یہ علم ہوا کہ ماسکو سے روانگی کے موقع پر مچنے والی افراتفری میں ایک روسی سپاہی قولنج کے درد کا بہانہ کر کے فرار ہو چکا ہے تو فرانسیسیوں کی سختی مزید بڑھ گئی۔ پیری نے ایک روسی سپاہی کو فرانسیسی کے ہاتھوں صرف اس لئے پٹتے دیکھا کہ وہ بھٹک کر سڑک سے زیادہ دور چلا گیا تھا۔ اس نے اپنے دوست کپتان کو اپنے ماتحت سے یہ کہتے سنا کہ قیدی کے فرار پر اس کا کورٹ مارشل کیا جائے گا۔ جب ماتحت نے یہ بہانہ کیا کہ قیدی بیمار اور چلنے پھرنے سے معذور تھا تو افسر نے جواب دیا کہ پیچھے رہ جانیوالوں کو گولی مارنے کا حکم تھا۔ پیری کو یوں محسوس ہوا کہ وہ اندھی قوت جو قیدیوں کو سزائے موت دیئے جاتے وقت اس پر چھا گئی تھی مگر دوران قید جس کا اسے کوئی تجربہ نہیں ہوا تھا، وہ ایک مرتبہ پھر اسے اپنے قابو میں لے چکی ہے۔ یہ قوت اسے خوفزدہ کرنے کی کوشش کر رہی تھی مگر اس کے ساتھ ساتھ پیری کو یہ بھی محسوس ہوتا تھا کہ یہ قوت اسے دبانے کی جس قدر کوشش کرتی ہے، اس کی اپنی زندگی کی قوت اس کے باطن میں اتنی ہی مضبوط ہوتی چلی جاتی ہے۔ اس نے رائی کے آٹے کے سوپ کے ساتھ گھوڑے کا گوشت کھایا اور اپنے ساتھیوں سے بات چیت شروع کر دی۔

انہوں نے ماسکو میں جو کچھ دیکھا، فرانسیسیوں کے سفاکانہ سلوک اور پیچھے رہ جانیوالوں کو گولی مارنے کے حکم بارے کوئی بات نہ کی۔ ان کی حالت جس طرح آہستہ آہستہ خراب ہوتی چلی جا رہی تھی اسے دیکھتے ہوئے یوں لگتا تھا جیسے

انہوں نے بلند حوصلگی اور شگفتگی کا لبادہ اوڑھ لیا ہے۔ وہ پرانی یادیں تازہ کرنے لگے اور روانگی کے دوران دکھائی دینے والے مضحکہ خیز مناظر کے بارے میں بات چیت کی تاہم اپنی موجودہ حالت کے بارے میں ایک لفظ بھی ان کے منہ پر نہ آیا۔

سورج غروب ہوئے کافی دیر بیت چکا تھا۔ آسمان پر کہیں کہیں ستارے چمک رہے تھے۔ افق پر جہاں پورا چاند طلوع ہو رہا تھا، کچھ ایسی سرخی دکھائی دی جیسے کہیں آگ لگ گئی ہو۔ سرمئی دھند میں چاند عجیب و غریب انداز سے ہلتا دکھائی دے رہا تھا۔ پیری اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے ساتھیوں کو سلام کیا اور آگ کے الاؤوں کے درمیان سے چلتا ہوا سڑک کنارے عام قیدیوں کے پاس جا پہنچا۔ وہ ان سے باتیں کرنا چاہتا تھا۔ سڑک پر اسے فرانسیسی پہریدار نے روک لیا اور واپس جانے کا حکم دیا۔

پیری واپس چلا آیا مگر آگ کے پاس اپنے ساتھیوں کے قریب بیٹھنے کی بجائے ایک گاڑی کے قریب چلا گیا جس کے گھوڑے کھول لئے گئے تھے اور وہاں کوئی شخص موجود نہ تھا۔ وہ ایک گاڑی کے پہیے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور گردن جھکا کر سوچ و بچار میں مشغول ہو گیا۔ ایک گھنٹہ تک وہ اسی حالت میں بیٹھا رہا۔ پھر اچانک اس نے زور زور سے ہنسنا شروع کر دیا اور تمام لوگ حیرت سے ادھر ادھر دیکھنے لگے کہ اسقدر زندہ دلی کے عالم میں کون قہقہے لگا رہا ہے۔ وہ ہنسا "ہا، ہا، ہا" پھر اس نے بلند آواز میں خود کلامی کرتے ہوئے کہا "اس سپاہی نے مجھے آگے جانے کی اجازت نہ دی۔ انہوں نے مجھے پکڑ کر بند کر دیا۔ انہوں نے مجھے قیدی بنا لیا۔ میں کون ہوں؟ میں؟ میں۔۔۔ میری ابدی روح! ہا، ہا، ہا!۔۔۔ ہا، ہا، ہا!" ہنستے ہنستے اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

ایک شخص اٹھ کر یہ دیکھنے چلا آیا کہ یہ لمبا چوڑا شخص کس بات پر اکیلا ہنسے جا رہا ہے۔ پیری نے ہنسنا بند کر دیا اور اٹھ کر اس شخص کے قریب سے گزر کر آگے چلا گیا۔ پھر وہ دائیں بائیں دیکھنے لگا۔

وسیع و عریض پڑاؤ، جس میں کچھ دیر پہلے جلائی جانیوالی لکڑیاں چٹخنے کی آواز آ رہی تھی اور باتوں کی بھنبھناہٹ گونج رہی تھی، اب بالکل خاموش تھا۔ آگ کے سرخ شعلے بتدریج بجھتے جا رہے تھے۔ اوپر چمکتے آسمان پر چودھویں کا چاند شاندار انداز سے جلوہ گر تھا۔ کیمپ کی حدود سے پرے جنگل اور کھیت بھی دکھائی دے رہے تھے جو قبل ازیں نگاہوں سے اوجھل تھے۔ ان کھیتوں اور جنگلوں سے پرے چمکتا افق نمایاں تھا۔ پیری آسمان پر چمکتے ستاروں کو بغور دیکھتا رہا۔ اس نے سوچا "یہ سب کچھ میرا ہے، مجھ میں ہے اور یہ میں ہوں۔ انہوں نے یہ سب کچھ پکڑا اور چھپر میں بند کر دیا" وہ مسکرانے لگا اور پھر سونے کیلئے اپنے ساتھیوں کی جانب چل دیا۔

(15)

اکتوبر کے آغاز میں نپولین نے ایک پیغام رساں کو صلح کی تجاویز دے کر کوتوزوف کے پاس بھیجا۔ اس نے فریب سے کام لیتے ہوئے خط میں یوں ظاہر کیا جیسے وہ ماسکو میں موجود ہے جبکہ وہ اس وقت شاہراہ کالوگا پر محو سفر تھا اور کوتوزوف کے پڑاؤ سے زیادہ دور نہ تھا۔ کوتوزوف نے اس خط کا بھی وہی جواب دیا جو وہ پہلے لاورسٹن کو دے چکا تھا۔ اس نے لکھا کہ صلح کے بارے میں سوچا بھی نہیں جا سکتا۔

اس کے ایک دن بعد تاروتینو کی بائیں جانب گوریلا کارروائیوں میں مصروف دوروف کے بے قاعدہ دستوں کی رپورٹ ملی جس میں کہا گیا تھا کہ فرانسیسیوں کی چند رجمنٹیں فومنسکوئے کے قریب دیکھی گئی ہیں۔ ان کا تعلق بروسیئر کے ڈویژن سے ہے اور چونکہ ان کا بقیہ فرانسیسی فوج سے کوئی رابطہ نہیں لہٰذا انہیں ختم کرنا کچھ ایسا مشکل نہ ہوگا۔

سپاہی اور افسر ایک مرتبہ پھر زور و شور سے معرکہ آرائی کا مطالبہ کرنے لگے۔ جرنیلوں کو تاروتینو کی آسان فتح یاد آ گئی اور ان کا جوش و خروش دیدنی ہو گیا۔ انہوں نے کوتوزوف سے اصرار کیا کہ دوروخوف کی تجویز پر عمل کیا جائے۔

کوتوزوف کا خیال تھا کہ جارحانہ کارروائی کرنا ضروری نہیں تاہم نتیجہ ناگزیر مفاہمت کی صورت میں نکلا۔ بروسیئر پر حملے کیلئے مختصر فوج فومنسکوئے بھیج دی گئی۔

یہ کٹھن اور اہم کام دوختوروف کے سپرد کیا گیا جو نہایت عجیب اتفاق قرار دیا جا سکتا ہے۔ دوختوروف منکسر المزاج کوتاہ قامت جرنیل تھا۔ کسی تاریخ دان نے اس کا یوں تذکرہ نہیں کیا کہ وہ جنگی منصوبے بناتا، رجمنٹوں کے آگے بھاگتا اور توپخانے کو تمغوں سے نوازتا تھا۔ تمام لوگوں کی یہی رائے تھی اور وہ اس کا اظہار بھی کرتے رہتے تھے کہ دوختوروف کمزور ارادے کا مالک اور دوراندیشی سے محروم ہے، مگر اوسترلتس سے لے کر 1813ء تک روسیوں اور فرانسیسیوں کے مابین جتنی بھی جنگیں ہوئیں، ان میں ہر مشکل صورتحال میں وہ کمان کرتا دکھائی دیتا ہے۔ اوسترلتس کی جنگ میں وہ سب سے آخر میں آگست کے بند سے روانہ ہوا۔ اس کے چاروں جانب افراتفری مچی ہے اور لوگ ہلاک و زخمی ہو رہے ہیں۔ فوج کے پیچھے کوئی جرنیل دکھائی نہیں دیتا، ایسے میں وہی رجمنٹیں اکٹھی کرنے اور جو کچھ بچ سکتا ہے بچانے میں مصروف ہے۔ وہ شدید بخار کی حالت میں بیس ہزار افراد لے کر سمولنسک کے دفاع اور نپولین کیخلاف جنگ کیلئے روانہ ہو جاتا ہے۔ سمولنسک میں مالاخووسکی دروازے کے قریب اسے اونگھ آ جاتی ہے مگر شہر پر گولہ باری کی آواز سن کر وہ فوراً بیدار ہو جاتا ہے اور تمام دن دشمن کیخلاف جم کر کھڑا رہتا ہے۔ بورودینو کی جنگ میں جب باگراتیان مارا جاتا ہے اور ہماری فوج کے بائیں پہلو کے نوے فیصد جوان ہلاک یا زخمی ہو چکے ہیں اور فرانسیسی توپوں کا رخ اسی طرف ہو جاتا ہے تو کوتوزوف نے اس جانب پہلے جس شخص کو بھیج کر جو غلطی کی تھی اس کے ازالے میں وہ دیر نہیں کرتا اور فوری طور پر اس "کمزور ارادے کے مالک اور دوراندیشی سے محروم" جرنیل کو وہاں روانہ کر دیتا ہے کیونکہ اسے دوختوروف کے سوا کوئی موزوں شخص دکھائی نہیں پڑتا۔ کوتاہ قامت اور نرم فطرف کا مالک دوختوروف وہاں جاتا ہے اور بورودینو کی جنگ روسی فوج کا سرمایہ افتخار بن جاتی ہے۔ بے شمار جنگی ہیروؤں کی تعریفیں کی گئی ہیں مگر دوختوروف کیلئے شاید ہی کسی نے کوئی بات لکھی ہے۔ یہ دوختوروف ہی تھا جسے پہلے فومنسکوئے اور وہاں سے میلے یاروسلاوتس بھیجا جاتا ہے جہاں فرانسیسیوں کیخلاف آخری جنگ لڑی گئی تھی۔ یہیں سے فرانسیسیوں کی تباہی کا آغاز ہوا۔ جنگ و جدل کے اس دور میں بے شمار ذہینوں اور ہیروؤں کی تعریف و توصیف کی گئی ہے مگر کسی نے دوختوروف کا نام نہیں لیا اور اگر کسی نے لیا بھی ہے تو غیر واضح انداز میں، تاریخ دانوں کی یہی خاموشی اس کی خوبیوں کا ثبوت مہیا کرتی ہے۔

یہ فطری بات ہے کہ مشین کی ساخت سے ناآشنا شخص کیلئے یہ تصور کرنا بیحد مشکل ہے کہ مشین کا اہم ترین پرزہ وہ شے نہیں جو اس میں اتفاقاً گر جاتی ہے اور ادھر ادھر اچھلتی کام میں رکاوٹ پیدا کرتی رہتی ہے بلکہ اہم شے وہ چرخی ہے جو شور پیدا کئے بغیر مسلسل گھوم رہی ہوتی ہے۔

10 اکتوبر کو جب دوختوروف فومنسکوئے کی جانب نصف سفر طے کر چکا تھا اور دیئے جانے والے احکامات کی ایماندارانہ انداز میں تعمیل کیلئے اریستووو گاؤں میں ٹھہر گیا تھا، اس وقت تمام فرانسیسی فوج بیماروں کی طرح ٹھہر ٹھہر کر چلتی اس جگہ پہنچ گئی جہاں مورات ٹھہرا ہوا تھا۔ بظاہر یوں لگتا تھا جیسے وہ جنگ کا ارادہ رکھتی ہے مگر وہ اچانک اور بلاوجہ بائیں جانب مڑ کر شاہراہ کالوگا پر چڑھ گئی۔ یہاں سے اس نے فومنسکوئے کی جانب رخ کر لیا جہاں اس وقت تک صرف بروسیئر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ اس وقت دوختوروف کے زیر کمان دوروخوف کے بے قاعدہ گوریلا دستوں کے علاوہ

دو مزید چھوٹے دستے تھے جن کی کمان فگنر اور سیسلاوِن کے ہاتھ میں تھی۔

11 اکتوبر کی شام سیسلاوِن اریستووو ہیڈکوارٹر پہنچا اور اس کے ساتھ فرانسیسی گارڈز کا ایک گرفتار شدہ سپاہی بھی تھا۔ قیدی نے بتایا کہ اس روز فومنسکوئے پہنچنے والی فوج تمام فرانسیسی لشکر کا ہراول دستہ ہے اور نپولین بھی اس کے ساتھ موجود ہے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ تمام فرانسیسی فوج چار دن پہلے ماسکو سے نکل آئی تھی۔ اسی شام بوروسک سے آنیوالے ایک نوکر نے اطلاع دی کہ اس نے قصبے میں بہت بڑی فوج داخل ہوتے دیکھی ہے۔ دوختوروف کے دستے کے چند قازقوں نے بتایا کہ انہوں نے فرانسیسی گارڈز کو بوروسک کی جانب بڑھتے دیکھا ہے۔ ان تمام اطلاعات سے یہی نتیجہ نکلتا تھا کہ جہاں انہیں فرانسیسیوں کے ایک ڈویژن سے مقابلے کی توقع تھی وہیں اب پوری فوج پہنچ گئی ہے۔ یہ فوج ماسکو سے غیر متوقع سمت یعنی پرانی شاہراہ کالوگا پر سفر کر کے آئی تھی۔ دوختوروف کو حملہ کرنے میں تامل تھا کیونکہ اس پر یہ بات واضح نہ تھی کہ ایسے حالات میں اس پر کیا فرض عائد ہوتا ہے۔ اسے فومنسکوئے پر حملے کا حکم ملا تھا مگر اس وقت وہاں صرف جنرل بروسیئر موجود تھا جبکہ اب وہاں تمام فرانسیسی فوج جمع ہو چکی تھی۔ یرمولوف اپنی مرضی سے کارروائی کرنے کا خواہشمند تھا مگر دوختوروف نے انکار کر دیا۔ اس کا کہنا تھا کہ اس معاملے کے بارے میں ہر صورت کمانڈر انچیف کو اطلاع دے کر نئے احکامات حاصل کرنا ہوں گے، سو کمانڈر انچیف کو خط لکھنے کا فیصلہ کیا گیا۔

اس مقصد کیلئے انہوں نے بولخوتوف نامی افسر منتخب کیا۔ اس نے خط کے علاوہ زبانی رپورٹ بھی پیش کرنا تھی۔ بولخوتوف کو آدھی رات کے وقت خط اور ہدایات ملیں اور وہ ایک قازق اور فالتو گھوڑے کے ساتھ تیزی سے ہیڈکوارٹر کی جانب روانہ ہو گیا۔

(16)

یہ موسم خزاں کی گرم اور تاریک رات تھی۔ چار روز سے بارش ہو رہی تھی۔ بولخوتوف دو مرتبہ گھوڑے بدلنے اور انہیں کیچڑ سے بھری سڑک پر ڈیڑھ گھنٹے میں تیس میل بھگا کر رات دو بجے لیتاشکوف پہنچ گیا۔ ایک جھونپڑا نما گھر کے باہر جنگلے پر "سٹاف ہیڈکوارٹرز" کی تختی آویزاں تھی۔ وہ گھوڑے سے اتر کر ایک تاریک راہداری میں چلا گیا۔

اسے دیکھ کر اندر موجود کوئی شخص گھبرا گیا۔ بولخوتوف نے اسے بلند آواز میں کہا "ڈیوٹی جرنیل، اسی وقت اور نہایت اہم پیغام لایا ہوں"

اردلی نے مدھم آواز میں احتجاج کرتے ہوئے کہا "آج شام ان کی طبیعت خراب ہو گئی تھی اور وہ تین راتوں سے سو بھی نہیں سکے، بہتر ہو گا کہ پہلے کپتان کو جگا لیا جائے"

بالخوتوف بولا "جنرل دوختوروف نے نہایت اہم پیغام ہے" یہ کہتے ہوئے وہ اندھیرے میں کھلے دروازے کی جانب بڑھا اور ایک کمرے میں داخل ہو گیا جہاں اردلی پہلے ہی کسی کو جگانے میں مصروف تھا۔

پیغام رساں بولا "جناب، جناب!"

کسی کی اونگھتی آواز سنائی دی "کیا؟ کیا؟ کس کا؟"

بالخوتوف نے جواب دیا "دوختوروف اور الیکسی پیترووچ کی جانب سے، نپولین فومنسکوئے پہنچ گیا ہے"

اسے اندھیرے میں کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا مگر اس نے آواز سے پہچان لیا کہ وہ کونووْنِتسن نہیں ہے۔

جاگنے والے شخص نے جمائی لی اور ہاتھ پاؤں اکڑائے۔

وہ کچھ تو لتے ہوئے کہنے لگا "میں انہیں جگانا نہیں چاہتا، وہ بیمار ہیں اور شاید یہ افواہ ہو"

بالخوتوف نے کہا "یہ خط لایا ہوں، مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اسے فوراً ڈیوٹی جنرل کو پہنچایا جائے"

جاگنے والے شخص نے کہا "ایک منٹ انتظار کرو، میں روشنی کرتا ہوں" پھر وہ اردلی سے کہنے لگا "شیطانو، یہ تم چیزیں کہاں چھپا دیتے ہو" نیند سے جاگنے والا یہ شخص کونونسٹن کا اردلی شرتینین تھا۔ پھر وہ بولا "مل گئی مل گئی"

اردلی آگ جلانے لگا اور شرتینین موم بتی ڈھونڈنے میں مصروف ہو گیا۔

وہ نفرت آمیز انداز میں بولا "اوہو، یہ کیڑے"

روشنی ہوئی تو بالخوتوف کو شرتینین کا نوخیز چہرہ دکھائی دیا۔ اس کے ہاتھ میں چھوٹا سا شمعدان تھا اور کونے میں ایک شخص محوِ استراحت تھا۔ یہ کونونسٹن تھا۔

جب آگ جلائی گئی تو شرتینین نے موم بتی روشن کر لی۔ اسے تنگ کرنے والے کیڑے مکوڑے بھاگ گئے۔ وہ بالخوتوف کی جانب دیکھنے لگا۔ اس کے تمام کپڑے کیچڑ میں بھرے ہوئے تھے اور اس نے آستین سے منہ پونچھ کر اسے بھی میلا کر لیا تھا۔

شرتینین نے خط کا لفافہ تھامتے ہوئے کہا "تمہیں یہ اطلاع کس نے دی؟"

بالخوتوف بولا "مصدقہ اطلاع ہے۔ قیدی، قازق اور مخبر بھی ایک جیسی ہی اطلاع لائے ہیں"

شرتینین نے کہا "پھر کیا ہو سکتا ہے، اب تو انہیں ہر صورت جگانا ہو گا" یہ کہہ کر وہ اٹھا اور سوتے شخص کی جانب چل دیا جو ٹوپی پہن کر ایک بڑے اوور کوٹ کے نیچے لیٹا تھا۔ ایجوٹنٹ نے بلند آواز میں کہا "پیٹر، پیٹروچ!" کونونسٹن پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اردلی مسکراتے ہوئے کہنے لگا "آپ کو ہیڈ کوارٹر میں بلایا جا رہا ہے" اسے علم تھا کہ یہ سن کر وہ فوراً جاگ جائے گا۔ ایسا ہی ہوا اور ٹوپی پہنے کانونسٹن فوراً اٹھ بیٹھا۔ اس کے خوبصورت چہرے پر کچھ ایسا تاثر پیدا ہو گیا جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہو۔ پھر وہ اچانک چونک اٹھا اور اس کے چہرے پر معمول کے مطابق سکون اور پرعزم تاثر جھلکنا شروع ہو گیا۔

اس نے فوراً پوچھا "اچھا، یہ کیا ہے؟ کس کی جانب سے؟" اس کے لہجے میں بالکل عجلت نہ تھی۔ روشنی میں اس نے پلکیں جھپکنا شروع کر دیں۔ افسر کی رپورٹ سننے کے دوران اس نے خط کھولا اور پڑھنا شروع کر دیا۔ اس نے خط بمشکل ختم کیا ہو گا کہ لمبی جرابوں میں لپٹی اپنی ٹانگیں بستر سے نیچے اتاریں اور بوٹ پہننا شروع کر دیے۔ پھر اس نے ٹوپی اتاری اور بال درست کر کے دوبارہ پہن لی۔

اس نے بالخوتوف سے کہا "تم فوراً پہنچ گئے ہو ناں؟ آؤ ہز ہائی نس کے پاس جاتے ہیں"

کونونسٹن کو احساس ہو گیا تھا کہ خط اہم ہے اور اس سلسلے میں تاخیر درست نہ ہو گی۔ اس نے خبر کے اچھا یا برا ہونے کے بارے میں سوچا نہ اپنے آپ سے کوئی بات پوچھی۔ اسے اس میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ جنگ کے تمام تر معاملے پر اس کا رویہ عقل و دانش کی بجائے کسی اور شے کے تابع تھا۔ اسے پختہ یقین تھا کہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا مگر انسان کو اس پر انحصار کرنا چاہئے نہ اس بارے میں سوچنا چاہئے بلکہ اپنا کام کرتے رہنا چاہئے۔ وہ یہی کرتا اور اس پر اپنی تمام تر توانائی صرف کر دیتا۔

دختوروف کی طرح پیٹر پیٹروچ کونونسٹن کا نام بھی 1812ء کے نام نہاد ہیروؤں جیسے بارکلے، رائیوسکی، یرمولوف، پلاتوف اور میلورادووچ کی فہرست میں صرف اخلاقی طور پر ہی شامل کیا گیا ہے۔ دختوروف کی طرح اس کے بارے میں بھی یہی کہا جاتا تھا کہ وہ محدود قابلیت کا حامل ہے اور دختوروف کی طرح اس نے بھی کبھی جنگی منصوبہ بندی

نہیں کی تھی مگر وہ ہمیشہ اس جگہ دیکھا جا سکتا تھا جہاں صورتحال خراب ہوتی اور جس دن اسے ڈیوٹی جرنیل مقرر کیا گیا اسی دن سے اس نے عادت اپنائی کہ دروازہ کھول کر سوتا تھا اور اس نے ہدایت جاری کر رکھی تھی کہ جونہی کوئی پیغام رساں اندر آئے اسے فوراً جگا دیا جائے۔ دورانِ جنگ وہ ہمیشہ شدید فائرنگ کے مقام پر موجود ہوتا تھا اور اسی وجہ سے کوتوزوف اسے ڈانٹ ڈپٹ کرتا رہتا اور محاذ پر بھیجنے سے ڈرتا تھا۔ دختوروف کی طرح کونونسٹن بھی مشین کی غیر نمایاں چرخی جیسا تھا جو شور و غل کے بغیر مشین کا اہم پرزہ بن جاتی ہے۔

ٹھنڈی اور تاریک رات میں کونونسٹن اپنے جھونپڑے سے باہر نکلا۔ سر درد میں اضافے کے باعث اس کی طبیعت مکدر ہو رہی تھی اور ذہن میں یہ خیال زیرِ گردش تھا کہ نجانے عملے بالخصوص بینکسن کا اس پر کیا ردعمل ہو گا جس کے تاروتینو کی جنگ کے بعد کوتوزوف سے شدید اختلاف پیدا ہو گئے تھے۔ اس نے سوچا "وہ مختلف تجاویز دیں گے، لڑائی جھگڑا کریں گے، احکامات جاری کریں گے اور پھر انہیں منسوخ کر دیں گے" یہ اندازہ اسے ناگوار گزر رہا تھا مگر وہ جانتا تھا کہ ایسا ہوتا ہی ہے۔

ایسا ہی ہوا۔ اس نے خبر ٹول کو پہنچائی تو وہ اپنے ساتھ رہنے والے جرنیل سے بحث کرنا شروع ہو گیا یہاں تک کہ کونونسٹن سے صبر نہ ہو سکا اور اس نے یاد دلایا کہ انہیں کمانڈر انچیف کوتوزوف کے پاس جانا چاہئے۔

(17)

تمام بوڑھوں کی طرح اس رات کوتوزوف کو بھی نیند نہ آئی۔ وہ دن کے اوقات میں عموماً غیر متوقع طور پر اونگھنے لگ جاتا مگر رات کو جب وہ لباس بدلے بغیر بستر پر لیٹتا تو اسے نیند نہ آتی اور وہ اپنا وقت سوچ بچار میں ہی صرف کر دیتا۔

اب بھی وہ اسی انداز میں پلنگ پر لیٹا ہوا تھا۔ اس نے لمبے چوڑے اور بھاری بھرکم سر کو اپنے پلپلے ہاتھوں سے سہارا دے رکھا تھا اور اس کی ایک آنکھ اندھیرے میں ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ وہ غور و فکر کر رہا تھا۔

جب سے بینکسن نے اس کے قریب آنا بند کر دیا تھا اس وقت سے کوتوزوف بیکار حملوں میں اپنی فوج کی قیادت کے حوالے سے کم فکرمند رہنے لگا تھا۔ بینکسن زار کو خط لکھتا رہتا تھا اور کسی اور کی نسبت ہیڈ کوارٹر کے عملے میں اس کا اثر و رسوخ زیادہ تھا۔ کوتوزوف کو تاروتینو کی جنگ اور اس سے ایک دن پہلے جو سبق ملا تھا اسے اب تک اس کی تکلیف محسوس ہو رہی تھی اور وہ سمجھتا تھا کہ دوسروں نے بھی اس واقعے سے کچھ سبق لیا ہو گا۔

کوتوزوف سوچ رہا تھا "انہیں جان لینا ہو گا کہ ہم صرف حملوں کی صورت میں ہی مار کھائیں گے۔ صبر اور وقت میرے دو بہادر ساتھی ہیں" اسے علم تھا کہ جب تک سیب کا رنگ سبز ہو اسے توڑنا نہیں چاہئے کیونکہ پکنے کی صورت میں یہ خود بخود زمین پر گر جائے گا۔ وہ سوچتا تھا کہ "جب سیب کو پکنے سے پہلے توڑا جائے گا تو اس کے نتیجے میں سیب خراب ہو گا، درخت کا بھی بیڑا غرق ہو جائے گا اور آپ کے دانت بھی کھٹے ہو جائیں گے" تجربہ کار شکاری کی طرح اسے علم تھا کہ درندہ زخمی ہو چکا ہے اور ایسے ہی زخمی ہوا ہے جیسے روسی فوج کی پوری قوت اسے زخم لگا سکتی تھی، تاہم ابھی اس سوال کا جواب سامنے نہیں آیا تھا کہ درندے کو پہنچنے والا زخم کاری بھی ہے یا نہیں۔ لاورسٹن اور برتھے اس کے پاس پیغام لے کر آئے تھے اور گوریلوں نے بھی اطلاعات دی تھیں جن سے اسے یقین ہو گیا تھا کہ زخم کاری ہے تاہم ابھی تک مزید ثبوت ملنا باقی تھے اور اس کیلئے انتظار کیا جانا ضروری تھا۔

اس نے سوچا" یہ لوگ بھاگ کر دیکھنا چاہتے ہیں کہ وہ اسے کس قدر نقصان پہنچا سکتے ہیں، تھوڑی دیر صبر کرو، پھر تم خود دیکھ لوگے۔ چال بازیوں اور حملوں کی نہ ختم ہونے والی باتیں، یہ کس لئے ہیں؟ خود کو نمایاں کرنے کیلئے، گویا کہ جنگ نہ ہوئی مشقیں ہوگئیں۔ بچوں کی سی باتیں کرتے ہیں۔ اگر ان سے پوچھ لیا جائے کہ کیا ہوا ہے تو وہ عقل پر مبنی کوئی جواب نہیں دے پائیں گے کیونکہ وہ تو صرف یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ وہ کتنا اچھا لڑ سکتے ہیں۔ مگر اب یہ اہم بات نہیں رہی"

وہ سوچ رہا تھا" اور یہ لوگ کیسی انوکھی تجاویز دیتے رہتے ہیں، جب یہ دو تین امکانی صورتیں سوچ لیتے ہیں تو سمجھنے لگتے ہیں کہ انہوں نے سب کچھ سوچ لیا ہے مگر امکانات چند ایک تو نہیں ہوتے، ان کی تعداد بے شمار ہوتی ہے"

کوتوزوف کے ذہن میں یہ سوال ایک ماہ سے کلبلا رہا تھا کہ بوروڈینو میں دشمن کو پہنچایا جانے والا زخم مہلک تھا یا نہیں؟ ایک جانب فرانسیسی ماسکو پر قابض ہو چکے تھے اور دوسری طرف روسی کمانڈر انچیف کو پختہ یقین تھا کہ اس نے اور روسی قوم نے اپنی پوری طاقت سے دشمن کو جو ضرب لگائی تھی وہ ضائع نہیں جا سکتی، تاہم ثبوت درکار تھے اور وہ ان کا ایک ماہ سے منتظر تھا۔ وہ بیحد انتظار کر چکا تھا اور اب اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے کو تھا۔ بے خواب راتوں میں وہ بستر پر لیٹے لیٹے وہی کچھ کرنا شروع ہو گیا تھا جس کیلئے وہ نوجوان جرنیلوں کو لعن طعن کرتا رہتا تھا۔ وہ کم عمر لوگوں کی طرح امکانی صورتحال کا تصور کرنے لگتا تھا مگر فرق صرف اتنا تھا کہ اب وہ ان پر کسی قسم کے منصوبوں کی بنیاد رکھتا تھا نہ وہ اس کے ذہن میں دو یا تین صورتوں میں آتی تھیں بلکہ اس کے خیال میں ان صورتوں کی تعداد ہزاروں میں تھی۔ وہ جتنا زیادہ سوچتا رہتا تھا، امکانات کی تعداد بھی اتنی ہی بڑھتی چلی جاتی تھی۔ نپولین کی فوج اجتماعی طور پر یا ٹکڑیوں کی صورت میں پیٹرز برگ کیخلاف، خود اس کیخلاف اور اس کی فوج کو گھیرنے کیلئے جو چالیں چل سکتی تھی اور جو کارروائیاں کر سکتی تھی وہ ان کا جائزہ لیتا رہتا تھا۔ کوتوزوف نے اس امکان پر بھی غور کیا کہ نپولین اس کیخلاف اسی کا ہتھیار استعمال کر سکتا ہے یعنی وہ ماسکو میں اپنا قیام بڑھا کر کوتوزوف کے اقدام کا انتظار کر سکتا ہے۔ کوتوزوف کے ذہن میں یہ بات بھی آئی کہ نپولین کی فوج میڈین اور یوخنوف کے راستے واپس جا سکتی ہے تاہم وہ ایک بات کا پہلے سے اندازہ نہ لگا سکا اور وہی وقوع پذیر ہو گئی۔ ماسکو سے روانہ ہونے کے بعد سفر کے پہلے گیارہ دنوں میں فرانسیسی فوج نے کچھ ایسی افراتفری کا مظاہرہ کیا جیسے ہوش میں نہ رہی ہو اور یہی وہ بھگدڑ تھی جس نے فرانسیسیوں کی مکمل تباہی یقینی بنا دی تھی اور جس کے بارے میں کوتوزوف نے ابھی تک سوچنے کی ہمت نہیں کی تھی۔ بروسیئر کے ڈویژن بارے دوروخوف کی رپورٹ، نپولین کی فوج کی مصیبتوں کے حوالے سے گوریلوں کی اطلاعات، ماسکو سے روانگی کیلئے فوج اکٹھی کئے جانے کی افواہوں اور ایسے تمام واقعات سے یہ مفروضہ پایہ تصدیق کو پہنچ رہا تھا فرانسیسی فوج تباہی کے دہانے پر کھڑی ہے اور بھاگنے کی تیاریوں میں ہے۔ تاہم یہ محض مفروضات تھے جو نسبتاً کم عمر اشخاص کو تو اہم معلوم ہو سکتے تھے، کوتوزوف کو نہیں۔ اسے اپنے ساٹھ سالہ تجربے کی بنا پر علم تھا کہ افواہوں پر کس قدر انحصار کرنا چاہئے۔ اسے علم تھا کہ جب انسان کسی شے کی خواہش کرتا ہے تو وہ تمام شواہد کو مہارت سے اس طرح ترتیب دے لیتا ہے کہ وہ اسی کی خواہشات کی تصدیق کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ تاہم ان حالات میں جو شواہد ان کی خواہش کیخلاف ہوں، انہیں وہ باآسانی نظرانداز کر دیتے ہیں۔ کوتوزوف فرانسیسی فوج کی تباہی کے حوالے سے جتنی بھی امید باندھتا تھا اتنا ہی شکوک و شبہات میں گرفتار ہو جاتا تھا۔ اس کی تمام تر ذہنی صلاحیتیں اسی مسئلے پر صرف ہو رہی تھیں۔ اس کے خیال میں باقی تمام باتیں معمول کے مطابق تھیں۔ وہ اپنے عملے کے ارکان سے جو بات چیت کرتا، تاروتینو میں قیام کے دوران مادام ڈی سٹیل کو خطوط لکھتا، انعام و اکرام دیتا اور پیٹرز برگ کے حکام سے جو خط و کتابت کرتا وہ معمول کا حصہ ہوتی تھی مگر فرانسیسیوں کی تباہی اس کی

واحد دلی خواہش تھی جس کا صرف اسے ہی پیشگی اندازہ تھا۔

11 اکتوبر کی شام وہ اپنی کہنی سرہانے رکھے لیٹا تھا اور اسی کے بارے میں سوچ و بچار میں مصروف تھا۔

برابر والے کمرے میں ہلچل محسوس ہوئے اور پھر قدموں کی چاپ سنائی دی۔ ٹول، کونووٹسن اور بالخوتوف اندر آ گئے۔

کمانڈر انچیف نے انہیں آواز دی" ارے، کون ہے؟ اندر آ جاؤ، آ جاؤ! کوئی نئی خبر ہے؟"

ملازم نے شمع جلائی اور اس دوران ٹول اسے خط کے مندرجات سے آگاہ کرنے لگا۔

کوتوزوف نے پوچھا" یہ کون لایا؟" شمع کی روشنی میں اس کا درشت چہرہ دیکھ کر ٹول بیحد متاثر ہوا۔

ایک نے جواب دیا" جناب عالی! اس میں شک و شبے کی گنجائش نہیں ہے"

کوتوزوف نے کہا" اسے اندر بلاؤ، اندر بلاؤ"

کوتوزوف اپنی ایک ٹانگ بستر سے باہر لٹکائے ہوئے تھا اور اس کے موٹے پیٹ کا بوجھ دوسری ٹانگ پر تھا جو ہری ہوئی پڑی تھی۔ اس نے پیغام رساں کو اچھی طرح دیکھنے کیلئے اپنی واحد آنکھ یوں میچی جیسے اسے امید ہو کہ وہ جو بات جاننے کا خواہشمند ہے وہ اس کے چہرے پر دکھائی دے جائیگی۔

اس نے اپنی قمیص سمیٹتے ہوئے مدھم اور بوڑھی آواز میں کہا" مجھے بتاؤ، میرے پیارے دوست، بتاؤ، قریب آ جاؤ، کیا خبر ہے؟ ہیں؟ نپولین ماسکو سے نکل آیا ہے؟ کیا واقعی؟ ہیں؟"

بالخوتوف کو جو اطلاعات پہنچانے کا حکم ملا تھا وہ ان کی تفصیلات بیان کرنے لگا۔

کوتوزوف نے اس کی بات میں مداخلت کرتے ہوئے کہا" جلدی بتاؤ، جلدی، مجھے اذیت مت پہنچاؤ"

بالخوتوف نے اسے تمام باتوں سے آگاہ کر دیا۔ جب اس نے اپنی بات مکمل کر لی تو خاموش ہو گیا اور ہدایات کا انتظار کرنے لگا۔ ٹول نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر کوتوزوف نے اسے روک دیا اور خود کچھ کہنا چاہا۔ اس کے چہرے کے تاثرات بدلنے لگے اور وہاں جھریاں نمودار ہو گئیں۔ اس نے ٹول کی جانب بازو لہرایا اور کمرے کی دوسری سمت میں چل دیا جہاں مقدس تصاویر کے مدھم عکس دکھائی دے رہے تھے۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پھنسائیں اور کانپتی ہوئی آواز میں بولا" آقا! میرے خالق! تو نے ہماری دعائیں سن لیں۔۔۔" اس کی آواز کپکپا رہی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا" روس بچ گیا، میرے آقا میں تیرا مشکور ہوں" یہ کہنے کے بعد وہ رونا شروع ہو گیا۔

(18)

جب کوتوزوف کو فرانسیسیوں کی ماسکو سے روانگی کی خبر ملی تو وہ اس دن سے مہم کے آخر تک اپنی فوج کو تباہی سے دوچار ہوتے دشمن کیخلاف بیکار حملوں، شبخون اور جھڑپوں سے روکنے کی کوشش کرتا رہا۔ اس حوالے سے اس نے اپنے اختیارات، دھوکے، منت سماجت غرضیکہ ہر طریقے سے کام لیا۔ دوختوروف میلے یاروسلاویٹس چلا گیا مگر کوتوزوف مرکزی فوج کے ساتھ خاصی دیر تک وہیں ٹھہرا رہا۔ اس نے یہ کہہ کر کالوگا خالی کرانے کا حکم دے دیا کہ ہو سکتا ہے اس قصبے سے بھی آگے تک پسپا ہونا پڑے۔

کوتوزوف ہر جگہ پیچھے ہٹ گیا مگر دشمن اس کی پسپائی کا انتظار کرنے کی بجائے مخالف سمت بھاگتا رہا۔

نپولین کے مورخین ہمیں تاروتینو اور میلے یاروسلاویٹس میں اس کی مہارت سے بھرپور جنگی چالوں کے بارے

میں آگاہ کرتے ہوئے قیاس آرائی کرتے ہیں کہ اگر وہ زرخیز اور دولت سے بھرپور جنوبی صوبوں میں داخل ہو جاتا تو کیا ہوتا۔

اگرچہ ان صوبوں کی جانب نپولین کی پیشقدمی میں کوئی رکاوٹ حائل نہ تھی (جب سے روسی فوج سڑک کھلی چھوڑ چکی تھی) تاہم تاریخ دان اس بات پر دھیان نہیں دیتے کہ کوئی طاقت اس فوج کو نہیں بچا سکتی تھی کیونکہ تباہی اس کا مقدر بن چکی تھی۔ وہ فوج جسے ماسکو میں فراواں رسد مل گئی تھی مگر جس نے اسے محفوظ کرنے کی بجائے پاؤں تلے روند ڈالا، وہ فوج جو سمولنسک پہنچنے کے بعد کھانے پینے کی اشیاء کا ذخیرہ کرنے کی بجائے انہیں لوٹنے میں مصروف ہو گئی تھی وہ کالوگا میں اپنی کھوئی ہوئی قوت کیسے بحال کر سکتی تھی کیونکہ کالوگا میں جو روسی رہتے تھے وہ ماسکو کے لوگوں سے مختلف نہ تھے اور وہاں کی آگ بھی ماسکو جیسی تھی جو ہر شے کو جلا کر راکھ کر دیتی تھی۔

فرانسیسی فوج اپنی کھوئی ہوئی قوت کہیں بحال نہیں کر سکتی تھی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ بوروڈینو کی جنگ اور ماسکو کی لوٹ کھسوٹ کے بعد اس فوج میں تباہی کی کیمیائی عناصر کا داخلہ شروع ہو گیا تھا۔

جسے پہلے فوج کہا جاتا تھا وہ اب لوگوں کے مختلف گروہوں میں منقسم ہو گئی تھی۔ یہ لوگ اپنے قائدین کے ساتھ بھاگے پھرتے تھے اور انہیں سمجھ نہیں آتی تھی کہ کہاں جائیں۔ نپولین سمیت تمام فوج کے دل میں صرف ایک ہی خواہش تھی کہ وہ مایوسی کی جس اتھاہ گہرائی میں گر گئے ہیں اس سے جس قدر جلد باہر نکل جائیں تو بہتر ہو گا۔

میلے یاروسلاس میں فرانسیسی فوجی حکام کے اجلاس میں جرنیل جھوٹ موٹ یہ ظاہر کرنے میں مصروف تھے کہ وہ باہم مشورہ کر رہے ہیں اور نت نئی تجاویز دے رہے تھے تو سب سے آخر میں منہ پھٹ موٹون نے رائے دی۔ اس نے منافقت سے کام لئے بغیر وہ بات کہہ ڈالی جو ہر شخص کے دل کی آواز تھی۔ اس نے کہا "ہمارے سامنے ایک ہی ممکنہ صورت باقی رہی ہے کہ جتنا جلد ہو سکے یہاں سے نکل جایا جائے" اس کی بات سن کر بھی خاموش ہو گئے اور جس بات کو وہ درست گردانتے تھے اس کے خلاف نپولین سمیت کوئی شخص نہ بول سکا۔

اگرچہ ہر شخص کو علم تھا کہ روس سے نکلنا مقدر بن چکا ہے مگر وہ پسپائی کا سوچ کر شرمندگی محسوس کرتے تھے۔ اس احساس پر غلبہ پانے کیلئے انہیں کسی بیرونی جھٹکے کی ضرورت تھی اور مناسب وقت پر یہ جھٹکا بھی مل گیا۔

اعلیٰ فوجی حکام کے اجلاس کے اگلے دن نپولین صبح سویرے گھوڑے پر سوار ہو کر فوجی دستوں کا معائنہ کرنے اور اپنے سابقہ و متوقع میدان جنگ کا جائزہ لینے کے بہانے چند مارشلوں اور محافظوں کے ساتھ اپنی فوج کی صفوں میں چکر لگانے لگا۔ اسی دوران مال غنیمت کی تلاش میں ادھر ادھر گھومتی روسی قازقوں کی ایک ٹولی اتفاقاً اس کے سامنے آ گئی۔ قازقوں نے اسے تقریباً پکڑ ہی لیا تھا مگر نپولین کو ان سے جس شے نے بچایا وہ وہی تھی جو فرانسیسیوں کی تباہ کا باعث بن رہی تھی یعنی مال و دولت کا لالچ۔ قازقوں نے تاروتینو کی طرح یہاں بھی لوٹ مار شروع کر دی اور اس طرح ان کے دشمن کو بھاگ نکلنے کا موقع مل گیا۔ انہوں نے نپولین پر توجہ نہ دی اور خود مال غنیمت لوٹنے میں منہمک ہو گئے جس سے نپولین باآسانی بچ نکلا۔

اگر فرانسیسی شہنشاہ اپنی فوج میں ہی ان قازقوں کے ہتھے چڑھ سکتا تھا تو پھر یہ امر واضح ہو گیا کہ اب فوری طور پر قریب ترین سڑک پر پہنچنے کے سوا کوئی چارہ باقی نہیں رہا۔ نپولین کی عمر چالیس برس ہو چکی تھی اور اس کا پیٹ بڑھ گیا تھا۔ اب اس میں پہلے جیسی چستی اور بہادری برقرار نہ رہی تھی جو کبھی اس کا خاصہ تھی۔ اس نے اشارہ سمجھ لیا اور قازقوں والے واقعے سے خوفزدہ ہو کر موٹون کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے شاہراہ سمولنسک پر موزیسک کی

جانب پیچھے ہٹنے کا حکم دے دیا۔

اگرچہ یہ بات درست ہے کہ نپولین نے موٹون کی رائے سے اتفاق کیا تھا اور یہ بات بھی ٹھیک ہے کہ فوج پسپا ہو گئی مگر اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ پسپائی کی وجہ نپولین کا حکم بنا۔ اس کی بجائے جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ جو قوتیں فرانسیسی فوج پر اثر انداز ہو رہی تھیں اور اسے موزیسک کی راہ پر جانے کیلئے مجبور کر رہی تھیں وہ بیک وقت خود نپولین پر بھی اثر انداز ہو رہی تھیں۔

(19)

انسان ہمیشہ اپنی حرکت کا کوئی نہ کوئی جواز تلاش کر لیتا ہے۔ وہ سینکڑوں کلومیٹر فاصلہ اسی صورت میں طے کر سکتا ہے جب اسے یقین ہو کہ ان سینکڑوں کلومیٹر کے اختتام پر کوئی اچھی چیز اس کی منتظر ہے۔ سفر جاری رکھنے کیلئے اس کے پاس وعدے کے مطابق ملنے والی زمین کا امکان موجود ہونا چاہئے۔ اسی صورت میں وہ سفر جاری رکھ پائے گا ورنہ اس کی ہمت جواب دے سکتی ہے۔ جب فرانسیسیوں نے روس پر حملہ کیا تو ان کی مطلوبہ زمین ماسکو تھی مگر جب وہ پسپا ہونے لگے تو یہ جگہ ان کا اپنا وطن تھا۔ مگر یہ وطن یعنی فرانس بہت دور تھا اور وہ شخص جسے ہزار کلومیٹر کا سفر درپیش ہو اسے اپنے ذہن سے آخری منزل کا تصور نکال کر چھوٹے چھوٹے فاصلوں پر مبنی ضمنی منازل ترتیب دینا ہوں گی۔ سفر کے ابتدائی مراحل میں یہ جگہیں اس کی آخری منزل کو ذہن سے بھلا دیتی ہیں اور اس کی تمام تر خواہشات محض ضمنی منزل تک محدود ہو کر رہ جاتی ہیں اور ہر شخص کی انفرادی جبلتیں ہجوم کی صورت میں حد سے بڑھ جاتی ہیں۔

پرانی شاہراہ سمولنسک پر سفر کرنیوالے فرانسیسیوں کیلئے اپنی آخری منزل یعنی آبائی سرزمین بہت دور تھی اور ان کی فوری منزل سمولنسک تھی اور ہجوم کی صورت میں بڑھ جانیوالی خواہشات انہیں اسی جانب لئے جا رہی تھیں۔ اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ وہ وہاں رسد کی کثیر مقدار اور کسی تازہ دم فوج کی موجودگی سے آگاہ تھے۔ انہیں کسی نے یہ بات نہیں بتائی تھی (اس کی بجائے نپولین اور فوج کے افسران اعلیٰ کو علم تھا کہ وہاں رسد بیحد کم ہو گی) بلکہ اس کی وجہ یہ واحد شے تھی جو انہیں آگے لے جانے اور اپنی حالیہ مشکلات کو برداشت کرنے کا حوصلہ عطا کر سکتی تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ باعلم اور لاعلم ہر دو اقسام کے افراد یکساں طور پر اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے تھے اور سمولنسک کی جانب یوں بڑھے چلے جا رہے تھے جیسے یہی ان کی منزل ہو۔

جب ایک مرتبہ فرانسیسی فوج سڑک پر چڑھ گئی تو اپنی منزل کی طرف جانے میں حیران کن ہمت اور حوصلے کا مظاہرہ کرنے لگی۔ ان کی رفتار غیر معمولی حد تک تیز تھی۔ مشترکہ جذبے کے علاوہ اسے جس شے نے متحد کر رکھا تھا اور جو چیز انہیں حوصلے اور طاقت کی مخصوص مقدار فراہم کر رہی تھی وہ ان کی بہت بڑی تعداد تھی جو انہیں باہم متحد رکھے ہوئے تھی، جیسا کہ کشش ثقل کا قانون ہے اس فوج کا بہت بڑا حجم انفرادی انسانی ذرات کو اپنی جانب کھینچ رہا تھا۔ ان کی تعداد سینکڑوں ہزار تھی مگر وہ یوں حرکت کر رہے تھے جیسے ایک ہی جسم ہو۔

ان میں سے ہر شخص ہتھیار ڈالنا اور قیدی بن جانا چاہتا تھا تاکہ اس خوف اور مصیبت سے چھٹکارے کی کوئی صورت پیدا ہو سکے۔ مگر ایک جانب ان کے مشترکہ جذبے کی قوت انہیں ایک طرف کھینچے جا رہی تھی اور دوسری جانب یہ حقیقت تھی کہ فوج کی ایک کور کیلئے کمپنی کے سامنے ہتھیار ڈالنا ممکن نہ تھا۔ اگرچہ فرانسیسی فوجی کمترین قابل قبول بہانے پر بقیہ فوج سے علیحدگی اور ہتھیار ڈالنے کا کوئی موقع نہیں جانے دیتے تھے مگر ایسے مواقع بار بار نہیں آتے تھے۔ ایک تو ان

کی تعداد بیحد زیادہ تھی اور دوسری بات یہ تھی کہ فوج اکٹھی ہو کر تیز رفتاری سے سفر کرتی تھی، ایسی صورتحال میں کسی کے بچھڑنے کا امکان محدود ہو جاتا تھا۔ یہ فرانسیسی ہجوم تیزی سے آگے نکلنے کیلئے جس طرح اپنی تمامتر توانائیاں صرف کر رہا تھا اس نے روسیوں کیلئے ان کی رفتار میں خلل ڈالنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن بھی بنا دیا تھا۔ جب کسی جسم میں ٹوٹ پھوٹ کا عمل شروع ہو جاتا ہے تو کوئی بھی مشینی انتشار اس عمل کی رفتار میں ایک خاص حد سے زیادہ تیزی نہیں لا سکتا۔

برف کا گولہ اچانک نہیں پگھلایا جا سکتا بلکہ اس کیلئے مخصوص وقت متعین ہوتا ہے اور جب تک یہ وقت پورا نہ ہو جائے آپ خواہ کتنی ہی گرمی کیوں نہ استعمال کر لیں، یہ گولہ نہیں پگھلے گا۔ اس کے برعکس گرمی کی مقدار جتنی بڑھتی چلی جائیگی باقیماندہ برف بھی اتنی ہی زیادہ سخت ہوتی جائیگی۔

روسی فوج کے کمانڈروں میں صرف کوتوزوف کو اس بات کا علم تھا۔ جب شاہراہ سمولنسک کے ساتھ ساتھ فرانسیسی فوج کی پسپائی فرار میں بدلی تو وہی بات وقوع پذیر ہونے لگی جس کا کونووٹسن نے 11 اکتوبر کی شب اندازہ لگا لیا تھا۔ روسی جرنیل فرانسیسی فوج کے تمام افسران اعلیٰ کو گھیرنے، پکڑنے، گرفتار کرنے اور اس طرح نمایاں کارنامے انجام دینے کیلئے بے چین ہو رہے تھے اور ہر شخص چلا چلا کر حملے کا مطالبہ دہرا رہا تھا۔

صرف کوتوزوف نے حملے روکنے کیلئے اپنے تمام اختیارات استعمال کئے (اور کمانڈر انچیف کے یہ اختیارات محدود ہوتے ہیں)

جیسا کہ ہم اب کہہ سکتے ہیں، وہ اس وقت یہ بات نہیں کہہ سکتا تھا کہ "ان سے الجھنے، ان کی راہ میں حائل ہونے اور اپنے لوگ مروانے اور ان مصیبت کے ماروں کو قتل کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ جب ان کی ایک تہائی فوج ماسکو سے ویازما کے سفر میں جنگ کے بغیر ہی ختم ہو گئی ہے تو پھر ایسی کارروائیوں کا کیا فائدہ؟ اس کی بجائے اس نے اپنی پوری زندگی میں حاصل کردہ دانشمندی کے ذریعے انہیں وہ کچھ بتایا جو ان کی سمجھ میں آ سکتا تھا۔ اس نے انہیں بتایا کہ بسا اوقات سونے سے بنا پل بھی تباہی کا سبب بن جاتا ہے۔ اس کی باتیں سن کر وہ مذاق اڑانے اور اسے پر بہتان لگانے میں مصروف ہو گئے۔ انہوں نے زخمی درندے پر حملے کی جلدی کی جو قریب المرگ تھا اور اس کے ٹکڑے کرتے ہوئے فتح کا راگ الاپنا شروع کر دیا۔

ویازما کے قریب یرمولوف، میلوراڈووچ، پلاتوف اور دیگر نے اپنے آپ کو فرانسیسیوں سے قریب دیکھا تو وہ ان کے دستوں کا ایک دوسرے سے رابطہ ختم کرنے اور ان پر حملے کی خواہش کو لگام نہ دے سکے۔ اپنے ارادوں سے کوتوزوف کو آگاہ کرنے کی بجائے انہوں نے اسے لفافے میں خط کی بجائے خالی کاغذ رکھ کر بھیج دیا۔

فوج کو روکنے کی کوتوزوف کی تمامتر کوششوں کے باوجود ہماری فوج نے فرانسیسیوں پر حملہ کر دیا اور اس کی راہ میں حائل ہونے کی کوشش کرنے لگی۔ ہمیں بتایا جاتا ہے کہ ہماری پیادہ رجمنٹیں بینڈ کی دھن پر آگے بڑھیں اور فوجیوں نے ہزاروں فرانسیسیوں کو قتل کیا اور خود بھی اتنی ہی تعداد میں مارے گئے۔

مگر فرانسیسیوں کی پسپائی کسی طور رک سکی نہ اس کا رخ بدلا جا سکا۔ دشمن نے خطرے کا ادراک ہوتے ہی اپنی صفیں سکیڑ لیں۔ اگرچہ اس کے فوجی مسلسل فرار ہو رہے تھے مگر سمولنسک کی جانب اس کا مہلک سفر جاری رہا۔

☆☆☆☆☆

چودھواں حصہ

(1)

بورودینو کی جنگ، ماسکو پر فرانسیسیوں کے قبضے اور کسی مزید جنگ کے بغیر ان کے فرار کو تاریخ کے انتہائی سبق آموز واقعات میں جگہ دی جا سکتی ہے۔

تاریخ دانوں میں اس امر پر اتفاق پایا جاتا ہے کہ ملکوں اور قوموں کی باہمی کھینچا تانی کا ظاہری اظہار جنگوں کی صورت میں ہوتا ہے اور یہ کہ ملکوں اور قوموں کی سیاسی قوت بعینہ اسی نسبت سے کم یا زیادہ ہوتی ہے جس نسبت سے انہیں جنگ میں کامیابی یا ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ایسی تاریخی داستان کتنی ہی عجیب وغریب کیوں نہ دکھائی دے کہ کسی بادشاہ یا شہنشاہ کا کسی دوسرے بادشاہ یا شہنشاہ سے جھگڑا ہوا، اس نے فوج جمع کی اور دشمن کیخلاف جنگ شروع کر دی جس میں تین، پانچ یا دس ہزار افراد ہلاک ہو گئے، جنگ جیت لی گئی اور لاکھوں یا کروڑوں افراد پر مشتمل ملک وقوم اپنے تابع کر لیا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی خواہ کتنی ہی ناقابل فہم کیوں نہ ہو کہ فوج کی تعداد قوم کی مجموعی تعداد کے سوویں حصے کے برابر بھی نہیں ہوتی تاہم اس کی شکست پوری قوم کو فاتح کی اطاعت پر مجبور کر دیتی ہے، تاہم تاریخی حقائق اس بیان کی تصدیق کرتے ہیں کہ کسی فوج کی کسی دوسری فوج کے خلاف کم یا زیادہ کامیابی اس قوم کی قوت میں اضافے یا کمی کا بنیادی سبب نہیں تو اس کی کم از کم ایک علامت ضرور بن جاتی ہے۔ ایک فوج کامیاب ہوتی ہے اور اچانک فاتح قوم کے حقوق بڑھ جاتے ہیں، اس کے مقابلے میں شکست خوردہ قوم کو نقصانات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ ایک فوج شکست کھاتی ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ قوم شکست کی وسعت کے تناسب سے اپنے حقوق کھو بیٹھتی ہے۔ اگر کوئی فوج شکست کامل سے دوچار ہو جائے تو قوم بھی مکمل طور پر فاتح کی غلامی میں آ جاتی ہے۔ تاریخ ہمیں یہ بتلاتی ہے کہ پتھر کے زمانے سے لے کر دور حاضر تک یہی کچھ ہوتا چلا آیا ہے۔ نپولین کی تمام جنگیں اسی اصول کی تصدیق کرتی ہیں۔ جس نسبت سے آسٹروی فوج کو شکست ہوئی اسی نسبت سے آسٹرویوں کو اپنے حقوق سے محروم ہونا پڑا اور فرانس کے حقوق وقوت میں اضافہ ہو گیا۔ اور ینذٹ اور جینا میں فرانسیسیوں کی فتوحات نے پرشیا کی آزادانہ حیثیت ختم کر دی۔

تاہم 1812ء میں اچانک ایک نئی صورتحال سامنے آتی ہے۔ فرانسیسیوں کو ماسکو کے قریب فتح حاصل ہوتی ہے اور وہ ماسکو پر قابض ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد مزید کوئی جنگ بھی نہیں ہوتی مگر روس کا وجود برقرار رہتا ہے اور اس کی بجائے چھ لاکھ فرانسیسی فوج اور بعد ازاں نپولین کا فرانس بھی ختم ہو جاتا ہے۔ تاریخی اصولوں کو درست ثابت کرنے کیلئے حقائق کو توڑ مروڑ کر یہ دعویٰ کرنا تاریخ کا منہ چڑانے کے مترادف ہے کہ بورودینو کی جنگ روسیوں نے جیتی یا فرانسیسی فوج کے ماسکو خالی کرنے کے بعد کئی جنگیں ہوئیں اور انہی کی وجہ سے نپولین کی فوج تباہی سے دوچار ہوئی۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ حقائق اس سے الٹ منظر پیش کرتے ہیں۔

بورو ڈینو میں فرانسیسیوں کی فتح کے بعد نہ صرف ایک بھی عمومی جنگ نہ ہوئی بلکہ کوئی ایسی جھڑپ بھی نہیں ہوئی جسے اہم کہا جا سکتا ہو۔ اس کے باوجود فرانسیسی فوج ختم ہوگئی۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ اگر ایسا کوئی واقعہ چینی تاریخ میں پیش آیا ہوتا تو ہم شاید یہ کہتے کہ "یہ تاریخی سچائی نہیں" (جب کسی مورخ کے خودساختہ معیار پر کوئی بات پوری نہیں اترتی تو وہ ایسی ہی بات کرتا ہے) اگر کسی ایسی جھڑپ کی بات ہوتی جس میں تھوڑی سی فوج نے حصہ لیا ہوتا تو ہم اسے استثنائی واقعہ قرار دے سکتے تھے مگر ہم اس واقعے سے نگاہیں نہیں چرا سکتے۔ یہ ہمارے اجداد کی آنکھوں کے سامنے پیش آیا اور ان کے نزدیک یہ ان کے وطن کی زندگی اور موت کا مسئلہ تھا اور ویسے بھی یہ جانی پہچانی جنگوں میں اہم ترین جنگ سمجھی جاتی ہے۔

1812ء کی جنگ کے دور نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اگر آپ ایک لڑائی جیت لیں تو اس کا لازمی نتیجہ ملک کی فتح کی صورت میں نہیں نکلتا بلکہ یہ بات بھی نہیں کہی جا سکتی کہ کسی ملک کی فتح کا امکان پیدا ہو گیا ہے۔ اس دور نے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچا دی ہے کہ عوامی تقدیر کا فیصلہ کرنے والی قوت فاتحین کے پاس ہوتی ہے نہ اسے فوجوں اور جنگوں میں ڈھونڈا جا سکتا ہے بلکہ یہ کہیں اور موجود ہوتی ہے۔

فرانسیسی مورخ نپولین کی فوج کی ماسکو روانگی سے پہلے کی حالت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ فوج میں سب کچھ ٹھیک ٹھاک تھا صرف گھڑ سوار فوج، توپخانے اور سامان بردار دستوں کی حالت کچھ خراب تھی کیونکہ گھوڑوں اور جانوروں کیلئے چارہ موجود نہ تھا۔ اس مسئلے کا کوئی علاج نہیں تھا کیونکہ اس علاقے کے کسانوں نے سوکھی گھاس فرانسیسیوں کے حوالے کرنے کی بجائے اسے جلانا زیادہ مناسب سمجھا۔

فتح کے عمومی نتائج یہاں دکھائی نہ دے سکے کیونکہ کارپ، ولاس اور انجیسے ہزاروں دیگر کسانوں نے اپنی گھاس ماسکو لانے سے احتراز برتا حالانکہ انہیں بہت اچھی قیمت بھی پیش کی گئی تھی اور ان میں حب الوطنی کا بھی کچھ ایسا خاص جذبہ نہیں پایا جاتا تھا۔

آیئے دو ایسے اشخاص کا تصور کرتے ہیں جو تلوار بازی کے قوانین کے مطابق ڈوئیل لڑ رہے ہیں۔ وہ کچھ دیر سے باہم مقابل ہیں اور ایک دوسرے کے وار خالی کر رہے ہیں۔ ایک حریف کو اچانک اپنے زخمی ہونے کا احساس ہوتا ہے۔ اب اسے یہ بات سمجھ آ جاتی ہے کہ مذاق نہیں بلکہ زندگی اور موت کا مسئلہ ہے چنانچہ وہ اپنی تلوار اٹھا کر زمین پر پڑا ڈنڈا اٹھا کر اسے لہرانا شروع کر دیتا ہے۔ آیئے ہم فرض کرتے ہیں کہ جس حریف نے اپنا مقصد حاصل کرنے کیلئے اسقدر عقلمندی سے بہترین اور سادہ ترین ہتھیار استعمال کیا اسے بیک وقت بہادری اور روایات کا بھی خیال تھا۔ مگر وہ حقائق چھپانا چاہتا ہے اور یہ دعویٰ کرنے لگ جاتا ہے کہ اس نے تلوار بازی کے فنی قوانین کی پابندی کرتے ہوئے بزور تلوار فتح حاصل کی ہے۔ اب آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایسی ڈوئیل کی کہانی ہمارے لئے کتنی ناقابل فہم ہوگی۔

وہ حریف جس نے قوانین کے مطابق ڈوئیل لڑنے پر اصرار کیا وہ فرانسیسی فوج تھی جبکہ جس حریف نے تلوار پھینک کر لاٹھی اٹھائی وہ روسی قوم تھی۔ جن لوگوں نے حالات کی وضاحت شمشیر زنی کے اصولوں کے تحت کرنے کی کوشش کی وہ ایسے تاریخ دان ہیں جنہوں نے اس واقعے کے حوالے سے کتابیں لکھی ہیں۔

سمولنسک جلنے کے بعد ایک ایسی جنگ شروع ہوگئی جس میں روایتی جنگوں سے کوئی مشابہت دیکھنے کو نہیں ملتی۔ قصبوں اور دیہات کی آتش زدگی، ہر جنگ کے بعد پسپائی، بورو ڈینو کی چوٹ، پھر پسپائی، ماسکو پر قبضہ اور آتش زدگی، لٹیروں کی کارروائیاں، سامان بردار گاڑیوں پر قبضے، گوریلا جنگ اور ایسی دیگر تمام باتیں جنگی قوانین سے انحراف کے

زمرے میں آتی ہیں۔

نپولین کو اس بات کا احساس تھا اور جب اس نے ماسکو میں شمشیر زنی کے صحیح اصولوں کی پاسداری شروع کی اور اپنے خلاف دشمن کی تلوار کی جگہ اس کی لاٹھی اٹھتے دیکھی تو وہ مسلسل کوتوزوف اور زار سے احتجاج کرتا رہا کہ جنگ مروجہ اصولوں کیخلاف لڑی جا رہی ہے (جیسے انسانوں کو قتل کرنے کے بھی قوانین مقرر ہوں)

قواعد کی عدم پابندی کے حوالے سے فرانسیسیوں کی شکایات اور اس حقیقت کے باوجود کہ اعلیٰ مناسب پر فائز کچھ روسیوں کو لاٹھی لہرانا اچھا نہ لگا، عوامی جنگ کی یہ لاٹھی کسی قانون اور کسی کے ذوق کی پروا نہ کرتے ہوئے شاندار انداز میں بلند ہوئی اور احمقانہ سادگی مگر موثر انداز سے مسلسل برستی رہی یہاں تک کہ تمام حملہ آور فوج کا کچومر نکل گیا۔

ایسی قوم کو خوش نصیب کہا جا سکتا ہے جو اپنے دریا دل فاتح کو فنی اصولوں کے مطابق سلام کرتی ہے نہ رسوم و رواج کی پیروی کرتے ہوئے شائستگی سے اپنی تلوار کا دستہ اسے پیش کر دیتی ہے، جیسا کہ فرانسیسیوں نے 1813ء میں کیا تھا۔ ایسی قوم کا مقدر انتہائی روشن ہوتا ہے جو مشکل گھڑی میں یہ پوچھے بغیر کہ دوسروں نے اس جیسی صورتحال میں کیا قوانین بنائے تھے، سیدھے سادے اور ماہرانہ انداز سے لاٹھی اٹھا لیتی ہے اور مسلسل ضربات لگاتی رہتی ہے یہاں تک کہ اس کی روح میں بھرا بے عزتی اور انتقام کا جذبہ ٹھنڈا پڑ جاتا ہے اور اس کی جگہ رحم اور نفرت کے جذبات لے لیتے ہیں۔

(2)

نام نہاد جنگی قوانین سے کئے جانے والے انحرافات میں نمایاں اور مفید ترین کارروائی وہ ہے جو دور دور تک بکھرے گروہ ان لوگوں کیخلاف کرتے ہیں جو بڑی فوج کی صورت میں ایک دوسرے کے قریب رہ کر لڑنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ ایسی کارروائی ہمیشہ ان جنگوں میں دیکھی جا سکتی ہے جنہوں نے قومی روپ دھار لیا ہوتا ہے۔ ایسی معرکہ آرائیوں میں لوگوں کا ایک گروہ دوسرے کیخلاف نبرد آزما نہیں ہوتا بلکہ وہ چھوٹے چھوٹے ٹولوں میں منقسم ہو کر جہاں موقع ملے وہیں حملہ کرتے رہتے ہیں۔ اگر دشمن ان سے طاقتور ہو اور خطرہ محسوس ہونے لگے تو یہ فوراً بھاگ اٹھتے ہیں اور دوبارہ موقع ملتے ہی حملہ کر دیتے ہیں، سپین میں گوریلوں، قفقاز کے پہاڑوں میں قبائل اور 1812ء میں روسیوں نے بھی یہی کیا۔

ایسی لڑائیوں کو "گوریلا جنگ" کہا جاتا ہے اور فرض کر لیا جاتا ہے کہ جب اس کا نام رکھ دیا گیا ہے تو پھر ہر بات خود بخود واضح ہو جانی چاہئے۔ تاہم ایسی جنگ کبھی کسی قاعدے قانون کے تحت نہیں لڑی جاتی۔ عام جنگ کا مرکزی اصول یہ ہوتا ہے کہ حملہ آور کو اپنی تمام فوج ایک جگہ اکٹھی کر لینی چاہئے تاکہ فیصلہ کن لڑائی کے وقت وہ اپنے حریف سے زیادہ مضبوط ہو۔

گوریلا جنگ (جیسا کہ تاریخ بتلاتی ہے کہ یہ ہمیشہ کامیاب رہتی ہے) اس اصول سے متضاد کارروائی کا نام ہے۔ فوجی سائنس یہ فرض کرتی ہے کہ فوج کی طاقت اس کی تعداد پر منحصر ہوتی ہے اور اس کی رو سے فوج کی تعداد جس قدر زیادہ ہوگی یا اسی قدر طاقتور کہلائے گی۔

فوجی سائنس کا یہ دعویٰ ایسے ہی ہے جیسے میکانیات میں حرکت کی مقدار کی تعریف صرف مادے کی مقدار کے

حوالے سے کر دی جائے اور یہ کہہ دیا جائے کہ حرکت پذیر جسم کی مقدار حرکت اس کے مادے کی مقدار کی برابری یا عدم برابری کے تناسب سے برابر یا غیر برابر ہے۔

حرکت کی مقدار مادے کی مقدار اور رولائٹی کے حاصل ضرب کے برابر ہوتی ہے۔

فوجی معاملات میں فوج کی طاقت اس کی تعداد اور کسی نامعلوم شے کے حاصل ضرب کے برابر ہوتی ہے۔

تاریخ میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں جن سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ فوج کی تعداد اس کی طاقت سے مطابقت نہیں رکھتی اور چھوٹی فوج بھی بڑی کو شکست دے سکتی ہے۔ فوجی سائنس کا سامنا جب ان مثالوں سے ہوتا ہے تو وہ غیر واضح انداز میں اس نامعلوم عنصر کی موجودگی تسلیم کر لیتی ہے اور کبھی اسے فوج کی ہندی ترتیب، کبھی بہتر ہتھیاروں اور کبھی (بلکہ اکثر و بیشتر) کمانڈروں کی ذہانت میں تلاش کرنے لگتی ہے۔ تاہم ان عناصر کو گن کر بھی وہ تاریخی حقائق کے مطابق نتائج حاصل نہیں ہو پاتے۔

مندرجہ بالا نامعلوم شے کو جاننے کیلئے ہمیں اس جھوٹے نقطہ نظر کو ترک کرنا ہوگا کہ جنگ کے دوران دیئے جانیوالے احکامات موثر ثابت ہوتے ہیں (یہ نقطہ محض ہیروؤں کی انا کی تسکین کیلئے گھڑا گیا)

یہ نامعلوم شے فوج کا جذبہ ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر وہ افراد جن پر فوج مشتمل ہوتی ہے وہ کس حد تک لڑنے اور خطرہ مول لینے کیلئے تیار ہیں۔ اس امر سے قطع نظر کہ وہ کسی ذہین کی قیادت میں لڑ رہے ہیں یا ان کا کمانڈر کوئی احمق آدمی ہے، وہ دو صفوں کی صورت میں لڑ رہے ہیں یا انہوں نے تین صفیں بنا رکھی ہیں، وہ بندوقوں سے لڑ رہے ہیں یا ان کے ہاتھ میں لاٹھیاں ہیں۔ ایسے فوجی جنہیں لڑنے کا شوق ہوتا ہے وہ اپنے اردگرد خود ہی ایسے حالات پیدا کر لیتے ہیں جو دوران جنگ ان کے کام آتے ہیں۔

فوج کا جذبہ وہ شے ہے جسے اس کی تعداد سے ضرب دی جائے تو اس فوج کی درست قوت معلوم ہو جائے گی۔ اس نامعلوم عنصر یعنی جذبے کی اہمیت کی تعریف اور وضاحت سائنس کیلئے مشکل ثابت ہو رہی ہے۔

یہ مسئلہ اسی وقت حل ہو سکتا ہے کہ اگر ہم فوجی ترتیب و تقسیم کیلئے کمانڈر کے منصوبے، ہتھیار اور دیگر سازوسامان جیسے حالات کو اپنی مرضی اور بے اصولی کے ذریعے اس نامعلوم شے کا متبادل قرار دینا چھوڑ دیں، کیونکہ اس میں ہماری غلطی یہ ہوتی ہے کہ ہم انہیں اہم عنصر سمجھ لیتے ہیں اور ہمیں اس نامعلوم شے کو وہی کچھ سمجھنا ہوگا جو وہ حقیقت میں ہے یعنی "خطرات میں کودنے کی فعال خواہش" صرف اسی صورت میں جانے پہچانے تاریخی حقائق کو مساواتوں کے ذریعے ظاہر کر کے اور اس نامعلوم عنصر کی اضافی قدروں کا موازنہ کر کے ہم اس نامعلوم شے کی تعریف و توضیح کر پائیں گے۔ دس افراد، رجمنٹیں اور ڈویژنیں، پندرہ افراد، رجمنٹوں یا ڈویژنوں کا قلع قمع کر دیتی ہیں، یعنی ان تمام کو ہلاک یا گرفتار کر لیتی ہیں جبکہ انہیں خود صرف چار کی قربانی دینا پڑتی ہے۔ اس طرح ایک فریق کو چار اور دوسرے کو پندرہ کا نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔ یوں چار پندرہ کے برابر ہو جاتے ہیں اور ہم انہیں کچھ اس انداز میں لکھ سکتے ہیں کہ: $4x=15y$، یہ مساوات یوں لکھی جائیگی: $z/y=15/4$، اگرچہ یہ مساوات نامعلوم شے کی اقدار بیان نہیں کرتی مگر یہ دو نامعلوم اشیاء کے مابین تناسب ضرور واضح کر دیتی ہے۔ مختلف اقسام کی تاریخی اکائیوں کو ان مساوات کے ذریعے ظاہر کر کے اعداد کے ایسے سلسلے تک پہنچا جا سکتا ہے جن میں قوانین موجود ہوں گے اور کبھی نہ کبھی انہیں دریافت کرنا بھی ممکن ہو جائیگا۔

حکمت عملی کا یہ اصول کہ فوج کو ہجوم کی صورت میں حملہ کرنا چاہئے مگر پیچھے ہٹتے وقت چھوٹے چھوٹے

گروہوں میں بٹ جانا چاہئے، نادانستہ طور پر اس سچائی کی تصدیق کر دیتا ہے کہ فوج کی قوت اس کے جذبے پر منحصر ہوتی ہے۔ جہاں فائرنگ ہو رہی ہوتی ہے وہاں اپنے آدمی لے جانے کیلئے حملہ روکنے کی نسبت کہیں زیادہ نظم وضبط کی ضرورت پیش آتی ہے اور اس نظم وضبط کو اسی صورت حاصل کیا جا سکتا ہے جب فوجی ایک ساتھ آگے بڑھیں گے۔ تاہم یہ اصول فوج کے جذبے کی پروا نہیں کرتا اور مسلسل غلط فہمی میں مبتلا رکھنے کے علاوہ حقائق کے ساتھ نمایاں تضاد دکھاتا رہتا ہے۔

1812ء میں جب فرانسیسی فوج پسپا ہو رہی تھی تو حکمت عملی کے اصولوں کی رو سے انہیں اپنے دفاع کیلئے چھوٹے چھوٹے گروہوں میں منقسم ہو جانا چاہئے تھا، مگر وہ ہجوم کی صورت میں اکٹھے ہو گئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ فوج کا جذبہ اس قدر گر گیا تھا کہ صرف حجم کی بدولت ہی ان کی یکجہتی برقرار رہ سکتی تھی۔ اس کے برعکس حکمت عملی کے اصولوں کے مطابق روسیوں کو اکٹھے ہو کر ان پر حملہ کرنا چاہئے تھا مگر وہ چھوٹے چھوٹے مختلف گروہوں میں تقسیم ہو گئے کیونکہ ان کا جذبہ اتنا بلند ہو گیا تھا کہ لوگ احکامات کے بغیر انفرادی حیثیت سے فرانسیسی فوج پر حملے کرنے لگے اور کسی نے انہیں مصیبتوں اور خطرات کا سامنا کرنے پر مجبور کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔

(3)

یہ نام نہاد گوریلا جنگ فرانسیسیوں کے سمولنسک میں داخلے کے ساتھ ہی شروع ہو گئی۔ حکومت کی جانب سے اس جنگ کو سرکاری طور پر تسلیم کئے جانے سے پہلے ہی قازق اور دیہی کسان دشمن کے ہزاروں فوجیوں کو قتل کر چکے تھے۔ ان فوجیوں میں سے کچھ لوٹ مار کی غرض سے اپنی مرکزی فوج سے بچھڑ گئے اور کچھ رسد کی تلاش میں ادھر ادھر نکل گئے تھے۔ قازقوں اور کسانوں نے انہیں اسی طرح قتل کیا جس طرح کتے کسی بھولے بھٹکے پاگل کتے کو گھیرنے کے بعد پریشان کر کے ہلاک کر دیتے ہیں۔ ڈینس ڈیویڈوف روسی جبلت کا حامل پہلا شخص تھا جس نے اس خوفناک لاٹھی کی اہمیت پہچانی جو فوجی قواعد کے خلاف فرانسیسیوں کو تباہ کر رہی تھی۔ جنگ کے اس طریقہ کار کو باقاعدہ بنانے کیلئے پہلا قدم اٹھانے کا کریڈٹ اسے ہی جاتا ہے۔

ڈیویڈوف کا پہلا گوریلا دستہ 24 اگست کو منظم کیا گیا اور اس کے بعد دوسرے تشکیل دیئے گئے۔ جوں جوں جنگ آگے بڑھی، ان دستوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا۔

گوریلے فرانسیسی فوج کو آہستہ آہستہ گھاؤ لگاتے رہے۔ انہوں نے مرجھائے ہوئے درخت کے از خود نیچے گر جانے والے پتوں کو صاف کر دیا اور بعض اوقات وہ درخت کو بھی جھنجوڑ ڈالتے تھے۔ اکتوبر میں جب فرانسیسی سمولنسک کی جانب بھاگے تو ان جتھوں کی تعداد سینکڑوں تک پہنچ گئی تھی۔ وہ تعداد اور خصوصیات کے اعتبار سے ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہوتے تھے۔ ان میں شامل لوگوں کی بھی متعدد اقسام تھیں۔ کچھ بڑے گوریلا دستے تو باقاعدہ فوج کی حیثیت اختیار کر گئے۔ ان کے اپنے پیادہ اور گھڑ سوار دستے تھے، عملہ بھی موجود تھا اور زندگی کی دیگر سہولیات بھی میسر تھیں۔ بعض دستے محض قازق گھڑ سواروں پر مشتمل تھے اور بعض میں بھانت بھانت کے افراد شامل ہوتے تھے۔ ان میں پیادہ فوجی، گھڑ سوار یا کسان شامل تھے اور ان کی موجودگی میں کسی کو خاص علم بھی نہ ہوا۔ کسی نائب پادری کے زیر قیادت ایسے ہی ایک گروہ نے ایک ماہ میں سینکڑوں قیدی پکڑ لئے۔ واسیلیسا نامی ایک دیہاتی خاتون نے سینکڑوں فرانسیسیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

اکتوبر کے اواخر میں یہ گوریلا جنگ عروج پر پہنچ گئی۔ اگرچہ ابتدا میں یہ بے قاعدہ دستے اپنی بہادری اور دلیری

پر خود بھی حیران و پریشان تھے مگر پھر بھی ان پر ہمہ وقت یہی خوف سوار رہتا تھا کہ فرانسیسی انہیں گھیر کر گرفتار کرلیں گے۔ وہ گھوڑوں سے زینیں اتارے بغیر جنگلوں میں چھپے رہتے اور انہیں ہر وقت یہی توقع ہوتی کہ ان کا تعاقب شروع ہو جائے گا۔ وہ دور اب گزر گیا تھا۔ اکتوبر کے آخر تک اس جنگ نے واضح صورت اختیار کرلی تھی ہر شخص کو علم ہو گیا تھا کہ فرانسیسیوں کیخلاف کیسا خطرہ مول لیا جاسکتا ہے۔ دستوں کے صرف وہ کمانڈر بعض چیزوں کو ناممکن رکھتے تھے جو اپنے عملے کے ساتھ سفر کرتے تھے اور قواعد کے مطابق اپنے اور فرانسیسیوں کے مابین کافی فاصلہ رکھنا ضروری سمجھتے تھے۔ چھوٹے گروہ اپنی کارروائیاں بہت پہلے شروع کر چکے تھے اور انہوں نے فرانسیسیوں کو بہت دنوں تک قریب سے دیکھا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ بعض ایسے اقدامات کو بھی قابل عمل سمجھتے تھے جن کے بارے میں بڑے دستوں کے کمانڈروں کیلئے سوچنا بھی ممکن نہ تھا۔ فرانسیسیوں میں گھسنے والے قازق اور کسان اب سب کچھ ممکن سمجھنے لگ گئے تھے۔

دینی سوف ابھی بے قاعدہ فوجیوں میں شامل تھا۔ اس کا اپنا گروہ تھا۔ 22 اکتوبر کو اس کے جتھے گوریلوں کا جوش وجذبہ آسمان سے باتیں کر رہا تھا۔ دینی سوف اور اس کے ساتھی صبح سے حرکت میں تھے۔ وہ تمام دن سڑک کے ساتھ ساتھ واقع جنگل میں چھپے فرانسیسیوں کے بہت بڑے قافلے کو دیکھ رہے تھے جس میں گھڑ سوار فوج کے سامان کی گاڑیاں اور روسی قیدی شامل تھے۔ گوریلے قافلے کے قریب تر ہو کر آگے بڑھتے چلے آرہے تھے۔ یہ قافلہ بقیہ فوج سے بچھڑ گیا تھا اور مخبروں نیز قیدیوں نے بھی اس اطلاع کی تصدیق کردی تھی کہ یہ خاصے بڑے حفاظتی دستے کے ساتھ سمولنسک جارہا تھا۔ دینی سوف اور دولوخوف (وہ بھی ایک چھوٹے جتھے کا سربراہ تھا اور دینی سوف کے قریب کارروائیوں میں مصروف تھا) کے ساتھ ساتھ بعض بڑے دستوں کے کمانڈروں کو بھی اس سامان بردار قافلے کی موجودگی کا علم ہو چکا تھا اور دینی سوف کے مطابق وہ اس قافلے کیلئے ان کے منہ سے پانی بہہ رہا تھا۔ ایسے ہی دو بڑے جتھوں کے کمانڈروں نے اسے دعوت دی کہ وہ فرانسیسیوں پر حملے کیلئے ان کے ساتھ مل جائے، ان کمانڈروں میں ایک جرمن اور دوسرا پولش تھا۔

دینی سوف نے یہ پیغامات پڑھنے کے بعد کہا "نہیں دوست، میں کل کا بچہ نہیں" اس نے پیغامات پڑھنے کے بعد جرمن کمانڈر کو لکھا "مجھے آپ جیسے مشہور اور بہادر جرنیل کی قیادت میں خدمات انجام دے کر یقیناً خوشی ہوتی مگر میں پہلے ہی ایک پولش کمانڈر کے ماتحت کام کر رہا ہوں چنانچہ میں آپ کے ساتھ کام کرنے سے معذور ہوں" اس نے پولش جرنیل کو بھی ایسا ہی پیغام بھیج دیا اور اسے اطلاع دی کہ وہ جرمن جرنیل کے ماتحت کام کر رہا ہے۔

دینی سوف اور دولوخوف نے معاملات اس انداز میں نمٹانے کے بعد فیصلہ کرلیا کہ وہ افسران اعلیٰ کو اطلاع دیئے بغیر اپنے چھوٹے چھوٹے جتھوں کے ساتھ اس قافلے پر حملہ کر کے اسے پکڑلیں گے۔ 22 اکتوبر کو یہ قافلہ میکولینو سے شام شیوو جارہا تھا۔ دونوں کے مابین سڑک کی بائیں طرف بڑے بڑے جنگل تھے۔ اگرچہ بعض جگہوں پر یہ جنگل سڑک سے ایک کلومیٹر اس سے زیادہ دور بھی ہٹ جاتے تھے مگر بعض جگہوں پر سڑک ان کے بالکل قریب سے ہو کر گزرتی تھی۔ دینی سوف اور اس کے ساتھی تمام دن جنگلوں میں چلتے رہے۔ بعض اوقات وہ ان جنگلوں میں کافی پیچھے چلے جاتے اور کبھی کبھار بالکل ان کے کناروں پر آجاتے تاہم متحرک فرانسیسی ہمیشہ ان کی نظروں میں رہتے تھے۔ اس صبح دینی سوف کے گروہ کے قازقوں نے زینوں سے لدی دو گاڑیاں پکڑلیں اور انہیں جنگل میں لے گئے۔ یہ چھکڑے میکولینو سے کچھ دور اس جگہ کیچڑ میں پھنس گئے تھے جہاں جنگل سڑک کے بالکل قریب تھا۔ اس وقت سے شام تک وہ فرانسیسیوں کی نقل وحرکت بغور دیکھتے رہے تاہم ان سے دور رہے۔ دینی سوف انہیں خوفزدہ کئے بغیر شام شیوو پہنچنے

کا موقع دینا چاہتا تھا جس کے بعد دولوخوف (جو اس شام مشورے کیلئے شام شیوو سے ایک کلومیٹر کے فاصلے پر جنگل کے رکھوالے کے جھونپڑے میں آرہا تھا) کے ساتھ مل کر صبح سویرے فرانسیسیوں پر حملہ کیا جانا تھا۔ ان کا منصوبہ تھا کہ حملہ اچانک کیا جائیگا تاکہ کسی کو بھاگنے کا موقع نہ مل سکے۔

میکولینو سے دو کلومیٹر آگے چھ قازق کھڑے کردیئے گئے تاکہ فرانسیسیوں کے نئے کالموں بارے اطلاع مل سکے۔

اسی طرح شام شیوو سے آگے سڑک کی نگرانی کی ذمہ داری دولوخوف کی تھی تاکہ معلوم ہو سکے کہ دیگر فرانسیسی دستے کتنی دور ہیں۔ ان کا اندازہ تھا کہ سامان بردار فوجی قافلہ ڈیڑھ ہزار افراد پر مشتمل ہوگا۔ دینی سوف کے قازقوں کی تعداد دو سو تھی جبکہ دولوخوف کے گروہ میں بھی اتنے ہی لوگ شامل تھے۔ اس عددی فرق سے دولوخوف کی ہمت کم نہ ہوئی۔ وہ صرف یہ جاننے کا خواہشمند تھا کہ فرانسیسیوں کے قافلے میں کیسے دستے شامل ہیں اور یہ جاننے کیلئے اسے ایک "زبان" کی ضرورت تھی۔ دوسرے الفاظ میں انہیں معلومات کے حصول کیلئے کسی فرانسیسی کو گرفتار کرنا تھا۔ گاڑیوں پر اس صبح کا حملہ اتنی جلدی کیا گیا کہ ان کے ساتھ موجود تمام فرانسیسی مارے گئے اور صرف ایک نوجوان لڑکا ہی ہاتھ آیا تھا، وہ قافلے سے بچھڑ گیا تھا اس لئے اس کے بارے میں کوئی اطلاع نہ دے سکا۔

دینی سوف کا خیال تھا کہ اگر اس نے دوسری مرتبہ حملہ کیا تو تمام قافلہ ہی خبردار ہو جائے گا، سو اس نے یہ خطرہ مول لینا گوارا نہ کیا۔ اس نے اپنے ساتھیوں میں سے ایک کسان تخن شیر باتوف کو شام شیوو بھیجنے کا فیصلہ کیا تاکہ فرانسیسی کوارٹر ماسٹروں میں سے کسی کو پکڑا جاسکے جنہیں آگے روانہ کردیا گیا تھا۔

(4)

یہ موسم خزاں کا نیم گرم دن تھا اور بارش ہو رہی تھی۔ آسمان اور افق کا رنگ گدلے پانی کا سا ہو رہا تھا۔ بعض اوقات یوں لگتا جیسے دھند نیچے اتر رہی ہو اور کبھی کبھار تیز اور ترچھی بارش ہونے لگتی تھی۔

دینی سوف نے لمبا کوٹ اور فرکی ٹوپی پہن رکھی تھی جس کے نیچے پانی بہہ رہا تھا۔ وہ لاغر گھوڑے پر بیٹھا تھا جس کے دونوں پہلو اندر دھنسے تھے۔ اپنے گھوڑے کی طرح وہ بھی سکڑا سمٹا ہوا تھا اور بے چینی سے سامنے دیکھے جارہا تھا۔ اس کا چہرہ دبلا ہو گیا تھا اور اس پر چھوٹی اور گھنی سیاہ داڑھی نمایاں ہو رہی تھی۔

دینی سوف کے ساتھ اس کا قازق ساتھی لوانسکی تھا جس نے اسی کی طرح لمبا کوٹ اور فرکی ٹوپی اوڑھ رکھی تھی۔ وہ صحت مند اور خوبصورت ڈان گھوڑے پر بیٹھا تھا۔

لوانسکی کا جسم لمبا تڑنگا اور تختے کی مانند چوڑا چکلا تھا۔ اس کے بال بھورے، چہرہ زرد اور چھوٹی چھوٹی آنکھیں چمکیلی تھیں۔ اس کے چہرے، انداز واطوار اور چال ڈھال سے یوں لگتا تھا جیسے یہ دھیما اور خود اعتماد شخص ہے۔ اگرچہ یہ بتانا آسان نہ تھا کہ گھوڑے اور سوار کی کون سی خاصیت دونوں کو ایک دوسرے سے ممیز کرتی ہے مگر ایک نظر دیکھ کر یہ واضح ہو جاتا تھا کہ دینی سوف پانی میں شرابور اور بے چین ہو رہا ہے اور ایسا شخص دکھائی دیتا ہے جو گھوڑے پر محض بیٹھا ہے جبکہ لوانسکی کو کسی قسم کی فکر نہ تھی اور وہ ہمیشہ کی طرح مطمئن دکھائی دیتا تھا۔ وہ گھوڑے پر محض بیٹھا ہوا نہیں تھا بلکہ وہ اور گھوڑا ایک ہی وجود میں بدل گئے تھے جو دونوں کی قوت لئے ہوئے تھا۔

ان سے کچھ آگے ایک کسان رہنما جارہا تھا۔ وہ پیدل تھا اور بارش کے پانی میں بھیگ چکا تھا۔ اس نے

دیہاتیوں کا سا خاکستری کوٹ اور سفید ٹوپی پہن رکھی تھی۔

ان سے کچھ پیچھے ایک کمزور گھوڑے پر نیلے فرانسیسی کوٹ میں ملبوس نوجوان افسر سوار تھا۔ اس کے گھوڑے کی دم اور گردن کے بال بیحد لمبے تھے اور منہ سے خون بہہ رہا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک ہوزار چلا آ رہا تھا جس کے پیچھے پھٹی پرانی فرانسیسی وردی اور نیلی ٹوپی پہنے ایک لڑکا گھوڑے کی پشت سے چپکا ہوا تھا۔ سردی کے سبب لڑکے کے ہاتھ سرخ ہو رہے تھے اور وہ اپنے ننگے پاؤں کو حرارت پہنچانے کیلئے انہیں زور زور سے گھمانے میں مصروف تھا۔ اس کے ابروؤں کے بال کھڑے تھے اور وہ حیرانی سے ادھر ادھر دیکھے جاتا تھا۔ یہ وہی فرانسیسی لڑکا تھا جو اسی صبح گرفتار ہوا تھا۔

جنگل کے کچے، تنگ اور گیلے راستے پر ان کے پیچھے تین تین اور چار چار کی ٹولیوں میں ہوزار اور ان کے قازق چلے آ رہے تھے۔ ان میں سے بعض کوٹ پہنے ہوئے تھے اور کچھ نے گھوڑوں کے تھیلے سروں پر لپیٹے ہوئے تھے۔ ہر رنگ و نسل کے گھوڑے ایک جیسے دکھائی دے رہے تھے اور عجیب بات یہ تھی کہ ان کی گردنیں دبلی پتلی دکھائی دیتی تھیں اور بالوں کے نیچے مسلسل پانی بہہ رہا تھا۔ گھوڑوں سے بھاپ بادلوں کی صورت میں اوپر اٹھ رہی تھی۔ لباس، زینوں اور لگاموں سمیت ہر شے زمین اور ٹوٹے ہوئے پتوں کی طرح گیلی، وزنی اور پھسلواں ہو چکی تھی۔ انسان سکڑے سمٹے ہوئے تھے اور اپنی جگہ سے نہیں ہلتے تھے تاکہ جلد تک پہنچ جانیوالے پانی کے قطرے کچھ گرم ہو جائیں اور مزید ٹھنڈا پانی ان کی نشستوں اور گردنوں تک نہ پہنچ سکے۔ قازقوں کی قطار کے درمیان میں دو گاڑیاں درختوں کے تنوں اور شاخوں پر کھڑکھڑاتی چلی آ رہی تھیں جنہیں فرانسیسی اور قازقوں کے گھوڑے کھینچ رہے تھے۔ جب وہ گڑھوں کے اوپر سے گزرتے تو پانی اچھال دیتے جس کے چھینٹے اڑ کر دور دور تک جاتے۔

دینی سوف کے گھوڑے نے راستے میں پانی کے گڑھے سے بچنے کیلئے اچانک چھلانگ لگائی اور سوار کا گھٹنا درخت سے جا ٹکرایا۔

دینی سوف غصے میں چلایا "اوہ، شیطان!" اس نے دانت کٹکٹاتے ہوئے گھوڑے کو تین مرتبہ تازیانہ مارا۔ گھوڑا اچھلا اور اپنے تیز ساتھیوں کے اوپر کیچڑ کے چھینٹے پھینکنے لگا۔ تیز بارش ہو رہی تھی اور تمام لوگ بھوکے تھے (کسی نے صبح سے کچھ نہیں کھایا تھا) جس کی وجہ سے دینی سوف کو غصہ آ رہا تھا۔ اس سے بھی اہم بات یہ تھی کہ اسے ابھی تک دینی سوف کی کوئی خبر نہیں ملی تھی اور جس شخص کو اس نے "زبان" لانے کیلئے بھیجا تھا وہ ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔

دینی سوف نے سوچا "سامان بردار قافلے پر حملے کا ایسا موقع ہمیں بعد میں نہیں ملے گا۔ اس پر اکیلے ہی حملہ کر دینا خطرناک ہوگا مگر ہم نے منصوبہ ایک دن بھی ملتوی کیا تو کوئی بڑا جتھہ قافلے کو لے اڑے گا" اس کی نظریں مسلسل سامنے گڑی تھیں اور وہ دولوخوف کے پیغام رساں کی راہ دیکھ رہا تھا۔

جنگل میں نسبتاً صاف قطعہ زمین پر پہنچ کر وہ رک گیا، یہاں سے دور تک دیکھا جا سکتا تھا۔

اس نے کہا "کوئی آتا دکھائی دے رہا ہے"

لوانسکی نے اس طرف دیکھا جدھر دینی سوف نے اشارہ کیا تھا۔

وہ کہنے لگا "یہ دو ہیں، ایک افسر ہے اور دوسرا اس کا قازق دکھائی پڑتا ہے، تاہم یہ فرض نہیں کیا جا سکتا کہ یہ خود کرنل ہی ہوگا" لوانسکی کو ایسے الفاظ استعمال کرنے کا بیحد شوق تھا جن سے قازق واقف نہیں تھے۔

ڈھلوان سے نیچے اترتے دونوں گھڑ سوار نگاہوں سے اوجھل ہو گئے مگر چند منٹ بعد وہ دوبارہ دکھائی دینے

[illegible]

تھا۔ اس کے بال الجھے ہوئے تھے اور وہ پسینے میں شرابور دکھائی دیتا تھا۔ اس کی پتلون بتدریج کھسکتی ہوئی اس کے گھٹنوں پر اکٹھی ہو گئی تھی۔ اس کا قازق پیچھے پیچھے چلا آ رہا تھا۔ افسر بالکل نوخیز نوجوان تھا جس کا چہرہ چوڑا چکلا اور گلابی جبکہ آنکھیں تیز اور ہوشیار دکھائی دیتی تھیں۔ وہ گھوڑا بھگاتا دینی سوف کے پاس پہنچا اور گیلا لفافہ اس کے حوالے کر دیا۔

افسر نے اسے کہا "یہ جنرل نے بھیجا ہے" مجھے افسوس ہے کہ میں اسے خشک حالت میں آپ کو نہ دے سکا۔

دینی سوف نے لفافہ کھول لیا۔

دینی سوف خط پڑھنے میں مصروف تھا تو افسر لوانسکی سے کہنے لگا "انہوں نے ہمیں متعدد بار ڈرایا کہ راستہ بیحد خطرناک ہے مگر کماروف ۔۔۔" اس نے ہاتھ سے قازق کی جانب اشارہ کیا "کماروف اور میں تیار تھے، ہمارے پاس دو دو پستول ہیں ۔۔۔ مگر یہ کون ہے؟" اس نے آخری فقرہ فرانسیسی قیدی لڑکے کو دیکھ کر کہا۔ پھر وہ کچھ سوچ کر بولا "قیدی؟ آپ پہلے ہی کارروائی کر چکے ہیں؟ کیا میں اس سے بات کروں؟"

دینی سوف نے خط پڑھنے کے بعد آخری لفظ بلند آواز میں دہرایا "رستوف! پیتیا! ارے تم نے بتایا نہیں کہ تم کون ہو" یہ کہتے ہوئے اس نے ہاتھ افسر کی جانب بڑھا دیا۔ یہ افسر پیتیا رستوف تھا۔

پیتیا تمام راستہ دینی سوف کے ساتھ جوان افراد اور افسروں کے شایان شان رویہ اختیار کرنے کی تدابیر سوچتا آیا تھا۔ وہ اسے اپنی پرانی واقفیت کا کوئی حوالہ نہیں دینا چاہتا تھا، تاہم جونہی دینی سوف اسے دیکھ کر مسکرایا تو اس کا چہرہ کھل اٹھا اور وہ شرمانے لگا۔ وہ اپنا افسرانہ انداز بھول گیا اور بتانے لگا کہ وہ کس طرح فرانسیسیوں کے برابر گھوڑا بھگاتے آیا تھا، جب اسے یہ ذمہ داری دی گئی تو وہ کتنا خوش ہوا تھا اور وہ کیسے پہلے ہی ویازما کی ایک جنگی کارروائی میں شریک ہو چکا تھا اور ایک ہوزار نے کس طرح وہاں کارنامے انجام دیئے تھے۔

دینی سوف اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا "بہرحال، مجھے تم سے مل کر خوشی ہوئی" یہ کہنے کے بعد اس کے چہرے پر پہلے کی طرح پریشانی کا تاثر در آیا۔

اس نے لوانسکی سے مخاطب ہو کر کہا "میخائل فیوکلیچ، اسے پھر اس جرمن نے بھیجا ہے، یہ اس کے ماتحت کام کر رہا ہے" دینی سوف نے لوانسکی کو بتایا کہ پیتیا کی جانب سے دیئے جانیوالے خط میں جرمن جرنیل نے دوبارہ درخواست کی تھی کہ فرانسیسی قافلے پر انہیں مل کر حملہ کرنا چاہئے۔ اس نے اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا "اگر ہم نے کل تک اس پر قبضہ نہ کیا تو وہ ہمارے سامنے اسے چھین لے گا"

جب دینی سوف لوانسکی سے باتیں کر رہا تھا تو پیتیا اس کا سرد لہجہ دیکھ کر بے چین ہو گیا اور اس نے سمجھا شاید یہ میری پتلون کی خراب حالت کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ وہ اسے اپنے اوورکوٹ تلے چھپانے اور ہر ممکن انداز میں فوجی رویہ اختیار کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

اس نے دینی سوف سے کہا "جناب عالی! میرے لئے کیا حکم ہے؟ اس نے سلیوٹ کے انداز میں ہاتھ اوپر اٹھایا اور بولا "یا پھر مجھے جناب کے ساتھ ٹھہرنا ہوگا؟"

دینی سوف بولا "حکم؟ ۔۔۔ بہرحال کیا تم کل تک یہاں قیام کر سکتے ہو؟"

پیتیا بلند آواز میں کہنے لگا "جی ہاں، بالکل ۔۔۔ میں آپ کے ساتھ ٹھہر سکتا ہوں"

دینی سوف نے کہا "مگر تمہارے جرنیل نے تم سے کیا بات کہی تھی؟ کیا اس نے فوری واپسی کا کہا تھا؟"

[illegible]

دیہاتیوں کا سا خاکستری کوٹ اور سفید ٹوپی پہن رکھی تھی۔

ان سے کچھ پیچھے ایک کمزور گھوڑے پر نیلے فرانسیسی کوٹ میں ملبوس نوجوان افسر سوار تھا۔ اس کے گھوڑے کی دم اور گردن کے بال بیحد لمبے تھے اور منہ سے خون بہہ رہا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک ہوزار چلا آرہا تھا جس کے پیچھے پھٹی پرانی فرانسیسی وردی اور نیلی ٹوپی پہنے ایک لڑکا گھوڑے کی پشت سے چپکا ہوا تھا۔ سردی کے سبب لڑکے کے ہاتھ سرخ ہو رہے تھے اور وہ اپنے ننگے پاؤں کو حرارت پہنچانے کیلئے انہیں زور زور سے گھمانے میں مصروف تھا۔ اس کے ابروؤں کے بال کھڑے تھے اور وہ حیرانی سے ادھر ادھر دیکھے جاتا تھا۔ یہ وہی فرانسیسی لڑکا تھا جو اسی صبح گرفتار ہوا تھا۔

جنگل کے کچے، تنگ اور گیلے راستے پر ان کے پیچھے تین تین اور چار چار کی ٹولیوں میں ہوزار اور ان کے قازق چلے آرہے تھے۔ ان میں سے بعض کوٹ پہنے ہوئے تھے اور کچھ نے گھوڑوں کے تھیلے سروں پر لپیٹے ہوئے تھے۔ ہر رنگ ونسل کے گھوڑے ایک جیسے دکھائی دے رہے تھے اور عجیب بات یہ تھی کہ ان کی گردنیں دبلی پتلی دکھائی دیتی تھیں اور بالوں کے نیچے مسلسل پانی بہہ رہا تھا۔ گھوڑوں سے بھاپ بادلوں کی صورت میں اوپر اٹھ رہی تھی۔ لباس، زینوں اور لگاموں سمیت ہر شے زمین اور ٹوٹے ہوئے پتوں کی طرح گیلی، وزنی اور پھسلواں ہو چکی تھی۔ انسان سکڑے سمٹے ہوئے تھے اور اپنی جگہ سے نہیں ہلتے تھے تاکہ جلد تک پہنچ جانیوالے پانی کے قطرے کچھ گرم ہو جائیں اور مزید ٹھنڈا پانی ان کی نشستوں اور گردنوں تک نہ پہنچ سکے۔ قازقوں کی قطار کے درمیان میں دو گاڑیاں درختوں کے تنوں اور شاخوں پر کھڑکھڑاتی چلی آرہی تھیں جنہیں فرانسیسی اور قازقوں کے گھوڑے کھینچ رہے تھے۔ جب وہ گڑھوں کے اوپر سے گزرتے تو پانی اچھال دیتے جس کے چھینٹے اڑ کر دور دور تک جاتے۔

دینی سوف کے گھوڑے نے راستے میں پانی کے گڑھے سے بچنے کیلئے اچانک چھلانگ لگائی اور سوار کا گھٹنا درخت سے جا ٹکرایا۔

دینی سوف غصے میں چلایا "اوہ، شیطان!" اس نے دانت کٹکٹاتے ہوئے گھوڑے کو تین مرتبہ تازیانہ مارا۔ گھوڑا اچھلا اور اپنے تیز ساتھیوں کے اوپر کیچڑ کے چھینٹے چھینکنے لگا۔ تیز بارش ہو رہی تھی اور تمام لوگ بھوکے تھے (کسی نے صبح سے کچھ نہیں کھایا تھا) جس کی وجہ سے دینی سوف کو غصہ آرہا تھا۔ اس سے بھی اہم بات یہ تھی کہ اسے ابھی تک دینی سوف کی کوئی خبر نہیں ملی تھی اور جس شخص کو اس نے "زبان" لانے کیلئے بھیجا تھا وہ ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔

دینی سوف نے سوچا "سامان بردار قافلے پر حملے کا ایسا موقع ہمیں بعد میں نہیں ملے گا۔ اس پر اکیلے ہی حملہ کر دینا خطرناک ہوگا مگر ہم نے منصوبہ ایک دن بھی ملتوی کیا تو کوئی بڑا جتھہ قافلے کو لے اڑے گا" اس کی نظریں مسلسل سامنے گڑی تھیں اور وہ دولوخوف کے پیغام رساں کی راہ دیکھ رہا تھا۔

جنگل میں نسبتاً صاف قطعہ زمین پر پہنچ کر وہ رک گیا، یہاں سے دور تک دیکھا جا سکتا تھا۔

اس نے کہا "کوئی آتا دکھائی دے رہا ہے"

لوائسکی نے اس طرف دیکھا جدھر دینی سوف نے اشارہ کیا تھا۔

وہ کہنے لگا "یہ دو ہیں، ایک افسر ہے اور دوسرا اس کا قازق دکھائی پڑتا ہے، تاہم یہ فرض نہیں کیا جا سکتا کہ یہ خود کرنل ہی ہوگا" لوائسکی کو ایسے الفاظ استعمال کرنے کا بیحد شوق تھا جن سے قازق واقف نہیں تھے۔

ڈھلوان سے نیچے اترتے دونوں گھڑ سوار نگاہوں سے اوجھل ہو گئے مگر چند منٹ بعد وہ دوبارہ دکھائی دینے لگے۔ افسر آگے آگے آرہا تھا۔ اس کا گھوڑا تھکے تھکے انداز سے بھاگ رہا تھا اور وہ مسلسل اسے چابک سے پیٹتا چلا آرہا

تھا۔ اس کے بال الجھے ہوئے تھے اور وہ پسینے میں شرابور دکھائی دیتا تھا۔ اس کی پتلون بتدریج کھسکتی ہوئی اس کے گھٹنوں پر اکٹھی ہو گئی تھی۔ اس کا قازق پیچھے پیچھے چلا آرہا تھا۔ افسر بالکل نوخیز نوجوان تھا جس کا چہرہ چوڑا چکلا اور گلابی جبکہ آنکھیں تیز اور ہوشیار دکھائی دیتی تھیں۔ وہ گھوڑا بھگاتا دینی سوف کے پاس پہنچا اور گیلا لفافہ اس کے حوالے کر دیا۔

افسر نے اسے کہا "یہ جنرل نے بھیجا ہے" مجھے افسوس ہے کہ میں اسے خشک حالت میں آپ کو نہ دے سکا۔

دینی سوف نے لفافہ کھول لیا۔

دینی سوف خط پڑھنے میں مصروف تھا تو افسر لوائسکی سے کہنے لگا "انہوں نے ہمیں متعدد بار ڈرایا کہ راستہ بیحد خطرناک ہے مگر کماروف۔۔۔" اس نے ہاتھ سے قازق کی جانب اشارہ کیا "کماروف اور میں تیار تھے، ہمارے پاس دو دو پستول ہیں۔۔۔ مگر یہ کون ہے؟" اس نے آخری فقرہ فرانسیسی قیدی لڑکے کو دیکھ کر کہا۔ پھر وہ کچھ سوچ کر بولا "قیدی؟ آپ پہلے ہی کارروائی کر چکے ہیں؟ کیا میں اس سے بات کروں؟"

دینی سوف نے خط پڑھنے کے بعد آخری لفظ بلند آواز میں دہرایا "رستوف! پیٹیا! ارے تم نے بتایا نہیں کہ تم کون ہو" یہ کہتے ہوئے اس نے ہاتھ افسر کی جانب بڑھا دیا۔ یہ افسر پیٹیا رستوف تھا۔

پیٹیا تمام راستہ دینی سوف کے ساتھ جوان افراد اور افسروں کے شایان شان رویہ اختیار کرنے کی تدابیر سوچتا آیا تھا۔ وہ اسے اپنی پرانی واقفیت کا کوئی حوالہ نہیں دینا چاہتا تھا، تاہم جونہی دینی سوف اسے دیکھ کر مسکرایا تو اس کا چہرہ کھل اٹھا اور وہ شرمانے لگا۔ وہ اپنا افسرانہ انداز بھول گیا اور بتانے لگا کہ وہ کس طرح فرانسیسیوں کے برابر گھوڑا بھگاتے آیا تھا، جب اسے یہ ذمہ داری دی گئی تو وہ کتنا خوش ہوا تھا اور وہ کیسے پہلے ہی ویازما کی ایک جنگی کارروائی میں شریک ہو چکا تھا اور ایک ہوزار نے کس طرح وہاں کارنامے انجام دیئے تھے۔

دینی سوف اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا "بہرحال، مجھے تم سے مل کر خوشی ہوئی" یہ کہنے کے بعد اس کے چہرے پر پہلے کی طرح پریشانی کا تاثر در آیا۔

اس نے لوائسکی سے مخاطب ہو کر کہا "میخائل فیوکلیچ، اسے پھر اس جرمن نے بھیجا ہے، یہ اس کے ماتحت کام کر رہا ہے" دینی سوف نے لوائسکی کو بتایا کہ پیٹیا کی جانب سے دیئے جانیوالے خط میں جرمن جرنیل نے دوبارہ درخواست کی تھی کہ فرانسیسی قافلے پر انہیں مل کر حملہ کرنا چاہئے۔ اس نے اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا "اگر ہم نے کل تک اس پر قبضہ نہ کیا تو وہ ہمارے سامنے اسے چھین لے گا"

جب دینی سوف لوائسکی سے باتیں کر رہا تھا تو پیٹیا اس کا سرد لہجہ دیکھ کر بے چین ہو گیا اور اس نے سمجھا شاید یہ میری پتلون کی خراب حالت کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ وہ اسے اپنے اوورکوٹ تلے چھپانے اور ہر ممکن انداز میں فوجی رویہ اختیار کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

اس نے دینی سوف سے کہا "جناب عالی! میرے لئے کیا حکم ہے؟" اس نے سلیوٹ کے انداز میں ہاتھ اوپر اٹھایا اور بولا "یا پھر مجھے جناب کے ساتھ ٹھہرنا ہوگا؟"

دینی سوف بولا "حکم؟۔۔۔ بہرحال کیا تم کل تک یہاں قیام کر سکتے ہو؟"

پیٹیا بلند آواز میں کہنے لگا "جی ہاں، بالکل۔۔۔ میں آپ کے ساتھ ٹھہر سکتا ہوں"

دینی سوف نے کہا "مگر تمہارے جرنیل نے تم سے کیا بات کہی تھی؟ کیا اس نے فوری واپسی کا کہا تھا؟"

پیٹیا شرما گیا۔

اس نے جواباً کہا "انہوں نے مجھے کسی قسم کی ہدایات نہیں دی تھیں، میرا خیال ہے کہ میں ٹھہر۔۔۔"

دینی سوف بیچ میں ہی بول اٹھا "تو پھر ٹھیک ہے"

اس نے اپنے جوانوں کی جانب متوجہ ہو کر ایک گروہ کو حکم دیا کہ وہ جنگل کے محافظ کے جھونپڑے کے قریب چلے جائیں جہاں انہیں قیام کرنا تھا اور ایجوٹنٹ کے فرائض انجام دینے والے ایک گھڑ سوار کو حکم دیا کہ وہ دولوخوف کے بارے میں یہ جاننے کی کوشش کرے کہ آیا آج شام اس نے یہاں آنا ہے یا نہیں۔ دینی سوف لوانسکی اور پیٹیا کے ساتھ جنگل کے کنارے تک جانا اور شام شیوو پہنچنا چاہتا تھا تاکہ فرانسیسی فوجی قافلے کے پڑاؤ کی ترتیب دیکھی جا سکے۔

اس نے کسان رہنما سے کہا "ادھر آؤ اور ہمیں شام شیوو پہنچا دو"

دینی سوف، پیٹیا، لوانسکی، متعدد قازقوں اور فرانسیسی قیدی پر متعین ہوزار کے ساتھ ندی عبور کر کے بائیں طرف جنگل کے کنارے کی سمت میں گھوڑا بڑھانے لگا۔

(5)

بارش تھم گئی۔ صرف دھند پڑ رہی تھی اور درختوں سے بارش کا پانی گر رہا تھا۔ دینی سوف، لوانسکی اور پیٹیا خاموشی سے کسان کے پیچھے پیچھے جا رہے تھے۔ کسان نے سفید ٹوپی اوڑھ رکھی تھی اور اس کے پاؤں کی انگلیاں باہر کی جانب نکلی تھیں۔ وہ چھال سے بنے جوتوں میں پودوں پر بے آواز انداز میں اچھلتا کودتا انہیں جنگل کے کنارے کی طرف لے جا رہا تھا۔

کچھ دیر بعد کسان راستے پر آ کر رکا اور اس جانب چل دیا جہاں پودے نسبتاً کم گنجان تھے۔ وہ برگد کے ایک درخت کے قریب خاموش کھڑا ہو گیا پراسرار انداز میں ہاتھ سے اشارے کر کے انہیں اپنے قریب بلایا۔

دینی سوف اور پیٹیا اس کی جانب چل دیئے۔ جس جگہ کسان کھڑا تھا وہاں سے فرانسیسی نظر آ رہے تھے۔ جنگل سے کچھ آگے ڈھلان کی اترائی میں کھیت تھا۔ سیدھے کناروں والی ایک ندی کی دوسری جانب دائیں طرف چھوٹا سا گاؤں اور کسی زمیندار کا مکان تھا۔ اس مکان کی چھت ٹوٹی پھوٹی تھی اور گاؤں، مکان، باغ، کنویں، جوہڑ، ٹیلے اور پل سے گاؤں کی طرف جانیوالی سڑک کے ساتھ ساتھ لوگوں کے ہجوم دکھائی دے رہے تھے۔ وہ ایک دوسرے کیساتھ غیر روسی زبان میں باتیں کر رہے تھے اور اپنی گاڑیوں کے ساتھ پہاڑی پر چڑھنے والے گھوڑوں کو پچکارنے میں مصروف تھے۔ ان کی گفتگو واضح طور پر سنائی دے رہی تھی۔

دینی سوف نے فرانسیسیوں کی جانب سے نظریں ہٹائے بغیر سرگوشی کے انداز میں حکم دیا "قیدی کو یہاں لایا جائے"

ایک قازق گھوڑے سے اترا اور قیدی لڑکے کو اٹھا کر زمین پر کھڑا کر کے دینی سوف کے پاس لے گیا۔ دینی سوف نے فرانسیسیوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے لڑکے سے پوچھا کہ سامنے والی فوج کون سی ہے اور اس سے پرے موجود فوج کون ہے؟ لڑکے نے اپنے سرد ہاتھ کوٹ کی جیبوں میں ڈالے اور نگاہیں اٹھا کر ڈرتے ہوئے دینی سوف کی جانب دیکھا، وہ جو کچھ جانتا تھا اسے من و عن بیان کر دینا چاہتا تھا مگر اس خواہش کے باوجود اس کے منہ سے ٹوٹے پھوٹے الفاظ برآمد ہو رہے تھے۔ دینی سوف جو کچھ پوچھتا تھا وہ اس کی تائید کرتا جاتا تھا۔ دینی سوف بھنویں اچکا کر وہاں سے ہٹ گیا اور لوانسکی کو اپنے اندازوں سے آگاہ کرنے لگا۔

پیٹیا کبھی فرانسیسی لڑکے، کبھی دینی سوف، کبھی لوانسکی اور کبھی گاؤں میں سڑک پر موجود فرانسیسیوں کو دیکھنے لگ جاتا تھا۔ وہ بار بار گردن موڑ کر دیکھ رہا تھا تاکہ کہیں کوئی اہم شے اس کی نظروں سے اوجھل نہ رہ جائے۔

دینی سوف کہنے لگا "خواہ دولوخوف آئے یا نہ آئے، ہمیں ہر صورت کوشش کرنا ہوگی۔۔۔ کیا خیال ہے؟" خوشی کے مارے اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

لوانسکی نے جواب دیا "یہ بیحد موزوں جگہ ہے"

دینی سوف نے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا "ہم اپنے پیادہ ساتھیوں کو نیچے کیچڑ والی زمین کے قریب بھیج دیں گے، وہ رینگتے ہوئے باغ تک جا پہنچیں گے۔ تم وہاں سے اپنے قازقوں کے ساتھ گھوڑوں پر جاؤ گے" اس نے گاؤں سے پرے جنگل کی جانب اشارہ کیا اور پھر کہنے لگا "اور میں یہاں سے اپنے ہوزاروں کے ساتھ روانہ ہو جاؤں گا، نشانی کے طور پر گولی چلنے تک۔۔۔"

لوانسکی کہنے لگا "اس کھائی کے قریب جانا موزوں نہیں ہوگا۔۔۔ وہاں کیچڑ ہے اور گھوڑے ایسی زمین میں پھنس کر رہ جائیں گے، ہمیں مزید بائیں جانب جانا ہوگا"

جب وہ آپس میں بات چیت کر رہے تھے تو پانی کے ایک بڑے گڑھے کے قریب ترائی میں گولی چلنے کا دھماکہ سنائی دیا۔ دھوئیں کا ایک اور اس کے بعد دوسرا مرغولہ بلند ہوا، پھر سینکڑوں فرانسیسیوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ وہ تمام بیک زبان چلا رہے تھے۔ دینی سوف اور ایسول فوری طور پر پیچھے ہٹ گئے۔ ان کا خیال تھا کہ فرانسیسی ان کی موجودگی سے آگاہ ہو کر فائرنگ کر رہے ہیں تاہم گولیاں چلنے اور فرانسیسیوں کی چیخ و پکار کا سبب کچھ اور تھا۔ پہاڑی تلے سرخ لباس میں ملبوس کوئی شخص کیچڑ میں بھاگا چلا آ رہا تھا۔ یوں لگتا تھا کہ فرانسیسی اس پر گولیاں چلا رہے ہیں اور اسی کو دیکھ کر چیخنے چلانے میں مصروف ہیں۔ لوانسکی نے اسے دیکھ کر کہا "ارے، یہ تو ہمارا تگین ہے"

پھر وہ کہنے لگا "وہی ہے! وہی ہے!"

دینی سوف نے کہا "وہ بدمعاش ہے"

لوانسکی بولا "وہ بچ نکلے گا"

وہ شخص جسے تگین کہہ کر پکارا گیا تھا، بھاگتا ہوا ندی تک پہنچ گیا۔ وہاں پہنچتے ہی اس نے پانی میں ڈبکی لگا دی۔ پانی فضا میں اچھلا اور تگین کچھ دیر کیلئے سطح آب سے غائب ہو گیا۔ پھر وہ چاروں ہاتھ پاؤں استعمال کر کے کنارے پر چڑھا اور تیزی سے بھاگنا شروع کر دیا۔ پانی میں بھیگنے کے سبب اس کی شکل کچھ یوں ہو گئی تھی جیسے جسم پر کسی نے کالا رنگ کر دیا ہو۔ اس کا تعاقب کرنیوالے فرانسیسی ٹھہر گئے۔

لوانسکی اسے دیکھ کر کہنے لگا "بیحد چست و چالاک ہے"

دینی سوف نے پہلے کی طرح جھنجھلاہٹ آمیز انداز میں جواب دیا "درندہ ہے، اور یہ تمام وقت کہاں رہا ہے"

پیٹیا نے پوچھا "یہ کون ہے؟"

دینی سوف نے کہا "یہ ہمارا رضاکار ہے، میں نے اسے "زبان" لانے کیلئے بھیجا تھا"

پیٹیا نے دینی سوف کے پہلے لفظ پر کہا "ہاں، ٹھیک، ٹھیک" اس نے سر یوں ہلایا جیسے سب کچھ سمجھ گیا ہو حالانکہ اسے کوئی بات سمجھ نہیں آئی تھی۔

☆☆☆

تخن شیر باتوف دینی سوف کے گروہ کے انتہائی کارآمد افراد میں سے ایک تھا۔ وہ گزہاٹ کے قریب پاکروسکوف نامی گاؤں کا رہنے والا تھا۔ گوریلا کارروائیوں کے آغاز سے قبل دینی سوف اس گاؤں میں گیا جہاں اس نے معمول کے مطابق نمبردار کو بلایا اور اس سے پوچھا کہ وہ فرانسیسیوں کے بارے میں کیا کچھ جانتا ہے۔ عام دیہی سرداروں کی طرح اس کا رویہ بھی دفاعی تھا اور وہ بولا "میں ان کے بارے میں کچھ جانتا ہوں نہ میں نے کچھ دیکھا ہے" تاہم جب دینی سوف نے اسے یہ بتایا کہ وہ فرانسیسیوں کو ہلاک کرنے کا خواہشمند ہے اور ان کے بارے میں اس لئے پوچھ رہا ہے کہ کہیں ان میں سے کوئی بھٹک کر یہاں تو نہیں آنکلا، تو وہ کہنے لگا کہ بعض "ڈاکو" آئے تھے مگر ایسے کام صرف تخن شیر باتوف کرتا ہے۔ دینی سوف نے تخن کو اپنے پاس بلایا اور اس کی کارروائیوں کی تعریف کی۔ بعدازاں اس نے نمبردار کی موجودگی میں زار اور وطن سے وفاداری اور فرانسیسیوں سے نفرت کے حوالے سے کچھ جملے ادا کئے۔

یہ بات صاف ظاہر تھی کہ تخن دینی سوف کی باتیں سن کر مرعوب ہوگیا ہے، چنانچہ وہ کہنے لگا "ہم فرانسیسیوں کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچاتے۔ ہم میں سے کچھ کھیل تماشا کرنا چاہتے تھے، ہم نے ان میں سے کچھ کو مار ڈالا۔ اس کے علاوہ ہم نے انہیں کچھ نہیں کہا تھا۔۔۔"

اگلے دن جب دینی سوف پاکروسکوف سے روانہ ہوا تو کسان کے بارے میں سب کچھ بھول گیا تھا۔ مگر کچھ دیر بعد اسے بتایا گیا کہ تخن بھی اس کے گروہ میں شامل ہوگیا ہے اور اصرار کر رہا ہے کہ اسے بھی ساتھ لے جایا جائے۔ دینی سوف نے اس کی اجازت دیدی۔

پہلے پہل تخن آگ جلانے، پانی لانے، مردہ گھوڑوں کی کھالیں اتارنے جیسے مشکل کام کرتا تھا، مگر بہت جلد اس نے دکھا دیا کہ وہ گوریلا جنگ کا شائق ہے اور اس کا ذہنی رجحان بھی اسی طرف ہے۔ رات کے وقت وہ مال غنیمت کی تلاش میں نکل جاتا اور کچھ فرانسیسی وردیاں اور ہتھیار لوٹ لاتا۔ جب اسے حکم دیا جاتا کہ فرانسیسی قیدی بھی لائے تو انہیں بھی پکڑ لاتا۔ دینی سوف نے اس سے مشکل کام چھڑا دیئے اور جب بھی علاقے کا جائزہ لینے نکلتا تو تخن بھی اس کے ساتھ ہوتا۔ دینی سوف نے اسے قازقوں میں شامل کرلیا تھا۔

تخن کو گھڑسواری پسند نہ تھی۔ وہ جگہ پیدل جاتا تھا مگر اسے کبھی گھڑسواروں سے پیچھے نہ دیکھا گیا۔ اس کے ہتھیار ایک قدیم الوضع بندوق جسے وہ مذاق کے طور پر اٹھائے پھرتا تھا، بلم اور کلہاڑی پر مشتمل تھے۔ کلہاڑی کو وہ اس طرح استعمال کرتا تھا جس طرح بھیڑیا اپنے دانت استعمال کرتا ہے۔ وہ اس سے اپنی فرکی ٹوپی سے پسو نکال لیتا، بڑی بڑی ہڈیاں توڑ ڈالتا، لکڑیاں کاٹتا اور اس کا دستہ پکڑ کر چھوٹے چھوٹے کیل اور چمچے بنالیتا۔ وہ اپنے یہ کام نہایت مہارت سے کرتا تھا۔ اس سے کوئی غلطی سرزد ہوتی نہ کسی کام میں مشکل پیش آتی۔ اسے دینی سوف کے ساتھیوں میں خصوصی اور غیر معمولی مقام حاصل تھا۔ جب بھی کوئی مشکل کام درپیش ہوتا تو ہر شخص ہنستے ہوئے اسی کی جانب اشارہ کرتا۔ ایسے کاموں میں کسی گاڑی کو زور لگا کر کیچڑ سے باہر نکالنا، گھوڑے کو دم سے پکڑ کر کیچڑ سے باہر کھینچنا، اس کی کھال ادھیڑنا، فرانسیسی صفوں میں چوری چھپے گھسنا اور ایک دن میں پچاس کلومیٹر تک چلنا وغیرہ شامل ہوتے تھے۔

وہ اس کے بارے میں اکثر کہتے تھے کہ "اس شیطان کو کچھ نہیں ہوگا، یہ گھوڑے کی طرح مضبوط ہے"

ایک مرتبہ اس نے کسی فرانسیسی کو پکڑنے کی کوشش کی تو اس نے گولی چلادی جو اس کی پشت پر لگی۔ اس کا زخم تمام جتھے میں مذاق بن گیا جس کا علاج وہ اس پر واڈکا چھڑک کر کیا کرتا تھا۔ تخن خود بھی ایسے مذاق میں حصہ لیتا تھا۔

قازق اسے مزاحاً کہتے "ٹھیک ہے دوست، امید ہے کہ تم دوبارہ ایسا نہیں کروگے" تخن جان بوجھ

کر ہنستا اور ایسی شکلیں بناتا جیسے اسے بیحد تکلیف ہورہی ہو۔ وہ ان کے سامنے یوں ظاہر کرتا جیسے اسے بیحد غصہ آرہا ہو اور وہ فرانسیسیوں کو مضحکہ خیز انداز سے گالیاں بکنے لگتا۔ اس واقعے کا تخن پر صرف اتنا اثر ہوا کہ اب وہ کبھی کبھار ہی کوئی قیدی پکڑ کر لاتا تھا۔

تخن اس گروہ میں سب سے زیادہ نڈر شخص تھا۔ حملے کے مواقع کی تلاش میں کوئی اس سے زیادہ تیزی نہیں دکھا سکتا تھا۔ کوئی اور شخص اس جتنی تعداد میں قیدی نہ پکڑ سکا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قازق اس سے مذاق کرنے لگے اور اس نے بھی بخوشی یہ کردار قبول کرلیا۔

اب پچھلی رات تخن کو "زبان" پکڑ کر لانے کیلئے بھیجا گیا تھا تاہم یا تو ایک قیدی پکڑ کر وہ مطمئن نہ ہوا یا پھر وہ رات بھر سویا رہا، البتہ وہ دن کے وقت رینگتا ہوا فرانسیسیوں کے درمیان میں گھس گیا اور جیسا کہ دینی سوف نے پہاڑی سے دیکھ لیا تھا، وہ اسے "دریافت" کرچکے تھے۔

(6)

دینی سوف نے فرانسیسیوں کو اسقدر قریب سے دیکھ کر ان پر اگلے دن حملہ کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ وہ کچھ دیر تک اس موضوع پر لوانسکی سے باتیں کرتا رہا۔ بعدازاں وہ گھوڑا موڑ کر واپس چل دیا۔

اس نے پیٹیا سے کہا "چلو میرے دوست، اب جا کر اپنے کپڑے خشک کرتے ہیں"

جونہی وہ جنگل کے محافظ کی جھونپڑی کے قریب پہنچے تو دینی سوف رک گیا اور درختوں میں دیکھنے لگا۔ درختوں کے درمیان میں چھوٹا کوٹ، چھال کے جوتے اور سر پر کازانی ٹوپی پہنے لمبے ڈگ بھرتا اور بازو فضا میں لہراتا ان کی جانب چلا آرہا تھا۔ اس کے کندھے پر بندوق اور پیٹی میں کلہاڑی لٹک رہی تھی۔ جونہی اس نے دینی سوف کو دیکھا تو جلدی سے کوئی شے جھاڑیوں میں پھینک دی اور پانی سے بھری ٹوپی کو اس کے ڈھیلے کنارے سے پکڑ کر اس کی طرف بھاگا۔ یہ تخن تھا۔ اس کا جھریوں اور چیچک کے داغوں سے بھرا چہرہ اپنی چھوٹی اور چپکی ہوئی آنکھوں سمیت مطمئن دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے گردن اٹھا رکھی تھی اور دینی سوف کو یوں دیکھ رہا تھا جیسے اپنی ہنسی ضبط کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

دینی سوف نے اس سے پوچھا "ہاں، تم کہاں گئے تھے؟"

تخن نے اپنی بھاری مگر میٹھی اور دھیمی آواز میں کہا "کہاں؟ فرانسیسیوں کے تعاقب میں گیا تھا" اس کا انداز دھیما تھا۔

دینی سوف کہنے لگا "یہ تم دن کے وقت کہاں پھر رہے تھے؟ گدھے! تم نے فرانسیسی کیوں نہیں پکڑا؟"

تخن نے جواب دیا "میں نے ایک پکڑا تھا"

دینی سوف نے پوچھا "وہ کہاں ہے؟"

تخن کہنے لگا "میں نے اسے صبح کا اجالا پھیلتے ہی پکڑا تھا" اس نے اپنے پاؤں پھیلائے اور بات جاری رکھتے ہوئے کہا "اور میں اسے جنگل میں لے گیا، پھر میں نے دیکھا کہ یہ کارآمد شخص نہیں ہے سو میں نے یہی بہتر سمجھا کہ ایک اور پکڑ لاؤں جو زیادہ کارآمد ہو سکتا ہے"

دینی سوف نے لوانسکی سے کہا "ہاں، بدمعاش ہے، دیکھ لیا تم نے" پھر وہ تخن سے کہنے لگا "تم پہلے کو کیوں نہ لے آئے"

تخن نے غصے میں فوری طور پر اس کی بات کاٹی اور کہنے لگا ''کیوں، اسے لانے کا کیا فائدہ تھا، اس سے کچھ معلوم نہیں ہوتا تھا، آپ کیا سمجھتے ہیں کہ مجھے آپ کی ضرورت کا علم نہیں ہے؟''

دینی سوف بولا ''کیسے دھونس جما رہا ہے!۔۔۔ٹھیک ہے''

تخن بات آگے بڑھاتے ہوئے بولا ''میں دوسرے کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا، میں یوں جنگل میں رینگتا چلا گیا اور پھر زمین پر لیٹ گیا'' اپنی بات سمجھانے کیلئے وہ فوراً تیزی سے زمین پر لیٹ گیا۔ وہ کہنے لگا ''ایک یہاں آیا اور میں نے اسے جھپٹ لیا۔۔۔یوں'' یہ کہتے ہوئے تخن نے فوری چھلانگ لگائی اور اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر وہ بولا ''فرانسیسی بلند آواز میں کہنے لگا کہ کرنل کے پاس چلو، اتنی دیر میں اس کے چار مزید ساتھی بھی آنکلے، وہ تلواریں لہراتے ہوئے میرے جانب بڑھنے لگے، میں نے کلہاڑی اٹھائی اور ان پر یوں جھپٹا، کیا ارادہ ہے؟ میں نے پوچھا، یسوع آپ کا حامی و ناصر ہو، اب بہت ہو چکی ہے'' یہ کہہ کر وہ سینہ پھلا کر ناگواری کا اظہار کرنے لگا۔

لواسکی نے اپنی چمکتی آنکھیں سکیڑتے ہوئے کہا ''ارے ہاں، ہم نے تمہیں پہاڑی سے پانی کے گڑھوں میں چھلانگیں لگاتے دیکھ لیا تھا''

تخن کی باتیں سن کر پیٹیا زور زور سے ہنسنا چاہتا تھا مگر اس نے جب یہ دیکھا کہ دوسرے خاموش ہیں تو وہ بھی ہنسی ضبط کر گیا۔ وہ جلدی سے کبھی تخن، کبھی لواسکی اور کبھی دینی سوف کی جانب دیکھنے لگتا تھا مگر اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔

دینی سوف غصے میں کھانستے ہوئے بولا ''بیوقوفوں جیسی باتیں مت کرو، تم پہلے کیوں نہ آئے''

تخن ایک ہاتھ سے اپنی پشت اور دوسرے سے سر پر خارش کرنے لگا۔ اچانک اس کا چہرہ چمکنے لگا اور اس پر احمقانہ مسکراہٹ کھنڈ گئی۔ اس کا منہ کھل گیا اور سامنے ایک شگاف دکھائی دیا جو ایک دانت نکل جانے کی وجہ سے بنا تھا۔ دینی سوف اسے دیکھ کر مسکرا دیا اور پیٹیا خوشدلی سے کھلکھلا کر ہنسنا شروع ہو گیا۔ تخن بھی اس ہنسی میں شامل ہو گیا۔

تخن نے کہا ''مگر وہ بیکار تھا، اس کے کپڑے بالکل خراب تھے، میں اسے کیسے لاتا؟ پھر جناب وہ بدتمیز بھی تھا، کہتا تھا کہ میں جرنیل کا بیٹا ہوں اور تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا''

دینی سوف بولا ''اوہ، تم جنگلی ہو، میں اس سے سوال۔۔۔''

تخن کہنے لگا ''مگر میں نے اس سے سوالات کئے تھے، وہ کہتا ہے کہ مجھے کسی خاص بات کا علم نہیں ہے، ہماری تعداد بہت زیادہ ہے مگر اکثر لوگ نالائق ہیں اور اصلی فوجی نہیں ہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ ان کے سامنے زور سے چلایا جائے تو وہ باآسانی پکڑے جائیں گے'' اس نے دینی سوف کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنی بات مکمل کی۔ اس کے چہرے پر شگفتگی اور حیا کی کا تاثر نمایاں تھا۔

دینی سوف بے دردی سے بولا ''یاد رکھو، میں تمہیں سو کوڑے ماروں گا، پھر تمہیں معلوم ہوگا کہ حماقتوں کا کیا نتیجہ ہوتا ہے''

تخن نے احتجاج کرتے ہوئے کہا ''مگر آپ غصہ کیوں کر رہے ہیں، آپ تو یوں کہہ رہے ہیں کہ جیسے میں نے کبھی فرانسیسی دیکھے ہی نہیں، ذرا تاریکی ہو لینے دیں، پھر جو کہیں گے لے آؤں گا، کہتے ہیں تو تین بھی لا سکتا ہوں''

دینی سوف بولا ''ٹھیک ہے، آؤ چلیں'' جنگل کے محافظ کے جھونپڑے کی طرف جاتے ہوئے وہ منہ کئے غصے میں بڑبڑاتا رہا۔

تخن ان کے پیچھے پیدل آرہا تھا۔ پیٹیا نے قازقوں کو بوٹوں کے ایک جوڑے کے بارے میں اس سے مذاق کرتے دیکھا جو انہوں نے جھاڑیوں میں پھینک دی تھی۔

پیٹیا پر تخن کی داستان سن کر اور اس کی مسکراہٹ دیکھ کر ہنسی کا جو دورہ پڑا تھا اس سے سنبھلنے کے بعد اس کے ذہن میں اچانک یہ خیال آیا کہ تخن نے اس شخص کو ہلاک کر دیا تھا۔ یہ سوچ کر اس کی طبیعت خراب ہونے لگی۔ اس نے پیچھے مڑ کر فرانسیسی قیدی لڑکے کی جانب دیکھا اور دل پر چوٹ سی لگتی محسوس کی۔ تاہم یہ کیفیت ایک لمحے تک رہی اور اس نے سر اٹھا کر چلنا ضروری سمجھا اور سوچا کہ اسے حوصلہ قائم رکھتے، کل کی لڑائی کے بارے میں لواسکی سے اہم شخص کے انداز میں سوال و جواب کرنے کی کوشش کرنی چاہئے تاکہ اسے ان لوگوں کے سامنے کھسیانا نہ ہونا پڑے۔

جس افسر کو دولوخوف کے بارے میں جاننے کیلئے بھیجا گیا تھا وہ یہ خبر لایا کہ دولوخوف بالکل خیریت سے ہے اور جلد ان سے آملے گا۔

دینی سوف کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اس نے پیٹیا کو بلا کر کہا ''یہاں آؤ اور مجھے اپنے بارے میں بتاؤ''

(7)

پیٹیا نے والدین کی ماسکو سے روانگی کے بعد ان سے رخصت لی اور اپنی رجمنٹ میں شامل ہو گیا۔ چند روز بعد ہی ایک بڑے گوریلا دستے کے جرنیل نے اسے اپنا سٹاف افسر مقرر کر دیا۔ جب سے وہ فعال فوج میں شامل ہوا تھا اور اس نے ویازما کی جنگ میں شرکت کی تھی اس وقت سے اس پر مسلسل وجدانی کیفیت طاری رہنے لگی تھی۔ اسے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ جوان ہو گیا ہے اور خوشی کے عالم میں اسے ہمہ وقت یہی خواہش رہتی کہ حقیقی بہادری دکھانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ نکلنے پائے۔ اس نے فوج میں جو کچھ دیکھا تھا اور اسے جو تجربہ حاصل ہوا اس پر اسے بیحد خوشی تھی تاہم اس کے ساتھ ساتھ وہ ہمیشہ کڑ متا رہا کہ جہاں انتہائی بہادرانہ کارنامے انجام دیئے جاتے ہیں وہاں اتفاق سے وہ موجود نہیں ہوتا اور جہاں وہ نہیں ہوتا تھا وہاں پہنچنے کی اسے ہمیشہ جلدی ہوتی تھی۔

21 اکتوبر کو جب اس کے جرنیل نے کسی شخص کو دینی سوف کے پاس بھیجنے کی بات کی تو پیٹیا اس قدر رزوردار انداز میں التجا کرنے لگا کہ جرنیل انکار نہ کر سکا۔ تاہم جب وہ پیٹیا کو رخصت کر رہا تھا تو اسے ویازما میں اس کی بیوقوفانہ حرکت یاد آگئی۔ ویازما میں وہ اپنے مقررہ مقام کی طرف جانے کی بجائے گھوڑا بھگاتا فرانسیسی فائرنگ کی زد میں پہنچ گیا تھا، وہاں اس نے پستول سے دو گولیاں بھی چلائیں۔ اس واقعے کو ذہن میں رکھتے ہوئے جرنیل نے اسے واضح طور پر حکم دیا کہ دینی سوف خواہ کیسی ہی لڑائی کا منصوبہ کیوں نہ بنالے، اسے اس میں شریک نہیں ہونا چاہئے۔ یہی وجہ تھی کہ جب دینی سوف نے اس سے پوچھا کہ آیا وہ ان کے ساتھ قیام کر سکتا ہے تو شرم سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور وہ ذہنی طور پر پریشانی کا شکار ہو گیا تھا۔ پیٹیا جب تک جنگل کے کنارے تک نہیں پہنچا تھا، اس وقت تک اس کا یہی ارادہ تھا کہ وہ جرنیل کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے فوراً واپس چلا جائے گا، مگر جب اس نے فرانسیسیوں کو دیکھا اور تخن سے ملا تو اسے معلوم ہوا کہ اس رات یقیناً حملہ کیا جائے گا اور اس نے نوجوانوں کی سی جلد بازی سے فیصلہ کر لیا کہ اس کا جرنیل فضول جرمن ہے جبکہ اصل ہیرو دینی سوف ہے، لواسکی اور تخن بھی ہیرو ہیں اور اس نازک لمحے میں اس نے ان کا ساتھ چھوڑا تو یہ گھٹیا حرکت سمجھی جائیگی۔

جب دینی سوف، لوانسکی اور پیتیا جنگل کے محافظ کی جھونپڑی میں پہنچے تو تاریکی چھا رہی تھی۔ مدھم روشنی میں گھوڑے، قازق اور ہوزار دکھائی دے رہے تھے۔ قازقوں اور ہوزاروں نے جنگل کے درمیان میں عارضی پناہ گاہیں بنائی تھیں اور اب وہ جنگل کی گھاٹی میں الاؤ جلا رہے تھے جہاں سے فرانسیسیوں کو دھواں دکھائی نہیں دے سکتا تھا۔ تنگ جھونپڑی کے دروازے پر آستینیں چڑھائے ایک قازق بھیڑ کا گوشت کاٹنے میں مصروف تھا۔ جھونپڑی کے اندر تین افسر دروازے کے ایک پٹ سے میز بنا رہے تھے۔ پیتیا نے اپنے گیلے کپڑے اتارے اور انہیں خشک کرنے کیلئے اپنے قازق کے حوالے کرنے کے بعد کھانے کی میز لگانے میں افسروں کا ہاتھ بٹانا شروع کر دیا۔

دس منٹ میں میز تیار کر لی گئی اور اس پر کپڑا اچھا دیا گیا۔ میز پر واڈکا، رم، سفید روٹی اور بھنا ہوا گوشت نمک کے ساتھ رکھ دیا گیا۔ پیتیا افسروں کے ساتھ میز پر بیٹھ کر اپنی چکنی انگلیوں سے مزیدار گوشت توڑتے ہوئے خوشی سے نہال ہو گیا۔ اس کے دل میں ہر انسان کیلئے بچگانہ محبت پیدا ہونے لگی اور اسے یقین ہو گیا کہ دوسرے لوگ بھی اس سے ایسا ہی پیار کرتے ہیں۔

اس نے دینی سوف سے کہا" ویسلے فیودوروویچ، تو پھر آپ کیا کہتے ہیں، اگر میں مزید ایک دن آپ کے ساتھ ٹھہر جاؤں تو کوئی فرق تو نہیں پڑے گا؟ یا پڑے گا؟" پھر وہ اس کے جواب کا انتظار کئے بغیر اپنی بات کا خود ہی جواب دینے لگا کہ" آپ جانتے ہیں کہ مجھے معلوم کرنے کیلئے بھیجا گیا تھا اور میں معلوم کر رہا ہوں۔۔۔ آپ بس مجھے درمیان میں جانے۔۔۔ مجھے صلے کی پروا نہیں۔۔۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ۔۔۔" پیتیا نے اپنے دانت بھینچے، سر پچھلی جانب جھکایا اور بازو لہراتے ہوئے ارد گرد دیکھا۔

دینی سوف نے مسکراتے ہوئے اس کی بات دہرائی" اصل شے میں، اصل شے۔۔۔"

پیتیا بات جاری رکھتے ہوئے بولا" براہ مہربانی، مجھے صرف کوئی کمان دے دیں تاکہ میں واقعی کمان۔۔۔ اس سے آپ کو کیا فرق پڑتا ہے؟۔۔۔ ارے، آپ کو چاقو چاہئے؟" اس نے آخری فقرہ ایک افسر کی جانب متوجہ ہو کر کہا جو گوشت کا پارچہ کاٹنے کی کوشش کر رہا تھا۔

پیتیا نے اپنا چاقو اسے دے دیا۔ افسر کو چاقو پسند آیا اور وہ اس کی تعریف کرنے لگا۔

پیتیا نے شرماتے ہوئے کہا" اسے آپ رکھ لیں، میرے پاس ایسے بہت ہیں" پھر وہ اچانک بول اٹھا" اوہ! میں بھول ہی گیا، میرے پاس کچھ عمدہ کشمش ہے، دانے کے بغیر، ہمارے ہاں نئے شخص نے کنٹین سنبھالی ہے اور اس کے پاس ایسی ہی عمدہ چیزیں ہوتی ہیں۔ میں نے اس سے دس پاؤنڈ کشمش خریدی تھی، مجھے میٹھی چیزیں بیحد پسند ہیں۔ آپ کو دوں؟"

پیتیا بھاگتا ہوا باہر اپنے قازق کے پاس گیا اور چند تھیلیاں لے آیا جن میں پانچ پاؤنڈ کشمش تھی۔ وہ کہنے لگا
"براہ مہربانی چکھ لیں"

اس نے لوانسکی کو دیکھتے ہوئے کہا" آپ کو کافی کا برتن تو نہیں چاہئے؟ میں نے اپنی کنٹین سے خریدا تھا، بہت قیمتی ہے، اس کے مالک کے پاس نہایت عمدہ چیزیں ہوتی ہیں اور وہ بیحد ایماندار ہے۔ میں آپ کو بھیج دوں گا۔ شاید آپ کے چقماق ٹھیک نہیں اور گھس گئے ہیں۔ ایسا ہوتا رہتا ہے۔ میں اپنے ساتھ کچھ لایا ہوں، یہ ہیں۔۔۔" اس نے انہیں ایک بیگ دکھایا اور کہنے لگا" اس میں سو چقماق ہیں، بہت سستے ملے تھے، جتنے چاہیں لے لیں اور دل چاہے تو تمام رکھ لیں۔۔۔" اچانک اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس کے ذہن میں خیال آیا تھا کہ وہ مسلسل بولے

جا رہا ہے۔

وہ سوچنے لگا کہ کہیں کوئی احمقانہ بات تو نہیں کر بیٹھا۔ دن بھر کے واقعات یاد کرتے ہوئے اسے فرانسیسی قیدی لڑکا یاد آیا۔

اس نے سوچا" ہم تو یہاں موج اڑا رہے ہیں مگر اس کا کیا ہوا؟ انہوں نے اس سے کیسا سلوک کیا ہے؟ کیا اسے کچھ کھانے کو ملا ہوگا؟" وہ یہ تمام باتیں جاننے کا خواہشمند تھا مگر چقماقوں کے بارے میں باتیں کر کے وہ خاموش ہو گیا تھا اور اب اسے بات کرتے ہوئے ڈر لگ رہا تھا۔

وہ سوچ رہا تھا" ان سے پوچھ تو لوں مگر یہ لوگ کہیں گے کہ چونکہ خود لڑکا ہے اس لئے دوسرے لڑکے پر ترس کھا رہا ہے۔ میں کل انہیں دکھا دوں گا کہ میں بچہ ہوں یا۔۔۔ نجانے پوچھنے میں شرمندگی ہوگی یا نہیں؟ بہر حال پروا نہیں۔۔۔" یہ سوچ کر اس کا چہرہ کانوں تک سرخ ہو گیا اور اسے خوف نے جکڑ لیا۔ وہ افسروں کے چہروں پر طنز تلاش کرنے لگا اور بے چینی کے عالم میں اس کی زبان کھل ہی گئی۔

اس نے کہا" میں قیدی لڑکے کو بلا کر کچھ کھانے کو دیدوں۔۔۔ شاید۔۔۔"

دینی سوف نے جواب دیا" ہاں، کیوں نہیں؟ بیچارا چھوٹا سا تو ہے" یوں لگتا تھا جیسے اسے اس یاد دہانی میں کوئی شرمناک بات نظر نہیں آئی۔ وہ کہنے لگا" اس کا نام ونسنت بوسے ہے۔ اسے لے آؤ"

پیتیا نے کہا" میں بلا لاتا ہوں"

دینی سوف بولا" ہاں جاؤ، بیچارا چھوٹا سا ہے"

جب دینی سوف نے یہ بات کہی تو اس وقت پیتیا دروازے پر کھڑا تھا۔ وہ افسروں کے درمیان سے کھسکتا ہوا دینی سوف کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ اس نے بلند آواز میں کہا" میرے پیارے ساتھی، مجھے اپنا بوسہ لینے کی اجازت دیں۔ آپ کس قدر رحمدل ہیں"

دینی سوف سے گلے ملنے کے بعد وہ صحن میں چلا گیا۔

اس نے دروازے کے قریب کھڑے ہو کر کہا" بوسے! ونسنت!"

اندھیرے میں کسی کی آواز سنائی دی" جناب آپ کس سے ملنا چاہتے ہیں" پیتیا نے جواب دیا کہ وہ فرانسیسی قیدی لڑکے سے ملنے کا خواہشمند ہے جسے گزشتہ روز پکڑا گیا تھا۔

قازق بولا" اچھا! ویسنے؟"

اس کے نام ونسنت کو قازق پہلے ہی ویسنے اور دیہی سپاہی ویسنیا میں بدل چکے تھے۔ ان دونوں ناموں سے بہار اور تازگی کا تاثر پیدا ہوتا تھا اور نو عمر لڑکے کی شکل و صورت سے میل کھاتا تھا۔

کسی نے کہا" وہ یہاں آگ کے قریب بیٹھا ہے۔ ویسنیا! ارے ویسنیا!" تاریکی میں ان کی آوازیں گونجنے لگیں اور وہ بھی ہنس رہے تھے۔ پیتیا کے قریب کھڑا ایک ہوزار کہنے لگا" بیحد تیز لڑکا ہے۔ بھوک سے اس کا برا حال تھا، کچھ دیر پہلے ہم نے اسے کھانا دیا تھا"

تاریکی میں کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی اور قیدی لڑکا دروازے کی جانب آتا دکھائی دیا۔ اس کے ننگے پاؤں کیچڑ میں چھپ چھپ کر رہے تھے۔

پیتیا نے اسے دیکھتے ہی کہا" ارے، یہ تم ہو! کیا تمہیں بھوک لگی ہے؟ گھبراؤ مت، یہ تمہیں کچھ نہیں کہیں گے،

میرے ساتھ آؤ"

لڑکے نے کانپتی ہوئی ہچکانہ آواز میں اس کا شکریہ ادا کیا اور دروازے کی چوکھٹ پر اپنے پاؤں صاف کرنے لگا۔ پیٹیا اس سے بہت کچھ کہنا چاہتا تھا مگر اس میں اتنی ہمت نہ تھی۔ وہ دروازے میں اس کے قریب تذبذب کے عالم میں کھڑا تھا۔ پھر اس نے اندھیرے میں لڑکے کا ہاتھ پکڑ کر دبایا اور بولا "اندر آ جاؤ، اندر آ جاؤ"

پیٹیا نے دروازہ کھولا اور لڑکے کو پہلے اندر داخل ہونے دیا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ لڑکے کا کیا کیا جائے۔

قیدی لڑکا جھونپڑی میں پہنچ گیا تو پیٹیا اس سے کچھ فاصلے پر جا بیٹھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس پر زیادہ توجہ دینا وقار کیخلاف ہوگا مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنی جیب میں موجود رقم پر ہاتھ پھیرتے ہوئے یہ بھی سوچ رہا تھا کہ لڑکے کو رقم دینا کہیں باعث شرم حرکت تو نہ ہوگی؟

(8)

دینی سوف کے حکم پر قیدی لڑکے کو کچھ واڈکا اور بھنا ہوا گوشت دے دیا گیا۔ بعد ازاں اسے روسی کوٹ پہنایا گیا تاکہ اسے دیگر قیدیوں کے پاس بھیجنے کی بجائے اپنے گروہ میں ہی رکھا جا سکے۔ اسی دوران دولوخوف بھی پہنچ گیا اور پیٹیا کی توجہ اس لڑکے سے ہٹ کر دولوخوف کی طرف ہو گئی۔

پیٹیا روسی فوج میں دولوخوف کی غیر معمولی بہادری اور فرانسیسیوں کے ساتھ اس کے ظالمانہ رویے کی بابت پہلے سے آگاہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جونہی دولوخوف جھونپڑی میں داخل ہوا، پیٹیا کی نگاہیں اس پر گڑ گئیں اور وہ انہیں کسی اور طرف ہٹانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ البتہ وہ سیدھا بیٹھا رہا اور کچھ ایسا ظاہر کیا جیسے خود بھی بےحد بہادر ہو۔ وہ ایسا اس لئے کر رہا تھا تاکہ ظاہر کر سکے کہ وہ دولوخوف جیسے شخص کی صحبت کیلئے غیر موزوں نہیں ہے۔

پیٹیا دولوخوف کا سادہ حلیہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔

دینی سوف نے قازقوں کا لباس پہن رکھا تھا۔ اس کی داڑھی تھی اور سینے پر سینٹ نکولا کی مقدس تصویر آویزاں تھی۔ اس کے رویے اور طرز گفتگو سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ غیر معمولی شخص ہے مگر دولوخوف جو ماسکو میں ایرانی لباس پہنتا تھا، اب اپنے حلیے سے گارڈز کا انتہائی فرض شناس سپاہی دکھائی دیتا تھا۔ اس کی داڑھی مونچھیں صاف تھیں اور وہ گارڈز کا کوٹ زیب تن کئے ہوئے تھے جس میں اون بھری تھی۔ اس کے کالر پر سینٹ جارج کا تمغہ آویزاں تھا اور سر پر عام فوجی ٹوپی سیدھی رکھی تھی۔ اس نے اپنا اوور کوٹ اتارا اور کسی سے سلام دعا کئے بغیر سیدھا دینی سوف کی طرف گیا اور اس سے زیر تجویز معاملے پر بحث ومباحثہ کرنے لگا۔

دینی سوف نے اسے سامان بردار فرانسیسی قافلے، بڑے گوریلا دستوں کے ارادوں، پیٹیا کے پیغام اور دونوں جرنیلوں کے نام اپنے جوابی خطوط کے بارے میں آگاہ کیا۔ بعد ازاں اس نے اسے وہ معلومات بتائیں جو اسے فرانسیسی قافلے کے بارے میں حاصل ہوئی تھیں۔

دولوخوف کہنے لگا "یہ تو ٹھیک ہے مگر ہمیں یہ معلوم کرنا ہوگا کہ ان کے ساتھ کیسی فوج ہے اور اس کی تعداد کتنی ہے۔ ہمیں جا کر دیکھنا پڑے گا۔ ان کی تعداد جانے بغیر ہم کوئی کارروائی کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں گے۔ میں ہر کام مناسب انداز میں کرنا چاہتا ہوں۔ کیا آپ میں سے کوئی میرے ساتھ گھوڑے پر فرانسیسی قافلے کے پڑاؤ میں جانا پسند کرے گا۔ فالتو وردی بھی میرے پاس موجود ہے"

پیٹیا چلاتے ہوئے بولا "میں، میں۔۔۔ میں آپ کے ساتھ جاؤں گا"

دینی سوف نے دولوخوف سے کہا "تمہارا جانا زیادہ ضروری تو نہیں ہے۔ اور اسے تو میں کسی صورت نہیں جانے دوں گا"

پیٹیا نے احتجاج کرتے ہوئے کہا "میں جاؤں گا، میں کیوں نہ جاؤں؟"

دینی سوف نے کہا "کیونکہ اس کی کوئی وجہ نہیں"

پیٹیا دولوخوف کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا "اوہ، ٹھیک ہے، معاف کیجئے گا۔۔۔ کیونکہ۔۔۔ میں جاؤں گا، کیا آپ مجھے لے جائیں گے؟"

دولوخوف بےدھیانی سے بولا "کیوں نہیں؟" وہ فرانسیسی قیدی لڑکے کا بغور معائنہ کر رہا تھا۔

اس نے دینی سوف سے پوچھا "کیا یہ لڑکا بہت دنوں سے تمہارے پاس ہے؟"

دینی سوف نے جواب دیا "اسے آج ہی گرفتار کیا گیا تھا، تاہم یہ کچھ نہیں جانتا، میں اسے اپنے پاس ہی ٹھہرائے ہوئے ہوں"

دولوخوف نے پوچھا "اور دیگر قیدیوں سے کیا سلوک کرتے ہو؟"

دینی سوف کہنے لگا "کیا کرتا ہوں؟ میں انہیں اعلیٰ حکام کے پاس بھیج کر رسید لے لیتا ہوں۔ میں بھرپور اعتماد سے کہہ سکتا ہوں کہ میرے ذہن پر کوئی بوجھ نہیں ہے کیونکہ میں نے ایک شخص کو بھی قتل نہیں کیا۔ فوجی کی حیثیت سے اپنا وقار خراب کرنے سے بہتر یہ نہیں کہ آپ حفاظتی دستے کی معیت میں تیس قیدی شہر بھیج دیں؟ میں تو کہوں گا کہ تین سو بھی ہوں تو کوئی مسئلہ نہیں"

دولوخوف سرد مہری سے بولا "ایسی باتیں مت کرو، ایسی گفتگو یہ سولہ سالہ نواب کرے تو اور بات ہے، تم اب ایسا طرز عمل ترک کر دو"

پیٹیا نے شرماتے ہوئے کہا "میرا تذکرہ کیوں ہو رہا ہے؟ میں نے تو بس یہی کہا تھا کہ میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گا"

دولوخوف نے دینی سوف سے کہا "میرے دوست، میں اور تم اتنا کچھ دیکھ چکے ہیں کہ اب ہمیں ایسی خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں رہی" یوں لگتا تھا جیسے وہ بطور خاص ایسے موضوع پر باتیں کر رہا تھا جس پر دینی سوف کا پیچ وتاب کھانا فطری امر تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اسے یہ بات کر کے لطف آ رہا ہے۔ وہ کہنے لگا "تم نے اس لڑکے کو کیوں ساتھ رکھا ہوا ہے؟ اسی لئے کہ تمہیں اس پر رحم آتا ہے۔ ہم تمہاری ان رسیدوں کے بارے میں بھی جانتے ہیں۔ تم سو قیدیوں کو بھیجتے ہو اور وہاں صرف تیس پہنچ پاتے ہیں۔ بقیہ راستے میں بھوک پیاس سے مر جاتے ہیں اور کچھ کو ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ ایسی صورتحال میں کیا یہی اچھا نہیں کہ انہیں اسی جگہ مار دیا جائے؟"

اس کی بات سن کر لواسکی نے اظہار ناپسندیدگی کے طور پر آنکھیں بند کر لیں۔

دینی سوف کہنے لگا "اہم بات یہ نہیں ہے۔ یہاں اس بارے میں کوئی بحث نہیں ہوگی۔ میں انہیں قتل کر کے اپنے ضمیر پر بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا۔ تم کہتے ہو کہ وہ راستے میں مر جاتے ہیں، ٹھیک ہے، مگر ان کی موت میں میرا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا"

دولوخوف ہنستے ہوئے بولا "تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم فرانسیسیوں کے ہاتھ آ گئے تو وہ مجھے یا تمہیں چھوڑ دیں گے؟ وہ

ہیں سے زائد مرتبہ میری گرفتاری یا ہلاکت کا حکم دے چکے ہیں۔ اگر انہوں نے ہمیں پکڑ لیا تو ہماری تمام تر بہادری کے باوجود ہمیں فوری طور پر قریبی درخت سے لٹکا دیں گے" وہ اپنی بات کے درمیان رکا اور پھر بولا" بہر حال چھوڑو، ہمیں اپنا کام شروع کر دینا چاہئے۔ میرے قازق سے کہو کہ وہ میرا سامان لائے۔ میرے پاس دو فرانسیسی وردیاں ہیں" پھر اس نے پیٹیا کی جانب رخ کر کے پوچھا" ٹھیک، تو پھر تم میرے ساتھ آؤ گے؟"

پیٹیا دینی سوف کی جانب دیکھتے ہوئے بلند آواز میں کہا" میں؟ ہاں، ہاں، یقیناً" اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

جب دولوخوف قیدیوں کو ہلاک کرنے کے بارے میں دینی سوف سے بحث میں مصروف تھا تو پیٹیا کو ایک مرتبہ پھر وہی بے چینی محسوس ہونے لگی۔ اسے ایک مرتبہ پھر سمجھ نہ آئی کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں"

اس نے سوچا" اگر بالغ، عقلمند اور مشہور لوگ اس طرح سوچتے ہیں تو پھر ٹھیک ہی ہوگا، تاہم اہم بات یہ ہے کہ دینی سوف کو یہ نہیں سوچنا چاہئے کہ میں اس کا ماتحت ہوں اور وہ جس طرح چاہے مجھ پر حکم چلا سکتا ہے۔ میں دولوخوف کے ساتھ ہر صورت فرانسیسی پڑاؤ میں جاؤں گا اور اگر وہ جا سکتا ہے تو میں کیوں نہیں جا سکتا"

دینی سوف نے پیٹیا کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کی مگر اس کا ایک ہی جواب تھا کہ وہ ہر کام اچھے انداز میں اور سوچ سمجھ کر کرتا ہے اور اسے ذاتی خطرے کی بالکل پروا نہیں ہوتی۔

پیٹیا نے اسے کہا" آپ کو یہ بات تسلیم کرنا پڑے گی کہ اگر ہمیں یقین سے علم نہ ہو کہ ان کی درست تعداد کیا ہے تو پھر شاید ہماری سینکڑوں جانیں چلی جائیں اور ہم تو صرف دو ہیں۔ اس کے علاوہ میرا وہاں جانے کو بیحد جی چاہتا ہے اور میں ضرور جاؤں گا، مجھے مت روکیں، اس سے صورتحال میں مزید خرابی پیدا ہو سکتی ہے"

(9)

پیٹیا اور دولوخوف فرانسیسی فوجیوں جیسے کوٹ اور ٹوپیاں پہننے کے بعد گھوڑوں پر سوار ہو کر جنگل کے اس حصے کی جانب چل دیئے جہاں درخت نہیں تھے اور جہاں سے دینی سوف نے فرانسیسی فوجی قافلے کے پڑاؤ کا جائزہ لیا تھا۔ وہ گہری تاریکی میں جنگل عبور کر کے ایک کھائی میں اتر گئے۔ پہاڑی کے دامن میں پہنچ کر دولوخوف نے اپنے ساتھ آنیوالے قازقوں کو وہیں رکنے کا حکم دیا اور خود تیزی سے سڑک کے ساتھ ساتھ پل کی جانب چلنے لگا۔ پیٹیا بیحد خوش تھا اور اس کے ساتھ ساتھ چلا آ رہا تھا۔

پیٹیا مدھم آواز میں کہنے لگا" اگر ہم پکڑے گئے تو میں زندہ ان کے ہاتھ نہیں آؤں گا، میرے پاس پستول بھی ہے"

دولوخوف نے اسی انداز میں جواب دیا" روسی زبان میں گفتگو مت کرو" اسی لمحے انہیں للکار کی آواز سنائی دی۔ کسی نے پوچھا" کون ہے؟" آواز کے ساتھ بندوق کا کھٹکا بھی سنائی دیا۔

پیٹیا بوکھلا گیا اور اس نے پستول مضبوطی سے تھام لیا۔

دولوخوف نے جواب دیا" چھٹی رجمنٹ کے گھڑ سوار" وہ ہچکچایا نہ گھوڑے کی رفتار کم کی۔ اندھیرے میں پل پر پہریدار کا سایہ دکھائی دیا۔

اس نے پوچھا" پاس ورڈ؟"

دولوخوف نے گھوڑے کی لگام کھینچ لی اور دھیمی رفتار سے آگے بڑھنے لگا۔

اس نے پوچھا" کیا کرنل گیرارڈ یہیں ہیں"

پہریدار نے جواب دینے کی بجائے اس کا راستہ روک لیا اور پوچھا" پاس ورڈ بتاؤ؟"

دولوخوف نے چلا کر کہا" جب افسر دورے پر ہوتا ہے تو پہریدار اس سے پاس ورڈ نہیں پوچھتے" وہ اچانک غصے میں آ گیا اور پہریدار کی جانب بڑھتے ہوئے کہا" میں تم سے پوچھ رہا ہوں کہ کرنل موجود ہیں یا نہیں؟"

یہ کہہ کر وہ ایک جانب ہٹ جانیوالے پہریدار کے جواب کا انتظار کئے بغیر چڑھائی چڑھنے لگا۔ تاریکی میں کسی شخص کو سڑک پار کرتے دیکھ کر دولوخوف نے اسے روک لیا اور پوچھا کہ کمانڈر اور افسر کہاں ہیں۔ یہ عام سپاہی تھا اور کندھے پر بوری لادے جا رہا تھا۔ وہ ٹھہر گیا اور دولوخوف کے گھوڑے کو دوستانہ انداز میں تھپکتے ہوئے بولا" کمانڈر اور افسر دائیں جانب اونچائی پر فارم کے صحن میں بیٹھے ہیں"

دولوخوف سڑک کے ساتھ ساتھ مزید آگے چلتے ہوئے فارم کے صحن کی جانب مڑ گیا۔ راستے کی دونوں اطراف آگ کے الاؤوں کے قریب بیٹھے فرانسیسیوں کی باتیں سنی جا سکتی تھیں۔ اس نے گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے دروازہ پار کیا اور صحن میں پہنچ کر ایک بڑے الاؤ کے قریب چلا گیا جس کے گرد متعدد افراد بیٹھے بلند آواز میں باتیں کر رہے تھے۔ آگ کے کنارے دیگچے میں کوئی چیز ابل رہی تھی اور چھجے دار ٹوپی پہنے ایک سپاہی اس پر جھکا ہوا تھا۔ آگ کی روشنی میں اس کی شکل واضح دکھائی دیتی تھی اور وہ دیگچے میں چمچ پھیر رہا تھا۔

آگ کی دوسری جانب اندھیرے میں بیٹھا ایک افسر کہہ رہا تھا" وہ بیحد مشکل شخص ہے، اس سے کوئی بات اگلوانا آسان نہیں ہوگا"

دوسرے نے ہنستے ہوئے کہا" وہ انہیں دھوکہ دے کر نکل آئیگا"

دولوخوف اور پیٹیا کے قدموں کی چاپ سن کر وہ خاموش ہو گئے اور اندھیرے میں ان کی جانب دیکھنے لگے۔

دولوخوف اور پیٹیا گھوڑوں کی لگامیں تھام کر ان کی جانب چلے آ رہے تھے۔

دولوخوف نے ان لوگوں کو واضح آواز میں سلام کیا۔

آگ کی دوسری جانب تاریکی میں بیٹھے افسروں میں ہلچل مچ گئی اور لمبی گردن والا ایک افسر آگ کے گرد گھوم کر ان کی طرف آ گیا۔

اس نے پوچھا" کیا تم کلیمنٹ ہو؟ ارے شیطان تم۔۔۔" تاہم جلد اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ خاموش ہو گیا۔ اس نے پیشانی پر سلوٹیں پیدا کر کے دولوخوف کا اجنبیوں کی طرح استقبال کیا اور اس سے پوچھنے لگا" میں آپ کے کس کام آ سکتا ہوں؟"

دولوخوف نے بتایا کہ وہ اور اس کا ساتھی اپنی رجمنٹ کو تلاش کر رہے ہیں" پھر وہ ان میں سے کسی کو خاص طور پر مخاطب کئے بغیر پوچھا" آپ میں سے کوئی چھٹی رجمنٹ کے بارے میں کچھ جانتا ہے؟" کسی شخص نے کوئی جواب نہ دیا اور پیٹیا کو محسوس ہوا جیسے افسر انہیں شک بھری نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں۔

چند ثانیے خاموشی رہی۔

ان سے کچھ فاصلے پر بیٹھے ایک شخص نے مدھم آواز میں ہنستے ہوئے کہا" اگر آپ یہ سوچ رہے تھے کہ رات کا کھانا مل جائیگا تو میں کہوں گا کہ آپ دیر سے آئے ہیں"

دولوخوف نے اسے بتایا کہ انہیں بھوک نہیں لگی اور وہ اسی رات آگے جانا چاہتے ہیں۔"

اس نے اپنا گھوڑا دیگچے کے قریب بیٹھے سپاہی کے حوالے کیا اور خود لمبی گردن والے افسر کے ساتھ زمین پر بیٹھ گیا۔ افسر نے دولوخوف کے چہرے سے نگاہیں نہ ہٹائیں اور دوبارہ پوچھا کہ اس کا تعلق کس رجمنٹ سے ہے۔ دولوخوف نے یوں ظاہر کیا جیسے اسے یہ سوال سنائی نہ دیا ہو اور جیب سے چھوٹا سا فرانسیسی پائپ نکال کر اسے سلگایا اور افسروں سے پوچھا "آگے راستے میں قازقوں کا خطرہ تو نہیں ہوگا؟"

آگ کی دوسری جانب بیٹھے ایک افسر نے جواب دیا "یہ لٹیرے تو ہر جگہ موجود ہیں"

دولوخوف کہنے لگا کہ قازقوں سے ہم جیسے بھولے بھٹکے افراد کو زیادہ خطرہ ہے اور امید ہے کہ وہ اس جیسے کسی بڑے دستے پر حملے کی جرات نہیں کریں گے۔

اس کی بات کا کسی نے جواب نہ دیا۔

پیتیا ہر لمحہ یہی سوچ رہا تھا کہ "اب وہ یقیناً اٹھ کھڑا ہوگا" وہ آگ کے قریب کھڑا اس کی باتیں سننے میں مشغول تھا۔

مگر دولوخوف نے گفتگو کا سلسلہ دوبارہ چھیڑ دیا۔ اس نے جھجھکے بغیر پوچھا کہ ان کی بٹالین میں کتنے لوگ ہیں اور بٹالینوں کی مجموعی تعداد کیا ہے نیز ان کی تحویل میں کتنے قیدی دیئے گئے ہیں۔ وہ روسی قیدیوں کے بارے میں بات کرتے ہوئے بولا "ان لاشوں کو اپنے ساتھ گھسیٹنا کتنا قابل نفرت کام ہے، اس سے تو انہیں ہلاک کرنا ہی بہتر تھا" یہ کہتے ہوئے وہ اس قدر عجیب و غریب انداز سے ہنسا کہ پیتیا کا خوف کے مارے دل بیٹھنا شروع ہوگیا۔ اس نے سوچا کہ اب فرانسیسی اس کی اصلیت جان لیں گے اور وہ غیر ارادی طور پر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

تاہم دولوخوف کی رائے اور ہنسی پر کسی نے کوئی بات نہ کی اور ان کی نگاہوں سے اوجھل ایک فرانسیسی افسر سرگوشی کے انداز میں اپنے ساتھی سے کچھ کہنے لگا۔ دولوخوف اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے اپنے گھوڑے کی لگام تھام کر کھڑے سپاہی کو آواز دی۔

پیتیا نے سوچا "نجانے یہ ہمارے گھوڑے واپس بھی کریں گے یا نہیں؟" یہ سوچتے ہوئے وہ فطری طور پر کھسک کر دولوخوف کے قریب ہوگیا۔

گھوڑے واپس کر دیئے گئے۔

دولوخوف نے انہیں الوداع کہا۔ پیتیا بھی کہنا چاہتا تھا مگر اس کے منہ سے آواز نہ نکل سکی۔ افسر آپس میں سرگوشیاں کر رہے تھے اور دولوخوف نے گھوڑے پر سوار ہونے میں خاصی دیر لگا دی۔ پھر وہ آہستہ آہستہ صحن سے باہر نکل آئے۔ پیتیا دولوخوف کے ساتھ ساتھ آ رہا تھا۔ اس کا جی چاہا کہ پیچھے مڑ کر دیکھے کہ کہیں فرانسیسی ان کا تعاقب تو نہیں کر رہے مگر اسے ہمت نہ پڑی۔ جب وہ سڑک پر واپس آئے تو دولوخوف کھلے دیہی علاقے کی جانب واپس جانے کی بجائے گاؤں کے درمیان سے گزرنے لگا۔ ایک جگہ رک کر اس نے کچھ سننا شروع کر دیا۔

اس نے پیتیا سے پوچھا "تمہیں کوئی آواز سنائی دی ہے؟"

پیتیا نے روسی آوازیں پہچان لیں اور اسے آگ کے گرد بیٹھے روسیوں کے دھندلے سائے نظر آئے۔ پیتیا اور دولوخوف اترائی میں پل پر پہنچ گئے۔ وہ پہریدار کے قریب سے گزرے جوان سے کچھ کہے بغیر منہ بنائے ادھر ادھر گھوم رہا تھا۔ بعد ازاں وہ کھائی میں اس جگہ جا پہنچے جہاں قازق ان کا انتظار کر رہے تھے۔

دولوخوف نے پیتیا سے کہا "اچھا، الوداع! دینی سوف کو بتا دینا کہ صبح پہلی گولی چلنے پر۔۔۔" وہ گھوڑا بھگانا چاہتا تھا کہ پیتیا نے اسے بازو سے پکڑ کر روک لیا۔

اس نے دولوخوف سے کہا "اوہ! آپ ہیرو ہیں! ہاں، کس قدر لاجواب! کس قدر شاندار! مجھے آپ سے بیحد محبت ہے!"

دولوخوف نے جواب دیا "بس ٹھیک ہے" مگر پیتیا نے اسے نہ چھوڑا۔ دولوخوف نے تاریکی میں دیکھا کہ وہ اس سے گلے ملنا چاہتا ہے۔ دولوخوف نے اس کا بوسہ لیا اور ہنس پڑا۔ پھر وہ گھوڑا موڑ کر رات کی تاریکی میں غائب ہوگیا۔

(10)

پیتیا جھونپڑی کے قریب پہنچا تو اسے دینی سوف دروازے پر ہی مل گیا۔ وہ اسی کا منتظر تھا۔ اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے اور وہ سوچ رہا تھا کہ "آخر میں نے اسے جانے ہی کیوں دیا"

اس نے پیتیا کی آواز سنی تو بولا "خدا کا شکر ہے، خدا کا شکر ہے! تمہارا خانہ خراب، مجھے نیند ہی نہیں آ رہی تھی، بہرحال خدا کا شکر ہے، اب تم لیٹ جاؤ۔ صبح سے پہلے ہم تھوڑی دیر سو سکتے ہیں"

پیتیا کہنے لگا "نہیں، مجھے نیند نہیں آ رہی، اس کے ساتھ ساتھ میں اپنے آپ کو جانتا ہوں، اگر میں سو گیا تو پھر نجانے کیا ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ مجھے لڑائی سے پہلے سونے کی عادت نہیں"

پیتیا کچھ دیر جھونپڑی میں بیٹھا رہا۔ وہ اپنی مہم کی تفصیلات پر غور کر کے خوش ہو رہا تھا اور اگلے دن پیش آنیوالے واقعے بارے سوچنے میں مشغول تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ دینی سوف سو گیا ہے تو اٹھ کر باہر چلا گیا۔

باہر تاریکی تھی۔ بارش تھم گئی تھی مگر درختوں سے پانی کے قطرے بدستور نیچے گر رہے تھے۔ جھونپڑی سے کچھ دور قازقوں کے عارضی چھپر اور ان کے گھوڑوں کی شکلیں دکھائی دے رہی تھیں۔ جھونپڑی کے پیچھے دو گاڑیاں اور ان کے قریب گھوڑے بندھے کھڑے تھے۔ نیچے کھائی میں بجھتے الاؤوں کے کوئلے ابھی تک دہک رہے تھے۔ تمام قازق اور ہوزار نہیں سوئے تھے۔ کہیں کہیں سرگوشی کے انداز میں گفتگو سنائی دے رہی تھی۔ یہ آوازیں، درختوں سے گرنے والے پانی کے قطروں کا شور اور گھوڑوں کی جگالی کی آواز آپس میں مل جل گئی تھیں۔

پیتیا جھونپڑی سے باہر آ گیا۔ اس نے تاریکی میں دیکھا اور گاڑیوں کے پاس چلا گیا۔ گاڑیوں کے نیچے لیٹا کوئی شخص خراٹے لے رہا تھا۔ ان کے اردگرد گھوڑے کھڑے تھے جن پر زینیں کسی ہوئی تھیں اور وہ جئی کے دانے کھا رہے تھے۔ پیتیا نے اندھیرے میں اپنا گھوڑا پہچان لیا۔ وہ اسے کاراباخ کہتا تھا اگرچہ یہ نسلاً یوکرائنی تھا۔ وہ اس کے قریب چلا گیا۔

اس نے پیار سے اپنی ناک گھوڑے کی ناک سے رگڑی اور کہنے لگا "ٹھیک ہے کاراباخ، کل ہم کچھ کام کریں گے"

گاڑی تلے بیٹھے ایک قازق نے پوچھا "جناب آپ سوئے نہیں؟"

پیتیا نے جواب دیا "نہیں، مگر۔۔۔ لیکاچیف۔۔۔ مجھے یقین ہے کہ تمہارا یہی نام ہے، کیوں؟ تم جانتے ہو کہ میں کچھ ہی دیر پہلے آیا ہوں، ہم فرانسیسی قافلے کے پڑاؤ میں گئے تھے"

پیئیا نے قازق کو مہم کی تفصیلات سے آگاہ کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا کہ وہ وہاں کیوں گیا تھا اور یہ کہ وہ ہر کام الٹے سیدھے طریقے سے کرنے کی بجائے اپنی زندگی خطرے میں ڈالنا کیوں پسند کرتا ہے۔

قازق کہنے لگا" بہر حال آپ کو کچھ دیر آرام کرنا چاہئے"

پیئیا کہنے لگا" نہیں، میں اس کا عادی ہو گیا ہوں۔ کیا تمہارے پستولوں کے چقماق ٹھیک ہیں، یہ مجھے تو نہیں؟ میں اپنے ساتھ کچھ لے آیا تھا، تمہیں درکار ہیں تو لے لو"

قازق نے اسے اچھی طرح دیکھنے کیلئے اپنا سر گاڑی کے نیچے سے باہر نکالا۔

پیئیا کہنے لگا" کیونکہ تم نے دیکھا ہو گا کہ میں ہر کام درست طور سے کرنے کا عادی ہوں، بعض لوگ تیاری کے بغیر الٹے سیدھے انداز میں کام کرتے ہیں اور بعد میں پچھتاتے ہیں، یہ بات مجھے بالکل بھی پسند نہیں"

قازق کہنے لگا" یقیناً!"

پیئیا نے اسے کہا" او وہاں، ایک بات رہ گئی تھی۔۔۔ میرے دوست، ذرا میری تلوار ہی تیز کر دو، یہ کند ہو چکی ہے۔۔۔" (مگر پیئیا اپنا جھوٹ مکمل نہ کر پایا) اس نے مزید کہا" اسے کبھی تیز نہیں کیا گیا، کیا تم اسے تیز کر سکتے ہو؟"

قازق نے جواب دیا" ہاں، کر سکتا ہوں"

لیخاچیف اٹھا اور اپنا سامان ٹٹولنا شروع کر دیا۔ کچھ ہی دیر میں پیئیا کو تلوار تیز کرنے کی آواز سنائی دینے لگی۔ وہ گاڑی پر جا بیٹھا۔ قازق زمین پر بیٹھا تلوار تیز کر رہا تھا۔

پیئیا نے پوچھا" کیا دیگر ساتھی سو رہے ہیں؟"

قازق نے جواب دیا" کچھ سو رہے ہیں اور کچھ ہماری طرح جاگ رہے ہیں"

پیئیا کہنے لگا" وہ قیدی لڑکا کیسا ہے؟"

قازق نے جواباً کہا" وسینی؟ وہ وہاں گھاس پر لیٹا ہوا ہے۔ پہلے تو اسے بیحد ڈر لگ رہا تھا مگر اب گہری نیند میں مدہوش ہے۔ وہ بہت خوش تھا"

پیئیا خاصی دیر تک خاموشی سے مختلف آوازیں سنتا رہا۔ تاریکی میں اسے قدموں کی چاپ سنائی دی اور کسی شخص کا ہیولا نظر آیا۔

اس شخص نے گاڑی کے قریب آ کر پوچھا" یہ تم کیا کر رہے ہو؟"

قازق نے اسے جواب دیا" ان کی تلوار تیز کر رہا ہوں"

وہ بولا" ٹھیک ہے" پیئیا کے خیال میں وہ کوئی ہوزار تھا۔ اس نے قازق سے پوچھا" پیالہ تمہارے پاس تو نہیں رہ گیا"

قازق نے کہا" پہیے کے پاس پڑا ہو گا"

ہوزار نے پیالہ اٹھاتے ہوئے جمائی لی اور بولا" دن نکلنے والا ہو گا"

پیئیا کو علم ہونا چاہئے تھا کہ وہ جنگل میں اور دینی سوف کے گروہ میں موجود ہے، سڑک سے ایک کلومیٹر دور ہے اور فرانسیسیوں سے چھینی گئی گاڑی پر بیٹھا ہے جس کے نیچے قازق لیخاچیف اس کی تلوار تیز کرنے میں مصروف ہے۔ اس کی دائیں جانب جو بہت بڑا سیاہ نشان دکھائی دے رہا ہے وہ جنگل کے نگران کی جھونپڑی ہے اور نیچے بائیں طرف جو زمین دہکتی دکھائی دے رہی ہے وہ آگ کا بتدریج بجھتا ہوا الاؤ ہے اور جو شخص کچھ دیر پہلے پیالہ لے

کر گیا تھا وہ پیاسا ہوزار تھا۔ مگر اسے ان باتوں کا علم تھا نہ وہ انہیں جاننے کا خواہشمند تھا۔ وہ جادوئی دنیا میں پہنچ گیا تھا جہاں کوئی شے حقیقت سے قریب نہ تھی۔ ہو سکتا ہے دائیں جانب دکھائی دینے والا بڑا سیاہ دھبہ جھونپڑا ہی ہو مگر یہ کوئی غار بھی تو ہو سکتا ہے جس کی گہرائی زمین کی آخری تہہ تک چلی جاتی ہو۔ ہو سکتا ہے وہ سرخ جگہ آگ کا بجھتا ہوا الاؤ ہو مگر وہ کسی بہت بڑے بھوت کی آنکھ بھی تو ہو سکتی ہے۔ شاید وہ خود گاڑی پر بیٹھا ہے مگر ہو سکتا ہے کہ اصل میں وہ گاڑی کی بجائے کسی بہت اونچے مینار پر بیٹھا ہو اور اگر وہ نیچے گر جائے تو شاید تمام دن یا پورا مہینہ ہی ہوا میں اڑتا رہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ہمیشہ اڑتا رہے اور کبھی نیچے نہ پہنچ سکے۔ شاید گاڑی تلے لیخاچیف بیٹھا ہے مگر یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ روئے زمین کا رحمدل، بہادر، حیرت انگیز اور عظیم ترین انسان ہو جس کے بارے میں کوئی بھی نہ جانتا ہو۔ پیالے میں پانی لینے کیلئے آنیوالا شخص ہوزار بھی ہو سکتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اترائی میں جانے کی بجائے غائب ہو گیا ہو اور اس کا وجود ختم ہو چکا ہو۔

اب پیئیا کو خواہ کچھ بھی نظر آتا، اسے اس پر کوئی حیرانی نہ ہوتی۔ وہ جادوئی دنیا میں پہنچ گیا تھا اور وہاں ہر بات ممکن تھی۔

اس نے آسمان کی جانب نظر اٹھائی۔ زمین کی طرح آسمان بھی جادونگری بن گیا تھا۔ آسمان صاف تھا اور درختوں پر بادل یوں بھاگے پھرتے تھے جیسے ستاروں کے چہرے بے نقاب کر رہے ہوں۔ بعض اوقات یوں لگتا تھا جیسے بادل چھٹ گئے ہوں اور نگاہوں کے سامنے صاف سیاہ آسمان کا بہت بڑا قطعہ نمودار ہو جاتا۔ کبھی کبھار ایسا لگتا جیسے آسمان سر کے اوپر بلند سے بلند تر ہوتا چلا جا رہا ہے اور کبھی یوں قریب دکھائی دیتا جیسے اسے ہاتھ سے بھی چھوا جا سکتا ہے۔

پیئیا کی آنکھیں بند ہونے لگیں اور جسم جھولنا شروع ہو گیا۔

درختوں سے پانی کے قطرے نیچے گر رہے تھے۔ گفتگو کی ہلکی ہلکی آواز سنائی۔ گھوڑے ہنہنانے اور ایک دوسرے کو دھکے دینے لگے۔ کوئی شخص بلند آواز میں خراٹے لے رہا تھا۔

اوزھیگ، زھیگ، اوزھیگ، زھیگ۔۔۔" تلوار تیز کرنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اچانک پیئیا کو موسیقی کی دلکش آواز سنائی دی۔ یہ کوئی نامانوس میٹھی اور پروقار دعا کی دھن تھی۔ اگرچہ پیئیا نے کبھی موسیقی کی تعلیم حاصل کی تھی نہ کبھی اس کا سوچا تھا مگر یہ آواز اتنی بھلی تھی جتنی نتاشا بھولائی سے تو یہ کہیں زیادہ اچھی تھی۔ جو گیت اچانک اس کے کانوں میں سنائی دینے لگا تھا اس میں خصوصی فرحت اور کشش تھی۔ موسیقی کی آواز بلند ہوتی چلی گئی۔ گیت پھیلتا گیا، وہ کبھی ایک اور کبھی دوسرے ساز سے نکل رہا تھا۔ گیت میں ہر ساز اپنا کردار ادا کر رہا تھا۔ دھنیں ختم ہونے سے پہلے دوسرے ساز کی آواز میں مدغم ہو جاتی تھیں۔ ایک بعد دوسرا، تیسرا اور پھر چوتھا ساز بجنے لگتا اور سب مل جل کر ایک آواز میں بدل جاتے۔ کچھ دیر بعد وہ پھر الگ ہو جاتے اور یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا۔ کبھی گرجا گھر کا سنجیدہ گیت سنائی دے رہا ہوتا تھا اور کبھی جنگی فتح کا ترانہ بجنے لگتا۔

پیئیا اگلی جانب جھول گیا اور سوچنے لگا" او وہاں، یقیناً میں خواب دیکھ رہا ہوں۔ یہ میرے کانوں کو ہی سنائی دے رہی ہے، شاید یہ موسیقی میں نے خود بنائی ہے، بہر حال میری موسیقی جاری رہو، چلو! چلو!۔۔۔"

اس نے آنکھیں بند کر لیں اور مختلف سمت سے آوازیں برآمد ہونے لگیں، یوں لگتا تھا جیسے یہ آوازیں کہیں دور سے آ رہی ہیں۔ یہ آوازیں بڑھتے بڑھتے نغموں میں بدل گئیں، ایک دوسرے سے الگ ہوئیں اور باہم مل کر اسی میٹھی اور سنجیدہ دعا کی شکل اختیار کر گئیں۔ پیئیا نے سوچا" او زبردست! یہ اتنی ہی دلکش اور خوبصورت ہیں جتنی میں پسند کرتا

ہوں'' وہ اس عظیم الشان موسیقی کو ترتیب دینے کی کوشش کررہا تھا

پیتیا نے حکم دیا'' اب مدھم ہو جاؤ، اب اونچی اور تیز ہو جاؤ، اتنی کہ روح خوشی سے نہال ہو جائے اور نامعلوم گہرائیوں سے آوازیں اٹھنے اور پھیل کر دل پر وجد طاری کرنے لگیں۔ اب باہم مل جاؤ'' اسے کہیں دور سے مردوں اور پھر خواتین کی آوازیں سنائی دینے لگیں، وہ بلند تر ہوتی چلی جاتی تھیں اور آخر کار وہ اپنی آخری حد تک پہنچ گئیں۔ پیتیا پر وجد کی کیفیت طاری ہوگئی، اس کے ساتھ ساتھ وہ خوفزدہ بھی ہو رہا تھا اور اس کی روح اس شاندار حسن سے سیراب ہو رہی تھی۔

پھر یہ آوازیں فوجیوں کے وکٹری مارچ کی دھنوں، پتوں سے گرتے پانی کے قطروں کی آوازوں اور تیز ہوتی تلوار کی آواز میں مدغم ہوگئیں۔ گھوڑے ایک مرتبہ پھر باہم الجھنے اور ہنہنانے لگے مگر ان کی ہنہناہٹ آوازوں میں مخل ہونے کی بجائے انہی کا حصہ بن گئی۔

پیتیا کو علم نہ ہو سکا کہ یہ سب کچھ کتنی دیر جاری رہا۔ وہ اس سے صرف لطف اندوز ہو رہا تھا۔ وہ خود تو لطف اٹھا رہا تھا مگر اسے افسوس ہو رہا تھا کہ کوئی اور اس کے ساتھ شریک نہ تھا۔ لیخا چیف نے اسے نیند سے جگا دیا۔

اس نے پیتیا سے کہا'' یہ ہے جناب! تیار ہوگئی، اس سے کسی بھی فرانسیسی کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے''

پیتیا نے آنکھیں کھول دیں اور بلند آواز میں بولا'' روشنی ہو رہی ہے، واقعی روشنی ہو چکی ہے'' جو گھوڑے پہلے نظر نہیں آتے تھے وہ اب سرتاپا دکھائی دے رہے تھے۔ درختوں کی برہنہ شاخوں کے درمیان میں روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ پیتیا نے اپنا جسم ہلایا اور نیچے چھلانگ لگا دی۔ اس نے جیب سے ایک روبل نکال کر لیخا چیف کو دیا اور تلوار نیام میں ڈالنے سے قبل ایک مرتبہ فضا میں لہرائی۔ قازق اپنے گھوڑے کھول رہے تھے اور زینیں کسنے میں مصروف تھے۔

لیخا چیف بولا'' کمانڈر آ چکے ہیں''

دینی سوف جھونپڑی سے نکلا اور پیتیا کو اپنے پاس بلا کر تیاری کی ہدایت کی۔

(11)

سپاہیوں نے نیم تاریکی میں اپنے گھوڑے پہچانے اور زینیں کسنے کے بعد اپنی اپنی کمپنی تیار کر لی۔ دینی سوف جھونپڑی کے قریب کھڑا آخری احکامات دینے میں مصروف تھا۔ گروہ میں شامل لوگوں کے سینکڑوں پاؤں کیچڑ میں سے گزر کر شاہراہ کی جانب بڑھنا شروع ہوگئے۔ کچھ ہی دیر میں وہ درختوں اور صبح کی دھند میں غائب ہو چکے تھے۔ لووسکی نے قازقوں کو ہدایات جاری کیں۔ پیتیا اپنے گھوڑے کی لگام پکڑ کر بے چینی سے سواری کے حکم کا منتظر تھا۔ منہ دھونے کے بعد اس کا چہرہ، خصوصاً آنکھیں چمک رہی تھیں۔ اسے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ محسوس ہوئی اور تمام جسم کانپنے لگا۔

دینی سوف نے کہا'' کیا ہر شے تیار ہے؟ ٹھیک، گھوڑا لے آؤ''

گھوڑے باہر نکال لئے گئے۔ دینی سوف اپنے قازق پر غصہ اتارنے لگا کیونکہ اس نے زین اچھی طرح نہیں کسی تھی۔ اس نے قازق کو برا بھلا کہا اور گھوڑے پر بیٹھ گیا۔ پیتیا نے رکاب میں پاؤں رکھا، گھوڑا کچھ اس طرح ہلا جیسے اس کی ٹانگ پر کاٹنا چاہتا ہو مگر پیتیا چھلانگ لگا کر زین پر بیٹھ گیا۔ اسے اپنے وزن کا احساس ہی نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے پیچھے مڑ کر ہوزاروں کی جانب دیکھا جو اندھیرے سے نکل کر آگے بڑھ رہے تھے۔ وہ اپنا گھوڑا دینی سوف کے قریب لے

آیا۔

اس نے دینی سوف سے کہا'' ویسلے فیودوروچ، کیا آپ مجھ پر اعتماد کرتے ہوئے کوئی ذمہ داری سونپنا پسند کریں گے؟ براہ مہربانی۔۔۔ خدا کیلئے۔۔۔'' یوں لگتا تھا جیسے دینی سوف کو یاد ہی نہ رہا ہو کہ وہاں پیتیا بھی موجود ہے۔ اس نے گردن گھما کر اسے سرسری انداز میں دیکھا۔

دینی سوف اسے کہنے لگا'' میں تم سے صرف ایک ہی درخواست کہوں گا کہ میرا حکم مانتے رہو اور آگے مت جاؤ''

اس نے پیتیا کو مزید کچھ نہ کہا اور تمام راستہ خاموشی سے چلتا رہا۔ جب وہ جنگل کے کنارے پر پہنچ گئے تو کھیتوں میں روشنی واضح طور پر پھیل چکی تھی۔ دینی سوف نے لووسکی کے کان میں کوئی بات کہی اور قازق پیتیا اور دینی سوف سے آگے نکلنا شروع ہوگئے۔ جب سب لوگ آگے چلے گئے تو دینی سوف نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اترائی میں چل دیا۔ گھوڑے اپنے سواروں سمیت پھسلتے ہوئے وادی کی جانب بڑھنے لگے۔ پیتیا دینی سوف کے ساتھ ساتھ چلتا رہا، اس کا جسم پہلے سے زیادہ کانپنا شروع ہو گیا تھا۔ روشنی میں مسلسل اضافہ ہو رہا تھا اور صرف دور دراز اشیاء ہی نظروں سے اوجھل تھیں۔ دینی سوف نے وادی میں پہنچ کر پیچھے دیکھا اور قریب ترین قازق کو اپنے پاس بلایا۔

دینی سوف نے اسے کہا'' سگنل دے دو''

قازق نے بازو اٹھایا اور وادی میں بندوق چلنے کا دھماکہ سنائی دیا۔ اچانک مختلف جانب سے سرپٹ بھاگتے گھوڑوں کے سموں کی آوازیں سنائی دینے لگیں اور مزید گولیاں چلنے کی آواز سنائی دی۔ پیتیا نے گھوڑوں کی ٹاپوں اور چیخ وپکار کی آوازیں سن کر اپنے گھوڑے کو چابک مارا اور لگام ڈھیلی چھوڑ دی۔ دینی سوف بلند آواز میں اسے اپنی جانب بلا رہا تھا مگر وہ اس کی پرواہ کئے بغیر تیزی سے آگے بھاگنے لگا۔ جس وقت گولی چلائی گئی تھی اس وقت پیتیا کو یوں لگا جیسے دوپہر کی طرح روشنی پھیل گئی ہو۔ وہ پل کی جانب گھوڑا بھگانے لگا۔ قازق اس سے آگے جا رہے تھے اور ان کی رفتار بے حد تیز تھی۔ پل پر پیتیا ایک قازق سے ٹکرایا اور آگے نکل گیا۔ اسے اپنے سامنے سپاہی دکھائی دیئے، اس کا خیال تھا کہ یہ فرانسیسی ہیں، وہ سڑک کے پار دائیں بائیں بھاگ رہے تھے۔ ان میں سے ایک کیچڑ میں پھسلا اور اس کے گھوڑے کے سموں تلے آ گیا۔

قازق ایک جھونپڑی کے گرد جمع ہو کر کچھ کر رہے تھے۔ ان کے ہجوم میں ایک شخص نے اچانک چیخ ماری اور پیتیا کو سب سے پہلے جو شے دکھائی دی وہ کسی فرانسیسی کا پیلا اور کانپتا چہرہ تھا۔ وہ اس بلم کا ڈنڈا مضبوطی سے تھامے ہوئے تھا جس کی مدد سے اسے نشانہ بنایا گیا تھا۔

پیتیا چلایا'' ہرا!۔۔۔ ساتھیو۔۔۔ ہمارے۔۔۔'' اور گاؤں کی جانب گھوڑا بھگانے لگا۔

اسے اپنے سامنے گولیاں چلنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ قازق، ہوزار اور روسی قیدی چیخنے چلانے میں مصروف تھے اور شور و غوغا کے سبب کچھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ نیلے کوٹ میں ملبوس ایک فرانسیسی جو بظاہر بہادر معلوم ہوتا تھا، اپنی سنگین سے ہوزاروں کا مقابلہ کر رہا تھا۔ اس کا سر ننگا اور چہرہ تمتما رہا تھا جبکہ بھنویں تنی ہوئی تھیں۔ پیتیا گھوڑا بھگا تا وہاں پہنچا تو فرانسیسی نیچے گر گیا تھا۔ پیتیا نے سوچا'' کیسی خراب قسمت ہے، ایک اور موقع ہاتھ سے جاتا رہا'' وہ تیزی اس جگہ جا پہنچا جہاں شدید فائرنگ ہو رہی تھی۔ وہ گزشتہ رات دولوخوف کے ساتھ جس مکان میں گیا تھا وہاں سے گولیاں چلائی جا رہی تھیں۔ وہاں جھاڑ جھنکار سے بھرے باغ میں فرانسیسی مورچہ بند تھے اور دروازے کے قریب جمع

ہونیوالے ہوزاروں پر گولیاں چلا رہے تھے۔ پیتیا گھوڑا بھگاتا دروازے کے قریب جا پہنچا، وہاں اسے دولوخوف کا چہرہ دکھائی دیا جو چیخ چیخ کر اپنے لوگوں کو احکامات دے رہا تھا۔ وہ بلند آواز میں کہہ رہا تھا "گھوم کر جاؤ، پیادہ فوجیوں کا انتظار کرو"

پیتیا چلایا "انتظار؟۔۔۔ ہرا!۔۔۔" اور ایک لمحہ تاخیر کئے بغیر اس طرف بھاگنے لگا جہاں سے فائرنگ کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں اور گاڑھا دھواں پھیلا تھا۔ متعدد بندوقیں بیک وقت داغی گئیں اور سنسناتی گولیاں کسی شے سے ٹکرا گئیں۔ دولوخوف اور قازق پیتیا کے پیچھے گھوڑے بھگاتے صحن میں آگئے۔ گاڑھے دھوئیں میں چند فرانسیسیوں نے اپنے بازو نیچے گرا دیئے اور جھاڑیوں سے باہر نکل آئے جبکہ بقیہ پہاڑی کے دامن میں پانی کے گڑھے کی طرف بھاگ نکلے۔ پیتیا گھوڑے کو صحن میں تیزی سے بھگا رہا تھا مگر وہ لگام تھامنے کی بجائے اپنے ہاتھ تیزی سے گھمائے جاتا تھا۔ اس کا جسم مسلسل ایک جانب جھکتے ہوئے زین سے دور ہوتا چلا جا رہا تھا۔ اچانک اس کے گھوڑے کا پاؤں آگ کے بجھتے الاؤ پر جا پڑا اور وہ وہیں ٹھہر گیا جبکہ پیتیا زور سے گیلی زمین پر جا گرا۔ اگرچہ اس کا سر ساکت ہو چکا تھا مگر بازو اور ٹانگیں تیزی سے گھوم رہی تھیں۔ گولی اس کے سر میں سے گزر گئی تھی۔

ایک سینئر فرانسیسی افسر اپنی تلوار پر سفید رومال باندھے باہر آ گیا، اس نے ہتھیار ڈالنے کا اعلان کیا۔ دولوخوف اس سے بات چیت کرنے کے بعد گھوڑے سے اترا اور پیتیا کے پاس پہنچا جو بازو پھیلائے زمین پر پڑا تھا۔

دولوخوف نے تیوری چڑھا کر کہا "ختم ہو گیا" اور دینی سوف سے ملنے دروازے کی جانب چلا گیا جو اسی کی طرف آ رہا تھا۔

دینی سوف نے پیتیا کے جسم کو بے جان انداز میں پڑے دیکھ کر چلاتے ہوئے کہا "ہلاک ہو گیا؟" اس نے پیتیا کو دور سے ہی پہچان لیا تھا۔

دولوخوف نے اپنی بات دہرائی "ختم ہو گیا" اس کا انداز یوں تھا جیسے وہ یہ کہہ کر مطمئن ہو گیا ہو، پھر وہ قیدی بنائے جانیوالے فرانسیسیوں کی جانب بڑھ گیا۔ قازق اس سے بھی تیز نکلے اور وہ پہلے ہی قیدیوں کے گرد گھیرا ڈال چکے تھے۔ دولوخوف نے چلا کر دینی سوف سے کہا "ہم ان سے کسی قسم کی رعایت نہیں برتیں گے۔۔۔"

دینی سوف نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ وہ پیتیا کے قریب آیا اور گھوڑے سے اتر کر اس کے خون آلود اور کیچڑ سے بھرے چہرے کا رخ اپنی جانب کیا۔ چہرہ سفید پڑ چکا تھا۔

اسے پیتیا کے الفاظ یاد آئے "مجھے میٹھی چیزیں پسند ہیں۔ بہت عمدہ کشمش ہے، ساری لے لیں" قازقوں نے حیرانی سے پیچھے مڑ کر دیکھا، انہیں ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی کتا کراہ رہا ہو۔ یہ دینی سوف کی چیخ تھی۔ وہ تیزی سے پیچھے ہٹا اور باڑ کی طرف جا کر اسے مضبوطی سے تھام لیا۔

دینی سوف اور دولوخوف نے جن روسی قیدیوں کو رہائی دلائی ان میں پیری بیزوخوف بھی تھا۔

(12)

فرانسیسی فوجیوں نے ماسکو سے اپنے سفر کے آغاز کے بعد قیدیوں کو کسی قسم کا کوئی حکم نہ دیا۔ ان قیدیوں میں پیری بھی شامل تھا۔ ماسکو سے یہ گروہ جن فوجی دستوں اور سامان بردار گاڑیوں کے ساتھ روانہ ہوا تھا وہ 22 اکتوبر سے پہلے ہی ان سے علیحدہ ہو چکے تھے۔ سفر کی ابتداء میں جن گاڑیوں پر بسکٹ اور کھانے پینے کا دیگر سامان لدا تھا ان میں سے

آدھی قازقوں نے چھین لی تھیں اور بقیہ آگے نکل گئی تھیں۔ جو سوار گھوڑوں سے اتر کر ان سے آگے پیدل جا رہے تھے ان میں سے اب کوئی باقی نہیں رہا تھا اور تمام نظروں سے اوجھل ہو گئے تھے۔ ابتداء میں قیدیوں کو اپنے آگے جو توپخانہ دکھائی دیتا تھا اب اس کی جگہ مارشل جونوٹ کے سامان بردار قافلے نے لے لی تھی اور اس کی حفاظت ویسٹ فالین دستے کر رہے تھے۔ قیدیوں کے پیچھے گھڑ سوار فوج کے سامان سے لدی گاڑیاں چلی آ رہی تھیں۔

فرانسیسی فوج تین کالموں کی صورت میں چلتی رہی مگر ویازما میں اس کی حالت بے ترتیب ہجوم میں بدل گئی اور ماسکو سے روانگی کے بعد پیری نے پہلے پڑاؤ میں بدنظمی کی جو کیفیت دیکھی تھی وہ اب آخری حدوں تک پہنچ چکی تھی۔

وہ جس سڑک کے ساتھ ساتھ محو سفر تھے اس کے دونوں کناروں پر مردہ گھوڑوں کے ڈھیر لگے تھے۔ مختلف رجمنٹوں سے بچھڑ جانیوالے سپاہیوں کی حالت بیحد خراب تھی۔ وہ کبھی کالم میں شامل ہو جاتے اور کبھی دوبارہ پیچھے رہ جاتے۔

دوران سفر خطرے کی غلط گھنٹیاں بجائی جاتی رہیں۔ حفاظتی دستے کے سپاہی بندوقیں داغتے اور تیزی سے بھاگتے ہوئے ایک دوسرے کو پاؤں تلے کچلنے لگتے۔ بعدازاں وہ ایک جگہ جمع ہو جاتے اور خوامخواہ افراتفری مچانے پر ایک دوسرے کو گالیاں بکنا شروع ہو جاتے۔

قافلے کے تینوں حصے یعنی گھڑ سوار فوج کی گاڑیاں، قیدی اور جونوٹ کی سامان بردار گاڑیاں ابھی تک اکٹھی محو سفر تھیں مگر ہر گروہ کے کچھ افراد مسلسل غائب ہو رہے تھے اور ان کی تعداد میں تیزی سے کمی واقع ہوتی چلی جا رہی تھی۔

ابتداء میں گھڑ سواروں کی سامان بردار گاڑیوں کی تعداد ایک سو بیس تھی جس میں سے اب صرف نصف باقی رہ گئے تھے۔ بقیہ نصف یا تو چھینے جا چکے تھے یا پھر انہیں راستے میں ہی چھوڑ دیا گیا تھا۔ جونوٹ کی بعض گاڑیاں بھی پکڑی گئیں اور کچھ کو پیچھے چھوڑنا پڑا۔ تین چھکڑوں پر مارشل ڈاوسٹ کی کور کے بھگوڑوں نے حملہ کر دیا اور انہیں چھین کر لے گئے۔ جرمنوں کی گفتگو سے پیری کو اندازہ ہوا کہ قیدیوں کی نسبت گاڑیوں کے اس قافلے کی حفاظت کیلئے زیادہ محافظ متعین کئے گئے ہیں۔ اس نے یہ بھی سنا کہ ایک جرمن سپاہی کو مارشل کے حکم پر گولی ماردی گئی تھی کیونکہ اس کا چاندی کا ایک چمچ سپاہی کے سامان سے برآمد ہوا تھا۔

دونوں قافلوں کے مقابلے میں قیدیوں کی تعداد میں نمایاں کمی ہوئی تھی۔ ماسکو سے روانہ ہوتے وقت ان کی تعداد تین سو تیس تھی جس میں سے اب سو سے بھی کم باقی رہ گئے تھے۔ محافظ دستے کو گھڑ سواروں یا جونوٹ کے سامان کی نسبت قیدیوں کا بوجھ زیادہ محسوس ہو رہا تھا۔ انہیں یہ بات تو سمجھ میں آتی تھی کہ زینیں اور جونوٹ کے چمچ کسی کام آ سکتے ہیں مگر سردی اور بھوک سے نڈھال قیدیوں پر پہرہ دینا ان کیلئے سمجھ سے بالاتر تھا۔ یہ قیدی سردی سے بے حال ہوتے جا رہے تھے اور چلتے چلتے سڑک پر گر جاتے تھے۔ اس صورت میں انہیں گولی مارنے کا حکم دیا گیا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے محافظ دستے کو یہ خدشہ لاحق ہونے لگا ہے کہ انہیں جن بدترین حالات کا سامنا ہے ان میں کہیں ان کے دل نرم نہ پڑ جائیں اور کہیں انہیں قیدیوں پر ترس نہ آ جائے، چنانچہ وہ ان قیدیوں سے زیادہ سخت رویہ اختیار کرنے لگے۔

ڈوروگوبز میں قافلے کے فوجیوں نے قیدیوں کو اصطبل میں باندھا اور خود اپنی ہی رسد لوٹنے چل دیئے۔ چند قیدیوں نے دیوار میں نقب لگائی اور نکل بھاگے مگر یہ لوگ پکڑے گئے اور انہیں گولی مار دی گئی۔

ماسکو سے روانگی کے موقع پر افسروں کو دیگر قیدیوں سے الگ کر لیا گیا تھا مگر یہ سلسلہ زیادہ دیر جاری نہ رہا۔ پیدل چلنے والے اکٹھے چلتے تھے۔ سفر کا تیسرا حصہ مکمل ہونے کے بعد پیری دوبارہ پلاتون کاراتایف کے ساتھ جا ملا

جس کے ساتھ ٹیڑھی ٹانگوں والی کتیا بھی چلی آ رہی تھی اور اس نے پلاتون کو اپنا مالک تسلیم کر لیا تھا۔

ماسکو سے روانگی کے تیسرے دن کاراتائیف دوبارہ اسی بخار میں مبتلا ہو گیا جس کے سبب اسے ماسکو کے ہسپتال میں داخل کیا گیا تھا۔ وہ جوں جوں کمزور ہوتا گیا، پیری اس سے کنی کترانے لگا۔ اگرچہ پیری کو خود علم نہ تھا کہ کاراتائیف سے اس کا یہ رویہ کیوں ہے مگر جب سے اس کی حالت خراب ہوئی تھی، پیری کو اس کے پاس جانے کیلئے خاصے حوصلے سے کام لینا پڑتا تھا۔ مگر وہ جب بھی اس کے پاس جاتا اور کاراتائیف کی دھیمی دھیمی کراہیں سنتا اور اس کے جسم سے خارج ہونیوالی بدبو اس کی ناک میں گھستی تو وہ وہاں سے اٹھ جاتا اور اس کے بارے میں سوچنا بھی چھوڑ دیتا۔

چھپر میں رہتے ہوئے پیری نے اپنے پورے وجود سے یہ سیکھی تھی کہ انسان خوشی کیلئے بنایا جاتا ہے اور یہ خوشی اس کے اندر موجود ہوتی ہے جو انسان کی فطری ضروریات پوری ہونے پر حاصل ہوا کرتی ہے۔ مزید یہ کہ ناخوشی کا سبب ضرورت نہیں بلکہ اشیاء کی فراوانی ہوتی ہے۔ گزشتہ تین ہفتوں کے اس سفر میں اس پر یہ بات بھی منکشف ہوئی تھی کہ دنیا میں کوئی ایسی شے موجود نہیں ہے جس سے انسان کو خوف کھانے کی ضرورت ہو۔ وہ اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ مصیبتوں اور آزادی کی اپنی حدود ہوتی ہیں اور یہ حدود بہت جلد آ جاتی ہیں۔ پھولوں کے بستر پر سونے والے کو ایک پتی مسلے جانے سے بھی اتنی ہی تکلیف ہوتی ہے جتنی کہ اسے ننگی اور ٹھنڈی زمین پر لیٹ کر محسوس ہو رہی ہے۔ گزشتہ دور میں جب وہ تنگ جوتے پہن کر رقص کرتا تھا تو اسے اتنی ہی تکلیف ہوتی تھی جتنی اب ننگے پاؤں چلتے ہوئے ہو رہی تھی۔ وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ جب اس نے اپنی بیوی سے شادی کی تھی تو اس وقت بھی وہ اسی طرح آزاد نہ تھا جس طرح اب مقفل اصطبل میں آزاد نہیں ہے۔ موجودہ برے حالات کو بعد میں اس نے اپنی مصیبتوں کا نام دیا اور ان میں سب سے تکلیف دہ بات یہ تھی کہ اس کے ننگے پاؤں زخمی ہو چکے تھے اور ایڑھیاں پھٹ گئی تھیں۔ اسے گھوڑے کا گوشت نہایت مزیدار اور طاقت سے بھرپور معلوم ہوتا تھا۔ سردی شدید نہ تھی، دن کے وقت دوران سفر جسم گرم رہتا تھا اور رات کو آگ جلتی رہتی تھی، اگرچہ جوئیں اس کا خون چوستی تھیں مگر اس کے جسم کو حرارت بھی بہم پہنچاتی تھیں۔ ابتداء میں اسے جو شے ناقابل برداشت معلوم ہوئی وہ اس کے پاؤں کی خراب حالت تھی۔

سفر کے دوسرے دن پیری نے جب آگ کی روشنی میں اپنے پاؤں کا جائزہ لیا تو اسے یوں لگا جیسے اب وہ ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکے گا مگر جب دیگر لوگ اٹھ کھڑے ہوئے تو وہ بھی لنگڑاتا ہوا ان کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ جسم گرم ہو گیا تو درد بھی جاتی رہی۔ شام کے وقت اس کے پاؤں کی حالت اور بھی خراب دکھائی دینے لگی تاہم اب وہ پاؤں پر غور کرنے کی بجائے دیگر باتوں کے بارے میں سوچ وبچار کیا کرتا تھا۔

پیری کو اب یہ اندازہ ہوا کہ انسان میں زندہ رہنے اور مصیبتوں سے گزر کر بچ رہنے کی کس قدر قوت پائی جاتی ہے۔ وہ اس نتیجے پر بھی پہنچا کہ انسان میں فطری طور پر یہ صلاحیت موجود ہے کہ وہ اپنی توجہ ایک سے دوسری شے کی جانب منتقل کر کے بعینہ اسی طرح اپنا بچاؤ کر سکتا ہے جس طرح بھاپ کے انجن سیفٹی والو فالتو بھاپ خارج کر کے کرتا ہے۔

پیری کو اس بارے میں کچھ علم نہ ہو سکا کہ پیچھے رہ جانیوالے قیدیوں کو کیسے گولی مار کر ہلاک کر دیا جاتا ہے حالانکہ سو سے زائد لوگ اس طرح مارے جا چکے تھے۔ کاراتائیف کی حالت دن بدن بگڑتی چلی جا رہی تھی اور یقیناً اس کا بھی یہی انجام متوقع تھا مگر پیری اس کے بارے میں کچھ نہیں سوچتا تھا، اپنے بارے میں تو وہ اور بھی کم غور کرتا تھا۔ اس کے حالات جتنے خراب اور مستقبل جس قدر خوفناک ہوتا چلا جا رہا تھا، ذہن میں آنیوالی خوش یادیں اور خیالات موجودہ خراب حالت سے اتنے ہی آزاد ہوتے جا رہے تھے۔

(13)

22 تاریخ کی دوپہر پیری اپنے پاؤں اور غیر ہموار زمین پر نگاہیں گاڑے کیچڑ زدہ اور پھسلواں ڈھلان پر چڑھ رہا تھا۔ کبھی کبھار وہ نظر اٹھا کر لوگوں کے مانوس ہجوم کو دیکھ لیتا جو پاؤں کی طرح اس کی ذات ہی کا ایک حصہ بن گیا تھا۔ ٹیڑھی ٹانگوں والی کتیا سڑک کنارے اچھلتی کودتی چلی آ رہی تھی۔ بعض اوقات وہ اپنی چستی اور اطمینان کے اظہار کے طور پر تین ٹانگوں پر چلنے لگتی اور پھر دوبارہ چاروں ٹانگوں پر بھاگنے لگتی، ساتھ ساتھ وہ مردار کھانے والے کوؤں پر بھی بھونکتی رہتی تھی۔ کتیا کی جلد اور بال پہلے سے زیادہ چمکنے لگے تھے اور وہ پہلے سے زیادہ چمکنے لگی تھی۔ ہر طرف انسانوں سے لے کر گھوڑوں تک مختلف حیوانوں کی لاشیں پڑی گل سڑ رہی تھیں۔ انسانوں کی وجہ سے بھیڑیے ان لاشوں کے قریب نہیں آتے تھے اس لئے کتیا پیٹ بھر کر گوشت کھا سکتی تھی۔

صبح سے بارش ہو رہی تھی اور بظاہر یوں لگتا تھا جیسے یہ کسی بھی وقت تھم جائے گی مگر مختصر وقفے کے بعد مینہ اور زور سے برسنے لگا۔ گیلے راستے پر مزید پانی جذب نہیں ہو سکتا تھا چنانچہ پانی سڑک پر بننے والی گاڑیوں کے پہیوں کی لکیروں میں بہہ رہا تھا۔

پیری دائیں بائیں نظریں ڈالتا اور اپنے قدم تین تین کر کے گنتا جاتا تھا۔ وہ دل ہی دل میں بادلوں سے مخاطب ہو کر کہتا "اور برسو، زور سے برسو"

بظاہر اسے یہی لگتا تھا کہ وہ کوئی بات نہیں سوچ رہا مگر اس کے دل کی گہرائیوں میں کسی اہم اور سکون آور شے کا تصور تھا۔ یہ انتہائی پیچیدہ روحانی استنباط تھا جو اس نے گزشتہ رات کاراتائیف کے ساتھ بات چیت سے کیا تھا۔

پڑاؤ میں گزشتہ رات پیری آگ کے قریب بیٹھا تھا۔ آگ بجھنے لگی تو پیری کو ٹھنڈ محسوس ہوئی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر دوسرے الاؤ کی جانب چل دیا۔ وہاں ابھی تک آگ اچھی طرح بھڑک رہی تھی اور پلاتون کاراتائیف اپنے کوٹ میں یوں لپٹا بیٹھا تھا جیسے پادری اپنا چغہ لپیٹے ہوئے ہوتا ہے۔ وہ اپنی خوشگوار اور متاثر کن آواز میں قیدی سپاہیوں کو ایک ایسی کہانی سنا رہا تھا جو پیری نے پہلے ہی سن رکھی تھی۔ کمزوری کے سبب اس کی آواز مدھم ہو گئی تھی۔ رات ڈھل رہی تھی اور یہ وہ وقت تھا جب عموماً کاراتائیف کا بخار کم ہو چکا ہوتا تھا اور وہ نسبتاً بشاش دکھائی دینے لگتا تھا۔ پیری آگ کے قریب پہنچا اور پلاتون کی کمزور آواز سن کر آگ کی روشنی میں چمکتے اس کے رقت انگیز چہرے کو دیکھا تو اس کے دل میں ٹیس سی اٹھی۔ اس شخص پر آنیوالے رحم کے جذبے نے پیری کو خوفزدہ کر دیا اور ممکن تھا کہ وہ یہاں سے چلا جاتا مگر پڑاؤ میں کوئی اور جلتا الاؤ نہ ہونے کے سبب وہ وہیں بیٹھ گیا تاہم اس کی کوشش تھی کہ پلاتون اسے نظر نہ آنے پائے۔

پیری نے اس سے پوچھا "اب تم کیسا محسوس کر رہے ہو؟"

پلاتون نے جواب دیا "کیسا محسوس کر رہا ہوں؟ اگر ہم اپنی بیماری پر ناگواری کا اظہار کرنے لگیں تو خداوند ہمیں موت ہی نہ دے" یہ کہہ کر اس نے دوبارہ وہی کہانی شروع کر دی جو وہ سنا رہا تھا۔

اس نے کہانی جاری رکھتے ہوئے کہا "تو پھر میرے بھائی۔۔۔" اس کے زرد اور کمزور چہرے پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں مخصوص روشنی تھی۔

پیری اس کہانی سے پہلے ہی آگاہ تھا اور کاراتائیف یہ اسے چھ سات مرتبہ سنا چکا تھا۔ وہ یہ کہانی ہمیشہ جذباتی

اور جوشیلے انداز میں سناتا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اسے یہ کہانی سنانے میں بیحد لطف آتا ہے۔ کہانی کے بارے میں پوری طرح علم ہونے کے باوجود پیری یوں ظاہر کر رہا تھا جیسے کوئی نئی بات سن رہا ہو اور اسے سناتے ہوئے کاراتائیف کو جو سکون اور خوشی محسوس ہو رہی تھی وہی پیری کو بھی خود بخود اپنے اندر منتقل ہوتی معلوم ہوتی تھی۔

یہ ایک بوڑھے تاجر کی کہانی تھی جو اپنے اہلخانہ کیساتھ ایماندارانہ زندگی گزار رہا تھا۔ ایک دن وہ اپنے دولتمند دوست کے ساتھ میلہ دیکھنے چلا گیا۔

دونوں ایک سرائے میں جا کر ٹھہرے اور سو گئے۔ اگلی صبح پتا چلا کہ دولتمند تاجر کو ذبح کر دیا گیا ہے اور اس کی رقم لوٹ لی گئی ہے۔ بوڑھے تاجر کے تکیے تلے خون آلود چھری پائی گئی۔ اس پر مقدمہ چلائے اور مجرم قرار دے کر کوڑے لگائے گئے۔ بعدازاں اس کے ناک چیر دی گئی اور قید سخت کی سزا سنائی گئی۔ کاراتائیف کے مطابق ایسا قانون کے مطابق ہوا۔

کاراتائیف نے کہا "تو پھر میرے بھائی (یہ وہ مقام تھا جہاں پیری بھی کہانی سننے میں شریک ہوا) دس یا اس سے بھی زیادہ برس گزر گئے۔ معمر تاجر قید سخت بھگت رہا تھا۔ وہ اپنی قسمت پر شاکر تھا اور ایسا ہی ہونا چاہئے۔ اس نے کبھی کوئی برا کام نہ کیا۔ وہ خداوند سے صرف یہی دعا کرتا کہ اسے موت آ جائے۔ بہرحال ایک دن تمام قیدی اکٹھے ہوئے اور اپنی داستان بیان کرنے لگے کہ وہ یہاں تک کیسے پہنچے۔ ایک شخص نے ایک اور دوسرے نے دو کو قتل کیا تھا۔ تیسرے نے ایک مکان کو آگ لگائی اور ایک آوارہ گرد تھا جس نے کوئی جرم نہیں کیا تھا۔ دیگر قیدیوں نے بوڑھے تاجر سے پوچھا "آپ نے کیا جرم کیا؟" بوڑھے نے جواب دیا "میرے عزیز ساتھیو! مجھے اپنے اور دوسروں کے گناہوں کی سزا مل رہی ہے۔ میں نے کسی کو قتل کیا نہ کسی کا سامان لوٹا۔ میں نے تو بس ایک ضرورت مند کی مدد کرنا چاہی تھی۔ میں تاجر تھا اور مجھے خداوند نے بہت کچھ دے رکھا تھا۔ پھر اس نے اپنی تمام تر داستان بلا کم و کاست بیان کر دی۔ آخر میں وہ کہنے لگا "یوں لگتا ہے کہ خدا مجھے سیدھی راہ پر ڈالنا چاہتا تھا۔ مجھے صرف اپنی بوڑھی بیوی اور بچوں کا افسوس ہے" یہ کہہ کر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ دولتمند تاجر کا اصل قاتل بھی انہی قیدیوں میں موجود تھا۔ اس نے بوڑھے سے پوچھا "یہ واقعہ کب اور کس جگہ پیش آیا؟" اس نے واقعے کے بارے میں تمام تر تفصیلات ایک ایک کر کے پوچھیں۔ اس کے دل پر بیحد اثر ہوا، سو وہ اسی حالت میں بوڑھے کے پاس آیا اور اس کے پاؤں پر گر کر کہنے لگا "اس تمام کے کا ذمہ دار میں ہوں، میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں، آپ کو ناجائز سزا دی گئی" اس نے کہا "ساتھیو، اس شخص کو خواہ مخواہ سزا دی جا رہی ہے، اصل مجرم میں ہوں" وہ بوڑھے کو مخاطب کرتے ہوئے بولا "جب آپ سو رہے تھے تو میں نے چھری آپ کے تکیے تلے رکھ دی تھی، مجھے معاف کر دیں۔ یسوع کیلئے معاف کر دیں"

کاراتائیف نے توقف کیا۔ وہ مسکرا رہا تھا اور بیحد خوش دکھائی دیتا تھا۔ اس نے آگ کے الاؤ کی جانب غور سے دیکھا اور لکڑیاں درست کر دیں۔

پھر وہ کہنے لگا "بوڑھے نے کہا "خدا تمہیں معاف کرے، اس کی نگاہوں میں ہم سب گنہگار ہیں اور مجھے بھی اپنے گناہوں کی سزا مل رہی ہے" یہ کہہ کر وہ رونے لگا" داستان مکمل کر کے پلاتون کاراتائیف نے کہا "بہرحال ساتھیو، آپ کیا کہتے ہیں؟" اتنا کہہ کر وہ کچھ ایسا خوش دکھائی دینے لگا جیسے اب جو فقرہ کہے گا اسی میں تمام داستان کا مرکزی نکتہ پوشیدہ ہے۔ وہ بولا "ساتھیو، آپ کیا کہتے ہیں؟ قاتل عدالت میں گیا اور اعتراف کیا کہ وہ چھ افراد کا قاتل ہے (وہ بہت بڑا مجرم تھا) تاہم اسے سب سے زیادہ بوڑھے کا افسوس ہے اور میرے جرائم کی سزا اسے نہ دی جائے" قاتل کے

اعترافات کو تحریری شکل دی گئی اور انہیں اعلیٰ ترین حکام کو بھیج دیا گیا۔ جہاں یہ کاغذات بھیجے گئے وہ جگہ بہت دور تھی، اسی وجہ سے کارروائی مکمل ہونے میں خاصا وقت صرف ہوا اور بالآخر کاغذات زار تک پہنچ گئے۔ کچھ عرصہ بعد زار نے حکم جاری کر دیا کہ "بوڑھے تاجر کو فوری طور پر رہا کیا جائے اور اسے تاوان بھی ادا کیا جائے" زار کا حکم ملا تو اسے تلاش کیا جانے لگا" یہ کہتے ہوئے پلاتون کاراتائیف کا جبڑا کپکپانا شروع ہو گیا۔ اس نے کہا "مگر خداوند نے اسے پہلے ہی معافی دے دی تھی اور وہ مر چکا تھا" پلاتون نے بات مکمل کرتے ہوئے کہا "تو میرے عزیز ساتھیو، یہ قصہ ہے" پھر وہ خاصی دیر خاموشی سے بیٹھا سامنے دیکھتا رہا۔

پیری کا جی خوش ہو گیا تاہم یہ داستان اثر نہ تھا بلکہ کہانی کی پراسراریت اور کاراتائیف کے چہرے پر دکھائی دینے والی خوشی کے باطنی معانی تھے جن کی بدولت پیری بھی خوش ہو گیا۔

(14)

اچانک آواز گونجی "اپنی اپنی جگہوں پر!"

فوجیوں اور قیدیوں میں ہلچل سی پیدا ہوئی اور ہر شخص یہ توقع رکھنے لگا کہ کوئی کیف آور اور باوقار واقعہ پیش آنے والا ہے۔ ہر طرف احکامات دیئے جا رہے تھے اور بائیں جانب شاندار وردیوں میں ملبوس گھڑ سواروں کا قافلہ قیدیوں کے گرد چکر لگاتا اور گھوڑے بھگاتا نمودار ہوا۔ اعلیٰ حکام کی آمد پر تناؤ کی جو کیفیت پیدا ہوتی ہے وہ یہاں بھی ہر چہرے پر دیکھی جا سکتی تھی۔ قیدی ایک جگہ جمع ہو گئے اور انہیں سڑک کی دوسری جانب دھکیل دیا گیا۔ فوجیوں نے صفیں بنا لیں۔

اچانک آوازیں سنائی دینے لگیں "شہنشاہ! شہنشاہ! مارشل! نواب!..." شاندار وردیوں میں ملبوس گھڑ سوار بمشکل گزرے تھے کہ سرمئی رنگت کے گھوڑوں والی ایک گاڑی تیزی سے آگے نکل گئی۔ پیری نے اس میں ایک شخص کو دیکھا جو تکونی ٹوپی پہنے ہوئے تھا اور اس کے صحتمند سفید چہرے پر اطمینان کی کیفیت تھی۔ یہ کوئی مارشل تھا۔ جب اس نے پیری کے صحتمند اور بارعب جسم کو دیکھا تو غصے میں رخ پھیر لیا۔ پیری کو اس کی نگاہوں میں ہمدردی کی جھلک دکھائی دی مگر اب اسے یوں لگا جیسے وہ یہ تاثرات چھپانے کی کوشش کر رہا ہے۔

سامان بردار قافلے کے انچارج جرنیل نے اپنے کمزور گھوڑے کو چابک مارا اور گاڑی کے پیچھے چل دیا۔ اس کے سرخ چہرے پر تردد کے اثرات تھے۔ کئی افسر گروہ کی صورت میں کھڑے ہو گئے اور ان کے گرد فوجیوں کی بھیڑ جمع ہو گئی۔ ہر شخص کے چہرے پر تشویش تھی۔

پیری نے دیکھا کہ ہر شخص ایک دوسرے سے پوچھ رہا تھا "اس نے کیا کہا؟ کیا کہہ رہا تھا؟"

جب مارشل گزرا تو تمام قیدی بے ترتیب ہجوم کی شکل میں اکٹھے ہو گئے اور پیری کی نگاہیں اتفاقاً پلاتون کاراتائیف پر پڑ گئیں۔ وہ چھوٹے کوٹ میں ملبوس تھا اور درخت کا سہارا لئے بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پر خوشی سے بھرپور وہی تاثر تھا جو گزشتہ رات تاجر کی داستان سناتے وقت دکھائی دیا تھا۔ تاہم اب وہاں باوقار سکون بھی نظر آ رہا تھا۔

کاراتائیف نے اپنی گول مٹول اور شفقت سے بھرپور آنکھیں پیری کے چہرے پر گاڑ دیں۔ ان آنکھوں میں آنسو تھے اور یقیناً وہ کچھ کہتی محسوس ہوتی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ پیری سے کچھ کہنا چاہتا ہے۔ مگر پیری شکوک و شبہات میں مبتلا ہو گیا اور یوں ظاہر کیا جیسے وہ کاراتائیف کی آنکھوں میں کچھ نہیں دیکھ سکا۔ کچھ دیر بعد وہ وہاں سے ہٹ گیا۔

جب قیدی دوبارہ روانہ ہوئے تو پیری نے ایک مرتبہ پھر پیچھے گھوم کر دیکھا۔ پلاتون کاراتائیف ابھی تک سڑک کنارے درخت سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا اور دو فرانسیسی فوجی اس کے قریب کھڑے باہم گفتگو کر رہے تھے۔ پیری نے دوبارہ پیچھے نہ دیکھا اور لنگڑا کر ڈھلان عبور کرنا شروع کر دی۔

اچانک اسے اپنے پیچھے بندوق کی گولی کا دھماکہ سنائی دیا۔ پیری کو یہ آواز واضح طور پر سنائی دی تھی مگر اسی لمحے اسے یاد آیا کہ وہ ابھی تک سمولنسک کے فاصلے کا حساب نہیں لگا سکا۔ اس نے فاصلے کا یہ حساب مارشل کی آمد پر شروع کیا تھا۔ چنانچہ اس نے دوبارہ گننا شروع کر دیا۔ اسی دوران دو فرانسیسی پیری کے قریب سے بھاگتے آگے نکل گئے۔ ان میں سے ایک کی بندوق سے دھواں نکل رہا تھا۔ دونوں کا رنگ فق ہو چکا تھا۔ ایک نے پیری کو سرسری نگاہ سے دیکھا، پیری کو اس کے چہرے پر وہی تاثر نظر آیا جو اس نے ماسکو میں قیدیوں کو گولی سے اڑائے جاتے وقت ایک فرانسیسی فوجی کے چہرے پر دیکھا تھا۔ پیری کو اس کی جانب دیکھ کر یاد آیا کہ یہ تو وہی فوجی ہے جس نے دو دن پہلے آگ پر اپنی قمیص خشک کرتے ہوئے جلالی تھی اور انہوں نے اس کا بےحد مذاق اڑایا تھا۔

ان کے عقب میں کتیا کے رونے کی آواز سنائی دی۔ پیری نے سوچا "یہ احمق مخلوق کیوں رو رہی ہے؟"

پیری کے ساتھ ساتھ چلتے قیدیوں نے بھی مڑ کر پیچھے نہ دیکھا مگر ان کے چہروں پر گہری سنجیدگی طاری تھی۔

(15)

گھڑ سواروں اور مارشل کے سامان سے لدی گاڑیاں نیز روسی قیدی شام شیوو گاؤں میں ٹھہر گئے۔ تمام لوگ آگ کے گرد جمع تھے۔ پیری بھی قریب چلا گیا۔ وہاں اس نے گھوڑے کا گوشت کھایا اور آگ کی جانب پشت کر کے زمین پر لیٹ گیا۔ یہ بعینہ ویسی ہی نیند تھی جو اسے بورو دینو کی جنگ کے بعد موزیسک میں آئی تھی۔

ایک مرتبہ پھر حقیقی زندگی کے واقعات اس کے خوابوں میں گھل مل گئے اور ایک مرتبہ پھر وہ خود یا کوئی اور شخص اس کے خیالات کو الفاظ کا روپ دینے لگا، یہ وہی خیالات تھے جو موزیسک میں اس کے ذہن میں آئے تھے۔

آواز آ رہی تھی "زندگی ہی سب کچھ ہے۔ زندگی خدا ہے۔ ہر شے بدلتی اور آگے پیچھے ہوتی رہتی ہے اور یہ حرکت بھی خدا ہے۔ جب تک زندگی موجود ہے خدا کی پہچان میں خوشی ہے۔ زندگی سے محبت کرنا خدا سے محبت کرنے کے مترادف ہے۔ مشکل اور سب سے اچھا کام مصائب و بےجرم سزاؤں کے دوران زندگی سے پیار کرنا ہے"

پیری نے سوچا "کاراتائیف"

اچانک اس کی نگاہوں کے سامنے سوئٹزر لینڈ کا وہ بوڑھا آ گیا جو کبھی اسے جغرافیہ پڑھاتا تھا۔ وہ کوتاہ قامت بوڑھا کہہ رہا تھا "رکو!" اس نے پیری کو گلوب دکھایا جو کسی زندہ گیند کی مانند تھا۔ اس کی تمام سطح پانی کے قطروں سے بنی تھی جنہیں اچھی طرح دبا کر اکٹھا کر دیا گیا تھا۔ یہ قطرے ایک سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہتے تھے۔ ان میں سے بہت سے قطرات کبھی مل کر ایک ہو جاتے اور کبھی الگ الگ شکل اختیار کر لیتے۔ ہر قطرہ پھیلنے اور جس قدر ممکن ہو تا زیادہ سے زیادہ جگہ گھیرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ دیگر قطرے بھی پیچھے نہیں رہنا چاہتے تھے اور ان کی بھی یہی کوشش تھی کہ زیادہ سے زیادہ جگہ گھیر لی جائے۔ بعض اوقات وہ کسی قطرے کو ختم کرنے کی کوشش کرتے اور کبھی خود اس کا حصہ بن جاتے۔

بوڑھے استاد نے کہا "یہ زندگی ہے"

پیری نے سوچا "کتنی آسان اور واضح ہے۔ مجھے اس کا پہلے علم کیوں نہ ہوا؟"

بوڑھا استاد کہنے لگا "خدا مرکز میں ہے۔ ہر قطرہ پھیلنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ خدا کو جتنا ممکن ہو سکے منعکس کیا جا سکے۔ یہ بڑھتا، پھیلتا اور دوسروں میں جذب ہو جاتا ہے۔ سطح سے غائب ہو جاتا ہے، گہرائیوں میں ڈوبتا ہے اور پھر اوپر آ جاتا ہے۔ کاراتائیف کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ وہ پھیلا اور غائب ہو گیا

استاد نے پوچھا "سمجھ آئی، میرے بچے؟"

پیری کو چلاتی آواز سنائی دی "سمجھ آئی، لعنت ہو!" یہ آواز سن کر وہ اٹھ بیٹھا۔

اس نے گردن اٹھا کر دیکھا اور بیٹھ گیا۔ ایک فرانسیسی نے اسی وقت ایک روسی قیدی کو دھکیل کر پرے ہٹایا تھا اور بندوق صاف کرنے والی سلاخ پر گوشت کا ٹکڑا لگا کر اسے بھون رہا تھا۔ اس نے آستینیں اوپر چڑھا رکھی تھیں اور نسوں سے بھرے بالوں والے سرخ ہاتھ مہارت سے سلاخ گھمانے میں مصروف تھے۔ دہکتے کوئلوں کی روشنی میں اس کا ناگواری کے تاثرات سے بھرپور چہرہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔

اس نے اپنے پیچھے کھڑے ایک سپاہی سے کہا "یہ ویسے ہی ہے، دفع ہو جاؤ بدمعاش"

سلاخ گھماتے فرانسیسی نے پیری کو افسردہ نظروں سے دیکھا۔ پیری نے دوسری جانب دیکھنا شروع کر دیا اور اندھیرے میں جھانکنے کی کوشش کی۔ جس روسی قیدی کو فرانسیسی سپاہی نے پرے دھکیلا تھا وہ آگ کے قریب بیٹھا کسی شے کو تھپکی دے رہا تھا۔ پیری نے غور سے دیکھا تو یہ وہی پست قامت کتیا تھی اور سپاہی اس کی دم ہلانے میں مصروف تھا۔

پیری بولا "اوہ، یہ آ گئی۔۔۔ اور پلات۔۔۔" وہ اپنی بات مکمل نہ کر سکا۔ اچانک اس کے ذہن میں مختلف مناظر ابھرنے لگے۔ اس نے درخت تلے بیٹھے کاراتائیف کے اپنی جانب دیکھنے کا انداز، گولی چلنے کی آواز، کتیا کا رونا، بھاگتے ہوئے دو فرانسیسیوں کے مجرم چہرے، بندوق سے نکلتا دھواں، پڑاؤ میں کاراتائیف کی عدم موجودگی اور کاراتائیف کی ہلاکت یاد کی۔ ابھی وہ اس بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ طویل عرصہ قبل کیف میں اپنے مکان کے برآمدے میں ایک خوبصورت پولش خاتون کے ساتھ گزاری گئی شام کی یاد اس کے ذہن میں نجانے کہاں سے گھس آئی۔ نتیجتاً اس نے اس دن کے واقعات اور تاثرات کا باہمی تعلق قائم کئے اور ان سے کسی قسم کے نتائج اخذ کئے بغیر اپنی آنکھیں میچ لیں۔ موسم گرما کے دیہی منظر، غسل کرنے کے عمل اور پانی سے بنے اس زندہ گلوب کی یادوں میں گھل مل گئے اور وہ خود کو کسی بےجان شے کی طرح پانی میں غرق ہوتا محسوس کرنے لگا یہاں تک کہ پانی نے اسے پوری طرح اپنے اندر سمو لیا۔

☆☆☆

سورج نکلنے سے قبل شور شرابے اور گولیوں کے دھماکوں نے اسے نیند سے جگا دیا۔ فرانسیسی سپاہی اس کے قریب سے بھاگے جا رہے تھے۔

ایک سپاہی چلا کر بولا "قازق" اور اگلے ہی لمحے اسے روسیوں کے ہجوم نے گھیر لیا۔ اسے خاصی دیر تک صورتحال کا ادراک نہ ہو سکا۔ اسے چاروں جانب اپنے ساتھی روتے اور سسکیاں بھرتے دکھائی دیئے۔

بوڑھے سپاہی قازقوں اور ہوزاروں کے گلے لگتے ہوئے کہہ رہے تھے "ساتھیو! ہمارے بھائیو!" قیدیوں کے گرد ہوزاروں اور قازقوں کا جمگھٹا لگ گیا۔ وہ انہیں پیار بھرے انداز میں کپڑے، جوتے اور روٹی پیش کر رہے تھے۔ پیری ان کے درمیان میں بیٹھا روتا رہا۔ جذبات کی شدت سے اس کی آواز بھرا گئی تھی اور اس کے منہ سے کوئی

بات نہیں نکل رہی تھی۔ جو پہلا سپاہی اس کے قریب آیا وہ اسی سے بغلگیر ہو گیا اور روتے روتے اس کا منہ چومنا شروع کر دیا۔

☆☆☆

دولوخوف فارم کے دروازے پر کھڑا رہا۔ اس نے غیر مسلح فرانسیسیوں کے ہجوم کو اپنے قریب سے گزرنے اور نکل جانے دیا۔ اس واقعے نے فرانسیسیوں پر ہیجانی کیفیت طاری کر دی تھی اور وہ باہم زور و شور سے باتیں کر رہے تھے۔ دولوخوف چابک سے اپنے جوتوں کی گرد جھاڑتے ہوئے انہیں سرد نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ قریب سے گزرتے فرانسیسیوں کو اس کی نگاہوں میں امید کی کرن دکھائی نہ دیتی تو وہ خاموش ہو جاتے۔ دولوخوف کا ایک قازق دوسری جانب کھڑا قیدیوں کی گنتی میں مصروف تھا۔ جب سو قیدی گزر جاتے تو وہ دروازے پر نشان لگا دیتا۔

دولوخوف نے اس سے پوچھا" کتنے ہو گئے؟"

قازق نے جواب دیا" دو سو"

جب دولوخوف قیدیوں کو دیکھتا تو اس کی آنکھوں میں سفاکانہ تاثر پیدا ہو جاتا۔

دینی سوف کے چہرے پر افسردگی طاری تھی اور وہ اپنا او نچا ہیٹ ہاتھ میں پکڑے قازقوں کے پیچھے چل رہا تھا جو پیٹیا رستوف کی لاش اٹھائے باغیچے میں تازہ کھودے گئے گڑھے کی طرف جا رہے تھے۔

(16)

28 اکتوبر سے سردی پڑنا شروع ہو گئی اور اسی روز سے فرانسیسیوں کے فرار نے بھی المناک شکل اختیار کر لی۔ وہ شدید سردی سے جانیں گنوا رہے تھے یا پھر پڑاؤ میں آگ کے سامنے بیٹھ کر خود کو تباہ کر رہے تھے۔ شہنشاہ، بادشاہوں اور نوابوں کے مال غنیمت سے لدی گاڑیاں ان سے آگے نکلتی جا رہی تھیں جنہیں فر کے کوٹ پہنے کوچوان چلا رہے تھے۔ تاہم فرانسیسی فوج کے فرار اور افراتفری کا سلسلہ اسی طرح جاری رہا جس طرح ماسکو سے نکلتے وقت دیکھنے میں آیا تھا۔

ماسکو سے ویازما پہنچتے پہنچتے تہتر ہزار افراد پر مشتمل فرانسیسی فوج (اس میں گارڈز شامل نہ تھے، انہوں نے دوران جنگ لوٹ مار کے سوا کچھ نہ کیا) کی تعداد کم ہوتے ہوتے صرف چھتیس ہزار رہ گئی حالانکہ مختلف جنگوں میں ہلاک ہونیوالے فوجیوں کی تعداد کسی طور پانچ ہزار سے زائد نہ تھی۔ سردی کی شدت میں کمی بیشی، روسیوں کے تعاقب، راستے کی رکاوٹوں یا کسی اور صورتحال سے قطع نظر ماسکو سے ویازما، ویازما سے سمولنسک، سمولنسک سے بیریزینا اور بیریزینا سے ولنا تک فرانسیسی فوج کی تعداد میں مسلسل کمی ہوتی رہی۔ ویازما سے آگے فوج تین کالموں میں سفر کرنے کی بجائے افراتفری کا شکار ہو گئی اور اس نے بے ترتیب ہجوم کی صورت اختیار کر لی۔ آخر تک اس کی یہی کیفیت رہی۔ اس حوالے سے برتھیر نے شہنشاہ کو یہ رپورٹ بھیجی (ہم جانتے ہیں کہ جرنیل فوج کی صورتحال بیان کرنے میں مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہیں) اس نے لکھا:

"میں نے گزشتہ تین روز کے سفر کے مختلف مرحلوں میں متعدد کوروں کی حالت دیکھنے کا موقع ملا۔ میں نے جو کچھ دیکھا اسے من و عن بیان کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ تمام فوج افراتفری کا شکار ہو چکی ہے۔ تقریباً ہر رجمنٹ کی یہ حالت ہے کہ اس کا صرف ایک چوتھائی حصہ اپنے پرچم کے زیر سایہ محو سفر ہے۔ دیگر لوگ خوراک کی تلاش اور نظم و ضبط کی

پابندی سے بچنے کیلئے جہاں جی چاہے چلے جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا خیال ہے کہ سمولنسک ایسی جگہ ہیں جہاں وہ خود کو سنبھال سکتے ہیں۔ گزشتہ چند روز میں متعدد فوجیوں کو اپنے ہتھیار اور گولیاں پھینکتے دیکھا گیا ہے۔ اس بات سے قطع نظر کہ جناب کی خواہش کیا ہے، حالات میں بہتری لانے کی ایک ہی صورت ہے کہ تمام فوج سمولنسک میں اکٹھی کر لی جائے اور وہاں پہلا کام یہ کیا جائے کہ گھوڑوں کے بغیر گھڑ سوار دستوں، غیر ضروری ساز و سامان، توپخانے اور ایسی دیگر فالتو چیزوں سے فوری طور پر جان چھڑائی جائے۔ بھوک اور تھکاوٹ کے باعث فوجی نڈھال ہو چکے ہیں اور انہیں محض چند روز آرام ہی نہیں بلکہ زندہ رہنے کیلئے خوراک کی بھی اشد ضرورت ہے۔ گزشتہ چند روز میں بے شمار افراد راستوں یا پڑاؤں میں ہلاک ہو چکے ہیں۔ حالات مسلسل خراب ہوتے چلے جا رہے ہیں اور خدشہ ہے کہ اصلاح احوال کی صورت پیدا نہ ہوئی تو جنگ کی صورت میں ہم اپنی فوج کو کنٹرول نہیں کر پائیں گے۔"

"9 نومبر، سمولنسک سے 30 کلومیٹر دور"

فرانسیسی فوج گرتی پڑتی اپنی مطلوبہ جگہ سمولنسک پہنچی تو سپاہی خوراک حاصل کرنے کیلئے اپنے ہی ساتھیوں کو ہلاک کرنے اور رسد لوٹنے میں مصروف ہو گئے اور جب سب کچھ لٹ گیا تو پھر مزید آگے بھاگنا شروع ہو گئے۔

وہ آگے بڑھ رہے تھے مگر انہیں یہ علم نہ تھا کہ وہ کیوں اور کہاں جا رہے ہیں؟ اس حوالے سے نپولین کو تو بالکل ہی علم نہ تھا کہ وہ ایسا کیوں کر رہے ہیں کیونکہ اسے حکم دینے والا کوئی نہ تھا۔ مگر اس کی اور اس کے ساتھیوں کی عادات وہی رہیں۔ وہ پہلے کی طرح احکامات، خطوط، رپورتاژ اور فرمان امروز لکھتے رہے اور ایک دوسرے کو القاب و آداب سے مخاطب کرتے رہے۔ تاہم یہ احکامات اور رپورٹیں کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھیں کیونکہ ان پر عملدرآمد ہی ممکن نہ تھا۔ اگرچہ وہ ایک دوسرے کو عزت سے مخاطب کرتے تھے مگر ہر ایک کو محسوس ہو رہا تھا کہ وہ قابل نفرت اور برے لوگ ہیں کیونکہ انہوں نے بیشمار جرائم کا ارتکاب کیا ہے اور اب اپنا بویا کاٹ رہے ہیں۔ فوج کے بارے میں مصنوعی تشویش کے باوجود ہر شخص صرف اپنی ذات کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ یہاں سے فوری طور پر کیسے نکلا جائے اور اپنے آپ کو کیسے محفوظ کیا جائے۔

(17)

ماسکو سے نامین تک پسپائی کے دوران فرانسیسی اور روسی فوج کی نقل و حرکت روس کے کھیل آنکھ مچولی جیسی تھی۔ اس کھیل میں دو افراد کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی جاتی ہے اور دونوں میں سے ایک کبھی کبھار ہاتھ میں پکڑی گھنٹی بجا دیتا ہے تاکہ دوسرے کو اندازہ ہو جائے کہ وہ کہاں کھڑا ہے۔ ابتداء میں وہ کسی خطرے کے بغیر یہ گھنٹی بجاتا رہتا ہے مگر جب مشکل صورتحال میں پھنس جاتا ہے تو خاموشی سے ادھر ادھر نکلنے کی کوشش کرتا ہے۔ بعض اوقات اسے یوں لگتا ہے جیسے وہ اپنے حریف کے ہاتھ نہیں آئے گا مگر وہ بھاگتا ہوا سیدھا اس کے بازوؤں میں آ گرتا ہے۔

آغاز میں جب فرانسیسی فوج شاہراہ کالوگا کے قریب تھی تو خوفزدہ ہوئے بغیر چلتی رہی۔ مگر جب اس نے شاہراہ سمولنسک پر سفر شروع کیا تو اپنی گھنٹی مضبوطی سے تھام لی اور جب وہ یہ سمجھی کہ بچ نکلنے میں کامیاب ہوئی ہے تو سیدھی روسی فوج سے جا ٹکرائی۔

فرانسیسی جس تیزی سے بھاگ رہے تھے اور روسی جس رفتار سے ان کے تعاقب میں مصروف تھے اس سے یہ ہوا کہ گھوڑے تھک ہار گئے۔ نتیجتاً دشمن کے ٹھکانوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کیلئے موثر ذریعہ یعنی ''گھڑسواروں کا جائزہ'' باقی نہ رہا۔ اس کے علاوہ دونوں فوجیں جس تیزی سے اپنی پوزیشنیں بدلتی رہیں اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حاصل شدہ معلومات ہمیشہ پرانی ہوتی تھیں۔ اگر ایک دن یہ اطلاع موصول ہوتی کہ دشمن فلاں جگہ نظر آیا ہے تو تیسرے دن جب اس اطلاع پر عملدرآمد کی کوشش کی جاتی تو اس وقت تک دشمن آگے جا چکا ہوتا تھا۔

ایک فوج بھاگ رہی تھی اور دوسری اس کے تعاقب میں تھی۔ سمولنسک سے آگے فرانسیسیوں کے سامنے متعدد راستے تھے۔ انسان سوچتا ہے کہ سمولنسک میں اپنے چار روزہ قیام کے دوران انہوں نے دشمن کی بابت معلوم کر لیا ہوگا، کوئی نیا منصوبہ بنا لیا گیا ہوگا اور کوئی نئی بات بھی سوچی جا چکی ہوگی۔ مگر چار روزہ آرام کے بعد کسی حکمت عملی یا منصوبہ بندی کے بغیر فوجیوں کا ہجوم دوبارہ آگے بھاگنا شروع ہو گیا اور فرانسیسی فوج دیکھے بھالے بغیر پرانی اور خراب ترین شاہراہ ... ہو گئی جو اورشا اور کراسنوئے سے گزرتی تھی۔

فرانسیسیوں کا خیال تھا کہ دشمن سامنے کی بجائے پیچھے سے حملہ آور ہوگا چنانچہ انہوں نے رفتار تیز کر دی۔ اس کوشش میں فوج کے کچھ حصے بہت آگے نکل گئے اور کچھ بہت پیچھے رہ گئے۔ اس طرح مختلف حصوں میں فاصلہ بتدریج بڑھنے لگا اور چوبیس گھنٹے تک پھیل گیا۔ سب سے آگے شہنشاہ، اس کے پیچھے بادشاہ اور ان کے پیچھے نواب چلے آ رہے تھے۔ روسی فوج کا خیال تھا کہ نپولین دریائے ڈنائپر پار کر کے دائیں جانب گھوم جائے گا اور اسے ہی واحد معقول راہ کہا جا سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ دائیں جانب مڑ کر کراسنوئے کے قریب سڑک پر چڑھ گئی۔ آنکھ مچولی والے کھیل کی طرح یہاں فرانسیسیوں کا ہماری فوج کے ابتدائی دستوں سے سامنا ہو گیا۔ فرانسیسیوں نے غیر متوقع طور پر دشمن کو دیکھا تو ان کی عقل جاتی رہی اور وہ خوفزدہ ہو کر وہیں رک گئے اور پھر دوبارہ بھاگنا شروع کر دیا، یوں ان کے پیچھے والی ساتھی دشمن کے رحم و کرم پر رہ گئے۔ تین روز تک فرانسیسی فوج کے مختلف گروہ روسی فوج سے الگ الگ نبرد آزما ہوتے رہے۔ ان میں سب سے پہلے موراٹ، پھر ڈاوُسٹ اور اس کے بعد مارشل نے کے دستوں کا روسی فوج سے سامنا ہوا۔ ان سب نے ایک دوسرے کا ساتھ چھوڑ دیا اور اپنا سامان نیز توپیں چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ روسیوں سے بچنے کیلئے وہ نیم دائرے کی شکل میں دائیں گھومے اور دن کی بجائے صرف راتوں کو سفر کرنا شروع کر دیا۔

مارشل نے سب سے آخر میں آ رہا تھا۔ وہ سمولنسک شہر کی دیواریں گرانے میں مصروف تھا اسی لئے سب سے پیچھے رہ گیا۔ یہ دیواریں کسی کو نقصان نہیں پہنچا رہی تھیں۔ وہ اورشا میں نپولین سے اس حالت میں ملا کہ کراسنوئے کی لڑائی کے بعد اس کی دس ہزار افراد پر مشتمل کور میں سے صرف ایک ہزار بچ رہے تھے۔ وہ بقیہ فوجی اور توپیں وہیں چھوڑ کر چلا آیا تھا۔ اس نے راتوں کو چوری چھپے سفر جاری رکھا اور ڈنائپر ایسی جگہ سے عبور کیا جہاں جنگل خاصا گنجان تھا۔

فرانسیسی فوج اورشا سے ولنا کی جانب بھاگی۔ تعاقب کرنے والے روسیوں سے ان کا آنکھ مچولی کا کھیل جاری رہا۔ بیریزینا پہنچ کر وہ ایک مرتبہ پھر پریشان ہو گئے۔ متعدد دریا میں ڈوب گئے اور اکثریت نے روسیوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ جن لوگوں نے دریا عبور کر لیا وہ تیزی سے آگے بھاگتے رہے۔

ان کے کمانڈر انچیف نے اپنے آپ کو فر کے کوٹ میں لپیٹا، برف گاڑی پر بیٹھا اور ساتھیوں کو چھوڑ کر اکیلا ہی بھاگ نکلا۔ دیگر لوگوں میں سے جو بھاگ سکتے تھے وہ بھاگ نکلے اور جن کے حوصلے جواب دے گئے انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے یا موت کا شکار ہو گئے۔

(18)

انسان سوچتا ہے کہ جو مورخ انسانوں کی بھاری تعداد کے کاموں کو کسی ایک شخص کی خواہش کا نتیجہ قرار دیتے ہیں، انہیں مہم کے دوران اپنے نظریے کا اطلاق ممکن معلوم نہ ہوا ہوگا کیونکہ پسپائی کے دوران فرانسیسیوں نے خود کو تباہ و برباد کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ شاہراہ کالوگا سے سفر کے آغاز سے لے کر ان کے کمانڈر کے سب کچھ چھوڑ کر بھاگنے کے دن تک اس منتشر ہجوم کی کوئی بھی حرکت ایسی نہیں جو کسی کو سمجھ آتی ہو۔ تاہم مذکورہ بالا تاریخ دانوں نے اس مہم کے بارے میں ڈھیروں کتابیں لکھ چھوڑی ہیں۔ ان میں بتایا گیا ہے کہ نپولین نے فوج کی ترتیب و تقسیم کیسے کی، کیسی حکمت عملی وضع کی، فوج کی رہنمائی کیلئے کیسے کیسے منصوبے تیار کئے گئے اور مارشل حضرات نے کیسی ذہانت کا مظاہرہ کیا۔

ملیے یاروسلاوتس سے نپولین نے پیچھے ہٹنا شروع کیا تو ایک ایسی سڑک اس کی پہنچ میں تھی جو ایسے علاقے سے گزرتی تھی جس میں رسد کی فراوانی تھی۔ اس کی یہ پسپائی بالکل ہی غیر ضروری تھی اور اس نے فرار ہونے کیلئے جس راستے کا انتخاب کیا وہ بیحد خراب حالت میں تھا۔ مگر ہمیں یہ بتایا جاتا ہے کہ فرانسیسی فوج کی پسپائی اور سڑک کا انتخاب غور و فکر کے بعد ہوا۔ کراسنوئے میں اس کی بہادری کی کہانی بیان کی جاتی ہے کہ وہ دشمن سے جنگ کرنے اور کمان خود سنبھالنے کیلئے تیار تھا۔ اس نے چھڑی پکڑ کر کہا:

''میں بہت دیر سے شہنشاہ ہوں، اب وقت آ گیا ہے کہ میں جرنیل بن جاؤں''

یہ کہنے کے باوجود وہ مختلف حصوں میں منقسم فوج کو اس کی قسمت کے حوالے کر کے خود فوراً بھاگ نکلا۔

مزید برآں ہمیں مارشل حضرات خصوصاً نے کی ہمت اور بہادری کی داستان سنائی جاتی ہے، اس کی عظمت یہ تھی کہ وہ اپنے جھنڈے، توپیں اور نوے فیصد فوجی پیچھے چھوڑ کر راتوں کو جنگلوں میں سفر کرتا خاموشی سے دریائے ڈنائپر عبور کر کے اورشا کی جانب فرار ہو گیا۔

حتمی بات یہ ہے کہ عظیم شہنشاہ اپنی بہادر فوج کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ کر واضح طور پر بھاگ نکلا مگر تاریخ دان اس کے اس کام کو بھی عظیم کارنامہ اور ذہانت کی معراج قرار دیتے ہیں۔ اس کا یہ واضح فرار مورخین کی نگاہوں میں درست ہے جبکہ عام زبان میں اسے بزدلانہ حرکت کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

جب تاریخی دلائل کے چمکدار دھاگے مزید نہ کھینچے جا سکیں تو تاریخ دان کسی نہ کسی طور ایسے کاموں پر ''عظمت'' کا ٹھپہ لگا دیتے ہیں جو انسانوں کیلئے کسی طور مفید نہیں ہوتے۔ مورخین کے ایسا کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ''عظیم'' کبھی قصوروار نہیں ہوتا اور اسے کسی مہلک ترین غلطی کا بھی ذمہ دار قرار نہیں دیا جا سکتا۔

مورخ کی زبان سے لفظ ادا ہوتے ہی اچھائی اور برائی کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور صرف عظیم اور غیر عظیم باقی رہ جاتے ہیں۔ عظیم اچھا ہوتا ہے اور غیر عظیم برا۔ جب نپولین فر کا کوٹ پہن کر فرار ہو جاتا ہے تو اپنے ساتھیوں اور دیگر لوگوں کو بربادی کا سامنا کرنے کیلئے چھوڑ دیتا ہے، جنہیں (اپنے خیال میں) وہ خود وہاں لایا تھا تو اپنے اس کام کو بہت بڑا فعل کہتا ہے اور اس کی روح کو سکون مل جاتا ہے۔

کسی شخص کو یہ خیال نہیں آتا کہ ایسی عظمت جو سچائی اور جھوٹ کے معیار پر پورا نہیں اترتی، اسے تسلیم کرنا اس اعتراف کے مترادف ہے کہ آپ خود بے جان اور بیحد گھٹیا ہیں۔

ہمارے لئے جنہیں یسوع نے درست اور غلط کا پیمانہ مہیا کر دیا ہے، دنیا کوئی ایسی شے نہیں جس کیلئے

معیار مقرر نہ کیا گیا ہو۔ مزید براں جہاں سادگی، اچھائی اور سچائی نہ ہوں وہاں عظمت کی موجودگی بھی ممکن نہیں ہوتی۔

(19)

ایسا کون سا روسی قاری ہے جسے 1812ء کے دور کی داستان پڑھ کر افسوس، عدم اطمینان اور پریشانی کا ناخوشگوار احساس نہیں ہوتا؟ کون یہ بات نہیں کہتا کہ "جس وقت ہماری تینوں افواج کو عددی اعتبار سے برتری حاصل تھی اور انہوں نے فرانسیسی فوجوں کو گھیرے میں لے لیا تھا، جس وقت منتشر، بھوکے اور سردی سے نڈھال فرانسیسیوں کے جتھوں کے جتھے ہتھیار پھینک رہے تھے اور جب روسیوں کا مقصد ہی فرانسیسیوں کو روکنا، ان کے فرار کا راستہ بند کرنا اور ہر ایک کو گرفتار کرنا تھا تو پھر ان سب کو تباہ و برباد کرنے میں کون سا امر مانع تھا؟

روسی فوج نے عددی اعتبار سے کم تر ہونے کے باوجود بوروڈینو میں فرانسیسیوں کا سخت مقابلہ کیا تھا مگر جب اس کا مقصد ہی فرانسیسیوں کو گرفتار کرنا ٹھہرا اور وہ انہیں تین جانب سے گھیر بھی چکی تھی تو پھر یہ مقصد کیوں حاصل نہ ہو سکا؟ کیا فرانسیسی ہم سے اسقدر بہتر تھے کہ ہماری فوج جو تعداد اور جذبے کے حوالے سے ان سے کہیں آگے تھے، انہیں شکست سے دوچار نہ کر پائی؟ ایسا کیوں اور کیسے ہوا؟ تاریخ (اس نام کی جو بھی شے ہے) ان سوالات کے جواب میں کہتی ہے کہ کوتوزوف، تورماسوف اور چیچاگوف یا فلاں جرنیل کوئی خاص حکمت عملی وضع نہ کر سکے۔

تاہم انہوں نے ایسی حکمت عملی کیوں وضع نہ کی؟ اگر وہ پہلے سے طے ہونیوالے منصوبے پر عمل نہ کر سکے تو ان پر مقدمہ کیوں نہ چلا اور انہیں سزائیں کیوں نہ ملیں؟ اگر ہم یہ بات مان لیں کہ ان روسی ناکامیوں کی ذمہ داری کوتوزوف، تورماسوف اور چیچاگوف سمیت دیگر لوگوں پر عائد ہوتی ہے تو پھر بھی یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ جب کراسنوئے اور بیریزینا میں ہمیں تعداد کے اعتبار سے حریف پر سبقت حاصل تھی تو فرانسیسی فوج اپنے شہنشاہ، بادشاہوں اور مارشلوں سمیت کیوں گرفتار نہ ہو سکی جبکہ روسیوں کا مقصد ہی انہیں گرفتار کرنا تھا؟

روسی فوجی مورخ اس عجیب و غریب صورتحال کی وضاحت کچھ اس طرح کرتے ہیں کہ "اس کی وجہ یہ تھی کہ کوتوزوف نے حملوں سے منع کر دیا تھا" ان کا یہ دعویٰ بالکل بھونڈا ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ کوتوزوف تاروتینو اور ویازما میں فوج کو حملوں سے نہیں روک سکا تھا۔

کم تعداد کے باوجود بوروڈینو میں دشمن کو ناکوں چنے چبوا دینے والی روسی فوج نے کراسنوئے اور بیریزینا میں عددی اعتبار سے برتر ہونے کے باوجود فرانسیسیوں کے منتشر ہجوموں کے ہاتھوں شکست کیوں کھائی؟

اگر روسیوں کا مقصد نپولین اور اس کے مارشلوں کا راستہ کاٹنا اور انہیں گرفتار کرنا تھا تو پھر کہا جا سکتا ہے کہ یہ مقصد نہ صرف ناکام بنا دیا گیا بلکہ اس کیلئے ہونیوالی تمام کوششیں توہین آمیز انداز میں ناکامی سے دوچار ہوئیں۔ دوسری جانب اگر فرانسیسی مہم کے اس حصے کو اپنی فتوحات کا سلسلہ بنا کر پیش کرتے ہیں تو درست کرتے ہیں اور روسی تاریخ دانوں کا یہ دعویٰ باطل قرار پاتا ہے کہ اس دور میں کامیابیوں نے ہمارے قدم چومے تھے۔

روسی فوجی مورخ جہاں تک منطقی تقاضوں کے ساتھ چل سکتے ہیں، وہاں تک ان نتائج کو تسلیم کرتے ہیں اور بہادری کے حوالے سے شاعرانہ طرز گفتگو کے باوجود یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ ماسکو سے فرانسیسیوں کی پسپائی نپولین کیلئے فتوحات اور کوتوزوف کیلئے شکستیں لے کر آئی۔

مگر حب الوطنی کے جذبے کو ایک جانب رکھا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ اس نتیجے میں تضاد ہے کیونکہ

فرانسیسیوں کی فتوحات نے انہیں بالکل تباہ و برباد کر دیا جبکہ روسیوں کی شکستیں دشمن کی مکمل تباہی اور ان کے وطن کی آزادی کا سبب بن گئیں۔

اس تضاد کی بڑی وجہ یہ ہے کہ تاریخ دانوں نے حکمرانوں اور جرنیلوں کے مراسلوں، یادداشتوں پر مشتمل کتب، مختلف رپورتاژ اور منصوبہ جات وغیرہ کی مدد سے واقعات کا مطالعہ کر کے 1812ء کی جنگوں اور اس دور کے ساتھ ایک اور مقصد بھی نتھی کر دیا جس کا حقیقت میں کوئی وجود نہ تھا۔ یہ مقصد نپولین اور اس کے مارشلوں کا راستہ کاٹنا اور انہیں گرفتار کرنا تھا۔

ایسا منصوبہ کبھی بنایا گیا نہ بنایا جا سکتا تھا کیونکہ یہ قطعی لایعنی اور ناممکن الحصول ہوتا۔ کسی ایسے منصوبے کا کوئی مقصد نہ تھا کیونکہ پہلی بات یہ تھی کہ نپولین کی فوج ہر ممکن تیز رفتاری سے فرار ہو رہی تھی اور اسی کام میں مصروف تھی جس کا ہر روسی خواہشمند تھا۔ تو پھر جب فرانسیسی تیزی سے واپس بھاگ رہے تھے تو ان کیخلاف ہمہ اقسام کی کارروائیوں سے کیا حاصل ہو سکتا تھا؟ دوسری بات یہ کہ بھاگنے والوں کی راہ میں رکاوٹ ڈالنا بیوقوفانہ حرکت ہوتی۔ تیسرا نکتہ یہ ہے کہ فرانسیسی فوج کو تباہ و برباد کرنے کیلئے اپنے فوجیوں کی قربانی دینا بھی بے مقصد ہوتا کیونکہ کسی راستے پر کاوٹیں نہ ہونے کے باوجود فرانسیسی فوج اپنے آپ کو اسقدر تیزی سے تباہ کر رہی تھی کہ دسمبر میں جب اس نے سرحد عبور کی تو اس کی اصل تعداد کا محض سوواں حصہ باقی رہ گیا تھا۔

چوتھی بات یہ ہے کہ شہنشاہ، بادشاہوں اور نوابوں کی گرفتاری کی خواہش حماقت پر مبنی ہوتی۔ کیونکہ اس سے روسی پوزیشن خراب ہونے کا اندیشہ تھا۔ جیسا کہ اس دور کے انتہائی تجربہ کار سفارتکاروں (جیسے میسٹر اور دیگر) نے اندازہ لگایا ہے۔ اسی طرح پوری فرانسیسی کور کی گرفتاری اس سے بھی زیادہ احمقانہ بات ہوتی کیونکہ جب ہماری فوج کراسنوئے پہنچی تو اس کی تعداد نصف رہ گئی تھی اور فرانسیسی کور کو گرفتار کر کے بحفاظت واپس لانے کیلئے ایک ڈویژن کی ضرورت تھی اور صورتحال یہ تھی کہ ہمارے سپاہیوں کے پاس پہلے ہی کھانے کو کچھ نہ تھا اور قیدی بنائے جانیوالے فرانسیسی بھوکے مر رہے تھے۔

جن لوگوں نے غور و فکر کر کے نپولین کا راستہ کاٹنے اور اسے گرفتار کرنے کا منصوبہ وضع کیا ان کی حالت اس مالی جیسی تھی جو اپنے پودوں کو روندنے والے مویشیوں کے ریوڑ کو باغ سے نکالنے کے بعد انہیں مارنا پیٹنا شروع کر دیتا ہے۔ مالی کے رویے کے حق میں صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ اسے جانوروں پر بیحد غصہ تھا مگر ایسے منصوبے بنانے والوں کے حق میں تو یہ دلیل بھی نہیں دی جا سکتی کیونکہ کھیت اجڑنے سے ان کا کوئی ذاتی نقصان نہیں ہوا تھا۔

نپولین اور اسکی فوج کی پسپائی کا راستہ روکنا احمقانہ فعل ہونے کے ساتھ ساتھ ناممکن بھی تھا۔

اولاً یہ اس لئے ناممکن تھا کہ میدان جنگ کے پانچ کلومیٹر پر محیط علاقے میں مختلف رجمنٹوں کی نقل و حرکت منصوبے کے مطابق ترتیب نہیں دی جا سکتی۔ سو یہ خدشہ کہ چیچاگوف، کوتوزوف اور وٹگن سٹین مقررہ وقت پر مقررہ جگہ پر آ کر ایک دوسرے سے مل جائیں گے، ناممکن کی حد تک مشکل تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب کوتوزوف کو پیٹرزبرگ کے حکام کا منصوبہ موصول ہوا تو اسے کہنا پڑا تھا کہ فوجوں کی ترتیب و تقسیم کے دور دراز جگہوں پر بیٹھ کر بنائے جانیوالے منصوبے مطلوبہ نتائج فراہم نہیں کرتے۔

دوسری بات یہ ہے کہ نپولین کی فوج جس تیز رفتاری سے پسپا ہو رہی تھی، اسے روکنے کیلئے روسیوں سے کہیں بڑی فوج کی ضرورت تھی۔

تیسرا نکتہ یہ ہے کہ فوجی اصطلاح ''کاٹنا'' قطعی بے معنی ہے۔ روٹی کا ٹکڑا تو کاٹا جاسکتا ہے مگر فوج کو کاٹنا یا اس کی راہ میں رکاوٹ کھڑی کرنا ممکن نہیں ہوتا کیونکہ گرفتاری سے بچنے کا راستہ ہمیشہ کھلا ہوتا ہے۔ رات بھی آتی ہے جب کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ فوجی منصوبہ سازوں نے اس حقیقت کو صرف کراسنوئے اور بیریزینا کی مثالوں سے تسلیم کرلیا ہوگا۔ جیسے ابابیل کو صرف اسی صورت پکڑا جاسکتا ہے جب وہ آپ کے ہاتھ پر آرام سے بیٹھ جائے، بعینہ اسی طرح کسی فوجی کو صرف اسی وقت گرفتار کیا جاسکتا ہے جب وہ گرفتاری دینے پر آمادہ ہو اور جرمنوں کی طرح فوجی اصولوں اور حکمت عملی کے مطابق ہتھیار پھینک دے۔ مگر فرانسیسیوں نے جب یہ دیکھا کہ گرفتاری دینے سے کچھ حاصل نہ ہوگا تو ان کا اندازہ درست تھا کیونکہ وہ جس طرح دوران فرار سردی اور بھوک سے ہلاک ہو رہے تھے، گرفتاری کی صورت میں بھی ایسا ہی ہوتا تھا۔

چوتھی اور سب سے اہم وجہ یہ ہے کہ روز آفرینش سے کوئی جنگ ان سے زیادہ خوفناک حالات میں نہیں لڑی گئی جو 1812ء میں درپیش تھے۔ روسی فوج نے فرانسیسیوں کے تعاقب میں پورا زور لگایا۔ اس کیلئے مزید کچھ کرنا ممکن نہ تھا اور اگر ایسا کرتی تو اپنی تباہی کو خود دعوت دیتی۔ تاروتینو سے کراسنوئے تک سفر کے دوران یہ اپنی پچاس ہزار نفری سے محروم ہوگئی۔ کوئی بیمار ہوگیا اور کوئی بھاگ نکلا۔ یہ تعداد کسی بڑے صوبائی شہر کی آبادی کے برابر ہے اور اس طرح نصف فوجی لڑے بغیر ہی فوج کا ساتھ چھوڑ گئے۔

مہم کے اس دور میں فوج کے پاس جوتوں اور فر والے کوٹ نہ تھے۔ رسد اور واڈکا کمیاب تھی۔ فوج کو مہینوں راتیں کم و بیش صفر درجہ حرارت میں برف پر گزارنا پڑتی تھیں۔ دن صرف سات آٹھ گھنٹے کا ہوتا اور بقیہ وقت رات رہتی اور اس صورتحال میں نظم و ضبط موثر انداز میں قائم رکھنا ممکن نہ ہوتا تھا۔ جب فوجیوں کو دیگر لڑائیوں کی طرح چند گھنٹوں کی بجائے مسلسل کئی ماہ سے موت کے سامنے رکھا جا رہا تھا اور موت نظم و ضبط کی پابندی نہیں کرتی۔ سردی اور بھوک کے باعث انہیں ایک ایک لمحہ موت کیخلاف جان توڑ جدوجہد میں صرف کرنا پڑ رہا تھا۔ دوسری جانب تاریخ دان ہمیں کہتے ہیں کہ میلوراڈووچ کو ایک طرف، تورماسوف کو دوسری جانب اور چیچاگوف کو کسی اور طرف سے (برف میں گھٹنوں چل کر) آگے بڑھنا چاہئے تھا یا فلاں جرنیل کو فلاں جگہ پر فرانسیسیوں کو شکست دینا چاہئے تھی اور فلاں کو ان کا راستہ کاٹ دینا چاہئے تھا۔

روسیوں کی نصف تعداد ہلاک ہوچکی تھی مگر انہوں نے قوم کے شایان شان جنگی نتیجہ حاصل کرنے کیلئے وہ سب کچھ کیا جو ان کے بس میں تھا۔ انہیں محض اس وجہ سے قصوروار قرار نہیں دیا جاسکتا کہ دیگر روسی اپنے گرم اور آرام دہ کمروں میں بیٹھ کر ایسی تجاویز دے رہے تھے کہ انہیں وہ کچھ کرنا چاہئے جو ناممکن تھا۔

حقائق اور تاریخی کہانیوں کے درمیان یہ عجیب و غریب اور سمجھ نہ آنیوالے اختلافات صرف اس وجہ سے پیدا ہوتے ہیں کہ تاریخ دانوں نے اس موضوع پر قلم اٹھاتے وقت واقعات کی تاریخ نہیں لکھی بلکہ مختلف جرنیلوں کے خوش آئند جذبات کی ترجمانی کی ہے یا ان کی خوبصورت تقاریر کو نئے الفاظ میں ڈھال دیا ہے۔

میلوراڈووچ نے کیا بات کہی یا اس جرنیل کو کون کون سے اعزازات دیئے گئے۔ فلاں کمانڈر نے کیا اندازہ لگایا۔ ایسی باتیں ان تاریخ دانوں کو زیادہ اہم اور پرکشش محسوس ہوتی ہیں مگر انہیں ان پچاس ہزار افراد میں کوئی دلچسپی دکھائی نہیں دیتی جو ہسپتالوں میں تڑپتے رہے یا زمین میں اتار دیئے گئے، کیونکہ ان کے مسائل ایسے مورخین کی تحقیق کے احاطے میں نہیں آتے۔

ہمارے لئے ضروری ہے کہ جرنیلوں کی رپورٹوں اور منصوبہ جات کو ایک جانب رکھ کر ان ہزاروں اشخاص کی نقل و حرکت پر توجہ دیں جنہوں نے ان واقعات میں براہ راست حصہ لیا۔ یوں وہ تمام مسائل باآسانی حل ہو جائیں گے جو پہلے ناقابل حل دکھائی دیتے تھے، اور ان میں کوئی پیچیدگی دکھائی نہ دے گی۔

نپولین اور اس کی فوج کا راستہ کاٹنے کا خیال چند درجن افراد کے سوا کسی کے ذہن میں نہیں تھا۔ ایسے منصوبے یا مقصد کا کوئی وجود نہیں ہوسکتا تھا کیونکہ یہ بے مقصد تھا اور اس پر عملدرآمد ممکن نہ تھا۔

لوگوں کا ایک ہی مقصد تھا کہ حملہ آوروں کو اپنی سرزمین سے نکال باہر کیا جائے۔ بنیادی طور پر یہ مقصد خود بخود حاصل ہوگیا کیونکہ فرانسیسی بھاگنا شروع ہوگئے تھے اور ضرورت اس امر کی تھی کہ ان کی پسپائی کی راہ میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ کی جائے۔ دوسری جانب یہ مقصد فرانسیسیوں کو تباہ کرنے والی گوریلا جنگ سے حاصل ہوگیا اور تیسرے اس کا حصول اس لئے ممکن ہوگیا کہ روسی فوج فرانسیسیوں کے تعاقب میں مصروف تھی اور اگر وہ پسپائی روک دیتے تو یہ ان پر حملہ کرنے کیلئے بھی تیار تھی۔

روسی فوج کو بعینہ اسی طرح کارروائی کرنا تھی جس طرح بھاگتے گھوڑے کیلئے چابک استعمال کیا جاتا ہے۔ تجربہ کار کوچوان جانتا ہے کہ چابک بھاگتے جانور کے سر پر مارنے کی بجائے دھمکی آمیز انداز میں اٹھائے رکھنا زیادہ بہتر ہوتا ہے۔

☆☆☆☆☆

پندرھواں حصہ

(1)

جب انسان کسی ایسے جانور کو دیکھے جو آخری دموں پر ہو تو اس پر خوف طاری ہو جاتا ہے۔ اس سے مشابہت رکھنے والی ایک شے اس کی نگاہوں کے سامنے ختم ہو رہی ہوتی ہے۔ اس کا وجود مٹ رہا ہوتا ہے مگر جب موت کا شکار ہونیوالی مخلوق انسان ہو اور انسان بھی ایسا جس سے بیحد محبت ہو تو اس کی موت پر خوف کے ساتھ ساتھ باطنی زخم کی ٹیس بھی محسوس ہوتی ہے۔ جسمانی زخم کی طرح یہ روحانی چوٹ بھی کبھی مہلک ثابت ہوتی ہے اور کبھی کبھار مندمل ہو جاتی ہے مگر یہ اندر ہی اندر مسلسل اذیت پہنچاتا رہتا ہے اور جونہی کوئی بیرونی اذیت پہنچتی ہے تو اندر کی جانب سمٹ جاتا ہے۔

شہزادہ آندرے کی موت کے بعد نتاشا اور شہزادی ماریا کی یکساں کیفیت تھی۔ دونوں کے دل بجھ گئے تھے اور انہوں نے ہمہ وقت طاری رہنے والے موت کے خوف کے سامنے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ اس طرح ان سے زندگی کا سامنا کرنے کی ہمت چھن گئی۔ ان کی ہر ممکن کوشش ہوتی کہ کسی تکلیف دہ شے کے قریب نہ جائیں اور سڑک سے گزرتی گاڑی کی آواز، کھانے کیلئے بلایا جانا، خادمہ کی سوال کہ کون سا لباس نکالا جائے اور سب سے بڑھ کر اظہار ہمدردی کے مصنوعی فقرات انہیں اذیت دیتے اور ان کے زخم کھل جاتے۔ ایسی باتیں اور آوازیں ان کے سکون میں خلل ڈالتی تھیں اور ان پراسرار وسیع مناظر میں جھانکنے سے روک دیتی تھیں جو ان کی آنکھوں کے سامنے ہوتے تھے۔

صرف تنہائی میں ہی انہیں ایسی اذیت اور خلل سے پناہ ملتی تھی۔ وہ ایک دوسرے کے ساتھ کبھی کبھار ہی کوئی بات کرتی تھیں اور جب بولتیں تو انتہائی غیر اہم موضوعات پر گفتگو کرتیں اور مستقبل کے حوالے سے تو کوئی اشارہ بھی نہیں دیتی تھیں۔

ان کے خیال میں مستقبل کے امکانات کا اعتراف شہزادہ آندرے کی یاد کی توہین تھا۔ اس سے بھی بڑھ کر وہ اس سے وابستہ ہر شے کا ذکر کرنے سے گریز کرنے لگی تھیں۔ انہیں یوں لگتا تھا جیسے ان کے ساتھ جو کچھ پیش آیا ہے اور جس شے کا تجربہ ہوا ہے اسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا اور اس کی زندگی کی تفصیلات کے تمام حوالے اس راز کے تقدس کی بے حرمتی کے برابر تھے جو ان کی آنکھوں کے سامنے مکمل ہوا تھا۔

انہوں نے اس کے ذکر سے مسلسل اور ایماندارانہ انداز میں کنارہ کشی اختیار کر کے اپنے لئے حدود قائم کر لیں کہ اس سے آگے نہیں بڑھیں گی اور خواہ کیسی ہی بات کیوں نہ ہوتی، اس کے تذکرے پر وہ خاموش ہو جاتیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ جو کچھ محسوس کرتیں وہ مزید واضح انداز میں ان کے ذہنوں میں روشن ہو جاتا۔

جس طرح مکمل خوشی کا وجود نہیں اسی طرح مکمل غم بھی کہیں نہیں پایا جاتا۔ حالات شہزادی ماریا کو اس جگہ لے آئے تھے جہاں وہ مکمل طور پر خود مختار اور اپنی ہر شے کی مالک بن چکی تھی۔ وہ اپنے بھتیجے کی سرپرست اور دینی ماں بھی تھی،

لہٰذا زندگی کے تقاضوں نے اسے اس غمزدہ دنیا سے نکلنے پر مجبور کر دیا جہاں وہ گزشتہ دو ہفتے سے رہ رہی تھی۔ اسے اپنے عزیز و اقارب کے خطوط کا جواب دینا تھا، نکولشکا کو جس کمرے میں ٹھہرایا گیا تھا وہ ٹھنڈا تھا جس کے باعث اسے کھانسی لگ گئی تھی۔ الفاچ گھریلو امور کے حوالے سے اطلاعات لے کر آیا تھا۔ اس نے مشورہ دیا تھا کہ شہزادی ماریا واپس ماسکو چلی آئے۔ ووزدویژنکا میں ان کے گھر کو کچھ ایسا خاص نقصان نہیں پہنچا تھا اور معمولی تعمیر و مرمت کی ضرورت تھی۔ زندگی کبھی ساکن نہیں رہتی اور انسان کیلئے زندہ رہنا ضروری ہوتا ہے۔ اگرچہ شہزادی ماریا کیلئے غور و فکر کی الگ دنیا سے باہر نکلنا تکلیف دہ تھا اور وہ نتاشا کو اس کے حال پر چھوڑ جانے کا سوچ کر شرمندگی محسوس کر رہی تھی، تاہم زندگی کے تفکرات کا تقاضا تھا کہ وہ ان پر توجہ دے اور اپنی خواہش کے برعکس اسے ایسا ہی کرنا پڑا۔ اس نے الفاچ کے ساتھ حساب کتاب کا جائزہ لیا اور اپنے بھتیجے کے بارے میں ڈیسال سے مشورہ کرنے کے بعد ماسکو جانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

نتاشا تنہا رہ گئی اور جب شہزادی ماریا نے روانگی کی تیاریاں شروع کیں تو وہ اس سے بھی دور دور رہنے لگی۔

شہزادی ماریا نے بیگم رستوف سے درخواست کی کہ وہ نتاشا کو اس کے ساتھ ماسکو جانے کی اجازت دے دیں۔ ماں باپ دونوں رضامند ہو گئے کیونکہ انہیں دکھائی دے رہا تھا کہ ان کی بیٹی دن بدن کمزور ہوتی جا رہی تھی اور انہیں امید تھی کہ آب و ہوا کی تبدیلی اور ماسکو کے ڈاکٹروں کے مشوروں سے اسے افاقہ ہوگا۔

جب نتاشا کو اس تجویز سے آگاہ کیا گیا تو اس نے ماسکو جانے سے انکار کر دیا۔ وہ کہنے لگی "براہ مہربانی مجھے میرے حال پر چھوڑ دیا جائے" یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر بھاگ گئی۔ وہ اپنے آنسو ضبط نہیں کر پا رہی تھی۔ اس کے آنسوؤں سے غم کی بجائے غصے کا زیادہ اظہار ہو رہا تھا۔

جب نتاشا کو محسوس ہوا کہ شہزادی ماریا اس کا ساتھ چھوڑ گئی ہے اور وہ اپنے غم و اندوہ میں تنہا رہ جائے گی تو وہ اپنا زیادہ وقت اپنے کمرے میں ہی گزارنے لگی۔ وہ صوفے کے ایک کونے میں سمٹ کر بیٹھ جاتی اور اپنی کانپتی انگلیوں سے کوئی شے مسلتی اور ٹکڑے کرتی رہتی نیز جو چیز اس کے سامنے ہوتی، اسی پر نگاہیں جمائے رکھتی۔ یہ تنہائی اسے تکلیف پہنچاتی اور نڈھال کر دیتی تاہم وہ اس کے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ جونہی کوئی شخص کمرے میں داخل ہوتا تو وہ فوراً اٹھ بیٹھتی اور سیدھی ہو کر کوئی کتاب یا سلائی اٹھا لیتی اور بے چینی سے نو وارد کے واپس جانے کا انتظار کرنا شروع کر دیتی۔

اسے ہمہ وقت یہی محسوس ہوتا تھا جیسے وہ کسی بھی وقت اس شے کو سمجھ جائے گی جس پر اس کی روحانی نگاہیں لگی تھیں۔ دسمبر کے آخری دنوں میں ایک روز وہ سیاہ رنگ کا اونی لباس پہنے لاپروائی سے صوفے پر بیٹھی تھی۔ نقاہت کے مارے وہ سوکھ چکی تھی اور اس کا رنگ زرد تھا۔ اس پر بے چینی طاری تھی۔ اس کی نظریں دروازے کے ایک کونے میں گڑی ہوئی تھیں۔

وہ ٹکٹکی باندھ کر گویا اس جگہ کو دیکھ رہی تھی جہاں وہ چلا گیا تھا اور زندگی کی دوسری سمت جس پر اس نے پہلے کبھی غور نہیں کیا تھا اور جو اسے اسقدر دور لگتی تھی اب اس زندگی کے مقابلے میں کہیں زیادہ قریب، سمجھ میں آنیوالی اور مانوس دکھائی دے رہی تھی۔

وہ ٹکٹکی باندھ کر اس دنیا میں دیکھ رہی تھی جس کے بارے میں اسے علم تھا کہ وہ وہیں موجود ہے۔ تاہم وہ اس کی کسی خاص شکل کا تصور نہیں کر پا رہی تھی۔ وہ اسے بالکل اسی طرح دکھائی دیتا تھا جس طرح میتیشی، تروئتسا اور یاروسلاول میں نظر آیا تھا۔

اس نے آندرے کا چہرہ دیکھا، آواز سنی اور اس کے نیز اپنے الفاظ دہرائے۔ بعض اوقات وہ ایسے الفاظ

کا تصور کرنے لگتی جو ہو سکتا ہے اس نے کہے تھے اور یہ بھی ممکن تھا کہ نہ کہے ہوں مگر ان کے ادا ہونے کا بھرپور امکان موجود تھا۔

اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ بازوؤں والی کرسی پر مخمل کا فر والا کوٹ اوڑھے لیٹا ہے۔ اس کا سرد بلے پتلے اور زرد ہاتھ کے سہارے ٹکا ہوا ہے۔ اس کا سینہ خوفناک حد تک کھوکھلا ہے اور کندھے اوپر کو اٹھے ہوئے ہیں جبکہ وہ کسی قدر اگلی جانب جھکا ہوا ہے۔ اس کی زرد پیشانی پر لکیرا ابھرتی ہے اور پھر مٹ جاتی ہے۔ اس کے ہونٹ بند ہیں اور آنکھیں چمک رہی ہیں۔ اس کی ایک ٹانگ کانپ رہی ہے مگر یہ کپکپاہٹ بمشکل نظر آتی ہے۔ نتاشا جانتی ہے کہ وہ شدید درد محسوس کر رہا ہے اور وہ سوچتی ہے" یہ کیسا درد ہے؟ یہ انہیں کیوں لاحق ہو گیا ہے؟ وہ کیسا محسوس کرتے ہیں؟ اس سے انہیں کتنی اذیت پہنچ رہی ہوگی؟" اس نے جان لیا کہ وہ اسے دیکھ رہی ہے اور نگاہیں اٹھا کر مسکرائے بغیر بولنا شروع کر دیا۔

وہ کہہ رہا تھا" اپنے آپ کو تکلیف میں مبتلا کسی شخص کے ساتھ ہمیشہ کیلئے جوڑ لینا نہایت بھیانک معلوم ہوتا ہے۔ یہ تو دائمی اذیت ہوگی" وہ اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ نتاشا کو اس کی نظریں ایک مرتبہ پھر اپنی جانب اٹھی دکھائی دیں اور سوچے سمجھے بغیر جواب دیا" یہ ہمیشہ نہیں رہے گا، آپ ٹھیک ہو جائیں گے اور اچھی طرح ٹھیک ہو جائیں گے"

وہ اسے پہلے کی طرح دیکھ رہی تھی اور جو کچھ اس نے اس وقت محسوس کیا تھا، تصورات میں اب بھی ویسا ہی محسوس کر رہی تھی۔ اس وقت وہ اس کی باتیں سن کر جس طرح دیر تک اسے پریشان اور درشت نگاہوں سے دیکھتا رہا تھا وہ اسے یاد آ گیا اور وہ اس کی ٹکٹکی میں گہری مایوسی اور ڈانٹ ڈپٹ کا مطلب سمجھ گئی۔

نتاشا نے خود کلامی کی" میں نے تسلیم کر لیا تھا کہ اگر وہ ہمیشہ ایسی ہی تکلیف میں مبتلا رہے تو یہ نہایت خوفناک بات ہوگی۔ میں نے یہ بات اس وقت اسی وجہ سے کہی تھی کہ میں انہیں یہ بتانے کی خواہشمند تھی کہ یہ ان کیلئے خوفناک بات ہوگی مگر انہوں نے اس کا یہ مطلب نکالا کہ یہ میرے لئے خوفناک ہوگی۔ وہ اس وقت بھی زندہ رہنا چاہتے تھے، انہیں موت سے ڈر لگتا تھا اور میں نے اپنے بات نہایت بھونڈے اور بیوقوفانہ انداز میں کہی۔ میرا مطلب یہ نہ تھا، میں کچھ اور سوچ رہی تھی۔ اگر میں دل کی بات زبان پر لے آتی تو مجھے یہ کہنا چاہئے تھا" اگر میری نظروں کے سامنے ان پر ہر وقت نزع کا عالم طاری رہے تو میں جو کچھ اب ہوں اس کے مقابلے میں کہیں زیادہ خوش ہوں، اب تو کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ کیا وہ یہ بات جانتے تھے؟ نہیں، وہ نہیں جانتے تھے اور نہ کبھی جان پائیں گے۔ اب اس کا ازالہ نہیں ہو سکتا، کبھی نہیں ہو سکتا"

وہ ایک مرتبہ پھر اس سے وہی بات کر رہا تھا مگر اس مرتبہ نتاشا نے تصوری تصور میں اسے مختلف جواب دیا۔ اس نے آندرے کی بات کاٹ دی اور کہنے لگی" آپ کیلئے یہ خوفناک ہوگا مگر میرے لئے نہیں، آپ کو علم ہے کہ میری زندگی میں آپ کے سوا کچھ نہیں اور آپ کے ساتھ تکلیف میں مبتلا ہونا میرے لئے زندگی کی بہت بڑی خوشی ہوگی" اس نے نتاشا کا ہاتھ پکڑ لیا اور بالکل اسی طرح دبانا شروع کر دیا جس طرح اس نے مرنے سے چار دن پہلے اس خوفناک شام کو دبایا تھا۔ وہ تصور میں ایسے محبت اور ملائمت بھرے الفاظ جو وہ اس وقت کہہ سکتی تھی اب کہہ رہی تھی" مجھے آپ سے محبت ہے، میں آپ سے محبت کرتی ہوں" یہ کہتے ہوئے وہ کانپ رہی تھی اور دونوں ہاتھوں کو آپس میں مسلے جاتی تھی۔ اذیت کے مارے اس کے دانت بھینچ گئے تھے۔

غم واندوہ کے شیریں تاثر نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا اور اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اس نے اچانک اپنے آپ سے پوچھا" میں کس سے محو گفتگو ہوں؟ وہ کہاں ہیں اور اب کیا ہیں؟"

یوں ایک مرتبہ پھر ہر شے بے رنگ اور تکلیف دہ شبہات میں الجھ کر رہ گئی۔ اس کے ماتھے پر سلوٹیں پڑ گئیں اور اس نے بھرپور طاقت استعمال کر کے اس دنیا میں دیکھنے کی کوشش کی جس میں وہ موجود تھا۔ اس کوشش میں اس کی نسیں جسم پر ابھر آئیں۔ اس نے سوچا" ہاں، ہاں اب میں اس اسرار کو جان جاؤں گی" تاہم اس وقت جب اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ کوئی بات واضح ہوا چاہتی ہے تو دروازہ زور سے چرچرایا۔ اس کی ملازمہ دنیاشا تیزی سے کمرے میں آئی۔ اس کے چہرے پر بوکھلاہٹ تھی۔

اس نے عجیب وغریب انداز میں کہا" اپنے ابا جان کے پاس جائیں، جلدی کریں، بدقسمتی۔۔۔ پیٹر ایلچ۔۔ خط" یہ کہہ کر وہ سسکیاں بھرنے لگی۔

(2)

ان دنوں نتاشا نہ صرف ہر شخص سے دور دور رہنا چاہتی تھی بلکہ اپنے اہلخانہ کے ساتھ خصوصی طور پر بیگانوں کا سا رویہ اختیار کئے ہوئے تھی۔ یہ تمام لوگ یعنی اس کا والد، والدہ اور سونیا وغیرہ اس سے اتنا قریب اور جانے پہچانے تھے کہ ان کے ہر قول وفعل سے اسے یوں محسوس ہوتا جیسے وہ اس دنیا کی ہتک کے مرتکب ہو رہے ہیں جس میں وہ ان دنوں قید ہو چکی تھی۔ وہ ان سے نہ صرف لاتعلق ہو گئی بلکہ ان کے ساتھ مخاصمت پر مبنی رویہ بھی اختیار کر لیا۔ اگرچہ اس نے دنیاشا کے منہ سے پیٹر ایلچ اور بدقسمتی کے الفاظ سن لئے تھے مگر وہ ان کا مطلب نہ سمجھ سکی۔

اس نے خود کلامی کے انداز میں سوچا" بدقسمتی؟ ان کے ساتھ کیا بدقسمتی ہو سکتی ہے؟ وہ اپنی معمول کی زندگی گزار رہا ہے"

وہ بڑے کمرے میں داخل ہوئی تو اس کا والد دوڑتا ہوا والدہ کے کمرے سے باہر آ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر جھریاں مزید نمایاں ہو گئی تھیں اور آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ یہ بات عیاں تھی کہ وہ اپنی سسکیوں کو مزید روکنے پر قادر نہیں تھا اور اسی لئے کمرے سے باہر آ گیا تھا۔ وہ جی بھر کر رونا چاہتا تھا۔ جب اس نے نتاشا کو دیکھا تو بے بسی کے انداز میں ہاتھ سے اشارہ کیا۔ اس کا جسم کانپ رہا تھا اور منہ سے چیخیں برآمد ہو رہی تھیں۔ اس کا ملائم اور گول مٹول چہرہ بگڑ گیا۔

نواب بچوں کی طرح روتے لڑکھڑاتے کرسی کی جانب بڑھا اور چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر اس میں تقریباً گر گیا۔ اس نے نتاشا سے کہا" پیٹ۔۔۔ پیٹیا۔۔۔ اندر جاؤ، وہ تمہیں بلا رہی ہے۔۔۔"

نتاشا کو اچانک یوں محسوس ہونے لگا جیسے اسے بجلی کا شدید جھٹکا لگا ہو یا کسی نے اس کے دل کو مٹھی میں لے کر دبا دیا ہو۔ اس کے جسم میں درد کی شدید لہر اٹھی اور اپنے اندر کوئی شے ٹوٹتی محسوس ہوئی۔ وہ اچانک یوں محسوس کرنے لگی جیسے مرنے والی ہو۔ اس اذیت کے بعد اسے یوں لگا جیسے وہ گھٹن ختم ہو گئی ہے جس نے اس کے دل ودماغ کو جکڑ رکھا تھا اور زندگی سے اس کا رشتہ منقطع کر دیا تھا۔ اپنے باپ کی حالت دیکھ کر اور دروازے کے پیچھے والدہ کی خوفناک چیخ سن کر اسے اپنا غم بھول گیا۔

وہ اپنے والد کی جانب بھاگی مگر اس نے ناتواں انداز سے بیگم کے کمرے کی جانب اشارہ کیا۔ شہزادی ماریا اس کی والدہ کے کمرے سے باہر نکل رہی تھی۔ اس کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا اور جبڑا کپکپا رہا تھا۔ اس نے نتاشا کا ہاتھ پکڑ کر اسے کچھ کہا۔ نتاشا اس کی جانب دیکھنے یا اس کی بات سننے کی بجائے تیزی سے دروازے کی جانب بھاگی اور ایک

لمحے کیلئے یوں رکی جیسے اپنی ذات کیساتھ کشمکش کا شکار ہو اور پھر اپنی والدہ کی جانب بھاگ اٹھی۔

بیگم بے ڈھنگے انداز سے صوفے پر لیٹی تھی۔ اس کا جسم اکڑا ہوا تھا اور وہ اپنا سر دیوار سے ٹکرائے جاتی تھی۔ سونیا اور خادمائیں اسے بازوؤں سے پکڑے ہوئے تھیں۔

نتاشا کو دیکھتے ہی اس نے زوردار چیخ ماری اور کہنے لگی "نتاشا، نتاشا!۔۔۔ یہ جھوٹ ہے، جھوٹ ہے۔۔۔ ایسا نہیں ہے۔۔۔ نتاشا! سب باہر چلے جائیں، یہ سچ نہیں ہے! مارا گیا!۔۔۔ ہا، ہا، ہا!۔۔۔ یہ سچ نہیں ہے!"

نتاشا کرسی کے قریب جھکی اور والدہ کو اپنے بازوؤں میں تھام لیا۔ اس نے غیر متوقع طاقت سے اسے اوپر اٹھایا اور اس کے چہرے کا رخ اپنی جانب کر کے اس سے لپٹ گئی۔

وہ مسلسل کہتی رہی "امی!۔۔۔ پیاری!۔۔۔ میں یہاں ہوں، پیاری امی!"

وہ اپنی والدہ کو چھوڑے بغیر ملائمت بھرے انداز میں اس کی حالت سے مسلسل نبرد آزما ہوتی رہی۔ اس نے تکیے اور گرم پانی لانے کا حکم دیا اور والدہ کے لباس کے بٹن کھول کر اسے پھاڑ دیا۔ وہ مسلسل بڑبڑاتی رہی "پیاری۔۔۔ میری پیاری۔۔۔ امی۔۔۔" اور اس کے منہ، ہاتھ اور سر کو چومتی رہی۔ اسے اپنے آنسو روکنا ناممکن لگنے لگا جو اسے ناک اور چہرے پر گرتے محسوس ہو رہے تھے۔

بیگم نے اپنی بیٹی کا ہاتھ دبایا اور آنکھیں بند کر کے خاموشی سے بیٹھ گئی۔ اچانک وہ غیر معمولی تیزی سے اٹھی اور خالی نگاہوں سے اردگرد دیکھا۔ جب اس کی نگاہ نتاشا پر پڑی تو اس نے اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا اور پھر اس کا کپکپاتا چہرہ اپنی جانب گھما کر دیر تک اس کی آنکھوں میں جھانکتی رہی۔ پھر وہ کہنے لگی "نتاشا، تم مجھ سے پیار کرتی ہو؟ مجھے دھوکہ نہیں دو گی ناں، کیا تم مجھے سب کچھ سچ بتا دو گی؟"

نتاشا نے اس کی جانب آنسو بھری آنکھوں سے دیکھا۔ اس کی نگاہوں میں محبت ہی محبت تھی مگر ان میں التجا کا تاثر بھی تھا جیسے کہہ رہی ہو "مجھے معاف کر دیں"

وہ بار بار کہہ رہی تھی "پیاری امی جان" اور اپنی محبت کی تمام تر قوت سے والدہ کے بے حد وحساب غم پر غلبہ پانے کی کوششوں میں مصروف تھی۔

اس کی والدہ کو یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنے پیارے بیٹے کے بغیر کیسے زندہ رہ سکتی ہے جو عین جوانی میں مارا گیا تھا۔ وہ حقیقت کیخلاف بے فائدہ جدوجہد کرتے ہوئے ایک مرتبہ پھر بیہوش ہو گئی۔

نتاشا کو کچھ یاد نہ تھا کہ اس نے وہ دن، رات اور اس اگلا دن اور رات کیسے گزارے۔ اسے نیند آئی نہ اس نے والدہ کا کمرہ چھوڑا۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کی صابر اور نہ تھکنے والی محبت نے والدہ کو پوری طرح اپنے اثر میں لے لیا ہے۔ اس کی یہ محبت کسی بات کی وضاحت کر رہی تھی نہ اطمینان دلاتی تھی بلکہ یہ صرف اس زندگی کی جانب واپس لا رہی تھی۔

تیسری رات بیگم چند لمحوں کیلئے پرسکون ہوئی۔ نتاشا نے سر اس کے صوفے کے بازو سے ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں۔ صوفہ چرچرانے کی آواز سنائی دی اور نتاشا نے آنکھیں کھول دیں۔ بیگم بستر پر بیٹھی نرم لہجے میں گفتگو کر رہی تھی۔

وہ کہنے لگی "میں کتنی خوش ہوں کہ تم گھر آ گئے ہو۔ تم تھکے ہوئے ہو گے، چائے پیو گے؟" نتاشا اس کے قریب ہو گئی۔ بیگم رستوف نے اپنی بیٹی کا ہاتھ تھام کر بات جاری رکھتے ہوئے کہا "تم میں کس قدر خوبصورتی اور مردانگی آ گئی ہے"

نتاشا بولی "امی، آپ کیا کہہ رہی ہیں؟۔۔۔"

بیگم نے کہا "نتاشا، وہ جا چکا ہے، اب وہ نہیں رہا" یہ کہہ کر وہ اپنی بیٹی کے گلے لگ گئی اور پہلی مرتبہ اس کی آنکھوں سے آنسو نکلنے لگے۔

(3)

شہزادی ماریا نے ماسکو روانگی ملتوی کر دی۔ سونیا اور بیگم نے نتاشا کی جگہ خود بیگم رستوف کی تیمارداری کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ وہ جان گئے کہ اپنی والدہ کو پاگل پن کا شکار ہونے سے صرف وہی بچا سکتی ہے۔ نتاشا تین ہفتے اپنی والدہ کے کمرے سے نہ نکلی۔ وہ وہیں کرسی پر سو جاتی، اسے کھانا کھلاتی اور اس کے ساتھ مسلسل گفتگو کرتی رہتی۔ بیگم کو اس کی ملائمت بھری آواز سن کر سکون ملتا تھا۔

اس کی والدہ کی روح کو جو زخم لگا وہ کبھی مندمل نہ ہوا۔ پیٹیا کی موت سے اس کی نصف زندگی چھن گئی۔ جب یہ خبر ملی تو وہ پچاس سالہ صحت مند اور خوشباش خاتون تھی تاہم جب وہ ایک ماہ بعد کمرے سے باہر نکلی تو نیم مردہ حالت میں تھی اور یوں لگتا تھا جیسے اسے زندگی میں کوئی دلچسپی باقی نہیں رہی۔ وہ بوڑھی ہو گئی تھی۔ تاہم وہی گھاؤ جس نے بیگم کو قریب المرگ کر دیا، نتاشا کیلئے زندگی کی نوید ثابت ہوا۔

کسی روح کے خاتمے سے پیدا ہونیوالا روحانی زخم بھی جسمانی گھاؤ کی مانند ہوتا ہے۔ بظاہر یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے تاہم روحانی زخم بھی جسمانی کی طرح مندمل ہو جایا کرتا ہے تاہم اس کیلئے صرف اندرونی اور زندگی بخش قوت کا ہونا ضروری ہے۔

نتاشا کا زخم بھی اسی طرح مندمل ہوا۔ اسے یقین تھا کہ وہ مرنیوالی ہے تاہم غیر متوقع طور پر والدہ سے محبت نے اس پر یہ بات ثابت کر دی کہ ابھی اس میں زندگی کا نچوڑ یعنی محبت فعال ہے۔ محبت بیدار ہوئی تو زندگی بھی جاگ اٹھی۔

شہزادہ آندرے کے آخری دنوں نے شہزادی ماریا اور نتاشا کو یکجان کر دیا تھا اور اس حالیہ غم نے ان میں مزید قربت پیدا کر دی۔ شہزادی ماریا نے اپنی روانگی ملتوی کر دی اور وہ نتاشا کی یوں تیمارداری کرنے لگی جیسے وہ کوئی علیل بچی ہو۔ اپنی والدہ کے کمرے میں گزارے گئے تین ہفتوں نے اس کی صحت کو خراب کر کے رکھ دیا تھا۔

ایک دوپہر شہزادی ماریا نے نتاشا کو یوں کانپتے دیکھا جیسے اسے بخار ہو۔ وہ اسے اپنے کمرے میں لے آئی اور پلنگ پر لٹا دیا۔ نتاشا لیٹ گئی مگر جب شہزادی ماریا نے پردے گرائے اور باہر جانے لگی تو اس نے اسے واپس بلا لیا۔

وہ کہنے لگی "میری، مجھے نیند نہیں آ رہی، میرے پاس بیٹھو"

ماریا نے کہا "تم تھک گئی ہو، سونے کی کوشش کرو"

نتاشا نے جواب دیا "نہیں نہیں، تم مجھے یہاں کیوں لائی ہو، وہ میرے بارے میں پوچھ رہی ہوں گی"

ماریا بولی "آج وہ نسبتاً بہتر حالت میں ہیں اور پہلے کی طرح باتیں کر رہی تھیں"

نتاشا نیم تاریک کمرے میں بستر پر لیٹ کر شہزادی ماریا کے چہرے کی جانب بغور دیکھنے لگی۔

اس نے سوچا "کیا ماریا کا چہرہ ان جیسا ہے؟ ہاں، یہ بھی اور نہیں بھی، اس میں کوئی انوکھی شے ہے جو صرف اسی میں پائی جاتی ہے، یہ کوئی نئی اور انجانی شخصیت ہے اور مجھ سے پیار کرتی ہے۔ اس کے دل میں کیا ہے؟ مکمل خوبصورتی مگر یہ کیا ہے؟ یہ کیا سوچتی ہے؟ میرے بارے میں اس کے کیا خیالات ہیں؟ ہاں، یہ خوبصورت لڑکی ہے۔"

اس نے جھجکتے ہوئے شہزادی ماریا کا ہاتھ اپنی جانب کھینچا اور بولی "ماشا، تم یہ تو نہیں سوچتیں کہ میں بری ہوں؟ پیاری ماشا، میں تم سے بیحد محبت کرتی ہوں، ہم ایک دوسرے کی سچی دوست کیوں نہ بن جائیں؟"

یہ کہہ کر نتاشا نے ماریا کے گلے میں بانہیں ڈال دیں اور اس کے ہاتھوں اور چہرے کو چومنا شروع کر دیا۔ نتاشا کی جانب سے جذبات کے اظہار پر شہزادی ماریا کو شرم بھی آئی اور وہ خوش بھی ہوئی۔

اس دن سے دونوں کے مابین ایسی دوستی شروع ہوئی جو صرف خواتین میں ہوتی ہے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ رہتیں اور محبت بھری گفتگو کرتی رہتیں۔ ان کا بیشتر وقت اکٹھے گزرتا تھا۔ ایک کی موجودگی میں دوسری کو بے چینی لاحق ہو جاتی تھی۔ انہیں تنہائی کی نسبت ایک دوسرے کے ساتھ رہ کر سکون حاصل ہوتا تھا۔ دونوں میں بیحد مضبوط تعلقات پیدا ہو گئے اور زندگی کا یہ منفرد احساس ایک دوسرے کے ساتھ رہ کر ہی ممکن تھا۔

بعض اوقات وہ گھنٹوں خاموش رہتیں اور کبھی جب وہ سونے کیلئے لیٹتیں تو باتیں شروع کر دیتیں اور گفتگو کا یہ سلسلہ صبح تک جاری رہتا۔ عموماً وہ ماضی کی باتیں کیا کرتی تھیں۔ شہزادی ماریا اپنے بچپن، ماں باپ اور خوابوں کی باتیں کرتی اور نتاشا ماضی سے محبت کرنے کے ساتھ ساتھ زندگی کا وہ رخ بھی سمجھنا سیکھ گئی جس کا پہلے اس کے ذہن میں کوئی تصور نہ تھا۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ انکساری اور نفس کشی کا اطلاق اپنی ذات پر بھی ہونا چاہئے کیونکہ وہ دوسری خوشیاں ڈھونڈنے کی عادی ہو چکی تھی۔ مگر جب اسے یہ صفات جو پہلے اس کی سمجھ میں نہیں آتی تھیں، ماریا میں دکھائی دیں تو وہ انہیں سمجھنے اور ان سے محبت کرنے لگی۔ دوسری جانب شہزادی ماریا نے جب نتاشا سے اس کے بچپن کی باتیں سنیں تو اس کی نظروں کے سامنے بھی زندگی کا نیا رخ آیا جو زندگی اور اس سے لطف اندوز ہونے پر یقین میں مضمر تھا اور وہ پہلے اسے نہیں سمجھ پائی تھی۔

اب بھی وہ شہزادہ آندرے کے ذکر سے پرہیز کرتی تھیں۔ انہیں یہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ اپنے اعلیٰ ترین جذبات کے بارے میں بات کر کے وہ انہیں ناپاک کر دیں گی۔ مگر اس خاموشی کا یہ نتیجہ نکلا کہ وہ آہستہ آہستہ اسے بھولنا شروع ہو گئیں تاہم کوئی اور شخص انہیں یہ بات کہتا تو وہ اس پر یقین نہ کرتیں۔

نتاشا اس قدر کمزور اور زرد رو ہو گئی تھی کہ ہر شخص کو اس کی صحت بارے فکرمندی لاحق ہو گئی۔ وہ ان کے اس رویے سے بیحد خوش ہوتی تھی مگر بسا اوقات اس پر نہ صرف موت بلکہ بیماری، خرابی صحت اور اپنی خوبصورتی سے محرومی کا خوف بھی طاری ہو جاتا۔ جب وہ اپنے کمزور برہنہ بازو کو غور سے دیکھتی تو حیران رہ جاتی۔ جب بھی وہ صبح کے وقت آئینے میں اپنا دبلا پتلا، پیلا اور بیمار چہرے دیکھتی تو یہ اسے بیحد خوفناک معلوم ہوتا۔ وہ سوچتی کہ اسے ایسا ہی ہونا چاہئے مگر اس کے باوجود اس پر اداسی کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔

ایک دن تیزی سے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اس کی سانس پھول گئی۔ اچانک اسے نیچے اترنے اور دوبارہ اوپر جانے کا بہانہ مل گیا۔ وہ اپنی قوت کا امتحان لینا اور نتیجہ دیکھنا چاہتی تھی۔

ایک مرتبہ جب اس نے دنیاشا کو بلایا تو اس کی آواز بوڑھیوں کی طرح کانپنے لگی۔ اس نے ملازمہ کو بھرپور انداز میں بلایا تھا اور اپنی آواز غور سے سنی تھی۔

اسے محسوس ہوا نہ خیال گزرا تاہم اس کی روح پر چھائی مٹی کی ناقابل عبور تہہ تلے نرم گھاس کی کونپلیں نکلنا شروع ہو گئی تھیں۔ ان کونپلوں نے نشوونما پا کر اس کے غم کو اس طرح چھپا دینا تھا کہ اس نے ایک دن نگاہوں سے اوجھل ہو جانا تھا۔ زخم اندر سے مندمل ہونا شروع ہو گیا۔

جنوری کے آخر میں شہزادی ماریا ماسکو چلی گئی اور بیگم رستوف نے نتاشا سے اصرار کیا کہ وہ بھی اس کے ساتھ جا کر ڈاکٹروں سے اپنی صحت بارے مشورہ کرے۔

(4)

ویازما کی لڑائی کے بعد کوتوزوف روسی فوج کو فرانسیسیوں پر حملے اور ان کا راستہ منقطع کرنے کی خواہش سے باز رکھنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اس جنگ کے بعد فرانسیسی دوبارہ بھاگنا شروع ہو گئے اور روسی ان کا تعاقب کرنے لگے۔ کراسنوئے تک ان میں کوئی جنگ نہ ہوئی۔ فرانسیسیوں کی پسپائی اسقدر تیز تھی کہ روسی ان کا ساتھ نہ دے پائے اور پیچھے رہ گئے۔ سواروں اور توپخانے کے گھوڑے بیمار ہو کر مرنا شروع ہو گئے اور فرانسیسیوں کی نقل و حرکت کے بارے میں ناقابل اعتبار اطلاعات ملنے لگیں۔

مسلسل چالیس کلومیٹر فی یوم سفر نے روسیوں کو اسقدر نڈھال کر دیا تھا کہ ان کیلئے مزید تیز رفتاری کا مظاہرہ کرنا ممکن نہ تھا۔

روسی فوج کی تھکاوٹ کا اندازہ کرنے کیلئے یہی جان لینا کافی ہوگا کہ تاروتینو سے روانگی کے وقت اس کی تعداد ایک لاکھ تھی۔ اگرچہ راستے میں جھڑپوں کے دوران صرف پانچ ہزار افراد ہلاک و زخمی ہوئے اور سو سے بھی کم قیدی بنائے گئے مگر کراسنوئے پہنچتے پہنچتے فوج کی تعداد پچاس ہزار رہ گئی۔

فرانسیسی فوج کا فرار اس کیلئے جتنا نقصان دہ تھا روسی تعاقب کی تیز رفتاری بھی بعینہ اسی قدر خطرناک تھی۔ دونوں فوجوں میں صرف یہ فرق تھا کہ روسی اپنی مرضی سے سفر کر رہے تھے اور فرانسیسیوں کی طرح ان کے عقب میں کوئی خطرہ نہ تھا۔ دوسری بات یہ تھی کہ فوج سے بچھڑ جانے والے روسی اپنے ہی ہموطنوں کے مابین ہوتے تھے جبکہ جو فرانسیسی پیچھے رہ جاتے وہ روسیوں کے ہاتھ آ جاتے تھے۔ نپولین کی فوج میں کمی کا سب سے بڑا سبب اس کا تیز ترین سفر تھا۔ اس کا ناقابل تردید ثبوت یہ ہے کہ روسی فوج میں بھی فرانسیسیوں جتنی کمی واقع ہو رہی تھی۔

تیز ترین تعاقب کے باعث فوجیوں کو جس تھکاوٹ کا سامنا ہوا اور انہیں جو نقصانات اٹھانا پڑے اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ رفتار میں پہلے کی سی تیزی برقرار نہ رہ سکی تاہم رفتار میں کمی اور تیزی نہ دکھانے کیلئے کوتوزوف کو ایک اور وجہ مل گئی۔ روسی فوج کا مقصد فرانسیسیوں کا تعاقب تھا۔ یہ بات کوئی نہ جانتا تھا کہ بھاگنے والی فوج کون سا راستہ منتخب کرے گی چنانچہ ہماری فوج دشمن سے جتنا قریب ہوتی اسے اتنا ہی زیادہ فاصلہ طے کرنا پڑتا تھا۔ روسی فوج فرانسیسیوں کا تعاقب کرتے ہوئے ان کے اور اپنے درمیان کچھ فاصلہ رکھ کر ہی سیدھے راستے سے ان تک پہنچ سکتی تھی۔ ہمارے جرنیل جس قدر ماہرانہ حکمت عملی وضع کرتے، فوجیوں کو اتنا ہی مشکل سفر کرنا پڑتا حالانکہ معقول طریقہ یہ تھا کہ انہیں کم از کم سفر کرنا پڑے۔ ماسکو سے ولنا تک تمام مہم کے دوران کوتوزوف یہی کوششیں کرتا رہا کہ فوجیوں کے سفر میں حتی الامکان کمی لائی جا سکے۔ وہ یہ کام بے قاعدگی کی بجائے مسلسل انجام دے رہا تھا اور اس سے ایک بار بھی منحرف نہ ہوا۔

کوتوزوف علم یا سائنس کے ذریعے نہیں بلکہ اپنے روسی دل اور روح کی بدولت جانتا تھا کہ فرانسیسی شکست

کھا چکے ہیں اور دشمن بھاگ رہا ہے جسے ہرصورت اپنی سرحدوں سے باہر دھکیلنا ہے۔ تاہم اس کے ساتھ ساتھ اسے عام فوجیوں کی طرح ان مشکلات کا بھی اندازہ تھا جو ایسی مہم کی بدولت سامنے آئی تھیں جن کی ایسے موسم میں تیز رفتاری کی کوئی اور مثال موجود نہیں۔

مگر اب جبکہ کسی قسم کی لڑائی خوفناک اور بے معنی شے بن گئی تھی، جرنیل، خصوصاً غیر روسی فوجی حکام، اپنا قد بڑھانے، لوگوں کو حیران کرنے اور کسی فرانسیسی بادشاہ یا نواب کو گرفتار کرنے کیلئے یہ تجاویز دینے لگے کہ جنگ اور دشمن پر فتح پانے کا یہ موزوں ترین وقت ہے۔ جب وہ لڑائی کے مشورے دیتے تو کوتوزوف کندھے اچکا کر رہ جاتا کیونکہ جن فوجیوں نے ان کے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانا تھا ان کے پاس مناسب وردیاں تھیں نہ جوتے، وہ تقریباً فاقوں سے تھے اور جنگ کے بغیر ہی ان کی تعداد نصف رہ گئی تھی۔ سرحد تک پہنچنے کیلئے انہیں اس سے کہیں زیادہ طویل سفر طے کرنا تھا جو وہ پہلے کر چکے تھے۔

جرنیلوں کی جانب سے اپنے آپ کو نمایاں کرنے، حکمت عملی وضع کرنے اور دشمن پر حملہ بول کر اس کا راستہ کاٹنے کی یہ خواہش اس وقت نمایاں ہو کر سامنے آتی تھی جب روسیوں کا فرانسیسیوں سے اچانک یا اتفاقاً سامنا ہو جاتا تھا۔

کراسنوئے میں بھی یہی ہوا۔ روسیوں کو امید تھی کہ یہاں انہیں فرانسیسیوں کے تین کالموں میں سے ایک مل جائیگا مگر اتفاق سے یہاں ان کا سامنا خود نپولین اور اس کے ساتھ موجود سولہ ہزار افراد پر مشتمل فوج سے ہو گیا۔ کوتوزوف نے اس تباہ کن جنگ سے بچنے کی بھرپور کوشش کی مگر تھکے ہارے روسی فوجی فرانسیسیوں کے اس بے ترتیب ہجوم کو تین دن تک نشانہ بناتے رہے۔

ٹول نے فوج کی ترتیب و تقسیم کا منصوبہ وضع کیا کہ پہلا کالم اس جگہ کی طرف کوچ کرے گا وغیرہ وغیرہ، حسب سابق منصوبے کے مطابق کوئی قدم نہ اٹھایا گیا۔ شہزادہ یوگن آف ورٹمبرگ پہاڑی سے فرانسیسیوں کے ان ہجوموں پر مسلسل فائرنگ کراتا رہا جو اس کے قریب سے بھاگے جا رہے تھے۔ اس نے امداد مانگی مگر یہ نہ مل سکی۔ روسیوں سے بچنے کیلئے فرانسیسی ادھر ادھر منتشر ہو گئے۔ رات ہوئی تو وہ جنگل میں چھپ گئے اور طویل چکر کاٹ کر فرار ہوتے رہے۔

میلورادووچ جو ہمیشہ یہی کہتا رہا تھا کہ اسے اپنے زیر کمان فوج کے رسد بارے معاملات سے کوئی دلچسپی نہیں، جو طلب کئے جانے پر بھی نہیں ملتا تھا، جو ہر وقت فرانسیسیوں سے مذاکرات کا کہتا رہتا تھا، اور جو وقت ضائع کرتا نیز احکامات پر عملدرآمد سے گریز کرتا تھا، اپنے گھڑ سواروں کے پاس پہنچا اور انہیں کہنے لگا "لڑکو! میں یہ کالم تمہیں بطور تحفہ پیش کرتا ہوں"

گھڑ سوار اپنے لاغر اندام گھوڑوں کو بمشکل چلاتے فرانسیسی کالم کی طرف بڑھے جو سردی سے نڈھال اور فاقہ کش فرانسیسیوں کا بے ترتیب ہجوم تھا۔ روسیوں کو بطور تحفہ پیش کئے جانے والے اس کالم نے فوری طور پر ہتھیار ڈال دیئے اور قیدی بننے پر تیار ہو گئے کیونکہ وہ بہت پہلے سے یہی کچھ کرنا چاہتے تھے۔

کراسنوئے میں روسی جرنیلوں نے چھبیس ہزار قیدی اور سینکڑوں توپیں قبضے میں لے لیں۔ ایک چھڑی بھی ملی جسے انہوں نے کسی مارشل کی چھڑی قرار دے دیا اور کارکردگی کا کریڈٹ لینے کیلئے باہم الجھنے لگے۔ اگرچہ انہیں نپولین، کسی مارشل یا فرانسیسیوں کی کسی اور بڑی شخصیت کے گرفتار نہ ہونے کا افسوس تھا اور اپنی اس ناکامی کا ذمہ دار کوتوزوف کو گردانتے تھے مگر پھر بھی اپنے کارنامے پر بیحد خوش تھے۔

جذبات کی رو میں بہہ جانے والے یہ لوگ افسوسناک جبر یہ قانون کے اندھے فرستادے تھے مگر خود کو ہیرو سمجھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ انتہائی قابل قدر کام کر رہے ہیں۔ وہ کوتوزوف پر علی اعلان تنقید کرتے اور کہتے کہ وہ جنگ کے آغاز میں ہی انہیں نپولین کو تباہ و برباد کرنے سے روکتا رہا ہے۔ اسے اپنی خواہشات کی پیروی کے سوا کسی سے دلچسپی نہیں۔ وہ پولوتنیئی زاوڈی سے آگے نہیں جاتا کیونکہ اسے وہیں آرام محسوس ہوتا ہے۔ اس نے کراسنوئے میں پیش قدمی اسی لئے روکی کہ وہ نپولین کی موجودگی سے آگاہ ہو گیا تھا اور اس کے ہوش اڑ گئے تھے۔ شاید وہ نپولین سے ساز باز کر چکا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

صرف کوتوزوف کے دور کے لوگ ہی جذبات کے دھارے میں بہہ کر ایسی باتیں نہیں کرتے تھے بلکہ بعد میں آنیوالوں نے نپولین کو تو انتہائی عزت دی ہے اور اسے عظیم کہہ کر مخاطب کیا ہے تاہم کوتوزوف کے بارے میں غیر ملکیوں کا یہ کہنا ہے کہ وہ فریبی، عیاش، کمزور اور بوڑھا درباری تھا، تاہم روسیوں کے خیال میں وہ محض پتلی تھا جس کا واحد فائدہ اس کا روسی ہونا تھا۔۔۔"

(5)

1812ء اور 1813ء میں کوتوزوف پر سنگین غلطیوں کا الزام عائد کرنے کے الزامات سرعام عائد کئے جاتے رہے اور زار بھی اس سے خوش نہیں تھا۔ اعلیٰ ترین حکام کے کہنے پر لکھی جانیوالی تاریخ کی ایک کتاب [1] میں کہا گیا تھا کہ کوتوزوف عیار جھوٹا درباری تھا اور نپولین کا نام سنتے ہی خوفزدہ ہو جاتا تھا۔ اس نے کراسنوئے اور بیریزینا میں جو سنگین غلطیاں کیں اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ روسی فوج فرانسیسیوں پر فتح حاصل کرنے کی شان سے محروم رہ گئی۔

یہ ان چند تنہا انسانوں کا مقدر ہے جو قانون قدرت سے واقفیت حاصل کرنے کے بعد اپنی مرضی کو اس کے تحت کر دیتے ہیں اور انہیں محض اس لئے لوگوں کی نفرت کا نشانہ بننا پڑتا ہے کیونکہ انہیں اعلیٰ ترین قوانین کا ادراک ہوتا ہے۔

یہ کس قدر عجیب و غریب اور خوفناک بات ہے کہ روسی مورخ تاریخ کے ادنیٰ ترین آلۂ کار نپولین کی تو بیحد تعریف و تحسین کرتے ہیں جو جلاوطنی میں بھی انسانی وقار سے محروم رہا مگر انہیں کوتوزوف میں کوئی قابل تعریف بات دکھائی نہیں دیتی اور وہ انہیں قابل رحم دکھائی دیتا ہے حالانکہ اس نے 1812ء میں اپنے فرائض کی ادائیگی کے سلسلے میں ابتداء سے آخر تک، بورودینو سے ولنا تک باتوں اور عمل کے ذریعے ایک مرتبہ بھی اپنی ذات سے بیوفائی نہ کی۔ وہ ایثار ذات کی منفرد مثال پیش کرتا ہے اور حالیہ واقعات کی مستقبل میں اہمیت سے آشنا ہے۔ یہ مورخین اس کا اور 1812ء کا تذکرہ کرتے ہوئے شرمسار دکھائی دیتے ہیں۔

ان تمام باتوں کے باوجود ایسی تاریخی شخصیت ڈھونڈنا بیحد مشکل ہے جس نے اپنی تمام تر صلاحیتیں اس قدر مستقل مزاجی اور تسلسل سے واحد ہدف کے حصول پر لگا دی ہوں اور کسی ایسے ہدف کا تصور تو اور بھی مشکل ہوگا جو پوری قوم کیلئے فخر کا باعث اور اس کی مرضی سے اسقدر ہم آہنگ ہو۔ مزید برآں تاریخ میں ایسی مثال شاذ ہی ملے گی کہ کسی شخصیت کو اس کا مقصد اتنے مکمل انداز سے مل گیا ہو جتنا کہ کوتوزوف کو ملا۔

کوتوزوف نے کبھی ایسی بات نہ کی کہ "چالیس صدیاں اہرام سے نیچے دیکھ رہی ہیں" اس نے ملک و قوم کیلئے

1. 1812ء کی تاریخ مرتبہ باگدانووچ: کوتوزوف کا کردار اور اس کی جنگوں کے غیر اطمینان بخش نتائج پر تنقید۔

اپنی قربانیوں کا بھی کبھی تذکرہ نہ کیا۔ اس نے کبھی یہ کہا کہ وہ کیا کر چکا ہے نہ کبھی یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہے۔ وہ اپنے بارے میں کبھی کوئی بات نہیں کرتا تھا، وہ کبھی مغرورانہ بات کہتا نہ کہنے کی کوشش کرتا تھا۔ وہ ہمیشہ سیدھا سادہ اور عام شخص تھا۔ وہ اپنی بیٹیوں اور مادام ڈی سٹیل کو خط لکھتا، ناول پڑھتا اور خوبصورت عورتوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا پسند کرتا تھا۔ وہ جرنیلوں، افسروں اور سپاہیوں سے ہنسی مزاح کرتا اور اپنے ساتھ بحث کرنیوالوں کو کبھی نہیں ٹوکتا تھا۔ جب نواب رستوپچن گاڑی بھگاتا یاؤزسکی پل پر پہنچا اور اسے ماسکو کی تباہی کا ذمہ دار قرار دیتے ہوئے کہا کہ "آپ نے وعدہ کیا تھا کہ جنگ کے بغیر ماسکو دشمن کے حوالے نہیں کریں گے" تو اس وقت اگرچہ ماسکو اس کے حال پر چھوڑا جا چکا تھا تاہم کوتوزوف نے جواب دیا "ہاں، میں لڑے بغیر ماسکو دشمن کے ہاتھ نہیں جانے دوں گا" مزید برآں جب آراک چیف زار کا یہ پیغام لایا کہ یرمولوف کو توپخانے کا سربراہ مقرر کر دینا چاہئے تو کوتوزوف نے جواب دیا "ٹھیک ہے، میں بھی یہی سوچ رہا تھا" حالانکہ ایک دن پہلے وہ اس سے متضاد رائے کا اظہار کر چکا تھا۔ رستوپچن ماسکو کی تباہی کا ذمہ دار کوتوزوف کو قرار دیتا تھا تو اس سے کوتوزوف یا خود رستوپچن کو کیا فرق پڑتا؟ جہاں تک توپخانے کے سربراہ کی بات تھی تو یہ کوتوزوف کے نزدیک کوئی اہمیت ہی نہیں رکھتی تھی۔

اس بوڑھے کو زندگی کے تجربے نے یہ بات سکھلا دی تھی کہ خیالات اور الفاظ انسان کو مافی الضمیر کے اظہار میں تو مدد دیتے ہیں مگر اسے عمل پر آمادہ نہیں کرتے۔ اس نے مندرجہ بالا مثالوں میں ہی بے معنی باتیں یا الفاظ نہیں کہے بلکہ جب بھی ضرورت پیش آتی تو وہ ایسی باتیں کرتا رہتا تھا۔

اگرچہ یہ شخص الفاظ کے انتخاب میں لاپرواواقع ہوا تھا مگر اس نے اپنے فرائض کی انجام دہی کے دوران ایک بھی ایسا لفظ نہ کہا جو اس کے مقصد سے مطابقت نہ رکھتا ہو۔ اگرچہ اسے یہ تلخ یقین تھا کہ اس کی بات نہیں سمجھی جائے گی اور وہ اپنے خیالات کے اظہار میں تامل کرتا تھا، تاہم ان تمام باتوں کے باوجود اس نے انتہائی مختلف حالات میں کئی مرتبہ ان کے اظہار میں کسی ہچکچاہٹ سے کام نہ لیا۔ اس کے اس رویے کی ابتداء بوروڈینو سے ہوتی ہے۔ وہ واحد شخص تھا جس کا یہ دعویٰ تھا کہ بوروڈینو میں روس فتحیاب رہا، وہ آخری دم تک اس دعوے سے پیچھے نہ ہٹا اور زبانی نیز خطوط اور رپورٹوں میں اس کا باربار اعادہ کرنے میں مصروف رہا۔ وہ اکیلا شخص تھا جو سرعام کہا کرتا تھا کہ ماسکو کے سقوط کا مطلب روس پر دشمن کا قبضہ نہیں ہے۔ نپولین کے ایلچی لاؤرسٹن کی لائی صلح بارے تجاویز پر اس نے جواب دیا "صلح کسی صورت نہیں ہوگی کیونکہ اس وقت میری قوم صلح نہیں چاہتی" فرانسیسیوں کی پسپائی کے دوران صرف وہی کہا کرتا تھا کہ "ہماری حکمت عملی بے فائدہ ہے اور ہر کام ہماری توقعات سے بڑھ کر مکمل ہو رہا ہے اور یہ کہ ہمیں دشمن کو "سنہری پل" پیش کرنا چاہئے۔ مزید یہ کہ تاروتینو، ویازما اور کراسنوئے کی جنگیں بے فائدہ تھیں، سرحد تک پہنچنے کیلئے ہمیں اپنی زیادہ سے زیادہ فوج بچانا ہوگی اور یہ کہ وہ دس فرانسیسیوں کے عوض بھی ایک روسی فوجی قربان نہیں ہونے دے گا"

ہمیں بتایا جاتا ہے کہ یہ درباری صرف یہی کچھ تھا کہ زار کو خوش کرنے کیلئے آراک چیف کے سامنے جھوٹ بولتا تھا جبکہ یہی وہ اکیلا شخص ہے جس نے ولنا میں یہ کہہ کر زار کی ناراضگی مول لے لی کہ "سرحد پار جنگ جاری رکھنا فضول اور نقصان دہ ہے"

اس نے اپنے دور میں واقعات کی اہمیت سمجھ لی تھی۔ اس بات کا ثبوت محض اس کے الفاظ ہی نہیں ہیں بلکہ اس کے تمام کام واحد اور تین رخی مقصد کے حصول کیلئے وقف تھے یعنی فرانسیسیوں سے نبرد آزما ہونے کیلئے اپنی تمام فوج کا ایک جگہ اجتماع، فرانسیسیوں کو شکست دینا اور انہیں روس سے باہر نکالنا۔ اس نے ہمیشہ یہی کوشش کی کہ لوگوں اور فوج

کو جس قدر ممکن ہو کم از کم نقصان سے دوچار ہونا پڑے۔

اس تاخیر پسند کوتوزوف کا نعرہ "صبر اور وقت" تھا، وہ جلد بازی اور ناعاقبت اندیشی پر مبنی کارروائیوں کا مخالف تھا، اس نے بوروڈینو میں دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور اس کیلئے بے مثال سنجیدگی سے تیاریاں کیں۔ کوتوزوف، جس نے اوسٹرلٹس کی جنگ سے پہلے ہی اعلان کر دیا تھا کہ ہم ہار جائیں گے، واحد شخص تھا جو آخری وقت تک یہ دعویٰ کرتا رہا کہ بوروڈینو میں روسی فوج کو کامیابی حاصل ہوئی جبکہ دیگر جرنیلوں کا یقین تھا کہ بوروڈینو میں روس کو شکست ہوئی تھی اور بظاہر روسی فوج کو پسپا ہونا پڑا تھا۔ وہ واحد شخص تھا جو فرانسیسیوں کی پسپائی کے دوران کہتا رہا کہ اب جنگ سے کچھ حاصل نہ ہوگا لہٰذا اس سے پرہیز کیا جائے اور نئی جنگ شروع نہیں ہونی چاہئے نیز روسی سرحد سے باہر جنگیں لڑنا بیکار ہے۔ اب جبکہ تمام نتائج ہمارے سامنے ہیں اسی لئے ان کے مفہوم سے آگاہی بھی آسان ہوگئی ہے۔ تاہم ان مقاصد کو عوام سے منسوب کرنا چھوڑ دیا جانا چاہئے جو چند درجن افراد کے ذہنوں میں موجود تھے۔

پھر یہ کیسے ہوا کہ یہ بوڑھا واحد شخص تھا جس نے عام رائے کی مخالفت کرتے ہوئے واقعات کا مفہوم اسقدر درست انداز میں سمجھ لیا کہ اپنی ملازمت میں ایک مرتبہ بھی اس سے ادھر ادھر نہ ہوا؟

وہ اپنے دور کے واقعات کو درست انداز سے سمجھنے کی اس غیر معمولی صلاحیت کا مالک اس لئے بنا کہ اس نے اپنی قوم کی خواہشات اور احساسات سے جس جذبے کے ذریعے خود کو ہم آہنگ کیا وہ پاکیزہ اور قوت سے بھرپور تھا۔

چونکہ لوگوں نے عتاب کا شکار اس بوڑھے میں موجود وہ جذبہ پہچان لیا تھا اسی لئے انہوں نے زار کی خواہشات کے برعکس اسے قومی جنگ میں اپنا قائد منتخب کر لیا اور یہی وہ جذبہ تھا جس نے اسے بلند ترین انسانی مقام پر پہنچا دیا جہاں اس نے بحیثیت کمانڈر انچیف اپنے اختیارات انسانوں کے قتل عام کی بجائے انہیں بچانے اور ان پر رحم کیلئے وقف کر دیئے۔

اس سادہ، منکسر المزاج اور واقعتاً عظیم انسان کو تاریخ کے ایجاد کردہ "یورپی ہیرو" یا "لوگوں کے فرضی رہنما" کے سانچے میں نہیں ڈھالا جا سکتا۔

خوشامدیوں کے نزدیک کوئی شخص بھی عظیم نہیں ہوتا کیونکہ عظمت کے بارے میں خوشامدیوں کے اپنے تصورات ہوتے ہیں۔

(6)

5 نومبر کراسنوئے کی جنگ کا پہلا دن تھا۔ اس دن جرنیل اپنے مقررہ مقامات پر جانے کی بجائے آپس میں الجھے، بحث و مباحثے نیز ایجوٹنوں کو متضاد ہدایات دے کر ادھر ادھر بھیجنے میں مصروف رہے۔ اسی دوران شام ہوگئی اور یہ امر واضح تھا کہ دشمن ہر جگہ سے بھاگ رہا ہے اور لڑائی کا کوئی امکان باقی نہیں رہا۔ اس صورتحال میں کوتوزوف کراسنوئے سے کوچ کر کے ڈوبروئے چلا گیا جہاں اس کا ہیڈکوارٹر منتقل کیا گیا تھا۔

اگرچہ اس روز شدید سردی تھی مگر مطلع صاف تھا۔ کوتوزوف اپنے کوتاہ قامت فربہی مائل سفید گھوڑے پر بیٹھا تھا جبکہ اس کے عقب میں افسردہ اور غیر مطمئن جرنیلوں کا جم غفیر چلا آ رہا تھا۔ یہ تمام لوگ کمانڈر انچیف کے عملے میں شامل تھے اور ان کے چہرے لٹکے ہوئے تھے۔ اس دن سات ہزار فرانسیسی گرفتار کئے گئے تھے اور وہ سڑک کے ساتھ گروہوں کی صورت میں بیٹھے آگ سینک رہے تھے۔ ڈوبروئے کے قریب خستہ حال قیدیوں کی بھاری تعداد توپوں کے

سامنے کھڑی تھی۔ انہیں جو شے دکھائی دی اسے اپنے جسم کے گرد لپیٹ لیا یا اس سے زخموں پر پٹی باندھ دی تھی۔ ان کی گفتگو کی بھنبھناہٹ دور سے سنائی دے رہی تھی۔ کمانڈر انچیف کو دیکھ کر تمام قیدی خاموش ہو گئے اور ہر نگاہ کوتوزوف پر جم گئی۔ کوتوزوف نے سفید ٹوپی پہن رکھی تھی جس پر سرخ فیتہ لگا ہوا تھا۔ اس کے جسم پر اون بھرا اوورکوٹ تھا۔ اس کے کندھے اوپر کو اٹھے تھے اور وہ ٹہلنے کے انداز میں سڑک پر چل رہا تھا جبکہ ایک جرنیل اسے یہ بتانے میں مصروف تھا کہ توپیں اور قیدی کہاں سے پکڑے گئے تھے۔

یوں لگتا تھا جیسے کوتوزوف اپنی ہی سوچوں میں غرق ہے اور جرنیل کی بات پر دھیان نہیں دے رہا۔ اس نے ناگواری کے انداز میں آنکھیں میچ لیں اور قیدیوں کو غور سے دیکھنا شروع کر دیا جو خصوصی طور پر قابل رحم منظر پیش کر رہے تھے۔ سردی کے سبب اکثر قیدیوں کی ناک اور گال خراب ہو گئے تھے اور ان کی شکلیں بگڑ گئی تھیں۔ سبھی کی آنکھیں سرخ اور سوجی ہوئی تھیں جبکہ زخم خراب ہو چکے تھے۔

فرانسیسی قیدیوں کا ایک گروہ سڑک کے قریب کھڑا تھا اور ان کے دو سپاہی کچے گوشت کا ٹکڑا کھانے میں مصروف تھے۔ ان میں سے ایک کا چہرہ پھوڑے پھنسیوں سے بھرا تھا۔ انہوں نے اپنے قریب سے گزرنے والے گھڑ سواروں کو سرسری انداز سے دیکھا۔ پھنسیوں والے نے انہیں دیکھ کر غصے میں ناک بھوں چڑائی اور رخ پھیر کر گوشت نوچنا شروع کر دیا۔ وہ جانوروں کی طرح کھا رہا تھا اور اسے دیکھ کر دوسروں کو کراہت اور خوف کا احساس ہونے لگا۔

کوتوزوف خاصی دیر تک دونوں سپاہیوں کو دیکھتا رہا، پھر اس نے ماتھے پر بل ڈال کر آنکھیں میچتے ہوئے کچھ سوچا اور سر ہلا دیا۔ ایک اور جگہ اس نے روسی سپاہی کو ایک فرانسیسی سے دوستانہ انداز میں کچھ کہتے اور اس کے کندھے پر تھپکی دیتے دیکھا۔ یہ منظر دیکھ کر کوتوزوف نے دوبارہ پہلے جیسی شکل بنائی اور سر ہلا دیا۔

جرنیل ابھی تک رپورٹ سنائے جا رہا تھا۔ کوتوزوف نے اس سے پوچھا "کیا؟ کیا کہا؟" جرنیل نے کمانڈر انچیف کی توجہ فرانسیسیوں سے چھینے گئے چند جھنڈوں کی طرف دلائی جو پریوبرازنسکی رجمنٹ کے سامنے لگائے گئے تھے۔

کوتوزوف نے اپنے خیالات کو بمشکل جھٹکا اور کہا "اوہ، جھنڈے" اس نے لاپروائی سے اردگرد دیکھا۔ ہر طرف سے ہزاروں نگاہیں اس پر مرکوز تھیں اور انہیں امید تھی کہ وہ کچھ نہ کچھ ضرور کہے گا۔

وہ پریوبرازنسکی رجمنٹ کے سامنے ٹھہر گیا اور آہ بھر کر آنکھیں بند کر لیں۔ عملے کے ایک رکن نے پرچم تھامے سپاہیوں کو آگے آنے اور انہیں کمانڈر انچیف کے قریب لگانے کا اشارہ کیا۔ کوتوزوف چند لمحے خاموش کھڑا رہا اور پھر بے دلی سے ان فرائض کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے اپنی گردن اوپر اٹھائی جو اس پر عائد کر دیئے گئے تھے اور تقریر شروع کر دی۔ افسر اس کے گرد جمع ہو گئے اور اس نے ان میں سے متعدد کو پہچان لیا۔

اس نے سپاہیوں اور افسروں سے مخاطب ہو کر کہا "میں آپ تمام لوگوں کا شکر گزار ہوں" چاروں جانب خاموشی چھائی تھی اور اس کے الفاظ واضح طور پر سنائی دے رہے تھے۔ وہ کہہ رہا تھا "آپ لوگوں نے جس محنت اور وفاداری سے خدمات انجام دی ہیں اس کیلئے میں آپ سب کا شکر گزار ہوں اور روس آپ کو کبھی نہیں بھولے گا۔ میں خداوند سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کو ہمیشہ ایسی ہی عزت اور وقار بخشتا رہے۔

اس نے کچھ دیر توقف کیا اور اپنے اردگرد دیکھا۔

پھر وہ فرانسیسی جھنڈا پکڑے ایک سپاہی سے کہنے لگا "اسے اور نیچے کرو" سپاہی نے جھنڈا غلطی سے

پریوبرازنسکی رجمنٹ کے جھنڈوں کے سامنے جھکا دیا تھا۔ کوتوزوف اسے کہنے لگا "اسے اور نیچے کرو، ہاں، ایسے، سپاہیو ہرا!!"

ہر طرف سے آواز آئی "ہرا!!!"

سپاہیوں نے نعرے لگائے تو کوتوزوف آگے جھکا اور اس کی آنکھوں میں ملائمت بھری طنزیہ چمک پیدا ہو گئی۔

نعرہ بازی ختم ہوئی تو اس نے کہا "اور اب میرے بھائیو۔۔۔"

اس کی آواز اور چہرے کے تاثرات اچانک بدل گئے۔ اب وہ کمانڈر انچیف نہیں بلکہ کسی ایسے عام شخص کی طرح بول رہا تھا جو اپنے ساتھیوں کو اہم بات بتانا چاہتا ہو۔

افسروں اور عام سپاہیوں میں ہلچل مچ گئی اور سبھی لوگ اس کی بات سننے کیلئے خاموش ہو گئے۔

وہ کہنے لگا "اور اب میرے بھائیو، میں جانتا ہوں کہ آپ کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے مگر اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔ آپ کو ہمت اور حوصلے سے کام لینا ہوگا۔ یہ مصائب زیادہ دیر جاری نہیں رہیں گے۔ ہم اپنے مہمانوں کو واپس بھیج کر آرام کریں گے۔ زار آپ کی خدمات کبھی نہیں بھلائیں گے۔ اگرچہ آپ لوگوں کو مصیبتوں سے واسطہ پڑا ہے مگر پھر بھی آپ اپنے ملک میں ہیں جبکہ یہ۔۔۔" اس نے فرانسیسی قیدیوں کی جانب اشارہ کیا اور بات جاری رکھتے ہوئے کہا "آپ دیکھ رہے ہیں کہ ان کے ساتھ کیا ہوا۔ ان کی حالت غریب ترین بھکاریوں سے بھی زیادہ خراب ہے۔ جب یہ لوگ طاقتور تھے تو ہم نے ہار نہیں مانی، مگر اب ہم ان پر رحم بھی کر سکتے ہیں، یہ بھی انسان ہیں، کیا خیال ہے؟"

اس نے اردگرد دیکھا، اسے اپنے جوانوں کی پرعزم، مودب اور حیران نگاہوں میں ہمدردی کی جھلک نظر آئی۔ بڑھاپے کی ملائمت بھری مسکراہٹ سے اس کا چہرہ روشن ہو گیا تھا اور اس کے چہرے کی رگیں کچھ اس طور سے کھچ گئیں کہ جھریاں ستاروں کے جھرمٹ کی طرح اکٹھی ہو گئیں۔ وہ ٹھہر گیا اور سر کو یوں جھٹکا جیسے سمجھ نہ آتی ہو کہ کیا کہنا چاہئے۔

اس نے گردن اٹھائی اور بلند آواز میں بولا "مگر پھر بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انہیں یہاں کس نے بلایا؟ ان کے ساتھ جو ہوا درست ہوا، ہرا، ا، ا۔۔۔"

مہم کے دوران پہلی مرتبہ اس نے چابک لہرایا اور گھوڑا سرپٹ بھگاتا وہاں سے آگے نکل گیا، اس کے پیچھے جوان صفوں سے نکل آئے اور ہنس ہنس کر "ہرا!" کے نعرے لگانے لگے۔

عام سپاہیوں کو اس کی باتیں بمشکل سمجھ آئی تھیں۔ کوئی شخص فیلڈ مارشل کے الفاظ بعینہٖ نہیں دہرا سکتا تھا۔ وہ بس یہی کچھ جانتے تھے کہ اس نے اپنی تقریر نہایت سنجیدہ انداز میں شروع کی مگر آخر میں اس نے بوڑھوں کی طرح بناوٹ سے عاری اور عام باتیں شروع کر دیں۔ تاہم اس تقریر کے پیچھے جو خلوص اور شاندار کامیابی کا جو احساس جھلک رہا تھا، اس میں دشمن کیلئے رحم کے جذبے اور ہمارے مقصد کی سچائی کا احساس بھی شامل تھا جس کا اظہار بوڑھے نے نہایت موزوں الفاظ میں کیا تھا۔ یہ بات نہ صرف سمجھ لی گئی بلکہ ہر سپاہی کے دل کی آواز بھی تھی اور انہوں نے اس کا اظہار خوشی سے بھرپور نعروں کی صورت میں کیا جو دیر تک لگائے جاتے رہے۔ بعد ازاں جب ایک جرنیل نے کمانڈر انچیف سے پوچھا کہ "کیا آپ کیلئے گاڑی منگوائی جائے؟" تو جواب دینے کی کوشش میں کوتوزوف کی سسکی نکل گئی۔

(7)

کراسنوئے کی لڑائی کے آخری دن یعنی 8 نومبر کو جب روسی فوجی رات گزارنے کیلئے اپنے پڑاؤ میں واپس آئے تو شام ہو چکی تھی۔ تمام دن ہوا بند رہی تھی اور کبھی کبھار ہلکی پھلکی برفباری بھی ہو جاتی تھی۔ شام ہوئی تو مطلع صاف ہونے لگا۔ برف کے گالوں میں کالا، ارغوانی اور ستاروں سے بھرا آسمان دکھائی دینے لگا جس کے نتیجے میں سردی کی شدت میں بھی اضافہ ہو گیا۔

بندوق بردار فوجیوں کی ایک رجمنٹ سڑک کنارے ایک گاؤں میں واقع عارضی پڑاؤ میں سب سے پہلے پہنچی۔ یہ رجمنٹ تاروتینو سے روانہ ہوئی تو اس میں تین ہزار افراد شامل تھے جبکہ اب ان میں سے صرف نو سو باقی رہ گئے تھے۔ رجمنٹ کا استقبال کرنیوالے کوارٹر ماسٹرز نے بتایا کہ تمام جھونپڑیاں ہلاک و زخمی فرانسیسیوں، گھڑ سواروں اور عملے کے افسروں سے بھری ہوئی ہیں اور صرف رجمنٹ کے کمانڈر کیلئے ایک جھونپڑا مل سکتا ہے۔

کرنل آگے بڑھا اور جھونپڑے میں چلا گیا۔ رجمنٹ گاؤں سے پیدل گزرتی سب سے آخری جھونپڑوں کے قریب گئی اور وہاں اپنے ہتھیار ڈھیر کر دیئے۔

رجمنٹ کسی عظیم اور کثیرالاعضاء بھوت کی طرح اپنی قیام گاہ اور کھانا تیار کرنے میں مشغول ہو گئی۔ سپاہیوں کا ایک گروہ گرتا پڑتا اور برف میں دھنستا گاؤں کی مشرقی سمت میں واقع جنگل کی طرف چل دیا اور وہاں سے درختوں پر کلہاڑیوں اور تلواروں کی ضربات نیز تنے کٹ کر گرنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ ساتھ ساتھ سپاہیوں کے ہنسی مزاح کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ دوسرا گروہ رجمنٹ کی گاڑیوں اور گھوڑوں کے درمیان سامان سے برتن اور بسکٹ نکالنے نیز گھوڑوں کو چارہ اور دانہ وغیرہ دینے میں مصروف ہو گیا۔ تیسرا گروہ گاؤں میں بکھر گیا اور اس کے سپاہی افسروں کیلئے رہائش کا بندوبست کرنے، فرانسیسیوں کی لاشیں باہر پھینکنے، آگ جلانے کیلئے خشک لکڑیاں اور تختے وغیرہ ڈھونڈنے میں مصروف تھا۔ یہ گروہ عارضی پناہ گاہیں بنانے کیلئے چھتوں سے شہتیر، بالے اور گھاس بھی ادھیڑ رہا تھا۔

گاؤں کے آخری کنارے پر جھونپڑیوں کے پیچھے کم و بیش پندرہ سپاہی ایک بے چھت چھپر کی اونچی دیوار گرانے کی کوششوں میں مصروف تھے اور خوشدلی سے چلا رہے تھے۔

وہ چیخ چلا کر کہہ رہے تھے "ہاں، زور لگاؤ، ہلا کر!" رات کے اندھیرے میں برف جمی دیوار جھولنے اور چرچرانے لگی۔ اس کے نچلے ڈنڈے زوردار آواز پیدا کر رہے تھے۔ آخرکار دیوار نیچے گر گئی اور زور لگانے والے سپاہی بھی زمین پر آ رہے۔ بلند چیخیں سنائی دیں اور پھر زوردار قہقہے لگائے گئے۔

سپاہی ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے "دو دو مل کر اٹھاؤ۔۔۔ مگر لڑکو، ذرا ٹھہرو۔۔۔ چلا کر"

تمام لوگ خاموش ہو گئے اور کوئی ملائم آواز میں گانا گانے لگا۔ تیسرے بند کے آخر میں سر دھیما ہوا تو آواز خاموش ہو گئی۔ بیسیوں افراد بیک وقت چیختے چنگھاڑنے لگے۔ "او، او، اوووہ، یہ ہل رہی ہے، کھینچو، مل کر زور لگاؤ لڑکو۔۔۔" مگر ان کی مشترکہ کوششوں کے باوجود دیوار بمشکل تھوڑی سی کھسک پائی اور ایک مرتبہ پھر خاموشی چھا گئی جس میں ان کے ہانپنے کی آواز سنائی دینے لگی۔

انہوں نے سپاہیوں کے ایک اور گروہ کو دیکھا تو کہنے لگے "ارے چھٹی کمپنی والو تم کہاں، شیطانو! ذرا ہماری مدد بھی کر دو۔۔۔ کسی دن تمہیں بھی ہماری مدد درکار ہو سکتی ہے۔۔۔"

چھٹی کمپنی کے بیس سپاہی جو گاؤں کی طرف جا رہے تھے، ان کے ساتھ شامل ہو گئے اور کم و بیش پینتیس فٹ لمبی اور سات فٹ اونچی دیوار گلی میں گھسٹنے لگی۔ دیوار ہل رہی تھی اور ہانپتے کانپتے فوجیوں کو اپنے وزن تلے دبا تی ان کے کندھے زخمی کر رہی تھی۔

ہر طرف سے آوازیں آ رہی تھیں "چلو چلو۔۔۔ دھکیلو اسے۔۔۔ رک کیوں گئے؟ اوہو، ادھر" شگفتہ اور بے معنی گالیوں کا سلسلہ جاری تھا۔

ایک سارجنٹ نے تحکمانہ آواز میں کہا "یہ تم کیا کر رہے ہو؟ وہ بوجھ گھسیٹتے جوانو کے پاس اتفاق سے پہنچ گیا تھا۔ وہ کہنے لگا "شیطانو، یہاں عملے کے لوگ مقیم ہیں، جنرل خود اس جھونپڑے میں ٹھہرا ہوا ہے، میں تمہیں سخت سزا دوں گا، تم شور سے باز نہیں رہ سکتے" یہ کہتے ہوئے اس نے جو شخص سامنے تھا اسی کی پشت پر گھونسا جڑ دیا۔

سپاہی خاموش ہو گئے۔ گھونسا کھانے والے نے خون آلود چہرے پر ہاتھ پھیرا، دھکا لگنے کے نتیجے میں وہ دیوار سے ٹکرا گیا تھا جس سے اس کا چہرہ زخمی ہو گیا۔

سارجنٹ کے جانے کے بعد اس نے سہمے ہوئے انداز میں سرگوشی کی "اوہ، یہ شیطان کیسے مکہ مارتا ہے، میرا منہ لہولہان ہو گیا ہے" دیگر سپاہیوں نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا "تمہیں یہ بات اچھی نہیں لگی؟ بہت اچھا ہوا، سپاہی مدھم آواز میں باتیں کرتے ہوئے آگے بڑھنا شروع ہو گئے۔ گاؤں سے باہر نکلنے کے بعد انہوں نے اسی طرح شور مچانا اور ایک دوسرے کو گالیاں بکنا شروع کر دیا۔

وہ جس جھونپڑے کے سامنے سے گزرے تھے وہاں اعلیٰ افسر جمع تھے اور نہایت جوش و خروش سے اس دن کے واقعات پر تبصرہ کرتے ہوئے اگلے دن کی حکمت عملی پر غور کر رہے تھے۔ اس دوران وائسرائے کا راستہ منقطع کرنے اور اسے گرفتار کرنے کیلئے بائیں جانب پیشقدمی کی تجویز رکھی گئی۔

جس وقت فوجی جوان دیوار گھسیٹ کر اپنی جائے قیام پر پہنچے تو کھانا پکانے کیلئے جا بجا آگ جل رہی تھی۔ لکڑیاں چٹخنے لگیں اور برف پگھلنا شروع ہو گئی۔ پڑاؤ میں برف سپاہیوں کے پاؤں تلے دب گئی تھی اور ادھر ادھر گھومتے پھرتے سپاہیوں کے سائے رقص کرتے محسوس ہوتے تھے۔

ہر جگہ کلہاڑیاں اور دیگر اوزار چل رہے تھے۔ یہ تمام عمل کسی ہدایت کے بغیر جاری تھا۔ رات بسر کرنے کیلئے لکڑیوں کے ڈھیر لگائے جا چکے تھے اور افسروں کیلئے عارضی پناہ گاہیں تیار کر لی گئی تھیں۔ پانی گرم کرنے کیلئے بڑے برتن آگ پر دھر دیئے گئے اور ہتھیاروں کو ترتیب سے ایک جگہ لگا دیا گیا۔

شمال کی سمت سے آنیوالی ہوا روکنے کیلئے آٹھویں کمپنی کے سپاہیوں نے اکھاڑی جانیوالی دیوار دستی بندوقوں کے سہارے نیم دائرے کی شکل میں کھڑی کر دی اور سامنے الاؤ جل گیا۔ رات کو بگل بجا اور سپاہیوں کی حاضری کے بعد کھانا کھایا گیا، پھر تمام لوگ رات گزارنے کیلئے آگ کے گرد جمع ہونے لگے۔ کچھ لیٹ گئے، کچھ جوتے ٹھیک کرنے لگے، بعض نے پائپ سلگا لئے اور کچھ آگ کی گرمی میں جوئیں نکالنے کیلئے اپنے کپڑے اتارنا شروع ہو گئے۔

(8)

روسی سپاہیوں کے پاس فروالے کوٹ اور گرم بوٹوں کی شدید قلت تھی۔ منفی اٹھارہ ڈگری درجہ حرارت میں چھت کے بغیر رہنا پڑتا تھا اور اکثر و بیشتر ناکافی کھانا ملتا تھا کیونکہ فوج کی رفتار تیز تھی اور رسد کا شعبہ اس کا ساتھ نہیں دے

پاتا تھا۔ اس خستہ حالی بارے جان کر انسان سوچتا ہے کہ فوجی بے حد افسردگی اور پریشانی کا شکار ہوں گے۔

مگر صورتحال اس سے بالکل الٹ تھی۔ فوج جس شگفتگی اور زندہ دلی کا مظاہرہ کر رہی تھی وہ اس نے فوجی اور مادی اعتبار سے بہترین حالات میں بھی نہیں کیا ہوگا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ کمزوری کا مظاہرہ کرنے اور حوصلہ ہار جانے والے لوگ فوج سے بھاگ جاتے تھے یا پیچھے رہ جاتے اور اب صرف وہی باقی رہ گئے تھے جو جسمانی اور اخلاقی حوالے سے فوج کا فخر کہے جا سکتے تھے۔

کسی اور جگہ کی نسبت آٹھویں کمپنی کی دیوار کے پیچھے سب سے زیادہ فوجی جمع تھے۔ ان کے ساتھ دو سارجنٹ بھی بیٹھے تھے اور دوسروں کے مقابلے میں ان کا الاؤ زیادہ شدت سے جل رہا تھا۔ دیوار کی پناہ کے عقب میں بیٹھنے کیلئے سوکھی لکڑیاں لانے کی شرط عائد کر دی گئی۔

سرخ چہرے اور بالوں والے ایک سپاہی نے دوسرے سے کہا "ارے ماکائف، تم کہاں رہ گئے تھے، کہیں تمہیں بھیڑیوں نے تو نہیں کھا لیا تھا؟ جاؤ اور لکڑیاں لے آؤ" دھوئیں کی وجہ سے وہ اپنی آنکھیں تیزی سے بند کرنے اور کھولنے میں مصروف تھا مگر آگ کے قریب جم کر بیٹھا تھا۔

اس نے ایک اور سپاہی پر رعب جھاڑتے ہوئے کہا "ارے کوے، تم بھی جاؤ اور کچھ لکڑی لے آؤ۔ یہ سرخ بالوں والا سپاہی سارجنٹ تھا نہ کارپورل مگر وہ سخت جان اور محنتی ہونے کے ناطے کمزوروں پر رعب جماتا رہتا تھا۔ جسے اس نے کوا کہہ کر مخاطب کیا تھا وہ دبلا پتلا اور چھوٹے قد کا باریک ناک والا شخص تھا۔ وہ حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اٹھا اور لکڑیوں کی تلاش میں جانے والا تھا کہ آگ کی روشنی میں ایک نوجوان اور خوبصورت جسامت والا سپاہی دکھائی دیا جو لکڑیاں اٹھائے لا رہا تھا۔

سرخ چہرے والے سپاہی نے اسے دیکھتے ہی کہا "ادھر لے آؤ، ایسے ہونا چاہئے"

انہوں نے لکڑیاں توڑ کر انہیں آگے کے الاؤ میں پھینک دیا اور پھر ان پر پھونکیں مار کر اپنے لبادوں کی مدد سے آگ کو ہوا دینے لگے۔ شعلے بھڑک اٹھے اور لکڑیاں چٹخنے لگیں۔ سپاہی آگے سے قریب ہو گئے اور پائپ جلا لئے۔ لکڑیاں لانے والا خوبرو نوجوان دونوں ہاتھ کولہوں پر رکھے اسی جگہ کھڑا تھا اور تیزی سے اپنے ٹھنڈے پاؤں زمین پر مار رہا تھا۔

وہ گانا گانے لگا "اوہ، پیاری ماں! شبنم سرد مگر عمدہ ہے، اور بندوقچی!۔۔۔" اس کی آواز یوں نکل رہی تھی جیسے گانے کی بجائے کھانس رہا ہو۔

سرخ بالوں والے نے چلا کر کہا "ارے دیکھو تو سہی، تمہارے تلوے اڑنے والے ہیں" اس نے نوجوان سپاہی کے ایک جوتے کا ڈھیلا تلوا دیکھ لیا تھا۔

سپاہی پاؤں زمین پر مارتے مارتے رک گیا اور جوتے کا ڈھیلا تلوا اکھاڑ کر آگ میں پھینک دیا۔ وہ نیچے بیٹھتے ہوئے بولا "میرے دوست، تمہاری بات درست تھی، یہ بھاپ میں خراب ہوتے ہیں" اس نے اپنے تھیلے سے نیلا کپڑا نکالا اور اسے پاؤں پر باندھ لیا۔

کسی نے کہا "وہ جلد ہمیں نئے جوتے دینا شروع کر دیں گے۔ ان کا کہنا ہے کہ پہلے ان جوتوں کو توڑو، پھر وہ دو دو جوڑیاں دے دیں گے"

ایک سارجنٹ بولا "تم جانتے ہو کہ وہ کتیا کا بچہ پیٹروف واقعی پیچھے رہ گیا ہے"

دوسرے نے جواب دیا "میں اتنا عرصہ اس کی نگرانی کرتا رہا"

سارجنٹ نے کہا "بہر حال، وہ اچھا سپاہی نہیں تھا"

ایک کہنے لگا "کہتے ہیں کہ گزشتہ روز حاضری کے دوران تیسری کمپنی کے نو افراد غائب تھے"

کہیں سے آواز آئی "جب پاؤں برف میں جم جائیں تو چلیں کیسے؟"

سارجنٹ بولا "کیا کہا؟ احمق مت بنو"

ایک بوڑھا سپاہی برف کا ذکر کرنیوالے سے کہنے لگا "شاید تمہارے ذہن میں بھی یہی بات ہوگی"

باریک ناک والے نے، جسے کوا کہہ کر مخاطب کیا گیا تھا، آگ کی دوسری جانب سے اچانک اپنا سر اٹھایا اور چیختے ہوئے بولا "آپ کیا کہتے ہیں؟ اگر انسان صحتمند ہو تو ان حالات میں لاغر ہو جائیگا مگر جو پہلے سے ہی لاغر ہو وہ مرے نہیں تو اور کیا کرے۔ میری طرف ہی دیکھیں، مجھ میں ذرا طاقت نہیں رہی، انہیں کہیں کہ وہ مجھے ہسپتال بھیج دیں۔ میرا پورا جسم درد کر رہا ہے اور اب میں دوسروں کیساتھ مزید نہیں چل سکتا"

سارجنٹ اطمینان بھرے انداز میں بولا "بس چھوڑو، بہت ہوگئی"

سپاہی خاموش ہو رہا اور مزید کچھ نہ بولا۔ گفتگو جاری رہی۔

ایک سپاہی نے نیا موضوع چھیڑا اور کہنے لگا "آج بے شمار فرانسیسیوں کو پکڑا گیا مگر ان میں سے ایک کے پاس بھی اصل بوٹ نہ تھے۔ ان کے بوٹ قازقوں نے چھین لئے ہیں۔ ہم کرنل کیلئے جھونپڑا صاف کر رہے تھے اور وہ اس کام میں لگے ہوئے تھے۔ انہیں دیکھ کر بیحد رحم آتا ہے۔ جب وہ انہیں ہلا جلا رہے تھے تو معلوم ہوا کہ ایک زندہ ہے، یقین کیجئے کہ وہ اپنی زبان میں کچھ بڑبڑا رہا تھا"

ایک شخص نے کہا "مگر وہ صاف ستھرے ہیں۔ ان کا رنگ بالکل سفید ہے اور بعض کو دیکھ کر یوں لگتا ہے جیسے ان کا تعلق اعلیٰ طبقے سے ہو"

پہلا سپاہی کہنے لگا "تو تمہارا کیا خیال تھا؟ وہاں ہر طبقے کا شخص فوج میں بھرتی کیا جاتا ہے"

نوجوان سپاہی بولا "مگر انہیں ہماری کوئی بات سمجھ نہیں آتی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تمہارا بادشاہ کون ہے تو وہ جواباً بڑبڑاتا رہا" یوں لگتا تھا جیسے سپاہی کی سمجھ میں نہ آیا ہو کہ وہ ایسے کیوں ہیں۔

فرانسیسیوں کے سفید رنگ پر حیران ہونیوالا کہنے لگا "یہ تو بیحد عجیب بات ہے۔ موزیسک کے قریب رہنے والے کسانوں کا کہنا ہے کہ انہوں نے لاشیں دفن کرنا شروع کر دی ہیں۔ تم تو جانتے ہی ہو کہ وہاں جنگ ہوئی تھی، بہر حال لاشیں ایک ماہ سے پڑی تھیں اور کسان نے مجھے بتایا کہ یہ کاغذ کی طرح سفید اور صاف ستھرے ہیں اور ان کے جسم سے بارود کے سوا کوئی اور بو نہیں آتی"

ایک سپاہی نے رائے ظاہر کی "ہو سکتا ہے سردی کی وجہ سے ایسا ہوتا ہو"

پہلے والا سپاہی کہنے لگا "ارے کیسی باتیں کرتے ہو، ان دنوں تو گرمیاں تھیں، اگر سردی ہوتی تو ہمارے سپاہیوں کی لاشیں کیوں گلتی سڑتیں۔ اس نے مجھے بتایا تھا کہ "تم اپنے سپاہیوں کی لاشوں کو دیکھو ان میں کیڑے پڑے ہوں گے اور بدبو کے بھبکے اٹھ رہے ہوں گے۔ جب ہم ان کی لاشیں گھسیٹتے ہیں تو منہ پر کپڑا رکھنا پڑتا ہے اور تے آتی ہے مگر ان فرانسیسیوں کے جسم کاغذ کی طرح سفید ہوتے ہیں اور ان سے بارود کے سوا کوئی بو نہیں آتی"

تمام لوگ خاموش بیٹھے تھے۔

سارجنٹ نے کہا ''ایسا ان کی خوراک کے سبب ہوتا ہوگا۔ وہ شہزادوں کی سی زندگی بسر کیا کرتے تھے''

کسی نے اس کے رد میں کچھ نہ کہا۔

ایک سپاہی کہنے لگا ''جہاں جنگ ہوئی تھی وہاں موزیک کے کسان نے ہمیں بتایا کہ لاشیں ہٹانے کیلئے دس گاؤں کے لوگ بلائے گئے ہیں اور انہیں یہ کام کرتے بائیس دن گزر گئے ہیں اور ابھی تک لاشیں باقی ہیں، وہ بے شمار بھیڑیے۔۔۔''

ایک بوڑھا اور تجربہ کار سپاہی بولا ''وہ حقیقی جنگ تھی جسے یاد رکھا جائے گا مگر اس کے بعد صرف دکھاوے کی جنگیں ہو رہی ہیں''

ایک جوان بول اٹھا ''بہرحال چچا! آپ کو تو علم ہی ہے کہ کل ہم ان کے پیچھے گئے مگر ان سے کوئی مقابلہ نہ کر سکا۔ ہم جونہی ان کے قریب گئے تو وہ ہتھیار پھینک کر ہمارے پاؤں پڑ گئے اور معافی مانگنا شروع کر دی۔ مگر یہ صرف ایک واقعہ ہے، ایسے اور بھی ہو سکتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ پلاتوف نے نپولین کو دو مرتبہ پکڑ لیا تھا مگر ہاتھ سے گنوا بیٹھا۔ وہ اس کے ہاتھ آتے ہی پرندہ بن کر اڑ گیا۔ اسے ہلاک کرنے کا کوئی طریقہ نہیں''

بوڑھے سپاہی نے کہا ''کسیلوف تم شکل سے ہی جھوٹے معلوم ہوتے ہو''

کسیلوف نے جواب دیا ''بہرحال، اگر وہ میرے ہاتھ آ جاتا تو میں اسے ضرور پکڑ لیتا اور پکڑنے کے بعد اسے کھونٹے کی طرح زمین میں دبا دیتا۔ ذرا غور کریں کہ اس کی وجہ سے کتنے لوگوں نے جان گنوائی''

ایک اور بوڑھا جمائی لیتے ہوئے بولا ''جانے دو یار، اب ہم اسکا کام تمام کر رہے ہیں، وہ دوبارہ یہاں کبھی نہ آئے گا''

گفتگو میں ٹھہراؤ آتا گیا اور سپاہی سونے کی تیاریاں کرنے لگے۔

ایک سپاہی نے ستاروں کے جھرمٹ دیکھ کر حیرانی کا اظہار کرتے ہوئے کہا ''ستارے کیسے چمک رہے ہیں، یوں لگتا ہے جیسے کسی عورت نے کپڑے سوکھنے کیلئے پھیلائے ہوں''

کسی نے اس کی بات سن کر کہا ''لڑکو، یہ اس امر کی نشانی ہے کہ آئندہ سال بھرپور فصل ہوگی''

ایک جانب سے آواز آئی ''مزید لکڑی کی ضرورت پڑ سکتی ہے''

کسی نے لقمہ دیا ''پشت گرم کریں تو پیٹ ٹھنڈا ہونے لگتا ہے، کچھ سمجھ نہیں آتی''

ایک سپاہی کے منہ سے نکلا ''اوہ خداوندا!''

کوئی کسی سے کہہ رہا تھا ''تم دھکے کیوں دے رہے ہو؟ کیا یہ آگ صرف تمہارے لئے ہے؟ دیکھو کیسے پاؤں پھیلا کر لیٹا ہے''

ہر طرف خاموشی چھا گئی اور سونے والوں کے خراٹوں کی آوازیں آنے لگیں۔ کچھ لوگ خود کو گرم رکھنے کیلئے پہلو بدلتے رہے۔ وہ کبھی کبھار آپس میں ایک آدھ بات کر لیتے تھے۔ سو قدم دور ایک اور الاؤ روشن تھا جہاں سے قہقہوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔

ایک سپاہی نے کہا ''پانچویں کمپنی والے کیسے چلا رہے ہیں، ان کی تعداد بھی زیادہ ہے''

ایک شخص اٹھا اور پانچویں کمپنی کی جانب چلا گیا۔

اس نے واپس آکر بتایا ''وہاں بیحد رونق ہے۔ کہیں سے دو فرانسیسی بھی آ گئے ہیں۔ ایک کا تو سردی سے

برا حال ہے جبکہ دوسرا چہکتے ہوئے گانا گا رہا ہے، یقین کرو ایسا ہی ہے''

متعدد سپاہی بولے ''اوہ، پھر تو یقیناً وہاں جانا چاہئے۔۔۔'' وہ لوگ پانچویں کمپنی کی جانب چل دیئے۔

(9)

پانچویں کمپنی کا قیام سڑک کنارے تھا۔ برف کے عین درمیان میں بہت بڑا الاؤ جل رہا تھا جس کی بدولت درختوں کی برف سے ڈھکی شاخیں روشن ہو گئی تھیں۔

نصف شب کے قریب کمپنی کے سپاہیوں کو برف پر قدموں کی چاپ سنائی دی۔

ایک جوان بولا ''لڑکو، ریچھ آرہا ہے''

قدموں کی چاپ سنتے ہی سب کے کان کھڑے ہو گئے اور وہ سر اٹھا کر دیکھنے لگے۔ آگ کی روشنی میں دو اشخاص دکھائی دیئے جنہوں نے عجیب و غریب لباس پہن رکھا تھا اور وہ ایک دوسرے سے چپٹے ہوئے تھے۔

دونوں فرانسیسی تھے اور جنگل میں چھپے ہوئے تھے۔ وہ آگ کے قریب آکر بیٹھ گئے اور دبی دبی آوازوں میں کسی نامانوس زبان میں کچھ کہنے لگے جو روسیوں کو سمجھ نہیں آتی تھی۔ ان میں سے ایک کا قد لمبا تھا اور اس نے سر پر افسروں جیسی ٹوپی رکھی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کے جسم میں طاقت کی آخری رمق بھی نچڑ گئی ہو۔ اس نے آگ کے قریب پہنچ کر بیٹھنے کی کوشش کی مگر نیچے گر گیا۔ دوسرا شخص چوڑا چکلا اور پستہ قامت سپاہی تھا۔ اس نے سر کے گرد رومال باندھ رکھا تھا۔ اس نے اپنے ساتھی کو اٹھایا اور اس کے منہ کی جانب اشارہ کر کے سپاہیوں سے کچھ کہا۔ روسی سپاہیوں نے دونوں کو گھیرے میں لے لیا، بیمار کے نیچے کوٹ بچھایا اور دونوں کیلئے دلیہ اور واڈکا لے آئے۔ تھکا ہارا فرانسیسی رامبیلی اور پستہ قد سپاہی اس کا اردلی موریل تھا۔

موریل نے دلیہ کھانے کے بعد واڈکا پی لی تو غیر فطری طور پر چہکنا شروع کر دیا اور سانس لئے بغیر روسیوں سے بات چیت شروع کر دی حالانکہ انہیں اس کی سمجھ نہیں آرہی تھی۔ رامبیلی نے کچھ کھانے سے انکار کر دیا اور کہنی پر سر ٹکائے آگ کے قریب خاموشی سے لیٹا روسیوں کو تکتا رہا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور وہ وقفوں وقفوں سے کراہ رہا تھا۔ موریل نے اس کے کندھوں کی طرف اشارہ کر کے روسیوں کو سمجھانے کی کوشش کی کہ رامبیلی افسر ہے اور اسے حرارت کی ضرورت ہے۔ ایک روسی افسر گھومتا پھرتا وہاں آ نکلا اور اس نے یہ پوچھنے کیلئے کرنل کے پاس پیغام بھیجا کہ آیا وہ اس فرانسیسی افسر کو اپنی جھونپڑی میں ٹھہرا سکتا ہے؟ کرنل کی جانب سے جواب ملا کہ فرانسیسی افسر کو اس کے پاس بھیج دیا جائے۔ انہوں نے رامبیلی کو بتایا کہ اسے کرنل اپنے پاس بلا رہا ہے۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا مگر نقاہت کے سبب اس کی ٹانگیں لڑکھڑانے لگیں۔ قریب تھا کہ وہ گر جاتا مگر ایک سپاہی نے اسے سہارا دے دیا۔

ایک سپاہی نے رامبیلی کو مزاحیہ انداز میں آنکھ ماری اور بولا ''تو آپ کرنل کے پاس نہیں جانا چاہتے''

متعدد آوازیں اس سپاہی کو ڈانٹ ڈپٹ کرتی سنا دیں ''اوہ، بیوقوف! یہ مذاق کا وقت نہیں ہے، کسان ہے، واقعی پورا دیہاتی ہے'' انہوں نے رامبیلی کو گھیر لیا اور دو افراد اسے سہارا دے کر کرنل کے جھونپڑے کی جانب لے چلے۔ رامبیلی نے اپنے بازو ان کی گردنوں پر رکھ دیئے اور غمگین لہجے میں بار بار کہنے لگا ''اوہ آپ کتنے اچھے لوگ ہیں! آپ مہربان، مہربان دوستوں کی طرح ہیں۔ یہ لوگ! او میرے بہادر اور رحمدل ساتھیو'' یہ کہتے ہوئے اس نے بچوں کی طرح اپنا سر ایک سپاہی کے کندھے پر رکھ دیا۔

اس دوران موریل وہیں بیٹھا رہا۔ وہ چھوٹے قد کا قوی الجثہ فرانسیسی تھا۔ اس کی آنکھوں میں سوجن تھی اور ان سے پانی بہہ رہا تھا۔ اس نے عورتوں والا کوٹ پہن رکھا تھا اور دیہی خواتین کی طرح اپنی ٹوپی کے گرد رومال باندھا ہوا تھا۔ یہ بات عیاں تھی کہ وہ نشے کی کیفیت میں ہے۔ اس نے اپنا ایک بازو قریب بیٹھے سپاہی کی گردن پر رکھا اور ٹوٹی پھوٹی آواز میں فرانسیسی گیت گنگنانا شروع کر دیا۔ سپاہی اپنے پہلوؤں پر ہاتھ رکھے اسے غور سے دیکھ رہے تھے۔

موریل گا رہا تھا "اب، اب، مجھے سمجھاؤ کہ یہ کیسے جائے گا؟ میں اسے بہت جلد پکڑ لوں گا۔ یہ کیسا تھا؟" اس نے جس سپاہی کے گلے میں بازو ڈال رکھا تھا وہ بھی از راہ مذاق گانا شروع ہو گیا۔

ہر جانب سے واہ واہ کے ڈونگرے برسائے گئے۔ موریل کے ماتھے پر سلوٹیں پڑ گئیں اور وہ ہنسنے لگا۔

متعدد آوازیں سنائی دے رہی تھیں "ہاں، ہاں، اور گاؤ، اور!"

دونوں نے گانا جاری رکھا۔ ایک سپاہی بولا "بہت اچھی آواز ہے، اب زالیتائف تم گاؤ"

زالیتائف نے بصد مشکل منہ سے گانے کی آواز نکالی، وہ ہونٹ بھینچ کر گا رہا تھا۔

سپاہیوں نے اسے بھی داد دی اور کہا "واہ، واہ بالکل فرانسیسیوں کی طرح گا رہے ہو، کیا مزید دلیہ کھاؤ گے؟"

ایک شخص کہنے لگا "اسے کچھ دلیہ دے دو۔ اس کی بھوک مٹنے میں کچھ وقت لگے گا۔

انہوں نے اسے مزید دلیہ دے دیا۔ موریل ہنس دیا اور اس نے تیسرا پیالہ اٹھا لیا۔ تمام سپاہی اسے دلچسپی سے دیکھ رہے تھے اور خوشی سے پاگل ہوئے جاتے تھے۔ بوڑھے سپاہیوں نے ایسی معمولی باتوں میں دلچسپی لینا اپنی شان کے خلاف سمجھا اور آگ کی دوسری جانب لیٹ گئے۔ ان میں سے کوئی بھی کبھار کہنی کے سہارے گردن اٹھا کر موریل کی جانب دیکھ کر مسکرا دیتا تھا۔

ان میں سے ایک سپاہی جسم کے گرد کوٹ لپیٹتے ہوئے بولا "بہر حال وہ بھی ہم جیسے ہی انسان ہیں۔ افسنتین کی بھی جڑیں ہوتی ہیں اور یہ تو پھر بھی انسان ہیں"

کسی نے کہا "اوہ خداوند! اتنے ستارے! یہ سردی کی نشانی ہے۔۔۔" ایک مرتبہ پھر تمام لوگ خاموش ہو گئے۔

سیاہ آسمان پر ستارے اٹھکیلیاں کرنے لگے جیسے انہیں کوئی نہیں دیکھ رہا۔ کبھی وہ ٹمٹماتے اور کبھی جھلمل کرنے لگتے۔ یوں لگتا تھا جیسے ایک دوسرے سے کسی پر مسرت راز کی بابت گفت و شنید میں مصروف ہوں۔

(10)

فرانسیسی فوج کی تعداد میں باقاعدگی سے کمی واقع ہو رہی تھی۔ دریائے بیریزینا عبور کرتے ہوئے وہ جس طرح تباہی سے دوچار ہوئی اس کے بارے میں اگرچہ بہت کچھ لکھا جا چکا ہے مگر وہ اس تباہی کا محض ایک حصہ تھا اور اسے مہم کا فیصلہ کن واقعہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اگر اس کے بارے میں اتنا کچھ لکھا گیا ہے یا لکھا جا رہا ہے تو فرانسیسیوں کے خیال میں اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کی فوج کو یکے بعد دیگرے جن مصیبتوں سے واسطہ پڑا ان کا نتیجہ دریا کے ٹوٹے پھوٹے پل پر اچانک کچھ اس المناک انداز میں برآمد ہوا جسے کبھی نہیں بھلایا جا سکتا۔ روسیوں کے خیال میں اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ پیٹرزبرگ میں نپولین کو دریائے بیریزینا کے فیصلہ کن جال میں جکڑنے کا منصوبہ تیار کیا گیا تھا (یہ بھی پاولو ل نے بنایا تھا) اور ہر شخص کو یقین تھا کہ اس منصوبے پر حرف بحرف عمل ہوگا، اسی لئے وہ اصرار کرتے رہے کہ فرانسیسی

فوج صرف دریائے بیریزینا عبور کرتے ہوئے ہی تباہی کا شکار ہوئی۔ مگر حقائق کچھ اور کہتے ہیں۔ اعداد و شمار سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ فرانسیسی فوج کو دریائے بیریزینا عبور کرتے وقت اپنے سپاہیوں اور توپخانے کا اتنا نقصان نہ ہوا جتنا اسے کراسنوئے میں برداشت کرنا پڑا تھا۔

بیریزینا کے واقعے کی واحد اہمیت یہ ہے کہ اس نے دشمن کی پسپائی میں رخنے ڈالنے کے تمام منصوبوں کا غلط ہونا واضح انداز میں ثابت کر دیا اور یہ بات درست قرار دی کہ دشمن کا صرف تعاقب کیا جائے۔ اس نقطہ نظر کو کمانڈر انچیف کوتوزوف اور عام سپاہیوں کی حمایت حاصل تھی۔ فرانسیسی ہجوموں کی صورت میں بھاگ رہے تھے اور ان کی رفتار بھی ہر لحظہ بڑھ رہی تھی۔ ان کی تمام تر کوشش یہی تھی کہ کسی طرح اپنی مخصوص منزل تک پہنچا جائے۔ وہ زخمی درندے کی طرح بھاگے چلے جا رہے تھے اور ان کی تیز رفتاری میں کامیاب رخنہ اندازی ممکن ہی نہ تھی۔ اس بات کا ثبوت دریا عبور کرنے کے انتظامات سے نہیں بلکہ پلوں کے ٹوٹنے سے ملتا ہے۔ جب پل ٹوٹ گئے تو غیر مسلح فوجی، ماسکو سے آنیوالے لوگ نیز فرانسیسی باربردار قافلوں کے ہمراہ سفر کرنیوالے خواتین اور بچوں نے فرانسیسیوں کا حکم ماننے کی بجائے دھکم پیل کرتے ہوئے کشتیوں اور برف سے ڈھکے پانی کی جانب دوڑ لگا دی۔

ان کے بھاگنے کی خواہش قابل توجیہہ تھی۔ بھاگنے والوں اور تعاقب کرنیوالوں کی حالت یکساں طور پر خراب تھی۔ اپنے ساتھیوں کے ساتھ رہنے کی صورت میں ہر شخص کو یہ امید ہوتی تھی کہ ضرورت کے وقت اسے ان کی مدد حاصل ہوگی اور یہ تسلی بھی ہوتی تھی کہ وہ اپنے لوگوں میں ہے۔ تاہم ہتھیار ڈالنے والے فرانسیسیوں کی حالت اور بھی خراب ہوتی تھی۔ ان کے ساتھ مزید ظلم یہ ہوتا کہ ضروریات زندگی کی تقسیم کے وقت ان کا نمبر آخری ہوتا۔ فرانسیسیوں کو یہ باور کرانے کی ضرورت نہ تھی کہ روسیوں کی تمام تر کوششوں کے باوجود نصف قیدی سردی اور بھوک سے ہلاک ہو رہے ہیں۔ روسیوں کو بھی سمجھ نہ آتی تھی کہ ان قیدیوں کا کیا جائے۔ ان کا خیال تھا کہ ایسا ہونا لازمی ہے اور اس کے سوا کوئی اور صورت ممکن ہی نہیں۔ رحمدل کمانڈر، قیدیوں سے حسن سلوک کے خواہشمند اور روسی ملازمت کرنیوالے فرانسیسی بھی ان قیدیوں کیلئے کچھ کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ فرانسیسی روسیوں کو درپیش مشکلات اور مصیبتوں کی تاب نہ لا کر موت کے گھاٹ اتر رہے تھے۔ اپنے بھوکے سپاہیوں سے کھانا لے کر فرانسیسی قیدیوں کو دینا ممکن نہ تھا۔ اگرچہ چند لوگوں نے ایسا کیا مگر ان کی تعداد بہت کم تھی۔

فرانسیسیوں کے پیچھے یقینی تباہی اور سامنے امید تھی۔ وہ اپنے جہاز جلا چکے تھے اور فرار کے سوا نجات کی کوئی صورت نہ تھی، یہی وجہ تھی کہ فرانسیسیوں کی پوری قوت اس اجتماعی فرار پر مرکوز ہو گئی۔

بچے کھچے فرانسیسی جتنا آگے بھاگتے ان کی حالت اتنی ہی خراب ہوتی چلی جاتی۔ اس کے ساتھ ساتھ کوتوزوف پر الزام تراشی کرنیوالے روسی کمانڈروں کے جذبات اتنے ہی بھڑک اٹھتے تھے۔ انہیں یقین تھا کہ بیریزینا کے حوالے سے پیٹرزبرگ کے منصوبے کی ناکامی کا ذمہ دار کوتوزوف کو ٹھہرایا جائے گا، یہی وجہ تھی کہ وہ اس پر زیادہ اور سر عام تنقید کرنے لگے۔ اس تنقید اور حقارت کا اظہار مودبانہ انداز میں کیا جاتا جس کی وجہ سے کوتوزوف کیلئے یہ دریافت کرنا ممکن نہ رہتا کہ اسے کس بات پر قصوروار ٹھہرایا جا رہا ہے۔ وہ اس کے ساتھ سنجیدہ رویہ اختیار نہیں کرتے تھے۔ اسے رپورٹ وغیرہ پیش کرتے وقت کسی غمگین رسم کی ادائیگی کا سا انداز اپنایا جاتا اور اس کے پیچھے وہ ایک دوسرے کو آنکھ مارتے اور ہر وقت اسے گمراہ کرنے کی کوشش کرتے رہتے۔ چونکہ وہ اس بوڑھے کو نہیں سمجھ سکتے تھے اس لئے انہوں نے یہ بات فرض کر لی کہ اس سے بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ ان کا خیال تھا کہ وہ ان کے منصو[illegible]کرائی

تک نہیں پہنچ سکتا اور اگر اس کے سامنے کوئی تجویز پیش کی جائے تو وہ جواباً کسی سنہری پل کا حوالہ دے گا یا کہے گا کہ پھٹی پرانی وردیوں میں ملبوس لوگوں کے ساتھ سرحد پار کرنے کا سوچا بھی نہیں جانا چاہئے۔ وہ یہ تمام باتیں سن چکے تھے (انہیں اس کی باتوں میں کوئی وزن محسوس نہ ہوتا) وہ رسد کے انتظار یا سپاہیوں کے پاس بوٹ نہ ہونے کی بات کرتا جبکہ جرنیلوں کو اپنے منصوبے اس قدر پیچیدہ اور ذہانت سے پر دکھائی دیتے کہ انہیں کوتوزوف کی باتیں انتہائی غیر اہم دکھائی دیتیں۔ وہ یہ سمجھتے کہ بوڑھا عقل سے عاری ہو چکا ہے اور وہ خود انتہائی قابل لوگ ہیں تاہم ان کے پاس قیادت سنبھالنے کا اختیار نہیں۔ جب پیٹرز برگ کا ہیرو اور ذہین ایڈمرل ونگن سٹین فوج میں پہنچا تو الزام تراشی کی یہ مہم اپنے عروج پر تھی۔

کوتوزوف یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا مگر صرف آہ بھر یا کندھے اچکا کر رہ جاتا۔ بیریزینا کے واقعے کے بعد وہ صرف ایک مرتبہ غصے میں آیا۔ اس نے زار کو علیحدہ رپورٹیں بھیجنے والے بینگسن کو لکھا:

"جناب عالی! چونکہ آپ مسلسل بیمار ہیں اس لئے براہ کرم یہ خط وصول کرنے کے فوری بعد کالوگا چلے جائیں اور وہاں پہنچ کر مزید احکامات اور تقرر نامے کا انتظار کریں"

بینگسن کی سبکدوشی کے فوراً بعد گرینڈ ڈیوک کونسٹائن پاؤلووچ بھی آ گیا۔ اس نے ابتدائی مہم میں شرکت کی تھی اور بعد ازاں کوتوزوف نے اسے فوج سے واپس بھیج دیا تھا۔ اس نے آتے ہی کوتوزوف کو بتایا کہ زار اس بات پر بیحد خفا ہے کہ ہماری فوج کو انتہائی معمولی کامیابیاں ملیں اور ان کی پیشقدمی بھی خاصی سست ہے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ شہنشاہ خود چند روز تک فوج سے آ ملے گا۔

بوڑھا فوجی امور کا ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ درباری معاملات پر بھی نظر رکھتا تھا۔ اسے اگست میں زار کی مرضی کیخلاف کمانڈر انچیف بنایا گیا، اس نے گرینڈ ڈیوک کو فوج سے نکالا اور اپنے اختیارات استعمال کرتے ہوئے زار کی خواہش کے علی الرغم ماسکو خالی کیا، اب وہ سمجھ گیا تھا کہ اس کا کردار ختم ہونے والا ہے اور وہ بے اختیار ہو چکا ہے۔ اسے یہ باتیں محض دربار کے رویے سے معلوم نہ ہوئیں بلکہ وہ جانتا تھا کہ اسے جس مہم کیلئے ذمہ داری دی گئی تھی وہ مکمل ہو چکی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اب اس کا بوڑھا جسم بھی تھکنے لگا ہے، لہٰذا اب اسے آرام کرنا ہو گا۔

کوتوزوف 29 نومبر کو ولنا (اپنے پیارے ولنا) میں داخل ہوا۔ دوران ملازمت وہ دو مرتبہ ولنا کا گورنر رہ چکا تھا۔ اس دولت مند شہر کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا تھا اور یہاں اسے پرانے واقف کار مل گئے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہاں اسے زندگی کی دیگر سہولیات بھی میسر آ گئیں۔ چنانچہ اس نے فوج اور دیگر ملکی امور سے فوری طور پر توجہ ہٹائی اور اسی پرسکون زندگی اختیار کر لی جیسے جو کچھ ہوا اور تاریخ کی سلطنت میں ابھی تک جو کچھ مکمل ہوتا تھا اس سے اب اس کا کوئی تعلق باقی نہیں رہا۔

دشمن پر حملہ کرنے اور اس کا راستہ منقطع کرنے کے حامیوں میں چیچاگوف بھی شامل تھا۔ اس نے پہلے یونان اور پھر وارسا میں دشمن کو دھوکہ دینے کی حکمت عملی اختیار کرنے کی تجویز پیش کی۔ تاہم اسے جہاں بھی بھیجا جاتا وہ وہاں جانے کو تیار نہ ہوتا تھا۔ اس کی شہرت یہ تھی کہ وہ زار سے بے دھڑک بات کرتا ہے۔ اس کا خیال تھا کہ کوتوزوف اس کا احسانمند ہے کیونکہ 1811ء میں کوتوزوف کو بتائے بغیر اسے ترکی کے ساتھ صلح کا معاہدہ کرنے کیلئے بھیجا گیا تھا اور جب اسے علم ہوا کہ صلح نامے پر پہلے ہی دستخط ہو گئے ہیں تو اس نے زار کے سامنے اعتراف کیا کہ اس کا تمام تر کریڈٹ کوتوزوف کو جاتا ہے۔ ولنا کے قلعے میں جہاں کوتوزوف نے ٹھہرنا تھا سب سے پہلے چیچاگوف نے ہی اس سے ملاقات کی۔ وہ بحری فوج کی غیر رسمی وردی پہنے ہوئے تھا اور اس کی وردی کے ساتھ خنجر لٹکا ہوا تھا۔ اس نے ولنا کے قلعے میں سب

سے پہلے کوتوزوف سے ملاقات کی اور اسے شہر کی چابیاں پیش کیں۔ وہ کوتوزوف پر لگائے جانے والے الزامات سے بخوبی آگاہ تھا اور اس نے کوتوزوف سے وہی حقارت آمیز رویہ اختیار کیا جو نوجوان کسی بوڑھے سے روا رکھتے ہیں۔

کوتوزوف نے چیچاگوف سے گفتگو کے دوران اسے بتایا کہ اس کی چینی کے برتنوں سے لدی گاڑیاں جو بوریسوف میں دشمن کے قبضے میں چلی گئی تھیں، واپس لے لی گئی ہیں اور اسے بھیج دی گئی ہیں۔

چیچاگوف نے غصے میں جواب دیا" آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ یہاں میرے پاس کھانے پینے کیلئے کوئی برتن نہیں، اس کی بجائے میں آپ کیلئے ہر شے، بلکہ اگر آپ دعوت کرنا چاہیں تو اس کا تمام سامان بھی فراہم کر سکتا ہوں"

وہ اپنی ہر بات سے خود کو راست باز ثابت کرنے پر تلا تھا اور یہ تصور کئے ہوئے تھا کہ کوتوزوف بھی اسی بارے میں سوچ رہا ہو گا۔

کوتوزوف نے جواباً کندھے اچکائے اور مکاری سے مسکراتے ہوئے کہا" میں نے جو بات کی اس کا وہی مطلب ہے"

زار کی خواہشات کے برعکس کوتوزوف نے فوج کا بڑا حصہ ولنا میں ہی روک لیا۔ اس کے قریبی ساتھیوں کا کہنا تھا کہ وہ اس شہر میں اپنے قیام کے دوران بیحد تن آسان ہو گیا اور مزید بوڑھا دکھائی دینے لگا۔ وہ فوجی امور پر بامر مجبوری توجہ دیتا تھا اور بیشتر معاملات اپنے جرنیلوں کے حوالے کر دیئے۔ زار کی آمد سے قبل وہ اپنا تمام وقت عیش و عشرت میں صرف کرتا رہا۔

7 دسمبر کو زار اپنے عملے کے ساتھ پیٹرز برگ سے روانہ ہوا اور 11 تاریخ کو ولنا پہنچ گیا۔ نواب تالستائی، شہزادہ ولکونسکی، آراک چیف اور دیگر لوگ بھی اس کے ساتھ تھے۔ وہ اپنی سفری برف گاڑی میں سیدھا ولنا قلعے میں چلا گیا۔ شدید ترین سردی اور دھند کے باوجود مکمل وردی میں ملبوس سو جرنیل اور عملے کے افسروں کے علاوہ سیمونووسکی رجمنٹ قلعے کے سامنے صفیں بنا کر کھڑی ہو گئی۔

زار کی آمد سے پہلے تین گھوڑوں والی گاڑی میں ایک پیغام رساں وہاں پہنچا اور اس نے باآواز بلند اعلان کیا "وہ آ رہے ہیں" کونووتسن فوری طور پر صحن میں گیا اور کوتوزوف کو اطلاع دی۔

ایک منٹ بعد طویل القامت بوڑھا جرنیل وردی پہنے اور سینے پر اعزازت سجائے ڈیوڑھی میں داخل ہوا۔ اس نے اپنے موٹے پیٹ پر سکارف لپیٹا ہوا تھا۔ وہ دستانے ہاتھ میں پکڑ کر بمشکل سیڑھیاں اترنے لگا۔ نیچے پہنچ کر اس نے زار کیلئے تیار کردہ رپورٹ ہاتھ میں پکڑ لی۔

لوگ دبی دبی زبان میں باتیں کرتے ہوئے ادھر ادھر آ جا رہے تھے۔ اسی دوران تین گھوڑوں والی ایک اور گاڑی تیزی سے آئی اور اس کے بعد برف گاڑی دکھائی دی۔ ہر شخص اسی کی جانب دیکھنے لگا۔ زار اور ولکونسکی دور سے نظر آ رہے تھے۔

پچاس سالہ عادت کے سبب بوڑھے جرنیل پر اس صورتحال کا پریشان کن اثر ہوا۔ اس نے بے چینی سے اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیرا اور ٹوپی درست کی۔ پھر وہ حواس بحال کر کے سیدھا کھڑا ہو گیا۔ جونہی زار اپنی گاڑی سے نیچے اترا اس نے اپنی نگاہیں اس پر مرکوز کیں اور رپورٹ پیش کرنے کے بعد نپے تلے اور انتہائی مودبانہ انداز میں گفتگو شروع کر دی۔

زار نے عجلت سے اس کا سر تا پا جائزہ لیا اور ایک لمحے کیلئے اس کے ماتھے پر سلوٹیں نمودار ہوئیں تاہم اس نے فوری طور پر خود پر قابو پا لیا۔ وہ اپنے بازو پھیلا کر آگے بڑھا اور بوڑھے جرنیل کو گلے لگا لیا۔ کوتوزوف پر کسی پرانے خیال

کی بنا پر اس معاملے کا غیر معمولی اثر ہوا اور اس کی سسکی نکل گئی۔

زار نے افسروں اور سیمیونووسکی رجمنٹ کے سپاہیوں سے سلام دعا کی اور ایک مرتبہ پھر بوڑھے کے ساتھ قلعے میں چلا گیا۔

زار نے تنہائی میں کمانڈر انچیف سے دشمن کے تعاقب میں سستی اور کراسنوئے نیز بیریزینا میں اس کی غلطیوں پر عدم اطمینان کا اظہار کیا اور بیرون ملک اپنی مستقبل کی جنگ کے بارے میں ارادوں سے آگاہ کیا۔ کوتوزوف نے اسے کوئی جواب دینے کی بجائے چہرے پر وہی اطاعت شعاری پر مبنی خالی تاثر پیدا کر لیا جو سات سال قبل آسٹرلتس کے میدان جنگ میں زار کے احکامات وصول کرتے وقت اس کے چہرے پر دیکھا گیا تھا۔

جب کوتوزوف کمرے سے باہر آنے کے بعد سر جھکائے بھاری قدم اٹھاتا ہال سے گزرا تو کسی نے اسے آواز دی "جناب عالی!"

کوتوزوف نے رخ موڑا اور کافی دیر تک نواب تالستائی کی جانب دیکھتا رہا جو چاندی کی کشتی میں کوئی چیز رکھے اس کے سامنے کھڑا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اسے سمجھ نہیں آئی کہ اب اس سے کس بات کی توقع کی جا رہی ہے۔

پھر اچانک یوں محسوس ہوا جیسے اسے سب کچھ یاد آ گیا ہو۔ اس کے موٹے اور گلجلے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا۔ وہ احتراماً جھکا اور کشتی پر رکھی شے اٹھالی۔ یہ آرڈر آف سینٹ جارج درجہ اول تھا۔

(11)

اگلے دن کمانڈر انچیف نے ضیافت اور رقص کا اہتمام کیا جس میں زار نے بھی شرکت کی۔

کوتوزوف آرڈر آف سینٹ جارج وصول کر چکا تھا۔ زار نے اسے اعلیٰ ترین اعزاز عطا کر دیا تھا مگر ہر شخص جانتا تھا کہ شہنشاہ کمانڈر انچیف سے ناخوش ہے۔ تمام تکلفات برتے گئے مگر یہ بات عیاں تھی کہ بوڑھا قصوروار ہے اور اس نے نااہلی کا مظاہرہ کیا ہے۔ ملکہ کیتھرین کے دور کی روایت کے مطابق کوتوزوف نے ہال میں داخل ہوتے ہی حکم دیا کہ دشمن سے چھینے گئے تمام پرچم زار کے قدموں میں ڈال دیئے جائیں۔ شہنشاہ نے ناگواری کا اظہار کیا اور زیر لب کچھ کہا۔ قریب کھڑے لوگوں نے اس کی بڑبڑاہٹ سن لی۔ اس نے کوتوزوف کو "بوڑھا مسخرہ" کہا تھا۔

ولنا میں زار کی ناراضگی اس لئے بھی بڑھ گئی تھی کہ یوں لگتا تھا جیسے کوتوزوف آئندہ مہم کی اہمیت سمجھنے سے قاصر رہا ہے یا سمجھنا ہی نہیں چاہتا۔

اگلی صبح زار نے اپنے اردگرد جمع افسروں سے جب یہ کہا کہ "تم نے روس ہی نہیں بلکہ یورپ کو بھی بچالیا ہے" تو سبھی سمجھ گئے کہ جنگ ختم نہیں ہوئی۔

کوتوزوف واحد شخص تھا جس نے اس بات سے اتفاق نہ کیا۔ وہ سر عام کہتا تھا کہ نئی جنگ سے روس کی پوزیشن بہتر ہوگی نہ اس کی شان میں کوئی اضافہ ہو سکے گا بلکہ اس سے معاملات الٹا خراب ہو جائیں گے۔ اس کا خیال تھا کہ روس جس بلند مقام پر فائز ہو چکا تھا، نئی جنگ کے نتیجے میں اس سے نیچے آ جائے گا۔ اس نے زار کو قائل کرنا چاہا کہ نئے فوجی بھرتی کرنا ممکن نہیں۔ اس نے لوگوں کو درپیش مشکلات اور مصائب کا بھی تذکرہ کیا۔

کمانڈر انچیف کے اس رویے کی بنا پر اسے فطری طور پر آئندہ جنگ کی راہ میں رکاوٹ سمجھا جانے لگا تھا۔ بوڑھے کے ساتھ محاذ آرائی سے بچنے کیلئے وہی طریقہ اختیار کیا گیا جو آسٹرلتس میں خود اس کے ساتھ اور روسی

مہم کے آغاز پر بارکلے کے ساتھ روا رکھا گیا تھا۔ بالفاظ دیگر زار نے تمام تر اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لئے اور کمانڈر انچیف کو تبدیلی کی اطلاع دے کر پریشان کئے بغیر بے اختیار بنا دیا گیا۔

کمانڈر انچیف کے عملے کی بھی تشکیل نو کی گئی۔ اس کے حقیقی اختیارات زار کو منتقل ہو گئے۔ ٹول، مولوف اور کونووٹسن کو نئے عہدے مل گئے۔ اب ہر کوئی کمانڈر انچیف کے بڑھاپے اور خراب صحت کے بارے میں باتیں کرنے لگا۔

اس کی صحت خراب ہونی ہی چاہئے تھی تاکہ اس کی جگہ نیا کمانڈر انچیف لایا جاتا اور حقیقت بھی یہی تھی کہ اس کی صحت خراب ہوتی چلی جا رہی تھی۔

کوتوزوف نے ترکی سے واپسی پر ملیشیا کی بھرتی کیلئے جس فطری، سیدھے سادے اور تدریجی انداز سے وزارت خزانہ میں فرائض انجام دینا شروع کر دیئے تھے اور جب اس کی ضرورت محسوس ہوئی تو دوبارہ فوج میں شامل ہو گیا، اب بالکل اسی طرح جبکہ اس کا کام ختم ہو چکا تھا، ایک نیا اداکار اس کی جگہ پر کرنے آ گیا۔

1812ء کی جنگ روسیوں کیلئے قومی اہمیت کی حامل تو تھی ہی اور وہ اسے کبھی بھلانے کو تیار نہ تھے مگر اس نے ایک اور اہمیت بھی اختیار کر لی تھی اور یہ "یورپی اہمیت" تھی۔

قوموں نے پہلے مغرب سے مشرق کی جانب پیشقدمی کی اور اب انہوں نے مشرق سے مغرب کی طرف جانا تھا۔ اس نئی جنگ کیلئے نیا رہنما درکار تھا اور اس کی صفات، نظریات اور محرکات پہلے کمانڈر یعنی کوتوزوف سے مختلف ہونا چاہئے تھے۔

جس طرح روس کی نجات اور عظمت کیلئے کوتوزوف ناگزیر تھا اسی طرح قوموں کی مشرق سے مغرب کی جانب پیشقدمی اور روس کی سرحدوں کی نئے سرے سے تشکیل کیلئے الیگزینڈر اول کی ضرورت تھی

کوتوزوف کبھی نہ سمجھ سکا کہ یورپ، طاقت کے توازن یا نپولین کا مطلب کیا ہے۔ وہ یہ تمام معاملات سمجھ ہی نہیں سکتا تھا۔ دشمن کو تباہ و برباد کرنے، روسی سرزمین آزاد کرانے اور اپنے وطن کو شان و شوکت کی بلندی پر پہنچانے کے بعد روسی قوم کے نمائندے کیلئے روسی کی حیثیت سے مرنے کے سوا کوئی کام نہ رہا تھا اور وہ مر گیا۔

(12)

پیری کو بحیثیت قیدی جن جسمانی مشکلات اور ذہنی تناؤ کا سامنا ہوا ان کے تمام اثرات کو اس نے اپنی مصیبتوں کے خاتمے پر ہی محسوس کیا۔ رہا ہونے کے بعد وہ اورل چلا آیا اور جب وہ تیسرے دن وہاں سے کیف جانے کی تیاری کر رہا تھا تو بیمار پڑ گیا اور تین ماہ اورل میں ہی ٹھہرا رہا۔ ڈاکٹروں کا کہنا تھا کہ وہ صفرا میں مبتلا ہو گیا ہے۔ اگرچہ وہ اس کی فصد کھولنے اور دوائیں دینے کی صورت میں اس کے علاج میں مصروف رہے تاہم وہ تندرست ہو گیا۔

رہائی سے بیمار ہونے تک اس پر جو کچھ بیتا اس کا کوئی واضح تاثر اس کے ذہن پر مرتب نہیں ہوا تھا۔ اسے صرف یہی یاد رہا کہ آسمان پر ہر وقت بادل چھائے رہتے تھے، کبھی بارش ہونے لگتی اور کبھی برفباری شروع ہو جاتی۔ اسے اپنے جسم میں بیحد تکلیف محسوس ہوتی اور پاؤں و پہلو ہمیشہ درد کرتے رہتے۔ اسے یہ بھی احساس تھا کہ اس کے اردگرد موجود لوگ مختلف مصیبتوں میں مبتلا تھے اور تفتیش کرنے والے افسروں کا تجسس دیکھ کر وہ حیران ہوتا تھا۔ اسے سواری اور گھوڑے کی تلاش میں مشکلات کا سامنا تھا مگر ان سب سے بڑھ کر جو بات اسے یاد تھی وہ یہ کہ اس دوران وہ

سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے مکمل طور پر محروم ہو چکا تھا۔

رہائی کے بعد اس نے پیٹیا رستوف کی لاش دیکھی۔ اسی دن اسے یہ بھی معلوم ہوا کہ شہزادہ آندرے بوروڈینو کی جنگ ختم ہونے کے بعد ایک ماہ زندہ رہا اور کچھ عرصہ قبل یاروسلاول میں رستوف خاندان کے گھر میں انتقال کر چکا ہے۔ اسے یہ خبر دینی سوف نے سنائی اور ساتھ ہی اس کی بیوی کی وفات کا بھی تذکرہ کر دیا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ پیری یہ خبر بہت پہلے جان چکا ہوگا۔ اس وقت پیری کو یہ تمام باتیں بیحد عجیب وغریب معلوم ہوئیں اور وہ ان کی اہمیت نہ سمجھ پایا۔

اس وقت وہ صرف ایک ہی بات سوچ رہا تھا کہ ان جگہوں سے فوری طور پر دور چلا جائے جہاں انسان ایک دوسرے کو بے رحمی سے قتل کرنے میں مصروف تھے۔ وہ کسی پرسکون جگہ کی تلاش میں تھا جہاں اپنی صحت بحال کر سکے اور ان تمام عجیب وغریب نئی باتوں پر غور کر سکے جو اس کے علم میں آئی تھیں۔ مگر جونہی وہ اوریل پہنچا تو اسے بیماری نے آلیا اور صحت مند ہونے پر ہوش وحواس ٹھکانے آئے تو اس نے تیرتی اور واسکا نامی اپنے دو پرانے ملازم ساتھ دکھائی دیئے جو ماسکو سے آئے تھے۔ سب سے بڑی شہزادی بھی اس کی بیماری کی خبر سن کر پہنچ گئی تھی۔ وہ ایلٹس میں اس کی جاگیر پر مقیم تھی۔

صحت یابی کے دنوں میں وہ آہستہ آہستہ ہی ان تاثرات سے جان چھڑا پایا جن کا وہ گزشتہ چند ماہ سے عادی ہو گیا تھا۔ اس نے بتدریج ذہن میں یہ خیال بٹھایا کہ اب اگلے دن اسے کوئی شخص آگے جانے پر مجبور نہ کر پائے گا اور کوئی اسے گرم بستر سے بھی محروم نہیں کرے گا نیز اسے کھانا اور چائے ملتی رہے گی۔ ان تمام باتوں کے باوجود وہ خواب میں خود کو بدستور فرانسیسیوں کی قید میں دیکھتا رہا۔ اسی طرح آزادی ملنے کے بعد شہزادہ آندرے اور اپنی بیوی کی وفات نیز فرانسیسیوں کی تباہی کی خبروں کی اہمیت آہستہ آہستہ ہی اس کی سمجھ میں آئی۔

صحت یابی کے دنوں میں آزادی کا خوشیوں بھرا احساس پیری کے رگ وپے میں سرایت کر گیا۔ وہ یہ جان کر بیحد حیران ہوا کہ اندرونی آزادی بیرونی آزادی کیلئے اضافی ماحول مہیا کر رہی ہے، یہ اندرونی آزادی بیرونی حالات کے زیر اثر نہیں رہی تھی۔ اس عجیب وغریب علاقے میں اس کا کوئی جاننے والا نہ تھا۔ یہاں کوئی اس سے کسی شے کا تقاضا کرتا تھا نہ اسے کہیں جانے پر مجبور ہونا پڑتا تھا۔ وہ جو کچھ چاہتا اسے مل جاتا۔ ماضی میں اپنی بیوی کے بارے میں سوچ کر وہ ہمیشہ پریشان رہتا تھا، اب یہ خیال اسے بالکل نہیں ستا رہا تھا کیونکہ اب وہ زندہ نہیں رہی تھی۔

جب کھانے کی صاف میز اس کے سامنے لائی جاتی تو وہ کہتا "واہ، شاندار! میں کتنا خوش ہوں" جب وہ رات کو بستر پر لیٹتا اور اسے یاد آتا کہ اب اس کی بیوی رہی ہے نہ فرانسیسی تو وہ کہتا "واہ، بہت اچھے! شاندار"

پیری اپنی پرانی عادت کے زیر اثر خود سے سوال کرتا "بہر حال، اب؟ اب کیا کروں؟" پھر وہ خود ہی جواب دیتا "کچھ بھی نہیں، میں زندہ رہوں گا، کتنی اچھی بات ہے"

وہی سوال یعنی "زندگی کا مقصد" اب اس کیلئے کسی اہمیت کا حامل نہیں رہا تھا۔ ماضی میں یہ سوال ہمہ وقت اس کے ذہن پر سوار رہتا تھا، وہ ہمیشہ اس کا جواب ڈھونڈنے کی کوشش کرتا مگر اسے کامیابی نصیب نہ ہوتی۔ زندگی کے مقصد کی تلاش اتفاقاً یا عارضی طور پر ختم نہیں ہوئی تھی بلکہ اسے یہ بھی محسوس ہونے لگا تھا کہ اب یہ سوال اپنا وجود کھو چکا ہے اور دوبارہ سامنے نہیں آئے گا۔ زندگی کے مقصد کی اسی عدم موجودگی نے اسے آزادی کا مکمل اور خوشیوں بھرا احساس فراہم کیا تھا۔

اب وہ یقین کی دولت حاصل کر چکا تھا اسی لئے اسے زندگی کا مقصد تلاش کرنے کی ضرورت نہیں رہی تھی۔

اس کا یہ یقین بعض قوانین، عقائد کے مجموعے یا غیر منطقی اصولوں کی بجائے حاضر وناظر خدا کی ذات پر تھا۔ ماضی میں وہ اسے اپنے لئے متعین کردہ مقاصد میں ڈھونڈنے کی کوشش کرتا تھا۔ مقصد کی تلاش صرف اور صرف خدا کی تلاش تھی۔ دوران قید اس پر یہ بات منکشف ہوئی کہ فری میسن کائنات کے جس معمار کو مانتے تھے اس کی نسبت پلاتون کاراتایف کا خدا عظیم ترین، لامحدود اور ناقابل ادراک ترین تھا۔ وہ خود کو اس شخص کی طرح محسوس کرتا تھا جو دور تک دیکھنے کیلئے اپنی آنکھوں پر زور ڈالتا ہے مگر اچانک اسے محسوس ہوتا ہے کہ وہ جس شے کی تلاش میں ہے وہ تو اس کے پاؤں تلے موجود ہے۔ وہ اپنی تمام زندگی لوگوں کے سروں کے اوپر سے دیکھتا رہا تھا جبکہ اسے اپنی آنکھوں پر زور دیئے بغیر اسے سامنے تلاش کرنا چاہئے تھا۔

گزرے دنوں میں وہ کسی شے کو عظیم، لامحدود اور غیر فانی نہیں کہہ سکتا تھا۔ اسے صرف یہ محسوس ہوتا رہا تھا کہ یہ کہیں نہ کہیں ضرور موجود ہوگی اور وہ اسے ڈھونڈتا رہا تھا۔ اسے جس بات کی سمجھ آتی تھی وہ نہایت محدود، گھٹیا اور بے معنی تھی۔ اس کا ذہن دوربین کی مانند ہو گیا تھا اور دور دھندلی اور حقیر دکھائی دینے والی اشیا بھی واضح طور پر دکھائی نہ دینے کے سبب اسے عظیم اور لامحدود نظر آنے لگتی تھیں۔ یورپ کی زندگی، سیاست، فری میسن برادری، فلسفہ اور رفاہی کام اسے اسی انداز میں دکھائی دیتے رہے مگر اس وقت بھی اس کا ذہن مختلف باتوں کی تہہ تک پہنچ جاتا تھا اور اسے وہاں گھٹیا پن، منافقت اور مصنوعی پن دکھائی دینے لگتا تھا۔

تاہم اب وہ ہر شے میں بڑائی، ابدیت اور لامحدود پن دیکھنا سیکھ چکا تھا۔ سو اس نے مشاہدے کیلئے ذہنی دوربین ایک جانب رکھی اور اپنے اردگرد ہر لمحہ بدلتی، عظیم اور لامحدود زندگی کا مزے سے جائزہ لینے میں منہمک ہو گیا۔ وہ زندگی کو جس قدر قریب سے دیکھتا تھا اس کا دلی اطمینان اتنا ہی بڑھ جاتا۔ کیوں؟ یہ خوفناک سوال جو کچھ عرصہ قبل اس کے ذہن کو تباہ وبرباد کرتا رہا تھا، اب ختم ہو چکا تھا۔ اب اس "کیوں؟" کا جواب ہمیشہ اس کے پاس ہوتا تھا یعنی "کیونکہ کوئی خدا بھی ہے اور اس کی منشا کے بغیر انسان کے سر کا ایک بال بھی نہیں گر سکتا۔

(13)

ظاہری طور پر پیری میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ وہ بظاہر پہلے جیسا ہی دکھائی دیتا تھا۔ وہ پہلے کی طرح ہی غائب دماغ تھا اور یوں لگتا تھا جیسے اس کا دھیان اپنے سامنے موجود شے کی بجائے کسی ایسی چیز پر مرکوز ہے جو اس کی اپنی ہے۔ اس کی پرانی اور موجودہ شخصیت میں صرف یہی فرق پیدا ہوا تھا کہ ماضی میں اسے جو کچھ کہا جاتا یا جو شے اس کے سامنے موجود ہوتی تھی، اس کی موجودگی سے بے خبری کا احساس ہوتے ہی وہ منہ بنا لیتا اور ماتھے پر بل ڈال کر ایسا تاثر دیتا جیسے کہیں دور پڑی کسی شے کو پہچاننے کی ناکام کوشش کر رہا ہو۔ اب بھی اس کی یہی حالت ہوتی تھی مگر فرق یہ تھا کہ اب وہ اپنے سامنے موجود چیز کو ہلکی سی طنزیہ مسکراہٹ سے دیکھتا اور کہی جانے والی بات پر بھی ایسا ہی تاثر ظاہر کرتا۔ بظاہر یوں دکھائی دیتا تھا جیسے اس کی آنکھیں اور کان کسی مختلف شے پر لگے ہیں۔ پہلے وہ رحمدل مگر ناخوش نظر آتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ لوگ اس سے دور دور رہنے کی کوشش کرتے تھے۔ اب وہ ہمیشہ مسکراتا رہتا اور اس کی آنکھوں میں دوسروں کیلئے ہمدردی کا تاثر جھلکتا رہتا جیسے پوچھ رہا ہو "کیا تم بھی میری طرح مطمئن ہیں؟" اسے لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر خوشی ہوتی تھی۔

ماضی میں وہ طویل گفتگو کیا کرتا تھا اور اس دوران جوش میں آ جاتا۔ ایسی صورتحال میں وہ دوسروں کی بات پر دھیان نہیں دیتا تھا۔ اب بات چیت کے دوران وہ کبھی جذباتی نہیں ہوتا تھا اور وہ دوسرے لوگوں کی بات سننے کے

آداب سے واقف ہو گیا تھا۔ چنانچہ لوگوں نے اسے شوق سے اپنا ہمراز بنانا شروع کر دیا۔

اس کی پھوپھی زاد شہزادی اسے شروع دن سے ہی ناپسند کرتی تھی اور اس کے ساتھ خصوصی طور پر مخالفانہ رویہ اپنائے رکھتی۔ پیری کے والد کی وفات کے بعد وہ خود کو اس کی احسانمند محسوس کرتی تھی۔ اب یہی شہزادی اورل میں مختصر قیام کے دوران یہ جان کر حیرانی اور جھنجھلاہٹ میں مبتلا ہو گئی کہ وہ اس کی گرویدہ ہو چکی ہے۔ پیری نے اپنی اس کزن کی نگاہوں میں خود کو بہتر انسان ثابت کرنے کیلئے کچھ نہیں کیا تھا۔ وہ صرف دلچسپی سے اس کی حرکات وسکنات کا مشاہدہ کرتا رہا۔ ماضی میں شہزادی کو ہمیشہ یہی محسوس ہوتا کہ پیری اس سے لاپروائی برتتا ہے اور اس کا مذاق اڑاتا رہتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ دوسروں کی طرح اس کے پاس آتے ہوئے بھی اپنی ذات کے خول میں بند ہو جاتی اور اس کے سامنے اپنی فطرت کا صرف جارحانہ پہلو ظاہر کرتی۔ مگر اب اسے یہ محسوس ہوتا تھا جیسے وہ اس کے دل کی گہرائی تک رسائی حاصل کرنے اور اسے سمجھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ شروع میں وہ بے اعتباری اور بعد ازاں تشکر کے جذبات کے تحت اس کے سامنے اپنی فطرت کے پوشیدہ اور شفیق پہلو ظاہر کرنے لگی۔

چالاک ترین شخص بھی شہزادی کی جوانی کے بہترین دور کی یاد تازہ کر کے اور اس کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کر کے اس کا اعتماد حاصل نہیں کر سکتا تھا مگر پیری کی مہارت یہ تھی کہ وہ زندگی کی تلخیوں کا شکار، تن آسانی سے دور، سخت گیر اور خوددار شہزادی کی انسانی صفات سامنے لا کر خوش ہوتا تھا۔

شہزادی سوچتی تھی: "جب یہ بری فطرت کے حامل لوگوں کی بجائے مجھ جیسوں کے زیر سایہ ہو تو عمدہ اور نفیس شخص کے روپ میں ڈھل جاتا ہے۔"

پیری کے ملازمین تیرنتی اور واسکانے بھی اس میں رونما ہونیوالی تبدیلی محسوس کر لی۔ انہوں نے اپنے طور پر اندازہ لگایا کہ وہ پہلے کی نسبت سادگی پسند ہو گیا ہے۔ تیرنتی آقا کا لباس تبدیل کرانے اور اسے شب بخیر کہنے کے بعد اس امید میں پیری کے کپڑے اور بوٹ تھامے وہیں کھڑا رہتا تھا کہ وہ اس سے گفتگو کرے گا اور پیری بھی اس کا مدعا سمجھ کر اسے کمرے میں ٹھہرائے رکھتا تھا۔

پیری اسے کہتا "اچھا تو یہ بتاؤ کہ تم کیسے کھاتے پیتے تھے؟ تیرنتی ماسکو اور مرحوم نواب کا تذکرہ شروع کر دیتا اور وہیں بیٹھا رہتا۔ وہ بازو پر کپڑے لٹکائے خاصی دیر تک گفتگو میں مصروف رہتا یا پھر پیری کی داستان سنتا رہتا۔ اس کے دل میں یہ احساس پیدا ہونے لگتا کہ وہ اپنے آقا کا قابل اعتماد ملازم بن گیا ہے اور دل میں اس کیلئے پیار کے جذبات محسوس کرنے لگتا۔ پھر وہ اسی بارے میں سوچتا باہر چلا جاتا۔

پیری کا معالج روزانہ اس کے ہاں آتا تھا۔ اگرچہ ڈاکٹر کی حیثیت سے وہ یہ ظاہر کرنا ضروری سمجھتا تھا کہ اس کا ہر لمحہ قیمتی اور مصیبت زدہ لوگوں کیلئے وقف ہے تاہم وہ پیری کے پاس کافی دیر تک بیٹھا رہتا اور اسے مریضوں کے حوالے سے اپنی پسندیدہ داستانیں سنانے میں مشغول رہتا۔

وہ پیری کی بارے میں کہتا تھا "ہاں، وہ قصبے میں رہنے والے دیگر لوگوں سے بیحد مختلف ہے اور اس سے بات چیت میں بیحد مزہ آتا ہے۔"

حسن اتفاق سے اورل میں فرانسیسی فوج کے متعدد قیدی بھی تھے۔ ڈاکٹر ان میں سے ایک کو پیری سے ملوانے ساتھ لے آیا۔ یہ نوجوان اطالوی تھا۔

یہ افسر اکثر اس کے ہاں آنا جانا شروع ہو گیا۔ پیری کے ساتھ اس کے پیار بھرے رویے کا شہزادی مذاق

اڑایا کرتی تھی۔

صاف ظاہر تھا کہ یہ اطالوی صرف اسی وقت خوش دکھائی دیتا تھا جب اسے پیری سے ملاقات کا موقع مل جاتا، وہ اس سے گفتگو کر سکتا اور اپنی گھریلو زندگی اور محبت کے بارے میں بتانے کے ساتھ ساتھ فرانسیسیوں خصوصاً نپولین کیخلاف اپنے دل کی بھڑاس نکال سکتا۔

وہ پیری سے کہتا تھا "اگر تمام روسیوں میں آپ جیسی ذرا سی عادات بھی پائی جاتی ہیں تو پھر اس قوم کیخلاف جنگ کرنا گستاخی اور بےحرمتی کے مترادف ہے۔ آپ لوگوں کو فرانسیسیوں نے اسقدر زخم دیئے ہیں اور پھر بھی آپ کے دل میں ان کیخلاف کوئی کینہ نہیں"

پیری نے اطالوی کے دل میں صرف اسی لئے گھر کر لیا کہ وہ اس کی فطرت کے بہترین رخ کو سامنے لانے اور اس کی تحسین میں کامیاب ہوا تھا۔

اورل میں قیام کے آخری دنوں میں پیری کا پرانا فری میسن دوست نواب ولارسکی اس سے ملنے آیا۔ ولارسکی نے 1807ء میں اسے لاج سے متعارف کرایا تھا۔ وہ اورل میں وسیع وعریض زمین کی مالک ایک فرانسیسی خاتون سے شادی کر چکا تھا اور خود اس قصبے کے محکمہ رسد میں عارضی نوکری کرتا تھا۔

اگرچہ ولارسکی اور بیزوخوف کبھی مثالی دوست نہیں رہے تھے مگر جب اسے معلوم ہوا کہ پیری بھی اسی قصبے میں ٹھہرا ہوا ہے تو وہ اس سے ملنے چلا آیا اور آتے ہی ایسی دوستی اور بےتکلفی کا اظہار کرنے لگا جس طرح ایک دوسرے کے جاننے والے ویرانے میں ملنے پر کرتے ہیں۔ ولارسکی اورل میں بیحد بوریت محسوس کر رہا تھا اور اپنے طبقے سے تعلق رکھنے والے اور اپنی جیسی دلچسپیوں کے حامل شخص سے مل کر اس کا جی خوش ہو گیا۔

اسے یہ دیکھ کر خاصی حیرانی ہوئی کہ پیری زمانے سے پیچھے رہ گیا ہے اور اس نے دل میں سوچا کہ "وہ سردمہری اور انا میں ڈوب گیا ہے"

اس نے پیری سے کہا "تم دقیانوسی ہو گئے ہو"

تاہم ولارسکی کو یہ احساس بھی ہوا کہ وہ ماضی کی نسبت پیری کی صحبت میں اب زیادہ لطف محسوس کرتا ہے۔ وہ ہر روز اسے ملنے آنے لگا۔ پیری اسے دیکھتا تو یہ دیکھ کر حیران ہوتا کہ کچھ عرصہ پہلے وہ خود بھی اسی جیسا ہوتا تھا۔

ولارسکی شادی شدہ شخص تھا اور اس کا زیادہ تر وقت گھریلو معاملات، جائیداد کی نگرانی اور سرکاری امور کی انجام دہی پر صرف ہوتا تھا۔ وہ ان تمام مصروفیات کو اپنی راہ کی رکاوٹ سمجھتا تھا۔ اس کے خیال میں یہ سب چیزیں بیحد گھٹیا تھیں کیونکہ ان کا مقصد اس کی اور اس کے اہلخانہ کی بہبود تھا۔ وہ فوجی، سیاسی، انتظامی اور فری میسن تحریک کے امور پر توجہ مرکوز کئے رکھتا تھا۔ پیری اس کے نظریات کو تنقید کا نشانہ بنا تا نہ انہیں بدلنے کی کوشش کرتا۔ وہ اس عجیب وغریب مگر اچھی طرح دیکھی بھالی صورتحال کو اپنے پرسکون اور پرتفنن انداز سے دیکھتا رہتا جو اب اس کی فطرت بن چکا تھا۔

پیری کے ولارسکی، شہزادی، ڈاکٹر اور دیگر لوگوں سے تعلقات میں ایک نئی شے سامنے آئی اور اس کی مدد سے وہ تمام لوگ اس کے خیرخواہ بن گئے۔ نئی شے یہ سوچ تھی کہ صرف الفاظ کی مدد سے کسی کے عقائد نہیں بدلے جا سکتے اور اب وہ یہ بھی تسلیم کرتا تھا کہ ہر شخص کو اپنے انداز سے سوچنے، محسوس کرنے اور مختلف اشیاء کا جائزہ لینے کا حق ہے۔ ہر شخص کے نظریات کی یہ جائز انفرادیت اب اس ہمدردی کی بنیاد بن گئی تھی جو وہ دوسروں کیلئے اپنے دل میں محسوس کرتا تھا۔ انسانوں کے نظریات اور ان کی زندگیوں میں پائے جانیوالے تنوع کو دیکھ کر وہ لطف اندوز ہوتا اور ملائمت

بھرے انداز سے مسکرانے لگتا تھا۔

زندگی کے عملی مسائل میں اسے مرکز ثقل حاصل ہو گیا جو پہلے اس کے پاس نہ تھا۔ ماضی میں اسے روپے پیسے کے مسائل پریشانی اور بے چینی میں مبتلا کر دیتے تھے اور اسے ان کا کوئی حل نظر نہ آتا تھا۔ وہ اکثر اپنے آپ سے سوال کرتا رہتا تھا کہ "فلاں شخص کو رقم دوں یا نہ دوں" وہ یہ بھی سوچتا "میرے پاس رقم ہے اور فلاں کو اس کی ضرورت ہے، مگر فلاں شخص اس سے بھی زیادہ ضرورت مند ہے۔ دونوں میں زیادہ مستحق کون ہے؟ شاید دونوں ہی چالاک ہیں" ماضی میں وہ ایسے ہی مسائل سے دوچار رہتا اور جو لوگ اس سے مانگنے آتے انہیں وہ کچھ نہ کچھ دیتا رہتا تھا۔ اسے اپنی جائیداد کے سلسلے میں بھی ایسی ہی الجھن کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ مختلف لوگ اسے مختلف تجاویز اور مشورے دیتے رہتے تھے اور اسے سمجھ نہ آتی کہ کون سا قدم اٹھایا جانا چاہئے"

اب وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا تھا کہ ان دنوں اسے ان تمام مسائل کے حوالے سے کسی قسم کی کوئی الجھن پیش آتی نہ وہ شکوک و شبہات کا شکار ہوتا۔ اب اس میں منصف کی سی خاصیت پیدا ہو گئی تھی اور کسی بھی مسئلے کی صورت میں یہ منصف کوئی اقدام تجویز کر دیتا تھا۔

روپے پیسے کے معاملات میں وہ اب بھی پہلے جیسا لاپروا اور سست تھا مگر اب وہ بھرپور اعتماد سے کہہ سکتا تھا کہ اسے کیا کرنا اور کیا نہیں کرنا چاہئے۔ اسے پہلی مرتبہ اپنی ذات میں موجود منصف سے ملنے کی ضرورت اس وقت پیش آئی جب ایک فرانسیسی قیدی اس سے ملنے آیا۔ وہ کرنل تھا اور اس نے پیری کو اپنے کارہائے نمایاں کی تفصیلات بتانے کے بعد مطالبہ کیا کہ وہ اسے چار ہزار فرانک دیدے کیونکہ وہ یہ رقم اپنے بیوی بچوں کو بھیجنا چاہتا ہے۔ پیری نے کسی مشکل کے بغیر اسے صاف جواب دے دیا اور اسے یہ دیکھ کر حیرانی ہوئی کہ بظاہر نہایت مشکل دکھائی دینے والا یہ کام درحقیقت کتنا آسان ہے۔ جس وقت اس نے کرنل کا مطالبہ تسلیم نہ کرنے کا فیصلہ کیا بالکل اسی وقت اس نے یہ تہیہ کیا کہ وہ اورل سے روانہ ہوتے وقت کسی نہ کسی طرح اطالوی افسر کو کچھ رقم قبول کرنے کو کہے گا جس کی اسے ضرورت بھی تھی۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے عملی مسائل کے حوالے سے اس کا رویہ پہلے کی نسبت مستحکم ہو گیا ہے۔ پیری کو اس کا مزید ثبوت اپنی بیوی کے قرضہ جات کی ادائیگی اور ماسکو کے نواح میں مکان کی تعمیر نو کے سلسلے میں اپنے فیصلے سے مل گیا۔

پیری کا نگران اس سے ملنے اورل آیا۔ اس نے نگران کے ساتھ بیٹھ کر اپنی آمدنی کا حساب لگایا اور نگران کا اندازہ تھا کہ ماسکو کی آتشزدگی سے پیری کو کم و بیش بیس لاکھ روبل کا نقصان ہوا ہے۔

نگران نے اس کا حوصلہ بڑھانے کیلئے بتایا کہ مالی نقصانات کے باوجود وہ پہلے سے زیادہ امیر ہو سکتا ہے تاہم اس کیلئے اسے اپنی بیوی کے قرضوں کی ادائیگی سے انکار کرنا ہو گا جو اس کا فرض نہیں بنتا تھا اور ماسکو کے وسیع مکان نیز نواحی علاقے میں گھر کی تعمیر نو بھی روکنا ہو گی۔ نگران کا کہنا تھا کہ ان عمارتوں کی دیکھ بھال پر ہی اس کے سالانہ اسی ہزار روبل خرچ ہو جاتے تھے اور کچھ حاصل بھی نہیں ہوتا تھا۔

پیری نے خوشدلی سے جواب دیتے ہوئے کہا "ہاں، ہاں، تمہاری بات درست ہے۔ مجھے ان کی کیا ضرورت ہے؟ تباہ ہونے کے بعد میں پہلے سے زیادہ دولتمند ہو گیا ہوں"

مگر جنوری میں ساویلچ ماسکو سے آیا اور اس نے پیری کو شہر کے حالات سے آگاہ کیا۔ اس نے اپنے آقا کو ان اخراجات کی تفصیلات سے آگاہ کیا جو شہری اور دیہاتی مکانات کی تعمیر نو پر اٹھنا تھے۔ وہ ان معاملات پر کچھ اس انداز میں گفتگو کر رہا تھا جیسے یہ پہلے سے طے ہو چکے ہوں۔ انہی دنوں میں اسے شہزادہ وسیلے اور پیٹرزبرگ میں اپنے دیگر جاننے

والوں کے خطوط موصول ہوئے۔ ان تمام خطوط میں اس کی بیوی کے قرضہ جات کا ذکر تھا۔ پیری اس نتیجے پر پہنچا کہ نگران کے مشورے غلط ہیں اور اسے پیٹرزبرگ جا کر اپنی بیوی کے معاملات درست کرنا اور ماسکو میں مکانات کی تعمیر نو پر توجہ دینا ہو گی۔ وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ ایسا کیوں ضروری تھا مگر اسے یقین ہو گیا تھا کہ اسے ایسا ہی کرنا چاہئے۔ وہ جانتا تھا کہ اس فیصلے کے نتیجے میں اس کی آمدنی پچھتر فیصد کم ہو جائے گی مگر اسے محسوس ہو رہا تھا کہ یہ کام کرنا ضروری ہے۔

ولارسکی ماسکو جا رہا تھا اور دونوں اکٹھے سفر پر رضامند ہو گئے۔

اورل میں صحت یابی کے عرصہ میں پیری کو آزادی، زندگی اور خوشی کا حقیقی لطف محسوس ہوا۔ تاہم سفر کے دوران جب وہ وسیع دنیا میں داخل ہوا اور سینکڑوں نئے چہرے دیکھے تو اس کا لطف اور بھی بڑھ گیا۔ تمام سفر کے دوران اسے یوں لگا جیسے وہ سکول کا طالبعلم ہو جو چھٹیوں میں ادھر ادھر سیر کرتا پھر رہا ہے۔ کوچوان، سفری قیام گاہ کا نگران، سڑک پر اور دیہاتوں میں گھومتے پھرتے کسان اس کی نگاہوں میں اہمیت اختیار کر گئے۔ ولارسکی یورپ کے مقابلے میں روس کی غربت اور جہالت پر افسوس کا اظہار کر رہا تھا اور اس کی موجودگی سے پیری مزید خوش ہوا۔ ولارسکی کو جہاں محض مردنی نظر آتی تھی وہیں پیری کو غیر معمولی زندگی بخش قوت دکھائی دے رہی تھی جس نے ان وسعتوں اور برفانی علاقوں کے درمیان اس نرالی اور بے مثال قوم کی زندگی رواں دواں رکھی ہوئی تھی۔ پیری ولارسکی کی باتوں کی تردید کرنے کی بجائے بظاہر اس سے اتفاق کرتا دکھائی دیتا تھا۔ یہ ظاہری اتفاق لاحاصل بحث سے جان چھڑانے کا سہل طریقہ تھا اور پیری اس کی باتیں سن کر خوشدلی سے مسکرانے لگ جاتا۔

(14)

جیسے اس امر کی وضاحت مشکل ہے کہ جب چیونٹیوں کا بل اجڑ جاتا ہے تو بعض چیونٹیاں اپنے انڈے، لاشیں اور دیگر اشیاء اٹھا کر بھاگنا کیوں شروع کر دیتی ہیں اور بعض تیز رفتاری سے واپس آنے، ایک دوسرے کو دھکے دینے اور ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کیوں کرتی ہیں، بعینہ اسی طرح یہ سمجھانا بھی مشکل ہے کہ ماسکو سے فرانسیسیوں کی روانگی کے بعد روسی وہاں جوق در جوق واپس کیوں چلے آئے۔ تاہم جب ہم تباہ شدہ بل کے پاس چیونٹیوں کو جمع ہوتا دیکھتے ہیں تو ان کا فولادی عزم، قوت اور بھاری تعداد یہ ظاہر کرتی ہے کہ اگرچہ بل تباہ ہو چکا ہے مگر اس کی کوئی لافانی قوت ابھی تک موجود ہے۔ اکتوبر میں ماسکو کا بھی یہی حال تھا۔ اگرچہ وہاں کوئی حکومت، نظام کلیسا اور مقدس شے باقی نہ رہی تھی مگر ماسکو وہی اگست والا ماسکو تھا۔ ہر شے تباہ و برباد ہو گئی مگر کوئی لافانی قوت ابھی تک موجود تھی۔

ماسکو سے دشمن کی روانگی کے بعد ہر طرف سے جو لوگ فوراً یہاں پہنچے ان کے مقاصد مختلف اور ذاتی نوعیت کے حامل تھے۔ ان میں صرف ماسکو میں پہنچنے کا جذبہ مشترک تھا اور وہ جلد از جلد اس جگہ پہنچ کر اپنی سرگرمیاں شروع کرنے کے خواہشمند تھے۔

ایک ہفتے میں پندرہ ہزار افراد ماسکو پہنچ گئے اور اگلے ہفتے ان کی تعداد پچیس ہزار ہو گئی اور یہ سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ 1813ء کے موسم خزاں تک شہر کی آبادی 1812ء سے بھی بڑھ گئی۔

ماسکو میں سب سے پہلے داخل ہونیوالے روسی ونزنگیروڈ کے قازق، قریبی دیہی علاقوں کے کسان اور شہر کے قریب چھپے مقامی باشندوں پر مشتمل تھے۔ واپس پہنچنے والے شہریوں نے شہر کو لٹا پٹا دیکھا تو موقع ملنے کے باعث خود بھی

لوٹ مار شروع کر دی۔ فرانسیسیوں نے جو کام شروع کیا تھا، انہوں نے اسے جاری رکھا۔ بے شمار گاڑیوں پر مشتمل کسانوں کے قافلے شہر کے تباہ شدہ گلی کوچوں اور مکانات میں بچ رہنے والا سامان اٹھا کر لے گئے۔ قازق جو کچھ اٹھا سکتے تھے، اٹھا کر اپنے کیمپوں میں لے گئے۔ شہر کے رہائشی دوسروں کے گھروں سے ملنے والی چیزیں اس بہانے قبضے میں لے لیتے کہ وہ اپنا ہی سامان جمع کرنے میں مصروف ہیں۔

لوٹ مار کیلئے آنیوالے ابتدائی گروہوں کے بعد دوسرے اور تیسرے جتھے بھی آنا شروع ہو گئے۔ جوں جوں ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا لوٹ مار اور بھی مشکل ہوتی گئی اور اس نے واضح صورت اختیار کرنا شروع کر دی۔

فرانسیسیوں کو ماسکو خالی ملا تھا مگر باقاعدہ شہری زندگی کے تمام لوازمات یہاں موجود تھے۔ مختلف ادارے بے جان ہو گئے تھے تاہم ان کا وجود باقی تھا۔ منڈیاں، دکانیں، گودام، غلے کے مراکز اور بازار موجود تھے اور اکثر جگہیں سامان سے بھری تھیں۔ کارخانے بھی قائم تھے اور محلات نیز بڑے بڑے مکانات ہر قسم کی سہولیات سے آراستہ تھے۔ ہسپتال، جیلیں، سرکاری دفاتر اور گرجا گھر بھی موجود تھے۔ مگر جوں جوں فرانسیسیوں کا قیام طویل ہوتا گیا، شہر کی یہ شکل و صورت بھی ختم ہوتی چلی گئی یہاں تک کہ آخر میں لوٹ مار کی وجہ سے ہر شے پریشان کن اور بے جان دکھائی دینے لگی۔

فرانسیسیوں کی لوٹ مار کا سلسلہ جوں جوں آگے بڑھا توں توں شہر کی دولت اور لوٹ مار کرنیوالوں کی قوت میں بھی کمی واقع ہوتی گئی، تاہم اس کے برعکس ماسکو میں روسیوں کی واپسی کے بعد ان کی لوٹ مار میں جتنا اضافہ ہوتا گیا، شہر کی دولت بھی اتنی تیزی سے بڑھنے لگی اور زندگی اپنے معمول پر آنا شروع ہو گئی۔

لوٹ مار کیلئے مختلف علاقوں کے لوگ شہر میں آنے لگے۔ بعض تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر آ گئے، کچھ سرکاری فرائض کی انجام دہی کیلئے آئے اور کچھ ذاتی مفادات کی بنا پر چلے آئے جن میں گھروں کے مالک، پادری، حکومتی اہلکار، تاجر حضرات، کاریگر اور کسان شامل تھے۔ سب لوگ جوق در جوق یوں چلے آ رہے تھے جیسے خون دل کی جانب بہتا ہے۔

لوٹ مار کیلئے خالی گاڑیوں پر شہر آنیوالے کسانوں کو حکام نے روکنا شروع کر دیا اور ان سے لاشیں اٹھوائی جانے لگیں۔ جب دیگر کسانوں کو علم ہوا کہ لوٹ مار کی کوششیں ناکام ہونے لگی ہیں تو انہوں نے گندم سمیت مختلف اجناس اور گھاس لانا شروع کر دی۔ اس حوالے سے مقابلہ بازی کی فضا پیدا ہو گئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قیمتیں پہلے سے بھی کم ہو گئیں۔ لوہے اور لکڑی کے کاریگر زیادہ مزدوری کی امید لئے شہر کا رخ کرنے لگے۔ نئے مکانات کی تعمیر اور جلے ہوئے گھروں کی مرمت کا کام شروع ہو گیا۔ تاجروں نے سائبانوں اور عارضی دکانوں میں کاروبار کا آغاز کر دیا۔ ادھ جلی عمارتوں میں ہوٹل اور بیکریاں کھل گئیں۔ جو گرجا گھر آتشزدگی سے بچ گئے تھے ان میں پادریوں نے عبادت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ گرجا گھروں کے لوٹے ہوئے سامان کی کمی عطیات کے ذریعے پوری کی گئی۔ کلرکوں نے میزیں اور فائلیں چھوٹے چھوٹے کمروں میں دھریں اور کام شروع کر دیا۔ اعلیٰ حکام اور پولیس نے فرانسیسیوں کا چھوڑا ہوا سامان تقسیم کرنے کا انتظام کر دیا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض گھروں میں دیگر جگہوں سے لائے جانے والے سامان کی بھاری مقدار موجود ہے۔ چنانچہ اسے اٹھا کر پولیگول محل لے جایا گیا جس پر ان کے مالکان نے شکایت کی کہ ان سے ناانصافی کی گئی ہے۔ دیگر لوگوں کا اصرار تھا چونکہ فرانسیسی مختلف جگہوں سے سامان اٹھا اٹھا کر ان مکانات میں جمع کرتے رہے ہیں اس لئے سارا سامان مالک مکان کو دینا درست نہیں۔ اس حوالے سے لوگ گالم گلوچ کرنے اور پولیس کو رشوت دینے میں مصروف ہو گئے۔ لوگوں کو آتشزدگی کے نتیجے میں جس نقصان کا سامنا کرنا پڑا تھا اس کے بدلے امداد لینے کیلئے وہ اپنے نقصان کو دس گنا بڑھا چڑھا کر ظاہر کرنے لگے۔ نواب رستوپچن نے اپنے اشتہارات دوبارہ لکھنے شروع کر دیئے۔

(15)

پیری جنوری کے اواخر میں ماسکو پہنچا اور اپنے مکان کے ایک صحیح سلامت حصے میں ٹھہر گیا۔ اس نے نواب رستوپچن اور ماسکو واپس آنیوالے اپنے بعض دوستوں سے ملاقاتیں کیں اور دو دن بعد پیٹرز برگ جانے کا منصوبہ بنایا۔ ہر شخص جشن فتح منانے میں مصروف تھا۔ اگرچہ شہر تباہ ہو گیا تھا مگر دوبارہ بیدار ہو رہا تھا اور اس میں زندگی بھی شروع ہو گئی تھی۔ پیری کو دیکھ کر ہر شخص خوش ہوتا تھا۔ ہر شخص اس سے یہ پوچھنا چاہتا تھا کہ اس نے کیا کچھ دیکھا۔ پیری ان سے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتا مگر فطری طور پر اب وہ بیحد محتاط ہو گیا تھا اور ایسی کوئی بات نہیں کہتا تھا جس پر بعد میں قائم رہنا مشکل ہوتا۔ ایسے تمام سوالات کہ "اب آپ کہاں رہیں گے؟ کیا اپنی رہائشگاہیں دوبارہ تعمیر کرائیں گے؟ پیٹرز برگ کب جا رہے ہیں؟ اگر میں آپ کو ایک پارسل دوں تو؟" پر وہ یہی جواب دیتا "ہاں ممکن ہے، میرا خیال ہے" وغیرہ وغیرہ۔

اس نے سنا تھا کہ رستوف خاندان کوستروما میں ہے اور نتاشا تو اسے شاید ہی کبھی یاد آئی ہو۔ اگر کبھی ایسا ہوا بھی تو وہ اسے بھولے ہوئے ماضی کی خوشگوار یاد کے طور پر ہی یاد آئی۔ وہ خود کو نہ صرف معاشرتی ذمہ داریوں بلکہ اس احساس سے بھی آزاد محسوس کر رہا تھا جو اس نے جان بوجھ کر اپنے دل میں بسا لیا تھا۔

ماسکو میں اپنی آمد کے تیسرے دن اسے دروبتسکی خاندان سے معلوم ہوا کہ شہزادی ماریا ماسکو میں آ گئی ہے۔ وہ شہزادہ آندرے کے انتقال، مصیبتوں اور اس کے آخری دنوں کے بارے میں سوچ بچار کرتا رہا تھا اور اب یہ تمام باتیں تفصیل سے اس کے ذہن میں گھوم رہی تھیں۔ اس نے کھانے کی میز پر جب یہ سنا کہ شہزادی ماریا ماسکو میں اپنے ذاتی مکان میں ٹھہری ہوئی ہے تو وہ اسی شام اس سے ملنے چلا گیا

گاڑی میں شہزادی ماریا کے گھر جاتے ہوئے پیری شہزادہ آندرے، اس سے اپنی دوستی اور مختلف ملاقاتوں خصوصاً بوروڈینو میں ہونیوالی آخری ملاقات پر غور کرتا رہا۔

اس نے سوچا "کیا یہ ہو سکتا ہے کہ وہ اسی تلخ ذہنی کیفیت میں مر گیا ہو؟ کیا ایسا ہونا ممکن ہے کہ موت سے قبل اس پر زندگی کا مفہوم ظاہر نہ ہو سکا ہو؟" اس نے کاراتایف کی موت یاد کی اور غیر ارادی طور پر دونوں کے مابین موازنہ کرنے لگا۔ وہ بیحد مختلف ہونے کے باوجود ایک جیسے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اسے دونوں سے محبت تھی، دونوں زندہ رہے تھے اور اب انتقال کر چکے تھے۔

پیری معمر شہزادے کے مکان کے قریب پہنچا تو اس پر انتہائی سنجیدگی طاری ہو چکی تھی۔ مکان کی حالت ٹھیک تھی۔ اگرچہ کہیں کہیں ٹوٹ پھوٹ کے نشانات دکھائی دے رہے تھے مگر گھر کی عمومی حالت پہلے جیسی تھی۔ دروازہ کھولنے والے بوڑھے ملازم کے چہرے پر سختی کا تاثر تھا جیسے مہمان سے کہنا چاہتا ہو کہ اس گھر کے معمولات میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اس نے پیری کو بتایا کہ شہزادی ماریا اپنے کمرے میں چلی گئی ہیں اور صرف اتوار کے دن ہی مہمانوں سے ملتی ہیں۔

پیری نے کہا "انہیں میری آمد سے مطلع کر دو، شاید وہ مجھ سے مل لیں"

ملازم نے جواب دیا "بہت اچھا جناب، آپ تشریف رکھیں"

چند منٹ بعد ملازم ڈیسال کے ساتھ واپس آ گیا۔ ڈیسال اسے کہنے لگا "شہزادی صاحبہ آپ سے مل کر بیحد خوش ہوں گی۔ وہ آپ کا رسمی انداز میں استقبال نہ کرنے پر معذرت خواہ ہیں۔ آپ اوپر ان کے کمرے میں تشریف لے جائیں"

شہزادی ماریا نے نیچی چھت والے کمرے میں اس کا استقبال کیا۔ وہاں اکلوتی شمع روشن تھی۔ کمرے میں شہزادی ماریا کے علاوہ سیاہ لباس میں ملبوس ایک اور خاتون بھی موجود تھی۔ پیری کو یاد آیا کہ شہزادی کے ساتھ ہر وقت کوئی نہ کوئی مصاحبہ موجود رہتی ہے مگر اسے ان خواتین کے بارے میں کبھی کچھ معلوم ہوا نہ یاد رہا۔ اس نے سیاہ لباس پہنے اس خاتون کو سرسری نگاہوں سے دیکھ کر سوچا" یہ شہزادی کی کوئی مصاحبہ ہی ہوگی"

شہزادی ماریا اس کا استقبال کرنے کیلئے فوراً اٹھ کھڑی ہوئی اور اس نے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

جب وہ اس کا ہاتھ چوم چکا تو شہزادی پیری کے بدلے ہوئے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے کہنے لگی "اچھا تو ہماری ملاقات ان حالات میں ہونا تھی۔ وہ اکثر، بلکہ آخری وقت تک آپ کو یاد کرتے رہے" شہزادی ماریا بات کرتے وقت تذبذب کی کیفیت میں اپنی ساتھی خاتون کی جانب دیکھنے لگی جو پیری کو عجیب محسوس ہوا۔

شہزادی ماریا نے کہا" جب میں نے یہ خبر سنی کہ آپ کو آزاد کرا لیا گیا ہے تو مجھے بیحد خوشی ہوئی، بہت دیر بعد کوئی اچھی خبر سننے کو ملی"

ماریا نے ایک مرتبہ پھر اپنی ساتھی کو دیکھا۔ اب وہ پہلے سے زیادہ بے چین دکھائی دے رہی تھی، اس نے کچھ کہنا چاہا مگر پیری بول اٹھا" ذرا سوچو تو سہی، میں اس حوالے سے کوئی بات نہیں جانتا تھا، میرا خیال تھا کہ وہ مارا گیا ہوگا۔ میں نے سب کچھ دوسرے لوگوں کی زبانی سنا۔ مجھے صرف یہی علم ہو سکا تھا کہ اتفاقاً اس کی ملاقات رستوف خاندان سے ہوگئی۔ قسمت کی بات ہے"

پیری مسلسل بول رہا تھا اور جوش وخروش سے گفتگو میں مصروف تھا۔ اس نے شہزادی کی ساتھی کو سرسری نگاہوں سے دیکھا۔ وہ پیری کی جانب دیکھے جا رہی تھی اور اس کی گفتگو غور سے سننے میں مصروف تھی۔ اس کے انداز میں دوستی اور اپنائیت دکھائی دیتی تھی اور یوں لگتا تھا جیسے وہ بہت سے راز جانتی ہے۔ پیری کو محسوس ہوا کہ سیاہ لباس میں ملبوس یہ مصاحبہ خوبصورت، رحمدل اور دوست نواز ہے اور وہ جس روانی سے باتیں کر رہا ہے اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالے گی۔

جب اس نے رستوف خاندان کا نام لیا تو شہزادی ماریا کی بے چینی مزید بڑھ گئی۔ اس نے ایک مرتبہ پھر تیزی سے پہلے پیری اور پھر اپنی ساتھی کی جانب دیکھا اور کہنے لگی آپ نے اسے نہیں پہچانا؟

پیری نے ایک مرتبہ پھر اس خاتون کے دبلے پتلے زرد چہرے، کالی آنکھوں اور عجیب وغریب منہ پر نظر ڈالی۔ کوئی ایسی شے جو اس سے اتنی قریب اور اسے اتنی عزیز تھی، جو بہت دیر پہلے بھلائی جا چکی تھی اور جو خوبصورت سے بھی بڑھ کر تھی، اسے انہماک سے دیکھے جا رہی تھی۔

پیری نے سوچا" نہیں، یہ وہ نہیں ہے۔ یہ سخت، ناخوش، کمزور اور زرد چہرہ اس کا نہیں ہو سکتا، یہ مجھے صرف اس کی یاد دلاتا ہے"

اسی دوران شہزادی ماریا نے کہا" نتاشا!"

پیری کی جانب انہماک سے تکتا چہرہ مسکرایا۔ یہ مسکراہٹ اس دروازے کے کھلنے کی سی تھی جو قلابوں کو زنگ لگ جانے کے باعث بمشکل کھلتا ہے۔ اس کھلے دروازے سے معطر ہوا کا جھونکا پیری کی جانب بڑھا اور اس کا سارا وجود ایسی خوشی سے سرشار ہو گیا جو اس نے مدتوں سے نہیں دیکھی تھی اور خاص طور پر اس وقت تو وہ اس کے بارے میں سوچ بھی نہیں رہا تھا۔ یہ جھونکا بگولے کی طرح اسے لپیٹ میں لے کر اس پر چھا گیا۔ جب وہ مسکرائی تو پھر اس کے نتاشا ہونے میں کوئی شبہ نہ رہا۔ یہ وہی نتاشا تھی جس سے وہ محبت کرتا تھا۔

اس ابتدائی لمحے میں ہی پیری نے غیرارادی طور پر نتاشا، شہزادی ماریا اور اپنے سامنے ایک ایسے راز سے پردہ ہٹا دیا جس کے بارے میں وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔ اس کا چہرہ خوشی سے سرخ ہو گیا تاہم اس پر تکلیف کا تاثر بھی نمایاں تھا۔ اس نے اپنی بے چینی چھپانے کی کوشش کی مگر وہ اسے چھپانے کی جتنی کوشش کرتا تھا وہ اتنے ہی واضح انداز میں اس پر شہزادی ماریا اور اپنے آپ پر یہ ظاہر کر رہا تھا کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے۔

پیری نے سوچا" نہیں، ایسا ہونے کی وجہ صرف یہ تھی کہ مجھے اس سے ملاقات کی کوئی امید نہ تھی" تاہم جب اس نے شہزادی ماریا سے سلسلہ کلام جاری رکھنے کی کوشش کی تو ایک مرتبہ پھر سرسری نگاہوں سے نتاشا کو دیکھا اور اس کا چہرہ پہلے سے بھی زیادہ سرخ ہو گیا۔ اس کے دل ودماغ پر پہلے سے زیادہ بے چینی چھا گئی جس میں خوشی اور ڈر کی آمیزش بھی تھی۔ اس کی باتیں الجھ گئیں اور وہ بات کرتے کرتے درمیان میں رک گیا۔

پیری نتاشا پر توجہ دینے میں اسی لئے ناکام رہا تھا کہ اسے یہاں اس سے ملاقات کی توقع ہی نہ تھی اور وہ اسے اس لئے نہ پہچان پایا کہ گزشتہ ملاقات کے بعد وہ بیحد بدل گئی تھی۔ اب وہ کمزور ہو چکی تھی جبکہ اس کا رنگ پیلا پڑ گیا تھا۔ اس کے نہ پہچانے جانے کا سبب جسمانی کمزوری نہ تھی بلکہ جب وہ کمرے میں داخل ہوا اور اس کے چہرے کی جانب دیکھا تو اس پر مسکراہٹ کا شائبہ تک نہ تھا جبکہ پہلے اس کی آنکھیں زندگی کی مدھم مسکراہٹ سے ہمیشہ روشن رہتی تھیں۔ اب ان آنکھوں میں صرف مشفقانہ اور انہماک سے بھرپور تاثر تھا اور وہ غمگین انداز سے سوال کرتی دکھائی دیتی تھیں۔

(16)

شہزادی ماریا کہنے لگی" یہ میرے ساتھ رہنے کیلئے آئی ہے" نواب اور بیگم صاحب چند روز تک یہاں آجائیں گے۔ بیگم کی حالت اتنی خراب ہے کہ انہیں دیکھ کر ڈر لگتا ہے، تاہم نتاشا کی ڈاکٹر سے فوری ملاقات ضروری تھی اور اس کے والدین کا اصرار تھا کہ یہ میرے ساتھ ماسکو چلی جائے"

پیری نے نتاشا کو دیکھتے ہوئے کہا" ہاں، آجکل کون سا خاندان ایسا ہے جو ناخوش نہ ہو؟ تم جانتی ہو کہ یہ واقعہ بالکل اسی دن پیش آیا جس دن ہمیں رہائی دلائی گئی تھی۔ میں نے اسے دیکھا تھا۔ کس قدر شاندار لڑکا تھا!"

نتاشا نے اس کی جانب دیکھا۔ پیری کی بات کے جواب میں اس کی آنکھوں کی پتلیاں پھیل گئیں اور وہ روشن دکھائی دینے لگیں۔

پیری نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا" کسی کی ہمت کیسے بندھائی جائے؟ مناسب الفاظ ذہن میں آتے ہیں نہ منہ سے نکل پاتے ہیں۔ آخر اتنا شاندار نوجوان موت کا شکار کیوں ہوا؟ اس کی تو ایک ایک رگ سے زندگی پھوٹتی دکھائی دیتی تھی"

شہزادی ماریا کہنے لگی" بالکل ٹھیک، اگر انسان کا ایمان نہ ہو تو اس دور میں زندہ رہنا ہی مشکل ہو جائے"

پیری اس کی بات کے درمیان میں ہی بول اٹھا" درست، بالکل درست کہا آپ نے"

نتاشا نے پیری کی آنکھوں میں تجسس سے بھرپور انداز میں جھانکتے ہوئے کہا" یہ بات درست کیوں ہے؟"

شہزادی ماریا کہنے لگی" کیوں کا کیا مطلب؟ جسے ہمارا انتظار ہے اس کا تصور۔۔۔"

نتاشا شہزادی ماریا کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی اسے سوالیہ انداز سے دیکھنا شروع ہو گئی۔

پیری نے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا "اور صرف وہی شخص ایسے غم کو جو تمہیں اور اسے اٹھانا پڑا، جھیل سکتا ہے، جس کا ایمان ہو کہ ہماری زندگی کسی خدا کے زیر اثر ہے۔

نتاشا نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر رک گئی۔

پیری اچانک اس سے پرے ہٹا اور شہزادی ماریا سے اپنے دوست کے آخری دنوں کے بارے میں پوچھنا شروع کر دیا۔

اس کی منتشر ذہنی کی کیفیت ختم ہو چکی تھی مگر ساتھ ساتھ یہ بھی نظر آ رہا تھا کہ وہ اپنی سابق آزادی سے بھی محروم ہو چکا ہے۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی اس کی ہر بات اور حرکت پر نظر رکھے ہوئے ہے اور اس کا حکم دھرتی کی تمام باتوں سے زیادہ اہم تھا۔ اب وہ سوچ سمجھ کر گفتگو کر رہا تھا اور ساتھ ساتھ یہ بھی سوچتا جاتا تھا کہ اس کی باتیں نتاشا پر کیسا اثر مرتب کریں گی۔ وہ اسے خوش کرنے کیلئے جان بوجھ کر کوئی بات نہیں کر رہا تھا مگر جو کچھ کہہ رہا تھا اس پر اس حوالے سے سوچ ضرور رہا تھا۔

جیسا کہ ایسی صورتحال میں عموماً ہوا کرتا ہے، شہزادی ماریا پیری کو بادل ناخواستہ شہزادہ آندرے کی اس حالت کے بارے میں آگاہ کرنے لگی جس میں وہ اسے دیکھ چکی تھی۔ مگر پیری کے سوالات، پر جوش اور بے چین نظروں اور ہیجانی انداز سے کانپتے چہرے نے اسے آہستہ آہستہ ان تفصیلات کے ذکر پر بھی مجبور کر دیا جنہیں یاد کرنے سے وہ پرہیز کرتی تھی۔

پیری آگے کی جانب جھکا ہوا تھا اور اس کی باتیں سنتے ہوئے کہہ رہا تھا "ہاں، ہاں، پھر وہ پر سکون ہو گیا؟ اس کا دل نرم ہو گیا؟ وہ دل و جان سے ایک ہی شے کیلئے کوششیں کرتا رہا تھا اور وہ یہ تھی کہ "وہ سراپا نیکی بن جائے" یہی وجہ تھی کہ موت اسے خوفزدہ نہ کر سکی۔ اگر اس میں کوئی خامیاں تھیں تو وہ اس کی اپنی پیدا کردہ نہ تھیں، اچھا تو اس کا دل نرم ہو گیا؟۔۔۔" پھر اس نے اچانک نتاشا کی جانب نم آنکھوں سے دیکھا اور کہا "کتنی اچھی بات ہے کہ اس سے تمہاری دوبارہ ملاقات ہو گئی" نتاشا کا چہرہ کانپا اور ماتھے پر سلوٹیں نمودار ہو گئیں۔ اس نے ایک لمحے کیلئے نظریں جھکا لیں اور یوں ہچکچائی جیسے سوچ رہی ہو کہ اسے کچھ کہنا چاہئے یا نہیں؟

وہ مدھم اور کپکپاتی آواز میں بولی "ہاں، بیحد خوشی کی بات تھی، میرے لئے یہ بہت بڑی خوشی تھی" نتاشا نے کچھ توقف کیا اور پھر کہنے لگی "اور انہوں نے مجھے بتایا کہ جب میں ان کے کمرے میں داخل ہوئی تو اس وقت وہ بالکل یہی خواہش کر رہے تھے" نتاشا کی آواز بھرا گئی اور چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا۔ وہ اپنے ہاتھوں کی مدد سے گھٹنے دبانے لگی، بعد ازاں اس نے بصد کوشش اپنے جذبات پر قابو پایا اور سر اٹھا کر تیز لہجے میں بولنے لگی۔

وہ کہہ رہی تھی "جب ہم ماسکو سے روانہ ہوئے تو ہمیں ان کے بارے میں کوئی علم نہ تھا۔ مجھ میں ان کے بارے میں پوچھنے کی ہمت نہ تھی۔ بعد ازاں اچانک سونیا نے بتایا کہ وہ ہمارے ساتھ ہی محو سفر ہیں۔ میں کچھ نہیں جانتی تھی، میں ان کی جسمانی حالت کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی، میری ایک ہی خواہش تھی کہ ان کے قریب جاؤں اور انہیں دیکھوں"

وہ انہیں اپنی باتوں میں دخل اندازی کا موقع دیئے بغیر پیری کو اپنے سفر اور یاروسلاول میں قیام کے تین ہفتوں کی بابت آگاہ کر رہی تھی۔ اس نے یہ باتیں ابھی کسی اور سے نہیں کی تھیں۔

پیری منہ کھولے اس کی باتیں سننے میں مصروف تھا اور اس کی آنکھوں میں آنسو واضح طور پر دیکھے جا سکتے

تھے۔ وہ شہزادہ آندرے، اس کی موت اور نتاشا کی باتوں پر غور کرنے کی بجائے محض اس کی داستان سننے میں محو تھا اور وہ یہ باتیں بیان کرتے ہوئے اسے جس تکلیف کا سامنا تھا اسے دیکھ کر پیری کو نتاشا پر ترس آنے لگا۔

شہزادی ماریا نتاشا کے قریب بیٹھی تھی۔ آنسو روکنے کی کوشش میں اس کی پیشانی پر سلوٹیں نمودار ہو گئیں۔ وہ پہلی مرتبہ اپنے بھائی اور نتاشا کی محبت کے آخری دنوں کی داستان سن رہی تھی۔

یہ امر عیاں تھا کہ ان تکلیف دہ مگر خوشی سے بھرپور دنوں کی روداد بیان کرنا نتاشا کی ضرورت بن چکا تھا۔ وہ مسلسل بول رہی تھی اور اپنے انتہائی ذاتی احساسات کو تفصیل سے بیان کر رہی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس کی باتیں کبھی ختم نہ ہوں گی۔ بعض اوقات وہ ایک ہی بات کئی کئی مرتبہ دہرانے لگتی۔

اسی دوران دروازے پر ڈیسال کی آواز سنائی دی۔ وہ پوچھ رہا تھا کہ کیا نکولشکا انہیں شب بخیر کہنے اندر آ سکتا ہے؟ نتاشا نے کہا "یہی کچھ تھا، بس اتنا ہی تھا" جونہی نکولشکا کمرے میں داخل ہوا، وہ فوراً اٹھی اور پردوں میں چھپے دروازے کی جانب بھاگ گئی۔ اسے دروازہ نظر نہ آیا اور وہ اس سے ٹکرا گئی۔ اس کے منہ سے درد اور غم کے مارے ہلکی سی چیخ نکلی اور وہ تیزی سے باہر چلی گئی۔

پیری اس دروازے کی جانب ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگا جس سے وہ باہر گئی تھی۔ اسے سمجھ نہ آ رہی تھی کہ وہ اچانک خود کو تنہا کیوں محسوس کر رہا ہے۔

شہزادی ماریا نے اس کی توجہ کمرے میں آنیوالے اپنے بھتیجے کی جانب دلائی اور وہ چونک اٹھا

اس جذباتی لمحے میں پیری آندرے سے مشابہ نکولشکا کا چہرہ دیکھ کر اسقدر متاثر ہوا کہ بچے کا بوسہ لینے کیلئے وہ اچانک اٹھ کھڑا ہوا اور کھڑکی کی جانب چل پڑا۔ وہ شہزادی ماریا سے واپسی کی اجازت لینا چاہتا تھا مگر وہ اسے روکنا چاہتی تھی۔

ماریا پیری سے کہنے لگی "نہیں، میں اور نتاشا اکثر و بیشتر رات دو بجے سے پہلے نہیں سوتیں، سو آپ مت جائیں، میں کھانے کا کہتی ہوں، آپ نیچے جائیں، ہم بھی وہیں آ رہی ہیں"

پیری کے نیچے جانے سے پہلے ماریا نے اسے بتایا کہ نتاشا نے پہلی مرتبہ ایسی گفتگو کی ہے۔

(17)

پیری کو کھانے کے وسیع اور روشن کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ چند لمحوں بعد اسے قدموں کی چاپ سنائی دی اور شہزادی ماریا نتاشا کیساتھ اندر آ گئی۔ اگرچہ نتاشا کا چہرہ پہلے جیسا سخت سنجیدہ دکھائی دے رہا تھا مگر اب وہ پر سکون ہو گئی تھی۔ تینوں کو وہی اداسی اور بوجھل پن محسوس ہو رہا تھا جو سنجیدہ، باوقار اور دلی گفتگو کے بعد ماحول پر طاری ہو جاتا ہے۔ یہ وہ موقع تھا جب بات چیت نئے سرے سے شروع کرنا ممکن نہیں ہوتا، اس موقع پر عام اور معمولی باتیں کرنا اچھا نہیں لگتا مگر بات کی خواہش بہرحال موجود ہوتی ہے اور خاموش رہنا مصنوعی معلوم ہوتا ہے۔ وہ خاموشی سے کھانے کی میز کے قریب چلے گئے۔ ملازمین نے کرسیاں کھسکائیں اور دوبارہ میز کے ساتھ لگا دیں۔ پیری نے رومال سامنے پھیلایا اور کچھ کہنے کا فیصلہ کرتے ہوئے نتاشا اور شہزادی ماریا کی جانب دیکھا۔ یوں دکھائی پڑتا تھا جیسے اسی لمحے وہ بھی اسی نتیجے پر پہنچ چکی ہیں۔ دونوں کی آنکھوں میں چمک تھی اور اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اپنی جگہ مطمئن ہیں اور انہیں یہ اعتراف کرنے میں کوئی باک نہیں کہ زندگی میں غم کے ساتھ ساتھ خوشیوں کا وجود بھی ہے۔

شہزادی ماریا نے پوچھا ”نواب، کیا آپ واڈکا پسند کرتے ہیں؟ ہمیں اپنے بارے میں کچھ بتائیں، آپ کے بارے میں ناقابل یقین باتیں سننے کو ملی ہیں“ اس کے ان الفاظ سے ماضی کی اداسیاں اچانک غائب ہو گئیں۔

پیری نے ہلکے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا ”ہاں، مجھے بھی ایسی ایسی باتیں سننے کو ملتی ہیں جنہیں سوچنے کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا۔ ماریا ابراموونا نے مجھے اپنے ہاں مدعو کیا اور میرے ساتھ جو کچھ ہوا یا ہونا تھا اس سے آگاہ کرتی رہی۔ سٹیفن سٹیفانووچ نے بھی میری رہنمائی کی اور مجھے سمجھایا کہ اپنے تجربات کیسے بیان کرنے چاہئیں۔ ان تمام باتوں سے میں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ دلچسپ شخصیت بننا نہایت آسان ہے (اور اب میں دلچسپ آدمی ہوں) لوگ مجھے اپنے ہاں بلاتے ہیں اور مجھے خود میرے حوالے سے مختلف باتیں سناتے ہیں۔

نتاشا مسکرانے لگی، وہ کچھ کہنے کی خواہشمند تھی۔

تاہم اس سے پہلے شہزادی ماریا بول اٹھی۔ اس نے کہا ”سنا ہے ماسکو میں آپ کو بیس لاکھ روبل کا نقصان ہوا ہے، کیا ایسا ہی ہے؟“

اگرچہ اپنی بیوی کے قرضہ جات کی ادائیگی اور مکانات کی تعمیر نو شروع کرانے کے بعد پیری کے مالی حالات پہلے جیسے نہیں رہے تھے تاہم اب بھی اس کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ پہلے کی نسبت تین گنا زیادہ امیر ہو گیا ہے۔

اس نے سنجیدگی سے کہنا شروع کیا ”مجھے جو چیز حاصل ہوئی ہے، وہ آزادی ہے“ تاہم اسے خیال آیا کہ گفتگو کے اس موضوع سے انا ظاہر ہوتی ہے چنانچہ اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

ماریا نے پوچھا ”کیا آپ اپنے مکانات کی تعمیر نو کرا رہے ہیں؟“

پیری نے جواب دیا ”ہاں، ساویلچ کا کہنا ہے کہ ایسا ہر صورت کرنا ہوگا“

ماریا نے کہا ”اچھا تو یہ بتائیں کہ ماسکو میں آپ کو ایلین کی وفات کی خبر نہیں ملی تھی؟“ یہ کہتے ہوئے شہزادی کا چہرہ سرخ ہو گیا کیونکہ وہ سوچ رہی تھی کہ پیری نے آزادی ملنے کی جو بات کہی تھی، اس کے بعد ایسا سوال پوچھنا مناسب نہ تھا۔

پیری نے جواب دیا ”نہیں، مجھے اورل میں یہ خبر ملی۔ آپ لوگوں کو اندازہ نہیں ہو سکتا کہ مجھے کتنا افسوس ہوا۔ ہم کوئی مثالی میاں بیوی نہ تھے“ اس نے نتاشا کی جانب دیکھا اور اس کے چہرے پر تجسس کا اندازہ کرتے ہوئے جلدی سے کہنے لگا ”تاہم اس کی موت نے مجھے ہلا دیا۔ جب دو افراد کے مابین جھگڑا ہوتا ہے تو دونوں ہی قصوروار ہوتے ہیں اور جب ایک مر جاتا ہے تو دوسرے کو اپنا جرم انتہائی گھمبیر محسوس ہونے لگتا ہے۔ پھر ایسی تنہائی میں موت کہ قریب کوئی ساتھی نہ ہو، مجھے اس پر بیحد ترس آیا“ اپنی بات مکمل کرتے ہوئے وہ نتاشا کے چہرے پر پسندیدگی کا تاثر دیکھ کر خوش ہو گیا۔

ماریا نے پوچھا ”کہا جاتا ہے کہ آپ نپولین سے بھی ملے تھے اور اس سے بات چیت کی، کیا یہ بات درست ہے“

پیری ہنس دیا۔

وہ کہنے لگا ”نہیں، ایسا بالکل نہیں ہوا۔ یوں لگتا ہے کہ ہر شخص یہ سمجھتا ہے جیسے قیدی بننے کے بعد آپ نپولین کے مہمان بن جاتے ہیں۔ میں نے اسے دیکھا نہ کبھی اس کا ذکر سنا۔ میرا تعلق ادنیٰ لوگوں سے تھا۔

کھانا ختم کرنے کے بعد پیری کو اس کی قید کے حوالے سے گفتگو پر راضی کر لیا گیا۔ پہلے وہ یہ باتیں بتانے پر تیار نہ تھا۔

نتاشا نے مسکراتے ہوئے کہا ”مگر یہ بات تو ٹھیک ہے ناں کہ آپ نپولین کو ہلاک کرنے کیلئے ماسکو میں ٹھہر گئے تھے۔ جب ہم سخاروف مینار کے قریب ملے تو مجھے اسی وقت اندازہ ہو گیا تھا“

پیری نے اعتراف کیا کہ یہ بات درست ہے اور یہی وہ وقت تھا جب وہ شہزادی ماریا اور نتاشا کے سوالات کے جواب دینے پر مجبور ہو گیا۔

ابتداء میں اس کا لہجہ تھوڑا سا نام اور طنزیہ تھا جسے اختیار کرنے کا وہ عادی ہو چکا تھا۔ مگر جب وہ اپنی اسیری کے دوران دیکھے خوفناک واقعات اور مصیبتوں کا ذکر کرنے لگا تو غیر شعوری طور پر اس پر جذباتی کیفیت طاری ہو گئی اور ایسے شخص کی طرح گھٹے ہوئے لہجے میں بات کرنا شروع کر دی جو ماضی کے تکلیف دہ تاثرات بیان کرتے ہوئے خود کو ایک مرتبہ پھر ویسے ہی تجربات سے گزرتا محسوس کرتا ہے۔

شہزادی ماریا کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی اور وہ کبھی پیری اور کبھی نتاشا کی جانب دیکھنا شروع کر دیتی تھی۔ اس تمام داستان میں اسے صرف پیری اور اس کی خوبیاں ہی دکھائی دیں۔ نتاشا اپنی کہنی پر جھکی ہوئی تھی اور اس کے چہرے کے تاثرات مسلسل تبدیل ہو رہے تھے۔ وہ پیری کی جانب دیکھے جاتی تھی اور ایک بار بھی نگاہیں اس سے نہ ہٹائیں۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ جو کچھ کہہ رہا ہے اس کا نتاشا کو بھی تجربہ ہو رہا ہے۔ اس کی نگاہوں کے ساتھ ساتھ آہیں اور مختصر سوالات سے بھی پیری کو اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ اس کی بات اچھی طرح سمجھ رہی ہے۔ یہ بات صاف ظاہر تھی کہ وہ اس کی بیان کردہ باتوں کے علاوہ وہ باتیں بھی سمجھ رہی ہے جنہیں بیان کرنے کیلئے اسے مناسب الفاظ نہیں مل رہے۔

پیری نے بچی اور خاتون کے واقعے کے دفاع کی کوشش کی اور اسے کچھ یوں بیان کیا ”یہ بیحد خوفناک منظر تھا، بے یار و مددگار بچے بھی دکھائی دے رہے تھے اور لوگ انہیں چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ کچھ تو آگ۔۔۔ ایک کو میرے سامنے گھسیٹ کر باہر لایا گیا۔ بعض عورتوں کے جسم سے لباس تک اتارے اور زیورات نوچ ڈالے گئے“

پیری کا چہرہ سرخ ہو گیا اور وہ بات کرتے ہوئے ہچکچانے لگا۔

اس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا ”اس کے بعد فرانسیسی فوج آ گئی اور تمام مرد جو لوٹ مار میں شریک نہیں تھے، گرفتار کر لئے گئے، میں بھی ان میں شامل تھا“

نتاشا بولی ”مجھے یقین ہے کہ آپ نے تمام بات نہیں بتائی، آپ نے ہر صورت کچھ نہ کچھ کیا ہوگا، میرا مطلب ہے کہ کوئی اچھا کام کیا ہوگا“

پیری اپنی کہانی بیان کرتا رہا۔ جب اس نے قیدیوں کو سزائے موت دینے کا ذکر کیا تو وہ اس کی تفصیلات بیان نہیں کرنا چاہتا تھا مگر نتاشا کا اصرار تھا کہ ہر بات بلا کم و کاست بیان کی جائے۔

پیری پلاتون کاراتائیف کا ذکر کرتے ہوئے ٹھہر گیا۔ یہاں پہنچ کر وہ کرسی سے کھڑا ہو کر کمرے میں چکر لگانے لگا۔ نتاشا اسے مسلسل دیکھے جا رہی تھی۔

پیری نے کہا ”نہیں، میں نے اس ان پڑھ اور سیدھے سادے شخص سے جو کچھ سیکھا وہ تمہاری سمجھ میں نہیں آ سکتا“

نتاشا بولی ”نہیں نہیں، ہمیں بتائیں، وہ اب کہاں ہے؟“

پیری نے جواب دیا ”انہوں نے اسے میرے سامنے مار ڈالا“

اس نے انہیں فرانسیسی پسپائی کے آخری دن، پلاتون کاراتائیف کی بیماری اور اس کی موت کا احوال کہہ سنایا

آواز میں سنایا۔

پیری انہیں اپنے ساتھ پیش آنیوالے واقعات کی بابت بتلاتا رہا۔ اس نے یہ داستان پہلے اس انداز میں کسی کو سنائی تھی نہ خود اپنے ذہن میں کبھی اسے یاد کیا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ جن حالات سے گزرا تھا ان کے معانی اس پر اب منکشف ہو رہے ہیں۔ اب نتاشا کے سامنے یہ سب کچھ بیان کرتے ہوئے اسے اپنے وجود میں عجیب و غریب سی مسرت کی لہریں محسوس ہو رہی تھیں۔ مردوں پر یہ کیفیت اس وقت طاری ہوتی ہے جب وہ خواتین سے مخاطب ہوتے ہیں، یہ تیز طرار کی بجائے ایسی خواتین ہوتی ہیں جو کسی بات کو اس ارادے سے سنتی ہیں کہ اسے یاد رکھ سکیں اور ضرورت پڑنے پر دوسروں کے سامنے بھی دہرا سکیں۔ ان کا مقصد اس بات کو اپنے کسی تصور کے مطابق ڈھالنا یا اس پر اپنے ذہن میں تیار کردہ کوئی تبصرہ کرنا ہوتا ہے۔ نتاشا پیری کی باتیں غور سے سن رہی تھی۔ وہ اس کے ہر لفظ، آواز کے خفیف ترین اتار چڑھاؤ، اچٹتی نگاہوں، چہرے کے عضلات کی خفیف ترین حرکات نیز ہر بات پر نظر رکھے ہوئے تھی۔ وہ پیری کے نامکمل فقرات بیچ میں اچک لیتی اور انہیں اپنے دل میں لے جاتی جو اس کی باتوں کو اچھی طرح سمجھنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ وہ پیری کی تمام ذہنی اور جسمانی تکالیف کے مطالب سمجھ رہی تھی۔

شہزادی ماریا اس کی داستان سمجھنے کے ساتھ ساتھ دل میں اس کیلئے ہمدردی بھی محسوس کر رہی تھی، تاہم وہ کچھ اور بھی دیکھ رہی تھی اور یہی بات اس کی توجہ کا مرکز تھی۔ اسے نتاشا اور پیری کے مابین محبت کا امکان نظر آ رہا تھا اور پہلی مرتبہ یہ سوچ کر اس کا دل خوشی سے نہال ہو گیا۔

تین بج گئے اور سنجیدہ چہروں والے ملازمین موم بتیاں بدلنے آئے تاہم کسی نے ان پر کوئی توجہ نہ دی۔

پیری اپنی داستان سنا کر خاموش ہو رہا۔ نتاشا اسے ابھی تک اپنی چمکتی آنکھوں سے دیکھے جا رہی تھی جیسے اس کی چھوڑی ہوئی بات سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو۔ پیری بوکھلا گیا تھا مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ خوش بھی تھا اور کبھی کبھار اس پر اچٹتی سی نگاہ ڈال لیتا اور سوچتا کہ موضوع گفتگو کی تبدیلی کیلئے اسے کیا کرنا چاہئے۔ شہزادی ماریا خاموش کھڑی تھی۔ کسی نے یہ بھی نہ سوچا کہ صبح کے تین بج چکے ہیں اور اب انہیں سو جانا چاہئے۔

پیری نے کہا "انسان اپنی قسمت خراب ہونے کا شکوہ کرتا رہتا ہے اور کہتا ہے کہ اسے مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا، تاہم اگر اس وقت مجھ سے یوچھا جائے کہ میں قید سے پہلے والی زندگی پسند کروں گا یا پھر ان تمام مصائب کا دوبارہ سامنا کرنا چاہوں گا تو میرا جواب ہوگا کہ مجھے قید اور گھوڑوں کا گوشت کھانا زیادہ پسند ہے اور یہ چیزیں مجھ سے واپس نہ لی جائیں۔ جب ہمیں اپنے مانوس راستے سے ہٹا دیا جاتا ہے تو ہم خیال کرتے ہیں جیسے اب ہمارے پاس کچھ بھی نہیں رہا۔ تاہم نئی اور بہتر چیز کا آغاز بھی اسی صورت میں ہی ہوتا ہے۔ جب تک زندگی ہے، خوشی بھی موجود ہے" پھر وہ نتاشا کی جانب متوجہ ہو کر کہنے لگا "ہمارے سامنے بہت کچھ موجود ہے، یہ بات میں تم سے کہہ رہا ہوں"

نتاشا نے جواب دیا "ہاں ہاں، مجھے بھی ہر تجربے سے دوبارہ گزرنے کے سوا کوئی اور خواہش نہیں ہے"

پیری اسے غور سے دیکھنے لگا۔

نتاشا نے اپنی بات دہراتے ہوئے کہا "ہاں، مجھے اور کوئی خواہش نہیں"

پیری چلا کر کہنے لگا "یہ سچ نہیں، یہ سچ نہیں، اگر میں زندہ ہوں تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں اور تمہارا بھی یہی معاملہ ہے"

نتاشا نے اچانک گردن جھکائی اور منہ ڈھانپ کر رونا شروع کر دیا۔

شہزادی ماریا نے پوچھا "نتاشا، کیا بات ہے؟"

نتاشا روتے ہوئے مسکرائی اور بولی "کچھ نہیں، کوئی بات نہیں، شب بخیر، اب سونے کا وقت ہو گیا ہے"

پیری اٹھ کھڑا ہوا اور رخصت چاہی۔

☆☆☆

نتاشا حسب معمول شہزادی ماریا کے ساتھ اس کے کمرے میں چلی گئی۔ وہ پیری کی باتوں پر تبادلہ خیال میں مصروف ہو گئیں۔ شہزادی نے پیری کے بارے میں کوئی رائے نہ دی اور نتاشا نے بھی کچھ نہ کہا۔

کچھ دیر بعد نتاشا کہنے لگی "اچھا، شب بخیر میری، ہم ان کا تذکرہ اس لئے نہیں کرتیں کہ ہمیں یہ خدشہ ہوتا ہے جیسے اس طرح اپنے جذبات ناپاک کر بیٹھیں گی، مگر مجھے یہ خیال بھی آتا ہے کہ اس طرح ہم انہیں بھولتی جا رہی ہیں"

شہزادی ماریا کی سسکی نکل گئی جو اس امر کا اعتراف تھا کہ نتاشا کی بات ٹھیک ہے تاہم وہ اس کے الفاظ سے اتفاق نہیں کرتی تھی۔

اس نے پوچھا "کیا انہیں بھلایا جا سکتا ہے؟"

نتاشا کہنے لگی "آج اس حوالے سے تمام باتیں کر کے مجھے بیحد فائدہ ہوا، میرے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا۔ اگرچہ یہ مشکل اور اذیت ناک تھا مگر بیحد اچھا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ انہیں واقعی ان سے محبت تھی اور یہی وجہ ہے کہ میں نے انہیں سب کچھ بتا دیا۔ کیا میں نے ٹھیک نہیں کیا؟" یہ کہتے ہوئے اس کا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا۔

شہزادی ماریا نے کہا "پیری کو؟ ہاں کیوں نہیں، وہ بیحد نفیس اور عمدہ شخص ہیں"

نتاشا اچانک شرارت آمیز انداز سے مسکراتے ہوئے بولی "میری تم جانتی ہو کہ ایسا لگتا ہے یہ کچھ اس طرح پاک صاف ہو گئے ہیں جیسے ابھی غسل کر کے آئے ہوں، تم سمجھ رہی ہو ناں؟ میری مراد اخلاقی غسل سے ہے، ایسا ہی ہے ناں؟"

شہزادی ماریا نے کہا "ہاں، وہ ٹھیک ہو گئے ہیں"

نتاشا کہنے لگی "چھوٹے کوٹ اور چھوٹے بالوں کیساتھ۔۔۔ بالکل ویسے ہی جیسے نہا کر آ رہے ہوں، بعض اوقات ابا جان۔۔۔"

شہزادی ماریا نے کہا "اب مجھے سمجھ آئی کہ وہ سب سے زیادہ انہیں پسند کیوں کرتے تھے"

نتاشا بولی "ہاں، اور وہ دونوں ایک دوسرے سے قطعی مختلف ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک دوسرے سے مختلف مرد بہترین دوست بن سکتے ہیں۔ یہ بات درست ہوگی اور واقعی یہ ان سے بالکل مشابہ نہیں ہیں، یا ہیں؟"

شہزادی ماریا نے کہا "نہیں، مگر یہ بے مثال شخصیت کے مالک ہیں"

نتاشا نے اسے شب بخیر کہا۔ اس کے چہرے پر وہی شرارت آمیز مسکراہٹ نمایاں تھی جیسے کوئی اسے وہاں رکھ کر بھول گیا ہو۔

☆☆☆

(18)

اس رات پیری کو نیند نہ آئی۔ وہ کافی دیر تک اپنے کمرے میں ٹہلتا رہا۔ کبھی وہ ماتھے پر بل ڈال کر کسی پیچیدہ

مسئلے پر سوچ وبچار کرنے لگ جاتا اور کبھی کندھے اچکانے لگتا۔ کسی اذیت کے سبب اس کی رگوں اور پٹھوں میں تناؤ پیدا ہونے لگتا اور کبھی وہ خوشی سے مسکرا دیتا۔

وہ شہزادہ آندرے، نتاشا اور ان کے باہمی پیار کی بابت سوچ رہا تھا۔ کبھی وہ نتاشا سے اس کے ماضی کی بنا پر حسد کرنے لگتا اور کبھی اپنے اس جذبے پر اسے شرمندگی ہونے لگتی اور وہ اپنے آپ کو برا بھلا کہنا شروع ہو جاتا۔ بعد ازاں وہ اپنی غلطی خود ہی معاف کر دیتا۔ صبح کے چھ بج گئے مگر وہ ابھی تک کمرے میں ٹہل رہا تھا۔

اس نے سوچا "اگر کوئی اور چارہ نہ ہوا تو پھر کیا کرنا پڑے گا؟ کیا کرنے پڑے گا؟ ۔۔۔ اس صورت میں تو یہی ہوگا" پھر اس نے جلدی سے لباس بدلا اور بستر میں چلا گیا۔ وہ بیک وقت خوش اور بے چین تھا مگر اس کے تمام شکوک ختم ہو چکے تھے۔

بستر میں لیٹتے ہوئے اس نے سوچا "بلاشبہ ایسی خوشی بظاہر ناممکن دکھائی دیتی ہے مگر مجھے اس سے شادی کی ہر ممکن کوشش کرنا ہوگی"

پیری نے کچھ دن پہلے پیٹرز برگ جانے کا منصوبہ بنایا تھا۔ جمعرات کی صبح وہ جاگا تو ساویلچ سامان باندھنے کیلئے اس سے مشورہ کرنے آیا۔

اس کی بات سن کر پیری نے سوچے سمجھے بغیر خود کلامی کی "پیٹرز برگ؟ پیٹرز برگ کی جانب؟ وہاں کون ہے؟ کیا ہے؟" پھر اسے خیال آیا کہ یہ سب کچھ ہونے سے پہلے اس نے پیٹرز برگ جانے کا سوچا تھا، مگر کیوں؟" اس نے بوڑھے ساویلچ کے چہرے کی جانب دیکھ کر سوچا "مگر کیوں، شاید میں چلا جاؤں۔ یہ کتنا اچھا اور سمجھدار شخص ہے، ہر شے کا خیال رکھتا ہے اور کتنے دلفریب انداز سے مسکراتا ہے"

پیری نے اس سے پوچھا "اچھا تو ساویلچ، کیا تم اب بھی آزاد نہیں ہونا چاہتے"

ساویلچ کہنے لگا "جناب عالی! آزادی میرے کس کام کی؟ جب مرحوم نواب صاحب زندہ تھے تو اس وقت بھی ہم اچھی زندگی گزار رہے تھے اور آپ سے بھی کسی قسم کی کوئی شکایت نہیں ہے"

پیری نے کہا "مگر تمہارے بچے؟"

ساویلچ کہنے لگا "جناب عالی! بچوں کا بھی گزارا ہو جائے گا۔ اگر آپ جیسا آقا ہو تو پھر کیا مسئلہ رہ جاتا ہے"

پیری نے غیر ارادی طور پر مسکراتے ہوئے اسے سمجھایا "مگر میرے بچے؟ فرض کرو کہ میں شادی کر لیتا ہوں، ذرا غور کرو، کیا ایسا ہو سکتا ہے؟"

ساویلچ نے جواب دیا "جناب عالی! میں عرض کروں گا کہ اس سے اچھی بات بھلا اور کیا ہو سکتی ہے"

پیری نے سوچا "ہر شخص اس معاملے کو اسقدر معمولی گردانتا ہے، یہ جانتا ہی نہیں کہ اس کے نتائج کتنے خوفناک ہو سکتے ہیں۔ جلد بازی کی جائے یا دیر، نتیجہ تو خوفناک ہی نکلتا ہے"

ساویلچ نے پوچھا "جناب عالی! کیا کل آپ پیٹرز برگ جائیں گے؟"

پیری نے جواب دیا "نہیں، میں کچھ دن بعد جانا چاہتا ہوں اور تمہیں آگاہ کر دوں گا" وہ ساویلچ کی جانب مسکرا کر دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا "یہ کتنی عجیب بات ہے کہ اب پیٹرز برگ میں میرا کوئی بھی نہیں، سب سے پہلے دوسرا مسئلہ حل ہو جانا چاہئے۔ شاید اسے سب کچھ معلوم ہے اور ویسے ہی انجان بنا ہوا ہے۔ آیا مجھے اس سے بات کر کے اس کی رائے معلوم کرنی چاہئے؟ مگر نہیں، کسی اور وقت مناسب رہے گا"

ناشتے کی میز پر پیری نے اپنی کزن کو بتایا کہ وہ گزشتہ روز شہزادی ماریا سے ملنے گیا تھا اور وہاں اس کی ملاقات نتاشا رستوف سے ہوئی"

شہزادی ماریا کا ردعمل کچھ ایسا تھا جیسے سمجھ رہی ہو کہ وہ اپنا تمیونوونا سے زیادہ غیر معمولی ہستی سے تو مل کر نہیں آیا ہوگا۔

پیری نے شہزادی سے پوچھا "کیا آپ اس سے واقف ہیں"

شہزادی نے جواب دیا "ہاں میں ایک مرتبہ شہزادی ماریا سے ملی تھی۔ کہتے ہیں کہ اس کی نواب رستوف کے بیٹے سے شادی کی بات چیت چل رہی ہے۔ رستوف خاندان کی تو قسمت سنور جائے گی، کہا جا رہا ہے کہ وہ بالکل خستہ حال ہو چکے ہیں"

پیری نے کہا "نہیں، میرا مطلب ہے کہ آپ نتاشا رستوف سے واقف ہیں"

شہزادی نے جواب دیا "میں ان دنوں میں اس کا واقعہ سنا تھا، افسوسناک بات تھی"

پیری نے سوچا "نہیں، یہ بات سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہی یا شاید جان بوجھ کر دھیان نہیں دے رہی۔ اس سے بات نہ کرنا ہی بہتر ہوگا"

شہزادی نے بھی اس کے سفر کا سامان تیار کر لیا تھا۔

پیری نے سوچا "یہ تمام لوگ کتنے رحمدل ہیں۔ حیران کن امر یہ ہے کہ اس حوالے سے ایسے وقت تکلیف اٹھا رہے ہیں جب انہیں اس میں یقیناً کوئی دلچسپی نہیں اور یہ سب کچھ میرے لئے کیا جا رہا ہے، کتنی حیران کن بات ہے"

اسی دن محکمہ پولیس کا سربراہ پیری سے ملنے آیا اور اسے کہا کہ وہ اپنا نمائندہ پولیکوئل بھیج دے تاکہ وہ مالکان کو لوٹائی جانے والی اشیا جمع کر سکے۔

پیری نے اس کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے سوچا "اور یہ شخص بھی کتنا خوش اخلاق اور خوش شکل ہے۔ یہ کتنا رحمدل ہے، کتنی معمولی باتوں پر پریشان ہو رہا ہے، اس کے باوجود کہا جاتا ہے کہ یہ ایماندار نہیں اور رشوت وصول کرتا ہے۔ کتنی گھٹیا باتیں ہیں، اگر وہ رشوت نہ لے تو اور کیا کرے؟ اس کی تربیت ہی ایسے انداز میں ہوئی ہے اور دیگر لوگ بھی تو یہی کچھ کر رہے ہیں، مگر اس کا چہرہ کتنا شفیق ہے اور جب وہ میری طرف دیکھتا ہے تو مسکرانا شروع ہو جاتا ہے"

کھانے کا وقت ہو رہا تھا۔ پیری شہزادی ماریا کے گھر چلا گیا۔

جب وہ اپنی گاڑی میں جلے ہوئے مکانوں کے کھنڈرات کے قریب سے گزرا تو ان کی خوبصورتی دیکھ کر حیرت زدہ ہو گیا۔ چھتوں پر چمنیوں کی قطاروں اور جلے ہوئے علاقوں کی تاحد نگاہ ٹوٹی پھوٹی دیواروں کو دیکھ کر اسے دریائے رہائن کے کنارے باقیات اور کولوسم یاد آ گئے۔ راستے میں اسے کوچوان، خوانچہ فروش خواتین اور دکاندار خوشی کے عالم میں اپنا استقبال کرتے دکھائی دیتے اور انہیں دیکھ کر یوں لگتا جیسے کہہ رہے ہوں "وہ دیکھو، وہ آ گیا، اب ہمیں دیکھیں گے کہ کیا ہوتا ہے"

پیری شہزادی ماریا کے گھر پہنچا تو شکوک وشبہات میں مبتلا ہو گیا۔ اس نے سوچا "کیا میں واقعی کل رات یہاں آیا تھا؟ کیا میری واقعی نتاشا سے ملاقات ہوئی اور میں نے اس سے گفتگو کی تھی؟ شاید یہ سب کچھ تصورات میں ہی ہوا۔ اگر میں اندر گیا تو شاید میری کسی سے ملاقات نہ ہو۔ مگر اس نے کمرے میں قدم رکھا ہی تھا کہ اسے اچانک یوں لگا جیسے وہ

اپنی آزادی کھو بیٹھا ہو اور اسی احساس کی بدولت وہ اندازہ کر پایا کہ نتاشا بھی وہاں موجود ہے۔ وہ گزشتہ رات کی طرح سیاہ لباس پہنے ہوئی تھی جو بل کھاتا نیچے لٹک رہا تھا۔ اس نے بال بھی گزشتہ رات کی طرح سنوار رکھے تھے تاہم وہ پہلی ملاقات کی نسبت مختلف دکھائی دیتی تھی۔ اگر وہ رات کی طرح دکھائی دیتی تو پیری اسے فوراً پہچان جاتا۔

وہ بالکل ویسی دکھائی دے رہی تھی جیسی پیری کو اپنے بچپن میں پہلی مرتبہ نظر آئی تھی اور بعد میں اس نے اسے شہزادہ آندرے کی منگیتر کی حیثیت سے دیکھا تھا۔ اس کی آنکھیں تیز سوالیہ روشنی میں چمک رہی تھیں اور چہرے سے عجیب وغریب شرارت آمیز تاثر ٹپکتا تھا۔

پیری نے ان کے ساتھ کھانا کھایا۔ وہ شام وہیں گزارنا چاہتا تھا مگر شہزادی ماریا نے شام کی عبادت کیلئے گرجا گھر جانا تھا چنانچہ وہ بھی ان کے ساتھ چل دیا۔

اگلے دن وہ جلدی آ گیا۔ اس نے ان کے ساتھ کھانا کھایا اور شام تک وہیں بیٹھا رہا۔ شہزادی ماریا اور نتاشا اپنے مہمان کو دیکھ کر خوش ہوتی تھیں اور پیری کی دلچسپیوں کا مرکز بھی یہی گھر تھا۔ شام ہونے تک وہ تمام باتیں کہہ سن چکے تھے۔ اب گفتگو ایک سے دوسرے موضوعات کی جانب منتقل ہونے لگی اور اس میں طویل وقفے پیدا ہونا شروع ہو گئے۔ پیری کو وہاں بیٹھے اتنی دیر ہو گئی تھی کہ شہزادی ماریا اور نتاشا ایک دوسرے کی جانب دیکھنے لگیں۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ حیران ہیں کہ وہ کب واپس جائے گا۔ پیری سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی وہاں بیٹھنے پر مجبور تھا۔ اسے پریشان کن صورتحال کا سامنا تھا مگر پھر بھی وہ وہیں جما رہا کیونکہ اس کیلئے اٹھ کر جانا ممکن نہیں رہا تھا۔

شہزادی ماریا نے جب صورتحال جوں کی توں دیکھی تو پہلے ہی اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور سر درد کے بہانے اٹھ کھڑی ہوئی۔

اس نے پیری سے پوچھا "تو کیا آپ کل پیٹرز برگ جا رہے ہیں؟"

پیری نے حیران اور خفا لہجے میں کہا "نہیں، میں نہیں جاؤں گا۔ اوہ ہاں، پیٹرز برگ؟ کل، مگر میں ابھی الوداع نہیں کہوں گا۔ کل میری دوبارہ آمد ہو گی، شاید آپ مجھے کوئی کام کہہ سکیں" اس کے چہرے کی رنگت بدل گئی۔ وہ شہزادی ماریا کے سامنے کھڑا تھا مگر رخصت ہونے کو تیار نہ تھا۔

نتاشا نے اسے سے ہاتھ ملایا اور الوداع کہہ کر باہر چلی گئی۔ شہزادی ماریا جانے کی بجائے وہیں کرسی پر بیٹھ گئی اور اپنی روشن اور گہری آنکھوں سے اسے بغور دیکھنے لگی۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی طاری تھی البتہ وہاں اب پہلے جیسی تھکاوٹ مترشح نہیں ہو رہی تھی۔ اس نے طویل آہ بھری جیسے لمبی بات سننے کی تیاری کر رہی ہو۔

جونہی نتاشا کمرے سے باہر گئی، پیری کی بے چینی بھی ختم ہو گئی اور اس کے چہرے پر جوش و جذبے کا تاثر پیدا ہو گیا۔ اس نے اپنی کرسی جلدی سے شہزادی ماریا کے قریب کر لی۔

پیری نے شہزادی ماریا کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا "اچھا تو میں آپ کو آگاہ کرنا چاہتا تھا شہزادی! میری مدد کریں، میں کیا کروں؟ کیا میں کوئی امید کر سکتا ہوں؟ میری عزیز دوست، میں جانتا ہوں کہ میں اس کے لائق نہیں ہوں؟ مجھے یہ بھی علم ہے کہ یہ وقت ایسی بات کیلئے مناسب نہیں، مگر میں اس کا بھائی بننے کا خواہشمند ہوں۔ نہیں، میرا مطلب یہ نہیں۔۔۔ میرے لئے کچھ کہنا ممکن نہیں۔۔۔" وہ اپنے موضوع کی جانب پلٹتے ہوئے بولا "بات دراصل یہ ہے کہ میں نہیں جانتا کہ مجھے اس سے کب محبت ہوئی، مگر میں نے اپنی زندگی میں صرف اسی سے محبت کی ہے، مجھے اس سے اتنی محبت ہے کہ اس کے بغیر میں زندہ رہنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔۔۔ فی الحال میں اس سے شادی کی درخواست تو نہیں

کر سکتا مگر یہ خیال مجھے بے چین کئے رکھتا ہے کہ شاید کسی دن وہ مجھ سے شادی کر لے اور شاید میں موقع گنوا نہ بیٹھوں۔ مجھے بتائیں کہ میں امید رکھ سکتا ہوں؟ مجھے کیا کرنا چاہئے؟" اس نے شہزادی ماریا کا ہاتھ تھام لیا۔

ماریا کہنے لگی "میں آپ کی بات پر ہی غور کر رہی ہوں۔ مجھے صرف اتنا کہنا ہے کہ آپ درست ہیں مگر فی الوقت اس سے محبت بارے بات کرنا۔۔۔"

شہزادی ماریا ٹھہر گئی۔ وہ کہنا چاہتی تھی کہ "محبت بارے بات کرنا ممکن نہیں" تاہم وہ اس لئے رکی کہ گزشتہ دنوں اس نے نتاشا میں جو تبدیلیاں دیکھی تھیں ان سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ پیری نے اس سے اظہار محبت کیا تو نہ صرف اس کے جذبات کو تکلیف نہیں پہنچے گی بلکہ یہ وہی بات ہو گی جس کی وہ خواہش کرتی ہے۔

شہزادی ماریا نے کہہ دیا "فی الحال اس سے بات کرنا مناسب نہ ہو گا"

پیری نے پوچھا "مگر مجھے کیا کرنا چاہئے؟"

شہزادی ماریا بولی "یہ بات مجھ پر چھوڑ دیں، میں جانتی ہوں کہ کیا کرنا ہو گا"

پیری نے شہزادی ماریا کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا "ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔۔۔"

شہزادی ماریا کہنے لگی "میں جانتی ہوں کہ اسے آپ سے محبت ہے اور۔۔۔ وہ آپ سے محبت کرنے لگے گی"

پیری اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے چہرے پر خوف کا تاثر تھا۔ اس نے شہزادی کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا۔

وہ کہنے لگا "آپ نے یہ بات کیسے سوچی؟ کیا آپ سمجھتی ہیں کہ میں امید رکھ سکتا ہوں؟"

شہزادی ماریا مسکراتے ہوئے بولی "جی ہاں، مجھے پورا یقین ہے۔ آپ اس کے والدین کو خط لکھ ڈالیں اور باقی بات مجھ پر چھوڑ دیں۔ مناسب وقت پر میں اسے بتا دوں گی۔ میری خواہش ہے کہ ایسا ہو جائے اور مجھے یقین ہے کہ ایسا ہی ہو گا"

پیری خوشی سے نہال ہو کر بولا "نہیں، ناممکن، میں کتنا خوش ہوں! نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا" وہ شہزادی ماریا کا ہاتھ مسلسل چومے جا رہا تھا۔

وہ کہنے لگی "آپ پیٹرز برگ چلے جائیں، یہ بہتر رہے گا، میں آپ کو خط لکھ دوں گی"

پیری نے کہا "پیٹرز برگ؟ چلا جاؤں، ٹھیک ہے، چلا جاؤں گا، مگر کیا میں کل آپ سے مل سکتا ہوں"

اگلے دن وہ انہیں الوداع کہنے آیا۔ نتاشا گزشتہ روز جیسی تو نہیں لگ رہی تھی مگر پیری کو اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے محسوس ہوتا تھا کہ وہ ختم ہو رہا ہے، اب اس کا وجود باقی رہا ہے نہ نتاشا اور کسی دیگر شے کا، ہر طرف صرف اور صرف خوشی موجود ہے۔ وہ اس کی ہر بات اور ہر حرکت پر اپنے آپ سے کہتا "کیا ایسا ہو سکتا ہے، نہیں نہیں"

جب اس نے نتاشا کو الوداع کہنے کیلئے اس کا دبلا پتلا نرم و نازک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تو کچھ دیر تک اسے تھامے کھڑا رہا۔

وہ سوچ رہا تھا "کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ یہ ہاتھ، چہرہ، آنکھیں اور دلکشی کا یہ خزانہ جو اب مجھے اسقدر عجیب دکھائی دیتا ہے، کسی دن ہمیشہ کیلئے میرا ہو جائے گا اور میرے لئے اتنا ہی مانوس بن جائے گا جتنا کہ میں اپنے آپ سے ہوں؟۔۔۔ نہیں، یہ ممکن نہیں۔۔۔"

نتاشا نے سرگوشی کے انداز میں کہا "الوداع نواب، میں آپ کی واپسی کا شدت سے انتظار کروں گی"

اس کے یہ سادہ الفاظ، دیکھنے کا انداز اور چہرے کے تاثرات آئندہ دو ماہ تک پیری کیلئے نہ ختم ہونے والی یادوں، تشریحات اور بیداری کے خوابوں کا موضوع بن گئے۔ وہ اکثر و بیشتر اپنے آپ سے کہتا "میں آپ کی واپسی کا شدت سے انتظار کروں گی، یقیناً اس نے یہی الفاظ کہے تھے۔ اوہ، میں کس قدر خوش ہوں۔۔۔ یہ مجھے کیا ہو گیا ہے؟۔۔۔ میں کس قدر خوش ہوں"

(19)

پیری کو ایلین کے ساتھ اظہار محبت کے دوران جو روحانی اذیت پہنچی تھی اب اس کا نام و نشان بھی باقی نہ تھا۔

اس وقت جب وہ اپنے آپ سے کہتا کہ "اوہ، میں نے یہ کیوں نہ کہا؟" یا "مجھے کس نے ایسا کہنے کی ترغیب دی؟" تو اسے اتنی شرمندگی ہوتی تھی کہ دل خراب ہو جاتا مگر اب اسے نتاشا کے ساتھ دل ہی دل میں اظہار محبت کر کے کوئی پشیمانی نہیں ہوتی تھی۔ اس کی بجائے وہ اپنے تصورات میں نتاشا اور اپنی گفتگو کا ہر فقرہ دہراتا تھا اور اس کے حلیے کی تمام تفصیلات ذہن میں لاتا۔ وہ کوئی بات نظر انداز کرنے یا کسی میں اضافے کا خواہشمند نہ تھا بلکہ جو کچھ اور جیسا تھا اسے ویسے ہی دہراتا رہتا۔ اس نے جو ارادہ کیا اس کے درست یا غلط ہونے کے بارے میں ذرا سا بھی شک و شبہ نہ تھا۔ کبھی کبھار اس کے ذہن میں یہ خوفناک شک ابھرتا کہ "کہیں یہ سب خواب و خیال تو نہیں؟" پھر وہ سوچتا "کہیں شہزادی ماریا سے غلطی تو نہیں ہوئی؟ کیا میں ضرورت سے زیادہ پر اعتماد تو نہیں ہو گیا؟ ویسے تو مجھے یقین ہے مگر شہزادی ماریا اسے یہ بات بتائے اور جواب میں وہ مسکراتے ہوئے کہے کہ "کتنی عجیب بات ہے کہ وہ اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ کیا انہیں اس بات کا اندازہ نہیں کہ وہ دیگر انسانوں کی طرح عام سے فانی انسان ہیں جبکہ میں ان سے قطعی مختلف اور بلند شخصیت ہوں؟"

پیری کو یہ واحد شک بار بار اذیت پہنچاتا رہا۔ اس نے کوئی منصوبہ بنانے سے پرہیز کیا۔ وہ جس خوشی کا منتظر تھا وہ اتنی ناقابل یقین تھی کہ اس کے حصول کی صورت میں اس کی کوئی خواہش باقی نہ رہ جاتی اور اس کے ساتھ دیگر سب باتیں ختم ہو جاتیں۔

پیری کو اس خوشیوں بھرے اور غیر متوقع جنون نے جکڑ لیا کہ وہ اس کے قابل نہیں ہے۔ اسے یوں لگتا تھا جیسے زندگی کے تمام تر مطالب اس کی اپنی محبت اور نتاشا سے محبت کے امکان میں سمٹ کر رہ گئے ہیں۔ بعض اوقات وہ سوچتا کہ ہر شخص صرف اس کی مستقبل کی خوشی کے بارے میں سوچ بچار کر رہا ہے۔ کبھی کبھار اسے یوں لگتا جیسے دوسرے لوگ بھی اس کی کامیابی پر اسی کی طرح خوش ہیں مگر وہ اس خوشی کو چھپانے کیلئے دیگر کاموں میں مشغول ہو گئے ہیں۔ اسے ان کے ہر لفظ اور ہر اشارے سے احساس ہوتا تھا کہ وہ اسی کی مسرت کی جانب اشارہ کر رہے ہیں۔ وہ جن لوگوں سے ملا انہیں اپنی معنی خیز نگاہوں اور مسکراہٹ سے یوں حیرت زدہ کر دیتا جیسے اس کے اور ان کے مابین کوئی خفیہ مفاہمت ہو چکی ہو۔ تاہم جب اسے یہ اندازہ ہوتا کہ لوگ اس کی خوشی سے آشنا نہیں ہیں تو اسے ان پر ترس آنے لگتا اور اس کا دل چاہتا کہ کسی طور انہیں سمجھا دے کہ وہ جن مصروفیات میں الجھے ہوئے ہیں وہ انتہائی بے ڈھنگی اور بیکار ہیں نیز انسان کا ان پر توجہ دینا مناسب نہیں ہے۔

جب اسے مشورہ ملتا کہ وہ سرکاری نوکری کر لے یا عوامی فلاح و بہبود اور جنگی یا سیاسی امور پر بحث ہوتی تو وہ ملامت بھری مسکراہٹ سے دوسروں کی گفتگو سنتا رہتا اور اپنی عجیب و غریب رائے سے انہیں حیران کر دیتا۔ اس دور میں

وہ تمام لوگوں کو اپنے اندر موجود جذبات کی تیز روشنی میں دیکھتا اور کسی کوشش کے بغیر اسے ہر شخص میں اپنے ذات کا محبت کے قابل پہلو دکھائی دے جاتا تھا۔

اپنی مرحومہ بیوی کے کاغذات اور دیگر معاملات کا جائزہ لیتے وقت اسے اس پر بیحد ترس آیا۔ پیری کے دل میں اس کے علاوہ کوئی اور جذبہ بیدار نہ ہوا۔ اسے ہمہ وقت یہی خیال آتا رہتا تھا کہ اب وہ جس خوشی سے سرفراز کیا گیا ہے اس سے وہ ہمیشہ کیلئے محروم رہی۔ دوسری جانب اگرچہ شہزادی ویسلے کو نیا عہدہ اور اعزاز مل گیا تھا اور وہ پہلے سے زیادہ مغرور بھی ہو گیا تھا، مگر پیری کو وہ قابل رحم اور بے ضرر شخص دکھائی دیا۔

بعد میں میں پیری اپنی خوشی کے اس دور کو اکثر یاد کرتا رہتا تھا۔ اس نے اس دور میں لوگوں اور حالات کے بارے میں جو اندازے قائم کیا انہیں وہ عمر بھر درست سمجھتا رہا۔ اس نے نہ صرف انہیں ترک نہ کیا بلکہ جب بھی کسی شک و شبے میں گرفتار ہوتا اور جب بھی اسے کسی باطنی کشمکش میں پھنسنا پڑتا تو وہ انہی خیالات سے رجوع کرتا اور وہ ہمیشہ درست ثابت ہوتے تھے۔

وہ اکثر سوچا کرتا تھا "ہو سکتا ہے میں اس دور میں بیحد مضحکہ خیز دکھائی دیتا ہوں مگر میں درحقیقت اتنا بیوقوف نہیں تھا جتنا نظر آتا تھا۔ اس کی بجائے میں کسی اور دور کی نسبت اس وقت زیادہ عقلمند اور باشعور تھا نیز زندگی کی سمجھنے والی باتوں کو اچھی طرح سمجھتا تھا کیونکہ میں خوش تھا"

پیری کا جنون یہ تھا کہ اب وہ لوگوں سے محبت کرنے سے پہلے ان کے ذاتی اوصاف (جنہیں وہ اچھی عادات قرار دیتا تھا) کی دریافت کا انتظار نہیں کرتا تھا۔ اس کا دل محبت سے بھرا ہوا تھا اور اسے لوگوں سے بلا وجہ محبت کر کے پیار کے ناقابل تردید سبب ڈھونڈنے میں کبھی ناکامی نہ ہوئی۔

(20)

اس شام جب نتاشا نے شہزادی ماریا سے شرارت آمیز انداز میں کہا تھا کہ "وہ یوں لگتے ہیں جیسے بالکل ابھی غسل کر کے آئے ہوں۔۔۔" تو اسی وقت اس کی روح میں کوئی ایسا نا معلوم جذبہ بیدار ہونے لگا جس سے وہ خود بھی آگاہ نہ تھی۔ چہرہ، چال ڈھال اور عادات سمیت اس کی ہر شے میں یکلخت تبدیلی آ گئی اور وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ زندگی کی قوت اور خوشی کی امیدیں ظاہر ہو چکی ہیں اور اپنی تشفی کا مطالبہ کر رہی ہیں۔ یوں لگتا تھا اس پہلی شام کے بعد بیتی ہوئی باتیں نتاشا کے ذہن سے محو ہونا شروع ہو گئی ہیں۔ اب اسے اپنی حالت کے بارے میں کوئی شکایت نہ تھی۔ وہ ماضی کے حوالے سے کوئی بات نہیں کرتی تھی اور مستقبل کے خوبصورت خواب بننے سے بھی اسے کوئی ڈر نہیں لگتا تھا۔ پیری کے بارے میں تو وہ شاید ہی کبھی بات کرتی ہو، تاہم جب شہزادی ماریا اس کا تذکرہ کرتی تو اس کی طویل عرصے سے بجھی ہوئی آنکھوں میں روشنی پھیل جاتی اور ہونٹ عجیب و غریب انداز سے ہلنے لگتے۔

شہزادی ماریا پہلے پہل تو نتاشا میں رونما ہونے والی تبدیلی دیکھ کر حیران ہوئی مگر پھر اس کا مطلب جان کر افسردہ ہو گئی۔ وہ سوچتی "کیا اسے میرے بھائی سے اتنا معمولی پیار تھا کہ وہ اس اتنی جلدی بھول گئی؟" تاہم جب وہ نتاشا کے پاس آتی تو اسے غصہ آتا نہ وہ اسے کوئی الزام دیتی۔ نتاشا کو زندگی بیدار ہونے کی جس قوت نے جکڑ رکھا تھا وہ اتنی طاقتور تھی کہ اس کی موجودگی میں ماریا محسوس کرتی کہ اسے نتاشا کی مذمت کا کوئی حق نہیں ہے۔

اس نئے جذبے کے سامنے نتاشا نے اتنے مکمل اور مخلصانہ انداز میں ہتھیار ڈالے کہ وہ اپنی پر مسرت کیفیت

چھپانے کی کوشش بھی نہ کرسکی۔

شہزادی ماریا اس رات پیری کے ساتھ بات چیت کر کے اپنے کمرے میں آئی تو نتاشا سے دروازے پر ہی مل گئی۔

نتاشا اس سے بار بار پوچھ رہی تھی "انہوں نے آپ سے کوئی بات کی؟ یقیناً کی ہے؟ میں دروازے کی آڑ سے سننا چاہتی تھی مگر مجھے علم تھا کہ تم مجھے بتا دو گی۔"

وہ جس طرح ٹکٹکی باندھ کر ماریا کے چہرے کو دیکھ رہی تھی وہ قابل فہم اور متاثر کن انداز تھا اور اس کی پریشانی دیکھ کر شہزادی ماریا کو افسوس ہوا، تاہم اس کے الفاظ ن وہ ایک لمحے کیلئے افسردہ ہو گئی اور اسے اپنا بھائی اور اس کی محبت یاد آ گئی۔

شہزادی ماریا نے سوچا "مگر اب کیا ہو سکتا ہے؟ اس کے بس کی بات نہیں"

اگرچہ اس کے چہرے پر رنج و محن کی کیفیت تھی مگر اس نے پیری کی تمام باتیں نتاشا کے گوش گزار کر دیں۔ جب نتاشا نے یہ سنا کہ پیری پیٹرز برگ جا رہا ہے تو اسے بے حد حیرانی ہوئی۔ وہ کہنے لگی "پیٹرز برگ؟" اس نے بات دہرائی جیسے کچھ سمجھ نہ پا رہی ہو۔

وہ شہزادی ماریا کے چہرے پر تکلیف کے آثار کی وجوہات سمجھ گئی اور بچوں کی طرح رونا شروع کر دیا۔ پھر اس نے کہا "میری، مجھے بتاؤ کہ میں کیا کروں؟ میں اس خوف سے فنا ہو رہی ہوں کہ کہیں میں غلطی تو نہیں کر رہی؟ تم جیسا کہو گی میں ویسا ہی کروں گی۔۔۔"

ماریا نے پوچھا "تمہیں ان سے محبت ہے؟"

نتاشا نے سرگوشی کے انداز میں جواب دیا "ہاں"

شہزادی ماریا نے کہا "تو پھر روتی کیوں ہو؟ میں تم سے خوش ہوں" وہ نتاشا کے آنسو دیکھ کر اتنی متاثر ہوئی کہ اسے معاف کر دیا۔

نتاشا بولی "مگر ایسا ابھی نہیں ہو گا۔ یہ سوچو کہ کسی دن جب میں ان سے شادی کر لوں گی اور تمہاری بیاہ نکولائی سے ہو جائے گا تو ہم کتنے خوش ہوں گے"

شہزادی ماریا نے کہا "نتاشا، میں نے تمہیں پہلے بھی بتایا تھا کہ ایسی باتیں مت کیا کرو، آؤ تمہارے بارے میں باتیں کریں"

نتاشا کہنے لگی "میں صرف یہ جاننے کی خواہشمند ہوں کہ وہ پیٹرز برگ کیوں گئے؟" پھر وہ خود ہی اپنے سوال کا جواب دیتے ہوئے بولی "مگر نہیں نہیں، انہیں ضرور جانا چاہئے۔۔۔ کیوں میری؟ انہیں ہر صورت۔۔۔"

☆☆☆☆☆

اختتامیہ

(1)

سات برس بیت گئے۔ یورپ کی تاریخ کا طوفانی موجوں والا سمندر پرسکون ہو گیا مگر نوع انسانی کو متحرک رکھنے والی پراسرار قوتوں (پراسرار اسلئے کہ ہم ان کے افعال متعین کرنے والے قوانین سے واقف نہیں) کا کام بدستور جاری تھا۔

اگرچہ تاریخی سمندر کی سطح پرسکون دکھائی دیتی تھی تاہم انسانی نقل و حرکت وقت کے بہاؤ کی طرح کسی رکاوٹ کے بغیر جاری رہی۔ مختلف اتحاد قائم ہوئے اور ختم ہو گئے۔ ممالک کی تشکیل اور خاتمے نیز مختلف قوموں کی اکھاڑ پچھاڑ اور انتشار کا سبب بننے والے حالات اپنی تیاری کے مراحل میں تھے۔

تاریخی سمندر پہلے کی طرح طوفانی تھپیڑوں کے ذریعے ایک سے دوسرے ساحل کی جانب نہیں دھکیلا جا رہا تھا بلکہ یہ اپنی گہرائیوں میں بل کھاتے ہوئے ابل رہا تھا۔ اس مرتبہ سمندر کی موجیں تاریخی شخصیات کو ایک سے دوسرے ساحل کی جانب لے جانے کی بجائے ایک ہی مقام پر گرداب کی صورت میں گھومتی محسوس ہوتی تھیں۔ پہلے فوجوں کی قیادت اور جنگوں کے احکامات دے کر لوگوں کی نقل و حرکت کو منعکس کرنے والی تاریخی شخصیات اب سیاسی و سفارتی اتحادوں نیز قوانین اور معاہدوں کے ذریعے طوفانی نقل و حرکت کے انعکاس میں مصروف تھیں۔

تاریخ دان ان شخصیات کی اس مصروفیت کو ردعمل کا نام دیتے ہیں۔

مورخین نے ان تاریخی شخصیات کا تذکرہ کرتے ہوئے انہیں شدید تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ وہ "ردعمل" کا سبب بنے تھے۔ الیگزنڈر اور نپولین سے مادام ڈسٹیل، فوٹے، شیلنگ، فشے، چیٹیو بریانڈ اور دیگر معروف اشخاص کو بھی ان کے سخت گیر انصاف کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ ان لوگوں کو ترقی یا ردعمل کے پیمانے پر تولا جاتا ہے اور اس کے مطابق سزا یا جزا دی جاتی ہے۔

ہمیں بتایا جاتا ہے کہ روس میں بھی اس دور میں ردعمل نے فروغ پایا اور مورخ کی نگاہ میں اس کا سب سے بڑا ذمہ دار الیگزنڈر اول ہے۔ یہ وہی الیگزنڈر اول ہے جس کی وہ تعریف بھی کرتے ہیں کیونکہ اس نے اپنی حکومت کے ابتدائی دور میں ترقی پسند خیالات کی حوصلہ افزائی کی اور روس کو بچایا تھا۔

سکول کے طلباء سے لے کر اعلیٰ تعلیم یافتہ اشخاص تک روس میں آپ کو ایک بھی ایسا شخص نہیں ملے گا جو الیگزنڈر پر اپنی حکومت کے آخری دور میں غلط کاریوں کا الزام عائد نہ کرتا ہو۔

کہا جاتا ہے "اسے فلاں فلاں انداز میں کام نہیں کرنا چاہئے تھا۔ اس معاملے میں اس کا کردار تعریف کے قابل ہے مگر فلاں مسئلے پر اس نے نااہلی کا ثبوت دیا۔ اپنی حکومت کے ابتدائی دور اور 1812ء تک اس نے سمجھداری

کا مظاہرہ کیا مگر پولینڈ کو آئین دینے، مقدس اتحاد کی تشکیل، اختیارات کی آراک چیف کو حوالگی، پہلے گولٹسن اور سریت، بعدازاں شِشکوف اور فوٹے کی حوصلہ افزائی کر کے وہ سنگین غلطیوں کا مرتکب ہوا۔ اس نے متحرک فوج کے معاملات میں دخل اندازی کر کے نیز سیمیونووسکی رجمنٹ توڑ کر حماقت کی" وغیرہ وغیرہ۔

تاریخ دان انسانی بھلائی کے بارے میں آگاہی کے زعم میں اس پر جو شام طرازی کرتے ہیں اس کی تفصیلات قلمبند کرنے کیلئے دس صفحات درکار ہیں۔

اس تنقید کا کیا مطلب ہے؟

کیا الیگزنڈر کے ابتدائی دور میں تشکیل پانے والے ترقی پسند منصوبے، نپولین کیخلاف اس کی جدوجہد اور مستقل مزاجی انہی مصادر کی پیداوار نہیں جنہوں نے اس سے مقدس اتحاد کی تشکیل، پولینڈ کی بحالی اور ردعمل کے طور پر کی جانیوالی 1820ء کی کارروائیوں پر مجبور کیا؟

اس تنقید کا اصل مقصد کیا ہے؟ الیگزنڈر اول تاریخ کا اہم کردار تھا۔ وہ انسانی قوت کے ممکنہ ترین بلند مقام پر پہنچ گیا تھا اور تاریخ کے اس دور میں اسے مرکزی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔ وہ سازشوں، فریب، خوشامد پر مبنی رویوں اور خودفریبیوں جیسے طاقتور ترین اثرات کے نشانے پر تھا جو قوت اور اقتدار کے ساتھ ہمہ وقت موجود ہوتے ہیں۔ یورپ کے حوالے سے اسے اپنی ذمہ داریوں کا ہر لمحہ احساس رہتا تھا۔ وہ داستانی کردار نہیں تھا بلکہ دیگر لوگوں کی طرح انسان تھا اور دوسروں کی طرح اس کی بھی ذاتی عادات اور جذبات تھے۔ حسن، سچائی اور بھلائی سے وہ بھی اپنے انداز میں متاثر ہوتا تھا۔ اس میں حسن سیرت کی بھی کمی نہ تھی (اس حوالے سے مورخین نے اس پر کوئی الزام عائد نہیں کیا) اسے صرف اس لئے غلط کہا جاتا ہے کہ آج سے پچاس برس پہلے انسانی فلاح و بہبود کے بارے میں اس کے وہ خیالات نہ تھے جو زمانہ حال کے کسی پروفیسر کے ہوتے ہیں جو اپنی جوانی کی ابتداء سے ہی درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیتا ہے۔

اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ عام لوگوں کے بھلائی کے حوالے سے الیگزنڈر کا نقطہ نظر درست نہ تھا تو پھر ہمیں یہ بھی فرض کرنا ہوگا کہ آج الیگزنڈر پر تنقید کرنیوالے کا انسانی بھلائی کے حوالے سے نقطہ نظر ایک مخصوص مدت کے بعد غلط قرار پائے گا۔ یہ مفروضہ اس لئے مزید فطری اور ضروری ہے کہ جب ہم تاریخ کے آگے بڑھنے کے عمل کو دیکھتے ہیں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ انسانی فلاح کا نقطہ نظر ہر سال بدلتا رہتا ہے۔ جو بات دس برس پہلے درست سمجھی جاتی تھی اب وہ غلط ہوتی ہے اور پہلے جو غلط تھی وہ اب قابل تعریف قرار پاتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مورخین کے موقف میں بھی اختلاف ہے۔ ایک جس بات کو درست سمجھتا ہے وہ دوسرے کے نزدیک غلط ہے اور بعض مورخین جن باتوں کو غلط قرار دیتے ہیں وہ کچھ کیلئے درست ہوتی ہیں۔ تاریخ ہمیں اچھے اور برے سے بھی آگاہی دیتی ہے۔ اس حوالے سے ایک ہی دور کے مختلف لوگوں کا نقطہ نظر باہم متصادم بھی ہو سکتا ہے۔ کچھ لوگوں کے خیال میں مقدس اتحاد کی تشکیل اور پولینڈ میں آئین کا نفاذ اچھی بات تھی اور اس وجہ سے وہ الیگزنڈر کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتے تھے، دوسری جانب یہی بات بعض لوگوں کیلئے اچھی نہ تھی اور وہ اسے تنقید کا نشانہ بناتے تھے۔

الیگزنڈر اول اور نپولین کے کام مفید اور نقصان دہ ہونے کے بارے میں حتمی طور پر کچھ بھی کہنا مشکل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم مفید اور نقصان دہ ہونے کے بارے میں واضح طور پر کچھ نہیں کہہ سکتے۔ اگر کوئی کسی کام سے خوش نہیں ہوتا تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس کے پاس اچھائی کو ماپنے کا جو معیار ہے اس پر وہ بات پورا نہیں اترتی۔ 1812ء میں میرے گھر کے بچاؤ کا مسئلہ ہو یا روسی فوج کی شان و شوکت کا، پیٹرزبرگ یا دیگر یونیورسٹیوں کے

فروغ کا مسئلہ ہو یا پولینڈ کی آزادی، یورپ میں طاقت کے توازن کا مسئلہ ہو یا ترقی کہلانے والی یورپی روشن خیالی، میرے خیال میں یہ تمام باتیں اچھی ہو سکتی ہیں تاہم اس کے ساتھ ساتھ میرے پاس یہ تسلیم کرنے کے سوا بھی کوئی چارہ نہیں کہ ان مقاصد کے [illegible] وہ تاریخی ہستی کے افعال کے بعض عمومی مقاصد بھی ہو سکتے ہیں جو میری سمجھ سے بالاتر ہیں۔

فرض کریں کہ سائنس تمام متضاد باتوں کو اکٹھا کر سکتی ہے اور اس کے پاس صحیح اور غلط کے درمیان تمیز کا غیر متغیر پیمانہ موجود ہے جس کی مدد سے تاریخی شخصیات اور واقعات کو پرکھا جاتا ہے۔

فرض کریں کہ الیگزنڈر کیلئے ہر کام مختلف انداز سے کرنا بھی ممکن تھا۔ یہ بھی فرض کرلیں کہ اس کیلئے قومیت، آزادی، برابری اور ترقی کے اس پروگرام کے مطابق حکومت چلانا ممکن تھا جسے اس کے دور کے ناقدین اسے مہیا کرنا پسند کرتے۔ ہم یہ بات بھی فرض کر لیتے ہیں کہ ایسا پروگرام قابل عمل تھا، اس دور میں مرتب کر لیا گیا تھا اور الیگزنڈر نے اس پر عملدرآمد بھی کر دیا تھا۔ اگر ایسا ہو جاتا تو پھر حکومت مخالف لوگوں کی سرگرمیوں کا کیا ہوتا۔ ان سرگرمیوں کی عدم موجودگی سے زندگی کی رونق ختم ہو جاتی۔

اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ زندگی وجوہات کے تابع کی جا سکتی ہے تو زندگی کے تمام امکانات ختم ہو کر رہ جائیں۔

(2)

تاریخ دانوں کی طرح ہم یہ فرض کر لیں کہ عظیم لوگ مخصوص مقاصد (جیسا کہ روسیوں یا فرانسیسوں کی عظمت، یورپ میں قوت کا توازن، انقلابی اصولوں کی اشاعت، عمومی ترقی یا کچھ اور) کیلئے انسانوں کو عمل پر آمادہ کرتے ہیں تو پھر اتفاق اور غیر معمولی ذہانت جیسے تصورات کی مدد کے بغیر تاریخی حقیقتوں کی تفہیم ممکن نہیں رہتی۔

اگر انیسویں صدی کے آغاز کی یورپی جنگوں کا مقصد روس کے رقبے اور اس کے اثر و رسوخ میں اضافہ ہوتا تو پھر یہ مقصد ان تمام پرانی جنگوں کے بغیر حاصل ہو سکتا تھا۔ اگر یہ مقصد [illegible] میں اضافہ تھا تو اسے انقلاب یا شہنشاہیت اختیار کئے بغیر بھی پالینا ممکن تھا۔ اگر مقصد انقلابی خیالات [illegible] تھا تو یہ فوجیوں کی بجائے چھاپہ خانوں کی مدد سے باآسانی حاصل ہو سکتا تھا۔ اگر مقصد تہذیب و تمدن کی ترقی ہوتو پھر باآسانی سمجھا جا سکتا ہے کہ انسانوں اور ان کی املاک تباہ کئے بغیر تہذیب کے پھیلاؤ کے زیادہ بہتر اور کارآمد ذرائع موجود تھے۔

تو پھر یہ سب کچھ اس کی بجائے اس انداز میں کیوں ہوا؟ کیونکہ وہ ایسے ہی ہوا۔ موقع سے صورتحال پیدا ہوگئی، ذہانت نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ تاریخ یہی کہتی ہے۔

مگر یہ موقع (اتفاق) اور ذہانت کیا شے ہیں؟

لفظ "اتفاق" اور "ذہانت" واقعتاً موجود شے کا اظہار نہیں کرتے۔ لہٰذا یہ سمجھنا یا سمجھانا بے حد مشکل ہے کہ وہ حقیقت میں کیا ہیں۔ یہ دونوں لفظ صرف مظاہر کی تعبیر و تشریح کے ایک خاص مرحلے کی نشاندہی کرتے ہیں۔ مجھے بالکل علم نہیں کہ کوئی واقعہ کیوں رونما ہوتا ہے۔ میرے خیال میں اسے جاننا ممکن نہیں ہے لہٰذا میں جاننے کی کوشش نہیں کرتا اور "اتفاق" کی بات کرنے لگتا ہوں۔ مجھے کوئی طاقت ایسے نتائج سامنے لاتی دکھائی دیتی ہے جو عام انسان کے دائرہ اختیار میں نہیں ہوتے۔ میں اس صورتحال کو نہیں سمجھ پاتا اور "غیر معمولی ذہانت" کا راگ الاپنا شروع کر دیتا ہوں۔

چرواہا اپنے ریوڑ سے ایک بھیڑ علیحدہ کر کے اسے خصوصی خوراک کھلائے تو وہ دوسری بھیڑوں سے زیادہ صحتمند ہو جاتی ہے اور اسے یہ ہر صورت "ذہین" دکھائی دے گی۔ اس بھیڑ کو عام بھیڑوں کی بجائے علیحدہ رکھنا اور

دوسروں کی نسبت زیادہ خوراک دینا اور موٹا ہونے پر گوشت حاصل کرنے کیلئے ذبح کر دینا دیگر بھیڑوں کو مواقع یا غیر معمولی اتفاقات کے ساتھ ساتھ ذہانت کا ملاپ محسوس ہونے لگتا ہے۔

مگر بھیڑوں کو چاہئے کہ وہ صرف اس تصور کو ترک کر دیں کہ جو کچھ ان کے ساتھ کیا جاتا ہے اس کا مقصد بھیڑوں کے مقاصد کا حصول ہے۔ انہیں صرف یہ بات ماننا ہوگی کہ جو کچھ ان کے ساتھ ہو رہا ہے اس کے ایسے مقاصد بھی ممکن ہیں جو ان کی سمجھ سے بالاتر ہوں۔ تبھی وہ باآسانی سمجھ پائیں گی کہ علیحدہ رکھ کر موٹی کی جانیوالی بھیڑ کے ساتھ جو کچھ ہوتا ہے اس میں کچھ اتحاد اور تعلق موجود ہے۔ اگر ان میں یہ جاننے کی صلاحیت نہ بھی ہو کہ اسے کیوں موٹا کیا گیا تو بھی کم از کم وہ یہ ضرور جان جائیں گی کہ اس کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ اتفاقاً نہیں تھا۔ پھر انہیں اتفاق اور ذہانت جیسے تصورات کی مدد لینے کی ضرورت نہیں رہے گی۔

جو کچھ ہماری سمجھ میں آتا ہے، اسے حقیقتاً سمجھ جانے کے دعوے سے دستبردار ہو کر ہی ہم تاریخی ہستیوں کی زندگیوں میں دلیل پر مبنی تسلسل ڈھونڈ سکتے ہیں۔ پھر ہم اس نتیجے پر پہنچ جائیں گے کہ "اتفاق" اور "غیر معمولی ذہانت" فالتو الفاظ ہیں۔

ہمیں صرف یہ بات تسلیم کرنا ہوگی کہ ہم یورپی قوموں کی اکھاڑ پچھاڑ کے مقصد سے آگاہ نہیں ہیں۔ ہمیں صرف سنگین حقیقتوں کا علم ہے اور لوگوں کی مغرب سے مشرق اور پھر مشرق سے مغرب کی جانب حرکت ہی ان تمام واقعات کا ماحصل ہے۔ پھر ہمیں نہ صرف انگیز نذر یا نپولین میں غیر معمولی ذہانت تلاش کرنے کی ضرورت نہ رہے گی بلکہ ہم انہیں دیگر انسانوں جیسے انسان ہی سمجھیں گے اور ہمارے لئے انہیں کوئی اور شے سمجھنا ممکن نہیں رہے گا۔ اس صورت میں چھوٹے چھوٹے واقعات کو سمجھنے کیلئے اتفاق کا سہارا لینے کی ضرورت بھی نہ رہے گی اور یہ بات عیاں ہو جائے گی کہ ایسے واقعات فطری تقاضے کے طور پر رونما ہوئے۔

(3)

حالیہ (انیسویں) صدی کے آغاز میں یورپ میں جو واقعات پیش آئے ان کی بنیادی اور اہم ترین خاصیت یورپی لوگوں کی کثیر تعداد کا جنگی مقاصد کے تحت مغرب سے مشرق اور پھر مشرق سے مغرب کی طرف جانا ہے۔ اس نقل و حرکت کی شروعات مغرب سے ہوئی۔ ماسکو جیسے دور دراز علاقے تک اپنی جارحانہ پیشقدمی پر عملدرآمد کی غرض سے مغربی اقوام قوموں کیلئے ضروری تھا کہ 1۔ خود کو ایسی فوج کے روپ میں تیار کیا جائے کہ جب ان کا سامنا مشرق کے مسلح لوگوں سے ہو تو انہیں برداشت کیا جا سکے 2۔ تمام مروجہ قوانین اور روایات کو ایک طرف رکھ دیا جائے 3۔ فوجی نقل و حرکت کے دوران ان کا قائد ایسا شخص ہونا چاہئے جو تمام خونریزی اور لوٹ مار کو ان کے اور اپنے سامنے درست قرار دے سکے۔

یہ مسئلہ انقلاب فرانس سے شروع ہوا۔ پرانا گروہ جو عددی اعتبار سے زیادہ بڑا نہ تھا، ختم ہو گیا۔ پرانے طور طریقے ختم کر دیئے گئے اور آہستہ آہستہ ایک اور گروہ پھل پھول گیا جو پہلے سے زیادہ وسیع تھا۔ اس نے نئے طور طریقے متعارف کرائے اور ایسا شخص تیار کیا گیا جس نے آئندہ نقل و حرکت کی قیادت اور ہر کام کی ذمہ داری قبول کرنا تھی۔

فرانس کے تمام فسادی گروہوں میں سے ایک شخص ابھر کر سامنے آ گیا اور اس نے اتفاقات کی بدولت نمایاں مقام حاصل کر لیا جو بظاہر نہایت عجیب و غریب معلوم ہوتے ہیں۔ یہ شخص عقیدے اور روایات سے بے بہرہ تھا۔

اس کے ساتھیوں کی نااہلی اور جہالت، مخالفین کی کمزوری اور کم عقلی، اس کا بیباکانہ جھوٹ، چکا چوند اور پراعتماد مگر محدود صلاحیت اس کیلئے سازگار ثابت ہوئیں اور وہ فوجی سربراہ بن گیا۔ اٹلی جانیوالی فوج کی مہارت و ذہانت، اس کا مخالفین کے ساتھ جنگ سے احتراز اور بچگانہ خود پسندی نے فوجی شہرت دلانے میں اس کی مدد کی۔ ہر جگہ بے شمار نام نہاد اتفاقات اس کے ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ اس نے فرانسیسی حکمرانوں کی ناراضگی مول لے لی مگر یہی بات اس کیلئے فائدہ مند ثابت ہوئی۔ اس نے معینہ قانون قدرت سے بچ نکلنا چاہا مگر ناکام رہا۔ روس میں اسے ملازمت نہ مل سکی اور ترکی میں بھی اس کی کوششیں اکارت گئیں۔ اٹلی کی جنگوں میں متعدد بار خطرہ اس کے سر پر آ پہنچا مگر ہر مرتبہ وہ غیر متوقع طور پر بچ گیا۔ اس کے وقار کو مجروح کرنے کی صلاحیت رکھنے والی روسی فوجیں مختلف سفارتی تقاضوں کے سبب اس وقت تک سامنے نہ آئیں جب تک وہ وہاں سے چلا نہ گیا۔

اٹلی سے واپسی پر اسے علم ہوا کہ فرانسیسی حکومت زوال کا شکار ہے، سو جب وہ ختم ہونے لگی تو اس میں شامل تمام لوگ بھی ساتھ ہی ختم ہو گئے۔ حسن اتفاق سے اسے ایک بے مقصد اور احمقانہ مہم پر افریقہ بھیج دیا گیا اور یوں اس نے خطرناک صورتحال سے دامن بچا لیا۔ ایک مرتبہ پھر نام نہاد اتفاق اس کے کام آیا۔ ناقابل تسخیر مالٹا نے لڑائی کے بغیر اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور اس کے انتہائی غلط منصوبے کی کامیابی کا امکان روشن تر ہو گیا۔ دشمن کا بحری بیڑہ اتنا بے خبر تھا کہ اس کی تمام فوج کو خاموشی سے نکلنے کا موقع مل گیا۔ افریقہ میں کم و بیش غیر مسلح مقامی لوگوں پر مسلسل ظلم ڈھائے گئے اور ان کے ساتھ ہر قسم کی شرمناک حرکت کا ارتکاب ہوا مگر ایسے جرائم کرنے والوں خصوصاً ان کے قائد نے خود کو یقین دلایا کہ اس کے یہ کارہائے نمایاں آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ اس نے سمجھا کہ یہی شان و شوکت ہے اور اس نے خود کو سیزر اور سکندر کے ہم پلہ سمجھا۔

شان اور عظمت کے اس نمونے کو (کہ انسان جو کچھ کرتا ہے نہ صرف اسے اس میں کوئی خرابی نظر نہیں آتی بلکہ ہر جرم اس کیلئے باعث فخر ہوتا ہے اور وہ اس کے ساتھ ناقابل فہم اور مافوق الفطرت اہمیت لگا لیتا ہے) اپنی نشوونما کیلئے افریقہ میں زرخیز جگہ مل گئی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا اس کی تمام کوششیں کامیابی پر منتج ہوئیں۔ طاعون اس پر اثر انداز ہوا نہ اسے قیدیوں کے بیدردانہ قتل کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا۔ وہ اپنے ساتھیوں کو مصیبت کی گھڑی میں تنہا چھوڑ کر جس غیر شائستگی سے واپس روانہ ہو گیا اس کی بھی تعریف کی جاتی ہے اور دشمن کے بحری جہازوں نے ایک مرتبہ پھر اسے بحفاظت واپسی کا موقع دے دیا۔

اگرچہ اس کے پاس کوئی منصوبہ نہ تھا اور وہ ہر شے سے خوفزدہ تھا مگر تمام فریق اسی پر جھپٹے اور اسے حکومت میں شرکت پر مجبور کر دیا۔

مگر اس کے پاس شان اور عظمت کا نمونہ تھا اور اس نے پاگلوں کے سے انداز میں اپنی تعریف کی۔ اس نے ڈھٹائی سے جرائم کئے اور سرعام جھوٹ بول کر بھی شرمندہ نہ ہوا۔ لہٰذا وہ واحد شخص تھا جسے مستقبل میں ہونیوالی کارروائیوں کا ذمہ دار ٹھہرایا جا سکتا ہے۔

جو مقام اس کا منتظر تھا اس کیلئے اسی کی ضرورت تھی۔ چنانچہ اسے خواہش کے خلاف اقتدار پر قبضے کی سازش میں گھسیٹ لیا گیا اور سازش کامیاب رہی۔

اسے کسی نہ کسی طرح قانون ساز ادارے کے اجلاس میں کھینچ لیا گیا۔ وہ بوکھلا اٹھا اور وہاں سے کھسکنے کی کوشش کی کیونکہ اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے ساتھ دھوکہ ہوا ہے۔ اس نے بیہوشی کی اداکاری کی اور بے معنی باتیں شروع

کر دیں۔ یہ باتیں اس کی تباہی کا باعث ہونا چاہئے تھیں مگر فرانس کے حکمران اس سے بھی زیادہ منتشر ذہن کے مالک تھے اور وہ اسے کچلنے اور اپنا اقتدار بچانے کیلئے وہ بات نہ کہہ سکے جو انہیں کہنا چاہئے تھی۔

اتفاقات، لاکھوں اتفاقات نے اسے اقتدار عطا کر دیا اور تمام لوگوں نے اس کی توثیق کیلئے اپنے خدمات پیش کر دیں جیسے وہ باہم کوئی سمجھوتہ کر چکے ہوں۔ اتفاق ہی فرانسیسی حکمرانوں کا کردار تشکیل دیتا ہے۔ اتفاق ہی روس کے زار پاول اول کا کردار متشکل کرتا ہے جو اس کا اقتدار تسلیم کرنے کو تیار ہو گیا۔ نپولین کیخلاف سازش کا توڑ بھی اتفاق ہی نے کیا۔ سازش نہ صرف ناکام رہی بلکہ اس کی حکومت کو اور بھی مضبوط کر دیا۔ یہ اتفاق ہی تھا کہ نواب این غائن اس کے ہاتھ آ گیا اور وہ اس کے قتل بارے سوچنے لگا۔ اگرچہ اس نے انگلینڈ پر حملے کیلئے اپنے تمام وسائل جمع کر لئے تھے مگر ایسا اتفاق پیش آیا کہ وہ اپنے منصوبے پر عملدرآمد نہ کر سکا اور اچانک آسٹروی فوج پر ٹوٹ پڑا جس نے لڑے بغیر ہتھیار ڈال دیئے۔ اوسٹرلٹس کی جنگ میں "اتفاق اور ذہانت" نے اسے کامیابی دلا دی۔ اس "اتفاق" کا کرشمہ دیکھئے کہ تمام لوگ اس کی ہاں میں ہاں ملانا شروع ہو گئے اور اس کے جرائم کے سلسلے میں اپنی تمام نفرتیں بھلا بیٹھے۔ انہوں نے اس کی شان وعظمت کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا جو ہر ایک کو شاندار اور معقول دکھائی دیتی تھی۔

مغربی طاقتوں نے 1805ء، 1806ء، 1807ء اور 1808ء میں مشرق کی جانب کئی مرتبہ پیشقدمی کی اور یوں لگتا تھا جیسے وہ اپنے ارادوں اور صلاحیتوں کی آزمائش کر کے آئندہ ہونیوالی کارروائیوں کی تیاریاں کر رہی ہوں۔ انسانوں کا جو فوجی گروہ فرانس میں ترتیب دیا گیا اس میں 1811ء تک وسطی یورپ کی مختلف اقوام کے لوگ بھی شامل ہو گئے اور اس نے بہت بڑے ہجوم کی شکل اختیار کر لی۔ جوں جوں اس گروہ کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا اس نقل وحرکت کے قائد کا اقتدار جائز ہونے کا جواز بھی ملتا گیا۔ اس عظیم نقل وحرکت سے دس سال پہلے اس شخص نے یورپ کے تمام حکمرانوں سے تعلقات قائم کر لئے تھے۔ دنیا کے ان بے عزت اور ننگے حکمرانوں کے پاس عقل کے معیار پر پورا اترنے والا کوئی ایسا تصور نہ تھا جو نپولین کے شان اور عظمت کے بے معنی تصور کا رد ثابت ہو سکتا۔ انہوں نے اپنی بے وقعتی کی نمائش کیلئے ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کی۔ اس "عظیم شخص" کی خوشنودی کے حصول کیلئے پرشیا کے بادشاہ نے اپنی اہلیہ اس کے پاس بھیج دی۔ آسٹریا کے شہنشاہ کی نگاہ میں اس شخص کا قیصر کی بیٹی کو اپنے بستر کی زینت بنانا قابل فخر بات تھی۔ پوپ نے اس عظیم شخص کی شان مزید بلند کرنے کیلئے اس کی خدمت میں مذہب کا نذرانہ پیش کر دیا۔ نپولین نے خود کو اپنے کردار کی ادائیگی کیلئے اتنا تیار نہ کیا تھا جتنا کہ اس کے ارد گرد پھرنے والوں نے اسے اس کی ترغیب دی۔ اس کا کوئی کام ایسا نہ تھا جسے عظیم کارنامہ بنا کر پیش کرنے میں انہوں نے ذرا سی بھی دیر کی ہو۔ جرمنوں اس کی عزت افزائی کیلئے اس سے زیادہ اچھا طریقہ کوئی اور نہ ملا کہ اور سٹڈٹ اور جینا میں اپنے خلاف اس کی فتوحات کا خود ہی جشن منایا جائے۔ نہ صرف وہ خود عظیم تھا بلکہ اس کے باپ دادا، بھائی، سوتیلے بیٹے اور برادر نسبتی بھی عظیم قرار پائے۔ انہوں نے اسے بچی کھچی عقل سے محروم کرنے اور خوفناک کردار ادا کرانے کے حوالے سے کوئی کمی نہ چھوڑی۔ جب وہ یہ کردار ادا کرنے کیلئے تیار ہو گیا تو اس وقت تک اس کی فوجی تیاریاں بھی مکمل ہو چکی تھیں۔

مشرق کی جانب جارحانہ پیشقدمی شروع ہو گئی اور وہ اپنی آخری منزل یعنی ماسکو میں پہنچ گیا۔ دارالحکومت پر قبضہ کر لیا گیا۔ روسی فوج کو نقصان ہوا وہ دشمن کی فوج کو اوسٹرلٹس سے واگرام تک بھی نہیں پہنچا تھا۔ اب "اتفاق اور ذہانت" نے اس کا ساتھ اچانک چھوڑ دیا اور بوروڈینو میں اس کے زکام سے لے کر سردی، دھند اور ماسکو کی آتشزدگی جیسے "معکوس اتفاقات" کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اب یہ "ذہانت" کہیں دکھائی نہیں دیتی اور اس کی جگہ لاجواب حماقتیں

سرزد ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔

حملہ آور فوج واپس پلٹی اور دم دبا کر بھاگ اٹھی۔ اس مرحلے پر "اتفاقات" نپولین کا ساتھ دینے کی بجائے اس کے خلاف جاتے رہے۔

مغرب سے مشرق کی جانب نقل وحرکت کا رخ اب مشرق سے مغرب کی جانب ہو گیا۔ یہ دونوں حرکات ایک جیسی تھیں۔ جیسا کہ 1805ء، 1807ء اور 1809ء میں ہوا عین اسی طرح مشرق سے مغرب کی جانب پیشقدمی سے پہلے بھی ابتدائی اور محتاط کوششیں کی گئیں۔ اسی طرح مل جل کر بڑا گروہ تشکیل دیا گیا، پہلے کی طرح وسطی یورپ کے لوگ اس میں شامل ہوئے اور اسی طرح ہر لمحہ بڑھتی رفتار سے منزل تک پہنچا گیا۔

منزل مقصود یعنی پیرس قبضے میں آ گیا۔ نپولین کی حکومت اور فوج کو ختم کر دیا گیا۔ نپولین کی کوئی اہمیت باقی نہ رہی۔ اب اس کے تمام افعال قابل رحم تھے، تاہم اس مرحلے پر ایک مرتبہ پھر "ناقابل تفہیم اتفاق" نے دخل اندازی کی۔ اتحادیوں کو نپولین سے بیحد نفرت ہے چنانچہ وہ اسے اپنی مصیبتوں کا ذمہ دار ٹھہراتے ہوئے اس سے قوت اور اقتدار چھین لیتے ہیں اور اس کے جرائم اور دھوکہ بازیوں کو بے نقاب کر ڈالتے ہیں۔ اس موقع پر بھی انہیں وہ دس سال پہلے والا نپولین دکھائی دینا چاہئے تھا مگر اسے اتفاق کہا جائے یا کچھ اور کہ انہیں ایسا خیال بھی نہ آیا اور انہوں نے اسے دو دن کے سمندری فاصلے پر موجود ایک جزیرے میں بھیج کر اسے اس کی سلطنت کا درجہ دے دیا اور محافظ فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ بھاری رقومات بھی اس کے حوالے کر دیں۔

(4)

اقوام کا ریلا تھم جاتا ہے۔ عظیم سمندر کی لہریں پیچھے ہٹ جاتی ہیں اور ان کے عقب میں پانی کی سطح پرسکون ہو جاتی ہے جس پر سفارتکار چھوٹے چھوٹے بھنور پیدا کرتے ہوئے یہ سمجھتے ہیں سطح پر دکھائی دینے والا یہ سکون انہی کی کوششوں سے پیدا ہوا۔

مگر اچانک اس پرسکون سمندر میں ایک مرتبہ پھر ہلچل مچ جاتی ہے۔ سفارتکاروں کا خیال ہے کہ مختلف طاقتوں کا یہ دباؤ ان کے باہمی اختلافات کی بدولت ہے۔ وہ اپنی حکومتوں کے مابین جنگ کی پیشگوئی کرتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ اس صورتحال کا کوئی حل نہ نکلے گا۔ وہ جس لہر کا اندازہ کر رہے ہوتے ہیں وہ اس سمت سے نہیں آتی جہاں سے آنے کی انہیں توقع تھی۔ اس کی بجائے وہ پہلے والی جگہ یعنی پیرس سے ظہور پذیر ہوتی ہے۔ یہ مغرب سے اٹھنے والی آخری لہر ہے جس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ سفارتکاروں کے حل نہ ہونیوالے مسائل کا حل نکل آتا ہے اور اس دور کی فوجی نقل وحرکت ختم ہو جاتی ہے۔

فرانس کو تباہ وبرباد کرنے والے شخص کسی سازش اور فوج کے بغیر ہی فرانس واپس پہنچ جاتا ہے۔ اسے کوئی محافظ بھی گرفتار کر سکتا ہے مگر حسن اتفاق سے اس کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جاتی بلکہ وہ تمام لوگ جو کل تک اسے لعنت ملامت کا نشانہ بناتے تھے اور جنہوں نے ایک ماہ بعد پھر اسے برا بھلا کہنا تھا، اس کا والہانہ انداز میں استقبال کرتے ہیں۔

ڈرامہ مکمل کرنے سے قبل آخری ایکٹ کیلئے اس شخص کی ضرورت ہے۔

ایکٹ کھیلا جاتا ہے۔

اداکار اپنے کردار کا آخری حصہ ادا کرتا ہے جس کے بعد اسے لباس بدلنے اور میک اپ صاف کرنے کی ہدایت دی جاتی ہے۔ اب اس کی مزید ضرورت نہ رہے گی۔

متعدد برس گزر جاتے ہیں۔ اس دوران یہ شخص اپنے جزیرے میں اپنا قابل رحم ڈرامہ خود اپنے ہی سامنے پیش کرتا رہتا ہے۔ وہ جھوٹ اور فریب سے کام لے کر اپنے کاموں کو درست ثابت کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے حالانکہ اب اس کی ضرورت نہیں رہی۔ وہ دنیا کو دکھانا چاہتا ہے کہ جب تک کوئی غیر مرئی ہاتھ اس کے کاموں کی رہنمائی میں مصروف تھا اور جسے لوگ غلطی سے اس کی قوت سمجھتے رہے تھے وہ اصل میں کیا شے تھی۔

سٹیج کا منیجر جو ڈرامہ ختم کرنے کے بعد اداکار کو لباس اور میک اپ اتارنے کا حکم دے چکا ہے، اسے ہمارے حقیقی روپ میں پیش کر دیتا ہے۔

وہ اداکار کو ہمارے سامنے پیش کر کے کہتا ہے" کیا آپ نے دیکھا کہ کون سی چیزیں آپ کو حقیقی معلوم ہوتی رہیں اور وہ اصل میں کیا تھیں۔ اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ جو نقل و حرکت آپ کو دکھائی دیتی رہی اس کا سبب وہ نہیں 'میں' تھا"

مگر نقل و حرکت کی قوت سے لوگوں کی آنکھیں اس قدر چندھیا گئی تھیں کہ وہ کافی عرصہ بعد ہی اصل حقیقت دیکھ پائے۔

مشرق سے مغرب کی جانب معکوس نقل و حرکت کی قیادت کرنے والے الیگزنڈر اول کے کردار میں زیادہ ربط اور لازمی پن تھا۔ اس نے جو کچھ کیا وہ ہونا لازم تھا۔

جس شخص نے دوسروں پر فوقیت حاصل کرنا اور مشرق سے مغرب کی جانب معکوس نقل و حرکت کی قیادت کا فریضہ سرانجام دینا ہو اس میں کیسی صفات موجود ہونی چاہئیں؟

اس شخص کو انصاف پسند اور یورپی معاملات میں ہمدردی کے احساس سے سرشار ہونا چاہئے۔ مگر اس کیساتھ ساتھ یہ ہمدردی ذاتیات سے بالاتر اور کمتر مفادات کی آلائش سے پاک ہونا ضروری ہے۔
اسے اپنے دیگر ہم منصبوں پر اخلاقی برتری حاصل ہونا بھی ضروری ہے اور اسے نپولین کیخلاف ذاتی شکایت بھی ہونی چاہئے۔ یہ تمام صفتیں الیگزنڈر اول میں موجود تھیں۔ اس کی زندگی میں بے شمار نام نہاد "اتفاقات" کا عمل دخل رہا اور انہی کی بدولت وہ اپنا کردار ادا کرنے کے قابل ہوا۔

قومی جنگ میں وہ غیر متحرک رہا کیونکہ اس کے فعال ہونے کی ضرورت ہی نہ پڑی مگر جونہی عام یورپی جنگ کی واضح ضرورت محسوس ہوئی تو وہ مقررہ وقت پر اپنی جگہ پہنچ گیا اور یورپی قوموں کو متحد کر کے منزل کی طرف ان کی رہنمائی شروع کر دی۔

منزل آ گئی۔ 1815 کی جنگ کے آخر میں وہ انسانی قوت کے ارفع ترین مقام پر پہنچ گیا۔ اس نے اپنی طاقت کیسے استعمال کی؟

الیگزنڈر اول وہ شخص ہے جس نے یورپ میں مصالحتی کردار ادا کیا۔ وہ اپنے دور حکومت کے پہلے دن سے ہی شہریوں کی فلاح و بہبود کیلئے کوششیں کرتا رہا۔ وہ اپنے ملک میں ترقی پسند اصلاحات کا حامی پہلا حکمران تھا۔ اب جبکہ وہ تمام تر ممکنہ اختیارات کا مالک دکھائی دیتا ہے اور اس کی رعایا کے حالات زندگی میں بہتری کی امید دکھائی دینے لگتی ہے تو اسے اپنے اوپر خدا کا ہاتھ محسوس ہوتا ہے۔ اسے اپنا ایکی اقتدار کی بے وقعتی کا اندازہ ہو جاتا ہے اور وہ اسے قابل نفرت

لوگوں کے حوالے کر کے کہتا ہے" ہمارے لئے نہیں، ہمارے لئے نہیں مگر اس کے نام پر میں بھی آپ تمام لوگوں جیسا انسان ہوں، مجھے بھی انسان کی طرح رہنے دیں اور اپنی روح اور خدا کے بارے میں سوچنے دیں"

جس طرح سورج اور ایتھر (حالیہ تحقیق کے مطابق کائنات میں اس مادے کا کوئی وجود نہیں) کا ہر ذرہ اپنی ذات میں ایک کامل شے ہونے کے ساتھ ساتھ اسقدر وسیع کل کا جزو بھی ہے بعینہ اسی طرح ہر شخص دل میں اپنے مقاصد لئے پھرتا ہے۔ اگرچہ یہ مقاصد صرف اور صرف ذاتی نوعیت کے ہوتے ہیں تاہم وہ انہیں اس لئے اٹھائے پھرتا ہے تاکہ اس سے عمومی مقاصد حاصل کئے جائیں جو انسان کیلئے ناقابل تفہیم ہیں۔

پھولوں پر منڈلاتی شہد کی مکھی بچے کو ڈنک مارتی ہے جس کے نتیجے میں بچہ مکھیوں سے ڈرنے لگتا ہے اور کہتا ہے کہ مکھی کا کام انسان کو ڈنگ مارنا ہے۔ شاعر مکھی کو پھول کا رس چوستے دیکھ کر جھوم اٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ مکھی کا کام پھولوں کا رس نچوڑنا ہے۔ شہد کی مکھیاں پالنے والا جب انہیں پھولوں کے پولن اکٹھے کرتا دیکھتا ہے تو کہتا ہے کہ مکھی کا کام شہد بنانا ہے۔ مکھیوں کی افزائش کرنیوالا ایک اور شخص چھتے کو غور سے دیکھ کر کہتا ہے کہ مکھیاں یہ پولن بچوں کو غذا مہیا کرنے اور ملکہ مکھی کو طاقتور بنانے کیلئے چراتی ہیں۔ پودوں کا ماہر دیکھتا ہے کہ مکھی نر پھولوں کا پولن جمع کر کے اسے مادہ پھول پر رکھ دیتی ہے جس سے وہ بارآور ہو جاتا ہے۔ اس ماہر کو مکھی کا یہی مقصد دکھائی دیتا ہے۔ ایک اور ماہر نباتات پودوں کے پولن سے آلودہ ہونے پر غور کرتا ہے اور یقین کر لیتا ہے کہ مکھی کا یہی کام ہے۔ تاہم مکھی کس کام کیلئے پیدا کی گئی؟ یہ انسان کو دکھائی دینے والے پہلے، دوسرے یا تیسرے کام کی انجام دہی کے بعد ختم نہیں ہو جاتا بلکہ ممکن مقاصد کے انکشاف کیلئے جتنی زیادہ سوچا جائے اتنا ہی یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مکھی کی پیدائش کا حتمی مقصد ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔

انسان شہد کی مکھی کے زندگی کے دیگر مظاہر سے تعلق بارے صرف اندازہ لگا سکتا ہے اور اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں کر سکتا۔ تاریخی ہستیوں اور قوموں کے مقاصد پر بھی یہی بات صادق آتی ہے۔

(5)

نتاشا کی پیئر وخوف سے شادی 1813ء میں ہوئی اور یہ رستوف خاندان کی پرانی نسل کیلئے خوشی کا آخری موقع تھا۔ اسی برس نواب ایلیا آندریچ رستوف کا انتقال ہو گیا اور جیسا کہ ہمیشہ ہوتا آیا ہے، والد کی وفات کے بعد خاندان منتشر ہو گیا۔

ماسکو کی آتشزدگی، شہر سے فرار، شہزادے آندرے کی موت، نتاشا کی مایوسی، پیتیا کی ہلاکت اور بیگم کا غم نواب کو آہستہ آہستہ اندر ہی اندر گھلاتا رہا۔ یوں لگتا تھا کہ وہ ان واقعات کا مطلب نہیں سمجھ پایا انہیں سمجھنا اس کے بس کی بات بھی نہیں رہی۔ اس نے خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا جیسے توقع ہو کہ وہ ان کی مزید تاب نہیں لا پائے گا یا پھر مصائب کو اپنا خاتمہ کرنے کی دعوت دے رہا ہو۔ کبھی وہ پریشان اور بوکھلایا ہوا نظر آتا تھا اور کبھی غیر فطری انداز سے چہکنا شروع کر دیتا اور نت نئے منصوبے بنانے لگتا۔

نتاشا کی شادی کے انتظامات نے اسے کچھ عرصہ مصروف رکھا۔ وہ ضیافتوں کے احکامات دیتا اور ہشاش بشاش نظر آنے کی کوشش کرتا مگر ماضی میں اس کی شگفتگی جس طرح دوسروں میں سرایت کر جاتی تھی، اب پہلے جیسی نہیں رہی تھی۔ اب یہ شگفتگی دیکھ کر اس سے محبت کرنیوالوں کے دلوں میں رحم کے جذبات ابھرتے تھے۔

پیری اور اس کی بیوی کی روانگی کے بعد وہ ڈپریشن کا شکار ہو گیا۔ کچھ دن بعد اس کی طبیعت خراب ہوگئی اور وہ بستر پر پڑ گیا۔ ڈاکٹروں کے دلاسوں کے باوجود اسے احساس ہو گیا تھا کہ اب وہ دوبارہ نہیں اٹھ سکے گا۔ بیگم دو ہفتے تک لباس تبدیل کئے بغیر اس کے سرہانے بیٹھی رہی۔ ہر مرتبہ جب وہ اسے دوا دیتی تو وہ خاموشی سے اس کا سر چوم لیتا اور اس کی سسکی نکل جاتی۔ اپنی زندگی کے آخری دن اس نے بیگم اور غیر حاضر بیٹے سے اس بات کی معافی مانگی کہ وہ ان کی جائیداد فضول خرچیوں میں ضائع کر چکا ہے اور یہی گناہ اس کیلئے بوجھ بن گیا ہے۔ مقدس روٹی اور شراب چکھنے کے بعد گناہوں کے اعتراف کی رسم ہوئی اور وہ خاموشی سے انتقال کر گیا۔ اگلے دن رستوف خاندان کے کرائے کے گھر میں آخری رسومات کے موقع پر رشتہ داروں اور واقف کاروں کا ہجوم لگ گیا۔ اس کے گھر دعوتیں کھانے اور رقص کیلئے آنے والے تمام دوستوں کو ضمیر کی خلش محسوس ہونے لگی اور وہ کہنے لگے "وہ جیسے بھی تھے، بہرحال شریف انسان تھے۔ اس دور میں ان جیسا شخص ملنا کارے دارد ہے، کون خود کو خامیوں سے پاک کہہ سکتا ہے"

اس کا انتقال ایسے وقت میں ہوا جب اس کے مالی معاملات اتنے خراب ہو گئے تھے کہ یہ تصور کرنا بھی ممکن نہ تھا کہ وہ مزید ایک برس زندہ رہ گیا تو پھر کیا ہوگا۔

نکولائی کو اپنے والد کے انتقال کی اطلاع موصول ہوئی تو وہ روسی فوج کیساتھ پیرس میں تھا۔ اس نے فوری طور پر ملازمت سے استعفیٰ دیا اور منظوری کا انتظار کئے بغیر ماسکو چلا آیا۔ نواب کی موت کے ایک ماہ بعد ہی اس کے مالی معاملات ظاہر ہو گئے اور چھوٹے چھوٹے قرضہ جات کا بھاری مجموعہ دیکھ کر ہر شخص حیران رہ گیا۔ قرضوں کی مالیت اس کی جائیداد کی قیمت سے دوگنا تھی۔

دوستوں اور رشتہ داروں نے نکولائی کو مشورہ دیا کہ وہ اپنی وراثت سے دستبردار ہو جائے مگر اسے ایسا کرنا اپنے باپ کی مقدس یادوں پر دھبہ محسوس ہوا چنانچہ اس نے دستبرداری کی بجائے وراثت اور اس کے ساتھ ساتھ قرضوں کی ادائیگی کی ذمہ داری بھی قبول کر لی۔

نواب جب تک زندہ تھا اس کی سہل پسندی اور نیک طینتی قرض خواہوں کو غیر واضح مگر پرزور انداز سے متاثر کرتی رہی اور وہ کبھی اس کے سامنے سر نہ اٹھا پائے مگر اس کی وفات کے بعد انہوں نے نکولائی کو گھیر لیا اور بیک وقت ہر شخص اپنے قرض کی ادائیگی کا دعویٰ کرنے لگا۔ جیسا کہ عموماً ایسے معاملات میں ہوتا ہے مختلف لوگوں کے مابین اس امر پر اختلافات پیدا ہونا شروع ہو گئے کہ سب سے پہلے وصولی کا حق کسے ہے۔ متنکا جیسے لوگ جن کے پاس بطور تحفہ دیئے گئے چیک تھے، اب ایسے قرض خواہ بن گئے جن سے جان چھڑانا بھی مشکل تھا۔ نکولائی کو مہلت ملی نہ سکون سے سوچنے کا موقع مل سکا۔ جو لوگ اپنے نقصان کے ذمہ دار بوڑھے نواب پر ترس کھاتے تھے وہ اب اس کے بے قصور وارث پر قرضے کی ادائیگی کیلئے بیدردی سے دباؤ ڈالنے لگے۔

نکولائی کا ہر منصوبہ ناکام ہو گیا۔ جائیداد اصل سے نصف قیمت پر بکی اور اس رقم سے آدھے قرضے ہی ادا ہو سکے۔ اس کے خیال میں جن قرضہ جات کی ادائیگی جائز تھی انہیں چکانے کیلئے اس نے اپنے بہنوئی بیزوخوف کی جانب سے تیس ہزار روبل کی پیشکش قبول کر لی اور باقیماندہ قرضوں کی عدم ادائیگی پر جیل جانے سے بچنے کیلئے سرکاری ملازمت اختیار کر لی۔

فوج میں پہلی اسامی خالی ہوتے ہی اسے کرنل بنا دیا جاتا مگر اب وہاں جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کیونکہ اس کی والدہ اسے اپنا واحد سہارا سمجھتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے ماسکو کے ایک سرکاری محکمے میں عہدہ قبول

کر لیا حالانکہ اسے اچھے دنوں میں اپنی جان پہچان والے لوگوں کے ساتھ رہنے میں ہچکچاہٹ محسوس ہوتی تھی۔ اس نے اپنی وردی اتار دی جو اسے بیحد پیاری تھی، اور اپنی والدہ اور سونیا کے ساتھ شہر کے ایک غریب علاقے میں چھوٹے سے مکان میں رہائش اختیار کر لی۔

اس وقت نتاشا اور پیری پیٹرز برگ میں رہ رہے تھے اور انہیں نکولائی کے حالات کا درست طور سے علم نہ تھا۔ نکولائی نے اپنے بہنوئی سے ادھار لینے کے بعد اپنی خراب معاشی حالت پر پردہ ڈالنے کی بھرپور کوشش کی۔ اس کے حالات خراب ہونے کی ایک اور وجہ بھی تھی۔ اسے اپنی بارہ سو روبل ماہانہ تنخواہ میں اپنا گزارا کرنے کے ساتھ ساتھ سونیا اور اپنی والدہ کے اخراجات بھی کچھ اس انداز میں برداشت کرنا تھے کہ انہیں غربت کا احساس نہ ہونے پائے۔ بیگم رستوف بچپن سے ہی اچھے ماحول میں رہنے کی عادی تھی اور اس کیلئے عمدہ سہولیات کے بغیر زندہ رہنے کا تصور بھی مشکل تھا۔ وہ اپنے بیٹے کی مشکلات کا اندازہ کئے بغیر مسلسل کسی دوست کو بلانے کیلئے گاڑی، کھانے کیلئے کسی خاص چیز، اپنے بیٹے کیلئے عمدہ شراب یا نتاشا، سونیا اور نکولائی کیلئے خلاف توقع تحفہ خریدنے جیسے مطالبات کرتی رہتی تھی۔

سونیا گھر کا کام کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی خالہ کی خدمت کرتی اور اس کے خاموش بغض کو برداشت کرتی رہتی۔ وہ معمر بیگم سے گھر کی غربت چھپانے کیلئے نکولائی کی مدد بھی کرتی تھی۔ سونیا نکولائی کی والدہ کیلئے جو کچھ کر رہی تھی اس پر وہ خود کو اس کا احسانمند سمجھتا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ اس کی تلافی کیسے کرے گا۔ وہ اس کے صبر، خلوص اور پیار کی قدر کرنے کے ساتھ ساتھ اس سے دور رہنے کی بھی کوشش کرتا تھا۔

یوں لگتا تھا جیسے وہ دل میں اسے ملامت کرتا ہے کیونکہ سونیا کا طرز عمل اسقدر بے داغ تھا کہ اسے کسی صورت برا بھلا نہیں کہا جا سکتا تھا۔ جن خصوصیات کی بنا پر کسی کی عزت کی جاتی ہے وہ اس میں بے پایاں انداز میں موجود تھے مگر پھر بھی وہ اس سے محبت نہ کر سکا۔ اسے ہمہ وقت یہی محسوس ہوتا رہتا تھا کہ وہ اس کی جتنی زیادہ قدر کرتا ہے اتنا ہی اس سے دور ہوتا جاتا ہے۔ جب سونیا نے نکولائی کو خط لکھ کر اسے تمام بندھنوں سے آزاد کر دیا تھا، اس وقت سے اس نے سونیا کے الفاظ کا لغوی مطلب لینا شروع کر دیا تھا اور اب اس کا رویہ یوں ہوتا جیسے ان دونوں کے مابین جو کچھ ہوا وہ ماضی کی کوئی بات تھی اور اب وہ وقت کسی طور واپس نہیں لایا جا سکتا۔

نکولائی کے حالات مسلسل خراب ہوتے چلے گئے۔ تنخواہ سے رقم بچانے کی امید پوری نہ ہو سکی۔ بچت کیا ہوتی الٹا اسے اپنی والدہ کے مطالبات پورے کرنے کیلئے چھوٹے چھوٹے قرضے لینا پڑتے تھے۔ اسے ان مسائل سے جان چھڑانے کی کوئی صورت دکھائی نہ دیتی تھی۔ اس کی رشتہ دار خواتین اسے کسی امیر لڑکی سے شادی کے مشورے دیتی رہتیں مگر وہ اس تصور سے بھی نفرت کرتا تھا۔ مسائل کے حل کی دوسری صورت یعنی والدہ کی موت کے بارے میں اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ اسے کوئی خواہش اور امید نہ رہی تھی اور حرف شکایت منہ پر لائے بغیر حالات برداشت کرکے اسے دل کی گہرائیوں میں سنگین اور غمگین تسکین محسوس ہوتی رہتی تھی۔ وہ اپنے پرانے دوستوں سے بچنے کی کوشش کرتا جو اس سے ہمدردی کرتے اور اسے مدد کی تکلیف دہ پیشکش کرتے رہتے تھے۔ اس نے ہر قسم کی تفریح سے منہ موڑ لیا تھا اور گھر میں اپنی والدہ کے ساتھ تاش کھیلنے، خاموشی سے کمرے میں ٹہلنے اور مسلسل پائپ پینے کے سوا کچھ نہیں کرتا تھا۔ یوں دکھائی پڑتا تھا جیسے وہ اپنی اداسی اور افسردگی برقرار رکھنے کیلئے احتیاط سے اندرونی جنگ لڑ رہا ہے اور یہی شے مشکل حالات سے نبرد آزما ہونے میں اس کی مدد کر رہی تھی۔

☆☆☆

(6)

موسم سرما کے اوائل میں شہزادی ماریا ماسکو چلی آئی۔ اسے یہاں لوگوں کی زبانی رستوف خاندان کے حالات سے آگاہی ہوئی اور یہ بھی سننے کو ملا کہ وہ کیسے" والدہ کیلئے مصائب کا سامنا کر رہا ہے"

شہزادی ماریا نے یہ باتیں جان کر سوچا" مجھے ان سے یہی امید تھی" اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اس کی نکولائی سے محبت کی توثیق ہوگئی ہو اور اس پر وہ بیحد خوش تھی۔ اس نے رستوف خاندان سے اپنی بے تکلفی کا سوچ کر ان سے ملاقات کا فیصلہ کیا، تاہم جب اسے ورونیز میں نکولائی سے اپنے تعلقات کی نوعیت کا علم ہوا تو اس کے دل میں طرح طرح کے وسوسے پیدا ہونے لگے اور وہ ان کے ہاں جانے کا سوچ کر وحشت میں مبتلا ہوگئی۔ ان تمام باتوں کے باوجود وہ ماسکو آمد کے چند روز طبیعت پر جبر کر کے اس سے ملنے چل دی۔

سب سے پہلے اس کی ملاقات نکولائی سے ہوئی کیونکہ اس کے کمرے سے گزر کر ہی بیگم کے پاس جایا جا سکتا تھا۔ شہزادی ماریا کو توقع تھی کہ وہ اسے دیکھتے ہی خوش ہو جائیگا مگر ایسا نہ ہوا اور اسے دیکھ کر نکولائی کے چہرے سے سردمہری اور درشتی برسنے لگی۔ اسے وہ پہلے کبھی یوں دکھائی نہ دیا تھا۔ نکولائی نے ماریا سے حال احوال پوچھا اور اسے اپنی والدہ کے پاس لے گیا۔ انہیں وہاں بیٹھے چند لمحے ہی گزرے تھے کہ وہ اٹھ کر باہر چلا گیا۔

جب شہزادی ماریا بیگم رستوف کے کمرے سے نکلی تو نکولائی ایک مرتبہ پھر اس سے رسمی انداز میں پیش آیا اور رخصت کرنے دروازے تک گیا۔ ماریا نے اس سے بیگم رستوف کی صحت کے بارے میں پوچھا تو اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی نگاہیں یہ کہتی محسوس ہوتی تھیں "تمہیں اس سے کیا لینا؟ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو"

نکولائی نے سونیا کی موجودگی میں با آواز بلند کہا" یہ یہاں کیا کر رہی ہے؟ مجھے ایسی خواتین اور ان کے آداب قطعاً پسند نہیں" یہ بات عیاں تھی کہ شہزادی کی روانگی کے بعد وہ بیحد جھنجلایا ہوا تھا۔

سونیا اس کی بات سن کر اپنی خوشی چھپانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہنے لگی" او نکولس، یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں، وہ انتہا، نیک طینت ہیں اور امی ان سے بیحد پیار کرتی ہیں"

نکولائی نے کوئی جواب نہ دیا اور شہزادی کے دوبارہ ذکر سے اجتناب برتنے لگا تاہم معمر بیگم اب ہر وقت ماریا کا ہی ذکر کرنے لگی۔

وہ ہر وقت شہزادی ماریا کی تعریفیں کرتی رہتی اور نکولائی سے اصرار کرتی کہ وہ ہر صورت اس سے ملنے جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ خود بھی اس سے ملاقات کی خواہش ظاہر کرتی مگر نکولائی ماریا کا نام سن کر ہی غصے میں آجاتا تھا۔

بیگم رستوف ماریا کا ذکر کرتی تو وہ خاموش ہو جاتا اور یہی خاموشی اس کی والدہ کو غصہ دلا دیتی تھی۔ وہ کہتی "شہزادی ماریا بیحد لائق اور قابل تعریف لڑکی ہے۔ تمہیں اس سے ملنا چاہئے، یوں کم از کم کوئی ایک شخص تو ہوگا جس سے تمہیں ملنے کا موقع حاصل ہو جائے گا۔ مجھے یقین ہے کہ تم ہماری شکلیں دیکھ کر بور ہو جاتے ہوگے۔

نکولائی نے جواب دیا" مگر امی، میں کسی سے نہیں ملنا چاہتا"

اس کی والدہ بولی" تم تو لوگوں سے ملنے ملانے کے بیحد شوقین تھے اور اب کہتے ہو کہ میں کسی سے نہیں ملوں گا میرے پیارے! مجھے سمجھ نہیں آتی کہ تم کیا چاہتے ہو؟ کبھی تم کہتے ہو کہ میں لوگوں سے ملنا نہیں چاہتا اور کبھی کہتے ہو کہ

بور ہو گیا ہوں"

نکولائی نے کہا" میں نے تو کبھی بوریت کی بات نہیں کی"

بیگم نے جواب دیا" بہر حال، تم نے خود ہی تو کہا تھا کہ تمہیں اس کی شکل دیکھنا بھی پسند نہیں، وہ بیحد اچھی دوشیزہ ہے اور تم بھی ہمیشہ اس کی تعریف کرتے رہے ہو۔ اب نجانے تمہارے ذہن میں کیا آئی کہ اپنی باتیں مجھ سے بھی چھپانے لگ گئے ہو"

نکولائی نے جواباً کہا" نہیں امی، ایسی بات نہیں ہے"

والدہ بیٹے سے کہنے لگی" اگر میں تمہیں کوئی ناگوار بات کہتی تو بگر جیسا کہ یہ ہے، میں تو بس تمہیں یہ کہہ کہتی ہوں کہ شائستگی کے طور پر تمہیں بھی اس کے ہاں جانا چاہئے۔ ٹھیک ہے، میں نے جو کچھ کہنا تھا وہ کہہ دیا۔ اب میں کوئی بات نہیں کروں گی کیونکہ تم اپنی باتیں اپنی والدہ سے بھی چھپانے لگے ہو"

نکولائی بولا" ٹھیک ہے، اگر آپ کہتی ہیں تو چلا جاؤں گا"

والدہ نے جواب دیا" بہر حال، مجھے اس سے کوئی غرض نہیں، میں تو تمہارے فائدے کی بات کہہ رہی تھی"

نکولائی نے سرد آہ بھری اور دانتوں سے مونچھیں چباتے ہوئے اپنی والدہ کی توجہ کسی اور جانب مبذول کرانے کیلئے تاش کے پتے میز پر بچھانے لگا۔

اگلے اور پھر اس سے اگلے دن بھی ماں بیٹے میں یہی بات ہوئی۔

شہزادی ماریا نے رستوف خاندان کے ہاں جانے اور نکولائی کا غیر متوقع سرد رویہ دیکھنے کے بعد شہزادی ماریا نے تسلیم کیا کہ ملاقات میں پہل نہ کرنے کی اس کی خواہش درست تھی۔

اس نے اپنے وقار سے مدد لیتے ہوئے سوچا" مجھے اس کے علاوہ کوئی اور توقع بھی نہیں تھی، میں تو صرف معمر بیگم سے ملنے گئی تھی جن کے مجھ پر بیحد احسانات ہیں"

تاہم وہ ایسے احساسات سے خود کو تسلی نہ دے پائی۔ جب بھی وہ سے ملاقات کا سوچتی تو اس پر پشیمانی طاری ہو جاتی۔ اگرچہ اس نے سوچ لیا تھا کہ اب وہ کبھی رستوف خاندان کے ہاں نہیں جائے گی اور ہر بات بھلا دے گی تاہم اسے ہمہ وقت یہ محسوس ہوتا رہتا کہ وہ عجیب و غریب صورتحال میں گھر گئی ہے۔ جب وہ اپنے آپ سے پوچھتی کہ مجھے کیا پریشانی ہے تو وہ یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہو جاتی کہ اس کی وجہ نکولائی سے ملاقات تھی۔ وہ سوچتی" انہوں نے مجھ سے جو رکھی اور سرد رویہ اختیار کیا اس کا ان کے میرے بارے میں جذبات سے تو کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ یقیناً معاملہ کچھ اور ہے، مجھے اس" کچھ اور" کو تلاش کرنا ہوگا ورنہ میں مطمئن نہیں رہ سکوں گی"

موسم سرما کے وسط میں ایک دن وہ اپنے کمرے میں بھتیجے کو پڑھا رہی تھی کہ اسے رستوف کے آنے کی اطلاع دی گئی۔ یہ اطلاع سن کر اس نے عزم کیا کہ وہ کسی پر اپنی دلی کیفیت ظاہر ہونے دے گی نہ بے چینی کا شکار ہوگی۔ اس نے مادموزیل بورین کو بلایا اور اس کے ساتھ ڈرائنگ روم میں چلی گئی۔

اس نے رستوف کے چہرے پر پہلی نگاہ ڈالتے ہی جان لیا کہ وہ صرف شائستگی کے تقاضے کے تحت آیا ہے اور فیصلہ کیا کہ وہ اس کے ساتھ اسی کے لہجے میں بات کرے گی۔

دونوں بیگم کی صحت، مشترکہ دوستوں اور جنگ کی تازہ ترین اطلاعات پر بات چیت کرتے رہے۔ دس منٹ بعد نکولائی الوداع کہنے کیلئے اٹھ کھڑا ہوا۔

شہزادی ماریا نے مادموزیل بورین کی مدد سے گفتگو کا ابتدائی مرحلہ کامیابی سے طے کیا مگر آخر میں جب نکولائی رخصت ہونے کیلئے اٹھا تو اس پر غائب دماغی کی کیفیت طاری ہوگئی۔ وہ غیر دلچسپ باتیں کر کے تھک گئی تھی اور سوچ رہی تھی کہ زندگی میں اسقدر کم خوشیاں اسے ہی کیوں ملی ہیں۔ اس کی روشن آنکھیں سامنے گڑی تھیں اور وہ نکولائی کے اٹھنے کا اندازہ ہی نہ کر سکی۔

نکولائی نے اسے سرسری نگاہوں سے دیکھا اور اس کی سوچ و بچار سے صرف نظر کیلئے مادموزیل بورین سے کچھ کہا اور ایک مرتبہ پھر اس کی جانب طائرانہ نظروں سے دیکھا۔ وہ پہلے کی طرح بے حس و حرکت بیٹھی تھی اور اس کے شفقت سے بھرپور چہرے پر گہرے دکھ کی کیفیت ہویدا تھی۔ نکولائی کو اچانک اس پر ترس آنے لگا اور اسے محسوس ہوا جیسے ماریا کے دکھ کا باعث بھی وہ خود ہی ہے۔ اس نے کوئی خوشگوار بات کرنا چاہی مگر سمجھ نہ آئی کہ کیا کہے۔

اس نے کہا "اچھا شہزادی صاحبہ! الوداع"

شہزادی ماریا چونک اٹھی۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اس نے طویل آہ بھر کر کہا "اوہ، میں معذرت خواہ ہوں، کیا جا رہے ہیں! اچھا الوداع! اوہ، بیگم کا کشن۔۔۔"

مادموزیل بولی "ٹھہریں، میں لاتی ہوں" یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر چلی گئی۔

دونوں خاموش بیٹھے تھے اور کبھی کبھار ایک دوسرے کو سرسری نگاہوں سے دیکھ لیتے تھے۔

بالآخر نکولائی نے اداسی سے مسکراتے ہوئے کہا "ہاں شہزادی، یوں محسوس ہوتا ہے جیسے باگو چاروف میں ہماری ملاقات کل کی ہی بات ہے۔ مگر کتنا وقت گزر گیا ہے۔ اس وقت ہم سب کو یوں لگتا تھا جیسے ہم بیحد مصیبتوں کا شکار ہو گئے ہیں۔ مگر میں اس وقت کو واپس لانے کیلئے کوئی بھی قیمت ادا کر سکتا ہوں، تاہم وہ واپس نہیں آئے گا"

شہزادی اپنی روشن آنکھوں سے اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ اس کے الفاظ کا مطلب تلاش کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ وہ اپنے بارے میں اس کے جذبات سے آگاہ ہونے کی خواہشمند تھی۔

وہ کہنے لگی "یقیناً مگر نواب، آپ کے پاس ماضی پر رونے کی کوئی وجہ نہیں، میں نے آپ کی حالیہ زندگی کے بارے میں جو اندازہ قائم کیا ہے اس کی رو سے تو مجھے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس دور کو یاد کر کے مطمئن ہو جاتے ہوں گے کیونکہ آپ نے اپنی ذات کی جو قربانی۔۔۔"

نکولائی نے اچانک اسے ٹوک دیا اور کہنے لگا "میں آپ کی جانب سے اپنی تعریف قبول نہ کروں گا۔ اس کے برعکس میں اپنے آپ کو ہر وقت ملامت کرتا رہتا ہوں، بہرحال یہ کوئی دلچسپ موضوع گفتگو نہیں ہے"

نکولائی کے چہرے پر ایک مرتبہ پھر وہی رکھائی اور سرد مہری طاری ہوگئی تاہم شہزادی ماریا کو اس میں وہ شخص دکھائی دے گیا تھا جسے وہ جانتی تھی اور جس سے محبت کرتی تھی، لہٰذا اب وہ اسی شخص سے بات کر رہی تھی۔

اس نے کہا "میں سمجھتی تھی کہ آپ مجھے یہ کہنے دیں گے کہ آپ کے اور میرے خاندان میں اتنی قربت پیدا ہو گئی تھی کہ میں نے سمجھا آپ میری ہمدردی کو بے موقع نہیں گردانیں گے، تاہم یہ میری غلطی تھی، میں خود بھی نہیں جانتی کہ کیوں، مگر آپ بیحد مختلف دکھائی دیتے ہیں اور۔۔۔" یہ کہتے ہوئے شہزادی ماریا کی آواز کانپ رہی تھی۔

نکولائی نے جواب دیا "شہزادی آپ کا شکریہ "کیوں" کی ہزار وجوہات ہو سکتی ہیں۔ بسا اوقات مشکل۔۔۔"

شہزادی ماریا کے دل سے آواز ابھری "اچھا تو یہ "کیوں" ہے، اسے "کیوں" کہتے ہیں۔ مجھے ان کی خوش

باش، پرشفقت اور بے تصنع آنکھوں، چہرے اور ظاہری صورت سے محبت نہیں ہوئی تھی۔ اس کی بجائے میں نے ان کی اعلیٰ صفت، پرعزم اور جذبہ ایثار سے بھرپور روح بھی پہچان لی تھی"

اس نے سوچا "ہاں، اب وہ غریب ہے اور میں امیر۔۔۔ ہاں، صرف یہی بات ہے۔۔۔ ہاں، اگر ایسا نہ ہوتا تو۔۔۔" ماریا کو نکولائی کا سابقہ ملائمت بھرا انداز گفتگو یاد کرنے اور اس کا شفیق و غمگین چہرہ دیکھنے سے اس کے سرد رویے کا سبب معلوم ہو گیا۔

وہ لاشعوری طور پر نکولائی سے قریب ہو گئی اور تقریباً چلاتے ہوئے پوچھنے لگی "کیوں نواب، کیوں؟ مجھے بتائیں، آپ کو مجھے ہر صورت بتانا ہو گا؟" نکولائی خاموش تھا۔ ماریا نے مزید کہا "نواب، مجھے آپ کی اس "کیوں" کا مطلب سمجھ نہیں آیا مگر میں بیحد اداس ہوں، مجھے یہ تسلیم کرنے میں کوئی عار نہیں۔ آخر کیا وجہ ہے کہ آپ مجھے اپنی پرانی دوستی سے محروم کرنا چاہتے ہیں، اسی بات سے مجھے دلی اذیت پہنچی ہے" یہ کہتے ہوئے ماریا کی آواز بھرا گئی اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ وہ بولی "زندگی میں مجھے اتنی کم خوشیاں ملی ہیں کہ ہر نقصان میرے لئے ناقابل برداشت ہے۔۔۔ مجھے معاف کر دیں، خدا حافظ" یہ کہہ کر وہ اچانک رونا شروع ہو گئی اور دروازے کی جانب چل دی۔

نکولائی نے اسے روکنے کی کوشش کی اور چلا کر کہا "شہزادی! ٹھہریے، خدا کیلئے شہزادی!"

ماریا نے مڑ کر دیکھا۔ وہ چند لمحے ایک دوسرے کی آنکھوں میں جھانکتے رہے اور وہ جو بہت دور اور ناممکن لگتا تھا، اچانک قریب، ممکن اور ناگزیر نظر آنے لگا۔

(7)

1813ء کے موسم خزاں میں نکولائی نے شہزادی ماریا سے شادی کر لی اور بیوی، والدہ اور سونیا کے ساتھ بلیک ہلز منتقل ہو گیا۔

اس نے چار برسوں میں اپنی بیوی کی جائیداد فروخت کئے بغیر اپنے تمام قرضے چکا دیے اور ایک کزن کے انتقال پر اس کی وراثت سے ملنے والے حصے کی بدولت پیری سے ادھار لی گئی رقم بھی واپس کر دی۔

مزید تین برسوں میں اس نے اپنے معاملات کچھ اس عمدگی سے ترتیب دیے کہ 1820ء میں وہ بلیک ہلز سے ملحقہ ایک چھوٹا فارم خریدنے میں بھی کامیاب ہو گیا۔ اس نے اوترادنوئے میں اپنی آبائی جاگیر دوبارہ حاصل کرنے کیلئے بھی بات چیت شروع کر دی۔ اس جاگیر کا وہ شروع سے خواب دیکھتا چلا آیا تھا۔

اس نے زمینوں کا انتظام ضرورت کے باعث سنبھالا مگر تھوڑی ہی دیر میں اسے کاشتکاری کا کچھ ایسا شوق ہو گیا کہ یہ اس کی پسندیدہ اور کم و بیش واحد مصروفیت بن کر رہ گئی۔ وہ سیدھا سادہ کسان تھا اور اسے کھیتی باڑی کے جدید طریقوں، خصوصاً انگلستان سے آنیوالی اشیاء اور طریقہ ہائے کار سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ زراعت بارے تحریری چیزوں پر ہنستا اور اسے گھریلو کارخانے لگانے، زیادہ پیداوار حاصل کرنے کیلئے مہنگے طریقے اختیار کرنے اور قیمتی بیجوں کے حصول میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اس نے اپنے آپ کو زراعت کے کسی خاص حصے تک محدود کرنے کی بجائے تمام جاگیری ضروریات پیش نظر رکھی ہوئی تھیں۔ اس کے خیال میں کھاد، آکسیجن اور مختلف آلات کی نسبت زمین پر کام کرنے والے کسان زیادہ اہم تھے۔ اس نے جب سے زرعی کام سنبھالا تھا تو کسان پر خصوصی توجہ دی۔ اس کی نگاہ میں کسان محض کام آنیوالا آلہ نہیں تھا بلکہ کہیں زیادہ اہمیت رکھتا تھا۔ ابتداء میں اس نے کسانوں کی عادات پر غور کیا اور یہ سمجھنے کی کوشش کی کہ

وہ کیا چاہتے ہیں اور ان کے خیال میں کام کرنے کا بہترین طریقہ کیا ہے۔ بظاہر وہ انہیں ہدایات دے رہا ہوتا تھا مگر حقیقت میں ان سے کام کے مختلف طریقے، انداز گفتگو اور درست وغلط کے بارے میں ان کے معیار جاننے کی کوششوں میں مصروف ہوتا۔ جب وہ کسانوں کے طور طریقوں اور خواہشات سے واقف ہو گیا اور ان سے انہی کی زبان میں بات کرنا اور ان کی بات کی تہہ تک پہنچنا سیکھ کر خود کو ان جیسا محسوس کرنے لگا تو اسی وقت ان سے پر اعتماد انداز میں نمٹنے کے قابل ہوا۔ دوسرے الفاظ میں وہ خود پر ان کی جانب سے عائد کردہ فرائض انجام دینے لگا۔ نکولائی کے انصرام کا شاندار نتیجہ نکلا۔

اس نے جائیداد کا انتظام سنبھالنے کے بعد خداداد صلاحیت کے سبب فوری اور درست طور پر انہی لوگوں کو گاؤں کا نمبردار اور نمائندہ بنایا جو کسانوں کا آزادانہ انتخاب ہوتے اور انہیں بدلنے کی ضرورت کبھی پیش نہ آئی۔ کھاد کی کیمیائی خصوصیات جاننے اور آمدنی واخراجات کا حساب کرنے سے پہلے اس نے یہ بات جاننے کی کوشش کی کہ کسانوں کے پاس کتنے جانور ہیں اور پھر ہر ذریعے سے ان کی تعداد میں اضافہ کیا۔ وہ کسانوں کے خاندانوں کو تقسیم نہیں ہونے دیتا تھا اور انہیں اکٹھا رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتا۔ وہ سست، بدکردار اور کمزور افراد سے سختی برتتا اور انہیں برادری سے نکالنے کی کوشش کرتا۔ وہ اپنی فصلوں کی طرح کسانوں کے چارے اور غلے کی فصلوں کو بونے اور کاٹنے کیلئے بھی فکرمند رہتا تھا۔ ایسے زمینداروں کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی تھی جو اپنی فصلیں اسقدر جلد اور منافع بخش انداز میں بوتے اور کاٹتے تھے۔

وہ گھریلو ملازمین کو طفیلیے کہتا تھا اور ان کے معاملات میں مداخلت پسند نہیں کرتا تھا۔ ہر شخص اسے کہتا کہ وہ انہیں رعایتیں دے کر ان کی عادات بگاڑنے کا سبب بن رہا ہے۔ جب کسی گھریلو ملازم کے بارے میں کوئی فیصلہ خصوصاً سزا کا معاملہ درپیش ہوتا تو وہ ہمیشہ ڈھیلا پڑ جاتا اور گھر میں ہر ایک سے رائے لینے لگتا کہ اس سے کیا سلوک کیا جائے۔ تاہم جب کسان کی جگہ کسی گھریلو ملازم کو فوج میں بھیجنا ہوتا تو وہ کسی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہ کرتا۔ وہ کسانوں سے پر اعتماد انداز میں بات کرتا تھا اور اسے علم تھا کہ وہ جو حکم دے گا اسے چند ایک کے سوا تمام کی حمایت مل جائیگی۔

نکولائی ذاتی پسند ناپسند کی بنا پر کسی کیساتھ سختی سے پیش آتا نہ اسے سزا دیتا۔ مزید براں اس میں ترنگ میں آکر کسی کو انعام دینے یا نرمی برتنے کی عادت بھی نہیں پائی جاتی تھی۔ وہ یہ تو نہیں جانتا تھا کہ اس کے پاس کچھ کرنے یا نہ کرنے کا کیا معیار ہے تاہم اس کے قلب وذہن میں اس حوالے سے کوئی الجھن نہ تھی اور وہ استقلال سے اس کے مطابق عمل کرتا تھا۔

کسی ناکامی یا بے قاعدگی پر غصہ آنے کی صورت میں وہ کہتا "ہمارے روسی کسان" اور تصور کرتا کہ وہ انہیں برداشت نہیں کر سکتا۔

مگر وہ ان "ہمارے روسی کسانوں" سے بیحد محبت کرتا تھا اور اسی وجہ سے وہ نہ صرف ان کے انداز واطوار سمجھنے میں کامیاب رہا بلکہ اس نے کاشتکاری کے منافع بخش طریقے بھی اختیار کر لئے۔

بیگم ماریا اپنے شوہر کے اس شوق کو اپنا رقیب سمجھتی تھی۔ اسے یہ دیکھ کر افسوس ہوتا تھا کہ وہ اس کام میں اپنے شوہر کی شریک نہیں بن سکتی۔ یہ دنیا اسے اجنبی اور دور دراز دکھائی دیتی تھی اور یہی وجہ تھی کہ اس کام میں اس کے شوہر کو خوشیاں اور تکالیف حاصل ہوتیں وہ انہیں سمجھنے سے قاصر رہتی۔ اسے سمجھ نہیں آتی تھی کہ وہ صبح سویرے اٹھنے، کھیتوں میں فصلیں بونے اور کاٹنے کے کام کی نگرانی کے بعد اس کے ساتھ چائے پینے آتا ہے تو اسقدر خوش، چوکس اور پر

جوش کیوں دکھائی دیتا ہے۔ اسے سمجھ نہیں آتی تھی کہ وہ ماتوے ارمیشن جیسے کفایت شعار اور خوشحال کسان کی تعریفیں کیوں کرتا رہتا ہے جو اپنے اہلخانہ کے ساتھ ساتھ تمام رات پولے اٹھاتا رہتا تھا۔ ماریا کو سمجھ نہیں آتی تھی کہ جب گرمی میں جلتے جئی کے نوخیز پودوں پر بارش برستی ہے تو وہ کھڑکی سے چھلانگ لگا کر اور برآمدے میں کھڑے ہو کر زیر مونچھ کیوں مسکراتا اور پلکیں جھپکاتا ہے۔ وہ یہ بھی نہیں سمجھ پاتی تھی کہ جب گھاس یا فصل کاٹتے وقت ہوائیں بادلوں کو اڑا لے جاتی ہیں اور وہ دھوپ میں جھلسے سرخ چہرے، پسینے سے بھرے جسم اور پودوں کی خوشبو سے مہکتے سر کیساتھ گھر واپس آتا ہے تو چہکتے ہوئے کیوں کہتا ہے کہ "ایک دن اور مل جائے تو میری اور کسانوں کی فصل محفوظ ہو جائے گی" اسے یہ بات بھی سمجھ نہیں آتی تھی کہ اپنی نرم دلی اور اس کی خواہشات کا پیشگی اندازہ کرنے کی صلاحیت رکھنے کے باوجود جب وہ کسانوں یا ان کی بیویوں کی جانب سے اسے رعایت کی کوئی درخواست کرتی ہے تو وہ ضدی کیوں ہو جاتا ہے، عمدہ فطرت کا مالک نکولس اس کی بات ماننے سے انکار کیوں کر دیتا ہے اور غصے میں اس سے درخواست کرتا ہے کہ اس کا ان معاملات سے کوئی تعلق نہیں۔ اسے محسوس ہوتا کہ اس کی ایک اپنی دنیا ہے جس سے وہ بیحد پیار کرتا ہے اور اس دنیا کے قوانین وہ بھی نہیں سمجھ سکتی۔

بسا اوقات وہ اسے سمجھنے کی کوشش میں اس کے ساتھ کام کے حوالے سے باتیں کرنا شروع ہو جاتی اور اسے بتاتی کہ وہ کسانوں کی فلاح وبہبود کیلئے کتنی مشکلات جھیل رہا ہے تو وہ جھنجھلا کر جواب دیتا "نہیں، میرے ذہن میں ایسی کوئی بات نہیں اور میں ان کے فائدے کیلئے کوئی کوشش نہیں کرتا، ہمسایوں سے بھلائی وغیرہ کی باتیں بوڑھی عورتیں کرتی ہیں، میری صرف یہ خواہش ہے کہ ہمارے بچے اچھی زندگی گزاریں اور جب تک میں زندہ ہوں ہمارے معاملات میں کوئی بگاڑ پیدا نہ ہونے پائے۔ بس یہی میرا مقصد ہے اور اس مقصد کے حصول کیلئے سخت نظم وضبط اپنانا بیحد ضروری ہے" وہ پر اعتماد انداز میں اپنی مٹھیاں بھینچ کر کہتا "ہاں، یہ مقصد صرف انصاف کی بدولت حاصل ہو سکتا ہے کیونکہ کسان بھوکا اور بے لباس نیز ایک ہی کمزور گھوڑے کا مالک ہو تو پھر وہ اپنے آپ کو کسی قسم کا فائدہ پہنچا سکتا ہے نہ مجھے"

یہ بات شک وشبے سے بالاتر ہے کہ چونکہ نکولائی کبھی اس وہم کا شکار نہیں ہوا تھا کہ وہ بھلائی کی خاطر دوسروں کیلئے کچھ کر رہا ہے چنانچہ وہ جو کچھ کرتا اس کا ہمیشہ اچھا نتیجہ نکلتا۔ اس کی دولت تیزی سے بڑھنے لگی۔ اردگرد کی جاگیروں کے کسان اس کے پاس آ کر درخواست کرتے کہ انہیں خرید لیا جائے اور اس کی وفات کے طویل عرصہ بعد بھی اس کے انتظام وانصرام کا احتراماً تذکرہ کرتے رہے۔ ان کا کہنا تھا "وہ صحیح معنوں میں آقا تھے... پہلے کسانوں کی بہتری کا سوچتے اور پھر اپنی فکر کرتے۔ یقیناً وہ کوئی ناجائز رعایت نہ کرتے تھے۔ وہ واقعی بہترین آقا تھے"

(8)

اپنے کسانوں کے معاملات میں اسے جو شے پریشان کئے ہوئے تھی وہ یہ تھی کہ اس پر ہر وقت غصہ طاری رہتا اور ہوزاروں میں رہ کر سیکھی گئی مکوں کے استعمال کی پرانی عادت ابھی تک برقرار تھی۔ ابتداء میں اسے غلطی کرنیوالوں کو مارنے پیٹنے میں کوئی برائی نظر نہ آئی تاہم شادی کے دوسرے برس سزا کے اس انداز بارے اس کی رائے یکسر بدل گئی۔

موسم گرما میں ایک دن اس نے باگوچاروف کے نمبردار کو بلایا۔ اسے ڈرون کی وفات کے بعد نمبردار بنایا گیا تھا اور اس پر دھوکہ دہی، بددیانتی اور بے قاعدگیوں کے متعدد الزامات عائد کئے گئے تھے۔ نکولائی اس سے تفتیش کیلئے

ڈیوڑھی میں چلا گیا اور نمبردار کی گفتگو کے بعد مار پیٹ کی آوازیں سنائی دینا شروع ہو گئیں۔ جب وہ کھانا کھانے کیلئے اپنی بیوی کے پاس آیا تو حسب معمول اسے دن بھر کی روداد سنائی۔ اس نے دیگر باتوں کے علاوہ باگوچاروف کے نمبردار کا بھی تذکرہ کیا۔ یہ سن کر بیگم ماریا کا رنگ پہلے تو سرخ اور پھر پیلا پڑ گیا۔ وہ گردن جھکائے اور منہ بند کئے بیٹھی تھی۔ اس نے نکولائی کے جواب میں کچھ نہ کہا۔

نکولائی کو نمبردار کا نام یاد آتے ہی غصہ آ گیا۔ اس نے کہا "بدمعاش گستاخ ٹھیک ہے، اگر وہ مجھے بتاتا کہ اسے نشہ چڑھ چکا تھا اور اسی وجہ سے وہ کچھ نہ دیکھ سکا تو۔۔۔ مگر میری، کیا ہوا تمہیں؟" اس نے ماریا کا پریشان چہرہ دیکھ لیا تھا۔

بیگم ماریا نے سر اٹھایا اور خود پر قابو پانے کی کوشش کی۔

نکولائی نے پوچھا "کیا ہے؟ میری پیاری کیا ہوا؟۔۔۔" سادہ چہرے کی مالک اس کی بیوی روتے ہوئے ہمیشہ خوبصورت دکھائی دیتی تھی۔ وہ کسی تکلیف یا جھنجلاہٹ کے باعث نہیں روتی تھی بلکہ اسے صرف رنجیدگی یا کسی پر ترس کے باعث رونا آتا تھا۔ جب وہ روتی تو اس کی روشن آنکھوں میں کچھ ایسی دلکشی پیدا ہو جاتی کہ ہر ایک کا دل نرم ہو جاتا اور ان کے پاس اس کی بات ماننے کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہتا۔ جونہی نکولائی نے اس کا ہاتھ پکڑا تو وہ خود پر قابو نہ رکھ سکی اور رونا شروع کر دیا۔

وہ کہنے لگی "نکولائی، میں نے دیکھا تھا۔۔۔ اس کی غلطی تھی، مگر آپ نے، آپ نے ایسا کیوں کیا" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیا۔

نکولائی کچھ نہ بولا مگر اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس نے اٹھ کر کمرے میں ٹہلنا شروع کر دیا۔ وہ بیوی کے رونے کی وجہ جانتا تھا مگر فوری طور پر اس کی رائے سے متفق نہ ہوا کیونکہ وہ جس شے کا اوائل عمری سے عادی تھا اور جو اس کے خیال میں روزمرہ کی بات تھی وہ کسی صورت غلط نہیں ہو سکتی تھی۔

اس نے اپنے آپ سے کہا "یہ جذباتی بات اور بوڑھیوں کا وہم ہے یا وہ درست کہہ رہی ہے؟" کسی نتیجے پر پہنچنے سے پہلے اس نے ایک مرتبہ پھر ماریا کے چہرے کو دیکھا جس سے رنج و محن اور پیار کا تاثر جھلک رہا تھا۔ اسے اچانک احساس ہوا کہ وہ ٹھیک کہتی ہے اور اس نے خود ہی اپنے ساتھ زیادتی کی تھی۔

وہ اس کے پاس جا کر نرم لہجے میں بولا "میری، پھر ایسا نہیں ہوگا، میرا وعدہ ہے، پھر نہیں ہوگا" اس نے کمسن بچوں کی طرح معافی مانگنا شروع کر دی۔

بیگم ماریا کے آنسو مزید تیزی سے بہنے لگے اور اس نے شوہر کا ہاتھ پکڑ کر چوم لیا۔

وہ موضوع بدلتے ہوئے بولی "نکولائی، آپ کی انگوٹھی کا یہ نقش کب ٹوٹا؟

بعدازاں جب کبھی نمبرداروں یا دیہی نگرانوں سے گفتگو کرتے ہوئے اسے غصہ آتا اور وہ مٹھیاں بند کرتا تو انگوٹھی گھمانا شروع کر دیتا، یوں اسے اپنا وعدہ یاد آ جاتا اور وہ اپنے سامنے کھڑے شخص کے سامنے سر جھکا دیتا۔ البتہ سال میں چند مرتبہ وہ یہ بات بھول جایا کرتا تھا اور دکھی چہرہ لے کر ماریا کے پاس جاتا، وہ اس سے ایک مرتبہ پھر معافی مانگتا اور یقین دلاتا کہ آئندہ ایسا نہیں کرے گا۔

ایسے مواقع پر وہ کہا کرتا "ماریا، یقیناً تم مجھے نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہو گی، میں واقعی اسی قابل ہوں" ماریا اسے تسلی دینے کیلئے کہتی "اگر آپ کسی وقت یہ محسوس کریں کہ غصے پر قابو پانا مشکل ہے تو وہاں سے اٹھ جایا کریں"

صوبے کے اعلیٰ طبقے میں نکولائی کی عزت تو کی جاتی تھی مگر لوگ اسے پسند نہیں کرتے تھے۔ اسے اعلیٰ طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی مقامی سیاست میں کوئی دلچسپی نہ تھی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کچھ لوگ اسے مغرور اور کچھ بیوقوف سمجھنے لگے۔ موسم بہار میں فصلیں بوئے جانے سے لے کر خزاں میں ان کی کٹائی تک وہ اپنی تمام تر توجہ زمین پر رکھتا۔ خزاں کے موسم میں وہ اسی باقاعدگی سے شکار کھیلنا شروع کر دیتا اور ایک یا دو ماہ کیلئے کتوں کے ساتھ باہر چلا جاتا۔ موسم سرما میں وہ اپنی دیگر جاگیروں کا دورہ کرتا یا کتابیں پڑھ کر وقت گزارتا۔ وہ تاریخی کتابیں پڑھنے کا شوقین تھا اور ہر سال مقررہ رقم خرچ کر کے ایسی کتابیں خریدتا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ میں سنجیدہ کتابیں جمع کر رہا ہوں اور اس نے اصول بنا لیا تھا کہ خریدی جانیوالی ہر کتاب پڑھے گا۔ وہ باوقار انداز میں اپنی لائبریری میں بیٹھ کر پڑھتا رہتا۔ ابتداء میں وہ پڑھنے میں دلچسپی لینے کی خاطر فرض سمجھ کر کتابیں پڑھتا تھا مگر جوں جوں وقت گزرتا گیا یہ اس کی عادت بنتی گئی اور اسے مطالعے میں خاص دلچسپی پیدا ہو گئی۔ پڑھتے ہوئے اسے یوں لگتا کہ وہ کسی سنجیدہ کام میں مصروف ہے۔ کاروباری دوروں کے علاوہ وہ موسم سرما کا زیادہ حصہ گھر پر اطمینان کیساتھ گزارتا تھا۔ وہ گھر کے ہر مشغلے اور بچوں کی اپنی والدہ کیساتھ مصروفیت میں برابر شریک ہوتا۔ آہستہ آہستہ وہ اپنی بیوی سے قریب ہوتا گیا اور اس کی شخصیت میں نئی نئی خوبیاں تلاش کر لیں۔

ان کی شادی کے وقت سے ہی سونیا ان کے ساتھ رہ رہی تھی تاہم وہ ماریا کو اپنے اور سونیا کے گزشتہ محبانہ تعلق بارے سب کچھ بتا چکا تھا۔ اس نے خود کو مجرم قرار دیتے ہوئے سونیا کی بیحد تعریف کی اور ماریا سے درخواست کی کہ وہ اس سے پیار اور شفقت سے پیش آئے۔ شہزادی ماریا کو نکولائی کی سونیا سے وعدہ خلافی کا احساس تھا اور وہ خود کو اس کا ذمہ دار سمجھتی تھی۔ وہ سوچتی تھی کہ اس کی دولت نکولائی کے انتخاب پر اثر انداز ہوئی۔ اسے سونیا میں کوئی خامی دکھائی نہیں دیتی تھی اور وہ اس سے محبت کی بھرپور کوشش کرتی مگر اسے کامیابی نہ ہوئی۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کے دل میں سونیا کیخلاف بغض پایا جاتا ہے اور وہ کوشش کے باوجود اس احساس کو دل سے نہ نکال پائی۔

ایک دن وہ اپنی دوست نتاشا سے سونیا اور اس کے ساتھ اپنے غیر منصفانہ رویے کی بابت بات چیت کر رہی تھی۔

نتاشا اس سے کہنے لگی "تم ہمیشہ انجیل پڑھتی رہتی ہو، کیا تمہیں علم ہے کہ اس میں ایک عبارت ہے اور سونیا اس پر پورا اترتی ہے"

بیگم ماریا نے حیران ہو کر پوچھا "وہ کیا؟"

نتاشا بولی "وہ آیت یہ ہے کہ 'جس کے پاس ہو گا اسے دیا جائے گا اور جس کے پاس نہیں ہے اس سے سب کچھ لے لیا جائے گا' کیا تمہیں یاد آیا؟ اس کے پاس دینے کیلئے کچھ نہیں اور میں نہیں جانتی کہ ایسا کیوں ہے۔ شاید اس میں انا نہیں پائی جاتی۔ میں نہیں جانتی مگر اس سے سب کچھ لے لیا گیا ہے، بسا اوقات مجھے اس پر ترس آتا ہے۔ مجھے اس کی نکولائی سے شادی کی بیحد فکر ہوتی تھی مگر مجھے گمان ہوتا تھا کہ ایسا نہیں ہو پائے گا۔ وہ بنجر پھول ہے، تمہیں علم ہے کہ ایسے پھول سٹرابری کے پودوں پر اگتے ہیں۔ کبھی کبھار میں اسے دیکھ کر بیحد دکھی ہو جاتی ہوں اور کبھی یوں محسوس ہوتا ہے کہ جس طرح تم اور میں سوچ رہی ہیں وہ اس طرح نہیں سوچتی"

اگرچہ بیگم ماریا نے نتاشا کو آیت کا درست مفہوم سمجھا دیا مگر اسے اپنی نند کی باتوں سے اتفاق کرتے ہی بنی۔ یہی دکھائی دیتا تھا کہ سونیا کو اپنی صورتحال تکلیف دہ معلوم نہیں ہوتی اور وہ بے ثمر پھول کی طرح اپنی قسمت پر شاکر تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے اسے افراد کی بجائے پورے گھرانے سے محبت ہے۔ اس نے بلی کی طرح خود کو افراد کی بجائے

گھر سے وابستہ کر لیا تھا۔ وہ بیگم رستوف کا خیال رکھتی، بچوں سے کھیلتی اور ایسے چھوٹے کام کرنے کیلئے ہمہ وقت تیار رہتی جن کی انجام دہی میں اسے خصوصی ملکہ حاصل تھا۔ تاہم اس کی یہ تمام خدمات کو معمول سمجھا جاتا اور اس کے عوض شکریہ بھی ادا نہ کیا جاتا۔

بلیک ہلز میں نئے سرے سے گھر بنایا گیا تاہم یہ اس پیمانے پر نہیں تھا جو معمر شہزادے نے تعمیر کرایا تھا۔

مکان کی تعمیر شروع ہوئی تو مالی حالات کچھ ایسے اچھے نہ تھے اس لئے تعمیر کے کام میں بیحد سادگی روا رکھی گئی۔ اگرچہ مکان بیحد وسیع تھا مگر اس کی لکڑی سے بنی عمارات پرانی پتھریلی بنیادوں پر ہی رکھی گئیں اور دیواروں کو صرف اندر سے لیپا گیا۔ سادہ سخت صوفے، بازوؤں والی کرسیاں اور میزیں ذاتی ملازمین نے برچ کی لکڑی سے تیار کیں۔ گھر میں بے شمار کمرے تھے جن میں گھریلو ملازمین اور مہمانوں کو ٹھہرایا جاتا تھا۔

کبھی کبھار رستوف اور بلکونسکی خاندان کے رشتہ داروں کے خاندان سولہ سولہ گھوڑوں اور درجنوں نوکروں چاکروں کے ساتھ چلے آتے اور مہینوں یہاں قیام کرتے۔ علاوہ ازیں سال میں چار بار نکولائی اور ماریا کے نام دن اور سالگرہ پر ایک دن کیلئے سینکڑوں مہمان بھی چلے آتے۔ سال کے بقیہ دنوں میں زندگی اپنی ڈگر پر رواں رہتی، روزمرہ کا کام ہوتا رہتا اور جاگیر کے وسائل سے ضیافتوں کا سلسلہ بھی جاری رہتا۔

(9)

یہ سینٹ نکولائی کے تہوار سے ایک روز پہلے یعنی 5 دسمبر 1820ء کا دن تھا۔ اس برس نتاشا اپنے شوہر اور بچوں کیساتھ موسم خزاں کے آغاز سے ہی اپنے بھائی کیساتھ ٹھہری ہوئی تھی۔ پیری اپنے کسی کام کے سلسلے میں پیٹرزبرگ گیا تھا اور جانے سے پہلے اس نے بتا دیا تھا کہ اس کی واپسی تین ہفتے بعد ہو گی تاہم وہ وہاں سات ہفتے ٹھہرا رہا اور اب کسی بھی وقت پہنچ سکتا تھا۔

5 دسمبر کے اس دن بیزوخوف خاندان کے علاوہ نکولائی کا پرانا دوست اور ریٹائرڈ جرنیل ویسلے فیودورووچ دینی سوف بھی یہاں آیا ہوا تھا۔

اگلے دن اس کے نام دن کی تقریب کے سلسلے میں مہمانوں نے آنا تھا اور وہ جانتا تھا کہ اس سے اپنا ڈھیلا ڈھالا تاتاری کوٹ اتارنے کی توقع رکھی جائیگی اور اسے فراک کوٹ اور تنگ نوکدار جوتے پہن کر اپنے تعمیر کردہ نئے گرجا گھر جانا ہوگا۔ اس کے علاوہ وہ مبارکباد دینے کیلئے آنے والے مہمانوں کا استقبال کرے گا اور ان کے ساتھ مقامی امراء کے انتخاب اور فصلوں کی بابت بات چیت کریگا۔ یہ باتیں اپنی جگہ تاہم وہ سوچ رہا تھا کہ اس سے پہلا ایک دن اسے اپنے معمول کے مطابق گزارنے کا حق ہے۔ شام کے کھانے سے پہلے اس نے اپنی بیوی کے بھتیجے کی ملکیتی ریازان کی جاگیر کے نگران سے ملاقات کی اور مختلف مالی امور کا جائزہ لیا، پھر اس نے دو کاروباری خط لکھے اور غلے کے گوداموں، مویشیوں کے باڑوں، تیز گھوڑوں کے اصطبلوں کا معائنہ کیا۔ اگلے دن تہوار کے موقع پر اسے اپنے کسانوں کی جانب سے جی بھر کر پینے اور بدمزگی کی توقع تھی چنانچہ اس نے ایسی صورتحال سے نپٹنے کے اقدامات کئے۔ ان تمام مصروفیات کے سبب اسے اتنی دیر ہوگئی کہ وہ اپنی بیوی سے علیحدگی میں بات چیت بھی نہ کر سکا۔ وہ سیدھا کھانے کی میز پر گیا اور سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس میز پر بیک وقت بیس افراد کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ میز پر اس کی والدہ، اس کی معمر ساتھی مادام بالکوف، اپنے تینوں بچے، ان کی آیا اور اطالیق سمیت اس کی بیوی، ماریا کا بھتیجا اور اس کا اطالیق،

سونیا، دینی سوف، نتاشا اس کے تین بچے اور ان کی آیا نیز مرحوم شہزادے کا بوڑھا ماہر تعمیرات میخائل ایوانووچ موجود تھا جو ریٹائرمنٹ کے بعد اپنی بقیہ زندگی بلیک ہلز میں ہی گزار رہا تھا۔

بیگم ماریا اس کے سامنے میز کی دوسری سمت میں بیٹھی تھی۔ جونہی اس کے شوہر نے اپنی نشست سنبھالی اور جس انداز سے اپنا رومال اٹھا کر اچانک اپنا گلاس پیچھے دھکیلا تو وہ بھانپ گئی کہ اس پر غصے کی کیفیت طاری ہے۔ یہ ویسا ہی غصہ تھا جو کبھی کبھار فارم سے سیدھا کھانے کی میز پر آنے کے نتیجے میں اس پر طاری ہوتا تھا۔ بیگم ماریا اس کی یہ کیفیت خوب سمجھتی تھی اور اگر اس وقت وہ خوش ہوتی تو اس کے پیالے میں سوپ ڈالنے کا انتظار کرتی۔ بعد ازاں وہ اس سے بات چیت شروع کر دیتی عموماً کچھ ایسا انداز اختیار کرتی کہ وہ اعتراف کر لیتا کہ اس کا غصہ بے جا تھا۔ اس دن اسے یہ انداز اختیار کرنا یاد نہ رہا اور اسے یہ جان کر بیحد دکھ ہوا کہ نکولائی اس سے بلاوجہ ناراض ہے۔ اس نے پوچھا کہ وہ کہاں تھا اور فارم کی کیا صورتحال ہے۔ وہ اس سے غیر فطری لہجے میں مخاطب تھی جس پر نکولائی جھنجھلا اٹھا اور اس کے سوالات کا رکھائی سے جواب دیا۔

شہزادی ماریا نے سوچا ”مجھے تو پہلے ہی شک ہو گیا تھا مگر یہ مجھ سے ناراض کیوں ہیں؟“

شہزادی ماریا کو اس کے لہجے میں مخالفت اور بات ختم کرنے کی خواہش محسوس ہوئی۔ اسے علم تھا کہ اس کا اپنا لہجہ غیر فطری ہے تاہم وہ اس سے متعدد مزید سوالات پوچھنے سے باز نہ رہ سکی۔

دینی سوف کی بدولت گفتگو کا رخ تبدیل ہو گیا اور اس میں شگفتگی در آئی۔ کھانا ختم کرنے کے بعد تمام لوگ معمر بیگم کا شکریہ ادا کرنے اس کے پاس گئے۔ بیگم ماریا نے اپنا ہاتھ شوہر کی جانب بڑھایا اور اس کا بوسہ لینے کے بعد پوچھا کہ وہ کس بات پر ناراض ہے۔

نکولائی نے اسے جواب دیا ”تمہارے ذہن میں عجیب و غریب باتیں آتی رہتی ہیں۔ میں نے تم سے ناراضگی کا سوچا تک نہیں“

نکولائی اور اس کی بیوی میں اس قدر ذہنی ہم آہنگی تھی کہ کبھی کبھار سونیا اور معمر بیگم بھی ان پر رشک کرتیں اور ان میں اختلافات پیدا کر کے خوش ہوتیں۔ مگر دونوں میاں بیوی میں بعض اوقات اختلافات بھی پیدا ہو جاتے۔ ایک دوسرے کیساتھ خوش و خرم رہتے ہوئے ان میں جھگڑا ہو جاتا۔ ایسا عموماً اس وقت ہوتا جب بیگم ماریا کے ہاں بچے کی پیدائش متوقع ہوتی۔ اس وقت وہ اسی کیفیت میں تھی۔

نکولائی نے خوشدلی سے با آواز بلند کہا ”میں آج صبح چھ بجے سے مسلسل کام کر رہا ہوں کل کا دن بھی میرے لئے بیحد مشکل ہوگا اس لئے میں آج آرام کرنا چاہتا ہوں“ (اس کی بیوی کو یوں محسوس ہوا جیسے اس نے یہ بات اس کا دل دکھانے کیلئے کہی ہے) پھر وہ اپنی بیوی سے کچھ کہے بغیر چھوٹے کمرے میں چلا گیا اور صوفے پر جا لیٹا۔

شہزادی ماریا سوچنے لگی ”ہمیشہ یہی ہوتا ہے، وہ میرے سوا ہر ایک سے بات کرتے ہیں۔ میں سمجھ گئی، خصوصاً جب میں اس حالت میں ہوں تو انہیں خوفناک دکھائی دیتی ہوں“ اس نے آئینے میں اپنے روز بروز پھیلتے جسم اور دبلے پتلے چہرے کا جائزہ لیا جس پر آنکھیں کچھ زیادہ ہی بڑی نظر آ رہی تھیں۔

اسے دینی سوف کے بلند و بانگ قہقہے، شور شرابہ، نتاشا کی تیز گفتگو اور سب سے بڑھ کر سونیا کا دیکھنے کا انداز، بھی ناگوار گزر رہا تھا۔

بیگم ماریا کو غصہ آتا تو وہ سب سے پہلے اس کا ذمہ دار سونیا کو ٹھہراتی۔

وہ کچھ دیر مہمانوں کے پاس بیٹھی رہی۔ اسے ان کی کوئی بات سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ پھر وہ اٹھ کر نرسری میں بچوں کے پاس چلی گئی۔

بچے کرسیوں کو گاڑی بنا کر ماسکو جانے کا کھیل کھیلنے میں مصروف تھے۔ انہوں نے اسے بھی اپنے ساتھ بیٹھنے کو کہا۔ وہ بیٹھ گئی اور کچھ دیر ان کے ساتھ کھیلتی رہی تاہم اپنے شوہر اور اپنے ساتھ اس کی غیر معقول ناراضگی کا خیال اسے مسلسل اذیت دیتا رہا۔ وہ اٹھی اور دبے پاؤں چھوٹے کمرے کی جانب چلی گئی۔

اس نے سوچا "شاید وہ جاگ رہے ہیں اور ہم بات چیت کے ذریعے معاملہ حل کر سکتے ہیں" اس کا بڑا بیٹا اندروشا بھی دبے پاؤں چلتا پیچھے پیچھے آ گیا۔ ماں اس کی موجودگی سے بے خبر رہی۔

اگلے کمرے میں اسے سونیا مل گئی۔ ماریا کو دیکھتے ہی وہ بولی "میرا خیال ہے کہ وہ سو گئے ہیں، بیحد تھک گئے تھے، کہیں اندروشا انہیں جگا نہ دے (اسے دیکھ کر شہزادی ماریا کو محسوس ہوا کہ وہ ہر جگہ پہنچ جاتی ہے)

بیگم ماریا نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور جب اسے اندروشا دکھائی دیا تو احساس ہوا کہ سونیا ٹھیک کہہ رہی تھی۔ تاہم یہ بات سوچ کر ہی اس کا چہرہ غصے میں سرخ ہو گیا اور اس نے منہ سے کوئی تلخ بات نکلنے سے خود کو بمشکل روکا۔ اس نے اپنی زبان بند رکھی مگر سونیا پر اپنی توجہ کے امکان سے بچنے کی خاطر اندروشا کو ہاتھ سے اشارہ کیا کہ وہ شور مچائے بغیر اس کے پیچھے پیچھے آ جائے اور خود دروازے کی جانب چل دی۔ سونیا دوسرے دروازے سے باہر چلی گئی۔

جس کمرے میں نکولائی محو استراحت تھا وہاں سے اس کے سانسوں کی آوازیں آ رہی تھیں اور وہ ان آوازوں کو بخوبی پہچانتی تھی۔ وہ یہ آوازیں سنتے ہوئے اپنے تخیل میں اس کی شکل دیکھ سکتی تھی۔ نکولائی نے اچانک کروٹ بدلی اور کھنکارا۔ اس وقت باہر دروازے پر کھڑا اندروشا بول اٹھا "پاپا، امی یہاں کھڑی ہیں" بیگم ماریا خوفزدہ ہو گئی اور اس کا رنگ پیلا پڑ گیا۔ اس نے بوکھلا کر بچے کو اشارہ کیا جو خاموش ہو گیا۔ ایک لمحے کیلئے خاموشی چھا گئی۔ اسے علم تھا کہ نکولائی کو کم گہری نیند سے جگا دیا جائے تو اسے غصہ آ جاتا ہے۔ ایک مرتبہ پھر اس کے کھنکارنے کی آواز سنائی دی اور وہ غصے میں دھاڑتے ہوئے بولا "مجھے ایک لمحے کیلئے بھی سکون نہیں ملتا، میری! کیا یہ تم ہو؟ اسے یہاں کیوں لائی ہو؟"

ماریا بولی "میں تو صرف دیکھنے آئی تھی۔۔۔ مجھے علم نہ ہو سکا۔۔۔ معذرت چاہتی ہوں"

نکولائی کھانسا اور خاموش رہا۔

شہزادی ماریا پیچھے ہٹی اور بچے کو واپس نرسری میں لے گئی۔ پانچ منٹ بعد کالی آنکھوں والی تین سالہ نتاشا اپنے بھائی سے یہ معلوم ہونے پر بھاگتی چلی آئی کہ پاپا چھوٹے کمرے میں سو رہے ہیں۔ ماں کو اس کی آمد کا علم ہی نہ ہو پایا۔ چھوٹی بچی نے بے خوفی سے دروازہ چرچرا کر کھولا اور تیزی سے آگے بڑھ کر اپنے والد کا جائزہ لیا اور پنجوں کے بل کھڑی ہو کر اس کا ہاتھ چوم لیا جو سر کے نیچے دھرا تھا۔ نکولائی نے کروٹ بدلی، اس کے چہرے پر ملائمت بھری مسکراہٹ تھی۔

دروازے کی اوٹ میں کھڑی بیگم ماریا نے زیر لب کہا "نتاشا! نتاشا! پاپا سو رہے ہیں"

چھوٹی نتاشا پر اعتماد انداز میں بولی "نہیں امی، وہ ہنس رہے ہیں"

نکولائی اٹھ گیا اور اپنے پاؤں فرش پر رکھ کر اپنی چھوٹی بیٹی کو بازوؤں میں لے لیا۔

اس نے بیوی سے کہا "ماشا! اندر آ جاؤ"

ماریا اندر آئی اور نکولائی کیساتھ بیٹھ گئی۔

وہ ہچکچاتے ہوئے کہنے لگی "مجھے نظر ہی نہ آیا کہ یہ میرے پیچھے پیچھے چلی آ رہی ہے، میں تو صرف۔۔۔"

نکولائی نے اپنی بیٹی کو ایک بازو سے پکڑ کر بیوی کی جانب دیکھا اور اس کے معذرت خواہانہ انداز کو دیکھتے ہوئے اپنا دوسرا بازو اس کی کمر کے گرد ڈال کر اس کے بال چوم لئے۔

اس نے نتاشا سے پوچھا "امی کو چوموں؟"

نتاشا شرما گئی اور جہاں نکولائی نے چوما تھا وہاں اشارہ کرتے ہوئے بولی "ایک مرتبہ پھر"

نکولائی نے ماریا کے ذہن میں موجود سوال کا اندازہ کرتے ہوئے کہا "میں نہیں جانتا کہ تم نے کیسے فرض کر لیا کہ میرا موڈ ٹھیک نہیں"

ماریا نے جواب دیا "آپ سوچ بھی نہیں سکتے کہ جب میں آپ کو اس موڈ میں دیکھوں تو مجھے کتنی تکلیف پہنچتی ہے، تنہائی کا احساس ہوتا ہے اور مجھے ہمیشہ یوں لگتا ہے۔۔۔"

نکولائی خوشدلی سے بولا "میری، بس، بیوقوف! تمہیں شرم آنی چاہئے"

ماریا نے بات جاری رکھی اور کہنے لگی "میں ہمیشہ یہی سوچتی ہوں کہ آپ کو مجھ سے محبت نہیں ہو سکتی کیونکہ میں اسقدر بدصورت۔۔۔ ہر وقت اور اب اس حالت میں تو۔۔۔"

نکولائی نے جواب دیا "اوہو کیسی فضول باتیں کر رہی ہو۔ ہم خوبصورت لوگوں سے محبت نہیں کرتے بلکہ جن سے محبت کرتے ہیں وہ خوبصورت ہوتے ہیں۔ مالوینو جیسی عورتوں سے ہی خوبصورتی کی بنا پر محبت کی جاتی ہے۔ مگر کیا مجھے اپنی بیوی سے محبت ہے؟ نہیں، مجھے تم سے محبت نہیں مگر صرف۔۔۔ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ تمہارے سامنے کیسے وضاحت کروں۔ تمہاری عدم موجودگی میں مجھے یوں لگتا ہے جیسے کہیں کھو گیا ہوں اور بے یار و مددگار ہوں۔ کیا مجھے اپنی انگلی سے محبت ہے؟ نہیں، مگر ذرا اسے کاٹنے کی تو کوشش کرو۔۔۔"

ماریا کہنے لگی "میں اس طرح محسوس نہیں کرتی مگر مجھے آپ کی بات سمجھ آ گئی ہے۔ تو پھر آپ مجھ سے ناراض نہیں ہیں؟"

نکولائی نے مسکراتے ہوئے کہا "میں بیحد ناراض ہوں" وہ اٹھ کھڑا ہوا اور انگلیوں سے اپنے بال درست کرتے ہوئے کمرے میں ٹہلنے لگا۔

اس نے کہا "میری، تم جانتی ہو کہ میں کیا سوچ رہا ہوں؟"

بیوی سے صلح کے بعد نکولائی نے فوری طور پر اس کی موجودگی میں سوچنا شروع کر دیا۔ اس نے یہ بھی نہ سوچا کہ وہ اس کی بات سننا چاہتی بھی ہے یا نہیں، اس کے خیال میں یہ بات کوئی اہمیت نہ رکھتی تھی۔ اس کے ذہن میں ایک خیال آیا تھا اور وہ بھی اس کی مالک تھی۔ نکولائی نے اسے بتایا کہ وہ پیری کو یہاں موسم بہار تک ٹھہرنے پر آمادہ کرنا چاہتا ہے۔

ماریا اس کی بات مکمل ہونے تک سنتی رہی اور بعض مقامات پر اپنی رائے بھی دی۔ جب اس کی گفتگو کی باری آئی تو وہ بھی بلند آواز میں سوچنا شروع ہو گئی۔ اس کی سوچوں کا مرکز اپنے بچے تھے۔

وہ نتاشا کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولی "اس میں ابھی سے عورتوں والی خصوصیات دکھائی دینے لگی ہیں۔ آپ ہم خواتین کو غیر منطقی ہونے کا کہہ کر ملامت کا نشانہ بناتے ہیں۔ یہ ہے ہماری منطق، میں کہتی ہوں کہ "پاپا سو رہے ہیں" مگر وہ کہتی ہے کہ "نہیں، ہنس رہے ہیں" اور وہ ٹھیک کہتی ہے"

وہ کچھ دیر مہمانوں کے پاس بیٹھی رہی۔ اسے ان کی کوئی بات سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ پھر وہ اٹھ کر نرسری میں بچوں کے پاس چلی گئی۔

بچے کرسیوں کو گاڑی بنا کر ماسکو جانے کا کھیل کھیلنے میں مصروف تھے۔ انہوں نے اسے بھی اپنے ساتھ بیٹھنے کو کہا۔ وہ بیٹھ گئی اور کچھ دیر ان کے ساتھ کھیلتی رہی تاہم اپنے شوہر اور اپنے ساتھ اس کی غیر معقول ناراضگی کا خیال اسے مسلسل اذیت دیتا رہا۔ وہ اٹھی اور دبے پاؤں چھوٹے کمرے کی جانب چلی گئی۔

اس نے سوچا "شاید وہ جاگ رہے ہیں اور ہم بات چیت کے ذریعے معاملہ حل کر سکتے ہیں" اس کا بڑا بیٹا اندروشا بھی دبے پاؤں چلتا پیچھے پیچھے آ گیا۔ ماں اس کی موجودگی سے بے خبر رہی۔

اگلے کمرے میں اسے سونیا مل گئی۔ ماریا کو دیکھتے ہی وہ بولی "میرا خیال ہے کہ وہ سو گئے ہیں، بیحد تھک گئے تھے، کہیں اندروشا انہیں جگا نہ دے (اسے دیکھ کر شہزادی ماریا کو محسوس ہوا کہ وہ ہر جگہ پہنچ جاتی ہے)

بیگم ماریا نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور جب اسے اندروشا دکھائی دیا تو احساس ہوا کہ سونیا ٹھیک کہہ رہی تھی۔ تاہم یہ بات سوچ کر ہی اس کا چہرہ غصے میں سرخ ہو گیا اور اس نے منہ سے کوئی تلخ بات نکلنے سے خود کو بمشکل روکا۔ اس نے اپنی زبان بند رکھی مگر سونیا پر اپنی توجہ کے امکان سے بچنے کی خاطر اندروشا کو ہاتھ سے اشارہ کیا کہ وہ شور مچائے بغیر اس کے پیچھے پیچھے آ جائے اور خود دروازے کی جانب چل دی۔ سونیا دوسرے دروازے سے باہر چلی گئی۔

جس کمرے میں نکولائی محو استراحت تھا وہاں سے اس کے سانسوں کی آوازیں آ رہی تھیں اور وہ ان آوازوں کو بخوبی پہچانتی تھی۔ وہ یہ آوازیں سنتے ہوئے اپنے تخیل میں اس کی شکل دیکھ سکتی تھی۔ نکولائی نے اچانک کروٹ بدلی اور کھنکارا۔ اس وقت باہر دروازے پر کھڑا اندروشا بول اٹھا "پاپا، امی یہاں کھڑی ہیں" بیگم ماریا خوفزدہ ہو گئی اور اس کا رنگ پیلا پڑ گیا۔ اس نے بوکھلا کر بچے کو اشارہ کیا جو خاموش ہو گیا۔ ایک لمحے کیلئے خاموشی چھا گئی۔ اسے علم تھا کہ نکولائی کو کم گہری نیند سے جگا دیا جائے تو اسے غصہ آ جاتا ہے۔ ایک مرتبہ پھر اس کے کھنکارنے کی آواز سنائی دی اور وہ غصے میں دھاڑتے ہوئے بولا "مجھے ایک لمحے کیلئے بھی سکون نہیں ملتا، میری! کیا یہ تم ہو؟ اسے یہاں کیوں لائی ہو؟"

ماریا بولی "میں تو صرف دیکھنے آئی تھی۔۔۔۔ مجھے علم نہ ہو سکا۔۔۔۔ معذرت چاہتی ہوں"

نکولائی کھانسا اور خاموش رہا۔

شہزادی ماریا پیچھے ہٹی اور بچے کو واپس نرسری میں لے گئی۔ پانچ منٹ بعد کالی آنکھوں والی تین سالہ نتاشا اپنے بھائی سے یہ معلوم ہونے پر بھاگتی چلی آئی کہ پاپا چھوٹے کمرے میں سو رہے ہیں۔ ماں کو اس کی آمد کا علم ہی نہ ہو پایا۔ چھوٹی بچی نے بے خوفی سے دروازہ چرچرا کر کھولا اور تیزی سے آگے بڑھ کر اپنے والد کا جائزہ لیا اور پنجوں کے بل کھڑی ہو کر اس کا ہاتھ چوم لیا جو سر کے نیچے دھرا تھا۔ نکولائی نے کروٹ بدلی، اس کے چہرے پر ملائمت بھری مسکراہٹ تھی۔

دروازے کی اوٹ میں کھڑی بیگم ماریا نے زیر لب کہا "نتاشا! نتاشا! پاپا سو رہے ہیں"

چھوٹی نتاشا پر اعتماد انداز میں بولی "نہیں امی، وہ ہنس رہے ہیں"

نکولائی اٹھ گیا اور اپنے پاؤں فرش پر رکھ کر اپنی چھوٹی بیٹی کو بازوؤں میں لے لیا۔

اس نے بیوی سے کہا "ماشا! اندر آ جاؤ"

ماریا اندر آئی اور نکولائی کیساتھ بیٹھ گئی۔

وہ ہچکچاتے ہوئے کہنے لگی "مجھے نظر ہی نہ آیا کہ یہ میرے پیچھے پیچھے چلی آ رہی ہے، میں تو صرف۔۔۔"

نکولائی نے اپنی بیٹی کو ایک بازو سے پکڑ کر بیوی کی جانب دیکھا اور اس کے معذرت خواہانہ انداز کو دیکھتے ہوئے اپنا دوسرا بازو اس کی کمر کے گرد ڈال کر اس کے بال چوم لئے۔

اس نے نتاشا سے پوچھا "امی کو چوموں؟"

نتاشا شرما گئی اور جہاں نکولائی نے چوما تھا وہاں اشارہ کرتے ہوئے بولی "ایک مرتبہ پھر"

نکولائی نے ماریا کے ذہن میں موجود سوال کا اندازہ کرتے ہوئے کہا "میں نہیں جانتا کہ تم نے کیسے فرض کر لیا کہ میرا موڈ ٹھیک نہیں"

ماریا نے جواب دیا "آپ سوچ بھی نہیں سکتے کہ جب میں آپ کو اس موڈ میں دیکھوں تو مجھے کتنی تکلیف پہنچتی ہے، تنہائی کا احساس ہوتا ہے اور مجھے ہمیشہ یوں لگتا ہے۔۔۔"

نکولائی خوشدلی سے بولا "میری، بس، بیوقوف! تمہیں شرم آنی چاہئے"

ماریا نے بات جاری رکھی اور کہنے لگی "میں ہمیشہ یہی سوچتی ہوں کہ آپ کو مجھ سے محبت نہیں ہو سکتی کیونکہ میں اسقدر بدصورت۔۔۔۔ ہر وقت اور اب اس حالت میں تو۔۔۔"

نکولائی نے جواب دیا "اوہو، کیسی فضول باتیں کر رہی ہو۔ ہم خوبصورت لوگوں سے محبت نہیں کرتے بلکہ جن سے محبت کرتے ہیں وہ خوبصورت ہوتے ہیں۔ مالوینو جیسی عورتوں سے ہی خوبصورتی کی بنا پر محبت کی جاتی ہے۔ مگر کیا مجھے اپنی بیوی سے محبت ہے؟ نہیں، مجھے تم سے محبت نہیں، مگر صرف۔۔۔۔ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ تمہارے سامنے کیسے وضاحت کروں۔ تمہاری عدم موجودگی میں مجھے یوں لگتا ہے جیسے کہیں کھو گیا ہوں اور بے یار و مددگار ہوں۔ کیا مجھے اپنی انگلی سے محبت ہے؟ نہیں، مگر ذرا اسے کاٹنے کی تو کوشش کرو۔۔۔"

ماریا کہنے لگی "میں اس طرح محسوس نہیں کرتی مگر مجھے آپ کی بات سمجھ آ گئی ہے۔ تو پھر آپ مجھ سے ناراض نہیں ہیں؟"

نکولائی نے مسکراتے ہوئے کہا "میں بیحد ناراض ہوں" وہ اٹھ کھڑا ہوا اور انگلیوں سے اپنے بال درست کرتے ہوئے کمرے میں ٹہلنے لگا۔

اس نے کہا "میری، تم جانتی ہو کہ میں کیا سوچ رہا ہوں؟"

بیوی سے صلح کے بعد نکولائی نے فوری طور پر اس کی موجودگی میں سوچنا شروع کر دیا۔ اس نے یہ بھی نہ سوچا کہ وہ اس کی بات سننا چاہتی بھی ہے یا نہیں، اس کے خیال میں یہ بات کوئی اہمیت نہ رکھتی تھی۔ اس کے ذہن میں ایک خیال آیا تھا اور وہ بھی اس کی مالک تھی۔ نکولائی نے اسے بتایا کہ وہ پیری کو یہاں موسم بہار تک ٹھہرنے پر آمادہ کرنا چاہتا ہے۔

ماریا اس کی بات مکمل ہونے تک سنتی رہی اور بعض مقامات پر اپنی رائے بھی دی۔ جب اس کی گفتگو کی باری آئی تو وہ وہ بھی بلند آواز میں سوچنا شروع ہو گئی۔ اس کی سوچوں کا مرکز اپنے بچے تھے۔

وہ نتاشا کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولی "اس میں ابھی سے عورتوں والی خصوصیات دکھائی دینے لگی ہیں۔ آپ ہم خواتین کو غیر منطقی ہونے کا کہہ کر ملامت کا نشانہ بناتے ہیں۔ یہ ہے ہماری منطق، میں کہتی ہوں کہ "پاپا سو رہے ہیں" مگر وہ کہتی ہے کہ "نہیں، ہنس رہے ہیں" اور وہ ٹھیک کہتی ہے"

نکولائی بولا "یقیناً، یقیناً"

اس نے بچی کو اپنے مضبوط بازوؤں میں اٹھایا اور فضا میں اچھال کر کندھے پر بٹھالیا۔ پھر اس نے نتاشا کی ٹانگیں پکڑیں اور کمرے میں چکر لگانا شروع کر دیئے۔ باپ بیٹی دونوں بے فکری سے مسکرا رہے تھے۔

ماریا مدھم آواز میں کہنے لگی "مگر آپ کو علم ہے کہ شاید اس طرح آپ غیر منصفانہ طرز عمل کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ لگتا ہے کہ آپ کو اس سے کچھ زیادہ ہی محبت ہے"

نکولائی نے جواباً کہا "ہاں مگر میں کیا کروں؟۔۔ میری کوشش ہوتی ہے کہ اس کا کھلم کھلا اظہار نہ ہونے پائے۔۔"

اسی دوران انہیں باہر دروازہ کھلنے اور کسی کے ہال اور بیرونی صحن میں چلنے کی آواز آئی۔ یوں لگتا تھا جیسے کوئی باہر سے آیا ہے۔

نکولائی نے کہا "کوئی آیا ہے"

بیگم ماریا بولی "یقیناً یہ پیری ہوں گے۔ میں دیکھتی ہوں" یہ کہہ کر وہ کمرے سے نکل گئی۔

وہ چلی گئی تو نکولائی اپنی بچی کو کندھے پر اٹھا کر کمرے میں دوڑنے اور اس سے ہنسی مزاح کر کے لطف اندوز ہونے لگا۔ جب وہ تھک گیا تو بچی کو جلدی سے نیچے اتار کر اپنے سینے سے چمٹا لیا جو ہنس ہنس کر بے حال ہو رہی تھی۔ اپنے اچھلنے کودنے سے وہ رقص کی بابت غور کرنے لگا۔ اپنی بچی کے گول مٹول اور خوشباش ننھے چہرے کو دیکھ کر اس نے سوچا کہ جب وہ بوڑھا ہو جائے گا تو یہ کیسی دکھائی دے گی۔ وہ اسے محفلوں میں لے جائے گا اور اس کے ساتھ اسی طرح رقص کرے گا جس طرح اس کا باپ اپنی بچی کے ساتھ کیا کرتا تھا۔

چند منٹ بعد بیگم ماریا واپس آئی اور کہا "وہی ہیں بکولائی وہی ہیں۔ اب ہماری نتاشا اپنی جون میں واپس آ گئی ہے۔ کیا آپ کو علم ہے کہ وہ طویل غیر حاضری پر انہیں کیسے ڈانٹ رہی تھی؟ بہر حال آؤ چلیں، جلدی کریں، آئیں" اس نے باپ کے بازوؤں سے لپٹی بچی کو دیکھتے ہوئے کہا "اب ایک دوسرے کی جان چھوڑ دو"

بیگم ماریا دونوں سے پیچھے رہ گئی۔

اس نے دھیمے لہجے میں خود کلامی کی "میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اتنی خوشی بھی مل جائیگی" اس کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا مگر ساتھ ہی منہ سے آہ بھی نکل گئی۔ اس کی آنکھوں میں پرسکون ملال دکھائی دے رہا تھا جیسے وہ محسوس کر رہی ہو کہ اس خوشی کے علاوہ ایک اور قسم کی خوشی بھی موجود ہے جو اس زندگی میں حاصل نہیں ہو سکتی اور جس کے بارے میں وہ اس وقت غیر ارادی طور پر سوچ رہی تھی۔

☆☆☆

(10)

نتاشا کی شادی 1813ء کے موسم بہار کی ابتداء میں ہوئی اور 1820ء تک وہ تین بیٹیوں اور ایک بیٹے کی ماں بن گئی تھی جس کی اسے بیحد خواہش تھی اور اسے وہ اپنا دودھ پلا رہی تھی۔ اس کا جسم پھیل گیا تھا اور وہ موٹی ہو گئی تھی۔ اس قوی الجثہ خاتون کو دیکھ کر ماضی کی دبلی پتلی اور شرارتی نتاشا کو پہچاننا ممکن نہیں تھا۔ اس کے خدوخال پہلے کی نسبت زیادہ واضح ہو گئے تھے اور انداز و اطوار میں ٹھہراؤ، نرمی اور پرسکون کیفیت دکھائی دیتی تھی۔ اس کے چہرے پر ہمہ وقت دکھائی

دینے والی چلبلاہٹ اب ختم ہو گئی تھی اور اب روح کی بجائے صرف اس کا چہرہ اور جسم دکھائی دیتا تھا۔ اسے دیکھ کر ذہن میں یہی تاثر پیدا ہوتا تھا کہ یہ صحت مند اور پرکشش خاتون ہے۔ اب اس میں پہلے جیسی پرانی آگ کبھی کبھار ہی روشن ہوتی تھی۔ ایسا صرف اسی وقت ہوتا جب اس کا شوہر اس دن کی طرح طویل عرصہ بعد گھر واپس آتا یا جب اس کا کوئی بیمار بچہ صحت یاب ہوتا تھا۔ کبھی کبھار ایسا اس وقت ہوتا جب وہ اور بیگم ماریا شہزادے آندرے کی بابت گفتگو کرتی تھیں (وہ اپنے شوہر کی موجودگی میں آندرے کا بالکل تذکرہ نہیں کرتی تھی کیونکہ وہ سمجھتی تھی کہ آندرے کی بات کرنے پر اس کے دل میں حسد کے جذبات پیدا ہو سکتے ہیں) یا پھر ان چند مواقع پر یہ آگ روشن ہوتی جب وہ گانا گاتی تھی۔ شادی کے بعد وہ کبھی کبھار ہی گایا کرتی تھی اور گاتے ہوئے جب یہ پرانی آگ اس کے خوبصورت اور صحت مند جسم میں روشن ہوتی تو وہ پہلے کی نسبت زیادہ خوبصورت دکھائی دینے لگتی۔

جب سے نتاشا کی شادی ہوئی وہ اپنے شوہر کیساتھ ماسکو، پیٹرز برگ، ماسکو کے نواح میں اپنی جاگیر یا اپنی والدہ کے گھر یعنی نکولائی کے ساتھ رہتی چلی آئی تھی۔ وہ اعلیٰ طبقے کی محفلوں میں کبھی کبھار ہی جاتی تھی اور وہاں اس سے ملنے والے لوگ اسے پسند نہیں کرتے تھے کیونکہ وہ ملنسار تھی نہ کسی کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرتی۔ وہ تنہائی پسند نہ تھی مگر بچوں کی پیدائش اور پرورش نیز اپنے شوہر کا ساتھ ایسی چیزیں تھیں جن کی وجہ سے وہ سمجھتی تھی کہ اپنے ان فرائض کی بخوبی انجام دہی کیلئے اسے محفلوں میں جانا ترک کرنا ہو گا۔

جو لوگ اسے شادی سے پہلے والے دور سے جانتے تھے، وہ اس میں یہ تبدیلیاں دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتے جیسے کوئی عجیب و غریب شے دیکھ لی ہو۔ صرف معمر بیگم رستوف کو اپنی مادرانہ ذہانت کی بنا پر علم ہو جاتا تھا کہ نتاشا کے متلون مزاج ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اسے شوہر اور بچوں کی ضرورت ہے اور ایک مرتبہ اوتراونوئے میں نتاشا نے بھی یہ بات سنجیدگی سے کہی تھی۔ وہ اپنی بیٹی کو نہ سمجھنے والے لوگوں کی حیرت دیکھ کر خود حیران ہوتی اور ہر وقت کہتی "میں شروع سے ہی جانتی تھی کہ یہ مثالی بیوی اور ماں ثابت ہو گی"

وہ مزید کہتی "اس میں صرف ایک بات ٹھیک نہیں کہ اپنے شوہر اور بچوں کی محبت میں حد سے بڑھ جاتی ہے جس پر وہ بالکل احمق لگنے لگتی ہے"

نتاشا اس سنہری اصول کو ذرا برابر اہمیت نہیں دیتی تھی کہ "شادی کے بعد لڑکی کو اپنی دیکھ بھال سے غفلت نہیں برتنی چاہئے، اپنی مہارتوں سے غافل نہیں ہونا چاہئے اور خود کو پہلے سے بھی زیادہ پرکشش بنانے کی کوشش کرنی چاہئے" اس کی بجائے نتاشا اپنی تمام فسوں گر عادات بشمول گلوکاری سے دستبردار ہو گئی۔ اس نے گلوکاری اسی وجہ سے چھوڑی کہ لوگ اس کی طرف خود بخود کھنچے چلے آتے تھے۔ اسے اس بات کی کوئی پرواہ نہ ہوتی تھی کہ اس کے انداز و اطوار پسند کئے جا رہے ہیں یا نہیں اور اس کی باتیں موقع محل سے مناسبت رکھتی ہیں یا نہیں۔ اسے اپنی دیکھ بھال سے بھی کوئی دلچسپی تھی نہ وہ ایسے کام کرتی کہ اس کا شوہر ہر وقت اس پر نثار ہوتا ہے۔ وہ اس پر بھی غور نہیں کرتی تھی کہ اس نے اپنے شوہر سے جو مطالبات کئے ہیں ان کی تکمیل سے اس کے آرام میں خلل تو نہیں پڑے گا یا وہ پریشان تو نہیں ہو گا۔ اصل میں وہ ایسے تمام اصولوں کو ہوا میں اڑا دیتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ پہلے لوگوں کے دلوں میں اترنے کے لئے اس کی فطرت اسے جو اطوار اختیار کرنے پر اکساتی تھی وہ اب اس کے شوہر کو مضحکہ خیز دکھائی دیں گے۔ وہ پہلے دن سے ہی اپنے شوہر کے سامنے سپر انداز ہو چکی تھی اور اپنی روح و فطرت کا ہر گوشہ اس کے سامنے ظاہر کر دیا تھا۔ اسے یوں لگتا تھا جیسے ان کے درمیان جو تعلق ہے وہ رومانی یا شعری جذبات کی بجائے کسی اور شے پر قائم ہے جو اس کی روح و جسم کے باہمی رشتے

جتنا مضبوط ہے۔

اپنے شوہر کو متاثر کرنے کیلئے مختلف انداز میں اپنے بال سنوارنا، انہیں ملائم بنانا اور لمبا کرنا، جدید تراش خراش کے لباس پہننا اور پیار بھرے گانے گانا اسے یوں عجیب لگتا جیسے وہ اپنے آپ کو خوش کرنے کیلئے بن سنور رہی ہو۔ شاید دوسروں کیلئے بننے سنورنے میں اسے لطف آتا مگر اب اس کے پاس ان کاموں کیلئے کوئی وقت نہ تھا۔ اس نے اپنے لباس یا گفتگو میں اختراعات پیدا کرنے میں جو لاپروائی برتنا شروع کر دی تھی اس کی بڑی وجہ اس کے پاس وقت نہ ہونا تھی۔

ہر شخص جانتا ہے کہ انسان ہر شے میں جذب ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے خواہ وہ کتنی ہی گھٹیا اور غیر معمولی کیوں نہ ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ تمام لوگ یہ بھی جانتے ہیں کہ کوئی شے اتنی گھٹیا اور معمولی نہیں ہوتی کہ انسان اس پر پوری توجہ دے اور وہ لامحدود انداز میں نہ پھیلے۔

نتاشا جس شے میں سرتاپا جذب ہوئی وہ اس کا گھرانہ تھا۔ پہلا اس کا شوہر تھا جس کا اس نے یوں خیال رکھنا تھا کہ اس کی تمام دلچسپیاں بیوی اور گھر پر مرکوز ہو کر رہ جائیں۔ دوسرے اس کے بچے تھے جنہیں اس نے اٹھانا اور ان کی پرورش کرنا تھا۔

وہ جس شے پر پوری توجہ دیتی وہ اس کی نظروں میں اتنی ہی زیادہ وسعت اختیار کر لیتی اور اس سے عہدہ برآ ہونے کیلئے اسے اپنی تمام اہلیتیں ناکافی دکھائی دینے لگتیں چنانچہ اس نے اپنی تمام صلاحیتیں اپنے گھرانے پر مرکوز کر دی تھیں اور اس کے باوجود اپنا یہ ضروری کام انجام دینے کیلئے اس کے پاس کافی وقت نہیں ہوتا تھا۔

آج کی طرح اس دور میں بھی خواتین کے حقوق، میاں بیوی کے تعلقات اور ان کی آزادیوں کے حوالے سے بحث ومباحثے ہوتے تھے اور ایک سے بڑھ کر ایک دلائل لائے جاتے مگر آج کے دور کی طرح ابھی انہیں مسائل نہیں کہا گیا تھا۔ مسئلہ یہ نہ تھا کہ نتاشا کو ان میں دلچسپی نہ تھی بلکہ اصل بات یہ تھی کہ اسے ان چیزوں کی سمجھ ہی نہیں آتی تھی۔

آج کی طرح اس دور میں بھی یہ مسائل صرف انہی لوگوں کیلئے اہمیت رکھتے تھے جنہیں شادی میں اس اطمینان کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا جو میاں بیوی ایک دوسرے سے حاصل کرتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں وہ شادی کی ابتداء کو تو جانتے ہیں مگر اس کے اصل مقصد یعنی "گھرانے" کی اہمیت سے واقفیت نہیں رکھتے۔

یہ سوال کہ "انسان کھانے سے زیادہ سے زیادہ لطف کیسے حاصل کر سکتا ہے" ان لوگوں کیلئے جو یہ سمجھتے ہیں کہ کھانے کا مقصد غذائیت کا حصول اور شادی کا مقصد گھرانے کی تشکیل ہے، پہلے موجود تھا نہ اب ہے۔

اگر کھانے کا مقصد جسم کو غذائیت فراہم کرنا ہے تو زائد از ضرورت کھانے والے کو شاید لذت تو حاصل ہو جائے مگر اس کا مقصد حاصل نہیں ہو پائے گا کیونکہ اس کا معدہ فالتو خوراک ہضم نہیں کر سکتا۔

اگر شادی کا مقصد گھرانے کی تشکیل ہے تو متعدد بیویوں کے خواہشمند کو زیادہ لطف تو شاید مل جائے مگر وہ گھرانے کی تشکیل میں کامیاب نہیں ہو پائے گا۔ اگر کھانے کا مقصد غذائیت حاصل کرنا اور شادی کا مقصد خاندان کی تشکیل ٹھہرا تو پھر صرف یہی مسئلہ رہ جاتا ہے کہ انسان کو صرف اتنی خوراک کھانی چاہئے جتنی اس کا معدہ ہضم کر سکے اور مرد کو صرف ایک عورت سے شادی کرنی چاہئے تاکہ گھرانہ تشکیل دیا جا سکے۔ مرد کو ایک سے زائد عورتوں کی ضرورت ہے نہ عورتوں کو ایک سے زائد مرد درکار ہے۔ نتاشا کو شوہر کی ضرورت تھی، اسے شوہر مل گیا اور شوہر نے اسے بچے دیئے۔ اسے نہ صرف مزید بہتر یا کسی اور شوہر کی ضرورت محسوس نہ ہوئی بلکہ جب اس کی تمام تر روحانی قوتیں اپنے اس

شوہر اور گھرانے کی خدمت پر مرکوز تھیں تو وہ مختلف حالات کا تصور کر سکتی تھی نہ اسے ایسا کرنے میں کوئی دلچسپی تھی۔

نتاشا کو دیگر لوگوں میں اٹھنے بیٹھنے کا کوئی شوق نہ تھا مگر اس بات نے اس کی نظروں میں اپنے رشتہ داروں یعنی بھائی، بیگم ماریا، اپنی والدہ اور سونیا کی صحبت کی اہمیت دوچند کر دی۔ اسے ان لوگوں کی موجودگی میں بیحد لطف آتا کیونکہ ان میں اسے کوئی تکلف نہیں برتنا پڑتا تھا۔ وہ ڈریسنگ گاؤن پہنے اور الجھے بالوں کے ساتھ اس حالت میں نرسری سے ان کے سامنے آسکتی تھی کہ اس کے ہاتھ میں بچے کے کپڑے ہوتے جن پر سبز کی بجائے پیلے دھبے ہوتے، تاہم اس کے چہرے پر مسکراہٹ ہوتی کیونکہ یہ لوگ اسے اطمینان دلا سکتے تھے کہ بچے کی حالت بہتر ہے۔

نتاشا اپنے بارے میں اسقدر لاپروائی کا مظاہرہ کرتی کہ اس کا لباس، بال سنوارنے کا انداز، بے تکی باتیں اور حسد (وہ سونیا، آیا اور ہر عورت سے حسد کرتی خواہ وہ خوبصورت ہوتی یا بدصورت) اس کے دوستوں میں ہر وقت مذاق کا موضوع بنے رہتے تھے۔ عموماً یہ سمجھا جاتا تھا کہ پیری اپنی بیوی کے زیر اثر ہے اور یہ بات درست بھی تھی۔ نتاشا نے اپنی شادی کے ابتدائی دنوں میں ہی اسے اپنے دعووں سے آگاہ کر دیا تھا۔ پیری اپنی بیوی کی یہ رائے سن کر بیحد حیران ہوا کہ اس کے ایک ایک لمحے کی مالک وہ خود اور اس کا گھرانہ ہے۔ یہ اس کیلئے نئی بات تھی۔ وہ اپنی بیوی کے مطالبات سن کر بیحد حیرت زدہ ہوا مگر اس سے اس کی انا کو تسکین بھی پہنچی اور اس نے نتاشا کے سامنے سر جھکا دیا۔

پیری اپنی بیوی کا اسقدر فرمانبردار تھا کہ کسی اور خاتون کے ساتھ ہنسی مزاح یا بطور مذاق اظہار محبت تو درکنار اس میں کسی خاتون کیساتھ بات کرتے ہوئے مسکرانے کی بھی ہمت نہ تھی۔ وہ کسی معقول وجہ کے بغیر کلب میں کھانا کھانے، جوش میں آکر رقم خرچنے، یا کاروباری مصروفیات کے علاوہ کسی اور وجہ سے گھر نہ آنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ ان باتوں کے عوض پیری کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ گھر میں اپنی ہی نہیں بلکہ پورے گھرانے کی زندگی جن خطوط پر چاہے ترتیب دے سکتا ہے۔ گھر میں نتاشا شوہر کی گویا ملازمہ ہوتی تھی۔ جب وہ اپنے کمرے میں لکھنے پڑھنے کا کام کرتا تو گھر کا ہر شخص دبے پاؤں چلتا کہ کہیں اسے کام میں خلل نہ پیدا ہو جائے۔ وہ جب بھی کسی شے کی خواہش کرتا تو وہ اسے فوراً مہیا کر دی جاتی۔

گھر کا تمام تر انتظام وانصرام مالک کے فرض کردہ احکامات یعنی اس کی خواہشات کے مطابق چلتا تھا۔

نتاشا اس کی خواہشات کا پیشگی اندازہ لگانے کی کوشش کرتی رہتی تھی۔ طرز زندگی، رہنے کی جگہوں، دوست احباب اور تعلق داریوں، نتاشا کی مصروفیات، بچوں کی پرورش نیز جملہ امور میں نہ صرف پیری کی بتائی ہوئی بلکہ ان خواہشات کا بھی خیال رکھا جاتا جن کے بارے میں نتاشا گفتگو سے اندازے قائم کرتی رہتی تھی۔ وہ اس کی خواہشات پر مشتمل بنیادی باتوں کو درست طور سے پرکھتی اور جب ایک مرتبہ ان نتائج تک پہنچ جاتی تو پھر مستقل مزاجی سے ان پر قائم رہتی۔ جب پیری اپنی ارادوں میں کوئی تبدیلی لانے کی کوشش کرتا تو وہ اس کا اسی کے ہتھیاروں سے مقابلہ کرتی تھی۔

ایک مرتبہ خاصی مشکل پیش آئی جسے پیری کبھی نہ بھلا پایا۔ ہوا یوں کہ پہلی بچی کی پیدائش کے بعد تین مختلف آیاؤں کی خدمات حاصل کی گئیں اور نتاشا پریشانی کے سبب بیمار ہو گئی۔ ایک دن پیری نے اسے روسو کے خیالات سے آگاہ کیا جن کا وہ خود بھی قائل تھا۔ اس نے بتایا کہ بچوں کو دودھ پلانے کیلئے آیا کی خدمات حاصل کرنا غیر فطری اور نقصان دہ بات ہے۔ نتاشا نے بات یاد رکھی اور اگلی بچی کی پیدائش پر اپنی والدہ، ڈاکٹروں اور شوہر کی مخالفت کے باوجود (وہ بچوں کو اس کا اپنا دودھ پلانے کے مخالف تھے کیونکہ اس دور میں یہ انوکھی بات سمجھی جاتی تھی) اپنی مرضی کی اور پھر تمام بچوں کو خود ہی دودھ پلایا۔

بسا اوقات یوں ہوتا کہ جھنجلاہٹ کے سبب میاں بیوی میں تلخ کلامی ہو جاتی مگر جھگڑے سے کچھ دن بعد پیری یہ دیکھ کر بیک وقت حیران اور خوش ہوتا کہ اس کی بیوی لفظی اور عملی اعتبار سے اسی بات پر عملدرآمد کر رہی ہے جس کیخلاف اس نے جھگڑا کیا ہوتا تھا، تاہم اس کے ساتھ ساتھ جھگڑے میں اس نے غصے کی بدولت جن فضول باتوں کا اضافہ کیا ہوتا تھا انہیں وہ نظرانداز کر دیتی۔

شادی شدہ زندگی کے سات برس بعد پیری کو پتہ اور خوش کن احساس ہوا کہ وہ برا شخص نہیں ہے۔ اس احساس کی وجہ یہ تھی کہ اسے اپنی بیوی کی شخصیت، اس کے کاموں اور رویے میں اپنا ہی عکس نظر آتا تھا۔ وہ سوچتا تھا کہ اس کی شخصیت میں اچھائی اور برائی کچھ اس انداز میں یکجا ہو گئی ہیں کہ انہیں ایک دوسرے سے علیحدہ کرنا ممکن نہیں۔ تاہم دوسری جانب اسے اپنی کی ذات میں صرف اچھائی ہی نظر آتی کیونکہ ہر وہ شے جو اچھی نہیں ہوتی تھی اسے یکسر مسترد کر دیا جاتا۔ اس کی یہ سوچ کسی منطقی خیال کی بجائے بلاواسطہ اور پراسرار سوچ بچار کے باعث تھی۔

(11)

پیری کو رستوف خاندان کے ہاں قیام کے دوران دو ماہ پہلے کسی شہزادہ فیودور کا خط موصول ہوا جس میں اس سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ پیٹرز برگ پہنچ جائے۔ خط میں کسی سوسائٹی کے حوالے سے کہا گیا تھا کہ اس کے بعض اہم امور زیر بحث لائے جانے ہیں جن کے بارے میں ارکان کو تشویش لاحق تھی۔ پیری اس سوسائٹی کے اہم ترین اور بانی ارکان میں شامل تھا۔

نتاشا نے خط پڑھ کر اسے تجویز دی کہ اگرچہ وہ اس کی عدم موجودگی کو شدت سے محسوس کرے گی تاہم اسے پیٹرز برگ ضرور جانا چاہئے۔ وہ اپنے شوہر کے تمام خطوط پڑھتی تھی۔ اگرچہ اسے اپنے شوہر کے تجریدی اور دانشورانہ مشغلوں کی سمجھ نہیں آتی تھی تاہم وہ انہیں بیحد اہمیت دیتی اور ہر وقت یہی سوچتی کہ کہیں وہ اس کی مصروفیات کی راہ میں رکاوٹ نہ بن جائے۔ خط پڑھنے کے بعد پیری نے اسے ہچکچاہٹ آمیز سوالیہ نگاہوں سے دیکھا تو ردعمل کے طور پر وہ اسے جانے کی درخواست کرنے لگی تاہم ساتھ یہ شرط بھی رکھ دی کہ وہ اسے واپسی کی واضح تاریخ بتائے گا۔ اسے چار ہفتوں کیلئے جانے کی اجازت مل گئی۔

پیری کے واپس آنے کی مقررہ تاریخ گزرے دو مزید ہفتے ہو چکے تھے اور اب نتاشا کے سر پر خوف، پریشانی اور جھنجلاہٹ سوار رہنے لگی۔

دینی سوف ریٹائرڈ جرنیل اور موجودہ حالات سے نامطمئن شخص تھا۔ وہ انہی دو ہفتوں میں وہاں پہنچا تھا۔ نتاشا کو وہ ملال انگیز حیرانی سے دیکھتا جیسے وہ اپنی کسی پیاری شے جیسی بدصورت چیز کو دیکھ رہا ہو۔ اسے یوں دکھائی پڑتا تھا جیسے یہ خاتون جس نے کبھی اس پر جادو طاری کر دیا تھا، اب بوریت اور پژمردگی کا شکار ہو چکی ہے، باتوں کے بے ڈھنگے جواب دیتی ہے اور صرف نرسری کے بارے میں ہی باتیں کرتی ہے۔ دینی سوف کو نتاشا میں اور کچھ دکھائی دیا نہ اس نے کبھی اس کی زبان سے کوئی اور بات سنی

ان ہفتوں میں نتاشا پر غم و غصے کی کیفیت طاری رہی۔ جب اس کی والدہ، بھائی، سونیا یا بیگم ماریا پیری کی حمایت کرتے اور اس کی واپسی میں ہونیوالی تاخیر کے اسباب تراشتے تو وہ مزید غصے میں آ جاتی اور پہلے سے زیادہ غمگین ہو جاتی۔

وہ کہتی "یہ بحث و مباحثے سراسر فضول ہیں، ان کا کوئی فائدہ نہیں، یہ سوسائٹیاں تو بالکل ہی احمقانہ ہیں" وہ غصے میں انہی معاملات پر تنقید شروع کر دیتی جنہیں وہ بیحد اہمیت کا حامل سمجھتی تھی۔ پھر وہ دل کا بوجھ ہلکا کرنے کیلئے اپنے اکلوتے بیٹے بیٹیا کو دودھ پلانے چلی جاتی۔

جب تین ماہ کا ننھا منا بچہ اس کے سینے سے لپٹا ہوتا اور وہ اس کے ہونٹوں کی حرکات اور چھوٹی سی ناک کا لمس محسوس کرتی تو اس سے زیادہ اسے کوئی اور سکون بخش اور معقول شے دکھائی نہ دیتی۔ وہ چھوٹی مخلوق اس سے کہتی "تم غصے میں ہو، تم حسد کر رہی ہو، تم اسے سزا دینا چاہتی ہو، تم خوفزدہ ہو مگر یہاں میں ہوں۔۔۔ میں وہی ہوں۔۔۔" یقیناً اس بات کا کوئی جواب نہ تھا اور یہ درست سے زیادہ درست تھی۔

بے چینی سے بھرپور ان دو ہفتوں میں نتاشا نے خود کو سکون بہم پہنچانے کیلئے اس چھوٹے بچے کو اتنی مرتبہ اپنا دودھ پلایا کہ وہ بیمار پڑ گیا۔ یہ دیکھ کر نتاشا بوکھلا گئی تاہم اسے اسی شے کی ضرورت تھی۔ بچے کی نگہداشت سے اس کیلئے اپنے شوہر کی تشویش برداشت کرنا ممکن ہو گیا۔

جب دروازے پر پیری کی گاڑی کی آواز آئی تو وہ بچے کو دودھ پلا رہی تھی۔ بوڑھی آیا مسکراتی ہوئی تیزی سے کمرے میں داخل ہوئی۔ اسے اپنی مالکہ کو خوش کرنے کا طریقہ آتا تھا۔

نتاشا نے زیر لب پوچھا "آ گئے؟" وہ ہلتے ہوئے ڈر رہی تھی کہ کہیں بچے کی نیند نہ ٹوٹ جائے۔ نرس نے زیر لب کہا "مادام! آقا آ گئے ہیں"

نتاشا پر ہیجان طاری ہو گیا اور اس کا ایک پاؤں کانپنے لگا تاہم اس کیلئے فوراً اٹھنا اور بھاگ کر باہر جانا ممکن ہی نہ تھا۔ بچے نے اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھیں کھولیں اور اس کی جانب یوں دیکھنے لگا جیسے پوچھ رہا ہو "کیا تم یہیں ہو؟" اور ایک مرتبہ پھر آہستہ آہستہ ہونٹ ہلانے لگا۔

نتاشا نے احتیاط سے اپنا سینہ علیحدہ کیا اور بچے کو پیار سے جھلا کر نرس کے ہاتھوں میں دے دیا۔ وہ تیزی سے دروازے کی جانب بڑھی مگر اچانک رک گئی اور پیچھے مڑ کر یوں دیکھنا شروع کر دیا جیسے ضمیر ملامت کر رہا ہو کہ وہ اپنی خوشی کیلئے بچے کو یوں چھوڑ کر بھاگی جا رہی ہے۔ آیا بچے کو پنگھوڑے کے نزدیک سے اوپر اٹھا رہی تھی۔

اس نے نتاشا کو دیکھ کر مدھم آواز میں کہا "مادام آپ جائیں، چلی جائیں، فکر مت کریں" اس کی طرز گفتگو میں وہی بے تکلفی تھی جو مالکہ اور آیا کے مابین ہوتی ہے۔

نتاشا ہلکے پھلکے قدموں سے بیرونی صحن کی جانب بھاگی۔ دینی سوف ہاتھ میں پائپ تھامے کمرے سے باہر آ رہا تھا اور اسے پہلی مرتبہ پرانی نتاشا دوبارہ دکھائی دی۔ روشن چہرے نے اس کی کایا پلٹ دی تھی۔

اس نے دینی سوف کے قریب سے گزرتے ہوئے چلا کر کہا "وہ آ گئے" دینی سوف کو یوں محسوس ہوا کہ پیری جسے وہ پسند نہیں کرتا تھا، کی آمد پر اسے بھی خوشی ہو رہی ہے۔ نتاشا بھاگتی ہوئی بیرونی صحن میں داخل ہوئی تو اسے کوٹ پہنے لمبا چوڑا شخص دکھائی دیا جو اپنا سکارف کھولنے میں مصروف تھا۔

اس نے خود کلامی کی "وہ، وہی ہیں، واقعی، وہ آ گئے" وہ تیزی سے بھاگتی ہوئی اس کے پاس گئی اور گلے لگ کر اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔ پھر وہ پیچھے ہٹی اور کہرے سے ڈھکے اس کے سرخ و سفید چہرے کو دیکھنا شروع کر دیا۔ اس نے سوچا "ہاں، یہ وہی ہیں، خوش اور مطمئن۔۔۔"

نتاشا کو اچانک وہ تکلیف دہ ساعتیں یاد آ گئیں جو اس نے پیری کے انتظار میں گزشتہ دو ہفتے میں گزاری

تھیں۔ اس کے چہرے سے مسرت بھری چمک غائب ہوگئی اور وہ غصے میں اسے ڈانٹ ڈپٹ کرنا شروع ہوگئی۔

وہ کہہ رہی تھی "ہاں، آپ کیلئے سب اچھا ہے، آپ خوش ہیں اور خوش ہوتے رہے ہیں۔۔۔ مگر میرے بارے میں کیا سوچا! آپ کو کم از کم اپنے بچوں کا ہی سوچنا چاہئے تھا۔ میں دودھ پلا رہی ہوں اور میرا دودھ خراب ہوگیا۔۔۔ پیٹیا مرنے والا تھا اور آپ مزے کر رہے ہیں، ٹھیک ہے مزے کریں"

پیری کو علم تھا کہ اس کا کوئی قصور نہیں اور اس کیلئے پہلے آنا ممکن ہی نہ تھا۔ اسے یہ بھی علم تھا کہ نتاشا کا یہ غصہ عارضی ہے اور دو منٹ میں رفع ہو جائے گا۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ وہ جانتا تھا کہ وہ بیحد خوش ہے۔ وہ مسکرانے کا خواہشمند تھا مگر اس وقت یہ مناسب بات نہ تھی۔ اس کے چہرے پر خوف اور بے بسی کا تاثر نمودار ہوا اور اس نے نتاشا کی باتیں خاموشی سے سن لیں۔

پیری کہنے لگا "یہ سچ ہے کہ میں اس سے پہلے کسی صورت نہیں آسکتا تھا۔ پیٹیا کیسا ہے؟"

نتاشا نے جواب دیا "اب اس کی حالت بہتر ہے، چلیں، آپ کو شرم ہی نہیں آتی، کاش آپ جانتے کہ میں نے آپ کے بغیر کیسے وقت گزارا اور کیسی اذیت میں مبتلا رہی"

پیری نے پوچھا "کیا تم بالکل ٹھیک ٹھاک ہو"

نتاشا نے اس کا بازو پکڑ کر کہا "چلیں، چلیں" اور دونوں اپنے کمروں کی جانب چل دیئے۔ جب نکولائی اور اس کی بیوی پیری کو ڈھونڈنے نکلے تو وہ انہیں نرسری میں کھڑا دکھائی دیا۔ وہ اپنے بیٹے کو چوڑے چکلے دائیں ہاتھ پر اچھال رہا تھا۔ بچے کے چوڑے چکلے چہرے پر مسکراہٹ تھی اور اس کا دانتوں کے بغیر منہ کھلا ہوا تھا۔ نتاشا کا غصہ بہت پہلے کافور ہو چکا تھا۔ اس کے چہرے پر چمک نمایاں تھی اور وہ اپنے شوہر اور بچے کو دیکھ کر خوش ہو رہی تھی۔

نتاشا نے اس سے پوچھا "آپ کی شہزادہ فیودور سے تمام معاملات پر خوش اسلوبی سے بات چیت ہوئی؟"

پیری نے جواب دیا "ہاں، بہت اچھی"

نتاشا نے بچے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "دیکھا، وہ گردن اٹھا لیتا ہے، مگر اس نے تو مجھے بیحد خوفزدہ کر دیا تھا۔ کیا شہزادی سے آپ کی ملاقات ہوئی؟ کیا یہ سچ ہے کہ اسے محبت۔۔۔"

پیری نے جواب دیا "ہاں، کیا تم سوچ سکتی ہو۔۔۔"

اس موقع پر نکولائی اور شہزادی ماریا بھی نرسری میں آگئے۔ پیری ابھی تک بچے کو ہاتھ پر اٹھائے ہوئے تھا۔ وہ اسی طرح نیچے جھکا اور ان کے بوسے لے کر سوالوں کا جواب دیا۔ اگرچہ انہیں ایک دوسرے سے بیحد باتیں کرنا تھیں مگر فی الحال یہی دکھائی دیتا تھا کہ انہیں بچے کے بارے میں ہی بات کرنا ہوگی جو ٹوپی تلے ڈگمگاتے سر کے ساتھ پیری کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔

شہزادی ماریا نے بچے کی جانب دیکھ کر پیار بھرے انداز میں کہا "کتنا خوبصورت ہے۔ نکولائی، مجھے سمجھ نہیں آتی کہ آخر آپ کو ان چھوٹے سے خوبصورت عجوبوں میں دلچسپی کیوں نہیں ہے"

نکولائی نے بچے کو سرد مہری سے دیکھتے ہوئے کہا "ہاں مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔ میں ان کی جانب مائل نہیں ہو سکتا۔ بس گوشت کے ٹکڑے ہیں یہ، آؤ پیری چلیں"

بیگم ماریا نے اپنے شوہر کا دفاع کرتے ہوئے کہا "اس کے باوجود وہ اپنے بچوں سے بیحد محبت کرتے ہیں، تاہم اس کا اظہار ایک دو سال بعد ہی ہوتا ہے۔۔۔"

نتاشا نے کہا "اوہ، پیری کتنی شاندار آیا کی طرح ہیں، ان کا کہنا ہے کہ میرا ہاتھ بچوں کے بیٹھنے کیلئے ہی بنا ہے۔ ذرا دیکھو"

پیری نے اچانک ہنستے ہوئے کہا "اوہ ہاں، مگر اسی کیلئے نہیں" یہ کہتے ہوئے اس نے بچہ دوبارہ آیا کے سپرد کر دیا۔

(12)

ہر بڑے گھرانے کی طرح بلیک ہلز میں بھی متعدد چھوٹی چھوٹی مگر ایک دوسرے سے بالکل مختلف دنیائیں آباد تھیں۔ اگرچہ ان میں سے ہر دنیا کی اپنی ایک انفرادیت تھی اور وہ ایک دوسرے کے معاملات میں دخیل نہیں ہوتی تھیں تاہم سب مل جل کر ایک ہی دنیا میں بدل جاتی تھیں۔ گھر میں پیش آنیوالا ہر اچھا یا برا واقعہ ان تمام دنیاؤں کیلئے اہمیت کا حامل ہوتا تھا مگر اس پر خوشی یا افسوس کا اظہار کرنے کی اپنی اپنی وجوہات ہوتیں اور ہر دنیا کی وجہ دوسری سے مختلف ہوتی تھی۔

سو پیری کی واپسی بھی اہم اور خوش آئند واقعہ تھی جس نے گھر کے تمام حلقوں کو متاثر کیا۔

جب پیری واپس آیا تو نوکر خوش ہوگئے۔ ملازمین اپنے آقاؤں کے انتہائی قابل اعتبار منصف ہوتے ہیں کیونکہ وہ انہیں ان کے احساسات، خیالات اور لفظوں سے جانچنے کی بجائے ان کے کاموں اور زندگی کے بارے میں رویوں کو دیکھ کر اپنا فیصلہ سناتے ہیں۔ نوکر اس لئے خوش تھے کہ انہیں علم تھا جب پیری آتا ہے تو ان کا آقا اپنی جاگیر کا روزانہ چکر لگانا چھوڑ دیتا ہے، اس کا مزاج پرسکون ہو جاتا ہے اور وہ خوش رہنے لگتا ہے۔ وہ اس لئے بھی خوش تھے کہ دعوت والے دن انہیں توقع سے بڑھ کر تحائف ملنے کی امید تھی۔

آیائیں اور بچے اس لئے خوش تھے کہ گھر کے تفریحی اور دیگر کاموں میں انہیں کوئی اس سے بڑھ کر شامل نہیں کرتا تھا۔ صرف وہی کلاوی کارڈ بجا سکتا تھا (اسے ایک ہی دھن آتی تھی) اور وہ جو دھن بجاتا تھا اس کے بارے میں اس کا کہنا تھا کہ اس پر ہر قسم کا رقص ہو سکتا ہے۔ علاوہ ازیں انہیں یقین تھا کہ وہ ان کیلئے تحفے تحائف بھی لایا ہوگا۔

پندرہ سالہ دبلا پتلا، نازک اندام، بھورے بالوں اور خوبصورت آنکھوں والا نکولینکا بلکونسکی بیحد خوش تھا کیونکہ چچا پیری سے اسے بیحد محبت تھی۔ پیری سے محبت کسی نے اس کے دل میں نہ بٹھائی تھی بلکہ پیری سے اس کی ملاقات بھی کبھی کبھار ہی ہوتی تھی۔ اس کی پھوپھی اور سرپرست بیگم ماریا نے بھرپور کوشش کی کہ اس کی طرح نکولینکا بھی اس کے شوہر سے محبت کرے۔ نکولینکا اسے پسند تو کرتا تھا مگر اس پسند میں کسی قدر حقارت کا عنصر بھی شامل ہوتا تھا۔ پیری کو وہ دل و جان سے چاہتا تھا۔ وہ اپنے چچا نکولائی کی طرح ہوزار بننا چاہتا تھا نہ اسے سینٹ جارج تمغے کے حصول کی خواہش تھی۔ وہ پیری کی طرح تعلیم یافتہ، عقلمند اور شفیق انسان بننے کا خواہشمند تھا۔ پیری کی موجودگی میں وہ ہمیشہ خوش رہتا اور جب وہ اس سے بات کرتا تو شرما جاتا۔ اس موقع پر نکولینکا کو اپنی سانس رکتی محسوس ہوتی اور چہرہ سرخ ہو جاتا۔ وہ پیری کی ہر بات غور سے سنتا اور پھر ڈیسال کی مدد سے یا تنہا اسے یاد کر کے بات کے مطلب پر غور کرتا۔ پیری کی پرانی زندگی اور 1812ء کے دور سے پہلے اس کی افسردگی (اس بارے میں وہ اتفاقیہ طور پر دوسروں سے سنی ادھوری باتوں کی مدد سے اپنے ذہن میں غیر واضح شکل بنا چکا تھا) اس کی قید، نتاشا (جس کا وہ خصوصی طور پر مداح تھا) سے اس کی محبت اور سب سے بڑھ کر پیری کی اپنے والد (جس کے بارے میں اسے کچھ بھی یاد نہیں تھا) سے دوستی نے مل جل کر اسے اس

کی نظروں میں ہیرو اور سینٹ بنا دیا تھا۔

وہ اپنے والد اور نتاشا کے بارے میں ادھر ادھر سے جو باتیں سنتا، پیری جس جوش و خروش سے مرحوم کے بارے میں گفتگو کرتا اور نتاشا جس ملائمت بھرے احترام سے اس کے والد کا ذکر کرتی اس سے نکولینکا نے، جو محبت کے بارے میں کچھ کچھ سوچنا سمجھنا شروع ہو گیا تھا، اپنے ذہن میں یہ بات بٹھالی کہ اس کا والد نتاشا سے محبت کرتا تھا اور جب وہ مرنے والا تھا تو اس نے اسے اپنے دوست کے حوالے کر دیا۔ یہ باپ اس لڑکے کیلئے دیوتا کے برابر تھا جس کی کوئی یاد اس کے ذہن میں باقی نہ تھی۔ نکولینکا کیلئے اپنے والد کی شکل وصورت کا تصور کرنا ممکن نہ تھا مگر وہ جب بھی اس کے بارے میں سوچتا تو اس کے دل پر چرکہ لگتا اور کیف آور خوشی و غم کے سبب اس کی آنکھیں نم ہو جاتیں۔

یہی وجہ تھی کہ پیری کی واپسی پر لڑکا بھی خوش تھا۔

گھر میں ٹھہرے مہمان بھی پیری کو دیکھ کر خوش ہو گئے کیونکہ وہ جس محفل میں بیٹھتا تھا اس میں گرمجوشی پیدا ہو جاتی تھی۔

اس کی بیوی کے ساتھ ساتھ گھر کے تمام بالغ بھی اس کی آمد پر بیحد خوش تھے کیونکہ اس کی موجودگی میں معاملات زندگی زیادہ ہموار اور پرسکون انداز میں چلانا آسان ہو جاتا تھا۔

آیائیں اس لئے خوش تھیں کہ وہ ان کیلئے تحفے تحائف لایا تھا اور انہیں اس سے بھی زیادہ یہ جان کر خوشی تھی کہ اب نتاشا کے حواس بحال ہو جائیں گے۔

پیری ان مختلف دنیاؤں کے رویوں سے آگاہ تھا اور اس نے ان کی توقعات پر پورا اترنے میں ذرا دیر نہ لگائی۔

اگرچہ وہ غائب دماغ تھا مگر اپنی بیوی کی تیار کردہ فہرست کے مطابق ہر شے لے آیا تھا۔ وہ اپنی ساس اور برادر نسبتی کی بتائی ہوئی چیزیں لانا بھولا نہ مادام بالکوف کے لباس کا کپڑا اور بھتیجوں کے کھلونے لانا اس کے ذہن سے محو ہوا۔

اپنی شادی کے ابتدائی دنوں میں جب اس کی بیوی اس سے یہ توقع رکھتی تھی کہ وہ جن چیزوں کی خریداری کی حامی بھرتا تھا انہیں یاد رکھے گا تو اسے یہ بات بیحد عجیب معلوم ہوتی۔ جب شادی کے بعد گھر سے باہر پہلے دورے پر اسے کچھ بھی لانا یاد نہ رہا تو اس کی بیوی نے جس سنجیدگی سے اپنی ناراضگی ظاہر کی اس نے اسے حیران کر دیا۔ تاہم وقت کے ساتھ ساتھ وہ باتیں یاد رکھنے کا عادی ہو گیا۔ اسے علم تھا کہ نتاشا اپنے لئے کچھ طلب نہیں کرتی تھی اور جب وہ از خود کوئی شے لانے کی پیشکش کرتا ہے تو صرف دوسروں کیلئے لانے والی چیزیں ہی اس کے ذمے لگاتی ہے۔ اس طرح وہ گھر کے ہر فرد کیلئے تحفوں کی اس خریداری میں غیر متوقع اور بچوں جیسا لطف محسوس کرنے لگا اور اب اسے کوئی بات نہیں بھولتی تھی۔ اب اسے اپنی بیوی کی جانب سے صرف اسی بات پر تنقید کا سامنا کرنا پڑتا تھا کہ وہ زائد از ضرورت چیزیں خرید لاتا اور فضول خرچی کرتا ہے۔ نتاشا اپنے حوالے سے لاپروائی کا مظاہرہ کرتی اور بن سنور کر نہیں رہتی تھی۔ دیگر لوگوں کے خیال میں یہ اس کی خامی جبکہ پیری کی نظروں میں خوبی تھی۔ اس نے ان خامیوں میں کنجوسی کا بھی اضافہ کر لیا۔

جب سے پیری نے مسلسل بڑھتے خاندان کے سربراہ کی حیثیت سے زندگی گزارنا شروع کی تو وہ یہ دیکھ کر بیحد حیران ہوا کہ اس کے اخراجات پہلے سے نصف رہ گئے ہیں اور اس کے مالی معاملات بہتر ہو رہے ہیں جو قبل ازیں اس کی پہلی بیوی کے قرضوں کی وجہ سے بگڑ چکے تھے۔

اخراجات اس لئے کم ہو گئے کہ ان پر رکاوٹیں عائد کر دی گئی تھیں۔ اب ایسا طرز زندگی اس کے اختیار میں نہیں رہا تھا جس میں انسان جب، جہاں اور جتنا چاہے خرچ کر دیتا ہے۔ علاوہ ازیں اب اسے ایسے طرز زندگی کی خواہش بھی نہ تھی۔ پیری کو یوں لگتا تھا جیسے اب اس کا طرز حیات ہمیشہ کیلئے متعین ہو گیا ہے اور اس میں مرتے دم تک کوئی تبدیلی نہیں آئے گی، اس کے ساتھ ساتھ یہ طرز بدلنا بھی اس کے بس میں نہیں رہا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کے اخراجات پہلے کی نسبت کہیں زیادہ کم ہو گئے۔

پیری خوشی کے عالم میں اپنی خریدی ہوئی اشیاء کو علیحدہ کرنے میں مصروف تھا۔

اس نے دکاندار کی طرح لباس کا کپڑا پھیلاتے ہوئے نتاشا سے کہا "اس کے بارے میں کیا کہتی ہو؟"

نتاشا اپنی بڑی بیٹی کو گھٹنے پر بٹھائے ہوئی تھی۔ اس نے اپنی نگاہیں پیری کے چہرے سے اشیاء کی جانب منتقل کیں اور بولی "کیا یہ بالکوف کیلئے ہے؟ بیحد عمدہ ہے" اس نے کپڑے کے معیار کا اندازہ لگانے کیلئے اسے ٹٹولا اور بولی "ایک روبل فی گز کے حساب سے ملا ہو گا؟"

پیری نے اسے قیمت بتائی۔

وہ بولی "یہ تو بہت مہنگا ہے۔ بہر حال بچے اور امی بیحد خوش ہوں گے" پھر وہ سونے اور موتیوں سے بنی ایک کنگھی کی تعریف کرتے ہوئے کہنے لگی "آپ کو میرے لئے یہ نہیں لینا چاہئے تھا" وہ اپنی مسکراہٹ نہ چھپا سکی۔

پیری نے کہا "اوبلی نے مجھے یہ خریدنے پر مجبور کر دیا تھا"

نتاشا نے کنگھی نما یہ کلپ اپنے بالوں میں لگاتے ہوئے کہا "مگر میں یہ کب پہنوں گی؟ جب میں ننھی ماشا کو باہر لے جاؤں گی تو اسے پہنا کریں گے ہو سکتا ہے اس وقت تک اس کا رواج برقرار رہے، آئیں چلیں"

تحائف اکٹھے کرنے کے بعد وہ پہلے نرسری اور پھر معمر بیگم کے پاس چلے گئے۔

جب پیری اور نتاشا تحفوں کے پیکٹ اٹھائے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے تو بیگم حسب معمول بالکوف کے ساتھ بیٹھی تاش کھیل رہی تھی۔

بیگم کی عمر ساٹھ برس سے تجاوز کر چکی تھی اور اس کے بال سفید ہو گئے تھے۔ اس کے سر پر موجود ٹوپی میں جھالریں چہرے کے ارد گرد لٹکی ہوئی تھیں۔ اس کا چہرہ جھریاں زدہ تھا اور بالائی ہونٹ نیچے لٹک چکا تھا۔ اب سے پہلے کی نسبت دھندلا دکھائی دیتا تھا۔

مختصر عرصے میں بیٹے اور شوہر کی یکے بعد دیگرے اموات کے بعد اسے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ کوئی ایسی مخلوق ہے جسے اتفاق سے دنیا میں ہی چھوڑ دیا گیا ہے۔ اب اسے زندگی کا کوئی مقصد دکھائی دیتا تھا نہ اس میں دلچسپی باقی رہی تھی۔ وہ کھاتی، پیتی یا آنکھیں کھول کر لیٹی رہتی۔ زندگی اب اس پر کسی طور اثر انداز نہیں ہوتی تھی اور اسے سکون کے سوا کسی شے کی خواہش نہ تھی۔ یہ سکون موت کی صورت میں ہی مل سکتا تھا مگر موت آنے تک اسے بہر حال زندہ رہنا تھا اور اپنا وقت نیز زندگی کی قوتیں کسی کام میں لانا تھیں۔ بظاہر اس کی زندگی کا کوئی مقصد نہ تھا مگر اپنی فعالیت اور میلان کو کام میں لانے کی ضرورت برقرار تھی۔ اسے کھانے، پینے، سوچنے، بولنے، رونے، ہاتھ سے کچھ کام کرنے اور کبھی کبھار اپنے غصے کی نمائش کی ضرورت تھی کیونکہ اس کا معدہ، دماغ، عضلات، اعصاب اور جگر بھی تھے۔ جب انسان زندگی کی توانائی سے بھرپور ہوتا ہے تو کسی بیرونی انگیخت کے زیر اثر اپنی جدوجہد کا رخ کسی مقصد کے حصول کی جانب موڑ دیتا ہے۔ اس کوشش میں انسان کے اعضاء کے کاموں کا مقصد ان کی نگاہوں سے ہٹ جاتا ہے مگر بیگم رستوف کو کوئی

بیرونی محرک عمل پر آمادہ نہیں کرتا تھا۔ وہ اسلئے گفتگو کرتی تھی کہ جسمانی طور پر اسے اپنے پھیپھڑوں اور زبان کو استعمال میں لانا ضروری تھا۔ وہ اسلئے روتی تھی کہ بچوں کی طرح اسے بھی رونے کی ضرورت تھی۔ تندرست و توانا لوگوں کو جو شے آخری مقصد دکھائی دیتی ہے وہ اس کیلئے صرف بہانہ تھی۔

یہی وجہ تھی کہ صبح سویرے اسے خصوصاً اگر اس نے گزشتہ روز کوئی مقوی شے کھائی ہوتی تو غصے کے اظہار کی ضرورت محسوس ہوتی اور اس مقصد کیلئے وہ باآسانی دستیاب بہانہ یعنی بالکوف کا بہرہ پن منتخب کر لیتی تھی۔

وہ کمرے کے دوسرے کونے سے مدھم آواز میں کہتی "میرا خیال ہے کہ آج زیادہ گرمی ہے" جب مادام بالکوف یہ جواب دیتی کہ "یقیناً وہ آگئے ہیں" تو وہ غصے میں بڑبڑاتی "خدایا رحم، یہ کتنی احمق اور بہری ہے"

دوسرا بہانہ اس کی نسوار تھی۔ کبھی اسے یہ بیحد خشک اور کبھی گیلی دکھائی دیتی جبکہ کبھی وہ اس بات پر خفا ہونے لگتی کہ اسے درست طور سے نہیں پیسا گیا۔ جھنجھلاہٹ اور غصے کی اس کیفیت کے بعد اس کے چہرے پر پیلاہٹ چھا جاتی اور نوکرانیوں کو علامات سے معلوم ہو جاتا کہ بالکوف کب دوبارہ بہری ہو جائیگی، کس وقت نسوار گیلی ہوگی اور کب بیگم کا چہرہ پیلا دکھائی دینے لگے گا۔ جس طرح اسے اپنے چڑچڑے پن سے چھٹکارا حاصل کرنے کیلئے بہانے کی ضرورت ہوتی تھی اسی طرح اسے سوچ بچار کی بچی کھچی صلاحیتوں کے اظہار کیلئے بھی کوئی نہ کوئی عذر درکار ہوتا تھا۔ اس کا یہ مقصد تاش کھیل کر پورا ہو جاتا۔ جب کبھی رونے کو جی کرتا تو مرحوم نواب بہانہ بن جاتا اور پریشانی کی ضرورت ہوتی تو نکولائی اور اس کی صحت سامنے آجاتی۔ جب اسے کوئی کینہ توز بات کہنے کی ضرورت محسوس ہوتی تو بیگم ماریا اس کا نشانہ بنتی۔ جب اس کے منہ کو حرکت کی ضرورت ہوتی تو وہ بہانہ کرتی کہ اسے اپنے الطحانہ کو کچھ پرانی باتیں سنانا ہیں حالانکہ وہ یہ باتیں بارہا سنا چکی ہوتی تھی۔

اگرچہ گھر کا ہر فرد بڑھیا کی حالت سے اچھی طرح واقف تھا مگر سر عام اس کا تذکرہ نہیں ہوتا تھا نیز اس کی ہر ضرورت پوری کی جاتی تھی۔ صرف کبھی کبھار نکولائی، پیری، نتاشا اور بیگم ماریا باہم اداس اور ہلکی پھلکی مسکراہٹ کا تبادلہ کرتے جس سے یہ بات عیاں ہوتی تھی کہ وہ اس کی حالت سے واقف ہیں

مگر ان کی نظروں کا کچھ اور بھی مفہوم تھا۔ یہ نگاہیں کہتی تھیں کہ اب زندگی میں اس کا کوئی کردار باقی نہیں رہا۔ جو کچھ انہیں دکھائی دے رہا ہے وہ اس کی مکمل شخصیت نہیں ہے اور کسی دن ان کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوگا، اور یہ کہ انہیں اس کی خواہشات پوری کر کے اور خود پر قابو پا کر خوشی ہوتی ہے، مزید یہ کہ کبھی وہ انہیں اتنی پیاری تھی اور ان کی طرح وہ بھی زندگی سے بھرپور تھی مگر اب انہیں اس پر رحم آتا ہے۔

گھر کے صرف سنگدل اور احمق لوگ یا چھوٹے بچے ہی اس کی یہ کیفیت نہیں سمجھتے تھے اور اس سے دور رہنے کی کوشش کرتے۔

(13)

جب پیری اور اس کی بیوی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے تو بیگم ذہنی ورزش کیلئے تاش کھیلنے کی ضرورت محسوس کر رہی تھی۔ اسی وجہ سے یہ بات عیاں تھی کہ اس موقع پر اسے پیری کی آمد ناگوار گزری تھی کیونکہ ان کے آنے سے اس کی توجہ تاش سے ہٹ گئی تھی، تاہم اس نے ایسے مواقع پر اپنے بیٹے یا پیری سے کہے جانیوالے الفاظ دہراتے ہوئے کہا "درست وقت پر، درست وقت پر میرے پیارے بیٹے، ہمیں تمہارا بہت دیر سے انتظار تھا۔ ٹھیک ہے، خدا کا شکر ہے

کہ تم آگئے ہو" پھر اس نے تحفے وصول کرتے ہوئے اپنا ایک اور جملہ دہرایا "تحفہ بذات خود قیمتی نہیں ہوتا میرے عزیز۔۔۔ تمہارا شکریہ کہ تم نے مجھ جیسی بوڑھی عورت کو بھی یاد رکھا" تاش کی بازی ختم کر کے وہ تحفوں کی جانب متوجہ ہوئی۔ ان تحائف میں تاش کے پتوں کا ایک خوبصورت ڈبہ، سیورے کا بنا ہوا ایک کپ جس پر مویشی چرانے والی خواتین کی تصویر بنی تھی اور نسوار کی ایک سنہری ڈبیا تھی جس پر نواب رستوف کی تصویر کندہ تھی جو پیری نے پیٹرزبرگ کے ایک مصور سے بنوائی تھی۔ بیگم رستوف کافی عرصہ سے ایسی ڈبیا کی خواہش کر رہی تھی مگر چونکہ اس وقت اسے رونے کی خواہش نہ تھی اس لئے اس نے تصویر کو لاپروائی سے دیکھا اور اس کی تمام تر توجہ تاش کے پتوں والے ڈبے پر مرکوز رہی۔

وہ کہنے لگی "شکریہ میرے عزیز! تم نے میرا دل خوش کر دیا مگر سب سے اہم بات تمہارا آنا ہے۔ تمہیں اپنی بیوی کو ڈانٹنا چاہئے۔ کیا تم یقین کرو گے کہ تمہارے جانے پر اس کی حالت غیر ہو جاتی ہے۔ اسے کچھ دکھائی دیتا ہے نہ کوئی بات یاد آتی ہے۔ اپنا تیوفیا دیکھو میرا بیٹا میرے لئے کتنا خوبصورت ڈبہ لے کر آیا ہے"

مادام بالکوف نے تحائف کی تعریف کی اور اپنے لباس کیلئے کپڑا دیکھ کر بیحد خوش ہوئی۔

اگرچہ پیری، نتاشا، نکولائی اور بیگم ماریا نے ایک دوسرے سے بہت کچھ کہنا تھا مگر وہ بیگم رستوف کی موجودگی میں یہ سب کچھ نہیں کہہ سکتے تھے۔ اس کی یہ وجہ نہ تھی کہ وہ اس سے کوئی بات چھپانا چاہتے تھے بلکہ بات یہ تھی کہ وہ اس قدر پیچھے رہ گئی تھی کہ اس کے سامنے بات چیت کرتے ہوئے انہیں غیر متعلقہ باتوں کا جواب دینا پڑتا اور پہلے سے دہرائی ہوئی باتوں کو بار بار بیان کرنا پڑتا۔ انہیں اسے بتانا پڑتا تھا کہ "فلاں شخص انتقال کر گیا ہے اور فلاں نے شادی کر لی ہے" وہ یہ باتیں سن کر بھول جاتی تھی۔ تاہم وہ ڈرائنگ روم میں سماوار کے گرد بیٹھے چائے پیتے رہے۔ پیری بیگم کے مختلف سوالات کے جواب دینے میں مصروف رہا۔ وہ اس سے پوچھتی رہی "کیا شہزادہ واسیلے بوڑھا ہو گیا ہے؟" "کیا بیگم ماریا الیکسیونا نے سلام کہا ہے اور ہمیں ابھی تک یاد کرتی ہے؟" وہ ایسی باتیں پوچھ رہی تھی جن سے دوسروں کی طرح اسے خود بھی دلچسپی نہ تھی۔

چائے پیتے ہوئے ایسی باتیں ہوتی رہیں جن سے اگرچہ کسی کو دلچسپی نہ تھی مگر ان سے بچنا بھی نہیں چھڑایا جا سکتا تھا۔ تمام گھرانہ گول میز کے گرد بیٹھا تھا جس پر سماوار رکھا ہوا تھا۔ سونیا چائے تقسیم کر رہی تھی۔ بچے اپنے اتالیقوں اور آیاؤں کے ساتھ پہلے ہی چائے پی چکے تھے اور برابر والے کمرے سے ان کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ڈرائنگ روم میں ہر شخص اپنی اپنی جگہ بیٹھا تھا۔ نکولائی چولہے کے قریب ایک چھوٹی میز کے سامنے براجمان تھا۔ اس کی کتیا ملکا جو پہلی ملکا کی بچی تھی، اس کے قریب کرسی پر لیٹی تھی۔ اس کی کالی آنکھیں سرمئی چہرے پر اور بھی نمایاں دکھائی دیتی تھیں۔ دینی سوف جرنیلوں والا تنگ کوٹ پہنے شہزادی ماریا کے قریب بیٹھا تھا۔ کوٹ کے بٹن کھلے تھے۔ اس کے گھنگریالے بالوں اور مونچھوں میں سفیدی اتر آئی تھی۔ پیری اپنی بیوی اور بیگم کے درمیان بیٹھا ایسے موضوعات پر باتیں کر رہا تھا جن کے بارے میں وہ جانتا تھا کہ ان میں معمر بیگم کو دلچسپی ہو سکتی ہے اور وہ انہیں سمجھنے کی صلاحیت بھی رکھتی ہے۔ وہ اعلیٰ طبقے کی سطحی دلچسپیوں اور بیگم رستوف کے ایسے ساتھیوں کی بابت گفتگو کر رہا تھا جو کبھی اس کے حلقے میں شامل ہوتے تھے۔ کسی دور میں بوڑھی بیگم کے دوستوں کا واقعتاً ایک گروہ ہوتا تھا مگر اب اس کے ارکان منتشر ہو چکے تھے اور اسی کی طرح اپنے زندگی کے آخری دن گن رہے تھے۔ انہوں نے اپنی جوانی میں جو بویا اس کا پھل کاٹ رہے تھے۔ بیگم کا خیال تھا کہ اس کے انہی ساتھیوں کی بدولت حقیقی اور قابل غور دنیا تشکیل پاتی تھی۔ نتاشا نے پیری کے جوش و خروش سے اندازہ لگایا کہ اس کا سفر دلچسپ رہا تھا اور اس نے ابھی وہ بہت سی باتیں بتانی ہیں جو وہ اس کی والدہ کی

موجودگی میں نہیں بتا رہا تھا۔ دیتی سوف جو خاندان کا رکن نہیں تھا، ہیری کی دوراندیشی سمجھنے میں ناکام رہا اور ملکی حالات سے مطمئن نہ ہونے کی وجہ سے بار بار ہیری سے اصرار کرتا رہا کہ وہ اسے آراک چیف اور کاسپل سوسائٹی کے بارے میں آگاہ کرے اور یہ بھی بتائے کہ سیمیونووسکی رجمنٹ کا کیا بنا۔ ایک آدھ بار ہیری اس کی باتوں میں آ گیا اور ان موضوعات پر بات شروع کر دی مگر نکولائی اور نتاشا نے اس کی گفتگو دوبارہ صحیح رخ پر ڈال دی اور دونوں اس سے شہزادہ ایوان اور بیگم ماریا آنتونوونا کا حال احوال پوچھنے لگے۔

دیتی سوف نے پوچھا "ٹھیک، مگر یہ سب کیا حماقت ہے؟ کیا گوسنر اور مادام تاتارینوف کی کارروائیاں بدستور جاری ہیں؟"

ہیری نے جواب دیا "جاری ہیں؟ ارے پہلے سے زیادہ زور و شور سے جاری ہیں۔ بائبل سوسائٹی حکومت پر چھا چکی ہے"

معمر بیگم بولی "کیا کہا؟" وہ چائے پینے اور کھانا کھانے کے بعد بظاہر غصے کا اظہار کرنے کیلئے بہانہ چاہتی تھی۔ اس نے پوچھا "تم نے حکومت کے حوالے سے کیا بات کی؟"

ہیری کی بجائے نکولائی نے جواب دیا "امی، آپ جانتی ہیں کہ شہزادی الیگزنڈر نکولائیوچ گولٹسن نے ایک سوسائٹی قائم کی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے بیحد اثر و رسوخ حاصل کر لیا ہے" نکولائی اپنی والدہ کو بات سمجھانے میں مہارت رکھتا تھا۔

ہیری نے کہا "آراک چیف اور گولٹسن اب عملی طور پر حکومت کر رہے ہیں اور حکومت بھی ایسی کہ انہیں ہر جانب سازشیں ہی سازشیں دکھائی دیتی ہیں۔ انہیں ہر شے سے خوف آنے لگا ہے"

بیگم نے شکایتی لہجے میں کہا "مگر شہزادہ الیگزنڈر نکولائیوچ نے کیا غلطی کی ہے؟ وہ انتہائی قابل احترام ہیں۔ گزشتہ دنوں میں ماریا انتونوونا اور میں ان سے ملتی رہیں" اس نے کمرے میں تمام لوگوں کو خاموش بیٹھے دیکھا تو مزید خفا ہو کر کہنے لگی "آج کل لوگ ہر کام میں کیڑے نکالنے لگے ہیں۔ کاسپل سوسائٹی، اس میں بھلا کیا خرابی ہے؟" یہ کہتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور منہ بنا کر کمرے میں اپنی میز کی جانب چل دی۔

اس کے جاتے ہی ماحول پر افسردہ خاموشی طاری ہو گئی جس میں برابر والے کمرے سے بچوں کی باتیں اور قہقہے سنائی دینے لگے۔ یوں لگتا تھا جیسے وہاں کوئی خوش کن اور جوش و خروش سے بھرپور بات ہوئی ہے۔

اچانک ننھی نتاشا کی جوشیلی چیخ بلند ہوئی "ختم، ختم" ہیری نے بیگم ماریا اور نکولائی کی جانب دیکھا (وہ نتاشا کو بھی دیکھ جا رہا تھا) اور خوشی سے مسکرانے لگا۔

وہ کہنے لگا "بیحد عمدہ موسیقی ہے"

بیگم ماریا کہنے لگی "اینا ماکاروونا نے جرابوں کی بنائی مکمل کر لی ہے" ہیری بولا "اوہ، میں انہیں دیکھتا ہوں" اور چھلانگ لگا کر آگے بڑھا۔ دوسرے کمرے کی جانب جاتے ہوئے وہ دروازے پر رکا اور کہنے لگا "تمہیں علم ہے کہ میں اس موسیقی جیسی آواز سے کیوں محبت کرتا ہوں۔ یہ پہلی چیز ہے جو مجھے بتاتی ہے کہ سب اچھا ہے۔ آج جب میں گھر واپس آ رہا تھا تو میری بے چینی بڑھتی گئی۔ جب میں بیرونی صحن میں داخل ہوا تو مجھے اندروشا کی ہنسی سنائی دی اور میں سمجھ گیا کہ سب اچھا ہے"

نکولائی کہنے لگا "میں جانتا ہوں، مجھے علم ہے کہ تمہیں ایسا کیوں محسوس ہوتا ہے، مگر میں تمہارے ساتھ نہیں

جاؤں گا۔ یہ جرابیں مجھے غیر متوقع تحفے کے طور پر دی جاتی ہیں"

ہیری بچوں کے پاس چلا گیا، شور اور قہقہے پہلے سے بھی بلند ہو گئے۔ اس کی آواز سنائی دی "اینا ماکاروونا! ادھر آؤ، کمرے کے وسط میں اور حکم دیئے جانے پر یعنی جب میں ایک، دو اور پھر تین کہوں گا تو تم نے یہاں ہونا ہے۔ تم میرے بازوؤں میں آ جاؤ گے۔ چلو اب، ایک، دو۔۔۔" کمرے میں مکمل سکوت چھا گیا۔ ہیری کی آواز سنائی دی "تین" اچانک کمرہ بچوں کی جوشیلی چیخوں سے گونج اٹھا۔ وہ چلا رہے تھے "دو، دو ہیں"

ان کا مطلب تھا کہ جرابیں دو تھیں جنہیں اینا ماکاروونا نے خفیہ انداز میں بیک وقت ایک ہی سلائی پر تیار کیا اور مکمل ہونے پر بچوں کی موجودگی میں انہیں ایک دوسرے سے باہر نکال لیا۔

(14)

کچھ دیر بعد بچے شب بخیر کہنے آئے اور انہوں نے سب کے بوسے لئے۔ اطالیقوں اور آیاؤں نے جھک کر سلام کیا اور باہر چلے گئے۔ صرف ڈیسال اور اس کا شاگرد وہیں رہ گئے تھے۔ ڈیسال نے لڑکے سے سرگوشی کی "آؤ نیچے جائیں"

بلکونسکی نے زیرلب جواب دیا "نہیں مسٹر ڈیسال، میں اپنے پھوپھی سے یہیں ٹھہرنے کی اجازت مانگوں گا" وہ اپنی پھوپھی کے پاس جا کر بولا "کیا آپ مجھے یہیں رکنے کی اجازت دیں گی؟" اس کے چہرے پر منت سماجت، بے چینی اور خوشی کے تاثرات تھے۔ شہزادی ماریا نے اسے سرسری نگاہوں سے دیکھا اور پھر ہیری پر نگاہ ڈالی۔

اس نے ہیری سے کہا "جب آپ یہاں ہوتے ہیں تو اس کا کہیں جانے کو جی نہیں چاہتا"

ہیری نے سوئس اطالیق سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا "مسٹر ڈیسال، میں اسے آپ کے پاس لے آؤں گا، شب بخیر" پھر وہ مسکراتے ہوئے نکولینکا کی جانب دیکھتے ہوئے شہزادی ماریا سے کہنے لگا "ابھی ہم ایک دوسرے سے ملے ہی نہیں، یہ جوں جوں بڑا ہو رہا ہے بالکل اسی کی طرح ہوتا جا رہا ہے"

لڑکے کا چہرہ سرخ ہو گیا اور وہ ہیری کو غور سے دیکھتے ہوئے بولا "ابا جان کی طرح"

ہیری نے اثبات میں سر ہلایا اور بات وہیں سے شروع کر دی جہاں بچوں کی آمد پر سلسلہ منقطع ہوا تھا۔ بیگم ماریا اون کی مدد سے کوئی چیز بننے میں مصروف تھی۔ نتاشا اپنے شوہر کی جانب دیکھ رہی تھی جبکہ نکولائی اور دیتی سوف اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنے پائپ منگوائے اور انہیں منہ میں دبا کر ہیری سے سوالات کرتے مزید چائے لینے سونیا کی طرف بڑھے جس کے چہرے پر تھکن کا تاثر تھا مگر وہ مستقل مزاجی سے سماوار کے پاس بیٹھی تھی۔ گھنگھریالے بالوں اور نازک جسامت والا لڑکا ایک کونے میں انجان تھا۔ اس کی آنکھوں میں چمک تھی اور کوئی اس پر دھیان نہیں دے رہا تھا۔ وہ کبھی کبھار اپنا گھنگھریالا سر گھما کر ہیری کی جانب دیکھنے لگتا جو اس کی دبلی پتلی گردن پر ٹکا تھا۔ بعض اوقات وہ کانپتے ہونٹوں سے زیرلب خودکلامی کرتا۔ یہ بات عیاں تھی کہ اسے اپنے اندر بالکل نئے اور متلاطم جذبات محسوس ہو رہے ہیں۔

بات چیت کا رخ اعلیٰ حکومتی حلقوں کے سکینڈلوں کی جانب مڑ گیا جنہیں لوگوں کی اکثریت اندرونی سیاست کا انتہائی دلچسپ پہلو تصور کرتی تھی۔ حکومت سے غیر مطمئن اور دوران ملازمت مایوسیوں کا سامنا کرنے والا دیتی سوف ان باتوں کو توجہ سے سن کر خوش ہو رہا تھا جو اس کی نگاہ میں حماقتیں تھیں۔ ساتھ ساتھ وہ تند و تیز تبصرہ بھی کرتا جا تا تھا۔

اس نے غراتے ہوئے کہا "پہلے پہل کوئی مقام حاصل کرنے کیلئے آپ کا جرمن ہونا ضروری تھا۔ اب آپ کو تاتریتو اور مادام کرو زنی باتوں پر عمل کے علاوہ ایکرنش باؤزن اور اس کے دیگر ساتھیوں کو بھی پڑھنا ہوگا۔ او وہ اس صورتحال میں تو میں بونا پارٹ کی واپسی کو ترجیح دوں گا۔ وہ ان کے اذہان سے تمام فضول باتیں نکال پھینکے گا۔ کبھی سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ شوارز جیسے ساتھی کو سیمیونوسکی رجمنٹ کی قیادت بھی سونپی جا سکتی ہے۔"

اگرچہ نکولائی کو ہر بات میں کیڑے نکالنا پسند نہ تھا مگر حکومت پر تنقید اسے بھی باوقار اور موزوں کام دکھائی دیا۔ اس کے نزدیک یہ بات اہم تھی کہ اسے کوئی محکمے کا وزیر اور پی کو کسی صوبے کا گورنر مقرر کر دیا گیا ہے یا زار نے یہ بات کہی ہے اور فلاں وزیر یہ کہو اور کہتا ہے۔ سو اس نے ان امور میں دلچسپی لینا اور پیری سے سوال جواب کرنا اپنا فرض سمجھا۔ اس طرح نکولائی اور دینی سوف پیری سے جو سوال کر رہے تھے ان کی بدولت بات چیت کا معیار عمومی گفتگو سے بلند رہا۔

مگر نتاشا کو احساس ہو رہا تھا کہ پیری کافی دیر سے گفتگو کا رخ بدلنا اور اپنے ان خیالات کا اظہار کرنا چاہتا ہے جو اسے شدت سے محسوس ہوتے تھے اور جن کے بارے میں وہ اپنے دوست فیودور سے مشورہ کرنے پیٹرز برگ گیا تھا۔ نتاشا کو اپنے شوہر کے انداز واطوار سے بھرپور آگاہی تھی چنانچہ اس نے اس کی مدد کا فیصلہ کیا اور پوچھا "کیا شہزادہ فیودور سے آپ کے معاملات طے پا گئے ہیں؟"

نکولائی نے پوچھا "یہ کیا بات ہے"

پیری ارد گرد دیکھتے ہوئے کہنے لگا "وہی پرانی بات، ہر شخص یہی کہے جاتا ہے کہ حالات اس قدر خراب ہو چکے ہیں کہ انہیں اسی حالت میں نہیں چھوڑا جا سکتا اور صورتحال کا تدارک کرنا ہر شخص کا فرض بنتا ہے۔"

نکولائی نے کسی قدر رنجیدہ لہجے میں کہا "اور مخلص لوگ کیا کریں؟ کیا ہو سکتا ہے؟"

پیری نے کہا "بہرحال یہ۔۔۔"

نکولائی بولا "دوسرے کمرے میں چلتے ہیں"

نتاشا کافی دیر سے اپنے کمسن بچے کے پاس جانا چاہتی تھی۔ جونہی آیا نے اسے آواز دی تو وہ اٹھ کر نرسری کی جانب چلی گئی۔ بیگم ماریا بھی اس کے پیچھے پیچھے چلی آئی۔ کمرے میں صرف مرد رہ گئے۔ نکولینکا اپنے پھوپھا کی نظروں سے بچ کر کمرے میں آ گیا اور کھڑکی کے قریب تاریکی میں میز کے سامنے جا بیٹھا۔

دینی سوف نے دریافت کیا "بہرحال، آپ کے خیال میں کیا ہونا چاہئے؟"

نکولائی نے لقمہ دیا "ایک اور جونڈا اور احمقانہ منصوبہ"

پیری بیٹھنے کی بجائے کمرے میں ٹہلتا رہا اور کہنے لگا "دراصل۔۔۔ پیٹرز برگ میں یہ صورتحال ہے کہ زار ہر شے سے الگ ہو کر سریت میں غرق ہو گیا ہے (پیری کو اب سریت بالکل پسند نہ تھی) وہ صرف سکون چاہتا ہے اور اسے یہ سکون انہی لوگوں میں مل سکتا ہے جو لادین اور بے ضمیر ہیں اور ہر شخص کا گلا کاٹتے اور گھونٹتے پھرتے ہیں۔ میرا اشارہ ماگنتسکی، آراک چیف اور ان کے حواریوں کی جانب ہے" اس نے نکولائی کی طرف دیکھتے ہوئے مزید کہا "تمہیں مجھ سے اتفاق ہوگا کہ اگر تم اپنی زمینوں کی دیکھ بھال خود نہیں کرو گے اور صرف سکون کی تلاش میں بھاگتے رہو گے تو تمہارا نگران جتنا بے رحم ہوگا تمہارا مقصد اتنی ہی آسانی سے حاصل ہو جائے گا" پیری بات کرتے ہوئے کبھی رک جاتا اور کبھی اس کے منہ سے نامکمل الفاظ برآمد ہونے لگتے۔ کبھی اس کی آواز میں تتلاہٹ آ جاتی اور بعض اوقات وہ ہاتھوں اور بازوؤں سے اشارے کرنے لگتا۔

نکولائی نے پوچھا "ٹھیک ہے، مگر اس کا کیا نتیجہ نکل رہا ہے؟"

پیری کہنے لگا "ہر شے تباہی سے دوچار ہو رہی ہے۔ عدالتوں میں رشوت ستانی عام ہو گئی ہے، فوج میں کوڑوں کی سزاؤں کے سوا کچھ نہیں بچا۔ فوجی چھاؤنیوں میں ڈرل پر زور دیا جا رہا ہے یا جبری مشقت کرائی جاتی ہے۔ تہذیب اور روشن خیالی پر قدغن لگائی جا رہی ہے۔ ہر نوجوان اور عزت دار شخص واذیتیں دی جا رہی ہیں۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ سلسلہ ہمیشہ جاری نہیں رہے گا۔ دباؤ اسقدر شدید ہے کہ کچھ نہ کچھ ٹوٹ جائے گا (اس کا انداز ایسے لوگوں کا سا تھا جو حکومتوں کے آغاز سے ہی ایسی باتیں کرتے چلے آئے ہیں) میں نے پیٹرز برگ میں انہیں ایک ہی بات بتلائی۔"

دینی سوف نے پوچھا "کسے بتائی؟"

پیری نے اسے معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا "آپ جانتے ہیں کسے بتائی ہوگی، شہزادہ فیودور اور ان کے ساتھیوں کو۔ ثقافتی اور خیراتی کاموں کی حوصلہ افزائی اچھی بات ہے اور یہ بہت اچھا مقصد ہے مگر حالات کسی اور بات کا تقاضا کرتے ہیں"

اس موقع پر نکولائی کو احساس ہوا کہ اس کا بھتیجا بھی کمرے میں موجود ہے۔ وہ اس کے پاس گیا اور کہا "تم یہاں کیوں بیٹھے ہو؟"

پیری نے نکولائی کو بازو سے پکڑا اور بولا "او ہو، اسے بیٹھا رہنے دو۔ میں نے انہیں بتایا کہ یہی کچھ کرنا کافی نہیں بلکہ اب کسی اور شے کی ضرورت ہے۔ آپ کسی وقوعہ کے ظہور پذیر ہونے کے منتظر ہیں مگر جس تار پر دباؤ پڑ رہا ہے وہ کسی بھی لمحے ٹوٹ سکتا ہے۔ جب ہر شخص یہ توقع رکھے کہ تباہی مقدر بن چکی ہے تو جتنا ممکن ہو سکے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو باہم تعاون اور عمومی تباہی کیخلاف مزاحمت کرنی چاہئے۔ قوم کے نوجوانوں کو جال میں پھنسایا اور بدعنوان بنایا جا رہا ہے۔ کسی کو عورت، کسی کو انعام واکرام اور کسی کو اعلیٰ عہدے اور رقم کا لالچ دیا جا رہا ہے اور سب لوگ اس گروہ میں شمولیت اختیار کرتے چلے جا رہے ہیں۔ میرے اور آپ جیسے آزاد طبیعت اور آزاد ذہن کے مالک لوگ کہیں دکھائی نہیں دیتے۔ میں نے ان سے سوسائٹی کا دائرہ کار بڑھانے کو کہا اور آزادروی پیز عمل پر زور دیا"

نکولائی منہ بنا کر اپنے بھتیجے سے دور ہٹ گیا اور غصے میں کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ کبھی وہ بے چینی سے غرانے لگتا اور کبھی اس کے ماتھے پر سلوٹیں پڑ جاتیں۔

اس نے چلا کر کہا "مگر کیسا عمل؟ تم لوگ حکومت کے بارے میں کون سا رویہ اختیار کرو گے؟"

پیری نے جواب دیا "وہی حمایتیوں والا۔ اگر حکومت اجازت دے دے تو سوسائٹی کو خفیہ رکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ ہم حکومت کے مخالف نہیں بلکہ سچے قدامت پسند اور واقعتاً شرفاء کے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہمارا مقصد کسی پوگاچوف کو سامنے نہ آنے دینا میرے اور تمہارے بچوں کے قتل کو روکنا اور آراک چیف کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرنا ہے تاکہ وہ مجھے کسی فوجی چھاؤنی میں نہ بھیج سکے۔ ہم سب مشترکہ فائدے اور عام لوگوں کے بچاؤ کیلئے باہم تعاون کر رہے ہیں"

نکولائی نے باآواز بلند کہا "ہاں، مگر یہ خفیہ جماعت ہے اور اسی وجہ سے حکومت مخالف اور خطرناک ہوگی چنانچہ اس سے بھلائی کی توقع رکھنا عبث ہے"

پیری نے جواباً کہا "کیوں؟ کیا یورپ کو بچانے والا ٹو گنڈ بنڈ (لوگ اس بات کا برملا اعلان نہیں کر سکتے تھے کہ روس نے یورپ کو بچایا ہے) کسی غلط شے سے تعلق رکھتا تھا؟ ٹو گنڈ بنڈ سچائی کا اتحاد ہے، یہ محبت اور امداد باہمی کے

مترادف ہے اور یہی وہ بات ہے جس کی حضرت مسیح نے صلیب پر چڑھ کر تبلیغ کی تھی۔

دوران گفتگو نتاشا بھی واپس آ گئی۔ وہ خوشباش چہرے سے اپنے شوہر کو دیکھے جا رہی تھی۔ اسے پیری کی باتوں پر مسرت نہ تھی بلکہ ان میں تو اس کی دلچسپی بھی نہیں تھی۔ حقیقت یہ تھی کہ وہ اس کے پر جوش اور پر شوق چہرے کو دیکھ کر خوش ہو رہی تھی۔

لڑکے کی دبلی پتلی گردن دوہرے کالر سے باہر نکلی تھی اور اسے ہر شخص بھلا چکا تھا۔ اسے پیری کو دیکھ کر مزید خوشی در رہی تھی۔ پیری کا ایک ایک لفظ اس کے دل میں اتر رہا تھا۔ اس کی بے چین انگلیاں ادھر ادھر حرکت کر رہی تھیں اور بے دھیانی کے عالم میں اس کے ہاتھ میں پکڑا اپنے پھوپھا کی مہر لگانے والی لاکھ اور قلموں کا ڈبا ٹوٹ گیا۔

پیری نے کہا "یہ وہ نہیں جو آپ سمجھ رہے ہیں، یہ تو جرمن ٹوگنڈ بنڈ جیسی سوسائٹی ہے جسے میں نے تجویز کیا ہے۔"

ڈینی سوف با آواز بلند بولا "میرے دوست، یہ ٹوگنڈ بنڈ ساسیج کھانے والے جرمنوں کیلئے تو بہتر ہو گا مگر مجھے اس کی بالکل سمجھ نہیں آ رہی۔ مجھ سے تو یہ لفظ درست طور سے بولا بھی نہیں جاتا۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ حالات خراب ہیں اور ہر شعبے میں بدعنوانی زور پکڑ چکی ہے مگر پھر بھی تمہارا یہ ٹوگنڈ بنڈ مجھے سمجھ آیا ہے نہ میں اس کی پروا کرتا ہوں۔

پیری مسکرانے لگا اور نتاشا ہنس دی مگر نکولائی نے پیری کو یہ سمجھانے کی کوشش شروع کر دی کہ کسی قسم کے انقلاب کی توقع کرنا عبث ہو گا اور وہ جس خطرے کی نشاندہی کر رہا ہے وہ اس کے اپنے ذہن کی پیداوار ہے۔ پیری اس کے خلاف دلائل دینے لگا۔ چونکہ اس کی ذہنی اور منطقی صلاحیتیں بہت اعلیٰ تھیں اور وہ نکولائی کے مقابلے میں زیادہ آسانی سے دلائل کے ڈھیر لگا سکتا تھا اس لئے نکولائی کو احساس ہو گیا کہ وہ بحث میں ہار رہا ہے۔ یہ دیکھ کر اس کا غصہ مزید بڑھ گیا کیونکہ اسے اپنی رائے کے درست ہونے کا پورا یقین تھا اور اس نتیجے پر اسے عقل کی بجائے اس سے کہیں طاقتور شے لائی تھی۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور بے چین انگلیوں سے اپنا پائپ ایک کونے میں کھڑا کرنے کی کوشش کی اور بالا آخر جھنجھلا کر اسے ایک جانب پھینکتے ہوئے کہنے لگا "میں اسے ثابت نہیں کر سکتا تمہارا کہنا ہے کہ سب کچھ بوسیدہ اور بدبودار ہو گیا ہے اور بغاوت کا امکان دکھائی دیتا ہے مگر مجھے یہ سب کچھ نظر نہیں آتا۔ تمہارا یہ بھی کہنا ہے کہ تمہارا حلف وفاداری مشروط ہے مگر میرے پاس اس کا جواب یہ ہے "جیسا کہ تمہیں علم ہے کہ تم میرے بہترین دوست ہو مگر تم نے کوئی خفیہ جماعت تشکیل دی اور حکومت کیخلاف کسی بھی نوعیت کی کارروائی میں شرکت کی تو آراک چیف مجھے تمہارے خلاف کسی سکواڈرن کی قیادت کرنے اور تم لوگوں کو تباہ و برباد کرنے کا حکم دے گا تو میں ہچکچائے بغیر اس کی بات مان لوں گا۔ تم جتنے چاہو دلائل دیتے رہو، حکومت کی بات ماننا میرا فرض ہے۔"

محفل پر بے ڈھب خاموشی طاری ہو گئی۔ سب سے پہلے نتاشا نے خاموشی توڑی اور اپنے شوہر کا دفاع کرتے ہوئے بھائی پر تنقید شروع کر دی۔ تاہم نتاشا کا دفاع کمزور اور ناتجربہ کار تھا البتہ اس سے یہ ضرور ہوا کہ وہ اپنے مقصد کے حصول میں کامیاب رہی۔ بات چیت دوبارہ شروع ہو گئی مگر نکولائی کے مخالفت پر مبنی رویے سے جس ناخوشگوار احساس نے جنم لیا تھا وہ ختم ہو گیا۔

جب وہ رات کے کھانے کیلئے اٹھے تو نکولینکا پیری کے پاس جا پہنچا۔ اس کا چہرہ زرد تھا مگر آنکھیں چمک رہی تھیں۔

اس نے پوچھا "چچا پیری۔۔۔ آپ۔۔۔ نہیں۔۔۔ اگر ابا جان زندہ ہوتے تو۔۔۔ کیا وہ آپ کی حمایت کرتے؟"

پیری کو اچانک احساس ہونے لگا کہ دوران گفتگو اس لڑکے کے ذہن میں جذبات و احساسات کا کس قدر غیر معمولی، پیچیدہ اور طاقتور آزادانہ عمل جاری رہا ہو گا۔ اس نے یہ سوچ کر دل میں افسوس کا اظہار کیا کہ لڑکا تمام باتیں سن چکا تھا۔ مگر اس کی تشفی کیلئے کوئی جواب دینا بھی ضروری تھا چنانچہ اس نے کہا "ہاں، میرا خیال ہے کہ ایسا ہی ہوتا" یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر چلا گیا۔

لڑکے نے پہلی مرتبہ نیچے دیکھا اور اسے احساس ہوا کہ وہ چیزوں کا کباڑا کر چکا ہے۔ شرمندگی سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور وہ نکولائی کے پاس جا کر کہنے لگا "چچا، میں معذرت خواہ ہوں، میں غیر ارادی طور پر ایسا کر بیٹھا" وہ ٹوٹے ہوئے قلم اور لاکھ کی جانب اشارہ کر رہا تھا۔

نکولائی غصے کے عالم میں بڑبڑا گیا، اس نے قلم کے ٹکڑے نیچے پھینکے اور کہا "بہت اچھے، بہت اچھے" یہ بات عیاں تھی کہ اس کیلئے اپنے غصے پر قابو پانا مشکل ہو رہا ہے تاہم وہ لڑکے سے دور ہٹ گیا اور اسے کہنے لگا "تمہیں یہاں نہیں آنا چاہئے تھا"

(15)

رات کے کھانے پر سیاست اور سوسائٹیوں کے حوالے سے کوئی گفتگو نہ ہوئی بلکہ باتوں کا رخ 1812ء کی یادوں کی طرف مڑ گیا اور یہ نکولائی کا پسندیدہ ترین موضوع تھا۔ یہ موضوع ڈینی سوف نے چھیڑا اور اس کے بارے میں پیری نے دلچسپ گفتگو کی۔ کھانا ختم ہونے پر انتہائی دوستانہ ماحول میں ایک دوسرے سے رخصت ہوئے۔

نکولائی اپنے کمرے میں کپڑے بدلنے اور نگران کو ہدایات دینے کے بعد ڈریسنگ گاؤن پہن کر اپنے سونے کے کمرے میں چلا گیا۔ وہاں اس کی بیوی ابھی تک میز کے سامنے بیٹھی کچھ لکھ رہی تھی۔ اس نے پوچھا "میری! کیا لکھ رہی ہو؟"

بیگم کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اسے خدشہ تھا کہ وہ جو کچھ لکھ رہی تھی اسے نکولائی سمجھ کا نہ پسند کرے گا

وہ اپنی تحریر شوہر سے چھپانے کو ترجیح دیتی مگر ساتھ ساتھ وہ خوش بھی تھی کہ نکولائی نے اس کا راز دریافت کر لیا ہے اور اب اسے بتائے بغیر چارہ نہیں۔

ماریا نے کانپتے ہاتھوں سے اسے ایک نیلی ڈائری تھماتے ہوئے کہا "نکولائی! میں یہ ڈائری لکھ رہی ہوں" ڈائری پر موٹے حروف میں کچھ لکھا ہوا تھا۔

نکولائی نے کسی قدر طنزیہ انداز میں کہا "ڈائری؟۔۔۔" اور اسے پکڑ لیا۔ اس نے دیکھا کہ ڈائری میں فرانسیسی زبان میں لکھا تھا:

"4 دسمبر۔۔۔ اندروشا (ان کا بڑا بیٹا) آج صبح جاگا تو کپڑے تبدیل کرنے پر تیار نہ تھا۔ مادموزیل لوئی نے مجھے بلایا۔ وہ کسی کی بات نہیں مان رہا تھا۔ میں نے اسے دھمکی دی مگر اس کا صرف یہی نتیجہ نکلا کہ وہ پہلے سے زیادہ غصے میں آ گیا۔ بعد ازاں میں نے معاملات اپنے ہاتھ میں لے لئے اور اسے چھوڑ کر دوسرے بچوں کو جگانے میں آیا کا ہاتھ بٹانے لگی۔ میں نے اندروشا سے کہا کہ مجھے اس سے بالکل بھی محبت نہیں ہے۔ وہ کافی دیر خاموش کھڑا رہا جیسے سوچ رہا

ہو کہ ''یہ کیا ہو گیا'' پھر اس نے بستر سے چھلانگ لگائی اور بھاگتا ہوا میرے پاس آ کر پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔ مجھے اسے خاموش کرانے میں خاصی دیر لگی۔ یہ بات عیاں تھی کہ اسے اس احساس نے تکلیف پہنچائی ہے کہ وہ میری ناراضگی کا باعث بنا۔ میں نے شام کو اسے رپورٹ دی تو وہ ایک مرتبہ پھر رونے اور مجھے چومنے لگا۔ انسان پیار کی مدد سے کسی سے کوئی بھی کام کروا سکتا ہے۔''

نکولائی نے پوچھا ''اس رپورٹ سے کیا مراد ہے؟''

بیگم ماریا نے جواب دیا ''میں نے بڑے بچوں کو شام کے وقت ان کے رویے پر نمبر دینے کا سلسلہ شروع کیا ہوا ہے۔''

نکولائی نے خود پر مرکوز روشن آنکھوں میں جھانکا اور ایک مرتبہ پھر ڈائری کے صفحے الٹنے لگا۔ اس میں ہر وہ بات لکھی تھی جو ماں کے نزدیک بچوں کیلئے اہم ہوتی ہے۔ اس کی لکھی ان باتوں سے ایک جانب تو ان کے کردار کا علم ہوتا تھا اور دوسری جانب پڑھائی کے طریقہ ہائے کار پر عمومی خیالات ظاہر ہوتے تھے۔ ڈائری میں لکھی اکثر باتیں انتہائی معمولی تھیں مگر ماں اور باپ انہیں معمولی نہیں سمجھتے تھے۔ 5 دسمبر کی بات کچھ اس طرح لکھی گئی تھی:

''کھانے کی میز پر میتیا ضد کر رہا تھا۔ ابا نے کہا کہ اسے پڈنگ نہیں ملے گی اور اسے دی بھی نہ گئی۔ جب دوسرے کھانے میں مصروف تھے تو اس کا منہ بن گیا اور وہ بھوکوں کی طرح انہیں دیکھنے لگا۔ میرا خیال ہے کہ بچوں کو میٹھی چیزیں نہ دی جائیں تو وہ لالچی ہو جاتے ہیں۔ میں یہ بات نکولائی کو ضرور بتاؤں گی۔''

نکولائی نے ڈائری نیچے رکھی اور اپنی بیوی کو دیکھنے لگا۔ روشن آنکھیں اسے سوالیہ انداز سے مسلسل دیکھ رہی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ سوچ رہی ہو ''انہیں یہ ڈائری پسند آئے گی یا نہیں؟ بے شک وہ اسے پسند کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی بیوی کی تعریف بھی کریں گے۔''

نکولائی سوچ رہا تھا ''اسے شاید اتنی باریک بینی سے سوچنے کی ضرورت نہ تھی'' تاہم اس مسلسل اور انتھک روحانی کوشش نے اس کا جی خوش کر دیا جس کا واحد مقصد اپنے بچوں کو اخلاقی حوالے سے بہتر انسان بنانا تھا۔ اگر نکولائی اپنے احساسات کا تجزیہ کرنے پر قادر ہوتا تو اسے معلوم ہو جاتا کہ وہ اپنی بیوی سے جو ملائمت اور فخر بھری یقینی محبت کرتا ہے اس کی بنیاد ہیبت کے اسی جذبے پر تھی جو اسے خود پر اس کی روحانی اور اخلاقی برتری دیکھ کر طاری ہوتی محسوس ہوا کرتی تھی۔

وہ اپنی بیوی کی ذہانت، سمجھداری اور نیک طینتی پر فخر کرتا تھا۔ اس کی روحانی سلطنت کے مقابلے میں اپنے کم مائیگی کا بھی اسے اچھی طرح احساس تھا۔ اس سے بھی زیادہ وہ اس بات پر خوش تھا کہ ایسی روح کی مالک خاتون نہ صرف اس کی اپنی ہے بلکہ اسی کی ذات کا ایک حصہ بن گئی ہے۔

اس نے ماریا کو معنی خیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا ''پیاری! یہ مجھے بیحد پسند آئی ہے'' کچھ توقف کے بعد وہ کہنے لگا ''آج میں نے خاصی بدتمیزی کا مظاہرہ کیا۔ تم اپنے کمرے میں نہیں تھیں۔ میری پیری سے بحث ہونے لگی۔ میں اپنے غصے پر قابو نہ رکھ سکا مگر اسے قائل کرنا اسی طرح ناممکن ہے جس طرح کسی بچے کو قائل کرنا۔ اگر نتاشا اسے قابو میں نہ رکھے تو اس کا نجانے کیا بنے؟ کیا تم سوچ سکتی ہو کہ وہ پیٹرز برگ کیوں گیا تھا؟۔۔۔ انہوں نے ایک۔۔۔''

ماریا نے جواب دیا ''ہاں میں جانتی ہوں۔ نتاشا نے مجھے سب کچھ بتا دیا تھا''

نکولائی کہنے لگا ''اچھا تم جانتی ہو'' پیری سے تکرار کی یاد آتے ہی اسے غصہ آ گیا۔ وہ بولا ''اس نے مجھے اس بات پر قائل کرنے کی کوشش کی کہ حکومت کی مخالفت ہر سچے شخص کا فرض ہے حالانکہ وفاداری اور فرض شناسی کا حلف۔۔۔ مجھے افسوس ہے کہ تم وہاں نہ تھیں۔ ہوا یہ کہ وہ تمام لوگ یعنی نتاشا اور دینی سوف بھی مجھ پر چڑھ دوڑے۔ نتاشا تو بیوقوف ہے۔ ہم یہ تو جانتے ہیں کہ وہ اسے اپنے زیر اثر رکھتی ہے مگر بحث کے دوران وہ خود کچھ کہنے کی بجائے اسی کی باتوں کو دہراتی ہے'' نکولائی نے اس ناقابل مزاحمت میلان کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے جو ہمیں اپنے عزیز ترین لوگوں پر تنقید کیلئے اکساتا ہے۔ نکولائی کو اس بات کا علم نہ تھا کہ وہ جو بات کہہ رہا ہے وہ اس کے اپنی بیوی سے تعلقات پر پوری طرح صادق آتی ہے۔

بیگم ماریا کہنے لگی ''ہاں، میں نے یہ بات نوٹ کی ہے''

نکولائی بولا ''جب میں نے اسے بتایا کہ حلف وفاداری اور فرض سب سے اہم ہیں تو وہ جوابا نجانے کیا کچھ کہنے اور ثابت کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ افسوس تم وہاں موجود نہ تھیں۔ اگر تم ہوتیں تو کیا کہتیں؟''

ماریا نے جواب دیا ''میرے خیال میں آپ کی بات بالکل درست ہے۔ پیری کہتے ہیں کہ ہر شخص مصیبت میں مبتلا ہے۔ لوگوں کو تکالیف پہنچائی جا رہی ہیں اور انہیں بدعنوان کیا جا رہا ہے، مزید یہ کہ ہمسائے کی مدد ہمارا فرض ہے۔ یقیناً ان کی بات بالکل درست ہے مگر وہ ایک بات بھول جاتے ہیں کہ ہمارے اپنے قریب بھی کچھ لوگ ہیں اور ہم پر ان کا حق ہے۔ خداوند نے خود ہمیں ان کے بارے میں اپنے فرائض سے آگاہ کیا ہے یعنی ہم اپنے آپ کو تو خطرات میں ڈال سکتے ہیں، اپنے بچوں کو نہیں''

نکولائی بول اٹھا ''بالکل درست، میں نے پیری سے یہی بات کہی تھی مگر وہ اپنی بات پر مصر رہا اور نکولینکا کی موجودگی میں یہ تمام باتیں کرتا رہا جو وہاں بیٹھا میری چیزیں توڑنے میں مشغول تھا'' نکولائی کو یقین تھا کہ اس نے پیری سے یہی بات کہی تھی۔

بیگم ماریا نے کہا ''نکولائی آپ جانتے ہیں کہ میں نکولینکا کے بارے میں بیحد پریشان رہتی ہوں۔ وہ غیر معمولی ذہین اور سمجھدار ہے اور مجھے ہر وقت یہی بے چینی رہتی ہے کہ میں اپنے بچوں کیلئے اسے نظر انداز کر رہی ہوں۔ ہم سب کے اپنے بچے اور رشتہ دار ہیں مگر اس کا دنیا میں کوئی نہیں۔ وہ ہمیشہ سب سے الگ تھلگ اور اپنے خیالات میں گم رہتا ہے''

نکولائی نے جواب دیا ''میرے خیال میں تمہیں اس کے بارے میں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اپنی بچوں سے بھرپور پیار کرنے والی مائیں بھی ان کیلئے اتنا کچھ نہیں کرتیں جتنا کہ تم نے اس کیلئے کیا ہے اور کر رہی ہو۔ مجھے خوشی ہے کہ تم ایسا کرتی ہو۔ وہ شاندار لڑکا ہے، شاندار!'' اگرچہ نکولائی کو اس سے کسی قسم کا دلی لگاؤ نہ تھا مگر وہ ہر وقت یہ تسلیم کرتا کہ ''وہ شاندار لڑکا ہے''

ماریا بولی ''مگر میں ماں کے برابر تو نہیں ہوں۔ مجھے یوں لگتا ہے جیسے میں وہ نہیں ہوں اور اسی احساس کی بدولت میرا دل افسردہ رہتا ہے۔ وہ بیحد عمدہ لڑکا ہے مگر مجھے اس کے حوالے سے خدشات لاحق رہتے ہیں۔ اگر اسے دوست اور ساتھی میسر آ جائیں تو اس کیلئے اچھا ہو گا''

نکولائی کہنے لگا ''بہر حال اب اس میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ میں آئندہ موسم گرما میں اسے اپنے ساتھ پیٹرز برگ لے جاؤں گا۔ ہاں مگر پیری ہمیشہ خواب دیکھتا رہا ہے اور دیکھتا رہے گا'' وہ دوبارہ پیری سے بحث کے بارے میں سوچنے لگا جس نے اسے پریشان کر دیا تھا۔ وہ بولا ''بہر حال یہ میرا مسئلہ نہیں کہ وہاں کیا ہو رہا ہے؟ اگر [illegible]

چیف اور دوسرے لوگوں کا طرزِ عمل درست نہیں ہے تو مجھے اس سے کیا غرض؟ میرا مسئلہ یہ ہے کہ جب میں نے شادی کی تو قرضوں کے جال میں بری طرح پھنسا ہوا تھا۔ مجھے جیل بھجوائے جانے کی دھمکیاں دی جا رہی تھیں۔ ایک میری والدہ تھی جو کچھ دیکھتی تھی نہ اسے کسی بات کی سمجھ آتی تھی۔ پھر تم ہو، ہمارے بچے ہیں اور اپنے معاملات ہیں۔ جب میں صبح سے شام تک تندہی سے کام کرتا ہوں تو کیا صرف اپنی خوشی کیلئے کرتا ہوں؟ نہیں، میں جانتا ہوں کہ مجھے اپنی والدہ کو آرام سے رکھنے، تمہارے احسانات کا بدلہ چکانے اور اپنے بچوں کو غربت سے بچانے کیلئے شدید محنت کرنا ہوگی"

شہزادی ماریا اسے یہ بتانا چاہتی تھی کہ انسان صرف کھانے کے سہارے زندہ نہیں رہتا اور یہ کہ وہ معاشی کاموں کو ازحد ضرورت اہمیت دیتا ہے مگر اسے یہ بھی علم تھا کہ وہ یہ بات نکولائی کے سامنے نہیں کہہ سکتی اور اس سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اس کی بجائے ماریا نے صرف اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر چوم لیا۔ نکولائی نے اس بات کو اپنے خیالات کی تصدیق اور پسندیدگی سمجھا۔ چند منٹ خاموش رہنے کے بعد وہ با آواز بلند سوچنا شروع ہوگیا۔

وہ کہہ رہا تھا "میری، تم جانتی ہو کہ الیا مترو فانچ (یہ ان کا ایک نگران تھا) آج صبح تامبوف کی جاگیر سے واپس آیا ہے اور اس نے مجھے بتایا ہے کہ اب ہمیں جنگلات کیلئے اسی ہزار روبل کی پیشکش کی جا رہی ہے" وہ جوش وخروش سے اوترادنوئے کی جاگیر دوبارہ خریدنے کے امکانات کی بابت بات چیت کرنے لگا۔ اس کا خیال تھا کہ اب اس میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ وہ کہنے لگا "اگر مجھے دس سال مزید مل گئے تو میں بچوں کو ان کی ضروریات کے مطابق بہت کچھ دے جاؤں گا"

بیگم ماریا اپنے شوہر کی باتیں سنتی رہی۔ وہ اس کی باتیں اچھی طرح سمجھتی تھی۔ اسے علم تھا کہ جب وہ با آواز بلند سوچتا ہے تو اس سے ہمیشہ یو چھتا رہتا ہے کہ بتاؤ میں کیا کہہ رہا تھا۔ اگر اسے علم ہو جائے کہ میری توجہ کسی اور جانب ہے تو غصے میں آجاتا ہے۔ تاہم شہزادی ماریا کو اس کی باتوں پر توجہ دینے کیلئے خود کو مجبور کرنا پڑتا تھا کیونکہ اسے نکولائی کی باتوں میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ اسے دیکھے جا رہی تھی اور پوری طرح تو نہیں البتہ کافی حد تک اس کا دھیان کسی اور شے پر لگا تھا۔ وہ اس شخص سے ملامت بھری اطاعت شعارانہ محبت کرتی تھی جس کے بارے میں اس کا خیال تھا کہ وہ اسے کبھی نہیں سمجھ سکا۔ یوں دکھائی دیتا تھا جیسے یہ بات نکولائی سے اس کی محبت میں شدت پیدا کر دیتی تھی اور اس میں پُرجوش ملامت پرمبنی چاشنی کا اضافہ ہو جاتا تھا۔ اس احساس کے علاوہ ایسے خیالات اس کے ذہن میں تیزی سے گردش کر رہے تھے جن کا اس سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ وہ اپنے بھتیجے کے بارے میں سوچ رہی تھی (اس کے شوہر نے پیری سے گفتگو میں نکولینکا کی جس جذباتی کیفیت کا ذکر کیا تھا اس نے ماریا کے قلب وذہن پر گہرا اثر مرتب کیا) اور اسے اس کی فطرت کے نرم اور حساس پہلو یاد آنے لگے۔ بھتیجے کے بارے میں سوچتے ہوئے اس کا ذہن اپنے بچوں کی طرف منتقل ہوگیا۔ اس نے نکولینکا کا موازنہ اپنے بچوں سے نہ کیا بلکہ یہ موازنہ اپنے بچوں کے بارے میں اپنے احساسات اور اس کے بارے میں اپنے رویے کے مابین کر رہی تھی اور اسے یہ جان کر افسوس ہوا کہ نکولینکا کے بارے میں اس کے احساسات میں کوئی کمی تھی۔

بسا اوقات اسے یہ خیال آتا کہ اپنے بچوں اور نکولینکا کے مابین اس کے محسوسات کا فرق ان کی عمروں میں پائے جانے والے واضح تضاد کی وجہ سے ہے مگر وہ اپنے آپ کو اس کا ذمہ دار ٹھہراتی تھی۔ اب اس نے پکا ارادہ کیا کہ وہ اس فرق کو دور کرنے اور اپنے رویے کو مزید بہتر بنانے کی کوشش کرے گی۔ وہ اپنے شوہر، بچوں، نکولینکا اور ساتھی انسانوں سے اسی طرح محبت کرے گی جس طرح حضرت مسیح نے کی تھی۔ بیگم ماریا کی روح ہمیشہ لامحدود، ہمیشہ رہنے والی اور واحد

ذات تک رسائی کی خواہش کرتی تھی اور یہی وجہ تھی کہ سکون اس سے کوسوں دور تھا۔ اس کے چہرے پر کچھ ایسی سختی جھلکتی رہتی جیسے اس کے جسم تلے دبی روح کسی بلند اور مخفی تکلیف کا شکار ہو۔ نکولائی اس کے چہرے پر نظریں گاڑے ہوئے تھا۔ اس نے سوچا "اوہ میرے خدایا! اگر یہ جان سے گزر گئی تو ہمارا کیا ہوگا؟ جب اس کے چہرے پر ایسے تاثرات پیدا ہوتے ہیں تو میرے دل میں شبہات جنم لینے لگتے ہیں" یہ سوچ کر وہ مقدس تصویر کے سامنے کھڑا ہو کر دعا مانگنے لگا۔

(16)

تنہائی میں نتاشا اور پیری بھی ایسی ہی باتیں کر رہے تھے جو صرف میاں بیوی کر سکتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں وہ ایک ایسے انداز سے گفتگو میں مصروف تھے کہ تیزی سے باتیں کرنے کے باوجود انہیں ایک دوسرے کا مدعا سمجھنے میں کسی مشکل کا سامنا نہ ہوا۔ نتاشا اپنے شوہر سے ایسی گفتگو کی اتنی عادی ہوگئی تھی کہ پیری بات چیت کے دوران منطقی انداز اختیار کرتا تو اسے علم ہو جاتا کہ دونوں میں کوئی اختلاف ہے اور جب وہ ٹھنڈے دل سے عقلی دلیلوں کی مدد سے کوئی بات ثابت کرنے کی کوشش کرتا تو اس کی مثال پر عمل کرتے ہوئے وہ خود بھی ایسا ہی کرنے لگتی اور اسے یقین ہو جاتا کہ اب دونوں میں جھگڑا ہو جائیگا۔

جونہی وہ تنہائی میں مل بیٹھے تو نتاشا اس سے قریب ہوگئی۔ کیف ومحبت کے سبب اس کی آنکھیں پھیلی ہوئی تھیں۔ اس نے پیری کا سر پکڑ کر اپنے سینے سے لگا لیا اور بولی "اب آپ صرف میرے ہیں، میں آپ کو کہیں نہیں جانے دوں گی" اسی دوران ان کے مابین وہ باتیں شروع ہوگئیں جو منطق کے تمام اصولوں کے خلاف تھیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس دوران دونوں میں بالکل مختلف موضوعات پر بحث ہونے لگی تھی۔ کئی موضوعات پر بیک وقت گفتگو ایک دوسرے کی بات سمجھنے میں رکاوٹ نہ بن پائی بلکہ یہ اس امر کا واضح اظہار تھا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔

جس طرح خواب میں انسانی ذہن پر طاری احساس کے سوا ہر شے غیر حقیقی، بے ربط اور مختلف ہوتی ہے اسی طرح منطق کے برعکس ہونیوالے اس تبادلہ خیال میں میاں بیوی کے الفاظ بذات خود منطقی اور واضح نہ تھے تاہم وہ جس جذبے کے تحت باتیں کر رہے تھے وہ باربط اور کسی قسم کی الجھن سے پاک تھا۔

نتاشا نے پیری کو بتایا کہ اس کے بھائی کے گھر کی زندگی کیسی ہے اور شوہر کے بغیر اس کی حالت کتنی خراب ہو گئی تھی کیونکہ اس عرصہ میں وہ زندہ رہنے کی بجائے اپنا وجود گھسیٹ رہی تھی۔ اس نے پیری کو یہ بھی بتایا کہ وہ ماریا کو پہلے سے زیادہ پسند کرنے لگی ہے کیونکہ وہ اس کی نسبت زیادہ بہتر شخصیت کی مالک ہے۔ اس نے ماریا کی برتری پرخلوص انداز میں تسلیم کی مگر ساتھ ساتھ مبہم انداز میں پیری پر یہ بات بھی واضح کر دی کہ پیری کی نگاہوں میں ماریا یا کسی اور خاتون کی بجائے نتاشا کو ترجیح حاصل رہے گی اور اب جبکہ وہ پیٹرزبرگ میں بے شمار دیگر عورتوں سے مل کر آیا ہے اس لئے اسے اس وعدے کا اعادہ کرنا ہوگا

یہی وجہ تھی کہ پیری نے نتاشا کو بتایا کہ پیٹرزبرگ میں وہ خواتین کی موجودگی اور ضیافتوں سے بیزار ہوگیا تھا۔ وہ کہنے لگا "میں خواتین سے گفتگو کا سلیقہ کھو چکا ہوں۔ مجھے ہمیشہ کوفت کا سامنا رہا کیونکہ مصروفیت بھی بہت زیادہ تھی"

نتاشا اسے غور سے دیکھتے ہوئے بولی "ماریا بیحد عمدہ خاتون ہے۔ وہ بچوں کی فطرت کو بہت اچھی طرح سمجھتی ہے اور ان کی روحوں میں بھی جھانک لیتی ہے۔ مثلاً کل تیا ضد کر رہا تھا۔۔۔"

پیری نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا" وہ بالکل اپنے باپ پر گیا ہے"
نتاشا جانتی تھی کہ پیری نے شیا ئی عادات نکولائی سے ملنے کی بات کیوں کی ہے۔ اپنے برادر نسبتی سے تلخ کلامی کی یاد اس کیلئے ناخوشگوار تھی اور وہ اس حوالے سے نتاشا کے خیالات جاننے کا خواہش مند تھا۔
نتاشا کہنے لگی" نکولائی کی خامی ہے کہ وہ کسی بات کے بارے میں عام تصدیق ہونے تک اس سے متفق نہیں ہوتا مگر میرا خیال ہے کہ آپ جن باتوں کی قدر کرتے ہیں ان سے نئے راستے کھل جاتے ہیں" اس نے پیری کا ہی جملہ دہرا دیا۔
پیری بولا" نہیں، سچ تو یہ ہے کہ نکولائی کیلئے خیالات اور بحث صرف تفریح کے ذرائع ہیں بلکہ وقت کا ضیاع کہا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔ وہ یہاں لائبریری جمع کر رہا ہے اور اس نے اصول بنایا ہے کہ جب تک وہ پرانی کتاب خرید کر پڑھ نہیں لے گا اس وقت تک نئی کتاب کسی صورت نہیں خریدے گا۔۔۔۔ سسموندی، روسو اور مونٹسکیو" وہ مسکراتے ہوئے کہنے لگا" تمہیں علم ہے کہ میں نے کیسے۔۔۔" وہ اپنی نکتہ چینی کی شدت کم کرنا چاہتا تھا مگر نتاشا نے یہ ظاہر کرنے کیلئے اسے ٹوک دیا کہ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ کہنے لگی" تو آپ کا خیال ہے کہ اس کے نزدیک یہ محض تفریح ہے۔۔۔"
پیری نے جواب دیا" ہاں، اور میرے خیال میں باقی سب باتیں تفریح ہیں۔ میں جب تک پیٹرز برگ میں رہا مجھے ہر شخص ایسے لگتا تھا جیسے میں انہیں خواب میں دیکھ رہا ہوں۔ جب میں سوچ بچار کرنے لگوں تو مجھے دیگر تمام باتیں وقت کا ضیاع معلوم ہوتی ہیں"
نتاشا نے کہا" مجھے بیحد افسوس ہے کہ جب آپ بچوں سے ملے تو میں اس وقت وہاں موجود نہ تھی۔ ان میں سب سے زیادہ کون خوش تھا؟ مجھے یقین ہے کہ لیزا ہوگی؟"
پیری نے جواب میں کہا" ہاں" اور پھر وہ اپنے ذہن میں موجود خیالات کی بابت گفتگو کرنے لگا۔ اس نے کہا "نکولائی کہتا ہے کہ ہمیں سوچنا نہیں چاہئے مگر میرے لئے سوچنے سے باز رہنا ممکن نہیں ہے۔ اس کے علاوہ پیٹرز برگ میں مجھے یوں لگتا تھا جیسے میں وہاں نہ ہوتا تو کام خراب ہو جاتا۔ ہر شخص اپنی بات منوانا چاہتا تھا مگر میں ان تمام کو ایک نکتے پر متفق کرنے میں کامیاب رہا۔ دوسری بات یہ ہے کہ میرے خیالات میں کسی قسم کی کوئی الجھن نہیں پائی جاتی اور یہ سیدھے سادے ہیں یہاں تک کہ ہر شخص انہیں با آسانی سمجھ سکتا ہے۔ تمہیں علم ہے کہ میں یہ نہیں کہتا کہ ہمیں فلاں یا فلاں شے کی مخالفت کرنی چاہئے۔ ہو سکتا ہے ہم غلط راہ پر چل رہے ہوں مگر میں جو کچھ کہتا ہوں وہ یہ ہے کہ" سچائی سے پیار کرنے والے لوگوں کو ایک جگہ جمع ہو جانا چاہئے۔ شہزادہ و سرجنی عمدہ اور ہوشیار شخص ہے"
نتاشا کو پیری کے خیالات کی بلندی کے حوالے سے کوئی شک نہ تھا مگر یہ بات اسے پریشان کئے دیتی تھی کہ یہ شخص جو معاشرے کیلئے اسقدر اہمیت رکھتا ہے، جس کا کوئی متبادل نہیں وہ اس کا شوہر بھی ہو سکتا ہے۔ ایسا کیسے ہوا؟ اسے یہ بات درست معلوم نہیں ہوتی تھی اور وہ اس حوالے سے اپنے شکوک و شبہات کا اظہار کرنا چاہتی تھی۔ وہ سوچتی" ایسے لوگ کون ہیں جو یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ وہ دوسروں سے زیادہ سمجھدار اور عقلمند ہے؟" اس نے اپنے ذہن میں ان تمام لوگوں کا جائزہ لیا جن کا پیری احترام کرتا تھا۔ اس کی باتوں سے اندازہ لگاتے ہوئے نتاشا آخرکار اس نتیجے پر پہنچی کہ پیری کی نگاہ میں جو لوگ قابل احترام ہیں ان میں پلاتون کاراتائیف سرفہرست ہے۔
وہ کہنے لگی" آپ جانتے ہیں کہ میں کیا سوچ رہی تھی۔ میں پلاتون کاراتائیف کے بارے میں غور کر رہی تھی۔ اگر وہ ہوتا تو کیسے سوچتا؟ کیا وہ آپ کی باتیں پسند کرتا؟"

پیری کو اس سوال پر بالکل حیرت نہ ہوئی۔ وہ اپنی بیوی کے خیالات کا بہاؤ دیکھ چکا تھا۔
اس نے کہا" پلاتون کاراتائیف؟" یہ کہہ کر وہ غور و فکر میں مصروف ہو گیا۔ یہ بات عیاں تھی کہ وہ حالیہ معاملے میں پلاتون کی رائے کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا ہے۔
اسی دوران نتاشا نے اچانک بلند آواز میں کہا" مجھے آپ سے بیحد محبت ہے، بہت زیادہ"
پیری نے کچھ دیر سوچ بچار کے بعد کہا" نہیں، وہ یہ بات پسند نہ کرتا۔ وہ جس شے کو پسند کرتا تھا وہ ہماری گھریلو زندگی ہے۔ وہ ہمیشہ ہر شے میں سکون، خوش اسلوبی اور خوشی تلاش کرنے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ اگر وہ زندہ ہوتا تو میں اسے فخر سے کہہ سکتا" ہمیں دیکھو۔۔۔" جہاں تک میری عدم موجودگی سے تمہیں اذیت پہنچنے کی بات ہے تو میں تمہیں بتا دوں کہ جدائی کے بعد میں تمہیں اور بھی بڑھ کر چاہنے لگ جاتا ہوں"
نتاشا نے اپنی بات دوبارہ شروع کرتے ہوئے کہا" اچھا تو میں یہ کہنا چاہتی تھی۔۔۔"
پیری بیچ میں بول پڑا" نہیں، یہ بات نہیں، کوئی وقت ایسا نہیں ہوتا جب میں دل میں تمہاری محبت محسوس نہ کروں اور کسی کو اس سے زیادہ محبت نہیں ہو سکتی۔ تاہم جدائی کے بعد یہ محبت اور بھی خاص شے بن جاتی ہے۔ بہر حال، تمہیں تو علم ہی ہے۔۔۔" اس نے بات نامکمل چھوڑ دی کیونکہ ان کی نگاہوں نے ایک دوسرے کو باقی تمام بات کہہ دی تھی۔
نتاشا بلند آواز میں بولی" کہا جاتا ہے کہ بہترین خوشی شادی کے ابتدائی دنوں میں حاصل ہوتی ہے اور یہ بالکل بیکار اور لایعنی بات ہے۔ اس کی بجائے بہترین وقت تو اب آیا ہے۔ بس آپ کہیں جایا نہ کریں۔ آپ کو یاد ہے کہ ہم آپس میں کیسے جھگڑتے تھے؟ اور غلطی ہمیشہ میری ہوتی تھی، ہمیشہ میں ہی غلطی پر ہوتی تھی۔۔۔ مجھے تو یاد ہی نہیں رہا کہ ہمارے اختلاف کا سبب کیا ہوتا تھا"
پیری نے مسکراتے ہوئے کہا" ہمیشہ ایک ہی بات ہوتی تھی، جی۔۔۔"
نتاشا کی آنکھیں شعلے برسانے لگیں اور وہ بولی" میرے سامنے اس کا نام نہ لیں، میں برداشت نہیں کر سکتی۔ آپ کی اس سے ملاقات ہوئی؟"
پیری نے جواب دیا" نہیں، اگر مل بھی جاتی تو میں اسے نہ پہچان سکتا"
دونوں خاموش ہو گئے۔
نتاشا نے خاموشی توڑتے ہوئے کہا" آپ جانتے ہیں کہ کمرے میں گفتگو کے دوران میں آپ کی جانب دیکھے جا رہی تھی" صاف ظاہر تھا کہ وہ گزشتہ فقرات سے اپنے مابین پیدا ہونے والی تلخی دور کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس نے مزید کہا" آپ کو علم ہے کہ آپ کا بیٹا آپ سے اسی طرح مشابہت رکھتا ہے جس طرح پانی کے دو قطرے ہوتے ہیں۔ اوہ، میرا اس کے پاس جانے کا وقت ہو گیا۔۔۔ مجھے یوں اٹھ کر جانے پر افسوس ہے۔
چند لمحے دونوں خاموش رہے۔ پھر انہوں نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا اور بیک وقت بولنا شروع کر دیا۔ پیری کے لہجے میں اطمینان اور جوش و خروش نمایاں تھا جبکہ نتاشا خوشی سے مسکرا رہی تھی۔ دونوں نے بیک وقت گفتگو کی ابتدائی کی مگر ایک دوسرے کو بولنے کا موقع دینے کیلئے دونوں ہی رک گئے۔
پیری نے اسے کہا" نہیں، کہو کیا کہنا چاہتی تھیں؟"

نتاشا نے جواب دیا ''نہیں، آپ بتائیں، میری بات تو بالکل احمقانہ تھی''

پیری نے جو بات کہنا تھی کہہ ڈالی۔ یہ پیٹرز برگ میں اسے حاصل ہونیوالی کامیابی پر اطمینان اور خوشی کا اختتامیہ تھا۔ اس وقت وہ یوں محسوس کر رہا تھا جیسے روسی معاشرے اور تمام دنیا کو نئی جہت سے روشناس کرانے کیلئے اس کا انتخاب کر لیا گیا ہے۔

پیری بولا ''میں محض یہ کہنا چاہتا تھا کہ زبردست نتائج پیدا کرنے والے خیالات ہمیشہ سادہ اور عام فہم ہوا کرتے ہیں۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ برے لوگ طاقت کے روپ میں ڈھل سکتے ہیں تو اچھے اور سچے لوگ ایسا کیوں نہیں کرتے۔ سادہ سی بات ہے نا؟''

نتاشا نے جواب دیا ''یقیناً''

پیری کہنے لگا ''اور تم نے کیا کہنا تھا؟''

نتاشا بولی ''کچھ نہیں، کچھ نہیں، فضول سی بات تھی''

پیری نے کہا ''جو بھی تھا، کہہ دو''

نتاشا کے چہرے پر پہلے سے زیادہ روشن مسکراہٹ نمایاں ہوگئی اور وہ بولی ''اوہو، کچھ بھی نہیں تھا، محض احمقانہ سی بات تھی۔ میں تو صرف پیٹیا کے بارے میں بتانا چاہتی تھی کہ آج آیا اسے لینے کیلئے میرے پاس آئی اور وہ ہنسنا لگا اور آنکھیں بند کر کے مجھ سے لپٹ گیا۔۔۔ میرا خیال ہے کہ وہ اس طرح چھپنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ بیحد پیارا ہے۔۔۔ اس کے رونے کی آواز سنائی دے رہی ہے۔ اچھا، میں جاتی ہوں'' یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر بھاگ گئی۔

اسی دوران نچلی منزل پر نکولینکا بلکونسکی کے بیڈروم میں حسب معمول لیمپ جل رہا تھا (لڑکے کو اندھیرے سے ڈر لگتا تھا اور اس کی یہ کمزوری دور نہ ہو سکی تھی) ڈیسال اپنا سر چار تکیوں پر رکھے سو رہا تھا اور اس کی رومنوں جیسی ناک سے خراٹوں کی آوازیں برآمد ہو رہی تھیں۔ نکولینکا اسی وقت بوکھلا کر جاگ گیا تھا۔ اسے ٹھنڈے پسینے آرہے تھے اور وہ بستر پر بیٹھا کھلی آنکھوں سے سامنے دیکھے جا تا تھا۔ ڈراؤنے خواب کی بدولت اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ وہ اور چچا پیری ایسے خود پہنے ہوئے ہیں جیسے اس کی پلوٹارچ والی کتاب میں دکھائے گئے تھے اور وہ دونوں ایک بہت بڑی فوج کے آگے آگے چل رہے ہیں۔ یہ فوج ترچھے سفید دھاگوں سے بنی تھی جو تمام فضا میں پھیلے ہوئے تھے۔ یہ دھاگے مکڑی کے اس جال کی طرح تھے جو خزاں کے موسم میں ہوا کے دوش پر تیرتے پھرتے ہیں۔ ان کے سامنے عظمت تھی اور وہ بھی انہی دھاگوں جیسی دکھائی دیتی تھی، البتہ وہ ان سے زیادہ مضبوط تھی۔ وہ اور پیری ہوا میں خوشی سے اڑ رہے تھے اور رفتہ رفتہ اپنی منزل سے قریب ہوتے چلے جا رہے تھے۔ اچانک انہیں اڑانے والے دھاگے کمزور ہونا شروع ہو گئے اور باہم الجھنے لگے۔ انہیں اپنے سامنے چچا نکولائی کھڑا دکھائی دیا جس کے چہرے پر سختی اور دھمکی کا تاثر نمایاں تھا۔

اس نے ٹوٹے ہوئے قلم اور موم کی جانب اشارہ کرتے ہوئے پوچھا ''کیا یہ تمہارا کیا دھرا ہے؟ مجھے تم سے محبت ہے مگر میں آراک چیف کا حکم مانوں گا اور جو بھی آگے بڑھا اسے قتل کر دوں گا''

نکولینکا نے پیری کی تلاش میں ادھر ادھر نگاہیں دوڑائیں مگر اب پیری وہاں نہیں تھا اور اس کی بجائے اس کا والد یعنی شہزادہ آندرے وہاں موجود تھا۔ اس کے والد کی کوئی شکل وصورت دکھائی نہ دیتی تھی مگر وہ وہاں موجود تھا اور اسے دیکھ رہا تھا۔ نکولینکا کو محبت کی شدت سے کمزوری محسوس ہونے لگی اور اسے یوں لگا جیسے اس کی تمام طاقت چھین لی گئی ہو۔ باپ نے اسے تھپکا اور تسلی دی مگر چچا نکولائی ان سے قریب تر آتا جا رہا تھا۔ نکولینکا پر خوف طاری

ہو گیا اور وہ جاگ اٹھا۔

اس نے سوچا ''میرے والد! (اگرچہ گھر میں شہزادہ آندرے کی دو نہایت عمدہ تصاویر تھیں مگر نکولینکا اپنے ذہن میں کبھی اس کی شکل کا تصور نہ کر سکا) میرے والد میرے ساتھ ہیں۔ انہوں نے مجھے تھپکا تھا۔ وہ مجھ سے اور چچا پیری سے خوش تھے۔ وہ مجھے جو کچھ کہیں گے میں وہی کروں گا۔ موسیوس سادولا نے اپنا ہاتھ جلا لیا تھا۔ مگر میری زندگی میں ایسا واقعہ پیش کیوں نہیں آ سکتا؟ مجھے علم ہے کہ تمام گھر والے چاہتے ہیں کہ میں تعلیم حاصل کروں اور میں ایسا ہی کر رہا ہوں۔ تاہم ایک دن آئے گا کہ میں پڑھائی ختم کر لوں گا اور پھر کام کروں گا۔ میں خداوند سے ایک ہی دعا کرتا ہوں کہ جو کچھ پلوٹارچ والوں کیساتھ پیش آیا، ویسا ہی میرے ساتھ بھی ہو اور میں بھی انہی کی طرح عمل کروں گا۔ ان سے بہتر کروں گا۔ ہر شخص مجھے جان جائے گا، مجھ سے محبت کرے گا اور میری تعریف کرے گا'' اچانک نکولینکا کے سینے سے سسکیاں برآمد ہونے لگیں اور وہ رونا شروع ہو گیا۔

اسے ڈیسال کی آواز سنائی دی ''کیا طبیعت خراب ہے؟''

نکولینکا نے جواب دیا ''نہیں'' اور دوبارہ تکیے پر سر رکھ کر لیٹ گیا۔ اس نے سوچا ''وہ کتنے اچھے اور مہربان ہیں، مجھے ان سے محبت ہے مگر چچا پیری! اوہ، وہ کس قدر حیران کن شخص ہیں! اور میرے والد؟ والد! والد! ہاں، میں کوئی ایسا کام کروں گا کہ وہ مطمئن ہو جائیں گے۔۔۔''

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

ہو گیا اور وہ جاگ اٹھا۔

اس نے سوچا ''میرے والد! (اگرچہ گھر میں شہزادہ آندرے کی دو نہایت عمدہ تصاویر تھیں مگر نکولینکا اپنے ذہن میں کبھی اس کی شکل کا تصور نہ کر سکا) میرے والد میرے ساتھ ہیں۔ انہوں نے مجھے تھپکا تھا۔ وہ مجھ سے اور چچا پیری سے خوش تھے۔ وہ مجھے جو کچھ کہیں گے میں وہی کروں گا۔ موسیوس ساوولا نے اپنا ہاتھ جلا لیا تھا۔ مگر میری زندگی میں ایسا واقعہ پیش کیوں نہیں آ سکتا؟ مجھے علم ہے کہ تمام گھر والے چاہتے ہیں کہ میں تعلیم حاصل کروں اور میں ایسا ہی کر رہا ہوں۔ تاہم ایک دن آئے گا کہ میں پڑھائی ختم کر لوں گا اور پھر کام کروں گا۔ میں خداوند سے ایک ہی دعا کرتا ہوں کہ جو کچھ پلوٹارچ والوں کیساتھ پیش آیا، ویسا ہی میرے ساتھ بھی ہو اور میں بھی انہی کی طرح عمل کروں گا۔ ان سے بہتر کروں گا۔ ہر شخص مجھے جان جائے گا، مجھ سے محبت کرے گا اور میری تعریف کرے گا'' اچانک نکولینکا کے سینے سے سسکیاں برآمد ہونے لگیں اور وہ رونا شروع ہو گیا۔

اسے ڈیسال کی آواز سنائی دی ''کیا طبیعت خراب ہے؟''

نکولینکا نے جواب دیا ''نہیں'' اور دوبارہ تکیے پر سر رکھ کر لیٹ گیا۔ اس نے سوچا ''وہ کتنے اچھے اور مہربان ہیں، مجھے ان سے محبت ہے مگر چچا پیری! اوہ، وہ کس قدر حیران کن شخص ہیں! اور میرے والد؟ والد! والد! ہاں، میں کوئی ایسا کام کروں گا کہ وہ مطمئن ہو جائیں گے۔۔۔''